مختصر القدوری کی جامع وجدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط ومناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

مختصر القدوری

شارح
حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند
استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

مختصر القدوری کی جامع و جدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط و مناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

مختصر القدوری

جلد ثانی

از کتاب البیوع تا کتاب الجنایات

شارح

حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑی تاجپورہ

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 32213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : جنوری ۲۰۱۱ء علمی گرافکس

ضخامت : 1344 صفحات 3 جلد میں

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

...... ملنے کے پتے ......

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

تأثرات

الحمدلله رب العالمین والصلاة والسلام علی سید المرسلین صلی الله علیه وسلم وبعد!

سعدنا کثیرًا بزیارة الجامعة الاسلامیة ریرهی تاجفوره وسعدنا کثیرًا بالجهد المبذول والتفانی من اعضاء اسرة الجامعة والتی نأمل ان تنتشر جهودها لنشر الدین الاسلامی فی أرجاء المعمورة والله اسأل ان یقدر لهذا الکتاب «أنوار القدوری - شرح اردو - مختصر القدوری» لشارحه حضرت مولانا مفتی وسیم احمد صاحب قاسمی استاذ جامعة اسلامیة ریرهی تاجفوره ان ینتفع به المسلمون فی کل العالم وأن یلقی ثواب هذا العمل الجلیل عندالله ان شاء الله . والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

ریرهی تاجفوره فی السبت
١٤/٤/١٤٢٥ ﻫ
١٣/٥/٢٠٠٦م

عاطفا محمد الخضری (مصر)
مناحی محمد العتیبی (السعودیة)
محمد مسحل العتیبی (السعودیة)
لاحق لافی العتیبی (السعودیة)

فہرست مضامین

كِتَابُ الْبُيُوْعِ

یہ کتاب خرید وفروخت کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت

انسان کی عملی زندگی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔ چونکہ حقوق اللہ میں عمومیت ہے اس لئے مصنف علامؒ نے پہلے عبادات کو بیان کیا ہے اب یہاں سے ان چیزوں کو بیان کریں گے جن کا تعلق خالص معاملات سے ہے۔ جیسے بیع، نکاح، وغیرہ۔

بیع کی لغوی تعریف: بیع: باع یبیع بیعاً سے مشتق ہے، بیچنا، مال کو مال کے بدلے میں دینا،

اصطلاحی تعریف: آپس کی رضامندی سے ایک مال کو دوسرے مال سے بدل لینے کو بیع کہتے ہیں۔

(عینی شرح ہدایہ، ص۲، ج۳)

بیع کا ثبوت: بیع جائز ہونے کی دلیل یہ آیتِ شریفہ ہے، وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو (پارہ۳، آیت ۲۷۵) اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خرید وفروخت جائز ہے۔

فائدہ: بیوع بیع کی جمع ہے یہ مصدر ہے اور مصدر کو تثنیہ وجمع نہیں لایا جاتا مگر یہاں صیغہ جمع کا استعمال اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ بیع مبیع اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے اور مبیع کی متعدد قسمیں ہیں۔ چنانچہ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ مبیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہے (۱) مقایضہ (بیع العین بالعین) یعنی مبیع اور ثمن دونوں جنس مال ہوں مثلاً رومال کو چادر کے بدلے بیچنا (۲) بیع مطلق (بیع العین بالنقد) یعنی کسی چیز کو نقد کے بدلے بیچنا جیسے بائع ایک کوئنٹل چاول دے اور مشتری اس کی قیمت ۱۵۰۰ روپئے ادا کرے عام طور سے یہ قسم رائج ہے۔

(۳) بیع صرف (بیع النقد بالنقد) یعنی نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے جیسے سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو چاندی کے بدلے بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔

(۴) بیع سلم (بیع النقد بالمؤجل) یعنی بائع قیمت ابھی لے اور مبیع کچھ دنوں کے بعد دے۔

ثمن کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں

(۱) مرابحہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے میں خریدا بائع مشتری کو صاف بتائے کہ میں نے دس روپے میں یہ مبیع خریدی ہے اور دو روپئے نفع لے کر بارہ روپئے میں آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں۔

(۲) تولیہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کو بتائے کہ میں دس روپے میں یہ مبیع خریدی ہے اور دس ہی میں بیچتا ہوں۔

(۳) وضیعہ: اصل قیمت سے کم کے عوض بیچنا۔

(۴) مساومۃ: اس قیمت کے عوض فروخت کرنا جس پر بائع اور مشتری دونوں کا اتفاق ہو گیا ہو۔

عقد بیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں

(۱) نافذ (۲) موقوف (۳) فاسد (۴) باطل (تفصیلات آگے آرہی ہیں)

(۱/۸۲۱) اَلْبَیْعُ یَنْعَقِدُ بِالْاِیْجَابِ وَالْقَبُوْلِ اِذَا کَانَا بِلَفْظِ الْمَاضِیْ

ترجمہ: بیع منعقد ہو جاتی ہے ایجاب اور قبول سے جبکہ دونوں (ایجاب وقبول) فعل ماضی کے صیغہ سے ہوں۔

تشریح: بیع کا تحقق ایجاب وقبول سے ہوتا ہے یعنی ایک آدمی کہے کہ میں نے خریدا اور دوسرا کہے کہ میں نے بیچ دیا تو اس ایجاب وقبول سے بیع منعقد ہو جائے گی لیکن شرط یہ ہے کہ یہ دونوں کلمات فعل ماضی کے ہوں، چونکہ معاملات میں بات پکی ہونی ضروری ہے اور فعل ماضی کے استعمال سے بات پکی ہوتی ہے اس لئے بات پکی کرنے کے لئے فعل ماضی کا صیغہ استعمال کرنا ہوگا۔

ایجاب وقبول کی تعریف: متعاقدین میں سے جس کا کلام پہلے مذکور ہو اس کو ایجاب کہتے ہیں اور جو اس کے بعد مذکور ہو اس کو قبول کہتے ہیں، ایجاب وقبول کا ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ بائع اور مشتری کی رضامندی کے بغیر بیع نہیں ہوتی اور رضامندی کا اظہار ایجاب وقبول سے ہوگا۔

(۲/۸۲۲) وَاِذَا اَوْجَبَ أَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ الْبَیْعَ فَالْآخَرُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ قَبِلَ فِی الْمَجْلِسِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهُ

ترجمہ: (۲/۸۲۲) اور جب ایجاب کر لیا خرید و فروخت کرنے والوں میں سے ایک نے بیع کا تو دوسرے کو اختیار ہے اگر چاہے تو قبول کرے اسی مجلس میں اور اگر چاہے تو اس کو رد کر دے۔

تشریح: ایک کے بیع کے ایجاب کرنے کے بعد دوسرے کو اختیار ہے چاہے اس کو قبول کرے چاہے اس کو رد کر دے، لیکن قبول کرنے کا اختیار مجلس باقی رہنے ہی تک ہوگا مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ اگر مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کرنے کا اختیار دیا جائے تو ایجاب کرنے والے کو بہت زیادہ انتظار کرنا پڑے گا جس سے اس کا حرج ہوگا اور مجلس کے ختم تک قبول کا اختیار اس لئے ہے کہ اگر فوراً قبول کرنے کی شرط لگا دی جائے تو قبول کرنے والے کو سوچنے کا موقع بھی نہیں ملے گا اس لئے شریعت مطہرہ نے دونوں کی رعایت رکھتے ہوئے مجلس

پر دارومدار رکھا اس قبول کو خیار قبول کہتے ہیں۔

(۳/۸۲۳) فَأَيُّهُمَا قَامَ مِنَ الْمَجْلِسِ قَبْلَ الْقَبُوْلِ بَطَلَ الْإِيْجَابُ

ترجمہ چنانچہ جو بھی اٹھ کھڑا ہو مجلس سے، قبول سے پہلے تو ایجاب باطل ہو جائے گا

تشریح: متعاقدین میں سے ایک کے ایجاب کے بعد اگر ان میں سے کوئی ایک قبول کرنے سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا تو ایجاب باطل ہو جائے گا اور قبول کرنے کا اختیار باقی نہ رہے گا چونکہ قبول کرنے کا اختیار مجلس تک ہی تھا اس لئے مجلس ختم ہونے کے بعد قبول کا اختیار نہیں ہوگا اور ایجاب ختم ہو جائے گا کیونکہ مجلس سے اٹھ جانا ایجاب سے اعراض کی دلیل ہے اور ہر وہ عمل جو اعراض پر دلالت کرتا ہے اس سے بھی مجلس ختم ہو جاتی ہے اور ایجاب باطل ہو جائے گا مثلاً ایجاب کے بعد قبول کرنے والا مجلس ہی میں کسی اور کام میں مشغول ہو گیا جیسے کھانا پینا، گفتگو کرنا، نماز پڑھنے لگنا وغیرہ وغیرہ۔

(۴/۸۲۴) فَإِذَا حَصَلَ الْإِيْجَابُ وَالْقَبُوْلُ لَزِمَ الْبَيْعُ وَلَا خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَّا مِنْ عَيْبٍ أَوْ عَدَمِ رُؤْيَةٍ

ترجمہ: جب حاصل ہو جائے ایجاب وقبول تو لازم ہو جائے گی بیع، اور اختیار نہیں ہوگا ان دونوں میں سے کسی کو، مگر عیب اور نہ دیکھنے کی وجہ سے۔

تشریح: بائع اور مشتری دونوں نے ایجاب اور قبول کر لیا اب بیع مکمل ہو گئی چاہے مجلس موجود ہو پھر بھی کسی کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں ہے ہاں اگر مبیع میں عیب ہو یا مبیع کو دیکھا نہ ہو تو خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے بیع توڑنے کی اجازت ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ حنفیہ کے نزدیک خیار مجلس کسی کو نہیں ہوگا۔

خیار مجلس

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بائع اور مشتری نے آپس میں ایجاب وقبول کر لیا تو اگر چہ عقد مکمل ہو گیا لیکن جب تک مجلس باقی ہے اس وقت تک فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ ایک طرفہ طور پر بیع کو فسخ کر دے لیکن اگر مجلس ختم ہو جائے گی تو یہ اختیار بھی ساقط ہو جائے گا اس خیار کو خیار مجلس کہتے ہیں۔

اختلاف الائمة

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عاقدین کو خیار مجلس حاصل ہوتا ہے یعنی قبول کرنے کے بعد اور بیع مکمل ہونے کے بعد بھی مجلس بیع موجود ہو تو دونوں کو اپنی اپنی بات واپس لینے اور بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

دلیل: حضرت حکیم بن حزام کی حدیث ہے اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا (بخاری ۱/۲۷۹) یعنی بائع اور

مشتری میں سے ہرایک کو خیار مجلس حاصل ہے جب تک کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں۔

جواب (۱): یہ حدیث خبر واحد ہے جو کہ آیت قرآنیہ کے مقابلہ میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

(۲) اس حدیث میں خیار سے خیار قبول مراد ہے خیار مجلس مراد نہیں ہے یعنی بائع کو ایجاب واپس لینے کا اختیار اور مشتری کو قبول کرنے کا اختیار اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک مجلس باقی ہو اور جب مجلس ختم ہو جائے تو خیار قبول ختم ہو جاتا ہے اور مالم یتفرقا سے مراد تفرق بالابدان نہیں بلکہ تفرق بالاقوال (ایجاب وقبول) مراد ہے۔

حنفیہ ومالکیہ: حنفیہ ومالکیہ خیار مجلس کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ جب عاقدین کے درمیان ایجاب وقبول ہو گیا تو اب بیع تام ہو گئی اب کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔

دلیل: قرآن کریم میں ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ رکوع ۱) اے ایمان والو! عقود کا ایفاء کرو۔ عقود عقد کی جمع ہے اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے لہٰذا جب ایجاب وقبول کر لیا تو عقد منعقد ہو گیا، اس آیت میں عقد تام ہونے کے بعد اس کے پورا کرنے کو لازم قرار دیا گیا ہے اب اگر ہم خیار مجلس کو ثابت کریں تو اس ایفاء کے لازم ہونے کی نفی ہو جائے گی اور مطلب یہ ہو جائے گا کہ عقد تام ہو جانے کے بعد ایفاء ضروری نہیں ہے بلکہ عاقدین کو اختیار ہے۔

(۸۲۵/۵) وَالْأَعْوَاضُ الْمُشَارُ اِلَيْهَا لَايَحْتَاجُ اِلٰى مَعْرِفَةِ مِقْدَارِهَا فِي جَوَازِ الْبَيْعِ

لغت: الأعواض: عوض کی جمع ہے بدلے کی چیز یہاں مبیع یا ثمن مراد ہے

ترجمه: اور بدلے کی چیز جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو، ضرورت نہیں اس کی مقدار پہچاننے کی بیع کے درست ہونے میں۔

بیع کی شرطوں کا بیان

تشریح: الاعواض سے مراد مبیع یا ثمن ہیں جو بدلے میں دیئے جاتے ہیں اگر مبیع یا ثمن سامنے موجود ہوں اور بیع کرتے وقت ان کی طرف اشارہ کر دیا ہو تو بیع کے جائز ہونے میں اس کو جاننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی مقدار کتنی ہے؟ کتنے کلو ہے؟ کتنی تعداد ہے؟ اس کے متعین کئے بغیر بھی بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ اشارہ شناخت کے لئے کافی ہے ایسی صورت میں بائع اور مشتری کے درمیان اختلاف کا کوئی خوف نہیں ہے مثلاً خریدار کہے کہ میں نے سرسوں کا یہ ڈھیر ان پیسوں کے بدلے میں خریدا جو میرے ہاتھ میں ہیں تو یہ بیع جائز ہے حالانکہ مبیع یعنی سرسوں کی مقدار اور پیسوں کی مقدار معلوم نہیں ہے پھر بھی بیع جائز ہے۔

(۸۲۶/۶) وَالْاَثْمَانُ الْمُطْلَقَةُ لَاتَصِحُّ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ مَعْرُوْفَةَ الْقَدْرِ وَالصِّفَةِ

حل لغات: الأثمان المطلقة: جو ثمن غائب ہو یا اس کی مقدار یا صفت معلوم نہ ہو۔ القدر: مقدار مثلا کتنے کو نٹل ہے۔

ترجمه: اور مطلق ثمن، صحیح نہیں ہے اس سے بیع مگر یہ کہ معلوم ہو اس کی مقدار اور صفت۔

تشریح: امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جو چیز سامنے نہ ہو بلکہ غائب ہو اور اس کی طرف اشارہ نہ کیا جا رہا ہو کہ اس کی مقدار کتنے کلو ہے یا اس کی تعداد کتنی ہے اور صفت یعنی اچھی ہے یا خراب جب تک معلوم نہ ہو اس وقت تک اس سے بیع کرنا صحیح نہیں ہے۔

دلیل: عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عن رسولِ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انهٗ نهٰی عَنْ بَیْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ (مسلم ۲/۲ باب تحریم بیع حبل الحبلة)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملہ جانور کے حمل کو اور حمل کے حمل کو بیچنے سے منع فرمایا۔ چونکہ حاملہ جانور کے اندر کا بچہ دیکھا نہیں جا سکتا اور حمل کی صفت مجہول ہے، مقدار بھی معلوم نہیں اس لئے اس کا فروخت کرنا ناجائز قرار دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس غائب کی مقدار اور صفت معلوم نہ ہو اس کو بیچنا یا اس سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں۔

(۸۲۷/ ۷) وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِثَمَنٍ حَالٍّ وَمُؤَجَّلٍ اِذَا كَانَ الْاَجَلُ مَعْلُوْماً.

حل لغات: حال: حول سے مشتق ہے بمعنی نقد، الأجل: مدت جمع آجال، مؤجل: اسم مفعول باب تفعیل، مصدر تاجیل کسی چیز کی مدت مقرر کرنا یا مہلت دینا، مؤجل: ادھار

ترجمه: اور جائز ہے بیع نقد اور ادھار ثمن کے ساتھ جب کہ مدت متعین ہو۔

تشریح: ثمن ادا کرنے کی تاریخ متعین نہ ہو تو مشتری ثمن ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے گا اور جھگڑا کرے گا اس لئے بیع کے وقت ہی ثمن دینے کی تاریخ متعین کرنا چاہئے۔

بیع نقد اور ادھار دونوں طرح اس لئے جائز ہے کہ آیت میں مطلق بیع کرنے کے لئے کہا گیا ہے احل اللہ البیع وحرم الربوٰ اس میں نقد اور ادھار کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے دونوں طرح جائز ہے۔

(۸۲۸/ ۸) وَمَنْ اَطْلَقَ الثَّمَنَ فِى الْبَيْعِ كَانَ عَلٰى غَالِبِ نَقْدِ الْبَلَدِ فَاِنْ كَانَتِ النُّقُوْدُ مُخْتَلِفَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ اَحَدَهَا.

لغت: نقد البلد: شہر کا سکہ

ترجمه: اور جس نے ثمن مطلق رکھا بیع میں، تو محمول ہوگا شہر میں رائج ہونے والے سکہ پر چنانچہ اگر سکے مختلف رائج ہوں تو بیع فاسد ہوگی مگر یہ کہ کسی ایک کو بیان کر دے۔

تشریح: اگر کسی شہر میں مختلف سکے رائج ہوں اور بیع کرتے وقت کسی کو ایک متعین نہیں کیا تو اگر کسی ایک سکے

کارواج زیادہ ہوتو وہی سکہ مراد ہوگا کیونکہ جس کا رواج زیادہ ہوتا ہے بیع کرتے وقت دونوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے اس لئے وہی مراد ہوگا، اور بیع درست ہو جائے گی مثلاً دہلی میں متعدد سکے چلتے ہیں جن میں ہندوستانی سکے کے علاوہ پاکستانی، نیپالی، انڈونیشی روپے بھی شامل ہیں اب کسی نے بیع کرتے وقت کہا کہ میں نے پندرہ روپے میں بیچا تو اس سے مراد ہندوستانی روپیہ ہی ہوگا کیونکہ یہی روپیہ متعارف ہے۔ لیکن اگر تمام ہی سکوں کا رواج برابر ہے اور ہر ایک کی مالیت مختلف ہے تو اب جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی کیونکہ بائع اعلی سکہ مانگے گا اور مشتری ادنی سکہ دینا چاہے گا اور سکہ کوئی متعین نہیں ہے اس لئے جھگڑا ہی ہوگا اور بیع فاسد ہو جائے گی، ہاں جواز کی ایک شکل ہے کہ اگر وہ یہ مجلس ختم ہونے سے پہلے ہی کسی ایک سکے کی نشاندہی کر دی جائے تو وہی سکہ متعین ہو کر بیع جائز ہو جائے گی۔

(۹/۸۲۹) وَيَجُوْزُ بَيْعُ الطَّعَامِ وَالْحُبُوْبِ كُلِّهَا مُكَايَلَةً وَمُجَازَفَةً، وَبِانَاءٍ بِعَيْنِهِ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهُ أَوْبِوَزْنِ حَجَرٍ بِعَيْنِهِ لَايُعْرَفُ مِقْدَارُهُ

حل لغات: الطعام: گیہوں اور اس کا آٹا مراد ہے، الحبوب، حب کی جمع ہے جو، مکئی، باجرہ وغیرہ مراد ہے۔ مکایلۃ: کیل کرکے، مجازفۃ: اٹکل سے، اندازہ سے فروخت کرنا، اناءٌ: برتن، حجر، جمع احجار معنی پتھر۔

ترجمہ: اور جائز ہے بیع ہر قسم کے غلہ کی کیل کرکے اور اٹکل سے اور ایسے متعین برتن سے کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو یا متعین پتھر کے وزن سے جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔

تشریح: جو مبیع سامنے موجود ہو اور غلہ اور کھانے کی جنس سے ہو دراہم اور دنانیر نہ ہوں تو اس کو چار طریقوں سے بیچنا جائز ہے جس کا تذکرہ امام قدوری نے متن میں کیا ہے۔ (۱) برتن میں کیل کرکے بیچے (۲) مبیع کی مقدار معلوم نہ ہو صرف اٹکل سے بیچے تب بھی جائز ہے لیکن اسی وقت جائز ہوگا جب کہ اس کو خلاف جنس کے عوض بیچا ہو مثلاً گندم کو جو کے عوض فروخت کیا ہو اور اگر اس کی جنس کے عوض اندازے سے فروخت کرے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں سود کا احتمال ہے۔ (۳) ایک برتن ہے جس کا وزن یا کیل معلوم نہیں ہے کہ اس میں کتنے گیہوں سماتے ہیں لیکن بائع اور مشتری کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ ہر برتن بھر غلہ کے بدلے پچاس روپے دونگا تو بیع جائز ہو جائیگی (۴) ایک پتھر ہے جس کی مقدار معلوم نہیں کہ کتنے کلو وزن کا ہے پھر بھی دونوں کے درمیان یہ طے ہو جائے کہ ہر پتھر کے وزن کے بدلے بیس روپے دونگا تو بیع جائز ہو جائیگی۔

یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ وہ برتن لوہے یا لکڑی یا کسی ایسی چیز کا بنا ہوا ہو کہ اس میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال نہ ہو اسی طرح پتھر میں ٹوٹنے پھوٹنے کا احتمال نہ ہو اگر احتمال ہے تو بیع درست نہ ہوگی۔

(۱۰/۸۳۰) وَمَنْ بَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ كُلَّ قَفِيْزٍ بِدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ فِيْ قَفِيْزٍ وَاحِدٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَبَطَلَ فِي الْبَاقِيْ اِلَّا اَنْ يُسَمِّيْ جُمْلَةَ قُفْزَانِهَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَصِحُّ فِي الْوَجْهَيْنِ.

حل لغات: صبرة: جمع صبار غلے کا ڈھیر۔ قفیز: جمع قفزان ناپنے کا ایک پیمانہ۔

ترجمہ: اور جس شخص نے بیچا اناج کا ایک ڈھیر ہر قفیز ایک درہم میں تو جائز ہوگی بیع صرف ایک قفیز میں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور باطل ہوگی باقی میں مگر یہ کہ اس کے تمام قفیز متعین کردے اور صاحبین نے فرمایا کہ صحیح ہے دونوں صورتوں میں۔

تشریح: ایک غلہ کا ڈھیر ہے لیکن پورے غلہ کی قیمت بیک وقت نہیں لگائی گئی اور نہ یہ معلوم ہے کہ ڈھیر میں کتنے کلو غلہ ہے اور اس کی مجموعی قیمت کتنے روپئے ہے اس کا پتہ تو ناپنے کے بعد چلے گا ایسی صورت میں بائع کہتا ہے کہ ہر قفیز ایک درہم کا ہے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ایک قفیز میں بیع جائز ہوگی کیونکہ مبیع اور ثمن دونوں مجہول ہیں اس لئے کہ ابھی پورے ڈھیر کی نہ مقدار معلوم ہے نہ اس کی مجموعی قیمت معلوم ہے اس لئے ادنی درجہ کی طرف پھیرا جائے گا اور ایک قفیز ہی کی بیع ہوگی ہاں اگر پورا ڈھیر ناپ دے اور اس کی مجموعی قیمت بھی بتادے اور اس پر بعد میں متعاقدین راضی ہوجائیں تو اب پورے ڈھیر کی بیع جائز ہوجائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کا قاعدہ یہ ہے کہ ایجاب وقبول سے پہلے پوری مبیع اور اس کی پوری قیمت معلوم ہونا ضروری ہے اگر پورے ڈھیر کی مقدار کی مجہول ہو تو بیچنا ممنوع ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ناپ کر پورے ڈھیر کی مقدار اور اس کی مجموعی قیمت کا معلوم کرنا بائع اور مشتری کے ہاتھ میں ہے وہ فوراً ناپ لیں گے اور قیمت معلوم ہوجائے گی اور مجلس ختم ہونے سے پہلے یہ کام ہوجائے گا تو کوئی جھگڑا نہ ہوگا اس لئے دونوں صورتوں میں بیع صحیح ہے۔

(۸۳۱/۱۱) وَمَنْ بَاعَ قَطِيعَ غَنَمٍ كُلَّ شَاةٍ بِدِرْهَمٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ فِي جَمِيعِهَا.

حل لغات: قطیع: بکریوں کا مجموعہ، بکریوں کا ریوڑ۔ غنم: بکری۔

ترجمہ: اور جس شخص نے بیچا بکریوں کا ریوڑ، ہر بکری ایک درہم کی تو بیع فاسد ہے تمام ہی بکریوں میں۔

تشریح: کسی نے بکریوں کا ایک ریوڑ بیچا اور کہا کہ ہر بکری ایک درہم کے عوض میں ہے تو امام صاحب کے نزدیک ایک بکری میں بھی بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ کوئی بکری موٹی ہوتی ہے اور کوئی دبلی، اس لئے اگر ایک بکری کی بیع جائز قرار دیں تو جھگڑا ہوگا بائع چاہے گا کہ دبلی اور کمزور دوں اور مشتری موٹی طاقتور لینا چاہے گا اس لئے ایک بکری کی بھی بیع درست نہیں ہوگی اور پورے ریوڑ کی بیع اس وجہ سے درست نہیں ہوگی کہ پورے ریوڑ کی تعداد معلوم نہیں۔

بکری کے ریوڑ اور غلہ کے ڈھیر کے حکم میں فرق

وجہ فرق یہ ہے کہ ہر بکری دوسری بکری سے وزن، قیمت اور قوت وضعف میں جداگانہ ہوتی ہے اگر وہ بیع میں متعین نہ ہو تو یہ جہالت مفضی الی النزاع ہوگی جو ممنوع ہے اور گیہوں کے تمام اجزاء برابر ہوتے ہیں وہاں اجزاء کی جہالت باعث نزاع نہیں ہے اس لئے اس کی بیع درست ہوگی۔

مذکور مسئلہ میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ بکریوں کے پورے ریوڑ میں بیع جائز ہے کیونکہ مبیع اور ثمن اگرچہ مجہول ہیں لیکن جہالت کو دور کرنا متعاقدین کے ہاتھ میں ہے اس طرح کہ ریوڑ کی بکریوں کو شمار کرلیں۔

(۱۲/۸۳۲) وَكَذالِكَ مَنْ بَاعَ ثَوْباً مُذَارَعَةً كُلَّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَلَمْ يُسَمِّ جُمْلَةَ الذُّرْعَانِ

حل لغات: مُذَارَعَةً: ذراع سے مشتق ہے ہاتھ سے ناپ کر، اَلذُّرْعَانُ، ذراع کی جمع گز۔

ترجمه: اور اسی طرح جس نے کپڑا بیچا گزوں کے حساب سے ہر گز ایک درہم میں اور تمام گز بیان نہیں کئے۔

تشریح: کسی نے کپڑے کا تھان بیچا اور کہا کہ ہر گز ایک درہم کے عوض ہے اور تمام گز بیان نہیں کئے تو پورے تھان کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ نہ اس کی پوری مقدار معلوم ہے اور نہ مجموعی قیمت معلوم ہے اور ایک گز کی بیع اس لئے نہیں ہوگی کہ ہر گز میں تفاوت ہے بائع گھٹیا دینا چاہے گا اور مشتری اعلیٰ گز لینا چاہے گا جھگڑے کی وجہ سے ایک گز کی بھی بیع نہ ہوگی۔

فائده: آج کل کی طرح پورا تھان ایک ہی انداز کا ہو تو ایک گز کی بیع ہو جائے گی یا دوبارہ پورا تھان ناپ کر پورے تھان کی بیع کرے تب بھی از سر نو رضامندی کی وجہ سے پورے تھان کی بیع جائز ہو جائے گی۔

(۱۳/۸۳۳) وَمَنِ ابْتَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ عَلیٰ أَنَّهَا مِائَةُ قَفِيْزٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ كَانَ الْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ أَخَذَ الْمَوْجُوْدَ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ وَاِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ فَالزِّيَادَةُ لِلْبَائِعِ.

ترجمه: اور جس آدمی نے خریدا غلہ کا ڈھیر اس شرط پر کہ وہ سو قفیز ہے سو درہم میں پھر پایا مشتری نے اس کو اس سے کم تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو لیلے موجودہ غلہ کو اس کے حصہ کی قیمت دیکر اور اگر چاہے تو بیع کو فسخ کردے اور اگر پایا اس کو سو قفیز سے زیادہ تو زیادہ بائع کے لئے ہے۔

تشریح: ایک غلہ کا ڈھیر ہے اور اس میں سو قفیز گیہوں ہے اب بائع یہ کہتا ہے کہ سو درہم کے بدلے دونگا چونکہ مقدار بھی معلوم ہو چکی ہے اور مجموعی قیمت بھی سو درہم معلوم ہے اس لئے پورے ڈھیر کی بیع ہوئی لیکن ناپنے کے بعد نوے (۹۰) قفیز نکلا چونکہ بائع نے یہ بھی کہا تھا کہ سو قفیز ہے اور سو درہم کے عوض میں دونگا تو ایک قفیز ایک درہم کا ہوا تو نوے قفیز کے نوے درہم ہی لازم ہونگے جتنا گیہوں اتنا ہی ثمن لازم ہوگا لیکن بائع کی طرف سے سو قفیز کی بات تھی اور مشتری کو اس سے کم ملا تو وعدہ کے مطابق اس کو نہیں مل سکا اس لئے اس کو اختیار ہوگا چاہے تو نوے درہم سے نوے قفیز لے اور چاہے تو بیع فسخ کردے اور اگر گیہوں سو قفیز سے زیادہ نکلے تو چونکہ سو قفیز ہی دینے کی بات تھی اس لئے یہ زیادہ گیہوں بائع کے ہوں گے۔

(۱۴/۸۳۴) وَمَنِ اشْتَرىٰ ثَوْباً عَلیٰ أَنَّهٗ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ أَوْ أَرْضاً عَلیٰ أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ

دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ فَالْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ أَخَذَ هَابِجُمْلَةِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَاِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ مِنَ الذِّرَاعِ الَّذِي سَمَّاهُ فَهِيَ لِلْمُشْتَرِي وَلَا خِيَارَ لِلْبَائِعِ.

ترجمہ : اور جس نے کپڑا خریدا اس شرط پر کہ وہ دس گز ہے دس درہم میں، یا زمین اس شرط پر کہ وہ سو گز ہے سو درہم میں پھر پایا اس نے اس کو اس سے کم تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو لیلے اس زمین اور کپڑے کو پوری قیمت میں اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے اور اگر اس سے زیادہ پایا جتنا متعین کیا تھا تو وہ سب مشتری کا ہے اور بائع کو کوئی اختیار نہیں ہے۔

تشریح : مسئلہ کی وضاحت سے پہلے ''اصل'' اور ''وصف'' کی تعریف سمجھنا مناسب ہے تا کہ مسئلہ کی مکمل وضاحت ہو سکے۔

اصل: اگر کوئی چیز ٹکڑے کر دینے سے عیب دار نہ ہو تو اس میں کمی زیادتی کو اصل کہتے ہیں، جیسے کیلی اور وزنی چیزوں میں کمی زیادتی اصل ہے۔

وصف: اگر کوئی چیز ٹکڑے کر دینے سے عیب دار ہو جاتی ہے تو اس میں کمی زیادتی کو وصف کہتے ہیں جیسے پیمائشی چیزوں میں گز وصف ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ وصف کے مقابلہ میں الگ سے کوئی قیمت نہیں ہوتی اور اصل کے مقابلہ میں قیمت ہوتی ہے۔ اب اصل مسئلہ سمجھیں۔

ایک شخص نے کپڑا اس شرط پر خریدا کہ یہ دس گز دس درہم کے بدلے ہے یا زمین اس شرط پر خریدی کہ یہ سو گز سو درہم کے عوض ہے لیکن جب اسے ناپ کر دیکھا گیا تو وہ بیان کردہ گزوں سے کم نکلی اور کپڑے اور زمین میں گز سے ناپنا ایک وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں الگ سے کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے دس گز یا سو گز صرف ترغیب کے لئے ہے ہر گز کے بدلے ایک درہم نہیں ہوا گویا کہ پورے تھان کی قیمت دس درہم ہے اور پوری زمین کی قیمت سو گز ہے خواہ تھان یا زمین میں گز زیادہ ہوں یا کم، اس لئے اگر مشتری لینا چاہتا ہے تو پورے دس درہم اور سو درہم دے کر پورا تھان اور پورا ٹکڑا زمین کا لے لے چاہے گز کم ہوں یا زیادہ، لیکن گز کم ہونے کی صورت میں خریدار کی رغبت کم ہے اس وجہ سے اسے چھوڑنے کا بھی اختیار ہوگا۔

اور اگر زمین یا کپڑا مقررہ گزوں سے زیادہ نکلا تو وہ زیادتی مشتری کے لئے ہوگی اور بائع کو روکنے کا اختیار اس لئے نہیں ہوگا کہ گز ایک وصف ہے اور وصف کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں آتا اس لئے گز کے بڑھ جانے سے ثمن میں اضافہ نہیں ہوگا بر خلاف گیہوں والے مسئلے کے کہ وہاں اگر مقررہ مقدار سے زیادہ نکلے تو وہ بائع کے ہونگے کیونکہ کیلی چیزوں میں کمی زیادتی اصل ہے اور اصل ہی کے مقابلے میں قیمت ہوا کرتی ہے۔

(۱۵/۸۳۵) وَاِنْ قَالَ بِعْتُكَهَا عَلٰى أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا نَاقِصَةً فَهُوَ

بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِحِصَّتِهَا مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهَا وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً كَانَ الْمُشْتَرِیْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْجَمِيْعَ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ فروخت کی میں نے تجھ کو یہ زمین اس شرط پر کہ یہ سوگز ہے سو درہم میں ہر گز ایک درہم کے بدلے پھر اس کو کم پایا تو اسے اختیار ہے اس زمین کو لے لے اس کے حصہ کے مطابق ثمن سے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اور اگر زمین کو زیادہ پایا تو مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو پوری زمین کو لے ہر گز ایک درہم کے بدلے میں اور اگر چاہے تو بیع توڑ دے۔

تشریح: کپڑے اور زمین میں گز صفت ہے لیکن اگر صفت کو اصل بنا دیا جائے تو اس کے مقابلہ میں الگ سے قیمت ہوگی یہاں بائع نے جب یہ کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں تو ہر گز کو اصل بنا دیا اور اب ہر گز کے بدلے میں ایک درہم ہوگا اس لئے جتنے گز ہونگے اتنے ہی درہم لازم ہونگے کم ہونگے تو اس کے حساب سے کم اور اگر زیادہ ہونگے تو اس کے حساب سے زیادہ درہم ہونگے، البتہ گز کم ہونے کی صورت میں مشتری کو وعدہ کے مطابق زمین نہیں ملی اس لئے اسے لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(۸۳۶/۱۶) وَلَوْ قَالَ بِعْتُ مِنْكَ هٰذِهِ الرِّزْمَةَ عَلٰى اَنَّهَا عَشَرَةُ اَثْوَابٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ثَوْبٍ بِعَشَرَةٍ فَاِنْ وَجَدَهَا نَاقِصَةً جَازَ الْبَيْعُ بِحِصَّتِهٖ وَاِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ.

حل لغات: الرِزْمَة: گٹھری جمع رِزَمٌ، ثَوْبٌ کپڑا، تھان۔

ترجمہ: (۸۳۶)(۱۵) اور اگر کہا کہ بیچ دی میں نے تجھ کو یہ گٹھری اس شرط پر کہ اس میں دس کپڑے ہیں سو درہم کے بدلے ہر کپڑا دس درہم کے بدلے پھر اگر پائے ان کو کم تو جائز ہوگی بیع اس کے حصہ کے مطابق اور اگر پائے اس کو زائد تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح: ایک گٹھری میں دس تھان کپڑے کے تھے اور ہر تھان الگ الگ انداز کا تھا، بائع نے کہا کہ اس شرط پر پوری گٹھری فروخت کرتا ہوں کہ دس تھان کپڑے کے ہیں اور ہر تھان دس درہم کا ہے اب گٹھری میں نو تھان نکلے تو مشتری نو درہم کے نو تھان لے اور چونکہ کپڑے کم ہیں اس لئے چھانٹنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوگا اور اگر گیارہ کپڑے نکلے تو ایک کپڑے کے چھانٹنے میں اختلاف ہوگا مشتری بڑھیا لینا چاہیگا اور بائع گھٹیا دینا چاہے گا لڑائی جھگڑا ہوگا اس لئے اس صورت میں بیع فاسد ہوگی۔

(۸۳۷/۱۷) وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ بِنَاؤُهَا فِي الْبَيْعِ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّهٖ.

حل لغات: دار: گھر، مکان، رہنے کی جگہ، جمع دُوْرٌ۔ بناء: عمارت۔

ترجمہ: (۸۳۷)(۱۶) اور جس نے بیچا گھر تو داخل ہوگی اس کی عمارت بیع میں اگر چہ اس کا نام نہ لیا ہو۔

جو چیزیں بغیر تذکرہ کے بیع میں داخل ہوتی ہیں اور جو داخل نہیں ہوتیں

تشریح: کسی نے گھر بیچا تو وہ چیزیں جو گھر کے ساتھ عرف میں شامل ہوتی ہیں اور ہمیشہ اور دوام کے طور پر اس کے ساتھ چپکی رہتی ہیں وہ تمام چیزیں خود بخود داخل ہو جائیں گی چاہے بیع کرتے وقت ان کا نام نہ لیا ہو جیسے عمارت، زینہ، بیت الخلاء۔

قاعدہ: جو چیز مبیع کے ساتھ دائمی طور پر متصل ہو وہ چیز اس کا نام لئے بغیر ہی بیع میں داخل ہو جائے گی۔

(۸۳۸/۱۸) وَمَنْ بَاعَ أَرْضاً دَخَلَ مَافِيهَا مِنَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ فِي الْبَيْعِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ

حل لغات: النخل: کھجور کا درخت، واحد نخلة۔ الشجر: درخت جمع اشجار۔

ترجمہ: (۸۳۸) (۱۸) کسی نے زمین بیچی تو اس میں جو کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہیں سب بیع میں داخل ہوں گے چاہے ان کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح: ایک شخص نے زمین فروخت کی اور اس زمین میں درخت ہیں تو یہ درخت زمین کی بیع میں داخل ہوں گے درخت خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے پھل دار ہوں یا نہ ہوں صراحۃً ان کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

دلیل: کھجور کے درخت اور دوسرے درخت ہمیشہ کے لئے زمین پر لگے رہتے ہیں کھیتی اور کاشتکاری کی طرح چار چھ ماہ میں کاٹ نہیں لئے جاتے، اس لئے وہ زمین کے جز کی طرح ہیں اس لئے جب زمین کی بیع کی تو درخت خود بخود داخل ہو جائیں گے لیکن اگر باقاعدہ بیع سے الگ کر دے تو پھر بیع میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۸۳۹/۱۹) وَلَا يَدْخُلُ الزَّرْعُ فِي بَيْعِ الْأَرْضِ إِلَّا بِالتَّسْمِيَةِ.

لغت: الزرع: کھیتی، کاشتکاری۔

ترجمہ: (۸۳۹) (۱۹) اور داخل نہیں ہوگی کھیتی زمین کی بیع میں مگر اس کا نام لینے سے

تشریح: زمین کے اندر کھیتی کھڑی ہوئی ہے تو زمین کی بیع میں کھیتی داخل نہ ہوگی ہاں اگر عقد بیع کے وقت زمین کے ساتھ کھیتی کا ذکر کر دیا تو کھیتی داخل ہو جائیگی۔

دلیل: کاشتکاری اور کھیتی وقتی طور پر زمین کے ساتھ متصل ہے وہ تو دو چار ماہ میں کٹ جائے گی اس لئے زمین کی بیع میں جب تک اس کا نام نہ لیا جائے کھیتی داخل نہ ہوگی۔

(۸۴۰/۲۰) وَمَنْ بَاعَ نَخْلاً أَوْ شَجَراً فِيهِ ثَمَرَةٌ فَثَمَرَتُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَهَا الْمُبْتَاعُ وَيُقَالُ لِلْبَائِعِ اِقْطَعْهَا وَسَلِّمِ الْمَبِيعَ

لغت: المُبْتَاعُ، اسم فاعل مصدر ابتیاع، خریداری۔

ترجمہ: (۸۴۰)(۲۰) اور جس نے بیچا کھجور کا درخت یا اور کوئی درخت جس میں پھل ہے تو اس کے پھل بائع کے لئے ہونگے مگر یہ کہ شرط کر لے اس کی خریدار، اور بائع سے کہا جائے گا ان کو توڑ لو اور مبیع کو حوالے کر دو۔

تشریح: اگر کسی نے پھل دار درخت فروخت کیا تو اس کے پھل بائع کے ہونگے یعنی درخت کی بیع ہونے کی صورت میں اس درخت پر لگا ہوا پھل خود بخود بیع کے اندر داخل نہیں ہوگا البتہ اگر مشتری صاف صاف یہ کہہ دے کہ میں درخت بھی خرید رہا ہوں اور اس کا پھل بھی خرید رہا ہوں تو اس صورت میں پھل بیع کے اندر داخل ہو جائے گا۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے کھجور کا ایسا درخت بیچا جس میں پھل آچکا ہو تو اس کا پھل بائع کے لئے ہے مگر یہ کہ مشتری شرط لگا دے (کہ میں پھل بھی لونگا تو مشتری کا ہو جائے گا) (بخاری شریف باب من باع نخلاً قد اُبِّرَتْ ص ۲۹۳ ج ا)

آگے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب درخت پر لگا ہوا پھل خود بخود بیع کے اندر داخل نہیں ہوا تو پھل بائع کا رہا اور درخت مشتری کا ہو گیا اور بائع کی ملکیت نے مشتری کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے حالانکہ دونوں کی ملکیت الگ الگ ہونی چاہئے اس لئے بائع سے کہا جائے گا کہ پھل توڑ و اور درخت خالی کر کے مشتری کے حوالے کر دو۔

(۲۱/۸۴۱) وَمَنْ بَاعَ ثَمَرَةً لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا أَوْ قَدْ بَدَا جَازَ الْبَيْعُ وَوَجَبَ عَلَى الْمُشْتَرِي قَطْعُهَا فِي الْحَالِ فَإِنْ شَرَطَ تَرْكَهَا عَلَى النَّخْلِ فَسَدَ الْبَيْعُ

حل لغات: يَبْدُ فعل مضارع مصدر بُدُوًّا، ظاہر ہونا، صلاح مصدر باب، ك، ف، ن، درست ہونا فساد کا زائل ہونا لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا جو پھل کارآمد نہ ہوا ہو اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہوئی ہو۔

ترجمہ: (۸۴۱)(۲۱) اور جس نے بیچے ایسے پھل جو کارآمد نہیں ہوئے تھے یا ہو گئے تھے تو جائز ہے بیع اور ضروری ہے مشتری پر ان کا توڑ لینا فوراً پھر اگر شرط لگائی ان کو درخت پر چھوڑ دینے کی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

بدو صلاح کا کیا مطلب ہے؟

تشریح: صلاح کا ظاہر ہونا ہمارے نزدیک یہ ہے کہ پھل آندھی وغیرہ کی آفت اور پالے وغیرہ کے فساد سے محفوظ ہو جائے پورا پکنا اور اس میں مٹھاس کا پیدا ہونا ضروری نہیں ہے اور شوافع کے نزدیک گدرانا اور مٹھاس کا شروع ہو جانا صلاح کا ظاہر ہو جانا ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی بیع صحیح ہے خواہ کارآمد ہو گئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔

دلیل: یہ بائع کا مال ہے اور اپنا مال وہ بیچ سکتا ہے اور کسی نہ کسی کام میں آئے گا تب ہی تو مشتری اس کو خرید رہا ہے اس لئے جو پھل کارآمد نہ بھی ہوئے ہوں ان کو بھی بائع فروخت کر سکتا ہے پھلوں کی بیع وشراء کے سلسلے میں یہاں چند

بحثیں ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) بیع بشرط القطع، اگر پھل درخت پر ظاہر ہو چکا ہو لیکن ابھی پکا نہ ہو تو ایسے پھل کی بیع کی تین صورتیں ہیں پہلی صورت کو بیع بشرط القطع کہتے ہیں یعنی پھلوں کی بیع ہو جانے کے بعد بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ یہ پھل ابھی توڑ کر لے جاؤ اور پھل فوراً توڑ کر لے جانا بیع کے اندر مشروط ہو بیع کی یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) بیع بشرط الترك، دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری بیع تو ابھی کر لیں لیکن عقد بیع کے اندر ہی یہ شرط لگا دیں کہ یہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا پکنے کے بعد مشتری یہ پھل توڑ کر لے جائے گا یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ آج کل لوگوں میں رواج یہ ہے کہ پھل آنے کے بعد فصل فروخت کی جاتی ہے اور عرف میں یہ شرط کے درجہ میں ہو گیا ہے کہ پھل پکنے تک توڑے گا نہیں تو فصل کی فروختگی کی یہ شکل شرعاً بیع فاسد کے دائرہ میں داخل ہو کر جائز نہیں ہے، ہاں البتہ جواز کی یہ شکل نکل سکتی ہے کہ بلا شرط کے فصل فروخت ہو جائے اور خریدار مالک سے یہ اجازت لیلے کہ پکنے تک کے لئے پھلوں کو درختوں پر چھوڑے رکھے یا مالک خود ہی زبانی اجازت دیدے تو شرعاً جائز ہے مگر معاملہ طے کرتے وقت یا اس سے قبل کی اجازت کا اعتبار نہیں ہے بلکہ بعد میں اجازت شرط ہے۔ ہدایہ ص ۲۶، ج ۳۔

(۳) مطلق عن الشرط، تیسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ابھی مکمل کر لیں اور چھوڑنے یا کاٹنے کی کوئی شرط نہ لگائیں اس صورت کے جواز و عدم جواز کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہو رہا ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے اور امام اعظم کے نزدیک جائز ہے۔

ائمه ثلاثه کی دلیل: نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا . (بخاری ۱/۲۹۲)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یعنی کارآمد نہ ہو جائے۔

جواب: اس حدیث میں جو نہی وارد ہوئی ہے وہ نہی تحریم نہیں ہے بلکہ آپ نے مشورے کے طور پر فرمایا کہ ایسی بیع مت کرو لیکن حرام قرار نہیں دیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل میں بیچنا جائز ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ مذکورہ نہی مشورے پر محمول ہے، اس کی دلیل بخاری کی روایت کے الفاظ میں "فلا تَبْتَاعُوْا حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُ الثَّمَرِ كَالْمَشْوْرَةِ يُشِيْرُبِهَا لِكَثْرَةِ خُصُوْمَتِهِمْ" (بخاری ۱/۲۹۲ باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحها) یعنی اگر جھگڑے سے نہیں رکتے تو مت بیچو جب تک کہ پھل کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے یہ حکم مشورے کے طور پر تھا جس کی طرف اشارہ کیا ان کے جھگڑوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

پھل ظاہر ہونے سے پہلے بیع کرنا

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر پھل ابھی درخت پر ظاہر ہی نہیں ہوا تو اس کی بیع بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ آج کل

پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دیدیا جاتا ہے اور بائع مشتری سے کہہ دیتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو پھل آیگا وہ میں آپ کو فروخت کرتا ہوں یہ صورت ناجائز ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسی چیز کی بیع ہو رہی ہے جو ابھی تک وجود میں نہیں آئی بلکہ معدوم ہے اس کی ایک اور خطرناک صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ باغ کئی سال کے ٹھیکے پر دیدیتے ہیں مثلاً تین سال، پانچ سال، دس سال کے لئے وہ باغ ٹھیکے پر دے دیا اور بائع نے مشتری سے آئندہ آنے والے پھلوں کی قیمت آج ہی وصول کرلی یہ صورت بالکل ناجائز اور نص صریح کے خلاف ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال تک کی بیع کرنے سے منع فرمادیا۔ (درس ترمذی ۴/ ۸۸)

جواز کی صورت

باغات کو اس طرح کرایہ پر دیا جائے کہ مثلاً سالانہ ایک ہزار روپیہ کرایہ مقرر ہو جائے اور باغات میں پھلوں کے ساتھ ساتھ زمین میں کوئی چیز بو کر فائدہ اٹھانے کا بھی اختیار حاصل ہو جائے تو اس طرح کا معاملہ شرعی طور پر جائز اور درست ہے۔

(۸۴۲/ ۲۲) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّبِيْعَ ثَمْرَةً وَيَسْتَثْنِيْ مِنْهَا اَرْطَالًا مَعْلُوْمَةً .

حل لغات: ارطالاً: رطل کی جمع ہے ایک رطل موجودہ کلوگرام کے حساب سے ۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کہ پھل بیچے اور مستثنیٰ کرے ان میں سے متعین ارطال کا۔

تشریح: مثلاً پچاس درختوں کے پھل بیچ رہا ہے اور یہ معلوم نہیں کہ ان پر کتنے پھل ہیں بائع ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ان میں سے ایک کوئنٹل پھل نہیں بیچوں گا تو ایسا استثناء کرنا جس سے باقی مبیع مجہول ہو جائے جائز نہیں ہے ہاں استثناء کے بعد مبیع معلوم رہے تو بیع جائز ہے

(۸۴۳/ ۲۳) وَيَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِيْ سُنْبُلِهَا وَالْبَاقِلٰى فِيْ قِشْرِهَا .

حل لغات: الحنطة: گیہوں، جمع حِنَطٌ ۔ سنبل: گیہوں وغیرہ کا گچھا، بال یہ واحد ہے اس کی جمع سنابل ہے۔ الباقلی: لوبیا۔ قشر: چھلکا جمع قشور۔

ترجمہ: (۸۴۳)(۲۳) اور جائز ہے گیہوں کا بیچنا اس کی بالوں میں اور لوبیا کا اس کی پھلیوں میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ گندم کا اس کی بالوں میں اور لوبیا کا اس کے چھلکے یعنی اس کی پھلی میں بیچنا جائز ہے یعنی ہر وہ دانہ جو چھلکے میں ہو اور بہت زیادہ چھپا ہوا نہ ہو تھوڑا بہت چھپا ہوا ہو تو عموم بلویٰ کی وجہ سے اس چیز کو چھلکے کے ساتھ بیچنے کی اجازت ہے۔

دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ (مسلم ۲/۷) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک پک نہ جائے اور گچھے کی بیع سے روکا جب تک سفید نہ ہو جائے اور آفت سے محفوظ نہ ہو جائے۔

یہ بات یاد رہے کہ متن میں ذکر کردہ مسئلہ کا جواز اس وقت ہے جب کہ خلاف جنس کے ساتھ بیچا جائے اور اگر اسی کی جنس کے عوض بیچا جائے مثلاً گیہوں کی بالیوں کو گیہوں کے عوض بیچا تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں سود کا احتمال ہے معلوم نہیں کہ بالوں میں کس قدر گیہوں ہیں اس کے عوض سے کم ہیں یا زائد یا برابر ہیں۔ (اللباب ۱/۲۰۱)

(۸۴۴/۲۴) وَمَنْ بَاعَ دَاراً دَخَلَ فِى الْبَيْعِ مَفَاتِيْحُ اَغْلَاقِهَا.

حل لغات: مفاتیح: اس کا واحد مفتاح معنی چابی، کنجی۔ اغلاق: اس کا واحد غلق (لام کے فتحہ کے ساتھ) تالا، تالے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ تالے جو دروازوں کے ساتھ چپکا دیئے جاتے ہیں جن کو اردو میں ہضمی تالے کہتے ہیں دوسرے وہ جو کنڈے میں ڈال کر بند کیے جاتے ہیں یہاں قسم اول مراد ہے

ترجمہ: (۸۴۴)(۲۴) اور جس نے بیچا مکان تو داخل ہوں گی بیع میں اس کے تالوں کی چابیاں۔

تشریح: وہ تالا جو دروازے کے ساتھ چپکا ہوتا ہے وہ تالا دروازے کا جز ہو گیا اور جز بغیر نام لئے بھی بیع میں داخل ہوتا ہے اس لئے گھر کی بیع میں تالا داخل ہوگا اور چابی تالے کا حصہ ہے اس لئے چابی بھی بیع میں داخل ہوگی۔

(۸۴۵/۲۵) وَاُجْرَةُ الْكَيَّالِ وَنَاقِدِ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ وَاُجْرَةُ وَازِنِ الثَّمَنِ عَلَى الْمُشْتَرِىْ.

حل لغات: الکیال: وہ شخص جو ناپنے کا پیشہ اختیار کرے۔ ناقد: جمع نقدۃ، ثمن درہم، دنانیر کو پرکھنے والا کہ کھرا ہے یا کھوٹا۔ وازن: گیہوں وغیرہ تولنے والا۔

ترجمہ: ناپنے اور ثمن پرکھنے والے کی مزدوری بائع کے ذمہ ہے اور قیمت جانچنے والے کی مزدوری مشتری کے ذمہ ہے۔

تشریح: بائع کی ذمہ داری ہے کہ کیلی مبیع کو کیل کر کے مشتری کے حوالہ کرے اس لئے بائع کو ہی کیل کرانا ہوگا تو کیل کرنے والے کی اجرت بھی بائع پر ہی ہوگی کیونکہ اسی کے لئے کیل کیا ہے اسی طرح ثمن کو پرکھوانے کی ضرورت پڑے گی تو بائع تجربہ کار آدمی کو بلا کر لائے گا کہ میرا ثمن پرکھ دے کہ کھرا ہے یا کھوٹا تو بائع کے لئے ثمن کے کھرے کھوٹے کو پرکھا اس لئے ثمن پرکھنے کی اجرت بائع پر ہوگی اور ثمن چونکہ خریدار کو ادا کرنا ہے اس لئے وہ ثمن کو وزن کروائیگا لہٰذا وزن کرنے والے کی اجرت بھی اسی کو دینی ہوگی جس کے لئے کام کیا اجرت اسی پر ہوگی دلیل یہ حدیث پاک ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِحْتَجَمَ النَّبِىُّ وَاَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهُ (بخاری ۱/۳۰۴ باب خراج الحجام)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام کو اس کی اجرت دی۔

(۲۶/۸۴۶) وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيْلَ لِلْمُشْتَرِیْ اِدْفَعِ الثَّمَنَ اَوَّلاً فَاِذَا دَفَعَ قِيْلَ لِلْبَائِعِ سَلِّمِ الْمَبِيْعَ.

حل لغات: سلعة: سامان،ثمن: درہم اور دنانیر کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۸۴۶)(۲۶) اور جس نے بیچا سامان کو ثمن کے بدلے تو کہا جائے گا مشتری سے کہ پہلے ثمن دے جب وہ دیدے تو بائع سے کہا جائے گا کہ مبیع سپرد کر۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ درہم اور دینار جن کو پیدائشی ثمن کہتے ہیں وہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے مثلاً پانچ کے نوٹ سے بیع کی اور بعد میں پانچ کا سکہ گلٹ کا دیدیا تو بیع درست رہے گی کیونکہ پانچ کے نوٹ اور پانچ سکے دونوں کی مالیت برابر ہے البتہ قبضہ کرنے کے بعد متعین ہوتے ہیں دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ سامان مثلاً غلہ، دانہ متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں مثلاً ایک کوئٹل چاول دینا طے ہوا تو دوسرے ایک کوئٹل چاول نہیں دے سکتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ خراب ہو جب یہ قاعدہ سمجھ گئے تو اب سمجھیں صورت مسئلہ یہ ہے کہ سامان، درہم یا دینار کے بدلے بیچا اور سامان اسی جگہ موجود ہے دونوں میں اختلاف ہوگیا بائع کہتا ہے کہ پہلے مشتری ثمن میرے حوالے کرے پھر میں مبیع سپرد کروں گا اور مشتری کہتا ہے کہ پہلے مبیع میرے سپرد کی جائے تب میں ثمن دوں گا ایسی صورت میں مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے آپ ثمن پیش کردیں چونکہ سامان تو پہلے سے متعین ہے اور ثمن یعنی درہم، دنانیر، اور نوٹ پہلے سے متعین نہیں ہیں تاکہ درہم ودنانیر قبضہ کرنے سے متعین ہوجائیں اور بائع ومشتری دونوں کے حقوق برابر ہوجائیں اس لئے مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے تم ثمن سپرد کرو بعد میں بائع سے کہا جائے گا کہ آپ سامان دیں یہ فیصلہ جھگڑے کے وقت ہے ورنہ رضامندی سے کوئی بھی پہلے دیگا تو بیع جائز ہوجائے گی۔

(۲۷/۸۴۷) وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِسِلْعَةٍ اَوْ ثَمَناً بِثَمَنٍ قِيْلَ لَهُمَا سَلِّمَا مَعاً.

ترجمہ: (۸۴۷)(۲۷) جس نے بیچا سامان کو سامان کے بدلے یا ثمن کو ثمن کے بدلے میں تو دونوں سے کہا جائے گا کہ ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو

تشریح: مبیع بھی سامان کی قسم سے ہے اور ثمن بھی سامان کی قسم سے ہے اس لئے دونوں متعین ہیں چونکہ دونوں کے درجے برابر ہیں اس لئے بائع اور مشتری دونوں سے کہا جائیگا ساتھ ساتھ لو اور ساتھ ساتھ دو، ایک کو پہلے اور دوسرے کو بعد میں لینے کا حق نہیں ہے، یہی حکم اس وقت ہوگا کہ جب ثمن کی بیع ثمن کے عوض ہے یعنی دونوں کو ایک ساتھ لینے اور ایک ساتھ دینے کے لئے کہا جائے گا۔

باب خیار الشرط

(یہ باب خیار شرط کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: بیع کی دو قسمیں ہیں (۱) لازم (۲) غیر لازم۔

لازم کی تعریف: لازم وہ ہے جس میں اختیار ہو، بیع لازم چونکہ اصل ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا اور بیع غیر لازم خلاف اصل ہے اس لئے اس کو مؤخر کیا گیا (عینی شرح ہدایہ ۳/۳۵)۔

خیار کی لغوی تعریف: پسندیدگی، خیار اختیار کے معنی میں ہے۔

اصطلاحی تعریف: ایجاب وقبول ہونے کے بعد مجلس میں رہتے ہوئے بائع یا مشتری دونوں یہ کہیں کہ ہمیں تین دن کا اختیار ہے اگر چاہوں بیع نافذ کردوں اور چاہوں تو بیع کو رد کردوں اور سامنے والا اس پر ہاں کردے اب اس کو اختیار ہوگا چاہے تو بیع جائز قرار دے اور چاہے تو بیع توڑ دے اگر تین دن تک بیع کو نہیں توڑا تو بیع تام ہوجائے گی۔

خیار شرط کا ثبوت: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے الفاظ، او یکون البیع خیاراً، (یا بیع میں خیار شرط ہو) سے ہے۔ (بخاری ۱/۲۸۳)

(۱/۸۴۸) خِيَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِيْ وَلَهُمَا الْخِيَارُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَمَا دُوْنَهَا وَلَا يَجُوْزُ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجُوْزُ اِذَا سَمّٰى مُدَّةً مَعْلُوْمَةً.

ترکیب: ثلاثة ایام: ظرف کی بناء پر منصوب ہے ای فی ثلاثة ایام، یا مرفوع ہے مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے ای مدة الخیار ثلاثة ایام.

ترجمہ: خیار شرط جائز ہے بیع میں بائع اور مشتری دونوں کے لئے اور ان دونوں کو اختیار ہے تین دن یا اس سے کم کا اور نہیں جائز ہے اس سے زیادہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور کہا امام ابو یوسف اورؒ امام محمد نے کہ جائز ہے جبکہ مدت معلوم متعین کردے۔

خیارِ شرط کی اقسام کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ خیار شرط صرف بائع کے لئے بھی جائز ہے اور صرف مشتری کے لئے بھی اور دونوں کے لئے بھی جائز ہے خیار شرط کی تین قسمیں ہیں (۱) بالاتفاق فاسد مثلاً خریدار نے کہا کہ میں نے یہ چیز اس شرط پر خریدی کہ مجھ کو ہمیشہ کا خیار ہے (۲) بالاتفاق جائز مثلاً تین دن یا تین دن سے کم کا خیار لیا (۳) مختلف فیہ مثلاً تین دن

سے زیادہ کا اختیار لیا، اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام زفر کے نزدیک تین دن سے زیادہ کا اختیار نہیں ملے گا۔ (عینی ۳/۳۶)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان بن منقذ کو تین دن کے لئے ہی خیار شرط دیا تھا۔

فَقُلْ لَا خَلَابَةَ وَلِيَ الْخِيَارُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (عینی شرح ہدایہ ۳/۳۵)

تو کہہ دیا کر کہ کوئی دھوکہ نہیں میرے لئے تین دن کا اختیار ہے یعنی تین دن تک میرے لئے غور وفکر کا موقع ہے اگر مناسب ہوا عقد کو جائز کر دونگا ورنہ فسخ کر دونگا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف تین دن کا اختیار ملے گا۔

عقلی دلیل: تین دن سے زیادہ اختیار لینے میں سامنے والے آدمی کو نقصان ہوگا کہ بہت دنوں تک اس کا انتظار کرنا ہوگا کہ بیع ہوئی یا نہیں اس لئے تین دن سے زیادہ اختیار نہ دیا جائے۔

دوسرا مذہب: صاحبین اور امام احمد کے نزدیک خیار شرط کا معاملہ بائع اور مشتری کے اختیار پر ہے اس لئے اگر وہ دونوں زیادہ دنوں تک اختیار دینے پر راضی ہیں تو کسی کو کیا اشکال، بشرطیکہ مدت معلوم ہو کہ کتنے دنوں کا اختیار لینا چاہتے ہیں مجہول نہ ہو۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے دو ماہ تک خیار کو جائز رکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت خیار تین دن کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس سے زائد بھی ہوسکتی ہے۔

(۲/۸۴۹) وَخِيَارُ الْبَائِعِ يَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ مِنْ مِلْكِهٖ.

ترجمہ: اور بائع کا اختیار روکتا ہے مبیع کے نکلنے کو اس کی ملکیت سے۔

بائع کے اختیار کا بیان

تشریح: بائع نے خیار شرط لیا تو چاہے مبیع مشتری کے ہاتھ میں جا چکی ہو بائع کی ملکیت سے نہیں نکلے گی کیونکہ اختیار لینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ مبیع کو ابھی اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے جب وہ بیع نافذ کرے گا تب اس کی ملکیت سے مبیع نکلے گی یہی وجہ ہے کہ اگر بائع اس دوران آزاد کرنا چاہے تو آزاد کر سکتا ہے۔

(۳/۸۵۰) فَاِنْ قَبَضَهُ الْمُشْتَرِيْ فَهَلَكَ بِيَدِهٖ فِيْ مُدَّةِ الْخِيَارِ ضَمِنَهٗ بِالْقِيْمَةِ.

ترجمہ: پھر اگر قبضہ کر لیا تھا مشتری نے مبیع پر اور ہلاک ہوگئی اس کے ہاتھ سے مدت خیار میں تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

تشریح: بائع نے تین دن کا خیار شرط لیا تھا اور مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا مدت خیار میں مشتری کے ہاتھ میں مبیع ہلاک ہوگئی تو جو ثمن بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوا تھا وہ تو لازم نہ ہوگا لیکن بازار میں اس مبیع

کی جو قیمت ہوگی وہ مشتری پر لازم ہوگی۔

دلیل: حضرت عمرؓ نے ایک آدمی سے گھوڑا خریدا کہ اگر پسند آئے گا تو رکھ لونگا پھر ایک آدمی کو اس پر سوار کردیا جس کی وجہ سے گھوڑے میں عیب پیدا ہوگیا حضرت عمر اور بائع کے درمیان اختلاف ہوگیا فیصل قاضی شریح عراقی کو بنایا قاضی صاحب نے حضرت عمر سے فرمایا جو گھوڑا آپ نے خریدا وہ اپنے پاس رکھ لیجئے اور اس کی قیمت کے ضامن بن جایئے یا یہ کہ اس کو صحیح سالم گھوڑا واپس کردیجئے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲۲۴/۸ بحذف یسیر)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مشتری کو قیمت دینی پڑے گی کیونکہ اس کی حرکت سے مبیع ہلاک ہوئی ہے۔

(۴/۸۵۱) وَخِيَارُ الْمُشْتَرِیْ لَايَمْنَعُ خُرُوْجَ الْمَبِيْعِ مِنْ مِلْكِ الْبَائِعِ اِلَّا اَنَّ الْمُشْتَرِیْ لَايَمْلِكُهٗ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَمْلِكُهٗ.

ترجمہ: اور مشتری کا خیار شرط نہیں روکتا ہے مبیع کے نکلنے کو بائع کی ملکیت سے مگر یہ کہ مشتری اس کا مالک نہیں ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ مالک ہوجائے گا۔

مشتری کے اختیار کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خیار شرط مشتری نے لیا ہے بائع نے نہیں لیا ہے تو مبیع بائع کی ملک سے نکل جائے گی رہی یہ بات کہ جب مبیع بائع کی ملکیت سے نکل گئی تو آیا مشتری کی ملک میں داخل ہوگی کہ نہیں اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مشتری کے خیار شرط کے وقت مبیع مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ مشتری نے ابھی اپنی طرف سے بیع مکمل طے نہیں کی ہے نیز اگر اس کی ملک میں داخل ہوجائے تو مشتری کا نقصان ہے مثلاً اگر اپنے بیٹے کو خریدا اور خیار شرط لے لیا اس کے باوجود بیٹا اس کی ملک میں داخل ہوگیا اب مشتری کے نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹا آزاد ہوگیا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مشتری کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی کیونکہ بائع کی ملکیت سے نکل گئی اور مملوک چیز کسی نہ کسی کی ملک میں داخل ہونی چاہئے ورنہ وہ مملوک کیسے ہوگی اس لئے چاہے مشتری نے خیار شرط لیا ہو پھر بھی وہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی۔

(۵/۸۵۲) فَاِنْ هَلَكَ بِيَدِهٖ هَلَكَ بِالثَّمَنِ

لغت: ثمن: وہ مقدار جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوجائے چاہے وہ بازاری بھاؤ سے کم ہو یا زیادہ۔ قیمت بازاری ریٹ اور بھاؤ کو کہتے ہیں۔

ترجمہ: پھر اگر مشتری کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی تو ہلاک ہوگی ثمن کے بدلے۔

تشریح: خیار اگر مشتری کے لئے ہو تو مبیع اس کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے لیکن جب مبیع ہلاک ہونے لگے تو ہلاک ہونے سے پہلے وہ مشتری کی ملکیت میں داخل ہوگئی اور بیع مکمل ہوگئی اب مشتری پر ثمن لازم ہوگا یعنی وہ قیمت جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہوئی تھی۔

لیکن یہاں ایک بات بہت اہم ہے جس کا سمجھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اگر خیار بائع نے لیا ہے اور بائع کی اجازت سے مشتری نے قبضہ کرلیا پھر مدت خیار میں مبیع ہلاک ہوگئی تو مشتری پر قیمت لازم ہوگی جیسا کہ مسئلہ نمبر (۸۵۰)(۳) میں مفصلاً گذرا۔

اور یہاں اس مسئلہ میں مشتری پر ثمن لازم ہوگا ایسا کیوں؟

وجہ فرق: مبیع جب مشتری کے قبضہ میں عیب دار ہوئی اور خیار بھی مشتری کو ہے تو جیسے ہی مبیع پر قبضہ کیا تھا اس کا اسی طرح واپس کرنا مشکل ہوگیا ہے تو اب خیار باطل اور بیع لازم ہوگئی اور بیع نافذ اور لازم ہونے کی صورت میں مشتری پر ثمن واجب ہوتا ہے نہ کہ قیمت اور جس صورت میں اختیار بائع کو ہے اور مبیع مشتری کے قبضہ میں ہے اس میں کوئی عیب پیدا ہوگیا تو اس صورت میں مبیع کا واپس کرنا مشکل نہیں ہے کیونکہ اختیار بائع کیلئے ہے نہ کہ مشتری کیلئے چنانچہ مبیع میں عیب پیدا ہونے کی وجہ سے بائع کا خیار ساقط نہ ہوگا بلکہ اگر وہ اپنے خیار کے تحت عیب دار مبیع کو واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے اب اگر مبیع ہلاک ہوئی تو بائع کی ملک پر ہلاک ہوگی اور عقد ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ عقد موقوف تھا اور مشتری کا قبضہ عقد کے اعتبار سے ہے اور مقبوض بجهة العقد مضمون بالقیمة ہوتا ہے لہٰذا مشتری پر قیمت لازم ہوگی ثمن لازم نہ ہوگا۔

(۶/۸۵۳) وَكَذَالِكَ اِنْ دَخَلَهُ عَيْبٌ.

ترجمہ: ایسے ہی اگر مبیع میں عیب پیدا ہوگیا۔

تشریح: مشتری نے خیار لیا تھا اور مبیع پر قبضہ بھی کرلیا تھا اب مبیع مشتری کے ہاتھ میں رہتے ہوئے عیب دار ہوگئی تو عقد بیع مکمل ہوگیا اس لئے مشتری کو ثمن دینا ہوگا

(۷/۸۵۴) وَمَنْ شَرَطَ لَهُ الْخِيَارُ فَلَهُ اَنْ يَفْسَخَ فِي مُدَّةِ الْخِيَارِ وَلَهُ اَنْ يُجِيْزَهُ فَاِنْ اَجَازَهُ بِغَيْرِ حَضْرَةِ صَاحِبِهِ جَازَ وَاِنْ فَسَخَ لَمْ يَجُزْ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْآخَرُ حَاضِراً.

لغت: الا ان یکون الآخر حاضراً: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرا فریق حاضر ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ حاضر نہ ہو لیکن اس کو بیع ختم کرنے کی اطلاع دے دیجائے

ترجمہ: اور جس شخص کے لئے خیار شرط ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ مدت خیار میں بیع فسخ کردے اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس کو نافذ کردے۔

تشریح: جس کو خیار حاصل ہے خواہ وہ بائع ہو خواہ مشتری ہو مدت خیار میں اس کو بیع فسخ کرنے کا بھی اختیار ہے اور جائز کرنے کا بھی اختیار ہے مثلاً بائع نے خیار شرط لیا تو مشتری سامنے نہ بھی ہو یا اس کو علم نہ بھی ہو تو بھی بائع بیع کو جائز قرار دے سکتا ہے

دلیل: بیع جائز قرار دینے میں مشتری کا نقصان نہیں ہے وہ تو چاہ ہی رہا ہے کہ بیع جائز ہو جائے تب ہی تو اس نے خیار شرط نہیں لیا اور اگر بائع بیع فسخ کرنا چاہتا ہو تو جب تک مشتری کو اس کی خبر نہ دے فسخ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مشتری کو فسخ کرنے سے نقصان ہوگا وہ سمجھ رہا تھا کہ بائع بیع جائز کر دے گا اس لئے دوسری مبیع تلاش نہیں کی اور انتظار میں بیٹھا رہا اس لئے اگر فسخ کرنا ہو تو دوسرے فریق کو اطلاع دینا ضروری ہے تاکہ اس کو نقصان نہ ہو یہ مذہب طرفین کا ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک دوسرے کو اطلاع دیئے بغیر بھی فسخ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

دلیل: دوسرے فریق نے اختیار لینے والے کو بیع توڑنے کا بھی اختیار دیا ہے اس لئے وہ جس طرح غائبانہ بیع جائز قرار دے سکتا ہے اسی طرح توڑ بھی سکتا ہے۔

(۸/۸۵۵) وَاِذَا مَاتَ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ بَطَلَ خِيَارُهُ وَلَمْ يَنْتَقِلْ اِلٰى وَرَثَتِهٖ.

ترجمہ: اور اگر مر گیا وہ شخص جس کے لئے خیار شرط تھا تو خیار باطل ہو جائے گا اور اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا

کیا خیارِ شرط ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا؟

تشریح: بائع یا مشتری جس نے خیار شرط لیا تھا وہ مر گیا اب یہ اختیار اس کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا چونکہ پہلے ایجاب وقبول ہو چکے ہیں اس لئے بیع لازم ہو جائے گی۔

دلیل: اختیار ارادے اور چاہت کا نام ہے کہ بیع جائز قرار دیں یا نہ دیں اور ارادہ معنوی شئی ہے وہ منتقل نہیں ہوتا اس لئے اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ امام شافعی وامام مالک فرماتے ہیں کہ جس طرح خیار عیب اور خیار تعیین ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے اسی طرح خیار شرط بھی ورثہ کی طرف منتقل ہوگا اور اس کو بھی بیع توڑنے اور جائز قرار دینے کا حق ہوگا۔

امام شافعی اور امام مالک کی دلیل کا جواب

خیار عیب بطور میراث کے میت کی طرف سے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ عقد بیع کی وجہ سے میت ایسی مبیع کا مستحق ہوا تھا جو بے عیب ہو لیکن جب وہ مر گیا تو اس کا وارث بھی بے عیب مبیع کا مستحق ہوگا اسی طرح خیار تعیین وراثت کے طور پر وارث کی طرف منتقل نہیں ہوا بلکہ خیار تو میت کے مرتے ہی ساقط ہو گیا مگر چونکہ وارث، وارث ہونے کی

حیثیت سے مبیع کا مالک ہوا اور مبیع غیر مبیع کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے مجہول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وارث کے لئے جو خیار تعیین ثابت ہے وہ اس کا غیر ہے جو مورث کے لئے ثابت تھا لہٰذا خیار شرط اور خیار تعیین دونوں میں فرق ہے۔
(باقی تفصیل ہدایہ میں دیکھی جائے)

(۹/۸۵۶) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً عَلٰی اَنَّهٗ خَبَّازٌ اَوْ كَاتِبٌ فَوَجَدَهٗ بِخِلَافِ ذٰلِكَ فَالْمُشْتَرِیْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهٗ.

لغت: خباز: روٹی پکانے والا، نانبائی اسم فاعل باب (ض) مصدر خبزاً۔

ترجمہ: (۸۵۶)(۸) اور جس نے غلام بیچا یہ کہہ کر کہ وہ روٹی پکانے والا ہے یا کاتب ہے پھر اس کو اس کے خلاف پایا تو مشتری کو اس کا اختیار ہے کہ اگر چاہے تو پورا ثمن دیکر لے لے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔

تشریح: کسی نے غلام بیچا یہ کہہ کر کہ یہ روٹی پکانے والا ہے یا کاتب ہے بعد میں پتہ چلا کہ یہ نہ روٹی پکانے والا ہے نہ کاتب ہے تو مشتری کو بیع جائز قرار دینے اور بیع توڑنے کا اختیار ہوگا کیونکہ وہ صفت نہ ہونے کی وجہ سے مشتری کی رغبت کم ہوگئی اور بائع نے وعدہ کے خلاف کیا اس لئے اس کو بیع توڑنے کا اختیار ہوگا۔

اور اگر غلام لینا ہی چاہے تو جو قیمت آپس میں طے ہوئی تھی وہی قیمت دے کر لینا ہوگا۔ کیونکہ روٹی پکانا اور کتابت کا فن جاننا یہ وصف ہے اور ماقبل میں گذر چکا کہ وصف کے مقابلہ میں قیمت نہیں ہوتی اس لئے اس صفت کی کمی کی وجہ سے قیمت میں کمی نہ ہوگی۔

باب خیار الرؤیۃ

(یہ باب خیار رویت کے بیان میں ہے)

خیار عیب پر تقدیم کی وجہ: خیار رؤیت کو خیار عیب پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ خیار رؤیت خیار عیب سے اقویٰ ہے کیونکہ خیار رؤیت بیع کو مکمل ہونے سے روکتا ہے اور خیار عیب کی صورت میں بیع تو مکمل ہو جاتی ہے مگر حکم بیع یعنی ملکیت لازم نہیں ہوتی اور جو چیز تمام بیع کے لئے مانع ہو وہ اس سے اقویٰ ہوتی ہے جو لزوم حکم سے مانع ہو۔

خیار رؤیت کی تعریف: کسی چیز کو دیکھے بغیر خرید لے تو اس وقت دیکھنے کے بعد چاہے تو خریدے اور چاہے تو نہ خریدے ایسے اختیار کو خیار رؤیت کہتے ہیں۔

خیار رؤیت کا ثبوت: عن أبي هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مَنِ اشْتَرىٰ شَيْئاً لَمْ يَرَهُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِذَا رَآهُ. (عینی شرح ہدایہ ۳/۵۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی ایسی چیز کو خریدا جس کو دیکھا نہیں ہے تو اختیار ہے جب اس کو دیکھ لے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مبیع کو نہ دیکھا ہو تو دیکھنے کے بعد اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(۱/۸۵۷) وَمَنِ اشْتَرىٰ مَالَمْ يَرَهُ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ وَلَهُ الْخِيَارُ اِذَا رَآهُ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهُ.

ترجمہ: اور جس نے خریدا ایسی چیز کو جس کو دیکھا نہیں ہے تو بیع جائز ہے اور اسے اختیار ہے جب مبیع کو دیکھے اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کر دے۔

خیارِ رؤیت کس کو حاصل ہے؟

تشریح: اگر کسی شخص نے بغیر دیکھے ہوئے کسی چیز کو خریدا تو یہ بیع ہمارے نزدیک جائز ہے مگر مشتری جب اس مبیع کو دیکھے گا تو اس کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا کیونکہ دیکھنے سے قبل اس کی رغبت کامل نہیں ہے نیز اوپر حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت گذر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیکھنے کے بعد مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(۲/۸۵۸) وَمَنْ بَاعَ مَالَمْ يَرَهُ فَلَاخِيَارَ لَهُ.

ترجمہ: اور جس نے فروخت کر دی ایسی چیز جس کو دیکھا نہیں تو اس کو اختیار نہیں ہے۔

خیارِ رؤیت کس کو حاصل نہیں ہے؟

تشریح: اگر کسی نے بغیر دیکھے کوئی چیز فروخت کر دی اس طریقے سے کہ کسی چیز کا وارث ہوا اور دیکھنے سے

پہلے اس کو بیچ دیا تو یہ بیع درست ہے اب بائع بعد میں خیار رؤیت لینا چاہتا ہے اور دیکھنے کے بعد خیار رؤیت کے تحت بیع توڑنا چاہتا ہے تو اس کو بیع توڑنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا کیونکہ مبیع تو اسی کے پاس تھی اس نے بیع سے پہلے کیوں نہیں دیکھی یہ نہ دیکھنا اس کی غلطی تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں من اشتریٰ شیئاً فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خریدار کو اختیار ہوگا بائع کو نہیں۔

(۳/۸۵۹) وَإِنْ نَظَرَ إِلَى وَجْهِ الصُّبْرَةِ أَوْ إِلَى ظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِياً أَوْ إِلَى وَجْهِ الْجَارِيَةِ أَوْ إِلَى وَجْهِ الدَّابَّةِ وَكَفَلِهَا فَلَاخِيَارَ لَهُ.

حل لغات: مطویاً: اسم مفعول باب (ض) لپٹا ہوا۔ الجاریۃ: باندی۔ الدابۃ: سواری کا جانور۔ کفل: چوپایہ کا چوتڑ، جمع اکفال

ترجمہ: اور اگر دیکھے ڈھیر کے اوپر کا حصہ یا لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہری حصہ کو یا باندی کے چہرے کو یا جانور کے چہرے کو یا اس کے پچھلے حصہ کو تو اس کے لئے خیار رؤیت نہیں ہے۔

تشریح: مبیع کے ہر ہر عضو کو دیکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ عرف عام میں جس عضو یا حصہ کو دیکھنا شمار کیا جاتا ہو اس حصہ کو دیکھنا کافی سمجھا جائے گا اور اسی کو دیکھنے سے خیار رؤیت ختم ہو جائے گا مثلاً غلہ کے ڈھیر کے اوپر کے حصہ کو دیکھنے سے پورے ڈھیر کی معلومات ہو جاتی ہے اس لئے اوپر کے حصہ کو دیکھنا کافی ہوگا اسی طرح تھان میں لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہری حصہ کو دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا اسی طرح باندی کے چہرہ کو دیکھنے سے پوری باندی کا علم ہو جاتا ہے اس لئے چہرہ دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا اور سواری کے جانور مثلاً گھوڑے گدھے اور خچر وغیرہ کے چہرے اور سرین کو دیکھنے سے پورا علم ہو جاتا ہے کیونکہ جانوروں میں یہی مقصود ہوتا ہے اس لئے انہیں کو دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائیگا۔ خلاصہ یہ کہ جس حصے کو دیکھنے سے پوری مبیع کا علم ہو جائے اس حصے کو دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا۔

ایک اہم بات

ظاہر روایت میں کپڑے کے تھان کو اوپر سے دیکھ لینے سے خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے جبکہ امام زفرؒ کے نزدیک جب تک پورا تھان کھول کر نہ دیکھ لیا جائے خیار رؤیت ساقط نہ ہوگا۔ بعض مشائخ نے امام زفرؒ کے اس قول کو اس لئے راجح قرار دیا ہے کہ ان کے زمانے میں کپڑوں کے ظاہر و باطن میں بڑا فرق ہوا کرتا تھا۔

تنبیہ: اس مسئلہ کا مدار اس عرف پر ہے کہ کپڑوں کے ظاہر و باطن میں فرق ہوتا ہے یا نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے زمانہ میں فرق نہیں ہوتا تھا اس لئے انھوں نے لپٹے ہوئے کپڑوں کو اوپر سے دیکھ لینا کافی قرار دیا۔ مشائخ کے زمانہ

میں عرف بدل گیا اور کپڑوں میں اندرو باہر فرق ہونے لگا تو انھوں نے امام زفر کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا۔
آج کے زمانہ میں عرف پھر بدل گیا اور وہی عرف لوٹ آیا جو ائمہ ثلاثہ کے زمانہ میں تھا یعنی اب کپڑوں کے تھان میں ظاہر وباطن میں فرق نہیں ہوتا ہے اس لئے آج کل امام زفرؒ کے قول پر نہیں بلکہ ظاہر مذہب پر فتویٰ دیا جائے گا حضرت مصنف نے بھی متن میں ظاہر مذہب کو بیان کیا ہے۔ (شامی ۴/۹۱، والبحر الرائق ۶/ ۳۱) واللہ اعلم بالصواب
وسیم احمد غفرلہ

(۴/۸۶۰) وَاِنْ رَآی صَحْنَ الدَّارِ فَلَاخِیَارَلَهٗ وَاِنْ لَّمْ یُشَاهِدْ بُیُوْتَهَا .

ترجمہ: اور اگر دیکھ لے گھر کا صحن تو اسے اختیار نہیں ہے اگر چہ اس نے اس کے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔

گھر کا خارجی حصہ دیکھنے سے خیارِ رؤیت ساقط نہ ہوگا

تشریح: اگر گھر خریدا تو اس کا محض خارجی حصہ دیکھ لینے سے مشتری کا خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا۔ چونکہ مصنف کے ملک میں مکانات ایک طرح کے ہوا کرتے تھے اور صحن کو دیکھنے سے اندر کے کمروں کا اندازہ ہو جاتا تھا اس لئے فرمایا کہ صحن دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جائے گا چاہے کمروں کو نہ دیکھا ہو۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مکان خریدتے وقت داخل بیت دیکھے بغیر خیار رویت ساقط نہ ہوگا اس لئے کہ گھروں کے اندرونی حصہ میں اب یکسانیت باقی نہیں رہی ہے فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (شامی ۴/۹۲، البحر الرائق ۶/ ۳۱-۳۲)

(۵/۸۶۱) وَبَیْعُ الْاَعْمٰی وَشِرَائُهٗ جَائِزٌ اِذَا اشْتَرٰی:

لغت: الاعمیٰ، اندھا، جمع، عُمْیٌ۔

ترجمہ: نابینا کا بیچنا اور اس کا خریدنا جائز ہے اور اس کے لئے خیار رؤیت ہوگا جب خریدے۔

تشریح: نابینا کا بیچنا اور خریدنا اس وجہ سے جائز ہے کہ وہ انسان ہے عاقل وبالغ ہے انسانی ضرورت اس کے ساتھ بھی لگی ہوئی ہے لیکن آنکھ نہ ہونے کی وجہ سے مبیع کو دیکھا نہیں اس لئے اس کو خیار رؤیت ہوگا اور خیار رؤیت ساقط ہونے کے مختلف طریقے ہیں جس کی تفصیل اگلے مسئلے میں آرہی ہے۔

(۶/۸۶۲) وَیَسْقُطُ خِیَارُهٗ بِاَنْ یَّجُسَّ الْمَبِیْعَ اِذَا کَانَ یُعْرَفُ بِالْجَسِّ اَوْ یَشُمَّهٗ اِذَا کَانَ یُعْرَفُ بِالشَّمِّ اَوْ یَذُوْقَهٗ اِذَا کَانَ یُعْرَفُ بِالذَّوْقِ.

حل لغات: یجس، فعل مضارع باب (ن)(م) جسًا معلوم کرنے کے لئے ہاتھ سے چھونا، ٹٹولنا، یشمه، باب (ن)(م) شما سونگھنا، یذوق باب (ن)(م) ذوقاً، چکھنا۔

ترجمہ: اور اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا مبیع کو ٹٹولنے سے جب کہ وہ معلوم ہو جائے ٹٹولنے سے یا اس کو سونگھ

لے جب کہ سونگھنے سے معلوم ہو جاتی ہو یا اس کو چکھ لے جب کہ چکھنے سے معلوم ہو جاتی ہو۔

نابینا کا خیارِ رؤیت کب ساقط ہوگا؟

تشریح: اس عبارت میں امام قدوری یہ بتا رہے ہیں کہ نابینا کا خیار رؤیت کب ساقط ہوگا تو اس کا حکم یہ ہے کہ مبیع اگر ایسی چیز ہو جس کو ہاتھ سے ٹٹول کر پہچانا جا سکتا ہے تو مبیع ٹٹول کر چھونے سے نابینا کا خیارِ رؤیت ساقط ہو جائے گا اور اگر سونگھ کر مبیع کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے اور سونگھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا اور اگر چکھ کر معلوم کی جا سکتی ہے تو جب چکھ کر دیکھ لیا تو خیار ساقط ہو جائے گا، یا پھر مبیع دیکھنے کا کسی کو وکیل بنا لے اور وکیل دیکھ لے تو نابینا کا دیکھنا شمار کیا جائے گا اور اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

(۸۶۳/۷) وَلَايَسْقُطُ خِيَارُهُ فِي الْعَقَارِ حَتّٰى يُوْصَفَ لَهُ.

لغت: العقار، جائداد ہر منقول چیز، جمع عقارات۔

ترجمہ: اور ساقط نہ ہوگا اس کا اختیار زمین میں یہاں تک اس کی حالت بیان کر دی جائے۔

تشریح: نابینا نے زمین خریدی اب اس کو ٹٹول کر یا سونگھ کر یا چکھ کر معلوم نہیں کر سکتا اس لئے خیار ساقط کرنے اور مکمل رضامندی کا طریقہ یہ ہے کہ بائع زمین کی پوری حقیقت بیان کر دے اور پورا وصف بیان کر دے اس کو سن کر اندھا راضی ہو جائے تو خیار ساقط ہو جائے گا

(۸۶۴/۸) وَمَنْ بَاعَ مِلْكَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ اَمْرِهِ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَجَازَ الْبَيْعَ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ وَلَهُ الْاِجَازَةُ اِذَا كَانَ الْمَعْقُوْدُ عَلَيْهِ بَاقِياً وَالْمُتَعَاقِدَانِ بِحَالِهِمَا.

حل لغات: معقود علیہ: جس پر عقد ہوا ہو یعنی مبیع، المتعاقدان: عقد کرنے والے یعنی بائع اور مشتری

ترجمہ: اور جس نے بیچی دوسرے کی چیز اس کے حکم کے بغیر تو مالک کو اختیار ہے چاہے تو بیع کو نافذ کرے اور چاہے تو فسخ کر دے اور اس کو نافذ کرنے کا حق ہے جب تک معقود علیہ (مبیع) باقی ہو اور بائع و مشتری اپنی حالت پر ہوں۔

بیع فضولی کا بیان

تشریح: کسی نے دوسرے کی چیز اس کی بغیر اجازت کے بیچ دی تو اس کا بیچنا جائز ہے کیونکہ یہ آدمی عاقل و بالغ ہے اور چیز مملوک و مبیع ہے اور مالک ہی کے لئے بیچا ہے اب اصل مالک کو اختیار ہے چاہے بیع کو نافذ کر دے اور پسند نہ ہو تو بیع فسخ کر دے اس بیع کو بیع فضولی کہتے ہیں اس کا ثبوت بخاری شریف میں مذکور اس حدیث سے ہے۔

حدیث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہ کوایک دینار دیا تا کہ اس سے ایک بکری خریدے انہوں نے اس ایک دینار سے دو بکریاں خرید لیں پھر ایک بکری کوایک دینار میں بیچا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لیکر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعاء کی (بخاری کتاب المناقب ۱/۵۱۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عروہ نے بغیر آپ کی اجازت کے دو بکریاں خریدی پھر بغیر حکم کے ہی ایک بکری بیچ دی اس سے معلوم ہوا کہ فضولی کی بیع جائز ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مالک کو بعد میں بیع باقی رکھنے اور توڑنے کا اختیار ہے امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مالک کو بیع نافذ کرنے کا اختیار اس وقت ہے جب کہ مبیع موجود ہو چنانچہ اگر مبیع موجود نہ ہو تو بیع کس چیز پر ہوگی؟ اسی طرح اگر بائع اور مشتری موجود ہونگے اور وہ اپنی حالت پر ہوں یعنی اجازت کے وقت عاقل بالغ مالک ہوں تب بیع ہوگی ورنہ نہیں ہوگی مثلاً وہ عاقل ہی نہ رہے مجنوں ہو جائے تو اب بیع اس کی جانب سے کیسے ہوگی۔

(۸۶۵/۹) وَمَنْ رَأَى أَحَدَ الثَّوْبَيْنِ فَاشْتَرَاهُمَا ثُمَّ رَأَى الْآخَرَ جَازَ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُمَا.

ترجمہ: اور جس نے دیکھا دو کپڑوں میں سے ایک کو پھر دونوں کو خرید لیا پھر دیکھا دوسرا کپڑا تو اس کے لئے جائز ہے کہ دونوں کپڑوں کو واپس کر دے۔

تشریح: صرف ایک کپڑے کو دیکھا اور ایک ہی بیع میں دوسرے کپڑے کو خرید لیا جس کو دیکھا نہیں تو دوسرے کپڑے کے خیار رؤیت کے ماتحت دونوں کپڑوں کو واپس کر سکتا ہے۔

دلیل: دونوں کپڑے مختلف ہیں ایک کو دیکھنا دوسرے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے دوسرے کپڑے میں خیار رؤیت ملے گا اور چونکہ بیع ایک ہی ہے اگر ایک کپڑے کو واپس کرے گا تو آدھی بیع رہ جائے گی اور آدھی واپس ہوگی اس لئے واپس کرے گا تو دونوں کپڑے اور رکھے گا تو دونوں کپڑے۔

(۸۶۶/۱۰) وَمَنْ مَاتَ وَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ بَطَلَ خِيَارُهُ.

ترجمہ: اور اگر مر گیا وہ جس کو دیکھنے کا اختیار تھا تو اس کا اختیار باطل ہو جائے گا۔

تشریح: خیار رؤیت ایک معنوی چیز ہے اور معنوی چیز دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوتی ہے اس لئے مرنے کے بعد یہ اختیار ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

(۸۶۷/۱۱) وَمَنْ رَأَى شَيْئاً ثُمَّ اشْتَرَاهُ بَعْدَ مُدَّةٍ فَإِنْ كَانَ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي رَآهُ فَلَاخِيَارَ لَهُ وَإِنْ وَجَدَهُ مُتَغَيِّراً فَلَهُ الْخِيَارُ.

ترجمہ: اور جس نے دیکھی کوئی چیز پھر خریدا اس کو ایک مدت کے بعد پس اگر اسی حالت پر رہے جس پر دیکھی

تھی تو اس کے لئے اختیار نہیں ہے اور اگر اس کو بدلا ہوا پایا تو اس کے لئے خیار رؤیت ہے

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی چیز دیکھی پھر ایک مدت کے بعد اس کو خریدا اب اگر یہ چیز اسی صفت پر ہے جس صفت پر اس کو دیکھا تھا تو مشتری کے لئے خیار رؤیت حاصل نہ ہوگا مثلاً چھ ماہ قبل ایک چیز کو دیکھا تھا اور اسی حال پر وہ مبیع موجود ہے تو پہلی رؤیت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی ہے اس لئے مشتری کو خیار رؤیت نہیں ملے گا اور اگر مبیع کی حالت بدل گئی تو پہلی رؤیت حقیقت معلوم کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے مشتری کو خیار رؤیت ملے گا اور اس کے ماتحت مبیع کو واپس کرنے کا حق ہوگا۔

باب خیار العیب

(یہ باب خیار عیب کے بیان میں ہے)

عیب کی لغوی تعریف: لغت میں عیب ہر وہ چیز ہے جس سے فطرت سلیمہ خالی ہو یعنی جو اصل پیدائش میں داخل نہ ہو اور اس کی وجہ سے وہ چیز ناقص شمار کی جانے لگے۔

اصطلاحی تعریف: جس سے سوداگروں کے یہاں قیمت گھٹ جائے جیسے غلام کا بھاگنا یا چوری کرنا وغیرہ وغیرہ۔

خیار عیب کا ثبوت: مبیع میں عیب ہو جائے جس کے تحت مبیع کو واپس کرنے کا اختیار ہو اس کا ثبوت حدیث کے ان الفاظ سے ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلاً اِبْتَاعَ غُلَاماً فَاَقَامَ عِنْدَهُ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يُقِيْمَ ثُمَّ وَجَدَ بِهِ عَيْباً فَخَاصَمَهُ اِلَى النَّبِيِّ فَرَدَّهُ عَلَيْهِ. (ابو داوٗد باب فیمن اشتری عبداً فاستعمله ۲/۴۹۵)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے غلام خریدا پھر اس کے پاس جب تک اللہ نے چاہا ٹھہرا رہا پھر اس میں عیب پایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا لے گیا تو غلام کو بائع پر واپس کر دیا گیا

(۱/۸۶۸) اِذَا اِطَّلَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلٰى عَيْبٍ فِی الْمَبِيْعِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهُ وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يُمْسِكَهُ وَيَاْخُذَهُ النُّقْصَانَ.

حل لغت: یمسکه: فعل مضارع، مصدر امسا کا باب افعال روکنا۔

ترجمہ: جب مطلع ہو جائے مشتری کسی عیب پر مبیع میں تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن سے اس کو لے لے اور اگر چاہے تو اس کو واپس کر دے اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ مبیع کو روک لے اور نقصان لے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا یہ سمجھ کر کہ اس میں عیب نہیں ہے بعد میں عیب کا پتہ

چلا تو مشتری کو اختیار ہے جی چاہے تو اس کو پورے ثمن کے بدلے لے اور جی چاہے تو پوری مبیع واپس کر دے لیکن یہ نہیں ہوگا کہ مبیع رکھ لے اور بائع سے ثمن کی وہ مقدار واپس لے لے جو عیب کی وجہ سے کم ہوگئی ہے مثلاً مبیع غیر معیب کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے اور معیب کی قیمت آٹھ سو روپیہ ہے تو مقدار نقصان دو سو روپیہ کہلائیں گے مشتری پوری مبیع اس وقت واپس کرسکتا ہے جب خریدتے وقت اس عیب کو نہ دیکھا ہو اور اس عیب پر راضی نہ ہوا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایسا عیب ہو جس کو تجار عیب کہتے ہیں تب عیب کے ماتحت واپس کرسکتا ہے مبیع واپس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری کا حق ضائع ہوا اس لئے مبیع واپس کر کے اپنا پورا حق وصول کرے گا نقصان وصول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عیب ایک صفت ہے اور صفت کے مقابلہ میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے عیب کے لئے الگ سے قیمت نہیں دی جائے گی۔

(۲/۸۶۹) وَكُلُّ مَا اَوْجَبَ نُقْصَانَ الثَّمَنِ فِيْ عَادَةِ التُّجَّارِ فَهُوَ عَيْبٌ

ترجمہ: اور ہر وہ عیب جو ثمن کا نقصان واجب کرتا ہو تاجروں کی عادت میں وہ عیب ہے

تشریح: تاجر جس کو عیب کہتے ہیں اور جس عیب کی وجہ سے قیمت میں کمی واقع ہو جاتی ہے وہ عیب ہے اصل میں عیب میں وہاں کے محاورے کا اعتبار ہے

(۳/۸۷۰) وَالْاِبَاقُ وَالْبَوْلُ فِيْ الفِرَاشِ وَالسَّرِقَةُ عَيْبٌ فِي الصَّغِيْرِ مَالَمْ يَبْلُغْ فَاِذَا بَلَغَ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِعَيْبٍ حَتّٰى يُعَاوِدَهُ بَعْدَ الْبُلُوْغِ.

حل لغات: الاباق: مصدر باب (س) بھاگنا۔ البول: مصدر باب (ن) پیشاب کرنا۔ السرقة: مصدر باب (ض) چرانا۔ یعاوده: فعل مضارع باب مفاعلة امر اول کی طرف واپس آنا، دوبارہ ظاہر ہونا۔

ترجمہ: بھاگنا اور بستر پر پیشاب کرنا اور چوری کرنا عیب ہے بچہ میں جب تک بالغ نہ ہو پھر جب بالغ ہو جائے تو یہ عیب نہیں ہے یہاں تک کہ بالغ ہو جانے کے بعد دوبارہ کرے۔

چند عیوب کا بیان

تشریح: غلام کا بھگوڑا ہونا، مدت سفر کے برابر بھی عیب ہے اور مدت سفر سے کم بھی کیونکہ دونوں صورتوں میں آقا کے منافع فوت ہو جاتے ہیں۔ بچہ کا بستر پر پیشاب کرنا اسی وقت عیب شمار ہوگا جب کہ بچہ اتنا سمجھدار ہو کہ وہ اکیلا کھا پی سکتا ہو اور اگر اتنا سمجھدار نہ ہو تو اس کا بستر پر پیشاب کرنا عیب شمار نہ ہوگا۔ چوری کرنا دس درہم ہو یا اس سے کم دونوں صورتوں میں عیب ہے۔

اس عبارت میں امام قدوری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ بچپن کے زمانے میں بھاگنا، پیشاب کرنا، چوری کرنا کسی اور وجہ سے ہوتے ہیں اور بالغ ہونے کے بعد کسی اور وجہ سے، اس لئے اگر مذکورہ چیزیں بچپن کے زمانے میں پائی گئیں

اور مشتری نے بچپنے ہی میں خرید لیا پھر بالغ ہونے کے بعد یہ تمام عیوب ظاہر ہوئے تو ان عیوب کی وجہ سے مشتری مبیع بائع کو واپس نہیں کر سکتا کیونکہ مشتری کے یہاں نئے عیوب ظاہر ہوئے ہیں بائع کے یہاں کے نہیں ہیں۔

بچپن کے زمانہ میں بستر پر پیشاب کرنا مثانہ کی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد پیٹ کی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے، بچپن میں بھاگنا کھیل کود سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد سمجھدار ہو گیا ہے اب بھاگنا خباثت کی وجہ سے ہے، بچپن میں چوری لاپرواہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور بالغ ہونے بعد فطری گندگی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

(۴/۸۷۱) وَالْبَخَرُ وَالذَّفَرُ عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ وَلَيْسَ بِعَيْبٍ فِي الْغُلَامِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مِنْ دَاءٍ.

حل لغات: البخر: منھ کی بدبو، باب (س) مصدر بخر اًگندہ دہن ہونا۔ الذفر: بغل کی بدبو۔ داء: بیماری

ترجمہ: منھ کی بدبو اور بغل کی بدبو عیب ہے باندی میں اور نہیں ہے عیب غلام میں مگر یہ کہ کسی بیماری کی وجہ سے ہو۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ منھ کی بدبو اور بغل کی بدبو باندی میں عیب شمار ہوگی لیکن غلام میں نہیں کیونکہ باندی کے ساتھ آقا رات گزارے گا اور کبھی کبھی بوس وکنار اور جماع بھی کرنا مقصود ہوتا ہے چنانچہ اگر باندی میں یہ چیزیں ہونگی تو رات گزارنا مشکل ہوگا اور نفع اٹھانے سے محروم رہے گا اس لئے باندی میں یہ عیب ہے ان کی وجہ سے باندی کو واپس کر سکتا ہے البتہ غلام کے ساتھ رات گزارنا نہیں ہے بلکہ اس سے خدمت لینا ہے اور یہ بدبو اس مقصد میں مخل نہیں ہوگی اس لئے اس میں بدبو ہو تو کوئی حرج نہیں ہاں اگر بیماری کی وجہ سے ہو تو بیماری خود عیب ہے اس لئے بیماری کی وجہ سے غلام واپس کر سکتا ہے۔

(۵/۸۷۲) وَالزِّنَا وَوَلَدُ الزِّنَا عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ دُوْنَ الْغُلَامِ.

ترجمہ: اور زنا اور حرامی ہونا باندی میں عیب ہے غلام میں نہیں

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ باندی کا زانیہ ہونا اور اس کا زنا کے نطفہ سے پیدا ہونا دونوں باتیں باندی میں عیب ہیں اور غلام میں دونوں باتیں عیب نہیں ہیں۔ باندی میں عیب اس لئے ہے کہ زنا والی عورت ہوگی تو اس سے جو نسل چلے گی وہ خراب عادت کی ہوگی اور باندی سے نسل بڑھانا ہے تو گویا خراب عادت ڈالنے والی عورت آگئی اس لئے باندی میں زنا کار ہونا عیب ہے، اسی طرح باندی تو خود زنا کار نہیں ہے لیکن اس کی ماں نے زنا کر کے اس کو پیدا کیا ہے اور یہ باندی حرامی ہے اب اس سے جو نسل ہوگی وہ بھی حرامی اور عیب دار کہلائے گی اس لئے باندی میں زنا کار ہونا حرامی ہونا عیب ہے۔ غلام سے نسل بڑھانا نہیں ہے بلکہ غلام سے مقصود خدمت لینا ہے اس لئے اس میں یہ دونوں باتیں عیب نہیں ہیں ہاں غلام زنا میں اتنا مشغول ہے کہ خدمت کرنے میں خلل انداز ہوتا ہے تو پھر یہ عیب شمار ہوگا کیونکہ اس عادت

کی وجہ سے یہ غلام عورتوں کے چکر میں پڑا رہے گا تو آقا کی خدمت کیا خاک کرے گا اس لئے اس عیب کے تحت بائع کو واپس کیا جائے گا

(۶/۸۷۳) وَاِذَا حَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِیْ عَیْبٌ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ عِنْدَ الْبَائِعِ فَلَهُ اَنْ یَرْجِعَ بِنُقْصَانِ الْعَیْبِ وَلَا یَرُدُّهُ الْمَبِیْعُ اِلَّا اَنْ یَرْضَی الْبَائِعُ اَنْ یَأْخُذَهُ بِعَیْبِهٖ.

ترجمہ: اور جب پیدا ہو جائے مشتری کے پاس کوئی عیب پھر وہ مطلع ہو اس عیب پر جو بائع کے پاس تھا تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ رجوع کرے عیب کی کمی کا اور واپس نہیں کر سکتا مبیع کو مگر یہ کہ راضی ہو بائع، اس کو بعینہ واپس لینے پر۔

تشریح: مشتری نے مبیع خریدی پھر اس کے یہاں نیا عیب پیدا ہو گیا بعد میں پتہ چلا کہ بائع کے یہاں بھی ایک عیب تھا تو اب دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ صحیح سالم مبیع اور عیب دار مبیع کے درمیان جو فرق ہے وہ فرق بائع سے وصول کرے اور مبیع اپنے پاس رکھ لے مثلاً عیب قدیم سے سلامتی کی صورت میں مبیع کی قیمت دس روپیہ ہیں اور عیب قدیم کے ساتھ آٹھ روپیہ تو دو روپیہ نقصان عیب کہلائے گا اور مشتری کو بائع سے دو روپیہ لینے کا اختیار ہو گا دوسری صورت یہ ہے کہ اگر بائع راضی ہو تو نئے عیب کے باوجود مبیع کو واپس کر دے لیکن اس صورت میں اس عیب دار مبیع کو لینے کے لئے بائع کا راضی ہونا ضروری ہے کیونکہ مشتری کے یہاں بھی ایک عیب پیدا ہو چکا ہے۔

(۷/۸۷۴) وَاِنْ قَطَعَ الْمُشْتَرِیْ الثَّوْبَ وَخَاطَهٗ اَوْ صَبَغَهٗ اَوْلَتَّ السَّوِیْقَ بِسَمْنٍ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰی عَیْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهٖ وَلَیْسَ لِلْبَائِعِ اَنْ یَأْخُذَهٗ بِعَیْنِهٖ.

حل لغات: خاطه: باب (ض) مصدر خیطاً معنی سینا۔ صبغه: باب (ن ض ف) مصدر صبغاً معنی رنگنا۔ لت السویق: ستو کو پانی سے تر کرنا، ستو میں گھی ملانا۔ سمن: گھی جمع اَسْمُنٌ۔

ترجمہ: اور اگر مشتری کپڑا کاٹ دے اور اس کو سی لے یا رنگ دے یا ستو کو گھی میں ملا دے پھر عیب پر مطلع ہو تو اس کے نقصان کا رجوع کرے گا اور بائع کے لئے جائز نہیں ہے کہ بعینہ مبیع کو لے لے۔

تشریح: اس مسئلہ کا دارو مدار اس قاعدہ پر ہے کہ مشتری کے پاس جانے کے بعد مبیع میں ایسی زیادتی ہو گئی جو مبیع سے الگ نہیں ہو سکتی اگر مبیع کو واپس کرتے ہیں تو زیادتی کے ساتھ واپس ہوتی ہے اس صورت میں سود کا شبہ ہے کہ بائع نے سود لیا اس لئے یہی ایک صورت ہے کہ صحیح سالم اور عیب دار مبیع میں جو فرق ہے وہ وصول کرے اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے خرید کردہ کپڑا کاٹ کر سی لیا تو کپڑے میں زیادتی ہو گئی یا رنگ دیا تو زیادتی ہو گئی یا ستو کو گھی میں ملا دیا تو ستو میں ایسی زیادتی ہو گئی کہ الگ نہیں ہو سکتی اس لئے نقصان کا رجوع کرے گا اور بائع اس مبیع کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا اگرچہ بائع اور مشتری دونوں مبیع کی واپسی پر رضامند بھی ہوں کیونکہ اس مبیع میں زیادتی ہو گئی اب اگر اس کو واپس کریگا تو

زیادتی کی وجہ سے ربٰو اور سود کا شائبہ ہوگا اس لئے واپس نہیں لے سکتا۔

(۸/۸۷۵) وَمَنِ اشْتَرٰى عَبْداً فَاَعْتَقَهٗ اَوْ مَاتَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهٖ.

ترجمہ: کسی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا یا وہ اس کے پاس مر گیا پھر مطلع ہوا کسی عیب پر تو عیب کا نقصان لے سکتا ہے۔

خیارِ عیب کے باقی مسائل

تشریح: اگر کسی نے غلام خرید کر آزاد کر دیا یا غلام مشتری کے پاس آکر مر گیا پھر مشتری اس عیب پر مطلع ہوا جو بائع کے یہاں پیدا ہوا تھا تو اس صورت میں مشتری اپنے بائع سے نقصان عیب لے سکتا ہے غلام مر جانے کی صورت میں تو اسلئے کہ مشتری غلام کو واپس نہیں کر سکتا لیکن مشتری کا حق بائع کے پاس رہ گیا جس کو واپس کرنا ہے تو یہی صورت ہو سکتی ہے کہ نقصان کا رجوع کرے اور مشتری نے کہیں جان بوجھ کر مارا ہے کہ یہ کہہ سکے کہ مشتری اس عیب پر راضی تھا بلکہ قدرتی طور پر مرا اس لئے رجوع بالنقصان کرے گا ایسے ہی اگر غلام آزاد کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو نقصان کا رجوع کرے گا۔

دلیل: عَنِ الشَّعْبِی اَنَّ رَجُلاً اِبْتَاعَ عَبْداً فَاَعْتَقَهٗ وَوَجَدَ بِهٖ عَيْباً فَقَالَ يُرَدُّ عَلٰى صَاحِبِهٖ فَضْلُ مَا بَيْنَهُمَا. (مصنف عبد الرزاق ۱۶۴/۸)

حضرت شعبی سے منقول ہے کہ کسی آدمی نے غلام خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا بعد میں اس میں عیب پایا فرمایا بائع پر دونوں کے درمیان فرق لوٹایا جائے گا (صحیح اور عیب دار کے درمیان قیمت کا جو فرق ہو وہ بائع سے لیا جائے گا)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے کے بعد عیب کا پتہ چلا تو نقصان وصول کرے گا۔

(۹/۸۷۶) فَاِنْ قَتَلَ الْمُشْتَرِی الْعَبْدَ اَوْ كَانَ طَعَاماً فَاَكَلَهٗ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبِهٖ لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ بِشَيْءٍ فِی قَوْلِ اَبِی حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ.

ترجمہ: پس اگر قتل کر دیا مشتری نے غلام کو یا مبیع کھانا تھا اس کو کھا گیا پھر مطلع ہوا اس کے عیب پر تو کچھ بھی رجوع نہیں کریگا بائع پر امام ابو حنیفہ کے قول میں اور صاحبین نے فرمایا کہ عیب کا نقصان لے سکتا ہے

تشریح: ایک شخص نے غلام خرید کر اس کو قتل کر دیا پھر غلام کے اندر ایسے عیب پر واقف ہوا جو عیب بائع کے پاس پیدا ہوا تھا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بائع سے مشتری کو نقصان عیب واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا۔

دلیل: قتل کرنا اس بات پر دلیل ہو سکتا ہے کہ وہ اس عیب سے راضی تھا اس لئے نقصان لے سکتا ہے اس عبارت میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کھانے کی کوئی چیز خرید کر اس کو کھا ڈالا پھر عیب پر مطلع ہوا تو امام صاحب

کے نزدیک بائع سے نقصان وصول نہیں کرے گا کیونکہ جب اس نے خود کھالیا تو اب اگر بائع اس مبیع کو واپس مانگے تو مشتری نہیں دے سکے گا اور یہ مشتری کے کرتوت سے ہوا تو گویا مشتری کے عمل نے مبیع کو واپس نہیں ہونے دیا اس لئے مشتری کو نقصان لینے کا حق نہیں ہوگا صاحبین فرماتے ہیں کہ نقصان لے گا کیونکہ مشتری کو کیا معلوم کہ مبیع میں عیب تھا اس لئے وہ عیب سے راضی نہیں تھا۔

نیز حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ایک آدمی نے باندی خریدی اور اس سے صحبت کی پھر اس میں عیب پایا تو فرمایا کہ باندی مشتری کو لازم ہوگئی اور بائع تندرست اور عیب کے درمیان جو فرق ہے وہ واپس کرے۔ (مصنف عبدالرزاق ۱۵۲/۸)

(۸۷۷/۱۰) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً فَبَاعَهُ ثُمَّ رُدَّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ فَاِنْ قَبِلَهُ بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ فَلَهُ اَنْ يَرُدَّهُ عَلٰى بَائِعِهِ الاَوَّلِ وَاِنْ قَبِلَهُ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِيْ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَرُدَّهُ عَلٰى بَائِعِهِ الْاَوَّلِ۔

ترجمہ: کسی نے غلام بیچا پھر اس غلام کو خریدار نے دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا پھر مشتری کو واپس کر دیا گیا عیب کی وجہ سے پس اگر خریدار نے اس غلام کو قاضی کے فیصلہ سے قبول کیا ہو تو اس کو حق ہے کہ اس غلام کو بائع اوّل کو واپس کر دے اور اگر اس کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر قبول کیا تو مشتری کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس کو بائع اوّل پر واپس کرے۔

تشریح: ایک شخص (رحیم) نے اپنا غلام فروخت کیا پھر مشتری (زید) نے غلام پر قبضہ کر کے کسی دوسرے (خالد) کو فروخت کر دیا پھر مشتری ثانی (خالد) نے غلام کے اندر موجود عیب کی وجہ سے اس کو مشتری اول (زید) کی طرف واپس کر دیا تو مشتری اول (زید) بائع اول (رحیم) کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر زید نے عیب کا انکار کیا مشتری ثانی خالد نے مدعی ہونے کی حیثیت سے زید کے اقرار عیب پر گواہ پیش کر دیئے قاضی نے عیب کے ثبوت کی وجہ سے غلام کو واپس کرنے کا فیصلہ دیا جس سے مجبور ہو کر زید نے غلام کو قبول کیا تو اس صورت میں زید کو حق ہے کہ اس عیب کی وجہ سے بائع اول رحیم کی طرف واپس کر دے۔

دلیل: قاضی نے جب غلام واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو زید اور خالد کے درمیان کی بیع بالکل ختم ہوگئی گویا کہ کوئی بیع ہوئی ہی نہیں اور زید نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے غلام (رحیم) کو واپس کرنا مشکل ہو اس لئے مشتری (زید) بائع اول (رحیم) کی طرف مبیع واپس کر دے گا اور اگر زید نے خالد سے غلام قاضی کے فیصلہ کے بغیر لیا تو زید اور خالد کے درمیان بیع بالکل ختم نہیں ہوئی اس کے اثرات باقی ہیں اور وہ یہ ہے کہ زید کے بیچنے کی وجہ رحیم کو واپس کرنا مشکل ہوگیا کیونکہ مشتری اول زید نے اس غلام کو بغیر قاضی کے فیصلہ کے قبول کیا ہے اس لئے عیب پر زید کی رضامندی ظاہر بھی ہوگئی ہے اور جب زید غلام کے عیب پر راضی ہوگیا تو اب اس کو اپنے بائع کی طرف واپس کرنے کا حق نہ ہوگا اور نہ نقصان عیب لینے کا اختیار ہوگا۔

(۸۷۸/۱۱) وَمَنِ اشْتَرىٰ عَبْداً وَشَرَطَ الْبَائِعُ الْبَرَاءَةَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَرُدَّهُ بِعَيْبٍ جُمْلَةَ الْعُيُوْبِ وَلَمْ يَعُدَّهَا.

ترجمہ: کسی نے غلام خریدا اور شرط لگائی بائع نے ہر عیب سے بَری ہونے کی تو مشتری کے لئے جائز نہیں ہے کہ واپس کردے اس کو عیب کی وجہ سے چاہے تمام عیبوں کا نام نہ لیا ہو اور نہ ان کو گنوایا ہو۔

تشریح: کسی نے غلام بیچا اور مشتری سے کہا کہ مبیع دیکھ لو میں تمام عیوب سے بری ہوں پھر واپس نہیں کرونگا بائع نے ہر ہر عیب کو نہ گنوایا اور نہ تمام عیوب کا نام لیا مشتری نے اس شرط کو قبول کرلیا تو اب بائع تمام عیوب سے بری ہوگا اور مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے بائع کو واپس نہیں کرسکتا۔

دلیل: عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّہٗ کَانَ یَرِیٰ الْبَرَاْءَۃَ مِنْ کُلِّ عَیْبٍ جَائِزاً.
یعنی حضرت زید بن ثابت تمام عیوب سے براءت کو جائز سمجھتے تھے۔(سنن للبیہقی ۵/۵۳۶)

امام شافعی کے نزدیک جن جن عیوب کا نام لے گا انھیں عیوب سے بری ہوگا اور جن عیوب کا نام نہیں لیگا ان عیوب سے بائع بری نہیں ہوگا ان عیوب کی وجہ سے مشتری کو مبیع لوٹانے کا حق ہوگا۔

دلیل: عَنْ اِبْرَاھِیْمَ النَّخْعِیْ فِیْ الرَّجُلِ یَبِیْعُ السِّلْعَۃَ وَیَبْرَءُ مِنَ الدَّاءِ قَالَ ھُوَ یَرِیٰ مِمَّا سَمّٰی. (بیہقی ۵/ ۵۳۷)

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا جو آدمی سامان فروخت کرتا ہو اور بیماری سے براءت لیتا ہو تو جن جن عیوب کا نام لیا ہو ان عیوب سے بری ہوگا۔

باب البیع الفاسد

(یہ باب بیع فاسد کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: بیع صحیح کی دونوں قسموں لازم اور غیر لازم کے بیان سے فارغ ہوکر اس باب میں بیع غیر صحیح کے احکام ذکر کررہے ہیں بیع صحیح چونکہ اصل ہے اس لئے اس کو پہلے بیان کیا ہے، اور بیع غیر صحیح بعد میں۔

بیع غیر صحیح کی چار قسمیں ہیں (۱) بیع باطل (۲) بیع فاسد (۳) بیع موقوف (۴) بیع مکروہ۔

باطل باب (ن) سے (م) بطلان بیکار ہونا۔

بیع باطل وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے مشروع نہ ہو یعنی اس بیع کا وجود ہی نہیں ہے جیسے کوئی آزاد کو بیچ دے تو آزاد مال نہیں ہے اس لئے یہ بیع ہوگی ہی نہیں اس کا حکم یہ ہے کہ نہ بائع اس ثمن کا مالک ہوگا جو مشتری سے لیا ہے اور نہ مشتری مبیع کا مالک ہوگا کیونکہ یہ بیع سرے سے ہوئی ہی نہیں۔

بیع فاسد: فاسد فساد سے مشتق ہے خراب ہونا بگڑ جانا، بیع فاسد وہ ہے جو ذات کے اعتبار مشروع ہو لیکن وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو جیسے گھر فروخت کرے اور کہے کہ دو ماہ تک اس میں رہوں گا تو یہ بیع شرط فاسد لگانے

کی وجہ سے فاسد ہوگی اس کا حکم یہ ہے کہ حتی الامکان: اس بیع کو توڑ دینا چاہئے لیکن بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور بیع کو بحال رکھا اور کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا تو کراہیت کے ساتھ اس بیع کو جائز قرار دیں گے اور مشتری مبیع کا مالک بن جائے گا اور بائع ثمن کا مالک ہو جائے گا۔

نسبت: فاسد اور باطل میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے یعنی فاسد کا اطلاق فاسد اور باطل دونوں پر ہوتا ہے اور باطل کا اطلاق صرف باطل پر ہوتا ہے ہر باطل فاسد ہے لیکن ہر فاسد باطل نہیں ہے۔

(الجوہرة النیرة، ۱/۲۴۴)

بیع موقوف: وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے درست ہو مگر اس کا نفاذ عاقدین کے علاوہ کسی تیسرے کی اجازت پر منحصر ہو جیسے کسی نے دوسرے کا غلام اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دیا اس کا حکم یہ ہے کہ اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی وہ اگر اجازت دیدے تو درست ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

بیع مکروہ: وہ ہے جو ذات اور وصف دونوں اعتبار سے درست مشروع ہو مگر کسی دوسری چیز کے اتصال کی وجہ سے ممنوع ہو جیسے اذانِ جمعہ کے بعد فروخت کرنا۔

(۱/۸۷۹) اِذَا كَانَ اَحَدُ الْعِوَضَيْنِ اَوْ كِلَاهُمَا مُحَرَّماً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ كَالْبَيْعِ بِالْمَيْتَةِ اَوْ بِالدَّمِ اَوْ بِالْخَمرِ اَوْ بِالْخِنْزِيْرِ.

حل لغات: فاسد، لغۃً، فسادٌ سے مشتق ہے، بگڑ جانا خراب ہو جانا، المیتۃ، مردار، جمع میتاتٌ، الخمر، انگوری شراب، ہر نشیلی چیز۔

ترجمه: جب ہوں عوضین میں سے ایک یا دونوں حرام چیزیں تو بیع فاسد ہے جیسے بیع مردار کے بدلے یا خون کے بدلے یا شراب کے بدلے یا خنزیر کے بدلے۔

تشریح: صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ مبیع یا ثمن یا دونوں اگر شرعاً حرام ہوں تو بیع فاسد ہے جیسے مردار یا خون یا شراب یا خنزیر کو ثمن بنایا ہو امام قدوریؒ نے ان تمام صورتوں کو بیع فاسد قرار دیا ہے حالانکہ ان میں بعض بیع فاسد ہیں اور بعض باطل صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر مردار یا خون یا آزاد آدمی کو ثمن بنایا اور کپڑے وغیرہ کسی چیز کو مبیع بنایا تو ان صورتوں میں بیع باطل ہوگی کیونکہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں اور بیع کا رکن مبادلة المال بالمال ہے چنانچہ بیع کا رکن ختم ہوگیا اس لئے مذکورہ صورتوں میں بیع باطل ہوگئی اور اگر شراب یا خنزیر کو ثمن بنایا گیا تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ شراب اور خنزیر اہل ذمہ کے نزدیک مال شمار ہوتے ہیں لہٰذا مبادله المال بالمال پائے جانے کی وجہ سے بیع کی حقیقت پائی گئی لیکن مسلمان شراب اور خنزیر کے نہ سپرد کرنے پر قادر ہے اور نہ قبضہ کرنے پر قادر ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی۔

(۲/۸۸۰) وَكَذٰلِكَ اِذَا كَانَ الْمَبِيْعُ غَيْرَ مَمْلُوْكٍ كَالْحُرِّ وَبَيْعُ اُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ فَاسِدٌ.

ترجمہ: اور ایسے ہی جب مبیع مملوک نہ ہو جیسے آزاد ام ولد، مدبر، مکاتب کی بیع فاسد ہے۔

تشریح: ام ولد، وہ باندی ہے جس کے ساتھ اس کے آقا نے صحبت کی ہو اور اس کے نتیجہ میں اس نے بچہ جنا ہو یہ باندی آقا کے انتقال کے بعد فوراً آزاد ہو جائے گی۔

مدبر: مدبر کی دو قسمیں ہیں (۱) مدبر مطلق (۲) مدبر مقید

مطلق: مدبر مطلق وہ ہے کہ آقا نے یہ کہہ دیا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔

مقید: مدبر مقید وہ ہے کہ آقا نے اس کی آزادی کسی مخصوص موت پر معلق کر دی مثلاً یہ کہہ دیا کہ اگر میں اس بیماری میں مر گیا جس میں مبتلا ہوں تو تو آزاد ہے۔

مکاتب: وہ ہے کہ آقا نے اس سے یہ کہہ دیا کہ تم ایک ہزار روپئے ادا کر دو تو تم آزاد ہو ان اصطلاحات کو سمجھنے کے بعد مسئلہ سمجھئے۔

وہ یہ کہ امام قدوری کے بقول ام ولد، مدبر، اور مکاتب کی بیع فاسد ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہاں فاسد سے مراد باطل ہے یعنی مذکورہ اشخاص کی بیع باطل ہے تفصیل یہ ہے کہ (۱) آزاد آدمی کی بیع کرے تو آزاد مملوک ہی نہیں ہے اس لئے اس کی بیع باطل ہے دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے کہا قیامت کے دن تین آدمیوں کا خصم ہوں گا ایک وہ آدمی جس نے مجھے عہد دیا اور دھوکہ دیا دوسرے وہ جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ تیسرے وہ آدمی جس نے کسی کو مزدوری پر رکھا اس سے پورا کام کرایا اور اس کو اس کی مزدوری نہیں دی۔

(بخاری ۱/ ۲۹۷ باب اثم من باع)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد آدمی کو بیچنا حرام ہے اور اس کا ثمن کھانا بھی حرام ہے (۲) ام ولد میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے وہ مولیٰ کے مرتے ہی آزاد ہو جائے گی اس لئے ام ولد کا بیچنا جائز نہیں ہے وہ گویا کہ مال ہی نہیں ہے۔

(۳) مدبر مقید کی بیع تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے البتہ مدبر مطلق، کی بیع میں فقہاء کا اختلاف ہے شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ (مزید تفصیل باب التدبیر مسئلہ (۲) کے تحت ملاحظہ فرمائیں)

(۴) مکاتب کو بیچنا اس لئے جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے کچھ بدل کتابت ادا کر کے مولیٰ سے آزاد ہونے کا پروانہ اور عہد لے لیا ہے اب اگر اس کو بیچ دیا جائے تو عہد کے خلاف ہوگا اور آزادگی کا شائبہ ختم ہو جائے گا اس لئے مکاتب کو بیچنا جائز نہیں ہاں اگر وہ خود راضی ہو کہ مجھے بیچ دیا جائے اور مکاتبت توڑ دی جائے تو اس کو بیچا جا سکتا ہے۔

(۳/۸۸۱) وَلَایَجُوْزُ بَیْعُ السَّمَكِ فِیْ الْمَاءِ قَبْلَ اَنْ یَصْطَادَہٗ وَلَابَیْعُ الطَّائِرِ فِی الْهَوَاءِ

حل لغات: السمك، مچھلی جمع اسماك، یصطادہ، باب افتعال سے مصدر اصطیاداً شکار کرنا الھواء فضاء۔

ترجمہ: اورنہیں جائز ہے مچھلی کی بیع پانی میں اس کوشکار کرنے سے پہلے، اور نہ پرندے کی بیع فضاء میں

مبیع قبل القبض فروخت کرنا جائز نہیں

تشریح: مبیع اگر مال تو ہے مگر اپنے قبضہ میں نہیں ہے کہ فوراً مشتری کے حوالے کر سکے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ مچھلی پانی میں ہے ابھی اس کا شکار نہیں کیا ہے اسی طرح پرندہ ہوا میں ہے اس کا شکار نہیں کیا ہے یا وہ قبضہ میں نہیں ہے تو اس کی بیع کرنا فاسد ہے کیونکہ اس کو حوالے کرنا مشکل ہے مگر چونکہ مچھلی اور پرندہ مال ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی لیکن اگر ان پر قبضہ کر کے بعد میں مشتری کے حوالے کر دیا اور کوئی جھگڑا نہیں ہوا اور خریدار نے قبول کر لیا تو بیع جائز ہو جائے گی۔

(۴/۸۸۲) وَلَایَجُوْزُ بَیْعُ الْحَمْلِ فِی الْبَطْنِ وَلَاالنِّتَاجِ .

حل لغات: الحمل : پیٹ کا بچہ جمع حِمَالٌ. النتاج: حمل کا جو بچہ ہو، یعنی حمل کا حمل۔

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے حمل کی بیع پیٹ میں اور نہ حمل کے حمل کی بیع

حمل کی اور حمل کے حمل کی بیع جائز نہیں

تشریح: ابھی حمل پیٹ میں ہو اور اس کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے مثلاً بائع کہے کہ اس بھینس کے پیٹ میں جو بچہ ہے میں نے پانچ سو روپیہ میں بیچ دیا مشتری نے قبول کر لیا تو یہ بیع باطل ہے اسی طرح حمل میں جو بچہ ہے اس بچہ کی بیع کرے تو جائز نہیں ہے مثلاً خریدار کہے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں اگر مادہ بچہ ہو اور وہ بڑا ہو کر بچہ جنے وہ میں نے خرید لیا بائع نے اس کو منظور کر یا یہ بیع بھی باطل ہے۔

دلیل: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ بَیْعِ حَبْلِ الْحَبْلَةِ وَکَانَ بَیْعاً یَتَبَاعُہُ الْجَاھِلِیَّةِ (بخاری ۱/۲۸۷ باب بیع الغرر وحبل الحبلة)

آپ نے حمل کے بچہ کی بیع سے منع کیا جاہلیت کے لوگ ایسی بیع کیا کرتے تھے لوگ اس طرح بیع کرتے تھے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ جب بچہ جنے اس کی بیع کرتا ہوں۔

اس حدیث میں حمل اور حمل کے بچہ کو بیچنا ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

(۵/۸۸۳) وَلَا الصُّوْفِ عَلٰی ظَھْرِ الْغَنَمِ.

حل لغات: الصوف : اون جمع اصواف. ظہر: پیٹھ۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے اون کا بیچنا بکری کی پیٹھ پر

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ بکری اور بھیڑ کی پیٹھ پر اون کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ کاٹنے کی جگہ متعین نہیں ہے اس میں جھگڑا ہوسکتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے نیز حدیث میں بھی ممانعت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک طویل روایت ہے جسے علامہ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں دارقطنی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس کے اندر ہے وَلَایُبَاعُ صُوْفٌ عَلٰی ظَهْرٍ. (عینی ۳/۸۵) اور نہ بیچا جائے اون کو پیٹھ پر

(۶/۸۸۴) وَلَابَيْعُ اللَّبَنِ فِي الضَّرْعِ.

لغت: الضرع: جمع ضروع تھن۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے دودھ کی بیع تھن میں

تشریح: تھن کے دودھ کا فروخت کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے اور دھوکہ اس وجہ سے ہے کہ ہوسکتا ہے کہ تھن ہوا کی وجہ سے پھولا ہو مشتری اس کو دودھ خیال کرے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ دوہنے کی کیفیت میں جھگڑا ہوگا کیونکہ خریدار چاہے گا کہ ایک ایک قطرہ نچوڑلوں اور بائع چاہے گا کہ تھنوں میں کچھ دودھ باقی رہنا چاہئے۔

(۷/۸۸۵) وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ ذِرَاعٍ مِّنْ ثَوْبٍ وَلَابَيْعُ جِذْعٍ مِنْ سَقْفٍ.

لغات: ذراع: گز۔ جذع: شہتیر جو چھت میں لگی ہوتی ہے وہ ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے۔ سقف: چھت۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے گز کی بیع تھان میں سے اور نہ شہتیر کی بیع چھت میں سے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی ایسے کپڑے سے ایک گز کا بیچنا جس سے کاٹنا مضر ہو جائز نہیں ہے خواہ دونوں نے کاٹنے کی جگہ کا ذکر کردیا ہو یا نہ کیا ہو یہ مسئلہ اس قاعدہ پر ہے کہ مبیع بائع کے مال کے ساتھ ملی ہوئی ہو اس لئے مبیع کو الگ کرنے میں بائع کے مال کا نقصان ہوتا ہو جیسے ایک گز کو تھان سے کاٹنے میں باقی تھان کا نقصان ہے کیونکہ وہ کسی کام کا نہیں رہے گا اس لئے یہ بیع فاسد ہے لیکن اگر گز کو الگ کرنے میں تھان کا نقصان نہیں ہے جیسا کہ اس زمانے میں ہوتا ہے تو ایک دو گز کی بیع جائز ہوگی اسی طرح شہتیر چھت میں لگا ہوا ہے اس کو نکالنے سے پوری چھت کے گرنے یا کمزور ہونے کا خطرہ ہے تو ایسے شہتیر کی بیع جائز نہ ہوگی۔

(۸/۸۸۶) وَضَرْبَةِ الْقَانِصِ.

حل لغات وترکیب: اس عبارت کا عطف ماقبل میں مذکور لفظ جذع: پر ہے اصل عبارت یوں ہے ولا یجوز بیع ضربة القانص، القانص: اسم فاعل باب (ض) مصدر قَنْصاً پرندہ کا شکار کرنا۔ ضربة القانص سے مراد ایک مرتبہ جال پھینکنے سے جو شکار آئے۔

ترجمہ: اورنہیں جائز ہے جال کا ایک پھینک۔

تشریح: ایک شخص نے یوں کہا کہ ایک مرتبہ پانی میں جال پھینکتا ہوں اس میں جتنی مچھلی آجائے ان کی قیمت سو روپیہ ہوگی تو اس طرح کی بیع جائز نہیں ہے۔

دلیل: اس صورت میں مبیع مجہول ہے معلوم نہیں کتنی مچھلی جال میں آئے یہ بھی ممکن ہے کہ ایک بھی مچھلی نہ آئے بلکہ جال میں سانپ بچھو وغیرہ پھنس جائے اس لئے یہ بیع جائز نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۸۶)

(۸۸۷/۹) وَلَابَيْعُ الْمُزَابَنَةِ وَهُوَ بَيْعُ الثَّمَرِ عَلَى النَّخْلِ بِخَرْصِهٖ.

لغات: المزابنة: باب مفاعلة کا مصدر ہے ایک دوسرے کو ہٹانا، ایک دوسرے سے ٹکرانا، درخت پر پھل بیچنا۔ النخل: کھجور کا درخت۔ خرص: اندازہ

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع مزابنہ اور وہ بیچنا ہے درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے عوض اندازہ کر کے۔

بیع مزابنۃ کا عدم جواز

تشریح: کھجور کے درخت پر کھجور لگی ہوئی ہو ان کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے عوض میں بیچے تو یہ بیع فاسد ہے کیونکہ ٹوٹی ہوئی کھجور کا وزن ممکن ہے اور درخت پر لگی ہوئی کھجور کا وزن ممکن نہیں ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ جب کھجور کی بیع کھجور سے ہو تو اس صورت میں برابری ضروری ہے تفاضل حرام ہے اور انکل اور اندازے سے بیچنے کی صورت میں مساوات کا پایا جانا یقینی نہیں بلکہ کمی زیادتی کا احتمال باقی رہے گا اور اموال ربویہ میں کمی زیادتی کے احتمال کے ساتھ بیع کرنا حرام ہے۔

امام شافعی کا مذہب

امام شافعی پانچ وسق سے کم میں بیع مزابنہ کرنے کو عرایا کہتے ہیں جو کہ جائز ہے اور اگر پانچ وسق یا اس سے زیادہ ہو تو وہ مزابنہ ہے اور حرام ہے لہٰذا ان کے نزدیک اگر کوئی شخص درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو پانچ وسق سے کم کھجوروں کے عوض فروخت کرتا ہے تو یہ جائز ہے یہ بیع عرایا ہے گویا ان کے نزدیک عرایا اور مزابنہ میں فرق صرف یہ ہے کہ مزابنہ پانچ وسق سے زیادہ میں ہوتی ہے اور عرایا پانچ وسق سے کم میں ہوتی ہے۔

دلیل: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِي خَمْسَةِ اَوْسُقٍ اَوْ دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ قَالَ نَعَمْ. (بخاری ص: ۲۹۲ باب بیع الثمر علی رؤس النخل)
آپ نے عرایا کی بیع میں رخصت دی پانچ وسق یا اس سے کم میں فرمایا ہاں۔

حنفیہ کا مذہب اور تفسیر

امام ابوحنیفہ نے بیع العرایا کی جوتفسیر بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات باغ کا مالک اپنے باغ کے ایک درخت کا پھل کسی فقیراورمحتاج کو ہبہ کر دیتا تھا لیکن کھجور پکنے تک وہ صبر نہیں کر پاتا تھا اس لئے مالک اس فقیر سے کہتا کہ تم اس درخت کا پھل مجھ کوفروخت کر دواوراس کے عوض مجھ سے ٹوٹی ہوئی کھجوریں لے لو چناں چہ وہ فقیر ٹوٹی ہوئی کھجور لے کر چلا جاتا یہ صورت میں بیع ہے لیکن حقیقت میں پہلے والا ہدیہ ہی ٹوٹی ہوئی کھجور کی صورت میں دینا ہے تقریباً یہی تفسیر امام بخاری نے بھی بیان کی ہے (بخاری ص:۲۹۲)

حنفیہ کی وجوہ ترجیح

عرایا کے بارے میں امام صاحب نے جوتشریح بیان کی ہے وہ لغۃً اور درایۃً ہراعتبار سے راجح ہے لغۃً اس لئے کہ عرایا جمع ہے عریۃ کی اور عریۃ کے معنی ہیں عطیہ اور یہ بات لغت میں مشہور ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ہدیہ کر دینا عریہ کہلاتا ہے جب کہ شوافع نے جوتفسیر بیان کی ہے اس میں عطیہ کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے۔

درایۃً اس لئے راجح ہے کہ مزابنہ حقیقت میں سود کا ایک حصہ ہے اور سود کے اندر قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں ہوتا کہ قلیل میں جائز ہو اور کثیر میں ناجائز ہو اور حنفیہ کی تفسیر لینے کی صورت میں قلیل میں بھی سود کا احتمال باقی نہیں رہتا اس لئے حنفیہ کا مذہب راجح ہے۔

(۱۰/۸۸۸) وَلَایَجُوْزُ الْبَیْعُ بِالْقَاءِ الْحَجَرِ وَالْمُلَامَسَةِ.

لغت: الملامسة: کپڑا چھو کر بیع کو واجب سمجھنا۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع پتھر پھینکنے کے ساتھ اور چھونے کے ساتھ۔

تشریح: کسی جگہ مبیع رکھی ہے مشتری نے پتھر پھینکا اور ایک مبیع پر لگ گیا جس مبیع پر پتھر لگا وہ مشتری کی ہوگئی اور گویا کہ ایجاب وقبول ہوگیا یہ القاء حجر کی بیع ہے

ملامسہ کی شکل یہ ہے کہ کئی قسم کی مبیع رکھی ہوئی ہیں مشتری نے ایک کو چھو دیا تو وہ مبیع مشتری کی ہوگئی یہ ملامسہ کی بیع ہوئی یہ دونوں بیع ناجائز ہیں۔

دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا بیع منابذہ سے اور یہ ہے کہ آدمی کپڑا بیع کے لئے پھینکے آدمی کی طرف اس سے پہلے کہ اس کو پلٹے یا اس کو دیکھے اور منع فرمایا بیع ملامسہ سے اور ملامسہ یہ ہے کہ کپڑا چھوئے اور اس کو دیکھے نہیں اور بیع لازم ہوجائے۔ (بخاری ج:۱،ص:۲۸۷، باب بیع الملامسة)

اس حدیث میں بیع ملامسہ اور بیع منابذہ سے بصراحت منع فرمایا ہے اور بیع بالقاء الحجر چونکہ ان دونوں کے ہم معنی

ہے اس لئے یہ بھی ان کے ساتھ لاحق ہو جائے گی۔

(۸۸۹/۱۱) وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ ثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کی بیع۔

تشریح: دو کپڑے مختلف طرح کے ہیں اور ایجاب کرتے وقت بائع یہ نہیں بتا رہا ہے کہ دونوں میں سے کس کپڑے کی بیع ہو رہی ہے صرف یوں کہہ رہا ہے کہ دونوں کپڑوں میں سے ایک کی بیع ہو رہی ہے تو چونکہ مبیع مجہول ہے بعد میں کپڑا اسپرد کرنے میں جھگڑا ہو گا اس لئے یہ بیع فاسد ہوگی۔

مجلس ختم سے پہلے ایک کپڑے کی تعیین ہو جائے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

(۸۹۰/۱۲) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً عَلٰى اَنْ يُعْتِقَهُ الْمُشْتَرِىْ اَوْ يُدَبِّرَهُ اَوْ يُكَاتِبَهُ اَوْ بَاعَ اَمَةً عَلٰى اَنْ يَسْتَوْلِدَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ.

ترجمہ: کسی نے غلام بیچا اس شرط پر کہ آزاد کرے گا اس کو مشتری یا اس کو مدبر بنائے گا یا اس کو مکاتب بنائے گا یا بیچی باندی اس شرط پر کہ اس کو ام ولد بنائیگا تو بیع فاسد ہے۔

مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگانا درست نہیں

تشریح: متن میں ذکر کردہ تمام مسائل اس قاعدہ پر متفرع ہیں کہ بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائی جو بیع کے موافق نہیں ہے اور اس میں خود مبیع کا فائدہ ہو اور مبیع غلام یا باندی ہو جو قاضی تک جا کر مقدمہ دائر کر سکتا ہو تو وہ بیع فاسد ہوگی اس قاعدہ کے بعد اب متن پر نظر ڈالئے کہ غلام کو آزاد کرنے، اس کو مدبر بنانے اور مکاتب بنانے میں خود مبیع کا فائدہ ہے اور مبیع انسان ہے اس لئے جھگڑا بھی کر سکتا ہے لہٰذا بیع فاسد ہوگی۔

(۸۹۱/۱۳) وَكَذٰلِكَ لَوْ بَاعَ عَبْداً عَلٰى اَنْ يَسْتَخْدِمَهُ الْبَائِعُ شَهْراً اَوْ دَاراً عَلٰى اَنْ يَسْكُنَهَا الْبَائِعُ مُدَّةً مَعْلُوْمَةً اَوْ عَلٰى اَنْ يُقْرِضَهُ الْمُشْتَرِىْ دِرْهَماً اَوْ عَلٰى اَنْ يُهْدِىَ لَهُ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر بیچا غلام اس شرط پر کہ خدمت لے گا اس سے بائع ایک ماہ تک یا گھر بیچا اس شرط پر کہ رہے گا اس میں بائع ایک مدت معلوم تک یا اس شرط پر کہ قرض دے گا اس کو مشتری کچھ درہم یا اس شرط پر کہ مشتری اس کو کچھ ہدیہ دے گا۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ اگر بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائے جو بیع کے موافق نہیں ہے نیز اس میں بائع کا فائدہ ہے تو اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی مثلاً بائع نے کہا میں یہ چیز فروخت کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم میرے باغ

میں روزانہ ایک ماہ تک پانی دوگے ظاہر ہے کہ اس شرط میں بائع کا نفع ہے متن کے مسائل اسی قاعدہ پر مبنی ہیں مثلاً بائع نے غلام بیچا اس شرط پر کہ غلام ایک ماہ تک بائع کی خدمت کرے گا تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ غلام تو بکتے ہی مشتری کا ہوگیا تو بائع کی خدمت کیوں کرے؟

یا اس شرط پر گھر بیچا کہ بائع اس میں ایک مدت معلوم مثلاً ایک ماہ تک مقیم رہے گا یا اس شرط پر کہ مشتری بائع کو کچھ روپے قرض دے گا یا ہدیہ دے گا تو یہ شرطیں فاسد ہیں ان سے بیع فاسد ہوجائے گی۔

(۱۴/۸۹۲) وَمَنْ بَاعَ عَيْناً عَلٰى اَنْ لَّا يُسَلِّمَهَا اِلٰى رَأْسِ الشَّهْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ.

حل لغات: عيناً: بیع سلم کے خلاف فوری بیع ،بعته عيناًبعين یعنی موجود کو موجود سے بیچا۔ رأس الشهر: مہینے کے شروع میں یا ایک ماہ پر۔

ترجمہ: اور جس نے بیچی کوئی چیز اس شرط پر کہ سپرد نہ کرے گا اس کو ایک ماہ تک تو بیع فاسد ہے۔

تشریح: اگر کسی نے مال عین یعنی دراہم ودنانیر کے علاوہ کسی متعینہ چیز کو اس شرط کے ساتھ فروخت کیا کہ مبیع پہلی تاریخ کو یا آخری تاریخ کو حوالے کروں گا تو یہ بیع فاسد ہو ہوگی کیونکہ مہلت آسانی کے لئے دی گئی ہے تاکہ اس مدت میں اس چیز کا حاصل کرنا آسان ہوجائے اور مال عین تو بالفعل موجود ہوتا ہے اور دراہم ودنانیر آہستہ آہستہ تلاش کئے جاتے ہیں لہٰذا معینہ موجودہ مبیع میں میعاد کا ذکر کرنا باطل ہوگا اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوجاتی ہے اس لئے اس شرط کے ساتھ بیع فاسد ہوجائے گی۔

عیناً کی قید کا فائدہ

لفظ عین بڑھا کر مسلم فیہ کو خارج کر دیا ہے کیونکہ بیع سلم میں مسلم فیہ مبیع تو ہوتی ہے مگر عین نہیں ہوتی بلکہ مسلم الیہ کے ذمہ میں واجب ہوتی ہے اور اس کی سپردگی مہینوں کے بعد ہوتی ہے اس لئے مسلم فیہ کے لئے میعاد مناسب ہے

(۱۵/۸۹۳) وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً اَوْ دَابَّةً اِلَّا حَمْلَهَا فَسَدَ الْبَيْعُ.

ترجمہ: اور جس نے بیچی باندی یا جانور مگر ان کا حمل تو بیع فاسد ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کو تنہا فروخت کرنا جائز ہے اس کا عقد بیع سے استثناء کرنا بھی جائز ہے اور جس چیز کا تنہا فروخت کرنا جائز نہیں ہے اسکا عقد بیع سے استثناء کرنا بھی جائز نہیں ہے حمل بھی اسی قسم سے ہے اسی قاعدہ پر متن کا مسئلہ متفرع ہے مثلاً باندی بیچی اور کہا کہ اس کا حمل نہیں بیچتا ہوں اسکا بیع سے استثنا کرلیا اسی طرح جانور بیچا لیکن اس کے حمل کا استثناء کرلیا، تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ بچہ جب تک پیدا نہیں ہوا ہے ماں کے عضو کی طرح جزء ہے اس لئے جب ماں کی بیع ہوگی تو عضو اور جزء کی بھی بیع ہوگی اس لئے حمل کا استثناء کرنے سے بیع فاسد ہوجائے گی۔

(۸۹۴/۱۶) وَمَنِ اشْتَرىٰ ثَوْباً عَلىٰ اَنْ يَقْطَعَهُ الْبَائِعُ وَيَخِيْطُهُ قَمِيْصاً اَوْ قَبَاءً اَوْ نَعْلاً عَلىٰ اَنْ يَحْذُوَهَا اَوْ يُشَرِّكَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ.

حل لغات: قباءً: ایک قسم کا آگے سے کھلا ہوا کوٹ یا اچکن۔ نعلاً: ہر وہ چیز جس سے قدم کو بچایا جائے، جوتہ، چپل، یحذو: فعل مضارع باب (ن) مصدر حِذَاءً ایک چپل کو دوسرے چپل کے برابر کاٹنا جوتہ بنانا۔ یشرك: باب تفعیل سے ہے چپل میں پٹی لگانا یا چپل کو گانٹھنا

ترجمہ: اور جس نے خریدا کپڑا اس شرط پر کہ کپڑا کاٹ کر دے گا اس کو بائع اور اس کا قمیص سی کر دے گا یا قبا سی کر دیگا یا چپل خریدی اس شرط پر کہ اس کو برابر کر دے گا یا پٹی لگا دے گا تو بیع فاسد ہوگی۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ اگر بیع کے ساتھ ایسی شرط لگائی جو بیع کے مخالف ہے اور اس میں مشتری کا فائدہ ہے مثلاً اس شرط پر خریدتا ہوں کہ مجھے مزید قرض دو گے تو اس صورت میں بیع فاسد ہوگی اس قاعدہ کی روشنی میں متن دیکھئے مثلاً کپڑا خریدا اور یہ بھی شرط لگائی کہ بائع اس کو کاٹ کر قمیص یا قبا سی کر دے گا تو خریدنے کے علاوہ یہ الگ شرط ہے جس میں مشتری کا فائدہ ہے اس لئے بیع فاسد ہوگی نیز اس صورت میں ایک تو بیع ہوئی اور الگ سے سینے اور کاٹنے کی شرط لگائی تو یہ اجارہ ہوا اور ایک ہی بیع میں دو معاملہ کرنا ممنوع ہے۔

متعارف شرط لگانا جائز ہے

اسی طرح اگر کوئی شرط عقد کے اندر ایسی لگادی جو مقتضائے عقد کے تو خلاف ہے لیکن تاجروں کے عرف میں وہ شرط عقد کے اندر داخل شمار ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں میں تنازع نہیں پیدا ہوتا تو اس صورت میں وہ شرط گویا کہ مقتضائے عقد کے اندر داخل ہوگئی ہے ایسی شرط لگانا بھی جائز ہے مثلاً مشتری نے یہ کہا کہ میں یہ جوتا تم سے اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تم اس میں مجھے پٹی لگا کر اور گانٹھ کر دو گے تو چونکہ یہ شرط ایسی ہے جس کا رواج ہو چکا ہے اس لئے ایسی شرط لگانا عقد کے اندر جائز ہے ایسے ہی اس زمانے میں کچھ ایسی شرطیں پائی جاتی ہیں جن کا پہلے وجود نہیں تھا مثلاً مشینری (فرج، سلائی مشین پنکھے وغیرہ) خریدتے وقت بائع کی طرف سے ایک سال یا چند سالوں کے لئے گارنٹی دی جاتی ہے کہ اس دوران اگر مبیع میں کوئی خرابی آئے تو اس کا ذمہ دار بائع ہوگا وہ اسے ٹھیک کر کے دیگا یا بدل کر دے گا اس میں اگر چہ خریدار کا نفع ہی نفع ہے، لیکن اب چونکہ عرف عام ہو چکا ہے اس لئے ایسی شرط لگانا اصولاً جائز ہے، کیوں کہ یہ شرط نہ کسی نص سے ٹکراتی ہے اور نہ مفضی الی النزاع ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۶۳۵)

(۸۹۵/۱۷) وَالْبَيْعُ اِلَى النَّيْرُوْزِ وَالْمِهْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصَارىٰ وَفِطْرِ الْيَهُوْدِ اِذَا لَمْ يَعْرِفِ الْمُتَبَايِعَانِ ذَالِكَ فَاسِدٌ.

حل لغات: النیروز: یہ لفظ نوروز کا معرّب (وہ لفظ جسے عربی بنالیا گیا ہو اور دراصل وہ لفظ دوسری زبان کا ہو) ہے شمسی سال کا پہلا دن ہے المھرجان: مہرگان کا معرب ہے موسم خریف (پت جھڑ کا موسم) کا پہلا دن پارسیوں کی عید کا پہلا دن صوم النصاریٰ: صاحب عنایہ کے بقول پچاس روزے ہیں اور بقول علامہ ابن الہمام پچیس روزے ہیں لہٰذا روزہ رکھنے کا دن مجہول ہے اور ان کی عید کا دن معلوم ہے۔

ترجمہ: اور بیچنا نیروز کے دن تک اور مہرجان کے دن تک اور نصاریٰ کے روزے کے دن تک اور یہودیوں کے افطار کے دن تک جب کہ بائع اور مشتری انکو نہ جانتے ہوں تو بیع فاسد ہے۔

ادائیگی ثمن کی مدت مجہول ہونے کی صورت میں بیع کا عدم جواز

تشریح: اگر کسی نے کوئی سامان خریدا اور ثمن ادا کرنے کے لئے نوروز اور مہرگان کا دن متعین کرلیا یا یہ کہا کہ جس دن نصاریٰ روزے شروع کریں گے یا یہود کی عید ہوگی اس دن ادا کروں گا ان تمام صورتوں میں بیع فاسد ہے لیکن فساد اس وقت ہے جب کہ بائع اور مشتری کو ان ایام کا علم نہ ہو اور اگر متعاقدین کو ایام مذکورہ معلوم ہیں کہ کب نوروز ہے اور کب مہرگان ہے نصاریٰ کب روزے شروع کرتے ہیں یہود کی عید کب ہوتی ہے تو بیع فاسد نہ ہوگی۔

(۸۹۶/۱۸) وَلَایَجُوْزُ الْبَیْعُ اِلَی الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وَالْقِطَافِ وَقُدُوْمِ الْحَاجِّ فَاِنْ تَرَاضِیَا بِاِسْقَاطِ الْاَجَلِ قَبْلَ اَنْ یَاخُذَ النَّاسُ فِی الْحَصَادِ وَالدِّیَاسِ وَقَبْلَ قُدُوْمِ الْحَاجِّ جَازَ الْبَیْعُ.

حل لغات: الحصاد: درانتی سے کھیتی کاٹنا۔ الدیاس: باب (ن) کا مصدر ہے کھیتی کو گاہنا۔ القطاف: میوہ توڑنے کا موسم۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع کھیتی کٹنے تک اور گاہنے تک اور پھل توڑنے تک اور حاجیوں کے آنے تک پھر اگر راضی ہو گئے متعاقدین ان مدتوں کے ساقط کرنے پر قبل اس کے کہ لوگ کھیتی کاٹیں یا گاہیں اور حاجیوں کے آنے سے پہلے تو جائز ہو جائے گی بیع۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے یوں کہا کہ میں نے یہ چیز پچاس روپیہ میں خریدی اس شرط پر کہ ثمن کھیتی کٹنے کے دن دوں گا یا گیہوں گاہنے کے دن دوں گا یا پھل توڑنے کے دن دوں گا یا حاجیوں کے آنے کے دن دوں گا تو یہ دن متعین نہیں ہیں پہلے بھی ہو سکتے ہیں اور بعد میں بھی کس دن کھیتی وغیرہ کاٹے معلوم نہیں ہے اس لئے مدت مجہول ہونے کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہے اگر یہ دن متعین ہو جائے تو جائز ہو جائے گی ہاں اگر یہ دن آنے سے پہلے ان مدتوں کو ختم کردے تو بیع میں فساد شامل ہونے سے پہلے ساقط ہو گیا اس لئے بیع جائز ہو جائے گی چونکہ ان شرطوں میں مدت مجہول تو ہے لیکن کم مجہول ہے اس لئے اگر وقت سے پہلے جہالت ساقط کردے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

(۱۹/۸۹۷) وَإِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِيْ الْمَبِيْعَ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِأَمْرِ الْبَائِعِ وَفِي الْعَقْدِ عِوَضَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مَالٌ مَلَكَ الْمَبِيْعَ وَلَزِمَتْهُ قِيْمَتُهُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ فَسْخُهُ فَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِيْ نَفَذَ بَيْعُهُ.

ترجمہ: اور جب قبضہ کرلیا مشتری نے مبیع پر بیع فاسد میں بائع کے حکم سے دراں حالیکہ عقد کے دونوں عوضوں میں سے ہر ایک مال ہے تو وہ مبیع کا مالک ہو جائے گا اور لازم ہوگی اس کو قیمت اور بائع اور مشتری میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے کہ بیع کو توڑ دے چناں چہ اگر بیچ دے اس کو مشتری تو نافذ ہو جائے گی اس کی بیع۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ بیع فاسد کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ اگر تین شرطیں پائی جائیں تو بیع فاسد میں مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے (۱) مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا (۲) بائع کی اجازت سے قبضہ کیا خواہ صراحۃً یا دلالۃً (۳) مبیع اور ثمن دونوں ہی مال ہوں یہ تینوں شرطیں پائی جائیں تو مشتری مبیع کا مالک بنتا ہے اور اس پر مبیع کی بازاری قیمت لازم ہوگی بہر حال ہمارے نزدیک بیع فاسد میں مبیع پر مشتری کا قبضہ مفید ملک ہے

ائمہ ثلاثہ کا مذہب

بیع فاسد میں قبضہ مفید ملک نہیں ہے یعنی اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع کی اجازت سے بھی قبضہ کیا ہو تب بھی مشتری مبیع کا مالک نہ ہوگا

دلیل: بیع فاسد کی تمام صورتوں کو بیع باطل کی صورتوں پر قیاس کرکے ائمہ ثلاثہ کا کہنا ہے کہ کسی نے کوئی چیز مردار کے عوض بیچی اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا تو احناف کے نزدیک بھی مشتری کے لئے ملک ثابت نہیں ہوتی چنانچہ جس طرح اس صورت میں بیع کے غیر مشروع ہونے کی صورت میں بیع مفید ملک نہیں ہوتی اسی طرح بیع فاسد کی صورت میں بھی عدم مشروعیت کی وجہ سے بیع فاسد مفید ملک نہ ہوگی گویا کہ ان کے نزدیک بیع فاسد اور باطل کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۱۰)

جواب: چونکہ مردار مال نہیں ہے اس لئے مردار کے بدلے بیچنے کی صورت میں احد العوضین یعنی ثمن مال نہ ہوا لہٰذا بیع کا رکن یعنی مبادلۃ المال بالمال معدوم ہوگیا اور جب بیع کا رکن ہی ختم ہوگیا تو بیع منعقد ہی نہیں ہوئی ہے، تو وہ مفید ملک بھی نہ ہوگی نہ قبضہ سے پہلے نہ قبضہ کے بعد اس کے برخلاف بیع فاسد کہ وہ منعقد ہو جاتی ہے لیکن شرط فاسد کی وجہ سے اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے چنانچہ دونوں کے درمیان فرق ہے اس لئے بیع فاسد کو بیع باطل پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل: بیع فاسد کے اندر اصل عقد میں کوئی کمی نہیں ہے کیونکہ دونوں جانب مال ہے اس لئے ملکیت ثابت ہو جائے گی یہاں خامی تو شرط میں ہے کہ کسی بیع میں بائع کا فائدہ ہے تو کسی میں مشتری کا۔ کسی بیع

میں دھوکا ہے اور کہیں جھگڑا ہے انہیں چیزوں کی روک تھام کے لئے بیع فاسد کی گئی ہے لیکن اگر جھگڑا نہیں ہوا اور مشتری نے قبضہ کر ہی لیا تو آخر بیع جائز قرار دے دی جائے گی۔

پھر صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ بیع فاسد میں مشتری نے قبضہ کی ہوئی مبیع کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا تو دوسری بیع نافذ ہوگئی کیونکہ پہلی بیع کے اصل عقد میں خامی نہیں تھی صرف اس کے وصف اور شرط میں خامی تھی اور وہ بھی جھگڑے کے بغیر ختم ہوگئی تو پہلی بیع بھی نافذ ہوگئی۔

(۸۹۸/۲۰) وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ اَوْ شَاةٍ ذَكِيَّةٍ وَمَيْتَةٍ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيهِمَا.

لغت: ذکیۃ: ذبح کی ہوئی

ترجمہ: اور جس نے جمع کیا آزاد اور غلام کو یا ذبح کی ہوئی بکری اور مردہ بکری کو تو باطل ہوگی بیع دونوں میں۔

آزاد اور غلام ذبح شدہ بکری اور مردہ بکری کی بیع کا عدم جواز

تشریح: آزاد مبیع ہی نہیں ہے اسی طرح مردہ بکری مبیع ہی نہیں ہے اس لئے ان کی بیع ہی نہیں ہوئی اور عقد ایک ہے اس لئے اس کا اثر دوسری مبیع یعنی غلام اور ذبح شدہ بکری پر بھی پڑے گا اور ان کی بیع بھی نہیں ہوگی اس بارے میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ آزاد آدمی اور اپنے غلام کو ملا کر فروخت کیا یا مذبوحہ بکری اور مردار بکری کو ملا کر فروخت کیا اور ثمن الگ الگ بیان نہیں کیا تو تمام میں بیع باطل ہوگی مگر اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ اگر ہر ایک کے ثمن کو الگ الگ بیان کر دیا جائے تو بیع ہو جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

اختلاف الائمہ

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دونوں کی بیع باطل ہے خواہ دونوں کا ثمن علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو، اسی کے قائل امام مالک ہیں یہی ایک قول امام شافعی کا ہے (عینی ۳/ ۱۰۸)

(۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت الگ بیان کی ہو اور آزاد کی قیمت الگ بیان کی ہو ایسے ہی مذبوحہ بکری کی قیمت الگ بیان کی ہو اور مردار بکری کی قیمت الگ بیان کی ہو تو غلام اور مذبوحہ بکری کی بیع جائز ہو جائے گی چاہے دونوں ایک عقد میں بکے ہوں اور آزاد اور مردار بکری کی بیع باطل ہو جائے گی۔ امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے (عینی ۳/ ۱۰۸)

دلیل: دونوں کی قیمت الگ الگ ہونے کی وجہ سے آزاد کی بیع نہیں ہوئی تو غلام کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے غلام کی بیع فاسد نہیں ہوگی اسی طرح ذبح شدہ بکری کی قیمت الگ بیان کی گئی ہو تو مردہ بکری کی بیع نہیں ہوئی

تب بھی ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جہالت نہیں رہی اس لئے ذبح شدہ بکری کی بیع ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل اور صاحبین کی دلیل کا جواب

آزاد آدمی اور مردار جانور مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع کے تحت قطعاً داخل نہیں ہیں اس لئے یہ غیر مبیع ہو گئے اور جو غلام اور مذبوحہ بکری ان کے ساتھ ملا کر بیچے گئے ہیں وہ مبیع ہوئے گویا کہ بائع نے مبیع یعنی غلام اور مذبوحہ بکری کے اندر بیع قبول کرنے کے لئے غیر مبیع یعنی آزاد آدمی اور مردار بکری کے اندر بیع قبول کرنے کی شرط لگائی ہے اور یہ شرط، شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے چونکہ بیع فاسد ہو جاتی ہے اس لئے غلام کے اندر بھی بیع فاسد ہوگی۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۰۸)

(۲۱/۸۹۹) وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ عَبْدٍ وَمُدَبَّرٍ اَوْ بَيْنَ عَبْدِهٖ وَعَبْدِ غَيْرِهٖ صَحَّ الْبَيْعُ فِي الْعَبْدِ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ.

ترجمہ: اور جس نے جمع کیا غلام اور مدبر کو یا اپنے غلام اور غیر کے غلام کو تو صحیح ہوگی بیع غلام میں اس کے حصہ کی قیمت سے۔

تشریح: غلام اور مدبر غلام کو جمع کیا یا اپنے اور غیر کے غلام کو بیع میں جمع کیا دوسرے کی اجازت کے بغیر تو مدبر کی بیع تو نہ ہوگی لیکن خالص غلام کی بیع ہو جائے گی اور جو قیمت اس کے حصہ کی ہوگی وہ مشتری پر لازم ہوگی۔ مثلاً چار ہزار کے غلام اور مدبر تھے تو مشتری پر ایک ہزار روپے لازم ہوں گے ایسے ہی دوسرے کا غلام اس کی اجازت کے بغیر بیع میں داخل نہ ہوگا بلکہ بیع موقوف رہے گی لیکن اپنے غلام کی بیع ہو جائے گی اور جو اس کے حصے کی قیمت ہے وہ مشتری پر لازم ہوگی

مسئلہ (۲۰) اور (۲۱) میں فرق

مسئلہ (۲۰) میں قاعدہ یہ تھا کہ شروع ہی سے آزاد کی بیع نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کے ساتھ غلام کی بیع فاسد ہوگئی اور یہاں مسئلہ (۲۱) میں مدبر من وجہ مال ہونے کی وجہ سے بیع میں داخل ہو گیا اور بعد میں قیمت کی تقسیم ہوئی۔

(۲۲/۹۰۰) وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّجَشِ.

حل لغات: النجش: نجش باب (ن) مصدر نجشاً۔ مبیع کی تعریف کر کے بائع کی موافقت کرنا اور بقول بعض بغیر ارادۂ خریداری دوسروں کو پھنسانے کے لئے قیمت بڑھانا۔

ترجمہ: اور روکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش کرنے سے۔

☆☆☆

بیوعاتِ مکروہہ کا بیان

بیع نجش کی ممانعت

تشریح: نجش کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کوئی سامان خرید رہا ہے اب تیسرا شخص آکر اس سامان کی زیادہ قیمت لگاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز فروخت کر دو حالانکہ اس کا مقصد سامان کو خریدنا نہیں ہے بلکہ قیمت لگا کر خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا رہا ہے تاکہ دوسرا آدمی مہنگا خریدے حدیث میں اس کی ممانعت ہے اور ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے تاہم بیع ہو جائے گی کیونکہ اصل عقد میں خامی نہیں ہے۔

(۲۳/۹۰۱) وَعَنِ السَّوْمِ عَلٰى سَوْمِ غَيْرِهٖ.

حل لغات: السوم: بھاؤ کرنا باب (ن) سَامَ يَسُوْمُ سَوْماً وَسَوَاماً فروخت کے لئے پیش کرنا اور قیمت بتلانا۔

ترجمہ: اور (روکا) دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ کرنے سے۔

تشریح: ایک شخص دوسرے سے بیع کرنے کے لئے بھاؤ تاؤ کر رہا ہے اور بائع اس کو بیچنے پر تقریباً آمادہ ہو گیا ہے لیکن دوسرا شخص بیچ میں آکر یہ کہے کہ میں اس سے زیادہ پیسے لگاتا ہوں یہ چیز مجھے فروخت کر دو تو یہ صورت جائز نہیں ہے ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے

دلیل: حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں آخری ہے وَلَا يَبِيْعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ اَخِيْهِ. (بخاری ۱/ ۲۸۷) اور نہ آدمی بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ کرے۔

(۲۴/۹۰۲) وَعَنْ تَلَقِّي الْجَلَب.

لغت: تلقی: آگے بڑھ کر کسی سے ملنا۔ جلب: کھینچنا یا منفعت کو کھینچنا، جنب جمع ہے جالب کی اور جالب کے معنی کھینچ کر لانے والا۔

ترجمہ: اور روکا آپ نے سوداگروں سے مل جانے سے۔

تشریح: تلقی الجلب کا مطلب یہ ہے کہ کوئی تاجر باہر سے سامان تجارت فروخت کرنے کے لئے شہر کے اندر لا رہا ہے اور دوسرا آدمی اس کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس سے ملاقات کرے وہ سامان تجارت اس سے خرید لے تاکہ بعد میں وہ سامان شہر والوں کو مہنگی قیمت میں بیچے ایسا کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اگر کسی نے ایسا کر ہی لیا تو حنفیہ کے نزدیک بیع منعقد ہو جائے گی اور مشتری اس چیز کا مالک ہو جائے گا لیکن

ایسا کرنا مکروہ ہوگا

تلقی الجلب سے ممانعت کی وجہ

تلقی الجلب سے ممانعت کی دو وجہ ہیں۔(۱) ضرر (نقصان) (۲) غرر (دھوکہ)

ا:- جو شخص باہر جا کر آنے والے تاجر سے سامان خریدے گا وہ تنہا اس سامان کا مالک بن جائے گا ور جب اس سامان کی قیمت زیادہ ہو جائے گی اس وقت وہ اپنی من مانی قیمت پر اس کو بازار میں فروخت کرے گا جس کے نتیجہ میں مہنگائی ہو جائے گی اور لوگ اس قیمت پر اس سے خریدنے پر مجبور ہوں گے تو اس صورت میں شہر والوں کا نقصان ہوگا

۲:- غرر (دھوکہ) عموماً جو لوگ شہر سے باہر جا کر آنے والے تاجر سے سامان تجارت خریدتے ہیں اکثر و بیشتر وہ آنے والے تاجر کو دھوکہ بھی دیا کرتے ہیں اس لئے کہ آنے والے تاجر کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بازار میں اس چیز کے کیا دام چل رہے ہیں مثلاً ایک چیز کے دام بازار میں پچاس روپیہ ہیں اور اس نے تاجر سے جھوٹ بول کر وہ چیز چالیس میں خرید لی اور بتایا کہ بازار میں اس کے دام چالیس روپیہ ہیں تو اس نے اس تاجر کو دھوکہ دیا۔

نوٹ: اگر اہل شہر کو اس غلہ کی ضرورت نہیں اور آنے والے قافلے کو بھی قیمت بتانے میں دھوکہ نہیں دیا تو پھر ممانعت نہیں ہے۔

(۹۰۳/۲۵) وَعَنْ بَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِيْ.

لغت: الحاضر: جمع حُضَّارٌ، شہر کا رہنے والا۔ البادی: دیہات والے۔

ترجمہ: اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے منع فرمایا شہر والوں کی بیع دیہات والوں سے

تشریح: ایک دیہاتی اپنے دیہات سے کوئی سامان فروخت کرنے کے لئے شہر آرہا ہے ایک شہری نے اس کو کہا کہ تم خود یہ سامان بازار لے جا کر فروخت مت کرو بلکہ یہ سامان مجھے دیدو اور مجھے اپنا وکیل بنادو اور پھر جس وقت اس سامان کو فروخت کرنا تمہارے حق میں زیادہ مفید ہوگا اس وقت میں فروخت کردوں گا اگر تم ابھی بازار میں فروخت کروگے تو زیادہ نفع نہ ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے شہر والوں کو نقصان ہوگا وہ محتاج ہیں اور ان کا زیادہ حق ہے۔

(۹۰۴/۲۶) وَالْبَيْعُ عِنْدَ اَذَانِ الْجُمُعَةِ.

ترجمہ: اور (منع کیا) جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت سے۔

تشریح: جمعہ کی اذان اول ہوگئی ہو اس وقت بیع کرنا مکروہ ہے۔

دلیل: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو (آیت ۹ سورۃ الجمعہ)

(۹۰۵/۲۷) وَكُلُّ ذٰلِكَ يُكْرَهُ وَلَا يَفْسُدُ بِهِ الْبَيْعُ.

ترجمہ: اور یہ سب مکروہ ہے اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی

تشریح: اوپر پانچ صورتیں بیان کی گئی ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ بیع مکروہ ہوگی لیکن فاسد نہیں ہوگی کیونکہ اصل عقد میں کوئی خامی نہیں ہے بلکہ شرائط اور دیگر چیزوں میں ہے، اس لیے بیع فاسد نہ ہوگی بلکہ صرف مکروہ ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مشتری مبیع پر قبضہ کرلے تو مشتری مبیع کا مالک ہوجائے گا البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے، نہیں کرنا چاہئے تھا۔

(۹۰۶/۲۸) وَمَنْ مَلَكَ مَمْلُوْكَيْنِ صَغِيْرَيْنِ اَحَدُهُمَا ذُوْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْآخَرِ لَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا وَكَذَالِكَ اِذَا كَانَ اَحَدُهُمَا كَبِيْراً وَالْآخَرُ صَغِيْراً فَاِنْ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا كُرِهَ ذٰلِكَ وَجَازَ الْبَيْعُ وَاِنْ كَانَا كَبِيْرَيْنِ فَلَابَأْسَ بِالتَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور جو مالک ہو دو چھوٹے غلاموں کا ان میں سے ایک ذورحم محرم ہو دوسرے کا، تو ان دونوں میں جدائی نہ کی جائے اور ایسے ہی جب ہو ان میں سے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا اگر ان کے درمیان جدائی کی تو مکروہ ہے اور بیع جائز ہوگی اور اگر ہوں دونوں بڑے تو کوئی حرج نہیں ان کی جدائی میں۔

تشریح: دونوں غلام چھوٹے ہوں یا ایک چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا، اور دونوں ذورحم محرم ہوں تو ان کو بیچ کر یا ھبہ کرکے جدا کرنا مکروہ ہے کیونکہ چھوٹا دوسرے سے انسیت حاصل کرتا ہے مثلاً ماں اور بیٹا ہے تو ماں کو بیٹے سے انسیت ہوتی ہے اور پرورش کرتی ہے اب اگر جدا کردیں تو دونوں پریشان ہوں گے اور پرورش میں بھی کمی آئے گی اس لئے جدا کرنا مکروہ ہے لیکن دونوں ایک آقا کے مملوک ہیں اس لئے بیچنا وغیرہ جائز ہوگا۔

اور اگر دونوں مملوک بالغ ہوں تو ان کے درمیان تفریق کرنے میں کوئی کراہت اور قباحت نہیں ہے۔

دلیل: اسکندریہ کے بادشاہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ حضرت ماریہ اور سیرین دو باندیاں جو آپس میں بہنیں تھیں بھیجیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرین حسان بن ثابت کو اور ماریہ کو اپنے پاس رکھا تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

باب الاقالۃ

یہ باب اقالہ کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: بیع فاسد اور بیع مکروہ: گناہ کی وجہ سے واجب الرد ہیں اور بیع کا ختم کرنا اقالہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے باب الاقالہ کو ان کے بعد بیان کیا ہے، نیز دونوں میں فسخ عقد کے ذریعہ مبیع بائع کی طرف

واپس ہوتی ہے۔

اقالہ کی لغوی تحقیق: اقالہ قول سے مشتق ہے اور اجوف واوی ہے معنی ہوں گے بیع کو فسخ کرنا اور توڑنا۔ اقالہ باب افعال کا مصدر ہے معنی ہیں بیع توڑنا۔

اصطلاحی تعریف: بائع کو مبیع بیچنے کے بعد شرمندگی ہو کہ میں نے یہ سامان غلط بیچ دیا، پھر مشتری سے کہے کہ میرا سامان مجھے واپس کردے اور ثمن واپس لے لے اور مشتری ایسا کردے یا مشتری خریدنے کے بعد نادم ہو جائے اور بائع سے کہے کہ مبیع واپس لے لے اور ثمن دے دے اور بائع ایسا کردے تو اس کو اقالہ کہتے ہیں ایسا کرنا جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

اقالہ کا ثبوت

(۱/۹۰۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَقَالَ مُسْلِماً أَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ.
(ابو داوٗد ۲/۴۹۰)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کسی نے مسلمان سے اقالہ کیا تو اللہ اس کے گناہوں کو معاف کردے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقالہ کرنا جائز ہے بلکہ سامنے والے کی مجبوری ہو تو اقالہ کرنے میں ثواب ملے گا۔

(۲/۹۰۸) اَلْاِقَالَةُ جَائِزَةٌ فِی الْبَیْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِیْ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ.

ترجمہ: (۸۹۹)(۱) اقالہ جائز ہے بیع میں بائع اور مشتری کے لئے ثمن اول کے مثل سے۔

تشریح: اقالہ جائز ہے یعنی نص سے ثابت ہے اور بائع و مشتری دونوں کو اقالہ کرنے کا حق حاصل ہے لیکن جس قیمت میں بیع ہوئی تھی بائع اتنی ہی قیمت واپس کرے گا نہ کم اور نہ زیادہ بائع نے جتنی قیمت لی ہے وہی قیمت واپس کرے اسی کو امام قدوریؒ نے بمثل الثمن الاول کہا جاتا ہے۔

(۳/۹۰۹) فَاِنْ شَرَطَ اَکْثَرَ مِنْهُ اَوْ اَقَلَّ مِنْهُ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَیُرَدُّ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْاَوَّلِ.

ترجمہ: (۹۰۰)(۲) پھر اگر شرط لگائی اس (پہلی قیمت) سے زیادہ کی یا اس سے کم کی تو شرط باطل ہے اور لوٹایا جائے گا ثمن اول کو ہی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر اقالہ میں ثمن اول سے زیادہ کی شرط کی یا کم کی شرط کی تو یہ شرط باطل ہے اور بائع پر ثمن اول واپس کرنا واجب ہے مثلاً چار سو روپے میں کوئی چیز بیچی گئی اور بائع نے ثمن پر اور مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا تو اب اگر اقالہ کرنا ہو تو بائع پر چار سو روپے واپس کرنا واجب ہوگا چار سو سے زائد مثلاً مشتری پانچ سو روپے

مانگے یا بائع کہے کہ تین سودوں گا تو یہ کمی زیادتی کی شرط باطل ہے البتہ اس میں شرط لگانے سے اقالہ باطل نہ ہوگا بلکہ ثمن اول ہی پر اقالہ ہوگا۔

(۹۱۰/۴) وَهِيَ فَسْخٌ فِيْ حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَيْعٌ جَدِيْدٌ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: (۹۰۱)(۳) اور اقالہ فسخ ہے متعاقدین کے حق میں بیع جدید ہے ان دونوں کے علاوہ کے حق میں امام ابوحنیفہ کے قول میں۔

تشریح: جب اقالہ کیا تو بائع اور مشتری کے درمیان پہلی ہی بیع کا فسخ ہے وہی بیع ٹوٹی ہے لیکن ان دونوں کے علاوہ جو لوگ ہیں ان کے حق میں بیع جدید ہے۔

عاقدین کے حق میں فسخ ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ اقالہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا اگر اقالہ ان دونوں کے حق میں بیع ہوتا تو شروط فاسدہ سے باطل ہو جاتا جیسا کہ بیع شروط فاسدہ سے باطل ہو جاتی ہے معلوم ہوا کہ اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ بیع ہے۔ بیع نہیں ہے۔ اور اقالہ، غیر عاقدین کے حق میں بیع جدید ہے یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر کوئی حق شفعہ کا دعویٰ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے جیسے ایک آدمی نے مکان خریدا اگر شفیع نے حق شفعہ کا دعویٰ نہ کر کے اپنا حق چھوڑ دیا پھر بائع ومشتری نے اقالہ کیا اور مکان بائع کی ملک میں آ گیا تو وہی شفیع اگر شفعہ کا مطالبہ کرنا چاہے تو اس کو یہ اختیار ہے کیونکہ شفیع کے حق میں اقالہ بیع جدید ہے۔ (مزید تفصیل کتاب الشفعہ میں)

ماقبل کی پوری تفصیل امام صاحب کے مذہب کے مطابق ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اقالہ بیع ہے لیکن اگر اس کو بیع قرار دینا ممکن نہ ہو تو فسخ قرار دیا جائے گا اور اگر فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا۔

مثلاً ایک شخص نے ایک ہزار روپے کے بدلے غلام خریدا مشتری نے غلام پر قبضہ کیا اور پھر دونوں نے اقالہ کیا تو یہ اقالہ بیع ہے اور اگر غلام پر قبضہ سے پہلے ہی اقالہ کیا تو اس اقالہ کو بیع قرار دینا ناممکن ہے اور اگر غلام پر قبضہ سے پہلے ایک کوئنل گیہوں پر اقالہ کر لیا تو اس صورت میں اقالہ باطل ہو جائے گا۔

امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ اقالہ فسخ بیع ہے اگر فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو اس کو بیع قرار دیا جائے گا ورنہ اقالہ باطل ہو جائے گا دلائل وغیرہ ہدایہ جلد ثالث میں ملاحظہ کریں۔

(۹۱۱/۵) وَهَلَاكُ الثَّمَنِ لَا يَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقَالَةِ وَهَلَاكُ الْمَبِيْعِ يَمْنَعُ صِحَّتَهَا.

ترجمہ: (۹۰۲)(۴) اور ثمن کا ہلاک ہونا نہیں روکتا اقالہ کے صحیح ہونے کو اور مبیع کا ہلاک ہونا روک دیتا ہے اس کے صحیح ہونے کو۔

تشریح: ثمن ہلاک ہوجائے بائع کے پاس نہ رہے تب بھی اقالہ ہوسکتا ہے لیکن مشتری کے پاس سے مبیع ہلاک ہوجائے تو اقالہ نہیں ہوسکتا۔ چونکہ اقالہ میں اصل واپسی مبیع کی ہی ہوتی ہے وہی متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے روپیہ تو کوئی سا بھی دیدے گا اس لئے اگر مبیع ہلاک ہوجائے تو کس چیز کو واپس کرے گا اور روپیہ ہلاک ہوجائے تو دوسرا دیدے۔

(۶/۹۱۲) وَاِنْ هَلَكَ بَعْضُ الْمَبِيعِ جَازَتِ الْاِقَالَةُ فِي بَاقِيهِ.

ترجمہ: (۹۰۳)(۵) اور اگر مبیع کا کچھ حصہ ہلاک ہوجائے تو جائز ہوگا اقالہ باقی میں۔

تشریح: اقالہ اتنے میں ہوسکتا ہے جتنی مبیع موجود ہے اسی قاعدہ پر متن کا مسئلہ متفرع ہے مثلاً ایک کوئنٹل گیہوں سات سو روپئے میں خریدے پھر آدھے کوئنٹل گیہوں ہلاک ہوگئے تو باقی ماندہ آدھے کوئنٹل گیہوں واپس کرسکتا ہے اور تین سو پچاس روپئے واپس لے سکتا ہے۔

باب المرابحة والتولية

یہ باب بیع مرابحہ اور بیع تولیہ کے بیان میں ہے

اب تک ان بیوع کا بیان تھا جن کا تعلق مبیع سے ہوتا ہے اب یہاں سے ان بیوع کا بیان ہے جن کا تعلق ثمن سے ہوتا ہے یعنی مرابحہ اور تولیہ کا بیان ہے۔

مرابحہ کا ثبوت: رَأَيْتُ عَلَى عَلِيٍّ إِزَاراً غَلِيظاً قَالَ اِشْتَرَيْتُ بِخَمْسَةِ دَرَاهِمَ فَمَنْ اَرْبَحَنِي فِيهِ دِرْهَماً بِعْتُهُ اِيَّاهُ (سنن للبیهقی باب المرابحة ۵/۵۳۸)

میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جسم پر ایک موٹی چادر دیکھی آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے پانچ درہم میں چادر خریدی تھی جو شخص ایک درہم نفع دے کر خریدے گا میں اس کو بیچ دوں گا اس اثر سے مرابحہ کا ثبوت ہوا۔

تولیہ کا ثبوت: قَالَ اَبُوبَكْرٍ فَخُذْ بِاَبِي اَنْتَ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِحْدىٰ رَاحِلَتَيَّ هَاتَيْنِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالثَّمَنِ. (بخاری شریف ۱/۵۵۳)

حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں میری ان دو اونٹنیوں میں سے ایک آپ لے لیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی قیمت سے لوں گا۔ اس سے بیع تولیہ کا ثبوت ہوا۔

(۱/۹۱۳) اَلْمُرَابَحَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالْعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْاَوَّلِ مَعَ زِيَادَةِ رِبْحٍ.

لغت: اَلْمُرَابَحَۃُ: باب مفاعلۃ کا مصدر نفع دینا۔

ترجمہ: (۹۰۴)(۱) مرابحہ منتقل کرنا ہے اس چیز کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اول پر کچھ نفع کی زیادتی کے ساتھ۔

تشریح: مرابحہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے جتنے میں خریدا مشتری کو صاف بتائے کہ مین نے یہ کتاب ایک ہزار روپیہ میں خریدی اور بیس روپیہ نفع لے کر آپ کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اس میں بیس روپے نفع لیا اس لئے اس کو مرابحہ کہتے ہیں مرابحہ میں پہلی قیمت بتانا ضروری ہے اگر نہ بتائی تو اس کو مرابحہ نہیں کہیں گے بلکہ یہ تو عام بیع ہو جائیگی۔

(۲/۹۱۴) وَالتَّوْلِیَۃُ نَقْلُ مَا مَلَکَہٗ بِالْعَقْدِ الْاَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْاَوَّلِ مِنْ غَیْرِ زِیَادَۃِ رِبْحٍ.

لغت: اَلتَّوْلِیَۃُ: مصدر ہے وَلّٰی تولیۃً والی مقرر کرنا۔

ترجمہ: (۹۰۵)(۲) اور تولیہ وہ منتقل کرنا ہے اس چیز کو جس کا مالک ہوا تھا پہلے عقد سے ثمن اول پر بغیر نفع کی زیادتی کے۔

تشریح: تولیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کو بتائے کہ میں نے یہ سامان دس روپے میں خریدا اور دس ہی میں فروخت کرتا ہوں جتنے میں خریدا اتنے میں ہی مبیع کا ولی بناتا ہوں۔

(۳/۹۱۵) وَلَا تَصِحُّ الْمُرَابَحَۃُ وَالتَّوْلِیَۃُ حَتّٰی یَکُوْنَ الْعِوَضُ مِمَّا لَہٗ مِثْلٌ.

ترجمہ: (۹۰۶)(۳) اور صحیح نہیں ہے مرابحہ اور تولیہ یہاں تک ہو ان کا عوض مثلی چیزوں سے۔

مرابحہ و تولیہ کے صحیح ہونے کی شرط

تشریح: مرابحہ اور تولیہ اسی وقت صحیح ہوگا جب کہ اس کا ثمن مثلی ہو اگر ثمن مثلی نہ ہو تو مرابحہ اور تولیہ نہیں ہو سکے گا۔ مثلاً گیہوں، چاول، دراہم اور دنانیر ہوں جو دنیا میں اس جیسا مل سکتا ہو۔ کپڑا، غلام، گائے، بھینس وغیرہ نہ ہو کہ اس جیسا دنیا میں نہیں مل سکتا بڑا چھوٹا ضرور ہوتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ثمن ذوات الامثال میں سے ہو ذوات القیم میں سے نہ ہو کیونکہ جب اس جیسا دوسرا مل سکتا ہے تب ہی تو دوسرا مشتری اس جیسا ثمن دے کر مبیع خریدے گا اور اگر اس جیسا نہیں مل سکتا تو اگلا مشتری کیا دے کر خریدے گا کیسے اس پر نفع دے گا۔

(۴/۹۱۶) وَیَجُوْزُ اَنْ یُضِیْفَ اِلٰی رَاْسِ الْمَالِ اُجْرَۃَ الْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ وَالطَّرَّازِ وَالْفَتْلِ وَاُجْرَۃَ حَمْلِ الطَّعَامِ.

حل لغات: القصار اسم مبالغہ دھوبی، الصباغ رنگریز الطراز بیل بوٹے بنانے والا، نقش ونگار کرنے والا الفتل پھول بوٹے بنوانا دوپٹوں وغیرہ کے کنارے پر جھالر بنوانا۔

ترجمہ: (۹۰۷)(۴) اور جائز ہے یہ کہ ملالے راس المال کے ساتھ دھوبی کی اجرت رنگنے والے کی اجرت بیل بوٹے بنانے والے کی اجرت پھلوے باٹنے والے کی اجرت اور غلہ اٹھوانے کی اجرت۔

تشریح: مرابحہ اور تولیہ کرتے وقت رأس المال یعنی ثمن کے ساتھ دھوبی کی اجرت ملانا جائز ہے مثلاً ایک کپڑا دس روپے میں خریدا پھر دھوبی کو دو روپیہ اجرت دے کر اس کو دھلوایا گیا تو اب ثمن بارہ روپے ہو گئے مرابحہ یا تولیہ کرتے وقت کہہ سکتا ہے کہ مجھے یہ کپڑا بارہ روپے میں پڑا ہے اور تولیہ میں بارہ روپے میں دوں گا اور مرابحہ میں بارہ روپے پر تین روپے نفع لے کر پندرہ روپے میں دوں گا۔ اسی طرح رنگ کی اجرت ملانا جائز ہے اسی طرح اگر کپڑے میں پھول بوٹے بنوائے تو اس نقش ونگار کرنے والے کی اجرت کو رأس المال کے ساتھ ملانا جائز ہے اور اسی طرح پھلوے باٹنے کی اجرت ملانا جائز ہے مثلاً ایک چادر سو روپے میں خریدی پھر کسی کو دس روپے اجرت دے کر اس کے دونوں جانب پھلوے بٹوائے تو مرابحہ کی صورت میں ایک سو دس روپے پر نفع لے گا اور تولیہ کی صورت میں ایک سو دس روپے کے عوض فروخت کرے گا اسی طرح غلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ سے تک منتقل کرنے کی اجرت بھی اصل ثمن میں ملائی جائے گی۔

قاعدہ یہ ہے کہ جن کاموں سے قیمت میں بڑھوتری ہوتی ہے ان کی اجرت ثمن میں شامل کی جائے گی دھوبی کی دھلائی سے کپڑے کی چمک زیادہ ہوتی ہے اسی طرح رنگریز کی رنگائی سے نقش ونگار کرنے والے کی نقش ونگاری سے اور پھلووں کو باٹنے سے ان کی قیمت میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۵/۹۱۷) وَيَقُوْلُ قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَلَا يَقُوْلُ اِشْتَرَيْتُهٗ بِكَذَا.

لغت: قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا مجھ کو اتنے میں پڑی ہے۔

ترجمہ: اور کہے کہ مجھ کو اتنے میں پڑی ہے اور نہ کہے کہ میں نے اس کو اتنے میں خریدی ہے۔

تشریح: مبیع کے اصل داموں کے ساتھ اجرت وغیرہ شامل کرنے کے بعد یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے میں خریدی ہے کیونکہ یہ واقع کے خلاف ہے اتنے میں تو اس نے نہیں خریدی ہے یہ تو جھوٹ ہوگا اور تاکہ اعتماد بحال رہے اس لئے ہر حال میں سچ بولے اس لئے یوں کہے کہ مجھے یہ مبیع اتنے میں پڑی ہے۔

(۶/۹۱۸) فَاِنِ اطَّلَعَ الْمُشْتَرِیْ عَلٰی خِيَانَةٍ فِي الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ شَاءَ اَخَذَهٗ بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهٗ.

ترجمہ: اگر مطلع ہو مشتری خیانت پر مرابحہ میں تو اس کو اختیار ہے امام صاحب کے نزدیک چاہے تو اس کو پورے ثمن سے لے اور چاہے تو اس کو واپس کردے۔

اگر مشتری مرابحہ وتولیہ میں خیانت پر مطلع ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

تشریح: ایک آدمی نے کوئی چیز مرابحۃً فروخت کی مثلاً یہ کہا کہ میں نے یہ کپڑا دس روپے میں خریدا تھا پانچ روپے نفع لے کر پندرہ میں بیچتا ہوں مشتری نے بھروسہ کر کے خرید لیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ میرے بائع نے یہ کپڑا آٹھ روپے میں خریدا تھا اس نے مجھ سے پانچ نہیں بلکہ سات روپے نفع لیا ہے تو امام صاحب کے نزدیک مشتری کو اختیار ہے کہ مبیع یعنی کپڑے کو پورے ثمن پندرہ روپے میں لے لے یا بیع کو چھوڑ دے۔ کیونکہ تیرہ روپے میں لے تب بھی مرابحہ ہے اور پندرہ روپے میں لے تب بھی مرابحہ ہے اور بائع نے لفظ مرابحہ بولا ہے جس میں سچ ہے اس لئے خریدے تو پندرہ میں خریدے لیکن دو روپیہ کا جھوٹ بولا ہے اس لئے مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہے۔

(۹۱۹/۷) وَاِنِ اطَّلَعَ عَلٰی خِیَانَةٍ فِی التَّوْلِیَةِ اَسْقَطَهَا مِنَ الثَّمَنِ.

ترجمہ: اور اگر مطلع ہوا خیانت پر تولیہ میں تو کم کردے ثمن خیانت کے بقدر۔

تشریح: بیس روپیہ میں کتاب خریدی اور جھوٹ بولا کہ پچیس میں خریدی ہے اور پچیس روپے پر ہی تولیہ کرتا ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پانچ روپے کم کر کے بیس ہی میں لے گا۔ کیونکہ تولیہ کہتے ہیں اس بیع کو کہ جتنے میں خریدا ہے اتنے میں ہی دوں گا اور حقیقت میں بیس میں خریدا تھا اور جھوٹ بولا کہ پچیس میں خریدا ہے۔ اس لئے جتنے میں خریدا تھا اتنے ہی میں مشتری لے گا۔

(۹۲۰/۸) وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی یَحُطُّ فِیْهِمَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَایَحُطُّ فِیْهِمَا لٰکِنْ یُخَیَّرُ فِیْهِمَا.

حل لغت: یَحُطُّ باب (ن) مصدر حَطًّا کم کرنا۔

ترجمہ: اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کم کردے اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کم نہ کرے لیکن اسے اختیار ہے دونوں میں۔

تشریح: امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ تولیہ اور مرابحہ دونوں صورتوں میں جتنی قیمت جھوٹ بول کر لی ہے اتنی قیمت کم کر کے مشتری کو لینے کا اختیار ہوگا اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں صورتوں میں کم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بائع نے ترغیب کے لئے مرابحہ اور تولیہ کا لفظ بولا ہے اصل مقصود وہ قیمت ہے جس پر بات طے ہوئی ہے بائع مرابحہ میں مثلاً پندرہ روپے اور تولیہ میں پچیس روپے سے کم پر دینے کے لئے راضی نہیں ہے۔

اور اسی پر بات طے بھی ہوئی ہے اس لئے اس سے کم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن چونکہ بائع نے جھوٹ بھی بولا ہے اس لئے مشتری کو لینے اور نہ لینے کا اختیار ہوگا۔

(۹۲۱/۹) وَمَنِ اشْتَرٰی شَیْئاً مِمَّا یُنْقَلُ وَیُحَوَّلُ لَمْ یَجُزْ لَهٗ بَیْعُهٗ حَتّٰی یَقْبِضَهٗ.

ترجمہ: اور جس نے خریدی ایسی چیز جو منتقل ہو سکتی ہے اور اس جگہ سے بدلی جا سکتی ہے تو اس کی بیع جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے۔

بیع قبل القبض سے نہی کن کن چیزوں میں ہے؟

تشریح: اگر کسی نے کوئی منقول چیز خریدی تو جب تک مشتری اس پر قبضہ نہ کرے مشتری کے لئے اس کا بیچنا جائز نہیں ہے چاہے وہ چیز کیلی اور وزنی ہو۔ یا عددی ہو وہ طعام ہو یا غیر طعام۔ کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچے گا تو ہو سکتا ہے کہ وہ چیز ضائع ہو جائے اور اس کے پاس نہ آئے تو کیسے بیچے گا۔

(۹۲۲/۱۰) وَیَجُوْزُ بَیْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَایَجُوْزُ.

ترجمہ: اور جائز ہے زمین کو بیچنا قبضہ سے پہلے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ شیخینؒ کے نزدیک غیر منقولہ چیزوں کی بیع قبضہ کرنے سے پہلے جائز ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے یہی قول امام زفر، امام شافعی اور امام احمدؒ کا ہے۔

امام محمد کی دلیل: لِاَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ نَهٰی عَنْ بَیْعِ مَالَمْ یُقْبَضْ. (عینی ۳/۱۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جس پر قبضہ نہیں کیا۔

وجہ استدلال: اس حدیث میں لفظ ما منقول اور غیر منقول دونوں کو عام ہے۔

جواب: ممانعت کا حکم ایسی چیز کے بارے میں ہے جس کے تلف ہو جانے کا گمان غالب ہو جس سے عقد اول کے فسخ ہونے کا خوف اور دھوکہ ہو اور عقد اول کے فسخ ہونے کا خوف اور دھوکہ شیٔ منقول میں ہوتا ہے نہ کہ شیٔ غیر منقول میں اسلئے قبضہ کرنے سے پہلے شیٔ منقول کی بیع تو بلاشبہ ناجائز ہے لیکن شیٔ غیر منقول کی بیع جائز ہوگی۔ (عینی ج ۱/۱۳۸)

شیخین کی دلیل: زمین منقولی چیز نہیں ہے اس میں ہلاک ہونے کا خطرہ نہیں ہے اس لئے اگر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچ دیا تو جائز ہے۔ (۲) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قبضہ کرنے کی شرط غلہ وغیرہ میں ہے جس سے معلوم ہوا کہ زمین وغیرہ پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے۔ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ اَمَّا الَّذِیْ نَهٰی عَنْهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ اَنْ یُّبَاعَ حَتّٰی یُقْبَضَ. (بخاری ۱/۲۸۶)

نوٹ: اگر ایسی زمین ہے جو قابل ہلاکت ہے مثلاً وہ زمین دریا کے کنارے پر ہے اور اندیشہ اس بات کا ہے کہ دریا اس پر چڑھ آئے گا تو ایسی صورت میں زمین کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں بلکہ اس کا ضمان کے اندر آنا ضروری ہے۔ (درس ترمذی ۴/۱۱۷)

(۱۱/۹۲۳) وَمَنِ اشْتَرىٰ مَكِيْلاً مُكَايَلَةً اَوْ مَوْزُوْناً مُوَازَنَةً فَاكْتَالَهُ اَوِ اتَّزَنَهُ ثُمَّ بَاعَهُ مُكَايَلَةً اَوْ مُوَازَنَةً لَمْ يَجُزْ لِلْمُشْتَرِىْ مِنْهُ اَنْ يَبِيْعَهُ وَلَا اَنْ يَاكُلَهُ حَتّٰى يُعِيْدَ الْكَيْلَ وَالْوَزْنَ.

ترجمہ: کسی نے خریدی کیلی چیز کیل کر کے یا وزنی چیز وزن کر کے پھر اس کو ناپ لیا یا تول لیا پھر بیچ دیا اس کو کیل یا وزن کے لحاظ سے تو جائز نہ ہوگا مشتری کے لئے یہ کہ اس کو بیچے اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کو کھائے یہاں تک کہ دوبارہ کیل یا وزن کرے۔

تشریح: اگر کسی آدمی نے کوئی مکیلی چیز مثلاً گیہوں، چاول، جو، کیل کرنے کی شرط کے ساتھ خریدی مثلاً یہ کہا کہ میں نے یہ گیہوں ایک سو روپئے کے بدلے اس شرط کے ساتھ خریدے کہ یہ دس کلو ہیں یا وزنی چیز مثلاً درہم، دینار، لوہا وزن کی شرط کے ساتھ خریدا مثلاً اس طرح کہ یہ لوہا دس من ہے سو روپئے میں خریدتا ہوں۔ پھر مشتری نے اس مکیلی چیز کو کیل کر کے اور موزونی چیز کو وزن کر کے لے لیا پھر مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مشتری نے اس کو کیل یا وزن کی شرط کے ساتھ فروخت کر دیا تو مشتری ثانی کو اس مبیع میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے یہاں تک مشتری ثانی کیل یا وزن کا اعادہ کرے چنانچہ مشتری ثانی کیل یا وزن کرنے سے پہلے نہ اس کو بیچ سکتا ہے اور نہ اس کو کھا سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے مشتری اول نے اپنے لئے کیل یا وزن کیا تھا مشتری ثانی بھی اپنے لئے کیل یا وزن کرے۔

دلیل: جب مشتری اول نے کیل یا وزن کر لیا تو ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنی ناپ تول میں دھوکہ کھایا ہو اور جس قدر مبیع مقرر کی ہے اس سے زیادہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ زیادتی بائع یعنی مشتری اول کا مال ہے اور دوسرے کے مال میں چونکہ تصرف کرنا حرام ہے اس وجہ سے مشتری ثانی کے واسطے اس میں تصرف کرنے سے احتراز کرنا واجب ہے۔ اور یہ احتمال اسی وقت دور ہو سکتا ہے جب کہ مشتری ثانی خود کیل یا وزن کر کے اطمینان حاصل کرے۔ عینی شرح ہدایہ ۳/۱۳۹

نوٹ: اگر کیل یا وزن کر کے نہ بیچے بلکہ انکل اور اندازے سے بیچے تو دوبارہ کیل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۲/۹۲۴) وَالتَّصَرُّفُ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ

ترجمہ: اور تصرف کرنا ثمن میں قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنے کا کیا حکم ہے؟

تشریح: بائع نے مبیع مشتری کے حوالے کر دی ہے لیکن مشتری نے ابھی ثمن نہیں دیا ہے اور نہ بائع نے اس پر

قبضہ کیا ہے اس سے پہلے اس ثمن کے ذریعہ کوئی چیز خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے یا ثمن کو ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کرسکتا ہے۔ چونکہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے اگر یہ ثمن نہیں دے سکا تو اپنی طرف سے دوسرا روپیہ دیدے یہی ثمن دینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اثر میں اس کا ثبوت ہے عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اِذَا بِعْتَ شَيْئاً بِدِيْنَارٍ فَحَلَّ الْاَجَلُ فَخُذْ بِالدِّيْنَارِ مَا شِئْتَ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْعِ وَغَيْرِهٖ. (مصنف عبدالرزاق ۱۶/۸)

ابن سیرین نے فرمایا اگر آپ نے کسی چیز کو دینار کے بدلے بیچا پھر مدت آگئی تو دینار کے بدلے جو چاہے لو اسی قسم میں سے یا اس کے علاوہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ثمن دینار ہو تو اس کے بدلے کوئی چیز لے سکتا ہے۔

(۱۳/۹۲۵) وَيَجُوْزُ لِلْمُشْتَرِىْ اَنْ يَزِيْدَ لِلْبَائِعِ فِي الثَّمَنِ

ترجمہ: اور جائز ہے مشتری کے لئے یہ کہ زیادہ دیدے بائع کو ثمن۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری بائع کے لئے ثمن میں کچھ اضافہ کردے تو جائز ہے مثلاً ایک بکری ۸۰۰ روپے میں خریدی اب مشتری خوش ہو کر ۱۰۰۰ روپے دینا چاہتا ہے تو دے سکتا ہے۔ کیونکہ یہ مشتری کی ملکیت ہے اس کو جیسے چاہے خرچ کرسکتا ہے۔

(۱۴/۹۲۶) وَيَجُوْزُ لِلْبَائِعِ اَنْ يَزِيْدَ لِلْمُشْتَرِىْ فِي الْمَبِيْعِ وَيَجُوْزُ اَنْ يَحُطَّ مِنَ الثَّمَنِ

ترجمہ: اور جائز ہے بائع کیلئے یہ کہ زیادہ دے مبیع میں اور جائز ہے یہ کہ کم کردے ثمن سے۔

تشریح: اگر بائع مبیع میں اضافہ کردے یعنی جتنی مبیع طے ہوئی ہے اس سے زیادہ دینے اور یہ بھی جائز ہے کہ جتنا ثمن طے ہوا ہے اس سے کم لے۔

(۱۵/۹۲۷) وَيَتَعَلَّقُ الْاِسْتِحْقَاقُ بِجَمِيْعِ ذٰلِكَ

ترجمہ: اور متعلق ہوگا استحقاق ان سب کے ساتھ

تشریح: زیادہ دی ہوئی قیمت یا زیادہ دی ہوئی مبیع یا کم کی ہوئی قیمت اصل کے ساتھ لاحق ہو کر اصل بن جائے گی اب تمام حقوق ان ہی کے ساتھ متعلق ہوں گے چنانچہ ثمن کے اندر اضافہ کی صورت میں بائع کو مبیع روکنے کا حق اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ وہ اصل ثمن اور اضافہ شدہ وصول نہ کرے اور اسی طرح مشتری کو مبیع کے مطالبہ کا اختیار اس وقت تک نہ ہوگا جب تک کہ وہ اصل ثمن اور اضافہ شدہ بائع کے حوالے نہ کردے اور ثمن کم کرنے کی صورت میں مشتری مابقیہ ثمن سپرد کرنے کے بعد پوری مبیع کے مطالبہ کا حقدار ہے۔

امام شافعی و امام زفرؒ کی رائے یہ ہے کہ شروع میں جو قیمت یا مبیع طے ہوئی تھی وہی اصل ہے اس کے ساتھ تمام

حقوق متعلق ہوں گے اور بعد میں جو مبیع زیادہ کی یا ثمن زیادہ کیا وہ بعد کا ہدیہ ہے اس کا تعلق اصل مبیع اور ثمن کے ساتھ نہیں ہے اس لئے اس زیادتی کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہوں گے۔ (عینی ۳/۱۴۱)

(۹۲۸/۱۶) وَمَنْ بَاعَ بِثَمَنٍ حَالٍّ ثُمَّ أَجَّلَهُ أَجَلاً مَعْلُوْماً صَارَ مُؤَجَّلاً.

حل لغت: حال ابھی فوری، نقد اجلاً تاخیر کے ساتھ

ترجمہ: اور جس نے بیچی کوئی چیز فوری ثمن کے ساتھ (نقد) پھر اس کو مہلت دیدی میعاد معین کر کے تو یہ میعادی ہو جائے گی۔

تشریح: ایک آدمی نے اس طرح بیع کی کہ ابھی قیمت دے گا مگر بعد میں متعین تاریخ کے ساتھ مؤخر کر دیا تو اب مؤخر ہو جائے گا اور متعین تاریخ پر قیمت دینی ہوگی۔

دلیل

بخاری کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی قوم میں ایک آدمی کی روح فرشتہ نے قبض کرنی چاہی تو انہوں نے کہا تم نے کوئی بھلا کام کیا ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ میں اپنے خادم کو حکم دیتا تھا کہ تنگدستوں کو مہلت دیں اور درگذر کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ (بخاری شریف باب من انظر مؤسرا. ۱/۲۷۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیمت لینے میں مہلت دینا جائز ہے۔ بشرطیکہ تاریخ معلوم ہو ورنہ لڑائی جھگڑا ہوگا۔

(۹۲۹/۱۷) وَكُلُّ دَيْنٍ حَالٍّ إِذَا أَجَّلَهُ صَاحِبُهُ صَارَ مُؤَجَّلاً إِلَّا الْقَرْضَ فَإِنَّ تَاجِيْلَهُ لَا يَصِحُّ.

ترجمہ: اور ہر وہ دین جو فوری ہو جب اس کا مالک اس کو مؤخر کر دے تو مؤخر ہو جائے گا مگر قرض کہ اس کی تاخیر صحیح نہیں ہے۔

کیا قرض کی تاجیل درست ہے؟

تشریح: قرض اور دین میں فرق یہ ہے کہ قرض وہ مال کہلاتا ہے جو آدمی اپنے اموال سے جدا کر کے دوسرے کو نفع اٹھانے کی غرض سے دے۔ اور دین وہ مال کہلاتا ہے جو ذمہ میں واجب ہو خواہ عقد کی وجہ سے خواہ کسی کی کوئی چیز ہلاک کر دینے کی وجہ سے۔

مسئلہ یہ ہے کہ مبیع کی قیمت مشتری پر فوری ہو اس کو مؤخر کر دیا تو وہ مؤخر ہو جائے گی اب بائع تاریخ سے پہلے لینا چاہے تو نہیں لے سکے گا کیونکہ دین صاحب دین کا حق ہے وہ اپنے حق کو بالکلیہ ساقط بھی کر سکتا ہے۔ اور مدیون کی سہولت کے پیش نظر دین کے مطالبہ کو مؤخر بھی کر سکتا ہے لیکن ہمارے نزدیک اگر قرض ادا کرنے کے لئے کوئی تاریخ

متعین کی تو یہ درست نہیں ہے بلکہ میعاد مقرر کرنے کے بعد قرضخواہ قرضدار سے فوری مطالبہ کرسکتا ہے کیونکہ قرض شروع سے تبرع اور احسان ہے اس لئے جب چاہے قرض دینے والا واپس لے سکتا ہے البتہ تاریخ پر لے تو بہتر ہے۔

باب الربوٰ

یہ باب ربوٰ کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: سابقہ ابواب سے مناسبت یہ ہے کہ ماقبل میں ان بیوع کا بیان تھا جن کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس باب میں ان بیوع کا بیان ہے جن سے خداوند کریم نے منع فرمایا ہے۔ اور اس باب کو باب المرابحہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ ربوٰ اور مرابحہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں زیادتی ہوتی ہے البتہ مرابحہ کی زیادتی حلال ہوتی ہے اور ربوٰ کی زیادتی حرام ہوتی ہے اور چونکہ چیزوں کے اندر حلت اصل ہے اس وجہ سے مرابحہ کے احکام پہلے اور ربوٰ کے احکام بعد میں بیان کئے ہیں۔ (اشرف الہدایہ ۸/۳۵۵)

ربوٰ کی لغوی تعریف: لغۃً زیاتی کے معنی میں ہے۔

اصطلاحی تعریف: اس مالی زیادتی کا نام ہے جو عوض سے خالی ہو۔ یہاں مخصوص زیادتی کو ربوٰ کہا ہے جو حرام ہے۔

حرمت کی دلیل قرآن سے: وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (آیت ۲۷۵ سورۃ البقرۃ) اس آیت میں سود کو حرام کہا گیا ہے۔

حرمت کی دلیل حدیث سے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملے میں گواہ بننے والے اور سود کا معاملہ لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

(ترمذی، ج:۱،ص:۱۴۵، باب ماجاء فی اکل الربوٰ)

تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ربوٰ کی حرمت کا منکر کافر ہے۔

فائدہ: قرآن حکیم میں جس چیز کو بلفظ ربوٰ حرام قرار دیا ہے اس کا ترجمہ اُردو زبان کی تنگ دامانی کے باعث عام طور پر لفظ سود سے کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ ربوٰ اور سود دونوں عربی اور اُردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں بلکہ ربوٰ ایک عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے مروجہ سود بھی اسی کی ایک قسم یا فرد کی حیثیت میں ہے مروجہ سود روپیہ کی ایک متعین مقدار متعین مدت کے لئے ادھار دے کر متعین شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینے کا نام ہے اور بلاشبہ یہ بھی ربوٰ کی تعریف میں داخل ہے مگر ربوٰ اس میں منحصر نہیں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے اس میں بہت سے معاملات بیع وشراء کے بھی داخل ہیں۔ (ماخوذ مسئلہ سود/۱۴)

(۱/۹۳۰) اَلرِّبٰوا مُحَرَّمٌ فِیْ کُلِّ مَکِیْلٍ اَوْ مَوْزُوْنٍ اِذَا بِیْعَ بِجِنْسِہٖ مُتَفَاضِلاً.

حل لغت: بِجِنْسِہٖ ایک ہی قسم کی چیز دونوں طرف ہوں مثلاً مبیع بھی گیہوں اور ثمن بھی گیہوں ہوں۔

ترجمہ: (۹۲۱) (۱) ربٰو حرام ہے ہر کیلی اور وزنی چیز میں جب بیچی جائے اس کی جنس کے بدلے میں کمی بیشی کرکے۔

تشریح: کیلی چیز وہ ہے جو پہلے زمانہ میں صاع میں بھر کر فروخت کرتے تھے جیسے گیہوں، چاول اور وزنی چیز وہ ہے جو ترازو سے تولی جاتی ہے جیسے درہم، دینار اور لوہا وغیرہ۔

چنانچہ کیلی یا وزنی چیز ہو اور مبیع اور ثمن ایک جنس کے ہوں مثلاً دونوں طرف گیہوں ہوں یا چاول کے بدلے چاول لے رہا ہو یا درہم کے بدلے درہم لے رہا ہو یا دینار کے بدلے دینا لے رہا ہو چونکہ ان بیوع میں دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے اس لئے برابر سرابر لینا ہوگا کمی بیشی کرے گا تو حرام ہوگا اور نقد قبضہ کرنا ہوگا دونوں میں سے ایک بھی اُدھار ہوگا تو سود ہو جائے گا۔

(۲/۹۳۱) فَالْعِلَّۃُ فِیْہِ الْکَیْلُ مَعَ الْجِنْسِ اَوِ الْوَزْنُ مَعَ الْجِنْسِ.

ترجمہ: تو علت ربٰو میں کیل ہے جنس کے ساتھ یا وزن ہے جنس کے ساتھ۔

علت ربٰو کی تحقیق میں اختلافِ مذاہب

تشریح: نفس ربٰو کی حرمت تو آیت وَحَرَّمَ الرِّبٰوا سے ثابت ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں لیکن آیت ربٰو میں انتہائی اجمال ہے اس کی تفصیل کے لئے زبان نبوت پر یہ کلمات جاری ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

(۱) سونا سونے کے بدلے .... میں۔

(۲) چاندی چاندی کے بدلے .... میں۔

(۳) گیہوں گیہوں کے بدلے .... میں۔

(۴) جو جو کے بدلے .... میں۔

(۵) کھجور کھجور کے بدلے .... میں۔

(۶) نمک نمک کے بدلے .... میں۔

برابر سرابر، ہاتھوں ہاتھ چنانچہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ مانگا تو سود لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہیں۔ (مسلم شریف ۲/۲۵)

اب سوال یہ ہے کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا حرمت کا یہ حکم عام ہے؟ اگر عام ہے تو پھر کن چیزوں میں یہ حکم جاری ہوگا۔اور کن میں جاری نہیں ہوگا اس بارے میں فقہاء کے درمیان آپس میں اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ حکم معلول بعلۃ ہے یعنی ایک علت ہے جو ان چھ چیزوں کے درمیان مشترک ہے اب وہ علت جہاں کہیں پائی جائے گی حرمت کا حکم وہاں منطبق ہو جائے گا اور کمی بیشی اور ادھار حرام ہوگا پھر اس علت کی تعیین میں جمہور کے درمیان آپس میں اختلاف ہو گیا اور اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

اختلاف الائمۃ

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ علت ''قدر'' اور جنس ہے۔قدر کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا کیلی یا وزنی ہونا لہٰذا جو چیز کیل یا وزن کے ذریعہ فروخت کی جاتی ہے تو اس کے بارے میں یہ کہا جائیگا کہ اس کے اندر ''قدر'' موجود ہے۔

جنس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا تبادلہ اس کے ہم جنس سے کرنا لہٰذا جس جگہ پر یہ دو چیزیں پائی جائیں گی حرمت تفاضل اور نسیئہ کا حکم آ جائے گا چنانچہ جس طرح گیہوں کو گیہوں کے عوض فروخت کرتے وقت کی زیادتی اور اُدھار حرام ہے اس طرح چاول کو چاول کے بدلے فروخت کریں تو بھی یہی حکم ہوگا اسی طرح مکئی کو مکئی کے بدلے فروخت کریں اور باجرہ کا تبادلہ باجرہ سے کریں سیب کا تبادلہ سیب سے کریں آم کو آم کے عوض فروخت کریں تمام صورتوں میں یہی حکم ہوگا امام صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث میں جن چھ چیزوں کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے چار چیزوں میں ''کیل'' پایا جاتا ہے۔(۱) گیہوں (۲) جو (۳) کھجور (۴) نمک اور سونے اور چاندی میں وزن پایا جاتا ہے لہٰذا جہاں کہیں کیل یا وزن پایا جائے گا اور جنس کا تبادلہ جنس سے ہوگا حرمت کا حکم آئے گا۔

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت کی علت

امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرمت کی علت طعم یا ثمنیت کا پایا جاتا ہے جب کہ جنس کا تبادلہ جنس سے ہو کیونکہ ان چھ چیزوں میں آخری چار چیزوں میں طعم پایا جاتا ہے لہٰذا جو چیز کھانے کے لائق ہو اس کے اندر بھی حرمت کی علت موجود ہے۔لہٰذا ایک انڈے کو دو انڈوں کے عوض بیچنا ناجائز ہے کیونکہ ربوٰ کی علت طعم موجود ہے۔اور سونے چاندی میں ثمنیت پائی جا رہی ہے لہٰذا جو چیز ثمن بن رہی ہو اس میں بھی حرمت کی علت موجود ہے۔

(۳) امام مالک کے نزدیک حرمت کی علت

امام مالک فرماتے ہیں کہ ربوٰ کی علت اقتیات اور اذخار ہے یعنی جن چیزوں کو کھایا جاتا ہو اور ان کو ذخیرہ بنا کر رکھا

جا سکتا ہو اور وہ چیز خراب ہونے والی نہ ہو لہٰذا جن چیزوں میں یہ علت پائی جائے گی وہاں حرمت کا حکم آجائے گا۔ ورنہ نہیں چنانچہ تربوز وغیرہ جن کو خشک کر کے ذخیرہ نہیں کیا جاتا ہے ان میں اگر اتحاد جنس بھی ہو تب بھی امام مالک کے نزدیک ایک تربوز کو دو تربوزوں کے عوض بیچنا جائز ہے۔

احناف کے مذہب کی وجوہ ترجیح

احناف نے قدر اور جنس کو جو علت قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے حضرات فقہاء کے پاس کوئی نص موجود نہیں ہے احناف کے پاس نص موجود ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ایسی علت مقرر کی جائے جس کی وجہ سے تفاضل کی حرمت زیادہ عام اور وسیع ہو جائے اور اس کی وجہ سے زیادہ چیزوں میں تفاضل حرام ہو جائے طعم یا اقتیات کو علت قرار دینے میں حرمت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے ان وجوہات کی بنا پر حنفیہ نے قدر اور جنس کو ربوٰ کی علت قرار دیا ہے۔

(۳/۹۳۲) فَاِذَا بِيْعَ الْمَكِيْلُ بِجِنْسِهٖ اَوِ الْمَوْزُوْنُ بِجِنْسِهٖ مَثَلًا بِمَثَلٍ جَازَ الْبَيْعُ وَاِنْ تَفَاضَلَا لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: پھر جب بیچی جائے کیلی چیز اس کی جنس کے بدلے یا وزنی چیز اس کی جنس کے بدلے برابر سرابر تو جائز ہے بیع اگر کمی بیشی کرے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: مبیع اور ثمن دونوں ایک قسم کی چیزیں ہوں مثلاً دونوں طرف کھجور ہوں یا دونوں طرف وزنی چیز سونا ہو تو دونوں کو برابر سرابر بیچے تو جائز ہے اور کمی بیشی سے فروخت کرے تو ناجائز ہے۔ کیونکہ ماقبل میں جو چھ چیزوں کے بارے میں روایت گذری ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برابر سرابر بیچو تو ٹھیک ہے اور جائز ہے اور کمی بیشی کی تو جائز نہیں ہے۔

(۴/۹۳۳) وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ الْجَيِّدِ بِالرَّدِيِّ مِمَّا فِيْهِ الرِّبٰوا اِلَّا مَثَلًا بِمَثَلٍ.

حل لغت: الجید عمدہ، کھرا الردی گھٹیا، کھوٹا مما فیہ الربو جن چیزوں میں ربوٰ جاری ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور جائز نہیں عمدہ کو بیچنا ردی کے بدلے ربوٰ چیزوں میں سے مگر برابر سرابر۔

تشریح: جن چیزوں میں ربوٰ جاری ہوتا ہے مثلاً گیہوں تو چاہے عمدہ گیہوں کو گھٹیا گیہوں کے بدلے بیچے پھر بھی برابر ضروری ہے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث ربوٰ میں اسکی کوئی تفصیل نہیں بلکہ وہ مطلق ہے۔

جواز کی ایک صورت

اگر برابر سرابر نہیں بیچنا چاہتا ہے تو اس طرح کرے کہ مثلاً گھٹیا گیہوں ۱۵ر روپئے کے دو کلو مشتری کے ہاتھ بیچ دے اور اسی مشتری سے ۱۵ر روپئے کے ایک کلو عمدہ گیہوں خرید لے اس صورت میں گیہوں گیہوں کے بدلے میں نہیں

ہوا بلکہ دوکلو گھٹیا گیہوں کے بدلے ۱۵ر روپے آئے اور ایک کلو عمدہ گیہوں ۱۵ر روپے کے بدلے لئے گئے اس طرح یہ لین دین جائز ہو جائے گا۔

(۵/۹۳۴) وَاِذَا عَدِمَ الْوَصْفَانِ الْجِنْسُ وَالْمَعْنَى الْمَضْمُوْمُ اِلَيْهِ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَآءُ.

حل لغت: التفاضل کمی وزیادتی، النساء اُدھار

ترجمہ: اور جب نہ رہیں دونوں وصف یعنی جنس اور وہ معنی جو اس کے ساتھ ملائے گئے ہیں تو کمی بیشی اور اُدھار جائز ہیں۔

تشریح: ماقبل میں تفصیلاً یہ بات آچکی ہے کہ سود کی دو علتیں تھیں اگر یہ دونوں علتیں نہ ہوں تو کمی بیشی بھی حلال ہوگی اور اُدھار لینا بھی حلال ہوگا مجلس میں مبیع اور ثمن پر قبضہ کرنا ضروری نہ ہوگا چنانچہ اگر گیہوں کو جو کے بدلے بیچے تو کمی زیادتی کر کے بیچ سکتا ہے اسی طرح سونے کو چاندی کے بدلے بیچے تو کمی بیشی کر کے بیچ سکتا ہے۔

(۶/۹۳۵) وَاِذَا وُجِدَا حَرُمَ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَآءُ.

ترجمہ: اور اگر دونوں علتیں پائی جائیں تو زیادتی اور اُدھار دونوں حرام ہیں۔

تشریح: دونوں چیزیں ایک جنس کی ہوں اور دونوں کیلی یا وزنی ہوں تو کمی بیشی بھی حرام اور ادھار بھی حرام ہوگا۔

(۷/۹۳۶) وَاِذَا وُجِدَ اَحَدُهُمَا وَعَدِمَ الْآخَرُ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَحَرُمَ النَّسَاءُ.

ترجمہ: اور اگر دونوں علتوں میں سے ایک پائی جائے اور دوسری نہ ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اُدھار حرام ہے۔

تشریح: اگر ایک وصف موجود ہو اور ایک معدوم ہو تو کمی بیشی حلال ہے لیکن ادھار حرام ہوگا دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے جیسے گیہوں کے بدلے چاول دونوں کیلی ہیں مگر جنس الگ الگ ہے یا سونے کے بدلے چاندی دونوں وزنی ہیں مگر دونوں ایک جنس کے نہیں ہیں تو کمی بیشی حلال ہوگی لیکن ادھار جائز نہیں ہوگا اور اگر مبیع اور ثمن کیلی اور وزنی نہ ہوں البتہ ایک ہی قسم کی دونوں چیزیں ہو تو کمی زیادتی جائز ہے لیکن اس صورت میں ادھار حرام ہوگا مثلاً اخروٹ کے بدلے اخروٹ خریدے تو اخروٹ عددی ہے اس لئے ایک اخروٹ دے کر دو اخروٹ لے سکتا ہے لیکن ادھار جائز نہیں ہے۔

(۸/۹۳۷) وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ كَيْلاً فَهُوَ مَكِيْلٌ اَبَداً وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ فِيْهِ الْكَيْلَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ فِيْهِ وَزْناً فَهُوَ مَوْزُوْنٌ اَبَداً وَاِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيْهِ

مِثْلُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ.

ترجمہ: اور ہر وہ چیز کہ تصریح کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمی بیشی کے حرام ہونے پر اس میں کیل کے اعتبار سے تو وہ کیلی رہے گی ہمیشہ اگر چہ چھوڑ دیں لوگ اس میں کیل کرنا جیسے گیہوں، جو، کھجور اور نمک اور ہر وہ چیز کہ تصریح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمی زیادتی کے حرام ہونے پر اس میں وزن کے اعتبار سے تو وہ وزنی رہے گی ہمیشہ اگر چہ چھوڑ دیں لوگ اس میں وزن کرنا جیسے سونا اور چاندی۔

کیلی اور وزنی ہونے کا معیار

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو چیزیں کیلی تھیں وہ قیامت تک کیلی ہی رہیں گی اور کمی بیشی کا اعتبار کیل کے اعتبار سے ہوگا چاہے بعد میں لوگوں نے ان چیزوں کو کیل کرنا چھوڑ دیا ہو مثلاً گیہوں، جو، کھجور، نمک وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کیل سے بیچے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح کی ہے کہ یہ کیلی ہیں اس لئے ہمیشہ کیلی ہی رہیں گی اور جو چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وزنی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ وزنی ہے تو وہ قیامت تک وزنی ہی رہے گی، اور مساوات کا اعتبار کیلی میں کیل کے ساتھ ہوگا اور وزن میں وزن کے ساتھ ہوگا کیونکہ آپ کی حدیث قیامت تک کے لئے ہے اور آپ کا دین قیامت تک کے لئے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح کا اعتبار بھی قیامت تک رہے گا۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عادت بدل گئی ہو تو اب عادت کے مطابق فیصلہ ہوگا مثلاً اب گیہوں، کو کیل کے بجائے کلو سے بیچنے لگے ہیں تو اب سود کا مدار کلو پر ہوگا کیل پر نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی عادت کے مطابق فیصلہ کیا گیا تھا اب عادت بدل گئی تو فیصلہ بھی بدل جائے گا۔ (ہدایہ جلد ثالث ص: ۸۰)

(۹/۹۳۸) وَمَا لَمْ يُنَصَّ عَلَيْهِ فَهُوَ مَحْمُوْلٌ عَلٰى عَادَاتِ النَّاسِ.

ترجمہ: اور جس چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تصریح نہیں فرمائی ہے تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہے۔

تشریح: جن چیزوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صراحت منقول نہیں ہے کہ وہ کیلی ہیں یا وزنی تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہوں گی لوگ اگر کیلی طور پر استعمال کرتے ہیں تو کیلی ہوں گی اور وزنی طور پر استعمال کرتے ہیں تو وزنی ہوں گی۔

(۱۰/۹۳۹) وَعَقْدُ الصَّرْفِ مَا وَقَعَ عَلٰى جِنْسِ الْاَثْمَانِ يُعْتَبَرُ فِيْهِ قَبْضُ عِوَضَيْهِ فِي الْمَجْلِسِ وَمَا سِوَاهُ مِمَّا فِيْهِ الرِّبٰوا يُعْتَبَرُ فِيْهِ التَّعْيِيْنُ وَلَا يُعْتَبَرُ فِيْهِ التَّقَابُضُ.

ترجمہ: اور عقد صرف جو واقع ہوا اثمان (سونا چاندی) کی جنس پر معتبر ہے اس میں اس کے دونوں عوضوں پر قبضہ ہونے کا مجلس میں اور جو اس کے علاوہ ہے جس میں ربوٰ ہے اس میں اعتبار کیا جائے گا تعیین کا اور نہیں اعتبار کیا جائے گا اس میں قبضہ کا۔

تشریح: باب الصرف مستقل آنے والا ہے تفصیل تو وہیں پر بیان کی جائے گی یہاں پر صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ جن جن صورتوں میں سود ہوتا ہے ان صورتوں میں دونوں طرف سونا ہو یا چاندی ہو یا ایک طرف سونا ہو اور دوسری طرف چاندی ہو تو ماقبل میں گذر چکا ہے کہ ادھار جائز نہیں ہے نقد ضروری ہے اور نقد میں بھی یہ ہے کہ مجلس میں دونوں پر قبضہ کرے صرف تعیین کرنا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ ثمن یعنی سونا چاندی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے جب تک کہ قبضہ نہ کرلیا جائے سود اور ادھار سے بچنے کے لئے ان دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہوگا۔ ان کے علاوہ جو غلہ جات ہیں جن میں سود ہوتا ہے ادھار سے بچنے کیلئے ان پر قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے مجلس میں صرف متعین ہو جائے۔ کہ یہ گیہوں یا یہ کھجور دینا ہے اتنا ہی کافی ہے۔ باضابطہ قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۱۱/۹۴۰) وَلَايَجُوْزُ بَيْعُ الْحِنطَةِ بِالدَّقِيْقِ بِالسَّوِيْقِ وَكَذٰلِكَ الدَّقِيْقُ بِالسَّوِيْقِ.

حل لغات: الدقيق آٹا السويق ستو۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے گیہوں کی بیع آٹے سے اور نہ ستو سے اور ایسے ہی آٹے کی بیع ستو سے۔

احکام ربوٰ کی تفصیل

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک گندم کی بیع اس کے آٹے کے عوض اور گندم کی بیع اس کے ستو کے عوض جائز نہیں ہے نہ برابر کر کے اور نہ کمی زیادتی کے ساتھ۔ کیونکہ گیہوں اور آٹے اور ستو کو ناپنے کا پیمانہ کیل ہوتا ہے اور کیل کے ذریعہ گندم اور اس کے آٹے اور ستو کے درمیان برابری پیدا کرنا ناممکن ہے کیونکہ پیمانے میں آٹے کو ٹھوس ٹھوس کر بھرا جاسکتا ہے مگر گیہوں کے دانوں کے درمیان چونکہ خلا باقی رہتا ہے اس لئے اس کو ٹھوس کر کے نہیں بھرا جاسکتا ہے تو برتن کے بھرنے کے اعتبار سے برابر ہے لیکن وزن کے اعتبار سے بہت فرق ہوگا اس لئے مساوات نہیں ہوئی اور دونوں ایک ہی قسم کی چیز اور جنس ہیں اس لئے برابری ضروری تھی اور وہ ہوئی نہیں اس لئے گیہوں کو آٹے کے بدلے یا ستو کے بدلے بیچنا جائز نہیں ہے اور بیچنا ہی ہو تو روپے کے بدلے بیچے جواز کی صورت مسئلہ (۹۲۴) کے تحت دیکھئے۔ اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ گیہوں کے آٹے کی بیع گیہوں کے ستو کے بدلے نہ برابر کر کے جائز ہے اور نہ کمی زیادتی کے ساتھ جائز ہے۔ صاحبین کے نزدیک ستو اور آٹا دو جنس ہیں کیونکہ آٹے سے روٹی پکاتے ہیں پراٹھے پکاتے ہیں اور ستو گھول کر پیتے ہیں گھی اور شکر ملا کر کھاتے ہیں معلوم ہوا کہ ستو اور آٹا دو الگ الگ جنس ہیں اس لئے آٹا ستو کے

عوض بیچنا جائز ہے۔

(۱۲/۹۴۱) وَيَجُوْزُ بَيْعُ اللَّحْمِ بِالْحَيْوَانِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ حَتّٰى يَكُوْنَ اللَّحْمُ اَكْثَرَ مِمَّا فِى الْحَيْوَانِ فَيَكُوْنُ اللَّحْمُ بِمِثْلِهٖ وَالزِّيَادَةُ بِالسَّقَطِ.

حل لغت: السقط جمع اسقاط ہرنا کارہ چیز یہاں پر ہڈی سینگ اوراوجھڑی، کھال، پائے وغیرہ مراد ہیں۔

ترجمہ: اور جائز ہے گوشت کی بیع حیوان کے بدلے شیخین کے نزدیک اور فرمایا امام محمد نے نہیں جائز ہے یہاں تک کہ ہو گوشت زیادہ اس سے جو حیوان میں ہے تو ہو جائے گا گوشت گوشت کے بدلے میں اور زائد گوشت ہڈی اور سینگ وغیرہ کے مقابلہ میں۔

بیع اللحم بالحیوان

تشریح: مثلاً گائے کا گوشت ہو اور زندہ گائے بدلے میں فروخت کرنا چاہتا ہے تو شیخین کے نزدیک جائز ہے چاہے گائے میں گوشت پچاس کلو ہو اور کٹا ہوا گوشت پچیس کلو ہو۔

دلیل: گوشت وزنی ہے اس کی خرید وفروخت وزن کے ذریعہ کی جاتی ہے اور گائے عددی ہے اس کا وزن نہیں کیا جاتا اور وزن کرنا ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ کبھی جانور اپنا بوجھ ہلکا کرتا ہے اور کبھی بھاری کر لیتا ہے تو یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ جانور نے اپنا بوجھ ہلکا کر رکھا ہے یا بھاری کر رکھا ہے۔ تو گائے اور کٹا ہوا گوشت دو الگ الگ جنس ہوئیں اس لئے کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

امام محمدؒ کا مذہب

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو کٹا ہوا گوشت ہے وہ اس گوشت سے زیادہ ہونا چاہئے جو زندہ گائے میں ہے تب تو جائز ہے ورنہ نہیں مثلاً زندہ گائے میں پچاس کلو ہے تو کٹا ہوا گوشت ساٹھ کلو ہونا چاہئے تاکہ پچاس کلو پچاس کلو کے برابر ہو جائے اور دس کلو کٹا ہوا گوشت گائے کی ہڈی، سینگ، کلیجی، گردہ وغیرہ کے بدلے ہو جائے۔

دلیل: اگر الگ کیا ہوا گوشت زندہ گائے کے گوشت سے زیادہ نہ ہو بلکہ برابر ہو یا اس سے کم ہو تو ربوٰ متحقق ہو جائے گا کیونکہ اگر برابر ہو تو زندہ گائے کے باقی اجزاء کھال وغیرہ زیادہ ہیں اور الگ کیا ہوا گوشت کم ہو تو اس صورت میں زندہ گائے کا کچھ گوشت اور کھال وغیرہ زیادہ ہوں گے اور ان دونوں صورتوں میں ربوٰ ہے۔

(۱۳/۹۴۲) وَيَجُوْزُ بَيْعُ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ مَثَلًا بِمَثَلٍ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَكَذٰلِكَ الْعِنَبُ بِالزَّبِيْبِ.

حل لغات: الرطب تر کھجور العنب انگور الزبیب کشمش، سوکھے ہوئے انگور کو کشمش کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور جائز ہے تر کھجور کی بیع خشک کھجور کے بدلے برابر سرابر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ایسے ہی انگور کی بیع کشمش کے بدلے۔

بیع الرطب بالتمر

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا کمی زیادتی کے ساتھ بالاجماع ناجائز ہے اور متساویاً یعنی برابر سرابر بیچ سکتے ہیں یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کھجور کے بدلے برابر سرابر بیچنا جائز ہے۔

دلیل: دونوں ہی کھجور ہیں اس لئے ایک جنس ہیں برتن میں بھر کر دونوں کو برابر کر کے بیچے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر کی تازہ کھجور پیش کی گئی ان کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أو کل تمر خیبر ھکذا کیا خیبر کی تمام کھجور ایسی ہی ہیں؟۔عینی ۳/۱۵۸

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رطب کو تمر فرمایا معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی جنس ہیں اور جنس کا تبادلہ جنس کے ساتھ برابر سرابر جائز ہے۔اسی طرح انگور اور اس سے خشک ہو کر کشمش ایک ہی جنس ہیں اس لئے دونوں کو برتن میں بھر کر برابر کر دے اور بیچے تو جائز ہے۔

(۲) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تر کھجور کو خشک کے بدلے بیچنا جائز نہیں ایسے ہی انگور کو خشک انگور (کشمش) کے عوض نہ متساویاً بیچنا جائز ہے اور نہ متفاضلاً۔

دلیل: یہ حضرات فرماتے ہیں کہ دونوں کی جنس ایک ہے اور برتن میں بھر کر بیچیں گے تو ابھی تو دونوں برابر ہو جائیں گے لیکن بعد میں تر کھجور خشک ہو کر اس کی مقدار کم ہو جائے گی تو بعد میں برابری باقی نہ رہے گی اس لئے بیچنا ممنوع ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس آدمی سے جس نے کھجور کو تر کھجور کے بدلے میں خرید افرمایا کیا تر کھجور کم ہو جاتی ہے جب خشک ہو جاتی ہے؟ لوگوں نے فرمایا ہاں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بیع سے روکا۔

(عینی ۳/۱۵۸)

جواب: اس حدیث کا دار و مدار زید بن عیاش پر ہے جو ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف اور مجہول راوی ہیں اس لئے یہ روایت حدیث مشہور کے مقابلہ میں قابل استدلال نہ ہوگی۔

(۱۴/۹۴۳) وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الزَّيْتُوْنِ بِالزَّيْتِ وَالسِّمْسِمِ بِالشَّيْرَجِ حَتّٰى يَكُوْنَ الزَّيْتُ وَالشَّيْرَجُ اَكْثَرَ مِمَّا فِي الزَّيْتُوْنِ وَالسِّمْسِمِ فَيَكُوْنُ الدُّهْنُ بِمِثْلِهِ وَالزِّيَادَةُ بِالشَّجِيْرَةِ.

حل لغات: الزیتون ایک مشہور درخت کا نام جس پر پھل لگتے ہیں، الزیت زیتون کا تیل السمسم تل

واحد سمسمة، الشیرج تل کا تیل الدھن کسی چیز کا تیل الشجیرة کھلی۔

ترجمہ: اورنہیں جائز ہے زیتون کی بیع زیتون کے تیل ساتھ اور تل کی بیع تل کے تیل کے ساتھ یہاں تک کہ ہو زیتون کا تیل اور تل کا تیل زیادہ اس سے جو زیتون اور تل میں ہے چنانچہ ہوگا تیل تیل کے مقابلہ میں اور زائد تیل کھلی کے بدلے میں۔

تشریح: اگر زیتون کو زیتون کے تیل کے بدلے یا تل کو اس کے تیل کے بدلے بیچا گیا اور زیتون کا تیل اس تیل سے زیادہ ہے جو زیتون میں ہے اور خالص تیل اس تیل سے زیادہ ہے جو تلوں میں ہے مثلاً دو کلو زیتون کا خالص تیل ہے اس کو چھ کلو زیتون پھل کے بدلے میں بیچنا چاہتا ہے اور چھ کلو زیتون میں ڈیڑھ کلو تیل موجود ہے تو بیع جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ نکالا ہوا ڈیڑھ کلو تیل اس تیل کے برابر ہو جائے گا جو زیتون کے پھل میں ڈیڑھ کلو تیل ہے اور باقی آدھا کلو تیل زیتون کی کھلی کے مقابلے میں ہو جائے گا اس طرح ڈیڑھ کلو تیل ڈیڑھ کلو تیل کے مقابلہ میں ہو گیا اور ایک جنس ہونے کی وجہ سے مساوات اور برابری ہوگئی اور اگر زیتون کے پھل میں جتنا تیل ہے نکالا ہوا تیل اس سے کم یا اس کے برابر ہو تو یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ خالص تیل بھی وزنی ہے اور جو تیل زیتون اور تلوں میں ہے وہ بھی وزنی ہے اس لئے قدر مع الجنس کے پائے جانے کی وجہ سے بیع جائز ہونے کے لئے دونوں عوضوں کا برابر ہونا ضروری ہے۔

(۹۴۴/۱۵) وَيَجُوْزُ بَيْعُ اللُّحْمَانِ الْمُخْتَلِفَةِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً.

حل لغت: اللحمان لحم کی جمع ہے گوشت

ترجمہ: اور جائز ہے بیع مختلف گوشت کی بعض کی بعض کے ساتھ کمی بیشی کر کے۔

تشریح: اگر گوشت مختلف اجناس کا ہو مثلاً اونٹ کا گوشت ہے، گائے کا گوشت ہے، اور بکری کا گوشت ہے، ان میں سے اگر ایک کو دوسرے کے عوض کی زیادتی کے ساتھ بیچا گیا تو جائز ہے کیونکہ بکری الگ جنس ہے گائے الگ جنس ہے اونٹ الگ جنس ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں چونکہ کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہوتا ہے اس لئے یہ بیع جائز ہوگی۔

(۹۴۵/۱۶) وَكَذٰلِكَ اَلْبَانُ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلاً.

حل لغات: البان لبن کی جمع ہے دودھ الابل اونٹ۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اونٹنی گائے، اور بکری کا دودھ بعض کا بعض کے ساتھ کمی بیشی کر کے (بیچنا جائز ہے)

تشریح: شیخ قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اونٹنی گائے اور بکری کے دودھ میں بھی اختلاف جنس ہے لہٰذا ایک کا دودھ دوسرے کے دودھ کے عوض کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

(۹۴۶/۱۷) وَخَلُّ الدَّقَلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ مُتَفَاضِلاً.

حل لغات: خل سرکہ جمع خلال، الدقل ردی اور ادنیٰ قسم کی کھجور۔

ترجمہ: (۹۳۷)(۱۷)(اور اسی طرح جائز ہے) کھجور کے سرکہ کی انگور کے سرکہ کے عوض کمی زیادتی سے۔

تشریح: کھجور کا سرکہ اور انگور کا سرکہ ان دونوں کی الگ الگ جنس ہے کیونکہ دونوں دو الگ الگ جنس سے ہیں اس وجہ سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اگر چہ دونوں کا نام سرکہ ہے۔

(۹۴۷/۱۸) وَيَجُوزُ بَيْعُ الْخُبْزِ بِالْحِنْطَةِ وَالدَّقِيْقِ مُتَفَاضِلاً.

حل لغات: الخبز روٹی جمع اخباز، الدقیق آٹا۔

ترجمہ: اور جائز ہے روٹی کی بیع گیہوں سے اور آٹے سے کمی بیشی کر کے۔

تشریح: روٹی اگر چہ گیہوں کے آٹے کی ہو پھر بھی اس کو الگ جنس قرار دیا گیا ہے کیونکہ روٹی عدد سے گن کر بکتی ہے اور گیہوں وآٹا کیلی ہیں اسی طرح روٹی کا مصرف الگ ہے اور گیہوں کا مصرف الگ ہے اس لئے دونوں الگ الگ دو جنس ہو گئیں اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

(۹۴۸/۱۹) وَلَا رِبوٰا بَيْنَ الْمَوْلٰى وَعَبْدِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں ہے سود آقا اور اس کے غلام کے درمیان۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ غلام اور اس کے آقا کے درمیان ربوٰ متحقق نہ ہوگا یعنی اموال ربویہ میں اگر یہ دونوں کمی زیادتی کے ساتھ خرید و فروخت کریں تو یہ ربوٰ نہ ہوگا۔ مثلاً آقا اپنے غلام سے ایک درہم کے بدلے دو درہم لے تو یہ سود نہیں ہے۔ لے سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ غلام پر لوگوں کا اس قدر قرض نہ ہو جو اس کے رقبہ کا احاطہ کر لے کیونکہ غلام پر قرض ہوگا تو غلام کا روپیہ صرف غلام کا نہیں ہے بلکہ قرض دینے والے کا ہے اور اگر غلام پر قرض نہیں ہے تو غلام کے پاس جو روپیہ ہے وہ سب مولیٰ کا ہے اس لئے ایک درہم دے کر دو درہم لے تو گویا کہ آقا نے اپنا ہی روپیہ لیا اس لئے یہ سود نہیں ہوگا۔

(۹۴۹/۲۰) وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ.

ترجمہ: اور نہیں ہے سود مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں۔

دار الحرب میں حربی اور مسلمان کے درمیان ربوٰ کا بیان

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ دار الحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان ربوٰ نہیں ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان امان لیکر دار الحرب میں گیا اور کسی حربی کے ہاتھ ایک درہم دو درہم کے عوض فروخت کیا تو یہ حلال اور جائز

ہے، امام ابو یوسف و امام شافعی کے نزدیک مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں ربو ہوتا ہے، یعنی ایک درہم کا دو درہم کے عوض بیچنا ناجائز ہے، اور یہی قول امام مالک و احمد کا ہے۔

باب السَّلم

یہ باب بیع سلم کے بیان میں ہے

سلم کی لغوی تعریف: ایک قسم کی بیع کا نام ہے جس میں ثمن پہلے دی جائے۔

اصطلاحی تعریف: قیمت ابھی لے اور مبیع کچھ دنوں کے بعد دے۔

قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو مبیع تمہارے پاس نہ ہو اس کو مت بیچو لیکن غریب لوگوں کے لئے سہولت دی گئی ہے کہ وہ مالداروں سے قیمت ابھی لیں اور اس قیمت سے خرید و فروخت کرتے رہیں اور نفع کماتے رہیں پھر جب مبیع دینے کا وقت آئے مبیع خرید کر مشتری کے حوالے کر دیں۔

بیع سلم کا ثبوت: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ.
(آیت ۲۸۲ سورۃ البقرۃ)

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم متعین مدت تک دین کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ بیع سلم بھی دین کا ایک معاملہ ہے اس لئے اس کا جواز بھی اس آیت میں شامل ہے۔

بیع سلم کا ثبوت حدیث سے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور لوگ پھل میں دو سال اور تین سال کے لئے بیع سلم کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی چیز میں بیع سلم کرے تو کیل معلوم ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔ (بخاری شریف ۱/ ۲۵۸)

نوٹ: باب السلم میں بائع کو مسلم الیه، مشتری کو رب السلم، مبیع کو مسلم فیه اور ثمن کو رأس المال کہتے ہیں۔

(۱/۹۵۰) اَلسَّلَمُ جَائِزٌ فِی الْمَكِيْلَاتِ وَالْمَوْزُوْنَاتِ وَالْمَعْدُوْدَاتِ الَّتِیْ لَاتَتَفَاوَتُ كَالْجَوْزِ وَالْبَيْضِ وَالْمَذْرُوْعَاتِ.

حل لغات: تتفاوت دو چیزوں میں اختلاف اور دوری ہونا الجوز اخروٹ البیض انڈا

ترجمہ: سلم جائز ہے کیلی وزنی اور ایسی عددی چیزوں میں جن کے افراد میں تفاوت نہیں ہوتا ہے جیسے اخروٹ اور انڈے اور گز سے ناپی جانے والی چیزوں میں۔

تشریح: جو چیزیں کیل سے ناپ کر فروخت کی جاتی ہیں جیسے گیہوں چاول وغیرہ اسی طرح جو چیزیں وزنی ہوں یا عدد سے گن کر بیچی جاتی ہوں لیکن ان کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے اخروٹ اور انڈے ان کے افراد میں زیادہ فرق نہیں ہوتا ان کے چھوٹے بڑے دینے سے جھگڑا نہیں ہوتا اسی طرح جو چیزیں ہاتھ یا گز سے ناپ کر بیچی جاتی ہیں جیسے کپڑا وغیرہ ان تمام میں بیع سلم جائز ہے۔

وزنی چیزوں میں دراہم اور دنانیر بھی ہیں ان کی بیع سلم جائز نہیں کیونکہ ان کی صفات متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی اس لئے وزنی سے وہ چیزیں مراد ہیں جو وزن کی جاتی ہوں لیکن دراہم اور دنانیر نہ ہوں جیسے لوہا وغیرہ۔

مکیلات اور موزونات میں جائز ہونے کی دلیل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: مَنْ اَسْلَفَ فِیْ شَیْءٍ فَفِیْ کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ. (بخاری ۱/۲۹۹)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نے کسی چیز میں بیع سلم کی تو کیل معلوم ہو وزن معلوم ہو اور مدت معلوم ہو۔

عددی چیزوں میں بیع سلم جائز ہونے کی دلیل

فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ اِلٰى اِبِلِ الصَّدَقَةِ. (ابوداؤد ۲/۴۷۷ باب فی الرخصۃ)

ترجمہ: یعنی عبد اللہ بن عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک اونٹ دو اونٹ کے بدلے میں لیتے تھے، صدقہ کے اونٹ کے آنے تک، اس حدیث سے عددی چیزوں میں بیع سلم کا پتہ چلتا ہے۔

مذروعات میں بیع سلم جائز ہونے کی دلیل

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سوت کے کپڑوں کے سلم کے بارے میں فرمایا اگر گز معلوم ہو اور مدت معلوم ہو تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۲۹۸)

(۲/۹۵۱) وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الْحَيَوَانِ وَلَا فِيْ أَطْرَافِهِ وَلَا فِي الْجُلُوْدِ عَدَدًا.

حل لغات: اطراف طرف کی جمع ہے اعضاء جلود جلد کی جمع ہے کھال عدداً گن کر۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے سلم حیوان میں اور نہ اس کے اطراف میں اور نہ کھال میں گن کر۔

تشریح: قیمت ابھی دیدے اور جانور کی ساری صفات متعین کر کے چار ماہ بعد لے اسی طرح حیوان کے سر،

پاؤں وغیرہ کی بیع سلم کرے یا اس کی کھال میں بیع سلم کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔ حیوان میں بیع سلم کا حکم کیا ہے اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

اختلاف الائمة

شوافع کے نزدیک: حیوان میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ جب جانور کی تمام صفات اور عمر وغیرہ متعین کردی جائیں تو کافی حد تک تعین ہو جاتا ہے اس لئے جانور اس کے اعضاء اور کھال کی بیع سلم جائز ہے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ واحمدؒ ہیں۔ (عینی ۳/۱۸۲)

حنفیہ کا مذہب: حنفیہ کے نزدیک حیوان میں بیع سلم جائز نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک بیع سلم کے لئے ضروری ہے کہ یا تو وہ چیز کیلی ہو۔ یا وزنی ہو یا عددیات متقاربہ میں سے ہو لہٰذا اگر کوئی چیز عددی ہے لیکن اس کے افراد میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے تو اس میں بیع سلم جائز نہ ہوگی چونکہ دو حیوانوں کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے بعض مرتبہ ظاہری طور پر دو بھینس ایک جیسی ہوں گی لیکن ایک بھینس زیادہ دودھ دینے والی ہوگی اور دوسری کم ایک زیادہ بچے دے گی اور دوسری کم اس لئے جانور میں صفت متعین کرنا مشکل ہے ایسے ہی ان کے سر اور پاؤں میں بھی بہت فرق ہوتا ہے اور ان کی کھال کے چھوٹے بڑے ہونے میں فرق ہوتا ہے اس لئے ان میں جھگڑے کا امکان ہے جب ادائیگی کا وقت آئے گا تو بائع کہے گا کہ میں نے گھٹیا چیز میں بیع سلم کی تھی اور مشتری کہے گا کہ "نہیں" اعلیٰ اور عمدہ چیز میں بیع سلم کی تھی۔ اس لئے جانور اس کے اعضاء اور اس کی کھال میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۱۸۳)

(۳/۹۵۲) وَلاَ فِي الْحَطَبِ حُزَماً وَلاَ فِي الرُّطَبَةِ جُرَزاً.

حل لغات: الحطب ایندھن کی لکڑی جمع احطاب، حزماً لکڑی وغیرہ کا گٹھڑ الرطبة سبز گھاس تازہ سبزی جرزاً واحد جرزة گڈی، گٹھا، بنڈل

ترجمه: اور نہیں جائز ہے بیع سلم لکڑیوں میں گٹھڑ کے اعتبار سے اور نہ سبزیوں میں گڈی کے اعتبار سے۔

تشریح: ایندھن کی لکڑیوں کا گٹھڑ بناتے ہیں اور بیچتے ہیں بعض گٹھڑ میں زیادہ لکڑیاں ہوتی ہیں اور بعض میں کم بالکل ایک طرح کا گٹھڑ نہیں بن پاتا ایسے ہی ساگ، سبزیوں کی گڈی بناتے ہیں کسی میں زیادہ ہوتی ہے اور کسی میں کم اس لئے ان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

فائدہ: اگر آرا مشین سے ایک طرح کی لکڑی کاٹی جائے اور اس کی بیع سلم کرے تو جائز ہے کیونکہ صفات متعین ہوگئیں۔

(۴/۹۵۳) وَلاَ يَجُوْزُ السَّلَمُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْمُسْلَمُ فِيْهِ مَوْجُوْداً مِنْ حِيْنِ الْعَقْدِ اِلٰى حِيْنِ الْمَحَلِّ.

حل لغات: المسلم فیہ مبیع المحل مبیع دینے کا وقت

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے سلم یہاں تک کہ مسلم فیہ موجود ہو عقد کے وقت سے دینے کے وقت تک۔

تشریح: یہاں سے بیع سلم ہونے کے لئے اس کی شرائط کا بیان ہے ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ایسی چیز کی بیع سلم جائز ہے جو عقد کے وقت سے جس دن مبیع مشتری کے حوالے کرنی ہے اس وقت تک بازار میں موجود ہو اور ملتی ہو اگر وہ چیز ایسی ہے کہ جو بازار میں نہیں ملتی یا فی الحال بازار میں نہیں ہے دینے کے دنوں میں ملے گی تو ایسی چیز میں بیع سلم جائز نہیں ہے حدیث میں ایسی چیز کی بیع سلم سے منع فرمایا جو ابھی بازار میں نہ ملتی ہو۔

(۵/۹۵۴) وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ اِلَّا مُؤَجَّلاً وَلَا يَجُوْزُ اِلَّا بِأَجَلٍ مَعْلُوْمٍ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے سلم مگر مہلت دے کر اور نہیں جائز ہے مگر مدت معلومہ کے ساتھ۔

تشریح: بیع سلم کا مطلب ہی یہ ہے کہ جس میں مبیع بعد میں دی جائے اور اگر فوراً دینے کی بات ہو تو اس کو بیع سلم نہ کہیں گے اسی طرح بیع سلم میں یہ بھی ضروری ہے کہ مدت معلوم ہو ورنہ مشتری پہلے لینا چاہے گا اور بائع بعد میں دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا اس لئے مبیع دینے کی تاریخ طے ہونا ضروری ہے۔

(۶/۹۵۵) وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ بِمِكْيَالِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع سلم کسی خاص آدمی کے پیمانے سے۔

تشریح: شیخ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کے متعین برتن سے جس کی مقدار معلوم نہیں ہے کہ اس میں کتنا کلو آتا ہے ایسے برتن کی ناپ سے بیع سلم کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ برتن گم ہو جائے تو کس برتن سے ناپ کر مبیع دیں گے کیونکہ مبیع مہینوں بعد ادا کرنی ہے۔ (عینی ۳/۱۸۸)

(۷/۹۵۶) وَلَا بِذِرَاعِ رَجُلٍ بِعَيْنِهٖ.

ترجمہ: اور نہ کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے۔

تشریح: کسی متعین آدمی کے ہاتھ سے بیع سلم کی اب وہ مر گیا یا کہیں چلا گیا تو کس آدمی کے ہاتھ سے کپڑا ناپ کر دیں گے اس لئے یہ بھی جائز نہیں ہے۔

(۸/۹۵۷) وَلَا فِيْ طَعَامِ قَرْيَةٍ بِعَيْنِهَا.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بیع سلم کسی متعین گاؤں کے غلہ میں۔

تشریح: کسی متعین گاؤں کے گیہوں یا چاول یا چنا وغیرہ میں بیع کرے یہ بھی جائز نہیں ہے۔ ممکن ہے اس

گاؤں میں غلہ ہی پیدا نہ ہو تو ایسے گیہوں کہاں سے لا کر دے گا۔

(۹/۹۵۸) وَلَا فِيْ ثَمَرَةِ نَخْلَةٍ بِعَيْنِهَا.

ترجمہ: اور نہ کسی خاص کھجور کے پھل میں۔

تشریح: کسی متعین درخت کی بیع سلم کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ متعین درخت پر پھل نہ آئے تو کیسے دیگا۔

(۱۰/۹۵۹) وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا بِسَبْعِ شَرَائِطَ تُذْكَرُ فِي الْعَقْدِ جِنْسٌ مَعْلُوْمٌ وَنَوْعٌ مَعْلُوْمٌ وَصِفَةٌ مَعْلُوْمَةٌ وَمِقْدَارٌ مَعْلُوْمٌ وَأَجَلٌ مَعْلُوْمٌ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِ رَأْسِ الْمَالِ اِذَا كَانَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ عَلٰى مِقْدَارِهٖ كَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ وَالْمَعْدُوْدِ وَتَسْمِيَةُ الْمَكَانِ الَّذِيْ يُوْفِيْهِ فِيْهِ اِذَا كَانَ لَهٗ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ.

حل لغت: حمل و مؤنۃ اٹھانا اور اس کی اجرت

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے سلم امام ابوحنیفہ کے نزدیک مگر سات شرطوں کے ساتھ جو ذکر کی جائیں عقد میں جنس کا معلوم ہونا، نوع کا معلوم ہونا، صفت کا معلوم ہونا، مقدار کا معلوم ہونا، ثمن کی مقدار کا معلوم ہونا جب متعلق ہو عقد اس کی مقدار سے جیسے کیلی، وزنی اور عددی چیزیں اور اس جگہ کا متعین کرنا جس میں مبیع سپرد کرے گا جب کہ مبیع کو اٹھانے کی زحمت اور اجرت لگتی ہو۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک متن میں ذکر کردہ سات شرطیں جب پائی جائیں تو بیع سلم درست ہوگی ورنہ نہیں، ہر ایک کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) مسلم فیہ کی جنس معلوم ہو یعنی یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کس چیز کی بیع کر رہا ہے گیہوں کی، جو کی، کشمش کی، کھجور کی۔

(۲) نوع معلوم ہو کیونکہ گیہوں بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں مثلاً ۳۴۳، ڈبلو پچھتر وغیرہ وغیرہ۔
اس لئے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ کس قسم کے گیہوں چاہئے یا کس قسم کے چاول چاہئے۔

(۳) صفت معلوم ہو یعنی یہ بھی طے ہو کہ عمدہ قسم کے گیہوں ہو یا گھٹیا قسم کے ورنہ مشتری عمدہ لینا چاہے گا اور بائع ردی دینا چاہے گا اور جھگڑا ہوگا۔

(۴) مسلم فیہ کی مقدار معلوم ہو یعنی مبیع کتنے کلو ہوگی تا کہ جھگڑا نہ ہو۔

(۵) مدت معلوم ہو یعنی مسلم فیہ کب دو گے تا کہ یہ نہ ہو کہ بائع دیر کر کے دے اور مشتری جلدی مانگے۔

(۶) رأس المال یعنی ثمن کی مقدار معلوم ہو کہ وہ کتنے کلو ہے یا کتنے عدد ہے کیونکہ اگر مبیع نہ دے سکا اور ثمن کو

لوٹانے کی ضرورت پڑی تو اگر ثمن کی مقدار معلوم نہیں تو کیسے لوٹائے گا۔ اس لئے اگر ثمن کیلی ہو یا وزنی ہو یا عددی ہو تو ثمن کی مقدار معلوم ہونا ضروری ہے چاہے ثمن کی طرف اشارہ کر کے بیع سلم طے کی ہو لیکن اگر ثمن ذراعی ہو جیسے کپڑا تو چونکہ ذراع صفت ہے اور صفت کے مقابلے میں کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لئے کپڑا کتنا گز ہے اس کو معلوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۷) سپرد کرنے کی جگہ معلوم ہو یعنی اگر مسلم فیہ کو اٹھا کر لے جانے کا کرایہ لگتا ہو تو مبیع کو کس مقام پر مشتری کو دے گا اس جگہ کی تعیین بھی ضروری ہے کیونکہ اگر جگہ متعین نہ ہو تو بائع کی خواہش ہوگی کہ اپنے قریب مسلم فیہ سپرد کرے اور مشتری کی چاہت ہوگی کہ اپنے قریب لے لڑائی جھگڑے تک نوبت آئے گی ہاں اگر مبیع کے اٹھانے کا کرایہ نہ لگتا ہو تو اس صورت میں جگہ کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

(۱۱/۹۶۰) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَحْتَاجُ اِلَى تَسْمِيَةِ رَأْسِ الْمَالِ اِذَا كَانَ مُعَيَّناً وَلَا اِلَى مَكَانِ التَّسْلِيْمِ وَيُسَلِّمُهُ فِي مَوْضِعِ الْعَقْدِ.

حل لغت: موضع العقد معاملہ کرنے کی جگہ۔

ترجمہ: اور صاحبین نے فرمایا کہ ضرورت نہیں رأس المال کے متعین کرنے کی جب کہ وہ متعین ہو اور نہ سپرد کرنے کی جگہ کا متعین کرنا بلکہ حوالے کرے گا مبیع کو عقد کی جگہ میں۔

تشریح: ماقبل میں جو سات شرطیں بیان کی گئیں ہیں ان میں سے اول کی پانچ شرطوں پر امام اور صاحبین کا اتفاق ہے آخری دو شرطوں میں اختلاف ہے انہیں دو کا بیان اس عبارت میں ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ رأس المال یعنی ثمن سامنے ہے تو عام بیوع میں اس کی مقدار کی تعیین ضروری نہیں ہوتی صرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جاتا ہے اس لئے بیع سلم میں بھی اس کی طرف اشارہ کرنے سے ثمن متعین ہو جائے گا۔ ایسے ہی مبیع ادا کرنے کی جگہ متعین کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ جس جگہ بیع کی بات ہوئی وہی جگہ مبیع دینے کے لئے خود بخود متعین ہو جائے گی اس لئے الگ سے جگہ کی تعیین ضروری نہیں ہے البتہ کر لے تو اچھا ہے۔

(۱۲/۹۶۱) وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ حَتّٰى يَقْبِضَ رَأْسَ الْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُفَارِقَهُ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے سلم یہاں تک کہ قبضہ کر لے رأس المال پر جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح: بیع سلم طے ہونے کے بعد بائع اور مشتری کے جدا ہونے سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنا ضروری ہے اگر ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو بیع سلم صحیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ مبیع اور ثمن دونوں اُدھار ہوں حدیث میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ چونکہ بیع سلم میں مبیع یقینی طور پر بعد میں دے گا اس لئے کم از کم ثمن پر قبضہ ضروری ہے ورنہ تو مبیع بھی اُدھار اور ثمن

بھی اُدھار ہوگی۔

(۹۶۲/۱۳) وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِي رَأْسِ الْمَالِ وَلَا فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ الْقَبْضِ..

ترجمہ: اورنہیں جائز ہے تصرف کرنا رأس المال میں اور نہ مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے۔

عقد سلم کے باقی احکام

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مسلم الیہ کے لئے رأس المال میں اس پر قبضہ کرنے سے قبل تصرف کرنا جائز نہیں ہے مثلاً ایک شخص نے کسی سے سو روپے کے ۱۵ رکیلو گندم کی بیع سلم کی اور ابھی مسلم الیہ نے سو روپے پر قبضہ نہیں کیا کہ دوسرے سے سو روپے میں کوئی سامان خرید لیا تو مسلم الیہ کا یہ تصرف جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں اس قبضہ کا فوت کرنا لازم آتا ہے جو نفس عقد کی وجہ سے ضروری ہے۔ ایسے ہی مشتری (رب السلم) کے لئے مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے مثلاً رب السلم نے ابھی گندم پر قبضہ نہیں کیا کہ اس سے پہلے ہی ان کو بیچ دیا یا ہبہ کردیا تو یہ تصرف جائز نہیں ہے کیوں کہ مسلم فیہ مبیع ہے اور مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

(۹۶۳/۱۴) وَلَا يَجُوْزُ الشَّرِكَةُ وَلَا التَّوْلِيَةُ فِي الْمُسْلَمِ فِيْهِ قَبْلَ قَبْضِهٖ.

ترجمہ: اورنہیں جائز ہے شرکت اور نہ تولیہ مسلم فیہ میں اس کے قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح: مسلم فیہ یعنی مبیع پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس میں کسی کو شریک کرنا چاہتا ہے تو نہیں کرسکتا ہے شرکت کی صورت یہ ہے کہ رب السلم کسی سے یوں کہے کہ میں نے فلاں کو ایک ہزار روپے دے رکھے ہیں تو مجھ کو پانچ سو روپے دیدے اور مسلم فیہ میں میرا برابر کا شریک بن جا۔ ایسے ہی مسلم فیہ پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس میں بیع تولیہ کرنا چاہتا ہے تو نہیں کرسکتا تولیہ کی صورت یہ ہے کہ رب السلم کسی سے یوں کہے کہ اگر تم میرا سارا رأس المال دیدو جو میں نے فلاں کو دے رکھا ہے تو مسلم فیہ مکمل تمہاری ہے۔ شرکت اور تولیہ کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ بیع تولیہ کرنا یا کسی کو شریک کرنا مسلم فیہ میں تصرف کرنا ہے اور مبیع پر قبضہ سے قبل تصرف کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

(۹۶۴/۱۵) وَيَصِحُّ السَّلَمُ فِي الثِّيَابِ اِذَا سَمّٰى طُوْلاً وَعَرْضاً وَرُقْعَةً..

حل لغت: رقعة کپڑے کا پیوند، مراد کپڑے کی حقیقت ہے۔

ترجمہ: اور صحیح ہے بیع سلم کرنا کپڑوں میں جب کہ بیان کردی جائے لمبائی، چوڑائی اور حقیقت۔

تشریح: کپڑے کی لمبائی، کہ کتنے گز ہے اور چوڑائی، کہ کتنے انچ چوڑا ہے اور کس قسم کا کپڑا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ ہلکا ہے، بھاری ہے، سب چیزیں بیان کردی جائیں اور اگر کپڑا ریشمی ہے تو اس کا وزن بھی بیان کردیا

جائے تو کپڑے میں بھی بیع سلم جائز ہے اس زمانہ میں مشین ایک ہی قسم کے ہزاروں گز بنا دیتی ہے اس لئے بیع سلم کے جواز میں کوئی شبہ کی بات نہیں ہے۔ گذشتہ زمانہ میں چونکہ کپڑے ہاتھ سے بُنے جاتے تھے اس لئے ان کی صفات کو متعین کرنا مشکل تھا اور بیع سلم کے جواز میں شبہ تھا لیکن آج اس مشینی دور میں یہ بات نہیں ہے۔

(۹۶۵/۱۶) وَلَا يَجُوْزُ السَّلَمُ فِي الْجَوَاهِرِ وَلَا فِي الْخَرَزِ.

حل لغات: الجواهر جوہر کی جمع ہے ہر وہ پتھر جس سے مفید چیز نکالی جائے۔ قیمتی پتھر الخرز شیشے وغیرہ کے سوراخ دار دانے، پتھر کے نگینے، موتی۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے سلم جواہر اور موتیوں میں۔

تشریح: جواہر اور موتی بڑے اور چھوٹے ہوتے ہیں اور ان میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ اور وزن سے نہیں بکتے بلکہ گن کر بکتے ہیں اس لئے ان کی صفات کو منضبط نہیں کر سکتے اس وجہ سے ان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

(۹۶۶/۱۷) وَلَا بَأْسَ بِالسَّلَمِ فِي اللَّبِنِ وَالْآجُرِّ إِذَا سَمّٰى مِلْبَناً مَعْلُوْماً.

حل لغات: اَللَّبِنُ واحد لَبِنَةٌ اینٹیں الاجر پکی اینٹ ملبنا اینٹ بنانے کا سانچہ، فرما، لبن سے اسم آلہ ہے۔

ترجمہ: اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے سلم کرنے میں کچی اور پکی اینٹوں کے اندر جب کہ مقرر کر دیا جائے ان کا سانچہ۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر اینٹ بنانے کا سانچہ متعین کر دیا جائے تو اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کتنی بڑی اینٹ ہے اس لئے ان کی مقدار کی معلومات ہو جائے گی اس لئے اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے خواہ پکی اینٹیں ہوں یا کچی۔

(۹۶۷/۱۸) وَكُلُّ مَا اَمْكَنَ ضَبْطُ صِفَتِهٖ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِهٖ جَازَ السَّلَمُ فِيْهِ وَمَالَا يُمْكِنُ ضَبْطُ صِفَتِهٖ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِهٖ لَا يَجُوْزُ السَّلَمُ فِيْهِ.

ترجمہ: اور ہر وہ چیز جس کی صفت محفوظ کرنا اور اس کی مقدار کا پہچاننا ممکن ہو تو اس میں بیع سلم جائز ہے اور ہر وہ چیز جس کی صفت کا محفوظ کرنا اور اس کی مقدار کا پہچاننا ممکن نہ ہو تو اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔

تشریح: کن چیزوں میں بیع سلم جائز ہے اور کن چیزوں میں جائز نہیں ہے؟ اس بارے میں امام قدوری ایک قاعدہ کلیہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ جن چیزوں کی صفات ضبط کرنا ممکن ہو مثلاً ان کا عمدہ یا ردی ہونا اور ان کی مقدار معلوم کرنا ممکن ہو جیسے مکیلات، موزونات، مذروعات، اور ایسے ہی وہ عددی چیزیں جن کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے اخروٹ، انڈے وغیرہ ہر ایسی چیز میں بیع سلم جائز ہے اور جن چیزوں میں یہ بات نہیں ہے ان میں بیع سلم

صحیح نہیں ہے جیسے جواہر، موتی، کھال، حیوان، لکڑی وغیرہ۔

(۱۹/۹۶۸) وَيَجُوزُ بَيْعُ الْكَلْبِ وَالْفَهْدِ وَالسِّبَاعِ.

حل لغات: الکلب کتا جمع کلاب، الفهد چیتا السباع سبع کی جمع ہے پھاڑ کھانے والے جانور۔

ترجمہ: اور جائز ہے کتے، چیتے اور پھاڑ کھانے والے جانور کی بیع۔

مسائل متفرقہ

تشریح: کتے، چیتے اور درندے مثلاً شیر، بھیڑیئے وغیرہ کو فروخت کرنا جائز ہے۔ اصل اختلاف کتے کے متعلق ہے کہ اس کی بیع جائز ہے یا نہیں؟۔ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام شافعی امام احمد کے نزدیک کتے کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے اگر کوئی شخص بیع کرے تو بائع کیلئے اس کی قیمت لینا حرام ہوگا۔

(۲) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس کتے کو پالنا جائز نہیں اس کی بیع بھی جائز نہیں اور جس کتے کو پالنا جائز ہے جیسے شکاری کتا، حفاظت کے لئے کتا پالنا اس کی بیع بھی جائز ہے اور اس کی قیمت لینا بھی جائز ہے امام مالک کی مشہور روایت یہ ہے کہ بیچنا جائز ہے مع الکراہت۔ (اعلاء السنن ۱۴/ ۴۲۶ تا ۴۲۷ و ۱۴/ ۴۳۰)

شوافع کا استدلال

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ الخ (ترمذی ۱/ ۱۵۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شوافع وغیرہ کا کہنا ہے کہ کتے کی بیع جائز نہیں۔ نیز شوافع کے نزدیک کتا نجس العین ہے اور نجس العین کی بیع جائز نہیں اس لئے کتے کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔

جواب: اس حدیث میں وہ کتا مراد ہے جس کا پالنا جائز نہیں ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ احادیث ہیں جن میں "الا کلب صید" کا استثناء موجود ہے۔

حنفیہ کا استدلال: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ اِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ. (نسائی ۲/ ۲۰۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی بیع سے منع فرمایا مگر شکاری کتے کی بیع کی اجازت دی۔ اس حدیث میں شکاری کتے کے ثمن کی اجازت دی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیع جائز ہے اسی لئے تو اس کے ثمن کی اجازت ہے۔

(۲۰/۹۶۹) وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيْرِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے شراب اور خنزیر کی بیع۔

شراب اور خنزیر کی بیع کا عدم جواز

تشریح: شراب اور خنزیر نجس العین ہیں اس لئے ان کی بیع جائز نہیں ہے۔ حدیث میں شراب بیچنے کی ممانعت ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سورہ بقرہ کی آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا۔ حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِي الْخَمْرِ (بخاری شریف ۱/۲۹۷) شراب کی تجارت حرام کردی گئی ہے۔ نیز شراب اور خنزیر بیچنے کی ممانعت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ. (مسلم ۲/۲۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن فرماتے ہوئے سنا دراں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کو بیچنا حرام کردیا ہے۔

الکحل کی خرید وفروخت

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسی حکم میں تین اور شرابیں داخل ہوجاتی ہیں (۱) طلاء (۲) نقیع زبیب (۳) نقیع تمر (ان کا بیان کتاب الاشربۃ میں آئے گا) ان کی بیع بھی ناجائز ہے البتہ ان کے علاوہ جتنی شرابیں ہیں اگر ان کی بیع کے اغراض درست ہوں تو پھر امام صاحب کے نزدیک بالکل جائز ہے دوسرے ائمہ کے نزدیک ان کی بیع بھی ناجائز ہے مثلاً الکحل ہے یہ بہت سی دواؤں میں، رنگوں میں، کیمیکلز وغیرہ میں استعمال ہوتا ہے، چونکہ اس کا جائز استعمال موجود ہے۔ اس لئے امام صاحب کے قول کے مطابق اس کی خرید وفروخت کی گنجائش ہے اور اسی پر فتویٰ ہے البتہ پینے کے معاملہ میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے قلیلہ، حرام، بیع کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا جائز استعمال ممکن ہو اس کی بیع جائز ہے اور جس چیز کا جائز استعمال ممکن نہ ہو تو اس کی بیع جائز نہیں اسی سے افیون، بھنگ اور چرس کا حکم بھی نکل آیا کہ ان کا کھانا تو ناجائز ہے، کیونکہ نشہ آور ہوتی ہیں لیکن بعض دواؤں میں یہ چیزیں استعمال ہوتی ہیں اس لئے ان کی بیع جائز ہے اب اگر کوئی ان کو ناجائز استعمال کرتا ہے تو وہ اس کا اپنا فعل ہے اس کی ذمہ داری بائع پر عائد نہیں ہوگی۔

(۲۱/۹۷۰) وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ دُوْدِ الْقَزِّ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مَعَ الْقَزِّ وَلَا النَّحْلِ اِلَّا مَعَ الْكُوَّارَاتِ.

حل لغات: دود واحد دودة کیڑا القز ریشم النحل: شہد کی مکھی (مذکر مؤنث واحد نحلة) الکورات: کوارۃ کی جمع ہے شہد کی مکھیوں کے چھتے۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے ریشم کے کیڑوں کی بیع مگر یہ کہ ہوں ریشم کے ساتھ اور نہ شہد کی مکھیوں کی بیع مگر یہ کہ

ہوں چھتوں کے ساتھ۔

تشریح: ریشم کی بیع جائز ہے مگر تنہا ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں ہاں ریشم کے ساتھ کیڑے ہوں تو ریشم کے ساتھ کیڑوں کی بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ ریشم کا کیڑا مال نہیں ہے اس لئے تنہا اس کی بیع جائز نہیں البتہ ریشم کے تابع کر کے اس کی بیع جائز ہو جائے گی اسی طرح شہد کی مکھی مال نہیں ہے اس لئے تنہا ان کی بیع بھی جائز نہیں ہے البتہ شہد کے چھتے کے ساتھ مل کر جائز ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ریشم کے کیڑوں کی بیع تنہا بھی جائز ہے اور اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بیع بھی تنہا جائز ہے۔ کیونکہ یہ قابل انتفاع ہیں ان سے ریشم اور شہد نکلتے ہیں اس لئے یہ مال کے درجہ میں ہوئے ان کی بیع تنہا بھی جائز ہوگی۔

(۲۲/۹۷۱) وَاَهْلُ الذِّمَّةِ فِي الْبِيَاعَاتِ كَالْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا فِي الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيْرِ خَاصَّةً فَاِنَّ عَقْدَهُمْ عَلَى الْخَمْرِ كَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْعَصِيْرِ وَعَقْدَهُمْ عَلَى الْخِنْزِيْرِ كَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَى الشَّاةِ.

حل لغات: اھل الذمۃ جو کافر دار الاسلام میں ٹیکس دے کر رہتے ہیں ان کو ذمی کہتے ہیں العصیر رس، شربت، نچوڑ۔

ترجمہ: ذمی لوگ خرید وفروخت میں مسلمانوں کی طرح ہیں مگر شراب اور خنزیر میں خاص طور پر اس لئے کہ ان کا معاملہ شراب پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمانوں کا معاملہ شربت پر اور ان کا معاملہ خنزیر پر ایسا ہے جیسا کہ مسلمانوں کا معاملہ بکری پر۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ذمی لوگ عام معاملات میں مسلمانوں کی طرح ہیں خواہ خرید وفروخت ہو یا اس کے علاوہ یعنی جو چیز مسلمانوں کے لئے جائز ہے وہ ان کے لئے بھی جائز ہے اور جو چیز مسلمانوں کے لئے ناجائز ہے وہ ان کے لئے بھی ناجائز ہے، بخاری کی روایت ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کفار سے خرید وفروخت کی ہے حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک مشرک آدمی آیا جو مضبوط اور لمبا تھا بکری ہانکتے ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا بیچنے کی ہے یا عطیہ دینے کی؟ یا آپ نے فرمایا ہبہ کرنے کی؟ اس نے کہا نہیں بلکہ بیچنے کیلئے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک بکری خریدی۔ (بخاری ۱/ ۲۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کو بیع کرنے کی اجازت ہے تو ذمیوں کو بدرجہ اولی خرید وفروخت کی اجازت ہوگی کیونکہ انہوں نے دار الاسلام میں ٹیکس ادا کر کے جملہ حقوق حاصل کر لئے ہیں۔ البتہ دو چیزوں کا استثناء ہے (۱) شراب (۲) خنزیر، ذمیوں کو اپنے طور پر ان دونوں چیزوں کے بیچنے کی اجازت ہوگی کیونکہ ان کے اعتقاد میں یہ چیزیں مال ہیں اس لئے جس طرح مسلمان شربت کی خرید وفروخت کرتے ہیں اس طرح وہ آپس میں شراب کی خرید وفروخت کرتے ہیں، اور ہم مسلمان جس طرح بکری کی خرید وفروخت کرتے ہیں اسی طرح وہ آپس میں خنزیر کی خرید وفروخت کریں گے۔

باب الصرف

یہ باب بیع صرف کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: مبیع کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں تفصیل کتاب البیوع کے شروع میں دیکھئے مصنفؒ ان چار میں سے تین کو بیان کر چکے اب چوتھی قسم بیع الدین بالدین جو سب سے کمزور ہے اس کو بیان کرتے ہیں۔

صرف کی لغوی تعریف اور وجہ تسمیہ: صرف کے معنی زیادتی اور پلٹنے کے ہیں چونکہ دراہم اور دنانیر کے اِدھر اُدھر کرنے میں نفع کی زیادتی ہے اور ہمہ وقت الٹ پلٹ ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس عقد کو صرف کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: دونوں طرف سونا ہو، دونوں طرف چاندی ہو یا ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو آپس میں بیچنے کو بیع صرف کہتے ہیں۔

بیع صرف کا ثبوت: باب الربوٰ مسئلہ (۹۲۲)(۲) میں مذکور حدیث سے بیع صرف کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۱/۹۷۲) اَلصَّرْفُ هُوَ الْبَيْعُ اِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ عِوَضَيْهِ مِنْ جِنْسِ الْاَثْمَانِ.

حل لغت: الاثمان ثمن کی جمع ہے سونا اور چاندی۔

ترجمہ: صرف وہ بیع ہے جب کہ ہو اس کے عوضین میں سے ہر ایک ثمنوں کی جنس سے۔

تشریح: اس عبارت میں بیع صرف کی اصطلاحی تعریف کا بیان ہے وہ یہ ہے کہ سونے کو، سونے کے بدلے، چاندی کو، چاندی کے بدلے، یا ہر ایک کو دوسرے کے بدلے، فروخت کرنے کا نام بیع صرف ہے۔

(۲/۹۷۳) فَاِنْ بَاعَ فِضَّةً بِفِضَّةٍ اَوْ ذَهَباً بِذَهَبٍ لَمْ يَجُزْ اِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ وَاِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ.

حل لغات: الجودۃ عمدگی، کھرا پن الصیاغۃ پگھلانا، ڈھالنا، گھڑائی، رنگ وروغن۔

ترجمہ: چنانچہ اگر بیچے چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے تو نہیں جائز ہے مگر برابر سرابر اگرچہ عمدگی اور گھڑائی میں مختلف ہوں۔

بیع صرف کی صحت کی شرائط کا بیان

تشریح: جاننا چاہئے کہ بیع الصرف کی صحت کے لئے دو شرطیں ہیں: (۱) عدم النسیئہ مطلقاً یعنی اس بیع میں

ادھار تو ہر حال میں ناجائز ہے، خواہ دونوں متحد الجنس ہوں یا مختلف الجنس مجلس میں قبضہ ضروری ہے۔ (۲) عدم تفاضل: یہ صرف اس وقت جبکہ عوضین متحد الجنس ہوں مثلاً دونوں چاندی ہوں یا دونوں سونا اور اگر جنس کا اتحاد نہ ہو تو تفاضل جائز ہے۔ اس عبارت میں شرط ثانی پر تفریع ہے چنانچہ فرمایا چاندی کو چاندی کے بدلے بیچے یا سونے کو سونے کے بدلے بیچے یہ بیع اسی وقت جائز ہوگی جب کہ دونوں وزن میں برابر ہوں اگر چہ ایک زیادہ عمدہ ہو اور دوسرا ردی ہو یا ایک میں گھڑائی اچھی ہو اور دوسرے میں گھڑائی خراب ہو جس کی وجہ سے اس کی قیمت کم ہو پھر بھی وزن کے اعتبار سے دونوں کو برابر کر کے بیچنا ہوگا کمی بیشی حرام ہے۔

(۳/۹۷۴) وَلَا بُدَّ مِنْ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ قَبْلَ الْاِفْتِرَاقِ.

حل لغت: العوضین مراد مبیع اور ثمن ہیں۔

ترجمہ: اور ضروری ہے دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا جدا ہونے سے پہلے۔

تشریح: عقد صرف میں برابری کے ساتھ ساتھ جدا ہونے سے پہلے مبیع اور ثمن پر قبضہ کر لے کیونکہ حدیث میں ہے یداً بید یعنی ہاتھوں ہاتھ ہو۔

(۴/۹۷۵) وَاِذَا بَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ جَازَ التَّفَاضُلُ وَوَجَبَ التَّقَابُضُ.

ترجمہ: اور جب بیچے سونے کو چاندی کے بدلے تو جائز ہے کمی بیشی اور ضروری ہے دونوں طرف سے قبضہ کا ہونا۔

تشریح: اس عبارت میں بیع صرف کی شرط اول پر تفریع ہے، سونا اور چاندی دونوں دو جنس ہیں اس لئے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا لیکن چونکہ دونوں وزنی ہیں اس لئے مجلس میں دونوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

(۵/۹۷۶) وَاِنِ افْتَرَقَا فِي الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِ الْعِوَضَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا بَطَلَ الْعَقْدُ.

ترجمہ: اور اگر جدا ہو گئے بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنے سے پہلے یا دونوں میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے پہلے تو عقد باطل ہو جائے گا۔

تشریح: بائع اور مشتری نے بیع صرف کی اور مبیع اور ثمن دونوں پر قبضہ نہیں کیا یا ایک پر قبضہ کیا اور دوسرے پر نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو بیع صرف باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ حدیث کا ٹکڑا یداً بید کی بنیاد پر دونوں پر قبضہ ضروری تھا اور اس نے قبضہ نہیں کیا حدیث کے خلاف کیا اس لئے عقد باطل ہو جائے گا۔

(۶/۹۷۷) وَلَا يَجُوْزُ التَّصَرُّفُ فِي ثَمَنِ الصَّرْفِ قَبْلَ قَبْضِهِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے تصرف کرنا ثمن صرف میں اس پر قبضہ کرنے سے پہلے۔

تشریح: بیع صرف کے ثمن پر ابھی قبضہ نہیں کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے اور اس میں تصرف کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی نے ایک دینار دس درہم کے عوض بیچا اور ان دراہم پر قبضہ کرنے سے پہلے ان کے عوض کھجور خرید لی تو ان کھجوروں کی بیع فاسد ہوگی کیونکہ بیع صرف میں دونوں جانب ثمن ہیں اس لئے کسی ایک کو ترجیح دیئے بغیر دونوں کو مبیع کا درجہ حاصل ہے اور قبضہ کرنے سے پہلے مبیع کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

امام زفرؒ کی رائے

چونکہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اس لئے اگر بیع صرف کے ثمن پر قبضہ نہ بھی ہوا تو اپنی طرف سے دوسرے دراہم یا دنانیر دیدے گا اس لئے بیع صرف کے ثمن سے کوئی بھی چیز خریدنا جائز ہوگا۔

(۷/۹۷۸) وَيَجُوزُ بَيْعُ الذَّهَبِ بِالْفِضَّةِ مُجَازَفَةً.

حل لغت: مجازفة اندازہ، اٹکل۔

ترجمه: اور جائز ہے سونے کی بیع چاندی کے عوض اندازہ سے۔

تشریح: سونے کو چاندی کے بدلے بیچے گا تو زیادہ سے زیادہ کمی زیادتی ہوگی اور دو جنس الگ الگ ہیں اس لئے سونے کو چاندی کے بدلے اٹکل سے بیچنا جائز ہے۔

(۸/۹۷۹) وَمَنْ بَاعَ سَيْفاً مُحَلًّى بِمِائَةِ دِرْهَمٍ وَحِلْيَتُهُ خَمْسُوْنَ دِرْهَماً فَدَفَعَ مِنْ ثَمَنِهِ خَمْسِيْنَ دِرْهَماً جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَ الْمَقْبُوْضُ مِنْ حِصَّةِ الْفِضَّةِ وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ ذَالِكَ وَكَذَالِكَ اِنْ قَالَ خُذْ هٰذِهِ الْخَمْسِيْنَ مِنْ ثَمَنِهِمَا.

حل لغات: سیف تلوار محلّٰی اسم مفعول، زیور سے آراستہ مراد چاندی کا زیور ہے الحلیة زیور، خوبصورتی کی کوئی چیز۔

ترجمه: اور جس نے بیچی چاندی سے آراستہ ایک تلوار سو درہم کے بدلے اور اس کا زیور پچاس درہم کا ہے اور دیدیئے اس کی قیمت میں سے پچاس درہم تو جائز ہوگی بیع اور قبضہ کی ہوئی رقم وہ چاندی کے حصے میں سے ہوگی اگرچہ اس نے یہ بیان نہ کیا ہو اور ایسے ہی جائز ہوگی بیع اگر کہے کہ لے لے یہ پچاس دونوں کی قیمت سے۔

احکام صرف کی تفصیل

تشریح: ایک شخص نے سو درہم میں لوہے کی تلوار بیچی جس میں پچاس درہم کا زیور لگا ہوا تھا مشتری نے پچاس درہم نقد دیدیئے اور باقی پچاس کو اُدھار کیا تو پوری تلوار اور زیور کی بیع جائز ہو جائے گی۔ چونکہ زیور کی قیمت مجلس میں

دینی ضروری تھی کیونکہ وہ چاندی ہے اور چاندی کی بیع چاندی سے ہو رہی ہے اس لئے برابری بھی ضروری ہے اب جو پچاس درہم دیئے وہ زیور کا بدل شمار ہوگا خواہ مشتری نے اس کو بیان کیا ہو یا نہ کیا ہو بلکہ اگر وہ اس کی تصریح کر دے کہ یہ پچاس درہم دونوں کی قیمت کی طرف سے دے رہا ہوں تب بھی زیور ہی کا بدل ہوگا اور باقی پچاس لوہے کی تلوار کے بدلے میں ہے جو اُدھار ہے اس لئے مجلس میں جو پچاس دیئے وہ زیور کے بدلے میں سمجھے جائیں گے تاکہ بیع درست ہو جائے اور اگر پچاس میں سے آدھے تلوار کے بدلے میں کریں تو زیور کے بدلے پر مجلس میں قبضہ نہیں ہوگا اور پورے کی بیع فاسد ہو جائے گی۔

(۹۸۰/۹) فَاِنْ لَّمْ يَتَقَابَضَا حَتّٰى بَطَلَ الْعَقْدُ فِي الْحِلْيَةِ وَاِنْ كَانَ يَتَخَلَّصُ بِغَيْرِ ضَرَرٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي السَّيْفِ وَبَطَلَ فِي الْحِلْيَةِ

حل لغت: یتخلص جدا ہو سکے ضرر نقصان۔

ترجمہ: پھر اگر دونوں نے قبضہ نہیں کیا یہاں تک کہ جدا ہو گئے تو باطل ہو جائے گا عقد زیور میں اور اگر زیور علیحدہ ہو سکتا ہو بغیر کسی نقصان کے تو جائز ہو جائے گی بیع تلوار میں اور باطل ہوگی زیور میں۔

تشریح: بائع کو زیور کی قیمت پچاس درہم پر قبضہ کرنا چاہئے تھا لیکن اس پر قبضہ نہیں کیا اور جدا ہو گئے تو اگر زیور تلوار کو نقصان دیئے بغیر الگ ہو سکتا ہو تو تلوار کی بیع ہو جائے گی کیونکہ تلوار کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے اور زیور کی بیع نہیں ہوگی کیونکہ اس کی قیمت پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا اور اگر زیور تلوار سے نقصان دیئے بغیر الگ نہ ہو سکتا ہو تو زیور کی بیع نہ ہوگی اور اس کی وجہ سے تلوار کی بیع بھی نہیں ہوگی۔

(۹۸۱/۱۰) وَمَنْ بَاعَ اِنَاءَ فِضَّةٍ ثُمَّ افْتَرَقَا وَقَدْ قَبَضَ بَعْضَ ثَمَنِهٖ بَطَلَ الْعَقْدُ فِيْمَا لَمْ يَقْبَضْ وَصَحَّ فِيْمَا قَبَضَ وَكَانَ الْاِنَاءُ مُشْتَرَكًا بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور جس نے بیچا چاندی کا برتن پھر دونوں جدا ہو گئے حالانکہ کچھ قیمت لے لی تو عقد باطل ہو جائے گا جس میں قبضہ نہیں کیا تھا اور صحیح ہوگا جتنے پر قبضہ کیا تھا اور مشترک رہے گا برتن دونوں کے درمیان۔

تشریح: ایک شخص نے چاندی کا ایک برتن سو درہم میں بیچا مشتری نے پچاس درہم مجلس میں دیئے اور پچاس درہم نہیں دیئے اس کے بعد عاقدین جدا ہو گئے تو جتنے دیئے تھے اس کی بیع ہوگی اور جتنے نہیں دیئے تھے اس کی بیع باطل ہو جائے گی۔

دلیل: کیونکہ دونوں طرف چاندی ہے اس لئے دونوں پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری تھا اور یہاں آدھے پر مجلس میں قبضہ ہوا تو جتنے حصہ میں شرط پائی گئی اتنے ہی حصہ میں بیع صحیح ہوگی۔ اور مبیع یہاں پر برتن ہے اس لئے آدھے برتن کی بیع نہ ہونے کی وجہ سے قیاس کے اعتبار سے پورے برتن کی بیع فاسد ہونی چاہئے لیکن فاسد اس وجہ سے نہ ہوگی کہ

پہلے بیع پورے برتن کی ہوئی ہے اور بعد میں فساد آیا ہے اس لئے آدھے کا فساد پورے میں سرایت نہیں کرے گا اور برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک رہے گا۔

(۱۱/۹۸۲) وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الْاِنَاءِ كَانَ الْمُشْتَرِیْ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ الْبَاقِیْ بِحِصَّتِهٖ مِنَ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ رَدَّهٗ.

ترجمہ: اور اگر مستحق نکل آیا برتن کے کچھ حصہ کا تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو لے باقی کو اس کے حصہ کی قیمت میں اور اگر چاہے تو واپس کردے۔

تشریح: بائع اور مشتری میں بیع ہو جانے کے بعد کسی تیسرے نے کہا کہ اس برتن میں آدھا میرا حق ہے اور گواہوں وغیرہ کے ذریعہ اپنا حق ثابت کر دیا تو اب آدھا تیسرے آدمی کا ہوگا اور آدھا برتن مشتری کا ہوگا اور برتن میں شرکت عیب ہے اس لئے مشتری کو اختیار ہوگا کہ برتن کا جتنا حصہ اس کے حق میں آتا ہے اتنی قیمت دے کر لے لے اور چاہے تو پورے کی بیع فسخ کردے۔

(۱۲/۹۸۳) وَمَنْ بَاعَ قِطْعَةَ نُقْرَةٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُهَا اَخَذَ مَابَقِيَ بِحِصَّتِهٖ وَلَا خِيَارَ لَهٗ.

حل لغت: نقرة چاندی سونے کا پگھلا ہوا ٹکڑا، چاندی کی ڈلی، قطعة کی اضافت نقرہ کی جانب ایسی ہے جیسے عام کی اضافت خاص کی طرف ہوتی ہے۔

ترجمہ: کسی نے بیچی چاندی کی ڈلی پھر نکل آیا کوئی مستحق اس کے بعض حصہ کا تو لے باقی کو اس کے حصہ سے اور مشتری کو اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح: کسی نے سو روپے میں چاندی کی ڈلی خریدی بعد میں آدھے کا مستحق کوئی اور آدمی نکل آیا تو مشتری پچاس روپے دے کر آدھی ڈلی لے لے اور اس صورت میں مشتری کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ چاندی کی ڈلی ٹکڑا ہو سکتی ہے لہٰذا ٹکڑا کر کے ایک حصہ دوسرے کو دیا جا سکتا ہے اس لئے اس میں شرکت عیب نہیں ہے اس لئے مشتری کو لینا ہی پڑے گا اور اس کو بیع رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ البتہ جتنا حصہ مشتری کے حق میں آئے گا۔ اتنی ہی قیمت دینی ہوگی زیادہ نہیں کیونکہ اتنا ہی حق اس کو ملا ہے۔

(۱۳/۹۸۴) وَمَنْ بَاعَ دِرْهَمَيْنِ وَدِيْنَارًا بِدِيْنَارَيْنِ وَدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ وَجُعِلَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الْجِنْسَيْنِ بَدْلًا مِنَ الْآخَرِ.

ترجمہ: اور جس نے بیچے دو درہم اور ایک دینار دو دینار اور ایک درہم کے بدلے تو جائز ہے بیع اور کر لیا جائے گا جنسین میں سے ہر ایک کو بدل دوسری جنس کا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دو درہم اور ایک دینار کو ایک درہم اور دو دینار کے عوض فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع جائز ہے اگر دو درہم کو ایک درہم کے بدلے اور ایک دینار کو دو دینار کے بدلے کردیں تو بیع فاسد ہوگی اور سود ہوگا لیکن اگر دو درہم کو ایک دینار کے بدلے کردیں اور ایسے ہی دو دینار کو ایک درہم کے بدلے کردیں تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کمی زیادتی جائز ہوگی اور بیع جائز ہو جائے گی حتی الامکان بیع جائز کرنے کے لئے یہی دوسری صورت اختیار کی جائے گی اور انسانی سہولت ملحوظ رکھی جائے گی۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عقد جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں مجموعے کا مقابلہ مجموعے کے ساتھ ہے اس لئے دو درہم ایک درہم کے مقابل اور ایک دینار دو دینار کے مقابل قرار دیئے جائیں گے اور ایک ہی جنس میں کمی زیادتی ہو جائے گی اور ربوٰ ہوگا، اس لئے یہ بیع جائز نہیں ہوگی۔ اور دو درہم کو دو دینار کے عوض اور ایک دینار کو ایک درہم کے عوض قرار دینے میں عاقدین کے تصرف کو متغیر کرنا لازم آتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ہدایہ دیکھئے)

(۱۴/۹۸۵) وَمَنْ بَاعَ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَماً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَدِيْنَارٍ جَازَ الْبَيْعُ وَاكَانَتِ الْعَشَرَةُ بِمِثْلِهَا وَالدِّيْنَارُ بِدِرْهَمٍ.

ترجمہ: اور جس نے بیچے گیارہ درہم دس درہم اور ایک دینار کے بدلے میں تو جائز ہے بیع اور ہوں گے دس درہم دس کے مقابلہ میں اور دینار درہم کے مقابلہ میں۔

تشریح: ایک شخص نے گیارہ درہم، دس درہم اور ایک دینار کے عوض فروخت کئے تو یہ بیع جائز ہوگی دس درہم کو دس درہم کے بدلے کردیں گے اور جو ایک درہم بچا اس کو ایک دینار کے بدلے کردیں گے چونکہ خلاف جنس ہے اس لئے کمی زیادتی جائز ہوگی اور یہ بیع درست ہو جائے گی۔

(۱۵/۹۸۶) وَيَجُوْزُ بَيْعُ دِرْهَمَيْنِ صَحِيْحَيْنِ وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ بِدِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَدِرْهَمَيْنِ غَلَّةٍ.

حل لغات: درهم صحیح بغیر ریزگاری کا درہم درہم صحیح ہے جیسے ہمارے زمانے میں ایک روپیہ کا نوٹ یا ایک روپیہ کا سکہ درہم صحیح کے مرتبہ میں ہے۔ (درهم غلة) ایک درہم کے ان ٹکڑوں کو کہتے ہیں جو وزن اور مالیت میں ایک درہم کے برابر ہوں جیسے ہمارے زمانے میں ایک روپیہ کی ریزگاری، چونّی، اٹھنی وغیرہ چار چونی ایک روپیہ کی مالیت کے برابر ہوتی ہے ایسے ہی دو اٹھنی ایک روپیہ کی مالیت کے برابر ہوتی ہے۔ اسی ریزگاری کو بعض علاقوں میں ٹوٹے پیسے، کھلے پیسے، پھٹ کر پیسے بولتے ہیں۔ درہم غلہ سے مراد کھوٹے درہم نہیں ہیں۔ صاحب ہدایہ کے بقول درہم غلہ سے مراد وہ درہم ہے۔ کہ تاجر اس کو قبول کرتا ہو لیکن بیت المال اس کو قبول نہ کرتا ہو۔ بیت المال کا قبول نہ کرنا ریزگاری کی وجہ سے ہے کہ ان کی حفاظت میں بڑی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

ترجمہ: اور جائز ہے بیع دو صحیح درہم اور ایک پھٹ گر درہم کی ایک صحیح درہم اور دو پھٹ گر درہم کے عوض۔

تشریح: صاحب جوہرۃ نیرۃ علامہ ابوبکر بن علی بن محمد فرماتے ہیں کہ صاحب قدوری کی عبارت درست نہیں ہے بلکہ صاحب ہدایہ کی عبارت صحیح ہے۔ یعنی وَيَجُوْزُ بَيْعُ دِرْهَمٍ صَحِيْحٍ وَدِرْهَمَيْنِ غَلَّتَيْنِ بِدِرْهَمَيْنِ صَحِيْحَيْنِ وَدِرْهَمٍ غَلَّةٍ (الجوہرۃ النیرہ ۲۷۲/۱) اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم صحیح اور دو درہم پھٹ گر کو دو درہم صحیح اور ایک درہم پھٹ گر کے بدلے بیچا تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ وزن کے اعتبار سے دونوں عوض برابر ہیں۔

(۱۶/۹۸۷) وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الدَّرَاهِمِ الْفِضَّةُ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الْفِضَّةِ وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الدَّنَانِيْرِ الذَّهَبُ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الذَّهَبِ فَيُعْتَبَرُ فِيْهِمَا مِنْ تَحْرِيْمِ التَّفَاضُلِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْجِيَادِ.

حل لغات: التفاضل: کمی، زیادتی الجیاد: جمع ہے جید کی عمدہ، کھرا۔

ترجمہ: اور اگر غالب ہو دراہم پر چاندی تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر غالب ہو دنانیر پر سونا تو وہ سونے کے حکم میں ہے تو اعتبار کیا جائے گا ان دونوں میں کمی بیشی کے حرام ہونے کا جو اعتبار کیا جاتا ہے عمدہ میں۔

بیع صرف کے باقی احکام

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ دراہم میں اگر چاندی غالب ہو تو یہ دراہم خالص چاندی کے حکم میں ہیں اور اگر دنانیر میں سونا غالب ہو تو یہ دنانیر خالص سونے کے حکم میں ہیں اور ان کی ہم جنس کی بیع میں کمی زیادتی ایسے ہی حرام ہے۔ جیسے خالص سونے اور چاندی کی ہم جنس کی بیع میں کمی زیادتی حرام ہے چنانچہ اگر خالص دراہم کو کھوٹ ملے ہوئے دراہم کے بدلے یا خالص دنانیر کو کھوٹ ملے ہوئے دنانیر کے بدلے بیچا گیا تو وزن کے اعتبار سے برابری ضروری ہوگی۔

(۱۷/۹۸۸) وَاِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهِمَا الْغِشُّ فَلَيْسَا فِيْ حُكْمِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ فَهُمَا فِيْ حُكْمِ الْعُرُوْضِ.

حل لغت: الغش کھوٹ۔

ترجمہ: اور اگر ہو غالب ان پر کھوٹ تو وہ دونوں دراہم اور دنانیر کے حکم میں نہیں ہیں بلکہ وہ سامان کے حکم میں ہیں۔

تشریح: درہم میں چاندی غالب نہیں ہے بلکہ کھوٹ غالب ہے تو چونکہ اکثر کھوٹ ہے اس لئے اس کا حکم سامان جیسا ہے اسی طرح دینار میں کھوٹ غالب ہے تو وہ اب سونے کے حکم میں نہیں ہے بلکہ سامان کے حکم میں ہے۔ مشہور قاعدہ ہے لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ.

(۱۸/۹۸۹) فَاِذَا بِيْعَتْ بِجِنْسِهَا مُتَفَاضِلاً جَازَ الْبَيْعُ.

ترجمہ: پھر اگر ان کو انہیں کی جنس کے بدلے میں کمی زیادتی کر کے بیچا گیا تو بیع جائز ہوگی۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں ایسے دراہم کہ جن میں کھوٹ غالب ہوا گران کو ان کے ہم جنس دراہم کے بدلے کمی، زیادتی کے ساتھ فروخت کیا گیا تو جائز ہے۔ مثلاً چھ سکے بیچ رہا ہے جن میں کھوٹ غالب ہے ان چھ سکوں میں عمدہ دوسکوں کے برابر چاندی ہے اور چار سکوں کے برابر کھوٹ ہے چنانچہ ان چھ سکوں کو عمدہ تین سکوں کے بدلے فروخت کرے تو جائز ہے کیونکہ چھ سکوں میں دوسکوں کے برابر چاندی ہے۔ وہ عمدہ دوسکوں کے بدلے اور برابر ہو گئے اور باقی چار کھوٹ والے سکے ایک عمدہ سکے کے بدلے ہو گئے اس طرح خالص چاندی خالص چاندی کے برابر اور مزید چاندی کھوٹ کے بدلے ہوگئی اور بیع جائز ہوگی۔

(۱۹/۹۹۰) وَاِنِ اشْتَرىٰ بِهَا سِلْعَةً ثُمَّ كَسَدَتْ فَتَرَكَ النَّاسُ الْمُعَامَلَةَ بِهَا قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا يَوْمَ الْبَيْعِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ قِيْمَتُهَا آخِرَ مَا يَتَعَامَلُ النَّاسُ.

حل لغات: سلعة سامان، تجارت کا مال جمع سِلَعٌ، کسدت باب (ن،ک) ماضی معروف کساداً کسوداً، الشيء گاہکوں کی کمی کی وجہ سے رائج نہ ہونا جیسے کسدت السوق بازار کا مندا ہونا ما یتعامل الناس لوگ اس کے ساتھ معاملہ کرتے ہوں، لوگوں میں اس کا رواج ہو۔

ترجمہ: اور اگر خریدا کھوٹے دراہم کے بدلے سامان پھر ان کا چلن بند ہو گیا اور لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا قبضہ سے پہلے تو باطل ہو جائے گی بیع امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے اس پر قیمت لازم ہے بیع کے دن کی اور فرمایا امام محمدؒ نے مشتری پر سکے کی قیمت لازم ہے آخری دن کی جب لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے۔

کھوٹے دراہم کے بدلہ خرید وفروخت کا بیان

تشریح: کسی نے ان دراہم یا دنانیر کے بدلے کوئی سامان خریدا جن میں کھوٹ غالب تھا ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ لوگوں میں ان سکوں کا رواج ختم ہو گیا اور لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بیع باطل ہو جائے گی اور صاحبین، امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک بیع باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ مال کا تبادلہ مال سے ہونے کی وجہ سے بالاتفاق عقد بیع صحیح ہو چکا تھا لیکن چلن بند ہونے کی وجہ سے ثمن کا سپرد کرنا ناممکن ہو گیا اور ثمن کو سپرد کرنا اگر متعذر اور ناممکن ہو جائے۔ تو اس کی وجہ سے بیع فاسد نہیں ہوتی لہٰذا بیع فاسد نہ ہوگی تو مشتری پر ان کی قیمت لازم ہوگی رہی یہ بات کہ کون سے دن کی قیمت لازم ہوگی اس بارے میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسف کا مذہب اور دلیل

آپ فرماتے ہیں کہ جس دن بیع ہوئی ہے اس دن میں۔
ان سکوں کی قیمت درہم سے کیا تھی، وہ مشتری پر واجب ہوگی کیونکہ بائع اور مشتری کے ذہن میں اسی وقت کی قیمت ملحوظ ہے اسی وقت کی قیمت کو ذہن میں رکھ کر بائع مبیع فروخت کرنے پر راضی ہوا ہے اس لئے بیچنے کے وقت ان سکوں کی جو قیمت تھی وہی مشتری پر لازم ہوگی۔

امام محمدؒ کا مذہب اور دلیل

وہ فرماتے ہیں کہ آخری دن جس میں لوگوں نے ان سکوں کو لینا دینا چھوڑا اس دن ان سکوں کی کیا قیمت تھی وہ دلوائی جائے گی کیونکہ جب تک سکے رائج تھے اس وقت تک سکے ہی دینے کا مجاز تھا لیکن جس دن چلن بند ہو گیا اسی دن کھوٹے سکوں سے منتقل ہو کر قیمت کی جانب آنا ہوا چنانچہ جس دن قیمت کی طرف انتقال ہوا ہے قیمت کے سلسلہ میں اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ اور مشتری وہی قیمت ادا کر کے مبیع لے لے گا۔

امام صاحبؒ کا مذہب اور دلیل

جن دراہم اور دنانیر میں کھوٹ غالب ہو ان کا ثمن ہونا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے تھا لیکن جب لوگوں نے ان کے ساتھ معاملہ کرنا چھوڑ دیا تو وہ سامان بن گئے اور ان کی ثمنیت ختم ہوگئی اس لئے مبیع بغیر ثمن کے باقی رہی اور بیع بغیر ثمن کے ہو تو بیع فاسد ہوتی ہے اس لئے یہ بیع فاسد ہو جائے گی اور چونکہ مبیع پر مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تھا اس لئے مبیع بائع کے پاس ہی رہے گی اور مشتری کو کچھ نہیں دینا ہوگا۔

(۹۹۱/۲۰) وَيَجُوْزُ الْبَيْعُ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَاِنْ لَمْ يُعَيِّنْ وَاِنْ كَانَتْ كَاسِدَةً لَمْ يَجُزِ الْبَيْعُ بِهَا حَتّٰى يُعَيِّنَهَا.

حل لغات: فلوس فلس کی جمع ہے پیسہ فلوس چاندی، سونے کے علاوہ دوسری دھاتوں تانبے، پیتل وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ النافقة رائج جس کا رواج ہو کاسدة وہ سکے جن کا رواج نہ ہو۔

ترجمہ: اور جائز ہے بیع رائج پیسوں سے اگرچہ متعین نہ کرے اور اگر سکے رائج نہ ہوں تو نہیں جائز ہے بیع یہاں تک ان کو متعین کرے۔

تشریح: رائج پیسوں کے بدلے خرید و فروخت جائز ہے چاہے ان پیسوں کو متعین نہ کیا ہو اس لئے کہ جب تک ان کا رواج رہے گا اس وقت تک ان کا حکم دراہم اور دنانیر کی طرح ہوگا یعنی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے اس قیمت کے کوئی بھی فلوس دیدے کافی ہو جائیں گے اور جس دن سے ان کا رواج ختم ہو جائے اس دن سے وہ سامان

کی طرح ہیں یعنی وہ متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے۔

بغیر متعین کئے بیع جائز نہیں ہوگی جس طرح سامان کو متعین کئے بغیر بیع جائز نہیں ہوتی ہے۔

(۲۱/۹۹۲) وَاِذَا بَاعَ بِالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ ثُمَّ كَسَدَتْ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْبَيْعُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر بیچا مروّج پیسوں سے پھر رواج ختم ہوگیا مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے تو بیع باطل ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

تشریح: رائج پیسوں سے کوئی مبیع خریدی ابھی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ان سکوں کا رواج ختم ہوگیا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بیع باطل ہوجائے گی اور صاحبین کے نزدیک بیع باطل نہ ہوگی بلکہ فلوس کی قیمت دے کر مشتری مبیع لے گا امام ابو یوسف کے نزدیک بیع کے دن کی قیمت اور مام محمد کے نزدیک اس آخری دن کی قیمت جس دن فلوس نافقہ کا رواج بند ہوا ہے اس اختلاف کی تفصیل مسئلہ (۹۸۱) (۱۹) کے تحت گذر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جاوے۔

(۲۲/۹۹۳) وَمَنِ اشْتَرٰى شَيْئًا بِنِصْفِ دِرْهَمٍ فُلُوْسٍ جَازَ الْبَيْعُ وَعَلَيْهِ مَا يُبَاعُ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ مِنْ فُلُوْسٍ.

ترجمہ: کسی نے خریدی کوئی چیز آدھے درہم کے پیسوں کے بدلے تو جائز ہے بیع اور مشتری پر اتنے پیسے لازم ہوں گے جو آدھے درہم میں بیچے جاتے ہیں۔

تشریح: کسی نے یوں کہا کہ آدھے درہم کے جتنے پیسے آتے ہیں ان کے بدلے میں یہ چادر خریدی تو یہ بیع جائز ہوگی اور آدھے درہم کے جتنے پیسے اس ملک میں بکتے ہیں اتنے پیسے مشتری پر لازم ہوں گے۔

دلیل: آدھے درہم کے بدلے کتنے پیس ملتے ہیں اس میں ہلکی سی جہالت ہے لیکن اس ملک میں کتنے ملتے ہیں تاجروں کے یہاں مشہور ہیں اسلئے یہ جہالت ختم ہوجائے گی اور ثمن مجہول نہیں رہے گا اس لئے بیع صحیح ہوجائے گی۔

(۲۳/۹۹۴) وَمَنْ اَعْطٰى صَيْرَفِيًّا دِرْهَمًا فَقَالَ اَعْطِنِىْ بِنِصْفِهٖ فُلُوْسًا وَبِنِصْفِهٖ نِصْفًا اِلَّا حَبَّةً فَسَدَتِ الْبَيْعُ فِى الْجَمِيْعِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا جَازَ الْبَيْعُ فِى الْفُلُوْسِ وَبَطَلَ فِيْمَا بَقِىَ.

حل لغات: صیرفیا روپیہ پرکھنے والا، نقدی کی تجارت کرنے والا۔ حبة دانہ رتی چھوٹا پیسہ۔

ترجمہ: کسی نے دیا صراف کو ایک درہم اور کہا آدھے درہم کے پیسے دیدو اور آدھے درہم کا درہم مگر ایک رتی کم تو تمام میں بیع فاسد ہوجائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور فرمایا صاحبین نے کہ جائز ہے بیع پیسوں میں اور باطل ہے باقی میں۔

تشریح: ایک آدمی نے سنار کو ایک درہم دے کر یوں کہا کہ آدھے درہم کے جو پیسے ہوتے ہیں وہ دو اور باقی درہم ہی دو مگر اس میں ایک رتی چاندی کم دو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پوری بیع فاسد ہوگی۔

دلیل: آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم سے ہے اور اس میں ایک رتی کم ہے تو سود ہوگیا اس لئے اس آدھے درہم کی بیع فاسد ہوجائے گی اور چونکہ فساد قوی ہے اور شروع سے ہے اس لئے یہ سرایت کر کے درہم کے بدلے جو فلوس کی بیع تھی وہ بھی فاسد ہوجائے گی کیونکہ پوری بیع ایک ہی ہے۔ لہٰذا کل کے اندر عقد باطل ہوگا۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ پیسوں میں بیع جائز ہے اور باقی میں بیع باطل ہے۔

دلیل: صاحبین فرماتے ہیں کہ اندرونی اعتبار سے یہاں دو بیع ہیں ایک بیع سے آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے اور دوسری بیع سے آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم کے ساتھ مگر ایک رتی کم اس لئے جس آدھے درہم کا مقابلہ پیسے کے ساتھ ہے وہ بیع جائز ہوگی کیونکہ اس میں کوئی سود نہیں ہے اور جس آدھے درہم کا مقابلہ آدھے درہم کے ساتھ ہے مگر ایک رتی کم وہ بیع فاسد ہوگی کیونکہ اس میں دونوں طرف چاندی ہے اور آدھے درہم کے مقابلہ میں پورا آدھا درہم نہیں ہے بلکہ ایک رتی کم ہے اس لئے سود ہوگیا اس لئے یہ دوسری بیع فاسد ہوگی اور ایک کا فساد دوسرے میں سرایت نہیں کرے گا۔

(۹۹۵/۲۴) وَلَوْ قَالَ اَعْطِنِيْ نِصْفَ دِرْهَمٍ فُلُوْساً وَنِصْفاً اِلَّا حَبَّةً جَازَ الْبَيْعُ.

ترجمہ: اور اگر کہا دیدے مجھ کو آدھے درہم کے فلوس اور آدھے مگر ایک رتی کم درہم تو جائز ہوگی بیع۔

تشریح: صورت اس طرح ہے کہ ایک طرف ایک درہم ہے اور دوسری طرف پیسے ہیں اور آدھے درہم میں سے ایک رتی کم ہے اس لئے رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھے درہم کے مقابلے میں ہوجائے گا اور باقی ایک رتی زیادہ اور آدھے درہم کے مقابلے میں پیسے ہوجائیں گے اس لئے سود نہیں ہوگا اور پورے میں بیع جائز ہوجائے گی۔

(۹۹۶/۲۵) وَلَوْ قَالَ اَعْطِنِيْ دِرْهَماً صَغِيْراً وَزْنَهٗ نِصْفُ دِرْهَمٍ اِلَّا حَبَّةً وَالْبَاقِيْ فُلُوْساً جَازَ الْبَيْعُ وَكَانَ النِّصْفُ اِلَّا حَبَّةً بِاِزَاءِ الدِّرْهَمِ الصَّغِيْرِ وَالْبَاقِيْ بِاِزَاءِ الْفُلُوْسِ.

حل لغت: بازاء مقابلے میں، بدلے میں۔

ترجمہ: اور اگر کہا دیدے مجھ کو چھوٹا درہم جس کا وزن آدھے درہم سے ایک رتی کم ہو اور باقی کے پیسے دیدو تو جائز ہوگی بیع اور ہوگا آدھے درہم سے رتی کم چھوٹے درہم کے مقابلے میں اور باقی پیسوں کے مقابلے میں۔

تشریح: کسی نے صراف کو ایک درہم دینے کے بعد یوں کہا کہ اس درہم میں سے رتی کم آدھا درہم دو (چھوٹا درہم دو) اور باقی رتی زیادہ آدھا درہم جو بچا ہے اس کے بدلے پیسے دیدو تو بیع جائز ہوجائے گی کیونکہ رتی کم آدھا درہم رتی کم آدھے درہم کے مقابلے میں ہوجائے گا، اور رتی زیادہ آدھے درہم کے مقابلے میں پیسے ہوجائیں گے اس لئے خلاف جنس ہونے کی وجہ سے سود نہیں ہوگا اس لئے پوری بیع جائز ہوجائے گی۔

نوٹ: مسئلہ (۲۴) اور (۲۵) دونوں کی نوعیت ایک ہی ہے۔

كِتَابُ الرَّهْنِ

یہ کتاب رہن کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: امام قدوری کتاب الرہن کو کتاب البیوع کے بعد اس لئے لا رہے ہیں کہ جس طرح بیع ایجاب وقبول سے منعقد ہوتی ہے ایسے ہی رہن بھی ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے پھر بسا اوقات عقد بیع میں ثمن میسر نہ ہونے کی بنا پر رہن کی ضرورت پڑتی ہے۔ (رقم الحاشیہ/۶)

رہن کی لغوی تعریف: کسی چیز کو روک لینا مال ہو یا غیر مال۔

اصطلاحی تعریف: ایسی مالی چیز کو کسی حق کے بدلہ میں روک لینا جس کے ذریعہ پورا حق یا بعض حق وصول کرنا ممکن ہو۔ (اللباب ۲/۵۰) بالفاظ دیگر کوئی آدمی کسی سے کچھ روپے بطور قرض لے اور اعتماد کے لئے کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس گروی رکھے۔

راھن جس نے اپنا مال رہن پر رکھا مرتھن جس کے پاس رہن رکھا مرھون جو چیز گروی رکھی گئی۔

رہن کا ثبوت قرآن سے: وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (آیت ۲۸۳ سورۃ البقرۃ) اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو۔ اس آیت سے رہن کی مشروعیت اور اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

رہن کی مشروعیت حدیث سے: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ایک یہودی (ابوالشحم) سے ایک مدت کے لئے غلہ خریدا اور اس کی وجہ سے زرہ رہن پر رکھی (بخاری شریف ۱/۳۴۱)

اجماع سے ثبوت: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک سفر وحضر دونوں میں رہن کے جواز پر امت کا اجماع ہے۔

(۱/۹۹۷) اَلرَّهْنُ يَنْعَقِدُ بِالْاِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ وَيَتِمُّ بِالْقَبْضِ فَاِذَا قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ مُحَوَّزًا مُفَرَّغًا مُمَيَّزًا تَمَّ الْعَقْدُ فِيْهِ.

ترجمہ: رہن منعقد ہو جاتا ہے ایجاب اور قبول سے اور پورا ہو جاتا ہے مرتہن کے قبضہ کرنے سے پھر جب قبضہ کر لیا مرتہن نے رہن پر درانحالیکہ تقسیم شدہ ہو، فارغ ہو، تمیز کیا ہوا ہو تو عقد تام ہو گیا۔

تشریح: رہن ایک معاملہ ہے اور معاملہ ایجاب کرنے اور دوسرے کے قبول کرنے سے منعقد ہوتا ہے لیکن چونکہ قرض کے بدلے رہن رکھنا ضروری نہیں ہے اس لئے رہن رکھنا احسان کے درجہ میں ہے اس لئے جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہیں کرے گا رہن مکمل نہیں ہوگا اور مرتہن کے قبضہ ہونے کے لئے بھی مرہون کا تین باتوں سے خالی ہونا

ضروری ہے (۱) محوز ہو (۲) مفرغ ہو (۳) ممیز ہو یہ تینوں قیدیں احترازی ہیں اور یہ تینوں الفاظ ماقبل سے حال ہیں۔

محوز کا مطلب: مرہون دوسروں کی شرکت میں نہ ہو۔ دوسرے کی شرکت سے تقسیم ہو کر الگ ہو چکی ہو مثلاً ایک گھر دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا دونوں شریکوں نے گھر تقسیم کر کے الگ الگ کر لیا ہو اب جو راہن کا حصہ ہے اس پر مرتہن قبضہ کر لے۔

مفرغ کا مطلب: رہن میں رکھی ہوئی چیز راہن کے تصرف اور اس کے قبضہ سے خالی ہو مثلاً گھر رہن پر رکھنا ہے تو گھر میں راہن کا کوئی سامان نہ ہو ایسے گھر پر مرتہن قبضہ کرے تب قبضہ مکمل ہوگا۔

ممیز کا مطلب: مرہون پیدائشی طور پر راہن کے سامان کے ساتھ متصل نہ ہو جیسے درخت پر لگا ہوا پھل رہن پر رکھے تو اس پر مرتہن کا قبضہ مکمل نہیں ہوگا کیونکہ پھل قدرتی طور پر راہن کے درخت سے چپکا ہوا ہے۔ اس لئے پھل کو درخت سے جدا کر کے مرتہن کو قبضہ دے تب رہن پر مکمل قبضہ شمار ہوگا۔

(۲/۹۹۸) وَمَالَمْ يَقْبِضْهُ فَالرَّاهِنُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ سَلَّمَهُ اِلَيْهِ وَاِنْ شَاءَ رَجَعَ عَنِ الرَّهْنِ فَاِذَا سَلَّمَهُ اِلَيْهِ فَقَبَضَهُ دَخَلَ فِيْ ضَمَانِهِ.

ترجمہ: اور جب تک مرتہن مرہون پر قبضہ نہ کرے تو راہن کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو حوالہ کرے اور چاہے تو رہن سے رجوع کر جائے پھر جب کہ مرتہن کو سپرد کر دیا اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی۔

تشریح: اس سے پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ قبضہ کرنے سے پہلے رہن مکمل نہیں ہوتا اس لئے قبضہ کرنے سے پہلے رہن رکھنے والا رہن رکھنے سے پھر جائے اور رجوع کر جائے تو رجوع کر سکتا ہے اور اگر رہن رکھنے والے نے شئ مرہون مرتہن کے حوالے کر دی اور مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کے ضمان میں داخل ہوگئی اب اگر ہلاک ہوگئی تو اس کے پیسے مرتہن کے قرض میں سے کاٹے جائیں گے۔

(۳/۹۹۹) وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ اِلَّا بِدَيْنٍ مَضْمُوْنٍ.

ترجمہ: اور صحیح نہیں رہن مگر دین مضمون کی وجہ سے۔

تشریح: جس دین کا ادا کرنا انسان پر ضروری ہو اس کی وجہ سے رہن رکھے تو صحیح ہے اور جس دین کا ادا کرنا واجب نہ ہو بلکہ احسان کے طور را اپنے اوپر لازم کیا ہے اس دین کے بدلے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے جیسے مکاتب اپنے اوپر مال کتابت واجب کرتا ہے لیکن اس کا ادا کرنا اس پر واجب نہیں ہے بلکہ جب عاجزی کا اظہار کر دے اور مال کتابت ساقط کر کے دوبارہ غلامیت میں آنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے لہٰذا مال کتابت کی وجہ سے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔

(۱۰۰۰/۴) وَهُوَ مَضْمُوْنٌ بِالْاَقَلِّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنَ الدَّيْنِ فَاِذَا هَلَكَ الرَّهْنُ فِيْ يَدِ الْمُرْتَهِنِ وَقِيْمَتُهٗ وَالدَّيْنُ سَوَاءٌ صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهٖ حُكْمًا.

ترجمہ: اور وہ (شیٔ مرہون) مضمون ہوگی اپنی قیمت اور دین سے کم کے عوض میں پھر جب ہلاک ہوجائے شیٔ مرہون مرتہن کے پاس اور اس کی قیمت اور قرض برابر ہیں تو مرتہن وصول کرنے والا ہوگیا اپنے قرض کو حکماً۔

شیٔ مرہون کے ضمان کا بیان

تشریح: شیٔ مرہون کا ضمان مرتہن پر لازم ہے لیکن اتنا ہی ضمان لازم ہوگا جتنا اس کا دین ہے اور اس سے زیادہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوگی اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو مالک کو واپس دینے کی ضرورت نہیں ہے متن کے مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ اگر شیٔ مرہون مرتہن کے پاس اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو دین اور مرہون کی قیمت میں سے جو کمتر ہو اس کا ضمان آئے گا چنانچہ اگر مرہون کی قیمت مرتہن کے قرض کے برابر ہو تو گویا مرتہن نے اپنا قرض راہن سے وصول کرلیا اب راہن سے کچھ وصول نہیں کرسکتا۔ مثلاً ایک سو روپئے مرتہن کا راہن پر قرض تھا۔ اور راہن نے ایک سو روپئے کی چیز گروی رکھ دی اس کے بعد وہ چیز مرتہن کے یہاں ہلاک ہوگئی تو اب معاملہ برابر سرابر ہوگیا۔

(۱۰۰۱/۵) وَاِنْ کَانَتْ قِیْمَۃُ الرَّھْنِ اَکْثَرَ مِنَ الدَّیْنِ فَالْفَضْلُ اَمَانَۃٌ.

حل لغت: الفضل جو زیادہ ہو، جو باقی بچے۔

ترجمہ: اور اگر شیٔ مرہون کی قیمت زیادہ قرض سے تو زیادہ امانت ہے۔

تشریح: اگر مرہون کی قیمت دین سے زیادہ ہو تو زائد مقدار امانت ہوگی یعنی اس کے ہلاک ہونے سے ضمان نہ ہوگا مثلاً قرض سو روپئے ہے اور شیٔ مرہون ایک سو پچاس روپئے کی ہے اب اگر شیٔ مرہون ہلاک ہوجائے تو مرتہن کے سو روپئے ساقط ہوجائیں گے اور باقی پچاس روپئے بھی راہن کی طرف دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ امانت تھی اور امانت بغیر زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو اس کو ادا نہیں کرنا پڑتا ہے۔

(۱۰۰۲/۶) وَاِنْ کَانَتْ قِیْمَۃُ الرَّھْنِ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ سَقَطَ مِنَ الدَّیْنِ بِقَدْرِھَا وَرَجَعَ الْمُرْتَھِنُ بِالْفَضْلِ.

ترجمہ: اور اگر ہو مرہون کی قیمت اس (دین) سے کم تو ساقط ہوجائے گا دین اس کے بقدر اور وصول کریگا مرتہن باقی دین۔

تشریح: اگر مرہون کی قیمت دین سے کم ہو تو قیمت کے بقدر دین ساقط ہوجائے گا۔ اور باقی دین مرتہن وصول کرے گا۔ مثلاً سو روپئے قرض تھا اور راہن نے اسّی روپئے کی کوئی چیز رہن رکھی اور وہ ہلاک ہوگئی تو گویا کہ مرتہن نے اسّی روپئے وصول کرلئے اب بیس روپئے جو باقی ہیں وہ راہن سے وصول کرے گا۔

(۱۰۰۳/۷) وَلَا یَجُوْزُ رَھْنُ الْمُشَاعِ.

حل لغت: المشاع مشترک، غیر تقسیم شدہ

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے مشترک چیز کو رہن رکھنا۔

جن چیزوں کے عوض میں رہن رکھنا جائز ہے اور جن میں جائز نہیں ہے

تشریح: جو چیز راہن اور دوسرے کے درمیان مشترک ہے ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی ہے اس کو رہن پر رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مشترک چیز کو رہن پر رکھ سکتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح مشترک چیز کو بیچ سکتے ہیں اسی طرح اس کو رہن پر بھی رکھ سکتے ہیں یعنی اگر راہن دین ادا نہ کر سکے تو مرتہن مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کر لے گا۔ احناف فرماتے ہیں کہ آیت "فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ" سے معلوم ہوتا ہے کہ شئ مرہون پر مرتہن کا مکمل قبضہ ہو اور یہ بات اسی وقت ہوگی جب وہ چیز مشترک نہ ہو بلکہ تقسیم ہو کر خالص راہن کی ملکیت میں ہو چکی ہو اس لئے رہن مشاع کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ (الجواہرۃ النیرۃ ۱/۲۷۷)

(۱۰۰۴/۸) وَلَا رَهْنُ ثَمَرَةٍ عَلٰى رُؤُسِ النَّخْلِ دُوْنَ النَّخْلِ وَلَا زَرْعٍ فِي الْأَرْضِ دُوْنَ الْأَرْضِ.

حل لغات: ثمرۃ پھل زرع کھیتی۔

ترجمہ: اور نہیں (جائز ہے) پھل کا رہن رکھنا درخت کے اوپر بغیر درخت کے اور نہ کھیتی کا رہن رکھنا زمین میں بغیر زمین کے۔

تشریح: حنفیہؒ کے نزدیک مال مشترک کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے اس قاعدہ کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ پھل درخت پر لگے ہوئے ہیں صرف پھل رہن رکھ رہا ہے اور درخت رہن پر نہیں رکھ رہا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ پھل درخت کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہیں اس لئے شئ مرہون درخت سے الگ نہیں ہوئی لہٰذا مرتہن کا مکمل قبضہ نہیں ہو سکے گا حالانکہ مکمل قبضہ ضروری ہے۔ اسی طرح زمین میں کھیتی ہے صرف کھیتی رہن پر رکھے اور زمین رہن پر نہ رکھے تو جائز نہیں کیونکہ کھیتی بھی زمین کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے یہاں بھی مرتہن کا مکمل قبضہ نہیں ہو سکے گا۔ جو آیت کی رو سے ضروری تھا۔

(۱۰۰۵/۹) وَلَا يَجُوْزُ رَهْنُ النَّخْلِ وَالْأَرْضِ دُوْنَهُمَا.

حل لغت: دونهما اس سے مراد پھل اور کھیتی ہیں۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے درخت اور زمین کو رہن رکھنا بغیر پھل اور کھیتی کے۔

تشریح: درخت پر پھل لگے ہوئے ہیں اور زمین میں کھیتی کھڑی ہے اب صرف درخت بغیر پھلوں کے اور

صرف زمین بغیر کھیتی کے رہن رکھنا چاہے تو نہیں رکھ سکتا۔

(۱۰۰۶/۱۰) وَلَا يَصِحُّ الرَّهْنُ بِالْاَمَانَاتِ كَالْوَدَائِعِ وَالْعَوَارِيْ وَالْمُضَارَبَاتِ وَمَالِ الشَّرِكَةِ.

حل لغات: الامانات، امانة کی جمع ہے، سپرد کی ہوئی چیز الودائع، ودیعة کی جمع ہے کوئی اپنا سامان کسی کے پاس حفاظت کے لئے رکھ دے اس کو ودیعت کہتے ہیں۔ العواری، عارية کی جمع ہے مانگی ہوئی چیز، کسی چیز کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے۔ المضاربات، مضاربة کی جمع ہے، وہ مال جو بیع مضاربت کرنے کے لئے لیا ہو مال الشركة شرکت کا مال، اس میں آدھا دوسرے کی امانت ہوتا ہے اور آدھا یا تہائی اپنا مال ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے رہن رکھنا امانتوں کو جیسے ودیعتیں اور مانگی ہوئی چیزیں اور مضاربت کا مال اور شرکت کا مال۔

تشریح: وہ مال جو کسی کے پاس امانت کے طور پر رکھا ہوا ہے یا کسی سے کوئی چیز عاریت پر لایا ہے یا مال مضاربت ہے یا مال شرکت ہے تو ان مالوں کو رہن پر رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ رہن پر وہی مال رکھ سکتے ہیں جو خود راہن کا ہو اور یہ اموال دوسروں کے ہیں جو راہن کے پاس امانت ہیں اس لئے ان کو رہن پر نہیں رکھ سکتے۔

(۱۰۰۷/۱۱) وَيَصِحُّ الرَّهْنُ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيْهِ فَاِنْ هَلَكَ فِيْ مَجْلِسِ الْعَقْدِ تَمَّ الصَّرْفُ وَالسَّلَمُ وَصَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِحَقِّهٖ حُكْمًا.

ترجمہ: اور صحیح ہے رہن رکھنا سلم کے رأس المال کے بدلے ثمن صرف کے بدلے اور مسلم فیہ کے بدلے پھر اگر ہلاک ہو جائے (شئ مرہون) مجلس عقد میں تو مکمل ہو جائے گا عقد صرف اور سلم اور ہوگا مرتہن وصول کرنے والا اپنا حق حکماً۔

تشریح: ایک آدمی نے بیع سلم کی اور مشتری نے بائع کو ثمن یعنی رأس المال دیا اور رأس المال کے بدلے بائع نے کوئی چیز رہن رکھی تو رہن رکھنا جائز ہے کیونکہ وہ مال مضمون ہے ایسے ہی بیع صرف میں جو ثمن ہے وہ مال مضمون ہے اس لئے اس کے لئے رہن رکھے تو جائز ہے، اسی طرح بیع سلم میں جو مبیع ہے جس کو مسلم فیہ کہتے ہیں اگر اس کے بدلے رہن رکھے تو جائز ہے، چونکہ بیع کی ان تینوں صورتوں میں مجلس عقد میں ثمن پر قبضہ شرط ہے اور مرہون ثمن کے قائم مقام ہے اس لئے یہاں بھی مرہون پر مجلس عقد میں قبضہ لازم ہے۔ اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ کسی نے بیع صرف کی اور بائع نے مبیع دیدی اور ثمن کے بدلے مشتری نے کوئی چیز بائع کے پاس رہن رکھی مجلس عقد ہی میں رہن کی چیز بائع کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو گویا بائع نے ثمن وصول کر لیا اس لئے بیع صرف مکمل ہو جائے گی ایسے ہی بیع سلم میں رب السلم (مشتری) نے بائع کو ثمن دیا اور بائع نے اس کے بدلے کوئی چیز رب السلم کے پاس رہن رکھی اس کے

بعد شئ مرہون مشتری کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو گویا کہ مشتری نے مبیع وصول کرلی اور بیع سلم پوری ہوگئی اور مشتری کا یہ وصول کرنا حقیقتاً نہیں حکماً ہے۔

(۱۰۰۸/۱۲) وَإِذَا اتَّفَقَا عَلٰى وَضْعِ الرَّهْنِ عَلٰى يَدَىْ عَدْلٍ جَازَ وَلَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ وَلَا لِلرَّاهِنِ اَخْذُهٗ مِنْ يَدِهٖ فَاِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ هَلَكَ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ.

ترجمہ: اور جب دونوں (راہن، مرتہن) متفق ہوجائیں رہن کے رکھنے پر کسی عادل آدمی کے ہاتھ میں تو جائز ہے اور نہیں جائز ہے مرتہن اور نہ راہن کے لئے اس (عادل) سے لینا پھر اگر ہلاک ہوجائے اس کے ہاتھ میں تو ہلاک ہوگی مرتہن کے ضمان سے۔

تشریح: راہن ومرتہن نے شئ مرہون کسی تیسرے قابل بھروسہ شخص کے پاس رہن رکھ دی تو یہ جائز ہے اب دونوں میں سے کوئی بھی شئ مرہون عادل سے نہیں لے سکتا، راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر اس لئے واپس نہیں لے سکتا ہے کیونکہ وہ مرتہن کے حق کی وجہ سے عادل کے ہاتھ میں ہے۔ اور مرتہن اس لئے نہیں لے سکتا ہے کہ راہن کو مرتہن پر اعتماد نہیں ہے اسی وجہ سے تو تیسرے کے پاس رہن رکھی گئی ہے۔ ہاں اگر راہن اس کی اجازت دے تو مرتہن عادل کے ہاتھ سے لے سکتا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ شئ مرہون عادل کے ہاتھ میں ہلاک ہوئی تو مرتہن پر اس کا ضمان ہوگا اور شئ مرہون کی قیمت قرض میں سے کاٹی جائے گی۔ اذا وضعہ علی ید غیرہ فہلک فہو بما فیہ (مصنف عبدالرزاق ۸/۲۴۱) کسی نے رہن دوسرے کے ہاتھ پر رکھا پھر وہ ہلاک ہوگیا تو وہ جس رہن میں تھا اس میں شمار کیا جائے گا۔ (رہن کے لئے اس میں شمار کی جائے گی)

(۱۰۰۹/۱۳) وَيَجُوْزُ رَهْنُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ.

ترجمہ: اور جائز ہے دراہم، اور دنانیر کیلی اور وزنی چیزوں کو رہن رکھنا۔

تشریح: دراہم اور دنانیر سے مراد سونا اور چاندی ہے، متن میں ذکر کردہ جملہ چیزوں کو رہن رکھنا اس لئے جائز ہے کہ مرتہن کو اعتماد ہوگا کہ میرا دین ملے گا ورنہ ان کو بیچ کر اپنا دین وصول کرسکتا ہوں۔

(۱۰۱۰/۱۴) فَاِنْ رُهِنَتْ بِجِنْسِهَا وَهَلَكَتْ هَلَكَتْ بِمِثْلِهَا مِنَ الدَّيْنِ وَاِنِ اخْتَلَفَا فِي الْجَوْدَةِ وَالصِّيَاغَةِ.

حل لغات: الجودۃ عمدہ الصیاغۃ گھڑائی اور نقش ونگار۔

ترجمہ: پھر اگر رہن رکھی گئی کوئی چیز اپنی جنس کے عوض اور ہلاک ہوگئی تو ہلاک ہوجائے گی دین کے مثل سے اگرچہ مختلف ہو عمدگی اور گھڑائی میں۔

تشریح: اگر دین اور شئ مرہون متحد الجنس ہوں اور شئ مرہون ہلاک ہوگئی ہو تو وہ بمقابلہ مثل دین ہلاک ہوگی

جس میں مرہون کے گھٹیا اور بڑھیا ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

مثلاً اچھے قسم کے سو درہم دین تھے اور اس کے بدلے میں گھٹیا قسم کے سو درہم رہن رکھے بعد میں رہن کے سو درہم ہلاک ہوگئے۔ تو چونکہ دونوں جنس ایک ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ مرتہن نے اپنے دین کے سو درہم وصول کر لئے اگر چہ دین کے سو درہم عمدہ تھے اور رہن کے سو درہم گھٹیا تھے۔

(۱۵/۱۰۱۱) وَمَنْ كَانَ لَهُ دَيْنٌ عَلٰى غَيْرِهٖ فَاَخَذَ مِنْهُ مِثْلَ دَيْنِهٖ فَأَنْفَقَهُ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهُ كَانَ زُيُوْفًا فَلَا شَيْءَ لَهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَرُدُّ مِثْلَ الزُّيُوْفِ وَيَرْجِعُ مِثْلَ الْجِيَادِ.

حل لغات: الزیوف کھوٹے درہم الجیاد اچھے۔

ترجمہ: کسی کا دین تھا دوسرے پر اس نے اس سے دین کے مثل لیا اور اس کو خرچ کر دیا پھر جانا کہ وہ کھوٹے تھے تو کچھ نہیں اس کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ کھوٹے کے مثل واپس کرے اور کھرے کے مثل وصول کر لے۔

تشریح: ایک شخص کا کسی کے ذمہ کچھ دین تھا اس نے وہ دین وصول کر کے خرچ کر دیا بعد میں معلوم ہوا کہ میرے دراہم عمدہ تھے اور یہ دراہم جو نے میں خرچ کئے گھٹیا تھے تو امام صاحب کے نزدیک اب مقروض سے مزید کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ عدد اور وزن کے اعتبار سے برابر ہوگیا اور جنس ایک ہو تو عمدہ اور گھٹیا کا اعتبار نہیں ہے اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ قرض خواہ نے اپنا پورا حق وصول کر لیا صاحبین فرماتے ہیں کہ قرضخواہ نے جیسا گھٹیا مقروض سے لیا تھا کہیں سے گھٹیا دراہم لاکر مقروض کو دے اور اپنے اچھے دراہم وصول کرے کیونکہ قرض وغیرہ میں صرف وزن اور عدد کے اعتبار سے برابر کر دینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ مالیت اور قیمت کے اعتبار سے برابر کرنا بھی ضروری ہے اور اس کی صورت یہی ہے۔

نوٹ: صاحب جوہرۃ النیرۃ نے لکھا ہے کہ مشہور قول کے مطابق امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

(الجوہرۃ النیرۃ ۱/۲۸۲)

(۱۶/۱۰۱۲) وَمَنْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ بِأَلْفٍ فَقَضٰى حِصَّةَ اَحَدِهِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُ اَنْ يَقْبِضَهُ حَتّٰى يُؤَدِّيَ بَاقِيَ الدَّيْنِ.

ترجمہ: کسی نے رہن رکھے دو غلام ایک ہزار کے بدلے میں پھر ایک کا حصہ ادا کر دیا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے اس غلام پر قبضہ کرنا یہاں تک کہ ادا کر دے باقی دین۔

تشریح: کسی نے دو غلام ایک ہزار کے بدلے رہن پر رکھے تھے پھر پانچ سو روپے ادا کر دیئے اور چاہتا ہے کہ ایک غلام مرتہن سے واپس لے لوں تو وہ اس غلام کو واپس نہیں لے سکتا جب تک کہ پورے ایک ہزار ادا نہ کر دے

کیونکہ دونوں غلاموں کا مجموعہ ہزار کے بدلے رہن ہے۔ ہاں اگر مرتہن ایک غلام واپس لینے کی اجازت دیدے تو راہن واپس لے سکتا ہے۔

(۱۰۱۳/۱۷) فَإذَا وَاكَّلَ الرَّاهِنُ الْمُرْتَهِنَ اَوِ الْعَدْلَ اَوْ غَيْرَهُمَا فِي بَيْعِ الرَّهْنِ عِنْدَ حُلُوْلِ الدَّيْنِ فَالْوَكَالَةُ جَائِزَةٌ.

ترجمہ: اگر وکیل بنادے راہن مرتہن کو یا کسی عادل کو یا ان کے علاوہ کو شئ مرہون بیچنے کا دین کی مدت گذرنے پر تو وکالت جائز ہے۔

تشریح: راہن چونکہ شئ مرہون کا مالک ہے اس لئے وہ جس کو چاہے وکیل بنا سکتا ہے کہ قرض کی مدت پوری ہو جائے اور میں قرض ادا نہ کرسکوں تو شئ مرہون کو بیچ دیا جائے اور اس سے مرتہن کے قرض کو ادا کیا جائے۔

(۱۰۱۴/۱۸) فَإنْ شُرِطَتِ الْوَكَالَةُ فِي عَقْدِ الرَّهْنِ فَلَيْسَ لِلرَّاهِنِ عَزْلُهُ عَنْهَا فَإنْ عَزَلَهُ لَمْ يَنْعَزِلْ وَإنْ مَاتَ الرَّاهِنُ لَمْ يَنْعَزِلْ اَيْضاً.

ترجمہ: اور اگر وکالت شرط کرلی گئی تھی عقد رہن میں تو راہن کے لئے جائز نہیں ہے کہ وکیل کو وکالت سے معزول کردے پھر اگر معزول کردیا تب بھی معزول نہیں ہوگا اور اگر راہن مرجائے تب بھی وکیل معزول نہیں ہوگا۔

تشریح: جب راہن نے رہن رکھا اس وقت مرتہن نے شرط لگائی کہ قرض کی مدت گزرنے پر شئ مرہون کے بیچنے کا وکیل بناؤ تاکہ وہ وکیل شئ مرہون کو فروخت کرکے میرا قرض ادا کرے تو راہن اب اس وکیل کو معزول نہیں کرسکتا کیونکہ شرط لگانے کی وجہ سے مرتہن کا حق متعلق ہوگیا بالفرض اگر راہن نے وکیل کو معزول کر بھی دیا تو وکیل معزول نہیں ہوگا اسی طرح اگر راہن اتفاقاً مر بھی جائے تب بھی وکیل کی وکالت ختم نہیں ہوگی بلکہ قرض کی مدت گزرنے پر شئ مرہون کو بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کرے گا۔ تاکہ اس کا حق ضائع نہ ہوجائے۔

(۱۰۱۵/۱۹) وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يُطَالِبَ الرَّاهِنَ بِدَيْنِهِ وَيُحْبِسَهُ بِهِ.

ترجمہ: اور مرتہن کے لئے جائز ہے کہ راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے اور قید کرا سکتا ہے اس کو اس قرض کی وجہ سے۔

تشریح: شئ مرہون مرتہن کے پاس تھی ابھی راہن نے قرض ادا نہیں کیا ہے اور شئ مرہون واپس لینا چاہتا ہے تو مرتہن کو حق ہے کہ اپنے دین کا مطالبہ کرے اگر بلا کسی وجہ کے راہن ٹال مٹول کرتا ہے تو راہن کو قید خانہ میں ڈلوا سکتا ہے۔

(۱۰۱۶/۲۰) وَإنْ كَانَ الرَّهْنُ فِي يَدِهِ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُمَكِّنَهُ مِنْ بَيْعِهِ حَتّٰى يَقْبِضَ الدَّيْنَ مِنْ ثَمَنِهِ فَإذَا قَضَاهُ الدَّيْنَ قِيلَ لَهُ سَلِّمِ الرَّهْنَ اِلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر شیٔ مرہون مرتہن کے ہاتھ میں ہو تو مرتہن پر ضروری نہیں ہے کہ راہن کو اس کے بیچنے کی قدرت دے یہاں تک کہ وصول کرلے دین اس کے ثمن سے پھر جب مرتہن کو دین ادا کردے تو مرتہن کو کہا جائے گا کہ شیٔ مرہون اس کے حوالے کر۔

تشریح: شیٔ مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہے اب راہن چاہتا ہے کہ اس کو بیچ کر دین ادا کردے تو اب مرتہن سے شیٔ مرہون راہن کے حوالے کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا ہاں دین ادا کردے۔ خواہ راہن اپنی جیب سے ادا کرے یا شیٔ مرہون کی بیع کر کے اس کی قیمت میں سے ادا کرے تب مرتہن کو کہا جائے گا کہ شیٔ مرہون راہن کے حوالے کر۔

وجہ: شیٔ مرہون کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے اور اس کو اس وقت تک شیٔ مرہون روکنے کا حق ہے جب تک کہ اس کے ہاتھ میں پورا دین نہ آجائے۔

(۱۰۱۷/۲۱) وَاِذَا بَاعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمُرْتَهِنِ فَالْبَيْعُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُرْتَهِنُ جَازَ وَاِنْ قَضَاهُ الرَّاهِنُ دَيْنَهُ جَازَ.

ترجمہ: اور جب بیچ دی راہن نے شیٔ مرہون مرتہن کی اجازت کے بغیر تو بیع موقوف رہے گی پھر اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دیدی تو جائز ہو جائے گی اور اگر راہن نے مرتہن کا دین ادا کردیا تب بھی بیع جائز ہو جائے گی۔

شیٔ مرہون میں تصرف کرنے کا بیان

تشریح: اگر راہن نے مرتہن کی اجازت کی بغیر شیٔ مرہون بیچ دی تو بیع موقوف رہے گی اگر مرتہن نے بیع کی اجازت دیدی یا راہن نے مرتہن کا دین ادا کردیا تو بیع جائز ہو جائے گی اور اگر اجازت نہ دی تو بیع فاسد ہو جائے گی۔

(۱۰۱۸/۲۲) وَاِنْ اَعْتَقَ الرَّاهِنُ عَبْدَ الرَّهْنِ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمُرْتَهِنِ نَفَذَ عِتْقُهُ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کردے راہن رہن کا غلام بغیر مرتہن کی اجازت کے تو نافذ ہو جائے گی اس کی آزادی۔

تشریح: چونکہ آزادگی انسان کا فطری حق ہے اس لئے راہن کے آزاد کرتے ہی غلام آزاد ہو جائے گا اور آزادی مرتہن کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی۔

(۱۰۱۹/۲۳) فَاِنْ كَانَ الرَّاهِنُ مُوْسِرًا وَالدَّيْنُ حَالًّا طُوْلِبَ بِاَدَاءِ الدَّيْنِ وَاِنْ كَانَ مُؤَجَّلًا اُخِذَ مِنْهُ قِيْمَةُ الْعَبْدِ فَجُعِلَتْ رَهْنًا مَكَانَهُ حَتّٰى يَحِلَّ الدَّيْنُ.

حل لغات: موسرا مالدار حالا فوری ادائیگی مؤجلا تاخیر کے ساتھ ادائیگی یحل الدین دین

ادا کرنے کا وقت آ جائے۔

ترجمہ: اور اگر راہن مالدار ہو اور دین فوری ہو تو مطالبہ کیا جائے گا دین کی ادائیگی کا اور اگر قرض تاخیر والا ہو تو لے لی جائیگی اس (راہن) سے غلام کی قیمت اور کر دی جائیگی رہن اس غلام کی جگہ یہاں تک کہ آ جائے دین کی مدت۔

تشریح: ماقبل میں آ چکا ہے کہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر راہن مالدار ہے اور دین کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت متعین نہیں ہے بلکہ فوری طور پر اس کو ادا کر دینا چاہئے تھا تو مطالبہ کیا جائے گا کہ فوری طور پر دین ادا کریں کیونکہ جب رہن ہی مرتہن کے ہاتھ سے نکل گیا تو اس کا اعتماد و بھروسہ بھی راہن سے ختم ہو گیا اس لئے فوری طور پر ادائیگی دین کا مطالبہ ہوگا اور اگر دین ادا کرنے کے لئے مدت متعین تھی تو راہن سے غلام کی قیمت لے کر اس قیمت کو غلام کی جگہ دین کی ادائیگی کی مدت کے آنے تک رہن رکھا جائے گا۔

(۱۰۲۰/۲۴) وَاِنْ كَانَ مُعْسِراً اسْتَسْعَى الْعَبْدُ فِيْ قِيْمَتِهٖ فَقَضٰى بِهِ الدَّيْنَ ثُمَّ يَرْجِعُ الْعَبْدُ عَلَى الْمَوْلٰى.

حل لغت: استسعٰی. غلام اپنی قیمت کما کر دے اس کو سعی کرنا اور استسعٰی کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر وہ (راہن) تنگدست ہو تو کمائے گا غلام اپنی قیمت اور ادا کرے گا اس سے دین کو پھر وصول کرے گا غلام سے۔

تشریح: راہن کے آزاد کرنے کی وجہ سے غلام آزاد ہو جائے گا اب اگر راہن تنگدست ہے غلام کی قیمت لا کر رہن نہیں رکھ سکتا اور نہ دین ادا کر سکتا ہے تو چونکہ غلام رہن پر تھا اس لئے اس کو کہا جائے گا کہ اپنی قیمت اور دین میں سے جو کمتر ہو وہ کما کر مرتہن کو دے اس کے بعد غلام اپنے مولیٰ سے جب وہ صاحب حیثیت ہو جائے اس رقم کو وصول کرے کیونکہ غلام نے مولیٰ کا قرض ادا کیا ہے۔ غلام سے سعی اس لئے کروائی جائے گی کیونکہ رہن رکھنے کی وجہ سے مرتہن کا حق غلام کی گردن سے متعلق ہو گیا ہے اور غلام آزاد ہو گیا اور راہن سے بھی غربت کی وجہ سے دین ملنے کی امید نہیں ہے۔ اس لئے غلام سے ہی سعی کروا کر دین وصول کیا جائے گا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۲۸۵)

(۱۰۲۱/۲۵) وَكَذٰلِكَ اِنِ اسْتَهْلَكَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر ہلاک کر دے راہن شئ مرہون کو۔

تشریح: اگر راہن نے مرتہن کے پاس سے رہن ہلاک کر دیا تو راہن کو اس کی قیمت مرتہن کے پاس رہن رکھنی ہوگی کیونکہ جس ضرورت کی بنیاد پر عقد رہن ہوا تھا وہ ضرورت ابھی باقی ہے اور اگر فوری والا دین تھا تو مرتہن فوراً وصول کرنے کا مطالبہ کرے گا۔

(۱۰۲۲/۲۶) وَاِنِ اسْتَهْلَكَهٗ اَجْنَبِيٌّ فَالْمُرْتَهِنُ هُوَ الْخَصْمُ فِيْ تَضْمِيْنِهٖ فَيَأْخُذُ الْقِيْمَةَ فَيَكُوْنُ الْقِيْمَةُ

رَهْناً فِيْ يَدِهِ.

ترجمہ: اور اگر ہلاک کردے رہن کو اجنبی تو مرتہن ہی مدمقابل ہوگا اس کا ضمان لینے میں چنانچہ مرتہن قیمت وصول کرے گا اور یہ قیمت رہن رہے گی اس کے ہاتھ میں۔

تشریح: مرتہن کے قبضہ میں شیٔ مرہون تھی اسی حال میں کسی اجنبی نے اس کو ہلاک کردیا۔ تو مرتہن ہی اس کا ضمان لینے کا مدعی بنے گا اور وہی ضمان لینے کی ساری کارروائی کرے گا اور مرہون کے ہلاک ہونے کے دن اس کی جو قیمت تھی وہ قیمت ہلاک کرنے والے سے وصول کرے گا اور یہ قیمت اس کے قبضہ میں رہن رہے گی پہلے اصل شیٔ رہن پر تھی اب اس کا نائب اور قیمت رہن پر رہیں گے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ نائب کا حکم بھی اصل جیسا ہوتا ہے۔ اس لئے قیمت رہن پر رہے گی جب تک دین ادا نہ ہوجائے۔

(۱۰۲۳/۲۷) وَجِنَايَةُ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ مَضْمُوْنَةٌ.

حل لغت: مضمونة سبب ضمان ہے، تاوان، ڈنڈ

ترجمہ: اور راہن کی جنایت شیٔ مرہون پر سبب ضمان ہے۔

شیٔ مرہونہ میں نقصان پیدا کرنے اور دوسروں کے ذمہ مرہونہ کی جنایت کئے جانے کا بیان

تشریح: راہن اگر مرہون غلام کو قتل کرڈالے یا اس کا کوئی عضو تلف کردے تو راہن پر ضمان واجب ہوگا کیونکہ شیٔ مرہون اگرچہ راہن کی ہے لیکن ابھی اس کے ساتھ مرتہن کا حق متعلق ہے لہٰذا ضمان کے حق میں مالک کو اجنبی ٹھہرایا جائے گا اور رہن میں سے راہن نے جتنا نقصان کیا ہے وہ رہن کے لئے دینا پڑے گا مثلاً شیٔ مرہون سو روپے تھی راہن نے قصور کیا اب وہ پچاس روپے کی رہ گئی تو اب راہن پچاس روپے مرتہن کو دے تاکہ وہ دین ادا ہونے تک اس کو رہن پر رکھے۔

(۱۰۲۴/۲۸) وَجِنَايَةُ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ تُسْقِطُ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهَا.

ترجمہ: اور مرتہن کی جنایت رہن پر ساقط کردیتی ہے دین سے اس کی مقدار۔

تشریح: اگر مرتہن مرہون پر کوئی جنایت کرے تو اس پر تاوان لازم ہوگا کیونکہ اس نے غیر کی ملک کو تلف کیا ہے اب اس نے جس قدر جنایت کی ہے اسی قدر دین ساقط ہوجائے گا مثلاً ایک ہزار روپیہ مرتہن کا دین تھا اور ایک

ہزار روپیہ ہی کی چیز گروی رکھی ہوئی تھی مرتہن نے اس میں سے تین سو روپیہ کا نقصان کر دیا اور اب شئی مرہون سات سو روپیہ کی رہ گئی تو تین سو روپیہ دین سے ساقط ہو جائیں گے اور راہن پر مرتہن کا دین اب سات سو روپیہ ہی رہے گا۔

(۲۹/۱۰۲۵) وَجِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ وَعَلَى الْمُرْتَهِنِ وَعَلَى مَالِهِمَا هَدْرٌ.

لغت: هَدْرٌ، رائیگاں، بیکار

ترجمہ: اور رہن کی جنایت راہن اور مرتہن پر اور ان دونوں کے مال پر رائیگاں ہے۔

تشریح: شئی مرہون مثلاً غلام ہے اس نے راہن کا نقصان کر دیا تو یہ نقصان رائیگاں ہے غلام سے کچھ نہیں لیا جائے گا کیونکہ غلام راہن کا ہے اب اگر اس کو بیچ کر نقصان وصول کرے تو اپنا ہی مال بیچے گا اس لئے غلام کے اس نقصان کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اگر غلام نے مرتہن کا نقصان کیا تو مرتہن کی ذمہ داری تھی کہ غلام کی حفاظت کرتا، حفاظت نہ کر کے اس نے غلطی کی ہے اب اگر مرتہن غلام کو بیچ کر نقصان وصول کرے تو غلام میں یا اس کی قیمت میں جتنی کمی آتی جائے گی اتنا ہی مرتہن کے قرض سے کٹتا رہے گا تو غلام بیچ کر نقصان وصول کرنے کا مرتہن کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔
(اللباب فی شرح الکتاب ۹/۲)

(۳۰/۱۰۲۶) وَأُجْرَةُ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُحْفَظُ فِيْهِ الرَّهْنُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ.

ترجمہ: اس گھر کا کرایہ جس میں رہن کی حفاظت کی جا رہی ہو مرتہن کے ذمہ ہے

تشریح: جس گھر میں شئی مرہون کو حفاظت سے رکھ رہا ہے اس کی اجرت مرتہن پر لازم ہوگی کیونکہ رہن اس کے ضمان میں ہے۔

(۳۱/۱۰۲۷) وَأُجْرَةُ الرَّاعِيْ عَلَى الرَّاهِنِ.

لغت: الراعی چرواہا، چرانے والا

ترجمہ: اور چرواہے کی اجرت راہن پر ہوگی

تشریح: اصول یہ ہے کہ ہر وہ صورت جس سے شئی مرہون باقی رہے یا اس میں زیادتی ہو تو اس کی اجرت راہن پر ہوگی اب جانور کو کھلانے، پلانے اور چرانے سے جانور بڑھتا ہے اور باقی رہتا ہے اس لئے چرواہے کی اجرت راہن پر ہوگی۔

(۳۲/۱۰۲۸) وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ عَلَى الرَّاهِنِ

ترجمہ: اور رہن کا نفقہ راہن پر ہوگا۔

تشریح: شئی مرہون کو کھلانے پلانے کا خرچ راہن پر ہوگا کیونکہ شئی مرہون اس کا مال ہے اور مال کی

بڑھوتری اور بقا کا خرچ راہن پر ہوتا ہے۔

(۱۰۲۹/۳۳) وَنَمَاؤُهٗ لِلرَّاهِنِ فَيَكُوْنُ النَّمَاءُ رَهْناً مَعَ الْاَصْلِ.

لغت: نماء بڑھوتری جیسے پھل، دودھ، بچہ، اون۔

ترجمہ: اور رہن کی بڑھوتری راہن کی ہوگی جو اصل کے ساتھ رہن رہے گی۔

شئ مرہون کی بڑھوتری کے احکام

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مال رہن میں جو اضافہ اور بڑھوتری ہوتی ہے وہ راہن کی ہوگی، کیونکہ وہ راہن کے مال سے نکلی ہے اور رہن کو بڑھانے کا خرچ راہن پر پڑا ہے اس لئے بڑھوتری بھی راہن کی ہوگی مثلاً بکری سے بچہ پیدا ہوا یا دودھ نکلا یہ سب راہن کے ہیں

(۱۰۳۰/۳۴) فَاِنْ هَلَكَ النَّمَاءُ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ

ترجمہ: اگر بڑھوتری ہلاک ہوگئی تو بغیر کسی چیز کے ہلاک ہوگی

تشریح: اگر رہن میں اضافہ شدہ چیز ہلاک ہوگئی تو اس کا کوئی تاوان نہیں ہوگا مثلاً نو سو روپے قرض تھے جس کے بدلے ایک بکری رہن پر رکھی بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت پانچ سو روپے تھی اب نو سو روپے کے بدلے دونوں رہن ہیں اس کے بعد بچہ مر گیا تو قرض میں سے کچھ نہیں کاٹا جائے گا مرتہن کے نو سو روپے برقرار رہیں گے اور اس کے بدلے بکری رہن پر رہے گی۔

(۱۰۳۱/۳۵) وَاِنْ هَلَكَ الْاَصْلُ وَبَقِيَ النَّمَاءُ اِفْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِحِصَّتِهٖ وَيُقَسَّمُ الدَّيْنُ عَلٰى قِيْمَةِ الرَّاهِنِ يَوْمَ الْقَبْضِ وَعَلٰى قِيْمَةِ النَّمَاءِ يَوْمَ الْفِكَاكِ فَمَا اَصَابَ الْاَصْلَ سَقَطَ مِنَ الدَّيْنِ بِقَدْرِهٖ وَمَا اَصَابَ النَّمَاءَ اِفْتَكَّهُ الرَّاهِنُ بِهٖ.

ترجمہ: اور اگر ہلاک ہوگئی اصل، اور باقی رہی بڑھوتری تو چھڑائے اس کو راہن اس کا حصہ دے کر اور دین تقسیم کیا جائے گا رہن کی قیمت پر قبضہ کے دن اور بڑھوتری کی قیمت پر چھڑانے کے دن چنانچہ جو اصل کے مقابلہ میں آئے ساقط ہو جائے گی دین سے اس کی مقدار اور جو بڑھوتری کے مقابلہ پر آئے چھڑائے گا اس کو راہن ادا کر کے۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ اگر اصل شئ مرہون ہلاک ہوگئی اور اضافہ شدہ چیز باقی رہی تو اس کو قرض کی مقدار کے حساب سے چھڑایا جائے گا کیونکہ اب تابع نہیں رہی بلکہ اس نے اصل کی حیثیت اختیار کر لی اور تابع جب اصل ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں قیمت آ جایا کرتی ہے۔ متن کے مسئلہ میں اصل اور بڑھوتری دونوں کو رہن مانا ہے لیکن

اصل ہلاک ہونے پر قرض کٹے گا اور بڑھوتری ہلاک ہونے پر قرض نہیں کٹے گا اصل کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن مرتہن نے اصل پر قبضہ کیا تھا اور بڑھوتری کی قیمت اس دن کی لگائی جائے گی جس دن بڑھوتری کی قیمت ادا کر کے مرتہن کے ہاتھ سے چھڑا رہا ہے کیونکہ بڑھوتری تو ہر دن بڑھ رہی ہے اس لئے آخری دن کی قیمت لگے گی مثلا مرتہن کے راہن پر نوسو روپے قرض تھے راہن نے ایک ہزار روپے کی بکری رہن پر رکھی اس کے بعد بچہ پیدا ہوا جس کی قیمت چھڑانے کے دن پانچ سو روپے تھی پھر بکری ہلاک ہوگئی جو ہزار روپے کی تھی تو اب دین کو دونوں کی قیمت پر تین تہائی میں تقسیم کیا جائے گا گویا کہ قرض کی دو تہائی ہلاک ہوگئی یعنی چھ سو روپے ساقط ہو جائیں گے اور دین کا ایک تہائی یعنی تین سو روپے راہن مرتہن کو ادا کرے گا اور بکری کا بچہ واپس لے گا۔

(۱۰۳۲/۳۶) وَيَجُوزُ الزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ.

ترجمہ: اور جائز ہے اضافہ کرنا رہن میں۔

تشریح: راہن نے ایک کپڑا دس روپے میں رہن رکھا تھا اس کے بعد اس نے ایک اور کپڑا رہن رکھدیا تو یہ اضافہ درست ہے اب دونوں کپڑے دس روپے میں رہن رہیں گے اور جب ہلاک ہونگے تو دونوں کی قیمت پر دین کو کاٹا جائے گا ایک پر دین کو نہیں کاٹا جائے گا۔

(۱۰۳۳/۳۷) وَلَا يَجُوزُ الزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَلَا يَصِيْرُ الرَّهْنُ رَهْناً بِهِمَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ هُوَ جَائِزٌ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے زیادہ کرنا دین میں طرفین ؒ کے نزدیک اور نہیں ہوگا رہن دونوں قرضوں کے بدلے میں اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے۔

تشریح: اگر قرض میں اضافہ کیا گیا تو اس صورت میں طرفین اور امام ابو یوسف کا اختلاف ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ نو روپے قرض لئے تھے اور اس کے بدلے دس روپے کی کتاب رہن پر رکھی اب اس مرہونہ کتاب کے بدلے مزید تین روپے قرض لینا چاہتا ہے تو طرفین کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے مرتہن تین روپے مزید قرض دیدے یہ ٹھیک ہے لیکن یہ کتاب کے بدلے نہیں ہونگے بلکہ یہ تین روپے بغیر رہن کے ہونگے

دلیل: آیت "فرهان مقبوضة" کا تقاضہ یہ ہے کہ کتاب پہلے دین میں مکمل مقبوض ہے اس لئے دوسرا دین اس میں شامل نہیں ہوگا

امام ابو یوسف کا مذہب

آپ فرماتے ہیں کہ دین میں زیادتی کرنا جائز ہے یعنی تین روپے دوسرا دین بھی مرہونہ کتاب کے تحت آجائے گا

دلیل: دین ثمن کی طرح ہے اور رہن مبیع کی طرح ہے تو جس طرح ثمن میں بعد میں اضافہ کر سکتے ہیں اور وہ اضافہ مبیع کے تحت شامل ہو جاتا ہے اسی طرح دین میں بھی بعد میں اضافہ کر سکتے ہیں اور وہ رہن کے تحت شامل ہو جائے گا۔

اختلاف کا ثمرہ

طرفین کے نزدیک اگر کتاب ضائع ہو گئی تو صرف پہلے دین نو روپے میں سے کٹے گا دوسرے دین تین روپے میں سے کچھ نہیں کٹے گا کیونکہ وہ بغیر رہن کے تھے اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگر کتاب ہلاک ہو گئی تو دونوں دین سے اس کی قیمت کٹے گی پہلے دین سے بھی اور دوسرے دین سے بھی۔

(۱۰۳۴/۳۸) وَاِذَا رَهَنَ عَيْناً وَاحِدَةً عِنْدَ رَجُلَيْنِ بِدَيْنٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا جَازَ وَجَمِيْعُهَا رَهْنٌ عِنْدَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا.

ترجمہ: اگر رہن رکھی ایک ہی چیز دو آدمیوں کے پاس دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے میں تو جائز ہے اور وہ پوری چیز دین رہے گی ان میں سے ہر ایک کے پاس۔

رہن کے متفرق مسائل کا بیان

تشریح: ایک شخص کے ذمہ دو آدمیوں کا دین تھا اس نے ان کے دین کے عوض میں کوئی چیز دونوں کے پاس رہن رکھ دی تو رہن صحیح ہے اور وہ چیز دونوں کے پاس پوری کی پوری مرہون ہوگی، مثلاً دو آدمیوں سے پانچ پانچ سو روپے لئے اور دونوں کے قرض کے بدلے ایک بکری دونوں کے پاس رہن رکھدی تو جائز ہے لیکن پوری بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن ہوگی۔

دلیل: پہلے ایک کے قرض کے بدلے بکری رہن رکھتا پھر دوسرے کے قرض کے بدلے یہی بکری رہن رکھتا تو جائز نہ ہوتا کیونکہ پوری بکری پہلے قرض کے بدلے مرہون ہو چکی ہے لیکن یہاں دونوں کے قرض کے بدلے بیک وقت ایک بکری رہن پر رکھ رہا ہے صفقہ ایک ہے اس لئے بیک وقت دونوں کے دین کے بدلے میں ایک بکری رہن پر ہو جائے گی اور جب تک دونوں کا مکمل قرض ادا نہ ہو جائے پوری بکری مرہون ہی رہے گی۔

(۱۰۳۵/۳۹) وَالْمَضْمُوْنُ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حِصَّةُ دَيْنِهِ مِنْهَا.

ترجمہ: اور ضمان ان میں سے ہر ایک پر ان کے دین کے حصہ کے مطابق ہوگا۔

تشریح: مثلاً پانچ پانچ سو روپے دو آدمیوں سے قرض لیا تھا اور ایک بکری رہن رکھی تھی جس کی قیمت آٹھ سو

روپے تھی بکری ہلاک ہوگئی تو دونوں آدمیوں کے حصہ سے چار چار سو روپے کاٹے جائیں گے اور سو سو روپے راہن مزید دے گا۔

(۱۰۳۶/۴۰) فَاِنْ قَضٰی اَحَدُهُمَا دَیْنَهٗ کَانَ کُلُّهَا رَهْناً فِیْ یَدِ الْاٰخَرِ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ دَیْنَهٗ.

لغت: یستوفی مِن الاستیفاء پورا پورا وصول کرنا

ترجمہ: پھر اگر چکا دے ان دونوں میں سے ایک کا دین تو کل کا کل رہن رہے گا دوسرے کے پاس یہاں تک کہ وصول کرے وہ اپنا دین۔

تشریح: ایک بکری دونوں کے دین کے بدلے رہن تھی پھر ایک کے دین کو ادا کر دیا تو آدھی بکری نہیں چھوٹے گی بلکہ پوری بکری دوسرے کے دین کے بدلے رہن رہے گی کیونکہ شئ مرہون جتنے کے بدلے رہن رہتی ہے تو جب تک پورا دین ادا نہ کر دیا جائے تو شئ مرہون رہن ہی رہتی ہے۔

(۱۰۳۷/۴۱) وَمَنْ بَاعَ عَبْداً عَلٰی اَنْ یَرْهَنَهُ الْمُشْتَرِیْ بِالثَّمَنِ شَیْئاً بِعَیْنِهٖ فَامْتَنَعَ الْمُشْتَرِیْ مِنْ تَسْلِیْمِ الرَّهْنِ لَمْ یُجْبَرْ عَلَیْهِ وَکَانَ الْبَائِعُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ رَضِیَ بِتَرْكِ الرَّهْنِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَیْعَ اِلَّا اَنْ یَدْفَعَ الْمُشْتَرِیَ الثَّمَنَ حَالاً اَوْ یَدْفَعَ قِیْمَةَ الرَّهْنِ فَیَکُوْنُ رَهْناً.

ترجمہ: جس نے بیچا غلام اس شرط پر کہ رہن رکھے گا اسکے پاس مشتری ثمن کے بدلے کوئی متعین چیز پھر رک گیا مشتری رہن کے سپرد کرنے سے تو سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور بائع کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو رہن کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے اور چاہے تو بیع فسخ کر دے مگر یہ کہ دیدے مشتری قیمت فوراً یا دیدے رہن کی قیمت تا کہ رہن ہو جائے۔

تشریح: کسی نے اس شرط پر غلام بیچا کہ ثمن کے بدلے مشتری کوئی مخصوص اور متعین چیز رہن رکھے گا اور ثمن بعد میں دیگا لیکن مشتری نے وہ چیز رہن پر نہیں رکھی تو اس کو رہن رکھنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا چونکہ بائع بغیر رہن کے مبیع دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اس کو راہن پر بھروسہ نہیں ہے اس لئے بائع کو دو اختیار ہیں (۱) بغیر رہن رکھے ہوئے بیع قائم رکھے (۲) بیع فسخ کر دے اور اگر مشتری بیع فسخ کروانا نہیں چاہتا تو اس پر ضروری ہے کہ فوراً مبیع کی قیمت ادا کرے یا رہن کی قیمت دے تا کہ رہن کی قیمت ہی رہن پر رکھدی جائے اور بائع کو مبیع دینے کا حکم کیا جائے۔

دلیل: متن کے مسئلہ میں کئی باتیں قابل لحاظ ہیں (۱) ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط خلاف قیاس ہے کیونکہ بیع کے ساتھ مزید شرط ہے جس میں بائع کا فائدہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع میں کسی دوسرے معاملہ کو داخل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاعَ بَیْعَتَیْنِ فِیْ بَیْعَةٍ فَلَهٗ اَوْ کَسُهُمَا اَوِ الرِّبٰوا. (ابوداؤد ۴۹۰/۲)

آپؐ نے فرمایا جس نے ایک بیع میں دو بیع کی اس کے لئے اس کا کم درجہ ہے یا سود ہے، اس لئے ثمن کے بدلے رہن رکھنے کی شرط سے بیع فاسد ہونی چاہئے لیکن استحسانا جائز قرار دیا کیونکہ یہ شرط بیع کے موافق ہے (۲) رہن رکھنا تبرع ہے اس لئے اگر مشتری نہ رکھے تو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا (۳) بائع بغیر رہن کے مبیع دینے پر راضی نہیں ہے اس لئے بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہوگا ہاں اگر مشتری ثمن نقد دیدے یا رہن کی قیمت ادا کردے اور اس کو رہن کے بدلے رہن پر رکھدے تو پھر بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا

(۴۲/۱۰۳۸) وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يَحْفَظَ الرَّهْنَ بِنَفْسِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَوَلَدِهٖ وَخَادِمِهِ الَّذِیْ فِیْ عِيَالِهٖ.

لغت: خادم اس سے مراد خادم خاص ہے یعنی مرتہن جس کے نان ونفقہ کا ذمہ دار ہو اس سے حفاظت کرواسکتا ہے ایک خادم وہ ہوتا ہے، جس نے نوکر کی طرح کام کیا اور چلا گیا وہ مراد نہیں ہے۔

ترجمہ: اور مرتہن رہن کی حفاظت خود کرے یا اپنی بیوی، اولاد اور اس خادم سے کرائے جو اس کی عیال داری میں ہے۔

تشریح: مرتہن مال رہن کی حفاظت خود کرسکتا ہے اپنی بیوی سے اپنی اولاد سے اور اپنے خاص خادم سے کرواسکتا ہے اگر اس طرح حفاظت کرتے ہوئے مال رہن ہلاک ہوجائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے حفاظت کرنے میں کوتاہی کی۔

دلیل: انسان مختلف ضرورتوں کے لئے گھر سے باہر جاتا رہتا ہے اس لئے بیوی بچوں سے حفاظت کروانے کی ضرورت پڑے گی اس وجہ سے ان لوگوں سے حفاظت کرواسکتا ہے

(۴۳/۱۰۳۹) وَاِنْ حَفِظَهٗ بِغَيْرِ مَنْ هُوَ فِیْ عِيَالِهٖ اَوْ اَوْدَعَهٗ ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اگر حفاظت کرائے رہن کی اس سے جو اس کی عیالداری میں نہیں ہے یا کسی کے پاس امانت رکھی تو ضامن ہوگا۔

تشریح: مرتہن نے اپنے عیال کے علاوہ سے شئی مرہون کی حفاظت کروائی یا مرتہن نے شئی مرہون کسی کو بطور امانت دیدی اور وہ ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ حفاظت وامانت میں لوگوں کا طور وطریق مختلف ہوتا ہے اور مالک کی جانب سے اس کو اس کی اجازت نہیں لہٰذا عیال کے علاوہ سے حفاظت کروانا تعدی ہے۔

(۴۴/۱۰۴۰) وَاِذَا تَعَدَّى الْمُرْتَهِنُ فِی الرَّهْنِ ضَمِنَهٗ ضَمَانَ الْغَصَبِ بِجَمِيْعِ قِيْمَتِهٖ.

ترجمہ: اور جب تعدی کردے مرتہن رہن میں تو ضمان دے گا غصب کا ضمان اس کی پوری قیمت کا۔

تشریح: مرتہن نے شئی مرہون پر زیادتی کی جس کی وجہ سے شئی مرہون ہلاک ہوگئی تو اس کی جتنی قیمت تھی

سب کا ضامن ہوگا جس طرح غصب کرنے کے بعد ہلاک کردے تو پوری قیمت کا ضامن ہوتا ہے مثلاً نو روپے قرض لیا تھا اور دس روپے کی کتاب رہن رکھی پھر تعدی اور زیادتی کر کے کتاب ضائع کردی تو کتاب کی پوری قیمت دس روپے کا ضامن ہوگا۔

(۱۰۴۱/۴۵) وَاِذَا اَعَارَ الْمُرْتَهِنُ الرَّهْنَ لِلرَّاهِنِ فَقَبَضَهُ خَرَجَ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ فَاِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِ الرَّاهِنِ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ.

ترجمہ: جب عاریت پر دیدی مرتہن نے شئی مرہون راہن کو اور راہن نے اس پر قبضہ کرلیا تو شئی مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل گئی پھر اگر وہ ہلاک ہوجائے راہن کے پاس تو ہلاک ہوگی بلاشئی۔

تشریح: مرتہن نے شئی مرہون راہن کو عاریت کے طور پر دی اور راہن نے اس پر قبضہ بھی کرلیا تو شئی مرہون مرتہن کے ضمان سے نکل گئی جس کی چیز تھی اسی کے پاس چلی گئی اب اگر ہلاک ہوگی تو راہن کی چیز ہلاک ہوگی اس کو کچھ بھی نہیں دینا پڑے گا کیونکہ اسی کی چیز تھی اسی کے پاس ہلاک ہوئی ہے اس کی قیمت کس کو دے گا۔

نوٹ: اس صورت میں مرتہن سے کوئی دین ساقط نہیں ہوگا کیونکہ اس کے پاس شئی مرہون ہلاک نہیں ہوئی ہے۔

(۱۰۴۲/۴۶) وَلِلْمُرْتَهِنِ اَنْ يَسْتَرْجِعَهُ اِلٰى يَدِهِ فَاِذَا أَخَذَهُ عَادَ الضَّمَانُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: مرتہن کے لئے جائز ہے کہ شئی مرہون کو اپنی طرف واپس لے لے جب اس نے لے لی تو ضمان اس پر واپس لوٹ آئے گا۔

تشریح: اگر مرتہن پھر شئی مرہون واپس لے کر اپنے قبضہ میں کرلے تو مرتہن پر پھر ضمان عائد ہوجائے گا۔

دلیل: راہن کے عاریت پر لینے سے رہن کا معاملہ ختم نہیں ہوا وہ چیز ابھی بھی رہن ہے اس لئے مرتہن کو راہن سے واپس مانگنے کا حق ہے اگر راہن واپس دیدے تو وہ چیز پہلے کی طرح رہن ہوجائے گی اور ہلاک ہونے کی صورت میں مرتہن پہلے کی طرح ضامن ہوگا۔

(۱۰۴۳/۴۷) وَاِذَا مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ الرَّهْنَ وَقَضَى الدَّيْنَ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ نَصَبَ الْقَاضِيْ لَهُ وَصِيًّا وَأَمَرَهُ بِبَيْعِهِ.

ترجمہ: جب مرجائے راہن تو بیچ دے اس کا وصی رہن کو اور ادا کرے دین اگر راہن کا کوئی وصی نہ ہو تو قاضی اس کے لئے کوئی وصی متعین کردے اور حکم دے اس کو شئی مرہون بیچنے کا۔

تشریح: راہن مرگیا تو راہن کے وصی کو حق ہے کہ شئی مرہون کو فروخت کر کے مرتہن کا قرض ادا کردے کیونکہ جب وصی کو راہن کی زندگی میں بیچ کر قرض ادا کرنے کا حق ہے تو راہن کے مرنے کے بعد تو بدرجۂ اولیٰ یہ حق ہوگا اس

کے بعد فرماتے ہیں کہ راہن کا انتقال ایسی حالت میں ہوا کہ دین بھی ادا نہیں کیا تھا اور شئی مرہون کے بیچنے کا کوئی وصی بھی متعین نہیں کیا تھا ایسی صورت میں قاضی شئی مرہون کو فروخت کرنے کے لئے اور مرتہن کا دین ادا کرنے کے لئے وصی متعین کرے کیونکہ قاضی اس لئے ہوتا ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو یہاں مرتہن کے حق کے ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس لئے قاضی وصی متعین کرے گا تا کہ مرتہن کا حق وصول ہو جائے۔

☆☆☆

كِتَابُ الحَجَرِ

یہ کتاب قولی تصرفات سے روکنے کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت : ماقبل میں امام قدوری نے رہن کے مسائل بیان فرمائے رہن کا خلاصہ ہے اپنی مملوکہ شئی میں تصرف کرنے سے رکنا اب رکنے کی دو صورتیں ہیں حسی جیسا کہ رہن میں ہوتا ہے۔ (۲) حکمی جیسا کہ حجر میں ہوتا ہے پس یہاں سے حبس حکمی کو شروع کیا جا رہا ہے۔

حجر کی لغوی تعریف: لغت کے اعتبار سے حجر کے معنی روکنے کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف : کسی کو تصرف قولی سے روک دینا ایسے طریقے پر کہ غیر اس کے قائم مقام ہو جائے یا بالفاظ دیگر کسی آدمی کو خرید و فروخت اور معاملات کرنے سے روک دے تا کہ دوسرے کو نقصان نہ ہو جیسے بچے کو خرید و فروخت کرنے سے روک دے تا کہ اس کی بے وقوفی کی وجہ سے ولی کو نقصان نہ ہو۔

حجر کا ثبوت: وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُوْآ إِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ. (سورۃ النساء آیت ٦)

اور یتیموں کو آزماؤ یہاں تک کہ جب بالغ ہو جائیں وہ اور نکاح کے قابل ہو جائیں چنانچہ اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کو انکا مال دیدو۔

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر نابالغ یتیم میں عقل اور سمجھ کو محسوس کرو تو اس کو مال دیدو اور محسوس نہ کرو تو اس کا مال اس کے حوالے مت کرو اسی مال کو حوالے نہ کرنے کا نام حجر ہے۔

(۱/۱۰۴۴) اَلْاَسْبَابُ الْمُوْجِبَةُ لِلْحَجَرِ ثَلٰثَةٌ الصِّغْرُ وَالرِّقُّ وَالْجُنُوْنُ.

حل لغات: الصغر بچپنا، الرق غلامیت

ترجمہ: وہ اسباب جو حجر کو واجب کرنے والے ہیں تین ہیں بچپنا، غلامیت، اور دیوانہ ہونا۔

اسباب حجر کا بیان

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ تین اسباب ایسے ہیں جن سے حجر ہوتا ہے اور انسان کو خرید وفروخت سے روک دیا جاتا ہے (۱) نابالغ ہونا چونکہ بچپن میں عقل کی کمی ہوتی ہے اس کو اتنی خبر ہی نہیں ہوتی کہ اچھی چیز خرید رہا ہوں یا بری چیز اس لئے نابالغ کو خرید وفروخت کرنے سے روک دیا جائے گا (۲) باندی یا غلام ہونا ان میں عقل تو ہوتی ہے لیکن ان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ ان کے آقا کا ہوتا ہے تو آقا کے حق کی رعایت کے پیش نظر ان کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا (۳) دیوانہ ہونا چونکہ مجنون میں بھی عقل نہیں ہے اس لئے اس کو بھی معاملہ کرنے سے روکا جائے گا۔

(۲/۱۰۴۵) وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الصَّغِيْرِ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيِّهٖ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے بچہ کا تصرف مگر اس کے ولی کے اجازت سے۔

تشریح: بچے میں عقل کی کمی ہے لیکن بالغ ہونے سے پہلے کچھ نہ کچھ سمجھ بوجھ آجاتی ہے اور بعض مرتبہ اچھا معاملہ کر لیتا ہے اس لئے ولی اور سرپرست اگر مناسب سمجھیں تو خرید وفروخت کی اجازت دیدیں اجازت کے بغیر اس کا تصرف قابل اعتبار نہیں ہے۔

(۳/۱۰۴۶) وَلَايَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْعَبْدِ اِلَّا بِاِذْنِ سَيِّدِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے غلام کا تصرف مگر اس کے آقا کی اجازت سے

تشریح: بالغ غلام میں عقل تو ہے لیکن اگر زیادہ تجارت کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس کی گردن پر تجارت کا قرض آجائے اور آقا کو قرض بھرنا پڑے اس لئے اس کو نقصان ہوگا اس وجہ سے آقا کی اجازت سے غلام تجارت کر سکتا ہے۔

(۴/۱۰۴۷) وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ بِحَالٍ.

ترجمہ: اور جائز نہیں تصرف کرنا ایسے مجنون کا جس کی عقل مغلوب ہو کسی حال میں۔

تشریح: مجنون دو طرح کے ہیں (۱) وہ مجنون جو کبھی دیوانہ ہو جاتا ہے اور کبھی ہوشیار ایسے مجنون کا معاملہ افاقہ کے وقت درست ہے (۲) وہ مجنون جس کی عقل مغلوب ہے اور اس کو کبھی بھی عقل نہیں آتی ایسے مجنون کا خرید وفروخت کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے۔

(۵/۱۰۴۸) وَمَنْ بَاعَ مِنْ هٰؤُلَاءِ شَيْئًا اَوِ اشْتَرَاهُ وَهُوَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهٗ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ

اَجَازَهُ اِذَا كَانَ فِيهِ مَصْلَحَةٌ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَهُ.

ترجمہ: اور جس نے بیچی ان لوگوں میں سے کسی نے کوئی چیز یا اس کو خریدی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہو اوراس کا ارادہ کرتا ہوتو اس کے ولی کو اختیار ہے اگر چاہے اسے نافذ کردے جبکہ اس میں کوئی مصلحت ہواور اگر چاہے تو اس کو فسخ کردے۔

مجورین کے تصرفات کے احکام

تشریح: بچہ، غلام، اور وہ مجنون جو کبھی دیوانہ ہوجاتا ہے اور کبھی ہوشیار ان میں سے کسی نے خرید وفروخت کی اس حال میں کہ وہ بیع کو سمجھتا ہے اور اس کے کرنے کا ارادہ بھی کرتا ہے مذاق اور کھیل کے طریقہ سے نہیں تو اس کے ولی کو اختیار ہے اگر اجازت دینے میں مصلحت ہے تو عقد کو نافذ کردے اور اگر مصلحت نہیں ہے تو اس خرید وفروخت کو فسخ کردے۔ ولی سے مراد باپ، دادا، قاضی، آقا، اور وصی وغیرہ ہیں۔

نوٹ: امام قدوری نے عبارت میں "وَيَقْصِدُهُ" فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ خرید وفروخت کا ارادہ کرتے ہوں تب ہی بیع ہوگی تاکہ ایجاب اور قبول حقیقت میں پائے جائیں اور اگر مذکورہ لوگوں نے مذاق کے طور پر خرید وفروخت کی ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔

(۱۰۴۹/۶) فَهٰذِهِ الْمَعَانِىُ الثَّلٰثَةُ تُوْجِبُ الْحَجَرَ فِى الْاَقْوَالِ دُوْنَ الْاَفْعَالِ.

ترجمہ: یہ تین اسباب واجب کرتے ہیں حجر کو اقوال میں نہ کہ افعال میں۔

تشریح: جنون، بچپنا، اور غلامیت کی وجہ سے حجر واجب ہوتا ہے لیکن صرف قول میں حجر ہوگا اور اقوال بھی تین قسم کے ہیں (۱) وہ اقوال جن میں فائدہ بھی ہوسکتا ہے اور نقصان بھی جیسے خرید وفروخت ان کو موقوف رکھا جائے گا اگر ولی مصلحت دیکھے تو نافذ کردے اور اگر مناسب سمجھے تو رد کردے (۲) وہ اقوال جن میں مجنون اور بچہ کا نقصان ہی نقصان ہے جیسے طلاق دینا اور غلام آزاد کرنا یہ بالکل نہیں کرسکتے عبارت میں اقوال سے یہی دونوں قسمیں مراد ہیں (۳) وہ اقوال جن میں بچہ اور مجنون کا فائدہ ہی فائدہ ہے جیسے ہدیہ قبول کرنا یہ کرسکتے ہیں کیونکہ اِن میں اُن کا فائدہ ہی فائدہ ہے چوں کہ ان کے افعال پر کوئی حجر نہیں ہے اس لئے اگر کسی کو قتل کردیا تو اس کی دیت لازم ہوگی یا چوری کی تو اس کا تاوان لازم ہوگا یا کسی کو مارا تو اسکا ضمان لازم ہوگا اور خارج میں کسی کا نقصان کیا تو نقصان ادا کرنا ہوگا تاکہ جس کا نقصان ہوا ہے وہ محفوظ ہوجائے البتہ ایسے افعال جن سے حدود وقصاص لازم ہوتے ہیں وہ مجنون اور بچہ پر لازم نہیں ہونگے کیونکہ یہ شبہات سے ساقط ہوجاتے ہیں اور ممکن ہے کہ مجنون اور بچہ نے ان کو شبہۃ کردیا ہو ان کے پختہ ارادے کا دخل نہ ہو اس لئے ان کے افعال سے حدود وقصاص لازم نہیں ہوں گے باقی افعال سے نقصان ہوا ہو تو وہ ولی

کو ادا کرنا ہوگا۔

(۱۰۵۰/۷) وَاَمَّا الصَّبِیُّ وَالْمَجْنُوْنُ لَا تَصِحُّ عُقُوْدُھُمَا وَلَا اِقْرَارُھُمَا وَلَا یَقَعُ طَلَاقُھُمَا وَلَا اِعْتَاقُھُمَا.

ترجمہ: بہرحال بچہ اور دیوانہ تو نہیں صحیح ہے ان کا عقد اور ان کا اقرار کرنا اور نہیں واقع ہوتی ہے ان کی طلاق اور نہ ان کا آزاد کرنا۔

تشریح: بچہ اور مجنون کو عقل نہیں ہے اس لئے ان کے اقوال کا اعتبار نہیں ہے اور اقرار کرنا، طلاق دینا، آزاد کرنا سب اقوال ہیں اس لئے انکا اعتبار نہیں البتہ عقد کرنا، مثلاً خرید و فروخت کرنے میں فائدہ اور نقصان دونوں ممکن ہیں اس لئے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا اقرار کرنے میں سراسر نقصان ہے اس لئے اس کا بھی اعتبار نہیں ہے اور طلاق دینے میں بیوی جائے گی اس لئے اگر طلاق دے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور غلام آزاد کرنے میں غلام جائے گا اس لئے آزادی کا بھی اعتبار نہیں ہے۔

(۱۰۵۱/۸) فَاِنْ اَتْلَفَا شَیْئًا لَزِمَھُمَا ضَمَانُہٗ.

ترجمہ: پھر اگر ان دونوں نے کوئی چیز ضائع کردی تو ان دونوں پر اس شئی کا ضمان لازم آئیگا۔

تشریح: مجنون اور بچے نے اپنی حرکتوں سے کسی کی کوئی چیز ضائع کردی تو ان دونوں پر تاوان لازم ہوگا اور ان کے ولی ان کا ضمان ادا کریں گے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ضمان ادا کیا جائے گا ورنہ دوسروں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔

(۱۰۵۲/۹) وَاَمَّا الْعَبْدُ فَاَقْوَالُہٗ نَافِذَۃٌ فِیْ حَقِّ نَفْسِہٖ غَیْرُ نَافِذَۃٍ فِیْ حَقِّ مَوْلَاہُ.

ترجمہ: بہرحال غلام تو اس کے اقوال نافذ ہیں اس کی ذات کے حق میں اور نافذ نہیں ہیں اس کے آقا کے حق میں۔

تشریح: اگر غلام بالغ ہے اور عقلمند ہے پھر بھی آقا کے نقصان اور اس کے حق کیوجہ سے غلام کے اقوال نافذ نہیں ہوں گے اور نہ اس کا خرید و فروخت کرنا نافذ ہوگا لیکن اس کی ذات کے حق میں اس کا اقرار وغیرہ نافذ ہو جائے گا۔

(۱۰۵۳/۱۰) فَاِنْ اَقَرَّ بِمَالٍ لَزِمَہٗ بَعْدَ الْحُرِّیَّۃِ وَلَمْ یَلْزَمْہُ فِی الْحَالِ.

ترجمہ: پھر اگر وہ مال کا اقرار کرے تو لازم ہوگا اس کو آزادی کے بعد اور لازم نہیں ہوگا اس کو فی الحال۔

تشریح: کسی کے غلام نے اقرار کیا کہ فلاں کے میرے ذمہ ایک ہزار روپے ہیں تو یہ ایک ہزار روپے اس وقت لازم نہیں ہوں گے کیونکہ آقا کے مال میں سے دینے ہوں گے اور آقا کا نقصان ہوگا لیکن چونکہ غلام عاقل بالغ ہے

اس لئے آزاد ہونے کے بعد ایک ہزار روپے ادا کرنے لازم ہوں گے جانبین کی رعایت کے پیش نظر ایسا کیا گیا ہے۔ ماقبل کا مسئلہ اس وقت ہے جب کہ آقا نے غلام کو تجارت کی اجازت نہ دی ہو اگر اجازت دے رکھی ہو تو تجارت کے سلسلہ میں غلام کا اقرار کرنا جائز ہے۔

(۱۰۵۴/۱۱) وَاِنْ اَقَرَّ بِحَدٍّ اَوْ قِصَاصٍ لَزِمَهٗ فِي الْحَالِ.

ترجمہ: اور اگر غلام اقرار کرے حد کا یا قصاص کا تو اس کو لازم ہوگا فی الحال۔

تشریح: غلام نے ایسے جرم کا اقرار کیا جس کی وجہ سے حد یا قصاص لازم ہو جاتا ہے جیسے شراب پینے کا اقرار کیا یا کسی کو جان بوجھ کر مارنے کا اقرار کیا تو سزائیں فی الحال دی جائیں گی اس کے آزاد ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان جرموں میں غلام کی جان خطرے میں ہے اور اس کی جان کا نقصان ہے اور اپنی ذات کے سلسلے میں وہ خود مختار ہے اس لئے وہ ایسی چیزوں کا اقرار کرسکتا ہے لہٰذا یہ حدود و قصاص فی الحال جاری کئے جائیں گے۔

(۱۰۵۵/۱۲) وَيَنْفُذُ طَلَاقُهٗ.

ترجمہ: اور نافذ ہو جائے گی اس کی طلاق۔

تشریح: غلام اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو یہ اس کا ذاتی نقصان ہے اس لئے طلاق دے سکتا ہے حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ غلام کا قول اس کی ذات کے حق میں نافذ ہے ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ اِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ بِالسَّاقِ (ابن ماجہ شریف باب طلاق العبد ص:۲۹۹) یعنی طلاق دینے کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی نکاح کیا اور نکاح غلام کرتا ہے اس لئے اس کو طلاق دینے کا حق ہے۔

(۱۰۵۶/۱۳) وَلَا يَقَعُ طَلَاقُ مَوْلَاهُ عَلٰى امْرَأَتِهٖ.

ترجمہ: اور واقع نہیں ہوگی غلام کے آقا کی طلاق غلام کی بیوی پر۔

تشریح: آقا غلام کی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو نہیں دے سکتا اس کی طلاق غلام کی بیوی پر واقع نہیں ہوگی بلکہ غلام کی طلاق ہی واقع ہوگی کیونکہ طلاق شوہر کی واقع ہوتی ہے اور آقا شوہر نہیں ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۱۰۵۷/۱۴) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يُحْجَرُ عَلَى السَّفِيْهِ اِذَا كَانَ عَاقِلًا بَالِغًا حُرًّا وَتَصَرُّفُهٗ فِيْ مَالِهٖ جَائِزٌ وَاِنْ كَانَ مُبَذِّرًا مُفْسِدًا يُتْلِفُ مَالَهٗ فِيْ مَا لَا غَرَضَ لَهٗ فِيْهِ وَلَا مَصْلَحَةَ مِثْلَ اَنْ يُتْلِفَهٗ فِي الْبَحْرِ اَوْ يُحْرِقَهٗ فِي النَّارِ.

حل لغات: السفیہ سفہ (س) سفہاً بے وقوف ہونا، بری عادت والا ہونا، صفت، سفیہ، جمع سفہاء، شریعت کے اعتبار سے سفہ اور سفاہت سے وہ فضول خرچی مراد ہے جس کا عقل اور شریعت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مبذراً، اسم فاعل فضول خرچی کرنے والا، مفسداً، یہ مبذر کی صفت ہے یہاں اسراف فی الخیر والشر دونوں مراد ہیں، یتلف (م) اتلافاً، برباد کرنا یحرقہ (م) احراقاً جلانا۔

ترجمہ: (۱۰۴۸)(۱۴) اور فرمایا امام ابوحنیفہؒ نے نہیں حجر کیا جائے گا بے وقوف پر جبکہ وہ عاقل، بالغ، آزاد ہو اور اس کا تصرف اس کے مال میں جائز ہے اگر چہ وہ فضول خرچ اور مفسد ہو اپنے مال کو ضائع کرتا ہو ان چیزوں میں جن میں نہ کوئی اس کی غرض ہے اور نہ مصلحت مثلاً مال ڈبوتا ہو سمندر میں یا اس کو آگ میں جلاتا ہو۔

ناسمجھ، بیوقوف کے احکام کا بیان

تشریح: اس مقام پر علامہ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں تحریر کیا ہے کہ اس سے قبل حجر فی التصرف کے تین متفق علیہ اسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے اب اس مقام پر اس کا چوتھا سبب ''سفاہت'' کو بیان کر رہے ہیں جو مختلف فیہ ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آزاد عاقل بالغ ہے لیکن بیوقوف ہے اور زیادہ خرچ کرتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا اس لئے اگر وہ خرید و فروخت کرے تو وہ معتبر ہوگی پھر مزید فرماتے ہیں کہ اگر وہ بیوقوف ایسی جگہ مال خرچ کرتا ہو جہاں نہ کوئی غرض ہو اور نہ مصلحت ہو مثلاً سمندر میں مال پھینک دیتا ہے یا آگ میں جلا دیتا ہے پھر بھی اس پر حجر نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: معاملات کرنے کا دار و مدار عقل، بلوغ، اور آزادی پر ہے اور یہ تینوں چیزیں اس میں موجود ہیں ہاں اگر عقل ہی نہ ہو تو جنونیت کی وجہ سے حجر ہوگا۔

(۱۰۵۸/۱۵) اِلَّا اَنَّهُ قَالَ اِذَا بَلَغَ الْغُلَامُ غَيْرَ رَشِيْدٍ لَمْ يُسَلَّمْ اِلَيْهِ مَالُهُ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْساً وَعِشْرِيْنَ سَنَةً وَاِنْ تَصَرَّفَ فِيْهِ قَبْلَ ذَالِكَ نَفَذَ تَصَرُّفُهُ فَاِذَا بَلَغَ خَمْساً وَعِشْرِيْنَ سَنَةً سُلِّمَ اِلَيْهِ مَالُهُ وَاِنْ لَمْ يُوْنَسْ مِنْهُ الرُّشْدُ.

لغت: رشید سیدھی راہ چلنے والا، ہدایت یافتہ، یونس مصدر ایناسا مانوس، لم یونس، محسوس نہ کیا گیا ہو، الرشد، ہدایت، راہِ حق پر برقراری، عقل و شعور۔

ترجمہ: مگر امام صاحب نے فرمایا کہ جب کوئی لڑکا بے وقوفی کی حالت میں بالغ ہو تو اس کا مال اس کے حوالے نہ کیا جائے یہاں تک وہ پچیس سال کا ہو جائے اور اگر تصرف کرلے مال میں اس سے پہلے تو اس کا تصرف نافذ ہو جائے گا پھر جب وہ پچیس برس کا ہو جائے تو اس کو اس کا مال سپرد کر دیا جائے گا اگر چہ اس میں سمجھداری محسوس نہ ہو۔

تشریح: ایک شخص نادان تھا اور اب بالغ ہوا اور بلوغیت کے بعد بھی نفع اور نقصان کے درمیان امتیاز پیدا

کرنے کی صلاحیت نہیں ہوئی تو اس کے متعلق امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایسے شخص پر حجر تو نہ کیا جائے لیکن اس کو پچیس سال تک مال سپرد نہ کیا جائے تا کہ وہ مال کو غلط خرچ نہ کرے اور پچیس سال کے بعد چاہے سمجھداری کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں پھر بھی مال اس کے حوالے کر دیا جائے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ پچیس سال میں آدمی دادا بن جاتا ہے مثلاً بارہ سال کی عمر میں بالغ ہوا پھر اس نے کسی عورت سے شادی کی اور چھ ماہ میں بچہ ہو گیا اس بچہ نے بارہ سال کی عمر میں شادی کی پھر اس کو بچہ ہوا تو آدمی پچیس سال میں دادا بن جائے گا لہٰذا پچیس سال کے بعد مال روکنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (الجوہرة النیرة ۱/۲۹۵)

(۱۰۵۹/۱۶) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُحْجَرُ عَلٰى سَفِيْهٍ وَيُمْنَعُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِيْ مَالِهٖ فَاِنْ بَاعَ لَمْ يَنْفُذْ بَيْعُهٗ فِيْ مَالِهٖ وَاِنْ كَانَ فِيْهِ مَصْلَحَةٌ اَجَازَهُ الْحَاكِمُ.

ترجمہ: اور فرمایا امام ابو یوسف و محمد رحمۃ اللہ علیہما نے کہ حجر کیا جائے گا بے وقوف پر اور روکا جائے گا اس کو مال میں تصرف کرنے سے چنانچہ اگر کوئی چیز فروخت کر دے تو اس کی بیع اس کے مال میں نافذ نہ ہوگی ہاں اگر اس میں کوئی مصلحت ہو تو حاکم اس کو نافذ کر دے۔

تشریح: صاحبین کے نزدیک بے وقوف پر حجر کیا جائے گا اور اس کو تصرف فی المال سے روکا جائے گا اور اگر اس نے خرید و فروخت کی تو وہ نافذ نہیں ہوگی البتہ قاضی اس کے مفاد کے پیش نظر بیع کو نافذ کر سکتا ہے۔

دلیل: حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ پر زیادہ خرچ کرنے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر کیا تھا۔ فتویٰ صاحبین کے قول پر منقول ہے

(۱۰۶۰/۱۷) وَاِنْ اَعْتَقَ عَبْداً نَفَذَ عِتْقُهٗ عَلٰى عَبْدٍ اَنْ يَّسْعٰى فِيْ قِيْمَتِهٖ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کر دے غلام کو تو اس کی آزادی نافذ ہوگی اور غلام پر لازم ہوگا کہ اپنی قیمت کی سعی کرے (کمائے)۔

تشریح: بیوقوف پر حجر کیا گیا اس کے باوجود اس نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو صاحبین کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو حجر ہی صحیح نہیں ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی غلام آزاد ہو جائے گا لیکن غلام پر لازم ہوگا کہ اس کی جتنی قیمت ہو سکتی ہے اس کو کما کر بیوقوف آقا کو دے تا کہ بیوقوف نقصان سے بچ جائے۔

(۱۰۶۱/۱۸) وَاِنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً جَازَ نِكَاحُهٗ فَاِنْ سَمّٰى لَهَا مَهْراً جَازَ مِنْهُ مِقْدَارُ مَهْرِ مِثْلِهَا وَبَطَلَ الْفَضْلُ.

ترجمہ: اور اگر شادی کر لے کسی عورت سے تو اس کا نکاح جائز ہوگا پھر اگر متعین کرے اس کے لئے مہر تو مہر مثل کی مقدار جائز ہے اور اس سے زیادہ باطل ہوگا۔

تشریح: بے وقوف نے حجر کے بعد کسی عورت سے شادی کرلی تو یہ شادی جائز ہوگی اور عورت کے لئے مہر متعین کیا تو مہر مثل کی مقدار تک جائز ہے اور مہر مثل سے زیادہ متعین کیا تو یہ باطل ہوگا۔

دلیل: شادی ضرورت اصلیہ میں داخل ہے اس لئے وہ کرسکتا ہے اور جب شادی کرنے کی اجازت ہے تو اس کے لئے مہر مثل سے زیادہ متعین کرنا بھی جائز ہے لیکن مہر مثل سے زیادہ کی ضرورت نہیں اس لئے مہر مثل سے زیادہ فضول خرچی میں داخل ہوگا اور وہ جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ: مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ خاندان کی قریبی عورتوں مثلاً بہن، پھوپھی، چچازاد بہن کا جو مہر ہے ان مہروں کے مثل اس کا مہر ہو۔

(۱۹/۱۰۶۲)وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهِ فِيمَنْ بَلَغَ غَيْرَ رَشِيْدٍ لَا يُدْفَعُ اِلَيْهِ مَالُهُ اَبَداً حَتّٰى يُوْنَسَ مِنْهُ الرُّشْدُ وَلَا يَجُوْزُ تَصَرُّفُهُ فِيْهِ.

حل لغت: اَبَداً: یہ ظرف کی بنا پر منصوب ہے۔

ترجمہ: اور فرمایا صاحبین نے اس شخص کے بارے میں جو بے وقوفی ہی کی حالت میں بالغ ہوا ہو کہ اس کو اس کا مال نہیں دیا جائیگا کبھی بھی یہاں تک کہ اس سے عقلمندی کے آثار ظاہر ہوں اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

تشریح: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جو آدمی بیوقوفی کی حالت میں بالغ ہوا ہو اس کو اس وقت تک مال نہ دیا جائے جب تک کہ اس میں عقل مندی کے آثار نظر نہ آئیں چاہے عمر کتنی ہی کیوں نہ ہوجائے کیونکہ بیوقوفی کی وجہ سے حجر کیا ہے اور وہ ابھی بھی موجود ہے اس لئے حجر جوں کا توں رہے گا نیز آیت قرآنی: فَاِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْداً فَادْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ پھر اگر ان میں صلاحیت دیکھو تو ان کو ان کا مال دیدو۔

مطلب یہ ہے کہ بیوقوفوں میں عقلمندی کا احساس ہو تو ان کو مال حوالے کردو۔ اور اگر عقل مندی کے آثار ظاہر نہ ہوں چاہے پوری عمر گذر جائے پھر بھی ان کو مال حوالے مت کرو، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

(۲۰/۱۰۶۳) وَتُخْرَجُ الزَّكٰوةُ مِنْ مَالِ السَّفِيْهِ.

ترجمہ: اور زکوۃ نکالی جائے گی بے وقوف کے مال سے۔

تشریح: بیوقوف بالغ ہے، آزاد ہے اور تھوڑی بہت عقل بھی ہے اس لئے اگر وہ صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہے۔ چونکہ وہ مجنون کے درجے میں ہے اس لئے اس کے مال سے زکوۃ نکال کرادا کی جائے گی لیکن زکوۃ کی ادائیگی کے لئے نیت ضروری ہے اس لئے زکوۃ کی مقدار مال نکال کر بے وقوف ہی کو دیا جائے گا تاکہ وہ خود مصرف میں خرچ کرے اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ غیر مصرف میں خرچ کردے گا تو اس کے ساتھ ایک امین بھیج دے۔

(۲۱/۱۰۶۴) وَيُنْفِقُ عَلٰى اَوْلَادِهٖ زَوْجَتِهٖ وَمَنْ يَجِبُ نَفَقَتُهٗ عَلَيْهِ مِنْ ذَوِی الْاَرْحَامِ.

ترجمہ: اور خرچ کیا جائے گا اس کی اولاد، اس کی بیوی اور ان لوگوں پر جن کا نفقہ اس پر واجب ہے رشتہ داروں میں سے۔

تشریح: بے وقوف کی حاجت اصلیہ میں مال خرچ کیا جائے گا اور ان لوگوں پر خرچ کرنا حاجت اصلیہ میں داخل ہے اس لئے ان لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ ایک امین مقرر کر دیا جائے جو ان لوگوں پر خرچ کرے تا کہ بیوقوف فضول خرچی نہ کرے۔

(۲۲/۱۰۶۵) فَاِنْ اَرَادَ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ لَمْ يُمْنَعْ مِنْهَا وَلَايُسَلِّمُ الْقَاضِیْ النَّفَقَةَ اِلَيْهِ وَلٰكِنْ يُسَلِّمُهَا اِلٰی ثِقَةٍ مِّنَ الْحَاجِّ يُنْفِقُهَا عَلَيْهِ فِیْ طَرِيْقِ الْحَجِّ.

ترجمہ: اگر وہ حج کرنا چاہے تو اس سے روکا نہیں جائے گا اور حوالہ نہ کرے قاضی سفر خرچ اس کے، بلکہ سپرد کر دے حاجیوں میں سے کسی قابل اعتماد حاجی کو جو اس پر خرچ کرتا رہے، حج کے راستے میں۔

تشریح: بے وقوف حج فرض کرنا چاہے تو قاضی اس کو منع نہیں کرے گا، کیونکہ حج اللہ کے واجب کرنے کی وجہ سے واجب ہے البتہ حج میں جانے والے کسی قابل اعتماد آدمی کو حج کا خرچ دے گا، تا کہ وہ بے وقوف پر راستہ میں خرچ کرتا رہے اور بے وقوف کو سفر خرچ نہ دے کہ کہیں وہ فضول خرچی نہ کرے۔

(۲۳/۱۰۶۶) فَاِنْ مَرِضَ فَاَوْصٰی بِوَصَايَا فِی الْقُرَبِ وَاَبْوَابِ الْخَيْرِ جَازَ ذٰلِكَ مِنْ ثُلُثِ مَالِهٖ.

حل لغات: وصایا وصیت کی جمع ہے، سفر کو جاتے وقت یا زندگی کے آخری لمحوں میں ہدایت کرنا کہ میرے بعد ایسا کرنا، القرب (قاف کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ) قربۃ کی جمع ہے، نیک افعال جن سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہو۔

ترجمہ: پھر اگر وہ بیمار ہو جائے اور کچھ وصیتیں کرے نیک افعال اور اچھے موقعوں میں خرچ کرنے کی تو یہ جائز ہیں اس کے تہائی مال سے۔

تشریح: بے وقوف کے انتقال کا وقت قریب ہے اور خیر کے کاموں کے لئے کچھ مالوں کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کی وصیت کرنا جائز ہے لیکن وہ وصیتیں اس کے تہائی مال سے پوری کی جائیں گی اور باقی دو تہائی مال ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

نوٹ: ابواب الخیر کا عطف القرب پر ہے اور یہ عطف العام علی الخاص کی قبیل سے ہے کیونکہ ابواب الخیر عام ہے قرب سے۔ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ قربت، بالواسطہ عبادت ہوتی ہے جیسے مساجد، پل اور مسافر خانوں کی تعمیر اور ابواب خیر قربت اور غیر قربت سب کو شامل ہے۔

(۲۴/۱۰۶۷) وَبُلُوْغُ الْغُلَامِ بِالْاِحْتِلَامِ وَالْاِنْزَالِ وَالْاِحْبَالِ اِذَا وَطِئَ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ ذٰلِكَ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهٗ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ سَنَةً عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

حل لغات: بلوغ باب (ن) پہنچنا، اصطلاحی اعتبار سے بچپن کی حد کا ختم ہو جانا۔ الاحتلام سونے کی حالت میں صحبت کرنا اور منی کا نکلنا، خواب میں ناپاک ہونا۔ الانزال منی کا نکلنا۔ الاحبال حاملہ کرنا۔

ترجمہ: اور لڑکے کا بالغ ہونا احتلام، انزال اور حاملہ کر دینے سے ہے جب وہ وطی کرے اگر ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو جب اٹھارہ سال کا ہو جائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔

مدتِ بلوغ کا بیان

تشریح: لڑکے کے بالغ ہونے کی تین علامتیں ہیں (۱) احتلام (۲) انزال منی کا ہونا (۳) وطی کے نتیجہ میں عورت کو حاملہ بنا دینا۔ ان تینوں میں اصل انزال ہے کیونکہ احتلام بلا انزال معتبر نہیں ہے، نیز عورت بلا انزال حاملہ نہیں ہوتی، تو انزال اصل اور احبال و احتلام اس کی علامات ہیں اگر ان تین علامتوں میں سے کوئی بھی علامت نہ پائی جائے تو جب لڑکا اٹھارہ سال کا ہو جائے اس کو بالغ سمجھا جائے گا کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے لڑکے سے یہاں تک کہ احتلام ہو جائے پھر اگر احتلام نہ ہو تو یہاں تک کہ اٹھارہ سال کا ہو جائے۔ (سنن بیہقی ۶/۹۴ باب البلوغ بالسن)

(۲۵/۱۰۶۸) وَبُلُوْغُ الْجَارِيَةِ بِالْحَيْضِ وَالْاِحْتِلَامِ وَالْحَبَلِ فَاِنْ لَمْ يُوْجَدْ فَحَتّٰى يَتِمَّ لَهَا سَبْعَ عَشَرَةَ سَنَةً.

ترجمہ: اور لڑکی کا بالغ ہونا حیض کی وجہ سے اور احتلام کی وجہ سے اور حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں تو جب سترہ برس کی ہو جائے۔

تشریح: حیض آنے سے لڑکی بالغ ہو جاتی ہے اور جس کو حیض آئے گا وہی حاملہ ہوگی اس لئے حاملہ ہونا حیض کی علامت ہے ایسے ہی احتلام کی وجہ سے لڑکی بالغ سمجھی جائے گی اور یہ علامتیں نہ ہوں تو سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے گی اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت جلدی بالغ ہوتی ہے اس لئے جب مرد کے لئے اٹھارہ سال متعین کئے تو عورت کے لئے ایک سال کم کر دیا اس وجہ سے سترہ سال میں بالغ سمجھی جائے گی

(۲۶/۱۰۶۹) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا تَمَّ لِلْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً فَقَدْ بَلَغَا.

ترجمہ: اور صاحبینؒ نے فرمایا جب پورے ہو جائیں لڑکے کیلئے اور لڑکی کیلئے پندرہ سال تو وہ بالغ ہو گئے۔

تشریح: صاحبین کے نزدیک لڑکی اور لڑکے کے پندرہ سال کے ہو جانے پر بالغ ہو جانے کا حکم لگا دیا جائیگا یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ اکثر اتنی مدت میں بلوغ کی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔

(۱۰۷۰/۲۷) وَاِذَا رَاهَقَ الْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ فَاشْكَلَ اَمْرُهُمَا فِي الْبُلُوْغِ فَقَالَا قَدْ بَلَغْنَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُمَا وَاَحْكَامُهُمَا اَحْكَامُ الْبَالِغِيْنَ.

حل لغت: راهق، مراهقة جوانی کے قریب پہنچنا۔

ترجمہ: اور اگر لڑکا اور لڑکی قریب البلوغ ہو جائیں اور بالغ ہونے کے بارے میں ان دونوں کا معاملہ دشوار ہو اور وہ دونوں کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے تو دونوں کا قول معتبر ہوگا اور دونوں کے احکام بالغین کے احکام ہونگے۔

تشریح: اس مقام پر صاحب اللباب نے ۲/۶ پر ابو الفضل موصلی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لڑکے کے حق میں کم سے کم مدت جس میں وہ بالغ ہو سکتا ہے بارہ سال ہے اور لڑکی کے حق میں نو سال، اب لڑکا یا لڑکی قریب البلوغ ہوں اور یہ معلوم نہ ہوتا ہو کہ بالغ ہو چکے ہیں یا نابالغ ہیں اور وہ کہتے ہیں ہم بالغ ہو چکے ہیں تو ان کی باتوں کا اعتبار کر کے بالغ سمجھا جائے گا اور ان پر بالغ کے احکام جاری ہونگے۔

(۱۰۷۱/۲۸) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا اَحْجُرُ فِي الدَّيْنِ عَلَى الْمُفْلِسِ.

حل لغات: المفلس: غریب، کنگال، فی الدین: کلمہ فی سببیہ ہے۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ میں حجر نہ کروں گا دین کے سبب غریب پر۔

مفلس مقروض کے لئے حجر کے احکام

تشریح: یہ عبارت مختصر ہے اگلی عبارت میں اس کی تفصیل ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی پر کافی قرض ہو اور قرض دینے والے اس پر حجر کا مطالبہ کریں تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں اس پر حجر نہیں کروں گا۔

(۱۰۷۲/۲۹) وَاِذَا وَجَبَتِ الدُّيُوْنُ عَلٰى رَجُلٍ مُفْلِسٍ وَطَلَبَ غُرَمَاؤُهُ حَبْسَهُ وَالْحَجْرَ عَلَيْهِ لَمْ اَحْجُرْ عَلَيْهِ.

حل لغات: الدیون دین کی جمع ہے قرض۔ غرماء یہ غریم کی جمع ہے، قرض خواہ

ترجمہ: اور جب بہت سا قرض ہو جائے مفلس آدمی پر اور مطالبہ کریں اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے کا

اوراس پر حجر کرنے کا تو اس پر حجر نہیں کروں گا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی آدمی پر کافی قرض ہو چکے ہوں اور قرض دینے والے مطالبہ کرتے ہوں کہ اس کو قید کیا جائے اور اس پر حجر کیا جائے تو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ میں اس پر حجر نہیں کروں گا کیونکہ حجر کرنے کی وجہ سے وہ خرید وفروخت نہیں کر سکے گا اور عقل ہوتے ہوئے اس طرح کی پابندی لگانا اس پر ظلم ہوگا اور انسانی اہلیت ختم کرنے کے مرادف ہوگا اس لئے اس پر حجر نہیں کروں گا۔

(۳۰/۱۰۷۳) وَاِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ لَمْ يَتَصَرَّفْ فِيهِ الْحَاكِمُ وَلٰكِنْ يَحْبِسُهُ اَبَداً حَتّٰى يَبِيْعَهُ فِيْ دَيْنِهٖ.

حل لغات: ابداً لمبا عرصہ، طویل، مدت، ابداً ظرف کی بناء پر منصوب ہے۔

ترجمہ: اور اگر ہو اس کے پاس کچھ مال تو تصرف نہ کرے اس میں حاکم لیکن اس کو قید رکھے ہمیشہ یہاں تک کہ وہ اس کو بیچ دے دین کی ادائیگی میں۔

تشریح: مفلس کے پاس مال ہو تو حاکم اس کو نہیں بیچے گا بلکہ خود مفلس اس کو بیچے گا کیونکہ بیع ہوتی ہے بائع اور مشتری کی رضامندی سے جب حاکم بیچے گا تو مفلس کی رضامندی نہیں ہوگی حالانکہ مفلس کا مال ہے حاکم کا مال نہیں ہے اس لئے حاکم نہیں بیچے گا لیکن قرض دینے والے کا قرض بھی ادا ہو جائے اس لئے مفلس کو قید میں رکھا جائے گا تاکہ وہ مجبور ہو کر مال بیچے اور قرض ادا کرے کیونکہ مقروض پر قرض کی ادائیگی واجب ہے اور ٹال مٹول ظلم ہے تو ظلم ختم کرنے کے لئے قاضی اس کو قید کر سکتا ہے۔

(۳۱/۱۰۷۴) وَاِنْ كَانَ لَهُ دَرَاهِمُ وَدَيْنُهُ دَرَاهِمُ قَضَاهُ الْقَاضِيْ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ.

ترجمہ: اور اگر اس کے پاس دراہم ہوں اور اس کا دین بھی دراہم ہوں۔ تو ادا کر دے اس کو قاضی بغیر اس کی اجازت کے۔

تشریح: مفلس پر کسی کا قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس بھی دراہم ہوں تو قاضی مفلس سے اجازت لئے بغیر قرض والے کا قرض ادا کر دے گا۔ کیونکہ قرض خواہ کا جو حق ہے وہی مفلس کے پاس موجود ہے۔ اس لئے قرض خواہ مفلس کی رضامندی کے بغیر بھی لے سکتا ہے۔

(۳۲/۱۰۷۵) وَاِنْ كَانَ دَيْنُهُ دَرَاهِمَ وَلَهُ دَنَانِيْرُ اَوْ عَلٰى ضِدِّ ذٰلِكَ بَاعَهَا الْقَاضِيْ فِيْ دَيْنِهٖ.

ترجمہ: اور اگر اس کا قرض دراہم ہوں اور اس کے پاس دنانیر ہوں یا اس کے برعکس تو بیچ دے اس کو قاضی اس کے دین میں۔

تشریح: مفلس کے پاس دنانیر ہیں اور اس کے اوپر دین دراہم ہیں یا اس کا الٹا ہے یعنی مفلس کے پاس دراہم ہیں اور اس کے اوپر دین دنانیر ہیں تو قاضی ان کو فروخت کر کے قرض ادا کرے۔

دلیل: دنانیر اور دراہم دونوں ثمن ہیں تو گویا ایک ہی جنس ہیں اس لئے قرض خواہ کا جس جنس میں حق ہے گویا وہی جنس مقروض کے پاس ہے اور قاضی کو اختیار زیادہ ہوتا ہے اس لئے دینار کو درہم کے قرض میں یا درہم کو دینار کے قرض میں بیچ سکتا ہے۔

(۱۰۷۶/۳۳) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا طَلَبَ غُرَمَاءُ الْمُفْلِسِ الْحَجْرَ عَلَيْهِ حَجَرَ الْقَاضِیْ عَلَيْهِ وَمَنَعَهُ مِنَ الْبَيْعِ وَالتَّصَرُّفِ وَالْاِقْرَارِ حَتّٰی لَا يَضُرَّ بِالْغُرَمَاءِ.

ترجمہ: اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب مطالبہ کریں مفلس کے قرضخواہ اس پر حجر کرنے کا تو قاضی اس پر حجر کر دے اور روک دے اس کو بیع کرنے، تصرف کرنے اور اقرار کرنے سے تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

تشریح: مفلس پر قرض ہو اور قرض دینے والے قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس پر حجر کر دیں تو قاضی اس پر حجر کر دے گا اور بیع، تصرف اور کسی غیر کے لئے مال کا اقرار کرنے پر پابندی عائد کر دے تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں کے مطالبہ پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر پابندی عائد کر دی تھی۔ (دار قطنی ۴/ ۱۴۸) فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

(۱۰۷۷/۳۴) وَبَاعَ مَالَهُ اِنِ امْتَنَعَ الْمُفْلِسُ مِنْ بَيْعِهِ وَقَسَمَهُ بَيْنَ غُرَمَائِهِ بِالْحِصَصِ..

حل لغت: الحصص، حصة کی جمع ہے حصہ۔

ترجمہ: اور بیچ دے اس کا مال اگر رک جائے مفلس اس کے بیچنے سے اور تقسیم کر دے اس کو قرض خواہوں کے درمیان حصوں کے مطابق۔

تشریح: اگر مفلس اپنے مال کو فروخت کر کے قرض خواہوں کا قرض ادا نہ کرے تو قاضی اس کے مال کو بیچ کر قرض خواہوں کے قرضوں کو ادا کر دے گا۔ اور ہر ایک کو اس کے حصہ کے مطابق دے گا مثلاً کل قرض پانچ ہزار تھا زید کا تین ہزار عمر کا ایک ہزار بکر کا پانچ سو اور خالد کا پانچ سو اور مفلس کے پاس پچیس سو روپے کا مال نکلا تو اس کو فروخت کر کے ہر ایک کو اس کے قرض کا آدھے ملیں گے زید کو پندرہ سو عمر کو پانچ سو بکر کو ڈھائی سو اور خالد کو ڈھائی سو، تاکہ ہر ایک کو مناسب حق مل جائے اور کسی کو شکوہ وشکایت نہ رہے۔

(۱۰۷۸/۳۵) فَاِنْ اَقَرَّ فِیْ حَالِ الْحَجْرِ بِاِقْرَارِ مَالٍ لَزِمَهُ ذٰلِكَ بَعْدَ قَضَاءِ الدُّيُوْنِ.

ترجمہ: اگر وہ اقرار کرے بحالت حجر کسی مال کا تو یہ لازم ہوگا اس کو قرضوں کی ادائیگی کے بعد۔

تشریح: مفلس پر قاضی نے حجر کر دیا تھا اسی دوران کسی کے لئے اپنے اوپر قرض کا اقرار کیا تو یہ اقرار کرنا درست ہے لیکن اس کی ادائیگی پہلے تمام قرضوں کی ادائیگی کے بعد کی جائے گی کیونکہ پہلے والوں کا حق مقدم ہے اس لئے پہلے والوں کو پہلے ہی دیا جائے گا۔

(۱۰۷۹/۳۶) وَيُنْفَقُ عَلَى الْمُفْلِسِ مِنْ مَالِهِ وَعَلٰى زَوْجَتِهِ وَ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَذَوِى الْاَرْحَامِ.

ترجمہ: اور خرچ کیا جائے گا مفلس پر اس کے مال سے اور اس کی بیوی چھوٹے بچوں اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ داروں پر۔

مفلس مقروض کے باقی احکام

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ مفلس کی حاجت اصلیہ مقدم رکھی جائے گی اور مفلس کی ذات پر خرچ کرنا حاجت اصلیہ ہے ایسے ہی اس کی بیوی، چھوٹی اولاد اور وہ ذی رحم محرم رشتہ دار جن کا نفقہ مفلس پر واجب ہے۔ ان تمام پر مفلس کے مال سے خرچ کیا جائے گا پھر جو بچے گا اس مفلس کا قرض ادا کیا جائے گا۔

(۱۰۸۰/۳۷) وَاِنْ لَّمْ يُعْرَفْ لِلْمُفْلِسِ مَالٌ وَطَلَبَ غُرَمَاؤُهُ حَبْسَهٗ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا مَالَ لِىْ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ فِىْ كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَهٗ بَدَلًا عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِىْ يَدِهٖ كَثَمَنِ الْمَبِيْعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ وَفِىْ كُلِّ دَيْنٍ اِلْتَزَمَهٗ بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ.

حل لغات: بدل القرض دراہم وغیرہ نقد جو قرض کے طور پر لیا گیا ہو اب اس کی ادائیگی بصورت بدل لازم ہوگی المہر اس جگہ مہر معجل مراد ہے کفالۃ دوسرے کے قرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لینا۔

ترجمہ: اور اگر نہ پتہ چلتا ہو کہ مفلس کے پاس مال ہے اور مطالبہ کریں اس کے قرض خواہ اس کو قید کرنے کا اور وہ کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے تو قید کرے حاکم اس کو ہر ایسے دین میں جو لازم ہوا ہو اس کو ایسے مال کے بدلے میں جو حاصل ہوا ہو اس کے ہاتھ میں جیسے مبیع کا ثمن اور قرض کا بدلہ اور ہر ایسے دین میں جو لازم کیا ہو اس نے کسی عقد کے ذریعہ جیسے مہر اور کفالہ۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوری یہ بتلا رہے ہیں کہ مفلس مدیون جس پر پابندی عائد کی گئی ہے اگر اس سے قرض کی وصولیابی مشکل ہو اور یہ معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ اس کے پاس مال ہے یا نہیں اور قرض خواہوں کا تقاضہ ہے کہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے اور مفلس یہ بیان دے کہ میرے پاس مال نہیں ہے کہ قرض ادا کر سکوں تو قاضی

اس کو دو طرح کے قرضوں میں قید کر سکتا ہے۔

(۱) ایسا قرض جو کسی کے مال پر قبضہ کرنے کی وجہ سے لازم ہوا ہو جیسے کسی سے کوئی چیز خریدی اور اس کی قیمت ادا نہیں کی یا کسی سے قرض لیا اور اس کو خرچ کر دیا تو اس کا بدل یعنی بدل قرض اگر قرض خواہ اس کو قید کروانا چاہتا ہے تو حاکم قید کرے گا کیونکہ مفلس کے ہاتھ میں مبیع آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے کوئی اور مال نہ صحیح کم از کم مبیع تو ہے اسی کو بیچ کر دین ادا کرے یا قید میں جائے۔

(۲) ایسا قرض جو کسی عقد کی وجہ سے لازم ہوا ہو جیسے مہر کا قرض سر پر آیا ہو تو اس کے بدلے میں بضع ہاتھ میں آتا ہے جو من وجہ مال شمار کیا جاتا ہے شادی پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے ورنہ مہر کا اقرار کیسے کیا اس لئے قید کیا جائے گا اسی طرح کسی آدمی کا کفیل بنا کہ وہ رقم ادا نہیں کرے گا تو میں ادا کروں گا تو اس عقد کفالہ کی وجہ سے سر پر قرض آیا اور مفلس کہتا ہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے پھر بھی حاکم اس کو قید کرے گا کیونکہ ایسے عقد پر اقدام کرنا کہ جس کی وجہ سے سر پر قرض آتا ہو اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے۔

(۱۰۸۱/۳۸) وَلَمْ يَحْبِسْهُ فِيمَا سِوىٰ ذٰلِكَ كَعِوَضِ الْمَغْصُوْبِ وَاَرْشِ الْجِنَايَاتِ اِلَّا اَنْ تَقُوْمَ الْبَيِّنَةُ بِاَنَّ لَهُ مَالاً.

حل لغات: ارش تاوان البینة گواہی۔

ترجمہ: اور اس کے علاوہ میں قید نہ کرے جیسے غصب کا بدلہ اور جنایت کا تاوان مگر یہ کہ گواہ قائم کرے اس بات پر کہ اس کے پاس مال ہے۔

تشریح: جن قرضوں کے بدلے ہاتھ میں مال نہ آتا ہو جیسے غصب کی ہوئی چیز خرچ کردی تو اس کا عوض یا جیسے جنایت کا بدلہ کہ کسی کا نقصان کر دیا اور اس کے بدلہ میں مال دینا پڑا اور قرض سر پر آیا تو اس قرض کے بدلے میں ہاتھ میں کوئی مال نہیں آتا ہے نقصان کرنے کی وجہ سے قرض لازم ہوتا ہے اس لئے اس کے ہاتھ میں مال ہونے کی کوئی ظاہری دلیل نہیں ہے اس لئے حاکم اس کو قید نہیں کرے گا۔ ہاں قرض خواہ شہادت پیش کر دے کہ اس کے پاس مال ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا۔

(۱۰۸۲/۳۹) وَيَحْبِسُهُ الْحَاكِمُ شَهْرَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةَ اَشْهُرٍ سَأَلَ عَنْ حَالِهٖ فَاِنْ لَمْ يَنْكَشِفْ لَهٗ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهٗ.

ترجمہ: اور قید رکھے اس کو حاکم دو مہینے یا تین مہینے تک اور تحقیق کرتا رہے اس کے حالات کے بارے میں

چنانچہ اگر مال ظاہر نہ ہوتو اس کا راستہ چھوڑ دے (رہا کردے)۔

تشریح: مفلس مذکور کو حاکم دو ماہ یا تین ماہ تک قید کرے گا اور اس کی حالت کے متعلق تحقیق کرتا ہے اگر اس مدت کے درمیان اس کے پاس مال کا سراغ نہ لگے تو حاکم اس کو رہا کردے قید کرنا مال کی تحقیق کے لئے تھا سزا دینے کے لئے نہیں تھا اب تحقیق ہوگئی کہ مال نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دے۔

نوٹ: مفلس مذکور کو کتنی مدت قید میں رکھا جائے اس میں مختلف اقوال ہیں صحیح یہ ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے بلکہ قیدی کی حالت پر مبنی ہے کیونکہ بعض مجرم تھوڑی سی تنبیہ سے گھبرا جاتے ہیں اور بعض ایسے بے خوف ہوتے ہیں کہ عرصہ دراز بھی جیل میں رہنے کے بعد صحیح بات نہیں بتاتے اس لئے یہ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے وہ جتنی مدت تک مناسب سمجھے قید میں رکھے۔

(۱۰۸۳/۴۰) وَكَذٰلِكَ اِذَا قَامَ الْبَيِّنَةُ عَلٰى اَنَّهُ لَامَالَ لَهُ.

ترجمہ: اور ایسے ہی جب قائم کردیا بینہ اس بات پر کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔

تشریح: دو ماہ سے پہلے ہی مفلس نے شہادت پیش کردی کہ اس کے پاس مال نہیں چونکہ قید کرنے کا مقصد مال کی تحقیق تھی اور وہ تحقیق ہوچکی اس لئے اس کو دو ماہ سے پہلے بھی رہا کردیا جائے گا۔

(۱۰۸۴/۴۱) وَلَا يَحُوْلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غُرَمَائِهِ بَعْدَ خُرُوْجِهِ مِنَ الْحَبْسِ وَيُلَازِمُوْنَهُ.

حل لغت: یلازمون مصدر ملازمۃ پیچھا کرنا، بعض نسخوں میں "لایلازمون" ہے جو درست نہیں ہے۔

ترجمہ: اور نہ حائل ہو اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان اس کے قید سے نکلنے کے بعد اور وہ اس کے پیچھے لگے رہیں گے۔

تشریح: مفلس کے پاس مال کا پتہ نہیں لگا اس وجہ سے قاضی نے اس کو قید سے رہا کردیا تو اب قاضی مقروض اور قرض خواہوں کے معاملہ میں نہ پڑے بلکہ ان کو چھوڑ دے کہ وہ مفلس کے پیچھے لگے رہیں اور جب اس کے ہاتھ میں کہیں سے رقم آجائے تو اس سے اپنا قرض وصول کرلے۔

(۱۰۸۵/۴۲) وَلَا يَمْنَعُوْنَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ وَالسَّفَرِ.

ترجمہ: اور نہ روکیں اس کو تصرف کرنے اور سفر کرنے سے۔

تشریح: اگر مقروض خرید و فروخت نہیں کرے گا اور سفر نہیں کرے گا تو قرضخواہوں کا دین کیسے ادا کرے گا اس

لئے خرید وفروخت اور سفر سے نہیں روکیں گے۔

(۱۰۸۶/۴۳) وَيَأْخُذُوْنَ فَضْلَ كَسْبِهٖ فَيَقْسِمُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ.

حل لغت: فضل کسبه اس سے مراد یہ ہے کہ آمدنی میں سے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے بعد جو کچھ بچے۔

ترجمه: اور لیتے رہیں اس کی کمائی کی بچت اور تقسیم کرتے رہیں آپس میں حصہ کے مطابق۔

تشریح: مفلس کی آمدنی میں سے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے بعد جو بچے گا اس کو قرض خواہ آپس میں اپنے حصے کے مطابق تقسیم کریں گے تقسیم کرنے کا طریقہ مسئلہ ۳۴ میں گزر چکا ہے۔

(۱۰۸۷/۴۴) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِذَا فَلَّسَهُ الْحَاكِمُ حَالَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ غُرَمَائِهٖ اِلَّا اَنْ يُقِيْمُوْا الْبَيِّنَةَ اَنَّهٗ قَدْ حَصَلَ لَهٗ مَالٌ.

حل لغات: فلس لام کی تشدید کے ساتھ، فلس القاضی فلاناً قاضی کا کسی کو مفلس یعنی دیوالیہ قرار دینا، کسی کے غریب ہونے کا حکم لگانا۔

ترجمه: اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جب حاکم اس کی غربت کا فیصلہ کردے تو حائل ہو جائے اس کے اور قرض خواہوں کے درمیان مگر یہ کہ قرض خواہ اس بات پر شہادت قائم کردیں کہ اس کو مال حاصل ہو گیا۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر قاضی کسی پر غریب ہونے کا حکم لگادے، تو وہ ہمیشہ مفلس باقی نہیں رہتا اس لئے قرض خواہوں کو اس کے پیچھے لگنے کی اجازت ہوگی۔ صاحبین کے نزدیک اگر حاکم نے کسی کو مفلس قرار دیدیا تو وہ ہمیشہ مفلس ہی سمجھا جائے گا۔ اس لئے حاکم مفلس اور قرض خواہوں کے درمیان حائل ہوگا اور ہمہ وقت تقاضہ نہیں کرنے دے گا۔ کیونکہ قاضی کا کسی کے حق میں افلاس کا فیصلہ کرنا صاحبین کے نزدیک درست ہے۔ چنانچہ وہ مالداری تک مہلت دیئے جانے کا مستحق ہوگیا امام صاحب کے نزدیک افلاس کا فیصلہ درست نہیں ہے کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے۔ آج ہے کل نہیں۔

(۱۰۸۸/۴۵) وَلَا يُحْجَرُ عَلَى الْفَاسِقِ اِذَا كَانَ مُصْلِحاً لِمَالِهٖ وَالْفِسْقُ الْاَصْلِيُّ وَالطَّارِيُّ سَوَاءٌ.

حل لغات: الطاری عارضی، الفسق الطاری وہ فسق جو بلوغیت کے بعد عارض ہوا ہو۔

ترجمه: اور حجر نہیں کیا جائے گا فاسق پر جب کہ وہ اپنے مال کا خیال کرنے والا ہو اور فسق اصلی وفسق طاری برابر ہیں۔

تشریح: فاسق دینی کاموں میں فسق کرتا ہے لیکن مال کو صحیح طریقہ سے کماتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو اس پر حجر نہیں کیا جائے گا کیونکہ حجاج بن یوسف فاسق تھا لیکن فسق کی وجہ سے اس پر حجر نہیں کیا گیا۔

(۱۰۸۹/۴۶) وَمَنْ اُفْلِسَ وَعِنْدَهٗ مَتَاعٌ لِرَجُلٍ بِعَيْنِهٖ اِبْتَاعَهٗ مِنْهُ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ اُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ فِيْهِ۔

حل لغات: متاع سامان اسوۃ برابر کا حصہ دار الغرماء، غریم کی جمع ہے قرض دینے والے، قرض خواہ

ترجمہ: کسی کو مفلس قرار دے دیا گیا اور اس کے پاس کسی کا کوئی سامان بعینہ موجود ہو جس کو اس نے خریدا تھا تو سامان والا اس میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے۔

تشریح: ایک شخص پر مفلس کا حکم لگا دیا گیا اس نے اس سے پہلے کسی آدمی سے مثلاً ایک بھینس خریدی تھی اور بھینس والے کو قیمت نہیں دی تھی۔ اور وہ بھینس بعینہ مفلس کے پاس موجود ہے تو جس طریقے سے اور قرض خواہوں کو ان کے حصے کے مطابق مال ہونے پر قرض دیا جائے گا اسی طرح بھینس والے کو حصے کے مطابق بھینس کی قیمت ملے گی بھینس والا اپنی پوری بھینس نہیں لے جا سکتا بلکہ بھینس بیچ کر سب کا قرض ادا کیا جائے گا تقسیم کا طریقہ مسئلہ ۴۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ مذکورہ مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ بھینس کی بیع ہونے کے بعد یہ بھینس مفلس کی ہوگئی اب مفلس پر اس کی قیمت واجب ہے جو اس پر قرض ہوگی تو جیسے دیگر قرضخواہ مال آنے پر اپنے اپنے حصے کے مطابق لیں گے اس طرح یہ بھینس والا بھی اپنا حصہ لے گا۔ (مزید تحقیق درس ترمذی ۴/۱۹۳)

کِتَابُ الْاِقْرَارِ

(یہ کتاب اقرار کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت

کتاب الاقرار کو کتاب الحجر کے بعد اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ حجر کے بعض مسائل کا تعلق اقرار سے ہے۔

· **اقرار کی لغوی تعریف:** اقرار باب افعال کا مصدر ہے ثابت کرنا۔

اصطلاحی تعریف: اخبار عن ثبوت الحق للغیر علی نفسہ (عینی ۳/۴۷۷) یعنی اپنی ذات پر کسی دوسرے شخص کے حق واجب کی اطلاع دینے کو اقرار کہتے ہیں۔

اقرار کا ثبوت قرآن سے: قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا۔ (آیت ۸۱ سورۃ آل عمران)

یعنی فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔

اقرار کا ثبوت حدیث سے: حضرت ماعزؓ نے اپنے اوپر زنا کا اقرار کیا پھر ان پر حد زنا جاری کی گئی اس سے اقرار کا ثبوت ہوا۔ والتفصیل فی البخاری ۲/۱۰۰۶)
اقرار کرنیوالے کو مُقِرّ اور جس کیلئے اقرار کیا گیا اس کو مُقَرٌّ لَهُ اور جس چیز کا اقرار کیا گیا اس کو مُقَرٌّ بِہ کہتے ہیں۔

(۱۰۹۰/۱) اِذَا اَقَرَّ الْحُرُّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ بِحَقٍّ لَزِمَهُ! اِقْرَارُهُ مَجْهُوْلاً كَانَ مَا اَقَرَّ بِهٖ اَوْ مَعْلُوْماً.

ترجمہ: اگر اقرار کرے آزاد، بالغ، عاقل، کسی حق کا تو وہ اقرار اس پر لازم ہو جائے گا خواہ مجہول ہو وہ چیز جس کا اقرار کیا ہے یا معلوم۔

تشریح: کوئی عاقل بالغ آزاد شخص بیداری میں اپنی خوشی سے اپنے اوپر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے تو وہ حق لازم ہو جائے گا اقرار معلوم ہو جیسے یوں کہے کہ فلاں کے مجھ پر سو روپے ہیں یا اقرار مجہول ہو جیسے یوں کہے کہ فلاں کے مجھ پر کچھ روپے ہیں دونوں صورتوں میں اقرار درست ہے۔

آزاد کی قید اس وجہ سے لگائی کہ اگر غلام مال کا اقرار کرے تو وہ مال آقا پر لازم ہوگا اور آقا کا نقصان ہوگا اس لئے اگر تجارت کی اجازت نہ دی ہو تو غلام اپنے اوپر مال کا اقرار نہیں کر سکتا۔

بالغ اور عاقل کی قید اس وجہ سے لگائی کہ بچے اور مجنوں کی باتوں اور ان کے اقرار کا اعتبار نہیں ہے۔ مجہول اقرار کا اعتبار اس لئے ہے کہ کبھی دوسرے کا نقصان کر دیتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنا نقصان ہوا لیکن اقرار کرتا ہے کہ جو نقصان ہوا میں ادا کروں گا اس لئے مجہول نقصان کا اقرار کرنا جائز ہے۔

(۱۰۹۱/۲) وَيُقَالُ لَهٗ بَيِّنِ الْمَجْهُوْلَ فَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ اَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى الْبَيَانِ.

ترجمہ: اور اس سے کہا جائے گا کہ مجہول کو بیان کر اگر بیان نہ کرے تو مجبور کرے اس کو حاکم بیان کرنے پر۔

تشریح: مُقِرّ نے جب اقرار کیا تو دوسرے کا حق اس پر لازم ہو گیا اس لئے حاکم اس کو مجبور کر کے بیان کروائے گا اور حق والے کا حق دلوائے گا۔

(۱۰۹۲/۳) فَاِنْ قَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ شَيْءٌ لَزِمَهٗ اَنْ يُّبَيِّنَ مَا لَهٗ قِيْمَةٌ.

ترجمہ: اگر کہے فلاں کی مجھ پر ایک چیز ہے تو ضروری ہوگا ایسی چیز کا بیان کرنا جس کی کوئی قیمت ہو۔

تشریح: کسی نے کہا کہ فلاں کا مجھ پر کچھ ہے تو لفظ کچھ مجہول ہے اس لئے ایسی چیز کا اقرار کرنا ہوگا جس کی کچھ قیمت ہو اور اگر ایسی چیز بیان کی جس کی کوئی قیمت نہیں تو یہ اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے اور اقرار کے بعد رجوع کرنا چاہے تو رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا۔

(۴/۱۰۹۳) وَالْقَوْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ مَعَ يَمِيْنِهٖ اِنِ ادَّعَى الْمُقَرُّ لَهٗ اَكْثَرَ مِنْهُ.

ترجمہ: اور قول اس میں (جو اس نے وضاحت کی ہے) اقرار کرنے والے کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اگر مقرلہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے۔

تشریح: مقر پچاس روپے کا اقرار کرتا ہے اور مقرلہ ستر روپے کا تو مقر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی قاعدہ یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ اور منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اور مقر یہاں مدعیٰ علیہ ہے اس لئے اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

(۵/۱۰۹۴) وَاِذَا قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مَالٌ فَالْمَرْجِعُ فِيْ بَيَانِهٖ اِلَيْهِ وَيُقْبَلُ قَوْلُهٗ فِي الْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ فلاں کا میرے ذمہ مال ہے تو رجوع کیا جائے گا اس کے بیان میں اس کی طرف اور قبول کیا جائے گا اس کا قول تھوڑے اور زیادہ میں۔

اقرار کے احکام بالتفصیل

تشریح: مال میں اجمال ہے اس لئے بیان کی ضرورت ہے اس بارے میں مقر سے ہی معلوم کیا جائے گا اور کم زیادہ جو بھی مقدار بیان کرے گا اسی کی بات مان لی جائے گی البتہ ایک درہم سے کم میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ ایک درہم سے کم کو عرف میں مال نہیں کہتے۔

(۶/۱۰۹۵) فَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ مَالٌ عَظِيْمٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ مِأَتَيْ دِرْهَمٍ.

حل لغت: مال عظیم مال موصوف، عظیم صفت، مقر نے عظیم کو مال کی صفت بنایا ہے۔

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کا مجھ پر مال عظیم ہے تو تصدیق نہیں کی جائے گی دو سو درہم سے کم میں۔

تشریح: اگر مقر نے کہا کہ مجھ پر فلاں کا مال عظیم ہے تو نصاب زکوٰۃ یعنی دو سو درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ شریعت میں دو سو درہم یا بیس دینار کو مال عظیم کہتے ہیں لہٰذا دو سو درہم سے کم میں اقرار قبول نہیں ہے اتنا یا اس سے زیادہ اقرار کرنا ہوگا۔

(۷/۱۰۹۶) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ دَرَاهِمُ كَثِيْرَةٌ لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر بہت سے دراہم ہیں تو تصدیق نہیں کی جائے گی دس درہم سے کم میں۔

تشریح : اگر مقر نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر دراہم کثیرہ ہیں تو امام صاحب کے نزدیک دس درہم لازم ہوں گے۔

دلیل: دراہم جمع کا صیغہ ہے پھر دراہم کے ساتھ کثیرہ کی صفت ہے عربی گنتی میں جمع کا صیغہ دس تک بولا جاتا ہے یہ عدد جمع کثرت کا ادنی درجہ ہے اور جمع قلت کا منتہیٰ ہے تو لفظ کے اعتبار سے یہی اکثر ٹھہرا۔

صاحبین کا مذهب: یہ ہے کہ دوسو درہم سے کم میں تصدیق نہ ہوگی کیونکہ شریعت کی نگاہ میں مالدار وہی شخص کہلاتا ہے جو صاحب نصاب ہو اس لئے دوسو درہم کا اقرار ضروری ہے۔

(۱۰۹۷/۸)فَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ دَرَاهِمُ فَهِيَ ثَلٰثَةٌ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ اَكْثَرَ مِنْهَا.

ترجمه: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر دراہم ہیں تو یہ تین ہوں گے مگر یہ کہ اس سے زیادہ بیان کردے۔

تشریح: اگر مقر کہتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں کے دراہم ہیں تو تین دراہم شمار ہوں گے کیونکہ دراہم جمع کا صیغہ ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے ہاں اگر اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو اس کی مرضی ہے جو بھی زائد ہوگا وہ لازم ہوگا کیونکہ جمع کا صیغہ زیادہ کو بھی شامل ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۲/۳۰)

(۱۰۹۸/۹) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ كَذَا كَذَا دِرْهَماً لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَحَدَ عَشَرَ دِرْهَماً.

ترجمه: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اتنے درہم ہیں تو نہیں تصدیق کی جائے گی گیارہ سے کم میں۔

تشریح: اتنے اتنے دو مرتبہ بولا ہے تو عدد میں دو مرتبہ کا عدد گیارہ میں آتا ہے اور درمیان میں حرف عطف واؤ بھی نہیں ہے تو یہ شکل گیارہ میں ہوتی ہے کہتے ہیں احد عشر درہما اس لئے گیارہ سے کم درہموں میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔

(۱۰۹۹/۱۰) وَاِنْ قَالَ كَذَا وَ كَذَا دِرْهَماً لَمْ يُصَدَّقْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَحَدٍ وَّعِشْرِيْنَ دِرْهَماً.

ترجمه: اور اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر اتنے اور اتنے درہم ہیں تو تصدیق نہیں کی جائے گی اکیس درہموں سے کم میں۔

تشریح: دو عدد مبہم کو حرف عطف کے ساتھ بیان کیا ہے اور دونوں کو ایک اسم بنا دیا گیا اور اس کا کم سے کم مصداق اکیس درہم ہے۔

(۱۱۰۰/۱۱) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ اَوْ قِبَلِيْ فَقَدْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ.

ترجمه: اور اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر یا میری طرف ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

تشریح: اگر مقر کہتا ہے کہ فلاں کے میرے ذمہ یا میری طرف ہیں تو اس صورت کو دین اور قرض کا اقرار کہا جائے گا کیونکہ عربی میں ''علی کا لفظ'' اپنے اوپر لازم کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور قبلی ضمان پر دلالت کرتا ہے۔ قبلی امانت کے طور پر مال رکھنے کے لئے بھی آتا ہے مگر وہ معنی دوسرے درجے میں ہے اس لئے پہلے معنی یعنی دین کا اقرار لیا جائے گا۔

(۱۲/۱۱۰۱) وَاِنْ قَالَ لَهُ عِنْدِیْ اَوْ مَعِیْ فَهُوَ اِقْرَارٌ بِاَمَانَةٍ فِیْ یَدِهٖ.

ترجمه: اور اگر کہے کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو یہ اس کے ہاتھ میں امانت کا اقرار ہے۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقر کہتا ہے کہ فلاں کے میرے پاس یا میرے ساتھ ہیں تو امانت پر رکھنے کا اقرار ہوگا کیونکہ لفظ ''عندی اور معی'' الزام کے لئے نہیں ہیں بلکہ امانت ہونے کی خبر دیتے ہیں اب اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ چیز اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو مقر پر اس کا تاوان لازم نہیں ہوگا۔

(۱۳/۱۱۰۲) وَاِنْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ لِیْ عَلَیْكَ اَلْفُ دِرْهَمٍ فَقَالَ اِتَّزِنْهَا اَوِ انْتَقِدْهَا اَوْ اَجِّلْنِیْ بِهَا اَوْ قَدْ قَضَیْتُكَهَا فَهُوَ اِقْرَارٌ.

ترجمه: اگر کوئی آدمی کسی سے کہے کہ میرے تجھ پر ہزار درہم ہیں اس نے کہا ان کو تول لے یا ان کو پرکھ لے یا مجھے ان کی مہلت دے یا میں نے ان کو ادا کر دیا ہے تو یہ دین کا اقرار ہے۔

تشریح: ایک شخص نے زید سے کہا کہ میرے تجھ پر ایک ہزار درہم ہیں زید نے ان کا انکار نہیں کیا بلکہ جواب میں ایسے جملے استعمال کرتا ہے جن سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ کا دین مجھ پر ہے مثلاً زید نے جواب میں کہا کہ ان کو وزن کرلو جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار دین ہیں اگر اقرار نہ کرنا ہوتا تو صراحتاً منع کر دیتا یا زید نے جواب میں یوں کہا کہ ان کو پرکھ لو کہ کھرے ہیں یا کھوٹے؟ اس لفظ سے بھی ہزار کے دین ہونے کا اقرار ہوا یا جواب میں یوں کہا کہ مجھ کو ان ہزار کے بارے میں مہلت دیدو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہزار تو ہیں لیکن ادائیگی کے لئے مہلت چاہئے یا یوں کہا کہ میں نے ہزار ادا کر دیئے ہیں اور ادائیگی پر کوئی گواہ نہیں ہے اس لئے ادا کرنا نہیں مانا جائیگا اور دین کا اقرار مانا جائے گا۔ ان چاروں جوابوں میں ''ھا'' کا استعمال کیا جس کا مرجع وہی ہزار ہے۔

(۱۴/۱۱۰۳) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَیْنٍ مُؤَجَّلٍ فَصَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ فِی الدَّیْنِ وَكَذَّبَهُ فِی التَّاجِیْلِ لَزِمَهُ الدَّیْنُ حَالاً وَیُسْتَحْلَفُ الْمُقَرُّ لَهُ فِی الْاَجَلِ.

حل لغت: التاجیل تاخیر کسی چیز کی مدت مقرر کرنا یا مہلت دینا یستحلف قسم لی جائے گی۔

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا دین مؤجل کا اور تصدیق کر دی اس کی مقرلہ نے دین میں اور اس کی تکذیب کی تاخیر میں تو مقر کو دین فی الحال لازم ہوگا اور مقرلہ سے قسم لی جائے گی تاخیر کے متعلق۔

تشریح: خالد نے ساجد کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر آپ کے ایک ہزار درہم قرض ہیں ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ایک ماہ کی تاخیر کے ساتھ ہیں ساجد نے تصدیق کی کہ ایک ہزار درہم قرض ہیں لیکن کہا کہ وہ دین تو فوری ادا کرنے کی شرط کے ساتھ ہے تاخیر کے ساتھ نہیں ہے تو خالد پر فوری قرض ادا کرنا لازم ہوگا تاخیر قابل قبول نہ ہوگی البتہ ساجد مقرلہ تاخیر کا انکار کرتا ہے اس لئے اس پر انکار کے سلسلے میں قسم لازم ہوگی۔ کیونکہ ساجد تاخیر کا منکر ہے اور مدعی خالد کے پاس تاخیر کے ثبوت کے لئے گواہ نہیں ہیں اس لئے منکر ساجد پر عدم تاخیر کے لئے قسم لازم ہوگی۔

(۱۱۰۴/۱۵)وَمَنْ اَقَرَّ بِدَيْنٍ وَاسْتَثْنٰى شَيْئًا مُتَّصِلاً بِاِقْرَارِهٖ صَحَّ الْاِسْتِثْنَاءُ وَلَزِمَهُ الْبَاقِيْ وَسَوَاءٌ اِسْتَثْنٰى الْاَقَلَّ اَوِ الْاَكْثَرَ.

حل لغت: الاستثناء چند چیزوں سے کچھ نکالنے کے بعد باقی ماندہ کے تکلم کو استثناء کہتے ہیں۔

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا دین کا اور استثناء کر لیا کسی شئ کا اپنے اقرار کے ساتھ ہی تو استثناء صحیح ہوگا اور لازم ہوگا اس کو باقی چاہے کم کا استثناء کرے یا زائد کا۔

استثناء اور ہم معنی استثناء کا تذکرہ

تشریح: مقر نے دین کا اقرار کیا اور اس میں سے بعض کا استثناء کر لیا تو یہ صحیح ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اقرار کے ساتھ ہی استثناء کرے تب اس کا اعتبار ہوگا خواہ استثناء کم کا ہو یا زیادہ کا اور اگر جملہ پورا ہونے کے بعد استثناء کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ پورے کا اقرار کر کے اب رجوع کر رہا ہے۔ اس لئے منفصل استثناء کا اعتبار نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے کسی کے لئے سو روپے کا اقرار کیا لیکن اقرار کے متصل ہی دس روپے کا استثناء کر لیا تو استثناء کے بعد جو نوے باقی بچے وہ لازم ہوں گے۔

(۱۱۰۵/۱۶) فَاِنِ اسْتَثْنٰى الْجَمِيْعَ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَبَطَلَ الْاِسْتِثْنَاءُ.

ترجمہ: اگر استثناء کر دے پورے کا تو اس کو پورا اقرار لازم ہوگا اور استثناء باطل ہوگا۔

تشریح: استثناء کا مطلب ہے کہ پوری تعداد میں سے کچھ کم کر کے باقی لازم ہو اور یہاں استثناء کے بعد کچھ نہیں بچا تو گویا اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہے اس لئے اقرار سے رجوع نہیں کرنے دیا جائے گا اور استثناء سے پہلے کی

تعداد لازم ہوگی۔ (اللباب ۲/۲۱)

(۱۱۰۶/۱۷) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا دِیْنَاراً اَوْ اِلَّا قَفِیْزَ حِنْطَةٍ لَزِمَهٗ مِائَةُ دِرْهَمٍ اِلَّا قِیْمَةَ الدِّیْنَارِ اَوِ الْقَفِیْزِ.

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر ایک سو درہم ہیں مگر ایک دینار یا مگر گیہوں کا ایک قفیز تو لازم ہوں گے اس کو سو درہم مگر دینار یا قفیز کی قیمت (لازم نہ ہوگی)

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ قریب قریب جنس کے ہوں تو استثناء درست ہے ورنہ نہیں جیسے دینار اور درہم کہ یہ دونوں قریب قریب جنس کے ہیں کیونکہ دونوں ثمن ہیں۔ ایسے ہی گیہوں درہم کی جنس کے قریب ہے کیونکہ کیلی وزنی اور متقارب عددی چیزیں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو درہم سے گیہوں، چاول، آٹا ان کا استثناء درست ہوگا اس قاعدہ کے اعتبار سے اب سمجھئے اگر کسی نے یوں کہا کہ فلاں کے میرے اوپر سو درہم ہیں مگر ایک دینار تو سو درہم میں سے ایک دینار کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے ایسے ہی اگر کہا کہ مجھ پر فلاں کے سو درہم ہیں مگر ایک قفیز گیہوں تو سو درہم میں سے ایک قفیز گیہوں کی قیمت کم کر کے لازم ہوں گے کیونکہ ثمنیت کے اعتبار سے دونوں ایک جنس ہیں مذکورہ مسئلہ شیخین کے نزدیک ہے۔

(۱۱۰۷/۱۸) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِائَةٌ وَدِرْهَمٌ فَالْمِائَةُ كُلُّهَا دَرَاهِمُ.

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر سو اور درہم ہیں تو پورے ایک سو درہم لازم ہوں گے۔

تشریح: اصل میں حرف عطف کے ساتھ جو درہم ہے وہ سو کی تفسیر ہے کہ پہلے جو سو بولا ہے وہ درہم ہی ہیں کوئی اور چیز نہیں ہے اس لئے اس تفسیر کی وجہ سے پورے سو درہم لازم ہوں گے عام طور پر لفظ درہم مأۃ کا بیان ہوتا ہے کیونکہ لوگ لفظ درہم کو دوبار بولنا ثقیل جانتے ہیں اور صرف ایک بار ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ ان چیزوں میں ہوتا ہے جو کثیر الاستعمال ہوں اور کثرت استعمال کا تحقق اس وقت ہوتا ہے جب کثرت اسباب کی وجہ سے وجوب فی الذمہ بکثرت ہو جیسے دراہم دنانیر۔ (اللباب ۲/۲۲)

(۱۱۰۸/۱۹) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ مِائَةٌ وَثَوْبٌ لَزِمَهٗ ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَالْمَرْجِعُ فِیْ تَفْسِیْرِ الْمِائَةِ اِلَیْهِ.

ترجمہ: اگر کہے کہ فلاں کے مجھ پر سو اور کپڑا ہے تو اس پر ایک کپڑا لازم ہوگا اور رجوع کیا جائے گا سو کی تفسیر میں مقر کی طرف۔

تشریح: اس صورت میں بھی کپڑے کا عطف سو پر ہے اور معطوف معطوف علیہ سے الگ ہوتا ہے اس لئے

کپڑا سو سے الگ ہونا چاہئے اور عام استعمال میں سو بول کر درہم اور دینار تو مراد لیتے ہیں کپڑا مراد نہیں لیتے اس لئے کپڑا سو کی تفسیر نہیں بن سکے گا۔ اس وجہ سے ایک کپڑا لازم ہوگا اور سو کے بارے میں مقر سے پوچھا جائے گا جو وہ کہے گا وہی لازم ہوگا۔

(۲۰/۱۱۰۹) وَمَنْ اَقَرَّ بِحَقٍّ وَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلاً بِاِقْرَارِهٖ لَمْ يَلْزَمْهُ الْاِقْرَارُ.

ترجمہ: جس نے اقرار کیا کسی حق کا اور کہہ دیا ان شاء اللہ اپنے اقرار کے ساتھ ہی تو اس کو اقرار لازم نہ ہوگا۔

تشریح: اگر مقر کسی کے حق کا اقرار کرتا ہے اور ساتھ ہی انشاء اللہ کہتا ہے تو اقرار باطل ہو جائے گا مقر پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے اقرار کو اللہ کے چاہنے پر معلق کیا اور اللہ کا چاہنا معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ اللہ کیا چاہتے ہیں اس لئے اقرار باطل ہو جائے گا اور اقرار کا صرف وعدہ ہوگا جس کا اعتبار نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اقرار کے ساتھ متصلاً ان شاء اللہ کہہ دے اگر منفصل کر کے کہا تو اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا اور اقرار واجب ہوگا۔

(۲۱/۱۱۱۰) وَمَنْ اَقَرَّ وَشَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهٖ لَزِمَهُ الْاِقْرَارُ وَبَطَلَ الْخِيَارُ.

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا اور اپنے لئے خیار شرط لیا تو اس کو اقرار لازم ہوگا، اور خیار باطل ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے اقرار کیا کہ فلاں کے مجھ پر ایک ہزار روپئے ہیں لیکن مجھ کو تین دن تک سوچنے اور غور وفکر کا موقع دیں کہ میں اقرار کروں یا نہ کروں تو اقرار کے مطابق ایک ہزار روپئے دینے پڑیں گے اور اقرار کرے یا نہ کرے اس کے لئے تین دن تک سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔

دلیل: اقرار کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ واقعتاً اس پر قرض ہے جس کا ادا کرنا واجب ہے اور سوچنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دین نہیں ہے صرف احسان کرتے ہوئے میں سوچ کر اس کا اقرار کروں گا تو پہلے اقرار کی نفی ہوگی اور پہلے گزر چکا ہے کہ اقرار کے بعد رجوع نہیں کر سکتا۔

(۲۲/۱۱۱۱) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَارٍ وَاسْتَثْنٰى بِنَاءَهَا لِنَفْسِهٖ فَلِلْمُقَرِّ لَهُ الدَّارُ وَالْبِنَاءُ جَمِيْعاً.

ترجمہ: جس نے اقرار کیا مکان کا اور استثناء کیا اس کی عمارت کا اپنے لئے تو مقر لہ کے لئے گھر اور عمارت سب ہوں گے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ اقرار میں جو جو چیزیں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا استثناء صحیح نہیں ہے اس قاعدہ کی روشنی میں مسئلہ ملاحظہ فرمائیں، عمارت ہی کا نام گھر ہے عمارت نہ ہو تو اس جگہ کو گھر کیسے کہیں گے اس لئے عمارت کا اپنے لئے استثناء کر لیا تو گویا کہ گھر ہی کا انکار کر رہا ہے اس لئے استثناء باطل ہوگا گھر اور عمارت دونوں مقر لہ کے لئے ہوں

گے۔ یہ مسئلہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ انگوٹھی کا کسی کے لئے اقرار کیا اور نگ کا استثناء کرے تو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نگ انگوٹھی کا بنیادی جزو ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۴۹۰)

(۱۱۱۲/۲۳) وَاِنْ قَالَ بِنَاءُ هٰذِهِ الدَّارِ لِیْ وَالْعَرْصَةُ لِفُلَانٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ.

حل لغت: العرصة گھر کا صحن، وہ جگہ جس میں کوئی عمارت نہ ہو جمع عِرَاصٌ اَعْرَاصٌ عَرَصَاتٌ.

ترجمہ: اگر کہے کہ اس گھر کی عمارت میرے لئے ہے اور صحن فلاں کے لئے تو یہ اس کے قول کے مطابق ہوگا۔

تشریح: اس طرح کہا کہ گھر کی عمارت میرے لئے اور صحن فلاں کے لئے ہے تو گھر کی عمارت مقر کے لئے اور صحن مقر لہ کے لئے ہوگا۔ کیونکہ گھر کی عمارت الگ چیز ہے اور صحن الگ چیز ہے صحن عمارت کا بنیادی جز نہیں ہے اس لئے یوں نہیں کہا جائے گا کہ مقر نے صحن کے اقرار سے رجوع کیا۔

(۱۱۱۳/۲۴) وَمَنْ اَقَرَّ بِتَمْرٍ فِیْ قَوْصَرَّةٍ لَزِمَهُ التَّمْرُ وَالْقَوْصَرَّةُ.

حل لغات: تمر: کھجور، قوصرة: ٹوکری جس میں کھجور وغیرہ رکھی جاتی ہیں، کھجور کی ٹوکری اس وقت تک کہیں گے جب تک اس میں کھجور ہوں ورنہ اس کے معنی زنبیل (تھیلا) کے آتے ہیں۔

ترجمہ: جس نے اقرار کیا کھجور کا ٹوکری میں لازم ہوگی اس کو کھجور اور ٹوکری۔

اقرار کے متفرق مسائل کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ مجھ پر فلاں کیلئے کھجور ٹوکری میں واجب ہیں تو اس صورت میں دونوں چیزیں لازم ہوں گی۔ اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ظرف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اور اس کو منتقل کرنا ممکن ہو تو ایسی چیز کے اقرار میں ظرف اور مظروف دونوں لازم ہوتے ہیں۔ جیسے کھجور کا اقرار ٹوکری میں۔

(۱۱۱۴/۲۵) وَمَنْ اَقَرَّ بِدَابَّةٍ فِیْ اِصْطَبْلٍ لَزِمَهُ الدَّابَّةُ خَاصَّةً.

حل لغت: اصطبل گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ۔

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا گھوڑے کا اصطبل میں تو لازم ہوگا اس کو صرف گھوڑا

تشریح: گھوڑے کے ساتھ اصطبل منتقل نہیں ہوتا بلکہ صرف گھوڑا منتقل ہوتا ہے اس لئے جب کہا کہ گھوڑے کو اصطبل میں غصب کیا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ صرف گھوڑا غصب کیا اور اپنے گھر لایا اور اصطبل اپنی جگہ ہی رہا اس کو غصب نہیں کیا اس وجہ سے صرف گھوڑا واپس کرنا لازم ہوگا۔ مگر امام محمد کے نزدیک دونوں چیزیں لازم ہوں گے۔ یعنی

جانوراوراصطبل۔

(۱۱۱۵/۲۶) وَاِنْ قَالَ غَصَبْتُ ثَوْباً فِيْ مِنْدِيْلٍ لَزِمَاهُ جَمِيْعاً.

ترجمہ: اگر کہے کہ میں نے غصب کیا کپڑا رومال میں تو اس کو دونوں لازم ہوں گے۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کپڑا رومال میں لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو غصب کیا یہاں ظرف اور مظروف ایک ساتھ ہیں اس لئے دونوں دینے لازم ہوں گے۔

(۱۱۱۶/۲۷) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ ثَوْبٌ فِيْ ثَوْبٍ لَزِمَاهُ جَمِيْعاً.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو دونوں لازم ہوں گے۔

تشریح: جب کہا مجھ پر کپڑا ہے کپڑے میں تو ایک کپڑا ظرف ہوا اور دوسرا کپڑا مظروف ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ ایک کپڑا دوسرے کپڑے میں لپٹا ہوا تھا اس حال میں دونوں کو لیا ہے اس لئے دونوں کپڑے لازم ہوں گے۔

(۱۱۱۷/۲۸) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَيَّ ثَوْبٌ فِيْ عَشَرَةِ اَثْوَابٍ لَمْ يَلْزَمْهُ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَلْزَمُهٗ اَحَدَ عَشَرَ ثَوْباً.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کا مجھ پر ایک کپڑا ہے دس کپڑوں میں تو نہیں لازم ہے اس پر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مگر ایک کپڑا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ لازم ہوں گے اس پر گیارہ کپڑے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اس بات کا اقرار کیا کہ میرے ذمہ دس کپڑوں کے اندر فلاں کا کپڑا ہے تو شیخین کے نزدیک صرف ایک کپڑا لازم ہوگا اور امام محمد کے نزدیک گیارہ کپڑے لازم ہوں گے۔

شیخین کی دلیل: عام طور سے ایک کپڑا دس کپڑوں میں لپیٹ کر نہیں رکھا جاتا ہے اس لئے دس کپڑے ایک کپڑے کا ظرف نہیں بنیں گے۔ فتوی اسی قول پر ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل: اگر ریشم کا قیمتی کپڑا ہو تو دس کپڑوں میں لپیٹ کر رکھتے ہیں اس لئے ایک کپڑے کے لئے دس کپڑے ظرف بن سکتے ہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب (۲/۲۳)

(۱۱۱۸/۲۹) وَمَنْ اَقَرَّ بِغَصَبِ ثَوْبٍ وَجَاءَ بِثَوْبٍ مَعِيْبٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ فِيْهِ مَعَ يَمِيْنِهٖ.

حل لغت: معیب، عیب دار، یہ ثوب کی صفت ہے۔

ترجمہ: جس نے اقرار کیا کپڑا غصب کرنے کا پھر لایا ایک عیب دار کپڑا تو اس میں مقر کی بات مانی جائیگی۔ قسم کے ساتھ۔

تشریح: ایک شخص نے اقرار کیا کہ میں نے زید کا کپڑا غصب کیا ہے اس کے بعد ایک عیب دار کپڑا لے کر آیا کہ یہ غصب کیا ہے اور مقرلہ کے پاس اس کے خلاف کوئی گواہ نہیں ہے تو قسم کے ساتھ مقر کا قول معتبر ہوگا۔ اور وہی عیب دار کپڑا مقرلہ کو قبول کرنا پڑے گا۔

دلیل: لفظ کپڑا عام ہے عیب دار اور صحیح دونوں کو شامل ہے اس لئے عیب دار کے اقرار سے انکار نہیں ہوا اور مقرلہ کے پاس اس کے خلاف کوئی گواہ نہیں ہے۔

اس لئے مقر کی بات مان لی جائے گی لیکن چونکہ منکر ہے اس لئے قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

(۱۱۱۹/۳۰) وَكَذَالِكَ لَوْ اَقَرَّ بِدَارَاهِمَ وَقَالَ هِيَ زُيُوْفٌ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر اقرار کیا دراہم کا اور کہا کہ وہ کھوٹے ہیں۔

تشریح: زید نے اقرار کیا کہ عمر کے مجھ پر پچاس درہم ہیں بعد میں کہنے لگا کہ وہ کھوٹے ہیں تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی کیونکہ درہم تو دونوں ہی قسم کے ہوتے ہیں کھرے بھی اور کھوٹے بھی۔

(۱۱۲۰/۳۱) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ خَمْسَةٌ فِيْ خَمْسَةٍ يُرِيْدُ بِهِ الضَّرْبَ وَالْحِسَابَ لَزِمَهُ خَمْسَةٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: اگر کہا فلاں کے مجھ پر پانچ ہیں پانچ میں مراد لیتا ہے اس سے ضرب اور حساب تو اس پر صرف پانچ لازم ہوں گے۔

تشریح: اس عبارت کے تین مطلب ہیں اور تین حکم ہیں۔

(۱) پانچ کو پانچ میں ضرب دیا جائے اور یہی مراد لیا جائے تو پچیس لازم ہوں گے حسن بن زیاد کا یہی قول ہے ایک قول امام احمدؒ وامام مالکؒ کا بھی یہی ہے۔ کما قال العلامة بدر الدين عيني.

(۲) فی کو مع کے معنی میں لیا جائے تو دس لازم ہوں گے یہی احناف کا مذہب ہے۔

(۳) پانچ کو پانچ میں ضرب دے کر اس کے اجزاء اور ٹکڑے بڑھائے جائیں۔ چنانچہ خمسة في خمسة کا مطلب یہ ہوا کہ پانچوں میں سے ہر ایک کے پانچ پانچ جزء ہیں اس صورت میں عدد تو پانچ ہی رہیں گے البتہ ان کے اجزاء پچیس ہو جائیں گے یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ صاحب قدوری نے یہی مطلب اختیار کیا ہے اور پانچ ہی لازم کئے ہیں۔

(۱۱۲۱/۳۲) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ خَمْسَةً مَعَ خَمْسَةٍ لَزِمَهُ عَشْرَةٌ.

ترجمہ: اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ارادہ کیا ہے پانچ کا پانچ کیساتھ تو دس لازم ہوں گے۔

تشریح: مقر نے فی کو مع کے معنی میں لیا اور اس سے نیت جمع کی کی تو دس درہم لازم ہوں گے۔

(۳۳/۱۱۲۲) وَاِذَا قَالَ لَهُ عَلَيَّ مِنْ دِرْهَمٍ اِلٰى عَشَرَةٍ لَزِمَهُ تِسْعَةٌ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَلْزَمُهُ الْاِبْتِدَاءُ وَمَا بَعْدَهُ وَيَسْقُطُ الْغَايَةُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَلْزَمُهُ الْعَشَرَةُ كُلُّهَا.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک درہم سے دس تک ہیں تو لازم ہوں گے اس پر نو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یعنی ابتداء اور اس کا مابعد لازم ہوگا اور غایت ساقط ہوگی اور صاحبینؒ نے فرمایا لازم ہوں گے اس پر دس۔

تشریح: ایک شخص نے اس بات کا اقرار کیا کہ میرے ذمہ فلاں کے ایک درہم سے دس درہم تک ہیں تو امام صاحب کے نزدیک نو دراہم لازم ہوں گے دس لازم نہیں ہوں گے امام شافعیؒ کا ایک قول امام مالک کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

دلیل: تعداد میں ابتداء شامل ہوتی ہے اور درمیان والے عدد شامل ہوتے ہیں لیکن آخری عدد جو غایت ہے وہ شامل نہیں ہوتا مسئلہ مذکورہ میں دس آخری عدد ہیں اس لئے وہ شامل نہیں ہوگا جیسے لوگ کہتے ہیں کہ میری عمر چالیس سے پچاس تک ہے تو پچاس شامل نہیں ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ اس کی عمر انچاس سال کی مانی جاتی ہے۔

دوسرا مذہب

صاحبین کے نزدیک کل دس دراہم لازم ہوں گے یعنی ابتداء اور انتہاء دونوں داخل ہوں گے۔ امام مالک کی ایک روایت اور امام شافعی کا قول بھی اسی طرح ہے۔

دلیل: دونوں حدوں کا موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ امر وجود کے لئے معدوم شئی حد نہیں ہوسکتی۔

تیسرا مذہب: امام زفرؒ کے نزدیک صرف آٹھ دراہم لازم ہوں گے ان کے نزدیک ابتداء اور انتہاء دونوں ساقط۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۴۸۷)

(۳۴/۱۱۲۳) وَاِنْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ اِشْتَرَيْتُهُ مِنْهُ وَلَمْ اَقْبِضْهُ فَاِنْ ذَكَرَ عَبْدًا بِعَيْنِهٖ قِيْلَ لِلْمُقَرِّ لَهُ اِنْ شِئْتَ فَسَلِّمِ الْعَبْدَ وَخُذِ الْاَلْفَ وَاِلَّا فَلَا شَيْءَ لَكَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اس غلام کی قیمت کے جو میں نے اس سے خریدا ہے لیکن قبضہ نہیں کیا پھر اگر وہ متعین غلام کا ذکر کرے تو مقرلہ سے کہا جائے گا اگر چاہے تو غلام سپرد کر اور ہزار لے لے ورنہ تیرا اس پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ اگر اقرار کسی شرط کے ساتھ ہے تو شرط پوری کرنے پر اقرار کو جاری کیا جائے گا اب صورت مسئلہ سمجھئے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں لیکن وہ متعین غلام کی وجہ سے ہیں جس کو میں نے اس سے خریدا تھا اور ابھی تک میں نے غلام پر قبضہ نہیں کیا ہے اس صورت میں مقرلہ سے کہا جائے گا کہ اگر غلام مقر کے

حوالہ کرو گے تو ہزار درہم ملیں گے اور اگر غلام نہیں دو گے تو ہزار درہم نہیں ملیں گے چونکہ یہاں غلام کے بدلے میں ہزار ہیں اس لئے غلام دے گا تو ہزار لینے کا حقدار ہوگا ورنہ نہیں یہاں متعین غلام کی بیع ہے۔

(۱۱۲۴/۳۵) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ وَلَمْ یُعَیِّنْهُ لَزِمَهُ الْاَلْفُ فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں غلام کی قیمت کے اور اس کو متعین نہیں کیا تو لازم ہوں گے اس کو ہزار امام ابوحنیفہ کے قول میں۔

تشریح: زید نے اقرار کیا کہ خالد کے مجھ پر ہزار درہم ہیں اور وہ غلام کی قیمت کے ہیں لیکن متعین غلام نہیں ہے تو غلام کو حوالہ کئے بغیر ہی زید پر ہزار درہم لازم ہوں گے خواہ اس نے لم اقبضہ متصلاً کہا ہو یا منفصلاً امام ابوحنیفہؒ امام زفرؒ اور حسن بن زیادؒ اسی کے قائل ہیں۔

دلیل: چونکہ غلام متعین نہیں ہے اس لئے بیع نہیں ہوئی لہٰذا غلام حوالہ کرنا لازم نہیں ہے اور زید اقرار کر چکا ہے کہ مجھ پر ہزار ہیں اس لئے غلام کے بدلے کی قید ہزار درہم کے اقرار سے رجوع کرنا سمجھا جائے گا اور بعد اقرار رجوع درست نہیں ہے۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مقر نے دراہم کے اقرار کے بعد لم اقبضہ متصلاً کہا ہے تو اس کے بیان کی تصدیق کی جائے گی اور مال لازم نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے منفصلاً کہا ہے تو مقر کے کلام کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ (عینی ۳/۴۹۲)

(۱۱۲۵/۳۶) وَلَوْ قَالَ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ لَزِمَهُ الْاَلْفُ وَلَمْ یُقْبَلْ تَفْسِیْرُهٗ.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں شراب یا خنزیر کی قیمت کے تو اس پر ہزار لازم ہوں گے اور اس کی تفسیر قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اس بات کا اقرار کیا کہ فلاں کے میرے ذمہ شراب یا خنزیر کی قیمت کے ایک ہزار دراہم ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مقر پر ایک ہزار دراہم لازم ہوں گے اور مقر کا، من ثمن خمر او خنزیر سے تفسیر کرنا معتبر نہ ہوگا خواہ اس کی تفسیر متصلاً ہو یا منفصلاً کیونکہ کلمہ علی وجوب پر دال ہے اور مقر کا شراب یا خنزیر کی قیمت سے تفسیر کرنا گویا اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے جو درست نہیں۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر اس کے تفسیری کلام میں اتصال ہے تو کچھ واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے تفسیری کلام سے یہ باور کرا دیا کہ میرا مقصد ایجاب دراہم نہیں ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۲/۲۴)

(۱۱۲۶/۳۷) وَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلَیَّ اَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ وَهِیَ زُیُوْفٌ فَقَالَ الْمُقَرُّ لَهٗ جِیَادٌ لَزِمَهُ الْجِیَادُ

فِی قَوْلِ اَبِی حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَقَالَ اَبُوْیُوْسُف وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ قَالَ ذٰلِكَ مَوْصُوْلًا صُدِقَ وَاِنْ قَالَهُ مَفْصُوْلًا لَا یُصَدَّقُ۔

حل لغات: متاع سامان زیوف زیف کی جمع ہے وہ درہم جسے تاجر لوگ لے لیں اور بیت المال نہ لے۔ جیاد کھرے۔

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کے مجھ پر ہزار ہیں سامان کی قیمت کے اور وہ کھوٹے ہیں مقرلہ نے کہا کہ وہ کھرے ہیں تو کھرے ہی لازم ہوں گے امام ابوحنیفہ کے قول میں اور صاحبین نے فرمایا اگر اس نے یہ متصلاً کہا تو تصدیق کی جائے گی اور منفصلاً کہا تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح: مذکورہ مسئلہ میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف کی بنیاد یہ قاعدہ ہے کہ لفظ درہم کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے یا نہیں۔ صاحبین کے نزدیک دونوں کو شامل ہے اور امام صاحب کے نزدیک کھرے متعین ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں سامان کی قیمت کے لیکن وہ ہزار درہم کھوٹے ہیں کھرے نہیں ہیں اور مقرلہ کہتا ہے کہ وہ کھرے ہیں تو امام صاحب کے نزدیک ہزار درہم کھرے ہی لازم ہوں گے چونکہ عام طور سے سامان کی قیمت کھرے ہی لازم ہوتے ہیں اس لئے مقر کا یہ کہنا کہ وہ کھوٹے ہیں اپنے اقرار سے رجوع کرنا ہے جو درست نہیں صاحبین فرماتے ہیں کہ سامان کی قیمت دونوں طرح ہوتی ہے اس لئے اول اقرار عام ہے کھرے اور کھوٹے دونوں کو شامل ہے مقر ایک رخ کھوٹے کو متعین کر رہا ہے تو یہ اپنے اقرار سے رجوع نہیں ہے اس لئے کھوٹے درہم لازم ہوں گے لیکن شرط یہ ہے کہ کلام کے ساتھ متصل کر کے کھوٹے کا لفظ بولا ہو کیونکہ اگر منفصلاً بولا تو پہلے اقرار سے رجوع شمار کیا جائے گا اور کھوٹے لازم نہیں ہوں گے بلکہ کھرے ہی لازم ہوں گے۔

(۱۱۲۷/۳۸) وَمَنْ اَقَرَّ لِغَیْرِهٖ بِخَاتَمٍ فَلَهُ الْحَلْقَةُ وَالْفَصُّ۔

حل لغات: خاتم انگوٹھی جمع خواتم، الفص نگینہ قیمتی پتھر یا شیشہ۔

ترجمہ: جس نے اقرار کیا دوسرے کے لئے انگوٹھی کا تو اس کے لئے حلقہ اور نگینہ دونوں ہوں گے۔

تشریح: حلقہ اور نگینہ دونوں کے مجموعے کا نام انگوٹھی ہے اور دونوں انگوٹھی کی بنیادی چیز ہیں اس لئے انگوٹھی کے اقرار میں دونوں چیزیں خود بخود شامل ہو جائیں گی۔ اور پوری انگوٹھی مع نگینہ کے مقرلہ کے لئے ہوگی۔ (عینی ۲۸۵/۳)

(۱۱۲۸/۳۹) وَاِنْ اَقَرَّ لَهُ بِسَیْفٍ فَلَهُ النَّصْلُ وَالْجَفْنُ وَالْحَمَائِلُ۔

حل لغات: سیف تلوار جمع سیوف، النصل پھلکا لوہے والا حصہ جمع نِصالٌ، الجفن نیام تلوار خنجر وغیرہ رکھنے کا خانہ جمع اجفان. الحمائل واحد حِمالة پرتلہ چمڑے کی وہ پٹی جس میں تلوار لٹکاتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر اقرار کیا کسی کے لئے تلوار کا تو اس کیلئے پھل نیام اور پرتلہ تینوں ہوں گے۔

تشریح: تلوار کے لئے اسکا پھل (لوہے والا آگے کا حصہ) بنیادی جز ہے۔ میان جس میں تلوار رکھی جاتی ہے یہ بنیادی جز تو نہیں ہے لیکن تلوار بغیر میان کے نہیں رکھی جا سکتی اس لئے یہ بھی جز کے مانند ہو گیا اور پرتلہ کے بغیر تلوار لٹکانا مشکل ہے اس لئے یہ بھی تلوار کے جز کی طرح ہے اس لئے جب کسی کے لئے تلوار کا اقرار کیا تو تینوں چیزیں مقرلہ کے لئے ہوں گی۔

(۱۱۲۹/۴۰) وَاِنْ اَقَرَّ لَہٗ بِحَجَلَۃٍ فَلَہٗ الْعِیْدَانُ وَالْکِسْوَۃُ.

حل لغات: حجلۃ حاء اور جیم کے فتحہ کے ساتھ، ایک قسم کی گول پالکی، مکان کے اندر دولہن کے لئے ڈالا ہوا پردہ دولہن کے لئے آراستہ کیا ہوا کمرہ جمع حجال۔ العیدان تثنیہ ہے واحد عود لکڑی الکسوۃ پردہ مراد ہے۔

ترجمہ: اگر اقرار کیا کسی کے لئے ڈولہ کا تو اس کے لئے لکڑیاں اور پردہ ہوگا۔

تشریح: دولہن کے لے جانے کا جو ڈولہ ہوتا ہے وہ لکڑی اور پردہ دونوں کا مجموعہ ہوتا ہے اس لئے لکڑی اور کپڑا دونوں اقرار میں شامل ہوں گے۔

(۱۱۳۰/۴۱) وَاِنْ قَالَ لِحَمْلِ فُلَانَۃٍ عَلَیَّ اَلْفُ دِرْھَمٍ فَاِنْ قَالَ اَوْصٰی لَہٗ فُلَانٌ اَوْ مَاتَ اَبُوْہُ فَوَرِثَہٗ فَالْاِقْرَارُ صَحِیْحٌ.

ترجمہ: اگر کہا کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں چنانچہ اگر کہا کہ فلاں نے اس کے لئے وصیت کی تھی یا اس کا باپ مر گیا جس کا وہ وارث ہے تو اقرار صحیح ہے۔

تشریح: ایک شخص یوں کہتا ہے کہ فلاں کے حمل کے مجھ پر ایک ہزار درہم ہیں تو اس قول کے چار مطلب ہوئے دو مطلب عبارت میں موجود ہے اور مزید دو صاحب اللباب نے بیان کئے ہیں۔ میں اولاً وہی مطلب بیان کرتا ہوں جو صاحب اللباب نے ذکر کئے ہیں۔

(۱) حمل نے مجھ سے خرید و فروخت کی ہے اس لئے اس کے ایک ہزار درہم ہیں یہ اقرار باطل ہے کیونکہ پیٹ کا بچہ خرید و فروخت کیسے کرے گا اس لئے اقرار باطل اور حمل کا مقر پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۲/۲۵)

(۲) حمل نے قرض دیا ہے یہ اقرار بھی باطل ہے۔ اللباب فی شرح الالکتاب ۲/۲۵ ص

(۳) فلاں آدمی نے اس حمل کیلئے وصیت کی ہے اور اس وصیت کے ہزار درہم میرے پاس ہیں تو اقرار درست ہوگا۔

(۴) حمل کے والد یا اسکے قریبی رشتہ دار کا انتقال ہو گیا ہے اور اسکی وراثت میں حمل کو جو رقم ملی تھی وہ ایک ہزار رقم

میرے پاس ہے یہ مطلب بھی درست ہے اور اقرار درست ہے آخری دو مطلب صاحب قدوری نے نقل فرمائے ہیں۔

(۴۲/۱۱۳۱) وان وَإنْ اَبْهَمَ الْإِقْرَارَ لَمْ يَصِحَّ عِنْدَ اَبِیْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی يَصِحُّ.

ترجمہ: اور اگر اقرار کو مبہم رکھا تو صحیح نہیں امام یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا درست ہے۔

تشریح: ایک شخص نے اقرار کیا کہ فلاں عورت کے حمل کے مجھ پر ہزار درہم ہیں کس طرح حمل کے ہزار درہم اسکے ذمہ آئے؟ حمل تو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔ اگر مقر اس کی وضاحت نہ کرے تو حمل کے ہزار درہم کسی کے ذمہ ہونا ناممکن ہے اس لئے امام ابو یوسف کے نزدیک اقرار باطل ہوگا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عاقل بالغ آدمی نے اقرار کیا اس لئے اس جملہ کا صحیح رخ نکالا جائے گا خواہ اس نے وضاحت نہ کی ہو پھر بھی یہی سمجھا جائے گا کہ کسی نے وصیت کی ہے یا کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر اس کو وراثت میں یہ رقم ملی ہے اور مقر کے پاس موجود ہے لہٰذا اقرار درست ہو جائے گا، امام احمدؒ و امام شافعی کا اصح قول بھی یہی ہے۔ (عینی ۳/ ۴۸۷، اللباب ۲/ ۲۵، الجوہرۃ ۱/ ۳۱۱)

(۴۳/۱۱۳۲) وَإنْ اَقَرَّ بِحَمْلِ جَارِيَةٍ اَوْ حَمْلِ شَاةٍ لِرَجُلٍ صَحَّ الْإِقْرَارُ وَلَزِمَهُ.

ترجمہ: اگر اقرار کرے کسی باندی کے حمل کا یا کسی بکری کے حمل کا کسی آدمی کے لئے تو اقرار صحیح ہے اور مقر کو لازم ہوگا۔

تشریح: زید اقرار کرتا ہے کہ فلاں باندی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کیلئے ہے یا فلاں بکری کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ عمر کے لئے ہے تو یہ اقرار جائز ہے اور پیدائش کے بعد باندی کا بچہ اور بکری کا بچہ عمر کو دیدیئے جائیں گے۔

دلیل: ممکن ہے کہ باندی کا اصل مالک مر رہا ہو اور مرتے وقت یہ وصیت کی ہو کہ باندی تو ورثہ کے لئے ہے لیکن اس کے بچہ کی عمر کے لئے وصیت کرتا ہوں اور زید بھی ورثہ میں تھا اس لئے زید نے مورث کے مرنے کے بعد اقرار کیا کہ باندی یا بکری کے بچے عمر کے لئے ہیں اس لئے یہ اقرار صحیح ہے باطل نہیں ہے۔ عینی شرح ہدایہ ۳/ ۴۸۸)

(۴۴/۱۱۳۳) وَإذَا اَقَرَّ الرَّجُلُ فِیْ مَرَضِ مَوْتِهٖ بِدُيُوْنٍ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ فِیْ صِحَّتِهٖ وَدُيُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِیْ مَرَضِهٖ بِاَسْبَابٍ مَعْلُوْمَةٍ فَدَيْنُ الصِّحَّةِ وَالدَّيْنُ الْمَعْرُوْفُ بِالْاَسْبَابِ مُقَدَّمٌ فَإذَا قُضِيَتْ وَفَضَلَ شَیْءٌ مِنْهَا كَانَ فِيْمَا اَقَرَّ بِهٖ فِیْ حَالِ الْمَرَضِ وَإنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دُيُوْنٌ لَزِمَتْهُ فِیْ صِحَّتِهٖ جَازَ اِقْرَارُهُ.

ترجمہ: اگر اقرار کیا کسی آدمی نے اپنے مرض موت میں دیون کا حالانکہ اس پر کچھ دیون ہیں تندرسی کے زمانہ کے اور کچھ دیون ایسے ہیں جو اس کو لازم ہوئے ہیں اس کے مرض الموت میں اسباب معلومہ کے ذریعہ تو تندرستی و الے دیون اور اسباب معلومہ والے قرض مقدم ہوں گے جب وہ ادا کر دیئے جائیں اور کچھ مال بچ جائے تو صرف کیا جائے اس دین میں جس کا اقرار کیا اس نے مرض وفات میں اور اگر نہیں ہے اس پر ایسے دین جو لازم ہوں اس کی صحت

کے زمانہ میں تو جائز ہے اس کا اقرار۔

بیمار کے اقرار کا بیان

تشریح: ایک شخص مرض الموت میں مبتلا ہے اسی مرض میں اس کا انتقال ہو گیا تندرستی کے زمانہ میں کچھ قرض لئے وہ اس کے ذمہ تھے پھر مرض الموت کے زمانہ میں ایسے اسباب کے ذریعہ دین آئے جو لوگوں کو معلوم ہیں مثلاً کسی کا نقصان کردیا جس کی وجہ سے اس پر دین آیا یا مہر مثل میں شادی کی اس کی وجہ سے اس پر دین آیا اور دین کے یہ اسباب سب کو معلوم ہیں ان دونوں دینوں کی موجودگی میں مثلاً زید کے لئے اپنے اوپر دین کا اقرار کرتا ہے، جس کا سبب معلوم نہیں تو اقرار درست ہوگا۔ لیکن اس دین کی ادائیگی مال بچنے کے بعد کی جائے گی اولاً وہ دین ادا کئے جائیں گے جو تندرستی کے زمانہ میں لئے گئے ہیں یا مرض الموت کے زمانہ میں لئے گئے ہیں اور ان کے اسباب سب کو معلوم ہیں اس سے بچنے کے بعد اقرار کے دین ادا کئے جائیں گے۔

دلیل: مرض الموت کے زمانہ میں اسباب بتائے بغیر کسی کے لئے دین کا اقرار کرتا ہے تو اس بات کا قوی خطرہ ہے کہ دوسرے قرضخواہوں کو نقصان دینا چاہتا ہے تا کہ مقرلہٗ کو زیادہ مل جائے اور تندرستی کے زمانہ کے قرضخواہوں اور مرض الموت میں اسباب معروفہ کے قرضخواہوں کو کم ملے اس تہمت کے خطرہ کے پیش نظر مقرلہٗ کو بعد میں دین ملے گا۔ (اللباب ۲/۲۵، الجوہرۃ ۱/۳۱۲) پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر تندرستی کے زمانہ کا دین اس آدمی پر نہ ہو تو چونکہ کسی کو نقصان دینے کا شک وشبہ نہیں ہے اس لئے مرض الموت میں کسی کے لئے دین کا اقرار کر سکتا ہے۔

(۱۱۳۴/۴۵) وَكَانَ الْمُقَرُّ لَهٗ اَوْلٰى مِنَ الْوَرَثَةِ.

ترجمہ: اور مقرلہٗ اولیٰ (مقدم) ہے ورثہ سے۔

تشریح: جس کے لئے مرض الموت میں اقرار کیا ہے اس کو پہلے ملے گا اس سے بچے گا تب وارثین کو ملے گا۔

دلیل: حدیث میں ہے پہلے دین ادا کیا جائے گا پھر تہائی مال سے وصیت ادا کی جائے گی اس کے بعد جو بچے گا وہ وارثین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَاَنْتُمْ تَقْرَءُوْنَ الْوَصِيَّةَ قَبْلَ الدَّيْنِ. (ترمذی شریف ۲/۳۴)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین ادا کرنے کا فیصلہ کیا وصیت سے پہلے اور تم لوگ قرآن میں پڑھتے ہو وصیت کا تذکرہ دین سے پہلے۔

(۱۱۳۵/۴۶) وَاِقْرَارُ الْمَرِيْضِ لِوَارِثِهٖ بَاطِلٌ اِلَّا اَنْ يُّصَدِّقَهٗ فِيْهِ بَقِيَّةُ الْوَرَثَةِ.

ترجمہ: مریض کا اقرار اپنے وارث کے لئے باطل ہے مگر یہ کہ باقی ورثہ اس کی تصدیق کردیں۔

تشریح: مرنے والا اپنے مرض الموت میں کسی ایک وارث کے لئے اقرار کرے خواہ وصیت کا خواہ قرض کا تو یہ باطل ہے لیکن اگر باقی وارثین اس کی تصدیق کردیں تو درست ہے۔

دلیل: وارث کے لئے اقرار کا باطل ہونا باقی ورثہ کے نقصان کی وجہ سے ہے کہ اس سے ان کا حق باطل ہوتا ہے لیکن باقی ورثہ نقصان برداشت کریں اور تصدیق کریں کہ مورث کا اقرار ٹھیک ہے تو اقرار درست ہوگا اور مقرلہ کو مال دیا جائے گا۔ (اللباب ۲/۲۶)

(۱۱۳۶/۴۷) وَمَنْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيّ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ ثُمَّ قَالَ هُوَ اِبْنِي ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَبَطَلَ اِقْرَارُهُ لَهُ.

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا اجنبی کے لئے اپنے مرض الموت میں پھر کہا وہ میرا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور اس کے لئے اقرار کرنا باطل ہوجائے گا۔

تشریح: ایک شخص نے مرض الموت میں کسی اجنبی کے لئے اقرار کیا کہ مجھ پر اس کا قرض ہے پھر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اور اقرار باطل ہوجائے گا۔ بشرطیکہ وہ اجنبی ثابت النسب نہ ہو اور اس جیسے آدمی کا مقر کا بیٹا بننا ممکن ہو اور وہ مقر کی تصدیق کرے اور تصدیق کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو (لڑکا بول سکتا ہو اور بول کر تصدیق کردے کہ میں اس کا لڑکا ہوں)

دلیل: نسب کا دعویٰ ابتداءً پیدائش کی طرف منسوب ہوتا ہے جب نسب ثابت ہوگیا تو وہ بچپنے سے وارث ہوگیا اور ابھی مسئلہ نمبر ۴۶ میں گذرا کہ وارث کے لئے اقرار نہیں کرسکتا اس لئے جو اقرار اجنبی کے لئے کیا تھا وہ بیٹا بننے کی وجہ سے باطل ہوگیا اب اس کو بیٹا ہونے کی وجہ سے مقر کی وراثت ملے گی۔ (اللباب ۲/۲۶)

(۱۱۳۷/۴۸) وَلَوْ اَقَرَّ لِاَجْنَبِيَّةٍ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَبْطُلْ اِقْرَارُهُ لَهَا.

ترجمہ: اگر اقرار کیا کسی اجنبی عورت کیلئے پھر اس سے شادی کرلی تو عورت کیلئے اقرار باطل نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر مریض کسی اجنبیہ عورت کے لئے اقرار کرنے کے بعد اس سے نکاح کرلے پھر بھی اس عورت کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔

دلیل: جس وقت عورت کے لئے اقرار کیا تھا اس وقت وہ اجنبی تھی وہ بیوی بن کر وارث نہیں بنی تھی وارث تو شادی کے بعد بنی ہے اس وجہ سے اس کے لئے جو اقرار کیا تھا وہ باطل نہیں ہوگا۔

(۱۱۳۸/۴۹) وَمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ ثَلاثاً ثُمَّ اَقَرَّ لَهَا بِدَيْنٍ وَمَاتَ فَلَهَا الْاَقَلُّ مِنَ الدَّيْنِ وَمِنْ مِيْرَاثِهَا مِنْهُ.

ترجمہ: جس نے طلاق دی اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں تین پھر اقرار کیا اس کے لئے دین کا اور مرگیا

تو عورت کے لئے دین اور شوہر سے میراث میں سے جو کم ہے وہ ملے گا۔

تشریح: ایک شخص نے اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں تین طلاقیں دیں ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ اس کے لئے اقرار کیا کہ اس کے مجھ پر دو ہزار روپے قرض ہیں پھر اس آدمی کا انتقال ہو گیا تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ عورت کو شوہر کی وراثت میں کم ملتا ہے یا اقرار میں، جس میں کم ملے گا وہی رقم عورت کو دی جائے گی مثلاً وراثت میں ایک ہزار روپے ملتے تھے تو وراثت ملے گی کیونکہ اقرار میں دو ہزار ملنے والے تھے جو زیادہ ہیں۔

دلیل: اس میں یہ تہمت ہے کہ شوہر بیوی کے لئے اچھی خاصی رقم دین کا اقرار کرنا چاہتا تھا مگر وارث ہونے کی وجہ سے ہچکچا رہا تھا اس لئے بیوی کو طلاق دے کر پہلے اجنبیہ بنایا پھر اس کے لئے اچھی خاصی رقم کا اقرار کیا اس تہمت کی وجہ سے اور باقی ورثہ کو نقصان سے بچانے کے لئے وراثت اور اقرار میں سے جو کمتر ہو گا وہ رقم بیوی کو ملے گی۔

تنبیہ: قدوری کی عبارت میں ثلاثا کی قید احترازی ہے کیونکہ ایک یا دو طلاق دینے کی صورت میں تو وہ اس کی بیوی رہتی ہی ہے۔ مذکورہ مسئلہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شوہر کا انتقال عدت کے دوران ہی ہوا ہو اگر عدت کے پورا ہونے کے بعد ہوا تو جو کچھ اقرار کیا وہ سب ملے گا اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ شوہر نے عورت کی طلب پر طلاق دی ہو اگر طلاق بلا طلب ہو تو عورت کو میراث ملے گی اور اس کے لئے اقرار درست نہ ہوگا۔ (ماخوذ، اللباب فی شرح الکتاب ۲/۲۶)

(۱۱۳۹/۵۰) وَمَنْ اَقَرَّ بِغُلَامٍ يُوْلَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ وَ لَيْسَ لَهُ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ اَنَّهُ اِبْنُهُ وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَاِنْ كَانَ مَرِيْضاً وَيُشَارِكُ الْوَرَثَةَ فِي الْمِيْرَاثِ.

ترجمہ: جس نے اقرار کیا کسی ایسے لڑکے کے بارے میں کہ اس جیسا لڑکا اس جیسے آدمی کے یہاں پیدا ہو سکتا ہے اور اس کا کوئی نسب معلوم نہیں ہے (کہا) کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کر دی تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اگر چہ وہ (مقر) بیمار ہو اور شریک ہو گا ورثہ کے ساتھ میراث میں۔

اقرار نسب کا بیان

تشریح: ایک ایسا لڑکا ہے جس کا نسب معلوم نہیں اور ایک بڑے آدمی نے جس سے اس قسم کا لڑکا پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور لڑکا بول سکتا تھا اس لئے اس نے بھی تصدیق کی کہ میں اس کا لڑکا ہوں تو اس لڑکے کا نسب اس آدمی سے ثابت ہو جائے گا چاہے یہ آدمی مرض الموت میں ہی کیوں نہ مبتلا ہو اور باپ کے مرنے پر جس طرح اور وارثوں کو وراثت ملے گی ایسے ہی اس بیٹے کو بھی وراثت ملے گی۔

فوائد قیود

(۱) **یولد مثله لمثله** یعنی لڑکا اس عمر کا ہو کہ اس آدمی کا بیٹا بن سکتا ہو اس لئے کہا کہ اگر لڑکے کی عمر پندرہ سال

ہو اور باپ کی عمر بیس سال ہو تو کیسے یہ لڑکا اس کا بیٹا بنے گا یہ تو ظاہر کے لحاظ سے جھوٹ ہو جائے گا اس لئے قید لگائی۔

(۲) **لیس له نسب معروف** یعنی لڑکے کا نسب معلوم نہ ہو اس لئے کہا کہ اگر لڑکا ثابت النسب ہوگا تو مقر سے نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ ایک بیٹا دو آدمیوں کا نہیں ہو سکتا۔

(۳) **صدقه الغلام** یعنی بچہ اس کی تصدیق بھی کر دے کہ میں اس کا بیٹا ہوں اس لئے کہا کہ جب لڑکا بول سکتا ہے تو کسی سے نسب ثابت کرنا اس کا ذاتی حق ہے اگر لڑکا بیٹا ہونے کی تصدیق نہ کرے تو مرد سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

(۱۱۴۰/۵۱) وَيَجُوْزُ اِقْرَارُ الرَّجُلِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجَةِ وَالْوَلَدِ وَالْمَوْلٰى.

ترجمه: اور جائز ہے آدمی کا اقرار کرنا کسی کے متعلق ماں باپ بیوی بچہ اور آقا ہونے کا۔

تشریح: ایک آدمی اقرار کرتا ہے کہ خالد اور اس کی بیوی میرے والدین ہیں یا ساجدہ میری بیوی ہے یا آفتاب میرا بیٹا ہے یا میرا آزاد کرنے والا ہے اور یہ لوگ بھی تصدیق کرتے ہوں کہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مقر کہتا ہے تو یہ اقرار درست ہے۔

دلیل: ان نسبوں کے اقرار کی وجہ دوسروں پر نسب کا الزام رکھنا نہیں ہے اور نہ دوسروں کا نسب ثابت کرنا ہے بلکہ صرف اپنے نسب کی نسبت کسی کی طرف کرنا ہے چونکہ دوسروں کا کوئی نقصان نہیں ہے اس لئے اقرار جائز ہے۔

(۱۱۴۱/۵۲) وَيُقْبَلُ اِقْرَارُ الْمَرْأَةِ بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلٰى وَلَا يُقْبَلُ اِقْرَارُهَا بِالْوَلَدِ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقَهَا الزَّوْجُ فِيْ ذٰلِكَ اَوْ تَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا قَابِلَةٌ.

ترجمه: اور قبول کیا جائے گا عورت کا اقرار کسی کے متعلق والدین شوہر اور آقا ہونے کا اور قبول نہیں کیا جائے گا عورت کا اقرار کسی کے متعلق لڑکا ہونے کا مگر یہ کہ تصدیق کر دے شوہر اس کی اس بارے میں یا گواہی دے دایہ اس کی پیدائش کی۔

تشریح: عورت اقرار کرتی ہے کہ فلاں بچہ میرا بیٹا ہے تو عورت کا یہ اقرار اس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا جب تک کہ اس کا شوہر تصدیق نہ کر دے کہ ہاں یہ اس کا بیٹا ہے یا دایہ گواہی دے کہ اس عورت کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔

دلیل: عورت کا یہ کہنا کہ یہ میرا بیٹا ہے گویا کہ اس کا نسب اپنے شوہر سے ثابت کرنا چاہتی ہے کیونکہ بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے اس لئے شوہر کی تصدیق ضروری ہے البتہ دایہ گواہی دے کہ اس عورت کو بچہ ہوا ہے اور اسی بچہ کے بارے میں عورت اقرار کرتی ہے تو شوہر اس کی تصدیق نہ بھی کرے تب بھی بیٹے کا نسب عورت سے ثابت ہوگا اور پھر چونکہ عورت شوہر کے لئے فراش ہے اس لئے شوہر سے بھی اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ جہاں مرد کے لئے دیکھنا حرام ہے وہاں دایہ کی گواہی قابل قبول ہے اور اسی گواہی سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

(۵۳/۱۱۴۲) وَمَنْ اَقَرَّ بِنَسَبٍ مِنْ غَيْرِ الْوَالِدَيْنِ وَالْوَلَدِ مِثْلُ الْاَخِ وَالْعَمِّ لَمْ يُقْبَلْ اِقْرَارُهُ بِالنَّسَبِ.

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا نسب کا والدین اور اولاد کے علاوہ کا مثلاً بھائی کا یا چچا کا تو اس کے نسب کا اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: کسی آدمی نے کہا کہ فلاں شخص میرا بھائی ہے یا چچا ہے تو یہ اقرار قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ بھائی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے تو دوسرے سے نسب ثابت کرنا لازم آیا اور ماقبل میں گذر چکا ہے کہ غیر پر نسب کا الزام نہیں رکھ سکتا اس لئے بھائی کا اقرار باطل ہے اسی طرح یہ کہے کہ یہ میرا چچا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے دادا کا بیٹا ہے تو دادا سے نسب ثابت کر دیا جو درست نہیں اس لئے چچا ہونے کا بھی اقرار نہیں کر سکتا۔

(۵۴/۱۱۴۳) فَاِنْ كَانَ لَهُ وَارِثٌ مَعْرُوْفٌ قَرِيْبٌ اَوْ بَعِيْدٌ فَهُوَ اَوْلٰى بِالْمِيْرَاثِ مِنَ الْمُقَرِّ لَهُ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ اِسْتَحَقَّ الْمُقَرُّ لَهُ مِيْرَاثَهُ.

ترجمہ: پھر اگر ہو اس کا کوئی وارث معروف النسب قریبی یا بعیدی تو وہ میراث کا زیادہ حقدار ہوگا مُقَر لہ سے ہاں اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو مقر لہ مستحق ہوگا اس کی میراث کا۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۵۳ میں گذر چکا ہے کہ بھائی یا چچا ہونے کا اقرار قبول نہیں ہے اب اگر مقر کا کوئی وارث ہے خواہ وہ قریبی وارث ہو یا دور کا وارث ہو تو وہ مقر کی میراث کا حقدار ہوگا کیونکہ جن کے بھائی اور چچا ہونے کا اقرار کیا تھا ان کا نسب ہی ثابت نہ ہو سکا اس لئے وہ مرنے والے کے وارث بھی نہ بنیں گے ہاں اگر کوئی وارث ہی نہ ہو تو اب جن کے لئے بھائی یا چچا ہونے کا اقرار کیا ہے وہ وارث ہوں گے کیونکہ مقر کا اپنا مال ہے کوئی وارث نہ ہونے کے وقت جس کو چاہے دے سکتا ہے ان کو وراثت صرف اقرار کی بنیاد پر مل رہی ہے۔

(۵۵/۱۱۴۴) وَمَنْ مَاتَ اَبُوْهُ فَاَقَرَّ بِاَخٍ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُ اَخِيْهِ مِنْهُ وَيُشَارِكُهُ فِي الْمِيْرَاثِ.

ترجمہ: کسی کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس نے کسی کے متعلق بھائی ہونے کا اقرار کیا تو اس سے اس کے بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن میراث میں اسکا شریک ہو جائے گا۔

تشریح: ایک شخص کے والد کا انتقال ہو گیا اس کے بعد اس شخص نے کسی کے متعلق یہ اقرار کیا کہ وہ میرا بھائی ہے تو بھائی ہونے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن بھائی کا اقرار کرنے والے کو والد کی میراث میں سے جتنا حصہ ملے گا۔ اس میں سے آدھا مقر لہ کو بھی دینا پڑے گا۔

دلیل: بھائی کے اقرار کرنے کے دو مقصد ہیں۔

(۱) باپ سے نسب ثابت کرنا یہ تو تحمیل النسب علی الغیر کی وجہ سے معتبر نہ ہوگا۔

(۲) اس کو باپ کی میراث میں شریک کرنا یہ معتبر ہوگا لیکن صرف اقرار کرنے والے کی میراث میں سے آدھا حصہ دیا جائے گا دوسرے بھائیوں کے حصوں میں سے نہیں دیا جائے گا تاکہ ان کا نقصان نہ ہو اور اقرار کرنے کا دوسرا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۲/ ۲۷)

كِتَابُ الإِجَارَةِ

یہ کتاب اجارہ کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: قوام دین عہدوں پاسداری پر موقوف ہے اور قوام دنیا عقود کی درستگی پر موقوف ہے پھر عقود کی دو قسمیں ہیں (۱) عقد معاوضہ (۲) عقد تبرع۔ پھر عقود معاوضہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) عقد مع الاعیان جیسے بیوع (۲) عقد مع المنافع جیسے اجارات، پھر چونکہ عقود علی الاعیان زیادہ قوی ہیں اس لئے مصنف نے اولاً بیوع اور اس کے توابع کو بیان کیا پھر عقود اجارات کو پیچھے بیان کیا ان کے کمزور ہونے کی وجہ سے۔ (رقم الحاشیہ ۶)

اجارہ کی لغوی تحقیق: اجارہ لغت کے اعتبار سے اجرۃ کا اسم ہے۔ اس مزدوری کو کہتے ہیں کہ جس کا استحقاق عمل خیر پر ہو لیکن اکثر اس کا استعمال ایجار مصدر کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم فاعل اس معنی میں نہیں آتا بعض اہل لغت کے نزدیک اجارہ فعالہ کے وزن پر مفاعلت سے ہے الغرض اختلاف اس بات میں ہے کہ لفظ اجارہ باب افعال سے ہے یا باب مفاعلۃ سے صاحب کشاف علامہ زمخشری نے دونوں بابوں سے تسلیم کیا ہے۔ (حاشیہ قدوری ۶)

اصطلاحی تعریف: اجارہ وہ عقد ہے جو معلوم معاوضہ پر منافع معلومہ پر ہوتا ہے خواہ عوض مالی ہو یا غیر مالی مثلاً گھر کی رہائش کے منافع چوپایہ کی سواری کے عوض دینا۔ صاحب جوہرۃ النیرۃ نے یہ تعریف کی ہے۔ اجارہ ایسا عقد ہے جو منافع پر مال کے عوض ہوتا ہے اور منافع جس قدر پائے جائیں اسی حساب سے اجارہ منعقد ہوتا رہتا ہے۔

الحاصل: ایک جانب سے منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین چیز ہو مثلاً روپے، پیسے، دراہم، دینار، کیلی، وزنی چیز ہو تو اس کو اجارہ کہتے ہیں۔

اجارہ کا ثبوت

اجارہ میں منفعت معدوم ہوتی ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے اور احادیث کی وجہ سے کچھ شرائط کے ساتھ اجارہ جائز قرار دیا گیا اس کا ثبوت اس آیت میں ہے عَلَىٰٓ اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ (آیت ۲۷ سورۃ القصص پارہ ۲۰) یعنی حضرت شعیبؑ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا آپ سے نکاح کر دوں اس بدلے میں کہ آٹھ سال تک اجرت کا کام کریں۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی آٹھ سال تک بکری چرانے کی اجرت پر کی گئی ہے۔ نیز حدیث میں بھی ثبوت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

قیامت کے دن تین آدمیوں کا میں مدعی ہوں گا ایک وہ آدمی جس نے میری وجہ سے عہد کیا پھر دھوکہ دیا دوسرے وہ آدمی جس نے آزاد کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرے وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو اجرت پر رکھا اور اس سے پورا کام لیا پھر اس کو اجرت نہیں دی۔ (بخاری شریف ۳۰۲/۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اجارہ جائز ہے۔ نیز عہد نبوی سے لے کر آج تک اس بات پر اجماع ہے کہ اجارہ جائز ہے۔

(۱/۱۱۴۵) اَلْإِجَارَةُ عَقْدٌ عَلَى الْمَنَافِعِ بِعِوَضٍ.

ترجمہ: اجارہ عقد ہے منافع پر عوض کے بدلے۔

تشریح: اجارہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانب منفعت ہو اور دوسری جانب کوئی عین چیز ہو مثلاً درہم دینار وغیرہ اس کو عقد اجارہ کہتے ہیں۔

(۲/۱۱۴۶) وَلَاتَصِحُّ حَتّٰى تَكُوْنَ الْمنافعُ مَعْلُوْمَةً وَالْاُجْرَةُ مَعْلُوْمَةً.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے اجارہ یہاں تک کہ منافع معلوم ہوں اور اجرت بھی معلوم ہو۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب اجارہ کے صحیح ہونے کی شرط بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ منافع کتنے ہوں گے ان کی مقدار کیا ہوگی وہ بھی معلوم ہوں اور اس کے بدلے اجرت کتنی ہوگی وہ بھی معلوم ہو تب اجارہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اگر منافع اور اجرت معلوم نہ ہوں تو جھگڑا ہوگا۔ نیز ثَمٰنِيَ حِجَجٍ سے منافع معلوم ہوئے اور انکحك سے عوض بھی معلوم ہوا۔ اس لئے دونوں کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

(۳/۱۱۴۷) وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ ثَمَناً فِي الْبَيْعِ جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ اُجْرَةً فِي الْإِجَارَةِ.

ترجمہ: اور جو چیز جائز ہے کہ بیع میں ثمن ہو جائز ہے کہ وہ اجارہ میں اجرت ہو۔

تشریح: جو چیز بیع میں ثمن اور قیمت بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجارہ میں اجرت بن سکتی ہیں۔

دلیل: اجارہ میں اجرت بیع میں ثمن کی طرح ہے اس لئے جو چیزیں ثمن بن سکتی ہیں وہ چیزیں اجرت بن سکتی ہیں مثلاً دراہم، دنانیر، کیلی اور وزنی چیزیں۔

(۴/۱۱۴۸) وَالْمَنَافِعُ تَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالْمُدَّةِ كَاِسْتِيْجَارِ الدُّوْرِ لِلسُّكْنٰى وَالْاَرْضِيْنَ لِلزِّرَاعَةِ فَيَصِحُّ الْعَقْدُ عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ اَىَّ مُدَّةٍ كَانَتْ.

حل لغات: استیجار اجرت پر لینا، الدور دار کی جمع مکان، گھر، السکنیٰ رہنے کی جگہ، ارضین ارض کی جمع ہے حالت جری میں ہے زمین، زراعۃ کاشتکاری، ای مدۃ کانت اس جملہ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے

مدۃ لمبی ہو یا مختصر دونوں جائز ہے۔

ترجمہ: اور منافع کبھی معلوم ہوتے ہیں مدت کے ذریعہ جیسے اجرت پر لینا مکانوں کو رہنے کے لئے اور زمینوں کو کاشتکاری کے لئے تو عقد صحیح ہوگا مدت معلومہ پر کوئی بھی مدت ہو۔

منافع معلوم ہونے کے طریقوں کا بیان

تشریح: اس عبارت میں پہلا طریقہ بیان کررہے ہیں چناں چہ فرمایا اجارہ کے صحیح ہونے کے لئے اجرت اور منفعت دونوں کا معلوم ہونا ضروری ہے مزدوری کے معلوم ہونے میں تو کوئی پوشیدگی نہیں تھی البتہ منفعت کے معلوم ہونے میں تھوڑی سی پوشیدگی ہے اس۔لئے اس کو بیان کررہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ منفعت معلوم ہونے کے کئی طریقے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مدت بیان کردی جائے کہ کتنی مدت کے لئے یہ چیز لے رہا ہے اس مدت سے منفعت کا پتہ چل جائے گا مدت کم ہو یا زیادہ جو بھی مدت متعین کردے اجارہ صحیح ہوجائے گا مثلاً مکان رہنے کے لئے ایک خاص مدت کیلئے کرایہ پر لینا یا زمین کا ایک متعین مدت کیلئے کاشتکاری کے لئے کرایہ پر لینا اس سے منفعت کا پتہ چل جائے گا۔

وقف کی جائیدادوں کو کرایہ پر اٹھانے کا مسئلہ

ظاہر مذہب یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی اپنی جائداد کو خواہ صحرائی ہو یا سکنائی کسی بھی متعین مدت کے لئے کرایہ پر دے سکتا ہے اس کی کوئی تحدید نہیں ہے لیکن حضرات فقہاء نے فرمایا کہ وقف کی جائدادوں میں طویل مدت تک کرایہ پر دینے میں ناجائز قبضہ کا احتمال ہے لہٰذا وقف کی صحرائی جائداد میں یک بارگی صرف تین سال تک ہی کرایہ پر دی جاسکیں گی اور سکنائی جائدادیں (مکان ودوکان وغیرہ) صرف ایک سال کے معاہدہ پر کرایہ کے بطور دی جاسکتی ہیں اس مدت کے بعد دوبارہ معاہدہ کی تجدید کرانی ہوگی تاکہ موقوفہ جائدادوں پر ناجائز قبضوں کی روک تھام ہوسکے۔ (شرح عقود رسم المفتی ۹۶/ درمختار ۶/۶)

(۵/۱۱۴۹) وَتَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالْعَمَلِ وَالتَّسْمِيَةِ كَمَنِ اسْتَأجَرَ رَجُلاً عَلىٰ صَبْغِ ثَوْبٍ اَوْ خِيَاطَةِ ثَوْبٍ اَوِ اسْتَأجَرَ دَابَّةً لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَاراً مَعْلُوْماً اِلىٰ مَوْضَعٍ مَعْلُوْمٍ اَوْيَرْكَبَهَا مَسَافَةً مَعْلُوْمَةً.

حل لغات: صبغ مصدر باب (ن ض ف) رنگنا، خیاطۃ سینا۔

ترجمہ: اور منافع کبھی معلوم ہوتے ہیں عمل کے ذریعہ اور متعین کرنے کے ذریعہ جیسے کسی نے اجرت پر لیا ایک آدمی کو کپڑا رنگنے یا کپڑا سینے کے لئے یا اجرت پر لیا چوپایہ تاکہ لادے اس پر مقدار معلوم ایک معلوم جگہ تک یا اس پر سوار ہوگا مسافت معلومہ تک۔

دوسرے طریقے کا بیان

تشریح: منافع معلوم ہونے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً کام متعین کر کے منفعت کی تعیین ہو جائے گی جیسے کپڑے کی رنگائی کے لئے آدمی کو اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اس کے بدلے اتنے کپڑے رنگنے ہیں اور سرخ زرد وغیرہ کی تعیین کردی جائے۔ یا اتنے کپڑے سینے ہیں اور سلائی کی قسم بیان کردی جائے یا جانور اجرت پر لے کہ اتنی رقم دوں گا اور اس پر دو کوئنٹل گیہوں لاد کر پانچ کلومیٹر جانا ہے یا پچاس کلومیٹر تک اس پر سوار ہو کر سفر کروں گا۔ تو اس طرح تعیین کے ذریعہ سے منفعت کا پتہ چل جائے گا۔

(۱۱۵۰/۶) وَتَارَةً تَصِيْرُ مَعْلُوْمَةً بِالتَّعْيِيْنِ وَالْاِشَارَةِ كَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلًا لِيَنْقُلَ هٰذَا الطَّعَامَ اِلىٰ مَوْضَعٍ مَعْلُوْمٍ.

ترجمہ: اور کبھی معلوم ہوتے ہیں تعیین اور اشارہ کرنے کے ذریعہ جیسے کسی نے اجرت پر لیا کسی آدمی کو تا کہ منتقل کرے وہ یہ غلہ فلاں جگہ تک۔

تیسرے طریقے کا بیان

تشریح: کبھی منافع اس طرح بھی معلوم ہو جاتے ہیں کہ کام کی تعیین کر دے اور اس کی طرف اشارہ کر دے مثلاً کسی کو اجرت پر لیا کہ اس غلہ کو فلاں جگہ تک لاد کر لے جانا ہے اور اتنی اجرت ملے گی تو منفعت معلوم ہوگی لہٰذا عقد درست ہو جائے گا۔

(۱۱۵۱/۷) وَيَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الدُّوْرِ وَالْحَوَانِيْتِ لِلسُّكْنىٰ وَاِنْ لَمْ يُبَيِّنْ مَا يَعْمَلُ فِيْهَا وَلَهٗ اَنْ يَعْمَلَ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الْحِدَادَةَ وَالْقِصَارَةَ وَالطَّحْنَ.

حل لغات: حوانیت واحد حانوت دوکان، الحدادة لوہار کا کام کرنا، القصارة دھوبی کا پیشہ، الطحن مصدر باب فتح سے پیسنا۔

ترجمہ: اور جائز ہے گھروں اور دوکانوں کو کرایہ پر لینا رہائش کے لئے اگر چہ نہ بیان کرے وہ کام جو اس میں کرے گا اور جائز ہے اس کے لئے کہ ہر کام کرے مگر لوہار کا دھوبی کا اور پسائی کا۔

اجارہ کی وہ صورتیں جو جائز ہیں

تشریح: مکان و دوکان کا اجارہ صحیح ہے گو وہ کام بیان نہ کرے جو اس میں کیا جائے گا اب مستاجر جو کام چاہے

کرسکتا ہے کیونکہ عقد مطلق ہے لیکن لوہا کوٹنے کا کام کپڑے دھونے کا کام اور آٹا پسائی کا کام نہیں کرسکتا۔

دلیل: اگر پہلے سے طے نہ ہو کہ کیا کام کرنا ہے تو وہ تمام کام کرسکتا ہے جس میں گھر کی دیوار کو نقصان نہ ہو یا گھر کے فرش کا نقصان نہ ہو لیکن جن کاموں میں نقصان ہے وہ کام نہیں کرسکتا، مثلاً لوہاری کام سے دیواریں کمزور ہوتی ہیں کپڑا دھونے کے کام سے فرش خراب ہوتا ہے اور آٹا پسائی کے کام سے فرش گندہ ہوتا ہے اور دیوار بھی کمزور ہوتی ہیں اس لئے یہ کام بغیر مالک مکان کی اجازت کے نہیں کرسکتا۔

(۸/۱۱۵۲) وَيَجُوزُ اِسْتِيجَارُ الْاَرَاضِىْ لِلزِّرَاعَةِ وَلِلْمُسْتَاجِرِ الشِّرْبُ وَالطَّرِيْقُ وَاِنْ لَمْ يَشْتَرِطْ.

حل لغات: الشرب پانی پلانا، پانی پلانے کی باری

ترجمہ: اور جائز ہے زمینوں کو کرایہ پر لینا کھیتی کے لئے اور مستاجر کے لئے ہوگی پانی کی باری اور راستہ اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی ہو۔

تشریح: زمین کو کھیتی کرنے کے لئے اجرت پر لینا جائز ہے اور پانی سینچنے کی جو باری ہوتی ہے یا کھیت تک آنے کا جو راستہ رہتا ہے وہ بھی خود بخود مل جائیں گے چاہے کھیت اجرت پر لیتے وقت ان کی شرط نہ لگائی ہو کیونکہ یہ چیزیں بنیادی ہیں اس لئے بغیر شرط لگائے بھی یہ چیزیں اجارہ میں داخل ہوں گی۔

(۹/۱۱۵۳) وَلَا يَصِحُّ الْعَقْدُ حَتّٰى يُسَمِّىْ مَايَزْرَعُ فِيْهَا اَوْ يَقُوْلَ عَلٰى اَنْ يَزْرَعَ فِيْهَا مَاشَاءَ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے عقد یہاں تک کہ بیان کردے وہ چیز جو اس میں بوئے گا یا کہے کہ اس شرط پر کہ جو چاہو اس میں بوؤ۔

تشریح: زمین کرایہ پر لیتے وقت یہ بھی طے کرنا ضروری ہے کہ کیا چیز اس میں بوئے گا تا کہ بعد میں جھگڑا نہ ہو یا کھیت والا یہ کہہ دے کہ جو چیزیں آپ چاہیں بوئیں تو کچھ بھی بو سکتا ہے۔

دلیل: بعض غلے ایسے ہیں کہ ان کے بونے سے زمین خراب ہوتی ہے جیسے مکئی اور بعض غلوں کے بونے سے زمین اچھی ہوتی ہے جیسے خربوزہ وغیرہ اس لیے اجرت پر لیتے وقت یہ طے کرنا ہوگا کہ کون سا غلہ اس میں بوئے گا یا کھیت والا عام اجازت دیدے۔ پھر عقد اجارہ درست ہو جائے گا۔ حاشیہ قدوری (۱۱)

(۱۰/۱۱۵۴) وَيَجُوزُ اَنْ يَسْتَاجِرَ السَّاحَةَ لِيَبْنِىَ فِيْهَا اَوْ يَغْرِسَ فِيْهَا نَخْلًا اَوْ شَجَرًا فَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْاِجَارَةِ لَزِمَهٗ اَنْ يَقْلَعَ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ وَيُسَلِّمَهَا فَارِغَةً اِلَّا اَنْ يَخْتَارَ صَاحِبُ الْاَرْضِ اَنْ يَغْرَمَ لَهٗ قِيْمَةَ ذٰلِكَ مَقْلُوْعًا وَيَتَمَلَّكَهٗ اَوْ يَرْضٰى بِتَرْكِهٖ عَلٰى حَالِهٖ فَيَكُوْنُ الْبِنَاءُ لِهٰذَا وَالْاَرْضُ لِهٰذَا.

حل لغات: الساحۃ خالی زمین، یغرس: باب (ض) م غرساً پودہ لگانا، یقلع باب (ف) مصدر

قلعاً جڑ سے اکھیڑنا، یغرم باب (س) مصدر غرماً قرض وغیرہ ادا کرنا۔ تاوان دینا، لھذا جو پہلے ہے اس کا مشار الیہ مستاجر ہے اور جو آخر میں ہیں آرہا ہے اس کا مشار الیہ مالک زمین ہے۔

ترجمہ: اور جائز ہے خالی زمین کو کرایہ پر لینا تا کہ اس میں عمارت بنائے یا کھجور کے درخت یا پھلدار درخت لگائے پھر جب اجارہ کی مدت ختم ہو جائے تو ضروری ہوگا اس کے لئے یہ کہ اکھاڑ لے عمارت اور درخت اور زمین والے کو خالی زمین سپرد کرے مگر یہ کہ زمین والا پسند کرے کہ اکھڑنے ہوئے کی قیمت دے اور (گھر یا درخت کا) مالک ہو جائے یا راضی ہو جائے اس کو چھوڑنے پر جوں کی توں (اس صورت میں) عمارت (اور درخت) اس (کرایہ دار) کے لئے اور زمین اس (مالک زمین) کے لئے ہوگی۔

تشریح: زمین عمارت بنانے یا درخت لگانے کے لئے کرایہ پر لینا درست ہے۔ مثلاً دس سال کے لئے خالی زمین اجرت پر لی تھی اور اس میں عمارت بنائی تھی یا درخت لگائے تھے تو دس سال پورے ہونے کے بعد مستاجر اپنی عمارت توڑ کر اور درخت اکھاڑ کر جیسی خالی زمین کرایہ کے وقت لی تھی ویسی ہی بالکل خالی کر کے زمین والے کو حوالے کرے ہاں اگر زمین والا اس بات پر راضی ہو جائے کہ ٹوٹے ہوئے گھر اور اکھڑے ہوئے درخت کی جو قیمت ہوسکتی ہے وہ مستاجر کو دیدے اور گھر اور درخت کا مالک ہو جائے تو ایسا کر سکتا ہے یہ الگ سے خرید وفروخت ہے جس میں کھیت والا اور کرایہ پر دینے والے دونوں کی رضامندی ضروری ہے اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کرایہ پر لینے کی مدت ختم ہوگئی تو کرایہ دار کو گھر توڑنا چاہئے اور درخت کاٹنا چاہئے لیکن دونوں اس بات پر راضی ہو جائیں کہ مزید زمانہ کے لئے گھر اور درخت زمین میں چھوڑ دو تو ایسا کرنے کی بھی گنجائش ہے اس صورت میں زمین زمین والے کی رہے گی اور مکان یا درخت مستاجر کے رہیں گے۔

(۱۱۵۵/۱۱) وَيَجُوزُ اِسْتِيجَارُ الدَّوَابِ لِلرُّكُوبِ وَالْحَمْلِ فَاِنْ اَطْلَقَ الرُّكُوبَ جَازَ لَهُ اَنْ يُرْكِبَهَا مَنْ شَاءَ وَكَذٰلِكَ اِنِ اسْتَاجَرَ ثَوْباً لِلُّبْسِ وَاَطْلَقَ.

حل لغات: دواب، دابۃ کی جمع سواری کا جانور، حمل بوجھ اٹھانا، اطلق مطلق چھوڑا ہو، کسی کو متعین نہ کیا ہو۔ یرکب، ارکاب سے ہے اور من شاء محل نصب میں ہے مفعول ہونے کی وجہ سے۔

ترجمہ: اور جائز ہے چوپایوں کو کرایہ پر لینا سوار ہونے اور بوجھ لادنے کے لئے پھر اگر مطلق رکھے سوار ہونے کو تو جائز ہے اس کے لئے کہ اس پر سوار کرائے جس کو بھی چاہے اور ایسے ہی اگر اجرت پر لے کپڑے کو پہننے کے لئے اور مطلق رکھے۔

تشریح: اگر کسی نے چوپایہ مثلاً گھوڑا وغیرہ سواری یا بوجھ لادنے کے لئے کرایہ پر لیا تو جائز ہے اب اگر کسی سواری کو متعین نہیں کیا تو کسی بھی آدمی کو اس پر سوار کرا سکتا ہے اسی طرح بوجھ لادنے کیلئے اجرت پر لیا کونسی چیز لادے گا

اس کی تعیین نہیں کی تو کوئی چیز بھی چوپایہ پر لاد سکتا ہے البتہ ایسی چیز نہیں لاد سکتا ہے جس سے جانور کی ہلاکت یا اس کے نقصان کا غالب گمان ہو ایسے ہی اگر کپڑا پہننے کے لئے اجرت پر لیا تو لے سکتا ہے اور پہننے والے کی تعیین نہیں کی تو کوئی بھی آدمی اس کپڑے کو پہن سکتا ہے۔

(۱۲/۱۱۵۶) فَاِنْ قَالَ لَهٗ عَلٰی اَنْ یَرْکَبَهَا فُلَانٌ اَوْ یَلْبَسَ الثَّوْبَ فُلَانٌ فَاَرْکَبَهَا غَیْرَهٗ اَوْ اَلْبَسَهٗ غَیْرَهٗ کَانَ ضَامِناً اِنْ عَطِبَتِ الدَّابَّةُ اَوْتَلِفَ الثَّوْبُ.

حل لغات: عطبت (س) عطباً ہلاک ہونا، تلف (س) تلفاً برباد ہونا، ضائع ہونا۔

ترجمہ: اگر کہا چوپائے والے کو یہ کہ اس پر سوار ہوگا فلاں یا کپڑا پہنے گا فلاں پھر سوار کیا اس کے علاوہ کو یا پہنایا اس کے علاوہ کو تو ضامن ہوگا اگر ہلاک ہو گیا چوپایہ یا ضائع ہو گیا کپڑا۔

تشریح: کسی نے جانور کرایہ پر لیا اور اس پر کسی خاص آدمی کے سوار ہونے کو کرایہ پر لیتے وقت متعین کیا بعد میں اس کے خلاف کیا اور دوسرے آدمی کو سوار کیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہو گیا یہ کپڑا کرایہ پر لیا اور کسی غیر کو پہنایا اور کپڑا پھٹ کر برباد ہو گیا تو اس صورت میں مستاجر جانور اور کپڑے کا ضامن ہوگا۔

دلیل: استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے استعمال کرنے میں فرق پڑتا ہے کوئی بھاری سوار ہوتا ہے کوئی ہلکا سوار ہوتا ہے گدھا بھاری سوار کو مشکل سے لے جائے گا جب کہ ہلکے سوار کو آسانی سے منزل تک لے جائے گا ایسے ہی ماہر سوار جانور کو آرام سے لے جاتا ہے جب کہ اناڑی سوار جانور کو تنگ کر دیتا ہے یہی حال کپڑے پہننے والے کا ہے اس لئے جب ایک خاص آدمی کو متعین کیا اور بعد میں اس کے خلاف کیا تو یہ بات شرط کے خلاف ہوئی اب وہ سواری یا کپڑا مستاجر کے ہاتھ میں امانت نہ رہا بلکہ ضمانت ہو گئی اس لئے ہلاک ہونے پر جانور کا تاوان دینا ہوگا یا جو نقصان ہوا ہے وہ بھرنا ہوگا۔

(۱۳/۱۱۵۷) وَکَذٰلِكَ کُلُّ مَایَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ.

ترجمہ: اور اسی طرح ہر وہ چیز جو مختلف ہوتی ہے استعمال کرنے والے کے اختلاف سے۔

تشریح: وہ چیزیں جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے بالکل مختلف ہو جاتی ہیں ہر ایک کا یہی معاملہ ہے کہ اگر ایک آدمی کو متعین کیا اور اس کے علاوہ دوسرے کو استعمال کے لئے دیدیا اور اس سے وہ چیز ہلاک ہو گئی تو تاوان دینا پڑے گا۔

(۱۴/۱۱۵۸) فَاَمَّا الْعَقَارُ وَمَالَا یَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ فَاِنْ شَرَطَ سُکْنیٰ وَاحِدٍ بِعَیْنِهٖ فَلَهٗ اَنْ یُسْکِنَ غَیْرَهٗ.

ترجمہ: بہر حال زمین اور ہر وہ چیز جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے نہیں بدلتی تو اگر شرط لگائی کسی خاص آدمی کی رہائش کی تو اس کو اختیار ہے کہ اس میں کسی اور کو رکھے۔

تشریح: زمین ہے یا مکان ہے جو استعمال کرنے والے کے بدلنے سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہوتی۔ یا کوئی خاص نقصان نہیں ہوتا۔ جیسے زمین میں کوئی بھی آدمی کھیتی کرے زمین پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اس لئے زمین کو کھیتی کے لئے کرایہ پر لے اور خاص آدمی کو متعین کرے پھر دوسرا کھیتی کرنے لگ جائے اور نقصان ہو جائے تو کرایہ دار پر ضمان لازم نہیں ہوگا ایسے ہی اگر مستاجر نے کوئی مکان کرایہ پر لیا اور یہ شرط لگائی کہ اس میں فلاں شخص رہے گا تو اس صورت میں مستاجر کو اختیار ہوگا کہ وہ اس مکان کو کسی دوسرے کو رہائش کے لئے دیدے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

(۱۱۵۹/۱۵) وَاِنْ سَمّٰی نَوْعاً وَقَدْراً یَحْمِلُهٗ عَلَی الدَّابَّةِ مِثْلُ اَنْ یَّقُوْلَ خَمْسَةُ اَقْفِزَةِ حِنْطَةٍ فَلَهٗ اَنْ یَّحْمِلَ مَاهُوَ مِثْلُ الْحِنْطَةِ فِی الضَّرَرِ اَوْ اَقَلُّ كَالشَّعِیْرِ وَالسِّمْسِمِ وَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَّحْمِلَ مَاهُوَ اَضَرُّ مِنَ الْحِنْطَةِ كَالْمِلْحِ وَالْحَدِیْدِ وَالرَّصَاصِ.

حل لغات: اقفزة: قفیز کی جمع ہے ایک خاص وزن، شعیر: جو، السمسم تل، الملح: نمک (مذکر ومونث تانیث غالب ہے) تصغیر مُلَیْحَةٌ جمع مِلاحٌ، الحدید: لوہا، الرصاص: واحد رَصَاصَةٌ سیسہ ایک دھات جس سے بندوق کی گولیاں اور چھرے وغیرہ بناتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر متعین کردے ایک نوع اور مقدار جو لادے گا جانور پر مثلاً یہ کہے گیہوں کے پانچ قفیز تو اس کے لئے جائز ہے کہ لادے ایسی چیز جو گیہوں جیسی ہو مشقت میں یا کم ہو جیسے جو اور تل اور اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ لادے ایسی چیز جو زیادہ نقصان دہ ہو گیہوں سے جیسے نمک لوہا اور سیسہ۔

تشریح: اگر مستاجر نے کوئی جانور کرایہ پر لیا اور اس پر جو کچھ لادنا ہے اس کی قسم اور مقدار بیان کر دی مثلاً شرط لگائی کہ پانچ قفیز گیہوں لادوں گا تو پانچ قفیز جو اور تل لاد سکتا ہے کیوں کہ یہ نقصان دہ میں میں گیہوں سے کم ہیں ایسے ہی مسور اور اڑد لاد سکتا ہے کیوں کہ یہ نقصان دہ میں گیہوں کے برابر ہیں، البتہ وہ چیز جس کا بوجھ گیہوں سے زیادہ سخت ہو جیسے نمک لوہا وغیرہ یہ چیزیں جانور کو زیادہ نقصان دیتی ہیں، نیز موجر ان سے راضی بھی نہیں ہے، اس لئے یہ چیزیں نہیں لاد سکتا۔

(۱۱۶۰/۱۶) فَاِنِ اسْتَاْجَرَهَا لِیَحْمِلَ عَلَیْهَا قُطْناً سَمَّاهُ فَلَیْسَ لَهٗ اَنْ یَّحْمِلَ مِثْلَ وَزْنِهٖ حَدِیْداً.

حل لغت: قطن: روئی۔

ترجمہ: اگر کرایہ پر لیا چوپایہ کو تا کہ اس پر معین مقدار روئی لادے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ لادے اس پر

روئی کے وزن کے برابر لوہا۔

تشریح: چونکہ روئی نرم ہوتی ہے اس سے جانور کی پیٹھ زخمی نہیں ہوگی اور ہلکی محسوس ہوگی کیوں کہ وہ پیٹھ پر پھیل جاتی ہے برخلاف لوہے کے کہ وہ پیٹھ پر ایک جگہ اکٹھا رہتا ہے اور جانور کے لئے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتا ہے اس لئے روئی کے وزن کے مانند لوہا نہیں لاد سکتا اگر لادلیا اور جانور ہلاک ہوگیا تو ضمان لازم ہوگا (اللباب فی شرح الکتاب ۲/۳۰)

(۱۱۶۱/۱۷) وَاِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَرْكَبَهَا فَأَرْدَفَ مَعَهُ رَجُلاً آخَرَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ نِصْفَ قِيمَتِهَا اِنْ كَانَتِ الدَّابَّةُ تُطِيقُهُمَا وَلاَ يُعْتَبَرُ بِالثِّقْلِ.

حل لغات: اردف: مصدر اردافاً اپنے پیچھے سوار کرنا، الثقل: بوجھ۔

ترجمہ: اور اگر کرایہ پر لیا چوپایہ تا کہ اس پر سوار ہو اور اپنے پیچھے دوسرے کو بھی سوار کرلیا اور وہ ہلاک ہوگیا تو اس کی آدھی قیمت کا ضمان ہوگا اگر چوپایہ دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو اور بوجھ کا اعتبار نہ ہوگا۔

تشریح: چوپایہ اجرت پر لیا تا کہ اس پر ایک آدمی سوار ہو اب اپنے پیچھے ایک اور آدمی کو سوار کرلیا جس کی وجہ سے جانور ہلاک ہوگیا اگر جانور ایسا تھا کہ دونوں آدمیوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا تھا تاہم وہ ہلاک ہوگیا تو مستاجر جانور کی آدھی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر جانور ایسا تھا کہ دونوں آدمیوں کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا تو مستاجر کل قیمت کا ضامن ہوگا اور آدمی سوار ہونے میں آدمی کی تعداد کا اعتبار ہے خود آدمی کے وزن کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔

دلیل: کیوں کہ بسا اوقات کم بوجھ والے انسان کا سوار ہونا جانور کی پیٹھ کے لئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے جب کہ وہ گھوڑسواری کے فن سے ناواقف ہو اور جو گھوڑسواری کے فن سے واقف ہوتا ہے اس کو اٹھانا جانور کے لئے آسان ہوتا ہے اگر چہ وہ بھاری ہو اس لئے سواروں کے بوجھ کا اعتبار نہ کرکے ان کی تعداد کا اعتبار کیا گیا ہے

(اللباب ۲/۳۰، الجوهرة النيرة ۱/۳۲۰)

(۱۱۶۲/۱۸) وَاِنِ اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَاراً مِنَ الْحِنْطَةِ فَحَمَلَ عَلَيْهَا اَكْثَرَ مِنْهُ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَازَادَ مِنَ الثِّقْلِ.

ترجمہ: اگر کرایہ پر لیا چوپایہ تا کہ لادے اس پر گیہوں کی ایک مقدار لیکن لادا اس پر اس سے زیادہ اور وہ چوپایہ ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا جتنا بوجھ زیادہ ہو۔

تشریح: امام ابوالحسین قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کوئی جانور گیہوں لادنے کے لئے کرایہ پر لیا اور گیہوں کی مقدار بھی بیان کردی لیکن مستاجر نے مقدار سے زیادہ لادا مثلاً سوکلو گیہوں لادنے کی بات کی تھی اور پھر اس نے شرط کی مخالفت کرتے ہوئے ایک سو پچیس کلو گیہوں لادا تو اس میں پچیس کلو بلا اجازت کے ہوئے بشرطیکہ جانور کے

اندر اتنا بوجھ اٹھانے کی طاقت ہو اب اگر جانور اس بوجھ کی وجہ سے ہلاک ہوگیا تو پچیس کلو جو زیادہ لادا اس کا حساب کرکے قیمت کا ذمہ دار مستاجر کو بنائیں گے مثلاً جانور کی قیمت ایک سو پچیس روپے تھی تو کرایہ پر لینے والا پچیس روپے کا ذمہ دار ہوگا اور باقی ایک سو روپے موجر کے گئے۔

اور اگر اتنا بوجھ ہو کہ اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں تھی تو خلاف عادت بوجھ لادنے کی اجازت نہ ہونے کی وجہ سے بصورت ہلاکت مستاجر جانور کی پوری قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔

(۱۱۶۳/۱۹)وَاِنْ كَبَحَ الدَّابَّةَ بِلِجَامِهَا اَوْ ضَرَبَهَا فَعَطِبَتْ ضَمِنَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالٰى وَقَالَ اَبُوْ سُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَضْمَنُ.

حل لغات: کبح: (ف) کبحاً، چوپائے کو لگام کھینچ کر ٹھہرانا، لِجَام: لگام جمع لُجُمْ.

ترجمہ: اگر کھینچا چوپایہ لگام سے یا اس کو مارا اور وہ ہلاک ہوگیا تو ضامن ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: کسی نے چوپایہ کو کرایہ پر لیا اور اس کو اپنی طرف سختی سے لگام کھینچ کر کھڑا کرنا چاہا یا اس کو ملا جس سے چوپایہ ہلاک ہوگیا تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مستاجر ضامن ہوگا۔

دلیل: امام صاحب فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنے کا حق بشرط سلامت ہے اس طرح لگام کھینچنے کا حق نہیں ہے کہ جانور ہلاک ہو جائے اس نے احتیاط سے کام نہیں لیا اس لئے ضامن ہوگا (اللباب ۲/ ۳۱)

صاحبین فرماتے ہیں کہ لگام کھینچنا اس کا ذاتی حق ہے اس کے بغیر تو جانور کو کھڑا ہی نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے یہ تعدی نہیں ہے لہٰذا کرایہ والے پر تاوان لازم نہیں ہوگا۔

دلیل: عرف عام کے اعتبار سے جو حقوق استعمال کئے تو چاہے جانور ہلاک ہو جائے اس پر تاوان نہیں ہے کیوں کہ معروف طریقے سے چلانے اور ٹھہرانے کا حق حاصل تھا، امام صاحب فرماتے ہیں کہ معروف طریقے پر جو حقوق استعمال کرنے کی اجازت ہے وہ اس شرط پر ہے کہ جانور سالم رہے ہلاک نہ ہو اگر جانور ہلاک ہوگیا تو حق استعمال کرنے کے باوجود ضامن ہوگا صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے اور اسی کی طرف امام صاحب کا رجوع بھی ثابت ہے (درمختار مع الشامی ۵/ ۳۳)

(۱۱۶۴/۲۰)وَالْاُجَرَاءُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ اَجِيْرٌ مُشْتَرَكٌ وَاَجِيْرٌ خَاصٌّ فَالْمُشْتَرَكُ مَنْ لَّا يَسْتَحِقُّ الْاُجْرَةَ حَتّٰى يَعْمَلَ كَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ.

حل لغات: الاجراء: اَجِیر کی جمع مزدور، نوکر، الصَّبَّاغ: رنگریز، القصَّار: دھوبی۔

ترجمہ: اجیروں کی دو قسمیں ہیں اجیر مشترک اور اجیر خاص اجیر مشترک وہ ہے جو اجرت کا مستحق نہیں ہوتا

یہاں تک وہ کام کردے جیسے رنگریز اور دھوبی۔

اجیر کی قسموں کی بیان

تشریح: اجیر کی دو قسمیں ہیں (۱) اجیر مشترک جو کسی متعین شخص کا اجیر نہ ہو مثلاً درزی، دھوبی جو اپنی جگہ رہ کر کام کرتا ہے۔ ان کو اجرت کام کر دینے پر ملے گی چونکہ یہ بیک وقت کئی آدمیوں کا کام لیتا ہے اس لیے اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں۔

(۲۱/۱۱۶۵) وَالْمَتَاعُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِهٖ اِنْ هَلَكَ لَمْ يَضْمَنْ شَيْئًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَضْمَنُهٗ.

ترجمہ: اور سامان امانت ہے اس کے ہاتھ میں اگر ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ سامان کا ضامن ہوگا۔

تشریح: اجیر مشترک کے پاس اگر کوئی چیز جسے اس نے کام کرنے کیلئے لے رکھا تھا بغیر کسی تعدی اور عام آفت کے ہلاک ہو جائے تو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ امانت ہونے کی وجہ سے اجیر پر اس کے ضیاع کا کچھ ضمان نہ ہوگا۔

لیکن حضرات صاحبین نے فرمایا کہ اس زمانہ میں مشترک اجیر لوگوں کے اموال کی حفاظت میں سستی کرنے لگے ہیں اور یہی ان کا معمول بن گیا ہے اس لیے عام تباہی کے علاوہ صورت میں ایسے اجیروں پر حفاظت میں کوتاہی کی بنا پر تاوان واجب کیا جائے گا تاکہ مفاسد کا سد باب ہو سکے (شامی ۵/۵۵)

نیز حضرت علیؓ ضمان لازم کرتے تھے رنگریز اور لوہار پر اور فرماتے تھے کہ لوگوں کے لئے اچھا نہیں ہے مگر یہ (مصنف عبدالرزاق ۸/۲۱۷)

(۲۲/۱۱۶۶) وَمَا تَلِفَ بِعَمَلِهٖ كَتَخْرِيْقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهٖ وَزَلَقِ الْحَمَّالِ وَانْقِطَاعِ الْحَبْلِ الَّذِيْ يَشُدُّ بِهِ الْمُكَارِيْ الْحَمْلَ وَغَرَقِ السَّفِيْنَةِ مِنْ مَدِّهَا مَضْمُوْنٌ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَضْمَنُ بِهٖ بَنِيْ آدَمَ فَمَنْ غَرِقَ فِي السَّفِيْنَةِ اَوْ سَقَطَ مِنَ الدَّابَّةِ لَمْ يَضْمَنْهُ.

حل لغات: تخریق: باب تفعیل کا مصدر ہے پھاڑنا، دق: باب (ن) کا مصدر ہے کوٹنا مراد اس لکڑی کی ضرب اور چوٹ ہے جس سے دھوبی کپڑا پیٹتا ہے، زلق: باب (ن، س) پھسلنا، الحمال: بوجھ اٹھانے والا، قلی، المکاری: اسم فاعل باب مفاعلۃ مصدر مُکَارَاۃ کرایہ پر دینے والا، السفینۃ: کشتی، مد: باب (ن) کھینچنا لمبا کرنا، وماتلف الخ مبتدا ہے اور مضمون اس کی خبر ہے، الا انہ، مضمون سے استثناء ہے۔

ترجمہ: اور جو تلف ہو جائے اس کے عمل سے جیسے کوٹنے کی وجہ سے کپڑے کا پھاڑ دینا اور مزدور کا پھسل جانا اور اس رسی کا ٹوٹ جانا جس سے کرایہ پر دینے والا بوجھ باندھتا ہے اور کشتی کا ڈوب جانا رسی کے کھینچنے کی وجہ سے یہ سب

مضمون ہے مگر یہ نہیں ضامن ہوگا آدمی کا لہٰذا جو ڈوب جائے کشتی میں یا گر جائے سواری سے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: جو کام ہاتھ سے کئے جاتے ہیں ان میں نقصان ہو جائے تو اجیر پر ان کا تاوان لازم ہے مثلاً کپڑا دھونے کے لئے دیا دھوبی نے اس کو ایسا کوٹا کہ پھٹ گیا تو دھوبی پر اس کا تاوان ہوگا یا مزدور اور قلی پھسل گیا جس کی وجہ سے سر کا بوجھ نیچے گر گیا اور سامان ٹوٹ پھوٹ گیا تو مزدور پر اس کا تاوان لازم ہوگا یا جس رسی سے بوجھ باندھتے ہیں وہ ٹوٹ گئی اور سامان نیچے گر کر ٹوٹ گیا تو اس کا تاوان لازم ہوگا یا ملاح نے بے قاعدہ کشتی کھینچی اور وہ ڈوب گئی تو ان تمام صورتوں میں اسباب کے ضائع ہونے سے اجیر مشترک پر تاوان لازم آئے گا، یہ مسئلہ صاحبین کے مذہب پر ہے۔ اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کشتی کھینچنے کی وجہ سے کشتی ڈوب گئی اور اس کی وجہ سے آدمی مر گیا تو آدمی کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا ایسے ہی لگام کھینچنے کی وجہ سے آدمی چوپایہ سے گر کر مر گیا تو اجیر پر آدمی کا ضمان لازم نہیں ہوگا۔

دلیل: اجیر سے غلطی ہوگئی آدمی کی جان گئی تو یہ قتل خطاء ہے اور قتل خطاء کا تاوان اجیر کے خاندان کے لوگ دیں گے اور قاعدہ ہے کہ اجیر کے خاندان کے لوگ جنایت کی وجہ سے جو قتل خطاء ہوا ہو اس کا تاوان دیں گے اور یہ قتل خطاء جنایت کی وجہ سے نہیں ہوا ہے بلکہ عقد اجرت کی وجہ سے ہوا ہے اس لیے عاقلہ پر بھی تاوان نہیں ہے تو خود اجیر بھی انسانی ہلاکتوں کا تاوان نہیں دے گا۔ (عینی ۳/۶۷۴، جوہرہ ۱/۳۲۲)

(۱۱۶۷/۲۳) وَإِذَا فَصَدَ الْفَصَّادُ أَوْ بَزَغَ الْبَزَّاغُ وَلَمْ يَتَجَاوَزِ الْمَوْضَعَ الْمُعْتَادَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا فِيمَا عَطِبَ مِنْ ذَالِكَ وَإِنْ تَجَاوَزَهُ ضَمِنَ.

حل لغات: فصد: (ض) مصدر فصداً رگ کھول خراب خون نکالنا۔ الفصاد: فصد کھولنے والا، (بزغ: ب (ن) مصدر بزغاً، نشتر لگانا، جسم چیرنا، البزاغ: نشتر لگانے والا، الموضع المعتاد: جہاں جہاں تک جسم چیرنا مناسب ہو۔

ترجمہ: اگر فصد کھولنے والے نے فصد کھولی یا داغ لگانے والے نے داغ لگایا اور نہیں بڑھا معتاد جگہ سے تو ان دونوں پر ضمان نہیں ہے اس کا جو ان سے ہلاک ہوا اور اگر اس سے بڑھ گیا تو ضمان ہوگا۔

تشریح: فصد کھولنے والے کو جسم چیرنا پڑتا ہے اگر اس نے اتنا ہی چیرا جتنا چیرنا چاہئے تھا پھر بھی آدمی ہلاک ہوگیا تو فصد کھولنے والے پر کچھ تاوان نہ ہوگا اسی طرح داغ لگانے والے نے جسم پر اتنا ہی داغ لگایا جتنا لگانا چاہئے تھا پھر بھی ہلاک ہوگیا تو اس پر تاوان نہیں ہوگا اور اگر زیادہ لگا دیا جس کی وجہ سے ہلاک ہوگیا تو آدھی دیت لازم ہوگی۔

دلیل: مناسب مقام تک فصد لگانے اور جسم چیرنے کی اجازت ہے اس لیے اتنا چیرنے یا داغ لگانے سے ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا ہاں زیادہ چیرنے سے ضامن ہوگا کیوں کہ اس کا حق نہیں تھا۔

(۱۱۶۸/۲۴) وَالْأَجِيرُ الْخَاصُّ هُوَ الَّذِي يَسْتَحِقُّ الْأُجْرَةَ بِتَسْلِيمِ نَفْسِهِ فِي الْمُدَّةِ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ كَمَنِ

اسْتَأْجَرَ رَجُلاً شَهراً لِلْخِدْمَةِ اَوْ لِرَعْيِ الْغَنَمِ.

ترجمہ: اور اجیر خاص وہ ہے جو اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے اپنے آپ کو سپرد کر دینے سے مدت میں اگرچہ ابھی کام نہ کیا ہو جیسے مزدوری پر لیا کسی آدمی کو ایک ماہ خدمت کے لئے یا بکریاں چرانے کے لئے۔

اجیر خاص

تشریح: اجیر خاص جس کا دوسرا نام اجیر واحد بھی ہے اس کو کہتے ہیں جو ایک وقت معین تک صرف ایک مستاجر کا کام کرے اور کسی دوسرے کا نہیں جیسے صبح سے شام تک مزدور اجرت پر لیتے ہیں یا مثلاً ایک ماہ تک مالک کی خدمت کرے گا یا ایک ماہ تک مالک کی بکری چرائے گا تو یہ اجیر مشترک نہیں اجیر خاص ہے اس کا حکم یہ ہے کہ کام کم کرے یا زیادہ کرے یا نہ کرے صرف صبح سے شام تک مستاجر کو سپرد کر دے اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

(۲۵/۱۱۶۹) وَلاَضَمَانَ عَلَى الْاَجِيْرِ الْخَاصِّ فِيْمَا تَلِفَ فِيْ يَدِهٖ وَلاَ فِيْ مَاتَلَفَ مِنْ عَمَلِهٖ اِلاَّ اَنْ يَّتَعَدّٰى فَيَضْمَنُ.

ترجمہ: اور نہیں ہے ضمان اجیر خاص پر اس کا جو ضائع ہو جائے اس کے اس کے ہاتھ میں اور نہ اس کا جو تلف ہو جائے اس کے عمل سے مگر یہ کہ زیادتی کرے تو وہ ضامن ہوگا۔

تشریح: اجیر خاص کے ہاتھ میں جا کر کوئی چیز ضائع ہو جائے یا جو منافع وجود میں آئے تھے ان میں سے کچھ نفع ضائع ہو گیا تو ان دونوں کے ضائع ہونے پر اجیر خاص پر تاوان نہیں ہے مثلاً بکری اس کے پاس سے بغیر اس کی تعدی کے ہلاک ہو گئی یا اس کے پاس سے غصب کر لی گئی تو اجیر پر بکری کا تاوان نہیں ہے یا بکری کے بچہ پیدا ہوا اور اجیر کے پاس مر گیا تو اس بچہ کا تاوان اجیر پر نہیں ہے کیوں کہ یہ مال امانت کے طور پر اس کے ہاتھ میں ہے اور بغیر تعدی کے امانت ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان لازم نہیں ہوتا (اللباب ۲/۳۳)

(۲۶/۱۱۷۰) وَالْاِجَارَةُ تُفْسِدُهَا الشُّرُوْطُ كَمَا تُفْسِدُ الْبَيْعَ.

ترجمہ: اور اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں شرطیں جیسا کہ وہ فاسد کر دیتی ہیں بیع کو۔

تشریح: جو شرطیں بیع کو فاسد کر دیتی ہیں وہ شرطیں اجارہ کو بھی فاسد کر دیتی ہیں مثلاً ایسی شرطیں لگانا کہ جن میں اجیر کا فائدہ ہو یا مستاجر کا فائدہ ہو، کیوں کہ اجارہ بھی بیع کی طرح ہے فرق یہ ہے کہ بیع میں عین شی کی بیع ہوتی ہے اور جارہ میں منافع کی بیع ہوتی ہے بہر حال عقد ہونے میں دونوں برابر ہیں اس لیے دونوں شروط فاسدہ سے فاسد ہو جائیں گے۔

(۲۷/۱۱۷۱) وَمَنِ اسْتَاْجَرَ عَبْداً لِلْخِدْمَةِ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يُّسَافِرَ بِهٖ اِلاَّ اَنْ يَّشْتَرِطَ عَلَيْهِ ذَالِكَ فِي الْعَقْدِ.

ترجمہ: جس نے اجرت پر لیا غلام خدمت کے لئے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو ساتھ لے کر سفر کرے مگر یہ کہ شرط کر لے اس کی عقد میں۔

تشریح: کسی نے ایک غلام یا کسی آدمی کو اپنی خدمت کے لئے نوکر رکھا تو اس کو بغیر اس کی مرضی کے سفر میں نہیں لے جاسکتا ہاں عقد اجارہ کرتے وقت یہ شرط لگائے کہ اس کو سفر میں لے جاؤں گا تو پھر لے جاسکتا ہے۔

دلیل: سفر میں مشقت ہوتی ہے اس میں خدمت کرنا مشکل کام ہے چناں چہ مطلق عقد اس کو شامل نہ ہوگا۔

(۲۸/۱۱۷۲) وَمَنِ اسْتَأْجَرَ جَمَلاً لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمِلاً وَرَاكِبَيْنِ اِلٰى مَكَّةَ جَازَ وَلَهُ الْمَحْمِلُ الْمُعْتَادُ وَاِنْ شَاهَدَ الْجَمَّالُ الْمَحْمِلَ فَهُوَ اَجْوَدُ.

حل لغات: جمل: اونٹ جمع جمالٌ، محمل: کجاوہ (اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں، المعتاد: عادة سے مشتق ہے جو عام عادت ہو، الجمال: اونٹوں کا مالک یا ساربان جمع جمّالةٌ۔

ترجمہ: کسی نے اجرت پر لیا اونٹ کو تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار کرے مکہ تک تو جائز ہے اور اس کے لئے جائز ہے معتاد کجاوہ اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو اور اچھا ہے۔

تشریح: کسی نے اونٹ اجرت پر لیا تا کہ اس پر کجاوہ رکھ کر دو آدمی سوار ہوں تو یہ صورت جائز ہے اور مستاجر پر ضروری ہے کہ عام طور پر جو کجاوہ اونٹ پر رکھا جاتا ہے وہی کجاوہ رکھے نہ زیادہ بڑا ہو نہ زیادہ چھوٹا بلکہ معمولی بوجھ والا ہو اور اگر اونٹ والا کجاوہ دیکھ لے تو سفر سے پہلے ہی رضا مندی ہو جائے گی اس لیے دیکھ لینا بہتر ہے۔

(۲۹/۱۱۷۳) وَاِنِ اسْتَأْجَرَ بَعِيْراً لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مِقْدَاراً مِّنَ الزَّادِ فَاَكَلَ مِنْهُ فِي الطَّرِيْقِ جَازَ لَهُ اَنْ يَرُدَّ عِوَضَ مَا اَكَلَ.

ترجمہ: اور اگر اجرت پر لیا اونٹ کو تا کہ لادے اس پر توشہ کی ایک مقدار پھر اس سے کچھ توشہ کھالیا راستہ میں تو جائز ہے اس کے لئے یہ کہ اتنا اور لوٹائے اس کے بدلے میں جو کھایا۔

تشریح: کسی نے اونٹ کرایہ پر لیا کہ اس پر ایک کوئنٹل توشہ لاد کر فلاں مقام تک لے جائے گا پھر راستہ میں دس کلو کھالیا تو اس کو حق ہے کہ الگ سے دس کلو اونٹ پر لادے کیوں کہ سو کلو لے جانے کی بات طے ہوئی تھی راستہ میں دس کلو کم ہو گیا تو اس کے بدلہ مزید دس کلو لادنے کا حق ہے۔

(۳۰/۱۱۷۴) وَالْاُجْرَةُ لَا تَجِبُ بِالْعَقْدِ وَتُسْتَحَقُّ بِاَحَدِ ثَلٰثَةِ مَعَانٍ اِمَّا بِشَرْطِ التَّعْجِيْلِ اَوْ بِالتَّعْجِيْلِ مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ اَوْ بِاسْتِيْفَاءِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ.

حل لغات: استیفاء: مصدر ہے باب استفعال سے پورا وصول کرنا، معقود علیه: جس پر عقد ہوا ہو،

معان جمع ہے معنی کی۔

ترجمہ: اور اجرت نہیں واجب ہوتی عقد سے اور مستحق ہوتا ہے تین باتوں میں سے کسی ایک سے یا جلدی کی شرط لگانے سے یا بغیر شرط کے جلدی دے دینے سے، یا معقود علیہ حاصل کر لینے سے۔

استحقاق اجرت کا بیان

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اجرت اور کرایہ کی ادائیگی صرف معاملہ طے کرنے سے واجب نہیں ہوتی بلکہ تین باتوں میں سے ایک کے پائے جانے کی وجہ سے اجرت دینا واجب ہوگا (۱) معاملہ کرتے وقت ہی شرط لگادے کہ اجرت پہلے لوں گا (۲) پہلے دینے کی شرط تو نہیں لگائی لیکن مستاجر نے خود بخود اجرت پہلے دی (۳) مستاجر کا پوری منفعت حاصل کر لینا، تو مستاجر پر اجرت دینا واجب ہو جائے گا۔

(۱۱۷۵/۳۰) وَمَنِ اسْتَاجَرَ دَاراً فَلِلْمُوْجِرِ اَنْ يُّطَالِبَهُ بِاُجْرَةِ كُلِّ يَوْمٍ اِلَّا اَنْ يُّبَيِّنَ وَقْتَ الْاِسْتِحْقَاقِ فِي الْعَقْدِ.

حل لغت: الموجو: اسم فاعل باب افعال سے کرایہ پر دینے والا۔

ترجمہ: کسی نے کرایہ پر لیا گھر تو اجرت پر دینے والے کو حق ہے کہ اس سے ہر دن کی اجرت طلب کرے مگر یہ کہ بیان کر دے استحقاق کا وقت عقد میں۔

تشریح: ایک آدمی نے کسی سے گھر کرایہ پر لیا اور ماہانہ یا سالانہ کرایہ طے نہیں کیا تھا تو مالکِ مکان کو حق ہے کہ ہر دن کا کرایہ مستاجر سے مانگے ہاں اگر اجرت ماہانہ یا سالانہ طے ہو تو مہینے میں یا سال میں طلب کرے گا۔

دلیل: ایک دن رات کا نفع قابل شمار ہے جس کا نفع مستاجر نے اٹھالیا ہے اس لیے ہر دن الگ الگ اجرت طلب کر سکتا ہے ہر گھنٹہ میں نہیں مانگ سکتا ورنہ پریشانی ہوگی۔

(۱۱۷۶/۳۲) وَمَنِ اسْتَاْجَرَ بَعِيْراً اِلٰى مَكَّةَ فَلِلْجَمَّالِ اَنْ يُّطَالِبَهُ بِاُجْرَةِ كُلِّ مَرْحَلَةٍ.

حل لغات: بعیر: نو سال یا چار سال کا اونٹ یا اونٹنی جمع بُعْرانٌ، مرحلة: منزل، مسافت، مسافر کے ایک دن کا سفر جمع مراحل۔

ترجمہ: جس نے کرایہ پر لیا اونٹ مکہ تک تو اونٹ والے کے لئے جائز ہے کہ طلب کرے ہر منزل کا کرایہ۔

تشریح: کسی نے مکہ لے جانے کے لئے اونٹ کرایہ پر لیا اور طے نہیں کیا کہ سفر ختم ہونے کے بعد اجرت لے گا یا ہر ہر منزل پر اجرت طلب کرے گا تو اونٹ والے کو حق ہے کہ ہر ہر منزل پر اجرت الگ الگ طلب کرے۔

نوٹ: اگر کسی جگہ کا عرف یہ ہے کہ سفر مکمل ہونے کے بعد اجرت دیتے ہیں یا سفر مکمل طے ہونے کے بعد

اجرت دینا طے پایا ہے تو سفر مکمل ہونے کے بعد ہی اجرت مانگ سکتا ہے۔

(۱۱۷۷/۳۳) وَلَيْسَ لِلْقَصَّارِ وَالْخَيَّاطِ اَنْ يُطَالِبَ بِالْاُجْرَةِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَ التَّعْجِيْلَ.

ترجمہ: دھوبی اور درزی کے لئے اس بات کا حق نہیں ہے کہ طلب کرے اجرت یہاں تک کہ فارغ ہو جائے کام سے مگر یہ کہ شرط لگائے پیشگی کی۔

تشریح: دھوبی اور درزی جب تک مکمل کام نہ کر دے تب تک اجرت مانگنے کے حقدار نہیں ہیں ہاں اگر پہلے سے پیشگی اجرت لینے کی شرط لگا دے تو لے سکتے ہیں کیوں کہ درمیان میں کپڑا نفع اٹھانے کے قابل ہی نہیں ہے بلکہ کپڑا درمیان دھلنے کے اور زیادہ گندہ ہو جاتا ہے اس لیے کام مکمل کرنے کے بعد ہی اجرت ملے گی اگر ایڈوانس کی شرط ہے تو مستاجر کی رضامندی سے پہلے بھی لے سکتا ہے۔

(۱۱۷۸/۳۴) وَمَنِ اسْتَاْجَرَ خَبَّازاً لِتَخْبِزَ لَهٗ فِيْ بَيْتِهٖ قَفِيْزَ دَقِيْقٍ بِدِرْهَمٍ لَمْ يَسْتَحِقَّ الْاُجْرَةَ حَتّٰى يُخْرِجَ الْخُبْزَ مِنَ التَّنُّوْرِ.

حل لغات: خباز: روٹی پکانے والا، تخبز: مضارع (ب رض) مصدر خبزاً روٹی پکانا، دقیق: آٹا، قفیز: ایک پیمانہ کا نام جو غلہ کی قبیل سے بارہ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع کا وزن موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے ۳ کلو ۱۸۴ گرام ۲۷۲ ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا بارہ صاع کا وزن ۳۶ کلو ۲۱۱ گرام ۲۶۴ ملی گرام ہوگا، التنور: جمع تنانیر ایک گول گڑھا جسے گرم کر کے اس میں روٹیاں پکاتے ہیں۔

ترجمہ: کسی نے اجرت پر لیا روٹی پکانے والے کو تاکہ پکائے اس کے لئے اس کے گھر میں روٹی ایک قفیز آٹے کی ایک درہم میں تو وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوگا یہاں تک کہ روٹی تنور سے نکال دے۔

تشریح: تنور سے نکالنے سے پہلے وہ گوندھا ہوا آٹا ہے روٹی نہیں ہے پکا کر تنور سے نکالنے کے بعد روٹی بنے گی اس لیے تنور سے نکالنے سے پہلے وہ اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، اگر نکالنے سے پہلے جل گئی یا اس کے ہاتھ سے گر گئی تو چونکہ سپردگی سے قبل ہلاکت پائی گئی تو نان بائی کے لئے اس کے حساب سے اجرت ساقط ہو جائے گی اور اگر روٹی باہر نکال دی پھر اس کی تعدی کے بغیر جل گئی تو اس کو اجرت ملے گی اور کوئی تاوان لازم نہ ہوگا۔ (اللباب ۲/۳۴)

(۱۱۷۹/۳۵) وَمَنِ اسْتَاْجَرَ طَبَّاخاً لِيَطْبُخَ لَهٗ طَعَاماً لِلْوَلِيْمَةِ فَالْغَرْفُ عَلَيْهِ.

حل لغت: غرف: چمچی ڈال کر کھانا نکالنا۔

ترجمہ: کسی نے باورچی اجرت پر لیا ولیمہ کا کھانا پکانے کیلئے تو پیالے میں ڈالنا بھی اسی پر ہے۔

تشریح: باورچی کو ولیمہ کا کھانا پکانے کے لئے اجرت پر لیا تو کھانا پکانے کے بعد کھانا برتن میں نکالنا اس کی ذمہ داری ہے، مصنفؒ کے معاشرہ میں اسی طرح کا عرف تھا، جہاں کوئی عرف نہ ہو وہاں کھانا پکا دینے سے باورچی کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔

(۱۱۸۰/۳۶) وَمَنِ اسْتَاجَرَ رَجُلاً لِيَضْرِبَ لَهُ لَبِناً اِسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ اِذَا اَقَامَهُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعالٰى لَا يَسْتَحِقُّهَا حَتّٰى يُشَرِّجَه.

حل لغات: لبن: کچی اینٹ، یشرج: اینٹوں کو تہ بتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا چٹہ لگانا۔

ترجمہ: کسی نے اجرت پر لیا کسی کو تاکہ اس کے لئے اینٹ بنائے تو مستحق ہوگا اجرت کا جب ان کو کھڑی کردے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، صاحبین نے فرمایا کہ نہیں مستحق ہوگا یہاں تک کہ ان کا چٹہ لگا دے۔

تشریح: اینٹ بنانے کے لئے کسی آدمی کو اجرت پر لیا تو امام صاحب کے نزدیک اینٹ سکھا لینے کے بعد جب کھڑی کردے تو اس کا کام پورا ہو گیا اب وہ اجرت کا مستحق ہے کیوں کہ اینٹ قابل انتفاع بن گئی ان کو دیوار کی طرح کھڑی کرنا یہ زیادہ کام ہے اینٹ بنانے والے کی ذمہ داری نہیں ہے، یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ عرف عام میں اینٹوں کو تہ بتہ لگانا اور دیوار کی طرح کھڑی کرنا بھی شامل ہے اس لیے تہ بتہ لگانے کے بعد ہی اجرت کا مستحق ہوگا (عینی شرح ہدایہ ۳/۶۳۲)

(۱۱۸۱/۳۷) وَاِذَا قَالَ لِلْخَيَّاطِ اِنْ خِطْتَ هٰذَا الثَّوْبَ فَارِسِيًّا فَبِدِرْهَمٍ وَاِنْ خِطْتَهُ رُوْمِيًّا فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَاَىَّ الْعَمَلَيْنِ عَمِلَ اِسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ.

حل تراکیب: فبدرھم جواب شرط ہے فبدرھمین بھی جواب شرط ہے اور مصنف کا قول جاز یہ اذا کا جواب ہے۔

ترجمہ: اور اگر درزی سے کہا کہ اگر تو اس کپڑے کو فارسی طرز پر سیئے تو ایک درہم اور اس کو رومی طرز پر سیئے تو دو درہم تو یہ جائز ہے اب جونسا بھی عمل کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا۔

دو شرطوں میں سے کسی ایک شرط پر اجرت طے کرنے کا بیان

تشریح: اجرت کے لئے دو الگ الگ انداز اختیار کئے اور دونوں کے لئے الگ الگ اجرت متعین کی تو جس انداز سے کام کرے گا اسی انداز کی اجرت ملے گی اور ایسا کرنا جائز ہے مثلاً کہا کہ اگر تو جبہ فارسیوں کے طرز پر سیئے تو اجرت ایک درہم ہوگی اور رومیوں کے طرز پر سیئے تو دو درہم ہوگی، اس میں کوئی جہالت نہیں ہے اس لیے اجارہ درست ہے امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس شرط پر اجارہ فاسد ہے کیوں کہ معقود علیہ فی الحال مجہول ہے۔

(۱۱۸۲/۳۸) وَاِنْ قَالَ اِنْ خِطْتَهُ الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ وَاِنْ خِطْتَهُ غَداً فَبِنِصْفِ دِرْهَمٍ فَاِنْ خَاطَهُ الْيَوْمَ فَلَهُ دِرْهَمٌ وَاِنْ خَاطَهُ غَداً فَلَهُ اُجْرَةُ مِثْلِهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَا يَتَجَاوَزُ بِهٖ نِصْفَ دِرْهَمٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الشَّرْطَانِ جَائِزَانِ وَاَيُّهُمَا عَمِلَ اِسْتَحَقَّ الْاُجْرَةَ.

ترجمہ: اور اگر کہا کہ اگر آج سیئے تو ایک درہم میں ہوگا اور اگر کل سیئے گا تو نصف درہم میں ہوگا اگر آج ہی سی دیا تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر کل سیا تو اس کے لئے اجرت مثل ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور نہیں بڑھے گی آدھے درہم سے اور کہا صاحبین نے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور جونسا بھی کام کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا۔

تشریح: کسی نے درزی سے یوں کہا کہ اگر آج سیو گے تو ایک درہم اجرت ہوگی اور کل سیو گے تو آدھا درہم اجرت ہوگی تو امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر آج سی دیا تو ایک درہم ملے گا اور کل سیا تو آدھا درہم نہیں ملے گا بلکہ بازار میں اس کپڑے کو سینے کی جو اجرت ہوسکتی ہے وہ اجرت ملے گی البتہ وہ بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

دلیل: امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آج سیو گے تو ایک درہم یہ جلدی کرنے کے لئے ہے اس لیے اجارہ درست ہوگیا اور آج سینے پر ایک درہم مل جائے گا لیکن اگر کہا کہ کل سیئے گا تو آدھا درہم اجرت ہوگی یہ تعلیق کے لئے ہے اور اجارہ معلق ہو جائے تو بات طے نہیں ہوتی اس لیے اجارہ فاسد ہوگیا اور جب اجارہ فاسد ہو جائے تو قاعدہ یہ ہے کہ بازار میں جو اجرت ہوسکتی ہے وہ ملتی ہے اس لیے بازار کی اجرت ملے گی لیکن کل سینے پر دونوں کے درمیان آدھا درہم طے ہے اس لیے بازار کی اجرت بھی آدھے درہم سے زیادہ نہ ہو۔

صاحبین کا مذہب: آج کی شرط لگائے یا کل کی دونوں شرطیں درست ہیں اس لیے جو بھی عمل کرے گا شرط کے مطابق وہ اجرت ملے گی (ماخوذ اللباب ۲/۳۵)

(۱۱۸۳/۳۹) وَاِنْ قَالَ اِنْ سَكَنْتَ فِیْ هٰذَا الدُّكَّانِ عَطَّاراً فَبِدِرْهَمٍ فِی الشَّهْرِ وَاِنْ سَكَنْتَهُ حَدَّاداً فَبِدِرْهَمَيْنِ جَازَ وَاَیَّ الْاَمْرَيْنِ فَعَلَ اِسْتَحَقَّ الْمُسَمّٰى فِيْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ الْاِجَارَةُ فَاسِدَةٌ.

حل لغات: عطار: عطر بیچنے والا، حداد: لوہاری کا کام کرنے والا۔

ترجمہ: اگر کہا کہ اگر اس دوکان میں عطر بیچنے والے کو ٹھہرایا تو مہینے میں ایک درہم ہوگا اور اگر لوہار کو ٹھہرایا تو دو درہم ہوں گے تو یہ جائز ہے اور دونوں معاملوں میں سے جو بھی کرے گا اسی کی اجرت کا مستحق ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ فرمایا کہ یہ اجارہ فاسد ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے دوکان کرایہ پر دی اور یوں کہا کہ اگر اس دوکان میں عطر فروش کو رکھو گے تو ماہانہ ایک درہم کرایہ دینا پڑے گا اور اگر اس دوکان میں لوہاری کا کام کراؤ گے جو گندہ کام ہے تو ماہانہ دو درہم کرایہ ادا کرنا پڑے گا

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں اجارے درست ہیں اور جو بھی وہ کام کرائے گا اسی کے مطابق اجرت لازم ہوگی۔

دلیل: اس صورت میں اجارہ کو معلق کرنا نہیں ہے بلکہ دو کاموں میں سے ایک کا اختیار دینا ہے اور چونکہ دونوں کی الگ الگ اجرتیں واضح ہیں اس لیے اجارہ درست ہوگا اور جو کام کرے گا اسی قسم کی اجرت لازم ہو جائے گی رہ گیا یہ معاملہ کہ کیا کام کرے گا اس کی تعیین کام شروع کرتے وقت ہو جائے گی یہ مسئلہ رومی اور فارسی والے مسئلہ کے مانند ہے۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب مع دلیل: اجارہ کرتے وقت یہ معلوم نہیں ہے کہ کون سا کام کرایہ پر لینے والا کرے گا کونسی اجرت ہم لازم کریں گے؟ اس لیے اجارہ کی اجرت مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو گیا، امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کیا کام کرے گا اس کا تعین کام شروع کرتے وقت ہو جائے گا۔ (اللباب ۳/۳۵تا۳۶)

(۱۱۸۴/۴۰) وَمَنِ اسْتَاجَرَ دَاراً كُلَّ شَهْرٍ بِدِرْهَمٍ فَالْعَقْدُ صَحِيْحٌ فِيْ شَهْرٍ وَاحِدٍ وَفَاسِدٌ فِيْ بَقِيَّةِ الشُّهُوْرِ اِلَّا اَنْ يُسَمِّيَ جُمْلَةَ الشُّهُوْرِ مَعْلُوْمَةً.

ترجمہ: کسی نے کرایہ پر لیا گھر ہر ماہ ایک درہم کے بدلے تو عقد صحیح ہے ایک ماہ میں اور فاسد ہوگا باقی مہینوں میں مگر یہ کہ مہینے معین کر کے بتادے۔

مکان کے کرایہ کے احکام

تشریح: ایک شخص نے ایک مکان ایک درہم ماہوار کرایہ پر دیا تو اجارہ صرف ایک ماہ میں صحیح ہوگا اور باقی مہینوں میں فاسد گھر والا اگلے ماہ کرایہ پر دینے سے انکار کر سکتا ہے ایسے ہی کرایہ دار اگلے ماہ اجرت پر لینے سے انکار کر سکتا ہے ہاں اگر تمام مہینے متعین کر دیے جائیں تو سب میں اجارہ صحیح ہو جائے گا، مثلاً دو سال طے کیا تو دو سال کا اجارہ ہو جائے گا۔

دلیل: جب کلمہ "کل" ایسی چیزوں پر داخل ہو جن کی کوئی انتہا نہ ہو تو اس کے عموم پر عمل متعذر ہونے کی وجہ سے فرد واحد کی طرف پھیر دیا جاتا ہے اور ایک مہینہ معلوم ہے تو اجارہ ایک ہی مہینہ میں صحیح ہوگا اور تمام مہینوں کو متعین کر دینے سے چونکہ کل مدت معلوم ہو جاتی ہے اس لیے تمام مہینوں میں اجارہ صحیح ہو جائے گا۔

(۱۱۸۵/۴۱) فَاِنْ سَكَنَ سَاعَةً مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِيْ صَحَّ الْعَقْدُ فِيْهِ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُوْجِرِ اَنْ يُخْرِجَهُ اِلٰى اَنْ يَنْقَضِيَ الشَّهْرُ.

ترجمہ: اب اگر ٹھہر گیا مستاجر ایک گھڑی دوسرے ماہ میں تو اس میں بھی عقد صحیح ہو جائے گا اور موجر (اجرت

پر دینے والا) کے لئے جائز نہیں ہے کہ مستاجر کو نکال دے یہاں تک کہ مہینہ (اجرت پر لیا ہوا مہینہ) گذر جائے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مستاجر اگلے ماہ میں بھی رہنا شروع کر دے اور گھر والا کچھ نہ کہے تو یہ از سرِ نو اجارہ ہوا یوں سمجھا جائے گا کہ بیع تعاطی کی طرح اشاروں اشاروں میں ہی اگلے ماہ کا اجارہ ہو گیا گویا کہ دینے والا بھی اس کرایہ پر راضی ہے اور لینے والا بھی اور اس پورے ماہ میں گھر والا کرایہ دار کو نہیں نکال سکتا۔

(۱۱۸۶/۴۲) وَكَذَالِكَ حُكْمُ كُلِّ شَهْرٍ يَسْكُنُ فِي اَوَّلِهٖ يوماً اَوْ سَاعَةً.

ترجمہ: اور ایسے ہی حکم ہے ہر اس مہینہ کا کہ ٹھہر جائے اس کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی۔

تشریح: اسی طرح جتنے مہینے بغیر انکار کے رہیں گے ہر ماہ نیا اجارہ ہوتا چلا جائے گا چناں چہ جب ہر ماہ کے شروع میں ایک دن یا ایک گھڑی ٹھہر جائے گا تو گھر والے کی رضامندی سمجھی جائے گی اور اگلے ماہ کی اجرت طے ہو جائے گی، اور جس دن گھر والا یا کرایہ دار اجرت دینے یا لینے سے انکار کر دے اسی دن اگلا اجارہ ختم ہو جائے گا۔

(۱۱۸۷/۴۳) وَاِذَا اسْتَأْجَرَ دَاراً شَهْراً بِدِرْهَمٍ فَسَكَنَ شَهْرَيْنِ فَعَلَيْهِ اُجْرَةُ الشَّهْرِ الْاَوَّلِ وَلَاشَئَ عَلَيْهِ مِنَ الشَّهْرِ الثَّانِيْ.

ترجمہ: جب کرایہ پر لیا مکان ایک ماہ کے لئے ایک درہم کے بدلے پھر ٹھہر گیا اس میں دو ماہ تو اس پر پہلے مہینہ کا کرایہ ہوگا اور اس پر کچھ لازم نہیں ہے دوسرے مہینہ کا۔

تشریح: جب صرف ایک ماہ کی اجرت طے ہوئی تو ایک ماہ بعد اجارہ ختم ہو گیا اب جو کرایہ دار رہا وہ اجرت کے طور پر نہیں بلکہ عاریت کے طور پر رہا ہے اور مالک کی جانب سے اجازت کے طور پر مفت رہا اس لیے دوسرے ماہ کی اجرت اس پر لازم نہ ہوگی مگر بہتر یہ ہے کہ مستاجر دوسرے مہینہ کی اجرت اپنی خوشی سے مالک مکان کو پیش کر دے۔

(۱۱۸۸/۴۴) وَاِذَا اسْتَأْجَرَ دَاراً سَنَةً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ جَازَ وَاِنْ لَمْ يُسَمِّ قِسْطَ كُلِّ شَهْرٍ مِنَ الْاُجْرَةِ.

لغت: قسط: ہر ماہ اجرت دینے کا تخمینہ اور حصہ۔

ترجمہ: جب کرایہ پر لیا مکان سال بھر کے لئے دس درہم میں تو جائز ہے اگر چہ نہ متعین کی ہو ہر ماہ کی قسط اجرت میں۔

تشریح: ایک شخص نے ایک مکان سال بھر کے لئے دس درہم میں کرایہ پر لیا ماہانہ کتنے پیسے ہوں گے یہ بیان نہیں کیا تب بھی اجارہ جائز اور درست ہے۔

دلیل: پوری مدت متعین ہوگئی اور پوری اجرت بھی متعین ہوگئی اور کوئی جہالت نہ رہی اس لیے جائز ہے اگر چہ ہر ماہ کی قسط نہ بیان کرے اور اگر کسی کو معلوم کرنا ہو تو حساب کر کے ہر ماہ کی قسط تراشی پیسے ہوں گے۔

(۱۱۸۹/۴۵) وَيَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ الْحَمَّامِ وَالْحَجَّامِ.

ترجمہ: اور جائز ہے حمام اور پچھنے لگانے کی اجرت لینا۔

وہ افعال جن کی اجرت لینا جائز یا نا جائز ہے

تشریح: پہلے زمانہ میں حمام (غسل خانے) کرائے پر دیئے جاتے تھے تاکہ لوگ ان میں جا کر غسل کریں اب میں ان دو چیزیں اصول کے خلاف تھیں ایک تو یہ کہ حمام میں رہنے کی مدت متعین نہ ہوتی تھی دوسرے یہ کہ ایک آدمی کتنا پانی نہانے میں استعمال کر سکتا ہے اس کی تعیین نہ ہوتی تھی اور یہ دونوں باتیں کرایہ داری کے معاملہ کو فاسد کرنے والی ہیں مگر حضرات فقہاء نے عرف وعادت کی بنا پر اس اجارہ کو جائز قرار دیا ہے۔ (شامی ۵/۴۳)

اور پچھنا لگانے کی اجرت لینا بھی جائز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پچھنا لگوایا اور اس کی اجرت بھی دی اس لیے جمہور علماء کے نزدیک ہر ایک کے لئے جائز ہے لیکن یہ کوئی اچھا پیشہ نہیں ہے کیوں کہ اس پیشہ میں انسان کو مسلسل نجاست میں ملوث رہنا پڑتا ہے اس لیے کہ حجام اپنے منہ سے انسان کے جسم کا گندہ اور ناپاک خون چوس کر کھینچتا ہے جس کی وجہ سے اس کے منہ میں بھی خون آجاتا ہے اس وجہ سے اس پیشہ میں ایک طرح کی خباثت ہے اس لیے بطور پیشے کے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

(۱۱۹۰/۴۶) وَلَا يَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَةِ عَسْبِ التَّيْسِ.

حل لغت: عسب التيس: نر کا مادہ پر چڑھانا، جفتی کرانا۔

ترجمہ: اور نہیں ہے نر کو مادہ پر کودانے کی اجرت لینا۔

تشریح: جفتی کرانے کا بدلہ جو طے کر کے دیا جاتا ہے وہ نا جائز ہے مثلاً کسی کے پاس بکری ہے بکرا دوسرے کا ہے اب بکری والا جفتی کرانا چاہتا ہے تو بکرے اور بکری والے یہ طے کریں کہ اتنی مقدار دو تو جفتی کرے یہ نا جائز ہے اس لیے کہ اگر اس کو بیع قرار دیا جائے تو مبیع یعنی منی مجہول ہے اس لیے کہ خبر نہیں نکلی یا نہیں؟ نکلی تو کتنی نکلی؟ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ نر کا کتنا پانی مادہ کے اندر گیا ہے، اور اگر اس کو اجارہ قرار دیا جائے تو چونکہ اجارہ وقت کی تعیین کے ساتھ ہوتا ہے اور یہاں وقت متعین نہیں ہوسکتا کہ وہ نر کتنی دیر میں فارغ ہو ایسے ہی عمل بھی یقینی نہیں ہے کہ وہ تکمیل کو پہنچائے یا درمیان میں ہی ڈھیلا پڑ جائے نیز یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کتنی ضربے لگائے اور کتنے دھکے مارے، بہر حال ہر صورت کے اندر اجرت نا جائز ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے البتہ عزت واحترام کی خاطر نر جانور کے مالک کو کچھ دے دے تو هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کے طور پر اس کی گنجائش ہے (تقریر بخاری ۵/۵۶)

(۱۱۹۱/۴۷) وَلَا يَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارُ عَلَى الْاَذَانِ وَالْاِقَامَةِ وَتَعْلِيْمِ الْقُرْاٰنِ وَالْحَجِّ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے اجرت لینا اذان اقامت قرآن کی تعلیم اور حج کرنے پر۔

تشریح: اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ متقدمین اصحاب مذہب کے نزدیک قرآن کریم کی تلاوت یا تعلیم امامت وغیرہ عبادات پر اجرت کا لین دین مطلقاً ناجائز ہے لیکن حضرات متاخرین نے فساد زمانہ کی وجہ سے اور عام ضرورت کے پیش آنے کی وجہ سے اور سلسلہ تعلیم وتعلم کے منقطع ہونے اور دین کے ضیاع کے خوف سے تعلیم قرآن پر اجرت لینا مباح قرار دیا ہے اسی طرح اذان وامامت میں بھی ضرورت کی بنیاد پر اجارہ کی صحت کا قول کیا ہے یہ مسئلہ کی اصل نوعیت ہے مگر صاحب السراج الوہاج والجوہرۃ النیرۃ کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے محض تلاوت قرآن کی اجرت کے جواز کو متاخرین کا مفتی بہ قول قرار دے دیا ان کے بعد جتنے بھی مصنفین آئے وہ سب اکثر اسی کی تائید اور نقل کرتے رہے حتی کہ بہت سے لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ متاخرین مطلقاً اطاعت پر اجرت کے جواز کے قائل ہیں اور بعض نے یہ تخریج کی کہ اجرت پر حج کو بھیجنے کا معاملہ بھی جائز ہے حالانکہ یہ سب تفصیل غلط ہے اجارہ کا جواز تعلیم قرآن کے ساتھ ہے نہ کہ تلاوت قرآن کے ساتھ اور متاخرین نے اجارہ علی الطاعات کی حرمت سے جن چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے ان میں تلاوت داخل نہیں ہے کیوں کہ اباحت کا مدار ضرورت پر ہے جو تعلیم وتعلم امامت اور اذان میں تو پائی جاتی ہے مگر تلاوت محضہ میں یہ ضرورت مبیحہ محقق نہیں ہے بلکہ اجرت پر تلاوت کو جائز قرار دینے میں اور بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں، مثلاً اس کی بنا پر قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے اور اللہ کے کلام کو محض ریاکاری اور دنیاداری کے طور پر پڑھا جانے لگا ہے وغیرہ وغیرہ اس مسئلہ کو علامہ شامی نے اپنے ایک مستقل رسالہ شفاء العلیل وبل الغلیل فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتہالیل میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

(۱۱۹۲/۴۸) وَلَا يَجُوْزُ الْاِسْتِيْجَارُ عَلَى الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ.

حل لغات: الغناء: گانا گانا، النوح: مردہ پر زور زور سے چلا کر بلا وجہ رونا، یا میت کے محاسن بیان کر کے رونا دونوں تفسیریں کی گئی ہیں اور دونوں ممنوع ہیں بغیر ذکر محاسن کے آنسوؤں سے رونا ثابت ہے۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے اجرت لینا گانے اور نوحہ کرنے پر۔

تشریح: نوحہ کرنا اور گانا گانا حرام ہے اس لیے ان کی اجرت بھی جائز نہیں ہے حضرت ابراہیم نخعیؒ نوحہ کرنے والی اور گانے والی کی اجرت مکروہ سمجھتے تھے مصنف عبدالرزاق ۸/۱۱۶)

(۱۱۹۳/۴۹) وَلَايَجُوْزُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِجَارَةُ الْمُشَاعِ جَائِزَةٌ.

حل لغت: المشاع: مشترک اور غیر منقسم چیز۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے مشترک چیز کا اجرت پر رکھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبین نے مشترک

چیز کا اجارہ جائز ہے

تشریح: زید اور خالد کے درمیان ایک مکان مشترک ہے ابھی تک تقسیم نہیں ہوا ہے اب زید اپنے حصہ کو اجرت پر رکھنا چاہتا ہے اور خالد نہیں رکھنا چاہتا تو امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں ہے صاحبین کے نزدیک مشترک چیز کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔

امام صاحب کی دلیل: جب خالد کا حصہ زید کے ساتھ ہے تو زید کرایہ دار کو اپنا گھر سپرد نہیں کر سکے گا جس کی وجہ سے کرایہ دار فائدہ نہیں اٹھا سکے گا لہذا مشترک چیز کو مکمل سپرد کرنا ممکن نہیں اس لیے اس کا اجارہ درست نہیں۔

صاحبین کی دلیل: اجارہ کا دارومدار نفع پر ہے اور مشترک میں منفعت ہوتی ہے۔

نوٹ: اگر دونوں شریک مل کر اجرت پر رکھے تو جائز ہے کیوں کہ اب کرایہ دار کو مکمل حوالہ کرنا ممکن ہے۔

(۱۱۹۴/۵۰) وَيَجُوْزُ اِسْتِيْجَارُ الظِّئْرِ بِاُجْرَةٍ مَعْلُوْمَةٍ.

حل لغت: الظئر: دوسرے کے بچہ کو دودھ پلانے والی۔

ترجمہ: اور جائز ہے دودھ پلانے والی کو اجرت پر لینا متعین اجرت کے ساتھ۔

تشریح: بچہ کو دودھ پلانے کے لئے کسی عورت کو اجرت پر رکھے اور متعین اجرت دے تو جائز ہے کیوں کہ آیت میں اس کا ثبوت ہے فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی اگر انہوں نے تمہارے لئے دودھ پلایا تو تم ان کو ان کی اجرت دو، اس آیت سے اجرت دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ سعدیہ نے اجرت کے بدلے دودھ پلایا تھا۔

(۱۱۹۵/۵۱) وَيَجُوْزُ بِطَعَامِهَا وَكِسْوَتِهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ.

لغت: کسوۃ: لباس جمع کُسِیٌّ۔

ترجمہ: اور جائز ہے اس کی خوراک اور پوشاک کے بدلہ امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: دودھ پلانے والی عورت کو کھانے اور کپڑے کے بدلہ اجرت پر لے تو جائز ہے۔

اصل میں اشکال یہ ہے کہ کھانا اور کپڑا متعین نہ ہونے کی وجہ سے اجرت مجہول ہوگی اس لیے معاملہ ناجائز ہونا چاہئے لیکن یہاں معاشرہ کا اعتبار ہے معاشرہ میں جو کھانا کپڑا دیا جاتا ہے وہی دینا ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ کھانا کبھی کم ہوگا کبھی زیادہ تو اجرت مجہول ہوگئی اس لیے جائز نہیں ہاں اجرت میں درہم مقرر کرے اور درہم کے بدلہ کھانا اور کپڑا دے تو اس طرح کا معاملہ درست ہے یا کپڑے اور کھانے کی جنس نوع اور مقدار متعین کر دے تو اجرت معلوم ہونے کی وجہ سے معاملہ درست ہے۔

(۵۲/۱۱۹۶) وَلَيْسَ لِلْمُسْتَاجِرِ اَنْ يَّمْنَعَ زَوْجَهَا مِنْ وَطْئِهَا.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے مستاجر کے لئے کہ روکے اس کے شوہر کو صحبت کرنے سے۔

تشریح: وطی کرنا شوہر کا فطری حق ہے اس خوف سے کہ عورت کو حمل ٹھہر جائے گا تو دودھ خراب ہوگا دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کو وطی کرنے سے روکنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(۵۳/۱۱۹۷) فَاِنْ حَبِلَتْ كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّفْسَخُوْا الْاِجَارَةَ اِذَا خَافُوْا عَلَى الصَّبِيِّ مِنْ لَبَنِهَا.

ترجمہ: پھر اگر وہ حاملہ ہو تو ان کو (بچہ والوں) اختیار ہے کہ اجارہ کو فسخ کردیں جب انہیں بچہ کے متعلق خوف ہو اس کے دودھ سے۔

تشریح: اگر دودھ پلانے والی عورت حاملہ ہوگئی اور بچہ والوں کو اس بات کا خوف ہو کہ بچہ دودھ پیئے گا تو اس کی صحت خراب ہو جائے گی تو ان کو حق ہے کہ اجارہ توڑ دے اور کسی دوسری دودھ پلانے والی کا انتظام کرے۔

(۵۵/۱۱۹۸) وَعَلَيْهَا اَنْ تُصْلِحَ طَعَامَ الصَّبِيِّ.

حل لغات: تُصْلِحَ اصلاح کرنا یہاں پر مراد کھانا بنانا۔

ترجمہ: انّا پر لازم ہے بچہ کے کھانے کو درست کرنا۔

تشریح: دودھ پلانے والی انّا اجرت کی وجہ سے دودھ تو پلائے گی ہی لیکن بچے کو کھانے کی ضرورت ہوگی تو اس کا کھانا بنانا اور کھلانا بھی اسی کے ذمہ ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ عرف میں کھانا بنانا اور کھلانا اجرت میں شامل ہو لیکن اگر کام کی تصریح ہو جائے کہ صرف دودھ پلانا اجرت میں شامل ہے یا عرف میں کھانا بنانا اور کھلانا شامل نہ ہو تو یہ دونوں کام اجرت میں شامل نہ ہوں گے۔

(۵۵/۱۱۹۹) وَاِنْ اَرْضَعَتْهُ فِي الْمُدَّةِ بِلَبَنِ شَاةٍ فَلَا اُجْرَةَ لَهَا.

ترجمہ: اور اگر پلایا بچہ کو مدت اجارہ میں بکری کا دودھ تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے۔

تشریح: اجرت اپنا دودھ پلانے کی تھی بکری کا دودھ پلانے کی نہیں یہ کام تو بچے کے والدین بھی کر سکتے تھے اس لیے انا کو اجرت نہ ملے گی البتہ جو خدمت کی ہے اس کی اجرت مل جائے گی۔

(۵۶/۱۲۰۰) وَكُلُّ صَانِعٍ لِعَمَلِهِ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ كَالْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ فَلَهُ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ عَمَلِهِ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الْاُجْرَةَ.

ترجمہ: اور ہر وہ کاریگر جس کے عمل کا اثر ظاہر ہو شئ میں جیسے دھوبی اور رنگریز تو اس کو حق ہے کہ شئ کو روک

لے اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد یہاں تک کہ لے لے اجرت۔

وہ صورتیں جن میں اجیر اجرت لینے کے لئے عین شئ کو روک سکتا ہے

تشریح: جس کاریگر کے کام کا اثر عین شی میں ظاہر ہو جیسے رنگریز کا عمل کہ کپڑے کو اپنے رنگ سے رنگ دینا ہے اور کپڑا رنگین ہو جاتا ہے یا دھوبی کا عمل کہ اپنے سوڈے اور صابن سے کپڑے کو صاف کر دیتا ہے اور ان کے عمل کا اثر کپڑوں میں ظاہر ہوتا ہے ایسے کاریگروں کو حق ہے کہ کام پورا کرنے کے بعد اجرت لینے کے لئے اس چیز کو اپنے پاس روک لے اور جب تک اجرت وصول نہ کرے کپڑا واپس نہ دے کیوں کہ رنگریز کا اپنا رنگ ہے، دھوبی کا اپنا صابن اور اپنی چیز کو روکنے کا حق ہے اب اگر روکنے کے بعد وہ چیز ہلاک ہوگئی تو امام صاحب کے نزدیک اجیر (مزدور) پر تاوان لازم نہ ہوگا کیوں کہ اس کی جانب سے کوئی تعدی نہیں پائی گئی جیسے وہ چیز پہلے امانت تھی ایسے ہی باقی رہی لیکن اجیر کو اجرت نہ ملے گی کیوں کہ معقود علیہ سپرد کرنے سے قبل ہلاک ہوگیا۔

صاحبین کے نزدیک چونکہ شئ روکنے سے پہلے مضمون تھی تو روکنے کے بعد بھی مضمون ہوگی البتہ مالک کو اختیار ہوگا چاہے شی کی اس قیمت کا تاوان لے جو عمل سے پہلے تھی اور اجرت نہ دے اور چاہے اس قیمت کا تاوان لے جو عمل کے بعد ہے اور مزدوری دے (عینی شرح ہدایہ ۶۳۲/۳)

(۱۲۰۱/۵۷) وَمَنْ لَيْسَ لِعَمَلِهٖ اَثَرٌ فِي الْعَيْنِ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّحْبِسَ الْعَيْنَ لِلْاُجْرَةِ كَالْحَمَّالِ وَالْمَلَّاحِ.

حل لغات: یحبس: باب (ض) مصدر حبساً روکنا، الحمال: بوجھ اٹھانے والا، الملاح: کشتی چلانے والا۔

ترجمہ: اور جس کے عمل کا اثر ظاہر نہ ہوشئ میں تو اس کے لئے حق نہیں ہے کہ روکے عین شئ کو اجرت کے لئے جیسے بوجھ اٹھانے والا اور ملاح۔

تشریح: اگر ایسا اجیر ہے کہ جس کے عمل کا اثر عین شئ میں ظاہر نہیں ہوتا جیسے بوجھ اٹھانے والے کے عمل کا اثر سامان میں ظاہر نہیں ہوتا وہ اپنی اجرت وصول کرنے کے لئے سامان کو اپنے پاس قانونی طور پر نہیں رکھ سکتا کیوں کہ بوجھ اٹھانے والے اور کشتی چلانے والے کی کوئی چیز سامان کے ساتھ محبوس نہیں ہے ہاں اگر اجرت نہ دے تو قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کرسکتا ہے۔

(۱۲۰۲/۵۸) وَاِذَا اشْتَرَطَ عَلَى الصَّانِعِ اَنْ يَّعْمَلَ بِنَفْسِهٖ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَّسْتَعْمِلَ غَيْرَهٗ.

ترجمہ: اگر شرط لگائی کاریگر پر یہ کہ کام خود کرے گا تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ دوسرے سے کرائے۔

تشریح: کام کرانے والے نے یہ شرط لگائی کہ آپ ہی اس کام کو انجام دیں تو اب اس کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ کام دوسرے سے کرائے کیوں کہ ایک آدمی کو کام کرنے کی مہارت ہے اور بعض مرتبہ دوسرا کاریگر اس کو خراب کر دیتا ہے اس لیے دوسرے سے کام نہیں کرواسکتا۔

(۵۹/۱۲۰۳) وَاِنْ اَطْلَقَ لَهُ الْعَمَلَ فَلَهُ اَنْ يَّسْتَاْجِرَ مَنْ يَّعْمَلُهُ.

حل لغت: اطلق: مطلق چھوڑا قید نہیں لگائی۔

ترجمہ: اور اگر عمل کو مطلق رکھا تو وہ نوکر رکھ سکتا ہے، اس کو جو اس کام کو کرے۔

تشریح: کسی کام کرنے والے کو خاص نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مستاجر کو کام اچھا چاہئے چاہے کوئی بھی اس کام کو کر دے اس لیے اجیر خواہ خود کرے یا دوسرے سے کرائے دونوں طرح درست ہے۔

(۶۰/۱۲۰۴) وَاِذَا اخْتَلَفَ الْخَيَّاطُ وَالصَّبَّاغُ وَصَاحِبُ الثَّوْبِ فَقَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلْخَيَّاطِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَعْمَلَهُ قَبَاءً وَقَالَ الْخَيَّاطُ قَمِيْصاً اَوْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ لِلصَّبَّاغِ اَمَرْتُكَ اَنْ تَصْبَغَهُ اَحْمَرَ فَصَبَغْتَهُ اَصْفَرَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ يَمِيْنِهِ فَاِنْ حَلَفَ فَالْخَيَّاطُ ضَامِنٌ.

ترجمہ: جب جھگڑا پڑ جائے درزی رنگریز اور کپڑے والے کے درمیان اور کہے کپڑے والا درزی سے کہ میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کی قباء بنائیں درزی کہے قمیص کے لئے کہا تھا یا کپڑے والا رنگریز سے کہے کہ میں نے آپ کو حکم دیا تھا کہ اس کو سرخ رنگیں آپ نے اس کو زرد رنگ دیا تو قول کپڑے والے کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اگر وہ قسم کھالے تو درزی ضامن ہوگا۔

درزی اور کپڑے والے میں اختلاف کا بیان

تشریح: درزی اور کپڑے والے میں اختلاف ہو جائے کپڑے والا کہتا ہے کہ میں نے قباء سینے کے لئے کہا تھا تو نے قمیص سی دی درزی کہتا ہے کہ تم نے مجھے قمیص ہی سینے کے لئے کہا تھا اور درزی کے پاس گواہ نہیں اور نہ کسی کی بات کی تصدیق کے لئے کوئی علامت ہے تو اب کس کی بات مانی جائے؟ اس بارے میں صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی ایسے ہی کپڑے والے اور رنگریز میں اختلاف ہو گیا کپڑے والا کہتا ہے کہ سرخ رنگنے کے لئے کہا تھا لیکن تم نے زرد رنگ دیا اور رنگریز کہتا ہے کہ تم نے زرد رنگنے کے لئے ہی کہا تھا اور رنگریز کے پاس گواہ وغیرہ موجود نہیں ہے تو کپڑے والے کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

دلیل: درزی اور رنگریز مدعی ہیں وہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم نے جو کام کیا ہے وہ درست ہے ہم کو اجرت ملنی چاہئے اور کپڑے والا اجرت دینے سے انکار کر رہا ہے اس لیے وہ منکر ہے مدعیان کے پاس اپنی بات کی سچائی کے لئے

کوئی گواہ نہیں اس لیے کپڑے والے یعنی مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو درزی اور رنگریز نقصان کے ضامن ہوں گے۔

(۱۲۰۵/۶۱) وَاِنْ قَالَ صَاحِبُ الثَّوْبِ عَمِلْتَهُ لِیْ بِغَیْرِ اُجْرَةٍ وَقَالَ الصَّانِعُ بِاُجْرَةٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ صَاحِبِ الثَّوْبِ مَعَ یَمِیْنِهٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ کَانَ حَرِیْفاً لَهٗ فَلَهُ الْاُجْرَةُ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ حَرِیْفاً لَهٗ فَلَا اُجْرَةَ لَهٗ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنْ کَانَ الصَّانِعُ مُبْتَذِلاً لِهٰذِهِ الصَّنْعَةِ بِالْاُجْرَةِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ مَعَ یَمِیْنِهٖ اَنَّهٗ عَمِلَهٗ بِاُجْرَةٍ۔

حل لغات: حریفاً: پیشہ والا ہونا، روزگار والا ہونا، ہنر والا ہونا، مبتذل: مشہور، الصنعة: کام۔

ترجمہ: اگر کپڑے والا کہے کہ تو نے کام کیا ہے میرے لئے بلا اجرت کاریگر نے کہا کہ اجرت کے ساتھ تو کپڑے والے کے قول کا اعتبار ہوگا اس کی قسم کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ اگر اس کا پیشہ ہی یہ ہو تو اس کے لئے اجرت ہوگی اور اگر اس کا یہ پیشہ نہیں ہے تو اس کے لئے اجرت نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر کاریگر اس کام کو اجرت کے ساتھ کرنے میں مشہور ہو تو اسی کی بات مانی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ کہ اس نے اجرت سے ہی کیا ہے۔

تشریح: کپڑے والا کہتا ہے کہ آپ نے یہ کام میرے لئے بغیر اجرت کے کیا ہے اور کام کرنے والا کہتا ہے کہ اجرت پر کیا ہے مفت نہیں کیا ہے اور کام کرنے والے کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو امام صاحب کے نزدیک کپڑے والے کا قول معتبر ہوگا اسی کی قسم کے ساتھ اور کام کرنے والے کو اجرت نہیں ملے گی۔

دلیل: اجیر کام کر کے اجرت کا دعویٰ کر رہا ہے اس لیے وہ مدعی ہے اور کپڑے والا اس کا انکار کر رہا ہے اس لیے وہ منکر ہے اور اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اس لیے کپڑے والے کا قول معتبر ہوگا (اللباب ۲/۳۹، عینی ۳/۶۸۵)

امام ابویوسف کا مذہب: امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس کاریگر کا پیشہ ہی یہ ہے تو اجرت واجب ہوگی ورنہ نہیں پیشہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہی کام کرتا ہے اور ایک مطلب یہ ہے کہ کپڑے والے کو پہلے بھی ایک مرتبہ اجرت پر کام کر کے دیا تھا اس لیے کاریگر سمجھتا تھا کہ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی اجرت ملے گی۔

دلیل: پیشہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اجرت پر ہی کام کرتا ہے اس لیے اس ظاہری دلیل کی وجہ سے اس کو اجرت ملے گی۔ (عینی ۳/۶۸۵)

امام محمد کا مذہب: اگر کاریگر اس پیشہ کی دوکان کھولے ہوئے ہے اور اجرت پر کام کرنے میں مشہور ہے تو اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی کہ اس نے اجرت سے ہی وہ کام کیا ہے۔

دلیل: مشہور ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اجرت کے بدلے ہی کام کیا ہوگا مفت نہیں، درمختار میں فتوی امام صاحب کے قول پر نقل کیا ہے اور زیلعی تبیین الحقائق وغیرہ میں امام محمد کے قول پر فتوی لکھا ہے۔

(۱۲۰۶/۶۲) وَالْوَاجِبُ فِيْ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ أُجْرَةُ الْمِثْلِ لَايَتَجَاوَزُ بِه الْمُسَمّٰى.

ترجمہ: اور واجب اجارہ فاسدہ میں اجرت مثل ہے جو نہیں بڑھے گی ٹھہرائی ہوئی سے۔

اجارہ فاسدہ کی صورت میں کونسی اجرت ہوگی؟

تشریح: اگر کسی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جائے تو اب بازار میں اس کام کی جو اجرت ہو سکتی ہے وہ اجرت اجیر کو ملے گی اسی کو اجرت مثل کہتے ہیں۔

دلیل: جب اجارہ ہی فاسد ہو گیا تو گویا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی معاملہ ہی نہیں ہوا ہے اس لیے اب بازار کے عرف پر اجرت طے ہوگی لیکن چونکہ اجیر پہلے ایک متعین اجرت پر راضی ہو گیا ہے اس لیے اجرت مثل اگر متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہو تو اجرت مثل نہ دی جائے بلکہ متعین کردہ اجرت دی جائے گی کیوں کہ اجیر کم اجرت پر راضی ہو گیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کے نزدیک اجرت مثل دی جائے گی اگرچہ متعین کردہ اجرت سے زیادہ ہو۔

دلیل: اگر بیع فاسد ہو جائے تو اس میں مبیع کی قیمت واجب ہوتی ہے خواہ کتنی ہی ہو ایسے ہی اجارہ فاسدہ میں بھی اجرت مثل ہی دی جائے گی خواہ متعین کردہ سے بڑھ جائے، اس دلیل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ منافع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اعیان کے مانند ہے۔

جواب: احناف یہ فرماتے ہیں کہ منافع اعراض ہیں یعنی قائم بالغیر ہیں اور اعراض دو زمانہ باقی نہیں رہتے اور جو چیز دو زمانہ باقی نہ رہتی ہو وہ محرز نہیں ہوتی یعنی اس کو وقت ضرورت کے لئے ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا اور جو چیز غیر محرز ہوتی ہے وہ غیر متقوم ہوتی ہے نتیجہ نکلا کہ منافع غیر متقوم ہیں لیکن عقد کی وجہ سے متقوم ہوتے ہیں اور عقد میں خود متعاقدین نے متعین اجرت پر اتفاق کر کے زائد مقدار کو ساقط کر دیا اس لیے زائد مقدار کا اعتبار نہ ہوگا (عینی شرح ہدایہ ۳/ ۶۲۸)

(۱۲۰۷/۶۳) وَإِذَا قَبَضَ الْمُسْتَاجِرُ الدَّارَ فَعَلَيْهِ الْأُجْرَةُ وَإِنْ لَّمْ يَسْكُنْهَا فَإِنْ غَصَبَهَا غَاصِبٌ مِنْ يَدِه سَقَطَتِ الْأُجْرَةُ.

ترجمہ: اور جب قبضہ کر لیا مستاجر نے گھر پر تو اس پر کرایہ واجب ہے اگرچہ وہ اس میں نہ رہے اور اگر غصب کر لیا گھر کو کسی غاصب نے اس کے ہاتھ سے تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: جب گھر پر مستاجر کا قبضہ ہو گیا رہے یا نہ رہے قبضہ والے دن سے کرایہ لازم ہو جائے گا اب اگر

درمیان مدت میں کسی نے غصب کرلیا تو وہ چیز مستاجر کے قبضہ میں نہ رہی اس لیے اتنی ہی اجرت ساقط ہو جائے گی اور اگر اجارہ کی پوری مدت ہی غصب کئے رکھا تو اس صورت میں کرایہ بالکلیہ ساقط ہو جائے گا۔

(۱۲۰۸/۶۴) وَاِنْ وَجَدَبِهَا عَيْباً يَضُرُّ بِالسُّكْنٰى فَلَهُ الْفَسْخُ.

ترجمہ: اور اگر پائے اس میں ایسا کوئی عیب جو نقصان دہ ہو رہنے کے لئے تو کرایہ دار کو فسخ کا حق ہے۔

تشریح: مکان میں کوئی ایسی کمی پیدا ہوگئی جو رہائش کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے تو کرایہ دار کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے اب اگر مستاجر نے مکمل فائدہ حاصل کرلیا ہے تو گویا کہ عیب پر اس کی رضامندی ظاہر ہو چکی ہے اس لیے پورا کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا، صاحب اللباب ۲/۴۰ پر فرماتے ہیں کہ اگر مالک مکان نے عیب کو ختم کر دیا مثلاً گھر کی دیوار گر گئی تھی اس کو درست کرا دیا تو اب مستاجر کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے گا کیوں کہ جس کمی کی وجہ سے اختیار تھا وہ کمی ہی ختم ہو چکی انتہیٰ قولہ، قدوری کا مسئلہ اس وقت ہے جب کہ کرایہ پر لیتے وقت اس عیب کو نہ دیکھا ہو اور اس عیب پر راضی نہ ہوا ہو۔

(۱۲۰۹/۶۵) وَاِذَا خَرِبَتِ الدَّارُ اَوِ انْقَطَعَ شِرْبُ الضَّيْعَةِ اَوِ انْقَطَعَ الْمَاءُ عَنِ الرَّحٰى اِنْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ.

حل لغات: خربت: ماضی معروف باب (س) مصدر خَرْباً و خَرَاباً ویران ہونا، اجاڑنا، شِرْبٌ: سین کے کسرہ کے ساتھ پانی کا حق، الضیعة: کھیتی کی زمین اس کی تصغیر ضُيَيْعَةٌ جمع ضِيَعٌ، الرَّحٰی (مونث) پن چکی۔

ترجمہ: اگر گھر ویران ہو جائے یا کاشت کی زمین کا پانی بند ہو جائے یا پن چکی کا پانی بند ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

اجارہ کے فسخ کرنے کا بیان

تشریح: عقد اجارہ چند امور سے فسخ ہو جاتا ہے (۱) کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے جس سے منفعت بالکلیہ فوت ہو جائے مثلاً کرایہ پر لیا ہوا گھر ویران اور کھنڈرات میں تبدیل ہو جائے یا زمین میں پانی آنے کا راستہ منقطع ہو گیا یا پن چکی سے پانی آتا تھا وہ بالکل بند ہو گیا جس سے اب کاشت کاری نہیں ہو سکتی اس لیے اجارہ خود بخود ختم ہو جائیگا۔

(۱۲۱۰/۶۶) وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَقَدْ عَقَدَ الْاِجَارَةَ لِنَفْسِهِ اِنْفَسَخَتِ الْاِجَارَةُ وَاِنْ كَانَ عَقَدَهَا لِغَيْرِهِ لَمْ تَنْفَسِخْ.

ترجمہ: اور اگر معاملہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک مر جائے اور حال یہ کہ اجارہ اس نے اپنے لئے کیا تھا تو

اجارہ فسخ ہو جائے گا اور اجارہ کسی اور کے لئے کیا تھا تو فسخ نہیں ہوگا۔

تشریح: مالک مکان اور کرایہ دار میں سے کوئی ایک انتقال کر جائے جب کہ مستاجر نے اجارہ اپنے لئے کیا تھا کسی دوسرے کا وکیل یا وصی یا امیر المومنین بن کر عقد اجارہ نہیں کیا تھا تو اس صورت میں اجارہ فسخ ہو جائے گا اگر کرایہ پر دینے والا مر جائے تو اس لیے فسخ ہوگا کہ اس کے مرنے کے بعد شئ مستاجر اس کے ورثہ کی ہوگئی اب اگر مستاجر اس سے نفع حاصل کرتا رہے تو دوسرے کی ملکیت سے نفع اٹھانا لازم آئے گا جو کہ جائز نہیں، اور اگر مستاجر مر جائے تو اجارہ اس لیے فسخ ہوگا کہ اس صورت میں دوسرے کی ملکیت سے اجرت کی ادائیگی لازم آتی ہے اور یہ بھی جائز نہیں (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۳۲) اور اگر وکیل یا وصی یا امیر المومنین بن کر دوسرے کے لئے اجارہ کیا اور یہ دوسرے لوگ موجود ہیں لیکن وکیل وصی وغیرہ کا انتقال ہو گیا ہے تو اس صورت میں اجارہ باقی رہے گا۔

دلیل: جن لوگوں کے لئے اجارہ کیا گیا ہے وہ موجود ہیں اور اس صورت میں دوسرے کی ملکیت سے نفع اٹھانا یا غیر کی ملکیت سے اجرت کی ادائیگی کی خرابی لازم نہیں آتی ہے، جیسا کہ پہلی صورت میں خرابی تھی لہذا عقد اجارہ باقی رہے گا۔ (اللباب ۲/۴۱)

(۱۲۱۱/۶۷) وَيَصِحُّ شَرْطُ الْخِيَارِ فِي الْإِجَارَةِ كَمَا فِي الْبَيْعِ.

ترجمہ: اور صحیح ہے خیار شرط اجارہ میں جیسا کہ صحیح ہے بیع میں۔

تشریح: اگر عقد اجارہ میں موجر یا مستاجر خیار شرط لے مثلاً یوں کہے کہ مجھے تین دن کا اختیار ہے میں معاملہ برقرار رکھ سکتا ہوں اور توڑ بھی سکتا ہوں تو اس طرح کا خیار لینا درست ہے جیسا کہ بیع میں خیار شرط لے سکتا تھا ایسے ہی یہاں بھی اجازت ہے۔

دلیل: اجارہ عقد معاوضہ ہے جس کے لئے مجلس میں قبضہ ہونا ضروری نہیں ہے تو بیع کی طرح اس میں بھی خیار شرط صحیح ہوگا (اللباب ۲/۴۱)

(۱۲۱۲/۶۸) وَتَنْفَسِخُ الْإِجَارَةُ بِالْأَعْذَارِ كَمَنِ اسْتَاجَرَ دُكَّاناً فِي السُّوقِ لِيَتَّجِرَ فِيهِ فَذَهَبَ مَالُهُ.

ترجمہ: اور فسخ ہو جاتا ہے اجارہ عذروں کی وجہ سے۔

تشریح: معاملہ کرنے والے کا اس طرح عاجز ہو جانا کہ اگر وہ اجارہ کو باقی رکھے تو اس کا ایسا نقصان لازم آئے جو اس پر عقد اجارہ سے لازم نہیں آتا تھا، مثلاً مستاجر نے بازار میں دوکان کرایہ پر لی تاکہ اس میں تجارت کرے لیکن بعد میں تجارت کرنے کا مال ضائع ہو گیا اب اگر دوکان کرایہ پر رکھے تو بلا فائدہ مستاجر پر کرایہ چڑھے گا، مستاجر چوں کہ کرایہ کی وجہ سے بہت بڑی مصیبت و آفت میں پھنس گیا ہے اس لیے اجارہ ختم ہو جائے گا تاکہ انسان کو مشقت شدیدہ سے بچایا جا سکے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اجارہ بلا کسی عیب کے فسخ نہیں کیا جا سکتا جیسے بیع بلا کسی عیب کے فسخ نہیں

ہوسکتی۔

(۱۲۱۳/۶۹) وَكَمَنْ آجَرَ دَاراً اَوْ دُكَّاناً ثُمَّ اَفْلَسَ فَلَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ لَا يَقْدِرُ عَلٰى قَضَائِهَا اِلَّا مِنْ ثَمَنِ مَا اٰجَرَ فَسَخَ الْقَاضِیْ الْعَقْدَ وَبَاعَهَا فِی الدَّيْنِ.

ترجمہ: یا کسی نے کرایہ پر دیا مکان یا دوکان کو پھر وہ مفلس ہو گیا اور اس کے ذمہ اتنا قرضہ ہو گیا کہ اس کو ادا کرنے پر قادر نہیں ہے مگر اس چیز کی قیمت سے کہ جس کو کرایہ پر دے رکھا ہے تو فسخ کردے قاضی عقد کو اور بیچ دے اس کو قرض میں۔

تشریح: ایک شخص نے مکان یا دوکان کرایہ پر دی بدقسمتی سے وہ شخص مفلس ہو گیا اور اس پر لوگوں کا اس قدر قرض ہو گیا کہ بغیر مکان یا دوکان کے فروخت کئے قرض کی ادائیگی کا کوئی راستہ نہیں ہے تو ایسی صورت میں قاضی عقد اجارہ کو فسخ کردے اور کرایہ پر دی گئی چیزوں کو بیچ کر ان کی قیمت سے لوگوں کا قرض ادا کرے گا، صاحب کتاب کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حاکم وقت ہی عقد اجارہ کو ختم کرے زیادات میں ایسا ہی مذکور ہے لیکن جامع صغیر کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے فیصلہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (اللباب ۲/۴۱)

نوٹ: اگر عذر پوشیدہ ہو اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہو تو خود اجارہ توڑنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ قاضی کے ذریعہ ہی اجارہ ٹوٹ سکتا ہے اور اگر عذر ظاہر ہے جیسے لوگوں کا اس کے ذمہ قرض ہونا اب مستاجر مجبور ہو گیا تو خود بھی اجارہ توڑ سکتا ہے، (بحوالہ بالا)

(۱۲۱۴/۷۰) وَمَنِ اسْتَاجَرَ دَابَّةً لِيُسَافِرَ عَلَيْهَا ثُمَّ بَدَا لَهُ مِنَ السَّفَرِ فَهُوَ عُذْرٌ.

لغت: بدا: ماضی باب (ن) مصدر بُدُوًّا ظاہر ہونا، ارادہ ملتوی ہونا۔

ترجمہ: کسی نے کرایہ پر لیا چوپایہ تاکہ اس پر سفر کرے پھر ارادہ ملتوی ہو گیا تو یہ بھی عذر ہے۔

تشریح: کسی نے سفر کے لئے کرایہ پر جانور لیا بعد میں سفر پر جانے کا ارادہ ملتوی کردیا تو یہ بھی ایک قسم کا عذر ہے، جس کی وجہ سے اجارہ فسخ کرسکتا ہے، مثلاً حج کے لئے جانا تھا ایک جانور کرایہ پر لیا اب حج کا وقت نکل گیا یا ایک جانور کرایہ پر لیا تاکہ مقروض سے قرض وصول کرنے جائے لیکن مقروض گھر ہی آکر دے گیا یا ایک جانور کرایہ پر لیا تاکہ تجارت کرنے جائے بعد میں سارا مال ضائع ہو گیا اب اگر سفر میں جائے تو خواہ مخواہ اپنے سر مصیبت لے لینی ہے اس لیے یہ عذر ہے تو اجارہ فسخ کرنے کی گنجائش ہے (اللباب ۲/۴۱ عینی شرح ہدایہ ۳/۶۹۰)

(۱۲۱۵/۷۱) وَاِنْ بَدَا لِلْمُكَارِیْ مِنَ السَّفَرِ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِعُذْرٍ.

حل لغت: مکاری: اسم فاعل مصدر مکاراۃ کرایہ پر دینے والا آدمی۔

ترجمہ: اور اگر ارادہ ملتوی ہوگیا کرایہ پر دینے والے کا سفر سے تو یہ عذر نہیں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی سے یوں کہا کہ میں اپنے اونٹ پر بٹھا کر تم کو بیس کلو میٹر لے جاؤں گا اور پچاس روپے لوں گا بعد میں موجر کا ارادہ بدل گیا تو یہ عذر نہیں ہے یعنی اس کی وجہ سے اجارہ فسخ نہیں کر سکتا۔

دلیل: خود نہیں جا سکتا تو کسی مزدور کو اونٹ دے کر مستاجر کے ساتھ بھیج دے ہاں اگر موجر بہت زیادہ بیمار ہوگیا اور کوئی مزدور بھی جانے کے لئے تیار نہیں ہے یا اس بات کا خوف وخطرہ ہے کہ دوسرے کے ہاتھ میں جانور جا کر خراب ہو جائے گا تو یہ عذر ہے اس کی بنیاد پر اجارہ فسخ کر سکتا ہے (الجوہرة النیرة ۱/۳۳۳، اللباب ۲/۴۱، عینی ۳/۶۹۰)

کتاب الشفعة

(یہ کتاب شفعہ کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الاجارہ سے کتاب الشفعہ کو مناسبت یہ ہے کہ جیسے اجارہ کے انعقاد کے لئے کچھ شرائط ہیں اور کچھ اعذار سے اجارہ فسخ ہوجاتا ہے، ایسے ہی حق شفعہ کے ثبوت کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں، اور کچھ ایسے اعذار ہیں جن سے شفعہ فسخ ہوجاتا ہے، نیز دونوں میں غیر کا حق ثابت ہونے میں بھی اشتراک ہے۔

شفعہ کی لغوی تحقیق: شفعة فُعْلَةٌ کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے اس کے معنی ہے ملانا چوں کہ شفیع اپنی زمین کے ساتھ دوسرے کی زمین کو ملا لیتا ہے اس لیے اس کو شفعہ کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: دو شخص مثلاً کسی گھر میں شریک ہیں اب ایک شخص کسی دوسرے کے ہاتھ اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے تو اب دوسرے شخص کو جو شریک ہے یہ حق ہے کہ اس کو روک دے اور خود خرید لے اس قیمت پر جس پر دوسرے کو بیچ رہا تھا۔

شفعہ کا ثبوت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِهِ (ابوداؤد ۲/۴۹۶) پڑوس شفعہ کا زیادہ حق دار ہے۔

ثبوت شفعہ کی حکمت: آدمی دوسرے لوگوں کی تکلیف سے محفوظ رہے کیوں کہ اگر شفیع کو شفعہ نہ ملے تو دوسرے لوگ بیچ میں آجائیں گے اس لیے شریعت نے مناسب قیمت میں پہلے خریدنے کا حق دیا ہے۔

(۱۲۱۶/۱) اَلشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ لِلْخَلِيْطِ فِيْ نَفْسِ الْمَبِيْعِ ثُمَّ لِلْخَلِيْطِ فِيْ حَقِّ الْمَبِيْعِ كَالشِّرْبِ وَالطَّرِيْقِ ثُمَّ لِلْجَارِ.

حل لغات: واجبة: اس سے مراد ثبوت ہے یعنی حق شفعہ ثابت ہے، الخلیط: شریک، شِرب: زمین میں پانی پلانے کا حق، نالی۔

ترجمہ: حق شفعہ ثابت ہے نفس مبیع میں شریک کے لئے پھر حق مبیع میں شریک کے لئے مثلاً پانی اور راستہ کا شریک پھر پڑوسی کے لئے۔

کن لوگوں کو شفعہ ملتا ہے؟

تشریح: جن لوگوں کو شفعہ ملتا ہے اتصال کی بنیاد پر ملتا ہے اور اتصال میں تین فریق شامل ہیں (۱) جس کی عین مبیع میں شرکت ہو مثلاً ایک مکان دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا آدھا ایک کا ہے اور آدھا دوسرے کا ہے اس کو مبیع میں شریک کہتے ہیں اب اگر ایک شریک اپنا حصہ کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردے تو دوسرے شریک کو خریدنے کا زیادہ حق ہے اگر کسی دوسرے کو خریدنے کا حق دے دیا جائے تو اس کو نقصان ہوگا معلوم نہیں کہ اس کے عادات واخلاق کیسے ہوں۔

(۲) شرکت تھی مگر اب بٹوارہ ہوگیا اور سب نے اپنا حصہ علیحدہ کرلیا تھا لیکن زمین میں آنے کا راستہ یا زمین میں پانی آنے کی نالی میں شرکت باقی ہے ان کو حق مبیع میں شریک کہتے ہیں اب نفس مبیع میں شریک نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو حق مبیع میں جو شریک ہے اس کو شفعہ ملے گا۔

(۳) ایسا پڑوسی جو مشفوعہ مکان کی پشت پر ہو اگرچہ اس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو (اس میں وہ پڑوسی شامل نہیں ہے جس کا مکان سامنے ہو اور درمیان میں آر پار راستہ ہو اگرچہ دونوں مکان کے دروازے قریب قریب ہوں کیوں کہ درمیان کا آر پار راستہ کچھ نہ کچھ نقصان کو دور کرتا ہے) ان کو تیسرے نمبر پر حق شفعہ ملے گا مبیع میں شریک اور حق مبیع میں شریک نہ لیں تو اب پڑوسی کو حق ہوگا۔

صاحب کتاب کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان تینوں کے درمیان ترتیب ثابت ہے یعنی سب سے مقدم شریک فی نفس المبیع ہے پھر شریک فی حق المبیع اور پھر پڑوسی۔

اختلاف الائمة

شریک فی نفس المبیع اور شریک فی حق المبیع کے لئے حق شفعہ ہونا تو اجماعی مسئلہ ہے لیکن پڑوسی کو حق شفعہ ملے گا یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک پڑوس کی وجہ سے پڑوسی کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

دلیل: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ (بخاری شریف ۱/۳۰۰)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفعہ کا فیصلہ کیا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ کی گئی ہو پھر جب حدود متعین ہو جائیں اور

راستے بدل جائیں تو کوئی شفعہ نہیں ہے، اس حدیث میں جار جوار کا کوئی ذکر نہیں ہے صرف شریک کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ پڑوسی کو شفعہ نہیں ملے گا، نیز اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب شرکت ختم ہو جائے اور دونوں کے راستے الگ الگ ہو جائیں یعنی مبیع کے راستے میں بھی شرکت نہ ہو تو اب شفعہ نہیں ہوگا۔

جواب: مذکورہ حدیث میں جو 'فلا شفعة' کے ذریعہ شفعہ سے منع کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیں واقع ہو جانے اور تقسیم ہو جانے کے بعد اور راستے جدا ہو جانے کے بعد شرکت کی بنیاد پر شفعہ نہیں ملے گا کیونکہ تقسیم کی وجہ سے شرکت ختم ہوگئی البتہ پڑوس کی بنیاد پر شفعہ کا حق باقی ہے۔ (بذل المجہود ۴/۲۹۱، تنظیم الاشتات ۲/۱۴۷، درس ترمذی ۴/۳۱۵)

(۲) **دوسرا مذہب:** حنفیہ کے نزدیک جیسے شریک کو حق شفعہ ہے اسی طرح جار (پڑوسی) کو بھی حق شفعہ ہے۔

دلیل: حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جَارُ الدَّارِ اَحَقُّ بِدَارِ الْجَارِ وَ الْاَرْضِ (ابوداؤد ۲/۴۹۶) گھر کا پڑوسی گھر اور زمین کا زیادہ حقدار ہے، اس حدیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پڑوسی بھی شفعہ کا حقدار ہوگا اس لیے شفعہ کو صرف شریک فی نفس المبیع اور شریک فی حق المبیع کے ساتھ خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲/۱۲۱۷) وَلَيْسَ لِلشَّرِيْكِ فِي الطَّرِيْقِ وَالشِّرْبِ وَالْجَارِ شُفْعَةٌ مَعَ الْخَلِيْطِ فَاِنْ سَلَّمَ الْخَلِيْطُ فَالشُّفْعَةُ لِلشَّرِيْكِ فِي الطَّرِيْقِ فَاِنْ سَلَّمَ اَخَذَهَا الْجَارُ.

لغت: سلم: سپرد کر دیا، چھوڑ دیا، لینے سے انکار کر دیا۔

ترجمہ: اور نہیں ہے راستے اور پانی کے حق میں شریک کے لئے اور پڑوسی کے لئے شفعہ نفس مبیع میں شریک کے ہوتے ہوئے، پھر اگر شریک چھوڑ دے تو شفعہ راستے میں شریک کے لئے ہوگا، اگر وہ بھی چھوڑ دے تو اس کو پڑوسی لے لے۔

ترتیب شفع کا بیان

تشریح: سب سے پہلے مبیع میں شریک کو حق شفعہ ہے اس کے ہوتے ہوئے حق مبیع میں شریک یا پڑوسی کو حق نہیں ہے اگر وہ نہ لے تو حق مبیع میں شریک کو حق شفعہ ہے وہ بھی نہ ہو یا ہو مگر نہ لینا چاہتا ہو تو پڑوسی کو حق شفعہ ہے اور وہ بھی نہ ہو یا ہو مگر لینے سے انکار کر دے تب دوسروں کو لینے کا حق ہے۔

دلیل: مذکورہ ترتیب پر دلیل یہ حدیث ہے: اَلْخَلِيْطُ اَحَقُّ مِنَ الشَّفِيْعِ وَالشَّفِيْعُ اَحَقُّ مِمَّنْ سِوَاهُ

(مصنف عبدالرزاق ۸/ ۷۸) شریک زیادہ حق دار ہے شفیع سے اور شفیع زیادہ حق دار ہے اس کے علاوہ سے، اس حدیث میں شفیع سے مراد شریک ہے یعنی پہلا حق شریک فی نفس المبیع کا دوسرا شریک فی حق المبیع کا اور تیسرا حق پڑوسی کا ہے۔

(۳/۱۲۱۸) وَالشُّفْعَةُ تَجِبُ بِعَقْدِ الْبَيْعِ وَتَسْتَقِرُّ بِالْإِشْهَادِ وَتَمْلِكُ بِالْأَخْذِ إِذَا سَلَّمَهَا الْمُشْتَرِي أَوْ حَكَمَ بِهَا حَاكِمٌ.

حل لغات: تستقر: فعل مضارع مصدر استقرار پختہ ہوجانا، مضبوط ہوجانا، اشھاد: گواہ بنانا، اخذ: لینا قبضہ کرنا۔

ترجمہ: اور شفعہ ثابت ہوتا ہے عقد بیع کے بعد اور پختہ ہوجاتا ہے گواہ بنانے سے اور مالک ہوجاتا ہے لے لینے سے جب دے دے اس کو مشتری یا حکم کردے اس کا حاکم۔

حق شفعہ کب ہوگا؟

تشریح: بعقد البیع: میں باء برائے سبب نہیں ورنہ یہ لازم آتا کہ بیع، سبب شفعہ ہے حالانکہ سبب، اتصال ہے یعنی شفعہ کا ثبوت عقد بیع کے بعد ہوتا ہے حق شفعہ کا سبب تو اتصال ملک ہے لیکن اس حق کے لینے کا سبب عقد بیع ہے۔

صاحب قدروی فرماتے ہیں کہ حق شفعہ اس وقت ہوتا ہے جب بائع اس زمین یا مکان کو فروخت کر رہا ہو اور اپنی ملکیت سے نکال رہا ہو تب شفیع کو حق شفعہ کے ذریعہ سے اس کو لینے کا حق ہوتا ہے البتہ اس شفعہ میں پختگی اس وقت آئے گی جب کہ شفیع فروختگی کی اطلاع ملنے پر فوراً اسی مجلس میں شفعہ کے طلب پر گواہ قائم کرے کیوں کہ آگے اس کو قاضی کے یہاں اپنے لئے شفعہ کا فیصلہ بھی کروانا ہے اور اس کے ثبوت میں شہادت کی ضرورت پیش آئے گی، اگر اس نے اس بات پر گواہ نہیں بنایا (کہ تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے اس مکان میں شفعہ طلب کیا ہے) تو حق شفعہ باطل ہوجائے گا، پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ شفیع اس دار مشفوعہ پر قبضہ کرنے کے بعد مکمل مالک ہوجاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مشتری مبیع کو شفیع کے حوالہ کردے یا قاضی فیصلہ کردے کہ یہ مبیع شفیع کی ہے تب ہی شفیع اس مبیع کا مالک ہوگا کیوں کہ مشتری اس مکان کا مالک ہوچکا ہے اور اسکی ملکیت تام ہے اب اس مکان کو اس کی ملکیت سے نکالنے کے لئے رضامندی سے سپردگی پائی جائے یا حاکم کا فیصلہ پایا جائے۔

(۴/۱۲۱۹) وَإِذَا عَلِمَ الشَّفِيعُ بِالْبَيْعِ أَشْهَدَ فِي مَجْلِسِهِ ذَالِكَ عَلَى الْمُطَالَبَةِ ثُمَّ يَنْهَضُ مِنْهُ فَيُشْهِدُ عَلَى الْبَائِعِ إِنْ كَانَ الْمَبِيعُ فِي يَدِهِ أَوْ عَلَى الْمُبْتَاعِ أَوْ عِنْدَ الْعَقَارِ فَإِذَا فَعَلَ ذَالِكَ اِسْتَقَرَّتْ شُفْعَتُهُ.

حل لغات: ینھض: فعل مضارع باب فتح مصدر نھوضاً اٹھنا، المبتاع: مشتری، العقار: زمین گھر کا سامان، ہر غیر منقول چیز جمع عقارات۔

ترجمہ: اور جب شفیع کو بیع کا علم ہو تو گواہ بنالے اسی مجلس میں مطالبہ پر پھر وہاں سے اٹھ کر گواہ بنائے بائع پر اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری پر یا زمین کے پاس جب شفیع یہ کام کر چکا تو اس کا حق شفعہ پختہ ہو گیا۔

تشریح: شفعہ کا ثبوت چوں کہ طلب پر موقوف ہے اس لیے اس عبارت میں اس کی کیفیت اور تقسیم بیان کر رہے ہیں، طلب کی تین قسمیں ہیں (۱) طلب مواثبت (۲) طلب اشہاد (۳) طلب خصومت، صاحب کتاب نے اس عبارت میں اول اور دوم کو بیان کیا ہے، سوم آگے بیان کریں گے۔

طلب مواثبت: جیسے ہی شفیع کو بکنے کا علم ہو کہ میرے شریک یا پڑوسی نے فلاں مکان فروخت کر دیا تو اس پر ضروری ہے کہ اسی مجلس میں فوراً اپنا شفعہ طلب کرے اس کی صورت یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو اپنا مکان فروخت کر دیا میں اس کا شفیع ہوں میں اس مکان کو خریدنا چاہتا ہوں اس طلب کو طلب مواثبت کہتے ہیں، چوں کہ یہ طلب عجلت اور فوریت کو چاہتی ہے اس۔ لیے اس کا نام طلب مواثبت ہے۔

طلب اشهاد: جب شفیع مجلس علم میں طلب مواثبت کر چکا تو اس کو چاہئے کہ اب باہر نکل کر بائع کے پاس آئے اور گواہ قائم کرے اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے پاس گواہ قائم کرے اگر مبیع اس کے قبضہ میں ہو یا پھر زمین جائداد کے پاس جا کر گواہ بنائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ شفیع یوں کہے کہ فلاں نے اس گھر کو خرید لیا اور میں اس کا شفیع ہوں اور میں نے شفعہ طلب کیا تھا اور اب بھی کر رہا ہوں تم اس کے اوپر گواہ رہو اس طلب کو طلب تقریر اور طلب استحقاق بھی کہتے ہیں، ان دونوں طلبوں کے بعد شفعہ میں پختگی آجائے گی مگر مملوک نہیں ہوگا یہاں تک طلب کی دو قسموں کا ذکر آچکا ہے تیسری قسم طلب الخصومۃ ہے اور اسکا دوسرا نام طلب التملک ہے یہ طلب قاضی کے سامنے ہوگی اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

نوٹ: اشهد فی مجلسه ذالك علی المطالبة اس سے طلب مواثبت مراد ہے۔

فیشهد الی عند العقار اس سے طلب اشہاد مراد ہے اور طلب مواثبت پر گواہ بنانے کو صرف اس وجہ سے کہا ہے کہ اگر مشتری طلب مواثبت کا انکار کرنے لگے تو گواہوں سے اس کو ثابت کیا جا سکے۔

(۱۲۲۰/۵) وَلَمْ تَسْقُطْ بِالتَّاخِيرِ عِنْدَ اَبِى حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ تَرَكَهَا مِنْ غَيرِ عُذْرٍ شَهْراً بَعْدَ الْاِشْهَادِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمہ: اور ساقط نہیں ہوگا تاخیر کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے اگر چھوڑ دیا شفعہ بغیر عذر کے ایک ماہ تک گواہ بنانے کے بعد تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

کیا طلب خصومت میں تاخیر کی وجہ سے شفعہ باطل ہے؟

تشریح: ماقبل میں گذر چکا ہے کہ طلب مواثبت اور طلب اشہاد کے بعد شفعہ میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے اب

مسئلہ یہ ہے کہ تیسری طلب (طلب خصومت) میں تاخیر ہوجانے سے شفعہ باطل ہوگا یانہیں اس بارے میں تو میں اتفاق ہے کہ اگر عذر کی وجہ سے تاخیر ہوجائے تو شفعہ کا حق باقی رہے گا ساقط نہیں ہوگا لہٰذا اگر شہر میں قاضی نہ ہو اور اس کی وجہ سے تاخیر ہوگئی تو یہ تاخیر بالعذر ہے ایسی تاخیر کی وجہ سے بالاتفاق شفعہ باطل نہ ہوگا کیوں کہ جب قاضی ہی نہیں تھا تو وہ کہاں مخاصمت کرتا لیکن اگر تاخیر بغیر عذر کے ہو تو اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

اختلاف الائمة

(۱) شفعہ میں طلب مواثبت اور طلب اشہاد کے بعد خاموش بیٹھ جائے اور عرصہ دراز تک طلب خصومت نہ کرے یعنی اپنے حق شفعہ کے حصول کے لئے عدالتی چارہ جوئی نہ کرے خواہ کتنی ہی تاخیر ہوجائے شفیع کا حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا شیخین کا یہی مذہب ہے۔

دلیل: دو جگہ گواہ بنانے کے بعد حق شفعہ مضبوط اور ثابت ہوگیا اب ثابت ہونے کے بعد ختم نہیں ہوگا ہاں صاحب حق ہی زبانی طور پر صراحتاً انکار کردے تو اور بات ہے اس لیے قاضی کے پاس جانے میں تاخیر ہونے سے حق ساقط نہیں ہوگا۔ (اللباب ۲/۴۳، الجوہرة النیرة ۱/۳۳۶)

دوسرا مذہب: امام محمد و امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ اگر طلب خصومت میں ایک ماہ کی تاخیر کردی تو حق شفعہ باطل ہوجائے گا لوگوں کو نقصان سے بچانے کے لئے یہی قول مفتی بہ ہے۔ (شامی ۵/۱۹۷)

دلیل: اگر کبھی تک بھی خصومت کی تاخیر سے شفعہ باطل نہ ہو تو اس میں مشتری کا نقصان ہے کیوں کہ وہ کبھی بھی اس میں تصرف نہ کرسکے گا اس لیے کہ اسے یہ خوف رہے گا کہ شفیع میرے تصرف کو توڑ دے گا تو ہم نے ایک ماہ کی میعاد مقرر کردی کہ اس سے پہلے پہلے تاخیر حق شفعہ کو ساقط کرنے والی نہیں ہے اور ایک ماہ تک تاخیر مسقط ہے، ایک ماہ سے کم کی مدت کو قلیلہ اور ایک ماہ سے زائد کی مدت کو کو بعیدہ شمار کیا جاتا ہے (اللباب ۲/۴۳)

(۱۲۲۱/۶) وَالشُّفْعَةُ وَاجِبَةٌ فِي الْعَقَارِ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ كَالْحَمَّامِ وَالرَّحٰى وَالْبِئْرِ وَالدُّوْرِ الصِّغَارِ.

حل لغات: الحمام: خاص قسم کا غسل خانہ، الرحی: پن چکی، البئر: کنواں، الدور الصغار: چھوٹے چھوٹے گھر جو تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہیں۔

ترجمہ: اور شفعہ ثابت ہوتا ہے زمین میں اگرچہ وہ ایسی ہو جو تقسیم نہ ہوسکتی ہو جیسے حمام، پن چکی کنواں اور چھوٹے گھر۔

کن چیزوں میں شفعہ ہے اور کن چیزوں میں نہیں

تشریح: اب تک امام قدوریؒ نے شفعہ کے ثبوت پر اجمالی کلام کیا ہے اب اس کا تفصیلی حکم بیان کررہے ہیں چناں چہ فرماتے ہیں کہ زمین میں شفعہ ثابت ہوتا ہے یہ بات متفق علیہ ہے پھر زمین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ زمین جو تقسیم کے قابل ہو جیسے دو ہزار گز زمین کا پلاٹ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھا اس کو آدھا آدھا تقسیم کر دیا اس میں سب کے نزدیک حق شفعہ ہوگا۔

(۲) وہ زمین جو قابل تقسیم نہ ہو یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع نہ رہے جیسے ایک تنگ غسل خانہ ہے اگر اس کا بٹوارہ کر دیا جائے تو وہ کسی کام کا بھی نہ رہے گا یا پن چکی اور اس کی زمین کہ اس کو تقسیم کرنے سے کسی کام کی نہ رہے گی ایسے ہی تنگ چھوٹا کنواں اور چھوٹے مکان دو ٹکڑے نہیں ہو سکتے اس دوسری صورت میں حنفیہ و شافعیہ کا اختلاف ہے۔

اختلاف الائمة

احناف کا مذهب: جو زمین ہو یا زمین کی جنس سے ہو اس میں حق شفعہ ہوتا ہے خواہ وہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو ہر حال میں شفعہ کا حق ہے جیسا کہ اس کی چند مثالیں قسم دوم میں ذکر کر دی گئی ہیں۔

شوافع کا مذهب: جو چیزیں تقسیم ہونے سے استعمال کے قابل نہ رہیں ان میں حق شفعہ نہیں ہے۔

دلیل: شفعہ کی علت بٹوارہ کی مشقت سے بچانا ہے اور یہ چیز جب بٹوارہ کے قابل ہی نہ رہی یعنی بٹوارہ کے بعد قابل انتفاع نہ رہی تو بٹوارہ کی مشقت سے بچانے کا کیا مطلب؟

حنفیه کی دلیل: شفعہ کی علت اتصال ملک ہے اور وہ یہاں بھی موجود ہے کیوں کہ شفعہ کی حکمت برے پڑوسی کے نقصان کو دور کرنا ہے اور یہ حکمت دونوں صورتوں میں موجود ہے نیز حضرت جابرؓ سے روایت ہے قضی النبیؐ بالشفعة فی کل مالم یقسم (بخاری ۳۰۰) آپؐ نے شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہر اس چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ چیز جو تقسیم نہ ہو سکتی ہو اس میں بھی حق شفعہ ہے۔

(۱۲۲۲/۷) وَلَا شُفْعَةَ فِي الْبِنَاءِ وَالنَّخْلِ إِذَا بِيْعَ بِدُوْنِ الْعَرْصَةِ.

لغت: لعرصة: میدان، زمین۔

ترجمه: اور نہیں ہے شفعہ عمارت اور باغ میں جب بلا صحن کے فروخت ہوں۔

تشریح: اگر صرف عمارت فروخت ہو رہی ہو اس کی زمین نہ بک رہی ہو ایسے ہی باغ بک رہا ہے لیکن اس کی زمین نہیں بک رہی ہے تو حق شفعہ نہیں ہوگا کیوں کہ عمارت اور باغ بغیر زمین کے منقولی اشیاء کی طرح ہو گئے اس لیے

ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا۔

(۱۲۲۳/۸) وَلَا شُفْعَةَ فِيْ الْعُرُوْضِ وَالسُّفُنِ.

حل لغات: عروض: واحد عَرْضٌ سامان، السفن: واحد سفینۃٌ کشتی۔

ترجمہ: اور نہیں ہے شفعہ سامان اور کشتیوں میں۔

کیا اشیاء منقولہ میں شفعہ ہے؟

تشریح: سامان اور اسباب فروخت ہو رہے ہیں یا کشتیاں فروخت ہو رہی ہوں تو ان میں حق شفعہ نہیں ہوگا یہ مسئلہ احناف کے نزدیک ہے۔

حنفیہ کی دلیل: کشتیاں اور سامان منتقل ہوتے رہتے ہیں اور حق شفعہ کے ثبوت کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ وہ اشیاء غیر منقولہ میں چلتا ہے جیسے زمین وغیرہ اور غیر منقولہ میں نہیں چلتا کیوں کہ ان میں شفعہ کی علت نہیں پائی جاتی اور وہ علت اتصال ملک دوام وقرار ہے لہٰذا ان چیزوں میں پڑوسیت کا نقصان نہیں ہے تو شفعہ بھی جاری نہ ہوگا۔

امام مالک کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک اگر شرکت ہو تو سامان میں بھی شفعہ ہوگا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جو تقسیم نہ ہوئی ہو، اس لیے سامان میں بھی اگر شرکت ہو تو اس میں شفعہ ہوگا ایسے ہی کشتیوں میں بھی شفعہ ہوگا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں یہ الفاظ ہیں قَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ (مصنف عبدالرزاق ۸/۸۷)

جواب: الشفعة في كل شيءٍ، سے مراد یہ ہے کہ في كل شئ من غير المنقولات حدیث میں اگرچہ لفظ عام ہے مگر اس سے خصوص مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منقولہ اشیاء میں شفعہ کا فیصلہ فرمایا ہو۔

(۱۲۲۴/۹) وَالْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ فِيْ الشُّفْعَةِ سَوَاءٌ

ترجمہ: مسلمان اور ذمی شفعہ میں برابر ہیں۔

تشریح: جیسے مسلمان کو شفعہ کا حق ہے ایسے ہی اگر پڑوس میں ذمی ہے تو اس کو بھی حق شفعہ حاصل ہوگا، کیوں کہ احادیث میں عموم ہے جن میں مسلمان کی کوئی تخصیص نہیں ہے ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک ذمی کے لئے شفعہ نہیں ہے مگر احادیث کا عموم ان کے خلاف حجت ہے۔

(۱۲۲۵/۱۰) وَاِذَا مَلَكَ الْعَقَارَ بِعِوَضٍ هُوَ مَالٌ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جب مالک ہو جائداد کا ایسی چیز کے بدلے جو مال ہو تو اس میں حق شفعہ ثابت ہوگا۔

تشریح: اگر مشتری نے ایسی چیز کے بدلے زمین لی کہ جو چیز شفیع بھی دے سکتا ہے تو حق شفعہ ثابت ہوگا جیسے روپے پیسے کے بدلے یا گیہوں، چاول کے بدلے کہ ان چیزوں کو شفیع بھی دے سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ زمین کے بدلے میں مالی معاوضہ دیا گیا ہو ورنہ شفعہ ثابت نہ ہوگا، صاحب قدوری نے **ملك العقار** فرمایا **اشترى العقار** نہیں فرمایا کیوں کہ اگر ہبہ بشرط العوض ہو تو وہاں بھی حق شفعہ ہوگا حالانکہ وہاں خریداری نہیں ہے کذا فی الجوہرۃ النیر ۃ ۱/ ۳۳۷

(۱۲۲۶/۱۱) وَلاَ شُفْعَةَ فِي الدَّارِ الَّتِيْ يَتَزَوَّجُ الرَّجُلُ عَلَيْهَا اَوْ تُخَالِعُ الْمَرْاَةُ بِهَا اَوْ يَسْتَاجِرُ بِهَا دَاراً اَوْ يُصَالِحُ مِنْ دَمِ عَمَدٍ اَوْ يُعْتِقُ عَلَيْهَا عَبْداً.

ترجمہ: اور نہیں ہے شفعہ اس گھر میں کہ شادی کرے مرد اس پر یا عورت خلع کرے اس کے بدلے یا کرایہ پر لے اس کے بدلے کسی گھر کو یا صلح کرے دم عمد کے بدلے یا آزاد کرے گھر کے بدلے غلام کو۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں یہ بات آچکی ہے کہ جہاں مال کا تبادلہ مال کے ساتھ ہوگا وہیں شفعہ ملے گا لہٰذا صاحب کتاب نے اس عبارت میں پانچ ایسے مسئلے بیان کئے ہیں کہ جن میں مبادلۃ المال بالمال نہ ہونے کی وجہ سے شفعہ نہیں ملے گا۔

(۱) ایک آدمی نے گھر کے بدلے شادی کی یعنی گھر مہر میں دیا تو اس گھر میں شفیع کو حق شفعہ نہیں ہے کیوں کہ مکان کا عوض بضع ہے اور شفیع بضع نہیں دے سکتا۔

(۲) عورت کسی مکان کے بدلے اپنے شوہر سے خلع کرے تو اس گھر میں کسی کو شفعہ کا حق نہیں ہے کیوں کہ مکان کا عوض اپنی بضع کی خلاصی ہے جو مال نہیں ہے۔

(۳) کسی نے اپنے مکان کے بدلے کوئی دوسرا مکان کرایہ پر لیا تو اس صورت میں بھی شفعہ نہ ہوگا کیوں کہ مکان کے منافع مال نہیں ہے۔

(۴) کسی آدمی نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کر دیا تھا قاتل نے مقتول کے وارثین کو گھر دے کر صلح کر لی تو اس گھر میں حق شفعہ نہیں ہے کیوں کہ قصاص مال نہیں ہے۔

(۵) کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ فلاں شخص کے مکان کے بدلے میں تجھے آزاد کرتا ہوں اور اس شخص نے وہ مکان غلام کو ہدیہ کر دیا اب وہ مکان غلام اپنے آقا کو دے تو ایسے مکان میں شفعہ نہیں ہے کیوں کہ آزادی مال نہیں ہے۔

(۱۲۲۷/۱۲) اَوْ يُصَالِحُ عَنْهَا بِاِنْكَارٍ اَوْ سُكُوْتٍ فَاِنْ صَالَحَ عَنْهَا بِاِقْرَارٍ وَجَبَتْ فِيْهِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: یا صلح کرے گھر کے بدلے انکار یا سکوت کے بعد اگر صلح کی گھر کے بدلے اقرار کے ساتھ تو اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔

مصالحت کی صورتیں

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ نے مصالحت کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ جس گھر میں تم رہتے ہو یہ میرا ہے اور تم اس مکان پر غلط طریقے سے قابض ہو مدعیٰ علیہ نے مدعی کی ملکیت کا صاف انکار کر دیا بعد میں مدعیٰ علیہ نے جھگڑے کا شر دور کرنے کے لئے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو اب اس مکان میں کسی کو حق شفعہ نہیں ہے کیوں کہ مدعیٰ علیہ کے خیال کے مطابق اس گھر کا مالک شروع سے وہی ہے اس کی ملک زائل ہی نہیں ہوئی اس نے تو جھگڑے کے خوف سے مال دیا ہے تو یہاں بیع کے معنی ہی نہیں پائے گئے۔

(۲) مدعیٰ علیہ نے نہ مدعی کی ملکیت کا اقرار کیا نہ انکار کیا بلکہ خاموش رہا پھر ایک ہزار روپے دے کر صلح کر لی تو اس صورت میں حق شفعہ نہ ہوگا کیوں کہ اس بات کا امکان ہے کہ اس نے ہزار روپے اس لیے دیئے ہوں کہ اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکا تو مجھے قسم کھانی پڑے گی اور شریف لوگ حتی المقدور قسم کھانے سے گریز کیا کرتے ہیں خواہ قسم سچی ہی کیوں نہ ہوں تو یہاں ہزار روپے گویا کہ قسم کا فدیہ ہے اور قسم مال نہیں ہے۔

(۳) مدعیٰ علیہ نے مدعی کی ملکیت کا اقرار کر لیا کہ ہاں مکان تمہارا ہی ہے اور پھر کچھ مال دے کر صلح کر لی اس صورت میں اس مکان میں حق شفعہ ہے کیوں کہ یہ کھلم کھلا بیع ہے گویا کہ مدعیٰ علیہ نے ہزار روپے کے بدلے ملک کو حاصل کیا ہے۔

(۱۲۲۸/۱۳) وَاِذَا تَقَدَّمَ الشَّفِيْعُ اِلَى الْقَاضِىْ فادعى الشِّرَاءَ وَطَلَبَ الشُّفْعَةَ سَأَلَ الْقَاضِىْ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنْهَا فَاِنِ اعْتَرَفَ بِمِلْكِهِ الَّذِىْ يَشْفَعُ بِهٖ وَاِلَّا كَلَّفَهٗ بِاِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ فَاِنْ عَجَزَ عَنِ الْبَيِّنَةِ اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِىْ بِاللّٰهِ مَايَعْلَمُ اَنَّهٗ مَالِكٌ لِلَّذِىْ ذَكَرَهٗ مِمَّا يَشْفَعُ بِهٖ فَاِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِيْنِ اَوْ قَامَتْ لِلشَّفِيْعِ بَيِّنَةٌ سَأَلَهُ الْقَاضِىْ هَلِ ابْتَاعَ اَمْ لَا فَاِنْ اَنْكَرَ الْاِبْتِيَاعَ قِيْلَ لِلشَّفِيْعِ اَقِمِ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ عَجَزَ عَنْهَا اِسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِىْ بِاللّٰهِ مَا ابْتَاعَ اَوْ بِاللّٰهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلٰى هٰذِهِ الدَّارِ شُفْعَةً مِنَ الْوَجْهِ الَّذِىْ ذَكَرَهٗ.

ترجمہ: اور جب جائے شفیع قاضی کے پاس اور دعویٰ کرے خرید کا اور طلب کرے شفعہ تو پوچھے قاضی مدعیٰ علیہ (مشتری) سے اس کے بارے میں اگر اقرار کر لے وہ اس مکان کی ملکیت کا جس سے شفعہ کا دعویٰ کر رہا ہے تو بہتر ہے ورنہ مدعی کو مکلف بنائے گواہ قائم کرنے کا اگر وہ عاجز ہو جائے گواہوں سے تو قسم لے مشتری سے خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ میں اس مکان کا مالک ہوں جس کے شفعہ کا یہ دعویٰ کرتا ہے اگر وہ انکار کر دے قسم کھانے سے یا حاصل ہو جائیں شفیع کے لئے بینہ تو دریافت کرے قاضی مدعیٰ علیہ سے کہ تم نے خریدا ہے یا نہیں اگر وہ انکار کرے خریدنے کا تو کہا جائے گا شفیع سے کہ ثبوت لا (اس خریدنے پر) اب اگر وہ اس سے عاجز ہو جائے تو قسم لے مشتری سے، خدا کی قسم میں نے نہیں خریدا یا بخدا یہ اس مکان پر اس طرح شفعہ کا مستحق نہیں ہے جس طرح اس نے ذکر کیا ہے۔

طلب خصومت کی کیفیت

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے طلب خصومت کی کیفیت بیان کی ہے چناں چہ فرمایا کہ جب شفیع قاضی کی عدالت میں پہنچ کر خریداری کا دعوی کر کے شفعہ طلب کرے تو قاضی مشتری سے تحقیق کرے گا کہ کیا واقعی وہاں شفیع کا ذاتی ملکیت کا گھر ہے جس کی وجہ سے یہ شفعہ کا دعوی کر رہا ہے یا نہیں؟ اگر مشتری اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ شفیع کا ذاتی مکان ہے تو ٹھیک (شفیع کا مطالبہ منظور ہوگا) لیکن اگر مشتری شفیع کے لئے ذاتی مکان ہونے کا انکار کرتا ہے تو قاضی شفیع سے کہے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ قائم کرو محض شفیع کا مکان پر قبضہ ذاتی ملکیت کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے کیوں ہوسکتا ہے کہ شفیع کے پاس وہ مکان کرایہ کا ہو یا کسی سے عاریتاً لے رکھا ہواس لیے اپنی ذاتی ملکیت پر گواہ قائم کرنے ہوں گے جب قاضی نے شفیع سے ثبوت ملک پر گواہ مانگے اور وہ عاجز ہوگیا تو اس کا دعوی ثابت نہ ہوگا ہاں اگر شفیع مطالبہ کرے تو اس کی طلب پر قاضی مشتری سے قسم لے کہ تمہیں علم ہے یا نہیں کہ یہ اس گھر کا مالک ہے اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کر دے یا شفیع اپنے دعویٰ پر گواہ قائم کر دے دونوں صورتوں میں سے جو بھی ہو شفیع کی ملکیت اس گھر میں ثابت ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ شفعہ کا مستحق بن رہا ہے جب بات یہاں تک ثابت ہوگئی تو اب قاضی مشتری سے پوچھے گا کہ کیا واقعی فلاں شخص نے تم کو اپنا گھر فروخت کیا ہے یا نہیں اگر وہ اقرار کرے تو ٹھیک ہے، اور اگر مشتری انکار کر دے تو قاضی شفیع سے مشتری کے مکان خریدنے پر ثبوت مانگے گا اگر شفیع خرید پر ثبوت نہ لا سکا تو قاضی مشتری سے دوبارہ قسم لے صاحب کتاب نے یہاں قسم کے دو جملے استعمال کئے ہیں (۱) جس میں خرید کی نفی ہے (۲) جس میں شفیع کے استحقاق کی نفی ہے اول کا مطلب ہے بخدا میں نے مکان نہیں خریدا ثانی کا مطلب ہے بخدا شفیع اس مکان پر شفعہ کا دعویٰ کرنے کا مستحق نہیں ہے۔

(۱۴/۱۲۲۹) وَتَجُوزُ الْمُنَازَعَةُ فِي الشُّفْعَةِ وَإِنْ لَمْ يُحْضِرِ الشَّفِيْعُ الثَّمَنَ اِلَى مَجْلِسِ الْقَاضِيْ وَ اِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لَهُ بِالشُّفْعَةِ لَزِمَهُ اِحْضَارُ الثَّمَنِ.

ترجمہ: اور شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے اگر چہ شفیع قاضی کی مجلس میں ثمن کو حاضر نہ کرے پھر جب قاضی فیصلہ کر دے اس کے لئے شفعہ کا تو لازم ہے اس پر ثمن پیش کرنا۔

کیا قاضی کی مجلس میں جائداد کی قیمت لے کر آنا ضروری ہے؟

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر شفیع قاضی کی مجلس میں جائداد کی قیمت لے کر نہ آیا ہو پھر بھی مطالبہ شفعہ کا جھگڑا اٹھانا جائز ہے لیکن جس وقت قاضی شفعہ کا فیصلہ کر دے تو زمین کی قیمت حاضر کرنا ضروری ہے۔

دلیل: قاضی کے فیصلہ سے پہلے شفیع پر کوئی چیز واجب نہیں تو جس طرح ثمن کی ادائیگی ضروری نہیں ایسے ہی

قاضی کی عدالت میں ثمن لانا بھی ضروری نہیں ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ پہلے قیمت حاضر کرے تب قاضی شفعہ کا فیصلہ کرے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ شفیع مفلس ہو اس کے پاس زمین کی قیمت ہی نہ ہو تو اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ کرنا غلط ہو جائے گا اور مشتری ثمن کے انتظار میں بیٹھا رہے گا (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۳۸)

(۱۲۳۰/۱۵) وَلِلشَّفِيعِ اَنْ يَرُدَّ الدَّارَ بِخِيَارِ الْعَيْبِ وَالرُّؤْيَةِ.

ترجمہ: اور جائز ہے شفیع کیلئے کہ واپس کردے مکان خیار عیب اور خیار رویت کی وجہ سے۔

تشریح: اگر شفیع نے حق شفعہ کے ماتحت مکان لے لیا پھر اس میں کوئی عیب دیکھا یا گھر نہیں دیکھا تھا اور حق شفعہ کے ماتحت خرید لیا تھا بعد میں پسند نہیں آیا تو خیار عیب اور خیار رویت کے ماتحت اس کو واپس کرسکتا ہے کیوں کہ شفعۃً مکان لینا در حقیقت خریدنا ہے تو جیسے عام بیوع میں خیار عیب اور خیار رویت ہوتا ہے ایسے ہی شفعہ میں ہوگا۔

(۱۲۳۱/۱۶) وَاِنْ اَحْضَرَ الشَّفِيعُ الْبَائِعَ وَالْمَبِيعُ فِي يَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ يُخَاصِمَهٗ فِي الشُّفْعَةِ وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِي الْبَيِّنَةَ حَتّٰى يَحْضُرَ الْمُشْتَرِيْ فَيَفْسَخُ الْبَيْعَ بِمَشْهَدٍ مِّنْهُ وَيَقْضِيْ بِالشُّفْعَةِ عَلَى الْبَائِعِ وَيَجْعَلُ الْعُهْدَةَ عَلَيْهِ.

حل لغات: یخاصم: فعل مضارع باب مفاعلۃ مصدر مخاصمۃ جھگڑا کرنا۔ مشھد: مصدر میمی شہود و حضور کے معنی میں ذمہ داری سپرد کرنا یعنی اگر اس میں کسی کا استحقاق ثابت ہو جائے تو ثمن کا ضمان بائع پر ہوگا کیوں کہ ثمن پر قبضہ کرنے والا وہی ہے، العھدۃ: بیع و شراء میں ہونے والے امور۔

ترجمہ: اور اگر حاضر کردے شفیع بائع کو اور مبیع اس کے قبضہ میں ہو تو شفیع کے لئے حق ہے کہ وہ جھگڑا کرے بائع سے شفعہ کے متعلق اور نہ سنے قاضی بینہ کو یہاں تک حاضر ہو جائے مشتری (عدالت میں) پھر فسخ کردے بیع کو اس کی موجودگی میں اور فیصلہ کردے شفعہ کا بائع پر اور ڈالدے ذمہ داری بائع پر۔

تشریح: مبیع پر مشتری کا قبضہ نہیں ہوا ابھی تک بائع کے قبضہ میں ہے تو شفیع کے لئے جائز ہے کہ بائع سے مخاصمت کرے اور اسی کو قاضی کے سامنے حاضر کرے اور لین دین کے سارے امور بائع اور شفیع کے درمیان طے ہوں گے لیکن چوں کہ بیع کی وجہ سے مبیع مشتری کی ہو چکی ہے اس لیے قاضی کو دو کام کرنے پڑیں گے ایک تو یہ کہ مشتری کی موجودگی کے بغیر شفیع کے گواہوں کی گواہی نہ سنے بلکہ اس کے آنے کے بعد ہی سنے گا دوسرے یہ کہ مشتری کی موجودگی میں پہلے بائع اور مشتری کے درمیان ہونے والی بیع کو توڑ دے بیع توڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی یوں کہے کہ میں نے مشتری کی خریداری کو ختم کر دیا۔

یہ نہ کہے کہ میں نے بیع کو فسخ کر دیا تا کہ شفعہ باطل نہ ہو جائے کیوں کہ شفعہ بیع پر قائم ہوتا ہے اور جب بیع کو فسخ کر دیا گیا تو شفعہ کس پر ہوگا بہر حال اس بیع کو توڑنے کے بعد فیصلہ بائع پر ہوگا اور وہی اس کا ذمہ دار ہوگا لیکن دین کے

سارے امور بائع اور شفیع کے درمیان ہوں گے قدوری کی عبارت ویجعل العهدة کا مطلب یہی ہے۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۳۳۸)

(۱۲۳۲/ ۱۷) وَاِذَا تَرَكَ الشَّفِيْعُ الْاِشْهَادَ حِيْنَ عَلِمَ بِالْبَيْعِ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى ذَالِكَ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمہ: اور اگر چھوڑ دے شفیع گواہ بنانا جب اسے بیع کا علم ہو حالانکہ وہ اس پر قادر تھا تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ۔

وہ صورتیں جن میں شفعہ باطل ہو جاتا ہے یا باطل نہیں ہوتا، ان کا بیان

تشریح: عبارت کے اندر اشہاد سے مراد طلب اشہاد نہیں ہے بلکہ طلب مواثبت مراد ہے اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ شفیع کو معلوم ہوا کہ فلاں زمین یا مکان بک رہا ہے اور وہ اس وقت طلب مواثبت (حق شفعہ کے طور پر لینے کے لئے گواہ بنانا) پر قادر تھا اس سے عاجز اور مجبور نہیں تھا اس کے باوجود بھی اس نے طلب مواثبت نہیں کی تو چوں کہ یہ شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے اس لیے اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

(۱۲۳۳/ ۱۸) وَكَذَالِكَ اِنْ اَشْهَدَ فِي الْمَجْلِسِ وَلَمْ يُشْهِدْ عَلٰى اَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَلَا عِنْدَ الْعَقَارِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر گواہ بنائے وہ مجلس میں اور نہ گواہ بنائے بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کے پاس اور نہ زمین کے پاس۔

تشریح: اگر شفیع مجلس علم میں گواہ بنالے یعنی طلب مواثبت کرلے مگر بائع اور مشتری میں سے کسی ایک کے پاس یا زمین کے پاس جاکر گواہ نہ بنائے یعنی طلب اشہاد چھوڑ دے تو اس سے بھی اعراض کا پتہ چلتا ہے لہٰذا شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا۔

(۱۲۳۴/ ۱۹) وَاِنْ صَالَحَ مِنْ شُفْعَتِهٖ عَلٰى عِوَضٍ اَخَذَهٗ بَطَلَتِ الشُّفْعَةُ وَيَرُدُّ الْعِوَضَ.

ترجمہ: اور اگر صلح کرے اپنے شفعہ سے کسی عوض پر تو باطل ہو جائے گا شفعہ اور وہ عوض کو لوٹائے گا۔

تشریح: کسی کو حق شفعہ تھا لیکن زمین لینے کے بجائے مشتری سے مصالحت کی کہ میں ہزار روپے میں اپنا حق شفعہ چھوڑ دوں گا تو امام قدوری فرماتے ہیں کہ شفعہ بھی باطل ہو گیا اور جو ہزار روپے لئے ہیں ان کا بھی واپس کرنا ضروری ہے کیوں کہ یہ رشوت ہے جو کہ حرام ہے اور عوض لینے سے اعراض عن الشفعہ کا پتہ چلتا ہے اور جب اعراض پایا گیا تو حق شفعہ باطل ہو گیا تو عوض کس چیز کا لیا اس لیے جو عوض لیا وہ واپس کرنا ہوگا (اللباب فی شرح الکتاب ۲/ ۴۷)

(۲۰/۱۲۳۵) وَاِذَا مَاتَ الشَّفِيْعُ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمه: اور جب مرجائے شفیع تو باطل ہو جائے گا اس کا شفعہ۔

تشریح: اگر شفیع مر گیا اور ابھی قاضی نے اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا تھا تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا یعنی موت شفیع سے شفعہ اس وقت باطل ہوگا جب کہ طلب مواثبت اور طلب اشہاد کے بعد شفعہ کے فیصلہ سے پہلے پہلے شفیع کا انتقال ہو گیا اور اگر قاضی شفعہ کا فیصلہ کر چکا اور مکان وغیرہ کی قیمت لانے سے پہلے شفیع کا انتقال ہو گیا تو چوں کہ فیصلہ ہو چکا ہے صرف قیمت حاضر کرنا باقی ہے اس لیے شفیع کے وارثین اس چیز کی قیمت دے کر لے لیں گے اب شفیع کے ورثہ کو حق شفعہ ہوگا، ماقبل کی تفصیل مسلک احناف کے مطابق ہے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر شفیع قضاء قاضی سے پہلے مرجائے تو اس کا شفعہ میراث میں وارثین کو مل جائے گا جیسے خیار شرط میں میراث جاری ہوتی ہے حق شفعہ کے اندر بھی ہوگی اور احناف کے نزدیک جیسے خیار شرط میں میراث نہیں چلتی ایسے ہی حق شفعہ کے اندر بھی میراث نہیں چلتی۔ باقی تفصیل باب خیار الشرط مسئلہ (۸۵۵)(۷) کے تحت دیکھیں۔

(۲۱/۱۲۳۶) وَاِذَا مَاتَ الْمُشْتَرِیْ لَمْ تَسْقُطِ الشُّفْعَةُ.

ترجمه: اور اگر مرجائے مشتری تو شفعہ ساقط نہ ہوگا۔

تشریح: اگر مشتری مر گیا تو چوں کہ حق شفعہ والا یعنی شفیع موجود ہے اور بیع ہو چکی ہے جس کی وجہ سے حق شفعہ ملتا ہے لہٰذا یہاں شفعہ باطل نہ ہوگا۔

(۲۲/۱۲۳۷) وَاِنْ بَاعَ الشَّفِيْعُ مَا يَشْفَعُ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى لَهٗ بِالشُّفْعَةِ بَطَلَتْ شُفْعَتُهٗ.

ترجمه: اور اگر بیچ دے شفیع وہ گھر جس کی وجہ سے وہ شفیع بنا تھا اس کے لئے شفعہ کا فیصلہ کئے جانے سے پہلے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

تشریح: ابھی تک شفیع کے لئے قاضی نے شفعہ کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ شفیع نے اپنا وہ گھر ہی بیچ دیا جس کی بنیاد پر اس کو حق شفعہ ملا تھا تو اب اس کو شفعہ نہیں ملے گا، کیوں کہ قاضی کا فیصلہ ہونے تک وہ مکان شفیع کے پاس رہنا چاہئے تھا اب نہیں رہا تو حق شفعہ کا فیصلہ کیسے ہوگا؟ کیوں کہ شفعہ ملنے کا جو سبب تھا وہی زائل ہو گیا لہٰذا شفعہ باطل ہو جائے گا۔

(۲۳/۱۲۳۸) وَ وَكِيْلُ الْبَائِعِ اِذَا بَاعَ وَهُوَ الشَّفِيْعُ فَلَا شُفْعَةَ لَهٗ.

ترجمه: اور بائع کا وکیل جب بیچے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے دوسرے کو اپنا گھر بیچنے کا وکیل بنایا دوسرے نے وہ مکان بیچ دیا اتفاق سے پڑوسی ہونے کی وجہ سے وہی اس گھر کا شفیع تھا تو اب اس کو شفعہ نہیں ملے گا کیوں کہ بیچتے وقت خود خریدنے کا اظہار نہیں کیا تو گویا

اس نے لینے سے اعراض کیا اس لیے شفعہ نہیں ملے گا نیز اگر اس صورت میں شفعہ ملے تو یہ بات لازم آتی ہے کہ جو بیع کر رہا ہے وہی اس کو توڑ رہا ہے کیوں کہ بیع کا مآل ہے دینا اور شفعہ کا مآل ہے لینا، دینے اور لینے میں منافات ہے۔

(۱۲۳۹/۲۴) وَكَذٰلِكَ اِنْ ضَمِنَ الشَّفِيْعُ الدَّرْكَ عَنِ الْبَائِعِ.

لغت: الدرك: پانا، زمین و جائداد میں کسی کا حق ثابت ہونا تاوان، خسارہ۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر ضامن ہو جائے شفیع تاوان و خسارہ کا بائع کی جانب سے۔

تشریح: مشتری کو کوئی مکان خریدنا ہے مگر اس کو کچھ تردد ہے کہ اس میں کسی کا حق وغیرہ نہ ہو یا کوئی اور تاوان وخسارہ کی صورت سامنے آ جائے ایک شخص نے بائع کی طرف سے ضمانت لی اور مشتری سے کہا کہ اگر اس مکان میں کسی کا حق وغیرہ نکلا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں تو بے فکر ہو کر خرید لے اور اتفاق سے یہی شخص اس گھر کا شفیع بھی ہے تو اب اس کو شفعہ کا حق نہیں ہوگا کیوں کہ اسی کی جانب سے بیع مکمل ہوئی تھی اور اس کی جانب سے اس کو توڑنا لازم آئے گا۔

(۱۲۴۰/۲۵)وَوَكِيْلُ الْمُشْتَرِیْ اِذَا ابْتَاعَ وَهُوَ الشَّفِيْعُ فَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور مشتری کا وکیل جب خریدے اور وہی شفیع ہو تو اس کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح: مشتری کے وکیل نے کوئی مکان خریدا اور یہ وکیل خود شفیع ہے تو اس کا حق شفعہ باقی رہے گا، کیوں کہ وکیل نے خریدا ہی اس لیے کہ یہ بیع ہوگی تو مجھے حق شفعہ حاصل ہوگا تو اس کے خریدنے سے اعراض نہیں پایا جاتا اس لیے شفعہ کا حق ہوگا۔

(۱۲۴۱/۲۶)وَمَنْ بَاعَ بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ فَاِنْ اَسْقَطَ الْبَائِعُ الْخِيَارَ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جس نے بیچا شرط خیار کے ساتھ تو شفعہ نہیں شفیع کے لئے اب اگر ساقط کر دے بائع خیار شرط کو شفعہ ثابت ہو جائے گا۔

تشریح: بائع نے زمین یا مکان تو فروخت کیا لیکن خیار شرط لیا ہے یعنی یہ کہا کہ مجھے تین دن سوچنے سمجھنے کا موقع دیں میں چاہوں گا تو بیچ دوں گا اور چاہوں گا تو رد کر دوں گا تو ابھی شفیع کو حق شفعہ کا دعویٰ کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اگر خیار بائع کو ہو تو مبیع اس کی ملکیت سے نہیں نکلتی ہاں اگر بائع خیار شرط کو ختم کر کے بیع مکمل کر دے تو اب مبیع مشتری کی ملکیت میں چلی جائے گی اس لیے اب شفیع کو حق شفعہ ہوگا اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ شفیع کی طلب کس وقت شرط ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ طلب اس وقت شرط ہے جب کہ بائع خیار کو ساقط کر دے کیوں کہ بائع خیار کو ساقط کر دے گا اسی وقت یہ بیع شفعہ کا سبب بنے گی یہی قول صحیح ہے (اللباب ۲/۴۷)

(۱۲۴۲/۲۷) وَاِنِ اشْتَرٰی بِشَرْطِ الْخِيَارِ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر (مشتری) خیار شرط کے ساتھ خریدے تو حق شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح: مشتری نے کوئی زمین خریدی اور تین دن تک سوچنے کے لئے خیارِ شرط لیا اور بائع نے خیار شرط نہیں لیا بلکہ اس نے اپنی جانب سے بیع مکمل کر دی تو شفیع کو حق شفعہ حاصل ہوگا۔

(۲۸/۱۲۴۳) وَمَنِ ابْتَاعَ دَاراً شِرَاءً فَاسِداً فَلَا شُفْعَةَ فِيْهَا وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ الْفَسْخُ فَإِنْ سَقَطَ الْفَسْخُ وَجَبَتِ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جس نے خریدا گھر شراء فاسد کے ساتھ تو اس میں شفعہ نہیں ہے اور بائع و مشتری میں سے ہر ایک کو حق ہے بیع فسخ کرنے کا اگر فسخ ہونا ساقط ہو گیا تو شفعہ ثابت ہو جائے گا۔

تشریح: کسی نے کوئی گھر خریدا مگر شرط فاسد لگانے کی وجہ سے بیع فاسد ہو گئی تو اب اس مکان میں شفیع کو شفعہ نہیں ملے گا، کیوں کہ اگر اس مکان پر ابھی تک مشتری کا قبضہ نہیں ہوا ہے تو ابھی وہ گھر بائع کی ملکیت میں ہے اس لیے حق شفعہ نہیں ہوگا اور اگر مشتری قبضہ کر چکا ہے تو اب بھی شفعہ نہیں ملے گا کیوں کہ شریعت کی جانب سے حکم ہے کہ اس بیع کو توڑو تاکہ فساد بیع کی برائی دور ہو سکے اور اگر شفعہ کا حق دے دیا تو فساد دور ہونے کے بجائے اور پختہ ہو جائے گا اس وجہ سے حق شفعہ نہیں ملے گا، ماقبل کی تفصیل اس وقت ہے جب کہ بیع فاسد میں فسخ کا احتمال ہو اور اگر فسخ کا احتمال ختم ہو گیا مثلاً مشتری نے وہ مکان کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اب شفیع کو شفعہ ملے گا کیوں کہ جو رکاوٹ تھی وہ ختم ہو چکی۔

(۲۹/۱۲۴۴) وَإِذَا اشْتَرَى الذِّمِّيُّ دَاراً بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ وَشَفِيْعُهَا ذِمِّيٌّ أَخَذَهَا بِمِثْلِ الْخَمْرِ وَقِيْمَةِ الْخِنْزِيْرِ.

ترجمہ: اور جب خریدا ذمی نے کوئی گھر شراب یا خنزیر کے بدلے اور اس کا شفیع بھی کوئی ذمی ہے تو وہ لے لے اس کو اتنی ہی شراب اور خنزیر کی قیمت دے کر۔

تشریح: ایک ذمی کا مکان ہے جس کو دوسرے ذمی نے شراب یا خنزیر کے بدلے خریدا اور اتفاق سے اس مکان کا شفیع بھی ذمی ہے تو جتنی شراب میں گھر فروخت ہوا ہے اتنی ہی شراب دے کر گھر لے لے کیوں کہ شراب مثلی چیز ہے اس لیے جتنی شراب میں مشتری نے مکان لیا ہے اتنی ہی شراب شفیع مشتری کو دے کر گھر لے لے اور ذمی کے لئے شراب کا حکم ہمارے لئے سرکہ کے حکم کے مانند ہے اس لیے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر خنزیر کے بدلے گھر فروخت ہوا ہے تو خنزیر کی قیمت دے کر لے گا کیوں کہ خنزیر ذوات القیم میں سے ہے اس لیے خنزیر کی رقم دے کر گھر لے لے۔

(۳۰/۱۲۴۵) وَإِنْ كَانَ شَفِيْعُهَا مُسْلِماً أَخَذَهَا بِقِيْمَةِ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيْرِ.

ترجمہ: اور اگر گھر کا شفیع مسلمان ہو تو لے گا گھر کو شراب اور خنزیر کی قیمت دے کر۔

تشریح: اگر اس گھر کا شفیع مسلمان ہو تو اس کو شفعہ ملے گا لیکن وہ مسلمان دونوں صورتوں میں شراب یا خنزیر کی قیمت دے گا رہا خنزیر کی قیمت دینا یہ تو ظاہر ہے اور رہ گیا مسئلہ شراب کا تو چوں کہ مسلمان شراب پر نہ قبضہ کرسکتا ہے اور نہ کراسکتا ہے تو مسلمان کے حق میں شراب غیر مثلی کے حکم میں ہے اور غیر مثلی میں قیمت دی جاتی ہے اس لیے اس صورت میں بھی قیمت دی جائے گی۔

(۳۱/۱۲۴۶) وَلَاشُفْعَةَ فِي الْهِبَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ بِعِوَضٍ مَشْرُوْطٍ.

ترجمہ: اور ہبہ میں شفعہ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مشروط عوض کے ساتھ ہو۔

تشریح: کسی نے اپنا گھر خالد کو ہبہ کر دیا تو کسی کو شفعہ نہیں ملے گا کیوں کہ مبادلۃ المال بالمال نہیں پایا گیا جو شفعہ ثابت ہونے کے لئے ضروری تھا۔

لیکن اگر ہبہ کرتے وقت مالک نے عوض کی شرط لگائی کہ اتنی رقم دو تب مکان ہبہ کروں گا اس صورت میں اگرچہ ظاہراً ہبہ ہے لیکن حقیقتاً بیع ہی ہے اس لیے اس صورت میں حق شفعہ ہوگا۔

فائدہ: اگر ہبہ کر دیا مگر عقد کے اندر عوض کی شرط نہیں لگائی اور بعد میں موہوب لہ (جسے ہدیہ دیا گیا ہے) نے واہب کو اس کا عوض دے دیا تو اب یہ مطلقاً ہبہ ہے اس کے اندر شفعہ جاری نہ ہوگا۔

(۳۲/۱۲۴۷) وَاِذَا اخْتَلَفَ الشَّفِيْعُ وَالْمُشْتَرِيْ فِي الثَّمَنِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِيْ فَاِنْ اَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الشَّفِيْعِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُشْتَرِيْ.

ترجمہ: اگر اختلاف کریں شفیع اور مشتری ثمن میں تو مشتری کا قول معتبر ہوگا اگر ان دونوں (شفیع ومشتری) نے گواہ قائم کر دیئے تو شفیع کا بینہ معتبر ہوگا طرفینؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ مشتری کا بینہ معتبر ہوگا۔

شفیع اور مشتری کا قیمت کے متعلق اختلاف

تشریح: مشتری اور شفیع کے درمیان ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو جائے مثلاً مشتری یہ کہے کہ میں نے یہ مکان ایک لاکھ روپے میں خریدا ہے اور شفیع یوں کہے کہ تم نے اسی ہزار (۸۰۰۰۰) روپے میں خریدا ہے تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ شفیع مدعی ہے اور مشتری مدعیٰ علیہ اور مدعی علیہ کا فریضہ ہے گواہ قائم کرنا اور یہاں شفیع کے پاس (اس بات پر گواہ نہیں کہ مشتری نے اسی ہزار روپے دے کر مکان خریدا ہے) گواہ نہیں اس لیے مشتری منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی ماقبل کی تفصیل اس وقت ہے جب شفیع گواہ قائم نہ کر سکے لیکن اگر دونوں نے گواہ قائم کر دیئے تو اب کس

کے گواہ معتبر ہوں گے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) کے حضرات طرفین کے نزدیک شفیع کے گواہ معتبر ہوں گے (۲) امام ابو یوسف کے نزدیک مشتری کے۔

امام ابویوسف کی دلیل: گواہوں کا کام یہ ہے کہ جو چیز ثابت نہ ہو اس کو ثابت کریں اور جس میں اثبات کا پہلو زیادہ ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے اور یہ بات مشتری کے گواہوں میں ہے لہٰذا ان کا اعتبار ہوگا۔

طرفین کی دلیل: مشتری کے گواہ اگرچہ صورت کے اعتبار سے زیادتی کو ثابت کررہے ہیں لیکن معنیً شفیع کے گواہ اکثر الاثبات ہے۔

مطلب یہ ہے کہ گواہ کسی امر کو لازم کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور یہاں شفیع کے گواہ لازم کرنے والے ہیں مشتری کے نہیں کیوں کہ اگر شفیع کے گواہ معتبر مانے جائیں تو مشتری پر لازم ہے کہ مکان شفیع کے حوالے کرے اور اگر مشتری کے گواہ قبول کئے جائیں تو شفیع پر کچھ لازم نہیں ہوتا کیوں کہ اسے تو اختیار ہے خواہ لے خواہ چھوڑ دے۔

(الصبح النوری ۲/۱۴، اللباب ۲/۴۸)

(۳۳/۱۲۴۸) وَاِذَا ادَّعَى الْمُشْتَرِیْ ثَمَناً اَكْثَرَ وَادَّعَى الْبَائِعُ اَقَلَّ مِنْهُ وَلَمْ يَقْبِضِ الثَّمَنَ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ بِمَا قَالَ الْبَائِعُ وَ كَانَ ذَالِكَ حَطًّا عِنِ الْمُشْتَرِیْ.

ترجمہ: اگر دعوی کرے مشتری زیادہ ثمن کا اور بائع دعوی کرے اس سے کم کا حالانکہ اس نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو لے لے اس کو شفیع اس قیمت میں جو بائع نے کہی اور یہ مشتری کے ذمہ سے قیمت کم کرنا ہوگا۔

تشریح: اگر بائع اور مشتری کے درمیان قیمت کے متعلق اختلاف ہو جائے مشتری کہتا ہے کہ میں نے اس مکان کو بائع سے ایک ہزار روپے میں خریدا جس کا مطلب یہ ہوا کہ میں زید شفیع کو بھی یہ مکان ایک ہزار میں ہی دوں گا بائع کا کہنا ہے کہ میں نے اس مکان کو پانچسو روپے میں فروخت کیا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ بائع نے ابھی تک قیمت وصول نہیں کی ہے تو اس صورت میں شفیع کے حق میں بائع کا قول معتبر ہوگا اور شفیع اس مکان کو مشتری سے پانچ سو روپے میں لے گا اور یوں سمجھا جائے گا کہ مشتری سے بائع نے پانچ سو روپے کم کر دیئے کیوں کہ اس نے تو خود ہی اقرار کیا ہے۔

(۳۴/۱۲۴۹) وَاِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ اَخَذَهَا بِمَا قَالَ الْمُشْتَرِیْ وَلَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰى قَوْلِ الْبَائِعِ.

لغت: لم یلتفت: توجہ نہیں دی جائے گی۔

ترجمہ: اور اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا ہے تو لے لے اس کو شفیع اس قیمت میں جو مشتری نے کہی اور نہ توجہ دی جائے گی بائع کے قول کی طرف۔

تشریح: اوپر کی گفتگو اس صورت میں تھی کہ بائع نے ثمن پر قبضہ نہ کیا اور اگر بائع ثمن پر قبضہ کر چکا ہے تو اب وہ اس معاملہ میں اجنبی ہو گیا گویا کہ درمیان سے بالکل نکل گیا اب اس کے قول کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جائے گی اب

صرف اختلاف مشتری اور شفیع کا باقی رہ گیا۔

اور مسئلہ (۳۱) میں گذر چکا ہے کہ جب مشتری اور شفیع کے درمیان اختلاف ہو تو مشتری کا قول معتبر ہوگا لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر شفیع مکان لینا چاہتا ہے تو مشتری کے کہنے کے مطابق ایک ہزار روپے ادا کر کے لے سکتا ہے۔

(۱۲۵۰/۳۵) وَاِذَ حَطَّ الْبَائِعُ عَنِ الْمُشْتَرِیْ بَعْضَ الثَّمَنِ یَسْقُطُ ذَالِکَ عَنِ الشَّفِیْعِ.

ترجمہ: اور جب کم کر دے بائع مشتری سے کچھ قیمت تو کم ہو جائے گی اتنی ہی مقدار شفیع سے۔

تشریح: اگر بیع ہوئی دو ہزار پر پھر مشتری کے اوپر سے بائع نے ہزار کو کم کر دیا تو یہ کمی شفیع کے حق میں بھی ظاہر ہوگی اب وہ دو ہزار کے بجائے مشتری کو ہزار روپے دے گا خواہ شفیع کو شفعہ ملنے سے پہلے یہ کمی کر دی جائے خواہ شفعہ لینے کے بعد پہلی صورت میں شفیع ہزار دے گا اور دوسری صورت میں اگر چہ دو ہزار روپئے دے چکا ہے لیکن مشتری سے ایک ہزار روپے واپس لے لے گا۔

(۱۲۵۱/۳۶) وَ اِنْ حَطَّ عَنْهُ جَمِیْعَ الثَّمَنِ لَمْ یَسْقُطْ عَنِ الشَّفِیْعِ.

ترجمہ: اور اگر پوری قیمت کم کر دے تو شفیع سے کچھ ساقط نہ ہوگی۔

تشریح: پچاس ہزار روپے میں مکان بیچا بعد میں بائع نے کل کے کل معاف کر دیئے تو یہ شفیع کے حق میں ساقط نہیں ہوں گے کیوں کہ اگر کچھ کم کرتا تو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور شفیع سے بھی اتنے ہی کم ہو جاتے جیسا کہ پہلی صورت میں ہے لیکن پوری قیمت معاف کر دینے سے اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی کیوں کہ پھر ثمن باقی نہیں اور شفیع بغیر ثمن کے لینے کا حقدار نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں شفیع کو وہ پوری رقم ادا کرنی ہوگی جو اصل عقد میں طے ہوئی تھی۔

(۱۲۵۲/۳۷) وَاِذَا زَادَ الْمُشْتَرِیْ لِلْبَائِعِ فِی الثَّمَنِ لَمْ تَلْزَمِ الزِّیَادَةُ لِلشَّفِیْعِ.

ترجمہ: اور اگر زیادتی کر دے مشتری بائع کے لئے ثمن میں تو یہ زیادتی شفیع کے لئے لازم نہ ہوگی۔

تشریح: اگر مشتری نے بائع کے لئے ثمن میں اضافہ کر دیا تو یہ اضافہ شفیع پر لازم نہ ہوگا، مثلاً کسی نے ستر ہزار روپے کا مکان بیچا مشتری نے اپنی خوشی سے پچھتر ہزار دیئے تو یہ پانچ ہزار روپے شفیع پر لازم نہ ہوں گے بلکہ شفیع پہلی ہی قیمت ستر ہزار روپے میں مکان لے گا، کیوں کہ ممکن ہے کہ مشتری نے مزید پانچ ہزار دے کر شفیع کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا ہو اس لیے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور مسئلہ (۳۴) میں بائع کی کمی شفیع کے لئے فائدہ مند تھی اس لیے اس کا اعتبار کرلیا گیا۔

(۱۲۵۳/۳۸) وَاِذَا اجْتَمَعَ الشُّفَعَاءُ فَالشُّفْعَةُ بَیْنَهُمْ عَلٰی عَدَدِ رُؤُوْسِهِمْ وَلَا یُعْتَبَرُ بِاخْتِلَافِ الْاَمْلَاکِ.

ترجمہ: اور جب جمع ہو جائیں کئی شفیع تو شفعہ ان کے درمیان ان کی تعداد کے مطابق ہوگا اور ملکیتوں کے اختلاف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

متعدد شفیعوں کے درمیان تقسیم شفعہ کا بیان

تشریح: اگر برابر درجہ کے چند شفیع جمع ہو جائیں تو احناف کے نزدیک ان لوگوں کے درمیان شفعہ کی تقسیم افراد کے اعتبار سے ہوگی حصے کی کمی زیادتی سے حق شفعہ میں کمی زیادتی نہ ہوگی، مثلاً ایک مکان تین آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ایک کا آدھا دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا سدس اب صاحب نصف نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو حنفیہ کے نزدیک باقی دونوں شریکوں کو برابر برابر ملے گا، اثر میں اس کا ثبوت ہے عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ الشُّفْعَةُ عَلٰی رُؤُوْسِ الرِّجَالِ وَ کَذٰلِكَ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ. (مصنف عبدالرزاق ۸/۸۵) حضرت شعبی نے فرمایا شفعہ آدمیوں کی تعداد کے اعتبار سے ہے حضرت ابراہیم نے بھی ایسا ہی فرمایا نیز حق شفعہ اتصال کی وجہ سے ملتا ہے یا شرکت کی وجہ سے اور اتصال اور شرکت میں سب شفیع برابر ہیں اس لیے سب کو برابر برابر حصہ ملے گا، جس کو بالفاظ دیگر ایسے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک ہی رہ جائے اور دوسرے شرکاء شفعہ نہ لیں تو پورا شفعہ اسی کو ملے گا۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جس شفیع کا جتنا حصہ ہے اس حصہ کی کمی زیادتی کی وجہ سے مکان بھی کم زیادہ ملے گا۔

دلیل: عَنْ عَطَاءٍ الشُّفْعَةُ بِالْحِصَصِ (مصنف عبدالرزاق ۸/۸۵) یعنی حضرت عطاء نے فرمایا شفعہ حصوں کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ جس کا حصہ زیادہ ہوگا اس کو مکان بھی زیادہ ملے گا اور جس کا حصہ کم ہوگا اس کو مکان بھی کم ملے گا تو مثال مذکور میں ثلث والے کو دو تہائی اور سدس والے کو ایک تہائی ملے گا، نیز امام شافعی فرماتے ہیں کہ شفعہ کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ملکیت کے فوائد مکمل ہوں لہٰذا حق شفعہ ملکیت کی مقدار کے لحاظ سے ہوگا۔

(۳۹/۱۲۵۴) وَمَنِ اشْتَرٰی دَارًا بِعِوَضٍ اَخَذَهَا الشَّفِیْعُ بِقِیْمَتِهٖ.

ترجمہ: کسی نے خریدا گھر سامان کے بدلے تو لے لے اس کو شفیع اس کی قیمت سے۔

شفعہ کے متفرق مسائل کا بیان

تشریح: اب تک مصنف نے یہ بیان فرمایا ہے کہ مشتری نے گھر یا زمین ثمن کے بدلے میں خریدے اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر سامان کے بدلے میں خریدے تو اس کا کیا حکم ہے چناں چہ فرمایا کہ اگر سامان کے بدلے یعنی سونا اور چاندی کے علاوہ اور سامان کے بدلے خریدے تو شفیع اس سامان کی قیمت دے کر زمین خریدے گا اس سامان کی جو بھی قیمت ہوگی کیوں کہ سامان ذوات القیم میں سے ہے لہٰذا سامان کی قیمت ہی دے گا۔

تنبیہ: عوض: سے مراد قیمتی سامان جو مثلی نہ ہو جیسے غلام وغیرہ، ذوات القیم سے مراد وہ چیز ہے جس کا مثل

بازاروں میں نہ پایا جائے۔

(۴۰/۱۲۵۵) وَ اِنْ اشْتَرَاهَا بِمَكِيلٍ اَوْ مَوْزُوْنٍ اَخَذَهَا بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: اور اگر خریدا اس کو کیلی یا وزنی چیز کے بدلے تو لے اس کو اس کے مثل کے بدلے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے مشفوعہ مکان کیلی یا وزنی چیز کے بدلے خریدا مثلاً دو کوئنٹل گیہوں یا دس کوئنٹل لوہے کے بدلے خریدا تو شفیع دو کوئنٹل گیہوں یا دس کوئنٹل لوہا دے کر گھر مشتری سے لے سکتا ہے کیوں کہ گیہوں کیلی ہے اور لوہا وزنی ہے اور یہ دونوں چیزیں ذوات الامثال میں سے ہیں، اس لیے اس کا مثل دے کر شفیع لے گا۔

(۴۱/۱۲۵۶) وَاِنْ بَاعَ عَقَاراً بِعَقَارٍ اَخَذَ الشَّفِيْعُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِقِيْمَةِ الآخَرِ.

ترجمہ: اور اگر فروخت کیا ہو زمین کو زمین کے بدلے تو لے لیگا شفیع ان دونوں میں سے ہر ایک کو دوسری کی قیمت کے بدلے۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی زمین فروخت کی اور اس کے بدلے میں دوسرے کی زمین لی اور ان دونوں زمینوں کے شفیع ہیں تو بائع کی زمین کا شفیع اس کے بدلے میں مشتری کی زمین کی قیمت دے گا اور مشتری کی زمین کا شفیع بدلہ میں بائع کی زمین کی قیمت دے گا کیوں کہ زمین ذوات القیم میں سے ہے مثلاً زید نے اپنی زمین دے کر عمر کی زمین خریدی اب زید کی زمین کے شفیع کھڑے ہوئے اور عمر کی زمین کے شفیع بھی کھڑے ہوئے زید کی زمین کی قیمت ایک لاکھ روپے ہے اور عمر کی زمین کی قیمت اسی ہزار روپے ہے اس لیے زید کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ عمر کی زمین کی قیمت جو اسی ہزار ہے اس کے بدلے میں لیں گے اور عمر کی زمین کے جو شفیع ہیں وہ زید کی زمین کی قیمت جو ایک لاکھ روپے ہے اس کے بدلے میں لیں گے کیوں کہ زید کی زمین کی قیمت عمر کی زمین ہے اس لیے زید کے شفیع کے لئے عمر کی زمین کی قیمت لگے گی اور عمر کی زمین کے شفیع کے لئے زید کی زمین کی قیمت لگے گی۔

(۴۲/۱۲۵۷) وَ اِذَا بَلَغَ الشَّفِيْعَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَلْفٍ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِاَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ اَوْ بِحِنْطَةٍ اَوْ شَعِيْرٍ قِيْمَتُهَا اَلْفٌ اَوْ اَكْثَرَ فَتَسْلِيْمُهُ بَاطِلٌ وَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور جب خبر پہنچی شفیع کو کہ مکان ایک ہزار درہم میں بیچا گیا ہے اس لیے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر اس کو معلوم ہوا کہ اس سے کم میں فروخت ہوا یا اتنے گیہوں یا اتنے جو میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار ہے یا اس سے زیادہ ہے تو اس کا چھوڑنا باطل ہے اور اس کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح: شفیع کو کسی نے خبر دی کہ مکان ایک ہزار درہم میں فروخت ہوا ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں بلکہ حقیقت میں بیع ہوئی پانچ سو درہم میں پہلی خبر سن کر شفیع نے حق شفعہ چھوڑ دیا تو اس کا شفعہ باطل نہ ہوگا کیوں کہ شفیع نے کثرت ثمن

کی وجہ سے حق شفعہ چھوڑا تھا اس لیے اس کو اعراض نہیں کہا جا سکتا اور اگر اس کو خبر دی گئی کہ مکان ہزار درہم میں فروخت ہوا ہے حالانکہ وہ گیہوں یا جو یا کسی بھی مکیلی اور موزونی چیز کے بدلے میں فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ایک ہزار ہے شفیع نے پہلی خبر سن کر شفعہ چھوڑ دیا تھا اب معلوم ہوا کہ معاملہ یوں ہے تو پہلا چھوڑنا باطل ہوگا اور دوبارہ حق شفعہ ملے گا کیوں کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہزار درہم ادا کرنا مشکل لیکن گیہوں اور جو وغیرہ دینا اس کے لئے آسان ہوتا ہے خصوصاً کاشت کاروں کے لئے روپے دینا قدرے بھاری اور غلہ دینا آسان ہوتا ہے اس لیے جب گیہوں وغیرہ کی خبر ملی اور شفعہ کا دعویٰ کر دیا تو رغبت پیدا ہوگئی تو پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہے اس لیے اس کو دوبارہ حق شفعہ ملے گا۔

(۱۲۵۸/۴۳) وَاِنْ بَانَ اَنَّهَا بِيْعَتْ بِدَنَانِيْرَ قِيْمَتُهَا الْاَلْفُ فَلَاشُفْعَةَ لَهٗ.

ترجمہ: اور اگر ظاہر ہوا کہ فروخت ہوا ہے دینار کے بدلے جن کی قیمت ایک ہزار ہے تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر شفیع کو اولاً معلوم ہوا کہ مکان ہزار درہم میں فروخت کیا گیا ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر ثانیاً معلوم ہوا کہ مکان دنانیر کے بدلے فروخت ہوا ہے جن کی قیمت ہزار درہم ہیں تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شفعہ نہیں ملے گا کیوں کہ درہم اور دینار دونوں ثمن ہیں اور دونوں گویا ایک ہی جنس ہیں اسی وجہ سے تو زکوۃ میں ایک کو دوسرے کی طرف ملا لیا جاتا ہے، چناں چہ جب اتحاد جنس ثابت ہوگیا تو دوبارہ ایک ہزار کی خبر ملنے پر کیسے شفعہ کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

(۱۲۵۹/۴۴) وَاِذَا قِيْلَ لَهٗ اِنَّ الْمُشْتَرِىْ فُلَانٌ فَسَلَّمَ الشُّفْعَةَ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ غَيْرُهٗ فَلَهُ الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر کہا گیا شفیع سے کہ خریدار فلاں ہے اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو اس کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح: اگر شفیع کو اولاً معلوم ہوا کہ مشتری فلاں ہے جو شریف اور اچھا آدمی ہے تو اس نے اپنا حق شفعہ چھوڑ دیا پھر معلوم ہوا کہ اس کو تو فلاں بدمعاش نے خریدا ہے جو خطرناک آدمی ہے اور وہ مجھے ہمیشہ پریشان کرتا رہے گا تو شفیع کو شفعہ ملے گا اور پہلا انکار اعراض پر دلیل نہیں ہوگا کیوں کہ حق شفعہ پڑوسی کے نقصان سے بچانے کے لئے ہوتا ہے اور پڑوسی پڑوسی میں فرق ہوتا ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔

(۱۲۶۰/۴۵) وَمَنْ اشْتَرٰى دَارًا بِغَيْرِهٖ فَهُوَ الْخَصْمُ فِى الشُّفْعَةِ اِلَّا اَنْ يُسَلِّمَهَا اِلَى الْمُوَكِّلِ.

حل لغت: الخصم: مدمقابل مدعیٰ علیہ۔

ترجمہ: اور جس نے مکان خریدا دوسرے کے لئے تو وہی مدعیٰ علیہ ہوگا شفعہ میں مگر یہ کہ سپرد کر دے گھر کو موکل کے۔

تشریح: زید نے عمر کا وکیل بن کر عمر کے لئے گھر خریدا تو شفیع حق شفعہ کے لئے زید ہی کو مدعی علیہ بنائے گا اور اسی پر مقدمہ دائر کرے گا لیکن اگر زید نے گھر عمر کے حوالے کر دیا تو اب شفیع عمر کو مدعی علیہ بنائے گا۔

دلیل: جو گھر خریدتا ہے مشتری وہی مانا جاتا ہے یہاں ظاہری طور پر زید ہی خریدار ہے بھلے ہی دوسرے کے لئے خریدا ہے اس لیے وہی مدعی علیہ بنے گا اور موکل کے ہاتھ میں جانے کے بعد اب نہ وکیل کا قبضہ رہا نہ ملکیت رہی اب تو اصل خریدار موکل بن گیا اس لیے وہی مدعی علیہ ہوگا مذکورہ تفصیل احناف کے یہاں ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک موکل ہی ابتداء سے مدعی علیہ بنے گا کیوں کہ وکیل تو بمنزلہ سفیر کے ہے کذا قال العلامة العینی فی شرح الکنز.

(۱۲۶۱/۴۶) وَ اِذَا بَاعَ دَاراً اِلاَّ مِقْدَارَ ذِرَاعٍ فِیْ طُوْلِ الْحَدِّ الَّذِیْ یَلِی الشَّفِیْعَ فَلاَ شُفْعَةَ لَهٗ.

ترجمہ: اور جب کہ بیچ دیا گھر کو مگر اس میں سے ایک ہاتھ چھوڑ کر اس پٹی کی لمبائی سے جو شفیع سے متصل ہے تو اس کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تدابیر سقوط حق شفعہ کا بیان

تشریح: بسا اوقات شفیع انتہا بد معاش اور فاسق ہوتا ہے کہ جس کا لوگوں کو تکلیف پہنچانا مشہور و معروف ہے تو یہاں سے کچھ ایسے حیلے اور تدابیر ذکر کرتے ہیں جن سے شفیع کا حق شفعہ باطل ہو جائے گا، مثلاً بائع اپنا سارا گھر مشتری کو فروخت کر دے مگر جس طرف شفیع کی زمین پڑتی ہے اور اس کی پڑوسیت لگتی ہے ادھر سے پوری پٹی ایک ہاتھ کی لمبائی میں چھوڑ دے یعنی اس کو فروخت نہ کرے تو اب شفیع کو حق شفعہ کا دعوی کرنے کا موقع نہیں ہوگا کیوں کہ پڑوسیت کی وجہ سے دعوی کر سکتا تھا اور یہاں ایسا ہوا کہ جتنا حصہ فروخت ہوا ہے اس حصہ کا اس کی ملکیت سے اتصال نہیں ہے اس لیے شفیع کو حق شفعہ نہیں ہوگا مذکورہ مسئلہ اس نقشہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

شفیع کی زمین	وہ حصہ جو فروخت نہیں ہوا	فروخت شدہ گھر

(۱۲۶۲/۴۷) وَاِنْ بَاعَ مِنْهَا سَهْماً بِثَمَنٍ ثُمَّ ابْتَاعَ بَقِیَّتَهَا فَالشُّفْعَةُ لِلْجَارِ فِی السَّهْمِ الْاَوَّلِ دُوْنَ الثَّانِیْ.

ترجمہ: اور اگر بیچا مکان کا کچھ حصہ قیمت کے عوض پھر خرید لیا گھر کے باقی حصہ کو تو شفعہ پڑوسی کے لئے پہلے

حصہ میں ہوگا دوسرے میں نہیں۔

تشریح: ایک مکان ہے جس کی قیمت آٹھ لاکھ روپے ہے بائع نے اس مکان کے آٹھ حصے بنائے اور ایک حصہ ایک لاکھ روپے کا فروخت کر کے مشتری کو گھر میں شریک کرلیا پھر بعد میں باقی سات حصے بھی اسی مشتری نے خرید لئے تو اب شفیع صرف پہلے حصہ میں شفعہ کا دعوی کرسکتا ہے باقی جو سات حصے فروخت ہوئے ہیں ان میں اس کو شفعہ کا حق نہیں ملے گا وہ سات حصے شریک کے ہی ہوں گے۔

دلیل: جب پہلی مرتبہ ایک حصہ فروخت ہو رہا تھا اس وقت اس گھر کا کوئی شریک نہیں تھا اس لیے پڑوسی کو حق شفعہ مل گیا لیکن دوسری مرتبہ جو حصے فروخت ہو رہے تھے اس وقت مشتری خرید اول سے بائع کا شریک ہو چکا تھا اور شریک حق شفعہ میں پڑوسی پر مقدم ہوتا ہے، یہ بھی شفیع کو محروم کرنے کا ایک حیلہ ہے۔

(۱۲۶۳/۴۸) وَاِذَا ابْتَاعَهَا بِثَمَنٍ ثُمَّ دَفَعَ اِلَيْهِ ثَوْباً عِوَضاً عَنْهُ فَالشُّفْعَةُ بِالثَّمَنِ دُوْنَ الثَّوْبِ.

ترجمہ: اور اگر خریدا گھر کو ثمن کے بدلہ پھر دے دیا بائع کو اس کے عوض کپڑا تو شفعہ قیمت سے ہوگا نہ کہ کپڑے سے۔

تشریح: ایک شخص نے ایک مکان فروخت کیا جس کی قیمت تین ہزار روپے ہے لیکن گھر کو بیس ہزار میں فروخت کیا گیا، اور پھر بیس ہزار کے بدلہ تھوڑے سے کپڑے لے لئے جن کی قیمت تین ہزار ہے تو اس سے شفعہ ساقط ہوسکتا ہے کیوں کہ شفیع مشتری سے گھر کو بیس ہزار میں ہی لے گا کپڑے دے کر نہیں لے گا، کیوں کہ کپڑوں کے لین دین کا مسئلہ بائع اور مشتری کے درمیان الگ عقد ہے اصل عقد سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو شفیع اتنا مہنگا مکان خریدنے کی جرأت نہ کرے گا۔

(۱۲۶۴/۴۹) وَلَا تُكْرَهُ الْحِيْلَةُ فِيْ اِسْقَاطِ الشُّفْعَةِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تُكْرَهُ.

حل لغت: الحيلة: تدبیر۔

ترجمہ: اور مکروہ نہیں ہے حیلہ کرنا شفعہ کے ساقط کرنے میں امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا مکروہ ہے۔

تشریح: ایسی کوئی تدبیر اختیار کرنا جس سے شفیع مشفوع نہ لے سکے امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں ہے امام محمد کے نزدیک مکروہ ہے ایسی تدبیر جس سے شفیع حق شفعہ حاصل نہ کر سکے دو قسم پر ہے (۱) حیلہ دفع ثبوت شفعہ (شفعہ ثابت ہونے کے بعد اس کو ساقط کرنے کی تدبیر کرنا) (۲) حیلہ دفع اسقاط شفعہ (ثبوت شفعہ سے پہلے حیلہ کرنا) دوسری صورت میں صاحبین کا اختلاف ہے اور اسی صورت کو صاحب قدوری نے نقل فرمایا تفصیل اس طرح ہے کہ امام

ابو یوسف فرماتے ہیں کہ شفیع کا حق ابھی ثابت نہیں ہوا ہے اس لیے اس کے نقصان کو دور کرنے کے لئے حیلہ کرسکتا ہے اگر شفیع کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور پھر اس کو دور کیا جاتا جبھی تو شفیع کا ضرر شمار کیا جاتا اور یہاں ابھی تک شفیع کا حق ہی ثابت نہ ہوا تھا کہ اس کے ثابت ہونے کے امکان کو ختم کردیا، اس لیے بلا کراہت جائز ہے، اور اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کے قول پر ہی فتوی ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ شفعہ کا ثبوت اس لیے ہوا ہے کہ شفیع کا ضرر دور ہو اگر اس طرح حیلوں کا دروازہ کھول دیا جائے تو حق شفعہ کا حکم ہی ختم ہو جائے گا اس لیے ایسا حیلہ کرنا مکروہ ہے، پہلی صورت میں صاحبین فرماتے ہیں کہ بالاتفاق مکروہ ہے یعنی ثبوت شفعہ کے بعد اس کو ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۱۲۶۵/۵۰) وَاِذَا بَنَى الْمُشْتَرِیْ اَوْ غَرَسَ ثُمَّ قُضِیَ لِلشَّفِیْعِ بِالشُّفْعَةِ فَهُوَ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِالثَّمَنِ وَقِیْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوْعَیْنِ وَاِنْ شَاءَ كَلَّفَ الْمُشْتَرِیْ بِقَلْعِهِ.

حل لغات: غرس: باغ لگایا درخت بویا مصدر غرساً باب (ض) پودا لگانا، مقلوعین: تثنیہ، اکھڑے ہوئے، قَلْعٌ باب (ف) سے مشتق ہے، جڑ سے اکھیڑنا، کلف: ماضی باب تفعیل سے مشکل کام کا حکم دینا۔

ترجمہ: اور جب کہ مشتری نے مکان بنالیا یا پودا لگالیا پھر فیصلہ کردیا گیا شفیع کے لئے شفعہ کا تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس زمین کو لے لے قیمت کے بدلہ اور اکھڑے ہوئے مکان اور کٹے باغ کی قیمت دے کر اور اگر چاہے مشتری کو مجبور کرے اکھاڑنے پر۔

شفعہ کے باقی متفرق مسائل

تشریح: مشتری نے مکان خرید کر اس میں تعمیر بنالی یا باغ لگایا پھر شفیع کے لئے قاضی نے شفعہ کا فیصلہ کردیا تو اب شفیع کے لئے دو حکم ہیں (۱) شفیع زمین کی قیمت دے گا اور ٹوٹے ہوئے مکان کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت دے گا اور زمین مکان اور باغ لے لے گا، (۲) شفیع مشتری کو مجبور کرے گا کہ اپنی تعمیر اور پودوں کو اکھاڑ کر لے جا اور زمین مکمل خالی کر کے میرے حوالے کر۔

دلیل: مشتری نے زمین بائع سے خریدی ہے حق شفعہ کے فیصلہ کے بعد پتہ چلا کہ وہ زمین حقیقت میں شفیع کی تھی اور مشتری نے شفیع کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کردیا اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی چیز میں کسی کا حق ہے اور صاحب حق نے کسی کو تصرف کرنے کی اجازت نہیں دی پھر بھی کوئی تصرف کر بیٹھے تو اس کے تصرف کو توڑ دیا جاتا ہے، اس ضابطہ کے مطابق اس کو توڑنے کا حکم دیا جائے گا، یہ مکمل تشریح طرفین کے مذہب کے مطابق ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مشتری کو مکان توڑنے اور باغ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ شفیع کو دو اختیار ملیں گے:

(۱) زمین کی قیمت اور موجودہ حالت میں مکان اور باغ کی قیمت دے کر اس کو خرید لے۔

(۲)(شفعہ ہی کو چھوڑ دے۔

دلیل: یہ زمین پہلے بائع کی تھی اور اس سے خریدی ہے گویا کہ مشتری نے اپنی زمین میں مکان بنایا اور باغ لگایا ہے شفیع کا حق تو بہت بعد میں ظاہر ہوا ہے تو مشتری اس تصرف میں حق پر ہے پھر اسکو اکھاڑنے کا حکم دینا ظلم وزیادتی ہے۔

(۵۱/۱۲۶۶)وَاِنْ اَخَذَهَا الشَّفِيْعُ فَبَنٰى اَوْغَرَسَ ثُمَّ اسْتُحِقَّتْ رَجَعَ بِالثَّمَنِ وَلَايَرْجِعُ بِقِيْمَةِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ.

ترجمہ: اور اگر شفیع نے زمین لی پھر مکان بنایا یا باغ لگایا پھر زمین کسی مستحق کی نکل گئی تو یہ قیمت واپس لے گا اور نہیں واپس لے سکتا مکان اور باغ کی قیمت۔

تشریح: شفیع کے حق میں کسی زمین کا فیصلہ ہوگیا اور اس نے زمین میں مکان بنالیا یا باغ لگایا بعد میں کسی نے دعوی کر کے اس زمین میں اپنا حق ثابت کر دیا اور قاضی نے مستحق کے لئے فیصلہ کر دیا تو زمین مستحق کی ہوگئی اور شفیع کو کہا جائے گا کہ اپنی عمارت اور پودے اکھاڑ کر لے جا عمارت کی قیمت یا اس کے ٹوٹنے کا نقصان اس کو نہیں ملے گا بلکہ شفیع نے زمین کی جو قیمت دی تھی وہ ملے گی بائع سے لینے کی صورت میں بائع ادا کرے گا اور مشتری سے لینے کی صورت میں مشتری ادا کرے گا۔

دلیل: شفیع کو مشتری نے کچھ دھوکہ نہیں دیا اور نہ مشتری نے مکان بنانے اور باغ لگانے کو کہا تھا بلکہ مشتری نے تو مجبور ہو کر یہ زمین شفیع کے حوالہ کی ہے اس لیے مکان اور باغ کی قیمت وصول نہیں کر سکتا ہاں زمین کی قیمت شفیع نے دی تھی اور اب مستحق نے شفیع سے زمین مفت لی ہے اس لیے صرف زمین کی قیمت وصول کرے گا بر خلاف پہلے مسئلہ کے کہ وہاں مشتری بائع کی جانب سے دھوکہ میں ہے اور بائع نے ہی مشتری کو اس پر تصرف کرنے کیلئے مسلط کیا ہے۔

(۵۲/۱۲۶۷) وَاِذَا انْهَدَمَتِ الدَّارُ اَوِ احْتَرَقَتْ بِنَاءُهَا اَوْ جَفَّ شَجَرُ الْبُسْتَانِ بِغَيْرِ عَمَلِ اَحَدٍ فَالشَّفِيْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِجَمِيْعِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ.

حل لغات: انهدمت: گر گیا منہدم ہوگیا انهدم البناء عمارت کا ویران وشکستہ ہونا، احترقت: مصدر احتراقاً جل جانا، جف: ماضی باب (ض) مصدر جَفافاً خشک ہونا۔

ترجمہ: اور جب گھر گر گیا یا اس کی تعمیر جل گئی یا باغ کے درخت جل گئے بغیر کسی کے فعل کے تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے اس کو لے لے پوری قیمت سے اور اگر چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔

تشریح: اگر مشتری نے کوئی گھر یا باغ خریدا اور وہ گھر گر گیا یا جل گیا یا باغ تھا اس کے درخت سوکھ گئے اور شفیع نے یہاں شفعہ کا دعوی کر رکھا تھا تو اب شفیع کو دو اختیار ہیں (۱) اگر لینا چاہتا ہے تو پورا ثمن ادا کر کے لے کیوں کہ زمین اصل ہے مکان اور باغ اس کے تابع ہیں اس لیے ان چیزوں کے مقابلہ میں ثمن کی کوئی مقدار نہ ہوگی بلکہ زمین ہی کو اصل مان کر پوری قیمت اس پر لگے گی۔

(۲) شفعہ کو چھوڑ دے کیوں کہ اگر وہ اپنے مال کے بدلہ گھر کا مالک نہ بنے تو یہ اس کو حق ہے، یہ ساری تفصیلات اس وقت میں ہیں جب کہ یہ تغیر اور کمی آفت سماوی کی وجہ سے آئی ہو اس میں کسی کی کارکردگی کا دخل نہ ہو اور اگر کسی کے فعل سے ایسا ہوا تو پھر وہ حکم ہے جو اگلی عبارت میں بیان کر رہے ہیں۔

(۱۲۶۸/۵۳) وَاِنْ نَقَضَ الْمُشْتَرِیْ الْبِنَاءَ قِیْلَ لِلشَّفِیْعِ اِنْ شِئْتَ فَخُذِ الْعَرْصَةَ بِحِصَّتِهَا وَ اِنْ شِئْتَ فَدَعْ.

حل لغات: نقض: ماضی (ن) مصدر نقضاً توڑنا، العرصة: ہر وہ جگہ جہاں کوئی عمارت نہ ہو، دع: ودع یدع سے امر حاضر ہے چھوڑنا۔

ترجمہ: اور اگر مشتری نے عمارت توڑ دی تو شفیع سے کہا جائے گا اگر تو چاہے تو خالی جگہ کو اس کے حصہ کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے چھوڑ دے۔

تشریح: اگر مشتری نے خود اپنے فعل سے عمارت کو توڑ دیا تو اب عمارت مقصود ہو گئی کیوں کہ مشتری نے عمارت کو توڑنے کا ارادہ کیا ہے لہٰذا اب وصف کے مقابلہ میں ثمن آئے گا اور اب مشتری کو دو اختیار ہوں گے۔

(۱) صرف زمین کی جو قیمت ہے وہ دے کر صرف خالی خالی زمین میں لے لے مثلاً زمین مع مکان دو لاکھ روپے کی تھی بعد میں مشتری نے خود مکان توڑ دیا جس کی وجہ سے پچاس ہزار روپے کم ہو گئے تو اب شفیع ڈیڑھ لاکھ روپے دے کر خالی خالی زمین لے لے۔

(۲) اگر چاہے تو شفعہ چھوڑ دے۔

(۱۲۶۹/۵۴) وَلَیْسَ لَهُ اَنْ یَّاْخُذَ النُّقْضَ.

لغت: النقض: نون کے کسرہ کے ساتھ عمارت، ملبہ، جمع انقاض۔

ترجمہ: اور شفیع کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ٹوٹ پھوٹ لے۔

تشریح: مشتری کے مکان توڑنے کے بعد اینٹ لکڑی وغیرہ جو زمین سے الگ ہو گئی اس میں شفیع کا حق شفعہ نہیں ہے کیوں کہ یہ چیزیں زمین کے تابع نہیں رہیں الگ سے قیمت دیکر مشتری کی خوشی سے لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔

(۱۲۷۰/۵۵) وَمَنِ ابْتَاعَ اَرْضاً وَعَلٰی نَخْلِهَا ثَمَرٌ اَخَذَهَا الشَّفِیْعُ بِثَمَرِهَا.

حل لغات: ابتاع: خریدا باع سے مشتق ہے، ارضاً: اس سے مراد باغ والی زمین ہے۔

ترجمہ: کسی نے باغ خریدا اور اس کے درختوں پر پھل ہیں تو شفیع اس کو پھل سمیت لے لے۔

تشریح: مشتری نے ایسی زمین خریدی جس میں باغ ہے اور باغ میں پھل بھی لگے ہوئے ہیں تو شفیع کو حق ہے

کہ پھل سمیت مشتری سے باغ لے یعنی جب کہ پھلوں کا بیع میں ذکر آیا ہو کیوں کہ بغیر ذکر کئے پھل بیع میں داخل نہیں ہوتے۔

(۱۲۷۱/۵۶) وَاِنْ جَدَّهُ الْمُشْتَرِیْ سَقَطَ عَنِ الشَّفِیْعِ حِصَّتُهُ.

حل لغات: جد: ماضی باب (ض) مصدر جَدًّا کاٹنا، یہاں توڑنے کے معنی ہیں۔

ترجمہ: اور اگر مشتری نے پھل توڑ لیا تو ساقط ہو جائے گا شفیع سے اس کے حصے کے مطابق۔

تشریح: مشتری نے پھلوں کے ساتھ باغ خریدا جس کی وجہ سے شفیع کو پھلوں کے ساتھ باغ لینے کا حق تھا لیکن شفیع کے قابض ہونے سے پہلے ہی مشتری نے پھلوں کو توڑ لیا تو پھر شفیع پھلوں کو لینے کا حقدار نہیں ہے رہا یہ مسئلہ کہ پھل توڑنے کی وجہ سے ثمن میں کچھ کمی کی جائے گی یا نہیں تو اس میں صاحب کتاب کا قول مجمل ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر عقد کے وقت پھل موجود تھا تو پھل بھی بیع کے اندر مقصود تھا لہٰذا اگر مشتری نے اس صورت میں پھل توڑ لیا ہو تو پھل کی قیمت کے بقدر ثمن میں کمی کر دی جائے گی اور اگر عقد کے وقت پھل نہیں تھا اور بعد میں آیا اور مشتری نے توڑ لیا تو اب شفیع کو نہ پھل ملے گا اور نہ ثمن میں سے کچھ کم کیا جائے گا، صاحب قدوری نے یہاں مطلقاً بیان کر دیا ہے کہ اگر مشتری نے پھل توڑ لئے تو ثمن کا حصہ اس کے بقدر ساقط ہو جائے گا حالانکہ یہاں تفصیل ہے جو ماقبل میں بیان کر دی گئی ہے۔

(۱۲۷۲/۵۷) وَاِذَا قُضِیَ لِلشَّفِیْعِ بِالدَّارِ وَلَمْ یَکُنْ رَاٰهَا فَلَهُ خِیَارُ الرُّؤْیَةِ فَاِنْ وَجَدَبِهَا عَیْبًا فَلَهُ اَنْ یَّرُدَّهَا بِهٖ وَاِنْ کَانَ الْمُشْتَرِیْ شَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْهُ.

ترجمہ: اور جب فیصلہ کر دیا گیا شفیع کے لئے مکان کا حالانکہ اس نے اس کو دیکھا نہیں تھا تو شفیع کے لئے خیار رؤیت ہے اور اگر اس میں عیب پائے تو شفیع کے لئے حق ہے کہ اس کو لوٹا دے عیب کی وجہ سے اگرچہ مشتری نے اس سے برأت کی شرط لگائی ہو۔

تشریح: جیسے بیع میں خیار رویت اور خیار عیب ملتا ہے تو شفعہ کے اندر بھی ملے گا گویا کہ شفیع مشتری سے خرید رہا ہے تو خریداری کے احکام یہاں جاری ہوں گے صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ شفیع نے گھر دیکھا نہیں تھا اور اس کے لئے حق شفعہ کی وجہ سے گھر کا فیصلہ ہو گیا تو اس کو دیکھنے کے بعد خیار رؤیت ملے گا یعنی خیار رویت کے ماتحت مبیع کو واپس کرنے کا حق حاصل ہے، ایسے ہی اگر مبیع میں عیب نکلے تو خیار عیب کے ماتحت شفیع اس مکان کو مشتری کی طرف واپس کر سکتا ہے اگرچہ مشتری نے عیب سے بری ہونے کی شرط لگا دی ہو مگر پھر بھی شفیع کو خیار عیب حاصل ہوگا۔

(۱۲۷۳/۵۸) وَاِذَا ابْتَاعَ بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَالشَّفِیْعُ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهَا بِثَمَنٍ حَالٍّ وَاِنْ شَاءَ صَبَرَ حَتّٰی یَنْقَضِیَ الْاَجَلُ ثُمَّ یَأْخُذُهَا.

حل لغات: ینقضی الاجل: مدت ختم ہو جائے۔

ترجمہ: اور جب خرید اادھار ثمن کے ساتھ تو شفیع کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو نقد قیمت سے نہ لے اور اگر چاہے تو صبر کرے یہاں تک مدت گذر جائے پھر اس کو لے لے۔

تشریح: بائع نے اپنا مکان پچاس ہزار روپے میں فروخت کر دیا اور قیمت کی ادائیگی ادھار ٹھہری اب شفیع اس گھر کو خریدنا چاہتا ہے تو سوال یہ ہے کہ شفیع کو ثمن کی ادائیگی ابھی کرنی پڑے گی یا ادھار کی سہولت اسے بھی ملے گی اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام زفر امام مالک امام احمد امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ شفیع کو بھی یہ اختیار ہے کہ ثمن کی ادائیگی اسی وقت معین پر کرے جو بائع اور مشتری کے درمیان طے ہو چکا ہے۔

(۲) احناف کا مذہب یہ ہے کہ شفیع کو دو اختیار ہیں (۱) گھر کی قیمت نقد دے ادھار کی سہولت حاصل نہ ہوگی کیوں کہ بیع کا عام قاعدہ نقد ہی ادا کرنے کا ہے رہ گئی یہ بات کہ بائع نے تو مشتری کو ادھار دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ بائع نے مشتری پر اعتماد اور بھروسہ کر کے ادھار کی سہولت دی ہے اس لیے اس کا تعلق بیع سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بائع کے اعتماد سے ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ مشتری بھی شفیع پر بھروسہ کرے اور ادھار دے اس لیے شفیع پر نقد قیمت دینا واجب ہوگا (۲) دوسرا اختیار شفیع کو یہ ہے کہ لینے سے صبر کرے رہی طلب وہ فی الحال کرنی پڑے گی صاحب کتاب کا قول حتی ینقضی الاجل کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ مدت گذرنے تک طلب شفعہ سے صبر کرے بلکہ طلب تو بیع کا علم ہوتے ہی کرنی پڑے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ ادھار کی مدت پورا ہونے کا انتظار کرے اور جب ادھار کی مدت ختم ہو جائے تو اس وقت نقد قیمت دے کر مشتری سے خرید لے۔

(۱۲۷۴/۵۹) وَ اِذَا اقْتَسَمَ الشُّرَكَاءُ الْعَقَارَ فَلَا شُفْعَةَ لِجَارِهِمْ بِالْقِسْمَةِ.

ترجمہ: اور اگر شرکاء زمین تقسیم کریں تو تقسیم کرنیکی وجہ سے ان کے پڑوسیوں کو حق شفعہ نہیں ملے گا۔

تشریح: چند شریکوں نے اپنی زمین کا بٹوارہ کیا تو ظاہر ہے کہ یہ بیع نہیں ہے بلکہ اپنا اپنا حصہ الگ الگ کیا ہے اور حق شفعہ ہوتا ہے زمین فروخت کرنے سے اور مبادلۃ المال بالمال پائے جانے کی وجہ سے اور یہاں ایسا نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی پڑوسی بٹوارہ کے وقت شفعہ کا دعوی کرے تو اس کو شفعہ نہیں ملے گا۔

(۱۲۷۵/۶۰) وَاِذَا اشْتَرىٰ دَاراً فَسَلَّمَ الشَّفِيْعُ الشُّفْعَةَ ثُمَّ رَدَّهَا الْمُشْتَرِىْ بِخِيَارِ رُؤْيَةٍ اَوْ بِشَرْطٍ اَوْ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ قَاضٍ فَلَا شُفْعَةَ لِلشَّفِيْعِ.

ترجمہ: اگر گھر خریدا اور شفیع نے شفعہ چھوڑ دیا پھر مشتری نے خیار رویت خیار شرط یا خیار عیب کے باعث قاضی کے فیصلہ کے ساتھ گھر کو واپس کیا تو شفیع کے لئے شفعہ نہیں ہے۔

تشریح: مشتری نے گھر خریدا اس وقت شفیع نے شفعہ لینے سے انکار کر دیا تو اب اس کا شفعہ باطل ہو چکا ہے اب مشتری اس گھر کو واپس کرتا ہے یا تو خیار رؤیت کے سبب یا خیار شرط کے سبب یا عیب کے سبب اور جب اس نے واپس کیا تو قاضی کے فیصلہ سے کیا بہر حال ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت میں مکان بائع کے پاس آتا ہے شفیع نے پھر شفعہ کا دعویٰ کر دیا یعنی اس واپسی کو بیع کا درجہ دے کر شفعہ طلب کرتا ہے تو کیا شفیع کو شفعہ ملے گا تو فرمایا کہ نہیں ملے گا کیوں کہ قاضی نے جب مبیع واپس کرنے کا فیصلہ کیا تو پہلی بیع کو بالکلیہ ختم کر دیا یہاں کوئی نئی بیع نہیں ہوئی بلکہ بائع پہلے بھی اس کا مالک تھا اور اب بھی اس کا مالک ہے تو جب شرط فوت ہو گئی تو شفعہ ملنے کا کیا سوال؟

(۱۲۷۶/۶۱) وَاِنْ رَدَّهَا بِغَيْرِ قَضَاءِ قَاضٍ اَوْ تَقَايَلاَ فَلِلشَّفِيْعِ الشُّفْعَةُ.

حل لغات: تقایلا: اقالة سے مشتق ہے رضامندی سے مبیع کو واپس کرنا۔

ترجمہ: اور اگر واپس کیا گھر کو بغیر قضاء قاضی کے یا دونوں نے بیع کا اقالہ کر لیا تو شفیع کے لئے شفعہ ہے۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں واپسی قاضی کے حکم سے تھی اس کا حکم گذر چکا اور اگر بغیر قاضی کے فیصلے کے مشتری نے بائع کی طرف گھر واپس کیا یا دونوں نے اقالہ کر لیا تو ان دونوں صورتوں میں شفیع کو شفعہ ملے گا کیوں کہ یہاں قاضی کا حکم تو ہے نہیں بلکہ دونوں کی رضامندی ہے اور دونوں عاقل بالغ ہیں اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے اس لیے ان دونوں کے حق میں یہ فسخ بیع ہے مگر ان کو شفیع پر کوئی ولایت نہیں ہے اس لیے تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے اور شفیع تیسرا آدمی ہے بہر حال شفیع کو شفعہ ملے گا۔

كِتَابُ الشِّرْكَةِ

(یہ کتاب شرکت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: شفعہ کے بعض مسائل چوں کہ شرکت سے متعلق تھے اس لیے یہاں سے شرکت کے مسائل بیان کر رہے ہیں (رقم الحاشیۃ ۱)

شرکت کی لغوی تعریف: شرکت کا لفظ شین کے زیر اور را کے جزم کے ساتھ ہے اور یہی صورت زیادہ فصیح ہے، ایک مال کو دوسرے مال کے ساتھ اس طرح ملا دینا کہ دونوں میں امتیاز نہ رہے۔

اصطلاحی تعریف: اصل اور نفع میں دو حصہ داروں کا آپس میں شریک ہونا۔

شرکت کا ثبوت: اس آیت میں ہے فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ (آیت (۱۲) سورۃ النساء) اگر اس سے زیادہ بھائی ہوں تو وہ تہائی میں شریک ہوں گے نیز حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً حدیث قدسی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں دو شریکوں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک کہ ان میں سے ایک ساتھی

دوسرے ساتھی کے ساتھ خیانت نہ کرے جب خیانت کی تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں (ابوداؤد، ۲/۴۸۰، باب الشرکۃ) اس حدیث سے بھی شرکت کا پتہ چلتا ہے اس لیے شرکت جائز ہے۔

(۱۲۷۷/۱) اَلشَّرِکَۃُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ شِرْکَۃُ اَمْلَاکٍ وَشِرْکَۃُ عُقُوْدٍ فَشِرْکَۃُ الْاَمْلَاکِ الْعَیْنُ یَرِثُھَا رَجُلَانِ اَوْ یَشْتَرِیَانِھَا.

ترجمہ: شرکت دو قسموں پر ہے شرکت املاک اور شرکت عقود شرکت املاک یہ ہے کہ ایک چیز کے دو وارث ہوں یا دونوں مل کر ایک چیز خریدیں۔

تشریح: شرکت دو طرح کی ہوتی ہے شرکت املاک شرکت عقود شرکت املاک کا مطلب یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص کسی امر میں بغیر کسی معاہدے کے شریک ہوں یعنی باضابطہ ایجاب وقبول کر کے کسی چیز میں شریک نہ ہوئے ہوں بلکہ اچانک شریک ہو گئے مثلاً والد کے انتقال پر ایک چیز دو لڑکوں کے درمیان وراثت میں آگئی اور دونوں بیٹے اس چیز میں وراثت کے طور پر شریک ہو گئے یا دو آدمیوں نے ایک چیز کو خرید لیا اور دونوں ایک چیز کے مالک بن گئے تو چوں کہ ملکیت کے اعتبار سے شرکت ہوئی اس لئے اس کو شرکت املاک کہتے ہیں۔

(۱۲۷۸/۲) فَلَا یَجُوْزُ لِاَحَدِھِمَا اَنْ یَتَصَرَّفَ فِیْ نَصِیْبِ الْآخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَکُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا فِیْ نَصِیْبِ صَاحِبِهٖ کَالْاَجْنَبِیِّ.

ترجمہ: تو کسی ایک کے لئے جائز نہیں یہ کہ تصرف کرے دوسرے کے حصے میں مگر اس کی اجازت سے اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں شرکت املاک کا حکم بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کے حصے میں اجنبی کی طرح ہیں اگر چہ ایک ہی چیز میں دونوں کی شرکت ہے لیکن دونوں کے حصے الگ الگ ہیں اس لیے دوسرے کے حصے میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز نہیں ہے اس کے لئے باری مقرر کر لیں اور باری باری استعمال کرتے رہیں۔

(۱۲۷۹/۳) وَالضَّرْبُ الثَّانِیْ شِرْکَۃُ الْعُقُوْدِ وَھِیَ عَلٰی اَرْبَعَۃِ اَوْجُهٍ مُفَاوَضَۃٍ وَعِنَانٍ وَشِرْکَۃِ الصَّنَائِعِ وَشِرْکَۃِ الْوُجُوْهِ.

ترجمہ: اور دوسری قسم شرکت عقود ہے اور یہ چار قسموں پر ہے شرکت مفاوضہ، عنان، شرکت صنائع اور شرکت وجوہ۔

تشریح: شرکت عقود یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص آپسی معاہدے کے ذریعہ کسی مال یا اس کے منافع میں

شرکت کریں، شرکت عقود کوعقود اس لیے کہتے ہیں کہ اس شرکت میں باضابطہ عقد کرتے ہیں اور ایجاب وقبول کے ذریعہ شرکت اور منفعت طے ہوتی ہے اس کی چار قسموں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۴/۱۲۸۰) فَاَمَّا شِرْكَةُ الْمُفَاوَضَةِ اِنْ يَشْتَرِكَ الرَّجُلَانِ فَيَتَسَاوَيَانِ فِيْ مَالِهِمَا وَتَصَرُّفِهِمَا وَدِيْنِهِمَا.

ترجمہ: بہرحال شرکت مفاوضہ وہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں چناں چہ دونوں برابر ہوں مال میں تصرف میں اور مذہب میں۔

تشریح: اس عبارت میں شرکت مفاوضہ کی تعریف بیان کررہے ہیں مفاوضہ کے معنی ہیں برابری یعنی شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ طور پر یہ معاہدہ کریں کہ وہ باہم مل کر کام کریں گے اور شرط یہ ہوگی کہ دونوں کا سرمایہ برابر ہوگا دونوں شریک خریدنے اور بیچنے میں برابر اختیار رکھیں گے نیز دونوں مذہب میں شریک ہوں۔

(۵/۱۲۸۱) فَيَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرَّيْنِ الْمُسْلِمَيْنِ الْبَالِغَيْنِ الْعَاقِلَيْنِ.

ترجمہ: چناں چہ جائز ہے ایسے دو آدمیوں میں جو آزاد مسلمان بالغ اور عاقل ہوں۔

تشریح: دونوں آدمی آزاد ہوں دونوں مسلمان ہوں دونوں بالغ اور عاقل ہوں تو ان کے درمیان شرکت مفاوضہ صحیح ہوگی اصل میں شرکت مفاوضہ میں دونوں شریک ایک دوسرے کے وکیل بھی ہوتے ہیں اور کفیل بھی یعنی ایک شریک نے جو کچھ خریدا اس میں آدھا ایک کا ہے اور آدھا دوسرے کا ہوگا اور اگر ایک شریک پر کچھ قرض ہو جائے تو دوسرے شریک پر بھی آدھا لازم ہوگا دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور کفیل اس وقت بن سکتے ہیں جب کہ وہ تمام چیزیں موجود ہوں جو صاحب کتاب نے نقل فرمائی ہیں۔

(۶/۱۲۸۲) وَلَا يَجُوْزُ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْمَمْلُوْكِ وَلَا بَيْنَ الصَّبِيِّ وَالْبَالِغِ وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ بچے اور بالغ کے درمیان اور نہ مسلم اور کافر کے درمیان۔

تشریح: اس سے پہلے مسئلہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ شرکت مفاوضہ میں ہر ایک شریک دوسرے کا وکیل بھی ہوتا ہے اور کفیل بھی اس لیے اگر ایک مملوک اور غلام ہو تو وہ نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کفیل اس لیے آزاد اور غلام کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی ایسے ہی بچہ نہ کفیل بن سکتا ہے اور نہ وکیل اس لیے بچہ اور بالغ کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوگی، اور مسلمان اور کافر کے درمیان اس لیے نہیں ہوگی کہ شراب، سود اور خنزیر کی خرید وفروخت کافر کے لئے درست ہے اور مسلمان کے لئے حرام ہے چوں کہ بہت سے مقامات پر کافر مسلمان کی وکالت اور کفالت نہیں کرسکتا جو شرکت مفاوضہ میں ضروری ہے اس لیے کافر اور مسلمان کے درمیان شرکت مفاوضہ نہیں ہوسکتی۔

امام ابو یوسف کے نزدیک کافر کے ساتھ شرکت مفاوضہ جائز ہے البتہ مکروہ ہے کیوں کہ کافر عاقل و بالغ ہے اس لیے وکیل اور کفیل بن سکتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ شرکت مفاوضہ ہو سکتی ہے۔

(۱۲۸۳/۷) وَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَالْكَفَالَةِ.

ترجمہ: اور شرکت مفاوضہ منعقد ہوتی ہے وکالت اور کفالت پر۔

تشریح: شرکت مفاوضہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شریکین میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل بھی ہو کہ جو کچھ خریدیں گے ان میں آدھا اپنا ہوگا اور آدھا وکالت کی وجہ سے شریک کا ہوگا ایسے ہی ایک دوسرے کا کفیل بھی ہو کہ جو قرض ایک کے سر پر آئے اس میں سے آدھا اپنے سر ہوگا اور آدھا کفیل ہونے کی وجہ سے شریک کے ذمہ ہوگا۔

(۱۲۸۴/۸) وَمَا يَشْتَرِيهِ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَكُوْنُ عَلَى الشَّرِكَةِ إِلَّا طَعَامَ أَهْلِهِ وَكِسْوَتَهُمْ.

ترجمہ: اور جو کچھ خریدے گا ان میں سے کوئی ایک وہ ہوگی شرکت پر سوائے بیوی بچوں کے کھانے اور کپڑے کے۔

تشریح: جب شرکت مفاوضہ منعقد ہو جائے تو دونوں شریکوں میں سے ہر ایک جو تجارت کے متعلقات خریدے گا وہ مشترکہ خرید متصور ہوگی البتہ بال بچوں کے کھانے اور کپڑے اور ان کی ضروریات زندگی کے سامان تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہیں، اس لیے یہ چیزیں جب ایک شریک خریدے گا تو وہ صرف اسی کے لئے ہوں گی شریک کے لئے نہیں ہوں گی، کیوں کہ ان چیزوں میں نہ وکالت ہے اور نہ کفالت۔

(۱۲۸۵/۹) وَمَا يَلْزَمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنَ الدُّيُوْنِ بَدَلاً عَمَّا يَصِحُّ فِيهِ الْإِشْتِرَاكُ فَالْآخَرُ ضَامِنٌ لَهُ.

ترجمہ: اور جو کچھ قرض لازم ہو ان میں سے کسی کو ایسی چیز کے بدلے میں جس میں شرکت صحیح ہے تو دوسرا شریک اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح: تجارت وغیرہ کی وجہ سے دونوں شریکوں میں سے کسی ایک پر قرض لازم ہو گیا تو دوسرا شریک بھی اس کا ذمہ دار ہوگا کیوں کہ دوسرا شریک اس کا کفیل ہے اس لیے کفالت کی وجہ سے وہ بھی ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔

تنبیہ: عما یصح فیه الاشتراك اس قید کو لگا کر صاحب قدوری یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اشتراک انہیں امور میں جائز ہوگا جن میں شرکت مفاوضہ صحیح ہے جیسے خرید و فروخت کرایہ کا لین دین اور قرض وغیرہ اور جن چیزوں میں شرکت درست نہیں ہے ان میں اشتراک بھی نہ ہوگا جیسے جرم کا تاوان نکاح، خلع وغیرہ ان میں دوسرا ذمہ دار نہ ہوگا۔

(۱۲۸۶/۱۰) فَإِنْ وَرِثَ أَحَدُهُمَا مَالاً تَصِحُّ فِيهِ الشَّرِكَةُ أَوْ وُهِبَ لَهُ وَوَصَلَ إِلَى يَدِهِ بَطَلَتِ الْمُفَاوَضَةُ وَصَارَتِ الشَّرِكَةُ عِنَاناً.

حل لغات: ووصل الی یدہ: ہبہ کی چیز پر شریک کا قبضہ ہو اس کی شرط اس لیے لگائی کہ ہبہ میں قبضہ سے پہلے انسان اس چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا اس لیے یہ قید لگائی کہ ہبہ ہوا ہو اور اس پر قبضہ بھی ہو گیا ہو تب شرکت مفاوضہ باطل ہوگی۔

ترجمہ: اگر وارث ہوا دونوں شریکوں میں سے کوئی ایک ایسے مال کا جس میں شرکت صحیح ہے یا اس کو ہبہ کر دیا گیا اور پہنچ گیا اس کے قبضہ میں تو شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی اور (بدل کر) شرکت عنان ہو جائے گی۔

تشریح: اگر دونوں شریکوں میں سے ایک دراہم، دنانیر یا رائج سکوں کا وارث بن گیا یا کسی نے اس کو ہبہ کر دیا اور اس نے ان پر قبضہ بھی کر لیا تو شرکت مفاوضہ باطل ہو کر شرکت عنان بن جائے گی کیوں کہ مفاوضہ میں جس طرح ابتداءً مالی مساوات شرط ہے اسی طرح بقاءً بھی شرط ہے اور یہاں وراثت اور ہبہ کے ذریعہ مالک ہونے کی وجہ سے دونوں کے مال برابر نہ رہے بلکہ ایک کا زیادہ ہو گیا اس لیے شرکت مفاوضہ باطل ہو جائے گی لیکن چوں کہ شرکت عنان میں مال کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ مال کم زیادہ ہو تب بھی شرکت عنان جائز ہے اس لیے یہ شرکت عنان بن جائے گی۔ (اللباب ۲/ ۵۵) ہاں اگر ایسے مال کا وارث بنا جس میں شرکت مفاوضہ درست نہیں جیسے سامان، زمین تو اس سے شرکت مفاوضہ باطل نہ ہوگی کیوں کہ ان میں شرکت ہی صحیح نہیں تو برابری بھی ضروری نہ ہوگی (رقم الحاشیہ ۴، الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۳۴۵)

(۱۲۸۷/۱۱) وَلَا تَنْعَقِدُ الشَّرْكَةُ اِلَّا بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْفُلُوْسِ النَّافِقَةِ وَلَا يَجُوْزُ فِيْمَا سِوىٰ ذَالِكَ اِلَّا اَنْ يَتَعَامَلَ النَّاسُ بِهٖ كَالتِّبْرِ وَالنُّقْرَةِ فَتَصِحُّ الشَّرْكَةُ بِهِمَا.

حل لغات: الفلوس: فلس کی جمع پیسہ، النافقۃ: رائج، چالو، الفلوس النافقۃ: رائج الوقت سکہ، التبر: سونے کی ڈلی، النقرۃ چاندی کا پگھلا ہوا ٹکڑا۔

ترجمہ: اور نہیں منعقد ہوتی شرکت مگر دراہم، دنانیر اور رائج سکوں سے اور نہیں جائز ہے شرکت مفاوضہ ان کے علاوہ میں مگر یہ کہ لوگ اس سے معاملہ کرنے لگیں جیسے سونے چاندی کی ڈلی چنانچہ ان سے بھی شرکت صحیح ہو جائیگی۔

تشریح: جو چیزیں ثمن ہیں جیسے دراہم دنانیر اور رائج سکے ان میں شرکت مفاوضہ صحیح ہوگی ان کے علاوہ اور چیزوں میں درست نہیں ہے البتہ اگر لوگ کسی خاص چیز مثلاً سونے اور چاندی کی ڈلی میں شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو پھر جائز ہو جائے گی کیوں کہ سونے اور چاندی کی ڈلی بھی درہم اور دینار کے حکم میں ہے کہ وہ بھی متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتی، کما فی اللباب ۱/ ۵۵)

فائدہ: شیخین کے نزدیک فلوس نافقہ کے ذریعہ مشارکت ومضاربت درست نہیں ہے مگر امام محمد فرماتے ہیں کہ درست ہے امام صاحب کی بھی غیر مشہور روایت یہی ہے فتوی اسی قول پر ہے (عالمگیری ۲/ ۳۰۶)

(۱۲/۱۲۸۸) وَاِنْ اَرَادَ الشَّرِكَةَ بِالْعُرُوْضِ بَاعَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِصْفَ مَالِهٖ بِنِصْفِ مَالِ الْآخَرِ ثُمَّ عَقَدَ الشَّرِكَةَ.

ترجمہ: اور اگر ارادہ کرے شرکت کرنے کا سامان کے ذریعہ تو بیچے دونوں میں سے ہر ایک اپنا آدھا مال دوسرے کے آدھے مال کے بدلے پھر عقد شرکت کرے۔

تشریح: دراہم اور دنانیر کے علاوہ سامان اور زمین وغیرہ میں شرکت مفاوضہ درست نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے گذر چکا ہے لیکن اگر کوئی ان میں شرکت کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اپنا آدھا سامان دوسرے کے آدھے سامان کے بدلے بیچے اور پھر برابر برابر درہم یا دینار ملائیں اور شرکت کریں تو درست ہے براہ راست سامان ملا کر شرکت مفاوضہ کرنا صحیح نہیں ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ کیلی اور وزنی چیز ہو اور دونوں شریکوں کی جنس ایک ہو مثلاً دونوں گیہوں ملا کر شرکت کریں تو جائز ہے۔

دلیل: حضرت ابن سیرینؒ نے فرمایا شرکت مفاوضہ تمام مالوں میں ہو سکتی ہے۔

(۱۳/۱۲۸۹) وَاَمَّا شِرْكَةُ الْعِنَانِ فَتَنْعَقِدُ عَلَى الْوَكَالَةِ دُوْنَ الْكَفَالَةِ.

حل لغات: عنان: عین کے کسرہ کے ساتھ اس کے معنی اعراض کرنا ہے چوں کہ اس شرکت میں کفالت سے اعراض کرنا ہے اس لیے اس کو شرکت عنان کہتے ہیں۔

ترجمہ: بہر حال شرکت عنان تو وہ وکالت پر منعقد ہوتی ہے نہ کہ کفالت پر۔

شرکت عنان کا بیان

تشریح: شرکت مالی کی دوسری قسم شرکت عنان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمی تجارت کی مختلف چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی تجارت مشترکہ طور پر کریں مثلاً گیہوں کی تجارت میں شریک ہوں اس شرکت میں ہر ایک شریک سامان خریدنے میں دوسرے کا وکیل بنتا ہے کہ مال تجارت میں سے جو کچھ خریدے اس میں سے آدھا اپنے لئے ہوگا اور آدھا شریک کے لئے ہوگا البتہ اس شرکت میں کفالت کی شرط نہیں رکھی جاتی یعنی فریقین ایک دوسرے کے نقصان یا مال کے ذمہ دار نہیں ہوتے بلکہ پورا قرض اسی کے ذمہ ہوگا جس نے قرض لیا یہ شرکت مسلمان اور کافر کے درمیان نیز نابالغ اور بالغ کے درمیان آزاد اور ماذون غلام (جسے تجارت کی اجازت دی گئی ہو) کے درمیان ہو سکتی ہے۔

(۱۴/۱۲۹۰) وَيَصِحُّ التَّفَاضُلُ فِي الْمَالِ وَيَصِحُّ اَنْ يَّتَسَاوَيَا فِي الْمَالِ وَيَتَفَاضَلَا فِي الرِّبْحِ.

ترجمہ: اور صحیح ہے کمی زیادتی مال میں اور صحیح ہے یہ کہ دونوں برابر ہوں مال میں اور کمی بیشی ہو نفع میں۔

تشریح: شرکت عنان میں شرکت مفاوضہ کی طرح مال اور نفع میں برابر ہونا ضروری نہیں ہے اگر ایک شریک کا

مال کم ہو اور ایک کا مال زیادہ ہو یا دونوں کا برابر ہو ایسے ہی نفع میں کسی کو کم ملنے کی شرط ہو اور کسی کو زیادہ ملنے کی شرط ہو مثلاً شرکاء یہ طے کرلیں کہ ان میں سے ایک کو کارکردگی کے صلہ میں دو تہائی ملے گا اور دوسرے کو ایک تہائی اور نقصان بھی اسی نسبت سے ہوگا یہ تمام صورتیں شرکت عنان میں درست ہیں۔

(۱۵/۱۲۹۱) وَيَجُوْزُ اَنْ يَعْقِدَهَا كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِبَعْضِ مَالِه دُوْنَ بَعْضٍ.

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اپنے بعض مال سے عقد شرکت کرے نہ کہ پورے سے۔

تشریح: اگر شریکین میں سے ہر ایک کے بعض مال کے ذریعہ شرکت ہو تو یہ بھی درست ہے مثلاً کسی کے پاس دو لاکھ روپے ہیں ان میں سے ایک لاکھ روپے کے ذریعہ شرکت کرے اور باقی ایک لاکھ سے نہ کرے تو یہ جائز ہے کیوں کہ شرکت عنان میں دونوں شریکوں کا برابر برابر مال ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۱۶/۱۲۹۲) وَلَا تَصِحُّ اِلَّا بِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْمُفَاوَضَةَ تَصِحُّ بِه.

ترجمہ: اور صحیح نہیں ہے مگر ان چیزوں سے جن کو ہم نے بیان کردیا کہ مفاوضہ ان سے صحیح ہے۔

تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ دراہم دنانیر اور رائج سکوں کے ذریعہ شرکت مفاوضہ صحیح ہے اور اگر سونے چاندی کی ڈلی سے لوگ شرکت مفاوضہ کرنے لگیں تو ان سے بھی صحیح ہے اسی طرح شرکت عنان بھی ان تمام چیزوں کے ذریعہ صحیح ہے۔

(۱۷/۱۲۹۳) وَيَجُوْزُ اَنْ يَشْتَرِكَا وَمِنْ جِهَةِ اَحَدِهِمَا دَنَانِيْرُ وَمِنْ جِهَةِ الْآخَرِ دَرَاهِمُ.

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ دونوں شریک ہو جائیں اور ایک کی طرف سے دنانیر ہوں اور دوسرے کی طرف سے دراہم ہوں۔

تشریح: ایک شریک کی جانب سے دراہم ہوں اور دوسرے شریک کی جانب سے دنانیر ہوں اور شرکت کرے تو جائز ہے، ہمارے یہاں شرکت عنان کے لئے مال کا خلط ملط کرنا ضروری نہیں ہے امام زفر کے نزدیک اختلاط شرط ہے اور درہم و دینار دو جنس ہونے کی وجہ سے خلط ملط نہیں ہو سکتے اس لیے ان کے یہاں درست نہیں ہے احناف یہ کہتے ہیں کہ بہت سے احکام میں دراہم و دنانیر کو ایک ہی جنس کے درجہ میں رکھا گیا ہے چناں چہ باب زکوۃ میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جاتا ہے لہٰذا دراہم دنانیر پر معاملہ کرنا گویا کہ جنس واحد پر ہی معاملہ کرنا ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۴۷، رقم الحاشیہ ۳)

(۱۸/۱۲۹۴) وَمَا اشْتَرَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِلشَّرِكَةِ طُوْلِبَ بِثَمَنِه دُوْنَ الْآخَرِ وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِه

بِحِصَّتِہٖ مِنْہُ.

ترجمہ: جو کچھ خریدا دونوں میں سے کسی ایک نے شرکت کے لئے طلب کی جائے گی اس کی قیمت اس سے نہ کہ دوسرے سے اور وہ لے گا اپنے شریک سے اس کے حصہ شرکت کے مطابق۔

تشریح: ایک شریک نے شرکت کے لئے مال خریدا تو اس کی قیمت خریدنے والے شریک پر ہی لازم ہوگی البتہ جتنی قیمت شریک کے حصہ میں آئے گی وہ اس سے وصول کرلے، کیوں کہ شرکت عنان میں شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے اس لیے جو کچھ بھی خریدا ہے اس کا آدھا دوسرے شریک کا ہوگا لیکن چوں کہ کفیل نہیں اس لیے بائع آدھا قرض دوسرے شریک سے وصول نہیں کرے گا لیکن چوں کہ آدھا مال شریک کے لئے ہے اس لیے اس کا حصہ اس سے وصول کرلے مطلب یہ ہے کہ جب ایک شریک نے بائع کو اپنے مال سے پوری قیمت دے دی تو اب یہ شریک اپنے ساتھی سے اس کے حصہ شرکت کے مطابق مطالبہ کرے۔

(۱۲۹۵/۱۹) وَاِذَا هَلَكَ مَالُ الشَّرِكَةِ اَوْ اَحَدُ الْمَالَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَشْتَرِيَا شَيْئاً بَطَلَتِ الشَّرِكَةُ.

ترجمہ: اگر ہلاک ہوجائے شرکت کا سارا مال یا کسی ایک کا مال کسی چیز کے خریدنے سے پہلے تو شرکت باطل ہوجائے گی۔

تشریح: شرکت کا سارا مال ہلاک ہوگیا تو ظاہر ہے کہ مال ہی نہیں رہا تو شرکت کس چیز میں ہوگی اس لیے شرکت ختم ہوجائے گی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں نے ابھی تک مال آپس میں ملایا بھی نہیں تھا اور نہ کوئی چیز خریدی تھی کہ ایک شریک کا مال ہلاک ہوگیا تب بھی شرکت ختم ہوجائے گی کیوں کہ جس کا مال تھا اگر اس کے ہاتھ سے ہلاک ہوا تب تو ابھی شرکت ہی نہیں ہوئی اور مال ختم ہوگیا اور اگر دوسرے شریک کے ہاتھ سے مال ہلاک ہوا تو وہ مال اس کے ہاتھ میں امانت تھا اور امانت ہلاک ہوجائے تو اس پر تاوان نہیں ہے اور مال آپس میں ملانے یا کوئی چیز خریدنے سے پہلے ہلاک ہوگیا تو اب شرکت کس چیز کے ذریعہ کرے اس لیے شرکت باطل ہوجائے گی۔ (رقم الحاشیۃ ۵)

(۱۲۹۵/۲۰) وَاِنِ اشْتَرىٰ اَحَدُهُمَا بِمَالِهٖ شَيْئاً وَهَلَكَ مَالُ الْآخَرِ بَعْدَ الشِّرَاءِ فَالْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا عَلٰى مَا شَرَطَا وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِحِصَّتِهٖ مِنْ ثَمَنِهٖ.

لغت: المشتریٰ: خریدی ہوئی چیز۔

ترجمہ: اور اگر خرید لے دونوں میں سے کوئی اپنے مال میں سے کوئی چیز اور ہلاک ہوجائے دوسرے کا مال خریدنے کے بعد تو خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان شرط کے مطابق مشترک ہوگی اور خریدنے والا اپنے شریک سے اس کے حصے کے مطابق ثمن وصول کرے گا۔

تشریح: دو شریکوں میں سے ایک نے اپنے مال کے ذریعہ سے کچھ خرید لیا دوسرے شریک نے ابھی کچھ نہیں خریدا تھا کہ اس کا مال ہلاک ہو گیا تو خریدی ہوئی چیز شرط کے مطابق دونوں کے درمیان مشترک ہوگی اور خریدار اپنے شریک سے اس کے حصہ شرکت کے بقدر اس چیز کی قیمت وصول کرے گا کیوں کہ شرکت میں چیز خریدی جا چکی ہے اس لیے وہ چیز شرکت ہی کی ہوگی۔

(۲۱/۱۲۹۶) وَيَجُوْزُ الشَّرْكَةُ وَاِنْ لَّمْ يَخْلِطَا الْمَالَ.

لغت: یخلطا: باب (ض) خلطاً ملانا۔

ترجمہ: اور صحیح ہے شرکت اگر چہ انہوں نے مال نہ ملایا ہو۔

تشریح: اگر شرکاء عقد شرکت کے بعد مال کو آپس میں نہ ملائیں بلکہ ہر ایک اپنا مال اپنے قبضہ میں رکھے تو شرکت عنان میں اس کی گنجائش ہے کیوں کہ شرکت کا دارو مدار تصرف پر ہے جو بھی شریک خریدے گا خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی اسی مناسبت سے شرط کے مطابق نفع ہوگا اس لیے مال ملانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے یہ تفصیل احناف کے یہاں ہے امام شافعیؒ و امام زفر کے نزدیک اس شرکت میں بھی مال کو ملانا ضروری ہے۔

(۲۲/۱۲۹۷) وَلَا تَصِحُّ الشَّرْكَةُ اِذَا اشْتَرَطَ لِاَحَدِهِمَا دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً مِّنَ الرِّبْحِ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے شرکت جب شرط لگا لے کسی ایک کے لئے متعین درہموں کے نفع کی۔

تشریح: اگر شریکین میں سے کسی ایک کے لئے آپس کی رضامندی سے مخصوص نفع کی شرط لگا دی جائے تو ایسی صورت میں شرکت جائز نہیں ہے مثلاً اس طرح شرط لگائی کہ نفع میں سے پہلے سو روپے مجھے دو گے باقی جو بچیں گے ان میں سے آدھے آدھے ہوں گے تو اس شرط کے ساتھ شرکت جائز نہیں ہے ہو سکتا ہے کسی موقع پر سو روپے ہی کا نفع ہو تو وہ تو ایک کو مل جائیں گے دوسرا اس کا منہ تکتا رہ جائے گا تو جب شرکت درست نہیں ہے لہٰذا نفع دونوں کے درمیان ملکیت کے اعتبار سے ہوگا یعنی اگر مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی ایسے ہی ہوگا۔

(۲۳/۱۲۹۸) وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الْمُفَاوَضَيْنِ وَشَرِيْكَيِ الْعِنَانِ اَنْ يُّبْضِعَ الْمَالَ وَيَدْفَعَهُ مُضَارَبَةً وَيُوَكِّلَ مَنْ يَّتَصَرَّفُ فِيْهِ وَيَرْهَنَ وَيَسْتَرْهِنَ وَيَسْتَاجِرَ الْاَجْنَبِيَّ عَلَيْهِ وَيَبِيْعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيْئَةِ.

حل لغات: شریکی: اصل میں شریکین تھا تثنیہ کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا، **یبضع:** مصدر ابضاعاً کسی کو مال دینا کہ تم اس میں تجارت کرو اور اس کا نفع بڑھاؤ ہم کچھ اجرت دے دیں گے اس کو بضاعت کہتے ہیں، مضاربۃً: کسی کو مال دے کہ تم اس میں تجارت کرو اور نفع میں دونوں شریک ہوں گے اس کو مضاربت کہتے ہیں۔

ترجمہ: مفاوضہ اور عنان کے ہر شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کو مال دیدے بضاعت کے طور پر اور

مضاربت کے طور پر اور وکیل بنائے ایسے آدمی کو جو تصرف کرے شرکت کے مال میں اور رہن رکھ دے یا رہن رکھ لے اور کسی اجنبی کو نوکر رکھ لے اور خرید وفروخت کرے نقد اور ادھار۔

تشریح: تجارت کرنے میں جن کاموں کی ضرورت پڑتی ہے یا وہ کام تجارت کے لئے نفع بخش ہیں شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دونوں شریک وہ تمام کام کر سکتے ہیں مثلاً مال بضاعت کے طور پر کسی کو دے دے یا مضاربت کے طور پر کسی کو دے دے یا کسی کو مال خریدنے کا وکیل بنادے تاکہ وہ اس میں تصرف کرے یعنی خرید وفروخت کرے یا کسی کا قرض لازم ہوگیا اس کی وجہ سے مال شرکت رہن پر رکھ دیا یا کسی کو مال شرکت دیا جس کی وجہ سے اس کی کوئی چیز اپنے پاس رکھ لی یا کسی اجنبی شخص کو ملازمت پر رکھ لیا اسی طرح شرکت کا مال نقد اور ادھار بھی بیچ سکتے ہیں۔

(۱۲۹۹/۲۴) وَيَدُهُ فِي الْمَالِ يَدُ اَمَانَةٍ.

ترجمہ: اور شریک کا قبضہ مال میں امانت کا قبضہ ہے۔

تشریح: شریک کے قبضہ میں شرکت کا جو مال ہے وہ امانت کے حکم میں ہوتا ہے اگر بغیر زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو اس پر تاوان لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ شریک کی اجازت سے اس کا قبضہ ہے اور کسی بدلے کے بغیر قبضہ ہے اس لیے امانت کا قبضہ ہوگا۔ (عینی شرح کنز)

(۱۳۰۰/۲۵) وَاَمَّا شِرْكَةُ الصَّنَائِعِ فَالْخَيَّاطَانِ وَالصَّبَّاغَانِ يَشْتَرِكَانِ عَلٰى اَنْ يَتَقَبَّلَا الْاَعْمَالَ وَيَكُوْنُ الْكَسْبُ بَيْنَهُمَا فَيَجُوْزُ ذٰلِكَ وَمَا يَتَقَبَّلُهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِنَ الْعَمَلِ يَلْزَمُهُ وَيَلْزَمُ شَرِيْكَهُ فَاِنْ عَمِلَ اَحَدُهُمَا دُوْنَ الْآخَرِ فَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ.

حل لغات: صنائع: صنیعۃ کی جمع ہے پیشہ، کاریگری، خیاط: درزی، صباغ: رنگریز، اعمال: عمل کی جمع ہے کام، الکسب: کمائی، آمدنی، یتقبل: مضارع باب تفعل مصدر تقبلاً کام کو لازم کرنا۔

ترجمہ: (۱۲۹۰)(۲۵) اور بہرحال شرکت صنائع یہ ہے کہ دو درزی یا دو رنگریز شریک ہوجائیں اس بات پر کہ دونوں کام لیں گے اور تقسیم ہوگی کمائی دونوں میں چناں چہ یہ جائز ہے اب ان میں سے جو کوئی کام لے گا وہ اس پر اور اس کے شریک پر لازم ہوگا پھر اگر دونوں میں سے ایک نے کام کیا دوسرے نے نہیں پھر بھی کمائی آدھی آدھی ہوگی۔

شرکت صنائع کا بیان

تشریح: شرکت عقد کی تیسری قسم شرکت صنائع ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دو پیشہ ور مثلاً دو درزی یا دو رنگریز شریک ہوجائیں کہ ہم دونوں کام لیں گے اور کام کر کے دیں گے اور جو نفع ہوگا اس میں دونوں آدھا آدھا لیں گے یا شرط کے مطابق لیں گے چوں کہ کاریگری میں شرکت کی ہے اس لیے اس کو شرکت صنائع کہتے ہیں اب شریکین میں سے ایک

شریک جو بھی کام لے گا وہ کام دونوں کو انجام دینا ہوگا اور اگر ایک نے وہ کام انجام دیا اور دوسرے نے کام بالکل نہ کیا تو جو آمدنی ہوگی وہ دونوں کے درمیان شرط کے مطابق آدھی آدھی ہوگی کام نہ کرے تو کام کرنے کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے لیکن شرط آدھے آدھے نفع کی طے ہوئی ہے اس لیے شرط کے مطابق نفع آدھا آدھا ہی ہوگا۔

(۱۳۰۱/۲۶) وَاَمَّا شِرْكَةُ الْوُجُوْهِ فَالرَّجُلَانِ يَشْتَرِكَانِ وَلَامَالَ لَهُمَا عَلٰى اَنْ يَشْتَرِيَا بِوُجُوْهِهِمَا وَيَبِيْعَا فَتَصِحُّ الشِّرْكَةُ عَلٰى هٰذَا.

ترجمہ: اور بہر حال شرکت وجوہ یہ ہے کہ دو آدمی شریک ہو جائیں اور ان دونوں کے پاس مال نہ ہو اس شرط پر کہ دونوں خریدیں گے اپنے اپنے تعلقات سے اور بیچیں گے تو اس طرح شرکت صحیح ہے۔

شرکت وجوہ کا بیان

تشریح: شرکت عقود کی چوتھی قسم شرکت وجوہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں شریک خالی ہاتھ ہوں اور اپنے اپنے تعلقات اعتماد اور اعتبار کے ذریعہ تاجروں کے یہاں سے مال ادھار خریدیں اور فروخت کریں اور نفع کمائیں شرکت کی یہ صورت بھی صحیح ہے اور اس شرکت کو وجوہ اس لیے کہتے ہیں کہ چہرہ اور رعب سے مال خرید رہا اور بیچ رہا ہے۔

(۱۳۰۲/۲۷) وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَكِيْلُ الْاٰخَرِ فِيْمَا يَشْتَرِيْهِ.

ترجمہ: اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوگا اس چیز میں جو وہ خریدے۔

تشریح: شرکت وجوہ میں ایک شریک جو خریدے گا اس میں سے آدھا اس کا ہوگا اور آدھا شریک کا ہوگا کیوں کہ اس شرکت میں بھی شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے۔

(۱۳۰۳/۲۸) فَاِنْ شَرَطَا اَنْ يَكُوْنَ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ فَالرِّبْحُ كَذَالِكَ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَفَاضَلَا فِيْهِ وَ اِنْ شَرَطَا اَنَّ الْمُشْتَرىٰ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا فَالرِّبْحُ كَذَالِكَ.

ترجمہ: اگر شرط کرلیں دونوں اس بات کی کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا اور اس سے کمی زیادتی جائز نہیں ہوگی اور اگر دونوں شرط کرلیں کہ خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان تین تہائی ہوگی تو نفع بھی اسی طرح ہوگا۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ شرکت وجوہ میں خریدی ہوئی چیز کے اعتبار سے نفع تقسیم ہوتا ہے یعنی اگر دونوں کا خریدا ہوا مال آدھا آدھا ہے تو نفع بھی دونوں کا آدھا آدھا ہوگا اگر کسی شریک نے زائد نفع کی شرط لگائی تو شرط باطل ہوگی اور اگر شرط لگائی کہ ایک آدمی کی خریدی ہوئی چیز ایک تہائی ہوگی اور دوسرے کی دو تہائی ہوگی تو نفع بھی ہر

ایک کو اسی مناسبت سے ملے گا یعنی جس کی ایک تہائی ہے اس کو ایک تہائی نفع ملے گا اور جس کی دو تہائی ہے اس کو دو تہائی نفع ملے گا اس سے کم زیادہ نفع کی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔

(۱۳۰۴/۲۹) وَلَا تَجُوْزُ الشَّرِكَةُ فِي الْاِحْتِطَابِ وَالْاِحْتِشَاشِ وَالْاِصْطِيَادِ وَمَا اصْطَادَهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَوِ احْتَطَبَهُ فَهُوَ لَهُ دُوْنَ صَاحِبِه.

حل لغات: الاحتطاب: باب افتعال کا مصدر ہے مادہ حَطْبٌ لکڑی جمع کرنا، الاحتشاش: مصدر ہے باب افتعال سے مادہ حشیش گھاس کاٹنا، الاصطیاد: مصدر باب افتعال سے مادہ صَیدٌ شکار کرنا۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے شرکت ایندھن لانے گھاس جمع کرنے اور شکار کرنے میں اور ان میں سے جو کوئی شکار کرے یا لکڑی جمع کرے تو وہ اسی کی ہوگی نہ کہ دوسرے کی۔

شرکت فاسدہ کے احکام

تشریح: یہاں سے شرکت فاسدہ کے احکام بیان کر رہے ہیں، شرکت فاسدہ وہ ہے جس میں شرکت کی صحت کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے، اس مسئلہ کا دار و مدار اس قاعدہ پر ہے جو چیزیں مباح ہیں ان پر جو قبضہ کر لے وہ مفت اسی کی ہو جاتی ہیں ان میں شرکت کی ضرورت نہیں اور نہ ان میں وکالت درست ہے اب کتاب کا مسئلہ سنئے ایندھن کی لکڑیاں جنگلوں میں مفت ملتی ہیں جو ان کو چنے گا اسی کی ہو جائیں گی، گھاس جنگلوں میں مفت ملتی ہے اس لیے جو کاٹے گا اسی کی ہو جائے گی، یہی حال شکار کے جانور کا ہے، ان چیزوں کے حاصل کرنے میں شرکت درست نہیں کیوں کہ شرکت وکالت کو شامل ہوتی ہے اور مباح چیزوں کی تحصیل میں وکالت نہیں ہو سکتی کیوں کہ مباح چیزوں کا خود موکل مالک نہیں ہوتا تو وہ اپنی جگہ دوسرے کو قائم مقام کیسے کر سکتا ہے۔

مزید وضاحت: جنگل سے لکڑیاں وغیرہ چننے میں دو آدمیوں کی شرکت کا معاملہ اصالۃً گو کہ فاسد ہے لیکن اگر اس پر عمل درآمد ہو تو پھر اس پر احکام شریعت مرتب ہوتے ہیں انہیں میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر دو آمیوں نے شرکت کی کہ ہم دونوں جنگل سے لکڑیاں چنیں گے اور آمدنی آپس میں آدھی آدھی تقسیم کریں گے اب صورت یہ پیش آئی کہ لکڑیاں تو ان دونوں میں سے ایک نے جمع کیں لیکن دوسرے نے اعانت کی مثلاً گٹھر بندھوایا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا تو اب استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ لکڑیاں تو صرف جمع کرنے والے کی ملکیت قرار دی جائیں اور مدد کرنے والے کو اس کے عمل کی اجرت دی جائے مگر اس کی مقدار لکڑیوں کی نصف قیمت سے زائد نہ ہو کیوں کہ نصف سے زائد قیمت کو وہ خود ہی نصف کی شرط لگا کر منع کر چکا ہے یہ امام ابو یوسف کا اختیار فرمودہ مذہب ہے، اس کے برخلاف قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے والے کی ہوں اور مدد کرنے والے کو بھرپور اجرت دی جائے خواہ وہ لکڑیوں کی نصف قیمت سے

بڑھ جائے اس لیے کہ اگر پہلے شخص کو لکڑیاں نہ ملتیں پھر بھی اس کے ساتھی کو مدد کرنے پر اجر ملتا یہ امام محمد کا قول ہے اور علماء نے اسی کو مختار قرار دیا ہے اور اگر دونوں نے مل کر لکڑیاں جنیں تو دونوں کو آدھی آدھی ملیں گی۔ (درمختار مع الشامی ۳/۴۸۳)

(۱۳۰۵/۳۰) وَاِذَا اشْتَرَكَا وَلِاَحَدِهِمَا بَغْلٌ وَلِلْآخَرِ رَاوِيَةٌ يَسْتَقِيْ عَلَيْهَا الْمَاءَ وَالْكَسْبُ بَيْنَهُمَا لَمْ تَصِحَّ الشَّرْكَةُ وَالْكَسْبُ كُلُّهُ لِلَّذِيْ اِسْتَقَى الْمَاءَ وَعَلَيْهِ اَجْرُ مِثْلِ الْبَغْلِ.

حل لغات: بغل: خچر، راوية: مشک، چرس چمڑے کا بڑا ڈول، استقی: مصدر استقاءٌ پانی پلانا سیراب کرنا۔

ترجمہ: اگر دو آدمی شریک ہو جائیں ان میں سے ایک کا خچر ہے اور دوسرے کا چرس کہ اس سے پانی کھینچیں گے اور کمائی دونوں کی ہوگی تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے اور تمام کمائی اسی کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے ہاں اس پر خچر کی اجرت مثل واجب ہوگی۔

تشریح: ایک شخص کے پاس خچر ہے اور دوسرے کے پاس چمڑے کا بڑا ڈول ہے ان دونوں نے اس بات میں شرکت کی کہ ان دونوں کے ذریعہ پانی کھینچ کر پلائیں گے اور جو کمائی ہوگی آپس میں تقسیم کریں گے تو یہ شرکت صحیح نہیں ہے اب جو کچھ کمائی ہوئی ہے وہ پوری اس کی ہوگی جس نے پانی کھینچا ہے اور دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی اگر خچر والے نے پانی کھینچا تو نفع اس کا ہوگا اور چرس والے کو چرس کی اجرت ملے گی اور اگر چرس والے نے کام کیا ہے تو نفع اس کا ہوگا اور خچر والے کو خچر کی اجرت ملے گی۔

دلیل: پانی مباح ہے اس کے نکالنے میں شرکت کرنا شرکت فاسدہ ہے اس لیے جس نے پانی پر قبضہ کیا پانی اسی کا ہو گیا اور نفع بھی اسی کا ہو گیا دوسرے کو اس کی چیز کی اجرت مل جائے گی۔

(۱۳۰۶/۳۱) وَكُلُّ شِرْكَةٍ فَاسِدَةٍ فَالرِّبْحُ فِيْهَا عَلٰى قَدْرِ رَأْسِ الْمَالِ وَيَبْطُلُ شَرْطُ التَّفَاضُلِ.

ترجمہ: اور ہر شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے حساب سے تقسیم ہوگا اور کمی بیشی کی شرط باطل ہوگی۔

تشریح: اگر کسی وجہ سے شرکت فاسد ہو جائے تو جس شریک کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم کیا جائیگا اب اگر سب مال ایک ہی شریک کا ہو تو دوسرے شریک کو اس کی محنت کی اجرت دی جائے گی اور اگر کسی ایک نے اپنے حصہ سے زیادہ نفع لینے کی شرط لگائی تو وہ باطل ہوگی، شرکت فاسدہ میں نفع اصل مال کے تابع ہوتا ہے تو جس کا جتنا مال ہوگا اسی حساب سے نفع تقسیم ہوگا۔

(۱۳۰۷/۳۲) وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ اَوِ ارْتَدَّ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الشَّرْكَةُ.

ترجمہ: اگر شریک میں سے کوئی ایک مر جائے یا مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے تو شرکت باطل

ہو جائے گی۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ شریکین میں سے کسی ایک کے انتقال کر جانے سے یا مرتد ہو کر دار الحرب میں داخل ہو جانے سے شرکت باطل ہو جاتی ہے کیوں کہ شرکت کے لئے شریک کا وکیل ہونا ضروری ہے اور مر جانے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لیے شرکت ختم ہو جائے گی ایسے ہی مرتد ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا تو گویا مرنے کے حکم میں ہو گیا اس لیے شرکت باطل ہو جائے گی۔ (اللباب ۲/۵۹)

(۱۳۰۸/۳۳) وَلَيْسَ لِوَاحِدٍ مِّنَ الشَّرِيكَيْنِ اَنْ يُّؤَدِّيَ زَكٰوةَ مَالِ الْآخَرِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ.

ترجمہ: شریک میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے مال کی زکوۃ دے مگر اس کی اجازت سے۔

تشریح: دوسرے شریک کے حصہ میں جو مال آتا ہے اگر نصاب کے بقدر ہے تو پہلے شریک کے لئے دوسرے شریک کی اجازت کے بغیر اس کے مال کی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ شریکین میں سے ہر ایک کو جو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہے وہ امور تجارت میں ہے اور زکوۃ دینا تجارت کے اعمال میں سے نہیں ہے ہاں اگر وہ زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دے دے تو ادا کر سکتا ہے۔

(۱۳۰۹/۳۴) فَاِنْ اَذِنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْ يُّؤَدِّيَ زَكٰوتَهٗ فَاَدّٰى كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فَالثَّانِيْ ضَامِنٌ سَوَاءٌ عَلِمَ بِاَدَاءِ الْاَوَّلِ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ لَّمْ يَعْلَمْ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اگر ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو اپنی زکوۃ ادا کرنے کی اجازت دے دی پھر دونوں میں سے ہر ایک نے زکوۃ ادا کر دی تو بعد میں دینے والا ضامن ہوگا چاہے اس کو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر اسے معلوم نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر شریکین میں سے ہر ایک نے دوسرے کو زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دے دی تھی پھر دونوں نے اپنی اپنی زکوۃ بھی ادا کی اور شریک کی بھی ادا کر دی تو جس شریک نے بعد میں اپنے شریک کی زکوٰۃ ادا کی وہ تو نفلی صدقہ ہو گیا واجب زکوٰۃ نہیں کیوں کہ پہلے شریک نے تو اپنی زکوۃ پہلے ہی ادا کر دی تھی اس لیے بعد والے کی ادائیگی نفلی صدقہ ہوا اور نفلی صدقہ کی اجازت نہ تھی اب بعد میں ادا کرنے والا پہلے والے کیلئے ضامن ہوگا خواہ بعد والے کو پہلے والے کے دینے کی خبر ہو یا نہ ہو کیوں کہ پہلے شریک نے جیسے ہی زکوٰۃ ادا کی تو دوسرا شریک زکوٰۃ ادا کرنے کی وکالت سے معزول ہو گیا اس لیے جو کچھ شرکت کے مال سے ادا کیا اس کا شریک کے لئے ضامن ہوگا یہ مکمل تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین کا کہنا یہ ہے کہ اگر بعد والے کو پہلے کے دینے کی خبر ہو تب تو ضامن ہوگا اور اگر خبر نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

کیوں کہ بعد میں ادا کرنے والے شریک کو زکوۃ ادا کرنے کی اجازت تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ فقیر کو مالک بنانے کی اجازت تھی چاہے وہ واجب زکوۃ کے طور پر ہو یا نفلی زکوۃ کے طور پر اور اس کے حکم کے مطابق اس نے کیا اور اس کو پہلے کے دینے کی خبر نہیں تھی اس لیے وہ ضامن نہیں ہوگا (رقم الحاشیہ ۸)

كِتَابُ الْمُضَارَبَةِ

(یہ کتاب مضاربت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: مضاربت ایک قسم کی شرکت ہے اس لیے صاحب کتاب نے کتاب الشرکۃ کے بعد مضاربت کے احکام بیان فرمائے ہیں۔

مضاربت کی لغوی تحقیق: مضاربت لغت کے اعتبار سے باب مفاعلت سے ہے اور ضرب فی الارض سے مشتق ہے زمین پر چلنا اور سفر کرنا۔

وجہ تسمیہ: مضارب زمین میں سفر کرتا ہے اور تجارت کر کے نفع کماتا ہے اس لیے اس عقد کو مضاربت کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: ایک آدمی کی جانب سے مال ہوتا ہے جس کو رأس المال کہتے ہیں اور دوسرے کی جانب سے کام ہوتا ہے جس سے نفع کماتا ہے اور نفع میں دونوں شریک ہوتے ہیں۔

مضاربت کا ثبوت: ابن جعد بارقیؓ فرماتے ہیں کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا یا بکری خریدنے کے لئے دیا تو انہوں نے دو بکریاں خریدیں پھر ان میں سے ایک کو ایک دینار میں بیچ دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بیع میں برکت کی دعا دی پھر ایسا ہوتا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی نفع ہوتا (ابوداؤد ۲/۴۸۰ باب فی المضارب)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مضاربت جائز ہے نیز لوگوں کو اس کی ضرورت بھی ہے کیوں کہ بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی مالدار ہے مگر کاروبار کا بالکل تجربہ نہیں ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مالدار تو نہیں ہیں مگر تجارت میں اچھا خاصا تجربہ ہے تو عقد مضاربت کی مشروعیت ضروری ہے تاکہ سبھی لوگوں کی ضرورت پوری ہو سکے۔

(۱/۱۳۱۰) اَلْمُضَارَبَةُ عَقْدٌ عَلَى الشَّرِكَةِ فِي الرِّبْحِ بِمَالٍ مِّنْ اَحَدِ الشَّرِيْكَيْنِ وَعَمَلٍ مِّنَ الْآخَرِ.

ترجمہ: مضاربت ایک عقد ہے شرکت پر نفع میں شریکین میں سے ایک کے مال اور دوسرے کے عمل کے ساتھ۔

تشریح: اس عبارت میں مضاربت کی اصطلاحی تعریف کا بیان ہے یعنی مضاربت کی صورت یہ ہے کہ ایک کی طرف سے مال ہو اور دوسرے کی طرف سے کام ہو اور نفع میں دونوں شریک ہوں جس کی طرف سے مال ہو اس کو رب المال اور کام کرنے والے کو مضارب اور جو مال دیا جائے اس کو مال مضاربت کہتے ہیں۔

(۲/۱۳۱۱) وَلَاتَصِحُّ الْمُضَارَبَةُ اِلَّا بِالْمَالِ الَّذِیْ بَیَّنَّا اَنَّ الشَّرْکَةَ تَصِحُّ بِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے مضاربت مگر اس مال سے جس کو ہم بیان کر چکے کہ شرکت اس سے درست ہے۔

مضاربت کی شرطوں کا بیان

تشریح: جس مال میں شرکت صحیح ہے یعنی دراہم دنانیر اور رائج سکوں میں ان میں مضاربت بھی صحیح ہے سامان کے ذریعہ درست نہیں ہاں اگر سامان دے دے اور کہے کہ اس کو فروخت کر کے جو دراہم یا دنانیر آئیں اس میں مضاربت کریں تو درست ہے کیوں کہ وکالت کے طور پر پہلے سامان بیچے گا پھر جو قیمت آئے گی وہاں سے مضاربت شروع ہوگی گویا درہم یا دینار سے مضاربت شروع ہوئی۔ (اللباب ۲/۶۱)

(۳/۱۳۱۲) وَمِنْ شَرْطِهَا اَنْ یَکُوْنَ الرِّبْحُ بَیْنَهُمَا مُشَاعاً لَا یَسْتَحِقُّ اَحَدُهُمَا مِنْهُ دَرَاهِمَ مُسَمَّاةً.

ترجمہ: اور مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ نفع دونوں کے درمیان مشترک ہو اس طرح کہ ان میں سے کوئی ایک متعین دراہم کا مستحق نہ ہو۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں مضاربت کی پہلی شرط کو بیان کیا ہے اس عبارت میں دوسری شرط کو بیان کر رہے ہیں، وہ یہ کہ جو کچھ نفع ہو وہ رب المال اور مضارب دونوں کے درمیان مشترک ہو ایسا نہ ہو کہ نفع میں سے پہلے کچھ متعین رقم کسی ایک کو مل جائے اور پھر جو کچھ بچے وہ دونوں تقسیم کر لیں۔

(۴/۱۳۱۳) وَلَا بُدَّ اَنْ یَکُوْنَ الْمَالُ مُسَلَّماً اِلَی الْمُضَارِبِ وَلَا یَدَ لِرَبِّ الْمَالِ فِیْهِ.

ترجمہ: اور یہ بھی ضروری ہے کہ مال سپرد ہو مضارب کی طرف اور مال والے کا اس پر کسی طرح کا قبضہ نہ ہو۔

تشریح: اس عبارت میں تیسری شرط کا بیان ہے یعنی مضاربت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مال مضارب کو مکمل سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ دل کھول کر تجارت کر سکے اور اس پر مال والے کا کسی طرح کا قبضہ نہ ہو، اگر مال والے کا قبضہ ہوگا تو مضارب اپنی مرضی کے مطابق تجارت کر کے نفع نہیں کما سکے گا۔

(۵/۱۳۱۴) فَاِذَا صَحَّتِ الْمُضَارَبَةُ مُطْلَقَةً جَازَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ یَشْتَرِیَ وَیَبِیْعَ وَیُسَافِرَ وَیُبْضِعَ وَیُوَکِّلَ.

ترجمہ: پھر جب مضاربت مطلقاً درست ہوگئی تو جائز ہے مضارب کے لئے کہ خریدے اور بیچے اور سفر

کرے اور بضاعت پر دے اور وکیل بنائے۔

مضاربت کی قسموں کا بیان

تشریح: مضاربت کی دو قسمیں ہیں (۱) مضاربت مطلقہ (۲) مضاربت مقیدہ۔

مضاربت مطلقہ کی صورت یہ ہے کہ اس میں کسی زمان مکان اور کسی خاص سامان کی قید نہ ہو مضارب وہ تمام کام کرسکتا ہے جو تجارت کے لئے نفع بخش ہو مثلاً رأس المال سے کوئی چیز خرید سکتا ہے پھر اس کو بیچ سکتا ہے اس مال کو لے کر سفر کرسکتا ہے اور اس مال کو بضاعت پر دے سکتا ہے کسی کو وکیل بنا سکتا ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مضاربت کے مال کو لے کر ایسا سفر نہیں کرسکتا جس سے مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو۔

(۱۳۱۵/۶) وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَدْفَعَ الْمَالَ مُضَارَبَةً اِلَّا اَنْ يَاْذَنَ لَهُ رَبُّ الْمَالِ فِيْ ذَالِكَ اَوْ يَقُوْلَ لَهُ اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ.

ترجمہ: اور مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ دے مال کو مضاربت پر مگر یہ کہ اجازت دے دے مال والا اس کی یا کہہ دے اس سے کہ اپنی رائے کے مطابق کام کر۔

تشریح: مال والے نے کسی کو مال مضاربت پر دیا ہے تو اب مضارب اپنے اختیار سے کسی کو مضارب نہیں بنا سکتا کیوں کہ رب المال نے مضاربت کے بارے میں مضارب پر بھروسہ کیا ہے کسی دوسرے پر نہیں ہاں اگر اس کو رب المال نے مضارب بنانے کا اختیار دے دیا ہو یا کہا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کر تو پھر اس مال کو مضاربت پر دے سکتا ہے۔

(۱۳۱۶/۷) وَاِنْ خَصَّ لَهُ رَبُّ الْمَالِ التَّصَرُّفَ فِيْ بَلَدٍ بِعَيْنِهِ اَوْ فِيْ سِلْعَةٍ بِعَيْنِهَا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَجَاوَزَ عَنْ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر خاص کردے مضارب کے لئے مال والا تصرف کرنا کسی متعین شہر میں یا متعین سامان میں تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے تجاوز کرے یعنی اس کے خلاف کرے۔

تشریح: اس عبارت میں مضاربت مقیدہ کا بیان ہے چناں چہ فرمایا کہ اگر مال والے نے یہ شرط لگائی کہ صرف فلاں شہر میں تجارت کروگے یا فلاں چیز کی تجارت کروگے مثلاً سہارنپور میں کپڑے کی تجارت کروگے تو اب مضارب کے لئے اس شرط کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، یہ شرطیں اس لیے لگائی جاتی ہیں کہ مال ہلاک نہ ہو یا نفع خوب ہو اس لیے ایسی شرطیں لگانا جائز ہے اور جب شرط لگادی تو اب اس کا لحاظ ضروری ہے۔

(۱۳۱۷/۸) وَكَذَالِكَ اِنْ وَقَّتَ الْمُضَارَبَةَ مُدَّةً بِعَيْنِهَا جَازَ وَبَطَلَ الْعَقْدُ بِمُضِيِّهَا.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر مالک مضاربت کی مدت متعین کردے تو جائز ہے اور عقد باطل ہوجائے گا مدت

گزرنے سے۔

تشریح: مال والے نے یوں کہا کہ ایک سال کے لئے مضاربت پر مال لے سکتے ہو اس کے بعد مضاربت ختم تو اس طرح وقت کی تعیینکرنا درست ہے اور جب ایک سال گذر جائے گا تو مضاربت خود بخود ختم ہو جائے گی۔

(۱۳۱۸/۹) وَلَيْسَ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَشْتَرِىَ اَبَ رَبِّ الْمَالِ وَلَا اِبْنَهٗ وَلَا مَنْ يَعْتِقُ عَلَيْهِ فَاِنْ اشْتَرَاهُمْ كَانَ مُشْتَرِياً لِنَفْسِهٖ دُوْنَ الْمُضَارَبَةِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے مضارب کے لئے مال والے کے باپ اور اس کے بیٹے کو خریدنا اور نہ ایسے آدمی کو جو اس پر آزاد ہو جائے اگر ان لوگوں کو خریدا تو اپنے لئے خریدنے والا ہوگا نہ کہ مضاربت کے لئے۔

تشریح: مضارب ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے مال والے کو نقصان ہو مثلاً مال والے کے باپ کو خریدے گا تو وہ رب المال پر آزاد ہو جائے گا تو اس سے نفع کے بجائے نقصان ہوگا اسی طرح بیٹے کو خریدے یا ایسے آدمی کو خریدے جو مال والے پر آزاد ہو جائے مثلاً اس کے قریبی رشتہ دار کو خریدا تو ایسی صورت میں وہ مضاربت کے لئے نہیں ہوگا بلکہ خود مضارب کے لئے ہوگا، اور مضارب ہی اس کا ضامن ہوگا۔

(۱۳۱۹/۱۰) وَاِنْ كَانَ فِى الْمَالِ رِبْحٌ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَشْتَرِىَ مَنْ يَعْتِقُ عَلَيْهِ وَاِنْ اشْتَرَاهُمْ ضَمِنَ مَالَ الْمُضَارَبَةِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِى الْمَالِ رِبْحٌ جَازَ لَهٗ اَنْ يَشْتَرِيَهُمْ.

ترجمہ: اور اگر مال میں نفع ہوا تو مضارب کے لئے جائز نہیں ہے کہ خریدے ایسے آدمی کو جو مضارب پر آزاد ہو جائے اور اگر اس کو خریدا تو مضاربت کے مال کا ضامن ہوگا اور اگر مال میں نفع نہ ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ ان کو خرید لے۔

تشریح: اگر مال میں نفع ہے یعنی غلام کی قیمت رأس المال سے زائد ہو تو مضارب کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے ایسے رشتہ دار کو خریدے جو اس پر آزاد ہو جائے کیوں کہ رب المال کے حصہ میں فساد پیدا ہو جائے گا اور اس کو نقصان ہوگا اس طرح کہ اس کو بھی اپنا حصہ آزاد کرنا پڑے گا یا غلام سے سعی کروانی پڑے گی لیکن اگر پھر بھی مضارب نے اس غلام کو خرید لیا تو مال مضاربت کا ضامن ہوگا اور اگر مال میں کوئی نفع نہ ہو یعنی غلام کی قیمت رأس المال سے زیادہ نہ ہو بلکہ برابر ہو یا کم ہو تو اس میں مضارب کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے اس لیے اس صورت میں خریدنے سے مضارب کا رشتہ دار آزاد نہ ہوگا اور مضارب کا اپنے رشتہ دار کو خریدنا صحیح ہوگا اور غلام رأس المال کے ساتھ مشغول رہے گا۔

(۱۳۲۰/۱۱) فَاِنْ زَادَتْ قِيْمَتُهُمْ عَتَقَ نَصِيْبُهٗ مِنْهُمْ وَلَمْ يَضْمَنْ لِرَبِّ الْمَالِ شَيْئاً وَيَسْعَى الْمُعْتَقُ لِرَبِّ الْمَالِ فِىْ قِيْمَةِ نَصِيْبِهٖ مِنْهُ.

حل لغات: یسعی: غلام مال کما کر آقا کو دے گا تا کہ مکمل آزاد ہو جائے۔

ترجمہ: پھر اگر ان کی قیمت بڑھ جائے تو آزاد ہو جائے گا مضارب کا حصہ ان سے اور مضارب رب المال کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا بلکہ آزاد ہونے والا غلام رب المال کے لئے اس کے حصہ کی قیمت میں سعی کرے گا۔

تشریح: مال میں نفع نہیں تھا ایسی صورت میں مضارب نے اپنے آزاد ہونے والے رشتہ دار کو خرید لیا تو اس کے لئے جائز تھا خریدنے کے بعد اس کی قیمت میں بڑھوتری ہوگئی تو مضارب کا حصہ آزاد ہو جائے گا لیکن چوں کہ آزاد ہونے میں مضارب کا کوئی دخل نہیں ہے خود بخود آزاد ہوا ہے اس لیے مضارب رب المال کے لئے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا لیکن غلام رب المال کے حصہ کی قیمت میں سعی کرے گا اور پھر غلام مکمل آزاد ہو جائے گا مثلاً پانچ ہزار روپے میں غلام خریدا اب اس کی قیمت چھ ہزار روپے ہوگئی تو ایک ہزار روپے میں سے پانچسو کا نفع رب المال کا ہوا اور پانچ سو کا نفع مضارب کا ہوا اب مضارب کا جو حصہ ہے وہ آزاد ہو جائے گا اب غلام کا چھ ہزار میں سے پانچ سو آزاد ہو چکا ہے باقی پچپن سو روپے رب المال کے ہیں اس لیے غلام پچپن سو روپے کما کر رب المال کو دے گا اور پھر پورا آزاد ہو جائے گا۔

(۱۲/۱۳۲۱) وَإِذَا دَفَعَ الْمُضَارِبُ الْمَالَ مُضَارَبَةً عَلٰى غَيْرِهٖ وَلَمْ يَأْذَنْ لَهٗ رَبُّ الْمَالِ فِيْ ذَالِكَ لَمْ يَضْمَنْ بِالدَّفْعِ وَلَا بِتَصَرُّفِ الْمُضَارِبِ الثَّانِيْ حَتّٰى يَرْبَحَ فَإِذَا رَبِحَ ضَمِنَ الْمُضَارِبُ الْأَوَّلُ الْمَالَ لِرَبِّ الْمَالِ.

ترجمہ: اور جب دیدے مضارب مال دوسرے کو مضاربت کے طور پر حالانکہ مال والے نے مضاربت پر دینے کی اجازت نہیں دی تھی تو صرف دینے سے ضامن نہیں ہوگا اور نہ مضارب ثانی کے تصرف سے یہاں تک کہ کچھ نفع ہو اور جب نفع ہو جائے تو مضارب اول مالک کے لئے مال کا ضامن ہوگا۔

مضارب کا دوسرے کو مضاربت پر مال دینے کا بیان

تشریح: رب المال نے مضارب کو مضاربت پر مال دینے کی اجازت نہیں دی تھی اس کے باوجود اس نے دوسرے کو مضاربت پر مال دے دیا تو مضارب پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں اس بارے میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تین مذاہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مضارب اول پر صرف مال دے دینے سے تاوان نہیں ہوگا بلکہ جب مضارب ثانی تجارت شروع کر دے اور اس میں نفع بھی کمالے تب مضارب اول رب المال کے لئے ضامن ہوگا امام حسن بن زیاد کا بھی یہی قول ہے۔

دلیل: صرف مال حوالہ کرنے سے ابھی مضاربت شروع نہیں ہوئی بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ابھی امانت کے طور پر

مال مضارب ثانی کے پاس ہے اور جب کام شروع کرے گا تو کہا جا سکتا ہے کہ بضاعت کے طور پر کام کر رہا ہے لیکن جب نفع حاصل ہو گیا تو اب نفع میں شریک ہونے کی وجہ سے مضارب ثانی حقیقت میں مضارب بن گیا جس کی رب المال کی طرف سے اجازت نہیں تھی اس لیے مضارب اول رب المال کے لئے ضامن ہوگا (الشرح الثمیری ۲/۲۶۷)

دوسرا مذہب: حضرات صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ اگر مضارب ثانی کاروبار شروع کر دیتا ہے تو مضارب اول پر ضمان لازم آئے گا خواہ کاروبار میں نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

دلیل: مضارب اول کا مال دینا حقیقتاً امانت کے طور پر دینے کے درجہ میں ہے لیکن جب مضارب ثانی نے کام شروع کر دیا تو مضاربت شروع ہو گئی اس لیے کام شروع کرنے پر رب المال کے لئے ضامن ہو جائے گا۔

تیسرا مذہب: امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف مضارب ثانی کو مال دینے سے ضمان لازم ہو جائے گا۔

دلیل: مضارب کو صرف اتنی اجازت ہے کہ امانت کے طور پر کسی کو مال دے دے لیکن مضاربۃً دینے کا بالکل حق نہیں ہے اور یہاں اس نے رب المال کی اجازت کے بغیر مضاربت کے طور پر دے دیا لہٰذا دینے سے ہی ضامن بن جائے گا۔ (اصح النوری ۲/۳۱)

(۱۳/۱۳۲۲) وَاِذَا دَفَعَ اِلَیْهِ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَاَذِنَ لَهٗ اَنْ یَدْفَعَهَا مُضَارَبَةً فَدَفَعَهَا بِالثُّلُثِ جَازَ.

ترجمہ: اگر دیا مال والے نے مضارب کو آدھے نفع پر بطور مضاربت کے پھر اس کو اجازت دے دی کہ کسی دوسرے کو مضاربت پر دے سکتا ہے پس اس نے تہائی نفع پر دیا تو جائز ہے۔

تشریح: مالک نے مضارب کو مال دیا اور کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان نفع آدھا آدھا ہوگا اور رب المال نے اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ وہ مال مضاربت کسی دوسرے کو کاروبار کے لئے دے سکتا ہے اب مضارب نے دوسرے کو تہائی نفع پر مال دیا تو جائز ہے اور اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں جو آگے عبارت میں آرہی ہیں۔

(۱۴/۱۳۲۳) فَاِنْ کَانَ رَبُّ الْمَالِ قَالَ لَهٗ عَلٰی اَنَّ مَارَزَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَهُوَ بَیْنَنَا نِصْفَانِ فَلِرَبِّ الْمَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِیْ ثُلُثُ الرِّبْحِ وَلِلْاَوَّلِ السُّدُسُ.

ترجمہ: اگر مالک نے مضارب سے کہا کہ جو کچھ اللہ نفع دے گا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مالک کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے تہائی اور مضارب اول کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں ماقبل کے مسئلہ کی پہلی صورت کا بیان ہے وہ یہ ہے کہ مالک نے مضارب کو آدھے نفع پر مال دیا تھا اس نے مضارب ثانی کو تہائی نفع پر دے دیا چوں کہ مالک نے یہ کہا تھا کہ جو کچھ نفع ہوگا اس میں آدھا میرا

ہوگا تو رب المال کو اس شرط کے بموجب کل نفع کا آدھا ملے گا اور مضارب ثانی کو کل نفع کا ایک تہائی اب رہا چھٹا حصہ وہ مضارب اول کو ملے گا، مثلاً مضارب ثانی کو چھ درہم کا نفع ہوا تو تین درہم مالک کے ہوگئے اور دو درہم مضارب ثانی کے ہوگئے باقی ایک درہم مضارب اول کو ملے گا۔

(۱۵/۱۳۲۴) وَاِنْ كَانَ قَالَ عَلٰى اَنَّ مَارَزَقَكَ اللّٰهُ فَهُوَ بَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمُضَارِبِ الثَّانِي الثُّلُثُ وَمَا بَقِيَ بَيْنَ رَبِّ الْمَالِ وَالْمُضَارِبِ الْاَوَّلِ نِصْفَان.

ترجمہ: اور اگر مالک نے کہا ہو کہ جو کچھ نفع تجھے خدا دے گا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو مضارب ثانی کے لئے تہائی ہوگا اور جو نفع باقی رہا وہ مالک اور مضارب اول کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں دوسری صورت کا بیان ہے اگر رب المال نے مضارب اول کو مال دیتے ہوئے یہ کہا کہ اللہ رب العزت تم کو جو نفع دے گا وہ ہمارے درمیان آدھا آدھا ہوگا تو اس صورت میں مضارب ثانی کو کل نفع کا ایک تہائی ملے گا اور باقی دو تہائی رب المال اور مضارب اول کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہوگی چناں چہ اس صورت میں ہر ایک کو دو دو درہم ملیں گے۔

وجہ فرق: پہلے مسئلہ میں مالک نے مضارب سے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو اس پورے میں سے مجھے آدھا چاہئے باقی آپ جانیں، اور اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مالک نے مضارب سے کہا کہ جو کچھ تم کو نفع ہوگا اس نفع میں سے مجھے آدھا دیں اس لیے پہلے مسئلہ اور اس مسئلہ میں نفع تقسیم ہونے میں فرق ہوگیا۔

(۱۶/۱۳۲۵) فَاِنْ قَالَ عَلٰى اَنَّ مَارَزَقَ اللّٰهُ فَلِيْ نِصْفُهٗ فَدَفَعَ الْمَالَ اِلٰى آخَرَ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِيْ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِرَبِّ الْمَالِ النِّصْفُ وَلَا شَيْئَ لِلْمُضَارِبِ الْاَوَّلِ.

ترجمہ: اور اگر مالک نے یہ کہا ہو کہ جو کچھ اللہ دے اس کا آدھا میرا ہے پھر بھی اس نے دوسرے کو مال نصف کے حساب سے مضاربت کے طور پر دیدیا تو مضارب ثانی کے لئے آدھا نفع ہوگا اور رب المال کے لئے آدھا نفع ہوگا اور مضارب اول کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں تیسری صورت کا تذکرہ ہے مالک نے کہا تھا کہ جتنا نفع ہو پورے میں سے آدھا میرے لئے ہے اس کے باوجود مضارب نے دوسرے کو آدھے نفع کی شرط پر مضاربت پر مال دے دیا تو اس صورت کل نفع میں سے آدھا یعنی تین درہم مالک کو ملیں گے اور آدھا نفع یعنی باقی تین مضارب ثانی کو ملیں گے اب کچھ بھی نہیں بچا مضارب خالی ہاتھ گھر کو چلتا بنے گا۔

(۱۷/۱۳۲۶) فَاِنْ شَرَطَ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِيْ ثُلُثَيِ الرِّبْحِ فَلِرَبِّ الْمَالِ نِصْفُ الرِّبْحِ وَلِلْمُضَارِبِ

الثَّانِیْ نِصْفُ الرِّبْحِ وَیَضْمَنُ الْمُضَارِبُ الْاَوَّلُ لِلْمُضَارِبِ الثَّانِیْ مِقْدَارَ سُدُسِ الرِّبْحِ مِنْ مَالِہٖ.

ترجمہ: اور اگر شرط لگائے مضارب ثانی کے لئے نفع کے دوتہائی کی تو مالک کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب ثانی کے لئے نفع کا آدھا ہوگا اور مضارب اول مضارب ثانی کے لئے نفع کے چھٹے حصے کی مقدار کا ضامن ہوگا اپنے مال میں سے۔

تشریح: اس عبارت میں چوتھی صورت کا بیان ہے، مالک نے کہا تھا کہ میں پورے نفع کا آدھا لوں گا اور مضارب اول نے دوسرے مضارب کو پورے نفع کے دوتہائی پر مال دے دیا تو آدھے نفع میں سے بھی ایک چھٹا حصہ زیادہ نفع دے دیا تو اس چھٹے حصہ کا ذمہ دار مضارب اول ہوگا مثلاً کل نفع ہوا تین سو روپے کا تو ایک سو پچاس روپے مالک کو ملیں گے اور ایک سو پچاس مضارب ثانی کو اور ایک سدس یعنی پچاس روپے مضارب اول اپنے مال میں سے مضارب ثانی کو دے گا تا کہ اس کے دوتہائی پورے ہو جائیں کیوں کہ مضارب اول نے ہی تو دوتہائی نفع دینے کا وعدہ کیا ہے تو وہ خود ہی بھرے گا۔

(۱۳۲۷/۱۸) وَ اِذَا مَاتَ رَبُّ الْمَالِ اَوِ الْمُضَارِبُ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَۃُ.

ترجمہ: اور جب مرجائے مال والا یا مضارب تو مضاربت باطل ہو جائے گی۔

مضاربت کے باقی متفرق مسائل کا بیان

تشریح: اگر رب المال یا مضارب مرجائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی کیوں کہ مضارب کے عمل کے بعد مضاربت وکالت کے درجہ میں ہو جاتی ہے اور موکل یا وکیل کے مرجانے سے وکالت باطل ہو جاتی ہے اس لیے رب المال یا مضارب کے مرجانے سے مضاربت بھی باطل ہو جائے گی۔

(۱۳۲۸/۱۹) وَاِذَا ارْتَدَّ رَبُّ الْمَالِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتِ الْمُضَارَبَۃُ.

حل لغات: ارتد: مصدر ارتداداً دین سے پھر جانا مرتد ہو جانا۔

ترجمہ: اور جب پھر جائے مالک اسلام سے اور چلا جائے دار الحرب تو باطل ہو جائے گی مضاربت۔

تشریح: اگر مالک مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں (۱) اگر حاکم نے اس کے دار الحرب چلے جانے کا فیصلہ کر دیا ہو تو اس کی وجہ سے اس کی ملکیت زائل ہو کر ورثہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے تو گویا یہ اس کے مرنے کے درجہ میں ہو گیا (۲) اور اگر حاکم نے حکم نہ لگایا ہو تو مضاربت موقوف رہے گی اگر وہ واپس آجائے تو باطل نہ ہوگی بلکہ برقرار رہے گی۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۳۵۶/۱، اللباب ۶۳/۲، رقم الحاشیہ ۲)

(۱۳۲۹/۲۰) وَاِنْ عَزَلَ رَبُّ الْمَالِ الْمُضَارِبَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِعَزْلِهٖ حَتّٰى اشْتَرٰى اَوْ بَاعَ فَتَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ۔

حل لغات: عزل: ماضی باب (ض) مصدر عزلاً جدا کرنا۔

ترجمہ: اور اگر معزول کردے مالک مضارب کو اور اسے علم نہ ہوا ہو اپنے معزول ہونے کا یہاں تک کہ اس نے خریدا یا بیچا تو اس کا تصرف جائز ہے۔

تشریح: اگر مالک مال نے مضارب کو معزول کر دیا اور مضارب کو اس کا علم نہیں ہوا تو مضارب اپنی مضاربت پر بحال رہے گا یہاں تک کہ اگر اس نے خرید وفروخت کر لی تو وہ جائز ہوگی کیوں کہ وہ رب المال کی طرف سے وکیل ہے اور بالا رادہ وکیل کو معزول کرنا اسکے علم پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا علم ہونے سے پہلے وہ معزول نہ ہوگا۔

(۱۳۳۰/۲۱) وَاِنْ عَلِمَ بِعَزْلِهٖ وَالْمَالُ عُرُوْضٌ فِيْ يَدِهٖ فَلَهٗ اَنْ يَبِيْعَهَا وَلَا يَمْنَعُهُ الْعَزْلُ مِنْ ذَالِكَ ثُمَّ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَشْتَرِيَ بِثَمَنِهَا شَيْئاً آخَرَ.

ترجمہ: اور اگر علم ہو گیا اپنی معزولی کا حالانکہ مال سامان ہے اس کے قبضہ میں تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کو بیچے اور معزول کرنا مضارب کو بیچنے سے نہیں روکے گا پھر جائز نہیں ہے اس کی قیمت سے اور کوئی چیز خریدنا۔

تشریح: مالک نے مضارب کو معزول کر دیا اور اس کو اپنا معزول ہونا ایسی حالت میں معلوم ہوا کہ جب اس کے پاس مضاربت کا سامان ہے مال نقد نہیں ہے تو وہ مضارب سامان فروخت کر سکتا ہے معزول ہونا اس سامان کو فروخت کرنے سے مانع نہ ہوگا لیکن جب سامان کی قیمت آجائے تو اس قیمت سے مزید کوئی چیز نہ خریدے۔

دلیل: مضارب کے نفع کا حساب نقد مال میں ہی ہو سکتا ہے سامان میں نہیں ہو سکتا اور مضارب کا نفع میں حق ہے اس لیے سامان فروخت کرکے نقد بنا سکتا ہے تاکہ نقد ہونے کے بعد نفع کا حساب کر سکے لیکن اب اس قیمت سے دوسری چیز نہ خریدے تاکہ مضاربت کا معاملہ آگے نہ بڑھے اور مالک کو نقصان نہ ہو۔

(۱۳۳۱/۲۲) وَاِنْ عَزَلَهٗ وَرَأْسُ الْمَالِ دَرَاهِمُ اَوْ دَنَانِيْرُ قَدْ نَضَّتْ فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْهَا.

لغت: نضت: باب (ض) نضاً سامان کے بعد نقد ہونا۔

ترجمہ: اور اگر مضارب کو معزول کیا اس حال میں کہ راس المال دراہم یا دنانیر نقد ہیں تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس میں تصرف کرے۔

تشریح: مضارب کو مالک نے معزول کر دیا اور صورت حال یہ ہے کہ مال پہلے سے نقد درہم دینار یا سکہ رائج الوقت ہے تو اب اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے کیوں بغیر مالک کی مرضی کے مضاربت کی میعاد بڑھتی جائے گی اور مالک کا نقصان ہوگا۔

(۲۳/۱۳۳۲) وَ اِذَا افْتَرَقَا وَفِی الْمَالِ دُیُوْنٌ وَقَدْ رَبِحَ الْمُضَارِبُ فِیْهِ اَجْبَرَهُ الْحَاکِمُ عَلٰی اِقْتِضَاءِ الدُّیُوْنِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ فِی الْمَالِ رِبْحٌ لَمْ یَلْزَمْهُ الْاِقْتِضَاءُ وَیُقَالُ لَهٗ وَکِّلْ رَبَّ الْمَالِ فِی الْاِقْتِضَاءِ.

حل لغات: دیون: دین کی جمع قرض ادھار، ربح: باب (س) رِبْحاً نفع حاصل کرنا، اقتضاء: وصول کرنا۔

ترجمہ: اور جب دونوں جدا ہوگئے (رب المال اور مضارب) اور مال ادھار میں ہے اور مضارب اس سے نفع لے چکا ہے تو ادھار وصول کرنے پر حاکم اس کو مجبور کرے اور اگر مال میں نفع نہ ہو تو ادھار وصول کرنا مضارب پر لازم نہیں ہے اور اس سے کہا جائے گا مالک مال کو وصول کرنے کا وکیل بنادے۔

تشریح: مالک اور مضارب مضاربت سے جدا ہو رہے ہیں اور صورت حال یہ ہے کہ کچھ مال مضاربت لوگوں پر قرض ہے تو اب اس ادھار کو کون وصول کرے؟

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مضارب اس مال سے نفع لے چکا ہے تو مضارب کو لوگوں سے قرض کی وصولیابی کے لئے مجبور کیا جائے گا کیوں کہ جب مضارب نے نفع حاصل کرلیا تو گویا وہ اجیر کے مانند ہو گیا اس نے بیچنے خریدنے اور ادھار وصول کرنے کی اجرت لے لی اس لیے ادھار وصول کرنا اس پر لازم ہوگا اور اگر نفع نہیں لیا ہے تو مضارب احسان کے طور پر بیچنے خریدنے کا وکیل بنا ہوا ہے اور احسان کرنے والے کو مزید کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے حاکم حصول قرض کے لئے اس کو مجبور نہیں کریگا، البتہ اس صورت میں مضارب سے کہا جائے گا کہ تو رب المال کو قرض وصول کرنے کے لئے وکیل بنادے تاکہ اس کی وکالت میں وہ ادھار وصول کر سکے اور اس کا مال ضائع نہ ہو۔

(۲۴/۱۳۳۳) وَمَا هَلَکَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ فَهُوَ مِنَ الرِّبْحِ دُوْنَ رَاْسِ الْمَالِ.

ترجمہ: اور جو کچھ ہلاک ہو جائے مضاربت کے مال سے تو وہ نفع سے ہوگا نہ کہ اصلی پونجی سے۔

تشریح: اگر مال مضاربت ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کو، اُس المال کے بجائے نفع سے پورا کیا جائے گا کیوں کہ پونجی اصل ہے اور نفع تابع ہے اور ہلاکت کو تابع کی طرف راجع کرنا بہتر ہے جیسے باب زکوۃ میں ہلاکت مقدار عفو کی طرف راجع ہوتی ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۳۵۷، رقم الحاشیہ ۶)

(۲۵/۱۳۳۴) فَاِنْ زَادَ الْهَالِکُ عَلَی الرِّبْحِ فَلَا ضَمَانَ عَلَی الْمُضَارِبِ فِیْهِ.

ترجمہ: پھر اگر بڑھ جائے ہلاک ہونے والا مال نفع سے تو اس میں ضمان مضارب پر نہیں ہے۔

تشریح: اور اگر اتنا مال ہلاک ہو جائے کہ نفع سے بھی بڑھ جائے تو مضارب اس کا ضامن نہ ہوگا، مثلاً پانچ ہزار روپے اصل پونجی تھی پانچ سو روپے نفع کمایا بعد میں چھ سو روپے ہلاک ہوگئے تو پانچ سو روپے نفع میں سے پورے کئے

جائیں گے اور سو روپیہ اصل پونجی سے جائے گا مضارب اس کا ضامن نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ امین ہے اور بغیر عمل دخل کے امین سے اگر کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا ہے۔

(۱۳۳۵/۲۶) وَاِنْ كَانَا يَقْتَسِمَانِ الرِّبْحَ وَالْمُضَارَبَةُ عَلٰى حَالِهَا ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ كُلُّهُ اَوْ بَعْضُهُ تَرَادَّا الرِّبْحَ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ رَبُّ الْمَالِ رَأْسَ الْمَالِ.

ترجمہ: اور اگر دونوں نفع تقسیم کر چکے ہوں اور مضاربت اپنی حالت پر ہو پھر سارا مال یا کچھ مال ہلاک ہو جائے تو دونوں نفع واپس لوٹا دیں یہاں تک کہ پوری کر لے مالک اصل رقم۔

تشریح: اگر مضاربت باقی رکھتے ہوئے نفع تقسیم کر چکے تھے، اسی دوران پورا مال یا کچھ مال ہلاک ہو گیا تو دونوں نے جو نفع تقسیم کیا تھا وہ واپس کرے اور اصل سرمایہ میں شامل کرے تاکہ مالک کی اصل رقم پوری ہو جائے کیوں کہ جب رأس المال ہلاک ہو گیا تو معلوم ہوا کہ نفع تقسیم کرنا صحیح نہیں تھا اس لیے کہ نفع اصل پونجی پوری ہونے کے بعد ہوتا ہے اور یہاں اصل پونجی میں کمی ہو گئی اس لیے نفع واپس کر کے اصل پونجی پوری کی جائے گی۔

(۱۳۳۶/۲۷) فَاِنْ فَضَلَ شَيْءٌ كَانَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: پھر اگر کچھ نفع بچ جائے تو دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔

تشریح: اگر اصل رقم پوری ہونے کے بعد نفع میں سے کچھ رقم بچ جائے تو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔

(۱۳۳۷/۲۸) وَاِنْ نَقَصَ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ لَمْ يَضْمَنِ الْمُضَارِبُ.

ترجمہ: اور اگر اصل رقم سے کچھ کم رہ جائے تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: نفع دونوں نے واپس کر دیا پھر بھی ہلاکت اتنی تھی کہ اصل رقم پوری نہ ہو سکی تو اب اس کمی کا ذمہ دار مضارب نہ ہوگا، مثلاً دس ہزار روپے اصل سرمایہ تھا ایک ہزار روپے کا نفع ہوا لیکن ہلاکت پندرہ سو روپے تھی اس لیے نفع کے ایک ہزار روپے واپس کئے پھر بھی اصل رقم کے پانچ سو روپے رہ گئے تو ان پانچ سو روپے کا ضمان مضارب پر نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ امین ہے۔

(۱۳۳۸/۲۹) وَاِنْ كَانَا اقْتَسَمَا الرِّبْحَ وَفَسَخَا الْمُضَارَبَةَ ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ الْمَالُ اَوْ بَعْضُهُ لَمْ يَتَرَادَّا الرِّبْحَ الْاَوَّلَ.

ترجمہ: اور اگر دونوں نے نفع تقسیم کر لیا اور مضاربت توڑ دی اس کے بعد (دوبارہ) عقد مضاربت کر لیا پھر سارا مال یا کچھ ہلاک ہو گیا تو پہلا نفع (جو تقسیم ہو چکا) نہیں لوٹائیں گے۔

تشریح: رب المال اور مضارب نے نفع تقسیم کرلیا اور عقد مضاربت فسخ کردیا اس کے بعد پھر از سر نو مضاربت کی پھر مال ہلاک ہوگیا تو اب پہلا نفع جو تقسیم ہو چکا ہے نہیں لوٹایا جائے گا کیوں کہ پہلا عقد بالکل ختم ہوگیا ہے اور یہ دوسرا عقد جدید ہے اس لیے اس رأس المال کی ہلاکت پہلے نفع میں شامل نہ ہوگی اور پہلا نفع واپس کر کے اصل رقم پوری نہیں کی جائے گی۔ (اللباب ۲/ ۶۵، رقم الحاشیہ ۸)

(۱۳۳۹/ ۳۰) وَيَجُوْزُ لِلْمُضَارِبِ اَنْ يَبِيْعَ بِالنَّقْدِ وَالنَّسِيْئَةِ.

ترجمہ: اور جائز ہے مضارب کے لئے کہ نقد اور ادھار (دونوں طریقے سے) فروخت کرے۔

تشریح: مضارب کو نقد اور ادھار دونوں طرح بیچنے کا حق ہے کیوں کہ تجارت میں دونوں طرح بیچنے کا رواج ہے۔

(۱۳۴۰/ ۳۱) وَلَا يُزَوِّجُ عَبْداً وَلَا اَمَةً مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ.

ترجمہ: اور مضارب نکاح نہ کرے کسی غلام اور باندی کا مضاربت کے مال سے۔

تشریح: مضاربت کے مال سے غلام یا باندی خریدی اور اب مضارب ان کی شادی کرنا چاہے تو اصل مالک کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا غلام کی اس لیے نہیں کرسکتا کہ نکاح کرنے کی وجہ سے اس کے ذمہ مہر بصورت دین لازم ہوگا جو خواہ مخواہ مضاربت سے متعلق ہوگا اور باندی کی اس لیے نہیں کرسکتا کہ اس کی شادی کرنے سے اگرچہ مہر نفقہ وغیرہ ملے گا اور یہ سب فوائد بھی ہیں لیکن یہ تجارت کے متعلقات میں سے نہیں ہیں اور مالک کی طرف سے مضارب کو تجارت اور متعلقات تجارت ہی کی اجازت ہے اور نکاح متعلقات تجارت میں سے نہیں ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک باندی کا نکاح جائز ہے۔

كِتَابُ الْوَكَالَةِ

(یہ کتاب وکالت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: وکالت مضاربت کے احکام میں سے ہے اس لیے مضاربت کے بعد وکالت کے احکام بیان کررہے ہیں۔

لغوی تحقیق: لفظ وکالت واؤ کے کسرہ اور فتحہ دونوں طرح سے آیا ہے توکیل کا اسم ہے اور توکیل باب تفعیل سے ہے وکالت کے معنی محافظت قائم مقامی اور ذمہ داری کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: وکالت یہ ہے کہ ایک شخص جسے کوئی خاص اور جائز کام انجام دینے کا اختیار ہے

اس کی انجام دہی کے لئے کسی اور کو مقرر کرے۔

تعریف میں جائز کام جو آیا ہے اس سے یہ صورت نکل گئی کہ کوئی نابالغ شخص کسی کو اپنا مال ہبہ کرنے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنائے تو اس نابالغ کا یہ تصرف ناجائز ہوگا اور تعریف میں جو یہ قید ہے کہ "اس کام کے انجام دینے کا اختیار ہو" اس قید سے وہ صورت نکل گئی جب کہ موکل کسی ایسی شئی پر تصرف کے لئے وکیل بنائے جس پر اسے خود تصرف کا حق نہیں ہے۔

وکالت کا ثبوت: وکالت اس مفہوم کے اعتبار سے جس کا ذکر اوپر آیا ہے ایک جائز امر ہے اور اس کا جواز مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا اس کے جائز ہونے کی دلیل میں یہ ارشاد پیش کیا گیا ہے 'فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ' تم اپنے ایک آدمی کو درہم لے کر بھیج دو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو برقرار رکھا ہے کیوں کہ اس کے خلاف کوئی حکم نہیں آیا ہم سے پہلے کی شریعت کے احکام بھی اگر اس کی تنسیخ ہماری شریعت میں نہ ہو تو ہمارے لئے شرعی حکم ہے نیز یہ روایت بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے شادی کرنے کے بارے میں ابورافع کو وکیل بنایا اور عمر بن امیہ کو ام حبیبہ سے شادی کے لئے وکیل بنایا (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ۳/۱۷۰،۱۷۱)

جاننا چاہئے کہ وکیل بنانے کے ارکان چار ہیں 'موکل' بکسر کاف (وکیل بنانے والا) موکل بفتح کاف (وکیل) موکل فیہ (جس کام کے لئے وکیل بنایا جائے) اور صیغہ (وکیل بنانے کے الفاظ یا طریقہ) حنفیہ کہتے ہیں کہ وکالت کا صرف ایک رکن ہے یعنی صیغہ (وکیل بنانے کے الفاظ جن کے استعمال سے کسی کا وکیل بن جانا ثابت ہوجاتا ہے) مثلاً ایک شخص کا کسی کو یہ کہنا کہ میں آپ کو اس اونٹ کے فروخت کرنے یا اس گائے کی خریداری کے لئے وکیل بناتا ہوں (کتاب الفقہ ۳/۱۷۱)

وکالت کی شرطیں: وکالت کی شرطوں کی چند قسمیں ہیں وہ شرائط جن کا تعلق موکل سے ہے وہ شرائط جن کا تعلق وکیل سے ہے وہ شرائط جن کا تعلق الفاظ توکیل سے ہے اور وہ شرائط جن کا تعلق اس امر سے ہے جس کے لئے وکیل بنایا گیا، حنفیہ کہتے ہیں کہ جس شرط کا تعلق موکل سے ہے وہ یہ ہے کہ موکل اس کا مالک ہو جس کے لئے اس نے اپنے لئے کسی کو وکیل بنایا لہٰذا وہ شخص جو مسلسل حالت جنون میں رہتا ہو کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا یا بالکل ناسمجھ بچہ ہو کیوں کہ وہ بھی وکیل بنانے کا اہل نہیں ہے۔

وکیل کی متعلقہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ صاحب عقل وہوش ہو لہٰذا پاگل یا نابالغ بے شعور بچے کو وکیل بنانا درست نہیں ہے وکیل بننے کی دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو اپنے وکیل بنائے جانے کا علم ہو۔

اب ایسی شرائط کو لیجئے جن کا تعلق موکل فیہ سے ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کام ایسا نہ ہو جس کے انجام دینے کی عام اجازت ہو کہ جو چاہے بغیر کسی کے کہے انجام دے لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ ایک شخص دوسرے کو اس کام کے لئے

وکیل بنائے کہ وہ اس کے لئے لکڑیاں کاٹ کرلائے یا پانی بھر کے لائے یا لوہا تانبا پیتل وغیرہ کان سے کھود کرلائے ایسے ہی اگر کسی کو بھیک مانگ کرلانے کے لئے وکیل بنایا تو یہ توکیل درست نہ ہوگی اگر وکیل نے یہ سارے کام کر لئے تو وہ اسی کا حق ہوگا اب رہ گئیں وہ شرطیں جن کا تعلق الفاظ توکیل سے ہے وکیل بنانے کے الفاظ کی دو قسمیں ہیں صیغہ خاص اور صیغہ عام۔

صیغۂ خاص: وہ الفاظ جن کے ذریعہ کسی خاص کام کے لئے وکیل بنانا ہو مثلاً میں اس مکان کی خریداری کے لئے آپ کو وکیل بناتا ہو۔

صیغہ عام: ایسے الفاظ جن سے عام امور میں وکیل بنانا ہو مثلاً آپ میرے تمام معاملات میں وکیل ہیں، جس شخص کو مختار عام بنایا جائے اسے بقول مفتی بہ تمام امور انجام دینے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، مزید تفصیل وقتاً فوقتاً متن میں آتی رہے گی۔

(۱/۱۳۴۱) كُلُّ عَقْدٍ جَازَ اَنْ يَعْقِدَهُ الْاِنْسَانُ بِنَفْسِهٖ جَازَ اَنْ يُّوَكِّلَ بِهٖ غَيْرَهٗ.

ترجمہ: ہر وہ معاملہ جس کو انسان بذات خود کر سکتا ہو جائز ہے کہ اس کا دوسرے کو بھی وکیل بنائے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو کام انسان خود کر سکتا ہے اس کام کے کرنے کا دوسروں کو بھی وکیل بنا سکتا ہے، کیوں کہ کبھی انسان حالات وعوارض کی وجہ سے کام کرنے سے عاجز ہوتا ہے مثلاً خرید وفروخت کا تجربہ نہیں یا بڑھاپے کی وجہ سے بازار جانے کی طاقت نہیں ہوتی۔

(۲/۱۳۴۲) وَيَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْ سَائِرِ الْحُقُوْقِ وَاِثْبَاتِهَا.

ترجمہ: اور جائز ہے وکیل بنانا تمام حقوق میں جھگڑا کرنے کا اور ان کے ثابت کرنے کا۔

تشریح: تمام حقوق میں خصومت کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے خصومت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قاضی کے سامنے اچھے انداز میں مقدمہ پیش کرے پھر اس کو ثابت کرے گواہ پیش کرے اور اپنے حق میں فیصلہ کے لئے زور لگائے اسی طرح حق کو ثابت کرنے اور حق کو وصول کرنے کے لئے بھی وکیل بنا سکتا ہے کیوں کہ ہر آدمی صحیح طریقے سے مقدمات چلانے اور عدالت کی اونچ نیچ کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس ضرورت کو دور کرنے کے لئے مقدمات کے سلسلہ میں وکیل بنانا درست ہے۔

(۳/۱۳۴۳) وَيَجُوْزُ بِالْاِسْتِيْفَاءِ اِلَّا فِى الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَاِنَّ الْوَكَالَةَ لَاتَصِحُّ بِاسْتِيْفَائِهَا مَعَ غَيْبَةِ الْمُوَكِّلِ عَنِ الْمَجْلِسِ.

ضروری وضاحت: الا فی الحدود والقصاص: یہ عبارت مصنف کے قول استیفاء سے استثنا

ہے نہ کہ ویجوز سے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر مؤکل عدالت میں موجود نہ ہو تو حدود وقصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں، لیکن گواہ قائم کر کے حدود وقصاص کو ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: اور جائز ہے وکیل کرنا حقوق حاصل کرنے کے لئے مگر حدود اور قصاص میں کہ ان کو حاصل کرنے کے لئے وکالت صحیح نہیں ہے، اس مجلس میں مؤکل کے موجود نہ ہونے کی حالت میں۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حقوق ادا کرنے اور حقوق کو وصول کرنے کے واسطے وکیل کرنا بھی جائز ہے مگر حدود وقصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں ہے چناں چہ قاضی کی عدالت میں اگر مؤکل موجود نہ ہو تو وکیل کو حد یا قصاص وصول کرنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے، ہاں اگر مجلس میں مؤکل موجود ہو تو حدود اور قصاص کو حاصل کرنے کا وکیل بنایا جاسکتا ہے، یہ پوری تفصیل احناف کے نزدیک ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مؤکل کی عدم موجودگی میں بھی وکیل کے لئے حدود اور قصاص وصول کرنا جائز ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۳۷۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حدود اور قصاص حقوق العباد میں سے ہیں اور تمام حقوق العباد کو ادا کرنے اور وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے لہٰذا مؤکل عدالت میں موجود ہو یا نہ ہو بہر صورت حدود وقصاص کو وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔ (کفایہ علی فتح القدیر ۶/ ۵۵۷)

احناف کی دلیل: حدود اور قصاص عقوبات میں سے ہیں اور عقوبات شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور اگر عدالت میں مؤکل موجود نہ ہو تو یہ شبہ ہے کہ مؤکل نے اخیر وقت میں حدود یا قصاص لینے سے معاف کر دیا ہو، اس لیے مؤکل کی عدم موجودگی میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ (کفایہ ۶/ ۵۵۷)

(۱۳۴۴/۴) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ اِلَّا بِرِضَاءِ الْخَصْمِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مَرِيْضاً اَوْ غَائِباً مَسِيْرَةَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِداً وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِغَيْرِ رِضَاءِ الْخَصْمِ.

ضروری وضاحت: الا أن يكون الخ مصنف کے قول 'برضاء الخصم' سے استثنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مقابل کی رضامندی شرط ہے مگر یہ کہ مؤکل کو کوئی مجبوری ہو تو مقابل کی رضامندی کے بغیر بھی وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

ترجمہ: اور فرمایا امام ابوحنیفہؒ نے کہ خصومت کی وکالت جائز نہیں ہے، مگر مقابل کی رضامندی سے مگر یہ کہ مؤکل بیمار ہو یا غائب ہو تین دن یا زیادہ کی مدت مسافت پر اور فرمایا امام ابو یوسف ومحمد نے بغیر مقابل کی رضامندی کے وکیل بنانا جائز ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر مدعی نے بغیر مدعی علیہ کی رضامندی کے مقدمہ کی پیروی کا وکیل کیا تو بھی ناجائز ہے، اور اگر مدعی علیہ نے بغیر مدعی کی رضامندی کے جواب دہی کے لئے وکیل کیا تو بھی ناجائز ہے، ہاں اگر

مؤکل اتنا بیمار ہو کہ قاضی کی مجلس میں نہیں آسکتا یا وہ تین دن یا تین دن سے زائد مدت کی مسافت پر غائب ہو (۸۷ کلو میٹر ۸۲ ۷ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر) تو اس کے واسطے مدمقابل کی رضامندی کے بغیر وکیل کرنا جائز ہے۔

دلیل: آدمی آدمی کی چالاکی میں فرق ہوتا ہے اس لیے یہ ممکن ہے کہ وکیل اپنی چالاکی سے مدمقابل کو خواہ مخواہ نقصان دے اور حق فیصلہ کرانے میں دشواری پیدا کرے، اس لیے مجبوری یا رضامندی کے بغیر خصومت کا وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں بغیر مؤکل کی رضامندی کے وکیل بنانا جائز ہے۔

دلیل: وکیل بنانا مؤکل کا ذاتی حق ہے اور اپنے خالص حق میں تصرف کرنا کسی دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوتا، لہٰذا خصومت کے لئے وکیل کرنا مقابل کی رضامندی پر موقوف نہ ہوگا بلکہ بغیر اس کی رضامندی کے بھی خصومت میں وکیل بن سکتا ہے۔

نوٹ: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اختلاف لزوم توکیل میں ہے نہ کہ جواز توکیل میں اب صاحب قدوری کی عبارت لایجوز التوکیل، لایلزم کے معنی میں ہوگی یعنی عدم جواز بول کر عدم لزوم مراد لیا گیا ہے اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مقابل کی رضامندی کے بغیر توکیل بالخصومت لازم نہ ہوگی۔

(۵/۱۳۴۵) وَمِنْ شَرْطِ الْوَكَالَةِ اَنْ يَكُوْنَ الْمُوَكِّلُ مِمَّنْ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَيَلْزَمُهُ الْاَحْكَامُ.

ترجمہ: اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مؤکل ان لوگوں میں سے ہو جو تصرف کے مالک ہیں، اور ان کو احکام لازم ہوتے ہوں۔

وکالت کی شرائط کا بیان بالتفصیل

تشریح: کتاب الوکالۃ کے شروع میں وکالت کی جو شرطیں بیان کی گئیں ہیں ان کو ذہن نشین رکھیں، اب سنیے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ وکالت کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وکیل بنانے والا جس چیز کا وکیل بنا رہا ہو خود اس کام کو کر سکتا ہو، کیوں کہ اگر وہ خود نہیں کر سکتا تو دوسروں کو کرنے کا حکم کیسے دے گا، اور دوسری شرط یہ ہے کہ شریعت کے احکام اس پر لازم ہوتے ہوں یعنی وہ خود عاقل، بالغ، آزاد ہو اگر وہ عاقل بالغ آزاد نہیں ہے تو اس پر شریعت کے احکام لازم نہیں ہوں گے تو جب اس پر لازم نہیں ہیں تو دوسروں کو حکم کیسے دے؟

(۶/۱۳۴۶) وَالْوَكِيْلُ مِمَّنْ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَيَقْصِدُهُ.

ترجمہ: اور وکیل ان میں سے ہو جو بیع کو سمجھتا ہو اور اس کا ارادہ کرتا ہو۔

تشریح: جس شرط کا وکیل میں پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وکیل ایسا شخص ہو جو عقد کے معنی اور مفہوم کو سمجھتا ہو یعنی وہ جانتا ہو کہ بیع کرنے کی وجہ سے مبیع سے بائع کی ملک ختم ہو جاتی ہے، اور خریداری کی وجہ سے مشتری کے لئے مبیع پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور وکیل اس عقد کا قصد کرتا ہو یعنی خرید وفروخت کو مذاق اور کھیل نہ سمجھتا ہو بلکہ قصد وارادہ سے ارتکاب کرنے والا ہو۔

(۱۳۴۷/۷) وَإِذَا وَكَّلَ الْحُرُّ الْبَالِغُ أَوِ الْمَاذُوْنُ مِثْلَهُمَا جَازَ.

ترجمہ: اور اگر آزاد بالغ یا ماذون اپنے جیسوں کو وکیل بنائے تو جائز ہے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں، کہ اگر آزاد اور بالغ آدمی کسی کو وکیل بنائے یا تجارت کی اجازت دیا ہوا غلام یا تجارت کی اجازت دیا ہوا بچہ کسی اپنے درجہ کے آدمی کو یا اپنے سے اچھی حالت کے آدمی کو یا اپنے سے کم تر کو وکیل بنائے تو جائز ہے کیوں کہ مؤکل تصرف کا مالک ہے اور وکیل عبارت بیان کرنے کا اہل ہے لہٰذا وکالت درست اور جائز ہو جائے گی۔

(۱۳۴۸/۸) وَإِنْ وَكَّلَ صَبِيًّا مَحْجُوْرًا يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ أَوْ عَبْدًا مَحْجُوْرًا جَازَ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا الْحُقُوْقُ وَيَتَعَلَّقُ بِمُوَكِّلَيْهِمَا.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنائے مجور بچہ کو جو خرید وفروخت کو سمجھتا ہو یا مجور غلام کو تو جائز ہے اور حقوق ان دونوں سے متعلق نہیں ہوں گے بلکہ ان کے مؤکلوں سے متعلق ہوں گے۔

تشریح: اگر کسی آزاد عاقل بالغ نے ایسے بچہ کو وکیل بنایا جو اتنا بڑا ہے کہ خرید وفروخت کو سمجھتا ہے مگر اس کے سرپرست اور ذمہ دار نے اس کو خرید وفروخت کرنے کی اجازت نہیں دے رکھی ہے تو ایسے بچے کو وکیل بنانا جائز ہے لیکن لین دین کے سارے حقوق وکیل بنانے والے سے متعلق ہوں گے بچہ سے متعلق نہیں ہوں گے، اور نہ بچہ ان حقوق کا ذمہ دار ہوگا، کیوں کہ نابالغ ہونے کی وجہ سے اس کی اہلیت اور لیاقت ناقص ہے، ایسے ہی اگر مجور غلام کو وکیل بنا دیا تو بھی وکیل بنانا جائز ہے اور غلام وکالت میں کام کرے گا، کیوں کہ وہ عاقل بالغ ہے لیکن خرید وفروخت کے حقوق وکیل بنانے والے کے ساتھ متعلق ہوں گے وہی لین دین کرے گا کیوں کہ اگر حقوق غلام سے ہی متعلق ہو جائیں تو آقا کا نقصان ہوگا لہٰذا آقا کے حق کی وجہ سے آقا سے نقصان دور کرنے کے لئے غلام پر بھی کوئی ذمہ داری لاگو نہ ہوگی۔

(۱۳۴۹/۹) وَالْعُقُوْدُ الَّتِيْ يَعْقِدُهَا الْوُكَلَاءُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ كُلُّ عَقْدٍ يُضِيْفُهُ الْوَكِيْلُ إِلٰى نَفْسِهٖ مِثْلُ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَالْإِجَارَةِ فَحُقُوْقُ ذَالِكَ الْعَقْدِ تَتَعَلَّقُ بِالْوَكِيْلِ دُوْنَ الْمُوَكِّلِ فَيُسَلِّمُ الْمَبِيْعَ وَيَقْبِضُ الثَّمَنَ وَيُطَالَبُ بِالثَّمَنِ إِذَا اشْتَرٰى وَيَقْبِضُ الْمَبِيْعَ وَيُخَاصِمُ فِي الْعَيْبِ.

حل تراکیب: حقوق حق کی جمع ہے اور اس کا مرفوع ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے اور تتعلق بالوکیل یہ مبتدا کی خبر ہے۔

ترجمہ: وہ معاملے جن کو وکیل لوگ کرتے ہیں دو قسم پر ہیں ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے خرید وفروخت اور اجارہ تو ان عقدوں کے حقوق وکیل سے متعلق ہوں گے نہ کہ مؤکل سے چناں چہ وہی مبیع کو سپرد کرے گا، اور وہی قیمت پر قبضہ کرے گا اسی سے قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا جب وہ کچھ خریدے، اور وہی مبیع پر قبضہ کرے گا اور اسی سے عیب میں جھگڑا ہوگا (یہی عیب ہونے کی صورت میں دعویٰ دائر کرے گا)۔

وہ حقوق جو وکیل یا مؤکل سے متعلق ہوتے ہیں

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ وہ عقود جن کو وکیل لوگ منعقد کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ معاملات جن کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں (۲) وہ معاملات جن کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اس عبارت میں قسم اول کو بیان کرتے ہیں اور اس کے لئے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرے، اور اس کا منسوب کرنا صحیح ہو مثلاً وکیل کہتا ہے کہ میں بیع کرتا ہوں یا میں خریدتا ہوں، یا میں اجارہ کرتا ہوں، تو ان میں عقود کے تمام حقوق خود وکیل سے متعلق ہوتے ہیں، مؤکل سے متعلق نہیں ہوتے مثلاً وکیل ہی مبیع مشتری کے حوالہ کرے گا وکیل ہی مبیع کی قیمت پر قبضہ کرے گا اگر وکیل نے کچھ خریدا ہے تو وکیل ہی سے اس کی قیمت کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر مبیع میں کوئی عیب نظر آیا تو وکیل ہی مقدمہ کی ساری کاروائی کرے گا، یعنی اگر وکیل نے کسی چیز کو بیچا اور مشتری مبیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو مشتری اس عیب کے سلسلے میں وکیل ہی سے گفتگو کریگا، اور اگر وکیل نے کسی چیز کو خریدا ہے اور پھر وکیل مبیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو اس عیب کے سلسلے میں بائع سے گفتگو وکیل ہی کریگا نہ کہ مؤکل کیوں کہ وہی عاقد ہے اور اس نے اپنی طرف معاملہ کی نسبت کی ہے اس لیے وہی حقوق کا ذمہ دار ہوگا۔

(۱۳۵۰/۱۰) وَكُلُّ عَقْدٍ يُضِيفُهُ الْوَكِيلُ اِلٰى مُوَكِّلِهٖ كَالنِّكَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمَدِ فَاِنَّ حُقُوقَهُ تَتَعَلَّقُ بِالْمُوَكِّلِ دُوْنَ الْوَكِيلِ فَلَا يُطَالَبُ وَكِيلُ الزَّوْجِ بِالْمَهْرِ وَلَا يَلْزَمُ وَكِيلَ الْمَرْاَةِ تَسْلِيمُهَا.

لغت: صلح عن دم العمد: جان کر قتل کیا ہو جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم تھا لیکن اس کے بدلہ میں کچھ رقم پر صلح کر لی تو اس کو صلح عن دم العمد کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنے مؤکل کی طرف منسوب کرتا ہے جیسے نکاح خلع دم عمد سے صلح تو ان کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں نہ کہ وکیل کے ساتھ چناں چہ نہیں مطالبہ کیا جائے گا شوہر کے وکیل سے مہر کا اور لازم نہ ہوگا عورت کے وکیل پر عورت کو سونپنا۔

تشریح: اس عبارت میں دوسری قسم کا بیان ہے یعنی وہ عقد جس کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اسی کے لئے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جن، جن عقدوں میں وکیل عقد کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا، بلکہ مؤکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہو تو ان عقدوں کے حقوق کا ذمہ دار مؤکل ہوگا اور وکیل ذمہ دار نہ ہوگا، مثلاً شادی میں وکیل یوں کہتا ہے کہ میں آپ سے فلاں کی شادی کروا رہا ہوں یا خلع میں یوں کہتا ہے کہ میں فلاں کی جانب سے خلع کر رہا ہوں تو ایسے عقدوں میں تمام حقوق مؤکل سے متعلق ہوں گے وکیل سے نہیں بلکہ وکیل معاملہ کر کے فارغ ہو جائے گا، اسی طرح صلح عن دم العمد میں اگر مقتول کے اولیاء کی طرف سے وکیل ہو تو قاتل سے بدل صلح اور بدل قصاص کے مطالبہ کا حق وکیل کو نہ ہوگا بلکہ اولیائے مقتول کو ہوگا اور اگر قاتل کی طرف سے وکیل ہو تو بدل قصاص کا مطالبہ قاتل سے کیا جائے گا نہ کہ وکیل سے، اسی طرح نکاح میں عورت مہر کا مطالبہ وکیل سے نہیں کرے گی بلکہ شوہر سے کرے گی اور اگر عورت کی طرف سے وکیل ہو تو عورت کا سپرد کرنا وکیل پر لازم نہ ہوگا بلکہ خود عورت پر اپنے آپ کو سپرد کرنا لازم ہوگا، اور عقد خلع میں اگر عورت کی طرف سے وکیل ہو تو بدل خلع کا مطالبہ وکیل سے نہیں کیا جائے گا بلکہ عورت سے کیا جائے گا، اور اگر شوہر کی طرف سے وکیل ہو تو بدل خلع کے مطالبہ کا حق شوہر کو ہوگا نہ کہ وکیل کو۔

(۱۱/۱۳۵۱) وَاِذَا طَلَبَ الْمُوَكِّلُ الْمُشْتَرِیْ بِالثَّمَنِ فَلَهٗ اَنْ يَّمْنَعَهٗ اِيَّاهُ فَاِنْ دَفَعَهٗ اِلَيْهِ جَازَ وَلَمْ يَكُنْ لِلْوَكِيْلِ اَنْ يُّطَالِبَهٗ ثَانِياً.

ترجمہ: اور جب مانگے مؤکل مشتری سے قیمت تو مشتری کے لئے جائز ہے کہ مؤکل کو اس سے روک دے پھر اگر مشتری مؤکل کو ثمن دے دے تو جائز ہے اور اب وکیل کے لئے درست نہیں ہے کہ اس سے دوبارہ مطالبہ کرے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کو وکیل بالبیع مقرر کیا پھر وکیل نے وہ سامان کسی کو فروخت کر دیا، اب اگر مؤکل مشتری سے چیز کی قیمت مانگے تو مشتری کو حق ہے کہ مؤکل کو ثمن دینے سے انکار کر دے اور یوں کہے کہ میں آپ کے وکیل کو دوں گا، کیوں کہ عقد وکیل نے ہی کیا ہے مؤکل تو عقد اور حقوق عقد کے سلسلہ میں بالکل اجنبی ہے اس لیے مؤکل مشتری سے ثمن کے مطالبہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا، پھر آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مؤکل کے مطالبہ کرنے پر مشتری نے مؤکل کو ثمن دے دیا تب بھی جائز ہے اور اس صورت میں وکیل کو حق نہیں ہے کہ دوبارہ مشتری سے قیمت وصول کرے کیوں کہ وہ ثمن جس پر مؤکل نے قبضہ کیا ہے مؤکل ہی کا حق ہے اور وہ مؤکل کو پہنچ گیا اور جب ایسا ہے تو اب مشتری مؤکل سے لے کر وکیل کو دے پھر وکیل مؤکل کو دے اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔

(۱۲/۱۳۵۲) وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِشِرَاءِ شَيْءٍ فَلاَ بُدَّ مِنْ تَسْمِيَةِ جِنْسِهٖ وَصِفَتِهٖ وَمَبْلَغِ ثَمَنِهٖ اِلَّا اَنْ يُّوَكِّلَهٗ وَكَالَةً عَامَّةً فَيَقُوْلُ ابْتَعْ لِیْ مَارَأَيْتَ.

حل لغات: مبلغ: مقدار، ابتع: ابتیاع سے امر حاضر ہے خریدنا، رأیت: یہ رؤیت سے نہیں بلکہ رأی سے ہے۔

ترجمہ: اور جس نے وکیل بنایا کسی آدمی کو کسی چیز کے خریدنے کا تو ضروری ہے اس کی جنس اس کی صفت اور اس کی قیمت کی مقدار بتانا مگر یہ کہ اس کو عام وکیل بنائے اور یہ کہہ دے کہ جو مناسب سمجھے میرے لئے خریدے۔

خرید و فروخت کے لئے وکیل کرنے کا بیان

تشریح: اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو مؤکل کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کے خریدنے کا وکیل بنا رہا ہے اس کی جنس متعین کر دے۔ مثلاً بھینس خرید کر لائے اور اس کی صفت متعین کر دے مثلاً ترکی ہو یا ہندی ہو، اور اس کی قیمت کی مقدار متعین کر دے، مثلاً دس ہزار روپے کی خرید کر لاؤ تب وکالت درست ہوگی ہاں اگر اس کو مختار عام کر دے اور یوں کہہ دے کہ تم اپنی مرضی کے مطابق جو چاہو خرید کر لاؤ تو پھر وکیل بنانا درست ہوگا۔

فائدہ: اگر ایسی جنس بیان کی کہ اس میں کافی جہالت ہے تو وکالت درست نہیں ہوگی کیوں کہ وکیل اس کو کیسے انجام دے گا، مثلاً اگر چوپایہ خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے وکالت صحیح نہ ہوگی کیوں کہ لفظ دابہ کا اطلاق زمین پر چلنے والے ہر جاندار پر ہوتا ہے تو یہ بہت سی اجناس کو شامل ہے اس لیے مذکورہ صورت میں وکالت درست نہ ہوگی، ہاں اگر تھوڑی سی جہالت ہو تو وکالت صحیح ہو جائے گی، مثلاً گھوڑا خریدنے کے لئے وکیل بنایا تو یہاں جہالت صرف صفت میں ہے اس لیے توکیل درست ہے۔

(۱۳/۱۳۵۳) وَاِذَا اشْتَرَى الْوَكِيْلُ وَقَبَضَ الْمَبِيْعَ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلٰى عَيْبٍ فَلَهٗ اَنْ يَّرُدَّهٗ بِالْعَيْبِ مَادَامَ الْمَبِيْعُ فِيْ يَدِهٖ فَاِنْ سَلَّمَهٗ اِلَى الْمُوَكِّلِ لَمْ يَرُدَّهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ.

ترجمہ: اگر وکیل نے خریدا اور مبیع پر قبضہ کر لیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے لئے جائز ہے کہ عیب کی وجہ سے لوٹادے جب تک کہ مبیع اس کے قبضہ میں ہے چناں چہ اگر وہ مؤکل کو دے چکا تو اس کو نہیں لوٹائے گا مگر مؤکل کی اجازت سے۔

تشریح: وکیل بالشراء نے مؤکل کے حکم کے مطابق کوئی چیز خرید کر اس پر قبضہ کر لیا پھر معلوم ہوا کہ اس مبیع میں عیب ہے تو اب دو صورتیں ہیں اگر مبیع وکیل کے قبضہ میں ہے تو اس کو عیب کے ماتحت بائع کی طرف واپس کر سکتا ہے، کیوں کہ عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کرنا حقوق عقد میں سے ہے اور عقد کے تمام حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں، لہذا وکیل عیب کی وجہ سے مبیع بائع کی طرف واپس کرنے کا مجاز ہوگا، اور اگر مبیع کو موکل کے حوالے کر دیا تو اب موکل کی

اجازت کے بغیر مبیع کو عیب کے ماتحت بائع کی طرف واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا، کیوں کہ جیسے ہی مؤکل کے حوالہ کیا تو اس کی وکالت ختم ہوگئی اب وکالت ختم ہونے کے بعد مؤکل کی اجازت کے بغیر واپس نہیں کرسکتا ہے۔

(۱۴/۱۳۵۴) وَيَجُوْزُ التَّوْكِيْلُ بِعَقْدِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ.

ترجمہ: اور جائز ہے وکیل کرنا عقد صرف اور عقد سلم کے لئے۔

تشریح: جس طرح عام تجارت میں وکیل بنانا جائز ہے اسی طرح عقد صرف اور عقد سلم کے لئے وکیل کرنا بھی جائز ہے، یعنی اگر کسی شخص نے عقد صرف یا عقد سلم منعقد کرنے کا کسی کو وکیل کیا تو جائز ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عقد سلم منعقد کرنے کے لئے ''رب السلم'' وکیل کرسکتا ہے لیکن عقد سلم قبول کرنے کے لئے ''مسلم الیہ'' کی طرف سے وکیل کرنا ناجائز ہے۔

(۱۵/۱۳۵۵) فَاِنْ فَارَقَ الْوَكِيْلُ صَاحِبَهٗ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْعَقْدُ وَلَايُعْتَبَرُ مُفَارَقَةُ الْمُوَكِّلِ.

ترجمہ: پس اگر جدا ہوگیا وکیل معاملہ والے سے قبضہ سے پہلے تو عقد باطل ہوجائے گا اور نہیں اعتبار ہے مؤکل کے جدا ہونے کا۔

تشریح: اگر عقد صرف یا سلم کرنے والا وکیل اور اس کا وہ ساتھی جس نے اس کے ساتھ عقد صرف یا عقد سلم کیا ہے قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ عقد باطل ہوجائے گا، کیوں کہ عقد صرف صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں دونوں عوضوں پر قبضہ متحقق ہوجائے اور عقد سلم درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں راس المال پر مسلم الیہ کا قبضہ متحقق ہوجائے، اور یہاں دونوں عقدوں میں صحت کی شرط نہیں پائی گئی تو عقد صرف اور عقد سلم باطل ہوجائے گا، پھر صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ کہ قبضہ کرنے سے پہلے مجلس عقد سے مؤکل کے جدا ہونے کا اعتبار نہ ہوگا چوں کہ حقوق وکیل سے متعلق ہیں اور عقد بھی اسی نے کیا ہے اس لیے وکیل کے جدا ہونے کا اعتبار ہوگا۔

(۱۶/۱۳۵۶) وَاِذَا دَفَعَ الْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ الثَّمَنَ مِنْ مَالِهٖ وَقَبَضَ الْمَبِيْعَ فَلَهٗ اَنْ يَرْجِعَ بِهٖ عَلَى الْمُوَكِّلِ.

ترجمہ: اور اگر دے دی خریدنے کے وکیل نے قیمت اپنے مال سے اور مبیع پر قبضہ کرلیا تو اس کے لئے جائز ہے کہ مؤکل سے وہ قیمت وصول کرے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کو خریداری کا وکیل بنایا اس لیے اس نے وہ چیز خریدی اور قیمت اپنے پاس سے دی اور مبیع پر قبضہ کرلیا تو یہ قیمت ادا کرنا وکیل کی طرف سے احسان نہ ہوگا، بلکہ وکیل اس قیمت کو مؤکل سے وصول کرے پھر وہ چیز مؤکل کے حوالہ کرے قیمت وصول کرنے کے لئے مؤکل سے مبیع کو روک سکتا ہے، ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

دلیل: وکیل بائع کے مانند ہے اور مؤکل مشتری کے مانند ہے تو جس طرح بائع کو مبیع کی قیمت وصول کرنے کے لئے مبیع روکنے کا حق حاصل ہے ایسے ہی وکیل کو مؤکل سے مبیع روکنے کا حق حاصل ہے۔

(۱۳۵۷/۱۷) فَإِنْ هَلَكَ الْمَبِيعُ فِي يَدِهِ قَبْلَ حَبْسِهِ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُوَكِّلِ وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ وَلَهُ أَنْ يَحْبِسَهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ.

ترجمہ: اب اگر مبیع ہلاک ہو جائے وکیل کے قبضہ میں وکیل کے اس کو روکنے سے پہلے تو مؤکل کے مال میں سے ہلاک ہوگی اور ثمن ساقط نہ ہوگا اور وکیل کو حق ہے کہ قیمت وصول کرنے تک مبیع کو روک لے۔

تشریح: اگر وکیل بالشراء نے اپنے مال میں سے ثمن ادا کر کے مبیع پر قبضہ کر لیا اور دی ہوئی قیمت موکل سے وصول کرنے کے لئے ابھی تک مبیع روکی نہیں تھی کہ مبیع وکیل کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو یہ مبیع مؤکل کے مال سے ہلاک ہوگی وکیل کے نہیں حتی کہ ثمن مؤکل کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور وکیل کا حق رجوع باطل نہ ہوگا ابھی بھی اپنی جانب سے دی ہوئی قیمت مؤکل سے وصول کر سکتا ہے کیوں کہ مؤکل کا مال وکیل کے ہاتھ میں امانت کے طور پر تھا اس لیے جو کچھ ہلاک ہوا وہ مؤکل کا ہلاک ہوا اس لیے وکیل اپنی دی ہوئی قیمت مؤکل سے لے سکتا ہے، پھر صاحب قدروی فرماتے ہیں کہ ثمن وصول ہونے سے پہلے پہلے وکیل مبیع کو اپنے پاس روک سکتا ہے خواہ وکیل نے بائع کو ثمن دیا ہو یا نہ دیا ہو بہر حال مؤکل سے ثمن وصول کرنے کی خاطر وکیل کو مبیع روکنے کی اجازت ہے۔

(۱۳۵۸/۱۸) فَإِنْ حَبَسَهُ فَهَلَكَ فِي يَدِهِ كَانَ مَضْمُونًا ضَمَانَ الرَّهْنِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَضَمَانَ الْبَيْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: پس اگر وکیل نے مبیع کو روکا پھر وہ ہلاک ہوگئی تو مضمون ہوگی رہن کے ضمان کی طرح امام ابو یوسف کے نزدیک اور بیع کے ضمان کی طرح امام محمدؒ کے نزدیک۔

تشریح: اگر وکیل بالشراء نے مؤکل سے ثمن وصول کرنے کی خاطر مبیع کو اپنے پاس روک لیا اور مبیع وکیل کے قبضہ سے ہلاک ہوگئی، تو اب یہ مبیع امانت نہ رہی بلکہ مضمون ہوگئی یعنی وکیل کے مال میں سے ہلاک ہوگی اب اس میں اختلاف ہے کہ کس طرح کا تاوان وکیل پر آئے گا؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک رہن کا ضمان ہوگا جس کی تفصیل اس طرح ہے، کہ اگر مرتہن کے پاس شی مرہون ہلاک ہو جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ شی مرہون کی قیمت کتنی تھی، اور مرتہن کا راہن کے ذمہ قرض کتنا تھا جتنا قرض تھا اتنا ساقط ہو جائے گا اور راہن کو مرتہن سے مزید رقم کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا، مثلاً قرض دس ہزار روپے تھا اور شی مرہون کی قیمت پندرہ ہزار روپے تھی اور شی مرہون ہلاک ہوگئی تو مرتہن کا دس ہزار روپے قرض ساقط ہو جائے گا اور پانچ ہزار ...

جوزیادہ تھے وہ مرتہن کے پاس امانت ہے اور امانت کا کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا اس لئے مرتہن پر پانچ ہزار روپے کا تاوان واجب نہیں ہوگا (مزید تفصیل کتاب الرہن مسئلہ (۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳) کے تحت ملاحظہ کریں) یہی صورت یہاں ہوگی کہ اگر مبیع کی بازاری قیمت دیئے ہوئے ثمن سے کم ہو تو جتنی بازاری قیمت ہوگی وہ ساقط ہو جائے گی اور اس سے زائد جو ثمن ہوگا وہ وکیل مؤکل سے وصول کرے گا، مثلاً مبیع کی بازاری قیمت ایک ہزار روپے ہے اور جو ثمن وکیل نے دیا ہے وہ پندرہ سو روپئے ہیں تو پانچ سو روپے وکیل مؤکل سے وصول کرے گا۔

(۲) امام محمد اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ضمان بیع کی طرح مضمون ہوگی یعنی جس طرح مبیع اگر بائع کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو مشتری کے ذمہ سے اس کا ثمن ساقط ہو جاتا ہے، مبیع کی قیمت خواہ ثمن سے کم ہو خواہ زیادہ ہو، اسی طرح جب وکیل کے قبضہ سے مبیع ہلاک ہو گئی تو مؤکل کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا۔

(۱۳۵۹/۱۹) وَاِذَا وَكَّلَ رَجُلٌ رَجُلَيْنِ فَلَيْسَ لِاَحَدِهِمَا اَنْ يَّتَصَرَّفَ فِيْمَا وُكِّلَا فِيْهِ دُوْنَ الْآخَرِ اِلَّا اَنْ يُّوَكِّلَهُمَا بِالْخُصُوْمَةِ اَوْ بِطَلَاقِ زَوْجَتِهٖ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْ بِعِتْقِ عَبْدِهٖ بِغَيْرِ عِوَضٍ اَوْ بِرَدِّ وَدِيْعَةٍ عِنْدَهٗ اَوْ بِقَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب وکیل بنائے کوئی دو آدمیوں کو تو ان میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں ہے ان امور میں تصرف کرنا جن میں وہ دونوں وکیل بنائے گئے دوسرے کے بغیر مگر یہ کہ دونوں کو وکیل بنائے جواب دہی کا یا بلا عوض اپنی بیوی کو طلاق دینے کا یا بغیر عوض کے اپنے غلام کو آزاد کرنے کا یا اپنے پاس کی امانت کے واپس کرنے کا یا اس پر جو قرض تھا اس کو ادا کرنے کا۔

ایک شخص کا ایک کلام سے دو وکیل مقرر کرنے کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دو آدمیوں کو ایک کلام کے ساتھ وکیل بنایا یعنی ایسے معاملات میں جن میں رائے اور مشورے کی ضرورت پڑتی ہے جیسے خرید و فروخت خلع، مضاربت وغیرہ تو ان دونوں وکیلوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی رائے کے بغیر اس شئی میں کا اختیار نہ ہوگا جس میں ان دونوں کو وکیل بنایا گیا ہے، کیوں کہ مؤکل ان دونوں کی رائے سے راضی ہوا تھا نہ کہ ایک کی رائے سے اور مؤکل نے دونوں کی رائے پر بھروسہ کیا ہے ایک کی رائے پر نہیں اس لیے دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے، لیکن صاحب قدوری نے پانچ صورتیں ایسی بیان کی ہیں کہ جہاں دو شخصوں کو وکیل کرنے کے باوجود ایک وکیل کا تصرف کرنا جائز ہے چوں کہ ان پانچ مثالوں میں صرف مؤکل کی بات پیش کرنا ہے رائے مشورے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے ایک ہی وکیل کام کرلے تو درست ہے، ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وکیل

بنایا لیکن ان میں سے ایک نے دوسرے کے بغیر مقدمہ پیش کر دیا تو یہ جائز ہے، کیوں کہ اگر دونوں ہی عدالت میں بولنے لگیں تو شور ہوگا اور آداب مجلس کے خلاف ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کو اس بات کا وکیل کرے کہ وہ دونوں بغیر عوض اس کی بیوی کو طلاق دے دے تو چوں کہ عوض کا کوئی لین دین نہیں ہے صرف شوہر کی بات کو نقل کرنا ہے جس سے طلاق پڑ جائے گی اس لیے اس میں دوسرے وکیل کی رائے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ اگر اپنے غلام کو بغیر عوض آزاد کرنے کا دو آدمیوں کو وکیل کیا تو بھی ان میں سے ایک وکیل آزاد کرنے کا مجاز ہے، چوتھی صورت یہ ہے کہ اپنے پاس کسی کی امانت ہے اور یہ آدمی دو آدمیوں کو اس امانت کے واپس کرنے کا وکیل کرے تو صرف ایک وکیل بھی اس امانت کو واپس کر سکتا ہے۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مؤکل پر جو قرض ہے اس کو ادا کرنے کے لئے مؤکل نے دو آدمیوں کو وکیل کیا تو ان دونوں میں سے صرف ایک وکیل قرض ادا کر سکتا ہے۔

(۱۳۶۰/۲۰) وَلَيْسَ لِلْوَكِيْلِ اَنْ يُوَكِّلَ فِيْمَا وُكِّلَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَاذَنَ لَهُ الْمُوَكِّلُ اَوْ يَقُوْلَ لَهُ اِعْمَلْ بِرَأْيِكَ.

ترجمہ: اور وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کام میں دوسرے کو وکیل کرے جس میں اس کو وکیل کیا گیا ہے مگر یہ کہ اجازت دے دے مؤکل یا کہہ دے مؤکل وکیل سے کہ اپنی رائے پر عمل کر۔

تشریح: وکیل کو جس کام میں وکیل کیا گیا ہے وہ وکیل اس کام میں دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہیں ہے کیوں کہ مؤکل کی طرف سے اسی کو تصرف کی اجازت ہے اور مؤکل نے اسی کی رائے پر اعتماد کیا ہے وکیل کے وکیل کی رائے پر نہیں، اس لیے وہ وکیل نہیں بنا سکتا، لیکن اگر مؤکل اپنے وکیل کو اس بات کی اجازت دے دے تو وکیل کے لئے وکیل کرنا جائز ہوگا یا مؤکل اپنے وکیل سے یہ کہہ دے کہ تو اپنی رائے پر عمل کر تو اس صورت میں بھی اس کے لئے وکیل کرنے کی اجازت ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں تصرف، علی الاطلاق، وکیل کی رائے کے سپرد کیا گیا ہے لہٰذا مؤکل کی اجازت اور حکم کے تحت وکیل کا اپنے علاوہ کو وکیل کرنا بھی داخل ہوگا۔

(۱۳۶۱/۲۱) فَاِنْ وَكَّلَ بِغَيْرِ اِذْنِ مُوَكِّلِهٖ فَعَقَدَ وَكِيْلُهٗ بِحَضْرَتِهٖ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر وکیل اول مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرا وکیل کرے پھر وکیل اول کی موجودگی میں اس کے وکیل نے کوئی معاملہ کیا تو جائز ہے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر وکیل نے اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر کسی کو اسی معاملہ میں وکیل کر دیا جس میں خود اس کو وکیل کیا گیا تھا اور وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں وہ کام کیا تو یہ عقد جائز اور

درست ہو جائے گا، کیوں کہ مؤکل کا مقصود تھا کہ وکیل اول کی رائے موجود ہو اور جب دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں کام کیا تو پہلے وکیل کی رائے اس کام میں شامل ہو گئی، تو مؤکل کا مقصود حاصل ہو گیا گویا کہ پہلے وکیل نے کام انجام دیا۔

(۲۲/۱۳۶۲) وَاِنْ عَقَدَ بِغَيْرِ حَضْرَتِهٖ فَاَجَازَهُ الْوَكِيْلُ الْاَوَّلُ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر وکیل ثانی وکیل اول کی غیر موجودگی میں عقد کرے پھر وکیل اول اس کی اجازت دے دے تو درست ہے۔

تشریح: وکیل نے بغیر مؤکل کی اجازت کے وکیل کر لیا تھا پھر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں کام انجام دیا اور وکیل اول نے اس کام کو پسند کیا اور اجازت دے دی تو یہ عقد جائز اور نافذ ہو جائے گا، کیوں کہ وکیل اول کی رائے کا شامل ہونا اصل تھا وہ ہو گیا۔

(۲۳/۱۳۶۳) وَلِلْمُوَكِّلِ اَنْ يَّعْزِلَ الْوَكِيْلَ عَنِ الْوَكَالَةِ.

ترجمہ: اور مؤکل کے لئے جائز ہے کہ معزول کر دے وکیل کو وکالت سے۔

تشریح: امام ابوالحسین قدوری فرماتے ہیں کہ مؤکل کو اختیار ہے کہ وہ اپنے وکیل کو وکالت سے الگ تھلگ کر دے کیوں کہ وکالت مؤکل کا حق ہے اور ہر صاحب حق کو اپنا حق ختم کرنے کا اختیار ہوتا ہے لہٰذا مؤکل کو بھی اپنا حق وکالت ختم کرنے کا پورا پورا اختیار ہوگا۔

(۲۴/۱۳۶۴) فَاِنْ لَّمْ يَبْلُغْهُ الْعَزْلُ فَهُوَ عَلٰى وَكَالَتِهٖ وَتَصَرُّفُهٗ جَائِزٌ حَتّٰى يَعْلَمَ.

ترجمہ: پھر اگر وکیل کو معزول ہونے کی خبر نہ پہنچے تو وہ اپنی وکالت پر ہے اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اس کا علم ہو جائے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مؤکل نے اپنے وکیل کو معزول کیا اور وکیل کو اپنے معزول ہونے کی خبر نہ ہو تو وکیل معزول شمار نہ ہوگا بلکہ وہ اپنی وکالت پر باقی رہے گا اور اس درمیان اس کا خریدنا بیچنا جائز ہوگا، البتہ جب اس کو اپنا معزول ہونا معلوم ہو جائے تو وہ وکیل نہ رہے گا اور اس کے بعد اس کا تصرف جائز نہ ہوگا، وکیل کو اپنے معزول ہونے کا علم اس لیے ضروری ہے کہ اگر اس کو علم نہ ہو اور اس کی معزولی کا اعتبار بھی کر لیا گیا تو عزل کے بعد جو بھی تصرف ہوگا وہ خود وکیل ہی کے لئے واقع ہوگا اور وکیل ثمن ادا کرنے کی صورت میں ثمن کا ضامن ہوگا، اور مبیع سپرد کرنے کی صورت میں مبیع کا ضامن ہوگا اور اس ضمان کی وجہ سے وکیل نقصان میں مبتلا ہوگا اور شرعاً نقصان کو دور کیا جاتا ہے لہٰذا وکیل کے مذکورہ نقصان کو دور کرنے کے لئے بغیر وکیل کو اطلاع دیئے اس کو معزول کرنا معتبر نہ ہوگا۔

(۲۵/۱۳۶۵) وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِمَوْتِ الْمُوَكِّلِ وَجُنُوْنِهٖ جُنُوْنًا مُطْبِقًا وَلِحَاقِهٖ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا.

حل لغت: مطبقاً: میم کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ اور باء کے فتحہ کے ساتھ بھی منقول ہے، عقل کو ڈھانکنے والا جنون مکمل پاگل جس میں کافی دیر تک افاقہ نہ ہوتا ہو۔

ترجمہ: اور باطل ہو جاتی ہے وکالت مؤکل کے مرنے اور اس کے بالکل پاگل ہو جانے اور اس کے مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے سے۔

وہ امور جو وکالت کو باطل کر دیتے ہیں

تشریح: صاحب کتاب یہاں سے ان امور کو ذکر کرتے ہیں جو وکالت کو باطل کر دیتے ہیں چناں چہ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ چند صورتوں میں وکالت باطل ہو جاتی ہے، ایک یہ کہ مؤکل مر گیا دوم یہ کہ مؤکل چوبیس گھنٹہ دیوانہ رہنے لگا سوم یہ کہ مؤکل مرتد ہو کر دالحرب میں رہنے لگا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ بھی کر دیا ان تینوں صورتوں میں وکیل کو معزول ہونے کی خبر ہونا ضروری نہیں ہے بغیر خبر ملے بھی وکیل کی وکالت باطل ہو جائے گی، کیوں کہ وکیل فرع ہے اور مؤکل اصل ہے اور اصل میں کام کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی تو وکیل جو فرع ہے اس میں کام کرنے کی اہلیت کیسے باقی رہے گی، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے جنون کو مطبق کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی ایسا جنون ہو جو چوبیس گھنٹہ موجود رہتا ہو، کیوں کہ اگر ایسا جنون ہے جو کچھ وقت کے لئے رہتا ہو اور ختم ہو جاتا ہو تو ایسے جنون کی وجہ سے وکالت باطل نہ ہوگی۔

جنون مطبق کی حد میں اختلاف

امام ابو یوسف کے نزدیک ایک ماہ ہے، کیوں کہ اگر کوئی ایک ماہ مجنون رہا تو اس کے ذمہ سے رمضان کے روزہ ساقط ہو جاتے ہیں، جب وہ عبادات الٰہی کے خطاب کا اہل نہیں ہے تو دنیاوی معاملات کا اہل بھی نہ ہوگا، امام محمدؒ نے فرمایا کہ جنون مطبق کی حد ایک سال کی مدت ہے، کیوں کہ پورے ایک سال مجنون رہنے والے آدمی سے تمام عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۳۲)

نوٹ: حاکم اور امیر کے جتنے وکیل ہیں ان کے مرنے سے وکیلوں کی وکالت ختم نہیں ہوگی وہ اپنی وکالت پر جوں کے توں رہیں گے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ تمام وکلاء اپنی اپنی جگہ پر کام کرتے رہے کوئی آپ کی وفات سے معزول نہیں ہوا۔

(۲۶/۱۳۶۶) وَاِذَا وَكَّلَ الْمُكَاتَبُ رَجُلًا ثُمَّ عَجَزَ اَوِ الْمَاذُوْنُ لَهٗ فَحُجِرَ عَلَيْهِ اَوِ الشَّرِيْكَانِ فَافْتَرَقَا

فَهٰذِهِ الْوُجُوْهُ كُلُّهَا تُبْطِلُ الْوَكَالَةَ عَلِمَ الْوَكِيْلُ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ.

ترجمہ: اور جب وکیل کیا مکاتب نے کسی کو پھر وہ عاجز ہو گیا یا ماذون غلام نے (وکیل بنایا) پھر وہ مجور ہو گیا یا دو شریکوں نے (وکیل بنایا) پھر وہ دونوں جدا ہو گئے تو یہ سب صورتیں وکالت کو باطل کر دیتی ہیں وکیل کو علم ہو یا نہ ہو۔

تشریح: اگر مکاتب نے کسی کو وکیل بنایا اور پھر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا یعنی پھر سے غلام بن گیا، تو اس کا جو وکیل تھا وہ خود بخود معزول ہو جائے گا چاہے اس کو اپنے مؤکل کے عاجز ہونے کی خبر ہو یا نہ ہو، اسی طرح غلام کو تجارت کی اجازت تھی اس نے کسی کو وکیل کیا پھر آقا نے اس کو تجارت کرنے سے روک دیا تو روک لگاتے ہی غلام کے وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی یا دو شریکوں میں سے ایک نے کسی تیسرے آدمی کو وکیل کیا پھر وہ دونوں جدا ہو گئے یعنی شرکت باقی نہ رہی، تو وکیل کی وکالت ختم ہو جائے گی۔

دلیل: وکیل بحال رکھنے کے لئے خود مؤکل میں اہلیت بحال رہنا ضروری ہے مذکورہ تمام صورتوں میں مؤکل میں عقد کرنے کی اہلیت باقی نہیں رہی اس لیے مذکورہ تمام صورتوں میں وکالت باطل ہو جائے گی، اور ان تمام صورتوں میں وکیل کے علم اور عدم علم میں فرق اس لیے نہیں کیا گیا کہ اگر مؤکل بالقصد اور بالاختیار اپنے وکیل کو معزول کرے تو معزول ہونے کے لئے وکیل کا جاننا ضروری ہے، اور اگر مؤکل کے اختیار اور ارادہ کے بغیر ہی وکیل معزول ہوا جیسا کہ متن میں مذکورہ صورتوں میں ہے تو پھر وکیل کا جاننا ضروری نہیں ہے یعنی مذکورہ تمام صورتوں میں وکیل کا معزول ہونا غیر اختیاری ہے اور وکیل کا جاننا عزل اختیاری کے لئے شرط ہے۔ (اشرف الہدایہ ۱۰/۳۸۱)

(۱۳۶۷/۲۷) وَاِذَا مَاتَ الْوَكِيْلُ اَوْ جُنَّ جُنُوْناً مُطْبِقاً بَطَلَتْ وَكَالَتُهٗ.

ترجمہ: اور اگر وکیل مر جائے یا بالکل دیوانہ ہو جائے تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: اس عبارت میں ان عوارض کا بیان ہے جو وکیل کی جانب سے وکالت باطل کرنے والے ہیں چنانچہ فرمایا کہ اگر وکیل مر گیا یا اس کو جنون مطبق ہو گیا تو وکالت باطل ہو جائے گی، کیوں کہ وکالت کی صحت کے لئے اہلیت تصرف کا ہونا ضروری ہے جب جنون مطبق اور مر جانے کے بعد اہلیت تصرف ختم ہو گئی تو وکالت خود بخود باطل ہو جائیگی۔

(۱۳۶۸/۲۸) وَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا لَمْ يَجُزْ لَهُ التَّصَرُّفُ اِلَّا اَنْ يَعُوْدَ مُسْلِماً.

ترجمہ: اور اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تو اس کے لئے تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آ جائے۔

تشریح: وکیل مسلمان تھا مرتد ہو کر دار الحرب میں جا ملا اور قاضی نے اس کے دار الحرب میں چلے جانے کا فیصلہ کر دیا، تو اب وہ وکیل نہیں رہے گا لیکن اگر مسلمان ہو کر واپس دار الاسلام آ جائے تو کیا وہ دوبارہ بحال ہو سکتا ہے یا

نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام محمدؒ نے فرمایا کہ مسلمان ہوکر واپس آنے کی صورت میں دوبارہ وکیل بحال ہوسکتا ہے کیوں کہ وہ عاقل بالغ اور آزاد ہے تو اہلیت تصرف ختم نہیں ہوئی تھی صرف دارالحرب چلے جانے کی وجہ سے عقد کرنے سے عاجز تھا لیکن جب مسلمان ہوکر واپس آ گیا تو اب عاجز نہ رہا اس لیے عقد کرسکتا ہے، یعنی حالت ارتداد کی وکالت موقوف رہے گی مسلمان ہوکر واپس آنے پر بحال ہوجائے گی۔

(۲) امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ دارالحرب چلے جانے کی وجہ سے گویا کہ وہ مردہ ہوگیا اس لیے پہلی وکالت ختم ہوجائے گی البتہ مؤکل نئے سرے سے وکیل بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے۔

لم یجز له التصرف: شیخ الاسلام نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ اگر وکیل مرتد ہوکر چلا گیا تو وہ تمام ائمہ کے نزدیک معزول عن الوکالۃ نہیں ہوگا جب تک کہ قاضی اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم نہ دے دے۔

(اللباب ۲/۷۲)

الا ان یعود مسلماً: وکیل مرتد ہوکر دارالحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کے چلے جانے کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ وہ مسلمان ہوکر دوبارہ دارالاسلام آ گیا تو واپس آنے پر بالاتفاق وکالت بحال ہوجائے گی، اور اگر قاضی نے اس کے دارالحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا اور پھر مسلمان ہوکر واپس آ گیا تو وہ دوبارہ بحال ہوسکتا ہے یا نہیں تو اس بارے میں دو مذہب ہیں جو ماقبل میں آ چکے ہیں۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۴)

(۱۳۶۹/۲۹) وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِشَيْءٍ ثُمَّ تَصَرَّفَ الْمُوَكِّلُ بِنَفْسِهٖ فِيْمَا وَكَّلَ بِهٖ بَطَلَتِ الْوَكَالَةُ.

ترجمہ: اگر کسی نے دوسرے کو کسی کام کا وکیل کیا پھر مؤکل نے خود ہی وہ کام کرلیا جس کام کا وکیل کیا تھا تو وکالت باطل ہوجائے گی۔

تشریح: اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کسی کام کا وکیل کیا پھر جس کام کے لئے وکیل کیا تھا مؤکل نے اس کو خود ہی کرلیا تو وکالت باطل ہوگئی، کیوں کہ جب مؤکل نے خود ہی تصرف کرلیا تو وکیل کے لئے تصرف کرنا متعذر ہوگیا اس لیے وکالت باطل ہوجائے گی۔

(۱۳۷۰/۳۰) وَالْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لَايَجُوْزُ لَهٗ اَنْ يَعْقِدَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ مَعَ اَبِيْهِ وَجَدِّهٖ وَوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ وَعَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَجُوْزُ بَيْعُهٗ مِنْهُمْ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ اِلَّا فِيْ عَبْدِهٖ وَمُكَاتَبِهٖ.

ترجمہ: بیچنے اور خریدنے کے وکیل کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عقد کرے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اپنے

باپ اپنے دادا اپنے بیٹے اپنے پوتے اپنی بیوی اپنے غلام اور اپنے مکاتب غلام کے ساتھ، اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے وکیل کا بیچنا ان کے ساتھ پوری قیمت پر مگر اپنے غلام اور مکاتب میں (جائز نہیں ہے)۔

وہ امور جو خرید وفروخت کے وکیل کے لئے ناجائز ہیں

تشریح: اگر ایک شخص نے کسی کو بیچنے یا خریدنے یا دونوں کا وکیل کیا تو وہ کن لوگوں کے ساتھ معاملہ کرے امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وکیل ان لوگوں کے ساتھ معاملہ نہ کرے جن کی گواہی وکیل کے حق میں مقبول نہیں ہے مثلاً اپنے باپ دادا اولاد پوتا بیوی غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ خرید وفروخت نہ کرے۔

دلیل: ان تمام لوگوں سے وکیل کا رشتہ بہت قریب کا ہے مؤکل کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں سے مہنگا خریدا ہو یا سامان انہیں سستا بیچا ہو چوں کہ اس تہمت کا امکان ہے اس بنیاد پر ان لوگوں سے خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو اتنی قیمت میں بیچ سکتا ہے یا خرید سکتا ہے جتنی بازار میں اس چیز کی قیمت ہے جس کو مثل قیمت کہتے ہیں البتہ اپنے غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ مثل قیمت پر خرید وفروخت کرنا صاحبین کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔

دلیل: مؤکل نے مطلقاً بیچنے خریدنے کا وکیل کیا ہے اور اس کا پابند نہیں بنایا کہ فلاں کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت ہے اور فلاں کے ساتھ اجازت نہیں ہے تو یہ توکیل ہر شخص کو شامل ہوگی اس لیے ان رشتہ داروں کے ساتھ مثل قیمت پر خرید وفروخت کر سکتا ہے، ہاں اپنے غلام اور مکاتب کے ساتھ خرید وفروخت درست نہیں ہے کیوں کہ غلام اور جو کچھ غلام کے قبضہ میں ہے وہ سب آقا کی ملک ہوتا ہے اس میں دوسرے کا کوئی حق نہیں ہوتا تو وکیل کا اپنے غلام کے ہاتھ فروخت کرنا ایسا ہے جیسا کہ وکیل کا خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح وکیل کا اپنے مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے کیوں آقا کا اپنے مکاتب کی کمائی میں حق ہوتا ہے تو آقا (وکیل) کا اپنے مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنا بھی خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا ہے اس لئے اپنے مکاتب کے ہاتھ خرید وفروخت بھی ناجائز ہے۔

(۳۱/۱۳۷۱) وَالْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ يَجُوْزُ بَيْعُهُ بِالْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَايَجُوْزُ بَيْعُهُ بِنُقْصَانٍ لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِىْ مِثْلِهٖ.

لغت: لایتغابن الناس: جتنے میں لوگ عام طور پر دھوکہ نہ کھاتے ہوں جتنے کا رواج نہ ہو۔

ترجمہ: اور بیچنے کے وکیل کے لئے جائز ہے فروخت کرنا کمی بیشی کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا نہیں جائز ہے اس کا بیچنا اتنی کمی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح: کسی آدمی نے دوسرے کو کسی چیز کے بیچنے کا وکیل بنایا تو امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ اس چیز کو کم قیمت میں بیچے یا زیادہ قیمت میں اور یا کسی سامان مثلاً اناج یا جانور کے عوض فروخت کرے نقد ادھار ہر طرح بیچنا درست ہے۔

دلیل: مؤکل نے مطلقاً وکیل بنایا ہے یعنی کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں ہے اس لیے کمی بیشی جیسے بھی فروخت کرے گا بیع درست ہوگی۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۲۶)

صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنی کمی میں بیچنا درست نہیں ہوگا جتنی کمی میں اس جیسی مبیع کو بیچنے کا عام رواج نہ ہو۔

دلیل: مؤکل نے اگرچہ مطلقاً کہا ہے کہ اس چیز کو بیچو مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عرف عام میں اس چیز کی جتنی قیمت ہے اس کے عوض بیچواتنے میں مت بیچو جتنے کا رواج نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۲۶)

صاحب اللباب نے بزاریہ کے حوالہ سے فتوی صاحبین کے قول پر نقل کیا ہے مگر امام نسفی، امام محبوبی، صدر الشریعہ وغیرہ نے امام صاحب کے قول کو قابل اعتماد اور پسند کیا ہے۔ (اللباب ۲/۷۲)

(۳۲/۱۳۷۲) وَالْوَكِيْلُ بِالشِّرَاءِ يَجُوْزُ عَقْدُهُ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ وَزِيَادَةٍ يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهَا وَلَا يَجُوْزُ بِمَا لَايَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيْ مِثْلِهِ.

ترجمہ: خرید کے وکیل کا معاملہ کرنا جائز ہے برابر قیمت اور اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج ہو اور نہیں جائز ہے اتنی زیادتی کے ساتھ جس کا لوگوں میں رواج نہ ہو۔

تشریح: اگر کسی نے ایک شخص کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو اس وکیل کے لئے اتنی زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز ہوگا جتنے کا رواج ہے یا اتنی زیادتی کے ساتھ جس کو لوگ برداشت کر لیتے ہیں اس سے زیادہ قیمت دے کر خریدنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ یہاں تہمت کا امکان ہے یعنی اس بات کا امکان ہے کہ وکیل نے اپنے لئے خریدی مگر جب دیکھا کہ اس میں تو نقصان ہے تو مؤکل کے ذمہ ڈال دی۔

(۳۳/۱۳۷۳) وَالَّذِیْ لَایَتَغَابَنُ النَّاسُ فِیْهِ لَایَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِیْمِ الْمُقَوِّمِیْنَ.

ترجمہ: اور وہ خسارہ جس کو لوگ نہیں اٹھاتے ہیں وہ ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت لگانے میں داخل نہ ہو۔

تشریح: غبن کی دو قسمیں ہیں (۱) غبن فاحش (۲) غبن یسیر، صاحب قدوریؒ نے لایتغابن الناس فیہ سے غبن فاحش کو تعبیر کیا ہے، غبن فاحش ایسے خسارہ کا نام ہے جو ماہرین تجارت کے اندازے میں داخل نہ ہو یعنی جو لوگ تجارت کے ماہر ہیں ان میں سے کوئی شخص اس قدر مال کے عوض اندازہ نہ کرے جب غبن فاحش کی تعریف مالا یدخل تحت تقویم المقومین ہے تو غبن یسیر کی تعریف مایدخل تحت تقویم المقومین ہوگی، یعنی جو قیمت لگانے کے ماہرین ہیں ان کی

قیمت لگانا جہاں تک پہنچے جو ماہرین تجارت کے اندازے میں آئے وہ غبن یسیر ہے۔

(۱۳۷۴/۳۴) وَاِذَا ضَمِنَ الْوَكِيْلُ بِالْبَيْعِ الثَّمَنَ عَنِ الْمُبْتَاعِ فَضَمَانُهُ بَاطِلٌ.

ترجمہ: اور اگر ضامن ہو جائے بیچنے کا وکیل قیمت کا مشتری کی طرف سے تو اسکا ضمان باطل ہے۔

تشریح: ایک شخص کسی چیز کے بیچنے کا وکیل تھا پھر اس کو بیچ کر مشتری کی جانب سے خود ہی قیمت کا ذمہ دار بن گیا کہ میں خود ہی قیمت دے دوں گا تم بے فکر رہنا تو اس طرح ضامن بننا باطل ہے، کیوں کہ وکیل کے پاس مبیع امانت کے طور پر تھی اور جب اس کی قیمت کا ذمہ دار بنا تو وہ ضمانت کے طور پر ہو جائے گی اور امانت وضمانت میں تضاد ہے اس لیے ضامن بننا باطل ہے۔ (اللباب ۲/۳/۷)

(۱۳۷۵/۳۵) وَاِذَا وَكَّلَهُ بِبَيْعِ عَبْدِهٖ فَبَاعَ نِصْفَهُ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنایا اپنے غلام کے بیچنے کا وکیل نے اس کا آدھا بیچ دیا تو جائز ہے امام صاحب کے نزدیک۔

وکالت کے متفرق مسائل

تشریح: ایک شخص نے کسی کو مطلق غلام فروخت کرنے کا وکیل بنایا اس وکیل نے پورا غلام فروخت نہ کر کے آدھا غلام فروخت کر دیا تو بیع صحیح ہوگی یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع درست ہے۔

دلیل: مطلق لفظ دونوں کو شامل ہے یعنی آدھا بیچنا اور پورا بیچنا دونوں کو شامل ہے اس لیے آدھا بھی بیچ سکتا ہے اور پورا بھی۔

(۲) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اولاً آدھا بیچا اور جھگڑے سے پہلے باقی آدھا بیچا تو درست ہے اور اگر جھگڑے سے قبل باقی آدھا نہ بیچ سکا تو پہلا آدھا بیچنا درست نہیں، کیوں کہ آدھا غلام فروخت کرنے سے غلام مؤکل اور مشتری کے درمیان مشترک ہو گیا اور وکیل نے آدھا بیچ کر شرکت کا ضرر کیا اس لیے آدھا بیچنا جائز نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۲۶، الجوہرہ ۱/۳۷۰)

محقق طائی کا قول ہے کہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۳)

(۱۳۷۶/۳۶) وَاِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ وَاشْتَرٰى نِصْفَهُ فَالشِّرَاءُ مَوْقُوْفٌ فَاِنِ اشْتَرٰى بَاقِيَهُ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ.

ترجمہ: اور اگر وکیل کرنے کسی غلام کے خریدنے کا اور وہ آدھا خریدے تو یہ خریداری موقوف ہوگی اب اگر وہ بقیہ آدھا خرید لے تو مؤکل کو لازم ہوگا۔

تشریح: ایک آدمی نے کسی کو غلام خریدنے کا وکیل بنایا لیکن وکیل نے پورا غلام خریدنے کے بجائے آدھا غلام خرید لیا تو بالاتفاق یہ خریداری موقوف ہوگی اب اگر اس وکیل نے باقی آدھا بھی خرید لیا تو مؤکل کو یہ غلام لازم ہوگا اور اگر باقی آدھا نہ خرید سکا تو یہ آدھا مؤکل کو لازم نہ ہوگا بلکہ یہ آدھا خود وکیل کے لئے ہو جائے گا۔

دلیل: یہاں اس بات کا قوی امکان ہے کہ آدھا وکیل نے اپنے لئے خریدا تھا لیکن پھر اس کو خسارہ نظر آیا تو مؤکل کے ماتھے پر ڈال دیا اور مؤکل کو شرکت کے نقصان میں پھنسا دیا اس لیے یہ آدھا خریدنا مؤکل کو لازم نہ ہوگا۔

(۱۳۷۷/۳۷) وَاِذَا وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَشَرَةِ اَرْطَالِ لَحْمٍ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرىٰ عِشْرِيْنَ رِطْلًا بِدِرْهَمٍ مِنْ لَحْمٍ يُبَاعُ مِثْلُهُ عَشَرَةُ اَرْطَالٍ بِدِرْهَمٍ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ مِنْهُ عَشَرَةٌ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَلْزَمُهُ الْعِشْرُوْنَ.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنایا دس رطل گوشت خریدنے کا ایک درہم میں اس نے خرید لیا بیس رطل ایک درہم میں ایسا گوشت جو بیچا جاتا ہو دس رطل ایک درہم کے بدلے تو مؤکل کو دس رطل گوشت آدھے درہم میں اس سے لینا لازم ہوگا امام صاحب کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا لازم ہوگا مؤکل کو بیس رطل۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کو ایک درہم میں دس رطل گوشت خریدنے کے لئے وکیل بنایا وکیل نے ایک درہم میں ایسا ہی عمدہ گوشت جو ایک درہم میں دس رطل بکتا ہو ہوشیاری سے ایک درہم میں بیس رطل خرید لیا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بیس رطل مؤکل کو لازم ہوگا یا آدھے درہم کے بدلہ دس رطل لازم ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ اس بارے میں صاحب قدوری نے دو مذہب نقل فرمائے ہیں۔

(۱) حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ آدھے درہم کے عوض دس رطل گوشت کی خریداری تو مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی اور دس رطل کی خریداری وکیل پر نافذ ہوگی۔

دلیل: مؤکل کو صرف دس رطل گوشت کی ضرورت تھی اسی لئے اس نے وکیل کو دس رطل گوشت خریدنے کا حکم دیا ہے اور مؤکل کا خیال یہ تھا کہ دس رطل گوشت ایک درہم میں مل جائے گا اس لیے ایک درہم دے دیا مگر اس کے گمان کے خلاف دس رطل گوشت آدھے درہم میں مل گیا اور وکیل نے دس رطل خریدنے کے بجائے بیس رطل خرید کر مؤکل کے حکم کی خلاف ورزی کی اس لیے دس رطل وکیل کو لینا پڑے گا اور آدھا درہم وکیل مؤکل کو جیب سے دے گا۔ (الجوہرة النیرة ۱/۳۷۰، اللباب ۲/۳۷، عینی شرح کنز ۲/۱۲۳)

(۲) صاحبین اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ پورے بیس رطل گوشت کی خریداری ایک درہم کے عوض مؤکل پر لازم

اور نافذ ہوگی۔

دلیل: مؤکل نے وکیل کو گوشت خریدنے کے سلسلہ میں ایک درہم خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، کہ چاہے دس رطل آجائے یا بیس رطل آجائے مؤکل کا خیال تھا کہ ایک درہم کے عوض دس رطل ہی گوشت آتا ہوگا اس لیے دس رطل لانے کے لئے کہا اب اگر وکیل ایک درہم میں بیس رطل لے آیا تو مؤکل کے حق میں فائدہ ہی پہنچایا، لہٰذا وکیل کی پوری خریداری مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی۔ (اللباب ۲/۷۳)

نسخوں کا اختلاف: قدوری کے بعض نسخوں میں ہے کہ امام محمد کا قول امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے اور ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے، لیکن اس کی شرح میں ہے کہ امام ابو یوسف امام ابوحنیفہ کے ساتھ ہیں اور امام محمدؒ تنہا ہیں۔ (الجوہرة النیرة ۱/۳۷۱)

نوٹ: اگر وکیل نے ایک درہم میں بیس رطل گوشت ایسا گھٹیا خریدا کہ ایک درہم کے عوض بیس رطل ہی بکتا ہے یعنی اس گوشت جیسا نہیں ہے جو ایک درہم کے عوض دس رطل ہی بکتا ہے تو چوں کہ وکیل نے مؤکل کے حکم کی مخالفت کی ہے لہٰذا اس صورت میں پورے گوشت کی خریداری وکیل پر نافذ ہوگی، اور مؤکل پر نافذ نہ ہوگی۔ (عینی ۲/۱۲۳)

(۱۳۷۸/۳۸) وَاِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِعَيْنِهٖ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَشْتَرِيَهُ لِنَفْسِهٖ.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنائے کسی متعین چیز کے خریدنے کے لئے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو اپنے لئے خریدے۔

تشریح: اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کسی متعین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو وکیل کے لئے اس متعینہ چیز کو اپنے واسطے خریدنا جائز نہیں ہے حتی کہ اگر وکیل نے اس چیز کو اپنے واسطے خرید بھی لیا تو یہ خریداری مؤکل کے لئے ہوگی نہ کہ وکیل کے لئے، اصل مسئلہ پر دلیل یہ ہے کہ متعینہ چیز کے خریدنے کے سلسلہ میں مؤکل نے وکیل پر بھروسہ کیا ہے مگر وکیل نے اپنے لئے خرید کر مؤکل کو دھوکہ دیا ہے اور دھوکہ دینا جائز نہیں ہے، لہٰذا وکیل کا اس چیز کو اپنے واسطے خریدنا جائز نہ ہوگا۔

(۱۳۷۹/۳۹) وَاِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِغَيْرِ عَيْنِهٖ فَاشْتَرٰى عَبْدًا فَهُوَ لِلْوَكِيْلِ اِلَّا اَنْ يَقُوْلَ نَوَيْتُ الشِّرَاءَ لِلْمُوَكِّلِ اَوْ يَشْتَرِيَهُ بِمَالِ الْمُوَكِّلِ.

ترجمہ: اور اگر وکیل بنائے کسی غیر معین غلام کو خریدنے کے لئے پھر خرید لے کسی غلام کو تو وہ وکیل ہی کے لئے ہوگا مگر یہ کہ کہے میں نے مؤکل کے لئے خریدنے کی نیت کی تھی یا یہ کہ اس کو مؤکل کے مال سے خریدے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو غیر معین غلام خریدنے کا وکیل کیا پھر وکیل

نے ایک غلام خرید لیا تو یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی اور وکیل ہی اس غلام کا مالک ہوگا کیوں کہ عموماً آدمی اپنے لئے ہی خریدتا ہے لیکن اگر وکیل یہ کہے کہ میں نے خریدتے وقت مؤکل کی نیت کی تھی یا وکیل اس غلام کو مؤکل کے مال سے خریدے تو ان دونوں صورتوں میں یہ غلام مؤکل کا ہوگا۔

(۱۳۸۰/۴۰) **وَالْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ وَكِيْلٌ بِالْقَبْضِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی.**

ترجمہ: اور جوابدہی کا وکیل قبضہ کا بھی وکیل ہے، امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

وکیل بالخصومت وکیل بالقبض نہ ہوگا

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص پر قرض کا دعویٰ کیا اور مدعی نے خصومت اور مقدمہ کی پیروی کے لئے کسی کو وکیل کیا اب اگر مدعی علیہ پر قرض ثابت ہوگیا تو یہ وکیل بالخصومت اس قرض کو وصول کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوسکتا ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) جمہور احناف کے نزدیک جو شخص خصومت کا وکیل بنایا جائے وہ خود بخود قبضہ کا وکیل بھی ہوتا جاتا ہے۔

دلیل: اگر کسی شخص کو کسی چیز کا مالک بنایا گیا تو وہ اس کو مکمل کرنے کا بھی مالک ہوگا، لہٰذا خصومت کا وکیل خصومت کو مکمل کرنے کا وکیل ہوگا اور خصومت کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے اس لیے قبضہ کرنے کا بھی وکیل ہوگا۔ (عینی شرح کنز ۲/ ۱۲۹، الجوہرۃ ۲/۱ ۳۷۲)

(۲) امام زفر فرماتے ہیں کہ خصومت کا وکیل قبضہ کا وکیل نہ ہوگا، اس لیے کہ آج کل وکیلوں میں خیانت زیادہ ہوگئی اور قبضہ کے بارے میں ہر شخص پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، متاخرین فقہاء نے فساد زمانہ کی وجہ سے امام زفر کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ (عینی ۲/ ۱۲۹، الجوہرۃ النیرۃ ۲/۱ ۳۷۲، البحر الرائق ۷/ ۱۷۸)

(۱۳۸۱/۴۱) **وَالْوَكِيْلُ بِقَبْضِ الدَّيْنِ وَكِيْلٌ بِالْخُصُوْمَةِ فِيْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.**

ترجمہ: اور قرض پر قبضہ کا وکیل قرض کی بابت جواب دہی کا بھی وکیل ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: قرض پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا تو یہ شخص خصومت کا بھی وکیل ہوگا یا نہیں؟ اسکے متعلق دو مذہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرض کا وکیل مقدمہ اور خصومت کا بھی وکیل ہوگا۔

(۲) صاحبین کے نزدیک قرض پر قبضہ کا وکیل مقدمہ کا وکیل نہیں ہوگا، ائمہ ثلاثہ اور امام زفر کا مذہب بھی یہی ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/ ۱۲۹)

امام صاحب کی دلیل: قرض پر قبضہ کرنے کے لئے بعض مرتبہ مقدمہ بھی لڑنا پڑتا ہے اور ماقبل میں یہ بات آچکی ہے کہ اگر کسی آدمی کو کسی چیز کا مالک بنا دیا تو وہ اس کو مکمل کرنے بھی مالک ہوگا، اس لیے قرض کا وکیل مقدمہ کا بھی وکیل ہوگا۔

صاحبین کی دلیل: قرض پر قبضہ کرنا الگ چیز ہے اور مقدمہ کرنا الگ چیز ہے قرض پر قبضہ کرنا دیانتدار اور امانت دار کا کام ہے اور مقدمہ کرنا ماہر قانون کا کام ہے بہت سے لوگ مانت ودیانت میں قابل اطمینان ہوتے ہیں لیکن مقدمات کی پیروی میں بالکل چوپٹ ہوتے ہیں، اس لیے قبضہ کا وکیل مقدمہ کا وکیل نہیں ہوگا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۳۷۲/۱)

(۱۳۸۲/۴۲) وَاِذَا اَقَرَّ الْوَكِيْلُ بِالْخُصُوْمَةِ عَلٰى مُوَكِّلِهٖ عِنْدَ الْقَاضِىْ جَازَ اِقْرَارُهٗ وَلَايَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِىْ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا اَنَّهٗ يَخْرُجُ مِنَ الْخُصُوْمَةِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَجُوْزُ اِقْرَارُهٗ عَلَيْهِ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِىْ.

ترجمہ: اور جب اقرار کرے جواب دہی کا وکیل کسی چیز کا اپنے مؤکل کے ذمہ قاضی کے پاس تو اس کا اقرار جائز ہے اور جائز نہیں ہے وکیل کا اقرار مؤکل کے ذمہ قاضی کے علاوہ کے پاس، طرفین کے نزدیک مگر وکیل وکالت سے خارج ہوجائے گا، اور امام ابو یوسف نے فرمایا جائز ہے وکیل کا اقرار کرنا مؤکل پر قاضی کے علاوہ کے پاس بھی۔

کیا وکیل بالخصومت اپنے مؤکل کے خلاف اقرار کرسکتا ہے؟

تشریح: ایک شخص نے کسی کو وکیل کیا کہ آپ میری جانب سے قاضی کے سامنے خصومت اور مقدمہ کے وکیل ہیں، اب اس خصومت کے وکیل نے اپنے مؤکل کے خلاف قاضی کی عدالت میں اقرار کیا تو وکیل کا یہ اقرار مؤکل کے خلاف جائز ہے، وکیل اگر مدعی کا ہو تو وکیل کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ مدعی یعنی مؤکل نے مال پر قبضہ کرلیا ہے اور اگر مدعی علیہ کا وکیل ہو تو اقرار کا مطلب یہ ہے کہ وکیل اپنے مؤکل یعنی مدعی علیہ پر مال کے وجوب کا اقرار کرے یا وکیل اپنے مؤکل پر حدود وقصاص کے علاوہ کسی اور چیز کا اقرار کرے تو یہ سب اقرار درست ہیں اور اقرار کردہ شی مؤکل پر لازم ہوگی اور قاضی کی عدالت سے باہر کسی اور کے سامنے اقرار غیر معتبر ہوگا لیکن وکیل وکالت سے خارج ہوجائے گا اور مدعی علیہ پر مال ثابت ہونے کی صورت میں وکیل کو یہ مال نہیں دیا جائے گا کیوں کہ وکیل کے خیال کے مطابق مدعی اپنے دعوی میں جھوٹا ہے تو پھر یہ مدعی کا وکیل کیسے ہوسکتا ہے اور جب وکیل نہیں رہا تو یہ مال پر قبضہ کرنے کا مجاز بھی نہ ہوگا۔

اصل مسئلہ پر دلیل یہ ہے کہ یہ خصومت کا وکیل ہے اور خصومت ہوتی ہے قاضی کی مجلس میں اس لیے قاضی کی مجلس میں ہی اقرار کا اعتبار ہوگا تا کہ خصومت ہو اس سے باہر اقرار کا اعتبار نہ ہوگا، اور وہ مطلق جواب کا وکیل ہے اس لیے اس

میں اقرار اور انکار سب شامل ہیں یعنی وکیل مؤکل کے خلاف اقرار کرے یا اس پر کسی کے حق ہونے کا انکار کرے سب صحیح ہے، ماقبل کی پوری تفصیل طرفین کے نزدیک ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ وکیل کا اقرار قاضی کی مجلس کے علاوہ میں بھی معتبر ہے یعنی مجلس قاضی اور مجلس غیر قاضی دونوں صورتوں میں اقرار معتبر ہے۔

دلیل: وکیل مؤکل کا نائب ہے اور مؤکل کا اقرار کرنا قاضی کی مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مؤکل قاضی کی مجلس کے علاوہ کسی اور جگہ کسی چیز کا اقرار کرے تو اقرار ہو جاتا ہے تو اس کے نائب کا اقرار بھی مجلس قضاء کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ (عینی ۲/۱۲۹)

(۴۳/۱۳۸۳) وَمَنِ ادَّعٰى اَنَّهٗ وَكِيْلُ الْغَائِبِ فِيْ قَبْضِ دَيْنِهٖ فَصَدَّقَهُ الْغَرِيْمُ اُمِرَ بِتَسْلِيْمِ الدَّيْنِ اِلَيْهِ فَاِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهٗ جَازَ وَاِلَّا دَفَعَ اِلَيْهِ الْغَرِيْمُ الدَّيْنَ ثَانِياً وَيَرْجِعُ بِهٖ عَلَى الْوَكِيْلِ اِنْ كَانَ بَاقِياً فِيْ يَدِهٖ.

ترجمہ: کسی نے دعویٰ کیا کہ وہ فلاں غائب کا وکیل ہے اس کے قرض کے وصول کرنے میں مقروض نے اس کی تصدیق کر دی تو مقروض کو حکم دیا جائے گا اس کی جانب قرض کی ادائیگی کا، اب اگر غائب حاضر ہو گیا اور اس نے وکیل کی تصدیق کر دی تو جائز ہو جائے گا ورنہ مقروض مؤکل کی طرف قرض دوبارہ دے گا اور یہ شخص اس کو وکیل سے وصول کرے گا اگر اس کے پاس موجود ہو۔

تشریح: ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے اس کا قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہوں مقروض نے اس مدعی وکالت کے قول کی تصدیق کر دی کہ واقعی تم اس غائب کے وکیل ہو چوں کہ مقروض نے تصدیق کر دی اور مال بھی اسکا ذاتی ہے وہ اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے اس لیے قرض دار کو حکم دیا جائے گا کہ مذکورہ قرضہ اس مدعی وکالت کے سپرد کر و اس نے حوالہ کر دیا اس کے بعد غائب باہر سے واپس آیا اور تصدیق کر دی کہ ہاں یہ شخص میرا وکیل ہے تو مقروض نے جو قرضہ وکیل کو دیا ہے وہ ادا ہو گیا اور گویا اصل مالک تک پہنچ گیا اور اگر قرض خواہ نے وکیل کے قول کی تصدیق نہ کی یعنی یہ کہا کہ یہ میرا وکیل نہیں ہے تو قرض دار کو دوبارہ قرضہ ادا کرنے کو کہا جائیگا، اب رہ گیا وہ مال جو قرضہ دار نے اولاً مدعی وکالت کو دیا تھا اگر مدعی وکالت کے پاس موجود ہو تو قرض دار اس مال کو مدعی وکالت سے واپس لے گا کیوں کہ ادائیگی دین کا مقصد یہ تھا کہ مقروض کا ذمہ بری ہو جائے اور یہ مقصد حاصل نہیں ہوا لہٰذا وہ اس سے واپس لے لے گا اور اگر وہ مال مدعی وکالت کے قبضہ سے ضائع ہو گیا تو مقروض مدعی سے واپس نہیں لے سکتا، کیوں کہ مقروض نے مدعی کے قول کی تصدیق کر کے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ مدعی قرضہ وصول کرنے میں حق پر ہے اور جو حق پر ہو اس سے شئ مقبوض کو واپس نہیں لیا جاتا ہے۔

(۴۴/۱۳۸۴) وَاِنْ قَالَ اِنِّیْ وَکِیْلٌ بِقَبْضِ الْوَدِیْعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُوْدَعُ لَمْ یُؤْمَرْ بِالتَّسْلِیْمِ اِلَیْهِ۔

لغت: المودع: دال کے فتحہ کے ساتھ وہ آدمی جس کے پاس امانت کا مال رکھا گیا ہو۔

ترجمہ: کسی نے کہا کہ میں امانت کے قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور مودع نے اس کی تصدیق کردی تو مودع کو نہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ اس وکیل کو امانت سپرد کرے۔

تشریح: ایک شخص نے آکر یہ دعویٰ کیا، کہ فلاں کی جو امانت آپ کے پاس ہے میں اس فلاں کی جانب سے وکیل ہوں، امین نے اس کی تصدیق کردی کہ تم اس فلاں غائب کے وکیل ہو پھر بھی امین کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ امانت کی چیز وکیل کے حوالہ کرو، کیوں کہ یہاں امانت کی رقم دوسرے آدمی کی ہے امانت رکھنے والا اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں دے رہا ہے اس لیے دوسرے کی چیز حوالہ کرنے کے لئے نہیں کہا جائے گا برخلاف اوپر والے مسئلہ کے کہ وہاں قرض کی رقم خود مقروض ہی کی تھی اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

كِتَابُ الْكِفَالَةِ

(یہ کتاب کفالت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: وکالت اور کفالت دونوں میں سے ہر ایک کے اندر دوسرے سے مدد لی جاتی ہے اس لیے کتاب الوکالۃ کے بعد کتاب الکفالہ کو بیان کر رہے ہیں۔

کفالت کا ثبوت: قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ (سورہ یوسف آیت ۷۲)

یعنی ہم لوگ بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں اور جو اس کو لائے گا اس کو ایک اونٹ مال ملے گا اور میں اس کا کفیل ہوں، اس آیت میں زعیم کا لفظ ہے جس کے معنی ذمہ دار اور کفیل کے ہیں، اس سے کفالت کا ثبوت ہوا۔

کفالۃ اسم ہے جمع کفالات باب (ن، س، ک) کفلا مصدر ہے ضامن ہونا، یہ لفظ 'ب' کے ساتھ مستعمل ہو تو متعدی ہو جاتا ہے، جیسے کَفَلْتُ بِالرَّجُلِ یعنی اس شخص کو میں نے اپنے کفالت میں لے لیا، اگر اس کا استعمال مقروض کے لئے ہو تو 'عن' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے کفلت عن المدیون میں نے مقروض کی ذمہ داری کو اوٹ لیا، اور جب قرض خواہوں کے لئے ہو تو 'ل' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے کفلت للدائن میں نے قرضخواہوں کی ذمہ داری کو اوٹ لیا۔ (کتاب الفقہ ۳/۲۶۲)

کفالت کی لغوی تعریف: ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا۔

اصطلاحی تعریف: کسی شخص یا قرض یا شئی کے مطالبہ میں ایک کی ذمہ داری دوسرے کی ذمہ داری

سے وابستہ کر دینا، یعنی ایک کے بجائے دو کا ذمہ دار ہو جانا۔

کفالت میں چار الفاظ ھیں: (۱) کفیل: جو ذمہ دار بنا، اس کو زعیم اور حمیل بھی کہتے ہیں، (۲) مکفول عنہ جس کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری کفیل لے رہا ہے۔ (۳) مکفول لہ قرض خواہ جس کے لئے تیسرا آدمی کفیل بن رہا ہے۔ (۴) مکفول بہ وہ مال جس کے ادا کرنے کا ذمہ دار بن رہا ہے، یا وہ آدمی جس کو عدالت میں حاضر کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے کہ ابھی اس کو ضمانت پر چھوڑ دیں مقررہ وقت پر میں اس کو عدالت میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں بشرطیکہ وہ زندہ ہو۔

کفالہ کارکن: طرفین کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اسی بنا پر ضروری ہے کہ اس ضمانت کو قرض خواہ یعنی مکفول لہ قبول کرے خواہ وہ ضمانت مالی ہو یا شخصی، امام ابو یوسف کے نزدیک صرف وکیل کی طرف سے ایجاب ہے قبول پایا جائے، یا نہ پایا جائے اور اس کی شرط یہ ہے کہ کفیل مکفول بہ سپرد کرنے پر قدرت رکھتا ہو اور دین دین صحیح ہو (تفصیل آگے آئیگی) اور کفالہ کا حکم کفیل پر مطالبہ کا واجب ہوتا ہے۔

(۱۳۸۵/۱) اَلْكَفَالَةُ ضَرْبَانِ كَفَالَةٌ بِالنَّفْسِ وَكَفَالَةٌ بِالْمَالِ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ وَالْمَضْمُوْنُ بِهَا اِحْضَارُ الْمَكْفُوْلِ بِه.

ترجمہ: کفالت کی دو قسمیں ہیں کفالت جان کی اور کفالت مال کی اور کفالت جان کی بھی جائز ہے اور اس سے جس چیز کی کفالت ہوتی ہے وہ مکفول بہ کو حاضر کرنا ہے۔

کفالت کے اقسام

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کفالت کی دو قسمیں ہیں (۱) کفالت بالنفس (۲) کفالت بالمال کفالت بالنفس کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے احناف کے نزدیک کفالت بالنفس جائز ہے، حضرت امام شافعیؒ کا ضعیف قول یہ ہے، کہ کفالت بالنفس جائز نہیں ہے لیکن ان کا مشہور و معروف مذہب احناف کے مذہب کے موافق ہے جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی نے شرح ہدایہ میں تحریر فرمایا ہے۔ (عینی ۳/ ۲۲۸)

والمضمون الخ: سے صاحب قدوری کفالت بالنفس کی تعریف بیان کرنا چاہتے ہیں، کفالت بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں شخص عدالت میں مقدمہ کے لئے مطلوب ہے اس کو ابھی چھوڑ دیں میں اس کو مقررہ وقت پر عدالت میں حاضر کرنے کا ذمہ دار ہوں کیوں کہ وہ اس کی ذات اور نفس کو حاضر کرنے کا ذمہ دار بنا اس لیے اس کو کفالت بالنفس کہتے ہیں۔

(۱۳۸۶/۲) وَتَنْعَقِدُ اِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِنَفْسِ فُلَانٍ اَوْ بِرَقَبَتِهِ اَوْ بِرُوْحِهِ اَوْ بِجَسَدِهِ اَوْ بِرَأْسِهِ اَوْ بِنِصْفِهِ اَوْ

بثلثه.

ترجمہ: اور کفالت بالنفس منعقد ہو جاتی ہے جب کہ کفیل نے کہا کہ میں فلاں کی جان کا کفیل بنا یا اس کی گردن کا یا اس کی روح یا اس کے جسم یا اس کے سر یا اس کے آدھے یا اس کے تہائی کا۔

کفالت بالنفس اور اس کے احکام

تشریح: اس عبارت میں ان الفاظ کو ذکر کر رہے ہیں جن سے کفالت بالنفس ثابت ہو جائے گی، اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جن الفاظ سے پورا انسان مراد ہوتا ہو خواہ حقیقۃً جیسے نفس، روح، جسم ان سے پورا انسان مراد ہے خواہ عرفاً جیسے گردن بولنے سے پورا انسان مراد لیتے ہیں ایسے ہی سر، چہرہ ہے، آدھا اور تہائی کا لفظ پورے انسان میں شائع ہے اس لیے ان سے بھی پورا انسان مراد ہوگا، تو ان تمام الفاظ سے کفالت بالنفس ثابت ہو جائے گی۔

(۴/۱۳۸۷) وَكَذٰلِكَ اِنْ ضَمِنتُهُ اَوْ هُوَ عَلَيَّ اَوْ اِلَيَّ اَوْ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ اَوْ قَبِيْلٌ بِهٖ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں اس کا ضامن ہوں یا وہ میرے اوپر ہے، یا میری طرف ہے یا میں اس کا ذمہ دار ہوں یا میں اس کا کفیل ہوں۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ ضمنته کہنے سے بھی کفالت منعقد ہو جائے گی کیوں کہ لفظ ضمان ادا کرنے سے عقد کفالہ کے حکم کی صراحت ہوگئی اس لیے کفالہ منعقد ہو جائے گا، ایسے ہی لفظ 'علی' بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے آتا ہے اور "اِلَيَّ" کا لفظ بھی ذمہ داری اور کفالت کے لئے استعمال ہوتا ہے، "زعیم" کا لفظ کفیل کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے لئے قرآن کی آیت گذر چکی ہے اور قبیل کے معنی کفیل کے آتے ہیں اسی سے قبالہ آتا ہے چیک کے معنی میں اور انسان جو کچھ چیک میں لکھتا ہے وہ سب اپنے اوپر لازم کرتا ہے اور اپنے اوپر لازم کرنے والے کو ہی کفیل کہتے ہیں، اس لیے انا قبیل، انا کفیل کے معنی میں ہوگا۔

(۴/۱۳۸۸) فَاِنْ شُرِطَ فِي الْكَفَالَةِ تَسْلِيْمُ الْمَكْفُوْلِ بِهٖ فِيْ وَقْتٍ بِعَيْنِهٖ لَزِمَهُ اِحْضَارُهُ اِذَا طَالَبَهُ بِهٖ فِيْ ذٰلِكَ الْوَقْتِ فَاِنْ اَحْضَرَهُ وَاِلَّا حَبَسَهُ الْحَاكِمُ.

ترجمہ: پھر اگر شرط لگائی گئی مکفول بہ کو سپرد کرنے کی وقت معین میں تو کفیل پر مکفول بہ کو حاضر کرنا لازم ہوگا جب کہ مطالبہ کرے مکفول لہ اس وقت میں کفیل سے اگر وہ حاضر کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم کفیل کو قید کر لے۔

تشریح: اگر کفالت بالنفس میں یہ شرط لگائی گئی کہ مکفول بہ کو متعین وقت میں حاضر کرے گا تو کفیل پر اس معین وقت میں مکفول بہ کو سپرد کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ مکفول لہ کفیل سے اس وقت میں مطالبہ کرے، اگر اس نے حوالہ

کر دیا تو بہتر ہے کفیل بری الذمہ ہو جائے گا، اور اگر کفیل مکفول بہ کو حاضر نہ کر سکا تو حاکم پہلی ہی مرتبہ میں کفیل کو گرفتار کر کے جیل خانہ میں ڈالنے کا حکم نہ کرے کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ کفیل کو یہی معلوم نہ ہو کہ مجھ کو کیوں بلایا گیا ہے، اس لیے اگر کئی مرتبہ مطالبہ کے بعد بھی مکفول بہ کو حاضر نہ کیا اور مکفول بہ زندہ ہے تو اب حاکم کفیل کو قید میں ڈالدے گا۔

(۱۳۸۹/۵)وَاِذَا اَحضَرَهُ وَسَلَّمَهُ فِيْ مَكَانٍ يَقْدِرُ الْمَكْفُوْلُ لَهُ عَلٰى مُحَاكَمَتِهٖ بَرِئَ الْكَفِيْلُ مِنَ الْكَفَالَةِ.

ترجمہ: اور اگر کفیل نے اس کو لا کر ایسی جگہ سپرد کیا، جہاں مکفول لہ اس سے جھگڑ سکتا ہے تو کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا۔

تشریح: اگر کفیل نے مکفول بہ کو لا کر ایسی جگہ مکفول لہ کے حوالہ کر دیا جہاں مکفول لہ اس کے ساتھ فیصلہ کرانے پر قادر ہو مثلاً شہر کے اندر سپرد کیا تو کفیل بری ہو جائے گا خواہ مکفول لہ اس کو قبول کرے یا نہ کرے، کیوں کہ کفالہ کا مقصد یہ ہے کہ ایسی جگہ مکفول بہ حاضر کر دے جہاں مکفول لہ اس سے جھگڑا کر سکے اور کفیل نے ایسی ہی جگہ سپرد کر دیا اس لیے کفیل بری ہو جائے گا۔

فائدہ: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کفیل کا مکفول بہ کو اس شہر میں سپرد کرنا معتبر ہو گا جس شہر میں وہ کفیل بنا تھا اور امام صاحب کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے بلکہ جس شہر میں بھی سپرد کر دے، معتبر ہو گا۔ (عینی شرح ہدایہ ۳/۲۳۱) اس مسئلہ میں صاحبین کا قول مفتی بہ ہے۔ (شامی ۴/۳۵۶)

(۱۳۹۰/۶) وَاِذَا تَكَفَّلَ عَلٰى اَنْ يُسَلِّمَهُ فِي مَجْلِسِ الْقَاضِيْ فَسَلَّمَهُ فِي السُّوْقِ بَرِئَ.

ترجمہ: اور اگر کفیل ہوا اس شرط پر کہ مکفول بہ کو سپرد کرے گا قاضی کی مجلس میں پھر سپرد کر دیا اس کو بازار میں تب بھی بری ہو جائے گا۔

مکفول بہ کو مجلس قضاء میں سپرد کرنا

تشریح: اگر کوئی شخص اس شرط پر کفیل ہوا کہ میں مکفول بنفسہ کو قاضی کی مجلس میں سپرد کر دوں گا تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ کفیل کے لئے اس شرط کی پابندی لازم نہیں ہے، بلکہ اگر وہ بازار میں بھی مکفول بہ کو مکفول لہ کے حوالہ کر دے گا تو ذمہ داری سے بری ہو جائے گا، کیوں کہ مکفول لہ اس کو قاضی کے پاس لے جا کر محاکمہ کر سکتا ہے، مگر امام زفر نے فساد زمانہ کو دیکھتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ ایسی صورت میں محاسبہ کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے بازار میں سپرد کرنے سے کفیل اپنی ذمہ داری سے بری نہ ہو گا فتویٰ امام زفر کے قول پر ہی ہے۔ (شامی ۴/۳۵۷، البحر الرائق ۶/۲۲۹، تبیین الحقائق

(۱۳۹/۴)

(۱۳۹۱/۷) وَاِنْ كَانَ فِي بَرِيَّةٍ لَمْ يَبْرَأْ.

ترجمہ: اور اگر سپرد کیا جنگل میں تو بری نہیں ہوگا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفیل نے مکفول بہ کو کسی میدان اور جنگل میں مکفول لہ کے حوالہ کر دیا تو بالاتفاق کفیل کفالہ سے بری نہ ہوگا، کیوں کہ ایسی غیر آباد جگہ میں مکفول لہ مکفول بہ کے ساتھ مخاصمت نہیں کر سکتا اس لیے کفیل کفالہ سے بری نہیں ہوگا۔

(۱۳۹۲/۸) وَاِذَا مَاتَ الْمَكْفُوْلُ بِهٖ بَرِئَ الْكَفِيْلُ بِالنَّفْسِ مِنَ الْكَفَالَةِ.

ترجمہ: اور جب مرجائے مکفول بہ تو بری ہو جاتا ہے کفیل بالنفس کفالت سے۔

تشریح: کفیل نے مجرم کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لی تھی لیکن خود مجرم کا انتقال ہو گیا تو کفیل کفالہ بالنفس سے بری ہو جائے گا اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں اور امام شافعیؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

دلیل: مرجانے کی وجہ سے اصیل یعنی مکفول بہ پر حاضر ہونا ساقط ہو گیا لہٰذا کفیل سے بھی حاضر کرنا ساقط ہو جائے گا۔ (اللباب ۲/۷۸)

(۱۳۹۳/۹) وَاِنْ تَكَفَّلَ بِنَفْسِهٖ عَلٰى اَنَّهٗ اِنْ لَمْ يُوَافِ بِهٖ فِيْ وَقْتِ كَذَا فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا عَلَيْهِ وَهُوَ اَلْفٌ فَلَمْ يُحْضِرْهُ فِي الْوَقْتِ لَزِمَهٗ ضَمَانُ الْمَالِ وَلَمْ يَبْرَاْ مِنَ الْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ.

حل لغات: لم یواف: پورا نہیں کیا وقت پر حاضر نہیں کیا مصدر موافاۃً پورا کرنا۔

ترجمہ: اور اگر کفیل بالنفس ہوا کسی کا اس طرح کہ اگر میں نے اس کو فلاں وقت حاضر نہ کیا تو میں ضامن ہوں اس مال کا جو اس پر ہے اور وہ ایک ہزار ہے پھر اس وقت میں حاضر نہ کیا تو کفیل پر مال کا تاوان لازم ہوگا اور کفالہ بالنفس سے بری نہ ہوگا۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کی ذات کی ضمانت لی اور یہ کہا کہ اگر فلاں وقت میں فلاں کو حاضر نہ کر سکا تو جتنا قرض اس پر ہے (مثلاً ایک ہزار) میں اس کا ذمہ دار ہوں اتفاق کی بات کہ کفیل مکفول بہ کو حاضر نہ کر سکا تو کفیل مکفول لہ کے لئے ایک ہزار روپیہ کا ضامن ہوگا مگر اس کے باوجود کفالہ بالنفس جو حاضر کرنا تھا وہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔

اس عبارت میں دو قسم کا کفالہ ہے (۱) ان لم یواف فی وقت کذا سے کفالہ بالنفس ہوا (۲) اور ضامن لما علیہ سے کفالہ بالمال ہوا یعنی یہاں دو مسئلہ قابل ذکر ہیں۔

ایک تو یہ کہ کفالہ بالمال درست ہے دوم یہ کہ ضمان ادا کرنے کے باوجود کفالہ بالنفس باطل نہ ہوگا، پہلے مسئلہ کی

دلیل یہ ہے کہ کفالہ بالمال کو، حاضر نہ کرنے کی شرط پر معلق کیا گیا ہے اور یہاں شرط پائی گئی تو کفیل پر مال کا ضمان ادا کرنا لازم ہوگا، دوسرے مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ کفالہ بالمال اور کفالہ بالنفس میں کوئی منافات نہیں ہے، کیوں کہ دونوں کا مقصد ایک ہے جب دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں یعنی ایک آدمی کفیل بالنفس اور کفیل بالمال دونوں ہوسکتا ہے تو کفالہ بالمال کفالہ بالنفس کو باطل نہیں کرے گا، لہٰذا ضمان ادا کرنے کے باوجود کفالہ بالنفس سے بری نہیں ہوگا۔

(۱۳۹۴/۱۰) وَلَاتَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور کفالہ بالنفس جائز نہیں ہے حدود اور قصاص میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: صاحب قدوریؒ کی مراد یہ ہے کہ جس شخص پر حد یا قصاص کا دعویٰ کیا گیا اگر اس سے مدعی نے کفیل بنفسہ کا مطالبہ کیا یعنی ایک ایسے کفیل کا مطالبہ کیا جو اس پر حد ثابت کرانے کے لئے اس کو مجلس قاضی میں حاضر کرنے کا ضامن ہو مگر اس نے کفیل دینے سے انکار کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک اس کو کفیل دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

اب صاحب قدوری کی عبارت لاتجوز الکفالة بالنفس، لایجوز اجبار الکفالة کے معنی میں ہوگی یعنی جس پر حد یا قصاص واجب ہے اس کو کفیل دینے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

دلیل: ان النبیؐ قَالَ لَاكَفَالَةَ فِيْ حَدٍّ، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی حد میں کفالہ نہیں ہے، اور یہ حدیث مطلق ہے نہ اس میں ان حدود کا ذکر ہے جو خالص اللہ کا حق ہیں جیسے حد زنا اور حد شرب خمر اور نہ ان حدود کا ذکر ہے جن میں بندوں کا حق ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ حدود میں بلا تفصیل کفالہ نہیں ہے خواہ حد قذف ہو یا قصاص ہو۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ جس شخص پر حد قذف (تہمت کی حد) کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کو کفیل دینے پر مجبور کیا جائیگا یعنی یہ شخص اگر کفیل دینے سے انکار کر دے تو اس کو کفیل بنفسہ دینے پر مجبور کرنا جائز ہے، ایسے ہی قصاص میں بھی قاتل کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

دلیل: حد قذف میں بندے کا حق ہے، یعنی اپنے اوپر سے شرم دور کرنے کے لئے تہمت لگانے والے کو کفیل بنفسہ دینے پر مجبور کیا جائے گا، جیسا کہ دوسرے حقوق میں مجبور کیا جاتا ہے اور قصاص میں چوں کہ بندے کا حق غالب ہے اور حقوق العباد ثابت کرنے کے لئے مدعیٰ علیہ کو کفیل بالنفس دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، امام صاحب فرماتے ہیں لا کفالة فی حد مطلق ہے کمامر مفصلاً۔

(۱۳۹۵/۱۱) وَاَمَّا الْكَفَالَةُ بِالْمَالِ فَجَائِزَةٌ مَعْلُوْماً كَانَ الْمَكْفُوْلُ بِهِ اَوْ مَجْهُوْلاً اِذَا كَانَ دَيْناً صَحِيْحاً مِثْلَ اَنْ يَقُوْلَ تَكَفَّلْتُ عَنْهُ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَوْ بِمَالَكَ عَلَيْهِ اَوْ بِمَا يُدْرِكُكَ فِيْ هٰذَا الْبَيْعِ.

حل لغات: یدرکك: مصدر ادراک باب افعال سے لاحق ہونا مادہ 'دَرْكٌ' جو آپ پر آئے۔

ترجمہ: بہرحال کفالت بالمال سو وہ جائز ہے مکفول بہ معلوم ہو یا مجہول ہو جب کہ وہ دین صحیح ہو مثلاً یہ کہے میں اس کی جانب سے ہزار درہم کا کفیل ہو گیا یا اس مال کا جو تیرا اس کے ذمہ ہے یا اس مال کا جو کچھ تجھ کو اس بیع میں پڑے۔

تشریح: صاحب قدوری نے ماقبل میں کفالہ کی دو قسمیں بیان کی تھیں (۱) کفالہ بالنفس (۲) کفالہ بالمال، کفالہ بالنفس کے تمام احکام سے فراغت کے بعد اب کفالہ بالمال کا ذکر کر رہے ہیں۔

کفالہ بالمال کی تعریف: اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں آدمی پر اتنا قرض ہے اس کو ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں وہ ادا نہیں کرے گا تو میں اس قرض کو ادا کروں گا، کیوں کہ مال ادا کرنے کی ذمہ داری لے رہا ہے اس لیے اس کو کفالہ بالمال کہتے ہیں۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کفالہ بالمال جائز ہے مال مجہول ہو یا معلوم ہو دونوں صورتیں درست ہیں، معلوم کی صورت یہ ہے کہ کفیل یوں کہے میں ہزار درہم کا ذمہ دار ہوں اور مجہول کی صورت یہ ہے کہ یہ کہے میں فلاں کی جانب سے اس مال کا وکیل ہوں جو تیرا اس پر واجب ہے یا یہ کہے میں اس چیز کا کفیل ہوں جو تجھ کو اس بیع میں لاحق ہو یعنی کفیل نے مشتری سے کہا کہ تو فلاں آدمی سے فلاں چیز خرید لے اور جو کچھ ثمن وغیرہ تجھ کو اس بیع میں لاحق ہوگا اس کا ذمہ دار میں ہوں اب کتنا آئے گا اس کی مقدار معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفالہ صحیح ہے، کیوں کہ سابق میں آیت گزر چکی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم ایک اونٹ بوجھ کے کفیل بنے تھے اور اونٹ کے بوجھ کی مقدار معلوم نہیں ہے اس کے باوجود کفیل بننا درست تھا، اس سے معلوم ہوا کہ مجہول مال کا کفیل بننا درست ہے۔

صاحب کتاب نے کفالہ کے جائز ہونے کی شرط یہ بیان کی ہے کہ دین صحیح ہو، اور دین صحیح کا مطلب یہ ہے کہ بدل کتابت نہ ہو، کیوں کہ صحیح دین وہ ہے جس کا بندوں کی جانب سے اپنا حق وصول کرنے کے لئے مطالبہ کیا جائے اور مقروض سے اس کو ساقط نہ کیا جا سکتا ہو مگر یہ کہ مقروض اس کو ادا کر دے یا قرض خواہ مقروض کو بری کر دے اور معاف کر دے اور رہا بدل کتابت تو وہ ان دونوں صورتوں کے بغیر بھی ساقط ہو جاتا ہے مثلاً مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے اپنے آپ کو عاجز کر دے لہٰذا بدل کتابت دین صحیح میں داخل نہیں ہے، اور خریدی ہوئی چیزوں کی قیمت، قرض، مہر ہلاک کردہ اموال کی قیمت جنایات کا تاوان دین صحیح میں داخل ہیں۔

(۱۲/۱۳۹۶) وَالْمَكْفُوْلُ لَهُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ طَالَبَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْاَصْلُ وَاِنْ شَاءَ طَالَبَ الْكَفِيْلَ.

ترجمہ: اور مکفول لہ کو اختیار ہے کہ اگر چاہے اس سے طلب کرے جس پر اصل روپیہ ہے اور اگر چاہے کفیل سے طلب کرے۔

تشریح: جب کفالت بالمال اپنی پوری شرطوں کے ساتھ منعقد ہو جائے تو مکفول لہ کو اختیار ہے کہ مال کا

مطالبہ اصیل یعنی مقروض سے کرے اور اگر چاہے تو کفیل سے کرے، یا بیک وقت دونوں سے کرے، کیوں کہ کفالہ کی اصطلاحی تعریف میں گزر چکا ہے کہ مطالبہ میں ایک کی ذمہ داری دوسرے کی ذمہ داری سے وابستہ ہوجاتی ہے اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ قرض اصیل کے ذمہ باقی رہے نہ یہ کہ اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے۔

(۱۳۹۷/۱۳) وَيَجُوْزُ تَعْلِيْقُ الْكَفَالَةِ بِالشُّرُوْطِ مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ مَا بَايَعْتَ فُلَانًا فَعَلَيَّ اَوْ مَاذَابَ لَكَ عَلَيْهِ فَعَلَيَّ اَوْ مَاغَصَبَكَ فُلَانًا فَعَلَيَّ.

لغت: ذاب: ماضی باب (ن) ذَوباً ثابت ہونا، واجب ہونا، ذاب لك عليه جو کچھ آپ کے ذمہ ہو۔

ترجمہ: اور جائز ہے کفالہ کو معلق کرنا شرطوں کے ساتھ مثلاً یہ کہے کہ جو تو فلاں کے ہاتھ بیچے وہ مجھ پر ہے یا جو تیرا اس کے ذمہ واجب ہو وہ مجھ پر ہے یا تیری جو چیز فلاں غصب کرے وہ مجھ پر ہے۔

تشریح: کفالت جس طرح بغیر شرط کے جائز ہے اسی طرح کسی ایسی شرط پر معلق کرنا جو کفالت کے مناسب ہو جائز ہے مثلاً یہ کہا کہ اگر تو نے فلاں آدمی سے خرید و فروخت کی تو میں اس کا ذمہ دار ہوں یا یہ کہا اگر تیرا اس پر کچھ واجب ہوا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں یا یہ کہا کہ اگر فلاں آدمی نے تیرا کچھ مال غصب کیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

دلیل: ماقبل میں آیت گذری ہے ولمن جاء به الخ اس آیت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خادم شرط پر معلق کر کے کفیل بنے تھے یعنی اگر کوئی شخص اس کٹورے کو لائے گا تو میں اس کے واسطے کفیل ہوں گا اور اگر نہیں لائے گا تو میں اس کے واسطے کفیل نہ بنوں گا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفالت کو شرط پر معلق کرنا درست ہے۔

نوٹ: جو شرط کفالہ کے مناسب نہ ہو اس شرط پر کفالت کو معلق کرنا درست نہیں ہے، مثلاً ایک آدمی نے کہا کہ اگر آندھی چلی تو میں کفیل ہوں اگر بارش ہوئی تو میں کفیل ہوں، ان شرطوں پر کفالہ کو معلق کرنا درست نہیں ہے۔

(۱۳۹۸/۱۴) وَاِذَا قَالَ تَكَفَّلْتُ بِمَالَكَ عَلَيْهِ فَقَامَتِ الْبَيِّنَةُ بِالْفٍ عَلَيْهِ ضَمِنَهُ الْكَفِيْلُ وَاِنْ لَّمْ تَقُمِ الْبَيِّنَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْكَفِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهِ فِي مِقْدَارِ مَايَعْتَرِفُ بِهِ فَاِنِ اعْتَرَفَ الْمَكْفُوْلُ عَنْهُ بِاَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ لَمْ يُصَدَّقْ عَلٰى كَفِيْلِهِ.

ترجمہ: اگر کہا میں کفیل ہوں اس کا جو کچھ تیرا اس پر ہے پھر گواہ قائم ہوئے کہ اس پر ایک ہزار ہیں تو کفیل اس کا ضامن ہوگا اور اگر گواہ قائم نہ ہو سکے تو کفیل کا قول معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ اس چیز کی مقدار میں جس کا وہ اقرار کرے پھر اگر مکفول عنہ اس سے زیادہ کا اقرار کرے تو تصدیق نہیں کی جائے گی اس کے کفیل پر۔

تشریح: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ تیرا جو مطالبہ اس پر ہے میں اس کا ضامن ہوں مکفول بہ مجہول ہے مگر اس کے باوجود ذمہ دار بن گیا، پھر گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوگیا کہ مکفول عنہ پر مکفول لہ کے ایک ہزار درہم ہیں تو ذمہ داری کے مطابق کفیل پر ایک ہزار ادا کرنا لازم ہوجائے گا، کیوں کہ گواہ پیش کر کے ثابت کرنا ایسا ہے جیسے پہلے

سے ثابت شدہ ہو، اور کفیل اگر اس مقدار کا مشاہدہ کر لیتا جو مکفول عنہ پر واجب ہے اور اس کا کفیل ہو جاتا تو اس پر وہ مقدار لازم ہو جاتی جو مکفول عنہ پر ہے اسی طرح جب گواہوں سے ایک مقدار ثابت ہو گئی تو اس کا کفیل بننا بھی درست ہے اور مقدار پر گواہ قائم نہ ہو سکے اور مکفول لہ اور کفیل میں مقدار کے سلسلہ میں اختلاف ہو گیا تو پھر کفیل جتنا کہتا ہے اس کی بات مانی جائے گی اس کی قسم کے ساتھ، کیوں کہ مکفول لہ مدعی ہے اور کفیل مدعیٰ علیہ اور منکر ہے اور زیادتی کا دعویٰ کرنے والے کے پاس گواہ موجود نہ ہونے کی صورت میں منکر کی بات قسم کے ساتھ مانی جاتی ہے اس لیے کفیل پر قسم واجب ہے اور اس کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

آگے فرماتے ہیں کہ مثلاً کفیل نے قسم کھا کر پانچ ہزار کا اقرار کیا لیکن مقروض (مکفول عنہ) نے چھ ہزار کا اقرار کیا تو مکفول عنہ کی بات کفیل کے مقابلہ میں معتبر نہ ہوگی ہاں خود اپنے اوپر یہ اقرار کرے تو درست ہے اور ایک ہزار اپنی جیب سے دے۔

کفیل کے حق میں اس لیے تصدیق نہ ہوگی کہ مکفول عنہ کا یہ اقرار غیر پر ہے اور غیر پر اسے کوئی ولایت حاصل نہیں ہے اس لیے دوسروں کے خلاف یہ اقرار قابل قبول نہیں ہے۔

(۱۵/۱۳۹۹) وَيَجُوزُ الْكَفَالَةُ بِأَمْرِ الْمَكْفُوْلِ عَنْهُ وَبِغَيْرِ أَمْرِهِ.

ترجمہ: اور جائز ہے کفالت مکفول عنہ کے حکم سے اور بغیر اس کے حکم کے بھی۔

تشریح: کفالت مکفول عنہ کے حکم سے بھی جائز ہے اور بغیر حکم کے بھی یعنی اگر مکفول عنہ نے کسی کو حکم دیا کہ تم میری طرف سے ضامن بن جاؤ تو یہ جائز ہے، اور اگر بغیر حکم کے کوئی خود بخود ضامن ہو گیا تو بھی جائز ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، کفیل ضامن ہے اس حدیث کا عموم، کفالہ بامرہ اور بغیر امرہ دونوں کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔

(۱۶/۱۴۰۰) فَإِنْ كَفَلَ بِأَمْرِهِ رَجَعَ بِمَا يُؤَدِّىْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: پھر اگر کفیل بنے مکفول عنہ کے حکم سے تو لے لے وہ اس سے جو کچھ اس پر ادا کرے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفیل مکفول عنہ کے حکم سے کفیل بنا تھا تو کفیل نے جتنی رقم مکفول لہ کو دی ہے اتنی رقم مکفول عنہ سے وصول کرے گا کیوں کہ کفیل نے اپنے غیر کا قرضہ اس کے حکم سے ادا کیا ہے اور جو شخص دوسرے کا قرضہ اس کے حکم سے ادا کرے تو اس کو ادا کیا ہوا قرضہ واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے اس لیے کفیل مکفول عنہ سے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔

(۱۷/۱۴۰۱) وَإِنْ كَفَلَ بِغَيْرِ أَمْرِهِ لَمْ يَرْجِعْ بِمَا يُؤَدِّىْ.

ترجمه: اور اگر کفیل ہوا اس کے حکم کے بغیر تو نہیں لے سکتا وہ جو ادا کیا ہو۔

تشریح: اگر کفیل نے مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفالت کی تو کفیل مکفول عنہ کی جانب سے جو کچھ ادا کرے گا اس کو مکفول عنہ سے واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔

دلیل: مکفول عنہ کے حکم کے بغیر کفیل بنا ہے تو قرض ادا کرنے میں مکفول عنہ پر احسان کرنے والا ہے اور احسان کرنے والا اپنا احسان واپس لینے کا شرعاً مجاز نہیں ہوتا۔

(۱۴۰۲/۱۸) وَلَيْسَ لِلْكَفِيْلِ اَنْ يُطَالِبَ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ بِالْمَالِ قَبْلَ اَنْ يُؤَدِّيَ عَنْهُ.

ترجمه: اور حق نہیں ہے کفیل کے لئے کہ مطالبہ کرے مکفول عنہ سے مال کا اس کی طرف سے ادا کرنے سے پہلے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جب تک کفیل مکفول عنہ کی طرف سے قرض ادا نہ کرے اس وقت تک قانونی طور پر مکفول عنہ سے مال کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا ہاں مکفول عنہ اپنی مرضی سے کفیل کو رقم دے دے تو جائز ہے۔

دلیل: کفیل کو مکفول عنہ سے رجوع کرنے کا اختیار اس وقت ہوتا ہے جب کفیل قرضہ کا مالک ہو جائے اور ادائیگی سے قبل کفیل قرض کا مالک نہیں ہوتا تو ادا کرنے سے پہلے کفیل کو مکفول عنہ سے قرض کا مال لینے کا اختیار بھی نہ ہوگا۔

(۱۴۰۳/۱۹) فَاِنْ لُوْزِمَ بِالْمَالِ كَانَ لَهُ اَنْ يُلَازِمَ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ حَتّٰى يُخَلِّصَهُ.

حل لغات: لوزم: ماضی مجہول مصدر مُلَازَمَةً چمٹے رہنا اور جدا نہ ہونا، یخلص: مضارع مصدر تخلیص، چھٹکارا دلانا۔

ترجمه: اگر پیچھا کیا گیا کفیل کا مال کی وجہ سے تو اس کے لئے حق ہے کہ وہ پیچھا کرے مکفول عنہ کا یہاں تک کہ وہ اس کو چھڑا دے۔

تشریح: اگر مکفول لہ اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے ہر وقت کفیل سے چمٹا رہتا ہے تو کفیل کو بھی مکفول عنہ کے ساتھ اتنا ہی حق حاصل ہے یعنی وہ بھی مکفول عنہ کا پیچھا کرے یہاں تک کہ مکفول عنہ کفیل کا دامن چھڑا دے یعنی مکفول عنہ قرضہ ادا کردے کیوں کہ مکفول عنہ ہی نے کفیل کو اس پریشانی میں مبتلا کیا ہے لہٰذا اس سے نجات دلانا بھی مکفول عنہ ہی پر واجب ہوگا، اور اگر مکفول لہ نے اپنے قرض کی وجہ سے کفیل کو قید کرا دیا تو کفیل کو بھی اختیار ہے کہ وہ مکفول عنہ کو قید کرا دے، اور اگر مکفول عنہ کفیل کو چھٹکارا نہ دلا سکا تو کفیل کو مکفول عنہ کے ساتھ وہی معاملہ کرنے کا اختیار ہوگا جو معاملہ مکفول لہ کفیل کے ساتھ کرے گا۔

(۲۰/۱۴۰۴) وَإِذَا أَبْرَأَ الطَّالِبُ الْمَكْفُوْلَ عَنْهُ أَوِ اسْتَوْفَى مِنْهُ بَرِئَ الْكَفِيْلُ.

لغت: استوفی: ماضی مصدر استیفاءٌ وصول کرنا۔

ترجمہ: اور جب بری کردیا طالب نے مکفول عنہ کو یا اس سے وصول کرلیا تو کفیل بری ہو جائے گا۔

تشریح: اگر مکفول لہ نے مکفول عنہ کو بری کردیا یا مکفول لہ نے مکفول عنہ سے اپنے مطالبات کو وصول کرلیا تو ان دونوں صورتوں میں کفیل کفالت سے بری ہو جائے گا، کیوں کہ قرض تو اصل میں مکفول عنہ پر ہے کفیل تو فرع ہے تو جب اصل پر ہی قرضہ نہ رہا تو کفیل جو فرع ہے اس پر بھی قرضہ نہ رہے گا۔

(۲۱/۱۴۰۵) وَإِنْ أَبْرَأَ الْكَفِيْلَ لَمْ يَبْرَأْ الْمَكْفُوْلُ عَنْهُ.

ترجمہ: اور اگر بری کردے کفیل کو تو مکفول عنہ بری نہ ہوگا۔

تشریح: مکفول لہ نے کفیل کو صرف کفالت سے بری کردیا کہ اب میں آپ سے قرض کا مطالبہ نہیں کروں گا تو مکفول عنہ مطالبہ سے بری نہ ہوگا بلکہ اس پر قرض باقی رہے گا، کیوں کہ کفیل تو مکفول عنہ کا تابع ہے لیکن مکفول عنہ تابع نہیں ہے اگر کفیل کو بری کرنے سے اصیل بھی بری ہو جائے تو اصیل کا اپنے تابع کا تابع ہونا لازم آئے گا جو قلب موضوع ہے۔

(۲۲/۱۴۰۶) وَلَا يَجُوْزُ تَعْلِيْقُ الْبَرَاءَةِ مِنَ الْكَفَالَةِ بِشَرْطٍ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے کفالہ سے بری کرنے کو معلق کرنا شرط کے ساتھ۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مکفول لہ کفیل کو کسی شرط پر معلق کرکے بری کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر کل کا دن آگیا تو تم ذمہ داری سے بری ہو۔

دلیل: کفالہ سے بری کرنا گویا کہ مالک بنانا ہے اس طریقہ سے کہ کفالہ کی وجہ سے مکفول لہ کفیل سے مطالبہ کرنے کا مالک تھا لیکن جب کفیل کو بری کردیا گیا تو گویا کفیل کو مطالبہ (قرض) کا مالک کردیا اور مالک کرنے کو شرط پر معلق کرنا جائز ہے، لیکن اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ برأت کو شرط پر معلق کرنا درست ہے۔

دلیل: صحیح قول کے مطابق کفیل پر مطالبہ لازم ہوتا ہے قرضہ لازم نہیں ہوتا تو کفالت سے بری کرنا مالک بنانا نہیں ہے بلکہ مطالبہ ساقط کرنا ہے اس لیے کفالہ سے بری کرنے کو کسی مناسب شرط پر معلق کرنا جائز ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے، اور کتاب میں جو حکم مذکور ہے وہ شرط غیر مناسب کے بارے میں ہے۔ (اللباب ۸۰/۲ عینی شرح کنز ص: ۷۴/۲)

(۲۳/۱۴۰۷) وَكُلُّ حَقٍّ لَا يُمْكِنُ اسْتِيْفَاءُهُ مِنَ الْكَفِيْلِ لَا تَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهِ كَالْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ.

ترجمہ: اور ہر وہ حق جس کا وصول کرنا کفیل سے ممکن نہ ہو اس کی کفالت صحیح نہیں ہے جیسے حدود اور قصاص۔

تشریح: صاحب قدوری نے یہاں پر ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ حق جس کا کفیل سے حاصل کرنا شرعاً صحیح نہ ہو اس کا کفیل بننا بھی صحیح نہیں ہے، مثلاً زید نے کہا کہ اگر عمرو نے حد زنا کو نہ دیا تو میں اس کا کفیل بنتا ہوں وہ حد مجھ پر جاری کریں یا عمرو نے قصاص نہ دیا تو میں اس کی طرف سے کفیل بنتا ہوں کہ مجھ سے قصاص لو تو اس طرح کفیل بننا درست نہیں ہے۔

دلیل: ایسے جرم کا ارتکاب جس کی وجہ سے حد یا قصاص واجب ہو کفیل نے نہیں کیا ہے تو کفیل پر اصالۃً حد یا قصاص کیسے واجب ہوسکتا ہے اور کفیل پر نیابۃً بھی واجب نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ سزا کا مقصد مجرم کو جرم سے روکنا ہے اور نائب کو سزا دینے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا اب ثابت ہوا کہ نفس حد اور نفس قصاص کا کفیل ہونا بھی درست نہیں ہے۔

تنبیہ: مسئلہ (۱۰) میں تھا کہ حدود اور قصاص میں کفالہ بالنفس لینے کے لئے مجبور کرنا صحیح نہیں ہے اور یہاں ہے کہ خود حد اور قصاص کا کفیل بننا درست نہیں ہے اس لیے دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

(۱۴۰۸/۲۴) وَاِذَا تَكَفَّلَ عَنِ الْمُشْتَرِىْ بِالثَّمَنِ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر کفیل ہوا مشتری کی جانب سے ثمن کا تو جائز ہے۔

تشریح: کفیل نے بائع سے یہ کہا کہ مبیع مشتری کو دے دو اگر اس نے قیمت نہیں دی تو میں دوں گا تو اس طرح کفیل بننا درست ہے، کیوں کہ ثمن دین صحیح ہے اور کفیل سے اس کا وصول کرنا بھی ممکن ہے لہٰذا اس طرح کا کفالہ بھی صحیح ہوگا۔

(۱۴۰۹/۲۵) وَاِنْ تَكَفَّلَ عَنِ الْبَائِعِ بِالْمَبِيْعِ لَمْ تَصِحَّ.

ترجمہ: اور اگر کفیل بنے بائع کی جانب سے مبیع کا تو صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص اس طرح کفیل بنے کہ میں بائع پر زور دوں گا کہ وہ مبیع آپ کے حوالہ ضرور کرے تب تو کفیل بننا صحیح ہے، اور اگر اس طرح کفیل بنے کہ اگر وہ مبیع نہیں دے گا تو میں اپنی جانب سے دے دوں گا تو ایسا کفیل بننا صحیح نہیں ہے چوں کہ بعض حالات میں اس کا ضمان بائع پر باقی نہیں رہتا، مثلاً بائع کے قبضہ میں ثمن پر قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہوجائے تو بائع کے ذمہ کچھ واجب نہیں ہوتا، اس وجہ سے یہ جب بائع سے جو کہ اصل ہے ساقط ہوسکتی ہے تو ناقص مطالبہ ہوا اس میں کفالت معتبر نہ ہوگی۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۱/ ۲۷۸)

(۱۴۱۰/۲۶) وَمَنِ اسْتَأْجَرَ دَابَّةً لِلْحَمْلِ فَاِنْ كَانَتْ بِعَيْنِهَا لَمْ تَصِحَّ الْكِفَالَةُ بِالْحَمْلِ.

حل لغات: دابۃ: چوپایہ سواری، الحمل لادنا، بار برداری۔

ترجمہ: کسی نے اجرت پر لی سواری لادنے کے لئے پس اگر جانور معین ہو تو بار برداری کی کفالت صحیح نہیں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے ایک متعین جانور بار برداری کے واسطے کرایہ پر لیا کہ اس جانور پر لادنا ہے اور ایک آدمی کرایہ پر لینے والے کے لئے اسی معین جانور پر بار برداری کا کفیل ہو گیا کہ اگر اس نے سواری نہیں دی تو میں اپنی سواری پر لاد کر پہنچانے کا ذمہ دار ہوں تو اس طرح ذمہ داری لینا باطل ہے کیوں کہ سواری متعین ہے سواری کے ہلاک ہونے کی صورت میں کفیل کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے کہ بار برداری کے لئے دوسرے جانور کو کام میں لائے گویا کہ کفیل اس معینہ جانور پر بار برداری کرنے سے عاجز ہے اور کفیل جس کام کے کرنے سے عاجز ہو اس کا کفالہ درست نہیں ہوتا۔

(۱۴۱۱/۲۷) وَاِنْ كَانَتْ بِغَيْرِ عَيْنِهَا جَازَتِ الْكَفَالَةُ.

ترجمہ: اور اگر سواری غیر متعین ہو تو کفالت صحیح ہوگی۔

تشریح: اگر بار برداری کے لئے کرایہ پر لیا گیا جانور غیر معین ہو تو بار برداری کی کفالت درست ہے اس صورت میں اگر موجر (مکفول عنہ) نے سواری لادنے کے لئے نہیں دی تو اپنی جانب سے سواری دے سکتا ہے کیوں کہ اس کفالت کا مقصد بوجھ ہی کو پہنچانا ہے اور یہ اس طور پر ممکن ہے کہ اپنے ذاتی جانور پر لاد کر پہنچا دے، کیوں کہ اس صورت میں سواری متعین نہیں ہے اس لیے کفیل بننا درست ہے۔

(۱۴۱۲/۲۸) وَلَاتَصِحُّ الْكَفَالَةُ اِلَّا بِقَبُوْلِ الْمَكْفُوْلِ لَهٗ فِيْ مَجْلِسِ الْعَقْدِ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے کفالت مگر مکفول لہ کے قبول کرنے سے مجلس عقد میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کفالہ بالمال ہو یا کفالہ بالنفس ہو دونوں میں کفالہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں کفیل بن رہا ہو اسی مجلس میں مکفول لہ نے قبول کر لیا ہو کہ ہاں میں فلاں کے کفیل بننے سے راضی ہوں تب کفالت صحیح ہوگی گویا اس عبارت میں دو شرطیں ہیں (۱) مکفول لہ کا قبول کرنا (۲) مجلس کفالت میں قبول کرے اگر مجلس سے باہر کرے تو کفالت صحیح نہ ہوگی۔

شرط (۱) کی دلیل: اب تک مکفول لہ کا واسطہ براہ راست مقروض سے تھا کفالت کے بعد اس کا واسطہ کفیل سے بھی ہوگا اور ممکن ہے کہ وہ شریر ہو اور مکفول لہ اس سے واسطہ نہ رکھنا چاہتا ہو اس لیے کفیل سے واسطہ قائم کرنے کے لئے اس کی رضامندی اور قبول کرنے کی ضرورت ہوگی اس لیے مکفول لہ کا قبول کرنا ضروری ہے۔

شرط (۲) کی دلیل: عقد کفالت کفیل کے ایجاب اور مکفول لہ کے قبول سے منعقد ہوتا ہے اس لیے جب کفیل ایجاب کرے تو مکفول لہ مجلس میں قبول کرے ورنہ اس کا ایجاب ساقط ہو جائے گا، یہ پوری تفصیل طرفین کے مسلک کے مطابق ہے (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۷۸)

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکفول لہ کا مجلس کفالت میں قبول کرنا ضروری نہیں ہے، یعنی اگر مکفول لہ کفالت کی مجلس میں موجود نہ ہو تو کفالہ کا جواز اس کی اجازت پر موقوف رہے گا جس مجلس میں کفالہ کی خبر پہنچی اگر اس نے اس مجلس میں جازت دے دی تو کفالت درست ہو جائے گی اور اگر اجازت نہ دی تو کفالت درست نہ ہوگی۔

(۲۹/۱۴۱۳) اِلَّا فِیْ مَسْئَلَةٍ وَّاحِدَةٍ وَهِیَ اَنْ یَّقُوْلَ الْمَرِیْضُ لِوَارِثِهٖ تَکَفَّلْ عَنِّیْ بِمَا عَلَیَّ مِنَ الدَّیْنِ فَتَکَفَّلَ بِهٖ مَعَ غَیْبَةِ الْغُرَمَاءِ جَازَ.

ترجمہ: مگر ایک مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ کہے بیمار اپنے وارث سے کہ تو کفیل ہو جا میری جانب سے اس چیز کا جو میرے ذمہ قرض ہے پس کفیل ہو گیا وہ اس کا قرض خواہ کی عدم موجودگی میں تو جائز ہے۔

تشریح: ماقبل میں یہ بات مفصل آچکی ہے کہ طرفین کے نزدیک مکفول لہ کے قبول کئے بغیر کفالہ صحیح نہیں ہوتا مگر ایک مسئلہ ایسا ہے کہ جس میں کفالہ کی صحت کے لئے طرفین کے نزدیک بھی مکفول لہ کا مجلس کے اندر قبول کرنا شرط نہیں ہے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی مرض الموت میں مبتلا ہے وہ اپنے وارث سے کہتا ہے کہ تو میری طرف سے اس قرض کا کفیل ہو جا جو مجھ پر واجب ہے اور وہ مکفول لہ کی عدم موجودگی میں کفیل بن جائے گا تو اس صورت میں وارث کا کفیل بننا صحیح ہے۔

دلیل: مریض مقروض کا قول تَکَفَّلْ عَنِّیْ بِمَا عَلَیَّ مِنَ الدَّیْنِ وصیت کے معنی میں ہے اس کا مطلب ہے اِقْضُوْا دُیُوْنِیْ میرے قرض ادا کرو جب یہ کفالہ قرض خواہوں کو قرض ادا کرنے کے لئے وصیت ہے اور کفیل حقیقت میں وصی ہے اور وصیت صحیح ہونے کے لئے ان لوگوں کا قبول کرنا شرط نہیں ہوتا جس کے واسطے وصیت کی گئی ہو، اس لیے اس صورت میں جو کتاب میں مذکور ہے مکفول لہ کے قبول کئے بغیر بھی کفیل بننا درست ہے۔

(۳۰/۱۴۱۴) وَاِذَا کَانَ الدَّیْنُ عَلَی اثْنَیْنِ وَکُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا کَفِیْلٌ ضَامِنٌ عَنِ الْاٰخَرِ فَمَا اَدَّاهُ اَحَدُهُمَا لَمْ یَرْجِعْ بِهٖ عَلٰی شَرِیْکِهٖ حَتّٰی یَزِیْدَ مَا یُؤَدِّیْهِ عَلَی النِّصْفِ فَیَرْجِعُ بِالزِّیَادَةِ.

ترجمہ: اگر قرض دو آدمیوں پر ہو اور دونوں میں سے ہر ایک کفیل اور ضامن ہو دوسرے کا تو جو کچھ ادا کرے ان میں سے ایک تو وہ وصول نہ کرے اپنے شریک سے یہاں تک زیادہ ہو جو ادا کیا آدھے سے پس زائد مقدار کو اس سے وصول کر لے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرضہ دو شخصوں پر ہو مثلاً دو آدمیوں نے مشترکہ طور پر دس ہزار روپے میں ایک بھینس خریدی یا دونوں نے کسی سے دس ہزار قرض لیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے شریک کی جانب سے کفیل ہو گیا تو یہ کفالت درست ہے اب ان میں سے جو کوئی قرضہ ادا کرے گا وہ دوسرے سے وصول کرے گا یہاں تک کہ آدھے سے زیادہ ادا نہ کر دے چناں چہ جتنا زائد ادا کرے گا اتنا دوسرے سے لے لے گا مثلاً ایک نے پانچ ہزار ادا کر دیا

تو یہ خود اس کے حصہ کا شما ہوگا کیوں کہ آدھا قرض اصل ہے اور خود اپنے اوپر مطالبہ ہے اور کفالت فرع ہے اور فرع کا درجہ بعد میں ہوتا ہے اس لیے اس میں سے شریک سے کچھ وصول نہیں کرے گا اور اگر چھ ہزار دیا ہے تو ایک ہزار اپنے شریک سے وصول کرے گا کیوں کہ اب طے ہے کہ ایک ہزار روپے کفالت کے طور پر شریک کی جانب سے ادا کئے ہیں اس لیے اب اس سے وصول کرے گا۔

(۱۴۱۵/۳۱) وَاِذَا تَكَفَّلَ اثْنَانِ عَنْ رَجُلٍ بِالْفٍ عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا كَفِيْلٌ عَنْ صَاحِبِهٖ فَمَا اَدّٰى اَحَدُهُمَا يَرْجِعُ بِنِصْفِهٖ عَلٰى شَرِيْكِهٖ قَلِيْلًا كَانَ اَوْ كَثِيْرًا.

ترجمہ: اور اگر کفیل بنے دو آدمی ایک آدمی کی جانب سے ایک ہزار کے اس شرط پر کہ ان دنوں میں سے ہر ایک ضامن ہے، اپنے ساتھی کی طرف سے تو جو کچھ ادا کرے ان میں سے ایک اس کا آدھا لے سکتا ہے اپنے شریک سے تھوڑا یا زیادہ۔

تشریح: ایک شخص پر کسی کا قرض تھا اس کی طرف سے دو آدمی ذمہ دار بنے پھر یہ دونوں کفیل آپس میں بھی ایک دوسرے کے کفیل بن گئے تو مسئلہ یہ ہے کہ ایک کفیل جتنا ادا کرے گا اس کا آدھا اپنے شریک کفیل سے وصول کرے گا مثلاً پانچ سو روپے ایک نے دیئے تو ڈھائی سو اپنے شریک کفیل سے لے گا، پھر دونوں مل کر اصل مقروض سے لیں گے، چوں کہ دونوں کفیلوں پر ذاتی قرض نہیں ہے بلکہ دونوں پر کفالت ہے یعنی ہر ایک تمام مال میں دوسرے کا کفیل ہے بخلاف مسئلہ سابقہ کے کہ وہاں نصف کی ادائیگی بطریق اصالت ہے اور نصف کی ادائیگی بطریق کفالت ہے گویا اصالت کو کفالت پر ترجیح حاصل ہے، اس لیے دونوں مسئلوں کا حکم الگ الگ ہے۔

(۱۴۱۶/۳۲) وَلَا تَجُوْزُ الْكَفَالَةُ بِمَالِ الْكِتَابَةِ سَوَاءٌ حُرٌّ تَكَفَّلَ بِهٖ اَوْ عَبْدٌ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کفالت مال کتابت کی خواہ آزاد آدمی اس کا کفیل بنے یا غلام۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ آقا کے لئے مکاتب کی طرف سے مال کتابت کا کفیل ہونا جائز ہے کفیل خواہ آزاد آدمی ہو خواہ غلام ہو صاحب قدوری نے مال کتابت کہا اور بدل کتابت نہیں کہا کہ کیوں کہ مال کتابت کا لفظ بدل کتابت کو شامل ہے اور ہر اس دین کو شامل ہے جو آقا کا مکاتب پر ہو مطلب یہ ہے کہ مکاتب کی جانب سے آقا کے لئے نہ بدل کتابت کا کفیل ہونا جائز ہے اور نہ اس دین کا کفیل ہونا جائز ہے جو مولیٰ کا مکاتب پر ہو۔

دلیل مسئلہ (۱۳۸۵) (۱۱) میں مفصلاً گذر چکا ہے کہ مال کتابت دین صحیح میں داخل نہیں ہے اور کفالہ بالمال کے صحیح ہونے کے لئے دین صحیح کا ہونا شرط ہے۔

سوال: جب کفیل کے آزاد ہونے کی صورت میں کفالت درست نہیں ہے تو کفیل کے غلام ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ صحیح نہ ہوگی، پھر صاحب کتاب نے نے 'او عبدٌ' کیوں کہا۔

جواب: آزاد انسان غلام کے مقابلہ میں اشرف ہے اور کفیل اصیل کا تابع ہوتا ہے تو اب یہاں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ شاید کفالت کا صحیح نہ ہونا اس لیے ہے کہ اگر اس کو صحیح مان لیا جائے تو آزاد جو اشرف ہے وہ تابع ہو جائے گا، صاحب کتاب نے 'او عبد' کا اضافہ کر کے یہ بتلا دیا کہ اس مسئلہ میں کفالت کے عدم جواز کی بنیاد اس بات پر ہے کہ بدل کتابت دین صحیح نہیں ہے اس بنیاد پر نہیں کہ آزاد شخص تابع بن جائے گا۔

(۱۴۱۷/۳۳) وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ وَعَلَيْهِ دُيُوْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئاً فَتَكَفَّلَ رَجُلٌ عَنْهُ لِلْغُرَمَاءِ لَمْ تَصِحَّ الْكَفَالَةُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعِنْدَهُمَا تَصِحُّ.

ترجمہ: اور اگر مر جائے کوئی آدمی اور اس پر بہت سا قرض ہے اور اس نے کچھ نہیں چھوڑا اب کفیل ہو گیا ایک آدمی اس کی طرف سے قرض خواہوں کے لئے تو یہ کفالت صحیح نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک صحیح ہے۔

تشریح: ایک شخص جس پر لوگوں کا قرضہ ہے مفلس ہو کر مر گیا یعنی کچھ بھی مال ترکہ میں نہ چھوڑا اور نہ اس کی جانب سے پہلے سے کوئی کفیل موجود ہے پھر اس میت کی جانب سے ایک آدمی کفیل ہو گیا وہ شخص خواہ میت کا وارث ہو یا اجنبی ہو تو امام صاحب کے نزدیک کفالہ صحیح نہیں ہے صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک درست ہے۔

دلیل: حضرت ابوقتادہؓ والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت ایک جنازہ لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کچھ چھوڑا ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا کیا اس پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے کہا تین دینار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ساتھی پر تم لوگ نماز پڑھ لو، پس ابوقتادہ نے فرمایا اے اللہ کے رسول اس پر نماز پڑھیے اور مجھ پر اس کے قرض کی ذمہ داری ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میت پر نماز پڑھی۔ (بخاری ۱/۳۰۵ باب اذا احال دین، ترمذی ۱/۱۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے مقروض کی جانب سے کفالت لی ہے، اور انہوں نے کچھ مال بھی نہ چھوڑا تھا اس لیے کفیل بننا درست ہے۔

امام صاحب کی دلیل: کفالت کے لئے دو باتیں ضروری ہیں (۱) قرضہ مکفول عنہ کے ذمہ میں ثابت اور قائم ہو (۲) کفیل قرضہ ادا کرنے کے بعد مکفول عنہ کے مال سے وصول بھی کر سکتا ہو یہاں اس مسئلہ میں دونوں باتیں نہیں ہیں، کیوں کہ مکفول عنہ مر چکا ہے تو اس مرے ہوئے پر کیا لازم ہوگا؟ اور کچھ چھوڑا بھی نہیں کہ کفیل اپنا قرض وصول کر سکے اس لیے کفالت درست نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل کا جواب: حضرت ابوقتادہؓ جو کفیل بنے ہیں وہ تبرع اور احسان کے طور پر حوالہ ہے کفالہ نہیں ہے، جو ہمارے یہاں بھی جائز ہے یہی وجہ ہے کہ بعد میں حضرت ابوقتادہ نے رقم وصول نہیں کی اور یہ

بھی ممکن ہے کہ ابوقتادہ نے جوفرمایا مجھ پر اس کے قرض کی ذمہ داری ہے، اس سے اشارہ کفالت سابقہ کی طرف ہو کہ وہ تو میں نے اپنے ذمہ لے رکھے ہیں میں پہلے سے اس کا کفیل ہوں (بذل عن القاری ۴/۲۴۲)

كِتَابُ الحَوَالَةِ

(یہ کتاب حوالہ کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح کفالہ میں کفیل اپنے اوپر اس چیز کو لازم کرتا ہے جو اصل پر واجب تھی اسی طرح حوالہ میں محتال علیہ (جو قرض کا ذمہ دار بنے) پر وہ چیز لازم کی جاتی ہے جو محیل (مقروض) پر واجب ہوتی ہے، اور کفالہ کا مقصد مکفول لہ کو اطمینان دلانا ہے اور حوالہ میں محتال لہ (قرض خواہ) کو اطمینان دلایا جاتا ہے۔

تقدیم وتاخیر کی وجہ: حوالہ میں اصل مقروض بری الذمہ ہو جاتا ہے یعنی حوالہ اصیل کی برأت کو متضمن ہے اس لیے وہ بمنزلہ مرکب کے ہے اور کفالت میں برأت نہیں بلکہ ضمانت ہے اس اعتبار سے کفالت مفرد ہے اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔

حوالہ کا ثبوت: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کا ٹکڑا ہے وَاِذَا اُحِلْتَ عَلٰی مَلِیٍّ فَاتَّبِعْهُ اور جب مالدار پر حوالہ کیا جائے تو وہ اس کے پیچھے لگے، اس حدیث میں حوالہ کا ذکر ہے۔

حوالہ کی لغوی تعریف: حوالہ تحویل سے سے ماخوذ ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: قرض اصل مقروض سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف ضمانت کے طور پر منتقل کرنے کو حوالہ کہتے ہیں۔(الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۷۹)

اصطلاحی الفاظ: (۱) محیل، قرض حوالہ کرنے والا (مقروض) مکفول عنہ۔

(۲) محتال جس کا قرض تھا یعنی مکفول لہ اس کو محتال لہ، محتال، محال لہ کہتے ہیں۔

(۳) محتال علیہ جو آدمی قرض کا ذمہ دار یعنی کفیل بنے کہ اب میں قرض ادا کروں گا اس کو محتال علیہ کہتے ہیں۔

(۴) محتال بہ، مال جو مقروض کے ذمہ ہے (الجوہرۃ النیرۃ ۱/۳۸۰) مثلاً زید کے ذمہ عمرو کا قرض ہے اور خالد کے ذمہ زید کا قرض ہے زید نے عمرو سے کہا کہ تو خالد سے وصول کر لے تو یہاں زید نے اپنے ذمہ کو خالد کی طرف منتقل کر دیا ہے یہاں زید محیل اور عمرو محتال اور خالد محتال علیہ ہے، حوالہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ محتال علیہ پر محیل کا پہلے سے قرض ہو اور اگر اس پر قرض نہ ہو تو حوالہ واجب نہ ہوگا بلکہ اگر وہ ویسے ہی قبول کر لے تبرع اور احسان ہوگا۔

(۱/۱۴۱۸) اَلْحَوَالَةُ جَائِزَةٌ بِالدُّيُوْنِ.

ترجمہ: حوالہ جائز ہے قرضوں کا۔

تشریح: شیخ ابوالحسین قدوری فرماتے ہیں کہ جو قرض صحیح کسی آدمی پر ہو اس کا حوالہ کسی آدمی پر کرے تو جائز ہے کیوں کہ محتال علیہ نے اپنے اوپر ایسی چیز کو لازم کیا ہے جس کو سپرد کرنے پر قدرت ہے اور ایسی چیز کو لازم کرنا درست ہے اس لیے کفالہ کی طرح حوالہ بھی درست ہوگا، رہی یہ بات کہ حوالہ کو دیون کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حوالے کے معنی منتقل کرنے کے ہیں اور منتقل کرنا دیون میں ہو سکتا ہے اعیان میں نہیں کیوں کہ عین متعین ہوتی ہے اور دین غیر متعین، عین کو وہی ادا کر سکتا ہے جس کے پاس موجود ہو اور دین کو محتال علیہ بھی ادا کر سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ حوالہ دیون کا جائز ہے اور اعیان کا حوالہ جائز نہیں ہے۔

(۲/۱۴۱۹) وَتَصِحُّ بِرِضَاءِ الْمُحِيْلِ وَالْمُحْتَالِ وَالْمُحْتَالِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور صحیح ہوتا ہے حوالہ محیل محتال اور محتال علیہ کی رضامندی سے۔

تشریح: حوالہ میں تینوں آدمی راضی ہو تو حوالہ صحیح ہوتا ہے محیل یعنی مقروض محتال لہ قرض دینے والا اور محتال علیہ یعنی جو قرض ادا کرنے کی ذمہ داری لے۔

محیل کی رضامندی اس لیے شرط ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کا احسان اپنے اوپر نہ لینا چاہتا ہو لیکن صاحب اللباب نے زیادات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام محمد نے فرمایا کہ حوالہ بغیر محیل کی رضامندی کے بھی درست ہو جاتا ہے۔

دلیل: محتال علیہ کا اپنے اوپر قرض لازم کرنا اپنے حق میں تصرف ہے اور اس تصرف سے محیل کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کا نفع ہے کہ محیل کے ذمہ سے مطالبہ ساقط ہو جائے گا اور اگر محیل کے حکم سے نہیں ہے تو محتال علیہ کو ادائیگی دین کے بعد رجوع کا بھی اختیار نہ ہوگا تو محیل کا نفع ہی نفع ہے۔ (اللباب ۲/۸۲، عینی شرح کنز ۲/۸۱)

محتال علیہ کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ حوالہ میں محیل کی جانب سے محتال علیہ پر قرضہ لازم کرنا ہوتا ہے اور لزوم بغیر التزام کے نہیں ہو سکتا ورنہ ہر شخص دوسرے کے ذمہ جو چاہے گا لازم کر دے گا، محتال کی رضامندی شرط ہے یا نہیں اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

اختلاف الأئمة

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ حوالے کی صحت کے لئے محیل کا حوالہ کر دینا کافی ہے محتال یعنی قرض خواہ کی رضامندی ضروری نہیں ہے، گویا کہ محیل (مقروض) اگر اپنے محتال (دائن) سے یہ کہے کہ میں اپنے قرض کا حوالہ فلاں پر کرتا ہوں اور وہ فلاں قرض کو قبول بھی کر لے تو اب محتال یعنی قرض خواہ پر واجب ہے کہ اس حوالہ کو قبول کرے اگر قرض خواہ راضی نہ ہو تب بھی حوالہ درست ہو جائے گا۔

دلیل: اِذَا اُتْبِعَ اَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ یعنی جب تم میں سے کسی کو مالدار آدمی کے پیچھے لگایا جائے تو

اس کو چاہئے کہ وہ اس کے پیچھے لگ جائے، اس میں فلیتبع صیغہ امر ہے اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ پیچھے لگ جانا واجب ہے چاہے قرض خواہ اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ محتال یعنی قرض خواہ کی رضامندی کے بغیر حوالہ درست نہیں ہوتا۔

دلیل: آدمی آدمی میں فرق ہوتا ہے ایک آدمی نرم مزاج ہے اس سے بات کرنا آسان اور قرض کا مطالبہ کرنا بھی آسان اس سے اگر بات کی جائے تو کم از کم دل تو ٹھنڈا ہو جائے گا چاہے پیسے اس وقت ادا نہ کرے، اور ایک آدمی سخت مزاج ہے اس سے ملاقات ہونی بھی مشکل ہے اس سے قرض وصول کرنا بہت دشوار ہوتا ہے لہٰذا قرض خواہ کو اس بات پر مجبور کرنا کہ جا کر فلاں سخت مزاج آدمی سے اپنا دین وصول کرے اس کے پیش نظر ہو سکتا ہے، کہ محتال دوسرے آدمی یعنی محتال علیہ سے قرض وصول نہ کرنا چاہتا ہو اس لیے محتال کی رضامندی شرط ہے، امام احمد کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ صیغہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لئے ہے۔ (درس ترمذی ۴/۲۴۰)

(۳/۱۴۲۰) وَإِذَا تَمَّتِ الْحَوَالَةُ بَرِئَ الْمُحِيْلُ مِنَ الدُّيُوْنِ وَلَمْ يَرْجِعِ الْمُحْتَالُ لَهُ عَلَى الْمُحِيْلِ إِلَّا أَنْ يَتْوِىٰ حَقُّهُ.

لغت: یتوی: مضارع باب (س) مصدر تویٰ برباد ہونا۔

ترجمه: اور جب پورا ہو جائے حوالہ تو بری ہو جائے گا محیل قرضوں سے اور رجوع نہیں کر سکتا محتال لہ محیل پر مگر یہ کہ اس کا حق تلف ہو جائے۔

حوالہ مکمل ہونے کے بعد کیا محیل سے مطالبہ ساقط ہو جائے گا؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ محتال لہ اور محتال علیہ اور صاحب قدوری کے بقول محیل کی رضامندی سے جب حوالہ مکمل ہو گیا تو محیل یعنی اصل مقروض قرض اور مطالبہ دونوں سے بری ہو جائے گا، کیوں کہ قرض اس سے منتقل ہو گیا اور اب محتال لہ محیل سے قرض وصول کر نہیں کرے گا، ہاں اگر محتال علیہ یعنی کفیل اور ضامن سے قرض وصول ہونے کی امید نہ ہو تب محیل یعنی اصل مقروض سے محتال لہ رجوع کر سکتا ہے۔

دلیل: امام ابوحنیفہؒ حضرت عثمانؓ کے اثر سے استدلال فرماتے ہیں، لَيْسَ عَلٰى مَالِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ تَوىٰ يَعْنِي حَوَالَةً. مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۳۴۶ مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں ہے یعنی حوالہ میں ہلاکت نہیں ہے (وہ محیل سے بھی وصول کر سکتا ہے) اگر ہم کہیں کہ محتال لہ اب محیل سے رجوع نہیں کر سکتا تو اس صورت میں مسلم کے مال پر ہلاکت آگئی اس لیے کہ محتال لہ کا قرض ضائع ہو گیا اور اب ملنے کی کوئی امید نہیں حالانکہ مسلمان کے مال پر ہلاکت نہیں۔

امام احمد اور امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ حوالے کے نتیجے میں محیل بری ہو جاتا ہے اور محتال لہ کو یہ حق نہیں رہتا

کہ وہ آئندہ کبھی بھی اپنے قرض کا محیل سے مطالبہ کرے بلکہ اس پر واجب ہے کہ ہمیشہ محتال علیہ سے مطالبہ کرے کسی بھی حال میں محیل سے مطالبہ کا حق لوٹ کر نہیں آئے گا۔

دلیل: اذا اتبع احدکم علی ملی فلیتبع اس میں فرمایا کہ جب پیچھے لگا دیا جائے تو پیچھے لگے رہو یعنی ہمیشہ پیچھے لگے رہو اس میں ذکر نہیں ہے کہ جس نے پیچھے لگایا ہے اس سے رجوع کر سکتے ہو لہٰذا ہمیشہ اسی کے پیچھے لگنا ہوگا۔

جواب: اس حدیث میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ قیامت تک اس کے پیچھے لگے رہنا چاہئے، روپے ملیں یا نہ ملیں محتال علیہ مرجائے یا زندہ رہے چاہے وہ انکار کرے یا اقرار کرے یہ سب باتیں حدیث میں کہاں ہیں، بلکہ حدیث میں تو حوالے کو "ملی" ہونے پر موقوف کیا گیا ہے کہ اگر مالدار کے پیچھے لگایا جائے تو اس کے پیچھے لگ جاؤ اس کا مطلب یہ ہے کہ حوالہ قبول کرنے کا دارومدار محتال علیہ کے مال دار ہونے پر ہے اگر وہ مالدار نہیں ہے تو حوالہ قبول کرنے کی وجہ نہیں پائی گئی لہٰذا افلاس کی صورت میں اصل مقروض کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

(۴/۱۴۲۱) وَالتَّوىٰ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِاَحَدِ الْاَمْرَیْنِ اِمَّا اَنْ یَجْحَدَ الْحَوَالَةَ وَیَحْلِفَ وَلَا بَیِّنَةَ لَهُ عَلَیْهِ اَوْ یَمُوْتَ مُفْلِساً وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ هٰذَانِ الْوَجْهَانِ وَوَجْهٌ ثَالِثٌ وَهُوَ اَنْ یَحْکُمَ الْحَاکِمُ بِاِفْلَاسِهِ فِیْ حَالِ حَیٰوتِهِ۔

ترجمہ: اور حق تلف ہونا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو معاملوں میں سے ایک سے ہوتا ہے یا تو محتال علیہ حوالہ کا انکار کردے اور قسم کھالے اور محتال لہ کے پاس گواہ نہ ہو یا محتال علیہ مفلس ہو کر مرجائے، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ دو وجہ ہیں اور ایک تیسری وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حاکم حکم لگادے اس کی مفلسی کا اس کی زندگی ہی میں۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر توی متحقق ہو جائے تو اس صورت میں محتال محیل سے مطالبے کا حق رکھتا ہے اور 'توی' یہ مصدر ہے توِیَ یَتْویٰ تویً سے اس کے معنی ہیں ہلاک ہوجانا حوالہ میں "توی" کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔

ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ مثلاً محتال علیہ یعنی ضامن حوالہ کا انکار کردے کہ میں نے قرض ادا کرنے کی ذمہ داری نہیں لی ہے اس پر وہ قسم بھی کھالے اور قرض خواہ یعنی محتال کے پاس اس پر گواہ اور ثبوت بھی نہیں ہے کہ ہاں محتال علیہ قرض کا ذمہ دار بنا تھا تو اس صورت میں توی متحقق ہوگیا اب چوں کہ قرض وصول کرنے کی کوئی شکل نہیں ہے اس لیے اب اصل مقروض سے وصول کرے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ قرض ادا کرنے سے قبل محتال علیہ کا انتقال ہوگیا اور اس نے ترکہ میں اتنا مال نہیں چھوڑا کہ اس سے قرض ادا ہو جائے اس صورت میں بھی توی پایا گیا اس لیے اب اصل مقروض محیل سے وصول کرے گا تیسری صورت صاحبین یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اور عدالت نے محتال علیہ کو مفلس اور دیوالیہ

قرار دے دیا تو اس صورت میں بھی توی متحقق ہو گیا تو اب محتال لہ محیل یعنی اصل مقروض سے قرض وصول کر سکتا ہے کہ اب تم میرا قرض ادا کرو۔

(۱۴۲۲/۵) وَاِذَا طَالَبَ الْمُحْتَالُ عَلَيْهِ الْمُحِيْلَ بِمِثْلِ مَالِ الْحَوَالَةِ فَقَالَ الْمُحِيْلُ اَحَلْتُ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهٗ وَكَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ الدَّيْنِ.

ترجمہ: اور اگر مطالبہ کیا محتال علیہ نے محیل سے مالِ حوالہ کے مثل کا محیل نے کہا میں نے حوالہ کیا تھا اپنے اس قرض کے بدلہ جو میرا آپ پر ہے تو اس کا قول معتبر نہ ہوگا اور اس پر قرض کے برابر روپیہ لازم ہوگا۔

تشریح: محتال علیہ نے محیل کی طرف سے ادا کرنے کے بعد محیل سے قرض کی مقدار مال کا مطالبہ کیا کہ وہ رقم مجھے دیں اس پر محیل نے کہا کہ میرا آپ پر پرانا قرض تھا اس کی وصولی کے لئے آپ پر دین کا حوالہ کیا تھا، یعنی میں نے یہ کہا تھا کہ میرا تجھ پر جو قرض ہے اس سے میرا وہ قرض ادا کر دے جو محتال لہ کا مجھ پر ہے اور اس پر محیل کے پاس گواہ نہیں ہیں تو محیل کی بات نہیں مانی جائے گی، بلکہ محتال علیہ کی بات مانی جائے گی اور جتنا قرض محتال علیہ نے ادا کیا ہے اتنا قرض محیل سے واپس لے گا کیوں کہ محیل محتال علیہ پر قرض کا دعوی کر رہا ہے اور محتال علیہ منکر ہے اور محیل کے پاس گواہ نہیں ہے تو منکر یعنی محتال علیہ کی بات مانی جائے گی اور محیل سے اتنا قرض وصول کرنے کا حق ہوگا جتنا محتال علیہ نے ادا کیا ہے، (عینی ۲/۸۱) اور اگر محیل نے گواہ پیش کر دیئے تو محتال علیہ کا حق رجوع باطل ہو جائے گا۔

(۱۴۲۳/۶) وَاِنْ طَالَبَ الْمُحِيْلُ الْمُحْتَالَ بِمَا اَحَالَهٗ بِهٖ فَقَالَ اِنَّمَا اَحَلْتُكَ لِتَقْبِضَهٗ لِيْ وَقَالَ الْمُحْتَالُ بَلْ اَحَلْتَنِيْ بِدَيْنٍ لِيْ عَلَيْكَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُحِيْلِ مَعَ يَمِيْنِهٖ.

ترجمہ: اور اگر مطالبہ کیا محیل نے محتال سے اس مال کا جو اس کے لئے حوالہ کیا تھا اور محیل نے کہا میں نے اس لیے حوالت کرائی تھی تا کہ تو میرے لئے وصول کرے اور محتال نے کہا نہیں، بلکہ تو نے حوالہ کرایا تھا اس قرض کی وجہ سے جو میرا تیرے ذمہ ہے تو محیل کا قول قبول ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب محتال علیہ نے محتال لہ کو قرض ادا کر دیا تو محیل نے محتال لہ سے اس قرض کا مطالبہ کیا اور کہا کہ میں نے اس قرض کا وصول کرنا تیرے حوالہ اس لیے کیا تھا تا کہ تو یہ قرض میرے لئے وصول کر کے قبضہ کرے (گویا میں نے تجھ کو قرض وصول کرنے کے لئے وکیل بنایا تھا) محتال لہ نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ میرا جو قرض تجھ پر تھا اس کو وصول کرنا میرے حوالہ کیا تھا اس لیے میں وصول کیا ہوا قرض آپ کو نہیں دوں گا تو بات محیل کی مانی جائے گی قسم کے ساتھ، کیوں کہ محتال لہ محیل پر قرض کا دعوی کر رہا ہے اور اس کے پاس اس پر گواہ نہیں ہیں اور محیل اس کا منکر ہے اس لیے قسم کے ساتھ اس کی بات مانی جائے گی صرف اتنی بات ہے کہ اس نے لفظ حوالہ کو وکالت کے لئے استعمال کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ لفظ حوالہ مجاز اً وکالت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۸۱)

(۱۴۲۴/۷) وَيُكْرَهُ السَّفَاتِجُ وَهُوَ قَرْضٌ اِسْتَفَادَ بِهِ الْمُقْرِضُ اَمْنَ خَطَرِ الطَّرِيْقِ.

ترجمہ: اور سفاتج مکروہ ہے اور وہ قرض ہے کہ جس کا دینے والا راستہ کے خطرات سے محفوظ ہو جائے۔

تشریح: سفاتج واحد سُفتجه' بضم السين وفتح التاء اس کی اصل سفته (مضبوط چیز) اس کو ہنڈی کہتے ہیں، صورت مسئلہ یہ ہے کہ حامد نے خالد کو اس شرط پر مال قرض دیا کہ خالد اس کے واسطے ایک تحریر فلاں شہر کو لکھ دے مثلاً حامد نے سہارنپور میں مال اس شرط پر قرض دیا کہ خالد حامد کے واسطے ایک تحریر دلی کو لکھ دے جہاں خالد کا کارو بار ہے تا کہ حامد یہ تحریر دکھا کر اسی قدر مال دلی میں وصول کر لے کیوں کہ قرض دینے والے نے قرض دے کر یہ فائدہ اٹھایا کہ راستہ کے خطرات سے محفوظ ہو گیا اور ان خطرات کا دور ہونا بھی قرض دینے والے کے واسطے ایک نفع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قرض سے منع فرمایا جو نفع پر مشتمل ہو معلوم ہوا کہ ہوا کہ ہنڈی کم از کم مکروہ ہے، لیکن یہ کراہت اس وقت ہے جب وہ تحریر وغیرہ لینے کی شرط پر روپیہ دے اگر بغیر شرط کے ایسا کیا تو مکروہ نہیں ہے، تفصیل دیکھئے عینی شرح کنز۔

كِتَابُ الصُّلْحِ

(یہ کتاب صلح کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: وکالت کفالت اور حوالت میں سے ہر ایک کے اندر بسا اوقات آپسی اختلاف کو دور کرنے کے لئے صلح صفائی کی ضرورت پڑتی ہے اس مناسبت کے پیش نظر اس موقع پر کتاب الصلح کو بیان کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

صلح کی لغوی تعریف: صلح لغت کے اعتبار سے مصالحۃ کا اسم ہے رنجش دور کرنا۔

اصطلاحی تعریف: وہ عقد جو جھگڑے کو مٹا دے (اللباب ۲/۸۵)

صلح کا رکن: ایجاب وقبول ہے اس کی شرطیں عاقل ہونا بالغ ہونا آزاد ہونا۔

اصطلاحی الفاظ: مُصالِح، صلح کرنے والا، مصالح عنہ جس سے صلح کی ہے مصالح علیہ جس چیز پر صلح واقع ہوئی ہے۔

صلح کا ثبوت: عَنْ بَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ على ثلاثة اشياء (بخاری ص: ۳۷۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین سے تین باتوں پر صلح کی، اس حدیث سے صلح کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

(۱۴۲۵/۱) اَلصُّلْحُ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَضْرُبٍ صُلْحٌ مَعَ اِقْرَارٍ وَصُلْحٌ مَعَ سُكُوْتٍ وَهُوَ اَنْ لَّا يُقِرَّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ

وَلَا يُنْكِرُ وَصُلْحٌ مَعَ اِنْكَارٍ وَكُلُّ ذَالِكَ جَائِزٌ.

ترجمہ: صلح تین قسم پر ہے اقرار کے ساتھ صلح اور چپ رہنے کے ساتھ صلح اور وہ یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ نہ اقرار کرے نہ انکار کرے اور انکار کے ساتھ صلح اور یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

صلح کی اقسام ثلثہ کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے صلح کی تین قسمیں بیان کی ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر میرے پچاس روپے ہیں مدعیٰ علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں ہیں، لیکن پچاس کے بدلہ چالیس پر صلح کر لیں اور دس روپے چھوڑ دیں مدعی نے مان لیا تو یہ قرار کے ساتھ صلح ہوئی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر میرے ایک سو روپے ہیں مدعیٰ علیہ نے نہ انکار کیا اور نہ اقرار کیا خاموش رہا پھر کہا کہ ایک سو روپے کے بدلہ ایک کتاب پر صلح کر لیں مدعی نے مان لیا یہ صلح مع السکوت ہوئی۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مدعی نے ایک ہزار روپے کا دعویٰ کیا مدعیٰ علیہ نے انکار کر دیا کہ تمہارا مجھ پر کچھ نہیں ہے پھر کہا چلو چھوڑو میں اس کے بدلے ایک گھڑی دیتا ہوں مدعی نے مان لیا اس کو صلح مع انکار کہتے ہیں، صلح کی یہ تین صورتیں جائز ہیں۔

دلیل: اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ الخ (ابوداؤد۲/۵۰۶) مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے یہ حدیث مطلق ہے اس لیے اس میں قسم کی صلح داخل ہیں۔

(۲/۱۴۲۶) فَاِنْ وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ اُعْتُبِرَ فِيْهِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْبِيَاعَاتِ اِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ.

حل لغت: بیاعات: واحد بیاعۃ سامان فروختنی۔

ترجمہ: اگر واقع ہو صلح اقرار سے تو اعتبار کیا جائے گا اس میں ان امور کا جن کا خرید وفروخت میں اعتبار کیا جاتا ہے اگر واقع ہو مال سے مال کے بدلہ میں۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر صلح مال سے مال کے مقابلہ میں مدعیٰ علیہ کے اقرار کے ساتھ ہو تو یہ صلح بیع کے حکم میں ہوگی مثلاً مدعی نے دعویٰ کیا کہ تم پر میرے پچاس ہزار روپے ہیں مدعی علیہ نے اقرار کیا کہ ہاں ہیں پھر پچاس ہزار کے بدلہ ایک گھر دے کر صلح کر لی تو یہاں دونوں جانب مال ہے اور صلح مع الاقرار ہے تو گویا پچاس ہزار کے بدلے مدعی نے گھر خریدا ہے اور مدعی علیہ کے درمیان بیع کا معاملہ ہوا ہے تو بیع میں جن جن امور کا اعتبار ہوتا ہے اس صلح میں بھی ان ہی امور کا اعتبار ہوگا مثلاً گھر میں حق شفعہ بھی ہوگا اگر مکان میں کوئی عیب ہے تو خیار عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا بھی حق ہے اور اگر مکان کو نہ دیکھا ہو تو خیار رؤیت کے تحت اس کو واپس کر سکتا ہے۔

(۳/۱۴۲۷) وَاِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَنَافِعِ فَيُعْتَبَرُ بِالْاِجَارَاتِ.

ترجمہ: اور اگر صلح واقع ہو مال کے بدلے تو اعتبار کیا جائے گا اجرت کا۔

تشریح: اگر ایک طرف مال ہے اور دوسری طرف نفع ہے تو اس صلح پر اجارہ کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً مدعی نے دعویٰ کیا کہ میرے تم پر دو ہزار روپے ہیں مدعی نے اس کا اقرار کرلیا پھر کہا کہ اس کے بدلہ میں چھ ماہ تک آپ کا فلاں کام کردوں گا یا میرا غلام ایک سال آپ کی خدمت کرے گا یا میرے گھر میں تم ایک سال رہ سکتے ہو تو مدعی کی جانب سے دو ہزار مال ہے اور مدعیٰ علیہ کی جانب سے کام اور منافع ہیں تو یہ اجرت کی شکل ہوگئی تو اس صلح میں اجارہ کے احکام جاری ہوں گے مثلاً نفع دینے کی مدت متعین کی جائے گی اور دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہوجائے تو صلح باطل ہوجائے گی۔

(۴/۱۴۲۸) وَالصُّلْحُ عَنِ السُّكُوْتِ وَالْاِنْكَارِ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ لِاِفْتِدَاءِ الْيَمِيْنِ وَقَطْعِ الْخُصُوْمَةِ وَفِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ لِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ.

ترجمہ: اور چپ رہنے کے بعد صلح اور انکار کے بدلہ صلح مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ دینے اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوتی ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے درجہ میں ہوتی ہے۔

تشریح: شیخ قدوری اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر صلح مدعیٰ علیہ کے چپ رہنے یا انکار کے بعد ہوئی (مسئلہ (۱) میں صورتیں گذر چکی ہیں) تو یہ صلح مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ اور جھگڑا مٹانے کے طور پر ہوگی مطلب یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ چپ رہا یا انکار کردیا اور مدعی نے گواہوں کے ذریعہ اس پر کچھ ثابت نہیں کیا اس لیے حقیقت میں مدعیٰ علیہ پر کچھ لازم نہیں ہوا پھر بھی صلح ہو رہی ہے کیوں کہ اگر صلح نہ ہوتی تو مدعیٰ علیہ پر قسم لازم آتی اور مقدمہ کے جھمیلے میں پڑتا جھگڑا ہوتا اس لیے جو کچھ صلح کے طور پر دیا وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے دیا گویا کہ اس نے جھگڑا ختم اور قسم نہ کھانے کا فدیہ دیا ہے اور مدعی کے حق میں معاوضہ کے معنی میں اس وجہ سے ہے کہ مدعی یہ سمجھ رہا ہے کہ میری چیز مدعیٰ علیہ کے پاس تھی میں اپنی اس چیز کا عوض لے رہا ہوں۔

(۵/۱۴۲۹) وَاِذَا صَالَحَ عَنْ دَارٍ لَمْ يَجِبْ فِيْهَا الشُّفْعَةُ.

ترجمہ: اگر صلح کی گھر سے تو اس میں شفعہ واجب نہیں ہوگا۔

تشریح: مدعی کے حق میں صلح مذکور کے معاوضہ ہونے اور مدعیٰ علیہ کے حق میں قسم کا فدیہ ہونے پر متفرع ہے صورت مسئلہ علامہ عینی نے اس طرح لکھی ہے ایک آدمی نے دوسرے پر گھر کا دعویٰ کیا مدعیٰ علیہ نے انکار کردیا یا چپ رہا پھر اس گھر کے بدلہ کچھ روپیہ وغیرہ دے کر صلح کرلی تو اس گھر میں شفعہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ مدعیٰ علیہ اس کو اپنے اصل

حق کی بناء پر لے رہا ہے، پس وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ گھر پہلے سے میرا ہی ہے جھگڑا مٹانے اور قسم نہ کھانے کا فدیہ سمجھ کر دے رہا ہوں اس روپے کے بدلہ گھر نہیں خرید رہا ہوں تو جب گھر خریدنا نہیں پایا گیا تو اس میں شفعہ بھی نہ ہوگا۔ (عینی ۲/۱۶۴)

(۱۴۳۰/۶) وَاِذَا صَالَحَ عَلٰی دَارٍ وَجَبَتْ فِیْهَا الشُّفْعَةُ.

ترجمه: اور جب صلح کی گھر میں تو اس میں شفعہ واجب ہوگا۔

تشریح: مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ مدعی نے دعوی کیا کہ تم پر میرے پچاس ہزار روپے ہیں مدعی علیہ چپ رہا یا انکار کردیا، پھر پچاس ہزار کے بدلے ایک گھر دے کر صلح کرلی تو اس گھر میں شفعہ واجب ہوگا کیوں کہ مدعی اس گھر کا پچاس ہزار کا عوض سمجھ کر لے رہا ہے تو یہ اس کے حق میں معاوضہ ہوا اس لیے اس گھر میں شفعہ ہوگا۔ (عینی ۲/۱۶۵)

(۱۴۳۱/۷) وَاِذَا کَانَ الصُّلْحُ عَنْ اِقْرَارٍ فَاسْتُحِقَّ بَعْضُ الْمُصَالَحِ عَنْهُ رَجَعَ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ بِحِصَّةِ ذَالِكَ مِنَ الْعِوَضِ.

ترجمه: اور اگر اقرار کے بعد صلح ہوئی پھر کوئی حصہ دار نکل آئے صلح کی چیز کے بعض حصہ میں تو واپس لے لے مدعی علیہ اس حصہ کے موافق اپنا دیا ہوا عوض۔

تشریح: مدعی علیہ نے مدعی کے دعوی کا اقرار کرنے کے بعد مال دے کر صلح کرلی اس کے بعد مصالح عنہ (جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی) میں سے آدھا حصہ دوسرے کا نکل آیا اور وہ آدھا مدعی علیہ سے وصول کرلیا تو اس سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ مدعی علیہ نے صلح میں مدعی کو جو دیا تھا مستحق کے لئے ثابت شدہ حصہ کے بقدر اس میں سے واپس لے لے گا، مثلاً زید نے ایک مکان کا دعوی کیا جو عمرو کے قبضہ میں ہے کہ یہ مکان میرا ہے عمرو نے کہا کہ بالکل درست ہے پھر سو روپے دے کر صلح کرلی، پھر مکان جو مصالح عنہ تھا اس میں سے آدھا حصہ دوسرے کا نکل آیا تو عمرو زید سے پچاس روپے واپس لے گا۔

(۱۴۳۲/۸) وَاِذَا وَقَعَ الصُّلْحُ عَنْ سُکُوْتٍ اَوْ اِنْکَارٍ فَاسْتُحِقَّ الْمُتَنَازِعُ فِیْهِ رَجَعَ الْمُدَّعِیْ بِالْخُصُوْمَةِ وَرَدَّ الْعِوَضَ وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ ذَالِكَ رَدَّ حِصَّتَهٗ وَرَجَعَ بِالْخُصُوْمَةِ فِیْهِ.

حل لغات: المتنازع فیه اس سے مراد وہ مکان ہے جس میں زید عمرو اور بعد میں مستحق جھگڑا کرتے رہے اور جس کی وجہ سے صلح ہوئی تھی۔

رجع المدعی بالخصومه: اس سے مراد زید مدعی ہے جو مستحق پر مقدمہ دائر کرکے اپنا حصہ وصول کرے گا۔

رد العوض: مکان مصالح عنہ کے عوض میں زید نے عمر سے پچاس ہزار روپے لئے ہیں وہ واپس کرے۔

ترجمه: اور اگر صلح واقع ہو چپ رہنے کے بعد یا انکار کے بعد پھر متنازع فیہ چیز کا کوئی حق دار نکل آیا تو مدعی

(مستحق کے ساتھ) خصومت کرنے پر رجوع کرے اور (صلح کا) عوض واپس کردے اور اگر حق دار نکل آیا اسکے بعض حصہ کا تو اس حصہ کے بقدر (صلح میں سے) واپس کردے اور (مدعی) اسی (حصہ کے بقدر) میں (مستحق) سے جھگڑے۔

تشریح: اس مسئلہ کو مثال سے سمجھیں، عمر کے قبضہ میں ایک مکان تھا زید نے دعوی کیا کہ یہ مکان میرا ہے عمر اس پر چپ رہا یا انکار کیا بعد میں عمر مدعی علیہ نے پچاس ہزار روپے دے کر صلح کر لی اس کے بعد وہ مکان کسی دوسرے کا نکل آیا تو زید نے عمر سے جو پچاس ہزار روپے لئے تھے وہ اس کو واپس کر کے مستحق سے خود نمٹے اور اگر آدھا مکان مستحق کا نکلا تھا تو پچیس ہزار روپے عمر کو واپس دے گا اور آدھا مکان زید، مستحق سے مقدمہ کر کے واپس لے گا کیوں کہ عمر نے زید کو مکان کے بدلہ پچاس ہزار روپے اس لیے دیئے تھے کہ مکان کا کوئی حق دار نہ نکلے اور مکان بغیر جھگڑے کے اس کے پاس رہے مگر یہاں تو حق دار بھی نکل گیا اور جھگڑے میں بھی پڑنا پڑا جس کی وجہ سے پچاس ہزار دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا اس لیے زید عمر کی رقم واپس کر کے حق دار سے خود نمٹے گا اب حق دار عمر مدعی علیہ کے درجہ میں ہو گیا اس لیے زید اسی حق دار سے خصومت کر کے یا تو اپنا حق واپس لے گا یا قاضی فیصلہ کرے گا تو اس کا حق، حق دار کے پاس جائے گا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴، اللباب ۲/۸۶)

(۱۴۳۳/۹) وَاِنْ ادَّعٰى حَقًّا فِيْ دَارٍ وَلَمْ يُبَيِّنْهُ فَصُوْلِحَ مِنْ ذَالِكَ عَلٰى شَيْءٍ ثُمَّ اسْتُحِقَّ بَعْضُ الدَّارِ لَمْ يَرُدَّ شَيْئاً مِنَ الْعِوَضِ.

ترجمہ: اور اگر دعوی کرے مدعی حق کا گھر میں اور اس کی تفصیل بیان نہ کرے پھر صلح کر لی جائے اس کے بدلے کسی چیز پر پس مستحق نکل آئے بعض گھر کا تو مدعی اس عوض میں سے کچھ واپس نہ کرے۔

تشریح: زید نے عمر سے کہا کہ تمہارے قبضہ میں جو گھر ہے اس میں میرا حق ہے، کتنا ہے کس طرف ہے، تفصیل بیان نہیں کی پھر عمر نے زید کو دس ہزار روپے دے کر صلح کر لی بعد میں اس مکان میں کسی کا کچھ حق نکل گیا تو عمر زید سے اپنے دیئے پیسے واپس نہیں لے سکتا کیوں کہ جو کچھ حصہ مکان میں سے عمر کے پاس باقی رہ گیا ہے زید کہہ سکتا ہے کہ جو حصہ تمہارے پاس رہ گیا ہے اتنا ہی میرا حق تھا اور اس پر صلح کر کے میں نے تم سے دس ہزار روپے لئے تھے ہاں اگر پورا مکان کسی مستحق کا نکل گیا تو اب عمر زید سے اپنی دی ہوئی پوری رقم واپس لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

(۱۴۳۴/۱۰) وَالصُّلْحُ جَائِزٌ مِنْ دَعْوَى الْاَمْوَالِ وَالْمَنَافِعِ وَجِنَايَةِ الْعَمَدِ وَالْخَطَاءِ.

ترجمہ: اور صلح جائز ہے مال منافع جنایت عمد اور جنایت خطا کے دعووں سے۔

وہ چیزیں جن کی طرف سے صلح جائز ہے یا جائز نہیں

تشریح: کسی نے مال کا دعوی کیا اس کے بدلہ میں کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے اور یہ صلح بیع کے درجہ میں

ہوگی اس کی تفصیل مسئلہ (۲) میں گذر چکی ہے، یا منافع کا کسی نے دعوی کیا اور اس کے بدلہ کچھ دے کر صلح کر لی تو جائز ہے اور یہ صلح اجارہ کے درجہ میں ہوگی، مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے میرے لئے اس مکان کی ایک سال رہائش کی وصیت کی ہے ورثہ نے اس کو کچھ مال دے کر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہے اور عقد اجارہ کے ذریعہ منافع مملوک ہو جاتے ہیں تو صلح کے ذریعہ سے بھی مملوک ہو جاتے ہیں ایسے ہی جنایت عمد کے دعوی سے صلح کرنی جائز ہے، مثلاً کسی نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کر دیا یا کوئی عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے قاتل پر قصاص تھا اس قصاص کے بدلہ میں قاتل نے مقتول کے اولیاء کو مال کا لالچ دے کر یا عاجزی سے صلح کر لی تو جائز ہے، اور جنایت خطاء کی صورت یہ ہے کہ غلطی سے کسی نے کسی کا عضو کاٹ دیا جس کی وجہ سے اس پر دیت واجب تھی لیکن بعد میں دیت سے کم مال پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے۔

دلیل: فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَأَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ. (آیت ۱۷۸ سورۃ البقرہ) یعنی پھر اگر بھائی کی جانب سے کچھ معاف کر دیا جائے تو باقی میں معروف کے ساتھ تقاضا کیا جائے گا اور اس کی طرف احسان کے ساتھ ادا کرنا ہوگا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قتل عمد سے صلح کے بارے میں نازل ہوئی۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۴)

اور جنایت خطا کی صورت میں صلح اس لیے جائز ہے کہ جنایت خطاء کا موجب مال ہے اور صلح عن المال بلا اشکال جائز ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۶۶)

(۱۱/۱۴۳۵) وَلَا يَجُوْزُ مِنْ دَعْوٰى حَدٍّ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے حد کے دعویٰ سے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی نے دوسرے پر حد شرعی کا دعویٰ کیا تو اس سے صلح جائز نہیں ہے، مثلاً کسی نے زانی چور یا شراب خور پکڑ کر قاضی کی عدالت میں لے جانے کا ارادہ کیا اور مجرم نے کچھ مال دے کر پکڑنے والے سے صلح کر لی تا کہ یہ اسے چھوڑ دے تو یہ صلح جائز نہیں ہے، اور مجرم کو اس بات کا حق ہے کہ اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے۔

دلیل: حد اصل میں اللہ کا حق ہے بندے کا نہیں ہے اور اللہ کا حق اللہ ہی معاف کر سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں اس لیے نہ اس کو معاف کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر صلح کر سکتا ہے۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۵)

(۱۲/۱۴۳۶) وَاِذَا ادَّعٰى رَجُلٌ عَلَى امْرَأَةٍ نِكَاحاً وَهِيَ تَجْحَدُ فَصَالَحَتْهُ عَلٰى مَالٍ بَذَلَتْهُ حَتّٰى يَتْرُكَ الدَّعْوٰى جَازَ وَكَانَ فِيْ مَعْنَى الْخُلْعِ.

ترجمہ: دعویٰ کیا کسی نے ایک عورت پر نکاح کا اور وہ انکار کرتی ہے پھر عورت نے صلح کر لی مال پر جس کو اس نے خرچ کیا تا کہ وہ دعویٰ چھوڑ دے تو جائز ہے اور یہ صلح خلع کے حکم میں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے ایک عورت پر دعویٰ کیا کہ اس سے میرا نکاح ہوا تھا جب کہ وہ عورت نکاح ہونے کا انکار کر رہی ہے بعد میں جان چھڑانے کے لئے عورت نے کچھ مال دے کر اس مرد سے صلح کر لی تا کہ وہ مرد نکاح کا دعوی چھوڑ دے تو یہ صلح جائز ہے، کیوں کہ عورت مقدمہ سے جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہی ہے اور اس کا مال اس لیے جان چھڑانے کے لئے مال خرچ کر سکتی ہے اور مرد کی جانب سے یوں سمجھا جائے گا کہ نکاح ہوا تھا اور عورت نے گویا خلع کیا اور خلع کے طور پر گویا یہ رقم مجھے دی ہے، اس لیے اس کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے۔

(۱۳/۱۴۳۷) وَاِذَا ادَّعَتْ اِمْرَأَةٌ نِكَاحاً عَلٰى رَجُلٍ فَصَالَحَهَا عَلٰى مَالٍ بَذَلَهُ لَهَا لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر دعوی کیا کسی عورت نے نکاح کا کسی مرد پر پھر صلح کر لی مرد نے عورت سے کچھ مال دے کر تو یہ صلح جائز نہیں۔

تشریح: یہ مسئلہ نمبر (۱۲) کا الٹا ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک عورت نے کسی مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد نے مال دے کر اس عورت سے صلح کر لی تا کہ جان چھوٹ جائے تو عورت کے لئے مال لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ مرد تو یہ سمجھ رہا ہے کہ اپنی جان چھڑانے کے لئے رقم دے رہا ہوں اب عورت کس اعتبار سے لے رہی ہے؟ اگر یہ سمجھ کر لے رہی ہے کہ نکاح ہوا تھا اور جدائیگی کے لئے لے رہی ہوں تو جدائیگی میں مرد کی جانب سے کچھ مال نہیں ہوتا بلکہ عورت دیا کرتی ہے اور اگر یہ سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہی نہیں ہوا تھا تو ویسے ہی بغیر نکاح کے مال لینا جائز نہیں ہے۔

نوٹ: قدوری کے بعض نسخوں میں لم یجز کے بجائے یجوز ہے یعنی عورت کے لئے مال لینا جائز ہے اس کی تاویل یہ ہوگی کہ عورت سمجھ رہی ہے کہ نکاح ہوا ہے اور مرد صلح کے طور پر جو مال دے رہا ہے یہ مہر میں زیادتی ہے گویا کہ مہر میں زیادتی کر کے اصل مہر پر خلع دے دیا تو اصلی مہر ساقط ہو گیا، اور یہ زیادتی جوں کی توں رہی۔ الجوہرة ۲/۵، رقم حاشیۃ القدوری ۷)

صاحب اللباب نے لکھا ہے کہ لم یجز والا نسخہ ہی اصح ہے۔ (۲/۸۷)

(۱۴/۱۴۳۸) وَاِنِ ادَّعٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ اَنَّهُ عَبْدُهُ فَصَالَحَهُ عَلٰى مَالٍ اَعْطَاهُ جَازَ وَكَانَ فِيْ حَقِّ الْمُدَّعِيْ فِيْ مَعْنَى الْعِتْقِ عَلٰى مَالٍ.

ترجمہ: اور اگر دعوی کرے ایک آدمی دوسرے پر کہ یہ میرا غلام ہے چناں چہ اس نے کچھ مال دے کر صلح کر لی تو جائز ہے اور یہ مدعی کے حق میں مال پر آزادی کے حکم میں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے جب کہ اس کے نسب کا حال معلوم نہیں یعنی مدعی علیہ مجہول النسب ہے غلام نے انکار کر دیا بعد میں کچھ مال دے کر صلح کر لی تو مدعی کے لئے یہ رقم لینا جائز ہے کیوں کہ غلام تو جان چھڑانے کے لئے مال دے رہا ہے اور مدعی کے حق میں یہ سمجھا جائے گا کہ وقعتاً یہ اس کا غلام تھا اور مدعی نے صلح کا مال

لے کراس کو آزاد کیا اور مال لے کر آزاد کرنا جائز ہے۔

(۱۵/۱۴۳۹) وَكُلُّ شَيْءٍ وَقَعَ عَلَيْهِ الصُّلْحُ وَهُوَ مُسْتَحَقٌّ بِعَقْدِ الْمُدَايَنَةِ لَمْ يُحْمَلْ عَلَى الْمُعَاوَضَةِ وَإِنَّمَا يُحْمَلُ عَلَى أَنَّهُ اسْتَوْفَى بَعْضَ حَقِّهِ وَأَسْقَطَ بَاقِيَهُ كَمَنْ لَهُ عَلَى رَجُلٍ أَلْفُ دِرْهَمٍ جِيَادٍ فَصَالَحَهُ عَلَى خَمْسِمِائَةٍ زُيُوفٍ جَازَ وَصَارَ كَأَنَّهُ أَبْرَأَهُ عَنْ بَعْضِ حَقِّهِ.

حل لغات: عقد مداينة: ادھار فروخت کرنا یا قرض دینا مداینة باب مفاعلت سے ہے مطلب یہ ہے کہ درہم، دینار وغیرہ قرض دیا ہو یا کوئی چیز درہم دینار کے بدلہ بیچی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو۔ استوفی: مصدر استیفاء پورا حق لینا، جیاد: جید کی جمع ہے عمدہ، کھرا، زیوف: زیف کی جمع ہے کھوٹا، أبرأه عنه ابراءً بری کرنا۔

ترجمہ: اور ہر وہ چیز جس پر صلح واقع ہو اور اس میں وہ دین کے عقد سے مستحق ہو تو اس صلح کو معاوضہ پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ محمول کیا جائے گا اس بات پر کہ مدعی نے اپنا کچھ حق لے لیا اور باقی کو ساقط کر دیا جیسے کسی آدمی کے کسی پر ایک ہزار کھرے درہم تھے اس نے پانچسو کھوٹے درہموں پر صلح کر لی تو یہ جائز ہے اور یہ ایسا ہو گیا گویا کہ اس نے اس کو اپنے بعض حق سے بری کر دیا۔

دین سے صلح کرنے کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے قرض میں صلح سے متعلق ایک اصول بیان فرمایا ہے، کہ جس چیز پر صلح واقع ہو اور معاملہ قرض کی وجہ سے واجب ہو یعنی درہم، دینار وغیرہ قرض دیا ہو یا کوئی چیز درہم دینار کے بدلہ بیچی ہو اور وہ مشتری پر قرض ہو اب درہم دینار قرض کے بدلہ صلح کرنا چاہتا ہے تو اس صلح کو معاوضہ پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ مدعی نے اپنا کچھ حق وصول کر لیا اور کچھ ساقط کر دیا، اگر اس کو معاوضہ پر محمول کرتے ہیں تو برابر سرابر ہونا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا جو حرام ہے، اس کی صورت صاحب کتاب یہ لکھ رہے ہیں کہ ایک شخص نے کسی سے کوئی چیز ایک ہزار درہم کے بدلہ خریدی اب مشتری پر وہ ہزار درہم بطور قرض ہیں اب بائع اور مشتری دونوں نے پانچ سو گھٹیا اور کھوٹے دراہم پر صلح کر لی تو یوں سمجھا جائے گا کہ عدد کے اعتبار سے باقی پانچ سو چھوڑ دیا اور صفت کے اعتبار سے عمدہ کو ساقط کر کے گھٹیا لیا یوں نہیں کہیں گے کہ ایک ہزار درہم کے بدلہ پانچ سو درہم لیا اگر ایسا کہیں تو سود لازم آئے گا جو حرام ہے۔

(۱۶/۱۴۴۰) وَلَوْ صَالَحَهُ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلَةٍ جَازَ وَكَأَنَّهُ أَجَّلَ نَفْسَ الْحَقِّ.

لغت: مؤجلة: تاخیر کے ساتھ، مصدر تاجیلاً مدت مقرر کرنا مہلت دینا مؤخر کرنا۔

ترجمہ: اور اگر صلح کی ایک ہزار تاخیر پر تو یہ بھی جائز ہے گویا کہ اس نے نفس حق کو مؤخر کر دیا۔

تشریح: کسی کا کسی پر ایک ہزار روپیہ فوری (جلدی والانی الحال) تھا لیکن تاخیر کے ساتھ دینے پر صلح کرلی تو اگر معاوضہ قرار دیتے ہیں تو ہزار پر مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا، کیوں کہ ہزار ہزار کے بدلہ ہو تو مجلس قبضہ کرنا ضروری ہے ورنہ سود لازم آئے گا کیوں کہ ہزار ہزار کے بدلہ ہو تو مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے اس لیے یوں تاویل کریں گے کہ مدعی کا حق تو فی الحال تھا لیکن اس نے اپنا حق چھوڑ دیا اور تاخیر کے ساتھ لینے پر راضی ہوگیا۔ (الجوہرۃ ۲/۶)

(۱۷/۱۴۴۱) وَلَوْ صَالَحَهُ عَلٰى دَنَانِيْرَ اِلٰى شَهْرٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر صلح کی دینار پر ایک ماہ کی تاخیر کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: ایک آدمی کے دوسرے پر ایک ہزار درہم فوری قرض تھے مقروض نے ایک ماہ کی تاخیر کے ساتھ کچھ دینار پر صلح کرلی تو یہ جائز نہیں ہے کیوں کہ واجب تو درہم تھے دینار تھوڑا ہی تھے تو جو درہم کے بدلہ دینار پر صلح کی یہ اسقاط نہیں ہوا بدلہ ہوا اور معاوضہ پر محمول کرنے کی صورت میں یہ بیع صرف ہوگی اور بیع صرف میں مجلس کے اندر قبضہ کرنا ضروری ہے اور صلح کرلی مہینہ کی تاخیر پر جو سود ہے اس لئے صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ: اگر ایک ماہ کی تاخیر نہ کرتا اور فوری طور پر درہم کے بدلہ کچھ دینار پر صلح کرلیتا اور مجلس میں دینار پر قبضہ کرلیتا تو جائز ہوجاتا کیوں کہ درہم کے بدلہ دینار کمی بیشی کرکے لے سکتا ہے، البتہ مجلس میں قبضہ کرنا ضروری ہے۔

(۱۸/۱۴۴۲) وَلَوْ كَانَ لَهُ اَلْفٌ مُؤَجَّلَةٌ فَصَالَحَهُ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ حَالَّةٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر کسی کے ہزار تاخیر کے ساتھ ہو اور وہ صلح کرے پانچ سو فوری پر تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: کسی کے دوسرے پر ایک ہزار درہم تھے لیکن تاخیر کے ساتھ ادا کرنے کی شرط تھی اس نے پانچ سو درہم پر صلح کرلی اور جلدی ادا کرنے کی شرط لگائی تو جائز نہیں ہے، کیوں کہ نقد ادھار سے بہتر ہے جب کہ قرض کے معاملہ میں قرضخواہ نقد کا مستحق نہیں تھا اور قرض خواہ نے جس قدر حق سے کم کیا ہے (پانچ سو درہم) وہ میعاد کے مقابلہ میں ہے اور نصف کا کم کرنا یہ میعاد کا عوض لینا سمجھا جائے گا اور میعاد کا عوض لینا حرام ہے۔ (الجوہرۃ ۲/۶)

(۱۹/۱۴۴۳) وَلَوْ كَانَ لَهُ اَلْفُ دِرْهَمٍ سُوْدٍ فَصَالَحَهُ عَلٰى خَمْسِمِائَةٍ بِيْضٍ لَمْ يَجُزْ.

حل لغات: سود: یہ اسود کی جمع ہے کالا کھوٹا درہم، بیض: یہ ابیض کی جمع ہے سفید، عمدہ درہم، کھرا درہم۔

ترجمہ: اور اگر کسی کے ایک ہزار درہم کھوٹے درہم ہوں اور صلح کرلے پانچ سو کھرے درہم پر تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: اس مسئلہ کے سمجھنے سے قبل ایک اصول ملاحظہ فرمائیں وہ یہ کہ اگر وصول شدہ رقم اپنے حق سے کم ہے تو

وہ اسقاط ہے معاوضہ کے درجہ میں نہیں ہے اور اگر مقدار یا وصف کے اعتبار سے زائد ہے تو یہ معاوضہ ہے، اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی کے دوسرے کے ذمہ ہزار درہم سیاہ قرض تھے مقروض نے پانچ سو سفید درہم پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز نہیں ہے، کیوں کہ کھوٹے درہم کی قیمت کم ہے اور عمدہ درہم کی قیمت زیادہ ہے جب کھوٹے درہم کے بدلہ عمدہ لے لیا تو وصف کے اعتبار سے زیادتی ہوگئی، تو یہ معاوضہ ہوا اور درہم کے بدلہ میں درہم ہو تو برابر ہونا چاہئے ورنہ سود ہوگا یہاں ہزار کے بدلہ پانچ سو درہم ہیں لہٰذا سود ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

(۱۴۴۴/۲۰) وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلاً بِالصُّلْحِ عَنْهُ فَصَالَحَهُ لَمْ يَلْزَمِ الْوَكِيْلَ مَا صَالَحَهُ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَّضْمَنَهُ وَالْمَالُ لَازِمٌ لِلْمُوَكِّلِ.

ترجمہ: کسی نے وکیل کیا دوسرے کو صلح کرنے کا اپنی جانب سے اس نے صلح کرادی تو لازم نہ ہوگی وکیل کو وہ چیز جس پر صلح واقع ہوئی ہے مگر یہ کہ وہ اس کا ضامن بن جائے اور مال مؤکل پر لازم ہوگا۔

صلح کے ساتھ تبرع اور صلح کے ساتھ وکیل کرنے کا بیان

تشریح: مسئلہ کی وضاحت سے قبل بطور تمہید یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ صلح دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ صلح جس میں صلح کے ذریعہ اپنے کچھ حقوق ساقط کرنا ہے جیسے ہزار روپے کسی پر قرض تھے اس سے پانچ سو پر صلح کر لی صلح کی دوسری قسم وہ ہے جس میں اسقاط نہیں ہوتا بلکہ بدل اور معاوضہ کی شکل ہوتی ہے جیسے اقرار کے بعد مال کے بدلہ مال پر صلح کرے، دوسری بات یہ ہے کہ صلح کی قسم اول میں صلح کرانے کا وکیل سفیر محض ہوتا ہے اور صرف مؤکل کی بات پہنچا دیتا ہے اس لیے صلح کے مال کی ذمہ داری اس پر نہیں ہوگی بلکہ مال کی ذمہ داری مؤکل پر ہوگی اور صلح کی قسم دوم میں وکیل ذمہ دار ہوتا ہے۔

اب مسئلہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ ایک شخص نے اپنی جانب سے کسی کو وکیل بنایا تا کہ وہ صلح کر دے اس وکیل نے صلح کرادی اب بدل صلح وکیل پر لازم نہیں ہوگا صاحب قدوری کی عبارت میں صلح کی قسم اول مراد ہے، اس لیے مال کی ذمہ داری مؤکل پر ہوگی، ہاں اگر وکیل صلح کراتے وقت بدل صلح کا ضامن ہو جائے تو ضمانت کی وجہ سے اس پر ذمہ داری آئے گی۔

(۱۴۴۵/۲۱) فَاِنْ صَالَحَ عَنْهُ عَلٰى شَيْءٍ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَهُوَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِنْ صَالَحَ بِمَالٍ وَضَمِنَهُ تَمَّ الصُّلْحُ وَكَذَالِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى الْفِيْ هٰذِهٖ اَوْ عَلٰى عَبْدِىْ هٰذَا تَمَّ الصُّلْحُ وَلَزِمَهُ تَسْلِيْمُهَا اِلَيْهِ وَكَذَالِكَ لَوْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى اَلْفٍ وَسَلَّمَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ قَالَ صَالَحْتُكَ عَلَى اَلْفٍ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ فَالْعَقْدُ مَوْقُوْفٌ فَاِنْ اَجَازَهُ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ جَازَ وَلَزِمَهُ الْاَلْفُ وَاِنْ لَّمْ يُجِزْهُ بَطَلَ.

ترجمه: اگر صلح کر لی اس کی طرف سے کسی چیز پر اس کے حکم کے بغیر تو یہ چار صورتوں پر ہے (۱) اگر صلح کرے مال پر اور اس کا ضامن بھی ہو جائے تو صلح پوری ہو گئی (۲) اور ایسے ہی اگر کہا کہ صلح کر لی میں نے تم سے ان دو ہزار پر یا اپنے اس غلام پر تو صلح پوری ہو گئی اور لازم ہو گا اس (وکیل) کو اس کا (روپے یا غلام) کا سپرد کرنا مدعی کی طرف (۳) اور ایسے ہی اگر کہا میں نے تم سے صلح کی ہزار پر اور وہ ہزار اس کے حوالے کر دیئے۔ (۴) اور اگر کہا کہ میں ایک ہزار پر صلح کرتا ہوں اور اس کو ہزار سپرد نہیں کیا تو عقد صلح موقوف رہے گا اگر مدعیٰ علیہ اس کی اجازت دیدے تو صلح جائز ہو جائے گی اور مدعیٰ علیہ پر ہزار لازم ہو جائیں گے اور اگر وہ اجازت نہ دے تو صلح باطل ہو جائے گی۔

تشریح: ایک آدمی کو مجرم یا موکل نے صلح کرنے کا حکم نہیں دیا پھر بھی اس نے اپنی جانب سے فضولی بن کر صلح کر لی تو اس مسئلہ کی چار صورتیں صاحب کتاب نے ذکر فرمائی ہیں:

(۱) فضولی نے مال پر صلح کی اور خود مال حوالہ کرنے کی ذمہ داری لے لی (۲) فضولی نے بدل صلح کی نسبت اپنے ذاتی مال کی طرف کی مثلاً میں ان دو ہزار درہموں پر صلح کرتا ہوں یا اپنے اس غلام پر صلح کرتا ہوں تو یہ صلح بھی مکمل ہو گئی اور اس صورت میں فضولی پر لازم ہوگا کہ دو ہزار درہم یا غلام مدعی کے حوالہ کرے۔

(۳) فضولی نے نہ اپنے مال کی طرف نسبت کی اور نہ اشارہ کیا بلکہ مطلق کہا کہ میں نے ہزار درہم پر صلح کی اور ایک ہزار درہم مدعی کے حوالہ کر دیا فضولی کی ذمہ داری تو پوری ہو گئی اس لیے صلح بھی مکمل ہو جائے گی (۴) فضولی نے صرف یہ کہا کہ میں نے ہزار درہم پر صلح کی اور وہ ہزار درہم مدعی کے حوالہ بھی نہیں کیا تو اب صلح مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی وہ اجازت دے گا تو صلح مکمل ہو جائے گی اور اس پر ہزار درہم لازم ہوں گے اور اگر اجازت نہیں دی تو صلح باطل ہو جائے گی، پہلی تین صورتوں کی دلیل یہ ہے کہ فضولی نے اپنے اوپر ذمہ داری لے کر صلح کی ہے اور رقم بھی دے دی ہے اس لیے پہلی تین صورتوں میں صلح مکمل ہو جائے گی، اور چوتھی صورت کی دلیل یہ ہے کہ معاملہ میں اصل مدعی علیہ ہے لیکن چوں کہ فضولی نے خود ذمہ داری لی ہے اس معنی کر وہ اصل بن گیا مگر اس نے مال کی نسبت اپنی جانب نہیں کی تو وہ محض عاقد کے درجہ میں رہا لہٰذا اب صلح مدعی علیہ کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

(۲۲/۱۴۴۶) وَاِذَا کَانَ الدَّیْنُ بَیْنَ الشَّرِیْکَیْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَصِیْبِهٖ عَلٰی ثَوْبٍ فَشَرِیْکُهٗ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الدَّیْنُ بِنِصْفِهٖ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الثَّوْبِ اِلَّا اَنْ یَّضْمَنَ لَهٗ شَرِیْکُهٗ رُبْعَ الدَّیْنِ.

ترجمه: اور اگر قرض دو شریکوں کے درمیان (مشترک) ہو پھر صلح کر لے ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کی طرف سے کپڑے پر تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے اس کا پیچھا کرے جس پر دین ہے اپنا آدھا حصہ لینے کیلئے اور اگر چاہے تو آدھا کپڑا لے لے مگر یہ کہ ضامن ہو اس کے لئے اس کا شریک چوتھائی قرض کا۔

دین مشترک سے صلح کرنے کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے ایک مسئلہ کی تین صورتیں بیان کی ہیں مسئلہ کی توضیح یہ ہے کہ زید اور عمر کا قرض مثلاً ایک ہزار روپے خالد پر تھے زید نے اپنے حصہ پانچسو کے عوض کسی کپڑے پر صلح کرلی تو اب عمر کو اختیار ہے کہ یا تو اپنا حصہ (پانچ سو) براہ راست خالد مقروض سے وصول کرے اور اس کی پیچھا کرے کیوں کہ حقیقت میں عمر کا قرض خالد پر ہی ہے اور دوسرا اختیار عمر کو یہ ہے کہ اس کا جو شریک زید ہے جس نے اپنے حصہ کا کپڑا لیا ہے اس کپڑے میں شریک ہو جائے اور پھر دونوں مل کر پانچ سو کا مطالبہ خالد سے کریں اور تیسری صورت یہ ہے کہ زید نے اپنا حصہ (پانچ سو) وصول کرلیا ہے اس کے آدھے یعنی پورے قرض کی چوتھائی کا ذمہ دار بن جائے اور عمر شریک سے کہے کہ تمہارا چوتھائی (ڈھائی سو) میں دوں گا اس صورت میں عمر زید کے اس لیے ہوئے کپڑے میں شریک نہیں ہوسکتا اب دونوں مل کر آدھا قرض خالد سے وصول کریں گے۔

(۲۳/۱۴۴۷) وَلوِ اسْتَوْفٰی نِصْفَ نَصِیْبِهٖ مِنَ الدَّیْنِ کَانَ لِشَرِیْکِهٖ اَنْ یُشَارِکَهٗ فِیْمَا قَبَضَ ثُمَّ یَرْجِعَانِ عَلَی الْغَرِیْمِ بِالْبَاقِیْ.

ترجمہ: اور اگر وصول کر چکا اپنا آدھا حصہ قرض سے تو شریک کے لئے جائز ہے کہ وصول شدہ چیز میں شریک ہو جائے، پھر دونوں وصول کرے باقی قرض مقروض سے۔

تشریح: مثلاً زید نے اپنے پانچ سو روپے وصول کر لئے یعنی اس کے بدلہ کسی چیز پر صلح نہیں کی تو اس کے شریک عمر کو اختیار ہے کہ وصول کردہ قرض میں شریک ہو جائے اور آدھا روپیہ زید سے لے لے کیوں کہ عین قرض میں دونوں شریک تھے، اس لیے ایک شریک نے جو لیا اس میں سے آدھا دوسرے کا بھی وصول کیا بعد میں دونوں مل کر مقروض (خالد) سے اپنا آدھا قرض وصول کریں کیوں کہ دونوں کا آدھا قرض ابھی مقروض کے پاس باقی ہے، اس لیے دونوں مل کر وصول کریں گے۔

(۲۴/۱۴۴۸) وَلَوِ اشْتَرٰی اَحَدُهُمَا بِنَصِیْبِهٖ مِنَ الدَّیْنِ سِلْعَةً کَانَ لِشَرِیْکِهٖ اَنْ یُضَمِّنَهٗ رُبُعَ الدَّیْنِ.

ترجمہ: اور اگر خرید لیا دونوں میں سے ایک نے اپنے قرض کے حصہ سے سامان تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ اس کو چوتھائی دین کا ذمہ دار بنا دے۔

تشریح: اگر ایک شریک نے اپنے حصہ کے عوض مقروض سے کوئی چیز خرید لی تو دوسرے شریک کو یہ اختیار ہے کہ اس شریک سے قرض کے چوتھائی کا تاوان وصول کرلے اور اگر چاہے اصل مقروض سے مطالبہ کرے کیوں کہ مدیون

کے ذمہ اس کا حق باقی ہے۔

(۱۴۴۹/۲۵) وَاِذَا كَانَ السَّلَمُ بَيْنَ الشَّرِيْكَيْنِ فَصَالَحَ اَحَدُهُمَا مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى رَأْسِ الْمَالِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَجُوْزُ الصُّلْحُ.

ترجمه: اور اگر ہو سلم کا مال (مسلم فیہ) دو شریکوں کے درمیان (مشترک) اور ان میں سے ایک شریک اپنے حصہ کی طرف سے رأس المال پر صلح کرلے، تو جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ صلح جائز ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں نے مل کر ایک کوئل گیہوں میں بیع سلم کی اور ایک ہزار روپے رأس المال طے پایا پھر ہر ایک نے اپنے اپنے حصہ کے پانچ سو روپے دے دیئے پھر ایک رب السلم نے اپنے آدھے کوئل کے بدلہ میں پانچ سو روپے پر بائع یعنی مسلم الیہ سے صلح کرلی تو طرفین کے نزدیک اس شریک کا صلح کرنا اور بغیر دوسرے شریک کی رضامندی کے اپنا حصہ واپس لینا جائز نہیں ہے، کیوں یہ ایک قسم کا دھوکہ ہے کہ دونوں نے عقد سلم کیا اور اب ایک اس کو اپنی مرضی سے توڑ رہا ہے، ماقبل کی تفصیل طرفین کے مذہب کے مطابق ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک شریک کا صلح کرکے رأس المال لینا جائز ہے کیوں کہ آدھا حصہ اس شریک کا ذاتی تھا تو جس طرح اور ذاتی مال میں اپنی مرضی سے تصرف کرسکتا ہے اسی طرح یہاں بھی اپنے حصہ کو صلح کرکے مسلم الیہ سے واپس لے سکتا ہے۔

(۱۴۵۰/۲۶) وَاِذَا كَانَتِ التَّرِكَةُ بَيْنَ وَرَثَةٍ فَاَخْرَجُوْا اَحَدَهُمْ مِنْهَا بِمَالٍ اَعْطَوْهُ اِيَّاهُ وَالتَّرِكَةُ عَقَارٌ اَوْ عُرُوْضٌ جَازَ قَلِيْلًا كَانَ مَا اَعْطَوْهُ اَوْ كَثِيْرًا.

ترجمه: اور جب ہو ترکہ چند ورثہ کے درمیان پھر وہ الگ کردیں اپنے میں سے کسی ایک کو کچھ مال دے کر اور وہ ترکہ زمین ہے یا سامان ہے تو جائز ہے کم ہو جو انہوں نے دیا ہے یا زائد ہو۔

مسائل تخارج کا بیان

تشریح: ایک شخص کا انتقال ہوگیا اور اس کے بہت سے ورثہ تھے اس نے ترکہ میں کوئی سامان یا زمین چھوڑ دی وارثین نے کسی ایک وارث کو کچھ نقد مال دے کر میراث سے خارج کردیا تو اس طرح مال دے کر خارج کرنا درست ہے اور جس مال پر صلح ہوئی وہ نقد وراثت کے حصہ سے کم ہو یا زیادہ ہو دونوں جائز ہیں، کیوں کہ وراثت کا حصہ اور صلح کا نقد ایک جنس نہیں ہیں اس لیے کمی بیشی سے سود نہیں ہوگا اس لیے دونوں صورتیں جائز ہیں، کچھ لے کر ترکہ چھوڑ دینے پر صلح کو تخارج کہتے ہیں اس کا ثبوت اس اثر میں ہے، کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی بیوی کو وارثین نے آٹھویں کے تہائی حصہ پر نکالا اور اس نے تراسی ہزار درہم پر صلح کی۔ (مصنف عبد الرزاق ۸/۲۸۹)

(۱۴۵۱/۲۷) فَاِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ فِضَّةً فَاَعْطَوْهُ ذَهَباً اَوْ ذَهَباً فَاَعْطَوْهُ فِضَّةً فَهُوَ كَذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر ترکہ چاندی اور وہ سونا دیں یا سونا ہو اور وہ چاندی دیں تو یہ بھی اسی طرح ہے۔

تشریح: اگر ترکہ میں چاندی ہو مگر وارثین نے نکلنے والے کو سونا دے کر صلح کر لی یا ترکہ میں سونا تھا اور لوگوں نے اس کو چاندی دے کر صلح کر لی تو یہ بھی جائز ہے خواہ دیا ہوا مال کم ہو یا زیادہ۔

دلیل: ترکہ میں چاندی ہے اور سونا دے کر صلح کر لی یا اس کا برعکس کیا تو چوں کہ دو جنس الگ الگ ہیں تو کمی بیشی سے سود لازم نہیں آتا ہے لیکن مجلس عقد میں قبضہ ضروری ہے کیوں کہ بیع صرف ہے۔ (اللباب ۹۱/۲)

(۱۴۵۲/۲۸) وَاِنْ كَانَتِ التَّرِكَةُ ذَهَباً وَفِضَّةً وَغَيْرَ ذَالِكَ فَصَالَحُوْهُ عَلٰى ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ فَلَا بُدَّ اَنْ يَكُوْنَ مَا اَعْطَوْهُ اَكْثَرَ مِنْ نَصِيْبِهٖ مِنْ ذَالِكَ الْجِنْسِ حَتّٰى يَكُوْنَ نَصِيْبُهٗ بِمِثْلِهٖ وَالزِّيَادَةُ بِحَقِّهٖ مِنْ بَقِيَّةِ الْمِيْرَاثِ.

ترجمہ: اور اگر ترکہ سونا چاندی اور اس کے علاوہ ہو، اور وہ صلح کریں صرف سونے یا چاندی پر تو ضروری ہے کہ جو کچھ دیا وہ زیادہ ہو اس کے اس حصہ سے جو اسی جنس سے تھے تاکہ اس کا حصہ اس کے برابر ہو جائے اور زائد حصہ اس حق کے مقابلہ میں ہو جائے جو باقی میراث میں ہے۔

تشریح: اگر ترکہ میں سونا چاندی کے ساتھ ساتھ دوسرے اسباب بھی ہوں اور ورثہ نے وارث کو صرف سونا یا چاندی دے کر صلح کر لی تو ایسی صورت میں اس صلح کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وارث کو سونا یا چاندی میں سے جو کچھ دیا ہے وہ اس مقدار سے زائد ہو جو اس وارث کو اس جنس کے حصہ میں ملنے والا ہے تاکہ جنس ثمن کے برابر ہو جائے اور زائد سونا بقیہ چاندی و سامان کے مقابلہ میں ہو جائے، مثلاً جو آدمی میراث کے حصہ سے نکلنا چاہتا ہے اس کا حصہ چاندی میں سے ایک ہزار درہم سونے میں سے پچاس دینار اور بقیہ سامان میں سے ۵ کوئنٹل چاول ملنے والے ہیں اب وہ چاندی لے کر اپنے حصہ پر صلح کرنا چاہتا ہے تو چاندی ایک ہزار درہم سے زیادہ ہونی چاہئے تاکہ ایک ہزار درہم چاندی اس ایک ہزار کے برابر ہو جائے جو اس کو وراثت میں ملنے والے تھے اور جو زیادہ چاندی ہو وہ پچاس دینار اور ۵ کوئنٹل چاول کے مقابلہ میں ہو جائیں اور اگر دینار پر صلح کرنا چاہتا ہو پچاس دینار سے زیادہ ہونا چاہئے تاکہ اس کو جو وراثت میں پچاس دینار ملنے والے تھے اس کے برابر پچاس دینار ہو جائیں اور جو زیادہ ہو وہ ایک ہزار درہم چاندی اور چاول کے مقابلہ میں ہو جائے لہٰذا پچاس دینار سے کم پر صلح جائز نہ ہوگی۔

نوٹ: جتنا سونا سونے کے بدلہ میں یا چاندی چاندی کے بدلہ میں ہو اس پر مجلس میں قبضہ ضروری ہے تاکہ سود لازم نہ آئے۔

(۱۴۵۳/۲۹) وَاِذَا كَانَ التَّرِكَةُ دَيْناً عَلَى النَّاسِ فَاَدْخَلُوْهُ فِي الصُّلْحِ عَلٰى اَنْ يُخْرِجُوا الْمُصَالِحَ

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے بیٹے کے حصہ کی تو وصیت باطل ہے۔

تشریح: اگر موصی نے اس طرح وصیت کی کہ میرے بیٹے کو میری وراثت میں سے جتنا حصہ ملے گا وہی حصہ فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت باطل ہے، کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹے کی ملکیت ہوگا تو موصی کو یہ حق کہاں ہے کہ وہ غیروں کے مال کی وصیت کردے لہٰذا یہ وصیت باطل ہوگی۔

(۱۹/۲۹۸۶) وَاِنْ اَوْصٰی بِمِثْلِ نَصِیْبِ ابْنِہٖ جَازَتْ فَاِنْ کَانَ لَہٗ ابْنَانِ فَلِلْمُوْصٰی لَہُ الثُّلُثُ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کردے بیٹے کے حصہ کے مثل کی تو جائز ہوگی اب اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کے لئے تہائی ہوگا۔

تشریح: اگر موصی نے اس طرح وصیت کی کہ میرے بیٹے کا جتنا حصہ ہے اتنے کی میں نے فلاں کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہے کیونکہ یہاں موصی نے دوسروں کے مال کی وصیت نہیں کی بلکہ موصی بہ کو غیر کے مال سے ناپا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شئی کا مثل اسی شئی کا غیر ہوا کرتا ہے، معلوم ہوا کہ موصی نے دوسروں کے حق کی وصیت نہیں کی بلکہ بیٹے کے حق سے موصی بہ کو ناپا ہے اور موصیٰ بہ کا اندازہ لگایا ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر موصی کے دو بیٹے تھے تو موصی لہ کو تیسرا بیٹا شمار کیا جائے گا اور تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

(۲۰/۲۹۸۷) وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَہٗ فِیْ مَرَضِہٖ اَوْ بَاعَ وَحَابٰی اَوْ وَھَبَ فَذٰلِکَ کُلُّہٗ جَائِزٌ وَھُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ وَیُضْرَبُ بِہٖ مَعَ اَصْحَابِ الْوَصَایَا.

ترجمہ: اور جس نے آزاد کیا اپنا غلام اپنی بیماری میں یا بیچ دیا اور محابات کی یا ہبہ کردیا تو یہ سب جائز ہے جو تہائی سے معتبر ہے، اور شریک کیا جائے گا اس کو اصحاب وصایا کے ساتھ۔

تشریح: یہاں قدوری کے نسخے مختلف ہیں بعض نسخوں میں ہے "فذلک کله جائز" اور بعض میں اس کے بجائے یوں ہے "فھو وصیة" اور دونوں باتوں کا مآل ایک ہے مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت کے درجہ میں ہے کیوں کہ معتق ایسے زمانہ میں احسان کررہا ہے جب کہ اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوگیا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرض الموت میں کسی نے اپنا غلام آزاد کیا تو تہائی مال سے آزاد ہوگا اس سے زائد آزاد نہ ہوگا مثلاً اس کے پاس کل مال چھ ہزار ہے اور غلام کی قیمت دو ہزار ہے تو پورا غلام آزاد ہوجائے گا لیکن اگر غلام کی قیمت چار ہزار ہے تو آدھا غلام آزاد ہوگا جو میت کے مال کا تہائی ہے، یعنی دو ہزار کے مطابق اور باقی آدھا سعی کر کے وارثین کو دے گا اور اگر کسی اور کے لئے دو ہزار دینے کی وصیت بھی کر رکھی ہے تو اب غلام کا ایک ہزار یعنی آدھا آزاد ہوگا اور ایک ہزار کی سعی کرے گا اور وصیت والے کو ایک ہزار دیا جائے گا۔

قوله او باع وحابی: مرض الموت میں کسی نے غلام بیچ دیا اور بیع میں محابات کی مثلاً غلام کی قیمت دو ہزار تھی

ایک سو میں بیچ دیا تو یہ بیچنا جائز تو ہے لیکن مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس کی حیثیت وصیت کی طرح ہوگئی یعنی یہ دو ہزار اگر کل مال کا تہائی ہے تب تو جائز ہے اور تہائی سے زیادہ ہے تو تہائی تک نفاذ ہوگا اور اگر اور بھی وصیت کر رکھی ہے تو تہائی مال پر تقسیم کی جائے گی مثلاً دو ہزار کی دوسری وصیت بھی کی ہے، تو یہ مل کر چار ہزار ہوگئے اور ملکیت کل چھ ہزار ہے تو محابات اور وصیت میں آدھا آدھا کم ہو جائے گا ایک ہزار وصیت والے کو دیا جائے گا اور ایک ہزار محابات والے کا معاف ہوگا باقی ایک ہزار میں مشتری کو خریدنا ہوگا۔

قوله او وهب: مرض الموت میں غلام ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہے لیکن اس کی حیثیت بھی وصیت کی طرح ہو جائے گی جیسا کہ بالتفصیل ماقبل میں آچکا ہے، اور اگر اس کے علاوہ بھی وصیتیں ہیں تو سب کو حصوں پر تقسیم کریں گے۔

ویضرب به مع اصحاب الوصایا: یعنی اگر مریض نے اس کے علاوہ اوروں کے لئے بھی وصیت کی تو اسی تہائی میں وہ بھی شریک ہوں گے، کما مر مفصلاً۔

(۲۱/۲۹۸۸) فَإِنْ حَابىٰ ثُمَّ اَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ اَوْلىٰ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَاِنْ اَعْتَقَ ثُمَّ حَابىٰ فَهُمَا سَوَاءٌ وَقَالَا الْعِتْقُ اَوْلىٰ فِى الْمَسْئَلَتَيْنِ.

ترجمه: اگر پہلے محابات کرے پھر آزاد کرے تو محابات اولیٰ ہوگی امام صاحبؒ کے نزدیک اور اگر آزاد کرے پھر محابات کرے تو یہ دونوں برابر ہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ آزادی اولیٰ ہے، دونوں مسئلوں میں۔

تشریح: اگر محابات اور عتق جمع ہو جائیں تو اب کون مقدم ہوگا تو اس میں صاحبین اور امام ابوحنیفہؒ کا اختلاف ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ عتق ہر حال میں محابات سے اولیٰ ہے، اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے مریض نے محابات کی ہو اور اس کے بعد آزاد کیا ہو تو اس صورت میں تو محابات عتق سے اولیٰ ہے، اور اگر اس نے پہلے آزاد کیا ہو اور پھر محابات کی ہو تو دونوں برابر ہیں، برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ثلث میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے اور محابات کے مقدم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ثلث کے اندر پہلے محابات کو جاری کیا جائے گا اگر کچھ بچ جائے تو مابقیہ میں آزادی نافذ ہوگی ورنہ نہیں اور عتق کے مقدم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ثلث سے پہلے آزادی کو نافذ کریں گے اگر کچھ بچ جائے تو مابقیہ میں محابات کو جاری کریں گے ورنہ نہیں۔

محابات کے اولیٰ کی مثال: مرض الموت میں دو ہزار کے غلام کو ایک سو میں فروخت کر دیا اور دوسرے غلام کو آزاد کر دیا وہ بھی دو ہزار کا تھا اور کل مالیت چھ ہزار تھی تو اب محابات کو ترجیح دے کر غلام کی بیع ایک سو میں نافذ کر دی جائے گی اور جس غلام کو آزاد کیا ہے وہ اپنی پوری قیمت کما کر دے گا۔

برابر ہونے کی مثال: پہلے آزاد کیا پھر محابات کی مثلاً آزاد کردہ غلام دو ہزار کا اور محابات کردہ غلام بھی دو ہزار کا ہے اور کل ملکیت چھ ہزار ہے تو آزاد کردہ غلام کا آدھا آزاد ہوگا اور باقی آدھا یعنی ایک ہزار کما کر میت کے

ورثاء کو دے گا اور محابات کردہ غلام کی قیمت ایک ہزار مشتری کو ادا کرنی ہوگی۔

آزادی کے مقدم ہونے کی مثال: محابات پہلے کی ہو یا آزاد پہلے کیا ہو ہر حال میں آزادی کو ترجیح دی جائے گی مثلاً کل ملکیت چھ ہزار ہے اور آزاد کردہ غلام دو ہزار کا ہے اور محابات کردہ بھی دو ہزار کا ہے تو اب غلام آزاد ہوگا اور محابات والے کو غلام کی پوری قیمت دے کر خرید نا ہوگا۔

(۲۲/۲۹۸۹) وَمَنْ اَوْصٰی بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ اَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ اِلَّا اَنْ يَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَيُتَمَّ لَهُ السُّدُسُ وَاِنْ اَوْصٰی بِجُزْءٍ مِّنْ مَالِهٖ قِيْلَ لِلْوَرَثَةِ اَعْطُوْهُ مَاشِئْتُمْ.

ترجمہ: کسی نے وصیت کی اپنے مال کے ایک حصہ کی تو اس کے لئے ورثاء کے حصوں میں سے گھٹیا ہے مگر یہ کہ کم ہو گھٹیا چھٹے سے تو پورا کر دیا جائے گا اس کے لئے چھٹا، اور اگر وصیت کردے اپنے مال کے ایک جزء کی تو کہا جائے گا ورثاء سے کہ دے دو جو چاہو۔

تشریح: اگر موصی نے وصیت ان الفاظ میں کی کہ میرے مال کا ایک حصہ فلاں کے لئے ہے، یا میرے مال کا ایک جزء فلاں کے لئے ہے تو سہم (حصہ) اور جزء دونوں ہم معنی ہیں اور دونوں کے اندر جہالت ہے اور جہالت وصیت کے لئے نقصان دہ نہیں تو وصیت تو جائز و درست ہوگئی مگر یہ ابہام اس میں رہ گیا کہ کس کو کتنا ملے گا تو یہ فیصلہ موصی کی وضاحت پر موقوف ہے، اور اگر موصی وضاحت نہ کر سکا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہوگیا تو اب اس کے ورثاء موصی کے قائم مقام ہوگئے، لہٰذا ورثاء اس کی وضاحت کریں گے کہ سہم اور جزء سے کیا مراد ہے ورثاء جو بھی وضاحت کردیں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اسی پر عمل کیا جائے گا یہ ہے اصل مسئلہ مگر اہل کوفہ کی اصطلاح میں سہم بمعنی سدس مستعمل ہوتا تھا اس لئے امام صاحبؒ و صاحبین کے نزدیک سہم بولنے کی صورت میں اختلاف ہوگیا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر سہم بولا تو موصی کے ورثاء کے سہام کو دیکھا جائے گا ان میں سے جو سہم سب سے کم ہو اتنا ہی حصہ موصی لہ کو دے دیا جائے گا لیکن اگر اتفاق سے کوئی جگہ ایسی آجائے کہ جس میں سہم ثلث سے بڑھ جائے تو وہاں ورثاء کی اجازت کے بغیر ثلث سے زیادہ نہیں دیا جائے گا اور امام صاحب کے نزدیک صورت مذکورہ میں موصی لہ کو سدس دیا جائے گا نہ اس سے کم کریں گے نہ زیادہ اور یہی سدس نسبی ذوی الفروض کے سہام میں اخس السہام ہے۔

(۲۳/۲۹۹۰) وَمَنْ اَوْصٰی بِوَصَايَا مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰی قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا عَلٰی غَيْرِهَا قَدَّمَهَا الْمُوْصِيْ اَوْ اَخَّرَهَا مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّكٰوةِ وَالْكَفَّارَاتِ وَمَالَيْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِيْ.

ترجمہ: جس نے چند وصیتیں کیں حقوق اللہ کی تو مقدم کیا جائے گا فرائض کو ان میں سے اور وصیتوں پر مقدم کیا ہو ان کو موصی نے یا مؤخر جیسے حج، زکوۃ اور کفارات اور جو واجب نہیں تو ان میں مقدم کیا جائے گا اس کو جس کو مقدم کیا ہے موصی نے۔

کونسی وصیتیں مقدم ہوں گی اور کونسی مؤخر ہوں گی

تشریح: اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ کوئی اللہ تعالیٰ کا حق ہے مثلاً نماز یا روزہ یا حج یا کفارہ یا نذر یا صدقۂ فطر تو اب دو صورتیں ہیں مرنے والے نے ان کے بارے میں وصیت کی ہے یا نہیں اگر نہیں کی تو ورثاء پر ان کی ادائیگی واجب نہیں ہے بلکہ ورثاء کو نکالنے اور نہ نکالنے کا اختیار ہے، اگر وصیت کی ہو تو مرحوم کے تہائی مال سے ان کی ادائیگی واجب ہوگی پھر وصیتوں میں کونسی وصیت مقدم ہوگی تو اس میں تفصیل ہے، وہ وصایا اللہ کا حق ہوں گی یا بندوں کا اور جو اللہ کا حق ہیں وہ یا تو سب وصایا فرائض میں داخل ہونگی جیسے زکوۃ اور حج اور روزہ اور نماز یا سب واجبات میں داخل ہوں گی جیسے کفارات اور نذر اور صدقۂ فطر یا سب وصایا تطوع میں داخل ہوں گی جیسے حج نفلی کی وصیت اور فقراء پر صدقہ کی وصیت اگر موصی نے ان تمام وصایا کو جمع کر دیا ہو تو اگر موصی کا ثلث مال تمام وصایا کے نفاذ کے لئے کافی ہو سکے تو ان تمام وصایا کو نافذ کر دیا جائے گا اور اگر موصی کا ثلث مال ان تمام وصایا کے لئے کافی نہ ہو لیکن ورثاء نے اجازت دے دی ہو کہ ان تمام وصایا کو نافذ کر دیا جائے تو ان سب کو نافذ کر دیا جائے گا اور اگر ورثاء نے اجازت نہ دی ہو تو اب دیکھا جائے کہ یہ تمام وصایا فرائض میں داخل ہیں یا نہیں اگر سب فرائض میں داخل ہوں تو جس وصیت کو مقدم بیان کیا ہے اس سے ابتداء کی جائے گی اور اگر بعض فرائض اور بعض غیر فرائض ہوں تو اولاً فرائض سے ابتداء کی جائے گی اگر چہ موصی نے ذکر میں فرائض کو مؤخر کیا ہو اور واجبات ونوافل کو مقدم کیا ہو اور وصایا جب فرائض وواجبات میں سے نہ ہوں بلکہ نوافل میں سے ہوں تو جس کو موصی نے مقدم بیان کیا ہے اسی کو مقدم کیا جائے گا۔

(۲۹۹۱/۲۴) وَمَنْ اَوْصٰى بِحَجَّةِ الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی حج کرنے کی تو حج کے لئے روانہ کریں کسی شخص کو اس کے شہر سے جو حج کے لئے جائے سوار ہو کر۔

تشریح: زید کے اوپر حج فرض ہے اس نے مرض الموت میں وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرا دینا تو ایسی صورت میں ورثاء پر واجب ہوگا کہ اس کے مال سے حج کرائیں اور کسی شخص کو منتخب کریں کہ وہ موصی کے شہر سے حج کرے اور یہ غیر جو حج کرے گا سوار ہو کر کرے گا کیونکہ زید کے اوپر پیدل چل کر حج کرنا لازم نہیں تھا بلکہ سوار ہو کر واجب تھا تو اسی طریقہ سے غیر ادا کریگا۔

(۲۹۹۲/۲۵) فَاِنْ لَّمْ تَبْلُغِ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ اَحَجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ.

ترجمہ: اگر نہ پہنچے وصیت نفقہ کو تو حج کرائیں جہاں سے ہو سکے۔

تشریح: اگر مریض نے وصیت کی کہ میرے مال سے حج کرایا جائے لیکن اس کے مال کا تہائی اتنا نہیں ہے

کہ گھر سے سوار ہو کر حج کروا سکے، تو ایسی صورت میں جس جگہ سے حج ہو سکے وہاں سے حج کرایا جائے مثلاً اتنا مال نہیں ہے کہ ریڑھی تا چپورہ سے حج ہو سکے البتہ ممبئی سے حج ہو سکتا ہے تو ممبئی سے حج کرایا جائے۔

(۲۹۹۳/۲۶) وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ وَاَوْصٰى اَنْ يُحَجَّ عَنْهُ حُجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهٖ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ.

ترجمہ: اور جو شخص نکلا اپنے شہر سے حج کے لئے پھر مر گیا وہ راستہ میں اور وصیت کر گیا حج کرانے کی تو حج کرایا جائے اس کے شہر سے اس کی جانب سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ حج کرایا جائے وہاں سے جہاں وہ مرا ہے۔

حاجی راستہ میں مر جائے اور حج کی وصیت کر کے جائے تو اب کیا حکم ہے؟

تشریح: زید اپنے گھر سے نکلا اور صرف حج کے ارادہ سے نکلا تجارت وغیرہ مقصود نہیں اور وہ راستہ میں مر گیا اور یہ وصیت کر گیا کہ میری جانب سے حج کرایا جائے تو اس کی جانب سے حج کرایا جائے گا لیکن اختلاف اس میں ہے کہ یہ حج کہاں سے کرایا جائے گا مرنے والے کے شہر سے یا اس جگہ سے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے؟ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ جہاں زید کا انتقال ہوا ہے وہیں سے زید کی جانب سے حج کرایا جائے گا اور صاحبین نے یہ حکم استحساناً بیان کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ و امام زفر کا قول یہ ہے کہ زید کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

(۲۹۹۴/۲۷) وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ وَالْمُكَاتَبِ وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً.

ترجمہ: اور صحیح نہیں بچہ اور مکاتب کی وصیت اگرچہ وہ چھوڑ جائے اتنا مال جو کافی ہو۔

کن لوگوں کی وصیت صحیح نہیں؟

تشریح: بچہ اگر وصیت کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارا اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگر بچہ وجوہ خیر میں وصیت کرے تو جائز ہے، اور اگر غلام یا مکاتب نے تعلیقاً وصیت کی کہ جب میں آزاد ہو جاؤں تو میرا اتنا مال فلاں کیلئے وصیت ہے تو یہ وصیت صحیح ہوگی کیونکہ عدم جواز حق آقا کی وجہ سے تھا اور جب وصیت کی تعلیق آزادی پر ہوئی تو اب آقا کا حق باقی نہ رہا، اور تنجیزاً مکاتب کی وصیت جائز نہیں ہے مثلاً وہ یوں کہے اَوْصَيْتُ بِثُلُثِ مَالِي لِفُلَانٍ، اگر وہ بدل کتابت کے برابر بھی مال چھوڑ کر مرے تب بھی اس کی وصیت صحیح نہ ہوگی۔

(۲۹۹۵/۲۸) وَيَجُوْزُ لِلْمُوْصِيْ الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ.

ترجمہ: اور جائز ہے موصی کیلئے رجوع کرنا وصیت سے۔

وصیت سے رجوع کرنے کا بیان

تشریح: وصیت کرنے کے بعد وصیت کرنے والا موت سے پہلے اپنی وصیت میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتا ہو یا وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہو تو اس کو حق ہے کیوں کہ وصیت مکمل ہوتی ہے موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد اور موصی لہ موصی کے مرنے کے بعد ہی قبول کر سکے گا اس لئے وصیت کو قبول کرنے سے پہلے وصیت سے رجوع کر سکتا ہے۔

(۲۹۹۶/۲۹) وَاِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوْعِ كَانَ رُجُوْعًا.

ترجمہ: اور جب صراحۃً رجوع کرے تو یہ رجوع ہو جائے گا۔

تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ موصی کیلئے وصیت سے رجوع جائز ہے اب فرمارہے ہیں کہ رجوع کے دو طریقے ہیں (۱) صراحۃً رجوع کر لیا جائے مثلاً صاف لفظوں میں کہے کہ میں اس وصیت کو واپس لیتا ہوں (۲) کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو رجوع پر دلالت کرے مثلاً پہلے کہا تھا کہ اس غلام کو فلاں کیلئے وصیت کر دیا اور پھر اس کو بیچ دے یا آزاد کر دے بہر حال دونوں صورتوں میں رجوع کرنا درست ہے قدوری کے بعض نسخوں میں دونوں طریقے مذکور ہیں۔

(۲۹۹۷/۳۰) وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوْعًا.

ترجمہ: اور جو انکار کرے وصیت کا تو یہ رجوع نہ ہوگا۔

تشریح: یہاں سے یہ مسئلہ بیان کیا جارہا ہے کہ اگر موصی سرے سے وصیت ہی کا انکار کر دے یعنی یوں کہے کہ میں نے کبھی وصیت کی ہی نہیں ہے تو صاحب قدوریؒ نے یہاں پر امام محمدؒ کا قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ انکار رجوع نہ ہوگا کیوں کہ کسی چیز سے رجوع کرنا پہلے اس چیز کے ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا انکار نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس اگر انکار کو رجوع مانا جائے تو وصیت کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کو مقتضی ہوگا اور یہ محال ہے کہ ایک چیز ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ مبسوط کی روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ کا اور عیون کی روایت کے مطابق ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ انکار میں بھی رجوع کا معنی پایا جاتا ہے لکن المتون کلها علی قول محمد وبه یفتی کمافی المجمع.

(۲۹۹۸/۳۱) وَمَنْ اَوْصٰى لِجِيْرَانِهٖ فَهُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

حل لغات: جیران: جار کی جمع ہے پڑوسی، الملاصقون واحد ملاصق، اسم فاعل مصدر ملاصقة چپکانا، مراد متصل، ملا ہوا۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے پڑوسیوں کیلئے تو ملے ہوئے پڑوسی مراد ہوں گے امام صاحبؒ کے نزدیک۔

اقارب وغیرا قارب کیلئے وصیت کرنے کا بیان

تشریح: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی میرے پڑوسیوں کیلئے ہے تو اس سے کون سا پڑوسی مراد ہوگا؟ کیوں کہ پڑوسی کئی قسم کے ہوتے ہیں (۱) جس سے قرابت کا پڑوس ہو (۲) زمین کا پڑوسی (۳) گھر کا پڑوسی، یہاں بالاتفاق گھر کا پڑوسی مراد ہے پھر اس کی تفسیر میں اختلاف ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جیران سے مراد وہ پڑوسی ہیں جن کا گھر موصی کے گھر سے متصل اور ملا ہوا ہو ان کے دروازے قریب ہوں یا دور ہوں اور صاحبین نے فرمایا کہ جیران سے مراد ملاصقین بھی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ بھی اس میں داخل ہیں جو موصی کے محلہ میں رہتے ہیں اور جو موصی کی مسجد کے نمازی ہیں۔

(۳۲/۲۹۹۹) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَصْھَارِہٖ فَالْوَصِیَّۃُ لِکُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنِ امْرَأَتِہٖ.

حل لغت: اصھار جمع ہے صھر کی، سسر داماد عزیز قریب چاہے شوہر کا ہو چاہے زوجہ کا، بہن کا شوہر یعنی بہنوئی، ہمارے ملک میں، صہر، کا ترجمہ خسر سے کرتے ہیں۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی سسرال والوں کیلئے تو وصیت اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کیلئے ہوگی۔

تشریح: ایک شخص نے اپنے اصہار کیلئے وصیت کی تو اس وصیت میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ فرمایا کہ بیوی کے تمام ذی رحم محرم اس میں داخل ہوں گے یعنی اس کی بیوی کے اہل قرابت میں سے ہر وہ مرد داخل ہوں گے جسکی قرابت اس کی بیوی کے ساتھ از راہ نسب اس طرح ہو کہ شرعاً وہ اس کا محرم ہو یعنی اس کی زوجہ کو اس کے ساتھ دائمی نکاح کرنا حرام ہو جیسے زوجہ کا باپ اور بھائی اور ماموں اور چچا وغیرہ پس عورت کے ایسے قرابتی اس کے شوہر کے اصہار ہیں اور یہ عرب کا عرف ہے اور ہمارے ملک میں صہر کا ترجمہ خسر سے کرتے ہیں۔

(۳۳/۳۰۰۰) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَخْتَانِہٖ فَالْخَتَنُ زَوْجُ کُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْہُ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے دامادوں کیلئے تو داماد ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے اختان کو اتنا مال دے دینا تو اختان میں ہر اس عورت کا شوہر داخل ہوگا جو موصی کی ذی رحم محرم ہے جیسے بہن پھوپھی خالہ وغیرہ، اور اگر عورت وصیت کرے تو اس کے شوہر کے ذی رحم محرم اس میں داخل ہوں گے اس لئے کہ ان سب کو ختن کہتے ہیں اس پر بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ اہل کوفہ کا عرف ہے ورنہ ہمارے عرف میں اختان سے صرف محارم عورتوں کے ازواج مراد ہوں گے۔

(۳۴/۳۰۰۱) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَقَارِبِہٖ فَالْوَصِیَّۃُ لِلْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ مِنْ کُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْہُ

وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمُ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَيَكُونُ لِلِاثْنَيْنِ فَصَاعِداً.

حل لغات: اقارب: رشتہ دار، فصاعداً، یعنی اس سے اوپر اور یہ باعتبار حالیت کے منصوب ہوا کرتا ہے۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی قرابتداروں کیلئے تو وصیت اقرب کیلئے ہوگی پھر اس کیلئے جو اس کے بعد اقرب ہو یعنی موصی کا ہر ذی رحم محرم اور داخل نہ ہوں گے ان میں والدین اور اولاد، اور ہوگی دو اور دو سے زیادہ کیلئے۔

تشریح: زید نے اپنے اقرباء کیلئے وصیت کی تو اس میں کون داخل ہوگا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چھ چیزوں کا لحاظ ہوگا (۱) مستحق وہ ہوگا جو موصی کا ذی رحم محرم ہوگا (۲) وہ ذی رحم محرم خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے (۳) اور اس وصیت کا حقدار صرف وہ ہوگا جو موصی کا وارث نہ ہو (۴) اس میں الاقرب فالاقرب کا لحاظ ہوگا لہٰذا اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو وصیت نہیں ملے گی جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے مثلاً میت کا بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹا عصبہ ہوگا اور پوتا ساقط، باپ اور دادا میں، باپ عصبہ ہوگا اور دادا ساقط اور دادا کی موجودگی میں پردادا ساقط ہوگا، بھائی اور بھتیجے میں بھائی عصبہ ہوگا اور بھتیجا ساقط چچا اور چچا کے لڑکوں میں چچا عصبہ ہوگا اور چچا کے لڑکے ساقط، (۵) مستحق وصیت یہاں دو یا اس سے زیادہ ہوں گے کیوں کہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے اور میراث کے اندر جمع سے مراد دو ہوتے ہیں تو اسی طرح وصیت کے اندر بھی جمع سے مراد کم از کم دو ہوں گے (۶) اس وصیت میں والدین اور اولاد داخل نہ ہوں گی کیوں کہ عرف لسانی میں قریب اس کو کہتے ہیں جو بالواسطہ رشتہ دار ہوں اور والدین اور اولاد براہ راست رشتہ دار ہیں۔

(۳۰۰۲/۳۵) وَإِذَا أَوْصَى بِذَلِكَ وَلَهُ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَالْوَصِيَّةُ لِعَمَّيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى.

ترجمہ: اور جب کسی نے وصیت کی یہی اور اس کے دو چچا دو ماموں ہیں تو وصیت اس کے چچاؤں کے لئے ہوگی، امام صاحبؒ کے نزدیک۔

تشریح: امام صاحبؒ کے نزدیک وصیت میں میراث کے مثل الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جاری ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ قاعدہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں سے دو چچا اور دو ماموں موجود ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چچا ماموں سے اقرب ہیں، لہٰذا پوری وصیت دونوں چچا لیں گے اور ماموں کو کچھ نہ ملے گا اور صاحبین کے نزدیک وصیت کے چار حصے کر دیئے جائیں اور ہر ایک برابر کا شریک ہوگا۔

(۳۰۰۳/۳۶) وَإِنْ كَانَ لَهُ عَمٌّ وَخَالَانِ فَلِلْعَمِّ النِّصْفُ وَلِلْخَالَيْنِ النِّصْفُ.

ترجمہ: اور اگر اس کے ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لئے نصف ہوگی اور دو ماموں کے لئے نصف۔

تشریح: اگر موصی نے اقرباء کے لئے وصیت کی تھی اور اس نے صرف ایک چچا اور دو ماموں چھوڑے ہیں تو چونکہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے، جس کے لئے کم از کم دو افراد درکار ہیں اور چچا صرف ایک ہے اس لئے وہ چچا صرف نصف

وصیت کا حقدار ہوگا اور نصف بچ گیا تو اس کو دونوں ماموں لیں گے۔

(۳۰۰۴/۳۷) وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْوَصِیَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُنْسَبُ اِلٰى اَقْصٰى اَبٍ لَهُ فِي الْإِسْلَامِ.

ترجمہ: اور صاحبین نے فرمایا کہ وصیت ہر اس کے لئے ہوگی جو منسوب ہو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف۔

تشریح: زید نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی تو صاحبین فرماتے ہیں کہ اقرباء میں وہ تمام حضرات داخل ہوں گے جو اسلام کے اندر آخری باپ کی جانب منسوب ہوں گے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) یعنی وہ پہلا باپ جو اولاً اسلام لایا ہو جیسے حضرت علیؓ (۲) پہلا وہ باپ جس نے اسلام کا زمانہ پایا ہو اور وہ مسلمان نہ ہوا ہو جیسے ابوطالب۔ اس اختلاف کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ جب کوئی علوی اپنے اقرباء کے لئے وصیت کرے تو پہلی تفسیر کے اعتبار سے اقرباء میں فقط اولاد علیؓ داخل ہوگی اور اولاد جعفر اور اولاد عقیل اس میں داخل نہ ہوگی اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے اس میں اولاد علیؓ کے ساتھ ساتھ اولاد جعفر اور اولاد عقیل بھی داخل ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ موصی سے لے کر آخری باپ تک جو اسلام کے اندر ہیں، صاحبین کے نزدیک درمیان کی تمام اولاد خواہ مرد ہوں یا عورتیں اقرب ہوں یا ابعد سب اس وصیت میں داخل ہوں گے۔

(۳۰۰۵/۳۸) وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ اَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذٰلِكَ وَبَقِيَ ثُلُثُهٗ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ جَمِيْعُ مَا بَقِيَ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی کسی کے لئے اپنے دراہم میں سے تہائی کی یا اپنی بکریوں میں سے تہائی کی پس اس کے دو تہائی ہلاک ہو گئے اور اس کا ایک تہائی باقی رہ گیا اور یہ (جو ثلث باقی رہ گیا ہے) اس باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے، تو اس کے لئے باقی ماندہ پورا ہے۔

تشریح: زید کے پاس کچھ دراہم یا کچھ بکریاں ہیں اب وہ وصیت کرتا ہے کہ میرے دراہم کا ایک تہائی فلاں کے لئے وصیت ہے یا کہتا ہے کہ میری بکریوں کا ایک ثلث وصیت ہے تو وصیت صحیح ہے مگر اب یہ واقعہ پیش آیا کہ ان دراہم یا بکریوں میں سے دو ثلث ہلاک ہو گیا اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا ہے اور اس ثلث کے علاوہ موصی کے پاس اتنا مال موجود ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں ثلثان یا اس سے زیادہ ہے تو اب موصی لہ کو کتنا دیا جائے گا؟ تو اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ دراہم میں سے اور بکریوں میں سے جو ثلث باقی ہے وہ پورا ثلث موصیٰ لہ کو دیا جائے گا مثلاً کل ۹۰۰ر دراہم تھے، ان میں ثلث یعنی ۳۰۰ر باقی رہے، اور ۶۰۰ر ہلاک ہو گئے تو ہمارے نزدیک ۳۰۰ر باقی موصی لہ کو دیئے جائیں گے۔

(۳۹/۳۰۰۶) وَمَنْ اَوْصٰی بِثُلُثِ ثِیَابِہٖ فَھَلَکَ ثُلُثَاھَا وَبَقِیَ ثُلُثُھَا وَھُوَ یَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِیَ مِنْ مَالِہٖ لَمْ یَسْتَحِقَّ اِلَّا ثُلُثَ مَابَقِیَ مِنَ الثِّیَابِ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی ایک تہائی کپڑوں کی پس ان کپڑوں میں سے دو ثلث ختم ہو گئے اور ایک ثلث باقی رہ گیا اور یہ (ثلث باقی) اس کے ماقبی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے، تو موصی لہ مستحق نہ ہوگا مگر باقی ماندہ کپڑوں کے ثلث کا۔

تشریح: اگر موصی نے اپنے کپڑوں کے ثلث کی وصیت کی ہو اور اتفاق سے ان کپڑوں میں سے دو ثلث ختم ہو جائیں اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے تو موصی لہ کو ماقبی کا ثلث ملے گا یا پورا ماقبی ملے گا تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر کپڑے مختلف الجنس ہوں تو ماقبی کپڑوں کا ثلث ملے گا اور اگر ایک جنس کے ہوں تو پورا ماقبی ملے گا اس لئے کہ اتحاد جنس کی صورت میں کپڑے دراہم کے مثل ہو گئے۔

(۴۰/۳۰۰۷) وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْھَمٍ وَلَہٗ مَالٌ عَیْنٌ وَدَیْنٌ فَاِنْ خَرَجَ الْاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَیْنِ دُفِعَتْ اِلَی الْمُوْصٰی لَہٗ وَاِنْ لَّمْ یَخْرُجْ دُفِعَ اِلَیْہِ ثُلُثُ الْعَیْنِ وَکُلَّمَا خَرَجَ شَیْءٌ مِنَ الدَّیْنِ اَخَذَ ثُلُثَہٗ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ الْاَلْفَ.

حل لغات: عین: نقد۔ دین: قرض۔ یستوفی: استیفاءً پوراحق وصول کرنا۔

ترجمہ: اور جس شخص نے وصیت کی کسی کے لئے ایک ہزار درہم کی اور اس کے لئے کچھ مال نقد ہے اور کچھ قرض ہے پس اگر ہزار نکل جائیں نقد کی تہائی سے تو دے دیے جائیں گے موصی لہ کو اور اگر نہ نکلے تو دے دی جائے گی نقد کی تہائی اور جو مقدار قرض کی وصول ہوتی رہے گی اس میں سے ثلث لیتا رہے گا یہاں تک کہ وہ (موصی لہ) ہزار کو وصول کرے۔

تشریح: زید نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ہزار روپے بکر کو دے دیے جائیں تو وصیت درست ہے، لیکن زید نے کچھ مال تو نقد چھوڑا ہے اور کچھ مال وہ ہے جو لوگوں پر قرض ہے تو بکر کو جو ہزار روپے دیئے جائیں گے یہ نقد میں سے دیئے جائیں گے یا قرض میں سے تو اس کا جواب دیا کہ اگر نقد مال اتنا ہو کہ جس کا ثلث ہزار ہوتا ہو مثلاً تین ہزار یا اس سے زیادہ نقد مال موجود ہے، تو بکر کو ہزار روپے اس نقد نال سے دیئے جائیں گے اور اگر نقد مال اتنا نہیں ہے بلکہ کم ہے مثلاً کل ہزار روپے نقد ہیں اور باقی مال لوگوں پر قرض ہے تو بکر کو ہزار کا تہائی تو نقد میں سے دیا جائے گا اور باقی حصہ اس کو قرض میں سے ملے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جتنا قرض وصول ہوتا جائے اس کی تہائی بکر کو دے دی جائے یہاں تک کہ اس کا حق پورا ہو جائے یعنی ہزار روپے پورے ہو جائیں۔

(۴۱/۳۰۰۸) وَتَجُوْزُ الْوَصِیَّۃُ لِلْحَمْلِ وَبِالْحَمْلِ اِذَا وُضِعَ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّۃِ اَشْھُرٍ مِنْ یَوْمِ

الْوَصِيَّةِ.

حل لغات: الوصية للحمل: حمل کے لئے کسی چیز کی وصیت کرے، الوصية بالحمل: حمل کو کسی اور کے لئے وصیت کرے۔

ترجمہ: اور جائز ہے وصیت حمل کیلئے اور حمل کی جب کہ وضع حمل ہو چھ ماہ سے کم میں وصیت کے دن سے۔

حمل کے لئے اور حمل کی وصیت کرنے کا بیان

تشریح: اگر کوئی بچہ پیٹ میں ہے اور اس کے کسی مورث کا انتقال ہو جائے تو حمل کو بھی میراث ملے گی اور میراث اور وصیت گویا کہ دونوں بہنیں ہیں لہٰذا حمل کے لئے وصیت کی جائے تو جائز ہے اور اسی طرح اگر حمل ہی کی وصیت کر دی جائے تو وہ بھی جائز ہے مثلاً کہے کہ میری باندی کے پیٹ میں جو بچہ ہے یہ فلاں شخص کو دے دینا تو یہ بھی صحیح ہے اور وصیت جائز ہے، لیکن یہ وصیت حمل کے لئے یا حمل کی اس وقت جائز ہے جب کہ حمل پیٹ میں موجود ہو جس کی علامت یہ ہے کہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے۔

(۳۰۰۹/۴۲) وَإِذَا أَوْصَىٰ لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ إِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالْإِسْتِثْنَاءُ.

ترجمہ: اور جب وصیت کی کسی کے لئے باندی کی اور اس کے حمل کا استثناء کر لیا تو صحیح ہے وصیت اور استثناء۔

تشریح: اگر موصی نے باندی کی وصیت کی اور اس کے حمل کا استثناء کر دیا تو باندی کی وصیت صحیح ہے اور استثناء بھی صحیح ہے پس باندی موصیٰ لہ کی ہوگی اور اس کا حمل موصی کے وارثوں کا ہوگا۔

(۳۰۱۰/۴۳) وَمَنْ أَوْصَىٰ لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِي قَبْلَ أَنْ يَقْبَلَ الْمُوْصَىٰ لَهُ وَلَدًا ثُمَّ قَبِلَ الْمُوْصَىٰ لَهُ وَهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوْصَىٰ لَهُ وَإِنْ لَمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضُرِبَ بِالثُّلُثِ وَأَخَذَ بِالْحِصَّةِ مِنْهُمَا جَمِيعًا فِي قَوْلِ أَبِي يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُوْحَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ يَأْخُذُ ذٰلِكَ مِنَ الْأُمِّ فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَخَذَ مِنَ الْوَلَدِ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی کسی کے لئے باندی کی پس اس نے بچہ جنا موصی کی موت کے بعد موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے پھر وصیت قبول کی موصی لہ نے اور وہ دونوں نکل جاتے ہیں تہائی سے تو وہ دونوں موصیٰ لہ کیلئے ہوں گے اور اگر تہائی سے نہ نکلتے ہوں تو شامل کر لئے جائیں گے ثلث میں اور لے گا موصیٰ لہ حصہ ان سب سے صاحبین کے قول میں اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ لے گا موصیٰ لہ اپنا حصہ ماں سے پس اگر کچھ بچ جائے تو لے گا اس کو بچہ سے۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے اپنی باندی کی وصیت کی اور زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ اور موصیٰ لہ کے قبول کرنے سے پہلے باندی نے ایک بچہ جنا اس کے بعد موصی لہ نے وصیت کو قبول کیا اور باندی اور بچہ کی قیمت اتنی ہے

کہ یہ دونوں ترکہ کے تہائی سے نکل جاتے ہیں یعنی ترکہ ان کی قیمت کے علاوہ دوثلث یا اس سے زیادہ موجود ہے تو باندی اور بچہ دونوں خالد کو ملیں گے اور اگر ماں اور بچہ دونوں تہائی سے نہ نکلیں تو اس میں امام ابوحنیفہؒ وصاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اپنی تہائی ماں سے لیگا اگر ماں سے اس کی تہائی پوری ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ اگر کچھ رہ جائے تو اس کمی کو بچہ سے پورا کرلیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک ماں اور بچہ دونوں سے اکٹھے ثلث کو وصول کیا جائیگا۔

مثال: مثلاً زید کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جس کی قیمت تین سو درہم ہے اب زید نے اس باندی کی وصیت خالد کے لئے کردی تو وصیت صحیح ہے اور پوری باندی خالد کو ملے گی کیونکہ باندی پورے ترکہ کا تہائی ہے، لیکن زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اس باندی نے ایک بچہ جنا جس کی قیمت بھی تین سو درہم ہے اب کل ترکہ ۱۲۰۰ درہم ہوگیا جس کا تہائی چار سو ہوتا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک پوری باندی خالد کو دے دی جائے گی مگر ابھی اس کا ثلث پورا نہیں ہوا لہٰذا بچہ کی قیمت کا $\frac{1}{3}$ اور خالد کو دیا جائے گا اب چار سو کی مالیت خالد کو مل چکی ہے، جو بارہ سو کا تہائی ہے اور صاحبین کے نزدیک ماں اور بچہ دونوں کا $\frac{2}{3}$ خالد کو دیا جائے گا اور ماں کا $\frac{2}{3}$ دوسو دراہم ہیں اور بچہ کا $\frac{2}{3}$ بھی دوسو دراہم ہیں، لہٰذا بارہ سو کا ثلث پورا ہوگیا تو خالد کوان دونوں کا دوثلث ملے گا۔

(۳۰۱۱/۴۴) وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ سِنِيْنَ مَعْلُوْمَةً وَتَجُوْزُ ذٰلِكَ اَبَدًا.

ترجمہ: اور جائز ہے وصیت اپنے غلام کی خدمت کی اور اپنے مکان کی رہائش کی چند معین سالوں کے لئے اور جائز ہے یہ ہمیشہ کے لئے بھی۔

منافع کی وصیت کرنے کا بیان

تشریح: انسان جس طرح اپنی زندگی میں اپنی چیز کے منافع کا مالک دوسروں کو بنا سکتا ہے، اسی طرح انسان کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ اپنی موت کے بعد کسی کو اپنی چیز کے منافع کا مالک بنائے اور جب منافع کی وصیت جائز ہے تو پھر چند ایام کی کرے وہ بھی جائز ہے اور ہمیشہ کے لئے کردے وہ بھی جائز ہے۔

(۳۰۱۲/۴۵) فَاِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَ اِلَيْهِ لِلْخِدْمَةِ وَاِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهٗ غَيْرَهٗ خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَلِلْمُوْصٰى لَهٗ يَوْمًا.

ترجمہ: پس اگر نکل جائے غلام کا رقبہ تہائی سے تو موصی لہ کے سپرد کردیا جائے گا خدمت کے لئے اور اگر نہ ہو مال غلام کے علاوہ تو خدمت کرے گا ورثاء کی دودن اور موصی لہ کی ایک دن۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے غلام کی خدمت کی وصیت کی تھی یا مکان کی رہائش کی وصیت کی تھی اور غلام ومکان کی قیمت سے دوثلث یا اس سے زیادہ مال اور بھی موجود ہے یعنی غلام ومکان تہائی سے نکل جاتا ہے تو غلام ومکان

خالد کے سپرد کردیا جائے اور اگر موصی کے پاس اس غلام ومکان کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہوتو پھر یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ مکان کو تین تہائی تقسیم کر کے ایک تہائی موصی لہ کو دیا جائے گا اور دو تہائی ورثاء کی ہوگی اور غلام والی صورت میں غلام ورثاء کی خدمت دو دن کرے گا اور خالد کی ایک دن اور غلام کی تقسیم چونکہ ناممکن ہے اس لئے اس میں باری مقرر کردی جائے گی۔

(۳۰۱۳/۴۶) فَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ عَادَ اِلَى الْوَرَثَةِ.

ترجمہ: پھر اگر مرجائے موصی لہ تو لوٹ آئے گا موصی بہ ورثاء کی جانب۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے اپنے مکان میں رہنے کی وصیت کی تھی اور زید کے انتقال کے بعد وصیت کے مطابق خالد مکان میں رہتا ہے اور اب خالد کا انتقال ہوگیا تو موصی بہ موصی کے ورثاء کے حوالہ ہوجائے گا۔

(۳۰۱۴/۴۷) وَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ فِيْ حَيٰوةِ الْمُوْصِيْ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ.

ترجمہ: اور اگر مرجائے موصی لہ موصی کی زندگی میں تو باطل ہوجائے گی وصیت۔

تشریح: اور اگر زید کی زندگی میں خالد کا انتقال ہوجائے تو وصیت ہی باطل ہوجائے گی کیوں کہ موصی کے مرنے کے بعد موصیٰ لہ کا وصیت کو قبول کرنا وصیت کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے اور یہاں موصیٰ لہ پہلے ہی مرگیا تو وصیت کون قبول کرے گا؟

(۳۰۱۵/۴۸) وَاِذَا اَوْصٰى لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى سَوَاءٌ

ترجمہ: اور اگر وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو وصیت ان کے درمیان لڑکے اور لڑکی کیلئے برابر ہوگی۔

تشریح: ابن، سے فقط بیٹا مراد ہوتا ہے، اور لفظ ولد سے بیٹا اور بیٹی دونوں مراد ہوتے ہیں، بالفاظ دیگر لفظ ولد حقیقۃً مطلق اولاد کو شامل ہے، لہٰذا جب زید نے ولد خالد کے لئے وصیت کی تو خالد کے لڑکے اور لڑکیاں اس وصیت میں برابر کے شریک ہوں گے۔

(۳۰۱۶/۴۹) وَاِنْ اَوْصٰى لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کرے فلاں کے ورثاء کے لئے تو وصیت ان میں مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگی۔

تشریح: زید نے فلاں کے ورثاء کے لئے وصیت کی تو یہاں لڑکے اور لڑکی میں میراث کے مطابق بٹوارہ ہوگا یعنی جو لڑکی کو ملے گا اس سے دوگنا لڑکے کو ملے گا، کیوں کہ لفظ ورثاء کی صراحت اس کی جانب اشارہ ہے کہ زید کا ارادہ

یہی ہے کہ لڑکوں کا حق لڑکیوں سے زیادہ ہو جیسے میراث میں ہوتا ہے۔

(۳۰۱۷/۵۰) وَمَنْ اَوْصٰی لِزَیْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِهٖ فَاِذَا عَمْرٌو مَیِّتٌ فَالثُّلُثُ کُلُّهٗ لِزَیْدٍ.

ترجمہ: کسی نے وصیت کی زید اور عمرو کے لئے اپنے تہائی مال کی اور عمرو اس وقت مر چکا تھا تو ساری تہائی زید کے لئے ہوگی۔

تشریح: بکر نے زید اور عمرو دونوں کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی لیکن عمرو زندہ نہیں ہے بلکہ وہ وصیت کرنے سے پہلے ہی مر چکا ہے تو پورا ثلث زید کو ملے گا کیوں کہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے اور زید چوں کہ زندہ ہے اور وصیت کا اہل ہے تو عمرو عدم اہلیت کی وجہ سے زید کا مزاحم نہ ہوگا اور اس کو ثلث دیئے جانے سے مانع نہ ہوگا۔

(۳۰۱۸/۵۱) وَاِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِیْ بَیْنَ زَیْدٍ وَعَمْرٍو وَزَیْدٌ مَیِّتٌ کَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان ہے اور زید مر چکا ہے تو عمرو کے لئے تہائی کا نصف ہوگا۔

تشریح: اگر موصی وہ الفاظ استعمال کرے جو ماقبل میں گذرے کہ میرے مال کا تہائی زید اور عمرو کے لئے وصیت ہے تو اس کا حکم تو مذکور ہو چکا ہے اور اگر وہ اس کے بجائے لفظ 'بین' استعمال کرے اور یوں کہے کہ میرے مال کا تہائی زید اور عمرو کے درمیان ہے اور ان میں سے زید زندہ نہیں ہے فقط عمرو زندہ ہے تو عمرو کے لئے ثلث کا نصف ہوگا کیوں کہ موصی نے جو لفظ ''بین'' استعمال کیا ہے اس کا تقاضہ یہی ہے کہ موصی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث کا نصف دینا چاہتا ہے، اور ماقبل والے مسئلہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ موصی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث کا نصف دینا چاہتا ہے۔

(۳۰۱۹/۵۲) وَمَنْ اَوْصٰی بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَامَالَ لَهٗ ثُمَّ اکْتَسَبَ مَالاً اِسْتَحَقَّ الْمُوْصٰی لَهٗ ثُلُثَ مَا یَمْلِکُهٗ عِنْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے مال کے تہائی کی اور اس کے لئے مال نہیں ہے پھر کچھ مال کمایا تو مستحق ہوگا موصی لہ اس کی تہائی کا جس کا مالک ہو موصی موت کے وقت۔

تشریح: زید نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی بکر کو دے دینا لیکن زید کے پاس مال نہیں ہے البتہ زید نے بعد وصیت مال کمایا ہے اور بوقت موت مال چھوڑ کر مرتا ہے تو زید بوقت موت جتنے مال کا مالک ہے اس مال کا تہائی موصی لہ کو دیدیا جائے گا۔

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

(یہ کتاب ہے فرائض کے احکام کے بیان میں)

فرائض کے لغوی معنی ووجہِ تسمیہ: لفظ فرائض جمع ہے فریضۃ کی اور وہ مشتق ہے فرض سے متعین چیز چوں کہ میراث میں مستحقین کے حصے متعین ہوتے ہیں اس لئے ان حصوں کو فرائض کہا جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ علم میراث کو ''فرائض'' اور اس فن کے واقف کار کو فرضی اور فرّاض کہا جانے لگا۔

اصطلاحی تعریف: فقہ اور حساب کے ان قواعد کا جاننا ہے جن سے ہر ایک وارث کا حصہ ترکہ سے معلوم ہو جائے۔

موضوع: علم فرائض کا موضوع ترکہ اور ورثاء ہیں انہیں دونوں کے احوال سے اس فن میں بحث کی جاتی ہے۔

غرض وغایت: اس فن کی غرض وغایت مستحقین کو ان کے حقوق پہنچانا اور ترکہ کی تقسیم میں غلطی سے بچنا ہے۔

شرعی حکم: اس علم کا سیکھنا فرض کفایہ ہے یعنی بقدر سفر شرعی (موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ۷۸ کلو میٹر ۴۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے) مقامات کی مسافت میں کم از کم ایک عالم فرائض کا ہونا ضروری ہے ورنہ ان بستیوں میں رہنے والے تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔

شرائط: اس علم کی تین شرطیں ہیں (۱) مورث کی موت (۲) مورث کی موت کے وقت وارث کا وجود۔ (۳) یہ جاننا کہ کس جہت سے وارث بن رہا ہے قرابت کی وجہ سے یا نکاح کی وجہ سے یا ولاء کی وجہ سے۔

ارکان: اس علم کے تین رکن ہیں (۱) وارث (۲) مورِث (میت) (۳) حق موروث یعنی ترکہ

اسباب: (۱) نسب (۲) نکاح (۳) ولاء۔

علم فرائض کی فضیلت: علم الفرائض نہایت اہم اور بڑی فضیلتوں والا علم ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر احکام نماز، روزہ، وغیرہ اجمالاً نازل فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دی ہے اور وراثت کی تمام تفصیلات خود نازل فرمائی ہیں۔

(۳۰۲۰/۱) اَلْمُجْمَعُ عَلٰى تَوْرِيْثِهِمْ مِنَ الذُّكُوْرِ عَشَرَةٌ الْاِبْنُ وَابْنُ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَالْاَبُ وَالْجَدُّ اَبُو الْاَبِ وَاِنْ عَلَا وَالْاَخُ وَابْنُ الْاَخِ وَالْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَالزَّوْجُ وَمَوْلَى النِّعْمَةِ. وَمِنَ الْاُنَاثِ سَبْعٌ اَلْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ وَالْاُخْتُ وَالزَّوْجَةُ وَمَوْلَاةُ النِّعْمَةِ.

حل لغات: ابن الابن: بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا۔ سفل: (نصر، سمع، کرم) تینوں بابوں سے آتا ہے البتہ نصر سے پڑھنا زیادہ بہتر اور مشہور ہے 'کرم' سے پڑھنے کو غلط کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کا مصدر سفالۃ بھی ہے جس کے معنی

دنائت وحقارت کے ہیں۔ (الجد: دادا، نانا، دونوں پر اطلاق ہوتا ہے مگر صاحب قدوری نے ابوالاب کہہ کر یہ بات واضح کردی کہ یہاں صرف دادا مراد ہے نانا مراد نہیں ہے کیوں کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے اس کو وراثت نہیں ملتی، کوئی وارث نہ ہو تو اخیر میں نانا یا ماموں کو مال دیا جاتا ہے۔

مولی النعمة: جن کا میت کے ساتھ عتاقت کا تعلق ہے یعنی آزاد کرنے والا آقا اور اس کی اولاد اس کو مولی العتاقہ ومولی النعامہ بھی کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: جن کے وارث ہونے پر اتفاق ہے مردوں میں سے وہ دس ہیں بیٹا پوتا، اگرچہ نیچے کا ہو باپ، جد یعنی باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد بھائی، شوہر آزاد کرنے والا آقا، اور عورتوں میں سے سات ہیں بیٹی، پوتی، ماں، جدہ صحیحہ (دادی اور نانی اوپر تک) بہن، بیوی، آزاد کرنے والی۔

ترکہ درجِ ذیل ترتیب سے تقسیم ہوگا

تشریح: صاحب قدوری نے اس عبارت میں مطلقا ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو میراث کے مستحق ہوتے ہیں خواہ اصحاب فرائض کے اعتبار سے خواہ عصبہ کے اعتبار سے یعنی مع اس کے اقسام کے خواہ عصبہ سببی کے اعتبار سے نیز اس چیز کو بھی ملحوظ نہیں رکھا ہے، کہ ان اقسام میں سے کونسی قسم کے لوگ مقدم ہوں گے اور کون موخر بلکہ فی الجملہ بیان کردیا ہے۔ مگر ترکہ درج ذیل ترتیب سے تقسیم ہوگا۔

(۱) ترکہ سب سے پہلے اصحاب فرائض کو ملے گا، اصحاب فرائض وہ ورثاء ہیں جن کے حصے شریعت میں متعین ہیں یہ کل بارہ افراد ہیں چار مرد اور آٹھ عورتیں۔ (۱) باپ (۲) جد صحیح (دادا) اوپر تک (۳) اخیافی (ماں شریک) بھائی (۴) شوہر (۵) بیوی (۶) بیٹی (۷) پوتی نیچے تک (۸) حقیقی بہن (۹) علاتی (باپ شریک) بہن (۱۰) اخیافی بہن (۱۱) ماں (۱۲) جدۂ صحیحہ (دادی اور نانی) اوپر تک۔

(۲) ذوی الفروض کے بعد ترکہ عصبہ نسبی کو ملے گا عصبہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ لے لیتے ہیں اور ذوی الفروض نہ ہو تو سارا ترکہ لے لیتے ہیں عصبہ کی دو قسمیں ہیں (۱) عصبہ نسبی (۲) عصبہ سببی، عصبہ نسبی وہ ہیں جن کا میت کے ساتھ ولادت کا تعلق ہے اور عصبہ سببی وہ ہیں جن کا میت کے ساتھ آزادی کا تعلق ہو تفصیل باب العصبات میں آئے گی۔

(۳) ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو ترکہ عصبہ سببی کو ملے گا۔

(۴) اگر میت کو آزاد کرنے والا فوت ہوگیا تو اس کے عصبہ بنفسہ کو یعنی اس کے بیٹے باپ بھائی بھتیجے اور چچا اور چچازاد بھائیوں کو ترکہ ملے گا اگر یہ بھی نہ ہوں تو اگر آزاد کرنے والا کسی کا غلام تھا تو اس کے آزاد کرنے والے آقا کو ترکہ ملے گا، وھکذا۔

کی ملکیت سے نکل جائے گا لیکن اگر کسی شخص نے زمین کا رقبہ وقف نہیں کیا بلکہ اس کے منافع وقف کئے مثلاً اس طرح کہا، کہ اس زمین کے منافع فقراء پر وقف ہیں تو اگر اس وقف کو اپنی موت کے بعد کی طرف منسوب کیا تھا مثلاً اس طرح کہا اگر میں مرجاؤں تو اس زمین کے منافع مساکین پر وقف ہیں یا موت کے ساتھ معلق تو نہیں کیا تھا لیکن کسی حاکم نے یہ فیصلہ کردیا کہ اس وقف کے منافع ہمیشہ فلاں لوگوں کو ملا کریں گے، تو ان تمام صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ واقف کو وقف سے رجوع کرنا جائز نہیں اور منافع ہمیشہ ان ہی لوگوں کو ملیں گے جن پر وقف کیا گیا ہے۔

اور اگر واقف نے منافع وقف کئے لیکن نہ ان کو موت کی جانب منسوب کیا اور نہ کسی حاکم نے فیصلہ کیا تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک اس وقف کے منافع موقوف علیہم صرف اس وقت تک استعمال کریں گے جب تک کے لئے واقف تعیین کردے گا اور واقف کو رجوع کرنے کا اختیار بھی رہے گا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اب میں اپنے منافع واپس لیتا ہوں امام صاحبؒ کا صحیح مذہب یہی ہے۔

(۲/۱۴۹۱) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَزُوْلُ الْمِلْكُ بِمُجَرَّدِ الْقَوْلِ.

ترجمہ: اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا زائل ہوجائے گی ملک صرف کہنے ہی سے۔

تشریح: امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ واقف صرف یہ کہہ دے کہ میں نے وقف کیا تو اس کی ملکیت وقف کے مال سے ختم ہوجائیگی خواہ حاکم نے فیصلہ نہ کیا ہو یا موت پر وقف کو معلق نہ کیا ہو۔

(۳/۱۴۹۲) وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَزُوْلُ الْمِلْكُ حَتّٰى يَجْعَلَ لِلْوَقْفِ وَلِيًّا وَيُسَلِّمَهُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: اور امام محمدؒ نے فرمایا نہیں ختم ہوگی ملکیت یہاں تک کہ بنائے وقف کے لئے کسی کو متولی اور اس کو اس کی طرف سپرد کردے۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف کی ملکیت شئ موقوف سے اس وقت ختم ہوگی جب وقف کا کوئی متولی مقرر کرکے شئ موقوف اس کے قبضہ میں دےدی جائے۔

(۴/۱۴۹۳) وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ عَلٰى اخْتِلَافِهِمْ خَرَجَ مِنْ مِلْكِ الْوَاقِفِ وَلَمْ يَدْخُلْ فِيْ مِلْكِ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب صحیح ہوجائے وقف ان کے اختلاف کے موافق تو نکل جائے گا واقف کی ملک سے اور نہیں داخل ہوگا موقوف علیہ کی ملک میں۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ما قبل میں جو امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف گذرا ہے جب اس اختلاف کے مطابق وقف صحیح ہوجائے تب واقف کی ملکیت سے وقف کی چیز نکل جائے گی لیکن جن

لوگوں پر وقف کیا ہے وہ اس کے مالک نہیں ہوں گے کیوں کہ وقف کا مطلب ہی یہ ہے کہ وقف واقف کی ملکیت میں نہ رہے اور ساتھ ہی مطلب یہ ہے کہ موقوف علیہ اس کے فوائد سے نفع اٹھاتا رہے مگر بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱۴۹۴/۵) وَوَقْفُ الْمُشَاعِ جَائِزٌ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَایَجُوْزُ

ترجمہ: اور مشترک چیز کا وقف جائز ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح: کوئی چیز مشترک ہو اور تقسیم ہو سکتی ہو پھر بھی بغیر تقسیم کئے اس کا وقف امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے۔

دلیل: وقف پورا ہونے کے لئے موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری نہیں ہے صرف کہنے سے وقف ہو جاتا ہے اور جب قبضہ دلانا ضروری نہیں تو مشترک چیز کا وقف بھی ہو سکتا ہے، مگر مسجد اور مقبرہ کی زمین اس طرح وقف کرنا کہ کچھ حصہ مشترکہ طور پر مسجد کو دے اور کچھ حصہ خود رکھے درست نہیں، کیوں کہ مالک کبھی اپنے مصرف میں استعمال کرے گا اور کبھی مسجد کے لئے ہوگی اس طرح مسجد کی توہین ہوگی، اسی طرح مقبرہ میں ایک سال مردے دفن کئے جائیں گے اور دوسرے سال مالک کا حصہ ہونے کی وجہ سے کھیتی کی جائے گی اس لیے مالک اور مسجد یا مقبرہ دونوں کا مشترکہ حصہ ہو یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ (الجوہرۃ ۲/۲۱)

حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مشترک چیز کا وقف جائز نہیں جب تک اس کو تقسیم نہ کردے۔

دلیل: امام محمدؒ کے نزدیک موقوف علیہ کو قبضہ دلانا ضروری ہے اور بغیر تقسیم کئے ہوئے پورا قبضہ نہیں ہو سکتا اس لیے تقسیم کر کے ہی وقف کرنا ضروری ہے۔ (اللباب ۲/۱۰۰)

نوٹ: جو چیز تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے حمام اور پن چکی تو ان کو بغیر تقسیم کئے ہوئے بھی وقف کرنا جائز ہے کیوں کہ مجبوری ہے۔

(۱۴۹۵/۶) وَلَا یَتِمُّ الْوَقْفُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی حَتّٰی یَجْعَلَ آخِرَهُ بِجِهَةٍ لَا تَنْقَطِعُ اَبَدًا وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ اِذَا سَمّٰی فِیْهِ جِهَةً تَنْقَطِعُ جَازَ وَصَارَ بَعْدَهَا لِلْفُقَرَاءِ وَاِنْ لَمْ یُسَمِّهِمْ.

حل لغات: آخرہ: انجام کار، جهة تنقطع: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے خاص لوگوں پر وقف کیا جن کے مرنے کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

ترجمہ: اور نہیں پورا ہوتا وقف طرفینؒ کے نزدیک یہاں تک کہ کردے اس کا آخر (انجام کار) اسی طرح کہ وہ کبھی منقطع نہ ہو، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر اس نے نام لیا ایسی جہت کا جو منقطع ہو جائے گی تب بھی جائز ہے اور وہ اس جہت کے بعد فقراء کے لئے ہو جائے گا اگرچہ اس نے ان کا نام نہ لیا ہو۔

تشریح: واقف کا وقف کرنا کب مکمل ہوگا اس کے متعلق اختلاف ہے اس عبارت میں اسی اختلاف کو بیان کرنا چاہتے ہیں، حضرات طرفینؒ فرماتے ہیں کہ وقف کے مکمل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ واقف وقف کی صورت اس طرح بنادے کہ وقف کا مال آخرکار ہمیشہ کے لئے غرباء ومساکین کے لئے ہی ہوگا واقف کو اس کی تصریح کرنی ہوگی یعنی کبھی بھی میرے اور میرے ورثہ کے پاس واپس نہیں آئے گا، طرفین کے نزدیک وقف کا دائمی ہونا ضروری ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر واقف نے فقراء کا نام وقف میں نہیں لیا صرف ایسے لوگوں پر وقف کیا جو کچھ سالوں کے بعد مرجائیں گے اور ختم ہوجائیں گے پھر بھی وقف صحیح ہوجائے گا البتہ جن لوگوں کا نام لے کر وقف کیا ہے ان کے مرنے کے بعد لوٹ کر واقف کے ورثہ کی طرف نہیں آئے گا بلکہ خود بخود ہمیشہ فقراء کے لئے ہوجائے گا، خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہمیشہ کے لئے فقراء ومساکین کے لئے ہوجائے گا لیکن طرفین کے نزدیک وقف صحیح ہونے کے لئے اس کا تصریح کرنا ضروری ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تصریح کرنا ضروری نہیں ہے۔

(۱۴۹۶/ ۷) وَيَصِحُّ وَقْفُ الْعَقَارِ وَلَا يَجُوْزُ وَقْفُ مَا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ.

ترجمہ: اور صحیح ہے زمین کا وقف کرنا اور نہیں جائز ہے ایسی چیز کا وقف کرنا جو منتقل ہوتی ہو اور بدلتی ہو۔

اشیائے منقولہ اور غیر منقولہ کے وقف کا بیان

تشریح: زمین کا وقف کرنا بالاتفاق صحیح ہے، لیکن اشیاء منقولہ کو وقف کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک درست نہیں ہے اگر پھر بھی وقف کردیا تو وقف کے بجائے صدقہ ہوجائے گا، کیوں کہ وقف کے درست ہونے کے لئے تابید شرط ہے اور اشیاء منقولہ کچھ وقت کے بعد بالکل ختم ہوجائے گی، اس لیے وقف درست نہیں ہے۔

(۱۴۹۷/ ۸) وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا وَقَفَ ضَيْعَةً بِبَقَرِهَا وَاَكَرَتِهَا وَهُمْ عَبِيْدُهُ جَازَ.

حل لغات: ضیعة: کھیتی کی زمین، اکرة: واحد اَکَّارٌ کاشت کار کھیت میں کام کرنے والا مزدور، عبید: عبد کی جمع ہے غلام، نوکر چاکر۔

ترجمہ: امام ابو یوسفؒ نے فرمایا جب وقف کرے کھیتی کی زمین اس کے بیلوں اور مزدوروں کے ساتھ اور وہ مزدور اس کے غلام تھے تو جائز ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر زمین کو اس کے بیلوں اور کارندوں کے ساتھ وقف کرے تو صحیح ہے بیل مزدور ایسے ہی وہ تمام چیزیں جو کھیتی کے کام آتی ہیں، زمین کے تابع ہوکر وقف ہوسکتی ہیں مستقل طور پر وقف نہیں ہوسکتی کیوں کہ بعض چیزیں اصلاً جائز نہ ہو لیکن تابع کے طور پر جائز ہوسکتی ہیں۔

(۹/۱۴۹۸) وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ حَبْسُ الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ.

حل لغات: حبس: باب (ض) سے مصدر ہے روکنا، الكُراع: جمع اکارِعُ گھوڑے خچر گدھے اونٹ، السلاح: ہتھیار جمع اَسلِحَةٌ۔

ترجمہ: اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ گھوڑے اور ہتھیار کا وقف کرنا جائز ہے۔

تشریح: امام محمدؒ کے نزدیک گھوڑے وغیرہ اور ہتھیار راہ خدا میں وقف کرنا جائز ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ایک حدیث میں ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ہتھیار کو اللہ کے راستے میں وقف کیا ہے ایسے ہی حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے گھوڑے کو اللہ کے راستے میں وقف کیا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اللباب ۱۰۱/۲، رقم حاشیۃ اللباب (۱)

نیز امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کے وقف کرنے کا لوگوں میں رواج ہو جائے ان کا وقف کرنا بھی درست ہوگا، مثلاً کلہاڑی، بسولہ، آرا، جنازہ کی چار پائی، قرآن کریم، کتابیں وغیرہ ان کا وقف کرنا جائز ہے۔ (الجوہرة النيرة ۲۳/۲)

(۱۰/۱۴۹۹) وَاِذَا صَحَّ الْوَقْفُ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهٗ وَلَا تَمْلِيْكُهٗ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مُشَاعاً عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَيَطْلُبُ الشَّرِيْكُ الْقِسْمَةَ فَتَصِحُّ مُقَاسَمَتُهٗ.

ترجمہ: اور جب صحیح ہو جائے وقف تو جائز نہیں اس کا بیچنا اور نہ کسی کو اس کا مالک بنانا مگر یہ کہ وہ مشترک ہو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور شریک تقسیم کرانا چاہے تو صحیح ہے اس کو تقسیم کرنا۔

تشریح: جب وقف مکمل ہو گیا تو اس کو فروخت کرنا اور کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ چیز مشترک ہے تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر شریک اس کی تقسیم چاہتا ہو تو تقسیم کرنا جائز ہے، کیوں کہ یہ تقسیم تملیک نہیں بلکہ اپنے حصہ کو الگ کرانا ہے، صاحب قدوریؒ نے امام ابو یوسفؒ کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے، کہ ان کے نزدیک مشترک چیز کو وقف کرنا جائز ہے۔ الجوہرة النيرة ۲۳/۲)

(۱۱/۱۵۰۰) وَالْوَاجِبُ اَنْ يَّبْتَدِئَ مِنَ ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ بِعِمَارَتِهٖ شَرَطَ ذَالِكَ الْوَاقِفُ اَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ.

حل لغات: ارتفاع: آمدنی، منافع۔ عمارت: مرمت کے معنی میں ہے۔

ترجمہ: اور ضروری ہے کہ شروع کرے وقف کے منافع سے اس کی مرمت شرط لگائی ہو اس کی واقف نے یا نہ لگائی ہو۔

تشریح: وقف سے جو آمدنی ہو اس کو پہلے وقف کردہ چیز کی مرمت پر خرچ کیا جائے چاہے واقف نے یہ شرط

لگائی ہو، یا نہ لگائی ہو کہ اس جائداد کے منافع سے پہلے اس کی مرمت کی جائے گی پھر بھی وقف کی آمدنی سے پہلے مرمت کرانا ہی ضروری ہے کیوں کہ واقف کا مقصد یہ ہے کہ وقف کی چیز ہمیشہ باقی رہے اور اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ وقف کی ٹوٹ پھوٹ کی مرمت ہوتی رہے ورنہ وقف کردہ شئ جلدی ہی ختم ہو جائے گی۔

(۱۲/۱۵۰۱) وَاِذَا وَقَفَ دَاراً عَلٰی سُکْنٰی وَلَدِہٖ فَالْعِمَارَۃُ عَلٰی مَنْ لَّہُ السُّکْنٰی.

ترجمہ: اور اگر وقف کیا کوئی مکان اپنی اولاد کی رہائش کے لئے تو مرمت اسی کے ذمہ ہے جس کے لئے رہائش ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کوئی مکان اپنی اولاد کی رہائش کے لئے وقف کیا تو اس گھر کی مرمت کی ذمہ داری رہنے والے کے اوپر ہے، وہ اپنی آمدنی سے اس کی مرمت کروائے، کیوں کہ جب وہ رہ رہا ہے تو الخراج بالضمان (استحقاقِ آمد ضمان کے ساتھ معلق ہے) کے تحت اس پر ہی مرمت کی ذمہ داری ہوگی۔

(۱۳/۱۵۰۲) فَاِنِ امْتَنَعَ ذَالِکَ اَوْ کَانَ فَقِیْراً اٰجَرَھَا الْحَاکِمُ وَعَمَّرَھَا بِاُجْرَتِھَا فَاِذَا عُمِّرَتْ رَدَّھَا اِلٰی مَنْ لَّہُ السُّکْنٰی.

حل لغات: آجر: اجرت پر دینا، عمر: مصدر تعمیر مرمت کرانا۔

ترجمہ: اگر وہ مرمت کرانے سے رک جائے یا وہ فقیر ہو تو اجرت پر دے دے اس کو حاکم اور مرمت کرائے اس کی اجرت سے جب مرمت ہو چکے تو اسی کی طرف واپس کر دے جس کے لئے رہائش ہے۔

تشریح: مکان جس کو رہنے کے لئے دیا ہے، وہ مرمت نہیں کرا رہا ہے یا وہ فقیر ہے جس کی وجہ سے مرمت کرانا مشکل ہے تو حاکم کو چاہئے کہ اس کو کرایہ پر دے اور جو کرایہ حاصل ہو اس رقم سے اس کی مرمت کرا دے جب مرمت کرا کر مکان پہلی حالت پر آجائے تو دوبارہ مکان اسی آدمی کو دے دے گا جس کے لئے واقف نے وقف کیا تھا۔

دلیل: جب حاکم نے مکان کرایہ پر دے دیا اور اس کرایہ سے مکان کی مرمت ہوئی تو ایک مخصوص وقت کے لئے رہنے والے کا حق فوت ہو گیا لیکن اگر اس مکان کی مرمت نہ کرائی جائے اور یونہی پڑا رہنے دیا جائے تو رہائش بالکلیہ ہی ختم ہو جائے گی اس لیے وقف کردہ مکان کو بچانے کی یہی شکل نکل سکتی ہے کہ دوسروں کو کرایہ پر دے دے اور جو آمد ہو اس سے مرمت کرائے اور اب کرایہ پر دینے کی کوئی ضرورت نہ رہی اس لیے دوبارہ مکان اسی کو دے دیا جائیگا۔

(۱۴/۱۵۰۳) وَمَا انْھَدَمَ مِنْ بِنَاءِ الْوَقْفِ وَاٰلَتِہٖ صَرَفَہُ الْحَاکِمُ فِیْ عِمَارَۃِ الْوَقْفِ اِنِ احْتَاجَ اِلَیْہِ وَاِنِ اسْتَغْنٰی عَنْہُ اَمْسَکَہُ حَتّٰی یَحْتَاجَ اِلٰی عِمَارَتِہٖ فَیَصْرِفَہُ فِیْھَا وَلَا یَجُوْزُ اَنْ یُّقَسِّمَہُ بَیْنَ مُسْتَحِقِّی الْوَقْفِ.

حل لغات: انھدم: ماضی مصدر انھدام گرنا، اٰلتہ: ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں (۱) بناء پر

عطف کرنے کی وجہ سے مجرور ہے (۲) ما موصولہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، استغنی عنہ: بے نیاز ہونا، کسی چیز کا ضرورت مند نہ ہونا۔

ترجمہ: جو کچھ گر جائے وقف کی عمارت سے اور اس کے آلات سے تو صرف کرے گا اس کو حاکم وقف کی مرمت میں اگر اس کی ضرورت ہو اور اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو اس کو روک لے یہاں تک کہ اس کی مرمت کی ضرورت ہو تا کہ اس میں صرف کرے اور نہیں جائز ہے کہ اس کو تقسیم کردے وقف کے مستحقین کے درمیان۔

تشریح: وقف کی عمارت سے جو اینٹ لکڑی وغیرہ گر کر الگ ہو جائے اگر اس کی ضرورت ہو تو اس کو وقف کے مکان کی مرمت میں استعمال کرے، اور اگر فی الحال استعمال کی ضرورت نہ ہو تو اس ملبہ وغیرہ کو رکھ لے اور جب مرمت کی ضرورت ہو تو اسی میں خرچ کیا جائے اگر بجنسہ کام دے سکتا ہو تو بجنسہ محفوظ کیا جائے اور اگر یہ ملبہ اس قسم کا نہیں ہے تب فروخت کر کے اس کی قیمت کو محفوظ کر لیا جائے اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس ملبہ کو وقف کے مستحقین کے درمیان تقسیم نہ کرے کیوں کہ مستحقین کا حق نفع میں ہے عین شی میں نہیں ہے اور یہ عین شی ہے اس وجہ سے ملبہ کو ان کے درمیان تقسیم نہ کرے۔ (الجوہرۃ ۲/۲۴، اللباب ۲/۱۰۲)

(۱۵۰۴/۱۵) وَاِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ غَلَّةَ الْوَقْفِ لِنَفْسِهٖ اَوْ جَعَلَ الْوِلَايَةَ اِلَيْهِ جَازَ عِنْدَ اَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَايَجُوْزُ.

حل لغات: غلة: پیداوار، الولایة: نگرانی، خود کا متولی بننا شرط کیا۔

ترجمہ: اور جب کرلے واقف وقف کی آمدنی اپنے لئے یا کر لے اس کی نگرانی اپنے لئے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ نے فرمایا جائز نہیں ہے۔

تشریح: ماقبل کی عبارت میں جو مسئلہ مذکور ہے اس کی دو نوعیتیں ہیں (۱) واقف نے وقف تو کیا مگر یوں کہا کہ اس کی کچھ آمدنی میں بھی اپنے استعمال میں لاؤں گا۔

(۲) واقف نے وقف تو کیا مگر یہ شرط لگائی کہ میں خود اس کا نگران ہوں گا تو دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ واقف اپنے استعمال کے لئے شرط لگائے تو نہیں لگا سکتا کیوں کہ وقف کے بعد یہ مال اللہ کا ہو گیا اس لیے اب اپنے استعمال کرنے کی شرط لگانا صحیح نہیں ہے ایسے ہی خود نگرانی کی شرط بھی نہیں لگا سکتا کیوں کہ امام محمد کے نزدیک وقف کے مال کو کسی دوسرے نگراں اور ولی کو سپرد کرنا ضروری ہے اس لیے خود نگرانی کی شرط نہیں لگا سکتا۔

(۱۵۰۵/۱۶) وَاِذَا بَنٰى مَسْجِداً لَمْ يَزَلْ مِلْكُهٗ عَنْهُ حَتّٰى يُفْرِزَهٗ عَنْ مِلْكِهٖ بِطَرِيْقِهٖ وَيَاْذَنَ لِلنَّاسِ بِالصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِذَا صَلّٰى فِيْهِ وَاحِدٌ زَالَ مِلْكُهٗ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يَزُوْلُ مِلْكُهٗ عَنْهُ

بِقَوْلِهٖ جَعَلْتُ مَسْجِداً.

حل لغات: یفرزہ: مضارع مصدر افراز ملکیت سے علیحدہ کرنا۔

ترجمہ: اور اگر کسی نے مسجد بنائی تو اس کی ملک اس سے زائل نہیں ہوگی یہاں تک کہ علیحدہ کردے اس کو اپنی ملک سے اس کے راستہ کے ساتھ اور اجازت دیدے لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اب اگر نماز پڑھ لے اس میں ایک آدمی تو زائل ہو جائے گی اس کی ملک امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے اس کی ملکیت اس سے زائل ہو جائے گی اس کے یہ کہنے سے ہی کہ میں نے مسجد بنادی۔

تشریح: ایک آدمی نے مسجد تعمیر کرائی تو یہ مسجد اس آدمی کی ملکیت اس وقت تک رہے گی جب تک کہ وہ اس کو اپنی ملک سے مع راستہ کے جدا نہ کردے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دے دے، اپنی ملکیت سے جدا کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر مسجد خالص خدا کے لئے وقف نہیں ہو سکتی، اور نماز کی اجازت اس لیے ضروری ہے کہ موقوفہ شی پر قبضہ کرانا ضروری ہے، اور یہاں کوئی مخصوص ولی نہیں اور ہر چیز میں قبضہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے اور مسجد میں قبضہ نماز پڑھنا ہے اور یہی وقف کا مقصود ہے اور اسی کو حقیقی قبضہ کے قائم مقام بنادیا گیا ہے، اب اگر اجازت کے بعد اس میں ایک شخص نے بھی نماز پڑھ لی تو مالک کی ملک ختم ہو جائے گی یہ پوری تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی ولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ میں نے مسجد بنادی اس سے وقف مکمل ہو جائے گا۔

(۱۵۰۶/۱۷) وَمَنْ بَنٰى سِقَايَةً لِلْمُسْلِمِيْنَ اَوْ خَاناً يَسْكُنُهٗ بَنُوْا السَّبِيْلِ اَوْ رِبَاطاً اَوْ جَعَلَ اَرْضَهٗ مَقْبَرَةً لَمْ يَزَلْ مِلْكُهٗ عَنْ ذَالِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يَحْكُمَ بِهٖ حَاكِمٌ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَزُوْلَ مِلْكُهٗ بِالْقَوْلِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا اسْتَقَى النَّاسُ مِنَ السِّقَايَةِ وَسَكَنُوْا الْخَانَ وَالرِّبَاطَ وَدَفَنُوْا فِي الْمَقْبَرَةِ زَالَ الْمِلْكُ.

حل لغات: سِقاية: سین پر کسرہ اور الف کے بعد یا مفتوح، پانی پلانے کی جگہ، راہ گیروں کو مفت پانی پلانے کا پیاؤ (پانی پینے کی جگہ)، خاناً: جمع خانات سرائے، مسافروں کے ٹھہرنے کا مکان، مسافر خانہ دھرم سالہ، بنو السبیل: مسافر، رِباطاً: وہ جگہ جہاں لشکر سرحد کی حفاظت کے لئے قیام کرے، جمع رُبُطٌ الرِّبَاطُ فقراء کے لئے مکان موقوفہ جمع رِباطات، مقبرة: جمع مقابر، قبرستان۔

ترجمہ: اور جس نے بنائی پیاؤ مسلمانوں کے لئے یا سرائے بنائی مسافروں کے رہنے کے لئے یا لشکر کی آمد و رفت کے لئے کوئی مکان بنوادیا یا اپنی زمین کو قبرستان بنایا تو ختم نہ ہوگی اس کی ملک امام صاحب کے نزدیک یہاں تک حاکم اس کا فیصلہ کردے اور کہا امام ابو یوسفؒ نے کہ ملک زائل ہو جائے گی صرف اس کے کہنے سے اور فرمایا امام محمدؒ

نے جب پی لیں لوگ پیاؤ سے اور ٹھہر جائیں سرائے اور مسافر خانے میں اور دفن کرنے لگیں قبرستان میں تو زائل ہوجائے گی ملک۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافر خانہ وغیرہ کو وقف کے لئے فیصلہ کرنے کے بعد وقف ہوگا، اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک صرف کہنے سے وقف ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو کوئی مسافر یا مسکین استعمال کرتے تو وقف مکمل ہوگا۔

یہ حضرات ائمہ ثلاثہ کا اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے جو کہ ابتداء کتاب الوقف میں گذر چکا کہ امام صاحب کے نزدیک وقف مکمل اسی وقت ہوگا جب کہ قاضی فیصلہ کردے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک صرف کہہ دیتے ہیں وقف تام ہوجاتا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک سپرد کرنا شرط ہے جب استعمال ہوگیا تو تسلیم پائی گئی۔

كِتَابُ الغَصَبِ

(یہ کتاب غصب کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الوقف اور کتاب الغصب میں مناسبت مقابلہ کی ہے، کیوں کہ غاصب کے لئے مغصوب چیز سے حالت غصب میں نفع اٹھانا جائز نہیں ہے، اور موقوف علیہ کے لئے موقوف سے نفع اٹھانا جائز ہے، لہٰذا وقف شرعی ہے اس وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا اور غصب غیر شرعی ہے اس لیے اس کو مؤخر کیا گیا۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۵)

غصب کی لغوی تعریف: زبردستی کسی کی چیز کو لینا مال ہو یا غیر مال۔

اصطلاحی تعریف: مالک کی اجازت کے بغیر اس کے قیمتی محترم مال پر اس طرح قبضہ کرنا کہ مالک کا قبضہ ختم ہوجائے لہٰذا کسی کے غلام کو اس کی اجازت کے بغیر اپنی خدمت میں لگانا یا اس کے جانور پر سامان لادنا غصب میں داخل ہے اور کسی کی چارپائی پر بیٹھنا یا کسی کے بستر پر بیٹھنا غصب میں داخل نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۲۶، اللباب ۲/۱۰۵)

غصب کرنا حرام ہے اس کا ثبوت ان آیت میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْماً یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے طریقہ پر کھاتے ہیں، اس آیت میں غصب بھی داخل ہے۔

اصطلاحی الفاظ: غاصب، زبردستی مال وغیرہ لینے والا، مغصوب منہ، جس سے زبردستی چھینا گیا، مغصوب، جو چیز چھینی گئی۔

(۱/۱۵۰۷) وَمَنْ غَصَبَ شَيْئاً مِمَّا لَهُ مِثْلٌ فَهَلَكَ فِيْ يَدِهِ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ مِثْلِهِ وَإِنْ كَانَ مِمَّا لَا مِثْلَ لَهُ

فَعَلَیْهِ قِیْمَتُهٗ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے غصب کر لی کوئی ایسی چیز جس کا مثل ہے اور وہ ہلاک ہوگئی اس کے قبضہ میں تو اس کے ذمہ اس کے مثل تاوان ہے، اور اگر وہ چیز اس میں سے ہے جس کا مثل نہیں تو اس پر اس کی قیمت ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی کی کوئی چیز غصب کر لی اور وہ چیز مثلی ہو، مثلاً کیلی موزونی، جیسے گیہوں، چاول، لوہا وغیرہ تو بعینہ وہی چیز واپس کرنی ہوگی اور اگر وہ چیز ہلاک ہوگئی تو اس کا مثل واپس کرنا پڑے گا اور اگر شئ مغصوب غیر مثلی ہو مثلاً گائے بھینس غلام وغیرہ غصب کر لیا تو اب اصل شئ نہ ہونے کی صورت میں قیمت واپس کرنی ہوگی اصل شئ واپس کرنے کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وَمَنْ اَخَذَ عصا اخِیْهِ فَلْیَرُدَّهَا اور جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی کو لیا اس کو اسے واپس کرنا چاہئے۔

مثل واپس کرنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (سورہ بقرہ آیت ۱۹۴) جس نے تم پر ظلم کیا تو تم اس کے مثل ظلم کرو یعنی بدلہ لو جتنا تم پر ظلم کیا اسی پر قیاس کر کے جتنا غصب کر کے ہلاک کیا ہو اس کے مثل دینا واجب ہوگا اور جب شئ مغصوب مثلی نہ ہو تو اس کا مثل متعذر ہونے کی وجہ سے آخر قیمت ہی دی جائے گی۔

(۲/۱۵۰۸) وَعَلَی الْغَاصِبِ رَدُّ الْعَیْنِ الْمَغْصُوْبَةِ.

ترجمہ: اور واجب ہے غاصب پر اصل مغصوب کو لوٹانا۔

تشریح: اگر غاصب کے پاس اصل مغصوب باقی ہو تو اس کا واپس کرنا ضروری ہوگا خواہ مغصوب مثلی ہو یا غیر مثلی کیوں کہ مثل یا قیمت کو واپس کرنا تو مجبوری کے درجہ میں ہے اور یہاں کوئی مجبوری نہیں ہے۔

(۳/۱۵۰۹) فَاِنِ ادَّعٰی هَلَاکَهَا حَبَسَهُ الْحَاکِمُ حَتّٰی یَعْلَمَ اَنَّهَا لَوْ کَانَتْ بَاقِیَةً لَاَظْهَرَهَا ثُمَّ قَضٰی عَلَیْهِ بِبَدَلِهَا.

لغت: حبس: کسی چیز کو ظاہر کرنے کے لئے جو وقتی اور عارضی طور پر قید کرتے ہیں۔

ترجمہ: اگر وہ دعویٰ کرے مغصوب کے ہلاک ہو جانے کا تو قید کرے اس کو حاکم یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ اگر وہ باقی ہوتی تو ضرور اس کو ظاہر کر دیتا پھر فیصلہ کر دے اس پر اس کے بدلہ کا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مغصوب منہ (مالک) قیمت لینے پر رضامند نہیں ہے بلکہ اس کا مطالبہ اصل شئ کا ہی ہے اور غاصب کا دعویٰ ہے کہ اصل شئ میرے پاس سے ضائع ہوگئی تو اب حاکم وقت غاصب کو اتنے وقت کے لئے قید رکھے کہ اگر واقعتاً وہ چیز غاصب کے پاس موجود ہوتی تو وہ اس کو ظاہر کر دیتا اور اب قید کرنے کے باوجود ظاہر نہیں

کررہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز واقعتاً اس کے پاس سے ہلاک ہوگئی ہے، تو اب قاضی کو چاہئے کہ اس کے مثل یا قیمت کا فیصلہ کرے۔

(۴/۱۵۱۰) وَالْغَصَبُ فِيمَا يُنقَلُ وَيُحَوَّلُ.

ترجمہ: اور غصب ان چیزوں میں ہوتا ہے جو منتقل ہوتی ہوں اور تبدیل ہوتی ہوں۔

تشریح: جو چیز منتقل ہوتی ہو وہ غصب ہو سکتی ہے کیوں کہ انہیں چیزوں پر مکمل قبضہ ہوتا ہے اور انہیں کو منتقل کر کے اپنی ملکیت میں کر سکتے ہیں۔

نوٹ: ینقل اور یحول یہ دونوں ایک ہی ہیں بعض حضرات نے فرق بھی بیان کیا ہے کسی چیز کو ایک جگہ سے منتقل کر کے دوسری جگہ رکھنا اس کو تحویل کہتے ہیں اور نقل ایک جگہ سے منتقل کرنے کو کہتے ہیں۔ (الجوہرۃ ۲/ ۲۷)

(۵/۱۵۱۱) وَاِذَا غَصَبَ عَقَاراً فَهَلَكَ فِيْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَضْمَنُهٗ.

ترجمہ: اور اگر غصب کی زمین اور وہ ہلاک ہوگئی اس کے پاس تو ضامن نہیں ہوگا شیخینؒ کے نزدیک اور فرمایا امام محمد نے کہ ضامن ہوگا۔

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کی زمین غصب کرے اور پھر زمین کسی وجہ سے برباد ہو جائے تو استحسان کی رو سے غاصب پر ضمان ہوگا یہی امام محمد کا مذہب اور امام ابو یوسفؒ کا قول اول ہے لیکن قیاس کے اعتبار سے زمین کے غصب کی صورت میں غاصب پر ضمان نہیں ہے یہ امام ابو یوسفؒ کا آخری قول اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (کشف الاسرار ۴/ ۳۵۷)

وقف کی زمین کے غاصب پر ضمان

حضرات شیخین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی زمین کو غصب کرے پھر وہ زمین آفت سماویہ مثلاً سیلاب یا بارش کی وجہ سے ضائع ہو جائے تو غاصب پر ضمان نہ ہوگا جب کہ امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں غاصب سے زمین کا ضمان لیا جائے گا یہ مذہب کی دو روایتیں ہیں اور شیخین کا قول ظاہر الروایۃ ہے لیکن متاخرین فقہاء نے فساد زمانہ کی بنیاد پر وقف کی جائداد اور یتیموں کی ملکیت والی زمینوں میں امام محمد کے قول پر فتوی دیتے ہوئے غاصب کو ضامن قرار دیا ہے۔ (الدر المختار مع الشامی ۵/۱۶۲)

(۶/۱۵۱۲) وَمَا نَقَصَ مِنْهُ بِفِعْلِهٖ اَوْ سُكْنَاهُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعاً.

ترجمہ: اور جو نقص آجائے زمین میں اس کے فعل سے یا اس کی رہائش سے تو ضامن ہوگا اس کا سب کے قول میں۔

تشریح: ماقبل کی عبارت میں اس ہلاکت کا بیان تھا جو قدرتاً ہوئی اور اگر اس کے عمل سے ہلاک یا نقصان ہوا تو اس کو اس عبارت میں بیان فرماتے ہیں، صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ غاصب کے فعل سے یا غاصب کے رہنے کی وجہ سے زمین میں کوئی کمی پیدا ہوگئی تو اس کمی کا تاوان تینوں اماموں کے نزدیک غاصب پر لازم ہوگا۔

نقصان کا تاوان کسی طرح لیا جائے گا، اس بارے میں محشیؒ نے لکھا ہے کہ نصیر بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھا جائے گا کہ غاصب کے استعمال سے پہلے یہ زمین کتنے کرایہ پر جارہی تھی اور اب کتنے پر مثلاً استعمال سے قبل پندرہ سو روپے بیگھہ اور غاصب کے استعمال کے بعد ایک ہزار روپے بیگھہ جارہی ہے تو غاصب سے پانچ سو روپے وصول کئے جائیں گے، اور محمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھا جائے گا کہ استعمال سے قبل کتنے میں فروخت ہورہی تھی اور اب کتنے میں جارہی ہے جتنا بھی فرق ہوگا اسی کے اعتبار سے تاوان لیا جائے گا۔ (رقم حاشیۃ القدوری ۴)۔

(۱۵۱۳/۷) وَاِذَا هَلَكَ الْمَغْصُوْبُ فِيْ يَدِ الْغَاصِبِ بِفِعْلِهٖ اَوْ بِغَيْرِ فِعْلِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُهٗ وَاِنْ نَقَصَ فِيْ يَدِهٖ فَعَلَيْهِ ضَمَانُ النُّقْصَانِ.

ترجمہ: اور اگر ہلاک ہوجائے مغصوب چیز غاصب کے پاس اس کے فعل سے یا بغیر اس کے فعل کے تو اس پر اس کا ضمان ہے اور اگر کمی ہوجائے اس کے قبضہ میں تو اس پر نقصان کا ضمان ہوگا۔

شیٔ مغصوب ہلاک ہوجائے تو کیا حکم ہے؟

تشریح: غاصب کے قبضہ میں جو شیٔ مغصوب ہے وہ غاصب کی حرکت سے یا کسی اور کی حرکت سے ہلاک ہوگئی تو چوں کہ وہ غاصب کی ذمہ داری میں ہے اس لیے دونوں صورتوں میں غاصب ہی تاوان بھرے گا ایسے ہی اگر وہ شیٔ مغصوب ہلاک تو نہیں ہوئی مگر اس میں کچھ کمی آگئی تو کمی کا تاوان غاصب پر لازم ہوگا۔

(۱۵۱۴/۸) وَمَنْ ذَبَحَ شَاةَ غَيْرِهٖ بِغَيْرِ اَمْرِهٖ فَمَالِكُهَا بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ قِيْمَتَهَا وَسَلَّمَهَا اِلَيْهِ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَهٗ نُقْصَانَهَا.

ترجمہ: اور کسی نے ذبح کردی دوسرے کی بکری بغیر اس کے حکم کے تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے ضامن بنادے بکری کی قیمت کا اور سپرد کردے بکری ذبح کرنے والے کو اور اگر چاہے ضامن بنادے اس کو اس کے نقصان کا۔

غاصب شئ مغصوب میں تصرف کردے تو؟

تشریح: غاصب نے کوئی ماکول اللحم جانور مثلاً بکری وغیرہ غصب کر کے ذبح کردی تو اب یہ بکری ایک اعتبار سے ہلاک ہوگئی کہ وہ زندہ ہی نہ رہی اور اس اعتبار سے کہ اس کا گوشت کھانے کے قابل ہے مکمل ہلاک نہیں ہوئی اس لیے مالک کو دو اختیار ہیں ایک یہ کہ بکری کو ہلاک شمار کر کے پوری بکری کی قیمت غاصب سے وصول کرے اور ذبح شدہ بکری غاصب کو دے دے اور دوسرے یہ کہ بکری کا گوشت رکھ لے اور زندہ اور ذبح شدہ بکری کی قیمت میں جو فرق ہے وہ ذبح کرنے والے سے وصول کرلے اور اگر جانور غیر ماکول اللحم ہو اور اس کو ذبح کردیا تو وہ مکمل ہلاک شمار ہوگا اور غاصب کو پوری قیمت ادا کرنی ہوگی۔

(۱۵۱۵/۹) وَمَنْ خَرَقَ ثَوْبَ غَيْرِهِ خَرْقًا يَسِيْرًا ضَمِنَ نُقْصَانَهُ وَإِنْ خَرَقَ خَرْقًا كَثِيْرًا يُبْطِلُ عَامَّةَ مَنْفَعَتِهِ فَلِمَالِكِهِ اَنْ يُضَمِّنَهُ جَمِيْعَ قِيْمَتِهِ.

حل لغات: خرق: ماضی باب (ن ض) مصدر خرقاً پھاڑنا، یسیراً: تھوڑا۔

ترجمہ: کسی نے پھاڑا دوسرے کا کپڑا تھوڑا سا تو اس کے نقصان کا ضمان ہوگا اور اگر بہت زیادہ پھاڑ دیا کہ جس سے اس کے اکثر منافع ختم ہوگئے تو اس کے مالک کے لئے جائز ہے کہ ضامن بنادے اس کو اس کی پوری قیمت کا۔

تشریح: اگر کسی نے غیر کے کپڑے کو بہت معمولی سا پھاڑا کہ وہ ابھی استفادہ کے قابل ہے تو کپڑا مکمل ہلاک نہیں ہوا اس لیے مالک پھاڑنے والے سے نقصان کا ضمان لے سکتا ہے اور اگر کپڑے کو اتنا زیادہ پھاڑ دیا کہ وہ کسی بھی کام میں نہیں آسکتا تو یہ اب کپڑے کی مکمل ہلاکت ہے اس لیے مالک کو اس کپڑے کی پوری قیمت لینے کا اختیار ہے۔

(۱۵۱۶/۱۰) وَإِذَا تَغَيَّرَتِ الْعَيْنُ الْمَغْصُوْبَةُ بِفِعْلِ الْغَاصِبِ حَتّٰى زَالَ اسْمُهَا وَاَعْظَمُ مَنَافِعِهَا زَالَ مِلْكُ الْمَغْصُوْبِ مِنْهُ عَنْهَا وَمَلَكَهَا الْغَاصِبُ وَضَمِنَهَا وَلَا يَحِلُّ لَهُ الْاِنْتِفَاعُ بِهَا حَتّٰى يُؤَدِّيَ بَدَلَهَا.

ترجمہ: اور جب بدل جائے عین مغصوبہ غاصب کے فعل سے یہاں تک کہ اس کا نام اور اعلیٰ درجہ کا فائدہ ختم ہوگیا تو زائل ہوجائے گی مغصوب منہ (مالک) کی ملک اس سے اور مالک ہوجائے گا اس کا غاصب اور اس کا تاوان دے گا اور جائز نہیں اس کے لئے فائدہ اٹھانا اس چیز سے یہاں تک کہ دیدے اس کا بدلہ۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر غاصب نے کوئی چیز غصب کی اور اس میں اس درجہ تصرف کیا کہ اس چیز کا نام بدل کر کچھ اور نام ہوگیا یا اس چیز کے اکثر منافع ختم ہوگئے تو صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ چیز کا نام زائل ہوتے ہی مالک کی ملکیت اس سے ختم ہوگئی اور غاصب اس چیز کا مالک ہوجائے گا اور غاصب پر اس کی قیمت واجب ہوگئی اور جب تک وہ قیمت ادا نہ کردے استعمال کرنا نفع اٹھانا غاصب کے

لئے جائز نہیں ہے۔

(۱۵۱۷/۱۱) وَهٰذَا كَمَنْ غَصَبَ شَاةً فَذَبَحَهَا وَشَوَّاهَا اَوْ طَبَخَهَا اَوْ غَصَبَ حِنْطَةً فَطَحَنَهَا اَوْ حَدِيْدًا فَاتَّخَذَهُ سَيْفًا اَوْ صُفْرًا فَعَمِلَهُ آنِيَةً.

حل لغات: شَوّیٰ: ماضی باب (ض) مصدر شیًّا بھوننا، طبخ: ماضی باب (ف، ن) مصدر طبخاً پکانا، حنطةٌ: گیہوں جمع حنط طحن ماضی باب (ف) مصدر طحناً پیسنا، حدید: لوہا، سیف: تلوار جمع اسیاف، صفراً: پیتل، آنیة: برتن جمع اوانی۔

ترجمہ: اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے بکری غصب کی اور اس کو ذبح کر کے بھون لیا یا اس کو پکایا یا گیہوں غصب کر کے پیس لئے یا لوہا غصب کر کے تلوار بنالی یا پیتل غصب کر کے برتن بنالیا۔

تشریح: ماقبل کی عبارت میں جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے اس عبارت میں اس قاعدہ پر چار مثالیں بیان کرتے ہیں، لیکن اس مقام پر اردو شارحین نے جو وضاحت کی ہے وہ محل نظر ہے کیوں کہ مذکورہ عبارت میں جو چار مسائل مذکور ہیں ان تمام کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ غاصب مالک ہو جائے گا، اور صاحب قدوری کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے حالانکہ اصل وضاحت اس طرح ہے کہ اگر غاصب شئ مغصوب میں ایسا تصرف کر دے جس کی بنا پر مغصوب کا نام بدل جائے اور اس کی پرانی حیثیت باقی نہ رہے مثلاً غاصب نے گیہوں کو پیس کر آٹا بنا دیا یا لوہے کی تلوار بنادی یا پیتل کا برتن بنادیا تو اس شئ مغصوب سے اصل مالک کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے اور غاصب اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن اگر غاصب مغصوب بکری کو ذبح کر کے اس کی کھال اتار دے اور اس بکری کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے تو مغصوب منہ (اصل مالک) کی ملکیت اس سے ختم نہیں ہوئی حالانکہ بظاہر یہاں بھی ملکیت ختم ہو جانی چاہئے اس لیے کہ غاصب نے بکری کو ختم کر دیا ان دونوں مسئلوں میں فقہاء نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ گیہوں کا آٹا بنا دینے، لوہے کی تلوار اور پیتل کا برتن بنا دینے میں مغصوب کا اصل نام ہی زائل ہو گیا اور منافع میں واضح فرق ہو گیا جب کہ بکری کو محض کھال اتار کر ٹکڑے کر دینے میں اس گوشت پر بکری کا نام بدستور باقی ہے، اس لیے اصل مالک کی ملکیت باقی رہے گی۔ (ہدایہ ۳/۳۷۶)

(۱۵۱۸/۱۲) وَاِنْ غَصَبَ فِضَّةً اَوْ ذَهَبًا فَضَرَبَهَا دَرَاهِمَ اَوْ دَنَانِيْرَ اَوْ آنِيَةً لَمْ يَزَلْ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

لغت: ضربها: ڈھال دیا، مارا۔

ترجمہ: اور اگر چاندی یا سونا غصب کیا اور ان کو ڈھال کر درہم یا دینار یا برتن بنالئے تو ان سے مالک کی ملکیت ختم نہیں ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: مسئلہ کی نوعیت واضح ہے امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ سونا

چاندی خواہ ڈلی کی شکل میں ہوں یا سکوں کی شکل میں ہوں یا برتن بنالئے جائیں پھر بھی وہ ثمن ہی ہیں ان کا اصل نام ثمن باقی ہے اس لیے غاصب ان کا مالک نہیں ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اس نے ایک معتبر تبدیلی پیدا کردی کہ ان کا نام ہی بدل گیا اس لیے مالک کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور غاصب کی ملکیت ہو جائے گی اب اس پر اتنی ہی چاندی لازم ہوگی جتنی اس نے غصب کی تھی۔

(۱۳/۱۵۱۹) وَمَنْ غَصَبَ سَاجَةً فَبَنٰى عَلَيْهَا زَالَ مِلْكُ مَالِكِهَا عَنْهَا وَلَزِمَ الْغَاصِبَ قِيْمَتُهَا.

حل لغت: ساجة: ساکھوں کی لکڑی کا لٹھا، شہتیر درمیان کی وہ موٹی اور لمبی لکڑی جس پر چھپر کھڑا کیا جاتا ہے۔

ترجمہ: کسی نے شہتیر غصب کیا اور اس پر عمارت بنالی تو مالک کی ملکیت اس سے زائل ہو جائیگی اور لازم ہوگی غاصب پر اس کی قیمت۔

تشریح: اگر کسی نے شہتیر غصب کیا اور اس کے اوپر عمارت بنالی تو اس صورت میں مالک کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور غاصب پر اس کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی اور عمارت خواہ شہتیر کے اوپر بنائی گئی ہو یا اس کے چاروں طرف کسی بھی صورت میں عمارت منہدم نہیں کی جائے گی کیوں کہ وہ غاصب کے مال کے ساتھ چپک گئی ہے اب اگر عمارت توڑ کر مال سے الگ کرتے ہیں تو غاصب کا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا اور مالک کو اس کی قیمت دلوائیں تو اس کا نقصان نہیں ہے بلکہ شہتیر کی قیمت اسے مل جائے گی اس لیے بہتر شکل یہی ہے کہ شہتیر کی قیمت دلوادی جائے اور غاصب کو اس کا مالک قرار دے دیا جائے تاکہ کسی کا بھی نقصان نہ ہو۔

(۱۴/۱۵۲۰) وَمَنْ غَصَبَ اَرْضاً فَغَرَسَ فِيْهَا اَوْ بَنٰى قِيْلَ لَهٗ اِقْلَعِ الْغَرْسَ وَالْبِنَاءَ وَرُدَّهَا اِلٰى مَالِكِهَا فَارِغَةً فَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ تُنْقَصُ بِقَلْعِ ذَالِكَ فَلِلْمَالِكِ اَنْ يَّضْمَنَ لَهٗ قِيْمَةَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ مَقْلُوْعاً.

حل لغات: غرس: ماضی باب (ض) مصدر غَرْساً پودا لگانا، اقلع امر حاضر باب فتح مصدر قَلْعًا اکھیڑنا۔

ترجمہ: کسی نے زمین غصب کی اور اس میں پودے لگادیئے یا عمارت بنادی تو اس سے کہا جائے گا کہ پودے اکھاڑ دے اور عمارت توڑ دے اور واپس کردے زمین کو مالک کی طرف خالی کر کے اب اگر زمین میں ان کے کھاڑنے سے نقصان آتا ہو تو مالک کے لئے جائز ہے کہ وہ دیدے غاصب کو اکھڑی ہوئی عمارت اور پودوں کی قیمت۔

تشریح: اگر کسی نے کسی کی زمین غصب کرلی اور اس میں پودا لگادیا یا مکان تعمیر کرلیا تو چوں کہ زمین غاصب کی نہیں ہے اس لیے غاصب سے کہا جائے گا کہ درخت اکھاڑ کر اور عمارت منہدم کر کے خالی زمین مالک کے حوالہ کرو کیوں کہ تم نے خالی زمین ہی مالک سے لی تھی اس لیے جیسی لی تھی ویسی ہی مالک کے حوالہ کر اب اگر عمارت توڑنے اور

درخت کاٹنے میں زمین کو نقصان پہنچتا ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ وہ غاصب کو ٹوٹی ہوئی عمارت کی قیمت اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت لگا کر دے دے اور اکھڑی ہوئی چیز مالک کی ہوگی۔

(۱۵۲۱/۱۵) وَمَنْ غَصَبَ ثَوْباً فَصَبَغَهُ اَحْمَرَ اَوْ سَوِيْقاً فَلَتَّهُ بِسَمْنٍ فَصَاحِبُهُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيْمَةَ ثَوْبٍ اَبْيَضَ وَمِثْلَ السَّوِيْقِ وَسَلَّمَهُ لِلْغَاصِبِ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَهُمَا وَضَمِنَ مَا زَادَ الصَّبْغُ وَالسَّمْنُ فِيْهِمَا.

حل لغات: صبغ: ماضی (ن ض ف) مصدر صَبْغاً صِبْغاً رنگنا، احمر: سرخ رنگ سے رنگا ہوا جمع حمران، سویق: ستو (بھنے ہوئے جو کا آٹا) جمع اَسْوِقَةٌ، لته: ماضی (ن) لَتًّاالسَّوِيْق ستو کو پانی سے تر کرنا گھی ملانا، سمن: گھی جمع اَسْمُن.

ترجمہ: کسی نے کپڑا غصب کیا اور اس کو سرخ رنگ میں رنگ دیا یا ستو غصب کیا اور اس میں گھی ملا دیا تو اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے ضامن بنائے اس کو سفید کپڑے کی قیمت کا اور ستو کے مثل کا اور وہ کپڑا اور ستو غاصب کو دے دے اور اگر چاہے تو دونوں کو لے لے، اور جو رنگ اور گھی ان دونوں میں زیادہ ہوا ہے اس کا ضمان دے دے۔

تشریح: اگر کسی نے کپڑا غصب کر کے لال رنگ میں رنگ دیا یا ستو غصب کر کے اس میں گھی ملا دیا تو ایسی صورت میں مالک کو اختیار ہے یا سفید کپڑا اور خالص ستو کی قیمت لے کر غاصب کو کپڑا اور ستو حوالہ کر دے اور اگر چاہے رنگ اور گھی کی قیمت غاصب کو دے دے اور اپنا کپڑا اور ستو غاصب سے لے لے، یہ مسئلہ اس قاعدہ پر متفرع ہے کہ مالک اور غاصب دونوں کو نقصان نہ ہو بلکہ حتی الامکان دونوں کو ان کا حق مل جائے۔

(۱۵۲۲/۱۶) وَمَنْ غَصَبَ عَيْناً فَغَيَّبَهَا فَضَمَّنَهُ الْمَالِكُ قِيْمَتَهَا مَلَكَهَا الْغَاصِبُ بِالْقِيْمَةِ.

ترجمہ: کسی نے کوئی چیز غصب کی اور اس کو غائب کر دیا، اور مالک نے قیمت کا تاوان لے لیا تو غاصب مالک ہو جائے گا قیمت دے کر۔

تشریح: ایک شخص نے کوئی چیز غصب کی اور غاصب نے بالفعل اس کو غائب کر دیا اور ظاہر کیا کہ ضائع ہو گئی اور مالک نے اس کی قیمت وصول کر لی تو غاصب اس چیز کا مالک بن جائے گا کیوں کہ مالک شئی مغصوب کے بدل یعنی اس کی قیمت کا بطریق کمال مالک ہو چکا ہے اور جو شخص بدل کا مالک ہو جاتا ہے تو مبدل اس کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے اور صاحب بدل کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے تاکہ بدلین ایک شخص کی ملکیت میں جمع نہ ہو جائیں۔

(۱۵۲۳/۱۷) وَالْقَوْلُ فِي الْقِيْمَةِ قَوْلُ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهِ اِلَّا اَنْ يُقِيْمَ الْمَالِكُ الْبَيِّنَةَ بِاَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور قول قیمت میں غاصب کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ مگر یہ کہ قائم کر دے مالک گواہ اس سے

زیادہ پر۔

تشریح: مغصوب غائب ہوگئی تھی اب مالک اور غاصب کے درمیان اس کی قیمت میں اختلاف ہوگیا مالک نے ایک مقدار کا دعویٰ کیا غاصب اس مقدار کا منکر ہے بلکہ وہ اس سے کم قیمت کی شئی تسلیم کرتا ہے تو اگر مالک کے پاس اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں ہے تو غاصب کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی ہاں اگر مالک نے اس زیادتی پر گواہ قائم کر دیئے تو مالک کا قول معتبر ہوگا۔

(۱۵۲۴/۱۸) فَإِذَا ظَهَرَتِ الْعَيْنُ وَقِيمَتُهَا اَكْثَرُ مِمَّا ضَمِنَ وَقَدْ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْمَالِكِ اَوْ بِبَيِّنَةٍ اَقَامَهَا اَوْ بِنُكُوْلِ الْغَاصِبِ عَنِ الْيَمِيْنِ فَلَاخِيَارَ لِلْمَالِكِ وَهُوَ لِلْغَاصِبِ.

ترجمہ: پھر اگر وہ چیز ظاہر ہو جائے اور اس کی قیمت اس سے زیادہ ہو جو ضمان دیا اور حال یہ ہے کہ اس کا ضمان دیا مالک کے کہنے سے یا گواہ قائم کرنے سے یا غاصب کے قسم کھانے سے انکار کرنے سے تو مالک کو اختیار نہیں ہوگا اور وہ چیز غاصب کی ہوگی۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان کر رہے ہیں کہ مغصوب چیز غائب تھی اس درمیان مالک کو اس کی قیمت دے دی گئی پھر شئی مغصوب ظاہر ہوگئی اور اس کی قیمت اس مقدار سے زائد ہے جس کا غاصب نے تاوان دیا ہے اور تاوان بھی مالک کے کہنے پر کہ اس چیز کی قیمت اتنی ہے یا مالک نے ایک قیمت پر گواہ قائم کر کے فیصلہ کروایا تھا یا مالک کے پاس گواہ نہیں تھے اس لیے غاصب کو قسم کھانے کے لئے کہا غاصب نے قسم کھانے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے مالک نے جتنی قیمت بتائی اسی پر فیصلہ کر دیا گیا تو اب مالک کو زیادہ قیمت نہیں دلوائی جائے گی کیوں کہ مالک اتنی ہی قیمت پر راضی ہے، اور نہ مالک کو وہ چیز لینے کا اختیار ہوگا۔

(۱۵۲۵/۱۹) وَاِنْ كَانَ ضَمِنَهَا بِقَوْلِ الْغَاصِبِ مَعَ يَمِيْنِهٖ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَمْضَى الضَّمَانَ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْعَيْنَ وَرَدَّ الْعِوَضَ.

حل لغات: امضی الضمان: ضمان کو بحال رکھے، العین: اس سے مراد مغصوب چیز ہے۔

ترجمہ: اور اگر تاوان لیا غاصب کے کہنے سے اس کی قسم کے ساتھ تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو ضمان کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو مغصوب چیز کو لے لے اور عوض واپس کر دے۔

تشریح: مالک کے پاس اپنی بتائی ہوئی قیمت پر گواہ نہیں ہے اس لیے غاصب نے اپنے قول کے موافق قسم کھا کر تاوان دیا تھا بعد میں پتہ چلا کہ مغصوب چیز کی یمت اس سے زیادہ ہے تو اب مالک کو دو اختیار ہیں (۱) چوں کہ مغصوب چیز مل گئی ہے اس لیے اسے واپس لے کر قیمت غاصب کو واپس لوٹا دے (۲) جو قیمت پہلے لے چکا ہے اسے بحال رکھے اور مغصوب کو غاصب کے پاس رہنے دے۔

(۲۰/۱۵۲۶) وَوَلَدُ الْمَغْصُوْبَةِ وَنَمَائُهَا وَثَمَرَةُ الْبُسْتَانِ الْمَغْصُوْبِ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْغَاصِبِ اِنْ هَلَكَ فِيْ يَدِهٖ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يَّتَعَدّٰى فِيْهَا اَوْ يَطْلُبَهَا مَالِكُهَا فَيَمْنَعَهَا اِيَّاهُ.

حل لغات: نماء: بڑھوتری ثمرة: پھل جمع اثمار، البستان: باغ جمع بساتین.

ترجمہ: اور مغصوبہ چیز کا بچہ اور اس کی بڑھوتری اور مغصوب باغ کا پھل امانت ہے غاصب کے پاس اگر ہلاک ہوجائے اس کے پاس تو اس پر ضمان نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اس میں تعدی کرے یا مالک اس کو طلب کرے پھر بھی اس کو نہ دے۔

شئ مغصوب کی بڑھوتری کس کی ہے؟

تشریح: مغصوبہ باندی کا بچہ اور جو کچھ بڑھوتری اس سے ہوئی ہو ایسے ہی مغصوب باغ کا پھل یہ سب غاصب کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ہیں اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ بغیر تعدی کے ہلاک ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں ہے ہاں اگر غاصب اس میں تعدی کرتا ہے مثلاً اس کو تلف کرتا ہے یا بکری کا بچہ ہے اس کو ذبح کر کے کھاجاتا ہے یا بیچ دیتا ہے یا مالک بڑھوتری کو غاصب سے مانگے اور غاصب دینے سے انکار کردے تو ان تمام صورتوں میں وہ بڑھوتری امانت کے طور پر نہیں رہی بلکہ غصب کے طور پر ہوگئی اس لیے اب غاصب کو تاوان دینا ہوگا۔

(۲۱/۱۵۲۷) وَمَا نَقَصَتِ الْجَارِيَةُ بِالْوِلَادَةِ فَهُوَ فِيْ ضَمَانِ الْغَاصِبِ فَاِنْ كَانَ فِيْ قِيْمَةِ الْوَلَدِ وَفَاءٌ بِهٖ جُبِرَ النُّقْصَانُ بِالْوَلَدِ وَسَقَطَ ضَمَانُهٗ عَنِ الْغَاصِبِ.

حل لغات: وفاءٌ: پوراہونا، جُبِرَ: نقصان کی مکافات کرنا۔

ترجمہ: اور جو کچھ کمی آجائے باندی میں پیدائش کی وجہ سے تو وہ غاصب کے ضمان میں ہے اب اگر بچہ کی قیمت سے نقصان پورا ہوسکے تو پورا کردیا جائے گا نقصان بچہ سے اور ساقط ہوجائے گا اس کا ضمان غاصب سے۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کی باندی غصب کی اس کے بچہ پیدا ہوا تو فائدہ بھی ہوا نقصان بھی ہوا فائدہ یہ کہ مالک کا ایک غلام بڑھ گیا اور ولادت کی وجہ سے باندی میں نقصان بھی ہوگیا اس نقصان کا تاوان غاصب پر ہوگا مگر یہ نقصان اس کے بچہ سے پورا کردیا جائے گا اگر اس کی قیمت نقصان کے برابر ہو اور اگر کم ہو تو قیمت کے برابر ضمان ساقط ہوجائے گا، مثلاً مغصوبہ باندی کی قیمت ایک ہزار روپے تھی اور ولادت کے بعد چھ سو روپے رہ گئی تو اگر اس بچہ کی قیمت چار سو روپے ہو تو نقصان پورا ہوجائے گا اور جب پورا ہوجائے تو غاصب سے نقصان کا ضمان ساقط ہوجائے گا اور باندی مع بچہ کے مالک کو دے دی جائے گی، اور اگر بچہ کی قیمت دو سو روپے ہو تو غاصب پر اور مزید دو سو روپے کا ضمان ہوگا۔

(۲۲/۱۵۲۸) وَلَا يَضْمَنُ الْغَاصِبُ مَنَافِعَ مَا غَصَبَهٗ اِلَّا اَنْ يَّنْقُصَ بِاسْتِعْمَالِهٖ فَيَغْرَمُ النُّقْصَانَ.

ترجمہ: اورنہیں ضامن ہوگا غاصب ان منافع کا جن کوغصب کیا مگر یہ کہ ناقص ہوجائے اس کے استعمال سے تو وہ نقصان کا تاوان دے گا۔

تشریح: غاصب نے جو چیز غصب کی ہے واپسی تک مالک کے واسطے اس کے منافع کا ضامن نہیں ہے مثلاً گھر غصب کیا اور ایک سال تک اپنے پاس روکے رکھا نہ خود اس میں رہا نہ کسی اور کو رہنے دیا تو ایک سال کی رہائش کے منافع کی جو اجرت ہوگی غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا یا کسی کا غلام غصب کیا اور اس کو ایک ماہ تک روکے رکھا پھر مالک کے حوالہ کردیا اب ایک ماہ تک روکنے سے جو نفع مالک کو ملتا اس کا تاوان غاصب پر نہیں آئے گا، ہاں اگر غاصب کے گھر میں رہنے کی وجہ سے کوئی نقصان پیدا ہوجائے تو غاصب کو نقصان کا تاوان دینا پڑے گا۔

(۲۳/۱۵۲۹) وَإِذَا اسْتَهْلَكَ الْمُسْلِمُ خَمْرَ الذِّمِّيِّ أَوْ خِنْزِيْرَهُ ضَمِنَ قِيْمَتَهُمَا وَإِنِ اسْتَهْلَكَهُمَا الْمُسْلِمُ لِمُسْلِمٍ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اور جب ہلاک کردے مسلمان ذمی کی شراب کو یا اس کے خنزیر کو تو ضامن ہوگا ان کی قیمت کا اور اگر مسلمان کسی مسلمان کی یہ چیزیں ہلاک کردے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر کسی مسلمان نے ذمی کی شراب کو یا خنزیر کو ہلاک کردیا تو مسلمان ان کی قیمت کا ضامن ہوگا کیوں کہ ذمی کے حق میں شراب اور خنزیر قیمتی چیز ہیں اس لیے ان کا ضمان دینا ہوگا، البتہ شراب ذوات الامثال میں سے ہے لیکن مسلمان کے لئے اس کی خرید وفروخت ممنوع ہے اس لیے اس کی بھی قیمت ادا کرے گا اور اگر مسلمان نے مسلمان کی شراب یا خنزیر کو ہلاک کردیا تو ان کا ضمان نہیں ہے کیوں کہ مسلمان کے حق میں دونوں چیزیں قیمتی نہیں ہیں اس لیے ان کو ہلاک کرنے کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان لازم نہیں ہوگا۔

كِتَابُ الْوَدِيْعَةِ

(یہ کتاب ودیعت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الغصب کے بعد کتاب الودیعۃ لانے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان ایک قسم کا تقابل ہے وہ یہ کہ غصب کے اندر غاصب دوسرے کے مال کو زبردستی لیتا ہے اور ودیعت کے اندر مودِع (امانت گذار) اپنے مال کو دوسرے کے پاس بطور حفاظت چھوڑتا ہے (رقم حاشیہ القدوری ۵)

ودیعت کے معنی لغت میں چھوڑنے کے ہیں وَدَعَ سے مشتق ہے ودیعت اس چیز کو کہتے ہیں جو مالک کے علاوہ کسی اور کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی جائے۔

اصطلاحی تعریف: حنفیہ کہتے ہیں کہ ودیعت کے معنی ایداع (سپردگی) کے ہیں اس سے مراد یہ ہے

کہ ایک شخص کسی دوسرے کو اس امر کا اختیار دے دے کہ وہ اس چیز کی حفاظتکرے، **الفقه علی المذاهب الاربعة** میں لکھا ہے کہ ودیعت اسمائے اضداد میں سے ہے یعنی ایسا اسم جو متضاد مفہوم رکھتا ہو اس کے معنی ہیں اپنا مال کسی کے پاس محفوظ رکھنا اور کسی کا مال اپنے پاس محفوظ رکھنا اس کا مصدر باب افعال سے، الایداع ہے اور سپرد کردہ شئ (مال امانت) کے لئے بولا جاتا ہے۔

ودیعت اور امانت میں فرق: ودیعت بالا رادہ حفاظت کے لئے دی جاتی ہے اور امانت وہ چیز ہے جو کسی کے پاس بلا ارادہ کے آجائے مثلاً ہوا کسی کا کپڑا اڑا کر کسی دوسرے کے کمرہ میں ڈالدے اور کمرہ والا اس کو اٹھا لے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۳۵)

ودیعت کا رکن ایجاب وقبول ہے خواہ صراحتاً ہو یا کنایۃً صراحت کی مثال مثلاً ایک آدمی نے اپنا سامان کسی کے پاس رکھ دیا دوسرے نے کہا میں قبول کرتا ہوں اب اگر وہ سامان ضائع ہو گیا تو وہ شخص ضامن ہوگا کنایہ کی مثال ایک شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی سامان رکھ دیا اور کچھ نہیں کہا اور وہ دونوں وہاں سے چلے گئے اور یہ کپڑا ضائع ہو گیا تو یہ شخص ضامن ہوگا کیوں کہ عرف میں یہ ودیعت ہے، ودیعت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مال اس قابل ہو کہ اس پر قبضہ ثابت ہو سکے چناں چہ اگر بھاگے ہوئے غلام کو ودیعت رکھا یا جو چیز دریا میں گر گئی ہے اسکو ودیعت رکھا تو یہ ودیعت درست نہیں ہے۔ (حاشیہ ۵)

اصطلاحی الفاظ: مودِع امانت رکھنے والا، مُودَع (دال کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ) جس کے پاس امانت رکھی جائے، **ودیعت** جو چیز امانت رکھی جائے، **تعدی** مودَع نے مال امانت میں ودیعت کے خلاف جو فعل انجام دیا۔

امانت کا ثبوت: اس آیت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا یعنی اللہ تم کو حکم دیتے ہیں کہ امانت امانت والوں کو ادا کرو۔

(۱/۱۵۳۰) اَلْوَدِيْعَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْمُوْدَعِ اِذَا هَلَكَتْ فِيْ يَدِهٖ لَمْ يَضْمَنْهَا.

ترجمہ: ودیعت امانت ہے مودَع کے پاس اگر ہلاک ہو جائے اس کے ہاتھ میں تو اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

ودیعت کا حکم

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب ودیعت کے حکم کو بیان فرماتے ہیں کہ جب مودَع کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھ دی گئی تو اس کے پاس یہ امانت کے حکم میں ہوگی اور امانت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس پر اس کا تاوان نہیں ہے، مودَع کا ودیعت کو اپنے پاس رکھنا یہ احسان کے طور پر ہے جس میں اصل غرض صاحب

مال ہی کی ہے اگر شرعاً ضمان لازم کردیا جائے تو کوئی اپنے پاس امانت رکھنے پر رضامند نہ ہوگا۔

نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَوْدَعَ وَدِيْعَةً فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ (ابن ماجه شريف ص:۱۷۳ باب الوديعة، جس نے امانت رکھی اس پر ضمان نہیں ہے۔ (مکتبہ تھانوی دیوبند)

(۲/۱۵۳۱) وَلِلْمُوْدَعِ اَنْ يَّحْفَظَهَا بِنَفْسِهٖ وَبِمَنْ فِيْ عِيَالِهٖ.

حل لغات: عیال: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مودَع کے ساتھ رہتے ہوں خواہ نان ونفقہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔

ترجمہ: اور مودَع (جس کے پاس امانت رکھی جائے) کے لئے جائز ہے کہ اس کی خود حفاظت کرے اور ان لوگوں سے حفاظت کرائے جو اس کے عیال میں ہیں۔

تشریح: امانت کے مال کی خود حفاظت کرسکتا ہے یا اپنے افراد خانہ سے یا جس کی وہ کفالت کرتا ہے، ان سے کرائے بہر کیف دونوں صورتیں جائز ہیں کیوں کہ آدمی ہر وقت گھر میں نہیں بیٹھا رہتا اور نہ امانت کو ہر جگہ ساتھ لئے پھر سکتا ہے، تو یقیناً گھر والوں کے پاس ہی چھوڑے گا، امام شافعیؒ کے نزدیک اہل وعیال کے پاس چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

(۳/۱۵۳۲) فَاِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ اَوْ اَوْدَعَهَا ضَمِنَ اِلَّا اَنْ يَّقَعَ فِيْ دَارِهٖ حَرِيْقٌ فَيُسَلِّمَهَا اِلٰى جَارِهٖ اَوْ يَكُوْنَ فِيْ سَفِيْنَةٍ وَهُوَ يَخَافُ الْغَرَقَ فَيُلْقِيْهَا اِلٰى سَفِيْنَةٍ اُخْرٰى.

حل لغات: اودع: ماضی مصدر ایداعاً دوسرے کو کوئی چیز سونپنا، حریق: آگ کی بھڑک آگ کا شعلہ، آگ لگنا، جار: پڑوسی پناہ دینے والا، پناہ لینے والا، جمع جیران، سفینۃ: کشتی جمع سُفُن.

ترجمہ: اگر حفاظت کرائی اہل وعیال کے علاوہ سے یا اس کو کسی کے پاس ودیعۃً رکھ دی تو ضامن ہوگا مگر یہ کہ اس کے گھر میں آگ لگ جائے اور وہ دے دے اسے اپنے پڑوسی کو، یا امانت کشتی میں ہو اور اسے ڈوبنے کا ڈر ہو اس لیے ڈال دے دوسری کشتی میں۔

تشریح: اگر مودَع نے امانت کی چیز کی حفاظت اہل وعیال کے علاوہ کسی اور سے کرائی یا کسی دوسرے کے پاس امانت کے طور پر رکھدی اور ہلاک ہوگئی تو اصل مودِع پر تاوان لازم آئے گا یہ امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین کے نزدیک مودِع کو اختیار ہے چاہے تو تاوان مودَع اول سے لے اور چاہے مودَع ثانی سے لے اب اگر اول سے تاوان وصول کرچکا ہے تو ثانی سے نہیں لے سکتا اگر ثانی سے تاوان لے لیا ہے، تو اس کے بعد اول سے وصول کرسکتا ہے۔ (الجوہرة ۲/۳۶)۔

ہاں اگر ایسی کوئی مجبوری سامنے آجائے کہ اپنے پڑوسی کو دینا ضروری ہو جائے اور اس کو دینے میں حفاظت کا زیادہ امکان ہو تو پھر مودَع ضامن نہ ہوگا مثلاً اس کے گھر میں آگ لگ گئی اب اس نے امانت کی چیز حفاظت کی نیت سے

پڑوسی کے گھر میں پھینک دی اور وہ ضائع ہوگئی یا کسی کشتی میں سوار تھا اور کشتی ڈوب جانے کے ڈر سے امانت کی چیز دوسری کشتی میں ڈال دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو مودَع ضامن نہیں ہوگا کیوں کہ اس کا مقصد امانت کی حفاظت ہے اور بغیر کسی مجبوری کے دوسروں سے حفاظت کرانے پر ضامن اس وجہ سے ہوگا کہ مالک مودَع کی حفاظت سے راضی ہے اس کے علاوہ کی حفاظت سے راضی نہیں ہے۔

(۴/۱۵۳۳) وَاِنْ خَلَطَهَا الْمُوْدَعُ بِمَالِهٖ حَتّٰی لَا تَتَمَیَّزَ ضَمِنَهَا.

حل لغات: خلط: ماضی مصدر خلطاً ملانا۔

ترجمہ: اور اگر ملا دے ودیعت کو مودع اپنے مال کے ساتھ اس طرح کہ الگ نہ ہوسکتی ہو تو اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح: اگر مودَع نے مال ودیعت کو اپنے مال کے ساتھ اس طرح ملا دیا کہ اس کو الگ نہیں کرسکتے تو مودَع اس امانت کا ضامن ہوگا اور اس کو اس کی قیمت دینی ہوگی اب مودِع کا اس پر کوئی قبضہ نہیں رہا اور اس کا حق ملکیت ختم ہوگیا حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر اس کی ہم جنس میں یہ اختلاط ہوگیا تب شرکت کا حکم ہوگا مثلاً سفید درہموں کو سفید درہموں میں ملا دیا یا سیاہ درہموں کو سیاہ درہموں میں ملا دیا تو اس میں اگر شرکت چاہے تو شرکت کرسکتا ہے اور چاہے تو تاوان لے سکتا ہے۔

(۵/۱۵۳۴) فَاِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَحَبَسَهَا عَنْهُ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلٰی تَسْلِیْمِهَا ضَمِنَهَا.

ترجمہ: پھر اگر مانگا ودیعت کو اس کے مالک نے اور مودَع نے روک لیا مودِع سے حالانکہ وہ قادر تھا اس کے دینے پر تو اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح: امانت رکھنے والے نے مودَع سے امانت کا مال مانگا تو مال مودَع کی حفاظت سے شرعاً خارج ہوگیا لہٰذا طلب کرنے پر نہ دینے کی صورت میں ضمان لازم آئے گا کیوں کہ جب دینے پر قدرت بھی حاصل ہے پھر بھی نہیں دیا اور امانت ہلاک ہوگئی تو اب یہ جبراً دوسرے کی ملکیت کا روکنا ہوا اس لیے تاوان لازم ہوگا۔

(۶/۱۵۳۵) وَاِنِ اخْتَلَطَتْ بِمَالِهٖ مِنْ غَیْرِ فِعْلِهٖ فَهُوَ شَرِیْكٌ لِصَاحِبِهَا.

لغت: اختلطت: ماضی باب افتعال سے ملنا۔

ترجمہ: اور اگر مل گئی ودیعت اس کے مال کے ساتھ اس کے بغیر کچھ کئے تو وہ مودَع مالک کے ساتھ شریک ہوگا۔

تشریح: اگر مال ودیعت مودَع کے مال میں بغیر اس کے عمل کے مل گیا مثلاً مال ودیعت ایک برتن میں تھا اور

دوسرے برتن میں مودَع کا ذاتی مال تھا اتفاق سے دونوں برتن ٹوٹ گئے اور ایک برتن کا مال دوسرے برتن پر گر گیا جس کی وجہ سے کوئی امتیاز نہ رہا تو ایسی صورت میں مودِع اور مودَع دونوں شریک ہو جائیں گے یعنی اب شرکت کے احکام جاری ہوں گے کیوں کہ مودَع نے نہیں ملایا ہے خود بخود ملا ہے اس کی جانب سے تعدی نہیں پائی گئی اس لیے ضامن نہیں ہوگا۔

(۱۵۳۶/۷) وَاِنْ اَنْفَقَ الْمُوْدَعُ بَعْضَهَا وَهَلَكَ الْبَاقِيْ ضَمِنَ ذَالِكَ الْقَدْرَ.

لغت: انفق: ماضی باب افعال مصدر انفاق خرچ کرنا۔

ترجمہ: اور اگر خرچ کرے مودَع کچھ ودیعت اور باقی ضائع ہوگئی تو ضامن ہوگا مودَع اس مقدار کا۔

تشریح: اگر مودَع نے مال ودیعت میں سے کچھ خرچ کر دیا اور بقیہ مال ہلاک ہوگیا تو جتنا اس نے خرچ کیا ہے اس کا تاوان ادا کرنا ہوگا، مثلاً پانچسو روپے امانت رکھے تھے ان میں سے دوسو روپے خرچ کر دیئے اور باقی تین سو روپے ہلاک ہوگئے تو وہ امانت کے ہلاک ہوں گے اور دوسو روپے جو خرچ کئے ان پر تعدی کی اس لیے دوسو روپے مودَع پر لازم ہوں گے۔

(۱۵۳۷/۸) فَاِنْ اَنْفَقَ الْمُوْدَعُ بَعْضَهَا ثُمَّ رَدَّ مِثْلَهٗ فَخَلَطَهٗ بِالْبَاقِيْ ضَمِنَ الْجَمِيْعَ.

ترجمہ: اگر خرچ کر لی مودَع نے کچھ ودیعت پھر واپس کیا اس کے مثل پھر اس کو باقی کے ساتھ ملا دیا تو ضامن ہوگا پوری کا۔

تشریح: اگر مودع نے مال ودیعت میں سے کچھ خرچ کر دیا مگر پھر اسی مقدار میں اپنے پاس سے واپس کر کے اس کو بقیہ میں ملا دیا تو مودَع کو پوری امانت کا تاوان دینا ہوگا مثلاً پانچسو امانت کے طور پر رکھے تھے دوسو خرچ کر دیئے پھر اپنی جانب سے دوسو لاکر باقی تین سو میں ملا دیئے اور پھر پورے پانچ سو ہلاک ہوگئے تو اب مودَع پورے پانچ سو کا ذمہ دار ہوگا کیوں کہ مسئلہ (۲۸) میں گذر چکا ہے کہ اگر مودع اپنے مال کے ساتھ امانت کا مال ملا لے تو امانت کا ضامن ہوگا ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس قدر خرچ کیا ہے اس میں ضمان ہوگا امام مالکؒ کا ایک قول عدم ضمان کا ہے (عینی شرح کنز ۲/۱۸۰)

(۱۵۳۸/۹) وَاِذَا تَعَدَّى الْمُوْدَعُ فِي الْوَدِيْعَةِ بِاَنْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا اَوْ ثَوْبًا فَلَبِسَهٗ اَوْ عَبْدًا فَاسْتَخْدَمَهٗ اَوْ اَوْدَعَهَا عِنْدَ غَيْرِهٖ ثُمَّ اَزَالَ التَّعَدِّيْ وَرَدَّهَا اِلٰى يَدِهٖ زَالَ الضَّمَانُ.

حل لغات: تعدی: باب تفعل سے ماضی ہے زیادتی کرنا حد سے آگے بڑھنا، دابۃ سواری کا جانور بوجھ لادنے کا جانور مذکر و مونث دونوں کے لئے مستعمل ہے اور اس میں تا وحدت کی ہے جمع دواب، رکب: ماضی باب

سمع سوار ہو گیا۔

ترجمہ: اگر زیادتی کی مودَع نے ودیعت میں اس طرح کہ وہ جانور تھا اس پر سوار ہو گیا یا کپڑا تھا اس کو پہن لیا یا غلام تھا اس سے خدمت لے لی یا اس کو کسی اور کے پاس امانت رکھ دیا پھر تعدی ختم کر دی اور اس ودیعت کو لے کر اپنے پاس رکھ لی (پھر وہ ہلاک ہو گئی) تو ضمان ساقط ہو گیا۔

مودَع نے اولاً تعدی کی پھر تعدی کو ختم کر دیا تو کیا ضامن ہوگا؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مودَع نے مال ودیعت میں زیادتی سے کام لیا مثلاً جانور امانت کا تھا اس پر سوار نہیں ہونا چاہئے تھا مگر پھر بھی سوار ہو گیا تو سوار ہونے کی وجہ سے ضمان لازم ہو گیا تھا لیکن اب سوار ہونا چھوڑ دیا یا کپڑا امانت کا تھا مودَع نے اس کو پہن لیا پہننے کی وجہ سے تاوان لازم ہو گیا تھا لیکن اب پہننا چھوڑ دیا یا غلام تھا اس سے خدمت لینے لگا پھر چھوڑ دیا یا مودَع نے اپنے پاس امانت رکھنے کے بجائے دوسرے کے پاس رکھ دی پھر واپس کر لیا تو جب مودَع نے اولاً تعدی کی پھر اس تعدی کو ختم کر دیا تو اب جانور، کپڑا، غلام، وغیرہ امانت کے درجہ میں ہو گئے اور اب ہلاک ہونے سے تاوان لازم نہ ہوگا کیوں کہ تعدی کے بعد تعدی ختم کر دی اور امانت کی چیز صحیح سالم رہی اس لیے تاوان بھی لازم نہ ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تعدی ختم کرنے کے باوجود ضمان ساقط نہ ہوگا کیوں کہ تعدی کرنے کی وجہ سے یہ غاصب (جبراً ملک غیر کو لینے والا) ہو گیا اور ایسا ہو گیا گویا کہ اپنے پاس امانت کے ہونے کا ہی انکار کر دیا حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ تاوان اس وجہ سے واجب ہوا تھا تاکہ مودِع سے نقصان کو دور کر دیا جائے اور جب اس نے خود ہی تعدی ختم کر دی تو جس نقصان کا خوف تھا وہ بھی دور ہو گیا اس لیے تاوان ساقط ہو جائے گا۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۸۰)

(۱۵۳۹/۱۰) فَإِنْ طَلَبَهَا صَاحِبُهَا فَجَحَدَهُ إِيَّاهَا ضَمِنَهَا فَإِنْ عَادَ إِلَى الْإِعْتِرَافِ لَمْ يَبْرَأْ مِنَ الضَّمَانِ.

حل لغات: جحد: ماضی (ف) جَحْداً وجحوداً انکار کرنا، عاد الی الاعتراف: اقرار کرنا، لم یبرأ: بری نہیں ہوگا۔

ترجمہ: اگر طلب کی مالک ودیعت نے ودیعت امین نے اس کا انکار کر دیا تو ضامن ہوگا پھر اگر اقرار کی طرف لوٹ بھی آیا تو بری نہیں ہوگا تاوان سے۔

تشریح: مالک نے اپنی امانت مانگی مودَع نے انکار کر دیا کہ میرے پاس تمہاری کوئی امانت نہیں ہے، پھر وہ چیز ہلاک ہو گئی تو امین ضامن ہوگا آگے فرماتے ہیں کہ اولاً انکار کیا پھر بعد میں اقرار کر لیا کہ ہاں میرے پاس تمہاری

امانت موجود ہے اس کے بعد وہ چیز ہلاک ہوگئی تو اب بھی تاوان کی ادائیگی لازم ہوگی اور مودَع اس سے بری نہیں ہوگا۔

دلیل: جب مالک کے مطالبہ پر انکار کر دیا تو امین کی امانت ہی ختم ہوگئی اب روکنے کی وجہ سے غاصب ہے اس لیے ضامن ہوگا اب جب تک مالک دوبارہ اس کو امین نہیں بنائے گا وہ امین نہیں ہوگا اور دوبارہ بنایا نہیں ہے اس لیے اقرار کے باوجود ضامن ہی رہے گا۔

(۱۱/۱۵۴۰) وَلِلْمُودَعِ اَنْ یُّسَافِرَ بِالْوَدِیْعَةِ وَاِنْ کَانَ لَهَا حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ.

حل لغات: حَمْلٌ: بوجھ، مؤنة: اٹھانے کی اجرت۔

ترجمہ: اور مودَع کے لئے جائز ہے ودیعت کو سفر میں لے جانا اگر چہ اس میں بوجھ اور تکلیف ہو۔

کیا ودیعت سفر میں لے جاسکتا ہے؟

تشریح: اور مودَع ودیعت کو سفر میں اپنے ساتھ لے جانا چاہے تو لے جاسکتا ہے اگر چہ اس میں بوجھ ہو یعنی خواہ مخواہ اس کے اٹھانے میں جانور اور قلی کی ضرورت محسوس ہو پھر صاحب الجوہرۃ النیرۃ نے یہ بھی کہا ہے کہ مالک نے سفر میں لے جانے سے منع نہ کیا ہو اور راستہ میں ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اگر مالک نے سفر میں لے جانے سے منع کر دیا یا سفر میں مال کے ہلاک ہونے کا ڈر ہے تو اب سفر میں نہیں لے جاسکتا اگر لے گیا اور امانت ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا یہ تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے۔

دلیل: مودِع کی جانب سے مطلقاً حفاظت کا امر ہے اور مطلق حفاظت حضر اور سفر دونوں کو شامل ہے۔

صاحبین کا مذہب: اگر امانت کے اٹھانے کا بوجھ اور تکلیف ہو تو سفر میں نہیں لے جاسکتا کیوں کہ اٹھانے کی اجرت خواہ مخواہ مالک پر پڑیگی اس لیے بغیر مالک کی اجازت کے سفر میں نہیں لے جاسکتا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۳۸)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عرف کا اعتبار کیا جائے گا اور عرف یہ ہے کہ حضر میں حفاظت کرے سفر میں نہ لے جائے کیوں کہ راستوں میں خطرات کا زیادہ امکان ہے اس لیے امانت کے اٹھانے میں بوجھ اور تکلیف ہو یا نہ ہو بہر صورت سفر میں نہیں لے جاسکتا، یہی امام مالکؒ کا قول ہے (عینی شرح کنز ۲/۱۸۰)

(۱۲/۱۵۴۱) وَاِذَا اَوْدَعَ رَجُلَانِ عِنْدَ رَجُلٍ وَدِیْعَةً ثُمَّ حَضَرَ اَحَدُهُمَا طَلَبَ نَصِیْبَهٗ مِنْهَا لَمْ یَدْفَعْ اِلَیْهِ شَیْئًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی حَتّٰی یَحْضُرَ الْاٰخَرُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی یَدْفَعُ اِلَیْهِ نَصِیْبَهٗ.

ترجمہ: اور اگر امانت رکھی دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کچھ امانت پھر آیا ان میں سے ایک اور مانگنے لگا

اس سے اپنا حصہ تو مودَع اس کو کچھ نہ دے امام صاحب کے نزدیک یہاں تک کہ آ جائے دوسرا اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ اس کو اس کا حصہ دے دے۔

مشترک چیز کے امانت رکھنے کا بیان

تشریح: دو آدمیوں نے ایک آدمی کے پاس کوئی چیز بطور امانت کے رکھی پھر ان میں سے ایک شخص تنہا آ کر اپنا حصہ مانگنے لگا کہ میرا حصہ مجھے دے دو تو اگر وہ چیز کیلی یا وزنی ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا بلکہ جب دونوں مل کر آئیں گے تب دونوں کو پوری چیز دے دی جائے گی۔

دلیل: دونوں نے مشترک طور پر چیز امانت رکھی ہے اب ایک آدمی اپنا حصہ تقسیم کروا کر لینا چاہتا ہے اور تقسیم کرنے کا مودَع کو حق نہیں ہے اس لیے اس کو اس کا حصہ نہیں دیا جائے گا۔

صاحبین کا مذہب: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ شریک کو اس کا حصہ دے دیا جائے گا کیوں کہ وہ اپنا دیا ہوا مال مانگ رہا ہے اس لیے مانگنے پر اس کی امانت اس کے حوالہ کر دی جائے گی (عینی ۲/۱۸۱، اللباب ۲/۱۱۳)

اور اگر امانت ذوات القیم میں سے ہے جیسے کپڑا، جانور، غلام، تو ایک شریک کے مانگنے پر اس کا حصہ بالاتفاق دینا جائز نہیں ہے۔ (اللباب ۲/۱۱۳، عینی ۲/۱۸۱)

(۱۵۴۲/۱۳) وَاِنْ اَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَیْنِ شَیْئاً مِّمَّا یُقْسَمُ لَمْ یَجُزْ اَنْ یَّدْفَعَهٗ اَحَدُهُمَا اِلَی الْآخَرِ وَلٰکِنَّهُمَا یَقْتَسِمَانِهٖ فَیَحْفَظُ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِصْفَهٗ.

ترجمہ: اگر امانت رکھی ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس کوئی ایسی چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو تو جائز نہیں یہ کہ ساری چیز دے دے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو بلکہ دونوں تقسیم کر لیں پھر دونوں میں سے ہر ایک اپنے آدھے حصہ کی حفاظت کرے۔

منقسم چیزوں کے امانت رکھنے کا بیان

تشریح: ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایک ایسی چیز امانت رکھی جو تقسیم ہو سکتی ہو جیسے پانچ سو درہم یا ایک ہزار دینار تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ پوری امانت ایک کے حوالہ کر دے بلکہ تقسیم کر کے آدھے آدھے روپیوں کی دونوں حفاظت کریں، کیوں کہ مالک نے دونوں کی حفاظت پر بھروسہ کیا ہے اور مال کی بھی کوئی ایسی مجبوری نہیں ہے کہ ایک ہی جگہ رکھیں اس لیے حکم یہ ہے کہ آدھے آدھے مال کی تقسیم کر کے الگ الگ حفاظت کریں۔

(۱۴/۱۵۴۳) وَاِنْ كَانَ مِمَّا لَا يُقْسَمُ جَازَ اَنْ يَّحْفَظَ اَحَدُهُمَا بِاِذْنِ الْآخَرِ.

ترجمه: اور اگر امانت ایسی ہو جو تقسیم نہیں ہو سکتی تو جائز ہے کہ ان میں سے ایک حفاظت کرے دوسرے کی اجازت سے۔

تشریح: اگر امانت نا قابل تقسیم چیز ہے تو حفاظت کے لئے ایک دوسرے کی اجازت درکار ہے مثلاً ایک بکری کسی نے دو آمیوں کے پاس امانت رکھی تو چوں کہ بکری تقسیم نہیں ہو سکتی اس مجبوری کی وجہ سے ایک امین کی اجازت سے دوسرے امین کی حفاظت میں رکھ سکتا ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ امانت کی چیز خواہ تقسیم ہو سکتی ہو یا تقسیم نہ ہو سکتی ہو دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ ایک کی اجازت سے دوسرے کے پاس پوری امانت رکھ سکتا ہے، کیوں کہ جب مودِع نے دونوں پر بھروسہ کیا ہے تو ایک آدمی پر بھی مکمل بھروسہ ہے۔

(۱۵/۱۵۴۴) وَاِذَا قَالَ صَاحِبُ الْوَدِيْعَةِ لِلْمُوْدَعِ لَاتُسَلِّمْهَا اِلٰى زَوْجَتِكَ فَسَلَّمَهَا اِلَيْهَا لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمه: اور اگر صاحب ودیعت (امانت پر رکھنے والے) نے مودَع (امین) سے کہا کہ یہ امانت اپنی بیوی کے حوالہ مت کرنا اس نے حوالہ کر دی تو ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح: مالک ودیعت نے مودَع سے یہ کہا کہ اس ودیعت کو اپنی بیوی کے حوالہ مت کرنا مگر اس نے اپنی بیوی کے حوالہ کر دیا اب اگر وہ چیز بیوی کے پاس سے ضائع ہو جاتی ہے تو اس پر تاوان لازم نہیں آئے گا کیوں کہ بیوی ان لوگوں میں سے جن سے مودَع سامان کی حفاظت کرا سکتا ہے۔

(۱۶/۱۵۴۵) وَاِنْ قَالَ لَهٗ اِحْفَظْهَا فِيْ هٰذَا الْبَيْتِ فَحَفِظَهَا فِيْ بَيْتٍ آخَرَ مِنَ الدَّارِ لَمْ يَضْمَنْ وَاِنْ حَفِظَهَا فِيْ دَارٍ اُخْرٰى ضَمِنَ.

ترجمه: اور اگر کہا صاحب ودیعت نے مودَع سے کہ اس کی حفاظت کرنا اس کمرہ میں مگر اس نے حفاظت کی گھر کے دوسرے کمرہ میں تو ضامن نہیں ہوگا اور اگر اس کی حفاظت کی دوسرے گھر میں تو ضامن ہوگا۔

تشریح: مالک نے کہا کہ اس گھر کے فلاں کمرہ میں امانت کی حفاظت کرنا مودَع نے اسی گھر کے دوسرے کمرہ میں اس کی حفاظت کی اور امانت ضائع ہوگئی تو ضامن نہیں ہوگا کیوں کہ ایک گھر کے سارے کمرے حفاظت کے اعتبار سے ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اس لیے دوسرے کمرے میں رکھنا حفاظت کے خلاف نہیں ہے اس لیے ضامن نہیں ہوگا لیکن اگر دوسرا کمرہ حفاظت کے اعتبار سے پہلے سے کم ہو تو پھر اس میں رکھنے سے ضامن ہوگا، اور اگر دوسرے گھر میں رکھ دی تو ضامن ہوگا کیوں کہ گھر حفاظت کے اعتبار سے الگ الگ ہوتے ہیں اور اگر دونوں گھر حفاظت میں برابر ہوں یا دوسرا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ ہو تو ضامن نہ ہوگا۔

كِتَابُ الْعَارِيَةِ

(یہ کتاب عاریت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: ودیعت اور عاریت کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں امانت ہونے میں شریک ہیں عاریت کے بیان کو اس لیے مؤخر کیا کہ ودیعت امانت بلا تملیک ہے اور عاریت میں تملیک المنافع ہے تو ودیعت عاریت کے مقابلہ میں اعلیٰ ہے وَالْاَعْلٰی مُقَدَّمٌ عَلَی الْاَدْنٰی (رقم الحاشیہ ۳)

عاریت کی لغوی تحقیق: عاریت تعاور سے مشتق ہے تداول کے معنی میں ہے کسی چیز کو باری باری لینا، عاریۃ یاء کی شدید اور یاء کی تخفیف دونوں طرح ہے مگر تشدید اصل ہے۔

اصطلاحی تعریف: کسی کو منافع کا بلاعوض مالک بنانا یعنی کسی چیز کو مفت استعمال کرنے کے لئے دے اور بعد میں اس کو واپس لے لے (عینی شرح کنز ۲/۱۸۲)۔

اصطلاحی الفاظ: (۱) معیر جو شخص مالک بنائے (۲) مستعیر جس کو مالک بنایا گیا (۳) عاریت جس چیز کی منفعت کا مالک بنایا جائے اس کو مستعار بھی کہتے ہیں۔

رکن: معیر کی طرف سے ایجاب عاریت کا رکن ہے اور مستعیر کی جانب سے قبول کرنا شرط نہیں ہے ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کذا فی الفتاویٰ الہندیہ۔

عاریت کا حکم: عاریت امانت کے درجہ میں ہے اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو کوئی تاوان نہیں اور تعدی کے ذریعہ ہلاک ہونے پر تاوان لازم آئے گا۔

عاریت کا ثبوت: آقاء مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے موقع پر حضرت صفوان بن امیہؓ سے کچھ زرہیں (لوہے کے جالی کے کرتے جو لڑائی میں پہنتے ہیں) عاریۃً لی تھیں۔ (ابوداؤد ۲/۵۰۱)

(۱/۱۵۴۶) اَلْعَارِيَةُ جَائِزَةٌ وَهِيَ تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ بِغَيْرِ عِوَضٍ.

ترجمہ: عاریت جائز ہے اور وہ مالک بنانا ہے منافع کا بغیر عوض کے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے عاریت کی تعریف بیان کی ہے، تعریف میں بلاعوض کی قید سے اجارہ نکل گیا کیوں کہ اس میں بھی منافع کی تملیک ہوتی ہے مگر بلاعوض نہیں بلکہ بالعوض ہوتی ہے، بغیر کسی عوض کے کسی کو کوئی چیز دے دیں کہ اس سے فائدہ اٹھا کر مجھے واپس کر دینا اس کو عاریت کہتے ہیں۔

(۲/۱۵۴۷) وَتَصِحُّ بِقَوْلِهِ اَعَرْتُكَ وَاَطْعَمْتُكَ هٰذِهِ الْاَرْضَ وَمَنَحْتُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَحَمَلْتُكَ عَلٰى هٰذِهِ الدَّابَّةِ اِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ الْهِبَةَ وَاَخْدَمْتُكَ هٰذَا الْعَبْدَ وَدَارِیْ لَكَ سُكْنٰى وَدَارِیْ لَكَ عُمْرٰى سُكْنٰى.

ترجمہ: اور صحیح ہوتی ہے یہ کہنے سے میں نے تجھے مانگی دی اور میں نے تم کو یہ زمین کھانے کیلئے دی اور بخش دیا میں تم کو یہ کپڑا اور سوار کیا میں نے تم کو اس جانور پر جب کہ نہ ارادہ کرے ان دو (منحتك، حمتلك) سے ہبہ کا اور خدمت کے لئے دے دیا تم کو یہ غلام میرا گھر تیرے رہنے کے لئے ہے میرا گھر تیرے عمر بھر رہنے کے لئے ہے۔

کن الفاظ سے عاریت ہو جاتی ہے

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے سات الفاظ استعمال کئے ہیں جن کے کہنے سے عاریت ہو جائے گی ہر ایک جملے کی وضاحت اس طرح ہے:

اعرتك: یہ عاریت میں صریح ہے۔

اطعمتك هذه الارض: اس جملہ میں اطعام کی نسبت ایسی چیز کی طرف ہے جس کا کھانا ممکن نہیں ہے اس لیے مجازی معنی پر محمول کرتے ہوئے ایسی چیز مراد لی جائے گی جس پر وہ صادق آ جائے لہٰذا عاریۃً زمین کی منفعت مقصود ہے اور مطلب یہ ہے کہ زمین کے غلہ سے تم کو استفادہ کرنے کا حق ہے، مَنَحْتُكَ: اس کے دو مطلب ہیں (۱) اس کپڑے کو مکمل دے دیا (۲) اس کپڑے کو وقتی طور پر پہننے کے لئے دے دیا۔

حمتلك: اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پوری سواری ہبہ کردی اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وقتی طور پر سواری سوار ہونے کے لئے دے رہا ہوں ان دونوں جملوں کا مطلب یہ ہے کہ اگر وقتی طور پر کپڑا دینے کی نیت ہے یا وقتی طور پر سواری دینے کی نیت ہے تو عاریت ہوگی ورنہ ہبہ ہوگا، کیوں کہ یہ دونوں الفاظ مالک بنانے کے لئے مستعمل ہیں اگر ہبہ مرادنہ ہو تو پھر مجازاً عاریت مراد ہوگی۔

اذالم یرد به الهبة: بہ ضمیر کا مرجع منحتك وحملتك ہے اس لیے تثنیہ کی ضمیر یعنی 'بهما' لانا مناسب تھا مگر یہاں بہ سے دونوں مراد ہیں جیسے قرآن میں ہے عَوَانٌ بَيْنَ ذَالِكَ، ذالکما نہیں کہا گیا، یعنی وہ بیل نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ بلکہ پٹھا ہو دونوں عمروں کے بیچ میں۔

اخدمتك: یہ منفعت کا مالک بنانے کے لئے صریح ہے کیوں کہ صاف ہے کہ غلام وقتی طور پر خدمت کے لئے دے رہا ہوں، دَارِیْ لَكَ سُكْنٰی اپنے گھر کی سکونت دوسرے کے لئے ہے اس میں بھی عاریت ہے۔

داری لك سكنی عمری: اگر سکنیٰ نہ بڑھاتا تو ہبہ مراد ہوتا لیکن سکنی کے لفظ نے واضح کر دیا کہ گھر صرف عمر بھر رہنے کے لئے عاریت ہے۔ (ماخوذ من اللباب ۲/ ۱۱۵، والجوہرہ ۲/ ۴۰)

(۳/۱۵۴۸) وَلِلْمُعِیْرِ اَنْ یَّرْجِعَ فِی الْعَارِیَةِ مَتٰی شَاءَ.

ترجمہ: اور عاریت پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ عاریت سے رجوع کر لے جب چاہے۔

تشریح: معیر کو اس بات کا حق ہے کہ جب چاہے عاریت پر دی گئی چیز واپس لے لے کیوں کہ چیز مالک کی ہے، اس نے تو صرف احسان کے طور پر دوسرے کو نفع اٹھانے کے لئے دی ہے اس لیے جب چاہے واپس لے سکتا ہے۔

(۴/۱۵۴۹) وَالْعَارِيَةُ اَمَانَةٌ فِيْ يَدِ الْمُسْتَعِيْرِ اِنْ هَلَكَ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ لَمْ يَضْمَنِ الْمُسْتَعِيْرُ.

ترجمہ: اور عاریت امانت ہے لینے والے کے ہاتھ میں اگر ہلاک ہوجائے بغیر زیادتی کے تو ضامن نہیں ہوگا مستعیر۔

حنفیہ کے نزدیک عاریت امانت ہے

شافعیہ کے نزدیک عاریت مضمون ہوتی ہے

تشریح: جس شخص کو چیز عاریت پر دی اس کے قبضہ میں عاریت کی چیز امانت ہوتی ہے اور امانت اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہوجائے تو تاوان لازم نہیں ہوتا ہے شئ مستعار کی ہلاکت کے بعد مستعیر پر وجوب ضمان کے متعلق اختلاف ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ عاریت، پر مستعیر کا قبضہ، قبضہ امانت ہے لہٰذا اگر مستعیر کی زیادتی کی وجہ سے وہ ہلاک ہوجائے تو اس کے ذمہ اس کا ضمان آئیگا لیکن اگر بغیر زیادتی کے آفت سماوی کی وجہ سے وہ ''عاریت'' ہلاک ہوگئی یا کوئی چوری کر کے لے گیا حالانکہ اس نے اس کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا تو اس صورت میں مستعیر پر ضمان واجب نہیں ہوگا۔

دلیل: عَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَيْسَتِ الْعَارِيَةُ مَضْمُوْنَةً اِنَّمَا هُوَ مَعْرُوْفٌ اِلَّا اَنْ يُخَالِفَ فَيَضْمَنُ.
(مصنف عبدالرزاق ۸/۱۷۹)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عاریت کا ضمان نہیں ہے یہ تو ایک احسان ہے مگر یہ کہ مخالفت کرے تو ضامن ہوجائے گا اس اثر سے معلوم ہوا کہ عاریت امانت ہے بغیر زیادتی کے ہلاک ہوجائے تو مستعیر پر تاوان نہیں ہے۔

شوافع کا مذہب یہ ہے کہ عاریت مستعیر پر مضمون ہوتی ہے لہٰذا اگر کسی شخص نے کوئی چیز عاریت پر لی اور وہ چیز مستعیر کی زیادتی کے بغیر بھی ہلاک ہوجائے تو بھی اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس چیز کا تاوان معیر کو ادا کرے یعنی شئ مستعار خود ہلاک ہوجائے یا اس کو ہلاک کردے دونوں صورتوں میں عاریت کے اندر ضمان ہے امام احمد کا بھی ایک قول یہی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اگر معیر نے ضمان کی شرط لگادی تو تاوان لازم ہوگا ورنہ نہیں۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جس شئ مستعار کی ہلاکت پوشیدہ ہے جیسے کپڑے تو ضمان ہوگا اور جس شئ مستعار کی ہلاکت ظاہر ہے یعنی قرینِ قیاس ہو جیسے حیوان اس میں ضمان نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۱۸۲)

شوافع کی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن زرہیں عاریت پرلیں تو حضرت صفوان نے پوچھا اے محمدؐ کیا غصب کے طور پر لے رہے ہو؟ فَقَالَ لَا بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُوْنَةٌ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت پر لے رہا ہوں ضمان کے طور پر اس حدیث میں ہلاک اور استہلاک کی کوئی قید نہیں بلکہ بہر صورت عاریت کے متعلق کہا گیا کہ ضمان دیا جائے گا۔

جواب: حضرت نے بذل میں 'بل عاریۃ مضمونۃ' کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد قاعدہ کلیہ اور حکم شرعی کے بیان کے طور پر نہیں ہے بلکہ صفوان اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور ادھر مسلمانوں کو ہتھیاروں کی ضرورت تھی اس لیے خاص اس موقع کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غصب کے طور پر نہیں بلکہ یہ عاریت ضمان والی ہوگی تاکہ صفوان عاریۃً دینے پر مطمئن ہو جائیں اور وہ وقتی ضرورت مسلمانوں کی پوری ہو جائے یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ تمام عواری کا حکم یہی ہے (بذل ۳۰۲/۴)

(۵/۱۵۵۰) وَلَيْسَ لِلْمُسْتَعِيْرِ اَنْ يُؤْجِرَ مَا اسْتَعَارَهُ فَاِنْ اٰجَرَهُ فَهَلَكَ ضَمِنَ.

لغت: یوجر: مضارع باب افعال مصدر ایجاراً اجرت پر دینا۔

ترجمہ: اور عاریت پر لینے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ کرایہ پر دے اس چیز کو جس کو عاریت پر لیا اگر کرایہ پر دی پھر وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن ہوگا۔

احکام عاریت کی تفصیل

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مستعیر کے لئے اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ جو چیز عاریت پر لی ہے اس کو کرایہ پر دے اب اگر اس نے کرایہ پر دے دی اور وہ ہلاک ہوگئی تو عاریت پر لینے والا اس کا ضامن ہوگا۔

دلیل (۱) اجرت اعلیٰ درجہ کا معاملہ ہے کیوں کہ اس میں متعین مدت تک دینا لازم ہو جاتا ہے اور عاریت ادنی درجہ کا معاملہ ہے کیوں کہ عاریت میں کوئی لزوم نہیں ہے اس لیے ادنیٰ درجہ کا معاملہ اعلیٰ درجہ کے معاملہ کو شامل نہ ہوگا۔

(۲) عاریت پر دینے والا فوراً مانگ سکتا ہے اگر اجرت پر دے دیا تو مستاجر کا حق اس چیز سے متعلق ہو گیا اور وہ متعین مدت سے پہلے واپس نہیں دے گا اس لیے بھی عاریت والا اجرت پر نہیں رکھ سکتا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۴۱/۲)

(۶/۱۵۵۱) وَلَهٗ اَنْ يُّعِيْرَهٗ اِذَا كَانَ الْمُسْتَعَارُ مِمَّا لَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمُسْتَعْمِلِ.

ترجمہ: اور عاریت پر لینے والے کو حق ہے کہ اس کو عاریت پر دے دے جب کہ مستعار چیز ایسی چیزوں میں سے ہو جو استعمال کرنے والے کے اختلاف سے نہ بدلتی ہو۔

تشریح: عاریت پر لینے والا شئ مستعار دوسرے کو عاریت پر دے سکتا ہے یا نہیں؟

اس بارے میں صاحب کتاب نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اگر استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے چیز میں تبدیلی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو تو مستعیر دوسرے کو وہ چیز عاریت پر دے سکتا ہے جیسے پھاؤلا وغیرہ کہ استعمال کرنے والے کے الگ الگ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اس لیے خود استعمال کرے یا مزدور کو دے، اگر استعمال کرنے والے کے بدلنے سے چیز کے خراب ہونے کا ڈر ہے تو دوسرے کو استعمال کے لئے نہیں دے سکتا ورنہ ضامن ہوگا۔

دلیل: معیر نے مستعیر کو منافع کا مالک بنایا تو اسی طرح مستعیر بھی دوسرے کو منافع کا مالک بنا سکتا ہے بشرطیکہ تبدیلی پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور اگر مستعمِل کے بدلنے سے تبدیلی کا خطرہ ہو تو پھر دوسرے کو اس لیے نہیں دے سکتا کہ معیر مستعیر ہی کے استعمال سے راضی ہے کسی دوسرے کے استعمال سے راضی نہیں ہے (اللباب ۲/۱۱۵)

(۱۵۵۲/۷) وَعَارِيَةُ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيْرِ وَالْمَكِيْلِ وَالْمَوْزُوْنِ قَرْضٌ.

ترجمہ: دراہم دنانیر، کیلی اور وزنی چیزوں کو عاریت پر دینا قرض ہے۔

تشریح: اگر کسی نے دراہم، دنانیر، کیلی اور وزنی چیزیں عاریت پر دیں تو یہ عاریت قرض کے حکم میں ہوگی، کیوں کہ عاریت کا مطلب یہ ہے کہ عاریت پر لینے والا اس چیز سے نفع اٹھا کر بعینہ وہی چیز واپس کر دے عبارت میں ذکر کردہ چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی شکل یہ ہے کہ ان چیزوں کو خرچ کر کے اور کھا پی کر ختم کر دیا جائے لہٰذا تملیک المنافع کے بجائے تملیک العین ہو گیا اس لیے ان چیزوں میں عاریت بمعنی قرض ہوگی، مگر یہ چیزیں قرض کے حکم میں اس وقت ہوں گی جب کہ اعارہ مطلق ہو اور اگر جہت کو متعین کر دیا مثلاً دراہم اس خیال سے عاریت پر لئے کہ اس سے دوکان کو زینت بخشے تو اس صورت میں عاریت قرض کے حکم میں نہیں ہے اور ان کا خرچ کرنا درست نہ ہوگا بلکہ انہیں امور میں خرچ کرنا ہوگا جن کی تعیین کی گئی ہے۔ (اللباب ۲/۱۱۵)

(۱۵۵۳/۸) وَإِذَا اسْتَعَارَ أَرْضاً لِيَبْنِيَ فِيْهَا أَوْ يَغْرِسَ جَازَ.

حل لغات: لیبنی: فعل مضارع ہے لام 'کَیْ' کی وجہ سے منصوب ہے اور یغرس بھی اسی پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ: اور اگر مانگ لے زمین تاکہ اس میں عمارت بنائے یا درخت لگائے تو جائز ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے کوئی زمین مکان یا درخت لگانے کے لئے عاریت پر لی تو یہ عقد درست ہے کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کی منفعت ہے جیسے اجارہ کے ذریعہ رہائش کا مالک ہو جائے گا ایسے ہی اعارہ کے ذریعہ نفع اٹھانے کا مالک ہو جائے گا۔

(۱۵۵۴/۹) وَلِلْمُعِيْرِ أَنْ يَّرْجِعَ عَنْهَا وَيُكَلِّفَهُ قَلْعَ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ وَقَّتَ الْعَارِيَةَ وَرَجَعَ قَبْلَ الْوَقْتِ ضَمِنَ الْمُعِيْرُ لِلْمُسْتَعِيْرِ مَا نَقَصَ الْبِنَاءُ

وَالْغَرْسُ بِالْقَلْعِ.

حل لغات: معیر: اسم فاعل عاریت پر دینے والا، یکلفه مضارع (م) تکلیفاً: دشوار کام کا حکم دینا، قلع: باب فتح سے مصدر ہے اکھیڑنا، وقت: ماضی (م) توقیتاً وقت متعین کرنا۔

ترجمہ: اور عاریت پر دینے والے کے لئے جائز ہے کہ عاریت کو واپس لے لے اور مجبور کر سکتا ہے مستعیر کو عمارت توڑنے اور درخت اکھاڑنے پر اب اگر اس نے عاریت کا کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا تو معیر پر ضمان نہیں ہے اور اگر عاریت کا وقت متعین کر رکھا تھا اور واپس لینے لگا وقت سے پہلے تو ضامن ہوگا معیر مستعیر کے لئے عمارت ٹوٹنے اور درخت اکھاڑنے کے نقصان کا۔

تشریح: کسی نے مکان بنانے یا باغ لگانے کے لئے زمین عاریۃً لی اور اس میں مکان بنالیا یا باغ لگالیا تو اب یہ دیکھنا پڑے گا کہ عاریت پر دینے والے نے عاریت کے لئے کوئی وقت متعین کیا تھا یا نہیں۔ اگر متعین نہیں کیا تھا تو مالک زمین کسی بھی وقت اپنی زمین واپس لے سکتا ہے اور کہہ سکتا ہے کہ اپنی عمارت توڑ دو اور درخت اکھاڑ دو اور میری زمین بالکل خالی کر کے واپس کر دو اور عمارت کے گرانے اور درخت کے اکھڑوانے کا تاوان معیر کے ذمہ نہ ہوگا کیوں کہ مستعیر کو معیر کی جانب سے دھوکہ نہیں دیا گیا بلکہ اسے خود ہی دھوکہ ہوا کہ تعیین وقت کے بغیر راضی ہو گیا اور اگر عاریت پر دینے والے نے عاریت کے لئے وقت متعین کر رکھا تھا اور وقت متعینہ سے پہلے ہی عمارت توڑنے اور درخت کاٹنے کے لئے کہنے لگا تو چوں کہ معیر نے مستعیر کو دھوکہ دیا اس لیے عمارت ٹوٹنے اور درخت کٹنے کے نقصان کا تاوان بھرے گا، البتہ قبل از وقت عاریت واپس لے سکتا ہے مگر وعدہ خلافی کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(۱۰/۱۵۵۵) وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَارِيَةِ عَلَى الْمُسْتَعِيْرِ.

ترجمہ: اور عاریت کے لوٹانے کا کرایہ عاریت لینے والے کے ذمہ ہے۔

تشریح: مستعیر اپنے نفع کے لئے ایک چیز مفت لے کر آیا تھا اب اس کو واپس کرنا بھی اسی کے ذمہ ہے اس لیے واپس کرنے میں جو خرچہ وغیرہ ہوگا وہ مستعیر پر ہی ہوگا۔

(۱۱/۱۵۵۶) وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُسْتَاجَرَةِ عَلَى الْمُوْجِرِ.

لغت: الموجر: اسم فاعل، اجرت پر دینے والا۔

ترجمہ: اور کرایہ پر لی ہوئی چیز کی واپسی کی مزدوری اجرت پر دینے والے پر ہوگی۔

تشریح: اگر کسی نے کرایہ پر کوئی چیز لی تو اس کو واپس کرنے میں جو کرایہ لگے گا وہ موجر کے ذمہ ہوگا کیوں کہ اجرت پر لینے والے کے ذمہ اجرت کی چیز واپس کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ صرف اس چیز کو چھوڑ دینا کافی ہے تاکہ مالک اس کو خود واپس لے جائے اس لیے مالک ہی پر واپسی کا کرایہ ہوگا۔ (اللباب ۲/۱۱۶)

مگر چونکہ اس زمانہ میں عرف بدل گیا ہے، اگر کرایہ پر لی ہوئی چیز کی واپسی کی اجرت مالک کے ذمہ ڈالدی جائے اور مالک ہی سے کہا جائے کہ اپنی چیز تم خود ہی لے جاتا تو کوئی بھی آدمی کرایہ پر کوئی چیز دینے کے لئے تیار نہ ہوگا اس پریشانی کے پیش نظر اس زمانہ میں کرایہ پر لی ہوئی چیز کو واپس کرنا اور واپسی کا کرایہ مستاجر کے ذمہ ہوگا۔

(۱۲/۱۵۵۷) وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمَغْصُوْبَةِ عَلَى الْغَاصِبِ.

ترجمہ: اور غصب کی گئی چیز کی واپسی کی اجرت غاصب پر ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کوئی چیز غصب کی تو مالک تک پہنچانا اسی کی ذمہ داری ہے اس لیے واپس لوٹانے کا جو کرایہ خرچ ہوگا وہ غاصب ادا کرے گا۔

(۱۳/۱۵۵۸) وَاُجْرَةُ رَدِّ الْعَيْنِ الْمُوْدَعَةِ عَلَى الْمُوْدِعِ.

ترجمہ: اور امانت رکھی گئی چیز کی واپسی کی اجرت امانت رکھنے والے پر ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کسی کی امانت اپنے پاس رکھی تو اس امانت کے واپس کرنے میں جو کرایہ خرچ ہوگا وہ مالک کے ذمہ ہے کیوں کہ مودَع نے مفت میں امانت رکھا ہے اور یہ اس کا احسان ہے اور مالک ہی کو اس کی ضرورت ہے کہ اپنی چیز امین کے یہاں سے لے جائے اس لیے مالک ہی پر اجرت لازم ہوگی۔

(۱۴/۱۵۵۹) وَاِذَا اسْتَعَارَ دَابَّةً فَرَدَّهَا اِلَى اَصْطَبْلِ مَالِكِهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ.

حل لغات: اصطبل: گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ، طویلہ۔

ترجمہ: اور اگر سواری مانگ لی پھر اس کو لوٹا دیا اس کے مالک کے اصطبل تک اور وہ ہلاک ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے کسی سے کوئی جانور عاریۃً لیا اور اس کو اس کے مالک کے اصطبل تک پہنچا دیا یعنی مالک کے سپرد نہیں کیا اس کے بعد وہ جانور ہلاک ہوگیا تو عاریت پر لینے والا ضامن نہیں ہوگا، یہ حکم استحسان کے اعتبار سے ہے کیوں کہ اس نے متعارف طریقہ پر واپس کیا ہے اس لیے کہ عاریت کی چیزوں کو مالک کے مکان پر پہنچا دینا ہی متعارف ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ ضامن ہو کیوں کہ اس نے مالک کے سپرد نہیں کیا بلکہ ضائع کیا ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے (عینی شرح کنز ۲/۱۸۴، رقم الحاشیہ ۸)

فائدہ: مثلاً سائیکل عاریۃً لی اور لینے والے نے اس کو مالک کے مکان پر اسی جگہ کھڑی کر دی جو اس کے لئے مقرر ہے اب وہ ہلاک ہوگئی تو عاریت پر لینے والے پر کوئی ضمان نہ ہوگا۔

(۱۵/۱۵۶۰) وَاِنِ اسْتَعَارَ عَيْناً وَرَدَّهَا اِلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اور اگر کوئی چیز مانگ لے اور اس کو مالک کے گھر پہنچا دے اور مالک کو نہ دے تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے کسی سے پھاوڑا، کدال، ہل، سائیکل وغیرہ عاریت پر لی اور استعمال کرنے کے بعد مالک کے حوالہ کرنے کے بجائے مالک کے گھر پہنچا دیا اور پھر یہ چیزیں ہلاک ہوگئیں تو عاریت پر لینے والے پر تاوان نہ ہوگا کیوں کہ عموماً ان چیزوں کو گھر ہی پہنچانے کا رواج ہے اور اسی سے مالک کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے اس لیے گھر پہنچا دینے سے بری الذمہ ہو جائے گا۔

قدوری کے بعض نسخوں میں لم یضمن کے بجائے ضمن ہے اس صورت میں عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی عمدہ چیز مثلاً جواہرات کا ہار، عاریت پر لیا تو اب معیر ہی کو واپس کرنا ضروری ہے اگر معیر کے علاوہ گھر کے کسی فرد کو دے دیا تو مستعیر ضامن ہوگا (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۲، اللباب ۲/۱۱۷)

(۱۵۶۱/۱۶) وَاِنْ رَدَّ الْوَدِيْعَةَ اِلَى دَارِ الْمَالِكِ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا اِلَيْهِ ضَمِنَ وَ اللّٰه اعلم.

ترجمہ: اور اگر امانت کی چیز مالک کے گھر پہنچائی اور مالک کو سپرد نہیں کیا تو ضامن ہوگا۔

تشریح: اگر مودَع نے ودیعت کو مالک کے حوالہ نہ کر کے مالک کے گھر پہنچا دیا تو ایسی صورت میں مودَع ضامن ہوگا کیوں کہ مودَع پر واجب ہے کہ اپنے فعل کو فسخ کرے اور یہ جب ہوگا جب مالک کو سپرد کرے اور مالک اس بات سے راضی نہیں ہوگا کہ گھر والوں کو دے کیوں کہ اگر مالک کو گھر والوں پر اتنا بھروسہ ہوتا تو دوسرے کے پاس امانت کیوں رکھتا؟ اب مودع نے مالک کے بجائے گھر والوں کو دے کر اس کے مقصد کے خلاف کیا اس لیے گھر والوں کو پہنچانے سے بری نہیں ہوگا (الجوہرۃ ۲/۴۳)

كِتَابُ اللَّقِيْطِ

أَىْ هٰذَا الْكِتَابُ فِىْ بَيَانِ اَحْكَامِ اللَّقِيْطِ

(یہ کتاب لقیط کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: یہ ہے کہ جس طرح عاریت پر لی ہوئی چیز کو بغیر مالک کی اجازت کے کسی کو نہیں دے سکتے اسی طرح جس نے لقیط کے اٹھانے میں پہل کی ہے، اس کی اجازت کے بغیر لقیط کسی دوسرے کو نہیں دے سکتے۔

لقیط کی لغوی تحقیق: لقیط فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے یعنی جو چیز گری پڑی ہو لغت میں اس بچہ کو کہتے ہیں جو پڑا ہوا ملے اور اسکا کوئی ولی معلوم نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف: لقیط انسان کے اس بچہ کو کہتے ہیں جس کو لوگوں نے پرورش سے بچنے یا زنا کی

تہمت سے بچنے کے لئے پھینک دیا ہو، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا اٹھالینا مستحب ہے، کہ اس میں بچہ کی پرورش اور زندگی کا سامان ہوتا ہے اور اگر اس بچہ کے ہلاک ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

لقیط کا ثبوت: اس آیت میں ہے فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا یعنی آل فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا تا کہ ان کے لئے دشمن اور غم کی چیز بن جائے اس آیت میں لقطہ اٹھانے کا ذکر ہے۔

(۱/۱۵۶۲) اَللَّقِيْطُ حُرٌّ وَ نَفَقَتُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ.

حل لغات: اللقیط: اٹھایا ہوا، نومولود بچہ جو پھینک دیا جائے، نفقة: خرچ۔

ترجمہ: لقیط آزاد ہے اور اس کا خرچ بیت المال سے ہے۔

لقیط کے احکام بالتفصیل

تشریح: لقیط تمام احکامات میں آزاد ہے حتی کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد لگے گی کیوں کہ بنی آدم میں اصل آزاد ہونا ہے، اور وہ بچہ دارالاسلام میں ہے اس لیے یہی خیال کیا جائے گا کہ اس بچہ کو کسی آزاد نے ہی ڈالا ہے، ایک شخص نے ایک پڑا ہوا بچہ پایا اس کو اٹھا کر حضرت علیؓ کے پاس لایا آپ نے فرمایا وہ آزاد ہے، پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس کے خرچ کی ذمہ داری بیت المال پر ہے، کیوں کہ وہ مسلمان ہے، کمانے سے عاجز ہے اس کی کوئی رشتہ داری بھی نہیں ہے اس کے پاس مال بھی نہیں۔ ہے، تو بیت المال ایسے آدمی کے خرچ کا ذمہ دار ہوگا۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۴)

(۲/۱۵۶۳) وَاِنِ الْتَقَطَهُ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ لِغَيْرِهِ اَنْ يَّاْخُذَهُ مِنْ يَدِهِ.

حل لغت: التقط: ماضی مصدر التقاط اٹھانا۔

ترجمہ: اور اگر اٹھالے اس کو کوئی آدمی تو دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے کہ لے لے اس کو اس کے ہاتھ سے۔

تشریح: اگر اس کو کسی شخص نے اٹھالیا تو اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں کہ اس کو اس کے قبضہ سے لے لے کیوں کہ اس نے اٹھانے میں پہل کی ہے جب اس کا قبضہ ہوگیا تو دوسرے کا قبضہ ساقط ہوجائیگا۔

(۳/۱۵۶۴) فَاِنِ ادَّعٰى مُدَّعٍ اَنَّهُ ابْنُهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهِ.

ترجمہ: اگر دعوی کیا کسی کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

تشریح: اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے تو اگر چہ اس میں اٹھانے والے کا حق مارا جائے گا لیکن بیٹا بننے میں بچہ کا فائدہ ہے اس لیے بچہ کا نسب دعویٰ کرنے والے سے ثابت کردیا جائے گا لیکن چوں کہ کوئی ظاہری

علامت نہیں ہے، اور نہ اس پر کوئی گواہ ہے اس لیے قسم کے ساتھ بات مانی جائے گی۔

(۱۵۶۵/۴) وَاِنِ ادَّعَاهُ اِثْنَانِ وَوَصَفَ اَحَدُهُمَا عَلَامَةً فِيْ جَسَدِهٖ فَهُوَ اَوْلٰى بِهٖ.

ترجمه: اور اگر دعویٰ کیا اس کا دو آدمیوں نے اور بیان کی کسی ایک نے کوئی علامت اس کے جسم میں تو وہ زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: دو آدمیوں نے لقیط کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا کہ بچہ ہمارا ہے اور ان میں سے ایک نے اس کے جسم میں کوئی علامت بیان کردی تو اس علامت کے بیان کرنے کی وجہ سے اس آدمی سے نسب ثابت کردیا جائے گا کیوں کہ علامت ظاہری اس کی شہادت دے رہی ہے کہ لڑکا اسی کا ہے اور اگر کوئی بھی علامت بیان نہ کرے تو اس بچہ کا نسب دونوں سے ثابت ہوجائے گا اور اگر کسی نے بیٹے ہونے کا دعویٰ پہلے کردیا تو اس سے نسب ثابت کردیا جائے گا۔

(۱۵۶۶/۵) وَاِذَا وُجِدَ فِيْ مِصْرٍ مِّنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ قُرَاهُمْ فَادَّعٰى ذِمِّيٌّ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَكَانَ مُسْلِماً.

حل لغات: امصار: واحد مصر شہر، قریٰ واحد قریة گاؤں بستی۔

ترجمه: اور اگر پایا گیا لقیط مسلمانوں کے شہر میں سے کسی شہر میں یا ان کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں پھر دعویٰ کیا کسی ذمی نے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس سے نسب ثابت ہوجائے گا اور بچہ مسلمان ہوگا۔

تشریح: اگر لقیط کسی مسلم شہر میں یا کسی مسلم گاؤں میں پایا گیا اور ایک ذمی نے یہ دعویٰ کردیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو ذمی سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوجائے گا البتہ بچہ مسلمان رہے گا، ذمی کے دعویٰ میں دو باتیں ہیں ایک نسب کا دعویٰ، یہ بچہ کے لئے نفع بخش ہے مثلاً وراثت وغیرہ ملے گی، اور اگر نسب ثابت نہ ہو تو بچہ حرامی شمار ہوگا اور اس کی پرورش کا کوئی خاص انتظام نہ ہوسکے گا اس لیے ذمی سے نسب ثابت کردیا جائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ لقیط اسلامی شہر یا گاؤں میں ملا ہے تو غالب گمان یہی ہے کہ بچہ مسلمان ہوگا اگر ذمی کے دعویٰ کو مانتے ہوئے بچہ کو ذمی شمار کریں تو یہ بچہ کے لئے نقصان دہ ہے، لہٰذا ذمی کا جو دعویٰ بچہ کے لئے مفید ہوگا وہی صحیح ہوگا اور جو نقصان دہ ہوگا وہ صحیح نہیں ہوگا۔

(۱۵۶۷/۶) وَاِنْ وُجِدَ فِيْ قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى اَهْلِ الذِّمَّةِ اَوْ فِيْ بِيْعَةٍ اَوْ كَنِيْسَةٍ كَانَ ذِمِّيًّا.

حل لغات: بیعة: کلیسا، گرجا، یہودیوں کا عبادت خانہ جمع بِيَعٌ بِيَعَاتٌ، کنیسة: نصاریٰ کا عبادت خانہ۔

ترجمه: اور اگر پایا گیا ذمیوں کے گاؤں میں سے کسی گاؤں میں یا یہودی ونصاریٰ کے کسی عبادت خانہ میں پایا گیا تو وہ ذمی ہوگا۔

تشریح: اگر کوئی لقیط ذمیوں کے کسی گاؤں میں یا یہود و نصاریٰ کے کسی عبادت خانہ پایا گیا ہو تو وہ ذمی ہوگا، کیوں کہ غالب گمان یہی ہے کہ بچہ کسی کافر کا ہوگا اس لیے وہ ذمی شمار ہوگا۔

(۱۵۶۸/۷) وَمَنِ ادَّعٰی اَنَّ اللَّقِیْطَ عَبْدُهٗ اَوْ اَمَتُهٗ لَمْ یُقْبَلْ مِنْهُ وَ کَانَ حُرًّا.

ترجمہ: کسی نے دعویٰ کیا کہ لقیط اس کا غلام ہے یا باندی ہے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی اور وہ آزاد ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ لقیط میرا غلام یا میری باندی ہے تو اسکا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا کیوں کہ بظاہر یہ لقیط آزاد ہے لہٰذا محض دعویٰ سے غلام نہیں ہوگا بلکہ مدعی بینہ قائم کرے کہ یہ لقیط میرا غلام ہے۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۵)

(۱۵۶۹/۸) وَاِنِ ادَّعٰی عَبْدٌ اَنَّهٗ اِبْنُهٗ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَ کَانَ حُرًّا.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے غلام کہ لقیط اس کا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور بچہ آزاد ہوگا۔

تشریح: اگر کسی غلام نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ لقیط میرا بیٹا ہے تو اس دعویٰ سے لقیط کا نسب اس غلام سے ثابت ہو جائے گا اور لقیط آزاد رہے گا، کیوں کہ ہمیں بچہ کے نفع کا خیال کرنا ہے ثبوت نسب بچہ کے لئے نفع بخش ہے مگر غلام ہونا نقصان دہ ہے، لہٰذا جس چیز میں بچہ کے لئے نفع ہے وہ صحیح ہوگا اور جس میں نقصان ہے وہ باطل ہوگا۔
(الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۵)

(۱۵۷۰/۹) وَاِنْ وُجِدَ مَعَ اللَّقِیْطِ مَالٌ مَشْدُوْدٌ عَلَیْهِ فَهُوَ لَهٗ.

حل لغات: مشدودٌ: بندھا ہوا۔
ترجمہ: اور اگر پایا گیا لقیط کے ساتھ مال اس پر بندھا ہوا تو وہ اسی کا ہے۔
تشریح: اگر لقیط کے ساتھ لقیط پر کچھ بندھا ہوا مال ہے تو بظاہر وہ مال لقیط کا ہے اور جس نے پایا وہ حاکم کے حکم سے اس مال کو لقیط پر خرچ کرے گا۔

(۱۵۷۱/۱۰) وَلَا یَجُوْزُ تَزْوِیْجُ الْمُلْتَقِطِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے پانے والے کا شادی کرنا۔
تشریح: صاحب قدوری اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ بچہ پانے والا بچہ کی شادی خود اپنے سے کرے یا کسی دوسرے سے کرائے تو جائز نہیں ہے۔

دلیل: صاحب جوہرۃ نے لکھا ہے کہ شادی کرانے کا حق تین وجہ سے ہوتا ہے (۱) ملکیت ہو جیسے غلام یا باندی کا آقا (۲) رشتہ دار (۳) ملک کا باشاہ یا حاکم ہو اور پانے والا ان تینوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے، اس وجہ سے اس کو لقیط کی شادی کا حق نہیں ہے (الجوہرۃ النیرۃ: ۲/۴۵)

(۱۵۷۲/۱۱) وَلَا تَصَرُّفُهُ فِي مَالِ اللَّقِيطِ.

ترجمہ: اور نہ (جائز نہیں ہے) لقیط کے مال میں تصرف کرنا۔

تشریح: اٹھانے والے کے لئے لقیط کے مال میں تصرف جائز نہیں ہے، کیوں کہ تصرف کا جواز دو باتوں سے ہوتا ہے (۱) کامل شفقت ہو (۲) کامل رائے ہو، ملتقط میں رائے کامل ہے مگر مکمل شفقت نہیں ماں میں مکمل شفقت مگر رائے ناقص ہے اس لیے لقیط کے مال کو خرید وفروخت میں ڈال کر خورد برد نہیں کر سکتا ہے ہاں لقیط کے مال سے کھانا کپڑا اور ضروریات زندگی خرید سکتا ہے (رقم حاشیہ القدوری ٦)

(۱۵۷۳/۱۲) وَيَجُوزُ اَنْ يَّقْبِضَ بِهِ الْهِبَةَ وَيُسَلِّمَهُ فِي صَنَاعَةٍ وَيُوَاجِرَهُ.

حل لغات: صناعة: پیشہ، دستکاری، کاریگری، یواجر: اجرت پر دے، مزدوری پر لگادے۔

ترجمہ: اور جائز ہے اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنا اور اس کو سپرد کرنا کسی پیشہ میں اور اس کو مزدوری پر لگانا۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب یہ ذکر کر رہے ہیں کہ ملتقط ان تمام کاموں کو کر سکتا ہے جن میں لقیط کا فائدہ ہے مثلاً لقیط کو کسی نے ہدیہ دیا تو ملتقط لقیط کے واسطے ہبہ پر قبضہ کر سکتا ہے یا لقیط کو کسی پیشہ میں لگادے تا کہ اس سے نفع آئے یا خود لقیط کو مزدوری پر لگادے تا کہ اس کی مزدوری آئے اور لقیط پر خرچ کی جا سکے صاحب جوہرہ نے لکھا ہے کہ لقیط کو مزدوری پر لگانے کا جواز صاحب قدوری کے نزدیک ہے، ورنہ جامع صغیر میں ہے کہ ملتقط کے لئے لقیط کو اجرت پر دینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ ملتقط اس کے منافع کو ہلاک کرنے کا مالک نہیں ہے یہی قول اصح ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۵)

كِتَابُ اللُّقْطَةِ

(یہ کتاب لقطہ کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: لقیط اور لقطہ دونوں لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے قریب ہیں کیوں کہ دونوں میں اٹھانے کے معنی ہیں مگر لقیط گرے پڑے ہوئے بچہ کے اٹھانے کو کہتے ہیں اور لقطہ ہر گری پڑی چیز کے اٹھانے کو کہتے ہیں، بنی آدم کی شرافت کی وجہ سے لقیط کو مقدم کیا ہے اور لقطہ کو بعد میں بیان کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ

۲/۹۲۳)

لغوی تحقیق: لُقْطۃ یہ التقاط سے ماخوذ ہے ایسی چیز جو اٹھائی جائے، لام کے ضمہ کے ساتھ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ اسم فاعل ہے اٹھانے والا، لام کے ضمہ اور قاف کے سکون کے ساتھ اسم مفعول ہے وہ چیز جو اٹھائی گئی ہو یہ فرق خلیل بن احمد نے بیان کیا ہے، لیکن اہل لغت و محدثین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ لام کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ بھی مال ملقوط (جو مال اٹھایا گیا ہو) کہا جاتا ہے۔

لقطہ کا ثبوت: حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک تھیلی پائی اس میں سو دینار تھے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپؐ نے فرمایا کہ ایک سال اس کی تشہیر کرو میں نے تشہیر کی اس کا مالک نہیں ملا میں پھر آیا آپ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو میں نے اس کی تشہیر کی میں نے نہیں پایا پھر میں تیسری مرتبہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا برتن یاد رکھو اس کا عدد یاد رکھو اور اس کا بندھن یاد رکھو اگر اس کا مالک آجائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس سے فائدہ اٹھالو میں نے فائدہ اٹھالیا الی آخرہ (بخاری ۱/ ۳۲۷ باب اذا اخبرهٗ رب اللقطه)۔

اس طویل حدیث سے لقطہ کا ثبوت اور حکم معلوم ہوتا ہے۔

(۱/۱۵۷۴) اَللُّقْطَةُ اَمَانَةٌ فِیْ یَدِ الْمُلْتَقِطِ اِذَا اَشْهَدَ الْمُلْتَقِطُ اَنَّهٗ یَأْخُذُهَا لِیَحْفَظَهَا وَیَرُدَّهَا عَلٰی صَاحِبِهَا.

ترجمہ: لقطہ امانت ہے اٹھانے والے کے پاس جب کہ گواہ کرلے اٹھانے والا اس پر کہ وہ اس کو اٹھا رہا ہے تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس کو اس کے مالک کے پاس پہنچائے۔

لقطہ کے احکام

تشریح: گرا پڑا مال جس نے بھی اٹھایا وہ اس کے پاس امانت ہے اگر اس کی زیادتی کے بغیر ہلاک ہوجائے تو تاوان نہ ہوگا، مگر یہ شرط ہے کہ جس نے اٹھایا ہے وہ اس بات پر گواہ قائم کرے کہ اس کی حفاظت کے لئے اور مالک کے پاس پہنچانے کے لئے اٹھا رہا ہوں، کیوں کہ اس طریقہ سے اٹھانا شرعاً جائز ہے بلکہ افضل ہے اور اگر ضائع ہونے کا خوف ہو تو اس کا اٹھالینا واجب ہے۔

(۲/۱۵۷۵) فَاِنْ کَانَتْ اَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَرَّفَهَا اَیَّاماً وَاِنْ کَانَتْ عَشَرَةً فَصَاعِداً عَرَّفَهَا حَوْلاً کَامِلاً.

ترجمہ: اگر ہو وہ چیز دس درہم سے کم کی تو تشہیر کرے اس کی چند دن اور اگر دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو تو اس کی تشہیر کرے پورے سال بھر۔

تشریح: لقطہ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب لقطہ ملے تو اس کی تعریف کرو اور اس کا اعلان کرو کہ یہ چیز پڑی ہوئی ملی ہے جس کی ہو وہ آکر لے جائے، اب یہ اعلان اور تعریف کتنی مدت تک کرنی ہے اس بارے میں اختلاف ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو بھی چیز ملے خواہ وہ قیمتی ہو یا گھٹیا ہو چھوٹی ہو بڑی ہو عمدہ ہو یا خسیس ہو ہر حالت میں ایک سال تک اس کی تعریف اور اعلان کرنا واجب ہے، لیکن احناف کا مفتیٰ بہ قول یہ ہے جس کو شمس الائمہ سرخسی نے بھی پسند کیا ہے اور صاحب ہدایہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرعاً تعریف اور اعلان کرنے کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ ہر چیز کے بارے میں تعریف کی مدت مختلف ہوگی یعنی ہر چیز کی اس وقت تک تعریف کرنا واجب ہے جب تک غالب گمان یہ ہو کہ اس کا مالک اس کو تلاش کر رہا ہوگا اور جب غالب گمان یہ ہو جائے کہ اس کے مالک نے تلاش چھوڑ دی ہوگی تو اس وقت اس کی تعریف بھی بند کر دی جائے، گی حتی کہ فقہاء حنفیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی قیمتی چیز ملی ہے تو اس کی تعریف صرف ایک سال تک کافی نہیں ہوگی بلکہ دو تین سال تک اس کی تشہیر کرنی ہوگی جیسا کہ لقطہ کے ثبوت میں پیش کردہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین سال تک تشہیر کرائی، اور اگر کوئی معمولی چیز ہے جس کے بارے میں خیال یہ ہے کہ اس کا مالک اس کو ایک دن سے زیادہ تلاش نہیں کرے گا تو صرف ایک دن کے لئے تعریف کرنا بھی کافی ہے حتی کہ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو چاندی کا ایک دانق (جو تقریباً ایک رتی کے برابر ہوتا ہے) مل جائے تو فرمایا کہ دائیں بائیں دیکھ کر اسی وقت اعلان کر دے اور بس یہ کافی ہے اس کے بعد مزید تشہیر کرنے کی ضرورت نہیں، بہرحال اصل دار و مدار اس پر ہے کہ مالک اس کو تلاش کر رہا ہوگا یا تلاش چھوڑ دی ہوگی اگر یہ خیال ہے کہ تلاش کر رہا ہوگا تو اس وقت تک تشہیر کرنی واجب ہے لیکن مدت کچھ مقرر نہیں ہے۔

دلیل: حضرت ابی ابن کعبؓ کو تین سال تک تعریف کرنے کا حکم دیا، حضرت زید بن خالد کی روایت میں ہے کہ ایک سال تک تعریف کا حکم دیا بعض روایات میں دس دن کا ذکر ہے، بعض جگہ ایک ماہ کا بعض جگہ تین ماہ کا ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے تشہیر کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

کون سی چیز اٹھانی چاہیے؟

جس مال کے ضائع ہو جانے یا چوری ہو جانے کا اندیشہ ہو اس مال کو اٹھا لینا چاہئے اور پھر اس کا اعلان کرنا چاہئے اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ خیال یہ ہو کہ مالک تلاش کرتا ہوا آئے گا تو وہ اس کو اٹھالے گا تو اس صورت میں اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

اگر معمولی چیز پڑی ہوئی ملی تو؟

اگر لقطہ معمولی چیز ہے تو پھر تشہیر کی بھی ضرورت نہیں ہے مثلاً ایک کھجور مل گئی تو اب اس کی تعریف اور اعلان کرنے

کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو اٹھا کر کھالینا جائز ہے۔

(۳/۱۵۷۶) فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهَا.

ترجمہ: اگر اس کا مالک آجائے تو بہتر ہے ورنہ اس کو خیرات کردے۔

تشریح: اگر لقطہ کا مالک تشہیر کے بعد مل جائے تو بہتر ہے، اور اس کے گواہ قائم کرنے کے بعد لقطہ اس کے حوالہ کردے لیکن اگر نہیں آتا ہے تو اس کو صدقہ کردے تا کہ مالک کو اصل نہ پہنچکر اس کا عوض یعنی ثواب پہنچ جائے بشرطیکہ مالک کی جانب سے اجازت معتبر رہے، اور اگر چاہے تو لقطہ کو اس امید پر روک لے کہ ممکن ہے مالک آجائے تو اس کو دے دوں گا۔

(۴/۱۵۷۷) فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَهُوَقَدْ تَصَدَّقَ بِهَا فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ اَمْضَى الصَّدَقَةَ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْمُلْتَقِطَ.

ترجمہ: پھر اگر اس کا مالک آئے حالانکہ وہ خیرات کر چکا ہے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے صدقہ کو بدستور رکھے اور اگر چاہے تو اٹھانے والے سے تاوان لے لے۔

تشریح: لقطہ کو اٹھانے والے نے خیرات کردیا پھر اس کا مالک آگیا تو اب مالک کو دو اختیار ہیں چاہے تو اس صدقہ وخیرات کو بدستور رکھے اور خود بھی ثواب پائے اور چاہے تو اٹھانے والے سے مال کا تاوان لے لے کیوں کہ اٹھانے والے نے بغیر مالک کی اجازت کے صدقہ کیا ہے اس لیے مالک کو ضمان وصول کرنے کا حق ہے البتہ صدقہ کرنے کا ثواب اس کو مل جائے گا۔

(۵/۱۵۷۸) وَيَجُوْزُ الْإِلْتِقَاطُ فِي الشَّاةِ وَالْبَقَرِ وَالْبَعِيْرِ.

ترجمہ: اور جائز ہے بکری گائے اور اونٹ کو پکڑ لینا۔

کیا اونٹ کا پکڑنا درست ہے؟

تشریح: اگر کسی کو گمشدہ بکری گائے اور اونٹ میں سے کوئی مل جائے تو اس کے لئے ان کا پکڑنا جائز ہے یہ جواز اس وقت ہے جب کہ ان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً جنگل میں شیر یا چور آتا ہے لیکن اگر کوئی ڈر نہ ہو تو بکری کے علاوہ کسی اور جانور کو پکڑنا جائز نہیں ہے، بکری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ اَوْلِاَخِيْكَ اَوْ لِلذِّئْبِ.

اس کو پکڑ لو وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیے کی ہے، اس حدیث میں بکری پکڑنے کی ترغیب ہے

کیوں کہ ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

اونٹ کے متعلق ارشاد ہے مَالَكَ وَلَهَا؟ مَعَهَا حِذَاؤُهَا وَسِقَاؤُهَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ. یعنی جب آپؐ سے گمشدہ اونٹ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب؟ اونٹ کے ساتھ اس کا جوتا ہے پینے کا پانی ہے خود پانی پینے آتا ہے اور درختوں کے پتے کھاتا ہے، اس حدیث میں اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔ (الجوہرة النیرة ۲/۴۷)

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اونٹ اور گائے نہ پکڑے (ہر وہ جانور جو چرانے والے کے بغیر ضائع نہیں ہوتا ہے، جیسے گھوڑا، بیل اور گدھا، یہ سب اونٹ کے حکم میں داخل ہیں) انکے متعلق ارشاد نبوی گذر چکا ہے جس میں اونٹ پکڑنے سے منع فرمایا ہے۔

حنفیہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانہ میں لوگ اچھے تھے اس لیے اونٹ کو لقطہ بنانے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا کیوں کہ وہ ضائع نہیں ہوگا اور اس کا مالک خود اس کو لے جائے گا، لیکن بعد میں لوگ اچھے نہیں رہے اس لیے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں یہ فتویٰ دیا گیا کہ اونٹ کو پکڑ کر رکھنے میں اس کی حفاظت ہے اس لیے اس کو پکڑ لیا جائے۔
(مصنف عبدالرزاق ۱۰/۱۳۲)

(۱۵۷۹/۶) فَإِنْ أَنْفَقَ الْمُلْتَقِطُ عَلَيْهَا بِغَيْرِ إِذْنِ الْحَاكِمِ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ وَإِنْ أَنْفَقَ بِإِذْنِهِ كَانَ ذَالِكَ دَيْناً عَلَى صَاحِبِهَا.

ترجمہ: اگر خرچ کیا اٹھانے والے نے لقطہ پر حاکم کی اجازت کے بغیر تو وہ احسان کرنے والا ہوگا اور اگر خرچ کیا اس کی اجازت سے تو یہ اس کے مالک پر قرض ہوگا۔

تشریح: لقطہ اٹھانے والے نے حاکم کی اجازت کے بغیر لقطہ پر خرچ کیا تو یہ اس پر احسان ہوگا یعنی قانوناً ملتقط کو مالک سے خرچ وصول کرنے کا حق نہ ہوگا ہاں اگر مالک خود دے دے تو بات الگ ہے، اور اگر حاکم کے فیصلہ سے خرچ کیا تو اس صورت میں یہ خرچ مالک کے ذمہ قرض ہوتا چلا جائے گا جب مالک آئے گا اس سے یہ قرض وصول کیا جائے گا، کیوں کہ حاکم کی ولایت غائب شخص کے حق میں کامل ہوتی ہے اس لیے حاکم کے فیصلہ کے بعد لقطہ کا خرچ مالک پر قرض ہوگا۔

(۱۵۸۰/۷) وَإِذَا رُفِعَ ذَالِكَ إِلَى الْحَاكِمِ نَظَرَ فِيهِ فَإِنْ كَانَ لِلْبَهِيمَةِ مَنْفَعَةٌ آجَرَهَا وَأَنْفَقَ عَلَيْهَا مِنْ أُجْرَتِهَا.

حل لغات: البهيمةُ: جمع بهائم جانور چوپایہ، ہر وہ چیز جس میں قوت گویائی نہ ہو، آجرها: اجرت پر دے۔

ترجمہ: اور جب لایا جائے یہ جانور حاکم کے سامنے تو حاکم اس میں غور کرے اگر جانور کے لئے کچھ فائدہ ہے تو اسے کرایہ پر دے دے اور خرچ کرے اس پر اس کے کرایہ میں سے۔

تشریح: اگر لقطہ کا معاملہ قاضی یا حاکم کی عدالت میں پیش ہوا تو قاضی غور کرے کہ جانور پر خرچ کردہ رقم مالک کے لئے فائدہ مند ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نفع بخش ہو سکتی ہے تو قاضی اس جانور کو کرایہ پر دے دے اور جو کرایہ وصول ہوا اسے اس جانور پر خرچ کرے مثلاً بیل لقطہ ہے ہر روز دس روپے کا چارہ کھاتا ہے اور اسے ہل میں چلا کر بیس روپے کمائے جا سکتے ہیں تو حاکم اسے کرایہ پر چلائے، یا ایک بھینس ہے ہر روز پچاس روپے کا چارہ کھاتی ہے اور ستر روپے کا دودھ دیتی ہے جس میں ہر دن بیس روپے کی بچت مالک کے لئے بھی ہے تو حاکم اس بھینس پر ہر دن پچاس روپے خرچ کرتا رہے گا اور بیس روپے مالک کے واسطے جمع کرتا رہے گا۔

(۱۵۸۱/۸) وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا مَنْفَعَةٌ وَخَافَ اَنْ يَّسْتَغْرِقَ النَّفَقَةُ قِيْمَتَهَا بَاعَهَا الْحَاكِمُ وَاَمَرَهُ بِحِفْظِ ثَمَنِهَا.

ترجمہ: اور اگر نہیں ہے چوپایہ کے لئے کوئی فائدہ اور خوف ہو کہ لے ڈوبے گا خرچ اس کی قیمت کو بھی تو حاکم اس کو بیچ دے اور حکم دے اس کی قیمت کی حفاظت کا۔

تشریح: لقطہ کی کوئی آمدنی نہیں ہے اور خرچ اتنا زیادہ ہے کہ کچھ دنوں کے بعد اس کی قیمت سے آگے بڑھ جائے گا اور مالک کے لئے جانور لینے کے بجائے چارہ وغیرہ کا خرچ زیادہ دینا پڑ جائے گا تو ایسی صورت میں حاکم لقطہ کو فروخت کرا کر اس کی قیمت کسی امین کے پاس محفوظ کرا دے تاکہ جب مالک آئے تو جانور کی قیمت اس کے حوالہ کر دی جائے، کیوں کہ اس صورت میں بظاہر جانور کو زندہ رکھنا بڑا مشکل ہے اس لیے معنیٰ ہی صحیح کہ اس کی قیمت کو محفوظ رکھ لیا جائے۔

(۱۵۸۲/۹) وَاِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ الْاِنْفَاقَ عَلَيْهَا اَذِنَ فِيْ ذَالِكَ وَجَعَلَ النَّفَقَةَ دَيْناً عَلٰى مَالِكِهَا.

ترجمہ: اور اگر اس پر خرچ کرنا ہی زیادہ مناسب ہو تو اس کی اجازت دے دے اور خرچ کو اس کے مالک کے ذمہ قرض کر دے۔

تشریح: حاکم اگر یہ مناسب سمجھے کہ اس لقطہ پر خرچ کرنا ہی فائدہ مند ہے تو خرچ کرنے کی اجازت دے دے، اور جتنا خرچ کیا وہ سب لقطہ کے مالک پر قرض ہوتا رہے گا اور حاکم جس قدر مناسب سمجھے اسی حساب سے دو یا تین دن ملتقط کو جانور پر خرچ کرنے کا حکم دے اس امید پر کہ شاید مالک آ جائے ورنہ اس کے بیچنے کا حکم دے، مگر شرط یہ ہے کہ قاضی چارہ کا حکم دینے سے پہلے ملتقط سے اس پر گواہ قائم کرائے کیوں کہ اگر جانور التقاط کا نہیں ہے بلکہ غصب کا ہے تو قاضی خرچ کا حکم نہیں کرے گا۔

(۱۰/۱۵۸۳) فَإذَا حَضَرَ مَالِكُهَا فَلِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَّمْنَعَهُ مِنهَا حَتّٰى يَأخُذَ النَّفَقَةَ.

ترجمہ: پھر جب اس کا مالک آجائے تو ملتقط کے لئے جائز ہے کہ روک دے اس کو لقطہ سے یہاں تک کہ خرچ وصول کر لے۔

تشریح: لقطہ کا مالک آگیا اور اس نے مطالبہ کیا اور صورتِ حال یہ ہے کہ ملتقط نے قاضی کے حکم سے لقطہ پر خرچ کر رکھا ہے تو اب مالک کے آنے کے بعد ملتقط کو حق ہے کہ جب تک وہ اپنا خرچ نہ لے لے اس وقت تک لقطہ کو سپرد نہ کرے بلکہ اپنے پاس روکے رکھے، کیوں کہ اسی خرچ سے لقطہ زندہ رہا ہے، لیکن اگر اس دوران لقطہ ہلاک ہو جائے تو اصحاب مذہب کے نزدیک ملتقط نے لقطہ پر جو خرچ کیا ہے وہ مالک سے وصول کرے گا اور امام زفر کے نزدیک لقطہ مال مرہون کے درجہ میں ہے لہٰذا ہلاکت کی صورت میں اسے خرچ لینے کا حق نہ ہوگا، صاحب ہدایہ نے امام زفر کے قول کو اختیار کیا ہے اور یہی حکم متون میں مذہب کی حیثیت سے مذکور ہے (شامی ۳/۴۴۵)

(۱۱/۱۵۸۴) وَلُقَطَةُ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ سَوَاءٌ.

ترجمہ: حل اور حرام کا لقطہ برابر ہے۔

حل اور حرم کا لقطہ برابر ہے

تشریح: اگر کسی نے حرم کے اندر سے یا اس کے باہر حل سے کوئی چیز اٹھائی تو دونوں کا حکم تشہیر کے سلسلہ میں برابر رہے گا یعنی اٹھانے والا اس مدت تک اعلان کرے گا جس سے اٹھانے والے کو یہ غالب گمان ہو جائے کہ اب مالک اس کو تلاش نہیں کر رہا ہوگا ایسا نہیں ہے کہ حرم کے لقطہ کی ہمیشہ تشہیر ہی کرتا رہے۔

شوافع کا مذہب یہ ہے کہ جب تک مالک نہ آجائے اس وقت تک حرم شریف کے لقطہ کی تشہیر کرنی پڑے گی کسی بھی حالت میں اس سے انتفاع جائز نہیں ہے۔

دلیل: وہ تمام احادیث ہیں جن میں حرم کے لقطہ کی ہمیشہ تشہیر کرنے کی تاکید کی گئی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُلْتَقَطُ لُقْطَتُهَا اِلَّا لِمُعَرِّفٍ (بخاری ۱/۳۲۸) مکہ کا لقطہ نہ اٹھائے مگر تشہیر کرنے والے۔

جواب: جن احادیث میں حرم کے لقطہ کی تشہیر کا ذکر ہے وہ مذہب احناف کے مخالف نہیں ہے کیوں کہ کسی بھی لقطہ کو اٹھانے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی وقت ہے جب کہ مقصد تعریف واعلان ہو اگر اپنے استعمال میں لانے کے لئے اٹھا رہا ہے پھر تو جائز ہی نہیں ہے اب وہ لقطہ حل کا ہو یا حرم کا ہو بہر حال تشہیر کی ضرورت ہے کیوں کہ احادیث میں حل وحرم کی تخصیص کے بغیر مطلق لقطہ کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے، کہ اس کی تشہیر کرو اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لقطہ

الحرم کی تخصیص کی ہے ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اس لقطہ کا مالک عام طور پر نہیں ملتا ہے اس بنا پر کوئی خیال کر سکتا ہے کہ شاید حرم کے لقطہ کی تشہیر کی ضرورت نہیں اس وہم کو دور کرنے کے لئے خاص کر ذکر کر دیا گیا۔

(۱۲/۱۵۸۵) وَاِذَا حَضَرَ الرَّجُلُ فَادَّعٰى اَنَّ اللُّقْطَةَ لَهٗ لَمْ تُدفَعْ اِلَيْهِ حَتّٰى يُقِيْمَ الْبَيِّنَةَ.

ترجمہ: اور اگر آیا ایک آدمی اور دعویٰ کیا کہ لقطہ اس کا ہے تو اس کو نہیں دیا جائے گا یہاں تک کہ گواہ پیش کردے۔

تشریح: اگر کوئی شخص آکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ لقطہ میرا ہے تو اس پر دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک کہ وہ اس پر گواہ پیش نہ کردے، کیوں کہ وہ خود مدعی ہے اور مدعی کے بیان کی تصدیق بلا گواہ کے نہیں کی جاتی ہے لیکن اگر بغیر گواہ کے قائم کئے ملتقط نے دیدیا تو بھی جائز ہے۔

(۱۳/۱۵۸۶) فَاِنْ اَعْطٰى عَلَامَتَهَا حَلَّ لِلْمُلْتَقِطِ اَنْ يَّدْفَعَهَا اِلَيْهِ وَلَا يُجْبَرُ عَلٰى ذَالِكَ فِى الْقَضَاءِ.

ترجمہ: پھر اگر وہ اس کی علامت بتادے تو حلال ہے اٹھانے والے کے لئے کہ لقطہ اس کو دے دے اور نہیں مجبور کیا جائے گا اس (دینے) پر قضاءً۔

لقطہ کب مالک کے حوالے کیا جائے

تشریح: اگر مدعی کی ایک گھڑی گم ہوگئی تھی وہ ملتقط کے پاس آکر اس کا ڈیزائن اس کا ڈائل اس کی چین اس کا رنگ اور یہ کہ وہ کس کمپنی کی ہے سب علامات بیان کردے تو ملتقط کے لئے دینا جائز ہے کیوں کہ علامات بیان کرنا حقیقت میں اس بات سے کنایہ ہے کہ تم کو اس بات کا اطمینان ہوجائے کہ یہ چیز واقعتاً اسی کی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص آکر علامات تو بیان کردیتا ہے لیکن آپ کو اس بات کا اطمینان نہیں ہوتا کہ وہ چیز اس کی ہے بلکہ یہ خیال ہو رہا ہے کہ یہ علامات اس نے کہیں اور سے حاصل کرلی ہوں تو اس صورت میں وہ چیز اس کے حوالہ کردینا واجب نہیں قضاء کے طور پر تو اسی وقت مجبور کیا جائیگا جب کہ اس بات پر گواہ قائم کردے کہ وہ چیز اس کی ملکیت ہے امام مالک وشافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص آکر اس چیز کی علامات بیان کردے تو وہ چیز اس کو دے دینا اور اس کے حوالہ کردینا واجب ہے۔

دلیل: حضرت زید بن خالدؓ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی کے لقطہ کا سوال کرنے پر حضورؐ نے فرمایا ایک سال اس کی تشہیر کرو پھر اس کا بندھن اور اس کا برتن یاد رکھو (بخاری شریف ۱/۳۲۹)

اس روایت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لقطہ کا بندھن اور برتن کی پہچان کا حکم دیا ہے اس سے یہی مقصود ہے کہ جو آدمی دعویٰ کر کے اس کو پہچان سکے گا اس کو دے دیا جائے گا گواہ وغیرہ پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جواب: لقطہ اٹھانے والے کو جو بندھن اور برتن کی معرفت کا حکم دیا گیا ہے وہ مدعی کی جانب لوٹانے کے لئے نہیں بلکہ اس لیے حکم دیا گیا ہے کہ لقطہ ملتقط کے مال سے نہ مل جائے اور ایسا نہ ہو جائے کہ مالک کے آنے کے بعد امتیاز ناممکن ہو جائے اس لیے ملتقط کو حکم دیا گیا کہ اس کی امتیازی علامات محفوظ رکھو (تنظیم الاشتات ۲/۱۵۶)

(۱۵۸۷/۱۴) وَلَا يَتَصَدَّقُ بِاللُّقْطَةِ عَلٰى غَنِيٍّ.

ترجمہ: اور خیرات نہ کرے لقطہ مالدار پر۔

تشریح: اگر لقطہ پانے والے کو مالک نہ مل سکے تو اس لقطہ کو کسی مالدار پر صدقہ نہ کرے کیوں کہ صدقہ غرباء اور فقراء پر ہوتا ہے مالدار اس کا محل نہیں ہے۔

(۱۵۸۸/۱۵) وَاِنْ كَانَ الْمُلْتَقِطُ غَنِيًّا لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا وَاِنْ كَانَ فَقِيْراً فَلَابَاسَ بِاَنْ يَّنْتَفِعَ بِهَا.

ترجمہ: اور اگر ملتقط مالدار ہو تو جائز نہیں ہے اس کو لقطہ سے فائدہ اٹھانا اور اگر فقیر ہو تو فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر چیز کو اٹھانے والا مالدار ہے تو خود اس کو استعمال کرنا جائز نہیں البتہ اس کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو اس چیز کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس امانت رکھ لے کہ جب بھی اس کا مالک آئے گا اس کو دے دوں گا، اور چاہے تو صدقہ کر دے، اور اگر اس چیز کو اٹھانے والا شخص فقیر ہے اور مستحق زکوۃ ہے تو اس کے لئے خود استعمال کرنا جائز ہے۔

یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ لقطہ اٹھانے والا خواہ مالدار ہو یا فقیر ہو ہر صورت میں مدت تعریف کے بعد وہ لقطہ اس کے لئے حلال ہو جاتا ہے، اور اس کے لئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے البتہ لقطہ کو استعمال کر لینے کے بعد اگر مالک آجائے تو اس کو وہ چیز واپس لوٹانی ضروری ہوگی، اور اگر وہ چیز خرچ ہو چکی ہے تو اس کا ضمان مالک کو ادا کرنا ہوگا۔

(۱۵۸۹/۱۶) وَيَجُوْزُ اَنْ يَّتَصَدَّقَ بِهَا اِذَا كَانَ غَنِيًّا عَلٰى اَبِيْهِ وَابْنِهِ وَاُمِّهٖ وَزَوْجَتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ.

ترجمہ: اور جائز ہے کہ صدقہ کرے لقطہ کو جب کہ خود مالدار ہو اپنے باپ، بیٹے، ماں اور بیوی پر اگر یہ لوگ فقیر ہوں۔

تشریح: لقطہ پانے والا خود مالدار ہے لیکن اس کے والدین بیٹا بیوی غریب ہیں تو یہ ان لوگوں پر لقطہ کا مال صدقہ کر سکتا ہے کیوں کہ جب خود فقیر ہو تو کھا سکتا ہے تو ان لوگوں پر کیوں خرچ نہیں کر سکتا جب کہ یہ لوگ فقیر ہوں۔

☆☆☆

کِتَابُ الْخُنْثٰی

(یہ کتاب خنثیٰ کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح لقطہ اور لقیط کی گمشدگی ظاہر ہے اسی طرح خنثیٰ کے حالات ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے گویا کہ یہ بھی گمشدگی میں ہے۔

لغوی معنی: فُعلیٰ کے وزن پر خنث سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں نرم اور ٹوٹا ہوا۔

وجہ تسمیہ: خنثیٰ کا حال مردوں کے مقابل ناقص اور ٹوٹا ہوا ہے خنثیٰ کی جمع خناثی آتی ہے۔

اصطلاحی تعریف: جس آدمی کے مرد ہونے یا عورت ہونے کا پتہ نہ چلے اس کو خنثیٰ کہتے ہیں، اس کو مرد قرار دیں یا عورت قرار دیں اس باب میں اس کے مسائل بیان کئے جائیں گے۔

(۱/۱۵۹۰) اِذَا کَانَ لِلْمَوْلُوْدِ فَرْجٌ وَذَکَرٌ فَهُوَ خُنْثٰی.

ترجمہ: جب بچہ کے فرج اور ذکر دونوں ہوں تو وہ ہجڑا ہے۔

تشریح: جس پیدا ہونے والے بچہ کے عورت جیسی شرمگاہ بھی ہے اور مرد جیسا ذکر ہے، یا صاحب اللباب کے بقول دونوں ہی چیزیں نہیں ہیں بلکہ صرف ایک سوراخ ہے جو نہ فرج کی طرح ہے نہ ذکر کی طرح تو وہ بچہ خنثیٰ کہلائے گا۔

(۲/۱۵۹۱) فَاِنْ کَانَ یَبُوْلُ مِنَ الذَّکَرِ فَهُوَ غُلَامٌ وَاِنْ کَانَ یَبُوْلُ مِنَ الْفَرْجِ فَهُوَ اُنْثٰی.

ترجمہ: اب اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو لڑکا ہے اور اگر فرج سے پیشاب کرے تو وہ لڑکی ہے۔

تشریح: یہ اس باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے کہ پیدا ہونے والے بچہ کیعلامت تو دونوں قسم کی ہیں پس جس عضو سے پیشاب کرے وہی شمار کیا جائے گا، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے بچہ کے بارے میں معلوم کیا گیا جس کو فرج بھی ہو اور ذکر بھی ہو کہ کیسے وارث ہوگا آپؐ نے فرمایا جس سوراخ سے پیشاب کرتا ہو اس اعتبار سے وارث ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق ۳۰۸)

(۳/۱۵۹۲) وَاِنْ کَانَ یَبُوْلُ مِنْهُمَا وَالْبَوْلُ یَسْبِقُ مِنْ اَحَدِهِمَا نُسِبَ اِلَی الْاَسْبَقِ مِنْهُمَا.

حل لغات: یبول: مضارع بولاً پیشاب کرنا۔

ترجمہ: اور اگر دونوں سے پیشاب کرے اور پیشاب ان میں سے ایک سے پہلے نکلے تو ان دونوں میں سے پہلے والے کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

تشریح: دونوں سوراخوں سے پیشاب آتا ہو تو جس سوراخ سے پیشاب پہلے آئے گا وہی شمار ہوگا اگر پہلے ذکر سے آتا ہو تو لڑکا شمار کیا جائے گا اور فرج سے پہلے آتا ہو تو لڑکی شمار کی جائے گی، کیوں کہ یہ اس کے اصلی عضو ہونے کی دلیل ہے۔

(۴/۱۵۹۳) وَاِنْ كَانَا فِي السَّبَقِ سَوَاءٌ فَلا يُعْتَبَرُ بِالْكَثْرَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُنْسَبُ اِلٰى اَكْثَرِهِمَا بَوْلاً.

ترجمہ: اور اگر نکلنے میں دونوں برابر ہوں تو کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا منسوب کیا جائے گا اس کی طرف جس سے زیادہ آتا ہو۔

تشریح: اگر دونوں سوراخوں سے پیشاب ایک ساتھ نکلتا ہے لیکن ایک سوراخ سے زیادہ پیشاب نکلتا ہے اور دوسرے سے کم نکلتا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک کم زیادہ نکلنے سے مذکر یا مونث کو ترجیح نہیں دی جائے گی کیوں کہ سوراخ کے کشادہ ہونے کی وجہ سے زیادہ آرہا ہے اور تنگ ہونے کی وجہ سے پیشاب کم آرہا ہے یہ عضو کی قوت اور اس کی اصالت کی دلیل نہیں ہے اس لیے امام صاحبؒ کے نزدیک خنثیٰ مشکل ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ ترجیح کا کوئی راستہ نہیں ہے اس لیے پیشاب کے کم اور زیادہ نکلنے کو مذکر اور مونث بنانے کی علت قرار دی جائے گی یعنی اگر ذکر سے زیادہ پیشاب آئے تو لڑکا ہے، اور اگر فرج سے زیادہ آئے تو لڑکی ہے، کیوں کہ یہ کثرت سے آنا اس عضو کے اصلی ہونے کی دلیل ہے، حضرات ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے ان کے نزدیک ابھی یہ خنثیٰ مشکل نہیں ہے۔ (عینی شرح کنز ۲/۳۵۳)۔

(۵/۱۵۹۴) وَاِذَا بَلَغَ الْخُنْثٰى وَخَرَجَتْ لَهُ لِحْيَةٌ اَوْ وَصَلَ اِلَى النِّسَاءِ فَهُوَ رَجُلٌ.

حل لغات: لحية: ڈاڑھی جمع لُحىً.

ترجمہ: اگر خنثیٰ بالغ ہو جائے اور اس کے ڈاڑھی نکل آئے یا وہ عورت سے صحبت کرلے تو وہ مرد ہے۔

تشریح: ماقبل میں جو صورت ذکر کی گئی ہے وہ بلوغیت سے پہلے کی ہے اب اگر خنثیٰ بالغ ہوگیا اور اس کو ڈاڑھی نکل آئی یا اس نے عورت سے صحبت کرلی تو وہ تمام احکامات میں مردوں کے مانند ہے۔

(۶/۱۵۹۵) وَاِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْىٌ كَثَدْيِ الْمَرْاَةِ اَوْ نَزَلَ لَبَنٌ لَهُ فِيْ ثَدْيَيْهِ اَوْ حَاضَ اَوْ حَبِلَ اَوْ اَمْكَنَ الْوُصُوْلُ اِلَيْهِ مِنْ جِهَةِ الْفَرْجِ فَهُوَ اِمْرَاَةٌ.

حل لغات: ثدی: پستان (مذکر ومونث) جمع ثُدِيٌّ، لبن: دودھ جمع اَلْبَانٌ. حبل: ماضی باب (س) مصدر حَبَلاً حاملہ ہونا۔ وصل الی النساء: صحبت کرنا۔

ترجمہ: اور اگر ابھر آئی اس کی چھاتی عورت کی چھاتیوں کی طرح، یا اتر آئے دودھ اس کی چھاتیوں میں، یا

حیض آجائے یا حمل رہ جائے یا صحبت ممکن ہو، اس سے فرج کی جانب سے تو وہ عورت ہے۔

تشریح: خنثیٰ کی چھاتیاں عورت کی چھاتیوں کی طرح ابھر آئیں یا اس کی چھاتیوں سے دودھ آنے لگے یا حیض آجائے یا حمل ٹھہر جائے یا اس کی شرمگاہ کی جانب سے صحبت کرنا ممکن ہو جائے، تو اس خنثیٰ کو عورت سے شمار کریں گے۔

(۱۵۹۶/۷) فَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ لَهُ إِحْدٰى هٰذِهِ الْعَلَامَاتِ فَهُوَ خُنْثٰى مُشْكِلٌ.

ترجمہ: اگر ظاہر نہ ہو ان علامتوں میں سے کوئی علامت تو وہ خنثیٰ مشکل ہے۔

خنثیٰ کے احکام بالتفصیل

تشریح: مرد یا عورت کی علامتوں میں سے کوئی بھی علامت ظاہر نہ ہو تو اب کسی جانب اس کو ترجیح نہیں دی جاسکتی اس لیے اب وہ خنثیٰ مشکل ہے یعنی اس کا معاملہ مشکل ہے۔

(۱۵۹۷/۸) وَإِذَا وَقَفَ خَلْفَ الْإِمَامِ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ.

ترجمہ: اور جب یہ امام کے پیچھے (نماز کے لئے) اٹھے تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے خنثیٰ مشکل کے حکم کو بیان کیا ہے چوں کہ خنثیٰ مشکل نہ مرد ہے نہ [illegible] اس لیے اب عورت اور مرد کے درمیان ہوگا اور اس پر درمیانی احکام جاری ہوں گے، مسئلہ یہ ہے کہ خنثیٰ مشکل نماز کے لئے امام کے پیچھے مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہو کیوں کہ امور شرعیہ میں خنثیٰ کے متعلق انتہائی احتیاط سے کام لیا گیا ہے اور یہاں احتیاط اسی میں ہے کیوں کہ اندیشہ ہے کہ خنثیٰ مردوں کی صف میں کھڑا ہو اور عورت ثابت ہو تو مردوں کی نماز فاسد ہوگی اسی طرح خنثیٰ، عورت کی صف میں کھڑا ہو اور مرد ثابت ہو تو عورتوں کی نماز فاسد ہوگی اس لیے دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔

(۱۵۹۸/۹) وَتُبْتَاعُ لَهُ أَمَةٌ مِنْ مَالِهِ تَخْتِنُهُ إِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ ابْتَاعَ لَهُ الْإِمَامُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ أَمَةً فَإِذَا خَتَنَتْهُ بَاعَهَا وَرَدَّ ثَمَنَهَا إِلَى بَيْتِ الْمَالِ.

ترجمہ: اور خریدی جائے اس کے لئے باندی اس کے مال سے جو اس کی ختنہ کرے اگر اس کے پاس مال ہو اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو خریدے اس کے لئے امام باندی بیت المال سے جب وہ ختنہ کر چکے تو اس کو بیچ دے اور واپس کردے باندی کی قیمت بیت المال کی طرف۔

تشریح: خنثیٰ کے ختنہ کرانے کی ضرورت ہے تو اس کے ستر کو مرد کے لئے دیکھنا جائز ہے کیوں کہ وہ عورت ہے اور عورت کے لئے دیکھنا جائز ہے، کیوں کہ وہ مرد ہے اس لیے حل یہی ہے کہ اگر اس کے پاس مال موجود ہو تو اس سے ایک باندی خریدی جائے اور یہ باندی اس خنثیٰ کی ختنہ کرے کیوں کہ مملوکہ اپنے آقا کی شرمگاہ دیکھ سکتی ہے اب اگر خنثیٰ مرد ہے تب تو کوئی اشکال نہیں کیوں کہ باندی اس کی مملوکہ ہے اور اگر خنثیٰ عورت ہو تب بھی کوئی حرج نہیں کیوں کہ ایک عورت دوسری عورت کی شرمگاہ ضرورت کے وقت دیکھ سکتی ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ خنثیٰ قابل شہوت ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو مرد و عورت دونوں کے لئے ختنہ جائز ہے اور اگر خنثیٰ کے پاس مال نہیں ہے تو حاکم وقت بیت المال سے اس کے لئے ایک باندی خریدے اور ختنہ کے بعد باندی کو بیچ کر اس کی رقم بیت المال میں جمع کر دے کیوں کہ باندی کا خریدنا ضرورت کے تحت تھا اور ختنہ کے بعد ضرورت ختم ہوگئی۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۴۹)

(۱۵۹۹/۱۰) وَاِنْ مَاتَ اَبُوْهُ وَخَلَفَ ابْنًا وَخُنْثٰى فَالْمَالُ بَيْنَهُمَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثٰى سَهْمٌ وَهُوَ اُنْثٰى عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ فِى الْمِيْرَاثِ اِلَّا اَنْ يَثْبُتَ غَيْرُ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر مر جائے اس کا باپ اور چھوڑے ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ تو مال دونوں کے درمیان امام صاحب کے نزدیک تین سہام پر تقسیم ہوگا لڑکے کے لئے دو حصے اور خنثیٰ کے لئے ایک حصہ اور وہ خنثیٰ مونث ہے امام صاحبؒ کے نزدیک میراث میں مگر یہ کہ اس کے سوا کچھ اور ثابت ہو جائے۔

تشریح: جب یہ خنثیٰ مشکل ہے اب تقسیم میراث کس طرح ہوگی؟ مثلاً والد کا انتقال ہوا والد نے ایک بیٹا اور ایک خنثیٰ مشکل دو وارث چھوڑے، اب مال کی تقسیم امام صاحبؒ کے نزدیک تین حصوں پر ہوگی بیٹے کو دو حصے اور خنثیٰ کو ایک حصہ یعنی جو لڑکی کو ملتا ہے میراث کے باب میں آپؒ نے اس کو مونث (عورت) کا حکم دیا ہے، صاحب قدوریؒ کا قول اِلَّا اَنْ يَّثْبُتَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی علامتِ ظاہرہ نہ ہو جس سے مذکر ہونے یا مونث ہونے پر دلالت کرے اس وقت تک تو یہ میراث کے باب میں مونث کے ہی حکم میں رہے گی لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصہ سے زائد ہے تو پھر اس صورت میں خنثیٰ کو مذکر کا حصہ ملے گا مثلاً ایک عورت کا انتقال ہو گیا اس نے شوہر والدین، اور خنثیٰ چھوڑا تو مال متروکہ ان کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا تین حصہ شوہر کے چار حصے والدین کے اور پانچ حصے خنثیٰ کے اگر خنثیٰ انثیٰ ہوتا تو اس کے لئے چھ حصے ہوتے۔

(۱۶۰۰/۱۱) وَقَالَا لِلْخُنْثٰى نِصْفُ مِيْرَاثِ الذَّكَرِ وَنِصْفُ مِيْرَاثِ الْاُنْثٰى وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِىِّ.

ترجمہ: اور صاحبین نے فرمایا خنثیٰ کے لئے مذکر کی میراث کا آدھا اور مونث کی میراث کا آدھا ہوگا اور یہی قول ہے امام شعبی کا۔

تشریح: صاحبین کے نزدیک خنثیٰ کو میراث میں بھی مذکر اور مونث کے درمیان رکھیں گے اور اس کا حساب اس طرح کیا جائے گا کہ مذکر کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور مونث کو جتنا حصہ ملے گا اس کا آدھا کیا جائے اور دونوں حصوں کو ملا کر خنثیٰ کو دیا جائے جس سے مونث سے زیادہ اور مذکر سے کم ہو جائے گا۔

(۱۶۰۱/۲/۱) وَاخْتَلَفَا فِي قِيَاسِ قَوْلِهِ فَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلٰى سَبْعَةِ اَسْهُمٍ لِلْاِبْنِ اَرْبَعَةٌ وَلِلْخُنْثٰى ثَلٰثَةٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اَلْمَالُ بَيْنَهُمَا عَلٰى اِثْنَاعَشَرَ سَهْماً لِلْاِبْنِ سَبْعَةٌ وَلِلْخُنْثٰى خَمْسَةٌ.

ترجمہ: اور اختلاف کیا صاحبین نے امام شعبی کے قول کے قیاس میں چناں چہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مال ان کے درمیان سات حصوں پر تقسیم ہوگا بیٹے کے لئے چار اور خنثیٰ کے لئے تین اور فرمایا امام محمد نے کہ مال ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا بیٹے کے لئے سات اور خنثیٰ کے لئے پانچ۔

تشریح: امام ابو یوسف نے بیٹے اور خنثیٰ میں سے ہر ایک کے اس حصہ کا اعتبار کیا ہے جو ان کے لئے تنہا ہونے کی حالت میں ہے یعنی اگر وارث تنہا بیٹا ہو تو اس کو پورا مال ملتا ہے اور اگر تنہا خنثیٰ ہو تو اس کے مذکر ہونیکی صورت میں پورا مال ملتا ہے اور مونث ہونے کی صورت میں آدھا مال ملتا ہے چناں چہ خنثیٰ کو کل مال کا آدھا اور آدھے کا آدھا جو ہوگا وہ دیا جائے گا اس لیے پورے مال کے چار حصے بنائیں تو خنثیٰ کو پورے چار حصے کا آدھا دو حصے ملیں گے اور خنثیٰ کو لڑکی کے حصوں کا بھی آدھا ملتا ہے اس لیے دو حصوں کا آدھا ایک حصہ ہوا تو گویا خنثیٰ کو چار حصوں میں سے تین حصے ملیں گے اور لڑکے کو چار حصے ملیں گے اور دونوں کو ملا کر مجموعہ سات حصے سے باپ کا مال تقسیم ہوگا مثلاً باپ کی کل جائداد سو درہم ہو تو ان میں سے خنثیٰ کو ۴۲ درہم اور ۸۵ پیسے ملیں گے، اور اگر خنثیٰ کے ساتھ لڑکا ہو تو لڑکے کو ان میں سے ۵۷ درہم اور ۱۴ پیسے ملیں گے۔

امام شعبیؒ کے قول کی تشریح امام محمدؒ نے اس طرح کی ہے کہ امام محمد نے لڑکے اور خنثیٰ کے اس حصہ کا اعتبار کیا ہے جو ان کو بحالت اجتماع ملتا ہے اس کی صورت اس طرح ہے کہ اگر بیٹے کے ساتھ خنثیٰ مذکر ہو تو کل مال دونوں کو آدھا آدھا ملے گا اور اگر ایک لڑکا ہے اور خنثیٰ کو لڑکی مانیں تو لڑکے کو دو تہائی اور خنثیٰ کو ایک تہائی ملے گا تو خنثیٰ کے مذکر ہونے کی صورت میں تقسیم دو سے ہوگی اور مونث ہونے کی صورت میں تقسیم تین سے ہوگی دو اور تین میں موافقت نہیں ہے اس لیے ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی ضرب دینے سے چھ آئے گا جس میں سے خنثیٰ کے لئے اس کے مونث ہونے کی صورت پر دو حصہ ہوتے ہیں اور مذکر ہونے کی صورت پر تین تو اس کو ان دونوں حصوں کا آدھا ملے گا اب دو کا آدھا ایک بلا کسر صحیح ہے لیکن تین کا آدھا بلا کسر صحیح نہیں اس لیے چھ کو دو میں ضرب دیں گے جس کا مبلغ بارہ ۱۲ ہوتا ہے اب بارہ میں سے خنثیٰ کے لئے مذکر ہونے کی صورت میں چھ حصے ہوتے ہیں، اور مونث ہونے کی صورت میں چار چنانچہ

خنثیٰ کو ان دونوں کا نصف ملے گا یعنی پانچ۔

صورت مسئلہ مندرجہ ذیل نقشہ سے ملاحظہ فرمائیں:

نقشہ

مسئلہ (۱)		مسئلہ (۲)	
لڑکا	خنثیٰ (لڑکا مان لیں)	لڑکا	خنثیٰ (لڑکی مان لیں)
۱	۱	۲	۱
۳	۳	۴	۲
۶	۶	۸	۴
لڑکے کا حصہ		خنثیٰ کا حصہ	
پہلے سے ۶		پہلے سے ۶	
دوسرے سے ۸		دوسرے سے ۴	
۱۴÷۲=۷		۱۰÷۲=۵	

اس نقشہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ لڑکے کے ساتھ پہلے نمبر میں خنثیٰ کو لڑکا مانا اس لیے دونوں کو آدھا آدھا ملا اور اصل مسئلہ دو سے چلایا اور دونوں کو ایک ایک دے دیا، اور مسئلہ نمبر دو میں لڑکے کے ساتھ خنثیٰ کو لڑکی مانا اور لڑکے کو دو تہائی اور لڑکی کو ایک تہائی دیا اور اصل مسئلہ تین سے چلایا اب پہلا مسئلہ دو سے اور دوسرا مسئلہ تین سے چلایا ہے اور دونوں میں موافقت نہیں ہے اس لیے ۲ کو ۳ میں ضرب دیا اور ۶ سے اصل مسئلہ چلایا پہلے اب مسئلہ میں لڑکا اور خنثیٰ کو تین تین مل گئے اور دوسرے میں لڑکے کو ۶ میں سے ۴ اور خنثیٰ کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۶ میں سے ۲ ملے اس صورت میں خنثیٰ کو پہلے مسئلہ میں ۳ ملے اس کا آدھا ڈیڑھ ہوگا اور اب کسر واقع ہوئی ہے لہٰذا صحیح عدد پر لانے کے لئے اصل مسئلہ ۶ کو ۲ سے ضرب دیا اور مسئلہ ۱۲ سے چلایا اس صورت میں پہلے مسئلہ میں لڑکے کو ۱۲ میں سے ۶ ملے اور خنثیٰ کو لڑکا ماننے کی وجہ سے ۶ ملے اور دوسرے مسئلہ میں لڑکے کو ۱۲ میں سے دو تہائی یعنی ۸ ملے اور خنثیٰ کو لڑکی ماننے کی وجہ سے ۴ ملے اب لڑکے کے لئے پہلے مسئلہ میں سے ملے ہوئے ۶ اور دوسرے مسئلہ میں ملے ہوئے ۸ کو جمع کریں تو ۱۴ حصے ہوئے اس کا آدھا کریں گے اور ۱۴ کو ۲ سے تقسیم کریں گے تو ۷ حصے نکلیں گے جو لڑکے کو ملیں گے اور خنثیٰ کو پہلے مسئلہ میں ۶ ؍ اور دوسرے میں ۴ ؍ ملے ہیں اس لیے دونوں کو جمع کر کے ۱۰ ہوں گے کلکیولیٹر کے حساب سے اور ۱۰ کا آدھا کریں گے تو ۵ نکلیں گے جو خنثیٰ کے حصے ہوں گے یعنی اگر باپ کی کل جائداد سو۱۰۰ درہم ہوں تو لڑکے کو ان میں سے ۵۸ درہم اور ۳۳ پیسے ملیں گے اور خنثیٰ کو ۴۱ درہم اور ۶۶ پیسے ملیں گے نقشہ یہ ہے:

(۲)	(۱)
۱۰۰	۱۰۰
لڑکا خنثیٰ (لڑکی مانیں)	لڑکا خنثیٰ (لڑکا مان لیں)
۶۶/۶۶۶-۳۳/۳۳۳	۵۰ ۵۰
خنثیٰ کا حصہ	لڑکے کا حصہ
پہلے مسئلہ میں ۵۰	پہلے مسئلہ میں ۵۰
دوسرے میں ۳۳/۳۳۳	دوسرے میں ۶۶/۶۶۶
مجموعہ ۸۳/۳۳۳	مجموعہ ۱۱۶/۶۶۶
تقسیم کیا=۴۱/۶۶=۲÷۸۳/۳۳	تقسیم ۵۸/۳۳=۲÷۱۱۶/۶۶۶

تنبیہ: امام شعبیؒ کا قول چوں کہ مبہم ہے اس لیے اس قول کی تفسیر میں صاحبین کا اختلاف ہوگیا یہ مطلب نہیں کہ جو تفسیر انہوں نے ذکر کی ہے وہ خود ان کا قول ہے، بلکہ صاحبین کا قول وہی ہے جو امام صاحب کا ماقبل میں آچکا ہے، (رقم الحاشیہ ۷)

كِتَابُ المَفْقُودِ

(یہ کتاب مفقود کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: مفقود اسم مفعول یعنی معدوم (لاپتہ) یہ مشتق ہے فَقَدتِ الشَّيُ ءُ سے جب کسی چیز کو تلاش کیا جائے اور وہ نہ ملے جس طرح نوزائدہ بچہ کا مرد وعورت ہونا نامعلوم ہے اور وہ خنثیٰ مشکل کے حکم میں ہوا، اسی طرح یہ بھی مفقود الحال ہوا اس مناسبت سے کتاب المفقو د کو یہاں بیان کیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی جگہ نکل کر گم ہو جائے کہ لوگوں کو اس کی سمت، اس کی جگہ، اس کی موت، اور اس کی زندگی کا پتہ نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ دشمنوں نے اس کو اپنی حراست میں لے لیا یا اس کو قتل کر دیا۔ (الجوہرۃ ۲/۵۱)

مفقود کی بیوی اور اس کے مال پر کیا احکامات جاری ہوں گے، اس باب میں صاحب کتاب یہی بیان کریں گے۔

(۱۶۰۲/۱) إِذَا غَابَ الرَّجُلُ فَلَمْ يُعْرَفْ لَهُ مَوْضَعٌ وَلَا يُعْلَمُ اَحَيٌّ هُوَ اَمْ مَيِّتٌ نَصَبَ الْقَاضِيْ مَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ وَيَقُوْمُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: جب غائب ہو جائے کوئی شخص اور اس کی جگہ معلوم نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا تو

متعین کردے قاضی ایسے شخص کو جو حفاظت کرے اس کے مال کی اور اس کا انتظام رکھے۔

مفقود الحال کے احکام کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدروریؒ نے مفقود کی تعریف اور مفقود کی گمشدگی کی حالت میں قاضی وقت کی کیا ذمہ داری ہے اس کو بیان کیا ہے چناں چہ فرمایا کہ کوئی آدمی اس طرح غائب ہو گیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے تو اب قاضی کسی آدمی کو متعین کردے تاکہ وہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور اس کی نگرانی کرے۔

(۲/۱۶۰۳) وَيَسْتَوْفِىْ حُقُوْقَهٗ.

ترجمہ: اور اس کے حقوق وصول کرے۔

تشریح: مفقود کا کسی پر قرض ہو یا کوئی حق ہو تو متعین کردہ آدمی وہ قرض وصول کرے گا، اور دوسرے حقوق وصول کرے گا اور ان کو مفقود کے لئے محفوظ رکھے گا۔

(۳/۱۶۰۴) وَيُنْفِقُ عَلٰى زَوْجَتِهٖ وَاَوْلَادِهِ الصِّغَارِ مِنْ مَالِهٖ.

ترجمہ: اور خرچ کرے اس کی بیوی اور اس کے چھوٹے بچوں پر اس کے مال میں سے۔

تشریح: مفقود کے مال میں سے اس کی بیوی اور اس کے چھوٹے بچوں پر خرچ کرے، اور یہ حکم والدین، دادا، پوتے، پڑپوتے وغیرہ کو بھی شامل ہے، اور اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ اس شخص کی موجودگی میں قاضی کے حکم کے بغیر نفقہ کے مستحق تھے ان پر مفقود کی گمشدگی میں بھی اس کے مال سے خرچ کرے (اللباب ۲/۱۲۵)

(۴/۱۶۰۵) وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ امْرَاَتِهٖ فَاِذَا تَمَّ لَهٗ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ سَنَةً مِّنْ يَّوْمِ وُلِدَ حَكَمْنَا بِمَوْتِهٖ وَاعْتَدَّتِ امْرَاَتُهٗ.

ترجمہ: اور تفریق نہ کرائے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پھر جب پورے ہو جائیں ایک سو بیس سال اس کی پیدائش کے دن سے تو ہم حکم لگا دیں گے اس کی موت کا اور اب عدت میں بیٹھے گی اس کی بیوی۔

تشریح: جب تک کوئی حتمی (یقینی) بات نہ ہو جائے مثلاً موت کی خبر نہ آجائے یا طلاق نہ ہو جائے اس وقت تک مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، چوں کہ زیادہ سے زیادہ آدمی ایک سو بیس سال زندہ رہتا ہے اس لیے پیدائش سے لے کر ایک سو بیس سال گذر جائیں تو اب حکم لگا دیا جائے گا کہ وہ مر گیا ہے اور اس وقت اس کی بیوی عدت وفات گذارے گی، یہ امام صاحبؒ سے حسن کی روایت ہے حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ مفقود کی

عمر ۹۰ سال مکمل ہونے تک انتظار کیا جائے اور اتنی مدت تک مفقود کی بیوی دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی ہے، جب کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک حاکم کے پاس مقدمہ دائر کرنے کے بعد چار سال تک انتظار کر لینا کافی ہے اس کے بعد حاکم مسلم یا جماعت مسلمین مفقود اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دے گی اور اس کے بعد مفقود کی بیوی عدت وفات گذار کر اپنی مرضی سے دوسری جگہ نکاح کر کے باعصمت زندگی گذار سکتی ہے مگر حالات کی پیچیدگی اور فتنوں پر نظر رکھتے ہوئے اور ستم رسیدہ عورت کی شدت ضرورت کی وجہ سے مسلک حنفی سے بعد کے علماء نے عدول کر کے اس مسئلہ کو حضرت امام مالکؒ کے مذہب سے لیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (درمختار مع الشامی ۳/ ۴۵۷)

اس کی تفصیل مع شرائط کے الحیلۃ الناجزہ ص: ۶۹ تا ۷۵ اور بوادر النوادر ۲۲۰ میں وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

(۱۶۰۶/ ۵) وَقُسِّمَ مَالُهُ بَيْنَ وَرَثَتِهِ الْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ ذَالِكَ الْوَقْتِ.

ترجمہ: اور تقسیم کیا جائے گا اس کا مال اس کے ورثہ میں جو اس وقت موجود ہوں۔

تشریح: مفقود اپنی ذات کے حق میں زندہ ہے مگر جب قاضی نے اس پر موت کا حکم لگا دیا تو ایسا سمجھا جائے گا کہ ابھی وفات ہوئی ہے اس لیے اس وقت جتنے ورثہ موجود ہوں گے ان میں اس کا مال تقسیم کیا جائے گا۔

(۱۶۰۷/ ۶) وَمَنْ مَاتَ مِنْهُمْ قَبْلَ ذَالِكَ لَمْ يَرِثْ مِنْهُ شَيْئاً.

ترجمہ: اور جو ان میں سے مر گیا اس سے پہلے ہی تو وہ وارث نہ ہوگا اس کا کسی بھی چیز کا۔

تشریح: مفقود پر موت کا حکم لگانے سے پہلے جو ورثہ مر جائیں وہ مفقود کے کسی مال کے وارث نہ ہوں گے کیوں کہ ابھی وہ زندہ ہے اور زندہ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

(۱۶۰۸/ ۷) وَلَا يَرِثُ الْمَفْقُوْدُ مِنْ اَحَدٍ مَاتَ فِيْ حَالِ فَقْدِهٖ.

ترجمہ: اور وارث نہیں ہوتا مفقود ان میں سے کسی کا جو مر گئے ہوں اس کے گم ہونے کی حالت میں۔

تشریح: مثلاً ۲۰۰۶ء کی پہلی تاریخ کو مفقود ہو گیا اور چار سال بعد اس پر موت کا حکم لگا دیا تو ۲۰۰۹ء تک جو لوگ مفقود کے مورثین میں سے مر گئے ان میں سے یہ کسی کا وارث نہ ہوگا کیوں کہ ۲۰۰۶ء کی یکم جنوری سے ہی اس کی زندگی مشتبہ ہے اور وارث بننے کے لئے مورث کی موت کا یقینی ہونا اور وارث کی زندگی کا یقینی ہونا ضروری ہے اس لیے یہ مفقود کسی رشتہ دار کا وارث نہ ہوگا۔

كِتَابُ الاِبَاقِ

(یہ کتاب غلام کے بھاگ جانے کے احکامات کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح مفقود میں زوال اور نقصان ہے اسی طرح اباق میں ایک قسم کا زوال اور نقصان ہے اس اعتبار سے دونوں میں مناسبت ہے۔

لغوی تحقیق: الاباق مصدر ہے باب (ن، س، ض) غلام کا بھاگنا، سرکشی کرنا۔

اصطلاحی تعریف: غلام اور باندی کے اپنے آقا سے ازراہ شرارت بھاگنے کو اباق کہتے ہیں، بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر اس کے مالک تک پہنچانا مستحب ہے صرف ایسے شخص کے لئے جو اس کی حفاظت پر قادر ہو اور اس کو مالک تک پہنچا سکے ورنہ مستحب نہیں ہے صاحب جوہرہ نے لکھا ہے کہ آبق اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا سے بغیر کسی ظلم وزیادتی کے بھاگ جائے لیکن اگر آقا کے ظلم وزیادتی سے بھاگتا ہے تو اس کو ھارب کہیں گے اِباق عیب ہے ہرب عیب نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۵۲/۲)

نوٹ: جو غلام آقا کے قبضہ سے بھاگ جائے تو جو آدمی اس کو پکڑ کر لائے گا اس لانے والے کو انعام ملے گا اس کو جُعل کہتے ہیں۔

(۱/۱۲۰۹) اِذَا اَبِقَ الْمَمْلُوْكُ فَرَدَّهُ رَجُلٌ عَلٰى مَوْلَاهُ مِنْ مَسِيْرَةِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِداً فَلَهُ عَلَيْهِ جُعْلُهُ وَهُوَ اَرْبَعُوْنَ دِرْهَماً وَاِنْ رَدَّهُ لِاَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ فَبِحِسَابِهِ.

ترجمہ: جب بھاگ جائے غلام اور واپس لائے اس کو کوئی آدمی اس کے آقا کے پاس تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے تو اس شخص کے لئے آقا کے ذمہ اس کی مزدوری ہے اور وہ چالیس درہم ہیں اور اگر اس سے کم مسافت سے لائے تو اسی حساب سے ہوگی۔

جو بھگوڑے غلام کو پکڑ کر لائے اسے کتنی مزدوری ملے گی؟

تشریح: اگر کوئی غلام بھاگ گیا اور ایک آدمی اس کو تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت سے پکڑ کر لایا اور مالک کے حوالہ کر دیا تو اس لانے والے کو چالیس درہم اجرت دی جائے گی اور اگر اس سے کم مسافت سے پکڑ کر لایا تو اسی حساب سے اجرت دی جائے گی۔

دلیل: نفس مزدوری پر صحابہؓ کا اتفاق ہے صرف مقدار میں اختلاف ہے حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ بھاگا ہوا غلام حرم میں پائے تو اس کے لئے دس درہم ہیں، ابوعمرو شیبانی کے اثر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے

فرمایا اربعون درهماً من کل رأس یعنی چالیس درہم ہر آدمی کا (مصنف عبدالرزاق ۸/ ۲۰۸) اس لیے ہم نے مسافت سفر میں چالیس اور اس سے کم میں کم واجب کیے یعنی اگر مدت مسافت ایک دن ہے تو اس کی اجرت تیرہ درہم اور ایک درہم کا تہائی، بعض مشائخ کا قول ہے کہ آقا اور لانے والے کی آپس کی رضامندی سے اجرت طے ہوگی اور بعض کا خیال ہے کہ حاکم وقت کی رائے کے مطابق اجرت دی جائے گی فتویٰ اسی پر ہے (رقم الحاشیہ ۲)

(۲/۱۶۱۰) وَاِنْ كَانَتْ قِيْمَتُهٗ اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً قُضِيَ لَهٗ بِقِيْمَتِهٖ اِلَّا دِرْهَماً.

ترجمہ: اور اگر غلام کی قیمت چالیس درہم سے کم ہو تو اس کی قیمت کا فیصلہ ہوگا ایک درہم کم کر کے۔

تشریح: غلام کی قیمت تیس درہم تھی اور واپس لانے والا تین دن کی مسافت سے واپس لایا ہے اس لیے اس کو چالیس درہم ملنے چاہئیں اب اگر مالک پر چالیس درہم لازم کرتے ہیں تو تیس درہم غلام کے بدلہ چالیس درہم دینے پڑ رہے ہیں، جو مالک پر بوجھ ہوگا اس لیے غلام کی جتنی قیمت ہے اس سے ایک درہم کم کر کے فیصلہ کریں گے مثلاً انتیس درہم دلوائیں گے تاکہ واپس لانے والے کو مزدوری بھی مل جائے اور مالک پر بوجھ بھی نہ پڑے یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ چالیس درہم ہی لازم کریں گے۔

(۳/۱۶۱۱) وَاِنْ اَبَقَ مِنَ الَّذِیْ رَدَّهٗ فَلَا شَیْءَ عَلَیْهِ وَلَا جُعْلَ لَهٗ.

ترجمہ: اور اگر بھاگ جائے واپس لانے والے سے بھی تو اس پر کچھ نہیں ہے اور نہ اس کیلئے مزدوری ہے۔

تشریح: جو آدمی غلام کو واپس لا رہا تھا اس کے ہاتھ سے بھی غلام بھاگ گیا تو اس پر غلام کا ضمان نہیں ہے کیوں کہ غلام اس کے پاس امانت تھا، اور امانت میں بلا تعدی تاوان نہیں ہوتا، ہاں اگر وہ اپنے ذاتی کام میں لگائے اور غلام بھاگ جائے تو ضامن ہوگا، امانت کا حکم اس شرط پر ہے کہ اس نے پکڑتے وقت گواہ بنالئے ہوں اگر گواہ نہیں بنایا تو طرفین کے نزدیک غلام بھاگ جانے کی صورت میں ضمان لازم آئے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک کوئی ضمان نہیں ہے، اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ واپس لانے والے کو مزدوری بھی نہیں ملے گی کیوں کہ جب واپس لا کر مالک کے حوالہ ہی نہیں کیا تو مزدوری کیسی؟

(۴/۱۶۱۲) وَیَنْبَغِیْ اَنْ یُّشْهِدَ اِذَا اَخَذَهٗ اَنَّهٗ یَاْخُذُ لِیَرُدَّ عَلٰی صَاحِبِهٖ.

ترجمہ: اور مناسب ہے کہ گواہ بنائے جب اس کو پکڑے کہ پکڑا ہے تاکہ اس کے مالک کو لوٹائے۔

تشریح: مصنفؒ اس عبارت میں یہ بیان کر رہے ہیں، کہ گرفتار کرنے والے کو چاہئے کہ بھگوڑے غلام کو پکڑتے وقت کسی کو اس بات کا گواہ بنالے کہ میرے پکڑنے کا مقصد اس کو مالک تک پہنچانا ہے کیوں کہ گواہ بنانے سے یہ تہمت نہیں رہے گی کہ اس نے اپنے لئے پکڑا ہے کیوں کہ اگر اپنے لئے پکڑا ہو تو پکڑنے والا مزدوری کا مستحق نہیں

طرفین کے نزدیک گواہ بنانا واجب ہے کیوں کہ اگر گواہ نہیں بنایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے پکڑا ہے لہٰذا مزدوری بھی نہ ملے گی (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۵۳)

(۱۶۱۳/ ۷) فَإِنْ كَانَ الْعَبْدُ الْآبِقُ رَهْناً فَالْجُعْلُ عَلَى الْمُرْتَهِن.

ترجمہ: اگر بھاگنے والا غلام رہن تھا تو مزدوری مرتہن پر ہوگی۔

تشریح: اگر بھاگنے والا غلام کسی کے پاس رہن تھا تو واپس لانے والے کی مزدوری مرتہن کے ذمہ ہوگی البتہ شرط یہ ہے کہ اس غلام کی قیمت قرض کے برابر یا اس سے کم ہو اگر قیمت قرض سے زائد ہوگی تو مرتہن کے ذمہ قرض کے بقدر واجب ہوگی اور باقی مزدوری راہن کے ذمہ ہوگی کیوں کہ مرتہن کا حق اسی قدر ہے جس قدر اس کی ضمانت میں ہے۔

مرتہن کے ذمہ مزدوری اس وجہ سے ہوگی کہ مرتہن کا مال راہن کے یہاں پھنسا پڑا ہے جو بھگوڑے غلام کو واپس لایا ہے گویا اس نے مرتہن کے قرض کو بچایا اگر وہ واپس نہ لاتا تو مرتہن کے قرض کے ہلاک ہونے میں کیا کسر رہ گئی تھی اس لیے غلام واپس کرنے کی مزدوری مرتہن پر ہوگی (رقم الحاشیہ ۵)

كِتَابُ اِحْيَاءِ الْمَوَاتِ

(یہ کتاب مردہ زمین کو زندہ کرنے کے احکامات کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح بھگوڑا غلام جب تک اپنی اصلی حالت پر نہ پہنچے اس وقت تک وہ موت کے مانند ہے اسی طرح زمین کا اپنی اصلی حالت (کھیتی کے قابل ہونا) پر نہ ہونا زمین کا مردہ ہونا ہے اس مناسبت کی وجہ سے کتاب الآباق کے بعد کتاب احیاء الموات لا رہے ہیں۔

لغوی تحقیق: اِحیاءٌ مصدر ہے زندہ کرنا، ناقابل انتفاع زمین کو قابل انتفاع بنانا۔

مَوَاتٌ: میم کے فتحہ اور واؤ کی تخفیف کے ساتھ فعال کے وزن پر ہے مشتق ہے موت سے، ایسی زمین جس میں روح نہ ہو یا ایسی زمین جس کا کوئی مالک نہ ہو۔

اصطلاحی تعریف: جو زمین کھیتی کے قابل نہ ہو اسے کھیتی کے قابل بنانے کو احیاء الموات کہتے ہیں اس کا ثبوت حدیث کے اس ٹکڑے میں ہے وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مَنْ اَحْيٰ اَرْضاً مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ (بخاری ۱/۳۱۴) حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے مردہ زمین کو آباد کیا تو وہ اسی کی ہے۔

(۱۶۱۴/۱) اَلْمَوَاتُ مَالَا يُنْتَفَعُ بِهِ مِنَ الْاَرْضِ لِانْقِطَاعِ الْمَاءِ عَنْهُ اَوْ لِغَلَبَةِ الْمَاءِ عَلَيْهِ اَوْ مَا اَشْبَهَ ذَالِكَ مِمَّا يَمْنَعُ الزِّرَاعَةَ.

حل لغات: الزراعة: کاشت کاری۔

ترجمہ: موات وہ زمین ہے جس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے اس سے پانی کے بند ہو جانے یا اس پر پانی کے زیادہ آجانے یا اسی جیسے کسی اور سبب سے جو کاشت کاری کو روکتا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ارض موات کی تعریف بیان کی ہے موات اس زمین کو کہتے ہیں جس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے، یا تو اس وجہ سے کہ وہاں پانی کی رسائی نہیں ہے، یا اس وجہ سے کہ اس پر بار بار سیلاب آتا ہے اور پانی بہت زیادہ ہو جاتا ہے، یا کوئی اور وجہ ہو جس کی وجہ سے کھیتی کرنا دشوار ہو، تو اس زمین کو مردہ زمین اور موات زمین کہتے ہیں۔

(۲/۱۶۱۵) فَمَا كَانَ مِنهَا عَادِيًّا لَامَالِكَ لَهُ اَوْ كَانَ مَمْلُوكاً فِي الْاِسْلَامِ لَايُعْرَفُ لَهُ مَالِكٌ بِعَيْنِهٖ وَهُوَ بَعِيْدٌ مِّنَ الْقَرْيَةِ بِحَيْثُ اِذَا وَقَفَ اِنْسَانٌ فِيْ اَقْصٰى الْعَامِرِ فَصَاحَ لَمْ يُسْمَعِ الصَّوْتُ فِيْهِ فَهُوَ مَوَاتٌ.

حل لغات: عادیا: پرانی چیز جمع عادیّات، قریة: گاؤں بستی جمع قُریٰ، اقصیٰ اسم تفضیل زیادہ دور، انتہاء، العامر: آبادجگہ، صاح: ماضی باب (ض) صَیحاً چلانا آواز لگانا۔

ترجمہ: لہٰذا جو زمین پرانے زمانہ سے (ویران) ہو اس کا کوئی مالک نہ ہو یا زمانہ اسلام میں مملوک تھی لیکن اس کا کوئی خاص مالک معلوم نہ ہو اور وہ زمین آبادی سے اتنی دور ہو کہ اگر کوئی انسان آبادی کے آخری کنارے پر کھڑا ہو کر آواز لگائے تو اس زمین میں آواز سنائی نہ دے تو وہ موات ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے موات زمین کی دوسری اور تیسری تعریف بیان کی ہے چناں چہ فرمایا کہ موات زمین اسے کہیں گے جو قدیم زمانہ سے اسی طرح ناکارہ (بنجر) پڑی ہوئی ہے اور اس کا کوئی مالک معلوم نہ ہو یا زمانہ اسلام میں اس کا کوئی مالک تو بنا تھا لیکن اب دور دور تک مالک کا کچھ پتہ نہیں ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ موات آبادی سے دوری پر ہو جس کی مقدار کا اندازہ اس طرح پر ہوگا کہ اگر ایک شخص درمیانی آواز رکھنے والا آبادی کے آخری حصہ پر کھڑا ہو کر زور سے آواز لگائے تو اس مردہ زمین تک آواز نہ جاتی ہو تو ایسی زمین کو موات کہتے ہیں۔

مصنفؒ نے بعید من القریة: کی قید لگا کر یہ اشارہ دیا ہے کہ ارض موات کے لئے شرط ہے کہ وہ آبادی سے دور ہو یہی شرط امام ابو یوسف کے نزدیک ہے، امام محمد اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ آبادی والوں کا اس زمین سے منتفع نہ ہونا شرط ہے خواہ وہ زمین آبادی سے دور ہو یا قریب، ظاہر الروایۃ میں بھی یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۳/۱۶۱۶) مَنْ اَحْيَاهُ بِاِذْنِ الْاِمَامِ مَلَكَهٗ وَاِنْ اَحْيَاهُ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ لَمْ يَمْلِكْهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَمْلِكُهٗ.

ترجمہ: جس نے آباد کیا اس کو حاکم کی اجازت سے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اگر آباد کرے اس کو بغیر

حاکم کی اجازت کے تو مالک نہیں ہوگا امام صاحبؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ اس کا مالک ہو جائے گا۔

تشریح: اگر کوئی شخص ویران زمین کو حاکم کی اجازت سے کھیتی کے قابل بناتا ہے تو بالاتفاق وہ شخص اس زمین کا مالک ہو جائے گا لیکن اگر حاکم کی اجازت کے بغیر کھیتی کے قابل بنایا تو اب مالک ہوگا یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ کی اجازت سے آباد کرے تو مالک بن جائے گا اور اگر بغیر بادشاہ کی اجازت کے آباد کرلیا تو مالک نہیں بنے گا امام صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ احیاء ملکیت کا سبب ہے لیکن اس میں لوگوں کے جھگڑوں کا اندیشہ ہے مثلاً ایک ہی زمین کے احیاء کے لئے دو آدمی پہنچ گئے اور آپس میں جھگڑا ہوگیا اس لیے یہ ضروری ہے کہ احیاء کو ملکیت کا سبب بنانے کے لئے کچھ قواعد کا پابند کیا جائے اور ان قواعد میں بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ وہ احیاء بادشاہ کی اجازت سے ہو تاکہ جھگڑوں کا دروازہ بند ہو جائے اس دور میں حکومت کے رجسٹریشن کے بغیر لوگ زمین اور جائداد کے مالک نہیں ہوں گے (۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ بغیر امام کی اجازت کے مردہ زمین کو آباد کرلیا تب بھی مالک ہو جائے گا ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے، مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جو زمین آبادی کے قریب ہو یعنی اہل آبادی اس کی جانب محتاج ہوں، مثلاً گاؤں والوں کی چراگاہ ہو یا قبرستان ہو یا اس میں گھوڑ دوڑ کا میدان ہو تو ایسی زمین کے احیاء کے بعد بغیر امام کی اجازت کے مالک نہ ہوگا ورنہ بستی والوں کے نقصان کا خطرہ ہے۔

(۱۶۱۷/۴) وَيَمْلِكُهُ الذِّمِّيُّ بِالْإِحْيَاءِ كَمَا يَمْلِكُهُ الْمُسْلِمُ.

ترجمہ: اور مالک ہو جائے گا ذمی آباد کرنے سے جیسے مسلمان مالک ہو جاتا ہے۔

تشریح: جس طرح ایک مسلمان شخص مردہ زمین کو آباد کرلے تو وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اسی طرح ایک ذمی شخص بھی مردہ زمین کو آباد کرلے تو وہ بھی مالک ہو جائے گا، کیوں کہ آباد کرنا ملکیت کا سبب ہے مگر امام صاحب کے نزدیک حاکم کی اجازت شرط ہے۔

(۱۶۱۸/۵) وَمَنْ حَجَّرَ أَرْضاً وَلَمْ يُعَمِّرْهَا ثَلٰثَ سِنِيْنَ أَخَذَهَا الْإِمَامُ مِنْهُ وَدَفَعَهَا إِلٰى غَيْرِهِ.

حل لغات: حجر: یہ جیم کی تشدید اور بغیر تشدید دونوں طرح منقول ہیں اگر تشدید کے ساتھ ہو تو ترجمہ ہوگا زمین کے چاروں طرف پتھر وغیرہ رکھ کر کوئی علامت لگانا اور اگر بلا تشدید ہے تو ترجمہ ہوگا دوسروں کو اس زمین سے روکنا مگر یہاں بالشدید اولی ہے۔

ترجمہ: کسی نے زمین میں پتھر کا نشان لگایا اور نہیں آباد کیا اس کو تین سال تک تو لے لے گا امام اس زمین کو اس سے اور دوسرے کو دے دے گا۔

تشریح: اگر کسی شخص نے زمین کے چاروں طرف پتھر لگا کر اس کو گھیر لیا لیکن نہ تو اس میں تعمیر کی نہ درخت

لگائے نہ کھیتی کی تو اس صورت میں صرف تحجیر کرنے سے ملکیت تو ثابت نہیں ہوتی لیکن تحجیر کرنے والے کا حق ثابت ہو جاتا ہے، لہٰذا تحجیر کرنے کے بعد احیاء کرنے کا حق اسی شخص کو ہوگا جس نے تحجیر کی ہے اب دوسرا شخص آکر اس کا احیاء نہیں کرسکتا البتہ تحجیر کرنے والے کو احیاء کا یہ حق صرف تین سال تک رہے گا اگر تین سال کے اندر اندر اس نے اس زمین کو آباد کرلیا تو وہ مالک بن جائے گا اور اگر تین سال تک آباد نہیں کیا تو اب اس کا حق ختم ہو جائے گا اور اب دوسرے لوگوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس زمین کو آباد کرلیں۔

(۱۶۱۹/۶) وَلَا يَجُوْزُ اِحْيَاءُ مَاقَرُبَ مِنَ الْعَامِرِ وَيُتْرَكُ مَرْعىً لِاَهْلِ الْقَرْيَةِ وَمَطْرَحاً لِحَصَائِدِهِمْ.

حل لغات: مرعیً: چرنے کی جگہ رعیٌ سے مشتق ہے، مطرحاً: ڈالنے کی جگہ جمع مَطارِحُ، حصائد یہ حصیدة کی جمع ہے کٹی ہوئی کھیتی۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے آباد کرنا اس زمین کا جو آبادی کے قریب ہو بلکہ چھوڑ دی جائے گی گاؤں والوں کے جانوروں کے چرنے اور ان کی کٹی ہوئی کھیتی کے ڈالنے کے لئے۔

تشریح: آبادی سے قریب زمین کو قابل کاشت بنانا درست نہیں ہے بلکہ اس زمین کو آبادی والوں کے لئے مثلاً ان کے جانور چرانے کے لئے اور کٹی ہوئی کھیتی ڈالنے اور سکھانے کے لئے چھوڑ دی جائے گی کیوں کہ وہ گاؤں والوں کے فائدے کے لئے ہے، اور بستی کی ضروریات اس زمین سے متعلق ہیں، لہٰذا ایسی زمین کو آباد کر کے انسان مالک نہیں بن سکتا البتہ ضروریات سے متعلق زمین کو چھوڑ کر اگلے حصے کا آباد کرنا جائز ہے۔

(۱۶۲۰/۷) وَمَنْ حَفَرَ بِئْراً فِيْ بَرِيَّةٍ فَلَهٗ حَرِيْمُهَا.

حل لغات: حفر: ماضی باب (ض) حفراً گڑھا کھودنا، بئر: کنواں بریة جنگل، حریم چاروں طرف کی طرف وسیع جگہ۔

ترجمہ: جو کنواں کھودے جنگل میں تو اس کے لئے اس کا حریم ہے۔

کنویں چشمے وغیرہ کے حریم کا بیان

تشریح: اگر ایک شخص نے کسی جنگل میں حاکم کی اجازت سے (بالاتفاق) یا بلا اجازت حاکم (جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے) کنواں کھودا تو اس شخص کے لئے اس کے کنویں کا حریم ہوگا کنویں کے چاروں طرف جو جگہ چھوڑ دیتے ہیں تا کہ اس میں کوئی دوسرا کنواں نہ کھودے اس کو کنویں کا حریم کہتے ہیں، یہ اس لیے ہوتا ہے تا کہ پہلے کنویں کے قریب کوئی کنواں کھودے تو اس کا پانی دوسرے میں نہ چلا جائے اور پہلا کنواں سوکھ نہ جائے اس لیے اس کے قریب بغیر اجازت کے دوسرا کنواں نہیں کھودنے دیا جائے گا، اگلی عبارت میں حریم کی مقدار کا بیان ہے۔

(۱۶۲۱/۸) فَاِنْ كَانَتْ لِلْعَطَنِ فَحَرِيْمُهَا اَرْبَعُوْنَ ذِرَاعاً وَاِنْ كَانَتْ لِلنَّاضِحِ فَحَرِيْمُهَا سِتُّوْنَ ذِرَاعاً وَاِنْ كَانَتْ عَيْناً فَحَرِيْمُهَا خَمْسُمِائَةِ ذِرَاعٍ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَحْفِرَ بِئْراً فِيْ حَرِيْمِهَا مُنِعَ مِنْهُ.

حل لغات: عطن: اونٹ کے بیٹھنے کی جگہ، بیر عطن: اونٹوں کو پانی پلانے کا کنواں، ناضح: اونٹ جس پر پانی سیراب کرنے کے لئے لایا جائے کھیتی سیراب کرنے کا کنواں، عین: چشمہ۔

ترجمہ: اگر وہ کنواں پانی پلانے کے لئے ہو تو اس کا حریم چالیس ہاتھ ہے اور اگر کھیت سینچنے کے لئے ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ ہے اور اگر چشمہ ہو تو اس کا حریم پانچ سو ہاتھ ہے پس جو شخص کنواں کھودنا چاہے اس کے حریم میں تو اس کو اس سے روکا جائے گا۔

تشریح: اگر کنواں جانوروں مثلاً اونٹ یا بکری کو پانی پلانے کے لئے ہے تو اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے چالیس گز ہے، اور اگر یہ کنواں کھیتوں کی سینچائی کے لئے ہے تو اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے ساٹھ گز ہے یہ تفصیل صاحبین کے نزدیک ہے، امام صاحب کے نزدیک دونوں کا حریم ہر جانب سے چالیس گز ہے، اور اگر چشمہ ہے تو بالاتفاق اس کا حریم اصح قول کے مطابق ہر جانب سے پانچ سو گز ہے کیوں کہ چشمہ کا پانی پھیلتا ہے۔

اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کے حریم میں کنواں کھودنا چاہے تو اس کو روکا جائے گا کیوں کہ ممکن ہے کہ حریم کے اندر کنواں کھودنے کی وجہ سے دوسرے کنویں کی گندگی پہلے کنویں میں نہ پہنچ جائے یا پہلے کنویں کا پانی دوسرے میں نہ چلا جائے جس کی وجہ سے پہلے والے کا نقصان ہو۔

(۱۶۲۲/۹) وَمَا تَرَكَ الْفُرَاتُ وَالدَّجْلَةُ وَعَدَلَ عَنْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ يَجُوْزُ عَوْدُهُ اِلَيْهِ لَمْ يَجُزْ اِحْيَاؤُهُ وَاِنْ كَانَ لَايَجُوْزُ اَنْ يَعُوْدَ اِلَيْهِ فَهُوَ كَالْمَوَاتِ اِذَا لَمْ يَكُنْ حَرِيْماً لِعَامِرٍ يَمْلِكُهُ مَنْ اَحْيَاهُ بِاِذْنِ الْاِمَامِ.

حل لغات: فرات: عراق کا ایک دریا، دِجلة: عراق کا مشہور دریا لفظ کے لحاظ سے مؤنث ہے اور نہر کی تاویل سے مذکر اور کبھی اس پر الف لام بھی داخل ہوتا ہے کہا جاتا ہے الدَّجْلَةُ، عدل عنه: پانی اس سے ہٹ گیا، صرف وہ زمین رہ گئی، یجوز عوده: پانی کے لوٹنے کا احتمال ہے۔

ترجمہ: اور جو زمین چھوڑ دے فرات اور دجلہ نہر اور ہٹ جائے اس سے پانی تو اگر ممکن ہو اس کا لوٹنا اس طرف تو جائز نہیں ہے اس کا آباد کرنا اور اگر نہیں ممکن ہے کہ اس کی طرف لوٹے تو وہ موات زمین کی طرح ہے کہ اگر وہ کسی کا حریم نہ ہو تو اس کا مالک ہو جائے گا وہ جو آباد کرے حاکم کی اجازت سے۔

تشریح: فرات یا دجلہ ندی ایک جگہ سے بہہ رہی تھی اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ سے بہنا شروع کر دیا تو اب دو صورتیں ہیں (۱) دوبارہ پانی کے اپنی جگہ پر آنے کا امکان ہے یا نہیں؟ اگر دوبارہ اپنی جگہ پر آنے کا امکان ہے تو اس جگہ کو آباد کرنے کے لئے دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ یہ عوام کے فائدے کی جگہ ہے اور اگر دوبارہ اس جگہ پر آنے کا امکان

نہ ہوتو وہ زمین موات کی طرح ہے جواس کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک ہوجائے گا، مگر صاحب کتاب نے اس کے لئے دو شرطیں بیان کی ہیں ایک تو یہ کہ وہ جگہ کسی آباد کرنے والے کا حریم نہ ہو مثلاً کسی کا باندھ وغیرہ نہ ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ امام کی اجازت سے آباد کیا ہو، امام کی اجازت کی شرط امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے تفصیل مسئلہ (۳) میں ملاحظہ کیجئے، اور دوسرا کا حریم نہ ہو اس وجہ سے کہا کہ اگر اس پر کسی کا قبضہ ہو تو وہ زمین موات کے حکم میں نہیں ہوگی۔

(۱۶۲۳/۱۰) وَمَنْ كَانَ لَهُ نَهرٌ فِي اَرْضِ غَيْرِهٖ فَلَيْسَ لَهُ حَرِيْمٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ لَهُ الْبَيِّنَةُ عَلىٰ ذَالِكَ وَعِنْدَهُمَا لَهُ مُسَنَّاةُ النَّهْرِ يَمْشِيْ عَلَيْهَا وَيُلْقِيْ عَلَيْهَا طِيْنَهُ.

حل لغات: مسناة: میم پر ضمہ سین پر فتحہ نون مشدد، بند، جو سیلاب کو روکے، مینڈھ، طین مٹی۔

ترجمہ: اور جس کی نہر ہو دوسرے کی زمین میں تو اس کے لئے حریم نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ ہو اس کے پاس گواہ اور صاحبین کے نزدیک اس کے لئے نہر کی پٹری ہوگی جس پر چل سکے اور اس پر نہر کی مٹی ڈال سکے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے کی زمین میں کسی کی نہر کا ثبوت ہوا تو نہر کے ثبوت کی وجہ سے کیا اس کو حریم کی جگہ بھی مل جائے گی یا نہیں؟ اس بارے میں صاحب قدوریؒ نے دو مذہب بیان کئے ہیں (۱) امام صاحب فرماتے ہیں کہ بغیر گواہ کے حریم کی جگہ نہیں ملے گی کیوں کہ نہر کے پانی سے بغیر حریم کے بھی نفع اٹھانا ممکن ہے اور کنویں کے پانی سے بغیر حریم کے نفع اٹھانا ممکن نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ حدیث میں کنویں اور چشمے کے لئے حریم کا ثبوت ہے نہر کے لئے حریم کا ثبوت نہیں ہے اس لیے ایک کو دوسرے پر قیاس کر کے دوسرے کی زمین میں حریم کا ثبوت نہیں کریں گے (۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ جب نہر کا ثبوت ہوگیا تو پھر بقدر ضرورت حریم بھی ملے گا یعنی اتنا کہ نہر کی مینڈھ (پٹری) پر چل سکے اور اگر نہر کی مٹی کھودنی پڑے تو اس کے اندر سے مٹی نکال کر مینڈھ پر ڈالی جاسکے، کیوں کہ کسی چیز کا ثبوت اس کے لوازم کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے پٹری دینی ہوگی ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی قول ہے۔

كِتَابُ المَاذُوْنِ

(یہ کتاب ماذون کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: غلام کو جب تک تجارت کی اجازت نہ ملے گویا کہ وہ آزادانہ حالات سے دور ہے اور گمشدہ کے مانند ہے اجازت پا کر یہ ایک قسم کی زندگی (مثل آزادی) حاصل کرتا ہے، اس مناسبت سے کتاب احیاء الموات کے بعد کتاب الماذون کو بیان کر رہے ہیں۔

لغوی تحقیق: ماذون اسم مفعول ہے اذن سے ماخوذ ہے اجازت دینا مگر فقہاء نے آگاہ کرنے سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: غلام کے حق میں غلامیت کی وجہ سے جو پابندی تھی اس کو دور کرنا اور آقاء کے حق کو ساقط کرنا ہے، بالفاظ دیگر ایسا غلام جس کو آقا نے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی اب اس کو تجارت کرنے کی اجازت دے دی تو اس کو ماذون غلام کہتے ہیں۔

(۱۶۲۴/۱) اِذَا اَذِنَ الْمَوْلٰی لِعَبْدِہٖ اِذْناً عَامًّا جَازَ تَصَرُّفُهٗ فِیْ سَائِرِ التِّجَارَاتِ وَلَهٗ اَنْ یَّشْتَرِیَ وَیَبِیْعَ وَیُرْهِنَ وَیَسْتَرْهِنَ.

ترجمہ: جب آقا نے اپنے غلام کو عام اجازت دے دی تو اس کا تصرف تمام تجارتوں میں جائز ہے اور اس کے لئے جائز ہے کہ خریدے اور بیچے اور رہن پر رکھنے دے اور رہن پر رکھے۔

عبد ماذون کے احکام

تشریح: آقا نے غلام کو تجارت کی اجازت دیتے وقت کسی خاص چیز کے خریدنے یا بیچنے کی تخصیص نہیں کی بلکہ عام اجازت دی مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھے تجارت کی اجازت دی تو غلام کو تمام تجارتوں کی اہلیت حاصل ہو جائے گی یعنی خرید وفروخت رہن لینا رہن رکھنا وغیرہ تمام تصرفات جائز ہوں گے۔

(۱۶۲۵/۲) وَاِنْ اَذِنَ لَهٗ فِیْ نَوْعٍ مِّنْهَا دُوْنَ غَیْرِہٖ فَهُوَ مَاذُوْنٌ فِیْ جَمِیْعِهَا.

ترجمہ: اور اگر اس کو اجازت دے ایک ہی قسم کی تجارت کی اوروں کی نہیں تب بھی وہ تمام تجارتوں میں ماذون ہوگا۔

تشریح: آقا نے کسی ایک قسم کی چیز میں تجارت کرنے کی اجازت دی مثلاً یوں کہا کہ میں نے تجھ کو صرف گیہوں میں تجارت کی اجازت دی تب بھی تمام چیزوں کی تجارت اہلیت ہو جائے گی یہ اور بات ہے کہ مصلحت کے خلاف ہو یا آقا کا نقصان ہو تو متعینہ چیز کے علاوہ کی تجارت نہ کرے۔

امام زفرؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ کے نزدیک جس خاص چیز کی تجارت کی اجازت دی ہے اس میں ماذون ہوگا باقی چیزوں میں ماذون نہیں ہوگا (عینی شرح کنز ۲/۲۲۶)

(۱۶۲۶/۳) فَاِذَا اَذِنَ لَهٗ فِیْ شَیْءٍ بِعَیْنِهٖ فَلَیْسَ بِمَاذُوْنٍ.

ترجمہ: اگر اس کو اجازت دی کسی متعین چیز میں تو وہ ماذون نہیں ہے۔

تشریح: آقا نے غلام سے یوں کہا کہ پہننے کے لئے بازار سے کپڑا خرید کر لاؤ یا ہوٹل سے کھانا خرید کر لاؤ تو اس صورت میں تجارت کی اجازت نہیں ہوئی بلکہ خدمت لینے کی ایک صورت ہے اگر اس تھوڑی سی خدمت سے تجارت

کی اجازت ہو جائے تو پھر خدمت کا دروازہ بند ہو کر رہ جائے گا، اس لیے یہ تجارت کی اجازت نہیں ہے۔

(۴/۱۶۲۷) وَاِقْرَارُ الْمَاذُوْنِ بِالدُّيُوْنِ وَالْغُصُوْبِ جَائِزٌ

حل لغات: دیون: دین کی جمع ہے قرض، الغصوب: غصب کی جمع ہے چھینی ہوئی چیز۔

ترجمہ: اور ماذون کا اقرار کرنا قرضوں اور چھینی ہوئی چیزوں کا جائز ہے۔

تشریح: جب کلی طور پر اجازت ہوگئی اور عبد ماذون ہوگیا، تو اب امور تجارت سے متعلق اس کے اقوال نافذ ہوں گے مثلاً ماذون غلام اقرار کرے کہ مجھ پر فلاں کا قرض ہے یا میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے جس کا ادا کرنا مجھ پر لازم ہے تو ایسا اقرار کرنا جائز ہے۔

(۵/۱۶۲۸) وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّتَزَوَّجَ وَلَا اَنْ يُزَوِّجَ مَمَالِيْكَهُ.

لغت: ممالیك: مملوك کی جمع ہے غلام۔

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے ماذون کے لئے کہ شادی کرے اور نہ یہ کہ اپنے غلاموں کی شادی کرائے۔

تشریح: جو معاملات تجارت سے متعلق نہیں ہیں ان میں عبد ماذون کا کوئی اختیار نہ ہوگا مثلاً عبد ماذون اپنی شادی نہیں کرسکتا، کیوں کہ یہ تجارت میں سے نہیں ہے نیز غلام کو نان ونفقہ ادا کرنا ہوگا جس میں آقا کا نقصان ہے ایسے ہی اپنے مملوک غلام باندی کی بھی شادی نہیں کراسکتا یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ باندی کی شادی کرا[illegible] یہ ہوگا جو باندی اور غلام ہوں گے اور باندی کا بھی مہر آ[illegible] گا جو فائدے کی چیز ہے اس لیے ماذون غلام اپنی باندی کی شادی کراسکتا ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/ ۵۸)

(۶/۱۶۲۹) وَلَا يُكَاتِبَ وَلَا يَعْتِقَ عَلٰى مَالٍ.

ترجمہ: اور نہ مکاتب بنائے اور نہ مال پر آزاد کرے۔

تشریح: ماذون غلام اپنے غلام کو مکاتب نہیں بنا سکتا اور نہ مال کے بدلہ آزاد کرسکتا ہے مکاتب بنانے اور مال پر آزاد کرنے میں اگرچہ بظاہر مال آئے گا لیکن مکاتب بنانا اور مال کے بدلہ آزاد کرنا امور تجارت میں سے نہیں ہیں۔

(۷/۱۶۳۰) وَلَا يَهَبُ بِعِوَضٍ وَلَا بِغَيْرِ عِوَضٍ اِلَّا اَنْ يُّهْدِيَ الْيَسِيْرَ مِنَ الطَّعَامِ اَوْ يُضِيْفَ مَنْ يُّطْعِمُهُ.

ترجمہ: اور نہ ہبہ کرسکتا ہے بالعوض اور نہ بلاعوض مگر یہ کہ تھوڑا سا کھانا ہدیہ کرے یا اس کی مہمان داری کرے جس نے اسے کھلایا ہے۔

تشریح: کسی چیز کو عوض کے ساتھ یا بلا کسی عوض کے ہدیہ کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ ہبہ کرنا لوازم تجارت میں

سے نہیں ہے، ہاں ماذون غلام کو اتنی اجازت ہے کہ اس کو روزانہ جو کھانا ملتا ہے اس میں سے کسی کو تھوڑا سا کھانا تحفۃً دے دے یا جو آدمی اس کو کبھی کبھار کھانا کھلاتا ہے اس کی مہمان داری کر دے کیوں کہ اس سے تجارت بڑھے گی اور گاہک آئیں گے۔

(۱۶۳۱/۸) وَدُيُوْنُهٗ مُتَعَلِّقَةٌ بِرَقَبَتِهٖ يُبَاعُ فِيْهَا لِلْغُرَمَاءِ إِلَّا أَنْ يَّفْدِيَهُ الْمَوْلٰى وَيُقَسَّمُ ثَمَنُهٗ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ فَإِنْ فَضَلَ مِنْ دُيُوْنِهٖ شَيْءٌ طُوْلِبَ بِهٖ بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ.

حل لغات: رقبة: گردن جمع رِقاب، الغرماء: قرض خواہ واحد غریم، یفدیه: مضارع باب (ض) سے مصدر فداءً مال وغیرہ دے کر چھڑانا، الحصص: واحد حصةٌ حصہ۔

ترجمہ: اور اس کے قرض متعلق ہوں گے اسی کی گردن کے ساتھ جن میں اس کو قرض خواہوں کے لئے (ان کی درخواست پر) فروخت کر دیا جائے گا مگر یہ کہ بدلہ دے دے اس کا آقا اور تقسیم کی جائے گی اس کی قیمت ان کے درمیان حصوں کے مطابق اگر پھر بھی رہ جائے کچھ قرض تو اس سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا آزادی کے بعد۔

تشریح: عبد ماذون پر تجارت کی وجہ سے جو کچھ قرض واجب ہوا ہو جیسے خرید وفروخت، اجارہ وغیرہ یا ہم معنی تجارت کے سبب سے ہو جیسے غصب کا تاوان یا ودیعت کا تاوان تو یہ قرض ماذون غلام کی گردن پر ہوگا جس کی وجہ سے پہلے، غلام کے پاس جو کمایا ہوا مال ہے اس سے قرض ادا کیا جائے گا اس سے بھی پورا نہ ہو تو غلام کو فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی قیمت سے قرض والوں کا قرض ادا کیا جائے گا، اور وہ بھی قرض خواہوں کے حصے کے مطابق مثلاً چار آدمیوں کے پانچ پانچ سو روپے قرض ہیں اور قیمت میں ایک ہزار روپے آئے، تو ہر ایک کو ڈھائی ڈھائی سو روپے دیئے جائیں گے اسی کو بالحصص کہتے ہیں، لیکن اگر خود آقا اس غلام کی طرف سے ثمن کی مقدار فدیہ ادا کر دے تو اب غلام فروخت نہیں کیا جائے گا کیوں کہ قرض والوں کو قرض مل گیا، پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ غلام کو فروخت کرنے کے بعد جو قیمت آئی اس سے بھی قرض ادا نہ ہوا بلکہ کچھ قرض باقی رہ گیا تو یہ قرض آقا سے وصول نہیں کیا جائے گا اور جب یہ ماذون غلام آزاد ہوگا اس وقت اس سے بقیہ قرض کا مطالبہ کیا جائے گا، تاکہ قرض خواہوں کا نقصان نہ ہو۔

(۱۶۳۲/۹) وَإِنْ حَجَرَ عَلَيْهِ لَمْ يَصِرْ مَحْجُوْرًا عَلَيْهِ حَتّٰى يَظْهَرَ الْحَجْرُ بَيْنَ أَهْلِ السُّوْقِ.

حل لغات: حجر: غلام کو معاملات کرنے سے روکنا، سوق: بازار جمع اسواق۔

ترجمہ: اور اگر آقا اس پر حجر کر دے تو یہ مجور نہ ہوگا یہاں تک کہ حجر ظاہر ہو جائے بازار والوں کے درمیان۔

تشریح: اگر آقا نے عبد ماذون کو تجارت کرنے سے روک دیا تو یہ پابندی اس وقت نافذ ہوگی جب کہ اکثر بازار والوں کو اس کا علم ہو گیا ہو تا کہ اس کے ساتھ معاملہ کرنے والوں کو دھوکہ اور نقصان نہ ہو اگر بازار میں صرف ایک دو آدمی ہیں تو غلام مجور نہیں ہوگا کیوں کہ اصل مقصود تشہیر کے ذریعہ اس کو اذن سے خارج کرنا ہے اور تشہیر ایک دو آدمیوں

سے نہیں ہوتی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عبد ماذون کے مجور ہونے کے لئے بازار والوں کو معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔

(۱۶۳۳/۱۰) فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلٰی اَوْ جُنَّ اَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا صَارَ الْمَاذُوْنُ مَحْجُوْراً عَلَيْهِ.

حل لغات: جن: ماضی مجہول دیوانہ ہوگیا، مرتداً: حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ترجمہ: اگر مر جائے آقا، یا دیوانہ ہو جائے، یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے، تو عبد ماذون مجور علیہ ہو جائیگا۔

تشریح: اگر آقا مر جائے تو جو غلام ماذون تھا اب وہ تجارت نہیں کر سکے گا مجور ہو جائے گا کیوں کہ موت ملک کو ختم کر دیتی ہے یا مولیٰ مجنوں ہو جائے تو جنون کی وجہ سے تجارت کی اہلیت نہیں رہی تو دوسرے کو تجارت کرنے کی اجازت کیسے دے گا یا آقا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے تب بھی غلام خود بخود مجور ہو جائے گا کیوں کہ دار الحرب میں چلا جانا موت حکمی کے درجہ میں ہے (عینی شرح کنز ۲/ ۲۲۷)

(۱۶۳۴/۱۱) وَلَوْ اَبَقَ الْعَبْدُ الْمَاذُوْنُ صَارَ مَحْجُوْراً عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر بھاگ گیا ماذون غلام تو وہ ہو جائے گا مجور علیہ۔

تشریح: اگر عبد ماذون بھاگ جائے تو بھاگ جانے کی وجہ سے وہ مجور ہو جائے گا کیوں کہ غلام کا بھاگ جانا دلالۃً حجر ہے، کیوں کہ آقا اپنے نافرمان غلام کے تصرف سے عام طور پر راضی نہیں ہوتا ہے اس لیے بھاگنے والا غلام بھاگتے ہی مجور ہو جائے گا صاحب جوہرہ نے لکھا ہے کہ اگر غلام بھاگنے کے بعد دوبارہ واپس آتا ہے تو اب دوبارہ ماذون نہ ہوگا مجور ہی رہے گا کذا فی الذخیرہ۔ (الجوہرۃ ۲/ ۶۰)

امام زفر اور امام شافعیؒ کے نزدیک عبد ماذون مجور نہیں ہوگا کیوں کہ بھاگنا ابتداءً اذن کے خلاف نہیں ہے لہٰذا بقاءً بھی اذن کے خلاف نہیں ہوگا (عینی شرح کنز ۲/ ۲۲۷)

(۱۶۳۵/۱۲) وَاِذَا حُجِرَ عَلَيْهِ فَاِقْرَارُهٗ جَائِزٌ فِيْمَا فِيْ يَدِهٖ مِنَ الْمَالِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَا يَصِحُّ اِقْرَارُهٗ.

ترجمہ: اور جب اس پر حجر کر دیا گیا تو اس کا اقرار جائز ہے اس مال کے بارے میں جو اس کے قبضہ میں ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ صحیح نہیں ہوگا اس کا اقرار۔

تشریح: آقا نے ماذون غلام کو تجارت کرنے سے روک دیا اب اس کے قبضہ میں جو مال ہے اس کے بارے میں اقرار کرتا ہے کہ یہ میرے پاس فلاں کی امانت ہے یا یہ مال فلاں کا غصب کیا ہوا ہے، یا مجھ پر فلاں کا اتنا قرض ہے اس کے بدلہ میں یہ مال دینا ہے، تو امام صاحب کے نزدیک اس کا اقرار استحساناً صحیح ہے۔

دلیل: اقرار کا دار و مدار قبضہ پر ہے اور غلام کا قبضہ اس مال پر ہے اس لیے وہ اقرار کر سکتا ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ غلام کو اب اقرار کرنے کا اختیار نہیں ہے کیوں کہ اقرار کا صحیح ہونا تجارت کی اجازت کی وجہ سے تھا اور اب وہ غلام مجور ہو چکا ہے اس لیے اقرار کرنے کا اختیار اس کو نہیں رہا، صاحب ہدایہ نے امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے (اللباب ۲/۱۳۳،۱۳۴ عینی ۲/ ۲۲۷)

(۱۳/۱۶۳۶) وَاِذَا لَزِمَتْهُ دُيُوْنٌ يُحِيْطُ بِمَالِهٖ وَرَقَبَتِهٖ لَمْ يَمْلِكِ الْمَوْلٰى مَافِىْ يَدِهٖ فَاِنْ اَعْتَقَ عَبِيْدَهٗ لَمْ تُعْتَقْ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَمْلِكُ مَا فِىْ يَدِهٖ.

ترجمہ: اور اگر اس کے ذمہ اتنا قرض ہو جائے جو گھیر لے اس کے مال اور جان کو تو مالک نہ ہوگا آقا اس مال کا جو اس کے پاس ہے پھر اگر آزاد کرے اس کے غلاموں کو تو آزاد نہ ہوں گے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مالک ہو جائے گا اس مال کا جو اس کے قبضہ میں ہے۔

تشریح: اگر عبد ماذون اس قدر مقروض ہو جائے کہ جو مال اس کے قبضہ میں ہے وہ بھی بک جائے اور خود غلام کو فروخت کر کے قرض ادا کرنا چاہے تو ادا نہ ہو سکے مثلاً غلام اور اس کے مال کی قیمت آٹھ ہزار روپے ہیں اور اس پر قرض دس ہزار روپے ہیں تو اب اس کی جان اور مال سب قرض میں گھرا ہوا ہے تو اب ایسی صورت میں غلام کے پاس جو مال موجود ہو آقا اس کا مالک ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ آقا اس غلام کے مال کا مالک نہیں رہا اب غلام کے مال کو خرچ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا تاہم غلام ابھی بھی آقا کا ہے چوں کہ ماذون غلام کا مال قرض میں گھر چکا ہے اس لیے ماذون کی کمائی میں اگر کوئی غلام ہے جو اس نے خریدا تھا اور آقا اسے آزاد کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا کیونکہ یہ غلام آقا کا نہیں رہا بلکہ قرض خواہوں کا ہو گیا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ماذون غلام کا مال اور جان اگر چہ قرض میں گھر جائیں پھر بھی وہ آقا کا مال ہے اس لیے آقا اس کے مال کو استعمال کرنا چاہے تو استعمال کر سکتا ہے ایسے ہی ماذون کے خریدے ہوئے غلام کو آزاد کرنا چاہے تو آزاد کر سکتا ہے البتہ ایسی صورت میں آقا قرض خواہوں کے قرضوں کا ذمہ دار ہو جائے گا کیوں کہ اس نے قرض خواہوں کو غلام آزاد کر کے نقصان دیا ہے (عینی ۲/ ۲۲۸)

(۱۴/۱۶۳۷) وَاِذَا بَاعَ عَبْدٌ مَاذُوْنٌ مِنَ الْمَوْلٰى شَيْئًا بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ جَازَ وَاِنْ بَاعَ بِنُقْصَانٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اگر بیچے ماذون غلام آقا کے ہاتھ کوئی چیز مثلی قیمت سے تو جائز ہے اور اگر بیچے نقصان کے ساتھ تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: اگر ماذون غلام مقروض ہو اور اپنے آقا کے ہاتھ مناسب قیمت میں کوئی چیز بیچے تو جائز ہے یعنی آقا کے ہاتھ کوئی چیز بیچی اور وہی قیمت لی جو بازار میں ہے تو جائز ہے کیوں کہ آقا اس کی کمائی میں ایک اجنبی کی حیثیت رکھتا ہے اور یہاں آقا نے اس کو پوری قیمت دی ہے اور کوئی نقصان نہیں دیا اس لیے جائز ہوگا، لیکن اگر غلام مقروض نہیں ہے تو

ان دونوں کے درمیان کوئی خرید و فروخت صحیح نہ ہوگی کیوں کہ غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سب آقا کا ہے، اور اگر غلام آقا کے ہاتھ کوئی چیز نقصان کے ساتھ فروخت کرتا ہے تو اس صورت میں امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے امام صاحبؒ کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں تہمت کا امکان ہے کہ آقا قرضخواہوں کو نقصان دینا چاہتا ہے اس لیے کم قیمت میں درست نہیں ہے، صاحبین کے نزدیک درست ہے۔

(۱۶۳۸/۱۵) وَاِنْ بَاعَهُ الْمَوْلٰی شَیْئًا بِمِثْلِ الْقِیْمَةِ اَوْ اَقَلَّ جَازَ الْبَیْعُ.

ترجمہ: اور اگر بیچے ماذون کے ہاتھ آقا کوئی چیز مثل قیمت یا کم قیمت میں تو جائز ہے۔

تشریح: ماذون غلام قرض میں گھرا ہوا تھا ایسی حالت میں اس کے آقا نے کوئی چیز اس کے ہاتھ میں بیچی تو مثل قیمت میں بیچے، یا جتنی قیمت تھی اس سے کم میں بیچے دونوں صورتوں میں جائز ہے کیوں کہ اس میں تہمت کا کوئی امکان نہیں ہے اور کم قیمت میں بیچ کر آقا غلام ماذون کا فائدہ ہی کر رہا ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔

(۱۶۳۹/۱۶) فَاِنْ سَلَّمَهُ اِلَیْهِ قَبْلَ قَبْضِ الثَّمَنِ بَطَلَ الثَّمَنُ.

ترجمہ: اب اگر آقا اس چیز کو غلام کے حوالہ کر دے قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے تو قیمت باطل ہو جائے گی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر آقا نے قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع غلام کو دے دیا تو مبیع کی قیمت باطل ہو جائے گی کیوں کہ اس صورت میں قیمت آقا کی جانب سے اس غلام کے ذمہ قرض ہوگئی اور آقا کا اپنے غلام پر کوئی قرض نہیں ہوتا کیوں کہ غلام کل کا کل آقا کا ہی ہے تو گویا آقا نے اس کے ہاتھ بلا قیمت فروخت کر دی اب آقا اپنے غلام سے مبیع کی قیمت لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔

(۱۶۴۰/۱۷) وَاِنْ اَمْسَكَهُ فِیْ یَدِهٖ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ الثَّمَنَ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر مبیع کو آقا روک لے اپنے قبضہ میں یہاں تک کہ قیمت وصول کرے تو جائز ہے۔

تشریح: آقا نے ماذون غلام کے ہاتھ کچھ بیچا تو اب مبیع کی قیمت وصول کرنے کے لئے ماذون سے بیع روک سکتا ہے کیوں کہ بائع کو قیمت وصول کرنے کے لئے مبیع کے روکنے کا حق ہے۔

(۱۶۴۱/۱۸) وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰی الْعَبْدَ الْمَاذُوْنَ وَعَلَیْهِ دُیُوْنٌ فَعِتْقُهُ جَائِزٌ وَالْمَوْلٰی ضَامِنٌ بِقِیْمَتِهٖ لِلْغُرَمَاءِ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کر دے آقا ماذون غلام کو دراں حالاں کہ اس کے ذمہ قرض ہے تو اس کا آزاد کرنا جائز ہے اور آقا ضامن ہوگا اس کی قیمت کا قرضخواہوں کے لئے۔

تشریح: ماذون غلام پر اتنا قرض ہو جائے کہ اس کی جان اور مال سب قرض میں گھر جائیں پھر بھی غلام آقا کا

ہی رہے گا اسی کے پیش نظر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر آقا اس غلام کو آزاد کرنا چاہے تو جائز ہے، البتہ غلام کی جتنی قیمت ہے قرضخواہوں کے لئے اتنے کا ذمہ دار آقا ہوگا، اور اتنی رقم آقا کو ادا کرنی ہوگی تاکہ وہ قرض خواہوں کے درمیان فیصد کے مطابق تقسیم کردی جائے مثلاً غلام پر دس ہزار روپے کا قرض تھا اور غلام پانچ ہزار کا تھا تو آقا قرض خواہوں کو پانچ ہزار دے گا۔

(۱۶۴۲/۱۹) وَمَا بَقِيَ مِنَ الدُّيُوْنِ يُطَالَبُ بِهِ الْمُعْتَقُ.

ترجمہ: اور جو باقی رہ جائے قرض اس کا مطالبہ آزاد شدہ سے ہوگا۔

تشریح: غلام کی قیمت کے علاوہ جتنا قرض ہو وہ غلام سے اس کے آزاد ہونے کے بعد وصول کیا جائے گا کیوں کہ اصل میں قرض غلام ہی کے ذمہ ہے آقا کے ذمہ تو صرف اتنا ہے جتنا اس نے آزاد کر کے تلف کیا ہے اور وہ غلام کی قیمت ہے باقی جو بچا وہ غلام ہی کے ذمہ بدستور رہے گا۔

(۱۶۴۳/۲۰) وَاِذَا وَلَدَتِ الْمَاذُوْنَةُ مِنْ مَوْلٰهَا فَذٰلِكَ حَجْرٌ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اور جب بچہ ہو جائے ماذونہ باندی کے اس کے آقا سے تو یہ اس پر حجر ہے۔

تشریح: آقا نے اپنی باندی کو تجارت کی اجازت دے رکھی تھی اس درمیان آقا سے باندی کو بچہ پیدا ہو گیا آقا نے بچہ کا دعویٰ کیا تو باندی اس کی ام ولد ہو گئی کہ آقا کے انتقال کے بعد ام ولد آزاد ہو جائے گی ام ولد بننا اس بات کی دلیل ہے کہ اب تجارت کی اجازت نہیں ہوگی اور دلالۃً آقا کی جانب سے تجارت کرنے سے حجر ہو گیا کیوں کہ ام ولد عام طور سے پردہ میں رہتی ہے اور خرید و فروخت کے متعلق مالک اس کے نکلنے اور لوگوں سے ملنے جلنے کو پسند نہیں کرے گا البتہ اگر مالک ام ولد بننے کے بعد دوبارہ تجارت کی اجازت دے دے تو ماذون ہو جائے گی اور اس صورت میں ام ولد پر جو قرض ہوگا وہ آقا اپنی جیب سے ادا کرے گا کیوں کہ اس نے دوبارہ اجازت دی ہے۔

(۱۶۴۴/۲۱) وَاِنْ اَذِنَ وَلِيُّ الصَّبِيِّ لِلصَّبِيِّ فِي التِّجَارَةِ فَهُوَ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ كَالْعَبْدِ الْمَاذُوْنِ اِذَا كَانَ يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ.

ترجمہ: اور اگر اجازت دی بچہ کے ولی نے بچہ کو تجارت کی تو وہ خرید و فروخت میں ماذون غلام کی طرح ہے جب کہ وہ بچہ خرید و فروخت کو سمجھتا ہو۔

تشریح: اگر بچہ کا ولی بچہ کو تجارت کی اجازت دیتا ہے تو یہ بچہ خرید و فروخت میں ماذون غلام کی طرح ہوگا جب کہ بچہ اس عمر میں ہے کہ خرید و فروخت کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو اس کی خرید و فروخت نافذ ہوگی، لیکن چوں کہ بچہ آزاد ہے اس لیے وہ قرض کے لئے بیچا نہیں جائے گا بلکہ اس کے ولی کے ذمہ قرض ادا کرنا لازم ہوگا۔

کِتَابُ الْمُزَارَعَةِ

(یہ کتاب بٹائی کے احکامات کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح ماذون غلام دوسرے کی ملک میں عمل در آمد کرتا ہے ایسے ہی مزارع دوسرے کی ملک میں کام کرتا ہے۔

لغوی تحقیق: مزارعت باب مفاعلۃ کا مصدر ہے مادہ زرع بونا، بیج ڈالنا۔

اصطلاحی تعریف: اس عقد کو کہتے ہیں جو پیدا ہونے والے غلہ کی تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر منعقد ہو۔

مزارعت کا ثبوت: مزارعت کا دوسرا نام مخابرہ ہے اس کا ثبوت حدیث کے اس ٹکڑے سے ہے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَلَ اَھْلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَا یَخْرُجُ مِنْھَا مِنْ زَرْعٍ اَوْ ثَمَرٍ. (بخاری ۱/۳۱۳ باب المزارعة) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو بٹائی پر دیا کچھ حصہ کے بدلہ میں یعنی جو پھل اور غلہ پیدا ہو۔

(۱/۱۶۴۵) قَالَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلْمُزَارَعَةُ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ بَاطِلَةٌ وَقَالَا جَائِزَةٌ.

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی یا چوتھائی پر کھیتی کرنا باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے۔

مزارعت کے اقسام و مذاہب ائمہ

تشریح: کسی کو زمین کاشت پر دینے کی چند صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین کاشتکار کو کرایہ پر دیدے اور اس سے متعین کرایہ وصول کرے یہ کرایہ نقد کی شکل میں ہو پیداوار کی شکل میں نہ ہو اور مالک زمین کا پیداوار سے کوئی تعلق نہ ہو ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صورت جائز ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ زمین دار پیداوار کا ایک مناسب حصہ اپنے لئے مقرر کرے مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے دو تہائی تمہارے لئے اور ایک تہائی میرے لئے یا تین چوتھائی تمہارے لئے اور ایک چوتھائی میرے لئے یا آدھی پیداوار تمہاری اور آدھی پیداوار میری ہوگی اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے درمیان فقہاء کا اختلاف ہے امام صاحبؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت مطلقاً ناجائز ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کما قال النووی مستقلاً تو ناجائز ہے، لیکن مساقات کے تابع ہو کر جائز ہے، صاحبین اور امام احمد کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت جائز ہے ہمارے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَمْ یَذَرِ الْمُخَابَرَةَ فَلْیُؤْذِنْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (ابوداؤد ۲/۴۸۳) جو شخص مخابرہ یعنی مزارعت نہ چھوڑے تو وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی جانب سے اعلان جنگ سن لے۔

جواب: ممانعت زمانہ جاہلیت والی مزارعت کی ہے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ زمین کا ایک خاص حصہ متعین کردیتے تھے کہ فلاں حصہ کا غلہ ہم لیں گے باقی تمہارا بعض مرتبہ اس حصہ کے اندر غلہ نہ ہوتا اور دوسرے مقامات میں ہوتا تھا اور بعض مرتبہ صرف اسی کے اندر ہوتا تھا اس کے علاوہ میں نہیں ہوتا تھا اس لیے آپ نے منع فرمایا۔

صاحبین کی دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ عَامَلَ اَهْلَ خَیْبَرَ بِشَطْرِ مَایَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ اَوْ زَرْعٍ. (ترمذی ۱/۱۶۶)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے آدھی پیداوار پر معاملہ فرمایا چاہے وہ پھل کی ہو یا کھیتی کی ہو، مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں سے جو معاہدہ کیا تھا وہ مزارعت کا معاہدہ تھا وہ معاہدہ یہ تھا کہ اہل خیبر ان زمینوں کی کاشت کریں گے اور باغات کو پانی دیں گے اور جو پھل اور پیداوار ہوگی اس کا نصف ان کا ہوگا اور نصف مسلمانوں کا ہوگا، لہٰذا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت فرمائی تو اس کے عدم جواز کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

(۲/۱۶۴۶) وَهِیَ عِنْدَهُمَا عَلٰی اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ اِذَا کَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَذْرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ جَازَتِ الْمُزَارَعَةُ.

حل لغات: البذر: بیج، البقر: گائے، بیل (اسم جنس) واحد بقرة جمع بقرات.

ترجمہ: اور مزارعت صاحبینؒ کے نزدیک چار قسم پر ہے جب زمین اور بیج ایک کا ہو اور کام اور بیل دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

تشریح: جب فتویٰ اور عمل صاحبین کے قول پر ہے تو مصنفؒ نے اس پر تفریع بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صاحبین کے نزدیک مزارعت کی چار قسمیں ہیں یعنی بالعموم جو صورتیں انسانوں کے مابین عمل میں ہیں وہ چار ہیں نہ کہ حضرات صاحبین کے نزدیک چار شکلیں جائز والی ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ زمین اور بیج ایک کا ہو کام اور بیل دوسرے کے ہوں تو یہ صورت جائز ہے اس مثال میں جس کی زمین اور بیج ہے پورا غلہ اس کا ہوگا اور اس نے گویا کہ کام کرنے والے کو اور بیل دینے والے کو اجرت پر لیا اور اس طرح پر لینا جائز ہے۔

(۳/۱۶۴۷) وَاِنْ کَانَتِ الْاَرْضُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ وَالْبَقَرُ وَالْبَذْرُ لِاٰخَرَ جَازَتِ الْمُزَارَعَةُ.

ترجمہ: اور اگر زمین ایک کی ہو کام بیل اور بیج دوسرے کے ہوں تو مزارعت جائز ہے۔

تشریح: زمین ایک کی ہو اور کام، بیل اور بیج دوسرے کا ہو تو مزارعت کی یہ صورت بھی جائز ہے اس صورت میں کام، بیل اور بیج والے نے گویا کہ زمین کو غلہ کے بدلہ اجرت پر لیا ہے اس لیے یہ مزارعت بھی جائز ہو جائے گی۔

(۴/۱۶۴۸) وَاِنْ کَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَذْرُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ جَازَتْ.

ترجمہ: اور اگر زمین بیج اور بیل ایک کے ہوں اور کام دوسرے کا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

تشریح: اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ زمین بیج اور بیل والے نے کام والے کو اجرت پر لیا ہے اس لیے یہ صورت بھی جائز ہو جائے گی۔

(۵/۱۶۴۹) وَاِنْ كَانَتِ الْاَرْضُ وَالْبَقَرُ لِوَاحِدٍ وَالْبَذْرُ وَالْعَمَلُ لِوَاحِدٍ فَهِيَ بَاطِلَةٌ.

ترجمہ: اور اگر زمین اور بیل ایک کے ہوں اور بیج اور کام دوسرے کا ہو تو یہ باطل ہے۔

مزارعت فاسدہ کا بیان

تشریح: یہ ظاہر روایت ہے، ورنہ امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ بیل زمین کے تابع نہیں ہوگا، کیوں کہ دونوں کی منفعت مختلف ہے زمین غلہ اگانے کے لئے ہے اور بیل پھاڑنے کے لئے ہے لہٰذا جب بیل تابع نہیں ہو سکتا تو بیج والا صرف زمین کو اجرت پر لے سکے گا اور بیل کو پیدا شدہ غلہ کے بدلہ اجرت پر لیتے ہیں جو غلہ بعد میں زمین ہی سے پیدا ہوگا اس کے بدلہ بیل کو اجرت پر لینے کا رواج نہیں ہے اس لیے بیل نہ زمین کے تابع ہوا اور نہ پیدا ہونے والے غلہ کے بدلہ اجرت پر لیا جا سکا اس لیے بیل استعمال کرنے کی شرط مفت رہی اس لیے مزارعت کی یہ صورت فاسد ہوگی یہاں فتویٰ ظاہر الروایت پر ہی ہے۔

(۵/۱۶۴۹) وَلَا تَصِحُّ الْمُزَارَعَةُ اِلَّا عَلٰى مُدَّةٍ مَعْلُوْمَةٍ.

ترجمہ: اور صحیح نہیں ہے مزارعت مگر مدت معلومہ پر۔

مزارعت کے صحیح ہونے کی شرطیں

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے مزارعت کے صحیح ہونے کی شرط بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مزارعت کی ایک ایسی مدت بیان کی جائے جو کاشت کاروں کے یہاں مشہور ہو مثلاً ایک سال یا دو سال اگر بٹائی پر کھیت لیا اور یہ بات واضح نہ ہوئی کہ کتنے دنوں کے لئے لیا ہے تو مزارعت فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ مالک چاہے گا کہ جلدی چھوڑ دی جائے اور بٹائی والا چاہے گا کہ ذرا اور دیر ہو جائے جس سے جھگڑا ہوگا اس لیے مدت کا متعین ہونا ضروری ہے۔

(۶/۱۶۵۰) وَاَنْ يَكُوْنَ الْخَارِجُ بَيْنَهُمَا مُشَاعاً فَاِنْ شَرَطَا لِاَحَدِهِمَا قُفْزَاناً مُسَمَّاةً فَهِيَ بَاطِلَةٌ.

حل لغات: الخارج: پیداوار، مشاعا: مشترک، قفزان قفیز کی جمع بارہ صاع کا ایک پیمانہ اور ایک

صاع کا وزن ۳ کلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام ہوتا ہے لہٰذا بارہ صاع کا وزن ۳۷ کلو ۹۰۷ گرام ۳۶۰ ملی گرام ہوگا۔

ترجمہ: اور یہ کہ ہو پیداوار ان میں مشترک پھر اگر شرط لگائی کسی ایک کے لئے متعین قفیز کی تو یہ باطل ہے۔

تشریح: صاحب کتاب نے اس عبارت میں مزارعت کے صحیح ہونے کی دوسری شرط بیان کی ہے وہ یہ کہ جو کچھ غلہ پیدا ہو وہ زمین والے اور بٹائی والے کے درمیان مشترک ہو پھر اس شرط پر تفریع بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک پیداوار کی ایک معین مقدار اپنے لئے مقرر کر لے مثلاً یہ کہے کہ جتنی پیداوار ہوگی اس میں سے بیس من میں لوں گا اور باقی تمہاری ہوگی یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے اس لیے کہ پتہ نہیں ہے کہ پیداوار کتنی ہوگی؟ ہوسکتا ہے کہ کل بیس من ہی پیدا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیس من بھی نہ ہو، اس صورت میں کاشت کار کو کچھ نہیں ملے گا اس لیے شرعاً یہ صورت جائز نہیں ہے۔

(۱۶۵۱/۷) وَكَذَالِكَ اِذَا شَرَطَا مَا عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ وَالسَّوَاقِيْ.

حل لغات: الماذیانات: الماذیان کی جمع بڑی ندی، پانی بہنے کی جگہ یا وہ پیداوار جو پانی بہنے کی جگہ ہو، **السواقی**: ساقیة کی جمع ہے چھوٹی نالی۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر شرط لگائی اس غلہ کی جو پیدا ہو بڑی ندی اور چھوٹی نالیوں پر۔

تشریح: یوں شرط لگائی کہ نہر کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلہ میں دونوں شریک ہوں گے، یا چھوٹی نالیوں کے کنارے کنارے جو غلہ پیدا ہوگا وہ زمین والے کا اور باقی غلہ دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا تو یہ صورت مزارعت کی درست نہیں ہے اس لیے یہ ممکن ہے کہ پیداوار صرف ان حصوں پر ہو جو پانی کے قریب ہیں اور دوسرے حصوں پر بالکل پیداوار نہ ہو اس طرح کاشت کار کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اس لیے شرعاً یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

(۱۶۵۲/۸) وَاِذَا صَحَّتِ الْمُزَارَعَةُ فَالخَارِجُ بَيْنَهُمَا عَلَى الشَّرْطِ.

ترجمہ: اور جب صحیح ہو جائے مزارعت تو پیداوار ان میں شرط کے مطابق ہوگی۔

تشریح: جب مزارعت تمام شرائط کے ساتھ صحیح ہو جائے تو اب جن شرطوں پر مزارعت ہوئی تھی انہیں شرائط کے مطابق دونوں کے درمیان غلہ تقسیم ہوگا مثلاً اس طرح شرط تھی کہ زمین والے کا ایک تہائی غلہ ہوگا اور بٹائی والے کا دو تہائی تو اسی طرح دونوں میں تقسیم ہوگا۔

(۱۶۵۳/۹) وَاِنْ لَّمْ تُخْرِجِ الْاَرْضُ شَيْئًا فَلَا شَيْءَ لِلْعَامِلِ.

ترجمہ: اور اگر زمین کوئی چیز پیدا نہ کرے تو کام کرنے والے کے لئے کچھ نہ ہوگا۔

تشریح: بٹائی میں یہ شرط طے ہوئی تھی کہ جو غلہ پیدا ہوگا اس میں سے کام کرنے والے کو ایک تہائی ملے گا اور یہاں زمین میں کچھ بھی پیدا نہ ہوا تو جس طرح زمین والے کو کچھ نہیں ملا اسی طرح کام کرنے والے کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔

(۱۶۵۴/۱۰) وَاِذَا فَسَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَالْخَارِجُ لِصَاحِبِ الْبَذْرِ فَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ رَبِّ الْاَرْضِ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ لَايُزَادُ عَلٰى مِقْدَارِ مَا شُرِطَ لَهٗ مِنَ الْخَارِجِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهٗ اَجْرُمِثْلِهٖ بَالِغاً مَا بَلَغَ.

حل لغات: الخارج: نکلنے والی چیز، پیداوار، اجر مثل: ایسی اجرت جس کی مقدار مشہور ہو، **بالغاً مابلغ:** جہاں تک پہنچے۔

ترجمہ: اور جب فاسد ہو جائے مزارعت تو پیداوار بیج والے کی ہوگی اب اگر بیج زمین والے کی طرف سے ہو تو کام کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی جو نہیں بڑھے گی اس مقدار سے جو شرط کی گئی ہو پیداوار سے اور امام محمدؒ نے فرمایا اس کے لئے اجرت مثل ہوگی جہاں تک پہنچ جائے۔

اجرت مثل کا بیان

تشریح: جب کسی وجہ سے مزارعت فاسد ہو جائے تو اس زمین کی پیداوار بیج والے کی ہوگی اب اگر بیج زمین دار کی جانب سے ہو تو کام کرنے والے کو وہ مزدوری ملے گی جو اس جیسے کام کی بازار میں مل سکتی ہے اگر بازار کی اجرت مثل زیادہ ہو اور پیداوار میں جو حصہ مل سکتا تھا وہ کم ہو تو پیداوار کے حصہ سے زیادہ نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ وہ کم حصہ پر خود راضی ہو گیا ہے، یہ تفصیل شیخین کے نزدیک ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر بازار کی اجرت مثل پیداوار کے حصہ سے زیادہ ہو تو اجرت مثل ہی دی جائے گی، کیوں کہ جب مزارعت فاسد ہوگئی تو اجرت مثل اصل بن گئی اس لیے اجرت مثل جتنی ہو وہی دی جائے گی (اللباب ۲/ ۱۳۷)

(۱۶۵۵/۱۱) وَاِنْ كَانَ الْبَذْرُ مِنْ قِبَلِ الْعَامِلِ فَلِصَاحِبِ الْاَرْضِ اَجْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو زمین والے کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح: اگر بیج کام کرنے والے کی جانب سے ہو تو پورا غلہ کام کرنے والے کا ہوگا اور زمین والے کو اتنا کرایہ ملے گا جو اس طرح کی زمینوں کا دستور ہے پھر اجرت مثل کے سلسلہ میں وہی اختلاف ہے جو اس سے پہلے مسئلہ میں گذر چکا ہے۔

(۱۶۵۶/۱۲) وَاِذَا عَقَدَتِ الْمُزَارَعَةُ فَامْتَنَعَ صَاحِبُ الْبَذْرِ مِنَ الْعَمَلِ لَمْ يُجْبَرْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب مزارعت کا معاملہ طے ہوگیا پھر رک گیا بیج والا کام کرنے سے تو کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

مزارعت کے باقی احکام

تشریح: اگر عقد مزارعت طے ہونے کے بعد بیج والے نے کچھ سوچ کر بیج نہیں ڈالا تو اس کو بیج ڈالنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ زمین میں بیج ڈالے بغیر مزارعت کے معاملہ کا پورا کرنا ممکن نہیں ہے اور بیج ڈالنے کے بعد اس کے انجام کی خبر نہیں اس لیے اسے یقیناً نقصان برداشت کرنا پڑے گا اس لیے مجبور نہیں کیا جائے گا، اور یہ ایسا ہوگیا جیسے کسی نے اپنا مکان منہدم کرانے کے لئے کسی کو کرایہ پر لیا لیکن پھر کچھ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا تو اب اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۱۵۷) وَاِنِ امْتَنَعَ الَّذِیْ لَیْسَ مِنْ قِبَلِہٖ الْبَذْرُ اَجْبَرَہُ الْحَاکِمُ عَلَی الْعَمَلِ.

ترجمہ: اور اگر رک جائے وہ شخص جس کی طرف سے بیج نہیں ہے تو مجبور کرے گا اس کو حاکم کام کرنے پر۔

تشریح: عقد مزارعت طے ہو جانے کے بعد وہ آدمی کام کرنے سے رک گیا جس کی جانب سے بیج نہیں ہے تو حاکم اس کو کام کرنے پر مجبور کرے گا، کیوں کہ اسے کام کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے، ہاں اگر کام کرنے میں کوئی عذر شدید ہو تو حاکم مجبور نہیں کرے گا اور مزارعت کا معاملہ ختم کر دیگا کیوں کہ اس کو عذر شدید ہے۔

(۱۵۸) وَاِذَا مَاتَ اَحَدُ الْمُتَعَاقِدَیْنِ بَطَلَتِ الْمُزَارَعَۃُ.

ترجمہ: اور اگر مرجائے متعاقدین میں سے کوئی ایک تو باطل ہو جائے گی مزارعت۔

تشریح: اگر متعاقدین میں سے کوئی ایک زراعت سے قبل مرجائے تو مزارعت باطل ہو جائے گی کیوں کہ عقود جتنے بھی ہیں وہ عاقدین کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں وہ وارثین کی جانب منتقل نہیں ہوتے، اور اگر زراعت کے بعد انتقال ہوا تو دو صورتیں ہیں (۱) اگر زمیندار کا انتقال ہوا تو کھیتی کٹنے تک کھیتی کام کرنے والے کی تحویل میں رہے گی اور پھر شرط کے مطابق تقسیم ہوگی۔ (۲) اور اگر کارندہ مرگیا اور وارثین نے کہا کہ کھیتی کے کٹنے تک ہم کام کریں گے اور مالک انکار کرے تو اسے انکار کا حق نہیں ہے اس صورت میں ورثہ کو ان کے کام کا کچھ نہ ملے گا (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۶۴)

(۱۵۹/۱۵) وَاِذَا انْقَضَتْ مُدَّۃُ الْمُزَارَعَۃِ وَالزَّرْعُ لَمْ یُدْرِكْ كَانَ عَلَی الْمُزَارِعِ اَجْرُ مِثْلِ نَصِیْبِہٖ مِنَ الْاَرْضِ اِلٰی اَنْ یُسْتَحْصَدَ.

حل لغات: انقضت: ماضی، ختم ہونا پورا ہونا، لم یدرك: کھیتی نہیں پکی ادراك الثمر سے ماخوذ ہے

ادرک الثمر پھل پکنا، یستحصد: مضارع باب استفعال مصدر استحصاد کاٹنے کا وقت قریب ہونا، کھیتی کٹنا۔

ترجمہ: اور جب گذر جائے مزارعت کی مدت اور کھیتی ابھی نہ پکی ہو تو کھیتی کرنے والے پر زمین کے اپنے حصہ کی اجرت مثل لازم ہوگی کھیتی کٹنے تک۔

تشریح: ایک شخص نے سال بھر کے لئے زمین بٹائی پر لی ایک سال پورا ہو گیا ابھی کھیت میں کھیتی پکی کھڑی ہے اب کچی کھیتی کاٹنے میں دونوں کا نقصان ہے اس لیے اس کا حل یہ ہے کہ بٹائی والے کا جتنا حصہ ہے اس کے حصے کے مطابق اجرت مثل اس پر لازم ہوگی، مثلاً کھیتی پکنے میں ایک ماہ اور لگے گا تو بٹائی والے پر ایک ماہ کی اجرت مثل لازم ہوگی اس میں زمین والے کا فائدہ یہ ہے کہ ایک ماہ کی اجرت زیادہ مل گئی اور بٹائی والے کا یہ فائدہ ہوا کہ اس کو آدھا غلہ مل گیا۔

(۱۶۶۰/۱۶) وَالنَّفَقَةُ عَلَى الزَّرْعِ عَلَيْهِمَا عَلٰى مِقْدَارِ حُقُوْقِهِمَا.

ترجمہ: اور کھیتی کا خرچ دونوں پر ہوگا ان دونوں کے حقوق کے مطابق۔

تشریح: مزارعت کی مدت ختم ہو چکی تھی اس لیے عقد ختم ہو گیا تو اب بٹائی والے پر کام کرنا لازم نہیں رہا اب جو کچھ خرچ ہوگا وہ زمین دار اور کام کرنے والے دونوں پر ہوگا اگر دونوں کا حصہ آدھا آدھا تھا تو خرچ بھی اسی طرح آدھا اور اگر ایک تہائی اور دو تہائی تھا تو ایک تہائی پر ایک تہائی اور جس کا دو تہائی تھا اس پر دو تہائی خرچ لازم ہوگا اور اگر مزارعت مکمل نہیں ہوئی تو کھیتی کا سارا خرچ کاشت کار پر ہوگا۔

(۱۶۶۱/۱۷) وَاُجْرَةُ الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَالرِّفَاعِ وَالتَّذْرِيَةِ عَلَيْهِمَا بِالْحِصَصِ فَاِنْ شَرَطَاهُ فِي الْمُزَارَعَةِ عَلَى الْعَامِلِ فَسَدَتْ.

حل لغات: الحصاد: مصدر ہے باب (ن ض) سے درانتی سے کاٹنا، الدياس: مصدر ہے باب (ن) گاہنا، پاؤں سے ملنا، الرفاع: مصدر ہے کٹی ہوئی کھیتی کا کھلیان میں لے جانا، التذرية: باب تفعیل کا مصدر ہے ہوا میں اڑا کر غلہ صاف کرنا۔

ترجمہ: اور کھیتی کاٹنے: گاہنے اکٹھا کرنے اور غلہ صاف کرنے کی اجرت دونوں پر ہوگی حصے کے مطابق اگر دونوں نے شرط کر لی اس کی مزارعت میں کاشت کار کے ذمہ تو فاسد ہو جائے گی مزارعت۔

تشریح: کھیتی پکنے تک مزارعت برقرار ہے اس لیے بٹائی والے پر کام کرنا لازم ہوگا اور کھیتی پک جانے کے بعد مزارعت ختم ہو جائے گی، کیوں کہ اب دونوں کے حصے ہیں اس لیے اپنے اپنے حصے کے مطابق دونوں پر اجرت لازم ہوگی مثلاً کھیتی کاٹنا، گاہنا، کھیتی کو اکھاڑنا، غلہ صاف کرنا یہ سب کام دونوں کو کرنے ہیں یا دونوں کو اجرت پر کرانے ہیں اگر ان کاموں کے کرنے کی شرط عامل پر لگائی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی کیوں کہ کاشت کار پر یہ چیزیں لازم نہیں ہیں کاشت کار کی ذمہ داری تو کھیتی کے پکنے تک تھی، امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر عامل پر اس طرح شرط لگائی کہ فلاں

فلاں کام عامل کو کرنے ہیں تو اس سے مزارعت فاسد نہ ہوگی، جیسے جوتا گانٹھنے کی شرط چمڑے والے پر لگائی تو عرف کی بنا پر جائز ہے اسی طرح یہاں بھی مزارعت جائز ہو جائے گی، مشائخ نے اسی قول کو پسند فرمایا اور شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ ہمارے دیار میں یہی زیادہ صحیح ہے (اللباب ۲/ ۱۳۸)

كِتَابُ الْمُسَاقَاتِ

(یہ کتاب مساقات کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: مزارعت اور مساقات دونوں میں پیداوار میں مشارکت ہے اتنا فرق ہے کہ مساقات درختوں سے متعلق ہے اور مزارعت زمین سے، اور مزارعت کو مساقات پر اس لیے مقدم کیا کہ مزارعت کے احکام جاننے کی ضرورت زیادہ ہے۔

لغوی تحقیق: مساقات باب مفاعلۃ کا مصدر ہے سقی سے ماخوذ ہے سینچنا سیراب کرنا۔

اصطلاحی تعریف: مساقات کا مطلب یہ ہے کہ کوئی باغ والا دوسرے شخص کے ساتھ یہ معاملہ کرے کہ تم ہمارے ان درختوں کو پانی سے سیراب کرو اور دیکھ ریکھ کرو جو کچھ ان پر پھل آئیں گے اس میں اتنا حصہ تمہارا ہوگا۔

(۱۲۶۲/۱) قَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُسَاقَاةُ بِجُزْءٍ مِّنَ الثَّمَرَةِ بَاطِلَةٌ وَقَالَا جَائِزَةٌ اِذَا ذَكَرَا مُدَّةً مَعْلُوْمَةً وَسَمّٰى جُزْءً مِّنَ الثَّمَرَةِ مُشَاعًا.

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ کچھ پھل مقرر کر کے مساقات باطل ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز ہے جب کہ وہ دونوں ذکر کر دیں معین مدت اور متعین کر دے پھل کا کچھ حصہ مشترک طور پر۔

مساقات کے صحیح ہونے کی شرطیں

تشریح: مساقات کے جائز اور ناجائز ہونے کے سلسلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا وہی اختلاف ہے جو باب المزارعت میں گزرا۔

مساقات کی ایک شکل یہ ہے کہ سیراب کرنے والا سیراب کرے اور اسے نقد کی شکل میں کچھ پیسے دے دے یہ تو جائز ہے اور دوسری شکل یہ ہے کہ درختوں کے سیراب اور دیکھ بھال کی وجہ سے درختوں پر جو پھل آئے گا اس میں تہائی یا چوتھائی متعین کر دے تو یہ صورت امام صاحب کے نزدیک مزارعت کی طرح باطل ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ دو شرطوں کے ساتھ مساقات جائز ہے ایک یہ کہ مساقات کی مدت متعین ہو، یعنی کتنے دن کے لئے درخت مساقات پر رہا ہے اور دوسرے یہ کہ جو پھل آئے ان میں دونوں مشترک طور پر حصہ کریں کسی ایک کے لئے مخصوص مقدار پھلوں کی نہ ہو۔

(۲/۱۶۶۳) وَتَجُوْزُ الْمُسَاقَاةُ فِي النَّخْلِ وَالشَّجَرَةِ وَالْكَرْمِ وَالرِّطَابِ وَاُصُوْلِ الْبَاذِنْجَان.

حل لغات: النخل: کھجور کا درخت، الکرم: کاف پرفتحہ راء ساکن انگور کی بیل، الرطاب: راء کے کسرہ کے ساتھ رَطْبَةٌ کی جمع ہے ترکاری، اصول الباذنجان: بینگن کا درخت۔

ترجمہ: اور جائز ہے مساقات کھجوروں درختوں انگوروں، ترکاریوں اور بینگنوں میں۔

کن چیزوں میں مساقات صحیح ہے؟

تشریح: کھجور وغیرہ کے درخت، انگور کی بیل، ترکاریاں اور بینگنوں کی جڑوں میں مساقات جائز ہے کیوں کہ مساقات کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے اور ضرورت مذکورہ تمام چیزوں میں ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مساقات صرف انگور کی بیل اور کھجور میں درست ہے۔

(۳/۱۶۶۴) فَاِنْ دَفَعَ نَخْلاً فِيْهِ ثَمَرَةٌ مُسَاقَاةً وَالثَّمَرَةُ تَزِيْدُ بِالْعَمَلِ جَازَ وَاِنْ كَانَتْ قَدِانْتَهَتْ لَمْ يَجُزْ.

حل لغات: انتهت: پورا ہو گیا ہو۔

ترجمہ: اگر دیدے کھجور کا پھل دار درخت مساقات پر اور پھل بڑھ سکتا ہو عمل سے تو جائز ہے، اور اگر پھل کا بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو جائز نہیں۔

تشریح: ایک آدمی نے کھجور کا باغ مساقات پر دیا جس میں کچے پھل لگے ہوئے تھے جو عامل کی محنت اور دیکھ بھال سے ابھی مزید بڑھ سکتے ہیں تو مساقات پر دینا جائز ہے اور اگر پھل اگر پک چکے تھے اور ان کا بڑھنا اب پورا ہو چکا تھا تو ایسی حالت میں مساقات پر درخت دینا جائز نہیں ہے، اب جو بھی کچھ عامل کرے گا وہ اجرت پر شمار ہوگا کیوں کہ عامل اپنے عمل کی وجہ سے پھل کا حقدار ہوتا ہے اور جب پھل پک چکا تو اس کے عمل کو کوئی دخل نہیں رہا چناں چہ اگر پھل پکنے کے بعد بھی مساقات کو جائز رکھا جائے تو کام کرنے والے کا بلا عمل مستحق ہونا لازم آئے گا۔

(۴/۱۶۶۵) وَاِذَا فَسَدَتِ الْمُسَاقَاةُ فَلِلْعَامِلِ اَجْرُ مِثْلِهٖ.

ترجمہ: اور اگر فاسد ہو جائے مساقات تو کام کرنے والے کے لئے اجرت مثل ہوگی۔

تشریح: کسی وجہ سے مساقات کا معاملہ فاسد ہو جائے تو پورا پھل درخت والے کا ہوگا اور کام کرنے والے کو اجرت مثل ملے گی، جس طرح مزارعت میں معاملہ فاسد ہو جائے تو پورا غلہ بیج والے کا ہوتا ہے ایسے ہی مساقات میں معاملہ فاسد ہونے سے پورا پھل درخت والے کا ہوگا اور جب پھل درخت والے کا ہو گیا تو کام کرنے والے کو وہ اجرت ملے گی جو بازار میں مل سکتی ہے جس کو اجرت مثل کہتے ہیں عِنْدَ الشَّيْخَيْنِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَهٗ اَجْرُ مِثْلِهٖ بَالِغًا مَا بَلَغَ

كَمَا مَرَّ.

(۵/۱۶۶۶) وَتَبْطُلُ الْمُسَاقَاةُ بِالْمَوْتِ

ترجمه: اور باطل ہو جائے گی مساقات موت سے۔

تشریح: مساقات درخت والے یا کام کرنے والے کے مرنے سے باطل ہو جائے گی، اور ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوگی اگر پھل پکنے کے قریب ہو تو پھل پکنے تک ورثہ مساقات کو بحال رکھیں تا کہ کسی کا بھی نقصان نہ ہو درمیان میں معاملہ نہ توڑیں اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔

(۶/۱۶۶۷) وَتَفْسَخُ بِالْاَعْذَارِ كَمَا تَفْسَخُ الْاِجَارَةُ.

ترجمه: اور مساقات فسخ ہو جائے گی عذروں سے جیسے فسخ ہو جاتا ہے اجارہ۔

تشریح: عذر شدید کی وجہ سے مساقات کا معاملہ فسخ ہو جاتا ہے جس طرح اجارہ فسخ ہو جاتا ہے، مثلاً کام کرنے والا چور ہو اور اس سے سامان اور پھلوں کی چوری کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اگر عقد مساقات فسخ نہیں ہوگا تو مالک کا نقصان ہوگا یا عامل بیمار ہو گیا تو مساقات فسخ کرنے کی اجازت ہے ورنہ ضرر شدید کا خطرہ ہے (الجوہرۃ النیرۃ ۶۶/۲)

كِتَابُ النِّكَاحِ

(یہ کتاب نکاح کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: نکاح کو مساقات سے مناسبت اس طرح ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے اندر مقصود پھل (اولاد) ہے۔

نکاح کی لغوی تحقیق: نکاح کے لفظی معنی وطی کے بھی ہیں اور عقد کے بھی، پھر بعض نے پہلے معنی کو حقیقت اور دوسرے کو مجاز قرار دیا ہے کما هو مذهب الحنفية اور بعض نے اس کے برعکس کہا ہے یعنی عقد کے معنی میں حقیقت اور وطی کے معنی میں مجاز کما هو مذهب الشافعية.

نکاح کی شرعی حیثیت: امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح عبادت نہیں گویا دوسرے عقود مالیہ کی طرح ایک معاملہ ہے جب کہ حنفیہ کے نزدیک نکاح عقد مالی ہونے کے ساتھ عبادت بھی ہے، اس پر اتفاق ہے کہ غلبۂ شہوت کی صورت میں نکاح ضروری ہے چنانچہ ایسا شخص مہر اور نفقہ پر قدرت رکھنے اور حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہونے کے باوجود اگر نکاح نہ کرے گا تو گناہ گار ہوگا، اگر غلبۂ شہوت نہ ہو تو نکاح کی شرعی حیثیت کے بارے میں اختلاف ہے ظاہریہ کے نزدیک اس صورت میں بھی نکاح فرض عین ہے بشرطیکہ حقوق زوجیت کے ادا کرنے پر قادر ہو جمہور کے

نزدیک ایسی صورت میں نکاح فرض نہیں، پھر امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح صرف مباح ہے اور نفلی عبادات کے لئے خود کو فارغ کر لینا نکاح میں مشغول ہونے کے مقابلہ میں افضل ہے۔

احناف کی اس مسئلہ میں تین روایات ہیں ایک استحباب کی، دوسری سنیت کی، تیسری وجوب کی، راجح اور مشہور قول ہمارے یہاں یہی ہے کہ سنت ہے اور قدرت کے باوجود ترک نکاح خلاف اولیٰ ہے۔

نکاح کی اصطلاحی تعریف: وہ ایسا عقد ہے جو ملک متعہ کے لئے مفید ہو چناں چہ نکاح کے ذریعہ مرد کے ملئے عورت سے نفع اٹھانا جائز ہو جاتا ہے۔

(۱/۱۶۶۸) اَلنِّكَاحُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ بِلَفْظَيْنِ يُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ اَوْ يُعَبَّرُ بِاَحَدِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ وَالْآخَرُ عَنِ الْمُسْتَقْبَلِ مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلَ زَوِّجْنِيْ فَيَقُوْلُ زَوَّجْتُكَ.

ترجمہ: نکاح منعقد ہو جاتا ہے ایجاب اور قبول کے ایسے دو لفظوں سے کہ جن دونوں سے تعبیر کیا جائے ماضی کو یا تعبیر کیا جائے ان میں سے ایک ماضی کو اور دوسرے سے مستقبل کو مثلاً مرد نے کہا میرا نکاح کر دے عورت جواب میں کہے میں نے نکاح کر دیا۔

انعقاد و تحقق نکاح کا بیان

تشریح: نکاح ایک عقد ہے اور عقد ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے اس لیے نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ ایجاب وقبول دونوں لفظ فعل ماضی کے ہوں تب نکاح ہوگا، کیوں کہ معاملات میں بات کا پختہ ہونا ضروری ہے اور یہ بات فعل ماضی میں ہی ہوتی ہے اگر استقبال کا صیغہ مراد لیں تو نکاح کرنے کا صرف وعدہ ہوگا ایک دوسری شکل صاحب کتاب اور بتا رہے ہیں کہ ایجاب یا قبول میں سے ایک کو فعل ماضی سے تعبیر کیا ہو اور دوسرے کو فعل مستقبل سے یعنی امر کے صیغہ سے تعبیر کیا تب بھی نکاح ہو جائے گا۔

ایجاب کرنے والے نے امر کے صیغہ سے جس کو مستقبل کا صیغہ کہتے ہیں سامنے والے کو نکاح کا وکیل بنایا اور سامنے والے نے دونوں جانب سے فعل ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور نکاح کرا دیا تو نکاح ہو جائے گا دونوں جانب سے یہاں بھی فعل ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور امر کا جو صیغہ استعمال ہوا ہے وہ سامنے والے کو نکاح کا وکیل بنانے کے لئے ہوا ہے۔

(۲/۱۶۶۹) وَلَا يَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا بِحُضُوْرِ شَاهِدَيْنِ حُرَّيْنِ بَالِغَيْنِ عَاقِلَيْنِ مُسْلِمَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَ امْرَأَتَيْنِ عُدُوْلًا كَانُوْا اَوْ غَيْرَ عُدُوْلٍ.

ترجمہ: اور نہیں منعقد ہوتا نکاح مسلمانوں کا مگر دو گواہوں کی موجودگی میں جو دونوں آزاد ہوں بالغ ہوں

عاقل ہوں اور مسلمان ہوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں عادل ہوں یا غیر عادل ہوں۔

شرائط نکاح

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے نکاح کے منعقد ہونے کی شرائط کو بیان کیا ہے، ایک مسلمان کے نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں دو گواہ موجود ہوں اور ان دونوں گواہوں کا آزاد ہونا بالغ ہونا عاقل ہونا اور مسلمان ہونا شرط ہے اگر یہ دونوں گواہ مرد نہ ہوں بلکہ ایک مرد اور دو عورتیں ہوں گواہ عادل ہوں یا عادل نہ ہوں جب بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔

کیا بغیر گواہوں کے نکاح منعقد ہو جائے گا؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) حضرت امام مالکؒ کے نزدیک گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ وہ صرف اعلان کو کافی سمجھتے ہیں (۲) جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

امام مالک کی دلیل: زنا سراً ہوتا ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ نکاح اعلانیہ ہو، تاکہ دونوں میں امتیاز ہو جائے چناں چہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سراً نکاح کی ممانعت ثابت ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں اِنَّ النَّبِیَّ نَہٰی عَنْ نِکَاحِ السِّرِّ. (مجمع الزوائد ۴/۲۸۵)

جواب: نکاح السر کا مصداق وہ نکاح ہے جس میں گواہ نہ ہوں اور جس نکاح میں گواہ موجود ہوں وہ نکاح اعلانیہ ہے نہ کہ نکاح سر۔

جمہور کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْبَغَایَا اللَّاتِیْ یَنْکِحْنَ اَنْفُسَہُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَۃٍ (ترمذی ۱/۱۳۱) زانی وہ ہے جو اپنا نکاح بغیر گواہ کے کرے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر گواہ کے نکاح نہیں ہوگا۔

نکاح کا نصاب شہادت

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نکاح جس طرح دو مردوں کی شہادت سے منعقد ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی منعقد ہو جاتا ہے، امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے، جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے اور عورتوں کی گواہی اس باب میں معتبر نہیں۔

امام شافعی کا استدلال: حدیث میں شَاھِدَیْ عَدْلٍ آیا ہے اس میں مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

جواب: عرفاً شاہدین کے مفہوم میں وہ تمام لوگ آ جاتے ہیں جو نصاب شہادت کو پورا کرتے ہوں اور نصاب شہادت بنص قرآنی یہ ہے وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ.

(۳/۱۶۷۰) اَوْ مَحْدُوْدَيْنِ فِيْ قَذْفٍ.

ترجمہ: یا زنا کی تہمت لگانے میں سزا پائے ہوئے ہوں۔

تشریح: کسی نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کو ثابت نہ کرسکا جس کی وجہ سے اس پر حد قذف لگ گئی ہوا یسے محدود فی القذف گواہوں کی موجودگی میں بھی نکاح ہو جائے گا، محدود فی القذف تحمل شہادت کا اہل ہے یعنی شہادت کو اٹھانے کا، البتہ اگر کبھی مجلس قضاء میں گواہی دینے کی ضرورت پیش آئیگی، تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی۔

(۴/۱۶۷۱) فَاِنْ تَزَوَّجَ مُسْلِمٌ ذِمِّيَّةً بِشَهَادَةِ ذِمِّيَّيْنِ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَا يَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يُّشْهِدَ شَاهِدَيْنِ مُسْلِمَيْنِ.

ترجمہ: اگر نکاح کرے کوئی مسلمان کسی ذمیہ عورت سے دو ذمیوں کی گواہی کے ساتھ تو جائز ہے شیخین کے نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ جائز نہیں ہے مگر یہ کہ گواہ بنالے دو مسلمانوں کو۔

تشریح: مسئلہ (۱۶۶۰) (۲) میں گواہوں کے لئے مسلمان ہونا شرط بتلایا گیا تھا یہ مسئلہ اسی پر متفرع ہے، ذمی وہ کافر ہے جو دار الاسلام میں فرماں برداری اور ذمہ داری پر بستے ہوں خواہ ہندو ہوں یا یہودی یا نصرانی لیکن متن میں ذمیہ سے مراد اہل کتاب ہے یہودی ہو یا نصرانی، کیوں کہ مسلمان کا نکاح صرف کتابیہ سے جائز ہے غیر کتابیہ سے نہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان نے یہودیہ یا نصرانیہ سے شادی کی دو یہودی یا دو نصرانی کی گواہی سے تو شیخین کے نزدیک نکاح ہو جائے گا، امام محمد اور امام زفر فرماتے ہیں کہ ذمیہ کی شادی بھی دو مسلمان گواہوں کے علاوہ سے نہیں ہوگی۔

امام محمدؒ کی دلیل: نکاح میں ایجاب وقبول کے سننے کا نام شہادت ہے اور کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف معتبر نہیں ہے تو گویا کہ ذمیوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں اور جب کلام ہی نہیں سنا تو شہادت بھی نہیں پائی گئی لہٰذا نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

شیخین کی دلیل: ذمی مسلمان کے نقصان کے لئے گواہی دینا چاہے تو قابل قبول نہیں ہے لیکن اگر مسلمان کے فائدے کے لئے گواہی دے تو مقبول ہے، اور اس مسئلہ میں یہودی یا نصرانی عورت کا جسم مسلمان کے قبضہ میں آ رہا ہے، جو مسلمان کے فائدے کی چیز ہے، اس لئے یہ گواہی مقبول ہوگی۔

(۵/۱۶۷۲) وَلَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّتَزَوَّجَ بِاُمِّهٖ وَلَا بِجَدَّاتِهٖ مِنْ قِبَلِ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے آدمی کے لئے یہ کہ شادی کرے اپنی ماں سے اور نہ اپنی دادی سے مردوں کی طرف سے ہو یا عورتوں کی طرف سے۔

محرمات ابدیہ کی تفصیل

تشریح: اپنی ماں اپنی دادی اپنی نانی سے شادی کرنا حرام ہے، باپ کی طرف سے جو ماں ہوتی ہے اس کو دادی کہتے ہیں، اور ماں کی جانب سے جو ماں ہے اس کو نانی کہتے ہیں ان سب سے نکاح حرام ہے۔

(۱۶۷۳/۶) وَلَا بِبِنْتِهٖ وَلَا بِبِنْتِ وَلَدِهٖ وَاِنْ سَفُلَتْ.

ترجمہ: اور نہ اپنی بیٹی سے اور نہ اپنی پوتی سے اگرچہ نیچے تک ہو۔

تشریح: اپنی بیٹی اسی طرح اپنی پوتی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے آیت میں ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ الخ اس آیت میں صراحت ہے کہ اپنی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، اور بیٹی کے اندر بالاجماع پوتی اور نواسی بھی داخل ہیں ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے چاہے پڑپوتی سرپوتی پرنواسی سرنواسی ہی کیوں نہ ہوں اور کتنے ہی نیچے تک ہوں۔

(۱۶۷۴/۷) وَلَا بِاُخْتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ اُخْتِهٖ وَلَا بِعَمَّتِهٖ وَلَا بِخَالَتِهٖ وَلَا بِبَنَاتِ اَخِيْهِ.

ترجمہ: اور نہ اپنی بہن کے ساتھ اور نہ اپنی بھانجیوں کے ساتھ اور نہ اپنی پھوپھی سے اور نہ اپنی خالہ سے اور نہ اپنی بھتیجیوں سے۔

تشریح: اپنی بہن، اپنی بھانجی، اپنی پھوپھی اور اپنی خالہ اور اپنی بھتیجی سے شادی کرنا حرام ہے کیوں کہ آیت میں ہے وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ.

(۱۶۷۵/۸) وَلَا بِاُمِّ امْرَاَتِهِ الَّتِيْ دَخَلَ بِابْنَتِهَا اَوْ لَمْ يَدْخُلْ.

ترجمہ: اور نہ (حلال) ہے اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ چاہے اس کی لڑکی سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کر چکا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں ساس کی حرمت کو بیان کیا ہے، بیوی کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں ساس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے کیوں کہ آیت میں ہے وَاُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ اس میں یہ قید نہیں ہے کہ دخول نہ کیا ہو تو حلال ہے اس لیے بیوی سے دخول نہ بھی کیا ہو تب بھی ساس حرام رہے گی۔

(۱۶۷۶/۹) وَلَا بِابْنَةِ امْرَاَتِهِ الَّتِيْ دَخَلَ بِهَا سَوَاءٌ كَانَتْ فِيْ حِجْرِهٖ اَوْ فِيْ حِجْرِ غَيْرِهٖ.

حل لغات: حجر: گود، پرورش میں رہنا۔

ترجمہ: اور اپنی بیوی کی بیٹی کے ساتھ ایسی بیوی جس کے ساتھ دخول کرلیا ہو برابر ہے کہ اس کی پرورش میں ہو یا دوسرے کی پرورش میں ہو۔

تشریح: ایک عورت سے نکاح کیا لیکن ابھی اس سے صحبت نہیں کی اور اس کو طلاق دے کر اس کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کرسکتا ہے، لیکن اگر بیوی سے صحبت کرلی تو اب اس کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہے اس سے نکاح نہیں کرسکتا چاہے وہ بیٹی اس بیوی کی پرورش میں ہو یا نہ ہو۔ آیت میں اس کی صراحت ہے کہ بیوی سے صحبت نہ کی ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتے ہو (سورۃ النساء آیت ۲۳)

(۱۰/۱۶۷۷) وَلَا بِامْرَأَةِ اَبِیْهِ وَلَا اَجْدَادِهٖ.

ترجمہ: اور نہ اپنے باپ کی بیوی سے اور نہ اپنے دادا کی بیوی سے۔

تشریح: سوتیلی ماں جس سے باپ نے نکاح کیا ہے اسی طرح اپنی دادی یا سوتیلی دادی جس سے دادا نے شادی کی ان سے نکاح حرام ہے، آیت میں حرمت کا ثبوت ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ یعنی مت نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہے مگر جو گذر گیا۔

(۱۱/۱۶۷۸) وَلَا بِامْرَأَةِ اِبْنِهٖ وَلَا بَنِیْ اَوْلَادِهٖ.

ترجمہ: اور نہ اپنے بیٹے کی بیوی اور نہ پوتوں کی بیوی سے۔

تشریح: بیٹے کی بیوی یعنی اپنی بہو سے نکاح حرام ہے اسی طرح پوتوں کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے، کیوں کہ آیت میں ہے وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یعنی اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں (حرام کی گئیں)

ابناء جمع کا صیغہ ہے اس لیے اس میں پوتے کی بیوی بھی داخل ہے البتہ لے پالک بیٹے کی بیوی حلال ہے۔

(۱۲/۱۶۷۹) وَلَا بِاُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَلَا بِاُخْتِهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

ترجمہ: اور نہ اپنی رضاعی ماں سے اور نہ اپنی رضاعی بہن سے۔

تشریح: مصنف نے اس عبارت میں محرمات رضاعی کو بیان فرمایا ہے، وہ ماں جس سے پیدا تو نہ ہوا لیکن بچپنے میں اس سے دودھ پیا ہو اس کو رضاعی ماں کہتے ہیں اس سے نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعی بہن سے بھی نکاح کرنا حرام ہے آیت میں اس کا ثبوت ہے وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں۔

(۱۳/۱۶۸۰) وَلَا یَجْمَعُ بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ بِنِكَاحٍ وَلَا بِمِلْكِ یَمِیْنٍ وَطْئًا.

ترجمہ: اور نہ جمع کرے دو بہنوں کو صحبت میں نکاح کے ذریعہ اور نہ ملک یمین کے ذریعہ۔

کن دو عورتوں کو ایک عقد میں جمع کرنا جائز نہیں ہے؟

تشریح: دو سگی بہنوں کو عقد صحیح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح دو بہنیں باندی تھیں دونوں کو اپنی ملکیت میں لیا تو ایک سے صحبت کرسکتا ہے دونوں سے صحبت نہیں کرسکتا اور اگر دوسری سے وطی کرنا چاہے تو پہلی کو ملکیت سے الگ کردے تب دوسری سے وطی کرسکتا ہے، کیوں آیت میں دو بہنوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اللہ نے فرمایا وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ اور حرام ہے کہ جمع کرو دو بہنوں کو مگر جو گزر گیا۔

(۱۶۸۱/۱۴) وَلَا یَجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَعَمَّتِہَا اَوْ خَالَتِہَا وَلَا ابْنَۃِ اُخْتِہَا وَلَا ابْنَۃِ اَخِیْہَا۔

ترجمہ: اور نہ جمع کرے عورت کو اور اس کی پھوپھی کو یا خالہ کو اور نہ اس کی بھانجی کو اور نہ اس کی بھتیجی کو۔

تشریح: عورت اور اس کی پھوپھی کو جمع کرنا، عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا حرام ہے مثلاً راشدہ اور اسکی پھوپھی میر جہاں کو ایک نکاح میں جمع کرے اور دونوں ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ حرام ہے، اسی طرح ساجدہ اور اس کی خالہ ایک ہی شوہر کے نکاح میں ہوں یہ بھی حرام ہے، آگے فرماتے ہیں کہ شوہر کے پاس پہلے سے خالہ ہو تو اس پر اس کی بھانجی سے شادی نہیں کرسکتا اسی طرح شوہر کے پاس پہلے سے پھوپھی ہو تو اس پر اس کی بھتیجی سے شادی نہیں کرسکتا، کیوں کہ حدیث میں ممانعت ہے۔

(۱۶۸۲/۱۵) وَلَا یَجْمَعُ بَیْنَ امْرَأَتَیْنِ لَوْ کَانَتْ کُلُّ وَاحِدَۃٍ مِنْہُمَا رَجُلًا لَمْ یَجُزْ لَہٗ اَنْ یَتَزَوَّجَ بِالْاُخْرٰی۔

ترجمہ: اور نہ جمع کرے ایسی دو عورتوں کو کہ اگر ان دونوں میں سے ایک عورت مرد ہوتی تو جائز نہ ہوتا یہ کہ دوسری سے نکاح کرے۔

تشریح: صاحب کتاب نے اس عبارت میں جمع بین المرأتین کی حرمت کے سلسلہ میں ضابطہ بیان فرمایا ہے ضابطہ یہ ہے کہ جن دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا ہے ان میں سے ہر ایک کو مرد فرض کرکے دیکھا جائے کہ ان دونوں کا نکاح آپس میں شرعاً درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو دونوں کو جمع کرسکتے ہیں اور اگر آپس میں نکاح درست نہیں ہے، تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی درست نہیں، مثلاً پھوپھی اور بھتیجی میں سے بھتیجی کو مرد فرض کرلیں تو وہ بھتیجا ہوگا اور بھتیجے کا پھوپھی سے نکاح کرنا حرام ہے اس لیے دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہوگا اسی پر دوسری صورتوں کو بھی قیاس کرلیا جائے۔

(۱۶۸۳/۱۶) وَلَا بَأْسَ بِاَنْ یَجْمَعَ بَیْنَ امْرَأَۃٍ وَابْنَۃِ زَوْجٍ کَانَ لَہَا مِنْ قَبْلُ۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں جمع کرنے میں عورت اور اس کے پہلے شوہر کی بیٹی کو۔

تشریح: یہ مسئلہ ماقبل کے اصول پر متفرع ہے، مسئلہ یہ ہے کہ عورت اور اس کے پہلے شوہر کی پہلی بیوی سے جو بیٹی ہے ان کو نکاح میں جمع کیا جاسکتا ہے مثلاً فاطمہ نے زید سے نکاح کیا اور زید کی ایک لڑکی رقیہ زید کی پہلی بیوی ساجدہ سے ہے پھر زید نے فاطمہ کو طلاق بائن دے دی اب اگر شاہد نے زید کی بیٹی رقیہ اور فاطمہ سے نکاح کر کے جمع کیا تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ رقیہ اور فاطمہ میں نہ قرابت ہے اور نہ رضاعت امام زفر فرماتے ہیں کہ جمع نہیں کر سکتے کیوں کہ زید کی بیٹی رقیہ کو اگر مرد فرض کریں تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں کیوں کہ فاطمہ اس کے باپ کی منکوحہ ہے اور باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں لہٰذا جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

جواب: باپ کی بیوی کو اگر مرد فرض کرلیا جائے تو اجنبی مرد ہوا اور اجنبی مرد کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور جمع بین المرأتین کے حرام ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں جانب سے مرد فرض کرنے کی صورت میں آپس میں نکاح حرام ہو۔

(۱۶۸۴/۱۷). وَمَنْ زَنٰی بِامْرَأَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ اُمُّهَا وَابْنَتُهَا.

ترجمہ: کسی نے زنا کیا کسی عورت سے تو حرام ہوگئی اس پر اس کی ماں اور اس کی بیٹی۔

زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی یا نہیں؟

تشریح: ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس مرد پر اس عورت کی ماں اور اسکی بیٹی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے احناف کا مذہب یہ ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے چناں چہ زانی پر مزنیہ کے اصول اور فروع حرام ہو جائیں گے اور مزنیہ پر زانی کے اصول اور فروع حرام ہوجائیں گے شوافع کے نزدیک زنا حرمت مصاہرت (رشتۂ دامادیت) کا سبب نہیں ہوگا یعنی زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، کیوں کہ زنا حرام اور معصیت ہے اور حرمت مصاہرت ایک نعمت اور امر مشروع ہے لہٰذا فعل حرام کسی نعمت کے حصول کا سبب نہیں ہوسکتا اس لیے زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

جواب: حقیقت میں حرمت مصاہرت کا سبب ولد ہے اور ولد میں ممانعت اور گناہ نہیں قصور جو کچھ ہے ماں کا ہے ولد جس کو سبب بنایا گیا ہے اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل: زنا کرنا اگرچہ حرام ہے پھر بھی زنا کی وجہ سے جزئیت ثابت ہوگئی اور گویا کہ مزنیہ کی ماں حرمت مصاہرت کی وجہ سے ساس بن گئی اور مزنیہ کی بیٹی سوتیلی بیٹی بن گئی جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ان سے نکاح کرنا حرام ہوگیا۔

(۱۸/۱۶۸۵) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے دے کوئی اپنی بیوی کو طلاق بائن تو جائز نہیں اس کے لئے یہ کہ وہ شادی کرے اس کی بہن سے یہاں تک گذر جائے اس کی عدت۔

معتدہ کی بہن سے نکاح کا عدم جواز

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی چاہے ایک طلاق دی یا تین طلاق دی ابھی عدت نہیں گذری ہے کہ شوہر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ نکاح نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کی بیوی کی عدت ختم نہ ہو جائے، کیوں کہ جب تک عدت باقی ہے اس وقت تک بیوی شوہر سے اسی طرح خرچہ لے گی جس طرح منکوحہ ہونے کی حالت میں لے رہی تھی اور عدت کے ختم ہونے تک اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی وغیرہ وغیرہ گویا کہ یہ عورت عدت تک من وجہٍ بیوی ہے اور جب بیوی ہے تو اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا۔

امام مالک وامام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر طلاق بائن دی ہو یا طلاق مغلظہ دی ہو تو عدت کے اندر بھی اس کی بہن سے شادی کرسکتا ہے۔

دلیل: طلاق بائن اور طلاق مغلظہ میں عورت شوہر سے بالکلیہ منقطع ہو جاتی ہے چاہے عدت نہ گزری ہو اس لیے اس کی بہن سے شادی کرسکتا ہے۔

احناف یہ فرماتے ہیں کہ طلاق پائے جانے کی وجہ سے نکاح بالکل ختم نہیں ہوا بلکہ حکم نکاح عدت تک کے لئے موخر ہو گیا۔

(۱۹/۱۶۸۶) وَلَا يَجُوْزُ لِلْمَوْلٰى اَنْ يَتَزَوَّجَ اَمَتَهُ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے آقا کے لئے یہ کہ شادی کرے اپنی باندی سے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ آقا کے لئے اپنی باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ نکاح ایسے منافع اور فوائد کے پیش نظر مشروع کیا گیا ہے جو دونوں (میاں بیوی) کے درمیان مشترک ہیں اور مذکورہ نکاح میں مالکیت اور مملوکیت کا جمع ہونا لازم آئیگا حالاں کہ ان دونوں کے درمیان منافات ہے اس لیے یہ نکاح درست نہیں ہے۔

(۲۰/۱۶۸۷) وَلَا الْمَرْأَةُ عَبْدَهَا.

ترجمہ: اور نہ عورت (کے لئے) اپنے غلام سے (نکاح کرنا جائز ہے)

تشریح: غلام مملوک ہے اگر سیدہ اس کو شوہر بنائے گی تو ایک انداز ے میں اس کو مالک بنانا پڑے گا جو مملوکیت کے خلاف ہے اس لیے سیدہ اپنے غلام سے شادی نہیں کرسکتی۔

(۲۱/۱۶۸۸) وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْكِتَابِيَّاتِ.

ترجمہ: اور جائز ہے نکاح کرنا کتابیہ عورتوں سے۔

کیا کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہے؟

تشریح: کتابیات جمع ہے کتابیہ کی، کتابیہ وہ شخص ہے جو نبی پر ایمان رکھتا ہے اور کتاب کا اقرار کرتا ہے ائمہ اربعہ میں سے آزاد کتابیہ سے نکاح کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، مگر کتابیہ باندی سے نکاح کرنے میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک مطلق باندی سے نکاح جائز ہے، شوافع کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے، بہرحال یہاں صورت مسئلہ یہ ہے کہ یہودیہ اور نصرانیہ عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے، بشرطیکہ واقعتاً اہل کتاب ہوں دہریہ نہ ہوں لیکن پھر بھی بہتر نہیں ہے جواز کی دلیل یہ آیت ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ الخ یعنی تمہارے واسطے حلال کی گئیں اہل کتاب میں سے وہ عورتیں جو پاک دامن ہوں، لیکن بہتر اس لیے نہیں ہے کہ گھر میں یہودیہ یا نصرانیہ عورت ہو تو پورا معاشرہ ہی یہودی یا نصرانی بن جائے گا۔

(۲۲/۱۶۸۹) وَلَا يَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الْمَجُوْسِيَّاتِ وَلَا الْوَثْنِيَّاتِ.

حل لغات: المجوسیات: یہ مجوسیۃ کی جمع ہے مذکر مجوسی ہے آگ کے پجاری کو مجوسی کہتے ہیں۔ الوثنیات: یہ وثنیۃ کی جمع ہے مذکر وثنی ہے وثنی وہ شخص ہے جو بتوں کی پوجا کرتا ہو۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے نکاح میں لینا آتش پرست اور بت پرست عورتوں کو۔

آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح کا عدم جواز

تشریح: آتش پرست عورتوں سے نکاح بالاتفاق ناجائز ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اہل کتاب کے ساتھ جو معاملہ کرتے ہو مجوس کے ساتھ وہی معاملہ کرو سوائے اس کے کہ مجوس کی عورتوں سے نکاح کرو اور ان کا ذبیحہ کھاؤ یعنی ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے۔

اور بت پرست عورتوں سے بھی نکاح کرنا ناجائز ہے دلیل قرآن کی آیت ہے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔

(۲۳/۱۶۹۰) وَيَجُوْزُ تَزْوِيْجُ الصَّابِيَّاتِ اِنْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِنَبِيٍّ وَيُقِرُّوْنَ بِكِتَابٍ وَاِنْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ

الْكَوَاكِبَ وَلاَ كِتَابَ لَهُمْ لَمْ يَجُزْ مُنَاكَحَتُهُمْ.

حل لغات: الصابیات: یہ صابیۃ کی جمع ہے مذکر صابی ہے، صابی وہ شخص ہے جو انبیاء میں سے کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتا ہو لہٰذا یہ اہل کتاب میں سے ہوگا یہ تعریف امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ صابی وہ شخص ہے جو ستاروں کی پوجا کرتا ہے اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار نہیں کرتا ہے لہٰذا یہ بت پرستوں کے حکم میں ہوگا۔

ترجمہ: اور جائز ہے صابیہ عورتوں سے نکاح کرنا اگر وہ ایمان رکھتی ہوں کسی نبی پر، اور اقرار کرتی ہوں کسی (آسمانی) کتاب کا، اور اگر وہ ستاروں کو پوجتی ہوں اور ان کے پاس کوئی (آسمانی) کتاب بھی نہ ہو تو ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

صابیہ عورتوں سے نکاح کا جواز مختلف فیہ ہے

تشریح: صابیہ عورتوں سے نکاح کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے حقیقت میں یہ اختلاف صابی کی تعریف وتفسیر میں ہے جو حل لغات کے تحت بیان کر دیا ہے اسی اختلاف کی بنیاد پر صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اہل کتاب کی طرح ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہو اور کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں تو ان سے نکاح کرنا جائز ہوگا صابی کی یہی تفسیر امام صاحب نے بیان کی ہے اس لیے امام کے نزدیک نکاح جائز ہوگا، اور اگر ان کے پاس کوئی کتاب نہ ہو اور نہ کسی نبی پر ایمان ہو تو وہ بت پرست ہیں ان سے نکاح جائز نہ ہوگا صاحبین کے نزدیک صابی کی یہی تفسیر معتبر ہے۔

(۱۶۹۱/۲۴) وَيَجُوْزُ لِلْمُحْرِمِ وَالْمُحْرِمَةِ اَنْ يَتَزَوَّجَا فِيْ حَالَةِ الْإِحْرَامِ.

ترجمہ: اور جائز ہے محرم مرد اور محرمہ عورت کے لئے یہ کہ دونوں شادی کریں احرام کی حالت میں۔

بحالت احرام نکاح کرنے کا بیان

تشریح: احرام والی عورت ہو یا مرد حالت احرام میں ہو، نکاح کرنا جائز ہے یہ مذہب احناف کا ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ وَلَا يَخْطُبُ (مسلم ۱/۴۵۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محرم نکاح نہ کرے اور نہ نکاح کرائے اور نہ منگنی کرے اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ حالت احرام میں نکاح کرنا اور نکاح کرانا دونوں ناجائز ہیں۔

جواب: مذکورہ حدیث میں نکاح کے لغوی معنی (وطی) مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ محرم نہ وطی کرے اور نہ محرم کو وطی پر قدرت دے گویا کہ حدیث میں عقد نکاح کی ممانعت نہیں ہے بلکہ حالت احرام میں صحبت کرنے کی ممانعت ہے (عینی شرح ہدایہ ۲/۵۴)

احناف کی دلیل: حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت میمونہؓ سے احرام کی حالت میں شادی کی تھی اَنْبَأنَا ابْنُ عَبَّاسٍ وَتَزَوَّجَ النَّبِيُّ وَهُوَ مُحْرِمٌ (بخاری ۲/۷۶۶ باب نکاح المحرم) حضرت ابن عباسؓ نے ہمیں خبر دی کہ حضور نے نکاح کیا اس حال میں کہ وہ محرم تھے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت احرام میں شادی کرنا جائز ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ شوافع کا مذہب قوی ہے. کیوں کہ امام شافعی کی پیش کردہ حدیث قولی ہے اور احناف کی پیش کردہ حدیث فعلی ہے اور تعارض کے وقت حدیث قولی مقدم ہوتی ہے حدیث فعلی پر۔

(۱۶۹۲/۲۵) وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ بِرِضَائِهَا وَاِنْ لَمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكْراً كَانَتْ اَوْ ثَيِّبًا وَقَالَا لَايَنْعَقِدُ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيٍّ.

لغت: بکرا: کنواری لڑکی، ثیبا: شوہر سے جدا شدہ عورت۔

باکرہ اور ثیبہ کے لئے ولی کے احکام

ترجمہ: اور منعقد ہو جاتا ہے آزاد، بالغہ اور عاقلہ عورت کا نکاح اس کی رضامندی سے اگرچہ نہ کیا ہو اس کے ولی نے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لڑکی کنواری ہو یا ثیبہ ہو اور صاحبین نے فرمایا نہیں منعقد ہوگا مگر ولی کی اجازت سے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوری یہ بیان کر رہے ہیں کہ عبارات نساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں یعنی عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل اس طرح ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کو کسی بھی حال میں اپنے اوپر ولایت نکاح حاصل نہیں ہے ان کے یہاں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی بلکہ ولی کی تعبیر ضروری ہے اور اس میں صغیرہ، کبیرہ، باکرہ، ثیبہ، عاقلہ، اور مجنونہ سب برابر ہیں اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر عورت آزاد عاقلہ اور بالغہ ہو تو خود اس کی رضامندی سے بغیر ولی کے نکاح منعقد ہو جائے گا البتہ ولی کا ہونا مندوب اور مستحب ہے یہی ظاہر الروایت ہے، دوسری روایت حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ اگر اس عورت نے نکاح کفو میں کیا ہے تو درست اور اگر غیر کفو میں کیا ہے تو درست نہیں وَاخْتَارَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِيْنَ الْفَتْوٰى بِهٰذِهِ الرِّوَايَةِ لِفَسَادِ الزَّمَانِ (تبیین الحقائق ۲/۱۱۷ باب الاولیاء والاکفاء)

امام ابو یوسفؒ سے اس مسئلہ میں تین روایتیں ہیں پہلی روایت ائمہ ثلاثہ کے مطابق تھی بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر کے اس روایت کو اختیار کیا جو حسن بن زیاد سے مروی ہے، آخر میں انہوں نے امام صاحب کی پہلی روایت کی

طرف رجوع فرمالیا تھا یعنی مطلقاً جواز، امام محمدؒ کی اس مسئلہ میں دو روایتیں ہیں پہلی روایت یہ ہے کہ نکاح بغیر ولی کے ولی کی اجازت پر موقوف ہے خواہ نکاح کفو میں ہو یا غیر کفو میں دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف رجوع فرمایا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ آزاد عاقلہ اور بالغہ ہو۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: آیت شریفہ ہے وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ یعنی تم اپنی بیواؤں کا نکاح کراؤ اس آیت میں اولیاء کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ تم عورتوں کی شادی کر دو اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی شادی اولیاء کریں گے بغیر ان کے شادی نہیں ہو سکتی، اور حدیث میں ہے لَانِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ نیز حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے اَیُّمَا امْرَءَۃٍ نَکَحَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّهَا فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ (ترمذی ۱/۱۳۰) آپؐ نے فرمایا کہ کسی عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر شادی کی تو اس کا نکاح باطل ہے، تین مرتبہ فرمایا ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح منعقد ہونے کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔

جواب: آیت شریفہ میں عورتوں کے بجائے اولیاء سے اس لیے خطاب کیا گیا ہے کیوں کہ عورت باحیاء ہوتی ہے خود سے نکاح کے لئے نہیں کہہ سکتی دوسرے یہ کہ نکاح کے لئے محفل نکاح میں جانا پڑتا ہے وہاں بھی عورت نہیں جا سکتی اس لیے اولیاء سے خطاب کیا گیا ہے، اور احادیث کا احناف کی جانب سے صحیح جواب یہ ہے، کہ یا تو یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ عورت نے ولی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا ہو، اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں نکاح باطل ہے اسی روایت پر فتویٰ بھی ہے، یا پھر لانکاح الا بولی میں نفی سے نفی کمال مراد ہے، اور دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ راوی حدیث یعنی حضرت عائشہؓ کا عمل اس کے خلاف ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن کا نکاح منذر بن زبیر سے کیا تھا جب کہ عبدالرحمٰن موجود نہ تھے ملک شام کے سفر میں تھے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عورت کو باب نکاح میں حق ولایت حاصل ہے یا حدیث میں عورت سے باندی مراد ہے کہ باندی کا نکاح بغیر ولی اور آقا کے نہیں ہو سکتا۔

احناف کی دلیل: قرآن کریم میں متعدد جگہ نکاح کرنے کی نسبت عورتوں کی جانب کی گئی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (آیت ۲۳۲ سورۃ البقرہ)

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت مکمل ہو جائے تو ان کو دوسرے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو، اس آیت میں نکاح کرنے کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے معلوم ہوا کہ عورت اپنے نکاح کی خود حقدار ہے نیز حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اِنَّ النَّبِیَّ قَالَ اَلْاَیِّمُ

اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا (مسلم شریف ۱/۴۵۵) کہ عورت اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حقدار ہے معلوم ہوا کہ وہ خود نکاح کر سکتی ہے۔

(۲۶/۱۲۹۳) وَلَا يَجُوْزُ لِلْوَلِيِّ اِجْبَارُ الْبِكْرِ الْبَالِغَةِ الْعَاقِلَةِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے ولی کے لئے باکرہ بالغہ عاقلہ کو مجبور کرنا۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ولایت اجبار والے مسئلہ کو بیان کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ آیا ولی کو یہ اختیار ہے کہ وہ عورت کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دے؟ اگر ہے تو کس صورت میں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) شوافع کے نزدیک ولایت اجبار کا دارومدار بکارت (عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے) پر ہے یعنی عورت جب تک باکرہ رہے گی ولی کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہوگی، اور جب وہ ثیبہ ہو جائے گی تو ولایت اجبار ختم ہو جائے گی (۲) حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار کا دارومدار صغر اور کبر پر ہے یعنی صغیرہ کا نکاح اس کا ولی بغیر اس کی اجازت کے کر سکتا ہے اور بالغہ کا بغیر اس کی اجازت کے نہیں کر سکتا اس اختلاف کے پیش نظر یہاں چار صورتیں پیدا ہوں گی دو اتفاقی اور دو اختلافی (۱) صغیرہ باکرہ (۲) بالغہ ثیبہ یہ دونوں صورتیں اتفاقی ہیں پہلی صورت میں حق اجبار سب کے نزدیک ہوگا اور دوسری صورت میں کسی کے نزدیک نہ ہوگا (۳) صغیرہ ثیبہ (۴) بالغہ باکرہ یہ دونوں صورتیں اختلافی ہیں پہلی صورت میں ولایت اجبار جس طرح حنفیہ کے یہاں ہوگی اسی طرح مالکیہ کے یہاں بھی ہوگی اور شافعی کے نزدیک نہ ہوگی اور دوسری صورت میں حنفیہ کے نزدیک ولایت اجبار نہ ہوگی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہوگی۔

دلیل شوافع: حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا (ترمذی ۱/۱۳۱، ابوداؤد ۱/۲۸۶) کہ عورت اپنی ذات کے بارے میں ولی سے زیادہ حقدار ہے اور عورت سے یہاں ثیبہ مراد ہے اب اگر اس کا مفہوم مخالف نکالا جائے تو یہ عبارت اس طرح ہوگی اَلْبِكْرُ لَيْسَتْ اَحَقَّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا کہ باکرہ اپنی ذات پر ولی سے زیادہ حق دار نہیں ہے اسی مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ باکرہ اپنے نکاح کی حق دار نہیں ہے بلکہ ولی کو اس پر ولایت اجبار حاصل ہے اور ثیبہ اپنے نکاح کی حق دار ہے اس لیے اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل نہ ہوگی۔

جواب: مفہوم مخالف ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے نیز 'ایم' سے مراد بے شوہر عورت ہے اور اس کا اطلاق باکرہ اور ثیبہ دونوں پر ہوتا ہے۔

احناف کے دلائل: حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے لَاتُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ وَ اِذْنُهَا الصُّمُوْتُ (ترمذی ۱/۱۳۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثیبہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے مشورہ کیا جائے اور باکرہ کی شادی نہ کی جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے اور

اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے، اس حدیث میں ثیبہ اور باکرہ دونوں کا حکم ایک بیان کیا گیا صرف اجازت کے طریقہ میں فرق ہے، نیز حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک باکرہ لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے تذکرہ کیا کہ میرے باپ نے میری شادی کردی حالانکہ میں راضی نہیں تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو خیار فسخ عنایت فرمایا کہ اگر تو چاہے تو نکاح فسخ کردے (ابوداؤد ا/۲۸۵ **باب في البکر یزوجها ابوها ولا یستامرها**)۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ باکرہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہوتی اور جب باکرہ اور ثیبہ ہونے پر ولایت اجبار کا دارومدار نہیں ہوا تو دوسری شق متعین ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ ولایت اجبار کا دارومدار صغر اور کبر پر ہے۔

(۱۶۹۴/۲۷) **وَإِذَا اسْتَأذَنَهَا الْوَلِيُّ فَسَكَتَتْ اَوْ ضَحِكَتْ اَوْبَكَتْ بِغَيْرِ صَوْتٍ فَذٰلِكَ اِذْنٌ مِّنْهَا وَاِنْ اَبَتْ لَمْ يُزَوِّجْهَا.**

حل لغات: بکت: ماضی باب (ض) مصدر بکاء رونا، صوت: آواز جمع اصوات.

ترجمہ: اور جب اجازت طلب کی باکرہ بالغہ سے ولی نے پس وہ چپ رہی یا ہنس پڑی یا رودی بغیر آواز کے تو یہ اجازت ہے اس کی طرف سے اور اگر انکار کردے تو اس کی شادی نہ کرائے۔

تشریح: **چوں کہ** باکرہ عورت شرمیلی ہوتی ہے وہ صراحتاً شادی کی اجازت دینے سے شرماتی ہے اس لیے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ نکاح سے قبل اگر ولی نے باکرہ بالغہ سے اجازت مانگی اور وہ سن کر خاموش ہوگئی یا ہنس پڑی تو یہ خاموش رہنا یا ہنسنا اس کی طرف سے اجازت ہوگا اسی طرح تبسم بھی رضا کی دلیل ہے، ایسے ہی اگر بغیر آواز کے رونے لگے تو بھی اس کی طرف سے اجازت سمجھی جائے گی، کیوں کہ بسا اوقات ماں باپ کی جدائی کی خبر پر غیر اختیاری آنسو نکل آتے ہیں، اسی پر فتوی ہے بلکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کبھی کبھی خوشی کی خبر پر بھی آنسو نکل آتے ہیں، اس لیے بغیر آواز کے رونا اجازت پر دلیل ہے، لیکن آواز کے ساتھ رونا انکار کی دلیل ہے اس لیے اگر آواز کے ساتھ روئی تو نکاح کرانے کی اجازت نہیں ہوگی، اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر ولی کی اجازت لینے پر صاف صاف انکار کردیا تو اب ولی اس کی شادی نہ کرے، کیوں کہ اس کی رضامندی نہیں پائی گئی۔

(۱۶۹۵/۲۸) **وَإِذَا اسْتَأذَنَ الثَّيِّبَ فَلَا بُدَّ مِنْ رِضَائِهَا بِالْقَوْلِ.**

ترجمہ: اور اگر اجازت لی ثیبہ سے تو ضروری ہے اس کی رضامندی کہہ دینے کے ساتھ۔

تشریح: اگر ثیبہ بالغہ سے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کی گئی تو اس کو باقاعدہ زبان سے کہنا ضروری ہے کہ میں اس نکاح سے راضی ہوں کیوں کہ مسئلہ (۲۶) میں احناف کے دلائل کے تحت 'حتی تستامر' کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کہ اس سے مشورہ کیا جائے گا اور مشورہ کہتے ہیں زبان سے بول کر رائے طلب کرنا اس لیے ثیبہ زبان

سے اجازت دے گی، نیز شوہر کے پاس رہ کر اس کی شرم وحیاء بھی کم ہوگئی اس لیے زبان سے کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرے گی۔

(۱۶۹۶/۲۹) وَاِذَا زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِوَثْبَةٍ اَوْ حَيْضَةٍ اَوْ جِرَاحَةٍ اَوْ تَعْنِيْسٍ فَهِيَ فِيْ حُكْمِ الْاَبْكَارِ وَاِنْ زَالَتْ بَكَارَتُهَا بِالزِّنَا فَهِيَ كَذٰلِكَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هِيَ فِيْ حُكْمِ الثَّيِّبِ.

حل لغات: وثبة: باب (ض) سے مصدر ہے کودنا، جراحة: زخم جمع جِراح جراحات، تعنیس یہ مصدر ہے باب تفعیل سے بلوغ کے بعد مدت دراز تک شادی کے بغیر رہنا، ابکار: یہ بکر کی جمع ہے، كذٰلك: یہ كذلك کا مخفف ہے یعنی ایسے ہی باکرہ کی طرح ہے۔

ترجمہ: اور جب زائل ہو جائے لڑکی کا کنوارا پن کودنے سے، یا حیض سے، یا زخم سے، یا مدت تک بیٹھی رہنے سے، تو وہ کنواریوں کے حکم میں ہے، اور اگر زائل ہوگئی اس کی بکارت زنا سے تو وہ ایسی ہی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ وہ ثیبہ کے حکم میں ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی لڑکی کا پردۂ بکارت ٹوٹ گیا کودنے پھاندنے کی وجہ سے، یا کثرت حیض کی وجہ سے، یا کسی زخم کی وجہ سے، یا ایک مدت دراز تک شادی نہ کر پائی جس کی وجہ سے کنوارا پن کا جو پردہ ہوتا ہے وہ ٹوٹ گیا تو ان سب صورتوں میں یہ لڑکی باکرہ کے حکم میں ہوگی یعنی نکاح کی اجازت طلب کرنے کے وقت اس کا چپ رہنا یا ہنسنا یا بلا آواز رونا اجازت سمجھا جائے گا اور اس کا حکم خالص باکرہ جیسا ہوگا، کیوں کہ ان عورتوں کا تعلق ابھی تک شوہر سے نہیں ہوا ہے اس لیے ان میں اتنی ہی شرم ہے جتنی باکرہ عورت میں اس لیے خالص باکرہ عورتوں کے درجے میں ہوگی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر باکرہ کی بکارت زنا سے زائل ہوگئی ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بھی باکرہ کے حکم میں ہے، صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک ثیبہ کے حکم میں ہے لہٰذا اس کے سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ زبان سے اجازت دینا ضروری ہوگا، کیوں کہ جس عورت سے ایک مرتبہ صحبت ہو چکی ہے چاہے حرام صحبت ہی کیوں نہ ہو وہ عورت باکرہ کے حکم میں نہیں ہوگی بلکہ حقیقت میں ثیبہ ہے لہٰذا اس پر ثیبہ کے احکام لگائے جائیں گے اور باضابطہ زبان سے نکاح کی اجازت دینی ہوگی۔

امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ لوگ اس عورت کو باکرہ سمجھتے ہیں اب اگر کلام کرے گی تو لوگ اس کو معیوب سمجھیں گے اور یہ شرم کا مظاہرہ کرے گی اور زبان سے نہیں کہے گی اس کے نتیجہ میں اس کے مصالح معطل ہو کر رہ جائیں گے اس لیے اس کو باکرہ کے حکم میں رکھا جائے اور اس کا چپ رہنا ہی اجازت شمار ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ۲/۸۹)

(۱۶۹۷/۳۰) وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِلْبِكْرِ بَلَغَكِ النِّكَاحُ فَسَكَتِّ وَقَالَتْ بَلْ رَدَدْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِي النِّكَاحِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا يُسْتَحْلَفُ فِيْهِ.

ترجمہ: اور جب کہا شوہر نے باکرہ سے کہ تجھ کو نکاح کی خبر ملی اور تو خاموش رہی اور عورت نے کہا نہیں بلکہ میں نے تو انکار کر دیا تھا تو قول عورت ہی کا معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہ ہوگی اور قسم نہیں لی جائے گی نکاح میں امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ قسم لی جائے گی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے باکرہ عورت سے کہا کہ تجھ کو جب نکاح کی خبر ملی تو تو چپ رہی لہٰذا میرے ساتھ تیرا نکاح ہو گیا اور عورت کہتی ہے کہ اطلاع ملتے ہی میں نے انکار کر دیا تھا لہٰذا نکاح نہیں ہوا، اور گواہ دونوں کے پاس موجود نہیں، تو ہمارے نزدیک عورت کا قول معتبر ہوگا کیوں کہ شوہر عقد نکاح لازم ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے اس لیے مرد مدعی ہوا اور عورت منکرہ ہوئی اس لیے مرد پر گواہ لازم ہیں اور اس کے پاس گواہ موجود نہیں ہیں تو منکرہ کی بات مانی جائے گی، لیکن چوں کہ امام صاحب کے نزدیک نکاح میں عورت پر قسم نہیں ہے اس لیے وہ قسم نہیں کھائے گی بغیر قسم کے اس کی بات مانی جائے گی صاحبین کے نزدیک عورت سے قسم لی جائے گی فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے مزید تفصیل کتاب الدعویٰ میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۳۱/۱۶۹۸) وَيَنْعَقِدُ النِّكَاحُ بِلَفْظِ النِّكَاحِ وَالتَّزْوِيْجِ وَالتَّمْلِيْكِ وَالْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ.

ترجمہ: اور منعقد ہو جائے گا نکاح لفظ نکاح، تزویج، تملیک، ہبہ اور صدقہ سے۔

تشریح: کن الفاظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا اس عبارت میں ان الفاظ کو بیان کیا ہے احناف کے نزدیک اس کے لئے اصول یہ ہے کہ نکاح ہر اس لفظ سے منعقد ہو جاتا ہے جو نکاح کے لئے صراحتاً موضوع ہو جیسے نکاح، تزویج، یا بالفعل عین شی کی تملیک کے لئے موضوع ہو جیسے بیع وشراء تملیک ہبہ صدقہ وغیرہ۔

(۳۲/۱۶۹۹) وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْإِجَارَةِ وَالْإِعَارَةِ وَالْإِبَاحَةِ.

ترجمہ: اور منعقد نہیں ہوتا لفظ اجارہ اعارہ اور اباحت سے۔

تشریح: ایک عورت نے کسی مرد سے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو آپ کے پاس اجرت پر رکھا، یا آپ کے پاس عاریت پر رکھا، یا میں نے اپنے آپ کو آپ کے لئے مباح کیا اور مرد دو گواہوں کے سامنے قبول کرے تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، کیوں کہ مذکورہ الفاظ میں مکمل ملکیت نہیں ہے بلکہ وقتی طور پر فائدہ اٹھانے کے لئے دینا ہے مثلاً اجارہ میں اجرت لے کر تھوڑی دیر فائدہ اٹھانا ہے، اور عاریت میں مفت تھوڑی دیر فائدہ اٹھانا ہے، پھر واپس دیدینا ہے اور مباح میں بھی مفت فائدہ اٹھانا ہے لہٰذا یہ الفاظ نکاح کے معنی میں نہیں ہیں اس لیے ان الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

(۳۳/۱۷۰۰) وَيَجُوزُ نِكَاحُ الصَّغِيرِ وَالصَّغِيرَةِ إِذَا زَوَّجَهُمَا الْوَلِيُّ بِكْرًا كَانَتِ الصَّغِيرَةُ أَوْ ثَيِّبًا.

ترجمہ: اور جائز ہے چھوٹے لڑکے اور لڑکی کا نکاح جب کہ کیا ہو ان کے ولی نے باکرہ ہو چھوٹی بچی یا ثیبہ ہو۔

اولیاءِ نکاح کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے یہ بیان کیا ہے کہ ولایت کا حق کس پر ہوگا؟ اس بارے میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کا حق صغیرہ پر ہوگا باکرہ ہو یا ثیبہ، اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کا حق باکرہ پر ہوگا، صغیرہ ہو یا بالغہ ہو اس سلسلہ میں اختلاف ائمہ مع دلائل و جوابات خادم مسئلہ (۲۶) میں لکھ چکا ہے وہاں دیکھ لیا جاوے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ولی نے چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح درست ہو جائے گا چھوٹی لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ ہو، چھوٹی بچی کی شادی کے مسئلہ میں اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ صغیرہ اگر باکرہ ہے تو اس کی شادی باپ کے لئے بالاتفاق جائز ہے اور اگر وہ صغیرہ ثیبہ ہے تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک باپ کے لئے اس کی شادی جائز ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ناجائز ہے اس لیے کہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت معتبر نہیں اور ثیبہ ہونے کی وجہ باپ کو اس پر اجبار کا حق نہیں لہٰذا اس کی شادی اس کے بلوغ کے بعد ہی ہو سکتی ہے باقی رہا مذہب حنابلہ کا سو ان کی اس میں تین روایات ہیں (۱) مطلقاً ناجائز ہے (۲) مطلقاً جائز ہے (۳) اگر صغیرہ نو سال سے کم عمر کی ہے تب تو باپ کے لئے اس کی شادی جائز ہے، اور اگر نو سال یا اس سے زائد کی ہے تب اس کی شادی بغیر اس کی اجازت کے جائز نہیں ہے حنابلہ کا مشہور قول یہی ہے۔

(۱۷۰۱/۳۴) وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَصَبَةُ.

ترجمہ: اور ولی وہ عصبہ ہے۔

تشریح: ولایت اجبار امام مالک و امام احمد کے نزدیک صرف باپ اور باپ کے وصی کے لئے ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک دادا باپ کے حکم میں ہے دوسرے اولیاء کے لئے حق اجبار نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک حق اجبار تمام اولیاء کے لئے ہے اور جس ترتیب کے ساتھ عصبات کو حق وراثت ملتا ہے اسی ترتیب سے نکاح کرانے میں بھی نکاح کرانے کا حق ہے اس کی ترتیب اس طرح ہوگی پہلے باپ کو نکاح کرانے کا حق ہے وہ نہ ہو تو دادا کو وہ نہ ہو تو بیٹے کو وہ نہ ہو تو بھائی کو وہ نہ ہو تو چچا کو اور وہ نہ ہو تو چچازاد بھائی کو اور وہ بھی نہ ہو تو ماں کو نکاح کرانے کا حق ہوتا ہے، فرق یہ ہے کہ باپ اور دادا کی صورت میں بعد البلوغ لڑکی کو خیار حاصل نہیں ہوتا اور دیگر اولیاء کی صورت میں خیار حاصل ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

نوٹ: ولایت کی دو قسمیں ہیں (۱) ولایت اجبار (۲) ولایت الزام، باپ اور دادا جن میں کامل شفقت ہے ان کو ولایت اجبار اور ولایت الزام دونوں کا حق دیا گیا ہے لہٰذا ان کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگا بالغ ہونے کے بعد خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا گویا کہ ان کو ولایت اجبار کے ساتھ ولایت الزام بھی حاصل ہے اور باپ دادا کے علاوہ جن میں شفقت کم ہے ان کے لئے ولایت اجبار تو ثابت ہے ولایت الزام ثابت نہیں ہے لہٰذا ان کا کیا ہوا نکاح لازم نہ ہوگا بلکہ بالغ ہونے

کے بعد خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

(۱۷۰۲/۳۵) فَاِنْ زَوَّجَهُمَا الْاَبُ اَوِ الْجَدُّ فَلَا خِيَارَ لَهُمَا بَعْدَ الْبُلُوْغِ.

ترجمہ: پھر اگر شادی کردی ان دونوں کی باپ یا دادا نے تو اختیار نہ ہوگا ان کو بالغ ہونے کے بعد۔

تشریح: اس عبارت میں ولایت الزام پر تفریع بیان کی گئی ہے چناں چہ فرمایا کہ اگر چھوٹے لڑکے یا لڑکی کا نکاح باپ نے کردیا یا اس کی عدم موجودگی میں دادا نے کردیا تو یہ نکاح لازم ہوگا اور بالغ ہونے کے بعد ان کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ نکاح باقی رکھیں یا فسخ کرادیں۔

(۱۷۰۳/۳۶) وَاِنْ زَوَّجَهُمَا غَيْرُ الْاَبِ وَالْجَدِّ فَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَ اَقَامَ عَلَى النِّكَاحِ وَاِنْ شَاءَ فَسَخَ.

ترجمہ: اور اگر شادی کردی باپ اور دادا کے علاوہ نے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا اگر چاہیں نکاح پر قائم رہیں اور اگر چاہیں فسخ کردیں۔

تشریح: اس عبارت میں ولایت اجبار پر تفریع بیان کی ہے مسئلہ یہ ہے کہ نابالغ لڑکا اور نابالغ لڑکی کا نکاح باپ اور دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کردیا تو ان دونوں کو خیار بلوغ حاصل ہوگا یعنی بالغ ہوتے ہی اعلان کردیں کہ ہم اس نکاح سے راضی نہیں ہیں کیوں کہ باپ اور دادا کے علاوہ میں یا تو عقل ناقص ہوگی مثلاً ماں ولیہ بنے تو شفقت کاملہ ہے لیکن عقل ناقص ہے اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ صحیح جگہ پر نکاح نہیں کیا اس لیے نکاح توڑنے کا حق دیا جائے گا اور بھائی چچا، چچازاد بھائی نے شادی کرائی تو ان لوگوں میں عقل تو ہے لیکن شفقت کاملہ نہیں ہے اس لیے بالغ ہونے کے بعد نکاح توڑنے کا حق ہوگا۔

(۱۷۰۴/۳۷) وَلَا وِلَايَةَ لِعَبْدٍ وَلَا لِصَغِيْرٍ وَلَا لِمَجْنُوْنٍ وَلَا لِكَافِرٍ عَلَى مُسْلِمَةٍ.

ترجمہ: اور کوئی ولایت نہیں غلام، بچہ، دیوانے اور کافر کو کسی مسلمان عورت پر۔

تشریح: متن میں ذکر کردہ لوگوں کو شادی کی ولایت نہیں ہے کیوں کہ ان لوگوں کو خود اپنے اوپر ولایت نہیں ہے تو دوسرے پر ولایت کیسے ہوگی مثلاً غلام کو اپنی شادی کرانے کا حق نہیں ہے اس کی شادی اس کا آقا کراتا ہے بچے میں عقل کی کمی ہے اور مجنون میں بھی عقل نہیں ہے اگر ان کو امور نکاح سپرد کردیئے جائیں تو ان میں کوئی شفقت نہیں اور ولایت کا دارومدار شفقت پہ ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کافر کو بھی مسلمان پر ولایت نہیں ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے ولن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلاً (آیت ۱۴۱ سورۃ النساء) ہرگز نہیں بنائے گا اللہ کافر کے لئے مسلمان پر کوئی راہ، اس لیے کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہوگی۔

(۱۷۰۵/۳۸) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَجُوْزُ لِغَيْرِ الْعَصَبَاتِ مِنَ الْاَقَارِبِ التَّزْوِيْجُ مِثْلُ الْاُخْتِ وَالْاُمِّ وَالْخَالَةِ.

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ جائز ہے عصبات کے علاوہ رشتہ داروں میں سے شادی کر دینا جیسے بہن ماں اور خالہ۔

تشریح: اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عصبات کی عدم موجودگی میں ولایت کس کے لئے ثابت ہوگی اس بارے میں شیخین فرماتے ہیں کہ اگر قریب کے ولی نہ ہوں مثلاً عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام میں سے دوسرے رشتہ داروں کو بالترتیب نکاح کرانے کا حق ہوگا مثلاً بہن والدہ خالہ ماموں پھوپھی وغیرہ کے لئے ولایت ثابت ہے۔

دلیل: ولایت کا مدار شفقت پر ہے اور رشتہ دار چاہے دور کے ہوں ان میں شفقت ہوتی ہے اس لیے مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو نکاح کرانے کا حق دیا جائے، امام محمد فرماتے ہیں کہ عصبات ہی نکاح کراسکتے ہیں دوسرے نہیں اگر عصبہ موجود نہ ہو تو حاکم کو ولایت کا حق ہے ماں دادی کو ولایت کا حق نہ ہوگا وجہ یہ ہے کہ عصبات کو وراثت میں حق ہے تو ولایت میں بھی حق ہوگا۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں شیخین کے قول پر فتوی ہے، کیوں کہ امام محمد کا قول متون میں آمدہ مسئلہ کے خلاف ہے (شامی ۲/ ۴۲۹ مطبعہ عثمانیہ استنبول، البحر الرائق ۳/ ۱۳۳)

(۱۷۰۶/۳۹) وَمَنْ لَاوَلِيَّ لَهَا اِذَا زَوَّجَهَا مَوْلَاهَا الَّذِيْ اَعْتَقَهَا جَازَ.

ترجمہ: اور وہ عورت جس کا کوئی ولی نہیں جب شادی کر دے اس کی وہ آقا جس نے اس کو آزاد کیا ہے تو یہ جائز ہے۔

تشریح: کوئی باندی آزاد کی ہوئی تھی اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے، اب جس آقا نے اس کو آزاد کیا تھا اس نے باندی کی شادی کرادی تو جائز ہے کیوں کہ اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو آخر میں آزاد کرنے والا آقا غلام باندی کا عصبہ ہوتا ہے اور جب عصبہ ہے تو اس کو شادی کرانے کا بھی حق ہوگا۔

(۱۷۰۷/۴۰) وَاِذَا غَابَ الْوَلِيُّ الْاَقْرَبُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً جَازَ لِمَنْ هُوَ اَبْعَدُ مِنْهُ اَنْ يُزَوِّجَهَا.

ترجمہ: اور اگر غائب ہو جائے ولی اقرب غیبت منقطعہ کے طور پر تو جائز ہے اس سے دور کے ولی کے لئے یہ کہ وہ اس کی شادی کر دے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ولی اقرب مثلاً باپ غیبت منقطعہ کے طور پر غائب ہو گیا تو ولی ابعد مثلاً دادا کے لئے

نکاح کرانے کی ولایت ثابت ہو جائے گی یہ ہمارے نزدیک ہے، اور امام زفرؒ ناجائز کہتے ہیں اب اگر اس کے بعد قریبی ولی آ جائے تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا، کیوں کہ وہ اس کی کامل ولایت سے ہوا ہے۔

(۴۱/۱۷۰۸) وَالْغَيْبَةُ الْمُنْقَطِعَةُ اَنْ يَكُوْنَ فِيْ بَلَدٍ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ الْقَوَافِلُ فِي السَّنَةِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً.

ترجمہ: اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ ایسے شہر میں ہو کہ نہ پہنچ پاتے ہوں قافلے اس کی طرف سال میں مگر ایک مرتبہ۔

غیبت منقطعہ سے کیا مراد ہے؟

تشریح: صاحب قدوریؒ اس عبارت میں غیبت منقطعہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں اس کے اندر اختلاف ہے صاحب قدوری کا مذہب مختار تو یہ ہے کہ آدمی ایسے شہر میں چلا جائے جہاں قافلے سال میں ایک ہی مرتبہ جاتے ہیں بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ولی اقرب کا بقدر مسافتِ سفرِ شرعی دور ہونا معتبر ہے یعنی تقریباً اڑتالیس میل دور رہتا ہو اور اڑتالیس میل شرعی موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ۷۸ کلو میٹر ۸۲۷ میٹر ۴۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے، بہت سے حضرات نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے تیسری تفسیر یہ ہے کہ اتنی دور رہتا ہو کہ اگر اس کی رائے معلوم کی جائے تو جوڑا فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں غیبت منقطعہ ہو کا تحقق ہو جائے گا یہ قول دلائل فقیہ سے زیادہ قریب ہے۔ (اللباب ۲/ ۱۴۷)

(۴۲/۱۷۰۹) وَالْكَفَاءَةُ فِي النِّكَاحِ مُعْتَبَرَةٌ.

حل لغات: الكفائة: کفاءت کے معنی ہمسری برابری، الکفاءۃ فی النکاح یہ ہے کہ شوہر عورت کا مساوی ہو اس کے خاندان میں دین میں عمر میں خوبصورتی وغیرہ میں۔

ترجمہ: اور ہمسری معتبر ہے نکاح میں۔

کفاءت کا بیان

تشریح: میاں بیوی کی طبیعت ملنی ضروری ہے اور کفو ہو یہ تبھی ہو سکتا ہے اس لیے کفو میں شادی کرنا چاہئے، ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک زوجین کے درمیان کفاءت کا پایا جانا صحت نکاح کے لئے شرط نہیں ہے، امام احمد سے اس میں دو روایتیں ہیں روی عنه انها شرط له والرواية الثانية عن احمد انها ليست بشرط وهذا قول اكثر اهل العلم كذا فى الاوجز ۴/ ۴۱۵، بہر حال جمہور کے نزدیک کفاءت شرط صحت تو نہیں لیکن شرعاً معتبر ضرور ہے چناں چہ متن میں ہے کہ کفاءت نکاح میں معتبر ہے پس اگر کوئی عورت اپنا نکاح غیر کفو سے کرے تو اس صورت میں اولیاء کو زوجین کے درمیان تفریق کرنے کا حق ہے۔

(۱۷۱۰/۴۳) فَإِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ كُفْوٍ فَلِلْاَوْلِيَاءِ اَنْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اگر شادی کرے عورت غیر کفو کے ساتھ تو اولیاء کو حق ہے اس بات کا کہ وہ جدائی کرادیں ان میں۔

تشریح: اب ایک مثال متفرع کی ہے حنفیہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ لڑکا لڑکی جب عاقل بالغ ہوں اور وہ اپنی رضامندی سے غیر کفو میں نکاح کرلیں تو ان کے اولیاء کو حق ہے کہ قاضی کے فیصلہ سے اس کو توڑوائیں کیوں کہ غیر کفو میں شادی کرنے سے اولیاء کو شرمندگی ہوگی اس لیے اس شرمندگی کو دور کرنے کے لئے وہ قاضی کے ذریعہ نکاح توڑوا سکتے ہیں، اس کے برخلاف امام صاحب سے حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ لڑکی اگر غیر کفو میں نکاح کرلے تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا یعنی اس کے فسخ کے لئے قاضی کے یہاں سے فسخ کی ضرورت نہیں مشائخ نے فساد زمانہ کی وجہ سے اس مسئلہ میں حسن بن زیاد کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ (عالمگیری ۲۹۲/۱)

(۱۷۱۱/۴۴) وَالْكَفَاءَةُ تُعْتَبَرُ فِي النَّسَبِ وَالدِّيْنِ وَالْمَالِ وَهُوَ اَنْ يَكُوْنَ مَالِكاً لِلْمَهْرِ وَالنَّفَقَةِ وَتُعْتَبَرُ فِي الصَّنَائِعِ.

ترجمہ: اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا نسب میں دین میں اور مال میں اور مال کا مطلب یہ ہے کہ شوہر مالک ہو مہر کا اور نفقہ کا اور کفو کا اعتبار کیا جائے گا پیشہ میں۔

تشریح: کفاءت کن اوصاف میں معتبر ہے مسئلہ مختلف فیہ ہے حنفیہ کے نزدیک تین چیزوں میں بالاتفاق معتبر ہے نسب، آزادی، مال مالدار، کا مطلب یہ ہے کہ شوہر مہر دینے اور روزانہ کا نان ونفقہ دینے کی طاقت رکھتا ہو۔

ان تین کے علاوہ دو وصف مختلف فیہ ہیں یعنی دین اور صنعت وحرفت (پیشہ) دین سے مراد دیانت تقویٰ صلاح اور اچھے اخلاق ہیں بہرحال دیانت میں یہ کفائت کا اعتبار کرنا شیخین کا مذہب ہے، امام محمد کے نزدیک نہیں وہ فرماتے ہیں دین امور آخرت سے ہے لہٰذا احکام دنیا اس پر موقوف نہیں ہوں گے مگر کسی کا شوہر اگر اس درجہ فسق وفجور میں مبتلا ہے کہ جو چاہے اس کو طمانچہ لگادے اور لوگ اس کا مذاق اڑاتے رہیں تو ایسا شخص کسی نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا کیوں کہ یہ شخص انتہائی حقیر وذلیل ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ پیشوں میں کفاءت معتبر ہے یہ صاحبین کا مذہب ہے خلافا لابی حنیفة علی عادة العرب اس لیے کہ اہل عرب کے نزدیک پیشہ قابل عار یا باعث افتخار نہیں صاحبین کے نزدیک اس کا اعتبار ہے اس لیے کہ عجمیوں کے نزدیک گھٹیا پیشہ باعث شرم ہے حضرت گنگوہیؒ کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اس میں عربوں کے حال کا لحاظ فرمایا چوں کہ ان کے پاس اپنے نسب محفوظ ہیں، اس لیے وہ پیشہ کی پرواہ نہیں کرتے اور صاحبین نے عجمیوں کے حال کے پیش نظر پیشہ کا اعتبار کیا کیوں کہ عجمیوں نے اپنے نسب کو محفوظ نہیں رکھا بس ان کی نظر ظاہری پیشہ پر ہوتی ہے بہرحال یہ کل پانچ اوصاف ہوئے، عصر حاضر میں نسب بعیدہ کو کفو کا مقام حاصل ہوسکتا ہے اور باشندگان ہند کے انساب گو محفوظ نہیں ہیں مگر برادریوں کا منظم انداز میں لین دین میں کفو کا خیال

رکھنا اس بات پر دلالت ہے کہ نسب بعیدہ محفوظ ہے۔

یہاں ایک بات اور ذہن میں رہے کہ کفاءت مرد کی جانب معتبر ہے یعنی مرد کا عورت کے برابر ہونا (اگر وہ اوصاف عورت میں پائے جاتے ہیں تو مرد میں بھی ہونے چاہئیں) اور عورت کا مرد کے برابر ہونا یہ کفاءت نہیں ہے کیوں کہ کفونہ ہونے کی صورت میں شرم جولاحق ہوتی ہے وہ عورت کولاحق ہوتی ہے مرد کوکسی صورت میں لاحق نہیں ہوتی اس لیے عورت شوہر کی ماتحتی میں ہوتی ہے اور اعلیٰ کا ادنی کے ماتحت ہونا یہ باعث شرم ہے نہ کہ اس کا عکس لہٰذا عورت کا مرد سے کم درجہ ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔

(۱۷۱۲/۴۵) وَاِذَا تَزَوَّجَتِ الْمَرْأَةُ وَنَقَصَتْ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلِلْاَوْلِيَاءِ الْاِعْتِرَاضُ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُتِمَّ لَهَا مَهْرَ مِثْلِهَا اَوْ يُفَرِّقَهَا.

ترجمہ: اور جب شادی کی عورت نے اور کم کرلیا مہر اپنے مہر مثل سے تو اولیاء کو حق ہے اس پر اعتراض کرنے کا امام صاحب کے نزدیک یہاں تک کہ مہر مثل پورا کردے یا اس کو جدا کردے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک بالغہ عورت نے اپنا نکاح مہر مثل سے کم پر کیا تو امام صاحب کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے شوہر مہر مثل مکمل کرے یا جدا کردے صاحبین کے نزدیک اولیاء کو حق اعتراض نہیں ہے کیوں کہ دس درہم تک تو شریعت کا حق ہے اس سے زیادہ خود عورت کا حق ہے، اب اگر وہ اس حق کو ساقط کرنا چاہتی ہے تو وہ اس کا ذاتی معاملہ ہے اس لیے اولیاء کو اس پر اعتراض کا حق نہ ہوگا۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مہر کے زیادہ ہونے سے اولیاء کو عزت ملتی ہے اور فخر ہوتا ہے اور کم ہونے سے شرمندگی ہوتی ہے اس لیے اگر مہر کم رکھا تو اولیاء کو حق ہے کہ قاضی کے سامنے مقدمہ پیش کریں۔

(۱۷۱۳/۴۶) وَاِذَا زَوَّجَ الْاَبُ اِبْنَتَهُ الصَّغِيْرَةَ وَنَقَصَ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اِبْنَهُ الصَّغِيْرَ وَزَادَ فِيْ مَهْرِ اِمْرَأَتِهِ جَازَ ذَالِكَ عَلَيْهِمَا وَلَايَجُوْزُ ذَالِكَ لِغَيْرِ الْاَبِ وَالْجَدِّ.

ترجمہ: اور جب نکاح کیا باپ نے اپنی چھوٹی لڑکی کا اور کم کردیا اس کے مہر مثل سے یا نکاح کیا اپنے چھوٹے لڑکے کا اور زیادہ کردیا اس کی بیوی کے مہر مثل کو تو یہ کمی اور زیادتی دونوں کے حق میں جائز ہے اور جائز نہیں ہے یہ باپ اور دادا کے علاوہ کے لئے۔

تشریح: باپ نے اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح کیا اور اس کا مہر، مہر مثل سے کم مقرر کیا یا باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے کا نکاح کیا اور اس کی بیوی کا مہر، مہر مثل سے زائد مقرر کیا تو باپ دادا کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور نکاح ہوجائے گا کیوں کہ باپ دادا میں شفقت کاملہ ہے اور عقل بھی، انہوں نے یہ کمی زیادتی کسی خاص مصلحت کے پیش نظر کی ہوگی، اور باپ دادا کے علاوہ میں یا تو شفقت کاملہ نہیں ہے جیسے چچا وغیرہ یا عقل کامل نہیں ہے جیسے ماں اس لیے اگر انہوں نے کمی

زیادتی کے ساتھ شادی کرائی تو قابل قبول نہ ہوگی۔

(۱۷۱۴/۴۷) وَيَصِحُّ النِّكَاحُ إِذَا سَمَّى فِيهِ مَهْراً وَيَصِحُّ النِّكَاحُ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ فِيهِ مَهْراً.

ترجمہ: اور صحیح ہے نکاح جب کہ متعین کرے اس میں مہر اور صحیح ہے نکاح اگر چہ متعین نہ کیا ہو اس میں مہر۔

نکاح کا حکم

تشریح: صاحب قدوری اس عبارت میں نکاح کے حکم کو بیان کرنا چاہتے ہیں، اور حکم نکاح وجوب مہر ہے، مہر کی مشروعیت کتاب اللہ حدیث اور اجماع سے ہے قال اللہ تعالی "وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ" (آیت ۲۴ سورۃ النساء) اور حلال کر دی گئیں ہیں تمہارے لئے محرمات کے سوا سب عورتیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو، اس آیت میں 'تبتغوا باموالکم' سے مہر فرض ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لیے مہر متعین کئے بغیر بھی شادی ہو جائے گی اور آیت کی وجہ سے خود بخود مہر لازم ہو جائے گا اور مہر کی مشروعیت کے سلسلہ میں احادیث تو بے شمار ہیں۔

(۱۷۱۵/۴۸) وَأَقَلُّ الْمَهْرِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ فَإِنْ سَمَّى أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةٍ فَلَهَا عَشَرَةٌ.

ترجمہ: اور مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے پھر اگر متعین کیا دس درہم سے کم تو اس کے لئے دس درہم ہے۔

مہر کی مقدار کا بیان

تشریح: اکثر مہر کی کوئی مقدار نہیں البتہ اقل مہر کی مقدار میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں تین مذہب ہیں (۱) امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو مال ہو اور بیع میں ثمن بن سکتی ہو وہ نکاح میں مہر بن سکتی ہے (۲) امام مالکؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار یا تین درہم ہے (۳) حنفیہ فرماتے ہیں کہ اسلامی شریعت میں کم سے کم مہر دس درہم ہے اس سے کم مہر کی تعیین صحیح نہیں ہوگی اگر دس درہم سے کم مہر باندھا جائے تب بھی دس درہم ہی لازم ہوگا اور دس درہم میں دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوتی ہے اور یہ موجودہ گراموں کے حساب سے ۳۰ گرام ۶۱۸ ملی گرام ہوتا ہے اور دس گرام کے تولہ سے ۳ تولہ ۶۱۸ ملی گرام چاندی ہوتی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہے، اس روایت کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا فِي أَزْوَاجِهِمْ اس میں لفظ 'فرض' اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مہر کی مقدار شرعاً مقرر ہے، اس لیے کہ فرض کے معنی مقرر کرنے کے آتے ہیں لیکن قرآن وحدیث کے پورے ذخیرہ میں حضرت جابرؓ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ کسی بھی حدیث میں مہر کی کوئی

مقدار منقول نہیں لہٰذا یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت بیان مقدار میں مجمل ہے اور حضرت جابر کی روایت اس کے لئے بیان کی حیثیت رکھتی ہے (درس ترمذی ۳/۳۹۱، ۳۹۲) اگر گنجائش ہو تو مہر فاطمی مستحب ہے کیوں کہ آپ کی ازواج مطہرات کا مہر بھی مہر فاطمی یعنی پانچ سو درہم تھا۔

مہر فاطمی قدیم اوزان سے

مہر فاطمی ۵۰۰ درہم = ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ چاندی ہے

ایک ماشہ = ۸ رتی ۱۲ ماشہ = ۹۶ رتی ایک تولہ

۱۵۷۲ ماشہ = ۱۳۱ تولہ ۱۲۵۷۶ رتی۔

۱۵۷۵ ماشہ = ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ = ۱۲۶۰۰ رتی

۱۲۶۰۰ رتی = ۵۰۰ درہم = مہر فاطمی۔

مہر فاطمی موجودہ اوزان سے

ایک رتی ۱۲۱½ ملی گرام

دس رتی ۱۲۱۵ ملی گرام

۹۶ رتی ۱۱۶۶۴ ملی گرام ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام قدیم تولہ

ایک ماشہ = ۹۷۲ ملی گرام، ۱۲ ماشہ = ۱۱ گرام ۶۶۴ ملی گرام = ایک تولہ۔

۱۵۷۲ ماشہ = ۱۳۱ تولہ = ۱۵۲۷۹۸۴ ملی گرام ۱۵۷۵ ماشہ = ۱۵۳۰۹۰۰ ملی گرام ۱۵۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام = ۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ

۱۳۱ تولہ ۳ ماشہ ڈیڑھ کلو ۳۰ گرام ۹۰۰ ملی گرام چاندی مہر فاطمی ہے۔ اور دس گرام کے تولہ کے حساب سے مہر فاطمی ۱۵۳ تولہ ۹۰۰ ملی گرام چاندی ہے (ایضاح المسائل ص: ۱۳۰)

(۱۷۱۶/۴۹) وَمَنْ سَمّٰى مَهْراً عَشَرَةً فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ الْمُسَمّٰى اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا.

ترجمہ: کسی نے متعین کیا مہر دس درہم یا اس سے زیادہ تو اس پر متعین کردہ مہر ہے اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے بیوی کا مہر مقرر کر دیا دس درہم یا زیادہ پھر اس کے بعد دخول پایا گیا یا صحبت سے پہلے دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو گیا تو اب مہر متعین ہی دینا ہوگا مہر مثل لازم نہیں ہوگا کیوں کہ صحبت

کرنے سے گویا کہ اپنا مال وصول کیا اور مبدل کے سپرد کرنے سے بدل واجب ہوتا ہے لہٰذا شوہر پر بدل یعنی مہر واجب ہوگا اسی طرح صحبت سے پہلے انتقال ہوگیا تو شی اپنی انتہاء کو پہنچ گئی اور شی اپنی انتہاء کو پہنچ کر مؤکد ہوجاتی ہے لہٰذا اب پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔

(۱۷۱۷/۵۰) فَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا نِصْفُ الْمُسَمّٰى.

ترجمہ: اگر اس کو طلاق دے دی صحبت اور خلوت سے پہلے تو اس کے لئے متعین کردہ مہر سے آدھا ہوگا۔

تشریح: کسی عورت سے شادی ہوچکی لیکن ابھی تک اس کے ساتھ صحبت نہیں کی یا خلوت نہیں کی اور طلاق دے دی تو عورت کے لئے آدھا مہر ہوگا، ہمارے نزدیک خلوت دخول کے مرتبہ میں ہے لہٰذا جو حکم دخول کا ہوگا وہی خلوت کا ہوگا مذکورہ مسئلہ کی دلیل آیت شریفہ ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً. فَنِصْفُ مَافَرَضْتُمْ (آیت ۲۳۷ سورۃ البقرہ) اگر تم نے طلاق دی جماع سے پہلے اور ان کے لئے مہر مقرر کر رکھا ہے تو جتنا مقرر کیا ہے اس کا آدھا مہر ملے گا۔

(۱۷۱۸/۵۱) وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا اَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى اَنْ لَّامَهْرَ لَهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا.

ترجمہ: اور اگر نکاح کیا عورت سے اور اس کے لئے مہر متعین نہیں کیا یا نکاح کیا اس سے اس شرط پر کہ اس کے لئے مہر نہیں تو اس عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اگر اس سے صحبت کرلی یا اس کو چھوڑ کر مرگیا۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف نے دو صورتیں بیان کی ہیں (۱) نکاح کیا اور مہر کے بارے میں خاموش رہا نہ ذکر کیا اور نہ نفی کی (۲) نکاح کیا اور یوں کہا کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں ہمارے نزدیک عورت کو مہر مثل ملے گا، بشرطیکہ بیوی سے صحبت کرلی یا شوہر کا انتقال ہوگیا یا بیوی کا انتقال ہوگیا۔

دلیل: یہ ہے کہ اسی جیسی صورت کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ اس کے لئے اس کے خاندان کی عورتوں کے مثل مہر ہوگا نہ کم نہ زیادہ۔

(۱۷۱۹/۵۲) وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ وَهِيَ ثَلٰثَةُ اَثْوَابٍ مِّنْ كِسْوَةِ مِثْلِهَا وَهِيَ دِرْعٌ وَخِمَارٌ وَمِلْحَفَةٌ.

ترجمہ: اور اگر اس کو طلاق دے دی اس سے صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے تو اس عورت کے لئے متعہ ہے اور وہ تین کپڑے ہیں اس جیسی عورت کے لباس سے اور وہ کرتی اوڑھنی اور چادر ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے عورت کو عقد نکاح کے بعد صحبت یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی اور عورت کے لئے

مہر متعین نہیں تھا تو ایسی عورت کو حنفیہ کے نزدیک متعہ ملے گا جو شوہر پر واجب ہے امام مالکؒ کے نزدیک متعہ مستحب ہے، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ متعہ میں تین کپڑے ہوتے ہیں کرتی، اوڑھنی، چادر، صاحب کتاب کے قول 'من کسوۃ' سے معلوم ہوتا ہے کہ جس معیار کی عورت ہوگی اسی معیار کا کپڑا دیا جائے گا، مگر صحیح قول یہ ہے کہ مرد کے حال کا اعتبار ہوگا۔

(۵۳/۱۷۲۰) وَاِنْ تَزَوَّجَهَا الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کر لی مسلمان نے شراب یا خنزیر پر تو نکاح جائز ہے اور عورت کے لئے مہر مثل ہے۔

تشریح: کسی مسلمان نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر مقرر کیا شراب یا خنزیر کو چوں کہ یہ دونوں چیزیں مسلمان کے لئے مال نہیں ہے اس لیے ان پر شادی کرنا گویا کہ مہر متعین نہ کرنا ہے، اور جب مہر متعین نہ کیا ہو تو اس پر مہر مثل لازم ہوتا ہے اس لیے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نکاح درست ہو جائے گا اور مہر مثل واجب ہوگا، امام مالکؒ کے نزدیک نکاح فاسد ہوگا۔

(۵۴/۱۷۲۱) وَاِنْ تَزَوَّجَهَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْرًا ثُمَّ تَرَاضَيَا عَلٰى تَسْمِيَةِ مَهْرٍ فَهُوَ لَهَا اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے کسی عورت سے اور اس کے لئے مہر متعین نہ کرے پھر دونوں راضی ہو جائیں مہر کی کسی مقدار پر تو اس کو وہی (جس پر دونوں راضی ہو گئے تھے) ملے گا اگر اس سے صحبت کر لی یا مر گیا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت مہر ذکر نہیں کیا پھر دونوں میاں بیوی نے ایک مقدار مقرر کر لی، تو اب اگر شوہر نے بیوی کے ساتھ دخول کیا یا مر گیا تو دونوں صورتوں میں وہی مہر لازم ہوگا جس پر دونوں راضی ہو گئے تھے کیوں کہ مہر مثل اس وقت واجب ہوتا ہے جب کچھ بھی طے نہ ہو اور یہاں بعد میں ایک مقدار طے کر لی اور عورت اس پر راضی ہو گئی اس لیے مہر مثل لازم نہ ہوگا بلکہ جو طے ہوا تھا وہی لازم ہوگا۔

(۵۵/۱۷۲۲) وَاِنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا وَالْخَلْوَةِ فَلَهَا الْمُتْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر اس کو طلاق دے دے صحبت سے پہلے اور خلوت سے پہلے تو اس کے لئے متعہ ہے۔

تشریح: اگر مرد نے عورت کو صحبت سے پہلے یا خلوت سے پہلے طلاق دے دی اور نکاح کے وقت مہر متعین نہیں تھا بعد میں کسی مقدار پر راضی ہو گئے تھے، تو اب عورت کو اس مقدار کا آدھا نہیں ملے گا بلکہ اس کے لئے متعہ ہوگا کیوں کہ اگر عقد نکاح کے وقت مہر ذکر نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے یہاں بھی مہر مثل واجب ہو گیا بعد میں زوجین نے ایک مقدار پر اتفاق کر لیا تو یہ متعین کردہ مقدار حقیقت میں تعیین ہے اس کی جو عقد کی وجہ سے واجب ہوا تھا اور

عقد کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوا اور مہر مثل کی تنصیف نہیں ہوتی تو جو اس کے مرتبہ میں ہے اس کی بھی تنصیف نہیں ہوگی اور جب تنصیف نہیں ہوگی تو متعہ واجب ہوگا۔

(۱۷۲۳/۵۶) وَاِنْ زَادَ فِي الْمَهْرِ بَعْدَ الْعَقْدِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ اِنْ دَخَلَ بِهَا اَوْ مَاتَ عَنْهَا وَتَسْقُطُ الزِّيَادَةُ بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ.

ترجمہ: اور اگر زیادتی کردی مہر میں عقد کے بعد تو لازم ہوگی شوہر پر زیادتی اگر صحبت کرلی یا مرگیا اور ساقط ہوجائے گی زیادتی صحبت سے پہلے طلاق دینے سے۔

تشریح: عقد نکاح کے بعد مقررہ مہر پر اگر شوہر نے زیادتی کردی اور عورت نے اسی مجلس میں قبول کرلیا تو ہمارے نزدیک شوہر پر یہ زیادتی لازم ہوگی، مثلاً عقد نکاح کے وقت پانچ سو درہم مہر متعین کیا بعد میں ایک سو اور زیادہ کردیا تو اگر صحبت کی یا صحبت سے پہلے میاں بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہوگیا تو یہ ایک سو درہم مہر بھی لازم ہوگا۔

دلیل: قرآن کریم کی یہ آیت ہے وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ، اور گناہ نہیں تم کو اس بات میں کہ ٹھہرالو تم دونوں آپس کی رضامندی سے مقرر کیے ہوئے کے بعد، اور اگر صحبت سے پہلے طلاق دے دی تو آدھا مہر لازم ہوگا لیکن یہاں صرف پانچ سو کا آدھا ہوگا بعد میں جو ایک سو درہم زیادہ کیا تھا اس کا آدھا لازم نہ ہوگا وہ ایک سو بالکلیہ ساقط ہوجائیں گے۔

(۱۷۲۴/۵۷) فَاِنْ حَطَّتْ مِنْ مَهْرِهَا صَحَّ الْحَطُّ.

ترجمہ: اگر عورت کم کردے (مرد کے ذمہ سے) اپنے مہر سے تو یہ کم کرنا صحیح ہے۔

تشریح: مہر کم کرنا عورت کا حق ہے اس لیے اگر وہ متعینہ مہر میں سے کچھ کم کرنا چاہے تو کم کرسکتی ہے۔

(۱۷۲۵/۵۸) وَاِذَا خَلَا الزَّوْجُ بِامْرَاَتِهِ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَانِعٌ مِنَ الْوَطْئِ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا.

ترجمہ: اگر تنہائی اختیار کرے شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اور نہیں تھا وہاں کوئی مانع وطی سے پھر اس کو طلاق دے دے تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا۔

خلوت کا بیان

تشریح: اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ کی اور خلوت کے وقت وطی سے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنی اور شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اب عورت کو کتنا مہر ملے گا؟ اس سلسلہ میں احناف کا مذہب یہ ہے کہ عورت کو پورا مہر ملے گا، کیوں کہ عورت نے منافع بضع شوہر کے حوالہ کردیا اس طرح عورت نے تمام موانع کو اٹھادیا ہے اور عورت

کی قدرت میں اتنا ہی تھا اب شوہر اس کو استعمال نہ کرے تو یہ اس کی کوتاہی ہے اس لیے پورا مہر لازم ہوگا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ عورت کے لئے آدھا مہر لازم ہوگا، کیوں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مہر واجب نہیں ہوگا جب تک صحبت نہ کرے ورنہ اس کے لئے آدھا مہر ہوگا۔ (مصنف عبدالرزاق ۲۹۰/۶)

خلوت کی دو قسمیں ہیں: (۱) خلوت صحیحہ (۲) خلوت فاسدہ۔

اگر کوئی مانع وطی نہ پایا جائے تو ایسی صورت میں جو خلوت ہوگی وہ خلوت صحیحہ کہلائے گی، اور اگر کوئی مانع وطی موجود ہے تو ایسی صورت میں جو خلوت ہوگی وہ خلوت فاسدہ کہلائے گی۔

(۵۹/۱۷۲۶) وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مَرِيْضاً اَوْ صَائِماً فِيْ رَمَضَانَ اَوْ مُحْرِماً بِحَجٍ اَوْ عُمْرَةٍ اَوْ كَانَتْ حَائِضاً فَلَيْسَتْ بِخَلْوَةٍ صَحِيْحَةٍ وَلَوْ طَلَّقَهَا فَيَجِبُ نِصْفُ الْمَهْرِ.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے کوئی ایک بیمار ہو یا رمضان میں روزہ سے ہو یا احرام باندھے ہوئے ہو حج کا یا عمرہ کا یا عورت حائضہ ہو تو یہ خلوت صحیحہ نہیں ہے اگر طلاق دے دی تو آدھا مہر واجب ہوگا۔

موانع وطی کا بیان

تشریح: صاحب کتاب اس عبارت میں موانع وطی بیان کرنا چاہتے ہیں، چناں چہ سب سے پہلے فرمایا کہ مرض مانع ہے لیکن مرض سے وہ مرض مراد ہے جو مانع جماع ہو یا جماع کرنے سے نقصان کا خطرہ ہو مطلقاً بیماری مراد نہیں ہے یہ مانع حسی کی مثال آگے فرماتے ہیں کہ رمضان کا روزہ بھی خلوت صحیحہ کے لئے مانع ہے کیوں کہ صحبت کرنے سے کفارہ لازم ہوگا اس لیے رمضان کا روزہ بھی مانع خلوت ہوگا، اور احرام اس لیے مانع خلوت ہے کہ صحبت کرنے سے دم لازم ہوگا اور عبادت حج فاسد ہوگی اور قضاء واجب ہوگی یہ مانع شرعی کی مثال ہے، اور حیض اس لیے مانع ہے کہ حالت حیض میں صحبت کرنا طبعاً بھی ممنوع ہے اور شرعاً بھی، اس لیے ان چیزوں سے خلوت صحیحہ نہیں ہوگی لہٰذا اگر اس عورت کو طلاق دے دی تو اس کے لئے نصف مہر ہوگا۔

فائدہ: میاں بیوی کے درمیان خلوت صحیحہ کے ہونے میں جمہور کے نزدیک کاٹنے والا کتا مخل بن جاتا ہے چاہے شوہر کا ہو یا بیوی کا، کلب عقور، کی موجودگی میں خلوت صحیحہ نہیں ہوگی، مگر شیخ ابن الہمام کے نزدیک کلب عقور اگر بیوی کا ہے تب تو خلوت صحیحہ نہیں ہوگی لیکن اگر شوہر کا ہے تو ہو جائے گی، کیوں کہ کتا اپنے مالک کو نیچے دیکھنے میں تو حملہ کرتا ہے مگر اوپر دیکھنے میں حملہ نہیں کرتا (فتح ۳/۳۱۷)

(۶۰/۱۷۲۷) وَاِذَا خَلَا الْمَجْبُوْبُ بِامْرَأَتِهٖ ثُمَّ طَلَّقَهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور جب خلوت کی ذکر کٹے ہوئے آدمی نے اپنی بیوی کے ساتھ پھر اس کو طلاق دے دی تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مقطوع الذکر کی خلوت صحیح ہے یا فاسد، امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر مقطوع الذکر نے خلوت کی اور پھر طلاق دے دی تو عورت کے لئے شوہر پر پورا مہر لازم ہوگا اور یہ خلوت صحیحہ کہلائے گی، کیوں کہ عورت پر رگڑنے کے لئے بضع کو سپرد کرنا واجب تھا اور یہی عورت کی قدرت میں ہے وہ یہ کام کر چکی یہ اور بات ہے کہ مرد اپنی مجبوری کی وجہ سے وصول نہیں کر پار ہا ہے لہٰذا مرد پر پورا مہر لازم ہوگا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ خلوت فاسدہ ہے لہٰذا اگر طلاق دے دی تو نصف مہر واجب ہوگا، کیوں کہ بیمار کو سپرد کرنے سے خلوت صحیحہ نہیں ہوتی ہے تو مقطوع الذکر تو اس سے زیادہ بیمار کے درجہ میں ہے کیوں کہ مریض تو کبھی نہ کبھی جماع پر قادر ہوسکتا ہے لیکن مقطوع الذکر جماع پر بالکل قدرت نہیں رکھتا اس لیے اس کو سپرد کرنے سے خلوت صحیحہ بھی نہیں ہوگی اور پورا مہر لازم نہیں ہوگا۔

(۶۱/۱۷۲۸) وَيَسْتَحِبُّ الْمُتْعَةُ لِكُلِّ مُطَلَّقَةٍ اِلَّا الْمُطَلَّقَةَ وَاحِدَةً وَهِيَ الَّتِيْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَلَمْ يُسَمِّ لَهَا مَهْراً.

ترجمہ: اور مستحب ہے متعہ ہر مطلقہ کے لئے سوائے ایک مطلقہ کے اور وہ وہ عورت ہے کہ طلاق دی ہو اس کو صحبت سے پہلے اور اس کے لئے مہر متعین نہ کیا ہو۔

تشریح: تمام مطلقہ عورتوں کو متعہ کا کپڑا دینا مستحب ہے مگر ایک مطلقہ کو متعہ کا کپڑا دینا واجب ہے وہ یہ ہے کہ صحبت سے پہلے اس کو طلاق دے دی ہو اور اس کا مہر متعین نہ ہوا ہو اگر صحبت کرتا تو مہر مثل ملتا اور صحبت سے پہلے مہر مثل کا آدھا نہیں ہے اس لیے کچھ نہ کچھ ملنا چاہئے اس لیے اس کے لئے متعہ دینا واجب کریں گے۔

(۶۲/۱۷۲۹) وَاِذَا زَوَّجَ الرَّجُلُ اِبْنَتَهٗ عَلٰى اَنْ يُّزَوِّجَهُ الرَّجُلُ اُخْتَهٗ اَوْ بِنْتَهٗ لِيَكُوْنَ اَحَدُ الْعَقْدَيْنِ عِوَضاً عَنِ الْاٰخَرِ فَالْعَقْدَانِ جَائِزَانِ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ: جب شادی کی کسی نے اپنی بیٹی کی اس شرط پر کہ وہ اس کی شادی کرے گا اپنی بہن یا لڑکی سے تاکہ ہو جائے دونوں میں سے ایک بدلہ دوسرے کا تو دونوں عقد جائز ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے نکاح شغار کو بیان کیا ہے، شغار ان نکاحوں میں سے ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھے اور شغار کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص دوسرے سے مثلاً یہ کہے کہ میں اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح تجھ سے کرتا ہوں تو اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح مجھ سے کردے اس طور پر کہ یہ آپس کا لین دین ہی نکاح کا عوض اور مہر ہو جائے اس کے علاوہ کوئی اور مستقل مہر نہ ہو، شغار کے لغوی معنی اٹھانے کے ہیں، شغر الکلب: اس وقت کہا جاتا

ہے جب کتا پیشاب کے لئے اپنی ٹانگ اٹھائے، تو گویا نکاح شغار میں متعاقدین میں سے ہر شخص دوسرے سے یہ کہتا ہے کہ تم میری بیٹی کی ٹانگ نہیں اٹھا سکتے، یہاں تک کہ میں تمہاری بیٹی کی ٹانگ نہ اٹھاؤں، اور کہا گیا ہے کہ یہ ماخوذ ہے شغر البلد سے، جب کہ وہ خالی اور ویران ہو جائے، وجہ مناسبت ظاہر ہے کہ یہ نکاح بھی مہر سے خالی ہوتا ہے۔

شغار کے بارے میں مذاہب ائمہ

حنفیہ کے نزدیک نکاح شغار اگر چہ جائز نہیں ہاں اگر کیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن مہر مثل واجب ہوگا۔

جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا **وعن احمد روایتان مثل الشافعیه والحنفیه**، اور امام مالک سے اس میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ مطلقاً واجب الفسخ ہے، اور دوسری روایت یہ کہ صرف قبل الدخول واجب الفسخ ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال حضرت عمران بن حصین کی روایت کے ان الفاظ سے ہیں **وَلَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ** یعنی اسلام میں نکاح شغار کی کوئی گنجائش نہیں ہے (ترمذی ۱/۱۴۴) یہ حدیث نکاح شغار کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے۔

جواب: ہمارے نزدیک یہ حدیث مخالفت پر محمول ہے نہ کہ ابطال پر (بدائع ۲/ ۲۷۸) شافعیہ نے اپنے مذہب پر ایک دلیل عقلی بھی بیان کی ہے، کہ شغار کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ہر ایک عورت کا بضع مہر بھی ہو اور منکوح بھی اور یہ درست نہیں۔

جواب: ہمارے نزدیک شغار کی صورت میں اعتبار مہر مثل کا ہے لہٰذا ہر عورت کا بضع محض منکوح کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ مہر اور منکوح دونوں کی دیکھئے فتح القدیر ۳/۲۲۲ حنفیہ کے نزدیک نہی عن الافعال الشرعیہ منہی عنہ کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے لہٰذا نکاح درست ہے حنفیہ کے مذہب کی مزید وضاحت یہ ہے کہ شغار کی صورت میں احد البضعین کو جو دوسرے کا مہر ٹھہرایا گیا ہے یہ تسمیہ فاسد ہے کیوں کہ بضع مال نہیں اس لیے مہر نہیں بن سکتا لہٰذا ایسی صورت میں ہر ایک عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی حاصل یہ کہ بضع کو مہر قرار دینا شرط فاسد ہے اور نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

وَإِنْ تَزَوَّجَ حُرٌّ اِمْرَأَةً عَلٰى خِدْمَةِ سَنَةٍ أَوْ عَلٰى تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ جَازَ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا. (۱۷۳۰/۱۳)

ترجمہ: اور اگر شادی کرلے کوئی آزاد کسی عورت سے ایک سال کی خدمت پر یا قرآن کی تعلیم پر تو جائز ہے اور اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ کسی آزاد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر بنایا کہ میں ایک سال بیوی کی خدمت کروں گا یا تعلیم قرآن کو مہر بنایا یعنی یہ کہا کہ میں اپنی بیوی کو قرآن پاک کی تعلیم دوں گا میری طرف سے یہی مہر ہے ان دونوں صورتوں میں شیخین کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا بیوی اس لیے ہوتی ہے کہ وہ شوہر کی خدمت کرے اور یہاں الٹا

شوہر بیوی کی خدمت کرے گا اس لیے مہر کے لئے شوہر کی خدمت متعین کرنا صحیح نہیں ہے گویا کہ مہر ہی متعین نہیں کیا اور جب مہر متعین نہ کیا ہو تو مہر مثل لازم ہوتا ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ خدمت کو مہر بنانا درست ہے لیکن شوہر پر خدمت واجب نہیں ہوگی بلکہ آزاد شوہر کی خدمت کی قیمت واجب ہوگی، کیوں کہ خدمت کرنے میں قلب موضوع لازم آئے گا۔

تعلیم قرآن کو مہر بنانا

مسئلہ مختلف فیہ ہے، شوافع کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست ہے۔

دلیل: فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم زوجتکها بما معك من القرآن. (درس ترمذی ۱/۱۳۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا نکاح کر دیا اس کے بدلہ جو تمہارے پاس قرآن ہے، اس حدیث میں تعلیم قرآن کو مہر بنایا ہے۔

جمہور کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست نہیں ان کا استدلال **واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم** سے ہے، اس میں ابتغاء بالمال کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو مال نہ ہو وہ مہر نہیں بن سکتا اور تعلیم قرآن بھی مال نہیں اور خبر واحد سے آیت کا نسخ درست نہیں لہٰذا 'زوجتکها بما معك' کا ایسا مطلب مراد لیا جائے گا جو آیت کے مطابق ہو اور وہ یہ ہے کہ بما معك میں 'باء' سببیت کے لئے ہے معاوضہ کی نہیں اور مطلب یہ ہے کہ قرآن کی جو عظیم نعمت تم کو حاصل ہے اس وجہ سے تمہارا نکاح اس سے کیا جاتا ہے اور تم پر مہر معجّل ضروری قرار نہیں دیا جاتا البتہ مہر موجل قواعد کے مطابق واجب ہوگا، ایک جواب یہ ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا متعلقہ صحابی کی خصوصیت تھی۔

(درس ترمذی ۳/ ۳۹۶، ۳۹۷)

شوافع کے نزدیک جیسے تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست ہے ایسے ہی آزاد و غلام دونوں کی خدمت کو مہر بنانا درست ہے اور شوہر کی خدمت کو مہر متعین کرنے کی دلیل یہ آیت ہے قَالَ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اُنْکِحَكَ اِحْدَی ابْنَتَیَّ ھٰتَیْنِ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ، الایۃ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میری ان دو بیٹیوں میں سے ایک سے آپ کی شادی کرادوں اس شرط پر کہ آپ آٹھ سال تک میری مزدوری کریں، اس آیت میں آٹھ اور دس سال تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بکری چرانے کو مہر بنایا ہے۔

جواب: شوہر کا بیوی کی بکریاں چرانا خدمت کرنے کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ وہ گھریلو امور میں سے ہے۔

(۱۷۳۱/۶۴) وَاِنْ تَزَوَّجَ عَبْدٌ اِمْرَاَۃً حُرَّۃً بِاِذْنِ مَوْلَاہُ عَلٰی خِدْمَتِهٖ سَنَةً جَازَ وَلَهَا خِدْمَتُهٗ.

ترجمہ: اور اگر شادی کرلے کوئی غلام کسی آزاد عورت سے اپنے آقا کی اجازت کے ساتھ ایک سال کی خدمت پر تو جائز ہے اور عورت کے لئے اس غلام کی خدمت ہی ہوگی۔

تشریح: غلام نے آزاد عورت سے شادی کی اور اپنے آقا کی اجازت سے بیوی کے لئے ایک سال کی خدمت مہر متعین کیا تو نکاح ہو جائے گا اور مہر مثل لازم نہیں ہوگا بلکہ ایک سال کی خدمت ہی لازم ہوگی، کیوں کہ آقا کی اجازت سے بیوی کی خدمت کرنا گویا کہ آقا ہی کی خدمت کرنا ہے اس لیے اس کے لئے خدمت مہر بن سکتی ہے۔

(۱۷۳۲/۶۵) وَإِذَا اجْتَمَعَ فِي الْمَجْنُوْنَةِ اَبُوْهَا وَابْنُهَا فَالْوَلِيُّ فِيْ نِكَاحِهَا ابْنُهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَبُوْهَا.

ترجمہ: اور جب جمع ہو جائیں مجنونہ عورت میں اس کا باپ اور اس کا بیٹا تو اس کا نکاح کرنے میں ولی اس کا بیٹا ہے شیخین کے قول کے مطابق اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس کا باپ ہوگا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک مجنونہ عورت کا باپ ہے اور پہلے شوہر سے بالغ بیٹا ہے تو اس مجنونہ کے نکاح کی ولایت کس کو حاصل ہوگی اس سلسلہ میں شیخین کا مذہب تو یہ ہے کہ اس کا بیٹا نکاح کرانے کا ولی ہوگا، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کا باپ ولی ہوگا۔

دلیل: باپ زیادہ تجربہ کار اور مہربان ہے بمقابلہ بیٹے کے اور نکاح کرانے کا دارومدار شفقت پر ہے اس لیے باپ کو زیادہ حق ہوگا۔

(۲) حضرت خدیجہ کی شادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے باپ نے کرائی، اور حضرت سودہؓ کی شادی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے باپ نے کرائی، شیخین فرماتے ہیں کہ ولایت کا دارومدار عصبات پر ہے اور عصبہ ہونے میں بیٹا مقدم ہے چناں چہ بیٹے کی موجودگی میں باپ کو صرف چھٹا حصہ ملتا ہے اور بیٹا عصبہ ہوتا ہے اس لیے مجنونہ کی شادی کرانے کا حق بیٹے کو ہوگا۔

(۱۷۳۳/۶۶) وَلَايَجُوْزُ نِكَاحُ الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ اِلَّا بِاِذْنِ مَوْلَاهُمَا.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے غلام اور باندی کا نکاح کرنا مگر ان دونوں کے آقا کی اجازت سے۔

تشریح: 'لایجوز' کا ایک مطلب یہ ہے کہ بغیر آقا کی اجازت کے غلام اور باندی کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا لیکن لایجوز کا صحیح مطلب یہ ہے کہ بغیر آقا کی اجازت کے غلام اور باندی کا نکاح جائز ہے مگر آقا کی اجازت پر موقوف ہے اگر آقا نے اجازت دے دی تو نافذ ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

دلیل: اگر بغیر اجازت کے باندی نے نکاح کر لیا تو اس سے آقا صحبت نہیں کر سکے گا جو بہت بڑا نقصان ہے اسی طرح غلام نے نکاح کیا تو بیوی کے نان ونفقہ میں بیچا جا سکتا ہے اس لئے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح غیر نافذ ہوگا۔

(۱۷۳۴/۶۷) وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلَاهُ فَالْمَهْرُ دَيْنٌ فِيْ رَقَبَتِهٖ يُبَاعُ فِيْهِ.

ترجمہ: اور جب شادی کر لی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے تو مہر قرض ہوگا اس کی گردن میں کہ اس میں بیچ دیا جائے گا۔

تشریح: اگر غلام نے آقا کی اجازت سے نکاح کیا تو غلام پر مہر قرض بن کر واجب ہوگا اور ادائیگی مہر کے لئے غلام کو فروخت کیا جائے گا، کیوں کہ جو نکاح کرتا ہے مہر اسی کی گردن پر ہوتا ہے اور جب مہر اس کی گردن پر قرض ہوا تو اگر ادا نہ کر سکا تو وہ اس میں بیچا بھی جائے گا۔

(۱۷۳۵/۶۸) وَاِذَا زَوَّجَ الْمَوْلٰی اَمَتَهٗ فَلَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يُبَوِّئَهَا بَيْتاً لِلزَّوْجِ وَلٰكِنَّهَا تَخْدِمُ الْمَوْلٰی وَيُقَالُ لِلزَّوْجِ مَتٰی ظَفِرْتَ بِهَا وَطِئْتَهَا.

حل لغات: يبوء: فعل مضارع باب تفعیل مصدر تبوية منزل میں اتارنا بسانا، اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ شوہر اور باندی کے درمیان شوہر کے مکان میں تنہائی دی جائے یعنی باندی کو شوہر کے حوالہ کر دیا جائے اور آقا باندی سے خدمت نہ لے۔ ظفرت: ماضی باب (س) ظفراً مصدر ہے کامیاب ہونا موقع پانا قابو پانا۔

ترجمہ: اگر شادی کر دی آقا نے اپنی باندی کی تو اس پر لازم نہیں ہے کہ شوہر کے یہاں رات گذارنے دے ہاں وہ آقا کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب تیرا موقع لگے صحبت کر لے۔

تشریح: اگر آقا نے اپنی باندی کا نکاح کسی کے ساتھ کر دیا تو آقا پر شوہر کے گھر میں باندی کا شب باشی کرانا لازم نہیں بلکہ وہ اپنے آقا کی خدمت کرتی رہے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ جب موقع ملے بیوی سے مل لے، کیوں کہ آقا باندی کی ذات اور اس کے منافع ہر دو کا مالک ہے اس لیے اس کا حق مقدم ہے اور شوہر کا حق اس کے بعد ہے کیوں کہ اس کا حق صرف بضعہ پر ہے۔

(۱۷۳۶/۶۹) وَاِنْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً عَلٰی اَلْفِ دِرْهَمٍ عَلٰی اَنْ لَّا يُخْرِجَهَا مِنَ الْبَلَدِ اَوْ عَلٰی اَنْ لَّا يَتَزَوَّجَ عَلَيْهَا اِمْرَأَةً فَاِنْ وَفٰی بِالشَّرْطِ فَلَهَا الْمُسَمّٰی.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے کسی عورت سے ایک ہزار درہم پر اس شرط کے ساتھ کہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا یا اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی عورت سے نکاح نہیں کرے گا سو اگر شوہر شرط پوری کر دے تو عورت کے لئے متعین مہر ہے۔

مہر کے متفرق مسائل

تشریح: ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا ایک ہزار درہم مہر کے بدلہ اس شرط پر کہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا یا اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا تو یہ نکاح درست ہے اگر چہ یہ دونوں شرطیں فاسد

ہیں، اور شرط فاسد اس لیے ہے کہ اس میں امر مشروع سے رکنا لازم آتا ہے بہر حال اگر شوہر نے شرط پوری کردی تو جتنا مہر متعین کیا ہے یعنی ایک ہزار درہم وہ مل جائیں گے اور اگر شوہر نے شرط پوری نہ کی تو اس کا بیان اگلی عبارت میں ہے۔

(۱۷۳۷/۷۰) وَاِنْ تَزَوَّجَ عَلَيْهَا اَوْ اَخرَجَهَا مِنَ الْبَلَدِ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر اس پر دوسری عورت سے شادی کرے یا اس کو شہر سے باہر لے گیا تو اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: شرط تو یہی تھی کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا یا شہر سے نہیں نکالے گا مگر شوہر نے ان شرطوں کو پورا نہیں کیا تو اب یہ دیکھنا ہے کہ مہر مثل مسمیٰ سے کم ہے یا زائد یا برابر اگر مہر مثل زائد ہے، تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اور مہر مثل مسمیٰ سے کم یا برابر ہے، تو مسمیٰ یعنی ایک ہزار واجب ہوگا۔

(۱۷۳۸/۷۱) وَاِنْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ صَحَّتِ التَّسْمِيَةُ وَلَهَا الْوَسطُ مِنْهُ وَالزَّوْجُ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا ذٰلِكَ وَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهَا قِيْمَتَهُ.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے کسی عورت سے ایسے حیوان پر جس کی صفت بیان نہیں کی گئی ہے تو تعین درست ہے اور عورت کے لئے اس حیوان میں سے درمیانی درجہ کا ہوگا اور شوہر کو اختیار ہے اگر چاہے عورت کو یہ وسط دے دے اور اگر چاہے تو اس کو اسی کی قیمت دے دے۔

تشریح: ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر ایسے حیوان کو بنایا جس کی صفت بیان نہیں کی گئی ہے البتہ جنس بیان کی مثلاً یوں کہا کہ گدھے پر شادی کرتا ہوں لیکن اس کی صفت بیان نہیں کی کہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا یا اوسط ہوگا یا ادنیٰ درجہ کا تو ایسی صورت میں مہر صحیح ہو جائے گا لیکن درمیانی گدھا لازم ہوگا، کیوں کہ درمیانی دینے میں کسی کا نقصان نہیں ہے البتہ درمیانی کا پتہ قیمت سے چلے گا اس لیے شوہر کو یہ بھی حق ہے کہ درمیانی جانور خریدے اور یہ بھی اختیار ہے کہ درمیانی جانور کی قیمت بیوی کے حوالہ کردے، اور اگر جانور کی جنس بھی متعین نہ کی مثلاً یوں کہا کہ جانور پر نکاح کرتا ہوں تو اس میں جہالت کاملہ ہے اس لیے مہر مثل لازم ہوگا۔

(۱۷۳۹/۷۲) وَلَوْ تَزَوَّجَهَا عَلٰى ثَوْبٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر کسی عورت سے شادی کی ایسے کپڑے پر جس کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔

تشریح: ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور کپڑے کو مہر بنایا مگر اس کپڑے کی نوع بیان نہیں کی مثلاً یہ تو کہہ دیا کہ مہر میں کپڑا دوں گا لیکن اس کی صفت نہیں بیان کی تو ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا کیوں کہ کپڑے کی

بہت سی نوعیت ہے مثلاً سوتی ریشمی کوٹن وغیرہ تو مہر مجہول رہ گیا گویا کہ مہر متعین نہیں ہوا اس لیے عورت کیلئے مہر مثل ہوگا۔

(۱۷۴۰/۷۳) وَنِكَاحُ الْمُتْعَةِ وَالْمُوَقَّتِ بَاطِلٌ.

ترجمہ: نکاح متعہ اور نکاح موقت باطل ہے۔

تشریح: ہدایہ میں متعہ کی تعریف میں لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے کہے اتمتع بك كذا مدة بكذا من المال یعنی میں تجھ سے اتنے مال کے عوض میں اتنی مدت تک متمتع ہونا چاہتا ہوں اور وہ عورت اس کو قبول کرلے اس میں نہ لفظ نکاح استعمال ہوتا ہے اور نہ دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے اور نکاح موقت کی تعریف اس طرح کی ہے مثل ان یتزوج امرأة بشهادة شاهدين الى عشرة ايام مثلاً نکاح کرے کسی عورت سے دو گواہوں کی گواہی سے دس دن کے لئے ، نکاح موقت میں لفظ نکاح بھی ہوتا ہے اور دو گواہ بھی ہوتے ہیں اور مدت بھی متعین ہوتی ہے۔

حرمت متعہ: متعہ کی حرمت پر امت کا اتفاق ہے اور سوائے 'رافضی' کے کوئی اس کی حلت کا قائل نہیں اور ان کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں البتہ صرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا جواز منقول ہے وہ بھی محض اضطرار کے موقع پر جواز کے قائل تھے پھر اس سے بھی رجوع کرلیا تھا۔

نکاح موقت کا حکم: اس نکاح کے بارے میں ہمارے علماء میں سے امام زفرؒ کا اختلاف مشہور ہے امام زفر فرماتے ہیں کہ نکاح موقت صحیح ہے، کیوں کہ اس میں انعقاد نکاح کی تمام شرائط پائی جارہی ہیں البتہ مدت کی شرط لغو ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا حنفیہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔ (شامی ۲/۴۰۳، مطعبۃ عثمانیہ استنبول)

(۱۷۴۱/۷۴) وَتَزْوِيْجُ الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُمَا مَوْقُوْفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْمَوْلٰى جَازَ وَإِنْ رَدَّهُ بَطَلَ.

ترجمہ: غلام اور باندی کا نکاح کرنا اپنے آقا کی اجازت کے بغیر موقوف ہے اگر آقا اس کی اجازت دے دے تو جائز ہوگا اور اگر رد کردے تو باطل ہوجائے گا۔

نکاح فضولی کے احکام

تشریح: اس سے پہلے (مسئلہ (۱۷۲۴) (۶۶) جو گذرا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر غلام باندی نے اپنے آپ نکاح کرلیا تو آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور یہاں مراد یہ ہے کہ اگر کسی اجنبی نے غلام باندی کا نکاح ان کے آقا کی اجازت بغیر کردیا تو آقا کی اجازت پر موقوف رہے گا لہٰذا دونوں مسئلوں میں تکرار نہیں ہے۔

(۱۷۴۲/۷۵) وَكَذٰلِكَ إِنْ زَوَّجَ رَجُلٌ اِمْرَأَةً بِغَيْرِ رِضَاهَا أَوْ رَجُلًا بِغَيْرِ رِضَاهُ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر شادی کردے اجنبی آدمی کسی عورت کی اس کی رضامندی کے بغیر یا کسی مرد کی اس کی

رضامندی کے بغیر۔

تشریح: کسی آدمی نے بالغ عورت یا بالغ مرد کی شادی بغیر ان کی رضامندی اور اجازت کے کردی تو اس صورت میں احناف کے نزدیک نکاح جائز ہو جائے گا البتہ اس کا نفاذ مرد اور عورت کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر انہوں نے اجازت دے دی تو نکاح بحال رہے گا اور اگر رد کر دیا تو رد ہو جائے گا۔

(۱۷۴۳/۷۶) وَيَجُوزُ لِابْنِ الْعَمِّ اَنْ يُزَوِّجَ بِنْتَ عَمِّهٖ مِنْ نَفْسِهٖ.

ترجمه: اور جائز ہے چچازاد بھائی کے لئے کہ وہ شادی کرلے اپنے چچا کی بیٹی سے خود۔

تشریح: بیٹا، باپ، دادا، بھائی اور چچا نہ ہو تو اب چچازاد بھائی لڑکی کا عصبہ اور ولی بنتا ہے اس لیے وہ لڑکی کا ولی بنا اور اپنی جانب سے اصیل ہوا اور نکاح میں ایک ہی آدمی دونوں جانب سے ولی بن سکتا ہے، اس لیے اگر اس نے دو گواہوں کے سامنے نکحت کہا تو دونوں جانب سے ایجاب وقبول ادا ہو گئے لہٰذا نکاح ہو جائے گا۔

(۱۷۴۴/۷۷) وَاِذَا اَذِنَتِ الْمَرْاَةُ لِلرَّجُلِ اَنْ يُزَوِّجَهَا مِنْ نَفْسِهٖ فَعَقَدَ بِحَضْرَةِ شَاهِدَيْنِ جَازَ.

ترجمه: جب اجازت دے دی عورت نے کسی مرد کو اس کے ساتھ اپنی شادی کرنے کی اور اس نے عقد کرلیا دو گواہوں کی موجودگی میں تو جائز ہے۔

تشریح: اگر کسی عورت نے کسی مرد کو اپنا وکیل بنایا کہ میرا نکاح اپنے ساتھ کرلو اس وکیل نے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرلیا تو احناف کے نزدیک یہ نکاح جائز ہو جائے گا کیوں کہ وہ اپنی جانب سے اصیل ہوا اور عورت کی جانب سے وکیل ہوا اور نکاح میں ایک ہی آدمی وکیل اور اصیل بن سکتا ہے، مگر امام زفر و امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہوگا کیوں کہ ایک آدمی ایک چیز کا ایک زمانہ میں مالک بنانے والا اور ملک حاصل کرنے والا ہو، یہ نہیں ہو سکتا اور یہاں یہی خرابی ہے کیوں کہ مرد ناکح ہے، تو مالک بننے والا ہوا اور چوں کہ عورت کی طرف سے وکیل ہے اس لیے مالک بنانے والا بھی ہوا۔

(۱۷۴۵/۷۸) وَاِذَا ضَمِنَ الْوَلِيُّ الْمَهْرَ لِلْمَرْاَةِ صَحَّ ضَمَانُهٗ وَلِلْمَرْاَةِ الْخِيَارُ فِيْ مُطَالَبَةِ زَوْجِهَا اَوْ وَلِيِّهَا.

ترجمه: اور جب ضامن ہو جائے ولی مہر کا عورت کے لئے تو اس کا ضامن بننا صحیح ہے اور عورت کو اختیار ہے مطالبہ کرنے میں اپنے شوہر یا اپنے ولی سے۔

تشریح: باپ نے اپنی بالغہ لڑکی کا نکاح کیا اور اپنی لڑکی کے لئے اس کے شوہر کی جانب سے مہر کا ضامن ہو گیا تو ولی کا ضامن ہونا شرعاً درست ہے اور اب عورت کو اختیار ہے کہ شوہر سے مطالبہ کرے یا اپنے ولی سے مطالبہ

کرے چوں کہ شوہر اصل ذمہ دار ہے، اس لیے عورت اس سے بھی مطالبہ کرسکتی ہے اور ولی کفیل ہے اس لیے اس سے بھی مطالبہ کرسکتی ہے۔

(۴۶/۱۷۷۹) وَاِذَا فَرَّقَ الْقَاضِیْ بَیْنَ الزَّوْجَیْنِ فِی النِّکَاحِ الْفَاسِدِ قَبْلَ الدُّخُوْلِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَکَذٰلِكَ بَعْدَ الْخَلْوَةِ.

ترجمہ: اور جب تفریق کردے قاضی میاں بیوی کے درمیان نکاح فاسد میں صحبت سے پہلے تو اس کے لئے مہر نہیں ہے اور ایسے ہی خلوت کے بعد مہر نہیں ہے۔

تشریح: نکاح فاسد وہ ہے جس میں نکاح کی صحت کی شرائط میں سے کوئی شرط ختم ہو مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح کرلینا یا نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرلینا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی نے نکاح فاسد کی صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کردی حالاں کہ ابھی تک شوہر نے عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا تھا تو اس صورت میں عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا نہ کل مہر ہوگا اور نہ نصف مہر، اسی طرح اگر نکاح فاسد میں عورت کے ساتھ خلوت کی گئی تب بھی عورت کے لئے مہر نہیں ہوگا، نکاح فاسد میں تفریق قبل الدخول کی وجہ سے مہر واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نکاح فاسد میں محض عقد کی وجہ سے مہر واجب نہیں ہوتا، کیوں کہ عقد فاسد ہے البتہ منافع بضع وصول کرلینے سے مہر کا وجوب ہوجاتا ہے اس لیے صحبت سے پہلے مہر بھی لازم نہ ہوگا اور چوں کہ نکاح صحیح نہیں ہے اس لیے خلوت کرنا صحبت کے درجہ میں نہیں ہے، کیوں کہ مانع شرعی موجود ہے اس لیے قاضی نے خلوت کے بعد تفریق کرادی تو بھی مہر لازم نہیں ہوگا۔

(۴۷/۱۷۸۰) وَاِذَا دَخَلَ بِهَا فَلَهَا مَهْرُ مِثْلِهَا وَلَا یُزَادُ عَلَی الْمُسَمّٰی وَعَلَیْهَا الْعِدَّةُ وَیَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا مِنْهُ.

ترجمہ: اور اگر اس سے صحبت کرلے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اور متعین مہر پر زیادہ نہیں کیا جائے گا اور عورت پر عدت ہے اور عورت کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا اسی شوہر سے۔

تشریح: نکاح فاسد میں عورت سے صحبت کرے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا لیکن یہ مہر مثل آپس میں جتنا طے کیا ہے اس سے زیادہ نہ ہوگا، کیوں کہ نکاح فاسد اصل میں نکاح ہی نہیں ہے لیکن جب کرچکا تو مجبوراً مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا اور چوں کہ عورت کم پر راضی ہوگئی ہے اس لیے کم دیا جائے گا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ نکاح فاسد میں تفریق کے بعد عورت پر عدت واجب ہوگی اور اس درمیان میں جو بچہ پیدا ہوا اس کا نسب اسی شوہر سے ثابت ہوگا عدت اس لیے واجب ہوگی تاکہ پتہ چل جائے کہ اس کے پیٹ میں کسی قسم کا بچہ وغیرہ تو نہیں ہے کیوں کہ نسب ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے پس عدت واجب ہوگی نسب کی حفاظت کے لئے اور اختلاط نسب سے بچنے کے لئے اور نسب اس

لیے ثابت کیا جائے گا تا کہ بچہ بغیر نسب کے نہ رہ جائے۔

(۸۱/۱۷۴۸) وَمَهْرُ مِثْلِهَا يُعْتَبَرُ بِاَخَوَاتِهَا وَعَمَّاتِهَا وَبَنَاتِ عَمِّهَا وَلَا يُعْتَبَرُ بِاُمِّهَا وَخَالَتِهَا اِذَا لَمْ تَكُوْنَا مِنْ قَبِيْلَتِهَا.

ترجمہ: اور اس کا مہر مثل اس کی بہنوں پھوپھیوں اور اس کی چچازاد بہنوں پر قیاس کیا جائے گا اور اعتبار نہیں کیا جائے گا اس کی ماں اور خالہ کے مہر کا بشرطیکہ وہ دونوں عورت کے خاندان کی نہ ہوں۔

مہر مثل کا بیان

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عورت کے مہر مثل میں اس کے خاندان کی عورتوں کا اعتبار ہوگا جو عورتیں اس کے باپ کی جانب منسوب ہیں مثلاً بہن، پھوپھی، چچازاد بہن کا جو مہر ہے ان مہروں کے مثل اس کا مہر ہوگا نہ اس سے کم اور نہ زیادہ، کیوں کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں لَهَا مَهْرُ مِثْلِ نِسَائِهَا وَهُنَّ اَقَارِبُ الْاَبِ یعنی عورت کے لئے اس کی عورتوں کا مہر مثل ہے اور وہ باپ کی قرابت دار ہیں۔

مہر مثل میں عورت کی ماں اور اس کی خالہ کا اعتبار نہیں ہوگا یہ اس وقت ہے جب کہ یہ دونوں عورتیں اس کے باپ کے خاندان سے نہ ہوں ہاں اگر یہ دونوں عورتیں اس عورت کے باپ کے خاندان سے ہیں تو مہر مثل میں ان کا اعتبار کیا جائے گا مثلاً عورت کے باپ نے شادی کی تھی اپنے چچا کی بیٹی سے تو اس صورت میں اس عورت کی ماں اور خالہ اس کے باپ کی قوم سے ہیں لہٰذا مہر مثل میں ان کا اعتبار کیا جائے گا۔

(۸۲/۱۷۴۹) وَيُعْتَبَرُ فِيْ مَهْرِ الْمِثْلِ اَنْ يَتَسَاوَى الْمَرْاَتَانِ فِي السِّنِّ وَالْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالْعَقْلِ وَالدِّيْنِ وَالْبَلَدِ وَالْعَصْرِ.

ترجمہ: اور اعتبار کیا جائے گا مہر مثل میں اس کا یہ کہ برابر ہوں دونوں عورتیں عمر میں خوبصورتی میں مال میں عقل میں دین میں شہر میں اور زمانہ میں۔

تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مہر مثل میں اس کا بھی اعتبار ہوگا کہ دونوں مذکورہ سات چیزوں میں برابر ہوں کیوں کہ مہر مثل ان اوصاف کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے، مثلاً ایک عورت کی شادی تیس سال میں ہوئی تھی جس کا مہر دس ہزار روپئے تھا اور اِس عورت کی عمر ۱۸ رسال ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا مہر زیادہ ہوگا، اسی طرح ایک عورت ہندوستانی ہے اور دوسری پاکستانی ہے تو دونوں کا مہر الگ الگ ہوگا اس لیے مذکورہ سات چیزوں میں برابری ہونی چاہئے اگر عورت کے باپ کے خاندان میں اس جیسی عورت نہ پائی جائے تو پھر ان اوصاف کی اجنبیہ عورت کے مہر مثل کا اعتبار ہوگا۔

(۸۳/۱۷۵۰) وَيَجُوْزُ تَزْوِيجُ الْاَمَةِ مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كِتَابِيَّةً.

ترجمہ: اور جائز ہے باندی سے شادی کرنا مسلمان ہو یا کتابی۔

باندی سے نکاح کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ

تشریح: باندی کے ساتھ نکاح کے جواز وعدم جواز میں اختلاف ہے چناں چہ ہمارے نزدیک مطلق باندی سے نکاح جائز ہے مسلمان ہو یا یہودیہ یا نصرانیہ، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کتابیہ باندی سے نکاح جائز نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل: آیت میں اس کا ثبوت ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ (آیت ۲۵ سورۃ النساء) تم میں سے جو طاقت نہ رکھتا ہو کہ مومنہ آزاد عورتوں سے شادی کرے تو تمہارے جوانوں میں سے مومنہ باندی بہتر ہے، اس آیت میں ہے کہ باندی سے شادی کرسکتا ہے اور باندی میں دونوں شامل ہیں، نیز فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ عام ہے نکاح آزاد سے کرے یا باندی سے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: آیت میں فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ کی قید ہے کہ مومنہ باندی ہو اس لیے کتابیہ سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔

(۸۴/۱۷۵۱) وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَمَةً عَلٰى حُرَّةٍ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے باندی سے شادی کرنا آزاد عورت کے ہوتے ہوئے۔

کیا آزاد کے رہتے ہوئے باندی سے نکاح کر سکتے ہیں؟

تشریح: اگر پہلے سے آزاد عورت نکاح میں موجود ہے تو احناف کے نزدیک باندی سے نکاح ناجائز ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آزاد کے لئے اگر چہ یہ صورت جائز نہیں، مگر غلام کے لئے جائز ہے کہ آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح کرے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر آزاد عورت رضامند ہے تو اس کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کرسکتا ہے اور اگر رضامند نہیں تو پھر نکاح درست نہ ہوگا۔

احناف کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَا تُنْكَحُ الْاَمَةُ عَلَى الْحُرَّةِ (اخرجہ الدار قطنی ۳۹/۴) کہ آزاد عورت کی موجودگی میں باندی سے نکاح نہ کیا جائے، اس حدیث میں عموم ہے شوہر آزاد ہو یا غلام عورت راضی ہو یا ناراض لہٰذا یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے امام شافعی اور امام مالک دونوں کے خلاف حجت

ہوگی۔

(۸۵/۱۷۵۲) وَيَجُوزُ تَزْوِيجُ الْحُرَّةِ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اور جائز ہے آزاد سے شادی کرنا باندی کے ہوتے ہوئے۔

تشریح: اگر پہلے سے باندی نکاح میں موجود ہے تو آزاد عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اس میں کوئی برائی نہیں ہے ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ باندی کا نکاح باطل بھی نہیں ہوگا۔

دلیل: (۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے تنکح الحرۃ علی الامۃ آزاد عورت کو نکاح میں لاسکتا ہے باندی کے رہتے ہوئے (۲) باندی اتنے اعلیٰ درجہ کی نہیں ہوتی اس کا بچہ اس کے آقا کا غلام ہوجائے گا اس لیے اس پر آزاد سے شادی کرسکتا ہے جو اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس کا بچہ بھی آزاد ہوگا۔

(۸۶/۱۷۵۳) وَلِلْحُرِّ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَرْبَعاً مِنَ الْحَرَائِرِ وَالْإِمَاءِ وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور آزاد مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ نکاح کرے چار عورتوں سے آزاد ہوں یا باندی ہوں اور جائز نہیں اس کے لئے کہ وہ اس سے زیادہ سے نکاح کرے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے تعدد ازواج کے مسئلہ کو بیان کیا ہے چناں چہ احناف کے نزدیک آزاد مرد بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے چاروں آزاد ہوں یا چاروں باندی ہو یا مشترکہ ہوں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر باندی سے نکاح کرے تو صرف ایک باندی سے کرسکتا ہے زائد سے نہیں۔

دلیل: باندی سے شادی کرنا مجبوری کے درجہ میں ہے جب کہ آزاد عورت سے شادی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو لہذا بقدر ضرورت ہی نکاح جائز ہوگا، اور ضرورت پوری ہوجاتی ہے ایک باندی سے اس لیے ایک سے زائد باندی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

حنفیہ کی دلیل: آیت میں ہے کہ چار سے زیادہ شادی نہ کرو فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (آیت ۳ سورۃ النساء) نکاح کرو جو اچھی لگے عورتوں میں سے دو دو تین تین اور چار چار یہ آیت بیان عدد میں نص ہے اور عدد کی صراحت زیادتی کے لئے مانع ہے نیز یہ آیت شوافع کے خلاف بھی حجت ہے کیوں کہ آیت میں لفظ 'نساء' مذکور ہے اور نساء جس طرح آزاد کو شامل ہے اسی طرح باندی کو بھی شامل ہے۔

(۸۷/۱۷۵۴) وَلَا يَتَزَوَّجُ الْعَبْدُ اَكْثَرَ مِنِ اثْنَتَيْنِ.

ترجمہ: اور غلام نہ شادی کرے دو سے زیادہ۔

تشریح: غلام کے لئے حنفیہ کے نزدیک دو عورتوں سے نکاح جائز ہے زیادہ سے اجازت نہیں، امام مالکؒ

آزاد کی طرح غلام کے لئے بھی چار کی اجازت دیتے ہیں، حنفیہ فرماتے ہیں کہ غلام کی نعمت آزاد کے مقابلہ میں آدھی ہے اس لیے آزاد کو چار کی اجازت ہے تو غلام کو دو کی اجازت ہوگی۔

(۱۷۵۵/۸۸) فَاِنْ طَلَّقَ الْحُرُّ اِحْدَی الْاَرْبَعِ طَلَاقاً بَائِناً لَمْ یَجُزْ لَہٗ اَنْ یَتَزَوَّجَ رَابِعَۃً حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُھَا.

ترجمہ: اگر طلاق دے دے آزاد چار میں سے ایک کو طلاق بائن تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ چوتھی سے شادی کرے یہاں تک کہ اس کی عدت گذر جائے۔

تشریح: اگر آزاد مرد نے اپنی چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق بائن دے دی تو جب تک وہ مطلقہ بائنہ اپنی عدت نہ گذار لے اس وقت تک یہ شخص چوتھی عورت سے شادی نہ کرے ورنہ اس کے نکاح میں پانچویں عورت جمع ہوجائے گی۔

دلیل: جب تک طلاق شدہ کی عدت نہ گذر جائے اس وقت تک وہ من وجہ شوہر کی بیوی ہے، اور جب چار بیوی موجود ہیں تو پانچویں سے شادی نہیں کرسکتا۔ (اللباب ۲/ ۱۵۷)

(۱۷۵۶/۸۹) وَاِذَا زَوَّجَ الْاَمَۃَ مَوْلَاھَا ثُمَّ اُعْتِقَتْ فَلَھَا الْخِیَارُ حُرًّا کَانَ زَوْجُھَا اَوْ عَبْداً.

ترجمہ: اور جب شادی کر دی باندی کی اس کے آقا نے پھر وہ آزاد کر دی گئی تو اس کو اختیار ہوگا آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام ہو۔

خیارِ عتق کا بیان

تشریح: باندی نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا بعد میں آزاد کر دی گئی تو اس باندی کو شوہر کے پاس رہنے نہ رہنے کا اختیار ہوگا جس کو خیار عتق کہتے ہیں۔

اگر باندی کی آزادی کے وقت اس کا شوہر غلام تھا تو بالاتفاق خیار عتق حاصل ہوگا مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ آزادی کے وقت اگر شوہر آزاد تھا تو باندی کو خیار عتق حاصل ہوگا یا نہیں چناں چہ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ آزادی کے وقت اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام دونوں صورتوں میں باندی کو خیار عتق حاصل ہوگا۔

(۲) موالک وشوافع فرماتے ہیں کہ آزادی کے وقت اگر شوہر آزاد تھا تو باندی کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا اور اگر غلام ہے تو خیار عتق حاصل ہوگا۔

احناف کی دلیل: حدیثِ عائشہؓ ہے یعنی حضرت عائشہ نے جب اپنی باندی بریرہؓ کو آزاد کر دیا تو

حضرت بریرہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَلَكْتِ بُضْعَكِ فَاخْتَارِي" اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثبوت خیار کی علت ملک بضع کو قرار دیا اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا کہ بریرہ کا شوہر آزاد ہے یا غلام لہٰذا یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں کو شامل ہوگی، اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ جس وقت بریرہ کو خیار دیا گیا تو ان کے شوہر اس وقت غلام تھے یا آزاد، جب روایات متعارض ہیں تو ان سب روایات کو چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ملکت بضعک پر عمل کریں گے، اور یہی حدیث موالک وشوافع کے خلاف حجت ہوگی۔

(۹۰/۱۷۵۷) وَكَذَالِكَ الْمُكَاتَبَةُ.

ترجمہ: اور اسی طرح حکم ہے مکاتبہ باندی کا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتبہ نے اپنے آقا کی اجازت سے نکاح کیا پھر مال کتابت دے کر آزاد ہوگئی تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کو بھی خیار عتق ملے گا چاہے تو اس شوہر کے پاس رہے چاہے نہ رہے چاہے اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو امام زفرؒ کے نزدیک اس کے لئے خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔

(۹۱/۱۷۵۸) وَإِنْ تَزَوَّجَتْ أَمَةٌ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهَا ثُمَّ أُعْتِقَتْ صَحَّ النِّكَاحُ وَلَا خِيَارَ لَهَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کرے باندی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر پھر وہ آزاد کردی گئی تو نکاح صحیح رہے گا اور اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں دو باتیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ باندی نے بغیر آقا کی اجازت کے نکاح کیا پھر وہ باندی آزاد کردی گئی تو یہ نکاح نافذ ہوجائے گا دوم یہ کہ باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرلی ابھی آقا نے اجازت نہیں دی تھی کہ آزاد کردی گئی تو باندی کو شوہر کے پاس رہنے یا نہ رہنے کا اختیار نہیں ملے گا اب تو اسی شوہر کے ساتھ رہنا پڑے گا، صحت نکاح کی دلیل تو یہ ہے کہ نکاح کا نفاذ آقا کے حق کی وجہ سے ممنوع تھا اور آقا کا حق آزاد کردینے سے زائل ہوگیا لہٰذا نکاح درست ہوگیا۔

خیار عتق نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ آزادی سے پہلے نکاح آقا کی اجازت پر موقوف تھا نکاح نافذ ہوا ہے آزادی کے بعد جب باندی ہونے کے زمانہ میں نکاح ہی نافذ نہیں ہوا ہے تو خیار عتق کیسے ملے گا؟

(۹۲/۱۷۵۹) وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَتَيْنِ فِي عَقْدَةٍ وَاحِدَةٍ إِحْدَاهُمَا لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا صَحَّ نِكَاحُ اللَّتِي يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا وَبَطَلَ نِكَاحُ الْأُخْرَىٰ.

ترجمہ: کسی نے شادی کی دو عورتوں سے ایک عقد میں اور ان میں سے ایک کا نکاح اس کے لئے حلال نہیں تھا تو صحیح ہے نکاح اس عورت کا جو اس کے لئے حلال ہے اور باطل ہوگا دوسری کا نکاح۔

تشریح: ایک شخص نے عقد واحد میں دو عورتوں سے نکاح کیا ان دونوں میں سے اس کے لئے ایک حلال ہے اور ایک حرام ہے تو جو حلال تھی اس کا نکاح درست ہو جائے گا اور جو حرام تھی اس کا باطل ہوگا، مثلاً ایک ہی عقد میں اپنی بہن اور چچازاد بہن سے شادی کرلی تو ظاہر ہے کہ اپنی بہن سے شادی کرنا حلال نہیں ہے اس لیے اس کا نکاح باطل ہوگا لیکن اس کی وجہ سے چچازاد بہن کا نکاح صحیح رہے گا، کیوں کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا اس لیے اپنی بہن کا فساد چچازاد بہن میں سرایت نہیں کرے گا۔

(۱۷۶۰/۹۳) وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِزَوْجِهَا.

ترجمہ: اور جب بیوی میں کوئی عیب ہو تو اس کے شوہر کے لئے اختیار نہیں ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا اس بیوی میں کوئی عیب تھا شادی کرنے سے پہلے شوہر کو عیب کا پتہ نہیں تھا شادی کے بعد اس کا علم ہوا تو عیب کی وجہ سے شوہر کو طلاق دینے اور تفریق کا اختیار نہیں ہے کیوں کہ شادی ہوتی ہے ایک دوسرے کے اطمینان کے لئے اور تفریق سے بیوی کو تکلیف ہوگی اس لیے تفریق کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۱۷۶۱/۹۴) وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ اَوْ جُذَامٌ اَوْ بَرَصٌ فَلَا خِيَارَ لِلْمَرْأَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَهَا الْخِيَارُ.

ترجمہ: اگر شوہر کو دیوانگی ہو یا کوڑھ یا سفید داغ کی بیماری ہو تو عورت کے لئے اختیار نہیں ہے شیخین کے نزدیک اور فرمایا امام محمد نے اس کے لئے اختیار ہے۔

تشریح: اثر میں ہے قلت لعطاء فالرجل ان كان به بعض الاربع جذام وجنون أو برص او عفل قال ليس لها شئ هو احق بها (مصنف عبدالرزاق ۲۴۹/۶) میں نے حضرت عطاء سے پوچھا اگر مرد کو چار عیوب میں سے کوئی ہو جذام یا جنون یا برص یا عفل؟ فرمایا عورت کو حق نہیں ہے مرد عورت کا زیادہ حق دار ہے، اس اثر سے معلوم ہوا کہ شوہر کو جنون وغیرہ ہو تو عورت کو تفریق کرانے کا اختیار نہیں ہوگا یہ تفصیل شیخین کے نزدیک ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کو مذکورہ بیماریاں ہیں تو عورت کو قاضی کے ذریعہ تفریق کرانے کا حق ہوگا، کیوں کہ حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کسی آدمی نے عورت سے شادی کی اور اس مرد کو جنون یا کوئی بیماری ہو تو عورت کو اختیار ہوگا چاہے تو مرد کو جدا کردے اور اگر چاہے اس کے پاس ٹھہری رہے۔ (سنن للبیہقی ۳۵۱/۷)

(۱۷۶۲/۹۵) وَاِذَا كَانَ الزَّوْجُ عِنِّيْنًا اَجَّلَهُ الْحَاكِمُ حَوْلًا فَاِنْ وَصَلَ فِيْ هٰذِهِ الْمُدَّةِ فَلَا خِيَارَ لَهَا وَ اِلَّا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا اِنْ طَلَبَتِ الْمَرْأَةُ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور جب شوہر نامرد ہو تو حاکم اس کو مہلت دے گا ایک سال کی اب اگر وہ عورت سے صحبت کے قابل

جائے تو بہتر ہے ورنہ ان دونوں میں تفریق کردے اگر عورت اس کا مطالبہ کرے۔

تشریح: اگر شوہر نامرد ہو بیوی سے صحبت نہ کرسکتا ہو تو حاکم اس کو ایک سال تک مہلت دے گا تا کہ وہ اپنا علاج کرائے اب اگر ایک سال میں صحبت کے قابل ہو گیا تو ٹھیک ہے، اور اگر صحبت کے قابل نہ ہوا اور عورت نے علیحدگی کا مطالبہ کیا تو حاکم دونوں کے درمیان تفریق کردے گا چوں کہ ایک سال میں تین موسم ہوتے ہیں آسانی سے علاج کراسکتا ہے اس لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

(۹۶/۱۷۶۳) وَالْفُرْقَةُ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ.

ترجمہ: اور فرقت طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی۔

تشریح: نامرد ہونے کی وجہ سے جو علیحدگی ہوگی یہ طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی، کیوں کہ یہ جدائیگی مرد کی جانب سے ہو رہی ہے اسی میں بیماری ہے اور مرد کی جانب سے جو فرقت ہوتی ہے وہ طلاق شمار ہوتی ہے اور طلاق رجعی سے عورت کی جان مکمل نہیں چھوٹے گی اس لیے یہ فرقت طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی تا کہ عورت کی جان مکمل چھوٹ جائے۔

(۹۷/۱۷۶۴) وَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ إِذَا كَانَ قَدْ خَلاَ بِهَا.

ترجمہ: اور عورت کو پورا مہر ملے گا اگر شوہر خلوت کر چکا ہو اس کے ساتھ۔

تشریح: نامرد اگرچہ صحبت کاملہ نہیں کرسکتا مگر پھر بھی مسئلہ یہ ہے کہ اگر خلوت کر چکا ہو تو عورت کو پورا مہر ملے گا اور اس پر عدت بھی لازم ہوگی کیوں کہ خلوت صحیحہ ہو چکی ہے۔

(۹۸/۱۷۶۵) وَإِنْ كَانَ مَجْبُوْباً فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ وَلَمْ يُؤَجِّلْهُ.

ترجمہ: اور اگر ذکر کٹا ہوا ہو تو قاضی ان میں تفریق کردے فی الحال اور اس کو مہلت نہ دے۔

تشریح: اگر شوہر مقطوع الذکر ہے، اور عورت علیحدگی کا مطالبہ کرے تو قاضی فی الحال میاں بیوی کے درمیان تفریق کردے کیوں کہ مہلت دینے سے ٹھیک نہیں ہو سکتا اس لیے مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۹۹/۱۷۶۶) وَالْخَصِيُّ يُؤَجَّلُ كَمَا يُؤَجَّلُ الْعِنِّيْنُ.

ترجمہ: اور خصی کو مہلت دی جائے گی جیسے نامرد کو مہلت دی جاتی ہے۔

تشریح: خصی اس کو کہتے ہیں جس کا آلہ تناسل تو ٹھیک ہو مگر خصیہ نہ ہوں اگرچہ خصیہ نہیں ہے لیکن آلہ تناسل تو ٹھیک ہے، اس لیے امید کی جاسکتی ہے کہ علاج کرانے سے صحبت کے قابل ہو جائے، اس لیے اس کو بھی ایسے ہی ایک سال کی مہلت دی جائے گی جیسے نامرد کو ملتی ہے۔ (اللباب ۲/۱۵۹)

(۱۷۶۷/۱۰۰) وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْاَةُ وَزَوْجُهَا كَافِرٌ عَرَضَ عَلَيْهِ الْقَاضِي الْاِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَ فَهِيَ اِمْرَاَتُهُ وَاِنْ اَبٰى عَنِ الْاِسْلَامِ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَكَانَ ذَالِكَ طَلَاقًا بَائِنًا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ هُوَ الْفُرْقَةُ بِغَيْرِ طَلَاقٍ.

ترجمہ: اور جب عورت مسلمان ہوجائے اور اس کا شوہر کافر ہے تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آئے تو وہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کردے اسلام سے تو دونوں کے درمیان تفریق کردے اور یہ تفریق طلاق بائنہ ہوگی طرفینؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ فرقت ہوگی بغیر طلاق کے۔

تشریح: عورت اسلام لے آئی اور شوہر کافر ہے تو قاضی شوہر پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آیا تو عورت اس کی بیوی رہے گی، اور اگر اسلام لانے سے انکار کردے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ زوجین دارالاسلام میں ہوں لیکن اگر دونوں دارالحرب میں ہوں تو جدائیگی عدت کے گزرنے پر موقوف رہے گی نیز یہ بھی واضح رہے کہ دارالاسلام میں اسلام پیش کرنے کے بعد انکار کی صورت میں جب فرقت واقع ہوجائے گی تو پھر اگر شوہر عدت ہی کے دوران اسلام قبول کرے تب بھی نکاح سابق لوٹ کر نہ آئے گا بلکہ نکاح جدید کی ضرورت ہوگی، بہرحال یہ تفریق طرفین کے نزدیک طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرقت اور فسخ کے درجہ میں ہوگی شوہر پر اسلام پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کی شادی کافر سے حلال نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ محض بیوی کے اسلام لانے سے نکاح فسخ ہوجائے گا البتہ اگر عورت مدخول بہا ہو اور شوہر عدت کے دوران اسلام لے آئے تو سابقہ نکاح لوٹ آئے گا۔

طرفین کی دلیل: شوہر کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے تفریق ہے اور شوہر کی جانب سے تفریق طلاق کے درجہ میں ہوتی ہے اس لیے تفریق طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوگی۔

امام ابویوسف کی دلیل: اس تفریق میں میاں بیوی دونوں شریک ہیں اس لیے یہ طلاق نہیں ہوگی بلکہ فسخ نکاح ہوگا، صحیح قول طرفین کا ہے۔

(۱۷۶۸/۱۰۱) وَاِنْ اَسْلَمَ الزَّوْجُ وَتَحْتَهُ مَجُوْسِيَّةٌ عَرَضَ عَلَيْهَا الْاِسْلَامَ فَاِنْ اَسْلَمَتْ فَهِيَ اِمْرَاَتُهُ وَاِنْ اَبَتْ فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكُنِ الْفُرْقَةُ طَلَاقًا.

ترجمہ: اور اگر شوہر مسلمان ہوجائے اور اس کے نکاح میں آتش پرست ہو تو اس پر اسلام پیش کرے اگر وہ اسلام لے آئے تو وہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کردے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے اور یہ فرقت طلاق نہیں ہوگی۔

تشریح: زوجین میں سے شوہر نے اسلام قبول کرلیا اور اس کی بیوی آتش پرست ہے تو اس صورت میں قاضی

بیوی پر اسلام پیش کرے گا اب اگر بیوی اسلام قبول کر لیتی ہے تو یہ اس کی بیوی باقی رہے گی لیکن اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو اب قاضی دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا مگر یہ تفریق بالاتفاق طلاق کے درجہ میں نہ ہوگی کیوں کہ عورت کی جانب سے انکار پر فرقت ہوئی ہے اور عورت کی جانب سے طلاق نہیں ہوتی اس کی جانب سے فرقت ہوئی ہے اس لیے یہ سب کے نزدیک فرقت شمار ہوگی۔

(۱۷۶۹/۱۰۲) فَاِنْ كَانَ قَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلَا مَهْرَ لَهَا.

ترجمہ: اگر شوہر اس سے صحبت کر چکا ہو تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا اور اگر صحبت نہ کی ہو تو اس کے لئے مہر نہیں ہوگا۔

تشریح: بیوی صحبت شدہ تھی شوہر اسلام لے آیا عورت نے اسلام لانے سے انکار کر دیا تو چوں کہ مال سپرد کر دیا تھا اس لیے اس کو پورا مہر ملے گا اور اگر صحبت سے پہلے انکار کیا تو مال ابھی سپرد نہیں کیا اور جدائیگی کا سبب وہی بنی اس لیے اس کو کچھ نہیں ملے گا۔

(۱۷۷۰/۱۰۳) وَاِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ الْحَرْبِ لَمْ تَقَعِ الْفُرْقَةُ عَلَيْهَا حَتّٰى تَحِيْضَ ثَلٰثَ حِيَضٍ فَاِذَا حَاضَتْ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا.

ترجمہ: اور اگر اسلام لائے عورت دارالحرب میں تو فرقت واقع نہیں ہوگی اس پر یہاں تک کہ اس کو تین حیض آجائیں جب تین حیض آجائیں تو وہ عورت شوہر سے بائنہ ہوجائے گی۔

تشریح: اگر کوئی عورت دارالحرب میں مشرف باسلام ہوجائے تو جب تک اس کو تین حیض نہ آجائیں اگر وہ حیض والی ہے یا تین ماہ نہ گزر جائیں اگر اسے حیض نہیں آتا ہے یا وضع حمل نہ ہوجائے اگر وہ حاملہ ہے اس وقت تک اپنے شوہر سے جدا نہ ہوگی اب اگر اس کو تین حیض آجائیں یا تین ماہ گزر جائیں یا بچہ ہوجائے تو وہ عورت اپنے شوہر سے جدا ہوجائے گی۔

دلیل: دارالحرب میں ہونے کی وجہ سے شوہر پر اسلام پیش نہیں کر سکتے، کیوں کہ دارالحرب والوں پر امام کی کوئی ولایت نہیں ہے، اور فساد کے ختم کرنے کے پیش نظر فرقت ضروری ہے، اور اسلام کو تفریق کا سبب نہیں بنا سکتے اس لیے عدت گزرنے کو تفریق کا سبب بنائیں گے۔

(۱۷۷۱/۱۰۴) وَاِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا.

ترجمہ: اگر کتابیہ عورت کا شوہر مسلمان ہوجائے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر بحال رہیں گے۔

تشریح: اگر کتابی عورت کا شوہر مسلمان ہوجائے تو دونوں اپنے نکاح پر بدستور باقی رہیں گے تفریق کا حکم

جاری نہیں ہوگا کیوں کہ مسلمان کے تحت میں کتابیہ ہوتو نکاح شروع سے جائز ہے اس لیے یہ بھی جائز ہوگا۔

(۱۷۷۲/۱۰۵) وَاِذَا خَرَجَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ اِلَيْنَا مِنْ دَارِ الْحَرْبِ مُسْلِماً وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور جب آجائے میاں بیوی میں سے ایک ہماری طرف دارالحرب سے مسلمان ہوکر تو ان میں جدائیگی واقع ہوجائے گی۔

تشریح: اگر زوجین میں سے کوئی ایک بھی دارالحرب سے دارالاسلام میں مسلمان ہوکر داخل ہوجائے تو دارالاسلام میں داخل ہوتے ہی جدائیگی واقع ہوجائے گی اور وہ اس کی بیوی نہیں رہے گی۔

تباین دارین میں جمہور اور حنفیہ کا مذہب

اگر احدالزوجین اسلام لاکر دارالحرب سے دارالاسلام میں آجائے تو اس سے حنفیہ کے نزدیک فرقت واقع ہوجاتی ہے، کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک تباین دارین موجب فرقت ہے، بخلاف جمہور کے کہ ان کے نزدیک تباین موجب فرقت نہیں بلکہ زوجین میں سے کسی ایک کا قید ہوکر آنا یا دونوں کا قید ہوکر آنا موجب فرقت ہے یعنی مسلمان، زوجین مشرکین میں سے دونوں کو یا دونوں میں سے ایک کو قید کرلیں تو اس سے ان کے یہاں نکاح فسخ ہوکر فرقت واقع ہوجاتی ہے۔

(۱۷۷۷/۱۰۶) وَاِنْ سُبِيَ اَحَدُهُمَا وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے کوئی ایک قید کرلیا جائے تب بھی دونوں کے درمیان جدائیگی ہوجائیگی۔

تشریح: میاں بیوی میں سے ایک قید ہوکر آیا تو اختلاف دار ہوگیا ایک دارالحرب میں رہا اور ایک دارالاسلام میں آگیا، اب زوجیت کی مصلحت باقی نہیں رہی اس لیے نکاح ٹوٹ جائے گا تا کہ نیا نکاح کرکے اپنی زندگی گذار سکے، جمہور علماء کے نزدیک بھی نکاح ٹوٹ جائے گا کیوں کہ قید ہونا جو جدائی کا سبب تھا وہ پایا گیا۔

(۱۷۷۸/۱۰۷) وَاِنْ سُبِيَا مَعاً لَمْ تَقَعِ الْبَيْنُوْنَةُ.

ترجمہ: اور اگر دونوں ایک ساتھ قید کرلئے گئے تو جدائی نہ ہوگی۔

تشریح: اگر زوجین میں سے ہر دو قید کرکے لائے گئے تو دونوں کے درمیان حنفیہ کے نزدیک جدائی نہیں ہوگی اور جمہور کے نزدیک جدائیگی ہوجائے گی۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ اختلاف دارین نہیں ہوا، نیز میاں بیوی کی مصلحت باقی ہے کہ صحبت کرسکتا ہے۔

(۱۷۷۹/۱۰۸) وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَةُ اِلَيْنَا مُهَاجِرَةً جَازَ لَهَا اَنْ تَتَزَوَّجَ فِي الْحَالِ فَلاَ عِدَّةَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَاِنْ كَانَتْ حَامِلاً لَمْ تَتَزَوَّجْ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمہ: اور اگر آجائے عورت دارالاسلام میں ہجرت کر کے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ شادی کر لے فی الحال اور اس پر عدت بھی نہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لیکن اگر وہ حاملہ ہو تو شادی نہیں کر سکتی یہاں تک کہ حمل نہ جن لے۔

تشریح: اگر کوئی عورت ہجرت کر کے دارالاسلام آجائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک اپنے شوہر سے بلا عدت جدا ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے فوراً نکاح کر لینا جائز ہے۔

دلیل: آیت میں ہے وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (آیت ۱۰ سورۃ الممتحنہ) تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ مہاجرہ عورتوں سے نکاح کرو جب ان کو ان کا مہر دو اور کافروں کا دامن مت تھامو اس آیت میں ہے کہ مہر ادا کرو تو مہاجرہ عورتوں سے شادی کر سکتے ہو جس سے معلوم ہوا کہ فوری طور پر اس سے شادی کر سکتا ہے۔

(۲) عدت پہلے شوہر کے احترام کے لئے ہے اور پہلا شوہر کافر اور حربی ہے اس کا کوئی احترام نہیں ہے اس لیے ایسی عورت پر عدت بھی نہیں ہے۔

صاحبین امام شافعیؒ امام مالکؒ کے نزدیک جب تک اس کی عدت نہ گزر جائے نکاح کرنا درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ دارالاسلام میں آگئی ہے اس لیے اس پر دارالاسلام کا حکم لازم ہوگا اور دارالاسلام کا حکم یہ ہے کہ مطلقہ اور تفریق شدہ عورت پر عدت لازم ہوتی ہے مگر امام صاحب فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں علی الاطلاق نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس لیے عدت کے ختم ہونے کے ساتھ مقید کرنا کتاب اللہ پر زیادتی ہے۔

نوٹ: عبارت میں 'لم تتزوج' کا مطلب یہ ہے کہ صحبت نہ کرائے البتہ شادی کر سکتی ہے۔

(۱۰۹/۱۷۸۰) وَاِذَا ارْتَدَّ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ عَنِ الْاِسْلَامِ وَقَعَتِ الْبَيْنُوْنَةُ بَيْنَهُمَا وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ.

ترجمہ: اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک اسلام سے پھر جائے تو ان میں جدائیگی واقع ہو جائے گی اور ہوگی یہ فرقت بغیر طلاق کے۔

مرتدین کے نکاح کے احکام

تشریح: میاں بیوی میں سے کوئی نعوذ باللہ مرتد ہو جائے تو فوراً جدائیگی ہو جائے گی اور یہ جدائیگی فسخ نکاح شمار ہوگی یہ مذہب حضرات شیخین کا ہے، فوراً نکاح ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کافر ہو گیا اور کافر کا نکاح مسلمان کے ساتھ صحیح نہیں ہے اور یہ فرقت طلاق اس لیے نہیں ہوگی، کیوں کہ طلاق قرار دینا احترام کی دلیل ہے اور ارتداد میں احترام نہیں رہتا اس لیے فسخ نکاح ہوگا۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اگر شوہر مرتد ہوا ہے تب یہ طلاق کے حکم میں ہے، کیوں کہ شوہر کی جانب سے فرقت کی ابتداء ہوئی اس لیے وہ طلاق کے درجہ میں ہوگی اور اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو یہ فسخ نکاح کے حکم میں ہے۔

(۱۷۸۱/۱۱۰) فَإِنْ كَانَ الزَّوْجُ هُوَ الْمُرْتَدُّ وَقَدْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا كَمَالُ الْمَهْرِ وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ.

ترجمہ: اگر مرتد ہونے والا شوہر ہو اور وہ بیوی سے صحبت کر چکا ہو تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا اور اگر صحبت نہ کی ہو تو اس کے لئے آدھا مہر ہوگا۔

تشریح: اگر شوہر مرتد ہوا ہے اور وہ بیوی سے صحبت کر چکا تو عورت کو پورا مہر ملے گا، کیوں کہ صحبت کی وجہ سے مہر موکد ہو چکا جو کسی طرح ساقط نہیں ہو سکتا اور اگر اس سے صحبت نہ کی ہو تو اس کو آدھا مہر ملے گا کیوں کہ یہ فرقت دخول سے پہلے طلاق کے مشابہ ہے۔

(۱۷۸۲/۱۱۱) وَإِنْ كَانَتِ الْمَرْأَةُ هِيَ الْمُرْتَدَّةُ فَإِنْ كَانَ قَبْلَ الدُّخُولِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَإِنْ كَانَتِ الرِّدَّةُ بَعْدَ الدُّخُولِ فَلَهَا الْمَهْرُ.

ترجمہ: اور اگر مرتد ہونے والی عورت ہو اگر صحبت سے پہلے ہے تو اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہے اور اگر مرتد ہونا صحبت کے بعد ہے تو اس کے لئے پورا مہر ہوگا۔

تشریح: عورت مرتد ہوئی ہے تو فرقت کا سبب اس کی جانب سے ہوا ہے اور اس نے مال بھی سپرد نہیں کیا ہے اس لیے اس کو آدھا مہر بھی نہیں ملے گا اور اگر صحبت کے بعد مرتد ہوئی ہے تو چوں کہ مال سپرد کر چکی ہے اس لیے اس کو پورا مہر ملے گا۔

(۱۷۸۳/۱۱۲) وَإِنِ ارْتَدَّا مَعًا ثُمَّ أَسْلَمَا مَعًا فَهُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا.

ترجمہ: اور اگر دونوں ایک ساتھ مرتد ہوئے پھر ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تو وہ اپنے نکاح پر رہیں گے۔

تشریح: بنی حنیفہ کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ایک ساتھ مرتد ہوئے تھے اور پھر ایک ساتھ مسلمان ہو گئے تھے صحابہ میں سے کسی نے دوبارہ ان کا نکاح نہیں پڑھایا بلکہ پہلے نکاح پر ہی برقرار رکھا، معلوم ہوا کہ پہلے نکاح پر ہی بحال رہیں گے۔

(۱۷۸۴/۱۱۳) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْتَدُّ مُسْلِمَةً وَلَا مُرْتَدَّةً وَلَا كَافِرَةً وَكَذٰلِكَ الْمُرْتَدَّةُ لَا يَتَزَوَّجُهَا مُسْلِمٌ وَلَا كَافِرٌ وَلَا مُرْتَدٌّ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کہ مرتد شادی کرے کسی مسلمان عورت سے نہ مرتدہ سے نہ کافرہ سے اور ایسے ہی

مرتدہ عورت نہ شادی کرے اس سے مسلمان اور نہ کافر اور نہ مرتد۔

تشریح: مرتد مرد نہ مسلمان عورت سے شادی کرسکتا ہے نہ مرتدہ عورت سے اور نہ کافرہ عورت سے اسی طرح مرتدہ عورت سے نہ مسلمان مرد شادی کرسکتا ہے نہ کافر کرسکتا ہے اور نہ مرتد مرد شادی کرسکتا ہے، اصل میں مرتد کی سزا قتل ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنا دین بدلے اس کو قتل کردو اور ضرورۃً اس کو مہلت دی گئی ہے تاکہ یہ غور وفکر کرے اور اسلام قبول کرلے اگر نکاح کی اجازت دی گئی تو یہ اس سے غافل ہوجائے گا اس طرح اگر عورت مرتدہ ہوجائے تو اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ اسلام قبول نہ کرلے اگر اسے اجازتِ نکاح مل گئی تب شوہر کی خدمت کی وجہ سے غور وفکر نہ کرسکے گی۔

(۱۷۸۵/۱۱۴) وَاِذَا كَانَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مُسْلِماً فَالْوَلَدُ عَلٰى دِيْنِهٖ.

ترجمه: اور اگر زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو بچہ اسی (مسلمان) کے دین پر ہوگا۔

تشریح: اصل یہ ہے کہ بچہ مذہب کے اعتبار سے اس کے تابع ہوگا جس کا مذہب دوسرے کے بالمقابل اچھا ہوگا یہاں بچہ کو مسلمان شمار کرنے سے اس کا فائدہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا، اس لئے بچے کو والد یا والدہ جو مسلمان ہو اس کے تابع کرکے مسلمان سمجھیں گے۔

(۱۷۸۶/۱۱۵) وَكَذَالِكَ اِنْ اَسْلَمَ اَحَدُهُمَا وَلَهٗ وَلَدٌ صَغِيْرٌ صَارَ وَلَدُهٗ مُسْلِماً بِاِسْلَامِهٖ.

ترجمه: اور ایسے ہی اگر اسلام لے آئے ان میں سے ایک اور اس کا چھوٹا بچہ ہو تو بچہ مسلمان ہوگا اس کے اسلام کے تابع ہوکر۔

تشریح: میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہوگیا تو جو مسلمان ہوا اس کے تابع کرکے نابالغ بچہ کو مسلمان قرار دیا جائے گا۔

(۱۷۸۷/۱۱۶) وَاِنْ كَانَ اَحَدُ الْاَبَوَيْنِ كِتَابِياً وَالْآخَرُ مَجُوْسِيًّا فَالْوَلَدُ كِتَابِيٌّ.

ترجمه: اور اگر والدین میں سے کوئی ایک کتابی ہو اور دوسرا مجوسی ہو تو بچہ کتابی شمار ہوگا۔

تشریح: مجوسی دین کے اعتبار سے کتابی سے بدتر ہے کیوں کہ یہودی اور نصرانی پھر بھی آسمانی کتابوں پر یقین رکھتے ہیں اس لیے بچہ 'خَيْرُ الْاَدْيَانِ' کے تابع ہوکر کتابی شمار ہوگا۔

(۱۷۸۸/۱۱۷) وَاِذَا تَزَوَّجَ الكَافِرُ بِغَيْرِ شُهُوْدٍ اَوْ فِيْ عِدَّةِ كَافِرٍ وَذَالِكَ فِيْ دِيْنِهِمْ جَائِزٌ ثُمَّ اَسْلَمَا اُقِرَّا عَلَيْهِ.

ترجمه: جب نکاح کیا کافر نے گواہوں کے بغیر یا کسی کافر کی عدت میں اور یہ جائز ہو ان کے دین میں پھر وہ

دونوں مسلمان ہو جائیں تو دونوں کو نکاح پر برقرار رکھا جائے گا۔

کافر کے نکاح کا بیان

تشریح: ایک کافر نے کسی کافرہ عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا کافرہ کسی کافر کی عدت میں تھی اس سے نکاح کیا اور یہ ان کے دین میں جائز بھی ہے پھر دونوں مسلمان ہو گئے تو اس بارے میں امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ دونوں کو سابقہ مذہب پر باقی رکھا جائے گا اور امام زفر نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہے۔

صاحبین نے فرمایا کہ بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کی صورت میں وہ حکم ہے جو امام صاحب نے فرمایا اور کافر کی معتدہ سے نکاح کرنے کی صورت میں وہ حکم ہے جو امام زفر نے فرمایا۔

(۱۱۸/۱۷۸۹) وَاِنْ تَزَوَّجَ الْمَجُوْسِيُّ اُمَّهٗ اَوِ ابْنَتَهٗ ثُمَّ اَسْلَمَا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور اگر شادی کرلے مجوسی اپنی ماں یا بیٹی سے پھر دونوں مسلمان ہو جائیں تو دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

تشریح: اگر کسی آتش پرست نے محرمات ابدیہ مثلاً اپنی ماں یا لڑکی سے نکاح کرلیا پھر دونوں نے اسلام قبول کرلیا تو بالاتفاق ان کا نکاح باطل ہو جائے گا اور ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی چوں کہ ماں اور بیٹی سے شادی کرنا حرام ہے، اس لئے اسلام لانے کے بعد تفریق کردی جائے گی، البتہ اسلام لانے سے پہلے ذمیت کی وجہ سے ان کو چھیڑنے کے مجاز نہیں ہیں لیکن اسلام لانے کے بعد اسلام کے احکام پر چلنا ضروری ہے اس لیے تفریق کردی جائے گی۔

(۱۱۹/۱۷۹۰) وَاِنْ كَانَ لِلرَّجُلِ امْرَاَتَانِ حُرَّتَانِ فَعَلَيْهِ اَنْ يَعْدِلَ بَيْنَهُمَا فِي الْقَسْمِ بِكْرَيْنِ كَانَتَا اَوْ ثَيِّبَيْنِ اَوْ اِحْدٰهُمَا بِكْرًا وَالْاُخْرٰى ثَيِّبًا.

ترجمہ: اگر کسی کی دو آزاد بیویاں ہیں تو اس پر ضروری ہے کہ برابری کرے دونوں کے درمیان بانٹنے میں دونوں باکرہ ہو یا دونوں ثیبہ ہوں یا دونوں میں سے ایک باکرہ ہو اور دوسری ثیبہ ہو۔

عورتوں کے درمیان باری کے احکام

تشریح: قَسْمٌ قاف کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے مراد منکوحات میں برابری کرنا، یہاں سے صاحب کتاب عورتوں کے درمیان باری کے احکام بیان فرما رہے ہیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد کی دو یا زیادہ آزاد عورتیں ہیں خواہ دونوں باکرہ ہوں یا دونوں ثیبہ یا ایک باکرہ اور دوسری ثیبہ تو ان کو شب باشی، تن پوشی میں برابر رکھنا واجب ہے، ایسے ہی ہمارے نزدیک نئی اور پرانی کے درمیان بھی

برابری رکھنا ضروری ہے، ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ دوسرا نکاح کرنے والا نئی بیوی کے پاس اگر وہ باکرہ ہو تو سات اور اگر ثیبہ ہو تو تین دن ٹھہر سکتا ہے اور یہ مدت باری سے خارج ہوگی علامہ نوویؒ نے ائمہ ثلاثہ کے مذہب میں ثیبہ کی صورت میں یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ ثیبہ کو یہ اختیار ہے کہ خواہ شوہر اس کے پاس تین دن ٹھہر جائے اور یہ تین دن باری سے خارج ہوں یا سات دن ٹھہرے اور یہ سات دن باری میں شمار ہوں گے، دیکھئے شرح نووی ۱/۴۷۲)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے ہے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اگر چاہوں تو کہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جب باکرہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے اور جب ثیبہ سے شادی کرے تو اس کے پاس تین دن ٹھہرے۔

جواب: منکوحات میں برابری تو ہر حال میں واجب ہے لیکن باکرہ سے نکاح کے وقت ابتدائی ایام میں باری کا طریقہ بدل دیا جائے گا اور ایک دن کے بجائے باکرہ کے لئے سات دن اور ثیبہ کیلئے تین دن کی باری مقرر کی جائیگی۔

حنفیہ کا استدلال: ان آیات سے ہے جن میں برابری کو فرض قرار دیا گیا ہے مثلاً وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَاتَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (آیت ۱۲۹ سورۃ النساء) اور ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں کے درمیان انصاف کر سکو اگرچہ تمہاری تمنا ہو تاہم مکمل مائل نہ ہو جاؤ اور معلقہ کی طرح نہ چھوڑ دو، نیز حدیث میں ہے کہ جو شخص دو بیویوں میں برابری نہ کرے بلکہ کسی ایک کی طرف کو اپنا جھکاؤ رکھے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک حصہ مائل ہوگا (میدان حشر میں جب وہ آئے گا تو اس کے بدن کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا۔ (ابوداؤد ۱/۲۹۰ باب فی القسم بین النساء) اس آیت، اور حدیث سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل واجب ہے اور ابتدائی وانتہائی ایام کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔

(۱۷۹۱/۱۲۰) وَإِنْ كَانَتْ إِحْدَاهُمَا حُرَّةً وَالْأُخْرىٰ أَمَةً فَلِلْحُرَّةِ الثُّلُثَانِ وَلِلْأَمَةِ الثُّلُثُ.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی ہو تو آزاد کے لئے باری میں سے دو تہائی اور باندی کے لئے ایک تہائی ہے۔

تشریح: اگر کسی کے نکاح میں ایک آزاد عورت ہے اور ایک باندی تو بٹوارہ میں سے دو تہائی آزاد کا ہوگا اور ایک تہائی باندی کا چوں کہ باندی کا حق آزاد سے آدھا ہے اس لیے تمام حقوق میں باندی کو آزاد کا آدھا ملے گا اور باری میں بھی آزاد کو دو دن ملیں گے تو باندی کو ایک دن ملے گا۔

(۱۷۹۲/۱۲۱) وَلَاحَقَّ لَهُنَّ فِي الْقَسْمِ فِي حَالَةِ السَّفَرِ وَيُسَافِرُ الزَّوْجُ بِمَنْ شَاءَ مِنْهُنَّ.

ترجمہ: اور کوئی حق نہیں ہے بیویوں کے لئے باری میں سفر کی حالت میں اور شوہر سفر کرے گا ان میں سے جس کے ساتھ چاہے۔

تشریح: اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں تو سفر کی حالت میں باری ساقط ہو جائیگی اور شوہر جس کے ساتھ چاہے سفر کرے اور ان دنوں کا حساب بھی نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: سفر میں ذہین اور سمجھدار عورت کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے باری برقرار رکھنا مشکل ہے۔

(۱۷۹۳/۱۲۲) وَالْأَوْلَى أَنْ يُقْرِعَ بَيْنَهُنَّ فَيُسَافِرَ بِمَنْ خَرَجَتْ قُرْعَتُهَا.

ترجمہ: اور زیادہ بہتر ہے کہ عورتوں کے درمیان قرعہ اندازی کرے پھر سفر کرے اس کے ساتھ جس کا قرعہ نکلے۔

تشریح: جس شخص کی متعدد بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے صرف بعض کے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں امام شافعیؒ واحمد کے نزدیک قرعہ اندازی واجب ہے، اور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک واجب نہیں ان دونوں اماموں کے نزدیک سفر کی حالت میں برابری واجب نہیں ہاں افضل اور سنت ضرور ہے پھر امام شافعیؒ واحمد کے نزدیک اگر قرعہ اندازی نہیں کی اور کسی ایک کو اپنے ساتھ لے گیا تو مدت سفر کی قضا واجب ہوگی اور اگر قرعہ اندازی کے بعد لے گیا تو پھر قضا واجب نہ ہوگی، حنفیہ و مالکیہ کے یہاں مطلقاً قضا واجب نہ ہوگی۔

(۱۷۹۴/۱۲۳) وَإِذَا رَضِيَتْ إِحْدَى الزَّوْجَاتِ بِتَرْكِ قِسْمِهَا لِصَاحِبَتِهَا جَازَ وَلَهَا أَنْ تَرْجِعَ فِي ذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر راضی ہو جائے ایک بیوی اپنی باری چھوڑنے پر اپنی سوتن کے لئے تو جائز ہے اور اس کے لئے اس سے رجوع کرنا بھی جائز ہے۔

تشریح: اگر بیویوں میں سے ایک اپنی باری کسی دوسرے بیوی کو دینے پر راضی ہو جائے تو ایسا کرنا جائز ہے، اور اگر یہ عورت اپنی باری کو واپس لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیوں کہ حدیث میں ہے کہ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہ کو سپرد کی تھی دیکھئے بخاری شریف ۲/ ۷۸۵ باب المرأۃ تھب یومہا۔ اور جب باری ساقط رکھی ساقط رہے گی اور جب واپس لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیوں کہ یہ ہبہ کی طرح ہے کہ ہبہ دینے کے بعد واپس لے سکتا ہے اس لیے اپنی باری بھی واپس لے سکتی ہے۔

اللّٰھم اغفر لکاتب ولوالدیہ ولمن سعی فیہ

كِتَابُ الرَّضَاعِ

(یہ کتاب دودھ پینے پلانے کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جب کہ نکاح سے مقصود توالد وتناسل ہے اور بچہ کے زندہ رکھنے کے لئے دودھ کا پلانا ضروری ہے اس مناسبت سے کتاب النکاح کے بعد کتاب الرضاع لارہے ہیں (عینی شرح ہدایہ ۲/۱۹۹) نیز کتاب النکاح میں رضاعی محرمات کا بیان ہوا اب جداگانہ طور پر اس بیان کو ذکر فرماتے ہیں۔

رضاع کی لغوی تحقیق: رضاع، راء پر فتحہ اور کسرہ دونوں آتے ہیں مگر بفتح الراء اصل ہے فصیح لغت میں باب (س) سے ہے اور اہل نجد نے کہا ضرب سے ہے لغت میں رضاعت چھاتی سے دودھ چوسنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: شیرخوار (دودھ پیتا بچہ) کا ایک مخصوص مدت میں عورت کی چھاتی سے دودھ چوسنا۔

(۱/۱۷۹۵) قَلِيلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيرُهُ اِذَا حَصَلَ فِي مُدَّةِ الرَّضَاعِ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيمُ.

ترجمه: تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ جب یہ حاصل ہو رضاعت کی مدت میں تو ثابت ہوگی اس سے حرمت۔

دودھ کی کتنی مقدار سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی؟

تشریح: دودھ کی مقدار (جس سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی) میں اختلاف ہے چناں چہ اس مسئلہ میں چار مذاہب ہیں:

(۱) حنفیہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً دودھ پینا پلانا حرمت رضاعت ثابت کردیتا ہے بشرطیکہ مدت رضاعت میں ہو، امام احمدؒ کی مشہور روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

(۲) داؤد ظاہری کے نزدیک تین مرتبہ بچہ دودھ چوسے گا تب حرمت ثابت ہوگی اس سے کم نہیں۔

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ مرتبہ دودھ چوسے گا تب حرمت ثابت ہوگی وهو رواية عن احمد ومذهب لابن حزم.

(۴) دس رضعات سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی حضرت حفصہؓ کا مذہب یہی ہے، حضرت عائشہؓ کے مذہب میں مختلف روایات وارد ہیں ان سے ایک روایت عشر مرات کی ہے، دوسری سبع مرات کی، اور تیسری خمس کی۔ دیکھئے عمدۃ القاری ۲/۹۶۔

حنفیہ کی دلیل: وَاُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْ اَرْضَعْنَکُمْ (آیت ۲۳ سورۃ النساء) اور تمہاری مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا، اس آیت میں مطلقا رضاعت کو سبب تحریم قرار دیا گیا ہے قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں کی گئی نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَایَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ. (سنن نسائی ۲/۸۱) حرام ہو جاتا ہے رضاعت سے جو حرام ہو جاتا ہے نسب سے اس میں بھی مطلق رضاعت کو محرم قرار دیا گیا ہے لہٰذا مطلقاً دودھ پینا حرمت کا سبب ہوگا۔

داؤد ظاھری کا استدلال: حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّۃُ وَلَا الْمَصَّتَان (ترمذی ۱/۱۳۷) مَصٌّ بمعنی چوسنا اور 'تا' اس میں مرۃٌ (ایک مرتبہ) کے لئے ہے یعنی بچہ کا اپنی ماں کے پستان کو ایک یا دو بار چوسنا موجب حرمت نہیں ہے یہ تو منطوق حدیث ہوا اور مفہوم حدیث یہ ہوا کہ تین بار چوسنا موجب حرمت ہے۔

جواب: مذکورہ حدیث منسوخ ہے ناسخ حضرت علیؓ کی روایت ہے یَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ قَلِیْلُہٗ وَکَثِیْرُہٗ (جامع المسانید للخوازی ۲/۹۷)

(۲) مذکورہ حدیث اس پر محمول ہے کہ جب دودھ بچہ کے پیٹ میں نہ پہنچا ہو جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض مرتبہ ماں بچہ کو دودھ پلانا چاہتی ہے اور پستان اس کے منہ میں داخل بھی کر دیتی ہے لیکن وہ پینا نہیں چاہتا۔ (الدر المنضود ۴/۲۱)

امام شافعیؒ کا استدلال: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن میں اترا ہے کہ دس مرتبہ چوسنا حرام کرتا ہے پھر منسوخ ہو کر پانچ مرتبہ چوسنا رہ گیا پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے اور وہ ایسے ہی ہے جو قرآن میں پڑھا جاتا ہے (مسلم ۱/۴۶۹، باب التحریم بخمس رضعات) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ مرتبہ چوسنے سے پہلے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

جواب: حدیث میں جو 'خمس رضعات' (پانچ مرتبہ چوسنا) کے الفاظ آئے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند ہی دن پہلے منسوخ ہوئے اس لیے بعض صحابہ کو ان کے نسخ کا پتہ نہ چل سکا چنانچہ بعض صحابہ آپ کی وفات تک بطور قرآن ان الفاظ کی تلاوت کرتے رہے علامہ نووی نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ (شرح نووی علی مسلم ۱/۴۶۸) نیز مصاحف عثمانیہ میں کہیں بھی 'خمس رضعات' کے الفاظ موجود نہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ الفاظ بھی بعد میں منسوخ ہو گئے تھے۔

(۲/۱۷۹۶) وَمُدَّۃُ الرَّضَاعِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ثَلٰثُوْنَ شَھْرًا وَعِنْدَ ھُمَا سَنَتَانِ.

ترجمہ: اور رضاعت کی مدت امام صاحب کے نزدیک تیس ماہ ہیں اور صاحبین کے نزدیک دو سال۔

تشریح: رضاعت وہ معتبر اور موثر ہے جو مدت رضاعت میں ہو جس میں فی الجملہ اختلاف ہے اس مدت کے گزر جانے کے بعد جو رضاعت ہوگی وہ معتبر نہیں اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

مدت رضاعت سے متعلق اختلاف الائمۃ

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کل مدت رضاعت دو سال ہے صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے، امام زفر کے نزدیک کل مدت رضاعت تین سال ہے۔

جمہور کا استدلال: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (آیت ۲۳۳ سورۃ البقرہ) مائیں اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں، اس آیت میں ہے کہ دو سال دودھ پلائیں نیز حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں قال رسول اللّٰہ لَا رَضَاعَ إِلَّا مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ (دارقطنی کتاب الرضاع ۱۰۳/۴) آپؐ نے فرمایا نہیں ہے رضاعت مگر دو سال کے اندر۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال: وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا اور حمل میں رہنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس ماہ میں ہے صاحب ہدایہ نے اس استدلال کو اس طرح بیان کیا ہے کہ باری تعالیٰ نے اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر کر کے ان کی مدت بیان کی ہے جس کا تقاضہ یہ تھا کہ حمل اور رضاعت ہر ایک کے لئے تیس ماہ کی مدت ہوتی لیکن حمل کے حق میں کم کر دینے والی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل حضرت عائشہؓ کا قول اَلْوَلَدُ لَا يَبْقَى فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَلَوْ بِقَدْرِ فَلْكَةِ مِغْزَلٍ ہے۔ (فتح القدیر)

بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ باقی نہیں رہتا اگرچہ وہ تکلے کے دمڑے کی مقدار ہی کیوں نہ ہو، لہٰذا فصال اپنے ظاہر پر رہے گا اور وہ تیس ماہ ہے۔

فائدہ: جمہور اور صاحبین کا مذہب دلائل کی رو سے نہایت قوی اور راجح ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ ولا یخفی قوۃ دلیلہا (البحر الرائق ۲۳۹/۳)۔

(۳/۱۷۹۷) وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الرَّضَاعِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالرَّضَاعِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور جب رضاعت کی مدت گزر جائے تو ثابت نہ ہوگی دودھ پینے سے حرمت۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مدت رضاعت گزر جانے کے بعد اگر بچہ کو دودھ پلایا تو اس عورت سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، مثلاً بچہ کی عمر دو سال سے زیادہ ہو جائے اب کسی عورت کا دودھ پیئے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر مدت رضاعت پوری ہونے سے پہلے بچہ کا دودھ چھڑا دیا تو یہ دودھ چھڑانا معتبر نہ ہوگا چنانچہ دودھ چھڑانے کے بعد اگر مدت رضاعت گذرنے سے پہلے پہلے کسی عورت نے اس بچہ کو دودھ پلا دیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

(۴/۱۷۹۸)وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَايَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ إِلَّا أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ الرَّضَاعِ فَإِنَّهُ يَجُوْزُ لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا.

ترجمہ: اور حرام ہو جاتے ہیں رضاعت سے وہ تمام رشتے جو حرام ہوتے ہیں نسب سے مگر اس کی رضاعی بہن کی ماں کہ جائز ہے اس سے نکاح کرنا۔

تشریح: صاحب قدوری نے اولاً ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو عورتیں نسب کی وجہ سے حرام ہیں رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوں گی چناں چہ مرضعہ کی ماں اور اس کی بہن اور اس کی بیٹی اور پوتی اسی طرح رضاعی باپ کی بیٹی (دوسری بیوی سے) اور اس کی پوتی اور اس کی ماں اور اس کی بہن یہ سب رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہو جائیں گے، کیوں کہ حضور نے فرمایا نَعَمْ الرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ (بخاری ۲/۷۶۳) ہاں رضاعت حرام کرتی ہے ان کو جن کو نسب حرام کرتا ہے مگر مذکورہ قاعدہ سے دو صورتوں کا استثناء فرمایا ہے اس عبارت میں پہلی صورت کا بیان ہے اور دوسری صورت کا بیان مسئلہ (۶) میں آرہا ہے، مثلاً رضاعی بہن کی رضاعی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے کیوں کہ وہ اجنبیہ ہوگی اس لیے اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔

مثال: خالد اور زینب نے ہندہ کا دودھ پیا اور صرف زینب نے ام سلمہ کا بھی دودھ پیا تو اب خالد کا نکاح ام سلمہ سے جائز ہے حالاں کہ ام سلمہ خالد کی رضاعی بہن زینب کی رضاعی ماں ہے۔

(۵/۱۷۹۹)وَلَا يَجُوْزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ أُمَّ أُخْتِهِ مِنَ النَّسَبِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کہ نسبی بہن کی ماں سے شادی کرے۔

تشریح: اپنی نسبی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے کیوں کہ نسبی بہن کی نسبی ماں یا تو اس کی بھی ماں ہوگی اگر دونوں حقیقی بھائی بہن ہیں اور یا اس کے باپ کی موطوءہ ہوگی اگر دونوں کا باپ ایک اور ماں الگ الگ ہے اور ان دونوں صورتوں (ماں اور باپ کی موطوءہ) میں نکاح ناجائز ہے۔

(۶/۱۸۰۰) وَأُخْتُ ابْنِهِ مِنَ الرَّضَاعِ يَجُوْزُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا.

ترجمہ: اور اپنے رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے۔

تشریح: مذکورہ قاعدہ سے جس دوسری صورت کا استثناء فرمایا ہے اس عبارت میں اس کو ذکر فرما رہے ہیں مثلاً رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح جائز ہے کیوں کہ وہ اجنبیہ ہے، مثال ساجد اور خالدہ نے رابعہ کا دودھ پیا اور صرف ساجد نے راشدہ کا دودھ پیا تو راشدہ کا شوہر خالد اپنے رضاعی بیٹے ساجد کی رضاعی بہن خالدہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

نقشہ

خالدہ	رابعہ	ساجد	راشدہ	خالد
			بیوی	شوہر

(۱۸۰۱/۷) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اُخْتَ ابْنِهٖ مِنَ النَّسَبِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے شادی کرنا۔

تشریح: اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس کے نسبی بیٹے کی بہن اگر اسی کے نطفہ سے ہے تو وہ اس کی بیٹی ہوگی اور اگر اس کے نطفہ سے نہیں ہے بلکہ اس کے بیٹے کی صرف ماں شریکی بہن ہے تو یہ ربیبہ ہوگی اور ربیبہ کی ماں کے ساتھ اگر صحبت کر لی جائے تو ربیبہ حرام ہو جاتی ہے بہر حال کچھ بھی ہو دونوں صورتوں میں اس نسبی بیٹے کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔

(۱۸۰۲/۸) وَلَايَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ اِمْرَأَةَ ابْنِهٖ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا لَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ امْرَأَةَ اِبْنِهٖ مِنَ النَّسَبِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے کہ شادی کرے اپنے رضاعی بیٹے کی بیوی سے جیسا کہ نہیں جائز ہے کہ شادی کرے اپنے نسبی بیٹے کی بیوی سے۔

تشریح: بیوی نے کسی بچہ کو دودھ پلایا تو وہ بچہ اس شوہر کا رضاعی بیٹا بن گیا اب اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے کیوں کہ وہ رضاعی بہو بن گئی جس طرح اپنا نسبی بیٹا ہوتا تو اس کی بیوی سے نکاح حرام ہوتا۔

آیت میں وَحَلَائِلُ اَبْنَائِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ اس آیت میں اپنے صلبی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حرام قرار دیا اس سے متبنیٰ بیٹے کی بیوی نکل گئی اس سے شادی کر سکتا ہے لیکن رضاعی بیٹے کی بہوی داخل ہے اور اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔

(۱۸۰۳/۹) وَلَبَنُ الْفَحْلِ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ وَهُوَ اَنْ تُرْضِعَ الْمَرْأَةُ صَبِيَّةً فَتَحْرُمُ هٰذِهِ الصَّبِيَّةُ عَلٰى زَوْجِهَا وَعَلٰى اٰبَائِهٖ وَاَبْنَائِهٖ وَيَصِيْرُ الزَّوْجُ الَّذِيْ نَزَلَ لَهَا مِنْهُ اللَّبَنُ اَبًا لِلْمُرْضَعَةِ.

حل لغت: لبن الفحل: میں اضافت الشئ الی سببه ہے کیوں کہ دودھ کا سبب مرد ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور مرد کے دودھ سے حرمت متعلق ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عورت دودھ پلائے بچی کو تو حرام ہوگی یہ بچی اس کے شوہر پر اور شوہر کے باپ پر اور شوہر کے بیٹوں پر اور وہ شوہر جس سے عورت کا دودھ اترا ہے وہ دودھ پینے والی بچی کا باپ ہوگا۔

لبن الفحل کا کیا مطلب ہے؟

تشریح: لبن الفحل ایک فقہی اصطلاح ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ دودھ کی نسبت جس طرح عورت کی طرف ہوتی ہے اور ہونی چاہئے اسی طرح اس کی نسبت مرد کی طرف بھی ہوتی ہے سبب ہونے کی حیثیت سے اس لیے کہ عورت کے پستان میں دودھ کا تحقق اللہ کی قدرت سے بچہ کی پیدائش کے بعد ہوتا ہے جس میں ظاہر ہے کہ مرد کا دخل ہے جمہور علماء اور ائمہ اربعہ لبن الفحل کے قائل ہیں چناں چہ جس طرح رضاعی بیٹے کی شادی رضاعی ماں سے ناجائز ہے اسی طرح رضاعی بیٹی کی شادی رضاعی ماں کے شوہر سے ناجائز ہے، گویا کہ دودھ پلانے والی عورت جس طرح رضاعی ماں قرار دی گئی اسی طرح اس کا شوہر رضیع کے لئے باپ قرار دیا گیا ہے **وھذا ھومعنی لبن الفحل عند الفقھاء** صورت مسئلہ مثال سے سمجھیں مثلاً عائشہ نے زینب کو دودھ پلایا تو عائشہ کا شوہر راشد جس کی صحبت سے عائشہ کو دودھ اترا ہے اس شوہر کے لئے زینب دودھ پینے والی بچی حرام ہوگئی اسی طرح شوہر راشد کا باپ بچی کے لئے دادا بن گیا اس لیے راشد کا باپ زینب سے شادی نہیں کرسکتا راشد کا نسبی بیٹا خالد زینب کا رضاعی بھائی بن گیا اس لیے زینب اس رضاعی بھائی سے شادی نہیں کرسکتی۔

(۱۸۰۴/۱۰) وَيَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ الرَّجُلُ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ الرَّضَاعِ كَمَا يَجُوْزُ اَنْ يَتَزَوَّجَ بِاُخْتِ اَخِيْهِ مِنَ النَّسَبِ وَذَالِكَ مِثْلُ الْاَخِ مِنَ الْاَبِ اِذَا كَانَ لَهُ اُخْتٌ مِنْ اُمِّهِ جَازَ لِاَخِيْهِ مِنْ اَبِيْهِ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا.

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ شادی کرے آدمی اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے جیسے جائز ہے کہ نسبی بھائی کی بہن سے شادی کرے اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک باپ شریک بھائی ہے اور اس کی ایک ماں شریک بہن ہے تو باپ شریک بھائی کے لئے جائز ہے اس بہن سے شادی کرنا۔

رضاعت کے احکام

تشریح: صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ اپنے رضاعی بھائی کی بہن سے شادی کرنا جائز ہے، مثلاً زید نے خالد کی ماں کا دودھ پیا اب یہ دونوں رضاعی بھائی بن گئے اب خالد کی اپنی ایک بہن تھی جس نے اپنی ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیا تھا تو خالد کی یہ بہن زید کے لئے اجنبیہ ہے اس لیے زید کے لئے جائز ہے کہ خالد کی بہن سے شادی کرلے دلیل یہ ہے کہ نسبی بھائی کی نسبی بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے مثلاً سلطانہ نے پہلی شادی عبد القادر سے کی تھی اس سے رقیہ پیدا ہوئی پھر دوسری شادی ماجد سے کی اس سے عبد الصمد پیدا ہوا جس کی بنا پر رقیہ عبد الصمد کی اخیافی (ماں شریک) بہن ہوئی ادھر ماجد نے ایک اور شادی گلشانہ سے کی جس سے بلال پیدا ہوا جو عبد الصمد کا علاتی بھائی (باپ

شریک ہوا اس لئے ہلال کی شادی رقیہ سے ہو سکتی ہے کیوں کہ رقیہ ہلال کے لئے اجنبیہ ہے اس نقشہ کو دیکھیں۔
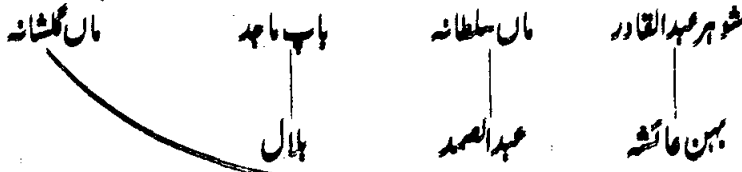
ہلال کی شادی عبدالصمد کی ماں شریک بہن عائشہ سے جائز ہے۔

(۱۸۰۵/۱۱) وَكُلُّ صَبِيَّيْنِ اجْتَمَعَا عَلٰى ثَدْيٍ وَاحِدٍ لَمْ يَجُزْ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَزَوَّجَ الْآخَرَ.

ترجمہ: اور ہر وہ دو بچے (لڑکا لڑکی) جو ایک عورت کے پستان پر جمع ہو گئے تو ان میں سے ایک کے لئے جائز نہیں شادی کرنا دوسرے کے ساتھ۔

تشریح: اگر دو بچوں نے کسی ایک عورت کا دودھ یکے بعد دیگرے پیا ہو تو دونوں کا آپس میں نکاح درست نہیں ہے کیوں کہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہو گئے۔

(۱۸۰۶/۱۲) وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُرْضَعَةُ أَحَداً مِنْ وُلْدِ الَّتِي أَرْضَعَتْ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے کہ شادی کرے دودھ پینے والی بچی کسی ایسے بچے سے جس کو اس کی ماں نے دودھ پلایا ہے۔

تشریح: المرضعة: میں ترکیب کے اعتبار سے دو احتمال ہیں (۱) مُرضَعہ ضاد کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول ہے اور 'یتزوج' کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور احدا منصوب ہے مفعولیت کی بنا پر اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ دودھ پینے والی دودھ پلانے والی کے لڑکوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہ کرے۔

(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ مرضعہ اسم مفعول ہے مگر مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے اور 'احد' مرفوع ہو فاعلیت کی بنا پر اس صورت میں ترجمہ ہوگا کہ دودھ پلانے والی عورت کے لڑکوں میں سے کوئی دودھ پینے والی بچی سے نکاح نہ کرے، حاصل دونوں کا ایک ہے (عینی شرح ہدایہ ۲/ ۲۰۷)

(۱۸۰۷/۱۳) وَلَا يَتَزَوَّجُ الصَّبِيُّ الْمُرْضَعُ أُخْتَ زَوْجِ الْمُرْضِعَةِ لِأَنَّهَا عَمَّتُهُ مِنَ الرَّضَاعِ.

ترجمہ: اور نہ شادی کرے شیر خوار بچہ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن سے کیوں کہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔

تشریح: دودھ پلانے والی ماں کا شوہر رضاعی باپ ہوا اور اس کی بہن رضاعی پھوپھی ہوئی اس لیے دودھ پینے والے بچہ کا نکاح رضاعی پھوپھی سے جائز نہیں ہے۔

(۱۸۰۸/۱۴) وَإِذَا اخْتَلَطَ اللَّبَنُ بِالْمَاءِ وَاللَّبَنُ هُوَ الْغَالِبُ يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ فَإِنْ غَلَبَ الْمَاءُ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور جب مل جائے دودھ پانی میں اور دودھ غالب ہو تو متعلق ہوگی اس کے ساتھ حرمت اور اگر پانی غالب ہو تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دودھ میں پانی ملا دیا گیا اور دودھ غالب اور پانی مغلوب ہے پھر کسی بچہ نے اس کو پی لیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی، اور اگر پانی غالب اور دودھ مغلوب ہے تو احناف کے نزدیک اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر پانچ گھونٹ کی مقدار دودھ اس پانی میں موجود تھا جس کو اس بچہ نے پیا ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اگرچہ پانی غالب ہے۔

(۱۸۰۹/۱۵) وَإِذَا اخْتَلَطَ بِالطَّعَامِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ وَإِنْ كَانَ اللَّبَنُ غَالِباً عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور اگر دودھ کھانے کے ساتھ مل جائے تو اس کے ساتھ حرمت متعلق نہیں ہوگی، اگرچہ دودھ غالب ہو امام صاحب کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ حرمت متعلق ہوگی۔

تشریح: اگر دودھ کھانے میں ملا کر آگ پر پکا لیا گیا تو بالاتفاق اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی دودھ غالب رہا ہو یا مغلوب اس لیے کہ اگر دودھ مغلوب ہے تب تو حرمت کا ثابت نہ ہونا ظاہر ہے اور اگر دودھ غالب ہے تو اس لئے حرمت ثابت نہیں ہوگی کہ جب دودھ کھانے میں ملا کر پکا لیا گیا تو دودھ کھانے کے تابع ہو گیا لہٰذا اب اس کو لبن مطلق نہیں کہیں گے، اور اگر آگ پر نہیں پکایا گیا تو اب حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) امام صاحب کے نزدیک خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب کسی بھی صورت میں حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی (۲) صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر دودھ غالب ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی ورنہ نہیں، کیوں کہ دودھ غالب ہے اس لیے دودھ اصل ہے جیسا کہ پانی میں غالب کا اعتبار کیا گیا ہے، امام صاحب فرماتے ہیں کہ غذا حاصل کرنے میں کھانا اصل ہے اور دودھ اس کے تابع ہے لہٰذا حصول مقصود یعنی غذا میں دودھ مغلوب ہو گیا اگرچہ حقیقت میں غالب تھا۔

(۱۸۱۰/۱۶) وَإِذَا اخْتَلَطَ بِالدَّوَاءِ وَاللَّبَنُ غَالِبٌ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور اگر دودھ مل جائے دوا کے ساتھ اور دودھ غالب ہے تو اس کے ساتھ تحریم متعلق ہوگی۔

تشریح: اگر دودھ دوا کے ساتھ ملا دیا گیا اور دودھ غالب ہے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی، کیوں کہ غذا حاصل کرنے میں دودھ ہی مقصود ہے دوا تو صرف دودھ پہنچانے میں تقویت کے لئے ہے، اور اگر دودھ مغلوب

اور دوا غالب ہے تو تحریم ثابت نہیں ہوگی۔

(۱۸۱۱/۱۷) وَاِذَا حُلِبَ اللَّبَنُ مِنَ الْمَرْأَةِ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأُوْجِرَ بِهِ الصَّبِيُّ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

حل لغات مع ترکیب: اوجر: ماضی مجہول وجر سے مشتق ہے وہ دوا جس کو منہ میں ڈالا جائے، اَوْجَرَمنه: دوا ڈالنا متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول ضمیر جو راجع ہے لبن المرأة کی طرف اور قائم مقام فاعل کے ہے دوسرا مفعول الصبی. (عینی شرح ہدایہ ۲/۲۱۰)

ترجمہ: اور جب نکالا گیا دودھ عورت کا اس کے مرنے کے بعد اور ڈال دیا گیا بچہ کے حلق میں تو متعلق ہوگی حرمت۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عورت کے مرجانے کے بعد اس کا دودھ دوہا گیا پھر وہ دودھ بچے کے منہ میں ڈال دیا گیا تو احناف کے نزدیک اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اس کے قائل امام مالکؒ و امام احمدؒ ہیں امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی صاحب قدوری نے 'بعد الموت' کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ اگر قبل الموت عورت کا دودھ دوہ لیا گیا اور بعد الموت بچہ کے منہ میں ڈالا گیا تو اس صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

مختلف فیہ صورت میں امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حرمت رضاعت کے ثبوت میں اصل تو عورت ہے پھر اس کے واسطے سے حرمت دوسروں تک متعدی ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد وہ محل حرمت ہی نہیں رہی ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت رضاعت کا سبب جزئیت کا شبہ ہے چوں کہ دودھ پینے کی وجہ سے بچہ کے گوشت اور ہڈیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ چیز دودھ میں بہر حال موجود ہے۔

(۱۸۱۲/۱۸) وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ الْمَرْأَةِ بِلَبَنِ شَاةٍ وَلَبَنُ الْمَرْأَةِ هُوَ الْغَالِبُ تَعَلَّقَ بِهِ التَّحْرِيْمُ وَاِنْ غَلَبَ لَبَنُ الشَّاةِ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمہ: اور جب مل جائے عورت کا دودھ بکری کے دودھ میں اور عورت کا دودھ غالب ہو تو حرمت اس سے متعلق ہو جائے گی اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو متعلق نہ ہوگی اس سے حرمت۔

تشریح: عورت کا دودھ بکری کے دودھ کے ساتھ ملا دیا گیا اور عورت کا دودھ غالب ہو اور وہ کسی بچہ کو پلادے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور اگر عورت کا دودھ مغلوب ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

(۱۸۱۳/۱۹) وَاِذَا اخْتَلَطَ لَبَنُ امْرَأَتَيْنِ يَتَعَلَّقُ التَّحْرِيْمُ بِاَكْثَرِهِمَا عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى تَعَلَّقَ بِهِمَا التَّحْرِيْمُ.

ترجمه: اور جب مل گیا دوعورتوں کا دودھ تو حرمت متعلق ہوگی ان دونوں میں سے اکثر کے ساتھ امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا حرمت متعلق ہوگی دونوں کے ساتھ۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت کا دودھ دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ مل جائے تو کس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی اس بارے میں صاحب ہدایہ نے دو قول مع الدلیل بیان کئے ہیں حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک غلبہ کا اعتبار ہے کیوں کہ سب کا سب شئ واحد ہے لہٰذا اقل کو اکثر کے تابع بنایا جائے گا جس عورت کا دودھ غالب ہوگا صرف اسی سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں امام محمد وامام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی کیوں کہ جنس جنس کے اوپر غالب نہیں آتی صاحب ہدایہ نے کسی قول کی ترجیح نقل نہیں کی لیکن شامی میں نقل کیا ہے کہ آخری دلیل والا قول ہی راجح ہے اور صاحب ہدایہ بھی اسی کی جانب مائل ہوئے ہیں۔ (ہدایہ ۲/۳۵۲، شامی ۲/۵۶۲)

(۱۸۱۴/۲۰) وَاِذَا نَزَلَ لِلْبِكْرِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَتْ صَبِيًّا يَتَعَلَّقُ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

لغت: البکر: وہ عورت جس سے صحبت نہ ہوئی ہو۔

ترجمه: اور جب کنواری کے دودھ اتر آئے اور وہ کسی بچہ کو پلادے تو اس سے حرمت متعلق ہوجائے گی۔

تشریح: اگر باکرہ عورت کے پستان سے دودھ نکلا پھر وہ دودھ باکرہ نے کسی بچہ کو پلادیا تو باتفاق ائمہ اربعہ اس دودھ سے حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی کیوں کہ آیت میں ہے وامھاتکم الّتی ارضعنکم یہ آیت مطلق ہے باکرہ اور ثیبہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

(۱۸۱۵/۲۱) وَاِذَا نَزَلَ لِلرَّجُلِ لَبَنٌ فَاَرْضَعَ بِهِ صَبِيًّا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ التَّحْرِيْمُ.

ترجمه: اور جب کسی مرد کے دودھ اتر آئے اور وہ بچہ کو پلادے تو اس سے حرمت متعلق نہ ہوگی۔

تشریح: اگر کسی مرد کے پستان سے دودھ نکلا اس نے وہ دودھ کسی بچہ کو پلادیا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی اس پر ائمہ اربعہ متفق ہیں کیوں کہ مرد کا دودھ حقیقت میں دودھ نہیں ہے اس لئے کہ حقیقتاً دودھ اس شخص سے متصور ہوگا جس سے ولادت متصور ہوتی ہے، اور مرد سے ولادت متصور نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اس کے دودھ سے حرمت بھی متعلق نہیں ہوگی۔

(۱۸۱۶/۲۲) وَاِذَا شَرِبَ صَبِيَّانِ مِنْ لَبَنِ شَاةٍ فَلَا رِضَاعَ بَيْنَهُمَا.

ترجمه: اگر دو بچوں نے بکری کا دودھ پیا تو دونوں کے درمیان رضاعت نہیں ہے۔

تشریح: رضاعت انسانی اعضاء کی جزئیت سے ہوتی ہے اور یہ حیوان کا دودھ ہے اس لیے اس سے حرمت

رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

(۲۳/۱۸۱۷) وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ صَغِیْرَةً وَکَبِیْرَةً فَاَرْضَعَتِ الْکَبِیْرَةُ الصَّغِیْرَةَ حَرُمَتَا عَلَی الزَّوْجِ.

ترجمہ: اگر شادی کی کسی مرد نے صغیرہ (دودھ پیتی بچی) اور بڑی عورت سے پھر اس بڑی نے چھوٹی کو دودھ پلا دیا تو حرام ہوگی دونوں شوہر پر۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دودھ پیتی بچی اور ایک بڑی عورت سے شادی کی شوہر نے بڑی عورت کے ساتھ صحبت کی اس کے نتیجہ میں بچہ ہوا اور کبیرہ کو دودھ اتر آیا اس نے وہ دودھ چھوٹی بیوی کو پلا دیا تو دونوں شوہر پر ہمیشہ کیلئے حرام ہو جائیں گی اسی کے قائل امام شافعیؒ واحمدؒ ہیں، کیوں کہ دودھ پلانے کی وجہ سے چھوٹی بچی بڑی بیوی کی رضاعی بیٹی بن گئی اور جیسے نسبی ماں اور بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے، اسی طرح رضاعی ماں اور بیٹی کو جمع کرنا حرام ہے۔

(۲۴/۱۸۱۸) فَاِنْ کَانَ لَمْ یَدْخُلْ بِالْکَبِیْرَةِ فَلَا مَهْرَ لَهَا وَلِلصَّغِیْرَةِ نِصْفُ الْمَهْرِ.

ترجمہ: پھر اگر صحبت نہ کی ہو بڑی کے ساتھ تو اس کے لئے مہر نہیں ہوگا اور چھوٹی کے لئے آدھا مہر ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں مہر کا حکم بیان کیا گیا ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے بڑی کے ساتھ صحبت نہیں کی تو اس کو آدھا مہر ملنا چاہئے لیکن بڑی کے دودھ پلانے سے تفریق واقع ہوئی ہے تفریق کا سبب بڑی ہی بنی اس لیے اس کو آدھا مہر بھی نہیں ملے گا اور چوں کہ چھوٹی کی جانب سے تفریق نہیں ہے اور صحبت سے پہلے جدائی ہوئی اس لیے اس کو آدھا مہر ملے گا۔

(۲۵/۱۸۱۹) وَیَرْجِعُ بِهِ الزَّوْجُ عَلَی الْکَبِیْرَةِ اِنْ کَانَتْ تَعَمَّدَتْ بِهِ الْفَسَادَ وَاِنْ لَمْ تَتَعَمَّدْ فَلَا شَیْءَ عَلَیْهَا.

ترجمہ: اور شوہر مہر وصول کرے گا بڑی سے اگر اس نے فساد نکاح کا ارادہ کیا ہو اور اگر فساد کا ارادہ نہ کیا ہو تو بڑی پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مہر کے متعلق دوسرا حکم بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ شوہر نے جو مہر چھوٹی بیوی کو دیا ہے وہ دیا ہوا مہر بڑی سے وصول کر سکتا ہے بشرطیکہ بڑی نے نکاح توڑنے ہی کے لئے چھوٹی کو دودھ پلایا ہو کیوں کہ اس نے جان بوجھ کر نکاح تڑوایا اور آدھا مہر دلوانے کا سبب بنی اس لیے شوہر آدھا مہر اسی سے وصول کرے گا اور اگر بچی بھوک کی وجہ سے رو رہی تھی اور دودھ پلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا یا نکاح ٹوٹنے کا علم نہ تھا تو جو آدھا مہر چھوٹی کو دیا ہے وہ بڑی سے لینے کا مجاز نہیں ہے۔

(۲۶/۱۸۲۰) وَلَا تُقْبَلُ فِی الرَّضَاعِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مُنْفَرِدَاتٍ وَاِنَّمَا یَثْبُتُ بِشَهَادَةِ رَجُلَیْنِ اَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَیْنِ.

ترجمہ: اور نہیں قبول کی جائے گی رضاعت میں تنہا عورتوں کی گواہی بلکہ ثابت ہوگی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

حرمت رضاعت کے ثبوت کیلئے کن لوگوں کی شہادت ضروری ہے

تشریح: رضاعت ثابت کرنے کے لئے کن لوگوں کی شہادت ضروری ہے سو اس بارے میں اختلاف ہے حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتیں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جائے گی صرف عورتوں کی گواہی کافی نہیں ہوگی۔

دلیل: وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ (آیت ۲۸۲ سورۃ البقرہ) اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ بناؤ پھر اگر وہ دو گواہ مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنالی جاویں)۔

دوسرا مذہب: شوافع کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

دلیل: دودھ پینے کا تعلق عورت کی پستان کے ساتھ ہے اور عورت کے پستان کی طرف دیکھنا حرام ہے اسلئے رضاعت پر کوئی مرد مطلع نہیں ہو سکتا اور تاکہ دو عورتیں ایک مرد قائم مقام ہو جائیں اس لیے چار عورتوں کی گواہی شرط ہے۔

جواب: رضاعت پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں مثلاً ذی رحم محرم کا عورت کے پستان کی طرف دیکھنا حلال ہے لہٰذا یہ دلیل قابل قبول نہ ہوگی۔

تیسرا مذہب: امام احمدؒ کے نزدیک رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے جب کہ وہ عورت خود مرضعہ ہو۔

دلیل: حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی تو ایک کالی عورت آئی اور کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے پس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے فلاں بنت فلاں سے شادی کی تھی پس ایک کالی عورت آئی اور مجھ سے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا تھا حالانکہ وہ جھوٹی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے منہ پھیر لیا میں آپ کے چہرے کی جانب سے آیا اور کہا کہ وہ جھوٹی ہے آپ نے فرمایا اب بیوی کو نکاح میں کیسے رکھو گے؟ حالانکہ وہ کہتی ہے کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے بیوی کو چھوڑ دو۔ (ترمذی ۲۱۸ باب ماجاء فی شہادۃ المرأۃ الواحدۃ فی الرّضاع) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رضاعت میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔

جواب: یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتیاط علیحدگی کا حکم فرمایا اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ نے پہلی بار حضرت عقبہ کی بات سن کر اس پر فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ اعراض کیا اگر ایک عورت کی گواہی کافی ہوتی تو آپ اسی وقت حرمت کا حکم دے دیتے۔ (رقم الحاشیہ ۴، الجوہرۃ النیرۃ ۹۹/۲)

كِتَابُ الطَّلَاقِ

(یہ کتاب طلاق کے احکام کے بیان میں ہے)

مشروعیت طلاق کی حکمت: جس طرح اللہ تعالیٰ نے نکاح کو مشروع فرمایا ہے بندوں کی مصلحت کے لئے اسی طرح طلاق کو بھی مشروع فرمایا انہی مصالح کے تکملہ کے طور پر کیوں کہ بعض مرتبہ انسان کو جو نکاح اس نے کیا ہے وہ موافق نہیں آتا تو وہ اس سے چھٹکارا چاہتا ہے اللہ نے اس کا حل طلاق کو بنایا نیز اللہ نے طلاق کے بھی درجات رکھے اور اس کے چند عدد مقرر فرما دیئے تاکہ نکاح ایک دم ختم نہ ہو جائے اور طلاق دینے والا اپنے نفس کو آزمالے کہ بیوی سے جدائی ہی بہتر رہے گی یا نہیں بلکہ اس کا ہونا ہی بہتر ہے نہ ہونے سے، لیکن تین کا عدد پورا ہونے کے بعد اگر وہ پھر نکاح میں اس عورت کو چاہتا ہے تو حلالہ کی قید تنبیہاً و سزاءً لگائی گئی ہے۔

ماقبل سے مناسبت: صاحب قدوری نکاح کے احکام سے فراغت کے بعد طلاق اور اس کے اقسام واحکام کو بیان فرما رہے ہیں طلاق کو رضاعت کے بعد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں حرمت ثابت کرتی ہیں فرق یہ ہے کہ رضاعت سے ہمیشگی کی حرمت اور طلاق سے حرمت غیر موبدہ ثابت ہوتی ہے۔

طلاق اسم مصدر ہے اور تطلیق کے معنی میں ہے طلاق کے لغوی معنی گرہ کھولنا مشتق ہے اطلاق سے، کہا جاتا ہے اطلق الاسیر، قیدی کو چھوڑ دیا، اطلق الناقۃ اونٹنی کی رسی کھول دی نکاح میں اس کا استعمال باب تفعیل سے ہوتا ہے یعنی تطلیق اور غیر نکاح میں باب افعال سے اسی لئے انت مُطَلَّقَة لام کی تشدید کے ساتھ نیت کی ضرورت نہیں ہے برخلاف انت مطلقہ بسکون اللام، اس میں نیت کی ضرورت ہے اور اصطلاح شرع میں رشتہ نکاح کو ختم کرنے کو کہتے ہیں، طلاق شرعاً مباحات میں سے ہے مگر ابغض المباحات فرمایا ہے۔

طلاق کا ثبوت: اس آیت سے ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ.
ترجمہ: طلاق دو مرتبہ ہے پھر اچھے انداز میں روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اس آیت سے طلاق دینے کا ثبوت ہوا۔

(۱/۱۸۲۱) اَلطَّلَاقُ عَلٰى ثَلٰثَهِ اَوْجُهٍ اَحْسَنُ الطَّلَاقِ وَطَلَاقُ السُّنَّةِ وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ فَاَحْسَنُ الطَّلَاقِ ان يُطَلِّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فِيْ طُهْرٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ وَيَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا.

ترجمہ: طلاق تین قسم پر ہے احسن طلاق طلاق سنت اور طلاق بدعت احسن طلاق یہ ہے کہ طلاق دے آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق ایسے طہر میں کہ جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو اور پھر اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کی عدت گزر جائے۔

طلاق کی اقسام ثلثہ کا بیان

تشریح: صاحب قدوری نے طلاق کی تین قسمیں بیان فرما کر طلاق احسن کی تعریف کی ہے چناں چہ فرمایا کہ طلاق احسن یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں صحبت نہ کی ہو پھر مزید طلاق نہ دے بلکہ عدت گزر جانے دے۔

(۲/۱۸۲۲) وَطَلَاقُ السَّنَّةِ اَنْ تُطَلِّقَ الْمَدْخُوْلَ بِهَا ثَلٰثاً فِیْ ثَلَاثَةِ اَطْهَارٍ.

ترجمہ: اور طلاق سنت یہ ہے کہ طلاق دے مدخول بہا کو تین، تین طہروں میں۔

تشریح: اور طلاق سنت کی تعریف یہ ہے کہ شوہر اپنی منکوحہ مدخول بہا کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت نہ ہو پھر دوسرے اور تیسرے طہر میں بھی اسی طرح طلاق دے یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ طلاق بدعت ہے اور مباح صرف ایک طلاق ہے علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ طلاق سنت پر سنت کا اطلاق اس حیثیت سے نہیں کہ اس طریقہ سے طلاق دینا پسندیدہ اور قابل ثواب ہے بلکہ اس کو سنت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ یہ طریقہ بھی شریعت میں جائز ہے اور ایسا کرنے والا مستحق عتاب نہیں۔ (روح المعانی ۲/۱۳۶)

(۳/۱۸۲۳) وَطَلَاقُ الْبِدْعَةِ اَنْ يُّطَلِّقَهَا ثَلٰثاً بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ اَوْ ثَلٰثاً فِیْ طُهْرٍ وَاحِدٍ فَاِذَا فَعَلَ ذَالِكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَ بَانَتِ امْرَاَتُهٗ مِنْهُ وَكَانَ عَاصِياً.

ترجمہ: اور طلاق بدعت یہ ہے کہ طلاق دے عورت کو تین ایک کلمہ سے یا تین دے ایک طہر میں جب وہ یہ کر چکے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت بائنہ ہو جائے گی اور وہ گناہ گار ہوگا۔

تشریح: طلاق بدعی کی یہ تعریف کی گئی ہے ما خالف قسمی السنۃ (الاحسن والحسن) یعنی جو طلاق احسن اور طلاق حسن دونوں کے خلاف ہو اس تعریف کی رو سے درج ذیل صورتیں طلاق بدعی میں داخل ہوں گی (۱) ایک کلمہ سے دو طلاق دینا (۲) الگ الگ کلمہ سے ایک طہر میں دو طلاق دینا (۳) ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کی ہو (۴) حالت حیض میں طلاق دینا (۵) ایک کلمہ سے تین طلاق دینا (۶) ایک طہر میں دو یا تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ کلمات سے دینا، طلاق بدعی ہمارے نزدیک حرام ہے اگر ایسا کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے لئے حرمت غلیظہ ثابت ہو جائے گی اور طلاق دینے والا گنہگار ہوگا، امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ہر طلاق مباح ہے، چوں کہ اس طلاق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمایا اس وجہ سے اس کو بدعت کی جانب منسوب فرمایا ہے۔

(۴/۱۸۲۴) وَالسُّنَّةُ فِی الطَّلَاقِ مِنْ وَجْهَيْنِ سُنَّةٌ فِی الْوَقْتِ وَسُنَّةٌ فِی الْعَدَدِ.

ترجمہ: اورطلاق میں سنت دوطریقے سے ہےایک سنت وقت میں اورایک سنت عدد میں۔

تشریح: وقت میں سنت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دے کہ طہر ہوحیض کا زمانہ نہ ہواور صحبت نہ کی ہواور عدد میں سنت یہ ہے کہ عورت کوایک طہر میں صرف ایک طلاق دی جائے بیک وقت تین طلاق نہ دے۔

(۵/۱۸۲۵) فَالسُّنَّةُ فِي الْعَدَدِ يَسْتَوِي فِيهَا الْمَدْخُوْلُ بِهَا وَغَيْرُ الْمَدْخُوْلِ بِهَا.

ترجمہ: پس عدد کی سنت میں مدخول بہااور غیر مدخول بہادونوں برابر ہیں۔

تشریح: جس عورت سے صحبت کر چکا ہے، سنت یہ ہے کہ اس کوبھی ایک ہی طلاق دے، اور جس عورت سے صحبت نہیں کی ہے، اس کے لیے بھی سنت یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دے، ایک وقت میں تین طلاق نہ دے، اس سنت میں دونوں برابر ہیں۔

(۶/۱۸۲۶) وَالسُّنَّةُ فِي الْوَقْتِ تَثْبُتُ فِي حَقِّ الْمَدْخُوْلِ بِهَا خَاصَّةً وَهُوَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً فِي طُهْرٍ لَمْ يُجَامِعْهَا فِيْهِ.

ترجمہ: اور سنت وقت میں ثابت ہے مدخول بہا کے حق میں خاص طور پر اور وہ یہ ہے کہ طلاق دے اس کو ایک ایسے طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو۔

تشریح: وقت کے اعتبار سے سنت کا اعتبار صرف مدخول بہا بیوی کے ساتھ خاص ہے، کیوں کہ غیر مدخول بہا کوتو جب چاہے طلاق دے دے چاہے حیض کا زمانہ ہو یا طہر کا زمانہ ہواور اس کی شکل یہ ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دے جس میں وطی نہ کی ہو، کیوں کہ مدخول بہا کوحیض کے زمانہ میں طلاق دینا بدعت ہے اور جس طہر میں صحبت کی ہو اس میں بھی طلاق دینا بدعت ہے۔

(۷/۱۸۲۷) وَغَيْرُ الْمَدْخُوْلِ بِهَا أَنْ يُطَلِّقَهَا فِي حَالِ الطُّهْرِ وَالْحَيْضِ.

ترجمہ: اور غیر مدخول بہا کوطلاق دے طہر کی حالت میں یا حیض کی حالت میں۔

تشریح: غیر مدخول بہا کا معاملہ یہ ہے کہ اس کوطہر اور حیض دونوں میں طلاق دی جاسکتی ہے چوں کہ ابھی تک صحبت نہیں کی ہے اس لیے ہر وقت میں رغبت ہے نفرت کا احتمال ہی نہیں ہے لہٰذا جب مرد باجود رغبت کے طلاق دے رہا ہے تو یہ علامت ہے ضرورت و مصلحت کی وعلیہا مدار السنیۃ، لہٰذا دونوں حالتوں میں طلاق دے سکتا ہے نیز جس کو عدت گزارنی ہے اس کے لئے طہر کا انتظار کیا جائے گا تاکہ عدت لمبی نہ ہواور غیر مدخول بہا کو عدت نہیں گزارنی ہے اس لیے جب چاہے طلاق دے دے۔

(۸/۱۸۲۸) وَإِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ لَا تَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ أَوْ كِبَرٍ فَأَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا لِلسُّنَّةِ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَإِذَا

مَضٰی شَھْرٌ طَلَّقَھَا اُخْریٰ فَاِذَا مَضٰی شَھْرٌ طَلَّقَھَا اُخْریٰ.

ترجمہ: اور جب عورت کو حیض نہ آتا ہو بچپن کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے اور شوہر چاہے اس کو طلاق دینا سنت کے موافق تو طلاق دے اس کو ایک پھر جب گذر جائے ایک ماہ تو طلاق دے دوسری پھر جب گزر جائے ایک ماہ تو طلاق دے تیسری۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو حیض نہ آتا ہو بچپنے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا کسی مرض کی وجہ سے اور اس کا شوہر چاہتا ہے کہ اس کو سنت طریقہ پر تین طلاق دے دے تو اس کا حکم یہ ہے کہ تین ماہ میں متفرق طور پر تین طلاق دے دے تو سنت کے مطابق ہو جائے گی، کیوں کہ جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کے لئے ہر ایک ماہ ایک طہر کے درجہ میں ہے اس لیے ہر ماہ پر ایک طلاق دے دے۔

(۹/۱۸۲۹) وَیَجُوْزُ اَنْ یُطَلِّقَھَا وَلَا یَفْصِلُ بَیْنَ وَطْیِھَا وَطَلَاقِھَا بِزَمَانٍ.

ترجمہ: اور یہ بھی جائز ہے کہ اسکو طلاق دے اور فصل نہ کرے اس کی وطی اور طلاق کے درمیان دنوں سے۔

تشریح: جس عورت کو بچپن کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا ہے اس عورت سے وطی کرتے ہی فوراً طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے حیض والی عورت کی طرح نہیں ہے کہ صحبت کرنے کے بعد حیض آئے رحم صاف ہو پھر اگلے طہر میں طلاق دے ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ حیض اور اگلے طہر کا انتظار اس لیے کرتے تھے کہ حیض کی وجہ سے رحم صاف ہو جائے اور چوں کہ اس عورت کو حیض ہی نہیں آتا ہے اس لیے حمل ٹھہرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے صحبت کے فوراً بعد طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

(۱۰/۱۸۳۰) وَطَلَاقُ الْحَامِلِ یَجُوْزُ عَقِیْبَ الْجِمَاعِ.

ترجمہ: اور حاملہ کو طلاق دینا جائز ہے جماع کے بعد۔

تشریح: بیوی حاملہ ہے اس سے صحبت کی اور صحبت کے فوراً بعد طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے، کیوں کہ حاملہ عورت کے ساتھ وطی کرنے سے عدت مشتبہ نہیں ہوتی ہے اس لئے کہ حاملہ میں عدت کا طریقہ متعین ہے لہٰذا فوراً طلاق دے سکتا ہے۔

(۱۱/۱۸۳۱) وَیُطَلِّقُھَا لِلسُّنَّۃِ ثَلٰثًا یَفْصِلُ بَیْنَ کُلِّ تَطْلِیْقَتَیْنِ بِشَھْرٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللّٰہُ لَا یُطَلِّقُھَا لِلسُّنَّۃِ اِلَّا وَاحِدَۃً.

ترجمہ: اور طلاق دے اس کو سنت کے مطابق تین فصل کرے ہر دو طلاقوں میں ایک مہینہ کا شیخینؒ کے

نزدیک اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ طلاق نہ دے اس کو سنت کے موافق مگر ایک۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ کو تین طلاق مسنون طریقہ پر دینے کا ارادہ ہو تو ہر دو طلاقوں کے درمیان ایک ماہ کا فصل کرے شیخین کے نزدیک کیوں کہ طلاق کا مباح ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اور مہینہ ضرورت کی دلیل ہے ائمہ ثلاثہ اور امام محمد وامام زفرؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کو سنت کے طور پر طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق دے کر چھوڑ دے وضع حمل کے بعد بائنہ ہو جائے گی اور عدت بھی گذر جائے گی، کیوں کہ طلاق دینا مبغوض ہے اس لیے زیادہ طلاق دینا اچھا نہیں ہے، اس لیے ایک ہی پر اکتفا کرے۔

(۱۲/۱۸۳۲) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ فِیْ حَالِ الْحَیْضِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَیَسْتَحِبُّ لَهُ اَنْ یُرَاجِعَهَا فَاِذَا طَهُرَتْ وَحَاضَتْ وَطَهُرَتْ فَهُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ طَلَّقَهَا وَاِنْ شَاءَ اَمْسَکَهَا.

ترجمہ: اور جب طلاق دے دی مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مستحب ہے اس کے لئے یہ کہ اس سے رجوع کرلے پھر جب وہ پاک ہو جائے اور حائضہ ہو پھر پاک ہو جائے تو اس کو اختیار ہے چاہے طلاق دے چاہے عورت کو روک لے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ حالت حیض میں جو طلاق دی تھی اس سے رجعت کے بعد جب وہ عورت اس حیض سے پاک ہو گئی جس میں طلاق دی گئی تھی اور پھر حائضہ ہو گئی پھر اس حیض ثانی کے بعد پاک ہو گئی، تو اب شوہر کو اختیار ہے کہ وہ طہر ثانی میں اپنی اس بیوی کو طلاق دے یا روکے رکھے اور طلاق نہ دے۔

حکم الطلاق فی الحیض والاختلاف فیہ: حیض میں دیجانے والی طلاق اگرچہ حرام اور طلاق بدعی ہے مگر پھر بھی واقع ہو جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کرنے کے لئے کہا تھا اور رجوع ظاہر ہے کہ طلاق کے وقوع کے بعد ہی ہو سکتا ہے ورنہ رجوع کا کوئی مطلب نہیں چناں چہ ائمہ اربعہ اور جمہور کا یہی مذہب ہے، بخلاف ظاہریہ، روافض، اور خوارج کے، کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیوں کہ منہی عنہ ہے فلا یکون مشروعاً، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عمرؓ کو رجوع کا حکم فرمایا اور ظاہر ہے کہ رجوع عن الطلاق بدون الطلاق محال ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حیض میں دی جانے والی طلاق سے رجوع کرنا شوافع اور حنابلہ کے نزدیک مستحب ہے اور یہی ایک روایت حنفیہ کی ہے مگر صاحب ہدایہ نے وجوب کی روایت کو اصح قرار دیا ہے اور مالکیہ کے نزدیک واجب ہے نیز مالکیہ کے نزدیک اس کو رجوع پر مجبور کیا جائے گا مار پیٹ سے یا قید سے یا ڈرانے دھمکانے سے جیسا بھی موقع ہو۔

(۱۳/۱۸۳۳) وَیَقَعُ طَلَاقُ کُلِّ زَوْجٍ اِذَا کَانَ عَاقِلًا بَالِغًا.

ترجمہ: اور واقع ہو جائے گی ہر شوہر کی طلاق جب کہ وہ عاقل بالغ ہو۔

تشریح: شوہر اگر عاقل بالغ ہے اور اس نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی تو واقع ہو جائے گی خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام، خوشی سے دی ہو یا ناراضگی میں، درست ہو یا نشہ میں، ہر صورت میں طلاق پڑ جائے گی۔

(۱۴/۱۸۳۴) وَلاَ يَقَعُ طَلاَقُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ وَالنَّائِمِ.

ترجمہ: اور نہیں واقع ہوگی طلاق بچہ کی اور مجنون کی اور سونے والے کی۔

تشریح: حدیث میں ہے کہ ہر طلاق نافذ ہو جاتی ہے سوائے بچہ اور دیوانے کی طلاق کے، اثر میں ہے عن ابن عباسؓ قال لَا يَجُوْزُ طَلاَقُ الصَّبِيِّ (مصنف ابن شیبہ ۴/۶۷) یعنی بچہ کی طلاق جائز نہیں ہے۔

(۱۵/۱۸۳۵) وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ بِاِذْنِ مَوْلاَهُ وَطَلَّقَ وَقَعَ طَلاَقُهُ.

ترجمہ: اور جب شادی کی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے اور طلاق دی تو اس کی طلاق واقع ہو جائیگی۔

تشریح: غلام نے آقا کی اجازت سے شادی کی تو شادی ہوگئی اب غلام ہی کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا اگر اس نے طلاق دے دی تو پڑ جائے گی، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّمَا الطَّلاَقُ لِمَنْ اَخَذَ بِالسَّاقِ (ابن ماجہ ۲۹۹) طلاق کا حق اس کو ہے جس نے پنڈلی پکڑی یعنی شادی کی۔

(۱۶/۱۸۳۶) وَلاَيَقَعُ طَلاَقُ مَوْلاَهُ عَلٰى امْرَأَتِهِ.

ترجمہ: اور نہیں واقع ہوگی آقا کی طلاق اپنے غلام کی بیوی پر۔

تشریح: آقا کی اجازت سے شادی کی تو اب غلام کی بیوی کو طلاق دینے کا مجاز آقا نہ ہوگا بلکہ خود غلام ہی ہوگا۔

(۱۷/۱۸۳۷) وَالطَّلاَقُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ صَرِيْحٌ وَكِنَايَةٌ فَالصَّرِيْحُ قَوْلُهُ اَنْتِ طَالِقٌ وَمُطَلَّقَةٌ وَطَلَّقْتُكِ فَهٰذَا يَقَعُ بِهِ الطَّلاَقُ الرَّجْعِيُّ.

ترجمہ: طلاق دو قسموں پر ہے صریح اور کنایہ پس صریح یہ ہے کہ یوں کہے تجھے طلاق ہے تو طلاق دی ہوئی ہے میں نے تجھے طلاق دے دی پس اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

صریحی طلاق کا بیان

تشریح: عبارت میں طلاق بمعنی تطلیق ہے طلاق دینے کے دو طریقے ہیں ایک صریح کہ جس سے صاف پتہ چل جائے کہ شوہر طلاق دینا چاہتا ہے، اور دوسرا طریقہ کنایہ کا ہے کنایہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ شوہر ایسے الفاظ استعمال کرے جن کے دو معنی ہوں ایک معنی کے اعتبار سے طلاق نہ ہوتی ہو اور دوسرے معنی کے اعتبار سے طلاق واقع

ہو جاتی ہو اس میں نیت کا اعتبار ہے عبارت میں تینوں الفاظ صریح ہیں ان میں طلاق کی نیت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے بغیر نیت کے ہی طلاق پڑ جائے گی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ الفاظ صریح کے استعمال کے بعد رجعت کر سکتا ہے کیوں کہ الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔

(۱۸/۱۸۳۸) وَلَا يَقَعُ بِهِ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَاِنْ نَوىٰ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور نہیں واقع ہوگی ان الفاظ سے مگر ایک اگر چہ نیت کی ہو اس سے زیادہ کی۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ طلاق انت طالق، مطلقة، طلقتك کے ذریعہ طلاق رجعی واقع ہوگی اور ان الفاظ ثلثہ میں ہر ایک کے ساتھ صرف ایک طلاق واقع ہوگی اگر چہ ایک سے زائد کی نیت کی ہو۔

(۱۹/۱۸۳۹) وَلَا يَفْتَقِرُ بِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ اِلىٰ نِيَّةٍ.

ترجمہ: اور یہ الفاظ نہیں محتاج ہیں نیت کے۔

تشریح: نیت کا اعتبار کنائی الفاظ میں ہوتا ہے صریح الفاظ میں طلاق دینے کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ طلاق دیتے ہی بغیر نیت کے طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۲۰/۱۸۴۰) وَقَوْلُهُ اَنْتِ الطَّلَاقُ وَاَنْتِ طَالِقُ الطَّلَاقِ اَوْ اَنْتِ طَالِقٌ طَلَاقاً فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ نَوىٰ ثِنْتَيْنِ لَايَقَعُ اِلَّا وَاحِدَةٌ وَاِنْ نَوىٰ بِهٖ ثَلٰثاً كَانَ ثَلٰثاً.

ترجمہ: اور شوہر کا قول انت الطلاق، انت طالق الطلاق اور انت طالق طلاقاً میں اگر اس کی کوئی نیت نہیں ہے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر دو کی نیت کرے تو نہیں واقع ہوگی مگر ایک اور اگر نیت کرے اس سے تین کی تو تین ہوگی۔

تشریح: عبارت میں طلاق کے تین الفاظ ذکر کئے گئے ہیں ان تینوں صورتوں میں اگر کوئی نیت نہیں ہے یا ایک طلاق کی نیت ہے یا دو کی تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہو جائیں گی، دلیل یہ ہے کہ تینوں الفاظ میں مصدر مذکور ہے اور مصدر اسم جنس ہے اور اسم جنس کے دو فرد ہوتے ہیں ایک فرد حقیقی دوم فرد حکمی فرد حقیقی ایک طلاق ہے اور فرد حکمی کل کا مجموعہ یعنی تین طلاقیں ہیں اور دو کا عدد طلاق کا نہ فرد حقیقی ہے اور نہ فرد حکمی پس اگر شوہر نے تین طلاقوں کی نیت کی ہے تو یہ مصدر کا فرد حکمی ہونے کی وجہ سے صحیح ہے چناں چہ عورت اگر باندی ہے تو اس کے حق میں دو طلاقوں کی نیت کرنا بھی صحیح ہے کیوں کہ دو طلاق باندی کے حق میں فرد حکمی ہے۔

(۲۱/۱۸۴۱) وَالضَّرْبُ الثَّانِيْ الْكِنَايَاتُ وَلَا يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ اِلَّا بِالنِّيَّةِ اَوْ بِدَلَالَةِ حَالٍ وَهِيَ عَلىٰ ضَرْبَيْنِ مِنْهَا ثَلٰثَةُ اَلْفَاظٍ يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ وَلَا يَقَعُ بِهَا اِلَّا وَاحِدَةٌ وَهِيَ قَوْلُهُ اِعْتَدِّيْ وَاسْتَبْرِءِيْ رَحْمَكِ

وَاَنْتِ وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور دوسری قسم کنایات ہے نہیں واقع ہوتی ان سے طلاق مگر نیت کے ساتھ یا دلالت کے ساتھ اور یہ بھی دو قسم پر ہے ان میں سے تین الفاظ تو ایسے ہیں کہ جن سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور نہیں واقع ہوگی ان سے مگر ایک طلاق اور وہ اس کا قول، تو عدت میں بیٹھ جا اور تو اپنے رحم کو صاف کر لے، اور تو اکیلی ہے۔

کنائی طلاق کا بیان

تشریح: صاحب قدوریؒ جب قسم اول صریح طلاق کے بیان سے فارغ ہو گئے تو قسم ثانی یعنی کنایات کو بیان کر رہے ہیں کنایہ وہ ہے جس کی مراد پوشیدہ ہو۔

کنایہ کی شکل یہ ہوتی ہے کہ شوہر ایسے الفاظ استعمال کرے جن کے دو معنی ہوں ایک معنی کے اعتبار سے طلاق نہ ہوتی ہو اور دوسرے معنی کے اعتبار سے طلاق ہو جاتی ہو اس شکل میں طلاق کی نیت کرے گا یا حالت ایسی ہو جس سے طلاق واقع ہونے کا تقاضہ ہو تو اس سے طلاق واقع ہوگی، مثلاً زوجین میں طلاق کی گفتگو چل رہی تھی عورت نے شوہر سے کہا مجھے طلاق دے دے شوہر نے کہا 'اعتدی'

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ کنایہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس سے ایک رجعی واقع ہوگی اور ایک وہ جس سے ایک بائنہ واقع ہوگی قسم اول کے تین الفاظ ہیں (۱) اعتدی اس میں دو معنی کا احتمال ہے (۱) شمار کر تو ایام عدت (۲) اللہ کی نعمتوں کو شمار کر، اگر شوہر نے معنی اول کی نیت کی تو اس کی نیت سے معنی اول متعین ہو جائیں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ تجھے میں نے طلاق دے دی ہے اس لیے عدت گزار لو عبارت یوں ہوگی انت طالق فاعتدی.

دوسرا لفظ: استبری رحمك ہے اس کے بھی دو مطلب ہیں رحم صاف کر لو اس لیے کہ مجھے صحبت کرنانی ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ رحم صاف کر لو اس لیے کہ میں نے تم کو طلاق دے دی ہے اگر شوہر نے دوسرے معنی کی نیت کی تو ایک طلاق پڑ جائے گی عبارت یوں ہوگی انت طالق فاستبری رحمک۔

تیسرا لفظ: انت واحدة ہے اس میں بھی دو معنی کا احتمال ہے اول یہ کہ واحدۃ کو مصدر محذوف کی صفت قرار دیا جائے یعنی 'تطليقة واحدة' اور دوسرے یہ کہ شوہر اس کی تعریف کرتا ہے یعنی تو زمانہ میں اکیلی ہے تجھ جیسی کوئی دوسری عورت نہیں ہے، اگر شوہر نے معنی اول کی نیت کی تو ایک طلاق رجعی پڑ جائے گی عبارت یوں ہوگی انت طالق تطليقة واحدةً.

(۲۲/۱۸۴۲) وَبَقِيَّةُ الْكِنَايَاتِ إِذَا نَوىٰ بِهَا الطَّلَاقَ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَإِنْ نَوىٰ ثَلٰثًا كَانَتْ ثَلٰثًا وَإِنْ نَوىٰ ثِنْتَيْنِ كَانَتْ وَاحِدَةً وَهٰذِهٖ مِثْلُ قَوْلِهٖ اَنْتِ بَائِنٌ وَبَتَّةٌ وَبَتْلَةٌ وَحَرَامٌ وَحَبْلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ

وَالْحِقِیْ بِاَهْلِكِ وَخَلِیَّةٌ وَبَرِیَّةٌ وَوَهَبْتُكِ لِاَهْلِكِ وَسَرَّحْتُكِ وَاخْتَارِیْ وَفَارَقْتُكِ وَاَنْتِ حُرَّةٌ وَتَقَنَّعِیْ وَاسْتَتِرِیْ وَاغْرُبِیْ وَابْتَغِی الْاَزْوَاجَ.

حل لغات: بائن: اسم فاعل ماخوذ ہے بینونة سے جدائی، بت وبتل: دونوں باب (ن،ض) سے ہیں کاٹنا۔ حبلك علی غاربك، تیری رسی تیری گردن پر ہے عرب کا طریقہ ہے جب اونٹنی کو چھوڑتے ہیں تو اس کی گردن پر رسی ڈال دیتے ہیں، حلیة: یہ خلوءٌ سے ماخوذ ہے باب (ن) خالی ہونا، چھوڑنا۔ سرحت: ماضی باب تفعیل مصدر تسریح آزاد کرنا چھوڑنا، تقنعی: باب تفعل سے ہے قناع سے ماخوذ ہے دوپٹہ اوڑھنا، اغربی: فعل امر باب (ن) مصدر غروباً دور ہونا۔

ترجمہ: اور باقی کنایات اگر نیت کرے ان سے طلاق کی تو ایک بائنہ ہوگی اور اگر نیت کرے تین کی تو تین ہوں گی اور اگر نیت کرے دو کی تو ایک ہوگی اور وہ الفاظ یہ ہے (۱) تو مجھ سے جدا ہے، (۲) (۳) تیرا مجھ سے قطع تعلق ہے (۴) تو حرام ہے، (۵) تیری رسی تیری گردن پر ہے (۶) تو اپنے گھر والوں کے ساتھ مل جا (۷) تو بالکل چھوڑ دی گئی (۸) تو بالکل بری ہے، (۹) تجھے تیرے عزیزوں کو ہبہ کردیا (۱۰) میں نے تجھے چھوڑ دیا (۱۱) خود مختار ہوجا (۱۲) میں نے تجھے جدا کردیا (۱۳) تو آزاد ہے (۱۴) چادر اوڑھ لے (۱۵) پردہ کرلے (۱۶) دور ہوجا (۱۷) شوہروں کو تلاش کرلے۔

تشریح: یہاں سے صاحب کتاب کنایات کی قسم دوم بیان فرمارہے ہیں یعنی مذکورہ تین الفاظ کے علاوہ باقی الفاظ کنایہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگر ایک یا دو کی نیت کی ہے اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہوں گی عبارت میں جس قدر الفاظ کنایہ بیان کیے گئے ہیں تمام میں طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہے اس وجہ سے معنی طلاق کو متعین کرنے کے لئے نیت ضروری ہے۔

تنبیہ: میں نے تجھے چھوڑ دیا، یہ الفاظ صریح میں سے ہے، اس لئے اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور نیت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۸۴۳/۲۳) فَاِنْ لَمْ یَكُنْ لَهٗ نِیَّةُ الطَّلَاقِ لَمْ یَقَعْ بِهٰذِهِ الْاَلْفَاظِ طَلَاقٌ اِلَّا اَنْ یَكُوْنَا فِیْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ فَیَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ فِی الْقَضَاءِ وَلَا یَقَعُ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اِلَّا اَنْ یَنْوِیَهٗ.

ترجمہ: پھر اگر ان سے اس کی نیت طلاق کی نہ ہو تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی مگر یہ کہ وہ دونوں طلاق کے مذاکرہ میں ہو کہ ان سے طلاق ہوجائے گی قضاءً اور واقع نہ ہوگی فیما بینہ وبین اللہ مگر یہ کہ وہ طلاق کی نیت کرلے۔

تشریح: الفاظ کنایہ بول کر اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہیں ہوگی، ہاں اگر میاں بیوی کے درمیان

طلاق کا مذاکرہ ہو رہا ہے اور اسی حالت میں شوہر نے کسی لفظ سے عورت کو مخاطب کیا تو اس حالت میں طلاق کے وقوع کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بلانیت قضاء اور فیصلہ کے اعتبار سے طلاق واقع ہو جائے گی لیکن شوہر اور اللہ کے درمیان یہی ہے کہ نیت کی ہوگی تو طلاق واقع ہوگی، اور نیت نہیں کی ہوگی تو طلاق واقع نہیں ہوگی مگر چوں کہ حکم ظاہری اعتبار سے ہی قائم رہتا ہے لہٰذا طلاق کا عمل جاری ہو جائے گا اس مسئلہ کے متعلق مزید تفصیلی تحقیقی بحث ہدایہ میں ہے۔

(۱۸۴۴/۲۴) وَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا فِيْ مُذَاكَرَةِ الطَّلَاقِ وَكَانَا فِيْ غَضَبٍ اَوْ خُصُوْمَةٍ وَقَعَ الطَّلَاقُ بِكُلِّ لَفْظَةٍ لَايُقْصَدُ بِهَا السَّبُّ وَالشَّتِيْمَةُ وَلَمْ يَقَعْ بِمَا يُقْصَدُ بِهَا السَّبُّ وَالشَّتِيْمَةُ اِلَّا اَنْ يَنْوِيَهُ.

حل لغات: السب: گالی، الشتيمة گالی دینا۔

ترجمہ: اور اگر دونوں طلاق کے مذاکرہ میں نہ ہوں بلکہ غصہ یا جھگڑے کی حالت میں ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی ہر اس لفظ سے جس سے گالی گلوچ مقصود نہ ہو اور اس لفظ سے واقع نہیں ہوگی جس سے گالی گلوچ مقصود ہو مگر یہ کہ وہ نیت کرلے۔

تشریح: اگر زوجین مذاکرہ طلاق کی حالت میں نہیں ہیں بلکہ غصہ یا جھگڑے کی حالت میں ہیں تو ایسی صورت میں ہر ایسے لفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی جن سے گالی گلوچ ظاہر نہ ہوتا ہو، کیوں کہ جب الفاظ ایسے ہیں کہ گالی دینے کے معنی نہیں ہیں تو طلاق ہی دینے کا اندازہ ہو سکتا ہے اس لیے طلاق واقع ہو جائیگی اور اگر الفاظ ایسے ہیں کہ گالی بن سکتے ہیں تو ان کو گالی پر محمول کریں گے طلاق پر محمول نہیں کریں گے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی ہاں ان الفاظ سے طلاق کی نیت کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۱۸۴۵/۲۵) وَاِذَا وَصَفَ الطَّلَاقَ بِضَرْبٍ مِّنَ الزِّيَادَةِ كَانَ بَائِناً مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ بَائِنٌ وَاَنْتِ طَالِقٌ اَشَدَّ الطَّلَاقِ اَوْ اَفْحَشَ الطَّلَاقِ اَوْ طَلَاقَ الشَّيْطَانِ اَوْ طَلَاقَ الْبِدْعَةِ اَوْ كَالْجَبَلِ اَوْ مِلَا الْبَيْتِ.

ترجمہ: اور جب متصف کیا طلاق کو کسی زائد وصف کے ساتھ تو طلاق بائن ہوگی مثلاً یوں کہے تو بائنہ طلاق والی ہے تو بڑی سخت طلاق والی ہے تو بدترین طلاق والی ہے تجھ پر شیطان کی طلاق ہے تجھ پر بدعت کی یا پہاڑ کے برابر یا گھر بھرنے کے مانند طلاق ہے۔

تشریح: ان تمام الفاظ میں اگر کوئی نیت نہیں کی یا دو کی نیت کی ہے تو ایک بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی ہے تو تین واقع ہوں گی۔

(۱۸۴۶/۲۶) وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلٰى جُمْلَتِهَا اَوْ اِلٰى مَايُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْجُمْلَةِ وَقَعَ الطَّلَاقُ مِثْلُ اَنْ

يَقُوْلَ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْ رَقَبَتُكِ طَالِقٌ اَوْ عُنُقُكِ طَالِقٌ اَوْ رُوْحُكِ اَوْ بَدَنُكِ اَوْ جَسَدُكِ اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ.

ترجمہ: اور جب منسوب کیا طلاق کو عورت کے کل کی طرف یا ایسے عضو کی طرف جس سے کل کی تعبیر ہوتی ہے تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً یوں کہے تو طلاق والی ہے تیری گردن کو طلاق ہے یا تیری گردن کو طلاق ہے یا تیری روح کو یا تیرے بدن کو یا تیرے جسم کو یا تیرے شرمگاہ کو یا تیرے چہرہ کو طلاق ہے۔

طلاق کو کسی حصہ کی طرف منسوب کرنے کا بیان

تشریح: اگر طلاق کو عورت کے کل حصہ بدن کی طرف منسوب کر دیا جائے جیسے تو طلاق والی ہے اس میں پورے جسم کی طرف طلاق منسوب کی یا بدن کے ایسے جز کی طرف منسوب کر دیا جائے جس سے کل عورت کو تعبیر کیا جاتا ہے جیسے تیری گردن کو طلاق ہے اسی طرح دوسرے اعضا بھی ہیں۔

رقبہ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت کے ٹکڑے میں ہے فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے، اور عنق بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ ان کی گردنیں جھک گئیں، وجہ بول کر پورا جسم مراد لینے کا ثبوت اس آیت میں ہے وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ چہرے حي قیوم کے سامنے جھک گئے۔

(۱۸۴۷/ ۲۷) وَكَذَالِكَ اِنْ طَلَّقَ جُزْءً شَائِعاً مِنْهَا مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ طَالِقٌ.

لغت: جزءً شائعاً: ایسا جز جو کہ تقسیم نہیں ہو سکتا اور وہ تمام جسم میں مشترک اور پھیلا ہوا ہے اور وہ غیر معین ہے جیسے آدھا، تہائی، چوتھائی۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر طلاق دی عورت کے جز شائع کو مثلاً یوں کہا تیرا نصف یا تیرا ثلث حصہ طلاق والا ہے۔

تشریح: آدھا تہائی چوتھائی ان کو جز شائع کہتے ہیں اگر جزء شائع کو طلاق دی تو پورے انسان کو طلاق واقع ہوگی۔

(۱۸۴۸/ ۲۸) وَاِنْ قَالَ يَدُكِ اَوْ رِجْلُكِ طَالِقٌ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ.

ترجمہ: اور اگر کہا تیرے ہاتھ یا تیرے پاؤں کو طلاق تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: اگر طلاق اس جز معین کی طرف منسوب کی گئی جس سے عورت کے پورے بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا

جیسے ہاتھ، پاؤں، انگلی، بال، دانت، ناخن۔ تو احناف میں سے ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی ائمہ ثلاثہ اور امام زفرؒ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، ہماری دلیل یہ ہے کہ ان صورتوں میں طلاق غیر محل کی طرف منسوب کی گئی ہے لہٰذا طلاق لغو ہوگی، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ طلاق کے معنی قید کو ختم کرنا اور قید کا ختم اس وقت ہوگا جب کہ پہلے قید ہو اور ہاتھ وغیرہ میں کوئی قید نہیں لہٰذا ہاتھ وغیرہ کی طرف طلاق منسوب کر دینے سے واقع نہیں ہوگی۔

(۲۹/۱۸۴۹) وَاِنْ طَلَّقَهَا نِصْفَ تَطْلِيْقَةٍ اَوْ ثُلُثَ تَطْلِيْقَةٍ كَانَتْ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً.

ترجمه: اور اگر عورت کو آدھی طلاق دے یا تہائی طلاق دے تو ایک طلاق واقع ہوگی۔

تشریح: اگر کسی مرد نے اپنی منکوحہ کو آدھی طلاق دی یا تہائی طلاق دی تو اس کو پوری ایک طلاق شمار کیا جائے گا اور وہ عورت ایک طلاق کے ساتھ مطلقہ ہوگی، چوں کہ طلاق تقسیم اور اجزائیت کو قبول نہیں کرتی اس وجہ سے ایک ہی طلاق پڑے گی۔

(۳۰/۱۸۵۰) وَطَلَاقُ الْمُكْرَهِ وَالسُّكْرَانِ وَاقِعٌ.

ترجمه: زبردستی کئے گئے اور نشہ میں مست کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

تشریح: "مکرہ" راء کے فتحہ وہ شخص جس کو جان یا عضو کا نقصان پہنچانے کی بادشاہ نے دھمکی دی ہو یا اس شخص نے جس کی طرف سے ایسا کرنا متصور ہے اس عبارت میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس نے مجبور ہو کر طلاق دے دی تو ہمارے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی اس بارے میں ایک اثر ہے عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ طَلَاقُ الْمُكْرَهِ جَائِزٌ اِنَّمَا افْتَدَىٰ بِهٖ نفسه (مصنف عبدالرزاق ۶/۴۱۰) حضرت ابراہیم نے فرمایا زبردستی کئے ہوئے کی طلاق جائز ہے، بات یہ ہے کہ اپنی جان کے بدلہ طلاق کا فدیہ دیا، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص انتہائی نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ہمارے اور مالکیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، امام شافعی کا اصح قول اسی کے مطابق ہے نیز امام احمد کی بھی مرجوح روایت یہی ہے، اگر دوا کی وجہ سے نشہ آیا اور اس میں مست ہو کر طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن جان بوجھ کر نشہ پیا اور اس کی وجہ سے مست ہو کر طلاق دی تو واقع ہو جائے گی۔

عبارت میں سکران سے مراد وہ شخص ہے جو انتہائی نشہ کی حالت میں ہو حتی کہ زمین و آسمان میں امتیاز نہ کر سکے۔

(۳۱/۱۸۵۱) وَيَقَعُ الطَّلَاقُ اِذَا قَالَ نَوَيْتُ بِهِ الطَّلَاقَ.

ترجمه: اور واقع ہو جاے گی طلاق جب کہ کہا نیت کی میں نے اس سے طلاق کی۔

تشریح: ہمارے عام فقہاء کے نزدیک مکرہ اور سکران کی صریح طلاق بلانیت بھی واقع ہو جاتی ہے اس لحاظ

سے یہ عبارت کاتبوں کے سہو سے درج ہوگئی ہے، البتہ بعض نسخوں میں یہ عبارت ہے **ویقع الطلاق بالکنایات اذا قال نویت به الطلاق** اور مطلب یہ ہے کہ الفاظ کنائی سے طلاق اس وقت واقع ہوگی جب کہ طلاق کی نیت بھی کی ہو یہ عبارت اگرچہ مضمون کے لحاظ سے صحیح ہے مگر یہاں بے محل ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۱۰۹)

(۳۲/۱۸۵۲) **وَيَقَعُ طَلَاقُ الْاَخْرَسِ بِالْاِشَارَةِ.**

ترجمہ: اور واقع ہو جائے گی گونگے کی طلاق اشارہ سے۔

تشریح: اگر گونگا شخص اشارہ سے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی خواہ وہ لکھنے پر قادر ہو یا نہ ہو اس کا اشارہ گفتگو کے قائم مقام ہوگا ضرورت کو دور کرنے کے لئے پس اس کے اشارہ سے اس کا نکاح، طلاق، آزادی، خرید و فروخت سب صحیح ہوں گے۔

(۳۳/۱۸۵۳) **وَاِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ اِلَى النِّكَاحِ وَقَعَ عَقِيْبَ النِّكَاحِ مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ اِنْ تَزَوَّجْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ اَوْ قَالَ كُلُّ امْرَاَةٍ اَتَزَوَّجُهَا فَهِيَ طَالِقٌ.**

ترجمہ: اور جب منسوب کیا طلاق کو نکاح کی طرف تو واقع ہوگی نکاح کے بعد مثلاً یوں کہے کہ اگر میں تجھ سے شادی کروں تو تجھے طلاق ہے یا کہا ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں اس کو طلاق ہے۔

شرط کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

تشریح: ایک تو صورت یہ ہے کہ نکاح سے پہلے ہی طلاق دے تو اس سے طلاق نہیں ہوگی مثلاً کوئی شخص غیر منکوحہ کو 'انت طالق' کہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی خواہ بعد میں وہ عورت اس کی منکوحہ بن جائے، البتہ اگر طلاق کی نسبت ملک کی جانب کی گئی ہو جیسے اِنْ نَكَحْتُكِ فَاَنْتِ طَالِقٌ تو اس کے بارے میں اختلاف ہے، اور اس بارے میں تین مذاہب ہیں (۱) حنفیہ کے نزدیک نکاح کی شرط پر طلاق معلق کرنا درست ہے (۲) شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک طلاق قبل النکاح معتبر نہیں ہے۔ (۳) مالکیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر تعلیق میں عموم ہو یعنی تعلیق ایسی ہو جس کے بعد کسی بھی عورت سے نکاح کا امکان ہی باقی نہ رہے جیسے **کلما نکحت امرأة فهي طالق** تو ایسی تعلیق باطل ہے ہاں اگر کسی قسم کی تخصیص ہو مثلاً کسی خاص عورت کو خطاب کر کے کہے **ان نکحتُ فلانةً** یا کسی شہر یا قبیلہ کا نام لے کر کہے **ان نکحت من بلدة کذا او من قبیلة کذا** کہ فلاں شہر یا قبیلہ کی عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے یا زمانہ کے لحاظ سے تخصیص کرے مثلاً یوں کہے کہ اگر آج نکاح کروں تو طلاق ہے تو ایسی تعلیق درست ہو جاتی ہے۔

(۳۴/۱۸۵۴) **وَاِذَا اَضَافَهُ اِلَى شَرْطٍ وَقَعَ عَقِيْبَ الشَّرْطِ مِثْلُ اَنْ يَقُوْلَ لِامْرَاَتِهٖ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ**

فَاَنْتِ طَالِقٌ.

ترجمہ: اور اگر منسوب کیا طلاق کو شرط کی طرف تو واقع ہوگی شرط کے بعد مثلاً یوں کہے کہ اپنی بیوی سے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے کو طلاق ہے۔

تشریح: طلاق کو شرط پر معلق کرتے وقت بیوی ہو اور اس سے کہے کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے تو جب شرط پائی جائے گی طلاق پڑ جائیگی، کیوں کہ معلق کرتے وقت ملک ہے اجنبیہ نہیں اس لیے معلق کرنا جائز ہوگا۔

(۳۵/۱۸۵۵) وَلَا يَصِحُّ اِضَافَةُ الطَّلَاقِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ الْحَالِفُ مَالِكًا اَوْ يُضِيْفَهُ اِلٰى مِلْكِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں صحیح ہے طلاق کو منسوب کرنا مگر یہ کہ قسم کھانیوالا مالک ہو یا اس کو اپنی ملک کی طرف منسوب کرے۔

تشریح: طلاق کو شرط پر معلق کرنے سے اسی وقت طلاق واقع ہوگی جب معلق کرتے وقت بیوی ہو جیسا کہ ابھی اوپر گذرا یا ابھی بیوی تو نہ ہو مگر بیوی ہونے پر معلق کرے جیسے مسئلہ (۳۴) میں گذرا لیکن اگر ابھی بیوی نہ ہو اور نہ شادی کرنے پر معلق کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اگلی عبارت میں اسی قاعدہ کی مثال بیان کر رہے ہیں۔

(۳۶/۱۸۵۶) فَاِنْ قَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَدَخَلَتِ الدَّارَ لَمْ تُطَلَّقْ.

ترجمہ: سو اگر کسی اجنبیہ سے کہے کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے شادی کرے اور وہ گھر میں داخل ہو جائے تو طلاق نہیں ہوگی۔

تشریح: فاء برائے تفصیل ہے، تفریع ہے ماقبل کے قاعدہ پر چناں چہ فرمایا کہ اگر اجنبیہ عورت سے کہا کہ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تم کو طلاق ہے اس کے بعد اس سے شادی کی اور شادی کے بعد وہ اس گھر میں داخل ہوئی تو طلاق نہ پڑے گی۔

(۳۷/۱۸۵۷) وَاَلْفَاظُ الشَّرْطِ اِنْ وَاِذَا وَاِذَا مَا وَكُلُّ وَكُلَّمَا وَمَتٰى وَمَتٰى مَا.

ترجمہ: اور شرط کے الفاظ یہ ہیں ان اور اذا اور اذا ما اور کل اور کلما اور متی اور متی ما.

الفاظ شرط کا بیان

تشریح: صاحب کتاب نے کلمات شرط کو الفاظ شرط کے ساتھ تعبیر فرمایا نہ کہ حروف شرط کے ساتھ، کیوں ان کلمات میں زیادہ تر اسماء ہیں نہ کہ حروف اس لیے الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا تا کہ اسماء و حروف دونوں کو شامل ہو جائیں اور کلمہ 'ان' باب شرط میں اصل ہے اور باقی سب اس کی فرع ہیں۔

(۳۸/۱۸۵۸) فَفِيْ كُلِّ هٰذِهِ الْاَلْفَاظِ اِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ اِنْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ.

حل لغت: انحلت: شرط پوری ہوگئی قسم اس میں حلول کر جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

ترجمہ: ان تمام الفاظ میں اگر شرط پائی گئی تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

تشریح: شرط کے تمام الفاظ میں اگر ایک مرتبہ شرط پائی گئی تو ایک مرتبہ طلاق واقع ہو جائے گی اور بس لیکن اگر اس کے بعد دوبارہ شرط پائی گئی تو دوبارہ طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ ان تمام الفاظ میں تکرار اور بار بار ہونے کے معنی نہیں ہے اس لیے ایک مرتبہ طلاق واقع ہو کر قسم ختم ہو جائے گی۔

(۳۹/۱۸۵۹) اِلَّا فِیْ کُلَّمَا فَاِنَّ الطَّلَاقَ یَتَکَرَّرُ بِتَکَرُّرِ الشَّرْطِ حَتّٰی یَقَعَ ثَلٰثُ تَطْلِیْقَاتٍ.

ترجمہ: مگر لفظ کلما کہ اس میں طلاق مکرر ہوگی شرط کے مکرر ہونے سے یہاں تک کہ واقع ہوں گی تین طلاقیں۔

تشریح: لفظ 'کلما' تمام الفاظ شرط سے مستثنیٰ ہے یہ عمومیت اور تکرار چاہتا ہے چناں چہ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک مرتبہ پائے جانے سے قسم پوری نہیں ہوتی بلکہ قسم کے پورا ہونے کے لئے تین مرتبہ شرط کا پایا جانا ضروری ہے لہٰذا طلاق شرط کے مکرر ہونے سے مکرر ہوگی یعنی ہر مرتبہ طلاق واقع ہوگی یہاں تک کہ تین مرتبہ اس طلاق کا تحقق ہو جائے تب 'کلما' کا تقاضہ ختم ہوگا اب اگر کوئی شخص یوں کہے کلما تزوجت امرأۃ فھی طالق تو وہ جب بھی نکاح کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی۔

(۴۰/۱۸۶۰) فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ ذَالِكَ وَتَكَرَّرَ الشَّرْطُ لَمْ يَقَعْ شَیْءٌ

ترجمہ: (۱۸۴۷)(۳۹) پھر اگر شادی کرے اس سے اس کے بعد اور شرط مکرر ہو تو کچھ واقع نہ ہوگا۔

تشریح: یہ مسئلہ کلما پر متفرع ہے چناں چہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کلما دخلت الدار فانت طالق بس عورت یکے بعد دیگرے تین مرتبہ گھر میں داخل ہوئی تو اس کو تین طلاقیں ہو جائے گی اس کے بعد عورت نے دوسرے شوہر سے شادی کی پھر اس نے طلاق دی اور اس عورت نے پہلے شوہر سے شادی کی اور چوتھی مرتبہ شرط پائی گئی یعنی وہ عورت پھر گھر میں داخل ہوگئی تو اب کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۴۱/۱۸۶۱) وَزَوَالُ الْمِلْكِ بَعْدَ الْيَمِيْنِ لَايُبْطِلُهَا.

ترجمہ: اور ملک کا زائل ہو جانا قسم کے بعد باطل نہیں کرتا قسم کو۔

تشریح: صاحب کتاب نے اس عبارت میں ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ اگر قسم کے بعد مرد کی ملک زائل ہوگئی تو قسم باطل نہیں ہوگی صورت اس کی یہ ہے کہ مرد نے اپنی بیوی سے کہا، ان دخلت الدار فانت طالق اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے اب شوہر نے الگ سے طلاق بائنہ دے کر علیحدہ کر دیا تو اس زوال ملک کی وجہ سے یمین

باطل نہیں ہوگی، اس کی پھر دو صورتیں ہیں جن کا بیان اگلی عبارت میں ہے۔

(۴۲/۱۸۶۲) فَاِنْ وُجِدَ الشَّرْطُ فِيْ مِلْكٍ اِنْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَاِنْ وُجِدَ فِيْ غَيْرِ الْمِلْكِ اِنْحَلَّتِ الْيَمِيْنُ وَلَمْ يَقَعْ شَيْئٌ.

ترجمہ: پھر اگر شرط پائی گئی ملک میں تو قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع ہوگی اور اگر پائی گئی، ملک کے علاوہ میں تو قسم پوری ہو جائے گی اور کچھ واقع نہ ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں فاء برائے تفصیل ہے اور ماقبل کے قاعدہ کی وضاحت ہے فرماتے ہیں کہ جس بیوی کو طلاق بائنہ دے کر الگ کر دیا تھا پھر اس کے بعد دو صورتیں ہیں (۱) شرط ملک میں پائی جائے مثلاً اس شخص نے اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا پھر شرط پائی گئی یعنی بیوی گھر میں داخل ہوگئی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور قسم بھی پوری ہو جائے گی اب اگر دوبارہ گھر میں داخل ہوگی تو اب دوسری مرتبہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۲) شرط غیر ملک میں پائی جائے مثلاً دوبارہ نکاح سے پہلے ہی شرط پائی گئی تو اس صورت میں قسم تو پوری ہوگئی، کیوں کہ شرط پائی گئی ہے البتہ طلاق واقع نہیں ہوئی کیوں کہ وہ اس وقت بیوی نہیں تھی۔

(۴۳/۱۸۶۳) وَاِذَا اخْتَلَفَا فِيْ وُجُوْدِ الشَّرْطِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ فِيْهِ اِلَّا اَنْ تُقِيْمَ الْمَرْاَةُ الْبَيِّنَةَ.

ترجمہ: اور جب اختلاف کریں دونوں شرطوں کے پائے جانے میں تو شوہر کا قول معتبر ہوگا مگر یہ کہ عورت گواہ قائم کر دے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اور اس کی بیوی نے شرط کے پائے جانے میں اختلاف کیا مثلاً شوہر کہتا ہے کہ شرط نہیں پائی گئی اور نہ طلاق واقع ہوئی اور عورت کہتی ہے کہ شرط پائی گئی اس لیے مجھے طلاق واقع ہوگئی تو ایسی صورت میں اگر عورت کے پاس گواہ موجود نہ ہوں تو شوہر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، ہاں اگر عورت نے گواہ پیش کر دیئے تو عورت کے مطابق فیصلہ ہوگا، کیوں کہ عورت مدعیہ ہے اس لیے اس پر گواہ لازم ہیں اور شوہر مدعیٰ علیہ ہے اور منکر ہے اس لیے اگر گواہ نہ ہوں تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔

(۴۴/۱۸۶۴) فَاِنْ كَانَ الشَّرْطُ لَا يُعْلَمُ اِلَّا مِنْ جِهَتِهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا فِيْ حَقِّ نَفْسِهَا مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ اِنْ حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ.

ترجمہ: پھر اگر شرط معلوم نہ ہو سکتی ہو مگر عورت کی جانب سے تو عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اس کی ذات کے حق میں مثلاً یوں کہے کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اس نے کہا مجھے حیض آ گیا تو طلاق ہو جائے گی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرط ایسی چیز ہے جس کا علم صرف عورت کو ہو سکتا ہے دوسروں کو نہیں ہو سکتا

تو شرط پائے جانے میں اس کا قول صرف اس کی ذات کے حق میں قبول ہوگا، مثلاً یوں کہا کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے عورت نے کہا کہ مجھے حیض آیا ہے تو اس کے کہنے پر بھروسہ کرتے ہوئے طلاق واقع کردی جائے گی۔

(۱۸۶۵/۴۵) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَفُلَانَةٌ مَعَكِ فَقَالَتْ قَدْ حِضْتُ طُلِّقَتْ هِیَ وَلَمْ تُطَلَّقْ فُلَانَةٌ.

ترجمہ: اور اگر کہا اس سے اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق اور تیرے ساتھ فلانہ کو طلاق اس نے کہا مجھے حیض آ گیا تو طلاق ہوگی صرف اسی کو اور فلانہ کو طلاق نہیں ہوگی۔

تشریح: شوہر نے کہا کہ اگر تجھے حیض آئے تو تجھے بھی طلاق اور تیرے ساتھ تیری سوکن کو بھی طلاق اس کے بعد عورت نے کہا کہ مجھے حیض آ گیا تو اس کہنے پر اسی عورت کو طلاق ہوگی اور سوکن کو طلاق نہیں ہوگی کیوں کہ یہ عورت اپنی سوتن پر طلاق واقع ہونے کے سلسلہ میں شاہدہ ہے بلکہ متہمہ ہے، کیوں کہ کبھی انسان یہ چاہتا ہے کہ میں رہوں یا نہ رہوں لیکن میرا حریف نہ رہے ممکن ہے اس عورت کے دل میں یہی بات ہو اس لیے اس عورت کا قول کہ مجھے حیض آ گیا اس کی سوتن کے حق میں قابل قبول نہ ہوگا۔

(۱۸۶۶/۴۶) وَاِذَا قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَرَأَتِ الدَّمَ لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ حَتّٰى يَسْتَمِرَّ الدَّمُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِذَا تَمَّتْ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ حَكَمْنَا بِوُقُوْعِ الطَّلَاقِ مِنْ حِيْنَ حَاضَتْ.

ترجمہ: اور جب کہا مرد نے عورت سے کہ جب تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اب اس نے خون دیکھا تو طلاق واقع نہ ہوگی یہاں تک خون جاری رہے تین دن تک جب تین دن پورے ہو جائیں تو ہم حکم لگائیں گے وقوع طلاق کا جس وقت سے حائضہ ہوئی ہے۔

تشریح: شوہر نے حیض آنے پر طلاق معلق کی عورت کو تھوڑا سا خون آیا تو معلوم نہیں ہوگا کہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا اس لئے تین دن تک انتظار کیا جائے گا جب تین دن تک آیا تو پتہ چلا کہ حیض کا خون ہے، اب طلاق کا فیصلہ کریں گے اس وقت سے جب سے خون آنا شروع ہوا تھا، کیوں کہ تین دن تک خون جاری رہنے کی وجہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ خون رحم کا ہے لہٰذا اول امر ہی سے حیض شمار ہوگا۔

(۱۸۶۷/۴۷) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِذَا حِضْتِ حَيْضَةً فَاَنْتِ طَالِقٌ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضِهَا.

ترجمہ: اور اگر عورت سے کہے کہ جب تو حائضہ ہو ایک حیض کر کے تو تجھے طلاق ہے تو نہیں طلاق ہوگی یہاں تک کہ حیض سے پاک ہو جائے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا اذا حضت حیضةً فانت طالق تو یہ عورت مطلقہ نہ

ہوگی یہاں تک اپنے اس حیض سے پاک ہوجائے، کیوں کہ حیضۃ بالتاء حیض کامل کو کہتے ہیں اور حیض کا کمال اس کے ختم ہونے سے ہوگا اور ختم ہونا طہر سے ہوگا۔

(۱۸۶۸/۴۸) وَطَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْداً وَطَلَاقُ الْحُرَّةِ ثَلَاثٌ حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْعَبْداً.

ترجمہ: اور باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں آزاد ہو اس کا شوہر یا غلام، اور آزاد عورت کی طلاقیں تین ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

تشریح: طلاق میں مرد کے حال کا اعتبار ہے یا عورت کے؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) حنفیہ کے نزدیک طلاق کے عدد میں عورتوں کا اعتبار ہے یعنی باندی کی دو طلاقیں ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام اور آزاد عورت کی تین طلاقیں ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، لہٰذا باندی دو طلاقوں سے مغلظہ ہوجائے گی اور آزاد تین طلاقوں سے۔

(۲) جمہور اور ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک طلاق کا مدار مردوں پر ہے مرد اگر آزاد ہے تو اس کی بیوی تین سے کم میں مغلظہ نہ ہوگی اور اگر غلام ہے تو دو میں مغلظہ ہوجائے گی خواہ بیوی کیسی ہی ہو۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے ہے اَلطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ. (الدرایۃ ۷۰/۲) طلاق مردوں کے ساتھ ہے اور عدت عورتوں کے ساتھ ہے اس حدیث میں طلاق اور عدت کے درمیان مقابلہ کیا گیا ہے لہٰذا مقابلہ کو ثابت کرنے کے لئے طلاق میں مردوں کے حال کا اعتبار ہوگا۔

جواب: صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ الطلاق بالرجال کے معنی ہیں ایقاع الطلاق بالرجال یعنی طلاق واقع کرنا مردوں کے اختیار میں ہے، اس تاویل کے بعد یہ حدیث شوافع کا مستدل نہیں بن سکتی، نیز یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے حافظ فرماتے ہیں کہ لم اجدہ مرفوعاً، الدرایۃ فی تخریج احادیث الهدایہ (۷۰/۲) اور شوافع کے نزدیک حدیث موقوف قابل استدلال نہیں ہوتی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: عن عائشة عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان (ترمذی ۱۴۱/۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باندی کی طلاق دو ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عدد طلاق میں عورتیں معتبر ہیں نہ کہ مرد۔

(۱۸۶۹/۴۹) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا ثَلٰثاً وَقَعْنَ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اور جب طلاق دی مرد نے اپنی بیوی کو صحبت کرنے سے پہلے تین تو واقع ہوجائیں گی۔

غیر مدخول بہا عورت کی طلاق کا بیان

تشریح: اگر کسی نے اپنی بیوی کو صحبت سے پہلے بیک وقت تین طلاقیں دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی کیوں کہ جب طلاق کے بعد عدد مذکور ہو تو طلاق عدد کے مطابق واقع ہوتی ہے اور غیر مدخولہ تین طلاقوں کا محل ہے۔

(۱۸۷۰/۵۰) وَإِنْ فَرَّقَ الطَّلَاقَ بَانَتْ بِالْأُوْلٰى وَلَمْ تَقَعِ الثَّانِيَةُ وَالثَّالِثَةُ.

ترجمہ: اور اگر جدا جدا دیں تو بائنہ ہو جائے گی پہلی ہی سے اور دوسری اور تیسری واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غیر مدخول بہا کو تین طلاق الگ الگ کر کے دی مثلاً کہا انت طالق طالق طالق تو پہلے لفظ طلاق سے عورت بائنہ ہو جائے گی اور دوسری و تیسری واقع نہیں ہوگی کیوں کہ ان دونوں کے وقوع کے لئے عورت محل باقی نہیں رہی لہٰذا یہ دونوں لفظ لغو ہوں گے۔

(۱۸۷۱/۵۱) وَإِنْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور اگر کہے اس سے تجھے طلاق ہے ایک اور ایک تو اس پر واقع ہوگی ایک۔

تشریح: چوں کہ پہلے ایک کہا تو پہلی ہی طلاق میں غیر مدخول بہا بائنہ ہو کر چلی جائے گی اور بیوی باقی نہیں رہے گی اس لیے آگے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۱۸۷۲/۵۲) وَلَوْ قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً قَبْلَ وَاحِدَةٍ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور اگر کہا عورت سے تجھے طلاق ہے ایک ایک سے پہلے تو واقع ہوگی اس پر ایک۔

تشریح: غیر مدخول بہا سے یوں کہا تجھے ایک طلاق ہے تو وہ واقع ہوگئی اور دوسری واقع ہونے کا موقع نہیں رہا اور چوں کہ جدا جدا واقع ہوئی اس لیے ایک ہی طلاق واقع ہوگی متن کے مسئلہ میں لفظ قبل ماقبل کی صفت ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ واحدہ اولی پہلے واقع ہوئی اور واحدہ ثانیہ بعد میں جب واحدہ اولی واقع ہوئی تو غیر مدخول اسی سے بائنہ ہوگئی آگے کا محل ہی باقی نہ رہی۔

(۱۸۷۳/۵۳) وَإِنْ قَالَ لَهَا وَاحِدَةً قَبْلَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ عَلَيْهَا ثِنْتَانِ.

ترجمہ: اور اگر کہے اس کو طلاق ہے ایسی ایک کہ اس سے پہلے بھی ایک ہے تو واقع ہوں گی دو۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے کہا انت طالق واحدة قبلها واحدة تو اس صورت میں دو طلاقیں واقع ہوں گی، یہاں لفظ قبل مابعد کی صفت ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ تجھ کو ایک طلاق ہے اس سے پہلے ایک

طلاق اس کلام کا تقاضہ یہ ہے کہ دوسری طلاق کا وقوع ماضی میں ہو اور پہلی طلاق کا وقوع حال میں ہو، مگر چوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ ماضی میں واقع کرنا وہ فی الحال واقع کرنے کے مثل ہے اس بنا پر دونوں طلاقیں زمانہ حال میں ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی۔

(۵۴/۱۸۷۴) وَاِنْ قَالَ وَاحِدَةً بَعْدَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور اگر کہے ایک اس کے بعد ایک تو واقع ہوگی اس پر ایک۔

تشریح: اگر کسی نے غیر مدخول بہا سے انت طالق واحدة بعدها واحدة کہا تب بھی ایک طلاق واقع ہوگی کیوں کہ اگر وہ بعدیت کے ساتھ متصف نہ کرتا تب بھی دوسرے طلاق واقع نہ ہوتی۔

(۵۵/۱۸۷۵) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَ وَاحِدَةٍ اَوْ مَعَهَا وَاحِدَةٌ وَقَعَتْ ثِنْتَانِ.

ترجمہ: اور اگر کہے تجھے طلاق ہے ایک ایک کے بعد یا ایک کے ساتھ یا اس کے ساتھ ایک ہے تو واقع ہوں گی دو۔

تشریح: مسئلہ (۵۲) سے (۵۵) تک جو چار مسائل بیان کئے ہیں یہ دو قاعدوں پر موقوف ہیں، قاعدہ اولیٰ یہ ہے کہ ظرف یعنی لفظ قبل اور بعد جب ہاء کنایہ یعنی ضمیر کے ساتھ مقید کیا جائے تو ظرف بعد کے لئے صفت ہوگا اور اگر ہاء کنایہ کے ساتھ مقید نہ کیا جائے تو اپنے ماقبل کی صفت ہوگا قاعدہ ثانیہ یہ ہے کہ ایقاع فی الماضی ایقاع فی الحال ہوتا ہے یعنی زمانہ ماضی کی طرف منسوب کر کے اگر طلاق واقع کی جائے تو وہ زمانہ حال میں واقع ہوگی نہ کہ ماضی میں ان دو قاعدوں کے علاوہ ایک بات یہ بھی ذہن نشین رہے کہ غیر مدخول بہا عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جاتی ہے اور اس پر عدت واجب نہیں ہوتی اور نہ ہی ایک کے بعد محل طلاق رہتی ہے، اب صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی سے انت طالق واحدة بعد واحدة الخ تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔

(۵۶/۱۸۷۶) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طَالِقٌ وَاحِدَةً وَوَاحِدَةً فَدَخَلَتِ الدَّارَ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا تَقَعُ ثِنْتَانِ.

ترجمہ: اور اگر عورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے ایک اور ایک وہ گھر میں داخل ہوگئی تو اس پر ایک واقع ہو جائے گی امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ دو واقع ہوں گی۔

کلمہ واؤ کے ذریعہ طلاق دینے سے کتنی واقع ہوں گی؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر متعدد طلاقیں شرط پر معلق کی گئیں ہیں اور ایک کا دوسری پر واو کے ذریعہ

عطف کیا گیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں شرط مقدم ہوگی یا مؤخر اگر موخر ہے مثلاً کہا انت طالق واحدة وواحدة ان دخلت الدار پھر عورت گھر میں داخل ہوگئی تو بالاتفاق دونوں واقع ہو جائیں گی، اور اگر شرط پر مقدم ہے مثلاً کہا ان دخلت الدار فانت طالق واحدة وواحدة اور غیر مدخول بہا گھر میں داخل ہوگئی تو اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ کتنی طلاقیں واقع ہوں گی؟

امام صاحب فرماتے ہیں کہ ایک واقع ہوگی اور صاحبین کے نزدیک اس صورت میں دو واقع ہوں گی۔

امام صاحب کی دلیل: کلمہ واو اتصال اور ترتیب دونوں کا احتمال رکھتا ہے یہاں اگر اتصال کے معنی کی رعایت کی جائے تو دو واقع ہوں گی اور اگر ترتیب کے معنی کا لحاظ کیا جائے تو ایک واقع ہوگی، پس معلوم ہوا کہ ایک طلاق سے زائد میں شک ہے اور شک کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اس لیے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوگی۔

صاحبین کی دلیل: کلمہ واؤ مطلقاً جمع کے لئے آتا ہے لہٰذا دونوں طلاقیں جمع ہو کر معلق ہوں گی اور یکبارگی واقع ہوں گی جس طرح شرط کو مؤخر کرنے کی صورت میں بالاتفاق دو واقع ہوتی ہیں اسی طرح تقدیم کی صورت میں بھی دو واقع ہوں گی۔

جواب: آپ نے تقدیم شرط کی صورت کا تاخیر شرط کی صورت پر قیاس کیا ہے، ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس صحیح نہیں، کیوں کہ تاخیر کی صورت میں شرط کلام اول کو بدلنے والی ہے لہٰذا اول کلام شرط پر موقوف رہے گا اب شرط پائے جانے کے بعد دونوں طلاقیں ایک دم واقع ہو جائیں گی اور تقدیم کی صورت میں اول کلام کو بدلنے والی کوئی چیز موجود نہیں چناں چہ اول کلام آخر کلام پر موقوف بھی نہ ہوگا اس لیے دونوں طلاقیں علی الترتیب واقع ہوں گی اور عورت چوں کہ غیر مدخول بہا ہے اس لیے وہ پہلی ایک سے ہی بائنہ ہو جائے گی۔

(۵۷/۱۸۷۷) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ بِمَكَّةَ فَهِيَ طَالِقٌ فِي الْحَالِ فِيْ كُلِّ الْبِلَادِ.

ترجمہ: اور اگر کہے بیوی سے تجھے طلاق ہے مکہ میں تو فی الحال طلاق واقع ہو جائے گی ہر شہر میں۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم کو مکہ میں طلاق ہے تو طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی خواہ وہ دنیا کے کسی بھی شہر میں ہو کیوں کہ طلاق کسی شہر کے ساتھ خاص نہیں ہوتی بلکہ ہر جگہ واقع ہوتی ہے۔

(۵۸/۱۸۷۸) وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ فِي الدَّارِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر کہا کہ تجھے طلاق ہے گھر میں۔

تشریح: اگر بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے گھر میں تو چوں کہ گھر میں داخل ہونے کی شرط پر معلق نہیں کیا تو فوراً ہی طلاق واقع ہوگی چاہے گھر میں داخل ہوئی ہو یا نہ ہوئی۔

(۵۹/۱۸۷۹) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ اِذَا دَخَلْتِ بِمَكَّةَ لَمْ تُطَلَّقْ حَتّٰى تَدْخُلَ مَكَّةَ.

ترجمہ: اور اگر بیوی سے کہا کہ تجھے طلاق ہے جب تو داخل ہو مکہ میں تو طلاق نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ داخل ہو جائے مکہ میں۔

تشریح: مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی شرط پر طلاق کو معلق کیا تو داخل ہونے سے قبل طلاق واقع نہیں ہوگی کیوں کہ طلاق دخول مکہ پر معلق کی ہے اس لیے اس سے پہلے واقع نہ ہوگی۔

(۱۸۸۰/۶۰) وَاِنْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ غَداً وَقَعَ عَلَيْهَا الطَّلَاقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِيْ.

ترجمہ: اور اگر کہا تجھے طلاق ہے کل تو اس پر طلاق واقع ہوگی صبح صادق کے طلوع ہونے سے۔

تشریح: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تجھ کو کل طلاق ہے تو اس صورت میں عورت پر طلاق صبح صادق کے طلوع کے ساتھ ہی واقع ہو جائے گی صبح صادق سے شروع ہو کر شام تک کو 'غد' کہتے ہیں اس لیے غد یعنی کل پر طلاق معلق کی اور کوئی نیت نہیں کی تو اول وقت پر طلاق واقع ہوگی، ہاں اگر دن کے کسی اور حصہ کی نیت کرے تو چوں کہ غد اس کا احتمال رکھتا ہے اس لیے دیانت کے طور پر اس کی تصدیق کی جائے گی۔

(۱۸۸۱/۶۱) وَاِنْ قَالَ لِامْرَأَتِهٖ اِخْتَارِيْ نَفْسَكِ يَنْوِيْ بِذٰلِكَ الطَّلَاقَ اَوْ قَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا مَادَامَتْ فِيْ مَجْلِسِهَا ذَالِكَ فَاِنْ قَامَتْ مِنْهُ اَوْ اَخَذَتْ فِيْ عَمَلٍ آخَرَ خَرَجَ الْاَمْرُ مِنْ يَدِهَا.

ترجمہ: اور اگر کہا اپنی بیوی سے تو اپنے آپ کو اختیار کر لے اس سے نیت کی اس نے طلاق کی یا کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے تو اس کے لئے اختیار ہے کہ اپنے آپ کو طلاق دے لے جب تک کہ وہ اپنی اس مجلس میں موجود ہے، اگر اس سے اٹھ کھڑی ہوئی یا کسی دوسرے میں لگ گئی تو اختیار اس کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

طلاق سپرد کرنے کا بیان

تشریح: اگر کسی نے طلاق کی نیت سے اپنی بیوی سے کہا اختاری نفسک یا طلقی نفسک تو ان دونوں صورتوں میں عورت کو اسی مجلس میں طلاق دینے کا اختیار ہے اور طلاق دینے سے استحسانا طلاق پڑ جائے گی لیکن اگر مجلس سے اٹھ گئی اور دوسرے کام میں مشغول ہوگئی تو اختیار ختم ہو جائے گا، کیوں کہ عورت کو طلاق کا اختیار دینا حقیقت میں اس کو طلاق کا مالک بنانا ہے اور مالک بنانے کا جواب مجلس میں ملنا چاہئے، جیسا کہ بیع میں جس مجلس میں ایجاب ہو اسی میں قبول پایا جانا چاہئے ورنہ قبول کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔

(۱۸۸۲/۶۲) وَاِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فِيْ قَوْلِهٖ اخْتَارِيْ نَفْسَكِ كَانَتْ وَاحِدَةً بَائِنَةً وَلَا يَكُوْنُ ثَلٰثاً وَاِنْ

نَوَی الزَّوْجُ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور اگر وہ اختیار کرلے اپنے آپ کو اس کے قول 'اختاری نفسك' میں تو ایک طلاق بائنہ ہوگی اور تین نہیں ہوں گی اگرچہ شوہر تین کی نیت کرے۔

تشریح: شوہر نے عورت سے 'اختاری نفسك' کہا تھا عورت نے اس مجلس میں اپنے آپ کو اختیار کرلیا یعنی اپنے آپ کو شوہر سے جدا کرلیا تو اس سے ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی لیکن اس لفظ سے عورت تین طلاقیں دینا چاہے تو نہیں دے سکتی چاہے شوہر نے تین کی نیت کی ہو کیوں کہ اختیار میں تقسیم نہیں ہوتی۔

(۱۸۸۳/۶۳) وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ النَّفْسِ فِيْ كَلَامِهٖ اَوْ فِيْ كَلَامِهَا.

ترجمہ: اور ضروری ہے لفظ نفس کا ذکر کرنا شوہر کے کلام میں یا بیوی کے کلام میں۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ 'اختیار' سے طلاق واقع کرنے کی صورت میں میاں بیوی میں سے کسی ایک کے کلام میں لفظ نفس یا اس کے قائم مقام مثلاً تطلیقۃ کا ذکر کرنا ضروری ہے، کیوں کہ لفظ 'اختاری' کنایہ ہے تو اختاری کے معنی طلاق کے علاوہ کسی اور چیز کا اختیار کرنا ہوجائے گا اس لئے دونوں میں سے کسی ایک کے کلام میں نفس کے لفظ کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

(۱۸۸۴/۶۴) وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا فِيْ قَوْلِهٖ طَلِّقِيْ نَفْسَكِ فَهِيَ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے لی اپنے آپ کو اس کے قول طلقی نفسك میں تو یہ ایک رجعی ہوگی۔

تشریح: شوہر نے بیوی سے کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دے لو عورت نے اپنے آپ کو اپنے اختیار سے طلاق دے لی تو اس سے ایک طلاق رجعی ہوگی کیوں کہ طلقی کا لفظ صریح ہے اور صریح سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

(۱۸۸۵/۶۵) وَاِنْ طَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلٰثاً وَقَدْ اَرَادَ الزَّوْجُ ذَالِكَ وَقَعْنَ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اور اگر عورت نے اپنے آپ کو تین طلاقیں دے لیں اور شوہر نے بھی اس کی نیت کرلی تو تینوں واقع ہوجائیں گی۔

تشریح: شوہر نے بیوی سے 'طلقی نفسك' کہا تھا اس کی وجہ سے عورت نے اپنے اوپر تین طلاقیں دے لیں تو تینوں واقع ہوجائیں گی، کیوں کہ 'طلقی' امر کا صیغہ ہے اور اس میں مصدر پوشیدہ ہے اور مصدر جنس ہے جو آخری عدد تین کا احتمال رکھتا ہے اس لئے اس احتمال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شوہر تین کی نیت کرے اور عورت تین طلاقیں دے تو واقع ہوجائیں گی۔

(۱۸۸۶/۶۶) وَاِنْ قَالَ لَهَا طَلِّقِيْ نَفْسَكِ مَتٰى شِئْتِ فَلَهَا اَنْ تُطَلِّقَ نَفْسَهَا فِي الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهٗ.

ترجمه: اور اگر عورت سے کہا طلاق دے لے اپنے آپ کو جس وقت تو چاہے تو عورت کو اختیار ہے کہ اپنے نفس کو طلاق دے مجلس میں اور مجلس کے بعد۔

تشریح: اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا طلقی نفسك متی شئت تو عورت کو اختیار ہے مجلس میں طلاق واقع کرے یا مجلس کے بعد کیوں کہ کلمہ متی تمام اوقات میں عام ہے پس عموم وقت کی وجہ سے عورت کو ہر وقت اختیار حاصل ہوگا مجلس میں طلاق دے یا مجلس کے بعد۔

(۱۸۸۷/۶۷) وَاِذَا قَالَ لِرَجُلٍ طَلِّقِ امْرَأَتِیْ فَلَهٗ اَنْ یُطَلِّقَهَا فِی الْمَجْلِسِ وَبَعْدَهٗ.

ترجمه: اور جب کہا کسی مرد سے میری بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے لئے اختیار ہے کہ وہ اس کو طلاق دے مجلس میں اور مجلس کے بعد۔

تشریح: ایک مرد نے دوسرے سے کہا کہ 'طلق امرتی' یعنی دوسرے آدمی کو طلاق دینے کے لئے کہا تو یہ مالک بنانا نہیں ہے بلکہ طلاق دینے کا وکیل بنانا ہے اور وکالت مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوتی، اس لیے مجلس کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے۔

(۱۸۸۸/۶۸) وَاِنْ قَالَ طَلِّقْهَا اِنْ شِئْتَ فَلَهٗ اَنْ یُطَلِّقَهَا فِی الْمَجْلِسِ خَاصَّةً.

ترجمه: اور اگر کہا اس کو طلاق دے دے اگر تو چاہے تو وہ طلاق دے سکتا ہے صرف مجلس میں۔

تشریح: ایک آدمی سے شوہر نے کہا کہ اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دے دے تو اس صورت میں صرف مجلس تک طلاق دینے کا اختیار رہے گا، مجلس کے بعد نہیں کیوں کہ طلقها ان شئت ایسی تملیک ہے جس میں تعلیق کے معنی پائے جاتے ہیں چناں چہ تملیک کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ اختیار مجلس کے ساتھ مقید ہوگا اور تعلیق کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے یہ تصرف لازم ہوگا اور شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

(۱۸۸۹/۶۹) وَاِنْ قَالَ لَهَا اِنْ كُنْتِ تُحِبِّیْنِیْ اَوْ تُبْغِضِیْنِیْ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَقَالَتْ اَنَا اُحِبُّكَ اَوْ اُبْغِضُكَ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَاِنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهَا خِلَافُ مَا ظَهَرَتْ.

ترجمه: اور اگر اس سے کہا کہ اگر تو مجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہے تو تجھے طلاق اس نے کہا میں تجھ سے محبت یا بغض رکھتی ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی اگر چہ اس کے دل میں اس کے خلاف ہو جو ظاہر کیا۔

تشریح: شوہر نے عورت سے کہا کہ اگر تم کو مجھ سے محبت ہے تو تم کو طلاق اس پر عورت نے کہا کہ مجھ کو تم سے محبت ہے اور دل میں نفرت تھی، یا شوہر نے کہا کہ اگر تم کو مجھ سے بغض اور دشمنی ہے تو تم کو طلاق اس کے جواب میں عورت نے کہا کہ میں تم سے بغض رکھتی ہوں اور دل میں محبت ہے تو دونوں صورتوں میں طلاق پڑ جائے گی، کیوں کہ دل

کے اندر کیا ہے اس پر فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ زبان سے جو جملہ نکلا اس پر فیصلہ ہوگا۔

(۱۸۹۰/۷۰) وَاِنْ طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقاً بَائِناً فَمَاتَ فَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْ مِنْهُ وَاِنْ مَاتَ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے دے کوئی اپنی بیوی کو اپنے مرض الموت میں طلاق بائن پھر مر جائے اس حال میں کہ وہ عدت میں تھی تو وہ اس کی وارث ہوگی اور اگر مرے اس کی عدت گذرنے کے بعد تو عورت کیلئے میراث نہ ہوگی۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو مرض وفات میں طلاق بائن دی ابھی وہ عدت ہی میں تھی کہ شوہر کا انتقال ہوگیا تو عورت شوہر کے مال کی وارث ہوگی طلاق کی وجہ سے کچھ فرق نہ پڑے گا، اس وجہ سے کہ عدت کے ختم ہونے تک من وجہ یہ اس کی بیوی ہے اور زوجیت کے بعض احکام اس پر ابھی بھی جاری ہیں مثلاً اسی کے مکان پر رہنا واجب ہے اس کی دوسری بہن سے نکاح نہیں کرسکتا اور نہ یہ خود نکاح کرسکتی ہے یہی حکم تین طلاق دینے کی صورت میں بھی ہوگا اور طلاق رجعی میں بدرجہ اولی وراثت جاری ہوگی، کیوں کہ اس میں تو حق زوجیت بدرجہ اتم باقی ہے حتی کہ وطی کرنا حلال ہے، اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر شوہر کا انتقال عدت پوری ہونے کے بعد ہوا تو اس صورت میں عورت شوہر کی وارث نہیں ہوگی، یہ تمام احکامات اس وقت ہیں جب کہ بیوی نے خود طلاق کا سوال کیا تھا تب وراثت نہ ملے گی اس لیے کہ یہ خود ہی اپنے حق کو باطل کرنے پر رضامند ہے۔

(۱۸۹۱/۷۱) وَاِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى مُتَّصِلاً لَمْ يَقَعِ الطَّلَاقُ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اگر اپنی بیوی سے کہا تجھے طلاق ہے اگر اللہ نے چاہا تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: مرد نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق ان شاء اللہ اور لفظ ان شاء اللہ انت طالق کے ساتھ متصلا کہا تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیوں کہ اللہ کے چاہنے کا پتہ نہیں اس لیے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(۱۸۹۲/۷۲) وَاِنْ قَالَ لَهَا اَنْتِ طَالِقٌ ثَلٰثاً اِلَّا وَاحِدَةً طُلِّقَتْ ثِنْتَيْنِ.

ترجمہ: اور اگر بیوی سے کہا تجھے تین طلاقیں ہیں مگر ایک تو طلاق واقع ہوں گی دو۔

تشریح: تین طلاق میں سے ایک کا استثناء کر کے ساقط کر دیا تو دو طلاقیں رہیں اس لیے دو طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔

(۱۸۹۳/۷۳) وَاِنْ قَالَ ثَلٰثاً اِلَّا ثِنْتَيْنِ طُلِّقَتْ وَاحِدَةً.

ترجمہ: اور اگر کہا تین ہیں مگر دو تو ایک واقع ہوگی۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ استثناء کرنے کے بعد جو باقی رہتا ہے اعتبار اس کا ہوتا ہے یہاں استثناء کے بعد ایک

باقی رہی اس لیے ایک طلاق واقع ہوگی۔

(۱۸۹۴/۷۴) وَاِذَا مَلَكَ الزَّوْجُ امْرَأَتَهُ اَوْ شِقْصاً مِّنْهَا اَوْ مَلَكَتِ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا اَوْ شِقْصاً مِنْهُ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور اگر مالک ہو جائے شوہر اپنی بیوی کا یا اس کے ایک حصہ کا یا بیوی مالک ہو جائے شوہر کی یا اس کے کچھ حصہ کی تو دونوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔

تشریح: شوہر آزاد تھا اس کی بیوی باندی تھی بعد میں اسکو اس کے آقاء سے خرید لیا یا وارث بن گیا جسکی وجہ سے شوہر اس کے ایک حصہ کا مالک بن گیا یا بیوی آزاد تھی اس نے غلام سے شادی کی بعد میں بیوی نے شوہر کو یا اس کے ایک حصہ کو خرید لیا جس کی وجہ سے وہ شوہر کے ایک حصہ کی یا کل کی مالک بن گئی تو ان چاروں صورتوں میں نکاح ٹوٹ جائے گا چوں کہ آپس میں کل کا یا بعض کا مالک ہو جانا سبب تفریق ہے جو طلاق کے مشابہ ہے اس وجہ سے اس کو اس جگہ بیان کیا گیا۔

بَابُ الرَّجْعَةِ

(یہ باب رجعت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: چوں کہ رجعت طلاق سے طبعاً مؤخر ہے اس لیے وضعاً اور ذکراً بھی مؤخر کر دیا گیا تا کہ وضع طبع کے موافق ہو جائے۔ (عینی ۲/۳۲۲)

لغوی تحقیق: رجعت راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے مگر فتحہ کے ساتھ پڑھنا افصح ہے رجع یرجع باب ضرب سے ہے، معنی ہیں واپس آنا لوٹنا۔

اصطلاحی تعریف: رجعت اس ملکیت کو برابر باقی رکھنا جو نکاح کے ذریعہ قائم ہوئی ہے علامہ عینی نے لکھا ہے کہ رجعت کے لئے پانچ شرطیں ہیں (۱) عورت کو صریح الفاظ کے ساتھ طلاق دی گئی ہو یا بعض الفاظ کنایہ کے ساتھ جیسے اعتدی، انت واحدة (۲) طلاق کے عوض مال نہ ہو (۳) تین طلاقیں نہ دی گئی ہوں (۴) عورت مدخول بہا ہو (۵) عدت باقی ہو۔ (عینی شرح ہدایہ ۲/۳۲۲)

رجعت کا ثبوت کتاب اللہ سے

وَبُعُولَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحاً یعنی ان کے شوہر زیادہ حق دار ہیں بیویوں کے واپس کرنے کے اس عدت میں اگر وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں۔

حدیث سے ثبوت: ابن عمرؓ نے فرمایا کہ انہوں نے حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دی پس حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو رجوع کر لینا چاہئے (بخاری شریف ۲/۷۹۰) اس آیت اور حدیث سے رجعت کا ثبوت ہوا۔

(۱/۱۸۹۵) إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً رَجْعِيَّةً اَوْ تَطْلِيقَتَيْنِ فَلَهُ اَنْ يُرَاجِعَهَا فِيْ عِدَّتِهَا رَضِيَتِ الْمَرْأَةُ بِذٰلِكَ اَوْ لَمْ تَرْضَ.

ترجمہ: جب طلاق دی مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی تو اس کو اختیار ہے کہ اس سے رجعت کر لے عدت میں عورت راضی ہو اس سے یا راضی نہ ہو۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی مدخول بہا بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دے دیں تو مرد کو اختیار ہے کہ عدت کے زمانہ میں رجعت کر لے عورت اس رجعت پر خوش ہو یا ناخوش، کیوں کہ رجعت مرد کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔

(۲/۱۸۹۶) وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَّقُوْلَ لَهَا رَاجَعْتُكِ اَوْ رَاجَعْتُ امْرَأَتِيْ اَوْ يَطَأَهَا اَوْ يُقَبِّلَهَا اَوْ يَلْمَسَهَا بِشَهْوَةٍ اَوْ يَنْظُرَ اِلٰى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ.

حل لغات: یقبل: مضارع باب تفعیل مصدر تقبیلاً بوسہ لینا، یلمس: مضارع باب (ن، ض) لمساً چھونا۔

ترجمہ: اور رجعت یہ ہے کہ کہے عورت سے میں نے تجھ سے رجعت کر لی یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کر لی یا اس سے صحبت کر لے یا بوسہ لے لے یا چھو لے اس کو شہوت سے یا دیکھ لے اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ۔

رجعت کا طریقہ

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے رجعت کا طریقہ بیان کیا ہے رجعت کا طریقہ دو قسم پر ہے (۱) رجعت بالقول (۲) رجعت بالفعل، رجعت بالقول کی مثال مرد اپنی بیوی سے کہے راجعتک، میں نے تجھ سے رجعت کر لی یا کہے راجعت امرأتی میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا یہ الفاظ صریحی کی مثال ہے (۲) رجعت بالفعل کی مثال یہ ہے کہ شوہر عدت کے زمانہ میں مطلقہ رجعیہ سے وطی کر لے یا اس کا بوسہ لے لے یا عورت کو شہوت کے ساتھ چھو لے یا شہوت کے ساتھ فرج داخل کی طرف دیکھ لے، رجعت بالقول بلا اختلاف جائز ہے البتہ رجعت بالفعل کے متعلق اختلاف ہے احناف کے نزدیک جائز ہے شوافع کے یہاں تفصیل ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر رجعت قولی پر قادر ہے تو

بلاقول کے رجعت درست نہ ہوگی اور اگر رجعت قولی پر قادر نہیں ہے مثلاً شوہر گونگا ہے یا اس کی زبان کٹی ہوئی ہے تو ایسی صورت میں اشارہ سے رجعت درست ہو جائے گی۔

(۳/۱۸۹۷) وَيُسْتَحِبُّ لَهُ اَنْ يُشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ وَاِنْ لَمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ.

ترجمہ: اور مستحب ہے اس کے لئے کہ گواہ بنالے رجعت پر دو گواہ اور اگر گواہ نہ بنایا تب بھی رجعت صحیح ہو جائے گی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک رجعت پر دو گواہ بنانا مستحب ہے یعنی دو مسلمان مردوں سے کہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی ہے اور اگر گواہ نہیں بنایا ہے تب بھی رجعت صحیح ہے۔

(۴/۱۸۹۸) وَاِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ الزَّوْجُ قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعِيَّةٌ وَاِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَلَا يَمِيْنَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر عدت گذر گئی پھر شوہر نے کہا میں نے تجھ سے رجعت کرلی تھی عدت میں عورت نے تصدیق کردی تو رجعت ہوگئی اور اگر عورت نے اس کو جھٹلا دیا تو عورت کا قول معتبر ہوگا اور اس پر قسم نہیں ہوگی امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: عدت گذر جانے کے بعد شوہر نے کہا کہ میں نے تم سے عدت ہی میں رجعت کرلی تھی عورت نے اپنے شوہر کی تصدیق کردی کہ ہاں آپ نے عدت میں رجعت کرلی تھی تو رجعت ہو جائے گی اور اگر عورت نے شوہر کے قول کی تکذیب کردی اور شوہر کے پاس گواہ نہیں ہے تو عورت کی بات مانی جائے گی۔

دلیل: شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کو وہ فی الحال پیدا نہیں کرسکتا تو وہ اس میں متہم ہوگا مگر چوں کہ عورت کے تصدیق کردینے سے تہمت دور ہو جاتی ہے اس لیے تصدیق کی صورت میں رجعت ثابت ہو جائے گی، اور اگر تکذیب کردی تو عورت کا قول معتبر ہوگا، لیکن امام صاحب کے نزدیک قسم لازم نہ ہوگی کیوں کہ عورت شوہر کے قول کی منکرہ ہے اور آٹھ مسائل میں امام صاحب کے نزدیک منکر پر قسم لازم نہیں ہے ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔

(۵/۱۸۹۹) وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ لَمْ تَصِحَّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا کہ میں تجھ سے رجعت کر چکا ہوں عورت نے جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت گذر چکی ہے تو رجعت صحیح نہ ہوگی امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے عدت میں رجعت کر چکا ہوں

عورت نے اپنے شوہر کو فوراً جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری تو عدت بھی گذر چکی ہے تو امام صاحب کے نزدیک رجعت درست نہ ہوگی اور صاحبین نے فرمایا کہ رجعت صحیح ہو جائے گی۔

امام صاحب کی دلیل: رجعت کا قول عدت گذر جانے کے بعد پایا گیا ہے، کیوں کہ عورت عدت گزر جانے کی خبر دینے میں امین ہے اور جب عورت نے عدت گذر جانے کی خبر دی تو یہ خبر دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عدت کا گذر جانا خبر دینے سے مقدم ہے، تو اب حاصل یہ ہوگا کہ عدت پہلے گذر گئی اور رجعت بعد میں ہوئی اور جو رجعت عدت گذر جانے کے بعد ہوتی ہے وہ صحیح نہیں ہوتی۔

(۱۹۰۰/۶) وَاِذَا قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُكِ فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَكَذَّبَتْهُ الْاَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور جب کہا باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذر جانے کے بعد میں تجھ سے رجعت کر چکا تھا عدت میں اس پر آقا نے تصدیق کر دی اور باندی نے اس کو جھٹلایا تو باندی کا قول معتبر ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: اگر باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذر جانے کے بعد کہا کہ میں تجھ سے عدت میں رجعت کر چکا ہوں تو اس کی چار صورتیں ہیں (۱) آقا اور باندی دونوں اس کی تصدیق کر دیں، (۲) دونوں اس کی تکذیب کر دیں (۳) آقا تصدیق کرے اور باندی تکذیب کرے (۴) آقا تکذیب کرے اور باندی تصدیق کرے۔

پہلی صورت میں بالاتفاق رجعت درست ہے اور دوسری صورت میں بالاتفاق رجعت دست نہیں ہے مگر یہ کہ شوہر گواہ پیش کر دے تیسری صورت میں اگر شوہر کے پاس گواہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا اور اسی کے قائل امام زفر اور ائمہ ثلاثہ ہیں، اور صاحبین کے نزدیک آقا کا قول معتبر ہوگا اور چوتھی صورت میں صاحبین کے نزدیک آقا کا قول معتبر ہوگا امام صاحب کی بھی صحیح روایت یہی ہے یہاں عبارت میں تیسری صورت کا بیان ہے اس مسئلہ میں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ رجعت کے صحیح ہونے کا دارومدار عدت پر ہے اور عدت ختم ہوئی یا نہیں ہوئی اس میں عورت کا قول معتبر ہے، پس جو چیز عدت پر مبنی ہوگی یعنی رجعت اس میں بھی عورت ہی کا قول معتبر ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ شوہر کی طلاق کے بعد بضع کے منافع آقاء کے مملوک ہیں تو گویا شوہر بضع حاصل کرنے کا مدعی اور آقا اس کا منکر ہوا اور اگر گواہ نہ ہوں تو منکر کی بات مانی جاتی ہے اس لیے آقا کی بات مانی جائے گی۔

(۱۹۰۱/۷) وَاِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَاِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَاِنِ انْقَطَعَ الدَّمُ لِاَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ اَوْ تَتَيَمَّمَ وَتُصَلِّيَ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَاَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا تَيَمَّمَتِ الْمَرْاَةُ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَمْ تُصَلِّ.

ترجمہ: اور جب بند ہو جائے خون تیسرے حیض سے پورے دس دن پر تو رجعت ختم ہو جائے گی، اور پوری ہو جائے گی اس کی عدت اگر چہ غسل نہ کیا ہو اور اگر دس سے کم پر بند ہوا تو رجعت ختم نہ ہوگی، یہاں تک غسل کرے یا اس پر ایک نماز کا وقت گذر جائے یا تیمم کر کے نماز پڑھ لے شیخینؒ کے نزدیک اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جب عورت تیمم کر چکے تو رجعت ختم ہو جائے گی اگر چہ نماز نہ پڑھے۔

تشریح: چوں کہ حیض کا خون زیادہ سے زیادہ دس دن آسکتا ہے دس دن پورے ہونے کے بعد خون آنے کا امکان نہیں ہے، اس بنا پر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر پورے دس روز پر تیسرے حیض سے خون منقطع ہو گیا تو عدت ختم اور عدت ختم ہوتے ہی رجعت کا حق ختم اب غسل کا انتظار نہیں کیا جائے گا اور اگر دس روز سے کم میں خون بند ہوا تو ابھی خون آنے کا امکان ہے اس لیے ابھی رجعت کا حق ختم نہ ہوگا یہاں تک وہ عورت غسل کرے غسل کے بعد معلوم ہوگا کہ اب حیض کا خون نہیں آئے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ اس عورت پر نماز کا ایک وقت گزر جائے چوں کہ نماز کا وقت گزرنے سے اللہ کا حکم لازم ہو گیا اس لیے بندہ کا حق بھی اس کے ساتھ متعلق ہو جائے گا۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ تیمم کرے اور نماز پڑھے تب عدت ختم ہوگی کیوں کہ تنہا تیمم غسل کے قائم مقام ضرور ہے لیکن وہ ضرورت کے تحت ہے اس لیے تیمم کے بعد نماز پڑھے گی تو اللہ کی ذمہ داری اس پر آئے گی اس لیے اب عدت ختم ہوگی، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں تیمم اصل ہے اس لیے جس طرح غسل کرے تو عدت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح صرف تیمم کرے تو عدت ختم ہو جائے گی۔

(۱۹۰۲/۸) وَاِنِ اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئاً مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ عُضْواً كَامِلاً فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ.

ترجمہ: اور اگر عورت غسل کر لے اور بھول جائے اپنے بدن میں سے کچھ حصہ جس پر پانی نہیں بہا تو اگر پورا عضو یا اس سے زیادہ ہو تو رجعت ختم نہیں ہوگی اور اگر ایک عضو سے کم ہو تو رجعت ختم ہو جائے گی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہیکہ دس دن سے کم میں حیض کا خون ختم ہوا اس لیے مکمل غسل کرنے پر عدت ختم ہوگی اس نے غسل تو کیا لیکن مکمل ایک عضو پر پانی بہانا بھول گئی تو گویا غسل کیا ہی نہیں تو ابھی عدت باقی رہے گی اور شوہر کو ابھی رجعت کرنے کا حق ہوگا اور اگر ایک عضو سے کم خشک رہا تو چوں کہ بہت کم خشک رہا اور اتنے عضو پر جلدی خشکی آسکتی ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا لہٰذا اس صورت میں رجعت کرنے کا بھی حق نہ ہوگا۔ (اللباب ۱۸۲/۲)

(۱۹۰۳/۹) وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ.

حل لغات: تتشوف: باب تفعل سے بناؤ سنگھار کرنا، تتزین: زیب و زینت کرنا۔

ترجمہ: اور مطلقہ رجعی بناؤ سنگھار کرے گی اور زینت اختیار کرے گی۔

تشریح: جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہے اس کے لئے بہتر ہے کہ بناؤ سنگھار کرے تا کہ شوہر رجعت کرنے پر آمادہ ہو اور ازدواجی زندگی بحال ہو جائے۔

(۱۹۰۴/۱۰) وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا اَنْ لَّا يَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يَسْتَاذِنَهَا وَيُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ.

لغت: خفق نعليه: جوتے کی آواز۔

ترجمہ: اور مستحب ہے اس کے شوہر کے لئے یہ کہ نہ داخل ہو اس کے پاس یہاں تک کہ اس کو اطلاع کر دے اور اپنے جوتوں کی آواز سنا دے۔

تشریح: اگر رجعت کرنے کا ارادہ نہیں تو مطلقہ رجعیہ کے شوہر کے واسطے مستحب یہ ہے کہ جس وقت اس جگہ داخل ہو جہاں یہ عدت گذار رہی ہے تو بغیر اطلاع کے اس کے پاس نہ جائے یا اس کو جوتے کی آواز سنا کر اپنے آنے کی اطلاع دے۔ وجہ استحباب یہ ہے کہ اچانک داخل ہوا اور ایسی جگہ نظر پڑ جائے کہ اس نظر سے رجعت ہو گئی حالاں کہ رجعت کا ارادہ نہیں تھا اس کے بعد یہ پھر طلاق دے گا تو اس عورت کو شروع سے پھر عدت گزارنی ہوگی اور خواہ مخواہ عدت لمبی ہو جائے گی۔

(۱۹۰۵/۱۱) وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِيُّ لَا يُحَرِّمُ الْوَطْئَ.

ترجمہ: اور طلاق رجعی نہیں حرام کرتی ہے صحبت کو۔

تشریح: اگر طلاق رجعی دی تو اس میں بیوی سے صحبت کر سکتا ہے لیکن جیسے ہی صحبت کرے گا تو رجعت بھی ہو جائے گی، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رجعت سے پہلے مطلقہ رجعیہ سے صحبت نہیں کر سکتا، کیوں کہ طلاق دینے کی وجہ سے وہ بیوی نہیں ہے جب تک کہ رجعت کر کے بیوی نہ بنا لے۔

(۱۹۰۶/۱۲) وَاِنْ كَانَ طَلَاقًا بَائِنًا دُوْنَ الثَّلٰثِ فَلَهٗ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا فِيْ عِدَّتِهَا وَبَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا.

ترجمہ: اور اگر طلاق بائن ہو تین سے کم تو شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی سے شادی کرے عدت میں اور عدت ختم ہونے کے بعد۔

تشریح: اگر شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ دی لیکن تین طلاقوں سے کم دی تو جب عدت گذار رہی ہے اس وقت بھی شوہر اس سے نکاح کر سکتا ہے اور عدت ختم ہو جائے تب بھی شادی کر سکتا ہے، کیوں کہ اگر تین طلاق دی ہو تب حلت ختم ہوتی ہے لیکن اگر اس سے کم دی ہو تو محل کا حلال ہونا ثابت ہے تو شوہر کے لئے عدت میں نکاح کرنا بھی حلال ہوگا۔

(۱۹۰۷/۱۳) وَاِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلٰثًا فِي الْحُرَّةِ اَوِ اثْنَتَيْنِ فِي الْاَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ نِكَاحًا صَحِيْحًا وَيَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا اَوْ يَمُوْتَ عَنْهَا.

ترجمہ: اور اگر تین طلاقیں ہوں آزاد میں یا دو ہوں باندی میں تو حلال نہیں ہوگی اس کے لیے یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح صحیح کرے اور اس کے ساتھ وہ صحبت بھی کرے پھر اس کو طلاق دے یا مرجائے۔

حلالہ کے احکام

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے حلالہ کی صورت بیان کی ہے فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیں یا منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دیں تو یہ عورت شوہر کے لئے حلال نہیں رہے گی، یہاں تک حلالہ نہ ہوجائے اور اس کی شکل یہ ہے کہ عدت گذارنے کے بعد دوسرے آدمی سے شادی کرے پھر وہ صحبت کرے پھر وہ طلاق دے یا مرجائے تب اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر سے شادی کرسکتی ہے اور پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکتی ہے، دوسرے شوہر سے شادی کرنے کی دلیل یہ آیت ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ اس آیت میں ہے کہ تیسری طلاق کے بعد جب تک دوسرے شوہر سے شادی نہ کرے پہلے کے لئے حلال نہیں ہوگی اور دوسرے شوہر کی صحبت کے بغیر حلال نہ ہونے کی دلیل حدیث عائشہ ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ایک آدمی نے بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر عورت نے شادی کی پھر طلاق دی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا پہلے کے لئے حلال ہے؟ فرمایا نہیں یہاں تک کہ اس کا مزہ نہ چکھ لے جیسا کہ پہلے سے چکھا (بخاری ۲/۷۹۱) اس حدیث مشہور سے معلوم ہوا کہ صحبت کئے بغیر پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

(۱۴/۱۹۰۸) وَ الصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيْلِ كَالْبَالِغِ.

لغت: المراهق: قریب البلوغ

ترجمہ: اور قریب البلوغ لڑکا حلال کرنے میں بالغ کی طرح ہے۔

تشریح: جس طرح بالغ مرد سے نکاح کرکے وطی کرائے تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجاتی ہے اسی طرح وہ لڑکا جو ابھی بالغ تو نہیں ہوا لیکن بالغ ہونے کے قریب ہے اس سے نکاح کرکے وطی کرائے تو پہلے شوہر کے لئے حلال ہوجائے گی، کیوں کہ حلالہ کے لئے انزال ہونا شرط نہیں ہے صرف صحبت کرنا شرط ہے اس لیے اس کی صحبت سے پہلے کے لئے حلال ہوجائے گی۔ (اللباب ۲/۱۸۳)

(۱۵/۱۹۰۹) وَوَطْئُ الْمَوْلٰى اَمَتَهُ لَا يَحِلُّهَا.

ترجمہ: اور آقا کا اپنی باندی سے صحبت کرنا اس کو شوہر کے لئے حلال نہیں کرتا۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی (جو کسی دوسرے کی باندی ہے) کو دو طلاقیں دیدی تو جب اس نے عدت گذار لی تو اس سے اس کے آقا نے صحبت کی تو اس صحبت کی وجہ سے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی جب تک کہ کسی مرد

سے شادی کر کے وطی نہ کرائے، کیوں کہ آقا جو صحبت کرے گا وہ باندی ہونے کے اعتبار سے کرے گا نکاح کر کے وطی نہیں کرے گا اس لئے کہ آقا سے نکاح بھی جائز نہیں ہے، اور آیت میں ہے کہ نکاح کر کے صحبت کرے تب حلال ہوگی۔

(۱۹۱۰/۱۶) وَاِذَا تَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيْلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوْهٌ فَاِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطْيِهَا حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ.

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو نکاح میں لیا حلالہ کی شرط پر تو یہ نکاح مکروہ ہے پھر اگر طلاق دے دی اس عورت کو صحبت کے بعد تو شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

نکاح بشرط التحلیل

تشریح: اگر کسی شخص نے مطلقہ ثلثہ سے تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح کیا مثلاً کہا کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تجھے طلاق دوں گا، اب اگر اس کو صحبت کے بعد طلاق دی تو پہلے کے لئے حلال ہو جائے گی، لیکن اس طریقہ سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، دلیل کراہت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لئے حلالہ کیا گیا ہے۔ (ترمذی ۲۱۳/۱) جاننا چاہئے کہ نکاح محلل کی دو صورتیں ہیں ایک نکاح بنیۃ التحلیل دوسری صورت نکاح بشرط التحلیل۔

نکاح بنیۃ التحلیل کا مطلب یہ ہے کہ دل میں یہ نیت ہو کہ کچھ دن اپنے پاس رکھ کر چھوڑ دوں گا تا کہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے لیکن اس کی شرط نہ لگائے اور نکاح بشرط التحلیل کا مطلب تشریح کے تحت آچکا ہے اب سمجھئے کہ نکاح محلل کی کونسی صورت صحیح ہے اور کونسی صحیح نہیں ہے، اس بارے میں مذاہب ائمہ مختلف ہیں۔

(۱) امام مالکؒ واحمدؒ کے نزدیک نکاح محلل مطلقاً باطل ہے یعنی اس کی دونوں صورتیں۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بنیۃ التحلیل جائز ہے اور بشرط التحلیل متحقق ہی نہیں ہوتا اور نہ اس سے عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوتی ہے۔

(۳) حنفیہ کے نزدیک نکاح بنیۃ التحلیل جائز ہے اور نکاح بشرط التحلیل اگر چہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب کرلے گا تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔

(۱۹۱۱/۱۷) وَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ الْحُرَّةَ تَطْلِيْقَةً اَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ وَانْقَطَعَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ اٰخَرَ فَدَخَلَ بِهَا ثُمَّ عَادَتْ اِلَى الْاَوَّلِ عَادَتْ بِثَلٰثِ تَطْلِيْقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِىْ مَادُوْنَ الثَّلَاثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلٰثَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِىْ مَادُوْنَ الثَّلَاثِ.

ترجمہ: اور اگر طلاق دی کسی نے آزاد عورت کو ایک یا دو طلاقیں اور اس کی عدت گذر گئی اور شادی کر لی اس

نے دوسرے شوہر سے اس نے صحبت کی پھر پہلے شوہر کی جانب لوٹ آئے تو یہ تین طلاقوں کے ساتھ آئے گی اور منہدم کردے گا دوسرا شوہر تین سے کم کو جیسا کہ منہدم کردیتا ہے تین کو شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا دوسرا شوہر تین سے کم کو منہدم نہیں کرتا۔

تشریح: اگر شوہر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے اور وہ عورت عدت گزار کر دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرے پھر دوسرا شوہر بھی اس کو صحبت کے بعد طلاق دے دے اور عدت گزرنے کے بعد پہلا شوہر پھر اس سے نکاح کرے تو ایسی صورت میں بالاتفاق پہلا شوہر دوبارہ اس کو تین طلاقیں دینے کا حق دار ہو جائے گا، اور اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تین سے کم دو یا ایک طلاق دی اور وہ عورت عدت گذار کر دوسرے شوہر سے نکاح کرے پھر دوسرا شوہر بھی اس کو صحبت کے بعد طلاق دے دے اور عدت گذرنے کے بعد پہلا شوہر پھر اس سے نکاح کرے تو اس صورت میں امام محمدؒ امام شافعیؒ کے نزدیک پہلا شوہر اس کو باقی دو یا ایک طلاق دینے کا حق دار ہوگا یعنی اگر پہلے ایک طلاق دی تھی تو اب دو طلاقوں کا مالک ہوگا اور ان دو طلاقوں کے بعد عورت مغلظہ ہو جائے گی اور اگر پہلے دو طلاق دے چکا ہے تو اب وہ صرف ایک طلاق دینے کا حق دار ہوگا اور شیخین کے نزدیک پہلا شوہر تین طلاق دینے کا حق دار ہوگا اور پہلے جو ایک یا دو طلاق دے چکا ہے وہ بیکار ہو جائیں گی ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، کیوں کہ دوسرا شوہر اس عورت کو پہلے شوہر کے لئے حل جدید کے ساتھ حلال کرنے والا ہوگا اور اس سے پہلے کی تمام طلاقیں کالعدم اور ختم ہو جائیں گی، شیخین کا مذہب ہی راجح ہے۔ (نورالانوار)

(۱۹۱۲/۱۸) وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلٰثًا فَقَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَتَزَوَّجْتُ بِزَوْجٍ آخَرَ وَدَخَلَ بِیَ الزَّوْجُ الثَّانِیْ وَطَلَّقَنِیْ وَانْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذَالِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ الْاَوَّلِ اَنْ يُّصَدِّقَهَا اِذَا كَانَ غَالِبُ ظَنِّهٖ اَنَّهَا صَادِقَةٌ.

ترجمہ: اور جب طلاق دے دیں بیوی کو تین پھر اس نے (کچھ مدت کے بعد) کہا کہ میری عدت گزر گئی اور میں نے نکاح کیا دوسرے شوہر سے اور دوسرے شوہر نے مجھ سے صحبت کی اور طلاق دی اور میری عدت پوری ہوگئی درانحالیکہ مدت ان چیزوں کا احتمال رکھتی ہے تو پہلے شوہر کے لئے جائز ہے کہ اس کی تصدیق کرے جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ عورت سچی ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دے دی عورت کچھ مدت گزر جانے کے بعد واپس آئی اور کہنے لگی کہ جب میری عدت پوری ہوگئی تھی تو میں نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا تھا چناں چہ اس نے مجھ سے صحبت بھی کی اور اس نے بھی جلدی میں طلاق دے دی اور میری عدت بھی گزر گئی اس کی عدت گذار کر آپ کے لئے حلال ہوکر آئی ہوں آپ مجھ سے شادی کرلیں، اب اگر پہلے شوہر کی طلاق اور واپس آنے کے درمیان اتنی مدت ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے تو پہلے شوہر کے لئے گنجائش ہے کہ اس کی تصدیق کرے اور اس سے شادی کرلے، مثلاً مدخول بہا عورت کو تین

طلاقیں دیں اور وہ تیرانوے ۹۳ دن کے بعد واپس آئی یا عورت غیر مدخول بہا تھی اس کو بیک وقت تین طلاقیں دیں اور وہ ۳۹ دن کے بعد واپس آئی تو گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ سچ بول رہی ہے۔

دلیل: حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے تین حیض کے نو دن ہوئے اور تین حیض کے درمیان دو طہر آئیں گے طہر کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے تو دو طہر تیس دن کے ہوئے مجموعہ انتالیس ہوا پھر طہر آئے گا جس میں عورت دوسرے شوہر سے شادی کرے گی اس کے پندرہ دن ہوئے اس کے بعد دوسرے شوہر کی عدت انتالیس دن گزارے گی تو پندرہ دن اور انتالیس چون دن ہوئے پہلے شوہر کی عدت انتالیس اور دوسرے کی چون مجموعہ ترانوے ہوا نقشہ اس طرح ہے۔

پہلے شوہر سے طلاق اور عدت		حیض	طہر	حیض	طہر	حیض	مجموعہ
		۳	۱۵	۳	۱۵	۳	۳۹
دوسرے شوہر سے شادی طلاق اور عدت	طہر	حیض	طبر	حیض	طہر	حیض	مجموعہ
	۱۵	۳	۱۵	۳	۱۵	۳	۵۴

دونوں عدتوں کا مجموعہ: ۳۹+۵۴=۹۳ تیرانوے دن

اب اگر ۹۳ دن کے بعد عورت واپس ہو تو اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے، اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو اس کو صرف دوسرے شوہر کی عدت گزارنی ہے جو کم سے کم ۳۹ دن ہوں گے، اگر قرائن سے سچی معلوم ہو ورنہ عموی طور پر تین حیض کے لئے تین ماہ چاہئے۔

کِتَابُ الْاِیْلَاءِ

(یہ باب ایلاء کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الایلاء کی ماقبل سے مناسبت حسب بیان صاحب بحرالرائق یہ ہے کہ جیسے طلاق رجعی حال ثانی میں بینونت کا اثر رکھتی ہے، ایلاء بھی حال ثانی میں بینونت کو واجب کرتا ہے، اور حال ثانی سے مراد طلاق رجعی میں تکمیل عدت ہے، ایلاء میں چار مہینے کی مدت ہے، اس سے پہلے نہ طلاق رجعی سے بینونت متحقق ہوتی ہے نہ ایلاء سے۔

ایلاء کے لغوی معنی: الی، یولی، ایلاء قسم کھانا۔

ایلاء کی اصطلاحی تعریف: چار ماہ یا زائد اپنی بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھانا۔

ایلاء کا ثبوت: اس آیت میں ہے لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کرتے ہیں ان کو چار ماہ رکنا ہے۔

(۱/۱۹۱۳) اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاِمْرَأَتِهِ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ اَوْ لَا اَقْرَبُكِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَهُوَ مُوْلٍ.

لغت مولی: ایلاء سے اسم فاعل ہے ایلاء کرنے والا۔

ترجمہ: اگر کہا شوہر نے اپنی بیوی سے اللہ کی قسم میں تیرے قریب نہ آؤں گا یا چار ماہ تک تیرے قریب نہ آؤں گا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔

تشریح: کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا (۱) خدا کی قسم تیرے قریب نہیں آؤں گا اس صورت میں بالاتفاق ایلاء کرنے والا ہے (۲) واضح انداز میں کہا کہ چارہ ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا اس صورت میں ہمارے نزدیک ایلاء کرنے والا ہوگا۔

(۲/۱۹۱۴) فَإِنْ وَطِيَهَا فِي الْأَرْبَعَةِ الْأَشْهُرِ حَنِثَ فِي يَمِينِهِ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ وَسَقَطَ الْإِيْلَاءُ.

ترجمہ: اب اگر وہ اس سے صحبت کرلے چار ماہ کے اندر تو حانث ہو جائے گا اپنی قسم میں اور لازم ہوگا اس پر کفارہ اور ساقط ہو جائے گا ایلاء۔

تشریح: ایک آدمی نے بیوی کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھائی تھی اس سے پہلے ہی بیوی سے مل لیا تو اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا، قسم کا کفارہ اس لیے لازم ہوگا کہ اللہ کا فرمان ہے ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھاؤ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قسم ٹوٹ جائے گی تو کفارہ لازم ہوگا، اور کفارہ یہ ہے کہ دس مسکین کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے یا غلام آزاد کرے اور جو نہ پائے وہ تین دن تک لگاتار روزے رکھے، اور ایلاء اس لیے ساقط ہو جائے گا کہ جب چار ماہ تک نہ ملنے کی قسم کھائی تھی اور درمیان میں مل لیا تو ایلاء کی مدت ہی پوری نہیں ہوئی اس لیے ایلاء ساقط ہو جائے گا۔

(۳/۱۹۱۵) وَإِنْ لَمْ يَقْرُبْهَا حَتّٰى مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ بَانَتْ بِتَطْلِيقَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: اور اگر اس کے قریب نہ گیا یہاں تک چار ماہ گزر گئے تو ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔

تشریح: ایلاء کے بعد چار ماہ تک بیوی سے نہیں ملا تو چار ماہ گذرتے ہی خود ایلاء سے طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اب وہ مطلقہ کی عدت گذار کر جدا ہو جائے، پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ چار ماہ گذرتے ہی خود تفریق ہو جائے گی یا قضاء قاضی کی ضرورت پڑے گی۔

اختلاف الائمة

اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں (۱) حنفیہ کے نزدیک چار ماہ گذرتے ہی خود بخود طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور تفریق کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہ ہوگی (۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار ماہ گذرنے پر خود بخود طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ مدت پوری ہونے پر قاضی شوہر کو بلا کر رجوع کا حکم دے گا اگر اس نے رجوع کرلیا تو ٹھیک ورنہ اس کو طلاق دینے کا

حکم دے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَاءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ سے ہے کہ اس میں چار ماہ گذرنے کے بعد عزم طلاق کا ذکر کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ محض مدت گزر جانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ عزم طلاق ضروری ہے۔

جواب: جہاں تک آیت قرآنی سے استدلال کا تعلق ہے اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ منقول ہے اِنْقِضَاءُ الْاَرْبَعَةِ عَزِيْمَةُ الطَّلَاقِ والفَيُّ الْجِمَاعُ (مصنف عبدالرزاق ۶/۴۵۴) چار ماہ کا گذر جانا ہی عزم طلاق ہے اور رجوع کرنا صحبت سے ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت زید بن ثابتؓ کے آثار ہیں جو اس بات پر متفق ہیں کہ چار ماہ گذرنے سے خود بخود طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (درس ترمذی ۳/۵۲۲)

(۴/۱۹۱۶) فَاِنْ كَانَ حَلَفَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْيَمِيْنُ.

ترجمہ. اگر قسم کھائی چار ماہ کی تو قسم ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: اگر کوئی شخص چار مہینے تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے اور پوری کردے تو بیوی کو ایک طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی اور قسم بھی پوری ہو جائے گی، اب اگر دوبارہ اس عورت سے شادی کر کے صحبت کرے گا تو نہ طلاق ہوگی اور نہ کفارہ لازم ہوگا، اس واسطے کہ قسم ایک خاص وقت کے لئے تھی جب وہ مدت گزر گئی تو قسم ساقط ہو جائے گی۔

(۵/۱۹۱۷) وَاِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى الْاَبَدِ فَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ فَاِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْاِيْلَاءُ فَاِنْ وَطِيَهَا وَاِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ تَطْلِيْقَةٌ اُخْرٰى فَاِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثًا عَادَ الْاِيْلَاءُ وَوَقَعَتْ عَلَيْهَا بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ تَطْلِيْقَةٌ اُخْرٰى فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ آخَرَ لَمْ يَقَعْ بِذَالِكَ الْاِيْلَاءِ طَلَاقٌ وَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ فَاِنْ وَطِيَهَا كَفَّرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی ہمیشہ کے واسطے تو قسم باقی رہے گی پھر اگر لوٹ کر اسی سے شادی کرے تو ایلاء لوٹ آئے گا پھر اگر اس سے صحبت کرے تو بہتر ہے ورنہ چار ماہ گزرنے پر دوسری طلاق واقع ہو جائے گی پھر اگر اس سے تیسری مرتبہ شادی کرے تو ایلاء لوٹ آئے گا اور واقع ہوگی اس پر چار ماہ گذرنے پر تیسری طلاق پھر اگر اس سے نکاح کرے دوسرے شوہر کے بعد تو نہیں واقع ہوگی اس ایلاء سے طلاق اور قسم باقی رہے گی پھر اگر اس سے صحبت کرے تو اپنی قسم کا کفارہ دے گا۔

تشریح: مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ شوہر نے ہمیشہ نہ ملنے کی قسم کھائی اب اگر چار ماہ میں مل گیا تو ایلا ختم ہو گیا

البتہ قسم کا کفارہ لازم ہوگا، اور اگر نہیں ملا تو ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی پھر اگر اس عورت سے شادی کی تو پھر ایلاء بحال ہو جائے گا، کیوں کہ ہمیشہ کی قسم باقی ہے اگر اس مرتبہ چار ماہ کے اندر مل گیا تو ایلاء ختم ہو جائے گا، اور کفارہ لازم ہوگا اور اگر نہیں ملا تو ایک طاق بائنہ واقع ہوگی اگر پھر دوبارہ اس عورت سے شادی کی تو پھر ایلاء بحال ہو جائے گا کیوں کہ ہمیشہ کی قسم باقی ہے اگر اس مرتبہ چار ماہ کے اندر مل گیا تو ایلاء ختم ہو جائے گا اور کفارہ لازم ہوگا اور اگر نہیں ملا تو چار ماہ گذرنے پر دوسری طلاق واقع ہوگی پھر اگر تیسری مرتبہ اس عورت سے شادی کی تو پھر ایلاء بحال ہو جائے گا اور چار ماہ کے اندر مل لیا تو کفارہ لازم ہوگا اور نہیں ملا تو تیسری طلاق واقع ہو جائے گی اور اب حلالہ کے بغیر اس عورت سے شادی کرنا حرام ہوگا اگر حلالہ کے بعد یہ عورت پہلے شوہر کے پاس آئی تو اب پچھلا ایلاء بحال نہیں ہوگا اور چار ماہ تک نہ ملے تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیوں کہ دوسرے شوہر کی وجہ سے حل جدید اور نکاح جدید کے ساتھ پہلے شوہر کے پاس آتی ہے البتہ جب بھی وہ صحبت کرے گا تو کفارہ لازم آئے گا کیوں کہ ہمیشہ کی قسم کھانے کی وجہ سے ابھی بھی قسم برقرار ہے۔

(۱۹۱۸/۶) فَاِنْ حَلَفَ عَلٰی اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ یَکُنْ مُوْلِیاً.

ترجمہ: اگر قسم کھالے چار ماہ سے کم کی تو مولی نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے چار ماہ سے کم اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا، کیوں کہ آیت میں تصریح ہے کہ چار ماہ کی قسم ہو تو اس کو ایلاء کہتے ہیں ارشاد باری ہے **للذین یؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر.**

(۱۹۱۹/۷) وَاِنْ حَلَفَ بِحَجٍّ اَوْ بِصَوْمٍ اَوْ بِصَدَقَةٍ اَوْ عِتْقٍ اَوْ طَلَاقٍ فَهُوَ مُوْلٍ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھالے حج کی یا روزہ کی یا صدقہ کی یا آزاد کرنے کی یا طلاق کی تو وہ ایلاء کرنے والا ہے۔

تشریح: ایک شخص نے یوں کہا کہ اگر میں چار ماہ تک بیوی کے پاس جاؤں تو مجھ پر حج لازم یا مجھ پر روزہ لازم یا مجھ پر صدقہ لازم یا میرا غلام آزاد یا میری بیوی کو طلاق تو ان تمام صورتوں میں ایلاء منعقد ہو جائے گا، اب اگر چار ماہ کی مدت صحبت کے بغیر گزر گئی تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی۔

(۱۹۲۰/۸) وَاِنْ اٰلٰی مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِیَّةِ کَانَ مُوْلِیاً وَاِنْ اٰلٰی مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ یَکُنْ مُوْلِیاً.

ترجمہ: اور اگر ایلاء کیا مطلقہ رجعیہ سے تو ایلاء کرنے والا ہوگا اور اگر بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک ایلاء کرنے والا ہوگا، اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو بالاتفاق ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا کیوں کہ زوجہ ہونا مطلقہ

رجعیہ میں موجود ہے، اور مطلقہ بائنہ میں زوجیت موجود نہیں ہے، اور ایلاء کا محل وہ عورتیں ہیں، جو ہماری زوجہ ہوں، اس وجہ سے مطلقہ بائنہ ایلاء کا محل نہیں ہوگی۔

(۹/۱۹۲۱) وَمُدَّةُ اِیْلَاءِ الْاَمَةِ شَهْرَانِ.

ترجمہ: اور باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ باندی اگر کسی کی بیوی ہو تو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں، اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو، جیسے باندی کی طلاق اور اس کی عدت کی مدت آزاد عورت کی طلاق اور اس کی عدت کی مدت کا آدھا ہے ایسے یہاں بھی مدت ایلاء آدھی رہ جائے گی۔

(۱۰/۱۹۲۲) وَاِنْ کَانَ الْمُوْلِیْ مَرِیْضاً لَا یَقْدِرُ عَلَی الْجِمَاعِ اَوْ کَانَتِ الْمَرْأَةُ مَرِیْضَةً اَوْ کَانَتْ رَتْقَاءَ اَوْ صَغِیْرَةً لَایُجَامَعُ مِثْلُهَا اَوْ کَانَتْ بَیْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَا یَقْدِرُ اَنْ یَصِلَ اِلَیْهَافِیْ مُدَّةِ الْاِیْلَاءِ فَفَیْئُهُ اَنْ یَقُوْلَ بِلِسَانِهٖ فِئْتُ اِلَیْهَا فَاِنْ قَالَ ذٰلِكَ سَقَطَالْاِیْلَاءُ.

حل لغات: رتقاء: وہ عورت جس کا رحم ہڈی وغیرہ کی وجہ سے بند ہو، فئ: ایلاء سے رجوع کرنے کو فئ کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر ایلاء کرنے والا ایسا بیمار ہے کہ اس کو صحبت پر قدرت نہیں ہے یا وہ عورت ایسی بیمار ہو یا پیشاب کے راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو یا ایسی چھوٹی ہے کہ اس سے وطی نہیں ہوسکتی یا دونوں کے درمیان اتنی مسافت ہو کہ عورت تک پہنچنے کی قدرت نہ رکھتا ہو ایلاء کی مدت میں تو اس کا رجوع کرنا یہ ہے کہ اپنی زبان سے کہے میں نے اس کی طرف رجوع کرلیا جب وہ یہ کہ دے تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: اگر ایلاء کرنے والا بیماری کی وجہ سے صحبت پر قادر نہ ہو یا عورت بیمار ہو یا عورت 'رتقاء' ہو یعنی پیشاب کے راستہ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں یا ایسی چھوٹی بچی ہو کہ جماع کے قابل نہیں یا میاں بیوی کے درمیان اتنی دوری ہے کہ شوہر چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا تو ان تمام صورتوں میں شوہر کو رجوع بالقول کرنے کا اختیار ہے چناں چہ اگر شوہر نے مدت ایلاء میں فئتُ الیها (میں نے اس کی طرف رجوع کیا) کہہ دیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا البتہ حانث اس وقت ہوگا جب صحبت کرے گا۔

(۱۱/۱۹۲۳) وَاِنْ صَحَّ فِی الْمُدَّةِ بَطَلَ ذَالِكَ الْفَیْئُ وَصَارَ فَیْئُهُ الْجِمَاعَ.

ترجمہ: اور اگر تندرست ہو جائے مدت میں تو باطل ہو جائے گا یہ رجوع اور ہو جائے گا اس کا رجوع جماع کرنا۔

تشریح: عذر کی بنیاد پر زبان سے رجوع کر لیا تھا لیکن چار ماہ گذرنے سے پہلے عذر ختم ہو گیا اور جماع پر قادر ہو گیا تو اب جماع کر کے ہی رجوع کرنا ہوگا کیوں کہ ایلاء سے رجوع کرنے کے لئے جماع اصل ہے اور زبان سے رجوع کرنا فرع ہے اس لیے جب اصل پر قادر ہو گیا تو اسی سے رجوع کرنا ہوگا (اللباب ۲/ ۱۸۷)

(۱۲/۱۹۲۴) وَاِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهِ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الْكِذْبَ فَهُوَ كَمَا قَالَ.

ترجمہ: اگر اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اب اگر اس نے کہا کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ وہ کہتا ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا 'انت علی حرام' تو اس شخص سے نیت دریافت کی جائے، اب اگر وہ کہتا ہے کہ اس جملہ سے جھوٹ کی نیت کی ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا یعنی نہ طلاق ہوگی نہ ایلاء اور نہ ظہار، کیوں کہ اس شخص نے اپنے کلام سے حقیقی معنی کا ارادہ کیا ہے، کیوں کہ یہ عورت اس کے لئے حلال تھی پھر اس کا قول انت علی حرام ایسی خبر ہے جو واقع کے مطابق نہیں لہٰذا یہ جھوٹ ہوگا اور چوں کہ کلام کے حقیقی معنی کی نیت کرنا شرعاً معتبر ہے اس لیے یہاں بھی اس شخص کی نیت معتبر ہوگی۔

(۱۳/۱۹۲۵) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ بِهِ الطَّلَاقَ فَهِيَ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ اِلَّا اَنْ يَّنْوِيَ الثَّلَاثَ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ اس سے میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی مگر یہ کہ نیت کرے تین کی۔

تشریح: لفظ حرام کنایات میں سے ہے اور کنایہ میں کم سے کم ایک طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے اس لیے حرام کا لفظ بولا اور طلاق مراد لی مگر عدد طلاق کی نیت نہیں کی یا ایک کی نیت کی یا دو کی تو ان تینوں صورتوں میں ایک بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو تین واقع ہوگی۔

(۱۴/۱۹۲۶) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ بِهِ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میں نے اس سے ظہار کی نیت کی تو ظہار ہوگا۔

تشریح: اور اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نے انت علی حرام سے ظہار کی نیت کی ہے تو شیخین کے نزدیک یہ ظہار ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا۔

(۱۵/۱۹۲۷) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ بِهِ التَّحْرِيْمَ اَوْ لَمْ اُرِدْ بِهِ شَيْئاً فَهِيَ يَمِيْنٌ يَصِيْرُ بِهِ مُوْلِياً.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میں نے اس سے حرمت کا ارادہ کیا ہے یا کچھ ارادہ نہیں کیا تو یہ قسم ہوگی اور اس کی وجہ

سے ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔

تشریح: اگر اپنی بیوی سے 'انت علی حرام' کہا اور اس سے نہ طلاق کی نیت کی نہ ظہار کی نیت کی اور جھوٹ بولنے کی بھی نیت نہیں کی بلکہ تحریم کی نیت کی یعنی حرام کرنے کی یا کسی بھی چیز کی نیت نہیں کی تو ان دونوں صورتوں میں لفظ حرام سے قسم ہوگی اور ایلاء بھی ہو جائے گا، اب اگر اس نے چار ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی سے وطی کر لی تو کفارہ دے گا اور اگر وطی نہیں کی یہاں تک کہ چار ماہ گذر گئے تو ایلاء کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی۔

كِتَابُ الْخُلْعِ

(یہ کتاب خلع کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: خلع کو ایلاء سے اس لیے مؤخر کیا گیا ہے کہ ایلاء میں شوہر کی جانب سے نافرمانی کا جذبہ ہے اور خلع میں عورت کی جانب سے نافرمانی کا جذبہ ہے اس لیے جس چیز کا تعلق مرد کے ساتھ ہے اس کو پہلے بیان کیا ہے اور جس چیز کا تعلق عورت کے ساتھ ہے اس کو بعد میں بیان کیا ہے۔

خلع کے لغوی معنی: لفظ خُلع خَلْع سے نکلا ہے اس کے معنی اتارنے کے ہیں اور مناسبت یہ ہے کہ قرآن کریم نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے ارشاد ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ اور خلع کے ذریعہ ایک دوسرے سے علیحدگی لباس اتار دینے کے مرادف ہے خلع کا استعمال جب باب الطلاق میں ہوتا ہے تو خاء کو ضمہ دیا جاتا ہے اور جب لباس وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں تو وہاں خاء مفتوح ہوتی ہے۔

خلع کی مشروعیت: باری تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ یعنی ان دونوں پر کوئی حرج نہیں اس بارے میں کہ عورت اس کو فدیہ دے دے (اپنی جان کا)۔

اصطلاحی تعریف: خلع کہتے ہیں زوجیت کو مال کے بدلہ میں نکال دینا خلع میں بیوی کی جانب سے مال ہوتا ہے اور شوہر اس کے بدلہ طلاق دیتا ہے۔

ضروری نوٹ:

کیا خلع عورت کا حق ہے؟ ہمارے زمانہ میں خلع کے بارے میں ایک اور مسئلہ عہد حاضر کے متجددین نے پیدا کر دیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام علماء امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ خلع ایک ایسا معاملہ ہے جس میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کر سکتا مگر ان متجددین نے کہا کہ خلع عورت کا ایک حق ہے جسے وہ شوہر کی مرضی کے بغیر بھی عدالت سے وصول کر سکتی ہے متجددین کا یہ قول قرآن وسنت کے دلائل اور جمہور کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے۔

(۱/۱۹۲۸) اِذَا تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَخَافَا اَنْ لَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا بَأْسَ اَنْ تَفْتَدِيَ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ

يَخْلَعُهَا بِه فَإِذَا فَعَلَ ذَالِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ.

ترجمہ: جب جھگڑا ہو جائے میاں بیوی میں اور دونوں کو یہ ڈر ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو کوئی حرج نہیں کہ عورت اس کو اپنی جان کا فدیہ دے ایسے مال کے ساتھ جس کے ذریعہ شوہر اس کو خلع دے دے، جب وہ یہ کر لے تو خلع سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت پر مال لازم ہوگا۔

ماہیت خلع میں اختلاف ائمہ مدلل ومفصل

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر زوجین آپس میں جھگڑا کرنے لگیں اور یہ محسوس کر لیں کہ اب حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکیں گے تو اس بارے میں کوئی حرج نہیں کہ عورت اپنی جان کا اپنے شوہر کو فدیہ دے دے اور شوہر اس مال کے بدلے اس کو بذریعہ خلع طلاق دے دے خلع کرتے ہی طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی الگ سے طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر ماہیت خلع میں علماء کا اختلاف ہے یعنی خلع فسخ ہے یا طلاق ہے۔

چناں چہ اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) خلع امام احمدؒ کے نزدیک فسخ ہے امام شافعیؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے (۲) حنفیہ کے نزدیک خلع طلاق ہے۔

ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاق دے کر اس سے خلع کیا تو اب یہ شخص امام احمدؒ شافعیؒ کے نزدیک بغیر حلالہ کے اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اور ہمارے نزدیک بغیر حلالہ کے نکاح جائز نہ ہوگا، اور اوجز المسالک میں ہے کہ خلع حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک طلاق بائن ہے امام شافعیؒ واحمد سے دو روایتیں ہیں لیکن اصح امام شافعی کے نزدیک یہی ہے کہ وہ طلاق ہے اور امام احمد کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ فسخ ہے۔

امام احمدؒ کا استدلال: قرآن کریم میں خلع کا ذکر اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے بعد کیا گیا ہے یعنی فَإِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا يُقِيمَا حُدُوْدَ اللهِ اور اسکے بعد اگلی آیت ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ جو اس بات کی دلیل ہے کہ خلع ان تین طلاقوں میں شمار نہیں، اگر خلع خود طلاق ہوتا تو طلاقیں چار ہوتیں جس کا کوئی قائل نہیں۔

جواب: فان طلقها میں 'فا' ایک خاص لفظ ہے وہ اپنے مدلول کو قطعی طور پر شامل ہوگا یعنی فا کا مابعد بغیر کسی فصل کے اپنے ماقبل پر مرتب ہوگا اور اس فا کا ماقبل خلع ہے تو گویا تیسری طلاق خلع پر مرتب ہوئی اور تیسری طلاق کا خلع پر مرتب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خلع کے بعد طلاق ہو سکتی ہے اور خلع کے بعد طلاق اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ خلع بھی طلاق ہو اور رہ گیا یہ کہنا کہ طلاقیں چار ہو جائیں گی ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ خلع طلاق تو ہے مگر مستقل علیحدہ طلاق نہیں ہے بلکہ الطلاق مرتان میں داخل ہے گویا یوں کہا گیا کہ طلاقیں دو ہیں خواہ دونوں رجعی ہوں خواہ خلع کے ضمن میں ہوں، اس مسئلہ سے متعلق مزید تفصیل کے لئے دیکھئے نور الانوار ص: ۲۱، ۲۲ تحت قوله وَلِذٰلِكَ صح

ایقاع الطلاق بعد الخلع حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ نے خلع کا مطالبہ کیا تو حضورؐ نے ثابت سے فرمایا اِقْبَلِ الْحَدِیْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِیْقَةً اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کو طلاق کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ (بخاری ۲/۷۹۴)

(۲/۱۹۲۹) وَاِنْ کَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهٖ کُرِهَ لَهٗ اَنْ یَّأْخُذَ مِنْهَا عِوَضاً.

حل لغات: نشوز: عورت کا اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا اور اس سے نفرت کرنا، زجاجؒ فرماتے ہیں کہ نشوز دونوں طرف سے ہوتا ہے یعنی میاں بیوی میں سے ہر ایک کا دوسرے سے ناگواری ظاہر کرنا۔

ترجمہ: اور اگر نافرمانی مرد کی جانب سے ہو تو اس کے لئے مکروہ ہے عورت سے عوض لینا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کی جانب سے ناگواری کا اظہار ہو تو شوہر کے لئے بدل خلع کے طور پر عورت سے کچھ لینا مکروہ ہے، کیوں کہ ارشاد باری ہے وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَاراً فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئاً اور اگر تم نے ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنے کا ارادہ کیا حالاں کہ تم نے ایک کو ڈھیر بھر دے رکھا ہے تو تم اس میں سے کچھ مت لو اس آیت میں عورت سے عوض لینے کی کراہت پر صراحت ہے اس لیے عوض لینا مکروہ ہوگا۔

(۳/۱۹۳۰) وَاِنْ کَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهَا کُرِهَ لَهٗ اَنْ یَّأْخُذَ اَکْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهَا فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ جَازَ فِی الْقَضَاءِ.

ترجمہ: اور اگر نافرمانی عورت کی جانب سے ہو تو مکروہ ہے شوہر کے لئے کہ اس سے زیادہ لے جتنا عورت کو دیا ہے اگر اس نے ایسا کر ہی لیا تو قضاءً جائز ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شرارت عورت کی جانب سے ہو تو مقدار مہر تک لینا شوہر کے لئے بلا کراہت جائز ہے مگر مقدار مہر سے زائد لینا مبسوط کی روایت کے مطابق مکروہ ہے اور جامع صغیر کی روایت کے مطابق بلا کراہت جائز ہے آگے فرماتے ہیں کہ مقدار مہر سے زیادہ اگر لے ہی لیا تو قضاءً جائز ہے کیوں کہ اللہ کا فرمان مطلقاً ہے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ یہ آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے قلیل اور کثیر مہر اور غیر مہر سب کو شامل ہے۔

(۴/۱۹۳۱) وَاِنْ طَلَّقَهَا عَلٰی مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ وَکَانَ الطَّلَاقُ بَائِناً.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے مال کے بدلہ اور عورت قبول کرے تو طلاق ہو جائے گی اور مال لازم ہوگا اور طلاق بائن ہوگی۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی کو مال پر طلاق دی مثلاً یوں کہا تجھے ہزار روپے کے بدلہ طلاق ہے پھر عورت نے اس کو قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے ذمہ مال لازم ہوگا، ورنہ نہیں پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں

کہ مال کے عوض جب طلاق ہوگی تو بائنہ ہوگی، کیوں کہ عورت نے اپنے نفس کو چھٹکارا دلانے کے لئے اپنے شوہر کو مال دینا منظور کیا ہے اور شوہر مال کا مالک ہو گیا اس وجہ سے عورت نفس کی مالک ہو جائے گی تاکہ مساوات پیدا ہو جائے اور عورت اپنے نفس کی مالک طلاق بائن سے ہوسکتی ہے نہ کہ طلاق رجعی سے، پس ثابت ہو گیا کہ طلاق علی مال سے طلاق بائن ہوگی۔

(۱۹۳۲/۵)وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلُ اَنْ يُخَالِعَ الْمَرْأَةُ الْمُسْلِمَةُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ فَلَا شَيْءَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ.

ترجمہ: اور اگر باطل ہو جائے عوض خلع میں مثلاً خلع کرے مسلمان عورت شراب یا خنزیر پر تو شوہر کے لئے کچھ نہ ہوگا اور فرقت بائنہ ہوگی۔

تشریح: اگر خلع میں عوض باطل ہو مثلاً مسلمان مرد اپنی بیوی سے شراب یا خنزیر یا مردار پر خلع کرے تو اس کی وجہ سے طلاق بائنہ ہوگی اور شوہر کو کچھ نہیں ملے گا، کیوں کہ عورت نے کوئی مال متقوم بیان نہیں کیا وہ مرد کو دھوکہ دینے والی شمار ہو پس جب دھوکہ دینے والی نہیں ہے تو اس پر کوئی چیز بھی واجب نہیں ہوگی اور طلاق بائنہ اس لیے ہوگی کہ لفظ خلع کنایہ ہے اور کنایہ سے طلاق بائنہ واقع ہوتی ہے۔(اللباب ۲/ ۱۸۹)

(۱۹۳۳/۶) وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا.

ترجمہ: اور اگر باطل ہو عوض طلاق میں تو رجعی ہوگی۔

تشریح: اور اگر مدخول بہا عورت کو عوض پر طلاق دی ہے اور یہ طلاق تیسری طلاق نہیں ہے پھر خنزیر اور شراب ہونے کی وجہ سے عوض باطل ہو گیا تو عورت پر طلاق رجعی واقع ہوگی اور شوہر کے لئے عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا، کیوں کہ یہاں طلاق صریح استعمال کیا ہے اگر اس کے بدلہ مال ہوتا تو طلاق بائنہ واقع ہوتی لیکن عوض باطل ہو گیا اس لیے طلاق صریح باقی رہی تو رجعی واقع ہوگی۔

(۱۹۳۴/۷) وَمَا جَازَ اَنْ يَكُوْنَ مَهْرًا فِي النِّكَاحِ جَازَ اَنْ يَكُوْنَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ.

ترجمہ: اور جس چیز کا مہر ہونا جائز ہے نکاح میں تو جائز ہے کہ وہ خلع میں بدل ہو جائے گا۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ جو چیز عقد نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ بالاتفاق خلع میں بدل خلع بن سکتی ہے، کیوں کہ عقد نکاح کے وقت ملک بضع متقوم ہے اور خلع کے وقت غیر متقوم تو جو چیز بضع متقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ بضع غیر متقوم کا عوض بدرجہ اولیٰ ہو سکتی ہے۔

(۱۹۳۵/۸)فَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهٗ عَلَيْهَا.

ترجمہ: اگر عورت نے کہا مجھ سے خلع کرلے اس کے بدلہ جو میرے ہاتھ میں ہے اس نے خلع کرلیا حالانکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو شوہر کے لئے عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

تشریح: بیوی نے شوہر سے کہا کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس کے عوض مجھ سے خلع کرلے حالاں کہ ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا تو عورت پر بدل واجب نہ ہوگا، اور طلاق واقع ہوجائے گی، چوں کہ عورت نے مال کا نام نہیں لیا اور ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت پر کوئی مال لازم نہیں ہوگا۔

(۹/۱۹۳۶) وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ عَلٰی مَافِیْ یَدِیْ مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا وَلَمْ یَکُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْءٌ رُدَّتْ عَلَیْهِ مَهْرُهَا.

ترجمہ: اور اگر کہا خلع کرلے مجھ سے اس کے عوض جو میرے ہاتھ میں ہے مال میں سے اس نے خلع کرلیا اور اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو عورت اس کو اپنا مہر واپس دے گی۔

تشریح: عورت نے کہا جو مال میرے ہاتھ میں ہے اس کے بدلہ خلع کرلے عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا تو لیا ہوا مہر واپس کرے گی کیوں کہ عورت نے مال ذکر کیا ہے اور شوہر سے مال کا وعدہ کیا ہے اس لیے وہ کوئی مال لئے بغیر ملک نکاح زائل کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔

(۱۰/۱۹۳۷) وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِیْ عَلٰی مَافِیْ یَدِیْ مِنْ دَرَاهِمَ اَوْ مِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ فَلَمْ یَکُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْءٌ فَعَلَیْهَا ثَلٰثَةُ دَرَاهِمَ.

ترجمہ: اور اگر کہا خلع کرلے مجھ سے اس پر جو میرے ہاتھ میں ہیں (عام) درہموں (یا خاص) درہموں سے اس نے ایسا کرلیا (مگر) عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو اس پر تین درہم لازم ہوں گے۔

تشریح: دراہم جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا اطلاق تین پر ہوتا ہے اس لیے الف لام کے بغیر دراہم نکرہ استعمال کرے یا الف لام کے ساتھ معرفہ استعمال کرے دونوں صورتوں میں تین درہم لازم ہوں گے۔

(۱۱/۱۹۳۸) وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلٰثاً بِاَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَیْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ.

ترجمہ: اور اگر کہا مجھے تین طلاق دے دے ایک ہزار کے بدلہ اس نے ایک طلاق دے دی تو عورت پر ہزار کی تہائی لازم ہوگی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھے تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلہ میں دے دے پھر شوہر نے اس کو ایک طلاق دے دی تو یہ ایک ہزار ہر طلاق پر تقسیم ہوجائیں گے اور ہر طلاق کے بدلہ تین سو تینتیس درہم ہوں گے یہاں شوہر نے ایک طلاق دی تو اسے تین سو تینتیس درہم ملیں گے اور چوں کہ رقم کے بدلہ میں طلاق دی ہے

اس لیے طلاق بائنہ ہوگی۔

(۱۲/۱۹۳۹) وَاِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِیْ ثَلٰثاً عَلٰی اَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلاَ شَیْءَ عَلَیْهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ قَالاَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهَا ثُلُثُ الْاَلْفِ.

ترجمہ: اور اگر کہا عورت نے مجھ کو ایک ہزار پر تین طلاقیں دے دے اس نے ایک طلاق دے دی تو عورت پر کچھ لازم نہیں ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا کہ عورت پر ہزار کی تہائی لازم ہوگی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھے تین طلاقیں دے دے ہزار کی شرط پر شوہر نے اس کو ایک طلاق دے دی تو امام صاحب کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور عورت پر کچھ واجب نہ ہوگا اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں، اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ ایک ہزار کے ایک تہائی کے بدلہ ایک طلاق بائن ہوگی اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں۔

امام صاحب کی دلیل: عبارت میں کلمہ ''علیٰ'' شرط کے لئے ہے اور شرط کے اجزاء مشروط کے اجزاء پر منقسم نہیں ہوتے لہٰذا صرف ایک طلاق دینے سے عورت پر ایک ہزار کا تہائی واجب نہ ہوگا اور عورت پر ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی، کیوں کہ شوہر نے صریح لفظ سے بلا مال طلاق واقع کی ہے تو شوہر کی یہ طلاق وہ نہیں ہوگی جس کا عورت نے سوال کیا تھا بلکہ یہ شوہر کی جانب سے ابتداءً طلاق ہوگی اور چوں کہ شوہر نے لفظ صریح کے ساتھ طلاق دی ہے اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ جو طلاق صریح لفظ سے دی جائے اور بلا عوض دی جائے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے لہٰذا یہاں بھی طلاق رجعی واقع ہوگی۔

صاحبین کی دلیل: کلمہ علی باء کے معنی میں ہے تو علی الف، بالف کے معنی میں ہو کر وہی مطلب مراد ہوگا جو اس سے پہلے مسئلہ میں تھا۔ لہٰذا اگر شوہر نے ایک طلاق دی تو شوہر کے لئے عورت پر ایک ہزار کا تہائی واجب ہو جائے گا اور عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی ایک تہائی تو اس لیے واجب ہوگا کہ ایک ہزار تین طلاقوں کا عوض ہے اور عوض کے اجزاء معوض کے اجزاء پر منقسم ہوتے ہیں اور طلاق بائن اس لیے واقع ہوگی کہ یہ طلاق 'علی مال' ہے اور طلاق 'علیٰ مال' سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے لہٰذا یہاں بھی طلاق بائن واقع ہوگی (دیکھئے نور الانوار علی کا بیان)

(۱۳/۱۹۴۰) وَلَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِیْ نَفْسَكِ ثَلٰثاً بِاَلْفٍ اَوْ عَلٰی اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ یَقَعْ عَلَیْهَا شَیْءٌ مِنَ الطَّلاَقِ.

ترجمہ: اور اگر کہا شوہر نے خود کو تین طلاقیں دے لے ایک ہزار کے بدلہ یا ایک ہزار پر عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دے لی تو عورت پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

تشریح: شوہر نے بیوی سے کہا کہ تم اپنے آپ کو ایک ہزار کے بدلہ یا ایک ہزار کی شرط پر تین طلاقیں دے لو عورت نے ایک طلاق دی تو عورت پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اور شوہر کو تہائی رقم بھی نہیں ملے گی کیوں کہ شوہر اپنی بیوی کو بائنہ کرنے پر اس صورت میں راضی ہوا ہے جب کہ اس کو پورا ایک ہزار ملے اور وہ تہائی رقم پر عورت کو جدا کرنے پر راضی نہیں ہے اس لیے شرط کے خلاف کرنے پر نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عورت پر کچھ لازم ہوگا۔

(۱۴/۱۹۴۱) وَالْمُبَارَأَةُ كَالْخُلْعِ وَالْخُلْعُ وَالْمُبَارَأَةُ يُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الزَّوْجَيْنِ عَلَى الْآخَرِ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُبَارَأَةُ تُسْقِطُ وَالْخُلْعُ لَا تُسْقِطُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا تُسْقِطَانِ اِلَّا مَا سَمَّيَاهُ۔

حل لغات: خلع: کل مہر کو بدل مقرر کر لینا خلع ہے، مباراۃ: مفاعلۃ کا مصدر ہے عورت کا شوہر کے ذمہ سے ہر ایسے حق کو ساقط کر دینا جو نکاح کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔

ترجمہ: میاں بیوی کا ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کے مانند ہے اور خلع و مباراۃ ساقط کر دیتے ہیں ہر اس حق کو جو میاں بیوی میں سے ہر ایک کا دوسرے پر ہو ان حقوق میں سے جو نکاح کے متعلق ہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا مبارات ساقط کر دیتا ہے اور خلع ساقط نہیں کرتا ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نہیں ساقط کریں گے سوائے اس کے جو دونوں بیان کریں۔

خلع اور مبارات سے کون سے حقوق ساقط ہوں گے

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک کا دوسرے کو بری کرنا خلع کے مانند ہے مبارات کی صورت یہ ہے کہ بیوی شوہر سے کہے کہ مجھے اتنے مال پر بری کر دے شوہر کہے کہ میں نے تجھے بری کر دیا صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جتنے حقوق نکاح کی وجہ سے میاں بیوی پر عائد ہوئے ہیں خلع کرنے کی وجہ سے اور ایک دوسرے کو بری کرنے کی وجہ سے سب ساقط ہو جائیں گے جیسے گذشتہ ایام کا خرچہ مہر وغیرہ شوہر پر لازم نہیں ہوگا۔

البتہ خلع اور مبارات میں عدت کا نفقہ اور سکنی ساقط نہیں ہوتا لیکن اگر عورت نے عدت کے نفقہ پر ہی خلع کیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا سکنی ساقط نہیں ہوگا یہ مذکورہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے، اور امام ابویوسف کا قول خلع کی صورت میں امام محمد کے قول کے مانند ہے اور مبارات کی صورت میں امام صاحب کے قول کے مانند ہے امام محمدؒ کے نزدیک مبارات اور خلع کے ذریعہ وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کی زوجین نے تعیین کر دی ہو اور جن کی تعیین نہیں کی وہ ساقط نہیں ہوں گے ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

☆☆☆

كِتَابُ الظِّهَارِ

(یہ کتاب ظہار کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الظہار اور کتاب الخلع میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں کے وجود کا سبب میاں بیوی کی نااتفاقی ہے اور خلع کو ظہار پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ خلع کے ذریعہ مکمل درجہ پر تحریم ہو جاتی ہے اور ظہار میں حرمت تو ثابت ہوتی ہے مگر نکاح باقی رہتا ہے اور یہ حرمت کفارہ ادا کر دینے سے ختم ہو جاتی ہے اس لیے اولاً خلع کو بیان کیا ہے پھر ظہار کو بیان کیا ہے۔

لغوی تحقیق: ظہار مفاعلت کا مصدر ہے لغوی معنی ہیں (پیٹھ) مرد کا قول اپنی بیوی سے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔

اصطلاحی تعریف: شوہر کا اپنی بیوی کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ ذات کے ساتھ ہو یا کسی ایسے جزء کے ساتھ ہو جس کو کل سے تعبیر کیا جاتا ہے مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ ظہار کی حقیقت ماں کے ساتھ تشبیہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو خواہ وہ حرمت رضاعت کی وجہ سے ہو یا مصاہرت کی وجہ سے ہو۔

ظہار کی شرط: مظاہر کا عاقل بالغ مسلمان ہونا اور عورت کا منکوحہ ہونا ہے۔

ضروری نوٹ: زمانہ جاہلیت میں ظہار کرنے سے ہمیشہ کے لئے بیوی حرام ہو جاتی تھی اللہ نے اسلام میں نفس ظہار کو تو باقی رکھا لیکن اس کے حکم میں تبدیلی کر دی اس طرح کہ کفارہ ادا کرنے کے بعد وہ عورت حسب سابق حلال ہو جاتی ہے اسلام میں سب سے پہلے جو ظہار واقع ہوا وہ اوس بن صامتؓ کا ظہار ہے۔

(۱/۱۹۴۲) إِذَا قَالَ الزَّوْجُ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْئُهَا وَلَا مَسُّهَا وَلَاتَقْبِيْلُهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهِ.

ترجمہ: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو وہ اس پر حرام ہوگئی نہ اس سے صحبت حلال ہے نہ اس کا چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا یہاں تک کہ کفارہ دے اپنے ظہار کا۔

تشریح: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے 'انت علی کظهر امی' کہا تو وہ مظاہر ہو گیا اور ظہار کا حکم یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مرد پر اپنی بیوی کے ساتھ جماع حرام ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے پھر جب ظہار کی وجہ سے وطی کرنا حرام ہوا تو کیا وہ تمام چیزیں بھی حرام ہو جائیں گی جو صحبت پر ابھارنے والی ہیں؟ اس میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک دواعی الی الوطی جیسے عورت کو چھونا اس کا بوسہ لینا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہیں تاکہ یہ چیزیں اس کو وطی میں

مبتلا نہ کردیں یہی مذہب امام مالک کا ہے اور شافعیہ وحنابلہ کی اس میں دونوں روایتیں ہیں حرمت وعدم حرمت۔

(۲/۱۹۴۳) فَاِنْ وَطِئَهَا قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ اِسْتَغْفَرِ اللّٰهَ وَلَا شَىْءَ عَلَيْهِ غَيْرُ الْكَفَّارَةِ الْاُوْلٰى وَلَا يُعَاوِدُ حَتّٰى يُكَفِّرَ.

ترجمہ: اگر صحبت کرے کفارہ دینے سے پہلے تو اللہ سے استغفار کرے اور اس پر کچھ نہیں پہلے کفارہ کے علاوہ اور دوبارہ صحبت نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے کفارہ دینے سے پہلے اس عورت سے وطی کرلی تو یہ شخص توبہ واستغفار کرے اور اس پر پہلے کفارہ کے علاوہ کوئی اور کفارہ واجب نہ ہوگا اور اب وطی نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دے دے۔

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہار کرنے والا کفارہ ادا کرنے سے پہلے صحبت کرے تو ایک ہی کفارہ لازم ہوگا (ترمذی ۱/۱۴۳، باب ماجاء فی المظاهر یواقع ان یکفر)

(۳/۱۹۴۴) وَالْعَوْدُ الَّذِىْ يَجِبُ بِهِ الْكَفَّارَةُ هُوَ اَنْ يَعْزِمَ عَلٰى وَطْئِهَا.

ترجمہ: اور وہ عود جس سے کفارہ لازم ہوتا ہے یہ ہے کہ ارادہ کرے اس سے وطی کرنے کا۔

تشریح: ظہار کرنے کے بعد اگر بیوی سے جماع کرنے کا پختہ ارادہ کرلے تو اس کو کفارہ دینا ہوگا اور اگر واپس کرنے اور جماع کا ارادہ نہیں ہے تو پھر کفارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ آیت میں ہے ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا یعنی پھر جو کچھ کہا اس سے رجوع کرنا چاہے اس آیت میں ہے کہ لوٹنے کا ارادہ کرے تو صحبت سے پہلے کفارہ ادا کرے۔

(۴/۱۹۴۵) وَاِذَا قَالَ اَنْتِ عَلَىَّ كَبَطْنِ اُمِّىْ اَوْ كَفَخِذِهَا اَوْ كَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ.

ترجمہ: اگر کہا تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ یا ران یا فرج کے مانند ہے تو وہ ظہار کرنے والا ہوگا۔

تشریح: ظہار، ظہر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پیٹھ لیکن پیٹھ کے بجائے ماں کے پیٹ یا ران یا فرج یا وہ عضو جس کا دیکھنا بیٹے کے لئے حرام ہے اس سے بیوی کو تشبیہ دی تب بھی ظہار ہوجائے گا، دلیل یہ ہے کہ ظہار کہتے ہیں اپنی منکوحہ کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو اور یہ معنی ہر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینے میں متحقق ہوجائیں گے جس کی طرف دیکھنا ناجائز ہے۔

(۵/۱۹۴۶) وَكَذٰلِكَ اِنْ شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظْرُ اِلَيْهَا عَلٰى سَبِيْلِ التَّابِيْدِ مِنْ مَحَارِمِهٖ مِثْلُ اُخْتِهٖ اَوْ عَمَّتِهٖ اَوْ اُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر تشبیہ دے ایسی عورت کے ساتھ جس کی طرف دیکھنا اس کے لئے حلال نہیں ہمیشہ کے لئے محارم میں سے جیسے اپنی بہن پھوپھی یا رضاعی ماں کے ساتھ۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے محارم میں سے ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی کہ اس کو شہوت کے ساتھ دیکھنا ہمیشہ حرام ہے مثلاً بہن، پھوپھی وغیرہ تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ یہ عورتیں دائمی حرام ہونے میں ماں کے مانند ہے لہٰذا جو حکم ظہار میں ماں کا ہے وہی ان عورتوں کا ہوگا۔

(۱۹۴۷/۶) وَكَذَالِكَ اِنْ قَالَ رَأْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ اَوْ رَقَبَتُكِ اَوْ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ.

ترجمہ: اور اسی طرح اگر کہے کہ تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کے مانند ہے یا تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف یا تیرا تہائی۔

تشریح: مذکورہ تمام صورتوں میں ظہار ثابت ہو جائے گا، دلیل یہ ہے کہ ان اعضاء میں سے ہر عضو کے ساتھ پورے بدن کو مراد لیتے ہیں لہٰذا عورت کے ان اعضاء کو تشبیہ دینا ایسا ہے جیسا کہ عورت کو تشبیہ دینا اس وجہ سے یہ شخص ظہار کرنے والا شمار ہوگا۔

(۱۹۴۸/۷) وَاِنْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ مِثْلُ اُمِّيْ يُرْجَعُ اِلٰى نِيَّتِهٖ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ بِهِ الْكَرَامَةَ فَهُوَ كَمَا قَالَ.

ترجمہ: اور اگر کہے تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا اگر کہے میں نے اس سے عزت کا ارادہ کیا ہے تو ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا۔

تشریح: شوہر نے بیوی سے کہا تو میرے اوپر میری ماں کی طرح ہے ظہار کا لفظ نہیں بولا تو اس شخص کی نیت دریافت کی جائے گی کیوں کہ اس کا کلام تشبیہ کی چند صورتوں کا احتمال رکھتا ہے چناں چہ ایک صورت کو متعین کرنے کے لئے نیت کا پایا جانا ضروری ہے، پس اگر اس نے کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ جس طرح میری ماں میرے لئے محترم ہے تو بھی میرے لئے محترم ہے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور ظہار واقع نہ ہوگا اور نہ طلاق واقع ہوگی اور اس شخص پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۱۹۴۹/۸) وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ.

ترجمہ: اور اگر وہ کہے کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا تھا تو ظہار ہوگا۔

تشریح: اگر شوہر نے بیوی سے کہا تو میرے اوپر میری ماں کی طرح ہے اور میں نے اپنے اس بیان سے ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار ہو جائے گا، کیوں کہ اس کلام سے اپنی بیوی کو اپنی پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دی ہے پس جب ماں

کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار ہو جاتا ہے تو پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے بدرجہ اولیٰ ظہار ہو جائے گا۔

(۹/۱۹۵۰) وَإِنْ قَالَ أَرَدْتُ الطَّلَاقَ فَهُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میرا ارادہ طلاق کا تھا تو طلاق بائن ہوگی۔

تشریح: اور اگر شوہر یوں کہے کہ میں نے اس کلام سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی کیوں کہ 'أنتِ عَلَيَّ مِثْلُ أُمِّيْ' حرام ہونے میں تشبیہ ہے تو گویا شوہر نے انتِ عَلَيَّ حَرَامٌ کہا ہے اور یہ طلاق کے الفاظ کنایہ میں سے ہے اور کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

(۱۰/۱۹۵۱) وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ نِيَّةٌ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ.

ترجمہ: اور اگر کچھ نیت نہ ہو تو کچھ واقع نہیں ہوگی۔

تشریح: اور اگر اس شخص نے کوئی نیت نہیں کی ہے تو یہ کلام شیخین کے نزدیک لغو ہوگا اسی کے قائل اصحاب شافعی ہیں اور امام محمد نے فرمایا کہ عدم نیت کی صورت میں یہ کلام ظہار ہوگا اور اسی کے قائل ائمہ ثلاثہ ہیں۔

(۱۱/۱۹۵۲) وَلَا يَكُوْنُ الظِّهَارُ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِهِ فَإِنْ ظَاهَرَ مِنْ أَمَتِهِ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِراً.

ترجمہ: اور نہیں ہوتا ظہار مگر اپنی بیوی سے اگر ظہار کرے اپنی باندی سے تو مظاہر نہ ہوگا۔

تشریح: جامع صغیر میں امام محمدؒ نے فرمایا کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ دوسری عورتوں سے حتی کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ شخص ظہار کرنے والا شمار نہ ہوگا، دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے 'من نسائهم' اور لفظ نساء بیویوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور مملوکہ باندی بیوی نہیں کہلاتی۔

(۱۲/۱۹۵۳) وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهِ أَنْتُنَّ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّيْ كَانَ مُظَاهِراً مِنْ جَمَاعَتِهِنَّ وَعَلَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ كَفَّارَةٌ.

ترجمہ: کسی نے اپنی بیویوں سے کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو یہ ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا اور شوہر پر ہر ایک کے لئے کفارہ ہے۔

چند بیویوں سے ظہار کرنے والا کتنے کفارے دے؟

تشریح: ایک شخص کے نکاح میں چار بیویاں تھیں ایک ہی جملہ میں چاروں سے کہا تم میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو تو یہ شخص بالاتفاق ان سب عورتوں سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے تمام عورتوں کی جانب

ظہار منسوب کیا ہے لہٰذا تمام سے ظہار ہوگا، رہی یہ بات کہ شوہر پر تمام کی وجہ سے ایک کفارہ واجب ہوگا یا متعدد اس بارے میں اختلاف ہے، چناں چہ ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ظہار کے متعدد ہونے کی وجہ سے کفارے متعدد ہوں گے کیوں کہ ظہار کی وجہ سے ہر ایک عورت کے حق میں حرمت ثابت ہوگئی ہے اور کفارہ اس لیے ہوتا ہے کہ حرمت کو ختم کردے لہٰذا جتنی حرمتیں ہوں گی اسی قدر کفارے ہوں گے امام مالکؒ واحمدؒ نے فرمایا ہے کہ سب کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہوجائے گا۔

(۱۳/۱۹۵۴) وَكَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيناً كُلُّ ذَالِكَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ.

حل لغات: متتابعین: باب تفاعل سے ہے مسلسل پے در پے بلا ناغہ ، المسیس: چھونا، مراد ہے صحبت کرنا۔

ترجمہ: اور ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے پھر اگر غلام نہ پاوے تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے پھر اگر یہ نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ سب وطی سے پہلے ہو۔

کفارۂ ظہار کا بیان

تشریح: امام قدوریؒ نے کفارۂ ظہار کی ترتیب بیان فرمائی ہے کہ ایک غلام آزاد کرے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پے در پے ساٹھ روزے رکھے، اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے اس ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے، پھر فرماتے ہیں کہ ظہار کا کفارہ خواہ غلام آزاد کرنے کی صورت میں ہو یا روزوں کی صورت میں یا کھانا کھلانے کی صورت میں ہو ہر ایک کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

(۱۴/۱۹۵۵) وَيُجْزِئُ فِيْ ذَالِكَ عِتْقُ الرَّقَبَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالْكَافِرَةِ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ.

ترجمہ: اور کافی ہے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا مسلم ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا۔

تشریح: امام قدوریؒ نے فرمایا کہ کفارۂ ظہار میں مطلقاً غلام کو آزاد کرنا کافی ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مذکر ہو یا مؤنث بالغ ہو یا نابالغ یہ احناف کا مذہب ہے، کیوں کہ آیت میں 'تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ' ہے جو عام ہے البتہ مومن غلام کا آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کافر غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ کفارۂ قتل میں مومن غلام کا آزاد کرنا شرط ہے اس لیے کفارۂ ظہار میں بھی مومن کا ہونا ضروری ہے۔

(۱۵/۱۹۵۶) وَلَا يُجْزِئُ الْعَمْيَاءُ وَلَا مَقْطُوْعَةُ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ.

لغت: العمياء: عمی کی جمع ہے اندھا۔

ترجمہ: اور نہیں کافی ہوگا اندھا اور نہ دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹا ہوا۔

تشریح: کفارۂ ظہار میں نابینا غلام یا باندی کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا آزاد کرنا درست ہے جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا دونوں پاؤں کٹے ہوں، کیوں کہ ان اعضاء کے معذور ہونے سے غلام کی منفعت ختم ہوگئی اور مکمل غلام باقی نہ رہا اور آیت میں تحریر رقبہ سے مکمل غلام مراد ہے اس لیے کامل غلام آزاد کرنا ضروری ہے۔

(۱۶/۱۹۵۷) وَيَجُوْزُ الْاَصَمُّ وَمَقْطُوْعُ اِحْدَى الْيَدَيْنِ وَاِحْدَى الرِّجْلَيْنِ مِنْ خِلَافٍ.

حل لغات: الاصم: بہرا

ترجمہ: اور جائز ہے بہرے غلام کو آزاد کرنا اور دونوں ہاتھوں میں سے ایک کے کٹے ہوئے کا دونوں پیروں میں سے ایک کے کٹے ہوئے کا خلاف سے۔

تشریح: غلام بہرا ہو تو کفارے میں آزاد کرنا اس وقت درست ہے جب کہ چلا کر اس سے گفتگو کی جائے تو وہ سن لے، اور اگر ایسی حالت میں ہے کہ وہ بالکل نہیں سن سکتا پیدائشی بہرہ ہے اور گونگا بھی ہے تو ایسے غلام کا آزاد کرنا ناکافی ہوگا۔

آگے فرماتے ہیں کہ غلام کے ایک ہاتھ اور ایک پیر خلاف جانب سے کٹے ہوئے ہوں مثلاً دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کٹا ہوا ہو یا اس کا الٹا ہو تو ایسے غلام کو آزاد کرنا بھی جائز ہے۔

(۱۷/۱۹۵۸) وَلَا يَجُوْزُ مَقْطُوْعُ اِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ.

لغت: ابھامی: ابہام کا تثنیہ ہے انگوٹھا اضافت کی وجہ سے تثنیہ کا نون گر گیا۔

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے جس کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں۔

تشریح: اگر کسی غلام یا باندی کے دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو کفارۂ ظہار میں اس کا آزاد کرنا جائز نہ ہوگا، کیوں کہ دونوں ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے کٹ جانے کی وجہ سے ان کی پکڑ کی قوت زائل ہو جائے گی اب وہ کوئی کام نہیں کر سکتے اس لیے اب وہ غلام انتہائی عیب دار ہوگیا، اس لیے ایسے غلام باندی کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر پیر کے انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں تو جائز ہے۔

(۱۸/۱۹۵۹) وَلَا يَجُوْزُ الْمَجْنُوْنُ الَّذِیْ لَا يَعْقِلُ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے وہ مجنون جس کو بالکل سمجھ نہ ہو۔

تشریح: جس آدمی کو بالکل سمجھ نہ ہو اس کا ہاتھ پاؤں کام نہیں کرتا ہے گویا کہ اس کی جنس منفعت ختم ہو گئی اس لیے مجنون بھی کافی نہیں ہے، اور اگر مجنون بات سمجھتا ہو اور کبھی کبھی جنون ہوتا ہو تو کچھ نہ کچھ منفعت باقی ہے اس لیے کفارہ کافی ہو جائے گا۔

(۱۹/۱۹۶۰) وَلَا يَجُوْزُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَاُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُكَاتَبِ الَّذِیْ اَدّٰی بَعْضَ الْمَالِ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے آزاد کرنا مدبر ام ولد اور اس مکاتب کو جس نے ادا کر دیا ہو کچھ مال۔

تشریح: کفارے میں مدبر، غلام، ام ولد، باندی یا وہ مکاتب جس نے کچھ مال ادا کر دیا ہو آزاد کرنا کافی نہیں ہے، کیوں کہ ان غلاموں میں آزادی کا شائبہ آ گیا ہے اس لیے مکمل غلام نہیں رہے۔

(۲۰/۱۹۶۱) فَاِنْ اَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ.

ترجمہ: اگر آزاد کرے ایسے مکاتب کو جس نے نہیں ادا کیا کچھ تو جائز ہے۔

تشریح: اگر ظہار کرنے والے نے کفارۂ ظہار میں ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے ابھی تک بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا ہے تو ایسے مکاتب کا آزاد کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے کیوں کہ اس میں آزادی کا شائبہ نہیں ہے اس لیے وہ مکمل غلام ہے۔

(۲۱/۱۹۶۲) فَاِنِ اشْتَرٰی اَبَاهُ اَوِ ابْنَهُ وَيَنْوِیْ بِالشِّرَاءِ الْكَفَّارَةَ جَازَ عَنْهَا.

ترجمہ: اگر خریدے اپنا باپ یا بیٹا درانحالیکہ نیت کرتا ہے خریدنے سے کفارہ کی تو جائز ہوگا کفارہ کی طرف سے۔

تشریح: اگر کسی شخص پر کفارۂ ظہار واجب ہو اور اس نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے یا ذی رحم محرم کو خریدا اور خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو یہ لوگ خریدتے ہی آزاد ہو جائیں گے لیکن کفارہ بھی ادا ہو جائے گا کیوں کہ یہاں آزاد ہونے کے دو سبب ہیں ایک ذی رحم محرم ہونے کی وجہ سے آزاد ہونا اور دوسرے کفارہ کی وجہ سے آزاد ہونا چوں کہ خریدنے والے کی نیت کفارے کی جانب سے آزاد کرنا ہے اس لیے اس کی رعایت ہوگی اور کفارہ ادا ہو جائے گا۔

(۲۲/۱۹۶۳) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ عَنِ الْكَفَّارَةِ وَضَمِنَ قِيْمَةَ بَاقِيْهِ فَاَعْتَقَهُ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يُجْزِيْهِ اِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُوْسِرًا وَاِنْ كَانَ مُعْسِرًا لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کر دے مشترک غلام کے آدھے کو کفارہ کی جانب سے اور ضامن ہو جائے باقی کی قیمت کا پھر اس کو آزاد کر دے تو کافی نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا کافی ہوگا اگر آزاد کرنے والا

مالدار ہے اور اگر تنگدست ہے تو کافی نہیں ہوگا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر کفارۂ ظہار واجب ہے اس نے ایسے غلام کا نصف آزاد کیا جو اس کے اور اس کے علاوہ دوسرے کے درمیان مشترک ہے درانحالیکہ یہ آزاد کرنے والا مالدار ہے اور یہ اپنے شریک کے لئے باقی غلام کی قیمت کا ضامن ہوگیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس سے کفارۂ ظہار ادا نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ادا ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو بالاتفاق کفارہ ادا نہیں ہوگا (دلائل ہدایہ میں)

(۱۹۶۴/۲۳) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهٗ عَنْهَا جَازَ.

ترجمہ: اگر آزاد کردے، اپنے غلام کا آدھا اپنے کفارہ کی طرف سے پھر باقی بھی اسی کی طرف سے آزاد کردے تو جائز ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ میں آزاد کیا پھر باقی غلام کو بھی آزاد کردیا تو یہ جائز ہے یعنی کفارہ ادا ہو جائے گا، کیوں کہ آدھے غلام کو آزاد کرنے سے جو نقص ہوا وہ اپنی ملکیت میں ہوا اس لئے مکمل غلام آزاد کرنا سمجھا جائے گا اور یہ ایسا ہوگیا کہ ایک کفارہ دو جملوں میں ادا کیا اس لیے کافی ہوگا۔

(۱۹۶۵/۲۴) وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِىْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهٗ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کردے اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ کی طرف سے پھر صحبت کرے اس عورت سے جس کے ساتھ ظہار کیا تھا پھر آزاد کردے باقی غلام کو تو جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: ایک شخص نے اپنے کفارہ میں آدھا غلام آزاد کیا پھر اس عورت سے وطی کرلی جس کے ساتھ ظہار کیا تھا پھر باقی غلام کو آزاد کردیا تو یہ آزاد کرنا امام صاحب کے نزدیک کافی نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک کافی ہو جائے گا امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت 'فتحریر رقبة من قبل ان یتماسا' کے اعتبار سے صحبت سے پہلے پورا غلام کفارہ میں ادا کرنا چاہئے امام صاحب کے نزدیک غلام آزاد کرنے میں تجزی (ٹکڑے) ہوسکتی ہے لہٰذا امام صاحب کے نزدیک آزاد کرنا کل کو آزاد کرنا نہیں ہوگا۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ چوں کہ اعتاق میں تجزی نہیں ہوتی اس لیے آدھے غلام کو آزاد کرنا پورے کو آزاد کرنا ہے تو صاحبین کے نزدیک پورے غلام کی آزادی جماع سے پہلے پائی گئی اس لیے جائز ہوگا۔

(۱۹۶۶/۲۵) فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يُعْتِقُهٗ فَكَفَّارَتُهٗ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ.

ترجمہ: اور اگر نہ پائے ظہار کرنے والا غلام جس کو آزاد کرے تو اس کا کفارہ دو مہینے مسلسل روزے رکھنا ہے جن میں نہ رمضان کا مہینہ ہو نہ عید الفطر نہ عید الاضحی اور نہ ہی ایام تشریق۔

تشریح: اگر ظہار کرنے والا غلام آزاد نہ کر سکے یا تو اس لیے کہ غلام ہی دستیاب نہ ہو یا غلام تو دستیاب ہے مگر اس کو خریدنے کے لئے قیمت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کا کفارہ مسلسل دو ماہ کے روزے ہیں بشرطیکہ ان دو ماہ کے دوران رمضان کا مہینہ نہ ہو اور عید کا دن اور بقرعید کا دن اور اس کے بعد تین دن تشریق کے نہ ہوں دو ماہ کے روزے اگر چاند کے حساب سے رکھتے ہیں تو بہر صورت جائز ہے خواہ مہینہ ۳۰ دن کا ہو یا ۲۹ دن کا، اور اگر درمیان ماہ سے روزہ رکھنا شروع کیا ہے تو ساٹھ روزے پورے کرے اگر انسٹھ روزے رکھنے کے بعد افطار کر دیا تو اس شخص پر از سر نو ساٹھ روزے رکھنے ضروری ہوں گے۔

(۱۹۶۷/۲۶) فَإِنْ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلًا عَامِدًا أَوْ نَهَارًا نَاسِيًا اِسْتَأْنَفَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ.

ترجمہ: پھر اگر صحبت کر لے اس عورت سے جس سے ظہار کیا تھا دو ماہ کے اندر (خواہ) رات میں جان بوجھ کر یا دن میں بھول کر تو از سر نو رکھے طرفین کے نزدیک۔

مظاہر وطی کر لے تو کیا حکم ہے؟

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ روزوں کے ذریعہ کفارۂ ظہار ادا کرنے والے نے اگر ان دو ماہ کے اندر اس عورت کے ساتھ وطی کی جس سے ظہار کیا تھا خواہ یہ وطی رات میں جان کر ہو یا دن میں بھول کر تو طرفین کے نزدیک از سر نو روزے رکھے اسی کے قائل امام مالک واحمد ہیں امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ از سر نو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں، امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ رات میں جان کر اور دن میں بھول کر صحبت کرنا مفسد صوم نہیں لہٰذا یہ جماع روزوں کے مسلسل ہونے سے مانع نہیں ہے ظہار کے کفارہ میں روزوں کا پے در پے ہونا ہی شرط تھا سو وہ پایا گیا اس لیے دوبارہ شروع سے رکھنے کی ضرورت نہیں مابقیہ کو رکھ لے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح روزوں کا صحبت سے پہلے ہونا نصاً ضروری ہے اسی طرح ان کا وطی سے خالی ہونا بھی شرط ہے اس لیے دوبارہ روزے رکھے۔

تنبیہ: 'لیل' کے ساتھ عمد کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی کیوں کہ معتمد ومعتبر کتابوں میں صراحت ہے کہ رات کو صحبت کرنے میں عمد ونسیان برابر ہیں۔

(۱۹۶۸/۲۷) وَإِنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْهَا بِعُذْرٍ أَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ اِسْتَأْنَفَ.

ترجمہ: اور اگر افطار کرے ان ایام میں سے ایک دن عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو شروع سے روزے

رکھے۔

تشریح: اگر مظاہر نے ان دو ماہ میں سے ایک دن روزہ چھوڑ دیا عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو یہ شخص پھر از سرنو روزے رکھے گا، کیوں کہ آیت میں ہے کہ مسلسل دو ماہ روزے رکھے اور مسلسل رکھنا فوت ہوگیا ہے حالانکہ یہ شخص پے در پے روزے رکھنے پر قادر ہے۔

(۱۹۶۹/۲۸) وَاِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يُجْزِهْ فِي الْكَفَّارَةِ اِلَّا الصَّوْمُ.

ترجمہ: اور اگر ظہار کرے غلام تو نہیں جائز ہے کفارہ میں مگر روزہ۔

تشریح: غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو اس کا کفارہ صرف روزوں کے ذریعہ سے ادا ہوگا، کیوں کہ غلام کی مِلک میں کوئی چیز نہیں ہوتی ہے اس لیے وہ مال سے کفارہ ادا کرنے کا اہل نہیں ہوگا۔

(۱۹۷۰/۲۹) فَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰى عَنْهُ اَوْ اَطْعَمَ لَمْ يُجْزِئْهُ.

ترجمہ: پھر اگر آزاد کردے آقا غلام کی جانب سے یا کھانا کھلادے تو بھی اس کو کافی نہیں ہے۔

تشریح: مظاہر غلام کی جانب سے آقا نے کفارہ میں غلام آزاد کردیا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادیا تو بھی کافی نہیں ہوگا، کیوں کہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں ہے لہٰذا آقا کے مالک کرنے سے مالک نہیں ہوگا۔

(۱۹۷۱/۳۰) فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ اَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا.

ترجمہ: اگر ظہار کرنے والے کو روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو کھلائے ساٹھ مسکینوں کو۔

تشریح: اگر ظہار کرنے والا روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے دے، کیوں کہ آیت میں ہے کہ روزے کی طاقت نہ رکھتا ہو مثلاً بوڑھا ہو یا مجبوری ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اللہ کا فرمان ہے: فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا.

(۱۹۷۲/۳۱) وَيُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِنْ تَمَرٍ اَوْ شَعِيْرٍ اَوْ قِيْمَةَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور کھلائے ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا اس کی قیمت۔

کفارہ میں کتنا غلہ دے؟

تشریح: اس عبارت میں کھانا دینے کی صورت بیان کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر مسکین کو آدھا صاع گندم یا اس کا آٹا یا ستو یا ایک صاع کھجور یا جو دے دے اور یا اس کی قیمت دے دے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ قیمت میں انہی چیزوں کو دیا جاسکتا ہے جو منصوص نہیں ہیں، مثلاً ایک کلو چاول آدھا صاع گیہوں کی قیمت کے برابر ہے تو آدھا صاع

گندم کی قیمت میں ایک کلو چاول دیا جاسکتا ہے اور وہ چیزیں جن پر نص وارد ہوئی ہے ان کا قیمت میں ادا کرنا جائز نہیں جب کہ وہ مقدار شرع سے کم ہو اگر چہ قیمت میں دوسری چیز سے زیادہ یا اس کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، مثلاً کسی نے عمدہ قسم کی نصف صاع کھجوریں دیں اور یہ کھجور نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہیں یا زائد تو جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نص ایک صاع کھجور پر وارد ہوئی ہے۔

(۳۲/۱۹۷۳) فَاِنْ غَدَّاهُمْ وَ عَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيْلاً كَانَ مَا اَكَلُوْا اَوْ كَثِيْراً.

حل لغات: غداً: تَغْدِيَةً صبح کا کھانا کھلانا، عشاء: تَعْشِيَةً شام کا کھانا کھلانا۔

ترجمہ: اگر کھلا دے مسکینوں کو صبح اور شام تو جائز ہو گیا خواہ انہوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ کھایا ہو۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کرنے والے نے اگر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلا دیا تو کفارۂ ظہار ادا ہو جائے گا خواہ انہوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ کیوں کہ قرآن میں لفظ 'اطعام' آیا ہے اور اطعام کے حقیقی معنی ہیں کھانا لینے پر قابو دینا اور یہ بات کھانے کو مباح کرنے میں اسی طرح حاصل ہو جاتی ہے جس طرح مالک کر دینے میں۔

(۳۳/۱۹۷۴) وَاِنْ اَطْعَمَ مِسْكِيْناً وَاحِداً سِتِّيْنَ يَوْماً اَجْزَاهُ وَاِنْ اَعْطَاهُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجْزِهٖ اِلَّا عَنْ يَوْمِهٖ.

ترجمہ: اور اگر کھلاتا رہا ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن تو یہ بھی کافی ہے اور اگر دے دے اس کو ایک ہی دن میں ساٹھ مسکینوں کا کھانا تو کافی نہ ہوگا مگر ایک دن سے۔

تشریح: ساٹھ مسکینوں کو کھلانا چاہئے لیکن ایک ہی مسکین کو ساٹھ دنوں تک کھلاتا رہا تب بھی کافی ہو جائے گا کیوں کہ کفارہ سے مقصود فقیر کی ضرورت کو پورا کرنا ہے اور ضرورت ہر دن نئی پیدا ہوتی ہے پس دوسرے دن اسی مسکین کو دینا ایسا ہو گیا جیسا کہ دوسرے مسکین کو دیا ہو لہٰذا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دینا ساٹھ مسکینوں کو دینے کے مانند ہوگا اس وجہ سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی آدمی کو ایک ہی دن میں ساٹھ مسکینوں کا کھانا دے دیا تو ایک آدمی کا کفارہ ادا ہوگا ابھی انسٹھ کا باقی رہے گا، کیوں کہ آیت کے اعتبار سے ساٹھ کی تعداد پورا کرنا ضروری تھا تو عدد کے اعتبار سے ایک ہی مسکین ہوا۔

(۳۵/۱۹۷۵) وَاِنْ قَرُبَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِيْ خِلَالِ الْاِطْعَامِ لَمْ يَسْتَأْنِفْ.

ترجمہ: اور اگر قریب (وطی کر لے) ہو جائے اس بیوی سے جس سے ظہار کیا تھا کھانا دینے کے درمیان تو از سر نو کرے۔

تشریح: کفارۂ ظہار ادا کرنے والے نے تیس مسکینوں کو کھانا دے دیا اس درمیان ظہار والی بیوی سے صحبت کر لی تو ایسا کرنا اچھا تو نہیں تھا لیکن پھر بھی شروع سے کھانا دینے کی ضرورت نہیں بقیہ تیس مسکینوں کو کھانا دینے سے کفارہ ادا ہو جائے گا، کیونکہ آیت میں غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے اندر یہ شرط بیان کی گئی ہے کہ صحبت سے پہلے ہو لیکن کھانا کھلانے میں مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَاسَّا کی قید نہیں ہے۔

(۱۹۷۶/۳۶) وَمَنْ وَجَبَتْ عَلَیْهِ کَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَاَعْتَقَ رَقَبَتَیْنِ لَا یَنْوِی لِاَحَدِهِمَا بِعَیْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا وَکَذَالِكَ اِنْ صَامَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْ اَطْعَمَ مِائَةً وَّعِشْرِیْنَ مِسْکِیْناً جَازَ.

ترجمہ: اور جس پر واجب ہو گئے ظہار کے دو کفارے اور اس نے دو غلام آزاد کر دیئے اور کسی ایک کی متعین طور پر نیت نہیں کی تو یہ دونوں کی طرف سے کافی ہو جائیں گے اسی طرح اگر اس نے چار ماہ روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو جائز ہے۔

تشریح: کسی پر دو کفارے ظہار کے تھے اس لیے دو غلام آزاد کرنے تھے اور بہتر یہ تھا کہ ایک غلام آزاد کرتے وقت متعین طور پر ایک کفارۂ ظہار کی نیت کرتا اور دوسرے غلام کو آزاد کرتے وقت دوسرے کفارہ کی نیت کرتا تا کہ کوئی شک وشبہ باقی نہ رہتا لیکن اس نے دو ظہاروں کی جانب سے دو غلام آزاد کئے اور کسی ایک ظہار کو متعین نہیں کیا ایسے ہی ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلایا اور کسی ایک ظہار کو متعین نہیں کیا تب بھی دونوں کفاروں کے لئے کافی ہے۔

(۱۹۷۷/۳۷) وَاِنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً وَاحِدَةً عَنْهُمَا اَوْ صَامَ شَهْرَیْنِ کَانَ لَهُ اَنْ یَجْعَلَ ذَالِكَ عَنْ اَیَّتِهِمَا شَاءَ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کرے ایک غلام دو کفاروں کی جانب سے یا دو ماہ کے روزے رکھے تو اسے اختیار ہے کہ جس کی طرف سے چاہے قرار دے لے۔

تشریح: ایک شخص پر ظہار کے دو کفارے واجب تھے اس نے دونوں کی جانب سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ آزاد کئے ہوئے غلام کو کسی ایک کفارہ کے لئے متعین کر دے یا روزوں کو کسی ایک کفارہ کے لئے متعین کر دے جب ایک ظہار کے لیے متعین کر دے گا تو اس ظہار کا کفارہ ادا ہو جائے گا چوں کہ دونوں کفارے ظہار کے ہی ہیں، اور ایک جنس کے ہیں اس لیے آزاد کرنے سے پہلے ایک ظہار کا تعین ضروری نہیں ہے۔

كِتَابُ اللِّعَانِ

(یہ کتاب احکام لعان کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جب کہ ظہار میں ایک نامعقول اور جھوٹ بات ہے کیوں کہ منکوحہ کو محرم ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا ہے اور لعان میں پاک دامن عورت کو زنا کی طرف منسوب کرنا ہے اور یہ نامعقول بات کا اقویٰ درجہ ہے اس لیے کتاب الظہار کے بعد کتاب اللعان کو بیان کیا ہے، اور ظہار کو لعان پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ ظہار اباحت کے زیادہ قریب ہے لعان کے مقابلہ میں (رقم الحاشیہ ۹)

لعان کی لغوی تحقیق: لعان، کسرہ کے ساتھ لَاعَنَ یُلَاعِنُ ماخوذ ہے اللعن سے باب مفاعلت لغت میں دھتکارنے اور دور کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: لعان ان چار شہادتوں کا نام ہے جو قسموں کے ساتھ مؤکد ہوں۔

ضروری نوٹ: عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو وہ تہمت لگانے والا گواہوں کے ذریعہ اپنے دعویٰ کو ثابت کرے اور اگر ثابت نہ کر سکے تو پھر اس پر حد قذف جاری ہوتی ہے، لیکن زوجین کا حکم یہ نہیں ہے مرد اگر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہ پیش نہ کر سکے تو پھر حد قذف کے بجائے شوہر پر لعان واجب ہے اور اگر وہ لعان کے لئے تیار نہ ہو تو اس کو قید کیا جائے گا، یہاں تک کہ لعان کرے یا پھر اپنے نفس کی تکذیب کرے اور تکذیب نفس کی صورت میں عورت کے مطالبہ پر اس پر حد قذف جاری ہوگی تو یہاں حد قذف تکذیب کی صورت میں ہے کہ شوہر خود اپنی تکذیب کر دے، بہر حال لعان مرد کے حق میں گویا حد قذف کے قائم مقام ہے اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے (کمافی الہدایہ)

(۱/۱۹۷۸) إِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ بِالزِّنَا وَهُمَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ وَالْمَرْأَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا أَوْ نَفَى نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَالَبَتْهُ الْمَرْأَةُ بِمُوْجَبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ.

ترجمہ: جب تہمت لگائے مرد اپنی بیوی کو زنا کی حالانکہ وہ دونوں شہادت کے لائق ہیں اور عورت بھی ایسی ہے کہ اس کے تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاتی ہے یا نفی کر دی اس کے بچہ کے نسب کی اور عورت مطالبہ کرے موجب قذف کا تو اس پر لعان ہوگا۔

شوہر پر لعان واجب ہونے کے لئے کتنی شرطیں ہیں؟

تشریح: اگر چار شرطیں پائی جائیں تو شوہر پر لعان واجب ہے (۱) شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور کہے تو

زانیہ ہے یا میں نے تجھے زنا کراتے ہوئے دیکھا یا کہا اے زانیہ یا بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور شوہر کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زنا کر کے لائی ہے (۲) شوہر میں وہ شرطیں موجود ہوں جو گواہی دینے والے میں ہوتی ہیں مثلاً مرد عاقل بالغ آزاد ہو اور اس پر کبھی تہمت کی حد نہ لگی ہو (۳) عورت ان میں سے ہو کہ اس پر تہمت لگانے والے کو حد قذف ماری جاتی ہے مثلاً وہ عاقلہ بالغہ اور آزاد ہو اور اس پر کبھی حد قذف نہ لگی ہو یا اس کے پاس بچہ مجہول النسب نہ ہو تب اس پر تہمت لگانے سے لعان ہوگا (۴) بیوی قاضی سے لعان کرانے کا مطالبہ کرے تب لعان ہوگا، کیوں کہ لعان عورت کا حق ہے اس لیے کہ لعان کی وجہ سے عورت سے زنا کی عار اور ندامت دور ہو جاتی ہے تو جب لعان عورت کا حق ہے تو اس کا طلب کرنا بھی ضروری ہوگا۔

(۲/۱۹۷۹) فَإِنِ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ أَوْ يُكَذِّبَ نَفْسَهُ فَيُحَدُّ.

ترجمہ: اور اگر شوہر رک جائے لعان سے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے تاکہ اس پر حد لگائی جائے۔

تشریح: شوہر نے تہمت لگائی پھر لعان کرنے کے لئے کہا شوہر نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم وقت اس کو قید کرے گا کہ یا تو لعان کرے یا اپنے آپ کو جھٹلائے اگر اپنے آپ کو جھٹلایا تو بالاتفاق اس پر حد قذف جاری کی جائے گی (اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے)۔

(۳/۱۹۸۰) وَإِنْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ فَإِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتّٰى تُلَاعِنَ أَوْ تُصَدِّقَهُ.

ترجمہ: اور اگر وہ لعان کرے تو عورت پر بھی لعان ہوگا اگر وہ لعان سے باز رہے تو حاکم اس کو قید کرے یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے۔

تشریح: اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا اگر عورت نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم اس کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کر دے، کیوں کہ لعان عورت پر بھی واجب ہے اور وہ اس کو پورا کرنے پر بھی قادر ہے اس وجہ سے اس حق میں اس کو قید کیا جائے گا۔

(۴/۱۹۸۱) وَإِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْداً أَوْ كَافِراً أَوْ مَحْدُوْداً فِيْ قَذْفٍ فَقَذَفَ امْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ.

ترجمہ: اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا وہ کسی کو تہمت دینے میں سزا یافتہ ہو اور وہ اپنی بیوی کو تہمت لگائے تو اس پر حد جاری ہوگی۔

تشریح: اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا شوہر ایسا ہے کہ تہمت لگانے کی وجہ سے اس کو حد قذف ماری گئی ہے ان تینوں صورتوں میں اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگا دی تو اس پر لعان واجب نہیں ہوگا بلکہ حد قذف واجب ہوگی

لعان کا واجب کرنا تو اس لیے ممتنع ہو گیا کہ یہ شخص شہادت کا اہل نہیں رہا حالانکہ لعان کرنے والے کے لئے شہادت کا اہل ہونا ضروری ہے پس جب لعان کرنا ممتنع ہو گیا تو موجب اصلی یعنی حد قذف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(۵/۱۹۸۲)وَاِنْ کَانَ الزَّوْجُ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِیَ اَمَةٌ اَوْ کَافِرَةٌ اَوْ مَحْدُوْدَةٌ فِیْ قَذْفٍ اَوْ کَانَتْ مِمَّنْ لَّا یُحَدُّ قَاذِفُهَا فَلَا حَدَّ عَلَیْهِ فِیْ قَذْفِهَا وَلَا لِعَانَ.

ترجمہ: اور اگر شوہر تو لائق شہادت ہو اور حال یہ ہے کہ بیوی باندی ہو یا کافرہ یا کسی کو تہمت لگانے میں حد ماری گئی ہو یا ایسی عورت ہو جس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی تہمت لگانے میں اور نہ لعان ہوگا۔

تشریح: شوہر میں کوئی خاص خامی نہیں ہے بلکہ وہ شہادت کی لیاقت رکھتا ہو لیکن بیوی میں خامی ہے کہ وہ اہل شہادت میں سے نہیں ہے، مثلاً وہ کسی کی باندی ہے یا کافرہ ہے یا تہمت میں سزا یافتہ ہے یا ایسی عورت ہے جس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی مثلاً وہ بچی ہے یا مجنونہ ہے یا زانیہ ہے تو ان تمام صورتوں میں اس کے شوہر پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ لعان، کیوں کہ یہ عورت نہ قابل شہادت ہے اور نہ اس کی جانب میں احصان ہے تو اس عورت کے قابل شہادت نہ ہونے کی وجہ سے لعان واجب نہیں ہوگا اور اس کے محصنہ نہ ہونے کی وجہ سے شوہر پر حد قذف لازم نہیں ہوگی۔

(۶/۱۹۸۷)وَصِفَةُ اللِّعَانِ اَنْ یَبْتَدِئَ الْقَاضِیْ فَیَشْهَدُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ یَقُوْلُ فِیْ کُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّیْ لَمِنَ الصَّادِقِیْنَ فِیْمَا رَمَیْتُهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا ثُمَّ یَقُوْلُ فِی الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ کَانَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ فِیْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَا یُشِیْرُ اِلَیْهَا فِیْ جَمِیْعِ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور لعان کا طریقہ یہ ہے کہ شروع کرے قاضی شوہر سے پس گواہی دے چار مرتبہ کہے ہر مرتبہ میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو کہ بے شک میں سچا ہوں اس میں جو میں نے تہمت لگائی ہے اس کو زنا کی پھر کہے پانچویں مرتبہ اللہ کی لعنت ہو مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس کو زنا کی تہمت لگائی اشارہ کرے عورت کی طرف ان تمام میں۔

لعان کی کیفیت کا بیان

تشریح: صاحب قدوریؒ نے اس عبارت میں لعان کی کیفیت بیان کی ہے تفصیل یہ ہے، کہ جب عورت نے قاضی کی عدالت میں تہمت کا مقدمہ پیش کیا تو اولاً قاضی اس عورت کو درگذر کرنے کے لئے آمادہ کرے اس کے باوجود اگر یہ عورت مخاصمہ پر مصر ہی رہی اور شوہر نے تہمت کا انکار کر دیا تو عورت پر دو عادل گواہ پیش کرنا لازم ہوگا تاکہ قاضی کے نزدیک اس کا دعویٰ ثابت ہو، اور اگر عورت نے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہی میں پیش کیا تو ان کی گواہی قابل قبول نہ

ہوگی اور اگر عورت نے دو عادل گواہ پیش کر دیئے پھر اس کے شوہر نے ایک مرد اور دو عورتوں کو اس تصدیق کرنے پر گواہ بنایا تو لعان ساقط ہو جائے گا اور اگر شوہر نے زنا کی تہمت لگانے کا اقرار کیا تو اس سے ثبوت زنا پر چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر اس کے پاس گواہ نہیں ہے تو لعان واجب ہوگا اور لعان کی صورت یہ ہے کہ قاضی میاں بیوی دونوں کو حاضر کر کے لعان کی ابتداء شوہر سے کرے وہ چار گواہی دے اور ہر بار یہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں، میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اس نے (میں نے) جو اس عورت کو عیب لگایا اس میں اگر وہ (میں) جھوٹا ہوں تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ان باتوں کو کہتے وقت عورت کی طرف اشارہ کرتا رہے۔

(۱۹۸۸/۷) ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْأَةُ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ تَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا وَتَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَا.

حل لغات: رمانی: رمیٌ تیر پھینکنا، مراد ہے زنا کی تہمت لگانا۔

ترجمہ: پھر عورت چار گواہی دے ہر مرتبہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ یہ جھوٹا ہے اس میں جس کی تہمت لگائی ہے اس نے مجھ کو اور کہے پانچویں بار کہ اللہ کا غضب ہو اس پر (مجھ پر) اگر یہ سچا ہو اس میں جس کی تہمت لگائی ہے اس نے مجھ کو یعنی زنا کی۔

تشریح: مرد کی گواہی کے بعد پھر اسی طرح چار بار عورت گواہی دے اور ہر بار کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کاری کا عیب لگایا اس میں یہ جھوٹا ہے پانچویں بار کہے کہ اس نے جو عیب زنا کاری کا مجھ کو لگایا اگر یہ مرد اس قول میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ہے۔

(۱۹۸۹/۸) وَاِذَا الْتَعَنَا فَرَّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور جب یہ دونوں لعان کر چکیں تو قاضی ان میں تفریق کر دے۔

تشریح: لعان کا معاملہ ایلاء کے برعکس ہے کہ ایلاء میں احناف کے نزدیک نفس مدت کے گذرنے سے طلاق ہو جاتی ہے اور تفریق قاضی کی ضرورت نہیں ہوتی، جب کہ لعان میں احناف کے نزدیک نفس لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد شوہر کا طلاق دینا یا قاضی کا تفریق کرنا ضروری ہے، جب کہ ائمہ ثلاثہؒ ایلاء میں تو تفریق قاضی کے قائل تھے لیکن لعان میں فرقت کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں سمجھتے اور فرقت کے لئے محض لعان کو کافی قرار دیتے ہیں بلکہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ محض مرد کے لعان سے فرقت واقع ہو جاتی ہے اگر چہ ابھی تک عورت نے لعان نہ کیا ہو۔

(۱۹۹۰/۹) وَكَانَتِ الْفُرْقَةُ تَطْلِيقَةً بَائِنَةً عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تعالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَكُوْنُ تَحْرِيْماً مُؤَبَّداً.

ترجمہ: اور یہ جدائی طلاق بائن ہوگی طرفینؒ کے نزدیک اور فرمایا امام ابو یوسفؒ نے کہ دائمی حرمت ہوگی۔

لعان سے ثابت شدہ حرمت کی کیا حیثیت ہے؟

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے لعان سے ثابت شدہ حرمت کی حیثیت کو بیان کیا ہے چناں چہ فرمایا کہ حضرات طرفین فرماتے ہیں کہ فرقت لعان طلاق بائن کے درجہ میں ہے البتہ جب تک لعان برقرار ہو اس وقت تک دوبارہ نکاح بھی درست نہیں، لیکن اگر شوہر نے زنا کا الزام لگانے میں اپنے آپ کو جھٹلا دیا اور اس پر حد قذف جاری ہوگئی یا عورت نے شوہر کے الزام کو درست قرار دے کر اپنی تکذیب کردی تو اب ان کے لئے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگیا یہ صورت بدائع الصنائع سے ماخوذ ہے جب کہ فتح القدیر ۴/۱۲۰ باب اللعان میں اس کی مختلف صورتیں آئی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر شوہر نے لعان اور تفریق کے بعد اپنے آپ کو جھٹلایا تو اس کے لئے دوبارہ اس عورت سے نکاح جائز ہے حد قذف لگی ہو یا نہ لگی ہو، اور اگر شوہر نے اپنی تکذیب لعان کے بعد تفریق سے پہلے کی تو عورت اس کے لئے بغیر تجدید نکاح کے حلال ہے۔

امام ابو یوسف امام زفر اور جمہور علماء ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ لعان بغیر طلاق کے فرقت ہے اور اس فرقت سے ثابت ہونے والی حرمت دائمی اور ابدی ہے جیسے حرمتِ رضاعت اور حرمتِ مصاہرت۔

(۱۹۹۱/۱۰) وَاِنْ كَانَ الْقَذْفُ بِوَلَدٍ نَفَى الْقَاضِىْ نَسَبَهُ وَاَلْحَقَهُ بِاُمِّهٖ.

ترجمہ: اور اگر تہمت بچہ کی نفی کرنے کے ذریعہ ہو تو قاضی اس کے نسب کی نفی کرے اور اس کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کرے گا۔

تشریح: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب اس طرح لگایا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے تو لعان کے بعد قاضی بچہ کا نسب باپ سے ساقط کر کے ماں کے ساتھ ملا دے گا اور اب بچہ ماں کے ساتھ پکارا جائے گا باپ کے نام کے ساتھ نہیں، کیوں کہ حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ ملحق کردیا۔ (بخاری شریف ۲/۸۰۱ یلحق الولد بالملاعنة)

(۱۹۹۲/۱۱) فَاِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَكَذَّبَ نَفْسَهُ حَدَّهُ الْقَاضِىْ وَحَلَّ لَهُ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَكَذَالِكَ اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهٖ اَوْ زَنَتْ فَحُدَّتْ.

ترجمہ: پھر اگر شوہر لوٹ کر اپنے آپ کی تکذیب کرے تو قاضی اس کو حد لگائے اور اسکے لئے حلال ہے کہ

اس عورت سے شادی کرنے اسی طرح اگر دوسرے کو تہمت لگادے جس کی وجہ سے اس کو حد ماری گئی (تو بھی اس کے لیے جائز ہے کہ اس عورت سے نکاح کرے) یا عورت نے زنا کروایا اور اس کو حد لگ گئی۔

تشریح: شوہر نے بیوی کو زنا کی تہمت لگائی جس کی وجہ سے لعان کیا اور دونوں کے درمیان جدائی ہوگئی بعد میں شوہر نے اپنے آپ کو جھٹلایا تو قاضی اس کو حد قذف اسی کوڑے لگائے اب اس کے لئے حلال ہے کہ اس بیوی سے شادی کرے اسی طرح اگر اس شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو زنا کی تہمت لگائی اور چار گواہوں سے ثابت نہ کرسکا جس کی وجہ سے اس کو حد قذف ماری گئی تو حد لگنے کے بعد اس کے لئے جائز ہے کہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرلے اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ میاں بیوی نے نکاح کے بعد اور دخول سے قبل لعان کیا پھر لعان کے بعد اس عورت نے زنا کیا اور زنا کی وجہ سے اس کو حد زنا ماری گئی، تو اس شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرے۔

(۱۲/۱۹۹۳) وَاِنْ قَذَفَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ اَوْ مَجْنُوْنَةٌ فَلَا لِعَانَ بَيْنَهُمَا وَلَا حَدَّ.

ترجمہ: اور اگر تہمت لگائے اپنی بیوی کو حالانکہ وہ بچی ہے یا دیوانی ہے تو ان دونوں کے درمیان لعان نہیں ہے اور نہ حد ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی پر زنا کا عیب لگایا اور یہ عورت ابھی نابالغہ بچی ہے یا دیوانی ہے تو اس تہمت کی وجہ سے نہ تو لعان ہوگا اور نہ شوہر کو حد لگے گی البتہ تعزیر ہوگی، کیوں کہ صغیرہ اور مجنونہ اہل شہادت میں سے نہیں ہیں اس لیے تہمت لگانے سے لعان نہیں ہوگا اور حد بھی نہیں لگے گی۔

(۱۳/۱۹۹۴) وَقَذْفُ الْاَخْرَسِ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ.

ترجمہ: اور گونگے کا تہمت لگانا اس کے ساتھ بھی لعان متعلق نہ ہوگا۔

تشریح: اگر گونگے نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب لگایا تو اس سے بھی لعان متعلق نہیں ہوگا، کیوں کہ لعان اصل حد کے درجہ میں ہے اور گونگے کے اقرار سے حد لازم نہیں ہوتی اس لیے اس کی تہمت لگانے سے لعان بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ حد شبہ سے ساقط ہوجاتی ہے۔

(۱۴/۱۹۹۵) وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّيْ فَلَا لِعَانَ.

ترجمہ: اور اگر شوہر نے کہا نہیں ہے تیرا حمل مجھ سے تو لعان نہ ہوگا۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو اس سے نہ لعان واجب ہوگا اور نہ حد کیوں کہ جس وقت حمل کی نفی کی گئی اس وقت حمل کا ہونا یقینی نہیں ہے، کیوں کہ ممکن ہے کہ بیماری کی وجہ سے پیٹ پھولا ہوا ہو، اس وجہ سے شوہر تہمت لگانے والا شمار نہیں ہوگا۔

(۱۹۹۶/۱۵)وَاِنْ قَالَ زَنَيْتِ وَهٰذَا الْحَمْلُ مِنَ الزِّنَا تَلاعَنَا وَلَمْ يَنفِ الْقَاضِيْ الْحَمْلَ مِنْهُ.

ترجمہ: اور اگر کہا تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا ہی سے ہے تو دونوں لعان کریں گے، اور قاضی حمل کی نفی نہ کرے اس سے۔

تشریح: اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو اس صورت میں میاں بیوی دونوں لعان کریں گے، کیوں کہ صراحتاً لفظ 'زنا' مذکور ہونے کی وجہ سے زنا کا عیب لگانا پایا گیا البتہ قاضی اس حمل کے نسب کی نفی نہیں کرے گا۔

(۱۹۹۷/۱۶) وَاِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَ امْرَأَتِهٖ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ اَوْ فِيْ الْحَالِ الَّتِيْ تُقْبَلُ التَّهْنِيَةُ فِيْهَا وَتُبْتَاعُ آلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهٗ وَلَاعَنَ بِهٖ وَاِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذَالِكَ لَاعَنَ وَيَثْبُتُ النَّسَبُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهِ تَعَالٰى يَصِحُّ نَفْيُهٗ فِيْ مُدَّةِ النِّفَاسِ.

ترجمہ: اور جب نفی کردے شوہر اپنی بیوی کے بچہ کی پیدائش کے بعد ہی یا اس حالت میں جس میں مبارکبادی قبول کی جاتی ہے اور پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہیں تو اس کی نفی صحیح ہوگی اور لعان کرے گا اور اگر نفی کرے اس کے بعد تو لعان کرے گا اور نسب ثابت ہوگا، اور صاحبین نے فرمایا کہ اس کا نفی کرنا مدت نفاس میں صحیح ہے۔

تشریح: اس عبارت میں بچہ کی نفی کی چند صورتیں بیان کی گئی ہیں (۱) پیدا ہوتے ہی اپنی بیوی کے بچہ کی نفی کردی (۲) اس حالت میں نفی کی جب بچہ پیدا ہونے پر لوگ مبارک بادی دے رہے تھے (۳) اس حالت میں نفی کی جب کہ ولادت کا سامان خریدا جاتا ہے ان تینوں صورتوں میں نفی کرنا صحیح ہے اور اس نفی کرنے کی وجہ سے شوہر لعان کرے گا اور بچہ کا نسب باپ سے منقطع کردیا جائے گا، اور اگر بچہ کی نفی ان اوقات کے بعد کی تو لعان کرے گا اور بچہ کا نسب باپ سے ہی ثابت کیا جائے گا یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ مدت نفاس کے ختم ہونے تک ولادت کا اثر ہے اس لیے اس زمانہ سے پہلے پہلے بچہ کا انکار کرے تو لعان بھی ہوگا اور بچہ کا نسب بھی باپ سے منقطع کردیا جائے گا۔

(۱۹۹۸/۱۷) وَاِنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ وَاحِدَةٍ فَنَفَى الْاَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِيْ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَحُدَّ الزَّوْجُ.

ترجمہ: اور اگر جنا بیوی نے دو بچوں کو ایک ہی پیٹ سے پس شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کی اور اقرار کرلیا دوسرے کا تو دونوں کا نسب اس سے ثابت ہوجائے گا اور شوہر کو حد لگے گی۔

تشریح: اگر ایک عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہے اس

عورت کے شوہر نے پہلے بچہ کے بارے میں کہا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے اور دوسرے کے بارے میں کہا کہ یہ میرا بچہ ہے تو نسب تو دونوں کا باپ ہی سے ثابت ہوگا لیکن باپ پر حد بھی لگے گی، کیوں کہ دونوں بچے جڑواں ہیں ایک ہی منی سے پیدا ہوئے ہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بچہ اس کا ہو اور دوسرا اس کا نہ ہو لہٰذا دونوں کا نسب اسی سے ثابت ہوگا اور شوہر پر حد اس لیے ماری جائے گی کہ پہلے بچہ کا انکار کر کے بیوی پر تہمت لگائی ہے، اور بعد میں دوسرے بچہ کا اقرار کر کے اپنے آپ کو جھوٹا بتلایا ہے۔

(۱۸/۱۹۹۹) وَإِنِ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِيْ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَلَاعَنَ.

ترجمہ: اور اگر اقرار کرے پہلے بچہ کا اور انکار کرے دوسرے کا تو دونوں کا نسب ثابت ہوگا اور لعان کریگا۔

تشریح: شوہر نے پہلے بچہ کا اقرار کیا کہ یہ میرا ہے اور دوسرے بچہ کا انکار کیا کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو دونوں بچوں کا نسب باپ سے ثابت ہوگا، اور لعان بھی کرنا پڑے گا، نسب اسی دلیل کی وجہ سے ثابت ہوگا جو ماقبل کے مسئلہ میں ذکر کی گئی ہے اور لعان اس لیے ہوگا کہ شوہر نے تہمت لگائی مگر اس سے رجوع نہیں کیا۔

☆☆☆

كِتَابُ الْعِدَّةِ

(یہ کتاب عدت کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: چوں کہ عدت فرقت کا اثر ہے اور اثر مؤثر کے بعد ہوتا ہے اس لیے پہلے مؤثر (فرقت) کی وجوہ، طلاق خلع لعان وغیرہ کو بیان کیا ہے اب یہاں سے اثر یعنی عدت کا بیان ہے۔

عدت کی لغوی تحقیق: عورت کا ایام حیض شمار کرنا۔

اصطلاحی تعریف: شریعت میں عدت ان ایام کو کہتے ہیں جو عورت کے اوپر سے شوہر کی ملک متعہ زائل ہونے کے بعد اس کو انتظار میں گذارنے لازم ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ عورت مدخولہ ہوگئی یا خلوت ہوگئی یا شوہر مرا ہو۔

(۱/۲۰۰۰) إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا أَوْ رَجْعِيًّا أَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيضُ فَعِدَّتُهَا ثَلَاثَةُ أَقْرَاءٍ وَالْأَقْرَاءُ الْحَيْضُ.

ترجمہ: جب طلاق دے دی شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا رجعی یا واقع ہوگئی جدائیگی ان دونوں کے درمیان بغیر طلاق کے حالانکہ یہ آزاد عورت ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور (آیت میں) قروء کا مطلب حیض ہے۔

قروء کی مراد میں اختلاف

تشریح: اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دے دی یا ان دونوں میں بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوگئی اور یہ عورت آزاد ہے اور ذوات الحیض میں سے ہے تو اس کی عدت تین حیض ہوں گے، کیوں کہ آیت میں ہے وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (آیت ۲۲۸ سورۃ البقرہ) طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکیں، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ لفظ 'قروء' سے ہمارے نزدیک حیض مراد ہے، کیوں کہ اگر عدت طہر سے گزاریں تو عدت یا تو ڈھائی طہر ہوگی یا ساڑھے تین طہر ہو جائے گی کیوں کہ سنت کے طریقہ پر طلاق طہر میں دے گا اب اگر اس طہر کو عدت میں شمار کریں تو کچھ نہ کچھ طہر کی مدت گزر چکی ہوگی تو ڈھائی طہر ہوئے اور اگر طلاق دیئے ہوئے طہر کو عدت میں شمار نہ کریں تو ساڑھے تین طہر ہوں گے اور اگر قروء سے حیض مراد لیں تو ہر حال میں طہر میں طلاق کے بعد حیض سے عدت شروع ہو جائے گی اور تین حیض مکمل ہوں گے، اس لیے آیت میں قروء سے مراد حیض ہے۔

(۲/۲۰۰۱) وَاِنْ كَانَتْ لَاتَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْ كِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ.

ترجمہ: اور اگر بیوی ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض نہیں آتا کم سنی کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔

تشریح: اگر عورت ایسی ہو کہ اس کو کم عمری یا بڑی عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو ایسی صورت میں اس کی عدت تین ماہ ہے، کیوں کہ آیت میں ہے وَالّٰئِیْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰئِیْ لَمْ يَحِضْنَ (آیت ۴ سورۃ الطلاق)

حل لغات: یئسن: سے مراد بوڑھی عورت ہے، لم یحضن: سے مراد چھوٹی لڑکی ہے۔

ترجمہ: جو عورتیں حیض سے مایوس ہوگئیں ہیں اگر تم کو شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان عورتوں کی جن کو حیض نہیں آتا۔

(۳/۲۰۰۲) وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمہ: اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ حمل جن دے۔

تشریح: عورت حمل سے تھی کہ شوہر نے طلاق دے دی تو ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے جیسے ہی بچہ جنے گی عدت پوری ہو جائے گی، کیوں کہ آیت میں ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ یعنی حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ بچہ جن دے۔

(۴/۲۰۰۳) وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

ترجمہ: اور اگر باندی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مطلقہ باندی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہوں گے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

(۲۰۰۴/۵) وَاِنْ كَانَتْ لَاتَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَّنِصْفٌ.

ترجمہ: اور اگر باندی ایسی ہو کہ اس کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

تشریح: اگر مطلقہ باندی غیر ذوات الحیض میں سے ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی قال عمرؓ شهر ونصف (مصنف عبدالرزاق ۷/۲۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ باندی کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

(۲۰۰۵/۶) وَاِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عَنِ امْرَأَتِهِ الْحُرَّةِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشَرَةُ اَيَّامٍ.

ترجمہ: اور جب مر جائے آزاد بیوی کا شوہر تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

تشریح: اگر آزاد عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہیں خواہ یہ عورت ذوات الحیض ہو یا غیر ذوات الحیض مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ صغیرہ ہو یا کبیرہ مسلمہ ہو یا کتابیہ۔

(۲۰۰۶/۷) وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ اَيَّامٍ.

ترجمہ: اور اگر باندی ہو تو اس کی عدت دو ماہ پانچ روز ہے۔

تشریح: اور اگر متوفی عنہا زوجہا باندی ہے تو اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے کیوں کہ رقیت تنصیف کر دیتی ہے اس وجہ سے متوفی عنہا زوجہا باندی کی عدت دو ماہ پانچ دن ہوگی۔

(۲۰۰۷/۸) وَاِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمہ: اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

تشریح: عورت چاہے آزاد ہو یا باندی ہو اگر شوہر کی موت کے وقت وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

(۲۰۰۸/۹) وَاِذَا وَرِثَتِ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا اَبْعَدُ الْاَجَلَيْنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

لغت: اجلین: اجل کا تثنیہ ہے مدت۔

ترجمہ: اور جب وارث ہوئی مطلقہ مرض الموت میں تو اس کی عدت دو مدتوں میں سے دراز ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

عدت ابعد الاجلین کا بیان

تشریح: ایک شخص نے اپنی بیوی کو مرض الموت میں بیوی کی رضا کے بغیر طلاق دے دی وہ عدت گذار رہی تھی کہ شوہر کا انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے وہ شوہر کے مال کی وارث ہوگی تو اس کی عدت ابعد الاجلین ہوگی، یعنی اس عورت پر طلاق کی وجہ سے تین حیض گذارنا واجب ہے اور شوہر کے انتقال کی وجہ سے چار ماہ دس دن گذارنے واجب ہوں گے؟ اس کی ترکیب یہ ہوگی کہ جس وقت شوہر کا انتقال ہوا ہے اس وقت سے چار ماہ دس دن کی عدت پوری کرے اور انہیں ایام میں شروع طلاق سے تین حیض بھی گذر جائیں یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے، امام ابو یوسفؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہے مذکورہ بالا تفصیل اس وقت ہے جب کہ شوہر نے طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں اور اگر طلاق رجعی دی ہو تو بالاتفاق اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی جن میں تین حیض ہوں یا نہ ہوں۔

(۲۰۰۹/۱۰) وَاِنْ اُعْتِقَتِ الْاَمَةُ فِيْ عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ اِنْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ.

ترجمہ: اور اگر آزاد کردی جائے باندی اپنی طلاق رجعی کی عدت میں تو اس کی عدت منتقل ہوجائے گی آزاد عورتوں کی عدت کی طرف۔

تشریح: منکوحہ باندی کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی جس کی وہ عدت گذار رہی تھی اسی درمیان میں آقا نے اس کو آزاد کردیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہوجائے گی، یعنی اگر وہ ذوات الحیض میں سے ہے تو تین حیض گذارے گی اور اگر غیر ذوات الحیض میں سے ہے تو تین ماہ شمار کرے گی۔

(۲۰۱۰/۱۱) وَاِنْ اُعْتِقَتْ وَهِيَ مَبْتُوْتَةٌ اَوْ مُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلٰى عِدَّةِ الْحَرَائِرِ.

حل لغت: مبتوتۃ: وہ عورت جس کو طلاق بائن دی گئی ہو۔

ترجمہ: اور اگر آزاد کی گئی ایسی حالت میں کہ وہ بائنہ تھی یا اس کا شوہر مرگیا تو منتقل نہ ہوگی اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف۔

تشریح: باندی کو طلاق بائنہ دی تھی اور وہ طلاق بائنہ کی عدت گذار رہی تھی اسی درمیان آقا نے اس کو آزاد کردیا تو وہ باندی کی عدت دو حیض ہی گزارے گی آزاد عورت کی عدت تین حیض نہیں گزارے گی ایسے ہی شوہر کا انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے باندی کی عدت دو ماہ پانچ دن گزار رہی تھی اس حال میں آقا نے اس کو آزاد کردیا تو وہ آزاد عورت کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی، دلیل یہ ہے کہ طلاق بائن یا موت کی وجہ سے نکاح زائل ہوگیا ہے گویا کہ آقا نے اس کو غیر منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کیا ہے۔

(۲۰۱۱/۱۲) وَاِنْ كَانَتْ اٰيِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُوْرِ ثُمَّ رَاَتِ الدَّمَ اِنْتَقَضَ مَا مَضٰى مِنْ عِدَّتِهَا وَكَانَ عَلَيْهَا

اَنْ تَسْتَأنِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ.

حل لغات: ایسة: وہ عورت جو حیض سے ناامید ہوگئی ہو اس کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، تستانف: شروع سے کرے۔

ترجمہ: اور اگر آئسہ تھی جو عدت گزار رہی تھی مہینوں سے پھر دیکھا اس نے خون تو ٹوٹ جائے گی وہ عدت جو گزر چکی ہے اور اس پر از سرنو عدت گزارنا ہوگا حیضوں سے۔

تشریح: اگر مطلقہ عورت حیض سے مایوس ہوگئی جس کی وجہ سے وہ مہینوں سے عدت گزار رہی تھی پھر خون آنے لگا تو حکم یہ ہے کہ جو کچھ عدت مہینوں کے ساتھ گذر گئی وہ باطل ہوگئی، اور اب یہ عورت از سرنو حیض کے ساتھ عدت گزارے مثلاً دو ماہ گزرانے کے بعد اس کو حیض کا خون آنا شروع ہوگیا تو پہلے دو ماہ عدت گوارے ہوئے بیکار ہوگئے اب شروع سے حیض کے ذریعہ تین حیض عدت گذارنی ہوگی کیوں کہ مہینوں سے عدت گزارنا فرع تھا عدت بالحیض اصل ہے جب وہ اصل پر قادر ہوگئی تو اب اصل ہی سے گزارنی ہوگی۔

(۲۰۱۲/۱۳) وَالْمَنْكُوحَةُ نِكَاحاً فَاسِداً وَالْمَوْطُوْئَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ.

ترجمہ: جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا اور جس عورت سے شبہ میں وطی کی گئی ان دونوں کی عدت حیض ہے فرقت اور موت کی شکل میں۔

تشریح: اگر کسی عورت سے نکاح فاسد کیا گیا مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح کیا یا کسی عورت سے شبہ میں وطی کر لی مثلاً یہ سمجھ کر کہ بیوی ہے رات میں وطی کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اجنبیہ ہے تو ان دونوں صورتوں میں عورت پر عدت واجب ہوگی خواہ واطی مر گیا ہو یا دونوں میں تفریق کر دی گئی ہو، اب اگر یہ عورت ذوات الحیض میں سے ہے اور آزاد ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر باندی ہے تو اسکی عدت دو حیض ہے، اور اگر یہ عورت غیر ذوات الحیض میں سے ہے اور آزاد ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر باندی ہے تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ واطی مر گیا تب بھی اس کی عدت حیض کے ساتھ ہوگی اور حیض نہ آنے کی صورت میں مہینہ اس کے قائم مقام ہوگا اور عدت وفات واجب نہ ہوگی، کیوں کہ ان دونوں عورتوں کی عدت رحم کے پاک ہونے کو معلوم کرنے کے لئے ہوتی ہے نہ کہ حق نکاح ادا کرنے کے لئے اور رحم کے پاک ہونے کا علم حیض سے ہوتا ہے اس لیے عدت حیض سے ہوگی۔

(۲۰۱۳/۱۴) وَإِذَا مَاتَ مَوْلَى أُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا أَوْ أَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ.

ترجمہ: اور جب ام ولد کا آقا (ام ولد کو چھوڑ کر) مر گیا یا اس نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہے۔

تشریح: اگر ام ولد کے آقا کا انتقال ہو گیا یا آقا نے اس کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہے، کیوں کہ ام ولد کا آقا اس کا شوہر نہیں ہے اس لیے اس کے مرنے پر شوہر کی عدت وفات چار ماہ دس روز نہیں گزارے گی لیکن چوں کہ آقا سے صحبت کروائی تھی اس لیے تین حیض عدت گذارے تا کہ رحم مکمل طور پر صاف ہو جائے۔

(۲۰۱۴/۱۵) وَإِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنِ امْرَأَتِهٖ وَبِهَا حَبَلٌ فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمہ: اور جب مر گیا بچہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر اور حال یہ ہے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

تشریح: ایک نابالغ لڑکے کا انتقال ہو گیا اس کی بیوی حاملہ تھی اس کی عدت طرفینؒ کے نزدیک وضع حمل ہے ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

دلیل: اس حمل کا نسب بچہ سے ثابت نہیں ہے یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ بچہ کی موت کے بعد حمل ظاہر ہوا ہو اور اس صورت میں بالاتفاق عدت وفات ہوتی ہے پس اسی طرح مسئلہ مذکورہ میں بھی چار ماہ دس دن پورے کرنا ضروری ہے۔

طرفین کی دلیل: یہ تو طے ہے کہ شوہر کے بچہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو جو حمل ہے وہ شوہر کا نہیں ہے کسی دوسرے کا ہے لیکن چوں کہ یہ بچہ شوہر ہے اس لیے اس کا احترام کرتے ہوئے بیوی کی عدت وضع حمل ہوگی کیوں کہ آیت میں حاملہ کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

(۲۰۱۵/۱۶) فَاِنْ حَدَثَ الْحَبَلُ بَعْدَ الْمَوْتِ فَعِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشَرَةُ اَيَّامٍ.

حل لغت: حبل: حمل

ترجمہ: پھر اگر ظاہر ہوا حمل موت کے بعد تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

تشریح: جس وقت بچہ شوہر مرا اس وقت حمل کا پتہ نہیں تھا تو شرعی اعتبار سے چار ماہ دس دن عدت لازم ہوگی، اب وہ لازم ہونے کے بعد تبدیل نہ ہوگی۔

(۲۰۱۶/۱۷) وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ فِيْ حَالَةِ الْحَيْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَيْضَةِ الَّتِيْ وَقَعَ فِيْهَا الطَّلَاقُ.

ترجمہ: اور اگر طلاق دی مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں تو شمار نہ کرے گی اس حیض کو جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔

تشریح: حالت حیض میں طلاق نہیں دینی چاہئے لیکن مرد نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی تو وہ حیض عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا جس میں طلاق واقع ہوئی ہے بلکہ عدت میں پورے تین حیض گذارنا ضروری ہے اس لیے اس سے کمی نہیں کی جائے گی۔

(۲۰۱۷/۱۸) وَإِذَا وُطِئَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَىٰ وَتَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ فَيَكُونُ مَاتَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسِباً مِنْهُمَا جَمِيعاً وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ الْأُولَىٰ وَلَمْ تَكْمُلِ الثَّانِيَةُ فَعَلَيْهَا إِتْمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ.

ترجمہ: اور جب وطی کرلی گئی عدت گزارنے والی عورت سے شبہ میں تو اس عورت پر دوسری عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہوجائیں گی پس جو دیکھے گی حیض میں سے وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور جب پہلی عدت پوری ہوچکی حالانکہ دوسری عدت پوری نہیں ہوئی ہے تو اس پر دوسری عدت پوری کرنی واجب ہے۔

تشریح: شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ عدت گزار رہی تھی مثلاً ایک حیض گزار چکی تھی کہ شوہر نے شبہ میں وطی کرلی مثلاً عورت بستر پر تھی کسی نے کہہ دیا کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے اس سے وطی کرلی تو اس عورت پر دوسری عدت بھی واجب ہوگی اور دونوں عدتوں میں تداخل ہوجائے گا اور عورت جو بھی حیض دیکھے گی وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا، مثلاً مثال مذکور میں ایک حیض گزرنے کے بعد وطی بالشبہ ہوئی تو اس عورت پر تین حیض واجب ہوں گے اور دو حیض چار کے قائم مقام ہوں گے اس طرح پر کہ دو حیض پہلی عدت میں اور دو حیض دوسری عدت میں شمار ہوں گے اور تیسرا حیض صرف دوسری عدت میں شمار ہوگا یعنی تین حیض گزارنے میں پہلی عدت کے بھی دو حیض گزر جائیں گے اور دونوں عدتیں متداخل ہوجائیں گے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر پہلی عدت پوری ہوگئی اور دوسری پوری نہیں ہوئی تو اس پر دوسری عدت کا پورا کرنا واجب ہے۔

(۲۰۱۸/۱۹) وَابْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيْبَ الطَّلَاقِ وَفِي الْوَفَاةِ عَقِيْبَ الْوَفَاةِ فَإِنْ لَّمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ أَوِ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا.

ترجمہ: اور عدت کی ابتداء طلاق میں طلاق کے بعد ہے اور وفات میں وفات کے بعد ہے پھر اگر علم نہیں ہوا طلاق کا یا وفات کا یہاں تک کہ عدت کی مدت گزر گئی تو اس کی عدت پوری ہوگئی۔

تشریح: طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق دینے کے بعد ہوگی اور وفات کی صورت میں شوہر کی وفات کے بعد عدت کی ابتداء ہوگی چناں چہ اگر شوہر نے طلاق دی اور عورت کا علم نہیں ہوسکا یا شوہر کی وفات ہوگئی اور بیوی کو علم نہیں ہوا یہاں تک کہ عدت کا زمانہ گذر گیا تو حکم یہ ہے کہ اس کی عدت پوری ہوچکی اور معلوم ہوجانے کے بعد عدت کا اعادہ نہیں ہوگا، کیوں کہ عدت کے اسباب طلاق اور وفات ہیں اس لیے یہ دونوں ہوں تو عدت شروع ہوجائے گی کیوں کہ سبب پایا گیا۔

(۲۰۱۹/۲۰) وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيْبَ التَّفْرِيْقِ بَيْنَهُمَا أَوْ عَزْمِ الْوَاطِئِ عَلٰى تَرْكِ وَطْئِهَا.

ترجمہ: اور عدت نکاح فاسد میں دونوں کے درمیان تفریق کے بعد یا وطی کرنے والے کے ترک وطی پر پختہ ارادہ کر لینے سے شروع ہوگی۔

تشریح: نکاح فاسد کی صورت میں عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جب کہ حاکم زوجین کے درمیان تفریق کر دے، کیوں کہ تفریق کرانا ہی طلاق کے درجہ میں ہے اس لیے تفریق کے بعد ہی عدت شروع ہو جائے گی یا شوہر پختہ ارادہ کر لے کہ آج سے اس عورت سے وطی نہیں کرنی ہے، تو جس تاریخ سے وطی نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا اس تاریخ سے عدت شروع ہو جائے گی، کیوں کہ نکاح تو صحیح ہے نہیں کہ طلاق دینے کی ضرورت پڑے اس لیے وطی نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے میں تفریق کا شائبہ ہے۔

(۲۰۲۰/۲۱) وَعَلَى الْمَبْتُوْتَةِ وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اِذَا كَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً الْاِحْدَادُ.

حل لغات: مبتوۃ: ایسی عورت جس کو بالکل جدا ئیگی ہوگئی ہو، إحداد: عورت کا شوہر کے مرنے پر سوگ منانا۔

ترجمہ: معتدہ بائنہ اور وہ عورت جس کا شوہر مر گیا ہو جب کہ وہ بالغہ اور مسلمہ ہو تو سوگ منانا ہے۔

شوہر کے مرنے پر عورت کے سوگ منانے کا بیان

تشریح: معتدہ بائنہ یعنی وہ عورت جس سے حق رجعت منقطع ہو گیا ہو خواہ تین طلاقیں دی گئی ہوں یا ایک طلاق بائنہ واقع کی گئی ہو یا خلع کیا گیا ہو اور وہ عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اگر یہ مسلمان بالغہ ہے تو ان پر سوگ منانا واجب ہے (بیوی شوہر کی موت پر چار ماہ دس روز سوگ منائے گی)

پھر جاننا چاہئے کہ متوفی عنہا زوجہا پر زمانہ عدت میں سوگ منانا واجب ہے **عندالجمهور ومنهم الائمة الاربعة** اور حسن بصریؒ کا مسلک یہ ہے کہ ان کے نزدیک واجب نہیں اور مطلقہ بائنہ کے بارے میں جمہور کا مذہب تو یہی ہے لیکن اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک اس پر سوگ منانا واجب ہے۔

فوائد قیود: مبتوتة کی قید سے مطلقہ رجعیہ بالغة کی قید سے صغیرہ اور مسلمة کی قید سے کافرہ نکل گئی۔

(۲۰۲۱/۲۲) وَالْاِحْدَادُ اَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالدُّهْنَ وَالْكُحْلَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ.

حل لغات: الطيب: خوشبو جمع اَطیابٌ، دهن: تیل الكحل: سرمہ۔

ترجمہ: اور سوگ منانا یہ ہے کہ چھوڑ دے خوشبو، زینت، تیل اور سرمہ مگر عذر کی وجہ سے۔

تشریح: احداد باب افعال سے ہے اور اس میں دوسری لغت حداد بھی ہے مجرد سے از باب نصر وضرب سوگ

منانا، یعنی جتنی چیزیں زینت کی ہیں ان کو چھوڑ دے عورت کا سوگ یہ ہے کہ وہ خوشبو لگانا اور بناؤ سنگار اور سرمہ اور تیل لگانا خواہ خوشبودار ہو یا بغیر خوشبو کا سب چھوڑ دے ہاں اگر کوئی عذر ہو تو استعمال کر سکتی ہے۔

حالت عذر میں معتدہ کے لئے سرمہ وغیرہ لگانے کا حکم

اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) ظاہر یہ کہتے ہیں کہ معتدہ کے لئے سرمہ وغیرہ لگانا جائز نہیں اگر چہ آنکھوں میں کوئی تکلیف ہی کیوں نہ ہو (۲) جمہور کے نزدیک بغیر عذر کے سرمہ وغیرہ لگانا اگر چہ جائز نہیں لیکن عذر کی صورت میں رات کو سرمہ وغیرہ لگانے میں کوئی حرج نہیں جہاں تک دن کا تعلق ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عذر کی صورت میں دن میں بھی سرمہ لگانے کی اجازت ہے، جب کہ امام شافعیؒ دن میں باوجود عذر کے اجازت نہیں دیتے۔

(۲۳/۲۰۲۲) وَلَا تَخْتَضِبُ بِالْحِنَاءِ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوْغاً بِوَرْسٍ وَلَا زَعْفَرَانٍ.

حل لغات: تختضب: مضارع باب افتعال سے رنگ چڑھانا خضاب لگانا، الحناء: مہندی، مصبوغ: رنگ لگا ہوا، ورس: ایک قسم کی گھاس تل کے مانند ہے جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں جو یمن میں پیدا ہوتی ہے۔

ترجمہ: اور نہ لگائے مہندی اور نہ پہنے ورس اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا۔

تشریح: عدت کے زمانہ میں کن کن چیزوں سے بچنا ضروری ہے اس عبارت میں وہ چیزیں بیان کی ہیں چوں کہ مہندی لگانا یا زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہننا زینت ہے اس لیے سوگ میں یہ نہ پہنے۔

(۲۴/۲۰۲۳) وَلَا اِحْدَادَ عَلٰى كَافِرَةٍ وَلَا صَغِيْرَةٍ.

ترجمہ: اور نہیں ہے سوگ منانا کافرہ پر اور نہ بچی پر۔

کیا کتابیہ پر سوگ منانا واجب ہے؟

تشریح: جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوا ہے وہ اگر ذمیہ یعنی کتابیہ ہو تو اس پر سوگ واجب ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک واجب نہیں دوسرا مذہب اس میں جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کا ہے ان کے نزدیک کتابیہ پر سوگ منانا واجب ہے۔

دلیل: اس کی وجہ بطور قیاس و دلیل عقلی کے یہ بیان کرتے ہیں کہ نکاح میں جو حقوق مسلمہ کے لیے حاصل ہیں وہی کتابیہ کے لئے بھی حاصل ہیں اسی طرح جو حقوق مسلمہ پر واجب ہوں گے وہی کتابیہ پر بھی واجب ہوں گے اور یہاں دوسرا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ وہ بیوہ لڑکی جس کے شوہر کا انتقال ہوا ہے اگر صغیرہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس پر سوگ منانا واجب نہیں اس کے غیر مکلف ہونے کیوجہ سے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کے حق میں بھی سوگ ہے لہٰذا اس کا جو

ولی ہو اس پر واجب ہوگا کہ اس صغیرہ سے سوگ منوائے۔

حنفیہ کی دلیل: عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ لَايَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحَدَّ فَوْقَ ثَلَاثٍ الخ (بخاری ۲/۸۰۴ باب تلبس الحادة) آپ نے فرمایا نہیں حلال ہے کسی عورت کے لئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو یہ کہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے، اس حدیث میں 'لامرة' سے مراد بالغہ عورت ہے اور تومن باللّٰہ والیوم الاخر سے مومنہ عورت مراد ہے۔

(۲۰۲۴/۲۵) وَعَلَى الْاَمَةِ الْإِحْدَادُ.

ترجمہ: اور باندی پر سوگ ہے۔

تشریح: باندی بھی مومنہ ہے اور مخاطبہ ہے اس لیے اس پر بھی سوگ ہے۔

(۲۰۲۵/۲۶) وَلَيْسَ فِيْ عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدَةِ وَلَا فِيْ عِدَّةِ اُمِّ الْوَلَدِ اِحْدَادٌ.

ترجمہ: اور نہیں ہے نکاح فاسد کی عدت میں اور نہ ام ولد کی عدت میں سوگ منانا۔

تشریح: نکاح فاسد کی وجہ سے تفریق ہوئی جس کی عدت گزار رہی ہو تو اس میں سوگ نہیں ہے، کیوں کہ سوگ ہوتا ہے نعمت نکاح زائل ہونے کی وجہ سے اور یہاں شرعاً نکاح فاسد کو ختم کرنے کا حکم ہے اس لیے اچھا ہوا کہ ختم ہوگیا تو افسوس کیسا؟ اسی طرح ام ولد کا آقا اس کا شوہر نہیں ہے اس لیے اچھا ہوا کہ آقا سے آزاد ہوگئی اس لیے اس پر سوگ نہیں ہے۔

(۲۰۲۶/۲۷) وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَا بَاسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِي الْخِطْبَةِ.

حل لغات: تخطب: پیغام نکاح دے، التعریض چھیڑنا اشارہ اشارہ میں کوئی بات کہنا، الخطبة پیغام۔

ترجمہ: اور مناسب نہیں ہے معتدہ کو نکاح کا پیغام دینا اور کوئی حرج نہیں ہے کنایہ پیغام دینے میں۔

معتدہ کو دوران عدت پیغام نکاح دینا حرام ہے

تشریح: جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کو کوئی اجنبی آدمی نکاح کا پیغام دے تو یہ مناسب نہیں ہے بلکہ حرام البتہ اشارہ اور کنایہ میں کہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد آپ سے شادی کروں گا تو اس کی گنجائش ہے، مثلاً یوں کہے کہ آپ جیسی عورت پسند ہے۔

وجہ: آیت میں ان دونوں مسئلوں کی تصریح ہے وَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ

یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے جو (ان مذکورہ) عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو، آگے فرماتے ہیں وَلَاتَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ، یعنی معتدہ عورتوں کے ساتھ عقد نکاح کا ارادہ مت کرو۔

(۲۰۲۷/۲۸) وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ وَالْمَبْتُوْتَةِ الْخُرُوْجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلاً وَلَا نَهَاراً وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَاراً وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَلَاتَبِيْتُ فِيْ غَيْرِ مَنْزِلِهَا.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے مطلقہ رجعیہ اور مطلقہ بائنہ کیلئے گھر سے نکلنا نہ رات میں اور نہ دن میں اور متوفی عنہا زوجہا نکل سکتی ہے دن میں اور رات کے کچھ حصہ میں اور رات نہ گذارے اپنے گھر کے علاوہ میں۔

مطلقہ رجعیہ بائنہ اور متوفی عنہا زوجہا گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟

تشریح: جو عورت عدت گذار رہی ہو چاہے طلاق رجعی کی عدت ہو یا طلاق بائنہ کی اور چاہے اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو ان تمام عورتوں کے لئے حکم یہ ہے کہ اس گھر میں رہنا چاہئے جس میں طلاق واقع ہوئی ہے یا وفات ہوئی ہے البتہ عدت وفات والی عورت روزی روٹی کمانے کے لئے نکل سکتی ہے اسی طرح رات کے کچھ حصہ میں باہر رہ سکتی ہے البتہ سونے کا انتظام اس گھر میں کرنا چاہئے جس میں عورت عدت گذار رہی ہے، اس کے بعد یہاں ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک مطلقہ رجعیہ ہو یا بائنہ اس کے لئے اپنی ضروریات کے لئے نکلنا جائز نہیں نہ دن میں اور نہ رات میں اور مالکیہ کے نزدیک مطلقاً خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا بائنہ نکلنا جائز ہے، اور شافعیہ کے نزدیک مطلقہ بائنہ کے لئے جائز ہے اور مطلقہ رجعیہ کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے اور حنابلہ کا مذہب مطلقہ کے نکلنے کے جواز کا ہے لیکن رجعیہ یا بائنہ کی کوئی تصریح اور تفصیل کسی کتاب میں نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲۰۲۸/۲۹) وَعَلَى الْمُعْتَدَّةِ اَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِيْ يُضَافُ اِلَيْهَا بِالسُّكْنٰى حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَةِ.

ترجمہ: اور معتدہ پر لازم ہے عدت گزارنا اس گھر میں جس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس کے رہنے کو جدائی کے وقت۔

تشریح: طلاق واقع ہوتے وقت یا وفات کے وقت عورت جس گھر میں رہتی تھی اس گھر میں عدت گزارنا ضروری ہے دلیل یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا لَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ معتدہ عورت کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور عورت کا بیت وہ کہلائے گا جس میں وہ رہتی تھی۔

(۲۰۲۹/۳۰) فَاِنْ كَانَ نَصِيْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَا يَكْفِيْهَا وَاَخْرَجَ الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيْبِهِمْ اِنْتَقَلَتْ.

ترجمہ: اگر ہو اس کا حصہ میت کے مکان سے جو اس کے واسطے ناکافی ہے اور نکال دیں ورثا اس کو اپنے حصہ

سے تو یہ عورت منتقل ہو جائے۔

تشریح: شوہر کا انتقال ہو گیا اور ورثہ نے اس کا مال تقسیم کر لیا اور جس مکان میں میاں بیوی رہتے تھے اس کو بھی تقسیم کر لیا اب عورت کے حصہ اتنا مکان آیا کہ وہ اس میں نہیں رہ سکتی اور ورثہ اپنے حصہ میں رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے تو وہ عورت دوسری جگہ منتقل ہو کر عدت گزار سکتی ہے، کیوں کہ اس کا منتقل ہونا عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں عذر معتبر ہوتا ہے اس وجہ سے یہاں بھی عذر معتبر ہوگا۔

(۳۱/۲۰۳۰) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُسَافِرَ الزَّوْجُ بِالْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَةِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے کہ شوہر سفر کرے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ۔

تشریح: اگر مطلقہ رجعیہ کے ساتھ سفر کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ غیر اختیاری طور پر رجعت ہو جائے حالانکہ وہ رجعت نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے بعد پھر طلاق دے گا اور عدت لمبی ہو جائے گی اس لیے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ شوہر سفر نہ کرے۔

(۳۲/۲۰۳۱) فَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِناً ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِيْ عِدَّتِهَا وَطَلَّقَهَا قَبْلَ اَنْ يَدْخُلَ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقْبِلَةٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَهَا نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهَا تَمَامُ الْعِدَّةِ الْاُوْلٰى.

ترجمہ: اور اگر طلاق دے دے مرد اپنی بیوی کو طلاق بائن پھر اسی سے نکاح کر لے اس کی عدت میں اور پھر اس کو طلاق دے دے صحبت سے پہلے تو شوہر پر پورا مہر ہے اور عورت پر اگلی عدت ہے اور فرمایا امام محمدؒ نے کہ اس کے لئے آدھا مہر ہے اور اس پر پہلی عدت کو پورا کرنا ہے۔

تشریح: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دے دی پھر اس عورت کی عدت ہی میں اس سے نکاح کر لیا اور صحبت سے قبل اس کو طلاق دے دی تو شیخین کے نزدیک شوہر پر پورا مہر لازم ہوگا اور اس طلاق کی مستقل عدت گزارنی ہوگی۔

دلیل: اگر چہ اس نکاح میں صحبت نہیں کی ہے اس لیے عدت لازم نہیں ہونی چاہئے اور مہر بھی آدھا لازم ہونا چاہئے لیکن یہاں مہر بھی پورا لازم ہوگا اور مستقل طور پر عدت بھی گزارنی ہوگی، کیوں کہ پہلے نکاح میں جو صحبت ہوئی ہے وہی اس نکاح میں شمار کر لی جائے گی تو گویا اس نے صحبت کے بعد ہی طلاق دی اس لیے مہر بھی پورا لازم ہوگا اور عدت بھی پوری لازم ہوگی۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو آدھا مہر ملے گا اور مستقل عدت لازم نہیں ہوگی بلکہ پہلی عدت جو باقی رہ گئی ہے اسی کو پوری کرے۔

(۳۳/۲۰۳۲) وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِسَنَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ مَالَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا.

ثبوت نسب کا بیان

ترجمہ: اور ثابت ہو جاتا ہے مطلقہ رجعیہ کے بچہ کا نسب جب کہ وہ جنے دو سال یا زیادہ میں جب تک وہ عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے۔

تشریح: ایک عورت جس کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی ہے اس نے طلاق کے وقت سے دو سال پر یا دو سال سے زیادہ پر بچہ جنا تو شوہر سے اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عورت نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو کیوں کہ ممکن ہے شوہر نے عدت کے زمانہ میں وطی کر لی ہو اس لئے کہ معتدہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے تو اس وطی سے رجعت بھی ثابت ہو گی اور بچہ کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا۔

(۳۴/۲۰۳۳) وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا.

ترجمہ: اور اگر دو سال سے کم میں جنے تو وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی۔

تشریح: طلاق کے بعد دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہے تو اس بچہ کا نسب باپ سے ثابت ہو گا اور عورت کی عدت گزر جائے گی جس کی وجہ سے یہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی، بائنہ تو اس لیے ہو گی کہ وضع حمل کی وجہ سے بائنہ ہو جاتی ہے اور ثبوت نسب کی وجہ یہ ہے کہ اگر صحبت حالت نکاح میں کی گئی ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر عدت میں کی گئی تب بھی نسب ثابت ہو جائے گا کیوں کہ معتدہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا شرعاً حلال ہے۔

(۳۵/۲۰۳۴) وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ لِأَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ ثَبَتَ نَسَبُهُ وَكَانَتْ رَجْعَةً.

ترجمہ: اور اگر جنے دو سال سے زیادہ میں تو اس کا نسب ثابت ہو گا اور رجعت ہو گی۔

تشریح: اور اگر بچہ طلاق کے وقت سے دو سال سے زیادہ میں پیدا ہو تو بلا شبہ رجعت ثابت ہو جائے گی اور بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہو گا، کیوں کہ دو سال سے زیادہ میں بچہ جننے کا مطلب یہ ہوا کہ طلاق کے بعد شوہر نے عورت سے صحبت کی ہے اور مطلقہ رجعیہ سے عدت میں وطی کرے تو رجعت ہو جائے گی اور چوں کہ شوہر کی وطی سے بچہ ہوا ہے اس لیے شوہر سے نسب ثابت ہو گا۔

(۳۶/۲۰۳۵) وَالْمَبْتُوتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا إِذَا جَاءَتْ بِهِ لِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ.

ترجمہ: اور بائنہ طلاق والی عورت کے بچہ کا نسب ثابت ہو گا جب کہ بچہ جنے دو سال سے کم میں۔

تشریح: اگر کسی عورت کو ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دی گئی ہوں اور پھر جدائیگی کے وقت سے دوسال سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب اس مطلقہ بائنہ کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا، کیوں کہ ممکن ہے کہ طلاق کے وقت بچہ کا نطفہ قرار پا چکا ہو تو اب یہ کہا جائے گا کہ طلاق کے وقت عورت حاملہ تھی اس لیے دوسال کے اندر اندر جب بھی یہ عورت بچہ جنے گی تو باپ سے نسب ثابت کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

(۲۰۳۶/۳۷) وَاِذَا جَاءَتْ بِهٖ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ يَوْمِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهٗ اِلَّا اَنْ يَدَّعِيَهُ الزَّوْجُ.

ترجمہ: اور جب پورے دوسال میں جنے فرقت کے دن سے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کا شوہر دعوی کرے۔

تشریح: اور اگر فرقت کے وقت سے پورے دوسال پر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں حمل بالیقین طلاق کے بعد پیدا ہوا ہے پس جب حمل بعد الطلاق پیدا ہوا ہے اور بائنہ ہونے کی وجہ سے طلاق کے بعد شوہر کا وطی کرنا حرام ہے تو ثابت ہو گیا کہ یہ حمل اس مرد کے نطفہ سے نہیں ہے لہٰذا اس سے نسب بھی ثابت نہیں ہوگا ہاں اگر شوہر دعویٰ کرے کہ یہ بچہ میرا ہے تو اس سے نسب ثابت کر دیا جائے گا اور یوں تاویل کی جائے گی کہ عدت کے زمانہ میں شوہر نے حلال سمجھ کر اس معتدہ بائنہ کے ساتھ وطی کر لی اور ثبوت نسب میں احتیاط کی جاتی ہے اس لیے اس صورت میں نسب ثابت ہو جائے گا۔

(۲۰۳۷/۳۸) وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مَابَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ سَنَتَيْنِ.

ترجمہ: اور ثابت ہو جائے گا متوفی عنہا زوجہا کے بچہ کا نسب وفات اور دوسال کے درمیان تک۔

تشریح: شوہر کے انتقال کے دن سے دوسال کے اندر اندر بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا اور اس کے بعد ہوا تو باپ سے نسب ثابت نہ ہوگا، کیوں کہ دوسال کے اندر ہوا اس لئے یہ سمجھا جائے گا کہ وفات کے وقت عورت حاملہ تھی اور یہ حمل شوہر ہی کا ہے اور اگر دوسال کے بعد بچہ ہوا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وفات کے وقت عورت حاملہ نہ تھی اس لیے اس سے نسب ثابت نہ ہوگا۔

(۲۰۳۸/۳۹) وَاِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ ثَبَتَ نَسَبُهٗ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهٗ.

ترجمہ: اور جب اقرار کیا معتدہ نے اپنی عدت کے ختم ہونے کا پھر اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے کم میں تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور اگر بچہ جنا چھ ماہ میں تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح: معتدہ نے اپنی عدت گزر جانے کا اقرار کیا پھر چھ ماہ کے اندر اندر بچہ ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ

اقرار کرتے وقت وہ یقیناً حاملہ تھی اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہوتی ہے اس لیے عدت گزرنے کا جو اقرار کیا ہے وہ جھوٹ تھا لہٰذا یہ اقرار باطل ہوگیا اور بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر چھ ماہ یا اس سے زائد میں ہو تو اس بچہ کا نسب اس لیے ثابت نہیں کیا جائے گا کہ ہوسکتا ہے عدت ختم ہونے کے بعد کسی اور کے ذریعہ حمل ٹھہرا ہو اور اسی کا بچہ ہو۔

(۲۰۳۹/۴۰) وَاِذَا وَلَدَتِ الْمُعْتَدَّةُ وَلَداً لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يَشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ اَوْ رَجُلٌ وَ امْرَأَتَانِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ هُنَاكَ حَبْلٌ ظَاهِرٌ اَوِ اعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِ شَهَادَةٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ يَثْبُتُ فِي الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: اور جب معتدہ نے بچہ جنا تو نہیں ثابت ہوگا اس کا نسب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ گواہی دیں اس کی پیدائش کی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مگر یہ کہ وہاں حمل ظاہر ہو یا شوہر کی طرف سے اقرار ہو تو اسکا نسب ثابت ہو جائے گا گواہی کے بغیر بھی اور صاحبینؒ نے فرمایا ثابت ہوگا ہر صورت میں ایک عورت کی گواہی سے۔

ثبوت نسب سے متعلق بعض اختلافی صورتیں

تشریح: اگر معتدہ عورت نے بچہ جنا اور شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو تین باتوں میں سے اگر ایک بات ہو تو نسب ثابت کیا جائے گا ورنہ نہیں (۱) بچہ پیدا ہونے پر دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں (۲) حمل پہلے سے ظاہر ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ کسی بھی وقت بچہ کی پیدائش ہوسکتی ہے اس صورت میں بھی ولادت ہونے پر بغیر گواہی کے نسب ثابت ہو جائے گا (۳) شوہر اعتراف کرے کہ یہ حمل میرا ہے تو پھر بچہ پیدا ہونے پر گواہی کے بغیر بھی اس کا نسب باپ سے ثابت کیا جائے گا تاہم ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا تفصیل امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، صاحبین کی رائے یہ ہے کہ عورت کے تمام پوشیدہ معاملات میں جن پر مرد کا مطلع ہونا مشکل ہے ایک عورت کی گواہی مقبول ہے اور اسی سے فیصلہ کیا جائے گا، مثلاً ولادت کے سلسلہ میں ایک دائی کی گواہی کافی ہے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عدت موجود ہونے کی وجہ سے عورت اپنے شوہر کی فراش ہے تو نسب تو خود ہی ثابت ہوگیا اب صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ بچہ کا اس عورت سے ہونا متعین ہو جائے اور یہ بات ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب عورت نے بچہ پیدا ہونے کا اقرار کیا تو اس کی عدت گزر گئی اور جو چیز گذر گئی وہ حجت نہیں ہوتی بلکہ حجت وہ ہوتی ہے جو موجود ہو لہٰذا نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کے لئے شہادت تامہ کا ہونا ضروری ہے اور شہادت تامہ تشریح کے تحت آچکی ہے۔

(۲۰۴۰/۴۱) وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اِمْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ

نَسَبُهٗ.

ترجمہ: اور اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اس نے بچہ جنا چھ ماہ سے کم میں جس دن سے اس کی شادی ہوئی ہے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔

تشریح: اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا اور شادی کے دن سے چھ ماہ کے اندر اندر بچہ ہوا تو اس بچہ کا نسب موجودہ شوہر سے ثابت نہ ہوگا، کیوں کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور یہاں چھ ماہ سے قبل بچہ ہوگیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت شادی سے پہلے کسی اور مرد سے حاملہ ہو چکی تھی اور یہ حمل اس شوہر کا نہیں ہے اس لیے اس بچہ کا نسب موجودہ شوہر سے ثابت نہیں ہوگا۔

(۲۰۴۱/۴۲) وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِداً يَثْبُتُ نَسَبُهٗ اِنِ اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ اَوْ سَكَتَ.

ترجمہ: اور اگر بچہ جنا چھ ماہ یا زیادہ میں تو اس کا نسب ثابت ہوگا جب شوہر اس کا اقرار کرے یا چپ رہے۔

تشریح: اگر نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا زائد میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا خواہ شوہر اس بچہ کا اقرار کرے یا خاموش رہے اگر شوہر اقرار کرتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو واضح ہے اور اگر چپ رہتا ہے تب بھی نسب ثابت کیا جائے گا، کیوں کہ عورت اس کا فراش ہے اور فراش والے سے نسب ثابت کیا جائے گا۔

(۲۰۴۲/۴۳) وَاِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ.

ترجمہ: اور اگر انکار کرے پیدائش کا تو ثابت ہو جائے گا نسب ایک عدت کی گواہی سے جو گواہی دے ولادت کی۔

تشریح: شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو یہاں دو مرد کی گواہی کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ صرف ایک عورت بچہ پیدا ہونے کی گواہی دے اسی سے نسب ثابت کر دیا جائے گا، کیوں کہ یہاں اختلاف ثبوت نسب میں نہیں ہے صرف بچہ پیدا ہونے اور نہ ہونے میں ہے اور اسکا ثبوت صرف ایک عورت کی گواہی سے ہوسکتا ہے۔

(۲۰۴۳/۴۴) وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ وَاَقَلُّهٗ سِتَّةُ اَشْهُرٍ.

ترجمہ: اور حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اور کم سے کم چھ ماہ ہے۔

حمل کی اکثر مدت واقل مدت میں اختلاف

تشریح: ہمارے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے امام شافعیؒ وامام مالک کے نزدیک چار سال ہے ہماری دلیل حضرت عائشہؓ کا قول ہے انھوں نے فرمایا عورت کا حمل دو سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا اگر چہ

نکلنے کے سایہ بھر ہو (سنن بیہقی ۷/ ۷۲۸) یہ اثر دونوں اماموں کے مذہب کے خلاف ہے، اور کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اس کی دلیل قرآن پاک کی آیت وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ہے۔

(۴۵/۲۰۴۴) وَاِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا.

ترجمه: اور جب طلاق دی ذمی نے ذمیہ کو تو اس پر عدت نہیں ہے۔

تشریح: اگر کسی ذمی نے ذمیہ عورت کو طلاق دے دی تو امام صاحب کے نزدیک ذمیہ کے اوپر کوئی عدت واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ عدت ایک قسم کی عبادت ہے جس کی مخاطب مسلمان عورت ہے اس لیے ذمیہ عورت پر عدت نہیں ہے۔

(۴۶/۲۰۴۵) وَاِنْ تَزَوَّجَتِ الْحَامِلُ مِنَ الزِّنَا جَازَ النِّكَاحُ وَلَا يَطَأُهَا حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا.

ترجمه: اور اگر شادی کرے ایسی عورت سے جو زنا سے حاملہ ہے تو نکاح جائز ہے اور اس سے وطی نہ کرے بچہ پیدا ہونے تک۔

زنا سے حاملہ کا نکاح

تشریح: اگر کوئی عورت زنا کرانے کی وجہ سے حاملہ ہوگئی ہے تو ایسی عورت سے شادی کرنا درست ہے البتہ بچہ پیدا ہونے تک شوہر اس سے جماع نہ کرے، کیوں کہ حدیث میں ہے مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْقِيْ مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ (ترمذی ۱/۱۴۴) جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنا پانی دوسرے کے بچہ کو نہ پلائے، ہاں اگر زانی نے خود ہی اس عورت سے شادی کر لی ہو تو وہ وطی کر سکتا ہے۔

كِتَابُ النَّفَقَاتِ

(یہ کتاب نفقات کے احکام کے بیان میں ہے)

اس باب میں نفقہ کے احکام اور جن پر نفقہ واجب ہے ان کو بیان کریں گے۔

لغوی تحقیق اور مناسبت: نفقات نفقه کی جمع ہے خرچ کرنا، نکاح اور اس کے علاوہ چند اسباب وعلل ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص پر دوسروں کا نفقہ واجب ہوتا ہے ان کو بیان کر دینے کے بعد اب اہل وعیال کو خرچ دینے کے احکامات اور اس کے متعلقات کو بیان کریں گے جب کہ نفقہ کی متعدد اقسام ہیں (منکوحہ کا نفقہ مطلقہ کا نفقہ ذوی الارحام وغیرہ کا نفقہ) اس لیے جمع کا صیغہ مصنف نے ذکر کیا ہے۔

اصطلاحی تعریف: وہ روزینہ ہے جو زندگی باقی رکھنے کے واسطے برابر جاری رہے اس کی شرعی حیثیت

امر واجب کی ہے چناں چہ نفقہ کا مہیا کرنا خاوند باپ یا آقا پر واجب ہوتا ہے۔

(۲۰۴۶/۱) اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰی زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا فِیْ مَنْزِلِهٖ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا.

ترجمہ: نفقہ واجب ہے بیوی کے لئے اس کے شوہر پر خواہ وہ بیوی مسلمہ ہو یا کافرہ جب کہ وہ سپرد کر دے اپنی ذات کو شوہر کے گھر میں تو اس پر اس کا نفقہ اس کا لباس اور اس کی رہائش ہے۔

نفقۂ زوجیت کی قسمیں

تشریح: بیوی مسلمان ہو یا اہل کتاب ہو جب اس نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کر دیا تو شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہے نفقۂ زوجیت تین اقسام پر مشتمل ہے (۱) بیوی کو نان ونمک اور اس کے لوازمات آٹا چولہا اور پانی وغیرہ کا مہیا کرنا (۲) بیوی کا کپڑا (۳) گھر، اس مقام پر مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو کام کی نوعیت کے مطابق ضروری سامان مہیا کرے چناں چہ اگر ایسی جگہ رہائش ہو جہاں چکی کے سوا اور کوئی ذریعہ آٹا پیسنے کا نہیں ہے تو لازم ہے کہ خاوند چکی کا بندوبست کرے یا پسائی کی اجرت دے یا خود آٹا پسوا کر لائے، اور جب غلہ لائے تو یہ بھی لازم ہے کہ چھلنی چھاج اور کنڈا وغیرہ جس میں آٹا گوندھا جاتا ہے لا کر دے اسی طرح پکانے کا سامان مثلاً انگیٹھی، ڈوئی، اور چمچہ وغیرہ بھی حسب ضرورت مہیا کرے لباس کے بارے میں خاوند پر فرض ہے کہ ہر چھ ماہ میں ایک بار لباس دے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ لباس کی تیاری میں موسم کو ملحوظ رکھا جائے لہٰذا موسم سرما میں زیادہ کپڑا دینا لازم ہے تاکہ سردی سے بچاؤ ہو اور موسم گرما میں ایسا لباس ہو جو گرمی کی شدت سے بچائے مکان کی بابت خاوند پر لازم ہے کہ اسے ایسے گھر میں رکھے جو میاں بیوی کے مناسب حال ہو اور جہاں خاندان کے دوسرے لوگ نہ ہوں ہاں اگر بیوی خاوند کے کنبہ کے ساتھ رہنا پسند کرے اور ان کے ساتھ رہے تو یہ بھی درست ہے، گھر کی بابت شرط یہ ہے کہ اس میں تمام ضروری اور کار آمد اشیاء موجود ہوں، مزید تفصیل کے لئے دیکھیں کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ ۴/ ۱۰۱۸)

(۲۰۴۷/۲) يُعْتَبَرُ ذَالِكَ بِحَالِهِمَا جَمِيْعاً مُوْسِراً كَانَ الزَّوْجُ اَوْ مُعْسِراً.

ترجمہ: نفقہ کا اعتبار کیا جائے گا دونوں کی حالتوں سے مالدار ہو شوہر یا تنگدست۔

نفقہ اور اس کی مقدار میں کس کا حال معتبر ہے؟

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب نے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے کہ نفقہ اور اس کی مقدار میں میاں بیوی میں سے کس کا حال معتبر ہوگا، چناں چہ امام قدوریؒ نے فرمایا کہ نفقہ میں میاں بیوی دونوں کا حال معتبر ہوگا

امام خصاف کا مذہب مختار یہی ہے اور اسی پر فتوی ہے عقلی طور پر مذکورہ مسئلہ کی چار صورتیں ہیں اگر میاں بیوی مالدار ہیں تو امیرانہ نفقہ مقرر کیا جائے گا، اور اگر دونوں محتاج ہیں تو غریبانہ نفقہ ہوگا، لیکن اگر شوہر خوش حال اور بیوی تنگدست ہے تو عورت کے لئے اوسط درجہ کا نفقہ ہوگا یعنی مالدار عورتوں کے نفقہ سے کمتر اور غریب عورتوں کے نفقہ سے بڑھ کر ہوگا اس میں کوئی دشواری نہیں ہے، اگر بیوی مالدار اور خاوند تنگدست ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ شوہر اپنی حیثیت سے زیادہ نفقہ دینے سے عاجز ہے اس کا جواب یہ ہے کہ گو خاوند کو اوسط درجہ کا نفقہ دینا واجب ہوگا تاہم اس پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا اس سے (خاوند کی حیثیت کے مطابق) غریبانہ نفقہ کا مطالبہ کیا جائے گا باقی اس کے ذمہ بطور قرض واجب الادا رہے گا۔

(۳/۲۰۴۸) فَإِنِ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِيمِ نَفْسِهَا حَتَّى يُعْطِيَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ.

ترجمہ: اگر عورت باز رہے اپنے آپ کو سپرد کرنے سے یہاں تک کہ دے دے وہ اس کا مہر تو اس کے لئے نفقہ ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کرنے سے روک لیا یہاں تک کہ شوہر اس کا مہر معجل دے دے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ شوہر پر واجب ہے، کیوں کہ عورت اپنے حق کی وجہ سے سپرد نہیں کر رہی ہے۔

(۴/۲۰۴۹) وَإِنْ نَشَزَتْ فَلَانَفَقَةَ لَهَا حَتَّى تَعُوْدَ إِلَى مَنْزِلِهِ.

حل لغات: نشزت: نافرمانی کرنا، تعود: واپس لوٹنا۔

ترجمہ: اور اگر نافرمانی کرے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے یہاں تک کہ اس کے گھر لوٹ آئے۔

وجوب نفقہ کی شرائط کا بیان

تشریح: وجوب نفقہ کی جو شرطیں خاوند پر عائد ہوتی ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ بیوی خود سپردگی پر آمادہ ہو بصورت دیگر وہ ناشزہ متصور ہوگی اور نفقہ واجب نہ ہوگا ناشزہ وہ عورت ہے جو خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر اور ناحق یا بلا سبب چلی جائے یا خاوند کے پاس نہ آئے اور اس کے گھر میں داخل نہ ہو لیکن اگر عورت مباشرت سے انکار کرے تو اگر چہ ایسا کرنا حرام ہے لیکن اس سے نفقہ ساقط نہ ہوگا، کیوں کہ وہ امر جس سے بیوی نفقہ کی حق دار ہوتی ہے وہ خاوند کے گھر کی پابندی ہے جو موجود ہے اگر بیوی اپنے ذاتی مکان میں ہو اور خاوند کو وہاں آنے سے منع کرے تو اسے ناشزہ قرار دیا جائے، اگر بیوی خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے چلی جائے یا اس کی اجازت کے بغیر سفر اختیار کرے اور دوبارہ پھر واپس آ جائے تو پھر نفقہ کی حق دار ہو جائے گی اور ناحق یا بلا سبب گھر سے باہر جانے کا جو اوپر ذکر آیا ہے اس سے ایسی صورت خارج ہوگئی جب کہ بیوی کو گھر سے نکلنے یا اپنے نفس کو خاوند سے باز رکھنے کا حق رہا ہو، اور اس کی صورت یہ

ہے کہ بیوی نے اپنا پورا حق مہر (جو واجب الوصول ہے) نہ لیا ہو یا اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لئے گئی ہو۔

(۲۰۵۰/۵) وَاِنْ كَانَتْ صَغِيْرَةً لَا يُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَاِنْ سَلَّمَتْ اِلَيْهِ نَفْسَهَا.

ترجمہ: اور اگر اتنی چھوٹی ہو کہ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے اگر چہ اس نے خود کو شوہر کے حوالہ کر دیا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں نفقہ واجب ہونے کی دوسری شرط کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ بیوی قابل جماع ہو اگر ایسی چھوٹی ہے کہ اس کے ساتھ جماع نہیں کیا جاسکتا تو اس کے لئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا خواہ یہ شوہر کے مکان میں ہو یا نہ ہو یہاں تک کہ جماع کے قابل ہو جائے، کیوں کہ حوالہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہو جب اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا تو گویا احتباس نہیں ہوا اس وجہ سے اس کے لئے نفقہ نہ ہوگا۔

(۲۰۵۱/۶) وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ صَغِيْراً لَا يَقْدِرُ عَلَى الْوَطْئِ وَالْمَرْأَةُ كَبِيْرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَالِهِ.

ترجمہ: اور اگر شوہر اتنا چھوٹا ہو جو جماع پر قادر نہ ہو حال یہ کہ عورت بڑی ہو تو اس کے لئے نفقہ ہوگا شوہر کے مال میں سے۔

تشریح: اگر شوہر نابالغ ہے جماع پر قدرت نہیں رکھتا اور اس کی بیوی بالغہ ہے تو شوہر کے مال میں سے اس کے لئے نفقہ واجب ہوگا کیوں کہ عورت کی جانب سے اپنے آپ کو سپرد کرنا پایا گیا اب عاجزی صرف شوہر کی جانب سے ہے۔

(۲۰۵۲/۷) وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِي عِدَّتِهَا رَجْعِياً كَانَ اَوْ بَائِناً.

ترجمہ: اور جب طلاق دے دی شوہر نے اپنی بیوی کو تو اس کے لئے نفقہ اور رہائش ہے اس کی عدت میں طلاق رجعی دی ہو یا بائنہ۔

مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ حاملہ کی طرح غیر حاملہ کو دوران عدت نفقہ و سکنیٰ دیا جائے گا یا نہیں؟

تشریح: مطلقہ رجعیہ کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنی (رہائش) دونوں بالاتفاق واجب ہیں کیوں کہ نکاح بھی برقرار ہے اور عورت سے نفع اٹھانا بھی جائز ہے اور مطلقہ بائنہ کی دو قسمیں ہیں حاملہ، وغیر حاملہ حاملہ کیلئے دونوں واجب ہیں بالاتفاق لقوله تعالى: وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. (آیت ۶ سورة الطلاق) اور اگر وہ مطلقہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو حمل پیدا ہونے تک ان کو (کھانے پینے کا) خرچ دو، اب اس بارے

میں اختلاف ہے کہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کو دوران عدت نفقہ وسکنی دیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کا نفقہ اور سکنی دونوں چیزیں شوہر پر واجب ہیں۔

(۲) امام احمد اور ظاہریہ کے نزدیک نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی۔

(۳) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سکنی واجب ہے نفقہ واجب نہیں۔

امام احمد کی دلیل: حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث ہے کہ جب ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی تو وہ حضور کی خدمت میں پہنچیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا لَا سُکْنیٰ لَکِ وَلَا نَفَقَۃَ کہ تیرے لئے نہ سکنی ہے اور نہ نفقہ ہے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام احمدؒ نے فرمایا کہ مطلقہ بائنہ غیر حاملہ کو نہ نفقہ دیا جائے گا اور نہ سکنی۔

امام مالکؒ وشافعیؒ کی دلیل: سکنی دینے کے سلسلہ میں یہ حضرات باری تعالیٰ کے قول وَاَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ الخ سے استدلال کرتے ہیں جس میں سکنی دینے کا حکم کیا گیا ہے اور نفقہ نہ دینے کے سلسلہ میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نفقہ دینے سے انکار فرمایا ہے چوں کہ یہ آیت سکنیٰ کے بارے میں حضرت فاطمہ کی روایت کے معارض ہے لہٰذا روایت کو ترک کر دیا اور کتاب اللہ کو اختیار کیا۔

جواب: حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں (۱) وہ اپنے شوہر اور ان کے گھر والوں کے خلاف زبان درازی کیا کرتی تھیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو شوہر کے گھر سے ہٹا دیا اور سکنی دینے سے انکار کیا، (شرح نووی علی صحیح مسلم ۱/۴۸۳)

دوسرا جواب: یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں تنہاء ہونے کی وجہ سے وحشت محسوس کرتی تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ کے گھر میں عدت گزارنیکی اجازت دی اور نفقہ نہ دینے کا جواب یہ ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کے گھر ہی نہیں رہیں تو ان کا نفقہ بھی ساقط ہو گیا اسلئے کہ نفقہ احتباس کا بدلہ ہے اور احتباس فوت ہو گیا۔

احناف کی دلیل: اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِنْ وُّجْدِکُمْ وَلَاتُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ تم ان مطلقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے اس کے بارے تکلیف مت پہنچاؤ۔

اس آیت سے امام جصاصؒ نے تین طریقوں سے مسلک احناف کو ثابت کیا ہے (۱) جس طرح سکنی ایک مالی حق ہے اور اس آیت کی رو سے واجب ہے اسی طرح نفقہ بھی مالی حق ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا (۲) ولاتضاروھن سے مطلقات کو نقصان پہنچانے سے روکا گیا ہے اور نقصان جس طرح عدم سکنی سے لاحق ہوتا ہے اسی طرح عدم نفقہ سے

بھی لاحق ہوتا ہے (۳) لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ تنگی جس طرح عدم سکنی میں ہے اسی طرح عدم نفقہ میں بھی ہے۔ (درس ترمذی ۳/ ۴۸۵)

(۲۰۵۳/ ۸) وَلَا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا.

ترجمہ: اور نفقہ نہیں متوفی عنہا زوجہا کے لئے۔

کن عورتوں کو نفقہ نہیں ملے گا ان کا بیان

تشریح: جس عورت کا شوہر مر گیا ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو اس کا کوئی نفقہ نہیں ہے خواہ وہ حمل سے ہو یا نہ ہو نفقہ اس لیے نہیں ہے کہ عورت کا عدت گزارنا شوہر کے حق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرعی حق کی وجہ سے ہے جس کو عبادت میں شمار کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت حیض سے نہیں بلکہ ایام کی گنتی سے چار ماہ اور دس دن ہیں خواہ اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

(۲۰۵۴/ ۹) وَكُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْأَةِ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا.

ترجمہ: اور ہر وہ جدائی جو عورت کی جانب سے آئے معصیت کی وجہ سے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر فرقت معصیت کی وجہ سے عورت کی جانب سے پیدا ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا کیوں کہ عورت کی نافرمانی کی وجہ سے فرقت ہوئی ہے، مصنف کی عبارت میں نفقہ کا ذکر ہے اس لیے کہ سکنی اس معتدہ کے واسطے بھی واجب ہوگا کیوں کہ معتدہ کے واسطے گھر میں ٹھہرے رہنا واجب ہے، لہٰذا عورت کی معصیت سے سکنی ساقط نہیں ہوگا۔

(۲۰۵۵/ ۱۰) وَإِنْ طَلَّقَهَا ثُمَّ ارْتَدَّتْ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا.

ترجمہ: اور اگر عورت کو طلاق دے دے پھر وہ مرتد ہو جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: وجوب نفقہ کی ایک شرط یہ ہے کہ بیوی مرتد نہ ہوگئی ہو (ترک اسلام نہ کیا ہو) اگر شوہر نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اس کے بعد عورت العیاذ باللہ مرتد ہوگئی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ جو عورت مرتد ہوگئی وہ قید کی جاتی ہے یہاں تک کہ توبہ کرلے اور ایسی قیدی عورت کے واسطے نفقہ نہیں ہوتا ہے۔

(۲۰۵۶/ ۱۱) وَإِنْ مَكَّنَتِ ابْنَ زَوْجِهَا مِنْ نَفْسِهَا فَإِنْ كَانَ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَإِنْ كَانَ قَبْلَ الطَّلَاقِ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا.

ترجمہ: اگر قدرت دیدے اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنی ذات پر اگر طلاق کے بعد ہو تو عورت کے لئے نفقہ ہوگا

اور اگر طلاق سے پہلے ہے تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

تشریح: وجوب نفقہ کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ بیوی سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے چناں چہ اگر اس نے اپنے شوہر کے بیٹے یا اس کے باپ (سوتیلے بیٹے یا خسر) سے ناجائز رابطہ رکھا یا اپنے نفس پر اسے قابو دے دیا تو خاوند سے رشتہ زوجیت منقطع ہو جائے گا اور اس کے خاوند پر اس کا نفقہ واجب نہ رہے گا مذکورہ تفصیل اس وقت میں ہے جب کہ طلاق بائنہ واقع ہونے سے قبل صحبت کرائی جس کی وجہ سے تفریق ہوئی تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا، کیوں کہ طلاق سے پہلے سوتیلے بیٹے سے صحبت کرائی اس لیے صحبت کی وجہ سے نکاح ٹوٹا اور وہ تفریق کا سبب بنی اور یہ عورت کی نافرمانی اور معصیت کی وجہ سے ہے اس لیے عورت کو عدت میں نفقہ نہیں ملے گا، اور اگر طلاق کے بعد صحبت کرائی تو صحبت کرانے سے تفریق نہیں ہوئی بلکہ طلاق بائنہ واقع ہونے سے تفریق ہو چکی ہے اور وہ عدت گزار رہی ہے اس لیے سوتیلے بیٹے سے زنا کرانا گناہ ضرور ہے لیکن چوں کہ یہ تفریق کا سبب نہیں ہے اس لیے نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

(۱۲/۲۰۵۷) وَإِذَا حُبِسَتِ الْمَرْأَةُ فِي دَيْنٍ أَوْ غَصَبَهَا رَجُلٌ كَرْهاً فَذَهَبَ بِهَا أَوْ حَجَّتْ مَعَ مَحْرَمٍ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا.

ترجمہ: اگر قید کر لی گئی عورت قرض میں یا غصب کر لیا اس کو کسی نے زبردستی اور اس کو لے گیا یا حج کے لئے گئی محرم کے ساتھ تو اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت دین اور قرض کی وجہ سے قید کر لی گئی تو اس کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوگا کیوں کہ عورت ہی کی غلطی کی وجہ سے احتباس ختم ہوا کہ اس نے قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کی جس کی وجہ سے اس کو قید کیا گیا اس لیے اس کو قانونی طور پر نفقہ نہیں ملے گا ایسے ہی مغصوبہ عورت یعنی وہ بیوی جس پر کسی اور شخص نے ناجائز قبضہ کر لیا ہو از روئے تحقیق اس کا نفقہ بھی خاوند پر واجب نہ ہوگا، ایسے ہی وہ عورت جو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے کسی محرم کے ساتھ حج کو روانہ ہوئی تو یہ عورت حج کر سکتی ہے اگر چہ خاوند کی اجازت کے بغیر روانہ ہوئی ہو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں بھی عورت کی جانب سے احتباس ختم ہو گیا۔

(۱۳/۲۰۵۸) وَإِذَا مَرِضَتْ فِي مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النَّفَقَةُ.

ترجمہ: اور اگر بیمار ہو جائے شوہر کے گھر میں تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔

اگر عورت شوہر کے گھر بیمار ہو جائے تو کیا نفقہ ملے گا؟

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ عورت اگر اپنے شوہر کے گھر رہتے ہوئے بیمار ہو گئی تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہے

مرض خواہ مانع جماع ہو یا مانع جماع نہ ہو، کیوں کہ عورت شوہر کے گھر میں ہے اور شوہر مریضہ عورت کے ساتھ انس پاتا ہے اور اس کو چھو کر اس سے لطف اندوز ہوتا ہے اور وہ اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے اس لیے احتباس ختم نہیں ہوا اس لیے اس کو نفقہ ملے گا، علاوہ ازیں اگر عورت بیمار ہو جائے تو قانوناً شوہر کے ذمہ اس کا علاج کرانا یا علاج کے لئے خرچہ دینا ضروری نہیں یہ قانون کی بات تھی لیکن حسن سلوک یہ ہے کہ اس پر خرچ کرے۔

(۲۰۵۹/۱۴) وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ نَفَقَةُ خَادِمِهَا اِذَا كَانَ مُوْسِراً وَلَا تُفْرَضُ لِاَكْثَرَ مِنْ خَادِمٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: اور مقرر کیا جائے گا شوہر پر اس کے خادم کا نفقہ جب کہ وہ مالدار ہو اور نہیں مقرر کیا جائے گا ایک خادم سے زائد کا۔

بیوی کے خادم کے نفقہ کا بیان

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مالدار ہو تو اس پر اس کی بیوی کے خادم کا نفقہ واجب ہوگا کیوں کہ شوہر پر عورت کی کفایت واجب ہے اور عورت کی پوری کفایت ہوگی خادمہ کا نفقہ فرض کرنے سے اس لئے عورت کے واسطے خادمہ کا نفقہ ضروری ہے، صاحب کتاب کے قول 'اذا کان موسراً' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر شوہر تنگدست ہو تو اس پر خادم کا نفقہ واجب نہیں ہوگا یہی روایت امام صاحب سے حسن بن زیاد نے کی ہے اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے یہاں مالدار شوہر سے مراد یہ ہے کہ اسکے پاس اتنا مال ہو کہ جس سے اس پر صدقہ حرام ہے اتنے مال کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ جس سے اس پر زکوۃ واجب ہوئی ہو، اس کے بعد صاحب قدوری بیان کرتے ہیں کہ شوہر پر بیوی کے ایک خادم سے زائد کا نفقہ واجب نہیں ہوگا یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے اور یہی قول جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کا ہے۔

ضروری نوٹ: عورتوں کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ عورت جو اپنے گھر میں اپنے میکے میں بھی کام کیا کرتی تھیں (۲) وہ عورتیں جو اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتی تھیں بلکہ نوکر چاکر تھے وہ کھانا پکاتے تھے اگر دوسری قسم کی عورت شادی کے بعد شوہر کے گھر آجائے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا کسی طرح بھی واجب نہیں ہے نہ دیانۃً نہ قضاءً نہ اخلاقاً نہ شرعاً، اور اگر پہلی قسم کی عورت ہے تو اس کے ذمہ کھانا پکانا قضاءً واجب نہیں ہے لیکن دیانۃً واجب ہے یعنی اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا کھانا خود پکائے اس صورت میں شوہر کے ذمہ یہ ہے کہ وہ کھانا پکانے کا سامان لاکر دے اور یہ جو میں نے کہا کہ عورت کے ذمہ کھانا پکانا نہیں ہے یہ ایک قانون کی بات ہے اور قانون کے خشک تعلق کی بنیاد پر زندگی بسر ہونی شروع ہو جائے گی تو دونوں کا گھر برباد ہو جائے گا بات جب چلتی ہے جب دونوں قانون کی بات سے آگے بڑھ کر سنت نبوی کی اتباع کریں اور ہر ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔

(۲۰۶۰/۱۵) وَعَلَيْهِ اَنْ يُسْكِنَهَا فِيْ دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهِ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ ذَالِكَ.

ترجمہ: اور شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو علیحدہ مکان میں رکھے جس میں شوہر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہ ہو مگر یہ کہ عورت ان کے ساتھ رہنے پر راضی ہو۔

سکنی کا کیا حکم ہے

تشریح: اس عبارت میں امام قدروری نے سکنی کے حکم کو بیان کیا ہے چناں چہ فرمایا کہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو علیحدہ مکان میں آباد کرے جس میں شوہر کے گھر والوں میں سے کوئی نہ رہتا ہو ہاں اگر عورت ہی شوہر کے گھر والوں کے ساتھ رہنا پسند کرے تو اس کو اختیار ہے، دلیل یہ ہے کہ غیر کی شرم کیوجہ سے شوہر کے ساتھ بے تکلف نہیں رہ سکتی دوسرے یہ کہ جماع اور متلعقات جماع سے روک ہوگی لیکن اگر عورت خود ہی اس بات پر راضی ہو کہ سسرال والوں کے ساتھ رہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے، کیوں کہ وہ اپنے حق کی کمی پر خود راضی ہوئی۔

(۲۰۶۱/۱۶) وَلِلزَّوْجِ اَنْ یَمْنَعَ وَالِدَیْهَا وَوَلَدَهَا مِنْ غَیْرِهٖ وَاَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَیْهَا۔

ترجمہ: اور شوہر کو حق ہے کہ روکے اس کے والدین کو اور دوسرے شوہر کی اولاد کو اور بیوی کے عزیز و اقارب کو اس کے پاس آنے سے۔

کیا شوہر کو حق ہے کہ بیوی کے والدین وغیرہ کو اپنے گھر آنے سے روک دے

تشریح: شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس اس کے ماں باپ اور اس کا لڑکا جو پہلے شوہر سے ہے اس کو اور دوسرے رشتہ داروں کو آنے سے روک دے، دلیل یہ ہے کہ یہ گھر تو شوہر کی ذاتی ملک ہے لہٰذا اس کو اپنی ملک میں آنے سے منع کرنے کا اختیار حاصل ہے، قانوناً شوہر کے ذمہ یہ بھی نہیں ہے کہ وہ عورت کو اس کے والدین کے گھر ملاقات کے لئے لے جایا کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ جب عورت کے ماں باپ اپنی بیٹی سے ملاقات کے لئے آئیں تو ان کو گھر میں بیٹھائے بلکہ فقہاء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ ہفتہ میں صرف ایک دن عورت کے ماں باپ آئیں اور دور سے ملاقات اور زیارت کر کے چلے جائیں گھر میں بیٹھا کر ملاقات کرانا شوہر کے ذمہ ضروری نہیں لیکن اس قانون کے خشک تعلق سے زندگی نہیں گزر سکتی، بلکہ دونوں مل کر زندگی کی گاڑی کو چلائیں۔

(۲۰۶۲/۱۷) وَلَا یَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظَرِ اِلَیْهَا وَلَا مِنْ کَلَامِهِمْ مَعَهَا فِیْ اَیِّ وَقْتٍ اِخْتَارُوْا۔

ترجمہ: اور نہ روکے ان کو بیوی کی طرف دیکھنے سے اور اس کے ساتھ بات کرنے سے جس وقت بھی وہ

چاہیں۔

تشریح: اگر بیوی کے والدین وغیرہ اس کو دیکھنا چاہیں یا باتیں کرنا چاہیں تو شوہر اس عورت کی طرف دیکھنے اور باتیں کرنے سے منع نہیں کرسکتا، کیوں کہ بات کرنے سے روکنے میں قطع رحمی ہے جس کی شریعت میں گنجائش نہیں ہے اس لیے بات چیت سے نہیں روک سکتا۔

(۲۰۶۳/۱۸) وَمَنْ اَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَأَتِهِ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتَدِيْنِيْ عَلَيْهِ.

حل لغات: اعسر: تنگدست ہوگیا عاجز ہوگیا، استدینی: امر حاضر مونث ہے قرض لیتی رہ۔

ترجمہ: اور جو شخص تنگدست ہو جائے اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے تو ان دونوں میں جدائی نہیں کی جائے گی بلکہ بیوی سے کہا جائے گا کہ تو اس کے ذمہ قرض لیتی رہ۔

تشریح: اگر شوہر اپنی بیوی کے نفقہ سے عاجز ہو گیا تو اس کی وجہ سے ان دونوں میں تفریق نہ کی جائے بلکہ قاضی عورت کو کہے گا کہ اپنے شوہر کے ذمہ پر قرضہ لے لے یعنی اس شرط پر کھانے کا سامان خرید لے کہ اس کی قیمت اس کا شوہر ادا کرے گا یا شوہر کے مالدار ہونے پر اس کے مال سے یہ قرضہ ادا کر دیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

(۲۰۶۴/۱۹) وَاِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهُ مَالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِيْ فِيْ ذَالِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَاَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَوَالِدَيْهِ.

ترجمہ: اگر مرد غائب ہو گیا اور اس کا مال کسی آدمی کے قبضہ میں ہے جو اس کا اقرار کرتا ہے اور (یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ عورت اس غائب شخص کی) بیوی ہے تو مقرر کر دے قاضی اس مال میں (سے) اس غائب شخص کی بیوی کا اس کی نابالغ اولاد کا اور اس کے والدین کا نفقہ۔

خاوند کی غیر موجودگی میں نفقہ عائد ہونے کا بیان

تشریح: اب یہاں سے خاوند کی غیر موجودگی میں اس پر نفقہ عائد ہونے اور نفقہ کا ضامن ہونے کا بیان شروع کرتے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر سفر میں چلا گیا تو اس پر نفقہ واجب ہوگا لیکن اس کی چند شرطیں ہیں:

(۱) اس عورت کے شوہر کا مال کسی شخص کی تحویل میں ہو یا اس سے قرض واجب الوصول ہو اس حالت میں اس مال سے بیوی کو نفقہ دیا جائے گا۔

(۲) وہ شخص تسلیم کرے کہ اس عورت کے خاوند کا قرض اس کے ذمہ ہے یا اس کا مال اس شخص کی تحویل میں ہے۔

(۳) وہ شخص مانتا ہو کہ وہ عورت غیر موجود فلاں خاوند کی بیوی ہے اگر وہ شخص مال کی موجودگی سے یا زوجیت کے

تسلیم کرنے سے گریز کرے تو اس بارے میں کوئی گواہی بیوی کے حق میں تسلیم نہ کی جائے گی۔
اب اگر مذکورہ تین شرطیں پائی جائیں تو قاضی غائب کے مال میں بیوی کا نفقہ اس کے چھوٹے بچوں کا نفقہ اور والدین کا نفقہ مقرر کرے گا اور ان کو دلوائے گا اگلی عبارت میں نفقہ کے ضامن ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔

(۲۰۶۵/۲۰) وَيَاخُذُ مِنْهَا كَفِيْلاً بِهَا.

ترجمہ: اور لے لے عورت سے ایک ضامن اس خرچہ کا۔
تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی اس عورت سے کفیل لے لیگا تا کہ مال زیادہ خرچ نہ کردے اور خورد برد نہ کرے اس کے لئے ایک کفیل متعین کرے جو اس پر نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے امام سرخسیؒ نے فرمایا کہ عورت سے کفیل لینا بہتر ہے اور اگر نہیں لیا تو بھی جائز ہے۔

(۲۰۶۶/۲۱) وَلاَ يُقْضٰى بِنَفَقَةٍ فِيْ مَالِ الْغَائِبِ اِلاَّ لِهٰؤُلاَءِ.

ترجمہ: اور نہیں فیصلہ کیا جائے گا غائب کے مال میں نفقہ کا مگر انہیں لوگوں کے لئے۔
تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ قاضی غائب کے مال میں صرف ان مذکورہ لوگوں کے واسطے نفقہ کا حکم دے سکتا ہے یعنی بیوی چھوٹی اولاد اور والدین کے واسطے یا جو ان کے حکم میں ہوں جیسے بالغ اولاد لنجے اور اپاہج ہوں یا عورتیں ہوں اور ان کے علاوہ دوسرے محارم جیسے بھائی چچا اور دوسرے رشتہ داروں کے واسطے قاضی غائب کے مال میں سے نفقہ کا حکم نہیں دے سکتا ہے ان دونوں صورتوں میں فرق اس وجہ سے ہے کہ بیوی وغیرہ کا نفقہ فیصلہ سے پہلے ہی شریعت کی بنیاد پر واجب ہے فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ فیصلہ کرنے سے تائید ہو جائے گی رہے دوسرے محارم جن کا نفقہ محتاجی کی وجہ سے اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے تو ان کا نفقہ جب ہی واجب ہوگا جب کہ قاضی حکم دے دے۔

(۲۰۶۷/۲۲) وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ الْاِعْسَارِ ثُمَّ اَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ الْمُوْسِرِ.

حل لغات: الاعسار: تنگدستی، الموسر: مالدار۔
ترجمہ: اگر فیصلہ کردیا قاضی نے بیوی کے لئے غربت کے نفقہ کا پھر وہ مالدار ہو گیا اس پر بیوی نے شوہر کے خلاف (قاضی کی عدالت میں خوشحالی کا) دعویٰ کیا تو قاضی اس عورت کے لئے مالداری (خوشحالی) کا نفقہ پورا کرے گا (مقرر کرے گا)

اولاً شوہر غریب تھا پھر مالدار ہو گیا اب کونسا نفقہ دینا پڑے گا

تشریح: شوہر پہلے غریب تھا جس کی وجہ سے قاضی نے تنگی اور غربت کا نفقہ عورت کے لئے مقرر کردیا پھر اس

کا شوہر خوشحال ہوگیا اور عورت نے قاضی کے پاس خوشحالی کے نفقہ کا دعوی دائر کردیا اور مالداری کو ثابت بھی کردیا تو قاضی اس عورت کے لئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کرے گا، کیوں کہ خوشحالی اور تنگی کے موافق نفقہ بدلتا رہتا ہے نفقہ پوری زندگی کے لئے ایک بار واجب نہیں ہوتا بلکہ ہر دن تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے اس لیے ہر دن بیوی اور شوہر کے حال کا اعتبار ہوگا۔

(۲۰۶۸/۲۳) وَاِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَالَبَتْهُ بِذَالِكَ فَلَا شَئَ لَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْقَاضِيْ فَرَضَ لَهَا نَفَقَةً اَوْ صَالَحَتِ الزَّوْجَ عَلٰى مِقْدَارِهَا فَيُقْضٰى لَهَا بِنَفَقَةِ مَا مَضٰى.

ترجمہ: اور جب گزر گئی ایک مدت اور نہیں خرچ کیا شوہر نے اس پر اور بیوی اس کا مطالبہ کرے تو اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا مگر یہ کہ قاضی نے اس کے لئے نفقہ مقرر کیا ہو یا بیوی نے شوہر سے کسی مقدار پر صلح کر لی ہو تو اب فیصلہ ہوگا اس کے لئے گذشتہ نفقہ کا۔

گذشتہ ایام کا نفقہ

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مدت گزر گئی شوہر نے اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیا پھر اس نے اپنے شوہر سے اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو بیوی کو کچھ نہیں ملے گا، کیوں کہ مدت گزر جانے کی وجہ سے نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ نہیں ہوتا ہاں دوصورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں (۱) قاضی نے عورت کے واسطے نفقہ کی کوئی مقدار مقرر کر رکھی تھی تو وہ ان مہینوں کا نفقہ وصول کرسکتی ہے، (۲) شوہر نے کسی مقدار پر صلح کر لی تھی تو وہ مقدار وصول کرسکتی ہے، دلیل یہ ہے کہ نفقہ صلہ رحمی ہے اور صلہ رحمی میں فیصلہ یا صلح کے بغیر لزوم نہیں ہے اس لیے قانونی طور پر گذشتہ مہینوں کا نفقہ وصول نہیں کرسکتی البتہ شوہر دے دے تو بہتر ہے۔

(۲۰۶۹/۲۴) فَاِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَ مَاقُضِيَ عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَمَضَتْ شُهُوْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ.

ترجمہ: (۲۰۵۲)(۲۳) پھر اگر مر جائے شوہر اس پر نفقہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اور گزر گئے چند ماہ تو ساقط ہو جائے گا نفقہ۔

تشریح: قاضی نے نفقہ کا فیصلہ کیا اس کے بعد شوہر پانچ ماہ زندہ رہا لیکن اس مدت کا نفقہ ادا نہیں کیا اور مر گیا تو اب ان پانچ ماہ کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اسی طرح اگر عورت مر گئی تو بھی ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ نفقہ صلہ ہے اور صلہ پر قبضہ نہ کرے تو وہ اس کا نہیں ہوتا اس لیے ساقط ہو جائے گا۔

(۲۰۷۰/۲۵) وَاِنْ اَسْلَفَهَا نَفَقَةَ سَنَةٍ ثُمَّ مَاتَ لَمْ يُسْتَرْجَعْ مِنْهَا بِشَئٍ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ

يُحْتَسَبُ لَهَا نَفَقَةُ مَا مَضٰى وَمَا بَقِيَ لِلزَّوْجِ.

حل لغات: اسلفها: پیشگی دیدیا۔

ترجمہ: اوراگر پیشگی دے دے ایک سال کا نفقہ پھر شوہر مرجائے تو واپس نہ لیا جائے گا بیوی سے کچھ اور امام محمدؒ نے فرمایا حساب کر کے دیا جائے گا عورت کو اتنا نفقہ جتنا زمانہ گذر گیا اور باقی شوہر کا ہوگا۔

پیشگی نفقہ دینے کا بیان

تشریح: شوہر نے ایک سال کا نفقہ بیوی کو دے دیا پھر پانچ ماہ بعد مرگیا یا اس کی یہ بیوی مرگئی تو اس عورت سے یا اس کے ترکہ سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا یہ شیخین کا مذہب ہے، کیوں کہ بیوی کا نفقہ صلہ اور ہدیہ ہے اور ہدیہ دینے کے بعد وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اس لیے واپس نہیں لے گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جتنا زمانہ گزرا اس کا نفقہ حساب کر کے عورت کے پاس چھوڑ دیا جائے اور باقی شوہر کو واپس کر دیا جائے گا مثلاً سال بھر کا نفقہ دیا اور چھ ماہ کے بعد شوہر کا انتقال ہو گیا تو باقی چھ ماہ کا نفقہ واپس لے گا، کیوں کہ نفقہ احتباس کا بدلہ ہے اس لیے جتنے دنوں تک احتباس رہا اتنے ہی دنوں کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور جتنے دنوں احتباس نہیں رہا اتنے دنوں کا نفقہ واپس لیا جائے گا فتح القدیر میں شیخین کے قول پر فتوی نقل کیا ہے۔

(۲۰۷۱/۲۶) وَاِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيْهَا.

ترجمہ: اوراگر شادی کرے غلام آزاد عورت سے تو اس کا نفقہ غلام کے ذمہ ہوگا کہ وہ نفقہ میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا تو اس عورت کا نفقہ غلام پر قرضہ ہوگا، لیکن چوں کہ اس کے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ آقا کا مال ہے اس لیے نفقہ اس کے ذمہ دین ہوگا اور اگر ادا نہ کر سکا تو وہ اس میں بیچا جائے گا۔

(۲۰۷۲/۲۷) وَاِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ اَمَةً فَبَوَّأَهَا مَوْلَاهَا مَعَهٗ مَنْزِلاً فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ وَاِنْ لَّمْ يُبَوِّأْهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا عَلَيْهِ.

حل لغات: بوأ: ماضی مصدر تبوئۃ ٹھہرنا شوہر کے یہاں قیام کروانا۔

ترجمہ: اوراگر کسی نے شادی کی (کسی شخص کی) باندی سے اور آقا نے اسکے ساتھ اپنی باندی کو رات گزارنے کے لئے بھیج دیا تو اس پر نفقہ واجب ہوگا، اوراگر اس کو شوہر کے گھر نہیں بھیجا تو اس کے لئے اس پر نفقہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر آزاد مرد نے کسی شخص کی باندی سے نکاح کیا اور آقا نے اس کو شوہر کے گھر رات گذارنے کے لئے بھیج دیا تو اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہوگا اور اگر آقا نے الگ ٹھکانہ نہیں دیا تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

(۲۰۷۳/۲۸) وَنَفَقَةُ الْاَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْاَبِ لَا يُشَارِكُهُ فِيْهَا اَحَدٌ كَمَا لَايُشَارِكُهُ فِيْ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ اَحَدٌ.

ترجمہ: اور چھوٹی اولاد کا نفقہ باپ پر ہے اس میں کوئی شریک نہ ہوگا جیسا کہ شوہر کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوتا بیوی کے نفقہ میں۔

اولاد کے نفقہ کا بیان

تشریح: اس عبارت میں اولاد کے نفقہ کو بیان کر رہے ہیں چناں چہ فرمایا کہ نابالغ اولاد کا نفقہ صرف ان کے باپ پر واجب ہوگا اس میں باپ کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا جیسے اس کی بیوی کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں ہوتا، یہ حکم ظاہر الروایت کے مطابق ہے اور اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔

(۲۰۷۴/۲۹) فَاِنْ كَانَ الصَّغِيْرُ رَضِيْعاً فَلَيْسَ عَلىٰ اُمِّهٖ اَنْ تُرْضِعَهٗ وَيَسْتَأْجِرُ لَهُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهٗ عِنْدَهَا.

ترجمہ: اگر بچہ دودھ پینے والا ہو تو ماں پر واجب نہیں ہے اس کو دودھ پلانا بلکہ اجرت پر لے گا اس کے لئے باپ ایسی عورت کو جو اسے دودھ پلائے اس کی ماں کے پاس۔

ماں پر قضاءً دودھ پلانا واجب نہیں

تشریح: اگر بچہ دودھ پیتا ہو تو قضاءً ماں پر اس بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے کیوں کہ بچہ کی کفایت باپ پر واجب ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے اور دودھ پلائی کی اجرت نفقہ کے مانند ہے تو نفقہ کی طرح دودھ پلائی کی اجرت باپ پر واجب ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ باپ دودھ پلانے کے واسطے ایسی عورت کو اجرت پر لے جو بچہ کی ماں کے پاس رہ کر دودھ پلائے یعنی جب ماں ایسا چاہے تو دودھ پلانے والی کو اس کے پاس رہ کر پلانا لازم ہوگا۔

(۲۰۷۵/۳۰) فَاِنِ اسْتَاْجَرَهَا وَهِيَ زَوْجَتُهٗ اَوْ مُعْتَدَّتُهٗ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: پھر اگر اجرت پر لے اسی کو درانحالیکہ وہ اس کی بیوی ہے یا اس کی معتدہ ہے تا کہ اس کے بچہ کو دودھ پلائے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: اگر شوہر نے عورت کو اجرت پر رکھا تا کہ بچہ کو دودھ پلائے حالانکہ وہ اس کی بیوی ہے یعنی نکاح میں

موجود ہے یا اس کی طلاق کی عدت میں ہے تو اس کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے، کیوں کہ یہ بچہ کی ماں ہے اور دیانۃً اس عورت پر دودھ پلانا خود بھی واجب ہے قضاءً جو اس کے ذمہ لازم نہیں وہ صرف اس لیے، کہ ممکن ہے اسے کوئی مجبوری ہو اور جب وہ اجرت لے کر دودھ پلانے پر تیار ہوگئی تو اس کا عاجز نہ ہونا ظاہر ہو گیا اس لیے اس کو اجرت لینا جائز نہ ہوگا۔

(۲۰۷۶/۳۱) وَاِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَاجَرَهَا عَلٰى اِرْضَاعِهٖ جَازَ.

ترجمہ: اور اگر اسکی عدت گزر گئی پھر اجرت پر لیا اس عورت کو اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے واسطے تو جائز ہے۔

تشریح: بیوی عدت گزار رہی تھی اب عدت ختم ہوگئی اس کے بعد شوہر نے اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے واسطے جو اسی عورت سے ہے اس کو اجرت پر لیا تو یہ اجارہ جائز ہے، کیوں کہ جب عدت گزر گئی تو اب یہ بیوی نہیں رہی بلکہ اجنبیہ بن گئی اس لیے اس کو اجرت پر لینا جائز ہے۔

(۲۰۷۷/۳۲) وَاِنْ قَالَ الْاَبُ لَا اَسْتَاجِرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْاُمُّ بِمِثْلِ اُجْرَةِ الْاَجْنَبِيَّةِ كَانَتِ الْاُمُّ اَحَقَّ بِهٖ وَاِنِ الْتَمَسَتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا.

حل لغات: التمس: مانگنا، تلاش کرنا۔

ترجمہ: اور اگر باپ کہے نہیں اجرت پر لوں گا بچہ کی ماں کو اور کسی دوسری عورت کو لے آئے پھر ماں راضی ہوگئی اتنی ہی اجرت پر جتنی اجنبیہ کی ہے تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہوگی اور اگر وہ اجرت زیادہ طلب کرے تو شوہر کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: بچہ کی والدہ عدت گزار کر اجنبیہ ہو چکی تھی اب باپ نے کہا کہ میں بچہ کو دودھ پلانے کے لئے اس کی ماں کو اجرت پر نہیں لاؤں گا بلکہ اس کے علاوہ دودھ پلانے والی کو لے آیا اب اگر بچہ کی ماں اتنی ہی اجرت پر راضی ہو جاتی ہے، جتنی اجنبیہ مانگتی تھی تو بچہ کی ماں دودھ پلانے اور اجرت پر لینے کی زیادہ حق دار ہے کیوں کہ والدہ کو بچہ سے زیادہ محبت ہے اس لیے وہ زیادہ حق دار ہوگی اور اگر بچہ کی ماں نے اجنبیہ کی اجرت سے زیادہ مانگی تو شوہر یعنی بچے کے باپ کو زیادہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تاکہ نقصان دور ہو اور آیت میں والد کو نقصان دینے سے منع فرمایا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَهٗ بِوَلَدِهٖ اور باپ بچہ کی وجہ سے نقصان نہ اٹھائے۔

(۲۰۷۸/۳۳) وَنَفَقَةُ الصَّغِيْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى اَبِيْهِ وَاِنْ خَالَفَهٗ فِيْ دِيْنِهٖ كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَاِنْ خَالَفَتْهُ فِيْ دِيْنِهٖ.

ترجمہ: اور بچہ کا نفقہ واجب ہے اس کے باپ پر اگرچہ باپ اس کے ساتھ دین میں مخالف ہو جیسے واجب ہوتا ہے بیوی کا نفقہ شوہر پر اگرچہ بیوی شوہر سے دین میں مخالف ہو۔

تشریح: نابالغ بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے اگر چہ ایک دوسرے کے دین میں مخالف ہو مثلاً باپ مسلمان ہے اور اولاد عیسائی ہے پھر بھی جب تک نابالغ ہیں ان کا نفقہ باپ پر واجب ہے جیسے شوہر مسلمان ہو اور بیوی عیسائی ہو پھر بھی اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے، اگر بچہ کا نفقہ باپ پر واجب نہ کریں تو بچہ ضائع ہو جائے گا اس لیے چھوٹی اولاد کا نفقہ باپ پر لازم ہے۔

(۲۰۷۹/۳۴) وَإِذَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَالْأُمُّ أَحَقُّ بِالْوَلَدِ.

ترجمہ: اور جب واقع ہو جائے جدائی میاں بیوی کے درمیان تو ماں زیادہ حقدار ہے بچہ کی۔

مستحقین پرورش کی تفصیل

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ بچہ کی پرورش کرنے یا پالنے کا کام قرابت داروں کے لئے ثابت ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تمام اشخاص میں سب سے زیادہ پرورش کا حق ماں کو ہے خواہ ماں، باپ کی زوجیت میں ہو یا طلاق یافتہ ہو، یعنی اگر میاں بیوی میں جو کہ اس بچہ کے والدین ہیں کسی وجہ سے فرقت ہو جائے تو اب وہ بچہ کس کی پرورش میں رہے گا؟ اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ چھوٹے بچہ کی پرورش کا استحقاق باپ کو نہیں بلکہ ماں کو ہے جب تک کہ وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔

(۲۰۸۰/۳۵) فَإِنْ لَمْ تَكُنِ الْأُمُّ فَأُمُّ الْأُمِّ أَوْلَى مِنْ أُمِّ الْأَبِ فَإِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ أُمُّ الْأُمِّ فَأُمُّ الْأَبِ أَوْلَى مِنَ الْأَخَوَاتِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ جَدَّةٌ فَالْأَخَوَاتُ أَوْلَى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ.

ترجمہ: اگر ماں نہ ہو تو نانی زیادہ حقدار ہے دادی سے اور اگر نانی نہ ہو تو دادی زیادہ بہتر ہے بہنوں سے اور اگر دادی بھی نہ ہو تو بہنیں زیادہ حق دار ہیں پھوپھیوں اور خالاؤں سے۔

تشریح: بچوں سے محبت کا تعلق ماں کی طرف ہے اور ماں کے رشتہ داروں کی طرف ہے اور باپ کے رشتہ داروں کی طرف کم ہے اس لیے پرورش کا حق بھی ماں کے رشتہ داروں کو پہلے ہے اور باپ کے رشتہ داروں کو بعد میں ہے اس لیے ماں کے رشتہ دار نہ ہوں یا ہوں لیکن نہ لینا چاہتے ہوں تب باپ کے رشتہ داروں کو ملے گا اس کے بعد آپ سمجھیں کہ اگر بچہ کی ماں نہ ہو بایں طور کہ وہ مرگئی یا کسی اجنبی شخص سے نکاح کر لیا تو نانی بچہ کی زیادہ حق دار ہوگی بہ نسبت دادی کے، نانی خواہ اوپر کے درجہ کی ہو یعنی پرنانی یا اس کے بعد اور اگر بچہ کی نانی پرنانی بھی نہیں ہے تو بہنوں کے مقابلہ میں بچہ کی زیادہ حق دار دادی ہوگی، کیوں کہ دادی بھی ماں ہی ہے نیز دادی کی شفقت پیدائشی قرابت کی وجہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے اگر بچہ کی دادی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالاؤں کی بہ نسبت بہنیں زیادہ حق دار ہیں کیوں کہ وہ اس کے ماں باپ کی لڑکیاں ہیں اور بہنیں زیادہ محبت رکھتی ہیں اس لیے خالہ اور پھوپھی سے وہ زیادہ حقدار ہوں گی۔

(۳۶/۲۰۸۱) وَتُقَدَّمُ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ وَالْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ.

ترجمہ: اور مقدم ہوگی حقیقی بہن پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جس عورت کے ساتھ دو طرح کی قرابت ہو وہ ایک قرابت والی سے زیادہ حقدار ہے چناں چہ فرمایا کہ حقیقی بہن یعنی جو ماں اور باپ دونوں جانب سے رشتہ دار ہوئی وہ دوسری بہنوں یعنی فقط ماں شریک (جس کو اخیافی کہتے ہیں) اور فقط باپ شریک (جس کو علاتی کہتے ہیں) پر مقدم ہوگی، کیوں کہ حقیقی بہن کی شفقت دوسری بہنوں سے زیادہ ہے پھر ماں شریک بہن کو باپ شریک بہن پر ترجیح ہوگی کیوں کہ اس کو محبت زیادہ ہوتی ہے۔

(۳۷/۲۰۸۲) ثُمَّ الْخَالَاتُ اَوْلٰی مِنَ الْعَمَّاتِ.

ترجمہ: پھر خالائیں مقدم ہیں پھوپھیوں سے۔

تشریح: کیوں کہ خالہ کو ماں کے ساتھ قرابت حاصل ہے نہ کہ پھوپھی کو اور پرورش کرنے میں ماں کے رشتہ داروں کو سبقت حاصل ہے نہ کہ پدری قرابت کو۔

(۳۸/۲۰۸۳) وَيَنْزِلْنَ كَمَا نَزَلَتِ الْاَخَوَاتُ ثُمَّ الْعَمَّاتُ يَنْزِلْنَ كَذَالِكَ.

ترجمہ: اور ان میں وہی ترتیب ہوگی جو ترتیب بہنوں میں ہے پھر پھوپھیاں ترتیب وار ہوں گی اسی طرح۔

تشریح: جس طرح بہنوں میں یہ ترتیب تھی کہ حقیقی بہن زیادہ حق دار تھی پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن اسی طرح خالہ میں بھی حقیقی خالہ یعنی ماں باپ دونوں شریک خالہ زیادہ حقدار ہوگی پھر ماں شریک خالہ پھر باپ شریک خالہ اسی طرح حقیقی پھوپھی پھر ماں شریک پھوپھی پھر باپ شریک پھوپھی۔ ینزلن کا یہی مطلب ہے۔

(۳۹/۲۰۸۴) وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هٰؤُلَاءِ سَقَطَ حَقُّهَا فِي الْحَضَانَةِ اِلَّا الْجَدَّةَ اِذَا كَانَ زَوْجُهَا الْجَدَّ.

حل لغات: الحضانة: حاء کے زیر اور زبر کے ساتھ دونوں طرح درست ہے لیکن بالفتح زیادہ مشہور ہے لغت کی رو سے یہ فعل حَضَنَتِ الصَّغِيْرَ حَضَانَةً (یعنی اس نے بچہ کا خرچ اور پرورش کا بوجھ بار برداشت کیا) کا مصدر ہے اس کا مادہ حضن بکسر 'حا' ہے جس کے معنی آغوش کے ہیں اور حاضنہ پرورش کرنے والی کو کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس کے معنی ہیں چھوٹے بچے، عاجز، مجنون، کوحتی المقدور مضرتوں سے بچانا اور اس کی اصلاح وتربیت مثلاً صاف ستھرا رکھنا کھلانا پلانا اور ضروریات راحت کا خیال رکھنا ہے۔

ترجمہ: جس نے شادی کرلی ان عورتوں میں سے تو ساقط ہو جائے گا اس کا حق پرورش میں مگر نانی جب کہ اس کا شوہر بچہ کا دادا ہو۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جن عورتوں کو بچہ کی پرورش کرنے کا حق ہے ان میں سے اگر کسی نے نکاح کرلیا تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا، کیوں کہ اس بچہ کی ماں کا شوہر جب اجنبی مرد ہے تو وہ اس بچہ کو تھوڑی چیز دے گا اور گھور کر دیکھے گا اس سے بچہ کو تکلیف ہوگی اس لیے مذکورہ عورت کا حق ساقط ہو جائے گا ہاں اگر اس بچہ کی نانی نے اپنا نکاح اس بچہ کے دادا سے کیا یا اس کی دادی نے اپنا نکاح اس بچہ کے نانا سے کیا تو اس نانی یا دادی کا حق پرورش ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ نانا اور دادا اس بچہ کے باپ کے قائم مقام ہے لہٰذا شفقت باقی رہے گی۔

(۲۰۸۵/۴۰) فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ اِمْرَأَةٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَاخْتَصَمَ فِيْهِ الرِّجَالُ فَاَوْلَاهُمْ بِهٖ اَقْرَبُهُمْ تَعْصِيْباً.

ترجمہ: اگر نہ ہو بچہ کے لئے کوئی عورت اس کے رشتہ داروں میں سے اور جھگڑیں اس کے سلسلہ میں مرد تو ان میں سے زیادہ حق دار قریبی عصبہ ہوگا۔

تشریح: اگر بچہ کی پرورش کرنے والی اس کے خاندان اور کنبہ میں کوئی عورت نہ ہو اور مردوں میں اس بچہ کی پرورش کی بابت اختلاف پیدا ہو گیا تو ان مردوں میں بچہ کی پرورش کرنے کا زیادہ حق دار وہ شخص ہوگا جس کو عصبہ ہونے کے اعتبار سے پہلے میراث ملتی ہے وہ نہ ہو تو اس کے بعد جس کو ملتی ہے علی ہذا القیاس، اور عصبہ کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے بیٹے کو وراثت ملتی ہے پھر باپ پھر دادا پھر چچا پھر بھائی پھر چچازاد بھائی کو اسی ترتیب سے بچہ پرورش کے لئے ملے گا۔

(۲۰۸۶/۴۱) وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰى يَاْكُلَ وَحْدَهٗ وَيَشْرَبَ وَحْدَهٗ وَيَلْبَسَ وَحْدَهٗ وَيَسْتَنْجِيَ وَحْدَهٗ.

ترجمہ: ماں اور نانی لڑکے کی زیادہ حق دار ہیں اس وقت تک کہ وہ خود کھانے لگے اور خود پینے لگے اور خود استنجاء کرنے لگے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ماں اور نانی لڑکے کی پرورش زیادہ حقدار اس وقت تک ہیں جب تک بچہ اکیلا کھانا نہ کھانے لگے اور اکیلا نہ پینے لگے اور اکیلا نہ پہننے لگے اور تنہا استنجانہ کرنے لگے اور یہ عام طور سے سات سال کی عمر میں ہوتا ہے اس کے بعد لڑکا باپ کی نگرانی میں چلا جائے گا تاکہ مردانہ کام کاج سیکھ سکے اور زندگی گزار سکے۔

(۲۰۸۷/۴۲) وَبِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَحِيْضَ.

ترجمہ: اور (ماں اور نانی) لڑکی کی (زیادہ مستحق ہیں) اس کے حیض آنے تک۔

لڑکا اور لڑکی میں حق پرورش کب تک ہے؟

تشریح: جب تک لڑکی کو حیض نہ آجائے اور بالغ نہ ہو جائے ماں اور نانی اس کی پرورش کرنے کی حق دار ہیں

کیوں کہ سات آٹھ سال میں وہ بے نیاز ہوگی اس کے بعد عورتوں کے کچھ کام کاج سیکھنے کے لئے وقت درکار ہے جو ماں اور نانی کے پاس سیکھے گی اس لیے بالغ ہونے تک ان کے پاس رہے گی اور بالغ ہونے کے بعد اس کی نگرانی کی ضرورت ہے اور شادی کرانے کی ضرورت ہے جو باپ اچھی طرح کرسکتا ہے اس لیے بالغ ہونے کے بعد باپ لڑکی کا زیادہ حقدار ہے لڑکا اور لڑکی سے متعلق مذکورہ تفصیل احناف کے مذہب کے مطابق ہے، اس کے علاوہ یہاں تین مذہب اور ہیں (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک خواہ لڑکا ہو یا لڑکی ہو عقل وشعور آنے تک پرورش کا حق ماں کے لئے ہے اور پھر اس کے بعد دونوں کو اختیار ہوگا والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہئے (۲) امام احمد کے نزدیک لڑکے میں تو اسی طرح ہے کما قال الشافعی، اور لڑکی عقل وسمجھ آنے تک ماں کے پاس رہے گی اس کے بعد باپ کے پاس رہے گی۔ (۳) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ لڑکی میں پرورش کا حق ماں کے لئے ہے اگر چہ بالغ ہوجائے جب تک نکاح نہ کرے، اور لڑکے میں ماں کے لئے پرورش کا حق اس کے بلوغ تک ہے۔

(۲۰۸۸/۴۳) وَمَنْ سِوَى الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ حَدًّا تَشْتَهِىْ.

حل لغات: تشتهي: شہوت ہونے لگے۔

ترجمہ: ماں اور نانی کے علاوہ عورتیں حقدار ہیں لڑکی کے قابل شہوت ہونے تک۔

تشریح: ماں اور دادی کے علاوہ اور پرورش کرنے والی عورتیں جیسے خالہ پھوپھی وغیرہ لڑکی کی پرورش کی مستحق اس وقت تک ہیں جب تک کہ اس کو شہوت نہ ہونے لگے اور جب شہوت ورغبت کے لائق ہوجائے تو باپ کے پاس واپس کردے، کیوں کہ یہ عورتیں اتنے اچھے انداز میں نہ کام سکھائیں گی اور نہ تربیت کرسکیں گی اس لیے بے نیاز ہونے تک لڑکی کو اپنے پاس رکھ سکتی ہیں۔

(۲۰۸۹/۴۴) وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَاُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ فَهِىَ فِى الْوَلَدِ كَالْحُرَّةِ.

ترجمہ: اور باندی کو جب اس کے آقا نے آزاد کردیا اور ام ولد جب آزاد کردی گئی تو وہ بچہ کے حق میں آزاد عورت کے مانند ہے۔

تشریح: آقا نے اپنی باندی کا کسی سے نکاح کیا اس سے بچہ پیدا ہوا یا ام ولد کا نکاح کردیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا پھر آقاء نے ان کو آزاد کردیا تو اس بچہ کی پرورش کی حقدار (آزاد کی طرح) اس کی یہ ماں ہوگی۔

(۲۰۹۰/۴۵) وَلَيْسَ لِلْاَمَةِ وَاُمِّ الْوَلَدِ قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِى الْوَلَدِ.

ترجمہ: اور نہیں ہے باندی کے لئے اور ام ولد کے لئے آزادی سے پہلے بچہ میں کوئی حق۔

تشریح: آزاد ہونے سے پہلے باندی اور ام ولد کا بچہ کی پرورش میں کوئی حق نہیں ہے، کیوں کہ یہ دونوں آقا

کی خدمت میں مشغول رہیں گی اس لیے صحیح طور پر بچہ کی پرورش کا موقع نہیں ملے گا البتہ باپ پرورش کے لئے دے تو بہتر ہے کیوں کہ ماں ہے۔

(۲۰۹۱/۴٦) وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَالَمْ يَعْقِلِ الْاَدْيَانَ لَوْيَخَافُ عَلَيْهِ اَنْ يَأْلَفَ الْكُفْرَ.

حل لغات: ادیان: دین کی جمع ہے، یالف: مضارع باب (س) الفاً مانوس ہونا۔

ترجمہ: ذمیہ عورت زیادہ حقدار ہے اپنے مسلمان بچہ کی جب تک کہ وہ دین نہ سمجھنے لگے اگر خوف ہو اس پر کہ وہ کفر سے مانوس ہو جائے گا۔

تشریح: اگر کسی مسلمان مرد نے کسی ذمیہ کتابیہ عورت سے نکاح کیا پھر اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ مسلمان باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا مگر اس کی پرورش کرنے کی زیادہ مستحق اس کی ذمیہ ماں ہوگی اور ذمیہ کی پرورش میں اس وقت تک رہے گا جب تک کہ بچہ میں دین کی سمجھ نہ ہو اور بچہ کے کفر سے مانوس ہونے کا ڈر نہ ہو، اور جب بچہ دین ومذہب سمجھنے لگے تو ایسی حالت میں بچہ کی پرورش کرنے کی مستحق ذمیہ ماں نہیں ہوگی، کیوں کہ اس کے بعد اس کے پاس رہنے میں بچہ کا نقصان ہے کیوں کہ ماں اس کو اخلاق کفر کا خوگر بنا دے گی۔

(۲۰۹۲/۴۷) وَاِذَا اَرَادَ الْمُطَلَّقَةُ اَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمَهْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذَالِكَ اِلَّا اَنْ تُخْرِجَهُ اِلٰى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيْهِ.

ترجمہ: اور جب چاہے مطلقہ لے جانا اپنے بچہ کو شہر سے باہر تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اس کو اپنے وطن کی طرف لے جائے جہاں شوہر نے اس سے نکاح کیا تھا۔

زیر پرورش بچہ کے ساتھ سفر کرنے کا بیان

تشریح: مطلقہ عورت کے پاس بچہ پرورش میں تھا عدت پوری ہونے کے بعد بچہ کو شوہر کی اجازت کے بغیر شہر سے باہر لیجانا چاہتی ہے تو نہیں لے جاسکتی کیوں کہ ایسا کرنے میں باپ کو اپنے بچہ کی جدائی سے صدمہ ہوگا، ہاں اگر عورت اس بچہ کو اپنے وطن لے جانا چاہے جہاں شوہر نے بیوی سے شادی کی تھی وہ عورت کا میکہ ہے وہاں عورت کا خاندان ہے وہاں عورت جائے گی تو بچہ کو بھی ساتھ لے جانے کا حق رکھے گی ورنہ ماں کو تکلیف ہوگی۔

(۲۰۹۳/۴۸) وَعَلَى الرَّجُلِ اَنْ يُنْفِقَ عَلٰى اَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهِ وَجَدَّاتِهِ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ وَاِنْ خَالَفُوْهُ فِيْ دِيْنِهِ.

ترجمہ: اور آدمی پر لازم ہے کہ وہ خرچ کرے اپنے والدین دادا اور دادیوں پر جب کہ وہ فقیر ہوں اگرچہ وہ

اس کے دین کے خلاف ہوں۔

تشریح: حنفیہ کہتے ہیں کہ باپ دادا گو اوپر کی نسل میں ہوں تو ان کا خرچہ ان کی اولاد پر واجب ہے پس لازم ہے کہ بیٹا اپنے باپ دادا اور پڑ دادا پر خرچ کرے اور نانا پر بھی دراں حالانکہ وہ محتاج ہوں اس حکم میں ماں بھی باپ کے مانند ہے، یہ لوگ خواہ مسلمان ہوں یا کافر ہر صورت میں یہی حکم ہے، کیوں کہ آیت میں ہے وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفاً یعنی دنیا میں والدین کے ساتھ خیر خواہی کے ساتھ رہو اس آیت میں ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور چوں کہ اتحاد دین کی قید نہیں ہے اس لیے والدین کافر بھی ہوں تو بھی ان کے ساتھ اعتدال کا برتاؤ رکھو۔

(۲۰۹۴/۴۹) وَلَا تَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ إِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْأَبَوَيْنِ وَالْأَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْوَلَدِ.

ترجمہ: اور نہیں واجب ہوگا نفقہ اختلاف دین کے باوجود مگر بیوی کا والدین کا دادا نانا کا دادی نانی کا لڑکے کا اور پوتے کا۔

تشریح: اگر دین اور مذہب الگ الگ ہوں پھر بھی مذکورہ لوگوں کا نفقہ واجب ہوتا ہے ان کے علاوہ کا نفقہ اختلاف دین کے ساتھ لازم نہیں ہے، وجہ یہ ہے کہ وجوب نفقہ کا دارومدار وراثت پر ہے اور مسلم و کافر کے درمیان وراثت نہیں برخلاف زوجہ کے کہ اس کا نفقہ احتباس کی مزدوری ہے اس لیے اگر بیوی یہودیہ یا نصرانیہ ہو پھر بھی اگر شوہر کے گھر میں رہتی ہو تو اس کا نفقہ ہوگا اور بیوی کے علاوہ باقی لوگوں کا نفقہ اس وجہ سے لازم ہوتا ہے، کہ جز ہونا ثابت ہے اور آدمی کا جز اس کی ذات کے حکم میں ہوتا ہے جس طرح آدمی اپنی ذات کا نفقہ اپنے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں روکتا ایسے ہی جن کے ساتھ جزئیت کا علاقہ ہے ان کا نفقہ بھی نہیں روک سکتا لہٰذا اگر یہ محتاج ہوں تو ان سب کا نفقہ واجب ہوگا۔

(۲۰۹۵/۵۰) وَلَا يُشَارِكُ الْوَلَدَ فِيْ نَفَقَةِ اَبَوَيْهِ اَحَدٌ.

ترجمہ: اور شریک نہیں ہوگا بچہ کے ساتھ والدین کے نفقہ میں کوئی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر والدین تنگدست ہوں اور ان کا بچہ مالدار ہو تو ان کا نفقہ خاص طور سے اسی پر واجب ہوگا اس کے ساتھ نفقہ دینے میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوگا، کیوں کہ نفقہ ایک عطیہ ہے جو قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے لہٰذا جو والدین سے زیادہ قریب ہوگا وہی ان کو نفقہ دینے کا زیادہ مستحق ہوگا اور لڑکا اپنے والدین سے زیادہ قرابت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے۔

(۲۰۹۶/۵۱) وَالنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِكُلِّ ذِيْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ إِذَا كَانَ صَغِيْراً فَقِيْراً اَوْ كَانَتِ امْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيْرَةً اَوْ كَانَ ذَكَراً زَمِناً اَوْ اَعْمٰى فَقِيْراً يَجِبُ ذٰلِكَ عَلٰى مِقْدَارِ الْمِيْرَاثِ.

حل لغات: زمن: اپاہج، لنجا، اعمیٰ: اندھا۔

ترجمہ: اور نفقہ واجب ہے ہر ذی رحم محرم کے لئے جب کہ وہ چھوٹے ہوں اور محتاج ہوں یا عورت بالغہ محتاج ہو یا اپاہج مرد ہو یا اندھا فقیر ہو واجب ہوگا یہ نفقہ بقدر میراث۔

تشریح: اولاً آپ یہ سمجھیں کہ ذی رحم محرم وہ ہے جس کے ساتھ ہمیشہ نکاح حرام ہو، اور ذی رحم محرم کی قید اس لیے لگائی کہ اگر رحم پایا جائے محرم نہ پایا جائے جیسے چچازاد بھائی یا محرم ہوں اور رحم نہ ہو جیسے رضاعی بھائی یا بہن یا رحم اور محرم دونوں ہوں مگر بغیر قرابت کے جیسے چچازاد بھائی جو رضاعی بھائی بھی ہے ان کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوگا، اب صورت مسئلہ سمجھیں قریب کے رشتہ داروں کا نفقہ تین شرطوں پر واجب ہے ایک تو یہ کہ نفقہ دینے والے کے پاس مال ہو دوسرے یہ کہ ذی رحم محرم کے پاس نفقہ کی مقدار مال نہ ہو اور تیسرے یہ کہ آدمی کی ایسی مجبوری ہو کہ خود کام کر کے نفقہ حاصل کرنے پر قادر نہ ہو مثلاً ذی رحم محرم چھوٹا ہو اور فقیر ہو یا عورت بالغہ ہو لیکن فقیر ہو یا مرد ہو لیکن اپاہج ہو یا نابینا ہو اور فقیر ہو ان لوگوں کا نفقہ رشتہ داروں پر واجب ہوگا میراث کی مقدار مثلاً دو بھائی ہیں تو دونوں پر آدھا آدھا نفقہ ہوگا، کیوں کہ دونوں کو اس ذی رحم محرم کی آدھی آدھی میراث ملے گی۔

(۲۰۹۷/۵۲) وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْإِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْإِبْنِ الزَّمِنِ عَلٰى اَبَوَيْهِ اَثْلَاثاً عَلَى الْاَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْاُمِّ الثُّلُثُ.

ترجمہ: اور واجب ہے بالغہ بیٹی اور اپاہج بیٹے کا نفقہ والدین پر تین حصہ کر کے دو حصہ باپ پر اور ایک حصہ ماں پر۔

تشریح: بالغہ بیٹی کے پاس مال نہیں ہے تو اس کا نفقہ ماں اور باپ دونوں پر ہے اسی طرح بالغ لڑکا ہے جو اپاہج ہے کام نہیں کر سکتا تو اس کا نفقہ بھی والدین پر واجب ہے باپ پر دو تہائی اور ماں پر ایک تہائی واجب ہوگا، دلیل یہ ہے کہ اگر والدین اپنے لڑکے یا لڑکی کے وارث ہوں تو ان کو اسی حساب سے میراث ملتی ہے لہٰذا ان پر نفقہ بھی اسی مقدار کے مطابق واجب ہوگا۔

(۲۰۹۸/۵۳) وَلَا تَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ.

ترجمہ: اور واجب نہیں ان کا نفقہ اختلاف دین کے ساتھ۔

تشریح: والدین اولاد اور بیوی کے علاوہ جو لوگ ایسے ہیں جن سے ہمیشہ نکاح حرام ہے اگر وہ دین میں مختلف ہوں مثلاً یہودی یا عیسائی یا کافر ہوں تو ان کا نفقہ مسلمان ذی رحم محرم پر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ آیت میں ہے 'وعلى الوارث مثل ذالك' اس کا مطلب یہ ہے کہ جو وارث ہوں ان پر ذی رحم محرم کا نفقہ لازم ہوگا اور اختلاف دین کی وجہ سے ان کا وارث نہیں ہو سکے گا اس لیے ان کا نفقہ بھی لازم نہیں ہوگا۔

(۲۰۹۹/۵۴) وَلَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ.

ترجمہ: اور نفقہ نہیں واجب ہوگا فقیر پر۔

تشریح: آدمی خود فقیر ہو تو بیوی اور نابالغ اولاد کے علاوہ کا نفقہ اس پر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ خود فقیر ہے تو اس کا نفقہ دوسرے رشتہ داروں پر لازم ہوگا اس لیے اس پر کیسے لازم کیا جا سکتا ہے؟ البتہ بیوی اور چھوٹی اولاد کا نفقہ فقیر ہونے کے باوجود لازم ہوگا، کیوں کہ شادی پر اقدام کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے پاس مال ہے یا مال کما کر لائے گا اس لیے ان کا نفقہ فقیر ہونے کی حالت میں بھی لازم ہوگا۔

(۲۱۰۰/۵۵) وَإِذَا كَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ عَلَيْهِ بِنَفَقَةِ أَبَوَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر غائب بیٹے کے پاس مال ہے تو فیصلہ کیا جائے گا اس پر اس کے والدین کے نفقہ کا۔

تشریح: والدین کے پاس مال نہ ہو اور غائب بیٹے کا مال کسی کے پاس امانت ہو یا کسی پر قرض ہو تو والدین بیوی اور چھوٹی اولاد کے لئے قاضی نفقہ کا فیصلہ کر سکتا ہے اصل قاعدہ یہ ہے کہ غائب پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، لیکن یہ حقیقت میں فیصلہ نہیں ہے کیوں کہ ان کا نفقہ تو پہلے ہی سے واجب ہے یہ تو صرف نفقہ لینے کا حکم کرنا ہے۔

(۲۱۰۱/۵۶) وَإِنْ بَاعَ أَبَوَاهُ مَتَاعَهُ فِي نَفَقَتِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَإِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور اگر بیچ دے والدین بیٹے کا سامان اپنے نفقہ میں تو جائز ہے امام صاحب کے نزدیک اور اگر زمین کو بیچ دے تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: غائب لڑکے کے مال میں اناج چاول دال وغیرہ نہیں ہے کہ ان کو خرچ میں لا سکے البتہ کچھ منقول چیزیں ہیں والدین نے ان کو بیچ دیا اور خرچہ چلایا تو امام صاحب کے نزدیک فروخت کرنا جائز ہے البتہ زمین وغیرہ غیر منقولی چیزوں کو بیچنا درست نہیں ہے، کیوں کہ زمین اہم چیز ہے ایک مرتبہ بیچنے کے بعد دوبارہ ہاتھ آنا مشکل ہے اس لیے بیچنا درست نہیں ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ بالغ ہونے کے بعد والدین کی جائداد الگ ہوگئی اور بچہ کی جائداد الگ ہوگئی اس لیے والدین دوسرے کی جائداد نہیں بیچ سکتے خواہ جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ۔

(۲۱۰۲/۵۷) وَإِنْ كَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِي يَدِ أَبَوَيْهِ فَأَنْفَقَا مِنْهُ لَمْ يَضْمَنَا.

ترجمہ: اور اگر غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضہ میں ہو اور انہوں نے اس میں سے خرچ کر دیا تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح: غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضہ میں تھا اور محتاج والدین نے اس میں سے اپنا نفقہ لے لیا تو اس

مال کے ضامن نہ ہوں گے کیوں کہ قاضی کے فیصلہ سے پہلے بھی والدین کا نفقہ لڑکے کے مال میں واجب تھا اس لیے جو مال ان کے ہاتھ میں تھا اس میں سے خرچ کر لیا تو گویا کہ اپنا حق وصول کر لیا، اس لیے وہ ضامن نہ ہوں گے۔

(۲۱۰۳/۵۸) وَاِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فِيْ يَدِ اَجْنَبِيٍّ فَانْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْقَاضِيْ ضَمِنَ.

ترجمہ: اور اگر غائب کا مال اجنبی کے پاس ہو اور وہ ان پر خرچ کر دے بغیر قاضی کی اجازت کے تو وہ ضامن ہوگا۔

تشریح: غائب بیٹے کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں تھا اس اجنبی نے اس کے والدین پر بغیر قاضی کی اجازت کے خرچ کر دیا تو وہ اجنبی اس مال کا ضامن ہوگا، کیوں کہ جو مال اجنبی کے پاس ہے وہ اس کا محافظ ہے اس کو کسی پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے چاہے غائب کے والدین ہی کیوں نہ ہوں اس لیے ان پر خرچ کرنے سے ضامن ہوگا ہاں اگر قاضی نے حکم دیا تو اب خرچ کرنے سے ضامن نہ ہوگا، کیوں کہ قاضی کے لئے اذن عام ہے۔

(۲۱۰۴/۵۹) وَاِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَلِذَوِي الْاَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ اِلَّا اَنْ يَّاْذَنَ لَهُمُ الْقَاضِيْ فِي الْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ.

حل لغات: الاستدانة: مصدر ہے قرض لینا۔

ترجمہ: اور اگر فیصلہ کر دیا قاضی نے اولاد والدین اور ذی رحم محرم کے لئے نفقہ کا اور ایک مدت گزر گئی تو ساقط ہو جائے گا مگر یہ کہ اجازت دے دے قاضی ان کو اس کے ذمہ قرض لیتے رہنے کی۔

تشریح: اگر قاضی نے کسی آدمی پر اس کے بیٹے والدین اور ذی رحم محرم کا نفقہ مقرر کیا اور بغیر نفقہ کے ایک مدت گزر گئی تو اس مدت کا نفقہ ساقط ہو گیا کیوں کہ ان لوگوں کا نفقہ ضرورت پوری کرنے کے واسطے واجب ہوتا ہے اور اتنی مدت گزرنے سے اس مدت کی کفایت ہو چکی اس لیے اس مدت کا نفقہ ساقط ہو گیا آگے فرماتے ہیں کہ اگر قاضی نے مرد غائب پر قرضہ لینے کا حکم دیا ہے تو مدت گزرنے سے ان کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا کیوں کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔

(۲۱۰۵/۶۰) وَعَلَى الْمَوْلٰى اَنْ يُّنْفِقَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ فَاِنِ امْتَنَعَ مِنْ ذَالِكَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اِكْتَسَبَا وَاَنْفَقَا مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ اُجْبِرَ الْمَوْلٰى عَلٰى بَيْعِهِمَا.

ترجمہ: اور آقا پر واجب ہے کہ وہ خرچ کرے اپنے غلام اور باندی پر اگر وہ اس سے رک گیا اور ان کا کمایا ہوا کچھ مال ہو تو وہ اس میں سے اپنے اوپر خرچ کر لیں اور اگر ان کی کوئی کمائی نہ ہو تو زور دیا جائیگا آقا پر ان کے بیچ دینے کا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ آقا پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام اور باندی کو نفقہ دے اب اگر آقا نے ان کو نفقہ دینے

سے انکار کیا تو دیکھا جائے گا کہ غلام اور باندی کمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں اگر وہ کما سکتے ہیں تو کما کر اپنا گذارا کریں اور اگر دونوں کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے مثلاً غلام اپاہج ہے یا باندی ایسی ہے جس کو لوگ اجرت پر نہیں لیتے تو اس صورت میں آقا کو مجبور کیا جائے گا کہ ان کو فروخت کر دے تا کہ دوسرا آقا ان کا نفقہ ادا کر سکے اور ان کی جان جانے سے بچا سکے۔

کِتَابُ العِتَاقِ

(یہ کتاب آزادی کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب النفقات اور کتاب العتاق کے درمیان مناسبت احیاء (زندہ کرنا) کے مفہوم کے اعتبار سے ہے عتاق میں احیاء کا مفہوم اس لیے ہے کہ کفر حکماً موت ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتاً فَاَحْيَيْنَاهُ یعنی وہ کافر تھے ہم نے ان کو ہدایت دی اور غلامی کفر کا اثر ہے لہٰذا غلامی کو دور کرنا ایک طرح کا زندہ کرنا اور زندگی بخشنا ہے مثلاً آزادی کے بعد اس کی گواہی قبول ہوگی انفاق میں بھی زندگی بخشنا موجود ہے (رقم الحاشیہ ۸)

عتاق کی لغوی تحقیق: عتاق عتاقہ عتق عین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح منقول ہیں فتح کی صورت میں مصدر ہے یعنی آزاد کرنا اور کسرہ کی صورت میں اسم مصدر ہے یعنی آزادی، عتق کے لغوی معنی قوت کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: عتق شریعت میں اس قوت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان شہادت ولایت اور قضاء کا اہل ہوگا۔

آزاد کرنے کا ثبوت اور فضیلت قرآن کریم میں ہے

وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اور آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی سے کیا مراد ہے وہ کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے۔

اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی آدمی مسلمان کو آزاد کرے تو اللہ اس کے ہر عضو کے بدلہ آگ سے اس کے عضو کو آزاد کریں گے۔ (بخاری شریف ۱/۳۴۲)

(۱/۲۰۶) اَلْعِتْقُ تَقَعُ مِنَ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِیْ مِلْكِهِ.

ترجمہ: آزادی واقع ہو جاتی ہے آزاد بالغ عاقل سے اپنی ملک میں۔

تشریح: عبارت میں عتق سے مراد اعتاق (آزاد کرنا) ہے صاحب کتاب نے اس عبارت میں صحت اعتاق

کے واسطے چار شرطیں بیان کی ہیں (۱) آزاد کرنے والا خود آزاد ہو (۲) آزاد کرنے والا بالغ ہو (۳) آزاد کرنے والا عاقل ہو (۴) غلام آزاد کرنے والے کی ملک میں ہو۔

(۲/۲۱۰۷) فَإِذَا قَالَ لِعَبْدِهٖ اَوْ اَمَتِهٖ اَنْتَ حُرٌّ اَوْ مُعْتَقٌ اَوْ عَتِيْقٌ اَوْ مُحَرَّرٌ اَوْ حَرَّرْتُكَ اَوْ اَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوَى الْمَوْلٰى الْعِتْقَ اَوْ لَمْ يَنْوِ.

حل لغات: حر: آزاد، معتق: عتق سے اسم مفعول ہے آزاد کیا ہوا ہے، عتیق: فعیل کے وزن پر اسم مفعول ہے آزاد کیا ہوا، محرر: آزاد کیا ہوا یہ بھی اسم مفعول ہے، حررت: میں نے آزاد کیا، اعتقتك: میں نے تجھے آزاد کیا۔

ترجمہ: اگر کہا اپنے غلام یا باندی سے تو آزاد ہے یا آزاد کیا ہوا ہے یا معتق ہے یا عتیق ہے یا میں نے تجھ کو آزاد کیا تو وہ آزاد ہو گیا آقا نے آزادی کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

کن الفاظ سے آزادی ہوگی اور کن سے نہیں ان کا بیان

تشریح: عربی زبان میں آزاد کرنے کے یہ سب جملے ہیں کہ ان سب جملوں کو استعمال کرنے سے آزادی واقع ہو جائے گی اور چوں کہ یہ الفاظ صریح ہیں اس لیے نیت کرے یا نہ کرے ہر حال میں آزادی واقع ہو جائے گی۔

(۳/۲۱۰۸) وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ رَأْسُكَ حُرٌّ اَوْ رَقَبَتُكَ اَوْ بَدَنُكَ اَوْ قَالَ لِاَمَتِهٖ فَرْجُكِ حُرٌّ.

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر کہا تیرا سر آزاد ہے یا تیری گردن یا تیرا بدن یا کہا اپنی باندی سے تیری شرمگاہ آزاد ہے۔

تشریح: مذکورہ تمام الفاظ سے مملوک آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ تمام الفاظ ایسے ہیں جن سے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے پورا غلام باندی آزاد ہو جائیں گے باقی تفصیل کتاب الطلاق مسئلہ (۱۸۳۴)(۲۶) میں دیکھ لیں۔

(۴/۲۱۰۹) وَاِنْ قَالَ لَا مِلْكَ لِيْ عَلَيْكَ وَنَوٰى بِذٰلِكَ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَاِنْ لَمْ يَنْوِ لَمْ يَعْتِقْ وَكَذٰلِكَ جَمِيْعُ كِنَايَاتِ الْعِتْقِ.

ترجمہ: اور اگر کہا نہیں ہے میری ملک تجھ پر اور نیت کی اس سے آزادی کی تو آزاد ہو جائے گا اور اگر نیت نہیں کی تو آزاد نہیں ہوگا اسی طرح عتق کے تمام کنائی الفاظ ہیں۔

تشریح: آزاد کرنے کے لئے الفاظ کنایہ استعمال کئے اگر ان سے آزاد کرنے کی نیت ہو تو آزاد ہو جائے گا

اوراگر آزاد کرنے کی نیت نہ ہو تو آزاد نہ ہوگا یہاں عبارت میں کنائی الفاظ کی مثال بیان کی ہے، مثلاً کسی نے اپنے مملوک سے کہا میری تم پر ملکیت نہیں ہے، اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک معنی تو یہ ہے کہ تم کو بیچ دیا اس لیے میری تم پر ملکیت نہیں ہے اس سے آزادی نہیں ہوگی اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ میں نے تم کو آزاد کر دیا اس لیے میری تم پر ملکیت نہیں ہے اس دوسرے معنی کے لینے سے آزاد ہو جائے گا لیکن اس معنی کے لینے کے لئے نیت کرنی ہوگی۔

(۵/۲۱۱۰) وَاِنْ قَالَ لَاسُلْطَانَ لِیْ عَلَیْكَ وَنَوٰی بِهِ الْعِتْقَ لَمْ یَعْتِقْ.

ترجمہ: اوراگر کہا میرا تم پر کوئی غلبہ نہیں ہے اور اس سے آزادی کی نیت کی تو آزاد نہیں ہوگا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالک نے اپنے مملوک سے کہا 'لاسلطان لی علیك' اور آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد نہ ہوگا، کیوں کہ سلطان سے مراد صاحب قبضہ ہے اور ملک وقبضہ کے درمیان تلازم نہیں ہے بلکہ کبھی ملکیت باقی رہتی ہے اور قبضہ نہیں رہتا جیسے مکاتب میں ہے اس لیے اس جملہ سے آزاد ہونا متیقن نہیں ہے لہٰذا نیت کرنے کے باوجود آزادی واقع نہیں ہوگی۔

(۶/۲۱۱۱) وَاِذَا قَالَ هٰذَا ابْنِیْ وَثَبَتَ عَلٰی ذَالِكَ اَوْ قَالَ هٰذَا مَوْلَایَ اَوْ یَا مَوْلَایَ عَتَقَ.

ترجمہ: اوراگر کہا یہ میرا بیٹا ہے اور اسی بات پر جمار ہا یا کہا یہ میرا مولیٰ ہے یا پکار کر کہا اے مولیٰ تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: آقا سے غلام کی عمر اتنی کم ہے کہ اس جیسا غلام آقا کا بیٹا بن سکتا ہے اور غلام کا نسب بھی مشہور نہیں ہے ایسے غلام سے آقا نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور یہ بات مذاق میں نہیں کہہ رہا ہے بلکہ حقیقت میں کہہ رہا ہے تو اس سے غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ جب آقا سے نسب ثابت ہو گیا اور اس کا بیٹا ہو گیا تو من ملك ذی رحم محرم منه عتق کی وجہ سے غلام آزاد ہو جائے گا اور هذا مولای کے دو معنی ہیں ایک معنی ہیں میرا آقا اور دوسرا معنی ہے میرا آزاد کیا ہوا غلام اور یہ چوں کہ پہلے سے غلام ہے اس لیے میرا آزاد کیا ہوا غلام والا معنی متعین ہے اس لیے اس لفظ سے آزاد ہو جائے گا اسی طرح 'یا مولای' میں بھی میرا آزاد کردہ غلام والے معنی لئے جائیں گے، اور غلام آزاد ہو جائے گا فرق اتنا ہے کہ اس میں یا حرف ندا کے ساتھ کہا اے میرے مولیٰ اور پہلے میں اشارہ کر کے کہا کہ یہ میرا مولیٰ ہے۔

(۲۱۱۲/۷) وَاِنْ قَالَ یَا ابْنِیْ یَا اَخِیْ لَمْ یَعْتِقْ.

ترجمہ: اوراگر کہا اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو آزاد نہ ہوگا۔

تشریح: یہ الفاظ پیار کے طور پر کہتے ہیں اور کبھی احترام کے لئے بھی کہتے ہیں اس لئے ان الفاظ کے کہنے سے غلام آزاد نہیں ہوگا (رقم الحاشیہ ۴) اللباب ۳/۷۔

(۸/۲۱۱۳) وَاِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَایُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ هٰذَا اِبْنِیْ عَتَقَ عَلَیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعِنْدَهُمَا لَایَعْتِقُ.

ترجمہ: اور اگر کہا ایسے غلام کو کہ جس کے مانند اس سے پیدا نہیں ہو سکتا یہ میرا بیٹا ہے تو آزاد ہو جائے گا امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک آزاد نہ ہوگا۔

تشریح: اگر آقا نے اپنے غلام کو کہا 'ہذا ابنی' جب کہ یہ غلام عمر میں اپنے آقا سے بڑا ہے یعنی اس جیسے غلام کا اس جیسے آقا سے پیدا ہونا ممکن نہیں۔ ہے تو ایسی صورت میں امام صاحب کے نزدیک یہ غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ اس صورت میں عمر بڑی ہونے کی وجہ سے غلام حقیقت میں بیٹا تو نہیں بن پائے گا البتہ مجاز پر محمول کیا جائے گا اور یوں کہا جائے گا کہ بیٹا بول کر آزادی مراد لی ہے جس کی وجہ سے غلام آزاد ہو جائے گا، صاحبین فرماتے ہیں کہ حقیقت میں تو بیٹا بن نہیں سکتا اس لیے آقا سے نسب ثابت نہیں ہوگا اور جب بیٹا نہیں بن سکتا تو آزاد بھی نہیں ہوگا اور کلام کو لغو قرار دیا جائیگا۔

(۹/۲۱۱۴) وَاِنْ قَالَ لِاَمَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ وَنَوٰی بِهِ الْحُرِّیَّةَ لَمْ تَعْتِقْ.

ترجمہ: اور اگر کہا اپنی باندی سے کہ تجھے طلاق ہے اور نیت کی اس سے آزادی کی تو آزاد نہ ہوگی۔

تشریح: نکاح میں صرف ملک بضعہ ہوتی ہے جو جزوی ملک ہے اور طلاق کے ذریعہ اس ملک کو ختم کرنا ہے اور عتاق کے ذریعہ پورے جسم کی ملکیت ختم کرتے ہیں جو کل ہے اس لیے جز یعنی طلاق بول کر کل یعنی عتاق مراد لینا مشکل ہے، نیز ملک رقبہ اقوی ہے تو اس کو ساقط کرنا بھی اقوی ہوگا اور لفظ اپنی حقیقت سے کمتر کے لئے مجاز ہو سکتا ہے مگر اپنی حقیقت سے برتر کے لئے مجاز نہیں ہو سکتا پس ثابت ہو گیا کہ انت طالق بول کر مجازاً آزادی مراد نہیں لی جا سکتی ہے البتہ اس کا برعکس جائز ہے یعنی بیوی کو انت حرة کہہ کر مجازاً طلاق مراد لی جا سکتی ہے واللہ اعلم۔

(۱۰/۲۱۱۵) وَاِنْ قَالَ لِعَبْدِهٖ اَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ یَعْتِقْ.

ترجمہ: اور اگر کہے اپنے غلام سے تم آزاد کی طرح ہو تو آزاد نہ ہوگا۔

تشریح: تم آزاد کی طرح ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ تم شرافت، تعظیم اور بزرگی میں آزاد کی طرح ہو اس جملہ سے آزاد کرنا مقصود نہیں ہے اور محشی فرماتے ہیں کہ 'انت مثل الحر' میں 'مثل' عرف عام میں بعض اوصاف میں مشترک ہونے کے واسطے آتا ہے پس معلوم نہیں کہ غلام کو آزاد کے ساتھ کس وصف میں تشبیہ دی گئی ہے اس وجہ سے آزاد ہونے میں شک ہو گیا اور شک کی وجہ سے آزادی واقع نہیں ہوتی اس وجہ سے اس کلام سے غلام آزاد نہیں ہوگا (تم الحاشیہ ۶)

(۱۱/۲۱۱۶) وَاِنْ قَالَ مَا اَنْتَ اِلَّا حُرٌّ عَتَقَ عَلَیْهِ.

ترجمہ: اور اگر کہے نہیں ہے تو مگر آزاد تو آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: نفی سے استثناء کرنا تاکید کے طور پر اثبات ہے تو 'ما انت الا حر' کے معنی ہیں کہ تو ضرور آزاد ہے۔

(۱۲/۲۱۱۷) وَاِذَا مَلَكَ الرَّجُلُ ذَا رَحْمٍ مَحْرَمٍ عَنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر مالک ہو جائے آدمی اپنے ذی رحم محرم کا تو وہ اس پر آزاد ہو جاتا ہے۔

تشریح: صاحب کتاب کی یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے چناں چہ آپ نے فرمایا **من ملك ذا رحم محرم منه فهو حر** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی رحم محرم آزاد ہو جائے گا۔

(۱۳/۲۱۱۸) وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلٰى بَعْضَ عَبْدِهٖ عَتَقَ عَلَيْهِ ذَالِكَ الْبَعْضُ وَيَسْعٰى فِيْ بَقِيَّةِ قِيْمَتِهٖ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا يَعْتِقُ كُلُّهٗ.

ترجمہ: (۱۴/۲۱۱۹) اور اگر آزاد کیا آقا نے اپنے غلام کا کچھ حصہ تو آزاد ہو جائے گا اسی قدر حصہ اور کمائی کرے گا باقی قیمت میں اپنے آقا کے لئے امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ کل آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: اس سے قبل پورے غلام کو آزاد کرنے کا بیان تھا اب یہاں سے چند صورتیں ایسی بیان کرتے ہیں کہ جن میں غلام کے کچھ حصہ کو آزاد کیا، صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے غلام کے کچھ حصہ کو آزاد کرے تو امام صاحبؒ کے نزدیک اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا نہ کہ کل اب غلام باقی حصہ کی قیمت کما کر اپنے آقا کو دے گا اور پھر پورا آزاد ہو جائے گا صاحبین کے نزدیک پورا غلام آزاد ہو جائے گا اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اس لیے جتنا آزاد کیا اتنا ہی حصہ آزاد ہوگا باقی حصہ غلام رہے گا اور صاحبین کے نزدیک آزادی میں تجزی نہیں ہے اس لیے پورا غلام آزاد ہوگا۔

(۱۵/۲۱۲۰) وَاِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَاَعْتَقَ اَحَدُهُمَا نَصِيْبَهٗ عَتَقَ فَاِنْ كَانَ مُوْسِرًا فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِيْكَهٗ قِيْمَةَ نَصِيْبِهٖ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَاِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا فَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى لَيْسَ لَهٗ اِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ وَالسِّعَايَةُ مَعَ الْاِعْسَارِ.

ترجمہ: اور اگر غلام دو شریکوں کا ہو پھر آزاد کرے ان میں سے ایک اپنا حصہ تو آزاد ہو جائے گا پھر اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کے شریک کو اختیار ہے اگر چاہے تو آزاد کرے اور اگر چاہے ضامن بنائے اپنے شریک کو اپنے حصہ کی قیمت کا اور اگر چاہے تو غلام سے سعایت کرالے، اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو شریک کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اپنا حصہ آزاد کرے اور اگر چاہے تو غلام سے سعایت کرائے یہ امام صاحبؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا نہیں ہے اس کے لئے مگر تاوان مالداری کی صورت میں اور سعایت تنگدستی کی صورت میں۔

تشریح: غلام دو شریکوں کے درمیان مثلاً آدھا آدھا تھا ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور آزاد کرنے والا مالدار ہے تو دوسرے شریک کو تین اختیارات ہیں ایک تو یہ کہ اپنا حصہ آزاد کردے، کیوں کہ اس پر اس کی ملکیت ہے، دوسرا اختیار یہ ہے کہ شریک کو اپنے حصہ کی قیمت کا ضامن بنائے اور اس سے کہے کہ تم میرے حصہ کی قیمت مجھے ادا کرو اور باقی غلام کو بھی آزاد کردو کیوں کہ وہ مالدار ہے اور اس نے آزاد کر کے غلام میں کمی پیدا کردی اور تیسرا اختیار یہ ہے کہ خود غلام سے اپنے حصہ کی سعایت کروالے اور غلام سے کام کروا کر اپنے حصہ کی قیمت وصول کرلے اور اس سے کہے کہ جب تم رقم ادا کردو گے تو میرا حصہ بھی آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ اس کے آزاد کرنے سے پورا غلام آزاد نہیں ہوا ہے اور غلام کو آزاد ہونا ہے تو وہ اپنی قیمت کما کر ادا کرے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو اس سے اپنے حصہ کی قیمت نہیں لے سکے گا اس لیے دوسرے شریک کو اب صرف دو اختیارات رہیں گے ایک یہ کہ اپنا حصہ آزاد کردے دوسرا یہ کہ غلام سے اپنے حصہ کی سعایت کرائے کیوں کہ آزاد کرنے والے کے پاس رقم نہیں ہے اس لیے شریک کے حصہ کی قیمت اس پر ڈالنا بے فائدہ ہے اس لیے غلام اپنی قیمت کا نصف کما کر دے گا یہ پوری تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین یہ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو شریک کو ایک ہی اختیار ہے کہ مالدار سے اپنے حصہ کی قیمت لے لے غلام سے سعایت کرانے کی ضرورت نہیں ہے صاحبین کے نزدیک آزادی میں تجزی اور ٹکڑے ٹکڑے ہونا نہیں گویا کہ پورا غلام آزاد کرانے والے کی جانب سے آزاد ہو گیا اس لیے شریک کو ایک ہی اختیار ہوگا اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو غلام سے سعایت کرائے گا۔

(۱۶/۲۱۲۱) وَإِذَا اشْتَرىٰ رَجُلَانِ ابْنَ اَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيْبُ الْاَبِ وَلَاضَمَانَ عَلَيْهِ وَكَذٰلِكَ اِذَا وَرِثَاهُ وَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ.

ترجمہ: اور اگر خرید لیں دو آدمی (ایسا غلام کہ) وہ ان دونوں میں سے ایک کا بیٹا ہے تو آزاد ہو جائے گا باپ کا حصہ اور تاوان نہ ہوگا اس پر اور اسی طرح اگر یہ دو غلام کے وارث ہوئے ہوں تو شریک کو اختیار ہے چاہے اپنا حصہ آزاد کردے اور چاہے تو غلام سے سعایت کرالے۔

تشریح: دو آدمیوں نے مل کر ایک غلام خریدا جو ان دونوں میں سے ایک کا بیٹا تھا چوں کہ وہ اپنے بیٹے کے آدھے حصہ کا مالک بنا اس لیے باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور اس صورت میں دوسرا شریک باپ سے اپنے حصہ کا تاوان نہیں لے سکتا خواہ شریک جانتا ہو کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا نہ جانتا ہو، اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ ان دونوں نے یہ غلام میراث میں پایا ہو یعنی باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا اس کی صورت یہ ہوگی ایک عورت نے اپنے شوہر کے بیٹے کو خریدا پھر یہ عورت مرگئی اور اس نے اپنا شوہر اور بھائی چھوڑا تو اس غلام کا نصف شوہر کے لئے ہوگا اور وہ اس پر آزاد ہو جائے گا پھر باپ کے علاوہ دوسرے شریک کو یہ اختیار ہے کہ چاہے اپنا حصہ آزاد کردے اور چاہے غلام سے کمائی کرا کے اپنی

قیمت لے لے یہ حضرت امام صاحب کا قول ہے، اور صاحبین نے فرمایا کہ میراث کی صورت میں تو یہی حکم ہے لیکن خرید نے کی صورت میں اگر باپ مالدار ہے تو بیٹے کی آدھی قیمت کا شریک کے لئے ضامن ہوگا اور اگر باپ مفلس ہو تو بیٹا آدھی قیمت کما کر اس شخص کو دے دے۔

(۲۱۳۲/۱۷) وَاِذَا شَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيكَيْنِ عَلَى الْآخَرِ بِالْحُرِّيَّةِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِهٖ مُوْسِرَيْنِ كَانَا اَوْ مُعْسِرَيْنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا اِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعٰى لَهُمَا وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مُوْسِراً وَالْآخَرُ مُعْسِراً سَعٰى لِلْمُوْسِرِ وَلَمْ يَسْعَ لِلْمُعْسِرِ.

ترجمہ: اور جب گواہی دی دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر آزاد کرنے کی تو کمائی کرے غلام ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے حصہ میں خواہ دونوں خوشحال ہوں یا مفلس ہوں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا اگر دونوں تنگدست ہوں تو دونوں کے لئے سعایت کرے گا اور اگر دونوں میں سے ایک مالدار ہو اور دوسرا تنگدست ہو تو سعایت کرے مالدار کے لئے اور نہ سعایت کرے تنگدست کے لئے۔

تشریح: ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان تھا دونوں میں سے ہر ایک نے گواہی دی کہ اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس صورت میں غلام پر واجب ہے کہ ہر ایک کے حصہ کی قیمت کما کر ادا کرے چاہے دونوں مالدار ہوں یا تنگدست ہوں یہ حضرت امام صاحب کا مذہب ہے، اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ دونوں میں سے ایک مالدار اور دوسرا مفلس ہو، دلیل یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہے کہ اس کے دوسرے شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے لہٰذا اس کے خیال کے مطابق یہ غلام مکاتب ہو گیا اور مکاتب غلام کا آقا مالدار ہو یا تنگدست دونوں صورتوں میں غلام مکاتب مال کتابت کما کر دیتا ہے اس لیے یہاں بھی یہی حکم ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر دونوں مالدار ہوں اور گواہی دیں کہ دوسرے نے آزاد کیا تو گویا کہ یہ کہا کہ غلام پر سعایت نہیں ہے، کیوں کہ صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس پر تاوان ہوتا ہے غلام پر سعایت لازم نہیں ہوتی اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو دونوں کے لئے سعایت لازم ہے، کیوں کہ تنگدست ہونے کی صورت میں آزاد کرنے والے پر تاوان لازم نہیں ہے بلکہ غلام پر سعایت لازم ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر ایک مالدار ہو اور دوسرا تنگدست ہو تو مالدار کے لئے سعی کرے گا اور تنگدست کے لئے نہیں کرے گا، کیوں کہ مالدار نے جب کہا کہ تنگدست نے آزاد کیا تو گویا کہ اس نے کہا کہ غلام پر سعایت ہے کیوں کہ تنگدست آزاد کرے تو غلام پر سعایت ہے تنگدست پر ضمان نہیں ہے اس لیے خود مالدار کے لئے سعایت کرے گا اور تنگدست نے جب کہا کہ مالدار نے آزاد کیا تو گویا کہ کہا غلام پر سعایت نہیں ہے، کیوں کہ صاحبین کے نزدیک مالدار آزاد کرے تو مالدار پر ضمان ہے غلام پر سعایت نہیں ہے اس لیے خود تنگدست کے لئے سعایت نہیں کرے گا اور چوں کہ شریک آزاد کرنے کا انکار کر رہا ہے اس لیے اس پر ضمان لازم نہیں ہوگا۔

(۲۱۲۳/۱۸) وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ لِلشَّيْطَانِ اَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ.

ترجمہ: اور جس نے آزاد کیا اپنے غلام کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے واسطے یا شیطان کے واسطے یا بت کے واسطے تو غلام (بہر صورت) آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: جس آدمی نے اپنے غلام کو اللہ کے واسطے آزاد کیا یا شیطان کے واسطے یا بت کے واسطے آزاد کیا تو ہر صورت میں غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ لفظ اعتاق اس کے اہل سے صادر اور اس کے محل میں پایا گیا، کیوں کہ آزاد کرنے والا خود آزاد عاقل بالغ اور غلام کا مالک ہے اور غلام اس کا مملوک ہے لیکن آخری دو صورتوں میں آزاد کرنے والا گنہگار ہوگا اگر چہ غلام آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ شیطان اور بت کی صورت میں ثواب کی نفی ہے اس لیے گناہ گار ہوگا۔

(۲۱۲۴/۱۹) وَعِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ.

ترجمہ: اور زبردستی کیے گئے اور نشہ میں مست کا آزاد کرنا واقع ہو جاتا ہے۔

اعتاق کے باقی احکام

تشریح: اگر کسی شخص کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا اس نے قتل یا مار سے مجبور ہو کر غلام کو آزاد کر دیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اسی طرح آدمی نشہ میں مست تھا اس نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ حدیث میں ہے ثَلٰثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ الطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ وَالنِّكَاحُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں حقیقت میں بھی حقیقت ہیں اور ان کا مذاق بھی حقیقت ہے طلاق آزادی اور نکاح، اور زبردستی کیا گیا اور نشہ میں مست کا بھی درجہ مذاق والے کی طرح ہے۔

(۲۱۲۵/۲۰) وَاِذَا اَضَافَ الْعِتْقَ اِلٰى مِلْكٍ اَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا يَصِحُّ فِي الطَّلَاقِ.

ترجمہ: اور اگر منسوب کیا آزادی کو ملک یا شرط کی طرف تو صحیح ہے جیسے طلاق میں صحیح ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے آزادی کو ملکیت کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا اگر میں تیرا مالک بنوں تو تو آزاد ہے یا شرط کی طرف نسبت کی مثلاً کہا اگر تو گھر میں داخل ہوا تو تو آزاد ہے تو اول صورت میں مالک ہونے کے بعد آزاد ہو جائے گا اور ثانی صورت میں جب گھر میں داخل ہوگا تو آزاد ہو جائے گا، مزید تفصیل مع اختلاف مذاہب کتاب الطلاق مسئلہ (۱۸۴۱) (۳۴) میں دیکھیں۔

(۲۱۲۶/۲۱) وَاِذَا خَرَجَ عَبْدُ الْحَرْبِيِّ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ اِلَيْنَا مُسْلِماً عَتَقَ.

ترجمہ: اور جب نکل آئے حربی کا غلام دار الحرب سے ہمارے یہاں مسلمان ہو کر تو وہ آزاد ہو گیا۔

تشریح: اگر حربی کافر کا غلام مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آ گیا تو وہ آزاد ہوگا کیوں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے کچھ غلام مکہ مکرمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ** وہ اللہ کے لئے آزاد ہیں۔

(۲۲/۲۱۲۷) وَإِذَا أَعْتَقَ جَارِيَةً حَامِلاً عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا.

ترجمہ: اور جب آزاد کیا حاملہ باندی کو تو آزاد ہو جائے گی اور اس کا حمل بھی آزاد ہوگا۔

تشریح: اگر مالک نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو باندی کے تابع ہو کر اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا کیوں کہ حمل باندی کے عضو کی طرح ہے جس طرح باندی آزاد کرنے سے اس کے دوسرے تمام اعضاء آزاد ہو جاتے ہیں اسی طرح اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔

(۲۳/۲۱۲۸) وَإِنْ أَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ وَلَمْ تَعْتِقِ الْأُمُّ.

ترجمہ: اور اگر صرف حمل کو آزاد کرے تو وہ آزاد ہوگا اور ماں آزاد نہ ہوگی۔

تشریح: کیوں کہ باندی اصل ہے اس لیے وہ حمل کے تابع نہ ہوگی لہٰذا آزاد بھی نہ ہوگی۔

(۲۴/۲۱۲۹) وَإِذَا أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلٰى مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ عَتَقَ فَإِذَا قَبِلَ صَارَ حُرًّا وَلَزِمَهُ الْمَالُ.

ترجمہ: اگر آزاد کرے اپنے غلام کو مال کے بدلہ اور غلام قبول کرلے تو آزاد ہو جائیگا اور اس پر مال لازم ہوگا۔

تشریح: اگر مالک نے اپنے غلام کو مال کی شرط پر آزاد کر دیا اور غلام نے اس شرط کو قبول بھی کرلیا تو غلام آزاد ہو جائے گا اور غلام پر مال لازم ہوگا آزاد تو اس لیے ہوگا کہ آقا نے مال کے بدلہ آزاد کیا اور مال اس لیے لازم ہوگا کہ آزاد ہونے کی یہ شرط تھی اور غلام نے اس کو قبول کیا ہے۔

(۲۵/۲۱۳۰) وَلَوْ قَالَ إِنْ أَدَّيْتَ إِلَيَّ أَلْفاً فَأَنْتَ حُرٌّ صَحَّ وَلَزِمَهُ الْمَالُ وَصَارَ مَأْذُوْناً.

ترجمہ: اور اگر کہا اگر دے دے تو مجھ کو ایک ہزار تو تو آزاد ہے تو یہ صحیح ہے اور مال لازم ہوگا اور وہ ماذون ہوگا۔

تشریح: اگر آقا نے غلام کی آزادی کو مال پر معلق کیا اور یوں کہا کہ اگر تو مجھے ہزار دے دے تو تو آزاد ہے تو جب تک مال ادا نہیں کرے گا اس وقت تک غلام آزاد نہ ہوگا لیکن مال کی ادائیگی تجارت کے بغیر نہیں ہو سکتی تو گویا مالک نے تجارت کی اجازت دی ہے پس جب کما کر آقا کو دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔

(۲۶/۲۱۳۱) فَإِنْ أَحْضَرَ الْمَالَ أَجْبَرَ الْحَاكِمُ الْمَوْلٰى عَلٰى قَبْضِهِ وَعَتَقَ الْعَبْدُ.

ترجمہ: اب اگر غلام مال پیش کردے تو مجبور کرے گا حاکم آقا کو مال کے لینے پر اور غلام آزاد ہوجائے گا۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر غلام نے مال کما کر حاضر کردیا تو حاکم مالک کو اس بات پر مجبور کرے گا کہ اس پر قبضہ کرے اور اس کے بعد غلام آزاد ہوجائے گا۔

(۲۱۳۲/۲۷) وَوَلَدُ الْاَمَةِ مِنْ مَوْلَاهَا حُرٌّ.

ترجمہ: اور باندی کا بچہ جو آقا سے ہو وہ آزاد ہے۔

تشریح: باندی کی اولاد جو اس کے مالک سے پیدا ہوئی وہ آزاد ہوگی، کیوں کہ یہ بچہ آقا کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور جو بچہ آقا کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے اس لیے یہ بچہ آزاد ہوگا۔

(۲۱۳۳/۲۸) وَوَلَدُهَا مِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوْكٌ لِسَيِّدِهَا.

ترجمہ: اور باندی کا بچہ جو اس کے شوہر سے ہو باندی کے مالک کا مملوک ہوگا۔

تشریح: آقا نے اپنی باندی کی شادی کسی آدمی سے کردی، چاہے وہ آدمی آزاد ہو یا غلام اس سے باندی کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ باندی کے تابع ہوکر آقا کا غلام ہوگا۔

(۲۱۳۴/۲۹) وَوَلَدُ الْحُرَّةِ مِنَ الْعَبْدِ حُرٌّ.

ترجمہ: اور آزاد عورت کا بچہ جو غلام سے ہو وہ آزاد ہوگا۔

تشریح: آزاد عورت کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام چوں کہ ماں آزاد ہے اس لیے بچہ بھی آزاد ہوگا، جیسا کہ ماں کے مملوک ہونے کی صورت میں بچہ بھی مملوک ہوتا ہے۔

باب التدبير

(یہ باب مدبر بنانے کے احکام کے بیان میں ہے)

تدبیر کی لغوی تحقیق: تدبیر باب تفعیل کا مصدر ہے کسی کام کے انجام پر غور کرنا۔

اصطلاحی تعریف: آقا اپنے غلام سے کہے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔

(۲۱۳۵/۱) اِذَا قَالَ الْمَوْلٰى لِمَمْلُوْكِهٖ اِذَا مِتُّ فَاَنْتَ حُرٌّ اَوْ اَنْتَ حُرٌّ عَنْ دُبُرٍ مِّنِّيْ اَوْ اَنْتَ مُدَبَّرٌ اَوْ قَدْ دَبَّرْتُكَ فَقَدْ صَارَ مُدَبَّرًا.

ترجمہ: جب کہا اپنے غلام سے کہ جب میں مرجاؤں تو تو آزاد ہے یا تو آزاد ہے میرے بعد (مرنے کے بعد) یا تو مدبر ہے یا میں نے تجھکو مدبر بنادیا تو وہ مدبر ہوگیا۔

تشریح: عبارت میں مذکورتمام الفاظ صریح طور پر مدبر بنانے کے لئے ہیں اس لیے ان تمام الفاظ سے غلام مدبر ہو جائے گا۔

(۲/۲۱۳۶) لَایَجُوْزُ بَیْعُهٗ وَلَا هِبَتُهٗ.

ترجمہ: نہیں جائز ہے اس کو بیچنا اور نہ اس کو ہدیہ کرنا۔

مدبر کی اقسام کا بیان

تشریح: مدبر کی دو قسمیں ہیں (۱) مدبر مطلق (۲) مدبر مقید۔

مدبر مطلق اس کو کہتے ہیں جس کو آقا مطلقاً یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے مدبر مقید اسے کہتے ہیں جس میں آقا غلام کی آزادی کو کسی خاص مدت یا کسی خاص حادثہ میں مرنے کے ساتھ مشروط کر دے مثلاً آقا کہے اگر میں اس بیماری میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے، یا یہ کہے کہ اگر میں اس ماہ میں مر جاؤں تو تو آزاد ہے، مدبر مقید کی بیع تمام فقہاء کے نزدیک جائز ہے البتہ مدبر مطلق کی بیع میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

اختلاف الائمۃ

اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) شوافع اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے (۲) حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ مدبر مطلق یقینی طور پر آقا کے انتقال پر آزادی کا مستحق ہو جاتا ہے لہٰذا اب آقا کا اس غلام سے اتنا حق وابستہ رہ گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی تک اس سے خدمت لیتا رہے لیکن اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا حق باقی نہیں رہا اس لیے مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں اور مدبر مقید کی آزادی یقینی نہیں اس لیے کہ جس وقت یا جس حادثہ میں موت آنے پر آزادی کو مقید کیا تھا اگر اس مدت یا اس حادثہ میں آقا کا انتقال نہیں ہوا تو وہ غلام جوں کا توں غلام ہی رہے گا۔

شافعیہ وحنابلہ کا استدلال:

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر بنایا اس کے بعد مالک کا انتقال ہو گیا اور انتقال کے وقت مالک نے سوائے اس غلام کے کوئی اور مال نہیں چھوڑا چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدبر غلام کو فروخت کر دیا۔ (ترمذی باب ماجاء فی بیع المدبر) اس حدیث میں ہے کہ مدبر کو بیچا اس لیے مدبر کو بیچنا جائز ہے۔

جواب: اس حدیث کے متعدد جواب دیئے گئے ہیں (۱) علامہ ابن الہمام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جس میں آزادیت کی بیع بھی جائز تھی (فتح القدیر)

(۲) حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ یہ بیع المدبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو اپنی ولایت عامہ کے تحت وہ اختیارات حاصل تھے جو امت کے دوسرے افراد کو حاصل نہیں تھے اس ولایت عامہ کے تحت آپ نے اس کی تدبیر کو منسوخ فرما کر اس کی بیع کر دی۔

(۳) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدبر کی ذات کو فروخت نہیں کیا تھا بلکہ اس کی خدمت فروخت کی تھی لیکن راوی نے اس کو بیع سے تعبیر کر دیا لہٰذا حدیث جابر کی بنیاد پر مدبر کی بیع کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

حنفیہ و مالکیہ کی دلیل

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دار قطنی میں مروی ہے اِن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اَلْمُدَبَّرُ لَا یُبَاعُ وَلَا یُوْھَبُ وَھُوَ حُرٌّ مِنَ الثُّلُثِ (دار قطنی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدبر نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے وہ تہائی مال میں سے آزاد ہے، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مدبر آزاد ہے نہ اس کو بیچ سکتے ہیں نہ ہبہ کر سکتے ہیں۔

(۳/۲۱۳۷) وَلِلْمَوْلٰی اَنْ یَسْتَخْدِمَهٗ وَیُوَاجِرَهٗ وَاِنْ کَانَتْ اَمَةً فَلَهٗ اَنْ یَطَأَهَا وَلَهٗ اَنْ یُزَوِّجَهَا.

ترجمہ: اور آقا کو حق ہے کہ اس سے خدمت لے اور اس کو مزدوری پر دے اور اگر باندی ہو تو اس سے وطی کرے اور اس کے لئے جائز ہے کہ اس کی شادی کر دے۔

تشریح: چوں کہ مدبر میں ملکیت باقی ہے اس لیے آقا کو مدبر سے خدمت لینے اور دوسرے کے یہاں مزدوری کرنے کے لئے بھیجنے کی اجازت ہے اور اگر باندی ہے تو اس سے صحبت کرنا بھی درست ہے اور اس کی شادی کسی دوسرے کے ساتھ کرنے کی بھی اجازت ہے۔

(۴/۲۱۳۸) وَاِذَا مَاتَ الْمَوْلٰی عَتَقَ الْمُدَبَّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهٖ اِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ فَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَهٗ مَالٌ غَیْرُهٗ یَسْعٰی فِیْ ثُلُثَیْ قِیْمَتِهٖ.

ترجمہ: اور جب آقا مر جائے تو مدبر آزاد ہو جائے گا اس کے تہائی مال سے اگر وہ تہائی سے نکل سکے پھر اگر نہ ہو اس کے پاس مال مدبر کے علاوہ تو سعی کرے اپنی قیمت کے دو تہائی میں۔

تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ آقا کے مرنے کے بعد مدبر آزاد ہوگا مثلاً مدبر سمیت آقا نے اٹھارہ سو روپے چھوڑے مدبر کی قیمت چھ سو روپے ہیں تو اٹھارہ سو کی ایک تہائی چھ سو ہوئے تو اس صورت میں پورا مدبر آزاد ہو جائے گا اور اگر آقا نے صرف مدبر غلام چھوڑا اور کوئی مالیت نہیں تو اس مدبر کی ایک تہائی آزاد ہوگی اور باقی دو تہائی قیمت سعایت کر کے آقا کے ورثہ کو دے گا تا کہ وہ وراثت میں تقسیم کر سکیں مثال مذکور میں چار سو روپے کما کر دے گا۔

(۵/۲۱۳۹) فَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلٰى دَيْنٌ يَسْعٰى فِيْ جَمِيْعِ قِيْمَتِهٖ لِغُرَمَائِهٖ.

ترجمہ: اگر آقا پر قرضہ ہو تو سعی کرے گا اپنی پوری قیمت میں قرضخواہوں کے لئے۔

تشریح: آقا نے اپنے غلام کو مدبر بنایا لیکن آقا پر قرض تھا اور اس مدبر کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا تو آقا کے انتقال کے بعد مدبر آزاد ہوگا لیکن اپنی پوری قیمت کما کر قرضخواہوں کو دے گا تا کہ آقا کا قرض ادا ہو جائے کیوں کہ مدبر کو آزاد کرنا وصیت کو نافذ کرنے کے درجہ میں ہے اس لیے قرض کی ادائیگی کے بعد آزادی ہوگی۔

(۶/۲۱۴۰) وَوَلَدُ الْمُدَبَّرَةِ مُدَبَّرٌ.

ترجمہ: اور مدبرہ کا بچہ بھی مدبر ہوگا۔

تشریح: مدبرہ باندی کی اولاد بھی مدبر ہوتی ہے کیوں کہ اولاد ماں کے تابع ہوتی ہے اسی وجہ سے مدبرہ باندی کی اولاد اس کے آزاد ہونے سے آزاد ہوگی اور اس کے باندی ہونے سے باندی ہوگی۔

(۷/۲۱۴۱) فَإِنْ عَلَّقَ التَّدْبِيْرَ بِمَوْتِهٖ عَلٰى صِفَةٍ مِثْلُ اَنْ يَّقُوْلَ اِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِيْ هٰذَا اَوْ فِيْ سَفَرِيْ هٰذَا اَوْ مِنْ مَرَضِ كَذَا فَلَيْسَ بِمُدَبَّرٍ وَيَجُوْزُ بَيْعُهٗ.

ترجمہ: اگر معلق کر دے مدبر بنانے کو اپنی موت کے ساتھ کسی صفت پر مثلاً کہے اگر میں مرجاؤں اپنی اس بیماری میں یا اپنے اس سفر میں یا فلاں بیماری میں تو وہ غلام مدبر نہیں ہے اس کا بیچنا جائز ہے۔

تشریح: اگر آقا نے غلام کی تدبیر کو اپنی موت پر معلق کر دیا اور اس میں کوئی زائد وصف ذکر کر دیا مثلاً کہا کہ اگر میں اس بیماری کی وجہ سے مر گیا تو تم آزاد ہو تو غلام فی الحال آزاد نہ ہوگا بلکہ اس کا بیچنا جائز ہوگا، باقی تفصیل مسئلہ (۲۱۱۸) (۲) کے تحت دیکھ لیں۔

(۸/۲۱۴۲) فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى عَلَى الصِّفَةِ الَّتِيْ ذَكَرَهَا عَتَقَ كَمَا يَعْتِقُ الْمُدَبَّرُ.

ترجمہ: پھر اگر آقا مر جائے اسی صفت پر جو اس نے ذکر کی تھی تو غلام آزاد ہو جائے گا جیسے آزاد ہو جاتا ہے مدبر۔

تشریح: اگر آقا اسی سبب کے تحت مر گیا جس سبب پر غلام کو مرنے کے بعد آزادی کا پروانہ دیا تھا تو یہ غلام مالک کے تہائی مال سے آزاد ہوگا جس طرح مدبر مطلق آزاد ہوتا ہے جسکی تفصیل مسئلہ (۲۱۴۰) (۲) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

☆☆☆

باب الاستیلاد

(یہ باب ام ولد بنانے کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: باب التدبیر کے بعد باب الاستیلاد کو بیان کر رہے ہیں، کیوں کہ دونوں میں آزادی کا حق دار ہونا موت کے بعد پایا جاتا ہے اس لیے ایک ساتھ بیان کیا ہے پھر چوں کہ باب التدبیر میں ایجاب عتق الفاظ کے ساتھ ہے اس لیے اس کو مقدم کر دیا ہے۔

استیلاد کے لغوی معنی: اولاد کی خواہش خواہ بیوی سے ہو یا باندی سے۔

اصطلاحی تعریف: آقا اپنی باندی سے صحبت کرے جس کی وجہ سے بچہ پیدا ہو جائے اور آقا اقرار کرے کہ بچہ میرا ہے تو وہ باندی بچہ کی ماں ہونے کی وجہ سے ام ولد بن گئی اس کا حکم یہ ہے کہ آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائیگی۔

(۱/۲۱۴۳) اِذَا وَلَدَتِ الْاَمَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَقَدْصَارَتْ اُمُّ وَلَدٍ لَهٗ لَايَجُوْزُ لَهٗ بَيْعُهَا وَلَاتَمْلِيْكُهَا.

ترجمہ: جب بچہ جنے باندی اپنے آقا سے تو وہ اس کی ام ولد ہو گئی اب نہ اس کا بیچنا جائز ہے اور نہ اس کا مالک بنانا۔

تشریح: جب آقا کے نطفہ سے باندی کو بچہ پیدا ہو جائے تو اب یہ باندی آقا کی ام ولد بن جائے گی اب نہ اس کا بیچنا جائز ہوگا اور نہ ہدیہ کر کے دوسرے کی ملکیت میں دینا جائز ہوگا، کیوں کہ امہات الاولاد کی بیع سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

(۲/۲۱۴۴) وَلَهٗ وَطْئُهَا وَاسْتِخْدَامُهَا وَاِجَارَتُهَا وَتَزْوِيْجُهَا.

ترجمہ: اور جائز ہے آقا کے لئے اس سے صحبت کرنا اس سے خدمت لینا اور اس کو مزدوری پر دینا اور اس کا نکاح کرنا۔

تشریح: چوں کہ ام ولد میں ابھی ملکیت باقی ہے لہٰذا یہ مدبرہ کے مشابہ ہوگی یعنی جس طرح مدبرہ سے خدمت لینا اور صحبت وغیرہ کرنا سب درست ہے اسی طرح آقا کے لئے ام ولد سے اپنے مرنے تک سارے معاملات کرنا درست ہے۔

(۳/۲۱۴۵) وَلَا يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا اِلَّا اَنْ يَعْتَرِفَ بِهِ الْمَوْلٰى.

ترجمہ: اور نہیں ثابت ہوگا اس کے بچہ کا نسب مگر یہ کہ اقرار کرے آقا اس کا۔

تشریح: ام ولد کے بچہ کا نسب آقا سے آقا کے اقرار پر ہی ثابت ہو سکتا ہے چناں چہ اگر پہلی مرتبہ بچہ ہوا تو

آقا اقرار کرے کہ یہ میرا بچہ ہے تب اس بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہوگا اور اگر اقرار نہ کرے تو نسب ثابت نہیں ہوگا، کیوں کہ ولادت کے لئے باندی کا رشتہ آقاء سے اتنا مضبوط نہیں ہے جتنا نکاح کی وجہ سے بیوی کا شوہر سے ہوتا ہے، اس لیے آقا کے اقرار کی ضرورت پڑے گی۔

(۲۱۴۶/۴) فَاِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ بَعْدَ ذَالِكَ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ بِغَيْرِ اِقْرَارٍ فَاِنْ نَفَاهُ اِنْتَفٰى بِقَوْلِهٖ.

ترجمہ: پھر اگر بچہ جنے اس کے بعد تو ثابت ہو جائے گا اس کا نسب آقا سے بغیر اقرار کے اور اگر وہ اس کی نفی کردے تو نفی ہو جائے گی اس کے بیان کی بنیاد پر۔

تشریح: آقا نے ایک مرتبہ اقرار کرلیا کہ یہ بچہ میرا ہے پھر دوسری مرتبہ بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب خود بخود آقا سے ثابت ہو جائے گا اس کے لئے دوبارہ اقرار کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ جب ایک مرتبہ نسب ثابت ہو گیا اور ام ولد بن گئی تو اب آقا سے ولادت کا رشتہ مضبوط ہو گیا اس لیے دوبارہ اقرار کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر آقا نے ام ولد کے دوسرے بچہ کی بھی نفی کردی تو صرف اس کے قول سے ہی نفی ہو جائے گی۔

(۲۱۴۷/۵) وَاِنْ زَوَّجَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِيْ حُكْمِ اُمِّهٖ.

ترجمہ: اور اگر اس کی شادی کردے اور پھر بچہ ہو تو وہ ماں کے حکم میں ہوگا۔

تشریح: آقا نے ام ولد کی کسی سے شادی کردی اس شوہر سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ ماں کی طرح ابھی غلام رہے گا اور آقا کے مرنے کے بعد جب ماں آزاد ہوگی تو اس وقت بچہ بھی آزاد ہوگا۔

(۲۱۴۸/۶) وَاِذَا مَاتَ الْمَوْلٰى عَتَقَتْ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَلَا تَلْزَمُهَا السِّعَايَةُ لِلْغُرَمَاءِ اِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلٰى دَيْنٌ.

ترجمہ: اور جب آقا مر جائے تو باندی آزاد ہو جائے گی تمام مال سے اور لازم نہیں ہوگی اس پر سعایت قرضخواہوں کے لئے اگر چہ آقا پر قرض ہو۔

تشریح: اگر آقا کا انتقال ہو جاتا ہے تو ام ولد کل مال کے حساب سے آزاد ہو جائے گی، یعنی مدبرہ کی طرح تہائی مال کا حساب اس میں جاری نہ ہوگا اگر آقا کے ذمہ کسی کا قرض بھی ہو تب بھی وہ کما کر نہیں دے گی جس طرح مدبرہ پر کما کر دینا لازم ہوتا ہے، دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے امہات الاولاد کو آزاد کیا جب ان کے آقا مر گئے ان میں سے ایک عورت حضرت علیؓ کے پاس آئی کہ اس کا آقا اپنے قرض میں بیچنا چاہتا ہے تو حضرت علیؓ نے فرمایا جاؤ تم کو حضرت عمرؓ نے آزاد کیا (مصنف عبدالرزاق ۷/۲۹۳)

(۲۱۴۹/۷) وَ اِذَا وَطِئَ الرَّجُلُ اَمَةَ غَيْرِهٖ بِنِكَاحٍ فَوَلَدَتْ مِنْهُ ثُمَّ مَلَكَهَا صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهٗ.

ترجمہ: اگر صحبت کر لی کسی نے دوسرے کی باندی سے نکاح کے بعد پھر اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد شوہر باندی بیوی کا مالک ہو گیا تو وہ اس کی ام ولد ہو گئی۔

تشریح: کسی نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا پھر اس سے صحبت کی اور اس سے بچہ پیدا ہوا اس کے بعد اس نے اس باندی کو خرید لیا تو یہ باندی اس کی ام ولد بن جائے گی، کیوں کہ بچہ کا نسب اسی سے ثابت ہے تو ام ولد ہونا بھی ثابت ہو جائے گا، اور اس آقا کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ام ولد نہیں ہوگی، کیوں کہ وہ بچہ جنتے وقت اس کی باندی نہیں تھی اس کی بیوی تھی اور جب باندی ہونے کی حالت میں بچہ آزاد پیدا کرے تب باندی ام ولد بنے گی، اور یہاں بیوی ہونے کی حالت میں بچہ مملوک پیدا ہوا اس لیے باندی ام ولد نہیں بنے گی۔

(۲۱۵۰/۸) وَاِذَا وَطِئَ الْاَبُ جَارِيَةَ ابْنِهٖ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَ صَارَتْ اُمَّ وَلَدِهٖ وَعَلَيْهِ قِيْمَتُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ عَقْرُهَا وَلَا قِيْمَةُ وَلَدِهَا.

حل لغات: عَقر مہر، صحبت کرنے کی قیمت

ترجمہ: اگر صحبت کر لے باپ اپنے بیٹے کی باندی سے اور اس سے بچہ پیدا ہوا اور باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ اس کی ام ولد ہو جائے گی اور باپ پر اس کی قیمت ہوگی نہ کہ اس کا مہر اور نہ اس کے بچہ کی قیمت۔

تشریح: باپ نے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی اور اس سے بچہ پیدا ہوا باپ نے اس کا دعویٰ کیا تو اس کا نسب اس سے ثابت کیا جائے گا اور باپ پر باندی کی قیمت لازم ہوگی جو بیٹے کو دلوائی جائے گی البتہ باندی کا مہر اور بچہ کی قیمت باپ پر لازم نہیں ہوگی، قاعدہ یہ ہے کہ بیٹے کا مال ضرورت کے وقت باپ کا مال ہے اس قاعدہ کی وجہ سے جب باندی باپ کی ہو گئی تو اس نے صحبت اپنی ملکیت میں کی ہے اس لیے مہر دینے کی ضرورت نہیں ہے اور جو بچہ پیدا ہوا وہ بھی اپنی باندی سے پیدا ہوا اس لیے بچہ آزاد ہوگا اور باندی اس کی ام ولد ہوگی لیکن چوں کہ باندی حقیقت میں بیٹے کی ہے اس لیے بیٹے کو اس کی قیمت دلوائی جائے گی اور یوں سمجھا جائے گا کہ صحبت سے پہلے ہی باپ نے باندی خرید لی اور بعد میں صحبت کی ورنہ لازم آئے گا کہ دوسرے کی باندی سے صحبت کی ہے جو زنا کے درجہ میں ہے۔

(۲۱۵۱/۹) وَاِنْ وَطِئَ اَبُ الْاَبِ مَعَ بَقَاءِ الْاَبِ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ مِنْهُ فَاِنْ كَانَ الْاَبُ مَيِّتًا يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنَ الْجَدِّ كَمَا يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنَ الْاَبِ.

ترجمہ: اور اگر صحبت کر لے دادا باپ کے موجود ہوتے ہوئے تو ثابت نہیں ہوگا اس کا نسب دادا سے البتہ اگر

باپ مرگیا ہوتو ثابت ہو جائے گا نسب دادا سے جیسا کہ ثابت ہو جاتا ہے نسب باپ سے۔

تشریح: باپ زندہ ہے ایسی صورت میں دادا نے پوتے کی باندی سے وطی کرلی اور اس سے بچہ ہو گیا تو اس بچہ کا نسب دادا سے ثابت نہیں ہوگا اور نہ وہ باندی اس کی ام ولد بنے گی، اور اگر باپ کا انتقال ہو چکا ہے تو اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا اور باندی ام ولد بنے گی البتہ باندی کی قیمت دادا پر لازم ہوگی تاکہ پوتے کا مال مفت دادا کے ہاتھ میں نہ جائے، یہ مسئلہ اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ باپ کے ہوتے ہوئے دادا کا حق نہیں ہے اور باپ موجود نہ ہوتو دادا کا حق پوتے کے مال میں ہوتا ہے۔

(۲۱۵۲/۱۰) وَاِنْ كَانَتِ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ اَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَ صَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَ عَلَيْهِ نِصْفُ عُقْرِهَا وَ نِصْفُ قِيْمَتِهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ قِيْمَةِ وَلَدِهَا.

ترجمہ: اور اگر باندی دو شریکوں میں مشترک ہو اور اس کے بچہ پیدا ہو جائے اور ان میں سے ایک دعویٰ کرے اس کا تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور وہ اس کی ام ولد بنے گی اور اس پر اس کا آدھا مہر اور اس کی آدھی قیمت لازم ہوگی اور اس کے بچہ کی کچھ قیمت واجب نہ ہوگی۔

تشریح: ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک تھی باندی کے بچہ پیدا ہوا ایک شریک کہنے لگا کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے تو بچہ کا نسب اسی سے ثابت کر دیا جائے گا اور باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی اور اس پر شریک کی آدھی قیمت لازم ہوگی اور آدھا مہر بھی لازم ہوگا لیکن اس پر بچے کی کوئی قیمت لازم نہ ہوگی، باندی کی آدھی قیمت اس لیے لازم ہوگی کہ آدھی اس کی ہے اور آدھی شریک کی ہے، اور آدھا مہر بھی اسی لیے لازم ہوگا البتہ آدھی قیمت ادا کرنے کے بعد پوری باندی اس کی ہو جائے گی اور اب یوں سمجھا جائے گا کہ بچہ بھی اس کی ملکیت میں پیدا ہوا اس لیے بچہ کی کوئی قیمت لازم نہیں ہوگی۔

(۲۱۵۳/۱۱) فَاِنِ ادَّعَيَاهُ مَعاً ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُمَا وَ كَانَتِ الْاَمَةُ اُمَّ وَلَدٍ لَهُمَا وَعَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعُقْرِ تَقَاصًا بِمَا لَهُ عَلَى الْآخَرِ وَ يَرِثُ الْاِبْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيْرَاثَ ابْنٍ كَامِلٍ وَهُمَا يَرِثَانِ مِنْهُ مِيْرَاثَ اَبٍ وَاحِدٍ.

حل لغات: تَقَاصًا: ماضی، کہا جاتا ہے تقاصّ القوم، ایک کا دوسرے سے بدلہ لینا۔

ترجمہ: پھر اگر دعویٰ کریں دونوں شریک ایک ساتھ تو ثابت ہو جائے گا اس کا نسب دونوں سے اور باندی دونوں کی ام ولد بنے گی اور ان میں سے ہر ایک پر آدھا آدھا مہر ہوگا اور مقاصہ ہوگا ایک کے مال کا دوسرے پر اور وارث ہوگا بچہ دونوں میں سے ہر ایک کا بیٹے کی پوری میراث کا اور وہ دونوں وارث ہوں گے اس بچہ کے ایک باپ کی میراث کے۔

تشریح: ایک باندی دو شریکوں کے درمیان تھی اس سے بچہ ہوا اب دونوں شریکوں نے بیک وقت دعویٰ کیا کہ یہ بچہ میرا ہے تو امام صاحب کے نزدیک یہ بچہ دونوں کا ہوگا اور یہ باندی دونوں کی ام ولد بنے گی اور دونوں پر آدھا آدھا مہر لازم ہوگا لیکن دینے کی ضرورت نہیں ہے مقاصہ ہو جائے گا چوں کہ دونوں شریکوں کے دعوے برابر درجے کے ہیں اور کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں ہے اس لئے بچہ دونوں کا ہوگا اور باندی بھی دونوں کی ام ولد بنے گی، آگے فرماتے ہیں کہ یہ لڑکا ان دونوں میں سے ہر ایک سے پورے بیٹے کی میراث کا وارث ہوگا کیوں کہ جب دونوں کا بیٹا قرار دیا تو دونوں کا پورا پورا بیٹا قرار دیا جائے گا اور پورے ایک ایک بیٹے کی وراثت دونوں باپ سے ملے گی اور جب بیٹا مرے گا تو دونوں باپ کو ایک بیٹے کی وراثت ملے گی دونوں آدھی آدھی تقسیم کرلیں گے، کیوں کہ بیٹا تو ایک ہی ہے خواہ اُس کا ہو یا اِس کا۔

(۱۲/۲۱۵۴) وَإِذَا وَطِئَ الْمَوْلَى جَارِيَةَ مُكَاتَبِهٖ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ فَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُكَاتَبُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ وَكَانَ عَلَيْهِ عُقْرُهَا وَ قِيْمَةُ وَلَدِهَا وَلَا تَصِيْرُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ.

ترجمہ: اور اگر وطی کرلے آقا اپنے مکاتب کی باندی سے اور اس کے بچہ ہوا اور آقا اس کا دعویٰ کردے سو اگر مکاتب اس کی تصدیق کردے تو بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا اور آقا پر اس کا مہر اور اس کے بچہ کی قیمت لازم ہوگی اور باندی اس کی ام ولد نہیں بنے گی۔

تشریح: آقا نے اپنے مکاتب کی باندی سے صحبت کی اس سے بچہ ہو گیا آقا نے بچہ کا دعویٰ کیا مکاتب نے تصدیق کردی کہ آقا ہی کا بیٹا ہے تو اس بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا، اور چوں کہ دوسرے کی باندی سے صحبت کی اس لیے وہ اس کی ام ولد نہیں بنے گی مگر بچہ کی قیمت آقا پر لازم ہوگی، کیوں کہ یہ بچہ حقیقت میں مکاتب کا مملوک ہے اس لیے جب اس کی قیمت دے گا تو آقا کی ملک ہوگا۔

(۱۳/۲۱۵۵) وَإِنْ كَذَّبَهُ الْمُكَاتَبُ فِي النَّسَبِ لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ مِنْهُ

ترجمہ: اور اگر تکذیب کردے اس (آقا کے دعویٰ) کی مکاتب نسب کے بارے میں تو اس بچہ کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا۔

تشریح: آقا نے مکاتب کی باندی سے وطی کی اس سے بچہ پیدا ہوا آقا نے نسب کا دعویٰ کیا لیکن مکاتب نے آقا کا دعویٰ رد کردیا تو بچہ کا نسب آقا سے ثابت نہیں ہوگا کیوں کہ آقا کو مکاتب کی کمائی میں تصرف کا حق نہیں اس لیے مکاتب کی تصدیق ضروری ہے۔

☆☆☆

كِتَابُ الْمُكَاتَبِ

(یہ کتاب مکاتب کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: باب الاستیلاء اور کتاب المکاتب کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں کے لئے آزادی کا حق ہے اور مکاتب کے احکام کو عتاق کے احکام کے تحت اس لیے بیان کر دیا گیا ہے کہ مکاتب کے لئے ولاء نہیں ہے اور یہ بھی عتاق کے احکام میں سے ہے۔

لغوی تحقیق: مکاتب: مفاعلة کے وزن پر اسم مفعول ہے اور کتابة باب (ن) کا مصدر ہے جمع کرنا، ملانا۔

اصطلاحی تحقیق: آقا اپنے غلام سے کہے کہ تم اتنے روپئے کما کر مجھے دے دو اور آزاد ہو جاؤ غلام اس کو قبول کر لے تو اب وہ مکاتب بن گیا اب یہ مکاتب بعض احکام میں آزاد کے مانند ہے کہ کتابت کے دوران مکمل طریقہ سے غلام نہیں اور نہ آزاد۔

(۱/۲۱۵۶) وَإِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى عَبْدَهٗ أَوْ أَمَتَهٗ عَلٰى مَالٍ شَرَطَهٗ عَلَيْهِ وَقَبِلَ الْعَبْدُ ذٰلِكَ الْعَقْدَ صَارَ مُكَاتَبًا۔

ترجمہ: اور جب مکاتب بنا دے آقا اپنے غلام یا باندی کو کسی مال پر جس سے اس نے شرط کی ہو اور غلام اس عقد کو قبول کر لے تو وہ مکاتب ہو جائے گا۔

تشریح: اگر آقا نے اپنے غلام یا باندی کو مال کی ادائیگی کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور اس عقد کو غلام یا باندی نے قبول کر لیا تو یہ غلام مکاتب ہو جائے گا۔

(۲/۲۱۵۷) وَ يَجُوْزُ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمَالَ حَالًّا وَ يَجُوْزُ مُؤَجَّلًا وَ مُنَجَّمًا۔

حل لغات: منجما: قسط وار

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ شرط کر لے مال کی فی الفور دینے کی اور جائز ہے یہ کہ ایک مقررہ میعاد کے ساتھ دینے کی اور قسط وار دینے کی یا قسط وار دینے کی۔

تشریح: عقد کتابت میں نقد مال کی ادائیگی کی شرط لگانا جائز ہے ایسے ہی ایک مقررہ مدت تک کی شرط لگانا اور قسط وار ادائیگی کی شرط لگا دینا بھی جائز ہے شوافع کے نزدیک قسط وار ہونا جواز کے لئے ضروری ہے۔

(۳/۲۱۵۸) وَيَجُوْزُ كِتَابَةُ الْعَبْدِ الصَّغِيْرِ اِذَا كَانَ يَعْقِلُ الشِّرَاءَ وَالْبَيْعَ۔

ترجمہ: اور جائز ہے چھوٹے غلام کی کتابت بھی جب کہ وہ سمجھتا ہو خرید وفروخت کو۔

تشریح: نابالغ غلام اور باندی جو خرید وفروخت سمجھتے ہوں ان کو مکاتب بنانا درست ہے، کیوں کہ وہ خرید وفروخت کر کے مال کتابت کما سکتے ہیں، لہٰذا مکاتب بنانا درست ہے۔

(۴/۲۱۵۹) وَاِذَا صَحَّتِ الْكِتَابَةُ خَرَجَ الْمُكَاتَبُ عَنْ يَدِ الْمَوْلٰى وَلَمْ يَخْرُجْ مِنْ مِلْكِهٖ.

ترجمہ: اور جب صحیح ہو جائے کتابت تو نکل جائے گا مکاتب آقا کے قبضہ سے اور نہیں نکلے گا اس کی ملک سے۔

تشریح: عقد کتابت کے درست ہونے کے بعد مکاتب آقا کے قبضہ سے نکل جائے گا یعنی تجارت کرنے اور سفر وغیرہ کرنے میں تو آزاد ہو جاتا ہے لیکن جب تک کتابت کی پوری رقم ادا نہیں کرے گا وہ آقا ہی کا غلام رہے گا۔

(۵/۲۱۶۰) فَيَجُوْزُ لَهُ الْبَيْعُ وَالشِّرَاءُ وَالسَّفَرُ وَلَا يَجُوْزُ لَهُ التَّزَوُّجُ اِلَّا اَنْ يَاْذَنَ لَهُ الْمَوْلٰى وَلَا يَهَبُ وَلَا يَتَصَدَّقُ اِلَّا بِالشَّئِ الْيَسِيْرِ وَلَا يَتَكَفَّلُ.

ترجمہ: اور جائز ہے اس کے لئے بیچنا خریدنا سفر کرنا اور جائز نہیں اس کے لئے نکاح کرنا مگر یہ کہ آقا اس کی اجازت دے اور وہ نہ ہبہ کرے نہ صدقہ کرے مگر تھوڑی سی چیز اور نہ کفیل بنے۔

تشریح: مکاتب وہ سارے کام کر سکتا ہے جن سے تجارت میں فائدہ ہوتا ہے اور جن کاموں سے خواہ مخواہ رقم خرچ ہوتی ہے وہ نہیں کر سکتا لہٰذا خرید وفروخت اور سفر کرنے کی اجازت ہے اور اپنی شادی کرنا مال ہدیہ کرنا صدقہ کرنا ان سے مال خرچ ہوگا اس لیے یہ بھی نہیں کر سکتا اور کفیل بننے سے بھی مال خرچ ہوگا اس لیے یہ بھی نہیں کر سکتا البتہ تھوڑا بہت جو تجارت کا اخلاقی فرض ہے اور جس سے گاہک آئیں گے اتنا خرچ کر سکتا ہے۔

(۶/۲۱۶۱) فَاِنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ مِنْ اَمَةٍ لَهُ دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهٖ وَكَانَ حُكْمُهُ مِثْلَ حُكْمِ اَبِيْهِ وَكَسْبُهُ لَهُ.

ترجمہ: اگر اس کی باندی کے بچہ ہو تو اس کی کتابت میں داخل ہو جائے گا اور اس کا حکم اس کے باپ کے حکم کے مانند ہوگا اور اس کی کمائی مکاتب کے لئے ہوگی۔

تشریح: غلام مکاتب تھا اس نے باندی خریدی اور اس سے صحبت کی جس سے بچہ پیدا ہوا اور مکاتب نے اس کے نسب کا دعویٰ کر دیا تو وہ بچہ کتابت میں داخل ہو جائے گا اور بچہ کی کمائی مکاتب کی ہوگی جیسے دعویٰ نسب سے پہلے اس کی کمائی مکاتب کے لئے ہے ایسے ہی دعویٰ نسب کے بعد بھی اسی کی ہوگی۔

(۷/۲۱۶۲) فَاِنْ زَوَّجَ الْمَوْلٰى عَبْدَهُ مِنْ اَمَتِهٖ ثُمَّ كَاتَبَهُمَا فَوَلَدَتْ مِنْهُ وَلَدًا دَخَلَ فِيْ كِتَابَتِهَا وَكَانَ كَسْبُهُ لَهَا.

ترجمہ: اگر شادی کردی آقا نے اپنے غلام کی اپنی باندی سے پھر ان دونوں کو مکاتب بنادیا اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا اور اس کی کمائی ماں کے لئے ہوگی۔

تشریح: آقا نے اپنے غلام کی شادی اپنی باندی سے کردی پھر دونوں کو مکاتب کردیا اس کے بعد ان سے بچہ ہوا تو بچہ ماں کی کتابت میں داخل ہوگا، کیوں کہ وہ آزادی اور غلامی میں ماں کا تابع ہے، اور اس بچہ کی کمائی بھی ماں کے لئے ہوگی کیوں کہ باپ کے مقابلہ میں وہی زیادہ مستحق ہے۔

(۲۱۶۳/۸) وَاِنْ وَطِئَ الْمَوْلٰی مُکَاتَبَتَهٗ لَزِمَهُ الْعُقْرُ وَاِنْ جَنٰی عَلَیْهَا اَوْ عَلٰی وَلَدِهَا لَزِمَتْهُ الْجِنَایَةُ وَاِنْ اَتْلَفَ مَالاً لَهَا غَرِمَهٗ.

حل لغات: العقر: صحبت کرنے کا مہر۔ جنٰی عَلَیْهَا: اس پر جنایت کی، اتلف: نقصان کیا۔

ترجمہ: اور اگر وطی کرلے آقا اپنی مکاتبہ باندی سے تو اس پر مہر لازم ہوگا اور اگر اس پر یا اس کے بچہ پر کوئی جنایت (قصور) کرے تو اس کا تاوان لازم ہوگا اور اگر اس کا مال تلف کرے تو تاوان دے گا۔

تشریح: اگر آقا اپنی مکاتبہ باندی سے صحبت کرلے تو مہر لازم ہوگا یا اس پر یا اس کے بچہ پر جنایت کرے تو جنایت نفس کی صورت میں دیت اور جنایت مال کی صورت میں مثل مال یا اس کی قیمت لازم ہوگی، کیوں کہ مکاتب ذات اور منافع کے تصرف کے لحاظ سے آقا کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور جان و مال کے بارے میں آقا سے اجنبی بن جاتا ہے اس لیے آقا مکاتبہ کا کوئی بھی نقصان کرے گا تو آقا پر اس کا تاوان لازم ہوجائے گا۔

(۲۱۶۴/۹) وَاِذَا اشْتَرَی الْمُکَاتَبُ اَبَاهُ اَوِ ابْنَهٗ دَخَلَ فِیْ کِتَابَتِهٖ وَ اِنِ اشْتَرٰی اُمَّ وَلَدِهٖ مَعَ وَلَدِهَا دَخَلَ وَلَدُهَا فِی الْکِتَابَةِ وَلَمْ یَجُزْ لَهٗ بَیْعُهَا.

ترجمہ: اور جب خرید لے مکاتب اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو تو وہ بھی داخل ہوجائیں گی اس کی کتابت میں اور اگر خرید لے اپنی ام ولد کو اس کے بچہ کے ساتھ تو اس کا بچہ داخل ہوجائے گا کتابت میں اور جائز نہیں ہوگا آقا کے لئے اس کا بیچنا۔

تشریح: اگر مکاتب نے اپنے باپ بیٹے (اصول و فروع) کو خرید لیا تو مکاتب کی طرح اس کا باپ اور بیٹا بھی کتابت میں داخل ہوجائیں گے، کیوں کہ مکاتب اگر آزاد کرنے کا اہل نہیں تو کم از کم مکاتب کرنے کا اہل تو ہے لہٰذا حتی الامکان صلہ رحمی کا تقاضہ یہ ہے کہ اصول و فروع بھی مکاتب ہوجائیں گے، ایسے ہی اگر مکاتب نے اپنی ام ولد کو اس کے بچہ کے ساتھ خرید لیا تو اس کا بچہ بھی کتابت میں داخل ہوجائے گا، اور چوں کہ بیٹے میں آزادی کا شائبہ آچکا ہے اس لیے بیٹے کی وجہ سے اس کی ماں میں بھی آزادی کا شائبہ آچکا ہے لہٰذا اب ام ولد کو فروخت نہیں کرسکتا۔

(۲۱۶۵/۱۰) وَاِنِ اشْتَرٰی ذَا رَحْمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَا وِلَادَ لَهٗ لَمْ یَدْخُلْ فِیْ کِتَابَتِهٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ

تَعَالٰی.

ترجمہ: اور اگر خرید لے اپنے کسی ذی رحم محرم کو جس سے پیدائش کا رشتہ نہیں ہے تو وہ اس کی کتابت میں داخل نہ ہوگا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: اگر مکاتب نے ایسے ذی رحم محرم کو خریدا جس کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں ہے جیسے بھائی بہن پھوپھی چچا وغیرہ تو امام صاحب کے نزدیک یہ لوگ مکاتب کی کتابت میں داخل نہ ہوں گے، کیوں کہ مکاتب کے لئے ملک حقیقی نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف کمائی پر قادر ہوتا ہے اور یہ قدرت ان لوگوں کے لئے ناکافی ہے جن کے ساتھ ولادت کا رشتہ نہیں ہے، اس بارے میں صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ اصول وفروع کی طرح دوسرے رشتہ دار بھی کتابت میں داخل ہو جائیں گے، کیوں کہ صلہ رحمی دونوں طرح کے لوگوں کو شامل ہے، خواہ ان کے ساتھ ولادت کا رشتہ ہو یا نہ ہو۔

(۲۱۶۶/۱۱) وَإِذَا عَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَنْ نَجْمٍ نَظَرَ الْحَاكِمُ فِي حَالِهِ فَإِنْ كَانَ لَهُ دَيْنٌ يَقْبِضُهُ أَوْ مَالٌ يَقْدِمُ عَلَيْهِ لَمْ يُعَجِّلْ بِتَعْجِيزِهِ وَانْتَظَرَ عَلَيْهِ الْيَوْمَيْنِ أَوِ الثَّلٰثَةَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَجْهٌ وَطَلَبَ الْمَوْلٰى تَعْجِيزَهُ عَجَزَهُ الْحَاكِمُ وَفَسَخَ الْكِتَابَةَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ لَا تَعْجِزُهُ حَتّٰى يَتَوَالٰى عَلَيْهِ نَجْمَانِ.

ترجمہ: اور جب عاجز آجائے مکاتب قسط کے ادا کرنے سے تو غور کرے قاضی وقت اس کی حالت (اس کے معاملہ) کے بارے میں سو اگر اس کا کچھ قرض ہو جس کو وہ وصول کرے گا یا کچھ مال آنے والا ہو اس کے پاس تو جلدی نہ کرے اس کو عاجز قرار دینے میں بلکہ مہلت دے اس کو دو دن یا تین دن اور اگر اس کے پاس کوئی راستہ نہ ہو اور آقا مطالبہ کرے اس کو عاجز قرار دینے کا تو قاضی وقت اس کو عاجز قرار دے اور کتابت فسخ کر دے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کو عاجز قرار نہ دے یہاں تک کہ اس پر دو قسطیں چڑھ جائیں۔

مکاتب کا بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز ہو جانا

تشریح: آقا نے اپنے غلام سے یوں کہا کہ ہر ماہ پانچسو روپے ادا کرتے رہو اب مکاتب کسی قسط کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو اس صورت میں حاکم وقت کا فرض ہے کہ اس کے معاملات کے بارے میں غور وفکر کرے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذمہ اس کا قرض ہو جو اسے مل جائے اور وہ قسط ادا کر دے یا اس کا مال غائب ہو اور ملنے والا ہو اور ملنے کے بعد وہ قسط ادا کر دے ان دونوں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ حاکم اس کو عاجز قرار دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ دو تین دن کی مہلت دے اور اگر مال ملنے کی امید نہ ہو اور آقا عاجز قرار دینے کا مطالبہ کرے تو حاکم اس کو عاجز قرار دے گا اور کتابت فسخ کر دے گا یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب تک اس پر دو قسطیں نہ چڑھ جائیں اس وقت تک عجز کا فیصلہ نہ کرے اور کتابت فسخ نہ کرے، امام ابو یوسف کی دلیل حضرت علیؓ سے منقول ایک اثر ہے، آپؓ نے

فرمایا کہ مکاتب پر دو قسطیں چڑھ جائیں اور اگلے سال میں داخل ہو جائے اور اپنی قسط ادا نہ کرے تو غلامیت میں واپس لوٹ جائے گا، طرفین فرماتے ہیں کہ مکاتب کا عاجز ہونا متحقق ہو چکا اس لیے کہ جب وہ ایک قسط سے عاجز ہے تو دو قسطوں کی ادائیگی سے کہیں زیادہ عاجز ہوگا اس لیے قسط ادا نہ کر سکے تو غلامیت کی طرف واپس لوٹ آئے گا۔

(۱۲/۲۱۶۷) وَإِذَا عَجَزَ الْمُكَاتَبُ عَادَ إِلَى حُكْمِ الرِّقِّ وَكَانَ مَا فِيْ يَدِهٖ مِنَ الْاِكْتِسَابِ لِمَوْلَاهُ.

ترجمہ: اور جب عاجز آجائے مکاتب تو وہ لوٹ آئے گا غلامی کے حکم کی طرف اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں کمائی ہے وہ اس کے آقا کی ہوگی۔

تشریح: مکاتب جب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو غلامیت کی طرف واپس لوٹ آئے گا اور مکاتب جب غلام بن گیا تو غلام کا سارا مال آقا کا ہوتا ہے اس لیے مکاتب نے جو کچھ ادا کیا وہ آقا کے لئے حلال ہے۔

(۱۳/۲۱۶۸) فَإِنْ مَاتَ الْمُكَاتَبُ وَلَهٗ مَالٌ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَقُضِيَ مَا عَلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ وَحُكِمَ بِعِتْقِهٖ فِيْ آخِرِ جُزْءٍ مِنْ اَجْزَاءِ حَيَاتِهٖ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ مِيْرَاثٌ لِوَرَثَتِهٖ وَيَعْتِقُ اَوْلَادُهٗ.

ترجمہ: اگر مر جائے مکاتب اور ہو اس کے پاس مال تو فسخ نہیں ہوگی کتابت اور ادا کیا جائے گا جو کچھ اس کے ذمہ ہے اس کے مال سے اور حکم کیا جائے گا اس کی آزادی کا اس کی زندگی کے آخری حصہ میں اور جو باقی رہ جائے وہ میراث ہوگی اس کے ورثہ کی اور آزاد ہو جائے گی اس کی اولاد۔

تشریح: اگر مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے قبل اتنا ترکہ چھوڑ کر انتقال کر جائے کہ جس سے پورا مال کتابت ادا کیا جا سکتا ہو تو کتابت فسخ نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے مال میں سے کتابت ادا کر دی جائے گی اور اس کی زندگی کے آخری حصہ میں اس کی آزادی کا حکم کر دیا جائے گا، اور یوں سمجھا جائے گا کہ موت سے کچھ دیر پہلے مال کتابت ادا کر کے آزاد ہوا اور اس کے بعد انتقال ہوا چوں کہ مکاتب آزاد ہو کر مرا ہے اس لیے اس کی اولاد بھی آزاد ہو جائے گی اور مال کتابت ادا کرنے کے بعد ترکہ میں سے جو مال بچے گا وہ اس کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

(۱۴/۲۱۶۹) وَاِنْ لَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً وَتَرَكَ وَلَدًا مَوْلُوْدًا فِي الْكِتَابَةِ سَعٰى فِيْ كِتَابَةِ اَبِيْهِ عَلٰى نُجُوْمِهٖ فَاِذَا اَدّٰى حَكَمْنَا بِعِتْقِ اَبِيْهِ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَعَتَقَ الْوَلَدُ.

ترجمہ: اور اگر اس نے مال نہیں چھوڑا (مال کتابت پورا کرنے کے لئے) بلکہ ایک بچہ چھوڑا جو پیدا ہوا تھا کتابت کے زمانہ میں تو وہ کوشش کرے اپنے باپ کی کتابت میں قسط وار جب وہ ادا کر چکے تو فیصلہ کر دیں گے ہم اس کے باپ کی آزادی کا اس کی موت سے پہلے اور بچہ بھی آزاد ہو جائے گا۔

تشریح: مکاتب کا انتقال ہوا مال تو کچھ نہیں چھوڑا البتہ ایک لڑکا چھوڑا جو کتابت کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا تو وہ

لڑکا اپنے باپ کی قسطوں کے مطابق بدل کتابت ادا کرے گا جب وہ ادا کر چکے تو باپ کو مرنے سے پہلے آزاد شمار کیا جائے گا، اور اس پر آزادی کے احکام نافذ کریں گے، اور اس کی وجہ سے یہ بچہ بھی آزاد شمار کیا جائے گا۔

(۲۱۷۰/۱۵) وَاِنْ تَرَكَ وَلَداً مُشْتَرىً فِي الْكِتَابَةِ قِيْلَ لَهُ اِمَّا اَنْ تُؤَدِّيَ الْكِتَابَةَ حَالاً وَاِلَّا رُدِدتَّ فِي الرِّقِّ.

ترجمہ: اور اگر ایسا لڑکا چھوڑا جو خریدا گیا تھا کتابت کے زمانہ میں تو اس سے کہا جائے گا یا تو ادا کر بدل کتابت فوراً ورنہ لوٹا دیا جائے گا تو غلامیت کی طرف۔

تشریح: مکاتب نے اتنا مال نہیں چھوڑا کہ مال کتابت ادا کیا جا سکے البتہ ایسا لڑکا چھوڑا جو کتابت کے زمانہ میں خریدا تھا تو وہ لڑکا باپ کی طرح مکاتب بن جائے گا اور اس لڑکے سے کہا جائے گا کہ یا تو فوراً بدل کتابت ادا کرو ورنہ غلام ہو جاؤ، صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا (یہ لڑکا بھی قسط وار بدل کتابت ادا کریگا) امام صاحب فرماتے ہیں کہ ماقبل کے مسئلہ اور اس مسئلہ میں فرق ہے۔

وجہ فرق: ماقبل کے مسئلہ میں آقا نے باپ سے قسط وار مال کتابت ادا کرنے کی شرط کی تھی اور بیٹے کے پیدا ہونے کی وجہ سے بنیادی طور پر بیٹا باپ کی طرح مکاتب بن گیا اس لیے جب باپ پر قسط وار ادا کرنا لازم تھا تو بیٹے پر بھی قسط وار ادا کرنا لازم ہوگا اور جو بیٹا خریدا وہ بنیادی طور پر باپ کی طرح نہیں ہوا یہ بیٹا مکاتب تو بنا لیکن اس پر قسط وار ادا کرنا لازم نہیں ہوگا بلکہ بیک وقت ادا کرنا لازم ہوگا۔

اصل بات یہ ہے کہ تاجیل اس وقت ثابت ہوتی ہے، جب عقد میں اس کی شرط ہو اور اس کے حق میں ثابت ہوئی ہے جو عقد کے تحت داخل ہو اور خرید کردہ اولاد عقد کے تحت نہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب ص: ۲۰ ج: ۳)

(۲۱۷۱/۱۶) وَاِذَا كَاتَبَ الْمُسْلِمُ عَبْدَهُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ عَلٰى قِيْمَةِ نَفْسِهِ فَالْكِتَابَةُ فَاسِدَةٌ فَاِنْ اَدَّى الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيْرَ عَتَقَ وَلَزِمَهُ اَنْ يَسْعٰى فِي قِيْمَتِهِ لَا يُنْقَصُ مِنَ الْمُسَمّٰى وَيُزَادُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب مکاتب بنایا مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر پر یا خود غلام کی قیمت پر تو کتابت فاسد ہے پھر اگر دے دے وہ شراب یا خنزیر ہی تو آزاد ہو جائے گا اور لازم ہوگا اس پر سعی کرنا اپنی قیمت میں جو مقررہ مقدار سے کم نہ ہوگی بلکہ زائد ہو سکتی ہے۔

تشریح: کسی مسلمان نے اپنے غلام کو شراب یا خنزیر کے بدلہ مکاتب بنایا تو یہ کتابت فاسد ہے، اسی طرح خود غلام کی قیمت پر مکاتب بنایا اور اس کی قیمت کتنی ہے متعین نہیں کیا تو یہ کتابت بھی فاسد ہوگی کیوں کہ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مال نہ ہونیکی وجہ سے بدل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کے باوجود بھی غلام شراب یا خنزیر ہی

دے دے تو آزاد ہوجائے گا کیوں شرط پائی گئی لیکن چوں کہ وہ مال نہیں ہے اس لیے مکاتب اپنی قیمت کی سعایت کرکے آقا کو دے گا یہ قیمت خنزیر اور شراب کی قیمت سے کم نہ ہو اس سے زیادہ ہوسکتی ہے تاکہ مکاتب ادا کرکے جلدی آزاد ہوجائے اگر کم دے گا تو ہوسکتا ہے کہ آقا مکاتب بنانے اور آزاد کرنے پر راضی نہ ہو اسلئے زیادہ دے تو جائز ہے، اور اگر آقا نے غلام کو اس کی قیمت کے عوض مکاتب کیا تو یہ بھی فاسد ہے کیوں کہ غلام کی قیمت دو اعتبار سے مجہول ہے۔

(۲۱۷۲/۱۷) وَاِنْ كَاتَبَهُ عَلٰى حَيَوَانٍ غَيْرِ مَوْصُوْفٍ فَالْكِتَابَةُ جَائِزَةٌ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادے اپنے غلام کو ایسے جانور کے بدلہ جس کی صفت بیان نہ کی گئی ہو تو کتابت جائز ہے۔

تشریح: اگر غلام کو کسی جانور کے عوض مکاتب کیا اور جانور کی صرف جنس متعین کی مثلاً یوں کہا کہ گھوڑے پر مکاتب بناتا ہوں لیکن صفت متعین نہیں کی کہ کس قسم کا گھوڑا ہے اعلیٰ یا ادنیٰ یا نوع متعین نہیں کی کہ فارسی ہے یا عربی تب بھی کتابت درست ہے اور درمیانی درجہ کا جانور لازم ہوگا یا درمیانی جانور کی قیمت لازم ہوگی کیوں کہ جنس متعین کرنے سے اتنی جہالت نہیں رہی جو جھگڑے کی جانب پہنچائے باقی تفصیل کتاب النکاح (۱۷۲۹)(۱۷) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۱۷۳/۱۸) وَاِنْ كَاتَبَهُ عَلٰى ثَوْبٍ لم يُسَمِّ جِنْسَهُ لَمْ يَجُزْ وَ اِنْ اَدَّاهُ لَمْ يَعْتِقْ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادے اس کو ایسے کپڑے پر جس کی جنس بیان نہ کی گئی ہو تو کتابت جائز نہیں ہے اور اگر وہ کپڑا ادے دے تب بھی آزاد نہ ہوگا۔

تشریح: کسی نے کپڑے پر مکاتب بنایا اور اس کی جنس متعین نہیں کی کہ سوتی ہے یا کوٹن پولیسٹر ہے یا ٹیریکاٹ تو یہ کتابت جائز نہیں ہے، کیوں کہ دو قسم کا کپڑا الگ الگ جنس ہے تو مکمل مجہول ہونے کی وجہ سے کتابت صحیح نہیں ہوگی اگر کسی قسم کا کپڑا ادے بھی دیا تو بھی آزادی نہ ہوگی۔

(۲۱۷۴/۱۹) وَاِنْ كَاتَبَ عَبْدَيْهِ كِتَابَةً وَاحِدَةً بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اِنْ اَدَّيَا عَتَقَا وَ اِنْ عَجَزَا رُدَّا اِلَى الرِّقِّ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادے اپنے دو غلاموں کو ایک ہی کتابت میں ایک ہزار درہم کے بدلہ اگر ان دونوں نے ہزار دے دیئے تو دونوں آزاد ہوجائیں گے اور اگر دونوں عاجز ہوگئے تو غلامی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔

تشریح: کسی نے اپنے دو غلاموں کو ایک ہی کتابت میں ایک ہزار روپے پر مکاتب کردیا اور ان دونوں نے اس کو قبول کرلیا تو کتابت صحیح ہوگی اور اگر کسی ایک نے قبول کیا تو کتابت باطل ہوگی کیوں کہ دونوں غلاموں کو ایک ساتھ مکاتب بنایا اس لیے دونوں رقم کے ذمہ دار ہیں تو دونوں کا قبول کرنا ضروری ہے، اب اگر دونوں بدل کتابت ادا کردیں تو دونوں آزاد ہوجائیں گے اور اگر دونوں عاجز ہوجائیں تو دونوں غلامی کی طرف لوٹ آئیں گے۔

(۲۱۷۵/۲۰) وَاِنْ كَاتَبَهُمَا عَلٰى اَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ضَامِنٌ عَنِ الْآخَرِ جَازَتِ الْكِتَابَةُ وَاَيُّهُمَا اَدّٰى عَتَقَا وَيَرْجِعُ عَلٰى شَرِيْكِهٖ بِنِصْفِ مَا اَدّٰى.

ترجمہ: اور اگر دونوں کو مکاتب بنایا اس شرط پر کہ ان میں سے ہر ایک ضامن ہے دوسرے کا تو کتابت جائز ہے اور دونوں میں سے جو بھی ادا کرے دونوں آزاد ہو جائیں گے اور لے لیگا اپنے شریک سے اس کا آدھا جو کچھ ادا کیا۔

تشریح: اگر دونوں غلاموں میں سے کوئی ایک عاجز ہو تو اس کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اگر دوسرا ادا کردے تو دونوں آزاد ہو جائیں گے کیوں کہ دونوں ضامن ہیں اور چوں کہ ادا کرنے والے نے آدھا اپنی جانب سے اور آدھا دوسرے کی جانب سے ادا کیا ہے اس لیے ادا کرنے والا دوسرے سے نصف وصول کرلے گا۔

(۲۱۷۶/۲۱) وَاِذَا اَعْتَقَ الْمَوْلٰى مُكَاتَبَهٗ عَتَقَ بِعِتْقِهٖ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ.

ترجمہ: اور جب آزاد کردے آقا اپنے مکاتب کو تو آزاد ہو جائے گا اس کے آزاد کرنے سے اور ساقط ہو جائے گا اس سے مال کتابت۔

تشریح: چوں کہ مکاتب ابھی بھی آقا کی ملکیت میں ہے اس لیے وہ مکاتب کو آزاد کرسکتا ہے اور جب آزاد ہو گیا تو مال کتابت ادا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے مال کتابت ساقط ہو جائے گا۔

(۲۱۷۷/۲۲) وَاِذَا مَاتَ مَوْلَى الْمُكَاتَبِ لَمْ تَنْفَسِخِ الْكِتَابَةُ وَ قِيْلَ لَهٗ اَدِّ الْمَالَ اِلٰى وَرَثَةِ الْمَوْلٰى عَلٰى نُجُوْمِهٖ.

ترجمہ: اور جب مرجائے مکاتب کا آقا تو فسخ نہ ہوگی کتابت اور کہا جائے گا اس سے کہ ادا کر مال آقا کے وارثین کی طرف اس کی قسطوں کے مطابق۔

تشریح: آقا کے مرنے سے کتابت ساقط نہیں ہوتی بلکہ کتابت باقی رہتی ہے تاکہ مکاتب کا حق باطل نہ ہونے پائے اس لیے کہ کتابت آزادی کا سبب ہے اب مال کتابت کا حق دار وارث ہوگا آزاد کیوں کہ وارث میت کا قائم مقام ہے اس لیے جن شرائط کے ساتھ آقا کو قسط وار روپے دیتا انہیں شرائط کے ساتھ وارث کو قسط وار ادا کریگا اور آزاد ہو جائے گا۔

(۲۱۷۸/۲۳) فَاِنْ اَعْتَقَهٗ اَحَدُ الْوَرَثَةِ لَمْ يَنْفُذْ عِتْقُهٗ وَ اِنْ اَعْتَقُوْهُ جَمِيْعاً عَتَقَ وَسَقَطَ عَنْهُ مَالُ الْكِتَابَةِ.

ترجمہ: پھر اگر آزاد کردے اس کو کوئی ایک وارث تو اس کی آزادی نافذ نہ ہوگی اور اگر سب آزاد کردیں تو آزاد ہو جائے گا اور ساقط ہو جائے گا اس سے بدل کتابت۔

تشریح: ورثہ میں سے ایک نے آزاد کیا تو مکاتب کی آزادی نافذ نہ ہوگی، کیوں کہ مکاتب ورثہ کی طرف بذریعہ ارث منتقل نہیں ہوتا بلکہ مکاتب کے ذمہ جو قرض ہے وہ منتقل ہوتا ہے ہاں اگر سبھی وارثوں نے مل کر آزاد کر دیا تو اب وہ میت کی طرف سے آزاد ہو جائے گا، کیوں کہ ان کا آزاد کرنا کتابت کو مکمل کرنا ہے اور جب آزاد ہو گیا تو اب بدل کتابت کی ضرورت نہیں رہی اس لیے بدل کتابت ساقط ہو جائے گا پس یہ ادائیگی اور بری کرنے کے درجہ میں ہو گیا۔

(۲۱۷۹/۲۴) وَإِذَا كَاتَبَ الْمَوْلٰى أُمَّ وَلَدِهٖ جَازَ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى سَقَطَ عَنْهَا مَالُ الْكِتَابَةِ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادیا آقا نے اپنی ام ولد کو تو جائز ہے پھر اگر مر جائے آقا تو ساقط ہو جائے گا اس سے مال کتابت۔

تشریح: آقا نے اپنی ام ولد کو مکاتب کر دیا تو کتابت صحیح ہے، کیوں کہ ام ولد اگر چہ آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہونے والی ہے مگر اس سے پہلے آزاد ہونے کی بھی ضرورت ہے مکاتبہ بنانے کے بعد اگر آقا کا انتقال ہو گیا تو ام ولد مفت آزاد ہو جائے گی کیوں کہ اس کی آزادی آقا کے انتقال کے ساتھ متعلق ہو چکی تھی۔

(۲۱۸۰/۲۵) وَإِنْ وَلَدَتْ مُكَاتَبَتُهٗ مِنْهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَ إِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَ صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ لَهٗ.

ترجمہ: اور اگر بچہ جنا مکاتبہ نے آقا سے تو اسے اختیار ہے اگر چاہے برقرار رہے کتابت پر اور اگر چاہے تو اپنے آپ کو عاجز کرے اور آقا کی ام ولد ہو جائے۔

تشریح: باندی مکاتبہ تھی اس سے آقا نے صحبت کی اور بچہ پیدا ہوا تو یہ آقا کی ام ولد بن گئی اب اسے دو اختیار ہیں یا تو عقد کتابت پر باقی رہے اور مال کتابت ادا کر کے آقا کی زندگی میں آزاد ہو جائے اور یا اپنے آپ کو بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز قرار دے کر خالص ام ولد بن جائے اور آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہو جائے، یہ باندی مکاتبہ بھی ہے اور ام ولد بھی تو اسے دو جہتوں سے آزادی کا حق حاصل ہے اس لے دونوں اختیار ہیں۔

(۲۱۸۱/۲۶) وَإِنْ كَاتَبَ مُدَبَّرَتَهٗ جَازَ فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى وَلَا مَالَ لَهٗ غَيْرُهَا كَانَتْ بِالْخِيَارِ بَيْنَ أَنْ تَسْعٰى فِيْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا أَوْ جَمِيْعِ مَالِ الْكِتَابَةِ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب بنادے اپنی مدبرہ کو تو جائز ہے پھر اگر مر جائے آقا اور کچھ مال نہ ہو مدبرہ کے علاوہ تو اسے اختیار ہے اس بات کا کہ سعی کرے اپنی قیمت کی دو تہائی کی یا پورے مال کتابت کی۔

تشریح: آقا نے اپنی باندی سے یوں کہا تھا کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو تو یہ باندی مدبرہ ہو گئی اس مدبرہ کو آقا نے یوں کہا کہ ایک ہزار روپے مجھے دے دو اور تم آزاد ہو یہ باندی اب مکاتبہ بن گئی اب آقا کا انتقال ہو جاتا

ہے اوراس مدبرہ کے علاوہ آقا کے پاس کوئی اور مال نہیں ہے تو وصیت کی طرح اس باندی کی ایک تہائی آزاد ہوگی اور دو تہائی ورثہ میں تقسیم ہوگی اس لیے اپنی قیمت کی دو تہائی کما کر ورثہ کو دے اور آزاد ہو جائے اور دوسرا اختیار ہے یہ کہ جتنا مال کتابت ہے وہ سب ادا کرے اور آزاد ہو جائے جس میں سہولت ہو وہ کرسکتی ہے یہ تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے۔

(۲۱۸۲/۲۷) وَاِنْ دَبَّرَ مُكَاتَبَتَهُ صَحَّ التَّدْبِيْرُ وَلَهَا الْخِيَارُ اِنْ شَاءَتْ مَضَتْ عَلَى الْكِتَابَةِ وَاِنْ شَاءَتْ عَجَّزَتْ نَفْسَهَا وَصَارَتْ مُدَبَّرَةً فَاِنْ مَضَتْ عَلٰى كِتَابَتِهَا فَمَاتَ الْمَوْلٰى وَلَامَالَ لَهُ فَهِيَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَتْ سَعَتْ فِيْ ثُلُثَيْ مَالِ الْكِتَابَةِ اَوْ ثُلُثَيْ قِيْمَتِهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: اور اگر مدبرہ بنا دے اپنی مکاتبہ کو تو مدبر بنانا صحیح ہے اور اس کو اختیار ہے اگر چاہے کتابت پر رہے اور اگر چاہے اپنے آپ کو عاجز کرے اور مدبرہ بن جائے اب اگر وہ کتابت پر رہے پھر آقا مر جائے اور آقا کے پاس کوئی مال نہ ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے دو تہائی مال کتابت میں سعایت (قیمت کما کر دے) کرے یا اپنی قیمت کی دو تہائی کی سعایت کرے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: اگر آقا نے اپنی مکاتبہ باندی کو مدبر کر دیا تو یہ بھی درست ہے اور اس کو اختیار ہے چاہے کتابت پر باقی رہے اور چاہے خود کو عاجز قرار دیکر مدبرہ ہو جائے اب اگر وہ کتابت پر رہنا چاہے اور آقا مر جائے اور مدبرہ کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو تو اسے دو اختیار ہیں (۱) مال کتابت کی دو تہائی کما کر ورثہ کو دے یا اپنی قیمت کی دو تہائی کما کر ورثہ کو دے، صاحبین فرماتے ہیں کہ مدبرہ کی قیمت کی دو تہائی اور مال کتابت کی دو تہائی میں سے جو کم ہو وہ کما کر ورثہ کو دے گی۔

قوله فی ثلثی مال الکتابة الخ امام صاحب یہاں مال کتابت کی دو تہائی میں سعایت کے قائل ہیں بخلاف پہلے مسئلہ کے کہ اس میں کل بدل کتابت میں سعایت کے قائل ہیں اس واسطے کہ مدبر بنانا کتابت سے بری کرنا ہے اور بیماری کی حالت میں بری کرنا تہائی سے متجاوز نہیں ہوتا۔

(۲۱۸۳/۲۸) وَاِذَا اَعْتَقَ الْمُكَاتَبُ عَبْدَهُ عَلٰى مَالٍ لَمْ يَجُزْ.

ترجمہ: اور جب آزاد کر دے مکاتب اپنا غلام مال کے عوض تو جائز نہ ہوگا۔

تشریح: مکاتب اپنے غلام کو آزاد نہیں کرسکتا اگرچہ آزادی مال کے عوض ہو کیوں کہ مکاتب کو وہ کام کرنے کی اجازت ہے جو تجارت ہو یا تجارت کے توابع ہوں اور غلام کو مال کے بدلہ آزاد کرنا تجارت یا توابع تجارت میں سے نہیں ہے اس لیے مکاتب اپنے غلام کو مال کے بدلہ بھی آزاد نہیں کرسکتا۔

(۲۱۸۴/۲۹) وَاِذَا وَهَبَ عَلٰى عِوَضٍ لَمْ يَصِحَّ.

ترجمہ: اور اگر ہبہ کرے عوض کے بدلہ تو صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اگر مکاتب اپنے غلام کو بالعوض ہبہ کرنا چاہے تو ہبہ کرنا بھی درست نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ ابتداء احسان ہے اور وہ احسان کرنے کا اہل نہیں ہے۔

(۲۱۸۵/۳۰) وَاِنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ جَازَ فَاِنْ اَدَّى الثَّانِيْ قَبْلَ اَنْ يَعْتِقَ الْاَوَّلُ فَوَلَاؤُهُ لِلْمَوْلٰى الْاَوَّلِ وَاِنْ اَدَّى الثَّانِيْ بَعْدَ عِتْقِ الْمُكَاتَبِ الْاَوَّلِ فَوَلَاؤُهُ لَهُ.

ترجمہ: اور اگر مکاتب کرے اپنے غلام کو تو جائز ہے پھر اگر ادا کردے دوسرا پہلے کے آزاد ہونے سے قبل تو اس کی ولاء پہلے آقا کے لئے ہوگی اور اگر ادا کرے دوسرا پہلے مکاتب کے آزاد ہونے کے بعد تو اس کی ولاء مکاتب اول کو ملے گی۔

تشریح: اگر مکاتب نے اپنے غلام کو مکاتب کیا تو ایسا کرنا جائز ہے اب اگر اس دوسرے غلام نے پہلے غلام (مکاتب) سے پہلے کتابت کی رقم ادا کردی تو اس کی ولاء (کوئی آدمی غلام کو آزاد کرے پھر غلام کا انتقال ہو اور وراثت آزاد کرنے والے آقا کو ملے اس وراثت کو ولاء کہتے ہیں) مکاتب اول کے آقا کو ملے گی، کیوں کہ جس وقت دوسرا مکاتب آزاد ہوا اس وقت پہلا مکاتب آزاد نہیں تھا بلکہ غلام تھا اور پہلا آقا آزاد تھا اور ولاء آزاد کے لئے ہوتی ہے غلام کے لئے نہیں ہوتی اس لئے ولاء پہلے آقا کو ملے گی، اور اگر مکاتب ثانی نے مکاتب اول کی آزادی کے بعد بدل کتابت ادا کیا تو مکاتب ثانی کی ولاء مکاتب اول کو ملے گی، کیوں کہ دوسرے مکاتب کے ادا کرتے وقت اور اس کے آزاد ہوتے وقت پہلا مکاتب آزاد ہو چکا ہے اس لیے دوسرے مکاتب کی ولاء اسی کو ملے گی۔

كِتَابُ الْوَلَاءِ

(یہ کتاب ولاء کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: ولاء آثار کتابت میں سے ہے کیوں کہ بدل کتابت کی ادائیگی کے بعد ملک رقبہ زائل ہو جاتی ہے اس لیے کتاب المکاتب کے بعد کتاب الولاء کو بیان کر رہے ہیں۔

ولاء کی لغوی تحقیق: ولاء لغۃً وَلْیٌ سے مشتق ہے بمعنی قرب ونزدیکی یا پھر موالاۃ سے مشتق ہے جو ولایۃ سے مفاعلہ ہے بمعنی نصرت ومحبت۔

ولاء کی دو قسمیں ہیں: (۱) ولاء عتاقہ، (۲) ولاء موالاۃ۔

ولاء عتاقہ کی تعریف: ولاء عتاقہ اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا تو یہ شخص اس غلام کا عصبہ بن جاتا ہے، جب غلام کا انتقال ہوگا اور اس غلام کے دوسرے ورثہ اور عصبات موجود نہ ہوں گے تو اس صورت میں اس غلام کی میراث اس آزاد کرنے والے شخص کو ملے گی اور اس آزاد کرنے والے کو 'مولی العتاقہ' کہا

جاتا ہے اور یہ آخر العصبات ہوتا ہے لہٰذا میراث لینے کا جو حق اس کو حاصل ہو رہا ہے اس کو 'حق ولاء العتاقہ' کہتے ہیں۔

ولاء موالاۃ کی تعریف: ایک شخص مسلمان ہوا اور مسلمانوں میں اس کا کوئی رشتہ دار موجود نہیں تو وہ مسلمان ہونے کے بعد دوسرے کسی مسلمان کے ساتھ ایک معاملہ طے کر لیتا ہے اور یہ دونوں آپس میں یہ معاہدہ کر لیتے ہیں کہ اگر پہلے میں مر گیا تو تم وارث ہوگے اور اگر تم پہلے مر گئے تو میں وارث ہوں گا، اسی طرح اگر مجھ سے کوئی جنایت سرزد ہوئی مثلاً میں نے کسی کو قتل کر دیا کسی کا کوئی عضو تلف کر دیا تو تم میری طرف سے دیت ادا کروگے اور اگر تم سے کوئی جنایت سرزد ہوئی مثلاً تم نے کسی کو قتل کر دیا یا کوئی عضو تلف کر دیا تو میں تمہاری طرف سے دیت ادا کر دوں گا اس عقد کو عقد موالاۃ کہتے ہیں اور جس شخص کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے اس کو مولی الموالاۃ کہا جاتا ہے اور ان میں سے کسی کے مرنے پر دوسرے کو ملنے والی میراث کو ولاء موالاۃ کہتے ہیں۔

ولاء کا ثبوت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: الولاء لمن اعتق (بخاری ۲/۱۰۰۰)
ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا، اس حدیث سے ولاء عتاقہ کا ثبوت ہوا اور ولاء موالاۃ کا ثبوت اس اثر میں ہے حضرت تمیم داریؓ سے مرفوعاً یہ بات منقول ہے: قَالَ هُوَ اَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهٖ (بخاری ۲/۱۰۰۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مولی الموالاۃ لوگوں میں سے بہتر ہے موالاۃ والے کی زندگی میں اور موت کے بعد بھی۔

(۱/۲۱۸۶) اِذَا اَعْتَقَ الرَّجُلُ مَمْلُوْکَهٗ فَوَلَاءُهٗ لَهٗ وَکَذٰلِکَ الْمَرْاَةُ تَعْتِقُ فَاِنْ شَرَطَ اَنَّهٗ سَائِبَةٌ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَالْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ.

حل لغات: سائبۃ: غلام آزادی کے بعد کسی کی ولاء میں نہیں ہوگا بلکہ خود مختار ہوگا۔

ترجمہ: اگر آزاد کرے آدمی اپنا غلام تو اس کی ولاء اسی کے لئے ہے اور ایسے ہی عورت آزاد کرے (تو اس کی ولاء اسی کے لئے ہوگی) پھر اگر یہ شرط کرے کہ وہ بغیر ولاء کے ہے تو شرط باطل ہے اور ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے آزاد کیا۔

تشریح: اگر آزاد کردہ غلام مر جائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اس کا ترکہ آزاد کرنے والے کو ملے گا خواہ آزادی مدبر یا مکاتب یا ام ولد کرنے سے ہو یا رشتہ دار کے مالک ہونے سے ہو کیوں کہ حدیث گذر چکی ہے ولاء اس کے لئے ہے جس نے آزاد کیا اب اگر کوئی آزاد کرتے وقت یہ شرط کرے کہ آزاد کرنے والے کو ولاء نہ ملے گی تو یہ شرط باطل ہوگی، کیوں کہ یہ شرط 'الولاء لمن اعتق' کے خلاف ہے۔

(۲/۲۱۸۷) وَاِذَا اَدَّى الْمُکَاتَبُ عَتَقَ وَوَلَاؤُهٗ لِلْمَوْلٰى.

ترجمہ: اور جب ادا کر دے مکاتب (مال کتابت) تو وہ آزاد ہو گیا اور اس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: مکاتب نے اگرچہ مال کتابت۔ ادا کر کے آزادی حاصل کی ہے مگر پھر بھی وہ آقا سے آزاد ہوا ہے اس

لیےاس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

(۳/۲۱۸۸) وَاِنْ عَتَقَ بَعْدَ مَوْتِ الْمَوْلٰی فَوَلَاؤُهٗ لِوَرَثَةِ الْمَوْلٰی.

ترجمہ: اور اگر آزاد ہوا آقا کے انتقال کے بعد تو اس کی ولاء آقا کے ورثہ کے لئے ہوگی۔

تشریح: آقا نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا لیکن غلام آقا کی زندگی میں مال کتابت ادا کر کے آزاد نہ ہوسکا آقا کے انتقال کے بعد مال کتابت ادا کیا اور آزاد ہوا تو اس کی ولاء آقا کے ورثہ کے لئے ہوگی۔

(۴/۲۱۸۹) وَاِذَا مَاتَ الْمَوْلٰی عَتَقَ مُدَبَّرُوْهُ وَ اُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَوَلَاؤُهُمْ لَهٗ.

ترجمہ: اور جب مرجائے آقا تو آزاد ہوجائیں گے اس کے مدبر اور امہات اولاد اور ان سب کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: اگر آقا مرجائے تو اس کے مدبر غلام اور امہات الاولاد آزاد ہوجائیں گی اور ہر ایک کی ولاء اسی میت آقا کے لئے ہوگی۔

سوال: مدبر اور ام ولد آقا کے انتقال کے بعد آزاد ہوتے ہیں تو آقا کو ان کی ولاء ملنے کی کونسی شکل ہے؟

جواب: اس کی شکل یہ ہے کہ آقا مرتد ہو کر دار الحرب چلا گیا اور قاضی نے اس کی موت کا حکم کر کے اس کے مدبر اور ام ولد کی آزادی کا فیصلہ کر دیا، پھر آقا مسلمان ہو کر دار الاسلام چلا آیا اور مدبر یا ام ولد مرگئی تو ولاء آقا کو ملے گی۔ (اشرف النوری ۲/۱۹۹)

(۵/۲۱۹۰) وَمَنْ مَلَكَ ذَا رَحْمٍ مَحْرَمٍ عَتَقَ عَلَيْهِ وَوَلَاؤُهٗ لَهٗ

ترجمہ: اور جو مالک ہوجائے ذی رحم محرم کا تو وہ اس پر آزاد ہوجائے گا اور اس کی ولاء آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: یہاں اگر چہ ذی رحم محرم ہونے کی وجہ سے آزاد ہوا ہے آقا نے خود آزاد نہیں کیا ہے لیکن سبب آقا ہی بنا ہے اس لیے اس کی ولاء آزاد کرنے والے کو ملے گی۔

(۶/۲۱۹۱) وَاِذَا تَزَوَّجَ عَبْدُ رَجُلٍ اَمَةَ الْآخَرِ فَاَعْتَقَ مَوْلَى الْاَمَةِ الْاَمَةَ وَهِيَ حَامِلٌ مِنَ الْعَبْدِ عَتَقَتْ وَعَتَقَ حَمْلُهَا وَوَلَاءُ الْحَمْلِ لِمَوْلَى الْاُمِّ لَا يَنْتَقِلُ عَنْهُ اَبَداً.

ترجمہ: اور اگر شادی کر لی ایک کے غلام نے دوسرے کی باندی سے پھر باندی کے آقا نے باندی کو آزاد کر دیا اس حال میں کہ وہ حاملہ ہے غلام سے تو باندی اور اس کا حمل آزاد ہوگا اور حمل کی ولاء ماں کے آقا کی ہوگی جو اس سے کبھی منتقل نہیں ہوگی۔

تشریح: غلام نے دوسرے کی باندی سے شادی کی پھر وہ اس غلام سے حاملہ ہوئی اس حمل کی حالت میں اس کے آقا نے آزاد کر دیا جس کی وجہ سے حمل بھی ماں کے تحت میں ہو کر آزاد ہو گیا چوں کہ حمل کا آزاد کرنے والا ماں کا آقا ہے اس لیے حمل کی ولاء ماں کے آقا کو ملے گی، اور یہ ولاء آقا سے کبھی منتقل نہیں ہوگی۔
یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بچہ کی ولاء ماں کے آقا کو اس وقت ملے گی جب باندی کی آزادی کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ ہوا ہو۔

(۲۱۹۲/۷) فَإِنْ وَلَدَتْ بَعْدَ عِتْقِهَا لِأَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَلَداً فَوَلَاؤُهُ لِمَوْلَى الْأُمِّ.

ترجمه: پھر اگر جنے اپنی آزادی کے بعد چھ ماہ سے زائد میں کوئی بچہ تو اس کی ولاء ماں کے آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: اگر باندی نے اپنی آزادی کے بعد چھ ماہ سے زیادہ میں بچہ جنا تب بھی بچہ کی ولاء اس کی ماں کے آقا کو ملے گی بشرطیکہ باپ آزاد نہ ہوا ہو چوں کہ باپ غلام ہے اس لیے ولاء باپ یا اس کے آقا کی جانب نہیں جائے گی۔

(۲۱۹۳/۸) فَإِنْ أُعْتِقَ الْأَبُ جَرَّ وَلَاءَ ابْنِهِ وَانْتَقَلَ عَنْ مَوْلَى الْأُمِّ إِلَى مَوْلَى الْأَبِ.

حل لغات: جر: ماضی مصدر جرًّا کھینچنا۔
ترجمه: پھر اگر باپ آزاد کر دیا گیا تو کھینچ لے گا وہ اپنے بیٹے کی ولاء اور منتقل ہو جائے گی ماں کے آقا سے باپ کے آقا کی طرف۔
تشریح: بچہ ماں کی آزادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا تھا تو ممکن ہے کہ ماں کی آزادی کے وقت حمل نہ ہو بلکہ بعد میں ٹھہرا ہو تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ماں کے آقا نے حمل کو آزاد کیا ہو لیکن چوں کہ باپ غلام تھا اس مجبوری کی وجہ سے ماں کے آقا کی جانب ولاء دے دی گئی لیکن جب باپ آزاد ہو گیا تو جس طرح نسب باپ کے ساتھ ثابت ہے اسی طرح ولاء بھی باپ کے آقا کی طرف منتقل ہو جائے گی، یعنی اگر بچہ مر جائے تو اس کی ولاء باپ کے آقا کو ملے گی۔

(۲۱۹۴/۹) وَمَنْ تَزَوَّجَ مِنَ الْعَجَمِ بِمُعْتَقَةِ الْعَرَبِ فَوَلَدَتْ لَهُ أَوْلَادًا فَوَلَاءُ وَلَدِهَا لِمَوَالِيهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ أَبُويُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ يَكُونُ وَلَاءُ أَوْلَادِهَا لِأَبِيهِمْ لِأَنَّ النَّسَبَ إِلَى الْآبَاءِ.

ترجمه: اور جس عجمی نے شادی کی عرب کی آزاد کردہ سے اس سے کئی اولاد ہوئی تو اس کی اولاد کی ولاء ماں کے آقا کے لئے ہے طرفینؒ کے نزدیک اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس اولاد کی ولاء ان کے باپ دادا کے لئے ہوگی کیوں کہ نسب باپ دادا کے لئے ہے۔

تشریح: ایک آزاد عجمی شخص نے ایک عورت سے شادی کی جو کسی عرب کی آزاد کردہ تھی اس سے کئی اولاد ہوئی تو طرفین کے نزدیک اولاد کی ولاء عورت کے آقا کے لئے ہوگی اگر چہ اس کے عجمی شوہر نے کسی سے عقد موالاۃ کرلیا ہو، کیوں کہ ترکہ پانے میں موالی عتاقہ موالی الموالاۃ پر مقدم ہوتے ہیں، امام ابو یوسفؒ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں اس کی اولاد کا حکم اس کے باپ کا حکم ہے تو اس کی ولاء باپ کے آقا کو ملے گی، کیوں کہ ولاء نسب کی طرح ہے اور جس سے نسب ثابت ہوتا ہے ولاء بھی اسی کو ملے گی، طرفین فرماتے ہیں کہ ولاء عتاقہ قوی اور معتبر ہے اور عجمیوں کے حق میں نسب کمزور ہے کیوں کہ انہوں نے انساب کو برباد کردیا لہٰذا ضعیف قوی کا مقابل نہیں ہوسکتا۔

(۲۱۹۵/۱۰) وَوَلَاءُ الْعَتَاقَةِ تَعْصِيبٌ.

ترجمہ: اور آزاد شدہ کی ولاء عصبہ کے اعتبار سے ہے۔

تشریح: عَصَبَةٌ جمع عَصَبَاتٌ اور عَصَبَة عاصب کی جمع ہے جیسے کَتَبَة کاتب کی جمع اور ظَلَمَة ظالم کی جمع ہے اس کے معنی بدن کے اندر پٹھے کے ہیں اور چوں کہ بدن کے پٹھے کا تعلق حیوان کے سر سے پیر تک ہوتا ہے اسی طرح کچھ وارث ایسے ہوتے ہیں جن کا تعلق میت کے پورے ترکہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اس مناسبت سے ایسے ورثہ کو عصبہ کہا جاتا ہے، اب اصل مسئلہ کی تشریح یہ ہے کہ جو غلام یا باندی آزاد ہو گئے ہوں وہ مرجائیں تو ان کی میراث اور ولاء پہلے غلام اور باندی کے اصحاب فروض (جن کا حق قرآن میں متعین ہے) اور حصہ والوں کو ملے گی حصہ والوں کے لینے کے بعد ان کے عصبات کو ملے گی عصبات کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے بیٹا، پھر باپ، پھر پوتا، پھر دادا، پھر چچا، پھر چچا زاد بھائی اور اگر یہ لوگ نہ ہوں تو اب آزاد کرنے والے آقا کو ملے گی اور آقا بھی زندہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو ملے گی اور وارثوں میں مرد کو ملے گی جو مقدم ہے مثلاً بیٹا زندہ ہے تو پوتے کو نہیں ملے گی اور اگر آزاد کرنے والے یا ان کے خاندان کے لوگ نہیں ہیں تو پھر ذوی الارحام، خالہ، پھوپھی، ماموں، نانا، نانی کو ملے گی، اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو ولاء بیت المال میں داخل کردی جائے گی، مصنف کی عبارت: **ولاء العتاقه تعصيب'** کا مطلب یہ ہے کہ اصحاب فروض کا حق مقدم ہے ان کے لینے کے بعد جو بچے وہ عصبات کے لوگ لیں گے۔

(۲۱۹۶/۱۱) فَإِنْ كَانَ لِلْمُعْتَقِ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَهُوَ أَوْلَى مِنْهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَمِيرَاثُهُ لِلْمُعْتِقِ.

ترجمہ: پھر اگر آزاد کئے ہوئے کا کوئی نسبی عصبہ ہو تو ولاء کا وہی زیادہ حقدار ہے آقا سے اور اگر نہ ہو اس کا کوئی نسبی عصبہ تو اس کی میراث آزاد کرنے والے آقا کے لئے ہوگی۔

تشریح: عصبہ نسبی: ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو میت کے ساتھ قرابت کا تعلق رکھتے ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ۔ ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

عصبہ بنفسہ: صرف مرد مرد ہو سکتا ہے عورت نہیں ہو سکتی اور ان کے چار درجات ہیں (۱) میت کا جزء مذکر جیسا کہ لڑکے پوتے پڑپوتے وغیرہ۔

(۲) میت کے اصول مذکر جیسا کہ باپ دادا پردادا وغیرہ۔

(۳) میت کے اصول قریب کے فروع مذکر اور اصول قریب باپ ہے باپ کے فروع مذکر بھائی اور بھائی کی اولاد ہے۔

(۴) میت کے اصول بعید کے فروع مذکر اصول بعید میں دادا پردادا وغیرہ اور ان کی اولاد مذکر چچا اور چچا کی مذکر اولاد ہیں، ان میں دو اصول جاری ہوں گے (۱) قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہوں گے (۲) قوت قرابت کو ترجیح دی جائے گی لہٰذا حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی محروم اور حقیقی چچا کی موجودگی میں علاتی چچا محروم ہوگا۔

عصبہ لغیرہ: ان عورتوں کو کہتے ہیں جو اپنے حقیقی بھائیوں کے ساتھ مل کر عصبہ بن جاتی ہیں مثلاً بیٹی بیٹے کے ساتھ مل کر۔

عصبہ مع غیرہ: ان عورتوں کو کہتے ہیں جس میں مؤنث مؤنث کے ساتھ مل کر عصبہ بنتی ہیں مثلاً حقیقی بہن لڑکیوں و پوتیوں کے ساتھ مل کر۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ آزاد شدہ غلام کی میراث پہلے اس کے نسب کے اصحاب فروض کو ملے گی اور پھر بقیہ مال عصبہ کو ملے گا ذوی الفروض اور عصبہ کی عدم موجودگی میں ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ذوی الفروض عصبات اور ذوی الارحام کی عدم موجودگی میں ترکہ مولی الموالاۃ میں تقسیم ہوگا۔

نوٹ: مولی العتاقہ اور مولی الموالاۃ میں فرق یہ ہے کہ مولی العتاقہ عصبات میں داخل ہوتا ہے اور آخری عصبہ ہوتا ہے لہٰذا اگر آزاد ہونے کے بعد غلام مرجائے اور غلام کے ذوی الفروض اور دوسرے عصبات نہ ہوں تو اس صورت میں یہ مولی العتاقہ وارث ہوگا اور ذوی الارحام پر یہ مقدم ہوگا اور مولی الموالاۃ ذوی الارحام سے مؤخر ہوتا ہے۔

(۲۱۹۷/۱۲) فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلٰى ثُمَّ مَاتَ الْمُعْتَقُ فَمِيرَاثُهٗ لِبَنِي الْمَوْلٰى دُوْنَ بَنَاتِهٖ.

ترجمہ: اگر مرجائے آقا پھر مرجائے آزاد شدہ تو اس کی میراث آقا کے بیٹوں کے لئے ہوگی نہ کہ اس کی بیٹیوں کے لئے۔

تشریح: عصبہ کی دوسری قسم عصبہ سببی ہے یعنی وہ لوگ جن کا میت کے ساتھ آزادی کا تعلق ہے، یعنی آزاد کرنے والے آقا اور اس کی اولاد یہ سب عصبہ سببی میں داخل ہیں ان کو مولی العتاقہ و مولی النعامہ بھی کہا جاتا ہے، عصبہ سببی میں وراثت پانے والے صرف مذکر مذکر ہو سکتے ہیں مؤنث وراثت کی حق دار نہیں ہو سکتیں اس تمہید کے بعد صورت مسئلہ یہ ہے کہ آزاد کردہ غلام کا آقا مر گیا اس کے بعد آزاد کردہ غلام بھی مر گیا تو ایسی صورت میں غلام کی میراث آقا کے لڑکوں کو ملے گی لڑکیوں کو نہیں ملے گی۔

(۲۱۹۸/۱۳) وَلَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ اِلَّا مَا اَعْتَقْنَ اَوْ اَعْتَقَ مَنْ اَعْتَقْنَ اَوْ كَاتَبْنَ اَوْ كَاتَبَ مَنْ كَاتَبْنَ اَوْ دَبَّرْنَ اَوْ دَبَّرَ مَنْ دَبَّرْنَ اَوْ جَرَّ وَلَاءَ مُعْتَقِهِنَّ اَوْ مُعْتَقِ مُعْتَقِهِنَّ.

ترجمہ: اور نہیں ہے عورتوں کے لئے ولاء مگر ان کے آزاد کردہ کی یا ان کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ کی یا ان کے مکاتب کی یا ان کے مکاتب کے مکاتب کی یا ان کے مدبر کی یا ان کے مدبر کے مدبر کی یا کھینچ لے ولاء ان کے آزاد کردہ کی یا ان کے آزاد کرنے والے کے آزاد کردہ کی۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں یہ بات آچکی ہے کہ عصبہ سببی میں وراثت پانے والے صرف مذکر ہو سکتے ہیں مؤنث وراثت کی حق دار نہیں ہو سکتی مگر چار امور میں مؤنث بھی حق دار ہو سکتیں ہیں، جنکو اس عبارت میں بیان کیا ہے۔

(۱) مؤنث نے خود آزاد کیا یا اس کے آزاد کردہ نے آزاد کیا تو ایسی صورت میں اگر آزاد کردہ غلام لاوارث ہو کر کے مرتا ہے تو یہ آزاد کرنے والی عورت اس کی عصبہ سببی بن جائے گی اور اس کو میراث ملے گی۔

(۲) مؤنث نے اپنے غلام کو مکاتب بنادیا یا مؤنث کے مکاتب نے مکاتب بنایا ہے تو ایسی صورت میں اگر مکاتب یا مکاتب کا مکاتب لاوارث ہو کر مرتا ہے تو مکاتب بنانے والی عورت مرنے والے کی عصبہ سببی بن جائے گی۔

(۳) عورت نے اپنے غلام کو مدبر بنادیا یا عورت کے مدبر نے اپنے غلام کو مدبر بنادیا تو ایسی صورت میں وہ مدبر اگر لاوارث ہو کر مرتا ہے تو مدبر بنانے والی عورت اس کی عصبہ سببی بن جائے گی۔

(۴) عورت نے اپنے غلام کو آزاد کیا تو اس آزاد کردہ غلام نے ولاء کو کھینچ کر عورت تک پہنچادیا ہے یا عورت کے آزاد کردہ کے آزاد کردہ نے ولد کو کھینچ کر عورت تک پہنچادیا ہے، یعنی جر ولاء کے طور پر عورت کو ولاء حاصل ہو جائے گی ولاء کا مطلب میراث کا حقدار بن جانا ہے تو ایسی صورت میں بھی اگر آزاد کردہ لاوارث ہو کر مر جائے تو عورت اس کی عصبہ بن جائے گی یہ چار امور ہیں جن میں مونث کو عصبہ سببی ہونے کی وجہ سے وراثت مل جاتی ہے جن کو حضورؐ نے حدیث میں بیان فرمایا ہے اور وہ حدیث بعینہ عبارت میں موجود ہے۔

جرّ ولاء کا مطلب کیا ھے:؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کے اندر غلام اور باندی کا حکم جانوروں جیسا ہے اور جانوروں میں اولاد ماں کے تابع ہوتی ہے اسی وجہ سے جانوروں میں جو ماں کا مالک ہوتا ہے وہی اولاد کا بھی مالک ہوتا ہے اور باپ کے مالک کو اولاد کا پتہ بھی نہیں ہوتا اسی طرح باندی کی اولاد ماں کے تابع ہو کر ماں کے آقا کی ملکیت ہوتی ہے لہٰذا جب ماں آزاد ہو جائے گی تو اولاد بھی آزاد ہو جائے گی اور ماں کی ولاء کے ساتھ ساتھ اس اولاد کی ولاء بھی ماں کے آقا کو حاصل ہوگی لیکن اس درمیان میں اگر باپ کے آقا نے باپ کو آزاد کر دیا ہے تو ماں باپ دونوں آزاد انسان ہو جائیں گے اور آزاد انسانوں میں اولاد باپ کے تابع ہوا کرتی ہے اب اس اولاد کی ولاء جو ماں کے آقا کو مل رہی تھی باپ کے آزاد ہونے کی وجہ سے اس واء کو کھینچ کر کے اپنے آقا کو پہنچا دیتا ہے جو حسب ذیل نقشہ سے واضح ہو سکتا ہے۔

خالدہ حارث

غلام باندی

اولاد

اس نقشہ میں خالدہ کے پاس غلام ہے اور حارث کے پاس باندی ہے اس نقشہ میں ماں کے آزاد ہونے کی وجہ سے اولاد کا ولاء حارث کو مل رہا تھا لیکن باپ نے آزاد ہو کر اس ولاء کو کھینچ کر خالدہ تک پہنچا دیا اسی کو جرولاء کہتے ہیں۔

(۱۴/۲۱۹۹) وَإِذَا تَرَكَ الْمَوْلٰى اِبْناً وَاَوْلَادَ ابْنٍ آخَرَ فَمِيْرَاثُ الْمُعْتَقِ لِلْاِبْنِ دُوْنَ بَنِي الْاِبْنِ لِاَنَّ الْوَلَاءَ لِلْكَبِيْرِ.

ترجمہ: اور جب چھوڑا آقا نے بیٹا اور دوسرے بیٹے کی اولاد تو آزاد شدہ کی میراث بیٹے کے لئے ہوگی نہ کہ بیٹے کی اولاد (پوتے) کے لئے کیوں کہ ولاء بڑے کے لئے ہوتی ہے۔

تشریح: اگر آقا نے انتقال کے بعد ایک بیٹا چھوڑا اور دوسرے بیٹے کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اس لیے اس کے بیٹے یعنی پوتے کو چھوڑا تو میراث بیٹے کے لئے ہوگی پوتے کے لئے نہیں ہوگی کیوں کہ ولاء بڑے کے لئے ہوتی ہے، یہ طرفین کا مذہب ہے یہاں تک ولاء عتاقہ کا بیان تھا اب آگے ولاء موالاۃ کا بیان ہے۔

(۱۵/۲۲۰۰) وَإِذَا اَسْلَمَ رَجُلٌ عَلٰى يَدِ رَجُلٍ وَوَالَاهُ عَلٰى اَنْ يَرِثَهُ وَ يَعْقِلَ عَنْهُ إِذَا جَنٰى اَوْ اَسْلَمَ عَلٰى يَدِ غَيْرِهٖ وَوَالَاهُ فَالْوَلَاءُ صَحِيْحٌ وَ عَقْلُهُ عَلٰى مَوْلَاهُ.

حل لغات: یعقل: مضارع باب (ن،ض) مصدر عقلاً کسی کی جانب سے تاوان یا دیت ادا کرنا۔ عَقَلَ دیت جمع عقول۔ والاہ: ماضی مصدر موالاۃ کسی کو ولی بنانا۔

ترجمہ: اگر اسلام لے آئے کوئی آدمی کسی کے ہاتھ پر اور اس سے موالات کر لے اس بات پر کہ وہ اس کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے تاوان دے گا اگر وہ جنایت کرے یا کسی دوسرے کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور اسی سے موالات کرے تو ولاء صحیح ہے اور اس کا تاوان اس کے آقا پر ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں مولی الموالاۃ کا بیان ہے ایک شخص دوسرے کے ہاتھ پر اسلام لے آئے اور اس نو مسلم نے اس شخص سے اس شرط پر موالاۃ کی کہ میرے مرنے کے بعد وہ شخص میرے تمام مال کا وارث ہوگا اور اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اس کے جرم کی طرف سے تاوان ادا کرے گا یا اسلام تو کسی اور کے ہاتھ پر لایا لیکن اس آدمی سے موالات کا عہد و پیمان کیا تو یہ موالات احناف کے نزدیک درست ہے۔

(۱۶/۲۲۰۱) فَإِنْ مَاتَ وَلَا وَارِثَ لَهُ فَمِيْرَاثُهُ لِلْمَوْلٰى وَإِنْ كَانَ لَهُ وَارِثٌ فَهُوَ اَوْلٰى مِنْهُ.

ترجمہ: اب اگر وہ شخص مرجائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی میراث مولی الموالاۃ کے لئے ہوگی اور اگر اس کا کوئی وارث ہو تو وہ مولی الموالاۃ سے مقدم ہوگا۔

تشریح: جس شخص نے دوسرے سے موالات کی ہے اگر یہ انتقال کر جاتا ہے اور اسکا کوئی وارث بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس کی میراث مولی الموالات کے لئے ہوگی لیکن اگر اس کا کوئی وارث ہو تو یہ وارث مولی الموالاۃ سے مقدم ہوگا۔

(۲۲۰۲/۱۷) وَلِلْمَوْلٰی اَنْ يَنْتَقِلَ عَنْهُ بِوَلَائِهٖ اِلٰی غَيْرِهٖ مَالَمْ يَعْقِلْ عَنْهُ فَاِذَا عَقَلَ عَنْهُ لَمْ يَكُنْ لَهٗ اَنْ يَتَحَوَّلَ بِوَلَائِهٖ عَنْهُ اِلٰی غَيْرِهٖ.

ترجمہ: اور مولی کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کر دے جب تک کہ اس کی طرف سے جرمانہ نہ بھرا ہو پھر جب اس کی جانب سے جرمانہ بھر دے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ منتقل کرے اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف۔

تشریح: نومسلم موالات کرنے والے کے لئے جائز ہے کہ جس مولی سے موالات کی ہے اس سے ہٹ کر دوسرے شخص سے موالات کرلے بشرطیکہ پہلے مولی الموالات نے اس کی جانب سے جرمانہ نہ دیا ہو اور یہ رجوع مولی الموالات کی موجودگی میں ہونا ضروری ہے، لیکن اگر مولی الموالات نے اس نومسلم کی جانب سے جرمانہ ادا کر دیا تو اس پر اس کا حق ہو گیا تو اب اس نومسلم کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کرے۔

(۲۲۰۳/۱۸) وَلَيْسَ لِمَوْلَى الْعَتَاقَةِ اَنْ يُوَالِيَ اَحَدًا.

ترجمہ: اور آزاد شدہ کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی دوسرے کو والی بنائے۔

تشریح: مولی العتاقہ کے بارے میں صاحب قدروی فرماتے ہیں کہ اس کیلئے دوسرے سے موالات کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً عمر نے خالد کو آزاد کر دیا اب خالد کی ولاء عمر کے ساتھ لازمی ہے پھر اگر خالد نے ساجد سے موالات کر لی تو یہ ولاء موالات ہے جو ولاء عتاقہ کے مقابلہ میں کمزور ہے اس لیے ولاء عتاقہ کے مقابلہ میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔

هذا آخر كتاب العتاق وبه قد تم الجزء الثاني من أنوار القدروى على المختصر للقدورى اللّٰهم اجعله خالصاً بوجهك الكريم.

والحمد للّٰه أولاً وآخراً والصلوٰة والسلام على نبيه سرمدا ودائماً ويليه انشاء اللّٰه تعالىٰ الجزء الثالث اوله كتاب الجنايات .

نوٹ: اس کتاب کو پڑھنے والے تمام احباب اور رب ذوالجلال کے نیک بندوں سے احقر الوریٰ راقم الحروف کی درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں کے ساتھ ناکارہ اور اس کے والدین کی فلاح دارین کے لئے بھی دعاء کریں۔

مختصر القدوری کی جامع و جدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط و مناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

مختصر القدوری

شارح

حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند

استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

مختصر القدوری کی جامع و جدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط و مناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

مختصر القدوری

جلد اوّل

کتاب الطهارة تا کتاب البیوع

شارح

حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 32213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : جنوری ۲۰۱۱ء علمی گرافکس
ضخامت : 1344 صفحات 3 جلد میں

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ ملنے کے پتے ....﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم اردو بازار لاہور
مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

﴿امریکہ میں ملنے کے پتے﴾

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

انتساب

احقر الوریٰ اپنی اس علمی کاوش کو

- مادر علمی از ہرالہند دار العلوم دیوبند
- جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ
- جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد
- گہوارۂ علم مدرسہ اسلامیہ عربیہ خادم العلوم باغوں والی
- حضرت اقدس مرشدی عارف باللہ جناب حضرت الحاج مولانا حسین احمد دامت برکاتہم پانڈولی

- اپنے مشفق والدین

کی جانب منسوب کرنا بھی باعث سعادت سمجھتا ہے۔

العبد وسیم احمد بلیل پور (روڑکی)
خادم التدریس شعبۂ عربی
جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ، سہارنپور (یوپی)

شرح کا نمایاں انداز (خصوصیات)

(۱) فہرست مضامین میں تقریباً ہر مسئلہ کا ایسا عنوان قائم کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر مسئلہ کی نوعیت سمجھ میں آجاتی ہے۔

(۲) حتی الامکان حل عبارت کے واسطے لفظی ترجمہ کیا گیا ہے، پھر تشریح کا عنوان قائم کر کے عبارت کی مناسب تشریح کر دی گئی ہے۔

(۳) اکثر مواقع پر ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھا گیا ہے کہیں کہیں اس کے برخلاف بھی ہے لیکن ہر مسئلہ اور اس کے ترجمہ پر الگ الگ نمبر ڈال دیا گیا ہے۔

(۴) ہر باب کی ماقبل باب سے مناسبت بیان کی گئی ہے۔

(۵) اختلاف الائمہ کا عنوان قائم کر کے ائمہ کے مذاہب مع دلائل وجوابات واضح انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور جہاں اختلاف الائمہ کا عنوان نہیں ہے وہاں تشریح کے تحت مذاہب وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔

(۶) ائمہ کے مذاہب اور ان کے مستدلات تقریباً پچاس معتبر کتب کے حوالوں کے ساتھ تحریر کئے گئے ہیں۔

(۷) جن کتب سے حوالہ جات لکھے گئے ہیں ان تمام کی فہرست مع مطبع ''ماخذ و مراجع'' کے عنوان سے شرح کے بالکل آخر میں ذکر کر دی گئی ہے۔

(۸) شرح کے آغاز سے قبل مبادئ فقہ، ائمہ اربعہ، صاحبین اور امام زفر کے مختصر حالات بھی تحریر کئے گئے ہیں۔

(۹) مشکل الفاظ کی لغات کا حل ہر باب کا عنوان قائم کر کے شرح کے اخیر میں لکھا گیا ہے۔

براہِ کرم ایک نظر ادھر بھی

میں ایک بے بضاعت اور کم مایہ طالب علم ہوں، اور کتاب فقہ کی تصنیف میں یہ میرا پہلا قدم ہے، انسان سے بسا اوقات غلطی ہو جاتی ہے، اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں کوئی لغزش نظر آئے، مجھ کو ضرور آگاہ فرمائیں، تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے۔

رب ذوالجلال میری اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، اور ذریعۂ آخرت بنائے، اور اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، آمین۔

والسلام

العبد وسیم احمد

فہرست مضامین

☆☆☆

تقریظ، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی

استاذ حدیث و ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوریؒ کی مختلف کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، لیکن مختصر القدوری ایسا متن ہے جو پانچویں صدی سے لیکر آج تک فقہائے احناف اور قاضیوں کے لئے توجہ کا مرکز بنا رہا ہے، صاحب کتاب نے ائمہ اور فقہاء کے اختلافات اور دلائل سے صرف نظر کر کے عبادات و معاملات دونوں میں عام طور پر مفتیٰ بہ قول کو نہایت جامع اور مانع الفاظ و تراکیب میں پیش کیا ہے، اس لئے ہر دور میں ارباب فتاویٰ نے ان کی عبارت کو مفتیٰ بہ قول پر فتویٰ دینے کے لئے کافی سمجھا ہے، ہاں تدریس و تدریس میں مبتدی طالب علم کو ہی نہیں بلکہ استاذ کو بھی کبھی کبھی مسئلہ میں مختلف ائمہ کے اقوال کو جاننے کی ضرورت پڑتی ہے، جس کے لئے ہدایہ یا دیگر علماء کی فقہ و حدیث کی کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے، جس میں کافی وقت لگتا ہے اور بسا اوقات کتابیں میسر نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت تشنہ رہ جاتی ہے، غالباً اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا مفتی وسیم احمد صاحب قاسمی نے شرح قدوری کے ساتھ ساتھ اختلافِ مذاہب کے نقل کرنے کا بھی اہتمام قابل اعتبار مراجع سے کیا ہے، مولانا موصوف کی یہ کاوش قابل قدر ہے اور ان کے علمی ذوق کی دلیل ہے، یہ فقیر دعا گو ہے اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے، اور پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے مفید سے مفید تر بنائے۔

آمین۔

عالی مقام جناب حضرت مولانا مفتی مقصود احمد صاحب انبہٹوی

مفتی مظاہر علوم سہارنپور

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

حامداً ومصلیاً ومسلماً! امابعد!

فقہ حنفی میں متاخرین احناف نے جو متون مرتب فرمائے ان میں مختصر القدوری سب سے قدیم کتاب ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی جامع اور معتبر بھی ہے، حضرت امام قدوریؒ نے احادیثِ مرفوعہ اور آثارِ صحابہ کے ٹکڑوں کو جوڑ کر یہ متن تیار کیا ہے، اسی لئے یہ متن حضرات احناف کے یہاں ہمیشہ معتبر اور متبرک شمار کیا گیا ہے، بہت سے علماء کبار نے عربی اور اردو زبانوں میں اس کی شروحات بھی لکھی ہیں، جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور کے مدرس عربی مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی زید احترامہٗ نے بھی اپنے ذوق اور خاص نظریہ کے مطابق اس متبرک متن کی اردو زبان میں ایک تفصیلی شرح ''انوار القدوری'' کے نام سے لکھی ہے، موصوف نے عرضِ حال کے تحت شرح لکھنے کی یہ وجہ تحریر کی ہے: ''ناچیز کے ذہن میں بار بار یہ تقاضا اُتار ہا کہ اس (مختصر القدوری) کی کوئی ایسی جامع شرح ہونی چاہئے کہ جس میں ہر مسئلہ کی مکمل وضاحت اور ائمہ کے مذاہب مع دلائل وجوابات یکجا جمع ہوں، تاکہ بھی پڑھنے پڑھانے والوں سے کوئی پہلو تشنہ نہ رہے، اور مختلف عربی اردو شروحات دیکھنے کے بجائے اس شرح سے مکمل سیرابی ہو جائے''۔

بندہ نے شرح کی تفصیلی فہرست پر نظر ڈالنے اور متعدد مقامات کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ اخذ کیا ہے کہ موصوف اپنے مقصد میں کامیاب ہیں، نیز یہ شرح صرف قدوری پڑھنے اور پڑھانے والوں ہی کے لئے نہیں، بلکہ دیگر کتب فقہ کے حل کے لئے بھی مفید ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ پاک موصوف کی محنت کو بارآور فرمائے، اور مزید کی توفیق دے، آمین۔

حررہ العبد مقصود احمد انبہٹوی

خادم دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

رائے عالی

فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد اختر صاحب قاسمی

مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم! امابعد!

طالبانِ علوم دینیہ کی سہولت اور ان کے استفادہ کو سہل کرنے کا اس وقت عام ماحول ہے اسی لئے درسِ نظامی میں داخل نصاب ہر چھوٹی بڑی کتاب کے ترجمے شروحات حاشیے تحریر فرمائے جا رہے ہیں، مختصر القدوری فقہ حنفی میں معتبر اور مقبول متن ہے، جس کی بہت سی شروحات ماضی میں معرضِ وجود میں آچکی ہیں مگر یہ سلسلہ ابھی بھی جاری ہے اور اصحاب علم طلباء کی سہولت کے لئے تشریح وتوضیح کا کام کر رہے ہیں، اسی متن کی اردو زبان میں ایک شرح ''انوار القدوری'' کے نام سے عزیز گرامی جناب مولوی مفتی وسیم احمد قاسمی مدرس جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ ضلع سہارنپور نے تحریر فرمائی ہے جو اپنی نوعیت کی منفرد کوشش ہے، دعا ہے اللہ رب العزت اسے مفید سے مفید تر بنائے اور مؤلف موصوف کو مزید علمی تحقیقی کام کرنے کا حوصلہ وہمت عطا فرمائے، آمین۔

احقر

محمد اختر عفی عنہ قاسمی

مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ، ضلع سہارنپور (یوپی)

۱۴۲۶/۵/۸ھ

ارشادِ گرامی

فصیح اللسان حضرت مولانا علی حسن صاحب

مدرس مدرسہ خادم العلوم، باغونوالی، ضلع مظفرنگر (یوپی)

باسمہ تعالیٰ

الحمدللّٰہ و کفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی ، اما بعد!

درسِ نظامی میں فن فقہ کی کتابوں میں مختصر القدوری اپنا ایک ممتاز مقام رکھتی ہے اور تقریباً تمام ابوابِ فقہیہ کا احاطہ کرتی ہے، اپنی اس خوبی کی وجہ سے یہ کتاب ایک طویل عرصے سے داخل نصاب ہے، علماء اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس کے متن پر کام کرتے رہے، انہی کوششوں کی ایک کڑی ''انوار القدوری شرح قدوری'' نظروں کے سامنے ہے جسے میں نے مختلف مقامات سے بغور دیکھا، جس کو عزیز گرامی مفتی وسیم احمد نے بڑی خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہے، دلکش انداز میں مسائل کا حل پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ہر مسئلے کو باحوالہ دلیل کے زیور سے آراستہ اور مزین کیا ہے، یہ اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہے موصوف خادم العلوم باغونوالی کے ہونہار باصلاحیت لائق فضلاء میں سے ہیں، انہوں نے از ابتداء حفظ قرآنِ کریم تا مختصر المعانی یہیں داخل رہ کر اپنی صلاحیت کو پروان چڑھایا ہے، احقر کی دعا ہے کہ اللہ رب العزت موصوف کو مزید علمی کاموں کی توفیق دے اور ترقی درجات سے نوازے، اللّٰھم زد فزد۔

محتاجِ دعاء

علی حسن غفرلہ

مدرس مدرسہ خادم العلوم باغونوالی، مظفرنگر (یوپی)

۷/ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

تقریظ، محدث کبیر حضرت مولانا قاری محمد عاشق الٰہی صاحب

صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر القدوری فقہ حنفی کی وہ قدیم ترین کتاب ہے جس میں تقریباً بارہ ہزار ضروری مسائل کا انتخاب جمع ہے، جب سے درسِ نظامی میں اس کتاب کو شامل کیا گیا آج تک برابر اس کا جزوِ اعظم ہونا برقرار ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو مذہبِ حنفی میں ایسی عظمت ومقبولیت عطا فرمائی ہے کہ طاشِ کبریٰ زادہ نے یہاں تک فرمادیا **هٰذا المختصر تبرّك به العلماء حتّٰى جربوا قراءته اوقات الشدائد وايام الطاعون** اسی لئے ہر زمانے میں متقدمین ومتأخرین علماء وصلحاء مختلف زبانوں میں اس کی ضخیم ومختصر شروحات وحواشی لکھ کر طالبانِ علم فقہ میں فقہی ذوق بیدار کرنے کی طرف رہنمائی فرماتے رہے ہیں، جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ ضلع سہارنپور کے صالح اور لائق استاذ عربی عزیز گرامی جناب مفتی وسیم احمد صاحب نے قدوری شریف کے متن کی روشنی میں کچھ اہم فقہی مختلف فیہا مسائل کا مجموعہ اردو میں ترتیب دینے کا ارادہ کیا تھا، فدوی نے صلاح دی کہ دورِ حاضر کے طلباء کی طبائع کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر قدوری شریف کے متن کا سلیس لفظی ترجمہ اور اسی کے ذیل میں ضروری وضاحت اور اختلافِ ائمہ مختصر دلائل کے ساتھ یکجا کردئے جائیں تو انشاء اللہ اس کا زیادہ فائدہ ہوگا، موصوف نے اس رائے کو پسند کیا اور فوراً توکلاً علی اللہ اسی نہج سے کام شروع کردیا اور شرح کا جتنا مسودہ تیار کرتے رہے فدوی اس پر نظرِ ثانی کر کے حسبِ موقع ضروری اصلاحات کا مشورہ دیتا رہا، بحمد اللہ معمولی عرصے میں کتاب البیوع تک مسودہ تیار ہوگیا جو ''انوار القدوری'' کے نام سے عنقریب طبع ہو کر منظرِ عام پر آنے والا ہے، قوی امید ہے کہ درجاتِ عربی کے معلمین ومتعلمین کے لئے بالخصوص اور فقہی ذوق رکھنے والے حضرات کے لئے بالعموم یہ مجموعہ مسائل نہایت نفع بخش سہل اور دقیق معلومات حاصل ہونے کا ذریعہ واقع ہوگا، بصمیمِ قلب دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس مبارک جدوجہد کو قبولیت سے نوازے، اور امتِ مسلمہ کو اس کے ذریعہ راہِ شریعت پر چلنا آسان فرمائے، آمین۔

احقر الوری

محمد عاشق الٰہی

صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ ریڑھی [illegible]

[illegible]

دعائیہ کلمات

محی السنۃ جناب حضرت مولانا حسین احمد صاحب

استاذ ناشر العلوم پانڈولی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

حامداً و مصلیاً و مسلماً ، امابعد!

جامعہ اسا امیہ ریڑھی تاج پورہ ضلع سہارنپور کے مدرس عربی مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی زید احترامہ نے مختصر القدوری کی جو شرح لکھی ہے بندۂ گندہ صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے دیکھ تو نہ سکا البتہ موصوف کا تعلق بندۂ گندہ سے کافی مدت سے ہے، موصوف کو اللہ پاک نے قابل اطمینان صلاحیت سے نوازا ہے، اللہ پاک قبول فرمائے، اور امت کو مسائل معلوم کر کے عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط والسلام

العبد حسین احمد غفرلہ
خادم ناشر العلوم پانڈولی
۱۴۲۶/۵/۳ھ

عرضِ حال

حامداً ومصلیاً ومسلماً پروردگارِ عالم نے اپنے فضل وکرم اور بے شمار عنایات سے اس ناکارہ کے لئے ۱۴۲۱ھ میں جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ میں المختصر القدوری پڑھانے کی سعادت مقدر فرمائی، ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضہ آتا رہا کہ اس کی کوئی ایسی جامع شرح ہونی چاہئے کہ جس میں ہر مسئلہ کی مکمل وضاحت اور ائمہ کے مذاہب مع دلائل وجوابات ہوں، تاکہ کبھی پڑھنے پڑھانے والوں سے کوئی پہلو تشنہ نہ رہے اور مختلف عربی اردو شروحات دیکھنے کے بجائے اس شرح سے مکمل سیری حاصل ہوجائے، لیکن اس اہم کام کو کیسے کیا جائے؟ اسی غور وخوض میں ایک عرصہ گذر گیا چونکہ احقر کوئی قلمکار نہیں اور اپنی علمی بے مائیگی کا پورا اعتراف ہے۔

حضرت الحاج جناب قاری محمد عاشق الٰہی دامت برکاتہم کے مشورہ کے بعد رب ذوالجلال کے بھروسہ پر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ میں کام شروع کردیا، اور اللہ کے فضل وکرم سے صفر المظفر ۱۴۲۶ھ میں کام مکمل ہوگیا، اس شرح کی تسوید وتبییض اور مسائل کی تحقیق میں بڑی جانکاہی، دیدہ ریزی اور محنت کی گئی ہے، کئی بار مسودہ تیار کرکے بدلا گیا، پیش نظر یہ تھا کہ قارئین ان تمام چیزوں سے واقف ہوجائیں جو کسی ایک شرح میں یکجا نہیں ہیں، اس میں احقر کا کوئی کمال نہیں ہے اور نہ ہی کسی خام خیالی میں مبتلا ہے بلکہ یہ محض پروردگار عالم کی نظر رحمت ہے، میرا مطمحِ نظر اس شرح سے یہ ہے کہ وہ تمام باتیں جو کسی ایک کتاب میں یکجا نہیں ہیں اس میں جمع کردی گئی ہیں، ہر مسئلہ کو معتبر کتب کے حوالوں کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے، آپ شوق سے مطالعہ کریں فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، الحمد للہ اب ''انوار القدوری'' کی شکل میں جلد اول ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے اگر مفید ومعین ثابت ہو تو زہے قسمت، ورنہ کتابوں کے انبار میں ایک اور سہی، اس شرح کے اندر جو کچھ رنگ وبو ہے وہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ خادم العلوم باغونوالی، دار العلوم دیوبند، جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد اور جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ کے فیوض وبرکات اور ان اداروں کے حضرات اساتذۂ کرام کی توجہات کا ثمرہ ہے، نیز مرشدی ومربی عارف باللہ حضرت الحاج مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم کی فیض تربیت کا پرتو ہے، بڑی ہی ناسپاسی ہوگی اگر میں شکر گذار نہ بنوں محب گرامی قدر ومنزلت حضرت الحاج مولانا قاری محمد عاشق الٰہی صاحب (صدر المدرسین جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ) کا کہ بڑی ہی دریادلی سے ناچیز کی تمام تحریر اول تا آخر شوق ودلچسپی سے پڑھ کر اس کی خامیوں کی نشاندہی اور خوبیوں کی تعریف کرتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کو عمر خضر عطا کرے، اور ان کے فیوض وبرکات کو عام کرے، اور ساتھ ہی ساتھ محب گرامی حضرت الحاج مولانا ابو الحسن صاحب دامت برکاتہم (استاذ حدیث جامعہ ھذا) کا ممنون ومشکور ہوں کہ کتابت شدہ مسودہ کا اکثر حصہ پڑھا، اور مفید مشوروں سے نوازا، اللہ ان کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

العبد محمد حنیف پور (رنگ پوری)
خادم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاج پورہ (سہارنپور)

فقہ کے چار بڑے امام

امام اعظم ابوحنیفہ کا نام نعمان، والد کا نام ثابت، کنیت ابوحنیفہ، اور لقب امام اعظم ہے، نسلاً عجمی ہیں اور اہل فارس سے ہیں، ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، مرکز علم کوفہ آپ کا مولد و مسکن ہے، بیس سال کی عمر میں تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے، علم ادب علم انساب اور علم کلام کی تحصیل کے بعد علم فقہ کی تحصیل کی غرض سے فقیہ وقت امام حماد کے حلقہ درس میں شریک ہوگئے، امام حماد آپ کے خاص الخاص مربی واستاذ تھے، ان کے علاوہ آپ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے، اور جب درس وتدریس اور افادہ کا سلسلہ شروع کیا تو طالبانِ علوم نبوت کا آپ کے حلقہ درس میں زبردست اژدحام ہوا، فقہ ودستورِ اسلامی کی تدوین اور تشکیل نو کے لئے چالیس فقہاء کی ایک قانونی کونسل مقرر کی جس نے طویل مدت میں فقہ حنفیہ کی صورت میں اسلام کی قانونی ودستوری جامعیت کی لاجواب شہادت مہیا کی، اور اس مدت میں جو مسائل مدوّن ہوئے ان کی تعداد بارہ لاکھ ستر ہزار (۱۲۷۰۰۰۰) سے زائد ہے، آپ کی تابعیت پر اجماع ہے اور صحابہ سے نقل روایت بھی ثابت ہے۔

وفات: ۱۵۰ھ میں بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔

امام مالکؒ

آپ کا نام مالک، کنیت ابوعبداللہ، لقب امام دارالہجرۃ، والد کا نام انس، اور دادا کا نام مالک ہے جو کبارِ تابعین میں سے ہیں۔

پیدائش ووفات: مدینۃ المنورہ میں ۹۳ھ میں آپ پیدا ہوئے، اور مدینہ میں ہی ۱۷۹ھ میں بعمر ۸۶ سال آپ کا انتقال ہوا۔

حافظہ: نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا، فرماتے تھے جس چیز کو میں نے محفوظ کرلیا اس کو نہیں بھولا۔

درس وتدریس: سترہ برس کی عمر میں جملہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ حاصل کر کے مدینہ منورہ میں حضرت امام نافعؒ کے انتقال کے بعد اس مسند کو رونق بخشی، تقریباً ۶۲ سال مسلسل فقہ افتاء حدیث وغیرہ میں مشغول رہے۔

تلامذہ: آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تیرہ سو سے زائد بتائی گئی ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں امام محمد، امام شافعی، عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ ہیں۔

وفات: یک شنبہ کو بیمار ہوئے، بائیسویں دن یک شنبہ ۱۷۹ھ ہی کو ربیع الاول کے مہینہ میں وصال فرمایا، جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

امام شافعیؒ

آپ کا اسم گرامی محمد، اور کنیت ابوعبداللہ ہے، شافعی کے نام سے مشہور ہیں، آپ کی پیدائش مبارک ۱۵۰ھ میں غزہ کے مقام پر ہوئی۔

تعلیم: سات برس کی عمر میں پورا قرآن مجید حفظ کرلیا، اور دس برس کی عمر موطا امام مالک کو یاد کرلیا، فقہ کی تعلیم آپ نے مسلم بن خالد سے حاصل کی، پندرہ برس کی عمر میں آپ کو وقت کے مشاہیر علماء اور مشائخ سے فتویٰ نویسی کی اجازت حاصل ہوگئی تھی۔

حافظہ: امام محمد شیبانی فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے مجھ سے امام اعظم کی تصنیف ''کتاب اوسط'' عاریۃً لی اور پوری کتاب کو ایک رات اور ایک دن میں یاد کرلیا۔

وفات: آپ کی وفات آخر رجب ۲۰۴ھ میں جمعہ کے مصر میں ہوئی، اور اسی دن سپرد خاک کئے گئے، آپ کی چودہ تصانیف میں سے ''کتاب الام'' خاص اہمیت رکھتی ہے۔

آپ کے جلیل القدر اساتذہ حضرت امام مالک اور سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں، شاگردوں میں امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری رحمہما اللہ قابل ذکر ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ

آپ کا نام نامی اسم گرامی احمد، کنیت ابوعبداللہ، خالص عربی النسل ہیں، والد کا نام محمد، دادا کا نام حنبل ہے۔

پیدائش: ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، تین برس کے تھے کہ یتیمی نے آغوشِ شفقت میں لے لیا، باپ کا سایہ رحمت اٹھ گیا۔

تحصیل علم: سب سے پہلے بغداد کے علماء وشیوخ سے علم حاصل کیا پھر کوفہ، بصرہ، یمن وغیرہ کا سفر کیا، اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے استفادہ کیا، آپ نے ابتداء میں امام ابویوسف حنفی کے پاس فقہ وحدیث کا علم حاصل کیا، تین سال تک ان کی خدمت میں رہے۔

درس وتدریس: چالیس برس کی عمر میں تقریباً ۲۰۴ھ میں حدیث پڑھانا شروع کیا، بعض راویوں کا بیان ہے کہ سامعین کی تعداد پانچ پانچ ہزار ہوتی، جن میں سے پانچ سو لکھنے والے ہی ہوتے۔

شیوخ وتلامذہ: امام ابویوسف، امام شافعی، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں، تلامذہ میں بخاری، مسلم، ابوداؤد، وغیرہ ان کے علاوہ تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے، جن میں بڑے بڑے ائمہ فن شامل ہیں۔

وفات: امام صاحب نے ۷۷ سال کی عمر پائی، انیس روز بیمار رہے، پیشاب میں خون آنے لگا تھا، شب جمعہ میں حالت زیادہ دگرگوں ہوئی، ۱۲ر ربیع الاول ۲۴۱ھ کو انتقال فرمایا، تقریباً ۸ لاکھ لوگوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔

ائمہ احناف

امام ابو یوسف:

آپ کا نام یعقوب، کنیت ابو یوسف، والد کا نام ابراہیم تھا۔

پیدائش: آپ کی پیدائش شہر بغداد میں ۱۱۳ھ میں ہوئی۔

طلب علم: اگرچہ آپ کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا، لیکن باپ کی مرضی نہ تھی، وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں، تاہم جب موقع ملتا قاضی صاحب علماء کی صحبت میں حاضر ہو جاتے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پڑھنا چھوڑ دیا، باپ کے ساتھ رہنے لگا، امام ابو حنیفہ کے معلوم کرنے پر حاضر خدمت ہوا اور ساری کیفیت بیان کر دی، امام صاحب نے ایک تھیلی حوالے کی گھر پر آ کر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے، پھر امام صاحب اپنے اندازے کے مطابق بار بار عنایت فرماتے رہے، میں آپ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگا۔

حافظہ: حافظہ ایسا لاجواب تھا کہ کسی محدث کے پاس جاتے، پچاس ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے، باہر آ کر پورے حفظ وضبط کے ساتھ ان کو لکھا دیتے۔

تلامذہ: امام احمد بن حنبل، امام محمد، یحییٰ بن معین رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔

وفات: بغداد شہر میں ۱۸۲ھ میں دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔

امام محمد:

آپ کا نام محمد بن حسن شیبانی اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔

پیدائش: کوفہ میں ۱۳۲ھ میں ولادت ہوئی۔

تحصیل علم: امام ابو حنیفہ کی وفات کے وقت صرف ۱۸ سال کی عمر تھی، اس لئے امام صاحب سے زیادہ استفادہ نہ کر سکے، اور فقہ حنفی کی تکمیل امام ابو یوسف سے کی، عراقی فقہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ سے فقہ حدیث اور ان کی آراء اخذ کیں، آپ نے تین سال امام مالک کے یہاں قیام کیا۔

شیوخ وتلامذہ: امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف وغیرہ رحمہما اللہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ اور تلامذہ میں امام شافعی ابو حفص، یحییٰ بن معین وغیرہ ہیں۔

تصانیف: "کتاب المبسوط" "جامع صغیر" "جامع کبیر" "سیر صغیر" "سیر کبیر" "زیادات" "موطا امام محمد" وغیرہ۔

خدمات: حنفی مسلک کی اکثر کتابیں آپ نے تحریر فرمائیں۔

وفات: ۱۷۹ھ میں مقام رے میں آپ کا انتقال ہوا۔

امام زفر:

آپ کا نام زفر، والد کا نام ہذیل تھا، امام ابو یوسف اور امام محمد سے صحبت کے اعتبار سے مقدم تھے، آپ ۱۵۸ھ میں ۴۸ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے، آپ کے والد عربی اور والدہ فارسی تھیں، آپ قیاس و اجتہاد میں بڑے تیز تھے، امام زفر نے کتابیں تصنیف نہیں کیں، اپنے استاذ امام ابو حنیفہ کی روایت بھی ان سے معروف نہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد صرف ۱۸ سال زندہ رہے، جبکہ امام ابو یوسف اور امام محمد ۳۰ سال سے بھی زیادہ زندہ رہے، امام زفر، امام ابو حنیفہ کے حلقۂ درس کے جانشین ہوئے، ان کے بعد مسند تدریس امام ابو یوسف کے حصہ میں آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆

☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقه کے لغوی معنی: فقہ کے لغوی معنی سمجھ داری اور ذہانت کے ہیں۔

فقیه: اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کے حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق و پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔

فقه کی اصطلاحی تعریف: فقہ ظاہری اعمال کے متعلق ان تمام احکام شرعیہ کے جاننے کا نام ہے جو ان کے تفصیلی دلائل سے حاصل کئے جائیں۔

ظاهری اعمال: ان سے مراد وہ اچھے یا برے کام ہیں جو بدن کے ظاہری اعضاء مثلاً ہاتھ، پاؤں، کان، ناک، حلق وغیرہ سے انجام دیئے جاتے ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوت، کھانا پینا، سننا، سونگھنا، چھونا وغیرہ۔

احکام شرعیه کی تحقیق: احکام، حکم کی جمع ہے اور شرعیہ، شریعت کی طرف منسوب ہے۔

احکام شرعیه: ان احکام کو کہا جاتا ہے جو شریعت کی طرف منسوب یعنی شریعت سے ماخوذ ہوں، تفصیل اس کی یہ ہے کہ شریعت میں انسان کے سب کاموں کی کچھ صفات مقرر کردی گئی ہیں جو کل سات ہیں: فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ ان صفات کو احکام شرعیہ کہا جاتا ہے، انسان کے ہر کام کے لئے ان میں سے کوئی نہ کوئی حکم شرعی ضرور مقرر ہے یعنی بندے کا ہر عمل شریعت کی رو سے یا فرض ہے یا واجب، یا مستحب یا مباح یا حرام یا مکروہ۔ پس ہر اچھے برے کام کے متعلق یہ جاننا کہ اس پر شریعت نے ان میں سے کونسا حکم لگایا ہے یہ ''احکام شرعیہ کا علم'' ہے مثلاً یہ جاننا کہ زکوٰۃ فرض ہے، سلام کا جواب دینا واجب ہے، کھانے سے قبل ہاتھ دھونا مستحب ہے، ٹرین یا بس میں سفر کرنا مباح ہے، چوری حرام ہے، بازار میں جب عام ضرورت کی چیزوں کی قلت ہو تو ان کی ذخیرہ اندوزی مکروہ تحریمی ہے، کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔ احکام اگرچہ سات ہیں مگر انسان کے اعمال بے شمار ہیں اس لئے اعمال کی نسبت سے شریعت کے احکام بھی بے شمار ہو جاتے ہیں۔

تفصیلی دلائل: دلائل دلیل کی جمع ہے، یہاں احکام شرعیہ کی دلیلیں مراد ہیں، علم کبھی دلیل سے حاصل ہوتا ہے کبھی بغیر دلیل کے، احکام شرعیہ کا علم اگر دلائل کے بغیر ہو جیسے بہت سے لوگوں کو ہزاروں شرعی احکام کا علم فقہاء سے سن کر یا ان کی کتابوں میں پڑھ کر حاصل ہو جاتا ہے تو وہ فقہ نہیں فقہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم احکام شرعیہ کے تفصیلی دلائل سے حاصل کیا گیا ہو عوام کو بلکہ بہت سے علماء کو بھی ''فقیہ'' اسی لئے نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے یہ علم ''احکام شرعیہ کے دلائل'' سے مستنبط نہیں کیا اور اگر عرف عام میں کسی عالم مقلد کو فقیہ کہہ دیتے ہیں، تو یہ کہنا مجازاً ہے حقیقتاً اور اصطلاحاً وہ فقیہ نہیں۔ احکام شرعیہ کے دلائل صرف چار ہیں: (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس۔ ہر عمل کا حکم

شرعی انہی چار میں سے کسی نہ کسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے ان کے علاوہ حکم شرعی ثابت یا مستنبط کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

فقہ کی تعریف میں ''دلائل'' کے ساتھ ''تفصیل'' کی قید بھی لگی ہوئی ہے کیونکہ دلیل کی دو قسمیں ہیں اجمالی اور تفصیلی

دلیل اجمالی: مبہم اور نامکمل دلیل کو کہتے ہیں مثلاً نماز قائم کرنا فرض ہے، یہ ایک حکم شرعی ہے اس کی دلیل کے طور پر صرف اتنا معلوم کرلیا جائے کہ یہ حکم قرآن شریف سے ثابت ہے۔

وہ آیت اور لفظ متعین نہ کیا جائے جس سے یہ حکم ثابت ہوا ہے نہ یہ تحقیق کی جائے کہ اس لفظ کے معنی کیا ہیں اور فرضیت اس سے کیوں ثابت ہوئی، نہ یہ تحقیق کی جائے کہ فرضیت صلوٰۃ کے خلاف کوئی اور آیت یا حدیث مشہور تو موجود نہیں، ظاہر ہے کہ ایسی نامکمل اور مبہم دلیل سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوسکتا اور ایسی دلیل سے بالفرض کوئی علم حاصل ہو بھی تو اسے ''فقہ'' نہیں کہا جاسکتا۔

اور دلیل تفصیلی وہ ہے جس میں مذکورہ بالا تفصیل بدرجہ اتم موجود ہو مثلاً فرضیت صلوٰۃ کی دلیل یوں بیان کی جائے کہ قرآنِ کریم کے ارشاد اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے معنی ہیں نماز قائم کرو، اس میں لوگوں سے نماز قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور جس کا مطالبہ قرآنِ کریم میں کیا گیا ہو وہ فرض ہوتا ہے بشرطیکہ وہ مطالبہ منسوخ نہ ہوا ہو اور فرضیت کے منافی کوئی اور آیت یا حدیث مشہور موجود نہ ہو، اس ارشاد قرآنی کا یہی حال ہے کہ نہ اس کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل ہے، نہ فرضیت صلوٰۃ کے منافی کوئی آیت یا حدیث ہے، لہٰذا نماز کا قائم کرنا فرض ہے۔

تعریف وتشریح کا حاصل: فقہ کی تعریف تو مختصر تھی تشریح میں بہت سی دقیق بحثوں کو چھوڑنے اور اختصار کی حتی الامکان کوشش کے باوجود تشریح خاصی طویل ہوگئی ہے مجبوری یہ تھی کہ فقہ کی تعریف کو ضروری حد تک سمجھنا اس کے بغیر ممکن نہ تھا، اب حاصل یہ نکلا کہ بندے کے ظاہری اعضاء سے ہونے والے ہر کام کے متعلق قرآن، سنت، اجماع، قیاس کے مفصل دلائل کے ذریعہ یہ جاننے کو فقہ کہا جاتا ہے کہ وہ کام فرض ہے یا واجب، مستحب یا حرام، مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔

فقہ کا موضوع: کسی علم میں جس چیز کے حالات وصفات سے بحث کی جاتی ہے وہی چیز اس علم کا موضوع ہوتی ہے اور بحث کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان حالات وصفات کو موضوع کے لئے ثابت کیا جاتا ہے، فقہ میں چونکہ انسان کے ظاہری افعال کی کچھ صفات (احکام شرعیہ) سے بحث کی جاتی ہے لہٰذا فقہ کا موضوع انسان کے ظاہری افعال ہیں، یہاں انسان سے صرف عاقل بالغ مراد ہے، مجنوں یا نابالغ پر چونکہ شرعی احکام کی ذمہ داریاں نہیں لہٰذا ان کے اعمال فقہ کا موضوع نہیں یعنی ان کے کسی فعل کو فرض، واجب، یا حرام ومکروہ نہیں کہہ سکتے اور فقہ میں جو مسائل مجنون یا نابالغ کے افعال سے متعلق ذکر کئے جاتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ ان افعال کی بنا پر اس کے ولی اور سرپرست کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

غرض وغایت: دنیااور آخرت کی کامیابی حاصل کرنا ہے کیوں کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر بلند مراتب حاصل کرتا ہے اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا۔

علم فقہ کی عظمت: نبی کریم ﷺ نے فقیہ کی بلند الفاظ میں تعریف بیان کی ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاس ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقِيْهٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ (ترمذی، ج۲/۹۷) یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے کیونکہ عابد کے تقویٰ وطہارت سے خود اس کی ذات کو فائدہ پہنچتا ہے اور فقیہ حلال وحرام اور دیگر مسائل کی تعلیم دیکر ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

علم فقہ کے متعلق شارع کا حکم: اتنی معلومات حاصل کرنا جن کی دین میں ضرورت پڑتی ہے فرض عین ہے اور ضرورت سے زائد دوسروں کے نفع کے لئے حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے تاکہ دوسرے لوگ بھی محرمات سے بچیں۔

☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆
☆☆
☆

صاحب مختصر القدوریؒ

نام ونسب: آپ کا نام احمد ہے، ابوالحسین کنیت ہے، قدوری گاؤں کی طرف یا ان کے پیشے کی طرف نسبت ہے، والد کا نام محمد ہے۔

سن پیدائش اور جائے پیدائش: امام قدوری ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور مقام پیدائش شہر بغداد ہے۔

قدوری، نسبت کی تحقیق: صاحب مدینۃ العلوم فرماتے ہیں کہ قدوری کا مطلب دیگ سازی ہے، ان کے خاندان کے لوگ دیگ بناتے تھے یا اس کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے، اس لئے ان کو قدور کی طرف منسوب کر کے قدوری کہنے لگے یا پھر آپ اس گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام قدر تھا، اسی گاؤں کی طرف منسوب کر کے قدوری کہے جانے لگے۔

تحصیل علم: امام قدوری نے علم فقہ اور علم حدیث ابوعبداللہ محمد یحییٰ سے حاصل کیا جو امام ابوبکر جصاص کے شاگرد ہیں اور امام ابوبکر، ابوالحسن عبید اللہ کے تلمیذ رشید ہیں اور عبید اللہ، ابوسعید بردعی کے شاگرد ہیں اور ابوسعید، موسیٰ رازی کے فیض یافتہ ہیں اور موسیٰ رازی، امام محمد کے شاگرد ہیں گویا کہ امام قدوری نے پانچ واسطوں سے علم فقہ امام محمد شیبانی حنفی سے حاصل کیا۔

وفات: امام قدوری نے ۵؍رجب ۴۲۸ میں شہر بغداد میں ۶۶ کی سال کی عمر میں وفات پائی اور اسی روز بغداد کے مقام درب ابی خلف میں مدفون ہوئے اس کے بعد آپ کو شارع منصور کی طرف منتقل کر دیا گیا، اس وقت آپ ابوبکر خوارزمی کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔

تصانیف: آپ نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں: ۱۔ تجرید، یہ سات جلدوں میں ہے، اس میں اصحاب حنفیہ وشافعیہ کے اختلافی مسائل پر محققانہ بحث کی ہے۔ ۲۔ مسائل الخلاف، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے درمیان جو فروعی اختلاف ہے اس کا ذکر ہے۔ ۳۔ تقریب، اس میں مسائل مع دلائل ذکر کئے گئے ہیں۔ ۴۔ شرح مختصر الکرخی۔ ۵۔ شرح ادب القاضی۔ ۶۔ المختصر للقدوری، اس کتاب کے اکثر مسئلے آیات، احادیث، اقوال صحابہ یا فتاویٰ تابعین سے مستنبط ہیں، بہت کم مسئلے ہیں جو قیاس کر کے لکھے گئے ہیں اور وہ بھی اصول کے تحت مستخرج ہیں۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ، قَالَ الشَّيْخُ الْاِمَامُ الْاَجَلُّ الزَّاهِدُ اَبُوالْحَسَنِ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ اِلْبَغْدَادِيُّ الْمَعْرُوْفُ بِالْقُدُوْرِيِّ .

ترجمہ: ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے جو پالنے والا ہے سارے عالم کا اور اچھا انجام ڈرنے والوں کے لئے ہے، اور درود وسلام اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر ہو۔
فرمایا شیخ وقت پیشوائے دین بڑے مرتبہ والے دنیا سے بے رغبت ابوالحسن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی نے جو مشہور ہیں قدوری سے۔

حمد کی لغوی تعریف: تعریف کرنا، خوبی بیان کرنا۔

اصطلاحی تعریف: تعظیم اور اکرام کے ارادے کے ساتھ زبان سے تعریف کرنا، وہ تعریف خواہ نعمت کے مقابلہ میں ہو یا غیر نعمت کے مقابلہ میں ہو۔

اَلْعَالَمِیْنَ عالم کی جمع ہے، دنیا کی تمام اجناس اس میں داخل ہیں جیسے آسمان چاند سورج اور تمام ستارے، ہوا، برق وباراں، فرشتے، جنات، زمین اور اس کی تمام مخلوقات، حیوانات، انسان اور نباتات وغیرہ۔ (معارف القرآن: ۱/۸۰)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ عالم چالیس ہزار ہیں، یہ دنیا مشرق سے مغرب تک ایک عالم ہے باقی اس کے سوا ہے، حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ عالم اسی ہزار ہیں۔ (معارف القرآن: ۱/۸۱)

اَصْحَابِ صاحب کی جمع، وہ انسان جس نے ایمان کی حالت میں حضور ﷺ سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

اَلشَّیْخ بوڑھا، ایسا آدمی جو پچاس سال سے اوپر ہو، اصطلاح کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہہ سکتے ہیں کہ جو لوگوں کی نظر میں علم فضیلت اور مرتبہ کے لحاظ سے بڑا ہو اگرچہ عمر میں چھوٹا ہو۔

اَلْاِمَامُ پیشوا، مقتدا یعنی جس کی اقتدا کی جائے فقہاء احناف کے نزدیک جب لفظ امام مطلق بولا جائے تو امام ابوحنیفہ مراد ہوتے ہیں اور یہاں امام قدوریؒ مراد ہیں۔

اَبُو الْحَسَن یہ امام قدوری کی کنیت ہے مگر صحیح ابوالحسین ہے۔

فائدہ: قَالَ الشیخ ...... اِلٰی آخرہٖ یہ عبارت امام قدوری علیہ الرحمہ کے کسی شاگرد کی ہے۔

كتابُ الطَّهارةِ

کتاب کی لغوی تعریف: جمع کرنا، ملانا۔
اصطلاحی تعریف: مسائل کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو مستقلاً معتبر ہو خواہ مختلف قسموں پر مشتمل ہو یا مختلف قسموں پر مشتمل نہ ہو۔ (عینی: ۱/ ۳۶، فتح القدیر: ۱/ ۹)
طہارت کی لغوی تعریف: طہارت بضم الطاء اس پانی کا نام ہے جس سے پاکی حاصل کی جا چکی ہو اور بکسر الطاء آلۂ نظافت اور بفتح الطاء مصدر ہے نظافت کے معنی میں۔
اصطلاحی تعریف: نجاست حقیقیہ یا نجاست حکمیہ سے پاک ہونے کو طہارت کہتے ہیں۔ (البحر الرائق: ۱/ ۸)

کتاب، باب اور فصل کی اصطلاح

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر جنسِ مسائل بیان کرنا مقصود ہو تو اس کو کتاب سے تعبیر کرتے ہیں اگر صرف ایک نوع کے مسائل بیان کرنا مقصود ہو تو اس کو باب سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر بعض جزئیات کو ماقبل سے ممتاز کر کے بیان کرنا مقصود ہو تو اس کو فصل سے تعبیر کرتے ہیں۔ (در منضود: ۱/ ۷۶)

---

(۱) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ.

ترجمہ: (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو دھو لیا کرو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو ٹخنوں تک۔
تشریح: اس آیت شریفہ سے مصنف علیہ الرحمۃ کا مقصد وضو کی فرضیت کو ثابت کرنا ہے، امام قدوریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز آیت شریفہ سے برکتاً کیا ہے اور رتبۃً دلیل مقدم ہوتی ہے، اس لئے اولاً آیت کو ذکر کیا اس کے بعد وضو کی فرضیت کے دعوے کو اس پر مرتب کیا۔ (اللباب: ۱/ ۳۱)

---

(۲) فَفَرْضُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْاَعْضَاءِ الثَّلٰثَةِ وَمَسْحُ الرَّأْسِ.

ترجمہ: (۲) وضو کا فرض تینوں اعضاء کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے۔
تشریح: احناف کے نزدیک وضو میں صرف چار چیزیں فرض ہیں: (۱) ایک مرتبہ سارا منہ دھونا۔
(۲) ایک دفعہ کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا۔

(۳) ایک بار چوتھائی سر کا مسح کرنا۔
(۴) ایک ایک مرتبہ ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا۔
ان میں سے اگر ایک چیز بھی چھوٹ جائے گی یا بال برابر بھی سوکھی رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا۔ شوافع کے نزدیک فرائض وضو چھ ہیں: چار تو وہی جو آیت وضو میں مذکور ہیں اور دو اس کے علاوہ: (۱) نیت (۲) ترتیب۔ مالکیہ کے نزدیک فرائض وضو سات ہیں: چار تو وہی فرائض قرآنیہ اور تین اس کے علاوہ: (۱) نیت (۲) موالات (پے در پے دھونا) (۳) دلک (رگڑنا) (صاوی حاشیہ جلالین) حنابلہ کے نزدیک بھی سات چیزیں فرض ہیں، فرق یہ ہے کہ مالکیہ کے نزدیک ساتویں چیز دلک ہے، حنابلہ کے نزدیک اس کے بجائے ترتیب ہے۔ (درمنضود: ۱/۲۶۸)
فرض کی تعریف: فرض وہ حکم ہے جس میں زیادتی اور کمی کا احتمال نہ ہو اور ایسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جس میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ (نور الانوار ص ۱۷۰، فتح القدیر ۱/۱۰)

---

(۳) وَالْمِرْفَقَانِ وَالْكَعْبَانِ تَدْخُلَانِ فِيْ فَرْضِ الْغَسْلِ عِنْدَ عَلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ خِلَافًا لِّزُفَرَ۔

ترجمہ: (۳) ہمارے تینوں علماء کے نزدیک دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونے کے فرض میں داخل ہیں، امام زفر کا اختلاف ہے۔
تشریح: اس بارے میں اختلاف یہ ہے کہ کہنیاں ہاتھوں کے دھونے میں اور ٹخنے پیروں کے دھونے میں داخل ہیں یا خارج؟
اختلاف: امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک داخل ہیں، یہی قول امام شافعیؒ و امام احمدؒ کا ہے اور ایک روایت امام مالکؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ (عینی ۱/۵۸، بدائع ۱/۶۸)
دوسرا مذہب: امام زفر کے نزدیک خارج ہیں، یہی ایک روایت امام مالک کی ہے۔ (عینی ۱/۵۸، بدائع ۱/۶۸)
امام زفر کی دلیل: جب کسی چیز کی انتہا بیان کی جاتی ہے تو اس میں خود انتہا (غایت) داخل نہیں ہوتی، جیسے ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ اس آیت میں غایت (رات) مغیا (روزہ) میں بالاتفاق داخل نہیں ہے، اسی طرح یہاں بھی کہنیاں اور ٹخنے ہاتھ اور پاؤں کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔ (عینی ۱/۵۹، بدائع ۱/۶۸)
جواب: امام زفر کا یہ کہنا کہ غایت مغیا کے حکم میں مطلقاً داخل نہیں ہوتی، ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ غایت کبھی مغیا میں داخل ہوتی ہے اور کبھی خارج، اس کا قاعدہ یہ ہے کہ غایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) غایت الاسقاط (۲) غایت الامتداد، اول میں غایت مغیا میں داخل اور ثانی میں خارج ہوتی ہے۔
غایت الاسقاط کی تعریف: جس جگہ غایت مغیا کی جنس سے ہو جیسے آیت وضو میں ہاتھ کا اطلاق انگلیوں سے لیکر بغل تک ہوتا ہے اور فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ میں غایت کا ذکر کہنیوں سے اوپر کے حصہ کو

دھونے کے حکم سے ساقط کرنے کے لئے ہے اگر غایت ذکر نہ کی جاتی تو ہاتھوں کا دھونا بغلوں تک ضروری ہوتا۔

غایت الامتداد کی تعریف: جو حکم کو بڑھانے اور پھیلانے کے لئے ذکر کی جاتی ہے، اور غایت اپنے ماقبل مغیا کی جنس سے نہ ہو جیسے ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْلِ چونکہ رات روزے کی جنس سے نہیں ہے اس لئے رات روزے کے حکم میں داخل نہ ہوگی، دونوں غایتوں میں فرق ہے لہٰذا ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (عینی ۱/۵۹، بدائع ۱/ ۶۸، البحر الرائق ۱/۱۳)

مثبتین کی دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى حَتّٰى اَشْرَعَ فِي الْعَضُدِ ثُمَّ يَدَهُ الْيُسْرٰى حَتّٰى اَشْرَعَ فِي الْعَضُدِ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى حَتّٰى اَشْرَعَ فِي السَّاقِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى حَتّٰى اَشْرَعَ فِي السَّاقِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ (مسلم شریف ۱/ ۱۲۶، نیل الاوطار ۱/ ۱۶۷)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے دایاں اور بایاں ہاتھ دھوتے وقت کہنیوں کو بھی شامل کرلیا، ایسے ہی پیر دھوتے وقت دونوں ٹخنوں کو بھی شامل کرلیا پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی وضو کرتے دیکھا ہے۔

نیز حضرت عثمان کی روایت سے بھی احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے، ملاحظہ کیجئے نیل الاوطار ۱/ ۱۶۸۔

---

(۴) وَالْمَفْرُوْضُ فِيْ مَسْحِ الرَّأْسِ مِقْدَارُ النَّاصِيَةِ وَهُوَ رُبُعُ الرَّأْسِ لِمَا رَوَى الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ وَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى النَّاصِيَةِ وَخُفَّيْهِ.

ترجمہ: (۴) اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے اس حدیث کی وجہ سے جو مغیرہ بن شعبہ نے روایت کی ہے۔

کہ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر تشریف لائے پس آپ نے پیشاب کیا اور وضو کیا اور مقدار ناصیہ اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔

تشریح: سر کی کتنی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔

اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام مالک کے نزدیک اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے، عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۶۴۔ معارف السنن، ج:۱، ص:۱۷۰۔

(۲) حنفیہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک بعض سر پر مسح کرنے سے فرضیت ادا ہوجاتی ہے اور پورے سر پر مسح کرنا مسنون ہے پھر تحدید کے سلسلہ میں اختلاف ہوگیا حنفیہ کے نزدیک پیشانی کی مقدار سر کے حصہ پر مسح کرنا فرض ہے۔ شوافع کے نزدیک کم سے کم وہ مقدار جس پر مسح کا اطلاق ہوسکتا ہو۔ اگرچہ ایک ہی بال کیوں نہ ہو، اس پر مسح

کرنے سے فرض ادا ہو جائے گا، معارف السنن ج:۱، ص:۱۷۴، بدائع ج:۱، ص:۶۹

امام مالک وامام احمدؒ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں فَبَدأَ بِمُقَدَّمِ رَأسِهٖ ثُمَّ ذَهَبَ بِيَدِهٖ اِلٰى مُؤخّرِ الرَّاسِ ثم رَدَّهُمَا اِلٰى مُقَدَّمِهٖ. طحاوی ج:۱، ص:۲۷

یعنی آپ ﷺ نے مقدم رأس سے مسح شروع کیا اور گردن تک کھینچ کر لے گئے، اور مسح کرتے ہوئے، دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصہ پر لے آئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ مزید تفصیل دیکھئے ابوداؤد ج:۱، ص:۱۶ معارف السنن ج:۱، ص:۱۷۴

جواب آپ نے وضو کے اندر پورے سر کے مسح کو فرض فرمایا ہے، یہ حکم بطور فرض نہیں ہے بلکہ بطور کمال فضیلت ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے تین تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کرنا ثابت ہے لیکن یہ تین مرتبہ فرض نہیں ہے بلکہ ایک مرتبہ فرض ہے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۲۷، ایضاح الطحاوی ج:۱، ص:۱۳۴)

امام شافعی کی دلیل: آیت وضو میں مسح رأس مطلقاً مذکور ہے، والمطلق یجری علی اطلاقه کے قاعدہ کے مطابق مطلق سر کا مسح فرض ہوگا۔

جواب: آیت وضو میں مسح رأس مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے، اور مجمل پر عمل کے لئے متکلم کی جانب سے بیان ضروری ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یعنی مسح علی الناصیہ اس مجمل کا بیان ہے، لہٰذا مسح علی الناصیہ فرض ہوگا۔ بدائع الصنائع ج:۱، ص:۷۰

حنفیہ کی دلیل: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ عَلَيْهِ عَمَامَةٌ قَطرِيَّةٌ فَاَدْخَلَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْعَمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأسِهٖ. ابوداؤد ج:۱، ص:۱۹، فتح القدیر، ج:۱، ص:۱۵، عینی ج:۱، ص:۶۸

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ وضو کر رہے تھے، اور آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا، آپ نے دونوں ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کئے پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کیا۔

ظاہر ہے کہ آپ نے پورے اگلے حصہ کا مسح کیا ہے اور تمام مقدم رأس ہی چوتھائی سر ہے، جس کو ناصیہ کہتے ہیں کما فی فتح القدیر ج:۱، ص:۱۵

---

(۵) وَسُنَنُ الطَّهَارَةِ غَسْلُ الْيَدَيْنِ ثَلَاثاً قَبْلَ اِدْخَالِهِمَا الْاِنَاءَ اِذَا اسْتَيْقَظَ الْمُتَوَضِّئُ مِنْ نَوْمِهٖ.

ترجمہ: (۵) وضو کی سنتیں، دونوں ہاتھوں کا تین بار دھونا ہے، دونوں ہاتھوں کو برتن میں ڈالنے سے پہلے جب بیدار ہو وضو کرنے والا اپنی نیند سے۔

تشریح: وضو کی سنتوں میں سب سے پہلی سنت یہ ہے کہ جب متوضی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے دونوں ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے تین مرتبہ دھوئے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلاَ يُدْخِلْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَايَدْرِىْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ. (ابوداؤدج:۱،ص:۱۴)

جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی نیند سے بیدار ہوتو نہ داخل کرے اپنا ہاتھ برتن میں یہاں تک اس کو تین مرتبہ دھوئے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات بھر کہاں رہا۔ مصنف علیہ الرحمہ کی عبارت میں استیقاظ من النوم کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے کیونکہ وضو کرنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کا دھونا مطلقاً سنت ہے خواہ نیند سے بیدار ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۷، فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹، الجوہرة النیرہ ج:۱،ص:۵)

---

(٦) وَتَسْمِيَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ ابْتِدَاءِ الْوُضُوْءِ

ترجمہ: (٦) وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔

تشریح: سنت وہ طریقہ ہے، جو دین میں رائج ہو فرض اور واجب نہ ہو۔ نورالانوار،ص:۱۷۰

اختلاف: تسمیہ علی الوضوء کے سلسلہ میں ہم تین مذاہب بیان کریں گے۔

(۱) اصحاب ظواہر کے نزدیک تسمیہ علی الوضو واجب ہے یہی ایک روایت امام احمد کی ہے نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۵۰ معارف السنن ج:۱،ص:۱۵۴ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹۔

(۲) اسحٰق بن راہویہ کے نزدیک واجب ہے جان بوجھ کر چھوڑنے کی صورت میں وضو کا اعادہ ضروری ہے اور سہواً ترک کی صورت میں اعادۂ وضو واجب نہ ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۸۱، ترمذی شریف ج:۱،ص:۱۳)

(۳) حنفیہ مالکیہ شافعیہ کے نزدیک تسمیہ علی الوضوء واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنت یا مستحب ہے۔

(معارف السنن:۱۵۴/۱، بذل:۶۳/۱)

وجوب کے قائلین کی دلیل: عَنْ أَبِيْ سعيدٍ اَنَّ النَّبِيَّ قَالَ لَاوُضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِاسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

(ابن ماجہ ج:۱،ص:۳۲) یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوتا۔

(نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۴۸، طحاوی ج:۱،ص:۲۴)

اس حدیث میں لانفی جنس کے لئے ہے یعنی بغیر تسمیہ کے وضو نہیں ہوگا۔ (عنایہ من ھامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹)

جواب: حدیث میں فضیلت وضوء کی نفی کی گئی ہے یعنی بغیر بسم اللہ پڑھے وضو تو ہو جائے گا، مگر افضل نہیں ہوگا۔

(البحر الرائق: ج:۱،ص:۱۹، بذل المجہود: ج:۱،ص:۶۳ بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۰۸، عنایہ ج:۱،ص:۱۹)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: بہت سے صحابہ کرام (مثلاً حضرت عثمان وعلیؓ) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضو کی حکایت پوری تفصیل سے بیان کی ہے اس میں کہیں بسم اللہ کا ذکر نہیں ملتا اگر تسمیہ واجب ہوتا تو ان احادیث میں اس کا ذکر ضرور ہونا چاہئے تھا۔ (عینی ج:۱،ص:۸۵، عنایہ من ہامش الفتح ج:۱،ص:۱۹)

(۷) وَالسِّوَاكُ

ترجمہ: (۷) اور مسواک کرنا بھی سنت ہے۔

تشریح: ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسواک کرنا صرف سنت ہے واجب نہیں۔ہے۔

اصحاب ظواہر کے نزدیک مطلقاً واجب ہے۔(درمنضود ج:۱،ص:۱۵۳،نیل الاوطار،ج:۱،ص:۱۱۵)

اصحاب ظواہر کی دلیل: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے اَلسِّوَاكُ وَاجِبٌ وَغُسْلُ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ (رواہ ابونعیم فی کتاب السواک وذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر)

جواب: حافظ ابن حجر تلخیص الجبیر میں اس حدیث کونقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں اسنادہٗ واہٍ (کمزور) لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔(درس ترمذی ج:۱،ص:۲۲۲)

ائمہ اربعہ کی دلیل وَاسْتَدَلَّ فِی الْكَافِیْ لِلسُّنِّیَةِ بِأَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَاظَبَ عَلَیْهِ مَعَ التَّرْكِ

(البحر الرائق ج:۱،ص:۲۱)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک استعمال کرنے پر مداومت فرمائی ہے اور کبھی کبھار ترک بھی فرمادیا ہے، مواظبت مع الترک سنت کی دلیل ہے۔

ترک مسواک پر دلیل یہ ہے کہ اَنَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَّمَ الْاَعْرَابِیَّ الْوُضُوْءَ وَلَمْ یَنْقُلْ فِیْهِ تعلیمُ السِّوَاكِ

(عنایہ کفایہ ج:۱،ص:۲۲)

یعنی آپ نے ایک اعرابی کو وضو کی تعلیم دی تو اس میں تعلیم مسواک منقول نہیں ہے اگر مسواک کرنا واجب ہوتا تو آپ ضرور تعلیم فرماتے۔

(۸) وَالْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ

ترجمہ: (۸) کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی وضو میں مسنون ہے۔

اختلاف: اس بارے میں تین مذاہب ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام مالک وشافعی کے نزدیک وضو اور غسل دونوں میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا سنت ہیں۔

(ترمذی ج:۱،ص:۱۴،معارف السنن،ج:۱،ص:۱۶۶،نیل الاوطار،ج:۱،ص:۱۵۴)

(۲) امام احمد کے نزدیک وضوء اور غسل دونوں میں واجب ہے۔

(ترمذی ج:۱،ص:۱۴،معارف السنن ج:۱،ص:۱۶۵،نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۵۴)

(۳) حنفیہ کے نزدیک وضوء میں دونوں سنت اور غسل جنابت میں دونوں فرض ہیں۔

(نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۵۴،ترمذی ج:۱،ص:۱۴)

امام مالک وشافعی کی دلیل: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مِنَ الْفِطْرَةِ الْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ (ابوداؤد:۱/۸) آپ نے فرمایا کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فطرت میں سے ہے۔

امام احمد کی دلیل: مضمضہ کے وجوب پر استدلال اس روایت سے ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِذَا تَوَضَّأْتَ فَمَضْمِضْ (ابوداؤد ج:۱ص:۱۹ نیل الاوطار ج:۱ص:۱۵۴) یعنی جب تو وضو کرے تو کلی کر۔

اور استنشاق کے وجوب پر استدلال حضرت سلمہ بن قیس کی حدیث سے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِذَا تَوَضَّأْتَ فَانْتَثِرْ. (ترمذی ج:۱ص:۱۴، نیل ج:۱ص:۱۵۴)

جب تو وضو کرے تو ناک چھینک لیا کر، ان دونوں حدیثوں میں امر کا صیغہ آیا ہے، اور الامرُ للوجوب کے قاعدے کی رو سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا واجب ہے۔

جواب دونوں حدیثوں میں امر کا صیغہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو وضو کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: تَوَضَّاء كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ ترمذی ج:۱ص:۲۶ جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے اسی طرح وضو کر اور قرآن میں جہاں اللہ نے وضوء کا ذکر فرمایا ہے وہاں مضمضہ واستنشاق کا کوئی ذکر نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں وضو میں مسنون ہوں گی نہ کہ واجب اور فرض۔ (کفایہ ج:۱ص:۲۲)

احناف کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے موقوفاً اور مرفوعاً منقول ہے حدیثُ ابنِ عَبَّاسٍؓ مَوْقُوْفًا عَلَيْهِ وَمَرْفُوْعًا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ هُمَا سُنَّتَانِ فِي الْوُضُوْءِ وَاجِبَتَانِ فِي الْغُسْلِ.

(کفایہ ج:۱ص:۲۳، عینی ج:۱ص:۹۱)

یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا وضو میں سنت اور غسل میں فرض ہیں۔

---

(۹) وَمَسْحُ الْاُذُنَيْنِ.

ترجمه: (۹) وضو کی سنتوں میں سے دونوں کانوں کا مسح کرنا بھی ہے۔

تشریح: کیا کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لیا جائے گا، یا سر کے باقی ماندہ پانی سے ہی مسح کرلیا جائے گا، اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک کانوں کا مسح سر کے پانی سے کرنا مسنون ہے۔ (معارف السنن، ج:۱ص:۱۸۲، نیل الاوطار ج:۱ص:۱۷۷، بدائع الصنائع ج:۱ص:۱۱۶)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ماء جدید سے مسح کرنا مسنون ہے۔ (نیل ج:۱ص:۱۷۷، معارف السنن ج:۱ص:۱۸۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں۔ فَأَخَذَ لِاُذُنَيْهِ مَآءً خِلَافَ الْمَاءِ الَّذِیْ أَخَذَ لِرَأْسِهٖ. (نیل الاوطار ج:۱ص:۱۷۷، عینی ج:۱ص:۱۹۶ ابوداؤد ج:۱ص:۱۶)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کا مسح کرنے کے لئے اس پانی کے علاوہ پانی لیا جو سر کا مسح کرنے کے لئے لیا تھا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لئے ماء جدید مسنون ہے۔

جواب: یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب کہ ہاتھوں کا پانی بالکل خشک ہو گیا ہو سر کا مسح کرنے کے بعد ہاتھوں پر تری بالکل باقی نہ رہی ہو ایسی صورت میں تو ہمارے نزدیک بھی ماء جدید لینا مشروع اور مسنون ہے۔
(فتح القدیر ج:۱ص:۲۵، البحر الرائق ج:۱ص:۲۸، عینی ج:۱ص:۹۶)

حنفیہ کی دلیل: وہ حدیث ہے جس کو ابن خزیمہ ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِوُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَهُ وَفِيْهِ ثُمَّ غَرَفَ غُرْفَةً فَمَسَحَ بِهَا رَأْسَهُ وَأُذُنَيْهِ. (فتح القدیر ج:۱ص:۲۵، البحر الرائق ج:۱ص:۲۸)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چلو پانی لے کر اس سے اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کانوں کا مسح کرنے کے لئے ماء جدید کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱۰) وَتَخْلِيْلُ اللِّحْيَةِ

ترجمہ: (۱۰) اور ڈاڑھی کا خلال کرنا بھی سنت ہے۔

تشریح: ڈاڑھی کے خلال کرنے کے بارے میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) سعید بن جبیر اور عبدالحکیم مالکی کے نزدیک واجب ہے۔

(۲) طرفین کے نزدیک مستحب ہے۔

(۳) امام شافعی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت ہے احناف کے یہاں فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔
(عینی ج:۱ص:۹۸ فتح القدیر، ج:۱ص:۲۵، بدائع الصنائع ج:۱ص:۱۱۶ شامی ج:۱ص:۱۰۹)

وجوب کے قائلین کی دلیل: عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ.
(ترمذی، ج:۱ص:۱۴)

اس حدیث میں کان استمرار و دوام پر دلالت کرتا ہے معلوم ہوا کہ تخلیل لحیہ واجب ہے۔

جواب: محدثین کے نزدیک لفظ کان مداومت یا استمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ احیاناً وقوع پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ بعض صحابہ نے یہ فرمایا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ كَذَا، حالانکہ وہ فعل آپ سے صرف چند مرتبہ ثابت ہوا تھا۔ (درس ترمذی ج:۱ص:۲۴۱)

طرفین کی دلیل: ڈاڑھی کے خلال پر آپ سے مواظبت ثابت نہیں ہے، بلکہ احادیث میں آپ کے اتفاقی فعل کو نقل کر دیا گیا ہے لہٰذا خلال کرنا سنت نہ ہوگا، بلکہ مستحب ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۱۱۷، فتح القدیر ج:۱ص:۲۶، البحر الرائق ج:۱ص:۲۲)

جواب: حضرت انس کی روایت کے الفاظ (هكذا أمرني ربي ابو داؤد، ج:۱ص:۱۹) کے ہوتے ہوئے، صریح مواظبت کی نقل کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ لفظ خود ہی اس جانب اشارہ کر رہا ہے، کما فی فتح القدیر لكِنْ مَا فِيْ أَبِي دَاوُدَ مِنْ قَوْلِهِ بِهٰذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ لَمْ يَثْبُتْ ضُعْفُهُ وَهُوَ مُغْنٍ عَنْ نَقْلِ صَرِيْحِ الْمُوَاظَبَةِ لِاَنَّ أَمْرَهُ تَعَالٰى حَامِلٌ عَلَيْهَا فَيَتَرَجَّحُ قَوْلُ أَبِي يُوْسُفَ (فتح القدیر ج:۱ص:۲۶)

امام یوسف کی دلیل: علامہ بدرالدین عینی نے سترہ صحابہ کی روایات کو نقل فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلال پر مواظبت فرمائی ہے۔ (عینی ج:۱ص:۹۸، تاص:۹۹)

دوسری دلیل: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَزَلَ عَلَيَّ جِبْرَئِيْلُ وَأَمَرَنِيْ أَنْ أُخَلِّلَ لِحْيَتِيْ اذا تَوَضَّأْتُ یعنی میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ جب میں وضو کروں تو اپنی ڈاڑھی کا خلال کرلیا کروں۔ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۲۵

---

(۱۱) وَالْاَصَابِعِ

ترجمہ: (۱۱) وضو کی سنتوں میں ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا بھی ہے۔

تشریح: (۱) امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے۔

(۲) امام مالک وامام شافعی کے نزدیک مستحب ہے۔ معارف السنن ج:۱ص:۱۸۳،۱۸۴

(۳) بعض اہل ظواہر کے نزدیک واجب ہے یہی ایک روایت امام احمد سے منقول ہے۔

(درس ترمذی ج:۱ص:۲۴۹)

اصحاب ظواہر کی دلیل: حضرت لقیط بن صبرۃ کی روایت جو ابوداؤد کے اندر ہے، اس کے الفاظ ہیں، فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ.

(ابوداؤد ج:۱ص:۱۹، ترمذی، ج:۱ص:۱۶)

میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے وضو سکھلا دیجئے، آپ نے فرمایا وضو کامل طور پر کر اور انگلیوں کے درمیان خلال کر اس حدیث میں صیغہ امر وجوب کے لئے استعمال ہوا ہے۔

جواب: حدیث میں صیغہ امر استحباب کے اوپر محمول ہے، وجوب کے لئے نہیں اگر انگلیوں کا خلال کرنا واجب ہوتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وضو کی حکایت کرنے والے بہت سے صحابہ کرام میں سے صرف چند نے تخلیل کا ذکر کیا ہے تو سب ذکر کرتے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۲۳) اور اعرابی والی حدیث میں اس کا ذکر ضرور ہوتا کیونکہ اس حدیث میں واجبات وضو کو اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۲۳)

احناف کی دلیل: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَأَسْبِغِ الْوُضُوْءَ

وَاجْعَلِ الْمَاءَ بَيْنَ اَصَابِعِ رِجْلَيْكَ وَيَدَيْكَ (ابن ماجہ ج:۱،ص:۳۵)

ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نماز کا ارادہ کرے تو وضو کامل طور پر کر اور اپنے ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال کرلیا کر۔

---

(۱۲) وَتَكْرَارُ الْغَسْلِ إِلَى الثَّلٰثِ

ترجمہ: (۱۲) وضو کی سنتوں میں سے اعضاء مغسولہ کو تین تین بار دھونا بھی ہے، اعضاء مغسولہ کو کتنی مرتبہ دھونا مسنون ہے، اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

تشریح: امام شافعی کے نزدیک تین مرتبہ دھونا مسنون ہے اور تین سے کم یا زیادہ کرنا خلاف سنت ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک ایک ایک مرتبہ فرض دو مرتبہ مستحب اور تین مرتبہ مسنون ہے۔ ایضاح الطحاوی ج:۱،ص:۱۳۰

امام شافعی کی دلیل: وہ احادیث شریفہ ہیں جن کے اندر تین تین بار وضو کرنا ثابت ہے مثلاً ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جَآءَ اَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ فَسَأَلَهُ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَآءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ. (ابن ماجہ ج:۱،ص:۳۴)

جواب: فَمَنْ زَادَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تین مرتبہ سے زیادہ کرتا ہے وہ اپنے آپ پر کمال ثواب سے محروم ہو کر ظلم و زیادتی کرتا ہے، اور تین مرتبہ سے کم کرنے کو خلاف سنت نہیں کہا جا سکتا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ سے کم بھی کیا ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج:۱،ص:۱۳۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: عَنْ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً.
(طحاوی ج:۱،ص:۲۶)

حضرت عمر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک ایک مرتبہ (پانی ڈال کر) وضو کرتے دیکھا ہے۔

---

(۱۳) وَيَسْتَحِبُّ لِلْمُتَوَضِّيْ اَنْ يَنْوِيَ الطَّهَارَةَ

ترجمہ: (۱۳) اور مستحب ہے وضو کرنے والے کے لئے طہارت کی نیت کرنا۔

تشریح: لغت کے اعتبار سے دل کے پختہ ارادہ کرنے کو نیت کہتے ہیں شرعاً نیت یہ ہے کہ دل سے وضو کا ارادہ کرے یا حدث دور کرنے کا ارادہ کرے یا ایسی عبادت کا قصد کرے جو بغیر طہارت کے صحیح نہ ہو۔ (فتح القدیر، ۱/۲۸)

مستحب کی تعریف: وہ فعل ہے جس کو نبی علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی ترک کر دیا ہو اور اس کو علماء دین نے پسند فرمایا ہو۔ (درمختار: ۱/۱۱۵)

اختلاف: احناف کے نزدیک وضو میں نیت کرنا مسنون ہے عینی ج:۱،ص:۱۰۵

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج:۱ص:۳۹) یعنی اعمال نیتوں پر موقوف ہیں اور وضو بھی ایک عمل ہے، لہٰذا یہ بھی نیت پر موقوف ہوگا۔

جواب: حدیث میں اعمال سے مراد عبادات ہیں کیونکہ بہت سے مباحات شرعاً بغیر نیت کے معتبر ہو جاتے ہیں جیسے نکاح طلاق وغیرہ بلکہ عبادات مستقلہ مراد ہیں، اور وضو مستقل عبادت نہیں ہے بلکہ نماز کے لئے ذریعہ ہے۔
(فتح القدیر ج:۱ص:۲۸ نور الانوار، ص:۲۱)

احناف کی دلیل: ایک شخص نے آپ ﷺ سے وضو کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس کو نیت کی تعلیم نہیں دی شرح نقایۃ ص۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ نیت وضو میں فرض نہیں ہے ورنہ آپ نیت کی تعلیم ضرور ارشاد فرماتے۔

تنبیہ: علماء متقدمین کے نزدیک لفظ استحباب سنت اور واجب کو بھی شامل ہوتا ہے، اس اصطلاح کے اعتبار سے مصنفؒ نے استحباب کا لفظ استعمال کر دیا ہے۔

---

(۱۴) وَيَسْتَوْعِبَ رَأْسَهُ بِالْمَسْحِ

ترجمہ: (۱۴) اور اپنے پورے سر کا مسح کرنا بھی مسنون ہے۔

تشریح: سر کے مسح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیاں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اولاً تر کرے پھر دونوں ہاتھوں کی تین تین انگلیاں سر کے اگلے حصہ پر رکھے اور دونوں انگوٹھوں اور شہادت کی انگلیوں اور ہتھیلی کو جدا رکھے پھر ان کو کھینچ کر پیچھے کی طرف لے جائے، پھر دونوں ہتھیلیوں کو سر کے دونوں طرف سے کھینچتا ہوا آگے کی طرف لے آئے پھر دونوں انگوٹھوں سے دونوں کانوں کے ظاہر کا اور دونوں شہادت کی انگلیوں سے دونوں کانوں کے باطن کا مسح کرے۔ (فتح القدیر ج:۱ص:۲۹)

اختلاف: امام شافعی کے نزدیک مختلف تین پانیوں سے تین مرتبہ پورے سر کا مسح کرنا مسنون ہے حنفیہ مالکیہ حنابلہ کے نزدیک مسح علی الرأس ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے۔ (معارف السنن ج:۱ص:۱۷۷، نیل الاوطار، ج:۱ص:۱۷۴)

امام شافعی کی دلیل: عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا وَمَسَحَ رَأْسَه ثلٰثًا ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ هٰذَا ابوداؤد ا/۱۵، نیز عبد الرحمان بن وردان کی روایت کے الفاظ بھی اسی کے مثل ہیں۔ (ابوداؤد ا/۱۴)

جواب: امام ابوداؤد نے حضرت عثمان کی جو دو حدیثیں پیش فرمائی ہیں وہ ضعیف ہیں جیسا کہ خود امام موصوف فرماتے ہیں اَحَادِيْثُ عُثْمَانَ الصِّحَاحُ كُلُّهَا تَدُلُّ عَلٰى مَسْحِ الرَّأْسِ اَنَّهٗ مَرَّةً (ابوداؤد ج:۱ص:۱۵) یعنی حضرت عثمان کی احادیث صحیحہ اس بات پر دال ہیں کہ مسح رأس صرف ایک مرتبہ ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کی جن دو حدیثوں میں تثلیث مسح مذکور ہے، وہ ضعیف ہیں کیونکہ ایک سند میں عبد الرحمان بن وردان ہے اور دوسری سند میں عامر بن شقیق ہے اور یہ دونوں ضعیف ہیں، كَمَا قَالَ فِي الْبَذْلِ اِنَّ عَبْدَ

الرَّحْمٰنِ بْنِ وَرْدَانَ وَكَذٰلِكَ عَامِرُ بْنُ شَقِيْقٍ عِنْدَ اَبِىْ دَاوُدَ وَلَيْسَا بِقَوِيَّيْنِ . (بذل ج:۱،ص:۶۷)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت علی نے وضو کیا وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاحِدَةً ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا تَوَضَّاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی آپ نے سر کا ایک بار مسح کیا پھر فرمایا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶)

---

(۱۵) وَيُرَتِّبَ الْوُضُوْءَ فَيَبْتَدِأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِذِكْرِهٖ

ترجمہ: (۱۵) اور وضو مرتب کرے پس اس عضو سے شروع کرے جس کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔

تشریح: اس ترتیب کے ساتھ وضو کرنا مسنون ہے، جس کی تصریح قرآن کریم میں مذکور ہے، یعنی پہلے چہرہ دھوئے، پھر دونوں ہاتھ پھر سر کا مسح کرے اس کے بعد دونوں پاؤں۔

حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک وضو کے اعضاء مفروضہ کے درمیان ترتیب مسنون ہے، شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک فرض ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۱، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۱۲، علاء السنن، ج:۱،ص:۶۱)

شوافع وحنابلہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ وضو اسی ترتیب سے کی جو احادیث میں مذکور ہے، کبھی اس کے خلاف نہیں کیا اگر یہ ترتیب فرض نہ ہوتی تو کبھی تو بیان جواز کے لئے اس کو ترک کرتے جیسا کہ حضرت عثمان کی روایت سے ترتیب کا پتہ چلتا ہے۔

عَنْ حُمْرَانَ بْنِ اَبَانَ قَالَ رَأَيْتُ عثمانَ بنِ عفانَ تَوَضَّاءَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلٰثًا فَغَسَلَهُمَا ثُمَّ تَمَضْمَضَ الخ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۴) اس حدیث میں لفظ ثُمَّ ترتیب پر دلالت کرتا ہے۔

جواب: حدیث میں جو لفظ ثم ہے وہ راوی کا لفظ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں نہیں ہے، کہ اس سے ترتیب پر استدلال کیا جائے، زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے وضو مرتباً فرمائی اور محض فعل وجوب پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۶۲)

احناف وموالک کی دلیل: حضرت مقدام بن معدیکرب کی روایت ہے اس کے الفاظ ہیں: ثم غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا ثَلٰثًا ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ. (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶۔ اعلاء السنن ج:۱،ص:۶۳۔ نیل الاوطار ج:۱،ص:۵۹-۱۵۸)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ تین تین مرتبہ دھوئے، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر سر کا مسح کیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے ہمیشہ ایک ہی ترتیب سے وضو نہیں فرمائی اس لئے ترتیب فرض تو نہ ہوگی، مگر چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی ذکر کردہ ترتیب کے ساتھ وضو فرمایا ہے، اس لئے وضو میں ترتیب مسنون ہوگی۔

---

(۱۶) وَبِالْمَيَامِنِ

ترجمہ: (۱۶) اور دائیں عضو سے شروع کرے۔

تشریح: ہاتھوں اور پیروں کے دھونے میں دائیں سے شروع کرنا افضل اور مستحب ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عمدہ کام میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَامُنَ فِی کُلِّ شیٔ حَتّٰی فِی طُهُوْرِهٖ وتَنَعُّلِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَشَانِهٖ کُلِّهٖ. (البحر الرائق ج:۱،ص:۲۹) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں داہنی طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے، یہاں تک طہارت میں اور جوتے پہننے میں اور کنگھا کرنے میں اور سب کاموں میں۔

---

(۱۷) وَالتَّوَالِیُ

ترجمہ: (۱۷) اور پے در پے دھونا۔

تشریح: پے در پے مسلسل ایسے طریقہ پر اعضاء دھونا کہ پہلا عضو خشک نہ ہونے پائے کہ دوسرا بھی دھوڈالے موالک وحنابلہ کے نزدیک فرض ہے ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔

احناف کے نزدیک موالاۃ فی الوضوء سنت ہے یہی ایک قول امام شافعی کا ہے۔(نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۱، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۱۲،۱۱۳)

موالک وحنابلہ کی دلیل: عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَأیٰ رَجُلاً یُصَلِّیْ وَفِیْ ظَهْرِ قَدَمِهٖ لَمعَةٌ قَدْرَالدِّرْهَمِ لَمْ یُصِبْهَا الْمَاءُ فَأَمَرَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یُعِیْدَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ. (ابوداود ج:۱ص:۲۳، نیل الاوطار، ج:۱،ص:۱۹۰)

بعض اصحاب نبی ﷺ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے پاؤں کا حصہ بقدر درہم خشک رہ گیا تو آپ نے وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موالاۃ فرض ہے۔

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں بقیہ بن ولید راوی ہیں جو حجت نہیں ہے، کما قَالَ الشَّوْکَانِیْ اَعَلَّهُ الْمُنْذِرِیْ بِبَقِیَّةِ الولید وَقَالَ عَنْ بجیر وَهُوَ ضَعِیْفٌ. (نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۱)

نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اعادۂ وضو کا حکم بطریق استحباب فرمایا ہو، اعلاء السنن ج:۱،ص:۶۶، بذل ج:۱،ص:۱۰۶

احناف کی دلیل: وَاسْتَدَلَّ فِی الْمِعْرَاجِ عَلٰی عَدَمِ فَرْضِیَّةِ الْوَلَاءِ بِاَنَّ ابْنَ عُمَرؓ تَوَضَّأَ فِی السُّوْقِ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَیَدَیْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ ثُمَّ دُعِیَ اِلٰی جَنَازَةٍ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ ثُمَّ مَسَحَ عَلٰی خُفَّیْهِ.

(البحر الرائق ج:۱،ص:۲۸، اعلاء السنن ج:۱،ص:۶۵)

ایک مرتبہ ابن عمر نے بازار میں وضو کی اور صرف چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو دھویا اور سر کا مسح کیا اور نماز جنازہ پڑھانے کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر جملہ حاضرین کے سامنے دونوں موزوں پر مسح کیا جب کہ وضو خشک ہو چکی تھی اور اس پر حاضرین میں سے کسی نے نکیر نہیں کی۔

(۱۸) وَمَسْحُ الرَّقَبَةِ

ترجمہ: (۱۸) اور گردن کا مسح کرنا (مستحب ہے)

تشریح: حنفیہ کی کتب میں گردن کے مسح کو مستحبات وآداب وضو میں شمار کیا ہے اور امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے علامہ نووی شافعی نے گردن کے مسح کو بدعت لکھا ہے، لیکن دیگر علماء نے ان پر تنقید کی ہے، حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے گردن کے مسح میں قطعاً کوئی حدیث ثابت نہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۷۹)

(۱۹) وَالْمَعَانِي النَّاقِضَةُ لِلْوُضُوْءِ كُلُّ مَا خَرَجَ مِنَ السَّبِيْلَيْنِ.

ترجمہ: (۱۹) اور وضو کو توڑنے والی ہر وہ چیز ہے جو پیشاب یا پاخانہ کے راستہ سے نکلے۔

تشریح: یہ دونوں مقام مقامِ نجاست نہیں ہیں، نجاست کہیں اوپر سے کھسک کر آتی ہے اور قاعدہ ہے کوئی ناپاکی اپنی جگہ سے کھسک کر جسم کے ظاہری حصے پر آجائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲۰) وَالدَّمُ وَالْقَيْحُ وَالصَّدِيْدُ اَذَا خَرَجَ مِنَ الْبَدَنِ فَتَجَاوَزَ اَلٰى مَوْضَعٍ يَلْحَقُهُ حُكْمُ التَّطْهِيْرِ (۲۱) والْقَيْئُ اَذَا كَانَ مِلَأَ الْفَمِ

ترجمہ: (۲۰) اور خون پیپ اور کچ لہو جب کہ بدن سے نکلے اور بہ جائے ایسے مقام کی طرف جس کو پاک کرنے کا حکم لاگو ہو۔ (۲۱) اور قے جب کہ ہو منھ بھر کر۔

تشریح: نواقض وضو میں یہ بھی ہے کہ زندہ انسان کے بدن سے خون پیپ وغیرہ نکلے پھر ظاہر ہو کر ایسے مقام کی طرف تجاوز کر جائے، جس کو وضو یا غسل میں پاک کرنے کا حکم ہے، عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۱۲۱، عنایہ ج:۱، ص:۳۳ البحر الرائق ج:۱، ص:۳۳ خروج سے مراد صرف نجاست کا ظاہر ہونا کافی نہیں ہے بلکہ سیلان شرط ہے۔

اور نواقض وضو میں منھ بھر قے ہے اور منھ بھر قے وہ ہے کہ جس کو بغیر مشقت اور کلفت کے روکا نہ جاسکے۔ البحر الرائق ج:۱، ص:۳۶۔

اختلاف الائمہ

امام مالک کے نزدیک صرف اس ناپاکی کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے جو خود بھی معتاد ہو (وہ ناپاکی جو عام طور سے ہر انسان کے بدن سے نکلتی ہے، جیسے پیشاب پاخانہ) اور اس کا مخرج بھی معتاد ہو (سبیلین) لہٰذا خون پیپ کچ لہو قے وغیرہ سے وضو نہ ٹوٹے گا۔

امام شافعی کے نزدیک مخرج کا معتاد ہونا تو ضروری ہے لیکن خارج کا معتاد ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے مذکورہ چیزوں سے وضو نہ ٹوٹے گا۔ (عینی ج:۱، ص:۱۲۱ فتح القدیر ج:۱، ص:۳۳ درس ترمذی ج:۱، ص:۳۱۶)

خون کے ناقض وضو نہ ہونے پر دلیل

حضرت جابر کی روایت ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں حضرت عباد بن بشر کو تین تیر لگے تھے، ان کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، اور وہ اسی حال میں نماز پڑھتے رہے، اعلاء السنن ج:۱، ص:۸۵ عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۱۲۱ نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۷ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ خون ناقض وضو نہیں ہے۔

جواب: درحقیقت حضرت عبادؓ نماز اور تلاوت قرآن کی لذت میں اس قدر مستغرق تھے کہ انہیں خون نکلنے کی خبر ہی نہ ہوئی، آپ پر غلبہ حال اور استغراق کی کیفیت تھی جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط نہیں کیا جا سکتا۔

(بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۱، معارف السنن ج:۱، ص:۳۰۹)

(۲) یہ فعل صحابی ہے ممکن ہے کہ ان کا یہی مذہب ہو۔ (عینی ج:۱، ص:۱۲۲، بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۱)

(۳) صحابی رسول کا یہ جزئی واقعہ احادیث صحیحہ صریحہ کا مقابل نہیں ہو سکتا ہے۔ معارف السنن ج:۱، ص:۳۰۹

قے کے ناقض وضو نہ ہونے پر استدلال

اس روایت سے ہے، اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَلَمْ يَتَوَضَّأْ (عنایہ من حاشیہ فتح القدیر ج:۱، ص:۳۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قے ہوئی لیکن آپ نے وضو نہ کی۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت قے قلیل پر محمول ہے عنایہ ج:۱، ص:۳۶۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف امام محمد امام احمد بن حنبل کے نزدیک کوئی بھی نجاست جسم کے کسی بھی حصہ سے خارج ہو وہ ناقض وضو ہے خواہ خروج نجاست عادۃً ہوا ہو خواہ بیماری کی وجہ سے۔ (اعلاء السنن، ج:۱، ص:۸۷ بذل المجہود ج:۱، ص:۱۲۳) لہٰذا دم سائل اور منہ بھر قے ناقض وضو ہے۔

دم سائل کے ناقض ہونے پر دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، لَيْسَ فِي الْقَطْرَةِ وَلَا فِي الْقَطْرَتَيْنِ مِنَ الدَّمِ وُضُوْءٌ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ دَمًا سَائِلًا. نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۰۷، عنایہ ج:۱، ص:۳۸، عینی ج:۱، ص:۱۲۵

خون کے ایک قطرے اور دو قطروں میں وضو واجب نہیں ہوتا مگر یہ کہ خون بہنے والا ہو منہ بھر قے کے ناقض وضو ہونے پر استدلال اس روایت سے ہے کہ جس کو حضرت علیؓ نے نقل فرمایا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزیں ناقض وضو ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک منہ بھر قے بھی ہے۔

کما قال علیہ السلام وَدَسْعَةٌ تَمْلَأُ الْفَمَ یعنی قے جو منہ بھر دے۔ (نیل الاوطار، ج:۱، ص:۲۰۸ عینی ج:۱، ص:۱۳۱، فتح القدیر ج:۱، ص:۳۸)

---

(۲۲) وَالنَّوْمُ مُضْطَجِعًا اَوْ مُتَّكِئًا اَوْ مُسْتَنِدًا اِلٰى شَيْءٍ لَوْ اُزِيْلَ لَسَقَطَ عَنْهُ وَالْغَلَبَةُ عَلَى الْعَقْلِ بِالْاِغْمَاءِ وَالْجُنُوْنُ

ترجمہ: (۲۲)اور سونا کروٹ کے بل یا سہارا لے کر یا ٹیک لگا کر ایسی چیز کا کہ اگر وہ ہٹادی جائے تو وہ گر پڑے اور بے ہوشی کی وجہ سے عقل پر غلبہ ہوجانا اور پاگل پن سے۔

تشریح: ماقبل میں جن نواقض کا تذکرہ آیا ہے وہ حقیقی نواقض تھے، یہاں سے نواقض حکمی کا بیان ہے، نواقض وضو میں یہ بھی ہے کہ باوضو آدمی کروٹ پر سویا یا تکیہ لگا کر سویا یا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر سویا کہ اگر وہ چیز ہٹادی جائے، تو یہ شخص گر پڑے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص بے ہوش ہوجائے، جس میں انسان مغلوب العقل ہوجاتا ہے، یا پاگل ہوجائے، تو ایسی صورت میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

اِغما کی تعریف: ایک بیماری کا نام ہے، جس میں انسان کے قُوٰی میں کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔ اور عقل مغلوب ہوجاتی ہے۔

جنون کی تعریف: یہ ایسی بیماری ہے جس میں عقل بالکل ختم ہوجاتی ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۴۱)

اختلاف الائمہ

امام حسن بصری کے نزدیک نوم خواہ قلیل ہو یا کثیر ناقض وضو ہے یہی منقول ہے، اسحاق بن راہویہ سے۔
(بذل المجہود ج:۱،ص:۱۲۶ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۰۸، معارف السنن ج:۱،ص:۲۸۳)

دلیل: حضرت علی سے منقول، وہ حدیث ہے جس کے اندر (فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ ابوداؤد ج:۱،ص:۲۷) کے الفاظ ہیں، اس حدیث میں قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۰۸)

جواب: اس حدیث میں دو راوی ایسے ہیں جو ضعیف ہیں (۱) بقیہ ابن الولید (۲) وضین، نیز عبدالرحمان کا سماع حضرت علی سے ثابت نہیں۔ (نقلہ الشوکانی فی نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۱۰)

(۲) اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نوم اس لئے ناقض ہے کہ اس سے سرین کا بندھن کھل جاتا ہے، تو جس نوم میں بندھن کھلنا اغلب ہوگا، وہ نوم یہاں مراد ہوگی ہر قسم کی نوم مراد نہیں ہوگی۔ بذل المجہود ج:۱،ص:۱۲۶

دوسرا مذہب: حضرت ابوموسیٰ اشعری، سعید ابن المسیب کے نزدیک نوم خواہ قلیل ہو یا کثیر کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں ہے، بذل المجہود ج:۱،ص:۱۲۶، نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۰۸، معارف السنن ج:۱،ص:۲۸۲۔

دلیل: عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُوْنَ ثُمَّ يَقُوْمُوْنَ فَيُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّؤُوْنَ (ترمذی شریف ج:۱،ص:۲۴)

حضرت انس سے منقول ہے کہ صحابہ کرام سو جاتے تھے پھر کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے تھے، دوبارہ وضو نہیں کرتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نوم کسی بھی حال میں ناقض وضو نہیں ہے۔

جواب: اس حدیث میں نوم خفیف مراد ہے، مطلقاً نوم مراد نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۴۴، اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۴، نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۱۱)

لہٰذا اس حدیث سے مطلقاً نوم کے غیر ناقض ہونے پر استدلال درست نہیں ہے۔

تیسرا مذہب: ائمہ اربعہ کے نزدیک نوم غالب ناقض ہے اور نوم غیر غالب ناقض وضو نہیں ہے۔

دلیل: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ عَلٰی مَنْ نَامَ سَاجِدًا وُضُوْءٌ حَتّٰی یَضْطَجِعَ فَاِنَّہٗ اِذَا اضْطَجَعَ اِسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُہٗ. (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۱۱ اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سجدہ کی حالت میں سویا تو اس پر وضو واجب نہیں ہوگا، بلکہ وضو اس شخص پر واجب ہے، جو کروٹ لے کر سویا کیونکہ جب کوئی شخص کروٹ پر سوتا ہے تو تمام جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث میں نقض وضو کا دارومدار سرین کا بندھن کھلنے پر رکھا گیا ہے اور یہ چیز نوم غالب میں ہوتی ہے، نوم غیر غالب میں نہیں ہوتی۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۳)

---

(۲۳) وَالْقَھْقَھَۃُ فِیْ کُلِّ صَلٰوۃٍ ذَاتِ رُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ

ترجمہ: (۲۳) اور کھل کھلا کر ہنسا رکوع سجدہ والی نماز میں۔

تشریح: قہقہہ کی تعریف وہ ہنسی جس میں خود بھی اور قریب کے لوگ بھی اس کی آواز سن سکیں اور منہ خوب کھل جائے۔

ضحک کی تعریف: وہ ہنسی جس میں ایسی ہلکی آواز ہو کہ پاس کا آدمی نہ سن سکے، اور منہ کھل کر دانت ظاہر ہوں۔

تبسم: جس میں بالکل آواز نہ ہو جس کو ہمارے اطراف میں مسکرانا کہتے ہیں، اس میں ہونٹ کھلتے نہیں ضحک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، وضو باقی رہتا ہے۔

تبسم سے نماز و وضو دونوں باقی رہتے ہیں۔

عاقل بالغ کے قہقہہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ رکوع سجدے والی نماز میں پایا گیا تو مبطلِ صلوٰۃ بھی ہے اور ناقض وضو بھی۔ (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج:۱،ص:۴۲،۴۴)

اختلاف الائمہ

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک عاقل بالغ نمازی کا کھل کھلا کر ہنسنا، ناقض وضو نہیں ہے۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۱۴۰، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۶)

دلیل: قہقہہ میں خروج نجاست نہیں پایا جاتا حالانکہ خروج نجاست ہی ناقض وضو ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۴۰)

(۲) حضرت جابر کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلضِّحْكُ يَنْقُضُ الصَّلَاةَ وَلَايَنْقُضُ الْوُضُوْءَ. (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۶) یعنی ہنسنا نماز کو توڑ دیتا ہے اور وضو کو نہیں توڑتا۔

جواب: قہقہہ کے ناقض وضو ہونے پر تقریباً چھ صحابہ سے مرفوعاً روایات ہیں ان روایات کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔ (دیکھئے عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۱۴۰ تا ۱۴۲ اعلاء السنن ج:۱،ص:۹۵ تا ۱۰۴)

(۲) حضرت جابر کی روایت مادون القہقہۃ پر محمول ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۷)

احناف کے نزدیک قہقہہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ (عینی ج:۱،ص:۱۳۹، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۶)

عن النبیؐ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فِيْ عَيْنَيْهِ سُوْءٌ فَوَقَعَ فِيْ بِئْرٍ عَلَيْهَا خَصْفَةٌ فَضَحِكَ بَعْضُ مَنْ خَلْفَهُ فَلَمَّا قَضَى النبیؐ الصَّلَاةَ قَالَ مَنْ قَهْقَهَ مِنْكُمْ فَلْيُعِدِ الْوُضُوْءَ وَالصَّلَاةَ وَمَنْ تَبَسَّمَ فَلَا شَيَّ عَلَيْهِ. (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۳۶)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک کم نظر آدمی اس گڑھے کے اندر گر گیا، جس پر کھجور کے پٹھوں کی ٹٹی رکھی ہوئی تھی۔ کچھ لوگ آپ کے پیچھے ہنس پڑے جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے، تو آپ نے فرمایا تم میں سے جس نے قہقہہ لگایا ہے وہ وضو کر کے نماز کا اعادہ کرے، اور جو مسکرایا اس پر کچھ نہیں ہے۔

---

(۲۴) وَفَرْضُ الْغُسْلِ اَلْمَضْمَضَةُ وَالْاِسْتِنْشَاقُ وَغَسْلُ سَائِرِ الْبَدَنِ (۲۵) وَسُنَّةُ الْغُسْلِ أَنْ يَبْدَأَ الْمُغْتَسِلُ بِغَسْلِ يَدَيْهِ وَفَرْجِهِ وَيُزِيْلُ النَّجَاسَةَ إِنْ كَانَتْ عَلٰى بَدَنِهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْئَهُ لِلصَّلٰوةِ إِلَّا غَسْلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى رَأْسِهِ وَعَلٰى سَائِرِ بَدَنِهِ ثَلٰثًا ثُمَّ يَتَنَحّٰى عَنْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ فَيَغْسِلُ رِجْلَيْهِ.

ترجمہ: (۲۴) اور غسل کا فرض کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا اور تمام بدن کا دھونا ہے۔ (۲۵) اور غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والا اپنے ہاتھ اور شرمگاہ کو دھوئے اور نجاست دور کرے اگر ہو اس کے بدن پر پھر نماز جیسا وضو کرے سوائے اپنے دونوں پاؤں کے دھونے کے پھر پانی بہائے اپنے سر پر اور اپنے تمام بدن پر تین مرتبہ پھر اس جگہ سے ہٹے اور اپنے دونوں پیر دھوئے۔

غسل اور اس کے فرائض وسنن کا بیان

تشریح: مصنفؒ نے غسل کے تین فرض بیان کئے ہیں، (۱) اس طرح کلی کرنا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ جائے، (۲) ناک میں پانی ڈالنا جہاں تک ناک نرم ہے، (۳) سارے بدن پر پانی پہنچانا۔

غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے، پھر استنجے کی جگہ

دھوئے پھر جہاں بدن پر نجاست لگی ہو پاک کرے پھر وضو کرے اور اگر کسی چوکی یا پتھر پر غسل کرتا ہو تو وضو کرتے وقت پیر بھی دھولے اور اگر ایسی جگہ ہو کہ پیر بھر جائیں گے، اور غسل کے بعد پھر دھونے پڑیں گے، تو سارا وضو کرے مگر پیر نہ دھوئے، پھر وضو کے بعد تین مرتبہ اپنے سر پر پانی ڈالے اس طرح کہ سارے بدن پر پانی بہہ جائے، پھر اس جگہ سے ہٹ کر پاک جگہ میں آئے اور پیر دھوئے اور اگر وضو کرتے وقت پیر دھولئے ہوں تو اب دھونے کی حاجت نہیں۔

(۲۶) وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ اَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا فِي الْغُسْلِ اِذَا بَلَغَ الْمَاءُ اُصُوْلَ الشَّعْرِ

ترجمہ: (۲۶) اور عورت پر ضروری نہیں ہے کہ غسل میں اپنے گندھے ہوئے بالوں کو کھولے جب کہ پانی بالوں کی جڑوں میں پہنچ جائے۔

تشریح: اگر عورت کے سر کے بال گندھے ہوئے نہ ہوں تو سب بال بھگونا اور ساری جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے ایک بال بھی سوکھا رہ گیا یا ایک بال کی جڑ میں پانی نہیں پہنچا تو غسل نہ ہوگا، اور اگر بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کا بھگونا معاف ہے البتہ سب جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے، ایک جڑ بھی سوکھی نہ رہنے پائے اگر بغیر کھولے سب جڑوں میں پانی نہ پہنچ سکے تو کھول ڈالے اور بالوں کو بھی بھگودے۔

(۲۷) وَالْمَعَانِي الْمُوْجِبَةُ لِلْغُسْلِ اِنْزَالُ الْمَنِيِّ عَلٰى وَجْهِ الدَّفْقِ وَالشَّهْوَةِ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْاَةِ

ترجمہ: (۲۷) اور غسل کو واجب کرنے والے اسباب: منی کا نکلنا ہے، کود کر شہوت کے ساتھ مرد سے ہو یا عورت سے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف نے موجبات غسل کو بیان فرمایا ہے۔

پہلا سبب شہوت کے ساتھ کود کر منی کا نکلنا ہے، خواہ انزال منی مرد سے ہو یا عورت سے نیند کی حالت میں ہو یا بیداری کی حالت میں ہر صورت میں غسل واجب ہوگا۔

منی کی تعریف: وہ پانی جس کے نکلنے سے انسان کی طبعی خواہش ختم ہو جاتی ہے جو سفید مائل گاڑھی رینٹ کی شکل میں ہوتی ہے جو وفور شہوت کے ساتھ جوش کے طریقے سے نکلتی ہے۔ (اللباب ج:۱، ص:۴۱، علم الفقہ ج:۱، ص:۴۴، ایضاح الطحاوی، ج:۱، ص:۱۷۵)

اختلاف الائمہ

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک مطلقاً خروج منی سے غسل واجب ہو جائے گا خواہ منی شہوت کے ساتھ نکلی ہو یا بغیر شہوت کے یہی قول امام محمد و امام زفر کا ہے۔ (البحر الرائق ج:۱، ص:۵۷)

دلیل: حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المَاءُ مِنَ المَاءِ

(مصنف عبدالرزاق ج:۱،ص:۲۵۱) یعنی غسل منی سے واجب ہوتا ہے یہ حدیث شہوت کی قید سے مطلق ہے لہٰذا المطلق یجری علی اطلاقہ کے قاعدہ کے مطابق حدیث اپنے اطلاق پر باقی رہے گی۔

جواب: یہ حدیث خروج منی بشھوۃ پر محمول ہے کیونکہ حدیث عام ہے مذی، ودی، منی بشہوت اور بغیر شہوت سب کو شامل ہے اور بالاتفاق حدیث میں تمام چیزیں مراد نہیں چونکہ منی بشھوۃ سے بالاتفاق غسل واجب ہوتا ہے لہٰذا حدیث کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۵۷،عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۱۶۶)

احناف کے نزدیک غسل اس وقت واجب ہوگا جب منی اچھل کر شہوت کے ساتھ نکلے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۶۴)

دلیل: وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فاطَّهَّرُوْا لغت میں جنابت کہتے ہیں شہوت کے ساتھ منی کے نکلنے کو لہٰذا انزال منی بشہوت سے غسل واجب ہوگا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۵۷، فتح القدیر مع العنایہ، ج:۱،ص:۵۳)

---

(۲۸) وَالْتِقَاءُ الْخِتَانَیْنِ مِنْ غَیْرِ اِنْزَالِ (۲۹) وَالْحَیْضُ وَالنِّفَاسُ

ترجمہ: (۲۷) اور آپس میں دونوں شرمگاہوں کا ملنا چاہے انزال نہ ہو۔ (۲۹) اور حیض اور نفاس۔

تشریح: جب مرد کے پیشاب کے مقام کی سُپاری اندر چلی جائے اور چھپ جائے تو بھی غسل واجب ہوجاتا ہے چاہے منی نکلے یا نہ نکلے، اسی طرح جب حیض کا خون بند ہوجائے تو غسل کرنا فرض ہے اور نفاس کے خون کے بند ہونے پر بھی غسل کرنا فرض ہے

اختلاف الائمہ

بیوی سے صحبت کرنے کی صورت میں اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

(۱) عطا بن رباح ہشام بن عروۃ سلیمان بن مہران الاعمش داؤد ظاہری کے نزدیک التقاء ختانین کی وجہ سے غسل واجب نہیں ہوتا۔ (عینی ج:۱،ص:۱۷۰،نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۳۹،معارف السنن ج:۱،ص:۳۷۰)

دلیل: عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیْؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَکَانَ اَبُوْ سَلْمَةَ یَفْعلُ ذالك. (ابوداؤد ج:۱،ص:۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر انزال کے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ غسل واجب ہونے کے لئے انزال کی ضرورت ہے۔

جواب: الماءُ مِنَ الْمَاءِ یہ حدیث احتلام پر محمول ہے، جیسا کہ ابن عباس نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهٗ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ اِنَّمَا ذٰلِكَ فِی الْاِحْتِلَامِ اِذَا رَاٰی اَنَّهٗ یُجَامِعُ ثُمَّ لَمْ یُنْزِلْ فَلَاغُسْلَ عَلَیْهِ. (طحاوی ج:۱،ص:۴۶)

اور احتلام کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ کپڑا خراب ہوئے، بغیر غسل واجب نہیں ہوتا اگرچہ خواب میں جماع کرتے ہوئے، دیکھا۔

دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک التقاء ختانین کی وجہ سے غسل واجب ہوجاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔ (نیل الاوطار ج:۱ص:۲۳۸، عینی ج:۱ص:۱۷۰، معارف السنن ج:۱ص:۳۷۰)

دلیل: عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عبدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا يُوْجِبُ الْغُسْلَ فَقَالَ إِذَا الْتَقَى الْخَتَانَانِ وَغَابَتِ الْحَشْفَةُ وَجَبَ الْغُسْلُ أَنْزَلَ أَوْلَمْ يُنْزِلْ . (عینی ج:۱ص:۱۷۱، اعلاء السنن، ج:۱ص:۱۴۴، نیل الاوطار، ج:۱ص:۲۴۰، ترمذی ج:۱ص:۳۰)

یعنی دونوں ختان جب باہم مل جائیں اور حشفہ غائب ہوجائے تو غسل واجب ہوگا، انزال ہو یا نہ ہو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل واجب ہونے کے لئے انزال کی کوئی شرط نہیں ہے، لہٰذا آپ کا استدلال درست نہیں ہوسکتا۔

(۳۰) وَسَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الغُسْلَ لِلْجُمُعَةِ وَالْعِيْدَيْنِ وَالإِحْرَامِ وَعَرَفَةَ .

ترجمہ: (۳۰) اور مسنون کردیا ہے رسول اللہ ﷺ نے جمعہ، عیدین، احرام اور عرفہ کے واسطے غسل۔

تشریح: جمعہ کے دن نماز فجر کے بعد سے جمعہ تک ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے، جن پر نماز جمعہ واجب ہے۔

عیدین کے دن فجر کے بعد ان لوگوں کو غسل کرنا سنت ہے جن پر عیدین کی نماز واجب ہے، حج یا عمرہ کے احرام کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

حج کرنے والے کو نو ذی الحجہ کے دن بعد زوال کے غسل کرنا سنت ہے۔

اختلاف الأئمہ

جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے، یا سنت اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) اصحاب ظواہر حسن بصری عطاء بن رباح کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ (عینی ج:۱ص:۱۷۵، نیل الاوطار، ج:۱ص:۲۵۰)

دلیل: عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِؐ إِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ.

(نیل الاوطار ج:۱ص:۲۵۰)

اس حدیث میں صیغہ امر کے ساتھ غسل جمعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کرنے کا جو حکم فرمایا ہے وہ علت کے ساتھ معلول ہے۔

مثلاً ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام محنت ومزدوری کیا کرتے تھے، پسینہ کی وجہ سے بدبو پیدا ہوجاتی اور انہیں کپڑوں میں بغیر غسل کئے جمعہ پڑھنے مسجد نبوی میں حاضر ہوجاتے اس بدبو کی وجہ سے ایک سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی جس کو ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی محسوس کرلیا تو صحابہ کرام کو فرمایا کہ جمعہ کے دن غسل ضرور کرلیا کرو۔ جب

فتوحات کی بنیاد پر اللہ نے حالات تبدیل فرما دیئے نوکر چاکر بھی میسر ہو گئے، مسجد میں بھی توسیع کر لی گئی تو بدبو والی بات ختم ہو گئی۔

لہٰذا آپ کا صیغہ امر کے ساتھ حکم فرمانا علت کے ساتھ معلول تھا۔ (طحاوی، ج:۱،ص:۸۹، ابوداؤد ج:۱،ص:۵۱) اس لئے جمعہ کے دن غسل کرنا واجب نہیں ہوسکتا۔

دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ (اعلاء السنن، ج:۱،ص:۱۵۲، نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۵۰، بذل المجہود ج:۱،ص:۲۰۸)

دلیل: عَنْ سَمُرَةَ ابنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ الْجُمُعَةَ فَبِهَا وَنِعِمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ. (ترمذی، ج:۱،ص:۱۱۱، اعلاء السنن، ج:۱،ص:۱۵۲)

یعنی جو شخص جمعہ کے دن وضو کرے گا، تو وہ وضو اس کے لئے کافی ہوگا، اور جو شخص غسل کرے گا، تو وہ غسل اس کے لئے زیادہ افضل اور باعث ثواب ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا صرف مسنون ومستحب ہے نیز حضرت علیؓ سے منقول ہے قَالَ يستَحِبُّ الْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْسَ بِحَتْمٍ. (اعلاء السنن، ج:۱،ص:۱۵۳) یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا مسنون ومستحب ہے واجب نہیں ہے۔

---

(۳۱) وَلَيْسَ فِي الْمَذِيِّ وَالْوَدِيِّ غُسْلٌ وَفِيْهِمَا الْوُضُوْءُ.

ترجمہ: (۳۱) اور مذی اور ودی میں غسل نہیں ہے اور ان دونوں میں وضو ہے۔

تشریح: مذی اور ودی نکلنے کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا البتہ وضو واجب ہوتا ہے۔

مذی کی تعریف: وہ پتلا پانی ہے، جو بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرتے وقت نکلتا ہے، اس کے نکلنے میں خاص احساس نہیں ہوتا مذی اللہ کے نظام کے مطابق منی خارج ہونے سے پہلے نکلتی ہے تاکہ منی کے خارج ہونے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ (ایضاح الطحاوی، ج:۱،ص:۱۷۵، علم الفقہ ج:۱،ص:۴۵، بحر الرائق: ج:۱،ص:۶۴)

ودی کی تعریف: یہ طبعی امراض وعوارض کی بنا پر پیشاب سے پہلے یا بعد میں عام طور پر نکلتی ہے، یہ شکل وصورت کے اعتبار سے منی کی طرح ہوتی ہے اس کے نکلنے میں بھی کوئی احساس نہیں ہوتا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۶۵) یہاں کے عرف میں اس کو "دھات" کی بیماری کہا جاتا ہے۔

---

(۳۲) وَالطَّهَارَةُ مِنَ الْاَحْدَاثِ جَائِزَةٌ بِمَاءِ السَّمَاءِ وَالْاَوْدِيَةِ وَالْعُيُوْنِ وَالْآبَارِ وَمَاءِ الْبِحَارِ

ترجمہ: (۳۲) اور ہر قسم کے حدث سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے، بارش، وادیوں، چشموں، کنوؤں اور سمندروں کے پانی کے ذریعہ سے۔

تشریح: احداث حدث کی جمع ہے، حدث کی دو قسمیں ہیں، (۱) حدث اکبر (۲) حدث اصغر،
حدث اکبر: انسان کی وہ حالت جس میں بغیر غسل کئے یا بغیر تیمم کئے نماز یا قرآن کریم پڑھنا درست نہیں۔
حدث اصغر: انسان کی وہ حالت جس میں بغیر وضو یا تیمم کئے نماز پڑھنا درست نہیں ہاں قرآن مجید پڑھنا درست ہے۔ (علم الفقہ، ج:۱، ص:۴۳)

جب مصنف علیہ الرحمہ وضو اور غسل کے بیان سے فارغ ہو گئے۔
تو اب اس چیز کو بیان کریں گے، جس سے طہارت حاصل ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں آسمان کے پانی وادیوں کے پانی چشموں کے پانی کنوؤں اور دریاؤں کے پانی کے ذریعہ طہارت حاصل کرنا جائز ہے، بارش کے پانی کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَآءً طهوراً ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا۔
سمندر کے پانی کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، **هُوَ الطُّهُوْرُ مَآؤُهٗ وَالحِلُّ مَيْتَتُهٗ.** (ترمذی ج:۱، ص:۲۱) اس کا پانی پاک اور مردار حلال ہے۔
چشموں کنوؤں اور وادیوں کا پانی بھی حقیقت میں آسمان کا پانی ہے۔ **کما قال اللّٰہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَاءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ .** (سورۂ زمر، آیت ۱۲)
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے۔ (معارف القرآن ج:۷، ص:۵۴۸)

---

(۳۳) وَلَاتَجُوْزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ اُعْتُصِرَ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ

ترجمہ: (۳۳) اور جائز نہیں ہے پاکی حاصل کرنا ایسے پانی سے جو نچوڑا گیا ہو درخت اور پھل سے۔
تشریح: کسی درخت یا پھل یا پتوں سے نچوڑے ہوئے عرق سے وضو اور غسل درست نہیں اسی طرح جو پانی تربوز سے نکلتا ہے اس سے اور گنے وغیرہ کے رس سے وضو اور غسل درست نہیں ہے۔

---

(۳۴) وَلَا بِمَاءٍ غَلَبَ عَلَيْهِ غَيْرُهٗ فَاَخْرَجَهٗ عَنْ طَبْعِ المَاءِ كَالْاَشْرِبَةِ وَالْخَلِّ وَالمَرَقِ وَمَاءِ البَاقِلَّاءِ وَمَاءِ الوَرْدِ وَمَاءِ الزَّرْدَجِ.

ترجمہ: (۳۴) اور ایسے پانی سے بھی جائز نہیں ہے، جس پر پانی کے علاوہ دوسری چیز غالب ہو گئی پس اس نے پانی کو اپنی طبیعت سے نکال دیا، جیسے ہر قسم کا شربت، سرکہ، شوربا، لوبیے کا پانی گلاب کا پانی گاجر کا پانی۔
تشریح: جس پانی میں کوئی اور چیز مل گئی ہو یا پانی میں کوئی چیز پکائی گئی ہو اور ایسا ہو گیا ہو کہ بول چال میں اس کو پانی نہیں کہتے بلکہ اس کا کچھ اور نام ہو گیا تو اس سے وضو اور غسل جائز نہیں جیسے شربت، شیرہ، شوربا، سرکہ، گلاب وغیرہ کا عرق۔

(۳۵) وَتَجُوْزُ الطَّهَارَةُ بِمَاءٍ خَالَطَهُ شَيْءٌ طَاهِرٌ فَغَيَّرَ أَحَدَ اَوْصَافِهِ كَمَاءِ الْمَدِّ وَالْمَاءِ الَّذِيْ يَخْتَلِطُ بِهِ الْاُشْنَانُ والصَّابُوْنُ وَالزَّعْفَرَانُ .

ترجمہ: (۳۵) اور جائز ہے پاکی حاصل کرنا ایسے پانی سے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور پانی کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدل دیا ہو، جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان صابون اور زعفران مل گیا ہو۔

تشریح: جس پانی میں کوئی پاک چیز پڑ گئی اور پانی کے رنگ مزے یا بو میں فرق آ گیا لیکن وہ چیز پانی میں پکائی نہیں گئی نہ پانی کے پتلا ہونے میں کچھ فرق آیا جیسے کہ بہتے ہوئے پانی میں کچھ ریت ملی ہوئی ہوتی ہے یا پانی میں زعفران پڑ گیا۔

اور اس کا بہت ہلکا سا رنگ آ گیا یا صابن پڑ گیا تو وضو اور غسل درست ہے۔

تنبیہ: قدوری کی عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر پانی کے دو وصف یا زیادہ متغیر ہو گئے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے مگر اصح قول کے مطابق وضو کرنا جائز ہے۔ (عینی ج:۱ص:۱۸۹)

(۳۶) وَكُلُّ مَاءٍ دَائِمٍ اِذَا وَقَعَتْ فِيْهِ نَجَاسَةٌ لَمْ يَجُزِ الْوُضُوْءُ بِهِ قَلِيْلاً كَانَ أَوْكَثِيْرًا لِاَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِحِفْظِ الْمَاءِ مِنَ النَّجَاسَةِ فَقَالَ لَايَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَايَغْتَسِلَنَّ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهِ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهُ فِي الْاِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَاِنَّهُ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ. (۳۷) وَاَمَّا الْمَاءُ الْجَارِيْ اِذَا وَقَعَتْ فِيْهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوْءُ اِذَا لَمْ يُرَ لَهَا اَثَرٌ لِاَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ مَعَ جِرْيَانِ الْمَاءِ (۳۸) وَالْغَدِيْرُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ لَايَتَحَرَّكُ اَحَدُ طَرَفَيْهِ بِتَحْرِيْكِ الطَّرْفِ الْآخَرِ اِذَا وَقَعَتْ فِيْ اَحَدِ جَانِبَيْهِ نَجَاسَةٌ جَازَ الْوُضُوْءُ مِنَ الْجَانِبِ الْآخَرِ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ النَّجَاسَةَ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: (۳۶) اور ہر ایسا پانی جو رکا ہوا ہو اگر اس میں کوئی ناپاکی گر جائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں ہے کم ہو یا زیادہ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے ناپاکی سے پانی کی حفاظت کا چنانچہ آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں ناپاکی کا غسل کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اسے تین بار دھوئے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔ (۳۷) لیکن جاری پانی میں جب نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز ہے جب تک کہ اس کا اثر دکھائی نہ دے کیونکہ نجاست نہیں ٹھہر سکتی پانی کے بہاؤ کے ساتھ۔ (۳۸) اور بڑا تالاب وہ ہے کہ جس کی ایک جانب حرکت دینے سے دوسری جانب متحرک نہ ہو، جب اس کی ایک جانب نجاست پڑ جائے، تو دوسری جانب سے وضو کرنا جائز ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نجاست دوسری جانب نہیں پہنچی ہوگی۔

تشریح: جس پانی میں نجاست پڑ جائے، اس سے وضو غسل درست نہیں چاہے وہ ٹھہرا ہوا پانی تھوڑا ہو یا زیادہ البتہ اگر بہتا ہوا پانی ہو تو وہ نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے رنگ یا مزے یا بو میں فرق نہ آئے اگر فرق آ گیا تو بہتا ہوا پانی بھی نجس ہو جائے گا۔

پانی میں نجاست گرنے سے پانی کے پاک رہنے اور ناپاک ہو جانے کے سلسلہ میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک کے نزدیک پانی میں نجاست گرنے سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوگا، جب تک کہ پانی کے اوصاف ثلثہ میں سے کوئی ایک وصف متغیر نہ ہو پانی کم ہو یا زیادہ۔ (بذل المجہود ج:۱ص:۴۳، نیل الاوطار، ج:۱ص:۳۹، معارف السنن، ج:۱ص:۲۲۲)

دلیل: امام مالک نے اپنے مذہب پر بئر بضاعہ والی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں صحابی کے سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ الْمَاءَ طُهُوْرٌ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ (ترمذی شریف ج:۱ص:۲۱ طحاوی شریف ج:۱ص:۱۱) یعنی پانی پاک ہے کوئی چیز اس کو ناپاک نہیں کرتی اس حدیث میں ماء قلیل و کثیر کی کوئی تفریق نہیں ہر پانی کے بارے میں یہی فرمایا گیا ہے کہ وہ ناپاک نہیں ہوتا۔

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت بئر بضاعہ کے حق میں وارد ہوئی ہے اور بئر بضاعہ کا پانی باغوں میں جاری تھا، لہٰذا اس سے ٹھہرے ہوئے پانی کے نجس نہ ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔ (طحاوی ج:۱ص:۱۱، البحرالرائق ج:۱ص:۸۳ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۶۶)

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر ماء قلیل میں نجاست گر جائے تو مطلقاً ناپاک ہو جاتا ہے اگرچہ تینوں اوصاف میں سے کوئی ایک نہ بھی بدلے اور اگر ماء کثیر میں نجاست گر جائے، تو پانی اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا، جب تک کہ احدالاوصاف میں تغیر نہ ہو۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۲۱۷، نیل الاوطار ج:۱ص:۳۹)

پھر ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ کتنے پانی کو قلیل کہیں گے، اور کتنے کو کثیر۔

شافعیہ اور حنابلہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر پانی قلتین کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو کثیر ہے اور قلتین سے کم ہو تو قلیل ہے۔ (البحرالرائق:۱/۸۷، معارف السنن:۱/۲۲۱، بدائع الصنائع:۱/۲۱۷) احناف کے نزدیک ماء قلیل کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ مبتلیٰ بہ کی رائے معتبر ہے، اگر مبتلیٰ بہ کا گمان اس حوض کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی ایک جانب کی نجاست کا اثر دوسری جانب پہنچ جاتا ہے، تب تو قلیل ہے اور اگر اس کا ظن غالب یہ ہے کہ دوسرے کنارے تک اس کا اثر نہیں پہنچتا تو وہ کثیر ہے۔ (فتح القدیر، ج:۱ص:۶۸، البحرالرائق ج:۱ص:۸۷، معارف السنن ج:۱ص:۲۲۱)

امام یوسف کے نزدیک ایک طرف حرکت دینے سے دوسری طرف حرکت ہو جائے تو وہ ماء قلیل ہے اور اگر حرکت نہ ہو تو ماء کثیر ہے۔

تیسرا قول امام محمد کا ہے، اگر دہ در دہ سے کم ہو تو قلیل ہے اور اگر دہ در دہ یا اس سے زیادہ ہے تو کثیر ہے، قول اول محقق ہے، لیکن متاخرین نے عوام الناس کی آسانی کے لئے قول ثالث پر فتویٰ دیا ہے۔

(البحرالرائق مع منحۃ الخالق ج:۱ص:۸۷ تا ۸۰)

شافعیہ وحنابلہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے جس میں ہے کہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پانی کے متعلق سوال کیا جس میں درندے وغیرہ منھ ڈال دیا کرتے ہیں تو آپ نے جواباً فرمایا: إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْخَبَثَ. (البحر الرائق ج:۱،ص:۸۵، نیل الاوطار ج:۱،ص:۴۰) یعنی جب پانی دو قلہ کے برابر ہو تو ناپاک نہیں ہوتا، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مقدار قلتین ماء کثیر ہے اور اس سے کم ماء قلیل ہے۔

جواب: آپ کی پیش کردہ حدیث کی سند ومتن میں اضطراب ہے۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۴۱، البحر الرائق ج:۱،ص:۸۵، نیل ج:۱،ص:۴۰)

مذکورہ کتابوں میں تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

(۲) مصداق میں بھی اضطراب ہے بعض مٹکے دو مشکیزے کے برابر ہوتے ہیں اور بعض ڈھائی مشکیزے کے اور بعض تین مشکیزے کے اور بعض چار اور بعض پانچ پانچ مشکیزوں کے برابر ہوتے ہیں، تو دو قلہ سے مراد کس مقدار کے قلہ ہوں گے، حدیث میں اس کی کوئی صراحت نہیں ہے ان اضطرابات کی بنیاد پر حدیث قلتین سے استدلال کرکے ماء کثیر کی مقدار دو مٹکوں کو ثابت کرنا اور اس پر عمل کرنا بڑا دشوار نظر آتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی، ص:۹۰،۹۱، جلد اول)

نیز نجاست ماء کے ثبوت کے لئے نہایت مضبوط دلائل کی ضرورت ہے حدیث القلتین کو اگر ضعیف نہ کہا جائے تب بھی اس کا درجہ حسن سے اوپر نہیں جاتا جب کہ احناف نے نجاست ماء کے سلسلہ میں جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ صحت کے اعلیٰ مقام پر ہیں اس لئے حدیث القلتین ان روایات صحیحہ کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (درس ترمذی ج:۱،ص:۲۷۶)

احناف کی دلیل: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَلَا يَغْتَسِلُ فِيْهِ مِنَ الْجَنَابَةِ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۰)

آپ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے اور غسل جنابت سے منع فرمایا ہے، حالانکہ غسل جنابت کرنے سے بلکہ پیشاب کرنے سے بھی پانی کے رنگ بو مزہ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوتی اگر پانی کسی حال میں بھی ناپاک نہیں ہوتا تو پھر منع کرنے کا کیا فائدہ (عینی ج:۱،ص:۱۹۷)

دوسری دلیل: إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَلَا يَغْمِسَنَّ يَدَهٗ فِي الْإِنَاءِ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ. (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۲۱۷)

اس حدیث میں محض احتمال نجاست کی بنا پر پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع کردیا گیا تو حقیقۃً پانی میں نجاست پڑ جانے کے بعد تو بدرجۂ اولیٰ پانی ناپاک ہو جائے گا۔ (عینی ج:۱،ص:۱۹۶، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۲۱۷)

(۳۹) وَمَوْتُ مَا لَيْسَ لَهٗ نَفْسٌ سَائِلَةٌ فِي الْمَاءِ لَا يُفْسِدُ الْمَاءَ كَالْبَقِّ وَالذُّبَابِ وَالزَّنَابِيْرِ وَالْعَقَارِبِ

ترجمہ: (۳۹) اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جس میں بہنے والا خون نہ ہو تو وہ اس پانی کو ناپاک نہیں کرتا

ہے، جیسے مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو۔

تشریح: جس پانی میں ایسی جاندار چیز مرجائے جس کے اندر بہتا ہوا خون نہیں ہوتا یا باہر مرکر پانی میں گر پڑے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا، جیسے مچھر، مکھی، بھڑ، بچھو، شہد کی مکھی وغیرہ۔

امام شافعیؒ کا قول بھی حنفیہ کے موافق ہے اور یہی ان کے مذہب میں معتبر ہے، جیسا کہ علامہ نووی نے شرح مہذب میں اس کی صراحت کی ہے۔ (البحر الرائق، ج:۱،ص:۹۳)

مذکورہ مسئلہ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِيْ إِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ ثُمَّ انْقُلُوْهُ فَإِنَّ فِيْ اَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءٌ وَفِي الْآخَرِ دَوَاءٌ وَهُوَ يُقَدِّمُ الدَّاءَ عَلَى الدَّوَاءِ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۹۹)

جب تم میں سے کسی کے برتن میں مکھی گرجائے (جس میں کھانا ہے) تو اس کو کھانے میں ڈبو دو پھر اس کو نکال ڈالو کیونکہ اس کے دو پروں میں سے ایک میں بیماری ہے اور دوسرے میں دوا ہے اور مکھی بیماری کو دوا پر مقدم کرتی ہے (بیماری والے پر کو کھانے کے اندر پہلے ڈالتی ہے)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکھی کو ڈبونے کا حکم دیا ہے اگر ڈبونے کی وجہ سے ناپاکی ثابت ہوتی تو آپ ایسا حکم ہرگز نہ فرماتے، جب مکھی میں یہ حکم ثابت ہوگیا تو وہ تمام جاندار جن میں بہنے والا خون نہیں ہے ان کا بھی یہی حکم ہوگا۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۹۳، اعلاء السنن، ج:۱،ص:۱۸۰)

---

(۴۰) وَمَوْتُ مَا يَعِيْشُ فِي الْمَاءِ لَايُفْسِدُ الْمَاءَ كَالسَّمَكِ وَالضِّفْدَعِ وَالسَّرْطَانِ.

ترجمہ: (۴۰) اور پانی میں ایسے جانور کا مرنا جو پانی میں زندگی گذارتا ہے، پانی کو خراب نہیں کرے گا جیسے مچھلی، مینڈک اور کیکڑا۔

تشریح: جس جانور کی پیدائش پانی کی ہو اور ہر دم پانی میں رہا کرتا ہو اس کے مرجانے سے پانی خراب نہیں ہوتا پاک رہتا ہے، جیسے مچھلی مینڈک کچھوا وغیرہ۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ اور جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔

دلیل: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ یعنی تم پر مردار حرام کیا گیا اور کسی چیز کی حرمت جب کرامت اور بزرگی کے طریقہ پر نہ ہو تو وہ ناپاک ہونے کی علامت ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۹۸، عینی ج:۱،ص:۲۱۲)

جواب: حرام ہونے کے لئے کسی چیز کا ناپاک ہونا ضروری نہیں جیسے مٹی کھانا حرام ہے حالانکہ اس کی حرمت اس کے احترام کی بنیاد پر نہیں ہے جس سے اس کا ناپاک ہونا لازم آئے۔ (عینی ج:۱،ص:۲۱۱ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۷۳)

حنفیہ کی دلیل: خون دھوپ میں سیاہ پڑ جاتا ہے، اور مذکورہ جانوروں میں جو رطوبت بہہ کر نکلتی ہے، وہ دھوپ میں سفید پڑ جاتی ہے، معلوم ہوا کہ ان جانوروں میں خون نہیں ہے اور نجس خون ہوتا ہے، پس جب ان میں خون نہیں ہے تو ان جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۲۱۳)

(۴۱) وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ لَايَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُهٗ فِيْ طَهَارَةِ الْاَحْدَاثِ (۴۲) وَالْمَاءُ الْمُسْتَعْمَلُ كُلُّ مَاءٍ اُزِيْلَ بِهٖ حَدَثٌ اَوِ اسْتُعْمِلَ فِي الْبَدَنِ عَلٰى وَجْهِ الْقُرْبَةِ .

ترجمہ: (۴۱) اور مستعمل پانی کا استعمال احداث کی طہارت میں جائز نہیں۔ (۴۲) اور مستعمل پانی وہ ہے جس سے دور کی گئی ہو کوئی ناپاکی یا استعمال کیا گیا ہو بدن میں قربت الٰہی کے طور پر۔

تشریح: (۱) جو پانی پاک چیزیں دھونے کے لئے استعمال کیا گیا ہو مثلاً غلہ جات سبزیوں اور پاک کپڑوں کا دھووَن یہ بالاتفاق پاک ہے۔

(۲) جو پانی نجاست حقیقیہ دور کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو جیسے استنجے کا پانی اور ناپاک کپڑوں کا دھووَن یہ بالاتفاق ناپاک ہے۔

(۳) وہ پانی جس کے ذریعہ سے حدث اصغر یا اکبر کا ازالہ کیا گیا ہو وہ پانی پاک ہے یا ناپاک اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

مذہب ۱ امام مالک فرماتے ہیں کہ ماء مستعمل پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی ہے یہی ایک روایت امام شافعی سے منقول ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۷۴)

دلیل: اللہ نے اپنے کلام مقدس میں ماء مطلق کو طہور فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے وانزلنا من السَّمَاءِ مَاءً طهورًا طہور مبالغہ کا صیغہ ہے، معنی ہوں گے بار بار پاک کرنا، پس لفظ طہور اس بات کا فائدہ دے گا کہ پانی ایک بار استعمال کرنے کے بعد دوسری بار پاک کرے گا اور تیسری بار پاک کرے گا، معلوم ہوا کہ آب مستعمل پاک کرنے والا ہے اور جو مطہر ہوگا وہ طاہر بھی ضرور ہوگا۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۱۰۲ عینی ج:۱ص:۲۱۵،۲۱۶)

جواب: طہور اس چیز کا نام ہے جس سے پاکی حاصل کی جائے جیسے سحور وہ کھانا جو صبح سے تھوڑی دیر پہلے کھایا جائے اس صورت میں پانی کے بار بار مطہر ہونے پر دلالت نہیں ہوتی۔ (عینی ج:۱ص:۲۱۶)

احناف کا مشہور و مفتی بہ قول یہ ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے، یہی مذہب امام شافعی و امام احمد کا ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۹۹، عینی ج:۱ص:۲۱۸)

ماء مستعمل کے طاہر ہونے پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے کپڑوں برتنوں اور اپنے بدن کو ماء مستعمل سے بچانے کا اہتمام نہ کرتے تھے اور اگر ماء مستعمل لگ جاتا تو دھلنے کا بھی رواج نہ تھا۔

ماء مستعمل کے مطہر نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو اسفار میں پانی کی کافی حاجت ہوتی، ماء مستعمل کے علاوہ اکثر پانی نصیب نہ ہوتا خاص طور سے حجاز کے اطراف و جوانب میں ایسی حالت میں بھی کسی صحابی نے ماء مستعمل سے کبھی وضو نہ کیا نہ آپ نے ماء مستعمل کو جمع کرنے کا کبھی حکم فرمایا۔ (اعلاء السنن، ج:۱، ص:۱۸۳)

(۴۳) وَكُلُّ أُهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ جَازَتِ الصَّلٰوةُ فِيْهِ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ اِلَّا جِلْدَ الْخِنْزِيْرِ وَالْآدَمِيِّ

ترجمہ: (۴۳) اور ہر کچی کھال جس کو دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی اس دباغت دی ہوئی کھال میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس سے وضو کرنا (جائز ہے) سوائے خنزیر اور آدمی کی کھال کے۔

تشریح: مردار کی کھال جب دھوپ میں سکھا ڈالیں یا کچھ دوا وغیرہ لگا کر درست کر لیں تو پاک ہو جاتی ہے اب دباغت شدہ کھال کا لباس پہن کر نماز پڑھنا درست ہے اور مشک وغیرہ بنا کر اس میں پانی رکھنا اور اس سے پانی لے کر وضو کرنا بھی درست ہے۔

دباغت کی تعریف: کھال کی بدبو اور ناپاک رطوبات کو دور کرنے کا نام دباغت ہے دباغت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱ حقیقی، ۲ حکمی۔

حقیقی کی تعریف: ببول کے پتے نمک انار کے چھلکے وغیرہ کے ذریعہ بدبو دور کرنا۔

حکمی کی تعریف: دھوپ میں سکھا کر یا ہوا میں ڈال کر یا مٹی مل کر بدبو دور کرنا۔ (البحر الرائق ج:۱، ص: 105)

مصنف علیہ الرحمہ کی عبارت میں دونوں قسمیں مراد ہیں۔

دباغت دینے کے بعد کھال پاک ہوجائے گی یا نہیں۔

اس سلسلہ میں تین مذاہب نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام احمد بن حنبل کی مشہور روایت یہ ہے کہ مردار کی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوتی ہے یہی ایک روایت امام مالک سے منقول ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۷۲، البحر الرائق ج: ص:۱۰۹)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے لَا تَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ (نیل الاوطار، ج:۱، ص:۷۲، ترمذی:۱/۳۰۳، البحر الرائق:۱/۱۱۰) یعنی مردار کی کھال اور پٹھے کے ساتھ نفع مت اٹھاؤ۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار کی کھال سے انتفاع کرنے سے منع فرما دیا ہے اور یہ حدیث ان تمام احادیث کے لئے ناسخ بنے گی جن میں فرمایا گیا کہ جو کھال دباغت دی گئی وہ پاک ہوگئی۔ (نیل الاوطار، ج:۱، ص:۷۲)

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت لَاتَنْتَفِعُوْا مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَلَا عَصَبٍ کا مطلب یہ ہے کہ اس کھال سے انتفاع نہ کرو جس کو ابھی دباغت نہ دی گئی ہو، کیونکہ اِهَاب بغیر دباغت کی کھال کو کہتے ہیں، دباغت کے بعد نفع اٹھا

نے کی ممانعت اس حدیث میں نہیں ہے۔

اور اَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ. میں فرمایا ہے کہ دباغت کے بعد مردار کی کھال پاک ہے۔(درس ترمذی ج:۵،ص:۳۳۸)

لہٰذا دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے تو ناسخ و منسوخ کا دعویٰ بھی درست نہ ہوگا۔

امام شافعی کے نزدیک کتے کی کھال دباغت کے بعد پاک نہیں ہوتی ہے۔(الجوہرۃ النیرہ ج:۱،ص:۱۷، البحر الرائق ج:۱،ص:۱۰۹، نیل ج:۱،ص:۷۲، عینی ج:۱،ص:۲۲۷)

دلیل: جس طرح خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی اسی طرح کتے کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔(نیل الاوطار، ج:۱،ص:۷۲، فتح القدیر ج۱،ص:۸۱)

جواب: کتے کی کھال کو خنزیر کی کھال پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ صحیح قول کی بنیاد پر کتا نجس العین نہیں ہے۔(عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۸۲)

احناف کے نزدیک خنزیر اور آدمی کی کھال کے علاوہ ہر کھال دباغت کے بعد پاک ہو جاتی ہے۔(نیل الاوطار ج:۱،ص:۷۳)

دلیل: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَادَ أَنْ يَّتَوَضَّأَ مِنْ سِقَاءٍ فَقِيْلَ لَهُ أَنَّهُ مَيْتَةٌ فَقَالَ دِبَاغُهُ يُزِيْلُ خَبْثَهُ أَوْ نَجْسَهُ أَوْ رِجْسَهُ. (نیل الاوطار ج:۱،ص:۷۲، عینی ج:۱،ص:۲۲۵)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشکیزہ سے وضو کرنے کا ارادہ کیا تو آپ سے کہا گیا یہ مردار کی کھال کا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو دباغت دینا اس کے خبث کو اس کی نجاست کو اس کی گندگی کو دور کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی کھال دباغت دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔

---

(۴۴) وَشَعْرُ الْمَيْتَةِ وَعَظْمُهَا طَاهِرٌ.

ترجمہ: (۴۴) اور مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہے۔

تشریح: مردار کے بال سینگ ہڈی اور دانت یہ سب چیزیں پاک ہیں اگر پانی میں پڑ جائیں تو نجس نہ ہوگا، البتہ اگر ہڈی اور دانت وغیرہ پر اس مردار جانور کی کچھ چکنائی وغیرہ لگی ہو تو وہ نجس ہے اور پانی بھی نجس ہو جائے گا، آدمی کی ہڈی اور بال پاک ہیں؛ لیکن ان کو برتنا اور کام میں لانا جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مذکورہ تمام چیزیں ناپاک ہیں۔

دلیل: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ تم پر مردار حرام کیا گیا ہے، یہ آیت عام ہے اس میں کسی چیز کی کوئی تفصیل

نہیں ہے لہٰذا مذکورہ تمام چیزیں مردار کے درجہ میں ہو کر ناپاک ہوں گی۔ (عینی ج:۱،ص:۲۳۴، البحر الرائق ج:۱،ص:۱۱۳)

جواب: مردار نام ہے اس چیز کا جس سے بغیر ذبح کئے زندگی ختم ہو جائے اور مذکورہ چیزوں میں کوئی حیات نہیں ہے کیونکہ ان میں سے اگر کسی چیز کو کاٹا جائے تو جانور کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا ہے لہٰذا ان میں میتہ ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ (عینی ج:۱،ص:۲۳۴)

---

(۴۵) وَاِذَا وَقَعَتْ فِي الْبِئْرِ نَجَاسَةٌ نُزِحَتْ وَكَانَ نَزْحُ مَافِيْهَا مِنَ الْمَاءِ طَهَارَةً لَهَا

ترجمہ: (۴۵) اور جب کنوئیں میں کوئی نجاست گر جائے تو کنوئیں (کا پانی) نکالا جائے اور اس چیز کا نکالنا جو کنویں میں ہے یعنی پانی اس کنویں کے لئے طہارت ہوگا۔

تشریح: جب کنوئیں میں کچھ نجاست گر پڑے تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور پانی کھینچ ڈالنے سے پاک ہو جاتا ہے چاہے تھوڑی نجاست گرے یا بہت ساری پانی نکالنا چاہئے، جب سارا پانی نکل جائے گا تو پاک ہو جائے گا، کنویں کے اندر کنکر دیوار وغیرہ کے دھونے کی ضرورت نہیں وہ سب خود بخود پاک ہو جاتی ہے، اسی طرح رسی ڈول جس سے پانی نکالا ہے کنویں کے پاک ہونے سے یہ چیزیں بھی پاک ہو جائیں گی سب پانی نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا نکالیں کہ پانی ٹوٹ جائے اور آدھا ڈول بھی نہ بھرے۔

---

(۴۶) فَاِنْ مَاتَتْ فِيْهَا فَأْرَةٌ أَوْ عُصْفُوْرَةٌ اَوْ صَعْوَةٌ اَوْسَوْدَانِيَّةٌ أَوْسَامُّ اَبْرَصَ نُزِحَ مِنْهَا مَابَيْنَ عِشْرِيْنَ دَلْوًا اِلٰى ثَلٰثِيْنَ بِحَسْبِ كُبْرِ الدَّلْوِ وَصُغْرِهَا.

ترجمہ: (۴۶) چنانچہ اگر اس کنویں میں چوہا یا چڑیا یا چھوٹا چڑا یا بھجنگا یا چھپکلی مر جائے تو کنویں سے بیس ڈول نکالے جاویں تیس تک ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے۔

تشریح: اگر چوہا چڑیا یا بڑی چھپکلی جس میں بہتا ہوا خون ہو یا اس کے برابر کوئی چیز گر کر مر گئی لیکن پھولی پھٹی نہیں تو بیس ڈول نکالنا واجب ہے اور تیس ڈول نکالنا مستحب ہے اگر ڈول بڑا ہے تو بیس ڈول اور اگر چھوٹا ہے تیس ڈول لیکن اولاً مردہ جانور نکال لیں پھر پانی نکالنا شروع کریں ایک چوھے سے لے کر چار چوھے تک یہی حکم ہے اور پانچ سے نو تک چالیس ڈول نکالنا واجب ہے اور دس چوھوں میں پورا پانی نکالنا واجب ہے۔ (فتح القدیر مع العنایہ ج:۱،ص: ۸۹، عینی ج:۱،ص:۲۴۹)

مذکورہ مسئلہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ جب ایک مرتبہ کنویں میں چوہا گر کر مر گیا اور فوراً نکال لیا گیا تو بیس ڈول پانی نکال دیا جائے اور حضرت ابن عباس نے تیس ڈول نکالنے کا حکم دیا دونوں حدیثوں کے تعارض کو ختم کرنے کے لئے حدیث انسؓ کو وجوب پر اور حدیث ابن عباس کو استحباب پر محمول کریں گے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۸۹تا۹۰)

(۴۷) وَاِنْ مَاتَتْ فِيْهَا حَمَامَةٌ اَوْ دَجَاجَةٌ اَوْ سِنَّوْرٌ نُزِحَ مِنْهَا مَابَيْنَ اَرْبَعِيْنَ دَلْوًا اِلٰى خَمْسِيْنَ

ترجمہ: (۴۷) اور اگر مر جائے اس میں کبوتر یا مرغی یا بلی تو نکالے جائیں گے چالیس ڈول سے پچاس ڈول تک۔

تشریح: اگر کبوتر یا مرغی یا بلی یا اسی کے برابر کوئی چیز کنویں میں گر کر مر جائے یا مرا ہوا گر جائے اور پھولے پھٹے نہیں تو چالیس ڈول نکالنا واجب ہے اور پچاس ڈول نکالنا مستحب ہے۔

دلیل: عن ابی سعید الخدریؓ اَنَّهٗ قَالَ فِي الدَّجَاجَةِ اِذَا مَاتَتْ فِي الْبِئْرِ يُنْزَحُ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ دَلْوًا اَوْ خَمْسُوْنَ. (عینی ج:۱،ص:۲۵۱)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اس مرغی کے بارے میں فرمایا جو کنویں میں گر کر مر گئی کہ اس کنویں سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جائیں۔

(۴۸) وَاِنْ مَاتَ فِيْهَا كَلْبٌ اَوْشَاةٌ اَوْ اٰدَمِيٌّ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ.

ترجمہ: (۴۸) اور اگر مر جائے اس میں کتا یا بکری یا آدمی تو جو کچھ اس میں پانی ہے سب نکالا جائے۔

تشریح: اگر آدمی کتا یا بکری یا اس کے برابر کوئی جانور گر کر مر جائے تو سارا پانی نکالا جائے اور اگر باہر مرے پھر کنویں میں گرے تب بھی یہی حکم ہے۔

دلیل: لِاَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ الزُّبَيْرِ اَفْتَيَا بِنَزْحِ الْمَاءِ كُلِّهٖ حِيْنَ مَاتَ زَنْجِيٌّ فِيْ بِئْرِ زَمْزَمَ كَمَا رَوَاهُ ابْنُ سِيْرِيْنَ. (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۲۵)

جب ایک حبشی زمزم کے کنویں میں گر کر مر گیا تو ابن عباس اور عبداللہ بن زبیرؓ نے پورا پانی نکالنے کا حکم دیا تھا۔

(۴۹) وَاِنِ انْتَفَخَ الْحَيَوَانُ فِيْهَا اَوْ تَفَسَّخَ نُزِحَ جَمِيْعُ مَا فِيْهَا صَغُرَ الْحَيَوَانُ اَوْ كَبُرَ

ترجمہ: (۴۹) اور اگر جانور کنوئیں میں پھول جائے یا پھٹ جائے تو نکالا جائے سارا پانی جو اس میں موجود ہے جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

(۵۰) وَعَدَدُ الدِّلَاءِ يُعْتَبَرُ بِالدَّلْوِ الْوَسَطِ الْمُسْتَعْمَلِ لِلْآبَارِ فِي الْبُلْدَانِ (۵۱) فَاِنْ نُزِحَ مِنْهَا بِدَلْوٍ عَظِيْمٍ قَدْرَ مَا يَسَعُ مِنَ الدِّلَاءِ الْوَسْطِ اُحْتُسِبَ بِهٖ

ترجمہ: (۵۰) اور ڈولوں کا شمار معتبر ہے اس درمیانی ڈول سے جو کنوؤں پر استعمال ہوتا ہے شہروں میں۔ (۵۱) اگر نکالدی گئی بڑے ڈول سے کنویں سے اتنی مقدار جو سماتی ہو درمیانی ڈولوں میں تو درمیانی ڈول سے حساب لگایا جائے گا۔

تشریح: یہاں درمیانی درجہ کا ڈول معتبر ہے درمیانی درجہ کا ڈول وہ ہے کہ جس کو شہر میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے یا اس کو کنوئیں پر عام طریقہ سے استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ اگر بڑے ڈول سے پانی نکالا گیا جس میں بہت پانی سماتا ہو تو اس کا حساب لگالینا چاہئے۔

(۵۲) وَاِنْ كَانَ الْبِيْرُ مُعِيْنًا لَا يُنْزَحُ وَوَجَبَ نَزْحُ مَا فِيْهَا اُخْرِجُوْا مِقْدَارَ مَا فِيْهَا مِنَ الْمَاءِ (۵۳) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ اَنَّهٗ قَالَ يُنْزَحُ مِنْهَا مِأَتَا دَلْوٍ اِلٰى ثَلٰثِ مِأَةٍ

ترجمہ: (۵۲) اور اگر کنواں جاری ہو کہ اس کا پانی نہ نکالا جاسکتا ہو اور جو پانی اس میں ہے اس کا نکالنا ضروری ہو تو جو پانی اس میں (گرنے کے وقت موجود ہو) اس کی مقدار نکال دیا جائے (۵۳) اور امام محمد سے مروی ہے انہوں نے فرمایا دو سو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کنویں میں اتنا بڑا سوت ہے کہ سب پانی نہیں نکل سکتا جیسے جیسے پانی نکالتے ہیں ویسے ویسے اس میں سے اور پانی نکلتا ہے تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ نجاست کے گرنے کے وقت اس میں جتنا پانی موجود ہو اندازہ کر کے اتنی مقدار نکال ڈالیں، ورنہ تین سو ڈول نکلوادیں کنواں پاک ہو جائے گا۔

اختلاف الائمہ

۱۔ نجس کنویں کو پاک کرنے کے لئے اتنا پانی نکالا جائے کہ پانی ان کو تھکا کر مغلوب کردے۔

۲۔ دو آدمیوں سے جن کو پانی پہچاننے میں مہارت ہو اندازہ کرالیا جائے جتنے ڈول وہ بتائیں اتنے ڈول نکالدیئے جائیں اول قول امام صاحب سے منقول ہے اور دوسرا قول ابو نصر محمد بن سلام سے منقول ہے۔ (البحر ج:۱ص:۱۲۹)

۳۔ کنویں میں رسی ڈال کر ناپا جائے کہ کتنے ہاتھ پانی ہے پھر کچھ ڈول پانی نکال کر رسی ڈالی جائے کہ کتنے ہاتھ پانی کم ہو گیا اسی حساب سے پانی نکال ڈالا جائے مثلاً رسی ڈال کر دیکھا دس ہاتھ پانی ہے سو ڈول نکالنے کے بعد پھر رسی ڈال کر دیکھا تو ایک ہاتھ کم ہو گیا تو نو سو ڈول اور نکال دیئے جائیں۔

۴۔ کنویں میں جس قدر پانی ہے اتنا ہی گہرا لانبا چوڑا گڑھا کھودا جائے اور اس قدر پانی نکالا جائے کہ وہ گڑھا بھر جائے یہ دونوں قول امام ابو یوسف سے منقول ہیں۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۱۲۹)

۵۔ دو سو سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں۔

۶۔ ڈھائی سو سے تین سو تک نکالے جائیں یہ دونوں قول امام محمد سے منقول ہے۔ (الجوہرة النیرہ ج:۱ص:۲۰)
لوگوں کی آسانی کی خاطر فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۱۲۹، اللباب فی شرح الکتاب ۱/۵۰)

(۵۴) وَاِذَا وُجِدَ فِى الْبِيْرِ فَارَةٌ مَيِّتَةٌ اَوْغَيْرُهَا وَلَايَدْرُوْنَ مَتٰى وَقَعَتْ وَلَمْ تَنْتَفِخْ وَلَمْ تَنْفَسِخْ اَعَادُوْا

صَلٰوۃَ یَوْمٍ وَلَیْلَۃٍ اِذَا کَانُوْا تَوَضَّأُوْا مِنْھَا وَغَسَلُوْا کُلَّ شَیْءٍ اَصَابَہٗ مَآءُھَا (۵۵) وَاِنِ انْتَفَخَتْ اَوْ تَفَسَّخَتْ اَعَادُوْا صَلٰوۃَ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْھَا فِیْ قَوْلِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ (۵٦) وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَیْسَ عَلَیْھِمْ اِعَادَۃُ شَیْءٍ حَتّٰی یَتَحَقَّقُوْا مَتٰی وَقَعَتْ.

ترجمہ: (۵۴)اور جب پایا جائے کنویں میں مرا ہوا چوہا وغیرہ اور لوگوں کو معلوم نہیں کہ کب گرا ہے اور وہ ابھی تک نہ پھولا نہ پھٹا تو یہ لوگ ایک دن ورات کی نمازیں لوٹائیں جب کہ اسی پانی سے وضو کر کے (پڑھی ہوں) اور ہر اس چیز کو دھوئیں جس کو اس کنویں کا پانی پہنچا ہو۔ (۵۵) اور اگر وہ جانور پھول گیا یا پھٹ گیا تو تین دن رات کی نمازیں لوٹائیں امام ابوحنیفہؒ کے قول میں۔ (۵٦) امام ابویوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ ان پر کسی چیز کا لوٹانا واجب نہیں ہے یہاں تک کہ یہ ثابت ہو جائے کہ کب گرا ہے۔

تشریح: کنویں میں مرا ہوا چوہا یا اور کوئی جانور نکلا اور یہ معلوم نہیں کہ کب سے گرا ہے اور وہ ابھی پھولا پھٹا بھی نہیں تو جن لوگوں نے اس کنویں سے وضو کیا ہے وہ ایک دن رات کی نمازیں دہرائیں اور اس پانی سے جو کپڑے دھوئے ہیں ان کو بھی دھونا چاہئے اور اگر پھول گیا ہے یا پھٹ گیا ہے، تو تین دن تین رات کی نمازیں دھرانی چاہئیں یہ حکم امام صاحب کے نزدیک ہے صاحبین نے یہ کہا ہے کہ جس وقت کنویں کا ناپاک ہونا معلوم ہوا ہے اسی وقت سے ناپاک سمجھیں گے، اس سے پہلے کی نماز وضو سب درست ہے۔

صاحبین کی دلیل کنویں کا پانی پہلے سے پاک تھا لیکن اس میں مرا ہوا جانور پائے جانے کی وجہ سے اس کے ناپاک ہونے میں شک واقع ہو گیا کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ زندہ گرا ہو پھر کنویں میں مر گیا ہو اور ابھی تک اس کا پانی استعمال نہ کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ کنویں سے باہر کسی جگہ مر گیا ہو پھر آندھی نے یا کسی بیوقوف نے یا بچوں نے یا کسی پرندے نے کنویں میں ڈال دیا ہو اور اس پانی کو استعمال کر لیا ہو۔

بہر حال اس کے ناپاک ہونے میں شک ہو گیا اور الیقینُ لایزولُ بالشكِ لہٰذا شک کی وجہ سے اس کے ناپاک ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر جانور کے گرنے کا وقت معلوم ہو گیا تو اسی وقت سے کنواں ناپاک ہوگا کیونکہ ایک یقین دوسرے یقین سے زائل ہو جاتا ہے۔

ماقبل کا مسئلہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے اپنے کپڑے پر ناپاکی دیکھی اور معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ناپاکی کب لگی ہے تو اس آدمی پر نماز وغیرہ کا اعادہ واجب نہ ہوگا۔

جواب: کنویں کے مسئلہ کو نجاست لگے ہوئے کپڑے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ کپڑا بدن پر ہونے کی وجہ سے پورے وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتا ہے اگر نجاست پہلے سے لگی ہوتی تو اسی وقت دیکھ لی ہوتی۔ اور کنواں اسکی نظروں سے غائب رہتا ہے، ممکن ہے کہ جانور پہلے سے مرا ہو مگر اس کو علم نہیں ہوا ہو، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۱۳۱، بدائع الصنائع ج:۱ص:۲۲۹ تا ۲۳۰ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۹۳)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: جانور کا پانی میں گرنا اس کی موت کا ظاہری سبب ہے اور مسبب کی پوشیدگی کے وقت حکم ظاہری سبب پر لگانا واجب ہے لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ یہ جانور پانی ہی میں مرا ہے اگر چہ یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اور سبب سے مرکر پانی میں گرا ہو لیکن یہ صرف ایک وہمی چیز ہے اس وجہ سے یہ احتمال غیر معتبر ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی محلہ میں کوئی مقتول پایا گیا تو یہی کہا جائے گا کہ قتل محلہ والوں نے ہی کیا ہے اسی وجہ سے ان پر قسم اور دیت لازم ہوگی اگر چہ احتمال اس کے علاوہ کا بھی ہے لیکن اس جانور کا پھول جانا اور پھٹ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس جانور کو مرے ہوئے دیر ہوگئی ہے اور دیری کی کم سے کم مدت تین دن ہے اسی وجہ سے اگر کسی میت کو بغیر نماز جنازہ پڑھے دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر تین دن تک نماز پڑھ سکتے ہیں تین دن کے بعد درست نہیں ہے اور جس صورت میں جانور کا پھولنا پھٹنا نہیں پایا گیا تو یہ قریبی زمانہ میں گر کر مرنے کی دلیل ہے اور مقادیر کی کم از کم مدت ایک دن رات ہے کیونکہ اس سے کم ساعتیں ہیں جن کا ضبط کرنا ناممکن ہے اس وجہ سے ہم نے اس کی مقدار ایک دن رات مقرر کی ہے۔

(البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۱، عینی ج:۱،ص:۲۵۹،تا ۲۶۰)

امام صاحب کے قول میں احتیاط ہے صاحبین کے قول میں آسانی ہے دلائل کی روشنی میں ترجیح امام صاحب کے قول کو ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۲)

(۵۷) وَسُؤرُ الآدَمِیِّ وَمَا یُؤکَلُ لَحمُہٗ طَاھِرٌ

ترجمہ: (۵۷) اور آدمی اور ان جانوروں کا جھوٹا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے پاک ہے۔

تشریح: آدمی کا جھوٹا پاک ہے، مسلمان ہو یا مشرک، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، پاک ہو یا ناپاک، عورت حیض سے ہو یا نفاس میں ہو۔

اسی طرح حلال جانور جیسے بکری بھیڑ گائے، بھینس ہرن وغیرہ اور حلال چڑیا جیسے مینا طوطا فاختہ گوریّا ان سب کا جھوٹا پاک ہے اسی طرح گھوڑے کا جھوٹا بھی پاک ہے آدمی کے جھوٹے کے پاک ہونے پر دلیل عن انس بن مالکٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بَلَبنٍ قد شِیْبَ بِمَاءٍ وَعَنْ یَمِیْنِہٖ اَعْرَابِیٌّ وَعَنْ یَسَارِہٖ اَبُوْبَکْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ أَعْطَی الأعْرَابِیَّ وَقَالَ الأیْمَنِ فالایْمَنُ. (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۳)

یعنی آپ کی خدمت میں پانی ملا ہوا دودھ (لسی) پیش کیا گیا آپ کی دائیں جانب ایک اعرابی تھے اور بائیں جانب ابوبکر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دودھ پیا باقی اعرابی کو عنایت فرمایا اور ارشاد فرمایا الأیْمَنُ فالأیْمَنُ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کا جھوٹا پاک ہے، جنبی کا جھوٹا پاک ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ عَنْ حُذَیْفَۃَ اَنَّ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لَقِیَہٗ فَاھْوٰیٰ اِلَیْہِ فَقَالَ اِنِّی جُنُبٌ فَقَالَ اَنَّ الْمُسْلِمَ لَیْسَ بِنَجِسٍ. (ابوداؤد ج:۱،ص:۳۰)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت حذیفہ سے ہوئی آپ نے مصافحہ کے لئے ان کی جانب ہاتھ

بڑھایا حضرت حذیفہ نے عرض کیا اللہ کے نبی میں جنبی ہوں آپ نے فرمایا مومن ناپاک نہیں ہوتا ہے، اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جنبی کا جھوٹا پاک ہے جیسا کہ عنایہ میں مذکور ہے۔ (عنایہ من ہامش، فتح القدیر، ج:۱، ص: ۹۴)

حائضہ کا جھوٹا پاک ہے، اس پر دلیل عائشہ کی روایت ہے۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَشْرَبُ وَأَنَا حَائِضٌ فَأُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ. (البحر الرائق ج:۱، ص:۱۳۳)

حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں حالت حیض میں ایک برتن سے پانی پیتی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی برتن دے دیتی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ سے اپنا منہ رکھ کر پانی پیتے جس جگہ سے میں نے پیا تھا۔

مشرک کے جھوٹے کے پاک ہونے پر استدلال اس روایت سے کیا جاتا ہے لَمَّا انزلَ النبيُّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم بعضَ المشركينَ في المسجد ومَكَّنَهُ مِنَ الْمَبِيْتِ فِيْهِ. (البحر الرائق ج:۱، ص:۱۳۳)

یعنی آپ نے ایک مشرک کو مسجد میں ٹھہرایا اور مسجد میں ایک ستون سے باندھ دیا۔

(۵۸) وَسُوْرُ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيْرِ وَسِبَاعِ الْبَهَائِمِ نَجِسٌ

ترجمہ: (۵۸) کتے خنزیر اور درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

تشریح: کتے کا جھوٹا ناپاک ہے، اگر کسی برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا، خواہ مٹی کا برتن ہو خواہ تانبے وغیرہ کا لیکن بہتر یہ ہے کہ سات مرتبہ دھوئے اور ایک مرتبہ مٹی لگا کر مانجھ بھی ڈالے تاکہ خوب صاف ہوجائے خنزیر کا جھوٹا نجس ہے اسی طرح شیر بھیڑیا بندر گیدڑ وغیرہ جتنے چیر پھاڑ کر کھانے والے جانور ہیں سب کا جھوٹا نجس ہے۔

کتے کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: امام مالک امام اوزاعی اور اہل ظواہر کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ (عینی ج:۱، ص: ۲۶۷، بذل المجہود ج:۱، ص:۴۶ طحاوی، ج:۱، ص:۲۱)

دلیل: كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ زَمَانَ رسولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم فِي الْمَسْجِدِ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُّوْنَ شيئًا مِنْ ذٰلِكَ. (نیل الاوطار ج:۱ ص:۴۵، ابوداؤد ج:۱، ص:۵۵)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کتے مسجد نبوی کے اندر داخل ہوکر کبڈی کھیلتے تھے پس صحابہ کسی بھی حصہ کو نہیں دھوتے تھے۔

کتوں کی عادت ہے کہ چلتے پھرتے زبان باہر نکال کر لعاب اور رال گرایا کرتے ہیں جو مسجد نبوی میں ضرور گرتا ہوگا لیکن مسجد نبوی کی دھلائی کا حکم نہیں کیا گیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتے کی رال اور لعاب پاک ہے۔

جواب: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لعاب اور رال سے مٹی ناپاک ہوجاتی ہے لیکن خشک ہوجانے کے بعد مٹی پاک

ہو جاتی ہے اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی دھلائی کا حکم نہیں فرمایا۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۴۵)

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک کتے کا جھوٹا علی الاطلاق ناپاک ہے۔

دلیل عن ابی ہریرۃؓ قال إِذَا وَلَغَ الکلبُ فِي الْإِنَاءِ فَأَهْرِقْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثلث مراتٍ. (اعلاء السنن ج:۱،ص:۱۹۶) یعنی جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اس کو گرا دو (چیز) اور تین مرتبہ برتن کو دھوؤ۔

اس حدیث میں برتن کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ برتن پاک ہو جائے کیونکہ اسی چیز کو پاک کیا کرتے ہیں جو ناپاک ہو جاتی ہے معلوم ہوا کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دوسرا اختلاف

امام شافعیؒ کے نزدیک کتے اور خنزیر کے علاوہ تمام درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

دلیل: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حوضوں کے بارے میں معلوم کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ہیں جن پر درندے اور کتے آکر پانی پیتے ہیں آپ نے جواباً فرمایا: لَهَا مَا اَخَذَتْ فِي بُطُونِهَا وَلَنَا مَابَقِيَ شَرَابٌ وَطَهُوْرٌ (عینی ج:۱،ص:۲۷۰، درایہ، ج:۱،ص:۶۲) یعنی جو انہوں نے اپنے پیٹ میں لے لیا وہ ان کے لئے ہے اور جو باقی رہ گیا وہ ہمارے پینے کے لئے ہے اور پاک ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درندوں کا جھوٹا پاک ہے۔

جواب: صاحب عنایہ نے حدیث مذکور کے دو جواب تحریر کئے ہیں۔

۱. آپ سے سوال بڑے حوض اور ماء کثیر کے متعلق تھا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں کہ بڑا حوض اور ماء کثیر ناپاک نہیں ہوتا۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۲۰۳، عنایہ ج:۱،ص:۱۹۵ البحر الرائق ج:۱،ص:۱۳۶، اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۰۵)

۲. درندوں کے جھوٹے کے پاک ہونے کا حکم ابتداء اسلام میں ان کے گوشت کی حرمت سے پہلے تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (البحر ج:۱،ص:۱۳۶، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۲۰۳)

حنفیہ کے نزدیک تمام درندوں کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیل: عن جابرٍ عن عبد اللّٰہِ انه علیه السلامُ نهٰی عَنْ اَکْلِ کُلِّ ذِیْ نابٍ مِنَ السَّباعِ وَذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطُّیُوْرِ (عینی ج:۱،ص:۲۷۰)

یعنی آپ نے کچلیوں والے درندوں جو دانتوں سے شکار کر کے کھاتے ہیں اور پنجہ گیر پرندے جو اپنے چنگل سے شکار کرتے ہیں کھانے سے منع فرمایا کیونکہ ان کا گوشت حرام اور نجس ہے اور جھوٹا گوشت ہی سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا جھوٹا درندے کے ناپاک لعاب کے ساتھ مل کر ناپاک ہو جائے گا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۲۷۰، تا ۲۷۱)

(۵۹) وَسُؤْرُ الْهِرَّةِ وَالدَّجَاجَةِ الْمُخَلَّاةِ وَسِبَاعِ الطُّیُوْرِ وَمَا یَسْکُنُ فِي الْبُیُوْتِ مِثْلُ الْحَیَّةِ وَالْفَارَةِ مَکْرُوْهٌ

ترجمہ: (۵۹)اور بلی کا جھوٹا اور باہر پھرنے والی مرغی اور شکاری پرندوں اور ان جانوروں کا جھوٹا جو گھروں میں رہتے ہیں جیسے سانپ اور چوہا مکروہ ہے۔

تشریح: بلی کا جھوٹا پاک تو ہے لیکن مکروہ ہے لہٰذا دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس سے وضو نہ کرے کوئی اور پانی نہ ملے تو اس سے کرلے۔

کھلی ہوئی مرغی جو اِدھر اُدھر گندی چیزیں اور پلیدی کھاتی پھرتی ہے اس کا جھوٹا مکروہ ہے اور جو مرغی بند رہتی ہو اس کا جھوٹا مکروہ نہیں بلکہ پاک ہے۔

شکار کرنے والے پرندے جیسے شکرہ باز وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ ہے لیکن جو پالتو ہو اور مردار نہ کھائے نہ اس کی چونچ میں نجاست کا شبہ ہو اس کا جھوٹا پاک ہے، جو چیزیں گھر میں رہا کرتی ہیں جیسے سانپ بچھو چوہا چھپکلی وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ ہے۔

اختلاف الائمہ

امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ سفیان ثوریؒ امام اوزاعیؒ امام ابویوسفؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۲۷۳)

دلیل: عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَتَوَضَّأُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ إِنَاءٍ قَدْ أَصَابَ مِنْهُ الْهِرُّ قَبْلَ ذَالِكَ. (مصنف عبدالرزاق، ج:۱،ص:۱۰۲)

یعنی حضرت عائشہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے وضو کرتے حالانکہ اس سے پہلے بلی اس میں سے پانی پی چکی ہوتی۔

یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ بلی کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے۔

جواب جن روایات سے بلی کے جھوٹے کے پاک ہونے کا پتہ چلتا ہے، ان سب کا جواب یہ ہے کہ تمام روایات بیان جواز پر محمول ہیں اور آپ کے بلی کو اپنے برتن سے پانی پلانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ آپ ﷺ سے بیان جواز کے لئے مکروہ تنزیہی پر عمل کرنا کبھی کبھی ثابت ہے۔ (معارف السنن، ج:۱، ص:۳۳۰)

طرفین کے نزدیک بلی کا جھوٹا پاک ہے مگر مکروہ ہے راجح قول کی بنا پر مکروہ تنزیہی ہے، فتویٰ اسی قول پر ہے۔

(عینی ج:۱ص:۲۷۳)

دلیل: اَلْهِرَّةُ سَبُعٌ. (نیل الاوطار ج:۱ص:۴۶) یعنی بلی ایک درندہ ہے۔

اس قول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حکم کو بیان کرنا ہے کہ بلی کا حکم وہ ہے جو درندہ کا ہے تو درندہ کے مانند اس

کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہئے تھا لیکن بلی کے جھوٹے کو حرام ونجس قرار دینے کی صورت میں مشقت لازم آتی ہے کیونکہ یہ گھروں میں چلنے پھرنے والے جانوروں میں سے ہے جیسا کہ ابوقتادہ کی روایت میں ہے۔

اِنَّمَا هِيَ مِنَ الطَّوَّافِيْنَ عَلَيْكُمْ اَوِ الطَّوَّافَاتِ. (اعلاء السنن ج:۱ص ۲۰۲)

چنانچہ اس مشقت کی بناپر سؤر ہرہ میں تخفیف پیدا کر کے حرام سے مکروہ کے درجہ میں اتار دیا گیا ہے۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۲۷۵)

یہی حکم سانپ بچھو چوہے کے سلسلہ میں ہوگا۔ (عینی ج:۱ص:۲۷۹)

مکروہ تنزیہی: اس کام کو کہتے ہیں جس کو چھوڑنے میں ثواب ہے اور کرنے میں عذاب تو نہیں لیکن ایک قسم کی برائی ہے۔ کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه (ج:۱ص:۱۲۵)

---

(۶۰) وَسُؤْرُ الحِمَارِ وَالْبَغْلِ مَشْكُوْكٌ (۶۱) فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْاِنْسَانُ غَيْرَهٗ تَوَضَّأَ بِهٖ وَتَيَمَّمَ وَبِاَيِّهِمَا بَدَأَ جَازَ

ترجمه: (۶۰) گدھے اور خچر کا جھوٹا مشکوک ہے۔ (۶۱) پس اگر نہ پائے کوئی انسان اس کے علاوہ پانی تو وضو اور تیمم کرے اور ان میں سے جس سے چاہے پہلے کرے جائز ہے۔

تشریح: گدھے اور خچر کا جھوٹا پاک تو ہے لیکن وضو ہونے میں شک ہے چنانچہ اگر کہیں صرف گدھے یا خچر کا جھوٹا پانی ملے اور اس کے سوا اور پانی نہ ملے تو وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔

اختلاف الائمه

امام شافعی کے نزدیک گدھے کا جھوٹا صرف طاہر ہی نہیں بلکہ مطہر (پاک کرنیوالا) بھی ہے۔

دلیل: جس جانور کی کھال سے انتفاع جائز ہے اس کا جھوٹا بھی پاک ہے اور گدھے کی کھال سے بھی چونکہ نفع اٹھانا جائز ہے اس لئے اس کا جھوٹا بھی پاک ہوگا۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۹۹)

جواب: جھوٹے کا بلاواسطہ تعلق اس کی کھال سے نہیں ہے کہ کھال سے انتفاع جائز ہونے کی وجہ سے اس کے جھوٹے کو پاک کہا جائے بلکہ سؤر کا تعلق گوشت سے ہے کیونکہ گوشت سے ہی لعاب بنتا ہے اور اس کا گوشت نجس ہے اس لئے اس کا جھوٹا بھی نجس ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گدھے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

دلیل: وَرُوِيَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ (عنایہ من ہامش الفتح ج:۱ص:۱۰۰) یعنی خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ گدھوں کا گوشت حرام ہے اور لعاب بھی گوشت ہی سے بنتا ہے لہٰذا لعاب بھی نجس ہوگا، اور جس پانی میں وہ منہ ڈالے گا، اس میں لعاب کا ملنا یقینی ہے اس لئے اس کا جھوٹا بھی نجس ہوگا، لیکن جیسے

احادیث سے اس کے گوشت کی حرمت ثابت ہوتی ہے، ایسے ہی احادیث سے حلت بھی ثابت ہوتی ہے مثلاً:

رُوِیَ اَنَّ غَالِبَ بنِ فھرٍ سَئَلَ رَسُوْلَ اللّٰہُ وَقَالَ لَمْ یَبْقَ لِیْ مَالٌ اِلاَّ حَمِیْرَاتٌ فقال علیہ السلامُ کُلْ مِنْ سَمِیْنِ مَالِكَ (عنایہ، ج:۱،ص:۱۰۰)

غالب بن فہر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا اور کہا میرے پاس گدھوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہا آپ نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے جو موٹے تازے ہیں ان کو کھالے، یہ حدیث گدھے کے گوشت کی حلت پر دلالت کرتی ہے اس لئے تعارض ادلہ کی بنا پر اکثر احناف اس کے جھوٹے کے مشکوک ہونے کے قائل ہیں۔

باب التیمم

(یہ) باب تیمّم کے (بیان میں) ہے

ماقبل سے مناسبت: پانی سے پاکی حاصل کرنا اصل ہے، اور مٹی سے پاکی حاصل کرنا اس کا خلیفہ ہے، اور خلیفہ اصل کے بعد ہوتا ہے، اس لئے باب التیمم کو وضو کے بعد بیان کیا ہے۔

لغوی تعریف: قصد وارادہ کرنا۔

اصطلاحی تعریف: پاک مٹی وغیرہ سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا قاعدہ شرعیہ کے مطابق طہارت کی نیت سے۔

تیمّم کا ثبوت: قرآن وحدیث دونوں سے ہے اللہ کا فرمان ہے فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا (سورۃ المائدہ) پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو پاک مٹی کا۔

یعنی اور پھر تم کو پانی کے استعمال کا موقع نہ ملے خواہ بوجہ نقصان کے یا پانی نہ ملنے کے تو ان سب حالتوں میں تم پاک زمینوں سے تیمّم کرلیا کرو۔ (معارف القرآن ج:۳،ص:٦٦) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ الصَّعِیْدَ الطَّیِّبَ طَھُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ یَجِدِ الْمَآءَ عَشْرَ سِنِیْنَ (معارف السنن: ۱/۴۰٦، ترمذی ج:۱،ص:۳۲) یعنی پاک مٹی مسلمان کو پاک کرنے والی ہے اگرچہ دس سال تک پانی دستیاب نہ ہو۔

مشروعیت تیمّم: تیمم ۵ھ میں مشروع ہوا، مختصر قصہ یہ ہے کہ ایک لڑائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معہ حضرت عائشہ کے تشریف لے گئے اثنائے راہ میں حضرت عائشہ کا ایک ہار جو اپنی بہن حضرت اسماء سے مانگ لائی تھیں گم ہوگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے وہیں قیام کردیا۔

اور کچھ لوگوں کو اس کی تلاش پر مامور فرمایا جس جگہ آپ نے قیام فرمایا تھا کہیں پانی وغیرہ نہ تھا جب نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے بے وضو نماز پڑھ لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا اسی وقت تیمّم کی آیت جو بعض سورہ مائدہ میں

ہے نازل ہوئی اس کے بعد وہ ہار بھی مل گیا۔ (علم الفقہ ج:۱، ص:۱۲۸)

(۶۲/۱) وَمَنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَ مُسَافِرٌ اَوْخَارِجَ الْمِصْرِ وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمِصْرِ نَحْوُ الْمِيْلِ اَوْاَكْثَرَ.

ترجمہ: (۶۲/۱) اور جو شخص پانی نہ پائے حالانکہ وہ شخص مسافر ہے یا شہر سے باہر ہے اور اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہے۔

تشریح: جس شخص کے [illegible] اتنا پانی نہ ہو جو حدث ختم کرنے کے لئے کافی ہو اور وہ شخص مسافر ہو یا مسافر تو نہ ہو لیکن شہر سے باہر ہے اس کے اور شہر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے یا ایک میل سے زیادہ کا تو ایسے شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔

دلیل: اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيَمَسَّهُ بَشَرَتَهُ (ترمذی ج:۱، ص:۳۲) یعنی پاکیزہ زمین مسلمان کا وضو ہے اگرچہ وہ دس سال تک پانی نہ پائے پھر جب پاوے تو اپنے ظاہری بدن پر پہنچادے۔

امام ابوالحسن کرخیؒ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو کہ پانی والوں کی آواز سن لیتا ہے تو وہ قریب شمار ہوگا، اس کے واسطے تیمم جائز نہیں ہے اور اگر ان کی آواز نہیں سن سکتا تو وہ بعید ہے اس کے واسطے تیمم جائز ہے اکثر مشائخ نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ (کفایہ ج:۱، ص:۱۰۸)

فائدہ: ایک میل شرعی: ۲۰۰۰ گز، ار کلومیٹر ۸۲۸ میٹر ۸۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے میل سے یہاں یہی مقدار مراد ہے۔

(۶۳/۲) اَوْكَانَ يَجِدُ الْمَاءَ اِلَّا اَنَّهُ مَرِيْضٌ فَخَافَ اِنِ اسْتَعْمَلَ الْمَاءَ اِشْتَدَّ مَرَضُهُ اَوْخَافَ الْجُنُبُ اِنِ اغْتَسَلَ بِالْمَاءِ يَقْتُلُهُ الْبَرْدُ اَوْيُمْرِضُهُ فَاِنَّهُ يَتَيَمَّمُ بِالصَّعِيْدِ

ترجمہ: (۶۳/۲) یا پانی تو پاتا ہے لیکن وہ بیمار ہو پس اس نے خوف کیا کہ اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا، یا جنبی کو خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کرے تو ٹھنڈک اس کو مار ڈالے گی یا اس کو بیمار بنادیگی تو وہ پاک مٹی سے تیمم کرے۔

تشریح: اگر بیماری کی وجہ سے پانی نقصان کرتا ہو کہ اگر وضو یا غسل کرے گا تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھا ہوگا، تو تیمم درست ہے لیکن اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہو اور گرم پانی نقصان نہ کرے تو گرم پانی سے وضو غسل کرنا واجب ہے البتہ اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا تو تیمم کرنا درست ہے۔

مسئلہ: اگر کسی جگہ اتنی سردی پڑتی ہو کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہوجانے کا خوف ہو اور رضائی لحاف وغیرہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں کہ غسل کر کے اس میں گرم ہوجائے تو ایسی صورت میں تیمم کر لینا درست ہے۔

اختلاف الائمہ

مذکورہ بالاخوف کی وجہ سے جنبی شہر میں تیمم کرسکتا ہے یانہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱ صاحبین کے نزدیک اگر شہر میں یہ خوف لاحق ہوتو تیمم جائز نہیں ہے۔

دلیل: شہر میں گرم پانی اور سردی سے حفاظت ممکن ہے گویا کہ شہر میں ایسی حالت کا متحقق ہونا نادر ہے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

جواب: فقراء اور غرباء کے حق میں نادر نہیں ہے علاوہ ازیں ہماری گفتگو اس سلسلہ میں ہے کہ جب عاجزی ہر طریقہ سے متحقق ہوجائے چنانچہ اگر کسی بھی طریقہ سے غسل پر قادر ہوتو ہم بھی تیمم کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

دوسرا مذہب: مذکورہ مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمم جائز ہے۔

دلیل: غزوہ ذاتُ السَلاسِل (جمادی الاولیٰ ۸ ہجری) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو ایک سَرِیَّہ (جس میں مہاجرین وانصار کی تعداد تین سوتھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہ تھے) کا امیر بنا کر بھیجا سفر سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ لوگوں نے کیا کہ عمرو نے ہم کو جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی حضرت عمرو فرماتے ہیں میں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک سردی کی رات میں احتلام ہوا، پس مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا تو ہلاک ہوجاؤں گا، اس لئے تیمم کرلیا اور اسی تیمم سے اپنے اصحاب کو نماز صبح پڑھائی اور مجھے اللہ کا یہ فرمان یاد آیا: وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَکُم ان اللّٰہ کان بکم رحیماً (اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا اپنے ساتھی کو دیکھو کہ اپنے لئے اور تمہارے لئے کیسے غور وفکر سے کام کیا اور آپ نے اعادۂ صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ معلوم کیا کہ یہ واقعہ جنگل میں پیش آیا یا شہر میں۔ (بدائع ج:۱ص: ۱۷۱ تاج:۱ص:۲۰۷ نیل الاوطار ج:۱ص:۲۷۸) اس واقعہ سے صراحتاً معلوم ہوا کہ جنبی کے لئے مطلقاً تیمم کرنا درست ہے۔

(۶۴/۳) وَالتَّیَمُّمُ ضَرْبَتَانِ یَمْسَحُ بِاِحْدَاهُمَا وَجْهَهٗ وَبِالْاُخْرىٰ یَدَیْهِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ

ترجمہ: (۶۴/۳) اور تیمم دوضربیں ہیں مسح کرے ایک ضرب سے اپنے چہرہ کا اور دوسری ضرب سے اپنے دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت۔

تشریح: اس عبارت میں تیمم کی کیفیت بیان کررہے ہیں۔

تیمم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ پاک زمین پر مارے اور سارے منہ کو مل لے پھر دوسری مرتبہ زمین پر

دونوں ہاتھ مارے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ملے اگر ناخن برابر بھی کوئی جگہ چھوٹ جائے گی تو تیمم نہ ہوگا، انگلیوں میں خلال بھی کرے عورت چوڑیوں، کنگنوں وغیرہ کے درمیان اچھی طرح ملے۔

اختلاف الائمہ

تیمم میں کتنی ضربوں کی ضرورت ہے اور ہاتھوں کا مسح کہاں تک کیا جائے گا، اس سلسلہ میں تین مذاہب ہیں۔

۱۔ امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ امام اوزاعی اور اہل ظواہر کے نزدیک تیمم کے اندر صرف ایک ضرب ہوگی جس سے چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح گٹوں تک کیا جائے گا۔ (معارف السنن ج:۱ص:۴۷۷)

دلیل: عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِالتَّيَمُّمِ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ.

(ترمذی ج:۱ص:۳۶، معارف السنن ج:۱ص:۴۷۸)

کفین کا اطلاق صرف گٹوں تک ہوتا ہے اس حدیث سے صرف گٹوں تک مسح کرنا ثابت ہے۔

حضرت عمار ہی سے ایک دوسری روایت ہے اس کے الفاظ ہیں ثُمَّ ضَرَبَ بِيَدَيْهِ الْأَرْضَ ضَرْبَةً و سده. (اعلاء السنن، ج:۱ص:۲۲۲ الدرایہ فی تخریج احادیث الهدایہ ج:۱ص:۶۸) اس حدیث سے ایک ضرب کا ثبوت ہوتا ہے۔

جواب: حضرت عمار نے لاعلمی کی بناپر حالت جنابت میں زمین پر لوٹ لگائی اس کی اطلاع جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی تو آپ نے عملی طور پر تھوڑے سے تیمم کی جانب اشارہ کر کے دکھادیا کہ زمین پر لوٹ لگانے کی حاجت نہیں بلکہ جنابت کی حالت میں بھی تیمم کا وہی طریقہ ہے جو حدث اصغر میں ہے یہی اشارہ حضرت عمار کی حدیث میں ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ضرب یا مسح کفین کافی ہے بلکہ الفاظ مذکورہ سے طریقہ معروف کی جانب اشارہ کیا ہے۔ (معارف السنن ج:۱ص:۴۸۷، اعلاء السنن ج:۱ص:۲۲۲)

دوسرا مذہب: ابن شہاب زہری کے نزدیک تیمم کے اندر دونوں ہاتھوں کا مسح مونڈھوں اور بغلوں تک کیا جائیگا۔

(معارف السنن ج:۱ص:۴۷۹)

دلیل: حضرت عمار کی حدیث ہے: تَيَمَّمْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَنَاكِبِ وَالْآبَاطِ.

(ترمذی ج:۱ص:۳۸، معارف السنن ج:۱ص:۴۹۳) یعنی ہم ایک سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے ہم نے ہاتھوں پر مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا۔

جواب: حضرت عمار نے اپنی روایات کے اندر صرف اتنا کہا ہے کہ صحابہ نے مونڈھوں اور بغلوں تک مسح کیا ہے لیکن یہ نہیں کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تیمم کرنے کا حکم فرمایا ہے یہ صحابہ کرام کا اپنا اجتہاد تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں لہٰذا صحیح روایات کے مقابلہ میں اس سے استدلال درست نہیں۔ (معارف السنن ج:۱ص:۴۹۴، طحاوی ج:۱ص:۸۵)

تیسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ سفیان ثوریؒ امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تیمم کے اندر دو ضربیں ہیں ایک چہرہ کے لئے دوسری ہاتھوں کے لئے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک فرض ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۷۷)

دلیل: عن ابن عُمَرَ قال قال رسولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم التيممُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ الى المرفَقَيْنِ۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۴،عینی ج:۱،ص:۳۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں اور دونوں ہاتھوں کا مسح کہنیوں تک ہے۔

(۶۵/۴) وَالتيممُ فِي الجَنَابَةِ والحَدَثِ سَوَاءٌ

ترجمہ: (۶۵/۴) تیمم حدث اور جنابت میں برابر ہے۔

تشریح: جس طرح وضو کی جگہ تیمم درست ہے اسی طرح غسل کی جگہ بھی مجبوری کے وقت تیمم درست ہے وضو اور غسل کے تیمم میں کوئی فرق نہیں دونوں کا ایک ہی طریقہ ہے۔

(۶۶/۵) وَيَجُوْزُ التَّيَمُّمُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ بِكُلِّ مَا كَانَ مِنْ جِنْسِ الارضِ كَالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ وَالْحَجَرِ وَالْجَصِّ وَالنَّوْرَةِ وَالْكُحْلِ والزَّرْنِيْخِ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ رحمه اللّٰه لا يَجُوْزُ اِلَّا بالتُّرَابِ وَالرَّمْلِ خاصَّةً

ترجمہ: (۶۶/۵) اور جائز ہے تیمم امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہے جیسے مٹی ریت پتھر گچ چونہ سرمہ اور ہڑتال، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص کر۔

تشریح: زمین کے سوا اور جو چیز مٹی کی قسم سے ہو اس پر بھی تیمم درست ہے، جیسے مٹی ریت پتھر چونا ہڑتال سرمہ گیرو وغیرہ اور جو چیز مٹی کی قسم سے نہ ہو اس سے تیمم درست نہیں جیسے سونا چاندی رانگ گیہوں لکڑی کپڑا اناج وغیرہ۔

جو چیز نہ تو آگ میں جلے اور نہ گلے وہ چیز مٹی کی قسم سے ہے اس پر تیمم کرنا درست ہے اور جو چیز جل کر راکھ ہو جائے اس پر تیمم درست نہیں اسی طرح راکھ پر بھی درست نہیں۔

کن چیزوں سے تیمّم کر سکتے ہیں

اس بارے میں دو مذہب ہیں، امام شافعیؒ امام احمد اور امام ابو یوسفؒ کا اصح قول یہ ہے کہ تیمم صرف مٹی سے کر سکتے ہیں اس کے علاوہ کسی دوسری چیز سے تیمم نہیں کر سکتے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۸۱، البحر الرائق ج:۱،ص:۱۵۶)

دلیل: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وجُعِلَتْ لِيَ الأرْضُ مَسْجِدًا وَجُعِلَ تُرْبَتُهَا لَنَا

طھورًا (البحرج:۱،ص:۱۵۶) یعنی زمین کو میرے لئے مسجد اور اس کی مٹی کو ہمارے لئے پاکی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

جواب: مذکورہ روایت میں تُربَت سے مراد مٹی نہیں ہے بلکہ ہر وہ جگہ مراد ہے جس میں مٹی ریت وغیرہ زمین کی جنس سے ہو۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۵۶)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام مالک امام اوزاعی سفیان ثوری امام محمد کے نزدیک ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہو مٹی ہو یا اس کے علاوہ ہو تیمم کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۸۱، البحر الرائق ج:۱،ص:۱۵۶)

دلیل: جُعِلَتْ لِیَ الارضُ مسجداً وطھوراً (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۰)

اس حدیث میں ارض سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین کی جنس سے ہو خواہ مٹی ہو یا اس کے علاوہ۔

(۶/۶۷) وَالنِّيَّةُ فَرْضٌ فِي التَّيَمُّمِ وَمُسْتَحَبَّةٌ فِي الْوُضُوْءِ.

ترجمہ: (۶/۶۷) اور نیت تیمم میں فرض ہے اور وضو میں مستحب ہے۔

تشریح: تیمم کے لئے تیمم کا ارادہ ہونا ضروری ہے تیمم کرتے وقت اپنے دل میں اتنا ارادہ کرے کہ میں پاک ہونے کے لئے تیمم کرتا ہوں یا نماز پڑھنے کے لئے تیمم کرتا ہوں تو تیمم ہو جائے گا۔

اختلاف الائمہ

تیمم میں نیت شرط ہے یا نہیں؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱ امام زفر اور امام اوزاعی کے نزدیک تیمم کے اندر نیت شرط نہیں ہے

دلیل: تیمم حقیقت میں وضو کا خلیفہ ہے اور جب اصل کے اندر نیت شرط نہیں ہے تو خلیفہ کے اندر بطریقۂ اولیٰ شرط نہ ہوگی۔

دوسرا مذہب: ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک تیمم کے اندر نیت شرط ہے کیونکہ تیمم کے معنی لغت میں نیت اور قصد کرنے کے ہیں اس لئے حقیقی معنی کو ترک نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(۷/۶۸) وَيَنْقُضُ التَّيَمُّمَ كُلُّ شَيْءٍ يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ (۸/۶۹) وَيَنْقُضُهُ اَيْضًا رُؤْيَةُ الْمَاءِ اِذَا قَدَرَ عَلَى اسْتِعْمَالِهٖ.

ترجمہ: (۷/۶۸) اور توڑ دیتی ہے تیمم کو ہر وہ چیز جو توڑ دیتی ہے وضوء کو۔ (۸/۶۹) اور نیز پانی کا دیکھنا تیمم کو توڑ دیتا ہے جب کہ وہ اس کے استعمال پر قادر ہو۔

تشریح: یہاں سے صاحب قدوری نواقض تیمم کے بیان کو شروع فرمار ہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ جو چیز ناقض وضو ہے وہ ناقض تیمم بھی ہے۔

اور پھر فرمایا کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جن سے وضوتو نہیں ٹوٹتا لیکن تیمم ٹوٹ جاتا ہے جیسے اگر تیمم کرنے والا پانی کے استعمال پر قادر ہو جائے تو اس پانی سے اس کا تیمم ٹوٹ جائے گا۔

(۷۰/۹) وَلَا يَجُوْزُ التَّيَمُّمُ اِلَّا بِصَعِيْدٍ طَاهِرٍ .

ترجمہ: (۷۰/۹) اورنہیں جائز ہے تیمم مگر پاک مٹی سے۔

تشریح: تیمم صرف پاک مٹی سے جائز ہے لِاَنَّهٗ آلَةُ التَّطْهِيْرِ فَلَابُدَّ مِنْ طَهَارَتِهٖ فِى نَفْسِهٖ كَالْمَاءِ (ہدایہ) یعنی مٹی پاک کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کا خود بھی پاک ہونا ضروری ہے جیسے پانی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

(۷۱/۱۰) وَيَسْتَحِبُّ لِمَنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ وَهُوَيَرْجُوْ اَنْ يَّجِدَهٗ فِىْ اٰخِرِ الْوَقْتِ اَنْ يُّؤَخِّرَ الصَّلٰوةَ اِلٰى آخِرِ الْوَقْتِ فَاِنْ وَجَدَ الْمَاءَ تَوَضَّأَ وَصَلّٰى وَاِلَّا تَيَمَّمَ .

ترجمہ: (۷۱/۱۰) اور مستحب ہے اس شخص کے لئے جو پانی نہ پائے اور اس کو امید ہو کہ پانی آخر وقت میں مل جائے گا کہ مؤخر کرے نماز کو آخر وقت تک پس اگر اس نے پانی پالیا تو وضو کرے اور نماز ادا کرے ورنہ تیمم کرے۔ (نماز پڑھ لے)

تشریح: اگر پانی موجود نہ ہو اور یہ امید ہو کہ نماز کے آخر وقت تک پانی مل جائے گا، تو نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے اگر اس کو پانی مل گیا تو وضو کر کے نماز پڑھ لے اور اگر نہیں ملا تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے۔

(۷۲/۱۱) وَيُصَلِّىْ بِتَيَمُّمِهٖ مَاشَاءَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ

ترجمہ: (۷۲/۱۱) اور پڑھے اپنے تیمم سے جو چاہے فرائض ونوافل میں سے۔

تشریح: اگر ایک نماز کے لئے تیمم کیا دوسرے وقت کی نماز بھی اس سے پڑھنا درست ہے اور قرآن کریم کا چھونا بھی اس تیمم سے درست ہے۔

اختلاف الائمہ

ایک تیمم سے کتنی نمازیں پڑھ سکتے ہیں اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

۱ امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمدؒ کے نزدیک ایک تیمم سے صرف ایک فرض نماز پڑھ سکتے ہیں البتہ سنتیں اور نوافل فرض کے تابع ہیں۔

دلیل: ۱ تیمم طہارت ضروریہ ہے یعنی ضرورت کی بنیاد پر اس کو کافی سمجھا گیا ہے اور دو فرضوں کے لئے اس

کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۲۸)

دلیل: ۲ عن مجاهدٍ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ لَّايُصَلِّيَ الرَّجُلُ بِالتَّيَمُّمِ اِلَّا صَلَاةً وَاحِدَةً ثُمَّ تَيَمَّمَ لِلصَّلَاةِ الْاُخْرىٰ. (مصنف عبدالرزاق ج:۱،ص:۲۱۵،عینی ج:۱،ص:۳۲۹)

ابن عباس سے منقول ہے کہ سنت یہ ہے کہ کوئی آدمی ایک تیمم سے ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھے پھر دوسری نماز کے لئے دوسرا تیمم کرے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک تیمّم سے ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھنا سنت ہے۔ احناف کی دلیل اور ائمہ ثلاثہ کی دلیلوں کا جواب اِنَّ الصعیدَ الطیبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۱۳، ابوداؤد ۱/ ۴۸) پاک مٹی مسلمان کیلئے وضو کا کام دیتی ہے اگر چہ دس برس تک پانی نہ ملے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیمم وضو کے حکم میں ہے کہ جس طرح ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں اسی طرح ایک تیمم سے بھی کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ تیمّم طہارت مطلقہ ہے لہٰذا آپ کا تیمم کو طہارتِ ضروریہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۳)

ابن عباس کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں حسن بن عمارہ ہیں جن کو ابن یحییٰ وغیرہ نے متروک کہا ہے اس لئے روایت قابلِ حجت نہیں نیز ابن عباس کی روایت میں صرف سنت کا بیان ہے اور سنت جواز کو نہیں روکتی۔

(عینی ج:۱،ص:۳۲۹)

حدیث کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ آپ بھی ایک تیمم سے ایک سے زیادہ نماز پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں یعنی فرائض کے ساتھ نوافل کی بھی اجازت دیتے ہیں حالانکہ حدیث میں صلاۃ واحدہ ہے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۴،عینی ج:۱،ص:۳۲۹)

(۱۲/۷۳) وَيَجُوْزُ التَّيَمُّمُ لِلصَّحِيْحِ الْمُقِيْمِ إِذَا حَضَرَتْ جَنَازَةٌ وَالْوَلِيُّ غَيْرُهُ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ أَنْ تَفُوْتَهُ صَلوٰةُ الْجَنَازَةِ فَلَهُ اَنْ يَّتَيَمَّمَ وَيُصَلِّيَ (۱۳/۷۴) وَكَذَالِكَ مَنْ حَضَرَ الْعِيْدَ فَخَافَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ يَّفُوْتَهُ الْعِيْدُ.

ترجمہ: (۱۲/۷۳) اور جائز ہے تیمم تندرست مقیم کے لئے جب آجائے کوئی جنازہ اور جبکہ ولی اس کے علاوہ ہو پس خوف کرے کہ اگر وضو میں مشغول ہوگا تو اس کی نماز جنازہ فوت ہوجائے گی تو وہ تیمم کرے اور نماز پڑھے۔ (۱۳/۷۴) ایسے ہی وہ شخص جو عید کی نماز کے لئے حاضر ہوا، پس خوف کیا کہ اگر وضو کے ساتھ مشغول ہوگا تو اس کی عید کی نماز جاتی رہے گی (وہ بھی تیمم کرے)۔

تشریح: ایک تندرست آدمی شہر میں تیمّم کرسکتا ہے اگر جنازہ حاضر ہوا اور ولی اس کے علاوہ دوسرا آدمی ہے اور اس کو یہ خوف ہو کہ اگر وضو کرنے میں لگ گیا تو نماز جنازہ فوت ہوجائے گی اسی طرح عید کی نماز پڑھنے کے لئے آیا اور

وضو میں مشغول ہونے سے نماز عید فوت ہونے کا ڈر ہے تب بھی تیمم کی اجازت ہے۔ یہ احناف کا مسلک ہے ائمہ ثلاثہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۲۵)

(۱۴/۷۵) وَاِنْ خَافَ مَنْ شَهِدَ الْجُمُعَةَ اِنِ اشْتَغَلَ بِالطَّهَارَةِ اَنْ تَفُوْتَهُ الْجُمُعَةُ تَوَضَّأَ فَاِنْ اَدْرَكَ الْجُمُعَةَ صَلَّاهَا وَاِلَّا صَلَّى الظُّهْرَ اَرْبَعًا (۱۵/۷۶) وَكَذٰلِكَ اِنْ ضَاقَ الْوَقْتُ فَخَشِيَ اِنْ تَوَضَّأَ فَاتَهُ الْوَقْتُ لَمْ يَتَيَمَّمْ وَلٰكِنَّهُ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ فَائِتَتَهُ.

ترجمہ: (۱۴/۷۵) اور اگر خوف ہو اس شخص کو جو جمعہ کی نماز کے لئے آیا کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو اس کی نماز جمعہ فوت ہو جائے گی تو وہ وضو کرے پھر اگر نماز جمعہ مل گئی تو پڑھ لے، ورنہ ظہر کی چار رکعت پڑھے۔ (۱۵/۷۶) اسی طرح اگر وقت تنگ ہو گیا اور ڈر ہے کہ اگر وضو کرے گا تو وقت نکل جائے گا، تو تیمم نہ کرے بلکہ وضو کرے اور اپنی فوت شدہ نماز پڑھے۔

تشریح: نماز جمعہ اور وقتی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم درست نہیں کیونکہ ان دونوں نمازوں کا خلیفہ موجود ہے ظہر کی نماز جمعہ کا نائب اور خلیفہ ہے اور وقتی نماز کی قضاء ہو سکتی ہے۔

(۱۶/۷۷) وَالْمُسَافِرُ اِذَا نَسِيَ الْمَاءَ فِيْ رَحْلِهِ فَتَيَمَّمَ وَصَلّٰى ثُمَّ ذَكَرَ الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ لَمْ يُعِدْ صَلٰوتَهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ يُعِيْدُ.

ترجمہ: (۱۶/۷۷) اور مسافر جب بھول گیا پانی اپنے اسباب میں پھر وہ تیمم کرے اور نماز پڑھ لے پھر پانی یاد آیا وقت میں تو نماز نہ لوٹائے طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نماز لوٹائے۔

تشریح: ایک شخص مسافر ہے اس نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی حالانکہ اس کے کجاوے میں پانی موجود تھا لیکن اس کو معلوم نہیں تھا کیونکہ دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے رکھ دیا تھا اس صورت میں اس کی نماز ہو گئی اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

(۲) یا اس کو پانی کا علم تھا کہ اس نے خود ہی رکھا تھا یا دوسرے نے اس کے حکم سے رکھا تھا اور یہ گمان کر کے کہ میرے کجاوے میں پانی نہیں تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو اس صورت میں نماز نہیں ہوئی اور اس پر وضو کر کے نماز کا اعادہ ضروری ہوگا۔

ماقبل کے دونوں مسئلے محض افادہ کے لئے تحریر کئے ہیں۔

(۳) یہی مسئلہ ہمارے لئے زیر بحث ہے اگر مسافر کجاوہ میں پانی رکھ کر بھول گیا اور تیمم کر کے نماز ادا کر لی پھر اس کو وقت کے اندر پانی یاد آ گیا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

۱ امام ابو حنیفہؒ امام محمدؒ سفیان ثوری امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔

(۲) امام ابو یوسف امام شافعیؒ کا قول جدید امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اس پر نماز کا اعادہ ضروری ہے پانی خواہ وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۳۳)

مذہب نمبر (۲) کی دلیل: عام طور سے کجاوہ میں پانی رکھا جاتا ہے اس لئے اس پر کجاوہ میں تلاش کرنا واجب تھا جب اس نے تلاش نہیں کیا تو معذور نہیں سمجھا جائے گا اور اس پر اعادہ واجب ہوگا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص آبادی میں ہو تو اس پر پانی تلاش کرنا واجب ہے بغیر تلاش کئے اگر تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی مل گیا تو اعادہ صلوٰۃ واجب ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۵ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۲۴)

جواب: کجاوہ میں عام طور سے پینے کا پانی رکھا جاتا ہے نہ کہ وضو اور غسل کے واسطے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۵، عنایہ ج:۱،ص:۱۲۴)

مذہب (۱) کی دلیل: پانی پر قادر ہونا بغیر علم کے نہیں ہوسکتا اور جب اسے معلوم ہی نہیں تو قدرت بھی نہ ہوئی تو اس کو پانی حاصل نہ ہوا اور اس صورت میں تیمم درست ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۳۳۵)

فوائد قیود

المسافر. یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ یہی حکم مقیم کے لئے بھی ہے چونکہ عام طور سے مسافر ہی پانی ساتھ رکھتا ہے اس لئے مسافر کی قید لگادی۔

نَسِيَ. اس قید کا مقصد یہ ہے کہ اگر مسافر نے یہ شک یا گمان کرتے ہوئے کہ پانی ختم ہو چکا ہے تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو بالاتفاق نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔

في رحلِهٖ. اگر پانی کی مشک پشت پر لدی ہوئی ہو یا گردن میں لٹکی ہو یا سامنے رکھا ہو اور بھول کر تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو بالاتفاق نماز نہ ہوگی۔

ذکر الماء في الوقت. تیمم کر کے نماز شروع کردی درمیان نماز کے پانی یاد آگیا تو تیمم باطل ہو جائے گا اور وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھنی ضروری ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج:۱،ص:۲۸، اللباب فی شرح الکتاب ج:۱،ص:۵۵)

(۷۸/۱۷) وَلَيْسَ عَلَى الْمُتَيَمِّمِ إِذَا لَمْ يَغْلِبْ عَلٰى ظَنِّهٖ أَنْ يَّقْرُبَهٗ مَآءٌ اَنْ يَّطْلُبَ الْمَاءَ (۷۹/۱۸) وَإِنْ غَلَبَ عَلٰى ظَنِّهٖ أَنَّ هُنَاكَ مَاءً لَمْ يَجُزْ لَهٗ أَنْ يَّتَيَمَّمَ حَتّٰى يَطْلُبَهٗ.

ترجمہ: (۷۸/۱۷) اور تیمم کرنے والے پر ضروری نہیں ہے جب تک کہ اس کے گمان پر یہ غالب نہ ہو کہ اس کے قریب میں پانی ہے پانی تلاش کرنا۔ (۷۹/۱۸) اور اگر اس کا گمانِ غالب ہو کہ وہاں پر پانی ہے تو نہیں جائز ہے اس کے لئے تیمم کرنا یہاں تک کہ پانی کو تلاش کرے۔

اختلاف الائمہ

تیمم کا ارادہ کرنے والے پر پانی کی جستجو ضروری نہیں ہے بشرطیکہ اس کو پانی کے قریب ہونے کا ظن غالب نہ ہو احناف کا مسلک یہی ہے۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک دائیں اور بائیں پانی تلاش کرنا شرط ہے۔

یہی ایک روایت امام مالک واحمد سے منقول ہے۔(عینی ج:۱،ص:۳۳۶)

دلیل: فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا. اس آیت میں تیمم کرنے کا حکم پانی نہ ملنے کے وقت ہے اور پانی نہ ملنا تلاش کے بعد ہی ثابت ہوگا، اس لئے تیمم کرنے سے قبل پانی تلاش کرنا ضروری ہے۔(کفایہ عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۲۵)

جواب: بغیر طلب کے بھی وجود متحقق ہوسکتا ہے جیسے اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا: مَنْ وَجَدَ لُقْطَةً فَلْيُعَرِّفْهَا یعنی جس نے لقطہ پایا اس کو تشہیر کرنی چاہئے۔

اس حدیث میں اس شخص کو پانے والا کہا گیا ہے اگر چہ اس کی جانب سے طلب نہیں پائی گئی۔(عنایہ من ہامش الفتح ج:۱،ص:۱۲۵) لہٰذا آپ کا یہ کہنا کہ وجود کے لئے طلب ضروری ہے صحیح نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل: آیت تیمم مطلق ہے طلب وغیر طلب کی کوئی قید نہیں ہے اس لئے اس اطلاق پر عمل کرتے ہوئے آیت شریفہ کو طلب وغیرہ کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جائے گا اور عام طور سے میدانوں اور جنگلوں میں پانی نہیں ہوتا اور پانی ہونے پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے اس لئے بغیر طلب کئے تیمم کرنا جائز ہوگا۔(عنایہ ج:۱،ص:۱۲۵)

(۱۹/۸۰) وَاِنْ كَانَ مَعَ رَفِيْقِهٖ مَاءٌ طَلَبَهٗ مِنْهُ قَبْلَ اَنْ يَّتَيَمَّمَ فَاِنْ مَنَعَهٗ مِنْهُ تَيَمَّمَ وَصَلّٰى

ترجمہ: (۱۹/۸۰) اور اگر اس کے ساتھی کے پاس پانی ہو تو اس سے مانگ لے تیمم کرنے سے پہلے پس اگر اس کو پانی (دینے) سے منع کردے تو تیمم کرکے نماز پڑھے۔

تشریح: اگر رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو تیمم کرنے سے قبل اس سے پانی مانگے اگر وہ پانی دیدے تو وضو کرکے نماز پڑھے ورنہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے۔

یہاں رفیق کی قید اتفاقی ہے بلکہ جس کے پاس پانی ہے وہ اس کا رفیق ہو یا نہ ہو وضو کے لئے اس سے پانی مانگنا چاہئے کیونکہ پانی ایسی چیز ہے جس سے عام طور پر کسی کو منع نہیں کیا کرتے اب اگر اس نے پانی مانگا اور اس نے نہیں دیا تو چونکہ اس صورت میں حقیقۃً عاجزی پائی گئی اس لئے اس صورت میں تیمم کرے گا۔

اختلاف الائمہ

ساتھی سے پانی مانگنا واجب ہے یا نہیں اور بغیر مانگے تیمم جائز ہے یا نہیں۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں: ۱ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ حسن بن زیاد کے نزدیک ساتھی سے پانی مانگنا واجب نہیں۔

دلیل: سوال کرنا عیب اور ذلت کی بات ہے علاوہ ازیں سوال میں حرج بھی ہے جب کہ تیمم دفع حرج کے لئے ہی مشروع ہوا ہے۔ (عینی ج:۱ص:۳۳۷، البحر الرائق ج:۱ص:۱۷۰، عنایہ ج:۱ص:۱۴۵)

جواب: عام طور پر وضو کے لئے پانی خرچ کیا جاتا ہے اور لوگ اسے طلب کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تو ذلت کا سوال ہی نہیں آتا۔ ذلت تو سوالوں کی کثرت اور غیر ضروری چیزوں کے لئے لوگوں کے پاس بار بار سوال کرنے میں ہے، علاوہ ازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ضروری حوائج دوسروں سے طلب کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے مقام ورتبہ والا کون ہوسکتا ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۱۷۰، شرح وقایہ، ج:۱ص:۹۳) صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ ساتھی سے پانی مانگنا واجب ہے۔

دلیل: پانی ایسی چیز ہے جس سے عام طور پر انکار نہیں کیا جاتا اس لئے ساتھی کے پاس پانی ہونے سے اس کو بھی قادر سمجھا جائے گا۔ (عینی ج:۱ص:۳۳۸)

اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (عینی ج:۱ص:۳۳۸ درمختار ج:۱ص:۲۳۲)

باب المسح علی الخفین

یہ باب موزوں پر مسح کرنے کے (احکام کے بیان میں) ہے

ماقبل سے مناسبت: تیمم اور مسح علی الخفین دونوں میں سے ہر ایک عارض ہے، کیونکہ اصل غسل ہے مگر تیمم کا ثبوت کتاب سے ہے اور مسح کا ثبوت سنت سے ہے، اس لئے تیمم اقویٰ اور مستحق تقدیم ہے۔

مسح کی لغوی تعریف: کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا۔

اصطلاحی تعریف: بھیگے ہوئے ہاتھ کو اس چیز پر پھیرنا کہ جس پر پھیرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(نور الانوار ص:۲۱، حاشیہ)

خفین کی تعریف: اگر موزے پورے کے پورے چمڑے کے ہوں یعنی سوت وغیرہ کا ان میں بالکل دخل نہ ہو، تو انہیں خفین کہتے ہیں۔

مسح علی الخفین کا ثبوت

موزوں پر مسح بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

(۱) عَنْ سَعْدِ بنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ مَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ (بخاری ج:۱،ص:۳۳)

حضرت سعد ﷺ سے منقول ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے موزوں پر مسح کیا۔

(۲) عن عمرو بن اُمَیَّةَ اَنَّـهٗ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ یَمْسَحُ عَلَی انخفین. (بخاری ج:۱،ص:۳۳)

یعنی حضرت عمرو بن امیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے امام حسن بصری سے منقول ہے میں نے ستر بدری صحابہ کو مسح علی الخفین کا قائل پایا ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۷۷، نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۴، معارف السنن ج:۱،ص:۳۳۱)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل سنت والجماعت کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مسح علی الخفین کو جائز سمجھے چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع ج:۱،ص:۷۷ پر اہل سنت والجماعت کی چار شرطیں نقل فرمائی ہیں۔

(۱) شیخین کو فضیلت دینا (۲) ختنین سے محبت رکھنا (۳) مسح علی الخفین کو جائز سمجھنا (۴) نبیذ تمر کو حلال سمجھنا۔

مسح علی الخفین جائز ہے یا نہیں

اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ابوبکر بن داؤد ظاہری شیعہ امامیہ اور خوارج کے نزدیک مسح علی الخفین علی الاطلاق جائز نہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۵، عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۳۴۲)

دلیل: آیت وضو (فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَیْنِ) سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین کے متعلق جملہ احادیث آیت وضو سے منسوخ ہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۵)

جواب: آیت مائدہ نازل ہونے کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے لہٰذا یہ کہنا کہ آیت مائدہ جملہ احادیث کے لئے ناسخ ہے درست نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۵)

اس جواب کی تائید حضرت جریر کی روایت سے ہوتی ہے حضرت جریر نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا لوگوں نے کہا کیا تم مسح کرتے ہو حضرت جریر نے کہا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں پر مسح کرتے تھے، حضرت جریر کا اسلام رمضان ۱۰ ہجری میں ہے۔ آیت مائدہ نازل ہونے کے بعد اور آیت کا نزول ۴ھ یا ۵ھ میں

ہے۔(درمنضود ج:۱،ص:۲۹۵،نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۴،ترمذی ج:۱،ص:۲۷)

دوسرا مذہب: حنفیہ شافعیہ حنابلہ جمہور فقہاء ومحدثین اور امام مالک کی ایک روایت کے مطابق مسح علی الخفین مقیم ومسافر دونوں کے لئے جائز ہے۔(معارف السنن ج:۱،ص:۳۳۱،نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۴)

دلیل: كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِى السَّفَرِ لَاننزَعُ خِفَافَنَا ثَلاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهِنَّ وَنَكُوْنُ مَعَهُ الحَضَرَ نَمْسَحُ عَلٰى خِفَافِنَا يَوْمًا وَلَيْلَةً (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج:۱،ص:۷۴)

ترجمہ: اسامہ بن شریک کہتے ہیں کہ ہم لوگ سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے تو تین دن تین رات سے قبل موزے نہ نکالتے اور حضر میں آپ کے ساتھ ہوتے تو ایک دن ایک رات اپنے موزوں پر مسح کرتے ،اس حدیث سے مقیم ومسافر دونوں کے لئے مسح کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۱/۸۱) اَلْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ جَائِزٌ بِالسُّنَّةِ مِنْ كُلِّ حَدَثٍ مُوْجِبٍ لِلْوُضُوْءِ اَذَا لَبِسَ الخُفَّيْنِ عَلٰى طهارةٍ ثُمَّ اَحْدَثَ

ترجمہ: (۱/۸۱) موزوں پر مسح کرنا جائز ہے سنت سے ہر ایسے حدث سے جو وضو کا واجب کرنے والا ہو جب پہنے موزوں کو طہارت پر پھر حدث ہو جائے۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ مسح علی الخفین کا جواز سنت سے ثابت ہے۔

اور اس بارے میں بہت سی احادیث قولی وفعلی مشہور ہیں۔(اللباب ج:۱،ص:۵۶ حاشیہ) موزوں پر مسح کرنا محدث کے لئے جائز ہے محدث خواہ مرد ہو یا عورت لیکن شرط یہ ہے کہ وہ موزے طہارت پر پہنے گئے ہوں۔

فوائد قیود

بِالسُّنَّةِ. اس قید کو لگا کر ان لوگوں پر رد کرنا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ مسح علی الخفین کا جواز وَاَرْجُلِكُمْ کی قرأت جر سے ہے۔(البحر الرائق ج:۱،ص:۱۷۳)

موجب لِلْوُضوءِ: اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ جس شخص پر غسل کرنا واجب ہے اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔(عنایہ:۱/۱۲۸)

اختلاف الائمہ

موزے پہننے کے وقت طہارتِ کاملہ ضروری ہے یا نہیں یعنی اگر دونوں پیر دھونے کے بعد موزے پہن لئے اور اس کے بعد وضوء کی تکمیل کرے یہ صحیح ہے یا مکمل وضو کے بعد پہننا شرط ہے اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔

۱۔ امام شافعی امام مالک امام احمد اسحاق بن راہویہ کے نزدیک طہارت کاملہ عند اللبس شرط ہیں۔
۲۔ احناف اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک موزے پہننے کے وقت طہارت کاملہ شرط نہیں ہے بلکہ حدث کے وقت طہارت کاملہ شرط ہے۔

چنانچہ اگر کسی نے پہلے اپنے پاؤں دھو کر موزے پہنے پھر باقی وضو پورا کیا پھر حدث ہوا تو اس کو موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۹۹)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ثُمَّ اَهْوَيْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ دَعْهُمَا فَاِنِّي اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا. (نیل الاوطار، ج:۱، ص:۱۹۸)

مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے موزے اتارنے کا ارادہ کیا تو فرمایا کہ موزے رہنے دو کیونکہ میں نے اپنے پاؤں موزے میں داخل کئے ہیں اور وہ دونوں طاہر تھے، چنانچہ آپ نے ان پر مسح کیا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزہ پہنتے وقت طہارت کاملہ شرط ہے۔

جواب: حدیث سے لُبس کے وقت صرف پیروں کی طہارت ثابت ہو رہی ہے نہ کہ مکمل طہارت کیونکہ محاورہ عرب کے بموجب اِنِّيْ اَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ کا مفہوم و مراد اِنِّيْ اَدْخَلْتُ كُلًّا مِنْهُمَا وَهِيَ طَاهِرَةٌ ہے یعنی میں نے اپنے پاؤں موزے میں داخل کئے ہیں اور ان دونوں پیروں میں سے ہر ایک پاک تھا، محاورہ عرب دخلنا البلد رکباناً ہے جس کا مطلب ای دخل کلّ منا وھو راکب ہے نہ کہ ان جمیعنا راکب عند دخول کل منّا حاصل یہ کہ حکم میں وحدت رجل مراد ہے نہ کہ رجلین تثنیہ پر حکم مرتب ہے۔

احناف کی دلیل: موزہ قدم میں حدث حلول کرنے کو روکتا ہے لہٰذا روکنے کے وقت کمال طہارت کی رعایت کی جائے گی۔ (عینی ج:۱، ص:۳۴۶)

(۸۲/۲) فَاِنْ كَانَ مُقِيْمًا مَسَحَ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَاِنْ كَانَ مُسَافِرًا مَسَحَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا

ترجمہ: (۸۲/۲) چنانچہ اگر مقیم ہے تو مسح کرے ایک دن اور ایک رات اور اگر مسافر ہے تو مسح کرے تین دن اور تین رات۔

مدت مسح کیا ہے

اس بارے میں دو مذہب ہیں (۱) امام مالک، لیث بن سعد، حسن بصری اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق مسح علی الخفین کے لئے کوئی مدت متعین نہیں ہے، ایک مرتبہ موزہ پہن کر جب تک چاہے مسح کر سکتے ہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۹۹، بذل المجہود ج:۱، ص:۱۹۵ اعلاء السنن ج:۱، ص:۲۳۸)

دلیل: حضرت ابی بن عمارہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبلتین کی جانب نماز پڑھی ہے ان کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم سات دن تک مسح کر سکتے ہو پھر فرمایا اِمْسَحْ مَا بَدا لَكَ (طحاوی ج:۱، ص:۶۳-۶۴) جتنے دن چاہو مسح کر سکتے ہو۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۹۵، ابوداؤد ج:۱،ص:۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدت مسح کی کوئی بھی توقیت نہیں ہے۔

جواب: سند کے اعتبار سے یہ روایت کمزور ہے جیسا کہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں۔

وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي إِسْنَادِهِ وَلَيْسَ هُوَ فِي الْقَوِيِّ (ابوداؤد ج:۱،ص:۲۱، نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۰۰ عینی ج:۱، ص:۳۴۷، اعلاء السنن ص:۲۳۹)

لہٰذا ان متواتر روایتوں کے مقابلہ میں جن کے اندر مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن تین رات سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے ابی بن عمارۃ کی روایت قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔ (طحاوی ج:۱،ص:۶۴)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام شافعی کے نزدیک مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات مسح کرنا جائز ہے اس سے زیادہ جائز نہیں۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۰۰، معارف السنن ج:۱،ص: ۳۳۵ اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۳۸)

دلیل: عن عبد الرحمن بن ابی بكرٍ عن ابيهِ اَنَّ رسولَ اللّٰهِ وَقَّتَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهِنَّ لِلْمُسَافِرِ وَلِلْمُقِيْمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً. (الدرایہ ج:۱،ص:۷۳ اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۳۸)

اس کے علاوہ حضرت عمر حضرت علی عبداللہ بن مسعود کی روایات حنفیہ کا مستدل ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ج:۱، ص:۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷)

(۸۳/۳) وَابْتِدَاءُهَا عَقِيْبَ الْحَدَثِ

ترجمہ (۸۳/۳): اور مسح کی ابتداء حدث کے بعد سے ہے۔

تشریح: جس وقت وضو ٹوٹا ہے اس وقت سے ایک دن ایک رات یا تین دن تین رات کا حساب کیا جائے گا، جس وقت موزہ پہنا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جیسے کسی نے ظہر کے وقت وضو کر کے موزہ پہنا پھر سورج ڈوبنے کے وقت وضو ٹوٹا تو اگلے دن کے سورج ڈوبنے تک مسح کرنا درست ہے اور سفر میں تیسرے دن سورج ڈوبنے تک۔ جب سورج ڈوب جائے گا تو اب مسح درست نہ ہوگا۔

مدت مسح کی ابتداء کب سے ہوگی

اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

امام حسن بصری کے نزدیک موزہ پہننے کے وقت سے ابتداء ہوگی۔ (عینی ج:۱،ص:۳۵۱)

دلیل: مسح کا جواز موزہ پہننے کی وجہ سے ہے لہٰذا مدت مسح کی ابتداء بھی موزہ پہننے کے وقت سے ہوگی۔
دوسرا مذہب: امام اوزاعی ابوثور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ مسح کرنے کے وقت سے ابتداء ہوگی۔ (عینی ۳۵۱)

دلیل: مسح کی مدت کی مقدار مسح کی وجہ سے ہے اسلئے مدت مسح کی ابتداء مسح کرنے کے وقت سے معتبر ہوگی۔
تیسرا مذہب: حنفیہ شافعیہ سفیان ثوری جمہور علماء امام احمد کی اصح روایت یہ ہے کہ مدت مسح کی ابتداء حدث کے وقت سے ہوگی۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۳۵۱)

دلیل: موزہ حدث سرایت کرنے سے مانع ہے چنانچہ مدت کا اعتبار اسی وقت سے ہوگا جس وقت سے اس نے حدث سرایت کرنے سے روکا ہے جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے۔

(۸۴/۴) وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ عَلٰى ظَاهِرِهِمَا خُطُوْطًا بِالْاَصَابِعِ يَبْتَدِأُ مِنَ الْاَصَابِعِ اِلَى السَّاقِ وَفَرْضُ ذَالِكَ مِقْدَارُ ثَلٰثِ اَصَابِعَ مِنْ اَصَابِعِ الْيَدِ.

ترجمہ: (۸۴/۴) اور مسح دونوں موزوں کے ظاہری حصہ پر ہے اس حال میں کہ خط کھینچتے ہوئے انگلیوں سے (اس طرح کہ) شروع کرے (پاؤں کی) انگلیوں سے پنڈلیوں کی جانب (کھینچ لے جائے) اور اس کا فرض ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مسح کی کیفیت اور مقدار فرضیت کا بیان ہے۔
موزوں کے ظاہری حصہ پر مسح کرنا ضروری ہے موزوں پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے اور بائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں موزے کے اگلے حصہ پر رکھے پھر ان دونوں کو پنڈلیوں کی جانب ٹخنوں کے اوپر کھینچ کر لے جائے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے اور ہتھیلی موزوں سے الگ رکھے۔
فرض تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا ہے لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ پاؤں کی انگلیاں معتبر ہیں یا ہاتھ کی امام کرخی کے نزدیک پاؤں کی انگلیاں معتبر ہے۔

دلیل: مسح پاؤں پر واقع ہوتا ہے اور تین انگلیاں ممسوح کا اکثر ہے چنانچہ تین انگلیاں پورے پاؤں کے قائم مقام ہوں گی۔ (بدائع الصنائع ج:۱، ص:۸۸)

ہمارے عام علماء کے نزدیک مقدار مسح میں ہاتھ کی انگلیوں کا اعتبار ہے۔

دلیل: مسح ایک فعل ہے جو فاعل کی جانب منسوب ہوتا ہے محل کی جانب نہیں اور ہاتھ آلہ مسح ہے چنانچہ اسی کا اعتبار ہوگا عام علماء کا قول ہی اصح ہے۔ (عنایہ من ہامش الفتح ج:۱، ص:۱۳۲)

تنبیہ: ہر موزے پر تین انگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔
مسح علی الخفین صرف اوپر کی جانب ہوگا یا اوپر اور نیچے دونوں طرف اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام مالک امام شافعی کے نزدیک مسح علی الخفین اعلیٰ و اسفل دونوں جانبوں میں ہوگا امام مالک جانبین کے مسح کو واجب کہتے ہیں اور امام شافعی اعلیٰ کو واجب اور اسفل کو مستحب کہتے ہیں۔ (معارف السنن ج:۱، ص: ۳۳۹، اعلاء السنن ج:۱ص:۲۴۰)

دلیل: عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَبِیَّ ﷺ مَسَحَ اَعْلَى الْخُفِّ وَاَسْفَلَهٗ. (ترمذی، ج:۱، ص: ۲۸ نیل الاوطار ص: ۲۰۳) یعنی مغیرہ بن شعبہ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح علی الخفین اعلیٰ و اسفل دونوں پر مسح کیا ہے۔

جواب: اس حدیث کو امام ترمذی نے معلول اور امام ابوداؤد نے ضعیف قرار دیا ہے امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ثور بن یزید کا سماع رجاء بن حیوۃ سے ثابت نہیں گویا کہ حدیث منقطع ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص: ۳۵۴، البحر الرائق ج:۱، ص: ۱۸۱، اعلاء السنن ج:۱، ص: ۲۴۰)

(۲) اور اگر حدیث کو قابل استدلال مان بھی لیا جائے تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل میں مسح صرف ظاہر پر کیا تھا لیکن موزوں کی سختی کی وجہ سے اسفل خف کو بھی پکڑا تھا جس کو راوی نے مسح علی الاسفل سے تعبیر کر دیا۔ (اعلاء السنن ج:۱، ص: ۲۴۱)

(۳) حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں حضرت مغیرہ کی یہ روایت مسند بزار میں ساٹھ طریقوں سے منقول ہیں لیکن اس حدیث کے سوا کسی بھی روایت میں اسفل خف کا تذکرہ نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۱، ص: ۳۴۵)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام احمد بن حنبل سفیان ثوری امام اوزاعی کے نزدیک بالائی حصہ پر مسح کرنا جائز ہے اسفل پر مسح کرنا جائز نہیں۔ (معارف ج:۱، ص: ۳۳۹)

دلیل: عن الحسن عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ رَأَيْتُ رسولَ اللّٰهِ بَالَ ثم جَاءَ حَتّٰى تَوَضَّأَ ومسحَ عَلٰى خُفَّيْهِ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى على خُفِّهِ الْاَيْمَنِ وَيَدَهُ الْيُسْرىٰ على خفهِ الايسرِ ثم مَسَحَ اَعْلَاهُمَا مَسْحَةً وَاحِدَةً حَتّٰى كَاَنِّیْ انظرُ إِلٰى اَصَابِعِ رسولِ اللّٰهِ على الخفينِ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج:۱، ص: ۷۹، عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص: ۳۵۴)

حدیث کا ترجمہ: امام حسن سے منقول ہے وہ حضرت مغیرہ سے روایت کرتے ہیں حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے پیشاب کیا پھر آکر وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا اور اپنے دائیں ہاتھ کو دائیں موزے پر اور بائیں ہاتھ کو بائیں موزے پر رکھا پھر موزوں کے بالائی حصہ پر ایک مرتبہ مسح کیا۔ گویا کہ میں آپ کے موزوں پر ان نشانات کو دیکھ رہا ہوں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پیدا ہوئے تھے۔

علاوہ ازیں احناف کا مستدل حضرت علی کی روایت بھی ہے جس کو علامہ شوکانی اور بدرالدین عینی نے نقل فرمایا ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص: ۲۰۲ عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص: ۳۵۴)

(۵/۸۵) وَلَايَجُوزُ الْمَسْحُ عَلٰى خُفٍّ فِيْهِ خَرْقٌ كَثِيْرٌ يَتَبَيَّنُ مِنْهُ قَدْرُ ثَلٰثِ اَصَابِعِ الرِّجْلِ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ جَازَ.

ترجمہ: (۵/۸۵) اور جائز نہیں ہے مسح کرنا ایسے موزے پر جس میں زیادہ پھٹن ہو کہ اس سے پیر کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہو جائے اور اگر پھٹن اس سے کم ہو تو جائز ہے۔

تشریح: جو موزہ اتنا پھٹ گیا ہو کہ چلنے میں پیر کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر پاؤں کھل جاتا ہے تو اس پر مسح درست نہیں اور اگر اس سے کم کھلتا ہو تو مسح درست ہے۔

اگر موزے میں پھٹن پیدا ہو جائے تو اس پر مسح کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں امام اکمل الدین نے عنایہ من ہامش الفتح ج:۱ص:۱۳۲ پر چار مذاہب نقل کئے ہیں۔

(۱) امام زفر اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ موزے میں پھٹن کم ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں مسح کرنا ناجائز ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۸۵)

دلیل: جب زیادہ پھٹن مانع مسح ہے تو تھوڑی پھٹن بھی مانع مسح ہوگی جیسے حدث مطلقاً مسح کو توڑنے والا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

دوسرا مذہب: سفیان ثوری کے نزدیک دونوں صورتوں میں مسح کرنا جائز ہے۔

دلیل: موزہ پاؤں میں حدث آنے کو منع کرتا ہے چنانچہ جب تک اس پر موزہ کا اطلاق صحیح ہے تو اس پر مسح بھی جائز ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۸۶) چاہے کتنا ہی پھٹا ہو، اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔

تیسرا مذہب: احناف علماء کے نزدیک اگر پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار پاؤں کھل گیا یا اس سے زائد کھل گیا تو یہ خرق کثیر کے اندر داخل ہے اس صورت میں موزے پر مسح جائز نہیں اور اگر اس سے کم مقدار میں کھلا ہے تو یہ خرق قلیل ہے اس صورت میں موزے پر مسح کرنا جائز اور درست ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱ص:۸۶)

دلیل: موزے عام طور پر معمولی پھٹن سے خالی نہیں ہوتے چنانچہ اگر معمولی پھٹن کی وجہ سے موزے نکال دینے کا حکم کیا گیا تو لوگ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے اس لئے اس کو معاف کر دیا گیا اور خرق کثیر سے موزے بالعموم خالی ہوتے ہیں نکالنے میں کوئی حرج بھی نہ ہوگا، اس لئے معافی کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔

چوتھا مذہب: امام اوزاعی کے نزدیک پھٹن کی وجہ سے جو حصہ پیر کا کھل گیا اس کو دھویا جائے اور جو نہیں کھلا اس پر مسح کر لیا جائے۔

دلیل: ایک عضو میں غسل اور مسح دونوں کو جمع کرنا جائز ہے اس لئے یہ مذہب امام اوزاعی نے اختیار کیا ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱ص:۱۳۲، ۱۳۳)

(۶/۸۶) وَلَايَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ

ترجمہ: (۸۶/۶) اور جائز نہیں موزوں پر مسح کرنا اس شخص کے لئے جس پر غسل واجب ہے۔

تشریح: جس شخص پر غسل واجب ہو اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

صاحب عنایہ نے اس کی صورت یہ لکھی ہے: رَجُلٌ تَوَضَّأَ وَلَبِسَ الخُفَّ ثُمَّ اَجْنَبَ ثم وَجَدَ مَاءً يكفى لِلْوُضُوْءِ وَلَا يَكْفِىْ لِلْاِغْتِسَالِ فَاِنَّهُ يَتَوَضَّأُ وَيَغْسِلُ رِجْلَيْهِ وَلَا يَمْسَحُ وَيَتَيَمَّمُ لِلْجَنَابَةِ (عنایہ ج:۱،ص:۱۳۴)
ایک شخص نے وضو کر کے موزے پہنے پھر جنبی ہو گیا پھر اس کو اتنا پانی میسر آ گیا جو وضو کے لئے کافی ہے مگر غسل کے لئے کافی نہیں تو یہ شخص اس پانی سے وضو کرے اور پاؤں دھوئے اور مسح نہ کرے اور جنابت کے لئے تیمم کرے۔

دلیل: مسح علی الخفین حرج دور کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے اور حرج حدث اصغر کی صورت میں ہے: لہٰذا حدث کی صورت میں مسح علی الخفین جائز ہوگا اور جنابت کی صورت میں جائز نہ ہوگا۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۱۳۵)

(۸۷/۷) وَيَنْقُضُ الْمَسْحَ مَايَنْقُضُ الْوُضُوْءَ (۸۸/۸) وَيَنْقُضُهُ اَيْضًا نَزْعُ الْخُفِّ (۸۹/۹) وَمُضِيُّ الْمُدَّةِ فَاِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ نَزَعَ خُفَّيْهِ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ وَصَلّٰى وَلَيْسَ عَلَيْهِ اِعَادَةُ بَقِيَّةِ الْوُضُوْءِ.

ترجمہ: (۸۷/۷) اور توڑ دیتی ہے مسح کو وہ چیزیں جو توڑ دیتی ہیں وضو کو۔ (۸۸/۸) اور توڑ دیتا ہے مسح کو موزہ کا اتارنا بھی۔ (۸۹/۹) اور مدت کا گذرنا بھی چنانچہ جب مدت گذر جائے تو دونوں موزے نکالدے اور دونوں پیر دھو کر نماز پڑھے اور نہیں ہے اس پر باقی وضوء کا دوبارہ کرنا۔

تشریح: ہر وہ چیز جو ناقض وضو ہے وہ ناقض مسح بھی ہے لیکن موزے کا پیروں سے نکل جانا یا نکال لینا ناقض مسح ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

(۱) ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک اگر طہارت پر نکل جائے تو صرف پیر دھو کر موزہ پہن لینا کافی ہے، وضو کی ضرورت نہیں ہے اور اگر حدث پر نکل جائے تو وضو کی ضرورت ہے۔

(۲) امام عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ اور داوٗد ظاہری کے نزدیک موزہ کے نکل جانے کی وجہ سے طہارت ختم نہیں ہوتی لہٰذا اگر طہارت پر موزہ نکل جائے تو پیر دھونے کی ضرورت نہیں ہے بغیر دھلے موزہ پہن کر مسح کرنا جائز ہے لیکن اگر موزہ نکل جانے کے بعد حدث لاحق ہو جائے تو پھر طہارت کی ضروت ہے۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ مدت مسح گذر جانے سے بھی مسح علی الخفین ٹوٹ جاتا ہے اور جب مدت مسح پوری ہو گئی تو موزے نکال کر پیر دھو کر نماز پڑھ لے باقی وضو کا اعادہ ضروری نہیں ہے، یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعی کے نزدیک اس پر وضو کا اعادہ کرنا ضروری ہے۔

دلیل: مدت مسح گذر جانے سے پیروں کی طہارت ٹوٹ گئی اور حدث میں تجزی (ٹکڑے) نہیں ہے چنانچہ طہارت کا ٹوٹنا باقی اعضاء کی جانب بھی متعدی ہوگا۔

لہٰذا دوبارہ وضو کرنا واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۸۸ عنایہ من ہامش الفتح ج:۱،ص:۱۳۵)

جواب: حدث نام ہے ناپاکی نکلنے کا اور مدت مسح کا گذر جانا ایسا نہیں ہے لہٰذا حدث مسح گذرنے کو حدث پر قیاس کرنا درست نہیں ہے (عنایہ ج:۱،ص:۱۳۵)

احناف کی دلیل: وقد رُوِیَ عن ابن عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ فی غَزْوَةٍ فَنَزَعَ خُفَّيْهِ وَغَسَلَ قَدَمَيْهِ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوْءَ.

حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ آپ کسی غزوہ میں تھے چنانچہ آپ نے موزے نکال کر صرف اپنے پیروں کو دھویا اور باقی وضو کا اعادہ نہیں کیا۔ (عنایہ ج:۱،ص:۱۳۵)

(۹۰/۱۰) وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيمٌ فَسَافَرَ قَبْلَ تَمَامِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَسَحَ تَمَامَ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا (۹۱/۱۱) وَمَنِ ابْتَدَاءَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُسَافِرٌ ثُمَّ اَقَامَ فَاِنْ كَانَ مَسَحَ يَوْمًا وَلَيْلَةً اَوْ اَكْثَرَ لَزِمَهُ نَزْعُ خُفَّيْهِ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْهُ تَمَّمَ مَسْحَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ

ترجمہ: (۹۰/۱۰) جس شخص نے مسح شروع کیا اقامت کی حالت میں پھر سفر شروع کر دیا ایک دن اور رات مکمل ہونے سے پہلے تو تین دن اور ان کی راتیں مسح کرے۔

(۹۱/۱۱) اور جس شخص نے مسح شروع کیا سفر کی حالت میں پھر مقیم ہوگیا تو اگر وہ مسح کر چکا ہے ایک دن رات یا اس سے زیادہ تو اس کے لئے موزے کا نکالنا ضروری ہے اور اگر اس سے کم کیا ہو تو مکمل کرے ایک دن رات کے مسح کی مدت۔

تشریح: صاحب عنایہ وکفایہ نے تین صورتیں لکھی ہیں۔

۱ مقیم نے جس طہارت پر موزے پہنے تھے اس کے ٹوٹنے سے پہلے سفر شروع کر دیا پھر سفر کی حالت میں کسی وجہ سے اس کی طہارت ختم ہوگئی تو اس صورت میں بالاتفاق مسح کی مدت تین دن رات پوری کرے گا۔ (عنایہ ج:۱،ص:۱۳۶)

۲ حدث کے بعد اور مدت اقامت پوری ہونے کے بعد سفر شروع کیا تو اس صورت میں بالاجماع ایک دن رات پورے ہونے پر موزے نکالدے۔ (عنایہ کفایہ، ج:۱،ص:۱۳۴)

۳ حدث کے بعد اور مدت اقامت پوری ہونے سے قبل سفر شروع کر دیا تو اب مدت اقامت مدت سفر کی جانب منتقل ہوگی یا نہیں۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

۱ حنفیہ، سفیان ثوری امام احمد بن حنبل کا مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ مدت اقامت مدت سفر کی جانب منتقل ہو جائے گی یعنی تین روز تک مسح کرے گا۔ (مسافر والی مسح کی مدت کو اس طرح پورا کرے کہ مجموعہ تین دن ہو جائیں یہ

مطلب نہیں کہ از سرنو تین دن تک مسح کرتا رہے)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وَلِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ وَلَيَالِيْهَا یعنی ہر مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مسح کرنے کی اجازت ہے اور یہ شخص بھی مسافر ہے اس لئے اس کو بھی تین دن مسح کرنے کی اجازت ہوگی۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۶۳)

دوسرا مذہب: امام شافعی کے نزدیک مدت اقامت مدت سفر کی جانب منتقل نہ ہوگی بلکہ ایک دن پورا کر کے موزے نکالنا ضروری ہوگا۔

دلیل: مسح ایک عبادت ہے اور ہر وہ عبادت جو اقامت کی حالت میں شروع ہوگئی ہو، سفر کی وجہ سے متغیر نہیں ہوتی، اس میں ابتدائی حال کا اعتبار ہوتا ہے جیسے کسی نے بحالت اقامت کشتی میں نماز شروع کی اور نماز تمام ہونے سے قبل سفر شروع ہو گیا یا جیسے روزہ ہے کہ اس نے حالت اقامت میں شروع کیا پھر مسافر ہوا ان دونوں صورتوں میں اقامت کا اعتبار ہے یعنی نماز چار رکعت پڑھنی ہوگی اور روزہ بھی رکھنا ہوگا، مسح علی الخفین بھی چونکہ حالت اقامت میں شروع کیا پھر سفر کرنے سے بھی اقامت کا اعتبار ہونا چاہئے۔ (عنایہ کفایہ، ج:۱،ص:۱۳۷، البحر الرائق۔ج:۱،ص:۱۸۸)

جواب: مسح عبادت کو مستلزم نہیں کیونکہ نفس وضو کا فی نفسہ عبادت ہونا ضروری نہیں ہے ہاں وضو نیت سے عبادت بنتی ہے ایسے ہی مسح نیت سے عبادت واقع ہوگا، لیکن جو مسح عبادت نہیں یعنی بلا نیت والا مفتاح صلوٰۃ ہونے کے لئے وہ بھی کافی ہو جاتا ہے پس ایسے عمل کو جو عبادت، غیر عبادت دونوں ہوسکتا ہے اس کو قیاس کرنا ایسے عمل پر جو من کل الوجوہ عبادت ہے، صحیح نہیں کیونکہ مقیس ومقیس علیہ کے مابین علت جامع مشترک نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۱۸۸)

تنبیہ: ماقبل میں جس صورت میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے اسے امام قدوری نے وَمَنِ ابْتَدَأَ الْمَسْحَ وَهُوَ مُقِيْمٌ اِلٰى وَلَيَالِيْهَا میں ذکر کیا ہے۔

(۹۲/۱۲) وَمَنْ لَبِسَ الْجُرْمُوْقَ فَوْقَ الْخُفِّ مَسَحَ عَلَيْهِ

ترجمہ: (۹۲/۱۲) اور جس شخص نے موزے پر جرموق پہنا تو وہ جرموق پر مسح کرے۔

جرموق کی تعریف وہ موزے جو موزے کے اوپر پہنے جاتے ہیں تاکہ موزے کو کیچڑ ونجاست وغیرہ سے بچایا جاسکے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۴۳)

جرموق پر مسح جائز ہے یا نہیں

اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی کے نزدیک جرموق پر مسح جائز نہیں ہے یہی ایک روایت امام مالک سے ہے۔ (عینی ۱/۳۶۴)

دلیل: موزہ پیروں کا بدل ہے اور بدل کا بدل نہیں ہوتا کیونکہ مسح علی الخفین پر احادیث وارد ہوئی ہیں پاؤں کا

بدل ہوکر پس جرموق پر مسح جائز قرار دینا موزہ کا بدل ہو کر ہوگا حالانکہ یہ ناجائز ہے اس لئے جرموق پر مسح جائز نہیں ہے۔
(البحر الرائق ج:۱،ص:۱۸۹، عینی ج:۱،ص:۳۶۵)

جواب: جرموق بدل کا بدل ہے ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کیونکہ جرموق موزہ کا بدل نہیں بلکہ پاؤں کا بدل ہے جیسا کہ موزہ پاؤں کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے اسی طرح جرموق موزے کی حفاظت کے واسطے ہوتا ہے چنانچہ موزہ پر جرموق ایسا ہو گیا جیسے دوتہ والا موزہ اور دوتہ والے موزے کے اوپری حصہ پر مسح جائز ہے اسی طرح جرموق پر بھی جائز ہوگا۔(البحر الرائق ج:۱،ص:۱۸۹، عینی ج:۱،ص:۳۶۶)

دوسرا مذہب: حنفیہ امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری اور جمہور علماء کے نزدیک جرموق پر مسح جائز ہے۔(عینی ۱/۳۶۴)

دلیل: حضرت بلال سے روایت ہے رأيتُ رسولَ اللّٰهِ مَسَحَ عَلَى الْمُوْقَيْن. (اعلاء السنن ج:۱، ص:۲۴۳، نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۹۷، ابوداؤد ج:۱/۲۱) موق بھی جرموق ہی کا نام ہے (اعلاء ج:۱،ص:۲۴۳) اس کے علاوہ حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بھی احناف کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔(درایہ ج:۱،ص:۶۷ عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۶۵)

(۱۳/۹۳) وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَا مُجَلَّدَيْنِ اَوْ مُنَعَّلَيْنِ وَقَالَا يَجُوْزُ اِذَا كَانَا ثَخِيْنَيْنِ لَا يَشُفَّانِ

ترجمہ: (۱۳/۹۳) اور جائز نہیں مسح کرنا جوربین پر مگر یہ کہ وہ مجلد ہوں یا منعل ہوں اور صاحبین نے کہا کہ جائز ہے بشرطیکہ موٹے کپڑے کے ہوں چھنتے نہ ہوں۔

جورب کی تعریف: سوت یا اون کے بنے ہوئے موزے جو سخت جاڑے میں استعمال کئے جاتے ہیں۔

مجلد کی تعریف: اگر ایسے موزوں پر اوپر نیچے دونوں طرف چمڑا چڑھا ہوا ہو تو اس کو مجلد کہتے ہیں۔

منعل کی تعریف: اگر صرف نیچے کے حصہ میں چمڑا چڑھا ہوا ہو یعنی جوتے کے برابر تو اس کو منعل کہتے ہیں۔
(عینی ج:۱،ص:۳۶۶)

جوربین پر مسح جائز ہے یا نہیں؟

(۱) جوربین مجلدین، جوربین منعلین پر بالاتفاق مسح کرنا جائز ہے۔

(۲) اگر جوربین مجلد یا منعل نہ ہوں اور رقیق ہو یعنی ان میں ثخینین کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو ان پر بالاتفاق مسح جائز نہیں ہے۔(عینی ج:۱،ص:۳۶۷، اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۴۴)

ثخینین کا مطلب: وہ موزے جن میں تین شرائط پائی جائیں، (۱) اگر ان پر پانی ڈالا جائے تو پاؤں تک نہ پہنچے (۲) بغیر باندھے خود ہی پنڈلیوں پر رکے رہیں، (۳) ان کو پہن کر بغیر جوتے کے ایک دو میل پیدل چلا جا سکے۔

رقیق کا مطلب: وہ موزے جن میں مذکورہ بالا شرائط نہ پائی جائیں۔
(۳) جوربین غیر مجلدین وغیر منعلین ثخینین پر مسح کرنے کے بارے میں قدرے اختلاف ہے۔
امام مالک امام شافعی امام ابوحنیفہ کا مرجوع عنہ قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ (معارف ج ا ص: ۳۴۶)
دوسرا مذہب: صاحبین امام احمد کے نزدیک مسح کرنا جائز ہے۔ (عینی ج:۱ ص: ۳۶۷)
فائدہ: امام ابوحنیفہ نے وفات سے تین یا سات یا نو دن قبل اپنے قول سے رجوع کر کے صاحبین کا قول اختیار کرلیا تھا۔ (عینی ۱/۳۶۹، معارف السنن ۱/۳۴۶، اعلاء السنن ۱/۲۴۴) مسح علی الجوربین کے متعلق تین روایات وارد ہوئی ہیں، (۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری سے (۲) حضرت بلالؓ سے، یہ دونوں روایات ضعیف ہیں۔ (۳) حضرت مغیرہ بن شعبہ سے جس کے اندر بڑا اختلاف ہے اور مسح علی الخفین کے جواز کے سلسلہ میں بکثرت احادیث صحیحہ وارد ہوئی ہیں اس لئے جوربین کی جن قسموں میں خفین والی شرائط پائی جائیں گی ان کو علت کے مشترک ہونے کی بنیاد پر خفین کا حکم دے کر مسح کے جواز کا قول اختیار کیا جائے گا اور جن میں وہ شرائط نہیں پائی جائیں گی ان کو خفین کا حکم نہ دے کر مسح کے عدم جواز کا قول اختیار کریں گے۔ (معارف السنن ج:۱ ص: ۳۵۰)

(۱۴/۹۴) وَلَا يَجُوْزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَالْبُرْقِعِ وَالْقُفَّازَيْنِ

ترجمہ: (۱۴/۹۴) اور جائز نہیں مسح کرنا پگڑی ٹوپی برقع اور دستانوں پر۔
تشریح: پگڑی پر مسح درست نہیں ہے اسی طرح ٹوپی پر بھی مسح جائز نہیں ہے اسی طرح عورت کے لئے برقع پر مسح کرنا جائز نہیں اور بعض لوگ جو شکاری پرندے پکڑتے ہیں وہ ہاتھوں میں دستانے پہنتے ہیں تاکہ پرندوں کے چنگل کی ضرب سے محفوظ رہ سکیں یا بعض لوگ سردی کی وجہ سے دستانے پہنتے ہیں ان پر بھی مسح درست نہیں ہے۔
یعنی خفین پر مسح کے جواز کو قیاس کر کے ان چیزوں (پگڑی ٹوپا برقع دستانے) پر مسح جائز قرار دینا درست نہیں کیونکہ مذکورہ چیزوں پر مسح کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

پگڑی پر مسح کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں دو قول ہیں

۱ امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ امام اوزاعی کے نزدیک سر پر مسح کرنے کے بجائے مسح علی العمامہ پر اکتفا کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱ ص:۱۸۱)
دلیل: عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْعِمَامَةِ. (ترمذی شریف ج:۱، ص: ۲۹) ۲اس کے علاوہ عمرو بن امیہ کی حدیث بخاری ج:۱ ص: ۳۳ حضرت ثوبان کی روایت ابوداؤد ج:۱ ص:۱۹ ابوموسیٰ اشعری کی روایت نیل الاوطار ج:۱ ص: ۱۸۰ سے مسح علی العمامہ کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب: امام محمد نے فرمایا کہ مسح علی العمامہ پہلے تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ (فیض الباری ج:۱،ص:۳۰۲ اعلاء السنن ج:۱،ص:۷ معارف السنن ج:۱،ص:۳۵۶)

دوسرا جواب: جن روایتوں میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے وہ مختصر ہیں اصل میں علی ناصیتہٖ وعمامَتِہٖ تھا جیسا کہ حضرت بلال کی روایت میں ہے: مَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ وَبِنَاصِیَتِہٖ وَالْعِمَامَۃِ (معارف السنن ج:۱،ص:۳۵۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تنہا پگڑی کا مسح نہیں فرمایا لہٰذا اب مسح علی العمامہ کی جملہ روایات کا محمل یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی مقدار مفروض کا مسح فرمایا اور اس کے بعد پگڑی پر ہاتھ پھیرا اور یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا۔

تیسرا جواب: ممکن ہے آپ نے مسح علی العمامہ زکام یا سر میں تکلیف کی وجہ سے کیا ہو، یہ جواب قاضی عیاض نے دیا ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۳۵۲)

دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ سفیان ثوری کے نزدیک صرف مسح علی العمامہ کافی نہیں اس سے مسح کا فرض ادا نہ ہوگا۔
(نیل الاوطار ص ۱۸۱، معارف السنن ۱/۵۲)

دلیل: وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ آیت کا یہ ٹکڑا قطعی ہے اور اس میں سروں پر مسح کرنے کا حکم ہے ظاہر ہے کہ جو شخص پگڑی پر مسح کرے اس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے سر پر مسح کیا ہے ایسے ہی مسح علی الرأس سے متعلق احادیث تواتر کے ساتھ ثابت ہیں اور مسح علی العمامہ کی احادیث اخبار آحاد ہیں لہٰذا اخبار آحاد کی وجہ سے مسح علی الرأس کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۳۵۳ تا ۳۵۴ اعلاء السنن ج:۱،ص:۷، نیل الاوطار ج:۱،ص:۱۸۱)

مذکورہ مسئلہ کی مزید تفصیل بدائع الصنائع مع حاشیہ ج:۱،ص:۱۷ بذل المجہود ج:۱،ص:۸۷ پر ملاحظہ کر لیجئے

فائدہ: مقدار مفروض (جو احناف کے نزدیک چوتھائی سر شافعیہ کے یہاں ایک بال یا تین بال ہے) کے بعد بقیہ سر پر جو مسح کرنا سنت ہے وہ سنت پگڑی پر کرنے سے ادا ہو سکتی ہے یا نہیں اس بارے میں دو قول ہیں۔

(۱) امام احمدؒ وامام شافعیؒ کے نزدیک باقی مسح پگڑی پر کرنے سے سنت ادا ہو جائے گی۔

(۲) حنفیہ ومو الک کے نزدیک ادا نہ ہوگی۔

(۱۵/۹۵) وَیَجُوْزُ عَلَی الْجَبَائِرِ وَاِنْ شَدَّھَا عَلٰی غَیْرِ وُضُوْءٍ (۱۶/۹۶) فَاِنْ سَقَطَتْ مِنْ غَیْرِ بُرْءٍ لَمْ یَبْطُلِ الْمَسْحُ (۱۷/۹۷) وَاِنْ سَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ بَطَلَ.

ترجمہ: (۱۵/۹۵) اور جائز ہے مسح جبائر پر اگرچہ باندھی ہوں بغیر وضو کے۔ (۱۶/۹۶) چنانچہ اگر گر جائے جبیرہ زخم اچھا ہوئے بغیر تو مسح باطل نہ ہوگا۔

(۱۷/۹۷) اور اگر زخم اچھا ہونے پر گر جائے تو مسح باطل ہو جائے گا۔

جبائر: جبیرہ کی جمع ہے ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی یا زخم کی پٹی کو جبیرہ کہتے ہیں۔
جبیرہ پر مسح کرنا محدث کے لئے جائز ہے خواہ وہ پٹی طہارت کی حالت میں باندھی گئی ہو یا حدث کی حالت میں۔
مسح علی الجبیرہ دلیل عقلی ونقلی دونوں سے ثابت ہے۔
دلیل عقلی: جبیرہ کھولنے اور باندھنے میں موزہ اتارنے کی بہ نسبت زیادہ حرج ہے اور حرج دور کرنے کیلئے ہی موزوں پر مسح جائز ہوا ہے تو جبیرہ پر بدرجہ اولی مسح کرنا جائز ہوگا۔
دلیل نقلی: حضرت جابر فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں تھے ہمارے ایک ساتھی کے سر پر پتھر آ لگا جس سے اس کا سر زخمی ہوگیا پھر اتفاق سے ان کو احتلام بھی ہوگیا انہوں نے اپنے ساتھیوں سے معلوم کیا کہ کیا میرے لئے تیمم کی گنجائش ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے لئے ہم کوئی رخصت نہیں پاتے (انہوں نے اجازت نہ دی) حالانکہ تم کو پانی کے استعمال پر قدرت بھی ہے ان صحابی نے غسل کرلیا (جس سے دماغ کے اندر پانی پہنچا) اور انتقال ہوگیا واپسی میں جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو فرمایا ان ہی لوگوں نے اس شخص کو مارڈالا اللہ انہیں قتل کرے جب وہ جانتے نہ تھے تو پوچھا کیوں نہیں مصیبت زدہ کی شفا سوال ہی ہے، اسے تیمم کافی تھا یا وہ زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کرلیتا اور باقی بدن کو دھولیتا۔ (بذل المجہود ج:۱ص:۲۰۵ عینی ج:۱ص:۳۷۲)

بَابُ الْحَیْضِ

(یہ) باب حیض (کے بیان میں) ہے

ماقبل سے مناسبت: سابق میں ان احداث کا ذکر تھا جو کثرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اس باب میں قلیل الوقوع احداث مذکور ہیں۔ (اللباب ج:۱ص:۶۰)
حیض کی لغوی تعریف: بہنا۔
اصطلاحی تعریف: حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو رحم کی گہرائی سے بحالت صحت مقررہ وقت کے مطابق جاری ہوتا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۳۷۶)
حیض کا سبب: حضرت حواء علیہا السلام نے جب شجرۂ ممنوعہ کھانے کی وجہ سے رب حقیقی کی حکم عدولی کی تو اللہ نے ان کو حیض کے ساتھ مبتلا کردیا پس اس وقت سے اب تک ان کی اولاد بنات میں یہ ابتلاء برابر جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ (عینی ج:۱ص:۳۷۶، البحر الرائق ج:۱ص:۲۰۰)

(۱/۹۸) اَقَلُّ الْحَیْضِ ثَلٰثَةُ اَیَّامٍ وَلَیَالِیْهَا وَمَا نَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ بِحَیْضٍ وَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ وَاَکْثَرُهٗ

عَشَرَةُ أيَّامٍ وَمَازَادَ عَلٰى ذَالِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ .

ترجمہ: (۱/۹۸) حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور ان کی راتیں ہیں اور جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں بلکہ وہ استحاضہ ہے اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہے اور جو اس پر زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

تشریح: کم سے کم حیض کی مدت تین دن تین رات ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن اور دس رات ہے کسی کو تین دن تین رات سے کم خون آیا وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے اور اگر دس دن رات سے زیادہ آیا ہے وہ بھی استحاضہ ہے۔

حیض کی اقل مدت واکثر مدت میں اختلاف ائمہ مع دلائل وجوابات

امام مالک کے نزدیک کم کی کوئی حد نہیں ایک قطرہ بھی ان کے نزدیک حیض ہوگا امام شافعی وامام احمد کے نزدیک ایک دن ایک رات ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۲۷۷، معارف السنن، ج:۱،ص:۴۱۲)

حنفیہ کے نزدیک تین دن تین رات ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۱۲)

اکثر مدت کے سلسلہ میں امام شافعی واحمد کا مذہب یہ ہے کہ پندرہ دن ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۲۰۱)

امام مالک کے نزدیک سترہ دن احناف کے نزدیک دس دن۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۱۳)

احناف کی دلیل: عَنْ أَبِىْ اُمَامَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ اَقَلُّ الْحَيْضِ ثَلَاثٌ وَاَكْثَرُهُ عَشَرٌ. (اعلاء، ج:۱،ص:۲۴۹)

اس کے علاوہ وَاثِلہ اَنس معاذ بن جبل ابوسعید خدری عائشہؓ کی روایات احناف کے مذہب کی تائید کرتی ہیں یہ تمام روایات اگر چہ ضعیف ہیں لیکن اس روایت کے مقابلہ میں اَحسن ہیں جس سے شوافع کا استدلال ہے۔

(معارف السنن، ج:۱،ص:۴۱۳، عینی ج:۱،ص:۲۷۹)

شوافع وحنابلہ کا استدلال: اس روایت سے ہے جس کے الفاظ ہیں تَمْكُثُ اِحْدَاكُنَّ شَطْرُ عُمْرِهَا لَاتُصَلِّىْ. (معارف ج:۱،ص:۴۱۳)

یعنی تم میں سے ہر ایک اپنی عمر کا آدھا حصہ ٹھہری رہتی ہو نماز نہیں پڑھ سکتی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آدھی عمر نماز کے قابل نہیں رہتی اور یہ بات اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ حیض کی اکثر مدت پندرہ دن مانی جائے۔

جواب: اس حدیث کے متعلق ابن الجوزی فرماتے ہیں حَدِيْثٌ لَايُعْرَفُ امام بیہقی فرماتے ہیں اَنَّهٗ لَمْ يَجِدْهُ امام نووی فرماتے ہیں۔

حَدِيْثٌ بَاطِلٌ لَايُعْرَفُ. (معارف السنن ج:۱،ص:۴۱۳)

اور اگر بالفرض یہ حدیث درست بھی مان لی جائے اور شوافع وحنابلہ کے مذہب کے مطابق پندرہ دن حیض شمار کیا جائے تب بھی مجموعی عمر میں حیض کا حصہ نصف نہیں ہوسکتا کیونکہ قبل البلوغ اور بعد الایاس کا سارا زمانہ بغیر حیض کا ہے۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۴۹) امام مالکؒ کا استدلال وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى اس آیت میں بغیر

تعیین وتقدیر کے حیض کو گندگی قرار دیا ہے۔

جواب: حضرت ابوامامہ وغیرہ صحابہ کی تمام روایات اس آیت کے اجمال کی تفسیر بیان کررہی ہیں۔

(بدائع ج:۱،ص:۱۵۴)

(۲/۹۹) وَمَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ والكُدْرَةِ فِي اَيَّامِ الْحَيْضِ فَهُوَ حَيْضٌ حَتّٰى تَرَى الْبَيَاضَ خَالِصًا.

ترجمہ: (۲/۹۹)اور وہ جس کو دیکھے عورت سرخ، زرد، اور مٹیالا خون حیض کے دنوں میں تو وہ سب حیض ہے یہاں تک کہ دیکھے خالص سفیدی کو۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ حیض کی رنگتوں کو بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا حیض کی مدت کے اندر سرخ زرد سبز خاکی یعنی مٹیالا سیاہ گدلا، جس رنگ کا خون آئے سب حیض ہے جب تک گدی بالکل سفید نہ دکھائی دے اور جب بالکل سفید دکھائی دے جیسی کہ رکھی گئی تھی تو اب عورت حیض سے پاک ہوگئی۔

اختلاف الائمہ

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک حیض کے خون چار ہیں سرخ کالا زرد مٹیالا۔
(۲) امام شافعی اور امام احمدؒ بن حنبل کے نزدیک صرف سرخ اور سیاہ رنگ کا خون حیض ہے باقی استحاضہ کے رنگ ہیں
(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس رنگ کا بھی خون آئے وہ حیض ہے شرط یہ ہے کہ ایام حیض میں آئے۔

فائدہ: احناف کے نزدیک حیض کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دارومدار ایام پر ہے رنگوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے ہر رنگ کا حیض آسکتا ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک صرف تمیز کا اعتبار ہے عادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے امام شافعی وامام احمد کے نزدیک اگر صرف عادت ہو تو اس کا بھی اعتبار ہے اور صرف تمیز ہو تو وہ بھی معتبر ہے اور اگر دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو امام شافعی کے نزدیک تمیز مقدم ہوگی اور امام احمد کے نزدیک عادت۔

تمیز بالالوان کی مشروعیت پر ائمہ ثلاثہ کا استدلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اذا كَانَ دَمُ الْحَيْضَةِ فَاِنَّهُ اسودُ يُعْرَفُ فَاذَا كَانَ كَذَالِكَ فَامْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ الخ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۱)

یعنی حیض کا خون ایک خاص قسم کا سیاہ ہوتا ہے جو کہ پہچان لیا جاتا ہے چنانچہ اگر ایسا ہو جائے تو نماز چھوڑ دے اور

جب وہ خاص رنگ کا خون ختم ہو جائے اور دوسرا شروع ہو جائے تو نماز شروع کر دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رنگ سے حیض کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

جواب: امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور ابوحاتم نے اس کو منکر قرار دیا۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۹۱) نیز ابن ابی حاتم نے اپنی علل میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد ابوحاتم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا هُوَ مُنْكَرٌ ابن القطان نے فرمایا هُوَ فِي رَأْيِي مُنْقَطِعٌ. (معارف السنن ج:۱،ص:۴۱۴)

لہٰذا یہ حدیث قوت وصحت کے اعتبار سے حنفیہ کے دلائل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

حنفیہ کی دلیل: اِنَّ النِّسَآءَ كُنَّ يَبْعَثْنَ بِالْكُرْسُفِ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَكَانَتْ تَقُوْلُ لَا حَتّٰى تَرَيْنَ الْقَصَّةَ الْبَيْضَآءَ. (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۵۲)

یعنی عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس کُرسُف (حیض کے خون سے آلودہ کپڑا) بھیجتی تھیں (وہ عورتیں نماز کے بارے میں دریافت کرتیں) پس حضرت عائشہ ان سے فرماتی تھیں نہیں (جلدی نہ کرو) یہاں تک کہ خالص سفیدی نہ دیکھ لو (جو حیض کے ختم ہونے کی علامت ہے) اس روایت سے معلوم ہوا کہ رنگوں کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ سارے رنگ سفیدی کے علاوہ حیض کے ہو سکتے ہیں۔

(۳/۱۰۰) وَالْحَيْضُ يُسْقِطُ عَنِ الْحَائِضِ الصَّلٰوةَ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهَا الصَّوْمَ وَتَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۳/۱۰۰) اور حیض ساقط کر دیتا ہے حائضہ سے نماز کو اور حرام کر دیتا ہے اس پر روزہ رکھنا اور حائضہ عورت روزہ کی قضا کرے گی اور نماز کی قضا نہیں کرے گی۔

تشریح: حیض کے زمانہ میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا درست نہیں اتنا فرق ہے کہ نماز تو بالکل معاف ہو جاتی ہے پاک ہونے کے بعد بھی اس کی قضا واجب نہیں ہوتی لیکن روزہ معاف نہیں ہوتا پاک ہونے کے بعد قضا رکھنا پڑے گا، یہاں سے امام قدوری حیض کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں۔

مذکورہ مسئلہ میں اختلاف

علامہ نوویؒ شافعی اور ابن المنذرؒ نے فرمایا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حائضہ نماز کی قضا نہیں کرے گی لیکن روزہ کی قضا کرے گی، لیکن خوارج کے نزدیک روزہ کی قضا کی طرح نماز کی بھی قضا حائضہ پر ضروری ہے۔ (نیل الاوطار ج:۱،ص:۳۰۱ معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۱ بذل المجہود ج:۱،ص:۱۵۷)

حائضہ سے نماز ساقط ہونے کی علتیں

(۱) امام الحرمینؒ کے نزدیک یہ حکم خلاف قیاس ہے کیونکہ حضرت عائشہ کی حدیث کے الفاظ ہیں۔

كُنَّا نُؤمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلوٰةِ. (معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۲)

ہم کو صرف روزوں کی قضا کا حکم ہوتا تھا نماز کی قضا کا حکم نہیں ہوتا تھا۔

دوسری علت

اگر نمازوں کی قضا واجب ہو تو فرض مکرر اور دوگنا ہو جائیگا جس کے ادا کرنے میں حرج ہے اس لئے شارعؑ نے ان کی قضا کو ساقط کر دیا اور قضاء صوم میں یہ بات لازم نہیں آتی اس علت کو علامہ نووی نے شرح مہذب میں پسند کیا ہے۔
(معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۲)

(۱۰۱/۴) وَلَا تَدْخُلُ الْمَسْجِدَ

ترجمہ: (۱۰۱/۴) اور نہ داخل ہو مسجد میں۔

تشریح: جو عورت حیض سے ہو یا نفاس سے ہو اور جس پر غسل کرنا واجب ہو، اس کو مسجد میں جانا درست نہیں ہے

اختلاف الائمہ

امام شافعیؒ کے نزدیک حائضہ اور جنبی کا مسجد سے گذرنا تو جائز ہے مگر ٹھہرنا جائز نہیں۔ (مستفاد معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۴، عینی ج:۱،ص:۳۹۲ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۴۷)

دلیل: حضرت جابر اور زید بن اسلم رضی اللہ عنہما کی روایات سے استدلال ہے جن کے اندر ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنبی ہونے کی حالت میں مسجد سے گذرتے تھے۔ (نیل الاوطار، ج:۱،ص:۲۴۷، معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۵)

جواب: کسی روایت سے یہ بات ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس فعل کا علم ہوا ہو اور آپ نے ان کو اس پر برقرار رکھا ہو یہ صحابہ کا اپنا فعل تھا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ثابت نہیں۔ (عینی ج:۱،ص:۳۹۳)

دوسرا مذہب

امام ابوحنیفہ امام مالک سفیان ثوری اور جمہور علماء کے نزدیک جنبی اور حائضہ کے لئے نہ مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے اور نہ گذرنا جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۴، عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۳۹۱ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۴۷)

دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ. (ابوداؤد ج:۱، ص:۳۰ نیل، ج:۱،ص:۲۴۷) میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد حلال نہیں کرتا یعنی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا یہ حدیث مطلق ہے اس میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں ہے خواہ ٹھہرنے کی غرض سے ہو یا گذرنے کی غرض سے۔
(بدائع الصنائع ۱/۱۵۱)

تیسرا مذہب

امام احمد بن حنبل کے نزدیک حائضہ عورت کے لئے کسی بھی صورت میں مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے لیکن اگر جنبی حدث دور کرنے کی نیت سے وضو کرے تو اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا اور ٹھہرنا جائز ہے۔
(معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۵)

(۱۰۲/۵) وَلَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ .

ترجمہ: (۱۰۲/۵) اور نہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔

تشریح: حائضہ عورت بیت اللہ کا طواف نہ کرے کیونکہ بیت اللہ کا طواف نماز کے مانند ہے اور حائضہ کے واسطے نماز پڑھنا ممنوع ہے لہٰذا طواف کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ (عینی ج:۱،ص:۳۹۴ فتح القدیر ج:۱،ص:۱۴۷)

(۱۰۳/۶) وَلَا يَاتِيْهَا زَوْجُهَا

ترجمہ: (۱۰۳/۶) اور اس کے پاس اس کا شوہر نہ آئے یعنی وطی نہ کرے۔

تشریح: حیض کے زمانہ میں صحبت کرانا بہت بڑا گناہ ہے صحبت کے علاوہ اور تمام باتیں درست ہیں یعنی ساتھ کھانا پینا لیٹنا وغیرہ۔

اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں

(۱) حائضہ سے صحبت کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

(۲) ناف سے اوپر اور گھٹنے کے نیچے سے لطف اندوز ہونا بالاجماع جائز ہے۔

(۳) ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ سے استمتاع مختلف فیہ ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام احمد بن حنبل امام محمد امام اوزاعی اسحاق بن راہویہ کے نزدیک شرمگاہ کے علاوہ باقی جسم سے لطف اندوز ہونا جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۹ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۷)

دلیل: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہود کی عادت یہ تھی کہ جب کسی عورت کو حیض آتا تو نہ وہ اس عورت کو اپنے ساتھ کھلاتے تھے اور نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

صحابہ نے اس بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا اللہ نے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ آیت نازل فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْئٍ اِلَّا النِّكَاحُ. (نیل الاوطار ج:۱،ص: ۲۹۶/ ۲۹۷، البحر الرائق ج:۱،ص:۲۰۸، فتح القدیر ج:۱،ص:۱۴۷) یعنی وطی کے علاوہ ہر کام کرو۔

جواب: مذکورہ حدیث میں جو صحبت کی جگہ سے لطف اندوز ہونے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس میں ناف سے لے کر گھٹنوں تک کا حصہ بھی شامل ہے سَدًّا لِلذَّرِيْعَةِ. (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۶۵)

اس جواب کی تائید فرمان نبی سے بھی ہوتی ہے مَنْ وَقَعَ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهٗ. "جو شخص خصوصی چراگاہ کے آس پاس وقوع پذیر ہوتا ہے اکثر اس کے اندر گھسنے کے بھی مواقع پیش آجاتے ہیں۔

(نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۷،۱ البحر الرائق ج:۱،ص:۲۰۸)

دوسرا مذہب: شیخین امام مالک امام شافعیؒ کا اصح قول یہ ہے کہ حائضہ عورت کی ناف سے لے کر زانو تک مرد کو نزدیکی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۹ نیل الاوطار ج:۱،ص:۲۹۷،۱ البحر الرائق ج:۱،ص:۲۰۷ فتح القدیر ج:۱،ص:۱۴۷)

دلیل: حضرت عبد اللہ بن سعد سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حالت حیض میں میرے لئے اپنی بیوی سے کونسی چیز حلال ہے آپ نے فرمایا لَكَ مَا فَوْقَ الْاِزَارِ. (البحر الرائق ج:۱، ص:۲۰۸،۱ ابوداؤد ج:۱،ص:۲۸) یعنی ازار سے اوپر سب کچھ جائز ہے تحت الازار جائز نہیں۔

علاوہ ازیں مذہب ثانی کے قائلین کے دلائل حرمت پر دلالت کرتے ہیں اور مذہب اول کے قائلین کے دلائل حلت پر دال ہیں اور حلت وحرمت میں اگر تعارض ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۵۱)

(۱۰۴/۷) وَلَا يَجُوْزُ لِحَائِضٍ وَلَا لِجُنُبٍ قِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ.

ترجمہ: (۱۰۴/۷) اور جائز نہیں حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن پڑھنا۔

تشریح: جو عورت حیض سے ہو یا نفاس سے ہو اور جس شخص پر غسل کرنا واجب ہو ان کو قرآن کریم پڑھنا اور چھونا درست نہیں لیکن اگر قرآن شریف جزدان میں لپٹا ہو تو اس وقت قرآن مجید کا چھونا اور اٹھانا درست ہے۔

اگر کوئی عورت لڑکیوں کو قرآن پڑھاتی ہو تو ایسی صورت میں ہجے کروانا درست ہے اور رواں پڑھاتے وقت پوری آیت نہ پڑھے بلکہ ایک ایک دو دو لفظ کے بعد سانس توڑ دے اور کاٹ کاٹ کر آیت رواں کہلائے۔

اختلاف الائمہ

امام ابوحنیفہؒ امام احمدؒ امام شافعیؒ کے نزدیک حائضہ اور جنبی کے لئے تلاوت قرآن ناجائز ہے۔

(معارف السنن ج:۱،ص:۴۴۵ اعلاء السنن ج:۱،ص:۱،ص:۲۶۶)

دوسرا مذہب: امام مالک کے نزدیک حائضہ کے واسطے قرأت قرآن جائز ہے۔

(عینی ج:۱،ص:۳۹۶، معارف ج۱،ص:۴۴۵)

دلیل: حائضہ عورت معذور ہے اور قرأت قرآن کی محتاج ہے اور پاکی حاصل کرنے پر بھی قادر نہیں ہے کیونکہ مدت حیض طویل ہوتی ہے اگر اس عرصہ کے اندر مطلقاً نہیں پڑھے گی تو نسیان کا خوف ہے۔ (عینی ج:۱ ص:۳۹٦)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل مع جواب مالکؒ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئاً مِنَ الْقُرْآنِ.
(ترمذی ج:۱ ص:۳۴)

یعنی حائضہ اور جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتے، یہ حدیث پاک صراحتاً حائضہ کے لئے تلاوت قرآن کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہے لہٰذا امام مالک کی عقلی دلیل حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتی۔

(۸/۱۰۵) وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُحْدِثِ مَسُّ الْمُصْحَفِ اِلَّا اَنْ يَّأْخُذَهُ بِغِلَافِهِ.

ترجمہ: (۸/۱۰۵) اور جائز نہیں ہے بے وضو کے لئے قرآن کو چھونا مگر یہ کہ اس کو اس کے غلاف سے پکڑے۔

تشریح: بے وضو کے لئے قرآن شریف چھونا ناجائز ہے لیکن اگر جزدان میں لپٹا ہوا ہو تو پھر چھونا درست ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے قرآن کو پاک آدمی ہی چھو سکتا ہے۔

(۹/۱۰٦) فَاِذَا انْقَطَعَ دَمُ الْحَيْضِ لِاَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ لَمْ يَجُزْ وَطْيُهَا حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْ يَمْضِيَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ كَامِلَةٍ (۱۰/۱۰۷) وَاِنِ انْقَطَعَ دَمُهَا لِعَشَرَةِ اَيَّامٍ جَازَ وَطْيُهَا قَبْلَ الْغُسْلِ.

ترجمہ: (۹/۱۰٦) چنانچہ جب بند ہو جائے حیض کا خون دس دن سے کم میں تو اس سے صحبت جائز نہیں یہاں تک کہ غسل کرے یا گذر جائے اس پر ایک کامل نماز کا وقت۔ (۱۰/۱۰۷) اور اگر بند ہوا اس کا خون دس دن میں تو اس سے صحبت جائز ہے غسل کرنے سے پہلے۔

تشریح: کسی کی عادت پانچ دن کی تھی جتنے دن کی عادت تھی اتنے ہی دن خون آیا پھر بند ہو گیا تو جب تک غسل نہ کرے تب تک صحبت کرنا جائز نہیں کیونکہ خون کبھی بہنے لگتا ہے اور کبھی بند ہو جاتا ہے چنانچہ بند ہونے کی جہت کو ترجیح دینے کے لئے غسل کرنا ضروری ہے۔

اور اگر غسل نہیں کیا تو جب ایک نماز کا وقت گزر جائے یعنی ایک نماز کی قضا اس کے ذمہ واجب ہو جائے تب صحبت درست ہے اس سے پہلے درست نہیں اور اگر پورے دس دن رات حیض آیا تو جب سے خون بند ہوا ہے اسی وقت سے صحبت کرنا درست ہے خواہ غسل کر چکی ہو یا ابھی نہ کیا ہو کیونکہ حیض دس روز سے زیادہ نہیں آتا۔

(۱۱/۱۰۸) وَالطُّهْرُ اِذَا تَخَلَّلَ بَيْنَ الدَّمَيْنِ فِي مُدَّةِ الْحَيْضِ فَهُوَ كَالدَّمِ الْجَارِيْ (۱۲/۱۰۹) وَاَقَلُّ الطُّهْرِ

خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا وَلَا غَايَةَ لِأَكْثَرِهٖ.

ترجمہ: (۱۱/ ۱۰۸) اور پاکی جب واقع ہو دونوں خونوں کے درمیان حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے۔ (۱۲/ ۱۰۹) اور پاکی کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی انتہا نہیں۔

تشریح: طہر کی تعریف: وہ زمانہ جو دو خونوں کے درمیان حدِ فاصل ہے اس کی کم سے کم مدت پندرہ دن ہے اور زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اگر پندرہ دن ہو تو اس کو طہر کامل کہتے ہیں اور اس پر حیض سے طہارت حاصل کرنے کے احکام مرتب ہوں گے اور اگر پندرہ دن سے کم مدت ہو تو اس کو طہر ناقص کہتے ہیں اس کے فاصل ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

طہر کامل کی مثال: ایک عورت تین دن خون دیکھے پھر پندرہ دن پاکی دیکھے اور پھر تین دن خون دیکھے تو یہ پندرہ دن بالاتفاق طہر ہے اور دو خونوں کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ طہر ناقص کے فاصل ہونے اور نہ ہونے میں امام صاحب سے چار روایتیں ہیں۔

طہر ناقص مطلقاً فاصل نہیں ہوگا، (یعنی اگر طہر ناقص کو دونوں طرف سے خون گھیرے ہوئے ہو خواہ ایک دن ہو یا زیادہ دس دن ہو یا دس سے باہر) درمیان کی پاکی کو حیض سمجھا جائے گا! اگر عورت کی عادت مقرر ہے تو ایام عادت حیض اور باقی استحاضہ ہے اور اگر عادت مقرر نہیں ہے تو دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہے۔

مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا پھر چودہ دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا اور ہر ماہ اس کی عادت اٹھ روز خون آنے کی ہے تو اس کی عادت کے مطابق آٹھ دن حیض قرار دیئے جاویں گے اور باقی استحاضہ۔

اور اگر عادت مقرر نہیں ہے تو شروع کے دس دن حیض اور باقی استحاضہ ہوگا یہ قول امام ابو یوسف کا ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا آخری قول ہے عورتوں پر آسانی کی خاطر اسی قول پر علماء نے فتویٰ دیا ہے صاحب عنایہ کے بقول اسی مذہب میں مفتی و مستفتی دونوں کے لئے آسانی ہے اسی قول کو امام قدوری نے کتاب میں ذکر کیا ہے مزید افادہ کے لئے امام ابوحنیفہ سے منقول اور تین روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ تاکہ قدوری میں ذکر کردہ نقشہ کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

(۱) امام محمد کی روایت جو امام صاحب سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ طہر ناقص اگر دو خونوں کے درمیان مدت حیض میں واقع ہو تو یہ طہر فاصل نہ ہوگا بلکہ مسلسل خون کے حکم میں ہوگا جیسے ایک دن خون دیکھا پھر پانچ دن پاک رہی، پھر ایک دن خون دیکھا تو سات دن حیض کے شمار ہوں گے اور امام محمد کا مذہب جس میں مذکورہ شرط کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ درمیان کی پاکی جب تین دن سے کم ہو تو سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے اور دونوں خونوں کے درمیان کی پاکی تین دن یا اس سے زیادہ ہے تو پھر دیکھا جائے گا کہ پاکی دونوں خونوں کے برابر ہے یا کم ہے ان دونوں صورتوں میں بھی سب ایام حیض کے ہی سمجھے جائیں گے، اور اگر درمیان کی پاکی دونوں طرف کے خونوں سے زیادہ ہے تو پھر غور کیا جائیگا اگر دونوں جانب کے خونوں میں سے کوئی ایک حیض بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسے حیض بنا دیا جائے گا اور دوسری

طرف کے خون کو استحاضہ اور اگر حیض بنانے کی صلاحیت نہیں ہے تو پھر سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے۔

مثالیں: ایک عورت دو دن خون دیکھے پھر پانچ دن پاک رہے پھر تین دن خون دیکھے اس صورت میں خون کا مجموعہ طہر کے برابر ہے۔

دوسری صورت: تین دن خون دیکھا تین دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا اس صورت میں خون کا مجموعہ طہر سے زیادہ ہے لہٰذا دونوں صورتوں میں طہر فاصل نہ ہوگا بلکہ سارے ایام حیض میں شمار ہوں گے۔

تیسری صورت: ایک عورت دو دن خون دیکھے پھر پانچ دن پاک رہے پھر دو دن خون دیکھے چونکہ اس صورت میں پاکی خون کے مجموعہ سے زیادہ ہے اور کسی ایک جانب حیض بننے کی صلاحیت بھی نہیں ہے لہٰذا سارے ایام استحاضہ کے ہوں گے۔

دوسری روایت: امام زفر کے نزدیک جب حیض کی اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون دیکھے تو درمیان کی پاکی جاری خون کے مانند ہے چنانچہ سارے ایام حیض کے سمجھے جائیں گے اور اگر حیض کی اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون نہیں دیکھا تو پھر کچھ بھی حیض نہیں سمجھا جائے گا۔

مثال: ایک عورت نے دو دن خون دیکھا سات دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو سارے ایام حیض کے ہیں کیونکہ حیض کی اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون دیکھا ہے۔

دوسری مثال: ایک دن خون دیکھا آٹھ دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا اس صورت میں کچھ بھی حیض نہیں ہے کیونکہ اکثر مدت میں اقل مدت کے بقدر خون نہیں دیکھا۔

تیسری روایت جو حسن بن زیاد کی امام صاحب سے منقول ہے: وہ یہ ہے کہ درمیان کی پاکی جب تین دن سے کم ہو تو سارے ایام حیض کے ہوں گے جیسا کہ امام محمد نے فرمایا ہے اور اگر تین دن ہو یا تین دن سے زیادہ خواہ پاکی دونوں جانب کے خونوں کے برابر ہو یا دونوں طرف کا خون پاکی سے زیادہ ہو تو تمام صورتوں میں مطلقاً فاصل ہوگا۔

مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا دو دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا تو سارے ایام حیض کے ہیں۔

دوسری مثال: ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا سات دن پاک رہی پھر دو دن خون دیکھا اس صورت میں کچھ حیض نہیں ہے۔

فائدہ: جملہ مذاہب اور مثالوں کو سامنے رکھ کر مندرجہ ذیل نقشہ ملاحظہ کیجئے انشاء اللہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت اور پریشانی نہیں ہوگی۔

نقشہ طہر متخلل مع اختلاف ائمہ اربعہ

صورت مسئلہ	مسئلہ کا حکم		اور اصحاب مذاہب	
	امام ابو یوسفؒ	امام محمدؒ	امام زفرؒ	حسن بن زیادؒ
ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا آٹھ دن پاک رہی پھر ایک دن خون دیکھا۔	مکمل حیض ہے	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے	حیض نہیں ہے
(۲) ایک گھنٹہ خون دیکھا اور دو گھنٹہ کم دس دن پاک رہی پھر ایک گھنٹہ خون دیکھا۔	٠	٠	٠	٠
(۳) ایک عورت نے دو دن خون دیکھا سات دن پاک رہی اور ایک دن خون دیکھا یا ایک دن خون دیکھا اور سات دن پاک رہی اور دو دن خون دیکھا۔	مکمل حیض ہے	حیض نہیں ہے	مکمل حیض ہے	حیض نہیں ہے
(۴) ایک عورت نے تین دن خون دیکھا چھ دن پاک رہی اور ایک دن خون دیکھا	٠	پہلے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	٠	پہلے تین دن حیض باقی استحاضہ
(۵) ایک عورت نے ایک دن خون دیکھا چھ دن پاک رہی پھر تین دن خون دیکھا	٠	آخری تین دن حیض باقی استحاضہ	٠	آخری تین دن حیض باقی استحاضہ
(۶) ایک عورت نے چار دن خون دیکھا پانچ دن پاک رہی اور ایک دن خون دیکھا یا ایک دن خون دیکھا، پانچ دن پاک رہی اور چار دن خون دیکھا۔	٠	مکمل حیض ہے	٠	چار دن حیض ہے خواہ شروع میں ہو یا آخر میں ہو

(۷) ایک دن خون دیکھا دو دن طہر ایک دن خون	،	،	،	مکمل حیض ہے
(۸) تین دن خون دیکھا چھ دن پاک رہی پھر تین دن خون دیکھا	پہلے دس دن حیض اور باقی استحاضہ	پہلے تین دن حیض اور باقی استحاضہ	پہلے دس دن حیض اور باقی استحاضہ	پہلے تین دن حیض اور باقی استحاضہ

نوٹ ہر ایک مسئلہ کی دلیل ماقبل میں مذہب کے تحت دیکھ سکتے ہیں۔

(۱۳/۱۱۰) وَدَمُ الْاِسْتِحَاضَةِ هُوَ مَا تَرَاهُ الْمَرْأَةُ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ اَوْ اَكْثَرَ مِنْ عَشَرَةِ اَيَّامٍ فَحُكْمُهٗ حُكْمُ الرُّعَافِ لَا يَمْنَعُ الصَّلٰوةَ وَلَا الصَّوْمَ وَلَا الْوَطْيَ (۱۴/۱۱۱) وَاِذَا زَادَ الدَّمُ عَلَى الْعَشَرَةِ وَلِلْمَرْأَةِ عَادَةٌ مَعْرُوْفَةٌ رُدَّتْ اِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا وَمَازَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ (۱۵/۱۱۲) وَاِنِ ابْتَدَأَتْ مَعَ الْبُلُوْغِ مُسْتَحَاضَةً فَحَيْضُهَا عَشَرَةُ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَالْبَاقِيْ اِسْتِحَاضَةٌ ۔

ترجمہ: (۱۳/۱۱۰) اور استحاضہ کا خون وہ ہے جس کو دیکھے عورت تین دن سے کم یا دس دن سے زیادہ چنانچہ اس کا حکم نکسیر کا حکم ہے کہ نہ نماز کو روکتا ہے اور نہ روزے کو اور نہ صحبت کو۔ (۱۴/۱۱۱) اور اگر بڑھ گیا خون دس دن پر حالانکہ عورت کی عادت مقرر ہے تو وہ اپنی عادت کے ایام کی طرف لوٹائی جائیگی اور جو اس سے زائد ہو وہ استحاضہ ہے۔ (۱۵/۱۱۲) اور اگر عورت استحاضہ ہی کی حالت میں بالغ ہوئی تو اس کا حیض دس دن ہے ہر ماہ میں سے اور باقی استحاضہ ہے

تشریح: استحاضہ کے لغوی معنی بہنا۔

اصطلاحی تعریف: وہ خون ہے جو رحم کے راستہ سے کسی بیماری کی بنا پر غیر معین وقت میں جاری ہوتا ہے، استحاضہ کا حکم ایسا ہے جیسے کسی کی نکسیر پھوٹے اور بند نہ ہو، مستحاضہ عورت نماز بھی پڑھے روزہ بھی رکھے قضا نہ کرنی چاہئے اور اس سے صحبت کرنا بھی درست ہے۔

کسی عورت کو ہمیشہ تین یا چار دن خون آتا ہے پھر کسی مہینہ میں زیادہ آ گیا اور دس دن سے بھی بڑھ گیا تو جتنے دن پہلے سے عادت کے ہیں اتنا تو حیض ہے باقی سب استحاضہ ہے ان دنوں کی نمازیں قضا پڑھنا واجب ہے۔

اور اگر ایسی عورت ہو کہ پہلے اس کو حیض نہ آیا تھا اسی حیض سے بالغہ ہوئی مگر جو حیض بلوغ کا آیا دس دن سے تجاوز کر گیا تو اس کا حیض ہر ماہ دس دن ہوگا اور باقی استحاضہ ہے۔

مستحاضہ کے ساتھ جماع کا حکم: مستحاضہ کے ساتھ وطی کے جواز و عدم جواز میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہے البتہ طول مدت کی وجہ سے وطی کی جا سکتی ہے اور طول مدت چار ماہ ہیں بہرکیف نماز پڑھنا ضروری ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور جمہور کے نزدیک اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے۔

نوٹ: متن کی تشریح یہاں تک مکمل ہو چکی آگے مزید افادے کے لئے اقسام المستحاضہ کا بیان ہے۔

احناف: کے نزدیک مستحاضہ کی تین قسمیں ہیں (۱) مبتدء ہ (۲) معتادہ (۳) متحیرہ۔

مبتدء ہ: وہ بالغ لڑکی جس کو زندگی میں پہلی مرتبہ حیض شروع ہوا اور پھر مستقل جاری ہو گیا۔

حکم: دس دن حیض میں شمار کرے گی اور نماز روزہ چھوڑ دے گی اور دس دن گذرنے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے گی اور بیس دن بعد پھر ایام حیض شمار کرے گی۔

معتادہ: وہ عورت جس کو پہلے حیض آچکا تھا اور بعد میں استحاضہ کی بیماری میں مبتلا ہو گئی اور استحاضہ سے قبل دم حیض کے لئے عادت متعین تھی۔

حکم: ایام عادت کے بعد جو خون آرہا ہے اگر دس دن سے پہلے پہلے بند ہو جائے تو پورا خون حیض ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت تبدیل ہو گئی اور اگر دس دن کے بعد بھی خون جاری ہے تو ایام عادت کے بعد کے خون کو استحاضہ کا خون قرار دیا جائے گا اور ایام عادت کے بعد جتنی نمازیں چھوڑی ہیں ان کی قضا لازم ہوگی۔

متحیرّ ہ: وہ عورت جو معتادہ تھی پھر برابر خون جاری ہو گیا اور اپنی پہلی عادت بھی بھول گئی اس کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) متحیرہ بالعدد: وہ عورت جس کو ایام حیض کی تعداد یاد نہیں رہی کہ پانچ دن آتا تھا یا سات دن۔

حکم: جس دن سے حیض آنا شروع ہوا اس دن سے وہ تین دن تین رات تک نماز چھوڑ دے گی، تین دن کے بعد اکثر مدت حیض کے جو سات دن باقی ہیں، ان میں نماز غسل کر کے پڑھے گی کیونکہ ہر ایک دن حیض سے فارغ ہونے کا احتمال ہے اس کے بعد بیس دن تک وضو لکل صلوٰۃ کرے گی۔

(۲) متحیرہ بالوقت: جس کو یہ یاد نہیں کہ مہینے کے شروع میں حیض آیا کرتا تھا یا بیچ میں یا اخیر میں۔

حکم: ایسی عورت کا حکم یہ ہے کہ جتنے ایام اس کے حیض کے ہوا کرتے تھے اتنے دن (مثلاً شروع کے پانچ دن) ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے گی اور باقی پچیس دن ہر نماز کے لئے غسل کرے گی۔

(۳) متحیرہ بالعدد والزمان: وہ عورت جس کو نہ ایام حیض یاد ہے اور نہ اس کا زمانہ یاد ہے دونوں ہی چیزیں بھول گئی۔

حکم: مہینے کے شروع میں تین دن تک ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے گی اور باقی ستائیس دن تک غسل لِکُلِّ صَلوٰۃٍ کرے گی۔

(۱۱۳/۱۶) وَالْمُسْتَحَاضَةُ وَمَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَالرُّعَافُ الدَّائِمُ وَالْجَرْحُ الَّذِیْ لَایَرْقَأُ یَتَوَضَّؤُنَ لِوَقْتِ کُلِّ صَلوٰةٍ وَیُصَلُّوْنَ بِذٰلِكَ الْوُضُوْءِ فِی الْوَقْتِ مَاشَاءُوْا مِنَ الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ فَاِذَا خَرَجَ الْوَقْتُ بَطَلَ وُضُوْءُهُمْ وَکَانَ عَلَیْهِمْ اِسْتِیْنَافُ الْوُضُوْءِ لِصَلوٰةٍ اُخْرٰی.

ترجمه: (۱۱۳/۱۶) اور مستحاضہ اور جس کو ہر وقت پیشاب ٹپکتا ہو اور جس کو دائمی نکسیر ہو اور جس کو ایسا زخم ہو کہ نہیں بھرتا تو یہ لوگ وضو کریں ہر نماز کے وقت کے لئے اور پڑھیں اس وضو سے وقت کے اندر جو چاہیں فرائض ونوافل سے اور جب وقت نکل جائے تو ان کا وضو باطل ہو جائے گا اور ان پر لازم ہے از سر نو وضو کرنا دوسری نماز کے لئے۔

تشریح: اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱) مستحاضہ عورت اور جس کو پیشاب آنا نہ تھمتا ہو اور جس کی نکسیر پھوٹے اور بند نہ ہو اور جس کے ایسا زخم ہو کہ اس سے خون نہیں رکتا ان معذورین کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کریں پھر اس وضوء سے وقت کے اندر جتنی چاہیں نمازیں پڑھیں خواہ فرض ہو یا نوافل واجب ہو یا قضاء ہو یا نذر کی نمازیں۔

(۲) جب فرض نماز کا وقت نکل جائے تو ان معذورین کا وضو باطل ہو جائے گا، اب اگر کوئی معذور دوسری فرض نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لئے نیا وضو کرنا ضروری ہوگا۔

اختلاف الائمہ

مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی یا ہر نماز کے وقت کے لئے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام شافعی سفیان ثوری اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق ہر فرض نماز کے لئے معذورین اور مستحاضہ پر وضو کرنا لازم ہے نہ کہ نماز کے وقت کے لئے۔ (نیل الاوطار ج:۱، ص:۲۹۶ بذل المجہود ج:۱، ص:۱۷۸)

دلیل: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلٰوةٍ. (عینی ج:۱، ص:۴۱۵ درایہ، ج:۱، ص:۸۹) یعنی مستحاضہ ہر نماز کے لئے وضو کرے حدیث پاک میں لفظ صلاۃ مطلق ہے اور اَلْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ اِلَى الْفَرْدِ الْكَامِلِ کے قاعدہ کے اعتبار سے نماز کا فرد کامل فرض ہوتا ہے اس لئے صلاۃ سے فرض نماز مراد ہے مطلق نماز نہیں۔

جواب: لِكُلِّ صَلَاةٍ میں لام ظرفیت کے لئے ہے یعنی لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ اس کی دلیل وہ روایت ہے جس کے اندر لِكُلِّ صَلَاةٍ کے بجائے عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ کا لفظ آیا ہے جیسا کہ ام حبیبہ کی روایت کے اندر ہے۔

(طحاوی ج:۱، ص:۷۷)

مذہب (۲) امام ابوحنیفہ امام زفر امام ابو یوسف امام محمد اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق ہر نماز کے وقت کے لئے معذورین اور مستحاضہ پر ایک وقت وضو کرنا ضروری ہے اور وقت کے اندر اندر جتنی نمازیں چاہیں فرض نفل واجب نذر کی پڑھ سکتے ہیں۔ (بذل المجہود ج:۱، ص:۱۷۸)

دلیل: اَلْمُسْتَحَاضَةُ تَتَوَضَّأُ لِوَقْتِ كُلِّ صَلَاةٍ (البحر الرائق ج:۱، ص:۲۲۶)

مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے نیز شوافع کی پیش کردہ روایت نص ہے۔ اور ہماری پیش کردہ روایت مفسر ہے نص اور مفسر کے درمیان تعارض کی صورت میں مفسر کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ (نور الانوار ص:۹۳)

معذورین کے لئے خروجِ وقت ناقض وضو ہے یا دخول وقت اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے امام زفر کے نزدیک معذورین کے لئے دخول وقت ناقض وضو ہے۔

دلیل: طہارت کا اعتبار ضرورت ادائیگی نماز کے لئے کیا گیا ہے اور وقت سے پہلے اس کی ضرورت ہی نہیں اس لئے یہ معتبر نہ ہوگی۔

امام یوسف کے نزدیک خروج و دخول دونوں ناقض ہیں۔

دلیل: طہارت کی ضرورت وقت پر منحصر ہے نہ اس سے پہلے ہے نہ اس کے بعد لہٰذا وقت کے علاوہ طہارت غیر معتبر ہوگی اس لئے خروج و دخول دونوں ہی منافی ہوں گے۔

طرفین: کے نزدیک خروج وقت ناقض وضو ہے کیونکہ وقت سے پہلے طہارت کی ضرورت اس وجہ سے ہے تاکہ اول وقت میں نماز ادا کر سکے اور خروجِ وقت سے اصل میں حاجت ختم ہو جانے کی دلیل ہے۔

(۱۱۴/۱۷) وَالنِّفَاسُ هُوَ الدَّمُ الْخَارِجُ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ (۱۱۵/۱۸) وَالدَّمُ الَّذِىْ تَرَاهُ الْحَامِلُ وَمَا تَرَاهُ الْمَرْاَةُ فِى حَالِ وِلَادَتِهَا قَبْلَ خُرُوْجِ الْوَلَدِ اِسْتِحَاضَةٌ (۱۱۶/۱۹) وَاَقَلُّ النِّفَاسِ لَاحَدَّ لَهٗ وَاَكْثَرُهٗ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا وَمَازَادَ عَلٰى ذَالِكَ فَهُوَ اِسْتِحَاضَةٌ.

ترجمہ: (۱۱۴/۱۷) اور نفاس وہ خون ہے جو نکلے پیدائش کے بعد۔ (۱۱۵/۱۸) اور وہ خون جس کو حاملہ دیکھے یا عورت ولادت کے وقت بچہ ہونے سے پہلے دیکھے تو وہ استحاضہ ہے۔ (۱۱۶/۱۹) اور کم سے کم نفاس کی کوئی حد نہیں اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے اور جو اس پر زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

تشریح: نفاس کی تعریف: وہ خون جو ولادت کے بعد نکلتا ہو۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۶۳) اگر حاملہ عورت حمل کے دوران یا بچے کی پیدائش کے وقت پیدا ہونے سے پہلے خون دیکھے تو حنفیہ کے نزدیک یہ خون استحاضہ کا خون ہوگا امام اوزاعی امام زہری سفیان ثوری امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۴۲۵)

دوسرا مذہب: امام شافعی کا اصح قول اور امام مالک کے نزدیک حیض ہے یہ حضرات اس کو نفاس پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ دونوں رحم سے ہی آتے ہیں۔ (عینی ج:۱،ص:۴۲۵)

احناف کی دلیل: حمل کی وجہ سے رحم کا منھ بند ہو جاتا ہے تو حالت حمل میں جو خون نکلے گا وہ رحم کے علاوہ سے ہوگا اور رحم کے علاوہ سے جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا ہوتا ہے۔ (عنایہ ج:۱،ص:۱۶۵)

امام شافعی کی دلیل کا جواب: نفاس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے رحم کا منھ کھل گیا اور رحم کا منھ کھلنے کے بعد جو خون آتا ہے وہ نفاس ہی کا ہوتا ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۴۲۶)

نفاس کی اکثر مدت میں اختلاف ہے

اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں

(۱) امام مالک کی ایک روایت اور امام شافعی کا مشہور مذہب یہ ہے کہ نفاس کی اکثر مدت ساٹھ دن ہے۔
(معارف السنن ج:۱، ص:۴۶۳ نیل الاوطار ج:۱، ص:۳۰۴ عینی ج:۱، ص:۴۲۹)

دلیل: امام شعبی سے منقول ہے کہ اکثر مدت نفاس ساٹھ دن ہے۔ (بدائع ج:۱، ص:۱۵۷)
امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں عورتیں دو ماہ نفاس کا خون دیکھتی تھیں اور ربیعہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عورت کو زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز نفاس کا خون آتا ہے۔ (ہدایہ مع الحاشیہ ج:۱، ص:۷۰)

جواب: آپ کا مذہب نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی کے قول سے بلکہ بعض تابعین کے اقوال سے ثابت ہے لہٰذا یہ اقوال احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام احمد امام مالک کی ایک روایت سفیان ثوری کے نزدیک اکثر مدت چالیس دن ہے۔ (معارف السنن ج:۱، ص:۴۶۳ عینی ج:۱، ص:۴۲۹)

دلیل: حضرت ام سلمہ نے فرمایا کہ نفاس والی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چالیس دن بیٹھتی تھی۔ (ترمذی ج:۱، ص:۳۶ ابوداؤد ج:۱، ص:۴۳ اس کے علاوہ عائشہ ابن عباس ابو ہریرہ کی روایات بھی ہمارے مذہب کی تائید کرتی ہیں۔ (بدائع ج:۱، ص:۱۵۸)

(۲۰/۱۱۷) وَاِذَا تَجَاوَزَ الدَّمُ عَلَى الْاَرْبَعِيْنَ وَقَدْ كَانَتْ هٰذِهِ الْمَرْاَةُ وُلِدَتْ قَبْلَ ذَالِكَ وَلَهَا عَادَةٌ فِي النِّفَاسِ رُدَّتْ اِلٰى اَيَّامِ عَادَتِهَا وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهَا عَادَةٌ فَنِفَاسُهَا اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا.

ترجمہ: (۲۰/۱۱۷) اور جب بڑھ جائے خون چالیس دن پر اور حال یہ ہے کہ یہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی ہے اور اس کی نفاس میں عادت ہے تو وہ اپنے ایام عادت کی جانب پھیری جائے گی اور اگر اس کی عادت مقرر نہ ہو تو اس کا نفاس چالیس دن ہے۔

تشریح: اگر خون چالیس دن سے بڑھ گیا تو اگر پہلا ہی بچہ ہوا تو چالیس دن نفاس کے ہیں اور جتنا زیادہ آیا ہے وہ استحاضہ ہے چنانچہ چالیس دن کے بعد غسل کرے اور نماز پڑھنا شروع کر دے خون بند ہونے کا انتظار نہ کرے اور اگر یہ پہلا بچہ نہیں بلکہ اس سے پہلے جن چکی ہے اور اس کی عادت معلوم ہے کہ اتنے دن نفاس آتا ہے تو جتنے دن نفاس کی عادت ہو اتنے دن نفاس کے ہیں اور جو اس سے زیادہ ہے وہ استحاضہ ہے۔

(۲۱/۱۱۸) وَمَنْ وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِي بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنِفَاسُهَا مَا خَرَجَ مِنَ الدَّمِ عَقِيْبَ الْوَلَدِ الْاَوَّلِ عِنْدَ اَبِي

حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الوَلَدِ الثَّانِيْ.

ترجمه: (۱۱۸/۲۱) اور جس عورت نے جنے دو بچے ایک پیٹ میں تو اس کا نفاس وہ خون ہوگا جو نکلے پہلے بچہ کی پیدائش کے بعد شیخین کے نزدیک امام محمد اور امام زفر نے فرمایا کہ دوسرے بچہ کی پیدائش کے بعد سے ہوگا۔

تشریح: اگر چھ مہینے کے اندر اندر آگے پیچھے دو بچے ہوں تو نفاس کی مدت پہلے بچہ سے شمار کی جائے گی یہ مذہب شیخین کے نزدیک ہے امام محمد و امام زفر کے نزدیک دوسرے بچہ کی ولادت کے بعد سے نفاس شمار کیا جائے گا۔

دلیل: دوسرے بچہ کی ولادت سے پہلے وہ حاملہ تھی اور حاملہ عورت کو جس طرح حیض نہیں آتا اس طرح وہ نفاس والی بھی نہ ہوگی اسی وجہ سے اگر یہ عورت مطلقہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق دوسرے بچہ کی ولادت سے پوری ہوگی۔

شیخین کی دلیل: جب اس نے پہلا بچہ جنا تو رحم کا منھ کھل گیا اور خون جاری ہو گیا لہٰذا رحم سے آنے والا خون نفاس ہی کا ہوگا۔

امام محمد کی دلیل کا جواب: عدت کا تعلق وضع حمل سے ہے جو عورت کی طرف منسوب ہے، اللہ نے فرمایا وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ حمل کہتے ہیں جو کچھ بھی پیٹ میں ہو اور ظاہر ہے کہ حمل صرف پہلا بچہ ہی نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ جتنے بچے ہیں سب حمل ہیں لہٰذا سب کی وضع کے بعد عدت پوری ہوگی۔

بَابُ الْاَنْجَاسِ

یہ باب نجاستوں کے بیان میں ہے

اَنْجاس واحد نَجَسْ عین نجاست اور نَجِسْ بکسر الجیم. وہ چیز جو پاک نہ ہو۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں

(۱) حکمیہ (۲) حقیقیہ

حکمیہ کی تعریف: انسان کی وہ حالت جس میں نماز اور قرآن کریم پڑھنا درست نہیں ہے۔

نجاست حقیقیہ کی تعریف وہ چیز جس سے انسان نفرت کرتا ہے اپنے بدن کپڑوں اور کھانے پینے کی چیزوں کو اس سے بچاتا ہے۔ (علم الفقہ ج:۱ ص:۴۳)

اس سے قبل امام قدوری نے نجاست حکمی اور اس سے پاکی کے طریقے اور احکامات کو بیان فرمایا ہے اب اس باب میں نجاست حقیقی اس کی قسمیں اور احکامات کو بیان کریں گے، چونکہ نجاست حکمی اقویٰ ہے بہ نسبت نجاست حقیقی کے اس لئے نجاست حکمی کے احکام پہلے ذکر کئے گئے۔

(۱/۱۱۹) تطهِيرُ النَّجاسَةِ وَاجِبٌ مِنْ بَدَنِ الْمُصَلِّيْ وَثَوْبِهٖ وَالمَكَانِ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ

ترجمہ: (۱/۱۱۹) نجاست کا پاک کرنا واجب (فرض) ہے نمازی کے بدن سے اس کے کپڑے سے اور اس جگہ سے جہاں وہ نماز پڑھتا ہے۔

تشریح: تطہیر النجاسۃِ عین نجاست پاک نہیں کی جاسکتی اس لئے یہاں پر مضاف محذوف مانا جائے گا یعنی تطہیرُ محلِ النجاسۃِ جیسے واسئل القریۃَ ای اھل القریۃِ. حاشیہ(۲)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کے بدن اور اس کے کپڑے اور اس جگہ سے جہاں پر وہ نماز پڑھتا ہے نجاست زائل کرنا فرض ہے۔

(۲/۱۲۰) وَيَجُوْزُ تَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ وَبِكُلِّ مَائِعٍ طَاهِرٍ يُمْكِنُ إِزَالَتُهَا بِهٖ كَالْخَلِّ وَمَاءِ الْوَرْدِ.

ترجمہ: (۲/۱۲۰) اور جائز ہے نجاست کو پاک کرنا پانی سے اور ہر ایسی چیز کے ساتھ جو بہتی ہو پاک ہو اس کے ساتھ نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

تشریح: پانی کی طرح جو چیز پتلی اور پاک ہو اس سے بھی نجاست کا دھونا درست ہے جیسے گلاب کا پانی سرکہ وغیرہ لیکن گھی تیل وغیرہ چکنی چیز سے دھونا درست نہیں ہے وہ چیز ناپاک رہے گی۔

کن چیزوں سے نجاست حقیقی زائل کرنا جائز ہے اور کن سے جائز نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام محمد امام زفر امام شافعی امام مالک اور عامۃ الفقہاء کا مذہب یہ ہے کہ پانی کے علاوہ دوسری بہنے والی چیزوں سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ (عینی ج:۱ص:۴۳۷ بدائع ج:۱ص:۲۴۰)

دلیل: جس طرح نجاست حکمی پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوتی اسی طرح نجاست حقیقی بھی پانی کے علاوہ سے زائل نہیں ہوگی۔ (عینی ۱/۴۳۷)

جواب نجاست حکمی پر نجاست حقیقی کو قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ نجاست حکمی ایک شرعی مانع ہے، لہٰذا یہ اس طور پر زائل ہوگی جیسے شرع وارد ہوئی ہے یعنی پانی سے، برخلاف نجاست حقیقیہ کے، کہ وہ محسوس چیز ہے۔ (بدائع ۱/۲۴۰)

دوسرا مذہب: شیخین کے نزدیک پانی اور ہر ایسی چیز کے ساتھ نجاست حقیقیہ کا زائل کرنا جائز ہے جو بہتی ہو، پاک ہو، اور اس سے نجاست زائل کرنا ممکن بھی ہو۔ (نیل الاوطار:۱/۴۹، عینی:۱/۴۳۷)

نقلی دلیل: قَالَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ لِإِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ تَحِيْضُ فِيْهِ فَاِذَا اَصَابَهٗ شَيْئٌ مِنْ دَمٍ بَلَّتْهُ بِرِيْقِهَا ثُمَّ قَصَعَتْهُ بِرِيْقِهَا. (ابوداؤد ج:۱ص:۵۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے زمانہ حیض میں پہننے کے لئے ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اگر اس پر خون لگا ہوا ہوتا تو

اس کو اپنی ریق اور لعاب دہن سے تر کر کے رگڑ تیں اس حدیث میں لعاب کے ذریعہ ازالہ نجاست مذکور ہے اگر لعاب دہن کو مزیل نجاست نہ مانا جائے تو پھر اس سے اور زیادتی ہو جائیگی معلوم ہوا کہ پانی کے علاوہ سے ازالہ نجاست ہو سکتا ہے۔

عقلی دلیل: بہنے والی چیز نجاست کو اکھاڑ کر دور کر دیتی ہے اور پانی میں پاک کرنے والی صفت اسی وجہ سے ہے کہ وہ نجاست کو دور کر دیتا ہے چنانچہ جب یہ معنی دوسری بہنے والی چیزوں میں موجود ہے تو پانی کی طرح یہ بھی پاک کرنے والی اور مزیل نجاست ہوں گی۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۲۴۰، عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۴۳۷، ۴۳۸)

(۱۲۱/۳) وَاِذَا اَصَابَتِ الْخُفَّ نَجَاسَةٌ لَهَا جِرْمٌ فَجَفَّتْ فَدَلَكَهُ بِالْاَرْضِ جَازَ الصَّلٰوةُ فِيْهِ

ترجمہ: (۱۲۱/۳) اور جب لگ گئی موزہ کو ایسی نجاست کہ جس کا جسم ہے پھر یہ خشک ہوگئی اور اس کو زمین سے رگڑ دیا تو اس میں نماز جائز ہے۔

تشریح: جوتے اور چمڑے کے موزے میں اگر دلدار نجاست لگ جائے جیسے گوبر پاخانہ خون تو زمین پر اتنا رگڑ ڈالے اور گھس دے کہ نجاست کا نام ونشان باقی نہ رہے تو پاک ہو جائے گا اور اگر پیشاب کی طرح کوئی پتلی نجاست جوتے یا چمڑے کے موزے میں لگ گئی جو دلدار نہیں ہے تو بغیر دھوئے پاک نہ ہوگا۔

(۱۲۲/۴) وَالْمَنِيُّ نَجِسٌ يَجِبُ غَسْلُ رَطْبِهٖ فَاِذَا جَفَّ عَلَى الثَّوْبِ اَجْزَاهُ فِيْهِ الْفَرْكُ.

ترجمہ: (۱۲۲/۴) اور منی ناپاک ہے تر منی کو دھونا واجب ہے اور جب کپڑے پر خشک ہو جائے تو اس میں کھرچ دینا کافی ہے۔

انسان کی منی پاک ہے یا ناپاک اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام شافعی امام احمد اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک انسان کی منی پاک ہے۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۱۲۸، معارف السنن ج:۱،ص:۳۸۳)

دلیل: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس منی کے متعلق دریافت کیا گیا جو کپڑے کو لگ جائے تو آپنے فرمایا: اِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ وَالْبُصَاقِ. (نیل الاوطار ج:۱،ص:۶۴)

کہ وہ بمنزلہ رینٹ اور تھوک کے ہے اور فرمایا کہ یہی کافی ہے کہ اس کو کسی چیتھڑے یا اذخر گھاس سے پونچھے۔

(عینی ج:۱،ص:۴۴۴، معارف السنن ج:۱،ص:۳۸۵)

اس حدیث میں منی کو رینٹ اور تھوک کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ دونوں چیزیں پاک ہیں لہٰذا منی بھی پاک ہوگی اس کے علاوہ شوافع کا استدلال ان تمام روایات سے ہے کہ جن میں منی کے رگڑنے کا ذکر آیا ہے۔

جواب: حدیث ابن عباس مرفوع نہیں موقوف ہے اس کے مقابلے میں حضرت عائشہ عمار بن یاسر کی روایات مرفوع ہیں لہٰذا حدیث موقوف احادیث مرفوعہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (عینی ج:۱،ص:۴۴۵، ج:۱،ص:۴۴۶)

دوسرا جواب: اگر رفع بھی تسلیم کرلیا جائے تو بھی یہ حدیث آپ کا مستدل نہیں بن سکتی کیونکہ منی کو رینٹ کے ساتھ تشبیہ چکنے پن میں دی گئی ہے جس طرح رینٹ اور تھوک میں چکناپن ہوتا ہے اس طرح منی بھی چکنی ہوتی ہے اس احتمال کی بنیاد پر بھی منی کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ (معارف السنن ج:۱ص:۳۸۵)

جن روایات میں منی کے رگڑنے کا تذکرہ ہے ان سب کا جواب یہ ہے کہ اشیائے نجسہ کی پاکی کے طریقے مختلف ہیں بعض جگہ تطہیر کے لئے غسل ضروری ہے بعض جگہ فرک ہی کافی ہے جیسے روئی پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے دھن دیا جائے اسی طرح زمین خشک ہوجانے سے پاک ہوجاتی ہے اسی طرح منی سے طہارت حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ خشک ہونے کی صورت میں اس کو کھرچ دیا جائے۔ (درس ترمذی ج:۱ص:۳۴۹)

دوسرا مذہب: احناف موالک امام اوزاعی سفیان ثوری کے نزدیک انسان کی منی ناپاک ہے؛ لیکن احناف کے نزدیک تر منی کا دھونا واجب ہے اور خشک منی کا کھرچ دینا کافی ہے امام مالک وامام اوزاعی کے نزدیک خشک وتر دونوں طرح کی منی کو پانی سے دھونا ضروری ہے۔ (معارف السنن ج:۱ص:۳۸۳، الکوکب الدری ج:۱ص:۶۹)

دلیل: حدیث عمار ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گذرے میں اپنے کپڑوں سے ناک کی رینٹ دھورہا تھا آپ نے فرمایا اے عمار ناک کی رینٹ آنکھوں کے آنسو اور چھاگل کا پانی سب پاک ہے البتہ پانچ چیزوں کی وجہ سے کپڑا دھویا جاتا ہے پیشاب پاخانہ خون، منی، قے۔ (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ج:۱ص: ۹۲ عینی ج:۱ص:۴۴۶)

نیز حضرت عائشہ فرماتی ہیں **كنتُ افركُ المَنِيَّ من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يَابِساً وَاَغْسِلُهُ اذا كانَ رطبًا.** (اعلاء السنن، ج:۱ص:۲۷۱) اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر منی خشک ہوتی تو میں اس کو کھرچ دیا کرتی تھی اور جب تر ہوتی تو دھو دیا کرتی تھی۔

یہ احادیث منی کے نجس ہونے پر دال ہیں۔

(۱۲۳/۵) وَالنَّجَاسَةُ إِذَا اَصَابَتِ المِرْاٰةَ اَوِ السَّيْفَ إِكْتَفٰى بِمَسْحِهِمَا

ترجمه: (۱۲۳/۵) اور نجاست جب لگ جائے آئینہ کو یا تلوار کو تو ان کو پونچھ دینا کافی ہے۔

تشریح: آئینہ کا شیشہ چھری چاقو چاندی وسونے کے زیور تانبے لوہے گلٹ شیشے وغیرہ کی چیزیں اگر نجس ہوجائیں تو خوب صاف کرلینے یا رگڑنے یا مٹی سے مانجھ ڈالنے سے پاک ہوجاتی ہیں لیکن اگر نقشیں چیزیں ہوں تو بغیر دھوئے پاک نہ ہوں گی۔

(۱۲۴/۶) وَاِنْ اَصَابَتِ الْاَرْضَ نَجَاسَةٌ فَجَفَّتْ بِالشَّمْسِ وَذَهَبَ اَثَرُهَا جَازَتِ الصَّلٰوةُ عَلٰى مَكَانِهَا وَلَايَجُوْزُ التَّيَمُّمُ مِنْهَا.

ترجمہ: (۱۲۴/۶) اور اگر نجاست زمین کو لگ جائے پھر ... رج سے خشک ہو جائے اور اس کا اثر بھی جاتا رہے تو اس جگہ پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اس جگہ سے تیمم کرنا جائز نہیں۔

تشریح: ناپاک زمین خشک ہو جانے سے خود بخود پاک ہو جاتی ہے لیکن طہارت کاملہ حاصل نہیں ہوتی یعنی طاہر تو ہو جاتی ہے مطہر نہیں ہوتی اس لئے ایسی زمین پر نماز پڑھ سکتے ہیں اس سے تیمم نہیں کر سکتے۔
(اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۸۱)

احناف کے نزدیک ناپاک زمین کو پاک کرنے کے تین طریقے ہیں:
(۱) جفاف جیسا کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا۔
(۲) پانی بہانے سے بھی ناپاک زمین پاک ہو جائے گی۔
(۳) ناپاک جگہ کھودنے اور ناپاک مٹی منتقل کر دینے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۴۹۸ اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۸۱،ص:۲۸۲)

(۱) جَفَاف (خشک ہونا) کا ثبوت عبداللہ بن عمر کی روایت سے ہے کَانَتِ الكِلَابُ تَبُوْلُ وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرُشُوْنَ شَيْئًا من ذالكَ (معارف السنن ج:۱،ص:۵۰۴، اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۷۹، ابوداؤد ج:۱،ص:۵۵) یعنی کتے مسجد میں آجاتے اور اس میں پیشاب کر جاتے تھے اور اس کے بعد اصحاب رسول ﷺ اس پر پانی وغیرہ کچھ نہ چھڑکتے تھے اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ خشک ہو جانے سے زمین پاک ہو جاتی ہے۔

(۲) صَبُّ الماءِ (پانی بہانا) کا ثبوت اس روایت سے ہے جس میں ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں آکر پیشاب کر دیا اس کے بعد آپ نے صحابہ کو حکم دیا اَهْرِيْقُوْا عَلَيْهِ سَجْلًا مِنْ مَّاءٍ (معارف السنن ج:۱،ص:۵۰۲، ترمذی ج:۱،ص:۳۸) کہ اس پر ایک ڈول پانی بہا دو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کی پاکی کے لئے پانی بہانا ضروری ہے۔

(۳) حفر: (کھودنا) کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہے خُذُوْا مَا بَالَ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ فَالْقُوْهُ وَاَهْرِيْقُوا علٰى مكانِهِ مَاءً. (اعلاء السنن ج:۱،ص:۲۸۰، بذل المجہود ج:۱،ص:۲۲۲، نیل ج:۱،ص:۵۳)
جس جگہ اس نے پیشاب کیا ہے اس جگہ کی مٹی نکال کر پھینک دو اور اس جگہ پانی بہا دو۔
دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زمین کی پاکی صرف پانی بہانے سے ہوتی ہے۔ (معارف السنن ج:۱،ص: ۴۹۸ نیل الاوطار ج:۱،ص:۵۳)

دلیل: اعرابی والی حدیث جس کو ماقبل میں صَبُّ الماءِ کے تحت ذکر کیا گیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تطہیر ارض کے لئے پانی بہانا ضروری ہے جفاف وغیرہ سے پاک نہ ہوگی۔

جواب: آپ کا یہ کہنا کہ صرف پانی بہانے سے ہی زمین پاک ہوتی ہے درست نہیں اس لئے کہ احادیث میں

دوسرے طریقے بھی مذکور ہیں جیسا کہ احادیث کی روشنی میں جفاف اور حفر کے ذریعہ طہارت کو ثابت کیا جا چکا ہے۔

(۱۲۵/۷) وَمَنْ اَصَابَتْهُ مِنَ النَّجَاسَةِ الْمُغَلَّظَةِ كَالدَّمِ وَالْبَوْلِ وَالْغَائِطِ وَالْخَمْرِ مِقْدَارُ الدِّرْهَمِ وَمَا دُوْنَهٗ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهٗ وَاِنْ زَادَ لَمْ يَجُزْ (۱۲۶/۸) وَاِنْ اَصَابَتْهُ نَجَاسَةٌ مُخَفَّفَةٌ كَبَوْلِ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهٗ جَازَتِ الصَّلٰوةُ مَعَهٗ مَالَمْ تَبْلُغْ رُبْعَ الثَّوْبِ

ترجمہ (۱۲۵/۷): اور جس شخص کو نجاست غلیظہ لگ جائے جیسے خون، پیشاب، پاخانہ، شراب، ایک درہم کی مقدار یا اس سے کم تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ اور اگر زائد ہو تو جائز نہیں۔ (۱۲۶/۸) اور اگر لگ جائے نجاست خفیفہ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے تو جائز ہے نماز اس کے ساتھ جب تک نہ پہنچے چوتھائی کپڑے کو۔

تشریح: نجاست حقیقیہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) غلیظہ، (۲) خفیفہ

(۱) غلیظہ: وہ چیز جس کے ناپاک ہونے میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو جملہ دلیلوں سے اس کا ناپاک ہی ہونا ثابت ہے جیسے آدمی کا پاخانہ یا شراب وغیرہ۔ (علم الفقہ ج:۱، ص:۴۳)

(۲) خفیفہ: وہ چیز جس کا نجس ہونا یقینی نہ ہو کسی دلیل سے اس کا ناپاک ہونا معلوم ہوتا ہو اور کسی دلیل سے اس کے پاک ہونے کا شبہ ہوتا ہو جیسے بول مایوکل لحمہٗ۔

اس عبارت سے مصنف علیہ الرحمہ کا مقصد اس بات کو بیان کرنا ہے کہ نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے اور کتنی مقدار معاف نہیں ہے چنانچہ فرمایا کہ نجاست غلیظہ میں سے اگر پتلی اور بہنے والی چیز کپڑے یا بدن پر لگ جائے اور وہ پھیلاؤ میں روپیہ کے (ہتھیلی بھر چوڑائی کے) برابر یا اس سے کم ہو تو معاف ہے بغیر اس کے دھوئے اگر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی لیکن نہ دھونا اور اسی طرح نماز پڑھتے رہنا مکروہ تحریمی اور برا ہے اور اگر روپیہ سے زیادہ ہو تو وہ معاف نہیں اس کے دھوئے بغیر نماز نہ ہوگی اور اگر نجاست غلیظہ میں سے گاڑھی چیز لگ جائے جیسے پاخانہ مرغی کی بیٹ وغیرہ تو اگر وزن میں ساڑھے چار ماشہ۔ (۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام)

یا اس سے کم ہو تو بغیر دھوئے نماز درست ہے اور اگر اس سے زیادہ لگ جائے تو بغیر دھوئے نماز درست نہیں ہے۔

مسئلہ (۲) اگر نجاست خفیفہ کپڑے یا بدن میں لگ جائے تو جس حصہ یا عضو میں لگی ہے اگر اس کے چوتھائی سے کم میں لگی ہو تو معاف ہے اور اگر پورا چوتھائی یا اس سے زیادہ ہو تو معاف نہیں اس کا دھونا واجب ہے یعنی بغیر دھوئے نماز درست نہیں۔

(۱۲۷/۹) وَتَطْهِيْرُ النَّجَاسَةِ الَّتِىْ يَجِبُ غَسْلُهَا عَلٰى وَجْهَيْنِ فَمَا كَانَ لَهٗ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا زَوَالُ عَيْنِهَا اِلَّا اَنْ يَّبْقٰى مِنْ اَثَرِهَا مَايَشُقُّ اِزَالَتُهَا (۱۲۸/۱۰) وَمَا لَيْسَ لَهٗ عَيْنٌ مَرْئِيَّةٌ فَطَهَارَتُهَا اَنْ يَغْسِلَ حَتّٰى يَغْلِبَ عَلٰى ظَنِّ الْغَاسِلِ اَنَّهٗ قَدْ طَهُرَ.

ترجمہ: (۹/۱۲۷) اور وہ نجاست جس کا دھونا واجب ہے! ں سے پاکی حاصل کرنا دو طریقے پر ہے چنانچہ جو نجاست بعینہٖ دکھائی دیتی ہو اس کی پاکی اس کے عین کا زائل ہو جانا ہے مگر یہ کہ نجاست کے اثر سے وہ چیز باقی رہ جائے جس کا دور کرنا دشوار ہو۔ (۱۰/۱۲۸) اور جو نجاست بعینہٖ دکھائی نہ دے اس کی پاکی یہ ہے کہ دھوتا رہے یہاں تک کہ دھونے والے کے گمان پر غالب آجائے کہ وہ پاک ہوگئی۔

نجاست کی دو قسمیں ہیں

(۱) نجاست مرئیہ (۲) نجاست غیر مرئیہ

نجاست مرئیہ: وہ ہے جو سوکھنے اور خشک ہونے کے بعد نظر آئے جیسے بہنے والا خون۔

نجاست غیر مرئیہ: وہ ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے جیسے نجس پانی اگر دلدار نجاست لگ جائے جیسے پاخانہ خون، تو اتنا دھوئے کہ نجاست چھوٹ جائے اور دھبہ جاتا رہے چاہے جتنی دفعہ میں چھوٹے جب نجاست چھوٹ جائے گی تو کپڑا پاک ہو جائے گا اور اگر بدن میں لگ گئی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اگر ایسی نجاست ہے کہ کئی دفعہ دھونے اور نجاست کے چھوٹ جانے پر بھی بدبو نہیں گئی یا کچھ دھبہ رہ گیا تب بھی کپڑا پاک ہو گیا صابون وغیرہ لگا کر دھبہ چھڑانا اور بدبو دور کرنا ضروری نہیں۔

اگر پیشاب کے مانند کوئی نجاست لگ گئی جو دلدار نہیں ہے تو تین مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ نچوڑے اور تیسری مرتبہ پوری طاقت لگا کر خوب زور سے نچوڑے تب پاک ہوگا اگر خوب زور سے نہ نچوڑے گا تو کپڑا پاک نہ ہوگا۔

(۱۱/۱۲۹) وَالْاِسْتِنْجَاءُ سُنَّةٌ يُجْزِئُ فِيْهِ الْحَجَرُ وَالْمَدَرُ وَمَا قَامَ مَقَامَهُمَا يَمْسَحُهُ حَتّٰى يُنَقِّيَهُ.

ترجمہ: (۱۱/۱۲۹) اور استنجاء سنت ہے کافی ہے استنجے میں پتھر، ڈھیلا اور ان کے قائم مقام چیزیں مخرج کو پونچھنے میں یہاں تک کہ اس کو صاف کردے۔

تشریح: استنجاء نجوٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جو چیز پیٹ سے نکلے۔ (کفایہ ۱، ص: ۱۸۷)

جو نجاست آگے یا پیچھے کی راہ سے نکلے اس سے استنجاء کرنا سنت ہے۔ اور استنجے میں ڈھیلا یا ایسی چیز جو ان کے قائم مقام ہو یعنی خود پاک ہو اور نجاست ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔

ڈھیلے سے استنجاء کرنے کا کوئی خاص طریقہ نہیں ہے بس اتنا خیال رکھے کہ نجاست ادھر اُدھر نہ پھیلنے پائے اور بدن خوب صاف ہو جائے اگر گرمی کا موسم ہے تو پہلا ڈھیلا سامنے سے پیچھے کی طرف لے جائے دوسرا پیچھے سے سامنے کی طرف، تیسرا سامنے سے پیچھے کی طرف سردی کے موسم میں اس کا برعکس، عورتیں ہر موسم میں گرمی والا طریقہ اختیار کریں یہ پاخانہ سے استنجاء کرنے کے بارے میں ہے۔

حنفیہ امام مالک سعید بن جبیر محمد بن سیرین ؒ کے نزدیک استنجاء سنت مؤکدہ ہے امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔
مسنون ہونے پر دلیل: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ پائخانہ سے نکلے مگر یہ کہ پانی چھوتے تھے۔ (عینی ج:۱،ص:۴۶۷)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے استنجے پر ہمیشگی فرمائی ہے۔
احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر نجاست مخرج سے قدر درہم سے متجاوز ہو تو پانی کا استعمال فرض ہے اگر بقدر درہم متجاوز ہو تو واجب ہے اور اگر اس سے کم ہو تو سنت ہے۔

(۱۲/۱۳۰) وَلَيْسَ فِيْهِ عَدَدٌ مَسْنُوْنٌ (۱۳/۱۳۱) وَغَسْلُهُ بِالْمَاءِ اَفْضَلُ

ترجمہ: (۱۲/۱۳۰) اور اس میں کوئی خاص عدد مسنون نہیں۔ (۱۳/۱۳۱) اور اسے پانی سے دھونا افضل ہے
تشریح: ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ استنجاء کرنے کے لئے پتھروں کا کوئی عدد متعین ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں۔
(۱) امام شافعی امام احمد اسحاق بن راہویہ کے نزدیک انقاء (مخرج کو خوب اچھی طرح صاف کرنا) اور تین پتھروں کا ہونا ضروری ہے بغیر تثلیث کے استنجاء جائز نہیں ہوسکتا۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۳۰۷، معارف السنن ج:۱،ص:۱۱۴، نیل الاوطار ج:۱،ص:۹۰)
دلیل: حضرت سلمانؓ کی روایت کے اندر یہ الفاظ آئے ہیں نَهَانَا اَنْ يَسْتَنْجِيَ اَحَدُنَا بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ (ترمذی ج:۱،ص:۱۰) یعنی ہم میں سے کوئی تین پتھروں سے کم سے استنجاء نہ کرے نیز حضرت ابن مسعود سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: اِئْتِنِيْ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ. (ابن ماجہ ج:۱،ص:۲۷) میرے پاس تین پتھر لاؤ، ان کے علاوہ اور روایات سے بھی تثلیث کا ثبوت ملتا ہے۔ (دیکھئے نیل الاوطار ص:۹۰،۱۰۷،۱۰۸ الطحاوی ج:۱،ص:۹۲)
جواب: آپ کی پیش کردہ روایات متروک الظاہر ہیں کیونکہ اگر ایسے پتھر سے استنجاء کیا جس کے تین کونے ہوں تو بالاتفاق استنجاء جائز ہے معلوم ہوا تین کا عدد شرط نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۱۰۳، البحر الرائق ج:۱،ص:۲۵۳، عینی ج:۱،ص:۴۷۳، بذل المجہود، ج:۱،ص:۵)
دوسرا جواب: آپ کی پیش کردہ روایات میں جو صیغۂ امر آیا ہے وہ استحباب پر محمول ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۴۷۳)
(۳) آپ نے جو تین پتھروں سے کم کے استعمال سے منع فرمایا یا ابن مسعود والی روایت میں ہے کہ تین پتھر منگوائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور سے تین ہی پتھروں سے مخرج کی صفائی ہو جاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ تین پتھر واجب ہیں۔ (اعلاء السنن ج:۱،ص:۳۰۹، البحر الرائق ج۱،ص:۲۵۳، معارف السنن ج:۱،ص:۱۱۵)
نیز ابن مسعود کو جب تین پتھر نہ مل سکے تو وہ گوبر کا ٹکڑا لے کر آ گئے آپ نے فرمایا ھذا رِکْسٌ (نجس) اگر تین

پتھر واجب ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرا پتھر ضرور منگواتے حالانکہ تیسرا پتھر نہیں منگوایا معلوم ہوا کہ تین کا عدد شرط نہیں۔ (طحاوی ج:۱، ص:۹۳، اعلاء السنن ج:۱، ص:۳۱۰، بذل ج:۱، ص:۵، نیل الاوطار ج:۱، ص:۱۰۸)

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہ امام مالک داؤد ظاہری وغیرہ کے نزدیک انقاء واجب ہے اور تثلیث واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ (معارف السنن ج:۱، ص:۱۷۷، بذل، ج:۱، ص:۱۵ اعلاء السنن ج:۱، ص:۳۰۸)

دلیل: حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث ہے جس کے اندر ہے مَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوْتِرْ مَنْ فَعَلَ فَقَدْ اَحْسَنَ وَمَنْ لَا فَلَا حَرَجَ. (طحاوی ج:۱، ص:۹۲ معارف السنن ج:۱، ص:۱۱۵ عینی ج:۱، ص:۴۷۱)

جو شخص پتھر سے استنجاء کرے اس کو چاہئے کہ طاق عدد اختیار کرے جس نے کیا بہتر ہے اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین پتھر واجب نہیں کیونکہ اگر تین پتھر واجب ہوتے تو یہ نہ فرماتے کہ جس نے نہیں کیا کوئی حرج کی بات نہیں کیونکہ ترکِ واجب میں حرج ہوتا ہے، پھر صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا سنت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ بڑے استنجاء کے وقت ابتداء کس جانب سے کرے، اس مسئلے میں حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ دبر سے ابتداء کرے، کیونکہ وہ اہم مقام ہے نیز دبر اور اس کے اردگرد رگڑنے سے بسا اوقات پیشاب کا قطرہ ٹپک جاتا ہے، جیسا کہ اس کا مشاہدہ ہے، لہٰذا قبل سے ابتداء کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا، صاحبین فرماتے ہیں کہ قبل سے ابتداء کرے گا کیونکہ وہ وہی مقدم ہے، فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔ (طحطاوی علی المراقی، ص:۲۷)

(۱۳۲/۱۴) وَاِنْ تَجَاوَزَتِ النَّجَاسَةُ مَخْرَجَهَا لَمْ يَجُزْ فِيْهِ اِلَّا الْمَاءُ اَوِ الْمَائِعُ

ترجمہ: (۱۳۲/۱۴) اور اگر بڑھ گئی نجاست اپنے مخرج سے تو نہیں جائز ہے اس میں مگر پانی یا بہنے والی چیز۔

تشریح: اگر نجاست مخرج سے اِدھر اُدھر پھیل جائے تو اس کو صرف پانی سے یا بہنے والی پاک چیز سے (علی اختلاف القولین) دور کیا جا سکتا ہے پتھر وغیرہ سے پونچھنا کافی نہ ہوگا۔

(۱۳۳/۱۵) وَلَا يَسْتَنْجِيْ بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ وَلَا بِطَعَامٍ وَلَا بِيَمِيْنِهٖ

ترجمہ: (۱۳۳/۱۵) اور نہ کرے استنجاء ہڈی سے، نہ لید سے، نہ کھانے سے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے۔

تشریح: ہڈی اور نجاست جیسے گوبر لید وغیرہ اور کوئلہ شیشہ کنکر پکی اینٹ کھانے کی چیز اور کاغذ سے اور داھنے ہاتھ سے استنجاء کرنا برا اور منع ہے کھانے سے اس لئے نہ کرے کیونکہ یہ برباد کرنا اور اسراف ہے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں اور استنجاء بالیمین سے حدیث میں منع فرمایا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۴۷۶، ۴۷۷)

ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا جائز نہیں ہے اگر ان سے استنجاء کیا جائے اور صفائی بھی حاصل ہو جائے تو یہی کہا جائے گا کہ استنجاء کیا ہی نہیں۔ (ایضاح الطحاوی ج:۱،ص:۳۵۵)

دلیل: عن عبد اللّٰہ بن مسعودٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَلَا بِالْعِظَامِ فَاِنَّہٗ زَادُ اِخْوَانِکُمْ مِنَ الْجِنِّ۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کرو اس لئے کہ وہ تمہارے بھائیوں یعنی جنات کا توشہ ہے اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنے سے فریضہ استنجاء ادا نہیں ہوسکتا۔

جواب: جن روایات کے اندر ہڈی اور گوبر سے استنجاء کی ممانعت ہے وہ از قبیل احکام نہیں بلکہ از قبیل شفقت ہے نیز ہڈی سے استنجاء کرنے میں مخرج کے چھل جانے کا خطرہ ہے اور گوبر سے استنجاء کرنے میں انسان کے اندر نظافت باقی نہیں رہتی اس لئے منع فرمایا۔

دوسرا جواب: ہڈی جنات کی خوراک ہے اور گوبر جنات کے جانوروں کی خوراک ہے تو ان کی خوراک کو نجاستوں کے ذریعہ ملوث کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ (طحاوی شریف، ج:۱،ص:۹۴)

لہٰذا جن روایات میں ممانعت ہے وہ ان علتوں کی بناپر ہے اس لئے نہیں کہ ہڈی اور گوبر سے استنجاء ہوتا ہی نہیں۔

دوسرا مذہب: امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ کے قول ثانی کے مطابق ہڈی اور گوبر سے استنجاء کرنا مکروہ تو ہے لیکن اگر صفائی حاصل ہو جائے تو استنجے کا فریضہ ساقط ہو جائے گا اور یہ نہیں کیا جائیگا کہ اس نے استنجاء نہیں کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۴۷۶)

دلیل: حضرت ابوہریرہ کی ایک طویل حدیث کے اندر ہے فَقَالَ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ اَبْغِنِیْ اَحْجَارًا اَسْتَطِبْ بِھِنَّ وَلَا تَاْتِنِیْ بِعَظْمٍ وَلَا رَوْثٍ اِلٰی آخِرِہٖ۔ (طحاوی ج:۱،ص:۹۴، الدرایہ ج:۱،ص:۹۷) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ میرے لئے کچھ ڈھیلے تلاش کرو تا کہ میں ان سے پاکی حاصل کروں ان میں گوبر اور ہڈی نہ ہونی چاہئے پھر میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ پتھر ہڈی اور گوبر میں کیا فرق ہے آپ نے جواب دیا کہ ہڈی اور گوبر جنات کا کھانا ہیں۔

اب ان حالات میں اگر گوبر اور ہڈی سے استنجاء کیا جائے تو یقیناً جنات کی خوراک نجاستوں سے ملوث ہو جائے گی اس بناپر آپ نے ممانعت فرمائی، نہ اس لئے کہ ان چیزوں سے طہارت ہی حاصل نہیں ہوتی لہٰذا ہمارا مدعا ثابت اور تمہارا مدعا باطل ہوگا۔

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کِتَابُ الصَّلٰوۃِ

ماقبل سے مناسبت: نماز کے لئے طہارت شرط کے درجہ میں ہے اس لئے اس کو مقدم فرمایا کیوں کہ شرطِ شیٔ ، شیٔ سے مقدم ہوتی ہے۔

صلاۃ کی لغوی تعریف: صلاۃ کے لئے لغوی معنی دعاء کے ہے۔

اصلاحی تعریف: افعال مخصوصہ مشہورہ (قیام، قرأت رکوع، سجود) کا نام ہے۔ (البحر الرائق ج ۱-۲۵۶، بذل المجہود ج ۱، ۲۲۵، عینی ج ۱ ص: ۴۷۸)

نماز کی فرضیت

نماز کی فرضیت کتاب سنت اور اجماع سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتاً" (پارہ: ۵، آیت: ۱۰۲، سورۂ نساء) بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اپنے مقررہ وقتوں میں۔ (معارف القرآن ج: ۲، ص: ۵۳۱)

حضور ؐ کا فرمان ہے: بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ، الحدیث. (مسلم شریف ج: ۱، ص: ۳۲)

اجماع: جو شخص فرضیت نماز کا منکر ہو اس کے کفر پر علماء کا اتفاق ہے۔ (عینی ج: ۱، ص: ۴۷۸ تا ۴۷۹)

فائدہ جلیلہ: مجموعہ کے اعتبار سے پانچوں نمازوں کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے عشاء کی نماز کے علاوہ باقی چار نمازیں پہلی امتوں میں متفرق طور سے پائی جاتی تھیں اور عشاء کی نماز صرف اس امت کی خصوصیت ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے بذل المجہود میں لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ کی توبہ صبح صادق کے وقت قبول ہوئی تو آپ نے دو رکعت پڑھی اللہ نے صبح کی نماز مشروع فرمادی اور حضرت اسحٰق علیہ السلام یا اسماعیل علیہ السلام (علی اختلاف القولین) کا فدیہ ظہر کے وقت آیا تھا تو انھوں نے بطور شکر چار رکعت پڑھیں اسوقت سے ظہر کی نماز مشروع ہوگئی اور حضرت عزیزؑ کو نوم طویل سے سو سال کے بعد عصر کے وقت جگایا گیا آپ نے چار رکعت پڑھیں جب سے عصر کی نماز مشروع ہوگئی، اور حضرت داؤدؑ کی لغزش غروب کے وقت معاف ہوئی آپ نے چار رکعت پڑھنے کا ارادہ کیا، لیکن تھکاوٹ کی وجہ سے تیسری رکعت پر بیٹھ گئے اسی وقت سے مغرب کی نماز مشروع ہوگئی، اور عشاء کی نماز سب سے پہلے ہمارے نبیؐ اور آپ کی امت نے پڑھی (بذل المجہود ج: ۱، ص: ۲۲۷، معارف السنن ج ۲، ص: ۱۶) اس پر تمام علماء کا

اتفاق ہے کہ پانچوں نمازوں کی مشروعیت شب معراج میں ہوئی اور جمہور کے نزدیک معراج ۵ھ میں ہوئی ہے۔

(۱۳۴/۱) اَوَّلُ وَقْتِ الْفَجْرِ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ الثَّانِیْ وَهُوَ الْبَيَاضُ الْمُعْتَرِضُ فِی الْاُفُقِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ.

ترجمہ: (۱۳۴/۱) فجر کی نماز کا اول وقت وہ ہے جب کہ فجر ثانی طلوع ہو اور وہ ایک سفیدی ہے جو پھیلتی ہے آسمان کے کناروں میں اور فجر کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ سورج نہ نکلے۔

تشریح: آخری رات میں صبح ہوتے وقت مشرق کی جانب آسمان کی لمبائی پر کچھ سفیدی نظر آتی ہے پھر کچھ وقفہ کے بعد آسمان کے کنارے پر چوڑائی میں سفیدی معلوم ہوتی ہے، اور ایک دم بڑھتی جاتی ہے، تھوڑی ہی دیر میں اجالا ہو جاتا ہے، تو جس وقت سے یہ چوڑی سفیدی نظر آئے اسی وقت سے فجر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اور سورج نکلنے تک باقی رہتا ہے۔

ہمارے صاحب کتاب نے نماز فجر کے وقت کو سب سے پہلے اس لئے بیان کیا ہے کیوں کہ اس کے اول وقت و آخر وقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (عینی: ج۱ص:۴۸۱، اللباب ج۱ص:۷۱)

(۱۳۵/۲) وَاَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَؒ اِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَيْهِ سِوٰی فَیْءِ الزَّوَالِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَیْءٍ مِثْلَهٗ (۱۳۶/۳) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ اِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ عَلَی الْقَوْلَيْنِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغْرُبِ الشَّمْسُ.

ترجمہ: (۱۳۵/۲) اور ظہر کا اول وقت وہ ہے، جب سورج ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جائے سایۂ اصلی کے علاوہ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا جب ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل ہو جائے۔ (۱۳۶/۳) اور عصر کا اول وقت وہ ہے جب نکل جائے ظہر کا وقت دونوں قولوں کے مطابق اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ سورج غروب نہ ہو۔

تشریح: دوپہر ڈھل جانے سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، سورج نکل کر جتنا اونچا ہوتا جاتا ہے، ہر چیز کا سایہ گھٹتا جاتا ہے، جب گھٹنا بند ہو جائے تو اس وقت دوپہر کا وقت ہے، پھر جب سایہ بڑھنا شروع ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے، کہ دن ڈھل گیا، اسی وقت سے ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سایۂ اصلی کو چھوڑ کر جب تک ہر چیز کا سایہ دوگنا نہ ہو جائے اسوقت تک ظہر کا وقت رہتا ہے، مثلاً ایک ہاتھ لکڑی کا سایہ دوپہر کو چار انگل تھا تو جب تک دو ہاتھ چار انگل نہ ہو جائے تب تک ظہر کا وقت ہے اور جب دو ہاتھ چار انگل ہو گیا تو عصر کا وقت آ گیا اور عصر کا وقت سورج ڈوبنے تک باقی رہتا ہے، لیکن جب سورج کا رنگ بدل جائے اور دھوپ زرد پڑ جائے اس وقت عصر کی نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

اختلاف الائمہ

ظہر کے اول وقت کے سلسلہ میں تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زوال شمس سے شروع ہوتا ہے البتہ انتہائے وقت ظہر واول وقت عصر میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت دو مثل پر ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد متصلاً عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔

صاحبین اور جمہور کے نزدیک ایک مثل پر ختم ہوجاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۹، عینی ج:۱،ص:۷ ۴۸، عمدۃ القاری ج:۴، ۴۷)

امام کی دلیل: حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے "فَقَالَ النَّبِيُّ اَبْرِدْ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُّؤَذِّنَ فَقَالَ لَهٗ اَبْرِدْ حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُوْلِ". (معارف السنن ج:۲،ص:۲۱)

ترجمہ: یعنی حضرت بلال نے ظہر کے لئے اذان کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراد کا حکم فرمایا (ابھی ٹھہرو گرمی کی تیزی کم ہونے دو) پھر کچھ دیر کے بعد اذان دینے کا ارادہ کیا آپ نے پھر فرمایا ابرد پھر حضرت بلال نے اتنی تاخیر کی کہ ہم لوگوں کو ٹیلوں کا سایہ نظر آنے لگا۔

وجہ استدلال: عرب کے ٹیلے پھیلے ہوئے اور لمبے ہوتے ہیں ان کا سایہ زمین پر جلدی پڑنا شروع نہیں ہوتا بلکہ کافی تاخیر سے پڑتا ہے، ان کا سایہ ایک مثل اس وقت ہوتا ہے، جبکہ دوسری چیزوں کا سایہ دو مثل ہوجائے۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۲۱)

صاحبین اور جمہور کی دلیل: حدیث جبرئیل میں ہے "ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِيْنَ كَانَ كُلُّ شَيْءٍ مِثْلَ ظِلِّهٖ" (ترمذی ج:۱،ص:۳۸) پھر حضرت جبرئیلؑ نے عصر کی نماز پڑھائی جس وقت کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مثل اول پر ظہر کا وقت ختم ہوکر عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

جواب: حدیث جبرئیل منسوخ ہے کیوں کہ وہ مقدم ہے اور جن احادیث سے مثلین کا ثبوت ملتا ہے، وہ مؤخر ہیں۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹۴، اعلاء السنن ج:۲،۴)

(۴/۱۳۷) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ تَغِبِ الشَّفَقُ وَهُوَ الْبَيَاضُ الَّذِيْ يُرىٰ فِي الْاُفُقِ بَعْدَ الْحُمْرَةِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ هُوَ الْحُمْرَةُ.

ترجمہ: (۴/۱۳۷) اور مغرب کا اول وقت وہ ہے جب سورج غروب ہوجائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ شفق غائب نہ ہو اور وہ ایک سفیدی ہے جو کناروں میں نظر آتی ہے، سرخی کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابویوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ شفق وہ سرخی ہی ہے۔

تشریح: جب سورج ڈوب گیا تو مغرب کا وقت ہو گیا پھر جب تک پچھم کی طرف آسمان کے کنارے پر شفق باقی ہے تب تک مغرب کا وقت رہتا ہے۔

شفق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شفق احمر (۲) شفق ابیض

شفق احمر کی تعریف: وہ سرخی ہے جو سورج ڈوبنے کے بعد مغرب کی جانب ہوتی ہے۔

شفق ابیض کی تعریف: وہ سفیدی ہے جو شفق احمر کے بعد آسمان کے کناروں میں نظر آتی ہے۔

شفق کی تعیین میں ائمہ کا اختلاف

صاحبین اور جمہور کے نزدیک شفق احمر کے غائب ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے، یعنی غروب شمس کے بعد تقریباً پون گھنٹہ تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے، اس کے بعد ختم ہو جاتا ہے، امام اعظم کے نزدیک شفق ابیض کے ختم ہوتے ہی مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے، یعنی سورج ڈوبنے کے بعد تقریباً سوا گھنٹہ تک مغرب کا وقت باقی رہتا ہے اسکے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۱۰ تا ۱۱)

امام اعظم کی دلیل: مغرب کا آخری وقت بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا "حِيْنَ يَسْوَدُّ الْاُفُقُ" (بذل المجہود، ج:۱، ص:۲۲۹) یعنی جس وقت آسمان کے کنارے سیاہ ہو جائیں اور کناروں کا سیاہ ہونا سفیدی کے بعد ہی ہوتا ہے۔

فائدہ: محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں اور علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق میں امام اعظم کے قول کو صحیح اور مفتیٰ بہ قرار دیا ہے۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۱۹۶، البحر الرائق ج:۱، ص:۲۵۸)

(۵/۱۳۸) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ الثَّانِيْ (۶/۱۳۹) وَاَوَّلُ وَقْتِ الْوِتْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَآخِرُ وَقْتِهَا مَالَمْ يَطْلُعِ الْفَجْرُ.

ترجمہ: (۵/۱۳۸) اور عشاء کا اول وقت وہ ہے جبکہ شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک کہ فجر ثانی (صبح صادق) طلوع نہ ہو۔ (۶/۱۳۹) اور وتر کا اول وقت عشاء کے بعد ہے اور اس کا آخری وقت وہ ہے جب تک فجر طلوع نہ ہو۔

تشریح: عشاء کے اول وقت کے بارے میں وہی دو قول ہیں جو مغرب کے آخری وقت کے بارے میں گذر چکے ہیں، یعنی صاحبین اور جمہور فقہاء کے نزدیک عشاء کا اول وقت شفق احمر کے اختتام پر شروع ہوتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشاء کا وقت شفق ابیض کے اختتام کے بعد شروع ہوتا ہے، حضرات حنفیہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک طلوع صبح صادق پر عشاء کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد وقت قضاء شروع ہو جاتا ہے۔

افضلیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے پوری رات کو تین حصوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) شفق کے بعد سے ثلث لیل تک کا اول حصہ ہے۔

(۲) ثلث لیل کے بعد سے نصف لیل تک دوسرا حصہ ہے۔

(۳) نصف لیل سے طلوع فجر تک تیسرا حصہ ہے۔

پہلے حصہ میں نماز ادا کرنے سے بہت فضیلت حاصل ہوتی ہے، اور دوسرے حصہ میں کچھ کم ہوتی ہے اور تیسرے حصہ میں اور زیادہ کم ہو جاتی ہے، لیکن ہر حصہ میں عشاء کی نماز ادا کرنے سے ادا ہی کہا جائے گا قضاء نہیں کہا جاسکتا ہے۔

نماز وتر کا اول وقت صاحبین کے نزدیک عشاء کے بعد سے ہے اور آخری وقت طلوع فجر تک ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱، ص:۶۱۰)

دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے وتروں کو عشاء اور صبح کے درمیان پڑھو۔ (عینی ج:۱، ص:۴۹۷) امام ابوحنیفہ کے نزدیک عشاء اور وتر دونوں کا ایک ہی وقت ہے۔ یعنی غروب شفق سے طلوع صبح صادق تک، لیکن ترتیب واجب ہونیکی وجہ سے وتر کی نماز کو عشاء کی نماز پر مقدم کرنا درست نہیں مگر سہواً (بدائع الصنائع ج:۱، ص:۶۱۰) واضح رہے کہ امام قدوری نے صاحبین کے مذہب کو بیان کیا ہے۔

فائدہ: یہ تفصیل اوقاتِ صلوٰۃ کے سلسلہ میں جو آپ کے سامنے آئی ہے، یہ وقت جواز کے سلسلہ میں ہے آگے وقت استحباب اور وقت فضیلت کے سلسلے میں تفصیل ہے۔

(۱۴۰/۷) وَيَسْتَحِبُّ الْإِسْفَارُ بِالْفَجْرِ

ترجمہ: (۱۴۰/۷) اور مستحب ہے نماز فجر کو روشنی میں پڑھنا۔

تشریح: مردوں کے لئے مستحب ہے کہ فجر کی نماز ایسے وقت شروع کریں کہ روشنی خوب پھیل جائے اور اس قدر وقت باقی ہو کہ اگر نماز پڑھی جائے اور اس میں چالیس پچاس آیتوں کی تلاوت اچھی طرح کی جائے اور نماز کے بعد اگر کسی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا پڑ جائے تو قرأت مسنونہ کے ساتھ نماز پڑھ سکیں، عورتوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔

اختلاف الائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کی نماز غلس (طلوع فجر کے بعد کی تاریکی) میں پڑھنا افضل ہے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۳۵، نیل الاوطار ج:۲، ۱۹)

دلیل: عورتیں حضور ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھتی تھیں پھر اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی اس طرح واپس ہوتی تھیں لَا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۱۸) کہ اندھیرے کیوجہ سے

کوئی آدمی ان کو پہچان نہیں سکتا تھا۔

جواب: مذکورہ حدیث میں من الغلس کا لفظ حضرت عائشہؓ کا نہیں ہے، بلکہ ان کا قول تو "لَا یَعْرِفُهُنَّ" پر پورا ہو گیا اور حضرت عائشہؓ کا منشا یہ تھا کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی آتی تھیں اس لئے انھیں کوئی پہچانتا نہیں تھا کسی راوی نے یہ سمجھا کہ نہ پہچاننے کا سبب اندھیرا تھا اس لئے اس نے من الغلس کا لفظ بڑھا دیا۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۳۷)

دوسرا مذہب: حضرات حنفیہ کے نزدیک فجر اسفار میں پڑھنا افضل ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۱۹، معارف السنن ج:۲،ص:۳۵)

دلیل: "اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ" (نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۰)

یعنی نماز فجر خوب روشنی میں پڑھا کرو کیوں کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

(۸/۱۴۱) وَالْاِبْرَادُ بِالظُّهْرِ فِی الصَّیْفِ وَتَقْدِیْمُهَا فِی الشِّتَاءِ.

ترجمہ: (۸/۱۴۱) اور ٹھنڈا کر کے نماز ظہر کو پڑھنا گرمی میں اور اس کو اول وقت میں پڑھنا سردی کے موسم میں

تشریح: گرمی کے موسم میں ظہر کی نماز میں جلدی نہ کرے گرمی کی تیزی کا وقت جاتا رہے تب پڑھنا مستحب ہے اور جاڑوں میں اول وقت نماز پڑھنا مستحب ہے۔

اختلاف الائمہ

ظہر کے افضل وقت کے سلسلہ میں سردی کے زمانہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ تعجیل افضل ہے، اختلاف گرمی کے زمانہ کے بارے میں ہے کہ گرمی کے زمانے میں ظہر کا افضل وقت کیا ہے؟

اس بارے میں دو مذہب ہیں: (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز جلدی پڑھنا افضل ہے۔
(نیل الاوطار ج:۱،ص:۳۲۵، معارف السنن ج:۲،ص:۴۹)

(۲) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز کے اندر تاخیر افضل ہے۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۴۹، نیل الاوطار ج:۱،ص:۳۲۶)

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ "کَانَ اَشَدُّ تَعْجِیْلاً لِلظُّهْرِ" (ترمذی ج:۱،ص:۴۰) یعنی نماز ظہر بہت جلدی ادا فرماتے تھے۔

جواب: یہ حدیث سردی کے موسم پر محمول ہے۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۴۷)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ حضورؐ سردی کے موسم میں ظہر کی نماز بہت جلد ادا فرمایا کرتے تھے اور جب گرمی سخت ہوتی تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۱۹۹)

(۱۴۲/۹) وَتَاخِيْرُ الْعَصْرِ مَالَمْ تَتَغَيَّرِ الشَّمْسُ

ترجمه: (۱۴۲/۹) اور عصر کی نماز کو مؤخر کرنا (مستحب ہے) جب تک کہ سورج میں تغیر نہ آئے۔

تشریح: عصر کی نماز اتنی دیر کر کے پڑھنا بہتر ہے کہ وقت آنے کے بعد اگر کچھ نفلیں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے کیوں کہ عصر کے بعد تو نفلیں پڑھنا درست نہیں چاہے گرمی کا موسم ہو یا سردی کا دونوں کا ایک ہی حکم ہے، لیکن اتنی دیر نہ کرے کہ سورج میں زردی آ جائے اور دھوپ کا رنگ بدل جائے۔

اختلاف الائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عصر میں تعجیل افضل ہے۔

دوسرا مذہب: حضرات حنفیہ کے نزدیک عصر کی نماز میں تاخیر افضل ہے بشرطیکہ سورج میں زردی نہ آئے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۵۸، نیل ج:۱، ص:۳۳۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ صلی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِيْ حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا (ترمذی ج:۱، ص:۴۱ تا ۴۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت عصر کی نماز پڑھی جبکہ دھوپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے فرش پر تھی اور دیوار پر نہیں چڑھی تھی، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر میں تعجیل مستحب ہے۔

جواب: حضرت عائشہؓ کے کمرہ کا دروازہ مغرب میں تھا، لیکن چوں کہ چھت نیچی تھی اور دروازہ چھوٹا، اس لئے اس میں دھوپ اسی وقت اندر آ سکتی ہے جبکہ سورج مغرب کی جانب کافی نیچے آ چکا ہو، لہٰذا یہ حدیث تاخیر عصر کی دلیل ہوگی نہ کہ تعجیل عصر کی۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۶۱، عمدۃ القاری: ج۴، ص:۴۶)

(۱۴۳/۱۰) وَتَعْجِيْلُ الْمَغْرِبِ

ترجمه: (۱۴۳/۱۰) اور مغرب کو جلدی پڑھنا۔

تشریح: مغرب کی نماز میں جلدی کرنا اور سورج ڈوبتے ہی پڑھ لینا مستحب ہے، اذان واقامت کے درمیان زیادہ فصل نہ کرے کیوں کہ تاخیر کی صورت میں یہود کے ساتھ مشابہت ہے۔

(۱۴۴/۱۱) وَتَاخِيْرُ الْعِشَاءِ إِلٰى مَاقَبْلَ ثُلُثِ اللَّيْلِ

ترجمه: (۱۴۴/۱۱) اور عشاء کو مؤخر کرنا تہائی رات سے پہلے تک۔

تشریح: افضل اور مستحب یہ ہے کہ تہائی رات جانے سے قبل ہی عشاء کی نماز پڑھ لے۔

دلیل: آقاءِ مدنی کا فرمان ہے کہ اگر مجھے اپنی امت پر تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو تہائی رات تک عشاء میں

تاخیر کرتا۔(البحر الرائق ج:۱،ص:۲۶۰)

اختلاف الائمہ

عشاء میں تعجیل افضل ہے یا تاخیر۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) شوافع کا مشہور ومعروف قول تعجیل کا ہے۔

(۲) حنفیہ کا مذہب تاخیر عشاء کا ہے۔(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۵۰۷)

شوافع کی دلیل: حضورؐ کا اکثر معمول تعجیل عشاء کا تھا اور تاخیر آپ نے کسی عذر یا مشغولی یا بیان جواز کے لئے کی ہے۔(بذل المجہود ج:۱،ص:۲۴۳،نیل ج:۲،ص:۱۱)

جواب: آپ کا یہ کہنا کہ آپ کا معمول تعجیل کا تھا اس کی وجہ مقتدیوں کے حال کی رعایت ہے کہ وہ خیر کا زمانہ تھا لوگ اول وقت مسجد میں جمع ہو جاتے تھے اس لئے تاخیر میں ان کو مشقت لاحق ہوتی۔(نیل الاوطار ج:۲،ص:۱۲، درمنضود،ج:۲،ص:۳۶)

(۱۲/۱۴۵) وَيُسْتَحَبُّ فِي الْوِتْرِ لِمَنْ يَالَفُ صَلٰوةَ اللَّيْلِ اَنْ يُؤَخِّرَ الْوِتْرَ إِلَى آخِرِ اللَّيْلِ وَاِنْ لَمْ يَثِقْ بِالْإِنْتِبَاهِ اَوْتَرَ قَبْلَ النَّوْمِ.

ترجمہ: (۱۲/۱۴۵) اور مستحب ہے وتر میں اس کے لئے جس کو شوق ہو رات کی نماز کا کہ مؤخر کرے وتر کو اخیر رات تک اور اگر بھروسہ نہ ہو جاگنے پر تو وتر پڑھ لے سونے سے پہلے ہی۔

تشریح: جو آدمی تہجد کی نماز اخیر شب میں اٹھ کر پڑھا کرتا ہے تو اگر پکا بھروسہ ہو کہ آنکھ ضرور کھلے گی تو اس کو وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا بہتر ہے، لیکن اگر آنکھ کھلنے کا اعتبار نہ ہو اور سو جانے کا خوف ہو تو عشاء کے بعد سونے سے قبل وتر پڑھ لینا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

بَابُ الْاَذَان

یہ باب اذان (کے بیان میں) ہے

مناسبت: اس سے قبل امام قدوریؒ نے نماز کے اوقات کو بیان فرمایا ہے، اس باب میں نماز کے لئے اعلان کے طریقے کو بیان فرمائیں گے، چوں کہ نماز کے اوقات اسباب کے درجہ میں ہیں اور سبب علامت پر مقدم ہوتا ہے اس لئے اوقات کو پہلے بیان کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱، ص:۵۲۸)

اذان کی لغوی تعریف: اعلان کرنا اور اطلاع دینا۔

اصطلاحی تعریف: نماز کے وقت کی مخصوص الفاظ کے ذریعہ اطلاع کرنا۔ (نیل الاوطار ج:۲، ص:۳۲)

اذان کا ثبوت قرآن سے: حق سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ "وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ" (پارہ:۶، آیت:۵۸) اور جب تم نماز کے لئے (اذان کے ذریعہ سے) اعلان کرتے ہو۔ (معارف القرآن ج:۳، ص:۱۷۰)

اذان کا ثبوت حدیث سے: حضرت عبداللہ بن زید نے خواب میں ایک شخص سے پورے کلمات اذان سنے، صبح کے وقت خدمت نبوی میں پہنچ کر پورا خواب بیان کر دیا، اس پر آپ ﷺ نے اذان کی مشروعیت کا فیصلہ فرما دیا اور حضرت بلال کو حکم دیا۔ "يا بلال قُمْ فَانظُرْ مَايَأْمُرُكَ بِهٖ عبدُالله بن زيدٍ" (ابوداؤد ج:۱، ص:۱۷) اے بلال کھڑے ہو جاؤ اور کہو ان کلمات کو جن کا عبداللہ بن زید تم کو حکم دیں۔

اذان کی مشروعیت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں نماز بغیر اذان واقامت کے پڑھتے تھے، جب آپ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، پھر اذان کے سلسلہ میں مشورہ ہوا اور ایک ؁ھ میں اذان مشروع ہوئی راجح قول یہی ہے۔ (معارف السنن، ج:۲، ص:۱۶۹، بذل المجہود ج:۱، ص:۲۷۹)

(۱/۱۴۶) اَلْاَذَانُ سُنَّةٌ لِلصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَالْجُمُعَةِ دُوْنَ مَاسِوَاهَا

ترجمہ: (۱/۱۴۶) اذان سنت ہے پانچوں نمازوں اور جمعہ کے لئے نہ کہ ان کے علاوہ کے لئے۔

تشریح: تمام فرض عین نمازوں کے لئے ایک بار اذان کہنا مردوں پر سنت مؤکدہ ہے۔

(۲/۱۴۷) وَلَاتَرْجِيْعَ فِيْهِ

ترجمہ: (۲/۱۴۷) اور اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

تشریح: کلمات اذان کی تعداد میں اختلاف ہے جس کا دار ومدار ترجیع پر ہے۔

ترجیع کی تعریف: اذان میں جو شہادت والے چار کلمات ہیں ان میں سے ہر ایک کو دو دو مرتبہ کہا جائے پہلے آہستہ آواز سے پھر زور سے، اس طرح یہ کلمات چار کے بجائے آٹھ ہو جائیں گے۔ (معارف السنن ج:۲،

ص:۴،۱۷۴،نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۸)

اختلاف الائمہ

امام مالک کے نزدیک اذان میں ترجیع افضل ہے لہٰذا ان کے نزدیک کلمات اذان سترہ ہیں، شروع میں اللہ اکبر دو مرتبہ اور شہادتین میں ترجیع، یعنی آٹھ کلمات اور حیعلتین کے چار کلمات پھر اللہ اکبر دو مرتبہ اور آخر میں کلمہ توحید ایک مرتبہ۔(عمدۃ القاری: ج:۴،ص:۱۴۶)

امام شافعی کے نزدیک بھی اذان میں ترجیع افضل ہے ان کے نزدیک کلمات اذان انیس ہوں گے، شروع میں اللہ اکبر چار مرتبہ اور شہادتین میں ترجیع باقی الفاظ معروف ہیں۔(عمدۃ ج:۴،ص:۱۴۶)

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک کلمات اذان پندرہ ہیں، شروع میں تکبیر چار مرتبہ شہادتین چار مرتبہ (ترجیع نہیں ہے) حیعلتین چار کلمات پھر دو مرتبہ تکبیر ایک مرتبہ کلمہ توحید۔(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۶،عینی شرح ہدایہ، ج:۱،ص:۵۳۲)

موالک وشوافع کا استدلال حضرت ابومحذورہ کی روایت سے ہے جس کے اندر شہادتیں کی ترجیع کی صراحت موجود ہے۔"وَاسْتَدَلَّ الْقَائِلُوْنَ بِالتَّرْجِيْعِ بِاَذَانِ أَبِي مَحْذُوْرَةَ وَفِيْهِ التَّرْجِيْعُ".(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۶)

جواب: حضرت ابومحذورہ کی روایت میں جو ترجیع ہے وہ ایک علت کے ساتھ معلول ہے کہ اس وقت انھوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا تو پہلی شہادتین کا مقصد ان کو مسلمان کرنا تھا، اور دوسری مرتبہ شہادتین تعلیم اذن کے طور پر تھی۔

دوسرا جواب: وہ ترجیع نہ تھی بلکہ حضورؐ تعلیم کی غرض سے بار بار ان سے کلمات کا اعادہ کرا رہے تھے۔(البحر الرائق مع منحۃ الخالق ج:۱،ص،۲۶۹)

حنفیہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن زید کی روایت جو کہ اذان کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے وہ بغیر ترجیع کے ثابت ہے۔(معارف السنن ج:۲،ص:۱۷۵)

(۳/۱۴۸) وَيَزِيْدُ فِي اَذَانِ الْفَجْرِ بَعْدَ الْفَلَاحِ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَيْنِ.

ترجمہ: (۳/۱۴۸) اور زیادہ کرے فجر کی اذان میں حی علی الفلاح (آؤ کامیابی کی طرف) کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" (نماز سونے سے بہتر ہے) دو مرتبہ۔

تشریح: ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد "الصلوٰۃ خیر من النوم" دو مرتبہ کہنا سنت ہے۔

دلیل: حضرت ابومحذورہؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت ان کو حضور ﷺ نے اذان سکھلائی تھی اس وقت فجر کی اذان میں تثویب (حیی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم) بھی سکھلائی تھی، "فَاِنْ كَانَ صَلَاةُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلٰوةُ "الخ (ابوداؤد ج:۱،ص:۷۲)

یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر صبح کی اذان ہو تو اس میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہا کرو۔

(۱۴۹/۴) وَالْاِقَامَةُ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا اَنَّهُ يَزِيْدُ فِيْهَا بَعْدَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ مَرَّتَيْنِ

ترجمہ: (۱۴۹/۴) اور تکبیر اذان کے مانند ہے اس کے علاوہ کہ زیادہ کرے تکبیر میں حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰہ (تحقیق کہ نماز کھڑی ہوگئی) دومرتبہ۔

تشریح: اقامت میں وہ تمام کلمات ہوتے ہیں جو اذان میں کہے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ دومرتبہ قد قامت الصلوٰہ کا اضافہ بھی ہے۔

اقامت کی تعریف: فقہا کی اصطلاح میں ان الفاظ مخصوصہ کا نام ہے جو حاضرین کی اطلاع کے لئے کہے جاتے ہیں۔

اختلاف الائمہ

کلمات اقامت کتنے ہیں۔

اس سلسلہ میں تین مذاہب بیان کرتے ہیں۔

(۱) امام مالک کے نزدیک کلمات اقامت دس ہیں: لفظ اللہ اکبر دومرتبہ شہادتین دومرتبہ حیعلتین دومرتبہ قد قامت الصلوٰہ ایک مرتبہ، اللہ اکبر دومرتبہ کلمۂ توحید ایک مرتبہ۔ (نیل ج:۲،ص:۴۲، فتح الملہم ج:۲،ص:۲، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۱۴۶)

(۲) امام شافعی واحمد کے نزدیک اقامت میں گیارہ کلمات ہیں امام مالک کے نزدیک جس طریقہ پر اقامت ہے ان کے نزدیک بھی اسی طریقہ پر ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قد قامت الصلوٰہ دومرتبہ ہے اس لئے کلمات اقامت گیارہ ہیں۔ (فتح الملہم ج:۲،ص:۲، بذل المجہود ج:۱،ص:۲۹۲، نیل الاوطار ج:۲،ص:۴۲، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۱۴۶)

(۳) حنفیہ کے نزدیک کلمات اقامت سترہ ہیں جو کلمات اذان میں کہے جاتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ دومرتبہ قد قامت الصلوٰہ کا اضافہ بھی ہے۔ (بذل ج:۱،ص:۲۹۲، نیل الاوطار ج:۲،ص:۴۲، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۱۴۶، فتح الملہم ج:۲،ص:۲)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضرت بلال کو حکم کیا گیا تھا کہ کلمات اقامت ایک ایک مرتبہ کہیں۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۱۸۵، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۳۶۶)

جواب: (فتح الملہم شرح مسلم ج:۲،ص:۳) میں علامہ عثمانیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ احادیث صحیحہ میں اقامت دو دومرتبہ کہنا اور ایک ایک مرتبہ کہنا دونوں کا ثبوت ملتا ہے، اس لئے ایک ایک مرتبہ کے کہنے کے جواز میں تو کوئی شبہ اور کلام نہیں البتہ دیکھنا یہ ہے کہ ترجیح کس کو حاصل ہے۔

حنفیہ نے سترہ کلمات والی احادیث کو اس لئے ترجیح دی ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن زید کی روایت میں یہی صراحت ہے اور حضرت بلال کا آخری عمل بھی یہی منقول ہے۔

احناف کی دلیل: حضرت عبداللہ بن زید کو خواب میں اذان کے ساتھ اقامت بھی سکھلائی گئی تھی، اور وہ بھی اذان کی طرح تشفیع (دو دو مرتبہ) پر مشتمل تھی (طحاوی ج:۱،ص:۱۰۱)

(۱۵۰/۵) وَيَتَرَسَّلُ فِي الْأَذَانِ وَيَحْدُرُ فِي الْإِقَامَةِ

ترجمہ: (۱۵۰/۵) اور ٹھہر ٹھہر کر کہے اذان اور تھوڑی جلدی کہے تکبیر۔

تشریح: ترسل کے معنی اطمینان کے ساتھ کوئی کام کرنا اور اذان میں ترسل سے مراد کلمات اذان پر وقف کرنا ہے۔

حدر کے معنی جلدی کرنے کے ہیں اور حدر اقامت سے مراد کلمات اقامت کو ایک ساتھ روانی سے ادا کرنا۔

اذان کی ترسیل کا طریقہ: اذان کی تکبیروں میں ہر دو تکبیر کے بعد اس قدر سکوت کرے کہ سننے والا اس کا جواب دے سکے اور تکبیر کے علاوہ اور الفاظ میں ہر ایک لفظ کے بعد اسی قدر سکوت کر کے دوسرا لفظ کہے۔

تکبیر کے حدر کا طریقہ: ایک سانس میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہے اس کے بعد ایک ایک سانس میں دو دو کلمات کہے کلمۂ توحید یعنی لا الہ الا اللہ ایک سانس میں کہے۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۱۹۵)

(۱۵۱/۶) وَيَسْتَقْبِلُ بِهِمَا الْقِبْلَةَ (۱۵۲/۷) فَإِذَا بَلَغَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَالْفَلَاحِ حَوَّلَ وَجْهَهٗ يَمِيْناً وَشِمَالاً

ترجمہ: (۱۵۱/۶) اور ان دونوں (اذان اور اقامت) کو قبلہ رخ ہو کر کہے۔ (۱۵۲/۷) چنانچہ جب پہنچے، "حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح" تک تو گھمائے اپنا چہرہ دائیں اور بائیں (طرف)

تشریح: اذان و اقامت قبلہ رخ ہو کر کہے بغیر قبلہ رخ ہوئے اذان و اقامت کہنا مکروہِ تنزیہی ہے، اذان میں حی علی الصلوٰۃ کہتے وقت دائیں طرف کو منہ پھیرنا اور حی علی الفلاح کہتے وقت بائیں طرف کو منہ پھیرنا سنت ہے۔

سینہ اور قدم قبلہ سے نہیں پھرنے چاہئیں۔

(۱۵۳/۸) وَيُؤَذِّنُ لِلْفَائِتَةِ وَيُقِيْمُ فَإِنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ اَذَّنَ لِلْاُوْلٰى وَاَقَامَ وَكَانَ مُخَيَّراً فِي الثَّانِيَةِ إِنْ شَاءَ اَذَّنَ وَاَقَامَ وَإِنْ شَاءَ إِقْتَصَرَ عَلَى الْإِقَامَةِ.

ترجمہ: (۱۵۳/۸) اور اذان دے چھوٹی ہوئی نماز کے لئے اور تکبیر کہے، چنانچہ اگر فوت ہو جائیں کئی نمازیں تو پہلی نماز کے لئے اذان و اقامت کہے اور اختیار ہے باقی نمازوں میں اگر چاہے اذان و اقامت دونوں کہے اور اگر چاہے اکتفاء کرے صرف اقامت پر۔

تشریح: قضاء نماز کے لئے اذان و اقامت میں اختلاف ائمہ۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں

(۱) حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک فائتہ نماز کے لئے اذان واقامت دونوں ہیں۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۶۱) یہی امام شافعی کا قول قدیم ہے اور یہی ان کے مذہب میں راجح ہے جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں صراحت کی ہے۔ (البحر الرائق ج:۱،ص:۲۷۶)

(۲) امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ فائتہ نماز کے لئے صرف اقامت ہے اذان نہیں۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۶۱)

مذہب (۲) کی دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے۔ "وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ" (ابوداؤد ج:۱، ص:۶۳) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا انھوں نے اقامت کہی، اس حدیث میں صراحت ہے کہ صرف اقامت پر اکتفا کیا ہے۔

جواب: احادیث صحیحہ میں اذان واقامت دونوں مذکور ہیں لہٰذا زیادتی والی روایات پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۵۵۴)

مذہب (۱) کی دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے الفاظ ہیں "فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ وَاَقَامَ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۶۳) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو اذان واقامت دونوں کا حکم فرمایا۔

دوسرا مسئلہ: اگر چند نمازیں قضا ہو جائیں تو پہلی نماز کے لئے اذان واقامت دونوں کہے اور بقیہ نمازوں میں اختیار ہے خواہ اذان واقامت دونوں کہے یا صرف اقامت کہہ لے، امام محمد سے منقول ہے کہ پہلی نماز کے علاوہ بقیہ نمازوں کے لئے اقامت ضرور کہنی چاہئے، مشائخ نے امام ابوبکر رازی سے نقل کیا ہے کہ یہی قول شیخین کا بھی ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۵۵۵)

(۹/۱۵۴) وَيَنْبَغِيْ اَنْ يُّؤَذِّنَ وَيُقِيْمَ عَلٰى طُهْرٍ فَاِنْ اَذَّنَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ جَازَ (۱۰/۱۵۵) وَيُكْرَهُ اَنْ يُّقِيْمَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ (۱۱/۱۵۶) اَوْ يُؤَذِّنَ وَهُوَ جُنُبٌ.

ترجمہ: (۹/۱۵۴) اور مناسب ہے کہ اذان واقامت باوضو کہے چنانچہ اگر اذان کہی بلا وضو تو جائز ہے۔ (۱۰/۱۵۵) اور مکروہ ہے تکبیر کہنا بغیر وضو۔ (۱۱/۱۵۶) اور اذان کہنا ناپاکی کی حالت میں۔

تشریح: اذان کہتے وقت حدث اکبر سے پاک ہونا سنت ہے اور دونوں حدثوں سے پاک ہونا مستحب ہے، تکبیر کہتے وقت دونوں حدثوں سے پاک ہونا ضروری ہے، چنانچہ اگر حدث اکبر کی حالت میں کوئی شخص اذان کہے تو مکروہ تحریمی ہے اور اس اذان کا لوٹانا مستحب ہے، اسی طرح اگر حدث اکبر یا اصغر کی حالت میں اقامت کہے تو مکروہ تحریمی ہے لیکن تکبیر کا لوٹانا مستحب نہیں ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۵۵۶تا۵۵۷)

(۱۲/۱۵۷) وَلَا يُؤَذِّنُ لِصَلٰوةٍ قَبْلَ دُخُوْلِ وَقْتِهَا اِلَّا فِي الْفَجْرِ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ.

ترجمہ: (۱۲/ ۱۵۷) اور نہ اذان کہی جائے کسی نماز کے لئے اس کے وقت کے داخل ہونے سے پہلے علاوہ فجر کی نماز کے امام ابو یوسف کے نزدیک۔

تشریح: تمام ائمہ اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فجر کے علاوہ باقی تمام نمازوں کی اذان وقت سے پہلے جائز نہیں ہے، اگر وقت آنے سے پہلے اذان دی جائے تو صحیح نہ ہوگی، وقت آنے کے بعد پھر اس کا اعادہ کرنا واجب ہوگا لیکن فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے جائز ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک فجر کی اذان طلوع فجر سے پہلے دینا جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۲۱۳، نیل الاوطار ج:۲، ص:۴۹، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۱۸۹)

(۲) امام ابوحنیفہ امام محمد کے نزدیک طلوع فجر سے پہلے اذان مشروع نہیں ہے، اگر طلوع فجر سے پہلے اذان دی جائے تو طلوع فجر کے بعد دوبارہ لوٹانا واجب ہوگا۔ (معارف ج:۲، ص:۲۱۳، نیل الاوطار ج:۲، ص:۵۰، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۱۸۹)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: "اِنَّ بِلَالًا یُؤَذِّنُ بِلَیْلٍ" (ترمذی ج:۱، ص:۵۰) یعنی حضورؐ نے فرمایا کہ بلال رات میں اذان دیا کرتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلال صبح صادق سے پہلے اذان کہتے تھے اور حضورؐ نے اس اذان کو مشروع رکھا ہے۔

جواب: حضرت بلال کی اذان اس لئے ہوتی تھی کہ جو لوگ پہلے سے بیدار ہیں اور تہجد پڑھ رہے ہیں وہ تھوڑی دیر آرام کر لیں اور جو اب تک سو رہے تھے وہ بیدار ہو کر چند رکعات تہجد کی پڑھ لیں، تو حضرت بلال کی اذان برائے تہجد تھی اسکی تائید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے دیکھئے معارف السنن ج:۲، ص:۲۱۷، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۱۸۹۔

دوسرا جواب: اگر اذانِ بلال صبح ہی کی نماز کے لئے ہوتی تھی تو کبھی تو اس پر اکتفا کیا جاتا۔ جبکہ طلوع فجر کے بعد ہمیشہ دوسری اذان کہی جاتی تھی۔ (معارف السنن ج:۲، ص:۲۲۱)

طرفین کی دلیل: حضرت حفصہ بنت عمرؓ کی روایت کے اندر ہے۔ "وَ کَانَ لَا یُؤَذِّنُ حَتّٰی یُصْبِحَ" (طحاوی ج:۱، ص:۱۰۵) اور اس زمانہ میں نماز کی اذان طلوع فجر سے پہلے نہیں دی جاتی تھی، اس لئے اگر اذان فجر طلوع کے بعد دی گئی تو معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔

☆☆☆

بَابُ شُرُوْطِ الصَّلٰوةِ الَّتِی تَتَقَدَّمُهَا

(نماز کی ان شرطوں کا بیان جو نماز پر مقدم ہوا کرتی ہیں)

شُرُوْطٌ: یہ شَرْطٌ (را کے سکون کے ساتھ کی جمع ہے) کسی چیز کو لازم پکڑنا۔ (منحۃ الخالق ج:۱ص:۲۸۰)
اصطلاحی تعریف: وہ چیز جس پر کسی دوسری چیز کا وجود موقوف ہو، مگر وہ اس کی حقیقت میں داخل نہ ہو، جیسے وضو نماز کی حقیقت میں داخل نہیں ہے، مگر نماز کا وجود اور اس کی صحت، وضو پر موقوف ہے۔ (البحر الرائق ج:۱ص:۲۸۰)
ماقبل سے مناسبت: اولاً امام قدوری نے طہارت کو بیان کیا ہے جو نماز کے لئے شرط ہے، اس کے بعد اوقات صلوٰۃ کو بیان کیا ہے کیوں کہ وہ اسباب وشرائط میں سے ہے، پھر اذان کا تذکرہ اعلام واخبار کی وجہ سے کیا ہے اب اس باب میں نماز کی بقیہ شرائط کا بیان کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۵۶۲)
تنبیہ: نماز کی کل چھ شرطیں ہیں اس باب میں پانچ کو بیان کیا گیا ہے، چھٹی شرط وقت کا ہونا ہے، جو کتاب الصلوٰۃ کے شروع میں آچکا ہے، صاحب اللباب نے شرنبلالی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کو چاہئے تھا کہ چھٹی شرط کو بھی اس باب کے تحت بیان فرماتے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ج:۱ص:۶۷)

(۱/۱۵۸) يَجِبُ عَلَى الْمُصَلِّي اَنْ يُقَدِّمَ الطَّهَارَةَ مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالْاَنْجَاسِ عَلٰى مَا قَدَّمْنَاهُ

ترجمہ: (۱/۱۵۸) واجب ہے نمازی پر کہ مقدم کرکے پاکی کو احداث اور انجاس (نجاست حقیقی وحکمی) سے اسی کے مطابق جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔
تشریح: نماز کے شروع کرنے سے پہلے کئی چیزیں واجب ہیں اگر وضو نہ ہو تو وضو کرے غسل کی ضرورت ہو تو غسل کرلے بدن یا کپڑے پر کوئی نجاست لگی ہو تو اس کو پاک وصاف کرلے، اس عبارت میں شرط اول وثانی کا بیان ہے۔

(۲/۱۵۹) وَيَسْتُرَ عَوْرَتَهٗ

ترجمہ: (۲/۱۵۹) اور چھپائے اپنے ستر کو۔
تشریح: اس عبارت میں نماز کی تیسری شرط کا بیان ہے یعنی اپنے بدن کو اتنا چھپانا شرط ہے جس کا کھلنا بے حیائی سمجھا جاتا ہے، حنفیہ، شوافع، حنابلہ کے نزدیک ستر چھپانا نماز کی صحت کے لئے شرط ہے، اور متاخرین مالکیہ کے نزدیک بھی قول مختار ستر عورت کا شرط ہونا ہی ہے۔

(۳/۱۶۰) وَالْعَوْرَةُ مِنَ الرَّجُلِ مَاتَحْتَ السُّرَّةِ إِلَى الرُّكْبَةِ وَالرُّكْبَةُ عَوْرَةٌ دُوْنَ السُّرَّةِ

ترجمہ: (۳/۱۶۰) اور مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے نہ کہ ناف۔

تشریح: ماقبل میں جس ستر کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ کیا ہے اس عبارت میں اس کا بیان ہے، احناف کے نزدیک مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک ہے یعنی گھٹنا ستر میں داخل ہے، اور ناف خارج۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناف ستر میں داخل ہے اور گھٹنا خارج۔ (درمنضود ج:۲،ص:۱۶۹)

حنفیہ کی دلیل: حضور ﷺ کا فرمان ہے مرد کا ستر ناف اور اس کے گھٹنے کے درمیان ہے، دوسری روایت میں ہے کہ ناف کے نیچے سے یہاں تک کہ گھٹنے سے تجاوز کر جائے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۲۲۴)

(۴/۱۶۱) وَبَدَنُ الْمَرْأَةِ الْحُرَّةِ كُلُّهُ عَوْرَةٌ اِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا (۵/۱۶۲) وَمَا كَانَ عَوْرَةٌ مِنَ الرَّجُلِ فَهُوَ عَوْرَةٌ مِنَ الْاَمَةِ وَبَطْنُهَا وَظَهْرُهَا عَوْرَةٌ وَمَاسِوىٰ ذَالِكَ مِنْ بَدَنِهَا لَيْسَ بِعَوْرَةٍ.

ترجمہ: (۴/۱۶۱) اور آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ (۵/۱۶۲) اور جو حصہ ستر ہے مرد کا وہی ستر ہے باندی کا بھی اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے اور اس کے علاوہ باقی بدن باندی کا ستر نہیں ہے۔

تشریح مسئلہ: (۱) عورت کا ستر کتنا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آزاد عورت کا پورا بدن ستر کے اندر داخل ہے، البتہ بعض اعضاء کا استثناء ہے جیسے چہرہ اور دونوں ہتھیلی اول کا استثناء تو ائمہ اربعہ کے درمیان متفق علیہ ہے، اور کفین کا استثناء احناف وشوافع وموالک کے نزدیک ہے، حنابلہ کی دو روایتیں ہیں کما فی المغنی۔ (درمنضود ج:۲،ص:۱۶۹)

عورت کے قدمین میں اختلاف: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قدمین حد عورت میں داخل ہیں، حنفیہ کی اصح روایت یہ ہیکہ قدمین ستر میں داخل نہیں ہیں کیوں کہ ضرورت کا تحقق قدمین میں کہیں زیادہ ہے، چہرہ اور ہتھیلیوں کی بہ نسبت۔ (فتح القدیر مع الکفایہ ج:۱،ص:۲۲۵)

مسئلہ: (۲) مرد کا جو جسم ستر ہے یعنی ناف سے گھٹنے تک وہی باندی کا ستر ہے اس کے علاوہ باندی کا پیٹ اور اس کی پیٹھ بھی ستر ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں محلِ شہوت ہیں، لہٰذا ان کا چھپانا بھی فرض ہے، اسکے علاوہ اس کا بدن ستر کے اندر داخل نہیں ہے۔ (عنایہ من ہامش الفتح ج:۱،ص:۲۲۹)

دلیل: حضرت عمرؓ نے ایک باندی کو دیکھا کہ اس نے اوڑھنی اوڑھ رکھی ہے، آپ نے فرمایا اے گندی اپنے اوپر سے اوڑھنی دور کر دے کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت رکھنا چاہتی ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۲۲۹)

(۶/۱۶۳) وَمَنْ لَمْ يَجِدْ مَايُزِيْلُ بِهِ النَّجَاسَةَ صَلّٰى مَعَهَا وَلَمْ يُعِدْ.

ترجمہ: (۶/۱۶۳) اور جو شخص نہ پائے کوئی چیز جس سے دور کرے نجاست تو وہ نماز پڑھ لے نجاست کے

ساتھ اور نماز کا اعادہ نہ کرے۔

تشریح: اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) اگر چوتھائی کپڑا یا اس سے زائد پاک ہو اور باقی ناپاک ہو تو اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھے اگر ننگے ہو کر نماز پڑھی تو ناجائز ہوگی کیوں کہ چوتھائی کپڑے کا پاک ہونا کل کے پاک ہونے کے مانند ہے۔

(۲) اگر چوتھائی کپڑے سے کم پاک ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

امام مالک امام محمد اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا ضروری ہے، اور ننگے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

شیخین کے نزدیک اختیار ہے کہ چاہے ننگے نماز پڑھے اور چاہے اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھے، اور اسی ناپاک کپڑے میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱ ص:۵۷۴ تا ص:۵۷۵)

(۱۶۴/۷) وَمَنْ لَمْ يَجِدْ ثَوْباً صَلّٰى عُرْيَاناً قَاعِداً يُوْمِي بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (۱۶۵/۸) فَإِنْ صَلّٰى قَائِماً اَجْزَاهُ وَالْاَوَّلُ اَفْضَلُ.

ترجمہ: (۱۶۴/۷) اور جو شخص کپڑا نہ پائے تو نماز پڑھے ننگا بیٹھ کر اشارہ سے کرے رکوع اور سجدہ۔ (۱۶۵/۸) پھر اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، تو اس کو کافی ہے اور پہلی صورت افضل ہے۔

تشریح: اگر کسی کے پاس کپڑا موجود نہ ہو نہ پاک اور نہ ناپاک تو یہ شخص بیٹھ کر ننگے نماز پڑھے اور رکوع وسجدے کا اشارہ کرے۔

دلیل: إِنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ رَكِبُوْا فِي السَّفِيْنَةِ فَانْكَسَرَتْ بِهِمْ فَخَرَجُوْا مِنَ الْبَحْرِ عُرَاةً فَصَلُّوْا قُعُوْداً بِالْإِيْمَاءِ. (فتح القدیر ج:۱ ص:۲۳۰ تا ۲۳۱)

یعنی حضورؐ کے صحابہ ایک کشتی میں سوار ہوئے پھر کشتی ٹوٹ گئی پھر وہ حضرات دریا سے ننگے نکلے اور اشارہ سے بیٹھ کر نماز پڑھی۔

اور اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو یہ بھی جائز ہے کیوں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں عورت غلیظہ کا ستر ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں رکوع سجدہ قیام ادا ہو جائیں گے لیکن بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے، کیوں کہ ستر عورت کی فرضیت زیادہ مؤکد ہے، رکوع اور سجود کی فرضیت کی بہ نسبت۔ (عینی ج:۱ ص:۵۷۶، عنایہ ج:۱ ص:۲۳۰)

(۱۶۶/۹) وَيَنْوِيْ لِلصَّلٰوةِ الَّتِيْ يَدْخُلُ فِيْهَا بِنِيَّةٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهَا وَبَيْنَ التَّحْرِيْمَةِ بِعَمَلٍ.

ترجمہ: (۱۶۶/۹) اور نیت کرے اس نماز کی جس کو پڑھنا چاہتا ہے ایسی نیت کے ساتھ کہ نہ فصل کرے اس نیت اور تحریمہ کے درمیان کسی کام سے۔

تشریح: اس عبارت میں نماز کی چوتھی شرط کا بیان ہے۔

ارادۂ خاص کا نام نیت ہے، اور وہ اللہ کے واسطے نماز کا ارادہ ہے، نیت کی شرط یہ ہے کہ اپنے دل کے ساتھ جانے کہ کونسی نماز پڑھ رہا ہے، جس نماز کو پڑھنا چاہتا ہے۔ اس کی نیت کرے، اور تحریمہ کے درمیان کوئی منافی صلوٰۃ عمل نہ پایا جائے اگر نیت کے بعد کھانے پینے یا باتوں میں لگ گیا پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر دی تو یہ نیت معتبر نہ ہوگی۔

(۱۰/۱۶۷) وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ خَائِفاً فَيُصَلِّيْ اِلٰى اَىِّ جِهَةٍ قَدَرَ (۱۱/۱۶۸) فَاِنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يَّسْئَلُهُ عَنْهَا اِجْتَهَدَ وَصَلّٰى فَاِنْ عَلِمَ اَنَّهُ اَخْطَأَ بَعْدَ مَاصَلّٰى فَلَا اِعَادَةَ عَلَيْهِ (۱۲/۱۶۹) وَاِنْ عَلِمَ ذٰلِكَ وَهُوَ فِى الصَّلٰوةِ اِسْتَدَارَ اِلَى الْقِبْلَةِ وَبَنٰى عَلَيْهَا.

ترجمہ: (۱۰/۱۶۷) اور قبلہ کی طرف منھ کرے مگر یہ کہ اس کو ڈر ہو تو نماز پڑھ لے جس طرف قادر ہو۔ (۱۱/۱۶۸) چنانچہ اگر مشتبہ ہو جائے اس پر قبلہ اور نہ ہو اس جگہ کوئی جس سے معلوم کر سکے قبلہ کی سمت، تو غور وفکر کر لے اپنے دل میں اور نماز پڑھ لے پھر اگر معلوم ہو کہ اس نے غلطی کی ہے نماز پڑھنے کے بعد تو اس پر اعادہ نہیں ہے۔ (۱۲/۱۶۹) اور اگر معلوم ہو جائے غلطی نماز ہی میں تو گھوم جائے قبلہ کی طرف اور باقی نماز اسی پر پوری کر لے۔

تشریح: اس عبارت میں نماز کی پانچویں شرط کا بیان ہے۔

مسئلہ: (۱) نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط استقبال قبلہ بھی ہے، فرض نماز ہو یا نفل، سجدہ تلاوت ہو یا نماز جنازہ ہو قبلہ رخ ہونا فرض ہے، اگر جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے قبلہ کی سمت چھوڑ کر دوسری جانب نماز پڑھی تو کفر ہے۔

(اللباب ج:۱ص:۷۸)

(۲) اگر کوئی شخص خوف کیوجہ سے استقبال قبلہ پر قدرت نہ رکھتا ہو تو جس طرف قادر ہو اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لے خوف جانی ہو یا مالی، دشمن کا ہو یا درندوں کا۔

(۳) اگر کسی ایسی جگہ ہے کہ قبلہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس طرف ہے اور نہ وہاں کوئی ایسا آدمی ہے جس سے پوچھ سکے تو اپنے دل میں سوچے جس طرف اس کا دل گواہی دے اسی طرف نماز پڑھ لے اگر بغیر غور وفکر کے نماز پڑھ لی تو نماز نہ ہوگی، بلکہ اگر بعد میں معلوم ہو جائے کہ بالکل جانب قبلہ ہی پڑھی ہے تب بھی نماز نہیں ہوگی، اگر کوئی بتلانے والا نہ ملا اور دل کی گواہی پر نماز پڑھ لی پھر معلوم ہوا کہ جس طرف نماز پڑھی ہے اس جانب قبلہ نہیں ہے تو نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

(۴) خوب غور وفکر کر کے نماز پڑھ رہا تھا پھر نماز ہی میں معلوم ہو گیا کہ قبلہ اس طرف نہیں ہے بلکہ دوسری طرف ہے تو نماز ہی میں قبلہ کی طرف گھوم جائے اب معلوم ہو جانے کے بعد اگر قبلہ کی جانب نہ پھرے گا تو نماز نہ ہوگی۔

(اللباب فی شرح الکتاب ج:۱ص:۷۸تا۷۹)

بَاب صِفَةِ الصَّلٰوةِ

ترجمہ: (یہ) باب نماز کی صفت کے (بیان میں) ہے۔

ماقبل سے مناسبت: اس سے قبل امام قدوری نے مقدمات نماز کو بیان فرمایا ہے، اب یہاں سے اصل مقصود یعنی نماز کو بیان فرمارہے ہیں۔ (عینی ج:۱، ص:۵۸۸، فتح القدیر ج:۱، ص:۲۳۸)

صفت کے لغوی معنی: خوبی

صفت سے مراد: نماز کی وہ ہیئت ہے جو اس کے ارکان وعوارض سے حاصل ہو۔ جیسے قیام، قعود، رکوع، سجدہ وغیرہ۔ (عنایہ من هامش الفتح ج:۱، ص:۲۳۸)

(۱/۱۷۰) فَرَائِضُ الصَّلٰوةِ سِتَّةٌ: اَلتَّحْرِيْمَةُ (۲/۱۷۱) وَالْقِيَامُ (۳/۱۷۲) وَالْقِرَاْةُ (۴/۱۷۳) وَالرُّكُوْعُ (۵/۱۷۴) وَالسُّجُوْدُ (۶/۱۷۵) وَالْقَعْدَةُ الْاَخِيْرَةُ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ (۷/۱۷۶) وَمَا زَادَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ سُنَّةٌ.

ترجمہ: (۱/۱۷۰) نماز کے فرائض چھ ہیں: تکبیر تحریمہ۔ (۲/۱۷۱) قیام، (۳/۱۷۲) قرأت، (۴/۱۷۳) رکوع، (۵/۱۷۴) سجود (۶/۱۷۵) اور قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار۔ (۷/۱۷۶) اور جو افعال ان کے علاوہ ہیں وہ سنت ہیں

تشریح: نماز میں چھ چیزیں فرض ہیں: (۱) نیت باندھتے وقت اللہ اکبر کہنا، (۲) کھڑا ہونا، (۳) قرآن کریم میں سے کوئی سورت یا آیت پڑھنا، (۴) رکوع کرنا، (۵) دونوں سجدے کرنا، (۶) نماز کے اخیر میں جتنی دیر التحیات پڑھنے میں لگتی ہے اتنی دیر بیٹھنا۔

تکبیر تحریمہ کی فرضیت پر دلیل: حضورؐ نے بغیر ترک کے اس پر ہمیشگی فرمائی ہے اور یہ فرضیت کی دلیل ہے۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۲۳۹)

دوسرا فرض قیام ہے اگر کھڑے ہونے اور سجدہ کرنے پر قدرت حاصل ہے تو نماز کھڑے ہوکر پڑھنا فرض ہے۔

دلیل: "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ". (پارہ ۲، آیت:۲۳۸) کھڑے ہو اللہ کے واسطے بحالت خضوع یا بحالت خاموشی

تیسرا فرض قرأت ہے، اللہ کا فرمان ہے: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ". (آیت:۲۰، پارہ:۲۹)

ترجمہ: پڑھو جس قدر آسان ہو قرآن سے اصح قول کے مطابق فرض قرأت ایک آیت ہے۔

چوتھا فرض رکوع، پانچواں فرض سجود ہے: "وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا" (پارہ:۱۷، آیت:۷۷) ان کی فرضیت پر دلیل ہے۔

چھٹا فرض قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار۔
دلیل: حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو آخری سجدے سے اپنا سر اٹھالے اور تشہد کی مقدار بیٹھ جائے تو تیری نماز پوری ہوگئی، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کا پورا ہونا تشہد کی مقدار بیٹھنے پر موقوف ہے، لہٰذا بقدر تشہد بیٹھنا فرض ہے۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۲۴۰)

چھ فرائض کے علاوہ باقی تمام چیزوں کو امام قدوری نے سنت بتلایا ہے، حالانکہ نماز میں کچھ چیزیں واجبات بھی ہیں، اس وہم کا ازالہ یہ ہیکہ ان کے واجب ہونیکا ثبوت سنت سے ہے۔ (عنایہ ج:۱،ص:۲۴۱)

(۱۷۷/۸) وَإِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ فِي صَلٰوتِهٖ كَبَّرَ (۱۷۸/۹) وَرَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ.

ترجمہ: (۱۷۷/۸) اور جب آدمی اپنی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے۔ (۱۷۸/۹) اور تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنے دونوں کانوں کی لو کے مقابل کرے۔
تشریح: جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے خواہ فرض ہو یا نفل تو تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر کہے مرد اپنے دونوں ہاتھ تکبیر کے ساتھ ساتھ اتنے اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کی لو کے مقابل ہوجائیں۔
بوقت تکبیر تحریمہ رفع یدین کہاں تک کیا جائے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

اختلاف الائمہ

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھانا مسنون ہے۔ (التعلیقات علی تنظیم الاشتات ج:۱،ص:۴۹۰، اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۲، نیل الاوطار ج:۲،ص:۱۸۶)
دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے: رَأَيْتُ النَّبِيَّ **اذا قام فی الصلٰوۃ رفع یدیہ حتی تکونا حذآء منکبیہ.** (بخاری ج:۱،ص:۱۰۲) میں نے حضورؐ کو دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے مقابل کرتے۔
جواب: آپ کی پیش کردہ روایت عذر کی حالت پر محمول ہے۔ وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام سردی کے زمانہ میں موٹے کپڑے پہنتے تھے اور موٹی موٹی چادریں اوڑھ لیا کرتے تھے، شدتِ سردی کی وجہ سے صرف مونڈھوں تک ہاتھ اٹھایا جاتا تھا۔ (عینی ج:۱،ص:۶۰۱)

دوسرا مذہب: حنفیہ کے نزدیک ہاتھوں کو کانوں کے برابر کر کے اس طرح اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہوجائیں، یہ مسنون ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۲)
دلیل: حضرت انس ﷺ کی روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے

کانوں کے مقابل کر کے اٹھاتے۔ (عینی ج:۱،ص:۶۰۰، نیل الاوطار ج:۲،ص:۱۸۷)

(۱۰/۱۷۹) فَإِنْ قَالَ بَدَلاً مِّنَ التَّكْبِيرِ اَللّٰهُ اَجَلُّ اَوْ اَعْظَمُ اَوِ الرَّحْمٰنُ اَكْبَرُ اَجْزَاهُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَايَجُوْزُ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَوِ اللّٰهُ الْاَكْبَرُ اَوِ اللّٰهُ الْكَبِيْرُ.

ترجمہ: (۱۰/۱۷۹) پھر اگر اس نے تکبیر کے بدلے اللہ اجل یا اللہ اعظم یا الرحمٰن اکبر کہا تو طرفین کے نزدیک کافی ہے اور امام ابو یوسف نے کہا کہ جائز نہیں مگر یہ کہ کہے اللہ اکبر یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر۔

تشریح: اس عبارت میں افتتاح نماز کے الفاظ کو بیان فرمایا ہے۔ کیا اللہ اکبر کے علاوہ دوسرے الفاظ سے بھی نماز شروع کر سکتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں چار مذاہب ہیں:

(۱) طرفین کے نزدیک ہر اس لفظ سے نماز شروع کرنا درست ہے، جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرے، جیسے اللہ اکبر اللہ اجل وغیرہ۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۷۴)

(۲) امام ابو یوسف کے نزدیک اگر اچھی طرح تکبیر کہنے پر قادر ہو تو اللہ اکبر، اللہ الاکبر، اللہ الکبیر، اللہ کبیر، ان چاروں میں سے کسی ایک لفظ کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز ہے، ان کے علاوہ جائز نہیں۔

(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۷۴)

(۳) شوافع کے نزدیک صرف اللہ اکبر، اللہ الاکبر کے ساتھ شروع کرنا درست ہے۔

(اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۱، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۷۴)

(۴) امام مالک و امام احمد کے نزدیک صرف اللہ اکبر کے ساتھ جائز ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۱، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۷۴، عینی ج:۱،ص:۶۰۲/۶۰۳)

طرفین کی دلیل: لغت میں تکبیر کے معنی تعظیم کے ہیں اور تعظیم کے معنی ان تمام الفاظ سے حاصل ہو جاتے ہیں لہٰذا نماز کا شروع کرنا ان تمام الفاظ سے صحیح ہوگا۔ (عینی ج:۱،ص:۶۰۳، اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۱)

صحیح قول طرفین کا ہے۔ (اللباب ج:۱،ص:۸۱)

(۱۱/۱۸۰) وَيَعْتَمِدُ بِيَدِهِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَيَضَعُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ (۱۲/۱۸۱) ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ.

ترجمہ: (۱۱/۱۸۰) اور پکڑے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ کو اور رکھ لے ان دونوں کو ناف کے نیچے۔ (۱۲/۱۸۱) پھر پڑھے، اے اللہ ہم تیری پاکی کا اقرار کرتے ہیں اور تیری تعریف کرتے ہیں اور تیرا نام بہت برکت والا ہے اور تیری بزرگی برتر ہے اور تیرے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں۔

تشریح: نمازی ہاتھ باندھنے کے بعد ثنا پڑھے، اور ثنا کے الفاظ متن میں ہیں، اس عبارت میں تین مسئلہ زیر غور ہیں:

(۱) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کی کیفیت کے سلسلہ میں، اس کا جواب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کا گٹا پکڑے۔

(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۸۹)

(۲) دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے یا نہیں، اس میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک خواہ ہاتھ باندھ لے، خواہ چھوڑ دے اختیار ہے، لیکن چھوڑنا عزیمت ہے۔

(کفایہ ج:۱،ص:۲۵۰، فتح الباری ج:۲،ص:۲۸۵ تا ۲۸۶)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۸۸، فتح الباری ج:۲،ص:۲۸۵)

دلیل: حضرت علیؓ نے فرمایا: "مِنَ السُّنَّةِ اَنْ يَّضَعَ الْمُصَلِّیْ يَمِيْنَهٗ عَلٰی شِمَالِهٖ" (کفایہ ج:۱،ص:۲۵۰) یعنی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا مسنون ہے۔

(۳) محل وضع کیا ہے۔ (ہاتھ کہاں رکھے) اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی کے نزدیک سینے پر ہاتھ رکھنا افضل ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۸۹)

دلیل: وائل بن حُجر ﷺ کی حدیث کے الفاظ ہیں "صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰی يَدِهِ الْيُسْرٰی عَلٰی صَدْرِهٖ" (نیل الاوطار ج:۲،ص:۱۹۴، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۸۹)

یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی چنانچہ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر کر کے سینہ پر رکھا۔

جواب: اس حدیث کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہیں جو کمل ضعیف ہیں اور لفظ "علیٰ صدرہ" کو ان کے علاوہ کسی اور نے نقل نہیں کیا۔ (اعلاء السنن ج:۲،ص:۱۶۹)، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے التعلیقات علی تنظیم الاشتات ج:۱،ص:۴۹۸ تا ۴۹۹، اعلاء السنن ج:۲،ص:۱۶۹۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۸۹، نیل ج:۲،ص:۱۹۴)

دلیل: حضرت علیؓ سے منقول ہے: "اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ". (معارف السنن ج:۲،ص:۴۴۱) یعنی سنت طریقہ یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر ناف ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔

(۱۸۲/۱۳) وَيَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

ترجمہ: (۱۸۲/۱۳) اور پناہ چاہے اللہ کی شیطان مردود سے۔

تشریح: امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ تکبیر اور سورۂ فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں بلکہ تکبیر کے بعد نماز کی ابتداء براہِ راست سورۂ فاتحہ سے ہوتی ہے۔

دلیل: حضرت انسؓ کی روایت کے الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان، کے پیچھے نماز پڑھی، "وَكَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" یعنی سب حضرات الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے۔ (عنایہ علی الکفایہ، ج:۱،ص:۲۵۲)

جواب: اس حدیث میں افتتاح سے مراد جہری قرأت کو شروع کرنا ہے، قرأت سریہ اس کے مخالف نہیں ہے۔
(معارف السنن ج:۲،ص:۳۷۷)

ہمارے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھنے کے بعد ثناء پڑھے پھر تعوذ پڑھے۔
دلیل: "فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ" جب قرآن پڑھنے کا ارادہ ہو تو استعاذہ کر۔

(۱۸۳/۱۴) وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَيُسِرُّ بِهِمَا

ترجمہ: (۱۸۳/۱۴) اور پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ باللہ و بسم اللہ آہستہ پڑھے۔

تشریح: ہر رکعت کے شروع میں الحمد للہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا مسنون ہے۔
بسم اللہ زور سے پڑھے یا آہستہ پڑھے، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھے اور سری نماز میں سراً۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۳۹۶)
دلیل: "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" (فتح القدیر ج:۱،ص:۲۵۴)
جواب: کبھی کبھی صحابہ کی تعلیم کی خاطر بسم اللہ کے ساتھ جہر فرمایا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ جہر کی نہ تھی۔
(کفایہ ج:۱،ص:۲۵۴)

(۲) حنابلہ واحناف کے نزدیک بسم اللہ آہستہ پڑھے، خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ (اوجز ج:۱،ص:۲۲۸)
دلیل: حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے چار چیزیں ایسی ہیں جن کو امام آہستہ پڑھے، تعوذ، تسمیہ، تحمید، آمین۔
(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۶۱۹)

(۱۸۴/۱۵) ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ (۱۸۵/۱۶) وَسُوْرَةً مَعَهَا اَوْ ثَلٰثَ آيَاتٍ مِنْ اَيِّ سُوْرَةٍ شَاءَ

ترجمہ: (۱۸۴/۱۵) پھر سورۂ فاتحہ پڑھے۔ (۱۸۵/۱۶) اور کوئی سورت اس کے ساتھ یا تین آیات جس کسی سورت میں سے چاہے۔

تشریح: نماز کے اندر قرأت قرآن کی کتنی مقدار فرض ہے، اس بارے میں تین مذہب ہیں:
(۱) حنفیہ کے نزدیک مطلقاً قرأت قرآن فرض ہے، ایک آیت بھی پڑھ لی تو فرض ادا ہو جائے گا۔
(اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۳۷)

دلیل: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن" اس آیت میں القرآن مطلق ہے، لہٰذا المطلق یجری علی اطلاقه کے قاعدہ کے اعتبار سے جس ادنیٰ مقدار پر قرآن ہونا صادق آئیگا اس کا پڑھنا فرض ہوگا۔ (عنایہ ج:۱ص:۲۵۵)

(۲) شوافع کے نزدیک سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۳۷)

دلیل: "لَاصَلٰوةَ اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ" (نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۱۶)

(۳) موالک کے نزدیک سوۂ فاتحہ اور سورت کا پڑھنا فرض ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۳۷ تا ۲۳۸)

دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے بغیر فاتحہ اور سورت کے نماز نہیں ہوگی۔ (عنایہ ج:۱،ص:۲۵۵)

جواب: مذکورہ دونوں حدیثیں اخبار آحاد میں سے ہیں لہٰذا ان سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

(عنایہ علی الکفایہ ج:۱،ص:۲۵۵)

(۱۷/۱۸۶) وَاِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ آمِيْنَ وَيَقُوْلُهَا الْمُؤْتَمُّ وَيُخْفِيْهَا

ترجمه: (۱۷/۱۸۶) اور جب کہے امام ولا الضالین تو کہے آمین اور اس کو مقتدی بھی کہے اور آہستہ کہے۔

تشریح: سورۂ فاتحہ کے ختم پر جب امام ولا الضالین کہے تو امام اور مقتدی دونوں کو آمین کہنا چاہئے، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) آمین کس کا وظیفہ ہے؟ امام مالک کی مشہور روایت یہ ہے کہ آمین صرف مقتدی کہے امام نہیں۔

(اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۵۰)

دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں: "اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ" (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۰۴، باب جہر الماموم بالتامین)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا کام یہ ہے کہ وہ ولا الضالین کہے اور مقتدی کا کام یہ ہے کہ وہ آمین کہے، "وَالْقِسْمَةُ تُنَافِي الشَّرْكَةَ".

جواب: اس حدیث کا مقصد تقسیم نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں بیک وقت آمین کہیں۔

(۲) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی اور امام دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے۔ (نیل ج:۲،ص:۲۳۰)

دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے "اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا" (ترمذی ج:۱،ص:۵۸) یعنی جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، یہ روایت جمہور کے مذہب پر بالکل واضح دلیل ہے۔

مسئلہ ۲: اس پر علما کا اتفاق ہے کہ آمین سرًا اور جہرًا دونوں طریقے سے جائز ہے، لیکن افضلیت میں اختلاف ہے

(۱) شافعیہ اور حنابلہ آمین بالجہر کو افضل قرار دیتے ہیں۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۵۱)

(۲) موالک واحناف کے نزدیک اخفاء افضل ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۵۰)

شوافع وحنابلہ کی دلیل حضرت وائل بن حجر کی روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "غیر المغضوب

علیهم و لا الضالین" پڑھتے ہوئے سنا اور آپ نے آمین کہا "وَمَدَّ بِهَا صَوْتَهُ" (ترمذی ج:۱،ص:۵۷) اور آمین کے ساتھ اپنی آواز کو کھینچا۔ کھینچنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جہراً آمین کہا اس لئے یہی افضل ہے۔

جواب: اس حدیث میں مدہ سے مراد جہر نہیں بلکہ آمین کی "ی" کو کھینچنا ہے۔

حضرت وائل بن حجر کو سکھانے کی غرض سے نماز میں جہراً آمین کہا تھا اس لئے یہ حدیث آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

موالک واحناف کی دلیل: "إِنَّ النَّبِيَّ قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالين فقال آمين وخَفَضَ بها صَوْتَهُ" (ترمذی ج:۱،ص:۵۸) آپ نے آمین کے ساتھ اپنی آواز کو پست کیا۔

(۱۸/۱۸۷) ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَرْكَعُ (۱۹/۱۸۸) وَيَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَيُفَرِّجُ اَصَابِعَهُ وَيَبْسُطُ ظَهْرَهُ وَلَايَرْفَعُ رَأْسَهُ وَلَايُنَكِّسُهُ (۲۰/۱۸۹) وَيَقُوْلُ فِي رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثاً وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ.

ترجمہ: (۱۸/۱۸۷) پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے۔ (۱۹/۱۸۸) اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے اور اپنی انگلیوں کو کشادہ کرے اور اپنی پیٹھ کو برابر رکھے اور اپنا سر نہ اٹھائے اور نہ جھکائے۔ (۲۰/۱۸۹) اور کہے اپنے رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" (پاک ہے میرا رب بڑی عظمت والا) تین بار اور یہ اس کا ادنی درجہ ہے۔

تشریح: قرأت پوری کرنے کے بعد بلا توقف تکبیر کہے اور رکوع کرے، رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پکڑے اور ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان کشادگی رکھے اور دونوں پنڈلیوں کو سیدھی کھڑی رکھے، بازو پہلو سے الگ رکھے اور پیروں میں تھوڑا سا فاصلہ رکھے اور رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" تین یا پانچ یا سات مرتبہ کہے۔

(۲۱/۱۹۰) ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَيَقُوْلُ الْمُؤْتَمُّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

ترجمہ: (۲۱/۱۹۰) پھر اپنا سر اٹھائے اور کہے "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" (سنی اللہ نے بات اس کی جس نے سراہا اس کو) اور کہے مقتدی "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" (اے اللہ تیرے ہی لئے سب تعریفیں ہیں اللہ بہت بڑا ہے)

تشریح: امام جب "سمع الله لمن حمده" کہے گا تو اس کے بعد امام کے لئے "ربنا لك الحمد" کہنا بھی درست ہے یا نہیں اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام اعظم امام مالک امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے گا اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے گا۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۵۹، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۳۰)

دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو تم ربنا ولك الحمد کہو۔ (ترمذی ج:۱،ص:۶۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی ذمہ داری صرف تسمیع ہے اور مقتدی کی ذمہ داری صرف تحمید کہنا ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۳۰)

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ تحمید صرف مقتدی ہی کہہ سکتا ہے، غیر مقتدی نہیں منفرد مقتدی نہیں ہے، تو امام بھی مقتدی نہیں ہے، جس طرح منفرد کے لئے دونوں جائز ہیں تو امام کے لئے بھی دونوں کا پڑھنا جائز ہونا چاہئے۔ (مستفاد ایضاح الطحاوی ج:۲،ص:۵۲)

(۲) صاحبین امام شافعی کے نزدیک امام سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لك الحمد دونوں کہے گا۔
(نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۵۹)

دلیل: حضرت علیؓ کی حدیث ہے: "كَانَ رَسُوْلُ اللهِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" (ترمذی ج:۱،ص:۶۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ تسمیع کے ساتھ تحمید کہنا بھی مسنون ہے۔

(۱۹۱/۲۲) فَإِذَا اسْتَوٰى قَائِماً كَبَّرَ وَسَجَدَ (۱۹۲/۲۳) وَاعْتَمَدَ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ وَوَضَعَ وَجْهَهُ بَيْنَ كَفَّيْهِ

ترجمہ: (۱۹۱/۲۲) پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ (۱۹۲/۲۳) اور اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھدے اور اپنا چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں رکھے۔

تشریح: نمازی جب رکوع سے سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہتا ہوا سجدے میں جائے زمین پر پہلے گھٹنے رکھے پھر کانوں کے برابر ہاتھ رکھے پھر دونوں ہاتھوں کے بیچ میں پیشانی رکھے اولاً ناک رکھے پھر پیشانی، یہ سجدہ میں جانے کی کیفیت ہے سجدہ سے اٹھتے وقت اس کا برعکس کرے۔

(۱۹۳/۲۴) وَسَجَدَ عَلٰى أَنْفِهِ وَجَبْهَتِهِ فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلٰى أَحَدِهِمَا جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَايَجُوْزُ الْإِقْتِصَارُ عَلَى الْأَنْفِ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ.

ترجمہ: (۱۹۳/۲۴) اور سجدہ کرے اپنی ناک اور پیشانی پر پھر اگر ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفاء کیا تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے کہا کہ ناک پر اکتفا کرنا جائز نہیں ہے مگر عذر کی وجہ سے۔

تشریح: ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا مسنون ہے لیکن اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا کسی ایک پر اکتفاء جائز ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں تین مذہب ہیں:

اختلاف الائمہ

(۱) امام احمد بن حنبل کے نزدیک سجدے میں پیشانی اور ناک دونوں کا ٹیکنا واجب ہے۔
(فتح الباری ج:۲،ص:۳۷۷، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۵۵۵، نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۶۸)

دلیل: رسول اللہؐ جب سجدہ کرتے اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر ٹیک دیا کرتے تھے۔ (ترمذی ج:۱، ص:۶۱)

جواب: اس حدیث سے وجوب پر استدلال درست نہیں اس لئے محض فعل، وجوب کو مقتضی نہیں ہے۔

(درمنضود ج:۲، ص:۳۴۰)

(۲) صاحبین اکثر مالکیہ اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ پیشانی کا ٹیکنا ضروری ہے، ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۴، ص:۵۵۶)

دلیل: حضرت عباسؓ کی روایت ہے جس میں سات اعضاء کو سجدے میں زمین پر رکھنے کا تذکرہ ہے، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے، دونوں پیر، اور چہرہ۔ (ترمذی ج:۱، ص:۶۲) اور چہرہ کا رکھنا صرف پیشانی رکھنے سے تو متحقق ہو جاتا ہے، لیکن صرف ناک رکھنے سے متحقق نہیں ہوتا اس لئے اقتصار علی الانف جائز نہیں ہوگا۔

(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناک اور پیشانی دونوں میں سے کسی ایک کے رکھنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا، لیکن صرف ناک ٹیکنے کی صورت میں مع الکراہت جائز ہے۔ (تبیین الحقائق ج:۱، ص:۱۱۶)

دلیل: کلام پاک میں لفظ سجود آیا ہے اور سجود کہتے ہیں چہرے کو تعظیم کے ساتھ زمین پر رکھنے کو چنانچہ چہرہ کا جو حصہ بھی تعظیم کے ساتھ رکھ دیا جائے گا سجدہ ادا ہو جائے گا۔ (فتح القدیر ج:۱، ص:۲۶۴)

فائدہ: امام ابوحنیفہ نے بعد میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا اور یہی قول احناف کے یہاں مفتی بہ ہے۔ (اللباب ج:۱، ص:۸۲)

(۱۹۴/۲۵) فَإِنْ سَجَدَ عَلٰى كَوْرِ عِمَامَتِهٖ أَوْ عَلٰى فَاضِلِ ثَوْبِهٖ جَازَ (۱۹۵/۲۶) وَيُبْدِىْ ضَبْعَيْهِ وَيُجَافِىْ بَطْنَهٗ عَنْ فَخِذَيْهِ (۱۹۶/۲۷) وَيُوَجِّهُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ نَحْوَ الْقِبْلَةِ (۱۹۷/۲۸) وَيَقُوْلُ فِىْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّىَ الْأَعْلٰى ثَلٰثاً وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ.

ترجمہ: (۱۹۴/۲۵) پھر اگر سجدہ کیا پگڑی کے پیچ پر یا زائد کپڑے پر تو جائز ہے۔ (۱۹۵/۲۶) اور کشادہ کر دے اپنی بغلوں کو اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے جدا کرے۔ (۱۹۶/۲۷) اور متوجہ کرے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف۔ (۱۹۷/۲۸) اور سجدہ کی حالت میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ (پاک ہے میرا پروردگار بہت بڑا) کہے، اور یہ ادنیٰ مقدار ہے۔

تشریح: (۱) ہمارے نزدیک عمامہ کے پیچ (پگڑی کی لپیٹ) یا فاضل کپڑے پر سجدہ کرنا جائز ہے۔

(۲) مردوں کو سجدے میں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھنے چاہئیں۔

(۳) مردوں کو سجدے میں کہنیاں زمین سے جدا رکھنی چاہئیں۔

(۴) مردوں کو سجدے میں دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے رکھنے چاہئیں۔

(۱۹۸/۲۹) ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ وَيُكَبِّرُ.

ترجمہ: (۱۹۸/۲۹) پھر اپنا سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔

تشریح: اس عبارت میں دوسرے سجدے کی کیفیت کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا کہ پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے اور اس قدر اٹھانا معتبر ہے کہ جس پر لفظ رفع (سر اٹھانا) بولا جائے اس روایت کو امام ابو یوسف نے امام اعظم سے نقل کیا ہے اور یہ اصح ہے۔ (تبیین الحقائق ج:۱،ص:۱۶۸)

(۱۹۹/۳۰) وَإِذَا اطْمَأَنَّ جَالِساً كَبَّرَ وَسَجَدَ (۲۰۰/۳۱) فَإِذَا اطْمَأَنَّ سَاجِداً كَبَّرَ وَاسْتَوَىٰ قَائِماً عَلَىٰ صُدُوْرِ قَدَمَيْهِ وَلَايَقْعُدُ وَلَايَعْتَمِدُ بِيَدَيْهِ عَلَى الْأَرْضِ (۲۰۱/۳۲) وَيَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ مَافَعَلَ فِي الْأُوْلَىٰ إِلَّا أَنَّهُ لَايَسْتَفْتِحُ وَلَايَتَعَوَّذُ.

ترجمہ: (۱۹۹/۳۰) اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔ (۲۰۰/۳۱) پھر جب اطمنان سے سجدہ کر چکے تو تکبیر کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے اپنے پنجوں کے بل اور نہ بیٹھے اور نہ ٹیک لگائے اپنے ہاتھوں کے ساتھ زمین پر۔ (۲۰۱/۳۲) اور کرے دوسری رکعت میں اس کے مثل جو پہلی رکعت میں کیا، مگر یہ کہ سبحانک اللھم اور اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

تشریح: کیا جلسہ استراحت مسنون ہے، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی علیہ الرحمہ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے فراغت کے بعد جلسہ استراحت (ھلکا سا جلسہ) مسنون قرار دیتے ہیں۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۷۵، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۲۸۱)

دلیل: حضورؐ جب اپنا سر سجدہ سے اٹھاتے تو بیٹھ جاتے پھر اٹھتے۔ (عنایہ ج:۱،ص:۲۶۸)

جواب: آپ کی پیش کردہ روایت بیان جواز یا حالت عذر پر محمول ہے، یعنی بڑھاپے کے زمانے میں آپ نے ایسا کیا ہے اگر یہ سنت صلوٰۃ ہوتی تو ہرگز صحابہ کرام نہ چھوڑتے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۷۷)

(۲) امام ابوحنیفہ امام مالک کے نزدیک جلسہ استراحت مسنون نہیں اس کے بجائے سیدھا کھڑا ہو جانا افضل ہے، امام احمد بھی اصح قول کے مطابق حنفیہ ہی کے ساتھ ہیں۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۲۸۱، معارف ج:۳،ص:۷۵ تا ۷۴)

دلیل: حضورؐ نماز میں اپنے پنجوں کے بل اٹھتے تھے۔ (ترمذی ج:۱،ص:۶۴، معارف السنن ج:۳،ص:۸۲)

(۲۰۲/۳۳) وَلَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْأُوْلَىٰ

ترجمہ: (۲۰۲/۳۳) اور اپنے ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر تحریمہ میں۔

اختلاف الائمہ فی رفع الیدین

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع وحنابلہ کے نزدیک رکوع سے اٹھنے کے وقت اور رکوع میں جانے کے وقت رفع یدین افضل ہے۔

(اوجز المسالک ج:۱،ص:۲۰۳، معارف ج:۲،ص:۴۵۳)

دلیل: ان حضرات کا سب سے بڑا استدلال حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے ہے، جس میں ہے کہ آپ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے ایسے ہی جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے۔

(ترمذی ج:۱،ص:۵۹) اس کے علاوہ بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے۔

جواب: حقیقت میں حضور ﷺ سے رفع اور ترک رفع دونوں ثابت ہیں، اس لئے ثبوت وعدم ثبوت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف محض افضلیت اور عدم افضلیت کا ہے، ہم نے ترک رفع کو ترجیح دی ہے۔

وجوہ ترجیح: (۱) ترک رفع کی روایات اوفق بالقرآن ہیں کیونکہ "قوموا للّٰہ قانتین" کا تقاضہ یہ ہے کہ نماز میں کم سے کم حرکت ہو۔

(۲) علم کے دو بڑے مرکز مدینہ اور کوفہ کے اصحاب کا تعامل ترک رفع کا رہا ہے۔ (معارف ج:۲،ص:۴۶۶)

دوسرا مذہب: مالکیہ وحنفیہ کے نزدیک ترک رفع افضل ہے۔ (معارف ج:۲،ص:۴۵۳، اوجز ج:۱،ص:۲۰۳)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا کہ کیا میں تم کو حضورؐ کی نماز پڑھ کر نہ دکھلاؤں پھر انھوں نے نماز پڑھ کر دکھلائی اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں اٹھائے۔

(ترمذی ج:۱،ص:۵۹)

یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں رفع یدین نہیں ہے۔ نیز ابن مسعود کی روایت ہر طرح کے اضطراب سے پاک ہے اور خود ان کا عمل بھی اسی پر ہے۔

(۳۴/۲۰۳) فَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ اِفْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرىٰ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَنَصَبَ الْيُمْنىٰ نَصْباً (۳۵/۲۰۴) وَوَجَّهَ اَصَابِعَهٗ نَحْوَ الْقِبْلَةِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلىٰ فَخِذَيْهِ وَيَبْسُطُ اَصَابِعَهٗ.

ترجمہ: (۳۴/۲۰۳) پھر جب اٹھائے اپنے سر کو دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے تو اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں بالکل کھڑا رکھے۔ (۳۵/۲۰۴) اور انگلیوں کو قبلہ کی جانب متوجہ رکھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنی دونوں رانوں پر رکھے اور اپنی ہاتھ کی انگلیاں کشادہ رکھے۔

تشریح: اس عبارت میں قعدے کی کیفیت کا بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ جب دوسری رکعت کے دوسرے سجدے سے اپنا سر اٹھایا تو اپنا بایاں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے، اور دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی جانب متوجہ کرے، بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیاں جس حال پر ہیں چھوڑ دے آپس میں نہ ملائے، اور ہاتھوں سے گھٹنے نہ پکڑے، جلسہ بین السجدتین اور التحیات میں کیسے بیٹھنا چاہئے، اس بارے میں چار مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک مطلقاً تورک ہے یعنی سرین کو زمین پر رکھنا اور دونوں پاؤں زمین پر بچھا کر دائیں طرف نکالنا عورت کے حق میں، حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ (اوجز ج:۱، ص:۲۵۴، معارف ج:۳، ص:۹۵، عمدہ ج:۴، ص:۵۷۲)

(۲) امام شافعی کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں تورک مسنون ہے اور قعدہ اولی اور جلسہ میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں پیر کو بچھا کر اسی پر بیٹھنا مسنون ہے۔ (اوجز ج:۱، ص:۲۵۴، معارف السنن ج:۳، ص:۹۵)

(۳) امام احمد کے نزدیک دو رکعت والی نماز میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے، اور چار رکعت والی نماز کے صرف قعدۂ اخیرہ میں تورک افضل ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱، ص:۲۵۴، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۵۷۲)

(۴) حنفیہ کے نزدیک قعدہ اولی، قعدہ اخیرہ، اور جلسہ بین السجدتین میں سے ہر ایک میں دائیں پیر کو کھڑا کر کے بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا مسنون ہے۔ (عمدہ ج:۴، ص:۵۷۲، معارف ج:۳، ص:۹۴، اوجز ج:۱، ص:۲۵۴)

(۳۶/۲۰۵) ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَالتَّشَهُّدُ اَنْ يَّقُوْلَ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، (۳۷/۲۰۶) وَلَايَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا فِي الْقَعْدَةِ الْاُوْلٰى.

ترجمہ: (۳۶/۲۰۵) پھر تشہد پڑھے اور تشہد یہ ہے کہ کہے تمام قولی عبادتیں اور تمام فعلی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں سلام ہو آپ پر اے نبیؐ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (۳۷/۲۰۶) اور اس سے زیادہ نہ پڑھے پہلے قعدہ میں۔

تشہد پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

اس بارے میں امام مالک فرماتے ہیں قعدہ اولی ہو یا اخیرہ تشہد پڑھنا مسنون ہے۔ (اوجز ج:۱، ص:۲۶۲)

امام احمد کے نزدیک اول واجب ہے ثانی فرض ہے۔ (عمدۃ ج:۴، ص:۵۹۰)

امام شافعی کے نزدیک قعدۂ اولیٰ میں مسنون ہے اور قعدۂ اخیرہ میں واجب ہے۔ (عمدہ القاری ج:۴، ص:۵۷۸)

کتب احناف میں امام صاحب کے نزدیک قعدۂ اولی میں تشہد پڑھنا واجب لکھا ہے اور حکم وجوب پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ (عالمگیری ج:۱، ص:۷۱، اوجز المسالک ج:۱، ص:۲۶۳، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۵۷/۱۰)

الفاظ تشہد کیا ہیں؟

احادیث شریفہ میں تشہد کے الفاظ مختلف طریقوں سے ثابت ہیں ان میں تین قسم کے تشہد زیادہ مشہور و معروف ہیں: مندرجہ بالا عبارت میں جو تشہد نقل فرمایا گیا ہے وہ تشہد ابن مسعود ہے، حضرات حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک یہی زیادہ

افضل ہے۔ وجوہ ترجیح کے لئے دیکھئے اوجز المسالک، ج:۱،ص:۲۶۸۔

حضرت ابن مسعود فقہاء صحابہ میں سے ہیں الفاظ تشہد میں کمی زیادتی کو ہرگز برداشت نہیں کرتے تھے لہٰذا ان کے تشہد میں احتیاط واہتمام کی وجہ سے کسی قسم کی ترمیم کا احتمال نہیں ہے، اس لئے تشہد ابن مسعود سب سے افضل اور اولیٰ ہوگا۔ (موطاء امام محمد ص:۱۱۱، درس ترمذی ج:۲،ص:۵۹)

(۳۸/۲۰۷) وَيَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَاصَّةً (۳۹/۲۰۸) فَإِذَا جَلَسَ فِي آخِرِ الصَّلٰوةِ جَلَسَ كَمَا جَلَسَ فِي الْأُولٰى.

ترجمہ: (۳۸/۲۰۷) اور پڑھے آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ۔ (۳۹/۲۰۸) پھر جب بیٹھے نماز کے اخیر میں تو اس طرح بیٹھے جیسے قعدۂ اولیٰ میں بیٹھا تھا۔

تشریح: ظہر، عصر، عشاء، کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی آخری ایک رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی۔

امام قدوری نے فرمایا کہ قعدۂ اخیرہ میں اسی طریقہ پر بیٹھے جیسے قعدہ اولیٰ میں بیٹھا تھا اس بارے میں اختلاف ائمہ ماقبل میں گذر چکا ہے۔

(۴۰/۲۰۹) وَتَشَهَّدَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: (۴۰/۲۰۹) اور تشہد پڑھے اور حضورؐ پر درود بھیجے۔

اختلاف الائمہ

(۱) قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد جو درود شریف ہے اس کے متعلق امام شافعی نے فرمایا کہ وہ فرض ہے جیسے تشہد پڑھنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی، یہی مذہب امام احمد کا ہے۔

(نیل ج:۲،ص:۲۹۷، تبیین الحقائق ج:۱،ص:۱۲۳)

دلیل: "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا" اس آیت میں صلوا مطلق ہے اور مطلق امر فرضیت کے لئے آتا ہے۔

(عنایہ علی الکفایہ ج:۱،ص:۲۷۵)

جواب: آیت میں صلوا امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ ندب کے لئے ہے، نیز آیت کریمہ میں مطلق درود بھیجنے کا حکم ہے، جو وجوب فی الجملہ کا تقاضہ کرتا ہے، لہٰذا خارج صلوٰۃ ایک بار پڑھ لینے سے بھی یہ وجوب ساقط ہو جائیگا۔

(عنایہ ج:۱،ص:۲۷۵)

(۲) جمہور ائمہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک نے بعد التشہد درود کو سنت کہا ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۲۹۷)

ان حضرات کی دلیل: حضرت ابن مسعود کی وہ حدیث ہے کہ جس میں حضور نے بقدر تشہد بیٹھنے پر نماز کے مکمل ہونے کا حکم لگایا ہے، یہ بھی عدم فرضیت کی صریح دلیل ہے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۳۹)

(۲۱۰/۴۱) وَدَعَا بِمَا شَاءَ مِمَّا يُشْبِهُ أَلْفَاظَ الْقُرْآنِ وَالْأَدْعِيَةَ الْمَأْثُوْرَةَ وَلَا يَدْعُوْا بِمَا يُشْبِهُ كَلَامَ النَّاسِ

ترجمه: (۲۱۰/۴۱) اور دعا مانگے جو چاہے ان الفاظ سے جو مشابہ ہوں الفاظ قرآن اور منقول دعاؤں کے اور نہ دعاء مانگے ان الفاظ کے ساتھ جو مشابہ ہوں لوگوں کے کلام کے۔

تشریح: قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد عربی زبان میں دعاء کرے غیر عربی میں دعاء کرنا مکروہ تحریمی ہے، ایسے الفاظ سے دعاء مانگے جو الفاظ قرآنی کے مشابہ ہوں، جیسے ربنا آتنا فی الدنیا الخ اللّٰھم اغفرلی ولوالدی الخ، جن چیزوں کا بندوں سے مانگنا محال نہ ہو وہ کلام الناس کے مشابہ ہے ایسے الفاظ سے دعا نہ مانگے اور جن چیزوں کا بندوں سے مانگنا محال ہو وہ کلام الناس کے مشابہ نہیں ہے، ایسے ہی الفاظ سے دعاء مانگے۔

(۲۱۱/۴۲) ثُمَّ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَيُسَلِّمُ عَنْ يَسَارِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ

ترجمه: (۲۱۱/۴۲) پھر سلام پھیرے دائیں طرف اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ (سلام ہو تم پر اور رحمت اللہ کی) اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرے۔

تشریح: پہلا سلام پھیرتے وقت ان لوگوں کی نیت کرے جو اس کے دائیں جانب ہیں، اور حفاظت کرنیوالے فرشتوں کی نیت کرے اور اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرتے وقت ان کی نیت کرے جو اس کے بائیں طرف ہیں۔

اختلاف الائمہ

سلام کی تعداد وکیفیت میں اختلاف۔

(۱) امام مالک کے نزدیک منفرد اور امام پر صرف سامنے کی طرف ایک سلام کرنا لازم ہے، اس سے زیادہ مشروع نہیں ہے اور مقتدی پر تین سلام لازم ہیں: (۱) دائیں (۲) بائیں (۳) سامنے کی طرف۔
(معارف السنن، ج:۳،ص:۱۱۰، نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۱۲)

(۲) حنفیہ شافعیہ حنابلہ کے نزدیک امام، منفرد اور مقتدی سب کے لئے دو سلام کرنا مشروع ہے، (۱) دائیں، (۲) بائیں۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۱۰۹، نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۱۲)

نماز سے فراغت حاصل کرنے کے لئے لفظ السلام کا استعمال کرنا فرض ہے یا واجب یا سنت، اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام احمد کے نزدیک لفظ سلام اور دونوں سلام فرض ہیں۔ (عمدۃ القاری ج:۴،ص:۶۰۲)

(۲) امام شافعی، امام مالک کے نزدیک لفظ سلام فرض ہے، لیکن دونوں سلام فرض نہیں ہیں بلکہ ایک سلام فرض ہے
(۳) حنفیہ کے نزدیک لفظ سلام فرض نہیں ہے، بلکہ دونوں سلام سنت بمعنی واجب ہے، یہی مذہب اصح ہے۔
(معارف السنن ج:۳، ص:۱۱۳، عمدۃ القاری ج:۴، ص:۲۰۲)

(۲۱۲/۴۳) وَيَجْهَرُ بِالْقِرَاْةِ فِي الْفَجْرِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ مِنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِنْ كَانَ إِمَامًا وَيُخْفِي الْقِرَاْةِ فِي مَابَعْدَ الْأُوْلَيَيْنِ (۲۱۳/۴۴) وَإِنْ كَانَ مُنْفَرِدًا فَهُوَ مُخَيَّرٌ إِنْ شَاءَ جَهَرَ وَاَسْمَعَ نَفْسَهُ وَإِنْ شَاءَ خَافَتَ (۲۱۴/۴۵) وَيُخْفِي الْإِمَامُ الْقِرَاْةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ.

ترجمه: (۲۱۲/۴۳) اور قرأت آواز سے پڑھے فجر میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اگر امام ہو اور قرأت آہستہ پڑھے پہلی دو رکعت کے بعد والی رکعات میں۔ (۲۱۳/۴۴) اور اگر تنہا نماز پڑھنے والا ہے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے آواز سے پڑھے اور اپنی ذات کو سنائے اور اگر چاہے آہستہ پڑھے۔ (۲۱۴/۴۵) اور امام آہستہ قرأت کرے ظہر اور عصر میں۔

تشریح: قبل ازیں امام قدوریؒ نے فرائض، واجبات، سنن کو بیان کیا ہے، اس عبارت میں احکام قرأت کو بیان فرمارہے ہیں۔

اگر امام ہو تو فجر کی دونوں رکعتوں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت زور سے کرنا واجب ہے، اور مغرب کی تیسری رکعت اور عشاء کی بعد والی دو رکعتوں میں قرأت آہستہ کرنا واجب ہے، ظہر اور عصر کی نماز میں امام پر آہستہ قرأت کرنا واجب ہے۔

اور اگر مصلی تنہا پڑھنے والا ہو تو اس کو اختیار ہے جی چاہے جہر کرے کیوں کہ وہ اپنی ذات کے حق میں امام ہے، اور جی چاہے اخفا کرے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کو سنا دے۔

(۲۱۵/۴۶) وَالْوِتْرُ ثَلٰثُ رَكَعَاتٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِسَلَامٍ (۲۱۶/۴۷) وَيَقْنُتُ فِي الثَّالِثَةِ قَبْلَ الرُّكُوْعِ فِي جَمِيْعِ السَّنَةِ (۲۱۷/۴۸) وَيَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِّنَ الْوِتْرِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مَعَهَا (۲۱۸/۴۹) فَإِذَا اَرَادَ اَنْ يَّقْنُتَ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَنَتَ (۲۱۹/۵۰) وَلَا يَقْنُتُ فِي صَلٰوةٍ غَيْرِهَا.

ترجمه: (۲۱۵/۴۶) اور وتر تین رکعات ہیں ان کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے۔ (۲۱۶/۴۷) اور قنوت پڑھے تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال۔ (۲۱۷/۴۸) اور پڑھے وتر کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت۔ (۲۱۸/۴۹) پھر جب ارادہ کرے دعاء قنوت پڑھنے کا تو تکبیر کہے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر قنوت پڑھے۔ (۲۱۹/۵۰) اور قنوت وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں نہ پڑھے۔

تشریح: مسئله (۱) وتر کی نماز واجب ہے اور واجب کا مرتبہ فرض نماز کے قریب قریب ہے، ترک

کردینے سے بڑا گناہ ہوتا ہے، اگر کبھی چھوٹ جائے تو جب موقع ملے فوراً اس کی قضا پڑھنی چاہئے۔

(۲) وتر کی تین رکعتیں ہیں دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے اور صرف التحیات پڑھے اس کے بعد فوراً کھڑا ہو کر الحمد اور سورت پڑھ کر اللہ اکبر کہے اور کندھے تک ہاتھ اٹھائے اور پھر ہاتھ باندھ لے پھر دعاء قنوت پڑھ کر رکوع کرے اور تیسری رکعت پر بیٹھ کر التحیات درود شریف اور دعاء پڑھ کر سلام پھیردے۔

اس عبارت کے تحت چار اہم مسائل بیان کئے جائیں گے:

مسئله: (۱) نمازِ وتر واجب ہے یا سنت؟ اس سلسلے میں دو مذاہب ہیں:

(۱) امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نماز وتر واجب ہے۔ (اوجز ج:۱، ص:۴۳۰، نیل ج:۳، ص:۳۴)

(۲) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور احناف کا فتویٰ امام اعظم کے قول کے مطابق ہے۔ (اللباب ج:۱، ص:۸۷، اوجز المسالک ج:۱، ص:۴۳۰)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت علیؓ کا ارشاد ہے "اَلْوِتْرُ لَیْسَ بِحَتْمٍ کَصَلٰوتِکُمُ الْمَکْتُوْبَۃُ وَلٰکِنْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" (ترمذی ج:۱، ص:۱۰۳) وتر تمہاری فرض نمازوں کی طرح لازم نہیں ہے، لیکن رسول اللہؐ نے سنت قرار دیا ہے۔

جواب: حضرت علیؓ نے وتر کی فرضیت کی نفی فرمائی ہے، وجوب کی نفی نہیں فرمائی ہے، اور فرضیت کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ نماز وتر کا درجہ فرض نمازوں سے کم ہے، اور فرض سے کم درجہ واجب ہے نہ کہ سنت اس لئے حضرت علیؓ کے ارشاد سے نماز وتر کو سنت ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۱۷۹)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے: "اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ یُوْتِرْ فَلَیْسَ مِنَّا".

(ابوداؤد ج:۱، ص:۲۰۱، اوجز ج:۱، ص:۴۳۱)

وتر حق ہے چنانچہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے، یہ جملہ آپؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا، اور حق یہاں واجب کے معنی میں ہے، معلوم ہوا کہ وتر واجب ہے۔

(۲) وتر کی نماز میں کتنی رکعتیں ہیں:

امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے نزدیک نماز وتر ایک رکعت سے گیارہ رکعات تک ہے، یعنی ایک رکعت، تین رکعات، پانچ رکعات، سات رکعات، نو رکعات اور گیارہ رکعات۔

دلائل مع جوابات: ایک رکعت کے ثبوت میں "اَلْوِتْرُ رَکْعَۃٌ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ" (مسلم ج:۱، ص:۲۵۷)

جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ رات کی نماز دو رکعت کر کے پڑھتے تھے، مگر جب نماز وتر کا ارادہ فرماتے تو دو رکعت میں ایک رکعت ملا کر وتر بنا لیا کرتے تھے یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ایک رکعت نماز وتر ادا فرمائی۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۲۱۳)

اَوْتَرَ بِثَلٰثٍ (طحاوی ج:۱،ص:۲۰۱) احناف کا مذہب بھی یہی ہے اس لئے جواب کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

پانچ رکعات والی حدیث: "اَوْتَرَ بِخَمْسٍ" (نسائی ج:۱،ص:۲۴۹)

اس کا جواب یہ ہے کہ پانچ رکعات وتر کی نہیں تھیں، بلکہ تین رکعات وتر کی تھیں، اور دو رکعات نفل کی تھیں، راوی نے دونوں کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

سات رکعات والی حدیث: "اَوْتَرَ بِسَبْعٍ" (نسائی ج:۱،ص:۲۵۰) کا جواب یہ ہے کہ اس میں تین رکعات وتر کی تھیں اور چار رکعات تہجد کی تھیں۔

نو رکعات والی حدیث: "اَوْتَرَ بِتِسْعٍ" (نسائی ج:۱،ص:۲۵۰) کا جواب یہ ہے کہ اس میں چھ رکعات تہجد کی تھیں تین وتر کی راوی نے دونوں کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

گیارہ رکعات والی حدیث: "اِحْدٰی عَشَرَ رکعة" (نسائی ج:۱،ص:۲۵۱) کا جواب یہ ہے کہ چھ رکعت تہجد کی تھیں اور تین رکعت وتر کی تھی، اور دو رکعت وتر کے بعد والی تھیں جو آپ بیٹھ کر ادا فرماتے تھے راوی نے سب کو ملا کر بیان کر دیا ہے۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعت ہیں اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۱۶۷، اوجز المسالک ج:۱،ص:۴۳۴)

دلیل: حضرت علیؓ کی حدیث ہے کان رسول اللہ یوتر بثلاث (ترمذی ج:۱،ص:۱۰۶) کہ رسول اللہ تین رکعات وتر پڑھا کرتے تھے، یہ حدیث احناف کے مذہب پر واضح دلیل ہے۔

(۳) نماز وتر ایک سلام کے ساتھ ہیں یا دو سلاموں کے ساتھ، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز وتر دو سلاموں کے ساتھ ہے۔

دلیل: اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے پاس کوئی صحیح یا صریح حدیث موجود نہیں ہے، اور نہ ہی صحابہ کرام کا معمول رہا ہے، البتہ یہ حضرات، عبداللہ بن عمرؓ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں "كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالرَّكْعَةِ" (نیل الاوطار ج:۳،ص:۳۷) کہ وہ نماز وتر میں ایک دو رکعت اور ایک دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے اور دوسرا سلام آخری رکعت پر پھیرتے تھے۔

جواب: یہ ہے کہ ان کا اپنا اجتہاد تھا نیز وہ اپنے اجتہاد میں تنہا تھے، دوسرے یہ کہ اگر وتر دو سلاموں کے ساتھ حضورؐ سے ثابت ہوتے تو یہ ایک غیر معمولی عمل ہوتا اور صحابہ کرام اس کو ضرور نقل کرتے، حالانکہ صحابہ اس کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کرتے، بلکہ اس کا برعکس ثابت ہے۔

(۲) احناف کا مذہب یہ ہے کہ وتر ایک سلام کے ساتھ ہے، درمیان میں کوئی سلام نہیں ہے۔

(اوجز المسالک ج:۱،ص:۴۳۴)

دلیل: حضرت عائشہ اعلم الناس بوتر رسول اللہ تھیں لیکن، وہ وتر میں کہیں دوسلاموں کا ذکر نہیں کرتیں، بلکہ بعض احادیث میں ان سے نفی وارد ہوئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے "ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلاثٍ لَا يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ" (معارف السنن ج:۴،ص:۱۹۱) دوسری حدیث ہے: "اَلْوِتْرُ ثَلاثٌ كَثَلاثِ الْمَغْرِبِ" (اوجز المسالک ج:۱،ص:۴۳۵) علاوہ ازیں کبار صحابہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ وہ نماز وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے، دیکھئے اوجز المسالک ج:۱، ص:۴۳۴۔

مسئلہ: (۴) نماز وتر کے علاوہ کسی اور نماز میں قنوت پڑھے یا نہیں، اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع و موالک کے نزدیک نماز فجر میں پورے سال قنوت مشروع ہے۔

دلیل: حضرت انسؓ سے منقول ہے "مازال رسول اللّٰہ يقنت في الفجر حتى فارق الدنيا" (معارف السنن ج:۴،ص:۱۸) کہ نبی نماز فجر میں قنوت پڑھتے رہے یہاں تک دنیا سے رخصت ہو گئے۔

جواب: جن روایات میں بھی قنوت فی الفجر کا ذکر ہے ان میں قنوت نازلہ مراد ہے، جب بھی مسلمانوں پر کوئی مصیبت آتی تو قنوتِ نازلہ پڑھا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۲) حنفیہ و حنابلہ کے نزدیک قنوت فی الفجر دائماً مشروع نہیں ہے (اوجز، ج:۲،ص:۱۲۱، معارف السنن ج:۴، ص:۱۷) لیکن جب کفار کی جانب سے مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم شروع ہو جائے تو دشمنان اسلام پر بددعاء کے لئے عارضی طور پر نماز فجر میں قنوت نازلہ پڑھنا مشروع ہے اور عام حالات میں مشروع نہیں ہے۔

دلیل: حضرت ابوہریرہ کی حدیث ہے "ان رسول الله كان لايقنت في صلاة الا اذا دعا القوم او دعا على قوم" (اوجز ج:۲،ص:۱۲۲) کہ رسول اللہ نماز فجر میں صرف اس وقت قنوت پڑھتے تھے جب کسی قوم کے لئے دعا یا بد عا کرنی ہوتی تھی یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ قنوت فی الفجر دائما مشروع نہیں ہے۔

(۲۲۰/۵۱) وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الصَّلٰوةِ قِرَاْءَةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا لَا يَجُوْزُ غَيْرُهَا (۲۲۱/۵۲) وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَّخِذَ قِرَاْءَةَ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا لِلصَّلٰوةِ لَا يَقْرَأُ فِيْهَا غَيْرَهَا.

ترجمہ: (۲۲۰/۵۱) اور نہیں ہے نماز میں کسی متعین سورت کا پڑھنا کہ اس کے سوا جائز نہ ہو۔ (۲۲۱/۵۲) اور مکروہ ہے یہ کہ متعین کرے کسی خاص سورت کی قرأت نماز کے لئے کہ نہ پڑھے اس نماز میں اس کے علاوہ۔

تشریح: سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز میں واجب ہے اس کے علاوہ کسی مخصوص سورت کے پڑھنے کو ایسے طور پر متعین کرنا کہ اس کے بغیر نماز جائز نہیں ہوگی درست نہیں ہے، ایسے ہی نماز کے لئے کسی خاص سورت کو متعین کر لینا جیسے جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ۔

(۲۲۲/۵۳) وَاَدْنٰى مَا يُجْزِئُ مِنَ الْقِرَاْءَةِ فِي الصَّلٰوةِ مَا يَتَنَاوَلُهُ اِسْمُ الْقُرْاٰنِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَايَجُوْزُ اَقَلُّ مِنْ ثَلٰثِ آيَاتٍ قِصَارٍ اَوْ آيَةٍ طَوِيْلَةٍ.

ترجمہ: (۵۳/۲۲۲) اور قرأت کی ادنیٰ مقدار جو کافی ہے نماز میں وہ ہے جس کو قرآن کہہ سکے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ جائز نہیں تین چھوٹی آیتوں سے کم یا ایک بڑی آیت سے کم۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرأت کی کم سے کم مقدار ایک آیت ہے جس سے نماز ہوجائے گی خواہ آیت چھوٹی ہو یا بڑی۔

دلیل: "فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" اس میں آیت اور مافوق الآیت کی کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے۔

(عنایہ ج:۱ص:۲۹۰)

صاحبین کے نزدیک کم از کم تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت قرأت کی کم سے کم مقدار ہے۔

دلیل: ایک آیت اگرچہ حقیقتاً قرآن ہے مگر عرف میں چھوٹی تین آیات یا بڑی ایک آیت پر قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے اس لئے اسی کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ (عنایہ ج:۱ص:۲۹۰)

(۵۴/۲۲۳) وَلَا يَقْرَأُ الْمُؤْتَمُّ خَلْفَ الْإِمَامِ

ترجمہ: (۵۴/۲۲۳) اور مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے۔

قرأت الفاتحہ خلف الامام میں مذاہب ائمہ

امام شافعی کے نزدیک مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، خواہ جہری نماز ہو یا سری۔

(اوجز المسالک ج:۱ص،۱۳۹، بذل المجہود ج:۲،ص:۵۲)

دلیل: حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے کہ حضورؐ نے صبح کی نماز پڑھائی تو آپ کو قرأت کرنی بھاری ہوگئی پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا کہ میں تم کو امام کے پیچھے قرأت کرتے دیکھ رہا ہوں، راوی کہتے ہیں ہم نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا سوائے سورۂ فاتحہ کے اس لئے کہ اس کے بغیر کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (ترمذی ج:۱ص:۶۹ تا ۷۰)

جواب: مذکور حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ بے انتہا ضعیف ہے، سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے اس لئے اس سے فاتحہ کی فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۱۹۸)

امام اعظم کے نزدیک قرأت فاتحہ خلف الامام مکروہ تحریمی ہے، خواہ جہری نماز میں ہو یا سری نماز میں۔ (اوجز المسالک ج:۱ص:۱۳۹، بذل المجہود ج:۲،ص:۵۲)

دلیل: "وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا" جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو۔

اس آیت کریمہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر قرأت خلف الامام کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے امام کے پیچھے قرأت کرنا جائز نہیں ہوسکتا، چاہے سورۂ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورت ہو۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۱۹۷)

امام مالک وامام احمد کے نزدیک جہری نماز میں فاتحہ خلف الامام مکروہ ہے، لیکن سری نماز میں مستحب ہے، یہی ایک روایت امام محمد سے منقول ہے۔ (اوجز المسالک ج:١ص:٢٣٩ تا ٢٤٠، بذل المجہود ج:٢،ص:٥٧ وج:٢ص:٥٢)

(٥٥/٢٢٤) وَمَنْ اَرَادَ الدُّخُوْلَ فِي صَلٰوةِ غَيْرِهٖ يَحْتَاجُ إِلٰى نِيَّتَيْنِ نِيَّةِ الصَّلٰوةِ وَنِيَّةِ الْمُتَابَعَةِ

ترجمہ: (٥٥/٢٢٤) اور جو شخص کسی دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا چاہے تو اسے دونیتیں کرنی ضروری ہیں: نماز کی نیت اور اقتداء کی نیت۔

تشریح: نماز کی نیت: جب نماز پڑھنے کھڑا ہو تو نیت اسطریقے سے کرے نیت کی میں نے مثلاً آج کے ظہر کے چار فرضوں کی منہ میرا کعبہ شریف کی طرف اور دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اللہ اکبر کہے۔

اقتداء کی نیت: مقتدی کو اپنے امام کی اقتداء کی نیت کرنا بھی شرط ہے لیکن مقتدی کو امام کی تعیین شرط نہیں ہے کہ وہ زید ہے بلکہ صرف اسی قدر نیت کافی ہے کہ میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں، ہاں اگر نام لے کر تعیین کرے گا اور پھر اس کے خلاف ظاہر ہوگا تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

(٥٦/٢٢٥) وَالْجَمَاعَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ

ترجمہ: (٥٦/٢٢٥) اور جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

تشریح: جماعت کی فضیلت اور تاکید میں صحیح احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں، نبی کریمؐ نے کبھی اس کو ترک نہیں فرمایا حتی کہ حالت مرض میں جب آپ کو خود چلنے کی طاقت نہ تھی دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے اور جماعت سے نماز پڑھی۔

حکم جماعت میں مذاہب علماء

(١) امام احمد بن حنبل کے نزدیک فرض عین ہے۔ (عمدۃ القاری ج:٤،ص:٢٢٦)

(٢) جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج:٤،ص:٢٢٦)

(٣) بعض شافعیہ و مالکیہ اور حنفیہ میں سے امام طحاوی اور کرخی کے نزدیک فرض کفایہ ہے۔

(اوجز المسالک ج:٢،ص:٤ تا ٥)

(٥٧/٢٢٦) وَاَوْلَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ اَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ تَسَاوَوْا فَاَقْرَأُهُمْ فَإِنْ تَسَاوَوْا فَاَوْرَعُهُمْ فَإِنْ تَسَاوَوْا فَاَسَنُّهُمْ

ترجمہ: (٥٧/٢٢٦) اور لوگوں میں سب سے افضل امامت کے لئے وہ ہے جو سب سے زیادہ سنت کا جاننے والا ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو جو سب سے اچھا قاری ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ

پرہیزگار ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو پھر جو سب سے زیادہ بڑا ہو عمر میں۔

تشریح: امامت کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ بہت سے ہیں قرأت، علم، ورع، تقوی، کبیر السن ہونا، ان سب میں زیادہ ترجیح قرأت اور علم کو ہے لہٰذا ان دوصفت والے کو دیگر صفات والے امام پر ترجیح ہوگی لیکن خود ان دونوں میں سے کس کو ترجیح ہے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

امام ابو یوسف وامام احمد کے نزدیک أقرأ أعلم پر مقدم ہوگا۔

(عمدۃ القاری: ج:۴،ص:۲۸۳، معارف السنن ج:۲،ص:۳۲۳)

دلیل: يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَؤُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ. (ابوداؤد ج:۱،ص:۸۶)

کہ لوگوں کی امامت وہ کرے گا جو قرآن کو سب سے زیادہ اچھا پڑھنے والا ہوگا۔

جواب: مذکورہ روایت اور وہ تمام روایات جن میں اقرأ کو اعلم پر مقدم کیا گیا ہے، ان کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ کا اقرأ ہی اعلم ہوتا تھا کیوں کہ اس زمانہ میں لوگ قرآن شریف کو احکام سے واقف ہوتے ہوئے پڑھتے تھے، چنانچہ جو جتنا بڑا حافظ وقاری ہوتا وہ اتنا ہی بڑا عالم اور فقیہ بھی ہوتا تھا۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۲،ص:۳۲۷، عمدۃ القاری ج:۴،ص:۲۸۳)

امام ابوحنیفہ وامام محمد اور جمہور علماء کے نزدیک اعلم اقرأ پر مقدم ہوگا۔

(عمدۃ القاری ج:۴،ص:۲۸۳، معارف السنن ج:۲،ص:۳۲۳)

دلیل: "مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ" (بخاری ج:۱،ص:۹۳) آپ نے مرض وفات میں فرمایا کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھادیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلم اقرأ پر مقدم ہے کیونکہ آپ نے امامت حضرت ابوبکرؓ کے سپرد فرمائی حالانکہ ابی بن کعبؓ اقرأ موجود تھے اس لئے اعلم اقرأ کے مقابلے میں امامت کا زیادہ حق دار ہوگا۔

(۵۸/ ۲۲۷) وَيُكْرَهُ تَقْدِيْمُ الْعَبْدِ وَالْاَعْرَابِيِّ وَالْفَاسِقِ وَالْاَعْمٰى وَوَلَدِ الزِّنَا فَاِنْ تَقَدَّمُوْا جَازَ

ترجمہ: (۵۸/ ۲۲۷) اور مکروہ ہے غلام، گنوار، فاسق، اندھا اور حرامی کو آگے کرنا اور اگر یہ لوگ آگے بڑھ جائیں تو جائز ہے۔

تشریح: فاسق کا امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر اس کے سوا کوئی دوسرا شخص موجود نہ ہو تو مکروہ نہیں یا فتنۂ عظیم برپا ہونیکا خطرہ ہو تو بھی کوئی کراہت نہیں ہے، غلام کی امامت مکروہ تنزیہی ہے، ایسے ہی گاؤں کے رہنے والے کا امام بنانا اور نابینا جو پاکی کی احتیاط نہ رکھتا ہو اور حرامی کا امام بنانا مکروہ تنزیہی ہے، ہاں اگر یہ لوگ صاحب علم وفضل ہوں اور لوگوں کو ان کا امام بنانا ناگوار نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں۔

(۵۹/ ۲۲۸) وَيَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اَنْ لَّا يُطَوِّلَ بِهِمُ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۲۲۸/۵۹)اور مناسب ہے امام کے لئے کہ وہ مقتدیوں کے ساتھ نماز کولمبی نہ کرے۔

تشریح: امام کو نماز میں زیادہ بڑی سورتیں پڑھنا جو مقدار مسنون (فجر اور ظہر میں سورۂ حجرات سے لیکر سورۂ بروج تک، عصر اور عشاء میں سورۂ طارق سے سورۂ لم یکن تک، مغرب میں سورۂ زلزال سے آخر قرآن تک مسنون ہے) سے بھی زیادہ ہوں یا رکوع وسجدے وغیرہ میں بہت زیادہ دیر تک رہنا مکروہ تحریمی ہے بلکہ امام کو چاہئے کہ اپنے مقتدیوں کی حاجت اور ضرورت اور ضعف وغیرہ کا خیال رکھے بلکہ زیادہ ضرورت کے وقت مقدار مسنون سے بھی کم قرأت کرنا بہتر ہے، تاکہ لوگوں کا حرج نہ ہو جو قلت جماعت کا سبب ہو جائے۔

(۲۲۹/۶۰) وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ اَنْ يُّصَلِّيْنَ وَحْدَهُنَّ بِجَمَاعَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ وَقَفَتِ الْاِمَامَةُ وَسْطَهُنَّ كَالْعُرَاةِ

ترجمہ: (۲۲۹/۶۰)اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے تنہا جماعت سے نماز پڑھنا اگر وہ ایسا کریں تو کھڑی ہو نماز پڑھانیوالی عورت ان کے درمیان میں جیسے ننگے نماز پڑھنے والے مردوں کا حکم ہے۔

تشریح: عورت کے لئے تنہا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یہ مسلک ہے حنفیہ و مالکیہ کا حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ (درمنضود ج:۲،ص:۱۴۷)

اگر کراہت تحریمی کے باوجود عورتوں نے جماعت کرلی تو عورتوں کی امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو، البتہ نماز جنازہ میں عورتوں کی جماعت مکروہ نہیں ہے۔

(۲۳۰/۶۱) وَمَنْ صَلّٰى مَعَ وَاحِدٍ اَقَامَهُ عَنْ يَمِيْنِهٖ

ترجمہ: (۲۳۰/۶۱)اور جو شخص ایک شخص کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کو اپنی داہنی طرف کھڑا کرے۔

تشریح: اس بات پر اتفاق ہے کہ مقتدی ایک ہو تو وہ امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگا، البتہ کھڑے ہونے کے طریقے میں اختلاف ہے۔

شیخین، کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں برابر کھڑے ہوں گے کوئی آگے پیچھے نہیں ہوگا۔

امام محمد، کے نزدیک مقتدی اپنا پنجہ امام کی ایڑی کے برابر میں رکھے گا، فقہاء احناف نے کہا کہ اگرچہ دلیل کے اعتبار سے شیخین کا قول راجح ہے، لیکن تعامل امام محمد کے قول پر ہے، کیونکہ برابر کھڑا ہونے میں غیر شعوری طور پر آگے بڑھ جانے کا خوف ہے، جبکہ امام محمد کے قول میں یہ خطرہ نہیں ہے، اسی لئے فتویٰ بھی امام محمد کے قول پر ہے۔

(معارف السنن ج:۲،ص:۳۱۳ تا ۳۱۴، بدائع ج:۱،ص:۳۹۱)

(۲۳۱/۶۲) وَاِنْ كَانَا اِثْنَيْنِ تَقَدَّمَهُمَا

ترجمہ: (۲۳۱/۶۲)اور اگر دو ہوں تو امام ان کے آگے ہو جائے۔

تشریح: اگر درمیان میں کھڑا ہوگا تو مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر مقتدی دو سے زیادہ ہوں تو پھر امام کا درمیان

میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، جمہور علماء کے نزدیک اگر مقتدی ایک سے زائد ہوں تو امام آگے کھڑا ہو۔

امام ابو یوسف، کے نزدیک اگر مقتدی دو ہوں تو امام کو بیچ میں کھڑا ہونا چاہئے۔

(معارف السنن ج:۲،ص:۳۱۶، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۳۹۰)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت علقمہ واسود کے ساتھ نماز پڑھی ان میں سے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں جانب کھڑا کیا۔ (ترمذی ج:۱،ص:۵۵، بدائع ج:۱،ص:۳۹۰)

جواب: ابن مسعودؓ کا مذکور اثر مکروہ تنزیہی پر محمول ہے، جو جواز ہی کا ایک شعبہ ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ حضورؐ نے بعض مقامات پر بیان جواز کے لئے مکروہ تنزیہی پر عمل فرمایا ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہو، اور ابن مسعودؓ نے اس کی اقتداء فرمائی ہو۔ (معارف السنن ج:۲،ص:۳۱۸)

جمہور کی دلیل: "اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا كُنَّا ثَلٰثَةً اَنْ يَّتَقَدَّمَنَا اَحَدُنَا" (ترمذی ج:۱،ص:۵۵) ہم کو رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ جب تم تین آدمی ہو تو تم میں سے ایک آگے کھڑا ہو۔

(۲۳۲/۶۳) وَلَا يَجُوْزُ لِلرِّجَالِ اَنْ يَّقْتَدُوْا بِاِمْرَاَةٍ اَوْ صَبِيٍّ

ترجمہ: (۲۳۲/۶۳) اور جائز نہیں مردوں کو کہ وہ اقتداء کریں عورت یا بچہ کی۔

تشریح: عورتوں کا مردوں کی امامت کرنا بالاتفاق ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز نہیں ہے "لِحَدِيْثِ اَخِّرُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَخَّرَهُنَّ اللّٰهُ" (ابن ماجہ مع الحاشیہ ج:۱،ص:۷۰، عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۷۳۸) عورتوں کو مؤخر کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مؤخر کیا ہے، پس جب اللہ نے عورت کو مؤخر کیا تو اس کو مقدم کرنا یعنی امام بنانا بھی جائز نہیں ہوگا۔

جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بچے کی امامت بھی جائز نہیں ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔

(بذل المجہود ج:۱،ص:۳۲۷، نیل ج:۳،ص:۱۷۶)

امام شافعی کی دلیل: عمرو بن سلمہ کا واقعہ ہے جو ابوداؤد ج:۱،ص:۸۶ پر موجود ہے۔

جواب: اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں نے ایسا اپنے اجتہاد سے کیا اور ظاہر ہے کہ اس کی اطلاع بھی حضورؐ کو نہیں ہوئی۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۳۲۷)

(۲۳۳/۶۴) وَيُصَفُّ الرِّجَالُ ثُمَّ الصِّبْيَانُ ثُمَّ الْخُنْثٰى ثُمَّ النِّسَاءُ

ترجمہ: (۲۳۳/۶۴) اور صف بنائی جائے مردوں کی پھر بچوں، پھر ہجڑوں، پھر عورتوں کی۔

تشریح: اگر مقتدیوں میں مختلف قسم کے لوگ ہوں کچھ مرد کچھ عورتیں کچھ نابالغ تو امام کو چاہئے کہ اس ترتیب سے ان کی صفیں قائم کرے، پہلے مردوں کی صفیں پھر نابالغ لڑکوں کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی۔

(۲۳۴/۶۵) فَاِنْ قَامَتْ اِمْرَاَةٌ اِلٰى جَنْبِ رَجُلٍ وَهُمَا مُشْتَرِكَانِ فِيْ صَلٰوةٍ وَاحِدَةٍ فَسَدَتْ صَلٰوتُهٗ

ترجمہ: (۲۳۴/۶۴) پھر اگر کھڑی ہو جائے کوئی عورت مرد کے برابر اور حال یہ ہے کہ دونوں ایک نماز میں شریک ہیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت نماز میں کسی مرد کے برابر میں نیت باندھ لے اور دونوں ایک نماز میں مشترک ہیں اور امام نے اس عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہے تو ایسی صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲۳۵/٦٦) وَيُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ حُضُوْرُ الْجَمَاعَةِ (۲۳٦/٦٧) وَلَابَاْسَ بِاَنْ تَخْرُجَ الْعَجُوْزُ فِي الْفَجْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجُوْزُ خُرُوْجُ الْعَجُوْزِ فِيْ سَائِرِ الصَّلَوَاتِ.

ترجمہ: (۲۳۵/٦٦) اور مکروہ ہے عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا۔ (۲۳٦/٦٧) اور کوئی حرج نہیں ہے اس میں کہ نکلے بوڑھی عورت، فجر، مغرب، عشاء، میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابو یوسف و امام محمد نے فرمایا کہ جائز ہے بوڑھی عورت کا تمام نمازوں میں نکلنا۔

تشریح: خروج النساء إلی المساجد.

امام شافعی کے نزدیک عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانا جائز ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۷۳۹) اور عیدین میں بوڑھی عورتوں کا جانا مستحب ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۴٦)

امام احمد کے نزدیک عورتوں کا صرف عیدین میں جانا جائز ہے۔ (معارف ج:۴،ص:۴۴٦)

امام مالک کے نزدیک جوان عورتوں کا پنجگانہ نمازوں اور عیدین میں جانا جائز نہیں ہے لیکن بوڑھی عورتوں کے لئے جائز ہے۔ (معارف ج:۴،ص:۴۴٦)

صاحبین کے نزدیک بوڑھی عورتوں کے لئے پنجگانہ نمازوں میں شریک ہونا جائز ہے۔ (معارف ج:۴،ص:۴۴۷)

دلیل: حضرت ام عطیہ کی حدیث کے الفاظ ہیں "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يُخْرِجُ الْاَبْكَارَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيْدَيْنِ" (معارف السنن ج:۴،ص:۴۴۷) "حضور ﷺ عیدین کے لئے نوعمر بوڑھی اور پردہ نشین بلکہ حیض والی عورتوں تک کو نکلنے کا حکم فرماتے تھے" اس حدیث سے عورتوں کا عیدین میں شرکت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث ہے: "اِذَا اسْتَأْذَنَتْ اِمْرَاَةُ اَحَدِكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعْهَا" (بخاری ج:۱،ص:۱۲۰) اگر تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو اس کو ہرگز مت روکو، اس حدیث سے عورتوں کے مسجد میں جانیکا جواز معلوم ہوتا ہے۔

جواب: جن احادیث سے عورتوں کے مسجد میں جانیکا جواز معلوم ہوتا ہے، وہ اس زمانے سے متعلق ہیں جبکہ عورتوں کو اس کی اجازت تھی، بعد میں فتنہ کے ڈر سے ان کو روک دیا گیا اور اس زمانہ میں تو فتنہ کا مزید اندیشہ ہے اس لئے متاخرین

نے عدم خروج پر اجماع کیا ہے۔

(فتح القدیر ج:۱،ص:۳۱۷، البحر الرائق، ج:۱،ص:۳۸۰، عمدۃ القاری ج:۳،ص:۱۶۶)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جوان عورتوں کے لئے نماز پنجگانہ کے لئے مسجد میں اور عیدین کے لئے عیدگاہ میں جانا جائز نہیں ہے، البتہ بوڑھی عورتوں کے لئے صرف فجر، مغرب، عشاء میں مسجد میں جانے کی اجازت ہے مگر ان کے لئے بھی افضل یہی ہے، کہ گھر میں نماز پڑھیں۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۴۶ تا ۴۴۷)

دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے "وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۸۴) ان کے لئے ان کے گھر ہی بہتر ہیں۔

حضرت عائشہؓ اپنے زمانہ کے بارے میں فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ ان چیزوں کو دیکھ لیتے جو عورتوں نے نکالی ہیں تو ان کو بالضرور منع فرمادیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔

(بخاری ج:۱،ص:۱۲۰، مسلم ج:۱،ص:۱۸۳)

معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے مسجد میں جانا فتنہ کا سبب بن سکتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے۔

(۶۸/ ۲۳۷) وَلَا يُصَلِّي الطَّاهِرُ خَلْفَ مَنْ بِهٖ سَلَسُ الْبَوْلِ وَلَا الطَّاهِرَاتُ خَلْفَ الْمُسْتَحَاضَةِ (۶۹/ ۲۳۸) وَلَا الْقَارِئُ خَلْفَ الْاُمِّيِّ وَلَا الْمُكْتَسِيْ خَلْفَ الْعُرْيَانِ.

ترجمہ: (۶۸/ ۲۳۷) اور نماز نہ پڑھے پاک مرد اس شخص کے پیچھے جس کو پیشاب ٹپکنے کا مرض ہو اور نہ پاک عورت مستحاضہ کے پیچھے۔ (۶۹/ ۲۳۸) اور نہ پڑھا ہوا ان پڑھ کے پیچھے اور نہ کپڑے پہننے والا ننگے کے پیچھے پڑھے۔

تشریح: مقتدی کے مقابلہ میں امام کا اعلیٰ ہونا یا کم از کم برابر ہونا ضروری ہے، اسی قاعدہ کی روشنی میں یہ چند مسائل بیان کئے گئے ہیں، کیوں کہ ان تمام مسائل میں امام کی نماز کا حال کمتر اور ادنیٰ ہے۔

(۷۰/ ۲۳۹) وَيَجُوْزُ اَنْ يَّؤُمَّ الْمُتَيَمِّمُ الْمُتَوَضِّئِيْنَ وَالْمَاسِحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ الْغَاسِلِيْنَ.

ترجمہ: اور جائز ہے تیمم کرنے والے کے لئے وضو کرنے والوں کی امامت اور موزوں پر مسح کرنے والا دھونے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔

اختلاف الائمہ

شیخین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔

امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

دلیل: تیمم طہارت ضروریہ ہے یعنی ضرورت کی بنیاد پر اس کو کافی سمجھا گیا ہے۔ اور طہارت بالماء طہارت اصلیہ

ہے لہٰذا جو شخص طہارت اصلیہ پر مشتمل ہے اس کا حال قوی ہے اس شخص کے مقابلے میں جو طہارت ضروریہ پر مشتمل ہے۔
(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۷۴۲)

شیخین کی دلیل وامام محمد کی دلیل کا جواب: حضورؐ کا فرمان ہے، پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو کا کام دیتی ہے، اگرچہ دس برس تک پانی نہ ملے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیمم وضو کے حکم میں ہے، اور طہارت مطلقہ ہے لہٰذا امام محمد کا تیمم کو طہارت ضروریہ قرار دینا درست نہیں ہے۔

(۷۱/۲۴۰) وَيُصَلِّي الْقَائِمُ خَلْفَ الْقَاعِدِ

ترجمہ: (۷۱/۲۴۰) اور کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح: اگر کوئی معذور مرض کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو صحیح وتندرست لوگوں کے لئے اس کے پیچھے اقتداء صحیح ہے یا نہیں، نیز اگر اقتداء کرے تو مقتدی کھڑے ہوکر اقتداء کرے یا بیٹھ کر، اس بارے میں تین مذہب ہیں:

اختلاف الائمہ

(۱) امام احمد کے نزدیک اگر امام معذور ہے تو اس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھانا جائز ہے اور مقتدیوں کا بھی بیٹھ کر اقتداء کرنا لازم ہے، ورنہ اقتداء صحیح نہ ہوگی۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۱۵)

دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے: "وَاِذَا صَلّٰی جَالِساً فَصَلُّوْا جُلُوْساً اَجْمَعُوْنَ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۸۹) کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

جواب: مرض الوفات میں حضورؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی، اور صحابہ کرام نے کھڑے ہوکر اقتداء کی اس واقعہ سے مذکورہ حدیث منسوخ ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۲۶)

دوسرا مذہب: امام مالک وامام محمد کے نزدیک معذور کے پیچھے تندرست شخص کے لئے اقتدا ہی صحیح نہیں ہے نہ کھڑے ہوکر نہ بیٹھ کر، لیکن اگر مقتدی بھی معذور ہوں اور کھڑے نہ ہو سکتے ہوں تو وہ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۱۵)

دلیل: "لَايَؤُمَّنَّ اَحَدٌ بَعْدِيْ جَالِساً" (معارف السنن ج:۳،ص:۴۱۵) میرے بعد ہرگز کوئی بیٹھ کر نماز نہ پڑھائے۔

جواب: اس حدیث کا مدار جابر جعفی پر ہے جو ضعیف ہے اس لئے روایت قابل استدلال نہیں بن سکتی۔ (درس ترمذی، ج:۲،ص:۱۳۲)

تیسرا مذہب: امام شافعی اور شیخین کا مذہب یہ ہے کہ امام معذور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھانا درست ہے لیکن مقتدی (غیر معذور) کھڑے ہوکر ہی اقتداء کریں گے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۱۴)

دلیل: حضورؐ کے مرض وفات کا واقعہ ہے جس میں آپؐ نے بیٹھ کر امامت فرمائی جب کہ تمام صحابہ کرام نے کھڑے ہو کر اقتداء کی۔ (بخاری ج:۱،ص:۹۵)

(۲/۷۲۴۱) وَلَا يُصَلِّي الَّذِيْ يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ خَلْفَ الْمُوْمِيْ

ترجمہ: (۲/۷۲۴۱) اور رکوع سجدہ کرنے والا اقتداء نہ کرے اشارہ کرنے والے کے پیچھے۔

تشریح: رکوع اور سجدہ کرنیوالا اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، کیوں کہ مقتدی کی حالت امام کی حالت سے اقویٰ ہے۔

(۳/۷۲۴۲) وَلَايُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَفِّلِ

ترجمہ: (۳/۷۲۴۲) اور نہ پڑھے فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے۔

اقتداء المفترض خلف المتنفل کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام شافعی کے نزدیک نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے۔

(بذل المجہود ج:۱،ص:۳۳۳تا۳۳۴، اوجز المسالک ج:۲،ص:۲۲)

دلیل: حضرت معاذ بن جبلؓ حضورؐ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر پھر اپنے قبیلہ کے لوگوں کو دوبارہ عشاء کی نماز پڑھایا کرتے تھے، حضرت معاذ نے جب ایک مرتبہ نماز پڑھ لی تو فرض ساقط ہو گیا اب وہی نماز اپنی قوم کو پڑھائی تو وہ نفل ہو گی، معلوم ہوا کہ صلاۃ المفترض خلف المتنفل جائز ہے۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۳۳۳،۳۳۴)

(۲) حضرات حنفیہ، مالکیہ اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق متنفل کے پیچھے مفترض کا اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔ (بذل المجہود ج:۱،ص:۳۳۴، اوجز المسالک ج:۲،ص:۲۲)

دلیل: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ میں نے نبیؐ سے سنا کہ ایک دن میں دو مرتبہ ایک ہی نماز کو مت پڑھو۔

(معارف السنن ج:۵،ص:۹۵)

نیز نماز فرض قوی ہوتی ہے نماز نفل کے مقابلہ میں اور ضعیف، قوی کے تابع ہوا کرتا ہے، نہ کہ قوی ضعیف کے تابع لہٰذا صلوٰۃ نفل فرض نماز کے تابع ہو کر صحیح ہو سکتی ہے، لیکن اس کا برعکس نہیں ہو سکتا۔

امام شافعی کی دلیل کا جواب: حضرت معاذؓ کی حدیث میں دو احتمال ہیں:

(۱) حضورؐ کے ساتھ بطور نفل کے شرکت کیا کرتے تھے، اور پھر قبیلہ میں جا کر بطور فرض کے پڑھاتے تھے۔

(۲) حضورؐ کے ساتھ بطور فرض شرکت کرتے تھے، اور قبیلہ میں جا کر بطور نفل پڑھاتے تھے، جب حدیث میں دونوں احتمال موجود ہیں تو بغیر دلیل شرعی کے کسی ایک کو ترجیح حاصل نہ ہو گی اور حدیث سے استدلال درست نہ ہو گا۔

(طحاوی ج:۱،ص:۲۷۳)

(۷۴/۲۴۳) وَلاَ مَنْ يُصَلِّىْ فَرْضاً خَلْفَ مَنْ يُصَلِّىْ فَرْضاً آخَرَ (۷۵/۲۴۴) وَيُصَلِّى الْمُتَنَفِّلُ خَلْفَ الْمُفْتَرِضِ.

ترجمہ: (۷۴/۲۴۳) اور ایک فرض پڑھنے والا دوسرے فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ (۷۵/۲۴۴) اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح: اقتداء کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ امام ومقتدی دونوں کی نماز ایک ہو اور یہاں اتحاد مفقود ہے، لہٰذا اقتداء بے فائدہ ہے۔

(۷۶/۲۴۵) وَمَنِ اقْتَدَىٰ بِإِمَامٍ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ عَلَىٰ غَيْرِ طَهَارَةٍ أَعَادَ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۷۶/۲۴۵) اور جس نے کسی امام کی اقتداء کی پھر معلوم ہوا کہ امام محدث ہے تو یہ شخص اپنی نماز کا اعادہ کرے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے امام کی اقتداء کی پھر مقتدی کو معلوم ہوا کہ اس کا امام محدث ہے تو یہ شخص اپنی نماز کا اعادہ کرے اور اگر اقتداء کرنے سے پہلے امام کا محدث ہونا معلوم ہو گیا تو بالاتفاق اقتداء کرنا جائز نہیں ہے۔

(۷۷/۲۴۶) وَيُكْرَهُ لِلْمُصَلِّىْ أَنْ يَّعْبَثَ بِثَوْبِهٖ أَوْ بِجَسَدِهٖ

ترجمہ: (۷۷/۲۴۶) اور مکروہ ہے نماز پڑھنے والے کے لئے کہ اپنے کپڑے سے یا اپنے جسم سے کھیلے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کا اپنے کپڑے یا بدن سے کھیلنا مکروہ ہے کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزیں مکروہ کی ہیں: (۱) نماز کے اندر کھیلنا، (۲) روزہ کی حالت میں گندی بات کرنا، (۳) قبرستان میں قہقہہ لگانا۔

عبث کی تعریف: وہ فعل ہے جس میں غرض تو ہو مگر شرعی نہ ہو۔

(۷۸/۲۴۷) وَلاَ يُقَلِّبُ الْحَصٰى إِلَّا أَنْ لَّا يُمْكِنَهُ السُّجُوْدُ عَلَيْهِ فَيُسَوِّيْهِ مَرَّةً وَاحِدَةً (۷۹/۲۴۸) وَلاَ يُفَرْقِعُ أَصَابِعَهُ (۸۰/۲۴۹) وَلاَ يُشَبِّكُ (۸۱/۲۵۰) وَلاَ يَتَخَصَّرُ (۸۲/۲۵۱) وَلاَ يَسْدُلُ ثَوْبَهُ (۸۳/۲۵۲) وَلاَ يَكُفُّهُ (۸۴/۲۵۳) وَلاَ يَعْقِصُ شَعْرَهُ (۸۵/۲۵۴) وَلاَ يَلْتَفِتُ يَمِيْناً وَشِمَالاً (۸۶/۲۵۵) وَلاَ يُقْعِيْ كَإِقْعَاءِ الْكَلْبِ.

ترجمہ: (۷۸/۲۴۷) اور کنکریاں الٹ پلٹ نہ کرے مگر یہ کہ اس کو سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ اس کو برابر کر دے۔ (۷۹/۲۴۸) اور نہ چٹخائے اپنی انگلیاں۔ (۸۰/۲۴۹) اور نہ ایک دوسرے میں داخل کرے۔ (۸۱/۲۵۰) اور نہ کوکھ پر ہاتھ رکھے۔ (۸۲/۲۵۱) اور نہ اپنے کپڑے کو لٹکائے۔ (۸۳/۲۵۲) اور نہ اس کو سمیٹے۔ (۸۴/۲۵۳) اور نہ

اپنے بال گوندھے۔(۸۵/۲۵۴)اور نہ دائیں بائیں دیکھے۔(۸۶/۲۵۵)اور نہ کتے کی طرح بیٹھے۔

تشریح: اس عبارت میں مکروہات نماز کو بیان کررہے ہیں: ۱ اگر کنکریوں کی وجہ سے سجدہ نہ کرسکے تو ایک دو مرتبہ ہاتھ سے برابر کرنا اور ہٹانا درست ہے، ۲ نماز میں انگلیاں چٹخانا اور کولھے پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے ۳ نماز میں کپڑے کا خلاف دستور پہننا بھی مکروہ ہے۔

سدل سے مراد یہ ہے کہ اپنا کپڑا اپنے سر یا کندھوں پر ڈال کر اس کے کنارے اپنے چاروں طرف لٹکے چھوڑ دے۔(نیل الاوطارج:۲،ص:۷۸)

کف ثوب سے مراد یہ ہے کہ نماز میں ادھر ادھر سے اپنے کپڑے کو سمیٹنا اور سنبھالنا کہ مٹی سے گندے نہ ہونے پائیں، مکروہ ہے۔

عقص شعر سے مراد: یہ ہے کہ بالوں کو پیشانی پر جمع کرکے دھاگے سے باندھے یا کسی لیسدار چیز یا گوند سے چپکا دے، اس طرح بالوں کا جوڑا بنا کر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے، ایسے ہی نماز کی حالت میں گردن موڑ کر ادھر ادھر دیکھنا بھی مکروہ تحریمی ہے اور اگر بغیر گردن پھیرے اپنی نظر کے گوشہ سے دائیں بائیں دیکھا تو مکروہ نہیں ہے، نیز نماز میں اپنی دونوں رانوں کو کھڑا کرکے اور اپنے دونوں گھٹنوں کو سینہ سے ملا کر اپنی سرین پر بیٹھنا جیسے کتا بیٹھتا ہے یہ بھی مکروہ ہے۔

(۸۷/۲۵۶) وَلَا يَرُدُّ السَّلَامَ بِلِسَانِهٖ وَلَا بِيَدِهٖ (۸۸/۲۵۷) وَلَا يَتَرَبَّعُ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ (۸۹/۲۵۸) وَلَا يَاكُلُ وَلَا يَشْرَبُ.

ترجمہ: (۸۷/۲۵۶)اور سلام کا جواب نہ دے اپنی زبان اور نہ اپنے ہاتھ سے۔(۸۸/۲۵۷) اور چارزانو نہ بیٹھے مگر عذر کی وجہ سے۔(۸۹/۲۵۸)اور نہ کھائے اور نہ پئے۔

تشریح: (۱) نماز میں زبان سے سلام کا جواب دینا مفسد صلوٰۃ ہے کیونکہ یہ کلام ہے اور کلام نماز کو فاسد کردیتا ہے۔

مسئلہ ۲ نماز کے درمیان سلام اور دیگر امور کے لئے اشارہ کرنا ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک نماز میں کراہت پیدا کرتا ہے۔

مسئلہ ۳ نماز کی حالت میں بلا عذر چارزانو بیٹھنا مکروہ ہے، ۴ نماز میں کوئی چیز کھالی یا پی لی تو نماز فاسد ہوگئی حتی کہ اگر ایک تل اٹھا کر کھالے تو بھی نماز فاسد ہوجائے گی اگر کوئی چیز دانتوں میں اٹکی ہوئی تھی اس کو نگل گیا اگر چنے سے کم ہو تو نماز ہوگئی اور اگر چنے کے برابر یا زیادہ ہو تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

(۹۰/۲۵۹) فَاِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ اِنْصَرَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ اِنْ لَمْ يَكُنْ اِمَامًا (۹۱/۲۶۰) فَاِنْ كَانَ اِمَامًا اِسْتَخْلَفَ وَتَوَضَّأَ وَبَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ مَالَمْ يَتَكَلَّمْ وَالْاِسْتِيْنَافُ اَفْضَلُ.

ترجمہ: (۲۵۹/۹۰) اگر نماز میں کسی کو حدث پیش آجائے تو لوٹ جائے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے اگر امام نہیں ہے۔ (۲۶۰/۹۱) اور اگر یہ امام ہو تو اپنا نائب بنادے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کہ اس نے بات چیت نہ کی ہو اور از سر نو نماز پڑھنا افضل ہے۔

تشریح: اگر مقتدی کو حدث ہو جائے تو اس کو فوراً وضو کر لینا چاہئے وضو کے بعد اگر جماعت باقی ہو تو جماعت میں شریک ہو جائے ورنہ اپنی نماز پوری کرلے، بہتر یہ ہے کہ بناء نہ کرے بلکہ وہ نماز سلام کے ساتھ ختم کرے، پھر از سر نو نماز پڑھے اور اگر امام کو حدث لاحق ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ فوراً وضو کرنے چلا جائے، اگر تین تسبیح کے بقدر رکا رہے تو بناء جائز نہیں ہے اور اپنے مقتدیوں میں جس کو امامت کے لائق سمجھتا ہو اس کو اپنی جگہ کھڑا کردے، پھر جب وضو کر چکے تو اگر جماعت باقی ہو تو جماعت میں آکر اپنے خلیفہ کا مقتدی بن جائے اور اگر جماعت ہو چکی ہو تو اپنی نماز پوری کرے خواہ جہاں وضو کیا ہے وہیں یا جہاں پہلے تھا وہاں پر۔

(۲۶۱/۹۲) وَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ جُنَّ أَوْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ أَوْ قَهْقَهَ إِسْتَأْنَفَ الْوُضُوْءَ وَالصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۲۶۱/۹۲) اگر سو گیا اور احتلام ہو گیا یا دیوانہ ہو گیا یا بے ہوش ہو گیا یا کھلکھلا کر ھنسا تو دوبارہ وضو کرے اور نماز پڑھے۔

تشریح: اگر نمازی نماز کی حالت میں سو گیا اور احتلام ہو گیا یا مجنون ہو گیا یا اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی تو وہ از سر نو وضو بھی کرے اور نماز بھی پڑھے۔

دلیل: نماز میں ان عوارض کا پایا جانا بہت کم ہے لہٰذا یہ عوارض ان عوارض کے معنی میں نہ ہوں گے، جن کے ساتھ نص وارد ہوئی ہے، اور حدث نادر الوجود میں بناء جائز نہیں ہے، ایسے ہی اگر کسی نے قہقہہ لگایا تو یہ بمنزلہ کلام ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲۶۲/۹۳) وَإِنْ تَكَلَّمَ فِي صَلٰوتِهٖ عَامِدًا أَوْ سَاهِيًا بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ

ترجمہ: (۲۶۲/۹۳) اور اگر بات کرلی اپنی نماز میں جان بوجھ کر یا بھول کر تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

نماز میں کلام کی شرعی حیثیت

امام شافعی کے نزدیک اگر کلام بھول کر ہو یا حکم سے ناواقفیت کی بنا پر ہو تو نماز فاسد نہ ہو گی، بشرطیکہ کلام طویل نہ ہو۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۵)

امام مالک کے نزدیک اصلاح صلوٰۃ کے لئے امام کا مقتدی سے اور مقتدی کا امام سے درمیان نماز کے گفتگو کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۶)

امام احمد سے چار روایتیں منقول ہیں: تین روایات ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہیں اور چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر نمازی نے یہ سمجھتے ہوئے گفتگو کی کہ میری نماز ابھی پوری نہیں ہوئی ہے، تو یہ کلام مفسد صلوٰۃ ہوگا اور اگر یہ سمجھتے ہوئے گفتگو کی کہ میری نماز پوری ہو چکی ہے تو پھر اس کلام سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۶تا۵۰۸)

دلیل: حدیث ذوالیدین ہے جس میں اس کی تصریح ہے کہ نبی کریمؐ نے ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں بھول سے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدین ﷺ نے آپ سے دریافت کیا یارسول اللہ کیا آپ نے بالقصد نماز مختصر کی ہے یا آپ بھول گئے؟ پھر حضورؐ نے دو رکعت اور پڑھا کر چار رکعتیں پوری کر دیں۔ (ترمذی ج:۱،ص:۹۱)

اس واقعہ میں حضرت ذوالیدین کی یاددھانی اور آپ کا تصدیق کرنا یہ سب نماز کے درمیان میں ہوا لیکن نماز فاسد نہیں ہوئی، معلوم ہوا کہ نماز میں بات چیت کرنے کی گنجائش ہے۔

جواب حدیث ذوالیدین منسوخ ہو چکی ہے اور اس کے لئے وہ تمام احادیث ناسخ ہیں جن میں کلام فی الصلوٰۃ سے روکا گیا ہے، اس لئے یہ واقعہ آپ کا مستدل نہیں بن سکتا۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۴۲)

حنفیہ کے نزدیک نماز کے درمیان میں کلام کرنا جائز نہیں ہے، چاہے اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو، یا سہو وغیرہ کیوجہ سے کسی بھی طرح کا کلام کرنا ہر حال میں ناجائز اور مفسد صلوٰۃ ہے۔ (معارف ج:۳،ص:۵۰۵، اوجز ج:۱،ص:۲۹۵)

دلیل: حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث ہے کہ ہم نماز میں گفتگو کرلیا کرتے تھے، آدمی اپنے ساتھی سے جو کہ نماز میں اس کے برابر میں ہوتا تھا گفتگو کرلیا کرتا تھا، یہاں تک کہ آیت "وقوموا للّٰہ قانتین" نازل ہوگئی چنانچہ ہم کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۹)

یہ حدیث پاک صراحتاً دلالت کر رہی ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ منسوخ ہو چکا ہے۔

(۲۶۳/۹۴) وَإِنْ سَبَقَهُ الْحَدَثُ بَعْدَ مَاقَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ تَوَضَّأَ وَسَلَّمَ

ترجمہ: (۲۶۳/۹۴) اور اگر نمازی کو حدث پیش آجائے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تو وضو کر کے سلام پھیرے

تشریح: کسی نمازی کو تشہد کے بعد حدث ہوا تو حکم یہ ہے کہ وہ وضو کرے اور پھر سلام پھیرے، کیونکہ سلام پھیرنا واجب ہے اور وہ ابھی باقی ہے، اس لئے وضو کرنا ضروری ہوا تا کہ وجوب سلام ادا کرے۔

(۲۶۴/۹۵) وَإِنْ تَعَمَّدَ الْحَدَثَ فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ أَوْ تَكَلَّمَ أَوْ عَمِلَ عَمَلاً يُنَافِي الصَّلٰوةَ تَمَّتْ صَلَاتُهُ

ترجمہ: (۲۶۴/۹۵) اور اگر کسی نے جان بوجھ کر حدث کیا اس حالت میں یا بات کی یا کوئی ایسا عمل کیا جو نماز کے مخالف ہے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

تشریح: اگر تشہد کے بعد نمازی نے جان بوجھ کر حدث کر دیا یا عمداً گفتگو کرلی یا کوئی ایسا کام کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہوگئی لیکن سلام پھیرنا واجب ہے اس لئے ترک واجب کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔

(۹۶/۲۶۵) وَاِنْ رَأَى الْمُتَيَمِّمُ الْمَاءَ فِيْ صَلَاتِهِ بَطَلَتْ صَلَاتُهُ

ترجمہ: (۹۶/۲۶۵) اوراگرتیم کرنے والے نے اپنی نماز میں پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہوگئی۔

تشریح: یہ مسئلہ باب التیمم میں گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

(۹۷/۲۶۶) وَاِنْ رَاٰهُ بَعْدَ مَا قَعَدَ قَدْرَ التَّشَهُّدِ (۹۸/۲۶۷) اَوْكَانَ مَاسِحاً فَانْقَضَتْ مُدَّةُ مَسْحِهٖ (۹۹/۲۶۸) اَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ بِعَمَلٍ قَلِيْلٍ (۱۰۰/۲۶۹) اَوْ كَانَ اُمِّيًّا فَتَعَلَّمَ سُوْرَةً (۱۰۱/۲۷۰) اَوْ عُرْيَاناً فَوَجَدَ ثَوْباً (۱۰۲/۲۷۱) اَوْ مُوْمِياً فَقَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (۱۰۳/۲۷۲) اَوْ تَذَكَّرَ اَنَّ عَلَيْهِ صَلَاةً قَبْلَ هٰذِهٖ (۱۰۴/۲۷۳) اَوْ اَحْدَثَ الْاِمَامُ الْقَارِئُ فَاسْتَخْلَفَ اُمِّيًّا (۱۰۵/۲۷۴) اَوْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ فِيْ صَلَاةِ الْفَجْرِ (۱۰۶/۲۷۵) اَوْ دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ فِي الْجُمُعَةِ (۱۰۷/۲۷۶) اَوْ كَانَ مَاسِحاً عَلَى الْجَبِيْرَةِ فَسَقَطَتْ عَنْ بُرْءٍ (۱۰۸/۲۷۷) اَوْ كَانَتْ مُسْتَحَاضَةً فَبَرِأَتْ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ تَمَّتْ صَلَاتُهُمْ فِيْ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ.

ترجمہ: (۹۷/۲۶۶) اوراگر متیمم بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد پانی دیکھ لے۔ (۹۸/۲۶۷) یا مسح کرنے والا تھا پس اس کے مسح کی مدت گزر گئی۔ (۹۹/۲۶۸) یا اپنے دونوں موزے نکال دیئے تھوڑے عمل سے۔ (۱۰۰/۲۶۹) یا ان پڑھ تھا، پس اس نے کوئی سورت سیکھ لی۔ (۱۰۱/۲۷۰) یا ننگا تھا پس اس نے کپڑا پایا۔ (۱۰۲/۲۷۱) یا اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرنے والا تھا پھر رکوع اور سجدے پر قادر ہوگیا۔ (۱۰۳/۲۷۲) یا یاد آ گیا کہ اس کے ذمہ اس سے پہلی نماز ہے۔ (۱۰۴/۲۷۳) یا امام قاری کو حدث ہوا اور اس نے اَن پڑھ کو خلیفہ بنادیا۔ (۱۰۵/۲۷۴) یا سورج نکل گیا فجر کی نماز میں۔ (۱۰۶/۲۷۵) یا عصر کا وقت داخل ہوگیا نماز جمعہ میں۔ (۱۰۷/۲۷۶) یا وہ جبیرہ پر مسح کرنیوالا تھا، پس زخم اچھا ہوکر پٹی گر پڑی۔ (۱۰۸/۲۷۷) یا کوئی عورت مستحاضہ تھی پس وہ اچھی ہوگئی تو ان سب کی نماز باطل ہوگئی امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق صاحبین نے فرمایا کہ ان کی نماز پوری ہوگئی ان تمام مسائل میں۔

تشریح: اس عبارت میں ان بارہ مسائل کا بیان ہے جو تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پیش آئیں: ۱؎ تیمم کرنے والے نمازی نے بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد اتنا پانی دیکھ لیا جو وضو کے لئے کافی ہے، ۲؎ موزوں پر مسح کی مدت پوری ہوگئی ۳؎ عمل قلیل سے موزے نکال دیئے اور عمل قلیل یہ ہے کہ موزے اتنے ڈھیلے تھے کہ ہاتھوں کی ضرورت نہ پڑی صرف پاؤں کے اشارہ سے کوئی موزہ نکل گیا، ۴؎ نمازی ان پڑھ تھا اس نے کوئی سورت سیکھ لی یعنی قرآن بھولا ہوا تھا لیکن مقدار تشہد کے بعد یاد آ گیا، ۵؎ ننگے نے اتنا کپڑا پالیا جس سے ستر چھپ سکے، ۶؎ اشارہ سے نماز پڑھنے والا رکوع وسجدے پر قادر ہوگیا، ۷؎ صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد آ گئی، ۸؎ امام قاری نے کسی امی کو خلیفہ بنادیا، ۹؎ نماز فجر میں سورج نکل گیا، ۱۰؎ نماز جمعہ میں وقت عصر داخل ہوگیا، (۱۱) زخم اچھا ہونے پر پٹی گر پڑی، (۱۲) مستحاضہ یا سلسل البول کا

مریض ہے ان کا عذر ختم ہو گیا۔

ان بارہ مسائل میں امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو گئی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہو گئی۔

اختلاف کی بنیاد: امام اعظم کے نزدیک نماز سے باہر ہونا نمازی کے اختیاری فعل سے فرض ہے، اس لئے قعدۂ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہی ہے جیسے درمیان نماز میں پیش آنا اس لئے نماز باطل ہو جائے گی، صاحبین کے نزدیک قعدۂ اخیرہ کے بعد ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہے، جیسے سلام پھیرنے کے بعد پیش آنا اس لئے نماز فاسد نہ ہوگی، احتیاط امام اعظم کے قول میں ہے۔ (شامی ج:۱ص:۵۶۸)

باب قضاء الفوائت

ترجمہ: (یہ) باب فوت شدہ نمازوں کی قضاء کرنے (کے بیان) میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: گذشتہ باب میں اداء نماز کا بیان فرمایا ہے اس باب میں قضاء کے احکام ذکر کریں گے، چونکہ اداء اصل اور قضاء اس کا خلیفہ ہے اس لئے اداء کو قضاء پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۲۷۸/۱) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ قَضَاهَا اِذَا ذَكَرَهَا (۲۷۹/۲) وَقَدَّمَهَا عَلٰى صَلٰوةِ الْوَقْتِ اِلَّا اَنْ يَّخَافَ فَوْتَ صَلٰوةِ الْوَقْتِ فَيُقَدِّمُ صَلٰوةَ الْوَقْتِ عَلَى الْفَائِتَةِ ثُمَّ يَقْضِيْهَا.

ترجمہ: (۲۷۸/۱) اور جس شخص کی نماز فوت ہو گئی تو اسے پڑھ لے جب یاد آئے۔ (۲۷۹/۲) اور اسے وقتیہ نماز پر مقدم کرے، مگر یہ کہ ڈر ہو وقتیہ نماز کے فوت ہو جانے کا تو وقتیہ کو فوت شدہ پر مقدم کرے، پھر فوت شدہ کو پڑھے۔

تشریح: اگر کوئی شخص سو جائے اور نماز کا وقت نکل جائے یا نماز کو بھول جائے اور نماز کا وقت فوت ہو جائے تو ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک جس وقت بھی یاد آ جائے اس وقت علی الفور پڑھنا ضروری ہے، آئندہ کسی نماز کے وقت آنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، نیز ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر اوقات ممنوعہ (جن کا بیان اگلے باب میں آ رہا ہے) میں یاد آ جائے تو اوقات ممنوعہ میں پڑھنا ہوگا، اور حضرات حنفیہ کے نزدیک اوقات ممنوعہ میں نہیں پڑھے گا بلکہ اوقات مشروعہ کا انتظار کرنا ضروری ہے۔

پھر امام قدوری فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کی ایک ہی نماز قضاء ہوئی اس سے پہلے اس کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی یا اس سے پہلے نمازیں تو قضاء ہوئیں لیکن سب کی قضا پڑھ چکا ہے، فقط اسی ایک نماز کی قضاء پڑھنا باقی ہے تو پہلے اس کی قضاء پڑھ لے اس کے بعد ادا نماز پڑھے، ہاں اگر قضاء پڑھنا یاد نہیں رہا بالکل بھول گیا یا وقت بہت تنگ ہو گیا کہ اگر پہلے قضاء پڑھے گا، تو ادا نماز کا وقت باقی نہ رہے گا تو پہلے ادا پڑھ لے پھر قضاء پڑھے۔

(۳/۲۸۰) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلَوَاتٌ رَتَّبَهَا فِي الْقَضَاءِ كَمَا وَجَبَتْ فِي الْاَصْلِ إِلَّا أَنْ تَزِيْدَ الْفَوَائِتُ عَلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ فَيَسْقُطُ التَّرْتِيْبُ فِيْهَا.

ترجمہ: (۳/۲۸۰) اور جس کی فوت ہوجائیں چند نمازیں تو قضاء میں ان کو ترتیب وار پڑھے جیسے اصل میں واجب ہوئیں، مگر یہ کہ فوت شدہ نمازیں پانچ نمازوں سے زائد ہوں تو ان میں ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔

تشریح: ترتیب جس طرح وقتیہ اور فائتہ کے درمیان فرض ہے، اسی طرح خود فوائت کے درمیان بھی فرض ہے، چنانچہ اگر چند نمازیں فوت ہوجائیں تو ان کی قضاء اسی ترتیب کے ساتھ کرے جس ترتیب کے ساتھ ادا واجب ہوئی تھی، ہاں اگر فوائت کی تعداد بڑھ کر چھ ہوگئیں تو ان کے درمیان ترتیب ساقط ہوجائے گی۔

بَابُ الْأَوْقَاتِ الَّتِيْ تُكْرَهُ فِيْهَا الصَّلٰوةُ

ترجمہ: (یہ) باب ان اوقات کے بیان میں ہے جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

ماقبل سے مناسبت: فوات عوارض میں سے ہے اور کراہت بھی عوارض میں سے ہے اس معنی کے اعتبار سے کراہت فوات کے مشابہ ہے اس لئے امام قدوری نے باب قضاء الفوائت کے بعد اس باب کو بیان فرمایا ہے۔

(۱/۲۸۱) لَايَجُوْزُ الصَّلَاةُ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَاعِنْدَ غُرُوْبِهَا اِلَّا عَصْرَ يَوْمِهٖ وَلَا عِنْدَ قِيَامِهَا فِي الظَّهِيْرَةِ (۲/۲۸۲) وَلَا يُصَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ (۳/۲۸۳) وَلَا يَسْجُدُ لِلتِّلَاوَةِ

ترجمہ: (۱/۲۸۱) نہیں جائز ہے نماز سورج نکلنے کے وقت اور نہ اس کے غروب کے وقت مگر اسی دن کی عصر اور نہ دوپہر میں سورج کے سیدھا کھڑا ہونے کے وقت۔ (۲/۲۸۲) اور نہ پڑھے نماز جنازہ۔ (۳/۲۸۳) اور نہ کرے سجدہ تلاوت۔

تشریح: سورج نکلتے وقت اور ٹھیک دوپہر کو اور سورج ڈوبتے وقت کوئی نماز صحیح نہیں ہے، البتہ عصر کی نماز اگر ابھی نہ پڑھی ہو تو وہ سورج ڈوبتے وقت بھی پڑھ لینے سے کراہت تحریمی کے ساتھ درست ہوجائے گی اور ان تینوں وقتوں میں سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ بھی مکروہ وممنوع ہے، لیکن اگر جنازہ اسی وقت تیار ہوا ہے یا تلاوت کرتے کرتے سجدہ والی آیت پر انھیں اوقات ممنوعہ میں پہنچا ہے تو پھر کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(۴/۲۸۴) وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَنَفَّلَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَبَعْدَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ (۵/۲۸۵) وَلَا بَأْسَ بِاَنْ يُّصَلِّيَ فِي هٰذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ الْفَوَائِتَ.

ترجمہ: (۴/۲۸۴) اور مکروہ ہے نفل پڑھنا فجر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج نکل جائے اور عصر کی نماز

کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ (۲۸۵/۵) اور کوئی حرج نہیں ہے اس بات میں یہ کہ پڑھے ان دونوں وقتوں میں قضاء نمازیں۔

تشریح: فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد جب تک سورج نکل کر اونچا نہ ہو جائے نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، البتہ سورج نکلنے سے پہلے قضا نماز پڑھنا درست ہے اور سجدہ تلاوت بھی درست ہے، ایسے ہی عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ قضاء نماز اور سجدہ کی آیت کا سجدہ ادا کرنا درست ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک عصر کے بعد سنت مؤکدہ کی قضاء جائز ہے۔

(۲۸۶/۶) وَيُكْرَهُ اَنْ يَّتَنَفَّلَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ بِاَكْثَرَ مِنْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

ترجمہ: (۲۸۶/۶) اور مکروہ ہے نفل پڑھنا صبح صادق کے بعد سنت فجر سے زیادہ۔

تشریح: جب صبح ہو جائے اور فجر کا وقت آ جائے تو دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض کے سوا اور کوئی نفل نماز پڑھنا درست نہیں یعنی مکروہ تحریمی ہے البتہ قضاء نمازیں پڑھنا اور سجدہ کی آیت پر سجدہ کرنا درست ہے، امام شافعی کے نزدیک طلوع فجر کے بعد فرض فجر پڑھنے سے پہلے پہلے نفلیں پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

(۲۸۷/۷) وَلَا يَتَنَفَّلُ قَبْلَ الْمَغْرِب

ترجمہ: (۲۸۷/۷) اور نہ نفل پڑھے مغرب سے پہلے۔

تشریح: حنفیہ کے یہاں اس میں دو قول ہیں: ۱ صاحب درمختار وغیرہ نے تو کراہت کا قول اختیار کیا ہے اور بذل المجہود میں حضرت سہارنپوری کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (بذل المجہود ج:۲، ص:۲۷۰)

۲ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر ج:۱، ص:۳۸۹ میں اباحت کو ترجیح دی ہے، حضرت گنگوہی کی رائے بھی یہی ہے بشرطیکہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ (کوکب الدری ج:۸، ص:۱۰۳)

بَابُ النَّوَافِلِ

ترجمہ: (یہ) باب نفل نمازوں (کے بیان) میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: سابق میں فرائض اور واجبات کا بیان تھا اس باب میں سنن و نوافل کا بیان ہے۔

لغوی تعریف: نوافل نافلۃ کی جمع ہے معنی زیادتی۔

اصطلاحی تعریف: نفل اس عبادت کا نام ہے جو فرائض اور واجبات پر زائد ہو اور اس کے کرنے پر ثواب ہو اور چھوڑنے پر کوئی عذاب نہ ہو چونکہ نوافل سنن کو بھی شامل ہے اس وجہ سے باب کے عنوان میں صرف نوافل کا ذکر کیا ہے اور سنن کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲۸۸/۱) اَلسُّنَّةُ فِي الصَّلٰوةِ اَنْ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ (۲۸۹/۲) وَاَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا (۲۹۰/۳) وَاَرْبَعًا قَبْلَ الْعَصْرِ وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ (۲۹۱/۴) وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ (۲۹۲/۵) وَاَرْبَعاً قَبْلَ الْعِشَاءِ وَاَرْبَعاً بَعْدَهَا وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْن.

ترجمہ: (۲۸۸/۱) سنت نمازیں یہ ہیں کہ پڑھے دو رکعت صبح صادق کے بعد۔ (۲۸۹/۲) اور چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں اس کے بعد۔ (۲۹۰/۳) اور چار رکعتیں عصر سے پہلے اور اگر چاہے دو رکعتیں پڑھے۔ (۲۹۱/۴) اور دو رکعتیں مغرب کے بعد۔ (۲۹۲/۵) اور چار رکعتیں عشاء سے پہلے اور چار اس کے بعد اور اگر چاہے دو رکعتیں پڑھے۔

تشریح: دن رات میں بارہ رکعات سنت مؤکدہ ہیں:

نماز فجر سے پہلے دو رکعت ظہر سے پہلے چار رکعت، اور ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت اور عشاء کے بعد دو رکعت ان کے علاوہ سب سنت غیر مؤکدہ ہیں، فرض فجر سے پہلے دو رکعت پڑھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

ائمہ ثلاثہ اور اکثر احناف کے نزدیک واجب نہیں ہے بلکہ سنت مؤکدہ ہے اور اسی پر حنفیہ کا فتویٰ بھی ہے، مذکورہ بارہ رکعات کے سنت مؤکدہ ہونے میں اصل یہ حدیث ہے: حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے بارہ رکعات مسنونہ پر ہمیشگی کی اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔ (ترمذی ج:۱، ص:۹۴، ابن ماجہ ج:۱، ص:۸۰)

(۲۹۳/۶) وَنَوَافِلُ النَّهَارِ اِنْ شَاءَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ وَاِنْ شَاءَ اَرْبَعاً وَيُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلٰى ذٰلِكَ (۲۹۴/۷) فَاَمَّا نَوَافِلُ اللَّيْلِ فَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ اِنْ صَلّٰى ثَمَانِيَ رَكْعَاتٍ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ جَازَ وَيُكْرَهُ الزِّيَادَةُ عَلٰى ذٰلِكَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يَزِيْدُ بِاللَّيْلِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ بِتَسْلِيْمَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: (۲۹۳/۶) اور دن کی نفلیں اگر چاہے دو رکعت پڑھے ایک سلام کے ساتھ اور اگر چاہے چار رکعتیں پڑھے اور مکروہ ہے زیادتی اس پر۔ (۲۹۴/۷) رہ گئیں رات کی نفلیں تو ابو حنیفہ نے فرمایا کہ اگر آٹھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اور اس پر زیادتی کرنا مکروہ ہے، اور صاحبین نے کہا کہ رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پر زیادتی نہ کرے۔

تشریح: دن میں ایک تحریمہ سے کتنی رکعتیں سنت، نفل پڑھنا مشروع ہے، اسی طرح رات میں ایک تحریمہ سے کتنی رکعت مشروع ہے، اس بارے میں چار مذاہب ہیں:

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دن رات دونوں میں ایک تحریمہ سے دو سے زائد سنن ونوافل مشروع نہیں ہے۔

(معارف السنن ج:۴، ص:۱۱۷)

(۲) ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دن کے نوافل وسنن ایک تحریمہ سے چار چار رکعت پڑھنا بھی جائز ہے بلکہ چار چار رکعت زیادہ افضل ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۱۱۷)

(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک رات کی نوافل ایک تحریمہ سے دو دو چار چار چھ چھ آٹھ آٹھ رکعتیں پڑھنا مشروع ہے اور اس سے زیادہ مکروہ ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۱۱۷)

(۴) صاحبین کے نزدیک رات کی نفلیں ایک تحریمہ سے دو سے زائد مشروع نہیں ہیں۔

(معارف السنن ج:۴،ص:۱۱۷، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۱۳)

مذہب اول کی دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے: "صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى" (طحاوی ج:۱،ص:۱۳۲، ابوداؤد ج:۱،ص:۱۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو دو رکعت ہی افضل ہے۔

جواب: مذکورہ حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور آپ کا عمل روایت کے خلاف ہے کیونکہ آپ رات میں دو دو رکعت اور دن میں چار چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرتا ہے تو روایت قابل اعتبار نہیں ہوا کرتی۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۳۳)

مذہب ثانی کی دلیل: حضرت ابوایوبؓ کی وہ حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں: "اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۸۰، باب الاربع قبل الظهر وبعدها) یعنی ظہر سے پہلے جو چار سنتیں ہیں وہ ایک سلام سے ہونی چاہئیں اس نماز کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

مذہب ثالث کی دلیل: حضورؐ رات میں گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے ان میں سے تین رکعات وتر کی ہوتی تھیں اور بقیہ آٹھ رکعت نفل۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کے علاوہ آٹھ رکعت ایک ہی تحریمہ سے ہوا کرتی تھیں۔

جواب: حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ ان میں سے ہر دو رکعت کے درمیان سلام پھیرا کرتے تھے، حضرات صحابہ وتابعین کے اقوال وافعال میں سے کسی سے ایک تحریمہ سے دو رکعت سے زائد پڑھنا ثابت نہیں ہے، لہٰذا رات کی نماز دو دو رکعت سے زائد مشروع نہ ہوگی۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۳۳، ابوداؤد ج:۱،ص:۱۸۹)

دلیل کے اعتبار سے صاحبین کا مذہب راجح ہے اور متاخرین کا فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ (درس ترمذی، ج:۲،ص:۱۹۹)

مذہب رابع کی دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے: "صلوة الليل مثنى مثنى" (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۸۷) یہ روایت صریح ہے کہ رات میں دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے اور جس روایت میں لفظ نہار کی زیادتی ہے وہ ضعیف ہے۔ (درمنضود ج:۲،ص:۵۳۵)

(۸/۲۹۵) وَالْقِرَاءَةُ فِي الْفَرَائِضِ وَاجِبَةٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ وَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ وَاِنْ شَاءَ سَكَتَ وَاِنْ شَاءَ سَبَّحَ (۹/۲۹۶) وَالْقِرَاءَةُ وَاجِبَةٌ فِي جَمِيْعِ رَكَعَاتِ النَّفْلِ وَجَمِيْعِ الْوِتْرِ.

ترجمہ: (۲۹۵/۸) اور قرأت فرض ہے فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور اختیار ہے آخری دو میں اگر دل چاہے سورۂ فاتحہ پڑھے اور جی چاہے خاموش رہے اور اگر چاہے تو تسبیح پڑھے۔ (۲۹۶/۹) اور نفل کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں۔

تشریح: ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک نماز میں قرأت کرنا رکن اور فرض ہے پھر آگے تفصیل ہے امام شافعی واحمد کے نزدیک تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے، امام مالک کے نزدیک تین رکعات میں فرض ہے، اور حنفیہ کے نزدیک شروع کی صرف دو رکعات میں قرأت فرض ہے۔

(التعلیقات علی تنظیم الاشتات ج:۱،ص:۵۱۰، معارف السنن ج:۳،ص:۱۴۷)

صاحب قدوری نے کہا کہ آخری دو رکعتوں میں نمازی کو اختیار ہے سورۂ فاتحہ کی قرأت کرے یا تین تسبیحات کی مقدار خاموش کھڑا رہے یا تین تسبیح پڑھے مگر اخیرین میں سورۂ فاتحہ کی قرأت کرنا افضل ہے، جیسا کہ معارف السنن میں ج:۳،ص:۱۴۷ اپر لکھا ہے۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ قرأت نفل اور وتر کی تمام رکعتوں میں واجب ہے کیونکہ نفل کی ہر دو رکعت الگ نماز ہے اور وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت اس لئے واجب ہے کہ نماز میں قرأت رکن اصلی ہے اور وتر کا وجوب حدیث سے ثابت ہوا ہے، چنانچہ وتر کے نفل ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا اس لئے احتیاطاً وتر کی تمام رکعتوں میں قرأت واجب کی گئی۔

(۲۹۷/۱۰) وَمَنْ دَخَلَ فِي صَلٰوةِ النَّفْلِ ثُمَّ اَفْسَدَهَا قَضَاهَا (۲۹۸/۱۱) فَاِنْ صَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَقَعَدَ فِي الْاُوْلَيَيْنِ ثُمَّ اَفْسَدَ الْاُخْرَيَيْنِ قَضٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يَقْضِيْ اَرْبَعاً.

ترجمہ: (۲۹۷/۱۰) جس نے نفل نماز شروع کی پھر اس کو فاسد کر دیا تو اس کی قضا کرے۔ (۲۹۸/۱۱) پھر اگر چار رکعتوں کی نیت کی اور پہلی دو رکعات میں بیٹھ کر آخری دو رکعات فاسد کر دی تو دو رکعتوں کی قضاء کرے، امام ابویوسف نے فرمایا کہ چار رکعات کی قضاء کرے گا۔

تشریح: نفل نماز کی جب کسی نے نیت باندھ لی تو اس کا پورا کرنا واجب ہو گیا اگر توڑے گا تو گناہ گار ہوگا اور جو نماز توڑی ہے اس کی قضاء پڑھنی ضروری ہے یہ مذہب حنفیہ کا ہے، شوافع کے نزدیک نفل نماز شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اگر نفل شروع کر کے توڑ دے تو قضاء واجب نہ ہوگی۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر چار رکعت نفل کی نیت باندھی اور دو رکعت پڑھ چکا، تیسری یا چوتھی رکعت میں نیت توڑ دی تو اگر دو رکعت پر قعدہ بھی کر چکا ہے تو آخری دو رکعتوں کی قضاء پڑھے، یہ طرفین کے نزدیک ہے کیونکہ نفل کی ہر دو رکعت الگ ہے اور دو رکعت پر بقدر تشہد بیٹھنے کیوجہ سے وہ مکمل ہو گئی، امام ابویوسفؒ چونکہ چاروں رکعتوں کو ایک ہی نماز کا درجہ دیتے ہیں اس لئے احتیاطاً چاروں کی قضاء کرنی ضروری ہے۔

(۲۹۹/۱۲) وَيُصَلِّي النَّافِلَةَ قَاعِداً مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَى الْقِيَامِ

ترجمہ: (۱۲/۲۹۹) اور نفل پڑھ سکتا ہے بیٹھ کر کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود۔

تشریح: نفل بیٹھ کر پڑھنا بھی درست ہے لیکن بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے اس لئے کھڑے ہوکر پڑھنا بہتر ہے اس میں وتر کے بعد کی نفلیں بھی آ گئیں البتہ اگر بیماری کی وجہ سے کھڑا نہ ہوسکے تو پورا ثواب ملے گا، نماز نفل بیٹھ کر پڑھنے والے کو ائمہ ثلاثہ ہر طرح بیٹھنے کا اختیار دیتے ہیں، اور امام زفر تشہد کی طرح بیٹھنے کے قائل ہیں یہی قول مفتی بہ ہے۔ (البحر الرائق ج:۲ ص:۶۸)

(۱۳/۳۰۰) وَإِنِ افْتَتَحَهَا قَائِماً ثُمَّ قَعَدَ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا لَا يَجُوزُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ

ترجمہ: (۱۳/۳۰۰) اور اگر نفل کو کھڑے ہوکر شروع کیا پھر بیٹھ گیا تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز نہیں مگر عذر کیوجہ سے۔

تشریح: نفل نماز کھڑے ہوکر شروع کی، پھر بلا عذر پہلی ہی رکعت یا دوسری رکعت میں بیٹھ گیا تو امام اعظم کے نزدیک درست ہے، صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(۱۴/۳۰۱) وَمَنْ كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ يَتَنَفَّلُ عَلَى دَابَّتِهِ إِلَى أَيِّ جِهَةٍ تَوَجَّهَتْ يُوْمِئُ إِيْمَاءً

ترجمہ: (۱۴/۳۰۱) اور جو شخص شہر سے باہر ہو تو وہ اپنی سواری پر نفل پڑھ سکتا ہے، جس طرف چاہے متوجہ ہو درآنحالیکہ اشارہ کرے۔

تشریح: شہر سے باہر سواری پر نفل نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ عذر کیوجہ سے ہو یا بلا عذر کے، جس طرف بھی سواری کا رخ ہو اسی طرف منہ کرکے ادا کرے۔

دلیل: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گدھے پر اشارے سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا درآنحالیکہ آپ ﷺ خیبر کی جانب متوجہ تھے۔ (ابوداؤد ج:۲ ص:۱۷۳، مسلم ج:۱ ص:۲۴۴)

باب سجود السهو

ترجمہ: (یہ) باب سہو کے سجدوں کے (بیان میں) ہے۔

ماقبل سے مناسبت: جس طرح نفل کی مشروعیت اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے ہے جو فرائض میں پایا جائے ایسے ہی سجدہ سہو کی مشروعیت نماز کے نقصان کی تلافی کے لئے ہے، اس لئے نوافل کے بعد متصلاً سجدہ سہو کے بیان کو لائے ہیں، یہاں سے سجدہ سہو اور اس کے احکام شروع کر رہے ہیں۔ (البحر الرائق ج:۴ ص:۹۸)

(۱/۳۰۲) سُجُوْدُ السَّهْوِ وَاجِبٌ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ بَعْدَ السَّلَامِ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَتَشَهَّدُ وَيُسَلِّمُ

ترجمہ: (۱/۳۰۲) سجدۂ سہو واجب ہے زیادتی اور کمی کی صورت میں سلام کے بعد، دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھے اور سلام پھیر دے۔

تشریح: اس عبارت میں چند مسائل کا بیان ہے:

۱ سجدہ سہو واجب ہے یا سنت ۲ سجدہ سہو سلام سے پہلے ہے یا سلام کے بعد ۳ سجدہ سہو کرنے کا طریقہ۔

۱ سجدہ سہو حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ (اوجز المسالک ج:۱،ص:۳۱۶)

۲ شوافع کے نزدیک سجدہ قبل السلام افضل ہے، خواہ نماز میں کمی ہوئی ہو یا زیادتی، حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو بعد السلام افضل ہے مطلقاً۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۶۳۳)

امام مالک کے نزدیک اگر سجدہ سہو کسی نقصان کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو قبل السلام سجدہ افضل ہے اور اگر کسی زیادتی کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو بعد السلام افضل ہے ان کا مذہب یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ عبارت ذہن نشین کرلیں "اَلْقَافُ بِالْقَافِ وَالدَّالُ بِالدَّالِ" یعنی نقصان والا سجدہ قبل السلام اور زیادتی والا بعد السلام۔

امام احمد کے نزدیک جس سہو میں حضورؐ نے سجدہ قبل السلام کیا ہے، ہم لوگ بھی اس سہو میں سجدہ قبل السلام کریں گے، اور جس سہو میں آپ ﷺ نے سجدہ بعد السلام کیا ہے اس میں ہم بھی سجدہ بعد السلام کریں گے اور جن صورتوں میں آپؐ سے کچھ منقول نہیں ہے ان میں قبل السلام ہوگا۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۸۵ تا ۴۸۶، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۶۳۵)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن بُحَینہ کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ ظہر کی نماز میں (دوسری رکعت میں) کھڑے ہوگئے حالانکہ آپؐ کو بیٹھنا تھا، چنانچہ جب آپؐ نے اپنی نماز پوری کرلی تو دو سجدے فرمائے ہر سجدے میں تکبیر بھی کہتے تھے پھر آپؐ بیٹھے سلام پھیرنے سے پہلے۔ (ترمذی ج:۱،ص:۸۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو قبل السلام ہے۔

جواب حدیث مذکور جواز پر محمول ہے، یعنی آپؐ نے بیان جواز کے لئے قبل السلام سجدہ فرمایا تھا۔

(معارف السنن ج:۳،ص:۴۹۰، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۶۳۵)

حنفیہ کی دلیل: حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "لِكُلِّ سَهْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَايُسَلِّمُ" (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۴۹) ہر سہو کے لئے دو سجدے ہیں سلام پھیرنے کے بعد، اس حدیث میں مطلق ارشاد فرمایا ہے کہ ہر سہو کے لئے دو سجدے ہیں سلام پھیرنے کے بعد اب خواہ وہ نقصان کا ہو یا زیادتی کا یا کسی اور وجہ سے واجب ہوا ہو سب کا حکم ایک ہی ہوگا۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۱۵۵)

مسئلہ ۳ سجدہ سہو کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ اخیر رکعت میں صرف التحیات پڑھ کر ایک جانب سلام پھیر کے دو سجدے کرلے پھر بیٹھ کر التحیات، درود شریف اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیرے اور نماز ختم کرے۔

(۲/۳۰۳) وَيَلْزَمُهُ سُجُوْدُ السَّهْوِ إِذَا زَادَ فِي صَلٰوتِهٖ فِعْلاً مِنْ جِنْسِهَا لَيْسَ مِنْهَا (۳/۳۰۴) اَوْ تَرَكَ فِعْلاً مَسْنُوْنًا اَوْ تَرَكَ قِرَاءَةَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ اَوِ الْقُنُوْتَ اَوِ التَّشَهُّدَ اَوْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ اَوْ جَهَرَ الْإِمَامُ فِيْمَا يُخَافَتُ اَوْ خَافَتَ فِيْمَا يُجْهَرُ

ترجمہ: (۳/۳۰۳) اور لازم ہوتا ہے سجدہ سہو جب زائد کرے اپنی نماز میں کوئی ایسا فعل جو نماز کی جنس سے ہو نماز کا جز نہ ہو۔ (۳/۳۰۴) یا کوئی فعل مسنون چھوڑ دیا ہو یا سورۂ فاتحہ کی تلاوت یا قنوت یا تشہد یا تکبیرات عیدین کو چھوڑ دیا ہو یا امام نے زور سے قرأت کی ہو ان نمازوں میں جن میں آہستہ قرأت کرنا واجب ہے، یا آہستہ کی ہو ان نمازوں میں جن میں زور سے قرأت کی جاتی ہے۔

تشریح: صاحب قدوری نے فرمایا کہ سجدہ سہو اس فعل کو زیادہ کرنے سے لازم ہوگا جو فعل نماز کی جنس سے تو ہے مگر نماز کا جز نہیں ہے، مثلاً ایک رکعت کے اندر دو رکوع کر لئے تو ایک رکوع جو زائد ہے وہ اگر چہ نماز کی جنس سے ہے مگر نماز کا جز نہیں ہے، اس کے بعد امام قدوری فرماتے ہیں کہ نمازی نے اگر کوئی فعل مسنون چھوڑ دیا تو اس پر سجدہ واجب ہوگا، عبارت میں فعل مسنون سے مراد فعل واجب ہے کیونکہ فعل مسنون کو ترک کر دینے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا، آگے کچھ اور تفصیل سے بیان کرتے ہیں جن کے ترک کر دینے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا کہ نماز کے اندر قرأت فاتحہ کو چھوڑ دینے سے بھی سجدہ سہو واجب ہوگا یا وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا، سورت پڑھ کر رکوع میں چلا گیا تو سجدہ سہو واجب ہے، ایسے ہی تشہد کا چھوڑنا اور تکبیرات عیدین کا چھوڑنا یہ سب موجب سجدہ ہیں اسی طرح حنفیہ کے نزدیک سری نماز میں کوئی شخص امام ہو یا منفرد بلند آواز سے قرأت کرے، یا جہری نماز میں امام آہستہ آواز سے قرأت کرے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(۴/۳۰۵) وَسَهْوُ الْإِمَامِ يُوْجِبُ عَلَى الْمُؤْتَمِّ السُّجُوْدَ فَإِنْ لَّمْ يَسْجُدِ الْإِمَامُ لَمْ يَسْجُدِ الْمُؤْتَمُّ (۵/۳۰۶) فَإِنْ سَهَى الْمُؤْتَمُّ لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمُؤْتَمَّ السُّجُوْدُ.

ترجمہ: (۴/۳۰۵) اور امام کا سہو واجب کرتا ہے مقتدی پر سجدہ کو پھر اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے۔ (۵/۳۰۶) پھر اگر مقتدی کو سہو ہوا تو نہ امام پر سجدہ کرنا لازم ہے اور نہ مقتدی پر۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ امام سے کوئی سہو ہو گیا تو سجدہ سہو امام پر بھی واجب ہوگا اور مقتدی پر بھی، اگر سجدہ سہو واجب ہونے کے باوجود امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی پر بھی سجدہ سہو کرنا واجب نہ ہوگا، اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر مقتدی سے نماز میں کوئی سہو ہو گیا مثلاً قعدۂ اولیٰ میں تشہد نہیں پڑھا تو اس کی وجہ سے نہ امام پر سجدہ سہو لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر کیونکہ صحت و فساد کے اعتبار سے امام کی نماز مقتدی کی نماز پر مبنی نہیں ہے۔

(۶/۳۰۷) وَمَنْ سَهَى عَنِ الْقَعْدَةِ الْأُوْلٰى ثُمَّ تَذَكَّرَ وَهُوَ إِلٰى حَالِ الْقُعُوْدِ اَقْرَبُ عَادَ فَجَلَسَ وَتَشَهَّدَ

وَاِنْ كَانَ اِلٰى حَالِ الْقِيَامِ اَقْرَبُ لَمْ يَعُدْ وَيَسْجُدُ لِلسَّهْوِ.

ترجمہ: (۳۰۷/۶) اور جو شخص قعدۂ اولیٰ بھول گیا پھر یاد آیا ایسی حالت میں کہ وہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو وہ لوٹ جائے اور بیٹھ کر تشہد پڑھے اور اگر قیام سے زیادہ قریب ہے تو نہ لوٹے اور سجدہ سہو کرے۔

تشریح: تین رکعت یا چار رکعت والی نماز میں اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ بھول گیا اور دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا تو اگر نیچے کا آدھا دھڑ ابھی سیدھا نہیں ہوا تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ لے تب کھڑا ہو اور ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا واجب نہیں، اور اگر آدھا دھڑ سیدھا ہو گیا تو نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو کر چاروں رکعتیں یا تینوں رکعتیں پڑھ لے، صرف اخیر میں بیٹھے اور اس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے۔

(۳۰۸/۷) وَاِنْ سَهٰى عَنِ الْقَعْدَةِ الْاَخِيْرَةِ فَقَامَ اِلَى الْخَامِسَةِ رَجَعَ اِلَى الْقَعْدَةِ مَالَمْ يَسْجُدْ وَاَلْغَى الْخَامِسَةَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ.

ترجمہ: (۳۰۸/۷) اور اگر بھول جائے قعدۂ اخیرہ اور کھڑا ہو جائے پانچویں رکعت کے لئے تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور پانچویں رکعت کو چھوڑ دے اور سجدہ سہو کر لے۔

تشریح: اگر چوتھی رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو جب تک پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید نہیں کیا تو بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کر کے نماز پوری کر لے۔

(۳۰۹/۸) وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ بَطَلَ فَرْضُهٗ وَتَحَوَّلَتْ صَلٰوتُهٗ نَفْلًا وَكَانَ عَلَيْهِ اَنْ يَّضُمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً سَادِسَةً

ترجمہ: (۳۰۹/۸) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دے تو اس کا فرض باطل ہو جائے گا اور نماز نفل ہو جائے گی اور اس پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ چھٹی رکعت ملا لے۔

تشریح: اگر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو فرض نماز دوبارہ پڑھے یہ نماز نفل ہو گئی، ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت کر لے اور سجدہ سہو نہ کرے، شیخین تو یوں فرماتے ہیں کہ اس کا فرض باطل ہو گا، ویسے اس کی یہ نماز نفل ہو جائے گی لہٰذا ایک رکعت اور شامل کر لے، اور امام محمدؒ کے نزدیک مطلقاً ہی باطل ہو جائے گی۔
(بذل المجہود ج:۲، ص:۱۴۵)

(۳۱۰/۹) وَاِنْ قَعَدَ فِي الرَّابِعَةِ ثُمَّ قَامَ وَلَمْ يُسَلِّمْ يَظُنُّهَا الْقَعْدَةَ الْاُوْلٰى عَادَ اِلَى الْقُعُوْدِ مَالَمْ يَسْجُدْ لِلْخَامِسَةِ وَسَلَّمَ وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ (۳۱۱/۱۰) وَاِنْ قَيَّدَ الْخَامِسَةَ بِسَجْدَةٍ ضَمَّ اِلَيْهَا رَكْعَةً اُخْرٰى وَقَدْ تَمَّتْ صَلٰوتُهٗ وَالرَّكْعَتَانِ نَافِلَةٌ.

ترجمہ: (۳۱۰/۹) اور اگر بیٹھ چکا تھا چوتھی رکعت میں پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا قعدۂ اولیٰ سمجھتے ہوئے تو لوٹ آئے قعدۂ کی طرف جب تک کہ پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے۔ (۳۱۱/۱۰) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دے تو چھٹی رکعت اور ملا لے اور اس کی نماز پوری ہو جائے گی اور دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

تشریح: اگر چوتھی رکعت پر بیٹھا پھر کھڑا ہو گیا سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آئے تو بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے بلکہ بیٹھ کر فوراً سلام پھیر کر سجدہ سہو کرے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تب یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت کر لے چار فرض ہو گئے اور دو نفل اور چھٹی رکعت پر سجدہ سہو بھی کر لے، فرض نماز اس لئے پوری ہو گئی کہ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے نکلنا ہمارے نزدیک واجب ہے اور اس صورت میں لفظ سلام ہی باقی رہ گیا اور ترک واجب سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ ترک واجب کیوجہ سے جو نقصان پیدا ہوا ہے تو وہ سجدہ سہو سے پورا ہو جائے گا۔

(۳۱۲/۱۱) وَمَنْ شَكَّ فِي صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ اَثَلٰثاً صَلّٰى اَمْ اَرْبَعاً وَذٰلِكَ اَوَّلُ مَاعَرَضَ لَهٗ اِسْتَانَفَ الصَّلٰوةَ (۳۱۳/۱۲) فَاِنْ كَانَ يَعْرِضُ لَهٗ كَثِيْراً بَنٰى عَلٰى غَالِبِ ظَنِّهٖ اِنْ كَانَ لَهٗ ظَنٌّ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ ظَنٌّ بَنٰى عَلَى الْيَقِيْنِ.

ترجمہ: (۳۱۲/۱۱) اور جس شخص کو شک ہو جائے اپنی نماز میں اس کو معلوم نہیں کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار پڑھیں اور یہ شک پہلا شک ہے جو اس کو پیش آیا ہے تو یہ شخص نئے سرے سے نماز پڑھے۔ (۳۱۳/۱۲) اور اگر اس کو یہ بھول بہت ہوتی ہو تو اپنے غالب گمان پر بناء کرے اگر غالب گمان ہو اور اگر اس کی کوئی رائے نہ ہو تو یقین پر بنا کرے۔

تشریح: اگر کسی شخص کو نماز کی حالت میں عدد رکعت میں شک وشبہ ہو جائے کہ تین رکعت ہوئیں یا چار تو اس کو کیا کرنا چاہئے اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر نمازی کو اس طرح کا شک وشبہ پہلی بار پیش آیا ہے تو اس پر نماز دوبارہ پڑھنا ضروری ہے اور اگر شک پیش آتا رہتا ہے تو اس پر اعادہ واجب نہیں، بلکہ غالب ظن پر عمل کرنا لازم ہوگا کہ اگر تین رکعت کا ظن غالب ہے تو ایک رکعت اور پڑھے اور اگر چار رکعت کا ظن غالب ہے تو چار ہی شمار کرے اور سجدہ سہو کر لے تو نماز درست ہو جائے گی، اور اگر سوچنے کے بعد دونوں طرف برابر خیال رہے نہ تین رکعت کی طرف زیادہ گمان جاتا ہے نہ چار کی طرف تو تین ہی رکعتیں سمجھے اور ایک رکعت اور پڑھ لے لیکن اس صورت میں تیسری رکعت پر بھی التحیات پڑھے تب کھڑا ہو کر چوتھی رکعت پڑھے اور سجدہ سہو بھی کرے، پھر نماز کے ختم کا سلام پھیرے۔ (معارف السنن ج:۳، ص:۴۹۸)

متن کی عبارت "اَوَّلُ مَا عَرَضَ لَهٗ" سے مراد یہ ہے کہ سہو اس کی عادت نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھار ہو جاتا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عمر بھر کبھی سہو ہی نہیں ہوا ہے۔ (معارف السنن ج:۳، ص:۴۹۹، فتح القدیر ج:۱، ص:۴۵۲)

(۲) ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ ایسی صورت میں صرف سجدہ سہو سے نماز درست نہ ہوگی بلکہ اقل پر محمول کر کے مزید ایک رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کرے گا تو نماز درست ہو سکتی ہے ورنہ واجب الاعادہ ہوگی، اس لئے کہ تین رکعت شمار کرنے میں یقین پر عمل ہو جاتا ہے، اور چار پر یقین نہیں ہے نیز ہر اس رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے جس کے بارے میں یہ امکان ہو کہ یہ آخری رکعت ہو سکتی ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۴۹۸)

اختلاف کی بنیاد:

اصل میں اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ ایسی صورت کے بارے میں روایات کا اختلاف ہے بعض روایات میں اعادہ کا حکم ہے "کما فی روایۃ ابن عمر". (معارف ج:۳،ص:۵۰۰)

اور ابن مسعودؓ کی روایت سے تحری کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۱)

بعض روایات مین بناء علی الاقل کا حکم ہے۔ (معارف السنن ج:۳،ص:۵۰۰)

ائمہ ثلاثہ نے ان احادیث میں سے بناء علی الاقل والی احادیث کو اختیار کر لیا، جبکہ حنفیہ نے ان تمام احادیث پر عمل کیا ہے اور ہر حدیث کا ایک مخصوص محمل قرار دے کر تمام احادیث میں بہترین تطبیق کر دی اور تمام احادیث معمول بہا ہوگئیں ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر استیناف اور تحری کی احادیث متروک ہو کر رہ گئیں۔

(معارف السنن ج:۳،ص:۴۹۸، درس ترمذی ج:۲،ص:۱۴۹ تا ۱۵۰)

بَابُ صَلٰوةِ الْمَرِيْضِ

ترجمہ: (یہ) باب بیمار آدمی کی نماز (کے بیان) میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: مرض اور سہو دونوں عوارض سماویہ ہیں سہو چونکہ مریض اور تندرست سب کو پیش آتا ہے اس لئے باب سجود السہو اولاً بیان کیا اور باب صلوٰۃ المریض ثانیاً بیان کیا ہے۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۴۵۷)

(۳۱۴/۱) إِذَا تَعَذَّرَ عَلَى الْمَرِيْضِ الْقِيَامُ صَلّٰى قَاعِداً يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ أَوْمىٰ إِيْمَاءً وَجَعَلَ السُّجُوْدَ أَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ.

ترجمہ: (۳۱۴/۱) جب مشکل ہو جائے بیمار پر کھڑا ہونا تو نماز پڑھے بیٹھ کر رکوع و سجدہ کرتے ہوئے اگر رکوع وسجدہ بھی نہ کر سکے تو اشارہ کرے اور سجدہ کا اشارہ رکوع کی بہ نسبت زیادہ پست کرے۔

تشریح: فرض نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر یا لیٹ کر بالاتفاق جائز نہیں اور اگر عذر سے پڑھے تو جائز ہے بلکہ ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں پورا ثواب ملتا ہے۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ جب تک کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی قوت ہو کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہے اور جب کھڑا نہ ہوا

جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھے بیٹھے بیٹھے رکوع کرلے اور رکوع کر کے دونوں سجدے کرے اور رکوع کے لئے اتنا جھکے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جائے، اگر رکوع وسجدہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو تو رکوع وسجدہ کو اشاروں سے ادا کرے اور سجدے کے لئے رکوع سے زیادہ جھک جایا کرے۔

بیٹھ کر اگر نماز پڑھی جائے تو بیٹھنے کی کیفیت کیا ہوگی؟ اس بارے میں اختلاف ہے جو مریض قیام سے عاجز ہو جائے وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جیسے چاہے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اور امام زفر کے نزدیک اس طرح بیٹھ کر نماز پڑھیگا جیسے تشہد کی حالت میں بیٹھا جاتا ہے، فتویٰ امام زفر کے قول پر دیا گیا ہے۔ (البحرالرائق ج:۲، ص:۱۲۲، بیروت تاتارخانیہ ج:۲، ص:۱۳۱، درمختار مع شامی ص:۷۰۹ تا ۷۱۰)

(۲/۳۱۵) وَلَا يَرْفَعُ إِلَى وَجْهِهِ شَيْئًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ

ترجمہ: (۲/۳۱۵) اور نہ اٹھائے اپنے چہرہ کی طرف کوئی چیز جس پر سجدہ کرے۔

تشریح: شیخ ابوالحسین قدوری فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی چیز اٹھانا اور اس پر سجدہ کرنا ممنوع ہے، جب سجدے کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کرلیا کرے، اور اگر تکیہ وغیرہ زمین پر رکھا ہے تو اس پر سجدہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳/۳۱۶) فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ اِسْتَلْقَى عَلَى قَفَاهُ وَجَعَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْقِبْلَةِ أَوْمَى بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (۴/۳۱۷) وَإِنِ اضْطَجَعَ عَلَى جَنْبِهِ وَوَجْهُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ وَأَوْمَى جَازَ.

ترجمہ: (۳/۳۱۶) اور اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو اپنی پشت کے بل چت لیٹ جائے اور کرے اپنے پاؤں قبلہ کی طرف اور رکوع اور سجدے کے ساتھ اشارہ کرے۔ (۴/۳۱۷) اور اگر بیمار کروٹ پر لیٹ جائے اور اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ سے پڑھے تب بھی جائز ہے۔

تشریح: لیٹ کر نماز پڑھنے کی دو صورتیں ہیں:

۱ اگر مریض کو بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی تو پیچھے کوئی تکیہ وغیرہ لگا کر اس طرح لیٹ جائے کہ سر خوب اونچا رہے بلکہ قریب بیٹھنے کے رہے اور پاؤں قبلہ کی جانب پھیلالے اور اگر کچھ طاقت ہو تو قبلہ کی طرف پیر نہ پھیلائے بلکہ گھٹنے کھڑے رکھے پھر سر کے اشارہ سے نماز پڑھے اور سجدہ کا اشارہ رکوع کے مقابلہ میں زیادہ نیچا کرے۔

۲ اگر چت نہ لیٹے بلکہ دائیں یا بائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف منھ کر کے لیٹے اور سر کے اشارہ سے رکوع وسجدہ کرے تو بھی جائز ہے، حنفیہ کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتیں صحیح ہیں لیکن پہلی صورت اولیٰ ہے، شوافع کے نزدیک اگر کوئی کروٹ پر قدرت کے باوجود چت لیٹ کر نماز پڑھے تو صحیح نہ ہوگی گویا شافعیہ وجوب کے قائل ہیں۔ احناف کے نزدیک صرف استحباب کا درجہ ہے۔ (درمنضود ج:۲، ص:۳۵۴)

(۳۱۸/۵) فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْإِيْمَاءَ بِرَأْسِهِ أَخَّرَ الصَّلٰوةَ وَلَا يُؤْمِیْ بِعَيْنَيْهِ وَلَا بِحَاجِبَيْهِ وَلَا بِقَلْبِهِ

ترجمہ: (۳۱۸/۵) اور اگر بیمار آدمی سر سے بھی اشارہ نہ کر سکے تو نماز مؤخر کر دے اور اشارہ نہ کرے اپنی آنکھوں اپنی بھوؤں اور اپنے دل سے۔

تشریح: اگر بیماری اس قدر بڑھ گئی کہ سر کے ساتھ اشارہ کرنیکی قدرت بھی باقی نہ رہی تو نماز مؤخر کر دی جائے گی، لیکن آنکھوں سے ایسے ہی قلب اور بھوؤں کے ساتھ اشارہ کرنا کافی نہ ہوگا۔

قدوری کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایسے مریض کے ذمہ سے نماز ساقط نہ ہوگی بلکہ نماز اس کے ذمہ باقی رہے گی تندرست ہونے پر قضاء واجب ہوگی اگر یہ مرض ایک دن رات سے زیادہ رہا ہو بشرطیکہ اس زمانہ میں ہوش وحواس باقی رہا ہو یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (اللباب ج:۱،ص:۱۰۶)

(۳۱۹/۶) فَإِنْ قَدَرَ عَلَى الْقِيَامِ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ لَمْ يَلْزَمْهُ الْقِيَامُ وَجَازَ أَنْ يُصَلِّيَ قَاعِداً يُؤْمِیْ إِيْمَاءً.

ترجمہ: (۳۱۹/۶) اگر قادر ہو قیام پر اور قادر نہ ہو رکوع وسجدہ پر تو اس پر کھڑا ہونا لازم نہیں اور جائز ہے یہ کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

تشریح: اگر مریض کھڑا ہو سکتا ہے، لیکن رکوع وسجدہ نہیں کر سکتا تو چاہے کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور رکوع وسجدہ اشارے سے ادا کرے اور چاہے بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع وسجدہ کو اشارہ سے ادا کرے لیکن بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کرنا حقیقی سجدہ کے زیادہ مشابہ ہے اس لئے کہ بیٹھ کر اشارہ کرتے وقت سر زمین سے زیادہ قریب ہو جائے گا، بہ نسبت کھڑے ہو کر اشارہ کرنے کے۔

امام زفر وامام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر قیام پر قدرت ہو اور رکوع وسجود پر قدرت نہ ہو تو قیام اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (عنایہ من ہامش فتح القدیر ج:۱،ص:۴۶۰)

(۳۲۰/۷) فَإِنْ صَلَّى الصَّحِيْحُ بَعْضَ صَلٰوتِهِ قَائِماً ثُمَّ حَدَثَ بِهِ مَرَضٌ أَتَمَّهَا قَاعِداً يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَيُؤْمِیْ إِيْمَاءً إِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ أَوْ مُسْتَلْقِياً إِنْ لَمْ يَسْتَطِعِ الْقُعُوْدَ.

ترجمہ: (۳۲۰/۷) اگر تندرست نے کچھ نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر اس کو کوئی بیماری لاحق ہو گئی تو بیٹھ کر رکوع سجدہ کر کے نماز کو پورا کرے یا اشارہ کرے اگر رکوع وسجدہ نہ کر سکتا ہو یا چت لیٹ کر اگر بیٹھ بھی نہ سکتا ہو۔

تشریح: ایک شخص نے جب نماز شروع کی تو اس وقت بالکل تندرست تھا پھر جب تھوڑی نماز پڑھ چکا تو نماز ہی میں کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا کہ کھڑا نہ ہو سکا تو باقی نماز بیٹھ کر پڑھے اگر رکوع وسجدہ کر سکے تو کرے ورنہ رکوع وسجدہ کو سر کے اشارہ سے ادا کرے اور اگر ایسا حال ہو گیا کہ بیٹھنے کی بھی قدرت نہیں تو اسی طرح لیٹ کر باقی نماز کو پورا

کرے۔

(۳۲۱/۸) وَمَنْ صَلّٰى قَاعِداً يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ لِمَرَضٍ ثُمَّ صَحَّ بَنٰى عَلٰى صَلٰوتِهٖ قَائِماً (۳۲۲/۹) فَإِنْ صَلّٰى بَعْضَ صَلٰوتِهٖ بِإِيْمَاءٍ ثُمَّ قَدَرَ عَلَى الرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ إِسْتَأْنَفَ الصَّلٰوةَ.

ترجمہ: (۳۲۱/۸) اور جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع، سجدہ، کرتا ہوا، نماز پڑھ رہا تھا پھر تندرست ہوگیا تو وہ اپنی نماز کھڑے ہوکر پوری کرے۔(۳۲۲/۹) اور اگر نماز کا ایک حصہ اشارہ کے ساتھ ادا کیا، پھر رکوع اور سجدہ پر قادر ہوگیا تو نماز از سر نو پڑھے۔

تشریح: ایک شخص نے بیماری کی وجہ سے تھوڑی نماز بیٹھ کر پڑھی اور رکوع کی جگہ رکوع اور سجدہ کی جگہ سجدہ کیا پھر نماز میں ہی اچھا ہوگیا تو اسی نماز کو کھڑا ہوکر پورا کرے، یہ تفصیل شیخین کے مذہب کے مطابق ہے، امام محمد کے نزدیک از سر نو نماز پڑھے۔

شیخین اور امام محمد کا اختلاف اس بات میں ہے کہ قائم قاعد کے پیچھے اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں۔

امام محمد کے نزدیک اقتداء درست نہیں، شیخین کے نزدیک درست ہے، اس بارے میں اختلاف اور دلائل صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ فرمائیں، اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر بیماری کیوجہ سے رکوع، سجدہ کی قوت نہ تھی اس لئے سر کے اشارہ سے رکوع سجدہ کر رہا تھا، پھر درمیان نماز میں رکوع وسجدے پر قادر ہوگیا تو ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز از سر نو پڑھے۔ امام زفر کے نزدیک اس صورت میں بھی بناء جائز ہے۔ ہمارے نزدیک رکوع کرنے والے کا اشارہ کرنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، امام زفر کے نزدیک جائز ہے یہی مذکورہ مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد ہے۔

(۳۲۳/۱۰) وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فَمَادُوْنَهَا قَضَاهَا إِذَا صَحَّ وَإِنْ فَاتَتْهُ بِالْإِغْمَاءِ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ لَمْ يَقْضِ.

ترجمہ: (۱۷۰/۱۳) اور جس پر پانچ نماز دن تک یا اس سے کم بیہوشی رہی تو وہ ان کی قضا کرے تندرست ہونے کے بعد اور اگر بے ہوشی کی وجہ سے اس سے زیادہ فوت ہوگئیں تو ان کی قضاء نہ کرے۔

تشریح: اگر کوئی شخص ایک دن رات سے کم بے ہوش رہا تو تندرست ہونے کے بعد نمازوں کی قضاء کرنا واجب ہے اور اگر پانچ نمازوں سے زائد بے ہوش رہا تو ان کی قضاء واجب نہیں ہے یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے۔ مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک فوت شدہ نمازیں تھوڑی ہوں یا زیادہ کسی بھی صورت میں قضاء واجب نہ ہوگی، حنابلہ کے نزدیک۔ بے ہوشی کیوجہ سے فوت شدہ نمازیں قلیل ہوں یا کثیر ہر صورت میں قضاء کرنا واجب ہے۔ (فتح القدیر ج:۱ص:۴۶۲تا۴۶۳، عینی ج:۱ص:۹۳۴ "جزء ثانی")

بَابُ سُجُوْدِ التِّلَاوَةِ

ترجمہ: (یہ) باب تلاوت کے سجدہ (کے بیان) میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: چوں کہ سجدۂ سہو اور سجدۂ تلاوت دونوں میں سجدہ کا وجود ہے، اس لئے سجدۂ سہو کے بعد سجدۂ تلاوت کو بیان فرمانا چاہئے تھا، لیکن جبکہ مریض کی نماز عارض سماوی کی وجہ سے ہے اور سہو بھی عارض سماوی سے ہی ہوتا ہے اس مناسبت سے سجدۂ سہو کے بعد صلوٰۃ مریض کو بیان کیا ہے، تو یقینی طور پر سجدۂ تلاوت کے بیان کو مؤخر کرنا ہی ضروری تھا۔ (عنایہ ج:۱، ص:۴۶۴)

سجدہ کی آیتوں کی فضیلت اور دعا کی قبولیت

پورے قرآن میں چودہ آیت سجدہ ہیں ان سب کو ایک مجلس میں ایک ہی بیٹھک میں بالترتیب پڑھا جائے اور ہر ایک کے ساتھ سجدہ بھی کیا جائے اور پھر اس کے بعد دعاء کی جائے تو انشاء اللہ ضرور قبول ہوگی اور اگر مصیبت زدہ ہے تو اس کی مصیبت اور پریشانی بہت جلد دور ہو جائے گی یہ اکابر فقہاء اور ائمہ مجتہدین کا مجرب عمل ہے۔

(ایضاح المسائل ص:۴۴)

(۳۲۴/۱) فِي الْقُرْآنِ اَرْبَعَةَ عَشَرَ سَجْدَةً فِي آخِرِ الْاَعْرَافِ وَفِي الرَّعْدِ وَفِي النَّحْلِ وَفِي بَنِي اِسْرَائِيْلَ وَمَرْيَمَ وَالْاُوْلٰى فِي الْحَجِّ وَالْفُرْقَانِ وَالنَّمْلِ وَالٓمّٓ تَنْزِيْلُ وَصٓ وَحٰمٓ السَّجْدَةِ وَالنَّجْمِ وَالْاِنْشِقَاقِ وَالْعَلَقِ (۳۲۵/۲) وَالسُّجُوْدُ وَاجِبٌ فِي هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ عَلَى التَّالِي وَالسَّامِعِ سَوَاءٌ قَصَدَ سَمَاعَ الْقُرْآنِ اَوْلَمْ يَقْصِدْ.

ترجمہ: (۳۲۴/۱) قرآن میں چودہ سجدے ہیں، سورۂ اعراف کے آخر میں، سورۂ رعد میں، سورۂ نحل میں، سورۂ بنی اسرائیل میں، سورۂ مریم میں، سورج حج میں پہلا سجدہ، سورۂ فرقان میں، سورۂ نحل میں، سورۂ الم تنزیل میں، سورۂ ص میں، سورۂ حم السجدۃ میں، سورۂ نجم میں، سورۂ انشقاق میں، سورۂ علق میں۔ (۳۲۵/۲) اور سجدہ کرنا ان جگہوں میں واجب ہے تلاوت کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی خواہ قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

تشریح: اس عبارت میں دو مسئلے بیان فرمائے ہیں، ۱ سجدۂ تلاوت کی تعداد، ۲ سجدہ تلاوت کا حکم۔

۱ چودہ سورتیں جن میں آیات سجدہ ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

"(۱) سورۂ اعراف (۲) سورۂ رعد (۳) سورۂ نحل (۴) سورۂ بنی اسرائیل (۵) سورۂ مریم (۶) سورۂ حج (۷) سورۂ فرقان (۸) سورۂ نمل (۹) الم تنزیل (۱۰) ص (۱۱) سورہ حم سجدہ (۱۲) سورۂ نجم (۱۳) سورۂ انشقاق (۱۴) سورۂ

اقراء' ان میں سے ہر سورت میں سجدہ کے مقام میں نشان سجدہ موجود ہے، لیکن سورۂ حج میں صرف اول مقام میں سجدہ لازم ہے، مقام ثانی میں حضرت امام اعظم کے نزدیک سجدہ لازم نہیں ہے۔

اور سورہ صٓ میں "رَاكِعاً وَّأَنَابَ" پر سجدہ کا نشان موجود ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ "حُسْنَ مَآبٍ" پر سجدہ کیا جائے اور سورۂ حٰم سجدہ میں "لَا يَسْئَمُوْنَ" پر سجدہ کرنا چاہئے۔ (الجوہرۃ النیرہ ج:۱،ص:۹۷)

(۲) پورے قرآن کریم میں کل چودہ مقامات میں آیات سجدہ ہیں ان آیتوں کے پڑھنے والے پر اور سننے والے پر سجدہ کرنا واجب ہے، چاہے قرآن شریف سننے کے قصد سے بیٹھا ہو یا کسی اور کام میں لگا ہوا اور بغیر ارادہ کے سجدہ کی آیت سن لی ہو، ان مقامات میں سجدہ نہیں کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ (عالمگیری ج:۱،ص:۱۳۲)

سجدہ تلاوت کی تعداد میں اختلاف ائمہ

پورے قرآن کریم میں کتنے سجدے ہیں اس سلسلہ میں تین مذاہب بیان کئے جائیں گے۔

۱۔ حنابلہ کے نزدیک پورے قرآن کریم میں پندرہ جگہوں پر آیات سجدہ ہیں اس لئے سجدہ تلاوت ۱۵/ ہوں گے، سورۂ حج میں دو اور باقی کی تفصیل حنفیہ کی طرح ہے۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۳۱۴، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۴۴)

۲۔ مالکیہ کے نزدیک پورے قرآن کریم میں کل گیارہ مقامات پر سجدہ ہے، سورۂ نجم، سورۂ انشقاق اور سورۂ اقراء میں سجدہ نہیں ہے۔ (عمدہ ج:۵،ص:۳۴۴، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۴۵۳)

۳۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک کل چودہ مقامات میں سجدے ہیں اتنا فرق ہے کہ امام اعظم کے نزدیک سورۂ حج میں ایک سجدہ ہے اور سورۂ صٓ میں بھی ایک سجدہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک سورہ حج میں دو سجدے ہیں اور سورۂ صٓ میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۱،ص:۴۵۱)

سورہ حج میں دوسرے سجدہ کے بارے میں شوافع وحنابلہ کا استدلال حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ سورۂ حج کو فضیلت دی گئی، کیونکہ اس میں دو سجدے ہیں آپ نے فرمایا ہاں جس نے ان دونوں کو نہیں کیا گویا ان کو نہیں پڑھا۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۲۸)

جواب اس روایت کا دارومدار ابن لہیعہ پر ہے جن کا ضعف معروف ہے۔ (معارف السنن ج:۵،ص:۸۲)

شوافع سورۂ صٓ کے اندر سجدہ کے نہ ہونے پر حضرت ابن عباس کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ سورۂ صٓ میں سجدہ کرتے ہیں ابن عباس نے فرمایا کہ یہ عزائم سجود میں سے نہیں ہے۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۲۷)

جواب یہ ابن عباس کی اپنی رائے ہے اور حضور ﷺ کا عمل اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ (اوجز المسالک ج:۲، ص:۸۲۷، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۴۷)

امام مالک کا استدلال: حضرت زید بن ثابت کی روایت سے ہے کہ میں نے حضورؐ کے سامنے سورۂ نجم پڑھی آپؐ نے سجدہ نہیں کیا۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۹۹باب من لم یر السجود فی المفصل)

جواب ایسے وقت میں تلاوت کی گئی تھی جس میں سجدۂ تلاوت مشروع نہیں ہے، یعنی طلوع شمس، انتصاف النہار، غروب شمس کا وقت تھا۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۳۱۶)

مسئلہ : ۲ سجدہ تلاوت واجب ہے یا سنت۔

اس بارے میں دو مذہب ہیں:

۱ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۴۳)

دلیل: حضرت زید بن ثابت نے حضورؐ کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت کی لیکن کسی نے سجدہ نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔

جواب یہ سجود علی الفور کی نفی ہے اور فی الفور سجدہ ہمارے نزدیک بھی واجب نہیں ہے، اس حدیث میں وجوب کی نفی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۴۳)

حنفیہ کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۴۲)

دلیل: حنفیہ کا استدلال ان تمام آیات سجدہ سے ہے جن میں صیغۂ امر وارد ہوا ہے، شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ آیات سجدہ تین طرح کی ہیں: ۱ ان میں سجدہ کا حکم ہے۔ ۲ کفار کے سجدہ سے انکار کا ذکر ہے۔ ۳ انبیاء کے سجدہ کو نقل کیا گیا ہے اور امر کی تعمیل بھی واجب ہے کفار کی مخالفت بھی اور انبیاء کی اتباع بھی۔ (فتح القدیر ج:۱،ص:۴۶۲)

(۳/۳۲۶) فَإِذَا تَلَا الْإِمَامُ آيَةَ السَّجْدَةِ سَجَدَ هَا وَسَجَدَ الْمَأْمُوْمُ مَعَهُ (۴/۳۲۷) فَإِنْ تَلَا الْمَأْمُوْمُ لَمْ يَلْزَمِ الْإِمَامَ وَلَا الْمَأْمُوْمَ السُّجُوْدُ.

ترجمہ: (۳/۳۲۶) جب امام نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو امام سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے۔ (۴/۳۲۷) اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو سجدہ لازم نہیں نہ امام پر نہ مقتدی پر۔

تشریح: امام نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو امام نماز میں فوراً سجدہ کرے اور اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے کیوں کہ مقتدی نے اقتداء کی نیت کر کے امام کے متابعت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور اگر مقتدی نے آیت سجدہ کی تلاوت کی تو نہ مقتدی پر سجدہ واجب ہوگا نہ اس کے امام پر نہ ان لوگوں پر جو اس نماز میں شریک ہیں، کیوں کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے شرعاً قرأت کرنا ممنوع ہے اور جو شخص کسی تصرف سے روک دیا گیا ہو اس تصرف کا کوئی حکم نہیں ہوتا لہٰذا مقتدی کی قرأت کا کوئی حکم نہیں ہوگا تو اس پر سجدہ تلاوت بھی واجب نہ ہوگا اور جب تالی پر واجب نہیں تو سامع پر بھی واجب نہ ہوگا۔

(۳۲۸/۵) وَإِنْ سَمِعُوْا وَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ آيَةَ سَجْدَةٍ مِنْ رَجُلٍ لَيْسَ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ لَمْ يَسْجُدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ وَسَجَدُوْهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَإِنْ سَجَدُوْهَا فِي الصَّلٰوةِ لَمْ تُجْزِءْهُمْ وَلَمْ تَفْسُدْ صَلٰوتُهُمْ.

ترجمہ: (۳۲۸/۵) اوراگرلوگ نماز کی حالت میں آیت سجدہ سن لیں ایسے آدمی سے جوان کے ساتھ نماز میں نہیں ہے،تو وہ نماز میں سجدہ نہ کریں اور نماز کے بعد سجدہ کریں،اگر نماز کے اندر ہی کرلیں تو یہ سجدہ ان کو کافی نہ ہوگا،لیکن نماز فاسد نہ ہوگی۔

تشریح: اگر کچھ لوگوں نے نماز پڑھتے ہوئے کسی ایسے شخص سے سجدے کی آیت سنی جوان کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہے،تو یہ لوگ نماز میں سجدہ نہ کریں کیوں کہ یہ سجدہ نماز کا سجدہ نہیں ہے،بلکہ نماز کے بعد کریں کیوں کہ سجدہ کا سبب یعنی آیت کا سننا پایا گیا اگران لوگوں نے نماز ہی میں سجدہ کرلیا تو وہ سجدہ ادانہ ہوگا،پھر کرنا پڑے گا اور گناہ بھی ہوگا لیکن نماز بھی فاسد نہ ہوگی کیوں کہ سجدہ افعال صلوٰۃ میں سے ہے۔

(۳۲۹/۶) وَمَنْ تَلاَ آيَةَ سَجْدَةٍ خَارِجَ الصَّلٰوةِ وَلَمْ يَسْجُدْهَا حَتّٰى دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلاَهَا وَسَجَدَ أَجْزَأَتْهُ السَّجْدَةُ عَنِ التِّلاَوَتَيْنِ (۳۳۰/۷) وَإِنْ تَلاَهَا فِي غَيْرِ الصَّلٰوةِ فَسَجَدَ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَلاَهَا سَجَدَهَا ثَانِياً وَلَمْ تُجْزِنه السَّجْدَةُ الْأُوْلٰى.

ترجمہ: (۳۲۹/۶) اور جس شخص نے آیت سجدہ کی تلاوت کی نماز سے باہراوراس نے سجدہ کوادانہ کیا یہاں تک کہ نماز شروع کردی پھراسی آیت کو پڑھااورسجدہ کیا تو کافی ہے،یہ سجدہ دونوں تلاوتوں کی طرف سے۔(۳۳۰/۷) اوراگر نماز سے باہر تلاوت کرکے سجدہ کرلیا پھر نماز شروع کرکے اسی آیت سجدہ کی تلاوت کی تو پھر سجدہ کرے اب پہلا سجدہ کافی نہ ہوگا۔

تشریح: سجدہ کی کوئی آیت پڑھی اور سجدہ نہیں گیا پھراسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور وہی آیت پھر نماز میں پڑھی اور نماز میں سجدۂ تلاوت کیا تو یہی سجدہ کافی ہے دونوں سجدے اسی سے ادا ہوجائیں گے،کیوں کہ دوسرا سجدہ اقویٰ ہے اور پہلا سجدہ جو خارج صلوٰۃ واجب ہوا تھا اس کے تابع ہے،لہٰذا دوسرا سجدہ ادا کرنے سے پہلا سجدہ بھی ادا ہوجائے گا،اس کے بعد امام قدوری فرماتے ہیں کہ اگر سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرلیا پھر اسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور وہی آیت نماز میں پڑھی تو اب نماز میں پھر سجدہ کرے۔

(۳۳۱/۸) وَمَنْ كَرَّرَ تِلاَوَةَ سَجْدَةٍ وَاحِدَةٍ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ أَجْزَأَتْهُ سَجْدَةٌ وَاحِدَةٌ

ترجمہ: (۳۳۱/۸) اور جس شخص نے بار بار پڑھی سجدہ کی آیت ایک مجلس میں تو کافی ہوگا اس کو صرف ایک سجدہ۔

تشریح: ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے سجدہ کی آیت کو بار بار پڑھتا ہے تو صرف ایک ہی سجدہ لازم ہے چاہے سب دفعہ پڑھ کر اخیر میں سجدہ کرے یا پہلی دفعہ پڑھ کر سجدہ کرے پھر اسی آیت کو بار بار پڑھتا رہے دوبارہ سجدہ کرنیکی ضرورت نہیں

(۳۳۲/۹) وَمَنْ اَرَادَ السُّجُوْدَ كَبَّرَ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ وَسَجَدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَرَفَعَ رَأسَهُ وَلَاتَشَهُّدَ عَلَيْهِ وَلَاسَلَامَ

ترجمہ: (۳۳۲/۹) اور جو شخص سجدۂ تلاوت کرنا چاہے وہ تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ میں چلا جائے پھر تکبیر کہہ کر اپنا سر اٹھائے اور اس پر نہ تشہد ہے اور نہ سلام ہے۔

تشریح: اس عبارت میں سجدۂ تلاوت کی کیفیت کا بیان ہے، چنانچہ فرمایا کہ سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ طہارت کی حالت میں قبلہ رو ہوکر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جائے اور تین مرتبہ "سبحان ربّیَ الاَعلٰی" پڑھ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ جائے اور سجدہ تلاوت بیٹھ کر اور کھڑے ہوکر دونوں طرح جائز ہے لیکن کھڑے ہوکر کرنا افضل ہے۔(عالمگیری ج:۱ص:۱۳۵)

باب صلوٰة المسافر

ترجمہ: (یہ) باب مسافر کی نماز کے (بیان میں) ہے۔

ماقبل سے مناسبت: تلاوت کی طرح سفر بھی ان عوارض میں سے ہے جن کا انسان کسب کرتا ہے اس لئے سجدۂ تلاوت کے احکام بیان کرنے کے بعد سفر کے احکام بیان کررہے ہیں۔

سفر کی لغوی تعریف: مسافت طے کرنا۔

اصطلاحی تعریف: سفر وہ ہے جس سے احکام میں تبدیلی ہوجاتی ہے جیسے جمعہ، عیدین قربانی کے وجوب کا ساقط ہونا، نماز کا قصر، رمضان میں افطار کی اجازت۔

(۳۳۳/۱) اَلسَّفَرُ الَّذِىْ يَتَغَيَّرُ بِهِ الْاَحْكَامُ هُوَ اَنْ يَّقْصِدَ الْاِنْسَانُ مَوْضِعاً بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَقْصِدِ مَسِيْرَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ بِسَيْرِ الْاِبِلِ وَمَشْىِ الْاَقْدَامِ وَلَامُعْتَبَرَ فِىْ ذٰلِكَ بِالسَّيْرِ فِى الْمَاءِ

ترجمہ: (۳۳۳/۱) وہ سفر جس سے احکام بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ آدمی ایسی جگہ کا ارادہ کرے کہ اس کے اور اس جگہ کے درمیان تین دن کی مسافت ہو اونٹ یا پیدل کی رفتار سے اور اس (خشکی) میں دریائی رفتار کا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جس سفر سے احکام متغیر ہوجاتے ہیں وہ سفر یہ ہیکہ انسان تین دن تین رات کے چلنے کا ارادہ کرے چال کے اندر اونٹ کی چال معتبر ہے یا پیدل کی یا بیل گاڑی کی، متن کی عبارت میں دن سے مراد سب سے چھوٹا دن ہے جیسے ہمارے ملک میں سردی کے دن ہوتے ہیں، اسی طرح ۲۴ گھنٹے چلتے رہنا مراد نہیں ہے بلکہ ہر دن صبح سے زوال تک ہر منزل پر پہنچ کر آرام کر کے تین دن تین رات میں جو مسافت طے ہو وہ مسافت غر

ہے، اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ دریائی سفر میں خشکی کی رفتار معتبر نہیں ہے، مثلاً ایک مقام پر جانے کے دو راستے ہیں، ایک دریا کا دوسرا خشکی کا، خشکی کے راستے سے اس مقام تک پہنچنے کے لئے تین دن تین رات لگتے ہیں اور دریا کے راستے سے دو دن تو اگر کوئی خشکی کے راستے سے سفر کریگا تو مسافروں کی رخصت حاصل ہوگی اور اگر دریائی راستہ سے گیا تو سفر کی رخصت حاصل نہ ہوگی۔

سفر شرعی کی مسافت پر تحقیقی بحث

مسافت سفر کے بارے میں شامی وغیرہ معتبر کتب فقہ میں چار اقوال نقل کئے گئے ہیں ۱۔ ۶۳ رمیل، ۲۔ ۵۴ رمیل، ۳۔ ۴۸ رمیل، ۴۔ ۴۵ رمیل۔ (شامی کراچی ج:۲، ص:۷۳۵، عمدة القاری ج:۵، ص:۲۷۶)

لیکن اکابر فقہا و اہل فتاویٰ نے ۴۸ میل کو ترجیح دی ہے اور ۴۸ رمیل شرعی موجودہ زمانے کے اعتبار سے ۸۷ رکلومیٹر ۷۸۲ رمیٹر، ۴۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اگر ۴۵ رمیل شرعی کا اعتبار کیا جائے تو ۸۲ رکلومیٹر، ۲۹۶ میٹر مسافت بنتی ہے تو معلوم ہوا کہ شرعی میل کے لحاظ سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی مسافت میں قصر جائز نہ ہوگا۔ (مستفاد ایضاح المسائل ص:۶۸)

(۲/۳۲۴) وَفَرْضُ الْمُسَافِرِ عِنْدَنَا فِي كُلِّ صَلٰوةٍ رُبَاعِيَّةٍ رَكْعَتَانِ وَلَاتَجُوْزُ لَهُ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِمَا

ترجمہ: (۲/۳۲۴) اور مسافر کا فرض ہمارے نزدیک ہر چار رکعت والی نماز میں دو رکعتیں ہیں، اور اس کے لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک رباعی نماز میں مسافر پر دو رکعت فرض ہیں ان پر اضافہ جائز نہیں ہے۔

سفر میں قصر (رباعی نمازوں کا نصف ہو جانا) کی مشروعیت پر اجماع ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بحالت سفر نماز میں قصر کا حکم عزیمت اور فرض کے درجہ میں ہے یا رخصت وسنت کے درجہ میں ہے۔

اختلاف الائمہ

۱۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسافر کے لئے قصر کا حکم عزیمت اور فرض کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ رخصت اور سنت کے درجہ میں ہے۔ (بذل المجہود ج:۲، ص:۲۲۹، نیل الاوطار ج:۳، ص:۲۱۳، معارف السنن ج:۴، ص:۵۴۳)

۲۔ حنفیہ کے نزدیک مسافر کے لئے قصر کا حکم رخصت اور سنت کے درجہ میں نہیں ہے بلکہ فرض کے درجہ میں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبیؐ سفر میں قصر بھی فرماتے تھے، اتمام بھی افطار بھی کرتے تھے، اور روزہ بھی رکھتے تھے۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۴۵۹)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر فرض یا عزیمت بالکل نہیں ہے بلکہ رخصت ہے۔

جواب اس حدیث کا جواب علامہ ابن تیمیہ نے یہ دیا ہے کہ (حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب کر کے) حضور پر جھوٹ باندھنا ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۵۹)

علاوہ ازیں حدیث کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ آپ چھوٹے سفر میں جو کہ تین منزل سے کم ہوتا اتمام فرماتے اور لمبے سفر میں قصر فرماتے تھے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبانی نماز فرض فرمائی ہے حضر میں چار رکعت اور سفر کی حالت میں دو رکعات۔ (مسلم شریف: ج:۱،ص:۲۴۱)

(۳/۳۳۵) فَإِنْ صَلّٰى اَرْبَعاً وَقَدْ قَعَدَ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ أَجْزَاءَتْهُ رَكْعَتَانِ عَنْ فَرْضِهٖ وَكَانَتِ الْأُخْرَيَانِ لَهٗ نَافِلَةً (۴/۳۳۶) وَإِنْ لَمْ يَقْعُدْ فِي الثَّانِيَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ بَطَلَتْ صَلٰوتُهٗ

ترجمہ: (۳/۳۳۵) اگر مسافر چار رکعت پڑھے اور دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار بیٹھ جائے تو دو رکعتیں کافی ہوں گی اس کے فرض کی طرف سے اور آخری دو رکعت اس کے لئے نفل بن جائیں گی۔ (۴/۳۳۶) اور اگر نہ بیٹھا دوسری رکعت پر تشہد کی مقدار تو اسکی نماز باطل ہو جائیگی۔

تشریح: اگر مسافر بھولے سے چار رکعتیں پڑھ لے تو اگر دوسری رکعت پر التحیات پڑھی ہے تب تو دو رکعتیں فرض ہوگئیں اور دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی اور سجدہ سہو کرنا پڑے گا اور اگر دو رکعت پر نہ بیٹھا ہو تو چاروں رکعتیں نفل ہوگئیں فرض نماز دوبارہ پڑھے۔

(۵/۳۳۷) وَمَنْ خَرَجَ مُسَافِراً صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ إِذَا فَارَقَ بُيُوْتَ الْمِصْرِ وَلَايَزَالُ عَلٰى حُكْمِ الْمُسَافِرِ حَتّٰى يَنْوِيَ الْإِقَامَةَ فِي بَلْدَةٍ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً فَصَاعِداً فَيَلْزَمُهُ الْإِتْمَامُ فَإِنْ نَوَى الْإِقَامَةَ اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ لَمْ يُتِمَّ.

ترجمہ: (۵/۳۳۷) اور جو شخص سفر کے ارادہ سے نکلا تو دو رکعت پڑھے جب وہ شخص شہر کی آبادی سے نکل جائے اور برابر مسافر کے حکم میں رہے گا یہاں تک کہ ٹھہرنے کی نیت کرلے کسی شہر میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی پس لازم ہوگی اس کو پوری نماز پڑھنی اور اگر اس سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو پوری نماز نہ پڑھے۔

تشریح: جب آبادی سے باہر نکل جائے تو مسافر پر قصر کرنا واجب ہوگیا اور سفر کا یہ حکم اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ کسی شہر یا گاؤں میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کی نیت نہ کرے چار رکعت فرض والی نماز دو رکعت پڑھتا رہے، پھر جب پندرہ دن یا اس سے زیادہ کے قیام کی نیت کرے گا تو سفر کا حکم ختم ہو جائیگا اور یہ شخص مقیم کہلائے گا۔

مسافر نماز کا اتمام کب کرے گا

جب سفر پورا کر کے اپنے وطن واپس آجائے یا یہ کہ سفر میں منزل پر پہنچ کر وہاں اقامت کی نیت کرلے۔

مدتِ اقامت میں مذاہب ائمہ

(۱) حنفیہ کے نزدیک پندرہ روز کے قیام کے ارادہ سے مقیم بن جاتا ہے اس سے کم ہو تو مسافر رہتا ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۷۲)

(۲) امام مالک وشافعی کے نزدیک چار دن کے قیام کے ارادہ سے مقیم بن جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۷۱)

(۳) امام احمد کے نزدیک بائیس نمازوں تک قیام کا ارادہ کرے گا تو مقیم بن جائے گا۔
(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۷۲)

(۶/ ۳۳۸) وَمَنْ دَخَلَ بَلَداً وَلَمْ يَنْوِ اَنْ يُقِيمَ فِيهِ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً وَاِنَّمَا يَقُوْلُ غَداً أَخْرُجُ اَوْ بَعْدَ غَدٍ اَخْرُجُ حَتّٰى بَقِيَ عَلٰى ذَالِكَ سِنِيْنَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ.

ترجمہ: (۶/ ۳۳۸) اور جو شخص کسی شہر میں داخل ہوا اور وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی بلکہ یہ کہتا رہا کہ کل نکلوں گا یا پرسوں نکلوں گا، حتی کہ اسی طرح کئی سال گذر گئے تو دو ہی رکعت پڑھتا رہے گا۔

تشریح: اگر مسافر کسی شہر میں داخل ہوا کہ اور روز نیت ہوتی ہے کل پرسوں چلا جاؤں گا لیکن کچھ ایسی باتیں ہو جاتی ہیں کہ جانا نہیں ہوتا، اسی طرح پندرہ یا بیس دن یا ایک ماہ یا اس سے بھی زیادہ رہنا ہو گیا، لیکن پورے پندرہ دن کی نیت کبھی نہیں ہوئی تو یہ قصر نماز پڑھتا رہیگا مقیم نہیں کہلائیگا۔

دلیل: حضرت ابن عمرؓ آذربیجان میں چھ ماہ تک مقیم رہے، قصر کرتے رہے کیونکہ پندرہ دن قیام کی نیت نہیں کی تھی۔ (درمنضود، ج:۲،ص:۴۹۴)

(۷/ ۳۳۹) وَإِذَا دَخَلَ الْعَسْكَرُ فِي اَرْضِ الْحَرْبِ فَنَوَوْا الْاَقَامَةَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً لَمْ يَتِمُّوْا الصَّلٰوةَ.

ترجمہ: (۷/ ۳۳۹) اور جب لشکر دار الحرب میں داخل ہوا اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی تب بھی لشکر والے پوری نماز نہ پڑھیں۔

تشریح: اقامت کی نیت اس جگہ معتبر ہے جہاں اقامت کی صلاحیت وقدرت ہو چوں کہ دشمن کی زمین میں اقامت کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے پندرہ دن کے قیام کی نیت کے باوجود بھی حکم یہ ہے کہ یہ فوجی مسلمان قصر نماز پڑھیں، جیسا کہ منقول ہے کہ صحابہ کرام رامہرمز میں نو ماہ تک مقیم رہے نماز میں قصر ہی کرتے رہے۔
(بیہقی، درمنضود ج:۲،ص:۴۹۴)

(۸/ ۳۴۰) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ فِي صَلٰوةِ الْمُقِيمِ مَعَ بَقَاءِ الْوَقْتِ أَتَمَّ الصَّلٰوةَ (۹/ ۳۴۱) وَإِنْ دَخَلَ مَعَهُ

فِي فَائِتَةٍ لَمْ تَجُزْ صَلَاتُهُ خَلْفَهُ.

ترجمہ: (۳۴۰/۸) اور جب مسافر مقیم کی نماز میں شامل ہو جائے (مقتدی بن جائے) وقت باقی رہنے کے باوجود تو وہ پوری نماز پڑھے۔ (۳۴۱/۹) اور اگر مسافر مقیم کے ساتھ کسی قضاء نماز میں شریک ہو جائے تو اس کے پیچھے اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

تشریح: مسافر مقیم امام کی اقتداء کر سکتا ہے مگر وقت کے اندر اور اگر وقت نکل گیا تو فجر اور مغرب میں اقتداء کر سکتا ہے، ظہر، عصر، اور عشاء میں نہیں کر سکتا۔

(۳۴۲/۱۰) وَإِذَا صَلَّى الْمُسَافِرُ بِالْمُقِيمِينَ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتَمَّ الْمُقِيمُوْنَ صَلٰوتَهُمْ وَيَسْتَحِبُّ لَهُ إِذَا سَلَّمَ اَنْ يَّقُوْلَ لَهُمْ اَتِمُّوْا صَلٰوتَكُمْ فَإِنَّا قَوْمٌ سَفْرٌ.

ترجمہ: (۳۴۲/۱۰) اور جب نماز پڑھائے مسافر مقیم لوگوں کو تو دو رکعت پڑھے اور سلام پھیر دے پھر مقیم لوگ اپنی نماز پوری کر لیں اور مستحب امام کے لئے جب وہ سلام پھیرے تو یوں کہے تم لوگ اپنی نماز پوری کر لو ہم تو مسافر ہیں۔

تشریح: مقیم کی اقتداء مسافر کے پیچھے ہر حال میں درست ہے خواہ ادا نماز ہو یا قضا، اور مسافر امام جب دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے تو مقیم مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنی نماز اٹھ کر پوری کر لیں اور ان بقیہ رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہ پڑھیں، بلکہ تھوڑی دیر خاموش کھڑا ہو کر رکوع وسجدہ سے پوری کر لیں، مسافر امام کے لئے مستحب ہے کہ اپنے مقتدیوں کو دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد فوراً اپنے مسافر ہونے کی اطلاع کر دے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے قبل بھی اپنے مسافر ہونے کی اطلاع کر دے۔

(۳۴۳/۱۱) وَإِذَا دَخَلَ الْمُسَافِرُ مِصْرَهُ اَتَمَّ الصَّلٰوةَ وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الْإِقَامَةَ فِيْهِ.

ترجمہ: (۳۴۳/۱۱) اور جب مسافر اپنے شہر میں داخل ہوا تو وہ پوری نماز پڑھے اگرچہ وہاں ٹھہرنے کی نیت نہ کی ہو۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مسافر سفر شرعی کی مسافت طے کر کے اپنے وطن اصلی میں داخل ہوا تو آبادی میں داخل ہوتے ہی مقیم ہو جائے گا، اگرچہ اقامت کی نیت نہ کی ہو۔ فقہ کے اعتبار سے آدمی کے وطن اصلی متعدد ہو سکتے ہیں اور شرعاً وطن اصلی صرف اس جگہ کو نہیں کہتے جہاں پیدا ہوا ہو بلکہ ہر اس جگہ کو وطن اصلی کا درجہ حاصل ہے جہاں انسان نے اپنے اثاثہ اور اہل وعیال کے ساتھ مستقل قیام کر رکھا ہو، لہٰذا جب بھی مسافر ہو کر وہاں پہنچ جائے گا نماز کا قصر نہیں کرے گا بلکہ اتمام لازم ہے، اگرچہ پندرہ روز قیام کا ارادہ نہ ہو۔

(۱۲/۳۴۴) وَمَنْ كَانَ لَهُ وَطَنٌ فَانْتَقَلَ عَنْهُ وَاسْتَوْطَنَ غَيْرَهُ ثُمَّ سَافَرَ فَدَخَلَ وَطَنَهُ الْاَوَّلَ لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۱۲/۳۴۴) اور جس شخص کا کوئی وطن تھا پھر اس وطن سے وہ منتقل ہوگیا اور اس کے علاوہ کو وطن بنالیا پھر سفر کیا اور اپنے پہلے وطن میں داخل ہوگیا تو یہ پوری نماز نہ پڑھے۔

تشریح: کسی نے وطن اصلی بالکل چھوڑ دیا اور کسی دوسری جگہ گھر بنالیا اور وہیں رہنے سہنے لگا اب پہلے شہر اور پہلے گھر سے کچھ مطلب نہیں رہا تو اگر سفر کرتے وقت راستے میں وہ پہلا شہر پڑے اور پندرہ دن سے کم وہاں رہنا پڑ جائے تو مسافر رہے گا۔

(۱۳/۳۴۵) وَاِذَا نَوَى الْمُسَافِرُ اَنْ يُقِيْمَ بِمَكَّةَ وَمِنٰى خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْماً لَمْ يُتِمَّ الصَّلٰوةَ

ترجمہ: (۱۳/۳۴۵) اور جب مسافر مکہ اور منیٰ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ نماز پوری نہ پڑھے۔

تشریح: مسافر نے مکہ اور منیٰ میں اقامت کی نیت کی تو مقیم نہ ہوگا، بلکہ مسافر ہی رہے گا اور نماز قصر پڑھے گا، کیونکہ مکہ اور منیٰ دو الگ الگ مقام ہیں اور دو مقام میں اقامت کی نیت معتبر نہیں ہے۔

(۱۴/۳۴۶) وَالْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ لِلْمُسَافِرِ يَجُوْزُ فِعْلاً وَلَا يَجُوْزُ وَقْتاً

ترجمہ: (۱۴/۳۴۶) اور دو نمازوں کو جمع کرنا مسافر کے لئے جائز ہے فعلاً اور جائز نہیں ہے وقتاً۔

تشریح: سفر کے احکام چل رہے ہیں منجملہ ان کے ایک حکم یہ ہے کہ سفر کیوجہ سے جمع بین الصلوٰتین جائز ہے لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہو رہا ہے کہ جمع سے مراد جمع حقیقی ہے یا جمع صوری۔

جمع حقیقی کی تعریف: ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا۔

جمع صوری کی تعریف: پہلی نماز کو اس کے بالکل اخیر وقت میں ادا کیا جائے اور دوسری نماز کو اس کے اول وقت میں، اس کا دوسرا نام جمع من حیث الفعل بھی ہے۔ جمہور علماء ائمہ ثلاثہ جمع حقیقی و جمع صوری دونوں کے جواز کے قائل ہیں، امام ابوحنیفہ وصاحبین کے نزدیک جمع صوری جائز ہے، مگر جمع حقیقی جائز نہیں ہے لیکن عرفات ومزدلفہ میں جو جمع بین الصلوٰتین ہوتا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے ان دونوں جگہوں میں جمع بین الصلوٰتین بالاتفاق جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۴۱۹/۴۲۰)

(۱۵/۳۴۷) وَتَجُوْزُ الصَّلٰوةُ فِي سَفِيْنَةٍ قَاعِداً عَلٰى كُلِّ حَالٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا لَاتَجُوْزُ اِلَّا بِعُذْرٍ

ترجمہ: (۱۵/۳۴۷) اور جائز ہے نماز پڑھنا کشتی میں بیٹھ کر ہر حال میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں مگر عذر کی وجہ سے۔

تشریح: کشتی میں نماز پڑھنے والا اگر قیام سے عاجز ہے تو بالاتفاق بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور چلتی ہوئی کشتی میں اگر قیام سے عاجز نہیں ہے، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بغیر کسی بیماری کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن کھڑے ہوکر پڑھنا افضل ہے۔

ائمہ ثلاثہ وصاحبین کے نزدیک بغیر عذر کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ جب قیام پر قدرت ہے تو بغیر عذر اس کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چلتی ہوئی کشتی میں عام طور سے چکر آتا ہے اور جو چیز اکثر واقع ہوتی ہے وہ متحقق کے مانند ہوتی ہے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار مع الشامی ج:۱ص:۷۱۴)

(۱۶/۳۴۸) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي السَّفَرِ قَضَاهَا فِي الْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةٌ فِي الْحَضَرِ قَضَاهَا فِي السَّفَرِ أَرْبَعاً.

ترجمہ: (۱۶/ ۳۴۸) اور جس شخص کی کوئی نماز فوت ہو جائے سفر میں تو قضاء پڑھے اس کی حضر میں دو رکعت اور جس کی نماز فوت ہوگئی حضر میں تو قضاء پڑھے اس کی سفر میں چار رکعت۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ سفر کی حالت میں اگر چار رکعت والی نماز فوت ہوگئی اور حالت اقامت میں اس کو پڑھنا چاہتا ہے تو دو رکعت پڑھے اور حالت اقامت میں کوئی رباعی نماز فوت ہوگئی پھر اس کو سفر میں پڑھنا چاہتا ہے تو چار رکعت پڑھے، کیونکہ قضاء ادا کے موافق واجب ہوتی ہے یعنی جس پر اداء چار رکعت واجب ہوئی تو وہ قضاء بھی چار رکعت ہی کرے گا اور جس پر اداء دو رکعت واجب ہوئی تو قضاء بھی دو رکعت ہی واجب ہوگی۔

(۱۷/۳۴۹) وَالْعَاصِيُ وَالْمُطِيْعُ فِي السَّفَرِ فِي الرُّخْصَةِ سَوَاءٌ

ترجمہ: (۱۷/ ۳۴۹) گناہ گار اور فرمانبردار رخصتِ سفر میں برابر ہیں۔

تشریح: سفر معصیت جیسے عورت کا بغیر محرم کے حج کے لئے سفر کرنا، سفر طاعت جیسے جہاد کے لئے سفر کرنا، حنفیہ کے نزدیک دونوں طرح کا سفر رخصت کا سبب ہے، کیونکہ اللہ کے نبی کا فرمان ہے "يَمْسَحُ الْمُقِيْمُ يَوْماً وَلَيْلَةً وَالْمُسَافِرُ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَلَيَالِيَهَا" اس حدیث میں مطیع وعاصی کی کوئی تفصیل نہیں ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک معصیت کرنے [illegible] رخصت نہیں ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْجُمُعَةِ

ترجمہ: یہ باب جمعہ کی نماز کے (بیان میں) ہے۔

ماقبل سے مناسبت: مسافر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے؛ لیکن مسافر کی ہر رباعی نماز میں تنصیف ہے اور یہاں تنصیف صرف ظہر میں ہے یہ باب خاص ہوا اور ماقبل کا باب عام ہوا اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے

دوسری مناسبت: اب تک صلوات خمسہ اور ان سے متعلق احکام ومسائل کا بیان چل رہا تھا اب یہاں سے مصنفؒ صلوات مخصوصہ جیسے جمعہ اور استسقاء کسوف اور عیدین کا بیان شروع کرتے ہیں۔

جمعہ کا ثبوت قرآن سے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (پارہ:۲۸،آیت:۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی جانب چلو۔

اس پر مفسرین کا اتفاق ہے کہ ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے اور امر کا صیغہ وجوب کے لئے ہے، چنانچہ آیت سے خطبہ کی طرف سعی کا واجب ہونا ثابت ہوا اور سعی الی الخطبہ جمعہ کی نماز کے شرائط میں سے ہے، چنانچہ جب جمعہ کی جانب سعی کا واجب ہونا ثابت ہو گیا تو نمازِ جمعہ جو مقصود ہے بدرجۂ اولیٰ فرض ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۵)

جمعہ کا ثبوت حدیث سے: اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۵۳)

جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا فرض ہے۔

جمعہ کا ثبوت اجماع سے: پوری امت مسلمہ جمعہ کے فرض ہونے پر متفق ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۵)

جمعہ کی مشروعیت اھ میں ہوئی۔ (معارف السنن ج:۱،ص:۱۶۹)

جمعہ کے فرض ہونے کی بارہ شرطیں ہیں: چھ وجوب کی چھ صحت کی: وجوب کی شرطیں (۱) آزاد ہونا (۲) مرد ہونا (۳) مقیم ہونا (۴) تندرست ہونا (۵) پاؤں کا سلامت ہونا (۶) آنکھوں کا سلامت ہونا، چھ صحت کی: (۱) شہر (۲) بادشاہ یا اس کا نائب ہو (۳) وقت (۴) خطبہ (۵) جماعت (۶) عام اجازت

(۱/۳۵۰) لَاتَصِحُّ الْجُمُعَةُ اِلَّا فِيْ مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ فِيْ مُصَلَّى الْمِصْرِ وَلَاتَجُوْزُ فِي الْقُرٰى

ترجمہ: (۱/۳۵۰) صحیح نہیں ہوتا جمعہ مگر شہر جامع میں یا شہر کی فناء میں اور جمعہ گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان کر رہے ہیں کہ جمعہ کی نماز کس جگہ قائم کی جاسکتی ہے اور کہاں نہیں؟ متن میں دو لفظ "مصر جامع"، "مصلی المصر" قابل تشریح ہیں۔

مصر جامع: وہ بڑا شہر جس میں باقاعدہ سڑکیں ہوں گلی کوچے اور بازار ہوں، امیر یا قاضی ہو جو احکام جاری کرنے اور شرعی سزاؤں کو قائم کرنے پر قادر ہو، اس کے علاوہ مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ مصر کی کوئی جامع مانع تعریف نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کا مدار عرف پر ہے، اگر عرف میں کسی بستی کو شہر یا قصبہ سمجھا جاتا ہے تو وہاں نمازِ جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔

مصلی المصر: شہر کا مصلیٰ عیدگاہ ہوتا ہے لیکن یہاں مصلیٰ سے فناء شہر مراد ہے، فناء شہر کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ شہر کی ضروریات جہاں تک بھی پوری ہوتی ہوں وہاں تک کا علاقہ شہر میں داخل ہے، جیسے قبرستان، عیدگاہ، مذبح وغیرہ۔

(۲) بعض لوگوں نے فناء شہر سے مراد یہ لیا ہے کہ جو لوگ شہر سے اتنے فاصلہ پر رہتے ہیں کہ اگر وہ شہر میں جمعہ کی نماز ادا کر کے شام ہونے سے پہلے بلا تکلف اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں تب تو ان پر جمعہ فرض ہے، ورنہ نہیں صاحب بدائع نے اسی قول کو پسند کیا ہے وہذا احسن۔ (بدائع ج:۱،ص:۵۸۵)

اس تفصیل کے بعد ملاحظہ ہو کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز شہر اور فناء شہر دونوں جگہ جائز ہے؛ البتہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

امام شافعی وغیرہ کے نزدیک جمعہ کی نماز ہر ایسی بستی میں قائم کر سکتے ہیں جو مستقل آباد ہو یعنی چند روز کے لئے وہاں عارضی قیام نہ ہو وہاں باقاعدہ تعمیر شدہ مکانات ہوں خواہ کچے ہوں یا پکے، اور چالیس عاقل، بالغ، مقیم، آزاد، مرد ہوں (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۴۰) الحاصل امام شافعی وجمہور علماء کے نزدیک مطلقاً قریہ صغیرہ ہو یا کبیرہ دونوں میں جمعہ جائز ہے۔

دلیل: حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک کی روایت ہے کہ میں نے اپنے والد کعب کو دیکھا کہ جب بھی جمعہ کے روز وہ جمعہ کی اذان کی آواز سنتے تو اسعد بن زرارہ کے لئے دعاء مغفرت کیا کرتے تھے، عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے اپنے والد سے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے فرمایا کہ اسعد بن زرارہ نے ہی یہاں مدینہ منورہ کے ایک مقام جس کا نام ہزم النبیت ہے ہم لوگوں کو سب سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھائی تھی۔ (ابوداود ج:۱،ص:۱۵۳)

ہزم النبیت ایک قریہ ہی تو ہے شہر تو نہیں معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ درست ہے۔

جواب ان حضرات نے یہ جمعہ اپنے اجتہاد سے فرضیت جمعہ سے پہلے ہی پڑھ لیا تھا جبکہ ابھی جمعہ کی نماز شروع بھی نہ ہوئی تھی، اس کی تفصیل مصنف عبدالرزاق میں موجود ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ص:۱۵۹ تا ۱۶۰)

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے مصر شرط ہے، اور اہل فتاویٰ نے قصبہ اور قریہ کبیرہ کو بھی اسی حکم میں لکھا ہے کہ جس گاؤں کی آبادی تین چار ہزار ہو مطلقاً مسلم ہو خواہ غیر مسلم نیز وہاں ضروری حوائج کی اشیاء بھی ملتی ہوں دکانیں ہوں وہ قریہ کبیرہ اور قصبہ کہلاتا ہے اس میں بھی اقامت جمعہ جائز ہے۔

دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: "قَالَتْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُوْنَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي" (بخاری ج:۱،ص:۱۲۳، باب من این یولی الجمعة) یعنی اہل عوالی (مدینہ کے قریب کی جگہوں کا نام) باریاں مقرر کر کے جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مدینہ طیبہ آیا کرتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز ہوتا تو ان کو جمعہ کے لئے باریاں مقرر کر کے مدینہ آنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ "عوالی" ہی میں جمعہ قائم کر سکتے تھے۔

(۲/۳۵۱) وَلَا تَجُوْزُ إِقَامَتُهَا إِلَّا لِلسُّلْطَانِ أَوْ لِمَنْ أَمَرَهُ السُّلْطَانُ

ترجمہ: (۲/۳۵۱) اور جائز نہیں جمعہ قائم کرنا مگر بادشاہ کے لئے یا اس شخص کے لئے جسے بادشاہ حکم دے۔

تشریح: نماز جمعہ صحیح ہونے کے لئے دوسری شرط بادشاہ یا اس کا نائب ہونا ہے، کیوں کہ جمعہ ایک عظیم جماعت کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، اور اس کے قائم کرنے میں لڑائی جھگڑا ہوسکتا ہے مثلاً ایک آدمی کہتا ہے کہ میں امامت کروں گا دوسرا کہتا ہے کہ میں امامت کروں گا یا امام فلاں بزرگ ہوں گے، دوسرا کہتا ہے کہ فلاں بزرگ ہوں گے، کوئی کہے گا جلدی ادا کیا جائے، کوئی تاخیر سے کہے گا، اس لئے بادشاہ یا اس کا نائب ہونا ضروری ہے، تاکہ اس قسم کے اختلافات نہ ہوسکیں، یہ بات ذہن نشیں رہے کہ نماز جمعہ کے لئے بادشاہ کی شرط اس جگہ ہے جہاں بادشاہ مسلمان ہو ورنہ مسلمان آپس کی رضامندی سے جس کو امام مقرر کرلیں وہ امام جمعہ ہوجاتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ ج:۲، ص:۲۹۷)

موجودہ زمانہ میں شرط بادشاہ کی جگہ مسلمانوں کا اتفاق کافی سمجھا گیا ہے اور اتفاق کے لئے مسجد کے نمازیوں کا اپنے امام پر اتفاق کافی ہے۔ (کفایت المفتی ج:۳، ص:۲۱۰)

(۳/۳۵۲) وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْوَقْتُ فَتَصِحُّ فِيْ وَقْتِ الظُّهْرِ وَلَاتَصِحُّ بَعْدَهُ

ترجمہ: (۳/۳۵۲) اور جمعہ کی شرائط میں سے وقت ہے چنانچہ جمعہ وقت ظہر میں صحیح ہے اور ظہر کے وقت کے بعد صحیح نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں صحت جمعہ کے لئے تیسری شرط کا بیان ہے، وقت ظہر سے پہلے اور اس کے بعد نماز جمعہ درست نہیں، اگر جمعہ کی نماز میں ظہر کا وقت ختم ہوجائے تو جمعہ فاسد ہوجائے گا، اگرچہ بقدر تشہد قعدہ کرنے کے بعد ظہر کا وقت ختم ہوا تب بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔

اختلاف الائمہ

جمعہ کا وقت کیا ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام احمد کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال سے پہلے پڑھنا جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۵۹)

دلیل: ماکنا نقیل و لانتغدیٰ الا بعد الجمعۃ (مسلم ج:۱، ص:۲۸۳)

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قیلولہ اور صبح کا کھانا جمعہ کے بعد ہی کیا کرتے تھے۔ عربی زبان میں "غداء" کہتے ہیں اس کھانے کو جو سورج نکلنے کے بعد اور زوال سے پہلے کھایا جائے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز زوال سے بہت پہلے پڑھ لیتے تھے۔

جواب: اگرچہ لغت کے اعتبار سے غداء کا اطلاق زوال سے پہلے کے کھانے کے لئے آتا ہے مگر عرفاً زوال کے بعد کے کھانے پر بھی بول دیا جاتا ہے، اس لئے لفظ "نتغدیٰ" سے استدلال درست نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۵۹)

دلیل: إِنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَۃَ حِیْنَ تَمِیْلُ الشَّمْسُ. (ترمذی ج:۱، ص:۱۱۲، عمدۃ ج:۵، ص:۵۸)
یعنی آپ ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ سورج ڈھلنے لگتا تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ زوال کے بعد ہے نہ کہ زوال سے پہلے۔

(۳۵۳/۴) وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْخُطْبَةُ قَبْلَ الصَّلٰوةِ یَخْطُبُ الْإِمَامُ خُطْبَتَیْنِ یَفْصِلُ بَیْنَهُمَا بِقَعْدَةٍ (۳۵۴/۵) وَیَخْطُبُ قَائِماً عَلَی الطَّهَارَةِ (۳۵۵/۶) فَإِنِ اقْتَصَرَ عَلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ تَعَالٰی جَازَ عِنْدَ أَبِی حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا لَابُدَّ مِنْ ذِکْرٍ طَوِیْلٍ یُسَمّٰی خُطْبَةً (۳۵۶/۷) فَإِنْ خَطَبَ قَاعِداً أَوْ عَلٰی غَیْرِ طَهَارَةٍ جَازَ وَیُکْرَهُ.

ترجمہ: (۳۵۳/۴) اور شرائط جمعہ میں سے خطبہ ہے نماز سے پہلے امام دو خطبے پڑھے جن کے درمیان ایک بیٹھک سے فصل کرے۔ (۳۵۴/۵) اور خطبہ باوضو کھڑے ہوکر پڑھے۔ (۳۵۵/۶) اگر خطیب ذکر اللہ پر اکتفاء کرے تو جائز ہے ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ایسا ذکر طویل ضروری ہے جس کا نام خطبہ رکھا جاسکے۔ (۳۵۶/۷) اگر خطبہ دیدے بیٹھ کر یا بے وضو تو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

تشریح: اس عبارت میں چوتھی شرط کا بیان ہے، یعنی جمعہ کی نماز صحیح ہونیکی چوتھی شرط خطبہ ہے خطبہ میں دو چیزیں فرض ہیں:

(۱) خطبہ کا نماز سے پہلے ہونا اگر نماز کے بعد خطبہ پڑھا جائے تو نماز نہ ہوگی۔

(۲) لوگوں کے سامنے اللہ کا ذکر کرنا۔

مسنونات خطبہ

خطبہ میں بارہ چیزیں مسنون ہیں، چند چیزیں یہاں بیان کی ہیں، حنفیہ کے نزدیک چونکہ دو خطبے مسنون ہیں اس لئے ان کے درمیان بیٹھنا بھی مسنون ہوگا دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھنا کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں، خطبہ پڑھنے کے حالت میں خطبہ پڑھنے والے کا کھڑا رہنا بیٹھ کر خطبہ پڑھنا ایسے ہی بلا وضو خطبہ پڑھنا مکروہ ہے ورامام ابویوسف کے نزدیک ناجائز ہے۔

خطبہ کی مقدار میں علماء احناف کا اختلاف

امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اگر خطبہ کی نیت سے صرف الحمد للہ کہا یا سبحان اللہ کہا تو جائز ہے مگر اسی پر اکتفاء کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

دلیل: اللہ کا فرمان ہے: "فاسعوا الی ذکر اللہ" اس آیت شریفہ میں قلیل وکثیر کی کوئی تفصیل نہیں ہے اس لئے مطلقاً ذکر اللہ سے خطبہ ادا ہو جائے گا۔

صاحبین کے نزدیک خطبہ کے لئے ذکر طویل ہونا شرط ہے جسے خطبہ کہا جائے اور عرف میں صرف سبحان اللہ اور الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے۔ (مظاہر حق جدید ج:۲،ص:۲۸۹، مکتبہ اسلامیہ دیوبند)

اس لئے متعارف خطبہ ہی پڑھنا ضروری ہے، مثلاً (۱) جس میں اللہ کی ایسی تعریف کرنا جو اس کے لائق ہو (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا (۳) وعظ ونصیحت کرنا (۴) دوسرے خطبہ میں تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرنا (۵) قرآن شریف پڑھنا جس کی مقدار تین چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت ہے۔

(۳۵۷/۸) وَمِنْ شَرَائِطِهَا الْجَمَاعَةُ وَاَقَلُّهُمْ عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ ثَلٰثَةٌ سِوَی الْاِمَامِ وَقَالَا اِثْنَانِ سِوَی الْاِمَامِ

ترجمہ: (۳۵۷/۸) اور جمعہ کی شرطوں میں سے جماعت کا ہونا ہے اور ان کی کم از کم تعداد امام ابوحنیفہ کے نزدیک تین آدمی ہیں امام کے علاوہ، اور صاحبین نے فرمایا دو ہیں امام کے علاوہ۔

تشریح: جماعت بالاتفاق جمعہ کی شرط ہے البتہ افراد کی تعداد میں اختلاف ہے کہ نماز جمعہ میں کتنے افراد کی شرکت ضروری ہے۔

اختلاف الائمہ

اس بارے میں چار مذاہب ہیں:

(۱) شوافع وحنابلہ کے نزدیک چالیس آدمیوں کی شرکت ضروری ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۲۵)

دلیل: حضرت عبدالرحمن بن کعب بن مالک کی روایت کے آخر میں ہے "قُلْتُ کَمْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ قَالَ اَرْبَعُوْنَ".

(ابوداؤد ج:۱،ص:۱۵۳)

اس سے معلوم ہوا کہ چالیس آدمیوں کی شرکت ضروری ہے۔

جواب آپ کی ذکر کردہ روایت ضعیف ہے۔

(۲) امام مالک کے نزدیک بارہ افراد کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۲۵)

(۳) امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام کے علاوہ تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، یہی امام زفر کا قول ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۲۵)

دلیل: "فَاسْعَوْا اِلَی ذِکْرِ اللّٰهِ" میں فاسعوا کے ذریعہ خطاب جمع سے ہے اور جمع صحیح کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۲۵)

(۴) صاحبین کے نزدیک امام کے علاوہ دو کا ہونا کافی ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۲۵)
دلیل: جمعہ کے لغوی معنی جمع ہونے کے ہیں اور دو میں اجتماع کے معنی موجود ہیں، شراح نے امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

(۹/۳۵۸) وَيَجْهَرُ الْإِمَامُ بِقِرَاءَتِهِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ وَلَيْسَ فِيهِمَا قِرَاءَةُ سُوْرَةٍ بِعَيْنِهَا

ترجمہ: (۹/۳۵۸) اور زور سے پڑھے امام قرأت دونوں رکعتوں میں اور دونوں رکعتوں میں کوئی سورت متعین نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے ہیں:
(۱) جمعہ کی نماز میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے۔ (کفایت المفتی ج:۳،ص:۴۱۰)
(۲) نبی کریمؐ سے نمازوں میں جن سورتوں کی قرأت منقول ہے ان کو پڑھنا مستحب ہے لیکن ان پر پابندی کرنا مناسب نہیں ہے، تاکہ عوام ان سورتوں کو واجب نہ سمجھ لیں۔ جمعہ میں تین طریقہ پر قرأت منقول ہے:
(۱) پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ، دوسری میں سورۂ منافقون۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶۰)
(۲) پہلی میں سبح اسم، دوسری میں سورۂ غاشیہ۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶۰)
(۳) پہلی میں سورۂ جمعہ، دوسری میں سورۂ غاشیہ۔ (ابوداؤد ج:۱،ص:۱۶۰)
اگر کبھی ان کے علاوہ پڑھے تو خلاف سنت نہیں اسی وجہ سے احناف کے یہاں تعیینِ سورت نہیں ہے۔

(۱۰/۳۵۹) وَلَاتَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلٰى مُسَافِرٍ وَلَاإِمْرَأَةٍ وَلَامَرِيْضٍ وَلَاصَبِيٍّ وَلَاعَبْدٍ وَلَاأَعْمٰى (۱۱/۳۶۰) فَإِنْ حَضَرُوْا وَصَلُّوْا مَعَ النَّاسِ أَجْزَأَهُمْ عَنْ فَرْضِ الْوَقْتِ.

ترجمہ: (۱۰/۳۵۹) اور واجب نہیں جمعہ مسافر پر اور نہ عورت پر اور نہ بیمار پر اور نہ بچے پر اور نہ غلام پر اور نہ اندھے پر۔ (۱۱/۳۶۰) پھر اگر یہ لوگ حاضر ہوئے اور لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھا تو اس وقت کے فرض کی طرف سے ان کو جمعہ کافی ہوگیا۔

تشریح: جاننا چاہئے کہ جمعہ کی نماز ہر شخص کے حق میں فرض نہیں ہے بلکہ اس مسلم پر فرض ہے جو مرد ہو، مقیم ہو اور آزاد ہو، ائمہ اربعہ کے نزدیک غلام، عورت، بچہ، مریض، مسافران سب پر جمعہ فرض نہیں ہے۔
امام ابوحنیفہ کے نزدیک اندھے پر جمعہ فرض نہیں۔
صاحبین کے نزدیک فرض ہے بشرطیکہ اس کو جامع مسجد تک لے جانیوالا موجود ہو جن لوگوں کو جمعہ کی ادائیگی سے معذور قرار دیا گیا ہے اگر انھوں نے جمعہ میں حاضر ہوکر لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرلی تو ان کا فریضۂ وقت ادا ہوگیا۔

(۱۲/۳۶۱) وَيَجُوْزُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسَافِرِ وَالْمَرِيْضِ أَنْ يَؤُمُّوْا فِي الْجُمُعَةِ

ترجمہ: (۳۶۱/۱۲) اور جائز ہے غلام، مسافر، اور مریض کے لئے جمعہ میں امام بننا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مسافر، بیمار، اور غلام پر اگر چہ جمعہ فرض نہیں ہے لیکن ان کو جمعہ میں امام بنانا جائز ہے، اندھا چونکہ اکثر طہارت کا اہتمام نہیں کرسکتا اور نجاست سے نہیں بچ سکتا اس لئے اسکی امامت ہر نماز میں مکروہ ہے البتہ اگر وہ سب سے افضل ہے اور طہارت کا اہتمام کرتا ہے اور نجاست سے بچتا ہے تو اس کی امامت مکروہ نہیں اور جمعہ میں بھی اس کی امامت کا یہی حکم ہے۔

(۳۶۲/۱۳) وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي مَنْزِلِهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْإِمَامِ وَلَاعُذْرَ لَهُ كُرِهَ لَهُ ذَالِكَ وَجَازَتْ صَلٰوتُهُ (۳۶۳/۱۴) فَإِنْ بَدَأَ لَهُ أَنْ يَّحْضُرَ الْجُمُعَةَ فَتَوَجَّهَ إِلَيْهَا بَطَلَتْ صَلٰوةُ الظُّهْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِالسَّعْيِ إِلَيْهَا وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَاتَبْطُلُ حَتّٰى يَدْخُلَ مَعَ الْإِمَامِ.

ترجمہ: (۳۶۲/۱۳) اور جس شخص نے ظہر کی نماز پڑھ لی اپنے گھر میں جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے حالانکہ اس کو کوئی عذر بھی نہیں ہے، تو اس کے لئے یہ مکروہ ہے، اور اس کی نماز ہو جائے گی۔ (۳۶۳/۱۴) پھر اس کے دل میں آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے، چنانچہ وہ جمعہ کے طرف متوجہ ہوا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی طرف چلنے کے ساتھ ہی، اور صاحبین نے فرمایا کہ باطل نہ ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ شریک ہو جائے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ شہر میں غیر معذور نے جمعہ کے دن امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے اپنے گھر میں نماز ظہر پڑھ لی تو اس کی نماز جائز تو ہوگئی لیکن مکروہ تحریمی ہے، یہ تفصیل ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے، امام زفر کے نزدیک جائز نہ ہوگی یہی قول ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ (عینی ج:۲، ص:۱۰۰۲)

اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اب اگر اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ جمعہ میں حاضر ہو اور اسی ارادہ سے جمعہ کے لئے روانہ ہوا امام نماز جمعہ میں تھا، لیکن اس کے پہنچتے پہنچتے امام نماز جمعہ سے فارغ ہوگیا اور یہ شخص نماز جمعہ کو امام کے ساتھ نہیں پاسکا تو اس بارے میں امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ گھر سے چلنے کے ساتھ ہی اس کی نماز ظہر باطل ہوگئی اب چوں کہ اس کو نماز جمعہ تو ملی نہیں سکی اور ادا کی ہوئی ظہر باطل ہوگئی اس لئے نماز ظہر کا اعادہ کرے، اور صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ محض چلنے سے ظہر باطل نہ ہوگی بلکہ نماز جمعہ میں شرکت کرنے سے باطل ہوگی یعنی اگر امام کے ساتھ نماز جمعہ کے کسی حصہ میں شریک ہوگیا تو اس کی ظہر باطل ہو جائے گی۔

(۳۶۴/۱۵) وَيُكْرَهُ أَنْ يُّصَلِّيَ الْمَعْذُوْرُ الظُّهْرَ بِجَمَاعَةٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَكَذٰلِكَ أَهْلُ السِّجْنِ

ترجمہ: (۳۶۴/۱۵) اور مکروہ ہے یہ کہ نماز ظہر پڑھیں معذور لوگ جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن اسی طرح قیدیوں کے لئے مکروہ ہے۔

تشریح: شہر میں معذورین جیسے، قیدی، مسافر، بیمار، غلام اگر امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے سے پہلے یا بعد میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھیں تو مکروہ تحریمی ہے اس لئے الگ الگ نماز ظہر پڑھیں اور تنہا میں بھی اذان واقامت نہ کہیں۔ (عالمگیری ج:۱ص:۱۴۸ کوئٹہ)

(۳۶۵/۱۶) وَمَنْ اَدْرَكَ الْإِمَامَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلّٰى مَعَهُ مَا اَدْرَكَ وَبَنىٰ عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ (۳۶۶/۱۷) وَاِنْ اَدْرَكَهُ فِي التَّشَهُّدِ اَوْ فِيْ سُجُوْدِ السَّهْوِ بَنىٰ عَلَيْهِ الْجُمُعَةَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِنْ اَدْرَكَ مَعَهُ اَكْثَرَ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بَنىٰ عَلَيْهَا الْجُمُعَةَ وَاِنْ اَدْرَكَ مَعَهُ اَقَلَّهَا بَنىٰ عَلَيْهَا الظُّهْرَ.

ترجمہ: (۳۶۵/۱۶) اور جس شخص نے پایا امام کو جمعہ کے دن تو پڑھ لے اس کے ساتھ جو پائے اور اسی پر جمعہ کی بناء کرے۔ (۳۶۶/۱۷) اور اگر پایا امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں تو اس پر جمعہ کی بناء کرلے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا اگر پایا امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر حصہ تو اس پر جمعہ کی بناء کرے اور اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا کم حصہ پایا تو اس پر ظہر کی بناء کرے۔

تشریح: اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کو نماز جمعہ میں پایا اور دوسری رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو بالاتفاق یہ شخص امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے اور ایک رکعت جو فوت ہوگئی اس کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد پورا کرے، اس کی یہ نماز جمعہ کی ہی سمجھی جائے گی نہ کی ظہر کی۔

اور اگر امام کو نماز جمعہ کے تشہد میں یا سجدہ سہو میں پایا یعنی دوسری رکعت کا اکثر حصہ نہیں پایا بلکہ دوسری رکعت میں رکوع کے بعد شریک ہوا، تو اس صورت میں جمعہ کی نماز پوری کرے یا ظہر کی نماز پوری کرے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر ظہر کی نماز واجب ہوجائے گی اور وہ جمعہ کو پانے والا نہیں کہلائیگا یہی مذہب امام محمد کا ہے۔ (معارف السنن ج:۴ص:۴۱۷)

دلیل: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ جس شخص نے جمعہ کی ایک رکعت پالی اس کو چاہئے کہ دوسری رکعت بھی پڑھ لے اور جس کی دونوں رکعتین چھوٹ جائیں تو وہ ظہر کی چار رکعت ادا کرے۔ (بذل المجہود ج:۲ص:۱۹۶)

جواب رکعتان کے فوت ہونے سے پوری نماز کا فوت ہونا مراد ہے، یہ نہیں کہ دوسری رکعت کا رکوع چھوٹ گیا تو ظہر کی نماز ادا کرے بلکہ دوسری رکعت پوری فوت ہوجائے مع سلام کے تب یہ حکم ہے۔ (بذل المجہود ج:۲ص:۱۹۶)

(۲) امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں سلام سے پہلے پہلے شریک ہوگیا تو وہ جمعہ کو پانے والا کہلائے گا یہی مسلک امام ابو یوسف کا ہے۔ (معارف السنن ج:۴ص:۴۱۷)

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: "مَنْ اَدْرَكَ التَّشَهُّدَ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ" (بدائع مع الحاشیہ، ج:۱ص:۶۰۰) جس نے تشہد پالیا اس نے نماز پالی، اس روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز پانے کے لئے آخری

رکوع کو پانا ضروری نہیں بلکہ اگر اس کے بعد سلام سے پہلے شریک ہوگیا تو جمعہ مل جائے گا۔

(۱۸/ ۳٦۷) وَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ تَرَكَ النَّاسُ الصَّلٰوةَ وَالْكَلَامَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ وَقَالَا لَابَاسَ بِاَنْ يَّتَكَلَّمَ مَالَمْ يَبْدَأْ بِالْخُطْبَةِ.

ترجمہ: (۱۸/ ۳٦۷) اور جب نکلے امام جمعہ کے دن تو چھوڑ دیں لوگ نماز کو اور بات چیت کو یہاں تک کہ فارغ ہوجائے امام خطبہ سے اور صاحبین نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں بات چیت کرنے میں جب تک امام خطبہ شروع نہ کرے۔

تشریح: امام صاحبؒ کے نزدیک امام کے منبر پر پہنچنے سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک آپس میں بات چیت کرنا کوئی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، ہاں قضاء نماز پڑھنا صاحب ترتیب کے لئے اس وقت بھی جائز بلکہ واجب ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۰٦)

دلیل: حضرت ابن عمرؓ کی روایت مرفوعہ ہے "إذا صعد الامام المنبر فلاصلوٰة ولا کلام حتی یفرغ" (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۰۲)

جب امام منبر پر آجائے تو نہ کوئی نماز ہے اور نہ کوئی کلام، یہاں تک کہ امام فارغ ہوجائے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وکلام ممنوع ہے خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی اور ختم ہونے کے بعد تکبیر سے پہلے بھی۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک خطبہ شروع ہونے سے اس کے ختم ہونے تک بات کرنا مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ان کے نزدیک خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد بات کرنا جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۰٦)

دلیل: حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ بعض مرتبہ ایسا ہوتا کہ آپ منبر پر سے اترے تو کوئی صاحب حاجت اپنی ضرورت کے سلسلہ میں آپ سے کلام کرنا چاہتا تو آپؐ اس سے بات کرلیتے تھے اس کے بعد نماز پڑھاتے تھے۔ (ابوداؤد ج:۱،ص۱۵۹، ترمذی ج:۱،ص:۱۱۵)

جواب: یہ حدیث منکر اور شاذ ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہوسکتا۔ (ابوداؤد ج:۱ص:۱۵۹)

(۱۹/ ۳٦۸) وَإِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُوْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ الْاَذَانَ الْاَوَّلَ تَرَكَ النَّاسُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ وَتَوَجَّهُوْا اِلَى الْجُمُعَةِ.

ترجمہ: (۱۹/ ۳٦۸) اور جب اذان دیں مؤذن لوگ جمعہ کے دن پہلی اذان تو چھوڑ دیں لوگ خرید وفرخت اور چل پڑیں جمعہ کے لئے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مؤذن لوگ جب پہلی اذان دیں تو لوگ خرید وفروخت کو چھوڑ کر جمعہ کی طرف متوجہ ہوجائیں، رہی یہ بات کہ وہ کونسی اذان ہے جس کے بعد خرید وفروخت حرام اور سعی واجب ہوتی ہے، سو جاننا چاہئے کہ

حضورؐاور شیخین کے زمانہ تک جمعہ کے لئے ایک ہی اذان جاری رہی جو منبر کے سامنے ہوتی تھی، جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی وسیع ہوگئی اور یہ اذان اطلاع عام کے لئے کافی نہ ہوئی، تو حضرت عثمانؓ نے اس اذان سے پہلے ایک اور اذان بڑھائی، اس اذان اول پر اجماع ہوگیا اور یہ اذان بھی سنت ہوگئی اس تفصیل کے بعد آپ سمجھیں کہ اذان اول کی مراد کے بارے میں اختلاف ہے، علامہ شامی کے بقول اذان اول سے مراد وہ اذان ہے جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بڑھائی گئی۔ (شامی ج:۱ص:۰۷۷، البحر الرائق ج:۲ص:۱۶۸، فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ ج:۲ص:۲۸۱)

(۲۰/۳۶۹) فَإِذَ صَعِدَ الْإِمَامُ الْمِنبَرَ جَلَسَ وَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُوْنَ بَيْنَ يَدَى الْمِنبَرِ ثُمَّ يَخْطُبُ الْإِمَامُ (۲۱/۳۷۰) وَإِذَا فَرَغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ اَقَامُوْا الصَّلٰوةَ.

ترجمہ: (۲۰/۳۶۹) پھر جب امام منبر پر چڑھ کر بیٹھ جائے تو مؤذن لوگ منبر کے سامنے اذان دیں پھر امام خطبہ پڑھے۔(۲۱/۳۷۰) اور جب امام فارغ ہوجائے اپنے خطبہ سے تو لوگ نماز قائم کریں۔

تشریح: خطیب کا منبر پر پہنچنے کے بعد شروع میں بیٹھنا اذان پورا ہونے کے انتظار میں جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک مستحب ہے۔

کیا دوسری اذان پہلی صف میں ہونا ضروری ہے؟

جمعہ کی دوسری اذان منبر کے سامنے اور قریب ہونی چاہئے منبر سے قریب ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ صف اول ہی میں ہو بلکہ منبر سے دور امام کے سامنے دو چار صفوں کے بعد یا تمام صفوں کے بعد بھی کہیں جائز ہے۔

اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اذان ہوجانے کے بعد امام خطبہ پڑھے اور خطبہ جمعہ ختم ہوتے ہی کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلیجائیں تاکہ تکبیر سکون سے سن سکیں اور اس وقت کسی قسم کا شوروشغب نہ ہو۔

باب صلٰوة العیدین

ترجمہ: یہ باب عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے احکام کے بیان میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: نماز جمعہ اور نماز عیدین میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں دن کی نمازیں ہیں دونوں میں جہری قرأت ہے جس پر جمعہ واجب ہے اس پر عید کی نماز بھی واجب ہے، چونکہ جمعہ فرض ہونے کی وجہ سے قوی ہے اور عیدین کی نماز فرض نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، اس لئے اولاً احکام جمعہ بیان کئے گئے ہیں۔

عید کی نماز کا ثبوت: قرآن کی اس آیت سے ہے: "فصل لربك وانحر" پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر۔

عیدین کا ثبوت حدیث سے: حضورؐ عیدین کی نماز پڑھتے تھے۔
اجماع سے بھی ثابت ہے کہ حضورؐ کے زمانہ سے لے کر آج تک عام مسلمانوں کا اتفاق چلا آ رہا ہے۔
(معارف السنن ج:۴،ص:۴۲۶)

عید کی وجہ تسمیہ: عید عود سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ ہیں بار بار آنا، چوں کہ یہ مقدس دن بھی ہر سال بار بار آتا ہے اس لئے اس کا نام عید رکھا گیا عید الفطر کی نماز کے بارے میں لکھا ہے کہ ۲ھ میں مشروع ہوئی اور اسی سنہ کے ماہِ شعبان میں روزوں کی فرضیت ہوئی ہے۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۲۰۰)

(۱/۳۷۱) يُسْتَحِبُّ يَوْمَ الْفِطْرِ اَنْ يَطْعَمَ الإنْسَانُ شَيْئًا قَبْلَ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمُصَلّٰى (۲/۳۷۲) وَيَغْتَسِلَ (۳/۳۷۳) وَيَتَطَيَّبَ (۴/۳۷۴) وَيَلْبَسَ أَحْسَنَ ثِيَابِهٖ (۵/۳۷۵) وَيَتَوَجَّهَ إِلَى الْمُصَلّٰى.

ترجمہ: (۱/۳۷۱) مستحب ہے عید الفطر کے دن یہ کہ کھائے آدمی کوئی چیز عید گاہ جانے سے پہلے۔ (۲/۳۷۲) اور غسل کرے۔ (۳/۳۷۳) اور خوشبو لگائے۔ (۴/۳۷۴) اور اپنے کپڑوں میں سے اچھے کپڑے پہنے۔ (۵/۳۷۵) اور جائے عید گاہ کی طرف۔

تشریح: عیدین کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں: (۱) عید گاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز جیسے چھوہارے وغیرہ کھانا، (۲) غسل کرنا، (۳) خوشبو لگانا، (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے (نئے یا دھلے ہوئے) جو اپنے پاس موجود ہوں پہننا، (۵) مسواک کرنا، (۶) صبح کو بہت سویرے اٹھنا، (۷) عید گاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر دیدینا، (۸) عید کی نماز عید گاہ میں جا کر پڑھنا، (۹) جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا، (۱۰) پیدل جانا، (۱۱) محلہ کی مسجد میں نماز فجر پڑھنا، (۱۲) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا، (۱۳) راستے میں تکبیر تشریق پڑھتے ہوئے جانا۔

(۶/۳۷۶) وَلَا يُكَبِّرُ فِي طَرِيْقِ الْمُصَلّٰى عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُكَبِّرُ عِنْدَهُمَا.

ترجمہ: (۶/۳۷۶) اور تکبیر نہ کہے عید گاہ کے راستے میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور تکبیر کہے صاحبین کے نزدیک۔

تشریح: امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک نماز عید الفطر کے لئے جاتے وقت راستہ میں آہستہ آواز سے تکبیر کہے اور صاحبین کے نزدیک بلند آواز سے۔

(۷/۳۷۷) وَلَا يَتَنَفَّلُ فِي الْمُصَلّٰى قَبْلَ صَلٰوةِ الْعِيْدِ.

ترجمہ: (۷/۳۷۷) اور نفل نہ پڑھے عید گاہ میں عید کی نماز سے پہلے۔

تشریح: عیدین کی نماز سے پہلے حنفیہ کے نزدیک نوافل پڑھنا مکروہ ہے عیدگاہ میں پڑھے یا گھر وغیرہ میں اور عیدین کی نماز کے بعد کا حکم یہ ہے کہ عیدگاہ میں نہ پڑھے اگر گھر میں آکر پڑھے تو درست ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۷۶)

دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آپ نے گھر سے نکل کر لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی آپ نے نہ عید سے پہلے کوئی نفل نماز پڑھی اور نہ عید کے بعد۔(ترمذی ج:۱،ص:۱۲۰)

(۳۷۸/۸) فَإِذَا حَلَّتِ الصَّلٰوةُ بِارْتِفَاعِ الشَّمْسِ دَخَلَ وَقْتُهَا إِلَى الزَّوَالِ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ خَرَجَ وَقْتُهَا.

ترجمہ: (۳۷۸/۸) پھر جب نماز پڑھنا جائز ہو جائے سورج کے بلند ہونے سے تو نماز عید کا وقت شروع ہو گیا سورج کے ڈھلنے تک پھر جب سورج ڈھل جائے تو عید کی نماز کا وقت نکل گیا۔

تشریح: اس عبارت میں نماز عید کے وقت کی ابتداء وانتہاء کو بیان کیا جارہا ہے، نماز عید کا وقت سورج کے ایک نیزہ کے برابر اونچا ہونے سے لے کر زوال سے پہلے تک ہے چنانچہ اگر سورج کے نیزہ برابر اونچا ہونے سے پہلے عید کی نماز پڑھی جائے گی تو وہ درست نہیں ہوگی، ایسے ہی اگر عید کی نماز ہوتے ہوتے ہی سورج ڈھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، فاسد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز جو پڑھ رہا تھا وہ نہیں ہوگی البتہ اسے نفل نماز کا ثواب مل جائے گا۔(درمختار مع الشامی ج:۱،ص:۷۷۹)

(۳۷۹/۹) وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ (۳۸۰/۱۰) يُكَبِّرُ فِي الْأُولٰى تَكْبِيرَةَ الْإِحْرَامِ وَثَلٰثًا بَعْدَهَا ثُمَّ يَقْرَأُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً مَعَهَا ثُمَّ يُكَبِّرُ تَكْبِيرَةً يَرْكَعُ بِهَا (۳۸۱/۱۱) ثُمَّ يَبْتَدِأُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِالْقِرَاءَةِ فَإِذَا فَرَغَ مِنَ الْقِرَاءَةِ كَبَّرَ ثَلٰثَ تَكْبِيرَاتٍ وَكَبَّرَ تَكْبِيرَةً رَابِعَةً يَرْكَعُ بِهَا (۳۸۲/۱۲) وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي تَكْبِيرَاتِ الْعِيدَيْنِ.

ترجمہ: (۳۷۹/۹) اور نماز پڑھائے امام لوگوں کو دو رکعتیں۔(۳۸۰/۱۰) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کہے اور اس کے بعد تین تکبیریں کہے پھر پڑھے سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت، پھر ایک تکبیر کہے اور اس کے ساتھ رکوع کرے۔(۳۸۱/۱۱) پھر دوسری رکعت کی ابتداء قرأت سے کرے پھر جب قرأت سے فارغ ہو جائے تو تین تکبیریں کہے اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے۔(۳۸۲/۱۲) اور دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیرات عیدین میں۔

عیدین کی نماز کا طریقہ:

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوری نے نماز عید کی کیفیت بیان کی ہے، حنفیہ کے نزدیک عیدین کی نماز

کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے نیت اس طرح کرے، نیت کرتا ہوں میں دو رکعت نماز واجب عید الفطر یا عید الاضحیٰ، مع زائد چھ تکبیروں کے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، پیچھے اس امام کے، منہ میرا کعبہ شریف کی طرف دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے، پھر ثنا پڑھے، پھر امام تین بار اللہ اکبر کہے اور مقتدی بھی اسی طرح کریں اور ہر مرتبہ کانوں تک دونوں ہاتھ اٹھائے اور چھوڑ دے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر توقف کرنا چاہئے کہ جتنی دیر میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکے، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے، بلکہ باندھ لے، پھر امام تعوذ، وتسمیہ آہستہ پڑھے، اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت بلند آواز سے پڑھے اور مستحب یہ ہے کہ سورۂ اعلیٰ پڑھے پھر حسب دستور رکوع وسجدے کر کے کھڑا ہو پھر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھی جائے اور مستحب ہے کہ سورۂ غاشیہ ہو، اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہے جیسے پہلی رکعت میں کہی تھیں لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے، باقی نماز حسب دستور پوری کی جائے، اس تفصیل کے مطابق دونوں رکعتوں میں نو تکبیریں ہوئیں چھ زائد دو تکبیرات رکوع اور ایک تکبیر تحریمہ یہی علماء احناف کا مذہب ہے، اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ عیدین کی تکبیرات زوائد کتنی ہیں۔

اس بارے میں تین مذاہب ہیں:

(۱) حنفیہ کے نزدیک تکبیرات زوائد صرف چھ ہیں تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۴۳۴)

(۲) امام شافعی کے نزدیک بارہ تکبیریں ہیں سات پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور پانچ دوسری رکعت میں۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۴۳۴)

(۳) امام مالک واحمد کے نزدیک گیارہ تکبیریں ہیں، چھ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ اور پانچ دوسری رکعت میں۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۴۳۴)

اور یہ سب حضرات اس پر متفق ہیں کہ دونوں رکعتوں میں تکبیریں قرأت سے پہلے ہوں گی۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: اس روایت سے ہے: "**ان النبیؐ کبر فی العیدین فی الاولیٰ سبعاً قبل القراءة وفی الاخرة خمسا قبل القراءة.**" (ترمذی ج:۱، ص:۱۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے قبل کہیں۔

جواب: اس روایت کا مدار کثیر بن عبد اللہ پر ہے جو ضعیف ہیں۔ (معارف السنن ج:۴، ص:۴۳۶)

حنفیہ کی دلیل: حضرت سعید بن عاص نے ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ سے دریافت کیا کہ حضورؐ عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں کتنی تکبیریں کہا کرتے تھے، حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا جنازہ کی طرح چار تکبیریں عیدین میں کہا کرتے تھے۔ (ابوداؤد ج:۱، ص:۱۶۳) ان میں سے ایک تکبیر تحریمہ ہے اور تین زوائد ہیں اسی طرح دوسری رکعت میں تین زوائد ہیں۔

(۳۸۳/۱۳) ثُمَّ يَخْطُبُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهِمَا صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاَحْكَامَهَا

ترجمہ: (۳۸۳/۱۳) پھر خطبہ پڑھے نماز کے بعد دو خطبے سکھلائے ان دونوں میں لوگوں کو صدقۂ فطر اور اس کے احکام۔

تشریح: نماز عید سے فارغ ہو کر امام دو خطبے پڑھے گا منبر پر کھڑے ہو کر اور دونوں خطبوں کے درمیان اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبہ میں، ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عیدین کا خطبہ نماز سے فراغت کے بعد مسنون ہے، پھر حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک اگر نماز سے پہلے خطبہ دیدیا پھر بھی درست ہے، اگرچہ خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔ (معارف السنن ج:۴،ص:۴۲۷)

عیدین کے خطبہ میں تکبیر سے ابتداء کرے پہلے خطبہ میں نو مرتبہ اللہ اکبر کہے اور دوسرے میں سات مرتبہ دونوں خطبوں میں لوگوں کو یہ بتلائے کہ صدقۂ فطر کس پر واجب ہے، کس کے لئے واجب ہے، کب واجب ہے، کتنا واجب ہے، اور کس چیز سے واجب ہے۔

(۳۸۴/۱۴) وَمَنْ فَاتَتْهُ صَلٰوةُ الْعِيدِ مَعَ الْاِمَامِ لَمْ يَقْضِهَا

ترجمہ: (۳۸۴/۱۴) اور وہ شخص جس کی فوت ہوگئی عید کی نماز امام کے ساتھ تو وہ اس کی قضا نہ کرے۔

تشریح: اگر کسی شہر میں عید کی نماز ہو چکی ہو اور ایک شخص اس میں شریک نہیں ہوسکا تو پھر اس شخص کے حق میں قضاء نہیں ہے کیونکہ اس میں جماعت شرط ہے، حنفیہ کا مسلک درمختار میں یہی لکھا ہے۔

(درمختار ج:۱،ص:۷۸۳، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۰۸، بدائع الصنائع ج:۱،ص:۶۲۴)

(۳۸۵/۱۵) فَاِنْ غُمَّ الْهِلَالُ عَنِ النَّاسِ وَشَهِدُوْا عِنْدَ الْاِمَامِ بِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ بَعْدَ الزَّوَالِ صَلَّى الْعِيْدَ مِنَ الْغَدِ (۳۸۶/۱۶) فَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ لَمْ يُصَلِّهَا بَعْدَهُ.

ترجمہ: (۳۸۵/۱۵) پھر اگر چھپ گیا چاند لوگوں کی نظر سے اور گواہی دی امام کے سامنے چاند دیکھنے کی زوال کے بعد تو امام دوسرے دن نماز عید پڑھائے۔ (۳۸۶/۱۶) پھر اگر کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو روک دے لوگوں کو نماز پڑھنے سے دوسرے دن تو اس کے بعد نماز نہ پڑھے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ۲۹ ر رمضان کو اگر چاند بادل میں چھپ گیا، اور ۳۰ ر رمضان کو زوال کے بعد لوگوں نے امام کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور امام نے ان کی گواہی قبول بھی کرلی تو روزہ توڑ دیں اور امام دوسرے دن لوگوں کو نماز پڑھائے اور اگر ۲ ر شوال کو بھی کوئی ایسا عذر پایا گیا جو نماز عید کے لئے مانع ہو تو اب ۳ ر شوال کو نماز عید پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کی قضاء ہے اگر امام اور قوم سب کی فوت

ہوجائے یہی ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے، مالکیہ کے یہاں قضاء نہیں ہے۔(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۰۸)

(۱۷/۳۸۷) وَيَسْتَحِبُّ فِي يَوْمِ الْاَضْحٰى أَنْ يَّغْتَسِلَ (۱۸/۳۸۸) وَيَتَطَيَّبَ (۱۹/۳۸۹) وَيُؤَخِّرَ الْاَكْلَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنَ الصَّلٰوةِ (۲۰/۳۹۰) وَيَتَوَجَّهَ اِلَى الْمُصَلّٰى وَهُوَ يُكَبِّرُ (۲۱/۳۹۱) وَيُصَلِّى الْاَضْحٰى رَكْعَتَيْنِ كَصَلٰوةِ الْفِطْرِ وَيَخْطُبُ بَعْدَهَا خُطْبَتَيْنِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهِمَا الْاُضْحِيَّةَ وَتَكْبِيْرَاتِ التَّشْرِيْقِ (۲۲/۳۹۲) فَاِنْ حَدَثَ عُذْرٌ مَنَعَ النَّاسَ مِنَ الصَّلٰوةِ يَوْمَ الْاَضْحٰى صَلَّاهَا مِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَلَا يُصَلِّيْهَا بَعْدَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: (۱۷/۳۸۷) اور مستحب ہے بقرعید کے دن غسل کرنا (۱۸/۳۸۸) اور خوشبو لگانا (۱۹/۳۸۹) اور کھانے کو مؤخر کرنا یہاں تک کہ فارغ ہوجائے نماز سے (۲۰/۳۹۰) اور جائے عیدگاہ تکبیر کہتا ہوا (۲۱/۳۹۱) اور پڑھائے امام بقرعید کی دو رکعتیں عیدالفطر کی طرح اور خطبہ دے نماز کے بعد دو خطبے سکھلائے لوگوں کو ان میں قربانی اور تکبیرات تشریق۔ (۲۲/۳۹۲) پھر اگر پیش آجائے ایسا عذر جو روک دے لوگوں کو نماز سے بقرعید کے دن تو نماز پڑھے دوسرے دن یا تیسرے دن اور اس کے بعد نہ پڑھے۔

تشریح: عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ دونوں کے احکام یکساں ہیں دونوں کا وقت ایک ہی ہے دونوں کے لئے شرطیں ایک سی ہیں اور اس میں بھی وہ سب چیزیں مسنون ہیں، جو عیدالفطر میں ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ عیدالفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا مسنون ہے عیدالاضحیٰ میں نہیں ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ نماز عید کے بعد کھائے اور اپنی قربانی سے کھائے اگر کوئی بقرعید کی نماز سے پہلے کھالے گا، تو یہ مکروہ تنزیہی بھی نہ ہوگا، کیوں کہ بدائع الصنائع میں صراحت ہے کہ چاہے کھائے چاہے نہ کھائے مگر مستحب یہ ہے کہ نماز کے بعد کھائے۔

(بدائع الصنائع ج:۱،ص:۶۲۴، درمختار ج:۱،ص:۷۸۴)

اس کے بعد عیدگاہ جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں امام قربانی اور ایام تشریق کے مسائل واحکام بیان کرے تاکہ لوگ واقف ہوں، عیدالفطر و عیدالاضحیٰ میں ایک فرق یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن اگر کوئی عذر ہوگیا تو دوسرے اور تیسرے دن تک پڑھ سکتے ہیں، اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے، بقرعید میں اگر بلا عذر تیسرے دن تک تاخیر کی تو نماز درست ہوجائے گی اگرچہ مکروہ ہوگی اور عیدالفطر میں دوسرے دن نماز صرف عذر کی بنا پر جائز ہوتی ہے اور اگر بلا عذر دوسرے دن تک تاخیر کی تو نماز جائز نہ ہوگی دوسرے دن بھی نماز کا وقت وہی ہے جو پہلے دن تھا۔

(۲۳/۳۹۳) وَتَكْبِيْرُ التَّشْرِيْقِ اَوَّلُهُ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَآخِرُهُ عَقِيْبَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ مِنْ آخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ

(۳۹۴/۲۴) وَالتَّكْبِيْرُ عَقِيْبَ الصَّلَوَاتِ الْمَفْرُوْضَاتِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

ترجمه: (۳۹۳/۲۳) اور تکبیر تشریق کی ابتداء نماز فجر کے بعد سے ہے ۹ر ذی الحجہ کے دن سے اور اس کی انتہاء نماز عصر کے بعد ہے، قربانی کے دن، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ نماز عصر تک ہے، ایام تشریق کے آخری دن کی (۳۹۴/۲۴) اور تکبیر تشریق فرض نمازوں کے بعد ہے، (اس طرح جیسا کہ اوپر متن میں موجود ہے)

تشریح: تکبیر تشریق امام ابوحنیفہ کے نزدیک نو ذی الحجہ کے دن فجر کی نماز کے بعد شروع ہوتی ہے اور ان کا اختتام دس ذی الحجہ کی نماز عصر کے بعد تک ہے، اس طرح امام صاحب کے نزدیک صرف آٹھ نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہی جائے گی، نیز امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورتوں پر، گاؤں والوں پر، (جہاں نماز جمعہ واجب نہیں) مسافر پر، تنہا ر نماز پڑھنے والے پر تکبیر تشریق واجب نہیں ہے، صاحبین کے نزدیک تکبیر تشریق کی ابتداء ۹ر ذی الحجہ کی فجر سے لیکر تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک ہے اس طرح کل ملا کر ۲۳ر نمازیں ہو جائیں گی، نیز صاحبین کے نزدیک ہر اس شخص پر تکبیر واجب ہے جو فرض نماز پڑھے خواہ شہری ہو یا گاؤں والا، مسافر ہو یا مقیم، جماعت سے پڑھے یا تنہا، مرد ہو یا عورت، فتویٰ اور عمل صاحبین کے قول پر ہے۔ (درمختار ج:۱ص:۷۸۶تا۷۸۷، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۸۸)

تکبیر تشریق کی ابتداء: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے تھے تو حضرت جبرئیلؑ جنت سے ان کا بدل لیکر پہنچے اور انھیں خطرہ ہوا کہ کہیں جلدی میں حضرت ابراہیمؑ اسماعیلؑ کو ذبح نہ کرڈالیں، چنانچہ اس وقت ان کی زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے "اللہ اکبر اللہ اکبر" حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت جبرئیلؑ کو دیکھا تو فوراً بول پڑے "لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" اور جب حضرت اسماعیلؑ کو فدیہ کے آنیکی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا "اللہ اکبر وللہ الحمد"۔ (درمختار مع الشامی ج:۱،ص:۷۸۵)

بَابُ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ

ترجمه: یہ باب سورج گرہن کی نماز کے بیان میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: نماز عید، نماز کسوف، اور نماز استقاء، تینوں نمازیں دن میں بغیر اذان واقامت کے ادا کی جاتی ہیں، چونکہ عید کی نماز واجب ہے اور نماز کسوف جمہور علماء کے نزدیک مسنون ہے اور نماز استقاء کا مسنون ہونا مختلف فیہ ہے، اس لئے تینوں ابواب اسی ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں۔

کسوف کے لغوی معنی: بے نور ہو جانا، خسوف کے معنی نقصان۔ (نیل الاوطار ج:۲ص:۳۴۴)

اصطلاحی تعریف: کسوف سورج گرہن اور خسوف چاند گرہن کو کہتے ہیں یہی قول علامہ عینی کے بقول افصح ہے۔

کسوف کی نماز کا حکم: سورج گرہن کے وقت نماز باجماعت پڑھنا متفق علیہ مسئلہ ہے، اور یہ نماز ائمہ اربعہ کے

نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ (نیل الاوطار ج:۲،ص:۳۴۶، بذل ج:۲،ص:۲۰)

حضورؐ کے زمانہ میں سورج گرھن کب ہوا: پہلی بار حضورؐ کے زمانہ میں کسوف ۵ھ میں ہوا اور دوسری مرتبہ اس دن ہوا جس دن آپؐ کے بیٹے ابراہیم کا انتقام ہوا، جو مشہور قول کی بنا پر ۱۰ھ میں پیش آیا۔

(۱/۳۹۵) إِذَا انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ كَهَيْئَةِ النَّافِلَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ رُكُوعٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: (۱/۳۹۵) جب سورج گرھن ہو تو نماز پڑھائے امام لوگوں کو دو رکعتیں نفل کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع ہے۔

تشریح: اگر سورج گرہن ہوگیا تو امام جمعہ یا اس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص لوگوں کو نفل نماز کی طرح دو رکعت پڑھائے یعنی جس طرح نفل نماز بلا اذان واقامت کے ہوتی ہے، اسی طرح نماز کسوف ادا کی جائے گی، دیگر نمازوں کی طرح اس میں بھی ہر رکعت میں ایک ہی رکوع ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۹۷)

دوسرا مذہب: جمہور علماء کے نزدیک نماز کسوف کا طریقہ دوسری نمازوں سے بالکل مختلف ہے ان کے یہاں نماز کسوف کی دو رکعتیں ہیں، ہر رکعت میں دو رکوع اور دو قیام ہیں، ایک رکوع کر کے پھر قیام کی طرف لوٹ آئے، دوسرے قیام کے بعد، پھر دوسرا رکوع کیا جائے، سجدے اور تشہد وغیرہ دوسری نمازوں ہی کی طرح ہیں۔

(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۲۹۶)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: حضرت عائشہؓ کی روایت (مسلم ج:۱،ص:۲۹۵) حضرت ابن عباسؓ کی روایت (بخاری ج:۱،ص:۱۴۵) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت (نسائی ج:۱،ص:۲۲۱) ان تمام روایات میں دو رکوع کی تصریح پائی جاتی ہے۔

جواب: نماز کسوف میں حضورؐ سے بلاشبہ دو رکوع ثابت ہیں، بلکہ پانچ رکوع تک بھی روایات میں ثبوت ملتا ہے، لیکن یہ حضورؐ کی خصوصیت تھی اس نماز میں آپؐ کو عجائب وغرائب کا مشاہدہ کرایا گیا جنت اور اس کی نعمتیں دوزخ اور اس کی بلائیں دکھائی گئیں، لہٰذا اس نماز میں آپؐ نے غیر معمولی طور پر کئی رکوع فرمائے، لیکن یہ رکوع نماز کا جز نہیں تھے، بلکہ سجدۂ شکر کی طرح تواضع وعاجزی کے رکوع تھے اور ان کی ہیئت نماز کے عام رکوعوں سے کسی قدر مختلف تھی، بعض صحابہ نے ان رکوعات کو تخشع شمار کیا ہے، اور ایک سے زائد رکوع کی روایت کردی، اور بعض نے ان کو شمار نہیں کیا۔

حنفیہ کا استدلال: ان تمام احادیث سے ہے جو ایک رکوع پر دلالت کرتی ہیں۔

(بخاری ج:۱،ص:۱۴۵، نسائی ج:۱،ص:۲۱۹)

حنفیہ کی وجوہ ترجیح: تعداد رکوع کی تمام روایات فعلی ہیں، جبکہ حنفیہ کے مستدلات قولی ہیں اور فعلی بھی، حنفیہ کے

مذہب پر تمام روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے، اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر بعض روایتوں کو چھوڑنا پڑتا ہے، حنفیہ کے مستدلات عام نمازوں کے اصول کے مطابق ہیں۔

(۳۹۶/۲) وَيُطَوِّلُ الْقِرَاءَةَ فِيهِمَا وَيُخْفِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُويُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجْهَرُ (۳۹۷/۳) ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدَهَا حَتّٰى تَنْجَلِيَ الشَّمْسُ.

ترجمہ: (۳۹۶/۲) اور لمبی قرأت کرے دونوں رکعتوں میں اور آہستہ پڑھے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ زور سے پڑھے (۳۹۷/۳) پھر نماز کے بعد دعا کرے یہاں تک کہ سورج کھل جائے۔

تشریح: نمازِ کسوف کی دونوں رکعتوں میں امام قرأت آہستہ کرے اور بڑی بڑی سورتوں کا پڑھنا، رکوع اور سجدوں کا بہت دیر تک ادا کرنا مسنون ہے، نماز کے بعد امام کو چاہئے کہ دعاء میں مصروف ہوجائے اور سب مقتدی آمین کہیں جب تک گرہن موقوف نہ ہوجائے دعاء میں مصروف رہنا چاہئے، ہاں اگر ایسی حالت میں سورج غروب ہوجائے یا کسی نماز کا وقت آجائے تو پھر دعاء کو موقوف کر کے نماز میں مشغول ہوجانا چاہئے۔

نماز کسوف میں قرأت سراً ہوگی یا جہراً یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک نماز کسوف میں قرأت سراً مسنون ہے۔

(۲) حنفیہ میں سے صاحبین اور امام احمد کے نزدیک قرأت جہراً مسنون ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۳۸)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت سے ہے "قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي كُسُوْفٍ لَانَسْمَعُ لَهٗ صَوْتًا" (ترمذی ج:۱،ص:۱۲۶) یعنی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز کسوف پڑھی اور قرأت کا ایک حرف بھی نہیں سنا۔

صاحبین کا استدلال: حضرت عائشہ ؓ کی روایت سے ہے کہ آپ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور اس میں قرأت زور سے کی۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۲۶، عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۳۸)

جواب: مذکورہ روایت نماز خسوف (چاند گرھن کی نماز) پر محمول ہے۔

فائدہ: متاخرین حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر مقتدیوں کے اکتا جانے کا اندیشہ ہو تو نماز کسوف میں بھی جہر کیا جاسکتا ہے۔

(۳۹۸/۴) وَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْإِمَامُ الَّذِيْ يُصَلِّيْ بِهِمُ الْجُمُعَةَ فَإِنْ لَّمْ يَحْضُرِ الْإِمَامُ صَلَّاهَا النَّاسُ فُرَادٰى.

ترجمہ: (۳۹۸/۴) اور نماز کسوف لوگوں کو وہ امام پڑھائے جو ان کو جمعہ پڑھاتا ہے، چنانچہ اگر امام حاضر نہ

ہوا ہو تو لوگ اکیلے نماز پڑھیں۔

تشریح: نماز کسوف میں اس کو امام مقرر کیا جائے جو لوگوں کو جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھاتا ہے اور اگر امام جمعہ موجود نہ ہو تو لوگ تنہا تنہا نماز ادا کریں۔ کیوں کہ اس میں فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے۔

(۵/۳۹۹) وَلَيْسَ فِي خُسُوْفِ الْقَمَرِ جَمَاعَةٌ وَإِنَّمَا يُصَلِّيْ كُلُّ وَاحِدٍ بِنَفْسِهِ

ترجمہ: (۵/۳۹۹) اور چاند کے گرہن میں جماعت نہیں ہے بلکہ ہر آدمی بذات خود اپنی نماز پڑھے۔

تشریح: حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک چاند گرہن میں نماز باجماعت مسنون نہیں ہے، تنہا تنہا پڑھ سکتے ہیں، امام شافعی واحمد کے نزدیک سورج گرھن کی نماز میں جس طرح جماعت ہوتی ہے اسی طرح چاند گرھن کی نماز میں بھی جماعت مشروع ہے، اس بارے میں شوافع وحنابلہ کے پاس کوئی خاص دلیل نہیں ہے، بلکہ وہ نماز خسوف کو نماز کسوف پر قیاس کرتے ہیں۔

حنفیہ و مالکیہ کا استدلال اس سے ہے کہ زمانۂ نبوت میں جمادی الاخریٰ ۴ھ میں جب چاند گرھن ہوا تو آپ ﷺ نے اس کے لئے جماعت کا اہتمام نہیں فرمایا، لہٰذا چاند گرہن کی نماز کو سورج گرہن کی نماز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ رات میں لوگوں کا اکٹھا ہونا مشکل ہے، اور دن کے وقت لوگ بیدار رہتے ہیں لہٰذا اجتماع مشکل نہیں۔

(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۰۲)

(۶/۴۰۰) وَلَيْسَ فِي الْكُسُوْفِ خُطْبَةٌ

ترجمہ: (۶/۴۰۰) اور نہیں ہے سورج گرہن میں خطبہ۔

تشریح: امام شافعی اس میں خطبہ کے قائل ہیں بخلاف جمہور کے، جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ سورج گرھن کے موقعہ پر آپ نے نماز قائم کرنے اور تکبیر اور صدقہ کا حکم دیا ہے، اور خطبہ کا آپ نے حکم نہیں فرمایا اور آپ نے نماز کے بعد جو خطبہ دیا تھا وہ ایک مخصوص تنبیہ تھی، جو اس وقت کے مناسب تھی، اس لئے کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سورج گرھن اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی حادثہ یا نئی بات پیش آئے، جس روز مدینہ میں کسوف شمس ہوا اسی دن آپ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا اس سے ان لوگوں کے خیال کی تائید ہو سکتی تھی اس لئے آپ نے اس خاص موضوع سے متعلق ارشاد فرمایا، لہٰذا اس کو صلوٰۃ الکسوف کا خطبہ نہیں کہا جاسکتا۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۳۰۹، زکریا دیوبند)

باب صلٰوۃ الاستسقاء

یہ باب بارش مانگنے کی نماز کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: چونکہ دونوں نمازیں غمی کی حالت میں ادا ہوتی ہیں اس لئے صلٰوۃ کسوف کے بعد صلٰوۃ استسقاء کالانا ہی مناسب ہے۔

استسقاء کے لغوی معنیٰ: اللہ سے پانی طلب کرنا۔

اصطلاحی تعریف: قحط سالی کے موقع پر مخصوص کیفیت کے ساتھ دعا مانگنے یا نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔
(معارف السنن ج:۴، ص:۴۹۱)

استسقاء کی مشروعیت: اس کی مشروعیت ماہ رمضان ۶ھ میں ہوئی۔ (عمدۃ القاری ج:۵، ص:۲۵۷)

(۱/۴۰۱) قَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ لَیْسَ فِی الْاِسْتِسْقَاءِ صَلٰوۃٌ مَسْنُوْنَةٌ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنْ صَلَّی النَّاسُ وُحْدَانًا جَازَ وَاِنَّمَا الْاِسْتِسْقَاءُ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی یُصَلِّی الْاِمَامُ رَکْعَتَیْنِ یَجْهَرُ فِیْهِمَا بِالْقِرَاءَةِ (۲/۴۰۲) ثُمَّ یَخْطُبُ وَیَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ بِالدُّعَاءِ وَیُقَلِّبُ الْاِمَامُ رِدَاءَهٗ وَلَایُقَلِّبُ الْقَوْمُ اَرْدِیَتَهُمْ (۳/۴۰۳) وَلَایَحْضُرُ اَهْلُ الذِّمَّةِ لِلْاِسْتِسْقَاءِ.

ترجمہ: (۱/۴۰۱) امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ بارش طلب کرنے کے لئے نماز جماعت کے ساتھ مسنون نہیں ہے، پھر اگر نماز پڑھی لوگوں نے اکیلے اکیلے تو جائز ہے اور استسقاء تو صرف دعاء اور استغفار ہے اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ نماز پڑھائے امام دو رکعتیں دونوں رکعتوں میں جہر سے قرأت کرے۔ (۲/۴۰۲) پھر خطبہ دے اور قبلہ کی جانب متوجہ ہو دعاء کے ساتھ اور پلٹ دے امام اپنی چادر اور نہ پلٹیں لوگ اپنی چادریں۔ (۳/۴۰۳) اور حاضر نہ ہوں ذمی لوگ استسقاء میں۔

تشریح: جب پانی کی ضرورت ہو اور پانی نہ برستا ہو اس وقت پانی برسنے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا مسنون ہے، اس طرح کہ تمام مسلمان مل کر پیدل خشوع وعاجزی کے ساتھ معمولی لباس میں اپنے لڑکوں بوڑھوں اور جانوروں کے ساتھ جنگل کی جانب نکل جائیں اور جانے سے پہلے صدقہ، خیرات کرنا مستحب ہے، اور اہل حقوق کے حقوق ادا کریں اور گناہوں سے توبہ کریں اپنے ساتھ کسی کافر کو نہ لے جائیں۔

امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز با جماعت مسنون یا مشروع نہیں ہے، لوگ اگر تنہا بغیر جماعت کے نماز پڑھیں تو کچھ حرج نہیں ہے، استسقاء کی حقیقت دعاء واستغفار ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۵، ص:۲۵۹)

جمہور علماء ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک استسقاء کے لئے نماز باجماعت مشروع ومسنون ہے اس طرح کہ بلا اذان واقامت کے جماعت سے پڑھیں اور امام قرأت جہر سے پڑھے پھر دو خطبے پڑھے لیکن خطبے زمین پر ہوں گے منبر پر نہیں، چونکہ امام ابوحنیفہ نماز باجماعت ہی کے قائل نہیں تو خطبہ کا کیا سوال، خطبوں سے فراغت کے بعد امام قبلہ رخ ہوکر کھڑا ہوجائے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے پانی برسنے کی دعاء کرے اور سب حاضرین بھی دعا کریں، خطبہ کے دوران چادر گھمانا امام کے لئے ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک سنت ہے، امام صاحب کے نزدیک سنت نہیں، لعدم الخطبة و الصلوٰة بجماعةٍ. (درمنضود ج:۲، ص:۴۶۳)

چادر گھمانے کا طریقہ

اگر چادر چکور ہے تو اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کردے اور اگر گول ہے تو چادر کا جو سرا دائیں مونڈھے پر ہو اس کو بائیں پر اور جو بائیں پر ہو اس کو دائیں مونڈھے پر کرلینا، اس طریقہ سے کہ دونوں ہاتھ پیٹھ کی طرف لے جائے اور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا نچلا کنارہ اور بائیں ہاتھ سے دائیں پلے کا نچلا کنارہ پکڑ کر گھمادے۔

(عمدۃ القاری ج:۵، ص:۲۴۴)

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

یہ باب رمضان المبارک میں تراویح پڑھنے کے بیان میں ہے

نماز تراویح کو مستقل باب میں لانے کی وجہ: نماز تراویح عام نوافل سے کچھ مختلف ہے مثلاً عام نوافل میں جماعت نہیں اور تراویح میں جماعت ہے، نیز نوافل کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتے اور تراویح رمضان کی راتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، ان مختلف وجوہ کی بنا پر باب النوافل میں بیان نہیں کیا۔

تراویح حضورؐ سے ثابت ہے: تراویح حضورؐ نے تین رات پڑھیں ہیں، پھر صحابہ کرامؓ نے آپ کے بعد اس پر پابندی فرمائی ہے لہذا تراویح باجماعت ہوگئی۔ (فتاویٰ دارالعلوم عزیز الفتاویٰ ج:۲، ص:۲۴۰)

حضورؐ سے بیس رکعت کا ثبوت: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان میں بیس رکعتیں وتر کے علاوہ پڑھا کرتے تھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ج:۲، ص:۲۴۱)

ختم قرآن اور تراویح الگ الگ سنت ہے: رمضان المبارک میں تراویح مستقل سنت ہے اور تراویح میں کم از کم ایک مرتبہ قرآن کریم کو ختم کرنا الگ سے سنت ہے، جو مؤمن بندہ اللہ سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے پابندی سے تراویح کی نماز ادا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ماقبل کے تمام گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

(۴۰۴/۱) يَسْتَحِبُّ اَنْ يَّجْتَمِعَ النَّاسُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بَعْدَ الْعِشَاءِ فَيُصَلِّي بِهِمْ إِمَامُهُمْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ فِي كُلِّ تَرْوِيْحَةٍ تَسْلِيْمَتَانِ (۴۰۵/۲) وَيَجْلِسُ بَيْنَ كُلِّ تَرْوِيْحَتَيْنِ مِقْدَارَ تَرْوِيْحَةٍ

(۴۰۶/۳) ثُمَّ يُوْتِرُ بِهِمْ وَلَا يُصَلِّى الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِي غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ.

ترجمہ: (۴۰۴/۱) مستحب ہے یہ کہ لوگ جمع ہوں رمضان کے مہینہ میں عشاء کے بعد، چنانچہ پڑھائے ان کو امام پانچ ترویحے ہر ترویحہ میں دو سلام ہوں۔ (۴۰۵/۲) اور بیٹھے ہر دو ترویحوں کے درمیان ایک ترویحہ کی مقدار۔ (۴۰۶/۳) پھر امام ان کو وتر پڑھائے اور نہ پڑھی جائے وتر کی نماز جماعت کے ساتھ ماہ رمضان کے علاوہ۔

تشریح: تراویح مردوں اور عورتوں کے لئے مسنون ہے، جماعت سے تراویح پڑھنا مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے، مگر عورتوں کے لئے جماعت سنت مؤکدہ نہیں ہے، تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے اور تراویح پر وتر کا مقدم کرنا بھی صحیح ہے اور مؤخر کرنا بھی، تہائی رات تک تراویح کو مؤخر کرنا مستحب ہے، اور صحیح مذہب کے مطابق نصف شب کے بعد تک بھی مؤخر کرنا مکروہ نہیں ہے، تراویح کی بیس رکعات ہیں دس سلاموں کے ساتھ اور ہر چار رکعت کے بعد ان چار رکعت کی مقدار بیٹھنا مستحب ہے، تراویح کے اندر ماہ رمضان میں ایک مرتبہ قرآن کریم ختم کرنا مسنون ہے۔

اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ امام لوگوں کو وتر پڑھائے رمضان المبارک میں وتر با جماعت ادا کرنا افضل ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، اور اگر غیر رمضان میں اتفاقاً وتر کی جماعت کرلی تو مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر اس پر ہمیشگی و پابندی کی جائے تو مکروہ تحریمی ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخَوْفِ

ترجمہ: یہ باب خوف کی نماز کے بیان میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: قیام رمضان خوشی کی حالت ہے اور خوف غمی کی حالت ہے خوشی اور غمی دونوں میں تضاد، تو یہاں مناسبت تضاد کے اعتبار سے ہے۔

صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت: اس بارے میں شدید اختلاف ہے جمہور کے نزدیک سب سے پہلے غزوۂ ذات الرقاع میں پڑھی گئی، جو جمہور کے قول کے مطابق ۴ھ میں ہوا۔

(عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۳۶، زکریا دیوبند، اوجز المسالک ج:۲،ص:۲۶۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف ۲۴ رمرتبہ پڑھی ہے، جیسا کہ حضرت سہارنپوری نے بذل المجہود میں لکھا ہے۔ (بذل المجہود ج:۲،ص:۲۴۵)

(۴۰۷/۱) إِذَا اشْتَدَّ الْخَوْفُ جَعَلَ الْإِمَامُ النَّاسَ طَائِفَتَيْنِ طَائِفَةً إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَطَائِفَةً خَلْفَهُ فَيُصَلِّى بِهٰذِهِ الطَّائِفَةِ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ فَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ مَضَتْ هٰذِهِ الطَّائِفَةُ إِلَى وَجْهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتْ تِلْكَ الطَّائِفَةُ فَيُصَلِّى بِهِمُ الْإِمَامُ رَكْعَةً وَسَجْدَتَيْنِ وَتَشَهَّدَ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُسَلِّمُوْا وَذَهَبُوْا إِلٰى

وَجهِ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُوْلٰی فَصَلُّوْا وُحْدَاناً رَکْعَةً وَسَجْدَتَیْنِ بِغَیْرِ قِرَاءَةٍ وَتَشَهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا وَمَضَوْا اِلٰی وَجهِ الْعَدُوِّ وجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰی وَصَلُّوْا رَکْعَةً وَسَجْدَتَیْنِ بِقِرَاءَةٍ وَتَشَهَّدُوْا وَسَلَّمُوْا فَاِنْ کَانَ مُقِیماً صَلّٰی بِالطَّائِفَةِ الْاُوْلٰی رَکْعَتَیْنِ وَبِالثَّانِیَةِ رَکْعَتَیْنِ (۲/۴۰۸) وَیُصَلّٰی بِالطَّائِفَةِ الْاُوْلٰی رَکْعَتَیْنِ مِنَ الْمَغْرِب وَبِالثَّانِیَةِ رَکْعَةً.

ترجمہ: (۱/۴۰۷) جب خوف زیادہ ہوجائے تو کردے امام لوگوں کی دو جماعت ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں اور ایک جماعت اپنے پیچھے چنانچہ اس جماعت کو ایک رکعت پڑھائے دوسجدوں کے ساتھ، پھر جب امام اپنا سراٹھائے دوسرے سجدہ سے تو چلی جائے یہ جماعت دشمن کے مقابلہ میں اور آجائے وہ جماعت چنانچہ پڑھائے امام اس جماعت کو ایک رکعت دوسجدوں کے ساتھ اور امام تشہد پڑھ کر سلام پھیردے اور یہ جماعت سلام نہ پھیرے بلکہ دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اور آجائے پہلی جماعت پس یہ جماعت پڑھے تنہا تنہا ایک رکعت دوسجدوں کے ساتھ بلاقرأت اور تشہد پڑھ کر سلام پھیرے اور دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اور دوسری جماعت آئے اور پڑھے ایک رکعت دوسجدوں کے ساتھ مع قرأت اور تشہد پڑھے اور سلام پھیردے، اور اگر امام مقیم ہو تو پڑھائے پہلی جماعت کو دو رکعت اور دوسری جماعت کو دورکعت۔ (۲/۴۰۸) اور پڑھائے پہلی جماعت کو دورکعت مغرب کی اور دوسری جماعت کو ایک رکعت۔

تشریح: صلوٰۃ الخوف پڑھنے کے احادیث میں متعدد طریقے آئے ہیں۔

(۱) احناف کے نزدیک اگر امام المسلمین (امیر لشکر) مسافر ہے تو افضل یہ ہیکہ لشکر کی دو جماعتیں بنالے ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہوجائے اور ایک جماعت امام کے پیچھے، امام اس کو ایک رکعت پڑھائے ایک پڑھ کر یہ جماعت دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اور جو دشمن کے مقابلے میں تھی وہ یہاں امام کے پیچھے آجائے امام اس کو بھی ایک رکعت پڑھائے، امام کی تو چوں کہ دونوں رکعتیں ہوگئیں اس لئے وہ تو اپنی نماز تنہا ہی پوری کر کے سلام پھیردے اور یہ دوسری جماعت جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لی ہے دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اس کے بعد پہلی جماعت اپنی باقی ماندہ رکعت اسی جگہ یا جس جگہ جماعت ہوئی تھی وہاں جاکر پڑھ لے اور سلام پھیردے اور یہ ایک رکعت بلاقرأت پوری کرے کیوں کہ یہ لاحق ہیں اور لاحق پر قرأت نہیں ہے، پھر اس کے بعد یہ جماعت دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے اور دوسری جماعت بھی اپنی باقی ماندہ رکعت پوری کرے اور اگر امیر لشکر مقیم ہے تو پہلی جماعت کو بھی دورکعت پڑھائے اور اور دوسری کو بھی دورکعت پڑھائے اور اگر مغرب کی نماز ہو تو پہلی جماعت کو دورکعت اور دوسری کو ایک رکعت پڑھائے۔ (عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۳۷)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک افضل صورت یہ ہے کہ جب پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ چکے تو وہ اسی وقت اپنی دوسری رکعت تنہا پڑھ کر سلام پھیردے اور دشمن کے مقابلہ میں چلی جائے امام اتنی دیر کھڑا ہوا انتظار کرتا ہے

پھر دوسری جماعت آئے امام اس کو ایک رکعت پڑھائے اور تنہا سلام پھیر دے اور یہ جماعت اسی وقت اپنی دوسری رکعت بھی پڑھ لے۔ (اوجز ج:۲،ص:۲۶۶،عمدۃ القاری ج:۵،ص:۱۳۷)

حنفیہ کے مذہب کی وجہ ترجیح: حنفیہ نے جو نماز خوف کا طریقہ اختیار کیا ہے وہ ترتیب کے زیادہ موافق ہے، کیوں کہ ائمۂ ثلاثہ کے طریقہ میں پہلی جماعت امام سے پہلے ہی نماز سے فارغ ہوجاتی ہے جو موضوع امامت کے خلاف ہے۔

(۴۰۹/۳) وَلَا يُقَاتِلُوْنَ فِي حَالِ الصَّلٰوةِ فَاِنْ فَعَلُوْا ذَالِكَ بَطَلَتْ صَلٰوتُهُمْ

ترجمہ: (۴۰۹/۳) اور نہ لڑیں نماز کی حالت میں چنانچہ اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کی نماز باطل ہوجائیگی۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک نماز کی حالت میں کوئی جماعت قتال نہ کرے اگر قتال کرتی ہے تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی از سرنو پڑھنا لازم ہوگا۔

(۴۱۰/۴) وَاِنِ اشْتَدَّ الْخَوْفُ صَلُّوْا رُكْبَانًا وُحْدَانًا يُوْمِؤُنَ بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ اِلٰى اَىِّ جِهَةٍ شَاءُوْا اِذَا لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَى التَّوَجُّهِ اِلَى الْقِبْلَةِ

ترجمہ: (۴۱۰/۴) اور اگر خوف بہت ہی زیادہ ہو تو نماز پڑھیں اپنی اپنی سواری پر تنہا تنہا رکوع اور سجدہ کا اشارہ کریں جس طرف بھی ممکن ہو جب کہ قادر نہ ہوں قبلہ کی جانب متوجہ ہونے پر۔

تشریح: اگر دشمن کا خوف اس قدر بڑھ گیا کہ وہ مسلمانوں کو سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہیں دیتے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لئے سواری پر بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدے کے اشارے کے ساتھ تنہا تنہا نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر قبلہ کی طرف رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جس طرف چاہیں کرلیں۔

بَابُ الْجَنَائِزِ

یہ باب جنازہ کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: جب مصنفؒ ان نمازوں کے بیان سے فارغ ہوگئے، جن کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے، تو اب مناسب معلوم ہوا کہ حالت موت کی نماز جنازہ کے مسائل شروع کریں۔

جنائز جنازہ کی جمع ہے، جنازہ جیم کے فتحہ کے ساتھ میت کو کہا جاتا ہے اور جیم کے کسرہ کے ساتھ اس تخت کو کہا جاتا ہے، جس پر میت کو اٹھایا جائے۔

(۴۱۱/۱) اِذَا احْتُضِرَ الرَّجُلُ وُجِّهَ اِلَى الْقِبْلَةِ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ (۴۱۲/۲) وَلُقِّنَ الشَّهَادَتَيْنِ (۴۱۳/۳) وَاِذَا مَاتَ شَدُّوْا لِحْيَيْهِ وَغَمَّضُوْا عَيْنَيْهِ.

ترجمہ: (۱/۴۱۱) جب آدمی مرنے لگے تو قبلہ کی جانب کر دیا جائے داہنی کروٹ پر (۲/۴۱۲) اور شہادتین کی تلقین کی جائے (۳/۴۱۳) اور جب مرجائے تو باندھ دیں اس کے جبڑے اور بند کر دیں اس کی آنکھیں۔

تشریح: جب آدمی مرنے لگتا ہے تو اس کی کچھ علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں مثلاً دونوں پیر ڈھیلے ہوجاتے ہیں ناک ٹیڑھی ہوجاتی ہے، آنکھوں کی روشنی ختم ہوجاتی ہے، زبان لڑکھڑانے لگتی ہے، جب یہ حالت انسان پر طاری ہوجائے تو دائیں کروٹ پر قبلہ رخ کر دیا جائے اور اس کے پاس بیٹھ کر زور زور سے "اشهد ان لّا اله الا اللّٰه واشهد ان محمداً رسول اللّٰه" پڑھے تاکہ وہ خود بھی کلمہ پڑھنے لگے اور اس کو کلمہ پڑھنے کا حکم نہ کرو، کیوں کہ وہ وقت بڑا مشکل ہے نہ معلوم اس کے منہ سے کیا نکل جائے۔

جب مرجائے تو سب اعضاء درست کر دو اور اسکی کپڑے سے اس کا منھ اس ترکیب سے باندھو کہ کپڑا ٹھوڑی کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں سرے سر پر لے جاؤ اور گرہ لگا دو تاکہ منھ پھیل نہ جائے اور آنکھیں بند کر دو اور پیر کے دونوں انگوٹھے ملا کر باندھ دو تاکہ ٹانگیں پھیل نہ جائیں پھر چادر اڑھا دو۔

(۴/۴۱۴) فَاِذَا اَرَادُوْا غُسْلَهٗ وَضَعُوْهُ عَلٰى سَرِيْرٍ وَجَعَلُوْا عَلٰى عَوْرَتِهٖ خِرْقَةً وَنَزَعُوْا ثِيَابَهٗ (۵/۴۱۵) وَوَضَّأُوْهُ وَلَايُمَضْمَضُ وَلَايُسْتَنْشَقُ (۶/۴۱۶) ثُمَّ يُفِيْضُوْنَ الْمَاءَ عَلَيْهِ (۷/۴۱۷) وَيُجَمَّرُ سَرِيْرُهٗ وِتْراً (۸/۴۱۸) وَيُغْلَى الْمَاءُ بِالسِّدْرِ اَوْ بِالْحُرْضِ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فَالْمَاءُ الْقَرَاحُ (۹/۴۱۹) وَيُغْسَلُ رَأْسُهٗ وَلِحْيَتُهٗ بِالْخِطْمِيِّ (۱۰/۴۲۰) ثُمَّ يُضْجَعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ وَالسِّدْرِ حَتّٰى يُرٰى اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰى مَا يَلِيَ التَّخْتَ مِنْهُ ثُمَّ يُضْجَعُ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ فَيُغْسَلُ بِالْمَاءِ حَتّٰى يُرٰى اَنَّ الْمَاءَ قَدْ وَصَلَ اِلٰى مَايَلِيَ التَّخْتَ مِنْهُ (۱۱/۴۲۱) ثُمَّ يُجْلِسُهٗ وَيُسْنِدُهٗ اِلَيْهِ وَيَمْسَحُ بَطْنَهٗ مَسْحاً رَقِيْقاً فَاِنْ خَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ غَسَلَهٗ وَلَايُعِيْدُ غُسْلَهٗ

ترجمہ: (۴/۴۱۴) پھر جب اس کو غسل دینا چاہیں تو رکھیں اس کو ایک تختے پر اور ڈالیں اس کے سر پر کوئی کپڑا اور اتار دیں اس کے کپڑے (۵/۴۱۵) اور اس کو وضو کرائیں لیکن کلی نہ کرائیں اور نہ ناک میں پانی ڈالیں، (۶/۴۱۶) پھر میت پر پانی بہائیں (۷/۴۱۷) اور دھونی دی جائے اسکے تختے کو طاق بار (۸/۴۱۸) اور جوش دیا جائے پانی کو بیری کے پتوں یا اشنان گھاس کے ساتھ پھر اگر یہ نہ ہو تو خالص پانی کافی ہے (۹/۴۱۹) اور دھویا جائے اس کا سر اور اس کی ڈاڑھی خطمی (ایک قسم کی گھاس) سے، (۱۰/۴۲۰) پھر میت کو اسکی بائیں کروٹ پر لٹا دیا جائے پس دھویا جائے پانی اور بیری کے پتوں سے یہاں تک کہ دیکھ لیا جائے کہ پانی اس حصہ کو پہنچ گیا ہے، جو حصہ تختہ سے ملا ہوا ہے، پھر لٹایا جائے اس کی داہنی کروٹ پر پھر دھویا جائے پانی سے یہاں تک کہ معلوم ہوجائے کہ پانی پہنچ گیا ہے میت کے بدن کے اس حصہ تک جو حصہ تختہ سے ملا ہوا ہے، (۱۱/۴۲۱) پھر غسل دینے والا میت کو بٹھائے اور اپنی طرف اس کا سہارا لگائے اور ملے

اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ پھر اگر اس کے پیٹ سے کچھ نکلے تو اس کو دھو ڈالے اور اس کے غسل کا اعادہ نہ کرے۔

تشریح: اس پوری عبارت میں غسل میت کی کیفیت کا بیان ہے۔

چنانچہ امام قدوری فرماتے ہیں کہ جب میت کو غسل دینے کا ارادہ کرو تو پہلے کسی تخت کو لوبان یا اگربتی وغیرہ خوشبودار چیز کی دھونی دیدو تین یا پانچ یا سات مرتبہ دھونی دینے کے بعد میت کو اس پر لٹادو اور کپڑے اتار لو اور کوئی کپڑا ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈال دو تا کہ اتنا بدن چھپا رہے، کیوں کہ ستر چھپانا فرض ہے۔

غسل دینے کا طریقہ یہ ہے کہ مردے کو کو پہلے استنجا کرادو لیکن اس کی رانوں اور استنجے کی جگہ اپنا ہاتھ نہ لگاؤ، پھر اس کو وضو کرادو، لیکن نہ کلی کراؤ اور نہ ناک میں پانی ڈالو، اور نہ گٹوں تک ہاتھ دھلاؤ، بلکہ پہلے چہرہ دھلاؤ، پھر دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت پھر سر کا مسح پھر دونوں پیر اور اگر تین مرتبہ روئی بھگو کر دانتوں اور مسوڑھوں پر پھیر دی جائے اور ناک کے دونوں سوراخوں میں تو بھی جائز ہے، اور اگر مردہ ناپاکی کی حالت میں مرا ہے تو اس طرح سے منھ اور ناک میں پانی پہنچانا ضروری ہے، اور ناک، منھ، اور کانوں میں روئی بھر دو تا کہ وضو کراتے وقت اور غسل دیتے وقت پانی نہ چلا جائے۔

وضو کرانے کے بعد سر اور ڈاڑھی کو گل خیر یا صابن وغیرہ جس سے صاف ہو جائے مل کر دھوئے پھر مردے کو بائیں کروٹ پر لٹا کر بیری کے پتے ڈال کر پکا ہوا نیم گرم پانی تین مرتبہ سر سے پیر تک ڈالے یہاں تک بائیں کروٹ تک پہنچ جائے، اسی طرح دائیں کروٹ پر لٹا کر پانی ڈالا جائے اسکے بعد میت کو اپنے بدن کی ٹیک لگا کر ذرا بٹھائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اور دبائے اگر پاخانہ نکلے تو اس کو صاف کر کے دھو ڈالے دوبارہ وضو اور غسل کی ضرورت نہیں۔

(۴۲۲/۱۲) ثُمَّ يُنَشِّفُهُ فِي ثَوْبٍ وَيُدْرَجُ فِي أَكْفَانِهِ (۴۲۳/۱۳) وَيُجْعَلُ الْحَنُوْطُ عَلٰى رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ وَالْكَافُوْرُ عَلٰى مَسَاجِدِهٖ.

ترجمہ: (۴۲۲/۱۲) پھر میت کے بدن کو کسی کپڑے سے پونچھ دے اور رکھ دیا جائے اس کے کفن کے کپڑوں میں (۴۲۳/۱۳) اور مل دی جائے حنوط (خوشبو) اس کے سر اور ڈاڑھی پر اور کافور سجدہ کے اعضاء پر۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ غسل دینے کے بعد میت کے بدن کو کسی پاک کپڑے سے خشک کر کے پونچھ دیا جائے پھر اس کو کفن پہنایا جائے، جب مردے کو کفن پر رکھو تو سر پر عطر لگادو اور اگر مردہ مرد ہو تو ڈاڑھی پر بھی عطر لگادو پھر پیشانی، ناک اور دونوں ہتھیلی اور گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر کافور مل دو۔

(۴۲۴/۱۴) وَالسُّنَّةُ اَنْ يُكَفَّنَ الرَّجُلُ فِي ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ اِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَلِفَافَةٍ فَاِنِ اقْتَصَرُوْا عَلٰى ثَوْبَيْنِ جَازَ.

ترجمہ: (۴۲۴/۱۴) اور سنت یہ ہے کہ کفنایا جائے مرد کو تین کپڑوں میں ازار، قمیص اور لفافہ، پھر انہوں نے اکتفا کیا دو کپڑوں پر تو جائز ہے۔

تشریح: کفن تین قسم کا ہوتا ہے، کفن مسنون، کفن کفایہ، کفن ضرورت، اس عبارت میں کفن مسنون وکفن کفایہ کا بیان ہے کفن سنت مردوں کے حق میں تین کپڑے ہیں۔ (۱) ازار، یعنی تہبند لیکن سر سے پیر تک مراد ہے (۲) قمیص گردن سے پاؤں تک بغیر آستین اور کلی کے (۳) سر سے پیر تک کی چادر جو اوپر لپٹی جاتی ہے۔

تین کپڑوں کے مسنون ہونے پر دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کو تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ہے۔ (ابوداؤد ج:۲، ص:۴۴۹)

مردے کے حق میں کفن کفایہ دو کپڑے ہیں۔ (۱) ازار (۲) لفافہ۔

دلیل: حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ان دو کپڑوں کے بارے میں فرمایا جن میں آپ بیمار تھے کہ ان دونوں کو دھو ڈالو اور مجھ کو ان دونوں کپڑوں میں کفن دینا۔ (مصنف عبدالرزاق ج:۳، ص:۴۲۴)

(۱۵/ ۴۲۵) وَإِذَا أَرَادُوْا لَفَّ اللِّفَافَةِ عَلَيْهِ إِبْتَدَأُوْا بِالْجَانِبِ الْأَيْسَرِ فَأَلْقَوْهُ عَلَيْهِ ثُمَّ بِالْأَيْمَنِ فَإِنْ خَافُوْا أَنْ يَّنْتَشِرَ الْكَفَنُ عَنْهُ عَقَدُوْهُ.

ترجمہ: (۱۵/ ۴۲۵) اور جب میت پر لفافہ لپیٹنا چاہیں تو شروع کریں بائیں طرف سے چنانچہ بائیں طرف میت پر ڈالدیں پھر (شروع کریں) دائیں طرف سے، اگر اندیشہ ہو میت سے کفن کھلنے کا تو اس کو باندھ دیں۔

تشریح: اس عبارت میں کفن لپیٹنے کی کیفیت کا بیان ہے، کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے چادر بچھاؤ پھر ازار اس کے اوپر کرتا پھر مردے کو اس کے اوپر لے جا کر پہلے کرتا پہناؤ، پھر ازار لپیٹ دو، پہلے بائیں طرف پھر دائیں طرف پھر کسی کپڑے سے پیر اور سر کی طرف کفن باندھ دو اور ایک بند سے کمر کے پاس بھی باندھ دو تا کہ راستہ میں کہیں کھل پڑے۔

(۱۶/ ۴۲۶) وَتُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِيْ خَمْسَةِ أَثْوَابٍ إِزَارٍ وَقَمِيْصٍ وَخِمَارٍ وَخِرْقَةٍ تُرْبَطُ بِهَا ثَدْيَاهَا وَلِفَافَةٍ فَإِنِ اقْتَصَرُوْا عَلٰى ثَلٰثَةِ أَثْوَابٍ جَازَ.

ترجمہ: (۱۶/ ۴۲۶) اور کفن دیا جائے گا عورت کو پانچ کپڑوں میں ازار، کرتی، اوڑھنی اور ایک پٹی جو اس کی چھاتیوں پر باندھی جائے اور لفافہ، اگر اکتفاء کیا تین کپڑوں پر تو بھی جائز ہے۔

تشریح: اس عبارت میں عورت کے کفن سنت اور کفن کفایہ کا بیان ہے۔

چنانچہ امام قدوری فرماتے ہیں کہ عورت کا مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں: ایک کرتہ، دوسرے ازار، تیسرے سینہ بند، چوتھے چادر، پانچویں سر بند، ازار سر سے پاؤں تک ہونا چاہئے، اور چادر اس سے ایک ہاتھ بڑی ہو، کرتی گردن سے پاؤں تک ہو، اگر پانچ کپڑوں میں نہ کفنائے، بلکہ تین کپڑوں میں کفن دے، ایک ازار، دوسرے چادر، تیسرے سر بند یہ بھی درست ہے۔

(۱۷/۴۲۷) وَيَكُوْنُ الْخِمَارُ فَوْقَ الْقَمِيْصِ تَحْتَ اللِّفَافَةِ (۱۸/۴۲۸) وَيُجْعَلُ شَعْرُهَا عَلٰى صَدْرِهَا وَلَايُسَرَّحُ شَعْرُ الْمَيِّتِ وَلَالِحْيَتُهٗ وَلَا يُقَصُّ ظُفْرُهٗ وَلَايُقَصُّ شَعْرُهٗ (۱۹/۴۲۹) وَتُجَمَّرُ الْاَكْفَانُ قَبْلَ اَنْ يُّدْرَجَ فِيْهَا وِتْراً.

ترجمہ: (۱۷/۴۲۷) اور ہوگی اوڑھنی کرتی کے اوپر لفافہ کے نیچے۔ (۱۸/۴۲۸) اور رکھدیئے جائیں اس کے بال اس کے سینہ کے اوپر اور کنگھا نہ کیا جائے میت کے بالوں میں اور نہ اس کی ڈاڑھی میں اور نہ کاٹے جائیں اس کے ناخن اور نہ اس کے بال۔ (۱۹/۴۲۹) اور دھونی دی جائے کفنوں کو میت کو کفن میں داخل کرنے سے پہلے طاق مرتبہ

تشریح: عورت کو کفنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً چادر بچھاؤ پھر ازار اس کے بعد کرتی اولاً کرتی پہنا دو اور سر کے بالوں کے دو حصے کر کے کرتی کے اوپر سینے پر ڈال دو کہ ایک حصہ داہنی جانب دوسرا بائیں جانب۔ اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مردہ کے بالوں میں نہ کنگھی کرو نہ ناخن کاٹو نہ کہیں اور کے بال کاٹو اسی طرح رہنے دو، پھر فرمایا پہلے کفن کو تین یا پانچ یا سات مرتبہ لوبان وغیرہ کی دھونی دے دو، پھر اس میں مردے کو کفنا دو۔

(۲۰/۴۳۰) فَاِذَا فَرَغُوْا مِنْهُ صَلُّوْا عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۲۰/۴۳۰) پھر جب اس سے فارغ ہو جائیں تو اس پر نماز پڑھیں۔

تشریح: میت کو غسل دینے کے بعد، میت پر نماز جنازہ پڑھنا بھی فرض کفایہ ہے، اگر کسی نے بھی اس پر نماز نہ پڑھی تو جن جن لوگوں کو معلوم تھا وہ سب گناہ گار ہوں گے، نماز جنازہ کے جواز کی شرط میت کا مسلمان ہونا ہے، چنانچہ کسی کافر اور مرتد کی نماز جنازہ درست نہیں، مسلمان اگر چہ فاسق یا بدعتی ہو اس کی نماز صحیح ہے، دوسری شرط میت کا پاک ہونا ہے اگر غسل دینے سے قبل نماز پڑھ لی تو غسل کے بعد نماز لوٹانی ضروری ہے۔

(۲۱/۴۳۱) وَاَوْلَى النَّاسِ بِالْاِمَامَةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ اِنْ حَضَرَ فَاِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَيُسْتَحَبُّ تَقْدِيْمُ اِمَامِ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَلِيِّ (۲۲/۴۳۲) فَاِنْ صَلّٰى عَلَيْهِ غَيْرُ الْوَلِيِّ وَالسُّلْطَانِ اَعَادَ الْوَلِيُّ وَاِنْ صَلّٰى عَلَيْهِ الْوَلِيُّ لَمْ يَجُزْ اَنْ يُّصَلِّيَ اَحَدٌ بَعْدَهٗ.

ترجمہ: (۲۱/۴۳۱) اور لوگوں میں سب سے زیادہ اس کی امامت کا حق دار بادشاہ ہے، اگر بادشاہ حاضر ہو جائے، پھر اگر بادشاہ نہ آئے، تو مستحب ہے محلہ کے امام کو آگے بڑھانا، پھر میت کے ولی کو، (۲۲/۴۳۲) پھر اگر نماز پڑھادے میت پر ولی یا بادشاہ کے علاوہ تو لوٹا سکتا ہے، ولی اور اگر نماز پڑھ چکا اس پر ولی تو جائز نہیں یہ کہ نماز پڑھے کوئی اور اس کے بعد۔

تشریح: جنازہ کی نماز میں امامت کا استحقاق سب سے زیادہ حاکم وقت کو ہے اگر چہ تقویٰ و پرہیز گاری میں

اس سے بہتر لوگ بھی وہاں موجود ہوں، اگر حاکم وقت وہاں نہ ہو تو پھر وہ شخص جو اس کی طرف سے حاکم شہر ہو امامت کا مستحق ہے، وہ بھی نہ ہو تو قاضیِ شہر اگر یہ سب لوگ وہاں موجود نہ ہو تو اس محلہ کا امام مستحق ہے، پھر ولی مستحق امامت ہے اور میت کے اولیاء امامت کے حق میں اسی ترتیب پر ہوں گے جو ترتیب نکاح میں مذکور ہے۔

اس کے بعد مصنف فرماتے ہیں کہ اگر ولی میت کی اجازت کے بغیر کسی ایسے شخص نے نماز پڑھا دی، جس کو امامت کا استحقاق نہیں اور ولی اس نماز میں شریک نہیں ہے تو ولی میت کو اختیار ہے کہ اس میت پر بعد میں نماز پڑھ لے اور اگر ایسے شخص نے نماز پڑھائی ہو جس کو امامت کا استحقاق ہے تو پھر ولی میت نماز کا اعادہ نہیں کر سکتا، اگر میت کے ولی نے نماز پڑھادی تو پھر کسی کو بھی اعادہ کا اختیار نہ ہوگا، حتی کہ بادشاہ وقت وغیرہ کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج:۱ص:۱۶۳تا۱۶۴)

(۴۳۳/۲۳) فَإِنْ دُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلٰى قَبْرِهٖ إِلٰى ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ وَلَا يُصَلّٰى بَعْدَ ذَالِكَ

ترجمہ: (۴۳۳/۲۳) اگر دفن کر دیا گیا اس حال میں کہ اس پر نماز نہ پڑھی گئی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے تین دن تک اور اس کے بعد نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

تشریح: قبر پر نماز جنازہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ اس بارے میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا مطلقاً ناجائز ہے یعنی خواہ اس میت پر پہلے سے نماز جنازہ پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔ (اوجز ج:۲ص:۴۴۹)

(۲) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک جو شخص میت کی نماز جنازہ نہ پڑھ سکا ہو اس کے لئے نماز پڑھنا جائز ہے اور دفن کئے جانے کے بعد سے ایک مہینہ تک نماز کی گنجائش ہے۔ (اوجز المسالک ج:۲ص:۴۴۹)

(۳) حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ "صلاۃ علی القبر" صرف میت کے ولی کے لئے جائز ہے، جب کہ وہ دفن سے پہلے نماز میں شامل نہ ہو سکا ہو، یا پھر اس صورت میں جائز ہے جبکہ کسی شخص کو نماز کے بغیر دفن کر دیا گیا، اس کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔

پھر حنفیہ کے نزدیک جن دو صورتوں میں جواز ہے، وہ صرف اتنی مدت تک ہے جب تک کہ میت کے اعضاء منتشر نہ ہوئے ہوں پھر اس کی حد تین دن بیان کی گئی ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ اس کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، بلکہ جگہوں اور موسم کے اختلاف سے حکم مختلف ہو سکتا ہے۔ (درمختار مع الشامی ج:۱ص:۸۲۶تا۸۲۷، عالمگیری، ج:۱ص:۱۶۵)

(۴۳۴/۲۴) وَيَقُوْمُ الْمُصَلِّيْ بِحِذَاءِ صَدْرِ الْمَيِّتِ

ترجمہ: (۴۳۴/۲۴) اور کھڑا ہو نماز پڑھانیوالا میت کے سینہ کے مقابلہ میں۔

تشریح: جنازہ مرد کا ہو یا عورت کا نماز کے وقت امام میت کے سینہ کے مقابل کھڑا ہو، یہی حنفیہ کا مفتی بہ قول

ہے، امام ابو یوسف کی مشہور روایت بھی یہی ہے، حضرت امام شافعی کے نزدیک امام مرد کے جنازہ میں سر کے برابر اور عورت کے جنازے میں کمر کے برابر کھڑا ہو۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ حضرت ام کعب کی نماز جنازہ میں ان کے درمیان یعنی سینہ کے برابر کھڑے ہوگئے تھے۔ (طحاوی شریف ج:۱، ص:۳۱۶)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں خواہ مرد کا ہو یا عورت کا میت کے سینہ کے برابر امام کا کھڑا ہونا افضل ہوگا۔

(۲۵/۴۳۵) وَالصَّلٰوۃُ اَنْ یُکَبِّرَ تَکْبِیْرَۃً یَحْمَدُ اللّٰہَ تَعَالٰی عَقِیْبَھَا ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً وَیُصَلِّیْ عَلَی النَّبِیِّ عَلَیْہِ السَّلَامُ ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً ثَالِثَۃً یَدْعُوْا فِیْھَا لِنَفْسِہٖ وَلِلْمَیِّتِ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ ثُمَّ یُکَبِّرُ تَکْبِیْرَۃً رَابِعَۃً وَیُسَلِّمُ.

ترجمہ: (۲۵/۴۳۵) اور نماز یہ ہے کہ ایک تکبیر کہے اسی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و ثنا کرے، پھر تکبیر کہے اور حضورؐ پر درود بھیجے، پھر تیسری تکبیر کہے دعا کرے اس میں اپنے واسطے، میت کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے، پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔

تشریح: اس عبارت میں نماز جنازہ کی کیفیت کا بیان ہے۔

نماز جنازہ کا مسنون اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ میت کو آگے رکھ کر امام اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو جائے اور سب لوگ یہ نیت کریں، میں نے یہ ارادہ کیا کہ نماز جنازہ پڑھوں جو خدا کی نماز ہے اور میت کے لئے دعاء ہے، یہ نیت کر کے دونوں ہاتھ تکبیر تحریمہ کے مانند کانوں تک اٹھا کر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ باندھ لیں، پھر ثنا آخر تک پڑھیں، اس کے بعد پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں، مگر اس مرتبہ ہاتھ نہ اٹھائیں اس کے بعد درود شریف پڑھیں، اور افضل یہ ہے کہ وہی درود شریف پڑھا جائے، جو نماز میں پڑھا جاتا ہے، پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں، اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اس تکبیر کے بعد میت کے لئے دعاء کریں اگر یہ یاد ہو تو دعاء پڑھیں "اللھم اغفر لحینا ومیتنا" الخ جب یہ دعاء پڑھ چکیں، تو پھر ایک مرتبہ اللہ اکبر کہیں اور اس مرتبہ بھی ہاتھ نہ اٹھائیں اور اس تکبیر کے بعد سلام پھیر دیں، اور دائیں طرف سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے چاہئیں۔ (عالم گیری ج:۱، ص:۱۶۴)

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے گی یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ کی قرأت واجب ہے۔

(اوجز المسالک ج:۲، ص:۴۵۵)

جبکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ قرأت فاتحہ نماز جنازہ میں واجب نہیں، اگر دعاء کی نیت سے پڑھ

لی جائے تو کوئی حرج نہیں اور اگر قرأت کی نیت سے پڑھ لی، تو جائز نہیں، کیوں کہ وہ قرأت کا محل نہیں ہے۔
(عالمگیری ج:۱،ص:۱۶۴،فصل خامس)

شوافع کی دلیل: حضورؐ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہے، یہ ابن عباس کی روایت ہے۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۹۹)

جواب: آپ کی ذکر کردہ روایت ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے قائل نہ تھے۔ (اوجز المسالک ج:۲،ص:۴۵۵) **یقول المصلی علی الجنازة**

(۲۶/۴۳۶) وَلَا یُصَلّٰی عَلٰی مَیِّتٍ فِی مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ

ترجمہ: (۲۶/۴۳۶) اور نماز نہ پڑھی جائے کسی میت پر جماعت والی مسجد میں۔

تشریح: میت اور نمازی مسجد میں یا میت باہر اور امام سمیت سب نمازی مسجد میں ہوں تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے اور اگر میت اور امام اور کچھ مقتدی مسجد سے باہر ہوں اور کچھ مقتدی مسجد کے اندر ہوں، تو جو لوگ مسجد سے باہر ہیں ان کی نماز بلا کراہت ہو جائے گی اور جو لوگ مسجد کے اندر ہیں ان کی نماز مکروہ ہوگی۔
(درمختار ج:۱،ص:۸۲۷، ایضاح المسائل ص:۷۵)

ماقبل میں جو تفصیل بیان کی گئی ہے یہ احناف کے نزدیک ہے، امام مالک کی بھی مشہور روایت عدم جواز کی ہے۔
(اوجز المسالک ج:۲،ص:۴۵۹، نیل الاوطار ج:۴،ص:۷۵)

شوافع وحنابلہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(اوجز المسالک ج:۲،ص:۴۵۸، نیل الاوطار ج:۲،ص:۷۵)

دلیل: حضورؐ نے حضرت سہیل ابن بیضاءؓ کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی ہے۔
(طحاوی ج:۱،ص:۳۱۷، ترمذی ج:۱،ص:۲۰۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر نماز جنازہ باعث کراہت نہیں ہوسکتی۔

جواب: حضرت عائشہؓ کی روایت منسوخ ہے اس کے لئے ناسخ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت قولی ہے۔

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ نے فرمایا کہ جو لوگ مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی اجر وثواب نہ ہوگا۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۱۷، نیل الاوطار ج:۴،ص:۷۵، اوجز ج:۲،ص:۴۵۹)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کم از کم کراہت کے درجہ میں ہوگی۔

(۲۷/۴۳۷) فَاِذَا حَمَلُوْهُ عَلٰی سَرِیْرِهٖ اَخَذُوْا بِقَوَائِمِهِ الْاَرْبَعِ وَیَمْشُوْنَ بِهٖ مُسْرِعِیْنَ دُوْنَ الْخَبَبِ

ترجمہ: (۲۷/۴۳۷) پھر جب اس کو اٹھائیں تخت پر تو پکڑلیں اس کے چاروں پائے اور جنازہ کو تیزی کے

ساتھ لے کر چلیں دوڑ کر نہ چلیں۔

تشریح: اس عبارت میں جنازہ اٹھانے کی کیفیت اور اس کو لے کر چلنے کا بیان ہے، جنازہ کو اٹھانے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے میت کے داہنی طرف کا اگلا پایہ اپنے داہنے کندھے پر رکھ کر کم از کم دس قدم چلے، اس کے بعد میت کے بائیں طرف کا اگلا پایہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے، پھر پچھلا بایاں پایہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر کم سے کم دس قدم چلے، پھر اپنے دائیں کندھے پر میت کا پچھلا دایاں پایہ رکھ کر دس قدم چلے، اس طرح کل چالیس قدم کندھے پر لے کر چلے۔

پھر مصنف فرماتے ہیں کہ جنازہ کو تیز قدم لیجانا مسنون ہے، مگر اتنی تیز نہیں کہ نعش کو حرکت واضطراب ہونے لگے۔

(۲/۴۳۸) فَإِذَا بَلَغُوْا إِلَى قَبْرِهِ كُرِهَ لِلنَّاسِ اَنْ يَجْلِسُوْا قَبْلَ اَنْ يُوْضَعَ مِنْ اَعْنَاقِ الرِّجَالِ

ترجمہ: (۲۸/ ۴۳۸) پھر جب پہنچیں اس کی قبر تک تو مکروہ ہے لوگوں کے لئے یہ کہ بیٹھ جائیں قبل اس کے کہ رکھا جائے لوگوں کے کندھوں سے۔

تشریح: جب میت کو لے کر اس کی قبر تک پہنچ گئے تو جنازہ زمین پر رکھے جانے سے پہلے لوگوں کا بیٹھنا مکروہ ہے، کیوں کہ کبھی جنازہ میں لوگوں کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے، اور لوگوں کا بروقت مدد کرنا زیادہ ممکن اسی وقت ہے جب وہ کھڑے ہوں، امام احمد بن حنبل اور امام محمد بن حسن شیبانی کا یہی مذہب ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیٹھ جانا بلا کراہت جائز ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۶ ص:۱۴۸)

(۲/۴۳۹) وَيُحْفَرُ الْقَبْرُ وَيُلْحَدُ (۳۰/۴۴۰) وَيُدْخَلُ الْمَيِّتُ مِمَّا يَلِي الْقِبْلَةَ (۳۱/۴۴۱) فَإِذَا وُضِعَ فِي لَحْدِهِ قَالَ الَّذِيْ يَضَعُهُ بِسْمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ (۳۲/۴۴۲) وَيُوَجِّهُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ (۳۳/۴۴۳) وَيُحَلُّ الْعُقْدَةُ (۳۴/۴۴۴) وَيُسَوِّي اللَّبِنُ عَلَى اللَّحْدِ (۳۵/۴۴۵) وَيُكْرَهُ الْآجُرُّ وَالْخَشَبُ وَلَابَأْسَ بِالْقَصَبِ (۳۶/۴۴۶) ثُمَّ يُهَالُ التُّرَابُ عَلَيْهِ وَيُسَنَّمُ الْقَبْرُ وَلَايُسَطَّحُ.

ترجمہ: (۲۹/۴۳۹) اور قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے (۳۰/۴۴۰) اور اتارا جائے میت کو اس سمت سے جو قبلہ سے متصل ہے، (۳۱/۴۴۱) پھر جب میت کو رکھ دیا جائے اس کی لحد میں تو کہے رکھنے والا "بسم اللہ وعلی ملۃ رسُولِ اللّٰہِ" (۳۲/۴۴۲) اور میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دے (۳۳/۴۴۳) اور کھول دیئے جائیں کفن کے بند (۳۴/۴۴۴) اور برابر کر دی جائیں کچی اینٹیں لحد پر (۳۵/ ۴۴۵) اور مکروہ ہے پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا اور کوئی حرج نہیں بانس میں (۳۶/۴۴۶) پھر اس پر مٹی ڈالدی جائے اور قبر کو کوہان نما بنایا جائے اور چکور نہ بنایا جائے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک قبر کھود کر لحد بنانا مسنون ہے، یعنی قبر کے اندر قبلہ کی جانب بغل بنادی جائے، اسی کو لحد کہتے ہیں، لحد اس وقت مسنون ہے، جبکہ زمین نرم نہ ہو اور اگر زمین ایسی نرم ہو کہ لحد بنانا ممکن نہ ہو تو شق جائز ہے۔

یعنی چوڑی قبر کھود کر اس کے اندر ایک پتلی سے نالی بنا کر اس میں مردہ دفن کرنا۔

اس کے بعد صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک قبر میں مردہ کو اتارنیکا مسنون طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں داخل کیا جائے، جس کی صورت یہ ہو کہ جنازہ کو قبر سے قبلہ کی جانب میں رکھا جائے اور پھر اس کو اسی جانب سے چوڑائی میں قبر کے اندر اتارا جائے۔

امام شافعی واحمد کے نزدیک مردہ کو قبر میں اتارنیکا سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر کی پائینتی کی جانب اس طریقہ سے رکھا جائے کہ میت کا سر قبر کی پائینتی کے ساتھ ہو، پھر اس کو قبر میں کھینچا جائے اس طریقہ پر کہ سر پہلے قبر میں داخل ہو اور پاؤں بعد میں۔ (مستفاد بدائع الصنائع للکاسانی ج:۲،ص:۶۰ تا ۶۱)

دلیل: حضور ﷺ کو اسی طرح کھینچ کر قبر میں اتارا گیا ہے۔ (بدائع ج:۲،ص:۶۱)

جواب: آپ کو ضرورت کی بنیاد پر اس طرح سے اتارا گیا کیوں کہ جگہ تنگ تھی قبلہ کی جانب سے اتارنا مشکل ہو گیا اس لئے ایسا کیا گیا۔ (بدائع ج:۲،ص:۶۲)

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ نے حضرت ابو دجانہ ؓ کو قبلہ کی جانب سے ہی قبر میں اتارا ہے۔ (بدائع ج:۲،ص:۶۱)

پھر آگے فرماتے ہیں کہ لحد میں رکھ کر میت کو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے، یعنی دائیں پہلو پر لٹا کر قبلہ کی جانب متوجہ کر دیں، میت کو قبر میں رکھنے کے بعد اس کے کفن کی گرہ کھول دے، کیوں کہ اب کفن کے منتشر ہونیکا خوف نہیں رہا، اس کے بعد لحد پر کچی اینٹیں ٹھیک کر کے لگا دی جائیں کیوں کہ حضورؐ کی قبر اطہر پر کچی اینٹیں لگائیں گئیں تھیں۔

(عینی ج:۱،ص:۱۱۲۶ جزء ثانی)

قبر میں پکی اینٹیں اور لکڑی لگانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ دونوں چیزیں عمارت کو مضبوط کرنے کے لئے ہیں اور قبر گل سڑ کر برباد ہونے کی جگہ ہے تو قبر میں ایسی چیزوں کو لگانا اسراف ہے، البتہ جہاں زمین نرم ہو یا سیلابی ہونے کی وجہ سے قبر کے بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو تو پختہ اینٹ یا لکڑی کے تختوں سے بند کیا جا سکتا ہے، نرکل یا بانس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر قبر پر مٹی ڈال دی جائے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۲۷ جزء ثانی)

آگے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ قبر کو کوھان نما بنایا جائے اور چکور نہ بنایا جائے، قبر زمین سے ایک بالشت تک بلند کرنا اکثر فقہاء کے نزدیک مشروع ہے، اور جو قبر اس سے زیادہ بلند ہو اس کو ایک بالشت تک لے آنا مستحب ہے، پھر قبروں کو ایک بالشت کے بقدر اونچا کرنے کی ہیئت کیا ہوگی؟ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا۔

(۲) امام شافعی کے نزدیک چکور بنایا جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل: سفیان تمار کی روایت ہے کہ میں اس جگہ داخل ہوا جہاں حضورؐ کی قبر مبارک تھی، میں نے آپ کی

قبر مبارک اور شیخین کی قبروں کو کوھان نما دیکھا۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۲۹)

امام شافعی کی دلیل: حضورؐ نے اپنے بیٹے ابراہیم کی قبر کو چکور بنایا تھا۔

جواب: اولاً چکور بنائی گئی پھر کوھان نما کر دیا گیا تھا۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۱۱۲۸، جز دوم، عنایہ من ہامش الفتح ج:۲،ص:۱۰۱)

تنبیہ: واضح رہے کہ یہ اختلاف فضیلت میں ہے ورنہ جائز دونوں طریقے ہیں۔

(۴۴۷/۳۷) وَمَنِ اسْتَهَلَّ بَعْدَ الْوِلَادَةِ سُمِّيَ وَغُسِّلَ وَصُلِّيَ عَلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ اُدْرِجَ فِيْ خِرْقَةٍ وَدُفِنَ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۴۴۷/۳۷) اور جس بچہ نے آواز نکالی پیدائش کے بعد اس کا نام رکھا جائے اور غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اگر آواز نہیں کی، تو اسے کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور دفن کر دیا جائے اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح: بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر ایسی کوئی علامت ظاہر ہوئی جس سے بچہ کی زندگی کا علم ہو سکے مثلاً پیدا ہونے کے بعد چلانا، چھینکنا، جمائی وغیرہ لینا، پھر وہ بچہ مر گیا تو اس کا نام بھی رکھا جائے اور اس کو غسل میت بھی دیا جائے اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے، اور اگر زندگی کی کوئی علامت نہیں پائی گئی تو اس کو بطور کفن ایک کپڑے میں لپیٹ کر کسی گڑھے میں دبا دیا جائے، اور اس پر نماز نہ پڑھی جائے، مختار قول کے مطابق اس کو غسل بھی دیا جائے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے۔

باب الشهيد

(یہ) باب شہید کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: چونکہ شہید کا درجہ عام میت سے بڑھا ہوا ہے تو باب الجنائز کے بعد باب الشہید کا تذکرہ ایسا ہے جیسے فرشتوں کے ذکر کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۳۲ جزء ثانی)

شہید کی لغوی تعریف: شہید فعیل کے وزن پر ہے مفعول کے معنی میں یعنی فرشتے تعظیم کی خاطر اس کی موت کی شہادت دیتے ہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب ج:۱،ص:۱۳۳)

اصطلاحی تعریف: شہید وہ ہے جس کو مشرکین نے قتل کر ڈالا یا میدانِ جنگ میں پڑا ہوا پایا گیا اور اس کے بدن پر قتل کے نشانات ہیں یا اس کو مسلمانوں نے ظلماً قتل کر دیا اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہیں ہوئی مثلاً کوئی شخص جنگل میں مقتول پایا گیا جس کے قریب کوئی آبادی نہیں اور قاتل معلوم نہ ہو سکے تو اسے غسل و کفن نہیں دیا جائے گا۔

شہید کی قسمیں:

غسل وکفن کے اعتبار سے شہید کی دو قسمیں ہیں (۱) دنیوی واخروی (۲) اخروی۔
(۱) جس کو غسل وکفن نہیں دیا جاتا ہے بلکہ بغیر غسل دیئے انہیں کپڑوں میں نماز پڑھ کر دفن کر دیا جاتا ہے۔
(۲) جس کو عام مسلمانوں کے مانند غسل وکفن دیا جائے یہ صرف آخرت کے اعتبار سے شہید ہے۔

(۱/ ۴۴۸) اَلشَّهِيْدُ مَنْ قَتَلَهُ الْمُشْرِكُوْنَ اَوْ وُجِدَ فِي الْمَعْرَكَةِ وَبِهِ اَثَرُ الْجَرَاحَةِ اَوْ قَتَلَهُ الْمُسْلِمُوْنَ ظُلْماً وَلَمْ يَجِبْ بِقَتْلِهِ دِيَةٌ (۲/۴۴۹) فَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يُغَسَّلُ.

ترجمہ: (۱/ ۴۴۸) شہید وہ ہے جس کو قتل کر دیا ہو مشرکوں نے یا پایا گیا میدان جنگ میں اور اس پر زخم کا نشان ہو یا قتل کر دیا ہو اس کو مسلمانوں نے ظلماً اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت واجب نہ ہوئی ہو (۲/ ۴۴۹) تو اس کو کفن دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کو غسل نہ دیا جائے۔

تشریح: اس عبارت میں شہید کی قسم اول (جو دنیوی واخری اعتبار سے شہید ہے) کا بیان ہے، مذکورہ تمام صورتوں میں مقتول پر شہید کے احکام جاری ہوں گے یعنی اسے غسل وکفن نہیں دیا جائے گا، بلکہ جو کپڑے وہ پہنے ہوئے ہوا نہی کپڑوں میں غسل دیئے بغیر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا۔
شہید کو جس طرح بلا غسل دفن کرنے کا حکم ہے اسی طرح بلا نماز دفن کیا جائے یا عام میتوں کی طرح نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کیا جائے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

اختلاف الائمہ

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ مشروع نہیں ہے، جیسے غسل مشروع نہیں ہے۔
(نیل الاوطار ج:۴، ص:۴۸، بذل المجہود ج:۴، ص:۱۹۰)
(۲) حنفیہ کے نزدیک عام میتوں کی طرح شہید کی نماز جنازہ بھی واجب ہے۔ (نیل الاوطار ج:۴، ص:۴۸)
ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے شہداء احد کو ان کے خونوں میں دفن کرنے کا حکم دیا ہے نہ ان کو غسل دیا گیا اور نہ آپ نے ان پر نماز جنازہ ادا فرمائی ہے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۲۱)
جواب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں دو احتمال ہیں:
(۱) آپ نے اس لئے نماز جنازہ نہیں پڑھی کہ شہید کے لئے سنت طریقہ یہ ہے کہ بغیر نماز جنازہ کے دفن کر دیا جائے جس طرح بغیر غسل کے شہداء کو دفن کرنا سنت ہے۔

(۲) ممکن ہے کہ آپ نے نماز جنازہ کسی عذر کی وجہ سے نہ پڑھی ہو مگر صحابہؓ نے نماز جنازہ پڑھی ہے اور اس احتمال کی تائید میں کثیر روایات ہیں جیسا کہ حضرت سہل ﷺ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے سر مبارک میں سخت زخم آ گیا تھا اور اس سے خون مسلسل بہہ رہا تھا گویا کہ آپ ﷺ نماز پڑھنے سے معذور تھے۔
(طحاوی ج:۱ص:۳۲۱، ایضاح الطحاوی ج:ص۳ص:۶۸)

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ نے تمام شہداء احد پر نماز جنازہ ادا فرمائی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ (طحاوی ج:۱ص:۳۲۲)

(۳/۴۵۰) وَإِذَا اسْتُشْهِدَ الْجُنُبُ غُسِّلَ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَكَذٰلِكَ الصَّبِيُّ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَا يُغَسَّلَانِ.

ترجمہ: اور جب شہید ہو جائے کوئی ناپاک آدمی تو غسل دیا جائے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور اسی طرح بچہ کا حکم ہے، اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

تشریح: امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہید کی قسم اول کیلئے حدث اکبر سے پاک ہونا بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص حالت جنابت میں یا کوئی عورت حیض ونفاس کی حالت میں شہید ہو جائے تو اس کے لئے شہید کے وہ احکام ثابت نہ ہوں گے یعنی اسے غسل دیا جائے گا جیسے اگر بچہ شہید ہو جائے تو اسے غسل دیا جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل: حضرت حنظلہؓ جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے تو فرشتوں نے ان کو غسل دیا تھا، حضورؐ نے ان کے گھر والوں سے معلوم کیا پتہ چلا کہ حضرت حنظلہؓ حالت جنابت میں تھے معلوم ہوا کہ اگر حالت جنابت میں کوئی شہید ہو جائے تو غسل واجب ہے، فتویٰ امام صاحب کے قول پر ہے۔
(عینی شرح ہدایہ ج:۱ص:۱۱۳۸ جزء ثانی، کفایہ ج:۲ص:۱۰۶، طحاوی علی مراقی الفلاح ج:۱ص:۳۴۴)

صاحبین کا مذہب: جنبی مسلمان اگر شہید ہو جائے تو غسل نہ دیا جائے۔

دلیل: جو غسل جنابت کی وجہ سے واجب ہوا تھا وہ موت سے ساقط ہو گیا۔ (عینی ج:۱ص:۱۱۳۸)

بچہ اگر شہید کر دیا گیا تو امام صاحب کے نزدیک اس کو غسل دیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک غسل نہ دیا جائے تا کہ اس پر اس کی مظلومیت کا اثر باقی رہے، امام صاحب فرماتے ہیں چونکہ بچہ پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لئے وہ شہداء احد کے معنی میں نہ ہو گا، لہذا غسل بھی ساقط نہ ہو گا اس لئے بچہ کو غسل دیا جائے گا۔ (عینی ج:۱ص:۱۱۳۹)

(۴/۴۵۱) وَلَا يُغْسَلُ عَنِ الشَّهِيْدِ دَمُهٗ وَلَا يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهٗ وَيُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ وَالْخُفُّ السِّلَاحُ.

ترجمہ: (۴/۴۵۱) اور نہ دھویا جائے شہید سے اس کا خون اور نہ اتار لے جائیں اس سے اس کے کپڑے اور اتار لی جائے اس سے پوستین، روئی سے بھرے ہوئے کپڑے، موزے اور ہتھیار۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ قسم اول کے شہید کے بارے میں احکام بیان فرمار ہے ہیں کہ اس کا خون اس کے جسم سے صاف نہ کیا جائے البتہ اگر خون کے علاوہ کوئی اور نجاست اس کے بدن یا کپڑوں کو لگ گئی ہو تو اسے دھویا جائے، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے شلوار وغیرہ پہنے ہوئے ہو ان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے زائد ہوں تو زائد کپڑے اتار لئے جائیں اور اگر اس کے جسم پر ایسے کپڑے ہوں جن میں کفن ہونے کی صلاحیت نہ ہو جیسے چمڑے کا لباس پوستین وغیرہ تو ان کو بھی اتار لینا چاہئے، ہاں اگر ایسے کپڑوں کے علاوہ جسم پر کوئی کپڑا نہ ہو تو پھر پوستین وغیرہ کو نہ اتارنا چاہئے۔ (شامی ج:۱ص:۸۵۱ طحطاوی علی مراقی الفلاح ج:۱ص:۳۴۴) ٹوپی، جوتا، ہتھیار، زرہ وغیرہ کو ہر حالت میں اتار لیا جائے گا۔

(۵/۴۵۲) وَمَنِ ارْتُثَّ غُسِّلَ وَالْاِرْتِثَاثُ اَنْ يَّأْكُلَ اَوْ يَشْرَبَ اَوْ يُدَاوِىْ اَوْ يَبْقٰى حَيًّا حَتّٰى يَمْضِىْ عَلَيْهِ وَقْتُ صَلٰوةٍ وَهُوَ يَعْقِلُ اَوْ يُنْقَلُ مِنَ الْمَعْرَكَةِ حَيًّا.

ترجمہ: (۵/۴۵۲) اور مرتث کو غسل دیا جائے اور ارتثاث یہ ہے کہ وہ کچھ کھالے یا پی لے یا علاج کرالے یا اتنی دیر زندہ رہے کہ اس پر ایک نماز کا وقت گذر جائے ہوش کی حالت میں یا منتقل کیا جائے میدان جنگ سے زندہ۔

تشریح: ارتثاث کے معنیٰ ہیں پرانا پڑ جانا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مقتول فی سبیل اللہ زخم لگنے کے بعد کچھ منافع زندگی حاصل کرے، مثلاً کچھ کھالے پی لے سو جائے، خرید وفروخت کرے یا حالت ہوش وحواس میں ایک نماز کا وقت گذر جائے، یا لوگ حالت ہوش میں اس کو میدان جنگ سے اٹھالائیں پھر اس کے بعد یہ شخص انتقال کر جائے تو شہید کے احکام سے خارج ہو جائے گا، یعنی اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور دوسرے مردوں کی طرح نیا کفن بھی پہنایا جائے گا۔

الحاصل! اس عبارت میں شہید کی دوسری قسم کا بیان ہے، یعنی جنھیں حضورؐ کی بشارت کے مطابق آخرت میں تو درجۂ شہادت نصیب ہوگا، اور شہیدوں کا سا معاملہ ثواب اور اعزاز واکرام کا ان کے ساتھ کیا جائے گا، لیکن دنیا میں ان پر شہیدوں کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

(۶/۴۵۳) وَمَنْ قُتِلَ فِىْ حَدٍّ اَوْ قِصَاصٍ غُسِّلَ وَصُلِّىَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۶/۴۵۳) اور جو شخص قتل کیا گیا ہو کسی حد میں یا قصاص میں تو غسل دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی۔

تشریح: قسم اول کی شہادت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ بے گناہ مقتول ہوا ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص بے گناہ

مقتول نہیں ہوا بلکہ کسی جرم شرعی کی سزا میں مارا گیا تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور نماز بھی پڑھی جائے گی۔

(۴۵۴/۷) وَمَنْ قُتِلَ مِنَ الْبُغَاةِ أَوْ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۴۵۴/۷) اور جو شخص قتل کیا گیا باغیوں یا ڈاکوؤں میں سے تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح: اگر ڈاکو یا باغی لڑائی کے دوران قتل ہو جائیں تو ان کی اہانت اور دوسروں کی عبرت کے لئے حکم یہ ہے کہ ان کو نہ غسل دیا جائے نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ یونہی دفنا دیا جائے احناف کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کو غسل تو دیا جائے لیکن ان پر نماز نہ پڑھی جائے اسی قول پر علامہ شامی نے فتویٰ نقل کیا ہے۔ (شامی ج:۱،ص:۸۱۴) لیکن اگر لڑائی کے بعد قتل کیے گئے یا لڑائی کے بعد اپنی موت مر جائیں تو پھر ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ

یہ باب کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے والا من وجہ استقبال قبلہ کرنے والا ہے اور من وجہ پشت کرنے والا ہے ایسے ہی شہید اللہ کے نزدیک زندہ ہے اور لوگوں کے نزدیک مردہ ہے، اس باب کو سب سے آخر میں اس لئے لائے ہیں تاکہ کتاب الصلوٰۃ کا اختتام ایک متبرک چیز پر ہو جائے۔ (اشرف النوری ج:۱،ص:۲۰۱)

(۴۵۵/۱) اَلصَّلٰوةُ فِي الْكَعْبَةِ جَائِزَةٌ فَرْضُهَا وَنَفْلُهَا

ترجمہ: (۴۵۵/۱) نماز کعبہ میں جائز ہے، فرض بھی اور نفل بھی۔

تشریح: اس عبارت میں مصنفؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ خانۂ کعبہ میں نماز جائز ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک بیت اللہ میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن امام مالک کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ فرض، وتر صلاۃ الطواف، سنت فجر جائز نہیں ہے اور ان کے علاوہ دیگر نوافل جائز ہیں۔ (معارف السنن ج:۶،ص:۴۱۰)

مذہب نمبر ۲: حنفیہ کے نزدیک ہر طرح کی نماز خانہ کعبہ کے اندر جائز ہے۔ (معارف السنن ج:۶،ص:۴۱۰)

مذہب اول کی دلیل: حضور ﷺ جب خود بیت اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے ہر کنارہ میں جا کر دعائیں مانگیں اور کوئی نماز اس میں نہیں پڑھی اور جب باہر تشریف لائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا کہ یہی قبلہ ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۶۳)

 حضور ﷺ کا ترک صلوٰۃ عدم جواز پر دلیل نہیں بن سکتا۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۶۴)

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ کے ساتھ حضرت اسامہ حضرت عثمان حضرت بلال ﷺ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے حضرت بلال فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے قبلہ کی دیوار کے تین گز کے فاصلہ پر ایک ستون کو اپنے بائیں جانب اور دو کو اپنی دائیں طرف اور تین کو اپنے پیچھے کی جانب کر کے خانۂ کعبہ میں نماز پڑھی ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۲۶۴)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ کے بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کا انکار ہرگز درست نہ ہوگا۔

(۴۵۶/۲) فَإِنْ صَلَّى الإِمَامُ بِجَمَاعَةٍ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ ظَهْرَهُ إِلَى ظَهْرِ الْإِمَامِ جَازَ (۴۵۷/۳) وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ وَجْهَهُ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ جَازَ وَيُكْرَهُ (۴۵۸/۴) وَمَنْ جَعَلَ مِنْهُمْ ظَهْرَهُ إِلَى وَجْهِ الْإِمَامِ لَمْ تَجُزْ صَلٰوتُهُ.

ترجمہ: (۴۵۶/۲) پھر اگر نماز پڑھائے امام کعبہ میں جماعت کے ساتھ اور کرے مقتدیوں میں سے کوئی اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف تو جائز ہے (۴۵۷/۳) اور جو شخص کرے ان میں سے اپنا چہرہ امام کے چہرے کی طرف تو جائز ہے مگر مکروہ ہے (۴۵۸/۴) اور جو کرے ان میں سے اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔

تشریح: کعبہ کے اندر تنہا نماز پڑھنا بھی جائز ہے، اور جماعت سے بھی اور وہاں یہ بھی ضروری نہیں کہ امام اور مقتدیوں کا چہرہ ایک ہی طرف ہو اس لئے کہ وہاں ہر طرف قبلہ ہے، صاحب کتاب نے اس عبارت میں تین صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) مقتدیوں کی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف ہو اس صورت میں نماز بلا کراہت جائز ہے۔

(۲) مقتدی کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہو تب بھی نماز درست ہے مگر اس صورت میں نماز مکروہ ہوگی اس لئے کہ کسی آدمی کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن اگر درمیان میں کوئی چیز سترہ کر لی جائے تو یہ کراہت نہ رہیگی۔

(۳) مقتدی کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو یہ صورت بالکل ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں مقتدی اپنے امام سے آگے ہوگا۔

(۴۵۹/۵) وَإِذَا صَلَّى الإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ تَحَلَّقَ النَّاسُ حَوْلَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّوْا بِصَلٰوةِ الإِمَامِ فَمَنْ كَانَ مِنْهُمْ أَقْرَبَ إِلَى الْكَعْبَةِ مِنَ الإِمَامِ جَازَتْ صَلٰوتُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي جَانِبِ الإِمَامِ.

ترجمہ: (۴۵۹/۵) اور جب نماز پڑھائے امام مسجد حرام میں اور لوگوں نے حلقہ باندھا کعبہ کے چاروں طرف اور امام کی نماز کے ساتھ نماز پڑھی پس جو شخص ان میں سے زیادہ قریب ہوگا کعبہ کے امام کی بہ نسبت تو ہو جائے گی اس کی نماز جب کہ نہ ہو یہ امام کی جانب میں۔

تشریح: اگر سب لوگ کعبہ کے باہر ہوں اور ایک طرف امام ہو اور چاروں طرف مقتدی حلقہ باندھے ہوئے ہوں، جیسا کہ وہاں اسی طرح نماز پڑھنے کا رواج ہے تو بھی نماز صحیح ہو جائے گی، لیکن شرط یہ ہے کہ جس طرف امام کھڑا

ہے اس طرف کوئی مقتدی بہ نسبت امام کے خانہ کعبہ کے نزدیک نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ امام سے آگے سمجھا جائے گا، جو کہ اقتداء کے لئے مانع ہے البتہ دوسری طرف کے مقتدی خانہ کعبہ سے بہ نسبت امام کے نزدیک بھی ہوں تو کچھ حرج نہیں ہے۔

(۶/۴۶۰) ومن صلّٰی علٰی ظهر الكعبة جازت صلوٰتهٗ

ترجمہ: (۶/۴۶۰) اور جو شخص نماز پڑھے کعبہ کی چھت پر تو اس کی نماز بھی ہو جائے گی۔

تشریح: ہمارے نزدیک کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا جائز ہے، مگر مکروہ ہے کیونکہ کعبہ کی چھت پر چڑھنے میں کعبہ کی تعظیم ختم ہو جاتی ہے۔

کتاب الزکاۃ

یہ کتاب زکوٰۃ کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: امام قدوری احکام نماز سے فراغت کے بعد احکام زکوٰۃ کو بیان فرمارہے ہیں، کیونکہ قرآن کریم میں ۳۲ جگہوں پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بیان کیا گیا ہے (جن میں آٹھ آیات تو مکی سورتوں کی ہیں اور باقی مدنی سورتوں کی) درمختار میں لکھا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کا یہ اقتران دلیل ہے اس بات کی ان دونوں میں کمال اتصال و تعلق ہے، نیز "بنی الاسلام علی خمس" الخ میں بھی یہی ترتیب ہے۔

زکوٰۃ کی لغوی تعریف: زکوٰۃ کے معنی لغت میں بڑھوتری کے ہیں، نیز پاک وصاف کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۵۰، جز دوم)

اصطلاحی تعریف: مال نصاب حولی کے چالیسویں حصہ کو زکوٰۃ کہتے ہیں جو غیر ہاشمی مسلمان فقیر کی ملکیت میں دینے کے لئے نکالا جاتا ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۵۱، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۳۲۰)

زکوٰۃ کی فرضیت: زکوٰۃ کی فرضیت روزوں کی فرضیت سے پہلے ۲ھ شوال المکرم میں ہوئی۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۵۱)

زکوٰۃ کی حکمت: بخل ومعصیت کی گندگی کو دور کرنا، درجات کا بلند ہونا محتاجوں کی ضرورت پوری کرنا۔

زکوٰۃ کا حکم: زکوٰۃ کی فرضیت پر تمام امت کا اجماع ہے جو شخص زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرے گا اس پر کفر کا حکم ثابت ہوگا۔ (عینی ج:۱، ص:۱۱۵۱)

(۱/۴۶۱) اَلزَّكَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ إِذَا مَلَكَ نِصَاباً كَامِلاً مِلْكاً تَامّاً وَحَالَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ وَلَيْسَ عَلٰى صَبِيٍّ وَلَا مَجْنُوْنٍ وَلَا مُكَاتَبٍ زَكٰوةٌ.

ترجمه: (۴۶۱/۱) زکوٰۃ فرض ہے آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل، پر جبکہ وہ مالک ہو کامل نصاب کا مکمل طور پر اور گذر جائے اس پر سال اور نہیں ہے بچہ پر دیوانے پر اور مکاتب پر زکوٰۃ۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ زکوٰۃ کے واجب ہونیکی شرطیں بیان فرمارہے ہیں:

(۱) آزاد ہونا غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں اگر چہ وہ مکاتب ہو یعنی وہ غلام جس کو اس کے آقا نے اس شرط پر آزاد کردیا ہو کہ وہ اس قدر روپیہ کما کر اس کو دیدے جب تک وہ روپیہ اس قدر کما کر کے نہ دے غلام رہتا ہے، اور دینے کے بعد آزاد ہوجاتا ہے، یا ماذون غلام ہو (وہ غلام جس کو اس کے آقا نے اجازت دی ہو کہ وہ کمائی کرے اور اپنے آقا مالک کو لاکردے)۔ (علم الفقہ ج:۴،ص:۴۸۱)

(۲) مسلمان ہونا، کافر پر زکوٰۃ فرض نہیں مسلمان ہونا جس طرح زکوٰۃ کے فرض ہونے کی شرط ہے اسی طرح ادائیگی کی صحت کے لئے بھی شرط ہے، کیوں کہ زکوٰۃ بغیر نیت کے درست نہیں اور کافر کا نیت کرنا درست نہیں ہے۔

(۳) بالغ ہونا، نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں لہٰذا اس کے ولی سے ادا کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔
(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج:۱،ص:۹۶۰)

(۴) عاقل ہونا، مجنون پر زکوٰۃ فرض نہیں نہ اس شخص پر جس کے دماغ میں کوئی بیماری پیدا ہوگئی ہو اور اس کیوجہ سے اس کی عقل میں فتور آگیا ہو اور یہ نقصان عقل اگر پورے سال بھر رہے گا تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ (شامی ج:۳،ص:۴)

(۵) نصاب کا کامل ہونا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۶) اس مال کا ایسے قرض سے محفوظ ہونا جس کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہوسکتا ہے، خواہ وہ حق اللہ ہی ہو جیسے زکوٰۃ عشر خراج (گذشتہ سالوں کی) ان کا مطالبہ امام وقت کی جانب سے ہوسکتا ہے یا وہ قرض بندوں کا ہو جیسے بیوی کا مہر، جو مال اس قسم کے قرض میں مستغرق ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔

(۷) اس مال پر ایک سال کامل گذر جانا، بغیر ایک سال کے گذرے ہوئے زکوٰۃ فرض نہیں۔

(۴۶۲/۲) وَمَنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مُحِيطٌ بِمَالِهِ فَلَا زَكٰوةَ عَلَيْهِ (۴۶۳/۳) وَإِنْ كَانَ مَالُهُ أَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ زَكّٰى الْفَاضِلَ إِذَا بَلَغَ نِصَابًا.

ترجمه: (۴۶۲/۲) اور جس شخص کے ذمہ ہو قرض اس کے مال کے برابر تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے (۴۶۳/۳) اور اگر ہو اس کا مال قرض سے زائد تو زائد کی زکوٰۃ دے، جب وہ پہنچ جائے نصاب کو۔

تشریح: ایک شخص کے ذمہ اتنا قرض ہے جو اس کے پورے مال کو گھیرے ہوئے ہے تو ایسے شخص پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے، اور اگر مقروض کے پاس مال قرض سے زائد ہے اور وہ نصاب شرعی کے بقدر ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

(۴۶۴/۴) وَلَيْسَ فِي دُوْرِ السُّكْنٰى وَثِيَابِ الْبَدَنِ وَأَثَاثِ الْمَنْزِلِ وَدَوَابِّ الرُّكُوْبِ وَعَبِيْدِ الْخِدْمَةِ

وَسِلاحِ الْاِسْتِعْمَالِ زَكٰوةٌ.

ترجمہ: (۴۶۴/۴) اور رہنے کے گھروں میں پہننے کے کپڑوں میں گھریلو سامان میں سواری کے جانوروں میں خدمت کے غلاموں میں اور استعمالی ہتھیاروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

تشریح: زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ مال اپنی اصلی ضرورتوں سے زائد ہو جو مال اپنی اصلی ضرورتوں کے لئے ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، چنانچہ پہننے کے کپڑے اور رہنے کے گھر اور خدمت کے غلاموں پر اور سواری کے گھوڑوں پر اور استعمالی ہتھیاروں پر اور گھریلو سامان پر زکوٰۃ فرض نہیں اسی طرح پیشہ وروں کے اوزار و اسباب پر زکوٰۃ فرض نہیں اسی طرح ان کتابوں پر جو تجارت کی نہ ہوں۔

(۴۶۵/۵) وَلَایَجُوْزُ اَدَاءُ الزَّكٰوةِ اِلَّا بِنِيَّةٍ مُقَارِنَةٍ لِلْاَدَاءِ اَوْ مُقَارِنَةٍ لِعَزْلِ مِقْدَارِ الْوَاجِبِ

ترجمہ: اور جائز نہیں زکوٰۃ ادا کرنا مگر ایسی نیت کے ساتھ جو ادا کرنے سے ملی ہوئی ہو یا ملی ہوئی ہو مقدار واجب الگ کرنے سے۔

تشریح: اس عبارت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی شرط بیان کر رہے ہیں، یعنی زکوٰۃ کا مال فقیر کو دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا یعنی دل میں یہ ارادہ کرنا کہ میرے اوپر جس قدر مال کا دینا فرض تھا محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دیتا ہوں اگر کوئی زکوٰۃ دینے کے بعد نیت کرے اور مال فقیر یعنی جس کو زکوٰۃ کا مال دیا ہے ابھی تک اس کے پاس موجود ہے، تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی اور اگر مال زکوٰۃ فقیر کے پاس خرچ ہو چکا ہے تو نیت صحیح نہ ہوگی اور پھر اس کو زکوٰۃ دوبارہ دینی ہوگی، اگر کوئی شخص اپنے مال میں سے زکوٰۃ کا مال الگ کرلے اور الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت دل میں ہو تو کافی ہے اگر چہ فقیروں کو دیتے وقت نیت نہ بھی کرے۔

(۴۶۶/۶) وَمَنْ تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَالِهٖ وَلَا يَنْوِىْ الزَّكٰوةَ سَقَطَ فَرْضُهَا عَنْهُ

ترجمہ: (۴۶۶/۶) اور جس شخص نے خیرات کر دیا اپنا سارا مال اور نہ نیت کی زکوٰۃ کی تو ساقط ہو گیا زکوٰۃ کا فرض اس سے۔

تشریح: جس نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا مگر زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو بطور استحسان اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، یعنی قیاس کا تقاضہ تو یہی تھا کہ نیت کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہو مگر چونکہ اب اس کے پاس کوئی مالیت باقی نہیں رہی اس لئے اس صورت میں زکوٰۃ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔ (فتاوی عالمگیری ج:۱، ص:۱۷۱)

باب زکوۃ الابل

یہ باب اونٹوں کی زکوۃ کے بیان میں ہے

(۱/۴۶۷) لَيْسَ فِي اَقَلَّ مِنْ خَمْسٍ ذَوْدٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْساً سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا شَاةٌ إِلٰى تِسْعٍ فَإِذَا كَانَتْ عَشْراً فَفِيهَا شَاتَانِ إِلٰى أَرْبَعَ عَشْرَةَ فَإِذَا كَانَتْ خَمْسَ عَشْرَةَ فَفِيهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ إِلٰى عَشْرَةَ فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِيْنَ فَفِيهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ إِلٰى أَرْبَعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْساً وَّعِشْرِيْنَ فَفِيهَا بِنْتُ مَخَاضٍ إِلٰى خَمْسٍ وَّثَلَاثِيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتّاً وَّثَلٰثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ إِلٰى خَمْسٍ وَّأَرْبَعِينَ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتّاً وَّ اَرْبَعِينَ فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلٰى سِتِّيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدٰى وَسِتِّيْنَ فَفِيْهَا جَذَعَةٌ إِلٰى خَمْسٍ وَّسَبْعِيْنَ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتّاً وَّسَبْعِيْنَ فَفِيْهَابِنْتَا لَبُوْنٍ إِلٰى تِسْعِيْنَ وَإِذَا كَانَتْ إِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ إِلٰى مِائَةٍ وَّعِشْرِيْنَ (۲/۴۶۸) ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيْضَةُ فَيَكُوْنُ فِي الْخَمْسِ شَاةٌ مَعَ الْحِقَّتَيْنِ وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ وَفِي خَمْسَ عَشَرَ ثَلٰثُ شِيَاهٍ وَفِي عِشْرِيْنَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ وَفِي خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ إِلٰى مِائَةٍ وَّخَمْسِيْنَ فَيَكُوْنُ فِيهَا ثَلٰثُ حِقَاقٍ (۳/۴۶۹) ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيْضَةُ فَفِي الْخَمْسِ شَاةٌ وَفِي الْعَشْرِ شَاتَانِ وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلٰثُ شِيَاهٍ وَفِي عِشْرِيْنَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ وَّفِي خَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَفِي سِتٍّ وَّثَلٰثِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَةً وَّسِتّاً وَتِسْعِيْنَ فَفِيهَا أَرْبَعُ حِقَاقٍ إِلٰى مِائَتَيْنِ (۴/۴۷۰) ثُمَّ تُسْتَأْنَفُ الْفَرِيْضَةُ اَبَداً كَمَا تُسْتَأْنَفُ فِي الْخَمْسِيْنَ الَّتِي بَعْدَ الْمِائَةِ وَالْخَمْسِيْنَ (۵/۴۷۱) وَالْبُخْتُ وَالْعِرَابُ سَوَاءٌ.

ترجمہ: (۱/۴۶۷) نہیں ہے پانچ اونٹوں سے کم میں زکوۃ پھر جب پہنچ جائیں وہ پانچ کو درآنحالیکہ جنگل میں چرتے ہوں اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں ایک بکری ہے نو تک، پھر جب دس کو پہنچ جائیں تو ان میں دو بکریاں ہیں چودہ تک پھر جب پندرہ کو پہنچ جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں انیس تک پھر جب بیس کو پہنچ جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں چوبیس تک، پھر جب پچیس کو پہنچ جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس تک، پھر جب چھتیس کو پہنچ جائیں تو ان میں ایک بنت لبون ہے، پینتالیس تک، پھر جب چھیالیس کو پہنچ جائیں تو ان میں ایک حقہ ہے ساٹھ تک، پھر جب اکسٹھ ہو جائیں تو ان میں ایک جذعہ ہے پچھتر تک، پھر جب چھہتر کو پہنچ جائیں تو ان میں دو بنت لبون ہیں نوے تک پھر جب اکیانوے کو پہنچ جائیں تو ان میں دو حقے ہیں ایک سو بیس تک۔ (۲/۴۶۸) پھر از سر نو ہوگا فریضہ۔

چنانچہ پانچ میں ایک بکری دو حقے ہوں گے اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض، ایک سو پچاس تک، پھر ان میں تین حقے ہوں گے، (۳/۴۶۹) پھر از سر نو ہوگا فریضہ، پھر پانچ میں ایک بکری ہوگی اور دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں

ایک بنت مخاض اور چھتیں میں بنت لبون، پھر جب پہنچ جائیں ایک سو چھیانوے کو تو ان میں چار حقے ہوں گے، دوسو تک، (۴/۴۷۰) پھر از سر نو ہوتا رہے گا فریضہ ہمیشہ، جیسا کہ ہوا تھا ان پچاس میں جو ایک سو پچاس کے بعد ہیں۔ (۵/۴۷۱) اور بختی اور عربی اونٹ برابر ہیں۔ (وہ اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہوا ہو)

تشریح: ایک اونٹ سے چار اونٹوں تک معاف ہے ان پر زکوٰۃ نہیں ہے اس کے بعد نیچے تک لکھے ہوئے حساب سے زکوٰۃ فرض ہے:

۵ سے ۹ تک	ایک سالہ ایک بکری یا بکرا
۱۰ سے ۱۴ تک	دو بکریاں یا بکرے
۱۵ سے ۱۹ تک	تین بکریاں یا بکرے
۲۰ سے ۲۴ تک	چار بکریاں یا بکرے
۲۵ سے ۳۵ تک	ایک سالہ اونٹنی (بنت مخاض)
۳۶ سے ۴۵ تک	دو سالہ اونٹنی (بنت لبون)
۴۶ سے ۶۰ تک	تین سالہ اونٹنی (حقہ)
۶۱ سے ۷۵ تک	چار سالہ اونٹنی (جذعہ)
۷۶ سے ۹۰ تک	دو سالہ دو اونٹنیاں
۹۱ سے ۱۲۴ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں
۱۲۵ سے ۱۲۹ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک بکری
۱۳۰ سے ۱۳۴ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور دو بکریاں
۱۳۵ سے ۱۳۹ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۴۰ سے ۱۴۴ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۴۵ سے ۱۴۹ تک	تین سالہ دو اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی
۱۵۰ سے ۱۵۴ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں
۱۵۵ سے ۱۵۹ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور ایک بکری
۱۶۰ سے ۱۶۴ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور دو بکری
۱۶۵ سے ۱۶۹ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور تین بکریاں
۱۷۰ سے ۱۷۴ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور چار بکریاں
۱۷۵ سے ۱۸۵ تک	تین سالہ تین اونٹنیاں اور ایک سالہ ایک اونٹنی۔

۱۸۶ سے ۱۹۵ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۱۹۶ سے ۲۰۴ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں یا دو سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۰۵ سے ۲۰۹ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۱۰ سے ۲۱۴ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۱۵ سے ۲۱۹ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور تین بکریاں
۲۲۰ سے ۲۲۴ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۲۵ سے ۲۳۵ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور ایک سالہ اونٹنی
۲۳۶ سے ۲۴۵ تک	تین سالہ چار اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۴۶ سے ۲۵۴ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں
۲۵۵ سے ۲۵۹ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک بکری
۲۶۰ سے ۲۶۴ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو بکریاں
۲۶۵ سے ۲۶۹ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور تین بکریاں
۲۷۰ سے ۲۷۴ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور چار بکریاں
۲۷۵ سے ۲۸۵ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور ایک سالہ اونٹنی
۲۸۶ سے ۲۹۵ تک	تین سالہ پانچ اونٹنیاں اور دو سالہ ایک اونٹنی
۲۹۶ سے ۳۰۴ تک	تین سالہ چھ اونٹنیاں

فائدہ جلیلہ: اس نقشہ میں ۱۵۰ سے آخر تک دیئے گئے اعداد سے ایک قاعدہ معلوم ہوا ہے اس کے مطابق ہزاروں لاکھوں اونٹوں کی زکوٰۃ کا حساب لگا سکتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ۱۵۰ کے بعد ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، پھر ۲۵ سے ۳۵ تک ایک سالہ اونٹنی پھر ۳۶ سے ۴۵ تک دو سالہ اونٹنی، پھر ۴۶ سے ۵۰ تک تین سالہ اونٹنی اس کے بعد پھر نئے سرے سے ہر پانچ پر ایک بکری، ۲۵ پر ایک سالہ اونٹنی ۳۶ پر دو سالہ، ۴۶ سے ۵۰ تک تین سالہ۔

جہاں بکری واجب ہے اس میں ایک سال کی عمر ضروری ہے اور نر و مادہ میں اختیار ہے چاہے بکری دے یا بکرا دے، مگر اونٹنی مادہ ہی دینا ضروری ہے، اونٹ دینا جائز نہیں البتہ اونٹنی کی قیمت لگا کر قیمت کے برابر یا اس سے زائد قیمت کا اونٹ دے دینا جائز ہے۔

زکوٰۃ کا حساب مذکور اس صورت میں ہے کہ اونٹ تجارت کے لئے نہ ہوں اور ان کا اکثر سال چارہ باہر سے چرنا ہو، گھر میں چارہ نہ دیا جاتا ہو یا باہر چرنے کی بہ نسبت گھر کا چارہ کم ہو اگر گھر کا چارہ زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں تو زکوٰۃ نہیں ہے، اگر اونٹ تجارت کے لئے ہوں تو پھر دوسرے اموال تجارت کی طرح ان کی قیمت پر زکوٰۃ فرض ہوگی خواہ باہر

چرتے ہوں یا گھر میں چارہ دیا جاتا ہو۔

باب صدقة البقر

یہ باب گائے بیل کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

(۴۷۲/۱) لَيْسَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلٰثِيْنَ مِنَ الْبَقَرِ صَدَقَةٌ فَإِذَا كَانَتْ ثَلٰثِيْنَ سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا تَبِيْعٌ اَوْ تَبِيْعَةٌ وَفِيْ اَرْبَعِيْنَ مُسِنٌّ اَوْ مُسِنَّةٌ (۴۷۳/۲) فَإِذَا زَادَتْ عَلَى الْاَرْبَعِيْنَ وَجَبَ فِي الزِّيَادَةِ بِقَدْرِ ذٰلِكَ إِلٰى سِتِّيْنَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَفِي الْوَاحِدَةِ رُبْعُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَفِي الْاِثْنَيْنِ نِصْفُ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَفِي الثَّلٰثِ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِ عُشْرِ مُسِنَّةٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَاشَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ سِتِّيْنَ فَيَكُوْنُ فِيْهَا تَبِيْعَانِ اَوْ تَبِيْعَتَانِ (۴۷۴/۳) وَفِيْ سَبْعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَتَبِيْعٌ (۴۷۵/۴) وَفِيْ ثَمَانِيْنَ مُسِنَّتَانِ (۴۷۶/۵) وَفِيْ تِسْعِيْنَ ثَلٰثَةُ اَتْبِعَةٍ (۴۷۷/۶) وَفِيْ مِائَةٍ تَبِيْعَتَانِ وَمُسِنَّةٌ (۴۷۸/۷) وَعَلٰى هٰذَا يَتَغَيَّرُ الْفَرْضُ فِيْ كُلِّ عَشْرٍ مِنْ تَبِيْعٍ إِلٰى مُسِنَّةٍ (۴۷۹/۸) وَالْجَوَامِيْسُ وَالْبَقَرُ سَوَاءٌ۔

ترجمہ: (۴۷۲/۱) نہیں ہے تیس گائے سے کم میں زکوٰۃ پھر جب ہو جائیں وہ تیس درآنحالیکہ وہ جنگل میں چرتی ہوں اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے اور چالیس میں دو سال کا بچھڑا یا بچھڑی ہے، (۴۷۳/۲) پھر جب بڑھ جائیں چالیس پر تو واجب ہوگا زائد میں اس کے حساب سے ساٹھ تک امام ابوحنیفہ کے نزدیک چنانچہ ایک میں مسنہ کے دسویں حصے کا چوتھائی (چالیسواں) اور دو میں مسنہ کے دسویں حصے کا آدھا (بیسواں) اور تین میں مسنہ کے دسویں حصے کا تین چوتھائی، اور صاحبین نے فرمایا کچھ نہیں زائد میں یہاں تک کہ ساٹھ کو پہنچ جائیں، چنانچہ ساٹھ میں ایک ایک سال کے دو بچھڑے یا بچھڑیاں ہوں گی۔ (۴۷۴/۳) اور ستر میں ایک دو سال کا بچہ اور ایک ایک سال کا ہوگا، (۴۷۵/۴) اور اسی میں دو سال کے دو بچے (۴۷۶/۵) اور نوے میں ایک ایک سال کے تین بچے ہوں گے (۴۷۷/۶) اور سو میں دو بچے ایک ایک سال کے اور ایک بچہ دو سال کا، (۴۷۸/۷) اور اسی طریقہ پر بدلتا رہے گا فرض ہر دس میں تبیع سے مسنہ کی جانب۔ (۴۷۹/۸) اور بھینس اور گائے برابر ہیں۔

تشریح: ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گائے و بھینس اگر تیس سے کم ہو تو ان پر کوئی زکوٰۃ نہیں اور تیس پر گائے یا بھینس کا بچہ جو پورے ایک سال کا ہو زکوٰۃ میں دینا ضروری ہے اور تیس کے بعد انتالیس تک کچھ بھی نہیں ہے (صرف ایک سالہ بچہ ہی ہے) چالیس گائے، بھینس میں پورے دو سال کا بچہ۔

پھر ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک چالیس سے زائد پر مزید کوئی زکوٰۃ نہیں ہے، یہاں تک عدد ساٹھ تک پہنچ جائے جبکہ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جب چالیس پر ایک گائے زیادہ ہوگی تو اس زائد پر دو سالہ بچہ کا چالیسواں حصہ اور دو زائد ہونے پر دو سالہ بچہ کا بیسواں حصہ اور تین زائد ہونے پر دو سالہ بچہ کے دسویں حصہ کے تین

چوتھائی واجب ہوں گے، فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (معارف ج:۵،ص:۱۹۳ تا ۱۹۴، درمختار مع الشامی ج:۲،ص:۲۴)

جب ساٹھ ہو جائیں تو ایک ایک سال کے دو بچے دیئے جائیں گے، پھر ستر میں ایک ایک سال کا بچہ اور ایک دو سال کا بچہ، جب اسی ہو جائیں تو دو سال کے دو بچے اور نوے میں ایک ایک سال کے تین بچے اور سو میں دو بچے ایک ایک سال کے اور ایک بچہ دو سال کا، غرضیکہ ساٹھ کے بعد پھر ہر دہائی سے نصاب بدلتا ہے گا دھائی سے کم بڑھے تو زکوٰۃ میں زیادتی نہ ہوگی، وہی زکوٰۃ دینی ہوگی جو اس سے پہلے دی جاتی تھی۔

نوٹ: گائے بھینس کے نصاب میں نر و مادہ یعنی بیل، بچھڑا، کٹڑا، جھوٹا، بھینسا وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

باب صدقة الغنم

یہ باب بکریوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

(۱/۴۸۰) لَيْسَ فِيْ اَقَلَّ مِنْ أَرْبَعِيْنَ شَاةً صَدَقَةٌ فَإِذَا كَانَتْ أَرْبَعِيْنَ شَاةً سَائِمَةً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا شَاةٌ إِلٰى مِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا شَاتَانِ إِلٰى مِائَتَيْنِ فَإِذَا زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَفِيْهَا ثَلٰثُ شِيَاهٍ فَإِذَا بَلَغَتْ أَرْبَعَ مِائَةٍ فَفِيْهَا أَرْبَعُ شِيَاهٍ ثُمَّ فِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ (۲/۴۸۱) وَالضَّأْنُ وَالْمَعْزُ سَوَاءٌ.

ترجمہ: (۱/۴۸۰) نہیں ہے چالیس بکریوں سے کم میں زکوٰۃ پھر جب ہو جائیں چالیس درانحالیکہ جنگل میں چرتی ہوں اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں ایک بکری ہے ایک سو بیس تک، پھر جب ایک بڑھ جائے تو ان میں دو بکریاں ہیں دو سو تک، پھر جب ایک بڑھ جائے تو ان میں تین بکریاں ہیں، پھر جب پہنچ جائیں چار سو تک تو ان میں چار بکریاں ہیں پھر ہر سو میں ایک بکری ہے (۲/۴۸۱) اور بھیڑ اور بکریاں برابر ہیں۔

تشریح: چالیس بکریوں پر ایک بکری یا ایک بکرا واجب ہے، چالیس سے ایک سو بیس تک یہی واجب ہے پھر ایک سو اکیس سے دو سو تک دو بکریاں پھر دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک تین بکریاں پھر چار سو پر چار بکریاں اس کے بعد ہر سو پر ایک بکری واجب ہے، بھیڑوں کا بھی یہی حکم ہے، مینڈھے بھی اسی میں شامل ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج:۴،ص:۲۸۲، عالمگیری ج:۱،ص:۱۷۸)

باب زکوٰة الخيل

یہ باب گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بیان میں

(۳/۴۸۲) إِذَا كَانَتِ الْخَيْلُ سَائِمَةً ذُكُوْراً وَإِنَاثاً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَعْطٰى مِنْ كُلِّ فَرَسٍ دِيْنَاراً وَإِنْ شَاءَ قَوَّمَهَا فَأَعْطٰى عَنْ كُلِّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةَ دَرَاهِمَ (۲/۴۸۳) وَلَيْسَ فِيْ ذُكُوْرِهَا مُنْفَرِدَةً زَكٰوةٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا زَكٰوةَ فِي الْخَيْلِ (۳/۴۸۴)

وَلَاشَیْءَ فِی الْبِغَالِ وَالْحَمِیْرِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ لِلتِّجَارَۃِ.

ترجمہ: (۴۸۲/۳) جب گھوڑے اور گھوڑیاں سب ہوں اور جنگل میں چرتے ہوں اور ان پر سال گذر جائے تو ان کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے دیدے ہر گھوڑے کی طرف سے ایک دینار اور اگر چاہے تو ان کی قیمت لگا کر ہر دو سودرہم کی طرف سے پانچ درہم دیدے (۴۸۳/۲) اور نہیں ہے تنہا گھوڑوں میں زکوٰۃ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور امام ابویوسف ومحمد نے فرمایا کہ گھوڑوں میں بالکل زکوٰۃ نہیں ہے، (۴۸۴/۳) اور نہ خچر اور گدھوں میں مگر یہ کہ ہوں تجارت کے لئے۔

تشریح: (۱) وہ گھوڑے جن کا گذارا چارہ اور کٹی پر ہے اور تجارت کے لئے ہیں تو ایسے گھوڑوں پر بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔

(۲) وہ گھوڑے جن کا گذارا چرنے پر ہے اور سواری بوجھ ڈھونے اور جہاد کے لئے ہیں تو ان کی زکوٰۃ بالاتفاق نہیں ہے۔

(۳) وہ گھوڑے جن کا گذارا چرنے پر ہے اور دودھ ونسل کے لئے پالے جائیں اور مذکر ومؤنث مخلوط ہوں تو ایسے گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم ہے اسی مسئلہ کی وضاحت کے لئے مصنف علیہ الرحمہ نے یہ عبارت بیان کی ہے، اس مسئلہ کے بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ چاہے تو ہر ایک گھوڑے کی جانب سے ایک دینار سالانہ دے دیا کرے اور یا قیمت لگا کر چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیدیا کرے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ایسے گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(معارف السنن ج:۵،ص:۱۶۸تا۱۶۹)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے اپنے زمانے میں گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی تھی اور ہر گھوڑے کی جانب سے ایک دینار وصول فرمایا کرتے تھے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۴۰)

جواب: حضرت عمرؓ نے جو لیا ہے وہ بطور زکوٰۃ نہیں تھا بلکہ بطور نفل کے لئے ہے: لہٰذا استدلال درست نہیں ہے۔

صاحبین کی دلیل: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ کو معاف کردیا ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۴۱، بدائع ج:۲،ص:۱۳۴)

اس قولی حدیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ گھوڑوں اور غلاموں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، صاحبین کے مذہب پر بہت سے فقہا نے فتویٰ نقل کیا ہے۔ (اللباب ج:۱،ص:۱۴۱، معارف السنن ج:۱،ص:۱۶۸)

مگر امام ابوحنیفہ کے قول میں احتیاط زیادہ ہے اس لئے اسی پر فتویٰ مناسب ہوگا۔

دوسرا مسئلہ: وہ گھوڑے جن کا گذارا چرنے پر ہے دودھ ونسل کے لئے ہیں اور صرف مذکر ہیں تو ایسے

گھوڑوں کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے دو قول ملتے ہیں، ایک قول میں زکوٰۃ لازم نہیں اور دوسرے قول میں زکوٰۃ لازم ہے عدم لزوم والا قول ہی صحیح ہے، اور اگر صرف گھوڑیاں ہیں تو اس میں بھی دو روایتیں ہیں وجوب عدم وجوب، لیکن اشبہ بالصواب یہ ہے کہ صرف اناث میں واجب ہے۔ (شامی ج:۲،ص:۲۶، معارف السنن ج:۵،ص:۱۶۹)

اس کے بعد صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ خچر اور گدھوں پر زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جب کہ وہ تجارت کے لئے ہوں اس صورت میں مال تجارت کی حیثیت سے ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی نصاب کی قیمت کے حساب سے۔

(درمختار ج:۲،ص:۲۶)

(۴/۴۸۵) وَلَيْسَ فِي الْفُصْلَانِ وَالْعَجَاجِيْلِ زَكٰوةٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٌ إِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعَهَا كِبَارٌ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ تَجِبُ فِيْهَا وَاحِدَةٌ مِّنْهَا.

ترجمہ: (۴/۴۸۵) اور نہیں ہے اونٹ بکری اور گائے کے چھوٹے بچوں میں زکوٰۃ طرفین کے نزدیک مگر یہ کہ ہوں ان کے ساتھ بڑے اور امام ابویوسف نے فرمایا کہ انھیں میں سے ایک واجب ہے۔

تشریح: صاحب کتاب نے فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اونٹ، گائے، اور بکری کے ایک سال سے کم عمر بچوں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر صرف بچے ہوں تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے، ہاں اگر ان بچوں کے ساتھ بڑے بھی ہوں یعنی ایک سال یا زیادہ کے تو ان میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی اور باقی بچے ان کے تابع ہو کر نصاب میں شمار ہوں گے البتہ وہ زکوٰۃ میں نہیں لے جائیں گے بلکہ زکوٰۃ میں وہی پوری بکری یا اس کی قیمت لی جائے گی یہ چھوٹے بچے نصاب کی تکمیل کا ذریعہ بنتے ہیں مگر زکوٰۃ کی ادائیگی ان سے درست نہیں ہے، یہ امام ابوحنیفہ کا آخری قول ہے اور اسی قول کو امام محمد نے لیا ہے، امام ابوحنیفہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان بچوں میں انھیں کا ایک واجب ہوگا مثلاً بکری کے چالیس بچوں میں ایک بچہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگا یہی قول امام ابویوسف کا ہے، علامہ شامی نے طرفین کے قول کی تصحیح نقل کی ہے۔ (شامی ج:۲،ص:۲۶، عینی ج:۱،ص:۱۱۸۴)

(۵/۴۸۶) وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ مُسِنٌّ فَلَمْ يُوْجَدْ أَخَذَ الْمُصَدِّقُ أَعْلٰى مِنْهَا وَرَدَّ الْفَضْلَ أَوْ أَخَذَ دُوْنَهَا وَأَخَذَ الْفَضْلَ

ترجمہ: (۵/۴۸۶) اور جس شخص پر مسن واجب ہوا اور وہ نہیں پایا گیا تو لے لے زکوٰۃ لینے والا اس سے اعلیٰ اور واپس کردے زائد یا لے لے اس سے کم درجہ کا اور زائد دام لیلے۔

تشریح: زکوٰۃ میں درمیانی درجہ کا جانور واجب ہوتا ہے، نہ بہت اچھا نہ بہت خراب اگر کسی پر دو سال کا بچھڑا یا بچھڑی واجب ہوئی (چالیس گائے ہونے کی صورت میں) اور درمیانی درجہ کا موجود نہ ہو تو کیا کرے، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا اعلیٰ درجہ کا جانور لے کر زائد قیمت واپس کردے مثلاً اعلیٰ درجہ کا مسنہ پندرہ سو

روپے کا ہے اور درمیانی ایک ہزار کا ہے تو اب زکوٰۃ وصول کرنے والا اعلیٰ درجہ کا مسنہ لے کر پانچسو روپے مالک کو دیدے یا مثلاً گھٹیا درجہ کا مسنہ موجود ہے اور اس کی قیمت آٹھ سو روپے ہے اور درمیانی ایک ہزار کا ہے تو اب زکوٰۃ وصول کرنے والا گھٹیا درجہ کا مسنہ لے کر اور دو سو روپیہ زائد لے لے۔

(۶/۴۸۷) وَيَجُوْزُ دَفْعُ الْقِيَمِ فِي الزَّكٰوةِ

ترجمہ: (۶/۴۸۷) اور جائز ہے قیمتوں کا دینا زکوٰۃ میں۔

تشریح: زکوٰۃ دینے میں اختیار ہے خواہ وہ چیز دی جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے یا اس کی قیمت دیدی جائے اور قیمت اسی زمانے کی معتبر ہوگی جس زمانہ میں زکوٰۃ دینا چاہتا ہے، مثلاً آخر سال میں جب زکوٰۃ فرض ہوئی تھی ایک بکری کی قیمت پانچ سو روپے تھی اور ادا کرتے وقت سات سو روپے ہو جائے یا چار سو روپے ہو جائے تو اول صورت میں سات سو اور دوسری صورت میں چار سو روپے دینے پڑیں گے۔

(۷/۴۸۸) وَلَيْسَ فِي الْعَوَامِلِ وَالْحَوَامِلِ وَالْعَلُوْفَةِ زَكٰوةٌ

ترجمہ: (۷/۴۸۸) اور نہیں ہے کام کاج والوں، بوجھ ڈھونے والوں، گھر پر چارہ کھانیوالوں میں زکوٰۃ۔

تشریح: استعمالی، بار برداری، اور گھر پر چارہ کھانے والے جانوروں میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ جس طرح انسان کے استعمالی ہتھیاروں پر زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح وہ جانور جو کھیتی کے مقصد سے پالے گئے ہوں یا جن سے بوجھ ڈھونا مقصود ہو اور جنھیں گھر پر رکھ کر کھلایا جاتا ہو ان تینوں قسم کے جانوروں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی لیکن اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان پر تجارتی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ (کتاب الفقہ ج:۱ ص:۹۶۸ تا ۹۶۹)

(۸/۴۸۹) وَلَا يَاْخُذُ الْمُصَدِّقُ خِيَارَ الْمَالِ وَلَا رُذَالَتَهٗ وَيَاْخُذُ الْوَسْطَ.

ترجمہ: (۸/۴۸۹) اور نہ لے زکوٰۃ وصول کرنے والا عمدہ مال اور نہ بالکل خراب بلکہ درمیانی درجہ کا لے۔

تشریح: حضرات ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ وصول کرنے والے پر لازم ہے کہ جانوروں کو تین قسموں میں تقسیم کرے:

(۱) بالکل اعلیٰ اور عمدہ ترین جانور، (۲) اوسط، (۳) ادنیٰ جس میں عیب دار بھی شامل ہیں، پھر ان میں سے درمیانی درجہ کا جانور وصول کرنا مصدق پر واجب ہے، نہ بالکل اعلیٰ درجہ کا لینا جائز ہے اور نہ بالکل عیب دار اور گھٹیا درجہ کا لینا جائز ہے، کیونکہ اگر زکوٰۃ میں عمدہ جانور وصول کئے جائیں تو اس میں مالکوں کا نقصان ہے اور اگر خراب جانور لے جائیں تو یہ مستحقین کے حق میں نقصان دہ ہے، اس لئے انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ درمیانی قسم کے جانور لئے جائیں۔

(۹/۴۹۰) وَمَنْ كَانَ لَهٗ نِصَابٌ فَاسْتَفَادَ فِي اَثْنَاءِ الْحَوْلِ مِنْ جِنْسِهٖ ضَمَّهٗ اِلٰى مَالِهٖ وَزَكَّاهُ بِهٖ

ترجمہ: (۹/۴۹۰) اور جس شخص کے پاس ایک نصاب ہو پھر فائدہ حاصل ہوا درمیان سال میں اسی کی جنس سے تو اسے اپنے مال میں ملاکر سارے مال کی زکوٰۃ دے۔

تشریح: کسی شخص کے پاس کسی مال کا نصاب ہے پھر درمیان سال میں کچھ مال حاصل ہوگیا خواہ خریدنے سے یا جانوروں کے بچے دینے سے یا وراثت سے یا ہبہ وغیرہ سے تو وہ اپنے ہم جنس نصاب کے ساتھ ملادیا جائے گا اور اس کیساتھ اس کی بھی زکوٰۃ دی جائے گی مثلاً شروع سال میں پچیس اونٹ تھے سال کے درمیان میں ان کے پچیس بچے ہوگئے تو اب سال کے ختم پر یہ بچے بھی ان اونٹوں کے ساتھ ملادیئے جائیں گے اور کل اونٹوں کی زکوٰۃ میں تین سالہ اونٹنی (حقہ) دینی ہوگی اگرچہ ان بچوں پر ابھی سال نہیں گذرا۔

(۱۰/۴۹۱) وَالسَّائِمَةُ هِيَ الَّتِيْ تَكْتَفِيْ بَالرَّعْيِ فِيْ اَكْثَرِ الْحَوْلِ فَاِنْ عَلَفَهَا نِصْفَ الْحَوْلِ اَوْ اَكْثَرَ فَلَازَكٰوةَ فِيْهَا.

ترجمہ: (۱۰/۴۹۱) اور سائمہ وہ جانور ہیں جو اکتفاء کریں اکثر سال باہر چرنے پر پھر اگر چارہ کھلایا ان کو آدھا سال یا اس سے زائد گھر (پر) تو ان میں زکوٰۃ نہیں۔

تشریح: سائمہ سوم سے ہے بمعنی چرنا۔

سائمہ ان جانوروں کو کہا جاتا ہے، جو سال کے اکثر حصے میں جنگل کے اندر چرنے کے لئے خاص مقصد سے چھوڑے جاتے ہیں اور وہ مقصد یا تو ان سے دودھ حاصل کرنا ہوتا ہے یا ان کی نسل کی بڑھوتری ہے تاکہ ان کا مال نامی ہونا ثابت ہوجائے لیکن چونکہ جو جانور اس طرح جنگل میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں وہ وہی ہوتے ہیں جن سے مقصود دودھ اور نسل ہوتا ہے، اس لئے اس قید کو سائمہ کی تعریف میں اکثر ذکر نہیں کیا جاتا، غرض یہ ہے کہ سائمہ خواہ نر ہوں یا مادہ خواہ ملے جلے ہوں ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر آدھے سال یا اکثر باندھ کر کھلایا تو وہ علوفہ کہلائیگا اور علوفہ میں زکوٰۃ نہیں ہے، جیسا کہ ص: ۲۴۶ پر گذر چکا ہے۔

(۱۱/۴۹۲) وَالزَّكٰوةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ فِي النِّصَابِ دُوْنَ الْعَفْوِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ تَجِبُ فِيْهِمَا.

ترجمہ: (۱۱/۴۹۲) اور زکوٰۃ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نصاب میں ہے نہ کہ عفو میں اور امام محمد و امام زفر نے فرمایا کہ دونوں میں واجب ہے۔

تشریح: مال کا ایک نصاب ہوتا ہے اور ایک عفو ہوتا ہے مثلاً تیس گائے میں ایک سالہ بچھڑی ہے اور انتالیس تک ایک ہی رہتی ہے، جب چالیس گائے ہوجائیں تو دو سالہ بچھڑی ہے، چنانچہ تیس گائے تو نصاب ہے لیکن درمیان میں اکتیس سے انتالیس تک عفو ہے، اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق عفو سے ہوتا ہے یا نہیں، اس بارے

میں دو مذہب ہیں:

(۱) شیخین کے نزدیک زکوٰۃ کا تعلق نصاب سے ہوتا ہے نہ کہ عفو سے۔

(۲) امام محمد وامام زفر کے نزدیک زکوٰۃ نصاب اور عفو دونوں میں ہے مثلاً کسی کے پاس نو اونٹ ہو تو ان میں ایک بکری واجب ہے اور یہ ایک بکری نو اونٹوں کی زکوٰۃ ہے لیکن شیخین کے نزدیک یہ ایک بکری پانچ اونٹوں کی جانب سے زکوٰۃ ہے اور باقی چار اونٹ عفو ہیں۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۱۸۸)

اختلاف کا ثمرہ اس مثال میں ظاہر ہوگا کہ ایک آدمی کی ملکیت میں اسی بکریاں ہیں سال گذرنے کے بعد ان میں ایک بکری واجب ہوتی ہے لیکن سال گذرنے کے بعد چالیس بکریاں مرگئیں تو شیخین کے نزدیک باقی چالیس بکریاں پورا نصاب ہے ان میں جو ایک بکری واجب تھی وہ واجب رہے گی اور امام محمد وامام زفر کے نزدیک ایک بکری اسی بکریوں میں واجب ہوئی اور سال گذرنے کے بعد آدھی ہلاک ہوگئیں تو ان کی مقدار کے مطابق آدھا واجب بھی ساقط ہو جائے گا یعنی اس پر بکری کی صرف آدھی قیمت واجب ہوگی۔ (عینی ج:۱،ص:۱۱۹۴، جزء ثانی)

(۱۲/۴۹۳) وَإِذَا هَلَكَ الْمَالُ بَعْدَ وُجُوْبِ الزَّكٰوةِ سَقَطَتْ.

ترجمہ: (۱۲/۴۹۳) اور جب ہلاک ہو جائے مال زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

تشریح: ہمارے نزدیک زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال خود بخود ہلاک ہوگیا تو اس کی زکوٰۃ بھی ساقط ہوگئی امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر ہونے کے بعد مال ہلاک ہوا تو زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی بلکہ بقدر زکوٰۃ اس پر تاوان واجب ہوگا۔

(۱۳/۴۹۴) وَإِنْ قَدَّمَ الزَّكٰوةَ عَلَى الْحَوْلِ وَهُوَ مَالِكٌ لِلنِّصَابِ جَازَ.

ترجمہ: (۱۳/۴۹۴) اور اگر دیدی زکوٰۃ سال سے پہلے ہی درانحالیکہ وہ مالک نصاب ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

تشریح: نصاب مکمل ہونے سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کرے تو بالاتفاق ادائیگی درست نہ ہوگی اور اس خرچ کرنیکی حیثیت نفلی خیرات کے مانند ہوگی، اور اگر نصاب مکمل ہو جانے کے بعد سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کی جائے تو ایسی صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نصاب کے مکمل ہو جانے کے بعد اور سال گذرنے سے پہلے ادائیگی درست ہے۔

(۲) امام مالک کے نزدیک ادائیگی درست نہیں ہے۔ (معارف السنن ج:۵،ص:۳۱۶)

امام مالک کی دلیل: زکوٰۃ کا ایک وقت متعین ہے جس طرح نماز کا وقت ہوتا ہے کہ وہ وقت داخل ہونے سے پہلے درست نہیں اسی طرح سال گذرنے سے پہلے زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔ (درس ترمذی ج:۲،ص:۵۰۸)

جواب وقت نماز کے لئے سبب وجوب ہے لہٰذا سبب وجوب سے پہلے نہ وجوب ہوگا اور نہ ہی ادا کرنے کی صورت

میں آئندہ کے اعتبار سے فریضہ ساقط ہوگا، جبکہ سال کا گذرنا زکوٰۃ کے لئے شرط اداء ہے نہ کہ سبب وجوب بلکہ زکوٰۃ کا سبب وجوب نصاب کا پایا جانا ہے لہٰذا اس کے پائے جانے سے نفس وجوب پایا جائے گا، اور زکوٰۃ کی ادائیگی درست ہوگی چنانچہ سال کے گذرنے کو نماز کے وقت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

(درس ترمذی ج:۲،ص:۵۰۹، بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۶۴)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت علی کی روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ ہم نے حضرت عباس کی اس سال کی زکوٰۃ پہلے ہی سال وصول کرلی تھی۔ (ترمذی ج:۱،ص:۱۴۷)

باب زکوٰۃ الفضۃ

یہ باب چاندی کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

(۴۹۵/۱) لَيْسَ فِي مَادُوْنَ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ صَدَقَةٌ فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ (۴۹۶/۲) وَلَاشَيْءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً فَيَكُوْنُ فِيْهَا دِرْهَمٌ ثُمَّ فِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً دِرْهَمٌ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ مَازَادَ عَلَى الْمِائَتَيْنِ فَزَكوٰتُهٗ بِحِسَابِهٖ.

ترجمہ: (۴۹۵/۱) نہیں ہے دوسو درہموں سے کم میں زکوٰۃ پھر جب ہو جائیں دوسو درہم اور گذر جائے ان پر سال تو ان میں پانچ درہم ہیں (۴۹۶/۲) اور زائد میں کچھ نہیں یہاں تک کہ چالیس درہم تک پہنچ جائیں چنانچہ ہوگا ان میں ایک درہم پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام ابویوسف وامام محمد نے فرمایا جو زائد ہو دوسو پر تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے۔

تشریح: مصنف نے فرمایا ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے (۵۲-۱/۲) چنانچہ دوسو درہم سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے ہاں اگر چاندی دوسو درہم ہو اور اس پر سال بھی گزر گیا ہو تو اس میں پانچ درہم کے برابر چاندی واجب ہوگی اگر دوسو درہم پر زیادتی ہو جائے تو زیادتی میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، مگر یہ کہ زیادتی کی مقدار چالیس درہم کو پہنچ جائے چنانچہ اگر دوسو چالیس درہم ہوں تو ان میں چھ درہم واجب ہوں گے پھر ہر چالیس پر ایک درہم واجب ہوتا رہے گا، یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین کے نزدیک زیادتی میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، چنانچہ اگر دوسو درہم پر ایک درہم بڑھ گیا تو پانچ درہم کے علاوہ ایک درہم کے چالیس حصوں میں سے ایک حصہ واجب ہوگا۔ (معارف السنن ج:۵،ص:۱۷۰)

چاندی کا نصاب قدیم اوزان سے: جس کی ملکیت میں قدیم اوزان کے اعتبار سے ساڑھے باون تولہ (۵۲-۱/۲) چاندی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، نقد روپیہ بھی چاندی کے حکم میں ہوتا ہے۔

چاندی کا نصاب موجودہ اوزان سے: ساڑھے باون تولہ (۵۲-۱/۲) چاندی کا وزن موجودہ گراموں کے حساب

سے ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام کا ہوتا ہے لہٰذا موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۶۱ تولہ ۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی کا نصاب بنے گا۔

(۳/۴۹۷) وَإِنْ كَانَ الْغَالِبُ عَلَى الْوَرَقِ الْفِضَّةُ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْفِضَّةِ (۴/۴۹۸) وَإِذَا كَانَ الْغَالِبُ عَلَيْهِ الْغِشُّ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْعُرُوْضِ وَيُعْتَبَرُ اَنْ تَبْلُغَ قِيْمَتُهَا نِصَاباً.

ترجمہ: (۳/۴۹۷) اور اگر ہو غالب ڈھلے ہوئے سکہ میں چاندی تو وہ چاندی کے حکم میں ہے (۴/۴۹۸) اور اگر اس پر کھوٹ غالب ہو تو وہ سامان کے درجہ میں ہے اور معتبر ہے یہ کہ پہنچ جائے ان کی قیمت نصاب کو۔

تشریح: ڈھلے ہوئے سکہ میں اگر چاندی غالب ہو اور کھوٹ یعنی دوسری دھات مغلوب ہو تو وہ سکہ چاندی کے حکم میں ہوگا اور اس میں چاندی کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر کھوٹ غالب اور چاندی مغلوب ہے تو وہ سامان کے حکم میں ہوگا چنانچہ اس کی قیمت کا اندازہ کر کے دیکھا جائے گا کہ اس کی قیمت مقدار نصاب کو پہنچتی ہے یا نہیں اگر مقدار نصاب کو پہنچتی ہے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

باب زکوٰۃ الذہب

یہ باب سونے کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

(۱/۴۹۹) لَيْسَ فِي مَادُوْنَ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً مِّنَ الذَّهَبِ صَدَقَةٌ فَإِذَا كَانَتْ عِشْرِيْنَ مِثْقَالاً وَحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيْهَا نِصْفُ مِثْقَالٍ (۲/۵۰۰) ثُمَّ فِي كُلِّ اَرْبَعَةِ مَثَاقِيْلَ قِيْرَاطَانِ وَلَيْسَ فِي مَا دُوْنَ اَرْبَعَةِ مَثَاقِيْلَ صَدَقَةٌ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَقَالاَ مَازَادَ عَلَى الْعِشْرِيْنَ فَزَكوٰتُهُ بِحِسَابِهِ.

ترجمہ: (۱/۴۹۹) نہیں ہے بیس مثقال سے کم سونے میں زکوٰۃ پس اگر بیس مثقال ہوں اور گذر جائے اس پر سال تو اس میں آدھا مثقال ہے (۲/۵۰۰) پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط ہیں اور نہیں ہے چار مثقال سے کم میں زکوٰۃ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جو زائد ہو بیس پر تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ سونے کی زکوٰۃ کو بیان کر رہے ہیں سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور بیس مثقال میں آدھا مثقال واجب ہوگا اس کے بعد مصنف فرماتے ہیں کہ بیس مثقال پر اگر چار مثقال کا اضافہ ہوگیا تو نصف مثقال کے ساتھ دو قیراط اور واجب ہوں گے کیونکہ چار مثقال کا چالیسواں حصہ دو قیراط ہوتے ہیں اس لئے کہ ایک مثقال بیس قیراط کا ہوتا ہے، لہٰذا چار مثقال اسی قیراط کے ہوئے اور اسی کا چالیسواں حصہ دو ہوتا ہے، اس لئے چار مثقال کی زکوٰۃ دو قیراط واجب ہوگی ایک قیراط پانچ جو کے دانوں کے برابر ہوتا ہے، چنانچہ ایک مثقال ایک سو جو کے دانوں کے وزن کے برابر ہوگا، پھر آگے ایک اختلافی مسئلہ بیان کیا ہے

کہ اگر بیس مثقال پر چار مثقال سے کم کا اضافہ ہوتا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس زیادتی میں کوئی زکوۃ واجب نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک حساب کے بقدر زکوۃ واجب ہوگی مثلاً بیس مثقال سے اگر ایک مثقال زیادہ ہوا تو زکوۃ میں آدھا مثقال اور آدھا قیراط واجب ہوگا کیونکہ بیس مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا مثقال ہے، اور ایک مثقال کا چالیسواں حصہ آدھا قیراط ہے۔

فائدہ: موجودہ گراموں کے حساب سے ایک مثقال کا وزن ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام کا ہوتا ہے۔

سونے کا نصاب قدیم اوزان سے: جسکی ملکیت میں قدیم اوزان کے حساب سے ساڑھے سات (۷-۱/۲) تولہ سونا ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہے۔

سونے کا نصاب موجودہ اوزان سے: ساڑھے سات تولہ (۷-۱/۲) کا وزن موجودہ گراموں کے حساب سے ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا موجودہ دس گرام کے تولہ کے حساب سے ۸ر تولہ ۷ر گرام ۴۸۰ ملی گرام سونے کا نصاب بنے گا۔

ایک مثقال کا وزن: ایک مثقال کا وزن ۴ ماشہ ۴ رتی یعنی (۴-۱/۲) ماشہ کا ہوتا ہے، اور گراموں کے حساب سے ۴ گرام ۳۷۴ ملی گرام ایک مثقال کا وزن ہوگا، لہٰذا بیس مثقال کا وزن ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام ہوگا اگر کسی شخص کے پاس ۸۷ گرام ۴۸۰ ملی گرام سونا ہے جو کہ بیس مثقال کا وزن ہے تو اس میں آدھا مثقال یعنی ۲ گرام ۱۸۷ ملی گرام سونا نکالنا فرض ہوگا۔

(۳/۵۰۱) وَفِي تِبْرِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَحُلِيِّهِمَا وَالآنِيَةِ مِنْهُمَا زَكٰوةٌ

ترجمہ: (۳/۵۰۱) اور سونے و چاندی کی ڈلی (بغیر ڈھلا ہوا) اور ان کے زیورات اور برتنوں میں بھی زکوۃ ہے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک سونے و چاندی کی ہر چیز اور زیورات پر زکوۃ ایک سال گذرنے کے بعد لازم و فرض ہے خواہ وہ مردوں کے ہوں یا عورتوں کے، تراش کر بنے ہوں یا پگھلا کر برتن ہوں یا کچھ اور استعمال میں آتے ہوں یا نہ آتے ہوں یعنی اگر نصاب کے برابر ہوں گے تو زکوۃ ہے۔ (کتاب الفقہ ج:۱، ص:۹۷۸، بذل المجہود ج:۳، ص:۷)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورتوں کے زیور اور مردوں کی چاندی کی انگوٹھی میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

(التعلیقات علی تنظیم الاشتات ج:۲، ص:۱۵۶، بذل المجہود ج:۳، ص:۸، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۴۷۲)

دلیل: چاندی اور سونے کا زیور عورتوں کے لئے مباح ہے اور چاندی کی انگوٹھی کا استعمال مردوں کے لئے جائز ہے اور ضرورت و استعمال کی چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔ (درمنضود ج:۳، ص:۲۲)

حنفیہ کی دلیل: حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے دیکھا کہ میرے

ہاتھوں میں چاندی کے چھلے ہیں پھر فرمایا کہ یہ کیا ہے میں نے کہا کہ میں نے ان کو اس لئے بنایا ہے تاکہ ان کے ساتھ آپ کے لئے آراستہ ہو جاؤں آپ نے فرمایا ان کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو میں نے کہا نہیں فرمایا تجھ کو دوزخ کی آگ کافی ہے۔ (ابوداؤد ج:۱، ص:۲۱۸، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۴۷۳) اس روایت سے زیور میں زکوٰۃ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے پاس کوئی ایسی روایت موجود نہیں ہے جو زیورات کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے پر صراحۃً دلالت کرتی ہو لہٰذا اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک نہایت قوی اور مضبوط ہے۔

باب زکوٰۃ العروض

یہ باب سامان کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

(۵۰۲/۱) اَلزَّکٰوۃُ وَاجِبَۃٌ فِی عُرُوْضِ التِّجَارَۃِ کَائِنَۃً مَاکَانَتْ إِذَا بَلَغَتْ قِیْمَتُھَا نِصَاباً مِّنَ الْوَرَقِ أَوِ الذَّھَبِ.

ترجمہ: (۵۰۲/۱) زکوٰۃ واجب ہے تجارت کے سامان میں سامان کوئی بھی ہو جب پہنچ جائے اس کی قیمت نصاب کو چاندی یا سونے سے۔

تشریح: فقہاء تجارتی مال کو "عروض تجارت" کہتے ہیں، اور اس سے مراد سونے وچاندی کے علاوہ ہر وہ سامان ہوتا ہے، جو تجارت کے لئے مہیا کیا گیا ہو خواہ وہ کسی بھی قسم کا ہو مثلاً آلات اور مشینیں ہوں، استعمالی سامان ہوں یا کپڑے ہوں کھانے کی چیزیں ہوں یا زیورات ہوں حیوانات ونباتات ہوں، گھر ہو یا زمین غرض جو چیزیں فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے خرید وفروخت کے لئے مہیا کی گئی ہیں وہ سامان تجارت ہیں جس کسی کے پاس سامان تجارت ہو اور اس پر سال گذر جائے اور اس کی قیمت بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، یعنی سامان کی قیمت کا چالیسواں حصہ یا ڈھائی فیصد جس طرح سونے وچاندی کی زکوٰۃ کا حساب ہوتا ہے۔

(۵۰۳/۲) یُقَوِّمُھَا بِمَا أَنْفَعُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ مِنْھُمَا وَقَالَ أَبُوْیُوْسُفَ یُقَوِّمُ مِمَّا اشْتَرَاہُ بِہٖ فَإِنِ اشْتَرَاہُ بِغَیْرِ الثَّمَنِ یُقَوِّمُ بِالنَّقْدِ الْغَالِبِ فِی الْمِصْرِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ بِغَالِبِ النَّقْدِ فِی الْمِصْرِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ.

ترجمہ: (۵۰۳/۲) قیمت لگائے اس کی ایسی چیز سے جو زیادہ نفع بخش ہو فقراء ومساکین کے لئے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ قیمت لگائے اس سے جس سے خریدا ہے اگر خریدا ہو روپیہ پیسہ کے علاوہ تو قیمت لگائے اس سے جو شہر میں زیادہ چلتا ہو اور امام محمد نے فرمایا ہر حال میں ایسے روپیہ پیسے سے لگائے جو شہر میں زیادہ چلتا ہو۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک مال تجارت میں زکوٰۃ واجب ہونے کی چند شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ اس

مال تجارت کی قیمت سونے یا چاندی کے حساب سے نصاب پورا کرتی ہو لیکن اب سوال یہ ہے کہ قیمت کا اندازہ دراہم کے ساتھ کرے یا دنانیر کے ساتھ اس بارے میں تین قول ہیں:

(۱) مال تجارت کی قیمت کا اندازہ سونے و چاندی میں سے اس کیساتھ کرے جس میں فقراء و مساکین کا نفع ہے، مثلاً تجارت کا ایک سامان ہے جو چاندی کے نصاب کے برابر ہو جاتا ہے، لیکن سونے کے نصاب کے برابر نہیں ہوتا تو اس کو دراہم کے ساتھ اندازہ کرے احتیاطاً فقراء کی رعایت کے پیش نظر ایسا کیا جائے گا یہ قول امام ابوحنیفہ سے منقول ہے۔

(۲) اس سامان کو سونے یا چاندی میں سے جس کے بدلہ خریدا ہے اس کی قیمت کا اندازہ کرے اگر دراہم کے بدلہ خریدا ہے تو دراہم کے ساتھ اندازہ کرے اور اگر دنانیر کے بدلہ خریدا تھا تو دنانیر کے ساتھ اندازہ کرے اور اگر دراہم و دنانیر کے علاوہ کسی اور چیز سے خریدا تو دراہم و دنانیر میں سے جس کا چلن زیادہ ہو اس کے ساتھ اندازہ کرے۔ یہ قول امام ابو یوسف کا ہے۔

(۳) دراہم و دنانیر میں سے جس کا چلن زیادہ ہو اسی کے ساتھ قیمت کا اندازہ کرے یہ قول امام محمد کا ہے۔

(عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۱۲۱۲ تا ۱۲۱۳، اوجز المسالک ج:۳،ص:۱۸۵)

(۳/۵۰۴) وَإِذَا كَانَ النِّصَابُ كَامِلاً فِي طَرَفَيِ الْحَوْلِ فَنُقْصَانُهُ فِيمَا بَيْنَ ذَالِكَ لَايُسْقِطُ الزَّكٰوةَ

ترجمہ: (۳/۵۰۴) اور جب نصاب پورا ہو سال کے دونوں حصوں میں تو اس کا کم ہو جانا سال کے درمیان میں ساقط نہیں کرتا زکوٰۃ کو۔

تشریح: **زکوٰۃ** واجب ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ ہے کہ سال کے شروع اور آخر میں نصاب کا ہونا ضروری ہے چاہے سال کے درمیان میں کم ہو جائے ہاں اگر سال کے شروع یا آخر میں نصاب کم ہو جائے تو پھر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

(۴/۵۰۵) وَيُضَمُّ قِيمَةُ الْعُرُوْضِ إِلَى الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَكَذٰلِكَ يُضَمُّ الذَّهَبُ إِلَى الْفِضَّةِ بِالْقِيمَةِ حَتّٰى يَتِمَّ النِّصَابُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيفَةَ وَقَالَا لَايُضَمُّ الذَّهَبُ إِلَى الْفِضَّةِ بِالْقِيمَةِ وَيُضَمُّ بِالْأَجْزَاءِ.

ترجمہ: (۴/۵۰۵) اور ملالی جائے سامان کی قیمت سونے اور چاندی کی طرف اور ایسے ہی ملالیا جائے سونے کو چاندی کی طرف قیمت کے اعتبار سے یہاں تک کہ نصاب پورا ہو جائے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ نہ ملایا جائے سونے کو چاندی کیساتھ قیمت کے اعتبار سے اور ملایا جائے اجزاء کے اعتبار سے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ نے نصاب کی تکمیل کے لئے دو مختلف مالوں کے ضم والے دو مسئلے بیان فرمائے ہیں:

(۱) اگر کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی کے ساتھ مال تجارت ہے لیکن کسی کا نصاب الگ الگ پورا نہیں ہوتا تو

ایسی صورت میں سب کی قیمت لگا کر چاندی کا نصاب بنالیا جائے اور چاندی کا نصاب مان کر نصاب پورا ہو جاتا ہے تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔

(۲) اگر سونا و چاندی ہر ایک کا الگ الگ نصاب پورا نہ ہو یا ایک کا پورا ہو دوسرے کا ناقص تو اس صورت میں اختلاف ہے، امام شافعی کے نزدیک سونے اور چاندی میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا اور جب نہیں ملایا جائے گا تو ان میں سے کسی کا نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، امام ابوحنیفہ کے نزدیک سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر پورے کو چاندی کا نصاب بنا دیا جائے کیونکہ اس میں فقراء کا زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۱۸۵)

ضم کی کیا صورت ہوگی اس میں صاحب قدوری نے اختلاف نقل کیا ہے، امام صاحب کے نزدیک قیمت کا لحاظ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اجزاء کا یعنی وزن کا، یہی امام مالک کا مذہب ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۳۸۵)

اختلاف کا ثمرہ اس مثال میں ظاہر ہوگا کسی کے پاس سو درہم چاندی ہے اور پانچ مثقال سونا اور پانچ مثقال سونے کی قیمت ایک سو درہم کو پہنچ جاتی ہے، تو اس صورت میں امام صاحب کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ قیمت کے اعتبار سے نصاب پورا ہو گیا ہے، اور اجزاء کے اعتبار سے چونکہ پورا نہیں ہوا ہے اس لئے صاحبین کے نزدیک زکوٰۃ بھی واجب نہ ہوگی۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۰۷، شامی ج:۲،ص:۴۶)

اگر کسی کے پاس سو درہم چاندی ہے اور پانچ مثقال سونا جس کی قیمت پچاس درہم کو پہنچ جاتی ہے، تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ نصاب نہ قیمت کے اعتبار سے مکمل ہے اور نہ اجزاء کے اعتبار سے مکمل ہے، اور اگر کسی کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم چاندی ہو اور دس مثقال کی قیمت سو درہم کو پہنچ جائے تو بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہوگی۔
(بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۰۷)

باب زکوۃ الزروع والثمار

یہ باب کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کے بیان میں ہے

تشریح: زمین کی پیداوار اور پھلوں میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہوتا ہے اور یہاں بھی زکوٰۃ سے مراد عشر ہے

(۵۰۶/۱) قَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي قَلِيْلِ مَا أَخْرَجَتْهُ الْأَرْضُ وَكَثِيْرِهِ الْعُشْرُ وَاجِبٌ سَوَاءٌ سُقِيَ سَيْحاً أَوْسَقَتْهُ السَّمَاءُ إِلَّا الْحَطَبُ وَالْقَصَبُ وَالْحَشِيْشُ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ لَايَجِبُ الْعُشْرُ إِلَّا فِيْمَا لَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ إِذَا بَلَغَتْ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ (۵۰۷/۲) وَالْوَسْقُ سِتُّوْنَ صَاعاً بِصَاعِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

ترجمہ: (۱/۵۰۶) امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار میں کم ہو یا زائد عشر (دسواں) واجب ہے خواہ زمین جاری پانی سے سیراب کی گئی ہو یا بارش کے پانی سے سوائے لکڑی، بانس اور گھاس کے اور صاحبین نے فرمایا کہ عشر واجب نہیں مگر ان میں جن کے پھل باقی رہتے ہیں بشرطیکہ پانچ وسق کو پہنچ جائیں۔ (۲/۵۰۷) اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، حضورؐ کے صاع سے۔

تشریح: جن چیزوں میں عشر واجب ہوتا ہے ان کے لئے کوئی خاص مقدار نصاب شرط ہے جیسے زکوٰۃ کے لئے ہوتا ہے یا نہیں، اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ وامام زفر کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے پیداوار کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے اور کسی خاص پیداوار کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قسم کی پیداوار میں ضابطہ کے مطابق عشر واجب ہوگا، چاہے پیداوار کی مقدار بہت کم ہو یا زیادہ ہو، وہ پیداوار باقی رہنے والی ہو جیسے گلہ، اناج یا باقی رہنے والی نہ ہو جیسے ساگ سبزیاں پھل زمین کو نہر وغیرہ کے جاری پانی سے سیراب کیا ہو یا بارش کے پانی سے سیراب کیا ہو ہر حال میں عشر واجب ہے، یعنی اسکی پیداوار میں سے دسواں حصہ نکال کر زکوٰۃ کی طرح فقراء کو دینا واجب ہوگا، چنانچہ اگر چالیس کلو غلہ پیدا ہو تو چار کلو دینا واجب ہوگا۔
(معارف السنن ج:۵، ص:۲۰۲، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۲۶)

پیداوار سے مراد: پیداوار سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسی چیز ہو جس کو زمین میں لوگ عادۃً بوتے ہوں اور اس سے مقصود کمائی اور آمدنی کا حصول ہو بانس، لکڑی، گھاس چونکہ ان میں یہ بات نہیں ہے بلکہ ان کو تو زمین سے دور کر کے صاف کیا جاتا ہے لہٰذا ان میں عشر واجب نہیں ہے ہاں اگر وہ بانس یا گھاس اس قسم کا ہو کہ جس سے کمائی اور آمدنی مقصود ہو تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔ (اللباب ج:۱، ص:۱۴۶، جوہرہ ج:۱، ص:۱۵۳)

مذہب: صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عشر واجب ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں: (۱) زمین کی پیداوار میں نصاب شرط ہے اور وہ پانچ وسق ہے اگر پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں عشر واجب نہیں ہے اور اگر پانچ وسق یا اس سے زائد ہو تو اس میں عشر واجب ہو جاتا ہے۔ (معارف السنن ج:۵، ص:۲۰۲) اور پانچ وسق کی مقدار موجودہ زمانہ میں ۹ رکوئنٹل ۴۴ کلو ۸۴۷ گرام ہوتی ہے۔

(۲) وہ چیز جو کہ زمین سے پیدا کی گئی ہے بغیر کسی علاج وتدبیر کے ایک سال تک باقی رہنے والی ہو جیسے گیہوں، چاول، وغیرہ لہٰذا سبزیاں، پھل، پھول وغیرہ میں انکے نزدیک عشر واجب نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۲۷)

صاحبین کی دلیل: حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ ۵ وسق سے کم پیداوار میں زکوٰۃ اور عشر لازم نہیں ہے۔ (ترمذی ج:۱، ص:۱۳۶) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زمین کی پیداوار کا عشر لازم نہیں ہے۔

جواب: حدیث پاک کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ پانچ وسق سے کم کی پیداوار میں عشر ہی واجب نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر پانچ وسق سے کم پیداوار ہے تو مصدق (زکوٰۃ وصول کرنے والا) کو وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے

بلکہ مالک اپنے اختیار سے خود ہی فقراء میں تقسیم کردیا کرے گا۔ (مستفاد ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۱۶۵)

امام ابوحنیفہ کی دلیل: وَاٰتُوْ حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ. اور اس میں جو حق (شرع سے) واجب ہے (خیر خیرات) وہ اس کے کاٹنے (توڑنے) کے دن (مسکینوں کو) دیا کرو، اس میں زمین کی پیداوار پر جس حق کا ذکر کیا گیا ہے وہ مطلق ہے اور اس میں قلیل وکثیر کی کوئی تفریق نہیں ہے، نیز حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس زمین کی سیرابی نہر یا بارش کے پانی سے ہوتی ہے اس میں عشر لازم ہوتا ہے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۴۶) اس حدیث میں مقدار کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی پیدا ہوگا اس میں عشر واجب ہوا کرے گا، امام ابوحنیفہ کا مذہب راجح ہے اور اسی میں احتیاط ہے۔

(اللباب ج:۱، ص:۱۴۶، معارف السنن ج:۵، ص:۲۰۸)

(۳/۵۰۸) وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ عِنْدَهُمَا عُشْرٌ

ترجمہ: (۳/۵۰۸) اور نہیں ہے سبزیوں میں صاحبین کے نزدیک عشر۔

تشریح: سبزیوں میں عشر لازم ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) صاحبین کے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سبزیوں اور ہر سڑنے والی چیزوں میں عشر نہیں ہے۔

دلیل: وَلَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صدقةٌ. (ترمذی ج:۱، ص:۱۳۸)

(۲) امام صاحب کے نزدیک زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے خواہ غلہ وغیرہ ہو یا سبزی ترکاری سب پر واجب ہے۔

دلیل: وَاٰتُوْ حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ. تفصیلی کلام ماقبل میں گذر چکا ہے۔

پانچ وسق کا وزن: موجودہ دور کے کلوگرام کے حساب سے ایک وسق کا وزن ایک کوئنٹل ۸۸ کلو ۹۵۶ گرام ۸۰۰ ملی گرام ہوتا ہے۔

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

ایک صاع کا وزن ۳ کلو ۱۴۹ گرام ۲۸۰ ملی گرام ہوگا، ایک وسق کا وزن ایک کوئنٹل ۸۸ کلو ۹۵۶ گرام ۸۰۰ ملی گرام ہوگا۔ ۵ وسق کا وزن ۹ کوئنٹل ۴۴ کلو ۷۸۴ گرام ہوگا۔

(۴/۵۰۹) وَمَاسُقِيَ بِغَرْبٍ أَوْ دَالِيَةٍ أَوْ سَانِيَةٍ فَفِيْهِ نِصْفُ الْعُشْرِ عَلَى الْقَوْلَيْنِ.

ترجمہ: (۴/۵۰۹) اور جو زمین سینچی گئی ڈول سے یا رہٹ سے یا اونٹنی سے تو اس میں نصف عشر ہے دونوں قولوں پر۔

تشریح: "غرب" بڑا ڈول، "دالیة" رہٹ جس پر بہت سے ڈول باندھے جاتے ہیں پھر اس کو بیل وغیرہ گھماتے ہیں، "سانیة" کنویں سے پانی لانیوالی اونٹنی جس کے ذریعہ سینچائی کی جاتی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر کھیتی کو بڑے ڈول یا رہٹ سے یا اونٹنی کے ذریعہ سے سینچ کر سیراب کیا ہو تو امام صاحب وصاحبین

کے نزدیک اس کی پیداوار میں سے بیسواں حصہ زکوۃ کی طرح فقراء کو صدقہ کر دینا واجب ہوگا یعنی اگر چالیس کلو پیدا ہوا ہے تو دو کلو دینا ہوگا، حاصل یہ کہ جس کھیت یا درختوں میں سینچائی کی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے تو اس میں عشر بیسواں حصہ واجب ہے، مگر اسی اختلاف کے ساتھ کہ امام صاحب کے نزدیک نہ نصاب کی شرط ہے اور نہ بقاء کی اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں ہوں گی کما مر مفصلاً۔

(۵/۵۱۰) وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ فِيْمَا لَايُوْسَقُ كَالزَّعْفَرَانِ وَالْقُطْنِ يَجِبُ فِيْهِ الْعُشْرُ إِذَا بَلَغَتْ قِيْمَتُهُ قِيْمَةَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنْ أَدْنٰى مَايَدْخُلُ تَحْتَ الْوَسَقِ (۶/۵۱۱) وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَجِبُ الْعُشْرُ إِذَا بَلَغَ الْخَارِجُ خَمْسَةَ أَمْثَالٍ مِنْ أَعْلٰى مَا يُقَدَّرُ بِهٖ نَوْعُهٗ فَاعْتُبِرَ فِي الْقُطْنِ خَمْسَةُ أَحْمَالٍ وَفِي الزَّعْفَرَانِ خَمْسَةُ أَمْنَاءٍ.

ترجمہ: (۵/۵۱۰) اور امام ابو یوسف نے فرمایا ایسی چیزوں میں جو وسق سے نہیں بیچی جاتی جیسے زعفران اور روئی تو واجب ہے ان میں عشر جب پہنچ جائے ان کی قیمت ادنی درجہ کی پانچ وسق کی قیمت کو جو وسق سے ناپی جاتی ہوں (۶/۵۱۱) اور امام محمد نے فرمایا کہ واجب ہے عشر جب پہنچ جائے پیداوار پانچ ایسی اعلیٰ چیزوں کی مقدار کو جس سے اندازہ کیا جاتا ہے اس جیسی چیزوں کا چنانچہ روئی میں پانچ حمل کا اعتبار کیا گیا ہے، اور زعفران میں پانچ من کا۔

تشریح: ماقبل میں گذر چکا ہے کہ صاحبین کے نزدیک زمین کی پیداوار میں عشر واجب کرنے کے لئے اس کا پانچ وسق کی مقدار ہونا لازم ہے اس سے کم میں عشر واجب نہ ہوگا لیکن جن چیزوں کی خرید و فروخت وسق سے نہیں کی جاتی جیسے زعفران اور روئی تو کیا ان میں عشر واجب نہ ہوگا؟ صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ ایسی چیزوں کے بارے میں امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ زعفران وغیرہ غیر وسقی چیز کی قیمت اگر ادنیٰ درجہ کی وسقی چیز پانچ وسق ہو جاتی ہے تو اس میں عشر واجب ہو جائے گا، مثلاً دو سو گرام زعفران کی قیمت اگر پانچ وسق جوار کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے تو دو سو گرام زعفران میں دسواں حصہ یعنی ۲۰ گرام زعفران واجب ہوگا، اگر چہ زعفران کی خرید و فروخت وسق سے نہیں کی جاتی۔

اور امام محمد کا قول یہ ہے کہ غیر وسقی چیزوں میں اعلیٰ درجہ کا معیار معتبر ہے، یعنی جس معیار سے اندازہ کیا جاتا ہے اس میں جو سب سے اعلیٰ معیار ہے اگر وہ پانچ کی تعداد کو پہنچ جائے تو اس میں عشر واجب ہو جائے گا، ورنہ نہیں روئی میں سب سے اعلیٰ معیار حمل ہے، چنانچہ اگر روئی پانچ حمل ہے تو امام محمد کے نزدیک عشر ہو جائے گا، اور زعفران میں سب سے اعلیٰ معیار من کا ہوتا ہے چنانچہ اگر زعفران پانچ من کی مقدار ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

ایک حمل تین سو من کا ہوتا ہے۔

۵ حمل میں پندرہ سو من ہوتے ہیں۔

موجودہ کلوگرام کے حساب سے ایک من کا وزن ۷۹۶ گرام ۶۸ ملی گرام ہوگا۔

چنانچہ ۱۵۰۰ من کا وزن ۱۱ کوئنٹل ۹۵ کلو ۲ گرام ہوگا یعنی اگر اتنی روئی پیدا ہوئی ہے تو اس کا دسواں حصہ (ایک کلو ۱۹۵ گرام ۲ ملی گرام) نکالنا واجب ہوگا۔

اور اگر ۳ کلو ۹۸۰ گرام ۳۴۰ ملی گرام زعفران پیدا ہوا ہے تو اس کا دسوں حصہ (۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام) نکالنا واجب ہے۔

(۷/۵۱۲) وَفِي الْعَسَلِ الْعُشْرُ إِذَا أُخِذَ مِنْ أَرْضِ الْعُشْرِ قَلَّ أَوْ كَثُرَ (۸/۵۱۳) وَقَالَ أَبُويُوسُفَ فِيهِ حَتّٰى تَبْلُغَ عَشَرَةَ أَزْقَاقٍ (۹/۵۱۴) وَقَالَ مُحَمَّدٌ خَمْسَةَ أَفْرَاقٍ وَالْفَرْقُ سِتَّةٌ وَّثَلٰثُوْنَ رِطْلًا بِالْعِرَاقِي (۱۰/۵۱۵) وَلَيْسَ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ عُشْرٌ.

ترجمہ: (۷/۵۱۲) اور شہد میں عشر واجب ہے، جبکہ حاصل کیا گیا ہو عشری زمین سے کم ہو یا زیادہ (۸/۵۱۳) اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ شہد میں عشر اس وقت ہے جبکہ وہ دس مشکیزہ کی مقدار کو پہنچ جائے (۹/۵۱۴) اور امام محمد نے فرمایا کہ جب پانچ فرق ہو اور فرق چھتیس رطل عراقی کا ہوتا ہے (۱۰/۵۱۵) اور نہیں ہے خراجی زمین کی پیداوار میں عشر۔

تشریح: امام ابوحنیفہ امام احمد وصاحبین کے نزدیک شہد میں عشر واجب ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہد کم ہو یا زیادہ ہر صورت میں عشر واجب ہوگا، کیونکہ امام کے نزدیک پیداوار میں عموم پہلے ہی سے ہے یہ بھی واضح رہے کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک عشر صرف عشری زمین میں ہوتا ہے خراجی زمین میں نہیں ہوتا۔

امام ابو یوسف کے نزدیک اگر شہد کی مقدار دس مشکیزہ کے بقدر ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا، امام احمد کے نزدیک اگر دس فرق ہے تو عشر واجب ہوگا، امام محمد کے نزدیک شہد میں عشر کا نصاب پانچ فرق ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۶ ص:۵۲۳)

اور ایک فرق ۳۶ رطل عراقی کا ہوتا ہے لہٰذا ۵ فرق میں ۱۸۰ رطل ہوں گے اور ایک رطل موجودہ کلو گرام کے حساب سے ۳۹۸ گرام ۳۴ ملی گرام کا ہوتا ہے، لہٰذا ۳۶ رطل میں ۱۴۳۴۰۲۴ یعنی ۱۴ کلو ۳۴۰ گرام ۲۴ ملی گرام ہوں گے یہی ایک فرق کا وزن ہوگا۔

۱۸۰ رطل کا وزن موجودہ کلو گرام کے حساب سے ۷۱ کلو ۷۰ گرام ۲۰۰ ملی گرام کا ہوتا ہے، چنانچہ اگر کسی کے پاس اتنا شہد نکلا ہے تو اس کا دسواں حصہ (۷ کلو ۱۷ گرام ۱۲ ملی گرام) نکالنا ہوگا۔

شافعیہ ومالکیہ کے نزدیک شہد میں عشر نہیں ہے۔ (معارف ج:۵ ص:۲۱۷، عمدۃ القاری ج:۶ ص:۵۲۳)

وجوب عشر کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے شہد کے بارے میں فرمایا ہر دس مشکیزوں میں ایک مشکیزہ (ترمذی ج:۱ ص:۱۳۷) اس حدیث سے شہد میں عشر کا وجوب ثابت ہو رہا ہے، جیسا کہ حنفیہ وحنابلہ کا مذہب ہے۔

عشری زمین کی تعریف: عشری زمین ایسی زمین کہلاتی ہے، جس کے مالک مسلمان ہو گئے یا قوت کے ذریعہ سے کوئی شہر یا ملک فتح کیا گیا ہو اور اس کی زمین مجاہدین پر تقسیم کردی گئی ہو۔

خراجی زمین کی تعریف: ہر وہ زمین ہے جو قہر وغلبہ کے ساتھ فتح کی گئی ہو اور اس کے کافر باشندوں کو وہیں برقرار رکھا گیا ہو اور زمین ان کی تحویل میں رکھی گئی ہو۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک جن چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہے اگر ان کو تفصیلاً شمار کیا جائے تو وہ کل نو ہیں: (۱) سونا، (۲) چاندی، (۳) مال تجارت، (۴) سوائم جو تین ہیں: اونٹ، گائے، بکری، (۵) کھیتی، (۶) پھل، (۷) شہد، (۸) گھوڑے، (۹) ساگ سبزیاں۔

بَابُ مَنْ يَّجُوْزُ دَفْعُ الصَّدَقَةِ إِلَيْهِ وَمَنْ لَايَجُوْزُ

ترجمہ: یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اس باب میں امام قدوری مصارف زکوٰۃ کو بیان کریں گے۔

(۱/۵۱۶) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الآيَةَ (۲/۵۱۷) فَهٰذِهٖ ثَمَانِيَةُ أَصْنَافٍ فَقَدْ سَقَطَ مِنْهَا الْمُؤَلَّفَةُ قُلُوْبُهُمْ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَعَزَّ الْاِسْلَامَ وَأَغْنٰى عَنْهُمْ (۳/۵۱۸) وَالْفَقِيْرُ مَنْ لَهٗ أَدْنٰى شَيْءٍ (۴/۵۱۹) وَالْمِسْكِيْنُ مَنْ لَا شَيْءَ لَهٗ.

ترجمہ: (۱/۵۱۶) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ... زکوٰۃ حق ہے فقراء اور مساکین کا۔ (۲/۵۱۷) چنانچہ یہ آٹھ قسم کے آدمی ہیں جن میں سے مؤلفۃ القلوب ساقط ہوگئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کردیا اور ایسے لوگوں سے بے پرواہ کردیا، (۳/۵۱۸) اور فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال ہو (۴/۵۱۹) اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

تشریح: حق تعالیٰ شانہ نے مستحقین زکوٰۃ کو آٹھ قسم کے لوگوں میں منحصر فرمادیا ہے جن کی تفصیل قرآن کریم میں موجود ہے جن کے اندر اصل قرآن کی یہ آیت ہے انما الصدقات الخ ان آٹھ قسموں میں سے ایک قسم مؤلفۃ القلوب ساقط ہوگئی، علامہ بنوری نے ان کی چھ قسمیں لکھی ہیں:

(۱) وہ کفار جن کو آپ زکوٰۃ اس لئے دیتے تھے کہ وہ ہم سے قریب ہوکر مسلمان ہوجائیں (۲) وہ کافر جن کو زکوٰۃ اس لئے دی جاتی تھی کہ ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں (۳) وہ مسلمان جن کے اسلام میں کمزوری تھی تاکہ ان کے ایمان میں پختگی آجائے۔ باقی تفصیل کے لئے دیکھئے معارف ج:۵ ص:۲۸۲، مؤلفۃ القلوب کا مصرف زکوٰۃ ہونا اب بھی باقی ہے یا ان کا حصہ ساقط ہوگیا؟

ائمہ کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی ہے حنفیہ کے نزدیک ان کا حصہ مطلقاً ساقط ہوگیا صدیق اکبر کے زمانہ میں صحابہ کے اتفاق سے اس لئے کہ جس ضرورت اور مصلحت سے ان کو دیا جاتا تھا وہ آپ کے بعد باقی نہیں رہی، اللہ نے اسلام کو غلبہ وشوکت عطا فرمادیا، اس لئے مصارف زکوٰۃ سات باقی رہ گئے۔ (بدائع الصنائع ج:۲ ص:۱۵۳)

مصارف زکوٰۃ میں سے پہلی اور دوسری قسم فقیر اور مسکین ہے۔

فقیر شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک وہ شخص ہے جس کے پاس نقد مال یا کمائی کی آمدنی بالکل نہ ہو یا اگر ہو تو آدھے خرچ سے کم ہو جیسے کسی کی روز آنہ کے خرچ کی مقدار دس روپے ہو اور کمائی چار روپے ہو۔

اور مسکین وہ ہے جس کی آمدنی مکمل خرچ کے بقدر تو نہ ہو لیکن آدھے خرچ یا اس سے زیادہ حاصل ہو۔

حنفیہ کے نزدیک فقیر وہ ہے جو صاحب نصاب نہ ہو یا مالک نصاب تو ہو لیکن وہ مال غیر نامی: دیا نامی بھی ہو لیکن اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد نہ ہو مسکین وہ ہے جس کے پاس بالکل کوئی چیز نہ ہو۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۲۲۶)

(۵۲۰/۵) وَالْعَامِلُ يَدْفَعُ إِلَيْهِ الْإِمَامُ إِنْ عَمِلَ بِقَدْرِ عَمَلِهِ .

ترجمہ: (۵۲۰/۵) اور عامل کو دے حاکم اگر اس نے کام کیا ہو اس کے کام کے بقدر۔

تشریح: عاملین وہ لوگ ہیں جن کو امام المسلمین کی جانب سے زکوٰۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے مقرر کیا جائے ان کو زکوٰۃ کی رقم میں سے اتنا دیا جائے گا جو کافی ہو جائے، جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ حق الخدمت اور عمل کے معاوضہ کے طور پر دیا جاتا ہے، اسی لئے عامل کو ہر حال میں دیا جاتا ہے، مالدار ہو یا فقیر مصارف زکوٰۃ میں سے یہی ایک مصرف ایسا ہے کہ جس کو زکوٰۃ معاوضۂ خدمت کے طور پر دی جاتی ہے۔

(بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۱)

(۵۲۱/۶) وَفِي الرِّقَابِ أَنْ يُعَانَ الْمُكَاتَبُوْنَ فِي فَكِّ رِقَابِهِمْ

ترجمہ: (۵۲۱/۶) اور گردنوں کے چھڑانے میں وہ یہ ہے کہ مدد کی جائے مکاتبوں کی ان کی گردنوں کے چھڑانے میں۔

تشریح: مصارف زکوٰۃ کی چوتھی قسم وفی الرقاب ہے، حنفیہ کے نزدیک اس کا مصداق مکاتبین ہیں زکوٰۃ کی رقم سے مکاتبین کا تعاون کیا جائے تاکہ وہ بدل کتابت اداء کر کے اپنی گردنوں کو غلامی سے رہا کرا سکیں۔

(بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۳)۔

(۵۲۲/۷) وَالْغَارِمُ مَنْ لَزِمَهُ دَيْنٌ .

ترجمہ: (۵۲۲/۷) اور غارم وہ ہے جس پر قرضہ لازم ہو۔

تشریح: مصارف زکوٰۃ کی پانچویں قسم غارم ہے، غارم سے مراد وہ مقروض ہے جس کے پاس قرض کی ادائیگی کے بعد کچھ نہ بچتا ہو اور اگر بچتا بھی ہو تو وہ نصاب کے بقدر نہ ہو، اسی طرح وہ شخص جس کا قرض لوگوں کے ذمہ ہو اور وہ ان سے وصول کرنے پر قادر نہ ہو ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

(شامی ج:۲، ص:۸۳، اوجز المسالک ج:۳، ص:۲۲۶)

(۵۲۳/۸) وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مُنْقَطِعُ الْغُزَاةِ

ترجمہ: (۵۲۳/۸) اور اللہ کی راہ میں وہ مجاہد جو مال سے منقطع ہو۔

تشریح: مصارف زکوٰۃ کی چھٹی قسم فی سبیل اللہ ہے اس کا مصداق حنفیہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو جہاد میں جانا چاہتا ہے لیکن وہ سامان جہاد کے مہیا کرنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے مجاہدین کی جماعت سے منقطع ہو رہا ہے تو ایسے شخص کا زکوٰۃ کی رقم سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۵)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس سے مراد مطلقاً مجاہدین ہیں فقیر ہونا شرط نہیں ہے لہٰذا یہ لوگ مالدار ہونے کے باوجود سامان جہاد وغیرہ کی تیاری کے لئے بقدر ضرورت زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔ (ایضاح النوادر ج:۲، ص:۶۲)

(۵۲۴/۹) وَابْنُ السَّبِيلِ مَنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فِي وَطَنِهِ وَهُوَ فِي مَكَانٍ آخَرَ لَاشَيْءَ لَهُ فِيهِ فَهٰذِهِ جِهَاتُ الزَّكٰوةِ.

ترجمہ: (۵۲۴/۹) اور ابن السبیل وہ ہے جس کا مال اس کے وطن میں ہو اور وہ خود دوسری جگہ ہو جہاں اس کے پاس کچھ نہ ہو، چنانچہ یہ مصارف زکوٰۃ ہیں۔

تشریح: مصارف زکوٰۃ کی ساتویں قسم ابن السبیل ہے، اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں مال نہ رہا ہو اگر چہ اپنے وطن میں وہ مال دار ہو ایسے شخص کو بھی زکوٰۃ لینا جائز ہے۔

(نیل الاوطار ج:۴، ص:۱۸۲، بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۵)

(۵۲۵/۱۰) وَلِلْمَالِكِ اَنْ يَّدْفَعَ إِلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ وَلَهُ اَنْ يَّقْتَصِرَ عَلٰى صِنْفٍ وَاحِدٍ

ترجمہ: (۵۲۵/۱۰) اور مالک کے لئے اختیار ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو دے اور چاہے ایک قسم کے لوگوں کو دے۔

تشریح: مذکورہ ساتوں قسم کے لوگ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کا مصرف ہیں، چنانچہ مالک اگر ان اقسام میں سے ہر ایک کو دیدے تب بھی جائز ہے اور اگر مکمل زکوٰۃ ایک ہی قسم کے لوگوں کو دیدے یا ایک ہی آدمی کو دیدے تب بھی جائز ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۵۶)

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر ایک فقیر کو مقدار نصاب سے زائد دیا جائے کہ زکوٰۃ کی رقم سے صاحب نصاب بن جائے تو اس طرح دینے سے زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ مقصد شریعت کے موافق نہیں ہے اس لئے کہ زکوٰۃ سے فقیر کو مالدار بنانا مقصد نہیں ہے بلکہ پیٹ بھرنا مقصد ہے، لیکن اگر فقیر مقروض ہے تو اس کو نصاب سے زائد دینا مکروہ نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اس سے مالدار نہ ہوگا بلکہ اپنا قرضہ ادا کرے گا۔

شوافع کے نزدیک زکوٰۃ کو ان آٹھوں اقسام پر تقسیم کرنا ضروری ہے بشرطیکہ تمام مصارف واصناف مال کی جگہ میں موجود ہوں ورنہ جو موجود ہوں ان میں تقسیم کی جائے گی نیز ہر قسم میں کم از کم تین شخصوں کو دینا ضروری ہے۔

(معارف السنن ج:۵،ص:۲۰۱)

شوافع کی دلیل: انما الصدقات للفقراء . میں ل کے ذریعہ جواضافت ہورہی ہے وہ بیان استحقاق کے لئے ہے لہٰذا ہر صنف کو زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری ہوگی اور چونکہ جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں اور جمع کا اقل فرد تین ہے لہٰذا ہر قسم کے کم از کم تین افراد کو زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۶)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک آیت میں "ل" کے ذریعہ ہونے والی اضافت بیان مصارف کے لئے ہے پھر چونکہ "للفقراء" وغیرہ میں تمام قسموں میں "الف لام" جنسی ہے اس لئے اس نے ان تمام کی جمعیت کو باطل کردیا لہٰذا کسی ایک مصرف کے کم از کم تین فرد کو زکوٰۃ کی ادائیگی ضروری نہ ہوگی۔

(۵۲۶/۱۱) وَلَایَجُوْزُ اَنْ یَّدْفَعَ الزَّکٰوۃَ إِلٰی ذِمِّیٍّ

ترجمہ: (۵۲۶/۱۱) اور جائز نہیں یہ کہ دے زکوٰۃ ذمی کو۔

تشریح: کافر ذمی ہو یا مشرک حربی اس کو صدقۂ مفروضہ، زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، زکوٰۃ صرف مسلمان ہی کو دی جاسکتی ہے جمہور فقہاء جس میں حنفیہ بھی ہیں ان سب کا مذہب یہی ہے البتہ امام زفر کے نزدیک ذمیوں کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جمہور کا مفتی بہ مسلک یہی ہے کہ غیر مسلموں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی البتہ صدقات نافلہ ذمیوں کو دیئے جاسکتے ہیں۔

جمہور کے مذہب کی دلیل: تُوْخَذُ مِنْ أَغْنِیَائِھِمْ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ. (ترمذی ج:۱،ص:۱۳۶) زکوٰۃ ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء کو دیدی جائے گی، اگرچہ اس معاملے میں امام زفر کے دلائل بھی کافی مضبوط ہیں لیکن جمہور علماء کا اتفاق ان کے مقابلے میں مضبوط تر ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب.

(۵۲۷/۱۲) وَلَایُبْنٰی بِھَا مَسْجِدٌ وَلَایُکَفَّنُ بِھَا مَیِّتٌ

ترجمہ: (۵۲۷/۱۲) اور نہ بنائی جائے زکوٰۃ کے مال سے مسجد اور نہ کفن دیا جائے اس سے میت کو۔

تشریح: زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر میں خرچ کرنا اور زکوٰۃ کی رقم سے میت کی تجہیز و تکفین کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کے لئے بلاعوض اور بلا خدمت فقیر کو مالک بنادینا شرط ہے اور یہ بات مذکورہ امور میں نہیں ہے، بوقت ضرورت یہ صورت ہوسکتی ہے کہ میت کا ولی اگر زکوٰۃ کا مستحق ہو تو اس کو زکوٰۃ کے مد سے رقم دیدی جائے وہ اس سے تجہیز و تکفین کرے۔ (احسن الفتاویٰ ج:۴،ص:۳۰۳، کتاب الفقہ ج:۱،ص:۱۰۱۴)

(۵۲۸/۱۳) وَلَایُشْتَرٰی بِھَا رَقَبَۃٌ یُعْتَقُ

ترجمہ: (۵۲۸/۱۳) اور نہ خریدا جائے اس سے غلام کہ جس کو آزاد کیا جائے۔

تشریح: اگر زکوٰۃ کے مال سے غلام یا باندی خرید کر آزاد کردیا جائے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کا رکن

مالک بنانا ہے اور آزاد کرنے میں مالک کرنے کے معنی نہیں پائے جاتے بلکہ ملک ساقط کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں تو زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔

(۵۲۹/۱۴) وَلَا تُدْفَعُ إِلٰى غَنِيٍّ

ترجمہ: (۵۲۹/۱۴) اور نہ دی جائے زکوٰۃ مالدار کو۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک غنی کی حد متعین ہے یعنی نصاب نامی کا مالک ہونا لہٰذا جو شخص صاحب نصاب ہوگا وہ ان کے نزدیک غنی ہے اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے ایسے ہی تمام صدقات واجبہ جیسے عشر، کفارات، صدقۃ الفطر۔
(بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۷تا۱۵۸)

(۵۳۰/۱۵) وَلَا يَدْفَعُ الْمُزَكِّي زَكٰوتَهُ إِلٰى أَبِيهِ وَجَدِّهِ وَ إِنْ عَلَا وَلَا إِلٰى وَلَدِهِ وَوَلَدِ وَلَدِهِ وَ إِنْ سَفُلَ وَلَا إِلٰى أُمِّهِ وَجَدَّاتِهِ وَإِنْ عَلَتْ وَلَا إِلٰى إِمْرَاتِهِ

ترجمہ: (۵۳۰/۱۵) اور نہ دے زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ اپنے باپ اور دادا کو اگر چہ اوپر تک ہوں اور نہ دے اپنے بیٹے اور پوتے کو اگر چہ نیچے تک ہوں اور نہ اپنی ماں اور نانی کو اگر چہ اوپر تک ہوں اور نہ اپنی بیوی کو۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ جن رشتہ داروں کے ساتھ پیدائش کا تعلق ہو انہیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، جیسے اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، اسی طرح بیٹے، پوتے، بیٹی، پوتی، نواسے، نواسیاں اور میاں بیوی میں سے بھی ایک کا دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ شوہر اور بیوی کے منافع عام طور سے مشترک ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی چیزوں سے عموماً استفادہ کرتے رہتے ہیں اس لئے شوہر اور بیوی کا آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص۱۶۲، ج:۲:ص:۱۴۴)

(۵۳۱/۱۶) وَلَا تَدْفَعُ الْمَرْأَةُ إِلٰى زَوْجِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا تَدْفَعُ إِلَيْهِ.

ترجمہ: (۵۳۱/۱۶) اور نہ دے بیوی اپنے شوہر کو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ دے سکتی ہے۔

تشریح: شوہر کا اپنی بیوی کو اپنے مال کی زکوٰۃ دینا بالاتفاق جائز نہیں ہے، لیکن اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ بیوی اپنے غریب شوہر کو اپنے مال کی زکوٰۃ میں سے دے سکتی ہے یا نہیں اور اس سے بیوی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) صاحبین، امام شافعی اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق بیوی کا اپنے شوہر کو اپنے مال کی زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے اور درست ہے اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج:۶،ص:۱۷۴، نیل الاوطار ج:۴،ص:۱۹۰)

(۲) امام ابوحنیفہ امام مالک کے نزدیک بیوی کا اپنے شوہر کو اپنے مال کی زکوٰۃ میں سے دینا جائز نہیں ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جس طرح شوہر کا بیوی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اسی طرح بیوی کا شوہر کو دینا بھی جائز نہیں ہے۔

(نیل الاوطار ج:۴، ص:۱۹۰، طحاوی ج:۱، ص:۳۳۹، رقم الحاشیہ:۲، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۴۷۱)

مذہب اول کے قائلین کی دلیل: حضرت زینب کے سوال کرنے پر حضورؐ نے جواب دیا کہ بچوں اور شوہر پر خرچ کرنے سے قرابت اور صدقہ دونوں کا ثواب ملے گا۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

جواب حضرت زینب نے جس صدقہ سے متعلق سوال کیا تھا وہ زکوٰۃ نہیں تھی بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ نفلی صدقہ سے متعلق تھا۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۳۹، عمدۃ القاری ج:۶، ص:۴۷۱)

حنفیہ کی دلیل: جس طرح اولاد اور والدین کے درمیان نسب کے تعلق کی وجہ سے ایک کا دوسرے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اسی طرح میاں بیوی کے درمیان بھی زوجیت کے تعلق کیوجہ سے ناجائز ہے اور یہ تعلق جس طرح شوہر کی جانب سے زکوٰۃ کو بیوی کے لئے حرام کرتا ہے اسی طرح شوہر کے لئے بھی حرام کرے گا۔

(۵۳۲/۱۷) وَلَا يَدْفَعُ إِلٰى مُكَاتَبِهٖ وَلَا مَمْلُوْكِهٖ (۵۳۳/۱۸) وَلَا مَمْلُوْكِ غَنِيٍّ وَوَلَدِ غَنِيٍّ إِذَا كَانَ صَغِيْرًا

ترجمہ: (۵۳۲/۱۷) اور نہ دے اپنے مکاتب کو اور نہ دے اپنے غلام کو (۵۳۳/۱۸) اور نہ دے مالدار کے غلام کو اور نہ دے مالدار کے بچے کو جبکہ وہ نابالغ ہو۔

تشریح: اس عبارت میں چند مسائل کا بیان ہے:

(۱) اپنے مکاتب کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے (۲) ایسے ہی اپنے غلام کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے مکاتب کی کمائی میں آقا کا حق ہوتا ہے ایسے ہی غلام کی کمائی اس کے آقا کے لئے ہوتی ہے، چنانچہ ان کو زکوٰۃ دینا اپنے آپ کو دینا ہے اور اپنے مال کی زکوٰۃ خود اپنے آپ کو دینے سے ادا نہیں ہوتی۔

(۳) مالدار کے غلام کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ غلام کا ہر مال آقا کی ملکیت ہوتا ہے، چنانچہ اگر مالدار کے غلام کو زکوٰۃ دی گئی تو وہ مال مالدار کی ملک میں داخل ہو جائے گا اور مالدرا کے لئے جیسے براہ راست زکوٰۃ جائز نہیں، ایسے ہی بالواسطہ بھی جائز نہیں ہے۔

(۴) مالدار کے نابالغ بچہ کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے کیونکہ نابالغ اولاد اپنے ماں باپ کے مال کیوجہ سے مالدار شمار ہوتی ہے۔

(۵۳۴/۱۹) وَلَا يَدْفَعُ إِلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَهُمْ آلُ عَلِيٍّ وَآلُ عَبَّاسٍ وَآلُ جَعْفَرٍ وَآلُ عَقِيْلٍ وَآلُ حَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَمَوَالِيْهِمْ.

ترجمہ: (۵۳۴/۱۹) اور نہ بنو ہاشم کو اور وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حارث بن عبدالمطلب کی اولاد میں ہیں اور نہ ان کی غلاموں کو۔

تشریح: بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے البتہ ان کو نفلی خیرات کر سکتے ہیں، عبدالمطلب کی بارہ اولادیں تھیں ان بارہ میں سے صرف چار کی اولاد کو مستثنیٰ کر کے باقی آٹھ کی فقیر اولاد کے لئے زکوٰۃ حلال ہے اور چار اولاد جن کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ حضرت عبداللہ حضرت عباس حضرت حارث اور ابوطالب کی اولاد ہیں اور ابوطالب کے تین لڑکوں کی نسل دنیا میں جاری ہے، یعنی حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت جعفر ؓ کی اولاد دنیا میں موجود ہیں عبدالمطلب کی مذکورہ چاروں اولاد کی نسل کو ہاشمی کہتے ہیں۔ (شامی ج:۲،ص:۹۰)

موالی بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ: بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے جواز اور عدم جواز کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ناجائز اور حرام ہیں شوافع کا صحیح مذہب بھی یہی ہے، اس لئے کہ "موالی القوم من انفسھم" کے اصول سے موالی بنی ہاشم بھی انھیں کے حکم میں ہوں گے۔ (عمدۃ القاری ج:۶،ص:۵۴۵)

(۲) حضرت امام مالک اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلاموں کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ جائز اور حلال ہے کیونکہ بنو ہاشم کے لئے ان کی شرافت اور بلندی کیوجہ سے زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ حرام ہے اور ان کے موالی کو شرافت و بلندی کا وہ مقام حاصل نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج:۴،ص:۱۸۷)

(۵۳۵/۲۰) وَقَالَ أَبُوْحَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى إِذَا دَفَعَ الزَّكٰوةَ إِلٰى رَجُلٍ يَظُنُّهُ فَقِيْراً ثُمَّ بَانَ أَنَّهُ غَنِيٌّ أَوْ هَاشِمِيٌّ أَوْ كَافِرٌ أَوْ دَفَعَ فِي ظُلْمَةٍ إِلٰى فَقِيْرٍ ثُمَّ بَانَ أَنَّهُ أَبُوْهُ أَوْ اِبْنُهُ فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَعَلَيْهِ الْإِعَادَةُ.

ترجمہ: (۵۳۵/۲۰) اور طرفین نے فرمایا کہ جب دی زکوٰۃ کسی شخص کو فقیر خیال کرتے ہوئے پھر ظاہر ہوئی یہ بات کہ وہ مالدار یا ہاشمی یا کافر ہے یا اندھیرے میں کسی فقیر کو دی پھر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا باپ یا بیٹا تھا تو اس پر دوبارہ دینا ضروری نہیں ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس پر دوبارہ زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔

تشریح: زکوٰۃ دینے والے نے کسی شخص کو زکوٰۃ کا مصرف سمجھ کر زکوٰۃ دیدی بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے، مثلاً وہ مالدار ہے یا ہاشمی گھرانے سے تعلق رکھتا ہے یا کافر ہے یا زکوٰۃ دینے والے کا باپ ہے یا اس کا بیٹا ہے تو ان تمام صورتوں میں طرفین کے نزدیک دوبارہ زکوٰۃ دینا لازم نہ ہوگا بلکہ جو دی تھی وہ کافی ہے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ دوبارہ زکوٰۃ دینا لازم ہوگا۔ (بدائع الصنائع، ج:۲،ص:۱۶۳)

طرفین کی دلیل: جو بات زکوٰۃ دینے والے کے بس میں تھی یعنی مالک بنانا اسے وہ کر چکا وہ اس کا مکلف نہیں

ہے کہ اندھیرے میں یہ پوچھے تو کون ہے، طرفین کا قول ہی مفتیٰ بہ ہے۔

(شامی ج:۲،ص:۹۳، بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۶۳ تا ۱۶۴)

(۲۱/۵۳۶) وَلَوْ دَفَعَ إِلٰى شَخْصٍ ثُمَّ عَلِمَ اَنَّهٗ عَبْدُهٗ اَوْ مُكَاتَبُهٗ لَمْ يَجُزْ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيْعاً

ترجمہ: (۲۱/۵۳۶) اور اگر دی کسی آدمی کو زکوٰۃ پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا غلام یا مکاتب تھا تو جائز نہ ہوگی سب کے قول میں۔

تشریح: اور اگر زکوٰۃ دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی ہے وہ اس کا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے تو اس کی یہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ غلام کے اندر مالک کرنا نہیں پایا گیا حالانکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا رکن ہی مالک کرنا ہے، اور چونکہ مکاتب کی کمائی میں آقا کا حق ہوتا ہے اس لئے تملیک ناقص پائی گئی لہٰذا اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(۲۲/۵۳۷) وَلَايَجُوْزُ دَفْعُ الزَّكٰوةِ إِلٰى مَنْ يَمْلِكُ نِصَاباً مِنْ اَيِّ مَالٍ كَانَ (۲۳/۵۳۸) وَيَجُوْزُ دَفْعُهَا إِلٰى مَنْ يَمْلِكُ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَإِنْ كَانَ صَحِيْحاً مُكْتَسِباً

ترجمہ: (۲۲/۵۳۷) اور جائز نہیں ہے زکوٰۃ دینا اس شخص کو جو نصاب کا مالک ہو خواہ کسی مال سے ہو (۲۳/۵۳۸) اور جائز ہے زکوٰۃ دینا اس کو جو نصاب سے کم کا مالک ہو اگر چہ وہ تندرست کمانے والا ہو۔

تشریح: اگر کوئی شخص نصاب کی مقدار کا مالک ہو خواہ سونے چاندی کا نصاب ہو یا جانوروں کا نصاب ہو یا دوسرے سامان کا نصاب ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص صحیح تندرست طاقتور کمانے کے لائق ہو مگر فقیر ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ حلال ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شوافع کے نزدیک ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ حلال اور جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۱۵۹)

(۲) حنفیہ اور امام مالک کے نزدیک ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ جائز ہیں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے حلال ہونے کے لئے صرف فقیر ہونا شرط ہے خواہ فقیر صحیح تندرست ہو یا معذور واپاہج سب کے لئے درست ہے۔

(طحاوی ج:۱،ص:۳۳۵، رقم الحاشیۃ ۴)

شوافع کی دلیل: حضورؐ کا فرمان ہے مالدار کے لئے صحیح تندرست قوت والا شخص جو کمانے کی قدرت رکھتا ہے اس کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۳۴)

جواب: تندرست آدمی کے لئے افضل و بہتر یہی ہے کہ صدقات واجبہ نہ کھا کر اپنی محنت و کمائی سے کھائے اور معاشرہ میں باوقار زندگی گذارے اور کبھی کبھی عدم افضلیت کو شدت کے لئے لاتحل کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں تاکہ مفت خوری کا عادی نہ ہو جائے اور اپنی کمائی سے کھانے کا عادی بن جائے۔ (طحاوی ج:۱،ص:۳۳۵)

حنفیہ کی دلیل: حضرت زیاد بن الحارث صدائی کے حضور سے درخواست کرنے پر آپ نے ان کو صدقہ میں سے دیا۔ (طحاوی ج:۱ص:۳۳۶) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیاد خود بھی صحیح وتندرست تھے لنگڑے اپاہج نہیں تھے مگر حضورؐ نے محض فقیری کی وجہ سے ان کو صدقہ کا مال دیا ہے۔

(۲۴/۵۳۹) وَيُكْرَهُ نَقْلُ الزَّكٰوةِ مِنْ بَلَدٍ إِلٰى بَلَدٍ آخَرَ وَإِنَّمَا يُفَرَّقُ صَدَقَةُ كُلِّ قَوْمٍ فِيهِمْ إِلَّا أَنْ يَّحْتَاجَ أَنْ يَّنْقُلَهَا الْإِنْسَانُ إِلٰى قَرَابَتِهٖ أَوْ إِلٰى قَوْمٍ هُمْ أَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنْ أَهْلِ بَلَدِهٖ.

ترجمه: (۲۴/۵۳۹) اور مکروہ ہے زکوٰۃ لیجانا ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب بلکہ تقسیم کردی جائے ہر قوم کی زکوٰۃ انہیں میں مگر یہ کہ ضرورت ہو کسی انسان کو زکوٰۃ منتقل کرنیکی اپنے رشتہ داروں یا ایسے لوگوں کی جانب جو اس کے شہر والوں سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔

تشریح: جس شہر اور جس علاقہ سے زکوٰۃ لی جائے اسی شہر اور اسی علاقہ کے فقراء پر خرچ کی جائے کسی دوسرے شہر اور دوسری بستی میں نہ بھیجی جائے، زکوٰۃ کی یہ منتقلی امام شافعی کے نزدیک جائز ہی نہیں مگر یہ کہ اس جگہ میں مستحقین زکوٰۃ موجود نہ ہوں، امام مالک کے نزدیک بھی زکوٰۃ منتقل نہیں کی جائے گی اور اگر منتقل کردی تو اصح قول کے مطابق ادائیگی درست ہو جائے گی۔

حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ وصدقات کی منتقلی جائز ہے البتہ افضل یہی ہے کہ ایک علاقہ کی زکوٰۃ بلاضرورت دوسرے علاقہ کی طرف منتقل نہ کی جائے، لیکن اگر دوسرے شہر کے فقراء کی ضرورت شدید ہو یا اس شخص کے اپنے رشتہ دار مثلاً بھائی، بہن، چچی، پھوپھی، خالہ، ماموں وغیرہ مستحق زکوٰۃ ہوں اور یہ کسی دوسرے شہر یا ملک میں رہتے ہوں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے، بلکہ ان کو زکوٰۃ دینے میں دو ثواب ملتے ہیں (۱) ادائے زکوٰۃ کا ثواب (۲) صلہ رحمی کا ثواب۔

(معارف السنن ج:۵ ص:۲۵۶، عمدۃ القاری ج:۶ ص:۵۵۲)

باب صدقة الفطر

یہ باب صدقۃ الفطر کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر دونوں عبادات مالیہ ہیں لیکن صدقۃ الفطر واجب ہے اور زکوٰۃ فرض ہے اس وجہ سے صدقہ فطر کے احکام کو زکوٰۃ کے احکام سے بعد میں ذکر کیا گیا۔ (عینی ج:۱ ص:۱۲۷۷)

صدقه: کے معنی عطیہ، لیکن مراد وہ صدقہ ہے جو اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کی امید پر دیا جائے۔

فطر: بمعنی نفس کیونکہ یہ صدقہ ہر نفس کی جانب سے دیا جاتا ہے۔

صدقۂ فطر کی تعریف: اتنا مالدار مسلمان جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یا زکوٰۃ تو واجب نہیں ہوتی لیکن رہائشی

مکان اور ضروری اسباب وآلات واوزار کے علاوہ اتنی قیمت کا زائد مال واسباب ہے، جتنی قیمت پر یہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، تو اس پر عید الفطر کے دن صدقہ واجب ہوتا ہے، چاہے اس مال پر سال گذر چکا ہو یا نہ گزرا ہو اور تجارت کا مال ہو یا تجارت کا نہ ہو اس کو صدقہ فطر کہتے ہیں۔

صدقہ فطر کی مشروعیت: صدقہ فطر کی مشروعیت زکوٰۃ سے پہلے ۲ھ میں عید سے دو دن قبل ہوئی آپ ؐ نے عید سے دو دن پہلے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں صدقۃ الفطر کی تعلیم فرمائی۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۲۷۶)

(۱/۵۴۰) صَدَقَةُ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْحُرِّ الْمُسْلِمِ إِذَا كَانَ مَالِكاً لِمِقْدَارِ النِّصَابِ فَاضِلاً عَنْ مَسْكَنِهِ وَثِيَابِهِ وَأَثَاثِهِ وَفَرَسِهِ وَسِلَاحِهِ وَعَبِيْدِهِ لِلْخِدْمَةِ (۲/۵۴۱) يُخْرِجُ ذَالِكَ عَنْ نَفْسِهِ وَعَنْ أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَعَبِيْدِهِ لِلْخِدْمَةِ (۳/۵۴۲) وَلَايُؤَدِّىْ عَنْ زَوْجَتِهِ وَلَاعَنْ أَوْلَادِهِ الْكِبَارِ وَإِنْ كَانُوْا فِىْ عَيَالِهِ (۴/۵۴۳) وَلَايُخْرِجُ عَنْ مُكَاتَبِهِ (۵/۵۴۴) وَلَاعَنْ مَمَالِيْكِهِ لِلتِّجَارَةِ.

ترجمہ: (۱/۵۴۰) صدقۂ فطر واجب ہے آزاد مسلمان پر جبکہ وہ مالک ہو مقدار نصاب کا اور یہ نصاب زائد ہو اس کے رہائشی مکان کپڑوں گھریلو سامان، گھوڑے، ہتھیار، اور خدمت گار غلاموں سے۔ (۲/۵۴۱) نکالے فطرہ اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد اور خدمتگار غلاموں کی طرف سے۔ (۳/۵۴۲) اور نہ ادا کرے اپنی بیوی اور اپنی بڑی اولاد کی طرف سے اگر چہ وہ اسی کی ذمہ داری میں ہوں۔ (۴/۵۴۳) اور نہ نکالے اپنے مکاتب غلام کی طرف سے۔ (۵/۵۴۴) اور نہ تجارتی غلاموں کی طرف سے۔

تشریح: صدقہ فطر کا حکم۔ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) اکثر شوافع اکثر موالک اور حنابلہ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے نزدیک اس کا منکر کافر نہیں ہے۔

(۲) حضرات حنفیہ کے نزدیک صدقۂ فطر نہ فرض ہے اور نہ ہی سنت ہے بلکہ واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۷۴، معارف ج:۵، ص:۳۰۱)

مسئلہ ۲: صدقہ فطر کے وجوب کے لئے تین شرطیں ہیں: (۱) آزاد ہونا، (۲) مسلمان ہونا، (۳) صاحب نصاب ہونا، اس تیسری شرط کے متعلق دو مذہب ہیں:

(۱) حنفیہ کے نزدیک صدقہ فطر کے وجوب کے لئے زکوٰۃ کی طرح مالک نصاب ہونا شرط ہے اگر چہ مال نامی ہونا شرط نہیں ہے، اور نہ ہی سال کا گزرنا شرط ہے، چنانچہ اگر کسی کے پاس مال تجارت یا روپیہ پیسہ یا سونا یا چاندی نہیں ہے بلکہ صرف غلہ وغیرہ بقدر نصاب یا اس سے زائد عید کے دن موجود ہے تو اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے۔

(معارف السنن ج:۵، ص:۳۰۱)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صدقۃ الفطر کے وجوب کے لئے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، بلکہ مالدار، فقیر سب پر واجب ہے، صرف یہ ضروری ہے کہ اس شخص کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال کے ایک دن کے خرچ کے علاوہ اتنا مال ہو کہ اس میں سے صدقہ فطر اداء کر سکے۔ (معارف السنن ج:۵، ص:۳۰۱)

حنفیہ کی دلیل: قرآن کریم میں صدقۃ الفطر پر زکوۃ کا اطلاق کیا گیا ہے "قد افلح من تزکی" اکثر مفسرین کے قول کے مطابق "تزکی" سے مراد صدقۃ الفطر کی ادائیگی ہے، جب صدقۃ الفطر کو زکوۃ قرار دیا گیا تو اس کا نصاب بھی وہی ہوگا جو زکوۃ کا ہے۔ (معارف السنن ج:۵، ص:۳۰۲)

علاوہ ازیں اگر ہر اس شخص پر جو ایک دن کی روزی کا مالک ہے صدقہ فطر واجب کر دیا جائے تو آج وہ صدقہ فطر کی ادا کرے گا اور کل خود اپنی تنگدستی کی وجہ سے سوال پر مجبور ہوگا جو قلب موضوع ہے۔ (نور الانوار، ص:۵۴/۵۵)

(۳) صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب: وہ ذات جس کا خرچہ وغیرہ آدمی برداشت کرتا ہے اور جس پر اس کو ولایت تامہ حاصل ہو اس کا سب سے پہلا مصداق تو آدمی کی خود اپنی ذات ہے، اور اسی طرح اس میں اس کی نابالغ اولاد بھی داخل ہے، ایسے ہی خدمت گار غلام ان سب کی طرف سے فطرہ واجب ہے، بالغ اولاد اور بیوی اس میں داخل نہیں ان پر آدمی کو ولایت تامہ حاصل نہیں ہوتی۔ (بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۹۹)

چنانچہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک اگر نابالغ اولاد مالدار ہوں تو باپ پر واجب ہے کہ ان کے مال میں سے ان کا صدقۃ الفطر ادا کرے اور اگر مالدار نہ ہوں تو پھر باپ وغیرہ جو بھی ان کا ولی ہو ان کی جانب سے وہ اداء کرے۔

(عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۷۶)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیوی کا صدقۃ الفطر شوہر پر واجب ہے، جس طرح خرچہ اس پر واجب ہے اور حنفیہ کے نزدیک بیوی کا فطرہ خود اسی پر ہے، جیسا کہ اس کے مال کی زکوۃ خود اسی کے مال میں واجب ہے لیکن اگر بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے ادا کر دیا جائے تو جائز اور درست ہے۔ (در منضود ج:۳، ص:۸۷، بذل المجہود ج:۳، ص:۳۳)

(۶/۵۴۵) وَالْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ لَا فِطْرَةَ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

ترجمہ: (۶/۵۴۵) اور جو غلام دو شریکوں کے درمیان مشترک ہو ان میں سے کسی پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

تشریح: اور اگر ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو تو بالاتفاق دونوں میں سے کسی پر اس غلام کا صدقۃ الفطر واجب نہ ہوگا کیونکہ دونوں میں سے کسی کو بھی ولایت تامہ نہیں ہے، اور ایسے ہی نفقۂ کاملہ بھی نہیں ہے حالانکہ دونوں چیزیں صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب ہیں جیسا کہ گذشتہ صفحہ پر گذر چکا ہے۔

(۷/۵۴۶) وَيُؤَدِّي الْمُسْلِمُ الْفِطْرَةَ عَنْ عَبْدِهِ الْكَافِرِ

ترجمہ: (۷/۵۴۶) اور ادا کرے مسلمان فطرہ اپنے کافر غلام کی طرف سے۔

تشریح: مسلمان مالک نصاب اگر کافر غلام کا مالک ہو تو اس پر اس کافر غلام کا صدقۃ الفطر واجب ہوگا کیونکہ مسلمان آقا کو کافر غلام پر ولایت کاملہ بھی حاصل ہے اور اس کا خرچ وغیرہ بھی مکمل برداشت کرتا ہے چنانچہ جب سبب وجوب موجود ہے تو فطرہ بھی ادا کرنا واجب ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج:۲، ص:۱۹۹)

(۸/۵۴۷) وَالْفِطْرَةُ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْصَاعٍ مِّنْ تَمرٍ أَوْ زَبِيْبٍ أَوْ شَعِيْرٍ (۹/۵۴۸) وَالصَّاعُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ بِالْعِرَاقِيِّ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ وَثُلُثُ رِطْلٍ.

ترجمہ: (۸/۵۴۷) اور فطرہ آدھا صاع ہے گیہوں کا یا ایک صاع ہے کھجور یا کشمش یا جو کا (۹/۵۴۸) اور صاع طرفین کے نزدیک آٹھ رطل کا معتبر ہے عراقی رطل سے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا معتبر ہے۔

تشریح: کشمش، جو، جوار، وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے تو بالاتفاق پورا ایک صاع دینا واجب ہے مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ اگر گیہوں سے ادا کیا جائے تو کتنا دینا لازم ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک، امام احمد و امام شافعی کے نزدیک گندم و گیہوں سے بھی پورا ایک صاع ایک آدمی پر واجب ہے۔

(۲) امام ابو حنیفہ، صاحبین و جمہور فقہاء کے نزدیک گندم اور گیہوں سے صرف نصف صاع واجب ہے نیز امام ابو حنیفہ کے نزدیک کشمش میں سے بھی نصف صاع کافی ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۶، ص:۵۸۱، معارف ج:۵، ص:۳۰۵)

(۱) **مذہب کی دلیل:** حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت کے ان الفاظ سے ہے كُنَّا نُخْرِجُ زَكٰوةَ الْفِطْرِ إِذَا كَانَ فِيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَاعاً مِنْ طَعَامٍ. (ترمذی ج:ص:۱۴۵ تا ۱۴۶) یعنی ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صدقۂ فطر گیہوں سے ایک صاع دیا کرتے تھے ان حضرات نے لفظ طعام کو گندم کے معنی پر محمول کیا ہے۔ (معارف ج:۵، ص:۳۰۶)

جواب ہمارے نزدیک طعام سے مراد گندم نہیں ہے بلکہ جوار یا باجرہ وغیرہ ہے، گندم پر لفظ طعام کا اطلاق اس وقت شروع ہوا جب سے گندم کا استعمال بڑھا، حضورؐ کے زمانہ میں طعام کا لفظ بول کر جوار یا باجرہ وغیرہ مراد لیا جاتا تھا، تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ج:۳، ص:۲۹۷، باب الصدقۃ قبل العید۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت ثعلبہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں "أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ" (طحاوی ج:۱، ص:۳۵۰) اس روایت سے حنفیہ کا مسلک صاف سمجھ میں آرہا ہے اس کے بعد امام قدوری فرماتے ہیں کہ صاع کی مقدار میں اختلاف ہے:

طرفین کے نزدیک عراقی آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور موجودہ زمانہ کے گراموں کے حساب سے تین کلو ۱۸۴ گرام ۲۷ ملی گرام ایک صاع کا وزن ہوتا ہے، لہٰذا نصف صاع میں ۲/۱-۱کلو ۹۲ گرام ۱۳۶ ملی گرام ہوگا۔

امام ابو یوسف نے مدنی یا حجازی کا اعتبار کیا ہے اور حجازی ۵ رطل اور ثلث رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور اس میں بھی ایک صاع اور نصف صاع کا وزن وہی ہوگا جو ماقبل میں طرفین کے مذہب کے تحت لکھا گیا ہے لہذا طرفین اور امام ابو یوسف میں حقیقی اختلاف نہیں ہے۔

(۱۰/۵۴۹) وَوُجُوْبُ الْفِطْرَةِ يَتَعَلَّقُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِي مِنْ يَوْمِ الْفِطْرِ (۱۱/۵۵۰) فَمَنْ مَاتَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَمْ تَجِبْ فِطْرَتُهٗ وَمَنْ اَسْلَمَ (۱۲/۵۵۱) أَوْ وُلِدَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ لَمْ تَجِبْ فِطْرَتُهٗ

ترجمه: (۱۰/۵۴۹) اور فطرہ کا وجوب متعلق ہوتا ہے عید کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے سے، (۱۱/۵۵۰) چنانچہ جو شخص اس سے پہلے مر گیا اس کا صدقۂ فطر واجب نہیں ہے (۱۲/۵۵۱) اور جو شخص مسلمان ہوا یا پیدا ہوا طلوع فجر کے بعد تو اس کا فطرہ واجب نہیں۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک عید الفطر کی صبح صادق سے صدقۃ الفطر کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ جو شخص اس وقت موجود ہوگا اسی پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا اور جو شخص اس سے قبل مر جائے یا جو بچہ اس وقت کے گذرنے کے بعد پیدا ہوا اس پر صدقۃ الفطر نہ ہوگا۔

(۱۳/۵۵۲) وَالْمُسْتَحَبُّ اَنْ يُّخْرِجَ النَّاسُ الْفِطْرَةَ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمُصَلّٰى فَإِنْ قَدَّمُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْفِطْرِ جَازَ (۱۴/۵۵۳) وَإِنْ أَخَّرُوْهَا عَنْ يَوْمِ الْفِطْرِ لَمْ تَسْقُطْ وَكَانَ عَلَيْهِمْ إِخْرَاجُهَا.

ترجمه: (۱۳/۵۵۲) اور مستحب ہے کہ نکال دیں لوگ فطرہ عید الفطر کے دن عید گاہ جانے سے پہلے اگر عید کے دن سے پہلے ہی دیدیا تو بھی جائز ہے (۱۴/۵۵۳) اور اگر مؤخر کر دیا اس کو عید کے دن سے تو ساقط نہ ہوگا بلکہ ان پر اس کا نکالنا واجب رہے گا۔

تشریح: افضل اور مستحب یہ ہے کہ صدقۃ الفطر عید کے دن عید گاہ جانے سے پہلے ادا کر دیں اگر رمضان سے قبل صدقۂ فطر ادا کر دیا تو جائز ہے لیکن خلاف احتیاط ہے اور رمضان میں ادا کرنا جائز اور درست ہے اور اگر عید کا دن گذر گیا اور صدقہ ادا نہ کیا تو اس وقت ادا نہ کرنے سے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا بلکہ نکالنا واجب رہے گا خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے۔

كتاب الصوم

یہ باب روزے کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں ۳۲ مقامات پر صلوۃ کے بعد متصلاً زکوۃ کو بیان فرمایا ہے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احادیث مبارکہ میں کثرت کے ساتھ صلوۃ کے بعد زکوۃ کو ذکر فرمایا ہے اس لئے حضرت مصنفؒ نے بھی کتاب الصلوٰۃ کے بعد کتاب الزکاۃ کو نقل فرمایا ہے، اور چونکہ روزہ خالص عبادت بدنیہ

میں سے ہے اور حج خالص عبادت بدنیہ نہیں ہے نیز روزہ ہر سال فرض ہوتا ہے اور حج ہر سال فرض نہیں ہوتا ہے اس لئے روزہ کی اہمیت زیادہ ہونے کی وجہ سے کتاب الحج سے پہلے اور کتاب الزکاۃ کے بعد کتاب الصوم کو بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔ (ایضاح الطحاوی ج:۳،ص:۲۰۲،عینی ج:۱،ص:۱۲۹۵)

صوم کی لغوی تعریف: کسی چیز سے رکنا قول ہو یا فعل۔

اصطلاحی تعریف: طلوع صبح صادق سے غروب شمس تک کے درمیان کھانے، پینے صحبت سے، اللہ کی رضا اور اللہ کے قرب کے ارادہ سے رکے رہنے کا نام روزہ ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج:۳،ص:۲۰۱)

مشروعیت صوم: روزہ کی مشروعیت شعبان ۲ھ میں ہوئی۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۲۷۶)

(۵۵۴/۱) اَلصَّوْمُ ضَرْبَانِ وَاجِبٌ وَنَفْلٌ فَالْوَاجِبُ ضَرْبَانِ مِنْهُ مَايَتَعَلَّقُ بِزَمَانٍ بِعَيْنِهِ كَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُعَيَّنِ فَيَجُوْزُ صَوْمُهُ بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ فَإِنْ لَّمْ يَنْوِ حَتّٰى أَصْبَحَ أَجْزأَتْهُ النِّيَّةُ مَابَيْنَهُ وَبَيْنَ الزَّوَالِ (۵۵۵/۲) وَالضَّرْبُ الثَّانِىْ مَايَثْبُتُ فِىْ الذِّمَّةِ كَقَضَاءِ رَمَضَانَ وَالنَّذْرِ الْمُطْلَقِ وَالْكَفَّارَاتِ فَلَايَجُوْزُ صَوْمُهُ إِلَّا بِنِيَّةٍ مِنَ اللَّيْلِ وَكَذٰلِكَ صَوْمُ الظِّهَارِ (۵۵۶/۳) وَالنَّفْلُ كُلُّهُ يَجُوْزُ بِنِيَّةٍ قَبْلَ الزَّوَالِ.

ترجمہ: (۵۵۴/۱) روزہ کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل پھر واجب کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو خاص زمانہ سے تعلق رکھے جیسے رمضان اور نذر معین کے روزے، چنانچہ جائز ہیں یہ روزے ایسی نیت سے جو رات سے ہو اگر صبح تک نیت نہیں کی تو کافی ہے اس کو نیت کر لینا صبح اور زوال کے درمیان۔ (۵۵۵/۲) اور دوسری قسم وہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے قضائے رمضان، نذر مطلق اور کفارے کے روزے، چنانچہ یہ روزے جائز نہیں مگر رات ہی میں نیت کرنے سے اور اسی طرح ظہار کے روزے ہیں۔ (۵۵۶/۳) اور تمام نفل روزے زوال سے پہلے نیت کر لینے سے درست ہو جاتے ہیں۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوری روزوں کی نیت کے وقت کو بیان فرما رہے ہیں کہ روزوں کے لئے نیت رات میں کرنا ضروری ہے یا رات گذر جانے کے بعد بھی کی جاسکتی ہے اس بارے میں روزوں کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

قسم اول: صوم اداء رمضان اور نذر معین کی نیت رات میں کرنا لازم ہے یا دن میں کرنا بھی کافی ہوسکتا ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رات میں نیت کرنا شرط ہے، اگر رات میں نیت نہیں کی گئی ہے تو روزہ صحیح نہیں ہوگا۔

(ترمذی مع حاشیہ العرف الشذی ج:۱،ص:۱۵۴،اوجز ج:۳،ص:۱۳،عمدۃ القاری ج:۸،ص:۲۷)

(۲) حنفیہ کے نزدیک نیت رات ہی میں کرنا لازم نہیں ہے بلکہ طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے پہلے تک نیت کر لی جائے تو جائز اور درست ہے اس سے روزہ صحیح ہو جاتا ہے۔

(اوجز المسالک ج:۳،ص:۱۳۱، معارف السنن ج:۶،ص:۸۳، عمدۃ القاری ج:۸،ص:۷۲)

قسم دوم: رمضان کے قضاء روزے اور نذر غیر معین کے روزے اور کفارے کے روزے کے صحیح ہونے کے لئے تمام علماء کے نزدیک رات میں نیت کرنا شرط ہے اور ان روزوں کے لئے دن کی نیت معتبر نہیں ہے۔

(الاشباہ ص:۸۲، عمدۃ القاری ج:۸،ص:۷۲)

قسم سوم: نفل روزوں کے بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک نفل روزہ کی نیت بھی رات میں کرنا ضروری ہے اگر رات میں نیت نہ کی تو روزہ صحیح نہ ہوگا۔ (اوجز المسالک ج:۳،ص:۱۳۱ معارف ج:۶،ص:۸۳، عمدۃ القاری ج:۸،ص:۷۲)

(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نفل روزوں کی نیت رات میں کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ زوال سے پہلے پہلے تک نیت کرلی جائے تو درست ہے۔

(ترمذی مع حاشیہ العرف الشذی ج:۱،ص:۱۵۴، معارف السنن ج:۶،ص:۸۳، نیل الاوطار ج:۴،ص:۲۱۰)

تنبیہ: امام قدوری نے روزہ کی تقسیم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ روزہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) نفل، متن میں لفظ واجب، فرض اور واجب دونوں کو شامل ہے، کیونکہ واجب کے معنی ثابت کے ہیں اسلئے کوئی اشکال نہیں ہے

(۴/۵۵۷) وَيَنْبَغِي لِلنَّاسِ اَنْ يَّلْتَمِسُوْا الْهِلَالَ فِي الْيَوْمِ التَّاسِعِ وَالْعِشْرِيْنَ مِنْ شَعْبَانَ فَاِنْ رَأَوْهُ صَامُوْا وَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِمْ اَكْمَلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ يَوْماً ثُمَّ صَامُوْا.

ترجمہ: (۴/۵۵۷) اور مناسب ہے لوگوں کے لئے کہ تلاش کریں چاند کو شعبان کی انتیسویں تاریخ میں پھر اگر لوگوں نے چاند دیکھ لیا تو روزہ رکھیں اور اگر چاند ان پر مشتبہ ہوگیا تو پورے کرلیں شعبان کے تیس دن پھر روزہ رکھیں۔

تشریح: مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ کا ہوتا ہے اس لئے انتیس شعبان کو رمضان کا چاند دیکھنا واجب علی الکفایہ ہے اگر نظر آجائے تو روزہ رکھ لیا جائے اور اگر دکھائی نہ دے تو اگلے روز کا روزہ نہ رکھیں۔

(۵/۵۵۸) وَمَنْ رَاٰیٰ هِلَالَ رَمَضَانَ وَحْدَهٗ صَامَ وَاِنْ لَّمْ يَقْبَلِ الْاِمَامُ شَهَادَتَهٗ

ترجمہ: (۵/۵۵۸) اور جس شخص نے دیکھا رمضان کا چاند تنہا، تو وہ روزہ رکھے اگرچہ قبول نہ کی ہو امام نے اس کی گواہی۔

تشریح: اگر کسی نے چاند دیکھا حالانکہ مطلع صاف تھا تو یہ شخص خود روزہ رکھے اگرچہ امام نے اس کی گواہی کسی وجہ سے قبول نہ کی ہو۔

(۶/۵۵۹) وَاِذَا كَانَ فِي السَّمَاءِ عِلَّةٌ قَبِلَ الْاِمَامُ شَهَادَةَ الْوَاحِدِ الْعَدْلِ فِي رُؤْيَةِ الْهِلَالِ رَجُلاً كَانَ اَوْ اِمْرَاَةً حُرًّا كَانَ اَوْ عَبْداً (۷/۵۶۰) فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي السَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ حَتّٰى يَرَاهُ جَمْعٌ كَثِيْرٌ

يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبَرِهِمْ.

ترجمہ: (۵۵۹/۶) اور جب ہو آسمان میں کوئی علت تو قبول کرے امام ایک، عادل آدمی کی گواہی چاند دیکھنے کے بارے میں مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام (۵۶۰/۷) اور اگر نہ ہو آسمان میں کوئی علت تو نہ قبول کی جائے گواہی یہاں تک کہ دیکھے اس کو ایک ایسی جماعت کثیرہ جن کی خبر سے یقین حاصل ہو جائے۔

تشریح: اگر مطلع صاف نہ ہو یعنی کوئی بادل یا غبار یا دھواں وغیرہ ایسا چھایا ہوا ہو جو چاند کو چھپا دے تو صرف رمضان کے چاند کے لئے ایک ثقہ مسلمان مرد یا عورت کی گواہی کافی ہے آزاد ہو یا غلام اور رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کافی ہے، بشرطیکہ گواہ کے اوصاف ان میں موجود ہوں اور خود چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا اس بات کی گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی کے سامنے گواہ پیش ہوئے قاضی نے گواہی کو قبول کر کے اعلان عام کر دیا اور اگر مطلع صاف ہو یعنی گرد و غبار دھواں یا بادل چھایا ہوا نہیں ہے اس کے باوجود بستی یا شہر کے عام لوگوں کو چاند نظر نہیں آیا تو ایسی صورت میں رمضان و عیدین کے چاند کے لئے صرف دو چار گواہوں کے اس بیان کا اعتبار نہ ہوگا کہ ہم نے اس بستی یا شہر میں چاند دیکھا ہے بلکہ اس صورت میں ایک بڑی جماعت کی گواہی ضروری ہوگی جو مختلف اطراف سے آئے ہوں اور اپنی اپنی جگہ چاند دیکھنا بیان کریں کسی سازش کا احتمال نہ ہو اور جماعت کی کثرت کی وجہ سے عقلاً یہ یقین نہ کیا جا سکے کہ اتنی بڑی جماعت جھوٹ بول سکتی ہے، اس جماعت کی تعداد کے متعلق فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے پچاس کا عدد بیان کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ کوئی خاص تعداد شرعاً متعین نہیں جتنی تعداد سے یہ یقین ہو جائے کہ یہ سب ملکر جھوٹ نہیں بول سکتے وہی تعداد کافی ہے خواہ پچاس ہو یا کم و بیش۔ (شامی ج:۲، ص:۱۲۶)

(۵۶۱/۸) وَوَقْتُ الصَّوْمِ مِنْ حِيْنَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ الثَّانِيْ إِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ

ترجمہ: (۵۶۱/۸) اور روزہ کا وقت صبح صادق سے سورج ڈوبنے تک ہے۔

تشریح: اس عبارت میں روزہ کا اول وقت اور آخر وقت بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ روزے کا وقت صبح صادق سے آفتاب کے غروب ہونے تک ہے۔

(۵۶۲/۹) وَالصَّوْمُ هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ نَهَاراً مَعَ النِّيَّةِ

ترجمہ: (۵۶۲/۹) اور روزہ نام ہے کھانے، پینے، اور صحبت کرنے سے رکے رہنے کا دن بھر نیت کے ساتھ۔

تشریح: اس کی تشریح باب کے شروع میں اصطلاحی تعریف کے تحت گذر چکی ہے۔

(۵۶۳/۱۰) فَإِنْ أَكَلَ الصَّائِمُ أَوْ شَرِبَ أَوْ جَامَعَ نَاسِياً لَمْ يُفْطِرْ

ترجمہ: (۱۰/۵۶۳) پھر اگر روزہ دار کھالے یا پی لے یا صحبت کرے بھول کر تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح: اگر کسی کو اپنا روزہ بالکل یاد نہ رہے اور بے خیالی میں کھالے یا پی لے یا بیوی سے صحبت کرلے اور بعد میں یاد آجائے تو روزہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا بلکہ روزہ بدستور باقی رہے گا ائمہ ثلاثہ کا اس پر اتفاق ہے البتہ امام مالک کے نزدیک اس کے ذمہ قضاء واجب ہے اگرچہ نفل روزہ میں وہ بھی عدم فساد کے قائل ہیں۔ (معارف، ج:۶،ص:۶۷)

(۱۱/۵۶۴) فَإِنْ نَامَ فَاحْتَلَمَ أَوْ نَظَرَ إِلَى إِمْرَأَتِهِ فَأَنْزَلَ اَوِادَّهَنَ أَوِ احْتَجَمَ اَوِ اكْتَحَلَ أَوْ قَبَّلَ لَمْ يُفْطِرْ (۱۲/۵۶۵) فَإِنْ أَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ أَوْ لَمْسٍ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَاكَفَّارَةَ عَلَيْهِ (۱۳/۵۶۶) وَلَابَأْسَ بِالْقُبْلَةِ إِذَا اَمِنَ عَلَى نَفْسِهِ وَيُكْرَهُ إِنْ لَمْ يَأْمَنْ.

ترجمہ: (۱۱/۵۶۴) پھر اگر سو جائے اور احتلام ہو جائے یا دیکھے اپنی بیوی کی طرف پھر انزال ہو جائے یا تیل لگائے یا فصد لگوائے (رگ سے خون نکلوانا) یا سرمہ لگائے یا بوسہ لیوے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (۱۲/۵۶۵) پھر اگر انزال ہو جائے بوسہ لینے یا چھونے سے تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ہے (۱۳/۵۶۶) اور کوئی حرج نہیں ہے بوسہ لینے میں جب اطمینان ہو اپنے اوپر اور مکروہ ہے اگر اطمینان نہ ہو۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف علیہ الرحمہ ان چیزوں کو بیان فرماتے ہیں کہ جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

(۱) روزہ کی حالت میں سوتے ہوئے خواب میں احتلام ہو جائے تو روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی روزہ بدستور باقی رہتا ہے۔

(۲) اگر اتفاق سے روزہ کی حالت میں کسی حسین عورت پر نظر پڑ جائے اور پھر غور وفکر کیوجہ سے انزال ہو جائے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ نظر کی گئی عورت کا خیال جمالینا جائز نہیں ہے یا اپنی بیوی کی طرف دیکھا پھر انزال ہو گیا تو بھی روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۳) روزہ کی حالت میں سر میں تیل لگانے سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

(۴) روزہ کی حالت میں خون نکلوانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر ایسی کمزوری کا خطرہ ہو کہ روزہ کی طاقت باقی نہ رہے تو مکروہ ہے۔ (احسن الفتاوی ج:۴،ص:۴۳۵)

(۵) آنکھ میں دوا ڈالنے اور سرمہ لگانے سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی روزہ بدستور باقی رہتا ہے اگرچہ اسکا اثر حلق میں محسوس ہونے لگے۔ (درمختار مع الشامی ج:۲،ص:۱۳۴، اللباب ج:۱،ص:۱۵۷)

(۶) اگر بیوی سے بوس وکنار ہونے میں صرف مذی اور رطوبت نکلے تو اس سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔
(احسن الفتاوی ج:۴،ص:۴۵۱)

(۷) اگر روزہ میں بیوی سے باقاعدہ ہم بستری نہیں کی ہے بلکہ بوس وکنار ہونے یا ساتھ میں لیٹنے کی وجہ سے

انزال ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا بعد میں ایک روزہ کی قضا کرنا واجب ہوگا کفارہ لازم نہ ہوگا۔

(احسن الفتاویٰ ج:۴،ص:۴۵۱)

(۸) روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے بوس وکنار ہونا اور ساتھ لیٹنا ایسے آدمی کے لئے بلا کراہت جائز ہے جس کو انزال یا ہمبستری کا خطرہ نہ ہو لہٰذا بوڑھے آدمی کے لئے بلا کراہت جائز ہے اور جوان کے لئے مکروہ تحریمی ہے جو اپنے نفس پر قادر نہیں ہے۔

(۱۴/۵۶۷) وَإِنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ لَمْ يُفْطِرْ وَإِنِ اسْتَقَاءَ عَامِدًا مِلأَ فَمِهٖ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ

ترجمہ: (۱۴/۵۶۷) اور اگر کسی کو الٹی ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر الٹی کرے جان بوجھکر منہ بھر کے تو اس پر قضاء لازم ہے۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ حالت صوم میں قے کا حکم بیان فرماتے ہیں ائمہ اربعہ کا اسپر اتفاق ہے کہ اگر خود بخود قے آئے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اگر جان بوجھ کر قے کی جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، البتہ حنفیہ کے یہاں اس بارے میں تفصیل ہے علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں ج:۲،ص:۲۹۵ پر قے کی بارہ صورتیں لکھی ہیں، پھر آگے صاحب بحر فرماتے ہیں کہ ان میں سے صرف دو صورتیں روزہ کو توڑنے والی ہیں: (۱) جان بوجھ کر منہ بھر کر قے کی ہو، (۲) جان بوجھ کر قے نہ کی ہو مگر بلا اختیار منہ بھر کر قے ہو جائے اور پھر اس کو حلق میں لوٹا لیا جائے ان صورتوں میں سب کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر جان بوجھ کر قے کی ہے مگر منہ بھر کر نہیں کی ہے تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ فاسد نہ ہوگا اور امام محمد کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔ (بدائع الصنائع ج:۲،ص:۲۴۲)

مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

(۱۵/۵۶۸) وَمَنِ ابْتَلَعَ الْحَصَاةَ اَوِ الْحَدِيْدَ اَوِ النَّوَاةَ أَفْطَرَ وَقَضٰى

ترجمہ: (۱۵/۵۶۸) اور جو شخص نگل گیا کنکری یا لوہا یا گٹھلی تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور وہ قضاء کرے۔

تشریح: اگر کوئی شخص کنکر یا لوہے کے ٹکڑے کو کھا گیا تو اس پر قضاء واجب ہوگی لیکن کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۱۶/۵۶۹) وَمَنْ جَامَعَ عَامِداً فِي أَحَدِ السَّبِيْلَيْنِ أَوْ اَكَلَ اَوْ شَرِبَ مَايُتَغَذّٰى بِهٖ أَوْ يُتَدَاوىٰ بِهٖ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ.

ترجمہ: (۱۶/۵۶۹) اور جس شخص نے صحبت کی جان بوجھ کر دونوں راستوں میں سے کسی ایک میں یا کھالی یا پی لی ایسی چیز جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا دوا کی جاتی ہو تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

تشریح: اگر کوئی شخص جماع کے ذریعہ فرض روزہ کو فاسد کردے تو اس پر ائمہ اربعہ کے نزدیک کفارہ اور قضاء

دونوں واجب ہیں، لیکن اگر ایسی چیز کھائی یا پی جس کو لوگ کھایا کرتے ہیں، یا کوئی ایسی چیز ہے کہ یوں تو نہیں کھاتے لیکن بطور دوا کے ضرورت کے وقت کھاتے ہیں تو بھی روزہ جاتا رہا اب اس پر کفارہ لازم ہے یا صرف قضاء کافی ہے اس بارے میں دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) امام شافعی وامام احمد کے نزدیک صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۲) حنفیہ ومالکیہ کے نزدیک جس طرح جماع کیوجہ سے قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوجاتے ہیں اسی طرح کھانے وپینے کیوجہ سے قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوجاتے ہیں۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۳۵) دیکھئے کوکب، ج:۱، ص:۲۵۳، حاشیہ:۳)

مذہب اول کی دلیل: کفارہ کا ذکر حدیث میں صرف جماع کے ساتھ وارد ہوا ہے کھانے، پینے میں کفارہ کا وجوب کسی حدیث سے ثابت نہیں اور قیاس سے اس کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ (ترمذی ج:۱، ص:۱۵۴)

مذہب ثانی کی دلیل: کفارہ کے وجوب کی علت روزہ کا توڑنا ہے اور یہ علت کھانے پینے میں بھی پائی جاتی ہے ہمارے مذہب کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔ **إِنَّ رَجُلاً أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ** (موطاء امام محمد ج:۱، ص:۱۷۷)

لفظ افطر اپنے عموم کیوجہ سے جماع وغیر جماع سب کو شامل ہے لہٰذا ہمارے اوپر قیاس کا الزام درست نہیں ہے۔

(۵۷۰/۱۷) وَالْكَفَّارَةُ مِثْلُ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ

ترجمہ: (۵۷۰/۱۷) اور روزہ کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہے۔

تشریح: جان بوجھ کر روزہ افطار کرنے پر جو کفارہ لازم ہوتا ہے اس میں ترتیب یہ ہے اور یہ ترتیب واجب ہے، اگر غلام آزاد کرنے کی طاقت ہے تو دوسری شکلیں اختیار کرنا جائز نہ ہوگا اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا لازم ہوگا اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو آخری درجہ میں ۶۰ محتاجوں کو کھانا کھلانے کی اجازت ہے یہی ترتیب کفارۂ ظہار میں مذکور ہے۔

(۵۷۱/۱۸) وَمَنْ جَامَعَ فِي مَادُوْنَ الْفَرْجِ فَأَنْزَلَ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلاَ كَفَّارَةَ عَلَيْهِ

ترجمہ: (۵۷۱/۱۸) اور جس نے صحبت کی شرمگاہ کے علاوہ میں اور انزال ہوگیا تو اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: اس کی تشریح صفحہ ۲۷۶ مسئلہ ۷ کے تحت ملاحظہ فرمالی جائے۔

(۵۷۲/۱۹) وَلَيْسَ فِي إِفْسَادِ الصَّوْمِ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ كَفَّارَةٌ

ترجمہ: (۱۹/۵۷۲) اور نہیں ہے رمضان کے علاوہ روزہ کے فاسد کرنے میں کفارہ۔

تشریح: اگر غیر رمضان میں روزہ رکھ کر اس کو جان بوجھ کر توڑ دیا تو اس کی وجہ سے اس پر کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ رمضان کے اندر روزہ توڑنا بڑا جرم ہے بہ نسبت غیر رمضان میں توڑنے کے۔

(۲۰/۵۷۳) وَمَنِ احْتَقَنَ أَوِ اسْتَعَطَ أَوْ اَقْطَرَ فِي أُذُنِهِ أَوْ دَاوىٰ جَائِفَةً أَوْ آمَّةً بِدَوَاءٍ رَطْبٍ فَوَصَلَ إِلٰى جَوْفِهِ أَوْ دِمَاغِهِ اَفْطَرَ.

ترجمہ: (۲۰/۵۷۳) اور جس نے حقنہ کرایا یا ناک میں یا کان میں دوا ڈالی یا تر دوا لگائی پیٹ یا سر کے زخم میں جو پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

تشریح: اگر روزہ دار نے پاخانہ کے راستہ سے دوا اندر پہنچائی (جس کو انیمہ کہتے ہیں) تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔

(۲) ناک میں دوا ڈالنے اور پانی پہنچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

(۳) روزہ کی حالت میں کان میں تیل اور دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے لیکن پانی پہنچنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔

(۴) پیٹ یا دماغ کے زخم میں دوا لگائی اور وہ پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(۲۱/۵۷۴) وَإِنْ اَقْطَرَ فِي إِحْلِيْلِهِ لَمْ يُفْطِرْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ يُفْطِرُ.

ترجمہ: (۲۱/۵۷۴) اور اگر دوا ٹپکا لے اپنے ذکر کے سوراخ میں تو روزہ نہیں ٹوٹے گا طرفین کے نزدیک اور امام ابویوسف کے نے فرمایا کہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

تشریح: اگر روزہ دار نے اپنے پیشاب گاہ کے سوراخ میں دوا ٹپکائی تو طرفین کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوگا اور امام ابویوسف کے نزدیک روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(۲۲/۵۷۵) وَمَنْ ذَاقَ شَيْأً بِفَمِهِ لَمْ يُفْطِرْ وَيُكْرَهُ لَهُ ذَالِكَ

ترجمہ: (۲۲/۵۷۵) اور جس نے چکھی کوئی چیز اپنے منہ سے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا لیکن اس کے لئے یہ مکروہ ہے۔

تشریح: اگر کسی نے اپنے منہ سے کچھ چکھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن یہ عمل مکروہ ضرور ہے کیونکہ روزہ کو فساد پر پیش کرنا ہوا خواہ روزہ فرض ہو یا نفل البتہ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو جائز ہے مثلاً کسی عورت کا خاوند بدمزاج ہو تو کھانے کا نمک چکھ لیا کرے اور یہی حکم باورچی نان بائی کا بھی ہے۔

(۵۷۶/۲۳) وَيُكْرَهُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَمْضَغَ لِصَبِيِّهَا الطَّعَامَ إِذَا كَانَ لَهَا مِنْهُ بُدٌّ (۵۷۷/۲۴) وَمَضْغُ الْعِلْكِ لَايُفْطِرُ الصَّائِمَ وَيُكْرَهُ.

ترجمہ: (۵۷۶/۲۳) اور مکروہ ہے عورت کے لئے اپنے بچے کے لئے کھانا چبانا جبکہ ہو اس کے لئے اس سے کوئی چارہ۔ (۵۷۷/۲۴) اور گوند چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن یہ مکروہ ہے۔

تشریح: روزہ کی حالت میں عورت کے لئے اپنے بچے کو کھانا چبا کر کھلانا مکروہ ہے، جبکہ وہاں کوئی ایسا آدمی بیٹھا ہے جس پر روزہ فرض نہ ہو اور وہ اس بچہ کو چبا کر کھلا سکتا ہے تو ایسی صورت میں عورت کا چبانا مکروہ ہے اور معذوری ہو جیسے کوئی عورت اپنے بچے کو چبا کر کھلانا چاہے اور کوئی بغیر روزہ دار نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ بچہ کی حفاظت بھی ضروری ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر روزے دار گوند چبالے تو اس کا روزہ فاسد تو نہ ہوگا البتہ روزے دار کے لئے گوند چبانا مکروہ ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ اجزاء حلق سے نیچے اتر جائیں اور اگر زبان سے لفافہ کا گوند چاٹ کر تھوک دیتا ہے اور پھر اس کے بعد تھوک نگل جاتا ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر بغیر تھوکے نگلتا ہے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

(۵۷۸/۲۵) وَمَنْ كَانَ مَرِيْضاً فِيْ رَمَضَانَ فَخَافَ إِنْ صَامَ إِزْدَادَ مَرَضُهُ أَفْطَرَ وَقَضٰى

ترجمہ: (۵۷۸/۲۵) اور جو شخص بیمار ہو رمضان میں اور ڈر ہو کہ اگر روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی تو روزہ نہ رکھے اور قضاء کرے۔

تشریح: اب تک روزہ کے مسائل کا ذکر تھا اب ان اعذار کو بیان کریں گے جن کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے چنانچہ فرمایا کہ اگر بیماری کیوجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو یا بیماری بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے رمضان کے بعد اس کی قضا لازم ہے۔

(۵۷۹/۲۶) وَإِنْ كَانَ مُسَافِراً لَا يَسْتَضِرُّ بِالصَّوْمِ فَصَوْمُهُ أَفْضَلُ وَإِنْ أَفْطَرَ وَقَضٰى جَازَ

ترجمہ: (۵۷۹/۲۶) اور اگر کوئی مسافر ہے جس کو روزہ رکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی تو اس کو روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر افطار کرے اور قضاء کرے تو بھی جائز ہے۔

تشریح: مسافر شرعی کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے پھر اگر کچھ تکلیف اور دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھ لے۔

اختلاف الائمہ

اس پر اتفاق ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ افضل کیا ہے چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام احمدؒ کے نزدیک مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنا زیادہ افضل اور اولیٰ ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۸، ص:۱۳۲)
(۲) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک روزہ رکھنا افضل ہے لیکن اگر روزہ رکھنے میں مشقت ہو تو پھر روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۸، ص:۱۳۲، معارف السنن ج:۶، ص:۴۸)

امام احمدؒ کا استدلال: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ. (ابوداؤد ج:۱، ص:۳۲۷) یعنی سفر میں روزہ نیکی نہیں ہے۔

جواب یہ روایت ایسے شخص کے بارے میں ہے جو سفر میں روزہ رکھ کر لب دم آ گیا تھا جیسا کہ روایت کے شروع کے الفاظ اس پر دلالت کر رہے ہیں۔ (ابوداؤد ج:۱، ص:۳۲۷) اور نا قابل برداشت مشقت کی صورت میں سفر میں افطار کی افضلیت کے ہم بھی قائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ان تمام احادیث سے استدلال ہے جن مین حضورؐ اور صحابہ کرام سے روزہ رکھنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے، ترمذی ج:۱، ص:۱۵۲۔

(۲۷/۵۸۰) وَإِنْ مَاتَ الْمَرِيْضُ أَوِ الْمُسَافِرُ وَهُمَا عَلٰى حَالِهِمَا لَمْ يَلْزَمْهُمَا الْقَضَاءُ (۲۸/۵۸۱) وَإِنْ صَحَّ الْمَرِيْضُ أَوْ أَقَامَ الْمُسَافِرِ ثُمَّ مَاتَا لَزِمَهُمَا الْقَضَاءُ بِقَدْرِ الصِّحَّةِ وَالْإِقَامَةِ.

ترجمہ: (۲۷/۵۸۰) اور اگر مر جائے بیمار یا مسافر حالانکہ وہ دونوں اپنی اسی حالت پر ہیں تو ان کے ذمہ قضاء لازم نہیں ہے، (۲۸/۵۸۱) اور اگر تندرست ہو جائے، بیمار یا مقیم ہو جائے، مسافر پھر مر گئے تو لازم ہوگی ان کو قضاء صحت اور اقامت کے بقدر۔

تشریح: اگر بیمار بیماری کے حالت میں مر گیا اور مسافر بحالت سفر مر گیا تو ان کے ذمہ قضاء لازم نہ ہوگی کیونکہ ان پر قضاء کا وجوب اس وقت ہے جبکہ مرض اور سفر کے ختم ہونے کے بعد اتنا زمانہ پالیں جس میں روزے رکھے جاسکیں اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ ان کو قضاء کا وقت بالکل نہیں مل سکا اس لئے ان پر قضاء لازم نہ ہوگی، لیکن اگر بیمار تندرست ہو گیا اور مسافر مقیم ہو گیا پھر وہ مر گئے تو ان پر قضاء کرنا لازم ہوگا، چنانچہ اگر تندرست ہونے کے بعد اور مقیم ہونے کے بعد اتنے دن زندہ رہا جتنے دن کے روزے فوت ہوئے تھے تو فوت شدہ تمام روزوں کی قضاء لازم ہے اور اگر چند دن زندہ رہا تو بقدر صحت اور بقدر اقامت روزوں کی قضاء لازم ہوگی۔

(۲۹/۵۸۲) وَقَضَاءُ رَمَضَانَ إِنْ شَاءَ فَرَّقَهُ وَإِنْ شَاءَ تَابَعَهُ (۳۰/۵۸۳) وَإِنْ أَخَّرَهُ حَتّٰى دَخَلَ رَمَضَانُ آخَرَ صَامَ رَمَضَانَ الثَّانِيَ وَقَضَى الْأَوَّلَ بَعْدَهُ وَلَافِدْيَةَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۲۹/۵۸۲) اور رمضان کے قضاء روزے اگر چاہے متفرق طریقے سے رکھے اور اگر چاہے مسلسل رکھے۔ (۳۰/۵۸۳) اور اگر اتنی تاخیر کر دی کہ دوسرا رمضان آ گیا تو دوسرے رمضان کے روزے رکھے اور قضاء کرے

پہلے کی اس کے بعد اور اس پر فدیہ نہیں ہے۔

تشریح: جتنے روزے قضاء ہو گئے ہوں ان سب کو چاہے ایک دم رکھے یا تھوڑے تھوڑے کر کے رکھے دونوں طرح درست ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضاء ہو اور اس نے بلا عذر اتنی تاخیر کی کہ دوسرا رمضان آ پہنچا تو پھر اس پر جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قضاء کیساتھ فدیہ بھی واجب ہے اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں صرف قضاء ہے فدیہ نہیں۔ (معارف السنن ج:۶ ص:۹۴)

(۳۱/۵۸۴) وَالْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ إِذَا خَافَتَا عَلَى وَلَدَيْهِمَا أَفْطَرَتَا وَقَضَتَا وَلَافِدْيَةَ عَلَيْهِمَا

ترجمہ: (۳۱/۵۸۴) اور حاملہ اور دودھ پلانیوالی عورت کو جب اپنے بچوں کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھیں دونوں قضاء کر لیں اور ان پر فدیہ نہیں ہے۔

تشریح: حاملہ اور مرضعہ عورت کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ اگر ان کو اپنے نفس پر کسی قسم کا خطرہ ہو تو ان کے لئے افطار کرنا جائز ہے، اس صورت میں وہ دونوں بعد میں روزوں کی قضاء کریں گی اور ان پر فدیہ نہ ہوگا، پھر اگر روزہ رکھنے سے حاملہ کو اپنے پیٹ کے بچہ کے اور دودھ پلانیوالی کو اپنے دودھ پیتے بچے کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اس صورت میں ان دونوں کے لئے افطار کرنا بالاتفاق جائز ہے، افطار کے بعد ان دونوں پر کیا واجب ہے، حنفیہ کے یہاں تو روزہ کی صرف قضاء ہے بعد میں فدیہ نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ دونوں قضاء بھی کریں گی اور فدیہ بھی دیں گی۔
(معارف ج:۶ ص:۶۰ نیل الاوطار ج:۴ ص:۲۴۶)

(۳۲/۵۸۵) وَالشَّيْخُ الْفَانِي الَّذِي لَايَقْدِرُ عَلَى الصِّيَامِ يُفْطِرُ وَيُطْعِمُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيناً كَمَا يُطْعَمُ فِي الْكَفَّارَاتِ

ترجمہ: (۳۲/۵۸۵) اور بہت بوڑھا آدمی جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے تو وہ افطار کرے اور کھانا کھلائے روزآنہ صرف ایک مسکین کو جیسے کفارات میں کھلایا جاتا ہے۔

تشریح: شیخ فانی یعنی اگر کوئی شخص بالکل بوڑھا اور ضعیف ہو جائے اور روزہ رکھنے کی قوت نہ ہو تو ایسے ضعیف کے لئے روزوں کا فدیہ ادا کرنا جائز ہے، فدیہ کی مقدار یہ ہے کہ ہر ایک روزہ کے عوض میں ایک صدقہ فطر یا اس کی قیمت فقراء کو دیدی جائے اور ایک صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع گیہوں ہے جو موجودہ اوزان کے حساب سے ڈیڑھ کلو ۴۷ گرام ۶۴۰ ملی گرام ہے۔

(۳۳/۵۸۶) وَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ فَأَوْصَى بِهِ أَطْعَمَ عَنْهُ وَلِيُّهُ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيناً نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ.

ترجمہ: (۳۳/۵۸۶) اور جو شخص مر گیا اور اس کے ذمہ رمضان کی قضاء تھی پھر وصیت کی فدیہ کی تو کھلائے

اس کی طرف سے اسکا ولی ہر دن ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں سے یا ایک صاع کھجور یا جو سے۔

تشریح: حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ولی پر فدیہ کے وجوب کے لئے میت کا وصیت کرنا شرط ہے اگر وصیت نہیں کی تب واجب نہیں اگر تبرعاً فدیہ دیا تو کافی ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ نیز وصیت کا نفاذ بھی ثلث مال کے اندر ہے اس سے زائد میں واجب نہیں، فدیہ کی مقدار وہی ہے جو اس سے پہلے مسئلہ میں گذر چکی ہے۔

(۳۴/۵۸۷) وَمَنْ دَخَلَ فِي صَوْمِ التَّطَوُّعِ ثُمَّ اَفْسَدَهٗ قَضَاهُ.

ترجمہ: (۳۴/۵۸۷) اور جس نے نفلی روزہ شروع کر دیا پھر اس کو فاسد کر دیا تو اس کی قضاء کرے۔

تشریح: نفل روزہ شروع کرنے کے بعد لازم ہوتا ہے یا شروع کرنے کے بعد تکمیل کرنے اور توڑنے میں اختیار ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفل روزہ کو شروع کرنے کے بعد مکمل کرنا لازم نہیں بلکہ توڑ دینے اور مکمل کرنے میں اختیار ہے لہٰذا عذر یا بلا عذر توڑ دینے سے قضاء لازم نہ ہوگی اسی طرح نماز نفل کا بھی حکم ہے۔ (اوجز ج:۳، ص:۷۲)

(۲) حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک نفل روزہ شروع کرنے کے بعد لازم اور واجب ہو جاتا ہے اگر مکمل کرنے سے پہلے توڑ دے گا تو قضاء واجب ہو جاتی ہے اور یہی حکم نفل نماز سے متعلق بھی ہے، حافظ نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے کہ امام مالک سے منقول ہے اگر بلا عذر نفل روزہ توڑ دیا تو قضاء لازم ہوتی ہے، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے توڑ دیا جائے تو قضاء لازم نہیں ہوتی اور حنفیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں قضاء لازم ہوتی ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۷۲)

مذہب اول کی دلیل: حضرت ام ہانیؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں "وَاِنْ كَانَ تَطَوُّعاً فَاِنْ شِئْتَ فَاقْضِيْهِ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا تَقْضِيْهِ" (طحاوی ج:۱، ص:۳۸۱) اور اگر نفل روزہ ہے تو تم کو اختیار ہے کہ دل چاہے قضاء کرلو دل نہ چاہے تو قضاء کی ضرورت نہیں ہے، اس روایت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نفل روزہ رکھ لینے کے بعد مکمل کرنے سے پہلے توڑ دینا جائز ہے اور قضاء کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

جواب: ام ہانی کے روایت میں سند اور متن کے اعتبار سے اضطراب واقع ہے اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج:۸، ص:۱۸۱)

مذہب ثانی کی دلیل: حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں اور حضرت حفصہؓ نے نفل روزہ رکھ لیا تھا اتفاق سے ہدیہ میں کھانے کی چیز آ گئی ہم دونوں نے روزہ توڑ کر اس میں سے کھالیا، حضورؐ کو جب معلوم ہوا آپ نے فرمایا کہ اس کی جگہ دوسرا روزہ قضاء کرلینا۔ (طحاوی ج:۱، ص:۳۸۲) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل روزہ توڑ دینے سے قضا واجب ہو جاتی ہے۔

(۳۵/۵۸۸) وَاِذَا بَلَغَ الصَّبِيُّ اَوْ اَسْلَمَ الْكَافِرُ فِي رَمَضَانَ اَمْسَكَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَصَامَا بَعْدَهٗ وَلَمْ يَقْضِيَا

مَامَضٰی .

ترجمہ: (۳۵/ ۵۸۸)اور جب بالغ ہوگیا بچہ یا مسلمان ہوگیا کافر رمضان میں تو وہ رکے رہیں دن کے باقی حصہ میں اور روزہ رکھیں اس دن کے بعد سے اور قضاء نہ کریں گذرے ہوئے دنوں کی۔

تشریح: رمضان کے دن میں ایک نابالغ بچہ بالغ ہوگیا یا کافر مسلمان ہوگیا تو یہ دونوں بقیہ دن میں کھانے، پینے اور صحبت وغیرہ سے پرہیز کریں تاکہ روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے رمضان کے مقدس وقت کا حق پورا ہوجائے لیکن اس کے باوجود اگر کچھ کھا پی لیا تو ان پر اس دن کی قضاء واجب نہ ہوگی ہاں اس دن کے بعد جو رمضان کے ایام ہیں ان کا روزہ ان پر فرض ہوگا کیونکہ اب ان کے اندر روزہ کی اہلیت موجود ہے کہ عاقل بالغ مسلمان ہیں اور شرعی اعذار سے پاک ہیں۔

(۳٦/ ۵۸۹) وَمَنْ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فِي رَمَضَانَ لَمْ يَقْضِ الْيَوْمَ الَّذِيْ حَدَثَ فِيْهِ الْإِغْمَاءُ وَقَضٰى مَابَعْدَهُ

ترجمہ: (۳٦/ ۵۸۹)اور جس شخص پر بے ہوشی طاری ہوگئی رمضان میں تو نہ قضاء کرے اس دن کے روزے کی جس میں بے ہوشی طاری ہوئی ہے اور قضاء کرے اس دن کے بعد کے دنوں کے روزہ کی۔

تشریح: اگر رمضان کے مہینہ میں طلوع فجر کے بعد کسی پر بے ہوشی طاری ہوگئی اور کئی دن تک بے ہوش رہا تو جس دن بیہوشی شروع ہوئی ہے اس دن کی قضاء تو نہ کرے، لیکن اس کے بعد کے دنوں کی قضاء کرنا واجب ہوگا، چونکہ جس دن بیہوش رہا اس دن روزے کی نیت کے ساتھ روزہ کو توڑنیوالی چیزوں سے باز رہا اس لئے اس دن کی قضاء واجب نہ ہوگی اور اس سے بعد کے دنوں میں نیت نہیں پائی گئی اس لئے ان دنوں میں روزہ کو توڑنیوالی چیزوں سے رکنا روزہ شمار نہ ہوگا اور نیت اس لئے نہیں پائی گئی کہ بیہوشی طاری ہونا مانع نیت ہے۔

(۳۷/ ۵۹۰) وَإِذَا أَفَاقَ الْمَجْنُوْنُ فِي بَعْضِ رَمَضَانَ قَضٰى مَامَضٰى مِنْهُ وَصَامَ مَابَقِيَ .

ترجمہ: (۳۷/ ۵۹۰) اور جب افاقہ ہوجائے دیوانہ کو رمضان کے کسی حصہ میں تو گذرے ہوئے دنوں کی قضاء کرے اور باقی ایام کے روزے رکھے۔

تشریح: اگر مجنون کو رمضان کے کسی حصہ میں افاقہ ہوگیا تو گذرے ہوئے دنوں کی قضاء کرے اور آئندہ روزے رکھے کیونکہ جو شخص رمضان کے بعض ایام میں مجنون رہا اور پھر افاقہ ہوگیا تو اس کے حق میں روزہ واجب ہونے کا سبب (ماہِ رمضان کا آنا) پایا گیا لہٰذا اس کو پورے ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں مگر چونکہ جنون کی وجہ سے بعض دنوں کے روزے نہیں رکھ سکا اس لئے ان کی قضاء کرے اور باقی کو ادا کرے۔

(۳۸/ ۵۹۱) وَإِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ اَوْ نَفِسَتْ أَفْطَرَتْ وَقَضَتْ إِذَا طَهُرَتْ

ترجمہ: (۵۹۱/۳۸) اور جب عورت کو حیض آجائے یا وہ نفاس والی ہوجائے تو افطار کرے اور قضاء کرے جب پاک ہوجائے۔

تشریح: رمضان کے مہینہ میں اگر کسی عورت کو حیض کا خون آنے لگا یا بچہ کی پیدائش ہوگئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ حیض ونفاس کی حالت میں روزہ نہ رکھے اور ان روزوں کی رمضان بعد قضاء کرے۔

(۵۹۲/۳۹) وَإِذَا قَدِمَ الْمُسَافِرُ أَوْ طَهُرَتِ الْحَائِضُ فِيْ بَعْضِ النَّهَارِ أَمْسَكَا عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا.

ترجمہ: (۵۹۲/۳۹) اور جب واپس آجائے مسافر یا پاک ہوجائے حائضہ دن کے بعض حصہ میں تو رکے رہیں کھانے اور پینے سے بقیہ دن۔

تشریح: اگر کوئی مسافر رمضان کے دن میں اپنے وطن واپس آیا یا حائضہ عورت پاک ہوگئی تو حنفیہ کے نزدیک ان دونوں پر دن کے باقی حصہ میں روزہ کو توڑنیوالی چیزوں سے رکنا واجب ہے۔

(۵۹۳/۴۰) وَمَنْ تَسَحَّرَ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ الْفَجْرَ لَمْ يَطْلُعْ أَوْ أَفْطَرَ وَهُوَ يَرىٰ أَنَّ الشَّمْسَ قَدْ غَرَبَتْ ثُمَّ تَبَيَّنَ اَنَّ الْفَجْرَ كَانَ قَدْ طَلَعَ أَوْ أَنَّ الشَّمْسَ لَمْ تَغْرُبْ قَضٰى ذَالِكَ الْيَوْمَ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۵۹۳/۴۰) اور جس شخص نے سحری کھائی حال یہ ہے کہ وہ گمان کرتا ہے کہ فجر طلوع نہیں ھوئی یا روزہ افطار کیا یہ خیال کر ... کہ سورج غروب ہوگیا پھر معلوم ہوا کہ فجر طلوع ہوچکی تھی یا یہ کہ سورج غروب نہیں ہوا تھا تو اس دن کی قضاء کرے اور اس پر کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: اگر کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے، اس گمان پر سحری کھالی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہوجانے کے بعد سحری کھائی تھی تو روزہ نہیں ہوا قضاء رکھے اور کفارہ واجب نہیں، لیکن پھر بھی کچھ کھائے پئے نہیں اور روزہ داروں کی طرح رہے اور اسی طرح اگر سورج غروب ہونے کے گمان سے روزہ کھول لیا پھر سورج نکل آیا تو روزہ جاتا رہا اس کی قضاء کرے کفارہ واجب نہیں اور جب تک سورج نہ ڈوب جائے کچھ کھانا پینا درست نہیں۔

(۵۹۴/۴۱) وَمَنْ رَاٰیٰ هِلَالَ الْفِطْرِ وَحْدَهٗ لَمْ يُفْطِرْ

ترجمہ: (۵۹۴/۴۱) اور جس نے دیکھا عید کا چاند تنہا وہ افطار نہ کرے۔

تشریح: اگر کسی نے عید کا چاند تنہا دیکھا اس لئے اس کی گواہی کا شریعت نے اعتبار نہیں کیا تو اس دیکھنے والے آدمی کو عید کرنا درست نہیں ہے صبح کو روزہ رکھے اور اپنے چاند دیکھنے کا اعتبار نہ کرے اور روزہ نہ توڑے۔

(۵۹۵/۴۲) وَإِذَا كَانَتْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ يَقْبَلِ الْإِمَامُ فِي هِلَالِ الْفِطْرِ إِلَّا شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ

وَامْرَأَتَيْنِ (۵۹۶/۴۳) وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ بِالسَّمَاءِ عِلَّةٌ لَمْ يُقْبَلْ اِلَّا شَهَادَةُ جَمَاعَةٍ يَقَعُ الْعِلْمُ بِخَبْرِهِمْ.

ترجمه: (۵۹۵/۴۲) اور جب آسمان میں کوئی علت ہو تو نہ قبول کرے حاکم عید کے چاند میں مگر دو مردوں کی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی۔ (۵۹۶/۴۳) اور اگر نہ ہو آسمان میں کوئی علت تو نہیں قبول کی جائے گی مگر ایک جماعت کی گواہی جن کی خبر پر یقین آجائے۔

تشریح: اس مسئلہ کی مکمل وضاحت صفحہ/۹۸ واذا کان فی السماء علة الخ کی تشریح کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔

باب الاعتکاف

یہ باب اعتکاف کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: مصنفؒ نے کتاب الصوم کی تکمیل کے لئے اخیر میں اعتکاف کا باب قائم کیا اس لئے کہ جس طرح فرض روزہ کا تعلق ماہ رمضان سے ہے اسی طرح اعتکاف بھی اس ماہ کے عشرۂ اخیر کی سنت ہے۔

(اللباب فی شرح الکتاب ج:۱ص:۱۶۲)

اعتکاف کی لغوی تعریف: کسی چیز کو لازم پکڑنا اور اپنے نفس کو اس پر جمانا۔

اصطلاحی تعریف: امام قدوری کے بقول شرعی معنی یہ ہیں کہ مسجد میں ٹھہرنا اعتکاف کی نیت سے روزہ کے ساتھ۔

اعتکاف کی فضیلت: جو شخص خلوص کے ساتھ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرتا ہے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں اور دو حج اور دو عمرے کا ثواب ملتا ہے، نیز چالیس دن تک سرحد اسلام کے محافظ کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اور جو چالیس دن تک سرحدِ اسلام کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں سے اس طرح پاک وصاف کردیتا ہے جیسا کہ نومولود بچہ کا حال ہوتا ہے۔ (ایضاح المسائل ص:۹۱)

(۵۹۷/۱) اَلْاِعْتِكَافُ مُسْتَحَبٌّ وَهُوَ اللُّبْثُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الصَّوْمِ وَنِيَّةِ الْاِعْتِكَافِ.

ترجمه: (۵۹۷/۱) اعتکاف کرنا مستحب ہے اور وہ ٹھہرنا ہے مسجد میں روزہ کے ساتھ اور اعتکاف کی نیت کے ساتھ۔

تشریح: صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف مستحب ہے، مگر اصل یہ ہے کہ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) واجب، (۲) سنت، (۳) نفل۔

(۱) **اعتکاف واجب**: یہ نذر کا اعتکاف ہوتا ہے، خواہ ایک دن کی نذر ہو یا ایک ہفتہ کی یا ایک ماہ کی اس مدت کا پورا کرنا واجب اور ضروری ہے اس کے ساتھ روزہ رکھنا بھی لازم ہوتا ہے۔

(۲) اعتکاف سنت: یہ رمضان المبارک کے عشرۂ اخیرہ کے ساتھ خاص ہے یہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، یعنی محلہ کی مسجد میں ایک دو آدمی اعتکاف کرلیں گے تو پورے محلہ کی طرف سے ذمہ داری ادا ہو جائے گی اور اگر کسی نے بھی نہ کیا تو پورے محلہ پر ترک سنت مؤکدہ کا گناہ ہوگا اور اس کے ساتھ بھی روزہ شرط ہے، نیز بیس رمضان کو سورج ڈوبنے سے پہلے مسجد میں داخل ہونا لازم ہے۔

(۳) اعتکاف مستحب: اس کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں اور نہ پورا دن شرط ہے جتنا چاہے حسب استطاعت کرسکتا ہے۔

اس کے بعد صاحب قدوری اعتکاف کی شرطیں بیان کررہے ہیں:

(۱) جس مسجد میں اعتکاف کیا جائے اس میں پانچوں وقت نماز باجماعت ہوتی ہو۔

(۲) اعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا، چنانچہ بے ارادہ ٹھہر گیا تو اعتکاف نہ ہوگا۔

(۲/ ۵۹۸) وَيَحْرُمُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ الْوَطْئُ وَاللَّمْسُ وَالْقُبْلَةُ (۳/ ۵۹۹) وَإِنْ أَنْزَلَ بِقُبْلَةٍ أَوْ لَمْسٍ فَسَدَ إِعْتِكَافُهُ وَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ.

ترجمہ: (۲/ ۵۹۸) اور حرام ہے اعتکاف کرنے والے پر صحبت کرنا، چھونا اور بوسہ لینا۔ (۳/ ۵۹۹) اور اگر انزال ہو جائے بوسہ لینے یا چھونے سے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اس پر قضاء لازم ہے۔

تشریح: حالت اعتکاف میں ہمبستری کرنا حرام ہے، دن میں ہو یا رات میں، بھول کر ہو یا جان کر خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو ہر حال میں اعتکاف فاسد ہو جائیگا، ایسے ہی معتکف نے شرمگاہ کے علاوہ بیوی کے کسی دوسرے حصۂ بدن کے ساتھ مباشرت کی یا بوس وکنار کیا تو اگر انزال ہو جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں، اگر اعتکاف واجب یا سنت مؤکدہ تھا تو اس کی قضاء واجب ہوگی اور اگر نفل تھا تو اس کی قضاء لازم نہیں۔

(۴/ ۶۰۰) وَلَايَخْرُجُ الْمُعْتَكِفُ مِنَ الْمَسْجِدِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ أَوْ لِلْجُمُعَةِ

ترجمہ: (۴/ ۶۰۰) اور نہ نکلے معتکف مسجد سے مگر انسانی ضرورت سے یا جمعہ کے لئے۔

تشریح: اعتکاف نذر اور اخیر عشرہ کے اعتکاف میں بلا ضرورت شرعیہ وطبعیہ خواہ جان کر نکلے یا بھول کر مفسد اعتکاف ہے، اپنی اعتکاف والی مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں نہ رات میں نہ دن میں ہر وقت اعتکاف گاہ میں رہے لیکن غسل واجب، نماز فرض یا نفل کے وضو کے لئے، پیشاب، پائخانہ کے لئے بقدر ضرورت مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے اور اسی طرح اگر اس مسجد میں جمعہ نہیں ہوتا ہے تو دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے جانا بھی جائز ہے، لیکن اس میں فضول وقت نہ گذارے بہت جلد واپس ہو جائے لیکن اگر دیہات کی مسجد میں اعتکاف کیا ہے تو جمعہ کے لئے باہر نکلنا درست نہیں ہے اس لئے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں ہے۔ (کفایت المفتی ج:۴، ص:۲۳۲، فتاویٰ محمودیہ ج:۳، ص:۱۷۵)

(۶۰۱/۵) وَلَابَأْسَ بِاَنْ يَبِيْعَ وَيَبْتَاعَ فِي الْمَسْجِدِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُحْضِرَ السِّلْعَةَ .

ترجمہ: (۶۰۱/۵) اور کوئی حرج نہیں ہے خرید و فروخت میں مسجد کے اندر بغیر سامان کو لائے۔

تشریح: تجارتی یا غیر تجارتی سامان مسجد میں لا کر بیچنا یا خریدنا معتکف کے لئے ناجائز ہے البتہ خرید و فروخت کا معاملہ جو اس کے لئے اور اس کے بال بچوں کے لئے ضروری ہے مسجد میں کیا جائے تو جائز ہے لیکن سامان مسجد میں نہ لائے۔ (کتاب الفقہ ج:۱،ص:۹۵۶)

(۶۰۲/۶) وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا بِخَيْرٍ وَيَكْرَهُ لَهُ الصَّمْتُ .

ترجمہ: (۶۰۲/۶) اور بات نہ کرے مگر بھلی اور مکروہ ہے معتکف کے لئے خاموش رہنا۔

تشریح: مسجد میں بری بات بولنا تو سبھی کے لئے ناجائز ہے مگر معتکف کے لئے خاص طور سے ممنوع ہے، اعتکاف کے آداب میں سے یہ ہے کہ اچھی بات کے سوا اور کوئی کلام نہ کرے اور چپ چاپ گم صم بیٹھنا اس خیال سے کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اعتکاف میں مکروہ ہے، اگر یہ خیال نہیں تھا تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے ہاں خاموش رہنا زبان کے گناہ سے بچنے کے لئے سب سے بڑی عبادت ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ج:۱،ص:۱۶۳)

(۶۰۳/۷) فَاِنْ جَامَعَ الْمُعْتَكِفُ لَيْلاً اَوْ نَهَاراً نَاسِياً اَوْ عَامِداً بَطَلَ اِعْتِكَافُهُ .

ترجمہ: (۶۰۳/۷) اگر صحبت کر لے معتکف رات میں یا دن میں بھول کر یا جان کر تو باطل ہو جائے گا اس کا اعتکاف۔

تشریح: اس مسئلہ کی وضاحت ویحرم علی المعتکف کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

(۶۰۴/۸) وَلَوْ خَرَجَ مِنَ الْمَسْجِدِ سَاعَةً بِغَيْرِ عُذْرٍ فَسَدَ اِعْتِكَافُهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَايَفْسُدُ حَتّٰى يَكُوْنَ اَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ .

ترجمہ: (۶۰۴/۸) اور اگر نکل جائے مسجد سے تھوڑی دیر کے لئے بلا عذر تو فاسد ہو جائے گا اس کا اعتکاف امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ فاسد نہ ہوگا یہاں تک کہ باہر رہے آدھے دن سے زیادہ۔

تشریح: معتکف ایک منٹ کے لئے بھی بلا ضرورت شرعیہ وطبعیہ مسجد سے باہر نکل جائے تو امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا، صاحبین فرماتے ہیں کہ بلا کسی عذر کے آدھے دن سے کم تک مسجد سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اعتکاف کے فاسد ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا، ترجیح امام اعظم کے قول کو ہے۔

(۶۰۵/۹) وَمَنْ اَوْجَبَ عَلٰى نَفْسِهٖ اِعْتِكَافَ اَيَّامٍ لَزِمَهٗ اِعْتِكَافُهَا بِلَيَالِيْهَا وَكَانَتْ مُتَتَابِعَةً وَاِنْ لَمْ يَشْتَرِطِ التَّتَابُعَ فِيْهَا .

ترجمہ: (۹/۶۰۵) اور جس شخص نے لازم کرلیا اپنے اوپر دنوں کا اعتکاف تو لازم ہوگا اس پر ان دنوں کا اعتکاف ان کی راتوں کے ساتھ اور ہوں گے اعتکاف کے دن لگاتار اگرچہ اس نے ان دنوں میں لگاتار کی شرط نہ کی ہو۔

تشریح: اگر کسی نے چند دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کیا اس طرح کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر دس دن کا اعتکاف لازم ہے، تو دس دن کا اعتکاف ان کی راتوں کیساتھ لازم ہوگا اور پے در پے لازم ہوگا اگرچہ پے در پے کی شرط نہ کی ہو ایام کے ذکر سے راتیں تو اس لئے شامل ہوں گی کیونکہ قاعدہ ہے کہ بصیغہ جمع ایام کا ذکر ان کے مقابل کی راتوں کو بھی شامل ہوتا ہے، اور پے در پے اس لئے لازم ہوگا کہ اعتکاف کا دارومدار ہی تسلسل پر ہے، کیونکہ رات دن کے تمام اوقات اعتکاف کے قابل ہیں۔

کتاب الحج

یہ کتاب حج کے احکام کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: روزہ ہر سال مکرر ہوتا ہے، اور حج مکرر نہیں ہوتا بلکہ عمر میں صرف ایک بار فرض ہے اس لئے روزہ کی جانب ضرورت زیادہ ہوگی بہ نسبت حج کے اور جس چیز کی جانب ضرورت زیادہ ہوتی ہے وہ مقدم ہونے کے زیادہ لائق ہے، اس لئے روزہ کو حج پر مقدم کر کے حج کو بعد میں بیان کیا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۱۳۸۸ جز دوم)

حج کے لغوی معنی: قصد وارادہ کے ہیں۔ (الجوہرۃ النیرہ ج:۱،ص:۱۸۲)

اصطلاحی تعریف: مخصوص زمانہ میں مخصوص مقامات میں جا کر مخصوص افعال کو مخصوص طریقہ سے ادا کرنا۔

(اللباب ج:۱،ص:۱۶۴)

حج کس سن میں فرض ہوا: اس بارے میں متعدد اقوال ہیں: علامہ ابن عابدین شامی اور صاحب درمختار نے ۹ھ کے آخر میں حج کی فرضیت کے قول کو ترجیح دی ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ آپ نے اس سال حج اسوجہ سے نہیں کیا کہ حج کی فرضیت وقت حج گذرنے کے بعد ہوئی گویا آپ ﷺ نے حج کرنے میں تاخیر بالکل نہیں کی حنفیہ کا راجح قول یہی ہے۔ (درمختار مع الشامی ج:۲،ص:۱۹۰)

حج کی فرضیت قرآن سے: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا" (پ۴، آیت ۶) اور اللہ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا (فرض) ہے، (مگر سب کے ذمہ نہیں بلکہ خاص خاص کے) یعنی اس شخص کے لئے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک (پہنچنے) کے سبیل کی۔

(معارف القرآن مکتبہ رشیدیہ ج:۲،ص:۱۱۸)

حج کی فرضیت حدیث سے: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اے لوگو تم پر حج پر فرض کیا گیا ہے پس حج کرو۔ (مسلم شریف ج:۱،ص:۴۳۲)

حج کی فرضیت اجماع سے: حضورؐ کے زمانہ سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا فرضیت حج پر اتفاق چلا آ رہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۷، ص:۴)

(۱/۶۰۶) اَلحَجُّ وَاجِبٌ عَلَى الْأَحْرَارِ الْمُسْلِمِيْنَ الْبَالِغِيْنَ الْعُقَلَاءِ الْاَصِحَّاءِ إِذَا قَدَرُوْا عَلَى الزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ فَاضِلاً عَنِ الْمَسْكَنِ وَمَالَا بُدَّ مِنْهُ وَعَنْ نَفَقَةِ عَيَالِهِ إِلٰى حِيْنَ عَوْدِهٖ وَكَانَ الطَّرِيْقُ آمِناً.

ترجمہ: (۱/۶۰۶) حج واجب ہے آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل، اور تندرست پر جبکہ قادر ہوں یہ لوگ توشہ اور سواری پر جو زائد ہو رہنے کے گھر ضروریات کی چیزوں اور بال بچوں کے خرچ سے واپس آنے تک اور راستہ پر امن ہو۔

تشریح: یہ بات ذہن نشین رہے کہ عبارت میں واجب سے اصطلاحی واجب مراد نہیں ہے، بلکہ بمعنیٰ ثبوت اور لزوم مراد ہے، یعنی حج ثابت اور لازم ہے اس صورت میں یہ لفظ فرض کو بھی شامل ہوگا، وجوب حج کے لئے انسان کے اندر چار شرطوں کا موجود ہونا ضروری ہے، (۱) آزاد ہونا، لہٰذا غلام، باندی پر حج فرض نہیں ہے، (۲) مسلمان ہونا چنانچہ غیر مسلم پر حج فرض نہیں اور نہ ہی کسی غیر مسلم کے لئے حدود حرم کے دائرہ میں داخل ہونا جائز ہے، (۳) مکلف ہونا لہٰذا نابالغ، مجنون وغیرہ پر حج فرض نہیں ہے۔ (۴) مستطیع ہونا، یعنی حج ایسے مالدار پر واجب ہوتا ہے جس کو اللہ نے اتنی دولت عطا فرمائی ہے کہ جس سے وہ اپنے وطن سے مکۃ المکرمہ تک آنے جانے اور وہاں کے اخراجات پر قادر ہو اور اپنے بال بچوں کے مصارف بھی واپس آنے تک بآسانی برداشت کر سکتا ہو، اور راستہ کی ساری رکاوٹیں بھی ختم ہوں مثلاً حکومت کی جانب سے سفر کی منظوری ویزا اور سواری اور ٹکٹ کی فراہمی اور دشمن وغیرہ کے خطرات سے مامون ہونا اور خود کا لنگڑا، اپاہج نہ ہونا۔ (ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۰۴)

(۲/۶۰۷) وَيُعْتَبَرُ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ اَنْ يَّكُوْنَ لَهَا مَحْرَمٌ يَحُجُّ بِهَا أَوْ زَوْجٌ وَلَايَجُوْزُ لَهَا اَنْ يَحُجَّ بِغَيْرِهِمَا إِذَا كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَكَّةَ مَسِيْرَةُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِداً.

ترجمہ: (۲/۶۰۷) اور اعتبار کیا جائے عورت کے حق میں یہ کہ ہو اس کا کوئی محرم جس کے ساتھ وہ حج کرے یا شوہر ہو اور جائز نہیں ہے عورت کے لئے حج کرنا ان دونوں کے علاوہ کے ساتھ جب کہ ہو اس کے اور مکہ کے درمیان تین یا اس سے زیادہ کی مسافت۔

تشریح: عورت پر حج فرض ہونے کے لئے ذاتی خرچہ کے علاوہ ساتھ میں جانیوالے محرم کا پورا سفر خرچ بھی مہیا ہونا لازم ہے، ورنہ عورت پر حج فرض نہیں ہوتا، عورت اپنے شوہر کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے، اور شوہر کے علاوہ ان تمام محارم مردوں کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوتا، مثلاً باپ، دادا، پردادا، بیٹے، پوتے، پڑپوتے، نواسے، داماد، خسر، خسر کا باپ، حقیقی بھائی، باپ شریک بھائی، ماں شریک بھائی چچا، تایا، ماموں، نانا، وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے۔

لیکن ماموں زاد، خالہ زاد، چچازاد، پھوپھی زاد، یہ شرعی محرم نہیں ہیں اس لئے ان کیساتھ تین روز سے زائد مسافت کا سفر کرنا جائز نہیں ہے، اگر سفر تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت کا ہے یعنی ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے زیادہ کا ہے تو حنفی، مذہب کے مطابق عورت کا بلا محرم یا بلا شوہر اتنی لمبی مسافت کا سفر طے کر کے حج کو جانا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کرلے گی تو بالاتفاق اس کا حج درست ہو جائے گا، البتہ کراہت تحریمی کے ارتکاب کا گناہ ہوگا اور اسی پر حنفی مذہب کا فتویٰ ہے۔ (درمختار ج:۲،ص:۲۰۰) اور اگر مسافت تین دن سے کم کی ہے یعنی ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی ہے، اور فتنہ ومعصیت کا خطرہ بھی نہیں ہے تو امام اعظم کے مشہور قول کے مطابق بلا محرم اور بلا شوہر سفر کر کے حج کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور غیر مشہور قول کے مطابق بلا محرم یا بلا شوہر حج کا سفر کرنا مکروہ ہے، اور فساد زمانہ کیوجہ سے اسی غیر مشہور قول پر فتویٰ دینا مناسب لکھا ہے، اور اسی پر عمل ہونا چاہئے۔ (شامی ج:۲،ص:۱۹۹)

بوڑھی عورت کے لئے بلا محرم سفر حج: بوڑھی عورت کے لئے غیر محرم کے ساتھ سفر حج کی حضرت تھانوی نے گنجائش لکھی ہے، لہٰذا ساٹھ ستر سال کی بوڑھی عورت بلا محرم اور بلا شوہر کی معیت کے سفر حج کر سکتی ہے، جب کہ فتنہ اور معصیت کا خطرہ نہ ہو۔ (امداد الفتاویٰ ج:۴،ص:۲۰۱)

(۶۰۸/۳) وَالْمَوَاقِيْتُ الَّتِيْ لَايَجُوْزُ أَنْ يَّتَجَاوَزَها الإِنْسَانُ إِلَّا مُحْرِماً لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذُوالْحُلَيْفَةِ وَلِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةُ وَلِأَهْلِ النَّجْدِ قَرْنٌ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ (۶۰۹/۴) فَإِنْ قَدَّمَ الْإِحْرَامَ عَلٰى هٰذِهِ الْمَوَاقِيْتِ جَازَ.

ترجمہ: (۶۰۸/۳) اور وہ مواقیت کہ جن سے گزرنا جائز نہیں انسان کے لئے احرام باندھے بغیر، اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ ہے اور اہل عراق کے لئے عرق ہے اور اہل شام کے لئے جحفہ ہے اور اہل نجد کے لئے قرن ہے اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے، (۶۰۹/۴) چنانچہ اگر احرام باندھ لے ان مواقیت سے پہلے ہی تو یہ بھی جائز ہے۔

تشریح: مواقیت میقات کی جمع ہے، یہاں مجازاً وہ جگہیں مراد ہیں جہاں سے حجاج کرام احرام باندھتے ہیں۔

امام قدوری نے اس عبارت میں مواقیت کی تعداد پانچ بیان کی ہے:

(۱) ذوالحلیفہ: اس زمانہ میں اس کو آبارِ علی یا بئر علی سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ اہل مدینہ اور اس کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، تبوک اردن (جارڈن) وغیرہ سے آنے والوں کے لئے بھی میقات ہے۔

(۲) ذات عرق: یہ مکۃ المکرمہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک مقام ہے یہ اہل عراق، ایران، خراسان، افغانستان، ازبکستان، ترکمانستان، قزاقستان، روس اور چین سے خشکی کے راستے سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے اس مقام پر ان لوگوں کے لئے احرام باندھنا لازم ہے۔ (ایضاح المناسک ص:۳۹، ایضاح الطحاوی ج:۳،ص:۳۲۰)

(۳) جحفہ: یہ مقام مکۃ المکرمہ سے پانچ چھ منزل کے فاصلہ پر ہے اس زمانہ میں یہ مقام ویران سا ہو گیا ہے یہ

اہل شام، مصر، سوڈان، اور براعظم افریقہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے نیز ملک شام کے بعد ترکستان، بلغاریہ، روم، جرمنی، فرانس سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے۔

(ایضاح المناسک ص:۳۶، ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۱۹)

(۴) قرن: یہ مقام مکۃ المکرمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے یہ اہل نجد اور خلیجی ممالک اور اس طرف سے آنیوالوں کے لئے میقات ہے۔ (ایضاح المناسک ص:۳۶، ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۱۹)

(۵) یلملم: یہ مکۃ المکرمہ سے تقریباً تیس میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے یمن اور اس طرف سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے، مسقط، پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما، سنگاپور، ملیشیا، انڈونیشیا، آسٹریلیا، وغیرہ سے بحری جہاز سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے مگر جدہ اس کے محاذ میں پڑتا ہے، اس لئے بحری راستہ سے آنیوالوں کے لئے جدہ میں بھی احرام باندھنا جائز ہے۔ (ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۲۰، ایضاح المناسک ص:۳۶)

ماقبل میں جو مواقیت بیان کئے گئے ہیں ان مواقیت سے بلا احرام تجاوز کرنا دو طریقے سے ہوسکتا ہے:

(۱) اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر رہا ہے اور آئندہ سامنے کوئی دوسرا میقات بھی نہیں ہے تو ایسی صورت میں بلا احرام اگر اپنے میقات سے تجاوز کر جائے گا تو ائمہ اربعہ کے نزدیک اس پر ایک قربانی واجب ہوجائے گی۔

(۲) اپنے میقات سے بلا احرام تجاوز کر جاتا ہے اور آگے کوئی دوسرا میقات بھی ہے اور دوسرے میقات سے احرام باندھ لیتا ہے تو امام اعظم کے نزدیک یہ عمل مکروہ ہے، مگر دم واجب نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دم واجب ہوگا۔

(ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۲۵، اوجز المسالک ج:۳، ص:۳۳۳)

امام قدوری فرماتے ہیں کہ اپنے میقات پر آنے سے قبل اپنے گھر یا کسی اور مقام پر احرام باندھنا بلا کسی کراہت کے جائز ہے، حنفیہ وشافعیہ کا یہی مذہب ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۳۳۵، ایضاح الطحاوی ج:۳، ص:۳۲۵)

(۶۱۰/۵) وَمَنْ كَانَ بَعْدَ الْمَوَاقِيتِ فَمِيقَاتُهُ الْحِلُّ (۶۱۱/۶) وَمَنْ كَانَ بِمَكَّةَ فَمِيقَاتُهُ فِي الْحَجِّ الْحَرَمُ وَفِي الْعُمْرَةِ الْحِلُّ.

ترجمہ: (۶۱۰/۵) اور جو شخص رہتا ہو میقات کے بعد تو اس کی میقات حل ہے (۶۱۱/۶) اور جو شخص مکہ میں رہتا ہو تو اس کی میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل ہے۔

تشریح: حل کی تعریف: یہ حدود حرم سے باہر اور حدود میقات کے اندر کے درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے، اس کو حل اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں حدود حرم کے برخلاف شکار وغیرہ کھیلنا حلال ہے۔

حرم کی تعریف: یہ مکۃ المکرمہ کے چاروں طرف کچھ دور دور تک زمین ہے، اور اس کے حدود پر نشانات لگے ہوئے ہیں ان نشانات کے اندرونی حصہ کو حرم کہا جاتا ہے۔ (مستفاد ایضاح المناسک ص:۳۸)

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جو شخص میقات کے اندر کا رہنے والا ہے اس کے احرام باندھنے کی جگہ حل ہے اور جو شخص مکہ میں موجود ہو خواہ مکہ کا باشندہ ہو یا مکہ میں وقتی طور سے مقیم ہو گیا ہو تو حج کرنے کی صورت میں اس کے احرام باندھنے کی جگہ حرم ہے، اور عمرہ کی صورت میں حدود حرم سے کسی جانب نکل کر حل میں احرام باندھ کر ارکان عمرہ ادا کرے

(۶۱۲/۷) وَإِذَا أَرَادَ الْإِحْرَامَ إِغْتَسَلَ أَوْ تَوَضَّأَ وَالْغُسْلُ أَفْضَلُ وَلَبِسَ ثَوْبَيْنِ جَدِيْدَيْنِ أَوْ غَسِيْلَيْنِ إِزَاراً وَرِدَاءً وَمَسَّ طِيْباً إِنْ كَانَ لَهُ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ ثُمَّ يُلَبِّيْ عَقِيْبَ صَلٰوتِهٖ (۶۱۳/۸) فَإِنْ كَانَ مُفْرِداً بِالْحَجِّ نَوَى بِتَلْبِيَتِهِ الْحَجَّ.

ترجمہ: اور جب ارادہ کرے احرام باندھنے کا تو غسل کرے یا وضوء کرے اور غسل کرنا افضل ہے، اور پہنے دو کپڑے نئے ہوں یا دھلے ہوئے ہوں، تہبند اور چادر اور خوشبو لگائے اگر ہو اس کے پاس اور دو رکعت نماز پڑھے اور کہے اے اللہ میں حج کا ارادہ کرتا ہوں اس کو میرے لئے آسان کردے اور میری طرف سے قبول کر لے پھر تلبیہ کہے اپنی نماز کے بعد۔ (۶۱۳/۸) چنانچہ اگر یہ شخص صرف حج کا ارادہ کرنے والا ہو تو نیت کرے اپنے تلبیہ سے صرف حج کی۔

تشریح: احرام کا مطلب یہ ہے کہ ایک مخصوص حالت اور مخصوص لباس کے ساتھ حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھ لیا جائے، احرام کی جو دو چادریں ہوتی ہیں وہ حقیقت میں احرام نہیں ہے بلکہ ان کو مجازاً احرام کہہ دیتے ہیں۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو وہ پہلے غسل کرلے یا وضو کرلے لیکن غسل کرنا افضل ہے، غسل کے بعد احرام کے دو کپڑے ایک کو لنگی کی جگہ پہن لیا جائے اور دوسرے کو چادر کی طرح اوڑھ لیا جائے وہ دونوں کپڑے خواہ دھلے ہوئے ہوں یا نئے ہوں اور اگر میسر ہو تو اپنے بدن کو خوشبو لگائے پھر دو رکعت نماز نفل پڑھ کر ان الفاظ سے دعاء مانگے "اے اللہ! میرا ارادہ حج کرنے کا ہے اس کو میرے لئے آسان فرما، اور میری طرف سے قبول فرما" جبکہ صرف حج کا ارادہ ہے عمرہ کا ارادہ نہیں ہے، اور یہ حج افراد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے صرف حج کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ حاضر ہو کر طواف قدوم کر کے احرام کی حالت میں قیام کیا جائے اور یوم النحر کے دن جمرۂ عقبہ کی رمی، اس کے بعد احرام کھول دیا جائے اور ایسے حاجی پر کوئی قربانی لازم نہیں ہے، صرف ایک سعی اور ایک طواف واجب ہے، دو رکعت نماز احرام ادا کرنے کے بعد نماز کا سلام پھیرتے ہی متصلاً اسی مجلس میں احرام کی نیت کے ساتھ تلبیہ پڑھ لیا جائے احرام کی نماز اور احرام کی نیت و تلبیہ کے درمیان فاصلہ نہیں ہونا چاہئے، اگر بہت زیادہ فاصلہ ہو جائے گا تو سنت طریقہ سے احرام باندھنے کا جو حکم ہے اس پر عمل نہ ہوگا اور سنت طریقہ کے ثواب سے بھی محروم ہو جائے گا۔

احرام کے وقت خوشبو لگانا:

اگر احرام کے وقت ایسی خوشبو لگائی جس کا اثر و خوشبو بالکل ختم ہو جاتی ہے، تو سب کے نزدیک جائز ہے مگر

اختلاف اس بارے میں ہے کہ احرام کے وقت ایسی خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں جس کا اثر یا خوشبو دیر تک باقی رہ جاتی ہے تو اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) امام مالک اور امام محمد کے نزدیک ایسی خوشبو لگانا جائز نہیں ہے جس کی خوشبو یا رنگ احرام کے بعد تک باقی رہ جاتا ہے۔ (اوجز المسالک ج:۳، ص:۳۲۱، نیل ج:۴، ص:۳۲۳)

(۲) ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک احرام کے وقت خوشبو لگانا مطلقاً جائز اور مستحب ہے خواہ احرام کے بعد اس کا رنگ یا خوشبو باقی رہ جائے یا ختم ہو جائے ہر حال میں جائز ہے۔ (اوجز ج:۳، ص:۳۲۱)

(۹/۶۱۴) وَالتَّلْبِيَةُ اَنْ يَّقُوْلَ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ وَلَايَنْبَغِيْ اَنْ يُّخِلَّ بِشَيْءٍ مِّنْ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ فَاِنْ زَادَ فِيْهَا جَازَ.

ترجمہ: (۹/۶۱۴) اور تلبیہ یہ ہے کہ کہے تیرے دربار میں حاضر ہوتا ہوں، میں اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں بار بار حاضر ہوتا ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں، بے شک تو ہی حمد کے لائق ہے اور ساری نعمتیں آپ ہی کی عطاء کی ہوئی ہیں اور ملک بھی تیرا ہی ہے اس میں تیرا کوئی شریک نہیں اور مناسب نہیں ہے کم کرنا ان کلمات سے ہاں اگر کچھ زیادہ کردے تو جائز ہے۔

تشریح: بوقت احرام ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا فرض اور شرائط احرام میں سے ہے جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ دخول صلوٰۃ کے لئے شرط ہے اسی طرح حج میں تلبیہ دخول حج کے لئے شرط ہے، لہٰذا اگر تلبیہ نہیں پڑھے گا تو احرام صحیح نہ ہوگا اور نہ ہی حج یا عمرہ صحیح ہوگا اور بار بار تلبیہ کا تکرار سنت ہے۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مذکورہ کلمات میں سے کوئی کلمہ کم نہ کیا جائے کیونکہ یہ الفاظ منصوص اور متفق علیہ ہیں مگر اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان الفاظ پر کچھ الفاظ کی زیادتی جائز ہے یا نہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک الفاظ تلبیہ پر ایسے الفاظ کی زیادتی کی گنجائش ہے جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کرتے ہوں۔

(۲) امام مالک اور امام ابو یوسف کے نزدیک الفاظ منصوصہ پر زیادتی مکروہ ہے اس سے گریز کرنا ضروری ہے۔
(عمدۃ القاری ج:۷، ص:۴۷، معارف السنن ج:۶، ص:۳۱۳)

(۱۰/۶۱۵) فَاِذَا لَبّٰى فَقَدْ اَحْرَمَ (۱۱/۶۱۶) فَلْيَتَّقِ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ مِنَ الرَّفَثِ وَالْفُسُوْقِ وَالْجِدَالِ (۱۲/۶۱۷) وَلَايَقْتُلُ صَيْداً وَلَايُشِيْرُ اِلَيْهِ وَلَايَدُلُّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۱۰/۶۱۵) پھر جب اس نے تلبیہ کہہ لیا تو محرم ہو گیا۔ (۱۱/۶۱۶) اب چاہئے کہ بچے ان چیزوں سے جن سے اللہ نے منع کیا ہے یعنی صحبت کرنے، جھوٹ بولنے، اور جھگڑنے سے۔ (۱۲/۶۱۷) اور نہ شکار کو قتل کرے اور نہ

اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس پر راہنمائی کرے۔

تشریح: جس شخص نے احرام باندھنے کا ارادہ کیا جب اس نے نیت کی اور تلبیہ کہا تو وہ محرم ہو گیا احرام کے لئے نہ صرف نیت کافی ہے، اور نہ ہی صرف تلبیہ بلکہ جس طرح نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ اور نیت دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے، اسی طرح حج یا عمرہ میں داخل ہونے کے لئے تلبیہ اور نیت کا ایک ساتھ ہونا ضروری ہے۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ احرام باندھ کر ان تمام باتوں سے پرہیز کرے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے یعنی زبان سے گندی اور بیہودہ بات نکالنا اور معصیت وگناہ کرنا ایسے ہی اپنے ساتھی یا خادم وغیرہ سے جھگڑا کرنا یہ تمام باتیں عام حالات میں بھی ممنوع ہیں لیکن حالت احرام میں زیادہ تاکید ہے۔

ایسے ہی حالت احرام میں خشکی کے جانور کو قتل کرنا بھی حرام ہے، نیز محرم کے لئے نہ شکار کی طرف اشارہ کرنا جائز ہے، یعنی شکار سامنے موجود ہو اور اس کی طرف محرم اشارہ کرے یہ ناجائز ہے، اور اگر شکار تو سامنے موجود نہیں ہے لیکن شکار کے بارے میں محرم جانتا ہے اب وہ کسی غیر محرم سے یوں کہے کہ فلاں جگہ شکار ہے تو یہ راہنمائی بھی حرام ہے۔

(۱۳/۶۱۸) وَلَا يَلْبَسُ قَمِيْصاً وَلَاسَرَاوِيْلَ وَلَاعِمَامَةً وَلَاقَلَنْسُوَةً وَلَاقَبَاءً وَلَاخُفَّيْنِ إِلَّا أَنْ لَّايَجِدَ نَعْلَيْنِ فَيَقْطَعُهُمَا مِنْ أَسْفَلَ الْكَعْبَيْنِ.

ترجمہ: (۱۳/۶۱۸) اور نہ قمیص پہنے نہ پائجامہ نہ پگڑی باندھے، نہ ٹوپی اوڑھے نہ قباء (ایک لباس ہے جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے) پہنے اور نہ موزے مگر یہ کہ نہ پائے جوتے چنانچہ کاٹ دے ان کو ٹخنوں کے نیچے سے۔

تشریح: احرام کی حالت میں اپنے بدن کی ساخت اور بناوٹ کے مطابق سلے ہوئے یا بنے ہوئے کپڑے پہننا مرد کے لئے جائز نہیں ہے، مثلاً کرتہ، پائجامہ، دستانہ، موزہ، بنیان، نیکر، ٹوپی، کوٹ، اچکن وغیرہ، احرام کا کپڑا ایسا ہونا ضروری ہے جو بدن کی ہیئت پر سلا ہوا نہ ہو جیسے چادر لنگی وغیرہ اگر محرم کے پاس جوتیاں نہ ہوں تو اس کو ایسے موزے پہننے کی اجازت ہے، جن کے کعبین سے نیچے کے حصہ کو کاٹ دیا گیا ہو اور کعب سے مراد ٹخنہ نہیں ہے بلکہ وسط قدم کی ہڈی ہے، عورت حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے، اور زیورات، موزے، دستانے، پہن سکتی ہے۔

(۱۴/۶۱۹) وَلَا يُغَطِّيْ رَأْسَهٗ وَلَاوَجْهَهٗ (۱۵/۶۲۰) وَلَايَمَسُّ طِيْباً (۱۶/۶۲۱) وَلَا يَحْلِقُ رَأْسَهٗ وَلَاشَعْرَ بَدَنِهٖ وَلَايَقُصُّ مِنْ لِحْيَتِهٖ وَلَامِنْ ظُفْرِهٖ (۱۷/۶۲۲) وَلَايَلْبَسُ ثَوْباً مَصْبُوْغاً بِوَرْسٍ وَلَابِزَعْفَرَانٍ وَلَابِعُصْفُرٍ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ غَسِيْلًا وَلَايَنْفُضُ الصَّبْغَ.

ترجمہ: (۱۴/۶۱۹) اور نہ چھپائے اپنا سر اور چہرہ۔ (۱۵/۶۲۰) اور نہ لگائے خوشبو (۱۶/۶۲۱) اور نہ مونڈے اپنا سر اور نہ اپنے بدن کے بال اور نہ کاٹے اپنی ڈاڑھی کے بال اور نہ اپنے ناخن تراشے (۱۷/۶۲۲) اور نہ پہنے ورس زعفران، اور کسم سے رنگا ہوا کپڑا مگر یہ کہ دھلا ہوا ہو اور رنگ نہ جھڑتا ہو۔

تشریح: حالت احرام میں مرد کے لئے سر چھپانا جائز نہیں اسی طرح چہرہ کا چھپانا بھی جائز نہیں ہے، امام قدروی فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں خوشبو لگانا ممنوع ہے، مرد و عورت دونوں کا حکم یکساں ہے ایسے ہی محرم اپنے سر اور بدن کے بال بھی نہ مونڈے اور اپنی ڈاڑھی بھی نہ کترے اور نہ ناخن تراشے، محرم کو ایسا کپڑا استعمال کرنا بھی جائز نہیں ہے جو ورس یا زعفران یا کسم سے رنگا ہوا ہو لیکن اگر ان چیزوں سے رنگنے کے بعد دھو کر ایسا صاف کر دیا گیا ہے کہ اس سے خوشبو نہیں آتی تو اس کا پہننا محرم کے لئے بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ورس: ایک عمدہ خوشبودار گھاس ہے جو یمن میں پیدا ہوتی ہے۔

عصفر: کسم گھاس کا نام ہے، زرد رنگ۔

(۶۲۳/۱۸) وَلَا بَأْسَ بِاَنْ يَّغْتَسِلَ وَيَدْخُلَ الْحَمَّامَ

ترجمہ: (۶۲۳/۱۸) اور کوئی حرج نہیں ہے غسل کرنے اور حمام میں داخل ہونے میں۔

تشریح: حالت احرام میں محرم کے لئے غسل کرنا جائز ہے، اور گرم پانی سے غسل کرنے کے واسطے حمام میں داخل ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

(۶۲۴/۱۹) وَيَسْتَظِلَّ بِالْبَيْتِ وَالْمَحْمِلِ.

ترجمہ: (۶۲۴/۱۹) اور سایہ حاصل کر سکتا ہے بیت اللہ کا اور کجاوہ کا۔

تشریح: سایہ حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) کوئی رومال وغیرہ سر پر ڈالنا، (۲) کسی چھت کے نیچے یا خیمہ کے اندر بیٹھ کر سایہ کر حاصل کرنا، (۳) چھتری یا پالان یا ہودج وغیرہ سے سایہ حاصل کرنا، پہلی قسم بالاتفاق جائز ہے، تیسری قسم بالاتفاق جائز ہے، دوسری قسم میں اختلاف ہے حنفیہ وشافعیہ کے نزدیک جائز ہے، امام مالک واحمد کے نزدیک ناجائز ہے۔ (در منضود، ج:۳، ص:۲۱۳/۲۱۴)

موالک وحنابلہ کی دلیل: حضرت ابن عمرؓ نے ایک محرم کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھا اور اس نے اپنے اوپر سایہ کر رکھا تھا اس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا جس ذات کے لئے تو نے احرام باندھا ہے اس کے لئے دھوپ میں ہو جا یعنی سایہ مت کر۔ (بذل المجہود ج:۳، ص:۱۲۲)

جواب: ممکن ہے آپؓ نے بیان افضل کے لحاظ سے فرمایا ہو۔ (بذل المجہود ج:۳، ص:۱۲۲)

حنفیہ وشافعیہ کی دلیل: حضرت اسامہ وبلال سفر حج میں حضور کی سواری کے ساتھ تھے حضرت اسامہؓ آپ کے سر کے اوپر کپڑے سے سایہ کئے ہوئے تھے یہاں تک آپ جمرہ عقبہ کی رمی سے فارغ ہوئے۔ (بذل ج:۳، ص:۱۲۲)

(۶۲۵/۲۰) وَيَشُدُّ فِي وَسْطِهِ الْهِمْيَانَ

ترجمه: (۲۰/۶۲۵) اور باندھ سکتا ہے اپنی کمر سے ہمیانی۔

تشریح: ہمیان، وہ پٹی جو بٹوے یا تھیلی کا کام دے جس میں روپیہ پیسہ رکھ کر کمر سے باندھ لیا جاتا ہے، ہمارے نزدیک ہمیان کو کمر سے باندھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۲۱/۶۲۶) وَلَا يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَلَا لِحْيَتَهُ بِالْخِطْمِيِّ

ترجمه: (۲۱/۶۲۶) اور نہ دھوئے اپنا سر اور ڈاڑھی خطمی سے۔

تشریح: محرم کو اپنا سر اور ڈاڑھی خطمی سے دھونا جائز نہیں ہے کیونکہ خطمی ایک طرح کی خوشبو ہے اور محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔

(۲۲/۶۲۷) وَيُكْثِرُ مِنَ التَّلْبِيَةِ عَقِيْبَ الصَّلَوَاتِ وَكُلَّمَا عَلَا شَرَفاً أَوْ هَبَطَ وَادِياً أَوْ لَقِيَ رُكْبَاناً وَبِالْأَسْحَارِ.

ترجمه: (۲۲/۶۲۷) اور بکثرت تلبیہ پڑھے نمازوں کے بعد اور جب کسی بلندی پر چڑھے یا کسی پستی میں اترے یا سواروں سے ملاقات ہو اور صبح کے وقت۔

تشریح: محرم نمازوں کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھے نمازیں خواہ فرض ہوں یا نوافل ہوں ادا ہوں یا قضاء ہوں ایسے ہی جب کسی بلند جگہ پر چڑھے یا کسی پستی میں اترے یا سوراوں سے ملاقات ہو تو ان تمام حالتوں میں کثرت سے تلبیہ پڑھے ایسے ہی صبح کے وقت بھی کیونکہ صحابہ کرام ان حالتوں میں بکثرت تلبیہ پڑھتے تھے۔

(۲۳/۶۲۸) فَإِذَا دَخَلَ بِمَكَّةَ إِبْتَدَأَ بِالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَإِذَا عَايَنَ الْبَيْتَ كَبَّرَ وَهَلَّلَ

ترجمه: (۲۳/۶۲۸) پھر جب داخل ہو مکہ میں تو جائے پہلے مسجد حرام میں پھر جب دیکھے بیت اللہ کو تو تکبیر وتہلیل کہے۔

تشریح: مکۃ المکرمہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو اور مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہونا مستحب ہے، جب بیت اللہ آنکھوں سے نظر آئے تو اللہ اکبر کہے اور لا الہ الا اللہ کہے۔

مسجد حرام: یہ بیت اللہ شریف کے چاروں طرف بنی ہوئی مسجد ہے اس میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

باب السلام: یہ مسجد حرام کے اس دروازہ کا نام ہے جو صفا مروہ کی طرف سے داخل ہونے میں پڑتا ہے۔

تکبیر: اس کے معنی اللہ اکبر کہنے اور تکبیر تشریق کے الفاظ پڑھنے کے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج:۱۶، ص:۵۴۱)

(۲۴/۶۲۹) ثُمَّ ابْتَدَأَ بِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَاسْتَقْبَلَهُ وَكَبَّرَ وَهَلَّلَ (۲۵/۶۳۰) وَرَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيْرِ

وَاسْتَلَمَهُ وَقَبَّلَهُ إِنِ اسْتَطَاعَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُؤْذِيَ مُسْلِماً .

ترجمہ: (۲۴/ ۶۲۹) پھر حجر اسود سے شروع کرے پہلے اس کا استقبال کرے اور تکبیر و تہلیل کہے۔(۲۵/ ۶۳۰) اور دونوں ہاتھ اٹھائے تکبیر کے ساتھ اور استلام کرے اور چومے اگر ہو سکے کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر۔

تشریح: مسجد حرام میں داخل ہونے والے کا سب سے پہلا کام طواف ہے، اور طواف کی ابتداء حجر اسود سے کرے حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو کر باقاعدہ سینہ اور چہرہ کو حجر اسود کی طرف کر کے نماز میں تکبیر تحریمہ کی طرح دونوں ہاتھوں کو کانوں یا مونڈھوں تک اٹھا کر تکبیر کہہ کر طواف شروع کرنا مسنون ہے، اور طواف کی نیت بھی حجر اسود کے استقبال کے وقت کرنا مسنون ہے، کیونکہ حضورؐ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ نے حجر اسود سے ابتداء فرمائی اور حجر اسود کی جانب متوجہ ہو کر تکبیر و تہلیل کہی۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ طواف کے شروع میں تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے اور حجر اسود کا استلام کرے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائے بغیر اور اگر گنجائش نہ ہو بلکہ بھیڑ ہو تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر تکبیر و تہلیل کہہ لے۔

حجر اسود: جنت کے یاقوت کا ایک پتھر ہے اس کے نور کو خداوند کریم نے ختم کر کے دنیا میں اتارا ہے اگر اس کے نور کو ختم نہ کیا جاتا تو مشرق و مغرب اس کی روشنی سے منور ہو جاتے، جس وقت اتارا گیا دودھ کے مانند سفید تھا مگر انسانوں کی غلطیوں نے اس کو سیاہ کر دیا ہے۔ (ترمذی ج:۱ص:۱۷۷) یہ بیت اللہ شریف کے مشرقی جنوبی گوشہ میں قد آدم کے قریب اونچائی پر دیوار میں گڑا ہوا ہے اس کے چاروں طرف چاندی کا حلقہ چڑھا ہوا ہے، اور حجر اسود کو کسی زمانہ میں بلوائیوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا ان ٹکڑوں میں سے چھوٹے بڑے گیارہ ٹکڑے اس وقت چاندی کے حلقہ کے اندر جڑے ہوئے ہیں لہٰذا اگر کوئی حلقہ کے اندر بوسہ دے گا تو حجر اسود کو بوسہ دینا لازم نہ ہوگا بلکہ حجر اسود پر بوسہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ پتھر کے ان ٹکڑوں پر بوسہ دیا جائے۔

استلام: اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو حجر اسود پر رکھ کر حجر اسود کو منہ سے بوسہ دیا جائے یا حجر اسود پر ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لیا جائے اور اگر قریب نہ جا سکے تو دور ہی سے ہاتھ سے اشارہ کر کے ہاتھ کو چوم لیا جائے۔
(مسلم الحجاج ۱۳۲)

(۲۶/ ۶۳۱) ثُمَّ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ مَايَلِي الْبَابَ (۲۷/ ۶۳۲) وَقَدِ اضْطَبَعَ رِدَائَهُ قَبْلَ ذَالِكَ .

ترجمہ: (۲۶/ ۶۳۱) پھر شروع کرے اپنی داہنی طرف سے جہاں سے بیت اللہ کا دروازہ ہے۔(۲۷/ ۶۳۲) حال یہ ہے کہ وہ اپنی چادر کا اضطباع کر چکا ہے۔

تشریح: طواف جس طرح حجر اسود سے شروع کرنا واجب ہے اسی طرح دائیں جانب سے طواف کرنا واجب ہے یعنی حجر اسود سے دائیں جانب جہاں سے بیت اللہ کا دروازہ ہے اس جانب سے طواف شروع کرے۔

اضطباع کا حکم: اس کا مطلب یہ ہے کہ احرام کی چادر کو داہنی بغل میں سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لینا اور داہنا کندھا کھلا رہنے دینا اور اضطباع طواف کے ساتوں چکر میں کرنا مسنون ہے، اور ہر اس طواف میں اضطباع سنت ہے جو احرام کی حالت میں کیا جاتا ہے، اور اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ (معلم الحجاج ۱۲۶)

(۲۸/۶۳۳) فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ وَيَجْعَلُ طَوَافَهُ مِنْ وَرَاءِ الْحَطِيْمِ (۲۹/۶۳۴) وَيَرْمُلُ فِي الْاَشْوَاطِ الثَّلٰثِ الْاُوَلِ وَيَمْشِيْ فِي مَا بَقِيَ عَلٰى هَيْئَتِهٖ (۳۰/۶۳۵) وَيَسْتَلِمُ الْحَجَرَ كُلَّمَا مَرَّ بِهٖ اِنِ اسْتَطَاعَ (۳۱/۶۳۶) وَيَخْتِمُ الطَّوَافَ بِالْاِسْتِلَامِ.

ترجمہ: (۲۸/۶۳۳) پھر بیت اللہ کے چاروں طرف سات چکر لگائے اور کرے طواف حطیم سمیت۔ (۲۹/۶۳۴) اور اکڑتا ہوا چلے پہلے تین چکروں میں اور چلے باقی چکروں میں اپنی ہیئت پر (۳۰/۶۳۵) اور استلام کرے حجر اسود کا جب بھی اس کے پاس سے گذرے اگر ہو سکے (۳۱/۶۳۶) اور ختم کرے طواف کو استلام پر۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ طواف حطیم کے باہر سے کیا جائے گا نہ کہ حطیم کے اندر داخل ہو کر چنانچہ اگر طواف کرنیوالا اس کشادگی میں داخل ہوا جو حطیم اور بیت اللہ کے درمیان ہے تو طواف جائز نہ ہوگا جیسا کہ اللباب ج:۱ص:۱۶۹ پر لکھا ہے۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلے اور باقی چار چکروں میں سکون اور وقار کے ساتھ چلے، ہر شوط اور ہر چکر کے ختم پر حجر اسود کا استلام مسنون ہے اور ایسے ہی ہر طواف کی ابتداء اور انتہاء میں حجر اسود کا استلام مسنون ہے۔

رمل: مونڈھے ہلاتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ ذرا تیز رفتار چلنا جس طرح مقابلہ کے وقت پہلوان چلتے ہیں۔

حطیم: بیت اللہ شریف کی جانب شمال میں بیت اللہ سے متصل قد آدم دیوار سے گھرا ہوا حصہ ہے یہ درحقیقت بیت اللہ کا حصہ ہے، جب قریش مکہ نے حضور کو سینتیس سال کی عمر میں زمانۂ اسلام سے پہلے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی تو حلال پیسہ کی کمی کی وجہ سے یہ حصہ چھوڑ دیا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے منشاء نبوت کے مطابق اس کو خانہ کعبہ میں شامل فرمایا تھا مگر حجاج بن یوسف نے اس کو ختم کر کے پرانی تعمیر کی ہم شکل بنا دیا ہے پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے منشاء نبوت کے مطابق دوبارہ تعمیر کا ارادہ فرمایا تھا مگر اس زمانہ میں اسلامی بادشاہت کے مفتی حضرت امام مالک تھے انھوں نے فتویٰ دیا کہ اب قیامت تک کے لئے ترمیم جائز نہ ہوگی، ورنہ ہر زمانہ کے آنیوالے بادشاہ خانہ کعبہ میں ترمیم کرتے جائیں گے تو خانہ کعبہ بادشاہوں کا کھلواڑ بن کر رہ جائے گا اس لئے اسی حالت میں قیامت تک باقی رہے گا۔

(۳۲/۶۳۷) ثُمَّ يَاْتِي الْمَقَامَ فَيُصَلِّيْ عِنْدَهٗ رَكْعَتَيْنِ اَوْ حَيْثُ مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْمَسْجِدِ (۳۳/۶۳۸) وَ هٰذِهٖ

الطَّوَافِ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَهُوَ سُنَّةٌ لَيْسَ بِوَاجِبٍ وَلَيْسَ عَلٰى أَهْلِ مَكَّةَ طَوَافُ الْقُدُوْمِ.

ترجمہ: (۳۲/ ٦۳۷) پھر آئے مقام ابراہیم پر اور پڑھے اس کے پاس دو رکعت یا جہاں میسر ہو مسجد حرام میں (۳۳/ ٦۳۸) اور یہ طواف قدوم ہے اور یہ سنت ہے واجب نہیں ہے اور اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں ہے۔

تشریح: طواف سے فراغت پاکر مقام ابراہیم کے پاس یا مسجد حرام میں جہاں میسر ہو دو رکعت نماز پڑھے یہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔

مصنف نے فرمایا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ابتداءً داخل ہونے پر جو طواف ہے اس کو طواف قدوم کہتے ہیں میقات کے باہر سے آنیوالے مفرد بالحج یا قارن حرم شریف میں داخل ہوتے ہی فوراً ایک طواف بطور نفل کرلیں گے اس کو طواف قدوم کہتے ہیں، اہل مکہ اور وہ آفاقی جو تمتع یا عمرہ کرنے والے ہوں ان کے لئے یہ طواف مسنون نہیں ہے۔

مقام ابراہیم علیہ السلام: یہ جنت کا وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی ہے، یہ پتھر آج بھی اپنی حالت میں باقی ہے اور اس میں دو قدم بنے ہوئے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کے نشان ہیں کعبۃ اللہ کے دروازے کے سامنے اس پتھر کو شیشے میں رکھا گیا ہے، پھر اس شیشے کو پیتل اور تانبے کی جالی سے گھیر دیا گیا ہے اور جالیوں سے اچھی طرح نظر آتا ہے، ترمذی ج:۱ص:۱۷۷ میں ہے کہ یہ جنت کا یاقوتی پتھر ہے اس کی چمک کو اللہ نے ختم فرکر دنیا میں اتارا ہے اگر اس کے نور کو ختم نہ کیا جاتا تو مشرق و مغرب اس کی روشنی سے منور ہو جاتے انتھیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے، تو یہ پتھر خود بخود آپ کو لے کر حسب ضرورت اونچا ہو جاتا تھا اس پتھر کے پاس دعائیں بہت قبول ہوتی ہیں قرآن کریم میں اس کی بہت فضیلت آئی ہے۔ (معارف السنن ج:٦ ص:۴۲۲)

(۳۴/ ٦۳۹) ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّفَا فَيَصْعَدُ عَلَيْهِ وَيَسْتَقْبِلُ الْبَيْتَ وَيُكَبِّرُ وَ يُهَلِّلُ وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَدْعُوْ اللّٰهَ تَعَالٰى لِحَاجَتِهِ (۳۵/ ٦۴۰) ثُمَّ يَنْحَطُّ نَحْوَ الْمَرْوَةِ وَيَمْشِيْ عَلٰى هَيْنَتِهِ فَإِذَا بَلَغَ إِلٰى بَطْنِ الْوَادِيْ سَعٰى بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْاَخْضَرَيْنِ سَعْياً حَتّٰى يَأْتِيَ الْمَرْوَةَ فَيَصْعَدُ عَلَيْهَا وَيَفْعَلُ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا (۳٦/ ٦۴۱) وَهٰذَا شَوْطٌ فَيَطُوْفُ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ يَبْتَدِئُ بِالصَّفَا وَيَخْتِمُ بِالْمَرْوَةِ.

ترجمہ: (۳۴/ ٦۳۹) پھر نکلے صفاء پہاڑ کی طرف اور اس پر چڑھ کر بیت اللہ کی طرف منہ کر کے تکبیر و تہلیل کہے اور رسول اللہ پر درود بھیجے اور اپنی ضرورت کے لئے اللہ سے دعاء مانگے۔ (۳۵/ ٦۴۰) پھر مروہ کی طرف اتر جائے اور سکون کے ساتھ پر وقار انداز میں چلے پھر جب بطن وادی میں پہنچے تو دوڑے میلین اخضرین کے درمیان خوب یہاں تک کہ آئے مروہ تک پھر اس پر چڑھے اور کرے جس طرح کیا تھا صفاء پر۔ (۳٦/ ٦۴۱) اور یہ ایک چکر ہے پھر طواف

کرے سات چکر شروع کرے صفاء سے اور ختم کرے مروہ پر۔

تشریح: طواف قدوم سے فارغ ہوکر صلاۃ طواف اور دعاء کے بعد آب زمزم پی لیا جائے اس کے بعد حجر اسود کا استلام کرکے مسجد حرام سے نکلے اس کے بعد صفاء پہاڑی کے دامن پر کھڑے ہوکر قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعائیں مانگے اور تکبیر وتہلیل پڑھ کر سعی شروع کردے اور جب ہرے کھمبے کے پاس پہنچ جائے تو دوڑنے کے قریب تیز چلے جب مروہ پر پہنچے گا تو ایک چکر مکمل ہوجائے گا پھر اسی طرح مروہ سے صفا پر آئے گا تو دوسرا چکر پورا ہوگا اسی طرح سات چکر مروہ پر جاکر پورے ہوجائیں گے اور آخر میں قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر اللہ سے مرادیں مانگے اور تکبیر وتہلیل پڑھے۔

میلین اخضرین کے درمیان ہر چکر میں دوڑنا: صفا ومروہ کے درمیان دو ہرے کھمبے ہیں ان کو میلین اخضرین کہا جاتا ہے، جب سعی کرتے ہوئے ہرے ستون کے پاس پہنچ جائے خوب تیز چلے اور تیز رفتاری کا سلسلہ دوسرے ستون کے بعد چھ ہاتھ تک جاری رکھے، باقاعدہ دوڑنا نہیں چاہئے بلکہ دوڑنے کے قریب تیز چلنا مسنون ہے۔

سعی بین الصفا والمروہ: صفا اور مروہ دو چھوٹی پہاڑیاں ہیں جو مسجد حرام سے متصل ہیں جہاں بئر زمزم ہے وہاں پر حضرت اسماعیلؑ کو رکھ کر حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھی تھیں اور حضرت ہاجرہ اپنے اندر بہت زیادہ للّٰہیت رکھتی تھیں اور سخت پریشانی کے عالم میں دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑ دوڑ کر پانی تلاش کررہی تھیں اللہ تعالیٰ کو ان کا دوڑنا اس قدر پسند آیا کہ قیامت تک کے لئے تمام امت پر اس عمل کو واجب اور لازم فرمادیا ہے یہ عمل حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے فرض نہیں ہے البتہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک رکن اور فرض ہے۔

(ایضاح المناسک ۱۳۱)

(۶۴۲/۳۷) ثُمَّ يُقِيْمُ بِمَكَّةَ مُحْرِماً فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ كُلَّمَا بَدَا لَهُ

ترجمہ: (۶۴۲/۳۷) پھر ٹھہرا رہے مکۃ المکرمہ میں حالت احرام میں اور بیت اللہ کا طواف کرے جب جب اس کا جی چاہے۔

تشریح: طواف قدوم اور سعی سے فراغت کے بعد یہ شخص بحالت احرام مکۃ المکرمہ میں قیام کرے کیونکہ اس نے حج ادا کرنے کے ارادہ سے احرام باندھا ہے اس لئے بغیر افعال حج ادا کئے احرام سے نہ نکلے یعنی ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے احرام سے باہر ہوجاتا ہے، البتہ اس مدت قیام میں جب جی چاہے طواف کرتا رہے۔

(۶۴۳/۳۸) وَإِذَا كَانَ قَبْلَ يَوْمِ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ خَطَبَ الْإِمَامُ خُطْبَةً يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيْهَا الْخُرُوْجَ إِلٰى مِنًى وَالصَّلٰوةَ بِعَرَفَاتٍ وَالْوُقُوْفَ وَالْإِفَاضَةَ.

ترجمہ: (۶۴۳/۳۸) اور جب یوم ترویہ سے ایک دن پہلے کا وقت ہو تو خطبہ پڑھے امام ایک جس میں

سکھلائے لوگوں کو منیٰ کی طرف نکلنا عرفات کے میدان میں نماز پڑھنا عرفات میں ٹھہرنا اور وہاں سے روانہ ہونا۔

تشریح: ساتویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کے بعد امام ایک خطبہ دے گا جس میں وہ لوگوں کو افعال حج کی تعلیم دے گا مثلاً منیٰ کی جانب جانا میدان عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کر کے پڑھنا عرفات میں وقوف کرنا اور پھر وہاں سے کوچ کر کے مزدلفہ کی طرف جانا۔

(۳۹/۶۴۴) فَإِذَا صَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ بِمَكَّةَ خَرَجَ إِلَى مِنًى وَأَقَامَ بِهَا حَتَّى يُصَلِّيَ الْفَجْرَ يَوْمَ عَرَفَةَ

ترجمہ: (۳۹/۶۴۴) پھر جب پڑھ چکے نماز فجر آٹھویں تاریخ کو مکہ میں تو منیٰ کی طرف نکلے اور ٹھہرا رہے وہیں یہاں تک کہ پڑھے نماز فجر نویں ذی الحجہ کو۔

تشریح: آٹھویں ذی الحجہ کو ظہر سے پہلے منیٰ پہنچ جانا اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور نویں کی فجر کل پانچ نمازیں ادا کرنا اور اس رات کو منیٰ میں گذرانا نویں کو طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کو روانہ ہو جانا سنت ہے، اور اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔

(۴۰/۶۴۵) ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى عَرَفَاتٍ فَيُقِيمُ بِهَا فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فَيَبْتَدِئُ بِالْخُطْبَةِ أَوَّلًا فَيَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ يُعَلِّمُ النَّاسَ فِيهِمَا الصَّلٰوةَ وَالْوُقُوفَ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ وَرَمْيَ الْجِمَارِ وَالنَّحْرَ وَالْحَلْقَ وَطَوَافَ الزِّيَارَةِ.

ترجمہ: (۴۰/۶۴۵) پھر جائے عرفات کی طرف اور وہیں ٹھہرا رہے پھر جب سورج ڈھل جائے نویں ذی الحجہ کا تو پڑھائے امام لوگوں کو ظہر وعصر کی نماز اور خطبہ سے شروع کرے چنانچہ نماز سے قبل امام دو خطبے پڑھے جن میں سکھلائے لوگوں کو نماز پڑھنا وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ کنکریاں مارنا قربانی کرنا سر منڈانا اور طواف زیارت کرنا۔

تشریح: نویں ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات کیلئے روانہ ہونیکا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سورج طلوع ہو جانے کا انتظار کرے اور جب سورج کی روشنی جبل شبیر کے اوپر سے نظر آ جائے تو عرفات کے لئے روانہ ہو جائے اور سکون و وقار کیساتھ تلبیہ، تکبیر، تہلیل، ذکر، دعائیں، درود شریف پڑھتے ہوئے چلے میدان عرفات میں پہنچ جانے کے بعد سورج ڈھلنے سے قبل وقوف عرفہ صحیح نہیں ہوتا زوال کے بعد ہی وقوف صحیح ہوتا ہے اس درمیان میں دعاؤں میں مشغول ہو جانا اور حضور ﷺ پر درود بھیجتے رہنا اور ذکر و تلبیہ پڑھتے رہنا مسنون ہے۔

جب زوال ہو جائے تو فوراً ظہر کی اذان ہو جاتی ہے اور اذان کے بعد امام جمعہ کے خطبہ کی طرح نماز سے قبل دو خطبے دیگا اور عیدین کے خطبہ کی طرح پہلے خطبہ کے بعد شروع میں نو مرتبہ تکبیر پڑھیگا اور دوسرے خطبہ کے شروع میں سات مرتبہ اور بالکل اخیر میں چودہ مرتبہ تکبیر پڑھیگا اور تکبیر تشریق پڑھیگا امام لوگوں کو خطبہ میں افعال حج کی تعلیم دے گا۔

(۴۱/۶۴۶) وَيُصَلِّي بِهِمُ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ .

ترجمہ: (۴۱/ ۶۴۶) اور پڑھائے لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ظہر کے وقت میں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ۔

تشریح: عرفات میں ظہر اور عصر کی نماز کا حکم یہ ہے کہ عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں لیجا کر ظہر اور عصر دونوں کو ظہر کے وقت میں جمع کر کے ایک ساتھ ادا کیا جائے اور اس جمع کو جمع تقدیم کہتے ہیں، امام صاحب کے نزدیک جمع تقدیم تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے، (۱) امام یا امام کا نائب نماز پڑھائے، (۲) دونوں نمازیں حالت احرام میں پڑھی جائیں، (۳) عرفہ کا دن ہونا، ان تین شرطوں میں سے اگر ایک شرط بھی ختم ہو جائے تو جمع تقدیم جائز نہ ہوگی اس کے برخلاف صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جمع تقدیم کے صحیح ہونے کے واسطے صرف احرام کا ہونا شرط ہے، صاحب درمختار نے اس مذہب کو راجح قرار دیا ہے، لیکن علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل کے اعتبار سے کہا ہوگا ورنہ متون وغیرہ میں امام صاحب کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے۔ (درمختار مع الشامی، ج:۲،ص:۲۳۸/ ۲۳۹)

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں نمازوں کو جمع کرنے میں اذان واقامت کی کیا شکل ہوگی اس سلسلہ میں تین مذاہب ہیں:

(۱) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنے میں ایک اذان اور دو اقامت مسنون ہیں یہی امام احمد اور امام مالک کی ایک روایت ہے۔ (معارف السنن، ج:۶،ص:۴۵۱ تا ۴۵۲)

(۲) حضرت امام احمد کے مشہور قول کے مطابق دونوں نمازوں کے لئے دو اقامت لازم ہیں مگر اذان کسی کے لئے بھی نہیں ہے۔ (معارف ج:۶،ص:۴۵۲)

(۳) حضرت امام مالک کے مشہور قول کے مطابق عرفات میں دونوں نمازوں کے لئے الگ الگ دو اذان اور دو اقامت لازم ہیں کہ اولاً ظہر کی اذان وتکبیر سے ظہر کی نماز ادا کی جائے اس کے بعد عصر کی اذان وتکبیر سے عصر کی نماز ادا کی جائے۔ (معارف ج:۶،ص:۴۵۲)

(۴۲/ ۶۴۷) وَمَنْ صَلَّى الظُّهْرَ فِي رَحْلِهِ وَحْدَهُ صَلَّى كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا فِي وَقْتِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَىٰ وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا الْمُنْفَرِدُ.

ترجمہ: (۴۲/ ۶۴۷) اور جس نے پڑھ لی ظہر کی نماز اپنے ٹھکانے پر تنہا تو پڑھے ان میں سے ہر ایک کو اس کے وقت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ تنہا پڑھنے والا بھی دونوں کو جمع کرے۔

تشریح: اگر کسی حاجی نے ظہر کی نماز اپنے ٹھکانے پر تنہا پڑھ لی تو امام صاحب کے نزدیک یہ شخص عصر کی نماز اس کے وقت میں ادا کرے یعنی ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں جمع نہ کرے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۴۴۱)

دلیل: وقت کے اندر نماز کی حفاظت ضروری ہے الا یہ کہ اس کے خلاف شریعت وارد ہوئی ہو اور شریعت کا ورود اس صورت میں ہے جبکہ امام کے ساتھ جماعت سے نماز ادا کی جائے لہٰذا منفرد کو جمع بین الصلاتین کی اجازت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس جمع کے لئے شرط یہ ہے کہ جماعت کی نماز ہو نیز امام المسلمین یا اس کے نائب کی اقتداء میں ہو۔ (عینی ج:۱،ص:۱۴۴۱)

صاحبین کا مذہب: یہ ہے کہ منفرد بھی دونوں نمازوں کو جمع کرے جیسا کہ با جماعت پڑھنے والا کا حکم ہے یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ ج:۱،ص:۱۴۴۱ جزءدوم، عالم گیری ج:۱،ص:۲۲۸)

دلیل: حاجی کے لئے جمع بین الصلاتین کی اجازت اس لئے ہے تا کہ وقوف عرفہ زیادہ سے زیادہ کر سکے اور اس ضرورت میں منفرد اور با جماعت نماز پڑھنے والا دونوں برابر ہیں۔ (عینی ج:۱،ص:۱۴۴۱)

جواب: عصر کو مقدم کرنا جماعت کی حفاظت کے پیش نظر ہے کیونکہ ظہر پڑھ کر لوگ اگر میدان عرفات میں منتشر ہو گئے تو عصر کے لئے ان کو جمع کرنا دشوار ہوگا اس دشواری کی وجہ سے اور جماعت کی فضیلت کو حاصل کرنے کیوجہ سے عصر کو اس کے وقت پر مقدم کر کے ظہر وعصر کو جمع کرنیکا حکم دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے جیسا کہ صاحبین نے ذکر کیا ہے۔ (عینی ج:۱،ص:۱۴۴۱) اس مسئلہ میں امام کا قول ہی راجح ہے۔ (عالمگیری ج:۱،ص:۲۲۸)

(۴۳/ ۶۴۸) ثُمَّ يَتَوَجَّهُ إِلَى الْمَوْقِفِ فَيَقِفُ بِقُرْبِ الْجَبَلِ وَعَرَفَاتٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ اِلَّا بَطْنَ عُرْنَةَ

ترجمہ: (۴۳/ ۶۴۸) پھر موقف کے طرف متوجہ ہو چنانچہ پہاڑ کے نزدیک کھڑا ہو اور عرفات پورا موقف ہے سوائے بطن عرنہ کے۔

تشریح: ظہر وعصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر ممکن ہو تو جبل رحمت کے قریب جا کر وقوف کرے اور ایسی جگہ پر قیام کی کوشش کرے جہاں سے قبلہ کی طرف رخ کرنے میں جبل رحمت سامنے ہو اور اپنی داہنی طرف ہو اور اگر ایسی جگہ میسر نہ ہو تو پورے عرفات میں کہیں بھی وقوف کر سکتا ہے، مگر بطن عرنہ جو ایک چھوٹی وادی ہے اس جگہ وقوف نہ کرے کیونکہ اس کی ممانعت ہے۔

جبل رحمت: یہ میدان عرفات کے درمیان میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھ کر دعائیں مانگنا باعث قبولیت ہے عرفات کے دن اس پہاڑ پر بہت بھیڑ ہوتی ہے، اس لئے کمزور لوگوں کو اس پر چڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، بھیڑ میں جان کا خطرہ ہو جاتا ہے۔

(۴۴/ ۶۴۹) وَيَنْبَغِي لِلْاِمَامِ اَنْ يَقِفَ بِعَرَفَةَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ وَيَدْعُوْ وَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْمَنَاسِكَ

ترجمہ: (۴۴/ ۶۴۹) اور امام کے لئے مناسب ہے کہ وقوف کرے عرفہ میں اپنی سواری پر اور امام دعا مانگے اور لوگوں کو حج کے احکام سکھلائے۔

تشریح: امام المسلمین کے لئے سواری پر سوار ہو کر وقوف کرنا افضل ہے کیونکہ حضور کی سنت یہی ہے اور اللہ سے خوب رو رو کر دعاء مانگے اور لوگوں کو مناسک حج سکھلائے۔

(۶۵۰/۴۵) وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يَّغْتَسِلَ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ (۶۵۱/۴۶) وَيَجْتَهِدُ فِي الدُّعَاءِ

ترجمہ: (۶۵۰/۴۵) اور مستحب ہے یہ کہ غسل کرے وقوفِ عرفہ سے پہلے۔ (۶۵۱/۴۶) اور دعا میں خوب کوشش کرے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ وقوف عرفہ سے پہلے غسل کرنا سنت ہے، وقوف کے دوران قبلہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر تکبیر، تہلیل، تسبیح، حمد وثناء اور حضور ﷺ پر درود شریف، استغفار اور تلبیہ پڑھتے ہوئے حضور قلبی کے ساتھ اپنے لئے اپنے والدین کے لئے، رشتہ دار دوست احباب، اور تمام مؤمنین ومؤمنات کے لئے رو رو کر، دعائیں مانگے اور اسی طریقہ پر دعائیں بار بار مانگتا رہے۔

(۶۵۲/۴۷) فَاِذَا غَرُبَتِ الشَّمْسُ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ عَلٰى هَيْنَتِهِمْ حَتّٰى يَاْتُوا الْمُزْدَلِفَةَ فَيَنْزِلُوْنَ بِهَا (۶۵۳/۴۸) وَالْمُسْتَحَبُّ اَنْ يَنْزِلُوْا بِقُرْبِ الْجَبَلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْمِيْقَدَةُ يُقَالُ لَهُ قُزَحُ.

ترجمہ: (۶۵۲/۴۷) پھر جب سورج غروب ہو جائے تو چلے امام اور لوگ اس کے ساتھ اپنے وقار پر یہاں تک کہ مزدلفہ میں آ دیں اور وہیں اتر جائیں۔ (۶۵۳/۴۸) اور مستحب ہے یہ کہ اتریں اس پہاڑ کے قریب جس پر میقدہ ہے جس کو قزح کہا جاتا ہے۔

تشریح: عرفات کے دن حجاج کے لئے غروب شمس سے پہلے عرفات کے حدود سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اگر کوئی اتفاق سے حدود عرفات سے باہر نکل جاتا ہے تو لوٹ کر عرفات میں داخل ہونا واجب ہے، نویں ذی الحجہ کو آفتاب غروب ہونے کے بعد بغیر نماز مغرب پڑھے امام اور لوگ پر وقار طریقہ سے لوٹ کر مزدلفہ آ جائیں حاجی کے لئے مزدلفہ میں جبل قزح کے قریب ٹھہرنا مستحب ہے۔

جبل قزح: یہ میدان مزدلفہ میں ایک چھوٹی سے پہاڑی ہے جس کے دامن پر مسجد مشعر حرام بنی ہوئی ہے اور اس پہاڑ کے نشانات معمولی درجہ کے باقی ہیں، جب عرفات سے مزدلفہ کو چلیں گے تو دائیں بائیں اونچے اونچے پہاڑ ہیں جب دونوں پہاڑی کے درمیان سے گذریں گے تو پہاڑ حصہ ختم ہو جانے کے بعد مزدلفہ کا حصہ شروع ہو جاتا ہے، اور سامنے ہی جبل قزح اور مسجد مشعر حرام نظر آئے گی۔

میقدہ: ایک جگہ ہے جس پر زمانہ جاہلیت میں لوگ آگ روشن کرتے تھے۔ (عینی ج:۱ص:۱۴۴۸)

(۶۵۴/۴۹) وَيُصَلِّي الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِيْ وَقْتِ الْعِشَاءِ بِاَذَانٍ وَإِقَامَةٍ (۶۵۵/۵۰) وَمَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ فِي الطَّرِيْقِ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: (۶۵۴/۴۹) اور پڑھائے لوگوں کو مغرب وعشاء کی نماز عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک تکبیر کے ساتھ (۶۵۵/۵۰) اور جس نے پڑھ لی مغرب کی نماز راستہ میں تو جائز نہ ہوگی طرفین کے نزدیک۔

تشریح: عرفات کے دن حجاج کی مغرب وعشاء کی نماز کا وقت مزدلفہ پہنچنے کے بعد ہوتا ہے، اس لئے عرفات یا مزدلفہ کے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اگر چہ مغرب کا وقت نکل جاتا ہو اور اگر کوئی یہ سمجھ کر مزدلفہ کے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لیتا ہے کہ وقت نکلا جارہا ہے تو اس پر مزدلفہ آکر نماز مغرب کا اعادہ واجب ہے، ایسے ہی اگر عشاء کی نماز پڑھ لیتا ہے تو اس پر بھی مزدلفہ پہنچ کر عشاء کا لوٹانا واجب ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک نماز تو درست ہو جائے گی البتہ مخالف سنت کیوجہ سے گناہ گار ہوگا، جب مزدلفہ آکر دونوں نمازوں کو ایک ساتھ عشاء کے وقت میں اداء کرنا لازم ہے تو کتنی اذان اور کتنی اقامت کی ضرورت ہے، اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کرنے میں دو اذان اور دو اقامت لازم ہیں۔ اولاً مغرب کی اذان واقامت کے ساتھ مغرب ادا کی جائے پھر اس کے بعد عشاء کی اذان واقامت کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ (عمدۃ القاری ج:۷، ص:۲۶۹)

(۲) شیخین کے نزدیک صرف ایک اذان اور ایک اقامت کیساتھ دونوں نمازیں ادا کی جائیں گی اس طرح کہ ایک اذان اور ایک اقامت کے بعد مغرب کی نماز ادا کرلی جائے پھر اس کے بعد بلا اذان اور بلا اقامت کے عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ (عمدۃ القاری ج:۷، ص:۲۶۹)

(۳) امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام زفر کے نزدیک ایک اذان اور دو اقامت کیساتھ دونوں نمازیں ادا کی جائیں اولاً ایک اذان اور ایک اقامت سے مغرب کی نماز ادا کی جائے، پھر اس کے بعد ایک اقامت سے عشاء کی نماز ادا کی جائے۔ (عمدۃ القاری ج:۷، ص:۲۶۹)

امام مالک کی دلیل: حضرت عمرؓ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء میں سے ہر ایک کو الگ الگ اذان واقامت کے ساتھ اداء فرمایا کرتے تھے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۴۳۳)

جواب حضرت عمر نے مغرب کی نماز اذان واقامت سے ادا کرلی تھی اس کے بعد لوگ اپنے کھانے پینے اور دوسری ضروریات میں لگ گئے تھے، اب لوگوں کو جمع کرنے کے لئے اذان دینے کی ضرورت تھی اور جب نئی اذان دی گئی تو اقامت بھی اس کے بعد کہنی چاہئے، اور لوگوں کے منتشر ہونے کی وجہ سے دوبارہ اذان واقامت کے ہم بھی قائل ہیں لیکن جب منتشر لوگوں کو جمع کرنا مقصود نہ ہو تو صرف ایک اذان واقامت کافی ہو جائے گی۔ (طحاوی ج:۱، ص:۴۳۳)

مذہب ثالث کی دلیل: حضرت جابر کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۴۳۵)

جواب حضرت جابر کی روایت ہے کہ حضور نے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ جمع فرمایا ہے۔ (عینی ج:۱، ص:۱۴۴۸) چنانچہ آپ کی دونوں روایتیں متعارض ہوگئیں لہٰذا قابل استدلال نہ ہوگی۔

مذہب ثانی کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ حضور نے مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو ایک اذان

اور ایک اقامت کے ساتھ جمع فرمایا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر بھی اسی طرح عمل کیا کرتے تھے۔ (طحاوی ج:۱، ص:۴۳۴) ابن عمر کی یہ روایت غیر متعارض ہے لہٰذا یہی روایت قابل استدلال ہوگی۔

(۵۱/۶۵۶) فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلَّى الْإِمَامُ بِالنَّاسِ الْفَجْرَ بِغَلَسٍ (۵۲/۶۵۷) ثُمَّ وَقَفَ الْإِمَامُ وَوَقَفَ النَّاسُ مَعَهُ فَدَعَا (۵۳/۶۵۸) وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ إِلَّا بَطْنَ مُحَسِّرٍ.

ترجمہ: (۵۱/۶۵۶) پھر جب صبح صادق ہوجائے تو پڑھائے امام لوگوں کو فجر کی نماز اندھیرے میں (۵۲/۶۵۷) پھر امام وقوف کرے اور اس کے ساتھ لوگ وقوف کریں اور دعاء کرے (۵۳/۶۵۸) اور مزدلفہ پورے کا پورا وقوف کرنے کی جگہ ہے علاوہ وادی محسر کے۔

تشریح: دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق کے بعد مزدلفہ میں فجر کی نماز پڑھ کر وقوف مزدلفہ کرلیا جائے وقوف مزدلفہ کا وقت دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان کا وقت ہے نماز فجر پڑھ کر تکبیر، تہلیل وتلبیہ پڑھتے ہوئے گریہ وزاری کے ساتھ وقوف میں اللہ سے مرادیں مانگے یہاں بھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ مزدلفہ پورے کا پورا وقوف کرنے کی جگہ ہے مگر محسر میں وقوف نہ کرے۔

محسر: یہ منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک نشیبی میدان ہے اور اسی جگہ پر اصحاب فیل اور ان کے سربراہ بادشاہ ابرہہ پر عذاب نازل ہوا تھا یہ لوگ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے آرہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمایا اور یہ ناکام ہوگئے اس جگہ مزدلفہ کا وقوف درست نہیں ہے، اور مزدلفہ سے منیٰ آتے وقت یہاں سے تیز رفتاری سے چلنا چاہئے۔

(۵۴/۶۵۹) ثُمَّ أَفَاضَ الْإِمَامُ وَالنَّاسُ مَعَهُ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ حَتّٰى يَأْتُوْ مِنًى (۵۵/۶۶۰) فَيَبْتَدِأُ بِجَمْرَةِ الْعَقَبَةِ فَيَرْمِيْهَا مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ مِثْلَ حَصَاةِ الْخَذْفِ (۵۶/۶۶۱) وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ (۵۷/۶۶۲) وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا (۵۸/۶۶۳) وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ مَعَ أَوَّلِ حَصَاةٍ (۵۹/۶۶۴) ثُمَّ يَذْبَحُ إِنْ أَحَبَّ (۶۰/۶۶۵) ثُمَّ يَحْلِقُ أَوْ يُقَصِّرُ وَالْحَلْقُ أَفْضَلُ (۶۱/۶۶۶) وَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ

ترجمہ: پھر چلے امام اور لوگ اس کیساتھ سورج نکلنے سے پہلے یہاں تک کہ منیٰ آجائیں (۵۵/۶۶۰) اور شروع کرے جمرہ عقبہ سے چنانچہ مارے اس پر بطن وادی سے سات کنکریاں ٹھیکری کی کنکریوں کی طرح (۵۶/۶۶۱) اور تکبیر کہتا رہے ہر کنکری کے ساتھ (۵۷/۶۶۲) اور نہ ٹھہرے جمرۂ عقبہ کے پاس (۵۸/۶۶۳) اور ختم کردے تلبیہ پہلی کنکری پھنکتے ہی، (۵۹/۶۶۴) پھر قربانی کرے اگر چاہے (۶۰/۶۶۵) پھر بال منڈوائے یا کتروائے اور منڈانا افضل ہے، (۶۱/۶۶۶) اب حلال ہوگئی محرم کے لئے تمام چیز علاوہ عورتوں کے۔

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ دسویں ذی الحجہ کو سورج طلوع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے مزدلفہ سے منیٰ کو

روانہ ہو جائے اور منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کی جائے، بطن وادی کے نیچے سے سات کنکریاں پھینک مارے اور چاروں اماموں کے نزدیک جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب کے بعد کرنا افضل اور اولیٰ ہے۔ کنکریاں انگلی کے پوروں کے بقدر ہوں جن کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے کنارے سے پھینکا جا سکتا ہو، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے حاجی جمرۂ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے کیونکہ حضورؐ نے بھی نہیں ٹھہرے تھے اور پہلی کنکری پھینکتے ہی تلبیہ ختم کر دے۔

اگر متمتع یا قارن (بیان آگے آئے گا) ہے تو رمی کے بعد قربانی کر لی جائے اور اگر متمتع یا قارن نہیں ہے تو قربانی لازم نہیں جن لوگوں پر قربانی لازم ہے وہ قربانی کے بعد اور جن پر قربانی لازم نہیں وہ رمی کے بعد اپنے سر کا حلق یا قصر کر لیں اور سر کے بال صاف کر لینے کے بعد احرام کی پابندی ختم ہو جاتی ہے، بس طواف زیارت سے پہلے صرف بیوی سے ہمبستری کرنا منع رہتا ہے۔

جمرات یا جمار: یہ منٰی کے وہ تین مشہور کھمبے ہیں جن پر کنکریاں ماری جاتی ہیں ان میں سے حرم شریف کی طرف بالکل اخیر میں جو کھمبا ہے اس کو جمرۂ عقبہ، جمرۃ الکبریٰ، جمرۃ الاخریٰ بھی کہا جاتا ہے، اس کے بعد جو دوسرے نمبر کا کھمبا ہے اس کو جمرۂ وسطیٰ کہا جاتا ہے، اس کے بعد مسجد خیف سے قریب کا جو کھمبا ہے اس کو جمرہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ (معلم الحجاج ۶۹)

(۶۲/۶۶۷) ثُمَّ يَأْتِيْ مَكَّةَ مِنْ يَوْمِهِ ذٰلِكَ اَوْمِنَ الْغَدِ اَوْمِنْ بَعْدَ الْغَدِ فَيَطُوْفُ بِالْبَيْتِ طَوَافَ الزِّيَارَةِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ (۶۳/۶۶۸) فَاِنْ كَانَ سَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ عَقِيْبَ طَوَافِ الْقُدُوْمِ لَمْ يَرْمُلْ فِيْ هٰذَا الطَّوَافِ وَلَاسَعْىَ عَلَيْهِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ قَدَّمَ السَّعْىَ رَمَلَ فِيْ هٰذَا الطَّوَافِ وَيَسْعٰى بَعْدَهٗ عَلٰى مَا قَدَّمْنَاهُ (۶۴/۶۶۹) وَقَدْ حَلَّ لَهُ النِّسَاءُ (۶۵/۶۷۰) وَهٰذَا الطَّوَافُ هُوَ الْمَفْرُوْضُ فِي الْحَجِّ (۶۶/۶۷۱) وَيُكْرَهُ تَاخِيْرُهٗ عَنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ فَاِنْ اَخَّرَهٗ عَنْهَا لَزِمَهٗ دَمٌ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَاشَيْءَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۶۲/۶۶۷) پھر آئے مکہ میں اسی دن یا دوسرے دن چنانچہ طواف کرے خانۂ کعبہ کا طواف زیارت سات چکر۔ (۶۳/۶۶۸) اگر سعی کر چکا ہو صفا و مروہ کے درمیان طواف قدوم کے بعد تو رمل نہ کرے اس طواف میں اور اس پر سعی بھی نہیں ہے اور اگر اس سے پہلے سعی نہیں کی تو رمل کرے اس طواف میں اور سعی کرے اس کے بعد جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ (۶۴/۶۶۹) اور اب حلال ہو گئی اس کے لئے عورت بھی۔ (۶۵/۶۷۰) اور یہی طواف فرض ہے، حج میں اور مکروہ ہے مؤخر کرنا۔ (۶۶/۶۷۱) اس کو ان ایام سے چنانچہ اگر مؤخر کر دیا اس کو ان ایام سے تو لازم ہوگا خون امام ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔

تشریح: دس ذی الحجہ کو منیٰ میں رمی حلق اور ذبح کے بعد اگر وقت ہو تو حرم شریف پہنچ کر طواف زیارت بھی کر لیا جائے اور اگر وقت نہ ہو تو گیارہویں یا بارہویں کو طواف زیارت کر لیا جائے اگر یوم عرفہ سے پہلے صفا و مروہ کے درمیان سعی کر لی تھی اور سعی سے قبل کے طواف میں رمل بھی کر لیا تھا تو اب طواف زیارت میں دوبارہ رمل کی ضرورت نہیں ہے،

اوراس پر سعی بھی واجب نہیں ہے، اور اگر عرفات اور منیٰ کو روانہ ہونے سے پہلے سعی نہیں کی تھی تو طواف کے بعد صفاو مروہ کے درمیان سعی بھی کرے اور طواف زیارت میں رمل اضطباع دونوں کرنا مسنون ہے۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ طواف زیارت حج کے اندر ہر حاجی پر فرض ہوتا ہے اور یہ طواف وقوف عرفہ کے بعد کیا جاتا ہے، اور دسویں سے بارھویں ذی الحجہ تک اس کا وقت ادا باقی رہتا ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بارھویں ذی الحجہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے طواف زیارت کرلینا واجب ہے اس سے تاخیر مکروہ تحریمی اور موجب دم ہے، لہٰذا اگر بارہویں ذی الحجہ گذر گئی اور طواف زیارت نہیں کیا پھر بعد میں طواف کرتا ہے تو فریضۂ طواف تو ادا ہو جائے گا مگر تاخیر کیوجہ سے جرمانہ میں ایک قربانی واجب ہو جائے گی فتویٰ اسی قول پر ہے۔ (اللباب ج:۱ص ۱۷۴) صاحبین کے نزدیک اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

(۶۷/۶۷۲) ثُمَّ يَعُوْدُ إِلٰى مِنىً فَيُقِيْمُ بِهَا (۶۸/۶۷۳) فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْيَوْمِ الثَّانِيْ مِنْ اَيَّامِ النَّحْرِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ يَبْتَدِئُ بِالَّتِيْ تَلِي الْمَسْجِدَ (۶۹/۶۷۴) فَيَرْمِيْهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَقِفُ عِنْدَهَا فَيَدْعُوْ ثُمَّ يَرْمِي الَّتِيْ تَلِيْهَا مِثْلَ ذَالِكَ وَيَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَرْمِيْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ كَذَالِكَ وَلَايَقِفُ عِنْدَهَا (۷۰/۶۷۵) فَإِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذَالِكَ.

ترجمہ: (۶۷/۶۷۲) پھر واپس آئے منیٰ کو اور رہے وہیں (۶۸/۶۷۳) پھر جب سورج ڈھل جائے قربانی کے ایام میں سے دوسرے دن تو رمی کرے تینوں جمروں کی، چنانچہ شروع کرے جمرہ سے جو مسجد خیف سے متصل ہے (۶۹/۶۷۴) پس اس پر سات کنکریاں مارے ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے پھر ٹھہرے اس جمرہ کے پاس اور دعاء کرے۔ پھر رمی کرے اس کی جو اس کے پاس ہے اسی طرح اور اس کے پاس بھی ٹھہرے پھر رمی کرے جمرۂ عقبہ کی اسی طرح اور نہ ٹھہرے اس کے پاس۔ (۷۰/۶۷۵) جب اگلا دن ہو تو رمی کرے تینوں جمروں کی سورج ڈھلنے کے بعد اسی طرح۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حاجی طواف زیارت کے بعد منیٰ میں جاکر قیام کرے گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں تینوں جمرات کی رمی واجب ہے، اور ان دونوں دنوں کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہوکر دوسرے دن صبح صادق تک رہتا ہے، اگر زوال سے قبل رمی کرے گا تو راجح قول کے مطابق وہ رمی صحیح نہیں ہوگی اس کا اعادہ واجب ہوگا، زوال سے غروب تک وقت مسنون ہے اور غروب سے صبح صادق تک وقت مکروہ ہے، اور صبح صادق کے بعد وقت قضاء شروع ہو جاتا ہے، لہٰذا گیارہویں کی رمی اگر بارہویں کی صبح صادق ہو جانے کے بعد تک مؤخر کردی ہے تو قضاء اور دم دونوں لازم ہو جائیں گے، اسی طرح اگر بارہویں کو اتنا مؤخر کردیا ہے کہ تیرہویں کی صبح صادق ہوگئی تو قضاء اور کفارہ دونوں کا دم الگ الگ واجب ہو جائے گا، اور رمی کی قضاء کا وقت تیرہویں کے غروب تک رہتا ہے، اسکے بعد رمی کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور مؤخر کرنے کی صورت میں قضاء جائز نہ ہوگی صرف دم دینا لازم ہوگا۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ رمی کی ابتداء اس جمرہ سے کرے گا: جمرہ مسجد خیف سے متصل واقع ہے اس جمرہ پر سات کنکریاں پھینکے ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہے اور اس جمرہ کے پاس توقف کرے، پھر اسی طرح اس جمرہ کی رمی کرے جو اس کے متصل ہے، اور اس دوسرے جمرہ کے پاس بھی توقف کرے، پھر اسی طرح جمرہ عقبہ کی رمی کرے البتہ اس کے پاس توقف نہ کرے پہلے اور دوسرے جمرہ کے پاس توقف کر کے اللہ کی تعریف بیان کرے تکبیر و تہلیل پڑھے اور درود شریف پڑھے اور دعاء کرے۔

مسجد خیف: یہ منیٰ میں جمرات کے قریب ایک بہت بڑی مسجد ہے۔

منیٰ: یہ وادیٔ محسر سے جمرہ عقبہ تک دو طرفہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان ہے اور یہ میدان مسجد حرام سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور یہیں پر شیطان کو کنکری ماری جاتی ہے یہ حرم میں داخل ہے۔

(۷۱/۶۷۶) وَإِذَا اَرَادَ اَنْ يَتَعَجَّلَ النَّفْرَ نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ وَإِنْ اَرَادَ اَنْ يُقِيمَ رَمَى الْجِمَارَ الثَّلٰثَ فِي الْيَوْمِ الرَّابِعِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ كَذٰلِكَ (۷۲/۶۷۷) فَإِنْ قَدَّمَ الرَّمْيَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ قَبْلَ الزَّوَالِ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لَايَجُوْزُ.

ترجمہ: (۷۱/۶۷۶) اور اگر جلدی کوچ کرنے کا ارادہ ہو تو مکہ کی طرف کوچ کرے اور اگر رہنا چاہے تو رمی کرے تینوں جمروں کی چوتھے دن سورج ڈھلنے کے بعد اسی طرح (۷۲/۶۷۷) اور اگر کنکریاں ماردیں اس دن سورج ڈھلنے سے پہلے طلوع فجر کے بعد تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر بارہویں ذی الحجہ کو حاجی کو جلدی ہو تو رمی کے بعد بارہویں ہی تاریخ میں مکۃ المکرمہ کے لئے روانہ ہو جائے اور اگر ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو تیرہویں ذی الحجہ کی رمی بھی واجب ہو جاتی ہے اور زوال کے بعد سے غروب کے درمیان کرنا واجب ہے، زوال سے پہلے رمی جائز نہ ہوگی اگر زوال سے قبل کرے گا تو اعادہ لازم ہوگا یہ مذہب صاحبین کا ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیرہویں تاریخ کو زوال سے پہلے رمی کرنے کی صورت میں اعادہ نہیں ہے۔

(۷۳/۶۷۸) وَيُكْرَهُ اَنْ يُقَدِّمَ الْإِنْسَانُ ثِقْلَهُ إِلَى مَكَّةَ وَيُقِيمَ بِهَا حَتّٰى يَرْمِيَ.

ترجمہ: (۷۳/۶۷۸) اور مکروہ ہے یہ کہ پہلے ہی روانہ کردے اپنا سامان مکہ کو اور خود وہیں رہے کنکریاں مارنے تک۔

تشریح: منیٰ سے روانہ ہونے سے پہلے اپنا سارا سامان مکہ روانہ کر دینا مکروہ ہے کیونکہ دل افعال حج سے غافل ہو کر سامان کی طرف مشغول ہو جاتا ہے۔

(۷۴/۶۷۹) فَإِذَا نَفَرَ إِلَى مَكَّةَ نَزَلَ بِالْمُحَصَّبِ (۷۵/۶۸۰) ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ لَايَرْمُلُ

فِيهَا وَهٰذَا طَوَافُ الصَّدْرِ (۶۸۱/۷۶) وَهُوَ وَاجِبٌ اِلاَّ عَلٰى اَهْلِ مَكَّةَ ثُمَّ يَعُوْدُ اِلٰى اَهْلِهِ.

ترجمہ: (۶۷۹/۷۴) پھر جب مکہ کو روانہ ہو تو محصب میں اترے (۶۸۰/۷۵) پھر طواف کرے بیت اللہ کا سات چکر ان میں رمل نہ کرے اور یہ طواف صدر ہے (۶۸۱/۷۶) اور یہ واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں پھر اپنے گھر کو آجائے۔

تشریح: حاجی جب منٰی سے مکہ کی طرف روانہ ہو تو خیف محصب میں اترنا مسنون ہے محصب وہ مقام ہے جہاں تمام قریش نے جمع ہو کر قسمیں کھائیں تھیں اور عہد و پیمان کیا تھا کہ خاندان رسالت کا مکمل بائیکاٹ کر دیا جائے، رسول اللہ نے اپنے حج کے موقع پر منٰی میں صحابہ سے فرمایا کہ ہم لوگ کل خیف محصب میں اتریں گے چنانچہ اس جگہ آپ قصداً اترے اور اب اس جگہ اترنا مسنون ہو گیا۔

امام قدوری فرماتے ہیں کہ منی کے تمام افعال حج ادا کرنے کے بعد طواف صدر کرے، طواف صدر کا مطلب یہ ہے کہ میقات کے باہر سے آنے والے جب وطن واپس ہوں گے تو روانگی کے وقت اخیر میں ایک طواف کرنا ہر قسم کے آفاقی پر واجب ہے البتہ حائضہ اور نفساء پر لازم نہیں ہے اور اس طواف کو طواف وداع بھی کہتے ہیں۔

(۶۸۲/۷۷) فَاِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْمُحْرِمُ مَكَّةَ وَتَوَجَّهَ اِلٰى عَرَفَاتٍ وَوَقَفَ بِهَا عَلٰى مَاقَدَّمْنَاهُ سَقَطَ عَنْهُ طَوَافُ الْقُدُوْمِ وَلاَشَيْءَ عَلَيْهِ لِتَرْكِهِ.

ترجمہ: (۶۸۲/۷۷) اگر داخل نہ ہوا احرام باندھنے والا مکہ میں اور چلا گیا عرفات میں اور وہاں وقوف کر لیا اس کے مطابق جس کو ہم بیان کر آئے تو ساقط ہو گیا اس سے طواف قدوم اور اس پر اس کو ترک کرنے سے کچھ واجب بھی نہیں ہے۔

تشریح: محرم اگر مکہ میں داخل نہ ہو کر عرفات کے میدان میں چلا گیا اور شریعت کے بیان کردہ قاعدہ کے مطابق وہاں وقوف بھی کر لیا تو اس کے ذمہ سے طواف قدوم ساقط ہو گیا کیونکہ طوف قدوم ابتدائے حج میں اس طور پر مشروع ہے کہ تمام افعال حج اس پر مرتب ہوں چنانچہ اس طریقہ کے علاوہ طواف قدوم سنت نہ ہوگا اور چونکہ قدوم سنت ہے لہٰذا ترک سنت سے دم لازم نہ ہوگا۔

(۶۸۳/۷۸) وَمَنْ اَدْرَكَ الْوُقُوْفَ بِعَرَفَةَ مَابَيْنَ زَوَالِ الشَّمْسِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ.

ترجمہ: (۶۸۳/۷۸) اور جس شخص نے وقوف عرفہ پا لیا عرفہ کے دن سورج ڈھلنے سے ۱۰ ذی الحجہ کے طلوع فجر تک تو اس نے حج پا لیا۔

تشریح: جمہور اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ۹ تاریخ کے زوال آفتاب سے لیکر ۱۰ ذی الحجہ کی صبح صادق تک

وقوف عرفہ کا وقت ہے، چنانچہ اگر حاجی نے زوال کے بعد سے لے کر ۱۰ رذی الحجہ کی صبح صادق تک کسی وقت بھی وقوف کرلیا تو اس کا حج ادا ہو گیا۔

امام مالک کے نزدیک نوتاریخ کی صبح صادق یا طلوع آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

(۷۹/۶۸۴) فَمَنِ اجْتَازَ بِعَرَفَةَ وَهُوَ نَائِمٌ اَوْ مُغْمًى عَلَيْهِ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ اَنَّهَا عَرَفَاتٌ أَجْزَاهُ ذٰلِكَ عَنِ الْوُقُوْفِ.

ترجمہ: (۷۹/۶۸۴) اور جو شخص عرفہ سے گذرا اس حال میں کہ وہ سویا ہوا ہے یا بے ہوش ہے یا نہ جانتا ہو کہ یہ عرفات ہے تو کافی ہوگا اس کو یہ وقوف عرفات سے۔

تشریح: حاجی سوتا ہوا یا بے ہوشی کی حالت میں عرفات سے عرفہ کے دن گذرا چلا گیا یا اس کو معلوم نہ ہوسکا کہ جہاں سے گذر رہا ہوں یہی عرفات ہے ان تینوں صورتوں میں وقوف عرفہ ادا ہو گیا کیونکہ حج کا رکن وقوف ہے اور وہ پایا گیا۔

(۸۰/۶۸۵) وَالْمَرْأَةُ فِي جَمِيْعِ ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ غَيْرَ اَنَّهَا لَاتَكْشِفُ رَأْسَهَا وَتَكْشِفُ وَجْهَهَا (۸۱/۶۸۶) وَلَاتَرْفَعُ صَوْتَهَا بِالتَّلْبِيَةِ (۸۲/۶۸۷) وَلَاتَرْمُلُ فِي الطَّوَافِ (۸۳/۶۸۸) وَلَا تَسْعٰى بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْاَخْضَرَيْنِ (۸۴/۶۸۹) وَلَاتَحْلِقُ وَلٰكِنْ تُقَصِّرُ.

ترجمہ: (۸۰/۶۸۵) اور عورت تمام احکام میں مرد کی طرح ہے مگر یہ کہ عورت اپنا سر نہ کھولے اور چہرہ کھولے رکھے (۸۱/۶۸۶) اور نہ بلند کرے اپنی آواز کو تلبیہ کے ساتھ (۸۲/۶۸۷) اور رمل نہ کرے طواف میں (۸۳/۶۸۸) اور نہ میلین اخضرین کے درمیان دوڑے (۸۴/۶۸۹) اور سر نہ منڈائے بلکہ بال کتروائے۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ عورت حج کے تمام افعال میں مردوں کے مانند ہے، لیکن چند احکام میں الگ ہے، اسی کی تفصیل حضرت مصنف یہاں سے بیان فرما رہے ہیں عورت حالت احرام میں سلے ہوئے کپڑے پہن سکتی ہے اور زیورات، موزے، دستانے، پہن سکتی ہے، اور سر کا ڈھکنا عورت پر واجب ہے تلبیہ پڑھنا لازم ہے، مگر زور سے پڑھنا منع ہے، اور رمل کرنا بھی منع ہے نیز سعی میں دوڑے بھی نہیں، اور عورت حلق بھی نہ کرائے بلکہ بالوں کا قصر کرے، اور حلق ان کے حق میں مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ ایک طرح کا مثلہ ہے۔

عورت کے لئے احرام کا کپڑا

عورت کے لئے حالت احرام میں کسی مخصوص کپڑے کا حکم نہیں ہے البتہ ایک رومال سے سر کے بالوں کو اچھی طرح ڈھک لینا مستحب ہے، تاکہ کوئی بال نہ ٹوٹنے پائے اور ادھر ادھر منتشر نہ ہونے پائے اور اگر میسر ہو تو ہیٹ سر پر رکھ لے پھر اس کے اوپر نقاب ڈال لے تاکہ ہیٹ کی وجہ سے نقاب کا کپڑا چہرہ سے نہ لگنے پائے تو ایسی صورت میں سر کے بالوں

کی حفاظت بھی ہو جائے گی اور چہرہ سے کپڑا نہ لگنے کے ساتھ ساتھ اجنبی مردؔ سے پردہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

باب القران

ترجمہ: یہ باب قران کے بیان میں ہے۔

ماقبل سے مناسبت: امام قدوری مفرد کے احکام سے فارغ ہو کر اب مرکب یعنی قران کے احکامات بیان کریں گے چونکہ قران کا پہچاننا افراد کے پہچاننے پر موقوف ہے اور ذات کی معرفت صفات کی معرفت پر مقدم ہوتی ہے، اس لئے افراد کو اولاً بیان کیا ہے۔ (عینی ج:۱ص:۱۴۸۵)

قران کے لغوی معنی: دو چیزوں کو جمع کرنا۔

اصطلاحی تعریف: اصطلاح شرع میں اس سے مراد حج اور عمرہ کو جمع کرنیکا احرام ہے۔

دوسری تعریف: حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر ایک ساتھ حج اور عمرہ کرنے کو قران کہتے ہیں کیونکہ اس صورت میں حج اور عمرہ دونوں کو اکٹھا کیا جاتا ہے۔ (معلم الحجاج ۲۰۸)

حج کے اقسام

حج کی کل تین قسمیں ہیں: (۱) حج افراد (۲) حج قران (۳) حج تمتع، حج افراد کا بیان گذر چکا ہے اس باب میں حج قران کے احکامات بیان کریں گے۔

حج قران کا مطلب: اسکا مطلب یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ساتھ احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ پہنچ کر ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے یا میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرمہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں یا مکۃ المکرمہ پہنچنے کے بعد طواف عمرہ سے قبل حج کا احرام باندھ لیا جائے اور پھر ارکان عمرہ ادا کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے اور نہ ہی حلق رأس کیا جائے بلکہ اسی حالت احرام میں مکۃ المکرمہ میں قیام کیا جائے پھر دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد ایک قربانی کرے پھر حلق کر کے احرام کھول دیا جائے اور حج قران کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہتے ہیں اور قارن پر دو سعی اور دو طواف لازم ہیں اور کوئی جنایت ہو جائے تو دو جرمانے واجب ہو جائیں گے۔

(ایضاح الطحاوی ج:۳،ص:۳۶۴)

(۱/۶۹۰) اَلْقِرَانُ اَفْضَلُ عِنْدَنَا مِنَ التَّمَتُّعِ وَالْاِفْرَادِ

ترجمہ: (۱۱/۶۹۰) قران افضل ہے ہمارے نزدیک تمتع اور افراد سے۔

تشریح: حج افراد، حج قران، اور حج تمتع تینوں میں سے ہر ایک تمام امت کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے مگر

اختلاف اس بارے میں ہے کہ تینوں میں سے کونسا حج افضل اور اولیٰ ہے اس بارے میں تین مذہب ہیں:

(۱) امام مالک کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے سب سے افضل حج افراد ہے اس کے بعد حج تمتع پھر اس کے بعد حج قران ہے یہی امام شافعی سے منقول ہے۔

(۲) امام احمد کے نزدیک حج کی تینوں قسموں میں سے سب سے افضل حج تمتع ہے اس کے بعد حج افراد اس کے بعد حج قران ہے۔

(۳) حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل حج قران ہے اس کے بعد حج تمتع اور اس کے بعد حج افراد ہے۔
(معارف السنن ج:۶، ص:۲۷۳)

امام شافعیؒ و امام مالکؒ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے "إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ بِالْحَجِّ مُفْرِداً" (مسلم شریف ج:۱، ص:۴۰۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے حج افراد فرمایا ہے اس لئے حج افراد افضل ہے۔

جواب: اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضورؐ نے تنہا حج افراد کیا اس کے ساتھ عمرہ نہیں کیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ حج کے اعمال کو مستقل ادا کیا۔

دوسرا جواب: حج کے لئے مستقل احرام باندھا لیکن اصل میں قارن تھے۔

امام احمد کی دلیل: "تمتع رسول الله في حجة الوداع بالعمرة الى الحج" (نسائی:۲، ص:۱۴، باب التمتع)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے حج تمتع فرمایا ہے لہٰذا یہی افضل ہے۔

جواب: لفظ تمتع عام ہے جو کہ قران کو بھی شامل ہے اس لئے یہاں تمتع سے مراد قران ہی لیا جائے گا، دوسرے یہ کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس روایت کو نقل فرمایا ہے انہیں سے قران کی بھی روایت ہے، تیسرے یہ کہ تمتع سے مراد تمتع لغوی ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عمرہ کے ساتھ حج کو ملا کر دونوں کو ایک ہی سفر میں ادا کر کے نفع حاصل کیا ہر ایک کے لئے الگ الگ سفر نہیں کرنا پڑا۔

حنفیہ کی دلیل: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے وادی عقیق میں حضورؐ سے سنا آپ فرما رہے تھے کہ رات میرے پاس میرے پروردگار کی جانب سے ایک آنیوالا آیا اور اس نے کہا کہ اس مبارک وادی میں دو رکعت نماز ادا کیجئے اور حج کے ساتھ عمرہ بھی کیجئے۔ (بخاری ج:۱)

اس حدیث میں اللہ کی جانب سے حج قران کرنیکا حکم دیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ نے حج قران ہی ادا کیا ہے لہٰذا یہی افضل ہوگا۔

(۶۹۱/۲) وَصِفَةُ الْقِرَانِ اَنْ يُهِلَّ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا مِنَ الْمِيْقَاتِ وَيَقُوْلُ عَقِيْبَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهُمَا لِيْ وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّيْ.

ترجمہ: (۲/۶۹۱) اور قران کا طریقہ یہ ہے کہ احرام باندھے حج اور عمرہ کا ایک ساتھ میقات سے اور کہے نماز کے بعد، اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں ان دونوں کو میرے لئے آسان فرما اور دونوں کو میری طرف سے قبول فرما۔

تشریح: قران کی کیفیت یہ ہے کہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کے لئے احرام باندھ کر دونوں کے ساتھ تلبیہ کہے اور دو رکعت نماز نفل پڑھ کر ان الفاظ سے دعا مانگے، اے اللہ! میں حج اور عمرہ کا ارادہ کرتا ہوں آپ ان دونوں کو میرے لئے آسان فرما دیں اور میری طرف سے دونوں کو قبول فرما لیں۔

(۳/۶۹۲) فَإِذَا دَخَلَ مَكَّةَ اِبْتَدَأَ بِالطَّوَافِ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعَةَ اَشْوَاطٍ يَرْمُلُ فِي الثَّلٰثَةِ الْاُوَلِ مِنْهَا وَيَمْشِىْ فِىْ مَا بَقِىَ عَلٰى هَيْئَتِهٖ وَسَعٰى بَعْدَهَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَهٰذَا أَفْعَالُ الْعُمْرَةِ (۴/۶۹۳) ثُمَّ يَطُوْفُ بَعْدَ السَّعْيِ طَوَافَ الْقُدُوْمِ وَيَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِلْحَجِّ كَمَا بَيَّنَّاهُ فِىْ حَقِّ الْمُفْرِدِ.

ترجمہ: (۳/۶۹۲) پھر جب مکہ میں داخل ہو تو شروع کرے طواف سے چنانچہ طواف کرے بیت اللہ کا سات چکر رمل کرے پہلے تین چکروں میں اور چلے باقی چکروں میں اپنے وقار اور سکون پر اور سعی کرے اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان اور یہ عمرہ کے افعال ہیں۔ (۴/۶۹۳) پھر طواف کرے سعی کے بعد طوافِ قدوم اور سعی کرے صفا مروہ کے درمیان حج کے لئے جیسا کہ ہم نے اس کو مفرد بالحج میں بیان کر دیا ہے۔

تشریح: مصنفؒ فرماتے ہیں کہ قارن جب مکۃ المکرمہ میں داخل ہو تو طواف قدوم نہ کرے بلکہ عمرہ کے افعال شروع کر دے چنانچہ پہلے طواف عمرہ کرے اور یہ طواف عمرہ فرض اور رکن ہے اور اس طواف میں اضطباع اور رمل بھی مسنون ہے اور اس طواف کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا بھی واجب ہے پھر افعال حج شروع کرے چنانچہ مفرد بالحج کی طرح پہلے طواف قدوم کرے اور اس کے بعد سعی کرے۔

(۵/۶۹۴) فَإِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ذَبَحَ شَاةً اَوْ بَقَرَةً اَوْ بَدَنَةً اَوْ سُبْعَ بَدَنَةٍ اَوْ سُبْعَ بَقَرَةٍ فَهٰذَا دَمُ الْقِرَانِ.

ترجمہ: (۵/۶۹۴) جب رمی کر چکا جمرہ عقبہ کی یوم نحر کو تو ذبح کرے ایک بکری یا ایک گائے یا اونٹ یا اونٹ کا ساتواں حصہ یا گائے کا ساتواں حصہ یہ دم قران ہے۔

تشریح: قارن جب دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کر چکے تو ایک قربانی کرے، چونکہ اس کو ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کرنے کا موقع ملا اس لئے شکرانہ میں ایک قربانی کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے اور قربانی میں یہ اختیار ہے کہ چاہے ایک بکرا یا دنبہ کرے اور یا ایک پوری گائے یا اونٹ کرے اور یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ کرے، پھر حلق کر کے احرام کھول دے اور حج قران کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہتے ہیں۔

(٦٩٥/٦) فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ آخِرُهَا يَوْمُ عَرَفَةَ (٦٩٦/٧) فَإِنْ فَاتَهُ الصَّوْمُ حَتّٰى يَدْخُلَ يَوْمُ النَّحْرِ لَمْ يَجْزِهِ اِلَّا الدَّمُ (٦٩٧/٨) ثُمَّ يَصُوْمُ سَبْعَةَ اَيَّامٍ إِذَا رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهِ فَإِنْ صَامَهَا بِمَكَّةَ بَعْدَ فَرَاغِهِ مِنَ الْحَجِّ جَازَ .

ترجمہ: (٦٩٥/٦) اگر نہ ہو اس کے پاس کوئی جانور جو ذبح کرے تو تین دن کے روزے رکھے حج میں کہ آخری دن عرفہ کا دن ہو۔ (٦٩٦/٧) پھر اگر روزے فوت ہو گئے یہاں تک کہ قربانی کا دن آ گیا تو کافی نہیں ہوگا اس کو مگر خون۔ (٦٩٧/٨) پھر سات روزے رکھے جب اپنے گھر لوٹ آئے پھر اگر یہ روزے رکھ لئے مکہ میں حج سے فراغت کے بعد تب بھی جائز ہے۔

تشریح: قارِن اگر قربانی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر دس روزے واجب ہوں گے اس طریقہ پر کہ تین روزے دس ذی الحجہ سے پہلے حج کے زمانہ میں رکھے اور سات روزے جب اپنے گھر واپس آئے افضل اور مستحب یہ ہے کہ تین روزے ۷، ۸، ۹ ذی الحجہ کو رکھے، اگر قارن تین روزے دس ذی الحجہ سے پہلے نہ رکھ سکا یہاں تک کہ دس ذی الحجہ کی تاریخ آ گئی تو اب دم دینا ہی واجب ہوگا، امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر قارِن نے حج سے فراغت کے بعد مکہ ہی میں سات روزے رکھ لئے تو بھی جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ ایام تشریق گزر جانے کے بعد رکھے کیونکہ ایام تشریق میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

(٦٩٨/٩) فَإِنْ لَمْ يَدْخُلِ الْقَارِنُ بِمَكَّةَ وَتَوَجَّهَ إِلٰى عَرَفَاتٍ فَقَدْ صَارَ رَافِضًا لِعُمْرَتِهِ بِالْوُقُوْفِ وَسَقَطَ عَنْهُ دَمُ الْقِرَانِ وَعَلَيْهِ دَمٌ لِرَفْضِ الْعُمْرَةِ وَعَلَيْهِ قَضَاؤُهَا .

ترجمہ: (٦٩٨/٩) اگر داخل نہ ہوا قارن مکۃ المکرمہ میں اور چلا گیا عرفات کی طرف تو ہو گیا اپنے عمرہ کو چھوڑنے والا وقوف کی وجہ سے اور ساقط ہو گیا اس سے دم قران اور اس پر ایک خون لازم ہے عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے اور اس پر عمرہ کی قضا بھی لازم ہے۔

تشریح: قارِن ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بجائے سیدھا عرفات چلا گیا تو وہ وقوفِ عرفہ کرتے ہی تارکِ عمرہ ہو گیا اور اس سے دم قران بھی ساقط ہو گیا کیونکہ دونوں عبادتوں کو جمع کرنے کی توفیق نہیں ملی تو دم شکر بھی واجب نہ ہوگا؛ لیکن اس پر عمرہ کی قضا واجب ہوگی اور عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے ایک دم واجب ہوگا دم تو اس لئے واجب ہوگا کہ اس نے عمرہ شروع کرنے کے بعد اس کو چھوڑ دیا ہے اور قضا اس لئے واجب ہوگی کہ عمرہ کو شروع کرنا صحیح ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ نفل کو شروع کرنے کے بعد اگر اس کو ترک کر دیا تو اس کی قضا واجب ہوتی ہے۔

بابُ التَّمَتُّعِ

یہ باب تمتع کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: قران اور تمتع دونوں میں سے ہر ایک کے اندر حج اور عمرہ کو جمع کرنے کا موقع ملتا ہے چونکہ تمتع کے مقابلہ میں قران افضل ہے اس لئے قران کے بیان کو پہلے بیان کیا ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۷۷)

تمتع کے لغوی معنی: فائدہ حاصل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: ایک سفر میں حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا، اولاً عمرہ کا احرام باندھ کر اس کے افعال ادا کرے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۷۷)

(۱/۶۹۹) التَّمَتُّعُ اَفْضَلُ مِنَ الْاِفْرَادِ عِنْدَنَا .

ترجمہ: (۱/۶۹۹) تمتع کرنا افضل ہے تنہا حج کرنے سے۔

تشریح: تمتع بھی قران کے معنی میں ہے کیونکہ جس طرح قران میں حج وعمرہ دونوں عبادتوں کو جمع کیا جاتا ہے اسی طرح تمتع میں بھی دونوں کو جمع کرنا پایا گیا اور ماقبل میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ قران افضل ہے تو اس مشابہت کی وجہ سے تمتع افراد سے افضل ہوگا کیونکہ افراد میں جمع بین العبادتین کے معنی نہیں پائے جاتے۔

(۲/۷۰۰) وَالْمُتَمَتِّعُ عَلٰى وَجْهَيْنِ مُتَمَتِّعٌ يَسُوْقُ الْهَدْىَ وَمُتَمَتِّعٌ لَا يَسُوْقُ الْهَدْىَ .

ترجمہ: (۲/۷۰۰) اور متمتع دو طرح پر ہے ایک وہ جو ہدی لے جاتا ہے اور ایک وہ متمتع جو ہدی نہیں لے جاتا۔

تشریح: متمتع کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو حرم کی طرف ہدی کا جانور ہنکا کر لے جاتا ہے، دوسرے وہ جو ہدی کا جانور نہیں لے جاتا ہے، ہر ایک کا حکم مختلف ہے، آنے والی عبارت میں قسم ثانی کا بیان ہے۔

(۳/۷۰۱) وَصِفَةُ التَّمَتُّعِ اَنْ يَبْتَدِأَ مِنَ الْمِيْقَاتِ فَيُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَيَدْخُلُ مَكَّةَ فَيَطُوْفُ لَهَا وَيَسْعٰى وَيَحْلِقُ اَوْ يُقَصِّرُ وَقَدْ حَلَّ مِنْ عُمْرَتِهٖ (۴/۷۰۲) وَيَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ اِذَا ابْتَدَأَ بِالطَّوَافِ (۵/۷۰۳) وَيُقِيْمُ بِمَكَّةَ حَلَالًا (۶/۷۰۴) فَاِذَا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَفَعَلَ مَا يَفْعَلُهُ الْحَاجُّ الْمُفْرِدُ وَعَلَيْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ .

ترجمہ: (۳/۷۰۱) اور متمتع کی کیفیت یہ ہے کہ شروع کرے میقات سے چنانچہ عمرہ کا احرام باندھے اور داخل ہو مکہ میں پھر طواف کرے عمرہ کے لئے اور سعی کرے اور حلق یا قصر کرے اور اپنے عمرہ سے حلال ہو جائے۔ (۴/۷۰۲) اور ختم کر دے تلبیہ جب طواف شروع کرے۔ (۵/۷۰۳) اور ٹھہرا رہے مکہ میں حلال ہو کر۔ (۶/۷۰۴) پھر جب ذی

الحجہ کی آٹھویں تاریخ ہوتو احرام باندھے حج کا مسجد حرام سے اور کرے وہ افعال جو صرف حج کرنے والا کرتا ہے اور اس پر لازم ہے دم تمتع۔

تشریح: حج تمتع کا مطلب یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ لیا جائے اور مکۃ المکرّمہ پہنچ کر ارکانِ عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا جائے اس کے بعد مکۃ المکرّمہ کے باشندوں کی طرح بغیر احرام کے قیام کیا جائے پھر آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو حدودِ حرم میں جہاں اپنا قیام ہے وہاں سے حج کا احرام باندھ کر منیٰ کو روانہ ہو جائے اور مستحب یہ ہے کہ مسجد حرام میں آ کر طواف کر کے دوگانہ طواف کے بعد دو رکعت نمازِ نفل پڑھ کر احرام باندھے پھر دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد تمتع کی قربانی کی جائے اس کے بعد حلق کر کے احرام کھول دیا جائے اور تمتع کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوتی ہے اس کو دم شکر کہا جاتا ہے اور اس پر عمرہ کے لئے ایک سعی اور ایک طواف الگ اور حج کے لئے بھی ایک سعی اور ایک طواف الگ سے لازم ہو جاتے ہیں۔ (ایضاح الطحاوی، ج:۳، ص:۳۶۱)

(۷/۴۰۵) فَاِنْ لَمْ یَجِدْ مَا یَذْبَحُ صَامَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةً اِذَا رَجَعَ اِلٰی اَھْلِهٖ.

ترجمہ: (۷/۴۰۵) اگر نہ پائے ذبح کے لئے کوئی جانور تو تین روزے رکھے ایام حج میں اور سات اس وقت جب لوٹے اپنے گھر۔

تشریح: ماقبل میں امام قدوریؒ نے فرمایا ہے کہ حج تمتع کرنے والے پر تمتع کی قربانی واجب ہے، اگر متمتع ہدی کے جانور کو حاصل کرنے پر قادر نہ ہو تو قارن کی طرح حج کے زمانہ میں تین روزے رکھے اور سات روزے حج سے فراغت پا کر رکھے، مزید تفصیل حج قران میں گزر چکی ہے۔

(۸/۴۰۶) وَاِنْ اَرَادَ الْمُتَمَتِّعُ اَنْ یَّسُوْقَ الْھَدْیَ اَحْرَمَ وَسَاقَ ھَدْیَهٗ فَاِنْ کَانَتْ بَدَنَةً قَلَّدَھَا بِمَزَادَةٍ اَوْ نَعْلٍ.

ترجمہ: (۸/۴۰۶) اور اگر متمتع ہدی کا جانور لے جانا چاہے تو احرام باندھے اور اپنی ہدی لے جائے پھر اگر ہو وہ اونٹ تو ڈال دے اس کے گلے میں پرانا چمڑا یا جوتا۔

تشریح: یہاں سے متمتع کی قسم اول (جو اپنے ساتھ ہدی لے جاتا ہے) اس کا بیان ہے اور تمتع کی یہ صورت افضل ہے مسئلہ یہ ہے کہ متمتع اگر ہدی کو لے جانا چاہے تو عمرہ کا احرام باندھے اور اپنی ہدی کے جانور کو ہنکا کر لے جائے اب اگر ہدی کا جانور اونٹ یا گائے ہے تو اس کے گلے میں چمڑے کے ٹکڑے یا جوتی کے ٹکڑے کا پٹہ ڈال دے، تقلید بالاتفاق سنت ہے اور قلادہ ڈالنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ ہدیِ حرم ہے اس کا دستور زمانہ جاہلیت سے چلا آتا تھا کیونکہ اہل عرب میں ویسے تو قتل و غارت گری کا بازار گرم رہتا تھا لیکن جس جانور کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدیِ حرم ہے اس کو ڈاکو بھی نہیں لوٹتے تھے۔

(۷۰۷/۹) وَاَشْعَرَ الْبَدَنَةَ عِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی وَهُوَ اَنْ یَشُقَّ سَنَامَهَا مِنَ الْجَانِبِ الْاَیْمَنِ وَلَا یُشْعِرُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ۔

ترجمہ: (۷۰۷/۹) اور اشعار کرے اونٹ کو صاحبینؒ کے نزدیک اور وہ یہ ہے کہ پھاڑ دے اونٹ کے کوہان کو دائیں جانب سے اور اشعار نہ کرے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: اشعار کے لغوی معنی علامت بنانا اور اصطلاحی معنی یہ ہیں ہدی کے اونٹ کی داہنی کروٹ پر نشتر وغیرہ مار کر اس کے خون سے کوہان کو رنگین کر دینا تا کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی ہے گم ہونے کی صورت میں پہچانی جا سکے۔

جمہور علماء ائمہ ثلاثہ اور صاحبین اشعار کی سنیت کے قائل ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کے قائل نہیں ہیں، امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نہ اصل اشعار کو مکروہ کہتے ہیں اور نہ اس کی سنیت کا انکار کرتے ہیں، چونکہ امام صاحب کے زمانہ میں لوگ اشعار کرنے میں بہت زیادہ مبالغہ کرنے لگے تھے اور اشعار میں کھال کے ساتھ ساتھ گوشت بھی کاٹ ڈالتے تھے اور گہرے زخم لگا دیتے تھے، جس سے جانوروں کو نا قابل برداشت تکلیف ہوتی تھی اور اس جانور کے مرنے کا خطرہ ہو جاتا تھا ورنہ آپ کا مقصود نفس اشعار سے روکنا نہ تھا بلکہ مبالغہ فی الاشعار سے روکنا تھا، امام طحاوی کی بات ہی راجح ہے، تفصیل دیکھئے: عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۳۰۱، باب من اشعر وقلد.

(۷۰۸/۱۰) فَاِذَا دَخَلَ مَکَّةَ طَافَ وَسَعٰی وَلَمْ یَحِلَّ حَتّٰی یُحْرِمَ بِالْحَجِّ یَوْمَ التَّرْوِیَةِ (۷۰۹/۱۱) فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ قَبْلَهٗ جَازَ وَعَلَیْهِ دَمُ التَّمَتُّعِ (۷۱۰/۱۲) فَاِذَا حَلَقَ یَوْمَ النَّحْرِ فَقَدْ حَلَّ مِنَ الْاِحْرَامَیْنِ ۔

ترجمہ: (۷۰۸/۱۰) پھر جب داخل ہو مکہ میں تو طواف وسعی کرے اور حلال نہ ہو یہاں تک کہ احرام باندھ حج کا آٹھویں ذی الحجہ کو۔ (۷۰۹/۱۱) اگر اس سے پہلے ہی احرام باندھ لیا تو بھی جائز ہے اور اس پر دم تمتع لازم ہے۔ (۷۱۰/۱۲) پھر جب اس نے قربانی کے دن حلق کرا لیا تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے گا۔

تشریح: متمتع جو ہدی ساتھ لیکر چلا جب مکہ میں داخل ہو تو وہ عمرہ کے واسطے طواف اور سعی کرے اور ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بعد آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے جیسا کہ مکی آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھتا ہے، اگر متمتع نے آٹھویں تاریخ سے پہلے ہی احرام باندھ لیا تو بھی جائز ہے بلکہ افضل ہے، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ حج تمتع کرنے والے پر قربانی واجب ہے متمتع نے جب دسویں ذی الحجہ میں سر کے بال منڈا لئے یا کتروا لئے تو وہ حج اور عمرہ کے دونوں احراموں سے حلال ہو گیا۔

(۷۱۱/۱۳) وَلَیْسَ لِاَهْلِ مَکَّةَ تَمَتُّعٌ وَلَا قِرَانٌ وَاِنَّمَا لَهُمُ الْاِفْرَادُ خَاصَّةً ۔

ترجمہ: (۷۱۱/۱۳) اور نہیں ہے اہل مکہ کیلئے حج تمتع اور نہ حج قران بلکہ ان کے لئے خاص طور پر حج افراد ہے۔

تشریح: اہل مکہ اور میقات میں رہنے والوں کے لئے حنفیہ کے نزدیک نہ تمتع ہے نہ قران بلکہ ان کے لئے فقط حج افراد ہے اس کے باوجود اگر حج تمتع یا قران کرلیا تو جائز تو ہو جائے گا مگر گناہ گار ہوگا۔

(۱۲/۷/۱۴) وَاِذَا عَادَ الْمُتَمَتِّعُ اِلٰى بَلَدِهٖ بَعْدَ فَرَاغِهٖ مِنَ الْعُمْرَةِ وَلَمْ يَكُنْ سَاقَ الْهَدْيَ بَطَلَ تَمَتُّعُهٗ.

ترجمہ: (۱۲/۷/۱۴) اور اگر لوٹ آیا متمتع اپنے وطن عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اور نہیں لے گیا تھا وہ ہدی تو باطل ہو گیا اس کا تمتع۔

تشریح: آفاقی (جو میقات کے باہر سے حج یا عمرہ کے لئے حرم شریف جاتا ہے) افعالِ عمرہ ادا کرنے کے بعد اپنے وطن لوٹ آیا پھر اسی سال حج کیا تو یہ شخص متمتع ہوگا یا نہیں؟

اس کی دو صورتیں ہیں: ۱۔ وہ شخص اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر گیا تھا۔ ۲۔ ہدی کا جانور ساتھ لیکر نہیں گیا تھا۔ دوسری صورت میں بالاتفاق احناف کے نزدیک اس کا تمتع باطل ہو جائے گا، پہلی صورت میں شیخین کے نزدیک اس کا تمتع باطل نہ ہوگا اور امام محمد کے نزدیک باطل ہو جائے گا۔

امام محمدؒ کی دلیل: اس شخص نے حج اور عمرہ کو دو سفروں میں ادا کیا ہے حالانکہ متمتع دونوں کو ایک سفر میں ادا کرتا ہے اس لئے متمتع نہ ہوگا۔

شیخین کی دلیل: جب تک یہ شخص نیت تمتع پر ہے اس پر وطن سے لوٹ کر مکۃ المکرمہ واپس آنا لازم ہے کیونکہ ہدی کا چلانا اس کے لئے حلال ہونے سے مانع ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۸۰)

(۱۳/۷/۱۵) وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْعُمْرَةِ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ فَطَافَ لَهَا اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْوَاطٍ ثُمَّ دَخَلَتْ اَشْهُرُ الْحَجِّ فَتَمَّمَهَا وَاَحْرَمَ بِالْحَجِّ كَانَ مُتَمَتِّعًا فَاِنْ طَافَ لِعُمْرَتِهٖ قَبْلَ اَشْهُرِ الْحَجِّ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَصَاعِدًا ثُمَّ حَجَّ مِنْ عَامِهٖ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ مُتَمَتِّعًا.

ترجمہ: (۱۳/۷/۱۵) اور جس شخص نے احرام باندھا عمرہ کا حج کے مہینوں سے پہلے اور طواف کیا اس کے لئے چار چکروں سے کم پھر حج کے مہینے آگئے اور اس نے عمرہ پورا کیا اور حج کا احرام باندھ لیا تو یہ شخص متمتع ہو جائے گا اور اگر حج کے مہینوں سے پہلے چار یا زیادہ چکر طواف عمرہ کے کر چکا پھر اسی سال حج کر لیا تو یہ شخص متمتع نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور چار چکر طوافِ عمرہ کے حج کے مہینوں میں کئے اور تین اس سے پہلے کر چکا تو یہ شخص متمتع ہو جائے گا کیونکہ اکثر طواف حج کے مہینوں میں ہوا ہے اور اکثر کے لئے کل کا حکم ہوتا ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ گویا پورا طواف عمرہ اشہر حج میں پایا گیا لہٰذا متمتع ہو جائے گا اور اگر برعکس ہے تو متمتع نہ ہوگا کیونکہ اس نے حج کے مہینوں سے پہلے اکثر کو ادا کیا ہے اور اکثر کو چونکہ کل کا حکم حاصل ہے گویا اس نے پورا طواف اشہر حج سے پہلے کیا۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۸۰)

(۱۴/۷/۱۶) وَاَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُوالْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِی الْحِجَّةِ (۱۵/۷/۱۷) فَاِنْ قَدَّمَ الْاِحْرَامَ بِالْحَجِّ عَلَيْهَا جَازَ اِحْرَامُهُ وَانْعَقَدَ حَجُّهُ.

ترجمه: (۱۴/۷/۱۶) اور حج کے مہینے شوال ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ (۱۵/۷/۱۷) چنانچہ اگر کسی نے حج کا احرام ان مہینوں پر مقدم کردیا تو اس کا احرام جائز ہے اور اس کا حج منعقد ہو جائے گا۔

تشریح: اشہر حج، ماہِ شوال، ذیقعدہ، اور ذی الحجہ کے عشرۂ اول کے لئے بولتے ہیں، یہ حج کے مہینے ہیں اگر کسی نے حج کا احرام شوال سے پہلے باندھا تو ہمارے نزدیک یہ احرام جائز ہے اور یہ احرام حج ہی کے لئے منعقد ہو جائے گا۔

(۱۶/۷/۱۸) وَاِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ عِنْدَ الْاِحْرَامِ اِغْتَسَلَتْ وَاَحْرَمَتْ وَصَنَعَتْ كَمَا يَصْنَعُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنَّهَا لَا تَطُوْفُ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرَ.

ترجمه: (۱۶/۷/۱۸) اور جب حائضہ ہو جائے عورت احرام کے وقت تو غسل کر کے احرام باندھے اور کرے جیسے کرتے ہیں حاجی لوگ مگر یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے یہاں تک کہ پاک ہو جائے۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر طواف فرض سے پہلے عورت کو ماہواری شروع ہوگئی تو کیا کرے! چنانچہ فرمایا کہ ماہواری کی حالت میں احرام باندھنا وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ، میدانِ منیٰ میں رمی جمار، صفا ومروہ کی سعی وغیرہ تمام امور جائز ہیں لیکن طواف کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر طواف سے پہلے ماہواری شروع ہو جائے تو حاجیوں کے ساتھ سب کام کرے اور طواف نہ کرے بلکہ ماہواری ختم ہونے کا انتظار کرتی رہے اور جب ماہواری ختم ہو جائے تو طواف کرلے اور عورتوں کے لئے ماہواری کے عذر کی وجہ سے ایام نحر میں طواف لازم نہیں بلکہ جب بھی پاک ہوگی اس وقت لازم ہو جاتا ہے اور طوافِ زیارت کئے بغیر حج نہیں ہوتا ہے، اگر عورت روانگی کے عذر کی وجہ سے حیض ونفاس کی حالت میں طوافِ زیارت کرے گی تو طواف کا فریضہ تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا مگر ساتھ ساتھ جرمانہ میں ایک اونٹ یا گائے یا بھینس کی قربانی بھی واجب ہو جائے گی اور قربانی کا حدود حرم میں کرنا لازم ہوگا، البتہ موسم حج میں کرنا لازم نہ ہوگا بلکہ کسی بھی زمانہ میں کی جا سکتی ہے۔

(۱۷/۷/۱۹) وَاِذَا حَاضَتْ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ وَبَعْدَ طَوَافِ الزِّيَارَةِ انْصَرَفَتْ مِنْ مَكَّةَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِتَرْكِ طَوَافِ الصَّدْرِ.

ترجمه: (۱۷/۷/۱۹) اور اگر حیض آیا وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت کے بعد تو مکہ سے لوٹ جائے اور کچھ نہیں ہے طوافِ صدر چھوڑنے کی وجہ سے۔

تشریح: اگر عورت وقوفِ عرفہ اور طوافِ زیارت کے بعد حائضہ ہوئی تو وہ مکہ سے رخصت ہو جائے، ایسی صورت میں عورت سے طوافِ صدر معاف ہو جاتا ہے اور اس پر کسی قسم کا فدیہ وغیرہ بھی لازم نہیں ہوتا ہے۔

بابُ الجِنَايَات

یہ باب جنایات کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: جب مصنفؒ محرمین کے احکام کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب ان عوارض کو ذکر کرتے ہیں جو محرمین کو پیش آتے ہیں جیسے جنایات، احصار، فوات۔ (اللباب، ج:۱، ص:۱۸۱)

جنایات، جنایت کی جمع ہے وہ فعل جو شرعاً حرام ہو، خواہ اس کا تعلق مال سے ہو یا جان سے اور اس باب میں محرم کا وہ فعل مراد ہے جس کا کرنا محرم کو جائز نہیں ہے۔ (عینی، ج:۱، ص:۱۵۱۳)

(۱۸/۱) اِذَا تَطَيَّبَ الْمُحْرِمُ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فَاِنْ تَطَيَّبَ عُضْوًا كَامِلًا فَمَا زَادَ فَعَلَيْهِ دَمٌ **(۱۹/۲)** وَاِنْ تَطَيَّبَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۱۸/۱) جب خوشبو لگائے محرم تو اس پر کفارہ ہے پھر اگر خوشبو لگائے پورے عضو یا اس سے زیادہ پر تو اس پر خون ہے۔ (۱۹/۲) اور اگر خوشبو لگائے عضو سے کم پر تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

تشریح: حالت احرام میں خوشبو لگانے میں مرد و عورت دونوں کا حکم برابر ہے بالقصد لگائی ہو یا بلا قصد یا کسی کی زبردستی سے خوشبو لگائی، ہر صورت میں جرمانہ لازم ہوتا ہے نیز بدن اور کپڑے دونوں پر لگانا ممنوع ہے، لہٰذا اگر کسی بڑے عضو پر یعنی سر، چہرے، پنڈلی، ران، بازو، ہاتھ، ہتھیلی میں کسی پر خوشبو لگائی ہے یا ایک سے زیادہ اعضا پر خوشبو لگائی ہے تو جرمانہ میں ایک بکری واجب ہوگی خواہ پورے دن لگائے رکھی ہو یا تھوڑی دیر کے لئے۔ اور اگر چھوٹے اعضاء مثلاً ناک، کان، آنکھ، انگلی وغیرہ میں لگائی ہے تو ایک صدقہ فطر لازم ہوگا۔

(۲۰/۳) وَاِنْ لَبِسَ ثَوْبًا مَخِيْطًا اَوْ غَطّٰى رَاْسَهٗ يَوْمًا كَامِلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ **(۲۱/۴)** وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۲۰/۳) اور اگر پہنے محرم سلا ہوا کپڑا یا چھپائے رکھے اپنا سر پورے ایک دن تو اس پر خون ہے۔ (۲۱/۴) اور اگر اس سے کم ہو تو صدقہ ہے۔

تشریح: ؂۱ اس عبارت میں دو مسئلے بیان کر رہے ہیں: حالت احرام میں مرد کے لئے ایسا سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع اور ناجائز ہے جو جسم کی بناوٹ کے مطابق سلا گیا ہو یا بنا لیا گیا ہو جیسے کرتا، پائجامہ، اچکن، جرسی، صدری وغیرہ اگر ایک دن یا ایک رات مکمل مرد نے سلا ہوا کپڑا پہن لیا ہے یا کئی روز مسلسل پہن لیا ہے تو دونوں صورتوں میں ایک دم لازم ہوگا اور اگر رات کو اس نیت سے اتارتا ہے کہ کل کو پھر پہننا ہے تب بھی سب دنوں کے عوض میں ایک دم لازم ہوگا اور اگر اس نیت سے اتارتا ہے کہ اب نہیں پہنوں گا مگر دوسرے دن پھر پہن لیا تو دو دم لازم ہوں گے۔

اور اگر ایک رات ایک دن سے کم اور ایک گھنٹہ سے زیادہ پہنا ہے تو ایک صدقۂ فطر لازم ہوگا اور اگر گھنٹہ سے کم پہنا ہے تو ایک دو مٹھی گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرنا کافی ہے۔ (معلم الحجاج،ص:۲۳۳/۲۳۴)

۲ حالت احرام میں سر کا چھپانا عورت کے لئے بلا کراہت جائز ہے بلکہ لازم ہے اور مرد کے لئے سر چھپانا جائز نہیں لہٰذا ایک دن یا ایک رات کامل سر چھپائے گا تو دم دینا لازم ہوگا ایک دن یا ایک رات سے کم میں صدقہ لازم ہے خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہی کیوں نہ ہو چاہے جان بوجھ کر چھپایا ہو یا بھول کر ہر صورت میں جرمانہ لازم ہے، ایسے ہی کسی نے زبردستی چھپا دیا تب بھی جرمانہ لازم ہوگا۔

(۲۲/۷/۵) وَاِنْ حَلَقَ رُبْعَ رَاْسِهٖ فَصَاعِدًا فَعَلَيْهِ دَمٌ وَاِنْ حَلَقَ اَقَلَّ مِنَ الرُّبْعِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۲۲/۷/۵) اور اگر منڈائے اپنا چوتھائی سر یا اس سے زیادہ تو اس پر دم ہے اور اگر منڈائے چوتھائی سے کم تو اس پر صدقہ ہے۔

تشریح: اگر پورے یا چوتھائی یا اس سے زائد سر کے بال منڈائے یا کتروائے تو جرمانہ میں دم دینا لازم ہوگا اور اگر چوتھائی سے کم ہے تو صدقہ جرمانہ میں دینا واجب ہوگا، یہی حکم ڈاڑھی کے بارے میں ہے اگر ایک ہی وقت میں سر، ڈاڑھی، بغل، زیرناف وغیرہ سب کے بال صاف کر لئے ہیں تو سب کے عوض ایک دم واجب ہوگا اور اگر مختلف اوقات میں صاف کئے ہیں تو ہر ایک وقت کے لئے الگ الگ دم واجب ہوگا۔

(۲۳/۷/۶) وَاِنْ حَلَقَ مَوْضِعَ الْمَحَاجِمِ مِنَ الرَّقَبَةِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۲۳/۷/۶) اور اگر منڈائے گدی پر پچھنے لگوانے کی جگہ کے بال تو اس پر خون ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ صدقہ ہے۔

تشریح: اگر محرم نے پوری گدی کا حلق کیا تو اس پر دم جنایت واجب ہے کیونکہ گدی ایسا عضو ہے جس کو قصداً مونڈا جاتا ہے، یہ مذہب امامؒ کا ہے، صاحبینؒ کے نزدیک اس پر صدقہ لازم ہے۔

(۲۴/۷/۷) وَاِنْ قَصَّ اَظَافِيْرَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ دَمٌ (۲۵/۷/۸) وَاِنْ قَصَّ يَدًا اَوْ رِجْلًا فَعَلَيْهِ دَمٌ (۲۶/۷/۹) وَاِنْ قَصَّ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَظَافِيْرَ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: (۲۴/۷/۷) اور اگر کاٹے اپنے دونوں ہاتھ اور اپنے دونوں پاؤں کے ناخن تو اس پر قربانی واجب ہے۔ (۲۵/۷/۸) اور اگر کاٹے ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کے سب تب بھی اس پر قربانی ہے۔ (۲۶/۷/۹) اور اگر کاٹے پانچ ناخنوں سے کم تو اس پر صدقہ ہے۔

تشریح: ایک ہاتھ یا ایک پیر یا ہاتھ پاؤں چاروں اعضاء کے ناخن ایک وقت میں ایک جگہ کاٹ لئے ہیں تو سب کے عوض میں ایک ہی دم واجب ہوگا اور اگر چاروں اعضاء کے ناخن چار وقت میں چار جگہ کاٹے ہیں تو چار دم لازم ہوں گے اسی طرح اگر ایک وقت میں ایک عضو کے کاٹ لئے ہیں اور دوسرے عضو کے دوسرے وقت میں کاٹ لئے ہیں تو دو دم لازم ہوں گے اور کسی بھی عضو کے سب ناخن نہیں کاٹے بلکہ ہر ایک عضو سے پانچ ناخن سے کم کم کاٹے ہیں خواہ چار چار کر کے سولہ ناخن کاٹ لئے ہیں تو دم لازم نہ ہوگا بلکہ ہر ایک ناخن کے عوض میں ایک صدقہ فطر لازم ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیری، ج:۱ص:۲۴۴۔ بدائع الصنائع، ج:۲،ص:۴۲۳/۴۲۴)

(۲۷/۱۰) وَاِنْ قَصَّ اَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ اَظَافِيْرَ مُتَفَرِّقَةً مِنْ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ دَمٌ.

ترجمہ: (۲۷/۱۰) اور اگر کاٹے پانچ ناخنوں سے کم متفرق طور پر دونوں ہاتھ پاؤں سے تو اس پر صدقہ ہے شیخین کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا کہ اس پر دم ہے۔

تشریح: اگر محرم نے پانچ ناخنوں سے کم کترے مگر دونوں ہاتھ پاؤں سے متفرق طور پر تو شیخین کے نزدیک اس پر صدقہ واجب ہوگا یعنی ہر ناخن کے عوض میں صدقہ واجب ہوگا اور امام محمد نے فرمایا کہ اس صورت میں دم واجب ہوگا۔ معتمد قول شیخین کا ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب، ج:۱ص:۱۸۲)

(۲۸/۱۱) وَاِنْ تَطَيَّبَ اَوْ حَلَقَ اَوْ لَبِسَ مِنْ عُذْرٍ فَهُوَ مُخَيَّرٌ اِنْ شَاءَ ذَبَحَ شَاةً وَاِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ عَلٰى سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ بِثَلٰثَةِ اَصْوُعٍ مِنَ الطَّعَامِ وَاِنْ شَاءَ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ.

ترجمہ: (۲۸/۱۱) اور اگر خوشبو لگائی یا بال منڈوائے یا سلا ہوا کپڑا پہنا کسی عذر کی وجہ سے تو محرم کو اختیار ہے اگر چاہے بکری ذبح کرے اور اگر چاہے صدقہ کرے چھ مسکینوں پر تین صاع گیہوں اور اگر چاہے تین روزے رکھے۔

تشریح: اگر محرم نے کسی عذر کی وجہ سے خوشبو کا استعمال کیا یا حلق کیا یا سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس کو تین باتوں کا اختیار ہے چاہے تو ایک بکری ذبح کرے یا چھ مساکین پر تین صاع گندم صدقہ کرے اور یا تین روزے رکھے، روزوں کے سلسلہ میں اختیار ہے جس جگہ چاہے رکھے نیز لگاتار رکھے یا الگ الگ رکھے۔ صدقہ حرم کے مساکین پر کرنا مستحب ہے اور بکری کا ذبح کرنا بالاتفاق حرم کے ساتھ مخصوص ہے غیر حرم میں جائز نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱ص:۲۰۹)

(۲۹/۱۲) وَاِنْ قَبَّلَ اَوْ لَمَسَ بِشَهْوَةٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ اَنْزَلَ اَوْ لَمْ يُنْزِلْ

ترجمہ: (۲۹/۱۲) اور اگر بوسہ لے لے یا چھو لے شہوت کے ساتھ تو اس پر خون ہے انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو

تشریح: اگر حالت احرام میں مرد اپنی بیوی کے ساتھ بوس و کنار کرتا ہے تو ایسی صورت میں انزال ہوا ہو یا نہ ہوا

ہو دونوں صورتوں میں جرمانہ میں ایک دنبہ یا بکرے کی قربانی واجب ہو جائے گی نیز اگر بیوی کو شہوت ہو جائے تو اس پر بھی الگ سے ایک قربانی واجب ہو جائے گی۔

(۷۳۰/۱۳) وَمَنْ جَامَعَ فِیْ اَحَدِ السَّبِیْلَیْنِ قَبْلَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَۃَ فَسَدَ حَجُّہٗ وَعَلَیْہِ شَاۃٌ وَیَمْضِیْ فِی الْحَجِّ کَمَا یَمْضِیْ مَنْ لَّمْ یَفْسُدْ حَجُّہٗ وَعَلَیْہِ الْقَضَاءُ (۷۳۱/۱۴) وَلَیْسَ عَلَیْہِ اَنْ یُّفَارِقَ اِمْرَاَتَہٗ اِذَا حَجَّ بِھَا فِی الْقَضَاءِ عِنْدَنَا.

ترجمہ: (۷۳۰/۱۳) اور جس نے صحبت کر لی قبل یا دبر میں سے کسی ایک میں وقوف عرفہ سے پہلے تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بکری لازم ہے اور کرے حج کے افعال اسی طرح جیسے کرتا ہے وہ شخص جس کا حج فاسد نہیں ہوا اور اس پر قضا لازم ہے۔ (۷۳۱/۱۴) اور ضروری نہیں ہے اس پر کہ جدا کرے اپنی بیوی کو جب اس کے ساتھ حج قضاء کرے ہمارے نزدیک۔

تشریح: اگر محرم نے وقوفِ عرفہ سے پہلے عورت کی قبل میں یا دبر میں صحبت کر لی تو عورت و مرد دونوں کا حج فاسد ہو جائے گا اور ہر ایک پر بکری کی قربانی واجب ہے اور اونٹ گائے وغیرہ میں ایک ایک حصہ واجب ہے اور افعالِ حج اس طرح پورے کرے جس طرح وہ شخص ادا کرتا ہے جس کا حج فاسد نہیں ہوا، البتہ آئندہ سال اس کی قضاء کرے۔
اس کے بعد صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ جماع کی وجہ سے فاسد کردہ حج کی جب قضا کریں تو مرد و عورت پر جدا رہنا ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ دونوں دو راستے اختیار کریں، صاحب جوہرہ فرماتے ہیں کہ امام زفر نے فرمایا کہ جب دونوں احرام باندھ لیں تو جدا ہو جائیں، امام مالک نے فرمایا ہے کہ گھر سے نکلتے ہی دونوں جدا ہو جائیں، امام شافعی نے فرمایا ہے کہ گذشتہ سال جس جگہ صحبت کی تھی جب اس کے قریب آ جائیں تو جدا ہو جائیں۔
(الجوہرۃ النیرہ، ج:۱، ص:۲۱۰)

(۷۳۲/۱۵) وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَۃَ لَمْ یَفْسُدْ حَجُّہٗ وَعَلَیْہِ بَدَنَۃٌ.

ترجمہ: (۷۳۲/۱۵) اور جس نے صحبت کر لی وقوفِ عرفہ کے بعد تو اس کا حج فاسد نہیں ہوا اور اس پر بدنہ واجب ہے۔

تشریح: اگر محرم نے وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہ ہوگا؛ البتہ اس پر اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔
حج فاسد نہ ہونے کی دلیل: حضور ﷺ کا فرمان ہے جس نے وقوفِ عرفہ کیا اس کا حج پورا ہو گیا۔
اونٹ کا وجوب: جماع لذت حاصل کرنے کا اعلیٰ درجہ ہے اس کی وجہ سے جو چیز واجب ہوگی وہ بھی سخت ہوگی اور وہ اونٹ ہے اس لئے اونٹ واجب کیا گیا۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱، ص:۲۱۰)

(۳۳۳/۱۶) وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْحَلْقِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ .

ترجمہ: (۳۳۳/۱۶) اور جس شخص نے صحبت کی سر منڈانے کے بعد تو اس پر بکری واجب ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے سر منڈانے کے بعد عورت سے صحبت کرلی تو بکری کی قربانی واجب ہے کیونکہ احرام صرف عورتوں کے حق میں باقی ہے؛ لہٰذا جنایت ہلکی ہے تو بکری ہی کافی ہو جائے گی۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۸۴۔ الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۱۰)

(۳۳۴/۱۷) وَمَنْ جَامَعَ فِي الْعُمْرَةِ قَبْلَ اَنْ يَّطُوْفَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ اَفْسَدَهَا وَمَضٰى فِيْهَا وَقَضَاهَا وَعَلَيْهِ شَاةٌ (۳۳۵/۱۸) وَاِنْ وَطِئَ بَعْدَ مَا طَافَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَلَا تَفْسُدُ عُمْرَتُهُ وَلَا يَلْزَمُهُ قَضَاؤُهَا .

ترجمہ: (۳۳۴/۱۷) اور جس شخص نے صحبت کی عمرہ میں چار چکر طواف سے پہلے تو اس کا عمرہ فاسد ہو گیا، پس عمرہ کے افعال پورے کرے اور اس کی کرے اور اس پر بکری کی قربانی واجب ہے۔ (۳۳۵/۱۸) اور اگر چار چکر طواف کرنے کے بعد صحبت کی تو اس پر ایک بکری واجب ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور اس پر اس کی قضاء لازم نہیں ہوگی۔

تشریح: اگر کسی محرم نے چار چکر طواف کرنے سے پہلے عمرہ کے احرام میں صحبت کرلی تو اس کا عمرہ فاسد ہو جائے گا، البتہ وہ افعال عمرہ پورے کرے اور اس کی قضاء کرے اور اس جماع کی وجہ سے اس پر بکری کی قربانی واجب ہو جائے گی اور اگر چار یا زائد چکر طواف کے بعد جماع کیا تو اس پر بکری تو واجب ہوگی مگر عمرہ فاسد نہ ہوگا اور امام شافعی کے نزدیک دونوں صورتوں میں عمرہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر اونٹ کی قربانی واجب ہو جائے گی۔

امام شافعی کی دلیل: عمرہ کو حج پر قیاس کیا ہے کیونکہ حج کی طرح عمرہ بھی فرض ہے اور حج کو فاسد کرنے میں دونوں برابر ہیں خواہ چار چکر سے پہلے صحبت کرے یا بعد میں کرے اسی طرح عمرہ میں بھی برابر ہے۔

حنفیہ کی دلیل: عمرہ سنت ہے اور حج فرض ہے اس لئے عمرہ رتبہ میں حج سے کمتر ہوگا، عمرہ میں بکری واجب ہوگی اور حج میں اونٹ لازم ہوگا تا کہ دونوں میں فرق رہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۱۰)

(۳۳۶/۱۹) وَمَنْ جَامَعَ نَاسِيًا كَمَنْ جَامَعَ عَامِدًا فِي الْحُكْمِ .

ترجمہ: (۳۳۶/۱۹) اور جس نے بھول کر صحبت کی وہ اس کے مانند ہے جس نے جان بوجھ کر صحبت کی۔

تشریح: بھول کر جماع کرنا احرام کو اسی طرح فاسد کر دیتا ہے جس طرح جان بوجھ کر صحبت کرنا فاسد کر دیتا ہے، کیونکہ حج کی حالت یاد دلانے والی ہے اور اس کے لئے علامات ظاہرہ بھی ہیں اور وہ پراگندہ بالوں والا ہونا، گھر سے دور ہونا، لہٰذا نسیان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۱۰)

(۳۳۷/۲۰) وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الْقُدُوْمِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۳۳۸/۲۱) وَاِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ .

ترجمہ: (۲۰/۷۳۷) اور جس شخص نے طواف کیا طوافِ قدوم بے وضو تو اس پر صدقہ ہے۔ (۲۱/۷۳۸) اور اگر ناپاک تھا تو اس پر بکری ہے۔

تشریح: اگر آفاقی بے وضو طوافِ قدوم کرے گا تو طواف کے ہر چکر کے عوض میں ایک صدقہ فطر واجب ہوگا اور سات شوط کے عوض میں سات صدقہ فطر جرمانہ میں ادا کرنا واجب ہوگا اور اگر جنابت کی حالت میں طوافِ قدوم کرے گا تو جرمانہ میں دم دینا واجب ہوگا اور اگر طواف کا اعادہ کرلے گا تو جرمانہ ساقط ہو جائے گا۔

(۲۲/۷۳۹) وَإِنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ (۲۳/۷۴۰) وَإِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ بَدَنَةٌ وَالْأَفْضَلُ أَنْ يُعِيْدَ الطَّوَافَ مَا دَامَ بِمَكَّةَ وَلَا ذَبْحَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۲۲/۷۳۹) اور اگر طواف کیا طوافِ زیارت بے وضو تو اس پر بکری ہے۔ (۲۳/۷۴۰) اور اگر ناپاک تھا تو اس پر اونٹ ہے اور افضل یہ ہے کہ دوبارہ کرے طواف جب تک ہو مکہ میں اور اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

تشریح: اگر بے وضو طواف زیارت کرے گا تو طواف کا اعادہ لازم ہے اگر اعادہ نہیں کرے گا تو جرمانہ میں ایک دم واجب ہو جائے گا اور اعادہ ایام نحر میں کرے یا ایام نحر گزرنے کے بعد کرے دونوں صورتوں میں جرمانہ کی قربانی راجح قول کے مطابق بالکلیہ معاف ہو جائے گی اور اگر حالت جنابت میں طوافِ زیارت کرے گا تو جرمانہ میں ایک گائے یا اونٹ کی قربانی واجب ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوگا اور اس طواف کا اعادہ کرنا واجب ہے لہٰذا اگر ایام نحر کے اندر اندر اعادہ کرلے گا تو جرمانہ کی قربانی کلی طور پر معاف ہو جائے گی اور اگر ایام نحر گزر جانے کے بعد اعادہ کرے گا تو تاخیر کی وجہ سے ایک بکرے کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ (غنیۃ المناسک ص:۱۴۵) صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر محرم نے طوافِ زیارت حدث کی حالت میں کیا ہو یا جنابت کی حالت میں دونوں صورتوں میں اس طواف کا اعادہ افضل ہے جب تک کہ مکہ میں مقیم رہے اور اعادہ کی صورت میں اس پر بکری یا اونٹ کی قربانی بھی واجب نہ رہے گی۔

(۲۴/۷۴۱) وَمَنْ طَافَ طَوَافَ الصَّدْرِ مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۲۵/۷۴۲) وَإِنْ كَانَ جُنُبًا فَعَلَيْهِ شَاةٌ.

ترجمہ: (۲۴/۷۴۱) اور جس شخص نے طواف کیا طوافِ صدر بے وضو ہو کر تو اس پر صدقہ ہے۔ (۲۵/۷۴۲) اور اگر جنبی تھا تو اس پر بکری ہے۔

تشریح: اگر آفاقی وطن کو روانہ ہوتے وقت بے وضو طواف صدر کرے گا تو ہر چکر کے بدلہ میں ایک صدقۂ فطر ادا کرے گا، لہٰذا سات چکروں کے عوض میں سات صدقۂ فطر جرمانہ میں ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر حالت جنابت میں طواف صدر کرے گا تو جرمانہ میں ایک قربانی دینا لازم ہوگا، اگر اعادہ کرلے گا تو جرمانہ معاف ہو جائے گا۔ (غنیۃ المناسک ۱۴۷)

(۴۴۳/۲۶) وَاِنْ تَرَكَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ ثَلٰثَةَ اَشْوَاطٍ فَمَا دُوْنَهَا فَعَلَيْهِ شَاةٌ (۴۴۴/۲۷) وَاِنْ تَرَكَ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ بَقِيَ مُحْرِمًا اَبَدًا حَتّٰى يَطُوْفَهَا.

ترجمہ: (۴۴۳/۲۶) اور اگر چھوڑ دے طوافِ زیارت میں سے تین چکر یا اس سے کم تو اس پر ایک بکری واجب ہے۔ (۴۴۴/۲۷) اور اگر چھوڑ دے چار چکر تو وہ ہمیشہ محرم ہی رہے گا یہاں تک طواف کرے۔

تشریح: اگر محرم نے طوافِ زیارت کے تین پھیرے یا تین سے کم چھوڑ دیئے تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ تین پھیرے ترک کرنے کی وجہ سے جو نقصان پیدا ہور ہا ہے وہ ہلکا ہے چنانچہ یہ اس نقصان کے مشابہ ہو گیا جو حدث کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور حدث کی صورت میں تلافی بکری کی قربانی سے کی جاتی ہے اس لئے یہاں بھی قربانی لازم ہوگی قربانی کا لزوم اس وقت ہے جب کہ طواف کا اعادہ نہ کیا ہو اور اگر ایام نحر میں طواف کا اعادہ کر لیا تو پھر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اور ایام نحر کے بعد اعادہ کیا تو اس پر صدقہ فطر لازم ہے اور اگر لوٹ کر اپنے وطن چلا گیا تو اس کے لئے یہ بات جائز ہے کہ وہ مکہ لوٹ کر نہ جائے اور ایک بکری بھیج دے، اور اگر طوافِ زیارت کے چار پھیرے چھوڑ دیئے تو وہ محرم ہی رہے گا یہاں تک کہ طوافِ زیارت نہ کرے کیونکہ چھوڑے ہوئے پھیرے اکثر ہیں اور اکثر کو کل کا حکم حاصل ہوتا ہے گویا اس نے طواف بالکل نہیں کیا اور طوافِ زیارت نہ کرنے کی صورت میں ہمیشہ محرم رہے گا یعنی عورتوں کے حق میں محرم رہے گا چنانچہ جب بھی صحبت کرے گا اس پر دم لازم ہوگا بشرطیکہ مجلس متعدد ہو۔

(۴۴۵/۲۸) وَمَنْ تَرَكَ ثَلٰثَةَ اَشْوَاطٍ مِنْ طَوَافِ الصَّدْرِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۴۴۶/۲۹) وَاِنْ تَرَكَ طَوَافَ الصَّدْرِ اَوْ اَرْبَعَةَ اَشْوَاطٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ شَاةٌ.

ترجمہ: (۴۴۵/۲۸) اور جس نے چھوڑ دیئے تین چکر طواف صدر کے تو اس پر صدقہ ہے۔ (۴۴۶/۲۹) اور اگر چھوڑ دے طواف صدر یا اس کے چار چکر تو اس پر بکری ہے۔

تشریح: اگر طوافِ صدر کے تین چکر چھوڑ دیئے تو اس پر ہر چکر کے عوض میں ایک صدقہ فطر لازم ہے اور اگر طوافِ صدر پورا ہی چھوڑ دیا یا اس کے چار چکر چھوڑ دیئے اور وطن لوٹ گیا تو اس پر ایک بکری کی قربانی واجب ہے کیونکہ اس نے واجب کو یا واجب میں سے اکثر کو چھوڑ دیا ہے اور ترک واجب قربانی سے نقصان پورا ہوتا ہے اور جب تک وہ مکہ میں ہے تو اس کو طوافِ صدر کرنے کا حکم کیا جائے گا تا کہ واجب اپنے وقت میں ادا ہو جائے۔ (اللباب، ج:۱، ص:۱۸۵)

(۴۴۷/۳۰) وَمَنْ تَرَكَ السَّعْيَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَعَلَيْهِ شَاةٌ وَحَجُّهٗ تَامٌّ.

ترجمہ: (۴۴۷/۳۰) اور جس شخص نے چھوڑ دی صفا و مروہ کے درمیان سعی تو اس پر بکری ہے اور اس کا حج پورا ہے۔

تشریح: اگر صفا ومروہ کے درمیان سعی کو بلا عذر چھوڑ دیا تو اس پر بکری واجب ہے اور اس کا حج مکمل ہو جائے گا کیونکہ سعی واجبات میں سے ہے اور ترک واجب کی وجہ سے دم واجب ہوگا، امام شافعی کے نزدیک سعی فرض ہے جیسے طوافِ زیارت لہٰذا ان کے نزدیک سعی کا اعادہ فرض ہی رہے گا۔ (الجوہرۃ النیرہ، ج:۱،ص:۲۱۲)

(۳۱/۷۴۸) وَمَنْ اَفَاضَ مِنْ عَرَفَاتٍ قَبْلَ الْإِمَامِ فَعَلَيْهِ دَمٌ

ترجمہ: (۳۱/۷۴۸) اور جو شخص چلا گیا عرفات سے امام سے پہلے تو اس پر دم واجب ہے۔

تشریح: عرفات کے دن حجاج کے لئے غروب شمس سے قبل حدود عرفات سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اگر کوئی اتفاق سے حدود عرفات سے باہر نکل جاتا ہے تو لوٹ کر عرفات میں داخل ہونا واجب ہے اور اگر بھیڑ کی وجہ سے آفتاب غروب ہونے سے قبل عرفات سے روانہ ہو جاتا ہے یا کسی اور عذر سے حدود عرفات سے باہر نکل جانے کے بعد غروب سے پہلے لوٹ کر عرفات میں داخل نہیں ہوتا ہے تو اس پر بطور جرمانہ ایک بکرا یا دنبہ کی قربانی واجب ہو جائے گی، اگر آفتاب غروب ہونے کے بعد اور امام سے قبل عرفات سے چلا گیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

(۳۲/۷۴۹) وَمَنْ تَرَكَ الْوُقُوْفَ بِمُزْدَلِفَةَ فَعَلَيْهِ دَمٌ.

ترجمہ: (۳۲/۷۴۹) اور جس شخص نے مزدلفہ کا وقوف ترک کر دیا تو اس پر دم ہے۔

تشریح: ائمہ اربعہ کے نزدیک وقوفِ مزدلفہ واجب ہے اس کو بلا عذر ترک کر دینے سے ان سب کے نزدیک دم واجب ہو جاتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی، ج:۳،ص:۵۰۵) اگر مزدلفہ میں بھیڑ ہو جائے یا جمرہ عقبہ کی رمی میں سخت بھیڑ کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں کمزور عورتوں اور ضعیف مردوں کے لئے وقوفِ مزدلفہ ترک کر دینے کی گنجائش ہے اور ان پر کوئی فدیہ یا دم بھی لازم نہ ہوگا۔ (درمختار مع الشامی ج:۲،ص:۲۴۴)

(۳۳/۷۵۰) وَمَنْ تَرَكَ رَمْيَ الْجِمَارِ فِي الْأَيَّامِ كُلِّهَا فَعَلَيْهِ دَمٌ (۳۴/۷۵۱) وَاِنْ تَرَكَ رَمْيَ اِحْدَى الْجِمَارِ الثَّلٰثِ فَعَلَيْهِ صَدَقَةٌ (۳۵/۷۵۲) وَاِنْ تَرَكَ رَمْيَ جَمْرَةِ الْعُقْبَةِ فِيْ يَوْمِ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ.

ترجمہ: (۳۳/۷۵۰) اور جس شخص نے چھوڑ دی رمی جمار تمام دنوں میں تو اس پر قربانی واجب ہے۔ (۳۴/۷۵۱) اور اگر چھوڑ دی تینوں جمروں میں سے ایک کی تو اس پر صدقہ ہے۔ (۳۵/۷۵۲) اور اگر چھوڑ دی جمرۂ عقبہ کی رمی قربانی کے دن تو اس پر خون ہے۔

تشریح: دسویں ذی الحجہ میں جمرۂ عقبہ کی رمی گیارہویں کی صبح صادق ہو جانے کے بعد تک مؤخر کرنے سے قضا ودم دونوں لازم اور بارہویں کی رمی کو تیرہویں کی صبح صادق ہو جانے تک مؤخر کرنے سے قضا دم دونوں واجب اور تیرہویں کو اگر منیٰ میں قیام کیا ہے تو اس کی رمی کو اسی دن غروب تک مؤخر کر دینے سے صرف دم واجب ہو جاتا ہے قضا

نہیں، اور اگر ایک دن کی رمی ترک کردی ہے تو ایک دم، اور دو دن کی ترک کردی ہے تب بھی ایک دم لازم ہوتا ہے اور اگر تمام ایام منیٰ کی تمام رمیوں کو تیرہویں کے غروب کے بعد تک ترک کردیا ہے تب بھی سب کے بدلہ میں صرف ایک قربانی واجب ہوگی، اور اگر محرم نے کسی دن تینوں جمروں میں سے ایک جمرہ کی رمی ترک کردی اور باقی دو جمروں کی رمی کی تو ہر کنکری کے عوض میں ایک صدقۂ فطر ادا کرے۔

(۳۶/۷۵۳) وَمَنْ اَخَّرَ الْحَلْقَ حَتّٰی مَضَتْ اَيَّامُ النَّحْرِ فَعَلَيْهِ دَمٌ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

ترجمہ: (۳۶/۷۵۳) اور جس شخص نے مؤخر کردیا سر منڈانا یہاں تک کہ گزر گئے قربانی کے دن تو اس پر خون ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: جمرۂ عقبہ کے بعد دو واجب یعنی قربانی اور اس کے بعد حلق یہ دونوں دسویں ذی الحجہ کو لازم نہیں بلکہ بارہویں تک مؤخر کرنے کی بھی اجازت ہے؛ لیکن اگر بارہویں ذی الحجہ گزر جانے تک مؤخر کردیا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جرمانہ میں ایک دم واجب ہوگا۔

(۳۷/۷۵۴) وَكَذٰلِكَ اِنْ اَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی.

ترجمہ: (۳۷/۷۵۴) اور ایسے ہی اگر مؤخر کردیا طوافِ زیارت کو امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کے درمیان میں طواف زیارت کرنا واجب ہے، لہٰذا اگر بارہویں ذی الحجہ گزر گئی اور طوافِ زیارت نہیں کیا پھر بعد میں طواف کرتا ہے تو فریضۂ طواف تو ادا ہوجائے گا مگر تاخیر کی وجہ سے جرمانہ میں ایک دم واجب ہوجائے گا۔ (درمختار مع الشامی، ج:۲،ص:۲۸۵)

(۳۸/۷۵۵) وَاِذَا قَتَلَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا اَوْ دَلَّ عَلَيْهِ مَنْ قَتَلَهٗ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ سَوَاءٌ فِیْ ذٰلِكَ الْعَامِدُ وَالنَّاسِیْ وَالْمُبْتَدِئُ وَالْعَائِدُ.

ترجمہ: (۳۸/۷۵۵) اور جب قتل کردیا محرم نے کسی شکار کے جانور کو یا رہنمائی کی اس پر ایسے شخص کی جس نے اس کو قتل کیا تو اس پر جزاء واجب ہے برابر ہے اس میں جان بوجھ کر کرنے والا اور بھول کر کرنے والا اور پہلی بار بتلانے والا اور دوسری بار بتلانے والا۔

تشریح: اگر محرم نے کسی شکار کے جانور کو قتل کردیا یا اس پر اس کو رہنمائی کی جس نے اس کو قتل کیا ہے مثلاً محرم نے شکاری کو کہا شکار کا جانور فلاں جگہ ہے مدلول نے اس کو مار ڈالا، تو ان دونوں صورتوں میں صرف محرم پر جزاء واجب ہوگی، بشرطیکہ مدلول حلال ہو اور اگر مدلول بھی محرم ہو تو پھر دونوں میں سے ہر ایک پر مکمل جزاء واجب ہوگی خواہ شکار حدودِ حرم کا ہو یا حدودِ حرم سے باہر کا جان بوجھ کر قتل کیا ہو یا بھول کر ہر حال میں محرم کا مارا ہوا شکار حرام اور مردار کے حکم میں ہوگا

اور محرم پر اس کا متبادل جرمانہ اداء کرنا بھی واجب ہوگا۔

رہنمائی کرنے والے محرم پر جزاء واجب ہونے کے لئے صاحب جوہرہ نیرہ نے تین شرطیں بیان کی ہیں: ۱۔ مدلول دلالت سے پہلے شکار کی جگہ سے ناواقف ہو اگر وہ پہلے ہی سے جانتا ہو کہ فلاں جگہ شکار ہے تو دال پر جزاء واجب نہ ہوگی۔ ۲۔ مدلول اس شکار کو دلالت کرنے والے کے محرم ہونے کی حالت میں پکڑے اگر اس کے پکڑنے سے پہلے ہی رہنمائی کرنے والا احرام سے حلال ہو گیا تو اس پر جرمانہ لازم نہ ہوگا۔ ۳۔ رہنمائی کے بعد شکار اسی جگہ موجود ہے اگر اس جگہ سے دوسری جگہ بھاگ گیا اور مدلول نے دوسری جگہ سے شکار کیا تو دال پر جزاء واجب نہ ہوگی۔ (جوہرہ، ج:۱، ص:۲۱۳)

(۵۶/۳۹) وَالْجَزَاءُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ اَنْ یُقَوَّمَ الصَّیْدُ فِی الْمَکَانِ الَّذِیْ قَتَلَهٗ فِیْهِ اَوْ فِیْ اَقْرَبِ الْمَوَاضِعِ مِنْهُ اِنْ کَانَ فِیْ بَرِّیَّةٍ یُقَوِّمُهٗ ذَوَا عَدْلٍ (۵۷/۴۰) ثُمَّ هُوَ مُخَیَّرٌ فِی الْقِیْمَةِ اِنْ شَاءَ اِبْتَاعَ بِهَا هَدْیًا فَذَبَحَهٗ اِنْ بَلَغَتْ قِیْمَتُهٗ هَدْیًا وَاِنْ شَاءَ اشْتَرٰی بِهَا طَعَامًا فَتَصَدَّقَ بِهٖ عَلٰی کُلِّ مِسْکِیْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْ صَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْ کُلِّ نِصْفِ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ یَوْمًا وَعَنْ کُلِّ صَاعٍ مِّنْ شَعِیْرٍ یَوْمًا (۵۸/۴۱) فَاِنْ فَضَلَ مِنَ الطَّعَامِ اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ صَاعٍ فَهُوَ مُخَیَّرٌ اِنْ شَاءَ تَصَدَّقَ بِهٖ وَاِنْ شَاءَ صَامَ عَنْهُ یَوْمًا کَامِلاً (۵۹/۴۲) وَقَالَ مُحَمَّدٌ یَجِبُ فِی الصَّیْدِ النَّظِیْرُ فِیْمَا لَهٗ نَظِیْرٌ فَفِی الظَّبْیِ شَاةٌ وَفِی الضَّبُعِ شَاةٌ وَفِی الْاَرْنَبِ عَنَاقٌ وَفِی النَّعَامَةِ بَدَنَةٌ وَفِی الْیَرْبُوْعِ جَفْرَةٌ.

ترجمہ: (۵۶/۳۹) اور جزاء شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ قیمت لگائی جائے شکار کی اس جگہ میں جہاں شکار کیا ہے یا وہاں سے سب سے نزدیک آبادی میں اگر جنگل میں ہو چنانچہ دو عادل آدمی اس کی قیمت کا اندازہ کریں۔ (۵۷/۴۰) پھر اسے اختیار ہے قیمت میں اگر چاہے خریدے اس قیمت کے عوض ہدی کا جانور اور اس کو ذبح کرے اگر پہنچ جائے اس کی قیمت ہدی کی قیمت کو اور اگر چاہے خریدے اس قیمت کے بدلہ غلہ پھر خیرات کردے اس کو ہر مسکین پر آدھا صاع گیہوں کا یا ایک صاع کھجور کا یا ایک صاع جو کا، اور اگر چاہے تو روزہ رکھے ہر نصف صاع گیہوں کی جانب سے ایک دن اور ہر ایک صاع جو کی طرف سے ایک دن۔ (۵۸/۴۱) اگر بچ گیا غلہ نصف صاع سے کم تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو صدقہ کردے اور اگر چاہے تو روزہ رکھے اس کے بدلہ ایک مکمل دن۔

(۵۹/۴۲) اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ شکار میں مثل واجب ہے بشرطیکہ اس کا مثل ممکن ہو چنانچہ ہرن میں بکری ہے اور بجو میں بکری ہے اور خرگوش میں بکری کا چھ ماہ کا بچہ ہے اور شتر مرغ میں اونٹ ہے اور جنگلی چوہے میں چار ماہ کا بکری کا بچہ ہے۔

تشریح: مذکورہ مسئلہ میں جہاں وجوب جرمانہ کا حکم بیان کیا گیا ہے وہ قریب قریب متفق علیہ مسئلہ ہے مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ جرمانہ کی کیفیت ہوگی اس بارے میں دو مذہب ہیں۔ (عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۵-۴۷ اوجز المسالک، ج:۳، ص:۴۲۷)

۱ شیخین کے نزدیک شکار چاہے مثلی ہو یا غیر مثلی ہر حال میں قیمت کا صدقہ کرنا جائز ہے؛ لہٰذا اس کو اختیار ہے کہ چاہے مثل صوری ادا کرے یا مثل معنوی ہر طرح جائز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر جنگل میں شکار کو قتل کیا ہے تو اسی جگہ میں دو عادل مرد اس کی قیمت کا اندازہ کریں گے اور اگر وہاں اس کی کوئی قیمت نہ ہو تو قریب کی کسی بستی میں جاکر اندازہ کریں پھر اس کی قیمت کی تعیین ہو جائے تو اب قاتل کو اختیار ہے چاہے تو وہ اس قیمت میں ہدی کا جانور خرید کر اس کو ذبح کردے اور اس کے گوشت کو مساکین حرم پر تقسیم کردے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ اس قیمت میں ہدی کا جانور آسکتا ہو اور اگر چاہے تو اس کا غلہ خرید لے اور صدقۂ فطر کی مقدار ایک ایک مسکین کو صدقہ کردے یعنی اگر گندم خریدا ہے تو ہر مسکین پر نصف نصف صاع صدقہ کردے اور اگر کھجور یا جو ہے تو ایک ایک صاع صدقہ کردے اور اگر چاہے تو ہر مسکین کے غلہ کے بجائے روزہ رکھ لے اور اگر نصف صاع سے کم بچ جائے تو چاہے اسی کو خیرات کردے اور چاہے اس کے بدلہ میں ایک روزہ رکھ لے۔

۲ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد کے نزدیک جس شکار کو مارا ہے اگر اس کا مثل صوری اہلی جانوروں میں موجود ہے تو مثل صوری جرمانہ میں ادا کرنا لازم ہوگا، مثل معنوی یعنی قیمت دینا جائز نہ ہوگا مثلاً ہرن اور بجو میں بکری لازم ہے اور خرگوش میں بکری کا چھ ماہ کا بچہ اور شتر مرغ میں اونٹ لازم ہوگا اور جنگلی چوہے کی جزا میں بکری کا چار ماہ کا مادہ بچہ واجب ہوگا اور نیل گائے میں گائے لازم ہوگی اور اگر اہلی جانوروں میں سے شکار کا مثل صوری موجود نہیں ہے تو قیمت دینا جائز ہوسکتا ہے جیسے گوریا اور کبوتر اور ان کے مانند جانور جن کی کوئی نظیر نہیں ہے چنانچہ ان جانوروں میں قیمت واجب ہوگی، اصح قول شیخین کا ہے۔ (اللباب فی شرح الکتاب، ج:۱، ص:۱۸۷)

(۶۰/۷/۴۳) وَمَنْ جَرَحَ صَيْدًا اَوْ نَتَفَ شَعْرَهُ اَوْ قَطَعَ عُضْوًا مِنْهُ ضَمِنَ مَا نَقَصَ مِنْ قِيْمَتِهِ (۶۱/۷/۴۴) وَاِنْ نَتَفَ رِيْشَ طَائِرٍ اَوْ قَطَعَ قَوَائِمَ صَيْدٍ فَخَرَجَ بِهِ مِنْ حَيِّزِ الْاِمْتِنَاعِ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ كَامِلَةً.

ترجمہ: (۶۰/۷/۴۳) اور جس شخص نے زخمی کردیا کسی شکار کو یا اکھاڑ دیئے اس کے بال یا کاٹ دیا اس کا عضو تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کے نقصان کا۔ (۶۱/۷/۴۴) اور اگر نوچ دیئے پرندے کے پر یا کاٹ دیئے شکار کے ہاتھ پاؤں پس نکل گیا وہ اپنا بچاؤ کرنے سے تو اس پر پوری قیمت واجب ہے۔

تشریح: اگر محرم نے شکار کے جانور کو زخمی کردیا یا اس کے بال اکھاڑ دیئے یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا تو اس کی وجہ سے اس کی مالیت میں جو نقصان پیدا ہوا ہے اس کا ضامن ہوگا بشرطیکہ جانور نہ مرا ہو ورنہ پوری قیمت واجب ہوگی،

ایسے ہی زخم کے نشانات باقی ہوں ورنہ کوئی چیز واجب نہ ہوگی، اور اگر محرم نے کسی پرندے کے بازو کے پر اکھاڑ دیئے یا شکار کے جانور کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے، یہاں تک کہ وہ پرندہ اور شکار کا جانور اپنی حفاظت اور لوگوں سے بچنے کے قابل بھی نہ رہا تو اس محرم پر اس کی پوری قیمت واجب ہوگی، کیونکہ محرم نے جب اس کا آلۂ حفاظت معدوم کر دیا تو گویا اس کے امن کو ختم کر دیا اور امن کو ختم کرنے والا قاتل کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا اس پر مقتول کی پوری قیمت واجب ہوگی۔

(اللباب، ج:۱،ص:۱۸۷)

(۶۲/۷-۴۵) وَمَنْ كَسَرَ بَيْضَ صَيْدٍ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ (۶۳/۷-۴۶) فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الْبَيْضَةِ فَرْخٌ مَيِّتٌ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ حَيًّا.

ترجمہ: (۶۲/۷-۴۵) اور جس شخص نے شکار کے انڈے پھوڑ دیئے تو اس پر اس کی قیمت ہے۔ (۶۳/۷-۴۶) پھر اگر نکلا انڈے سے مردہ بچہ تو اس پر زندہ کی قیمت ہے۔

تشریح: اگر محرم نے شکار کا انڈا توڑ دیا تو اس پر انڈے کی قیمت واجب ہوگی؛ کیونکہ انڈا شکار کی اصل ہے اور انڈے کے اندر شکار بننے کی صلاحیت بھی ہے چنانچہ اس کو احتیاطاً شکار کے مرتبہ میں اتار لیا گیا ہے یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کہ انڈا خراب نہ نکلا ہو اگر خراب نکلا تو کچھ واجب نہ ہوگا، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے انڈے سے اگر مردہ بچہ نکلا تو محرم پر بچہ کی قیمت واجب ہے کیونکہ انڈا اسی لئے ہوتا ہے کہ اس سے زندہ بچہ نکلے جب محرم نے وقت سے پہلے انڈا توڑ دیا تو یہ توڑنا ہی اس بچہ کی موت کا سبب ہے، تو احتیاطاً بچہ ہی کا تاوان لازم ہوگا۔

(۶۴/۷-۴۷) وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْغُرَابِ وَالْحِدَاةِ وَالذِّئْبِ وَالْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَالْفَارَةِ وَالْكَلْبِ الْعَقُورِ جَزَاءٌ وَلَيْسَ فِي قَتْلِ الْبَعُوضِ وَالْبَرَاغِيثِ وَالْقُرَادِ شَيْءٌ.

ترجمہ: (۶۴/۷-۴۷) اور نہیں ہے کوے، چیل، بھیڑیئے، سانپ، بچھو، چوہے اور کاٹنے والے کتے کے مارنے میں کوئی جزاء اور نہیں ہے کچھ مچھر، پسو، اور چچڑی کے مارنے میں۔

تشریح: حالت احرام میں محرم کے لئے اور حدود حرم میں حلال کے لئے گیارہ قسم کے جانوروں کو جان سے مار دینا جائز ہے: (۱) گندگی کھانے والے کوے (۲) چیل (۳) بھیڑیئے (۴) سانپ (۵) بچھو (۶) چوہا (۷) کاٹنے والا اور حملہ کرنے والا کتا (۸) گرگٹ اور چھپکلی (۹) حملہ کرنے والے جانور (۱۰) کاٹنے والی چیونٹی (۱۱) مچھر، نیز جو موذی جاندار بدنِ انسانی سے پیدا نہیں ہوتا ہے اس کو حالت احرام میں مارنا جائز ہے جیسے مچھر، پسو، چچڑی، کھٹمل، مکھی، تتیے، متن میں کلب عقور سے کیا مراد ہے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔ ۱ امام مالک امام شافعی اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ کلب عقور سے صرف کاٹنے والے کتے مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے شیر اور ہر وہ درندے مراد ہیں جو کاٹنے والے ہوں؛ البتہ امام مالک اور امام شافعی کے درمیان فرق یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ہر غیر ماکول اللحم تکلیف دینے والے

جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے؛ لہٰذا ان کے نزدیک متعدی ہونے والی علت دو ہوں گی: ۱ تکلیف دینے والا ہونا ۲ غیر ماکول اللحم ہونا لہٰذا ماکول اللحم موذی جانور کو قتل کرنا جائز نہیں؛ البتہ اگر حملہ کردے گا تو قتل کرنا جائز ہوسکتا ہے اور امام مالک کے نزدیک متعدی ہونے والی علت صرف موذی ہونا ہے جانور خواہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم لہٰذا ہر موذی جانور کو ان کے نزدیک محرم کے لئے قتل کردینا جائز ہے۔

۲ حنفیہ اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق کلب عقور سے ہر قسم کے درندے اور شیر وغیرہ مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے صرف کاٹنے والے کتے مراد ہیں اور ان لوگوں نے کہا کہ کلب عقور سے درندے تو مراد نہیں ہیں مگر بھیڑیئے کو کلب کی طرح قرار دیا ہے اس لئے کہ وہ کلب عقور سے بھی خطرناک اور ہر وقت حملہ کی فکر میں رہتا ہے۔ (ایضاح الطحاوی، ج:۳، ص:۴۰۸، عمدۃ القاری ج:۷، ص:۵۰۲، اوجز المسالک ج:۳، ص:۴۴۲)

(۶۵/۴۸) وَمَنْ قَتَلَ قَمْلَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ .

ترجمہ: (۶۵/۴۸) اور جس نے جوں ماردی تو جو کچھ چاہے صدقہ کردے۔

تشریح: حالت احرام میں جوں مارنا ممنوع ہے تین سے کم مارے گا تو اپنی مرضی سے جو چاہے صدقہ کرے اور اگر تین سے زیادہ ہیں اور زیادہ کی مقدار چاہے کتنی ہی ہو پھر بھی ایک صدقہ فطر دینا کافی ہوگا اور قاعدہ یہ ہے کہ جو کیڑے بدن سے پیدا ہوں جیسے جوں وغیرہ ان کو مارنا ممنوع ہے۔ (فتح القدیر، ج:۳، ص:۲۶)

(۶۶/۴۹) وَمَنْ قَتَلَ جَرَادَةً تَصَدَّقَ بِمَا شَاءَ وَتَمْرَةٌ خَيْرٌ مِنْ جَرَادَةٍ .

ترجمہ: (۶۶/۴۹) اور جس نے ٹڈی کو قتل کردیا تو صدقہ کرے جتنا چاہے اور ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے۔

تشریح: حرم شریف میں ٹڈی بہت ہیں ان سے بچنا ضروری ہے اگر کوئی ٹڈی مارے گا تو ایک صدقہ یا جو کچھ بھی ہو جرمانہ میں ادا کرے۔ (فتح القدیر، ج:۳، ص:۲۶)

صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک کھجور بہتر ہے ایک ٹڈی سے یہ اصل میں حضرت عمر کا قول ہے ایک محرم نے حالت احرام میں ٹڈی ماردی پھر اس کے متعلق حضرت عمر ﷺ سے معلوم کیا، آپ نے حضرت کعب کو بلا کر معلوم کیا، حضرت کعب نے فرمایا ایک ٹڈی کے عوض ایک درہم، حضرت عمر نے فرمایا کیا تم دراہم کو پالو گے؟ پھر فرمایا: ایک ٹڈی کے عوض ایک کھجور صدقہ کرنا کافی ہے۔ (اللباب، ج:۱، ص:۱۸۸ مع الحاشیہ)

(۶۷/۵۰) وَمَنْ قَتَلَ مَا لَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ السِّبَاعِ وَنَحْوِهَا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ وَلَا يَتَجَاوَزُ بِقِيمَتِهَا شَاةً .

ترجمہ: (۶۷/۵۰) اور جس نے ایسے جانور کو قتل کیا جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً درندے اور ان کے مانند تو اس پر جزاء ہے جو قیمت میں ایک بکری سے نہ بڑھے گی۔

تشریح: اگر محرم نے غیر ماکول اللحم شکار کو قتل کر ڈالا جیسے درندے شیر چیتا وغیرہ تو اس پر بھی جزاء واجب ہوگی اور جزاء اس قدر واجب کی جائے گی کہ وہ ایک بکری کی قیمت سے تجاوز نہ کرے کیونکہ غیر ماکول اللحم کی قیمت کا اعتبار اس کی کھال کے مناسب ہوگا، کیونکہ اس کا گوشت تو نہیں کھایا جاتا تو بظاہر اس کی کھال بکری کی قیمت سے زائد نہ ہوگی۔

(۶۸/۷۶۸) وَإِنْ صَالَ السَّبُعُ عَلٰى مُحْرِمٍ فَقَتَلَهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ .

ترجمہ: (۶۸/۷۶۸) اور اگر حملہ کر دیا درندے نے محرم پر پھر محرم نے اس کو مار دیا تو اس پر کچھ نہیں ہے۔

تشریح: اگر درندہ نے بغیر چھیڑے ہی محرم پر حملہ کر دیا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تو اس پر جزاء واجب نہ ہوگی کیونکہ محرم کو جانوروں کے ساتھ تعرض کرنے سے روکا گیا ہے اپنے اوپر سے تکلیف دور کرنے سے نہیں روکا گیا۔

(۵۲/۷۶۹) وَإِنِ اضْطَرَّ الْمُحْرِمُ إِلٰى أَكْلِ لَحْمِ الصَّيْدِ فَقَتَلَهُ فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ .

ترجمہ: (۵۲/۷۶۹) اور اگر مجبور ہو جائے محرم شکار کا گوشت کھانے پر پھر اس کا شکار کر لیا تو اس پر جزاء ہے۔

تشریح: اگر محرم بھوک کی شدت کی وجہ سے شکار کو قتل کرنے کی طرف مجبور ہو گیا چنانچہ اس نے شکار کر لیا تو اس محرم پر بھی جزاء واجب ہے کیونکہ شریعت نے احرام کے ممنوعات میں سے اگر کسی ممنوع کام کو کرنے کی اجازت دی ہے تو وہ اجازت کفارہ کے ساتھ مقید ہے اسی طرح مضطر کو بھی ضرورت کے وقت شکار ذبح کر کے کھانا جائز ہے مگر کفارہ کی شرط کے ساتھ اور کفارہ اس کی جزاء ہے جس کا بیان مفصلاً گزر چکا ہے۔

(۵۳/۷۷۰) وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَذْبَحَ الْمُحْرِمُ الشَّاةَ وَالْبَقَرَةَ وَالْبَعِيْرَ وَالدَّجَاجَ وَالْبَطَّ الْكَسْكَرِيَّ (۵۴/۷۷۱) وَإِنْ قَتَلَ حَمَامًا مُسَرْوَلًا أَوْ ظَبْيًا مُسْتَأْنِسًا فَعَلَيْهِ الْجَزَاءُ .

ترجمہ: (۵۳/۷۷۰) اور کوئی حرج نہیں ہے یہ کہ ذبح کرے محرم بکری، گائے، اونٹ، مرغی اور پالتو بطخ کسکری۔ (۵۴/۷۷۱) اور اگر مار دیا پاموز کبوتر یا مانوس ہرن تو اس پر جزاء ہے۔

تشریح: اگر محرم نے حالت احرام میں بکری، گائے، اونٹ، مرغی، اور وہ بطخ جو گھروں اور حوضوں میں رہتی ہے ایسے جانداروں کو ذبح کر دیا تو اس پر کچھ لازم نہیں اور کیونکہ یہ چیزیں وحشی نہ ہونے کی وجہ سے شکار میں داخل نہیں ہے، پھر صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کسی محرم نے پاموز کبوتر (وہ کبوتر جس کے پاؤں میں بال و پر بہت زیادہ ہیں) مار ڈالا یا ہلے ہوئے ہرن کو قتل کر دیا تو محرم پر جزاء واجب ہے کیونکہ کبوتر اور ہرن اپنی اصل خلقت اور فطرت کے اعتبار سے وحشی ہوتے ہیں اور ان کا ہلا ہوا ہونا عارضی ہے لہٰذا عارضی مانوس ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

(۵۵/۷۷۲) وَإِنْ ذَبَحَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا فَذَبِيْحَتُهُ مَيْتَةٌ لَا يَحِلُّ أَكْلُهَا .

ترجمہ: (۵۵/۷۷۲) اور اگر ذبح کرے محرم شکار تو اس کا ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

تشریح: اگر محرم حالت احرام میں شکار کو قتل کرتا ہے چاہے حدود حرم کا شکار ہو یا حدود حرم سے باہر کا عامداً قتل کیا ہو یا ناسیا ہر حال میں محرم کا مارا ہوا شکار حرام اور مردار کے حکم میں ہوگا اس کا کھانا حرام ہے محرم اور غیر محرم سب کے لئے۔

(۳۷۷/۵۶) وَلاَ بَأسَ بِاَنْ يَاكُلَ الْمُحرِمُ لَحمَ صَيْدٍ اِصْطَادَهُ حَلاَلٌ وَذَبَحَهُ اِذَا لَمْ يَدُلَّهُ الْمُحرِمُ عَلَيْهِ وَلاَ اَمَرَهُ بِصَيْدِهِ.

ترجمه: (۳۷۷/۵۶) اور کوئی حرج نہیں ہے اس میں کہ کھائے محرم ایسے شکار کا گوشت جس کو کسی حلال آدمی نے شکار کیا ہو اور اسی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ نہ بتایا ہو محرم نے وہ شکار اور نہ شکار کرنے کا حکم کیا ہو۔

تشریح: اگر غیر محرم حدود حرم کے باہر کا شکار مار کر لایا ہے تو وہ محرم کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

۱ حنفیہ کے نزدیک ہر وہ شکار محرم کے لئے جائز اور حلال ہے جس کے شکار میں محرم کا کوئی دخل نہ ہو چاہے حلال آدمی نے محرم کے واسطے شکار کیا ہو یا اپنے لئے، ہر حال میں محرم کے لئے اس کا گوشت حلال ہے۔ (عمدہ ج:۷،ص:۴۹۶)

۲ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہر وہ شکار محرم پر حرام ہے جو محرم کے واسطے شکار کر کے ذبح کیا جائے اور وہ محرم پر اس شکار کی طرح حرام اور مردار کے حکم میں ہے جس کو محرم نے از خود شکار کیا ہو اور اگر محرم کے واسطے شکار نہیں کیا گیا ہے اور نہ ہی محرم کے واسطے ذبح کیا گیا ہے تو اس شکار کا گوشت کھانا محرم کے لئے جائز اور حلال ہے۔ (عمدہ، ج:۷،ص:۴۸۷)

دلیل: لَحْمُ الصَّيْدِ حَلاَلٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ مَا لَمْ تَصِيدُوْهُ اَوْ لِيُصَادَ لَكُمْ (طحاوی، ج:۱،ص:۴۱۴) حضور ﷺ نے فرمایا تمہارے واسطے وہ شکار حالت احرام میں حلال ہو سکتا ہے جس کو تم نے شکار نہیں کیا ہے اور نہ ہی حلال نے تمہارے واسطے شکار کیا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شکار محرم کے لئے حلال ہوگا جس کو غیر محرم نے اپنے طور پر شکار کر کے ذبح کر دیا ہے اور بعد میں اتفاقی طور پر محرم کو پیش کیا جا رہا ہے اور وہ شکار حلال نہ ہوگا جس کو محرم کے لئے مار کر ذبح کیا گیا ہے۔

جواب مذکورہ روایت میں اَوْ يُصَادُ لَكُمْ دو احتمال رکھتا ہے: ۱ محرم کے حکم کے بغیر حلال نے محرم کے لئے شکار کیا ہے۔ ۲ محرم کے حکم سے حلال نے محرم کے لئے شکار کیا ہے اور محرم کے حکم سے شکار کرنا خود محرم کے شکار کرنے کے حکم میں ہوتا ہے، اب دونوں احتمالوں میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینے کے لئے صریح روایت ہونی چاہئے، چنانچہ ہم کو ایسی روایات بکثرت مل گئی ہیں جن میں صاف صاف ارشاد ہے کہ وہ سارے شکار محرم کے لئے حلال ہیں جن کے شکار کرنے میں محرم نے کوئی تعاون نہیں کیا ہے اور نہ ہی محرم نے شکار کا حکم کیا ہے، لہٰذا احتمال دوم مراد ہوگا نہ کہ احتمال اول۔ (طحاوی شریف، ج:۱،ص:۴۱۴)

حنفیہ کی دلیل: حضرت عبدالرحمن بن عثمان فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت طلحہ کے ساتھ سفر حج میں تھے راستہ میں

ایک جگہ ٹھہر گئے اور حضرت طلحہ کے لئے وہاں کے لوگوں نے کچھ پرندے مار کر بطور ہدیہ پیش کیا آپ اس وقت آرام فرمارہے تھے ہم میں سے کچھ نے کھالیا اور کچھ نے نہیں کھایا، حضرت طلحہ نے بیدار ہوکر کھانے والوں کی موافقت میں کھالیا اور فرمایا کہ حضور ﷺ کے ساتھ ہم لوگوں نے کھایا ہے۔ (عمدۃ القاری، ج:۷،ص:۴۹۶-طحاوی، ج:۱،ص:۴۱۴)

نیز متعدد روایات میں حضور ﷺ کا ارشاد اس طرح موجود ہے کہ محرم کے لئے ہر وہ شکار حلال ہے جس کو شکار کرنے میں محرم نے کوئی تعاون نہیں کیا ہے، اور نہ ہی محرم نے شکار کا حکم کیا ہے۔ (طحاوی شریف، ج:۱،ص:۴۱۴)

(۷۷۴/۵۷) وَفِي صَيْدِ الْحَرَمِ اِذَا ذَبَحَهُ الْحَلَالُ الْجَزَاءُ .

ترجمہ: (۷۷۴/۵۷) اور حرم کے شکار میں جبکہ اس کو حلال آدمی ذبح کرے جزاء ہے۔

تشریح: حدود حرم کا شکار مارنا کسی کے نزدیک جائز نہیں چاہے شکار کرنے والا خود محرم نہ ہو اور اگر حرم کا شکار مارے گا تو وہ مردار کے حکم میں ہوگا اس کا کھانا کسی کے لئے جائز نہیں ہے اور مارنے والے پر اس جانور کا پورا جرمانہ واجب ہوگا۔

(۷۷۵/۵۸) وَاِنْ قَطَعَ حَشِيْشَ الْحَرَمِ اَوْ شَجَرَهُ الَّذِيْ لَيْسَ بِمَمْلُوْكٍ وَلَا هُوَ مِمَّا يُنْبِتُهُ النَّاسُ فَعَلَيْهِ قِيْمَتُهُ.

ترجمہ: (۷۷۵/۵۸) اور اگر کاٹی کسی نے حرم کی گھاس یا اس کا وہ درخت جو کسی کی ملک نہیں ہے اور نہ ان درختوں میں سے ہے جس کو لوگ اُگاتے ہیں تو اس پر اس کی قیمت واجب ہے۔

تشریح: اگر کسی نے حرم کی گھاس کاٹی یا ایسا درخت کاٹا جو کسی کی ملک نہیں ہے اور خودرو ہے یعنی اس کو لوگ نہیں اگاتے بلکہ وہ خود اُگتا ہے تو ایسی گھاس اور درخت کو کاٹنے کی صورت میں اس پر قیمت واجب ہوگی لیکن اگر وہ گھاس یا درخت خشک ہوگیا تو اس کو کاٹنے پر قیمت واجب نہ ہوگی۔

(۷۷۶/۵۹) وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلَهُ الْقَارِنُ مِمَّا ذَكَرْنَا اَنَّ فِيْهِ عَلَى الْمُفْرِدِ دَمًا فَعَلَيْهِ دَمَانِ دَمٌ لِحَجَّتِهٖ وَدَمٌ لِعُمْرَتِهٖ اِلَّا اَنْ يَتَجَاوَزَ الْمِيْقَاتَ مِنْ غَيْرِ اِحْرَامٍ ثُمَّ يُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ فَيَلْزَمُهُ دَمٌ وَاحِدٌ .

ترجمہ: (۷۷۶/۵۹) اور ہر وہ چیز جس کو کرے قارن ان کاموں میں سے جن کو ہم نے بیان کیا ہے کہ ان میں مفرد پر ایک دم ہے تو قارن پر دو دم واجب ہوں گے ایک دم اس کے حج کی وجہ سے اور ایک دم اس کے عمرہ کی وجہ سے، علاوہ اس کے کہ بڑھ جائے قارن بغیر احرام کے میقات سے پھر احرام باندھے عمرہ اور حج کا تو اس پر ایک دم لازم ہوگا۔

تشریح: احرام کے ممنوعات میں سے جن امور میں مفرد بالحج پر ایک خون واجب ہوتا ہے اگر قارن ان

جنایات میں سے کسی کا ارتکاب کرلے تو دوخون واجب ہوں گے ایک حج کی وجہ سے دوسرا عمرہ کی وجہ سے، صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ صرف ایک صورت ایسی ہے جس میں ہمارے نزدیک بھی قارن پر ایک دم واجب ہوگا وہ یہ ہے کہ قارن بغیر احرام کے میقات سے گزر جائے تو اس قارن پر ایک دم واجب ہوگا، البتہ اگر لوٹ کر کسی بھی میقات میں جا کر احرام باندھ لے تو جرمانہ کی قربانی معاف ہوجائے گی۔

(۷۷۷/۶۰) وَاِذَا اشْتَرَكَ مُحْرِمَانِ فِيْ قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْجَزَاءُ كَامِلًا.

ترجمہ: (۷۷۷/۶۰) اور اگر شریک ہوگئے دو محرم حرم کے شکار کے قتل کرنے میں تو ان میں سے ہر ایک پر پورا جرمانہ ہے۔

تشریح: دو محرم مل کر شکار کرلیں خواہ حدود حرم کا شکار ہو یا حدود حرم سے باہر کا دونوں کا الگ الگ پورا جرمانہ ادا کرنا لازم ہوگا کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے احرام کامل پر جنایت کی ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۹۰)

(۷۷۸/۶۱) وَاِذَا اشْتَرَكَ حَلَالَانِ فِيْ قَتْلِ صَيْدِ الْحَرَمِ فَعَلَيْهِمَا جَزَاءٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: (۷۷۸/۶۱) اور اگر شریک ہوگئے دو حلال آدمی حرم کے شکار کے قتل میں تو ان دونوں پر ایک ہی جرمانہ ہے۔

تشریح: اگر دو غیر محرم آدمیوں نے مل کر حرم کا ایک شکار قتل کیا تو دونوں پر ایک ہی جرمانہ لازم ہوگا، کیونکہ یہاں تاوان حرم کی حرمت کی وجہ سے ہے چنانچہ محل کے ایک ہونے کی وجہ سے تاوان بھی ایک ہی واجب ہوگا۔
(اللباب فی شرح الکتاب، ج:۱،ص:۱۹۰)

(۷۷۹/۶۲) وَاِذَا بَاعَ الْمُحْرِمُ صَيْدًا اَوِ ابْتَاعَهُ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ.

ترجمہ: (۷۷۹/۶۲) اور اگر بیچا محرم نے شکار یا اس کو خریدا تو بیع باطل ہے۔

تشریح: محرم کا شکار کے جانور کو فروخت کرنا اور خریدنا دونوں ناجائز اور باطل ہے، کیونکہ محرم کو شکار کی اجازت نہیں ہے ایسے ہی خرید وفروخت کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

بَابُ الاِحْصَارِ

یہ باب محصر ہوجانے کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: اب تک ان جنایتوں کا بیان تھا جو محرم اپنے اوپر کرے، اب ان کا بیان ہے جو محرم پر کوئی دوسرا کرے۔

احصار کے لغوی معنی: روکنا، کسی کو کسی کام سے روک دینا۔

تعریف: محرم کو انعالِ حج یا انعالِ عمرہ پورا کرنے سے روک دینا خواہ یہ روکنے والی چیز دشمن ہو یا بیماری وغیرہ یہ تعریف حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ اگر کوئی چیز محرم کے لئے حرم تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کرے تو یہ احصار شرعی نہیں ہے، ایسا شخص محصر نہیں کہلائے گا اور احصار کا جو حکم شرعی ہے وہ اس پر جاری نہ ہوگا۔ (بذل المجہود، ج:۳، ص:۱۳۵)

(۱/۷۸۰) إِذَا أُحْصِرَ الْمُحْرِمُ بِعَدُوٍّ اَوْ اَصَابَهُ مَرَضٌ يَمْنَعُهُ مِنَ الْمُضِيِّ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ وَقِيْلَ لَهُ اِبْعَثْ شَاةً تُذْبَحُ فِي الْحَرَمِ وَوَاعِدْ مَنْ يَحْمِلُهَا يَوْمًا بِعَيْنِهِ يَذْبَحُهَا فِيْهِ ثُمَّ تَحَلَّلَ (۲/۷۸۱) فَاِنْ كَانَ قَارِنًا بَعَثَ دَمَيْنِ.

ترجمہ: (۱/۷۸۰) جب روک دیا گیا محرم دشمن کی وجہ سے یا اس کو کوئی ایسی بیماری لاحق ہوئی جس نے اس کو پورا کرنے سے روک دیا تو جائز ہے اس کے لئے حلال ہونا اور اس کو کہا جائے گا کہ بھیج ایک بکری جو ذبح کی جائے حرم میں اور وعدہ کرے اس شخص سے جو اس کو لے جارہا ہے ایک متعین دن کا کہ اسی دن وہ ہدی ذبح کرے گا پھر حلال ہوجائے گا۔ (۲/۷۸۱) پس اگر وہ قارن ہو تو دو دم بھیجے۔

تشریح: اس عبارت میں امام قدوریؒ اسباب احصار اور احرام سے حلال ہونے کا طریقہ بیان فرمارہے ہیں، اب یہ مسئلہ زیر غور ہے کہ کس قسم کی رکاوٹ کی وجہ سے محصر کے لئے حلال ہونا جائز ہوسکتا ہے اس سلسلہ میں دو مذہب ہیں: ۱ حنفیہ کے نزدیک بیماری، دشمن کا خوف، بادشاہ کی جانب سے رکاوٹ محرم کا راستہ میں کوئی عضو ٹوٹ جائے، یا کسی عارض کی وجہ سے لنگڑا ہوجائے، خرچ گھٹ جائے یعنی ہر وہ چیز سبب احصار میں داخل ہے جو احرام باندھنے کے بعد احرام کے تقاضوں کو پورا کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے۔ (بذل، ج:۳، ص:۱۳۵-عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۴۴۶- معارف السنن، ج:۶، ص:۵۸۰)

۲ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دشمن کے علاوہ باقی کوئی چیز اسباب احصار میں سے نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے حلال ہوجانا جائز ہوجائے۔ (بذل، ج۳، ص:۱۳۵-عمدہ، ج:۷، ص:۴۴۶-معارف، ج:۶، ص:۵۸۵)

حنفیہ کی دلیل: عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود کی روایت ہیں ان میں دشمن کے علاوہ، بیماری، عضو کا ٹوٹ جانا، لنگڑا ہونا ان سب کو بھی اسبابِ احصار میں شمار کیا گیا ہے اس وجہ سے صرف دشمن کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے۔ (طحاوی، ج:۱، ص:۴۵۴-عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۴۴۷)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ سے منقول ہے کہ دشمن کے علاوہ کوئی چیز اسباب احصار میں داخل نہیں ہے اور جو شخص بیماری میں مبتلا ہوجائے اس کے لئے طواف وسعی کے بغیر حلال ہونا جائز نہیں ہے۔ (طحاوی،

ج:۱،ص:۴۵۵)

جواب حضرت حجاج، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ کی روایات میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بدن کا کوئی عضو ٹوٹ جائے یا پیر ٹوٹ جائے تو اس کے لئے حلال ہو جانا جائز اور اس پر ایک حج بعد میں قضاء کرنا واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ احصار جیسے دشمن کی وجہ سے ہوتا ہے ایسے ہی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ (طحاوی، ج:۱،ص:۴۵۵)

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ احصار کا حکم یہ ہے کہ اگر محصر صرف حج افراد کرنے والا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ ایک بکری بھیج دے تا کہ وہ حرم میں ذبح کی جائے اور جس کے ہاتھ ہدی بھیجے اس سے ایک متعین دن کا وعدہ کرے کہ اس دن ذبح کرے گا اور اگر محصر قارن ہے تو دو ہدی بھیجے مذکورہ تفصیل کے مطابق۔

(۳/۷۸۲) وَلَا يَجُوزُ ذَبْحُ دَمِ الْإِحْصَارِ إِلَّا فِي الْحَرَمِ (۴/۷۸۳) وَيَجُوزُ ذَبْحُهُ قَبْلَ يَوْمِ النَّحْرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا لَا يَجُوزُ الذَّبْحُ لِلْمُحْصَرِ بِالْحَجِّ إِلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ (۵/۷۸۴) وَيَجُوزُ لِلْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ أَنْ يَذْبَحَ مَتٰى شَاءَ.

ترجمہ: (۳/۷۸۲) اور جائز نہیں ہے دم احصار کو ذبح کرنا مگر حرم میں۔ (۴/۷۸۳) اور جائز ہے اس کو ذبح کرنا یوم نحر سے پہلے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ جائز نہیں ذبح کرنا محصر بالحج کے لئے مگر یوم نحر میں (۵/۷۸۴) اور جائز ہے محصر بالعمرۃ کے لئے کہ جب چاہے ذبح کرے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دم احصار حرم کے ساتھ تو خاص ہے مگر یوم نحر کے ساتھ خاص نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک حرم اور یوم نحر دونوں کے ساتھ خاص ہے اور محصر بالعمرۃ بالاتفاق جب چاہے دم احصار کو ذبح کرے اس کے لئے کسی وقت کی تعیین نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہدی کو حرم بھیجنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہدی کا اسی جگہ ذبح کیا جانا کافی ہے جہاں احصار متحقق ہوا ہے۔ (معارف السنن، ج:۶،ص:۵۸۳)

صاحبین کی دلیل: جس طرح دم تمتع اور دم قران حرم اور یوم نحر کے ساتھ خاص ہیں، اسی طرح دم احصار بھی حرم اور یوم نحر کے ساتھ خاص ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: دم احصار دم کفارہ ہے اسی وجہ سے اس میں سے کچھ کھانا جائز نہیں ہے، بلکہ یہ فقراء کا حق ہے اور کفارات کی قربانیاں بالاتفاق مکان (حرم) کے ساتھ خاص ہیں، زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔

(الجوہرۃ النیرۃ، ج:۱،ص:۲۱۹)

صاحبین کی دلیل کا جواب: حج قران کرنے والے اور حج تمتع کرنے والے پر جو قربانی واجب ہوئی ہے وہ شکرانہ کے طور پر ہے کہ اللہ نے اس کو دو عبادتیں ایک ہی سفر میں کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی ہیں اور دم شکر یوم نحر کے

ساتھ خاص ہوتا ہے اس لئے دم احصار کا ان دونوں پر قیاس درست نہیں ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ، ج:۱،ص:۲۱۹)
شروحات میں امام صاحب کی دلیل کو راجح قرار دیا گیا ہے اور یہی پسندیدہ ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص:۱۹۱)

(۸۵/۶) وَالْمُحْصَرُ بِالْحَجِّ اِذَا تَحَلَّلَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ وَعُمْرَةٌ (۸۶/۷) وَعَلَى الْمُحْصَرِ بِالْعُمْرَةِ الْقَضَاءُ (۸۷/۸) وَعَلَى الْقَارِنِ حَجَّةٌ وَعُمْرَتَانِ.

ترجمه: (۸۵/۶) اور محصر بالحج (وہ شخص جسے حج کی ادائیگی سے روک دیا گیا) جب حلال ہو جائے تو اس پر حج اور عمرہ ہے۔ (۸۶/۷) اور محصر بالعمرہ پر قضا ہے۔ (۸۷/۸) اور قارن پر ایک حج اور دو عمرے ہیں۔

تشریح: محصر جب اسی احرام کے ساتھ دشمن وغیرہ کی رکاوٹ کی وجہ سے مکۃ المکرمہ نہ پہنچ سکے اور حلال ہونے کا جو طریقہ شریعت نے متعین کر دیا ہے (جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا ہے) اسی کے مطابق احرام کھول کر حلال ہو جائے تو اس پر اس حج یا عمرہ کی قضا لازم ہے یا نہیں اس بارے میں تین مذہب ہیں: ۱۔ امام شافعی، امام مالک کے نزدیک اگر محصر بالحج ایک دم دیکر حلال ہو جاتا ہے تو اس پر اس حج کی قضاء لازم نہیں ہے جس کے لئے احرام باندھا تھا ہاں البتہ اگر اس پر حج فرض یا واجب ہو چکا تھا تو اس کی ادائیگی لازم رہے گی، یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔

۲۔ امام احمد کے نزدیک اس پر اس حج کی قضا لازم ہے اور اس کے علاوہ باقی اور کوئی چیز لازم نہیں ہے۔

۳۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر ایک حج اور ایک عمرہ کی قضاء واجب ہے، جبکہ وہ احصار کی وجہ سے دم دے کر حلال ہو چکا ہو اور اگر دم نہیں دیا تو ایک دم بھی لازم ہو جائے گا۔ (اوجز المسالک، ج:۳،ص:۴۵۷/۴۵۸)

مالکیہ وشافعیہ کی دلیل: قرآن میں مطلقاً ارشاد ہے فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ اس آیت میں وجوبِ قضاء کا ذکر نہیں ہے۔

جواب عدم ذکر عدم وجوب کو مستلزم نہیں ہے، کما ہو ظاہر، واللہ اعلم۔ (درس ترمذی، ج:۳،ص:۲۱۲)

حنفیہ کی دلیل: حضرت حجاج بن عمرو کی حدیث کا یہ جملہ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ اُخْرٰى (ترمذی، ج:۱،ص:۱۸۷) پھر صاحب قدوریؒ محصر بالعمرہ کا حکم بیان فرماتے ہیں، محصر بالعمرہ کا حکم محصر بالحج کی طرح ہے جس طرح محصر بالحج کے لئے حلال ہو جانا جائز ہے، اسی طرح محصر بالعمرہ کے لئے بھی حلال ہو جانا جائز ہے جو احکام محصر بالحج پر لازم ہو جاتے ہیں، وہی محصر بالعمرۃ پر بھی لازم ہو جائیں گے، بس اتنا فرق ہے کہ عمرہ کے احصار میں صرف ایک عمرہ قضا کرنا لازم ہے، صاحب کتابؒ فرماتے ہیں کہ اگر قران کے احرام سے حلال ہوا تو اس پر حج و عمرہ کے ساتھ ساتھ ایک اور عمرہ قران کی وجہ سے لازم ہے۔

(۸۸/۹) وَاِذَا بَعَثَ الْمُحْصَرُ هَدْيًا وَوَاعَدَهُمْ اَنْ يَذْبَحُوْهُ فِيْ يَوْمٍ بِعَيْنِهِ ثُمَّ زَالَ الْاِحْصَارُ فَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الْهَدْيِ وَالْحَجِّ لَمْ يَجُزْ لَهُ التَّحَلُّلُ وَلَزِمَهُ الْمُضِيُّ (۸۹/۱۰) وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ الْهَدْيِ

دُوْنَ الْحَجِّ تَحَلَّلَ (۹۰/۷/۱۱) وَاِنْ قَدَرَ عَلٰی اِدْرَاكِ الْحَجِّ دُوْنَ الْهَدْیِ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ اِسْتِحْسَانًا۔

ترجمہ: (۸۸/۷/۹) اور جب بھیج دی محصر نے ہدی اور وعدہ لے لیا ساتھیوں سے اس بات کا کہ فلاں دن ذبح کریں گے پھر احصار ختم ہوگیا پس اگر قادر ہو ہدی اور حج دونوں کے پانے پر تو جائز نہیں اس کے لئے حلال ہونا بلکہ جانا ہی ضروری ہے۔ (۸۹/۷/۱۰) اور اگر قادر ہو ہدی کے پانے پر نہ کہ حج کے تو حلال ہو جائے۔ (۹۰/۷/۱۱) اور اگر قادر ہو حج کے پالینے پر نہ کہ ہدی کے تو جائز ہے اس کے لئے حلال ہو جانا استحساناً۔

تشریح: محصر نے ہدی بھیجی اور ساتھیوں سے وعدہ کرلیا کہ فلاں دن اس ہدی کو ذبح کریں، ہدی روانہ کرنے کے بعد اس کا احصار ختم ہوگیا تو اب یہ شخص کیا کرے، اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں: ۱۔ یا تو وقت اتنا تنگ ہے کہ یہ شخص حج اور ہدی دونوں کو نہیں پاسکتا، اس صورت میں مکہ کی طرف چلنا اس پر واجب نہیں ہے بلکہ کچھ صبر کرے یہاں تک کہ ہدی ذبح ہونے سے حلال ہو جائے اب مکہ کی جانب جانا بے فائدہ ہے، کیونکہ افعالِ حج ادا کرنا تو فوت ہو ہی گیا۔

۲۔ وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ دونوں کو پاسکتا ہے اس صورت میں مکہ کو جانا لازم ہوگا کیونکہ ہدی بھیجنا حج کا بدل تھا اور اب وہ اصل پر قادر ہو گیا۔

۳۔ ہدی کو پاسکتا ہے لیکن حج کو نہیں پاسکتا، اس صورت میں ہدی ذبح ہونے پر حلال ہو جائے گا کیونکہ اصل سے تو عاجز ہی ہے چنانچہ ہدی ذبح ہونے دے تاکہ حلال ہونے کا فائدہ حاصل ہو۔

۴۔ حج پاسکتا ہے ہدی نہیں پاسکتا تو استحساناً اس کے لئے حلال ہو جانا جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ مکہ کو جا کر افعالِ حج ادا کرے قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کیونکہ محصر بدل یعنی ہدی کے ساتھ مقصود حاصل ہونے سے پہلے اصل یعنی حج پر قادر ہوگیا ہے، اس لئے یہ حج کے ارکان ادا کرے اور ہدی ذبح کر کے حلال نہ ہو، اور وجہ استحسان یہ ہے کہ اگر اس محصر کے ذمہ مکہ جانا لازم کردیا جائے تو اس کا مال یعنی ہدی ضائع ہو جائے گی اور وہ کسی مصرف کی نہ رہے گی، اس لئے اسے اختیار دیا گیا کہ وہ اسی جگہ یا دوسری جگہ ٹھہر جائے اور اس کی جانب سے ہدی ذبح ہو جائے اور پھر حلال ہو جائے۔

تنبیہ: چونکہ اس چوتھی صورت میں قیاس اور استحسان کا ذکر آیا ہے، اس لئے دونوں میں فرق بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قیاس واستحسان میں فرق

اگر مسئلہ ایسا ہو کہ سطحی نظر سے اس کی معقولیت سمجھ میں آجائے اور علت جامعہ کی جانب ذہن سبقت کر جائے تو اسے مطلق قیاس یا قیاس جلی کہتے ہیں، لیکن اگر اس میں علت معلوم کرنے میں زیادہ گہرائی وگیرائی کی ضرورت ہو تو اسے قیاس خفی کہا جاتا ہے اسی قیاس خفی کا دوسرا نام استحسان بھی ہے اور عام طور پر کتب فقہ میں استحسان اسی معنی میں مستعمل ہے۔ (التوضیح والتلویح، ص: ۳۸۲)

مثال: اگر کسی کا مکان آبادی میں واقع ہو اور وہ اسے توڑ کر خراب کرنا چاہے تو استحسان کی رو سے اسے اس حرکت کی اجازت نہ ہونی چاہئے کیونکہ بنی بنائی چیز کو بگاڑنا اچھا نہیں اگر اس کے مطلب کی نہ ہو تو فروخت کر دے؛ لیکن قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے اپنے مکان کو توڑنے کی اجازت ہونی چاہئے اس لئے کہ وہ اس کی ذاتی ملکیت ہے وہ جب چاہے اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ (البحر الرائق، ج:۷، ص:۳۲)

(۹۱/۷/۱۲) وَمَنْ اُحْصِرَ بِمَكَّةَ وَهُوَ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْوُقُوْفِ وَالطَّوَافِ كَانَ مُحْصَرًا (۹۲/۷/۱۳) وَاِنْ قَدَرَ عَلٰى اِدْرَاكِ اَحَدِهِمَا فَلَيْسَ بِمُحْصَرٍ.

ترجمہ: (۹۱/۷/۱۲) اور جو شخص مکہ میں روک دیا گیا اس حال میں کہ وہ ممنوع ہوا، وقوف اور طواف سے تو وہ محصر ہے۔ (۹۲/۷/۱۳) اور اگر ان دونوں میں سے ایک پر قادر ہو گیا تو وہ محصر نہیں ہے۔

تشریح: جس شخص کو حرم میں اس حال میں روک دیا گیا کہ وہ نہ طواف کر سکا اور نہ وقوف عرفہ کر سکا تو وہ محصر کہلائے گا کیونکہ اس پر حج کو پورا کرنا مشکل ہو گیا اب اگر یہ شخص طواف اور وقوف میں سے کسی ایک پر قادر ہو گیا تو یہ ایسا محصر نہیں ہے جو ہدی بھیج کر حلال ہوتا ہے، چنانچہ اگر طواف پر قادر ہو گیا اور وقوفِ عرفہ پر نہ ہوا تو طواف سے حلال ہو جائے گا اور اگر وقوفِ عرفہ پر قادر ہو گیا تو محصر نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وقوفِ عرفہ سے حج مل گیا۔

بابُ الفَوَاتِ

یہ باب حج فوت ہونے کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: فوات، احرام اور اداء دونوں چیزوں سے مرکب ہے اور احصار میں صرف احرام ہے جو مفرد ہے اور مفرد مرکب پر مقدم ہوتا ہے۔ (عینی، ج:۱، ص:۱۶۰۵)

فوات اصطلاحِ شرع میں وقوفِ عرفہ سے رہ جانے کو کہتے ہیں۔ (اسلامی فقہ، ص:۲۶۲)

(۹۳/۷/۱) وَمَنْ اَحْرَمَ بِالْحَجِّ فَفَاتَهُ الْوُقُوْفُ بِعَرَفَةَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ (۹۴/۷/۲) وَعَلَيْهِ اَنْ يَطُوْفَ وَيَسْعٰى وَتَحَلَّلَ وَيَقْضِيَ الْحَجَّ مِنْ قَابِلٍ وَلَا دَمَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: (۹۳/۷/۱) اور جس شخص نے حج کا احرام باندھا اور فوت ہو گیا اس کا وقوفِ عرفہ یہاں تک کہ طلوع ہو گئی یوم نحر کی فجر تو فوت ہو گیا اس کا حج۔ (۹۴/۷/۲) اور اس پر واجب ہے کہ طواف وسعی کرے اور حلال ہو جائے اور حج کی قضاء کرے آئندہ سال اور اس پر خون نہیں ہے۔

تشریح: ایک شخص نے حج کا احرام باندھا اور اس سے وقوفِ عرفہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ دس تاریخ کی صبح صادق ہو گئی تو اس کا حج ہی فوت ہو گیا کیونکہ وقوفِ عرفہ بالاتفاق رکن حج ہے اب اس پر واجب ہے کہ عمرہ کر کے حلال

ہوجائے اور آئندہ سال اس حج کی قضا کرے اور اس پر بطور کفارہ کے دم واجب نہ ہوگا۔

(۳/۷۹۵) وَالْعُمْرَةُ لَا تَفُوْتُ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي جَمِيْعِ السَّنَةِ اِلَّا خَمْسَةَ اَيَّامٍ يُكْرَهُ فِعْلُهَا فِيْهَا يَوْمَ عَرَفَةَ وَيَوْمَ النَّحْرِ وَاَيَّامَ التَّشْرِيْقِ (۴/۷۹۶) وَالْعُمْرَةُ سُنَّةٌ (۵/۷۹۷) وَهِيَ الْاِحْرَامُ وَالطَّوَافُ وَالسَّعْيُ.

ترجمہ: (۳/۷۹۵) اور عمرہ فوت نہیں ہوتا، عمرہ جائز ہے پورے سال مگر پانچ دن کہ ان دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے، یوم عرفہ، یوم نحر، اور ایام تشریق میں۔ (۴/۷۹۶) اور عمرہ سنت ہے۔ (۵/۷۹۷) اور یہ احرام، طواف، سعی ہے۔

تشریح: عمرہ کے لغوی معنی زیارت کے ہیں اور شرعاً بیت الحرام کی زیارت کرنا طواف اور سعی کے لئے۔
(اسلامی فقہ، ص: ۲۵۴، عمدۃ القاری، ج: ۷، ص: ۳۹۹)

امام قدوری فرماتے ہیں کہ عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے پورے سال کر سکتے ہیں صرف نویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک پورے سال میں یہ پانچ دن ایسے ہیں کہ جن میں عمرہ کرنا ناجائز اور ممنوع ہے، ان پانچ دن کو چھوڑ کر پورے سال میں جب بھی چاہے عمرہ کر سکتے ہیں، یہ ممنوع اس لئے ہے کہ ان ایام کو اللہ تعالیٰ نے حج کے ارکان ادا کرنے کے لئے خاص فرمایا ہے، لہٰذا اگر ان ایام میں عمرہ کرنے میں لگ جائے گا تو مناسک حج صحیح طریقہ سے ادا نہیں ہو پائیں گے اس لئے ان ایام میں عمرہ کرنا گناہ ہے۔ (درمختار، ج: ۲، ص: ۲۰۷/ ۲۰۸)

عمرہ کرنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ صحیح قول کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے۔
(درمختار، ج: ۲، ص: ۲۰۷)

عمرہ کے افعال چار ہیں: (۱) احرام (۲) طواف (۳) سعی (۴) حلق یا قصر۔ ان چاروں میں سے احرام عمرہ کے لئے شرط ہے اور طواف عمرہ کا رکن ہے اور سعی بین الصفا والمروہ اور سر کے بال۔ اف کرانا یہ دونوں چیزیں واجب ہیں۔
(درمختار، ص: ۲، ص: ۲۰۷)

بَابُ الْهَدْيِ

یہ باب ہدی کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: چونکہ ماقبل کے ابواب میں ہدی کا تذکرہ آتا رہا ہے، اس لئے اس باب کو بھی بیان کرنا ضروری تھا۔ (اللباب، ج: ۱، ص: ۱۹۳) نیز قران، تمتع، جنایات وغیرہ اسباب کے درجہ میں ہیں اور ہدی مسبب ہے اور مسبب بعد میں ہوا کرتا ہے، سبب پہلے ہوتا ہے۔

ہدی کی تعریف: وہ مخصوص چوپایہ جس کو محرم بالحج یا محرم بالعمرہ قربانی کی نیت سے حرم لے جائے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے، حنفیہ کے یہاں سوق ہدی بڑی اہمیت رکھتا ہے حتی کہ یہ چیز ان کے نزدیک تلبیہ کے قائم مقام

ہوجاتی ہے۔

(۱/۷۹۸) اَلْهَدْىُ اَدْنَاهُ شَاةٌ وَهِيَ مِنْ ثَلٰثَةِ اَنْوَاعٍ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ (۲/۷۹۹) يُجْزِئُ فِي ذٰلِكَ كُلِّهِ الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا اِلَّا مِنَ الضَّأْنِ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِئُ فِيْهِ.

ترجمه: (۱/۷۹۸) اور ہدی کا ادنیٰ درجہ بکری ہے اور وہ تین قسم کے جانوروں سے ہوتی ہے، اونٹ، گائے، بکری کافی ہے۔ (۲/۷۹۹) ان تمام میں ثنی یا اس سے زیادہ عمر کا مگر دنبہ کہ اس کا جذع بھی کافی ہے۔

تشریح: ہدی تین قسم کے جانور ہیں: اونٹ، گائے، بکری۔ ادنیٰ بکری بھیڑ۔ اوسط: گائے، بیل، بھینس۔ اعلیٰ: اونٹ نر و مادہ۔ قربانی کے لئے جانوروں کی عمریں متعین ہیں بکرا بکری دنبہ بھیڑ ایک سال کے ہوں لیکن اگر بھیڑ اور دنبہ چھ مہینے سے زیادہ اور ایک سال سے کم ہو مگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیا جائے تو سال بھر سے کم کا نہ معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

گائے بیل بھینس بھینسا کٹڑا پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے اور اونٹ پانچ سال کا۔

ثنی: اس سے یہ مراد ہے کہ اونٹ پانچ سال کا مکمل ہو جائے اور گائے دو سال کی اور بکری ایک سال کی مکمل ہو جائے۔ (اللباب، ج:۱، ص:۱۹۳)

جذع: ایسا دنبہ اور بھیڑ جو چھ ماہ کا ہو۔

(۳/۸۰۰) وَلَا يَجُوْزُ فِي الْهَدْيِ مَقْطُوْعُ الْاُذُنِ وَلَا اَكْثَرِهَا وَلَا مَقْطُوْعُ الذَّنَبِ وَلَا مَقْطُوْعُ الْيَدِ وَلَا الرِّجْلِ وَلَا ذَاهِبَةُ الْعَيْنِ وَلَا الْعَجْفَاءُ وَلَا الْعَرْجَاءُ الَّتِيْ لَا تَمْشِيْ اِلَى الْمَنْسَكِ.

ترجمه: (۳/۸۰۰) اور جائز نہیں ہے ہدی میں پورے یا اکثر کان کٹا ہوا ہونا اور نہ دم کٹا ہوا نہ ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا اور نہ آنکھ پھوٹا ہوا نہ انتہائی کمزور اور نہ ایسا لنگڑا جو نہ جا سکے قربان گاہ تک۔

تشریح: اس عبارت میں ہدی کی شرطیں بیان کرتے ہیں، چنانچہ امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ ہدی میں عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں ہے، چنانچہ ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے جس کا تہائی کان یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو یا تہائی دم یا تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو، ایسے ہی ہاتھ اور پیر کٹا ہوا ہو۔

جو جانور کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو، اسی طرح ایسے جانور کی قربانی درست نہیں جو اتنا دبلا لاغر بالکل مریل جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو، یا جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ صرف تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا ہے تو اس کی بھی قربانی درست نہیں ہے اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے اور چلنے میں اس سے سہارا لگاتا ہے، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے جو جانور ذبح کرنے کی جگہ خود نہ جا سکتا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

(۴/۸۰۱) وَالشَّاةُ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ مَوْضَعَيْنِ مَنْ طَافَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ جُنُبًا وَمَنْ جَامَعَ بَعْدَ الْوُقُوْفِ بِعَرَفَةَ فَاِنَّهُ لَا يَجُوْزُ فِيْهِمَا اِلَّا بَدَنَةٌ .

ترجمہ: (۴/۸۰۱) اور بکری جائز ہے ہر جنایت میں مگر دو جگہوں میں ایک یہ کہ جس شخص نے طواف زیارت کیا حالت جنابت میں دوسرے یہ کہ جو شخص جماع کرے وقوف عرفہ کے بعد تو ان دونوں میں جائز نہیں ہے مگر اونٹ۔

تشریح: حج کے باب میں جہاں کہیں خون واجب ہو تو بکری کافی ہے مگر دو جگہوں میں بکری کافی نہ ہوگی: ۱ اگر حالت جنابت میں طواف زیارت کرے گا تو جرمانہ میں ایک گائے اونٹ کی قربانی واجب ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے سخت گناہ گار ہوگا اور اس طواف کا اعادہ کرنا واجب ہے لہٰذا اگر ایام نحر کے اندر اندر اعادہ کر لے گا تو جرمانہ کی قربانی کلی طور پر معاف ہو جائے گی اور اگر ایام نحر گزر جانے کے بعد اعادہ کرے گا تو تاخیر کی وجہ سے ایک بکرے کی قربانی واجب ہو جائے گی۔ (غنیۃ ص: ۱۴۵)

۲ وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت اور حلق سے قبل جماع کر لیا تو بھی جرمانہ میں ایک اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔ (الجوہرۃ النیرۃ ج: ۱، ص: ۲۲۲)

(۵/۸۰۲) وَالْبَدَنَةُ وَالْبَقَرَةُ يُجْزِئُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَنْ سَبْعَةِ اَنْفُسٍ اِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّرَكَاءِ يُرِيْدُ الْقُرْبَةَ فَاِذَا اَرَادَ اَحَدُهُمْ بِنَصِيْبِهِ اللَّحْمَ لَمْ يَجُزْ لِلْبَاقِيْنَ عَنِ الْقُرْبَةِ .

ترجمہ: (۵/۸۰۲) اور اونٹ گائے دونوں میں سے ہر ایک کافی ہو سکتی ہے، سات آدمیوں کی طرف سے جبکہ ہو شرکاء میں سے ہر ایک کی نیت قربانی کی اور جب ان میں سے کوئی ایک اپنے حصہ سے گوشت کا ارادہ کرے تو باقی لوگوں کی قربانی بھی نہ ہوگی۔

تشریح: گائے، بیل، بھینس، جھوٹا، کٹڑا، اونٹ، اونٹنی اگر صرف تنہا ایک ہی آدمی اپنی جانب سے قربانی کرے تو جائز ہے ایسے ہی اگر سات افراد شریک ہو کر قربانی کریں جب بھی درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربانی کرنے کی ہو صرف گوشت کھانے کی نیت نہ ہو، اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی ایسے ہی اگر ایک کی نیت صرف گوشت کھانے کی ہے تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ (عمدۃ القاری، ج: ۷، ص: ۳۱۸)

(۶/۸۰۳) وَيَجُوْزُ الْاَكْلُ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ (۷/۸۰۴) وَلَا يَجُوْزُ مِنْ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا.

ترجمہ: (۶/۸۰۳) اور کھانا جائز ہے نفلی، تمتع، اور قران کی ہدی میں سے۔ (۷/۸۰۴) اور جائز نہیں ہے بقیہ ہدیوں سے۔

تشریح: نفلی ہدی، ہدی تمتع، اور ہدی قران میں سے خود کھانا جائز بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے، ان کے علاوہ احصار کی قربانی، نذر کی قربانی، جنایات کی قربانی، کفارات کی قربانی میں سے نہ خود کھانا جائز ہے اور نہ مالداروں کو کھلانا جائز ہے بلکہ وہ سب فقراء کا حق ہے ایسے ہی نفلی ہدی اگر حرم بھیجنے سے پہلے ہی ذبح کر دی تو اس کا گوشت کھانا ناجائز ہے۔ (اللباب، ج:۱،ص ۱۹۴- الجوہرة النیرہ، ج:۱،ص:۲۲۲)

(۸۰۵/۸) وَلَا يَجُوْزُ ذَبْحُ هَدْيِ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ اِلَّا فِي يَوْمِ النَّحْرِ (۸۰۶/۹) وَيَجُوْزُ ذَبْحُ بَقِيَّةِ الْهَدَايَا فِي اَيِّ وَقْتٍ شَاءَ.

ترجمہ: (۸۰۵/۸) اور جائز نہیں ہے ذبح کرنا نفلی ہدی، ہدی تمتع اور ہدی قران کا، مگر یوم نحر میں (۸۰۶/۹) اور جائز ہے باقی ہدیوں کو ذبح کرنا جس وقت چاہے۔

تشریح: حاجی کی قربانی دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ کے اندر اندر ہونا واجب ہے، لہٰذا اگر دسویں سے قبل کرے گا تو قربانی ہی صحیح نہ ہوگی اور بارہویں سے مؤخر کرے گا تو ترک واجب کا جرمانہ لازم ہوگا، جو شخص میقات سے صرف حج کا احرام باندھتا ہے تو اس پر کوئی قربانی واجب نہیں ہے البتہ نفلی قربانی کر سکتا ہے، امام قدوریؒ نے نفلی قربانی کو بھی ایام نحر کے اندر کرنا واجب کہا ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ نفلی قربانی کو بھی یوم نحر میں کرنا افضل ہے، کما ذکرہ الزیلعی شامی، ج:۲،ص:۳۴۴، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ باقی ہدایا جب چاہے ذبح کر سکتے ہیں کیونکہ یہ دم کفارات کے دم ہیں اس لئے یوم نحر کے ساتھ خاص نہ ہوں گے۔

(۸۰۷/۱۰) وَلَا يَجُوْزُ ذَبْحُ الْهَدَايَا اِلَّا فِي الْحَرَمِ (۸۰۸/۱۱) وَيَجُوْزُ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِهَا عَلٰى مَسَاكِيْنِ الْحَرَمِ وَغَيْرِهِمْ.

ترجمہ: (۸۰۷/۱۰) اور جائز نہیں ہے ہدایا کا ذبح کرنا مگر حرم میں (۸۰۸/۱۱) اور جائز ہے یہ کہ صدقہ کر دے ان کا گوشت حرم اور غیر حرم کے مساکین پر۔

تشریح: ہدی نفلی ہو یا غیر نفلی اس کا حدود حرم کے اندر ذبح کرنا واجب ہے اگر حدود حرم سے باہر حل میں کر لی تو ترک واجب کی وجہ سے اس قربانی کے علاوہ ایک اور قربانی جرمانہ میں کرنا واجب ہو جائے گا، حنفیہ کے نزدیک ہدا گوشت حرم اور غیر حرم کے فقراء و مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے مگر حرم کے مساکین افضل ہیں الا یہ کہ دوسرے لوگ سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔ (الجوہرة النیرہ، ج:۱،ص:۲۲۳)

(۸۰۹/۱۲) وَلَا يَجِبُ التَّعْرِيْفُ بِالْهَدَايَا.

ترجمہ: (۸۰۹/۱۲) اور ضروری نہیں ہے ہدایا کی تعریف۔

تشریح: ہدی کے جانور کو عرفات میں لے جانا واجب نہیں ہے کیونکہ ہدی نام ہے حرم میں لے جانے کا تا کہ اس میں خون بہا کر اللہ کا قرب حاصل کیا جائے، تعریف کرنے کا نام ہدی نہیں ہے اس لئے تعریف واجب نہیں۔

(۸۱۰/۱۳) وَالْاَفْضَلُ بِالْبُدْنِ النَّحْرُ وَفِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ .

ترجمہ: (۸۱۰/۱۳) اور افضل اونٹوں میں نحر ہے گائے اور بکری میں ذبح ہے۔

تشریح: بدن، دال کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ دونوں طرح ہے، اس کا واحد بَدَنَةٌ ہے، بدنہ بعض کے نزدیک اونٹ کے ساتھ خاص ہے اور بعض کا قول ہے کہ اصل تو اونٹ ہی کیلئے لیکن اس کا اطلاق گائے پر بھی ہوتا ہے نیز زیادہ تر اس کا استعمال ہدی کے جانور پر ہوتا ہے اس جگہ مراد اونٹ ہی ہے۔

نحر اور ذبح میں فرق: نحر کہتے ہیں سینہ کے قریب کی رگوں کو نیزہ وغیرہ سے اس طریقہ سے کاٹنا کہ ایک ہی بار میں کام تمام ہو جائے اور ذبح کہتے ہیں ٹھوڑی کے نیچے سے چھری یا چاقو سے رگوں کو کاٹنا جس میں عام طور پر دو تین مرتبہ ہاتھ چلانا پڑتا ہے، کما قال العینی۔

وَالذَّبْحُ هُوَ قَطْعُ الْعُرُوْقِ الَّتِي فِي اَعْلَى الْعُنُقِ تَحْتَ اللَّحْيَيْنِ وَالنَّحْرُ يَكُوْنُ فِي اللَّبَّةِ كَمَا اَنَّ الذَّبْحَ يَكُوْنُ فِي الحَلَقِ نحر کرنے کی دو صورتیں ہیں: ۱۔ اونٹ یا اونٹنی کو کھڑے کھڑے نحر کرنا۔ ۲۔ اس کو بیٹھا کر نحر کرنا۔ افضل یہ ہے کہ اس کو کھڑا کر کے نحر کرے، یعنی تین پاؤں پر کھڑا ہو اور بایاں ہاتھ بندھا ہوا ہو۔ اونٹ میں مسنون نحر ہے، بکری اور گائے میں ذبح؛ لہٰذا ذبح کی جگہ نحر اور نحر کی جگہ ذبح مکروہ ہے اور ذبح میں اصل طریقہ لٹا کر ہے، کھڑے کھڑے ذبح کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ (اوجز المسالک، ج:۳، ص:۵۳۴)

(۸۱۱/۱۴) وَالْاَوْلٰى اَنْ يَتَوَلَّى الْاِنْسَانُ ذَبْحَهَا بِنَفْسِهٖ اِذَا كَانَ يُحْسِنُ ذٰلِكَ .

ترجمہ: (۸۱۱/۱۴) اور افضل یہ ہے کہ آدمی خود ذبح کرے اپنی قربانیوں کو جبکہ وہ اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو۔

تشریح: قربانی کرنا ایک عبادت ہے اور عبادت میں بذاتِ خود متولی ہونا بہتر ہے، کیونکہ اس میں عاجزی زیادہ ہے اسی وجہ سے مستحب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اگر ذبح نہ کر سکے تو اس مبارک وقت پر حاضر رہے۔
(اللباب، ج:۱، ص:۱۸۵)

(۸۱۲/۱۵) وَيَتَصَدَّقُ بِجِلَالِهَا وَخِطَامِهَا وَلَا يُعْطِيْ اُجْرَةَ الجَزَّارِ مِنْهَا .

ترجمہ: (۸۱۲/۱۵) اور صدقہ کر دے ان کی جھولیں اور نکیلیں اور نہ دے قصائی کی اجرت اس سے۔

تشریح: قربانی کی رسی جھول وغیرہ سب چیزیں خیرات کر دے اور کچھ گوشت یا چربی یا چھیچھڑے قصائی کو مزدوری میں نہ دیوے بلکہ مزدوری اپنے پاس سے الگ سے دیوے۔

(۸۱۳/۱۶) وَمَنْ سَاقَ بَدَنَةً فَاضْطَرَّ اِلٰی رُکُوْبِهَا رَکِبَهَا وَاِنِ اسْتَغْنٰی عَنْ ذٰلِكَ لَمْ يَرْكَبْهَا .

ترجمه: (۸۱۳/۱۶) اور جو شخص اونٹ یا گائے لے جائے پھر مجبور ہو گیا وہ اس کی سواری کرنے پر تو اس پر سوار ہو جائے اور اگر اس سے بے نیاز ہو تو اس پر سوار نہ ہو۔

تشریح: اگر کوئی شخص بدنہ لیکر چلا پھر تھک جانے کی وجہ سے سواری کرنے پر مجبور ہو گیا تو اس پر سوار ہونا جائز ہے، اور اگر پیدل چلنے کی قدرت ہے تو ایسی صورت میں اس پر سواری نہ کرے۔

اختلاف الائمہ

ہدی کے جانور پر سوار ہونے کے متعلق دو مذہب نقل کئے جاتے ہیں:

۱ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ضرورت کے وقت درست ہے۔ ۲ حنفیہ کے نزدیک درست نہیں مگر شدت حاجت یعنی اضطرار کے وقت سوار ہونا درست ہے۔ (عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۲۹۳)

(۸۱۴/۱۷) وَاِنْ كَانَ لَهَا لَبَنٌ لَمْ يَحْلِبْهَا وَلٰكِنْ يَنْضِحُ ضَرْعَهَا بِالْمَاءِ الْبَارِدِ حَتّٰی يَنْقَطِعَ اللَّبَنُ .

ترجمه: (۸۱۴/۱۷) اور اگر اس کے دودھ ہے تو نہ دوہے بلکہ چھڑک دے اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی تاکہ دودھ آنا بند ہو جائے۔

تشریح: اگر ہدی مادہ جانور ہے اور وہ دودھ دیتا ہے تو محرم اس کا دودھ نہ نکالے اور اس کے تھنوں پر ٹھنڈے پانی سے چھینٹیں مارتا رہے تاکہ دودھ سوکھ جائے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ قربانی کا وقت قریب ہو اور اگر وقت ذبح دور ہو تو اس کو دوہ لے اور اس کے دودھ کو صدقہ کر دے۔

(۸۱۵/۱۸) وَمَنْ سَاقَ هَدْيًا فَعَطِبَ فَاِنْ كَانَ تَطَوُّعًا فَلَيْسَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ (۸۱۶/۱۹) وَاِنْ كَانَ عَنْ وَاجِبٍ فَعَلَيْهِ اَنْ يُقِيْمَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ (۸۱۷/۲۰) وَاِنْ اَصَابَهُ عَيْبٌ كَثِيْرٌ اَقَامَ غَيْرَهُ مَقَامَهُ وَصَنَعَ بِالْمَعِيْبِ مَا شَاءَ .

ترجمه: (۸۱۵/۱۸) اور جو شخص ہدی ساتھ لے جائے اور وہ ہلاک ہو جائے پھر اگر یہ نفلی تھی تو اس پر دوسری واجب نہیں۔ (۸۱۶/۱۹) اور اگر وہ ہدی واجب ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسری کو اس کی جگہ قائم کرے۔ (۸۱۷/۲۰) اور اگر اس کو زیادہ عیب پہنچ جائے تو دوسری اس کے قائم مقام کرے اور عیب دار کا جو چاہے کرے۔

تشریح: اگر کوئی شخص ہدی لیکر گیا لیکن وہ ہلاک ہو گئی اب اگر وہ ہدی نفلی ہے تو اس پر دوسری واجب نہ ہوگی اور اگر وہ ہدی واجب ہے تو اس پر اس کی جگہ دوسری ہدی واجب ہوگی کیونکہ واجب اس کے ذمہ میں باقی ہے، اور اگر ہدی کے جانور میں ایسا عیب پیدا ہو گیا کہ جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی تو بھی اس کی جگہ دوسری ہدی قائم کی

جائے کیونکہ ایسے عیب کی صورت میں واجب ادا نہ ہوگا، جو ہدی عیب دار ہے اس کا جو چاہے کرے اسے ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے۔

(۸۱۸/۲۱) وَإِذَا عَطِبَتِ الْبَدَنَةُ فِي الطَّرِيقِ فَإِنْ كَانَ تَطَوُّعًا نَحَرَهَا وَصَبَغَ نَعْلَهَا بِدَمِهَا وَضَرَبَ بِهَا صَفْحَتَهَا وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا هُوَ وَلَا غَيْرُهُ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ (۸۱۹/۲۲) وَإِنْ كَانَتْ وَاجِبَةً أَقَامَ غَيْرَهَا مَقَامَهَا وَصَنَعَ بِهَا مَا شَاءَ.

ترجمہ: (۸۱۸/۲۱) اور جب ہلاک ہو جائے بدنہ راستہ میں پس اگر ہو نفلی تو اس کو نحر کر دے اور رنگ دے اس کے نعل کو اس کے خون سے اور اس کے شانہ پر مار دے اور نہ کھائے اس کا گوشت خود اور نہ کوئی دوسرا مالدار۔ (۸۱۹/۲۲) اور اگر وہ واجبی ہو تو دوسری ہدی اس کے قائم مقام کرے اور پہلے بدنہ کا جو چاہے کرے۔

تشریح: ہدی اگر اپنے محل یعنی حرم تک پہنچنے سے قبل ہلاک ہونے لگے تو کیا کیا جائے؟ اسی کو بیان کرنے کے لئے مصنفؒ یہ عبارت لائے ہیں چنانچہ فرمایا کہ اگر وہ نفلی ہدی ہے تو اس کو ذبح کر دے اور اس کے خون میں نعل (جوتے یا چمڑے کا ٹکڑا جو گلے میں ڈال رکھا ہے) کو بھگو کر کوہان پر مل دے تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ہدی ہے پھر ایسے جانور کے بارے میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں سے خود کھانا اور مالداروں کو کھلانا جائز نہیں بلکہ اسے صرف فقراء کھا سکتے ہیں البتہ اگر وہ ہدی واجب تھی تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ اس کی جگہ دوسری ہدی قربان کرے اور یہ ہدی اس کی ملکیت ہوگئی، چنانچہ اسے خود کھانے، مالداروں اور فقراء کو کھلانے اور ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے، امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ (معارف السنن، ج:۶، ص:۵۰۲)

حنفیہ کی دلیل: نفلی جانور خریدنے سے وہ ذبح کے لئے متعین ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کو قربت ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ فقراء کو کھلایا جائے مالداروں کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا بخلاف ہدیِ واجب کے کہ وہ خریدنے سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کی جگہ دوسرا جانور بھی قربان کیا جا سکتا ہے، لہٰذا وہ جانور متعین طور سے قربت کے لئے خاص نہ رہا۔ انتہیٰ (درس ترمذی، ج:۳، ص:۱۷۹)

دوسرا مذہب: امام شافعی کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر وہ نفلی ہدی ہے تو اس کو اس میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے خواہ فروخت کر دے یا ذبح کر دے کھائے اور کھلائے اور اگر وہ نذر کی ہدی ہے تو اس کی ملکیت اس سے زائل ہوگئی، اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے، لہٰذا نہ اس کو بیچنا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے جانور کے ساتھ تبدیل کرنا۔

(معارف السنن، ج:۶، ص:۵۰۲)

(۸۲۰/۲۳) وَيُقَلَّدُ هَدْيُ التَّطَوُّعِ وَالْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ وَلَا يُقَلَّدُ دَمُ الْإِحْصَارِ وَلَا دَمُ الْجِنَايَاتِ.

ترجمہ: (۸۲۰/۲۳) اور قلادہ ڈالا جائے نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کے اور قلادہ نہ ڈالا جائے دم احصار اور دم

جنایت کی ہدی کے۔

تشریح: نفلی قربانی، تمتع یا قران کی قربانی کے جانور یعنی اونٹ یا گائے کے گلے میں جوتے یا چڑی کا کوئی ٹکڑا ڈال دینا چاہئے، لیکن محصر جو قربانی کا جانور حرم محترم بھیج رہا ہے یا حج کے اندر کسی جرم کے کرنے کی وجہ سے جو قربانی لازم ہوتی ہے ان کی تقلید (گلے میں ہار ڈالنا) نہ کرے کیونکہ اس سے جرم کی شہرت ہوگی جو جائز نہیں ہے اور دم احصار نقصان کی تلافی کرنے والا ہے تو یہ بھی اپنی جنس کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وہو الموفق والمعین۔

حل لغات مختصر القدوری

كتاب الطهارت

كتاب: فعال کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے، اس کے معنی ہیں جمع کیا ہوا۔

قمتم: ماضی معروف (م) قیاماً کھڑا ہونا۔

فاغسلوا: فعل امر، غ کے فتحہ کے ساتھ، کسی چیز کو دھونا، اور غ کے ضمہ کے ساتھ، غسل کرنا، پورے بدن کو دھونا۔

وجوهكم: جمع ہے وجهٌ کی چہرہ۔

مرافق: واحد مِرْفَقٌ کہنی، وہ چیز جس سے سہارا لے۔

امسحوا: امر (م) مسحاً بھیگے ہوئے ہاتھ کو کسی عضو پر پھیرنا۔

ارجلكم: رِجْل کی جمع ہے، پاؤں۔

الكعبين: كعب کا تثنیہ ہے، ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ جمع كِعاب.

فرض: جمع فرائض (م) فرضاً مقرر کرنا۔

اعضاء: واحد عَضوٌ بدن کا حصہ۔

خلافاً: مفاعلت کا مصدر، مخالفت کرنا۔

الناصية جمع ناصية، پیشانی، یہاں پیشانی کی مقدار مراد ہے۔

مغيرة بن شعبه: ایک مشہور صحابی ہیں غزوۂ خندق کے سال مسلمان ہوئے، ان سے ایک سو چھتیس حدیثیں منقول ہیں، ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی۔

سباطة: کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ، کوڑی۔

خفيه: خف کا تثنیہ اصل میں خفین تھا، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، جمع اَخفافٌ ، خِفافٌ.

الاناءُ : جمع انية برتن۔

استيقظ: باب استفعال (م) استيقاظاً، جاگنا۔

التوضى: باب تفعل سے اسم فاعل (م) توضأً وضو کرنا۔

السواك: دانتوں کا برش، مسواک۔

المضمضة: کلی کرنا۔

الاستنشاق: (م) باب استفعال سے ناک میں پانی چڑھانا۔

اللحية: جمع لُحًى ڈاڑھی۔

الاصابع: اِصْبَعٌ کی جمع ہے، انگلی۔

ينوى: فعل مضارع (ض) (م) نيةً ارادہ کرنا۔

يرتبُ: باب تفعیل (م) ترتیب، درجہ بدرجہ رکھنا۔

بَدَاءَ: ماضی (ف) بدأً شروع کرنا۔

الميامن: واحد مَيْمَنَة، برکت، فوج کا دایاں بازو، دایاں پہلو۔

الرقبة: گردن جمع رِقابٌ.

المعاني: معنیٰ کی جمع ہے مقصود یہاں اسباب مراد ہیں۔

الناقضة: نقضٌ سے صیغہ صفت ہے توڑنے والی چیزیں۔

السبيلين: اس سے مراد پیشاب پاخانہ کا مقام ہے۔

القيح: پیپ جس میں خون کی ملاوٹ نہ ہو۔

الصدید: پیپ جس میں خون کی ملاوٹ ہو۔

تجاوَزَ: ماضی (م) تجاوُزاً گزر جانا، پالینا۔

ملأ: باب (س) بھرنا۔

مضطجعاً: اسم فاعل باب افتعال (م) اضطجاعاً کروٹ کے بل سونا۔

متکئًا: (م) اتکاءً پیٹھ یا پہلو کا کسی چیز سے سہارا لگانا۔

مستنداً: ٹیک لگا کر، استناد سے ہے۔

یفیض: فعل مضارع باب افعال سے، بدن پر پانی بہانا۔

یتنحی: مضارع باب تفعل، مادہ نحیٌ، ایک کنارے ہونا۔

تنقض: فعل مضارع باب (ن) (م) نقضاً کھولنا۔

ضفائر: ضفیرۃ کی جمع گندھے ہوئے بالوں کی ایک پٹی، چوٹی۔

اصول: اصل کی جمع جڑ۔

الدفق: (م) باب (ن) جمہور کے نزدیک اس کا استعمال صرف متعدی ہی کی صورت میں ہوتا ہے، اچھل کر یا کود کر بہنا۔

التقاء: (م) ملنا۔

ختانین: خَتان کا تثنیہ، عورت اور مرد کے ختنہ کرنے کی جگہ۔

سنَّ: فعل ماضی باب (ن) (م) سَناً مقرر کرنا، طریقہ۔

عرفۃ: ذی الحجہ کی نویں تاریخ۔

الاودیۃ: وادی کی جمع پہاڑوں یا ٹیلوں کے درمیان کی کشادگی جو سیلاب کے لئے گذرگاہ ہو، یہاں جنگل کا پانی مراد ہے۔

العیون: عین کی جمع چشمہ جو بارش کے پانی سے بہہ کر جمع ہو جائے۔

الآبار: بئر کی جمع کنواں۔

البحار: بحر کی جمع سمندر۔

اُعتصر: ماضی مجہول افتعال سے نچوڑ لیا گیا ہو۔

خالطه: ماضی باب مفاعلة ہے، ملنا۔

المدُ: جمع مُدودٌ سیلاب۔

الاشنان: ایک قسم کی بوٹی جس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں۔

زعفران: جمع زَعَافِر، ایک قسم کا نہایت خوشبودار زرد رنگ کا پھول۔

یبولن: فعل مضارع با نون ثقیلہ باب (ن) (م) بَولاً پیشاب کرنا۔

باتت: ماضی باب (ض) (م) بیتاً رات گزارنا۔

الماء الجاری: جو پانی تنکا بہا کر لے جائے، چلو سے پانی لے تو فوراً دوسرا پانی اس جگہ آجائے اس کو جاری پانی کہتے ہیں۔

الغدیر: بڑا تالاب۔

نفس سائلة: بہتا ہوا خون۔

البق: مچھر۔

الذباب: مکھی جمع اَذِبَّةٌ۔

الزنابیر: واحد زَنبورٌ بھڑ۔

العقارب: عَقرَبٌ کی جمع بچھو۔

السرطانُ: کیکڑا، پانی کا ایک کیڑا جو بچھو سے مشابہ ہوتا ہے۔

اِهاب: جمع اُهُبٌ بغیر دباغت دی ہوئی کھال، کچا چمڑا۔

نزحت: ماضی مجہول، باب (ف) (م) نَزْحاً کھینچنا۔

عصفورۃ: جمع عصافیر چڑیا، کبوتر سے ہر چھوٹا پرندہ۔

صعوۃ: جمع صَعَوَات ممولا چھوٹے چڑے۔

سودانیۃ: بھجنگا، ایک سیاہ رنگ کا پرندہ جو کوئل سے ملتا جلتا ہے۔

سامّ ابرص: چھپکلی۔

حمامۃ: کبوتر۔

دجاجۃ: مرغی جمع دُجَجٌ.

سنورٌ: بلی۔

انتفخ: فعل ماضی باب افتعال (م) انتفاخ پھولنا۔

تفسخ: فعل ماضی باب تفعل (م) تَفَسُّخاً پھٹ جانا۔

دلاء: جمع ہے دَلْوٌ کی ڈول۔

معیناً: عین سے مشتق ہے، چشمے والا کنواں۔

الکلب: جمع کِلاب کتے۔

الخنزیر. سؤر جمع خَنَازِیر.

سباعٌ: واحد سَبُعٌ پھاڑ کھانے والا جانور۔

البھائم: بھیمۃ کی جمع چوپایہ۔

سباع الطیور: وہ پرندے جو شکار کرکے کھاتے ہیں۔

الحَیَّۃُ: سانپ (مذکر و مؤنث) جمع حیَّاتٌ و حَیَوَاتٌ.

الفارۃُ: چوہا جمع فِیرانٌ.

البغل: جمع بِغال، ابغال خچر، وہ دوغلا جانور جو گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے۔

باب التیمم

البَرْدُ: سردی ٹھنڈک۔

الصعیدُ: مٹی جمع صُعُدٌ صُعُدَاتٌ.

التراب: مٹی جمع اَتْرِبَۃٌ تُربانٌ.

الرمل: ریت جمع رِمَالٌ.

الجصُّ: وہ چونہ جس سے عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔

النورۃُ: قلعی کا چونہ۔

الکُحل: سرمہ، ہر وہ چیز جو آنکھوں میں شفا کے لئے ڈالی جائے۔

الزرنیخ: ہڑتال، ایک قسم کی زہریلی دھات۔

نسی: ماضی معروف (س) نِسیاناً بھولنا۔

رحلۃ: جمع رِحَال کجاوہ، اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں۔

باب المسح علی الخفین

عقیب: پیچھے آنے والا۔

خطوطاً: خط کی جمع، لکیر۔

الساق: پنڈلی، جمع سُوقٌ، سِیقانٌ.

خرق: سوراخ، پھٹن، باب (ن، ض) (م) خَرْقاً پھاڑنا۔

یتبینُ: فعل مضارع باب تفعل (م) تَبَیُّناً ظاہر ہونا۔

نزعٌ: باب (ض) (م) نزعاً نکالنا۔

ثخینین: ثخین کا تثنیہ ہے، موٹا موزہ۔

لایشفان: فعل مضارع باب (ض) (م) شُفُوفاً کسی چیز کا اس قدر پتلا ہونا کہ دوسری طرف کی چیز دکھائی دے، یہاں پانی کا چھننا مراد ہے۔

العمامۃ: پگڑی جمع عَمَائم.

القلنسوۃ: ٹوپی جمع قَلَانِسُ، قَلَانیس.

البرقع: وہ کپڑا جسے عورتیں پردے کے لئے سر سے پاؤں تک اوڑھتی ہیں، جمع بَرَاقِع.

القُفَّازین: قُفَّاز کا تثنیہ دستانہ، جمع قَفَافیز.

الجبائر: جمع ہے جبیرۃ کی، ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھنے کی لکڑی یا پٹی۔

بُرْءٌ: باب (س، ف، ک) بیماری سے شفا پانا۔

باب الحیض

الحمرۃ: سرخ رنگ، سرخی۔

الصفرۃُ: زردی، رنگ کا پھیکا پن۔

الکدرۃُ: مٹیالا (مٹی کے رنگ کا)

غلاف: جمع غُلُفٌ جزدان۔

الرعاف: نکسیر (ناک سے خون گرنا)

سَلِسُ البول: جس کو ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہو۔

لا یرقأ: فعل مضارع (ن) برابر خون بہتا رہتا ہو۔

باب الانجاس

الخل: سرکہ۔

ذی جرم: جسم دار۔

جفت: ماضی باب (ض) جُفافاً خشک ہونا۔

دلك: ماضی معروف باب (ن) دلکاً رگڑنا، ملائم کرنا۔

فرك: باب (ن) کھرچنا۔

السیف: تلوار، جمع اَسیاف، سُیُوف.

عین مرئیۃ: ایسی ناپاکی جو سوکھنے کے بعد دکھائی دے۔

یشق: فعل مضارع باب (ن) (م) شَقاً مشقۃً دشوار ہونا۔

الغَاسِلُ: دھونے والا اسم فاعل باب (ض)

الاستنجاء: نجوٌ سے مشتق ہے، استنجاء کہتے ہیں پاخانہ اور پیشاب کے بعد ناپاکی سے صفائی حاصل کرنا۔

المدرُ: مٹی کا ڈھیلا۔

یُنقیه: فعل مضارع باب تفعیل (م) تنقیۃً صاف ستھرا کرنا۔

روثٌ: جمع ارواث لید (گھوڑے گدھے ہاتھی وغیرہ کا فضلہ یا گوبر)

کتاب الصلوٰۃ

الفجر الثانی: اس سے مراد صبح صادق ہے جو آسمان کے کناروں میں چوڑائی میں دائیں بائیں پھیلتی ہے، اور آہستہ آہستہ اس کی روشنی میں بڑھوتری ہوتی رہتی ہے، اس کے مقابل ایک صبح کاذب ہوتی ہے جس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے اور لمبائی میں نمودار ہوتی ہے۔

المعترض: اسم فاعل باب افتعال (م) اعتراضاً چوڑائی میں ہونا۔

الافق: جمع آفاق آسمان کا کنارہ جو زمین سے لگا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

الاسفارُ: باب افعال کا مصدر ہے، صبح کا روشن ہونا۔

اَلْاِبْرَادُ: ٹھنڈا کرنا، یہاں مراد تاخیر کرنا ہے۔

الصیف: جمع اصیافٌ گرمی کا موسم۔

الشتاءُ: سردی کا موسم۔

یالف: فعل مضارع باب (س) (م) اَلْفاً محبت کرنا،

یثقُ: فعل مضارع باب (ض) (م) ثِقۃً اعتبار کرنا، بھروسہ کرنا، یثق بالانتباہ جاگنے پر اعتماد ہو۔

باب الاذان

الفلاح: کامیابی۔

النوم: نیند نائم کی جمع۔

یترسل: فعل مضارع باب تفعل آہستگی کرنا۔

یحدرُ: ذرا جلدی کہئے۔

حول: فعل ماضی (م) تحویل گھمانا۔

باب شروط الصلوٰة التی تتقدمها

یستر: فعل مضارع باب (ض) ستراً، کسی چیز کو چھپانا، ڈھانکنا۔

العورة: جمع عورات، انسان کے اعضاء جن کو حیاء سے چھپایا جاتا ہے۔

السرة: ناف، جمع سُرَّات، وسُرَرٌ۔

الکف: ہاتھ یا ہتھیلی مع انگلیوں کے جمع اَکُفٌ و کُفُوفٌ

الامة: باندی، لونڈی، جمع اِماءٌ اَمَواتٌ۔

بطن: پیٹ، ہر چیز کا اندرونی حصہ، جمع بُطونٌ۔

ظهر: پیٹھ، اوپر کا بیرونی حصہ، جمع اظهُرٌ۔

استدار: ماضی (م) استدارةً گھومنا۔

بنی: ماضی باب (ض) (م) بناءً، کسی کام کو شروع سے نہ کرنا بلکہ پہلی ہی کیفیت کی نقل کرنا۔

بابُ صفة الصلوٰة

یحاذی: مضارع معروف باب مفاعلة مقابل ہیں ہونا۔

ابهامیه: ابهام کا تثنیہ ہے، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، انگوٹھا۔

شحمة: کان کی لو۔

یعتمد: باب افتعال سے بھروسہ کرنا، یہاں مراد پکڑنا ہے۔

یفرج: مضارع معروف (م) تفریجاً کھولنا۔

لاینکسه: فعل مضارع باب تفعیل (م) تنکیساً اوندھا کرنا، مراد ہے نہ زیادہ جھکائے۔

کور: جمع اکوارٌ پگڑی کی لپیٹ۔

ضبعیه: اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، بغل۔ جمع اضباعٌ

یجافی: مجافاة سے ہے علیحدہ رکھنا۔

فخذ: ران جمع افخاذ۔

افترش: ماضی معروف باب افتعال افتراش مصدر ہے بچھانا۔

التحیات: عباداتِ قولیہ۔

الصلوات: عباداتِ بدنیہ۔

الماثورة: جو احادیث میں منقول ہوں۔

اورع: جو زیادہ پرہیز گار ہو۔

الاعرابی: دیہاتی، بدو۔

الاعمٰی: اندھا، جمع عُمْیٌ، عُمْیَانٌ۔

العجوز: بڑھیا، جمع عُجُزٌ، وعَجائزُ۔

المکتسی: اسم فاعل باب افتعال کپڑے پہننے والا۔

عُریان: صفت مذکر، جمع عُراةٌ ننگا۔

یؤمّ: فعل مضارع باب (ن) (م) امامةً امامت کرنا۔

المومی: اسم فاعل، اشارہ کرنے والا۔

یعبث: مضارع باب (س) (م) عَبَثاً کھیل کود کرنا۔

الحَصٰی: کنکری واحد حصاةٌ جمع حَصَیاتٌ۔

یُفَرْقِعُ: فعل مضارع (م) فرقعةً انگلیاں چٹخانا۔

یشبك: فعل مضارع باب تفعیل (م) تشبیکاً ایک دوسرے میں داخل کرنا۔

یتخصر: (م) تخصراً اپنے پہلو پر ہاتھ رکھنا۔

یسدل: باب (ن ض) (م) سدلاً لٹکانا۔

یکفه: مضارع معروف باب (ن) (م) کفاً جمع کرنا۔

یعقص: فعل مضارع باب (ض) (م) عقصاً بالوں

کی چوٹی بنانا یا گوندھنا۔

یقعی: مضارع معروف (م) اقعاءً کتے کی طرح بیٹھنا

جُنَّ: ماضی مجہول باب (ن) جناً دیوانہ ہونا، پاگل ہونا، صفت (مجنون) جمع مجانین،

خَلَعَ: ماضی باب (ف) خلعاً اتار لینا۔

باب قضاء الفوائت

قضاء الفوائت: جو نماز فوت ہو جائے اور چھوٹ جائے، اس کو فوائت کہتے ہیں اور اس کے پڑھنے کو قضاء کہتے ہیں۔

باب الاوقات التی تکره فیها الصلوٰة

الظهیرةُ: مؤنث ظہیر، دن کے آدھے ہونے کی حد، ٹھیک دوپہر، جمع ظهائر.

باب سجود السهو

السهو: غافل ہونا، بھولنا۔

الغٰی: ماضی معروف (م) الغاءً باطل کرنا۔

استأنف: شروع سے پڑھے۔

باب صلوٰة المریض

مریض: فعیل کے وزن پر ہے۔ جمع مرضٰی باب (س) (م) مَرَضاً بیمار ہونا۔

تعذر: ماضی معروف (م) تعَذُّرًا دشوار ہونا۔

اخفض: اسم تفضیل باب (ض) (م) خفضاً پست کرنا

استلقٰی: ماضی (م) استلقاءً چت سونا۔

جَنبٌ: جمع اجنابٌ جنوبٌ پہلو۔

حاجبه: اَبرو، بھوؤں، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، جمع حَوَاجِبُ، حَوَاجِیبُ.

باب صلوٰة المسافر

مسیرةٌ: (م) باب (ض) جانا، چلنا، سفر کرنا، مراد مسافت۔

سیر الابل: اونٹ کی رفتار۔

مشی الاقدام: پیدل کی چال۔

مصر: جمع امصار شہر۔

سنین: سنة کی جمع سال، برس۔

العسکر: جمع عساکر، لشکر، ہر چیز کا بہت۔

قوم سفر: مسافرین سفر سافر کی جمع ہے، جیسے صاحبٌ کی جمع صَحْبٌ.

سفینة: کشتی، جمع سُفُنٌ، سَفِیْنٌ.

العاصی: اسم فاعل، گنہگار۔

المطیع: فرمانبردار۔

باب صلوٰة الجمعة

القُریٰ: واحد قریة گاؤں۔

السجنُ: قیدخانہ، جیل، جمع سُجونٌ.

یبداءُ: فعل مضارع باب (ف) (م) بدأ شروع کرنا۔

باب صلوٰة العیدین

ارتفاع: باب افتعال کا مصدر ہے، دن چڑھنا۔

غُمَّ: ماضی مجہول ب (ن) پوشیدہ ہونا۔

الهلالُ: هالَّ کا مصدر ہے، نیا چاند۔ شروع مہینہ کی دو راتوں یا تین راتوں یا سات راتوں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اور مہینہ کی آخری دو راتوں چھبیسویں اور ستائیسویں کے چاند کو بھی اور ان کے علاوہ کے چاند کو قمر کہتے ہیں، اہل ہیئت کے نزدیک پہلی رات کا چاند ہلال ہے۔

الغد: آئندہ کل، بعد الغد: پرسوں۔

الاضحیۃُ: جمع اُضاحی قربانی۔

یوم الاضحیٰ: قربانی کا دن۔

التشریق: باب تفعیل کا مصدر ہے، گوشت کے ٹکڑے کرنا اور دھوپ میں خشک کرنا۔

ایام تشریق: عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن اس لئے کہ ان دِنوں میں قربانی کا گوشت خشک کیا جاتا ہے۔

باب صلٰوۃ الکسوف

انکسفت: ماضی باب انفعال سے سورج میں گہن لگنا۔

تنجلی: فعل مضارع باب انفعال ظاہر ہونا۔

خسوف: باب (ض) چاند کو گہن لگنا۔

باب صلٰوۃ الاستسقاء

الاستسقاءُ: بروئے لغت پانی طلب کرنا، اور باصطلاح شرع پانی طلب کرنے کے لئے نمازِ استسقاء ادا کرنا اور دعاء کرنا۔

الذمّۃُ: امان، حفاظت، ذمہ داری، جمع ذِمَمٌ.

اھل الذمۃ: دارالاسلام میں جزیہ دیکر رہنے والے غیر مسلم لوگ۔

باب صلٰوۃ الخوف

اشتد: فعل ماضی باب افتعال قوی ہونا۔

العدُوُّ: دشمن جمع اعداءٌ.

الطائفۃُ: لوگوں کی جماعت، ایک رائے اور مذہب کے لوگ جمع طائفاتٌ.

رکباناً: سوار ہوکر۔

باب الجنائز

اُحتضر: ماضی مجہول باب افتعال (م) احتضار، قریب المرگ ہونا۔

شق: جانب، کنارہ، انسان کی ایک جانب جس چیز کی جانب تمہاری نظر ہو۔

لقن: باب تفعیل سے ہے تعلیم دینا، سکھلانا۔

شدوا: باب (ن ض) (م) شداً باندھنا، کسنا۔

غمضوا: ماضی باب تفعیل بند کرنا۔

خرقۃ: کپڑے کا چیتھڑا، دھجی، جمع خِرَقٌ .

یفیضون: مضارع باب افعال مصدر اضافۃً پانی گرانا

یجمر: (م) تجمیر دھونی دینا (خوشبو جلانا)

یغلی: مضارع مجہول جوش دیا جانا، باب (ض) (م) غلیاً جوش مارنا۔

السدر: بیر کا درخت جمع سُدورٌ.

القراحُ: خالص پانی جمع اَقرِحۃٌ .

الخطمی: واحد خِطمِیَّۃٌ گل خیرو (نیلے رنگ کا ایک پھول جو بطور دوا استعمال ہوتا ہے)

یضجع: مضارع مجہول باب (ف) پہلو کے بل لٹانا۔

ینشفہ: (م) تنشیف پانی کو چیتھڑے وغیرہ سے سکھا دینا

الحنوطُ: چند خوشبودار چیزوں کا ایک مرکب جو مردے کو غسل دینے کے بعد اس پر ملتے ہیں۔

اِزارٌ: جمع ازرۃٌ لنگی (یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جو سر کے پاس سے پاؤں تک ہوتا ہے)

قمیص: کرتا مذکر ومؤنث دونوں طرح مستعمل ہے، جمع اَقمِصَۃُ (یہ کپڑا آدمی کے قد سے دوگنا ہوتا ہے اور درمیان میں پھاڑ کر اس میں سر گھسا دیتے ہیں اور گردن سے پاؤں تک ہوتا ہے)

اللفافۃُ: جو چیز کسی چیز پر لپیٹی جائے جمع لَفائِفُ (یہ کپڑا لمبی چادر کی طرح ہوتا ہے اور تمام کفن سے اوپر لپیٹا

جاتا ہے)

الخِمارُ: اوڑھنی، دوپٹہ، پردہ، جمع اَخمِرَۃٌ.

تُربَطُ: مضارع مجہول باب (ض ن) (م) ربطاً باندھنا، مضبوط کرنا۔

ثدیا: تثنیہ اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، پستان (مذکر ومؤنث) جمع ثُدِیٌّ .

یسرح: مضارع مجہول (م) تسریحاً کنگھا کرنا۔

الحَیُّ: محلہ جمع احیاءٌ .

الولی: سرپرست جمع اَولِیَۃٌ.

قوائم: واحد قائمۃ پایہ۔

اعناق: عُنُقٌ کی جمع گردن۔

یُلحد: مضارع مجہول باب (ف) (م) لحداً بغلی قبر کھودنا (قبر جس میں میت کے لٹانے کی جگہ درمیان کے بجائے ایک طرف کو ہوتی ہے)

العقدۃُ: گرہ، ہر چیز کی مضبوطی۔

اللَّبِنُ واللِبِنُ: کچی اینٹیں واحد لَبِنَۃٌ .

القَصَبُ: ہر وہ چیز جس میں پوروے اور گرہیں ہوں، جیسے بانس نرسل سرکنڈا۔

یہال: مٹی ڈال دی جائے۔

یسنم: باب تفعیل سے قبر کو کوہان نما کرنا (اونٹ کی پیٹھ کی بلندی جیسی)

استھلَّ: پیدائش کے وقت چلانا۔

ادرج: ماضی (م) ادراج داخل کرنا۔

باب الشهيد

الجراحۃُ: زخم جمع جراحٌ.

الجنبُ: ناپاک (واحد تثنیہ جمع مذکر ومؤنث سب کے لئے مستعمل ہے)

الفرو: پوستین جو بعض حیوانات کی کھال سے تیار کیا جاتا ہے، جمع فِراءٌ .

الحشوُ: روئی سے بھرا ہوا کپڑا، کوٹ وغیرہ۔

اُرتُثَّ: زخمی کو میدانِ جنگ سے ایسی صورت میں لایا جانا کہ اس میں زندگی کی رمق باقی ہو، لغۃً پرانا ہونا۔

حد: جمع حدود، سزا جو شریعت اسلامیہ کے مطابق دی جائے۔

قصاص: جرم کا بدلہ، خون کا عوض خون۔

قطاع الطریق: ڈاکو۔

باب الصلوٰة فی الكعبةِ

کعبۃ: اہل اسلام کے متبرک اور مقدس مقام کا نام جمع کِعابٌ.

باب الزكوٰة

واجبۃ: یہاں فرض کے معنی میں ہے۔

حال علیه الحول: اس پر سال گذر گیا ہو۔

دین: جمع دیون، قرض۔

زکّی: زکوٰۃ دے۔

الفاضل: اسم فاعل، زائد۔

دور: واحد دار، گھر۔

اثاث: گھریلو سامان۔

دواب: واحد دابۃ، چوپایہ۔

عزل: باب (ض) جدا کر دینا۔

زكوٰة الابل

ذود: اونٹ۔

صدقۃ: یہاں زکوٰۃ مراد ہے۔

سائمة: سال کے اکثر حصہ میں جنگل میں چرنے والے جانور۔

بنت مخاض: مخاض اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو حاملہ ہو، بنت مخاض کے معنی حاملہ اونٹنی کی بچی جو ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں لگ چکی ہو۔

بنت لبون: دودھ دینے والی اونٹنی کا بچہ جو دو سال کا ہو کر تیسرے سال میں لگ گیا ہو۔

حقة: چوتھے سال والا اونٹ نر ہو یا مادہ۔ اس عمر میں اونٹ بار برداری کے قابل ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو حقہ کہتے ہیں۔

جذعة: جس کے اگلے دونوں دانت نکل گئے ہوں یعنی چار سال گزار کر پانچویں سال میں قدم رکھا ہو، ایسے بچے کے دانت نکل کر دوسرے نئے دانت نکل آتے ہیں، اور بالغ ہو جاتا ہے۔

البخت: وہ اونٹ جو عربی اور عجمی دونوں کی نسل سے پیدا ہو۔

العراب: خالص عربی النسل اونٹ۔

باب صدقة البقر

تبیع، تبیعة: وہ بچھڑا یا بچھڑی جو دوسرے سال میں ہو۔

مسن، مسنة: ایسا بچھڑا یا بچھڑی جس نے تیسرے سال میں قدم رکھا ہو۔

الجوامیس: جاموس کی جمع ہے، بھینس۔

ربع عشر: دسویں حصہ کی چوتھائی یعنی چالیسواں حصہ۔

نصف عشر: دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ دو چالیسواں حصہ ملا کر بیسواں حصہ بن جاتا ہے۔

ثلثة ارباع: تین چالیسواں حصہ۔

باب صدقة الغنم

الضأن: بھیڑ، دنبہ۔

المَعزُ: بکری یہ اسم جنس ہے، واحد مَاعِزٌ جمع أمْعُز.

باب زکٰوة الخیل

الخیل: گھوڑوں کا گروہ، جمع خُیُولٌ.

الفرسُ: گھوڑا۔

دینار: عرب میں سونے کا ایک سکہ۔

الفصلان: فصیل کی جمع اونٹنی کا بچہ جو ماں سے علیحدہ کیا گیا ہو۔

الحُملان: حمل کی جمع بکری کے بچے۔

العجاجیل: عجول کی جمع گائے کے بچے۔

دُون: گھٹیا۔

العوامل: عاملة کی جمع کام کرنے والے جانور۔

الحوامل: حامل کی جمع بوجھ اٹھانے والے جانور۔

العلوفة: جن جانوروں کو گھر میں کھلا پلا کر پالا جاتا ہو۔

الرعي: گھاس چرنا۔

رُذالة: چیز کا ردی و ناکارہ حصہ۔

العضو: دو نصابوں کے درمیان کا عدد۔

باب زکٰوة الفضة

درهم: جمع دراهم چاندی کا ایک سکہ۔

الوَرْقُ: چاندی کا سکہ جیسے درہم جمع اوراق.

الغِشُّ: ہر چیز کا میل کچیل یہاں سونے اور چاندی کے علاوہ دوسری دھاتیں مراد ہیں۔

باب زکٰوة الذهب

مثقال: جمع مثاقیل. تولنے کے اوزان اور مثقال عرف میں ڈیڑھ درہم کے وزن کا ہوتا ہے اور کبھی کم اور

کبھی زیادہ۔

قیراطان: قیراط کا تثنیہ واحد قیراط اور جمع قراریط دینار کے دسویں حصہ کا آدھا، کسی چیز کا چوبیسواں حصہ۔

تِبرٌ: سونے کا ڈھیلا جو نہ ڈھلا ہوا ہو یا سکہ کی شکل میں نہ ہو یا ابھی کان کی مٹی میں ہو، واحد تِبرَةٌ.

باب زكوة العروض

العروض: واحد عرض. اسباب، سامان۔

یقوم: (م) تقویم. اسباب کی قیمت مقرر کرنا۔

النقد: جمع نقود، قیمت جو فوراً ادا کی جائے۔

الاجزاء: جزءٌ کی جمع ہے، جز کے اعتبار سے۔

باب زكوة الزروع والثمار

زكوة: اس سے عشر مراد ہے۔

الزروع: زرع کی جمع ہے کھیتی۔

الثمار: ثمر کی جمع، پھل۔

سقي باب (ض) سیراب کیا گیا ہو۔

سيحاً: بہنے والا پانی جمع سُيُوحٌ.

الحشيش: خشک گھاس واحد حشيشة.

اوسق: وسق کی جمع ساٹھ صاع۔

الخضروات: ترکاریاں۔

غرب: بڑا ڈول

دالية: رہٹ (وہ چیز جس کے ذریعہ کنویں سے پانی نکالتے ہیں۔

سانية: وہ اونٹنی جس پر کنویں سے پانی لاکر سینچائی کی جاتی ہے۔

العسل: شہد جمع اعسال.

ازقاق: واحد زق مشک

باب من يجوز دفع الصدقة

فك رقاب: مکاتب کی گردن چھڑوانا۔

الغارم: مقروض

ابن السبيل: مسافر

رقبة: گردن مراد غلام ہے۔

المزكي: زکوۃ دینے والا۔

آل علي: علی کے خاندان کے لوگ۔

موالي: مولی کی جمع آزاد کردہ غلام

بان: باب (ض) (م) بیانا ظاہر ہونا۔

مكتسبا: اسم فاعل کمائی کرنے والا۔

احوج: اسم تفضیل، زیادہ ضرورت مند۔

باب صدقة الفطر

مسكن: گھر، مکان، منزل، جمع مساكن.

بر: گیہوں اس کا واحد بُرَّةٌ ہے۔

تمر: کھجور واحد تَمرَةٌ جمع تَمرَاتٌ.

زبيب: کشمش۔

شعير: جو واحد شعيرة جمع شعيرات.

كتاب الصوم

غُمَّ عليهم: چاند چھپ جائے۔ چاند نظر نہ آئے۔

الامساك: باب افعال رکنا۔

ادهَن: ماضی باب افتعال سے تیل لگائے۔

احتجم: ماضی (م) احتجاما پچھنا لگوانا (خون نکلوانا۔

اكتحل: ماضی (م) اكتحال سرمہ لگانا۔

قبّل: بوسہ لیا۔

لمس: باب (ن ض) چھونا۔

ذرعه القئ: خودبخود قے آگئی (م) ذرعاً.

ابتلع: ماضی باب افتعال سے نگل گیا۔

الحصاة: کنکریاں

النواة: گٹھلی۔

احتقن: ماضی باب افتعال سے (م) احتقاناً حقنہ کرانا۔ (ہر دوا جو مریض کی مقعد سے پیٹ صاف کرنے کے لئے چڑھائی جائے (انیمہ)

استعط: ماضی باب افتعال (م) استعاطاً ناک میں دوا چڑھانا۔

جائفة: نیزہ کی مار جو پیٹ تک پہنچے جمع جوائفٌ.

اَمَّة: زخم جو دماغ تک پہنچ جائے۔

جوف: پیٹ اندرونی حصہ جمع اجوافٌ.

احليل: پیشاب نکلنے کا سوراخ۔

ذاق: ماضی باب (ن) ذوقا چکھنا۔

تمضغ: مضارع باب (ن ف) (م) مُضغاً چبانا۔

العلك: ہر گوند جو چبایا جائے، جمع عُلوك.

يستضر: ضرٌ سے مشتق ہے، نقصان دینا۔

الحامل: حاملہ عورت۔

المرضع: اسم فاعل (م) اِرضاعٌ دودھ پلانا۔

الشيخ الفاني: بہت زیادہ بوڑھا گویا کہ فنا کے قریب ہے

باب الاعتكاف

يبتاع: فعل مضارع باب افتعال سے (م) ابتیاعاً خریدنا

السلعة: سامان، تجارت کا مال جمع سِلَع.

الصمتُ: باب (ن) کا مصدر ہے خاموش رہنا۔

ليالي: لیل کی جمع، رات۔

كتاب الحج

الاحرار: حُرٌّ کی جمع آزاد۔

العقلاء: واحد عاقل سمجھدار۔

الاصحاء: صحیح کی جمع ہے تندرست عیب سے پاک۔

الزاد: توشہ (وہ کھانا جو مسافر لے جائے)

الراحلة: سواری کے لائق اونٹ، سفر و بار برداری کیلئے طاقتور اونٹ یا اونٹنی، تا مبالغہ کی ہے۔ جمع رواحل.

عيال: گھر کے افراد۔

عود: لوٹنا، واپس ہونا۔

لبيك: تثنیہ تاکید کے لئے ہے اور کہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اصل عبارت یہ ہے اَلَبَّ لَكَ اِلباباً بعد اِلبَاب.

لبيك: کے معنی ہیں میں حاضر ہوں۔

الملك: بادشاہی جمع اَملاك .

يخل: (م) اخلالاً کم کرنا۔

الرفث: گندی گفتگو۔ جماع.

الفسوق: بدکاری و گناہ کی باتیں۔

الجدَالُ: جھگڑے کی باتیں۔

صيد: شکار

يدل: باب (ن) دلالةٌ راہنمائی کرنا۔

سراويل: واحد سروال پائجامہ۔

قباء: ایک قسم کا آگے سے کھلا ہوا کوٹ یا اچکن

يغطي: باب تفعیل (م) تغطية چھپانا۔

يحلق: باب (ض) (م) حلقاً مونڈنا۔

يقُصُّ: فعل مضارع باب (ن) قصّاً قینچی سے بال وغیرہ کاٹنا۔

مصبوغاً: اسم مفعول باب (ف) (م) صَبغاً، رنگنا۔

وَرْس: ایک قسم کی گھاس تل کے مانند ہے جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں۔

عصفر: زرد رنگ۔

غَسِیلاً: یہاں مغسول کے معنی میں ہے یعنی دھلا ہوا۔

ینفض: باب (ن) (م) نفضاً جھڑنا۔

حمام: غسل خانہ۔

یستظلَّ: فعل مضارع باب استفعال (م) استظلالاً سایہ حاصل کرنا۔

المَحْمل: کجاوہ (اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں۔

الھمیان: وہ پٹی جو تھیلی یا بٹوے کا کام دے جمع ھمامین.

علا: فعل ماضی باب (ن) عُلُوّاً بلند ہونا۔

ھبط: باب (ن) ھبطاً وادی میں اترنا۔

اسحار: سحر کی جمع صبح کا وقت۔

عاین: ماضی باب مفاعلۃ خود دیکھنا، معائنہ کرنا۔

استلمہ: سَلِمَۃٌ بمعنی پتھر سے ماخوذ ہے (م) پتھر کو ہاتھ سے چھونا۔

اضطبع: ماضی (م) اضطباعاً چادر کو داہنی بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال لینا۔

اشواط: شوط کی جمع ہے چکر۔

یَرْمُلُ: مضارع باب (ن) (م) رَمَلاً کندھوں کو ہلاتے ہوئے دوڑنا۔

یَصْعَدُ: (س) صعوداً چڑھنا۔

ینحط: (م) نحطاً اترنا۔

بطن الوادی: صفا اور مروہ کے درمیان نشیبی جگہ کو بطن الوادی کہتے ہیں اب اس پر ہری بتیاں لگا دی گئیں ہیں یہاں لوگ دوڑ کر چلتے ہیں۔

یوم الترویۃ: آٹھویں ذی الحجہ۔

الافاضۃ: عرفات میں ٹھہرنے کو اور طواف فرض کو افاضہ کہتے ہیں۔

موقف: ٹھہرنے کی جگہ۔

بطن عرنۃ: عرفات کے قریب ایک میدان ہے جس میں وقوف درست نہیں ہے کیونکہ یہ حصہ عرفات سے خارج ہے۔

المناسك: واحد مَنْسَكٌ ہے افعال وارکان حج۔

المِیقدۃُ: آگ جلنے کی جگہ، زمانہ جاہلیت میں اس پہاڑ کے قریب آگ جلانے کی جگہ تھی جس کو میقدۃ کہتے ہیں۔

قزح: علمیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے بلند ہونے کی وجہ سے اس کا نام قزح رکھا گیا۔

غلس: جمع اغلاس آخر رات کی تاریکی۔

جمرۃ: جمر کا واحد کنکری

العقبۃ: آخری، پیچھے چوں کہ یہ آخری جمرہ ہے اور دو جمروں کے پیچھے ہے اسلئے اسکو جمرہ عقبہ کہتے ہیں

بطن الوادی: جمرہ عقبہ کے پاس جگہ کا نام ہے۔

حصیات: حصاۃ کی جمع ہے کنکری۔

الخذف: ٹھیکرا پھینکنا۔

الیوم الثانی من ایام النحر: یوم نحر کا دوسرا دن گیارہویں ذی الحجہ ہوتا ہے۔

نفر: باب (ض) (م) نفراً روانہ ہونا۔

ثقل: جمع اثقال مسافر کا سامان اور اس کے نوکر چاکر۔

المحصَّب: مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

مغمیً علیه: بیہوشی طاری ہوگئی اس پر اغماء سے مشتق ہے

میلین اخضرین: صفا اور مروہ کے درمیان دو ہری بتیاں لگی ہوئی ہیں جہاں سعی کرنے والے تیز چلتے ہیں۔

حلق: سر کو منڈوانا۔

قصر: کچھ بال رکھنا کچھ کو کٹوانا۔

باب القران

یُهِلُّ: احرام باندھنا۔

بدنة: وہ گائے یا اونٹ جس کی قربانی مکہ میں حج کے موقع پر کی جائے جمع بَدَنَاتٌ.

رافضا: اسم فاعل باب (ن ض) رفضاً چھوڑنا۔

باب التمتع

یسوق: مضارع (م) سوقاً. جانور کو پیچھے سے ہانکنا۔

البدنة: اونٹ کے معنی متعین ہے۔

قَلَّدَ: باب تفعیل سے ہے (م) تقلیداً گلے میں پٹہ ڈالنا۔

مَزَادَةٌ: پرانا چمڑا۔

اشعر: (م) اشعاراً چھری مار کر کوہان پھاڑنا۔

سنام: کوہان (اونٹ کی پیٹھ کی بلندی۔)

باب الجنایات

جنایات: جنایة کی جمع ہے حج میں جو غلطیاں ہو جاتی ہیں ان کو جنایت کہتے ہیں۔

العائد: اسم فاعل باب (ن) (م) عوداً دوبارہ کرنا۔

الظبی: ہرن نر یا مادہ جمع ظِبَاءٌ.

الضبع: بجو، لفظ مؤنث ہے نر و مادہ دونوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ جمع ضِبَاعٌ .

ارنب: خرگوش۔

عناق: بکری کا ایک سال سے کم کا بچہ جمع اعنق.

النَّعامة: شتر مرغ (افریقہ کا ایک قد آور پرندہ جس کی گردن اونٹ کی طرح لمبی ہوتی ہے۔

الیربوع: چوہے کے مانند ایک جانور جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی بڑی اور دم لمبی ہوتی ہے جمع یرابیع.

جفرةٌ: بکری کا چھوٹا بچہ۔

نتف: ماضی (ض) (م) نتفاً پر اکھیڑنا۔

ریش: پرندے کے پر واحد ریشة جمع رِیَاشٌ.

حِیْزُ الامتناع: محفوظ رہنے کی جگہ سے نکل گیا۔ یعنی خود محفوظ نہ رہ سکا۔

فرخ: پرندہ کا بچہ جمع فِرَاخٌ.

الغراب: کوّا، جمع اغرُب.

الحِداۃ: چیل۔

الذئبُ: بھیڑیا جمع ذِئَابٌ.

الکلب العقور: کاٹ کھانے والا کتا۔

البعوضُ: مچھر۔

البراغیث: پسو۔

القُرادُ: چچڑی (خون پینے والا کیڑا جو اکثر کتے، بکری، گائے، بھینس کے جسم سے چمٹا رہتا ہے۔

قملة: جوں (وہ کیڑے جو بالوں یا کپڑوں میں میل سے پیدا ہو جاتے ہیں)

جرادة: ٹڈی۔

صال: ماضی (ن) (م) صولاً حملہ کرنا۔

اضطر: ماضی (م) اضطراراً مجبور ہونا۔

البعیر: اونٹ۔

البط الکسکری: کسکر ایک گاؤں کا نام ہے جسکی طرف بطخ کی نسبت کی گئی ہے اور کسکری بطخ کہدیا ہے۔

حمام: کبوتر۔

مُسرول: سروال سراویل سے مشتق ہے پائجامہ پہنا ہوا یعنی وہ کبوتر جس کے پاؤں میں پر نکلا ہوا ہو یہ کبوتر اڑنے میں ست ہوتا ہے اور گھر میں زیادہ تر رہتا ہے لیکن متوحش ہے اور شکار ہے۔

مستانساً: مانوس۔

حشیش: گھاس۔

باب الاحصار

احصار: روکدینا۔

عدوٌّ: دشمن۔

التحلُّل: حلال ہونا

واعد: امر حاضر مواعدۃ سے ایک دوسرے سے وعدہ کرنا

باب الفوات

حج کے فوت ہونے کو فوات کہتے ہیں۔

العمرۃ: آباد مکان کا ارادہ۔

اصطلاح شرع: میں طواف کعبہ اور سعی بین الصفا والمروۃ کا نام ہے جمع عُمَرٌ عُمَرَاتٌ.

باب الهدی

الهدی: قربانی جو مکہ شریف بھیجی جائے۔

الثَّنِیُّ: وہ جانور جس کے سامنے کے پیدائشی دانت گر گئے ہوں اور نئے دانت اُگ گئے ہوں، بکری دوسرے سال میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہے۔ گائے بھینس دو سال کے بعد تیسرے میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہے۔ اونٹ چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں قدم رکھے تو نیا دانت آتا ہے اور ثنی ہوتا ہے۔

الضانُ: بھیڑ، دنبہ۔

الجذع: چھ ماہ کا دنبہ۔

الذَّنَبُ: دم جمع اَذْنَابٌ

العجفاء: کمزور، دبلا۔

العرجاءُ: لنگڑا۔

المنسك: قربانی کی جگہ۔ جمع مناسك.

القُربَۃُ: نیک افعال جن سے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہو جمع قُرُبَاتٌ.

تصیب: حصہ۔

الهدایا: قربانی کا جانور جو حرم میں بھیجا جائے۔

التعریف: ہدی کے جانور کو عرفات میں لے جانا۔

النحر: اونٹ کے پاؤں کو الٹا باندھ دے اور اس کو کھڑا کرے اور اس کی گردن میں چھری مار کر کھانیکی کی نالی کو پھاڑ دے اس کو نحر کرنا کہتے ہیں۔

جلال: جُلٌّ کی جمع ہے، جھول۔

خطام: مہار، نکیل، جمع خُطُمٌ.

الجزار: قصائی۔

لبن: دودھ۔

ینضحُ: مضارع (ف) نضحاً پانی چھڑکنا۔

ضرع: جمع ضروع تھن۔

عَطَبَ: (س) عَطَباً، جانور کا تھک جانا اور ہلاکت کے قریب پہنچ جانا۔

نعل: جوتے کا قلادہ۔

ضرب بها: نشان لگانا۔

صفحۃ: ایک جانب ایک کنارہ۔

یُقَلِّدُ: مضارع (م) تقلیداً جوتے یا چمڑے کا ہار بنا کر ہدی کی گردن میں ڈالنا۔

فہرست مآخذ ومراجع

ذیل میں وہ کتابیں درج کی جاتی ہیں جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی گئی ہے۔

نام کتاب	مطبوعہ	نام کتاب	مطبوعہ
القرآن الکریم		کتاب الفقہ علی المذاہب	
بخاری شریف	دارالکتاب دیوبند	الاربعہ	محکمۂ اوقات لاہور
مسلم شریف	دارالکتاب دیوبند	الفتاوی عالمگیری	مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ
ابوداؤد شریف	دارالکتاب دیوبند	احسن الفتاوی	کراچی
ترمذی شریف	دارالکتاب دیوبند	فتاوی محمودیہ	مکتبہ محمودیہ میرٹھ
طحاوی شریف	دارالکتاب دیوبند	کفایت المفتی	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند
ابن ماجہ شریف	دارالکتاب دیوبند	ایضاح المسائل	مکتبہ الاصلاح مرادآباد
نسائی شریف	دارالکتاب دیوبند	ایضاح المناسک	نائس پریس خوریجی دہلی
موطأ امام محمد	خورشید بک ڈپو لکھنؤ	معلم الحجاج	اشاعت العلوم سہارنپور
بذل المجہود	مکتبہ خلیلیہ سہارنپور	اسلامی فقہ	مکتبہ الحسنات دہلی
الدر المنضود	مکتبہ خلیلیہ سہارنپور	اعلاء السنن	ادارۃ القرآن کراچی
معارف السنن	مکتبہ بنوریہ کراچی پاکستان	فتح القدیر مع الکفایہ	
درس ترمذی	زکریا دیوبند	وبہامشہا العنایہ	مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان
ایضاح الطحاوی	زکریا دیوبند	عینی شرح ہدایہ	مکتبہ امدادیہ فیصل آباد
نیل الاوطار	دارالکتب العلمیہ بیروت	الجوہرۃ النیرہ	محمود بک ڈپو
فتح الباری	مکتبہ اشرفیہ دیوبند	اللباب فی شرح الکتاب	دارالایمان سہارنپور
عمدۃ القاری	مکتبہ زکریا دیوبند	کوکب الدری	مکتبہ یحیوی سہارنپور
مرقات شرح مشکوۃ شریف	مکتبہ امدادیہ ملتان	مصنف عبدالرزاق	بیروت لبنان
فیض الباری	جنوبی افریقہ	شرح وقایہ	مکتبہ مجیدی کانپور
بدائع الصنائع	دارالکتاب دیوبند	اوجز المسالک	مکتبہ یحیوی سہارنپور
رد المحتار علی الدر المختار المعروف		التعلیقات علی تنظیم الاشتات	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
بالشامی		فتح الملہم شرح مسلم	مدینہ برقی پریس بجنور
علم الفقہ	کتب خانہ اعزازیہ دیوبند	نور الانوار	دارالکتاب دیوبند
البحر الرائق	دارالمعرفۃ بیروت ملتان	الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ	المکتب الاسلامیہ لاہور پاکستان
تبیین الحقائق	مکتبہ امدادیہ ملتان پاکستان	امداد الفتاوی	ادارہ تالیفات دیوبند
طحطاوی علی المراقی	دمشق	فتاوی دارالعلوم عزیز الفتاوی	امدادیہ دیوبند
		شرح نقایہ	

مختصر القدوری کی جامع وجدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط ومناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

مختصر القدوری

شارح
حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی فاضل دار العلوم دیوبند
استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان فون: 32631861

مختصر القدوری کی جامع و جدید شرح، جس میں مشکل الفاظ کے معانی، کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا حوالہ
اور ہر باب سے ماقبل ربط و مناسبت

انوار القدوری

شرح اردو

جلد ثالث

از کتاب الجنایات تا کتاب الفرائض

شارح

حضرت مولانا مفتی وسیم احمد قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

دار الاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 32213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : جنوری ۲۰۱۱ء علمی گرافکس

ضخامت : 1344 صفحات 3 جلد میں

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ ۱۸ اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین

کتاب السرقہ وقطاع الطریق

حرز کا بیان

کتاب الاشربۃ

کتاب الصید والذبائح

کتاب الاضحیۃ

کتاب الایمان

کتاب الدعویٰ

کتاب الحظر والاباحۃ ۲۸۵

کتاب الوصایا ۲۹۷

کتاب الفرائض ۳۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الجنایات

(یہ کتاب جنایات کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: امام قدوریؒ کتاب العتاق اور اس کے متعلقات سے فراغت کے بعد کتاب الجنایات کو بیان فرمارہے ہیں کیوں کہ عتاق میں زندہ کرنا ہے اور جنایت میں ہلاک کرنا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں، نیز جنایت میں قصاص ہے اور قصاص میں زندگی ہے اللہ کا فرمان ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے لہٰذا دونوں کتابوں میں مناسبت ہے۔ رقم الحاشیہ (۵)

جنایات کی لغوی تحقیق: جنایات جنایت کی جمع ہے جو اصل میں مصدر ہے اور اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے لغت میں جنایت کہتے ہیں ہر برا کام کرنے کو یہ جنٰی یجنی سے مشتق ہے۔

اصطلاحی تعریف: اس فعل حرام کو کہتے ہیں جس کا اثر جان یا مال پر پڑے۔

نوٹ: اگر جان کے بدلہ جان لے تو اس کو قصاص یا قود کہتے ہیں اور جان یا عضو کے بدلہ رقم لے تو اس کو دیت کہتے ہیں۔

(۱/۲۲۰۴) اَلْقَتْلُ عَلٰى خَمْسَةِ اَوْجُهٍ عَمَدٌ وَ شِبْهُ عَمَدٍ وَ خَطَأٌ وَمَا اُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَأِ وَالْقَتْلُ بِسَبَبٍ.

حل لغات: عمد: قصد وارادہ، ما اُجری مَجری الْخطأ جو خطا کے قائم مقام ہو۔

ترجمہ: قتل پانچ قسموں پر ہے، قتل عمد قتل شبہ عمد قتل خطا، قتل قائم مقام خطاء اور قتل بالسبب۔

تشریح: قتل کے اقسام تو بہت ہیں مگر یہاں صاحب کتاب نے وہ قسمیں بیان کی ہیں جن سے یہ احکام متعلق ہوتے ہیں' قصاص' دیت' کفارہ، میراث سے محروم ہونا اور یہ قتل پانچ ہیں، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۲/۲۲۰۵) فَالْعَمَدُ مَاتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِسِلَاحٍ اَوْ مَا اُجْرِيَ مَجْرَى السِّلَاحِ فِي تَفْرِيْقِ الْاَجْزَاءِ كَالْمُحَدَّدِ مِنَ الْخَشَبِ وَالْحَجَرِ وَالنَّارِ وَمُوْجَبُ ذَالِكَ الْمَاْثَمُ وَالْقَوْدُ اِلَّا اَنْ يَّعْفُوَ الْاَوْلِيَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ فِيْهِ.

حل لغات: سلاح: ہتھیار جمع اَسلِحَۃٌ. تفریق الاجزاء: ٹکڑے کردینا۔ محدد: تیز دھار دار۔ خشب: لکڑی۔ ماثم: گناہ واحد مَاْثَمَۃ۔ قود: قصاص۔

ترجمہ: قتل عمد یہ ہے کہ مارنے کا ارادہ کرے ہتھیار سے یا اس چیز سے جو ہتھیار کے قائم مقام ہو اجزاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے میں جیسے دھار دار لکڑی اور دھار دار پتھر اور آگ سے اس کی سزا گناہ ہے اور قصاص مگر یہ کہ معاف کر دیں مقتول کے اولیاء اور اس میں کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: ماقبل میں مصنفؒ نے قتل کی پانچ قسمیں بیان فرمائیں یہاں سے قتل عمد کا تفصیلی بیان ہے چنانچہ فرمایا کہ جب کسی انسان کو مارنے کا ارادہ ہو اور اس کے لئے ایسا ہتھیار استعمال کیا جائے جو قتل کرنے والا ہے تو یہ قتل عمد ہے جیسے تلوار ریوالور بندوق، توپ، وغیرہ اور جیسے دھار دار لکڑی، دھار دار پتھر اور جیسے آگ لیکن اگر وزنی چیز سے کسی کو قتل کر دیا گیا مثلاً بڑا پتھر یا بڑی لاٹھی تو یہ قتل عمد نہیں ہوگا بلکہ قتل شبہ عمد ہوگا لہٰذا اس میں قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت واجب ہوگی یہ امام صاحبؒ کا مشہور مذہب ہے۔

امام صاحب کا صحیح مذہب: لیکن امام صاحبؒ کے اس مذہب کو سمجھنے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا تعلق انسان کے اپنے دل کے ارادے سے ہے اور دل کا ارادہ ایسی چیز ہے جو پوشیدہ ہے اس لئے ہم اس آلہ کے ذریعہ استدلال کریں گے جو آلہ اس نے استعمال کیا لہٰذا اگر اس شخص نے قتل کرنے کے لئے تلوار چھری وغیرہ استعمال کی تو ہم یہی سمجھیں گے کہ اس نے جان بوجھ کر قتل کیا اس لئے کہ یہ آلات قتل ہی کے لئے استعمال ہوتے ہیں تادیب کے لئے استعمال نہیں ہوتے لہٰذا ان آلات کے استعمال میں قتل کے علاوہ کوئی اور احتمال نہیں ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ یہ قتل عمد ہوا برخلاف لاٹھی اور پتھر کے کہ یہ اصلاً قتل کرنے کے لئے وضع نہیں ہوئے بلکہ یہ آلات تادیب کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو ان آلات میں دونوں احتمال موجود ہیں کہ قتل کرنا مقصود ہو یا صرف چوٹ مارنی مقصود ہو اس لئے شبہ پیدا ہو گیا اس شبہ کی وجہ سے قتل عمد ثابت نہ ہوگا یہ اس وقت ہے جب قاتل خود اس بات کا اقرار نہ کرے کہ میرا قتل کا ارادہ تھا لیکن اگر وہ اقرار کر لے اور پھر اس نے قتل میں لاٹھی یا پتھر استعمال کیا ہو تو اس صورت میں امام کے نزدیک بھی قتل عمد ہوگا آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا حکم یہ ہے کہ یہ تین چیزوں کو واجب کرتا ہے (۱) گناہ کبیرہ (۲) قصاص (۳) میراث سے محروم ہونا۔ اور قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے۔ کیوں کہ قتل عمد کے تذکرہ کے وقت قرآن میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح قتل خطاء میں کفارہ لازم ہوتا ہے ایسے ہی قتل عمد میں بھی کفارہ ہوگا کیوں کہ قتل عمد قتل خطاء سے بڑا ہے۔

قتل عمد سے گناہ ہوگا اس کا ثبوت اس آیت میں ہے ومن یقتل مومنا متعمداً الخ جس نے مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کا بدلہ دوزخ ہے اور قتل عمد کا بدلہ قصاص ہے اللہ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اور قاتل کے وراثت سے محروم ہونے کی حکمت یہ ہے کہ اگر قتل کے باوجود میراث کا حقدار باقی رہتا تو بہت سے وارثین اپنے مورثین کو قبل الوقت قتل کر کے وراثت حاصل کر لیتے اس لئے ہر اس قتل کی وجہ سے محرومیت ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے قصاص یا کفارہ لازم آتا ہو، اور قتل عمد میں ولی قصاص کو معاف کرنے کا بھی حق ہے

اور معاف کرنا افضل ہے اور اس پر اجر کا وعدہ ہے۔

(۳/۲۲۰۶)وَشِبْهُ الْعَمَدِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنْ يَتَعَمَّدَ الضَّرْبَ بِمَا لَيْسَ بِسِلَاحٍ وَلَا مَا أُجْرِيَ مَجْرَاهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ إِذَا ضَرَبَهُ بِحَجَرٍ عَظِيْمٍ أَوْ بِخَشَبَةٍ عَظِيْمَةٍ فَهُوَ عَمَدٌ وَشِبْهُ الْعَمَدِ أَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ بِمَا لَايَقْتُلُ بِهِ غَالِباً وَ مُوْجَبُ ذَالِكَ عَلَى الْقَوْلَيْنِ الْمَأْثَمُ وَالْكَفَّارَةُ وَلَا قَوْدَ فِيْهِ وَفِيْهِ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ.

حل لغات: دية: جمع دیات خون بہا، دية میں تا واؤ کے عوض میں ہے کیوں کہ یہ ودی سے مشتق ہے۔
عاقله: خاندان کے لوگ، باپ کی طرف سے رشتہ دار۔

ترجمه: اور شبہ عمد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ ارادہ کرے مارنے کا ایسی چیز سے جو نہ ہتھیار ہو اور نہ قائم مقام ہتھیار ہو اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر مارے آدمی کو بھاری پتھر یا بڑی لکڑی سے تو وہ عمد ہے اور شبہ عمد یہ ہے کہ ارادہ کرے مارنے کا ایسی چیز سے جس سے عموماً آدمی نہیں مرتا اور اسکی سزا دونوں قولوں پر گناہ ہے اور کفارہ اور اس میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت مغلظہ ہے عاقلہ پر۔

تشریح: یہاں سے قتل شبہ عمد کا بیان ہے قتل عمد اور شبہ عمد سے متعلق امام صاحب کے نزدیک تفصیل ماقبل میں آچکی ہے جمہور فقہاء، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جس چیز سے عموماً قتل نہ کیا جاتا ہو اس سے قصداً مارنے سے شبہ عمد ہوگا ورنہ اگر چہ ہتھیار نہ ہو لیکن اس کے استعمال سے موت واقع ہو جاتی ہو تو ایسی چیز سے مارنے سے قتل عمد ہوگا لہذا لاٹھی وغیرہ سے اگر مارا تو بھی قتل عمد ہوگا اور بھاری پتھر سے اگر مارا تب بھی قتل عمد ہوگا البتہ اگر چھڑی سے مارا تو شبہ عمد ہے پھر آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جس انداز سے بھی قتل شبہ عمد ثابت ہو جائے چار چیزوں کو واجب کرتا ہے۔

(۱) گناہ کبیرہ (۲) کفارہ (۳) دیت مغلظہ (۴) میراث سے محروم ہونا۔

دیت کی تفصیل تو آگے کتاب الدیات میں آرہی ہے مختصراً اتنا ذہن نشین فرمالیں کہ دیت کی تعداد ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم یا دو سو گائیں یا ایک سو اونٹ ۲۵ ایک سال کے ہوں ۲۵ دو سال کے ۲۵ تین سال کے ۲۵ چار سال کے۔

موجودہ دور میں صاحبین کے قول پر فتوی مناسب ہے:

اگر چہ امام صاحبؒ کا اصل مذہب یہی ہے کہ بھاری چیز سے قتل کرنے میں قصاص نہیں ہوتا لیکن جمہور کا مذہب بھی مضبوط اور قوی ہے اور جس طرح ہمارے زمانہ میں قتل اور غارت گری کا بازار گرم ہے اس میں مجرموں کی حوصلہ شکنی اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے اگر جمہور فقہاء کا مذہب اختیار کیا جائے تو مناسب ہے، چناں چہ متاخرین حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو زہر پلا کر ہلاک کردے تو امام صاحب کے اصل مذہب میں قصاص نہیں ہے

کیوں کہ قاتل نے زہر پلایا ہے دھاردار آلہ استعمال نہیں کیا اس لئے قتل عمد نہیں ہے بلکہ شبہ عمد ہے لیکن متاخرین حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ زمانہ میں جرائم کا قلع قمع کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے اور زہر پلانے والے آدمی سے بھی قصاص لیا جائے لہٰذا جس طرح زہر کے مسئلہ میں متاخرین حنفیہ نے صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے اس طرح اگر ہمارے زمانہ میں مطلقاً انہیں کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص جب بھی کوئی ایسا آلہ استعمال کرے گا جس سے ہلاکت غالب ہو تو اس کو قتل عمد ہی کہا جائے گا تو ایسا کرنا مناسب ہوگا تا کہ صحیح معنی میں مجرموں کی سرکوبی ہو سکے۔ (ماخوذ درس ترمذی ۵/۱۴۱)

(۲۲۰۷/۴)وَالْخطأُ عَلٰى وَجْهَيْنِ خَطَأٌ فِي الْقَصْدِ وَهِيَ اَنْ يَرْمِيَ شَخْصًا يَظُنُّهُ صَيْداً فَاِذَا هُوَ اٰدمِيٌّ وَخطأٌ فِي الْفِعْلِ وَهُوَ اَنْ يَرْمِيَ غَرَضاً فَيُصِيْبَ اٰدمِياً وَمُوجَبُ ذَالِكَ الْكَفَّارَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلاَ مَاثَمَ فِيْهِ.

حل لغات: يَرْمِي: مضارع رمياً تیر مارنا۔ صید: شکار۔

ترجمه: اور قتل خطا دو قسم پر ہے (۱) غلطی ارادے میں اور وہ یہ کہ تیر مار دے کسی آدمی کو شکار سمجھ کر اور ہو وہ آدمی (۲) غلطی فعل میں اور وہ یہ ہے کہ تیر مارے نشانہ پر اور وہ لگ جائے آدمی کے اور اسکی سزا کفارہ ہے اور دیت ہے عاقلہ پر اور اس میں گناہ نہیں ہے۔

تشریح: تیسری قسم قتل خطاء ہے اس کی دو قسمیں ہیں ایک ارادہ کی خطاء دوسرے فعل کی خطاء اول کی مثال جیسے مار رہا تھا ہرن کو مگر وہ آدمی نکلا یہ ارادہ کی خطاء ہے، ثانی کی مثال جیسے کسی نشانہ پر تیر مارا مگر وہاں نہیں لگا بلکہ کسی آدمی کو لگ گیا یہ فعل کی خطاء ہے بہر حال حکم دونوں کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ قتل خطاء تین چیزوں کو واجب کرتا ہے (۱) کفارہ (۲) دیت مغلظہ (۳) حرمان المیراث اس قتل خطاء میں گناہ نہیں ملے گا کیوں کہ جان کر قتل نہیں کیا بلکہ غلطی سے قتل ہوا۔

(۲۲۰۸/۵)وَمَا اُجْرِيَ مَجْرَى الْخَطَأ مِثْلُ النَّائِمِ يَنْقَلِبُ عَلٰى رَجُلٍ فَيَقْتُلُهُ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْخَطَأ.

ترجمه: اور جو قتل خطاء کے قائم مقام ہے مثلاً سونے والا کسی شخص پر پلٹ جائے اور اس کو مار ڈالے اس کا حکم قتل خطا کا حکم ہے۔

تشریح: قتل کی چوتھی قسم قائم مقام خطاء ہے اس کی مثال بیان کرتے ہوئے مصنفؒ نے فرمایا کہ جیسے آدمی سو رہا تھا اس نے کروٹ لی اس کے نیچے ایک آدمی دب گیا جس کی وجہ سے وہ مر گیا اس کا حکم قتل خطاء کی طرح ہے یعنی اس میں کفارہ لازم ہوگا اور دیت خطا لازم ہوگی اور قاتل میراث سے محروم ہوگا۔

(۲۲۰۹/۶)وَاَمَّا الْقَتْلُ بِسَبَبٍ كَحَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ وَمُوْجَبُهٗ اِذَا تَلِفَ فِيْهِ

آدمِيٌّ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ.

حل لغات: حافر: اسم فاعل باب (ض) حفرا کھودنا۔ بئر: کنواں جمع ابار.

ترجمہ: اور بہر حال قتل سبب کے ذریعہ جیسے کنواں کھودنے والا اور پتھر رکھنے والا دوسرے کی ملکیت میں اور اس کی سزا جب کہ مر جائے اس میں کوئی آدمی دیت ہے عاقلہ پر اور اس میں کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: پانچویں قسم قتل سبب ہے یعنی خود قتل نہیں کیا بلکہ ایسا سبب اختیار کیا جس سے آدمی گر کر مر جائے جیسے کسی نے ایسی زمین میں کنواں کھودا جو اس کی ملک نہیں ہے اس میں آدمی گر کر مر گیا ایسے ہی دوسرے کی زمین میں بڑا سا پتھر رکھ دیا جس سے ٹھوکر کھا کر آدمی مر گیا تو یہ قتل سبب ہوا، دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودے تو جرم ہے اور اپنی ملکیت میں مناسب جگہ پر کنواں کھودا اور اس میں آدمی گر کر مر گیا تو یہ جرم نہیں ہے اس کے کھودنے والے پر دیت لازم نہیں ہوگی، اس کے بعد صاحب قدوریؒ نے قتل سبب کا حکم بیان کیا ہے وہ یہ کہ قتل سبب صرف دیت مغلظہ کو واجب کرتا ہے۔

(۲۲۱۰/۷) وَالْقِصَاصُ وَاجِبٌ بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُوْنِ الدَّمِ عَلَى التَّأْبِيْدِ إِذَا قُتِلَ عَمَداً.

ترجمہ: اور قصاص واجب ہوتا ہے ہر اس شخص کے قتل سے جس کا خون ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جب کہ وہ جان بوجھ کر قتل کیا جائے۔

تشریح: قتل عمد سے قصاص اس وقت واجب ہوگا جب کہ مقتول ایسا شخص ہو جس کا خون ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جیسے مسلمان یا ذمی ان کو کوئی جان بوجھ کر قتل کرے تو ان کے قتل کرنے پر قصاص واجب ہوتا ہے۔

محقون الدم کی قید سے وہ نکل گیا جس کا خون محفوظ نہ ہو جیسے کافر حربی مرتد باغی زانی۔

تابید کی قید سے مستأمن نکل گیا کیوں کہ اس کا خون اس وقت تک محفوظ ہے جب تک دار الاسلام میں ہے۔

(۲۲۱۱/۸) وَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْحُرُّ بِالْعَبْدِ.

ترجمہ: اور قتل کیا جائے گا آزاد کو آزاد کے بدلہ اور آزاد کو غلام کے بدلہ۔

ان لوگوں کا بیان جن سے قصاص لیا جاتا ہے یا نہیں لیا جاتا

تشریح: قاتل کو مقتول کے بدلہ قتل کیا جائے گا، مقتول خواہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک آزاد کو آزاد کے بدلہ، آزاد کو غلام کے بدلہ، غلام کو آزاد کے بدلہ اور غلام کے بدلہ غلام کو قتل کیا جائے گا شوافع کے نزدیک آزاد کو غلام کے بدلہ قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا باقی تین صورتوں میں شوافع کا مذہب بھی احناف کے مذہب کے مطابق ہے، مختلف فیہ مسئلہ میں ہماری دلیل ان دلائل کا عموم ہے جیسے کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتول کے بارے میں اور جیسے و کتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس.

(۹/۲۲۱۲) وَالْمُسْلِمِ بِالذِّمِّيِّ.

ترجمہ: اور (قتل کیا جائے گا) مسلمان ذمی کے بدلہ۔

تشریح: اس بات پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ کسی مسلمان کو کافر حربی کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر مسلمان نے کافر ذمی کو قتل کر دیا تو ذمی کے بدلہ میں قصاصاً مسلمان کو قتل کیا جائیگا یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر کوئی مسلمان کسی کافر ذمی کو قتل کر دے تو مسلمان کو قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک کافر ذمی کو قتل کرنا بھی دنیاوی احکام کے اعتبار سے ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کو قتل کرنا لہٰذا جس طرح مسلمان کے قتل سے قصاص لازم آتا ہے ایسے ہی کافر ذمی کو قتل کرنے سے بھی قصاص لازم آجائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث پاک ہے لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ (بخاری ج۲ ص:۱۰۲۱) کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا، اس حدیث میں حربی اور ذمی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک ہوگا کہ نہ کافر حربی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا اور نہ کافر ذمی کے بدلہ میں۔

جواب: یہ الفاظ حضورؐ نے فتح مکہ کے دن جو خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمائے تھے اور فتح مکہ تک ذمی کافر ہوتے ہی نہ تھے صرف حربی کافر ہوتے تھے ذمی کافروں کا سلسلہ تو فتح مکہ کے بعد شروع ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ اس حدیث میں کافر سے حربی مراد ہے، ذمی کافر مراد نہیں ہے اور حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو حربی کافر کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل: حنفیہ کی دلیل قرآن پاک کی آیت ہے: اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ. اس آیت میں مسلمان یا کافر کی کوئی قید نہیں ہے نیز جب اسلامی حکومت نے ان کے جان و مال کی مسلمانوں کے جان و مال کی طرح ذمہ داری لے لی تو اب ان کی جان و مال میں دنیاوی احکام کے لحاظ سے کوئی فرق باقی نہ رہا تو مسلمان اور ذمی دونوں اس حکم میں برابر ہو گئے اس لئے دونوں کا ایک دوسرے سے قصاص لیا جائے گا۔

(۱۰/۲۲۱۳) وَلَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِالْمُسْتَأْمِنِ.

ترجمہ: اور مسلمان کو مستامن کے بدلہ قتل نہیں کیا جاوے گا۔

تشریح: کوئی کافر دار الکفر سے امن لے کر دار الاسلام میں آیا ہے اور اس کو کسی مسلمان نے قتل کر دیا تو اس مستامن کے بدلہ مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر اس کے ملک سے عہد و پیمان ہے تو اس کی دیت دی جائے گی نیز اس کا خون ہمیشہ کے لئے محفوظ نہیں ہے اس لئے بھی مسلمان قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۱۱/۲۲۱۴) وَيُقْتَلُ الرَّجُلُ بِالْمَرْاَةِ وَالْكَبِيْرُ بِالصَّغِيْرِ وَالصَّحِيْحُ بِالْاَعْمٰى وَالزَّمِنِ.

ترجمہ: اور قتل کیا جائے گا مرد کو عورت کے بدلہ اور بڑا قتل کیا جائے گا چھوٹے کے بدلہ اور تندرست کو اندھے

کے بدلہ اور اپاہج کے بدلہ۔

تشریح: جب مساوات کا مدار اسلام اور دارالاسلام پر رکھا ہے تو جب یہ مدار پایا جائے وہیں قصاص لیا جائے گا خواہ مرد نے عورت کو قتل کیا ہو یا اس کے برعکس خواہ بالغ نے بچہ کو قتل کیا ہو اور خواہ تندرست آدمی نے اندھے اور اپاہج کو قتل کیا ہو۔

(۱۲/۲۲۱۵)　وَلَا يُقْتَلُ الرَّجُلُ بِابْنِهٖ وَلَا بِعَبْدِهٖ وَلَا بِمُدَبَّرِهٖ وَلَا بِمُكَاتَبِهٖ وَلَا بِعَبْدِ وَلَدِهٖ.

ترجمہ: اور مرد اپنے بیٹے کے بدلہ قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ اپنے غلام کے بدلہ اور نہ اپنے مدبر کے بدلہ اور نہ اپنے مکاتب کے بدلہ اور نہ اپنے بیٹے کے غلام کے بدلہ۔

تشریح: اگر باپ نے بیٹے کو قتل کر دیا تو قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ دیت لازم کی جائے گی یا آقا نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو غلام کے بدلہ آقا کو قتل نہیں کیا جائے گا البتہ دیت لازم ہوگی اور تعزیر کی جائے گی اور مدبر اور مکاتب کا بھی یہی حکم ہے کیوں کہ قصاص کا وارث بھی آقا ہے اور لیا بھی جا رہا ہے آقا سے اور یہ باطل ہے اور اگر اپنے لڑکے کا غلام قتل کیا ہو تو بھی قصاص نہ ہوگا کیوں کہ بیٹا بھی باپ پر قصاص کا مستحق نہیں ہو سکتا حضرت سراقہ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس حال میں کہ آپ باپ کو اس کے بیٹے سے قصاص دلواتے تھے لیکن بیٹے کو اس کے باپ سے قصاص نہیں دلواتے تھے یعنی اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا لیکن اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو باپ سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

(۱۳/۲۲۱۶)　وَمَنْ وَرِثَ قِصَاصاً عَلٰى اَبِيْهِ سَقَطَ.

حل لغت: قصاص: قاف کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے مقاصہ سے برابری یا 'قصاص' فعال کے وزن پر 'قص الاثر' سے ماخوذ ہے آہستہ آہستہ پیروی کرنا۔

ترجمہ: اور جو شخص وارث ہو جائے قصاص کا باپ پر تو وہ ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: اگر لڑکے کو حق قصاص میراث میں ملا تب بھی باپ سے قصاص نہ لیا جائے گا مثلاً ایک آدمی نے اپنے خسر کو قتل کر دیا اور قاتل کی بیوی کے علاوہ خسر کا کوئی وارث نہیں ہے اتفاق سے یہ بھی مر گئی تو ایسی صورت میں اس عورت کا لڑکا جو قاتل کے نطفہ سے ہے اس قصاص کا وارث ہوگا مگر یہ قصاص ساقط ہو جائے گا کیوں کہ والد کی عزت واحترام اس کو مانع ہے اور اگر بیٹے کے ساتھ دوسرے لوگ بھی وارث تھے تب بھی قتل ساقط ہو جائے گا کیوں کہ بعض اولیاء کی جانب سے قتل ساقط ہو جانے سے پورے کی جانب سے ساقط ہو جائے گا۔

(۱۴/۲۲۱۷)　وَلَا يُسْتَوْفَى الْقِصَاصُ اِلَّا بِالسَّيْفِ.

حل لغت: یستوفی وصول کرنا۔

ترجمہ: اورنہیں لیا جائے گا قصاص مگر تلوار سے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قاتل سے کس طرح قصاص لیا جائے اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) حنفیہ کے نزدیک صرف ہتھیار سے قصاص لیا جائے گا خواہ تلوار ہو یا بندوق۔

(۲) ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قاتل کو بھی اسی طریقہ سے قتل کیا جائے گا جس طریقہ سے اس نے مقتول کو قتل کیا تھا مثلاً اگر قاتل نے خنجر سے قتل کیا تھا تو قاتل کو بھی خنجر ہی سے قتل کیا جائے گا گویا کہ جو فعل قاتل نے کیا تو قاتل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ فعل غیر مشروع ہو تو اس صورت میں قصاص بالمثل نہیں لیا جائے گا بلکہ تلوار سے لیا جائے گا مثلاً کوئی شخص دوسرے کو لواطت کے ذریعہ یا زنا کر کے یا سرین میں لاٹھی یا نیزہ گھسا کر یا عورت کی شرمگاہ میں نیزہ گھسا کر مار دے تو ان صورتوں میں ائمہ ثلاثہ بھی مساوات کے قائل نہیں ہیں۔

دلیل: حدیث میں ہے کہ ایک باندی کو یہودی نے پتھر سے کچل کر مارا تھا تو حضور نے یہودی کو پتھر سے کچل کر قصاص لیا۔ (بخاری ج۲،ص۱۰۱۶، باب من اقاد بالحجر)

جواب: اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعزیراً اور سیاستاً اسی طرح قتل کرنے کو مناسب سمجھا کیوں کہ اس بچی کے ساتھ بڑی سخت زیادتی ہوئی تھی اس لئے لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے تعزیراً اس کا سر کچلنے کا حکم دیا ورنہ اصل حکم یہ نہیں تھا۔

حنفیہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **لاقود الا بالسیف** کہ قصاص تلوار یعنی ہتھیار سے لیا جائے۔

(۲۲۱۸/۱۵) وَاِذَا قُتِلَ الْمُكَاتَبُ عَمَداً وَلَيْسَ لَهُ وَارِثٌ اِلَّا الْمَوْلٰى فَلَهُ الْقِصَاصُ اِنْ لَّمْ يَتْرُكْ وَفَاءً.

ترجمہ: اور جب قتل کر دیا گیا مکاتب جان بوجھ کر اور اس کا کوئی وارث نہیں آقا کے علاوہ تو اس کے لئے قصاص لینے کا حق ہے اگر نہ چھوڑے مکاتب مال۔

مسئلہ قتل مکاتب

تشریح: مکاتب کو کسی نے جان بوجھ کر قتل کر دیا اور آقا کے علاوہ کوئی وارث نہ ہو اور مکاتب کے پاس اتنا مال بھی نہیں تھا کہ پورا بدل کتابت ادا کر سکے اور آزاد ہو کر مر سکے تو ایسی صورت میں آقا کو قصاص لینے کا حق ہے کیوں کہ

جب مکاتب بدل کتابت چھوڑے بغیر مرگیا تو کتابت فسخ ہوگئی اور وہ غلامی کی حالت میں مرا اور آقا کے علاوہ کوئی وارث بھی نہیں ہے اس لئے صرف آقا کو قصاص لینے کا حق ہوگا۔

(۱۶/۲۲۱۹)　وَاِنْ تَرَکَ وَفَاءً وَ وَارِثُهٗ غَیْرَ الْمَوْلٰی فَلَا قِصَاصَ لَهُمْ وَاِنِ اجْتَمَعُوْا مَعَ الْمَوْلٰی.

ترجمہ: اور اگر مال چھوڑے اور اس کا وارث ہے آقا کے علاوہ تو ان کے لئے قصاص کا حق نہیں ہے اگرچہ ورثاء آقا کے ساتھ جمع ہو جائیں۔

تشریح: مکاتب کو کسی نے جان کر قتل کیا اور اس نے مال کتابت ادا کرنے کے لئے پورا مال چھوڑا تھا اور آقا کے علاوہ دوسرے لوگ ورثاء موجود تھے تو اس صورت میں نہ آقا قصاص لے سکے گا اور نہ ورثاء قصاص لے سکیں گے بالاتفاق قصاص ساقط ہوکر دیت لازم ہوگی کیوں کہ اس مکاتب کے آزاد یا غلام ہوکر مرنے میں صحابہ کا اختلاف ہے اس لئے قصاص ختم کر دیا گیا۔

(۱۷/۲۲۲۰)　وَاِذَا قُتِلَ عَبْدُ الرَّهْنِ لَا یَجِبُ الْقِصَاصُ حَتّٰی یَجْتَمِعَ الرَّاهِنُ وَالْمُرْتَهِنُ.

ترجمہ: اور جب قتل کر دیا گیا مرہون غلام تو نہیں واجب ہوگا قصاص یہاں تک کہ جمع ہو جائیں راہن اور مرتہن۔

مسئلہ عبدِ مرہون

تشریح: اگر غلام مرہون جان بوجھ کر مرتہن کے قبضہ میں قتل کر دیا گیا تو تنہا راہن کو یا تنہا مرتہن کو قصاص لینے کا حق نہ ہوگا بلکہ دونوں کا جمع ہونا شرط ہے تنہا مرتہن اس سے قصاص نہیں لے سکتا کہ اس کا غلام نہیں ہے غلام تو راہن کا ہے اور تنہا راہن اس لئے نہیں لے سکتا کہ اس سے مرتہن کا حق ضائع ہوگا، اس لئے مرتہن اس بات پر راضی ہو کہ میں اپنا حق ساقط کرتا ہوں آپ قصاص لے لیں تب راہن قصاص لے سکتا ہے اس لئے راہن اور مرتہن دونوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔

(۱۸/۲۲۲۱)　وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا عَمَداً فَلَمْ یَزَلْ صَاحِبَ فِرَاشٍ حَتّٰی مَاتَ فَعَلَیْهِ الْقِصَاصُ.

ترجمہ: کسی نے کسی آدمی کو جان بوجھ کر زخمی کر دیا اور وہ مسلسل صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو اس پر قصاص ہے۔

تشریح: زید نے عمر کو زخمی کر دیا اور اس زخم کیوجہ سے عمر ایک ماہ مثلاً صاحب فراش ہوگیا اور موت تک اسی حال میں رہا پھر مرگیا تو زید سے قصاص لیا جائے گا کیوں کہ زخمی کرنے کے بعد ٹھیک نہیں ہوا اسی حال میں مرگیا تو زخم ہی

مرنے کا سبب بنا اس لئے قصاص لیا جائے گا۔

(۱۹/۲۲۲۲) وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ عَمَدًا مِنَ الْمِفْصَلِ قُطِعَتْ يَدُهُ وَكَذَالِكَ الرِّجْلُ وَ مَارِنُ الْأَنْفِ وَالْأُذُن.

حل لغات: المفصل: جوڑ، مارن: ناک کا نرم حصہ۔

ترجمه: جس کسی نے ہاتھ کاٹا جان بوجھ کر جوڑ سے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور ایسے ہی پاؤں اور ناک کا نرم حصہ اور کان۔

جان کے علاوہ کے قصاص کا بیان

تشریح: اگر کسی نے دوسرے کا کوئی عضو کاٹا تو بعض صورتوں میں قصاص ہوتا ہے اور بعض میں نہیں اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جس صورت میں برابری ممکن ہو وہاں قصاص ہوگا اور جہاں ممکن نہ ہو وہاں قصاص نہ ہوگا بلکہ دیت واجب ہوگی، مثلاً ہاتھ گٹے سے کاٹا ہو یا کہنی سے یا پیر ٹخنہ سے یا گھٹنے سے تو دوسرے کا بھی اتنا ہی کاٹا جا سکتا ہے اسی طرح کان میں اور ناک کے نرم حصہ میں مماثلت ہوسکتی ہے لہٰذا ان میں قصاص ہوگا۔

(۲۰/۲۲۲۳) وَمَنْ ضَرَبَ عَيْنَ رَجُلٍ فَقَلَعَهَا فَلاَ قِصَاصَ عَلَيْهِ فَإِنْ كَانَتْ قَائِمَةً وَذَهَبَ ضَوْءُهَا فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ تُحْمٰى لَهُ الْمِرْاٰةُ وَيُجْعَلُ عَلٰى وَجْهِهٖ قُطْنٌ رَطْبٌ وَ تُقَابَلُ عَيْنُهُ بِالْمِرْاٰةِ حَتّٰى يَذْهَبَ ضَوْءُهَا.

حل لغات: تحمٰى: گرم کیا جائے حمى يحمى سے مشتق ہے۔ المراة: آئینہ شیشہ۔ ضوء: روشنی۔

ترجمه: اور جس نے مارا کسی کی آنکھ پر اور اس کو باہر نکال دیا تو اس پر قصاص نہ ہوگا اگر آنکھ قائم ہو اور اس کی روشنی چلی گئی تو اس پر قصاص ہوگا (اس طرح) کہ گرم کیا جائے اس کے لئے آئینہ اور رکھدی جائے اس کے چہرہ پر گیلی روئی اور اس کی آنکھ کے سامنے آئینہ کیا جائے تو اس کی بینائی ختم ہو جائے گی۔

تشریح: ماقبل میں یہ قاعدہ آچکا ہے کہ جہاں مماثلت ممکن ہوگی وہاں قصاص ہوگا اور جہاں مماثلت ممکن نہ ہوگی تو وہاں قصاص واجب نہ ہوگا لہٰذا اگر کسی نے کسی کی آنکھ پر مارا جس کی وجہ سے اس کی آنکھ باہر نکل گئی تو یہاں مماثلت ممکن نہیں ہے اس لئے قصاص نہ ہوگا اور اگر آنکھ موجود ہے صرف اس کی روشنی ختم ہوگئی ہے تو یہاں مماثلت ممکن ہے اور وہ یہ کہ جونسی آنکھ سے قصاص نہیں لینا اس کو باندھ دیا جائے اور چہرہ پر بھیگی ہوئی روئی لپیٹ دی جائے اور گرم صاف آئینہ اس کی اس آنکھ کے سامنے کیا جائے جس کی بینائی ختم کرنی ہے اس طریقہ سے بینائی ختم ہو جائے گی اور چہرہ اور دوسری آنکھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

(۲۱/۲۲۲۴) وَفِي السِّنِّ الْقِصَاصُ وَ فِي كُلِّ شَجَّةٍ يُمْكِنُ فِيهَا الْمُمَاثَلَةُ الْقِصَاصُ وَلَا قِصَاصَ فِي عَظْمٍ إِلَّا فِي السِّنِّ.

ترجمه: دانت میں قصاص ہے اور ہر اس زخم میں جس میں برابری ممکن ہو قصاص ہے ہڈی میں قصاص نہیں سوائے دانت کے۔

تشریح: اگر کسی نے کسی کا دانت توڑ دیا تو اس میں قصاص ہوگا قرآن میں صاف حکم موجود ہے، 'السن بالسن' کہ دانت کے بدلہ میں دانت ہے اور جن زخموں میں برابری ممکن ہو ان میں قصاص لیا جائے گا آگے فرماتے ہیں کہ کسی بھی ہڈی میں دانت کے علاوہ قصاص نہیں لیا جائے گا۔

(۲۲/۲۲۲۵) وَلَيْسَ فِيمَا دُوْنَ النَّفْسِ شِبْهُ عَمَدٍ وَإِنَّمَا هُوَ عَمَدٌ أَوْ خَطَأٌ.

ترجمه: اور جان کے علاوہ (ہاتھ پاؤں وغیرہ) میں شبہ عمد نہیں ہے وہ تو عمداً ہے یا خطاء۔

تشریح: جان سے مارنے میں شبہ عمد کا وقوع ہوتا ہے کیوں کہ آدمی کو دھار دار چیز سے نہ مارے بلکہ غیر دھار دار سے مارے تو شبہ عمد ہوگا لیکن جان کے علاوہ جتنے زخم ہیں ان میں دھار دار کے علاوہ سے بھی زخمی کرے گا تو شبہ عمد نہیں ہوگا بلکہ زخم عمد ہوگا یا زخم خطاء ہوگا کیوں کہ اگر جان کر زخمی کیا تو زخم عمد اور غلطی سے زخمی کیا تو زخم خطاء ہوگا۔

(۲۳/۲۲۲۶) وَلَا قِصَاصَ بَيْنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ فِيمَا دُوْنَ النَّفْسِ وَلَا بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ وَلَا بَيْنَ الْعَبْدَيْنِ.

ترجمه: اور قصاص نہیں ہے مرد اور عورت کے درمیان نفس کے علاوہ میں اور نہ آزاد اور غلام کے درمیان اور نہ دو غلاموں کے درمیان۔

تشریح: مرد نے عورت کو قتل کر دیا تو مرد سے قصاص لیا جائے گا ایسے ہی آزاد نے غلام کو مار دیا یا ایک غلام نے دوسرے غلام کو مار دیا لیکن اگر کوئی مرد عورت کا ہاتھ پاؤں یا ناک کاٹ دے یا آزاد آدمی غلام کا یا ایک غلام دوسرے غلام کا تو ان میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت لازم ہوگی کیوں کہ اعضاء کے ساتھ اموال کا سا برتاؤ ہوتا ہے اس لئے مماثلت شرط ہے اور مذکورین کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے مثلاً مرد کے ہاتھ کی قیمت شریعت نے ۵۰۰ دینار مقرر کی ہے اور عورت کے ہاتھ کی قیمت ۲۵۰ دینار مقرر کی ہے بہر حال جب تفاوت ہے تو مذکورہ تمام صورتوں میں قصاص نہ ہوگا۔

(۲۴/۲۲۲۷) وَيَجِبُ الْقِصَاصُ فِي الْأَطْرَافِ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ.

ترجمه: اور قصاص واجب ہے اعضاء میں مسلمان اور کافر کے درمیان۔

تشریح: عبارت میں کافر سے مراد ذمی ہے مسلمان اور ذمی کے ہاتھ کی قیمت شریعت نے ایک رکھی ہے لہٰذا

مساوات کی وجہ سے قصاص واجب ہوگا۔

(۲۲۲۸/۲۵) وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ اَوْجَرَحَهُ جَائِفَةً فَبَرأَ مِنْهَا فَلاقِصَاصَ عَلَيْهِ.

حل لغات: جَائِفَةٌ: پیٹ کے اندر پہنچا ہوا زخم۔ فبرأ: ٹھیک ہوگیا۔

ترجمہ: جس نے کسی کا ہاتھ کاٹا آدھے بازو سے یا زخم لگایا پیٹ کے اندر تک پھر وہ اس سے اچھا ہوگیا تو اس پر قصاص نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں مصنف نے دو مسئلے بیان کئے ہیں (۱) اگر کسی نے کسی کی نصف کلائی کاٹ دی تو یہاں قصاص نہ ہوگا بلکہ اس کی دیت لازم ہوگی اسی طرح پیٹ میں گہرا زخم لگایا پھر وہ زخم ٹھیک ہوگیا تو قصاص کے طور پر پیٹ میں گہرا زخم نہیں لگایا جائے گا بلکہ اس کی دیت لازم ہوگی۔

دلیل: ہاتھ کٹنے کے بعد ٹھیک ہونا ضروری نہیں ہے اب اس قسم کا قصاص کہ کلائی سے ہاتھ کاٹے پھر وہ ٹھیک بھی ہوجائے یہ ممکن نہیں ہے اور قصاص میں برابری ضروری ہے یہی حال پیٹ کے زخم کا ہے۔

(۲۲۲۹/۲۶) وَاِذَا كَانَ يَدُ الْمَقْطُوْعِ صَحِيْحَةً وَيَدُ الْقَاطِعِ شَلَّاءَ اَوْنَاقِصَةَ الْاَصَابِعِ فَالْمَقْطُوْعُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ الْيَدَ الْمَعِيْبَةَ وَلَا شَيْءَ لَهُ غَيْرُهَا وَاِنْ شَاءَ اَخَذَالْاَرْشَ كَامِلاً.

حل لغات: شلاء: خشک شدہ لنجا۔ المعیبة: عیب دار۔ الارش: جان کے علاوہ اعضاء واطراف میں جنایت کی وجہ سے جو لازم ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور جب کہ کاٹا ہوا ہاتھ صحیح ہو اور کاٹنے والے کا ہاتھ لنجا ہو یا انگلی ناقص ہو تو جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اسے اختیار ہے اگر چاہے تو عیب دار ہاتھ کو کاٹ دے اور اس کے لئے اس عیب دار ہاتھ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اگر چاہے پوری دیت لے لے۔

قصاص کے باقی احکام

تشریح: زید کا ہاتھ صحیح سالم تھا اور خالد کا ہاتھ لنجا ہے یا اس کی انگلی خراب ہے صورت یہ ہوئی کہ خالد نے زید کا ہاتھ کاٹ دیا تو اب زید کیا کرے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ زید کو دو اختیار ہیں (۱) اگر زید چاہے تو خالد کا ہاتھ جیسا بھی ہے اسی کو کاٹ دے اگر اس نے ایسا کرلیا تو اس کا حق ادا ہوگیا اس لئے اس کو دیت نہیں ملے گی یا عیب دار ہاتھ کی کچھ رقم نہیں ملے گی (۲) زید کو اختیار ہے کہ شل ہاتھ کو نہ کاٹے بلکہ اپنے ہاتھ کی پوری دیت وصول کرلے۔

(۲۲۳۰/۲۷) وَمَنْ شَجَّ رَجُلاً فَاسْتَوْعَبَ الشَّجَّةُ مَابَيْنَ قَرْنَيْهِ وَهِيَ لَاتَسْتَوْعِبُ مَابَيْنَ قَرْنَي

الشَّاجِّ فَالْمَشْجُوْجُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اقْتَصَّ بِمِقْدَارِ شَجَّتِهٖ يَبْتَدِئُ مِنْ اَيِّ الْجَانِبَيْنِ شَاءَ وَاِنْ شَاءَ اَخَذَ الْاَرْشَ كَامِلاً.

حل لغات: شج: ماضی باب (ن، ض) شجاً: زخمی کرنا، توڑنا پھوڑنا۔ الشجة: سر کا زخم۔ قرنیه: قرن کا تثنیہ ہے انسان کے سر کا وہ حصہ جہاں پر جانور کو سینگ نکلتا ہے۔ تستوعب: مضارع باب استفعال گھیرنا۔ شاج: سر کو زخمی کرنے والا۔ مشجوج: جس کا سر زخمی کیا گیا ہے۔

ترجمه: جس نے کسی شخص کا سر پھوڑ دیا پس زخم نے سر کی دونوں جانبوں کو گھیر لیا اور یہ زخم پھوڑنے والے کی دونوں جانبوں کو نہیں گھیرتا تو زخمی شدہ آدمی کو اختیار ہے کہ اگر چاہے قصاص لے لے اپنے زخم کی مقدار اور شروع کرے جس جانب سے چاہے اور اگر چاہے تو پوری دیت لے لے۔

تشریح: زید کا سر چھوٹا ہے مثلاً چوڑائی میں داہنی جانب سے بائیں جانب تک کل پانچ انچ ہے اور عمر کا آٹھ انچ اب عمر نے زید کا سر پھوڑا اور اتنا زخمی کر دیا کہ پورے پانچ انچ کو محیط ہو گیا اب زید قصاص لینا چاہتا ہے تو عمر کے سر میں سے پانچ انچ زخمی کرے تاکہ برابر ہو جائے اور چاہے دائیں جانب سے شروع کرے یا بائیں جانب سے اور اگر زخمی نہیں کرنا چاہتا تو پوری دیت لے لے۔

(۲۲۳۱/۲۸) وَلَاقِصَاصَ فِي اللِّسَانِ وَلَا فِي الذَّكَرِ اِلَّا اَنْ يَقْطَعَ الْحَشْفَةَ.

ترجمه: اور نہیں ہے قصاص زبان میں اور نہ عضو تناسل میں مگر یہ کہ کاٹ دے حشفہ۔

تشریح: زبان اور ذکر لمبے ہوتے ہیں اور سکڑتے ہیں اس لئے ان کو برابر سرابر کاٹنا ممکن نہیں ہے اس لئے ان میں قصاص نہ ہوگا بلکہ دیت ہے ہاں اگر کسی نے کسی کا حشفہ کاٹ دیا تو یہ جگہ جانی پہچانی ہے لہٰذا قصاص لیا جائے گا۔

(۲۲۳۲/۲۹) وَاِذَا اصْطَلَحَ الْقَاتِلُ اَوْلِيَاءَ الْمَقْتُوْلِ عَلٰى مَالٍ سَقَطَ الْقِصَاصُ وَوَجَبَ الْمَالُ قَلِيْلاً كَانَ اَوْكَثِيْراً.

حل لغات: اصطلح: ماضی صلح کر لی۔

ترجمه: اور جب صلح کر لے قاتل مقتول کے اولیاء سے کسی مال پر تو ساقط ہو جائے گا، قصاص اور واجب ہوگا مال کم ہو یا زیادہ ہو۔

تشریح: قاتل نے جان کر کسی کو قتل کیا تھا جس کی وجہ سے قصاص لازم تھا لیکن قاتل نے مقتول کے اولیاء سے مال پر صلح کر لی تو قصاص ساقط ہو جائے گا اور قاتل پر وہ مال لازم ہوگا جو صلح میں طے ہوا وہ مال دیت کاملہ سے کم ہو یا زیادہ ہو۔

(۲۲۳۳/۳۰) فَاِنْ عَفَا اَحَدُ الشُّرَكَاءِ مِنَ الدَّمِ اَوْ صَالَحَ مِنْ نَصِيْبِهٖ عَلٰى عِوَضٍ سَقَطَ حَقُّ

الْبَاقِيْنَ مِنَ الْقِصَاصِ وَكَانَ لَهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِنَ الدِّيَةِ.

ترجمه: پھر اگر معاف کردے کوئی شریک خون یا صلح کرلے اپنے حصہ کی طرف سے کسی عوض پر تو ساقط ہوجائے گا باقی لوگوں کا حق قصاص سے اور ہوگا ان کا حصہ دیت سے۔

تشریح: مقتول کے ورثاء میں سے کسی ایک نے اپنا حصہ معاف کردیا یا اپنے حصہ کے بدلہ قاتل سے صلح کرلی تو سب کا حق قصاص ساقط ہوجائے گا اور باقی ورثاء کا حق مال دیت کی طرف منتقل ہوجائے گا اب جن ورثاء نے نہ قصاص معاف کیا نہ صلح کی تو وہ اپنا حصہ دیت سے پائیں گے، قصاص چوں کہ اولیاء کا حق ہے جس کی وجہ سے اولیاء کو حق ہے کہ اپنا حق مفت میں معاف کردیں یا کچھ عوض لے کر معاف کردیں۔

(۳۱/۲۲۳۴) وَاِذَا قَتَلَ جَمَاعَةٌ وَاحِداً عَمَداً اُقْتُصَّ مِنْ جَمِيْعِهِمْ.

ترجمه: اگر قتل کردے ایک جماعت ایک آدمی کو جان بوجھ کر تو قصاص لیا جائے گا ان سب سے۔

تشریح: مقتول ایک ہے اور قاتل متعدد ہیں تو سب کو قصاص میں قتل کردیا جائے گا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر سارے آسمان والے اور سارے زمین والے کسی ایک مومن کے خون کرنے میں شریک ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ جہنم میں گرادے گا۔ (ترمذی باب الحکم فی الدماء) مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے قتل میں ایک سے زیادہ افراد شریک ہوں اور ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اس قتل کی وجہ سے جہنم کا عذاب دیگا معلوم ہوا کہ اگر ایک شخص کے قتل میں کئی افراد شریک ہوں تو سب سے قصاص لیا جائے گا۔

(۳۲/۲۲۳۵) وَاِذَا قَتَلَ وَاحِدٌ جَمَاعَةً فَحَضَرَ اَوْلِيَاءُ الْمَقْتُوْلِيْنَ قُتِلَ لِجَمَاعَتِهِمْ وَلَا شَئَ لَهُمْ غَيْرَ ذٰلِكَ فَاِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قُتِلَ لَهُ وَسَقَطَ حَقُّ الْبَاقِيْنَ.

ترجمه: اگر قتل کیا ایک آدمی نے ایک جماعت کو پس حاضر ہوگئے مقتولین کے اولیا، تو قتل کیا جائے گا اس کو پوری جماعت کے لئے اور کچھ نہیں ہے ان کے لئے اس کے علاوہ اور اگر ان میں سے کوئی ایک حاضر ہوا تو قتل کیا جائے گا اس کے لئے اور باقی لوگوں کا حق ساقط ہوجائے گا۔

تشریح: ایک آدمی نے بیس آدمیوں کو قتل کردیا اس لئے قصاص کا ذمہ دار وہی ہے تو اگر تمام اولیاء جمع ہوجائیں تب بھی قصاص میں یہی ایک قاتل سب کے لئے ہوگا اور اس کے قتل سے سب کا قصاص ادا ہوجائے گا، اور چوں کہ اس میں دیت بھی نہیں ہے، اس لئے باقی لوگوں کو دیت بھی نہیں ملے گی اور اگر ان میں سے کوئی ایک حاضر ہوا اور قصاص لے لیا گیا تو بھی باقی لوگوں کا حق ساقط ہوجائے گا، اب باقی مقتولین کے ورثاء کو کچھ نہ ملے گا، اور نہ وہ کسی کو قتل کرسکیں گے۔

(۳۳/۲۲۳۶) وَمَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ فَمَاتَ سَقَطَ عَنْهُ الْقِصَاصُ.

ترجمه: جس پر قصاص واجب تھا وہ مر گیا تو اس سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: جس قاتل پر قصاص واجب تھا اور دیت دینا طے نہیں ہوا تھا تو اگر وہ قاتل مر جائے تو قصاص بھی ساقط ہو جائے گا کیوں کہ جب قاتل ہی نہیں رہا تو قصاص کس سے لیا جائے؟

(۳۴/۲۲۳۷) وَاِذَا قَطَعَ رَجُلَانِ يَدَ رَجُلٍ وَاحِدٍ فَلَا قِصَاصَ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَعَلَيْهِمَا نِصْفُ الدِّيَةِ.

ترجمه: اور جب کہ کاٹ دیا دو آدمیوں نے ایک آدمی کا ہاتھ تو ان دونوں میں سے کسی پر قصاص نہیں ہے بلکہ ان دونوں پر آدھی دیت ہوگی۔

تشریح: دو آمیوں نے چھری لے کر ایک شخص کے ہاتھ پر چلائی اور اس کا ہاتھ کٹ گیا تو ہمارے یہاں ان میں سے کسی ایک پر بھی قصاص نہ ہوگا البتہ دونوں پر ہاتھ کی دیت کا تاوان ہوگا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے جیسے دو آدمی مل کر کسی ایک کو قتل کر دیں تو دونوں سے قصاص لیا جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی دونوں سے ہاتھ کا قصاص لیا جائے گا، ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر ایک نے کچھ ہاتھ کاٹا ہے کیوں کہ چھری پر دونوں کا ہاتھ ہے اور جب ہر ایک نے کچھ ہاتھ کاٹا ہے اور ان دونوں کو سزا یہ ملے کہ ان کا پورا پورا ہاتھ کٹے تو مماثلت ختم ہوگئی حالانکہ قصاص میں برابری ضروری ہے۔

(۳۵/۲۲۳۸) وَاِنْ قَطَعَ وَاحِدٌ يَمِيْنَىْ رَجُلَيْنِ فَحَضَرَا فَلَهُمَا اَنْ يَقْطَعَا يَدَهٗ وَيَاْخُذَا مِنْهُ نِصْفَ الدِّيَةِ يَقْتَسِمَانِهَا نِصْفَيْنِ فَاِنْ حَضَرَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا فَقَطَعَ يَدَهٗ فَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ.

ترجمه: اور اگر کاٹ دے ایک آدمی دو آدمیوں کے داہنے ہاتھ پھر وہ دونوں حاضر ہو گئے تو ان دونوں کو حق ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹیں اور اس سے آدھی دیت لے لیں جس کو وہ دونوں آدھی آدھی تقسیم کر لیں اور اگر ان میں سے ایک آیا اور اس کا ہاتھ کاٹ لیا تو دوسرے کے لئے اس پر آدھی دیت ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے دو آدمیوں کے دائیں ہاتھ کاٹ ڈالے اب کاٹنے والے کے پاس دو دائیں ہاتھ نہیں ہیں کہ ان کو کاٹا جائے اس لئے دونوں کو یہ حق ہوگا کہ کاٹنے والے کا دایاں ہاتھ کاٹ لے جس سے دونوں کا نصف نصف حق وصول ہو جائے گا اور باقی آدھے آدھے حق کے لئے کاٹنے والے سے ایک ہاتھ کی دیت جو آدھی دیت ہوتی ہے وہ لے لے اور آپس میں آدھی آدھی تقسیم کر لیں، اور اگر ایک نے آکر قصاص کے طور پر قاطع کا ہاتھ کاٹ لیا بعد میں دوسرا آیا تو اس کے لئے آدھی دیت ہوگی۔

(۳۶/۲۲۳۹) وَإِذَا أَقَرَّ الْعَبْدُ بِقَتْلِ الْعَمَدِ لَزِمَهُ الْقَوَدُ.

ترجمہ: اور جب اقرار کرلے غلام قتل عمد کا تو لازم ہوگا اس پر قصاص۔

تشریح: غلام قتل عمد کا اقرار کرتا ہے تو اس کا اقرار معتبر ہوگا یا نہیں اس میں امام زفر کا قول یہ ہے کہ اگر اس کا اقرار معتبر ہو جائے تو غلام کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا اور آقا کا حق باطل ہو جائے گا اور جس اقرار میں آقا کا حق باطل ہوتا ہو وہاں اس کا اقرار معتبر نہیں ہوتا، ہمارا مذہب یہ ہے کہ اقرار صحیح ہے، اور غلام سے قصاص لیا جائے گا رہا آقا کے حق کا باطل ہونا تو وہ ضمنی چیز ہے، مقصود اصلی نہیں ہے۔

(۳۷/۲۲۴۰) وَمَنْ رَمٰى رَجُلاً عَمَداً فَنَفَذَ السَّهْمُ مِنْهُ اِلٰى آخَرَ فَمَاتَا فَعَلَيْهِ الْقِصَاصُ لِلْاَوَّلِ وَالدِّيَةُ لِلثَّانِيْ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ.

حل لغات: نفذ: آر پار ہو گیا۔ السهم: تیر۔

ترجمہ: کسی نے کسی شخص کو جان بوجھ کر تیر مارا وہ اس سے پار ہو کر دوسرے کے جا لگا اور دونوں مر گئے تو اس پر اول کے لئے قصاص اور دوسرے کے لئے اس کی برادری پر دیت ہے۔

تشریح: خالد نے ایک آدمی کو تیر مارا اس کو وہ تیر لگا اور اس کے بدن سے پار ہو کر دوسرے کو بھی لگا اور وہ بھی مر گیا اور اول بھی اب کیا حکم ہے؟

فرمایا پہلا قتل عمد ہے جان بوجھ کر تیر مارا ہے اس لئے اس کی وجہ سے قاتل پر قصاص لازم ہے اور دوسرا قتل خطاء ہے کیوں کہ اس کو مارنے کی نیت نہیں تھی اور قتل خطاء میں دیت واجب ہوتی ہے لہٰذا قتل اول کی وجہ سے قصاص واجب ہوگا اور قتل ثانی کی وجہ سے اس کی برادری پر دیت واجب ہوگی۔

كِتَابُ الدِّيَاتِ

(یہ کتاب دیتوں کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: اولاً قصاص کو بیان فرمایا ہے پھر دیت کو کیوں کہ قصاص اصل ہے اس میں زندگی اور جان کی حفاظت ہے اور دیت خلیفہ کے مثل ہے قصاص کے اقویٰ ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کیا ہے۔ (رقم الحاشیہ (۱)

دیت کی لغوی تحقیق: دیت جمع دیات، خون بہا دینا، دیت میں تا واو کے عوض میں ہے کیوں کہ یہ ودی سے مشتق ہے۔

اصطلاحی تعریف: شریعت میں اس مال کو کہتے ہیں جو نفس کا بدل قرار دیا گیا ہے اور اُرش اس مال کو کہتے ہیں جو نفس سے کم میں واجب ہوتا ہے۔

پھر دیات انواع کے اعتبار سے جمع لایا گیا چنانچہ دیت کبھی نفس کی ہوتی ہے اور کبھی اعضاء کی، پھر دیت دو قسم پر ہے: (۱) دیت مغلظہ (۲) مخففہ۔

دیت مغلظہ: صرف اونٹ میں ہوتی ہے یعنی چار قسم کے اونٹ ملا کر ایک سو اونٹ دیت مغلظہ ہے۔

دیت مخففہ: وہ ہے کہ جو سونے و چاندی سے دی جائے۔ (بیان آگے آرہا ہے)

دیت کا ثبوت: ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة الى اهله. (آیت ۹۲ سورۃ النساء)۔

جس نے مومن کو غلطی سے قتل کیا تو مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور دیت اس کے اہل کو دینا ہے آیت کے اس ٹکڑے سے دیت کا ثبوت ہے۔

(۱/۲۲۴۱) اِذَا قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلاً شِبْهَ عَمَدٍ فَعَلٰى عَاقِلَتِهٖ دِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ وَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ.

ترجمہ: اگر قتل کر دے کوئی آدمی کسی کو شبہ عمد سے تو اس کے کنبے کے لوگوں پر دیت مغلظہ ہے اور قاتل پر کفارہ۔

تشریح: قتل شبہ عمد کی دیت قاتل کے خاندان پر لازم ہوگی اور خود قاتل پر کفارہ لازم ہوگا کفارہ یہ ہے کہ اگر قدرت ہو تو مومن غلام آزاد کرے اور اگر غلام نہ ملے تو پھر دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے۔

(۲/۲۲۴۲) وَدِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ اَرْبَاعاً خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَخَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَخَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ حِقَّةً وَخَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ جَذَعَةً وَلَايَثْبُتُ التَّغْلِيْظُ اِلَّا فِى الْاِبِلِ خَاصَّةً فَاِنْ قُضِىَ بِالدِّيَةِ مِنْ غَيْرِ الْاِبِلِ لَمْ تَتَغَلَّظْ.

حل لغات: بنت مخاض: ایک سالہ اونٹنی۔ بنت لبون: دو سالہ اونٹنی۔ حقة: تین سالہ اونٹنی۔ جذعة: چار سالہ اونٹنی۔

ترجمہ: اور شبہ عمد کی دیت شیخین کے نزدیک سو اونٹ ہیں چار طرح کے پچیس بنت مخاض، پچیس بنت لبون، پچیس حقہ اور پچیس جذعہ اور نہیں ثابت ہوگی تغلیظ مگر صرف اونٹ میں اگر ادا کر دی گئی دیت اونٹ کے علاوہ سے تو وہ مغلظہ نہیں ہوگی۔

قتل شبہ عمد کی دیت کی مقدار

تشریح: شبہ عمد کی دیت میں سو اونٹ واجب ہوں گے جس میں حسب مذکور چار قسمیں ہوں گی اور شیخین کا مذہب یہ ہے کہ پچیس بنت مخاض پچیس بنت لبون پچیس حقے پچیس جذعے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ شبہ عمد کی دیت میں تغلیظ ہے حضرات شیخین نے چار قسم پر منقسم کرنے کو تغلیظ سمجھا امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک دیت مغلظہ اس طرح ہے تیس حقے تیس جذعے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں، اگر شافعیہ کے قول کے مطابق چالیس اونٹنیاں ایسی دی جائیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں تو اس صورت میں دیت سو اونٹ نہیں رہے گی بلکہ ایک سو چالیس اونٹ ہو جائے گی حالانکہ دیت سو اونٹ ہیں۔

(۳/۲۲۴۳) وَفِي قَتْلِ الْخَطَأِ تَجِبُ بِهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَالْكَفَّارَةُ عَلَى الْقَاتِلِ.

ترجمہ: اور قتل خطاء میں دیت عاقلہ پر واجب ہے اور کفارہ قاتل پر ہے۔

تشریح: آیت میں صراحۃً مذکور ہے کہ قتل خطاء میں دیت اور کفارہ واجب ہے لیکن کفارہ قاتل پر ہے اور دیت عاقلہ پر۔

(۴/۲۲۴۴) وَالدِّيَةُ فِي الْخَطَأِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَخْمَاساً عِشْرُوْنَ بِنْتُ مَخَاضٍ وَعِشْرُوْنَ ابْنُ مَخَاضٍ وَعِشْرُوْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَعِشْرُوْنَ حِقَّةٌ وَعِشْرُوْنَ جَذَعَةٌ وَمِنَ الْعَيْنِ أَلْفُ دِيْنَارٍ وَمِنَ الْوَرَقِ عَشَرَةُ آلَافِ دِرْهَمٍ.

حل لغات: عین: سونا۔ ورق: چاندی۔

ترجمہ: اور دیت قتل خطاء میں سو اونٹ ہیں پانچ طرح کے بیس بنت مخاض اور بیس ابن مخاض اور بیس بنت لبون اور بیس حقے اور بیس جذعے اور سونے سے ایک ہزار دینار ہیں اور چاندی سے دس ہزار درہم۔

قتل خطاء کی دیت کی مقدار

تشریح: قتل خطاء کی دیت اگر اونٹ سے ادا کرنی ہو تو اس کی مقدار سو اونٹ ہے جس کے اندر یہ پانچ قسم کے اونٹ ہوں گے جو یہاں مذکور ہیں اور اگر قتل خطاء کی دیت سونے سے ادا کرنا چاہیں تو ایک ہزار دینار اس کی مقدار ہے اور اگر چاندی سے ادا کریں تو اس کی مقدار دس ہزار درہم ہیں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ بارہ ہزار درہم ہیں اور سونے سے ایک ہزار دینار۔

(۵/۲۲۴۵) وَلَا يَثْبُتُ الدِّيَةُ إِلَّا مِنْ هٰذِهِ الْأَنْوَاعِ الثَّلٰثَةِ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰه تعالیٰ مِنْهَا وَمِنَ الْبَقَرِ مَائَتَا بَقَرَةٍ وَمِنَ الْغَنَمِ اَلْفَا شَاةٍ وَمِنَ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَان.

حل لغات: بقر: گائے، غنم: شاة، بکری، حلل: واحد حلة ایک قسم کی چادر اور لنگی ہو تو اس لباس کو حلہ کہتے ہیں اس میں دو کپڑے ہوتے ہیں۔

ترجمہ: اور نہیں ثابت ہوگی دیت مگر انہیں تین قسموں سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا ان سے بھی دیت ہے اور گائے سے دو سو گائیں اور بکری سے دو ہزار بکریاں اور جوڑوں میں سے دو سو جوڑے ہر جوڑا دو کپڑوں کا۔

دیت کن چیزوں سے ادا کرے

تشریح: جب قاتل دیت ادا کرے تو اس کو تین چیزوں میں اختیار ہے اونٹ سے دیت ادا کرے یا دینار سے یا دراہم سے اور ان تین چیزوں کے علاوہ سے دیت ادا نہ کرے گا اور یہ امام صاحبؒ کا مذہب ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں سے بھی مقرر مقدار کے مطابق دیت ادا کرسکتا ہے اور اگر گائے سے ادا کرے تو دو سو ہوں گی اور اگر بکریوں سے ادا کرے تو دو ہزار ہوں گی اور اگر جوڑے دے تو دو سو جوڑے ہوں گے جس میں ہر جوڑے میں دو کپڑے ہوں گے جو ہمارے عرف کے مطابق اس زمانہ میں ایک قمیص اور ایک ازار ہوگی۔

سوال: سوال یہ ہے کہ یہ صرف قتل خطاء کی دیت کا ذکر ہے یا شبہ عمد اور خطاء دونوں کی؟ تو اس بارے میں تحقیقی قول یہ ہے کہ دونوں کا ذکر ہے۔

یعنی امام صاحب کے نزدیک شبہ عمد اور خطاء دونوں کی دیت انواع ثلثہ سے ادا کی جاسکتی ہے اور صاحبین کے نزدیک دیگر ان چیزوں سے جو یہاں مذکور ہیں۔

سوال: مسئلہ (۲۲۲۴)(۲)۔ میں تو آیا تھا کہ شبہ عمد میں دیت مغلظہ واجب ہوگی اور تغلیظ صرف اونٹ میں ہوگی پھر یہ کیا ہوا؟

جواب: اس کا مطلب یہ تھا کہ تغلیظ کا تحقق صرف اونٹوں میں ہوگا کہ سو اونٹوں کو مذکورہ چار قسموں پر منقسم کیا جائے اور اگر دیت اونٹ کے علاوہ سے ادا ہو تو وہاں تغلیظ نہ ہوسکے گی بلکہ پھر شبہ عمد اور قتل خطاء کی دیت میں کچھ فرق نہ ہوگا کیوں کہ تغلیظ کا طریقہ صرف اونٹ میں منقول ہے، لہٰذا اگر قاضی نے اونٹ کے غیر میں تغلیظ کا فیصلہ کردیا تو منقول نہ ہونے کی وجہ سے تغلیظ ثابت نہ ہوگی اور قاضی کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا وہاں مصنف کی عبارت وَلَا يثبت التغليظ اِلٰى آخره کا یہی مطلب ہے خوب سمجھ لیں۔

(۲۲۴۶/۶) وَدِيَةُ الْمُسْلِمِ وَالذِّمِّيِّ سَوَاءٌ.

ترجمه: مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے۔

ذمی کی دیت کتنی ہے

تشریح: جو کافر دار الاسلام میں ٹیکس دے کر رہتا ہے اس کو ذمی کہتے ہیں اس کو اگر کوئی غلطی سے قتل کر دے تو اس کی دیت مسلمان ہی کی طرح سو اونٹ یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہیں، یہی جمہور علماء کا مذہب ہے دلیل قرآن کریم کی آیت ہے وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله. یعنی اگر ایسی قوم میں مقتول ہو کہ جس قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کی دیت اس کے خاندان والوں کے سپرد کر دی جائے گی اس آیت میں دیت کا لفظ مطلق ہے اور مسلمان کی دیت اور ذمی کی دیت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، بعض روایات میں ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے یا تو نصف قرار دیا گیا ہے یا ثلث اور بعض فقہاء نے ان کو اختیار کیا ہے، لیکن وہ تمام روایات اس آیت قرآنی کے مقابلہ میں مرجوح ہیں۔ (درس ترمذی ۵/۴۷)

(۲۲۴۷/۷) وَفِي النَّفْسِ الدِّيَةُ وَفِي الْمَارِنِ الدِّيَةُ وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَ فِي الْعَقْلِ إِذَا ضَرَبَ رَأْسَهُ فَذَهَبَ عَقْلُهُ الدِّيَةُ.

حل ترکیب: فی النفس: جار مجرور محل رفع میں ہے خبر ہونے کی وجہ سے اور 'الدیۃ' مبتدا موخر ہے تمام جملوں کی ترکیب اسی طرح ہے۔

ترجمه: جان میں پوری دیت ہے اور ناک کے نرم حصہ میں پوری دیت ہے اور زبان میں پوری دیت ہے اور عضو تناسل میں پوری دیت ہے اور عقل میں جب کسی کے سر پر مارے اور عقل ختم ہو جائے تو پوری دیت ہے۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی انسان کے عضو کے کٹنے سے اس عضو کی مکمل منفعت ختم ہو جائے یا اس سے جو خوبصورتی مقصود تھی وہ ختم ہو جائے تو پوری دیت لازم ہوگی جیسے ناک کاٹ دی تو خوبصورتی ختم ہونے کی وجہ سے گویا کہ انسان نہیں رہا یا زبان کاٹ دی یا ذکر کاٹ دیا تو ان کے کٹنے سے آدمی زندہ تو ہے لیکن بولنے کی منفعت یا صحبت کرنے کی منفعت ختم ہوگئی یا سر پر چوٹ ماری اور عقل ختم ہوگئی تو پوری دیت واجب ہوگی کیوں کہ عقل ہی کیوجہ سے آدمی اپنے نفس کو دنیوی اور اخروی ضروریات میں لگاتا ہے لہٰذا پوری دیت لازم ہوگی۔

(۲۲۴۸/۸) وَفِي اللِّحْيَةِ إِذَا حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتِ الدِّيَةُ وَفِي شَعْرِ الرَّأْسِ الدِّيَةُ وَفِي الْحَاجِبَيْنِ الدِّيَةُ.

حل لغات: اللحیة: ڈاڑھی جمع لُحیً۔ تنبت: مضارع باب (ن) نبتاً اگنا۔ شعر: بال۔ حاجبین: حاجب کا تثنیہ ہے بھوں ابرو۔

ترجمہ: اور ڈاڑھی میں جب کہ وہ مونڈ دی جائے پھر نہ اگے دیت ہے اور سر کے بال میں دیت ہے اور دونوں بھوؤں میں دیت ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کسی کی ڈاڑھی یا سر کے بال یا بھوؤں اس طرح مونڈ دیئے کہ دوبارہ نہیں اُگے تو حنفیہ کے نزدیک مونڈنے والے پر پوری دیت لازم ہوگی کیوں کہ خوبصورتی ختم ہونے کی وجہ سے گویا کہ انسان نہیں رہا۔

(۹/۲۲۴۹) وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الْيَدَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الرِّجْلَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الْأُذُنَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الْأُنْثَيَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي ثَدْيَي الْمَرْأَةِ الدِّيَةُ.

حل لغات: اذن: کان، شفتین: واحد شفة ہونٹ، انثیین: انثیة کا تثنیہ ہے، خصیہ۔ ثدي: تثنیہ اصل میں ثَدْيَيْنِ تھا واحد ثَدْيٌ پستان۔

ترجمہ: اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے دونوں ہاتھوں میں دیت ہے دونوں پاؤں میں دیت ہے، دونوں کانوں میں دیت ہے دونوں ہونٹوں میں دیت ہے دونوں خصیوں میں دیت ہے اور عورت کی دونوں پستانوں میں دیت ہے۔

تشریح: یہ اعضاء دونوں ختم ہو جائیں تو انسان کی منفعت ختم ہو جاتی ہے اس لئے پوری دیت لازم ہوگی۔

(۱۰/۲۲۵۰) وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ نِصْفُ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور ان میں سے ہر ایک میں آدھی دیت ہے۔

تشریح: انسان کے جو اعضاء مفرد ہیں جیسے ناک زبان عضو تناسل ان میں پوری دیت ہے اور جو دو دو ہیں جیسے آنکھ ہاتھ پاؤں پستان بھوں وغیرہ تو دونوں کے کاٹنے میں پوری دیت ہے اور ایک کے کاٹنے میں آدھی دیت ہے۔

(۱۱/۲۲۵۱) وَفِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي أَحَدِهِمَا رُبُعُ الدِّيَةِ.

حل لغات: اشفار: واحد شُفرۃ شین کے ضمہ اور فتحہ دونوں طرح مستعمل ہے، پلک کی جڑ یعنی جہاں پلکیں اگتی ہیں اور پلکیں بھی مراد ہو سکتی ہیں دونوں کا حکم ایک ہے۔

ترجمہ: دونوں آنکھوں کی پلکوں میں پوری دیت ہے اور ان میں سے ایک میں چوتھائی ہے۔

تشریح: اگر کسی نے پوری پلکیں کاٹ دیں اور پھر نہ اُگے تو پوری دیت واجب ہوگی اور اگر ایک کاٹی تو پوری دیت کا ۱/۴ واجب ہوگی تمام پلکوں کے کاٹنے سے پوری دیت اس لئے لازم ہوگی کہ جنس منفعت بھی فوت ہوگئی اور خوبصورتی بھی ختم ہوگئی پلکوں کی منفعت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ تکلیف دہ چیز مثلاً گرد وغبار سے آنکھوں کی حفاظت ہوتی ہے، اور اگر پلکیں اور جڑیں دونوں کاٹ دیں تو اب بھی ایک ہی دیت واجب ہوگی۔

(۱۲/۲۲۵۲) وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ مِّنْ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ عُشْرُ الدِّيَةِ وَالْأَصَابِعُ كُلُّهَا سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور دونوں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر انگلی میں دیت کا دسواں حصہ ہے اور تمام انگلیاں برابر ہیں۔

تشریح: ایک ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں اور دو میں دس اور اسی طرح دونوں پیروں میں دس اور دونوں ہاتھوں میں یا ان کی دسوں انگلیوں میں پوری دیت واجب ہوتی ہے اور ہر انگلی تمام انگلیوں کا دسواں ہیں لہٰذا ہر انگلی میں پوری دیت کا عشر ۱/۱۰ یعنی دس اونٹ ہوں گے اور تمام انگلیاں حکماً برابر ہیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔

(۱۳/۲۲۵۳) وَفِي كُلِّ اِصْبَعٍ فِيهَا ثَلَاثَةُ مَفَاصِلَ فَفِي اَحَدِهَا ثُلُثُ دِيَةِ الْاِصْبَعِ وَمَا فِيهَا مِفْصَلَانِ فَفِي اَحَدِهِمَا نِصْفُ دِيَةِ الْاِصْبَعِ.

حل لغت: مفاصل: واحد مفصل گرہ، جوڑ۔

ترجمہ: اور ہر اس انگلی میں جس میں تین جوڑ ہوں تو ایک جوڑ میں انگلی کی دیت کا تہائی ہے اور وہ انگلی جس میں دو جوڑ ہوں تو ایک جوڑ میں انگلی کی دیت کا آدھا ہوگا۔

تشریح: جن انگلیوں میں تین گرہیں ہیں اگر ان میں سے ایک گرہ کٹ جائے تو ایک انگلی کی دیت جو دس اونٹ ہیں اس کی تہائی دیت یعنی تین اونٹ اور ایک اونٹ کی تہائی لازم ہوں گے اور جس انگلی میں صرف دو جوڑ ہیں جیسے انگوٹھا تو ایک جوڑ کٹنے سے ایک انگلی کی آدھی دیت یعنی پانچ اونٹ یا ۵۰ دینار یا ۵۰۰ سو درہم لازم ہوں گے۔

(۱۴/۲۲۵۴) وَفِي كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الْاِبِلِ وَالْاَسْنَانُ وَالْاَضْرَاسُ كُلُّهَا سَوَاءٌ.

حل لغات: سِنٌّ: دانت جمع اسنان۔ اضراس: واحد ضِرْسٌ ڈاڑھ۔

ترجمہ: اور ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں، دانت اور ڈاڑھیں سب برابر ہیں۔

تشریح: اگر کسی نے کسی کا دانت توڑ دیا تو ہر دانت میں پانچ اونٹ یا یا پچاس دینار یا ۵۰۰ سو درہم لازم ہوں گے پھر دانت سب برابر ہیں خواہ انیاب (نوک دار) ہوں یا اضراس (ڈاڑھ)

(۱۵/۲۲۵۵) وَمَنْ ضَرَبَ عُضْوًا فَاَذْهَبَ مَنْفَعَتَهُ فَفِيهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ كَمَا لَوْ قَطَعَهُ كَالْيَدِ اِذَا شَلَّتْ وَالْعَيْنِ اِذَا ذَهَبَ ضَوْؤُهَا.

حل لغات: شلت: ماضی باب (ن) شلاً خشک ہونا لنجا ہونا۔ ضوء: روشنی۔

ترجمہ: جس نے کسی کے عضو پر مارا اور اس کی منفعت کو ختم کر دیا تو اس میں مکمل دیت ہے جیسے اس کے کاٹ دینے میں ہے جیسے ہاتھ جب شل ہو جائے اور جیسے آنکھ جب اس کی روشنی جاتی رہے۔

تشریح: کسی نے کسی کے عضو پر مار کر اس کی منفعت کو ختم کر دیا ہے مثلاً ہاتھ پر مارا جس کی وجہ سے ہاتھ تو

باقی رہا لیکن ہاتھ شل ہو گیا اور کسی کام کا نہیں رہا تو یوں سمجھا جائے گا کہ ہاتھ کٹ گیا اس ہاتھ کی پوری دیت لازم ہوگی یا آنکھ پر مارا اور آنکھ موجود ہے لیکن بینائی ختم ہوگئی تو ایک آنکھ کی پوری دیت پچاس اونٹ لازم ہوں گے۔

(۱۶/۲۲۵۶) وَالشِّجَاجُ عَشَرَةُ الْحَارِصَةُ وَالدَّامِعَةُ وَالدَّامِيَةُ وَالْبَاضِعَةُ وَالْمُتَلَاحِمَةُ وَالسِّمْحَاقُ وَالْمُوْضِحَةُ وَالْهَاشِمَةُ وَالْمُنَقِّلَةُ وَالْآمَّةُ.

ترجمہ: اور زخم دس ہیں حارصہ، دامعہ، دامیہ باضعہ، متلاحمہ، سمحاق، موضحہ، ہاشمہ، منقلہ، آمہ۔

زخموں کی دیت کے احکام

تشریح: ان زخموں کی تشریح اس طرح ہے، جو زخم سر اور چہرہ پر ہو اس کو شجہ کہتے ہیں اس کی جمع شجاج ہے اور جو زخم سر اور چہرہ کے علاوہ ہو اس کو جراحت کہتے ہیں۔

حارصہ: جس میں کھال چھل جائے۔ **دامعة**: **دمع** سے مشتق ہے آنسو، جس زخم میں آنسو کے مانند خون ظاہر ہو جائے مگر بہے نہیں، **دامیہ، دم**: سے مشتق ہے، جس زخم میں خون بہہ جائے۔ **باضعہ**: **بضع** سے مشتق ہے چیرنا کاٹنا جس میں کھال کٹ جائے۔ **متلاحمة**: جس میں گوشت کٹ جائے، **سمحاق**: سر کی ہڈی اور گوشت کے درمیان باریک سی جھلی ہوتی ہے اس کو **سمحاق** کہتے ہیں وہ زخم جو اس جھلی تک پہنچ جائے۔ **موضحہ**: وضح سے مشتق ہے، وہ زخم جس میں ہڈی کھل جائے۔ **ہاشمہ**: **ہشم** کا ترجمہ ہے چورا چورا کرنا وہ زخم جو ہڈی توڑ دے۔ **منقلہ**: نقل سے مشتق ہے جو ہڈی کو اس کی جگہ سے سرکا دے۔ **آمہ**: دماغ یا ہڈی کے اندر وہ پردہ جس کے اندر دماغ ہوتا ہے وہ زخم جو اس پردہ تک پہنچ جائے جس کے اندر دماغ ہوتا ہے۔

(۱۷/۲۲۵۷) فَفِي الْمُوْضِحَةِ الْقِصَاصُ اِنْ كَانَتْ عَمَدًا وَلَاقِصَاصَ فِي بَقِيَّةِ الشِّجَاجِ.

ترجمہ: موضحہ میں قصاص ہے اگر جان بوجھ کر ہو اور قصاص نہیں باقی زخموں میں۔

تشریح: اقسام عشرہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان میں سے ساتواں موضحہ ہے اگر یہ زخم عمداً ہو تو اس میں قصاص واجب ہوگا کیوں کہ موضحہ ایسا زخم ہے کہ اس کا قصاص برابر سرابر ہو سکتا ہے موضحہ کے علاوہ باقی نو میں قصاص نہیں ہے بلکہ حاکم کا فیصلہ ہے، موضحہ کے بعد جو تین زخم مذکور ہیں ان میں تو بالاتفاق قصاص نہیں ہے اور جو زخم موضح سے پہلے ہیں ان میں امام صاحب کی ایک روایت یہ ہے کہ ان میں بھی قصاص نہ ہوگا اسی روایت کو صاحب کتاب نے یہاں اختیار کیا ہے مگر ظاہر الروایت میں قصاص واجب ہوگا اور اصح یہی ہے، زیلعی ج ۶ ص ۱۳۳۔

مگر سمحاق میں بالاتفاق قصاص نہ ہوگا جیسے موضحہ سے بعد والے تین میں بالاجماع قصاص نہیں ہے، فتامل.

(۱۸/۲۲۵۸) وَفِي مَادُوْنَ الْمُوْضِحَةِ فَفِيْهِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ.

ترجمہ: اور موضحہ سے کم زخم میں عادل آدمی کا فیصلہ ہے۔
تشریح: جس روایت کے مطابق مادون الموضحہ میں قصاص واجب نہیں ہوا تو اس میں ایک عادل شخص کا فیصلہ ہے۔

(۲۲۵۹/۱۹) وَفِي الْمُوْضِحَةِ اِنْ كَانَتْ خَطَأً نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور موضحہ میں اگر وہ خطاء ہو دیت کے عشر کا نصف (بیسواں حصہ) ہے۔
تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ موضحہ زخم اگر جان بوجھ کر کرے تو قصاص لازم ہے اور اگر غلطی سے ہو جائے تو پھر پوری دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ لازم ہوں گے۔

(۲۲۶۰/۲۰) وَفِي الْهَاشِمَةِ عُشْرُ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور ہاشمہ میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔
تشریح: پوری دیت کا دسواں حصہ دس اونٹ ہوتے ہیں اس لئے ہاشمہ میں دس اونٹ لازم ہوں گے۔

(۲۲۶۱/۲۱) وَفِي الْمُنَقِّلَةِ عُشْرُ وَنِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور منقلہ میں دیت کا دسواں حصہ اور دسویں حصہ کا آدھا ہے۔
تشریح: پوری دیت کا دسواں حصہ دس اونٹ اور دس کا آدھا پانچ تو منقلہ میں پندرہ (۱۵) اونٹ دیت ہوگی۔

(۲۲۶۲/۲۲) وَفِي الْآمَّةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور آمہ میں دیت کا تہائی ہے۔
تشریح: پوری دیت سو اونٹ ہیں اس کی تہائی تینتیس (۳۳) اونٹ اور ایک اونٹ کی تہائی ہوگی۔

(۲۲۶۳/۲۳) وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ فَاِنْ نَفَذَتْ فَهِيَ جَائِفَتَانِ فَفِيْهِمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ.

حل لغات: جائفه: جوف سے مشتق ہے پیٹ کے اندر تک پہنچ جانا ایسا زخم جو پیٹ یا پیٹھ یا سینہ کی جانب سے پیٹ کے اندر تک یا گردن کی طرف سے اس جگہ تک پہنچ جائے جہاں تک پانی جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔
نفذت: آر پار ہو گیا۔
ترجمہ: اور جائفہ میں تہائی دیت ہے پھر اگر آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفے ہیں ان میں دو تہائی دیت ہوگی۔
تشریح: سوال: یہاں تو شجاج کا ذکر چل رہا ہے تو جائفہ کا ذکر کیوں آ گیا؟
جواب: صاحب نہایہ نے کہا ہے کہ یہ ذکر یہاں اتفاقاً آ گیا ہے ورنہ شجاج صرف اس زخم کو کہتے ہیں جو سر اور

چہرہ میں ہوتا ہے، خیر جائفہ میں تہائی دیت واجب ہوگی جب کہ زخم پار نہ ہوا ہو ورنہ اگر دوسری جانب پار ہوگیا تو پھر دیت کے دو ثلث یعنی ٦٦ اونٹ اور ایک اونٹ کی دو تہائی لازم ہوگی۔

(۲۲۶۴/۲۴) وَفِي أَصَابِعِ الْيَدِ نِصْفُ الدِّيَةِ فَإِنْ قَطَعَهَا مَعَ الْكَفِّ فَفِيهَا نِصْفُ الدِّيَةِ.

حل لغات: کف: ہتھیلی مع انگلیوں کے جمع کُفُوْف.

ترجمہ: ایک ہاتھ کی ساری انگلیوں میں آدھی دیت ہے پھر اگر کاٹیں انگلیاں مع ہتھیلی کے تو اس میں بھی آدھی دیت ہے۔

قطعِ اعضاء کے مختلف مسائل

تشریح: ہر ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں اور ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں اس لئے پانچ انگلیوں کی دیت پچاس اونٹ ہوئے اور پچاس اونٹ ایک ہاتھ کی دیت ہے اور اگر کسی نے ایک ہاتھ کی ساری انگلیاں مع ہتھیلی کے کاٹ دیں تو اس میں بھی آدھی دیت ہے کیوں کہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے۔

(۲۲۶۵/۲۵) وَإِنْ قَطَعَهَا مَعَ نِصْفِ السَّاعِدِ فَفِي الْكَفِّ نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي الزِّيَادَةِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ.

ترجمہ: اور اگر کاٹا انگلیوں کو آدھی کلائی کے ساتھ تو ہتھیلی میں آدھی دیت ہے، اور اس سے زیادہ میں حاکم کا فیصلہ۔

تشریح: کسی نے کسی کی ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں کاٹ دیں اور ہتھیلی بھی کاٹی اور آدھی کلائی بھی کاٹی تو اس میں طرفین کا مذہب یہ ہے کہ انگلیاں اور ہتھیلی کی وجہ سے تو آدھی دیت واجب کردی جائے گی اور جو آدھی کلائی کاٹی ہے اس میں عادل شخص جو فیصلہ کرے گا وہ معتبر ہوگا۔

(۲۲۶۶/۲۶) وَفِي الْإِصْبَعِ الزَّائِدَةِ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ.

ترجمہ: اور زائد انگلی میں ایک عادل کا فیصلہ ہے۔

تشریح: پانچ انگلیوں کے علاوہ چھٹی انگلی بھی ہے تو اس کو کاٹنے سے حاکم جتنی رقم کا فیصلہ کرے وہ لازم ہوگی کیوں کہ اس انگلی میں نہ زینت ہے اور نہ اس میں نفع ہے لیکن آدمی کا جز ہے اس لئے کچھ نہ کچھ لازم ہوگا۔

(۲۲۶۷/۲۷) وَفِي عَيْنِ الصَّبِيِّ وَلِسَانِهِ وَذَكَرِهِ إِذَا لَمْ يُعْلَمْ صِحَّتُهُ حُكُوْمَةُ عَدْلٍ.

ترجمہ: بچہ کی آنکھ اس کی زبان اور اس کے ذکر میں جب کہ ان کی صحت کا علم نہ ہو ایک عادل کا فیصلہ ہے۔

تشریح: جب بچہ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ دیکھتا ہے اور گفتگو کرتا ہے اور اس کا ذکر حرکت کرتا ہے تو یہ ان اعضاء کی تندرستی کی علامت ہے لہٰذا ایسی صورت میں بالاتفاق دیت کاملہ واجب ہوگی لیکن اگر ابھی ان اعضاء کی تندرستی معلوم نہیں ہوئی تھی کہ کسی نے ان کو کاٹ دیا تو ان کے کاٹنے سے ایک عادل شخص جتنی رقم کا فیصلہ کرے وہ لازم ہوگی۔

(۲۲۶۸/۲۸) وَمَنْ شَجَّ رَجُلاً مُوْضِحَةً فَذَهَبَ عَقْلُهُ اَوْ شَعْرُ رَأْسِهٖ دَخَلَ اَرْشُ الْمُوْضِحَةِ فِي الدِّيَةِ.

ترجمہ: کسی نے کسی کے سر پر زخم لگایا جس کی وجہ سے اس کی عقل چلی گئی یا اس کے سر کے بال اڑ گئے تو موضحہ کا تاوان دیت میں داخل ہو جائے گا۔

تشریح: سر پھوڑنے سے اگر عقل زائل ہوگئی تو پوری دیت واجب ہے اور جب پوری دیت واجب ہوگئی تو موضحہ کا ارش کچھ نہ ہوگا اسی طرح اگر سر زخمی کیا جس کی وجہ سے پورے بال ختم ہو گئے تو پوری دیت واجب ہوگی اب موضحہ کا ارش کچھ نہ ہوگا۔

وارش الموضحه: یہاں موضحہ سے مراد اصطلاحی موضحہ (جس میں ہڈی کھل جائے) نہیں ہوسکتا ورنہ اس کے تاوان کا مدار بالوں پر نہیں ہے اور اسی طرح بال اُگنے سے یا زخم سے یا زخم بھر جانے سے اس کا ارش ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ یہاں ضروری ہے کہ موضحہ سے مراد ان بالوں کا ختم ہونا لیا جائے جو کچھ ختم ہوں، اور نہ اُگے جس میں حکومت عدل واجب ہے اور اگر اُگ جائیں تو کچھ بھی واجب نہیں ہوتا اور دیت سے پورے بالوں کی دیت ہے اب مسئلہ یہ نکلا کہ زخم کیوجہ سے فوراً کچھ بال ختم ہو گئے پھر اس کے اثر سے سارے بال ختم ہو گئے تو اب اس پر پوری دیت واجب ہے اور پہلے بال ختم ہونے کی وجہ سے جو حکومت عدل واجب تھی وہ چوں کہ قلیل ہے لہٰذا وہ کثیر میں داخل ہو جائے گی۔

(۲۲۶۹/۲۹) وَاِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ اَوْ بَصَرُهُ اَوْ كَلَامُهُ فَعَلَيْهِ اَرْشُ الْمُوْضِحَةِ مَعَ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور اگر (مارنے سے) اس کے سننے یا دیکھنے یا بولنے کی قوت جاتی رہی تو اس پر موضحہ کا ارش ہے دیت کے ساتھ ساتھ۔

تشریح: سر پر اس طرح مارا کہ سننے یا دیکھنے یا بولنے کی قوت ختم ہوگئی تو اب کیا حکم ہے؟ تداخل ہوگا یا نہیں تو اس بارے میں فرماتے ہیں کہ موضحہ کا تاوان الگ لازم ہوگا اور یہ اعضاء جو ضائع ہوئے ہیں ان کی الگ الگ پوری دیت لازم ہوگی اس لئے کئی دیات لازم ہوں گی۔

(۲۲۷۰/۳۰) وَمَنْ قَطَعَ اِصْبَعَ رَجُلٍ فَشَلَّتْ اُخْرىٰ اِلَى جَنْبِهَا فَفِيْهِمَا الْاَرْشُ وَلَاقِصَاصَ فِيْهِ

عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی .

حل لغات: شلت: سوکھ گئی۔ جنب: پہلو برابر۔

ترجمہ: کسی نے کاٹ دی ایک شخص کی انگلی پھر سوکھ گئی دوسری انگلی اس کے برابر کی تو ان میں ارش ہے اور قصاص نہیں ہے اس میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

تشریح: ایک انگلی کاٹی برابر میں دوسری بھی سوکھ گئی تو قاعدے کے اعتبار سے پہلی انگلی کا تعمد ہے اور دوسری کا سوکھ جانا خطاء کے درجہ میں ہے اس لئے اول میں قصاص اور ثانی میں دیت ہونی چاہئے مگر امام صاحب فرماتے ہیں کہ پہلی انگلی میں بھی قصاص نہ ہوگا بلکہ دونوں میں ارش ہوگا کیوں کہ قصاص میں برابری ضروری ہے اور یہاں ایسا ہونا ناممکن ہے کہ قصاص میں ایک انگلی کاٹے تو دوسری انگلی سوکھ جائے چوں کہ ایسی برابری ممکن نہیں اس لئے قصاص بھی نہیں ہے بلکہ تاوان ہوگا۔

(۳۱/۲۲۷۱) وَمَنْ قَطَعَ سِنَّ رَجُلٍ فَنَبَتَتْ مَكَانَهَا اُخْرٰی سَقَطَ الْاَرْشُ .

ترجمہ: کسی نے ایک کا دانت اکھاڑ دیا پھر اس کی جگہ دوسرا دانت نکل آیا تو ارش ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: چھوٹے بچوں کے دانت گر کر دوسرے جمتے ہیں لیکن بڑوں کے نہیں جمتے لہٰذا اگر کسی نے بچہ کا دانت توڑا اور دوسرا دانت جم گیا تو اس میں نہ زینت ختم ہوئی اور نہ منفعت اس لئے اس میں تاوان واجب نہ ہوگا اور اگر کسی بڑے آدمی کا دانت توڑا ہو اور اس کی جگہ دوسرا دانت جم گیا ہو تو اس میں اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک تاوان نہ ہوگا کیوں کہ جب دوسرا جم گیا تو جنایت کے معنی ختم ہو گئے اور صاحبین کے نزدیک مکمل تاوان واجب ہوگا کیوں کہ مجرم کی طرف سے تو کامل جنایت ہے اور اس عمر میں دانت کا جمنا وہ اللہ کی جدید نعمت ہے لہٰذا مجرم پر پانچ اونٹ لازم ہوں گے ورنہ ہر آدمی دوسرے کا دانت توڑے گا اور ظلم بڑھے گا۔

(۳۲/۲۲۷۲) وَمَنْ شَجَّ رَجُلًا فَالْتَحَمَتِ الْجِرَاحَةُ وَلَمْ يَبْقَ لَهَا اَثَرٌ وَنَبَتَ الشَّعْرُ سَقَطَ الْاَرْشُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ اَرْشُ الْاَلَمِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ اُجْرَةُ الطَّبِيْبِ.

حل لغات: التحمت: لحم سے مشتق ہے گوشت آ گیا زخم بھر گیا۔ جراحۃ: زخم۔ اثر: نشان۔ نبت: اگ گیا۔ الالم: تکلیف۔ طبیب: ڈاکٹر جمع اطباء۔

ترجمہ: کسی نے کسی کا سر پھوڑ دیا پھر زخم بھر گیا اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا اور بال جم گئے تو ارش ساقط ہو جائے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور امام ابویوسفؒ نے فرمایا اس پر درد کا تاوان واجب ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اس

پر ڈاکٹر کی اجرت ہوگی۔

تشریح: ایک آدمی نے دوسرے کے سر میں کوئی زخم لگایا اور وہ بالکل اچھا ہوگیا یہاں تک کہ اس کا کوئی نشان بھی نہیں رہا تو امام صاحب کے نزدیک کوئی تاوان واجب نہ ہوگا کیوں کہ جس عیب کی وجہ سے تاوان ہوتا ہے وہ عیب ہی ختم ہوگیا ہے امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر چہ عیب وغیرہ سب ختم ہوگیا لیکن اس تکلیف کی وجہ سے جو اس کو ہوئی تھی اور اس کی جو صحت متاثر ہوئی تھی اس کا بدل ایک عادل کا فیصلہ ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مارنے والے کے اوپر ڈاکٹر کی فیس اور دوا کا خرچ ہوگا کیوں کہ یہ سب نقصان اس کے مارنے سے ہوا ہے۔

(۳۳/۲۲۷۳) وَمَنْ جَرَحَ رَجُلاً جَرَاحَةً لَمْ يُقْتَصَّ مِنْهُ حَتّٰى يَبْرَأَ.

ترجمہ: کسی نے کسی کو زخمی کیا تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔

تشریح: اگر جان بوجھ کر قتل کر دیا تب تو فوری طور پر قصاص لیا جائے گا لیکن اگر ایسا زخم لگایا کہ اس کا قصاص لیا جا سکتا ہے تو قصاص کے لئے زخم ٹھیک ہونے تک انتظار کیا جائے گا کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ اچھا ہو جائے اور ہو سکتا ہے کہ موت تک نوبت پہنچ جائے اس لئے فی الحال قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ جب وہ اچھا ہو جائے تب قصاص لیا جائے گا۔

(۳۴/۲۲۷۴) وَمَنْ قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ خَطأً ثُمَّ قَتَلَهٗ خَطأً قَبْلَ الْبُرْءِ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ وَسَقَطَ اَرْشُ الْيَدِ وَاِنْ بَرَءَ ثُمَّ قَتَلَهٗ فَعَلَيْهِ دِيَتَانِ دِيَةُ نَفْسٍ وَدِيَةُ الْيَدِ.

ترجمہ: کسی نے ایک کا ہاتھ خطأً کاٹا پھر اس کو خطأً قتل کر دیا اچھا ہونے سے پہلے تو اس پر دیت ہوگی اور ہاتھ کا تاوان ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ اچھا ہو گیا پھر قتل کیا تو اس پر دو دیتیں ہوں گی دیت نفس اور دیت ید۔

تشریح: زید نے عمرو کا ہاتھ غلطی سے کاٹ دیا پھر وہ اچھا بھی نہیں ہوا تھا کہ پھر غلطی سے اس کو قتل کر دیا تو اب ہاتھ کی دیت (پچاس اونٹ) ساقط ہو جائے گی اور نفس کی دیت یعنی سو اونٹ واجب ہوں گے، کیوں کہ دونوں جنایت خطأً ہونے کی وجہ سے جنس واحد ہیں اس لئے الگ سے ہاتھ کا تاوان لازم نہیں ہوگا، اور اگر ہاتھ اچھا ہو چکا تھا پھر خطأً قتل کر دیا تو ہاتھ کا تاوان (پچاس اونٹ) الگ لازم ہوگا اور جان کی دیت (سو اونٹ) الگ لازم ہوگی۔

(۳۵/۲۲۷۵) وَكُلُّ عَمْدٍ سَقَطَ فِيْهِ الْقِصَاصُ بِشُبْهَةٍ فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ وَكُلُّ اَرْشٍ وَجَبَ بِالصُّلْحِ وَالْاِقْرَارِ فَهُوَ فِيْ مَالِ الْقَاتِلِ.

ترجمہ: اور ہر قتل عمد جس میں ساقط ہو جائے قصاص شبہ کی وجہ سے تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی اور ہر وہ

ارش جو واجب ہو صلح اور اقرار کی وجہ سے تو وہ بھی قاتل کے مال میں ہوگی۔

قاتل پر اور عاقلہ پر دیت واجب ہونے کی صورتوں کا بیان

تشریح: اس عبارت میں ایک قاعدہ بیان کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ جہاں قتل عمد میں کسی شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے جیسے اگر باپ نے بیٹے کو قتل کردیا ہو تو ایسی دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی یہ دیت عاقلہ اور خاندان پر لازم نہیں ہوگی عاقلہ پر تو وہ دیت لازم ہوتی ہے جو قتل خطاء شبہ خطاء یا قتل شبہ عمد کی وجہ سے واجب ہو یہ دیت تین سال میں ادا کی جائے گی اسی طرح کسی مال پر قاتل نے صلح کرلی تو وہ مال عاقلہ پر لازم نہیں ہوگا بلکہ خود قاتل پر لازم ہوگا یا قاتل نے کسی مال کا اقرار کیا تو یہ مال بھی عاقلہ پر نہیں بلکہ قاتل پر لازم ہوگا، اور فی الفور ادا کرنا ہوگا کیوں کہ جو مال عقد کی وجہ سے واجب ہو اس میں اصل یہی ہے کہ وہ فی الفور ہو اور عاقد پر ہو۔

(۲۲۷۶/۳۶) وَإِذَا قَتَلَ الْأَبُ ابْنَهُ عَمْدًا فَالدِّيَةُ فِيْ مَالِهِ فِيْ ثَلٰثِ سِنِيْنَ وَكُلُّ جِنَايَةٍ اِعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِيْ فَهِيَ فِيْ مَالِهِ وَلَا يُصَدَّقُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ.

لغت: جانی: جرم کرنے والا۔

ترجمہ: اور جب قتل کردیا باپ نے اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر تو دیت اس کے مال میں ہوگی تین سال میں اور ہر وہ جنایت جس کا اقرار کرے قصوروار تو وہ اس کے مال میں ہوگی اور نہیں تصدیق کی جائے گی اس کے عاقلہ پر۔

تشریح: باپ نے اپنے بیٹے کو قتل کردیا تو قصاص نہیں ہے بلکہ دیت واجب ہے پھر ہمارا مذہب یہ ہے کہ یہ دیت مؤجل ہے جس کی ادائیگی تین سال میں کرنی پڑے گی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دیت فوراً دینی ہوگی کیونکہ یہ قتل عمد کی دیت ہے قتل خطاء کی دیت نہیں ہے۔ تین سال کی مہلت قتل خطاء میں ملتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر مجرم نے خود جنایت کا اقرار کیا ہو تو اس کا اقرار عاقلہ کے خلاف حجت نہ ہوگا یہ جرمانہ مقر اپنے مال سے ادا کرے گا۔

(۲۲۷۷/۳۷) وَعَمْدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ خَطَأٌ وَفِيْهِ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ.

ترجمہ: بچہ اور مجنون کا عمد بھی خطاء ہے اور اس میں دیت عاقلہ پر ہے۔

تشریح: قتل عمد میں اگر شبہ ہو جائے تو جو دیت واجب ہوگی وہ قاتل کے مال میں ہوگی جیسا کہ مسئلہ (۳۵) میں گذرا ہے لیکن اگر بچہ یا مجنون نے جان بوجھ کر کسی کو قتل کردیا تو قصاص نہیں ہے کیوں کہ بچے اور مجنوں میں عقل نہیں ہوتی وہ غیر مکلف ہیں اور اگر خطاء قتل کیا ہو تو بھی یہی حکم ہے لیکن اب سوال یہ ہے کہ یہ دیت بچہ اور مجنون کے مال میں ہوگی یا عاقلہ پر؟ ہمارے نزدیک اس کا وجوب عاقلہ پر ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا وجوب قاتل کے مال میں ہے، ہم نے ان کے عمد کو خطأً قرار دیا ہے اور خطاء کی دیت عاقلہ پر ہے لہٰذا یہاں بھی دیت عاقلہ پر واجب ہوگی۔

(۲۲۷۸/۳۸) وَمَنْ حَفَرَ بِيْرًا فِيْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ وَضَعَ حَجَرًا فَتَلَفَ بِذَالِكَ اِنْسَانٌ فَدِيَتُهٗ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ وَاِنْ اَتْلَفَ بِهٖ بَهِيْمَةً فَضَمَانُهَا فِيْ مَالِهٖ.

حل لغات: حفر: ماضی مصدر حفراً کھودنا۔ بھیمة: چوپایہ۔

ترجمہ: اور جس نے کنواں کھودا مسلمانوں کے راستہ میں یا کوئی پتھر رکھا اور اس کی وجہ سے کوئی انسان ہلاک ہوگیا تو اس کی دیت اس کے عاقلہ پر ہے اور اگر اس کی وجہ سے کوئی جانور ہلاک ہوگیا تو اس کا ضمان کھودنے والے کے مال میں ہے۔

تشریح: اگر کسی نے مسلمانوں کی زمین میں کنواں کھودا یا پتھر رکھ دیا جس میں کوئی انسان یا کوئی چوپایہ گر کر یا ٹھوکر لگ کر مرگیا تو دونوں صورتوں میں ضمان واجب ہوگا کیوں کہ یہ اس کی زیادتی ہے کہ اس نے راستہ میں یہ حرکت کی ہے لیکن آدمی کی دیت عاقلہ پر ہوگی اور چوپایہ کی قیمت خود کھودنے والے یا پتھر رکھنے والے کے مال میں لازم ہوگی۔

(۲۲۷۹/۳۹) وَاِنْ اَشْرَعَ فِي الطَّرِيْقِ رُوْشَنًا اَوْمِيْزَابًا فَسَقَطَ عَلٰى اِنْسَانٍ فَعَطِبَ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ.

حل لغات: اشرع بابه: دروازہ نکالنا۔ روشنا: جنگلہ۔ میزاب: پرنالہ۔ عطب: ہلاک ہوگیا۔

ترجمہ: اور اگر نکالا راستہ کی طرف جنگلہ یا پرنالہ پھر وہ گرگیا کسی آدمی پر اور ہلاک ہوگیا تو دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

تشریح: راستہ کی طرف روشندان نکالا یا پرنالہ نکالا وہ کسی انسان پر گرگیا اور وہ مرگیا تو یہ براہ راست نہیں مارا بلکہ ایک سبب اختیار کیا جس سے انسان مرگیا اس لئے قتل خطاء کی طرح دیت اس کے عاقلہ پر ہوگی۔

تنبیہ: روشن: کی تفسیر بعض نے روشندان سے کی ہے بعض نے زینہ سے اور بعض نے اس لینٹر سے جو راستہ پر ڈال دیا جائے تاکہ اس مکان سے دوسرے مکان میں جاسکے بہر حال جو بھی تفسیر ہو حکم ایک ہی ہے۔

(۲۲۸۰/۴۰) وَلَا كَفَّارَةَ عَلٰى حَافِرِ الْبِيْرِ وَوَاضِعِ الْحَجَرِ.

ترجمہ: اور کنواں کھودنے والے اور پتھر رکھنے والے پر کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: کفارہ قتل خطاء میں ہے اور کنواں کھودنے یا پتھر رکھنے سے جو آدمی مرگیا یہ قتل بالسبب ہے اس لئے اس میں کفارہ نہیں ہے۔

(۲۲۸۱/۴۱) وَمَنْ حَفَرَ بِيْرًا فِيْ مِلْكِهٖ فَعَطِبَ بِهَا اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اور جس نے کنواں کھودا اپنی ملک میں اور ہلاک ہوگیا اس سے کوئی انسان تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے اپنی ملکیت میں کنواں کھودا اور اس میں گر کر کوئی شخص مر گیا تو کھودنے والے پر ضمان نہیں ہے کیوں کہ اس کی جانب سے کوئی زیادتی نہیں ہے۔

(۲۲۸۲/۴۲) وَالرَّاكِبُ ضَامِنٌ لِمَا اَوْطَأَتِ الدَّابَّةُ وَمَا اَصَابَتْهُ بِيَدِهَا اَوْ كَدَمَتْ وَلَايَضْمَنُ مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا اَوْ ذَنَبِهَا.

حل لغات: الراکب: اسم فاعل باب (س) سوار ہونے والا۔ اوطأت: ماضی ایطاءً (م) روندنا، کدمت: ماضی باب (ن،ض) کدماً: دانت کے اگلے حصہ سے کاٹنا، نفحت: ماضی باب (ف) نفحاً کھر سے مارنا، لات مارنا ذنبٌ: دم جمع اذناب.

ترجمہ: اور سوار ہونے والا ضامن ہے اس کا جس کو چوپایہ نے روندا ہو یا ہاتھ مار دے یا منہ سے کاٹ لے اور ضامن نہیں ہوگا اس کا جس کو وہ لات مار دے یا اپنی دم سے مار دے۔

چوپائے کی جنایت کا بیان

تشریح: اگر سواری نے چلتے ہوئے کسی کو روند دیا یا دانتوں سے کاٹ کھایا یا اگلے پاؤں سے مار دیا تو ان تمام صورتوں میں سوار ضامن ہوگا اور اگر سواری نے چلتے چلتے کسی کے لات یا دم مار دی تو سوار ضامن نہ ہوگا کیوں کہ چلنے کی حالت میں اس سے حفاظت کرنا ممکن نہیں تھا۔

(۲۲۸۳/۴۳) فَاِنْ رَاثَتْ اَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيْقِ فَعَطَبَ بِهٖ اِنْسَانٌ لَمْ يَضْمَنْ.

حل لغات: راثت: ماضی باب (ن) روثاً لید کرنا، بالت: ماضی باب (ن) بولاً پیشاب کرنا۔

ترجمہ: اگر جانور لید کر دے یا پیشاب کر دے راستہ میں اور ہلاک ہو جائے اس سے کوئی آدمی تو وہ ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: اگر سواری نے چلتے چلتے راستہ میں لید کر دی یا پیشاب کر دیا اور اس میں پھسل کر کوئی شخص مر جائے تو سوار پر ضمان نہ ہوگا کیوں کہ جانور کے پیشاب پاخانہ پر کنٹرول مشکل ہے اس میں سوار کی کوئی غلطی نہیں ہے اس لئے وہ ضامن نہیں ہوگا اور اگر کسی نے لید کرنے یا پیشاب کرنے کے لئے ہی راستہ میں کھڑا کر لیا تب بھی ضامن نہ ہوگا کیوں کہ کچھ جانور ایسے ہوتے ہیں جو کھڑے ہو کر ہی پیشاب پاخانہ کرتے ہیں تو چوں کہ اس کے کھڑا کرنے میں ضرورت تھی اس لئے اب بھی ضمان واجب نہ ہوگا، ہاں اگر کسی اور ضرورت کے لئے کھڑا کیا اور پھر یہ امور پیش آ گئے تو ضامن ہوگا کیوں کہ یہ کھڑا کرنا بے ضرورت ہے اس لئے اس میں وہ متعدی ہو گیا۔

(۲۲۸۴/۴۴) وَالسَّائِقُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا اَوْ رِجْلِهَا.

لغت: سائق: جانور کو پیچھے سے ہانکنے والا۔

ترجمہ: اور پیچھے سے ہانکنے والا ضامن ہے اس کا جس کو لگ جائے جانور کا ہاتھ یا پاؤں۔

تشریح: اگر سائق جانور کو ہانکے جارہا ہے تو اگلے پاؤں سے روندنا اور پچھلے سے روندنا برابر ہے ہر صورت میں سائق پر ضمان ہوگا، کیوں کہ جب پیچھے سے ہانک رہا تھا تو جانور کی ہر چیز اس کی نظروں کے سامنے ہے اس لئے احتراز ممکن ہے۔

(۲۲۸۵/۴۵) وَالْقَائِدُ ضَامِنٌ لِمَا اَصَابَتْ بِيَدِهَا دُوْنَ رِجْلِهَا.

حل لغت: قائد: چوپایہ کو آگے سے کھینچنے والا۔

ترجمہ: اور آگے سے کھینچنے والا ضامن ہے اس کا جس کو لگ جائے سواری کا ہاتھ نہ کہ پاؤں۔

تشریح: اگر قائد ہے تو وہ پچھلے پاؤں کا ذمہ دار نہیں ہے بلکہ صرف اگلے پاؤں کا ذمہ دار ہے اس لئے کہ سائق کے سامنے دونوں پاؤں ہیں تو وہ اس سے احتراز کرسکتا ہے اور چوں کہ قائد کی نظر پچھلے پاؤں پر نہیں ہے تو اس کے لئے اس سے احتراز بھی ممکن نہیں اس لئے وہ پچھلے پاؤں کا ضامن نہ ہوگا۔

گاڑی سے حادثہ ہونے کی صورت میں ضمان

ہمارے موجودہ زمانہ میں جو سواریاں رائج ہیں مثلاً سائیکل، موٹر سائیکل، رکشہ گاڑی، کار، بس، ٹرک وغیرہ ان سب کا حکم راکب دابہ کا ہے لہٰذا ان سواریوں کے ذریعہ کسی کو نقصان پہنچے تو راکب ضامن ہوگا البتہ ان سواریوں میں آگے اور پیچھے کے نقصان میں کوئی تفریق نہیں ہے کیوں کہ گاڑی کی ہر حرکت راکب کی طرف منسوب ہوگی لہٰذا وہ ہر صورت میں ضامن ہوگا۔

(۲۲۸۶/۴۶) وَمَنْ قَادَ قِطَاراً فَهُوَ ضَامِنٌ لِمَا اَوْطَأَ فَاِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا.

حل لغات: قاد: ماضی باب (ن) قوداً جانور کو آگے سے کھینچا، اوطأ: ماضی ایطاء مصدر ہے روندنا۔

ترجمہ: جو کھینچے اونٹوں کی قطار تو وہ ضامن ہے اس کا جس کو وہ کچل ڈالے پھر اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا بھی ہو تو ضمان دونوں پر ہے۔

تشریح: اونٹوں کی قطار چل رہی ہے اور ایک شخص اگلے اونٹ کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل رہا ہے باقی سب اس کے پیچھے چل رہے ہیں تو اس کو قائد کہتے ہیں اور اونٹ بلا تکلف اس طرح چلتے ہیں اب اگر کسی اونٹ نے کسی انسان کو ہلاک کر دیا تو ضمان واجب ہوگا، کیوں کہ قائد پر قطار کی حفاظت ضروری ہے اگر اس کے ساتھ سائق (جانور کو پیچھے سے ہانکنے والا) بھی ہے تو اب ضمان دونوں پر ہوگا کیوں کہ ان میں سے ہر ایک قائد بھی ہے اور سائق بھی۔

(۲۲۸۷/۴۷) وَاِذَا جَنَی الْعَبْدُ جِنَایَةً خَطَاءً قِیْلَ لِمَوْلَاہُ اِمَّا اَنْ تَدْفَعَهُ بِهَا اَوْ تَفْدِیَهُ فَاِنْ دَفَعَهُ مَلَکَهُ وَلِیُّ الْجِنَایَةِ وَاِنْ فَدَاہُ فَدَاہُ بِاَرْشِهَا.

حل لغات: جنی: ماضی باب (ض) جنایة گناہ کرنا قصور کرنا، تفدیہ فداء: مال دے کر چھڑانا۔

ترجمہ: اگر جنایت کرے غلام خطأً تو کہا جائے گا اس کے آقا سے یا تو دے دے غلام اس کے عوض میں یا اس کے بدلہ میں تاوان دے پھر اگر وہ غلام دے تو مالک ہو جائے گا اس کا ولی جنایت اور اگر فدیہ دے گا تو فدیہ دے گا تاوان کا۔

غلام کی جنایتوں کے احکام

تشریح: اگر ایک شخص کے غلام نے کسی کو غلطی سے قتل کر دیا تو اس صورت میں جرم کا اصل جرمانہ آقا پر ہوگا لیکن تخفیفاً آقا کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ اگر چاہے تو غلام کو ولی جنایت کے حوالہ کر دے اور اگر چاہے تو غلام کا جتنا تاوان ہے وہ ادا کر دے اور غلام کو رکھ لے۔

دلیل: اگر خطأً جنایت صادر ہو جانے کی صورت میں اس کا جرمانہ مجرم ہی کے اوپر واجب کر دیا جائے تو وہ ہلاک ہو جائے گا لہٰذا اس کی مددگار برادری ہوئی اور غلام کا مددگار اس کا آقا ہے کیوں کہ آقا سے غلام مدد مانگ سکتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ جب آقا نے غلام کو ولی جنایت کے حوالہ کر دیا تو ولی جنایت غلام کا مالک ہو جائے گا اور اگر آقا فدیہ دینا منظور کرے تو فدیہ اتنا دے گا جو جنایت کے ارش کے بقدر ہوگا۔

(۲۲۸۸/۴۸) فَاِنْ عَادَ فَجَنٰی کَانَ حُکْمُ الْجِنَایَةِ الثَّانِیَةِ حُکْمَ الْاُوْلٰی.

ترجمہ: اگر غلام پھر جنایت کرے تو دوسری جنایت کا حکم پہلی جنایت کی طرح ہوگا۔

تشریح: اگر آقا غلام کا فدیہ ادا کر چکا ہے لیکن غلام نے دوسری مرتبہ پھر جنایت کی تو اب بھی وہی حکم ہوگا یعنی آقا کو دوسری مرتبہ زخم خطا کا تاوان دینا ہوگا تب غلام آقا کے پاس رہے گا ورنہ غلام کو ولی جنایت کے حوالہ کرنا ہوگا۔

(۲۲۸۹/۴۹) فَاِنْ جَنٰی جِنَایَتَیْنِ قِیْلَ لِمَوْلَاہُ اِمَّا اَنْ تَدْفَعَهُ اِلٰی وَلِیِّ الْجِنَایَتَیْنِ یَقْتَسِمَانِهِ عَلٰی قَدْرِ حُقُوْقِهِمَا وَاِمَّا اَنْ تَفْدِیَهُ بِاَرْشِ کُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا.

ترجمہ: اگر غلام نے دو جنایتیں کیں تو کہا جائے گا اس کے آقا سے کہ یا تو غلام کو دونوں جنایتوں کے ولی کے حوالہ کر دے جس کو وہ دونوں اپنے حقوق کی مقدار تقسیم کر لیں گے اور یا غلام کا فدیہ دے دے ان دونوں میں سے ہر ایک کے ارش کے بقدر۔

تشریح: غلام نے مثلاً دو جنایتیں کیں ایک آدمی کو قتل کر دیا دوسرے کی آنکھ پھوڑ دی تو آقا کو اختیار ہے اگر

چاہے تو دونوں مقتول کے اولیاء کو اپنا مجرم غلام سپرد کر دے وہ دونوں غلام کو بیچ کر اپنا اپنا حصہ وصول کر لیں گے اور تاوان دینا چاہے تو ان دونوں کی دیت دے دے اور غلام کو رکھ لے مصنف کی عبارت علی قدر حقوقھا، کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے تاوان میں جو تناسب ہے اس تناسب سے غلام کی قیمت میں سے لیں گے مثلاً ایک کا کان کاٹ لیا اور دوسرے کو قتل کر دیا تو غلام کی قیمت کے تین حصے ہوں گے ان میں سے دو ولی نفس کو اور ایک اس کو جس کا کان کاٹا ہے دیا جائے گا۔

(۲۲۹۰/۵۰) وَاِنْ اَعْتَقَهُ الْمَوْلٰى وَهُوَ لَايَعْلَمُ بِالْجِنَايَةِ ضَمِنَ الْمَوْلٰى الْاَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنْ اَرْشِهَا.

ترجمہ: اور اگر آزاد کر دے اس کو آقا اور اسے علم نہ تھا جنایت کا تو غلام کی قیمت اور اس کے تاوان سے جو کم ہو اس کا ضامن ہوگا۔

تشریح: آقا نے غلام کو آزاد کر دیا تو اب یہ دیکھیں گے کہ آقا کو غلام کی جنایت کا علم تھا یا نہیں؟ اگر علم نہیں تھا تو ایسی صورت میں غلام کی قیمت اور جنایت کے ارش میں سے جو بھی کم ہو وہی آقا پر واجب ہے مثلاً غلام کی قیمت ایک ہزار ہو اور دیت پندرہ سو روپے ہو تو غلام کی قیمت لازم ہوگی کیوں کہ آقا کو جنایت کا علم نہیں تھا اس لئے وہ معذور ہے۔

(۲۲۹۱/۵۱) وَاِنْ بَاعَهُ اَوْ اَعْتَقَهُ بَعْدَ الْعِلْمِ بِالْجِنَايَةِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْاَرْشُ.

ترجمہ: اور اگر بیچ دے اس کو یا آزاد کر دے جنایت معلوم ہونے کے بعد تو واجب ہوگی آقا پر دیت۔

تشریح: آقا کو معلوم تھا کہ غلام نے جنایت کی ہے پھر بھی غلام کو بیچ دیا یا آزاد کر دیا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آقا پوری دیت دینے پر راضی ہے اس لئے آقا کو پوری دیت دینی ہوگی چاہے غلام کی قیمت سے زیادہ ہو۔

(۲۲۹۲/۵۲) وَاِذَا جَنَى الْمُدَبَّرُ اَوْ اُمُّ الْوَلَدِ جِنَايَةً ضَمِنَ الْمَوْلٰى الْاَقَلَّ مِنْ قِيْمَتِهٖ وَمِنْ اَرْشِهَا.

ترجمہ: اگر جنایت کی مدبر نے یا ام ولد نے کوئی جنایت تو ضامن ہوگا، آقا اسکی قیمت اور ارش میں سے کم کا۔

تشریح: مدبر اور ام ولد کی جنایت ہر حال میں ان کے آقا پر لازم ہوتی ہے تو اگر مدبر یا ام ولد کسی کو غلطی سے قتل کر دے تو ان کی قیمت اور تاوان میں سے جو کم ہو وہ دے دی جائے اقل اس لئے واجب ہے کہ ولی جنایت کا حق اکثر سے زیادہ نہیں ہے اور قیمت سے زیادہ دینے کو آقا نے نہیں روکا اس لئے ان میں سے جو کم ہو وہی دے گا۔

(۲۲۹۳/۵۳) فَاِنْ جَنٰى جِنَايَةً اُخْرٰى وَقَدْ دَفَعَ الْمَوْلٰى قِيْمَتَهُ اِلَى الْوَلِيِّ الْاَوَّلِ بِقَضَاءٍ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَيَتْبَعُ وَلِيُّ الْجِنَايَةِ الثَّانِيَةِ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْاُوْلٰى فَيُشَارِكُهُ فِيْمَا اَخَذَ.

حل لغت: یتبع: پیچھا کرے یعنی مطالبہ کرے۔

ترجمہ: پھر اگر جنایت کرے دوسری بار حالانکہ دے چکا آقا اس کی قیمت پہلے ولی جنایت کو قاضی کے فیصلہ سے تو اس پر کچھ نہیں ہے اور پیچھے لگے دوسری جنایت کا ولی پہلی جنایت کے ولی کے اور شریک ہو جائے اس میں جو کچھ اس نے لیا ہے۔

تشریح: مدبر یا ام ولد نے ایک مرتبہ جنایت کی اور آقا نے قاضی کے فیصلہ سے پہلی جنایت والے کو تاوان دے دیا پھر دوبارہ مدبر یا ام ولد نے جنایت کی تو اب آقا پر کوئی تاوان نہ ہوگا بلکہ دوسری جنایت کا ولی پہلی جنایت کے ولی کے پاس جائے اور جو کچھ اس کو آقا نے دیا تھا اس میں شریک ہو جائے۔

(۵۴/۲۲۹۴) وَاِنْ كَانَ الْمَوْلٰى دَفَعَ الْقِيْمَةَ بِغَيْرِ قَضَاءٍ فَالْوَلِيُّ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الْمَوْلٰى وَاِنْ شَاءَ اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْاُوْلٰى.

ترجمہ: اور اگر آقا نے دی ہو قیمت بغیر قاضی کے فیصلہ کے تو ولی کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو آقا کے پیچھے پڑے اور اگر چاہے پہلی جنایت والے کے پیچھے پڑے۔

تشریح: اگر آقا نے بغیر قاضی کے فیصلہ کے قیمت ادا کر دی پھر مدبر یا ام ولد نے دوسری مرتبہ جنایت کر دی تو اب کیا حکم ہے؟ تو فرمایا کہ اس صورت میں دوسری جنایت والے کے لئے دو اختیار ہیں یا تو آقا سے اپنی جنایت وصول کرے یا پہلی جنایت کے ولی سے اپنی جنایت وصول کرے، آقا سے اس لئے وصول کر سکتا ہے کہ بغیر قاضی کے فیصلہ کے اس کے دینے کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا ہے دوستی کی بنیاد پر دی ہو اور پہلی جنایت والے سے اس لئے وصول کر سکتا ہے کہ گویا کہ اس نے دوسری جنایت والے کی آدھی دیت پر قبضہ کیا ہے آقا پر تو ایک ہی مرتبہ دیت لازم تھی جو وہ ادا کر چکا ہے۔

(۵۵/۲۲۹۵) وَاِذَا مَالَ الْحَائِطُ اِلٰى طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ فَطُوْلِبَ صَاحِبُهٗ بِنَقْضِهٖ وَاُشْهِدَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَنْقُضْهُ فِيْ مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلٰى نَقْضِهٖ حَتّٰى سَقَطَ ضَمِنَ مَاتَلَفَ بِهٖ مِنْ نَفْسٍ اَوْ مَالٍ وَيَسْتَوِيْ اَنْ يُطَالِبَهٗ بِنَقْضِهٖ مُسْلِمٌ اَوْ ذِمِّيٌّ.

ترجمہ: اور اگر جھک جائے دیوار مسلمانوں کے راستہ کی جانب اور مطالبہ کیا گیا اس کے مالک سے اس کے توڑنے کا اور اس پر گواہ بنائے گئے پھر بھی نہیں توڑا اس کو اتنی مدت میں کہ وہ قادر تھا اس کے توڑنے پر یہاں تک کہ وہ گر گئی تو ضامن ہوگا اس کا جو ضائع ہو جان یا مال میں سے اور برابر ہے کہ اس کے توڑنے کا مطالبہ مسلمان کرے یا ذمی۔

جھکی ہوئی دیوار اور موجب قتل عبد کے احکام

تشریح: کسی کی دیوار مسلمانوں کے راستہ کی جانب جھک گئی جس کی وجہ سے اس کے گرنے کا خطرہ لاحق ہوگیا تو اگر اس کو کسی نے کچھ نہیں کہا اور دیوار گر گئی اور کوئی ہلاک ہوگیا تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اگر اس کو ان لوگوں میں سے کسی نے کہا جن کو اس راستہ میں گزرنے کا حق ہے اور کہنا بھی حکم کے طریقہ پر ہو بطور مشورہ کے نہ ہو اور وہ پھر بھی دیوار نہ توڑے حالانکہ اس کو اتنی مدت ملی کہ توڑ سکتا تھا لیکن اس نے نہیں توڑی یہاں تک کہ دیوار گرنے سے کوئی آدمی مر گیا یا کسی کا مال تلف ہوگیا تو اس کا ضمان دینا ہوگا دیوار گرانے کا مطالبہ مسلمان نے کیا ہو یا ذمی نے دونوں کا حق برابر ہے اب رہ گیا یہ سوال کہ ضمان کون ادا کرے؟ جواب یہ ہے کہ اگر دیوار گرنے سے کوئی آدمی ہلاک ہوا ہو تو اس کی دیت عاقلہ پر واجب ہوگی اور اگر ہلاک ہونے والا کوئی مال واسباب ہو تو اس کا تاوان اسی مالک دیوار پر ہوگا، مصنف کی عبارت: اشهد علیه کا مطلب یہ ہے کہ حکم کرنے والا کہے کہ اے لوگو! تم گواہ رہو میں اس کو کہہ چکا ہوں کہ اس دیوار کو توڑ دیہ بات بھی یاد رہے کہ اشہاد ضروری نہیں ہے اصل تو مالک دیوار کو اس کے توڑنے کا حکم کر دینا ہے اور گواہ بنانا بر بنائے احتیاط ہے کہ کہیں قاضی کے سامنے حکم کا انکار کرنے لگے تو گواہ تو پیش کر دیئے جائیں۔

(۲۲۹۶/۵۶) وَاِنْ مَالَ اِلٰی دَارِ رَجُلٍ فَالْمُطَالَبَةُ لِمَالِكِ الدَّارِ خَاصَّةً.

ترجمہ: اور اگر دیوار جھک گئی کسی آدمی کے گھر کی طرف تو مطالبہ کا حق مالک مکان کیلئے ہے خاص طور پر۔

تشریح: کسی آدمی کے مکان کی دیوار مسلمانوں کے راستہ کے بجائے کسی خاص آدمی کے گھر کی طرف جھک گئی تو اب دیوار گرانے کا مطالبہ وہی کرے جسکے گھر کی طرف دیوار جھکی ہوئی ہے کیوں کہ اسی کا گھر ہے اور اسی کا حق ہے۔

(۲۲۹۷/۵۷) فَاِذَا اصْطَدَمَ فَارِسَان فَمَاتَا فَعَلٰی عَاقِلَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا دِيَةُ الْاٰخَرِ.

حل لغات: اصطدم: ماضی باب افتعال مصدر اصطدام مادہ صَدْمٌ ٹکرا جانا۔ فَارِسًا: گھوڑ سوار۔

ترجمہ: جب ٹکرا کر مر جائیں دو گھوڑے سوار تو دونوں میں سے ہر ایک کی عاقلہ پر دیت ہے دوسرے کی۔

تشریح: دو آدمی گھوڑے پر سوار ہیں دونوں کی ٹکر ہوگئی جس کیوجہ سے دونوں مر گئے یا دونوں پیدل تھے دونوں کی ٹکر ہوگئی اور دونوں مر گئے اور یہ ٹکر خطأً ہوئی تو اب حکم یہ ہے کہ دونوں کے ورثاء ہر ایک سے پوری دیت وصول کریں گے اور وصول کرنے کی ضرورت نہیں ہے مقاصہ ہو جائے گا یہ حنفیہ کا مذہب ہے، کیوں کہ دونوں کی غلطیاں ہیں اس لئے دونوں کے خاندان پر دیت ہوگی۔

(۲۲۹۸/۵۸) وَاِذَا قَتَلَ رَجُلٌ عَبْدًا خَطَأً فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ وَلَاتُزَادُ عَلٰی عَشَرَةِ الٰافِ دِرْهَمٍ فَاِنْ

كَانَتْ قِيمَتُهٗ عَشَرَةَ الآفِ دِرْهَمٍ اَوْ اَكْثَرَ قُضِيَ عَلَيْهِ بِعَشَرَةِ الآفِ اِلَّا عَشَرَةً.

ترجمہ: اگر قتل کر دیا کسی آدمی نے غلام کو غلطی سے تو اس پر غلام کی قیمت ہے جو دس ہزار درہم سے زائد نہ ہوگی پھر اگر ہو اس کی قیمت دس ہزار درہم یا اس سے زائد ہو تو حکم کیا جائے گا قاتل پر دس درہم کم دس ہزار کا۔

تشریح: قتل خطاء میں آزاد آدمی کی دیت دس ہزار درہم ہے لیکن غلام کی دیت آزاد آدمی کی دیت سے دس درہم کم کر کے نو ہزار نو سو نوے درہم ہی لازم کریں گے تا کہ غلام اور آزاد میں تھوڑا سا فرق رہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی غلام غلطی سے قتل ہو جائے تو اس کی قیمت واجب ہوگی اب اگر غلام کی قیمت آزاد مرد کی دیت یعنی دس ہزار درہم کے برابر ہو یا زیادہ ہو، تو پوری دیت میں سے دس درہم کم کر دیئے جائیں گے تا کہ آزاد اور غلام کی دیت میں دس درہم کا فرق ہو جائے۔

(۲۲۹۹/۵۹) وَفِي الْاَمَةِ اِذَا زَادَتْ قِيمَتُهَا عَلَى الدِّيَةِ يَجِبُ خَمْسَةُ الآفِ اِلَّا عَشَرَةً.

ترجمہ: اور باندی میں جب کہ زائد ہو اس کی قیمت دیت سے واجب ہوں گے دس درہم کم پانچ ہزار۔

تشریح: اگر باندی خطاءً قتل ہو جائے تو قاتل پر اس کی قیمت لازم ہوگی اگر اس کی قیمت پانچ ہزار درہم سے زیادہ ہو تب بھی چار ہزار نو سو نوے درہم ہی لازم ہوں گے تا کہ مملوک کے رتبہ کا انحطاط ظاہر ہو جائے۔

(۲۳۰۰/۶۰) وَفِي يَدِ الْعَبْدِ نِصْفُ قِيمَتِهٖ لَايُزَادُ عَلٰى خَمْسَةِ آلَافِ اِلَّا خَمْسَةً.

ترجمہ: اور غلام کے ہاتھ میں اس کی آدھی قیمت ہے جو زائد نہ ہوگی پانچ درہم کم پانچ ہزار سے۔

تشریح: آزاد آدمی کے دونوں ہاتھ غلطی سے کٹ جائیں تو پوری دیت دس ہزار درہم ہے اور ایک ہاتھ کٹ جائے تو آدھی دیت پانچ ہزار درہم ہے اس قاعدہ کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ غلام کے دونوں ہاتھ کٹ جائیں تو اس کی پوری قیمت لازم ہوگی مثلاً غلام کی پوری قیمت چار ہزار درہم تھی تو چار ہزار درہم لازم ہوں گے لیکن اگر ایک ہاتھ کاٹا تو غلام کی آدھی قیمت دو ہزار درہم ہوگی لیکن اگر غلام کی قیمت بارہ ہزار درہم ہو اس حساب سے ایک ہاتھ کی دیت چھ ہزار درہم ہوتی ہے پھر بھی آزاد کے ایک ہاتھ کٹنے کی دیت پانچ ہزار درہم سے زیادہ نہیں کریں گے بلکہ اس سے پانچ درہم کم کر کے چار ہزار نو سو پچانوے درہم ہی دیت دلوائی جائے گی تا کہ غلام کے ہاتھ کی دیت آزاد کے ہاتھ سے زیادہ نہ ہو جائے کیوں کہ غلام کا درجہ آزاد سے کم ہے۔

(۲۳۰۱/۶۱) وَكُلُّ مَا يُقَدَّرُ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ فَهُوَ مُقَدَّرٌ مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ.

ترجمہ: جو مقدار مقرر ہے آزاد کی دیت سے وہ مقرر ہوگی غلام کی قیمت سے۔

تشریح: ایک آزاد شخص کی دیت کا جو اندازہ ہے وہی غلام کی دیت مقرر ہوگی جو اس کی قیمت کی شکل میں دی

جاتی ہے مثلاً آزاد کی انگلی کاٹے تو پوری دیت کا دسواں حصہ ایک ہزار لازم ہوتے ہیں اسی طرح مذکورہ غلام کی انگلی کاٹے تو اس کی پوری قیمت چار ہزار درہم کا دسواں حصہ چار سو درہم لازم ہوں گے اور آزاد کے دانت توڑنے میں پوری دیت کا بیسواں حصہ پانچ سو درہم لازم ہوتے ہیں تو اسی پر قیاس کر کے مذکورہ غلام کی پوری قیمت چار ہزار کا بیسواں حصہ یعنی دو سو درہم لازم ہوں گے۔

(۶۲/۲۳۰۲) وَاِذَا ضَرَبَ رَجُلٌ بَطْنَ اِمْرَأَةٍ فَالْقَتْ جَنِيناً مَيِّتاً فَعَلَيْهِ غُرَّةٌ وَالْغُرَّةُ نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ

حل لغات: جنین: جنین اس بچہ کو کہتے ہیں جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہے ج، ن، اس مادہ میں اخفاء کے معنی ہیں اور بچہ پوشیدہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو جنین کہتے ہیں۔
غرۃ: غلام یا باندی کو کہتے ہیں یا پانچسو درہم۔

ترجمہ: اگر مارا کسی نے عورت کے پیٹ پر اس نے ڈالا مردہ بچہ تو اس پر غرہ واجب ہے اور غرہ دیت کا بیسواں حصہ ہے۔

پیٹ کے بچہ کو ضائع کردینے کے احکام

تشریح: اگر کسی نے آزاد عورت کے پیٹ پر یا کسی اور عضو پر لات وغیرہ ماردی جس سے اس کا حمل ساقط ہو گیا (بچہ گر گیا) تو یہاں دیت واجب ہوگی یعنی غلام یا باندی اس عورت کو دی جائے گی جس کا جنین گرایا گیا اور جہاں غلام باندی نہ ہو جیسے آج کل موجود نہیں ہیں تو اس صورت میں پوری دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچسو درہم دینے ہوں گے۔

(۶۳/۲۳۰۳) فَاِنْ اَلْقَتْهُ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ فَفِيهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ.

ترجمہ: پھر اگر ڈالا عورت نے جنین کو زندہ پھر وہ مر گیا تو اس میں پوری دیت ہے۔

تشریح: اگر جنین زندہ باہر آیا ہو اور پھر مرا ہو تو اس صورت میں پوری دیت واجب ہوگی کیوں کہ بچہ کا مرنا پہلی چوٹ ہی کے اثر سے ہے، گویا زندہ آدمی کا قتل خطاء ہوا اس لئے پوری دیت لازم ہوگی۔

(۶۴/۲۳۰۴) وَاِنْ اَلْقَتْهُ مَيِّتاً ثُمَّ مَاتَتِ الْاُمُّ فَعَلَيْهِ دِيَةٌ وَغُرَّةٌ.

ترجمہ: اور اگر عورت نے مردہ بچہ ڈالا پھر ماں مر گئی تو اس پر دیت ہے اور غرہ ہے۔

تشریح: عورت کے پیٹ پر مارا جنین میت باہر آ گیا اور پھر عورت بھی مر گئی تو ماں کی پوری دیت لازم ہوگی

اور بچہ کے بدلہ میں غلام یا باندی دے تو گویا دو دیتیں ہوگئیں۔

(۲۳۰۵/۶۵) وَاِنْ مَاتَتْ ثُمَّ اَلْقَتْهُ مَيِّتًا فَلَاشَیْءَ فِي الْجَنِيْنِ.

ترجمہ: اور اگر ماں مرگئی پھر اس نے ڈالا مردہ بچہ تو بچہ میں کچھ نہیں۔

تشریح: ماں پہلے مری بعد میں مردہ بچہ نکلا تو یہ صورت اختلافی ہے، ہمارے نزدیک صورت مذکورہ میں صرف ماں کی دیت واجب ہوگی اور بچہ کا کچھ واجب نہ ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک ماں کی دیت اور بچہ میں غرہ واجب ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ کے مرنے کے دو سبب ہیں (۱) مارنے کی وجہ سے مرا ہو (۲) ماں کے مرنے کی وجہ سے دم گھٹ کر مرگیا ہو اب یہاں شک ہوگیا کہ کس وجہ سے مرا ہے لہٰذا بچہ کا ضمان واجب نہ ہوگا۔

(۲۳۰۶/۶۶) وَمَا يَجِبُ فِي الْجَنِيْنِ مَوْرُوْثٌ عَنْهُ.

ترجمہ: اور جو کچھ واجب ہو جنین میں وہ اس کی جانب سے میراث میں تقسیم کیا جائے گا۔

تشریح: جنین کی تمام صورتوں میں مارنے والے پر جو مال واجب کیا گیا ہے اس کو جنین کے ورثاء کے درمیان تقسیم کردیا جائے گا کیوں کہ وہ نفس کا بدل ہے اور بدل عن المقتول وارثین کا ہوتا ہے لیکن اگر مارنے والا بھی اس کا وارث ہو تو وہ میراث سے محروم رہے گا۔

(۲۳۰۷/۶۷) وَفِيْ جَنِيْنِ الْاَمَةِ اِذَا كَانَ ذَكَراً نِصْفُ عُشْرِ قِيْمَتِهٖ لَوْكَانَ حَيًّا وَعُشْرُ قِيْمَتِهٖ اِنْ كَانَ اُنْثٰى.

ترجمہ: اور باندی کے بچہ میں جب کہ ہو وہ لڑکا اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اگر زندہ ہو اور اس کی قیمت کا دسواں حصہ ہے اگر لڑکی ہو۔

تشریح: اب تک اس جنین کی تفصیل تھی جو آزاد عورت سے گرا ہے اگر باندی سے گرا ہو تو وہ باندی کے آقا کا غلام ہوگا اس لئے اس کا حکم کچھ اور ہے لہٰذا باندی کا جنین اگر زندہ ہوتا تو اس کی قیمت ہوتی اس کے بعد پھر دیکھا جائے کہ جنین لڑکا ہے یا لڑکی اگر لڑکا ہے تو اس قیمت کا بیسواں حصہ واجب کیا جائے گا اور اگر لڑکی ہے تو دسواں حصہ واجب کیا جائے یہ حنفیہ کا مذہب ہے مثلاً بچہ کی قیمت چار ہزار درہم ہو تو دو سو درہم لازم ہوں گے اور بچہ مؤنث ہو تو اس کی قیمت کا دسواں حصہ یعنی چار سو درہم لازم ہوں گے۔

(۲۳۰۸/۶۸) وَلَا كَفَّارَةَ فِي الْجَنِيْنِ.

ترجمہ: اور بچہ کے گرانے میں کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: عورت کے پیٹ پر مارا اور مردہ بچہ نکل پڑا تو اس پر غرہ تو ہے جیسا کہ ماقبل میں آچکا ہے لیکن اس کے لئے کفارہ نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں دیت کا تذکرہ ہے کفارہ کا تذکرہ نہیں ہے ہاں اگر احتیاطاً کفارہ دے دے تو بہتر ہے تا کہ باعث تقرب ہو سکے اور جنین کو ہلاک کرنے کا جو جرم اس نے کیا ہے اس سے استغفار ہو سکے۔

(۲۳۰۹/۶۹) وَالْكَفَّارَةُ فِي شِبْهِ الْعَمَدِ وَالْخَطَأُ عِتْقُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ وَلَا يُجْزِئُ فِيْهِ الْاِطْعَامُ.

ترجمہ: اور کفارہ قتل شبہ عمد وقتل خطا میں ایک مومن غلام کا آزاد کرنا ہے اگر نہ پائے تو لگا تار دو ماہ کے روزے ہیں اور اس میں کھانا کھلانا کافی نہ ہوگا۔

تشریح: آیت میں ہے کہ قتل خطاء میں مومن غلام کا آزاد کرنا ہے اور قتل شبہ عمد قتل خطاء سے اہم ہے اس لئے اس میں بھی کفارہ لازم ہوگا چوں کہ آیت میں کھانا کھلانے کا ذکر نہیں ہے اس لئے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی نہ ہوگا، آیت یہ ہے وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِناً خَطَأً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ آگے فرمایا فَمَنْ لم يجد فصيام شهرين متتابعين.

بَابُ الْقَسَامَةِ

(یہ باب قسامت کے احکام کے بیان میں ہے)

قسامت کی لغوی تحقیق: قسامت لغت کے اعتبار سے مصدر ہے قسم کے معنی میں۔

اصطلاحی تعریف: اللہ کے نام کی قسم کھانا ہے جس کا سبب مخصوص ہو عدد مخصوص ہو مخصوص طریقہ پر ہو، سبب مخصوص سے مراد مقتول کا محلہ میں پایا جانا ہے، عدد مخصوص پچاس ہیں مخصوص طریقہ یعنی پچاس مرد ہوں اور ان سے پچاس قسم ہوں اور افراد پورے نہ ہوں تو یمین کا تکرار ہو۔

ماقبل سے مناسبت: مقتول کے اندر بعض صورتوں میں قسامت کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے اس کو علیحدہ باب میں دیات کے آخر میں بیان فرمایا گیا ہے۔

ضروری نوٹ: قسامت اس وقت شروع ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی جگہ مقتول پایا جائے اور اس کے قتل کے واقعہ کو کسی نے نہ دیکھا ہو اب حنفیہ کے نزدیک قسامت کا طریقہ کار یہ ہے کہ قسامت اس وقت واجب ہوتی ہے جب کوئی شخص کسی ایسی جگہ پر مقتول پایا جائے جو جگہ یا تو کسی فرد واحد کی ملکیت میں ہے یا کچھ افراد کی مشترک ملکیت میں ہے مثلاً کوئی مقتول کسی شخص کے گھر میں پایا گیا تو بھی قسامت واجب ہوگی یا مقتول محلے میں ایسی جگہ پر پایا گیا جو پورے محلّہ کی مشترک ملکیت سمجھی جاتی ہے اس وقت بھی قسامت واجب ہوگی لیکن اگر وہ جگہ اہل محلہ کی مشترک ملکیت نہیں ہے

مثلاً شارع عام ہے اور اس پر کوئی مقتول پایا گیا تو اب قسامت واجب نہیں ہوگی۔

(۱/۲۳۱۰) وَاِذَا وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِيْ مَحَلَّةٍ لَا يُعْلَمُ مَنْ قَتَلَهُ اسْتُحْلِفَ خَمْسُوْنَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَتَخَيَّرُهُمُ الْوَلِيُّ بِاللّٰهِ مَاقَتَلْنَاهُ وَلَاعَلِمْنَالَهُ قَاتِلًا فَاِذَا حَلَفُوْا قُضِيَ عَلٰى اَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِالدِّيَةِ.

ترجمہ: اور جب پایا گیا مقتول کسی محلہ میں اور معلوم نہیں کہ کس نے قتل کیا ہے تو قسم لی جائے گی ان میں سے پچاس آدمیوں سے کہ منتخب کرے ان کو ولی (قسم کے الفاظ یہ ہوں گے) خدا کی قسم نہ ہم نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں پھر جب قسم کھالیں تو فیصلہ کر دیا جائے اہل محلہ پر دیت کا۔

قسامت کب ہوگی اور اس کے طریقہ کا بیان

تشریح: اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قسامت کب ہوگی اور اس کا طریقہ کیا ہوگا چناں چہ فرمایا گیا اگر کسی محلہ میں مقتول پایا گیا اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا ہے اور اولیاء مقتول یہ کہیں کہ ہمارا غالب گمان تو یہی ہے کہ جس محلہ میں لاش ملی ہے اس محلہ کے لوگوں نے قتل کیا ہے یا کم از کم ان اہل محلہ کو قاتل کا پتہ ہے تو اس صورت میں قاضی اولیاء مقتول سے کہے گا کہ تم اہل محلہ میں سے پچاس آدمی منتخب کرو جن پر تمہیں شبہ ہے چناں چہ اولیاء مقتول اہل محلہ میں پچاس آدمی منتخب کریں گے پھر قاضی ان پچاس آدمیوں سے یہ کہے گا کہ تم سب ان الفاظ کے ساتھ قسم کھاؤ "باللہ ماقتلنا ولا علمناہ لہ قاتلاً" یعنی ہم قسم کھاتے ہیں کہ نہ تو ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور نہ ہمیں اس کے قاتل کا پتہ ہے، کہ کس نے قتل کیا ہے اگر وہ لوگ قسم کھانے سے انکار کریں تو ان کو قید میں رکھا جائے گا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جائے گا جب تک کہ ان میں سے کوئی قتل کا اقرار نہ کرے یا قاتل کا پتہ بتادے کہ فلاں نے قتل کیا ہے یا قسم کھانے پر راضی ہو جائیں اور اگر وہ پچاس افراد مندرجہ بالا الفاظ کے ساتھ قسم کھالیں تو اس کے نتیجہ میں پورے اہل محلہ پر اس مقتول کی دیت واجب کردی جائے گی یہ طریقہ حنفیہ کے نزدیک ہے نیز قسامت کی مشروعیت کے لئے معین افراد کے خلاف دعویٰ ضروری نہیں البتہ اتنا ضروری ہے کہ اولیاء مقتول اہل محلہ کو اجمالاً متہم کریں مثلاً یہ کہیں کہ ہمیں تو شبہ ہے کہ اسی محلہ کے افراد میں سے کسی نے مارا ہے قسامت کا معاملہ حقیقت میں کسی کے خلاف کسی دعویٰ کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد اجتماعی ذمہ داری کا اصول متعین کرنا ہے کہ اہل محلہ پر نصرت اور حفاظت کا جو فریضہ عائد ہوتا تھا وہ انہوں نے پوری طرح ادا نہیں کیا۔

(۲/۲۳۱۱) وَلَا يُسْتَحْلَفُ الْوَلِيُّ وَلَايُقْضٰى عَلَيْهِ بِالْجِنَايَةِ وَاِنْ حَلَفَ.

ترجمہ: اور قسم نہیں لی جائے گی ولی سے اور نہ فیصلہ کیا جائے گا اس پر جنایت کا اگرچہ قسم کھالے۔

قسمیں کون کھائے گا؟

تشریح: اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قسمیں کون کھائے گا؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ اہل محلہ کو قسمیں دی جائیں گی اگر وہ قسمیں کھالیں گے تو ان پر دیت بھی واجب کی جائے گی مقتول کے ولی سے قسم نہیں لی جائے گی اور وہ قسم کھا بھی لے تب بھی اس پر جنایت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس بات کی کوئی علامت ہو کہ محلہ والوں نے قتل کیا ہے مثلاً ان کے ساتھ مقتول کی پرانی عداوت چلی آرہی تھی تو خود مقتول کے اولیاء پچاس مرتبہ قسمیں کھائیں کہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہی شخص یا یہ لوگ قاتل ہیں اگر اولیاء مقتول نے قسم کھالی تو اہل محلہ پر دیت واجب ہوگی اگر اولیاء مقتول قسم کھانے سے انکار کردیں تو اہل محلہ سے قسمیں لی جائیں گی اگر قسمیں کھالیں تو اہل محلہ بری ہوجائیں گے اور اب ان سے دیت کا مطالبہ نہیں ہوگا اور اگر انکار کردیں تو پھر اولیائے مقتول کو قسم دی جائے گی اگر وہ قسم کھالیں تو اہل محلہ پر دیت واجب ہوجائے گی اور اگر انکار کردیں تو پھر دیت واجب نہیں ہوگی بلکہ وہ بری ہوجائیں گے۔

(۳/۲۳۱۲) وَاِنْ اَبٰى وَاحِدٌ مِنْهُمْ حُبِسَ حَتّٰى يَحْلِفَ.

ترجمہ: اور اگر انکار کرے اہل محلہ میں سے کوئی قسم کھانے سے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ قسم کھائے۔

تشریح: محلہ میں قتل ہونے کی وجہ سے مقتول کے وارثین کا حق ہوگیا کہ اہل محلہ کو قسم کھلائیں اس لئے اگر کوئی قسم کھانے سے انکار کرتا ہے تو اس کو قید کیا جائے گا جب تک وہ قسم نہ کھائے۔

(۴/۲۳۱۳) وَاِنْ لَمْ يَكْمُلْ اَهْلُ الْمَحَلَّةِ كُرِّرَتِ الْاَيْمَانُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يَتِمَّ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا.

ترجمہ: اور اگر پوری نہ ہو اہل محلہ کی تعداد تو مکرر کی جائیں گی ان پر قسمیں یہاں تک کہ پچاس پوری ہوجائیں۔

تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ اہل محلہ میں سے پچاس آدمیوں سے قسم لی جائے گی اگر اتفاق سے پچاس کی تعداد پوری نہ ہوسکے تو موجودہ افراد سے مکرر قسم لیجائے تا کہ پچاس کی تعداد پوری ہوسکے۔

(۵/۲۳۱۴) وَلَايَدْخُلُ فِي الْقَسَامَةِ صَبِيٌّ وَلَامَجْنُوْنٌ وَلَاامْرَأَةٌ وَلَاعَبْدٌ.

ترجمہ: اور نہیں داخل ہوگا قسم میں بچہ نہ دیوانہ نہ عورت اور نہ غلام۔

تشریح: بچے اور مجنون میں تو عقل ہی نہیں ہے عورت کما نہیں سکتی کہ وہ دیت ادا کرے اور غلام کے پاس تو مال ہی نہیں ہے جو کچھ ہے وہ آقا کا ہے۔

(۲۳۱۵/۶) وَاِنْ وُجِدَ مَيِّتٌ لَا اَثَرَ بِهٖ فَلَاقَسَامَةَ وَلَادِيَةَ.

ترجمہ: اگر پایا گیا کوئی مردہ جس پر کوئی نشان نہیں تو نہ قسامت ہے اور نہ دیت ہے۔

تشریح: اگر محلہ میں کوئی مرا ہوا انسان ملا لیکن اس پر قتل کا کوئی نشان نہیں ہے نہ کوئی زخم ہے تو پھر نہ قسامت ہے اور نہ محلہ والوں پر دیت ہے۔

(۲۳۱۶/۷) وَكَذَالِكَ اِنْ كَانَ الدَّمُ يَسِيْلُ مِنْ اَنْفِهٖ اَوْ دُبُرِهٖ اَوْ فَمِهٖ فَاِنْ كَانَ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ اَوْ اُذُنَيْهِ فَهُوَ قَتِيْلٌ

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر خون بہہ رہا ہو اس کی ناک اس کی سرین یا اس کے منہ سے اور اگر نکل رہا ہو اس کی آنکھوں سے یا کانوں سے تو وہ مقتول ہے۔

تشریح: اگر محلہ میں کوئی ایسا مردہ پایا گیا جس کی ناک یا پاخانہ کے راستہ سے خون جاری ہو تو اس میں نہ قسامت ہے نہ دیت کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ نکسیر یا بواسیر کی وجہ سے مرا ہو ہاں اگر خون آنکھوں یا کانوں سے جاری ہو تو وہ مقتول سمجھا جائے گا، کیوں کہ ان جگہوں سے عموماً مارنے کی وجہ سے ہی خون نکلتا ہے اس لئے وہ مقتول شمار ہوگا، اور قسامت لازم ہوگی۔

(۲۳۱۷/۸) وَاِذَا وُجِدَ الْقَتِيْلُ عَلٰى دَابَّةٍ يَسُوْقُهَا رَجُلٌ فَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ دُوْنَ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ.

ترجمہ: اور جب پایا گیا مقتول سواری پر جس کو ہانک رہا تھا ایک آدمی تو دیت اس کے عاقلہ پر ہے نہ کہ اہل محلہ پر۔

تشریح: ایک جانور کو کوئی شخص لے جا رہا ہے اور اس پر کوئی مقتول ہے تو ظاہری علامت یہی ہے کہ یہی اس کا قاتل ہے اسلئے جانور والے پر ہی دیت ہوگی پھر وہ شخص پیچھے سے ہانکے یا آگے سے کھینچے یا اس پر سوار ہو سب برابر ہے۔

(۲۳۱۸/۹) وَاِنْ وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِيْ دَارِ اِنْسَانٍ فَالْقَسَامَةُ عَلَيْهِ وَالدِّيَةُ عَلٰى عَاقِلَتِهٖ.

ترجمہ: اور اگر پایا گیا مقتول کسی انسان کے گھر میں تو قسامت گھر والے پر ہے اور دیت اس کے عاقلہ پر۔

تشریح: جب اس کے گھر میں لاش ملی ہے تو ظاہر یہی ہے کہ اسی نے قتل کیا ہے اس لئے اسی پر قسامت ہوگی اور چوں کہ یہ قتل خطاء کے درجہ میں ہے اس لئے دیت برادری پر ہوگی۔

(۲۳۱۹/۱۰) وَلَا يَدْخُلُ السُّكَّانُ فِي الْقَسَامَةِ مَعَ الْمُلَّاكِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهِيَ عَلٰى اَهْلِ الْخِطَّةِ دُوْنَ الْمُشْتَرِيْنَ وَلَوْبَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌ.

حل لغات: سکان: ساکن کی جمع ہے کرایہ دار، ملاك: مالك کی جمع ہے زمین کے اصل مالک، اهل خطه: زمین والے۔

ترجمہ: اور داخل نہیں ہوں گے قسامت میں کرایہ دار مالکوں کے ہوتے ہوئے امام صاحب کے نزدیک اور وہ اہل خطہ پر ہے نہ کہ خریداروں پر اگر چہ ان میں سے ایک ہی باقی ہو۔

تشریح: کسی محلہ کے باشندے کچھ تو وہ ہیں جو یہاں کے اصلی باشندے ہیں اور یہاں کی زمینوں کے مالک ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بغیر ملکیت کے کرایہ وغیرہ پر رہتے ہیں تو قسامت کن لوگوں پر ہوگی اس بارے میں طرفین تو یہ فرماتے ہیں کہ قسامت صرف مالکوں پر ہوگی کرایہ داروں پر نہ ہوگی، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ قسامت دونوں پر ہوگی آگے فرماتے ہیں یہ اہل محلہ جن پر قسامت واجب ہوتی ہے ان میں کچھ لوگ تو وہ ہوں گے جن کو یہ علاقہ فتح ہونے کے وقت میں امام نے کچھ زمین دے دی تھی وہ تو اہل خطہ ہیں یا ان کے نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولا د اہل خطہ ہوگی اور دوسرا فریق وہ ہے کہ جنہوں نے اس کو خریدا ہے اور اس میں سکونت اختیار کی ہے تو امام ابو یوسف کے نزدیک اہل خطہ اور خریدار دونوں پر قسامت ہوگی اور طرفین کے یہاں فقط اہل خطہ پر ہوگی پھر صاحب کتاب نے فرمایا کہ اگر وہاں محلہ کے اندر اہل خطہ میں سے صرف ایک آدمی رہ گیا ہے تو اسی پر قسامت و دیت ہے۔

(۱۱/۲۳۲۰) وَاِنْ وُجِدَ الْقَتِيْلُ فِيْ سَفِيْنَةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى مَنْ فِيْهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِيْنَ.

حل لغات: الركاب: جمع ہے واحد راکب سوار، الملاحين: حالت جری میں ہے واحد ملاح کشتی چلانے ولا۔

ترجمہ: اور اگر پایا گیا مقتول کشتی میں تو قسامت ان پر ہے جو کشتی میں ہیں یعنی سواریاں اور جہاز راں۔

تشریح: اگر مقتول کشتی کے اندر پایا گیا تو جو لوگ کشتی کے اندر ہیں انہیں پر قسامت و دیت واجب ہے خواہ سوار ہوں خواہ مالک اور خواہ ملاح لوگ ہوں سب کو تاوان دینا ہوگا بسوں اور بیل گاڑیوں کا بھی یہی حال ہوگا۔

(۱۲/۲۳۲۱) وَاِنْ وُجِدَ فِيْ مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ عَلٰى اَهْلِهَا.

ترجمہ: اور اگر پایا جائے مقتول محلہ کی مسجد میں تو قسامت اہل محلہ پر ہے۔

تشریح: محلہ کی مسجد میں مقتول پایا گیا تو ظاہر یہی ہے کہ اسی محلہ والوں نے مار کر مسجد میں ڈال دیا ہے اسلئے قسامت و دیت اہل محلہ پر ہوگی۔

(۱۳/۲۳۲۲) وَاِنْ وُجِدَ فِي الْجَامِعِ وَالشَّارِعِ الْاَعْظَمِ فَلَاقَسَامَةَ فِيْهِ وَالدِّيَةُ عَلٰى بَيْتِ الْمَالِ.

ترجمہ: اور اگر مقتول پایا جائے جامع مسجد میں یا سڑک پر تو اس میں قسامت نہیں ہے اور دیت بیت المال پر ہے۔

تشریح: اگر کسی جامع مسجد یا عام سڑک کے اوپر مقتول ہے تو اس صورت میں قسامت نہیں ہے کیوں کہ جامع مسجد پورے شہر والوں کی ہے ایسے ہی سڑک پورے شہر والوں کی ہے اب کیا معلوم؟ کہ کس نے مار کر ڈالدیا اس لئے کوئی ایک محلہ والا اس کا مجرم نہیں ہے اس وجہ سے کسی پر قسامت نہ ہوگی اور تا کہ اسکا خون رائیگاں نہ جائے اسلئے اس کی دیت بیت المال پر ہوگی اور اس زمانہ میں جب بیت المال نہیں ہے تو عامۃ المسلمین سے چندہ کر کے دیت پوری کی جائے گی۔

(۱۴/۲۳۲۳)　　وَاِنْ وُجِدَ فِيْ بَرِيَّةٍ لَيْسَ بِقُرْبِهَا عِمَارَةٌ فَهُوَ هَدْرٌ.

حل لغات: بریة: جنگل، جس جگہ آبادی سے چلانے کی آواز وہاں تک نہ پہنچ سکے تو وہ جنگل کے درجے میں ہے، هدر: بیکار، جس کی دیت نہ ہو۔

ترجمہ: اور اگر لاش کسی جنگل میں ملی جس کے قریب آبادی نہ ہو تو وہ رائیگاں ہے۔

تشریح: اگر مقتول کسی ایسے جنگل میں ملے جو کسی کا مملوک نہ ہو اور اس جنگل کے پاس کوئی آبادی نہ ہو تو کسی پر قسامت و دیت نہیں ہے۔

(۱۵/۲۳۲۴)　　وَاِنْ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ كَانَ عَلٰى اَقْرَبِهِمَا.

ترجمہ: اور اگر مقتول دو گاؤں کے درمیان پایا جائے تو دونوں گاؤں کے قریب والوں پر دیت ہوگی۔

تشریح: مقتول دو گاؤں کے درمیان ملا تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کس گاؤں سے زیادہ قریب ہے جس سے زیادہ قریب ہوگا انہیں گاؤں والوں پر قسامت اور دیت ہوگی۔

(۱۶/۲۳۲۵)　　وَاِنْ وُجِدَ فِيْ وَسْطِ الْفُرَاتِ يَمُرُّ بِهَا الْمَاءُ فَهُوَ هَدْرٌ.

ترجمہ: اور اگر پایا گیا دریائے فرات کے بیچ میں جس کو پانی بہائے لے جاتا ہے تو وہ خون رائیگاں ہے۔

تشریح: اگر مقتول دریائے فرات کے بیچ میں ملے جس کو پانی کی دھار بہا کر لے جا رہی ہے تو اس کی دیت کسی پر بھی واجب نہ ہوگی اس لئے کہ معلوم نہیں کہ لاش کہاں سے آرہی ہے اس لئے اس کا خون معاف ہے۔

(۱۷/۲۳۲۶)　　وَاِنْ كَانَ مُحْتَبِساً بِالشَّاطِئِ فَهُوَ عَلٰى اَقْرَبِ الْقُرٰى مِنْ ذَالِكَ الْمَكَانِ.

حل لغات: محتبساً باب افتعال مصدر احتباس رک جانا، شاطی: اس کی جمع شواطی کنارہ۔

ترجمہ: اور اگر رکا ہوا ہو کنارے پر تو قسامت قریب والے گاؤں پر ہوگی اس جگہ سے۔

تشریح: لاش دریائے فرات کے کنارے پر رکی ہوئی ہے تو جو بستی اس جگہ کے قریب ہے انہیں پر دیت واجب ہوگی [illegible] انہیں کا فریضہ ہے اس لئے قریب کے گاؤں والوں پر دیت ہوگی۔

(۲۳۲۷/۱۸) وَاِنِ ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِعَيْنِهٖ لَمْ تَسْقُطِ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کیا ولی نے محلہ والوں میں سے کسی ایک متعین شخص پر تو قسامت ساقط نہ ہوگی ان سے۔

تشریح: مقتول کے ولی نے دعویٰ کیا کہ محلہ کے فلاں آدمی نے اس کو قتل کیا ہے لیکن اس دعویٰ پر کوئی گواہ نہیں ہے صرف غالب گمان ہے اب اگر اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو اس کا خون رائیگاں جاتا ہے اس وجہ سے محلہ والوں سے قسمیں لے کر ان پر دیت لازم ہوگی۔

(۲۳۲۸/۱۹) وَاِنِ ادَّعٰى عَلٰى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ سَقَطَتْ عَنْهُمْ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے کسی غیر محلہ والے پر تو ساقط ہو جائے گی اہل محلہ سے۔

تشریح: جب محلّہ کے علاوہ دوسرے آدمی پر قتل کا دعویٰ ہے تو ظاہر ہے کہ اہل محلّہ کا اس قتل میں ہاتھ نہیں ہے اس لئے ان سے قسامت ساقط ہو جائے گی۔

(۲۳۲۹/۲۰) وَاِذَا قَالَ الْمُسْتَحْلَفُ قَتَلَهٗ فُلَانٌ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَاقَتَلْتُ وَلَاعَلِمْتُ لَهٗ قَاتِلًا غَيْرَ فُلَانٍ.

ترجمہ: جب کہا مستحلف (جس سے قسم لی جارہی ہے) نے کہ اس کو فلاں نے قتل کیا ہے تو اس کو یوں قسم دلائی جائے کہ خدا کی قسم میں نے قتل نہیں کیا اور نہ پہچانتا ہوں اس کا کوئی قاتل فلاں کے علاوہ۔

تشریح: جس آدمی سے قسم لی جارہی ہے وہ کہہ رہا ہے کہ اس کو تو فلاں شخص نے قتل کیا ہے تو ابھی یہ قسم پوری نہیں ہوئی کیوں کہ ممکن ہے کہ فلاں نے قتل تو کیا ہو مگر اس کے ساتھ یہ خود بھی شامل ہو تو قسم کی تکمیل کے لئے اس کو اب یوں قسم دی جائے گی کہ نہ تو میں نے قتل کیا ہے اور نہ فلاں کے علاوہ اس کا کوئی قاتل پہچانتا ہوں۔

(۲۳۳۰/۲۱) وَاِذَا شَهِدَ اِثْنَانِ مِنْ اَهْلِ الْمَحَلَّةِ عَلٰى رَجُلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ اَنَّهٗ قَتَلَهٗ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا.

ترجمہ: اور جب گواہی دیں دو آدمی محلہ والوں میں سے ایسے شخص کے خلاف جو ان میں سے نہیں ہے کہ اس نے اس مقتول کو قتل کیا ہے تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تشریح: محلّہ کے دو آدمیوں نے ایسے آدمی کے بارے میں جو اس محلّہ کا نہیں ہے گواہی دی کہ اس نے اس مقتول کو قتل کیا ہے تو صاحبین کے نزدیک یہ گواہی قبول کی جائے گی اور امام صاحب کے نزدیک قبول نہیں کی جائے گی کیوں کہ اس محلّہ میں قتل ہونے کی وجہ سے یہ اپنی جان چھڑانے کے لئے گواہی دے کر دوسرے محلّہ والوں پر بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں گویا کہ یہ متہم ہوگئے اس لئے ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

كِتَابُ الْمَعَاقِلِ

(یہ کتاب اہل معاقل کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: اب تک دیت کا بیان تھا اب ان لوگوں کا بیان کیا جائے گا جن پر دیت واجب ہوئی ہے۔

معاقل کی لغوی واصطلاحی تعریف: مَعَاقِل مفاعل کے وزن پر ہے مَعْقُلَةٌ کی جمع ہے بمعنی دیت، یہاں دیات کا بیان مقصود نہیں ہے اس کے لئے تو کتاب الدیات گذر چکی یہاں تو ان لوگوں کا بیان مقصود ہے کہ جن پر دیت واجب ہوتی ہے جن کو عاقلہ کہتے ہیں، اس لئے یہاں اصل عبارت یوں ہے کتاب اھل المعاقل.

(۱/۲۳۳۱) الدِّيَةُ فِي شِبْهِ الْعَمَدِ وَالْخَطَأُ وَكُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ بِنَفْسِ الْقَتْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ.

ترجمہ: دیت شبہ عمد اور قتل خطاء کی اور ہر وہ دیت جو واجب ہو نفس قتل سے وہ عاقلہ پر ہے۔

تشریح: ہر وہ دیت جو نفس قتل کی وجہ سے واجب ہوتی ہے مصالحت کی وجہ سے نہیں اور باپ ہونے کی وجہ سے نہیں یعنی اس قتل کا موجب ہی دیت ہو خواہ قتل شبہ عمد ہو یا قتل خطاء ہو تو ایسی دیت خود قاتل پر واجب نہ ہوگی بلکہ اس کی مددگار برادری پر واجب ہوگی۔

(۲/۲۳۳۲) وَالْعَاقِلَةُ اَهْلُ الدِّيْوَانِ اِنْ كَانَ الْقَاتِلُ مِنْ اَهْلِ الدِّيْوَانِ.

لغت: دیوان: حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فوجیوں کا نام رجسٹر اور دفتر میں لکھا گیا تھا اس وقت سے اہل دیوان بنے۔

ترجمہ: اور عاقلہ اہل دفتر ہیں اگر قاتل دفتر والوں میں سے ہو۔

عاقلہ کون ہوں گے؟

تشریح: قتل خطاء اور قتل شبہ عمد کی دیت عاقلہ پر ہوتی ہے اب سوال یہ ہے کہ عاقلہ کون ہوں گے؟ خاص طور پر ہمارے زمانہ میں یہ مسئلہ بہت پیچیدہ ہوگیا ہے جب قبائلی زندگی تھی اس وقت تو عاقلہ کا تعین آسان تھا کہ قبیلے کے لوگ قریب قریب رہتے تھے لیکن موجودہ زمانہ میں اور خاص طور پر شہری زندگی میں عاقلہ کس کو قرار دیا جائے؟ بات یہ ہے کہ عاقلہ ہونے کا دارومدار آپس میں تعاون پر ہے لہٰذا جن لوگوں کے درمیان آپس میں تعاون ہے وہ اس کی عاقلہ ہے جہاں کوئی قبیلہ ہے اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ اس کا قبیلہ فلاں ہے تو وہ قبیلہ اس کی عاقلہ ہے، اور اگر قبیلہ نہیں ہے لیکن منظم

برادری ہے تو وہ دیت ادا کرے اور اگر برادری بھی نہیں ہے تو پھر جیسے آج کل ٹریڈ یونین ہوتی ہے اور ان کے درمیان تعاون ہوتا ہے تو وہ اس کی عاقلہ ہوسکتی ہے اور جہاں یہ پتہ نہ چل سکے کہ اس کی عاقلہ کون ہے تو اس صورت میں دیت خود قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اہل دیوان کو عاقلہ مقرر کیا تھا اہل دیوان کا مطلب یہ ہے کہ ایک رجسٹر میں جن لوگوں کے نام درج ہیں مثلاً وہ ایک محکمے کے ملازم ہیں یا ایک فوجی یونٹ کے سپاہی ہیں ان سب کو آپس میں ایک دوسرے کی عاقلہ قرار دے دیا تھا چاہے قبیلے کے لحاظ سے وہ آپس میں متحد ہوں یا نہ ہوں۔

(۳/۲۳۳۳) يُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ فِيْ ثَلٰثِ سِنِيْنَ فَاِنْ خَرَجَتِ الْعَطَايَا فِيْ اَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثِ سِنِيْنَ اَوْ اَقَلَّ اُخِذَ مِنْهَا.

لغت: عطایا: واحد عطاء وظائف۔

ترجمہ: (یہ دیت) لی جائے گی ان کے وظائف سے تین سال میں پھر اگر نکلے عطایا تین سالوں سے زیادہ میں یا کم میں تو دیت اسی سے لی جائے گی۔

دیت کی ادائیگی کتنے سالوں میں ہوگی؟

تشریح: صاحب قدروی فرماتے ہیں کہ دیت کی ادائیگی تین سالوں میں ہوگی کیوں کہ حضورؐ اور حضرت عمرؓ سے اسی طرح منقول ہے عام طور سے ایسا ہوتا تھا کہ ماہانہ تنخواہ کے علاوہ فوج کو جو سالانہ انعام دیا جاتا تھا وہ ایک سال میں ایک مرتبہ دیا جاتا تھا لہٰذا اس میں سے ہر سال کے عطایا میں سے دیت کا تہائی وصول کرلیا جاتا تاکہ تین سال میں پوری دیت ادا ہو جائے لیکن اگر وہ عطیات تین سالوں کے بجائے چھ سالوں میں وصول ہوں تو پھر چھ سالوں میں دیت وصول کی جائے گی یعنی سالانہ ۱/۶ وصول کی جائے گی اور اگر اتفاق سے تین سالوں کے عطایا ایک ہی سال میں دیدیئے جائیں تو پوری دیت انہیں ایک سال کے عطایا سے وصول کرلی جائے گی۔

(۴/۲۳۳۴) وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِ الدِّيْوَانِ فَعَاقِلَتُهٗ قَبِيْلَتُهٗ.

ترجمہ: اور جو دفتر والوں میں سے نہ ہو تو اس کا عاقلہ اس کا قبیلہ ہے۔

تشریح: اگر کوئی اہل دیوان میں سے نہ ہو تو اس کا عاقلہ اس کا خاندان ہوگا اس لئے کہ اس کا مددگار اس کا خاندان ہوتا ہے۔

(۵/۲۳۳۵) تُقَسَّطُ عَلَيْهِمْ فِيْ ثَلٰثِ سِنِيْنَ لَايُزَادُ الْوَاحِدُ عَلٰى اَرْبَعَةِ دَرَاهِمَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ دِرْهَمٌ وَدَانِقَانِ وَيُنْقَصُ مِنْهَا.

حل لغات: تقسط: قسط وار دیا جائے گا۔ دانقان: درہم کے چھٹے حصہ کا ایک سکہ جمع دوانق۔

ترجمہ: قسط وار کردی جائے گی ان لوگوں پر تین سالوں میں ایک آدمی پر چار درہم سے زیادہ نہیں کئے جائیں گے ہر سال میں ایک درہم اور دو دانق چار سے کم بھی ہو سکتے ہیں۔

تشریح: جب قبیلہ والوں پر دیت تقسیم کی جائے تو اس میں یہ خیال رہے گا کہ پوری دیت ان سے تین سال میں قسط وار وصول ہوگی اور سالانہ ہر ایک سے ایک درہم لیا جائے تا کہ مجموعہ تین ہو جائے یا ہر ایک سے ایک درہم اور درہم کا تہائی لیا جائے تا کہ مجموعہ چار دراہم ہو جائے کیوں کہ کسی سے چار سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے اگر چہ کم کر دینے کی گنجائش ہے صاحب قدوری کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین سال میں ہر ایک سے چار درہموں سے زیادہ لیا جاسکتا ہے مگر اصح وہی ہے جو تشریح کے تحت صورت مسئلہ ذکر کی گئی ہے۔

(۲۳۳۶/۶) فَإِنْ لَمْ تَتَّسِعِ الْقَبِيْلَةُ لِذٰلِكَ ضُمَّ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ إِلَيْهِمْ.

ترجمہ: پھر اگر قبیلہ میں اس کی گنجائش نہ ہو تو ان کے ساتھ ملائے جائیں گے قریبی قبیلے والے۔

تشریح: جس قبیلہ کو اس کا عاقلہ شمار کیا گیا تھا وہ اداء دیت کے لئے ناکافی ہے تو رشتہ داری میں اس قبیلے سے جو زیادہ قریب ہو تو اس قبیلہ کو دیت میں شامل کیا جائے گا تا کہ آسانی سے دیت ادا ہو سکے کیوں کہ ہر آدمی سے چار درہم ہی لینے کی اجازت ہے۔

(۲۳۳۷/۷) وَيَدْخُلُ الْقَاتِلُ مَعَ الْعَاقِلَةِ فَيَكُوْنُ فِيْمَا يُؤَدِّىْ كَأَحَدِهِمْ.

ترجمہ: اور داخل ہوگا قاتل عاقلہ کے ساتھ چناں چہ ہوگا وہ دیت ادا کرنے میں ایک عاقلہ کے مانند۔

تشریح: جہاں عاقلہ پر دیت واجب ہوگی وہاں قاتل بھی دیت ادا کرنے میں عاقلہ کے ساتھ شریک ہوگا امام شافعیؒ کے نزدیک قاتل پر کچھ واجب نہیں کیوں کہ وہ غلطی کرنے کی وجہ سے معذور ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ قاتل جرم کرے اور پھنسے کوئی اور یہ کہاں کا انصاف ہے اس لئے قاتل بھی عاقلہ کا شریک ہوگا۔

(۲۳۳۸/۸) وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيْلَةُ مَوْلَاهُ وَمَوْلَى الْمُوَالَاةِ يَعْقِلُ عَنْهُ مَوْلَاهُ وَقَبِيْلَتُهُ.

ترجمہ: اور آزاد شدہ کا عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے اور مولی الموالاۃ کی طرف سے دیت دے گا اس کا آقا اور اس کا قبیلہ۔

آزاد شدہ کا عاقلہ کون ہے؟

تشریح: جو غلام آزاد ہو گیا صرف آزاد کرنے والا آقا اور اس کا خاندان ہے تو اس آزاد شدہ غلام کا عاقلہ آقا

اور آقا کا قبیلہ ہوگا یہی لوگ اس کے قتل خطاء کی دیت ادا کریں گے ایسے ہی اگر دو شخصوں میں عقد موالاۃ قائم ہوا اور اس سے کوئی غلطی صادر ہوئی تو اس کا مولی الموالاۃ اور مولی کا خاندان اس کی دیت ادا کرے گا۔

(۹/۲۳۳۹) وَلَاتَتَحَمَّلُ الْعَاقِلَةُ اَقَلَّ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ وَتَتَحَمَّلُ نِصْفَ الْعُشْرِ فَصَاعِداً وَمَا نَقَصَ مِنْ ذَالِكَ فَهُوَ فِیْ مَالِ الْجَانِیْ.

حل لغات: تتحمل: مضارع مصدر تَحَمُّلاً برداشت کرنا، نصف عشر: پوری دیت کا بیسواں حصہ، جانی: قصور کرنے والا۔

ترجمہ: اور نہیں برداشت کریں گے عاقلہ دیت کے بیسویں حصے سے کم کو اور برداشت کریں گے بیسواں حصہ یا اس سے زیادہ کو اور جو اس سے کم ہو وہ قصوروار کے مال میں ہوتی ہے۔

تشریح: اگر پوری دیت کے بیسویں حصہ سے کم دیت واجب ہو تو اس کو عاقلہ ادا نہیں کریں گے بلکہ اس کو قاتل ادا کریگا ہاں اگر بیسواں حصہ یا اس سے زیادہ مقدار دیت کی واجب ہو تو اس کو کثیر شمار کیا جائے گا اور دیت عاقلہ پر واجب ہوگی مثلاً موضحہ میں پوری دیت کا بیسواں حصہ یعنی پانچ اونٹ لازم ہوں گے معلوم ہوا کہ اس سے کم کے عاقلہ متحمل نہیں ہوں گے بلکہ قاتل کے مال میں ہوگی۔

(۱۰/۲۳۴۰) وَلَا تَعْقِلُ الْعَاقِلَةُ جِنَايَةَ الْعَبْدِ.

ترجمہ: اور عاقلہ غلام کی جنایت کی دیت ادا نہیں کریں گے۔

تشریح: غلام نے کسی کو غلطی سے قتل کردیا تو اس کی دیت غلام کی قیمت کے حساب سے ہوگی اور خود آقا کو اختیار ہوگا کہ غلام کو ولی جنایت کے حوالہ کرے یا آقا اس کی دیت دے کر غلام رکھ لے آقا یا آقا کے خاندان والے اس کی دیت ادا نہیں کریں گے غلام اگر آزاد ہو جائے تب آقا کے خاندان والے اس کی دیت ادا کریں گے۔

(۱۱/۲۳۴۱) وَلَاتَعْقِلُ الْجِنَايَةَ الَّتِیْ اِعْتَرَفَ بِهَا الْجَانِیْ اِلَّا اَنْ يُصَدِّقُوْهُ .

ترجمہ: اور خاندان نہیں دیت دے گا اس جرم کی جس کا اقرار کرلے قصوروار مگر یہ کہ وہ اسکی تصدیق کردیں۔

تشریح: قاتل یوں کہتا ہے کہ مقتول کا اتنا مال میرے ذمہ ہے تو یہ مال قاتل کا قبیلہ ادا نہیں کرے گا ہاں اگر عاقلہ اسکی تصدیق کردیں کہ واقعتاً مقتول کا مال تمہارے ذمہ ہے اور ہم لوگ بخوشی اس کو ادا کریں گے تو ادا کرسکتے ہیں۔

(۱۲/۲۳۴۲) وَلَا يَعْقِلُ مَالَزِمَ بِالصُّلْحِ.

ترجمہ: اور نہیں دیت دیں گے اس کی جو لازم ہو صلح کی وجہ سے۔

تشریح: ایک آدمی نے کسی کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اب قصاصاً اسے مارا جانا تھا مگر اس نے مال دے کر صلح کر لی تو یہ صلح کا مال خود قاتل کے مال میں لازم ہوگا عاقلہ پر لازم نہیں ہے۔

(۱۳/۲۳۴۳)　وَإِذَا جَنَى الْحُرُّ عَلَى الْعَبْدِ جِنَايَةً خَطَأً كَانَتْ عَلَى عَاقِلَتِهِ.

ترجمہ: اور جب جنایت کرے آزاد آدمی غلام پر غلطی سے تو دیت آزاد کے عاقلہ پر ہوگی۔

تشریح: اگر کسی آزاد آدمی نے غلام کو قتل کر دیا ہے تو ہمارے نزدیک دیت کے بجائے قاتل کے عاقلہ پر غلام کی قیمت ہوگی کیوں کہ یہ قیمت جان کا بدل ہے جو خطاً قتل کیوجہ سے واجب ہو رہی ہے اور بدل نفس کا وجوب عاقلہ پر ہوتا ہے۔

كِتَابُ الْحُدُوْدِ

(یہ کتاب حدود کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: گذشتہ ابواب سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ گذشتہ ابواب میں نفس انسانی کی حفاظت کی خاطر احکام مشروع ہوئے اور اس باب میں ایسے احکامات بیان کر رہے ہیں جن کا اجراء عزت وآبرو وغیرہ کی بنیاد پر ہوا، نیز ماقبل میں جنایت علی الغیر کا بیان تھا اور اس کتاب میں جنایت علی نفسہ کا بیان ہے اور جب کہ اول اہم ہے اس لئے اسے مقدم کیا۔

حدود کی لغوی تعریف: حدود یہ حد کی جمع ہے روکنا حد لگنے سے آدمی گناہوں سے رکتا ہے اس لئے اس کو حد کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: جو سزا شارع کی جانب سے مقرر شدہ ہو اور اس کا اجراء بطور حق اللہ کے ہوتا ہو۔

(۱/۲۳۴۴)　اَلزِّنَا يَثْبُتُ بِالْبَيِّنَةِ وَالْإِقْرَارِ.

ترجمہ: زنا ثابت ہوتا ہے گواہی اور اقرار سے۔

تشریح: زنا کی تعریف: شرمگاہ کا غیر محل میں داخل کرنا۔ یہ باب حد زنا ہے اس لئے اس کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ خود چار مرتبہ زنا کا اقرار کرے یا چار آدمی گواہی دیں گے کہ فلاں نے زنا کیا ہے تب جا کر اس پر حد جاری ہوگی۔

(۲/۲۳۴۵)　فَالْبَيِّنَةُ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَةٌ مِنَ الشُّهُوْدِ عَلَى رَجُلٍ اَوْ اِمْرَأَةٍ بِالزِّنَا.

ترجمہ: اور گواہی کی شکل یہ ہے کہ گواہی دیں چار گواہ مرد پر یا عورت پر زنا کی۔

تشریح: زنا کا ثبوت چار مردوں کی گواہی سے ہوگا اللہ کا فرمان ہے فاستشهدوا علیهن اربعة منکم، سوتم لوگ ان عورتوں (کے اس فعل) پر چار آدمی اپنوں میں سے (مسلمان آزاد عاقل بالغ مذکر) گواہ کرلو (تا کہ ان کی گواہی پر احکام سزا آئندہ جاری کریں) پھر گواہی میں صرف وطی کی شہادت کافی نہیں بلکہ صراحۃً لفظ زنا کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے کیوں کہ وطی و جماع میں ملک یا شبہ ملک کا احتمال ہے۔

(۳/۲۳۴۶) فَسَأَلَهُمُ الْإِمَامُ عَنِ الزِّنَا مَاهُوَ وَكَيْفَ هُوَ وَأَيْنَ زَنٰى وَمَتٰى زَنٰى وَبِمَنْ زَنٰى.

ترجمہ: پھر پوچھے ان سے امام زنا کے بارے میں کہ زنا کیا ہے؟ کس طرح ہوتا ہے؟ زنا کہاں کیا ہے؟ کب کیا ہے؟ کس کے ساتھ کیا ہے۔

امام گواہوں سے کس طرح تحقیق کرے؟

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب گواہ زنا کی گواہی دے دیں تو امام گواہوں سے پوری تحقیق کرے تا کہ حقیقت ظاہر ہو جائے کہ واقعی زنا ہوا ہے یا نہیں اب گواہوں سے زنا کے بارے میں پوچھے کہ زنا کیا ہے یعنی جو کام اپنی بیوی سے حلال طریقہ پر کرتا ہے وہی کام اجنبیہ عورت سے حرام طریقہ پر کرنے کو کہتے ہیں گواہ اس حقیقت کو جانتے ہوں پھر پوچھے کس طرح ہوا؟ بخوشی یا زبردستی کہاں ہوا؟ دارالاسلام میں یا دارالحرب میں کس وقت ہوا؟ قریبی زمانہ میں ہوا یا بہت پہلے کس کے ساتھ ہوا؟ یہ بھی احتمال ہے کہ مرد نے اپنی بیوی سے صحبت کی ہو اور گواہ نہ پہچانتے ہوں اس لئے پوچھے کس کے ساتھ ہوا، ان سوالات کی ضرورت اس لئے ہے کہ ممکن ہے زنا زبردستی ہوا ہو یا وہ عورت مرد کے لئے حلال ہو اور یہ زنا کی گواہی دے رہے ہوں وغیرہ وغیرہ اسی لئے حاکم پوری تحقیق کرے۔

(۴/۲۳۴۷) فَإِذَا بَيَّنُوْا ذَالِكَ وَقَالُوْا رَأَيْنَاهُ وَطَأَهَا فِيْ فَرْجِهَا كَالْمِيْلِ فِي الْمُكْحَلَةِ.

حل لغات: میل سرمہ کی سلائی اَلْمُکْحَلَةُ کحل سے مشتق ہے سرمہ مکحلة سرمہ رکھنے کی چیز سرمہ دانی۔

ترجمہ: جب وہ اس کو بیان کردیں اور کہہ دیں کہ ہم نے اس کو شرمگاہ میں صحبت کرتے دیکھا ہے اس طرح جیسے سلائی ہوتی ہے سرمہ دانی میں۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ جب گواہ ساری بات بالتفصیل بیان کردیں اور کہیں کہ جیسے سلائی سرمہ دانی میں ڈالی جاتی ہے اس طرح کرتے دیکھا ہے تو گواہی مقبول ہے اور اگر اشارہ کنایہ سے زنا کی گواہی دی تو مقبول نہیں ہے۔

(۵/۲۳۴۸) وَسَأَلَ الْقَاضِيْ عَنْهُمْ فَعُدِّلُوْا فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ.

حل لغت: عدلو: ماضی مجہول باب تفعیل مصدر تعدیلاً گواہوں کے بارے میں پوچھنا کہ یہ اچھے لوگ

ہیں یا برے۔

ترجمہ: اور (جب) معلوم کیا قاضی نے ان کے بارے میں پھر ان کو عادل بتایا گیا پوشیدہ اور ظاہری طور پر تو فیصلہ کردے ان کی گواہی کے مطابق۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ گواہوں کی گواہی کے بغیر قاضی خفیہ اور علانیہ طور پر گواہوں کی اخلاقی حالت کے بارے میں پوچھ تاچھ کرے جب ہر طریقہ سے ان کے صلاح وتقویٰ کی گواہی ہو جائے تو قاضی ان کی گواہی پر زنا کا فیصلہ کردے۔

(۶/۲۳۴۹) وَالْإِقْرَارُ اَنْ يُقِرَّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالزِّنَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِيْ اَرْبَعَةِ مَجَالِسَ مِنْ مَجَالِسِ الْمُقِرِّ كُلَّمَا اَقَرَّ رَدَّهُ الْقَاضِيْ.

ترجمہ: اور اقرار یہ ہے کہ اقرار کرے بالغ عاقل آدمی اپنی ذات پر زنا کا چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کرنے والے کی مجلسوں سے وہ جب بھی اقرار کرے تو قاضی اس کو رد کردے۔

زانی کا اقرار کب معتبر ہوگا؟

تشریح: اوپر چار گواہوں کے ذریعہ زنا کے ثبوت کا طریقہ تھا اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ اقرار کرنے والا خود اپنی ذات پر زنا کا اقرار کر رہا ہے تو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرے اور ہر بار اقرار کرنے والے کی مجلس بدل جائے یعنی جب وہ اقرار کرے تو حاکم اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دے اور وہ پھر آ کر اقرار کرے اسی طرح چار بار اقرار کرے اب اس پر سزا جاری ہوگی اگر ایک یا دو مرتبہ اقرار کرے تو یہ سزا جاری کرنے کے لئے کافی نہیں ہے یہ تفصیل حنفیہ کے نزدیک ہے حضرات شافعیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ بھی اقرار کرلے تو اس پر سزا جاری ہو جائے گی۔

دلیل: حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے ایک مرتبہ زنا کا اقرار کیا تو اس کو رجم کیا گیا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے: فان اعترفت فارجمها (بخاری شریف ص:۱۰۰۸ باب الاعتراف بالزنا)، اگر وہ اقرار کرلے تو اس کو رجم کردو اس حدیث میں حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا اعترفت اربع مرات بلکہ مطلق فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ کا اقرار کرلینا بھی کافی ہے۔

جواب: فان اعترفت کا مطلب یہ ہے کہ فان اعترفت بالطریق المعروف یعنی معروف ومشہور طریقہ کے مطابق اقرار کرلے تو رجم کردو اور معروف طریقہ یہ ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرلے۔

احناف کی دلیل: حدیث پاک میں ہے کہ حضرت ماعز اسلمیؓ نے چار مرتبہ اقرار کیا اور چار مجلسوں

میں کیا (بخاری ص:۱۰۰۸ باب سوال الامام المقر هل احصنت).

(۷/۲۳۵۰) فَاِذَا تَمَّ اِقْرَارُهٗ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ سَأَلَهُ الْقَاضِیْ عَنِ الزِّنَا مَاهُوَ وَ کَیْفَ هُوَ وَاَیْنَ زَنٰی وَبِمَنْ زَنٰی فَاِذَا بَیَّنَ ذَالِكَ لَزِمَهُ الْحَدُّ.

ترجمہ: پھر جب اس کا اقرار پورا ہو جائے چار بار تو پوچھے اس سے قاضی کہ زنا کیا ہوتا ہے کیسے ہوتا ہے یہ بھی پوچھے کہ وہ کہاں ہوا کس کے ساتھ کیا جب وہ یہ بیان کر دے تو اس پر حد لازم ہو جائے گی۔

تشریح: جب اقرار کرنے والا چار مرتبہ اقرار کر لے تو قاضی اقرار کرنے والے سے زنا کی حقیقت پوچھے یہ بھی پوچھے کیسے ہوتا ہے یہ بھی پوچھے کہ وہ کہاں ہوا کیوں کہ اس کے اختلاف سے حد ساقط ہو جائے گی کس کے ساتھ کیا کیوں کہ ممکن ہے کہ اقرار کرنے والا یہ سمجھے کہ فلاں کے ساتھ زنا کرنے سے حد لازم ہوگی حالانکہ بیٹے کی باندی سے زنا کرے تو حد لازم نہیں ہوتی بہر حال جب تمام باتوں کا صحیح صحیح جواب دے دے تو قاضی حد لگانے کا فیصلہ کر دے گا۔

(۸/۲۳۵۱) فَاِنْ کَانَ الزَّانِیْ مُحْصَناً رَجَمَهُ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰی یَمُوْتَ یُخْرِجُهُ اِلٰی اَرْضٍ فَضَاءٍ تَبْتَدِئُ الشُّهُوْدُ بِرَجْمِهٖ ثُمَّ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ فَاِنِ امْتَنَعَ الشُّهُوْدُ مِنَ الْاِبْتِدَاءِ سَقَطَ الْحَدُّ.

حل لغات: محصن: پاکدامن شادی شدہ، رجمہ: ماضی باب (ن) رجماً پتھر مارنا، فضاء: کشادہ میدان۔

ترجمہ: پھر اگر زانی محصن ہے تو اس کو سنگسار کر دے یہاں تک کہ مر جائے نکالے اس کو میدان کی طرف اور پہلے گواہ رجم کرنا شروع کرے پھر امام پھر لوگ پھر اگر رک جائیں گواہ شروع کرنے سے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

زانی کو کس طرح سنگسار کرے؟

تشریح: اگر زانی محصن ہو تو اس کو سو کوڑے نہیں لگیں گے بلکہ پتھر سے مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا رجم کے لئے اس کو میدان میں لے جائیں اور پہلے گواہ پتھر ماریں پھر امام پتھر مارے پھر لوگ پتھر مار کر ہلاک کریں اور اگر گواہ پتھر مارنے سے انکار کر دیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ گواہی میں خامی ہے اس لئے رجم ساقط ہو جائے گا۔

(۹/۲۳۵۲) وَاِنْ کَانَ الزَّانِیْ مُقِرًّا اِبْتَدَأَ الْاِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ.

ترجمہ: اور اگر زنا کرنے والے نے اقرار کیا ہو تو شروع کرے امام پھر لوگ۔

تشریح: اگر زانی کا زنا اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو تو پہلے امام سنگسار کرے پھر عام لوگ کیوں کہ پہلے حضورؐ نے غامدیہ کو کنکری ماری پھر لوگوں کو مارنے کا حکم دیا۔

(۱۰/۲۳۵۳) وَيُغَسَّلُ وَيُكَفَّنُ وَيُصَلّٰى عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور غسل دیا جائے گا اور کفن دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔
تشریح: زنا کے گناہ کی سزا پاچکا ہے تاہم وہ مومن ہوکر مرا ہے اس لئے عام مسلمانوں کی طرح غسل وکفن دیا جائے گا اور اس پر نماز بھی پڑھی جائے گی اور دفن بھی کیا جائے گا۔

(۱۱/۲۳۵۴) وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مُحْصَناً وَكَانَ حُرًّا فَحَدُّهُ مِائَةُ جَلْدَةٍ.

ترجمہ: اور اگر محصن نہ ہو اور آزاد ہو تو اس کی حد سو کوڑے ہیں۔
تشریح: آیت میں ہے الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة اس آیت میں زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے لیکن حدیث کی بنا پر محصن اس سے الگ ہو گیا، اس لئے غیر محصن کو سو کوڑے لگیں گے۔

(۱۲/۲۳۵۵) يَأْمُرُ الْاِمَامُ بِضَرْبِهِ بِسَوْطٍ لَاثَمْرَةَ لَهُ ضَرْباً مُتَوَسِّطاً.

حل لغات: سوط: کوڑا جمع اسواط، ثمرة: گرہ۔
ترجمہ: حکم دے امام اس کے مارنے کا ایسے کوڑے سے جس میں گرہ نہ ہو درمیانی مار۔
تشریح: صاحب قدوریؒ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت ایسے کوڑے سے مارنے کا حکم دے جو بہت سخت نہ ہو اور نہ بہت نرم ہو بلکہ درمیانی قسم کا ہو کہ تنبیہ بھی ہو جائے اور آدمی زیادہ زخمی بھی نہ ہو نہ بہت طاقت سے مارے اور نہ بہت آہستہ سے مارے۔

(۱۳/۲۳۵۶) يُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ

ترجمہ: اتار لئے جائیں اس کے کپڑے۔
تشریح: اگر مرد ہے تو ستر پر کپڑا رکھے باقی کپڑوں کو اتروا کر کوڑے مارے ستر نہ کھولے کیوں کہ ستر کا کھولنا حرام ہے کپڑے اس لئے اتارے کہ مناسب مار لگے خاص طور پر موٹے کپڑے اتروالے۔

(۱۴/۲۳۵۷) وَيُفَرِّقُ الضَّرْبُ عَلٰى اَعْضَائِهِ اِلَّا رَأْسَهُ وَوَجْهَهُ وَفَرْجَهُ.

ترجمہ: اور متفرق (مختلف اعضاء پر) کرے مار کو اس کے اعضاء پر سوائے اسکے سر اور چہرہ اور شرمگاہ کے۔
تشریح: ایک ہی جگہ پر تمام کوڑے نہ مارے بلکہ الگ الگ عضو پر مارے البتہ چہرہ شرمگاہ اور سر پر نہ مارے کیوں کہ یہ نازک اعضاء ہیں۔

(۱۵/۲۳۵۸) وَاِنْ کَانَ عَبْداً جَلَدَہٗ خَمْسِیْنَ کَذٰلِکَ.

ترجمہ: اور اگر وہ غلام ہو تو اس کو پچاس کوڑے مارے اسی طرح۔

تشریح: آزاد زنا کرے تو سو کوڑے لگتے ہیں اور غلام یا باندی کرے تو پچاس کوڑے لگیں گے کیوں کہ آیت میں ہے فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام (زنا) کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا جاری ہوگی جو کہ آزاد عورتوں پر ہوتی ہے (اور اسی طرح غلاموں کی بھی) اس آیت سے معلوم ہوا کہ غلام باندی پر آدھی سزا ہے۔

(۱۶/۲۳۵۹) فَاِنْ رَجَعَ الْمُقِرُّ عَنْ اِقْرَارِہٖ قَبْلَ اِقَامَۃِ الْحَدِّ عَلَیْہِ اَوْفِیْ وَسْطِہٖ قُبِلَ رُجُوْعُہٗ وَخُلِّیَ سَبِیْلُہٗ.

حل لغات: خلی: ماضی مجہول مصدر تخلیہ چھوڑنا، سبیل: راستہ۔

ترجمہ: پھر اگر پھر جائے اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے اس (اپنے اوپر) پر حد قائم ہونے سے پہلے یا اس کے درمیان تو قبول کر لیا جائے گا اس کا رجوع کرنا اور چھوڑ دیا جائے گا اس کو۔

اقرار سے رجوع کا بیان

تشریح: اگر مقر اقرار کے بعد حد سے پہلے یا حد کے درمیان اقرار سے رجوع کرے تو چھوڑ دیا جائے گا کیوں کہ اس کا رجوع کرنا خبر ہے جس میں صدق کا بھی احتمال ہے اور کوئی مکذب موجود نہیں تو اقرار میں شبہ آ گیا اور حدود ادنیٰ شبہ سے ٹل جاتی ہیں۔

(۱۷/۲۳۶۰) وَیَسْتَحِبُّ لِلْاِمَامِ اَنْ یُلَقِّنَ الْمُقِرَّ الرُّجُوْعَ وَیَقُوْلُ لَہٗ لَعَلَّکَ لَمَسْتَ اَوْ قَبَّلْتَ.

حل لغات: یلقن: مضارع مصدر تلقینا سمجھانا، رجوع کرنے کا اشارہ کرنا، قبلت: ماضی بوسہ لیا۔

ترجمہ: اور مستحب ہے امام کے لئے کہ اقرار کرنے والے کو رجوع کرنے کا اشارہ کرے اور اس سے کہے شاید تو نے چھویا ہوگا یا بوسہ لیا ہوگا۔

تشریح: جس وقت حضرت ماعزؓ زنا کا اقرار کرنے تشریف لائے تو حضورؐ نے ان کو رجوع کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا تھا شاید تم نے بوسہ لیا ہوگا یا بھینچا ہوگا یا تم نے دیکھا ہوگا فرمایا نہیں یا رسول اللہ (بخاری شریف: ۱۰۰۸)

(۱۸/۲۳۶۱) وَالرَّجُلُ وَالْمَرْأَۃُ فِیْ ذٰلِکَ سَوَاءٌ غَیْرَ اَنَّ الْمَرْأَۃَ لَاتُنْزَعُ عَنْھَا ثِیَابُھَا اِلَّا الْفَرْوَ وَالْحَشْوَ.

حل لغات: الفرو: پوستین جو بعض حیوانات کی کھال سے تیار کیا جاتا ہے جمع فِراءٌ، الحشو: روئی سے بھرا ہوا کپڑا، کوٹ وغیرہ۔

ترجمہ: مرد اور عورت حد کے بارے میں برابر ہیں علاوہ اس کے کہ اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں سوائے پوستین اور موٹے کپڑے کے۔

زانیہ کو سنگسار کرنے کا بیان

تشریح: حد لگانے میں اور رجوع کے قبول کرنے میں مرد اور عورت برابر ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ جب عورت پر حد جاری کی جائے گی تو اس کے کپڑوں میں سے پوستین اور صرف موٹے کپڑے اتارے جائیں گے باقی کپڑے جسم پر ہی رہیں گے تا کہ حد لگاتے وقت ستر نہ کھلے اور چوں کہ موٹے کپڑے پر ضرب نہ لگے گی اس لئے موٹے کپڑے اتار لئے جائیں۔

(۱۹/۲۳۶۲) وَاِنْ حَفَرَ لَهَا فِي الرَّجْمِ جَازَ.

حل لغت: حفر: ماضی معروف حفراً مصدر ہے گڑھا کھودنا۔

ترجمہ: اور اگر گڑھا کھودے عورت کی سنگساری کے لئے تو جائز ہے۔

تشریح: اگر عورت کو سنگسار کرنے کے لئے کوئی گڑھا کھودا جائے تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے کیوں کہ اس میں عورت کے لئے پردہ زیادہ ہے یہ گڑھا سینہ تک گہرا کھودا جائے کیوں کہ حضورؐ نے حضرت غامدیہ کو رجم کرتے وقت سینہ تک گڑھا کھدوایا تھا لیکن مرد کیلئے گڑھا کھودنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ حضرت ماعز کیلئے گڑھا نہیں کھدوایا تھا۔

(۲۰/۲۳۶۳) وَلَايُقِيْمُ الْمَوْلٰى الْحَدَّ عَلٰى عَبْدِهٖ وَاَمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِ الْاِمَامِ.

ترجمہ: اور نہیں قائم کرسکتا آقا حد اپنے غلام اور باندی پر مگر امام کی اجازت سے۔

تشریح: آقا حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے غلام اور باندی پر حد قائم نہیں کرسکتا ہے البتہ سزا دے سکتا ہے کیوں کہ اگر ہر آدمی حد جاری کرے گا تو زیادتی کرسکتا ہے اس لئے امام سوچ سمجھ کر حد جاری کرے گا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آقا اپنے غلام اور باندی پر حد قائم کرسکتا ہے۔

دلیل: حضرت علیؓ نے فرمایا یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَقِیْمُوْا الْحُدُوْدَ عَلٰی اَرِقَّائِکُمْ. (ترمذی باب ماجاء فی اقامۃ الحد) اے لوگو! اپنے غلاموں پر حدیں جاری کرو، لہٰذا آقا کو یہ حق ہے کہ وہ خود اپنے غلام پر حد جاری کردے۔

جواب: حضرت علیؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ امام کو اس کے زنا کی اطلاع کرو اور شرعی شہادت کے ذریعہ اس جرم کو ثابت کرو اس کے بعد امام ہی اس پر حد جاری کرے گا یعنی یہ نہ کرو کہ چوں کہ وہ تمہارے غلام ہیں اس

لئے ان کو چھپالو اور ان پر حد جاری کرانے سے پرہیز کرو۔

(۲۱/۲۳۶۴) وَإِنْ رَجَعَ اَحَدُ الشُّهُوْدِ بَعْدَ الْحُكْمِ قَبْلَ الرَّجْمِ ضُرِبُوْا الْحَدَّ وَسَقَطَ الرَّجْمُ عَنِ الْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور اگر رجوع کرلے کوئی گواہ فیصلہ کے بعد رجم سے پہلے تو حد لگائی جائے گی گواہوں کو اور ساقط ہوجائے گا رجم مشہود علیہ (زانی) سے۔

گواہی سے رجوع کرنے کا بیان

تشریح: چار گواہوں کی گواہی سے مشہود علیہ کو سنگ سار کرنے کا فیصلہ ہوگیا لیکن رجم نہیں کیا گیا تھا کہ ایک دو گواہ انکار کر گئے تو رجم ساقط ہوجائے گا اور تمام گواہوں پر حد قذف لگے گی، کیوں کہ اس کے حق میں گواہی مکمل نہ رہی۔

(۲۲/۲۳۶۵) وَإِنْ رَجَعَ بَعْدَ الرَّجْمِ حُدَّ الرَّاجِعُ وَضَمِنَ رُبْعَ الدِّيَةِ.

ترجمہ: اور اگر پھر گیا رجم کے بعد تو حد لگائی جائے گی صرف رجوع کرنے والے کو اور ضامن ہوگا چوتھائی دیت کا۔

تشریح: چار گواہوں کی گواہی سے رجم کیا رجم کے بعد ایک گواہ پھر گیا تو جو پھرا ہے اس کو حد لگے گی اور اس پر چوتھائی دیت یعنی ڈھائی ہزار درہم لازم ہوں گے حد تو اس لئے لگے گی کہ رجم والے پر تہمت لگائی اور چوں کہ چار آدمیوں نے مل کر اس کی جان لی ہے اس لئے اس ایک آدمی پر چوتھائی دیت لازم ہوگی۔

(۲۳/۲۳۶۶) وَإِنْ نَقَصَ عَدَدُ الشُّهُوْدِ عَنْ اَرْبَعَةٍ حُدُّوْا جَمِيْعاً.

ترجمہ: اور اگر کم ہو گواہوں کی تعداد چار سے تو سب کو حد لگائی جائے گی۔

تشریح: زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے اگر حاکم کے پاس تین یا دو گواہ آئے تو جنہوں نے زنا کے ثبوت کی گواہی دی ہے ان کو حد قذف لگے گی تاکہ تہمت لگانے کا دروازہ بند ہوجائے۔

(۲۴/۲۳۶۷) وَاِحْصَانُ الرَّجْمِ اَنْ يَكُوْنَ حُرًّا بَالِغًا عَاقِلاً مُسْلِماً قَدْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً نِكَاحًا صَحِيْحاً وَدَخَلَ بِهَا وَهُمَا عَلَى صِفَةِ الْاِحْصَانِ.

ترجمہ: اور رجم کا محصن ہونا یہ ہے کہ وہ آزاد ہو بالغ ہو عاقل ہو مسلمان ہو کسی عورت سے نکاح صحیح کیا ہو اور اس سے صحبت کی ہو اس حال میں کہ وہ دونوں احصان کی صفت پر ہوں۔

تشریح: سنگسار کرنے کے لئے زانی کا محصن ہونا شرط ہے اگر محصن نہ ہو تو مجرم کو سو کوڑے لگیں گے اور اگر

غلام یا باندی ہے تو پچاس کوڑے لگیں گے اس لئے مصنفؒ یہ فرماتے ہیں کہ جب سات شرطیں پائی جائیں تب آدمی محصن ہوتا ہے:

(۱) آزاد ہو باندی اور غلام محصن نہیں ہیں (۲) عاقل ہونا (۳) بالغ ہونا، بچہ اور مجنون میں سزا کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے محصن نہیں (۴) محصن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے لہٰذا اگر غیر مسلم شادی شدہ زنا کرے تو اس کی سزا رجم نہیں بلکہ سو کوڑے ہیں کیوں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا جس نے شرک کیا وہ محصن نہیں ہے (دار قطنی ج:۳ص:۱۰۷) امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک محصن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا اگر غیر مسلم زنا کریں اور شادی شدہ ہو تو ان پر بھی رجم کی سزا عائد ہوگی۔

دلیل: حضورؐ کے پاس یہودی اور یہودیہ لائے گئے دونوں نے زنا کیا تھا حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں دونوں کو مقام بلاط کے پاس رجم کیا۔ (بخاری ص:۱۰۰۷)۔

جواب: رجم کا حکم ان پر حقیقت میں اسلام کے حکم سے ہی ہوا تھا لیکن اس زمانہ تک احصان رجم کے لئے اسلام کو شرط قرار نہیں دیا گیا تھا بعد میں اسلام کو احصان رجم کے لئے شرط قرار دیا گیا اسلئے یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے۔

(۵) کسی عورت سے نکاح صحیح کیا ہو لہٰذا اگر بغیر گواہوں کے نکاح کیا ہو تو وہ محصن نہیں۔ (۶) وطی کا ہونا (۷) بوقت نکاح ووطی دونوں کا احصان کی صفت کے ساتھ متصف ہونا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہودیہ نصرانیہ اور باندی سے شادی کرے تو محصن نہیں ہوگا آزاد مسلمان عورت سے شادی کرے تب محصن ہوگا ان سات شرطوں میں سے اگر ایک بھی ختم ہو جائے تو وہ محصن نہیں ہوگا اب اس کو رجم نہیں کیا جائے گا۔

(۲۳۶۸/۲۵) وَلَايُجْمَعُ فِي الْمُحْصَنِ بَيْنَ الْجَلْدِ وَالرَّجْمِ.

ترجمہ: اور جمع نہیں کیا جائے گا محصن میں کوڑے اور سنگساری کو۔

کیا محصن پر رجم سے قبل کوڑے لگائے جائیں گے؟

تشریح: آدمی محصن ہو تو اس پر رجم ہے اب رجم سے پہلے کوڑے لگائے جائیں یا نہیں؟ اس بارے میں دو مذہب ہیں۔

(۱) امام احمدؒ کے نزدیک شادی شدہ مرد وعورت کی حد رجم اور سو کوڑے ہیں۔

دلیل: حدیث میں ہے الثیب بالثیب جلد مائة ثم الرجم (ترمذی ص:۲۶۴) شادی شدہ مرد کو شادی شدہ عورت کے ساتھ سو کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا ہے۔

جواب: حضرت عبادہ بن صامتؓ کی مذکورہ حدیث حضرت ماعز اسلمی کے واقعہ سے منسوخ ہے کیوں کہ وہ بعد

کا واقعہ ہے۔

(۲) دوسرا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شادی شدہ مرد وعورت کی سزا صرف رجم ہے۔

دلیل: حضرت ماعز اسلمیؓ اور حضرت غامدیہ کو صرف رجم کیا گیا اس سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے معلوم ہوا کہ شادی شدہ مرد وعورت کی حد صرف رجم ہے۔

(۲۶/۲۳۶۹) وَلَایُجْمَعُ فِی الْبِکْرِ بَیْنَ الْجَلْدِ وَالنَّفْیِ اِلَّااَنْ یَرَی الْاِمَامُ ذَالِکَ مَصْلَحَةً فَیُعَزِّرُ بِهٖ عَلٰی قَدْرِ مَایَرٰی.

حل لغات: النفی: جلاوطن کرنا، یُعزرُ: مضارع مصدر تعزیر اُسزا دینا۔

ترجمہ: اور جمع نہ کیا جائے گا کنوارے میں کوڑے اور جلاوطن کو مگر یہ کہ دیکھے امام اس میں کوئی مصلحت چناں چہ سزا دے اس کو اپنی رائے کے مطابق۔

تشریح: کنوارا آدمی جس پر کوڑے لگنا ہے اس کو کوڑے لگانے کے ساتھ جلاوطن نہ کرے البتہ امام مصلحت سمجھے تو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ دنوں کے لئے جلاوطن کر دے۔

اختلاف الائمة

غیر شادی شدہ مرد وعورت کی حد زنا کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان کو جلاوطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک مرد وعورت دونوں کی حد سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔

دلیل: حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ہے: البکر بالبکر جلد مائة ونفی سنة کنوارے مرد کو کنواری عورت کے ساتھ سو کوڑے مارنا اور ایک سال جلاوطن کرنا ہے۔

جواب: جلاوطنی کو حد کا جز کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ جلاوطنی امام کی صوابدید پر ہے اس کو حق ہے کہ وہ سیاستاً کر سکتا ہے دوسرے یہ کہ جس حدیث سے جلاوطنی ثابت ہوتی ہے وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی۔

دوسرا مذهب: امام مالکؒ کے نزدیک مرد کی حد سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور عورت کی صرف سو کوڑے ہیں عورت کو جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

دلیل: امام مالک کی دلیل بھی وہی ہے جو اوپر گذری لیکن وہ عورت کے بارے میں جلاوطنی کے قائل نہیں ہیں کیوں کہ اگر اس کو تنہا جلاوطن کیا جائے گا تو اس میں اور فتنہ کا اندیشہ ہے اور اگر شوہر کے ساتھ جلاوطن کیا جائے گا تو شوہر

مجرم نہیں ہے اس کو بغیر کسی وجہ کے سزا دینا لازم آئے گا۔

تیسرا مذہب: امام اعظمؒ کے نزدیک غیر شادی شدہ مرد و عورت کی حد صرف سو کوڑے ہیں۔

دلیل: آیت کریمہ ہے الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة اس آیت میں صرف سو کوڑوں کا ذکر ہے جلاوطنی کا کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے دونوں کی حد صرف سو کوڑے ہوں گی۔

(٢٣٧٠/٢٧) وَاِذَا زَنٰى الْمَرِيْضُ وَحَدُّهُ الرَّجْمُ رُجِمَ وَاِنْ كَانَ حَدُّهُ الْجَلْدُ لَمْ يُجْلَدْ حَتّٰى يَبْرَأَ.

ترجمہ: بیمار نے زنا کیا اور اس کی حد رجم ہو تو رجم کیا جائے گا اور اگر اس کی حد کوڑے لگانا ہو تو کوڑے نہ مارے جائیں یہاں تک کہ اچھا ہو جائے۔

تشریح: بیمار نے زنا کیا اور اس کی حد رجم ہو تو فوراً ہی رجم کر دیا جائے گا کیوں کہ رجم کر کے مارنا ہی مقصود ہے اس لئے بیمار ہو یا غیر بیمار اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اگر اس کی حد کوڑے مارنا ہو تو تاکہ اور زیادہ بیمار نہ ہو جائے اس لئے تندرست ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔

(٢٣٧١/٢٨) فَاِذَا زَنَتِ الْحَامِلُ لَمْ تُحَدَّ حَتّٰى تَضَعَ حَمْلَهَا وَاِنْ كَانَ حَدُّهَا الْجَلْدُ فَحَتّٰى تَتَعَلّٰى مِنْ نِفَاسِهَا.

حل لغات: تتعلا: بعض نسخوں میں تتعالٰی ہے یہ غلط ہے، بلند ہو جائے نفاس سے باہر ہو جائے۔

ترجمہ: اگر زنا کرایا حاملہ عورت نے تو حد نہیں لگائی جائے گی یہاں تک کہ وضع حمل ہو جائے اور اگر اس کی حد کوڑے ہوں تو یہاں تک کہ نفاس سے پاک ہو جائے۔

فاصلہ پر کب حد لگے گی؟

تشریح: زنا کرانے سے حاملہ ہو گئی یا حمل کی حالت میں زنا کرایا دونوں صورتوں میں جب بچہ پیدا ہو جائے اور بچہ کی پرورش کا انتظام ہو جائے تب عورت رجم کی جائے گی کیوں کہ حضرت غامدیہ حاملہ تھی تو وضع حمل کے بعد جب بچہ کی پرورش کا انتظام ہو گیا تب اس کو رجم کیا اور اگر حاملہ عورت کو کوڑے لگنا ہو تو چوں کہ اس میں انسان کو مارنا نہیں ہے اس لئے بچہ کی پرورش تک انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن جب بچہ پیدا ہو جائے اور عورت نفاس سے پاک ہو جائے تب کوڑے لگائے جائیں۔

(٢٣٧٢/٢٩) وَاِذَا شَهِدَ الشُّهُوْدُ بِحَدٍّ مُتَقَادِمٍ لَمْ يَمْنَعْهُمْ عَنْ اِقَامَتِهٖ بُعْدُهُمْ عَنِ الْاِمَامِ لَمْ تُقْبَلْ

شَهَادَتُهُمْ اِلَّا فِيْ حَدِّ الْقَذْفِ خاصَّةً.

ترجمہ: اور اگر گواہی دی گواہوں نے پرانی حد کی جس کو قائم کرنے سے مانع نہ تھا ان کا دور ہونا امام سے (بلکہ بلاوجہ تاخیر کی) تو قبول نہیں کی جائے گی ان کی گواہی مگر حد قذف میں خاص طور پر۔

تشریح: اگر گواہوں نے حد زنا حد سرقہ حد شرب کے متعلق ایک مدت گذرنے کے بعد گواہی دی حالانکہ ان کو کوئی عذر نہیں تھا مثلاً امام سے اتنی دور نہیں تھے کہ اتنی تاخیر کرنے کی ضرورت ہو پھر بھی گواہی دینے میں بہت تاخیر کی تو ان کی اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا اور حد قائم نہ ہوگی کیوں کہ یہاں تہمت کا امکان ہے اس طرح کہ شروع میں گواہی نہ دینے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مجرم کی پردہ پوشی کرنا چاہتا تھا بعد میں کسی حسد اور دشمنی کی بنیاد پر گواہی کے لئے تیار ہوگیا تو اب گواہی حسد کی بنیاد پر ہے حقوق اللہ کی بنیاد پر نہیں ہے اور اگر تاخیر پردہ پوشی کی وجہ سے نہ تھی تو تاخیر کی وجہ سے فاسق ہوگیا اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں لیکن حد قذف اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ تاخیر کے ساتھ بھی مقبول ہوگی کیوں کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے اور اس میں دعویٰ کرنا شرط ہے چناں چہ یوں سمجھا جائے گا کہ گواہوں نے اس لئے تاخیر کی کہ صاحب حق کی جانب سے دعویٰ نہیں تھا۔ (اللباب ۶۴/۳)

(۲۲۷۳/۳۰) وَمَنْ وَطِئَ اِمْرَأَةً اَجْنَبِيَّةً فِيْ مَادُوْنَ الْفَرْجِ عُزِّرَ.

ترجمہ: اور جس نے صحبت کی اجنبیہ سے شرمگاہ کے علاوہ میں تو سزا دی جائے گی۔

تشریح: اجنبیہ عورت کی شرمگاہ میں وطی نہیں کی بلکہ اور جگہ وطی کی تو حد تو نہیں لگے گی البتہ تعزیر ہوگی۔

(۲۲۷۴/۳۱) وَلَاحَدَّ عَلٰى مَنْ وَطِئَ جَارِيَةَ وَلَدِهٖ اَوْوَلَدِ وَلَدِهٖ وَاِنْ قَالَ عَلِمْتُ اَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ.

ترجمہ: اور نہیں ہے حد اس شخص پر جو وطی کرے اپنے بیٹے کی باندی سے یا اپنے پوتے کی باندی سے اگرچہ وہ کہے کہ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے۔

تشریح: اگر اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی سے صحبت کر لی اور کہتا ہو کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ باندی مجھ پر حرام ہے پھر بھی اس میں حد نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں ہے کہ تم اور تمہارا مال تمہارے والد کے لئے ہے پس بیٹے اور پوتے کی باندی کے ساتھ وطی کی حلت کا شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ فی المحل سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔

(۲۲۷۵/۳۲) وَاِذَا وَطِئَ جَارِيَةَ اَبِيْهِ اَوْ اُمِّهٖ اَوْ زَوْجَتِهٖ اَوْ وَطِئَ الْعَبْدُ جَارِيَةَ مَوْلَاهُ وَقَالَ عَلِمْتُ اَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ حُدَّ وَاِنْ قَالَ ظَنَنْتُ اَنَّهَا تَحِلُّ لِيْ لَمْ يُحَدَّ.

ترجمہ: اور اگر کسی نے وطی کی اپنے باپ یا اپنی ماں یا اپنی بیوی کی باندی سے یا وطی کی غلام نے اپنے آقا کی

باندی سے اور یہ کہا کہ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو حد لگائی جائے گی اور اگر یہ کہا کہ میرا گمان تھا کہ وہ میرے لئے حلال ہے تو حد نہ لگائی جائے گی۔

تشریح: اگر والدین کی یا اپنی بیوی کی یا اپنے آقا کی باندی سے وطی کر لی اور مسئلہ معلوم تھا کہ ان لوگوں کی باندیاں میرے لئے حلال نہیں پھر بھی وطی کر لی تو حد لگے گی کیوں کہ حقیقت میں بھی حلال نہیں تھیں اور علم بھی تھا کہ حلال نہیں اس لئے حرمت میں کوئی شبہ نہیں رہا اور اگر وطی کرنے والے نے یہ سوچ کر کہ والدین وغیرہ کے ساتھ رات دن کھانا پینا ہوتا ہے تو ان کی باندی بھی میرے لئے حلال ہے اور حلال سمجھ کر وطی کر لی تو حد نہیں لگے گی۔

(۳۳/۲۲۷۶) وَمَنْ وَطِیَٔ جَارِیَةَ اَخِیْهِ اَوْ عَمِّهٖ وَقَالَ ظَنَنْتُ اَنَّهَا عَلَیَّ حَلَالٌ حُدَّ.

ترجمہ: کسی نے وطی کی اپنے بھائی یا اپنے چچا کی باندی سے اور کہا کہ میں نے گمان کیا کہ وہ میرے لئے حلال ہے تو حد لگائی جائے گی۔

تشریح: بھائی اور چچا کے ساتھ اتنا کھانا پینا نہیں ہوتا اور نہ آدمی ان کا مال اپنا مال سمجھتا ہے اس لئے اگر یہ گمان بھی ہو کہ ان کی باندیاں میرے لئے جائز ہیں تب بھی حد لگے گی۔

(۳۴/۲۲۷۷) وَمَنْ زُفَّتْ اِلَیْهِ غَیْرَ اِمْرَأَتِهٖ وَقَالَتِ النِّسَاءُ اِنَّهَا زَوْجَتُكَ فَوَطِئَهَا فَلَا حَدَّ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِ الْمَهْرُ.

ترجمہ: بھیج دی گئی شب زفاف میں شوہر کے پاس کوئی غیر عورت اور کہہ دیا عورتوں نے کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے صحبت کر لی تو اس پر حد نہیں ہے اور اس پر مہر ہے۔

تشریح: پہلی رات تھی عورتوں نے اصلی بیوی کے علاوہ کسی غیر عورت کو شوہر کے پاس بھیج دیا اور عورتوں نے یہ بھی کہا کہ یہ تیری بیوی ہے اس نے اس سے وطی کر لی، بعد میں پتہ چلا کہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے تو اس مرد پر حد نہیں لگے گی لیکن وطی بالشبہ کی ہے اس لئے عقر یعنی مہر لازم ہوگا۔

(۳۵/۲۲۷۸) وَمَنْ وَجَدَ اِمْرَأَةً عَلٰی فِرَاشِهٖ فَوَطِئَهَا فَعَلَیْهِ الْحَدُّ.

ترجمہ: کسی نے پائی کوئی عورت اپنے بستر پر اس سے وطی کر لی تو اس پر حد ہے۔

تشریح: بار بار ملنے سے تجربہ ہے کہ بیوی کون ہے اس کا اندازہ تو اندھیرے میں بھی ہو جاتا ہے اور اگر اندازہ نہیں ہوا تو معلوم کر لینا چاہئے اس کے باوجود نہ پوچھا نہ اندازے سے کام لیا اور صحبت کر لی تو حد لگے گی۔

(۳۶/۲۲۷۹) وَمَنْ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً لَایَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُهَا فَوَطِئَهَا لَمْ یَجِبْ عَلَیْهِ الْحَدُّ.

ترجمہ: کسی نے ایسی عورت سے شادی کی جس سے شادی کرنا اس کے لئے حلال نہیں ہے پھر اس سے

صحبت کرلی تو اس پر حد واجب نہیں۔

تشریح: خالہ سے نکاح کرلیا حالانکہ اس سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے اور وطی بھی کرلی تو امام صاحب کے نزدیک اس پر حد نہیں لگے گی البتہ تعزیر ہوگی، کیوں کہ نکاح کرنے کی وجہ سے بیوی ہونے کا شبہ ہوگیا اس لئے حد نہیں لگے گی البتہ تعزیر کی جائے گی اور تعزیر میں قتل بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۲۳۸۰/۳۷) وَمَنْ اَتٰی اِمْرَأَةً فِی الْمَوْضَعِ الْمَکْرُوْہِ اَوْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ فَلَا حَدَّ عَلَیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَیُعَزَّرُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی هُوَ کَالزِّنَا فَیُحَدُّ.

حل لغت: الموضع المکروہ: اس سے مراد دبر ہے جو مکروہ جگہ ہے۔

ترجمہ: اگر کسی نے عورت سے مقام مکروہ میں وطی کی یا قوم لوط کا عمل کیا تو اس پر کوئی حد نہیں ہے امام صاحب کے نزدیک بلکہ سزا جاری کی جائے گی اور حضرات صاحبین نے فرمایا کہ یہ عمل زنا کی طرح ہے اس لئے حد لگائی جائے گی۔

لواطت کی حد کتنی ہے؟

تشریح: اپنی بیوی کے ساتھ لواطت کی یا کسی مرد کے ساتھ لواطت کی تو لواطت کرنے والے کی حد کے متعلق اختلاف ہے۔

(۱) امام صاحب کے نزدیک لواطت پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہاں امام المسلمین جس قسم اور جس قدر مصلحت سمجھے بطور تعزیر جاری کرسکتا ہے۔

(۲) صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک لواطت زنا کی طرح ہے اس لئے لوطی کو حد لگے گی یعنی فاعل اگر محصن ہو تو رجم کیا جاوے اور اگر غیر محصن ہو تو سو کوڑے لگیں گے۔

(۳) امام مالک واحمد کے نزدیک لواطت کرنے والے کو رجم کیا جائے گا لوطی محصن ہو یا غیر محصن، اصل میں بات یہ ہے کہ لواطت کا معاملہ انسانی بلکہ حیوانی طبیعت کے بھی خلاف قانون معاملہ ہے اس پر قانونی حد کیسے جاری ہوگی فذالک قال ابوحنیفۃ لا حد فیہا (تنظیم الاشتات ۴۷/۳)

(۲۳۸۱/۳۸) وَمَنْ وَطِئَ بَهِیْمَةً فَلَاحَدَّ عَلَیْهِ.

ترجمہ: اور جس نے وطی کی چوپایہ سے تو اس پر کوئی حد نہیں ہے۔

تشریح: کیوں کہ زنا اس کو کہتے ہیں جو عورت کے ساتھ مخصوص مقام میں کیا جائے اور یہاں ایسا نہیں ہے اس لئے زنا کی حد نہیں لگے گی البتہ تعزیر ہوگی، ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اگر لوطی کو پہلے

سے معلوم تھا کہ جانور کے ساتھ وطی کرنا ممنوع ہے پھر بھی کرلی تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

دلیل: عن ابن عباسؓ من اتی بھیمۃ فاقتلوہ. جواب: حدیث میں جو قتل کا حکم ہے یہ ڈانٹ ڈپٹ اور سختی پر محمول ہے۔

(۳۹/۲۳۸۲) وَمَنْ زَنٰى فِيْ دَارِ الْحَرْبِ اَوْ فِيْ دَارِ الْبَغْيِ ثُمَّ خَرَجَ اِلَيْنَا لَمْ يُقَمْ عَلَيْهِ الْحَدُّ.

ترجمہ: اور جس نے زنا کیا دار الحرب میں یا باغیوں کی حکومت میں پھر ہمارے یہاں آ گیا تو اس پر حد قائم نہ ہوگی۔

تشریح: دار الحرب میں یا باغیوں کی حکومت میں حد قائم نہیں کر سکتے، کیوں کہ وہاں بادشاہ اور امیر المؤمنین نہیں ہیں، تو گویا گناہ ابتداءً حد کو واجب کرنے والا نہیں ہوا اور وہاں سے دار الاسلام آنے کے بعد بھی حد قائم نہیں کر سکتے کیوں کہ جب شروع میں حد کا مُوجِب نہیں ہوا تو بعد میں حد کیسے قائم کریں گے۔

بَابُ حَدِّ الشُّرْبِ

(یہ باب شراب پینے کے احکام کے بیان میں ہے)

ضروری نوٹ: شراب یا نشہ آور چیزوں کے پینے کو شرب کہتے ہیں اس میں حد ہے اس باب میں اسی کے احکامات بیان کئے جائیں گے، چوں کہ شراب پینے کے مقابلہ میں زنا کرنے میں زیادہ قباحت ہے اور سزا بھی زنا میں زیادہ سخت ہے اس لئے اس کو مقدم کیا اور باب حد الشرب کو موخر کیا، شراب ام الخبائث ہے شراب کی دو قسمیں ہیں (۱) جو کہ قطعی حرام ہے جس کو خمر کہتے ہیں اس کا ایک قطرہ بھی موجب حد ہے یہ وہ ہے جو انگور کے پانی سے بنائی جائے۔ (۲) وہ اشربہ جن پر حد اس وقت ہوگی جب ان کو پی کر نشہ ہو جائے (تفصیل کتاب الاشربۃ میں آئے گی)

(۱/۲۳۸۳) وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاُخِذَ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدَةٌ فَشَهِدَ الشُّهُوْدُ عَلَيْهِ بِذٰلِكَ اَوْ اَقَرَّ وَرِيْحُهَا مَوْجُوْدَةٌ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ.

ترجمہ: کسی نے شراب پی اور پکڑا گیا اس حال میں کہ اس کی بو موجود ہے اور گواہی دی گواہوں نے یا شرابی نے خود اقرار کر لیا اس حال میں کہ اس کی بو موجود ہو تو اس پر حد ہے۔

شرابی کو کب حد لگے گی اور کب نہیں؟

تشریح: اگر کسی نے شراب پی اور اس کو اس حالت میں گرفتار کیا گیا کہ اس کے منہ میں شراب کی بو موجود تھی یا

شراب کے علاوہ کسی دوسری نشہ آور چیز کے پینے سے مست ہو اور دو مرد پینے کی گواہی دیں کہ اس نے خوشی کی حالت میں پی ہے تو حد لگے گی دوسری صورت یہ ہے کہ پینے والا خود اقرار کرے کہ میں نے بخوشی شراب پی ہے اور اس وقت بھی منہ میں بدبو تھی تو بھی اس شرابی پر حد لگائی جائے گی اگر شراب بہت پہلے پی تھی یہاں تک کہ اس کے منہ سے بدبو ختم ہوگئی اس حال میں پکڑا گیا تو حد نہیں لگے گی۔

(۲/۲۳۸۴) وَاِنْ اَقَرَّ بَعْدَ ذِهَابِ رَائِحَتِهَا لَمْ يُحَدَّ.

ترجمہ: اور اگر اقرار کرے شراب کی بدبو ختم ہو جانے کے بعد تو حد نہیں لگائی جائے گی۔

تشریح: بدبو دور ہو جانے کے بعد شراب پینے کے اقرار سے امام ابوحنیفہؒ وابو یوسفؒ کے نزدیک حد نہیں لگائی جائے گی امام شافعیؒ وامام محمد فرماتے ہیں کہ بو جانے کے بعد اگر زمانہ قریب میں پی ہو اور اقرار کیا ہو تب بھی حد لازم ہوگی اور زمانہ قریب کا مطلب یہ ہے کہ ایک ماہ کے اندر کو قریب کہتے ہیں اس لئے ایک ماہ کے اندر اندر شراب پی ہو اور اقرار کرے یا گواہی دے دے تو حد لگے گی۔

(۳/۲۳۸۵) وَمَنْ سَكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ حُدَّ.

ترجمہ: اور جو نشہ میں ہو جائے نبیذ سے تو حد لگائی جائے گی۔

تشریح: نبیذ کی شکل یہ ہے کہ کھجور یا کشمش کے پانی کو تھوڑا سا پکا ئے تو وہ حلال ہے بشرطیکہ نشہ نہ آیا ہو اور اگر نبیذ میں تیزی آجائے اور نشہ آجائے تو اس کا پینا حرام ہے اب پینے پر حد لگائی جائے گی۔

(۴/۲۳۸۶) ولاَ حَدَّ عَلٰى مَنْ وُجِدَ مِنْهُ رَائِحَةُ الْخَمْرِ اَوْمَنْ تَقَيَّأَهَا.

ترجمہ: اور حد نہیں اس پر جس سے شراب کی بدبو آئے یا وہ شراب کی قے کرے۔

تشریح: کسی آدمی کے منہ سے شراب کی بدبو آئے اور نہ اس پر گواہ ہوں اور نہ وہ اقرار کرتا ہو تو صرف بو آنے سے یا شراب کی الٹی کرنے سے حد نہ لگے گی کیوں کہ ممکن ہے کہ کسی نے زبردستی پلا دی ہو اس لئے یہ معذور ہے۔

(۵/۲۳۸۷) ولاَيُحَدُّ السُّكْرَانُ حَتّٰى يُعْلَمَ اَنَّهُ سَكِرَ مِنَ النَّبِيْذِ وَشَرِبَهُ طَوْعاً.

ترجمہ: اور حد نہیں لگائی جائیگی نشہ والے کو یہاں تک کہ معلوم ہو جائے کہ نشہ نبیذ سے ہوا ہے اور بخوشی پی ہے۔

تشریح: السکران: سکر کے مراتب مختلف ہیں امام صاحب نے فرمایا کہ جس نشہ کی وجہ سے حد جاری ہوگی وہ یہ ہے کہ اس درجہ مست ہو جائے کہ وہ آسمان وزمین کو بالکل نہ پہچانتا ہو اور مرد وعورت کا امتیاز بھی ختم ہو جائے صاحبین نے فرمایا کہ جب وہ نشہ میں ہو کر بیہودہ کلام کرنے لگے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کی چال میں فرق آجائے اور اس کے

اعضاء لڑکھڑانے لگیں تب کہیں گے کہ نشہ ہو چکا صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب نشہ آور چیز مجبور کر کے پلائی ہو تو اس سے حد لازم نہ ہوگی اگر خوشی سے پی ہو اور نشہ ہو گیا تب حد لازم ہوگی۔

(۲۳۸۸/۶) ولاَ يُحَدُّ حَتّٰي يَزُوْلَ عَنْهُ السُّكْرُ.

ترجمہ: اور حد نہیں لگائی جائے گی یہاں تک کہ نشہ اتر جائے۔

تشریح: حد لگانے کا مقصد اس کو تنبیہ کرنا ہے اور نشہ کی حالت میں مارنے سے اس کو کیا پتہ چلے گا کہ مجھ کو کیوں مارا جا رہا ہے اس وجہ سے نشہ اترنے کے بعد ہی حد لگے گی۔

(۲۳۸۹/۷) وَحَدُّ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِ فِيْ الْحُرِّ ثَمَانُوْنَ سَوْطاً يُفَرَّقُ عَلٰي بَدَنِهٖ كَمَا ذَكَرْنَا فِيْ الزِّنَا فَاِنْ كَانَ عَبْداً فَحَدُّهٗ اَرْبَعُوْنَ.

ترجمہ: شراب اور نشہ کی حد آزاد کے لئے اسی کوڑے ہیں، لگائیں جائیں گے اس کے بدن پر متفرق جگہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا حد زنا میں اگر غلام ہو تو اس کی حد چالیس کوڑے ہیں۔

شراب پینے کی سزا کیا ہے؟

تشریح: شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کے پینے کی حد کے سلسلے میں اختلاف ہے اور اس بارے میں دو مذہب بیان کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام اعظمؒ کے نزدیک شراب کی حد آزاد میں اسی کوڑے ہیں یہی مذہب امام مالکؒ واحمدؒ کا ہے۔

دلیل: اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں صحابہ کرام کا اجماع ہوا اتفق اجماع الصحابة فی زمن عمر علی الثمانين فی حد الخمر ولامخالف لهم کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی کوڑے ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا اور کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی نیز بخاری میں حضرت عبیداللہ بن عدی سے منقول ہے کہ ان عليا جلده ثمانين معلوم ہوا کہ حد خمر اسی کوڑے ہیں۔

دوسرا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک حد خمر چالیس کوڑے ہیں یہی ایک روایت امام احمد کی ہے اور مصلحۃً اسی کی اجازت ہے۔

دلیل: حضرت انسؓ کی حدیث ہے کہ حضورؐ شراب کی حد میں جوتی اور کھجور کی بغیر پتوں والی ٹہنی سے چالیس مرتبہ مارتے تھے نیز حضرت علیؓ نے جب ولید پر حد جاری کی تو چالیس کوڑے لگوائے، معلوم ہوا کہ اصل میں حد خمر چالیس ہی کوڑے ہیں۔

جواب: چوں کہ روایتوں میں دونوں طرح کی باتیں وارد ہوئی ہیں اس لئے تطبیق کی شکل یہ ہے کہ ایک دوسری

حدیث میں 'بجریدتین نحو اربعین' کے الفاظ ہیں کہ دوٹہنی سے چالیس لگوائے چناں چہ مارنے کے اعتبار سے تو چالیس ہی رہے مگر آلہ کے اعتبار سے اسی ہوگئے۔

حضرت علیؓ کی روایت کے بارے میں امام طحاویؒ نے فرمایا کہ انہوں نے دو کناروں والے کوڑے سے پٹوایا تھا تو یہ بھی آلہ کے اعتبار سے اسی ہوگئے اور اصل جواب یہ ہے کہ حضورؐ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں چالیس ہی پر عمل تھا مگر بعد میں جب عیش وعشرت عام ہوئی اور شراب کی کثرت ہونے لگی تو حضرت عمر کے دور میں صحابہ کے اجماع سے تعزیراً اسی کردیئے گئے (ماخوذ تنظیم الاشتات ۳/۵۴)

(۲۳۹۰/۸) وَمَنْ أَقَرَّ بِشُرْبِ الْخَمْرِ وَالسُّكْرِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُحَدَّ.

ترجمہ: کسی نے اقرار کیا شراب اور نشہ پینے کا پھر اس سے پھر گیا تو حد نہ لگے گی۔

تشریح: اگر کسی نے اولاً شراب پینے یا نشہ آور چیزوں کے پینے کا اقرار کیا اس کے بعد اس سے رجوع کرلیا تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی لانہ خالص حق اللہ تعالی فیقبل فیہ الرجوع کما مر فی حد الزنا.

(۲۳۹۱/۹) وَيَثْبُتُ الشُّرْبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ أَوْ بِإِقْرَارِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَلَا يُقْبَلُ فِيهِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ.

ترجمہ: اور ثابت ہوجاتا ہے شراب پینے کا ثبوت دو گواہوں کی گواہی سے یا اس کے اقرار کرنے سے ایک بار اور نہیں قبول کی جائے گی اس میں عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ۔

تشریح: زنا ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت تھی لیکن حد شرب کی آیت میں چار گواہ کی شرط نہیں ہے اور عام حالات میں دو گواہوں سے کوئی چیز ثابت ہوجاتی ہے اس لئے دو گواہوں سے حد شرب ثابت ہوجائے گی یا شرابی خود ایک مرتبہ اقرار کرلے اور حدود میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ اقرار کرے تب حد شرب ثابت ہوگی۔

باب حد القذف

(یہ باب تہمت لگانے کی حد کے بیان میں ہے)

حل لغت وتشریح: قذف باب ضرب سے پتھر پھینکنا تہمت لگانا، کسی پاکدامن مرد یا عورت پر تہمت لگائے کہ تم نے زنا کرایا ہے یا کیا ہے اور اس کو چار گواہوں سے ثابت نہ کرسکے اور جس پر تہمت لگائی ہے وہ حد کا مطالبہ کرے تو اس پر حد لگے گی۔

اصطلاحی الفاظ: قاذف: تہمت لگانے والا، مقذوف علیہ: جس پر تہمت لگائی گئی ہو۔

(۱/۲۳۹۲) اِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ رَجُلاً مُحْصَناً اَوْ اِمْرَأَةً مُحْصَنَةً بِصَرِيحِ الزِّنَا وَطَالَبَ الْمَقْذُوْفُ بِالْحَدِّ حَدَّهُ الْحَاكِمُ ثَمَانِيْنَ سَوْطاً اِنْ كَانَ حُرّاً يُفَرَّقُ عَلَى اَعْضَائِهِ وَلاَيُجَرَّدُ مِنْ ثِيَابِهِ غَيْرَ اَنَّهُ يُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرْوُ وَالْحَشْوُ وَاِنْ كَانَ عَبْداً جَلَدَهُ اَرْبَعِيْنَ سَوْطاً.

حل لغات: قذف: ماضی باب (ض) پتھر پھینکنا تہمت لگانا، محصن: شادی شدہ، پاکدامن، مقذوف: اسم مفعول جس کو تہمت لگائی جائے، جلد: ماضی باب تفعیل مصدر تجلیداً کوڑے مارنا۔

ترجمہ: اگر تہمت لگائی کسی نے پاکدامن مرد یا پاکدامن عورت کو صریح زنا کی اور مطالبہ کرے مقذوف حد کا تو حد لگائے اس کو حاکم اسّی کوڑے اگر وہ آزاد ہو وہ کوڑے اس کے متفرق اعضاء پر لگائے جائیں گے اور ننگا نہ کیا جائے کپڑوں سے علاوہ یہ کہ اس سے پوستین اور روئی بھرا ہوا کپڑا اتارے اور اگر غلام ہو تو کوڑے مارے اس کو چالیس۔

تہمت کی حد کا طریقہ

تشریح: اگر کوئی شخص کسی پاکدامن مرد یا پاکدامن عورت پر صراحتاً زنا کی تہمت لگائے اور جس کو تہمت لگائی اس نے حد کا مطالبہ کیا تو اگر تہمت لگانے والا آزاد ہے تو حاکم اس کو اسی کوڑے لگوائے یہ اسی کوڑے بدن پر ایک جگہ نہ مارے بلکہ ہر عضو پر تھوڑے تھوڑے کر کے مارے سوائے سر چہرہ اور شرمگاہ کے اور کوڑے لگاتے وقت مجرم کے بدن سے کپڑے نہ اتارے البتہ موٹا کپڑا اور پوستین اتروالے تاکہ کوڑا لگ سکے اور اگر تہمت لگانے والا غلام ہے تو چوں کہ غلام کی سزا آزاد کی سزا سے آدھی ہے اس لئے غلام باندی کو چالیس کوڑے لگائے اصل اس مسئلہ میں یہ آیت ہے: والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة، جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر نہ لائیں چار مرد گواہ تو مارو ان کو اسی کوڑے اور آیت چوں کہ ایک عورت کے بارے میں نازل ہوئی اس لئے انہیں کا ذکر فرمادیا ورنہ پاکدامن مردوں پر تہمت لگانے کا بھی یہی حکم ہے۔

(۲/۲۳۹۳) وَالْاِحْصَانُ اَنْ يَكُوْنَ الْمَقْذُوْفُ حُرًّا بَالِغاً عَاقِلاً مُسْلِماً عَفِيفاً عَنْ فِعْلِ الزِّنَا.

لغت: عفیف: پاکدامن۔

ترجمہ: اور محصن ہونا یہ ہے کہ ہو مقذوف آزاد بالغ عاقل مسلم زنا کے فعل سے پاکدامن۔

تشریح: قدوری کا قول 'عفیفاً عن فعل الزنا' زنا سے پاک دامن کا مطلب یہ ہے کہ اس نے نہ تو کبھی زنا کیا ہو نہ وطی بالشبہ اور نہ نکاح فاسد کیا ہو جو آدمی ان میں سے ایک بھی کر چکا اس کو زنا کی تہمت لگانے سے عار نہیں ہوتی کیوں کہ وہ تو اس کام میں مبتلا ہے باقی عبارت کی تشریح کتاب الحدود مسئلہ (۴۷) کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

(۳/۲۳۹۴) وَمَنْ نَفٰی نَسَبَ غَيْرِهٖ فَقَالَ لَسْتَ لِاَبِيْكَ اَوْ يَا ابْنَ الزَّانِيَةِ وَاُمُّهٗ مُحْصَنَةٌ مَيِّتَةٌ فَطَالَبَ الْاِبْنُ بِحَدِّهَا حُدَّ الْقَاذِفُ.

ترجمہ: جس نے کسی کے نسب کی نفی کی پس کہا تو اپنے باپ کا نہیں ہے یا اے زانیہ کے بیٹے اور اس کی ماں محصنہ مر چکی ہو بیٹے نے اپنی ماں کی حد کا مطالبہ کیا تو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی۔

تشریح: کسی نے کسی کے نسب کی نفی کی جس کی ایک صورت یہ ہے کہ کہے کہ تم اپنے باپ کے نہیں ہو یعنی تمہاری ماں نے زنا کرایا ہے اس سے تم پیدا ہوئے دوسری صورت یہ ہے کہ تم زانیہ کے بیٹے ہو گویا کہ ماں پر زنا کی تہمت لگائی اگر ماں زندہ ہوتی تو وہ حد کا مطالبہ کرتی تب حد لگتی لیکن ماں مر چکی ہے اور وہ بھی محصنہ تھی تو اب بیٹے کو حد کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

(۴/۲۳۹۵) وَلَايُطَالِبُ بِحَدِّ الْقَذْفِ لِلْمَيِّتِ اِلَّامَنْ يَقَعُ الْقَدْحُ فِيْ نَسَبِهٖ بِقَذْفِهٖ.

حل لغت: القدح: عیب، عار۔

ترجمہ: اور مطالبہ نہیں کر سکتا حد قذف کا میت کیلئے مگر وہی جس کے نسب میں فرق آتا ہو تہمت لگانے سے۔

تشریح: مردہ کی جانب سے حد قذف کی درخواست وہی کر سکتا ہے جس کے نسب میں اس تہمت سے فرق پڑتا ہو اور یہ حق صرف بیٹے اور باپ کو ہے مثلاً کہا کہ تمہاری ماں زانیہ تھی اور ماں مر چکی ہے تو اس سے خود اس آدمی کے نسب میں فرق آتا ہے۔

(۵/۲۳۹۶) وَاِذَا كَانَ الْمَقْذُوْفُ مُحْصَناً جَازَ لِاِبْنِهِ الْكَافِرِ وَالْعَبْدِ اَنْ يُطَالِبَ بِالْحَدِّ.

ترجمہ: اگر مقذوف محصن ہو تو جائز ہے اس کے کافر بیٹے اور غلام کے لئے حد کا مطالبہ کرنا۔

تشریح: ماں محصنہ تھی اور انتقال کر گئی اس پر کسی نے تہمت لگائی تو اس کا بیٹا خواہ کافر ہو یا غلام پھر بھی ان کو حد قذف کے مطالبہ کا حق ہے بیٹا اگر چہ محصن نہیں ہے کیوں کہ وہ کافر یا غلام ہے لیکن یہاں زنا کی تہمت ماں پر ہے اور وہ محصنہ ہے اور بیٹا صرف حد کا مطالبہ کرنے والا ہے اس لئے اس کے مطالبہ پر حد لگے گی۔

(۶/۲۳۹۷) وَلَيْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ يُطَالِبَ مَوْلَاهُ بِقَذْفِ اُمِّهِ الْحُرَّةِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں غلام کے لئے کہ مطالبہ کرے اپنے آقا پر اپنی آزاد ماں کی تہمت کی حد کا۔

تشریح: آقا نے اپنے غلام کی آزاد ماں پر زنا کی تہمت لگائی اور ماں محصنہ تھی اور مر چکی تھی تو غلام کے لئے آقا پر حد قذف کے مطالبہ کا حق نہیں ہے کیوں کہ غلام خود اپنے لئے حد قذف کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیوں کہ آقا کا احترام مانع ہے فلا یملکه لامه.

(۲۳۹۸/۷) وَاِنْ اَقَرَّ بِالْقَذْفِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ یُقْبَلْ رُجُوْعُهٗ.

ترجمہ: اور اگر اقرار کرے تہمت کا پھر پھر گیا تو اس کا پھرنا قبول نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: ایک آدمی نے کہا کہ میں نے فلاں پر زنا کی تہمت لگائی ہے بعد میں پھر گیا تو اب اس کے انکار کرنے سے حد ساقط نہیں ہوگی کیوں کہ یہ حد خالص اللہ کا حق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بندہ سے ہے جب بندہ کو معلوم ہوگا کہ مجھ پر زنا کی تہمت لگی ہے تو اب وہ حد کا مطالبہ کرے گا۔

(۲۳۹۹/۸) وَمَنْ قَالَ لِعَرَبِیٍّ یَا نَبَطِیُّ لَمْ یُحَدَّ.

لغت: نبطی: یہ ایک عجمی قوم تھی جو عراقین کے درمیان آباد تھی پھر عوام الناس پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

ترجمہ: کسی نے عربی کو کہا اے نبطی تو حد نہیں ہے۔

تشریح: عربی آدمی سے کہا اے نبطی اس کا مطلب یہ ہے کہ اشارۃً یوں کہا کہ تیری ماں زانیہ ہے اور نبطی سے زنا کروایا ہے جس سے تم پیدا ہوئے ہو پھر بھی اس جملہ کے کہنے والے کو حد نہیں لگے گی کیوں کہ یہاں بد اخلاقی یا فصیح نہ ہونے میں تشبیہ دینا مقصود ہے تہمت مقصود نہیں ہے۔

(۲۴۰۰/۹) وَمَنْ قَالَ لِرَجُلٍ یَاابْنَ مَاءِ السَّمَاءِ فَلَیْسَ بِقَاذِفٍ.

ترجمہ: جس نے کسی سے کہا اے آسمان کے پانی کے بیٹے تو وہ شخص تہمت لگانے والا نہیں ہوگا۔

تشریح: کسی نے دوسرے سے کہا اے آسمان کے پانی کے بیٹے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح آسمان کے پانی میں سخاوت ہے کہ ہر ایک دوست و دشمن کو نوازتا ہے اسی طرح تمہارے اندر بھی سخاوت ہے کہ آسمان کے پانی کی طرح سخاوت کرتے ہو تو اس جملہ میں زنا کی تہمت نہیں ہے بلکہ تعریف ہے اس لئے حد نہ لگے گی۔

(۲۴۰۱/۱۰) وَاِذَا نَسَبَهٗ اِلٰی عَمِّهٖ اَوْ اِلٰی خَالِهٖ اَوْ اِلٰی زَوْجِ اُمِّهٖ فَلَیْسَ بِقَاذِفٍ.

ترجمہ: اور جب منسوب کیا کسی کو اس کے چچا یا ماموں یا اس کی ماں کے شوہر کی طرف تو وہ تہمت لگانے والا نہیں ہوا۔

تشریح: اگر کسی کو اس کے چچا یا ماموں یا اس کی ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا تو یہ تہمت نہ ہوگی کیوں کہ ان میں سے ہر ایک پر باپ کا اطلاق ہوتا ہے قرآن کریم میں حضرت یعقوبؑ کو فرمایا تمہارے باپ، اسماعیلؑ حالانکہ وہ باپ نہیں چچا تھے (آیت ۱۳۳ سورۃ البقرۃ)

نیز حدیث میں ہے "الخال اب" اور ماں کے شوہر کو تربیت و پرورش کی وجہ سے عرفاً باپ سمجھا جاتا ہے (الجوہرۃ: ج۲، ۲۵۲، اللباب: ۳/۷۱)

(۱۱/۲۴۰۲) وَمَنْ وَطِئَ وَطْئاً حَرَاماً فِيْ غَيْرِ مِلْكِهٖ لَمْ يُحَدَّ قَاذِفُهٗ.

ترجمہ: کسی نے وطی حرام کی دوسرے کی ملکیت میں تو اس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں لگے گی۔

تشریح: ایک شخص نے دوسرے کی معتدہ سے نکاح کیا اور پھر اس سے وطی کر لی تو یہ آدمی محصن نہیں رہا اس لئے اس کو کوئی آدمی زنا کی تہمت لگائے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف نہیں لگے گی۔

(۱۲/۲۴۰۳) وَالْمُلَاعِنَةُ بِوَلَدٍ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا.

ترجمہ: اور بچہ کی وجہ سے لعان کرنے والی کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں لگے گی۔

تشریح: اگر کوئی عورت بچہ کی وجہ سے لعان کر چکی ہو تو جو شخص اس پر تہمت زنا لگائے اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی کیوں کہ اس عورت کے اندر زنا کی علامت پہلے سے موجود ہے اور وہ بلا باپ کے بچہ کا ہونا ہے۔

(۱۳/۲۴۰۴) وَاِنْ كَانَتِ الْمُلَاعِنَةُ بِغَيْرِ وَلَدٍ حُدَّ قَاذِفُهَا.

ترجمہ: اور اگر لعان کرنے والی بغیر بچہ کے ہو تو اس پر تہمت لگانے والے کو حد لگے گی۔

تشریح: چوں کہ اس کے پاس بچہ نہیں ہے اسلئے زنا کی کوئی علامت نہیں ہے اور لعان کر چکی ہے اس لئے مکمل محصنہ ہے۔

(۱۴/۲۴۰۵) وَمَنْ قَذَفَ اَمَةً اَوْ عَبْداً اَوْ كَافِراً بِالزِّنَا اَوْ قَذَفَ مُسْلِماً بِغَيْرِ الزِّنَا فَقَالَ يَافَاسِقُ اَوْيَاكَافِرُ اَوْ يَاخَبِيْثُ عُزِّرَ.

ترجمہ: کسی نے تہمت لگائی باندی یا غلام یا کافر کو زنا کی یا تہمت لگائی مسلمان کو غیر زنا کی مثلاً کہا اے فاسق یا اے کافر یا اے خبیث تو تعزیر کی جائے گی۔

تعزیر کے احکام

تشریح: چوں کہ باندی غلام اور کافر محصن نہیں ہیں اس لئے ان پر زنا کی تہمت لگائے تو قاذف کو حد نہ لگے گی ایسے ہی اگر مسلمان کو زنا کی تہمت نہ لگائے بلکہ کہے اے فاسق اے کافر اے خبیث اے چور اے فاجر اے سود کھانے والے تو بھی قاذف کو حد نہ لگے گی بلکہ حاکم مناسب سمجھے تو تعزیر کرے۔

(۱۵/۲۴۰۶) وَاِنْ قَالَ يَاحِمَارُ اَوْ يَاخِنْزِيْرُ لَمْ يُعَزَّرْ.

ترجمہ: اور اگر کہا اے گدھے اے خنزیر تو تعزیر نہیں ہوگی۔

تشریح: ہمارے عرف میں یہ الفاظ گالی نہیں سمجھے جاتے اس لئے تعزیر بھی نہ ہوگی لیکن جس جگہ یہ الفاظ گالی ہیں تو وہاں تعزیر ہوگی۔

(۲۴۰۷/۱۶) وَالتَّعْزِيْرُ اَكْثَرُهٗ تِسْعَةٌ وَّثَلٰثُوْنَ سَوْطاً وَاَقَلُّهٗ ثَلَاثُ جَلَدَاتٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يَبْلُغُ بِالتَّعْزِيْرِ خَمْسَةً وَّسَبْعِيْنَ سَوْطاً.

حل لغات: تعزیر: تفعیل کا مصدر ہے مطلق سزا دینا خواہ چہرہ سے ناراضگی کا اظہار کر کے ہو یا سخت گفتگو ہو گوشالی کے ساتھ ہو یا مار پیٹ کے ساتھ دو چار ضربوں کے ساتھ ہو یا دس پانچ ضربوں کے ساتھ۔

ترجمہ: اور تعزیر کے زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں اور کم سے کم تین کوڑے ہیں اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ تعزیر پچھتر کوڑوں تک ہوسکتی ہے۔

تشریح: تعزیر اس سزا اور تادیبی کارروائی کا نام ہے جو حد شرعی سے کم ہو یہ ماخوذ ہے عزر سے روکنا اور ٹوکنا تعزیر کی حد کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کے نزدیک دس کوڑے امام شافعیؒ کے نزدیک انیس کوڑے یا انتالیس کوڑے طرفین کے نزدیک انتالیس کوڑے امام مالک سے مروی ہے کہ تعزیر جرم کے اعتبار سے ہوتی ہے پس اگر اس کا جرم تہمت سے بھی بڑا ہو تو سو اور سو سے بھی زیادہ کوڑے لگائے جاسکتے ہیں امام ابو یوسف کے نزدیک ایک کم اسی (۷۹) یا پانچ کم اسی (۷۵)۔

(۲۴۰۸/۱۷) وَاِنْ رَاَى الْاِمَامُ اَنْ يَّضُمَّ اِلَى الضَّرْبِ فِي التَّعْزِيْرِ الْحَبْسَ فَعَلَ.

ترجمہ: اور اگر مناسب سمجھے امام تعزیر میں مارنے کے ساتھ قید کرنا تو کر سکتا ہے۔

تشریح: اگر حاکم وقت تعزیر میں مار کے ساتھ جیل خانہ میں رکھنا مناسب سمجھے تو ایسا کر سکتا ہے۔

(۲۴۰۹/۱۸) وَاَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيْرُ ثُمَّ حَدُّ الزِّنَا ثُمَّ حَدُّ الشُّرْبِ ثُمَّ حَدُّ الْقَذْفِ.

ترجمہ: سب سے سخت مار تعزیر کی ہے پھر حد زنا کی پھر حد شرب کی پھر حد قذف کی۔

تشریح: تعزیر میں مار سخت ماری جائے گی اس وجہ سے بدن کے مختلف اعضاء پر مارنے کی ڈھیل نہیں دی گئی ہے، پھر اس سے ہلکی زنا کی مار ہوگی پھر اس سے ہلکی حد شرب کی اور اس سے ہلکی حد قذف کی ہوگی کیوں کہ زنا کی حد کے بارے میں ہے کہ زانی کے تمام کپڑے اتار دیئے جائیں سوائے لنگی کے اور اگر شادی شدہ ہے تو رجم کی سزا ہے اور حد قذف وحد شرب میں ہے کہ صرف موٹا کپڑا اور پوستین اتاری جائے باقی قمیص وغیرہ اس کے بدن پر رہنے دیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ زنا کی مار سخت ہے اور اس سے ہلکی حد شرب کی ہے کیوں کہ اس کا سبب یقینی ہے اس کے بعد حد قذف ہے کیوں کہ اس کا سبب محتمل ہے ہوسکتا ہے کہ وہ سچا ہو۔

(۲۴۱۰/۱۹) وَمَنْ حَدَّهُ الْإِمَامُ اَوْعَزَّرَهُ فَمَاتَ فَدَمُهُ هَدْرٌ.

حل لغت: ھدر: مصدر ہے باب فتح ضرب خون رائیگاں ہونا خون کا معاف ہونا۔

ترجمہ: اور جس کو حد لگائی امام نے یا سزا دی اور وہ مر گیا تو اس کا خون معاف ہے۔

تشریح: حد لگانے یا تعزیر کرنے کے بعد مر جائے تو اس کا خون معاف ہے حاکم و بیت المال پر لازم نہیں ہے کیوں کہ حاکم نے جو کچھ کیا ہے وہ اس کا شرعاً مامور ہے اور مامور کا فعل سلامتی کے ساتھ مقید نہیں ہوتا۔

(۲۴۱۱/۲۰) وَاِذَا حُدَّ الْمُسْلِمُ فِیْ الْقَذْفِ سَقَطَتْ شَهَادَتُهُ وَاِنْ تَابَ.

ترجمہ: اور جب حد لگائی مسلمان پر تہمت میں تو اس کی گواہی ساقط ہوگئی اگر چہ وہ توبہ کر لے۔

تشریح: مسلمان نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی اور چار گواہ نہ لا سکا اس لئے اس پر حد قذف لگ گئی اب اس کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی اگر چہ وہ قذف سے توبہ کر چکا ہو کیوں کہ آیت میں اس کا تذکرہ ہے ولا تقبلوا لهم شهادةً ابداً اور انکی گواہی کبھی قبول نہ کریں۔

(۲۴۱۲/۲۱) وَاِنْ حُدَّ الْکَافِرُ فِیْ الْقَذْفِ ثُمَّ اَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ.

ترجمہ: اور اگر حد لگائی گئی کافر کو قذف میں پھر اسلام لے آیا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

تشریح: حالتِ کفر میں کسی پر زنا کی تہمت لگائی جس کی وجہ سے حد قذف لگی اب مسلمان ہو گیا تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی کیوں کہ اسلام ماقبل کے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔

کِتَابُ السَّرْقَةِ وَقُطَّاعِ الطَّرِيْقِ

(یہ کتاب چوری کرنے اور ڈکیتی ڈالنے کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب السرقۃ کی کتاب الحدود سے مناسبت یہ ہے کہ حد سرقہ بھی دراصل منجملہ حدود کے ہی ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ حدود میں صرف سزا ہے ضمان نہیں حد سرقہ میں حد (قطع) بھی ہے اور ضمان بھی چور کو دینا لازم ہے دیگر سبھی ائمہ کے نزدیک تو ہے ہی اور ہمارے امام صاحب کی بھی حسن بن زیادؒ والی روایت کے بموجب اور باب کے بجائے کتاب کا عنوان اسلئے قائم کیا گیا کہ چوں کہ حد سرقہ ایسے ضمان پر بھی مشتمل ہے جو حدود سے علیحدہ چیز ہے اس لئے کہ سرقہ کلی طور سے من باب الحدود نہیں ہے اس لئے کتاب کے عنوان سے اس کی انفرادی حیثیت ظاہر کر دی گئی۔

سرقہ کی لغوی تعریف: سرقہ باب ضرب یضرب سے ہے لغۃً دوسرے کی چیز چھپا کر لینے کو

کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: عاقل بالغ شخص کا دوسرے کا ایسا مال جو محفوظ ہو چکپے سے لے لینا۔

قطاع الطریق: یعنی ڈاکہ زنی کی وجہ سے لوگوں کا راستہ کاٹ دینا۔

نوٹ: چوری تین شرطوں کے ساتھ کرے گا تو ہاتھ کٹے گا (۱) وہ چیز دس درہم یا اس سے زیادہ کی ہو (۲) محفوظ جگہ سے چوری کرے (۳) اس چیز میں چور کا کسی قسم کا حصہ نہ ہو۔

(۱/۲۴۱۳) اِذَا سَرَقَ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ اَوْ مَا قِيمَتُهُ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ مَضْرُوْبَةً كَانَتْ اَوْغَيْرَ مَضْرُوْبَةٍ مِنْ حِرْزٍ لَاشُبْهَةَ فِيْهِ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَطْعُ وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فِيْهِ سَوَاءٌ.

حل لغات: مضروبۃ: اسم مفعول، کہا جاتا ہے ضربُ الدرهم درہم پر ٹھپہ لگانا۔ حرز: بہت محفوظ مقام ہر وہ چیز جس میں اشیاء کی حفاظت ہو سکے جیسے صندوق وغیرہ ہر وہ چیز جو ضائع ہونے اور تلف ہونے سے بچائے جمع احرازٌ.

ترجمہ: جب چرائے بالغ عاقل دس درہم یا وہ چیز جس کی قیمت دس درہم ہو سکہ دار ہو یا بے سکہ ایسی محفوظ جگہ سے جس میں کوئی شبہ نہیں تو ہاتھ کاٹنا واجب ہے اور اس میں غلام اور آزاد دونوں برابر ہیں۔

مال کی کتنی مقدار میں قطع ید ہوگا؟

تشریح: چور کے ہاتھ کاٹنے پر تو اتفاق ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مال کی ہر مقدار میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا کسی معین مقدار میں معدودے چند علماء کے علاوہ تمام امت کا اجماع ہے کہ قطع ید کے لئے مال کی مقدار متعین ہے کہ جس سے کم مقدار چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، چناں چہ اس بارے میں تین مذاہب نقل کئے جاتے ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ کے نزدیک چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹا جائے گا (۲) امام مالک واحمدؒ کے نزدیک تین درہم میں ہاتھ کاٹا جائے گا (۳) حنفیہ کے نزدیک دس درہم یا ایک دینار میں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حضورؐ ربع دینار یا اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹا کرتے تھے اس حدیث میں چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹنے کا ثبوت ہے۔

امام مالک واحمد کی دلیل: حضورؐ نے ہاتھ کاٹا ایک ڈھال کی وجہ سے جس کی قیمت تین درہم تھی۔ (بخاری شریف: ج ۲، ص: ۱۰۰۴)

حنفیہ کی دلیل: حضورؐ نے اس ڈھال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔

ائمه ثلاثه کی دلیلوں کا جواب: اصل بات یہ ہے کہ حضورؐ نے اس مال کی چوری میں ہاتھ کاٹا ہے جو ڈھال کی قیمت کے برابر ہو اب ڈھال کی قیمت کتنی تھی اس میں روایات مختلف ہیں بعض میں ربع دینار بعض میں تین درہم بعض میں دس درہم اس اختلاف کی وجہ سے حنفیہ نے اس روایت کو لے لیا جو حد کو دور کرنے والی اور ساقط کرنے والی تھی کیوں کہ اگر تین درہم کی روایت کو لیا جائے تو اس کی وجہ سے حد زیادہ اور جلدی نافذ ہوگی ایسے ہی چوتھائی دینار میں اور دس درہم والی روایت لینے کی صورت میں حد دیر سے نافذ ہوگی اور حدود کے باب میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ احتمال اختیار کیا جائے جس سے حد دور ہوتی ہو۔

صاحب کتاب کا قول : مضروبة كانت او غير مضروبة: یعنی سکہ ہو یا سکہ نہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ڈھال کی وجہ سے ہاتھ کاٹا ہے جو سکہ نہیں ہے ایسے ہی 'من حرز' کی قید لگائی ہے یعنی محفوظ جگہ سے چرانے کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے گا اگر جگہ محفوظ نہ ہو اور وہاں سے کوئی چرائے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(۲/۲۴۱۴) وَيَجِبُ الْقَطْعُ بِاِقْرَارِهٖ مَرَّةً وَاحِدَةً اَوْ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ.

ترجمہ: اور ضروری ہے کاٹنا ایک مرتبہ اقرار کرنے سے یا دو گواہوں کی گواہی سے۔

تشریح: چور خود ایک مرتبہ چوری کا اقرار کرے یا دو مرد اس کی گواہی دیں تو چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے کیوں کہ چوری کے ثبوت میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے آیت میں ہے واستشهدوا شهيدين من رجالكم.

(۳/۲۴۱۵) وَاِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِيْ سَرِقَةٍ فَاَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ قُطِعَ وَاِنْ اَصَابَهٗ اَقَلَّ مِنْ ذَالِكَ لَمْ يُقْطَعْ.

ترجمہ: اور اگر شریک ہو ایک جماعت چوری میں اور پہنچے ان میں سے ہر ایک کو دس درہم تو کاٹا جائے گا اور اگر اس سے کم پہنچے تو نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: اگر چوری میں ایک گروہ شریک ہوا اور ہر ایک کے حصہ میں دس درہم آ گئے تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے لیکن اگر اتنا مال چرایا کہ ہر ایک کو آٹھ آٹھ درہم ملے تو ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔

(۴/۲۴۱۶) وَلَا يُقْطَعُ فِيْمَا يُوْجَدُ تَافِهاً مُبَاحاً فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ كَالْخَشَبِ وَالْحَشِيْشِ وَالْقَصَبِ وَالسَّمَكِ وَالصَّيْدِ.

حل لغات: تافها: اسم فاعل باب (س) تَفِه يتفهُ تَفَهًا کم ہونا گھٹیا ہونا، الخشب موٹی لکڑی جمع خُشُبٌ، الحشيش: خشک گھاس واحد حشيشة، القصب: ہر وہ چیز جس میں پورو ے اور گرہیں ہوں جیسے بانس

اور نرکل۔

ترجمہ: اور نہیں کاٹا جائے گا ان چیزوں میں جو پائی جاتی ہیں معمولی اور مباح دارالاسلام میں جیسے لکڑی گھاس نرکل مچھلی اور شکار۔

کن چیزوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور کن چیزوں میں نہیں

تشریح: دارالاسلام میں جو چیزیں معمولی ہوں یا مباح ہوں کہ جو بھی اِن کو لے لے اس کی ہو جائے تو ان چیزوں کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹے گا جیسے خشک لکڑی گھاس، بانس مچھلی پرندہ شکار ہڑتال سرخ مٹی وغیرہ یہ سب معمولی چیزیں ہیں۔

(۵/۲۴۱۷) وَلَا فِيمَا يَسْرَعُ إِلَيْهِ الْفَسَادُ كَالْفَوَاكِهِ الرَّطْبَةِ وَاللَّبَنِ وَاللَّحْمِ وَالْبِطِّيخِ وَالْفَاكِهَةِ عَلَى الشَّجَرِ وَالزَّرْعِ الَّذِي لَمْ يُحْصَدْ.

حل لغات: يسرع: فعل مضارع باب (س) جلدی کرنا، الفواكه الرطبة: تازے میوے، اللبن: دودھ جمع البان، البطيخ: تربوز، الفاكهة على الشجر: درخت پر لگے ہوئے پھل، لم يحصد: نفی جحد بلم، کھیتی کاٹی نہ گئی ہو، باب (ن، ض) مصدر حَصداً درانتی سے کاٹنا۔

ترجمہ: اور ان چیزوں کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جو جلدی خراب ہو جاتی ہیں جیسے تر میوے دودھ گوشت تربوز درخت پر لگے ہوئے پھل اور وہ کھیتی جو کاٹی نہ گئی ہو۔

تشریح: جو چیزیں جلدی خراب ہونے والی ہیں اور اتنی عمدہ بھی نہیں ہیں کہ جن کے چوری کرنے پر قابل عظمت ہاتھ کاٹا جائے جیسے تر میوے دودھ گوشت تربوز وغیرہ یا درخت پر لگے ہوئے پھل یا جو کھیتی ابھی کھیت میں ہے ان تمام چیزوں کے چرانے پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

اختلاف الائمة

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تمام قسم کے پھل جو محفوظ جگہ میں ہیں ان کے چوری کرنے سے ہاتھ کاٹنا واجب ہے کیوں کہ چوری کہتے ہیں مال محفوظ چپکے سے لینے کو تو جس پر چوری کا اطلاق ہوگا وہاں قطع ید بھی ہوگا حنفیہ فرماتے ہیں کہ مال مسروق کا محفوظ جگہ میں ہونا ضروری ہے چوں کہ پھل محفوظ جگہ نہیں ہے کیوں کہ کوئی شخص بھی آ کر ان کو توڑ سکتا ہے لہٰذا ان پر قطع ید نہ ہوگا اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ درخت ایسے باغ میں ہیں جس کی چار دیواری ہے اور اس کا دروازہ ہے اس پر تالا پڑا ہوا ہے تو کیا پھر بھی پھل کی چوری پر ہاتھ نہیں کٹے گا؟

جواب: حدیث میں درخت پر لٹکے ہوئے پھلوں کو غیر محفوظ قرار دیا گیا ہے اور چار دیواری کے ذریعہ صرف درخت حفاظت میں آگئے ہیں اس لئے اگر ظاہری طور پر حفاظت کا سامان کر بھی لیا گیا تب بھی قطع ید نہ ہوگا۔

(۲۴۱۸/۶) وَلَاقَطْعَ فِي الْاَشْرِبَةِ الْمُطْرِبَةِ وَلَا فِي الطَّنْبُوْرِ.

حل لغات: الاشربة المطربة: خوشی میں لانے والی چیز یہاں مراد نشہ میں لانے والی چیز، الطنبور: ستار، طنبورے کی قسم کا ایک باجہ شروع میں اس میں صرف تین تار ہوتے تھے اس لئے ستار (سہ تار) کہلایا، یہاں مراد باجے کی چیز جمع طنابیر.

ترجمہ: اور کاٹنا نہیں ہے مستی آور شرابوں میں اور نہ باجوں میں۔

تشریح: پینے کی نشہ آور چیزیں چرالے ایسے ہی باجے کی چیز جیسے ڈھول تاشا تو ان میں قطع ید نہیں ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ ان کا چرانا برباد کرنے اور بہانے کے لئے ہو اس لئے قطع ید نہ ہوگا۔

(۲۴۱۹/۷) وَلَا فِيْ سَرِقَةِ الْمُصْحَفِ وَاِنْ كَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ.

ترجمہ: اور نہ قرآن کے چرانے میں اگر چہ اس پر سونے کا کام ہو۔

تشریح: قرآن کریم کے چرانے میں ہاتھ نہیں کٹے گا اگر چہ اس پر سونے کا نقش ونگار ہو اور اس کی قیمت دس درہم سے زیادہ ہو تب بھی نہیں کٹے گا کیوں کہ وہ قرآن کے تابع ہے، قرآن کے چرانے میں ہاتھ نہ کٹنے کی وجہ یہ ہے کہ چور پڑھنے کے لئے لینے کی تاویل کرسکتا ہے۔

(۲۴۲۰/۸) وَلَا فِي الصَّلِيْبِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَاالشَّطْرَنْجِ وَلَا النَّرْدِ.

حل لغات: الصلیب: وہ لکڑی جس پر عیسائیوں کے گمان کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی، اس شکل (+) کی لکڑی، عیسائیوں کا مقدس نشان۔

الشطرنج: ایک مشہور کھیل ہے، سنسکرت لفظ چترانگ کا معرب اس میں چھ قسم کے مہروں سے کھیلتے ہیں۔

النردُ: ایک قسم کا کھیل جس کو اردشیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا، یہ کھیل حرام ہے جس کی وجہ سے آدمی ائمہ اربعہ کے نزدیک مردود الشہادۃ ہو جاتا ہے اور یہی حکم شطرنج کا ہے۔

ترجمہ: اور نہیں کاٹا جائے گا سونے اور چاندی کے صلیب میں اور نہ شطرنج اور نہ نرد میں۔

تشریح: صلیب نصاریٰ کے پوجنے کی چیز ہے، جو نا جائز ہے، اور غیر متقوم ہے، شطرنج اور نرد کھیل کود کی چیز ہے اس لئے ان کے چرانے میں بھی قطع ید نہ ہوگا۔

(۲۴۲۱/۹) وَلَاقَطْعَ عَلٰى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْحُرِّ وَاِنْ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ وَلَا سَارِقِ الْعَبْدِ الْكَبِيْرِ.

ترجمہ: اور قطع ید نہیں ہے، آزاد بچہ کو چرانے والے پر، اگر چہ اس پر زیور ہو اور نہ بڑے غلام کے چرانے والے پر۔

تشریح: آزاد بچہ کسی حال میں بھی مال نہیں ہے، اور اس پر جو زیور ہے وہ اس کے تابع ہے، اس لئے اس کو چرایا تو گویا کہ مال کو نہیں چرایا اس لئے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، البتہ تعزیر ہوگی اور بڑے غلام کے چرانے پر بھی ہاتھ نہ کٹے گا، کیوں کہ وہ اپنا دفعیہ کر سکتا ہے اور لوگوں سے کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو چرایا ہے، مگر پھر بھی نہیں کہہ رہا ہے تو گویا غلام جانے پر راضی ہے۔

(۱۰/۲۴۲۲) وَيُقْطَعُ سَارِقُ الْعَبْدِ الصَّغِيْرِ.

ترجمہ: اور کاٹا جائے گا نابالغ غلام چرانے والے کا ہاتھ۔

تشریح: کیونکہ چھوٹا غلام مال بھی ہے اور وہ اپنا دفعیہ بھی نہیں کر سکتا، اس لئے اس کے چور پر قطع ید ہوگا۔

(۱۱/۲۴۲۳) وَلَا قَطْعَ فِيْ الدَّفَاتِرِ كُلِّهَا اِلَّا فِيْ دَفَاتِرِ الْحِسَابِ.

حل لغت: دفاتر واحد دفتر رجسٹر۔

ترجمہ: اور ہاتھ کاٹنا نہیں ہے کسی دفتر کے چرانے میں سوائے حساب کے دفتر کے۔

تشریح: حساب کے رجسٹروں کے علاوہ اور کسی رجسٹر کی اہمیت زیادہ نہیں ہوتی کہ اس کو عمدہ مال کہا جائے حساب کا رجسٹر عمدہ سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اس میں حساب ہے، اس لئے ان رجسٹروں کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۱۲/۲۴۲۴) وَلَا يُقْطَعُ سَارِقُ كَلْبٍ وَلَا فَهْدٍ وَلَا دُفٍّ وَلَاطَبْلٍ وَلَامِزْمَارٍ.

حل لغات: فھد تیندوا، چیتا جمع فُھُوْدٌ. دف: (دال پر ضمہ اور فتحہ دونوں درست ہیں فاء پر تشدید) ایک قسم کے باجہ کا نام۔

طبل: (طاء پر فتحہ اور باء ساکن) ڈھول مزمار: سارنگی (ایک قسم کا ساز جس میں تار لگے ہوتے ہیں)

ترجمہ: اور نہیں کاٹا جائے گا کتے چیتے، دف ڈھول اور سارنگی چرانے والے کا ہاتھ۔

تشریح: کتا اور چیتا مباح الاصل ہیں اس لئے ان کے چرانے میں قطع ید نہ ہوگا، ایسے ہی دف ڈھول سارنگی کھیل کود کے سامان ہیں اور کھیل کود کی چیزوں کے بارے میں سخت وعید ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس کا چرانا ان چیزوں کو برباد کرنے کے لئے ہو۔

(۱۳/۲۴۲۵) وَيُقْطَعُ فِي السَّاجِ وَالْقَنَاءِ وَالْآبَنُوْسِ وَالصَّنْدَلِ.

حل لغات: الساج: ساگون (ایک مضبوط لکڑی کا درخت) کی لکڑی۔ القناء: قناۃ کی جمع ہے نیزہ یا

نیزے کی لکڑی۔

اَلْآبَنُوْس: ایک مشہور درخت کا نام جس کی لکڑی سخت وزنی اور سیاہ ہوتی ہے۔

الصندل: ایک قسم کی خوشبودار لکڑی، چندن اس کی دو قسمیں ہیں سرخ اور سفید۔

ترجمہ: اور کاٹا جائے گا ساگون نیزے کی لکڑی آبنوس اور صندل کی لکڑی چرانے میں۔

تشریح: یہ تمام لکڑیاں قیمتی ہیں اس لئے ان کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۱۴/۲۴۲۶) وَاِذَا اتُّخِذَ مِنَ الْخَشَبِ اَوَانِی اَوْ اَبْوَابٌ قُطِعَ فِیْهَا.

حل لغات: اوانی: انیۃ کی جمع ہے، برتن۔ ابواب: جمع ہے باب کی دروازہ۔

ترجمہ: اور جب بنالئے گئے لکڑی سے برتن یا دروازے تو ان میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: عام لکڑی تھی جس کے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا لیکن اس سے صندوق یا پیالے بنالئے یا دروازے بنالئے تو اب چونکہ یہ چیزیں قیمتی ہوگئیں اس لئے ان کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۱۵/۲۴۲۷) وَلَا قَطْعَ عَلٰی خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ.

ترجمہ: اور قطع ید نہیں ہے خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت پر۔

تشریح: کسی کے پاس امانت کی رقم تھی اس نے اس میں خیانت کرلی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا البتہ تعزیر کی جائے گی کیوں کہ خیانت میں چوری کے معنی نہیں پائے جاتے اس لئے قطع ید نہ ہوگا۔

(۱۶/۲۴۲۸) وَلَا نَبَّاشٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ.

حل لغات: نباش: اسم مبالغہ، کفن چور باب (ن) نبشًا.

منتھب: اسم فاعل باب (افتعال) ماخوذ النھب سے کسی چیز کو قہراً علانیہ طور پر چھین لینا۔

مختلس: اسم فاعل باب (افتعال) مصدر اختلاس ماخوذ خلس سے خاء پر فتحہ لام ساکن، فریب سے جھپٹا مارنا، اچکنا۔

ترجمہ: اور قطع ید نہیں ہے کفن چور پر نہ لٹیرے پر نہ اچکے پر۔

تشریح: جو آدمی کفن چراتا ہو طرفین کے نزدیک اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ قبرستان مقام محفوظ نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ مردہ پر کفن ڈال دینے کے بعد وہ معمولی اور گھٹیا قسم کی چیز سمجھی جاتی ہے، اس لئے کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس میں قطع ید ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ منتھب پر قطع ید نہیں ہے اس کے معنی ہیں وہ شخص جو کھلم کھلا ہتھیار کو استعمال کئے بغیر جسمانی

قوت استعمال کر کے زبردستی چھین کر لے جائے اگر ہتھیار استعمال کرے تو ڈاکہ زنی میں داخل ہوتا ہے اور مختلس وہ ہے جو قوت کا استعمال کئے بغیر اچک کر لے جائے چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اچک لے، ان دونوں پر قطع ید اس لئے نہیں ہے کہ سرقہ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی چیز خفیہ طریقے پر لی جائے اور مسروق منہ کو پتہ نہ چلے جب کہ ان دونوں کے اندر مسروق منہ کو پتہ ہوتا ہے کہ ہمارا مال لے جایا جارہا ہے، لیکن وہ بیچارہ بے بس ہے، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قطع ید کا حکم نہیں لگایا اس سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جہاں خفیۃً لینا متحقق نہ ہو وہاں قطع ید نہیں ہوگا لیکن قطع ید نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجرم کو ویسے ہی چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ایسے مجرم پر تعزیری سزا جاری کی جائے گی اور حاکم اپنی صوابدید کے مطابق اس پر سزا مقرر کرسکتا ہے۔

(۲۴۲۹/۱۷) وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ وَلَا مِنْ مَالٍ لِلسَّارِقِ فِيْهِ شِرْكَةٌ.

ترجمہ: اور نہیں کاٹا جائیگا بیت المال سے چرانے والے کا ہاتھ اور نہ اس مال سے جس میں چور کی شرکت ہے۔

تشریح: کوئی آدمی بیت المال سے چوری کرے یا کسی جگہ مال ہے اس میں چور کا بھی مال تھا اور دوسرے کا بھی اس میں سے چور نے چوری کرلی تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، کیوں کہ بیت المال تمام مسلمانوں کا ہے جن میں چور بھی داخل ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور چور کے مال میں ہاتھ نہ کٹنے کی وجہ یہ ہے کہ شرکت کے مال میں اس کا حصہ ہے تو بعض مال میں اس کی ملک ثابت ہونے میں شبہ ہے۔

(۲۴۳۰/۱۸) وَمَنْ سَرَقَ مِنْ اَبَوَيْهِ اَوْ وَلَدِهٖ اَوْ ذِيْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَمْ يُقْطَعْ وَكَذٰلِكَ اِذَا سَرَقَ اَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْاٰخَرِ اَوِ الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهٖ اَوْ مِنْ اِمْرَأَةِ سَيِّدِهٖ اَوْ مِنْ زَوْجِ سَيِّدَتِهٖ اَوِ الْمَوْلٰى مِنْ مُكَاتَبِهٖ وَكَذٰلِكَ السَّارِقُ مِنَ الْمَغْنَمِ.

ترجمہ: جس نے چرالی اپنے والدین یا اپنے بیٹے یا ذی رحم محرم کی کوئی چیز تو ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، اور ایسے ہی اگر چرائے میاں بیوی میں سے کوئی دوسرے کی یا غلام اپنے آقا کی یا اپنے آقا کی بیوی یا اپنی سیدہ کے شوہر کی یا آقا اپنے مکاتب کی اور ایسے ہی غنیمت سے چرانے والا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے ماں باپ کی کوئی چیز دس درہم سے اوپر کی چرالی یا والدین نے بیٹے کی چرالی یا اپنے ذی رحم محرم کی چرالی یا بیوی نے شوہر کی یا شوہر نے بیوی کی چرالی یا غلام نے اپنے آقا کی وغیرہ وغیرہ تو ان تمام صورتوں میں چور کا ہاتھ نہ کٹے گا کیوں کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے اتنے قریب رہتے ہیں کہ مسروق منہ کا گھر سارق کے لئے محفوظ نہ رہا نیز بیٹا سمجھتا ہے کہ باپ کے مال میں میرا حصہ ہے اور باپ بھی سمجھتا ہے کہ بیٹے کا مال میرے لئے مباح ہے یہی حال غلام اور آقا کے درمیان ہے اور یہی حال بیوی اور شوہر کے درمیان ہے ان تمام شکوک وشبہات کی وجہ سے قطع ید نہ ہوگا اسی طرح مال غنیمت میں چور کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے اس لئے قطع ید نہ ہوگا۔

(۱۹/۲۴۳۱) وَالْحِرْزُ عَلٰى ضَرْبَيْنِ حِرْزٌ لِمَعْنًى فِيْهِ كَالدُّوْرِ وَالْبُيُوْتِ وَحِرْزٌ بِالْحَافِظِ.

ترجمہ: حرز کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ وہ جگہ ہی حفاظت کی ہو جیسے گھر اور کمرہ اور ایک حرز محافظ کے ذریعہ۔

حرز کا بیان

تشریح: جس حرز سے چرانے سے ہاتھ کٹتا ہے وہ دو طرح سے ہوتی ہے ایک تو یہ کہ وہ مکان ہی حفاظت کے لئے ہو جیسے گھر یا کمرہ ہے کہ اگر اس میں کوئی آدمی نہ بھی ہو تو خود گھر اور کمرہ محافظ کے معنی میں ہے اب اگر ان کے اندر سے کوئی چرائے گا تو قطع ید ہوگا اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ ایسی جگہ ہے کہ جس میں ہر شخص کو آنے کی اجازت ہے جیسے میدان یا مسجد ہے وہاں آدمی حفاظت کے لئے بیٹھا ہوا ہے اس لئے حفاظت کی وجہ سے وہ جگہ حرز بن گئی اب اگر محافظ کے پاس سے کوئی چرائے گا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۲۰/۲۴۳۲) فَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا مِنَ الْحِرْزِ اَوْ غَيْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهٗ عِنْدَهٗ يَحْفَظُهٗ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَطْعُ.

ترجمہ: پھر جس شخص نے چرائی کوئی چیز حرز یا غیر حرز سے جب کہ مالک اس کے پاس حفاظت کر رہا تھا تو اس پر کاٹنا واجب ہوگا۔

تشریح: اس عبارت میں ماقبل کے قاعدہ پر تفریع بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ مقام محفوظ سے دس درہم کی کوئی چیز چرائی تب بھی ہاتھ کاٹا جائیگا اور اگر مقام محفوظ تو نہیں تھا لیکن وہاں مالک حفاظت کر رہا تھا تب بھی قطع ید ہوگا۔

(۲۱/۲۴۳۳) وَلَا قَطْعَ عَلٰى مَنْ سَرَقَ مِنْ حَمَّامٍ اَوْ مِنْ بَيْتٍ اُذِنَ لِلنَّاسِ فِيْ دُخُوْلِهٖ.

ترجمہ: اور نہیں ہے کاٹنا اس پر جس نے چرایا غسل خانہ سے یا ایسے گھر سے جس میں اجازت دے دی گئی ہو لوگوں کو آنے کی۔

تشریح: اگر کسی نے غسل خانہ سے دس درہم کی کوئی چیز چرالی تو قطع ید نہ ہوگا کیونکہ غسل خانہ میں ہر آدمی کو داخل ہونے کی اجازت ہے اسی طرح وہ جگہ جس میں ہر آدمی کو داخل ہونے کی عام اجازت ہو جیسے مسجد مسافر خانہ وغیرہ تو ان جگہوں سے چرانے میں بھی قطع ید نہ ہوگا۔

(۲۲/۲۴۳۴) وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهٗ عِنْدَهٗ قُطِعَ.

ترجمہ: جس نے چرایا مسجد سے سامان حالانکہ اس کا مالک اس کے پاس تھا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: حضرت صفوانؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا چادر سر کے نیچے تھی جس کی قیمت تیس درہم تھی

پس ایک آدمی آیا اور اس کو مجھ سے اچک لیا پس آدمی پکڑا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو حکم دیا ہاتھ کاٹنے کا۔ (ابوداؤد: ج ۲، ص ۶۰۳)

(۲۴۳۵/۲۳) وَلَا قَطْعَ عَلَى الضَّيْفِ إِذَا سَرَقَ مِمَّنْ أَضَافَهُ.

ترجمہ: اور قطع ید نہیں مہمان پر جب وہ چرائے میزبان کی کوئی چیز۔

تشریح: اگر مہمان میزبان کے گھر سے کوئی چیز چرالے تو قطع ید نہیں کیونکہ میزبان کی طرف سے مہمان کو اجازت ملنے کی وجہ سے مکان اس کے حق میں حرز نہیں رہا۔

(۲۴۳۶/۲۴) وَإِذَا نَقَبَ اللِّصُّ الْبَيْتَ وَدَخَلَ فَأَخَذَ الْمَالَ وَنَاوَلَهُ آخَرَ خَارِجَ الْبَيْتِ فَلَا قَطْعَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَلْقَاهُ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ خَرَجَ فَأَخَذَهُ قُطِعَ.

حل لغات: نقب: ماضی باب (ن) نقباً دیوار میں سوراخ کر کے سامان نکالنا۔ اللص چور جمع لُصُوصٌ.

ترجمہ: اگر نقب لگایا چور نے گھر میں اور داخل ہو کر مال اٹھایا اور وہ دے دیا دوسرے کو جو گھر سے باہر تھا تو کسی پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے، اور اگر مال ڈال دیا راستہ میں پھر نکل کر اٹھا لے گیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: اگر چور نے گھر میں نقب لگائی اور گھر میں گھس کر مال اٹھایا اور اس کو کسی دوسرے کو دیا جو باہر کھڑا تھا تو نہ گھر میں داخل ہونے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور نہ باہر سے لینے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیوں کہ چوری اس کو کہتے ہیں کہ گھر کے اندر جا کر خود مال ساتھ لے کر باہر آئے تو اندر والے سے اخراج نہیں پایا گیا اور باہر والا گھر کے اندر سے نہیں لایا بلکہ سڑک پر سے اٹھایا جو غیر محفوظ جگہ ہے۔

(۲۴۳۷/۲۵) وَكَذٰلِكَ إِذَا حَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ وَسَاقَهُ فَأَخْرَجَهُ.

ترجمہ: اور ایسے ہی ہاتھ کاٹا جائے گا اگر لادا سامان گدھے پر اور اس کو ہانکا اور باہر لے آیا۔

تشریح: چور گھر کے اندر گیا اور جانور بھی ساتھ لے گیا پھر سامان جانور پر لاد کر گھر سے باہر نکالا تب بھی ہاتھ کٹے گا کیوں کہ یہ بھی مال ساتھ ہی لے کر آنا ہے کیوں کہ بھاری اور وزنی سامان لوگ کندھوں پر اٹھانے کے بجائے سواری پر لاد کر لاتے ہیں۔

(۲۴۳۸/۲۶) وَإِذَا دَخَلَ الْحِرْزَ جَمَاعَةٌ فَتَوَلَّى بَعْضُهُمُ الْأَخْذَ قُطِعُوا جَمِيعًا.

حل لغات: حرز: محفوظ جگہ۔ تولی: ماضی، لے لیا۔

ترجمہ: اور اگر داخل ہوئی مکان محفوظ میں ایک جماعت اور مال لے لیا بعض نے تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

تشریح: دس آدمیوں کی ایک جماعت مکان محفوظ میں داخل ہوئی ان میں سے سات نے مال لیا اور باقی تین آنے والوں کی نگرانی کرتے رہے کہ کوئی آکر پکڑ نہ لے اور اتنا مال چرالائے کہ ہر ایک کو دس دس درہم مل گئے تو سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے کیونکہ چور ایسا ہی کرتے ہیں کہ کچھ تو سامان اٹھاتے ہیں اور باقی گھر والوں پر نظر رکھتے ہیں گویا کہ مکان محفوظ سے مال اٹھا کر ساتھ لانے میں سب شریک ہیں اس لئے سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

(۲۴۳۹/۲۷) وَمَنْ نَقَبَ الْبَيْتَ وَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِيهِ وَاَخَذَ شَيْئًا لَمْ يُقْطَعْ.

ترجمہ: کسی نے گھر میں نقب لگایا اور اس میں ہاتھ داخل کیا اور کوئی چیز اٹھالی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: اگر کسی نے کسی کے گھر میں نقب لگایا اور اپنا ہاتھ اس گھر میں ڈال کر کوئی چیز نکال لی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ گھر خود حرز ہے اس میں آدمی داخل ہو اور سامان ساتھ لے کر آئے تب چوری ہوگی اور یہاں ایسا نہیں ہوا اس لئے ہاتھ نہ کٹے گا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ہاتھ کٹے گا۔

(۲۴۴۰/۲۸) وَاِنْ دَخَلَ يَدَهٗ فِيْ صُنْدُوْقِ الصَّيْرَفِيِّ اَوْ فِيْ كُمِّ غَيْرِهٖ وَاَخَذَ الْمَالَ قُطِعَ.

حل لغات: صیرفی روپے پیسے کی تجارت کرنے والا، سنار، جمع صَيَارِفَةٌ.
كُمٌّ آستین، اہل عرب آستین میں جیب بناتے تھے اس لئے کم کہہ دیا یہاں مراد ہے آستین کے اندر کی جیب جو حرز ہے اور محفوظ ہے اس لئے کہ اگر آستین کے باہر جیب ہو اور اس کو کاٹ کر درہم لے لے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ باہر کی جیب حرز نہیں ہے۔

ترجمہ: اور اگر ہاتھ ڈالا سنار کے صندوق میں یا دوسرے کی جیب میں اور مال نکال لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: صندوق یا جیب میں آدمی داخل نہیں ہوسکتا بلکہ ایک ہی طریقہ ہے کہ ہاتھ ڈال کر نکالے اب اگر اس نے ہاتھ ڈال کر مال نکالا اور وہ دس درہم کے بقدر ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

(۲۴۴۱/۲۹) وَيُقْطَعُ يَمِيْنُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَتُحْسَمُ.

حل لغات: الزند: گٹا، پہنچا۔ تحسم: مضارع مجہول باب (ض) حَسْمًا رگ کاٹ کر خون روکنے کے لئے داغ دینا۔

ترجمہ: اور کاٹا جائے گا چور کا داہنا ہاتھ گٹے سے اور داغ دیا جائے گا۔

ہاتھ کاٹنے کی کیفیت کا بیان

تشریح: چور کا دایاں ہاتھ گٹے سے کاٹا جائے گا ہاتھ کاٹنے کی دلیل تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے

"فاقطعوا ایدیھما" اور داہنے ہاتھ کی تعیین حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت فَاقْطَعُوْا اَیْمَانَھُمَا سے ہے جو مشہور ہے اور گٹے سے کاٹنے کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا ہاتھ گٹے سے کاٹا اور کاٹنے کے بعد زخم کو داغ دیا جائے تاکہ زیادہ خون نہ نکل جائے اور چور مر نہ جائے کیونکہ ہاتھ کاٹنے سے شہ رگ بھی کٹ جاتی ہے البتہ داغنے کے علاوہ خون روکنے کا اگر اس ترقی یافتہ دور میں کوئی نیا طریقہ ہو تو وہ کیا جا سکتا ہے۔

داغنے کا طریقہ یہ ہے کہ گرم تیل میں چور کا ہاتھ ڈالا جائے پھر داغنے کی اجرت اور تیل کی قیمت چور کے ذمہ ہے لان منہ سبب ذالک (الجوہرۃ ج ۲، ص ۲۶۳، اللباب ۳/ ۷۹)

(۲۴۴۲/ ۳۰) فَاِنْ سَرَقَ ثَانِیًا قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْیُسْریٰ فَاِنْ سَرَقَ ثَالِثًا لَمْ یُقْطَعْ وَخُلِّدَ فِی السِّجْنِ حَتّٰی یَتُوْبَ.

ترجمہ: پھر اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو کاٹا جائے گا اس کا بایاں پاؤں پھر اگر چوری کرے تیسری مرتبہ تو کاٹا نہ جائے گا بلکہ ڈال دیا جائے گا قید خانہ میں یہاں تک کہ توبہ کر لے۔

تشریح: احناف وحنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر چور دوسری مرتبہ چوری کرے تو بایاں پاؤں کاٹا جائے گا بایاں پاؤں کٹنے کے بعد اگر چور نے تیسری دفعہ چوری کی تو اس کا بایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ توبہ کرے یا مر جائے۔

دلیل: دوسری بار چوری کرنے کی وجہ سے بائیں پاؤں کا کاٹنا اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن الہمام نے فرمایا ہے۔ رقم الحاشیہ (۱۸)، نور الانوار: ص ۳۲۔

اور تیسری مرتبہ چوری کرنے کی وجہ سے قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا کیوں کہ اثر میں اس کا ثبوت ہے، حضرت علیؓ کے پاس تیسری مرتبہ چور لایا گیا تو قید میں ڈالنے کا حکم دیا گیا۔ (دار قطنی ۳/ ۱۲۷) اسی طرح احناف کا استدلال آثار صحابہ سے ہے۔

حضرت علیؓ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں مجھے حیاء آتی ہے اللہ تعالیٰ سے اس بات سے کہ میں چوری کی سزا میں چور کا ہاتھ نہ چھوڑوں جس سے وہ کھائے اور استنجاء کرے اور نہ پاؤں چھوڑوں جن سے وہ چل پھر سکے یہی دلیل انہوں نے صحابہ کے سامنے پیش فرمائی جس کی وجہ سے وہ ان پر غالب آگئے ہیں، پس گویا اس پر اجماع منعقد ہو گیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ سزا (چاروں ہاتھ پیر کاٹ دینا) تو درحقیقت آدمی کو بالکل ہی ہلاک کر دینا ہے جنس منفعت کے فوت ہو جانے کی وجہ سے حالانکہ حد سے مقصود زجر ہے نہ کہ تلف کرنا۔ (ہدایہ ۲/ ۵۴۷)

دوسرا مذہب: شافعیہ ومالکیہ کے نزدیک تیسری مرتبہ میں بایاں ہاتھ اور چوتھی مرتبہ میں دایاں پاؤں کاٹا جائے گا اس کے بعد اگر کرے تو تعزیر اور حبس ہے۔

(۳۱/۲۴۴۳) وَاِنْ کَانَ السَّارِقُ اَشَلَّ الْیَدِ الْیُسْریٰ اَوْ اَقْطَعَ اَوْ مَقْطُوْعَ الرِّجْلِ الْیُمْنیٰ لَمْ یُقْطَعْ.

حل لغت: اشل: بیکار ہاتھ والا ہونا۔

ترجمہ: اور اگر چور کا بایاں ہاتھ شل ہو یا کٹا ہوا ہو یا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔

تشریح: چور کا دایاں ہاتھ کٹنا تھا لیکن پہلے ہی سے بایاں کٹا ہوا ہے یا شل ہے اگر دایاں بھی کاٹ دیں تو دونوں سے محروم ہو جائے گا اور تا کہ دائیں ہاتھ سے وضو استنجاء کر سکے اس لئے دایاں نہ کاٹا جائے گا اور اگر پہلے سے دایاں پاؤں کٹا ہوا ہے اب اگر بایاں پیر بھی کاٹ دیں تو بالکل نہیں چل پائے گا اس لئے اب بایاں پیر نہیں کاٹا جائے گا البتہ توبہ کرنے تک قید میں ڈال دیا جائے گا۔

(۳۲/۲۴۴۴) وَلَایُقْطَعُ السَّارِقُ اِلَّا اَنْ یَحْضُرَ الْمَسْرُوْقُ مِنْہُ فَیُطَالِبَ بِالسَّرِقَۃِ.

ترجمہ: اور نہیں کاٹا جائے گا چور کا ہاتھ مگر یہ کہ حاضر ہو وہ جس کا چرایا ہے اور وہ چوری کا دعویٰ کرے۔

چوری کرنے کے باقی احکام

تشریح: چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے شرط یہ ہے کہ جس شخص کا مال چوری ہوا ہے وہ خود آ کر دعویٰ کرے کہ اس نے میرا مال چرایا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مسروق منہ معاف کر دے تو قطع ید نہ ہوگا۔

(۳۳/۲۴۴۵) فَاِنْ وَھَبَھَا مِنَ السَّارِقِ اَوْبَاعَھَا مِنْہُ اَوْ نَقَصَتْ قِیْمَتُھَا عَنِ النِّصَابِ لَمْ یُقْطَعْ.

ترجمہ: اگر مسروق منہ نے وہ مال چور کو ہبہ کر دیا یا اس کے ہاتھ بیچ دیا یا کم ہوگئی اس کی قیمت نصاب سے تو نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: چور کا ہاتھ کٹنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد ہاتھ کاٹنے سے پہلے مسروق منہ مال چور کو ہبہ کر دے یا چور کے ہاتھ بیچ دے یا اس مال کی قیمت دس درہم سے کم ہوگئی تو اب ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیوں کہ اس مال میں ملکیت کا شبہ پیدا ہو گیا امام شافعیؒ کا مذہب اور امام ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کٹنے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد چور کو بیچ دے یا ہبہ کر دے یا قیمت کم ہو جائے تو پھر بھی ہاتھ کٹے گا کیوں کہ قاضی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

(۳۴/۲۴۴۶) وَمَنْ سَرَقَ عَیْنًا فَقُطِعَ فِیْھَا وَرَدَّھَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَھَا وَھِیَ بِحَالِھَا لَمْ یُقْطَعْ.

ترجمہ: کسی نے کوئی چیز چرائی پھر اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور چیز واپس کر دی پھر اس نے دوبارہ چرالی اور وہ چیز اپنی پہلی حالت پر ہے تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح: کسی نے کوئی چیز چرائی چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر وہ چیز مالک کے پاس واپس ہوگئی اور ابھی وہ چیز جوں کی توں تھی کہ اس چور نے پھر چرائی تو اب قطع ید نہ ہوگا کیوں کہ ایک مرتبہ ہاتھ کٹنے سے محل کی حفاظت ساقط ہوگئی۔

(۲۴۴۷/۳۵) وَاِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلُ اِنْ كَانَتْ غَزْلاً فَسَرَقَهُ فَقُطِعَ فِيْهِ وَرَدَّهُ ثُمَّ نُسِجَ فَعَادَ وَسَرَقَهُ قُطِعَ.

حل لغات: غزلا: سوت، دھاگا۔ نسج ماضی مجہول باب (ن،ض) نسجًا بننا۔

ترجمہ: اور اگر وہ چیز اپنی حالت سے بدل گئی مثلاً یہ کہ سوت چرایا تھا اس میں ہاتھ کاٹا گیا اور واپس کر دیا پھر کپڑا بن لیا گیا پھر اس کو چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح: اگر شئی مسروق کی ذات متغیر ہوگئی مثلاً پہلے سوت چرایا تھا جس کیوجہ سے ہاتھ کاٹا گیا چور نے سوت واپس کر دیا مالک نے اس سوت سے کپڑا بن لیا اب اس کا نام سوت نہیں رہا بلکہ کپڑا ہوگیا اب اسی چور نے پھر اسی کو چرالیا تو دوبارہ ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ چیز کی اصلیت بھی بدل گئی اور نام بھی بدل گیا تو گویا کہ اب اس چور نے دوسری چیز چرائی۔

(۲۴۴۸/۳۶) وَاِذَا قُطِعَ السَّارِقُ وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ فِيْ يَدِهٖ رَدَّهَا وَاِنْ كَانَتْ هَالِكَةً لَمْ يَضْمَنْ.

ترجمہ: اور اگر کاٹ دیا گیا چور کا ہاتھ اور وہ چیز بعینہٖ اس کے پاس ہے تو اس کو واپس کرے گا اور اگر ہلاک ہوچکی ہے تو ضامن نہ ہوگا۔

تشریح: اگر چور نے کسی شخص کا کوئی مال چوری کیا اور اس چوری کی پاداش میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پس اگر وہ مال چور کے پاس موجود ہو تو بالاتفاق اس کو مالک کی طرف لوٹا دیا جائے گا اسی طرح اگر چور نے اس کو فروخت کر دیا ہو یا ہبہ کر دیا ہو تو بھی چور مشتری یا موہوب لہ سے واپس لے کر اس کو مالک کی طرف لوٹائے گا اور اگر وہ مال چور کے پاس سے ضائع ہوگیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک چور پر مال مسروقہ کا تاوان واجب ہوگا خواہ وہ مال خود بخود ضائع ہوا ہو یا اس کو چور نے ضائع کیا ہو اور ظاہر الروایت کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بالکل تاوان واجب نہ ہوگا خواہ وہ مال خود بخود ضائع ہوا ہو خواہ چور نے اس کو ضائع کیا ہو کیونکہ نسائی کی روایت "عن عبدالرحمن بن عوف لایغرم صاحب سرقة اذا اقیم علیه الحد" اس پر شاہد ہے یعنی جب چور پر حد قائم کر دی گئی تو اس پر تاوان واجب نہیں کیا جاتا ہے یہ حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ حد سرقہ قائم ہونے کے بعد چور مال کا ضامن نہ ہوگا۔

(۲۴۴۹/۳۷) وَاِذَا ادَّعَى السَّارِقُ اَنَّ الْعَيْنَ الْمَسْرُوْقَةَ مِلْكُهٗ سَقَطَ الْقَطْعُ عَنْهُ وَاِنْ لَمْ يُقِمْ بَيِّنَةً.

ترجمہ: اگر دعویٰ کیا چور نے کہ مسروقہ چیز اس کی ملکیت ہے تو اس سے کاٹنا ساقط ہو جائے گا اگرچہ اس پر گواہ قائم نہ کرے۔

تشریح: ایک شخص نے چوری کی چوری کے بعد کہنے لگا کہ یہ چیز میری ملکیت ہے تو اس دعویٰ کرنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ اس نے ملکیت پر گواہ بھی پیش نہ کئے ہوں کیونکہ یہاں ملکیت کے دعویٰ کے بعد حصہ کا شبہ ہو گیا اس لئے حد ساقط ہو جائے گی۔

(۲۴۵۰/۳۸) وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُمْتَنِعِينَ أَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ الْإِمْتِنَاعَ فَقَصَدُوْا قَطْعَ الطَّرِيقِ فَأُخِذُوْا قَبْلَ أَنْ يَأْخُذُوْا مَالاً وَيَقْتُلُوْا نَفْسًا حَبَسَهُمُ الْإِمَامُ حَتّٰى يُحْدِثُوْا تَوْبَةً.

حل لغات: ممتنع: روکنے والا یعنی راستہ روک کر ڈاکہ زنی کرنے والا۔ قطع الطریق: راستہ کاٹنا یعنی لوگوں کو راستہ میں لوٹنا، ڈاکہ زنی کرنا۔ حبسھم: ان کو قید کر دے۔

ترجمہ: اور اگر نکلی ایک جماعت راستہ روکنے والی یا ایک آدمی جو قادر ہے راستہ روکنے پر پس انہوں نے ارادہ کیا ڈاکہ زنی کا اور وہ پکڑ لئے گئے مال لینے اور قتل کرنے سے پہلے تو قید کر دے ان کو امام یہاں تک کہ وہ توبہ ظاہر کریں۔

ڈاکہ زنی کے احکام

تشریح: ایک طاقتور جماعت یا ایک بہادر شخص جس کو راستہ روکنے پر قدرت حاصل ہے ڈکیتی کے ارادہ سے نکلے ابھی نہ تو کسی سے مال چھین سکے اور نہ کسی کو قتل کر سکے اس سے پہلے ہی پکڑ لئے گئے تو ایسی صورت میں حاکم ان کو اتنی مدت تک قید میں رکھے کہ توبہ کر لیں اور حرکات و سکنات سے محسوس ہو کہ انہوں نے ڈاکہ زنی سے توبہ کر لی ہے، اللہ کا فرمان ہے: "او ینفوا من الارض" یا زمین سے شہر بدر کر دیئے جائیں یعنی قید کر دیئے جائیں۔

(۲۴۵۱/۳۹) وَإِنْ أَخَذُوْا مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ وَالْمَأْخُوْذُ إِذَا قُسِمَ عَلٰى جَمَاعَتِهِمْ أَصَابَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا أَوْ مَا تَبْلُغُ قِيْمَتُهُ ذٰلِكَ قَطَعَ الْإِمَامُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ.

ترجمہ: اور اگر وہ لے چکے کسی مسلمان یا ذمی کا مال اور لیا ہوا مال جب تقسیم کیا جائے ان کی جماعت پر تو پہنچے ان میں سے ہر ایک کو دس درہم یا زیادہ یا ایسی چیز پہنچے کہ اس کی قیمت اتنی ہے تو کاٹے امام ان کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے۔

تشریح: اگر ڈاکو ڈکیتی کے لئے نکلے اور مسلمان یا ذمی کا اتنا مال لے لیا کہ جماعت کے ہر فرد کو دس درہم یا دس

درہم سے زیادہ مل سکتا ہے یا لوٹا ہوا مال ہر ایک آدمی کو اتنا اتنا ملے گا کہ اس کی قیمت دس درہم ہوگی تو امام ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے گا۔

فوائد قیود: قولہ مسلم اوذمی: مسلمان یا ذمی کا مال لوٹنے سے اس لئے قطع ید ہوگا کہ وہ مال محفوظ ہے اس سے حربی کافر کا مال نکل گیا کہ اس کو لوٹنے سے ہاتھ نہ کٹے گا کیوں کہ اس کا مال غیر محفوظ ہے۔

قولہ قطع الامام الخ: دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں دونوں کاٹے جائیں گے کیونکہ یہ صرف چور نہیں بلکہ ڈکیت ہے اس سزا سے چور خارج ہوگیا۔

دلیل: مال لوٹنے کی سزا اس آیت میں ہے او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف اس آیت میں ہے کہ ڈاکوؤں کے ہاتھ اور پاؤں جانب مخالف سے کاٹے جائیں گے۔

(۲۴۵۲/۴۰) وَاِنْ قَتَلُوْا نَفْسًا وَلَمْ يَاْخُذُوْا مَالاً قَتَلَهُمُ الْاِمَامُ حَدًّا فَاِنْ عَفَا الْاَوْلِيَاءُ عَنْهُمْ لَمْ يَلْتَفِتْ اِلٰى عَفْوِهِمْ.

ترجمہ: اور اگر انہوں نے کسی کو قتل کردیا اور مال نہیں لیا تو قتل کرے ان کو امام حد کے طریقہ پر حتی کہ اگر معاف کردیں اولیاء تو متوجہ نہ ہو امام ان کی معافی کی طرف۔

تشریح: اگر ڈاکوؤں نے مال تو نہیں لیا مگر کسی کو قتل کردیا تو امام ان کو بطور حد قتل کرے گا نہ کہ قصاصاً حتی کہ اگر اولیائے مقتول ڈاکہ زنوں کو معاف کردیں تو بھی معافی نہ ہوگی بلکہ امام ان کو قتل ہی کرے کیونکہ یہ حق اللہ ہے اور حقوق اللہ وحدود کو معاف کرنا جائز نہیں ہے، نیز آیت محاربہ میں اَوْ یُقَتَّلُوْا" ہے۔

(۲۴۵۳/۴۱) وَاِنْ قَتَلُوْا وَاَخَذُوْا مَالاً فَالْاِمَامُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَطَعَ اَيْدِيَهِمْ وَاَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَقَتَلَهُمْ اَوْ صَلَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَاِنْ شَاءَ صَلَّبَهُمْ.

حل لغت: صلب: ماضی (م) تصلیباً سولی دینا۔

ترجمہ: اور اگر قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لیا ہو تو امام کو اختیار ہے چاہے تو ان کے ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹے اور ان کو قتل کردے یا سولی دے دے اور اگر چاہے قتل کردے اور اگر چاہے تو صرف سولی دے دے۔

تشریح: اور اگر انہوں نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لیا تو امام کو اس صورت میں چند اختیارات ہیں۔ (۱) دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹے کیونکہ انہوں نے مال لیا ہے اور ان کو قتل کردے کیونکہ انہوں نے قتل بھی کیا ہے، تو دو جرم ہوئے اس لئے دونوں کی سزا دے سکتا ہے۔ (۲) ابتداء ہی میں ان کو سولی دے دے (۳) صرف قتل کر ڈالے (۴) صرف سولی دے دے مذکورہ بالا حکم آیت محاربہ میں ہے۔ (آیت ۳۳ سورۃ المائدۃ)

(۲۴۵۴/۴۲) وَيُصَلَّبُ حَيًّا وَيُبْعَجُ بَطْنُهٗ بِرُمْحٍ اِلٰى اَنْ يَمُوْتَ وَلَا يُصَلَّبُ اَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ.

حل لغات: حَيٌّ جمع احیاء زندہ۔ یبعج مضارع مجہول باب (ف) مصدر بعجًا پھاڑنا۔ رمح نیزہ۔

ترجمہ: اور سولی دی جائے زندہ کو اور پھاڑا جائے اس کا پیٹ نیزہ سے یہاں تک کہ مرجائے اور سولی پر نہ رکھا جائے تین دن سے زیادہ۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ سولی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ زندہ آدمی کو تختہ پر لٹکا دیا جائے پھر نیزہ سے پیٹ پھاڑ دیا جائے یہاں تک کہ مرجائے۔

صاحب اللباب فرماتے ہیں کہ زمین میں ایک لکڑی گاڑ دی جائے اور مجرم کو اس پر کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر ایک دوسری لکڑی لگا کر اس کے دونوں ہاتھ اس پر باندھ دیئے جائیں اور اس کی بائیں چھاتی کے نیچے نیزہ سے اس کے پیٹ پر چونکے لگائے جائیں اور اس کے پیٹ کو ہلایا جائے آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ تین دن میں لوگوں کو عبرت ہوجائے گی اور زیادہ رکھنے میں لاش سڑے گی اور بدبو پھیلے گی اس لئے تین دن سے زیادہ نہ رکھا جائے۔

امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ سولی ہی پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ اس کا بدن ریزہ ریزہ ہوجائے، تا کہ لوگوں کو زیادہ عبرت ہو۔

(۴۳/۲۴۵۵) فَإِنْ كَانَ فِيهِمْ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُوْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَقْطُوْعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِيْنَ وَصَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ إِنْ شَاؤُا قَتَلُوْا وَإِنْ شَاؤُا عَفَوْا.

ترجمہ: پھر اگر ڈکیتوں میں کوئی بچہ ہو یا مجنون ہو یا جس پر ڈاکہ ڈالا اس کا ذو رحم محرم ہو تو ساقط ہوجائے گی حد باقی لوگوں سے بھی اور ہوگا قتل کرنا اولیاء کے اختیار میں اگر چاہیں قتل کریں اور اگر چاہیں معاف کریں۔

تشریح: اگر ڈاکوؤں کی جماعت میں کچھ غیر مکلف بھی ہوں مثلاً بچہ یا دیوانہ یا ڈاکہ ڈالنے والا اس آدمی کا قریبی رشتہ دار ہو جس پر ڈاکہ ڈالا گیا تو باقی لوگوں سے بھی حد ساقط ہوجائے گی البتہ اگر قتل کیا ہے تو قصاصاً قتل کیا جائے گا جس کا اختیار مقتول کے ورثاء کو ہوگا چاہیں وہ قتل کریں یا معاف کریں چونکہ جب بعض لوگوں سے حد ساقط ہوگئی تو حد میں شبہ پیدا ہوگیا اس لئے سبھی سے ساقط ہوجائے گی باقی رہا قتل کے بدلہ قصاص لینا یا مال کے بدلہ مال لینا تو یہ مسئلہ دیت میں آتا ہے اور دیت کا دارومدار اولیاء کے اختیار پر ہے چاہے وہ معاف کریں چاہے وہ صلح کریں۔

(۴۴/۲۴۵۶) وَإِنْ بَاشَرَ الْقَتْلَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ أُجْرِيَ الْقَتْلُ عَلَى جَمَاعَتِهِمْ.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے ایک نے قتل کیا ہو تو قتل کا حکم سب پر ہی جاری ہوگا۔

تشریح: اگر تمام ڈاکوؤں نے قتل نہیں کیا بلکہ صرف ایک نے کیا تب بھی سب پر حد جاری ہوگی کیونکہ ڈاکہ زنی میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض قتل کرتے ہیں اور بعض ان کی مدد کرتے ہیں تو گویا وہ سب شریک ہیں۔

كِتَابُ الْاَشْرِبَةِ

(یہ کتاب شرابوں کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جب صاحب قدوریؒ مال کی چوری کرنے والے کے احکام کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب عقل کی چوری کرنے والے احکام بیان کرتے ہیں۔

اشربه کی لغوی تحقیق: اشربة شراب کی جمع ہے، شراب اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو پی جائے جیسے پانی شربت شہد وغیرہ۔

اصطلاحی تعریف: شراب وہ ہے جو نشہ لائے، اور ست و بیہوش کر دے اور اس کا پینا حرام ہے۔ (رقم حاشیۃ القدوری (۱)

(۱/۲۴۵۷) اَلْاَشْرِبَةُ الْمُحَرَّمَةُ اَرْبَعَةٌ اَلْخَمْرُ وَهِيَ عَصِيْرُ الْعِنَبِ اِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ وَقَذَفَ بِالزَّبَدِ.

حل لغات: عصیر: رس، شیرہ۔ العنب: انگور جمع اَعْنَاب، ایک دانے کو عِنَبَةٌ کہتے ہیں۔ غَلَا: ماخوذ ہے غلیان سے جوش مارنا باب (ن)۔ اشتد: تیز ہونا، اس سے مراد یہ ہے کہ جس میں نشہ کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ قذف بالزبد: جھاگ پھینکنے لگے۔

ترجمہ: حرام شرابیں چار ہیں (۱) خمر اور وہ انگور کا رس ہے جب جوش مارے، اور تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے۔

شراب کی اقسام کا بیان

تشریح: صاحب قدوریؒ نے یہاں شرابوں کی چار اقسام کا ذکر فرمایا ہے اور یہ چاروں وہ ہیں جو حرام ہیں اول انگور کی کچی شراب جب کہ وہ جوش مارنے لگے اور تیز ہو کر جھاگ پھینکنے لگے، تو اس کو اصلی خمر کہتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے، اور اگر پیا تو حد بھی جاری ہوگی خواہ کم پینے کی وجہ سے نشہ پیدا نہ ہوا ہو، پھر اس بارے میں اختلاف ہے کہ خمر کسے کہتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) شیخین کے نزدیک انگور کا کچا پانی جب کہ وہ نشہ آور ہو جائے اس کو خمر کہتے ہیں اس کے علاوہ دوسری چیزوں سے جو شراب بنائی جائے اس کو خمر نہیں کہا جائے گا۔

(۲) ائمہ ثلاثہ اور امام محمدؒ کے نزدیک شراب چاہے انگور سے بنائی جائے خواہ کھجور سے خواہ شہد سے خواہ غلوں سے نشہ آور ہونے کے بعد سب پر خمر کا ہی اطلاق ہوتا ہے، اور سب کا حکم یکساں ہے، کہ ان قسموں میں سے کسی میں سے ایک

قطرہ بھی پینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ خواہ نشہ ہو یا نہ ہو یہی مذہب راجح ہے۔

(۲/۲۴۵۸) وَالْعَصِيْرُ اِذَا طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ اَقَلُّ مِنْ ثُلُثَيْهِ.

ترجمہ: اور شیرہ جب پکا لیا جائے یہاں تک کہ دو تہائی سے کم جل جائے۔

تشریح: شراب کی دوسری صورت یہ ہے کہ انگور کا رس کچا نہ رہے بلکہ اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی سے کم جل جائے اور تہائی سے کچھ زیادہ باقی رہ جائے اور تیز ہو کر نشہ آ جائے اس کو طلاء بھی کہتے ہیں اگر پکانے سے آدھا جل جائے تو اس کو منصف کہتے ہیں اور اگر ادنیٰ درجہ پکایا ہے تو اس کو باذق کہتے ہیں ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ ان کا پینا مطلقاً حرام ہے لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب اتنی مقدار پی ہو جس سے نشہ پیدا ہو جائے۔

(۳/۲۴۵۹) وَنَقِيْعُ التَّمْرِ.

حل لغات: نقیع: خشک انگور کی شراب جو پانی میں بھگو کر بنائی جمع اَنْقِعَةٌ، نقیع التمر. پختہ تر کھجور کا کچا رس جو جوش کھا کر گاڑھا اور نشہ آور ہو جائے۔

ترجمہ: اور کھجور کا نقیع۔

تشریح: کھجور کو پانی میں ڈال کر کچھ دن چھوڑ دیا جائے جس کی وجہ سے پانی گاڑھا ہو جائے اور جوش مار کر جھاگ پھینکنے لگے اس کو نقیع تمر کہتے ہیں، یہ شراب کی تیسری قسم ہے۔

(۴/۲۴۶۰) وَنَقِيْعُ الزَّبِيْبِ اِذَا غَلَا وَاشْتَدَّ.

ترجمہ: اور کشمش کی نقیع جب جوش مارے اور تیز ہو جائے۔

تشریح: کشمش کو پانی میں ڈال کر کچھ دن چھوڑ دے جس سے پانی گاڑھا ہو جائے اور جوش مار کر جھاگ پھینکنے لگے یہ شراب کی چوتھی قسم ہے۔

حکم: عصیر، نقیع تمر، نقیع زبیب ان تینوں کی حرمت خمر کے مقابلہ میں کم ہے ان کے حلال جاننے والے کو کافر نہ کہا جائے گا اور ان کا پینا مطلقاً حرام ہے لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب اتنی مقدار پی ہو جس سے نشہ پیدا ہو جائے۔

(۵/۲۴۶۱) وَنَبِيْذُ التَّمْرِ وَالزَّبِيْبِ اِذَا طُبِخَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَدْنٰى طَبْخَةٍ حَلَالٌ وَاِنِ اشْتَدَّ اِذَا شَرِبَ مِنْهُ مَا يَغْلِبُ عَلٰى ظَنِّهٖ اَنَّهٗ لَايُسْكِرُهٗ مِنْ غَيْرِ لَهْوٍ وَلَا طَرَبٍ.

حل لغات: نبیذ: انگور یا کھجور کی نچوڑی ہوئی شراب جمع اَنْبِذَةٌ. طبخ: ماضی مجہول باب (ن،ض) طبخا پکانا۔ لایسکرہ: نشہ نہیں لائے گی۔ لھو: کھیل کود وہ چیز جس سے انسان لذت حاصل کرے، عورت جس سے کھیل کود کیا جائے۔ طرب: مستی۔

ترجمہ: کھجور اور کشمش کی نبیذ جب پکالی جائے دونوں میں سے ہر ایک کو تھوڑا سا پکانا تو حلال ہے اگر چہ تیز ہو جائے جب کہ پئے اتنی کہ غالب گمان ہو کہ وہ نشہ نہیں لائے گی کھیل کود اور مستی کے بغیر۔

مباح مشروبات کا بیان

تشریح: کھجور کی یا کشمش کی نبیذ بنائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کھجور اور کشمش کے پانی کو تھوڑا سا پکائے تو وہ حلال ہے بشرطیکہ نشہ نہ آیا ہو البتہ مزے میں تھوڑی تیزی آ گئی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی اتنی مقدار جو نشہ نہ لائے نیک نیتی یعنی تقویت کی نیت سے پینا جائز ہے اور نشہ کے لئے یا مستی کے لئے پینا حرام ہے لیکن حد اسی وقت جاری ہوگی جب پینے والے پر نشہ چڑھ جائے۔

(۲۴۶۲/۶) وَلَا بَأْسَ بِالْخَلِيطَيْنِ.

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں ہے خلیطین میں۔

تشریح: کھجور اور کشمش کو ملا کر نبیذ بنانے کو خلیط کہتے ہیں، اگر چھوارے اور منقی کو الگ الگ تر کر کے دونوں کا پانی قدرے پکا لیا جائے اور اس میں نشہ نہ آئے تو جائز ہے ورنہ حرام، یہ حنفیہ کے نزدیک ہے۔ جمہور کے نزدیک خلیطین کا پینا ناجائز ہے خواہ نشہ آئے یا نہ آئے۔

(۲۴۶۳/۷) وَنَبِيذُ الْعَسَلِ وَالتِّينِ وَالْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالذُّرَةِ حَلَالٌ وَإِنْ لَمْ يُطْبَخْ.

ترجمہ: شہد، انجیر گیہوں جو جوار کی نبیذ حلال ہے، اگر چہ پکائی نہ گئی ہو۔

تشریح: یہ سب مذکورہ نبیذیں شیخین کے نزدیک حلال ہیں خواہ ان کو پکایا گیا ہو یا نہ پکایا گیا ہو لیکن شرط یہ ہے کہ بغیر کھیل کود و مستی کے قوت بدن کے لئے استعمال کرے ورنہ حرام ہے۔

(۲۴۶۴/۸) وَعَصِيرُ الْعِنَبِ إِذَا طُبِخَ حَتّٰى ذَهَبَ مِنْهُ ثُلُثَاهُ حَلَالٌ وَإِنِ اشْتَدَّ.

ترجمہ: اور انگور کا شیرہ جب اتنا پکایا جائے کہ دو تہائی جل جائے تو جائز ہے اگر چہ تیز ہو جائے۔

تشریح: انگور کا نچوڑا ہوا رس جب اس کو اتنا پکا دیا جائے کہ دو تہائی جل کر ختم ہو گیا اور صرف ایک تہائی باقی رہ گیا اور اس میں جوش و تیزی پیدا ہو گئی تو یہ حلال ہے اس کو مثلث عنبی بھی کہتے ہیں۔

(۲۴۶۵/۹) وَلَا بَأْسَ بِالْاِنْتِبَاذِ فِي الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيرِ.

حل لغات: انتباذ: باب افتعال کا مصدر ہے، نبیذ بنانا۔ الدباء: (دال کا ضمہ باء کی تشدید اور مد کے ساتھ) واحد دُبَّاءة خشک کدو جس کے اندر سے گودا نکال لیتے ہیں اور پیالہ کی شکل میں ہو جاتا ہے اور اس کو کدو کی تونبی

کہتے ہیں۔ الحنتم: ہرے رنگ کی ٹھلیا کہ جس میں نبیذ بنایا کرتے تھے۔ المزفت: زفت سے ماخوذ ہے تارکول جیسی ایک چیز جس کو کشتی وغیرہ پر ملا کرتے تھے، چیڑ کا گوند، مزفت وہ برتن یا مٹکا جس پر تارکول ملا ہوا ہو اس میں شراب بناتے تھے اَلنَّقِیْرُ: نقرٌ سے ماخوذ ہے لکڑی کی جڑ جس کو کھود کر اس میں نبیذ بناتے ہیں اور اس کی نبیذ تیز و تند ہوتی ہے جمع اَنْقِرَۃٌ جیسے ہمارے یہاں لکڑی کا اوکھل ہوتا ہے دھان کو کوٹنے کے لئے۔

ترجمہ: اور کوئی حرج کی بات نہیں نبیذ بنانے میں کدو کی تونبی میں اور سبز ٹھلیا میں اور چیڑ کے گوند پھیرے ہوئے برتن میں اور کھدی ہوئی لکڑی میں۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں لوگ ان برتنوں میں شراب بناتے تھے ان برتنوں کی خصوصیت یہ ہے کہ شراب میں جلدی نشہ آتا ہے جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی مخالفت فرمادی تاکہ شراب کی نفرت دلوں میں جم جائے پھر کچھ عرصہ کے بعد جب مقصد حاصل ہوگیا تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت مل گئی اور پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔

(۱۰/۲۴۶۶) وَاِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حَلَّتْ سَوَاءٌ صَارَتْ بِنَفْسِهَا خَلًّا اَوْ بِشَیْءٍ طُرِحَ فِیْهَا وَلَایُکْرَہُ تَخْلِیْلُهَا.

حل لغات: تخللت ماضی باب تفعل سے ہے سرکہ بننا۔ خلٌّ سرکہ۔

ترجمہ: اور اگر شراب سرکہ بن جائے تو حلال ہے خود بخود سرکہ بن جائے یا اس میں کوئی چیز ڈالنے سے بنے اور شراب کو سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح: شراب کو سرکہ بنانے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے امام احمد کے نزدیک جائز نہیں حنفیہ کے نزدیک شراب کا سرکہ جائز ہے خواہ وہ بذات خود سرکہ بن گئی ہو یا اس میں کوئی چیز ڈالنے سے سرکہ بنی ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر شراب رکھی ہوئی خود بخود سرکہ بن جائے تب تو حلال ہے، ورنہ نہیں اور امام مالکؒ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانے کا فعل تو ناجائز ہے لیکن بنانے کے بعد اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ (عون المعبود عن نیل الاوطار)

کِتَابُ الصَّیْدِ وَالذَّبَائِحِ

(یہ کتاب شکار اور ذبائح کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح شراب سے سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح شکار سے سرور وفرحت حاصل ہوتی ہے نیز شکار مطعومات میں سے ہے، جیسا کہ شراب مشروبات میں سے ہے، پھر اشربہ کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرمت کا غلبہ ہے اور صید میں حلت کا اور صید کے ذکر کے بعد ذبائح کی مناسبت ظاہر ہے۔ (رقم

الحاشیہ ا)

کتاب الصید الخ: صید لغت میں مصدر ہے، اصطیاد شکار کرنا اور مجازاً مفعول پر بھی بولا جاتا ہے، صید ہر وہ متوحش جانور ہے جس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو خواہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو۔

الذبائح: یہ ذبیحۃ کی جمع ہے ذبیح اور ذبح اصل میں مذبوح جانور کو کہتے ہیں لیکن مجازاً اس جانور کو کہتے ہیں جو عنقریب ذبح کیا جائے گا۔

(۱/۲۴۶۷) يَجُوْزُ الْاِصْطِيَادُ بِالْكَلْبِ الْمُعَلَّمِ وَالْفَهْدِ وَالْبَازِىْ وَسَائِرِ الْجَوَارِحِ الْمُعَلَّمَةِ.

حل لغات: الکلب المعلم: سکھایا ہوا کتا۔ الفهد: چیتا۔ البازی: باز، ایک قسم کا شکار کرنے والا پرندہ۔ الجوارح: جارحۃ سے مشتق ہے زخمی کرنے والا۔

ترجمہ: جائز ہے شکار کرنا سکھائے ہوئے کتے چیتے باز اور تمام سکھائے ہوئے زخمی کرنے والے جانوروں سے۔

تشریح: جس کو آپ نے دی خواہ وہ شکار کرنے والا درندہ ہو یا پرندہ ہو تو اس کا کیا ہوا شکار حلال ہے۔

(۲/۲۴۶۸) وَتَعْلِيْمُ الْكَلْبِ اَنْ يَتْرُكَ الْاَكْلَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَتَعْلِيْمُ الْبَازِىْ اَنْ يَرْجِعَ اِذَا دَعَوْتَهٗ.

ترجمہ: اور کتے کا تربیت یافتہ ہونا یہ ہے کہ کھانا چھوڑ دے تین بار اور باز کا تربیت یافتہ ہونا یہ ہے کہ واپس آجائے جب تو بلائے۔

کتے اور باز کا تربیت یافتہ ہونا کب سمجھا جائے گا

تشریح: شکار حلال ہونے کے لئے شکاری جانور کا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے، اب کتے کا تربیت یافتہ ہونا یہ ہے کہ وہ شکار کرے اور اس کو نہ کھائے، بلکہ مالک کے لئے روک لے، اور یہ فعل اس سے تین مرتبہ صادر ہو چکا ہو، تمام پھاڑ کھانے والے جانوروں کے سکھانے کا طریقہ یہی ہے، اگر شکار کر کے خود ہی کھا لیا تو ان کو معلم نہیں سمجھا جائے گا اور ان کا کیا ہوا شکار حلال نہیں ہوگا اور باز کی تربیت یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دے تو شکار کے لئے جائے اور روکے تو رک جائے تین بار ایسا کرنے سے شریعت کی نگاہ میں یہ پرندہ سکھایا ہوا ہے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ کتے کو سدھانا آسان ہے اور سدھانے کیلئے اس کو مارا بھی جا سکتا ہے بخلاف باز کے کہ اس کو سدھانا مشکل بھی ہے اور اسکو مارا بھی نہیں جا سکتا ہے۔

(۳/۲۴۶۹) فَاِنْ اَرْسَلَ كَلْبَهُ الْمُعَلَّمَ اَوْ بَازِيَهٗ اَوْ صَقْرَهٗ عَلٰى صَيْدٍ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ عِنْدَ اِرْسَالِهٖ فَاَخَذَ الصَّيْدَ وَجَرَحَهٗ فَمَاتَ حَلَّ اَكْلُهٗ.

لغت: صقر: شکرہ، ایک شکاری پرندہ۔

ترجمہ: اگر چھوڑا اپنا تربیت یافتہ کتا یا باز یا شکرہ کسی شکار پر اور اللہ کا نام لیا اس پر اس کے چھوڑتے وقت پس اس نے شکار پکڑ کر زخمی کر دیا پھر وہ مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

تشریح: جب شکاری نے اپنا معلم کتا یا باز یا شکرہ وغیرہ کو بسم اللہ پڑھ کر شکار کے لئے چھوڑ دیا اور ان جانوروں نے شکار پکڑ لیا اور اس کو زخمی کر دیا اور شکار مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

(۴/۲۴۷۰) فَاِنْ اَکَلَ مِنْهُ الْکَلْبُ اَوِ الْفَهْدُ لَمْ یُؤْکَلْ وَاِنْ اَکَلَ مِنْهُ الْبَازِیُ اُکِلَ.

ترجمہ: پھر اگر کھالے اس سے کتا یا چیتا تو نہ کھایا جائے اور اگر کھالے اس سے باز تو کھالیا جائے۔

تشریح: اگر کتے یا چیتے نے شکار میں سے کھالیا تو اس شکار کو کھانا جائز نہیں ہے اور اگر باز نے کھالیا تو اس کا کھانا جائز ہے، یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کتے سے مراد تمام شکاری جانور ہیں اور باز سے مراد تمام شکاری پرندے ہیں۔

(۵/۲۴۷۱) وَاِنْ اَدْرَکَ الْمُرْسِلُ الصَّیْدَ حَیًّا وَجَبَ عَلَیْهِ اَنْ یُذَکِّیَهُ فَاِنْ تَرَکَ تَذْکِیَتَهُ حَتّٰی مَاتَ لَمْ یُؤْکَلْ.

حل لغات: المرسل: اسم فاعل مصدر ارسال چھوڑنا، تذکیۃ: ذبح کرنا۔

ترجمہ: اور اگر پائے چھوڑنے والا شکار کو زندہ تو ضروری ہے اس پر ذبح کرنا اگر چھوڑ دے ذبح کرنے کو یہاں تک کہ وہ مر جائے تو نہ کھایا جائے۔

تشریح: شکاری نے شکار پر اپنا تربیت یافتہ کتا یا تربیت یافتہ باز چھوڑا یا تیر مارا جس سے شکار پکڑا گیا تو اب دیکھا جائے کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا اگر مر گیا ہو تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر زندہ ہو تو وہ جب حلال ہوگا جب کہ اس کو ذبح کر دیا جائے ورنہ اگر ذبح نہ کیا گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو حلال نہ ہوگا۔

(۶/۲۴۷۲) وَاِنْ خَنَقَهُ الْکَلْبُ وَلَمْ یَجْرَحْهُ لَمْ یُؤْکَلْ.

لغت: خنق: ماضی باب (ن) خنقًا گلا گھونٹنا۔

ترجمہ: اور اگر گلا گھونٹا شکار کا کتے نے اور اس کو زخمی نہیں کیا تو کھایا نہیں جائے گا۔

تشریح: اگر کتے نے شکار کا گلا دبا کر مار دیا اور زخم نہیں لگایا تو وہ حلال نہ ہوگا کیونکہ ظاہر الروایت کے مطابق زخم لگانا شرط ہے۔

(۷/۲۴۷۳) وَاِنْ شَارَکَهُ کَلْبٌ غَیْرُ مُعَلَّمٍ اَوْ کَلْبُ مَجُوْسِیٍّ اَوْ کَلْبٌ لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِ لَمْ یُؤْکَلْ.

ترجمہ: اور اگر شریک ہو جائے اس کے کتے کے ساتھ غیر تربیت یافتہ کتا یا مجوسی کا کتا یا ایسا کتا جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے تو نہ کھایا جائے۔

تشریح: اگر مسلمان کے اس کتے کے ساتھ جس کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا گیا کوئی اور کتا شریک ہو گیا جو یا تو غیر تربیت یافتہ ہے یا مجوسی کا ہے یا اس پر جان بوجھ کر بسم اللہ نہیں پڑھی گئی ہے تو ان کا مارا ہوا شکار نہیں کھایا جائے گا کیونکہ کیا معلوم کہ کس کتے نے قتل کیا ہے اور جب حلال وحرام کا اجتماع ہوتا ہے تو غلبہ حرام کو حاصل ہوتا ہے۔

(۸/۲۴۷۴) وَاِذَا رَمَى الرَّجُلُ سَهْمًا اِلَى الصَّيْدِ فَسَمَّى اللّٰهَ تَعَالٰى عِنْدَ الرَّمْيِ اُكِلَ مَا اَصَابَهٗ اِذَا جَرَحَهُ السَّهْمُ فَمَاتَ وَاِنْ اَدْرَكَهٗ حَيًّا ذَكَّاهُ وَاِنْ تَرَكَ تَذْكِيَتَهٗ لَمْ يُؤْكَلْ.

ترجمہ: اور اگر تیر چلایا کسی نے شکار کی طرف اور اللہ کا نام لیا تیر چلاتے وقت تو کھایا جائے گا وہ جس کو تیر لگے جب کہ زخمی کر دے اس کو تیر اور وہ مر جائے اور اگر پائے اس کو زندہ تو اس کو ذبح کرے اگر ذبح کرنا چھوڑ دیا تو نہیں کھایا جائے گا۔

بندوق کا کیا ہوا شکار کب حلال ہے؟

تشریح: تیر یا بندوق سے شکار کرنے کی تین شرطیں ہیں (۱) بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو اگر بغیر بسم اللہ کے تیر چلایا تو شکار حلال نہیں ہے۔ (۲) شکار زخمی ہوا ہو تا کہ ذبح اضطراری ہو جائے (۳) ہاتھ میں آنے سے پہلے مر چکا ہو اگر ہاتھ میں آتے وقت زندہ تھا تو ذبح کرنا ہوگا اگر ذبح نہیں کیا اور مر گیا تو اب حلال نہیں ہے۔

(۹/۲۴۷۵) وَاِذَا وَقَعَ السَّهْمُ بِالصَّيْدِ فَتَحَامَلَ حَتّٰى غَابَ عَنْهُ وَلَمْ يَزَلْ فِيْ طَلَبِهٖ حَتّٰى اَصَابَهٗ مَيِّتًا اُكِلَ فَاِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهٖ ثُمَّ اَصَابَهٗ مَيِّتًا لَمْ يُؤْكَلْ.

حل لغات: سہم: تیر۔ تحامل: ماضی باب تفاعل مادہ حمل مشقت برداشت کرنا۔

ترجمہ: اور جب تیر لگا شکار کو (جس سے وہ گرا) اور وہ مشقت برداشت کر کے شکاری سے غائب ہو گیا اور وہ برابر اس کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس نے اس کو مردہ پایا تو وہ کھایا جائے گا اور اگر وہ اس کی تلاش سے بیٹھ رہا پھر اس کو مرا ہوا پایا تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح: اگر کوئی شخص شکار پر تیر چلائے اور وہ اس کے لگ بھی جائے لیکن وہ اس وقت مشقت برداشت کر کے نظروں سے غائب ہو جائے پھر اگلے روز وہ کسی جگہ پڑا ہوا ملے تو اب کیا حکم ہے؟ فرماتے ہیں کہ اگر تیر مارنے والا برابر اس کی تلاش میں ہے اور وہ اسے مل گیا مگر اس وقت وہ مر چکا تھا تو اس کو کھا سکتا ہے اور اگر وہ تلاش کرنے سے بیٹھ رہا تو حلال نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ شکار کی موت تیر سے نہ ہوئی ہو بلکہ کسی اور وجہ سے شکار مرا ہو اسلئے جائز نہیں ہے۔

(۲۴۷۶/۱۰) وَاِنْ رَمٰى صَيْدًا فَوَقَعَ فِي الْمَاءِ لَمْ يُؤْكَلْ.

ترجمہ: اور اگر شکار کو تیر مارے اور وہ پانی میں گر جائے تو نہ کھایا جائے۔

تشریح: کسی نے شکار کے تیر مارا وہ پانی میں گر کر مر گیا تو اب کیا حکم ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ حنفیہ کا مذہب اور امام احمدؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ جانور کا پانی میں گرنا بہر صورت نقصان دہ ہے خواہ وہ زخم جو شکار کو پہنچا ہے موجب ہلاکت ہو یا نہ ہو بشرطیکہ وہ پانی اتنی مقدار میں ہو جو شکار کیلئے قاتل ہو، خلاصہ یہ کہ اس شکار کا کھانا حرام ہوگا۔

امام مالکؒ و شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر زخم موجب ہلاکت ہو تو پانی میں گرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا شکار بدستور حلال رہے گا یہی ایک روایت امام احمد کی ہے۔

(۲۴۷۷/۱۱) وَكَذٰلِكَ اِنْ وَقَعَ عَلٰى سَطْحٍ اَوْ جَبَلٍ ثُمَّ تَرَدّٰى مِنْهُ اِلَى الْاَرْضِ لَمْ يُؤْكَلْ.

حل لغات: سطح چھت۔ جبل پہاڑ جمع جبال۔ تردی: ماضی باب تفعل سے ہے اوپر سے نیچے گرنا۔

ترجمہ: اور ایسے ہی اگر گرا چھت پر یا پہاڑ پر پھر لڑھکا وہاں سے زمین پر تو نہیں کھایا جائے گا۔

تشریح: اگر شکار کو تیر مارا اور وہ کسی چھت یا پہاڑ پر گرا پھر وہاں سے لڑھکتا ہوا زمین پر آیا اور وہ مرا ہوا ہے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ احتمال ہے کہ تیر سے مرا ہو اور احتمال ہے کہ اوپر سے لڑھکنے کی وجہ سے مرا ہو تو جب دو سبب جمع ہو گئے تو قاعدہ کے مطابق حرمت کے سبب کو ترجیح ہوگی۔

(۲۴۷۸/۱۲) وَاِنْ وَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِبْتِدَاءً اُكِلَ.

ترجمہ: اور اگر شکار شروع ہی میں زمین پر گرا تو کھایا جائے گا۔

تشریح: اگر شکار کو تیر لگ کر براہ راست وہ زمین پر گرا اور مر گیا تو وہ حلال ہے کیونکہ شکار زمین کے اوپر تو ضرور ہی گرے گا اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، بالفاظ دیگر زمین پر گرنے سے احتراز ممکن نہیں، تو اس کا اعتبار نہیں کیا گیا اور شکار کو حلال کہا گیا۔

(۲۴۷۹/۱۳) وَمَا اَصَابَ الْمِعْرَاضُ بِعَرْضِهٖ لَمْ يُؤْكَلْ وَاِنْ جَرَحَهُ اُكِلَ.

حل لغات: معراض: بغیر پر کا تیر جس کا درمیانی حصہ موٹا ہو جمع مَعَارِيْض، عرض، چوڑائی، وسعت۔

ترجمہ: اور جس کو لگے بے پھل کا تیر چوڑائی کی جانب سے تو نہ کھایا جائے اور اگر اس کو زخمی کر دے تو کھایا جائے۔

تشریح: معراض بے پھل کا تیر یعنی جس کے دونوں کنارے باریک اور درمیانی حصہ موٹا ہو، عرض ڈنڈی جو دھار کے علاوہ ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ شکار کو تیر لگا، اور مر گیا لیکن اس کو تیر کا درمیانی حصہ لگا جس کو ڈنڈی سے تعبیر کیا گیا

ہے، تو یہ پھوڑنا اور توڑنا ہوگا کاٹنا نہ ہوگا اس لئے یہ شکار حلال نہ ہوگا البتہ اگر تیر نے اس کو زخمی کردیا تو کھایا جائے گا۔

(۱۴/۲۴۸۰) وَلَا يُؤْكَلُ مَا اَصَابَهُ الْبُنْدُقَةُ اِذَا مَاتَ مِنْهَا.

لغت: البندقة: اس کی جمع بُنْدُقٌ ہے بندوق کی گولی۔

ترجمه: اور نہ کھایا جائے وہ جس کو لگے غلہ جب کہ وہ اس سے مرجائے۔

غلیل سے کیا ہوا شکار کب حلال ہے؟

تشریح: غلیل سے کیا ہوا شکار حلال نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو ذبح نہ کرلیا جائے کیونکہ غلیل کا غلہ زخمی نہیں کرتا اگر وہ غلہ کسی جانور کو لگ جائے اور اس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوجائے تو وہ ہلاکت چوٹ کی وجہ سے واقع ہوگی اور وہ جانور موقوذۃ (جو کسی ضرب سے مرجائے) کے حکم میں ہوگا اس لئے وہ جانور حلال نہیں ہوگا عربی زبان میں غلیل کو "بندقہ" کہا جاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بسم اللہ پڑھ کر بندوق یا رائفل وغیرہ کی گولی چلائے اور وہ شکار ہلاک ہوجائے، تو وہ حلال ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں ہمارے علماء دیوبند کے بیشتر حضرات کا یہی فتویٰ ہے کہ گولی سے شکار کیا ہوا جانور حلال نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو باقاعدہ ذبح نہ کرلیا جائے۔

نوٹ: نوکدار گولی کا حکم: اگر بندوق کی گولی ایسی بنائی گئی ہے جو نوکدار ہے تو اس صورت میں وہ جانور بالاتفاق حلال ہوجائے گا۔

(۱۵/۲۴۸۱) وَاِذَا رَمٰى صَيْدًا فَقَطَعَ عَضْوًا مِنْهُ اُكِلَ الصَّيْدُ وَلَمْ يُؤْكَلِ الْعَضْوُ.

ترجمه: اور اگر شکار کو تیر مارا پس اس نے اس کا کوئی عضو کاٹ دیا تو شکار کھایا جائے اور عضو نہ کھایا جائے۔

تشریح: اگر شکار کو تیر مارا جس سے شکار کے بدن کا کوئی ٹکڑا کٹ کر گر گیا تو اب کیا حکم ہے؟ تو فرمایا کہ شکار تو بالاتفاق حلال ہے اب رہا مسئلہ اس ٹکڑے کا جو کٹ کر گرا ہے تو اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کو کھانا حرام ہے ہاں اگر عضو کٹنے کے بعد جانور کا زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو عضو بھی کھایا جائے گا اور سر کے علاوہ باقی اعضاء میں زندہ رہنا ممکن ہے۔

(۱۶/۲۴۸۲) وَاِنْ قَطَعَهُ اَثْلَاثًا وَالْاَكْثَرُ مِمَّا يَلِى الْعَجُزَ اُكِلَ الْجَمِيْعُ وَاِنْ كَانَ الْاَكْثَرُ مِمَّا يَلِى الرَّأْسَ اُكِلَ الْاَكْثَرُ.

لغت: العجز: پچھلا حصہ، سرین۔ یلی: ملا ہوا ہو، ساتھ ہو۔

ترجمه: اور اگر اس کو تین ٹکڑے کردیا اور اکثر وہ ہے جو سرین سے متصل ہے تو سب کو کھایا جائے گا اور اگر اکثر سر سے متصل ہے تو اکثر کھایا جائے گا۔

تشریح: اور اگر شکار کو تین تہائی کر دیا اس طرح کہ ایک حصہ کم ہے اور دوسرا حصہ زیادہ ہے مثلاً ایک طرف ایک تہائی ہے اور دوسری طرف دو تہائی ہے، یعنی شکار کا ہاتھ پاؤں نہیں کٹا بلکہ جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے اب اگر سرین کی طرف دو تہائی جسم ہو اور سر کی طرف ایک تہائی جسم ہو تو سرین والا حصہ بھی حلال ہے اور سر والا حصہ بھی حلال ہے گویا کہ اس طرح ذبح کیا کہ سر کے ساتھ جسم کا بھی کچھ حصہ کٹ گیا اور جب جسم سے سر جدا ہوتا ہے تو جسم اور سر دونوں حلال ہوتے ہیں اور اگر سر کی طرف آدھے سے زیادہ کٹ کر چلا جائے اور سرین کی طرف آدھے سے کم رہ جائے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ زندہ جانور سے ایک عضو کٹ کر الگ ہو گیا اور ماقبل کے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ اگر زندہ جانور سے کوئی عضو کاٹا جائے تو حلال نہیں اسی طرح سرین کا یہ حصہ بھی حلال نہیں ہے۔

(۲۴۸۳/۱۷) وَلَا يُؤْكَلُ صَيْدُ الْمَجُوْسِيِّ وَالْمُرْتَدِّ وَالْوَثَنِيِّ.

ترجمہ: اور نہ کھایا جائے مجوسی کا شکار اور نہ مرتد کا اور نہ بت پرست کا۔

تشریح: آتش پرست اور بت پرست ذبح کرنے کے اہل نہیں ہیں یعنی ان کا ذبیحہ حرام ہوتا ہے اسی طرح ان کا مارا ہوا شکار بھی حرام ہوگا۔

(۲۴۸۴/۱۸) وَمَنْ رَمٰى صَيْدًا فَأَصَابَهُ وَلَمْ يُثْخِنْهُ وَلَمْ يُخْرِجْهُ عَنْ حَيِّزِ الْإِمْتِنَاعِ فَرَمَاهُ آخَرُ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلثَّانِيْ وَيُؤْكَلُ وَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ أَثْخَنَهُ فَرَمَاهُ الثَّانِيْ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ وَلَمْ يُؤْكَلْ وَالثَّانِيْ ضَامِنٌ بِقِيْمَتِهِ لِلْأَوَّلِ غَيْرَ مَا نَقَصَتْهُ جِرَاحَتُهُ.

حل لغات: لم یثخنه: نفی جحد بلم باب افعال مصدر اثخان سست کرنا اور کمزور کرنا یعنی زخم کی وجہ سے حیوان کا سست ہو جانا۔

حیز الامتناع: یعنی ابھی اس میں بھاگنے اور دوڑنے کی طاقت ہے کہ وہ پکڑنے والے کے قابو میں نہیں آ سکتا اس زخم نے اس کو رکاوٹ اور بچاؤ سے باہر نہیں نکالا۔

ترجمہ: کسی نے شکار کے تیر مارا اور وہ اس کے لگ گیا لیکن اس کو نڈھال نہیں کیا اور نہ نکالا اس کو اپنے بچاؤ سے پھر مارا اس کو دوسرے نے اور اس کو قتل کر دیا تو شکار دوسرے کا ہوگا اور کھایا جائے گا اور اگر پہلے نے اس کو نڈھال کر دیا پھر دوسرے آدمی نے مارا اور قتل کر دیا تو شکار پہلے کا ہوگا اور کھایا نہ جائے گا اور دوسرا ضامن ہوگا پہلے کے لئے قیمت کا اس کے علاوہ جو نقصان کیا اس کے زخمی کرنے نے۔

تشریح: ایک شخص نے شکار کو تیر مارا وہ لگا تو ضرور لیکن وحشی جانور میں اپنے آپ کو بچانے کی جو قوت ہوتی ہے وہ اس میں موجود ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچا سکتا ہے اب دوسرے آدمی نے تیر مار کر ہلاک کر دیا اب یہاں دو باتیں سامنے آئیں۔ (۱) یہ حلال ہے یا نہیں؟ (۲) اس کا مالک کون ہوگا۔

تو فرمایا کہ شکار حلال ہے اور اس کا مالک دوسرا شخص ہے کیونکہ پکڑنے والا اور اس پر قبضہ کرنے والا دوسرا ہی شخص ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر پہلے آدمی کے تیر نے اس کو اتنا نڈھال کر دیا کہ وہ بھاگنے کے قابل نہ رہا بعد میں دوسرے شخص نے تیر مار کر اس کو ہلاک کر دیا تو اب حکم یہ ہے کہ شکار پہلے شخص کی ملکیت قرار پائے گا اور کھانا ناجائز ہوگا اور دوسرا شخص جس نے شکار کو تیر مار کر حرام کر دیا وہ پہلے شخص کو اس شکار کی قیمت کا ضمان دے گا کیونکہ شکار اول کی ملکیت میں آچکا تھا لیکن دوسرے شخص پر شکار کی پوری قیمت واجب نہ ہوگی بلکہ پہلا زخم لگنے کی وجہ سے جو اس کی قیمت گھٹتی ہے اس نقصان کو نکال کر باقی قیمت واجب ہوگی مثلاً اگر وہ جانور صحیح سالم ہوتا تو اس کی قیمت دو ہزار روپے تھی اور زخمی ہونے کے بعد ایک ہزار روپے رہ گئی تو دوسرے آدمی پر ایک ہزار روپے لازم ہوں گے۔

(۱۹/۲۴۸۵) وَيَجُوزُ اصْطِيَادُ مَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ مِنَ الْحَيَوَانِ وَمَا لَايُؤْكَلُ.

حل لغات: اصطیاد: باب افتعال سے مادہ صیدٌ شکار کرنا۔

ترجمه: اور جائز ہے شکار کرنا ان جانوروں کا جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔

تشریح: صرف گوشت کھانے کے لئے ہی شکار نہیں کرتے بلکہ کھال، بال اور ہڈی کے لئے بھی شکار کرتے ہیں اس لئے غیر ماکول اللحم کا شکار بھی جائز ہے۔

(۲۰/۲۴۸۶) وَذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ وَالْكِتَابِيِّ حَلَالٌ

ترجمه: مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ حلال ہے۔

کس کا ذبیحہ حلال ہے اور کس کا حرام؟

تشریح: مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے اسی طرح اہل کتاب یعنی یہودی اور نصرانی بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو ذبیحہ حلال ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ. اور اہل کتاب کا ذبیحہ بھی تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے۔

نوٹ: یورپ کے عیسائی عام طور پر دھریے ہوتے ہیں جو صرف نام کے عیسائی ہیں اس لئے ان کے ذبیحے سے احتیاط ضروری ہے۔

(۲۱/۲۴۸۷) وَلَا تُؤْكَلُ ذَبِيحَةُ الْمُرْتَدِّ وَالْمَجُوسِيِّ وَالْوَثَنِيِّ وَالْمُحْرِمِ.

ترجمه: اور نہیں کھایا جائے گا مرتد، مجوسی، بت پرست اور محرم کا ذبیحہ۔

تشریح: مرتد مجوسی اور بت پرست مسلمان نہیں ہیں اور نہ اہل کتاب ہیں بلکہ کافر ہیں اس لئے ان کا ذبیحہ

حلال نہیں ہے اور محرم کے لئے شکار کا پکڑنا جائز نہیں ہے اس لئے اس کا ذبح کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۲۲/۲۴۸۸) وَإِنْ تَرَكَ الذَّابِحُ التَّسْمِيَةَ عَمَدًا فَالذَّبِيحَةُ مَيْتَةٌ لَاتُؤكَلُ وَإِنْ تَرَكَهَا نَاسِيًا أُكِلَ.

ترجمه: اور اگر چھوڑ دے ذبح کرنے والا بسم اللہ جان بوجھ کر تو ذبیحہ مردہ ہے نہیں کھایا جائے گا اور اگر چھوڑ دے بھول کر تو کھایا جائے گا۔

تشریح: اگر کسی نے ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دیا تو وہ ذبیحہ مردار کہلائے گا اور اس کا کھانا حرام ہے اور اگر بھول سے چھوٹ گیا ہو تو اس کا کھانا جائز ہے یہ مذہب حنفیہ کا ہے۔

شوافع کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ کو جان بوجھ کر چھوڑا ہو یا بھول سے چھوٹ گئی بہر صورت اس ذبیحہ کا کھانا حلال ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک خواہ ذبح کرنے والا بسم اللہ جان بوجھ کر چھوڑ دے یا بھول سے چھوٹ جائے دونوں صورتوں میں ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

حنفیه کی دلیل: وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (آیت ۱۲۱ سورۃ الانعام)

جب تک جانور پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو مت کھاؤ۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت متروک التسمیہ سہواً کو شامل نہیں ہے اور اس کے شامل نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ناسی حکماً ذاکر ہوتا ہے کیونکہ نسیان ایک شرعی عذر ہے جس کو معاف کر دیا گیا ہے اور جب ناسی حکماً ذاکر ہے تو ناسی آیت کے افراد میں شامل نہ ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر مسلمان نے ذبح کیا اور بسم اللہ نہیں پڑھی تو کھائے اس لئے کہ مسلمان کے دل میں اللہ کا نام ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: ان کا استدلال آیت کے عموم سے ہے یعنی آیت کے الفاظ اس بات کے مقتضی ہیں کہ ترک تسمیہ قصداً ہو یا سہواً بہر دو صورت اس جانور کا کھانا جائز نہیں ہے۔

(۲۳/۲۴۸۹) وَالذَّبْحُ بَيْنَ الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ.

لغت: اللبة: سینہ کے اوپر کی ہڈی۔

ترجمه: اور ذبح کرنا حلق اور سینہ کی ہڈی کے درمیان ہوتا ہے۔

ذبح اور اس کا طریقہ

تشریح: ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ حلق اور سینہ کی ہڈی جو ہوتی ہے اسکے درمیان میں چھری سے ذبح کرتے ہیں۔

(۲۴/۲۴۹۰) وَالْعُرُوْقُ الَّتِیْ تُقْطَعُ فِی الذَّکَاةِ اَرْبَعَةٌ اَلْحَلْقُوْمُ وَالْمَرِیُٔ وَالْوَدَجَانِ فَاِنْ قَطَعَهَا حَلَّ الْاَکْلُ.

حل لغات: العروق: بدن کی رگ واحد عِرق. الحلقوم: (حاء کے فتحہ کے ساتھ اس کی اصل حَلْقٌ ہے) سانس کی نلی۔

المریٔ: مہموز ہے اس کی جمع مُرُؤٌ کھانے پینے کی نالی۔ الودجان: وَدَجٌ کا تثنیہ ہے، شہ رگ، جس سے دل کا خون دماغ تک جاتا ہے ان کو کاٹنے سے پورا خون نکلتا ہے۔

ترجمہ: اور وہ رگیں جو کاٹی جاتی ہیں وہ چار ہیں حلقوم مری اور دو شہ رگیں اگر ان کو کاٹ دے تو کھانا حلال ہوگا۔

تشریح: اصل تو یہ ہے کہ جسم سے پورا خون نکل جائے شہ رگوں کے کٹ جانے سے خون نکل جاتا ہے، حلقوم اور مری کٹ جائے ... جان جلدی نکل جاتی ہے۔

(۲۵/۲۴۹۱) وَاِنْ قَطَعَ اَکْثَرَهَا فَکَذَالِكَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا لَابُدَّ مِنْ قَطْعِ الْحَلْقُوْمِ وَالْمَرِیْٔ وَاَحَدِ الْوَدَجَیْنِ.

ترجمہ: اور اگر اکثر کاٹ دیں تو اسی طرح ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور حضرات صاحبین نے فرمایا کہ ضروری ہے حلقوم مری اور شہ رگ میں سے ایک کو کاٹنا۔

تشریح: امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی چار میں سے تین رگیں کاٹ دے تو ذبیحہ حلال ہے بقول صاحب قدوری حضرات صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ حلقوم مریٔ اور ایک شہ رگ کا کاٹنا ضروری ہے، جوہرۃ النیرہ میں لکھا ہے کہ یہ تنہا امام ابو یوسف کا قول ہے امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ چار رگوں میں سے ہر ایک کا اکثر حصہ کٹنا ضروری ہے۔

(۲۶/۲۴۹۲) وَیَجُوْزُ الذَّبْحُ بِاللِّیْطَةِ وَالْمَرْوَةِ وَبِکُلِّ شَیْءٍ اَنْهَرَ الدَّمَ اِلَّا السِّنَّ الْقَائِمَ وَالظُّفُرَ الْقَائِمَ.

حل لغات: اللیطة: لام کے کسرہ اور یا کے سکون کے ساتھ بانس کا دھار دار چھلکا جمع الیاط. المروة: میم کے فتحہ کے ساتھ ایک سخت قسم کا دھار دار پتھر یعنی سفید پتھر جو کہ باریک ہوتا ہے مثل چھری کے کہ اس سے بھی ذبح کیا جاتا ہے۔ انھر: خون بہادے۔ السن القائم: لگا ہوا دانت۔ الظفر: ناخن۔

ترجمہ: اور جائز ہے ذبح کرنا بانس کی کھپچی سے اور تیز سفید پتھر سے اور ہر ایسی چیز سے جو خون بہادے سوائے دانت اور ناخن کے جو لگے ہوئے ہوں۔

تشریح: اگر جانور کو کھپچی یا تیز پتھر یا ہر وہ چیز جو دھار دار ہو جس سے رگیں کٹ کر خون بہنے لگے ذبح کیا جائے تو جائز ہے، لیکن اگر منہ میں لگے ہوئے دانت اور انگلی میں لگے ہوئے ناخن سے ذبح کیا تو ناجائز ہے کیونکہ لگے ہوئے

ہونے کی وجہ سے گلا دبا کر مارنے کی شکل ہو جائے گی کیونکہ لگے ہوئے ہونے کی وجہ سے دانت اور ناخن سے دبائے گا، اور اس جانور کی موت دم گھٹنے کی وجہ سے ہوگی اس لئے وہ جانور حرام ہوگا۔ لیکن اگر اکھڑے ہوئے دانت اور ناخن سے ذبح کیا اور وہ بہت تیز ہیں تو ان سے حلال ہو جائے گا مگر مکروہ ہے کیونکہ اس میں جانور کو تکلیف دینا ہے۔

(۲۴۹۳/۲۷) وَيَسْتَحِبُّ اَنْ يَحُدَّ الذَّابِحُ شَفْرَتَهُ.

حل لغات: يَحُدُّ: مضارع باب (ن) حداً تیز کرنا، شَفْرَةٌ: شین کے فتحہ کے ساتھ لمبی چوڑی چھری تلوار کی دھار جمع شفارٌ۔

ترجمہ: اور مستحب ہے یہ کہ تیز کر لے ذبح کرنے والا اپنی چھری۔

تشریح: جانور کو زمین پر لٹانے سے پہلے چھری کا تیز کر لینا ذبح کرنے والے کے لئے مستحب ہے تا کہ جانور کو بلا وجہ تکلیف نہ ہو۔

(۲۴۹۴/۲۸) وَمَنْ بَلَغَ بِالسِّكِّيْنِ النُّخَاعَ اَوْ قَطَعَ الرَّأْسَ كُرِهَ لَهُ ذٰلِكَ وَتُؤْكَلُ ذَبِيْحَتُهُ.

لغت: السکین: چھری۔ النُّخَاعُ: نون پر فتحہ ضمہ کسرہ تینوں حرکات آسکتی ہیں حرام مغز یعنی وہ گودا جو ریڑھ کی ہڈی میں ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور جو پہنچا دے چھری حرام مغز تک یا الگ کر دے سر کو تو یہ مکروہ ہے، اور کھایا جائے گا اس کا ذبیحہ۔

تشریح: جانور کو اس طرح ذبح کیا جائے کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے یا جانور کا پورا سر ہی بدن سے جدا کر دے تو ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ خواہ مخواہ جانور کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہے البتہ ایسا کرنے سے چاروں رگیں کٹ جاتی ہیں اس لئے ذبیحہ حلال ہو گیا۔

(۲۴۹۵/۲۹) وَاِنْ ذَبَحَ الشَّاةَ مِنْ قَفَاهُ فَاِنْ بَقِيَتْ حَيَّةً حَتّٰى قَطَعَ الْعُرُوْقَ جَازَ وَيُكْرَهُ وَاِنْ مَاتَتْ قَبْلَ قَطْعِ الْعُرُوْقِ لَمْ تُؤْكَلْ.

ترجمہ: اور اگر ذبح کر دے بکری کو گدی کی طرف سے پھر اگر وہ زندہ رہی اتنی دیر کہ اس نے رگیں کاٹ دیں تو جائز ہے اور مکروہ ہے اور اگر مر گئی رگوں کو کاٹنے سے پہلے ہی تو نہ کھائی جائے۔

تشریح: اگر بکری کو گدی کی جانب سے ذبح کیا اور گلے کی ہڈی اور حرام مغز کٹ گیا اب اگر بکری کے مرنے سے پہلے باقی چار رگیں حلقوم مری اور ودجان بھی کٹ گئیں تو بکری حلال ہے البتہ مکروہ ہے، اور اگر رگوں کے کٹنے سے پہلے ہی مر گئی تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ذبح اختیاری نہیں پایا گیا۔

(۲۴۹۶/۳۰) وَمَا اسْتَأْنَسَ مِنَ الصَّيْدِ فَذَكَاتُهُ الذَّبْحُ وَمَا تَوَحَّشَ مِنَ النَّعَمِ فَذَكَاتُهُ الْعَقْرُ

وَالْجَرْحُ.

حل لغات: استانس: ماضی مصدر استیناس وحشت کا دور ہونا۔ توحش وحشی کے مانند ہونا لوگوں سے بدکنا۔ النعم: چوپائے۔ العقر: نیزہ مارنا۔ الجرح: زخمی کرنا۔

ترجمہ: اور جو شکار مانوس ہو تو اس کی ذکاۃ ذبح ہے، اور جو چوپائے وحشی ہوں تو ان کی ذکاۃ نیزہ مارنا اور زخمی کرنا ہے۔

تشریح: جاننا چاہئے کہ ذکاۃ شرعی کی دو قسمیں ہیں اختیاری و اضطراری اختیاری، حیوان مقبوض و مانوس میں ہوتی ہے۔ اور اضطراری غیر مقبوض اور غیر مانوس جانور میں ہوتی ہے جیسے شکار، ذکاۃ اضطراری جن آلات سے ہوتی ہے وہ تین ہیں۔ (۱) زخمی کرنے والا حیوان جیسے تربیت یافتہ کتا (۲) ہر دھار دار چیز جیسے تیر، نیزہ۔ (۳) بھاری چیز جیسے پتھر لکڑی ان میں سے پہلی دو چیزوں سے شکار کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے اور تیسری چیز کے ذریعہ شکار کرنا ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد صورت مسئلہ یہ ہے کہ جو جانور شکار تھا مثلاً ہرن وغیرہ تو اس میں ذبح اضطراری (نیزہ مارنا زخمی کرنا خون بہانا) ہے لیکن اگر وہ گھر میں پالتو جانور کی طرح رہنے لگا ہے تو اب اس میں ذبح اختیاری (حلقوم پر چھری پھیر کر چاروں رگوں کو کاٹنا) ہے اور اگر پالتو جانور مثلاً گائے بکری وغیرہ اگر بدک جائے اور قابو میں نہ آئے اور پکڑ کر ذبح اختیاری کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس میں ذبح اضطراری کافی ہے اس سے وہ حلال ہو جائے گا۔ (رقم الحاشیۃ (۳)

(۳۱/۲۴۹۷) وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْإِبِلِ النَّحْرُ وَإِنْ ذَبَحَهَا جَازَ وَيُكْرَهُ.

لغت: النحر: سینہ کی ہڈی کے اوپر چھری مار کر رگوں کو کاٹنا۔

ترجمہ: اور مستحب ہے اونٹ میں نحر کرنا، اگر ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

تشریح: نحر کہتے ہیں سینہ کے قریب کی رگوں کو نیزہ وغیرہ سے اس طریقہ سے کاٹنا کہ ایک ہی بار میں کام تمام ہو جائے اور ذبح کہتے ہیں ٹھوڑی کے نیچے سے چھری یا چاقو سے رگوں کو کاٹنا جس میں عام طور پر دو تین مرتبہ ہاتھ چلانا پڑتا ہے نحر کرنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) اونٹ یا اونٹنی کو کھڑے کھڑے نحر کرنا۔ (۲) اس کو بٹھا کر نحر کرنا افضل یہ ہے کہ اس کو کھڑا کر کے نحر کرے اونٹ میں مسنون نحر ہے لہٰذا نحر کی جگہ ذبح مکروہ ہے۔

(۳۲/۲۴۹۸) وَالْمُسْتَحَبُّ فِي الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ الذَّبْحُ فَإِنْ نَحَرَهُمَا جَازَ وَيُكْرَهُ.

ترجمہ: اور مستحب گائے اور بکری میں ذبح کرنا ہے اگر ان کو نحر کیا تو یہ بھی جائز ہے، اور مکروہ ہے۔

تشریح: بکری اور گائے وغیرہ میں ذبح کرنا مسنون ہے لہٰذا ذبح کی جگہ نحر کرنا مکروہ ہے، اور ذبح میں اصل طریقہ لٹا کر کرنا ہے، کھڑے کھڑے ذبح کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

(۳۳/۲۴۹۹) وَمَنْ نَحَرَ نَاقَةً اَوْ ذَبَحَ بَقَرَةً اَوْ شَاةً فَوَجَدَ فِي بَطْنِهَا جَنِيْنًا مَيْتًا لَمْ يُؤْكَلْ اَشْعَرَ اَوْ لَمْ يُشْعِرْ.

لغت: جنیناً: ماں کے پیٹ کا بچہ۔ اشعر: بال کا نکل آنا۔

ترجمہ: کسی نے اونٹنی نحر کی یا ذبح کی گائے یا بکری اور ان کے پیٹ میں مردہ بچہ پایا تو نہیں کھایا جائے گا بال آگئے ہوں یا نہ آئے ہوں۔

مذبوحہ جانور کے پیٹ میں سے بچہ نکلا تو اس کا کیا حکم ہے؟

تشریح: اگر کسی جانور کو ذبح کیا گیا اور اس کے پیٹ سے ایسا بچہ نکلا جس میں تھوڑی سی جان باقی تھی لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ اس بچہ کو مستقل ذبح کیا جاتا اور پھر وہ بچہ مر گیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وہ بچہ حلال ہوگا اور ماں کو ذبح کرنا اس بچہ کے ذبح کرنے کے قائم مقام ہو جائے گا۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر وہ بچہ مرا ہوا نکلا یا زندہ نکلا تھا لیکن اتنا وقت نہیں تھا کہ اس کو مستقل ذبح کیا جاتا تو ان دونوں صورتوں میں وہ بچہ حرام ہوگا اس کو کھانا جائز نہیں کیونکہ یہ بچہ میتۃ کے عموم میں داخل ہے اسی طرح قرآن میں منخنقہ کو حرام قرار دیا گیا ہے اور منخنقہ اس جانور کو کہا جاتا ہے جو دم گھٹنے سے ہلاک ہو جائے اور جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے ماں کو ذبح کرنے سے اس کا دم گھٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اس لئے یہ بچہ میتۃ میں بھی داخل ہے اور منخنقہ میں بھی داخل ہے لہٰذا اس بچہ کا کھانا جائز نہیں مندرجہ بالا اختلاف اس صورت میں ہے کہ جس میں بچہ کو ذبح کرنے کا وقت نہ ملا ہو لیکن جس صورت میں بچہ کو ذبح کرنے کا وقت ملا ہو اور اس کے باوجود اس کو ذبح نہ کیا گیا ہو تو وہ صورت مختلف فیہ نہیں بلکہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وقت ملنے کے باجود اگر ذبح نہیں کیا گیا تو سب کے نزدیک وہ بچہ حرام ہوگا اور اگر اس وقت ذبح کر لیا تو سب کے نزدیک وہ بچہ حلال ہو جائیگا۔ (درس ترمذی ۵/۱۳۹ تا ۱۴۱)

(۳۴/۲۵۰۰) وَلَا يَجُوْزُ اَكْلُ كُلِّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَلَا كُلِّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطُّيُوْرِ.

حل لغات: ناب: کچلی کے دانت (نوک دار دانت) السباع: پھاڑ کھانے والے جانور، مخلب: پنجہ، پنجے سے پکڑ کر کھانے والے جانور۔

ترجمہ: اور جائز نہیں کچلیوں والے درندوں کو کھانا اور نہ پنجوں والے پرندوں کا کھانا۔

کن جانوروں کا کھانا حرام ہے؟

تشریح: پھاڑ کھانے والے جانوروں کے منہ میں دودھار والے لمبے دانت ہوتے ہیں جن سے وہ دوسرے

جانوروں کو پھاڑتے ہیں ان پھاڑنے والوں کو ذی ناب جانور کہتے ہیں ان کا کھانا جائز نہیں ہے جیسے شیر چیتا بھیڑیا کتا وغیرہ جو لوگوں پر حملہ کرتے ہیں اپنے انیاب کے ذریعہ اور من السباع کی قید اس لئے لگائی کہ اونٹ نکل جائے کیونکہ اس کے اگرچہ ناب ہوتا ہے لیکن وہ سباع میں سے نہیں ہے، اور جو پرندے تیز ناخن اور تیز چونچ سے پکڑتے ہیں اور پرندوں کو پھاڑتے ہیں ان کو ذی مخلب پرندے کہتے ہیں ان کا کھانا بھی درست نہیں ہے جیسے باز شکرا چیل وغیرہ کیونکہ حدیث میں ان کی ممانعت ہے۔

(۲۵۰۱/۳۵) وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ غُرَابِ الزَّرْعِ وَلَا يُؤْكَلُ الْأَبْقَعُ الَّذِي يَأْكُلُ الْجِيَفَ.

حل لغات: غراب: کوا۔ الابقع: چتکبرا۔ الجیف: مردار بدبودار واحد جیفۃ.

ترجمہ: اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کھیتی کے کوے کے کھانے میں اور نہیں کھایا جائے گا ابقع کو جو مردار کھاتا ہے۔

کونسا کوا حلال ہے اور کونسا حرام ہے؟

تشریح: کوے تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) ایک وہ کوا جو کھائی رنگ کا ہوتا ہے اور کھیتوں میں دانہ چگتا رہتا ہے اور کیڑے مکوڑے کھاتا ہے یہ نہ مردار کھاتا ہے اور نہ گندگی کھاتا ہے یہی غراب الزرع یعنی کھیتی کا کوا ہے اس کو ہمارے دیار میں جولاہہ کہتے ہیں اس کا کھانا جائز ہے۔

(۲) وہ کوا جس کی چونچ تیز ہوتی ہے اور مڑی ہوئی ہے اس میں تھوڑی سفیدی بھی ہوتی ہے یہ بہت ہوشیار ہوتا ہے اور شکار کر کے مرغی کے بچوں کو بھی گھروں سے اٹھا کر لے جاتا ہے اور روٹی وغیرہ اٹھا کر لے بھاگتا ہے عام طور سے یہی کوا زیادہ دیکھنے کو ملتا ہے اس کا کھانا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ پھاڑ کھانے والا پرندہ ہے ابقع سے مصنفؒ کی یہی مراد ہے۔

(۳) یہ کوا بالکل سیاہ ہوتا ہے یہ زیادہ ہوشیار نہیں ہوتا، یہ ہر وقت گوبر یا لید بکھیر بکھیر کر اس سے دانہ نکال کر کھاتا رہتا ہے یہ مردار کا گوشت بھی کھالیتا ہے، ہمارے یہاں اس کو پہاڑی کوا کہتے ہیں اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

(۲۵۰۲/۳۶) وَيُكْرَهُ أَكْلُ الضَّبُعِ وَالضَّبِّ وَالْحَشَرَاتِ كُلِّهَا.

حل لغات: الضبع: بجو لفظ مونث ہے نر و مادہ دونوں پر اطلاق ہوتا ہے جمع ضباعٌ، بجو ایک قسم کا گوشت خور جانور ہے جو دن بھر بلوں میں رہتا ہے، اور رات کو باہر نکلتا ہے اس کی آنکھیں بہت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ عرف الشذی میں لکھا ہے کہ ضبع کو ہندی میں ہنڈار کہتے ہیں نور اللغات میں لکھا ہے کہ اسی کو لکڑ بھگا کہتے ہیں اور بجو کے بارے میں فرہنگ اصفیہ میں لکھا ہے کہ ایک جانور کا نام ہے جو اکثر قبرستان میں رہتا ہے اور مردوں کو نکال کر کھاجاتا ہے ایسا

سخت اور مضبوط ہوتا ہے کہ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے بھی نہیں مرتا اور ہنڈار کے بارے میں یہ مشہور نہیں ہے کہ وہ قبرستان میں رہتا ہے لہٰذا ہنڈار اور بجو الگ جانور ہوئے۔

الضب: گوہ مشہور صحرائی جانور ہے گرگٹ کی طرح لیکن اس سے چوڑا اور موٹا ہوتا ہے زمین میں بل بنا کر رہتا ہے راجستھان سندھ اور نجد کے جنگلات میں بہت ہوتا ہے اس کا تیل بھی بنایا جاتا ہے جو علاج میں کام آتا ہے یہ جانور بہت قوی اور گرم ہوتا ہے بہت سے لوگ اس کو کھاتے بھی ہیں، اہل نجد کے یہاں خوب کھایا جاتا ہے۔

الحشرات: واحد حشرۃ کیڑے، مکوڑے یا چھوٹے چھوٹے جانور جیسے چوہا سانپ بچھو وغیرہ۔

ترجمہ: اور مکروہ ہے ہنڈار گوہ اور تمام حشرات الارض کا کھانا۔

ہنڈار اور گوہ کا کیا حکم ہے؟

تشریح: ضبع کے بارے میں اختلاف ہے، امام شافعی واحمد کے نزدیک ضبع کا گوشت کھانا جائز ہے

دلیل: حضرت ابن ابی عمارؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے دریافت کیا کہ کیا بجو شکار ہے انہوں نے جواب دیا ہاں میں نے کہا کہ کیا میں اس کو کھا سکتا ہوں، انہوں نے کہا کہ ہاں، میں نے کہا کہ کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے، انہوں نے کہا ہاں۔ (ترمذی)

جواب: اباحت اور حرمت کی احادیث میں تعارض ہے اس لئے حرمت والی احادیث کو ترجیح دی جائے گی۔

امام ابوحنیفہؒ امام مالک اور جمہور کہتے ہیں کہ ضبع کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ کذا فی البذل۔

دلیل: حضرت علیؓ سے منقول ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن اکل الضب والضبع (حاشیہ ترمذی) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ اور بجو کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔

دوسرا مسئلہ گوہ سے متعلق ہے اس بارے میں ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ گوہ کا گوشت کھانا جائز ہے۔

دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر گوہ کھائی گئی اگر حرام ہوتی تو نہ کھائی جاتی۔ (بخاری، ومسلم)

جواب: گوہ کے بارے میں بھی احادیث متعارض ہیں اس لئے حرمت والی احادیث کو ترجیح حاصل ہوگی لان الترجیح عند اجتماع المحرم والمبیح للمحرم. (عون الترمذی ۱/۳۸)

امام ابوحنیفہؒ وصاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔ کتاب الآثار میں امام محمد کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے، یہی متون کی روایت ہے۔ (ماخوذ عون الترمذی جلد اول)

دلیل: آیت کریمہ ہے ویحرم علیھم الخبائث اور گوہ بھی خبائث میں سے ہے اس لئے حلال نہ ہوگی نیز ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوہ لائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی انگلیاں شمار کیں اور فرمایا کہ بنی

اسرائیل کی ایک قوم کو مسخ کیا گیا تھا شاید کہ وہ یہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے انکار فرمادیا۔

(۲۵۰۳/۳۷) وَلَا يَجُوْزُ اَكْلُ لَحْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَالْبِغَالِ.

لغت: البغال: گدھا اور گھوڑی دونوں کے ملاپ سے جو بچہ ہوتا ہے اس کو خچر کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے گھریلو گدھوں کا کھانا اور خچروں کا کھانا۔

تشریح: پالتو گدھا اور خچر، جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرام ہے احادیث صحیحہ صریحہ کی وجہ سے اور امام مالک سے تین روائتیں ہیں مشہور قول یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے دوسرا یہ کہ مباح ہے اور تیسرا مثل جمہور کے حرام ہے، لیکن حمر وحشی (جنگلی گدھا) جس کو گورخر کہتے ہیں بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک حلال ہے۔

(۲۵۰۴/۳۸) وَيُكْرَهُ اَكْلُ لَحْمِ الْفَرَسِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور مکروہ ہے گھوڑے کا گوشت کھانا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

گھوڑے کے گوشت کا مسئلہ اختلافی ہے

تشریح: گھوڑے کے گوشت کا مسئلہ اختلافی ہے اور اس بارے میں دو مذہب ہیں۔ (۱) امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مباح ہے یہی مذہب صاحبین اور جمہور علماء کا ہے۔

دلیل: حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔ (بخاری شریف ۸۲۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑوں کا گوشت کھانا حلال ہے۔

جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث آیت والخیل والبغال والحمیر الخ کے معارض ہے کیونکہ اگر گھوڑے کا گوشت حلال ہوتا تو احسان جتانے کے موقع پر اس کو ترک نہ کرتے اس لئے آیت کے مقابلہ میں یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی۔

نوٹ: حقیقت یہ ہے کہ جواب کمزور ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے عون الترمذی، ج۱ (۴۲)

امام اعظمؒ ومالکؒ: کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ تحریمی ہے۔

دلیل: حضرت خالد بن ولیدؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے خچر اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔

فائدہ: فقہ حنفی کی مشہور اور معتبر کتاب درمختار میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے اپنے انتقال کے تین دن پہلے حرمت کے قول سے رجوع کر لیا تھا، چنانچہ اسی پر فتویٰ ہے، حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ

بھی اس روایت کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے کہ حنفی مذہب میں گھوڑے کا گوشت حلال ہے۔ (عون الترمذی ۱/۴۳)

(۲۵۰۵/۳۹)　وَلَا بَأْسَ بِأَكْلِ الْأَرْنَبِ.

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں ہے خرگوش کھانے میں۔

تشریح: ارنب یعنی خرگوش یہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حلال ہے بعض سلف کا اس میں اختلاف منقول ہے۔

(۲۵۰۶/۴۰)　وَإِذَا ذُبِحَ مَالَايُؤْكَلُ لَحْمُهُ طَهُرَ جِلْدُهُ وَلَحْمُهُ إِلَّا الْآدَمِيَّ وَالْخِنْزِيرَ فَإِنَّ الذَّكَاةَ لَاتَعْمَلُ فِيهِمَا.

ترجمہ: اور جب ذبح کرلیا جائے وہ جانور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو پاک ہو جائے گی اس کی کھال اور اس کا گوشت سوائے آدمی اور خنزیر کے کہ ذکاۃ ان میں کوئی کام نہیں کرتی۔

تشریح: ایسا جانور جو کھایا نہیں جاتا ہے جیسے بلی گیدڑ وغیرہ اگر ان کو ذبح کر دیا جائے تو ان کی کھال اور گوشت پاک ہو جائے گا کھال پر اسی حال میں نماز پڑھ سکتے ہیں اور گوشت کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن گوشت حلال نہیں ہوگا اور نہ کھانے کے قابل ہوگا البتہ اگر خنزیر کو ذبح کرے یا اس کی کھال کو دباغت دے تو وہ کسی حال میں پاک نہ ہوگی، کیونکہ وہ نجس العین ہے اور انسان مکرم ومحترم ہے، اس لئے ذبح کرنے سے بھی وہ پاک نہ ہوگا، تاکہ لوگ اس کو استعمال نہ کرنے لگیں اور انسان کی توہین ہونے لگے۔

(۲۵۰۷/۴۱)　وَلَا يُؤْكَلُ مِنْ حَيَوَانِ الْمَاءِ إِلَّا السَّمَكُ.

ترجمہ: اور نہ کھایا جائے پانی کے جانوروں میں سے مگر مچھلی۔

کیا تمام سمندری جانور حلال ہیں؟

تشریح: امام صاحبؒ کے نزدیک سمندر کے جانوروں میں سے صرف مچھلی کا کھانا حلال ہے باقی سب حرام ہیں، اور مچھلی بھی غیر طافی ہونی چاہئے اگر طافی ہو (اپنی طبعی موت سے مر کر اوپر آگئی ہو) تو وہ بھی حرام ہے۔

دوسرا مذہب: امام مالک فرماتے ہیں کہ خنزیر کے علاوہ سمندر کے سب جانور حلال ہیں۔

دلیل: خنزیر کے حرام ہونے پر آیت کریمہ حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر کو پیش کرتے ہیں اور باقی جانوروں کی حلت پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے احل لکم صید البحر. اور صید یہاں مطلق ہے، جس میں سے کسی کا استثناء نہیں کیا گیا ہے اس لئے خنزیر کے علاوہ سارے سمندری جانور حلال ہوں گے۔

جواب: یہ ہے کہ یہاں صید کے معنی جانور کے نہیں ہیں بلکہ صید مصدری معنی میں ہے یعنی شکار کرنا اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے سمندر میں شکار کرنا جائز ہے رہا مسئلہ جانوروں کا کہ کن کا شکار کرنا جائز ہے اور کن کا نہیں تو آیت میں اس کا ذکر نہیں ہے صرف اتنا بتلایا گیا ہے کہ شکار کرنا جائز ہے، اس لئے اس آیت کریمہ سے سمندری جانوروں کی حلت ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

تیسرا مذہب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مینڈک کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

دلیل: مینڈک کی حرمت اس حدیث سے مستنبط کی ہے جس میں مینڈک کے مارنے پر نہی وارد ہوئی ہے اور بقیہ جانوروں کی حلت پر ایک دلیل تو وہی دیتے ہیں جو مع جواب کے اوپر گذری۔ دوسری دلیل حدیث شریف الحل میتۃ پیش کرتے ہیں کہ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے مردار جانوروں کو حلال فرمایا ہے۔

جواب: الحل سے مراد حلال نہیں ہے بلکہ یہاں الحل، الطاهر کے معنی میں ہے، اور مطلب یہ ہے کہ سمندر کا میتہ پاک ہوتا ہے یعنی نجس نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے پانی کے پاک یا ناپاک ہونے میں شبہ کیا جائے۔

چوتھا مذہب: امام احمدؒ فرماتے ہیں مگرمچھ مینڈک اور کوسج (ایک قسم کی بڑی سمندری مچھلی یہ پھاڑ کھانے والی ہوتی ہے اور گرم علاقوں میں زیادہ ہوتی ہے) کے علاوہ تمام سمندری جانور حلال ہیں۔

حنفیہ کی دلیل: آیت کریمہ، ویحرم علیهم الخبائث، ہے یعنی ان پر خبیث چیزیں حرام کردی گئیں ہیں اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے سارے جانور خبیث ہیں اس لئے کہ خبیث کہتے ہیں جس سے طبیعت انسانی گھن محسوس کرتی ہو اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے باقی جانوروں سے طبیعت گھن محسوس کرتی ہے، اس لئے سب خبائث میں داخل ہیں۔

نیز حدیث میں ہے: احلت لنا میتتان اَلْحُوْتُ وَالْجَرَادُ. (ابن ماجہ ۲۶۷) میرے لئے حلال کئے گئے ہیں دو مردے مچھلی اور ٹڈی۔ (درس ترمذی ۱/ ۲۷۹ تا ۲۸۰)

(۲۵۰۸/۴۲) وَیَکْرَہُ اَکْلُ الطَّافِیْ مِنْهُ.

ترجمہ: اور مکروہ ہے اس مچھلی کا کھانا جو اوپر تیر جائے۔

تشریح: طافی اس مچھلی کو کہتے ہیں جو پانی میں بغیر کسی خارجی سبب کے طبعی موت مر کر الٹی ہوگئی ہو ائمہ ثلاثہ ایسی مچھلی کو حلال کہتے ہیں جب کہ حنفیہ کے یہاں مکروہ ہے کیونکہ عموماً وہ مچھلی تیرنے لگتی ہے جو پھول جاتی ہے اور سڑنے لگتی ہے اس لئے ایسی مچھلی کا کھانا مکروہ قرار دیا۔

(۲۵۰۹/۴۳) وَلَا بَأْسَ بِاَکْلِ الْجِرِّیْثِ وَالْمَارْ مَاهِیْ.

حل لغت: الجریث: جیم کے کسرہ اور راء کی تشدید کے ساتھ بکی مچھلی۔

مار ماهي: فارسی لفظ ہے، سانپ کی طرح کی مچھلی جس کو ہمارے یہاں بام مچھلی کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں ہے جھکی اور بام مچھلی کے کھانے میں۔

تشریح: جھکی ایک قسم کی مچھلی ہے جو عام مچھلیوں سے الگ ہوتی ہے اسی طرح بام مچھلی ہے جو سانپ کی طرح لمبی ہوتی ہے جھکی اور بام مچھلی کا کھانا درست ہے۔

(۲۵۱۰/۴۴) **وَيَجُوْزُ اَكْلُ الْجَرَادَةِ وَلَا ذَكَاةَ لَهٗ.**

حل لغات: الجرادة: ٹڈی (جیم کے فتحہ کے ساتھ اور راء کی تخفیف کے ساتھ) جمع جراد مذکر و مؤنث برابر ہیں بعض نے کہا کہ جرد سے مشتق ہے کیوں کہ جس چیز پر بھی بیٹھتی ہیں اس کو بالکل ننگا کر دیتی ہے۔ لا ذکاة: اس کو ذبح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: اور جائز ہے ٹڈی کو کھانا اور اس میں ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح: اس عبارت میں ٹڈی کا حکم بیان کرتے ہیں اس بارے میں دو مذہب ہیں:

(۱) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ ٹڈی مطلقاً حلال ہے، خواہ اس کی موت ذبح کرنے سے ہوئی ہو یا شکار کرنے سے یا وہ طبعی موت مرے امام صاحب کا مذہب بھی یہی ہے۔

(۲) امام مالک کا مشہور قول اور امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر کسی عارض اور سبب کی وجہ سے مری ہے تب تو حلال ہے مثلاً اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے یا اس کو زندہ پکڑ کر قتل کیا جائے تو حلال ہے اور اگر طبعی موت مری ہو تو حلال نہیں ہے۔ (بذل عن النووی)

كِتَابُ الْاُضْحِيَّةِ

(یہ کتاب قربانی کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الذبائح کے بعد کتاب الاضحیۃ کو بیان کرنیکی وجہ یہ ہے کہ ذبائح عام اور اضحیہ خاص ہے اور عام کو خاص پر مقدم کیا جاتا ہے۔

اضحیة کی لغوی تحقیق: اس کی اصل اُضْحُوِيَةٌ ہے واؤ اور یاء جمع ہوئے اور واؤ ساکن ہے اس لئے واؤ کو یاء سے بدل کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا اور یاء کی مناسبت سے حاء کو کسرہ دے دیا اس کی جمع اَضَاحِیّ ہے بتشدید الیاء۔

اصطلاحی تعریف: جس جانور کو قربت کی نیت سے دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ کو ذبح کرے۔ (اللباب فی شرح الکتاب ۹۸/۳)

مشروعیت: قربانی کی مشروعیت کتاب وسنت اور اجماع تینوں سے ہے آیت میں ہے **فصل لربك وانحر.** اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور نحر کیجئے۔

قال بعض اهل التفسير المراد به الاضحية حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے مینڈھوں کی قربانی کی، تمام مسلمانوں کا قربانی کی مشروعیت پر اتفاق ہے۔

(۱/۲۵۱۱) اَلْاُضْحِيَّةُ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ مُوْسِرٍ فِيْ يَوْمِ الْاَضْحٰى.

ترجمہ: قربانی واجب ہے ہر آزاد مسلمان، مقیم، مالدار پر بقرعید کے دن۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

تشریح: قربانی ہر اس مسلمان پر واجب ہوتی ہے، جو عاقل بالغ مقیم ہو، اور ایام قربانی میں ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی ۶۱۲ گرام ۳۶۰ ملی گرام چاندی یا اس کی قیمت کا پیسہ یا دیگر اثاثہ اس کی حاجات اصلیہ سے زائد اس کی ملک میں موجود ہو اور یہ اثاثہ خواہ سونا چاندی کے زیورات ہوں یا مال تجارت ہو یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان ہو یا رہائشی مکان کے علاوہ زائد مکان ہو اس پر قربانی واجب ہوتی ہے۔

قربانی کے حکم میں وجوب اور سنیت کے اعتبار سے اختلاف ہے، چنانچہ اس بارے میں دو مذہب ہیں: (۱) اکثر علماء جن میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے۔ (۲) حنفیہ کے نزدیک قربانی واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: میں نے حضرت ابن عمرؓ کو پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد مسلمانوں نے قربانی کی فرمایا: **جرت به السنة** اور یہ سنت جاری ہے۔ (ابن ماجہ ص: ۴۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی سنت ہے۔

جواب: بعض اوقات سنت کا لفظ واجب کے لئے بول دیا جاتا ہے جیسے ختنہ کو سنت کہا گیا ہے حالانکہ ختنہ کرنا واجب ہے اس لئے قربانی کو واجب کہا جائے گا۔

حنفیہ کی دلیل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ منورہ میں رہے اور ہر سال آپ نے قربانی فرمائی کوئی سال ایسا نہیں گذرا جس میں آپ نے قربانی نہ کی ہو اس سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

(۲/۲۵۱۲) يَذْبَحُ عَنْ نَفْسِهٖ وَعَنْ وُلْدِهِ الصَّغِيْرِ.

لغت: وُلد: واؤ کے ضمہ کے ساتھ وَلَدٌ کی جمع ہے۔

ترجمہ: ذبح کرے اپنی طرف سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے۔

تشریح: امام صاحب سے حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ چھوٹی اولاد کی جانب سے اس کا باپ قربانی

کرے گا مگر ظاہر الروایت یہ ہے کہ بچہ مرفوع القلم ہے، اس لئے چاہے مالدار بھی ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی واجب نہیں.

(۳/۲۵۱۳) وَيَذْبَحُ عَنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ شَاةً أَوْ يَذْبَحُ بَدَنَةً أَوْ بَقَرَةً عَنْ سَبْعَةٍ.

ترجمہ: ذبح کرے ان میں سے ہر ایک آدمی کی طرف سے ایک بکری یا ذبح کرے اونٹ یا گائے سات آدمیوں کی طرف سے۔

قربانی کے جانور میں شرکت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ قربانی کے جانور میں شرکت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں امام مالک واحمد کا مذہب یہ ہے کہ ایک بکری پورے ایک گھر والوں کی طرف سے کرنا جائز ہے، حتی کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ایک گھر میں کئی افراد صاحب نصاب ہوں تو ان میں سے ہر ایک کی طرف سے قربانی کی ضرورت نہیں بلکہ اگر ایک بکری کی قربانی کردی جائے تو سب کی طرف سے کافی ہوجائے گی بشرطیکہ وہ سب آپس میں رشتہ دار ہوں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوں، حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب کے ذمہ الگ الگ قربانی واجب ہے ایک بکری سارے گھر والوں کی طرف سے کافی نہیں ہوسکتی۔

امام مالک واحمد کی دلیل: حضرت ابوایوب نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا۔

جواب: اس حدیث کو ثواب میں شرکت پر محمول کیا جائے گا یعنی ایک شخص اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے اور اس کے ثواب میں اپنے سارے اہل بیت کو شریک کرلے تو یہ جائز ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا اپنی طرف سے قربان کیا اور دوسرا قربان کرکے فرمایا یہ میری امت میں سے جو لوگ قربانی نہ کرسکیں ان کی طرف سے قربانی کر رہا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب امت کی طرف سے قربانی ساقط ہوگئی اسی طرح حضرت ابوایوبؓ کی حدیث میں ہے۔

حنفیہ کی دلیل: اگر ایک قربانی گھر کے سارے افراد کی طرف سے کافی ہوجائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر ایک گھر میں پچاس آدمی رہتے ہیں تو ایک بکری پچاس افراد کی طرف سے کافی ہوجائے گی حالانکہ نصوص کی روشنی میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ ایک بکری گائے کے ساتویں حصہ کے برابر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر گائے کا ساتواں حصہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہوجائے تو پھر ایک گائے کے اندر صرف سات افراد نہیں بلکہ تین سو پچاس افراد کی قربانی ہوسکے گی جو واضح طور پر نصوص کے خلاف ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ گائے اور اونٹ میں سات افراد شریک ہوسکتے ہیں ائمہ اربعہ کا موقف یہ ہے کہ اونٹ

گائے میں کوئی فرق نہیں لہٰذا جس طرح گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، اسی طرح اونٹ میں بھی سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں، سات سے زیادہ نہیں ہوسکتے۔

(۲۵۱۴/۴) وَلَيْسَ عَلَى الْفَقِيْرِ وَالْمُسَافِرِ اُضْحِيَةٌ.

ترجمہ: اور نہیں ہے فقیر پر اور مسافر پر قربانی۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک قربانی کے وجوب کے لئے غنی ہونا شرط ہے، یعنی جو شخص صاحب نصاب ہو اس پر قربانی ہے، فقیر پر قربانی واجب نہیں ہے، لیکن اگر کرے تو قربانی ادا ہو جائے گی، اسی طرح حنفیہ کے نزدیک مسافر کے حق میں قربانی واجب نہیں ہے صرف مقیم کے حق میں واجب ہے امام شافعی و مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ قربانی سب لوگوں کے حق میں سنت مؤکدہ ہے مقیم ہو یا مسافر۔

(۲۵۱۵/۵) وَوَقْتُ الْاُضْحِيَةِ يَدْخُلُ بِطُلُوْعِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ النَّحْرِ اِلَّا اَنَّهٗ لَايَجُوْزُ لِاَهْلِ الْاَمْصَارِ الذَّبْحُ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْاِمَامُ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فَاَمَّا اَهْلُ السَّوَادِ فَيَذْبَحُوْنَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِيْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ يَوْمِ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهٗ.

حل لغات: امصار: مصر کی جمع ہے، شہر۔ اھل السواد: سواد کے معنی کالا، چونکہ کھیتی باڑی کی وجہ سے گاؤں کا آدمی کالا نظر آتا ہے اس لئے ان کو اھل السواد کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور قربانی کرنے کا وقت داخل ہو جاتا ہے دسویں تاریخ کی فجر طلوع ہونے سے مگر جائز نہیں شہر والوں کے لئے ذبح کرنا یہاں تک کہ پڑھا دے امام عید کی نماز رہے گاؤں والے تو وہ ذبح کر سکتے ہیں فجر کے طلوع ہوتے ہی اور قربانی جائز ہے تین دن ایک دس ذی الحجہ اور دو دن اس کے بعد۔

قربانی کا وقت کیا ہے؟

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ قربانی کا وقت بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ قربانی کا وقت شہر میں نماز عید کے بعد اور گاؤں میں جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی دس ذی الحجہ کی صبح صادق سے بارہویں کے غروب تک ہے۔

فوائد: اگر شہر یا قصبہ یا ایسے بڑے گاؤں میں جہاں نماز عید اور نماز جمعہ جائز ہو جاتی ہے اگر اس میں کسی جگہ نماز عید ادا ہو جائے تو پورے شہر یا پورے قصبہ یا پورے گاؤں والوں کے لئے قربانی کرنا جائز ہے اگر کوئی دیہاتی نماز عید کے لئے شہر آتا ہے تو اس کی قربانی دیہات میں صبح صادق کے بعد شہر کی نماز سے قبل جائز ہے۔

(۲۵۱۶/۶) وَلَا يُضَحّٰى بِالْعَمْيَاءِ وَالْعَوْرَاءِ وَالْعَرْجَاءِ الَّتِيْ لَا تَمْشِيْ اِلَى الْمَنْسَكِ وَلَا

الْعَجْفَاءِ.

حل لغات: لایضحی: فعل مضارع منفی مصدر تَضْحِیَۃً ذبح کرنا۔ العمیاء: بینائی کا چلا جانا۔ العوراء: جمع عُوْرٌ بالفتح ایک آنکھ والا ہونا۔ العرجاء: لنگڑا۔ المنسک: قربانی کی جگہ جمع مناسک.
العجفاء: لاغر، دبلا پتلا ہونا۔

ترجمہ: اور قربانی نہ کی جائے اندھے کی، کانے کی، اور ایسے لنگڑے کی جو مذبح تک نہ جاسکے اور نہ دبلے کی۔

عیب دار جانور کی قربانی درست نہیں

تشریح: اگر قربانی کا جانور اندھا ہو، کانا ہو یا ایسا لنگڑا ہو کہ مذبح تک خود نہیں جاسکتا ہے یا بہت دبلا لاغر بالکل مریل جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر اتنا دبلا نہ ہو تو دبلا ہونے سے کچھ حرج نہیں یعنی بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ قدرتی ۔ اخت ایسی ہی ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

(۲۵۱۷/۷) وَلَا تُجْزِئُ مَقْطُوْعَةُ الْاُذُنِ وَالذَّنَبِ وَلَا الَّتِیْ ذَهَبَ اَكْثَرُ اُذُنِهَا اَوْ ذَنَبِهَا وَاِنْ بَقِيَ الْاَكْثَرُ مِنَ الْاُذُنِ وَالذَّنَبِ جَازَ.

ترجمہ: اور جائز نہیں کان کٹا ہوا اور دم کٹا ہوا اور نہ وہ جس کا اکثر کان یا دم کٹی ہوئی ہو اور اگر اکثر کان اور دم باقی ہو تو جائز ہے۔

تشریح: اگر جانور کا پورا کان یا پوری دم کٹی ہوئی ہو تو قربانی کرنا جائز نہیں، ایسے ہی اگر جانور کا کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹا ہوا ہو تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں اسی طرح ایسے جانور کی قربانی درست نہیں جس کی دم تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹی ہوئی ہو اور اگر آدھے سے کم کان کٹا ہوا ہو یا آدھی سے کم دم کٹی ہوئی ہو تو جائز ہے۔

(۲۵۱۸/۸) وَيَجُوْزُ اَنْ يُضَحِّيَ بِالْجَمَّاءِ وَالْخَصِيِّ وَالْجَرْبَاءِ وَالثَّوْلَاءِ.

حل لغات: الجماء: جس کے پیدائشی سینگ نہ ہو۔ الخصی: وہ جانور جس کے فوطے نکال لئے گئے ہوں۔ الجرباء: جس کو کھجلی ہو۔ الثولاء: دیوانہ۔

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ قربانی کی جائے بے سینگ والے کی اور خصی کی اور کھجلی والے کی اور دیوانہ کی۔

تشریح: جس جانور کے پیدائش سے سینگ نہیں یا سینگ تو تھے مگر ٹوٹ گئے یا اوپر کا خول اتر گیا ہو اس کی قربانی درست ہے البتہ سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں، آگے فرماتے ہیں خصی کی قربانی جائز ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بقرعید کے دن دو سینگ والے چتکبرے خصی کی قربانی کی اسی طرح اگر کوئی جانور کھجلی والا ہے لیکن موٹا تازہ ہے تو قربانی جائز ہے، کیونکہ کھجلی

بہت کھجلی ہونا عیب نہیں اسی طرح جانور دیوانہ ہولیکن گوشت کے اعتبار سے ٹھیک ٹھاک ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

(۹/۲۵۱۹) وَالْاُضْحِيَةُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ.

ترجمہ: اور قربانی اونٹ گائے اور بکری کی ہوتی ہے۔

کن جانوروں کی قربانی درست ہے اور کن کی نہیں؟

تشریح: اس عبارت میں یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شرعاً کن جانوروں کی قربانی جائز ہے، چنانچہ قربانی کے جانور اونٹ گائے، دنبہ، بھیڑ، بکرا (مذکر ومؤنث دونوں جائز ہیں) بھینس، گائے کے حکم میں ہے، گھوڑے اور مرغ کی قربانی نہیں ہوسکتی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً گھوڑے کی قربانی کا ثبوت نہیں ہے، ہرن اور نیل گائے بارہ سینگا وغیرہ کی قربانی بھی درست نہیں چاہے ان کو کسی نے اپنے گھر لاکر پالا ہو قربانی کے جانوروں کی تعیین شرعی سماعی ہے، قیاس کو اس میں دخل نہیں ہے، اور شریعت مقدسہ سے صرف تین قسم کے جانور ثابت ہوئے ہیں، قسم اول اونٹ نر و مادہ قسم دوم بکرا بکری، مینڈھا، بھیڑ، دنبہ نر و مادہ قسم سوم گائے، بھینس نر و مادہ، پس ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی جائز نہیں اور ان کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ وحشی نہ ہوں بلکہ پالتو اور آدمیوں سے مانوس ہوں۔

(۱۰/۲۵۲۰) وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ الثَّنِيُّ فَصَاعِدًا اِلَّا الضَّأْنَ فَاِنَّ الْجَذَعَ مِنْهُ يُجْزِئُ.

حل لغات: الثنی: وہ جانور جس کے سامنے کے پیدائشی دانت گر گئے ہوں اور نئے دانت اگ گئے ہوں بکری دوسرے سال میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہے گائے، بھینس دو سال کے بعد تیسرے سال میں قدم رکھے تو ثنی ہوتی ہے، اونٹ پانچویں سال میں قدم رکھے تو نیا دانت آتا ہے اور ثنی ہوتا ہے۔

فصاعداً: یا اس سے اوپر کا۔ الضأن: بھیڑ، دنبہ۔ الجذع: چھ ماہ کا دنبہ۔

ترجمہ: اور کافی ہے ان سب جانوروں میں ثنی یا اس سے بڑا سوائے بھیڑ کے کہ اس سے جذع بھی کافی ہے۔

قربانی کے جانوروں کی عمریں کتنی ہونی چاہئیں؟

تشریح: قربانی کے جانوروں کی عمریں متعین ہیں بکرا بکری دنبہ بھیڑ ایک سال کے ہوں گائے بیل بھینس بھینسا کٹڑا پورے دو سال کے ہوں اور اونٹ پانچ سال کا ثنی سے مراد یہی ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر بھیڑ اور دنبہ چھ ماہ سے زیادہ اور ایک سال سے کم ہو مگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو اور سال بھر والے بھیڑ دنبوں میں اگر چھوڑ دیا جائے تو سال بھر سے کم کا نہ معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

(۱۱/۲۵۲۱) وَيَأْكُلُ مِنْ لَحْمِ الْاُضْحِيَةِ وَيُطْعِمُ الْاَغْنِيَاءَ وَالْفُقَرَاءَ وَيَدَّخِرُ وَيَسْتَحِبُّ لَهٗ اَنْ لَا

يَنْقُصَ الصَّدَقَةَ مِنَ الثُّلُثِ.

ترجمہ: اور کھائے قربانی کا گوشت اور کھلائے مالداروں اور فقیروں کو اور ذخیرہ بنا کر رکھ لے اور مستحب یہ ہے کہ تہائی سے کم صدقہ نہ کرے۔

قربانی کا گوشت فقیر وغریب کو دینا

تشریح: قربانی کا گوشت خود کھائے خواہ مالدار ہو اور مالداروں کو بھی کھلا سکتا ہے، اور فقیروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور اپنے رشتہ ناطہ کے لوگوں کو دے دے اور فقیروں محتاجوں پر خیرات کرے اور بہتر یہ ہے کہ تہائی حصہ خیرات کرے خیرات میں تہائی سے کمی نہ کرے لیکن اگر کسی نے تھوڑا ہی گوشت خیرات کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر سب اپنے لئے روک لیتا ہے تب بھی جائز ہے۔

(۱۲/۲۵۲۲) وَيَتَصَدَّقُ بِجِلْدِهَا اَوْ يَعْمَلُ مِنْهُ آلَةً تُسْتَعْمَلُ فِي الْبَيْتِ.

ترجمہ: اور خیرات کردے اس کی کھال یا بنائے اس سے کوئی چیز جو استعمال کی جائے گھر میں۔

قربانی کی کھال

تشریح: قربانی کی کھال کی نسبت یہ حکم ہے کہ یا تو اس کو بجنسہ اپنے کسی کام میں لے آئے، مثلاً رنگوا کر گھر کا ڈول وجوتہ یا جائے نماز ودسترخوان وغیرہ بنالے یا کسی غریب محتاج کو یا قرابت دار واحباب کو دے دے کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ دے، مثلاً امام ومؤذن مسجد محلّہ کو ان کی خدمت کرنے کے معاوضہ میں نہ دے۔

ہڈی، گوشت فروخت کرنا

مزید وضاحت: قربانی کے جانور کے بال ہڈی گوشت کھال میں سے ہر چیز کا ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں مقرر ہوتا ہے اس لئے ان میں سے کسی بھی چیز کو فروخت کرکے قیمت سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، اور کھال فروخت کرنا اصل حکم کے اعتبار سے ممنوع ہے بلکہ اس کو اپنے استعمال میں لانا چاہئے یا بعینہ صدقہ کردینا چاہئے۔

(۱۳/۲۵۲۳) وَالْاَفْضَلُ اَنْ يَذْبَحَ اُضْحِيَّتَهُ بِيَدِهِ اِنْ كَانَ يُحْسِنُ الذَّبْحَ.

ترجمہ: اور افضل یہ ہے کہ ذبح کرے اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے اگر اچھی طرح ذبح کرسکتا ہو۔

ذبح کرنے کا طریقہ

تشریح: ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کا سر دکھن کی جانب اور ٹانگیں شمال کی جانب میں رکھی جائیں اور

بائیں کروٹ پر لٹایا جائے تاکہ جانور کا استقبال قبلہ ہو جائے اس کے بعد آپ سمجھئے کہ مستحب اور افضل یہ ہے کہ قربانی کرنے والا خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے لیکن جو شخص کسی وجہ سے خود ذبح نہ کر سکے تو کم از کم ذبح ہوتے وقت وہاں موجود رہے، تاکہ اپنے جانور کو ذبح ہوتے اور اس کا خون بہتے اپنی آنکھ سے دیکھے خود ذبح کرنے میں یا دوسرے درجہ میں اپنی موجودگی میں کسی سے ذبح کرانے میں جو شوق وخلوص جو امنگ اور خدا کے ساتھ جو دلی تعلق ہوتا ہے اور مقاصد قربانی کی تکمیل جو اس صورت میں ہوتی ہے کہیں دور بیٹھے بیٹھے کسی سے ذبح کرانے میں وہ بات نہیں۔

(۱۴/۲۵۲۴) وَيُكْرَهُ اَنْ يَذْبَحَهَا الْكِتَابِيُّ.

ترجمہ: اور مکروہ ہے یہ کہ ذبح کرے قربانی کو کوئی کتابی۔

تشریح: یہود ونصاریٰ کے لئے قربانی کا جانور ذبح کرنا مکروہ ہے کیونکہ قربانی تو عبادت ہے اور وہ اس کے اہل نہیں ہیں تاہم ذبح کر دیا تو حلال ہو جائے گا۔

(۱۵/۲۵۲۵) وَاِذَا غَلَطَ رَجُلَانِ فَذَبَحَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اُضْحِيَّةَ الْآخَرِ اَجْزَأَ عَنْهُمَا وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ: اگر غلطی کی دو آدمیوں نے اور ذبح کر دیا ہر ایک نے دوسرے کی قربانی کو تو کافی ہوگی دونوں کی طرف سے اور ضمان نہیں ہے ان پر۔

تشریح: دو آدمیوں کے پاس قربانی کے جانور تھے دونوں نے غلطی سے اپنے جانور کے بجائے دوسرے کا جانور ذبح کر دیا تو دونوں کی قربانی ادا ہو جائے گی اور کسی پر بھی تاوان نہ ہوگا چونکہ دونوں نے جانور قربانی ہی کے لئے خریدا ہے اور دونوں کی دلی خواہش یہ ہے کہ کوئی وقت کے اندر میری قربانی کر دے اس لئے اشارۃً دونوں کی جانب سے قربانی کرنے کی اجازت ہے اس لئے دونوں کی قربانی ہو جائے گی اور جانور کو مصرف میں خرچ کر دیا ہے اس لئے کسی پر تاوان نہ ہوگا۔

كِتَابُ الْاَيْمَانِ

(یہ کتاب قسم کھانے کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: چونکہ قربانی کے جانور کے ذریعہ پل صراط سے پار ہونے پر تقویت ملے گی جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اپنی قربانیوں کی تعظیم وتوقیر کرو کیونکہ یہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی اسی طرح قسم کے ذریعہ اپنی بات کو تقویت پہنچانا مقصود ہوتا ہے گویا کہ تقویت کے اعتبار سے دونوں میں مناسبت ہے۔ (رقم الحاشیہ ۶)

لغوی تحقیق: ایمان جمع ہے یمین کی اور یمین کے لغوی معنی داہنا ہاتھ پھر اس کا اطلاق ہونے لگا قسم پر کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ جب وہ آپس میں قسمیں کھاتے ہیں تو اس وقت ایک دوسرے کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ کا کام کسی چیز کو محفوظ رکھنا ہے پھر اس کا اطلاق قسم پر اسی لئے کیا گیا ہے کہ محلوف علیہ (جس پر قسم کھائی) کی آدمی رعایت اور حفاظت کرتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: کسی چیز کو مضبوط اور مؤکد کرنا اللہ کا نام یا اس کی صفت ذکر کر کے۔

(۱/۲۵۲۶) اَلْاَیْمَانُ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَضْرُبٍ یَمِیْنُ غَمُوْسٍ وَیَمِیْنُ مُنْعَقِدَةٍ وَیَمِیْنُ لَغْوٍ.

ترجمہ: قسمیں تین طرح پر ہیں یمین غموس، یمین منعقدہ، یمین لغو۔

یمین کی اقسام ثلٰثہ کا بیان

تشریح: اس عبارت میں مصنف نے اجمالاً یمین کی تین قسمیں بیان کی ہیں، تفصیل آگے آرہی ہے، غموس کے معنی ہیں ڈوب جانا، چونکہ جھوٹی قسم کھانے والا گناہوں میں ڈوب جاتا ہے، اس لئے اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔

(۲/۲۵۲۷) فَیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ هِیَ الْحَلْفُ عَلٰی اَمْرٍ مَاضٍ یَتَعَمَّدُ الْکِذْبَ فِیْهِ فَهٰذِهِ الْیَمِیْنُ یَأْثِمُ بِهَا صَاحِبُهَا وَلَا کَفَّارَةَ فِیْهَا اِلَّا التَّوْبَةُ وَالْاِسْتِغْفَارُ.

ترجمہ: پس یمین غموس وہ قسم کھانا ہے گذشتہ بات پر جان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہوئے، اس قسم میں گناہ گار ہوتا ہے قسم کھانے والا اور اس میں کفارہ نہیں ہے، سوائے توبہ اور استغفار کے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے یمین غموس کی تعریف اور اس کا حکم بیان کیا ہے، چنانچہ فرمایا کہ یمین غموس یہ ہے کہ فعل ماضی پر ارادۃً جھوٹی قسم کھائے مثلاً ایک شخص کو معلوم ہے کہ خالد نہیں آیا، مگر اس کے باوجود کہتا ہے کہ اللہ کی قسم خالد آگیا ہے، اس قسم میں ہمارے اور امام مالک کے نزدیک گناہ تو ہے مگر کفارہ واجب نہیں ہے کیونکہ جھوٹی قسم کھانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی تلافی کفارہ سے ہو ہی نہیں سکتی، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یمین غموس میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔

دلیل: یہ ہے کہ چونکہ اس قسم میں جھوٹ بولا جاتا ہے، اور دل بھی اس کو جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، تو گویا دل ہی اس کا کسب کرتا ہے اور جس گناہ کا دل کسب کرتا ہے اور اس میں دل کے ارادے کو دخل ہوتا ہے اس پر مؤاخذہ کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ہے: ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم " کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں میں سے مواخذہ کرے گا جن کا تمہارے دلوں نے کسب کیا ہے معلوم ہوا کہ یمین غموس میں بھی مواخذہ ہوگا اور مواخذہ سے یہاں کفارہ مراد ہے پس ثابت ہوگیا کہ اس قسم میں کفارہ واجب ہوگا۔

جواب: یہ ہے کہ یہ کہنا یہاں مواخذہ سے کفارہ مراد ہے صحیح نہیں ہے بلکہ مواخذہ سے یہاں اخروی مواخذہ مراد ہے اور اس سے نجات کے لئے توبہ واستغفار کی ضرورت ہے، اس لئے اس قسم میں بھی توبہ واستغفار کیا جائے گا۔

دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی چیز پر قسم کھائے حال یہ کہ وہ اس میں جھوٹا ہو اور کھائے اس لئے تا کہ اس قسم کے ذریعہ سے کسی مسلمان کے مال کو خود قبضا لے تو اس شخص کا انجام یہ ہوگا کہ وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوں گے۔ (ابوداؤد باب فی مَنْ حلف لِيَقْتَطِعَ بها مالا) اس حدیث میں یمین غموس کھانے والے پر کفارہ کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ اگر کفارہ واجب ہوتا تو ضرور اس کو ذکر کرتے۔

(۳/۲۵۲۸) وَالْيَمِيْنُ الْمُنْعَقِدَةُ هِيَ اَنْ يَّحْلِفَ عَلَى الْاَمْرِ الْمُسْتَقْبِلِ اَنْ يَّفْعَلَهٗ اَوْ لَا يَفْعَلَهٗ فَإِذَا حَنِثَ فِيْ ذٰلِكَ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ.

ترجمہ: اور یمین منعقدہ وہ قسم کھانا ہے آئندہ کے معاملہ پر اس کے کرنے یا نہ کرنے کی پھر جب اس میں حانث ہو جائے تو لازم ہوگا اس پر کفارہ۔

تشریح: یمین منعقدہ یہ ہے کہ کسی آئندہ کے فعل پر کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے مثلاً یہ کہے کہ اللہ کی قسم میں سبق میں شریک ہوں گا یا اللہ کی قسم میں غیر حاضری نہیں کروں گا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے اپنی قسم کو پورا کیا تو صحیح ہے اور اگر حانث ہو گیا تو بالاتفاق یہ شخص گناہ گار بھی ہوگا اور اس پر کفارہ بھی واجب ہوگا۔

(۴/۲۵۲۹) وَيَمِيْنُ اللَّغْوِ هُوَ اَنْ يَّحْلِفَ عَلٰى اَمْرٍ مَاضٍ وَهُوَ اَنَّهٗ يَظُنُّ كَمَا قَالَ وَالْاَمْرُ بِخِلَافِهٖ فَهٰذِهِ الْيَمِيْنُ نَرْجُوْا اَنْ لَّا يُؤَاخِذَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا صَاحِبَهَا.

ترجمہ: اور یمین لغو یہ ہے کہ قسم کھائے گذری ہوئی بات پر، یہ گمان کرتے ہوئے کہ جیسے میں نے کہا ویسے ہی ہے حالانکہ معاملہ اس کے خلاف ہو اس قسم میں ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرمائیں گے صاحب قسم سے۔

تشریح: یمین لغو کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے:

امام شافعی: کے نزدیک یمین لغو وہ یمین کہلاتی ہے جو بلا ارادہ لوگوں کی زبان پر کلام کے دوران ماضی حال یا مستقبل سے متعلق آجاتی ہے امام احمد کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔

دلیل: حضرت عائشہؓ سے ایک مرتبہ یمین لغو کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: کہ یمین لغو یہ ہے کہ آدمی اپنے کلام میں یہ کہے نہیں خدا کی قسم ہاں خدا کی قسم وغیرہ وغیرہ۔

امام اعظمؒ واحمد: کے نزدیک یمین لغو یہ ہے کہ کسی فعل ماضی یا حال کو اپنے گمان میں سچا سمجھتے ہوئے جھوٹی قسم کھائے، مثلاً متکلم یہ سمجھ کر کہ شاہد آ گیا ہے یہ قسم کھائے کہ بخدا شاہد آ گیا ہے حالانکہ واقعہ میں شاہد نہیں آیا۔

دلیل: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں هو الحلف على يمين كاذبة وهو يرى انه صادق یعنی کسی جھوٹی بات پر قسم کھائی اور اپنے گمان میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نے سچی بات پر قسم کھائی ہے یمین لغو کہلاتی ہے۔

حکم: یمین لغو کا حکم یہ ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا وہ معاف ہے قرآن کریم میں ہے: لايؤاخذكم الله باللغو فى ايمانكم. کہ اللہ تعالیٰ یمین لغو کے بارے میں تم سے مواخذہ نہیں کریگا۔

(۵/۲۵۳۰) وَالْقَاصِدُ فِي الْيَمِيْنِ وَالْمُكْرَهِ وَالنَّاسِيْ سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور قسم میں جان بوجھ کر اور زبردستی کیا ہوا اور بھول کر کھانے والا سب برابر ہیں۔

تشریح: اپنے اختیار سے جان بوجھ کر قسم کھائی تو اس کے توڑنے پر بھی کفارہ لازم ہوگا اور کسی نے زبردستی قسم کھلوائی تو اس کے توڑنے پر بھی کفارہ لازم ہے، اور بھول کر قسم کھائی تو بھی اس کے توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا، امام شافعیؒ کے نزدیک زبردستی قسم کھلوائے تو واقع نہیں ہوگی، ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ثلاث جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلطَّلَاقُ وَالنِّكَاحُ وَالْيَمِيْنُ. (اللباب ۳/۱۰۵) یعنی تین باتیں حقیقت بھی حقیقت ہیں اور ان کا مذاق بھی حقیقت ہیں یعنی واقع ہو جائیں گی، طلاق، نکاح، قسم۔

(۶/۲۵۳۱) وَمَنْ فَعَلَ الْمَحْلُوْفَ عَلَيْهِ مُكْرَهًا اَوْ نَاسِيًا فَهُوَ سَوَاءٌ.

حل لغات: محلوف عليه: جس بات پر قسم کھائی ہو اس کو محلوف علیہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور جس نے کر لیا محلوف علیہ زبردستی یا بھول کر تو وہ بھی برابر ہے۔

تشریح: جس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اس کے کرنے پر کسی نے زبردستی کی جس سے مجبور ہو کر وہ کام کر لیا تو بھی قسم کا کفارہ لازم ہوگا، اسی طرح بھول کر وہ کام کر لیا جسکے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے تو بھی کفارہ لازم ہوگا۔

(۷/۲۵۳۲) وَالْيَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ بِاسْمٍ مِّنْ اَسْمَائِهٖ كَالرَّحْمٰنِ وَالرَّحِيْمِ اَوْ بِصِفَةٍ مِّنْ صِفَاتِ ذَاتِهٖ كَعِزَّةِ اللّٰهِ وَجَلَالِهٖ وَكِبْرِيَائِهٖ اِلَّا قَوْلَهٗ وَعِلْمِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَايَكُوْنُ يَمِيْنًا.

ترجمہ: اور قسم اللہ کی یا اس کے کسی نام کی ہوتی ہے، جیسے رحمٰن، رحیم یا اس کی کسی ذاتی صفت کے ساتھ ہوتی ہے، جیسے اللہ کی عزت، اس کے جلال اور، اس کی کبریائی کی قسم مگر اس کا قول، وعلم اللہ کہ یہ قسم نہیں ہوتی۔

قسم کھانے کا طریقہ

تشریح: اس عبارت میں قسم کھانے کے طریقوں کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ اگر قسم کھانی ہو تو لفظ اللہ سے کھائے یا اس کے ننانوے نام ہیں ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ کھائے، یا اس کی ذاتی صفت کے ذریعہ کھائے مثلاً

اللہ کی عزت کی قسم اس کے جلال کی قسم یا اس کی بڑائی کی قسم، تو اس طرح قسم منعقد ہو جائے گی لیکن اگر اللہ کے علم سے قسم کھائے تو اس سے قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہاں علم بول کر معلوم مراد لیتے ہیں اور معلوم شئی اللہ کی صفت ذاتی نہیں ہے اس لئے قسم منعقد نہ ہوگی۔

(۸/۲۵۳۳) وَاِنْ حَلَفَ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِ الْفِعْلِ كَغَضَبِ اللّٰهِ وَسَخَطِ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی کسی فعلی صفت کے ساتھ جیسے اللہ کے غضب اور اللہ کی ناراضگی کی قسم، تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔

تشریح: وہ تمام صفات جو اللہ کی ذاتی نہیں ہیں بلکہ فعلی اور وقتی ہیں ان کے ذریعہ سے قسم کھائے تو قسم منعقد نہ ہوگی جیسے یوں کہے اللہ کے غضب کی قسم یا اللہ کی ناراضگی کی قسم میں ایسا کروں گا تو اس سے قسم منعقد نہ ہوگی۔

(۹/۲۵۳۴) وَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا كَالنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْقُرْاٰنِ وَالْكَعْبَةِ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی اللہ بزرگ و برتر کے علاوہ کی تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا جیسے نبی علیہ السلام قرآن اور کعبہ کی قسم۔

کیا غیر اللہ کی قسم کھانا درست ہے؟

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھائے مثلاً نبی کی قسم، قرآن کی قسم یا کعبہ کی قسم تو اس سے قسم منعقد نہ ہوگی، فتاویٰ محمودیہ میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی قسم کھانا منع ہے، تاہم اگر کسی نے کھائی تو وہ منعقد ہو جائے گی۔ وقال العینی عندی ان المصحف یمین لاسیما فی زماننا. درمختار ۳/۲۹۱) (فتاویٰ محمودیہ ۸/۲۱۰)

(۱۰/۲۵۳۵) وَالْحَلْفُ بِحُرُوْفِ الْقَسَمِ وَحُرُوْفُ الْقَسَمِ ثَلٰثَةٌ اَلْوَاوُ كَقَوْلِهٖ وَاللّٰهِ وَالْبَاءُ كَقَوْلِهٖ بِاللّٰهِ وَالتَّاءُ كَقَوْلِهٖ تَاللّٰهِ.

ترجمہ: اور قسم حروف قسم سے ہوتی ہے اور حروف قسم تین ہیں، واؤ ہے جیسے واللہ، اور باء ہے جیسے باللہ اور تاء ہے جیسے تاللہ۔

تشریح: واؤ، باء، تاء، ان حرفوں کے ساتھ قسم کھانے کا ثبوت ہے جیسے تاللّٰہ لاکیدن اصنامکم. (خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا)

اس میں تاء کے ساتھ قسم کھانے کا ثبوت ہوا اور واؤ کے ساتھ ثبوت حضرت عائشہؓ سے منقول اس روایت میں ہے یا امۃ محمد واللہ لو تعلمون. (بخاری)

اے امت محمد قسم خدا کی کاش کہ تم جان لیتے۔

(۱۱/۲۵۳۶) وَقَدْ تُضْمَرُ الْحُرُوْفُ فَيَكُوْنُ حَالِفًا كَقَوْلِهِ اللّٰهِ لَا اَفْعَلُ كَذَا.

ترجمہ: اور کبھی حروف قسم پوشیدہ ہوتے ہیں اس میں بھی قسم کھانے والا ہوگا جیسے خدا کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حروف قسم کلام میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ پوشیدہ ہوتے ہیں اس صورت میں بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے جیسے اللہ لا افعل کذا میں اللہ سے پہلے واؤ محذوف ہے اصل میں واللہ تھا اور حرف جر کا حذف کرنا عرب کی عادت ہے۔

(۱۲/۲۵۳۷) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اِذَا قَالَ وَحَقِّ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ.

ترجمہ: اور امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب وحق اللہ کہے تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔

تشریح: طرفین فرماتے ہیں کہ اللہ کے حق سے مراد اطاعت خداوندی ہے تو قسم لغیر اللہ ہوئی، اس لئے وحق اللہ کہنے سے قسم منعقد نہ ہوگی، صاحب ہدایہ نے عادت کے موافق اسی قول کی دلیل آخر میں بیان کی ہے اور عالمگیری نے اسی قول کو راجح کہا ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ "حق" اللہ کی صفت ہے اور اللہ کی ذاتی صفت کے ذریعہ قسم کھا سکتے ہیں اس لئے قسم منعقد ہو جائے گی، امام ابو یوسف کی ایک روایت امام صاحب کے مسلک کے مطابق ہے۔

(۱۳/۲۵۳۸) وَاِذَا قَالَ اُقْسِمُ اَوْ اُقْسِمُ بِاللّٰه اَوْ اَحْلِفُ اَوْ اَحْلِفُ بِاللّٰهِ اَوْ اَشْهَدُ اَوْ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ فَهُوَ حَالِفٌ.

ترجمہ: اور اگر کہا میں قسم کھاتا ہوں یا اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا حلف اٹھاتا ہوں یا اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں یا گواہ کرتا ہوں یا اللہ کو گواہ کرتا ہوں تو وہ قسم کھانے والا ہے۔

تشریح: اس عبارت میں قسم کے تین الفاظ بیان کئے ہیں اقسم، احلف، اشہد، ان سے قسم ہو جائے گی اور ان الفاظ کے ساتھ اللہ لگا دیں تو بدرجہ اولیٰ منعقد ہو جائے گی کیونکہ صراحت کے قسم ہوگی۔

(۱۴/۲۵۳۹) وَكَذَالِكَ قَوْلُهُ وَعَهْدِ اللّٰهِ وَمِيْثَاقِهِ وَعَلَيَّ نَذْرٌ اَوْ نَذْرُ اللّٰهِ فَهُوَ يَمِيْنٌ

ترجمه: اوراسی طرح یہ کہنا وعہد اللّٰہ، ومیثاقہ مجھ پرنذر ہے یا اللہ کی نذر یہ بھی قسم ہے۔
تشریح: یوں کہا اللہ کا عہد کر کے کہتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا تو اس سے قسم منعقد ہو جائے گی یا اللہ کا میثاق (عہد) کر کے کہتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا تو اس سے بھی قسم منعقد ہو جائے گی، اسی طرح اگر یوں کہا کہ اس کام کے کرنے کی مجھ پرنذر ہے یا اس کام کے کرنے کی اللہ کی نذر ہے تو یہ بھی قسم ہو جائے گی۔

(۲۵۴۰/۱۵) وَاِنْ قَالَ اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَاَنَا يَهُوْدِيٌّ اَوْ نَصْرَانِيٌّ اَوْ مَجُوْسِيٌّ اَوْ مُشْرِكٌ اَوْ كَافِرٌ كَانَ يَمِيْنًا.

ترجمه: کسی نے کہا اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی ہوں یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک یا کافر ہوں تو یہ قسم ہوگی۔
تشریح: اگر یوں کہا کہ اگر میں نے فلاں کام نہ کیا تو میں یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا مجوسی ہوں یا مشرک ہوں یا کافر ہوں تو قسم منعقد ہو جائے گی اور وہ کام نہ کرنے پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا لیکن وہ واقعی یہودی یا نصرانی یا مشرک یا کافر نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو اسلام سے انکار کے بعد ہوتا ہے۔

(۲۵۴۱/۱۶) وَاِنْ قَالَ فَعَلَيَّ غَضَبُ اللّٰهِ اَوْ سَخَطُهٗ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ.

ترجمه: اور اگر کہا مجھ پر اللہ کا غضب یا اس کا غصہ ہے تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔
تشریح: کسی آدمی نے یوں کہا کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو یا اللہ کا غصہ ہو تو اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی کیوں کہ ان جملوں سے اپنے اوپر ایک قسم کی بددعاء ہے اللہ کی ذات یا صفت ذاتی کے ساتھ قسم کھانا نہیں ہے اس لئے اس سے قسم منعقد نہیں ہوگی۔

(۲۵۴۲/۱۷) وَكَذَالِكَ اِنْ قَالَ اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَاَنَا زَانٍ اَوْ شَارِبُ خَمْرٍ اَوْ اٰكِلُ رِبٰوا فَلَيْسَ بِحَالِفٍ.

ترجمه: اوراسی طرح اگر کہا اگر کروں ایسا تو میں زنا کار ہوں یا شراب پینے والا ہوں، یا سود کھانے والا ہوں تو قسم کھانے والا نہیں ہوگا۔
تشریح: عبارت میں مذکورہ تمام جملے قسم میں غیر متعارف ہیں اس لئے ان سے بھی قسم منعقد نہ ہوگی۔

(۲۵۴۳/۱۸) وَكَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ عِتْقُ رَقَبَةٍ يُجْزِئُ فِيْهَا مَا يُجْزِئُ فِي الظِّهَارِ.

ترجمه: اور قسم کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا ہے اس میں وہی غلام کافی ہے جو ظہار میں کافی ہوتا ہے۔

کفارۂ یمین اور اس کے مسائل

تشریح: کفارۂ ظہار میں مسلمان غلام کافر مذکر مؤنث چھوٹا بڑا ان سب غلاموں سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے اسی طرح کفارہ قسم میں بھی اس طرح کا غلام کافی ہے۔

(۱۹/۲۵۴۴) وَاِنْ شَاءَ كَسَا عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ كُلَّ وَاحِدٍ ثَوْبًا فَمَا زَادَ وَاَدْنَاهُ مَا يَجُوْزُ فِيْهِ الصَّلٰوةُ.

ترجمہ: اور اگر چاہے دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے ہر ایک کو ایک کپڑا یا اس سے زیادہ اور ادنیٰ کپڑا یہ ہے کہ جس میں نماز ہو جائے۔

تشریح: ماقبل میں بتلایا گیا کہ قسم کے کفارہ میں غلام آزاد کرنا ہے اب اگر غلام آزاد نہیں کرنا چاہتا تو دس مسکینوں کو کپڑا پہنا دے ہر ایک کو ایک ایک کپڑا دے اور اگر اس سے زیادہ دے تو کوئی حرج نہیں ہے، وہ ایک کپڑا کم سے کم اتنا بڑا ہو کہ مرد کی نماز اس کپڑے میں ادا ہو جائے یعنی ناف سے گھٹنے تک ہو کیونکہ نماز میں مرد کو ناف سے گھٹنے تک چھپانا ضروری ہے لہٰذا اتنا ہی کپڑا دینا کافی ہوگا۔

(۲۰/۲۵۴۵) وَاِنْ شَاءَ اَطْعَمَ عَشَرَةَ مَسَاكِيْنَ كَالْاِطْعَامِ فِيْ كَفَّارَةِ الظِّهَارِ.

ترجمہ: اور اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کھانا کھلا دے جیسے کھانا کھلانا ہوتا ہے کفارۂ ظہار میں۔

تشریح: جس طرح کفارۂ ظہار میں کھانا کھلانا کافی ہوتا ہے اسطرح کفارہ قسم میں صبح وشام دس مسکینوں کو کھانا کھلانا کافی ہوگا، نیز امام صاحب کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے کہ ہر ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں دے یا ایک صاع کھجور دے یا ایک صاع جو دے۔

(۲۱/۲۵۴۶) فَاِنْ لَّمْ يَقْدِرْ عَلٰى اَحَدِ هٰذِهِ الْاَشْيَاءِ الثَّلٰثَةِ صَامَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ.

ترجمہ: اگر قادر نہ ہو ان تین چیزوں میں سے کسی ایک پر تو تین دن پے در پے روزے رکھے۔

تشریح: کسی کو غلام آزاد کرنے یا کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے پر قدرت نہ ہو تب تین دن مسلسل روزے رکھے اس کی دلیل خود آیت میں ہے **فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام** اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں **فصيام ثلثة ايام متتابعات** ہے یعنی پے در پے تین دن کے روزے رکھے۔

(۲۲/۲۵۴۷) فَاِنْ قَدَّمَ الْكَفَّارَةَ عَلَى الْحِنْثِ لَمْ يُجْزِهٖ.

ترجمہ: اگر مقدم کردے کفارہ حانث ہونے پر تو جائز نہیں ہے۔

تشریح: پہلے قسم کے خلاف کر کے حانث ہو پھر کفارہ ادا کرے تو کفارہ ادا ہوگا اور اگر پہلے کفارہ ادا کیا پھر وہ کام کیا اور حانث ہوا تو وہ کفارہ کافی نہیں ہے کفارہ دوبارہ ادا کرنا ہوگا اور پہلے دیا ہوا صدقہ نافلہ کے درجہ میں ہو جائے گا، یہ مذہب حنفیہ کا ہے، ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قسم کھانے کے بعد حانث ہونے سے پہلے ہی کفارہ دینا جائز ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک کفارۂ مالیہ کی تقدیم تو جائز ہے اور غیر مالیہ یعنی کفارہ بالصوم کی تقدیم جائز نہیں۔

دلیل: ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی واللّٰہ ان شاء اللّٰہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا کفرت یمین واتیت الذی ھو خیر. (ابوداؤد باب الحنث اذا کان خیرا)

آپ فرما رہے ہیں واللہ میرا طریقہ یہ ہے کہ اگر میں کسی چیز پر قسم کھا بیٹھوں اور پھر اس کے غیر کو اس سے بہتر سمجھوں تو میں اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں، اور وہ کام جس کو خیر سمجھتا ہوں اس کو کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیے کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دینے کا ذکر پہلے فرمایا اور بعد میں اس کام کو ذکر کیا جس سے حانث ہوں گے معلوم ہوا کہ حانث ہونے سے پہلے کفارہ دینا جائز ہے۔

حنفیہ کی دلیل مع جواب: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کی حدیث ہے: "ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یا عبدالرحمن اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا منھا فات الذی ھو خیر وکفر یمینک.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبدالرحمٰن! جب تو کسی چیز کے بارے میں قسم کھائے پھر اس سے بہتر کوئی دوسری چیز دیکھے تو بہتر کو اختیار کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔

ملاحظہ فرمائیے! کہ اس حدیث میں حانث ہو جانے کے بعد پھر کفارہ کا ذکر ہے جو کہ ائمہ ثلاثہ کی پیش کردہ حدیث کے بالکل برعکس ہے اور تعارض کے وقت اس حدیث پر عمل کیا جاتا ہے جو قیاس کے موافق ہو اور قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ کفارہ قبل الحنث جائز نہیں ہے اس لئے کہ حانث ہونا ایک جنایت ہے جس کا کفارہ دیا جاتا ہے لیکن جب آدمی نے ابھی تک جنایت ہی نہیں کی اور حانث ہی نہیں ہوا تو کفارہ دینے کا کیا مطلب؟ پتہ چلا کہ کفارہ حنث کے بعد ادا کیا جائے گا حنث سے پہلے ادا نہیں کیا جائے گا۔

(۲۳/۲۵۴۸) وَمَنْ حَلَفَ عَلٰى مَعْصِيَةٍ مِثْلُ اَنْ لَّا يُصَلِّيَ اَوْ لَايُكَلِّمَ اَبَاهُ اَوْ لَيَقْتُلَنَّ فُلَانًا فَيَنْبَغِي اَنْ يَحْنَثَ نَفْسَهُ وَيُكَفِّرَ عَنْ يَمِيْنِهِ.

ترجمہ: اور جس نے قسم کھائی گناہ پر مثلاً یہ کہ نماز نہیں پڑھے گا یا اپنے باپ سے بات نہیں کریگا یا فلاں کو ضرور قتل کریگا تو مناسب ہے کہ خود ہی حانث ہو جائے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دے۔

گناہ پر قسم کھانے کا بیان

تشریح: معصیت کی دو قسمیں ہیں (۱) معصیت لعینہا یعنی جو اپنی ذات میں گناہ ہے جیسے شراب پینا، چوری کرنا قتل کرنا جھوٹ بولنا (۲) معصیت لغیر ہا یعنی جو اپنی ذات میں تو گناہ نہیں ہے لیکن کسی عارض کی وجہ سے وہ معصیت بن گئی جیسے بقرعید کے دن روزہ رکھنا حنفیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جو افعال اپنی ذات کے اعتبار سے گناہ ہیں اگر کوئی شخص ان کی نذر کرے تو وہ نذر منعقد ہی نہیں ہوگی اور جب منعقد ہی نہ ہوگی تو اس شخص کے لئے وہ کام کرنا جائز بھی نہیں اور نہ کرنے کے نتیجہ میں اس پر کفارہ بھی نہیں آئے گا اور اگر معصیت لغیر ہا کی نذر کی ہے تو اس صورت میں نذر منعقد ہو جاتی ہے مثلاً کسی شخص نے ۹ رذی الحجہ کو یوں کہا کہ میں کل روزہ رکھوں گا تو یہ نذر صحیح ہے لیکن ۱۰ رذی الحجہ میں روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ بعد میں اس کی قضا کرے، اور اگر کوئی شخص معصیت لعینہا کی قسم کھالے کہ میں فلاں کو قتل کروں گا تو اس صورت میں اس کو وہ گناہ کرنا تو جائز نہیں ہوگا لیکن قسم پوری نہ کرنے کی وجہ سے اس کے ذمہ کفارہ یمین لازم ہو جاتا ہے، بطور افادہ کے یہ باتیں ذکر کی گئیں ہیں اب صورت مسئلہ سنئے اگر کسی نے یوں کہا خدا کی قسم اپنے والدین سے نہ بولوں گا، یا نماز نہ پڑھوں گا، یا فلاں کو ضرور قتل کروں گا، تو اس کو چاہئے کہ والدین سے بات کرے اور نماز پڑھے، اور فلاں کو قتل نہ کرے اور کفارہ ادا کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اس کے خلاف میں بہتر ائی ہو تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔

(۲۵۴۹/۲۴) وَاِذَا حَلَفَ الْكَافِرُ ثُمَّ حَنَثَ فِي حَالِ الْكُفْرِ اَوْ بَعْدَ اِسْلَامِهٖ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اگر قسم کھائی کافر نے پھر حانث ہو گیا کفر ہی کی حالت میں یا اسلام لانے کے بعد تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔

تشریح: قسم منعقد ہوتی ہے اللہ کے نام سے یا اس کی صفات ذاتی سے اور کافر نہ اللہ کو مانتا ہے اور نہ اس کی صفات ذاتی کو مانتا ہے اس لئے اللہ کا نام بھی لے کر قسم کھائے تب بھی منعقد نہ ہوگی اور جب قسم ہی نہ ہوئی تو چاہے کفر کی حالت میں حانث ہو یا اسلام کی حالت میں حانث ہو کفارہ نہیں ہوگا۔

(۲۵۵۰/۲۵) وَمَنْ حَرَّمَ عَلٰى نَفْسِهٖ شَيْئًا مِمَّا يَمْلِكُهٗ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّمًا وَعَلَيْهِ اِنِ اسْتَبَاحَهٗ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ.

ترجمہ: اور جس نے حرام کر لی اپنے اوپر ایسی چیزیں جس کا خود وہ مالک ہے تو وہ اس پر حرام نہ ہوگی پھر اگر اس کو مباح سمجھے تو اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

تشریح: جو چیزیں انسان کیلئے حلال ہیں اور خود اسکی ملکیت میں ہیں ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلے تو وہ چیزیں حقیقت میں تو حرام نہیں ہوں گی البتہ اگر ان کو استعمال کر لیا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

تنبیه: لم یصر محرما، کا مطلب یہ ہے کہ وہ حرام لعینہ نہ ہوگی اور ان استباحۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ مباح چیز کی طرح سے اپنے کام میں لائے یہ مطلب نہیں کہ اس کو حلال کرلے بعد اس کے کہ وہ حرام تھی۔

(۲۵۵۱/۲۶) فَاِنْ قَالَ كُلُّ حَلَالٍ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ اِلَّا اَنْ يَنْوِيَ غَيْرَ ذَالِكَ

ترجمه: اگر کہا ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ کھانے پینے کی چیزوں پر محمول ہوگا مگر یہ کہ اسکے علاوہ نیت کرے۔

تشریح: اگر کوئی شخص یہ کہے کل حلال علی حرام تو یہ تحریم کھانے پینے پر محمول ہوگی بیوی حرام نہ ہوگی، بلکہ کھانے پینے کی چیز استعمال کرنے سے کفارہ لازم ہوگا حرام تو وہ بھی نہ ہوگی ظاہر الروایت تو یہی ہے لیکن متاخرین مشائخ کا فتویٰ اس پر ہے کہ قائل کی بیوی پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی اور اگر چند بیویاں ہوں تو سب ایک ایک طلاق سے بائنہ ہوجائے گی کیونکہ تحریم حلال کا زیادہ تر استعمال طلاق ہی میں ہے۔

(۲۵۵۲/۲۷) وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ وَاِنْ عَلَّقَ نَذْرًا بِشَرْطٍ فَوُجِدَ الشَّرْطُ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِنَفْسِ النَّذْرِ وَرُوِيَ اَنَّ اَبَا حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ رَجَعَ عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ اِذَا قَالَ اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيَّ حَجَّةٌ اَوْ صَوْمُ سَنَةٍ اَوْ صَدَقَةُ مَا اَمْلِكُهُ اَجْزَاَهُ مِنْ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ.

ترجمه: کسی نے مطلق نذر مانی تو اس پر اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر معلق کردیا نذر کو کسی شرط پر پس شرط پائی گئی تو اس پر پورا کرنا ہے نفس نذر کی وجہ سے اور منقول ہے کہ امام صاحب نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا اگر کہا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر حج ہے یا ایک سال کے روزے یا جس چیز کا میں مالک ہوں اس کا صدقہ کرنا ہے تو ان ساری باتوں کے بدلہ اس کو کفارہ یمین کافی ہے اور یہی امام محمد کا قول ہے۔

تشریح: اگر کسی نے مطلق نذر مانی تو اس پر نذر کا پورا کرنا ضروری ہے، مثلاً کسی نے منت مانی کہ راہ خدا میں ایک سو روپے خیرات کروں گا تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ قرآن میں ہے ولیوفوا نذورهم۔

نذر کی دوسری صورت نذر معلق ہے مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں امتحان میں اول نمبر سے پاس ہوگیا تو ایک سال کے روزے رکھوں گا تو شرط پائے جانے پر ایک سال کے روزے رکھنا ضروری ہے، یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ کا پہلے تھا بعد میں آپ نے اس سے رجوع کرلیا اور مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ اگر کسی نے یوں کہا کہ اگر میں امتحان میں اول نمبر آیا تو ایک سال کے روزے رکھوں گا یا میرے پاس جتنا مال ہے سب کو صدقہ کروں گا اور شرط پائی گئی تو اب اسے اختیار ہے چاہے ایک سال کے روزے رکھے یا پوری ملکیت صدقہ کردے یا پھر کفارہ یمین ادا کرے، امام محمدؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔

(۲۵۵۳/۲۸) وَمَنْ حَلَفَ لَايَدْخُلُ بَيْتًا فَدَخَلَ الْكَعْبَةَ اَوِ الْمَسْجِدَ اَوِ الْبِيْعَةَ اَوِ الْكَنِيْسَةَ لَمْ

يَحْنَثْ.

حل لغات: بیت: اس جگہ کا نام جہاں رات گذاری جائے جمع بُیُوْت. البیعة: عیسائیوں کا عبادت خانہ۔ الکنیسة: یہودیوں کا عبادت خانہ۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر داخل ہوا کعبہ میں یا مسجد میں یا کلیسا میں یا گرجا میں تو حانث نہیں ہوگا۔

داخل ہونے پہننے بات کرنے پر قسم کھانے کا بیان

تشریح: بیت اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں رات گزاری جائے چوں کہ مسجد کعبہ کلیسا یا گرجا رات گزارنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ عبادت کرنے کے لئے ہیں اس لئے ان جگہوں میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا۔

(۲۵۵۴/۲۹) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ فَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِي الصَّلٰوةِ لَمْ يَحْنَثْ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ وہ بات نہیں کریگا پھر اس نے قرآن پڑھا نماز میں تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: نماز میں قرآن پڑھنا کلام نہیں ہے بلکہ قرأت ہے اس لئے نماز میں قرآن پڑھنے سے حانث نہ ہوگا امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تسبیح ذکر اور قرأت قرآن سے بھی حانث ہو جائے گا، حنفیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ نماز کے باہر ذکر تسبیح وغیرہ کریگا تو حانث ہو جائے گا۔

(۲۵۵۵/۳۰) وَمَنْ حَلَفَ لَا يَلْبَسُ هٰذَا الثَّوْبَ وَهُوَ لَابِسُهٗ فَنَزَعَهٗ فِي الْحَالِ لَمْ يَحْنَثْ وَكَذَالِكَ اِذَا حَلَفَ لَا يَرْكَبُ هٰذِهِ الدَّابَّةَ وَهُوَ رَاكِبُهَا فَنَزَلَ فِي الْحَالِ لَمْ يَحْنَثْ وَاِنْ لَبِثَ سَاعَةً حَنِثَ.

لغت: لابس: اسم فاعل باب (س) لُبسًا کپڑا پہننا۔

ترجمہ: اگر کسی نے قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہ پہنوں گا حالانکہ وہ اسی کو پہنے ہوئے تھا پھر اس کو اسی وقت اتار دیا تو حانث نہ ہوگا اور اسی طرح جب قسم کھائی کہ اس جانور پر سوار نہ ہوں گا حالانکہ وہ اسی پر سوار تھا پھر وہ اتر گیا فوراً تو حانث نہ ہوگا اور اگر کچھ دیر ٹھہر گیا تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح: ایک آدمی نے قسم کھائی کہ یہ کپڑا نہ پہنوں گا حالانکہ وہ پہنے ہوئے ہے تو اگر اسی وقت اتار دیا تو حانث نہیں ہوگا اور اگر تھوڑی دیر تک اپنے جسم پر رکھا پھر اتارا تو حانث ہو جائے گا اسی طرح جب قسم کھائی کہ اس سواری پر سوار نہ ہوں گا حالانکہ اسی پر سوار ہے تو اگر اسی وقت اتر گیا تو حانث نہ ہوگا اور اگر کچھ دیر سوار رہا تو حانث ہو جائے گا۔

دلیل: قسم کھانے کا دارومدار عرف وعادت پر ہے اور عرف میں قسم برقرار رکھنے کے لئے اتنی دیر تک کی مہلت

دی جاتی ہے جس میں وہ قسم کے مطابق کام کر سکے اور حانث ہونے سے بچ جائے لہٰذا قسم کھانے والے کو بری ہونے کا موقع دیا جائے گا۔

(۳۱/۲۵۵۶) وَمَنْ حَلَفَ لَایَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ وَهُوَ فِيهَا لَمْ يَحْنَثْ بِالْقُعُوْدِ حَتّٰى يَخْرُجَ ثُمَّ يَدْخُلَ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ داخل نہیں ہوگا اس گھر میں اور وہ اسی میں تھا تو حانث نہیں ہوگا بیٹھنے سے یہاں تک کہ نکل کر پھر داخل ہو۔

تشریح: اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا تو بیٹھنے اور تھوڑی دیر ٹھہرنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باہر آکے پھر اندر جائے اور یہاں باہر سے اندر داخل نہیں ہوا بلکہ اندر ہی بیٹھا رہا اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

(۳۲/۲۵۵۷) وَمَنْ حَلَفَ لَایَدْخُلُ دَارًا فَدَخَلَ دَارًا خَرَابًا لَمْ يَحْنَثْ.

لغت: خراباً: (م) باب سمع اجاڑ ہونا، الخَرابُ: ویران جگہ جمع اَخربة و خراب۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ داخل نہ ہوگا گھر میں پھر داخل ہو گیا ویرانے میں تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: کسی شخص نے یوں کہا کہ دار میں داخل نہ ہوں گا تو اس کے ویران ہونے کے بعد داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ دار میدان کا نام ہے اور اس میں عمارت کا ہونا وصف ہے اور وصف کا اعتبار غیر معین میں ہوتا ہے نہ کہ معین میں اور یہاں اس نے لفظ 'دار' نکرہ غیر معین استعمال کیا ہے اس لئے عمارت معتبر ہوگی اور ویران جگہ میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا۔

(۳۳/۲۵۵۸) وَمَنْ حَلَفَ لَایَدْخُلُ هٰذِهِ الدَّارَ فَدَخَلَهَا بَعْدَ مَا انْهَدَمَتْ وَصَارَتْ صَحْرَاءَ حَنِثَ.

لغت: انهدمت: فعل ماضی (م) انهدام عمارت کا ویران و شکستہ ہونا، صحراء جنگل و بیابان جمع صحاری۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ داخل نہ ہوگا اس گھر میں پھر داخل ہوا اس کے ٹوٹ پھوٹ جانے اور جنگل ہو جانے کے بعد تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح: کسی شخص نے اشارہ کر کے کہا کہ اس گھر میں داخل نہ ہوں گا، تو اشارہ کی وجہ سے دار معین ہے اور معین میں وصف غیر معتبر ہوتا ہے، لہٰذا گھر گرنے اور چہار دیواری ختم ہونے کے بعد داخل ہونے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ زمین تو وہی ہے۔

(۳۴/۲۵۵۹) وَمَنْ حَلَفَ لَايَدْخُلُ هٰذَا الْبَيْتَ فَدَخَلَ بَعْدَ مَا انْهَدَمَ لَمْ يَحْنَثْ.

ترجمہ: اگر قسم کھائی کہ داخل نہ ہوگا اس مکان میں پھر داخل ہوا اس کے گر جانے کے بعد تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: کسی نے یوں کہا: واللہ لاادخل هذا البیتِ، پھر اس کے گر جانے کے بعد داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ "بیت" اس کمرے کو کہتے ہیں جس میں رات گذاری جاسکے اور گر جانے کے بعد اس مین شب باشی نہیں ہوسکتی، اس لئے اس میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا۔

(۳۵/۲۵۶۰) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايُكَلِّمَ زَوْجَةَ فُلَانٍ فَطَلَّقَهَا فُلَانٌ ثُمَّ كَلَّمَهَا حَنِثَ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا فلاں کی بیوی سے پھر فلاں نے اس کو طلاق دے دی پھر اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح: کسی نے کہا فلاں کی بیوی سے بات نہ کروں گا فلاں نے اسے طلاق بائن دے دی پھر قسم کھانے والے نے اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اصل میں اس عورت سے ناراضگی کا اظہار مقصود ہے اور طلاق بائن دینے کے بعد اگر چہ فلاں کی زوجہ نہیں رہی مگر ذات تو وہی ہے۔

(۳۶/۲۵۶۱) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايُكَلِّمَ عَبْدَ فُلَانٍ اَوْ لَايَدْخُلَ دَارَ فُلَانٍ فَبَاعَ فُلَانٌ عَبْدَهٗ اَوْ دَارَهٗ ثُمَّ كَلَّمَ الْعَبْدَ اَوْ دَخَلَ الدَّارَ لَمْ يَحْنَثْ

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کے غلام سے بات نہیں کریگا یا فلاں کے گھر میں داخل نہیں ہوگا پھر فلاں نے اپنا غلام یا اپنا گھر بیچ دیا پھر اس نے غلام سے بات کی یا گھر میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: ایک شخص نے یوں کہا کہ فلاں کے غلام سے بات نہ کروں گا یا فلاں کے گھر میں داخل نہ ہوں گا فلاں نے اپنا غلام یا گھر بیچ دیا پھر غلام سے بات چیت کرلی یا گھر میں داخل ہوگیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ غلام سے گفتگو نہ کرنے کی قسم کھانا اس کے آقا کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اگر محض غلام سے ترک گفتگو کا ارادہ ہوتا تو آقا کی جانب نسبت کیوں کرتا جب اس نے آقا کی جانب نسبت کی تو پتہ چلا کہ اصل مقصود آقا ہی ہے چنانچہ جب آقا کی ملکیت زائل ہوگئی تو قسم کا انعقاد بھی نہ ہوگا، اسی طرح مکان سے نہ دوستی ہوتی ہے نہ دشمنی بلکہ مکان والے سے ہوتی ہے جب مکان والے کی ملکیت ہی ختم ہوگئی تو قسم بھی ختم ہو جائے گی، اس لئے اس گھر میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔ (الجوہرۃ النیرہ ۲/۲۹۸)

(۳۷/۲۵۶۲) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَّايُكَلِّمَ صَاحِبَ هٰذَا الطَّيْلَسَانِ فَبَاعَهٗ ثُمَّ كَلَّمَهٗ حَنِثَ وَكَذٰلِكَ اِذَا حَلَفَ اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ هٰذَا الشَّابَّ فَكَلَّمَهٗ بَعْدَ مَا صَارَ شَيْخًا حَنِثَ.

حل لغات: الطیلسان: جمع طَيَالِس، سبز رنگ کی چادر جس کو مشائخ وعلماء استعمال کرتے تھے اور یہ عجمیوں کا لباس ہے، شاب: جوان، جمع شَبَاب. شیخ: بوڑھا، جمع شیوخ.

ترجمہ: اگر قسم کھائے کہ بات نہ کروں گا اس چادر والے سے اس نے چادر بیچ دی پھر اس نے اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا، اسی طرح جب قسم کھالے کہ بات نہ کروں گا اس جوان سے پھر بات کی اس سے اس کے بوڑھا ہو جانے کے بعد تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح: چادر والے سے مراد اس کی ذات ہے اس لئے چادر بیچنے کے بعد اس سے بات کی تو حانث ہو جائے گا اسی طرح جوان سے مراد اس کی ذات ہے اس لئے بوڑھا ہونے کے بعد بات کی تو بھی حانث ہو جائے گا کیوں کہ ذات تو وہی ہے۔

(۲۵۶۳/۳۸) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَّا يَأْكُلَ لَحْمَ هٰذَا الْحَمْلِ فَصَارَ كَبْشًا فَاَكَلَهٗ حَنِثَ.

حل لغات: الحمل: پیٹ کا بچہ جمع احمال۔ الکبش: مینڈھا جب کہ دو سال کا ہو اور بقول بعض چار سال کا جمع کباش۔

ترجمہ: اور اگر قسم کھائے کہ نہیں کھائے گا اس حمل کا گوشت پھر وہ مینڈھا ہو گیا اور اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا۔

اشیاءِ خورد ونوش پر قسم کھانے کا بیان

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ اس حمل کا گوشت نہ کھاؤں گا وہ حمل پیدا ہو کر پورا مینڈھا ہو گیا اور اس نے اس کا گوشت کھایا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ اس کی قسم اسی کے ساتھ وابستہ تھی جس کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا۔

(۲۵۶۴/۳۹) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَّا يَأْكُلَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ فَهُوَ عَلٰى ثَمَرِهَا.

حل لغات: النخلة: کھجور کا درخت جمع نَخِيل. ثمر: پھل جمع اثمار۔

ترجمہ: اور اگر قسم کھالے کہ نہیں کھائے گا اس کھجور کے درخت سے تو قسم اس کے پھل پر ہوگی۔

تشریح: عام طور سے درخت بول کر اس کا پھل مراد لیتے ہیں اس لئے پھل کھانے سے حانث ہوگا درخت کھانے سے حانث نہ ہوگا اور اگر درخت پھل دار نہ ہو تو پھر اس درخت کو بیچ کر اس کی قیمت کھانے سے حانث ہو جائیگا۔

(۲۵۶۵/۴۰) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّا يَأْكُلَ مِنْ هٰذَا الْبُسْرِ فَصَارَ رُطَبًا فَاَكَلَهٗ لَمْ يَحْنَثْ.

حل لغات: البسر: گدری کھجور واحد بُسْرَة جمع بِسَار. رطب: پختہ تازہ کھجور واحد رُطَبَة جمع رِطَاب.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہیں کھائے گا یہ گدری کھجور وہ پک گئی پھر اس کو کھایا تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: قسم جب کسی چیز کے ساتھ متعلق ہوتی ہے تو اس چیز کے نام کے باقی رہنے کے ساتھ باقی رہتی ہے اور نام کے ختم ہونے سے قسم ختم ہو جاتی ہے مذکورہ مسئلہ میں اس نے یوں کہا ہے کہ گدری کھجور نہیں کھائے گا اور اب جب کہ وہ گدری سے پختہ ہوگئی ہے اب اس نے کھایا تو جس پر قسم کھائی تھی وہ نہیں پائی گئی اس لئے حانث نہ ہوگا۔

(۲۵٦٦/۴۱) وَاِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ بُسْرًا فَاَكَلَ رُطَبًا لَمْ يَحْنَثْ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھالے کہ نہ کھائے گا گدری کھجور پھر کھائی پختہ کھجور تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: حالف نے گدری کھجور نہ کھانے کی قسم کھائی اب صفت بدل کر پکی ہوگئی اس کے کھانے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ گدری نہ رہی۔

(۲۵٦٧/۴۲) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَايَأْكُلَ رُطَبًا فَاَكَلَ بُسْرًا مُذَنِّبًا حَنِثَ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

لغت: مذنبا: ذنب سے مشتق ہے گدری کھجور جو ایک طرف سے پکنی شروع ہوگئی ہو۔

ترجمہ: اگر قسم کھالے کہ نہ کھائے گا پختہ کھجور پھر کھائی وہ جو پک گئی دم کی جانب سے تو حانث ہو جائے گا امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: اولاً آپ یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ پوری پکی ہوئی کھجور کو رطب کہتے ہیں اور وہ کھجور جو دم کی جانب سے پکنی شروع ہوئی ہو اس کو مذنب کہتے ہیں اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ قسم کھائی پختہ کھجور نہ کھائے گا پھر مذنب کھالی تو چونکہ اس میں دم کی جانب سے پکنے کا اثر ہے اس لئے طرفین کے نزدیک حانث ہو جائے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک حانث نہ ہوگا کیونکہ رطب اور مذنب دونوں کی صفت میں فرق ہے اس لئے رطب کی قسم کھانے سے مذنب کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

(۲۵٦٨/۴۳) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَأْكُلَ لَحْمًا فَاَكَلَ لَحْمَ السَّمَكِ لَمْ يَحْنَثْ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا پھر کھائی مچھلی تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی شخص نے قسم کھائی، واللہ لا آکل لحما، میں گوشت نہیں کھاؤں گا تو یہ قسم مچھلی کے گوشت کو شامل نہ ہوگی بشرطیکہ حالف نے کوئی نیت نہ کی ہو چنانچہ اگر اس نے مچھلی کے گوشت کی بھی نیت کی ہو تو یہ قسم مچھلی کے گوشت کو بھی شامل ہوگی۔

دلیل: مچھلی کا گوشت بیچنے والے کو عرف میں بائع اللحم نہیں کہا جاتا ہے، اور قسموں کا دار و مدار عرف پر ہے لہذا

عرف کا اعتبار کرتے ہوئے حالف مچھلی کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

(۲۵۶۹/۴۴) وَلَوْ حَلَفَ اَنْ لَّا يَشْرَبَ مِنْ دِجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِاِنَاءٍ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَكْرَعَ مِنْهَا كَرْعًا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

حل لغات: دجلة: عراق کا مشہور دریا لفظ کے لحاظ سے مؤنث ہے اور نہر کی تاویل سے مذکر اور کبھی اس پر الف لام بھی داخل ہوتا ہے۔ یکرع: فعل مضارع باب (س) کرعا منھ لگا کر پانی پینا۔

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی کہ نہ پئے گا دجلہ نہر سے پھر پیا اس سے برتن میں لے کر تو حانث نہ ہوگا یہاں تک پئے منہ ڈال کر امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ دریائے دجلہ سے نہ پیوں گا تو دریائے دجلہ سے منہ لگا کر پانی پینا اس کلام کی حقیقت ہے اور دریا سے منہ لگا کر پینا مستعمل اور مروج بھی ہے جیسا کہ صحراء نشیں اور چرواہوں کی عادت ہے کہ وہ دریا سے منہ لگا کر پانی پی لیتے ہیں اور برتن یا چلو میں پانی لینے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور اس کلام کے مجازی معنی یہ ہیں کہ حالف چلو یا برتن میں لے کر دریائے دجلہ کا پانی نہیں پئے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مجاز پر عمل کرنے کی بہ نسبت حقیقت پر عمل کرنا چونکہ زیادہ مناسب ہے اس لئے اس صورت میں ان کے نزدیک اگر حالف دریائے دجلہ سے منہ لگا کر پانی پئے گا تو حانث ہوگا اور اگر چلو یا برتن میں لے کر پئے گا تو حانث نہ ہوگا اور صاحبین کی ایک روایت کے مطابق چلو یا برتن میں لے کر پینے سے حانث ہو جائے گا اور دریا سے منہ لگا کر پینے کی صورت میں حانث نہ ہوگا اور دوسری روایت کے مطابق اگر چلو یا برتن میں لے کر پئے گا تو بھی حانث ہو جائے گا اور منھ لگا کر پئے گا تو بھی حانث ہو جائے گا۔ (مستفاد نور الانوار)

(۲۵۷۰/۴۵) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّا يَشْرَبَ مِنْ مَاءِ دِجْلَةَ فَشَرِبَ مِنْهَا بِاِنَاءٍ حَنِثَ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ پئے گا دجلہ نہر کا پانی پھر اس سے پیا برتن میں لے کر تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح: جب کہا کہ دجلہ کا پانی نہیں پئے گا تو منہ لگا کر پانی پیئے یا برتن میں لے کر پیئے دونوں صورتوں میں بالاتفاق حانث ہو جائیگا کیونکہ حالف کی مراد یہ ہے کہ وہ پانی جو دجلہ کی طرف منسوب ہے نہیں پیوں گا۔

(۲۵۷۱/۴۶) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّا يَاْكُلَ مِنْ هٰذِهِ الْحِنْطَةِ فَاَكَلَ مِنْ خُبْزِهَا لَمْ يَحْنَثْ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ کھاؤں گا یہ گیہوں پھر کھائی اس کی روٹی تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ میں یہ گیہوں نہ کھاؤں گا، تو اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ حالف عین گندم کھائے اور عین گندم کھایا بھی جاتا ہے یعنی اس حقیقت پر لوگوں کا عمل بھی موجود ہے چنانچہ لوگ عین گندم کو ابال کر، بھون

کر چبا کر کھاتے ہیں اور اس کلام کا مجاز گندم کی روٹی ہے اور اس مجاز پر لوگوں کا عمل بھی ہے یعنی عام طور پر لوگ گندم کی روٹی کھاتے ہیں اور عین گندم کو چبا کر کھانا روٹی کھانے کے مقابلہ میں کم ہے چونکہ امام صاحب کے نزدیک حقیقت مستعملہ اولیٰ ہے مجاز کے مقابلہ میں اس لئے اگر حالف نے عین گندم کھالیا تو امام صاحب کے نزدیک حالف حانث ہوجائے گا اور صاحبین کے نزدیک ایک روایت کے مطابق گندم کی روٹی کھانے سے حانث ہوجائے گا اور دوسری روایت کے مطابق عین گندم کھانے سے بھی حانث ہوجائے گا مزید تفصیل کے لئے دیکھئے نور الانوار۔

(۲۵۷۲/۴۷) وَلَوْ حَلَفَ اَنْ لَا يَأكُلَ مِنْ هٰذَا الدَّقِيْقِ فَأَكَلَ مِنْ خُبْزِهٖ حَنِثَ وَلَوِ اسْتَفَّهٗ كَمَا هُوَ لَمْ يَحْنَثْ.

حل لغات: الدقيق: آٹا جمع اَدِقَّة مؤنث دَقِيْقَة. استَفَّ: ماضی سفًا پھانکنا۔

ترجمہ: اگر قسم کھائی کہ نہ کھاؤں گا یہ آٹا پھر کھائی اس کی روٹی تو حانث ہوجائے گا اور اگر اس کو یوں ہی پھانک لیا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ یہ آٹا نہ کھاؤں گا پھر اس نے اس آٹے کی بنی ہوئی روٹی کھائی تو حانث ہوجائے گا اور اگر آٹا ویسے ہی پھانک لیا تو حانث نہ ہوگا یہی صحیح ہے، کیونکہ عام طور پر لوگ آٹا نہیں پھانکتے بلکہ آٹے کی روٹی بنا کر کھاتے ہیں اور جس چیز کی حقیقت مستعمل نہ ہو مجاز مستعمل ہو تو قسم بالاتفاق اس مجاز کو شامل ہوتی ہے اور آٹا اسی قبیل سے ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۳۰۱)

(۲۵۷۳/۴۸) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَّا يَتَكَلَّمَ فُلَانًا فَكَلَّمَهٗ وَهُوَ بِحَيْثُ يَسْمَعُ اِلَّا اَنَّهٗ نَائِمٌ حَنِثَ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھالے کہ بات نہ کرے گا فلاں سے پھر بات کی اس سے اتنی آواز سے کہ وہ سن لیتا مگر وہ سویا ہوا تھا تو حانث ہوجائے گا۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص سے بات نہ کروں گا پھر اس نے اتنی زور سے بات کی کہ اگر وہ جاگتا ہوا ہوتا تو سن لیتا مگر وہ سویا ہوا تھا تو وہ حانث ہوجائے گا کیونکہ اس کی جانب سے گفتگو کرنا اور الفاظ کا کانوں تک پہنچانا پایا گیا یہ الگ بات ہے کہ نیند کی وجہ سے وہ اس کو سمجھ نہ سکا، یہ صاحب کتاب کا پسندیدہ مذہب ہے مگر صحیح روایت مبسوط کی ہے کہ حانث اس وقت ہوگا جب اس کو بیدار کرے مشائخ اسی پر ہیں تحفہ میں اسی کی تصحیح ہے اور اس کی طرف علامہ عینی کا میلان ہے۔ (رقم الحاشیہ ۷)

(۲۵۷۴/۴۹) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَّا يُكَلِّمَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ لَهٗ وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْاِذْنِ حَتّٰى كَلَّمَهٗ حَنِثَ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھالے کہ اس سے بات نہ کرے گا اس کی بلا اجازت اس نے اجازت دے دی مگر اس کو

اجازت کی خبر نہ ہوئی اور اس نے بات کر لی تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح: قسم کھائی کہ فلاں سے بغیر اس کی اجازت کے بات نہیں کروں گا فلاں آدمی نے بات کرنے کی اجازت دے دی مگر قسم کھانے والے کو اس اجازت کی اطلاع نہیں تھی اسی دوران اس سے بات کر لی تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ قسم کھانے والے کو اجازت کا پختہ علم نہیں ہوا اس لئے بات کرنے پر حانث ہو جائے گا۔

(۵۰/۲۵۷۵) وَاِذَا اسْتَحْلَفَ الْوَالِیْ رَجُلاً لِیُعْلِمَهٗ بِکُلِّ دَاعِرٍ دَخَلَ الْبَلَدَ فَهُوَ عَلٰی حَالِ وَلَایَتِهٖ خَاصَّةً.

حل لغت: دَاعِرٌ: اسم فاعل باب (ف) شریر، خبیث، جمع دُعَّار مؤنث دَاعِرَةٌ.

ترجمہ: اور جب قسم لی حاکم نے کسی سے کہ مجھے خبر دینا ہر اس شریر کی جو شہر میں داخل ہو تو یہ قسم خاص اس حاکم کی ولایت تک ہوگی۔

تشریح: کسی شہر کے حاکم نے کسی سے قسم لی کہ جو بھی شریر شہر میں داخل ہو اس کی مجھے اطلاع کر دینا تو یہ قسم اگرچہ مطلق ہے لیکن اس حاکم کی حکومت باقی رہنے تک محدود ہوگی جب حاکم اپنے عہدہ سے برخاست ہو جائے اب اس کو شریر کی اطلاع دینا ضروری نہیں ہے اور اس کو اطلاع نہ دینے سے قسم کھانے والا حانث نہیں ہوگا کیونکہ یہاں قسم لینے سے حاکم کا مقصد مفسدین کے فساد کو دور کرنا ہے اور زوال حکومت کے بعد دفع فساد ممکن نہیں، لہٰذا قسم حاکمیت کی صفت کے ساتھ خاص ہوگی۔

(۵۱/۲۵۷۶) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّایَرْکَبَ دَابَّةَ فُلَانٍ فَرَکِبَ دَابَّةَ عَبْدِهِ الْمَاذُوْنِ لَمْ یَحْنَثْ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ سوار نہ ہوگا فلاں کی سواری پر پھر سوار ہوا اس کے اجازت دیئے ہوئے غلام کی سواری پر تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کی سواری پر سوار نہ ہوں گا پھر اس کے ماذون غلام کی سواری پر سوار ہوا تو شیخین کے نزدیک حانث نہ ہوگا، امام محمد فرماتے ہیں کہ حانث ہو جائے گا اس اختلاف کا دارومدار اس پر ہے کہ جس غلام کو تجارت کی اجازت دے رکھی ہے اس کی سواری آقا کی سواری ہے یا نہیں! شیخین فرماتے ہیں کہ اس کو محاورے میں آقا کی سواری نہیں کہتے بلکہ عبد ماذون کی سواری کہتے ہیں، امام محمد فرماتے ہیں کہ عبد ماذون کی سواری درحقیقت اس کے آقا کی ہی ہے اگرچہ غلام کی جانب منسوب کر دی گئی اس لئے غلام اور جو کچھ غلام کے قبضہ میں ہو وہ سب آقا کا ہے۔

(۵۲/۲۵۷۷) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّایَدْخُلَ هٰذِهِ الدَّارَ فَوَقَفَ عَلٰی سَطْحِهَا اَوْ دَخَلَ دِهْلِیْزَهَا حَنِثَ وَاِنْ وَقَفَ فِیْ طَاقِ الْبَابِ بِحَیْثُ اِذَا اُغْلِقَ الْبَابُ کَانَ خَارِجًا لَمْ یَحْنَثْ.

حل لغات: سطح: چھت جمع سُطُوْح: دهلیز: جمع دهالیز مکان میں داخل ہونے کا کمرہ، صدر دروازہ کے سامنے کا کمرہ۔ طاق: محراب دارڈاٹ جو دیوار میں بنادیتے ہیں۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ داخل نہ ہوگا اس گھر میں پھر کھڑا ہوا اس کی چھت پر یا داخل ہوا دہلیز میں تو حانث ہوجائے گا اور اگر کھڑا ہوا دروازہ کی محراب میں اس طرح کہ اگر بند کیا جائے دروازہ تو وہ باہر رہے تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس گھر کی چھت پر کھڑا ہوگیا تو متقدمین فقہاء کے نزدیک حانث ہوجائے گا کیونکہ چھت بھی گھر کے حکم میں ہے، لیکن متاخرین کے یہاں حانث نہ ہوگا، اسی طرح مکان کی جو دہلیز ہے اس میں داخل ہوگیا تو چونکہ یہ بھی گھر میں داخل سمجھی جاتی ہے اس لئے حانث ہوجائے گا اور اگر دروازہ کی محراب میں اس طرح سے کھڑا ہوا کہ اگر دروازہ بند کردیا جائے تو وہ باہر رہ جائے تو اس صورت میں حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ گھر میں داخل نہیں ہوا بلکہ گھر سے باہر رہا۔

(۲۵۷۸/۵۳) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَاْكُلَ الشِّوَاءَ فَهُوَ عَلَى اللَّحْمِ دُوْنَ الْبَاذِنْجَان وَالْجَزَرِ.

حل لغات: الشِّوَاءُ: بھنا ہوا گوشت وغیرہ، اَلْبَاذِنْجَانُ: بینگن، الْجَزَرُ: گاجر۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ کھائے گا بھنا ہوا تو یہ گوشت پر محمول ہوگی نہ کہ بینگن اور گاجر پر۔

تشریح: بھنا ہوا جب بولتے ہیں تو بھنا ہوا گوشت مراد لیتے ہیں بھنے ہوئے بینگن یا گاجر مراد نہیں لیتے اس لئے بھنا ہوا گوشت کھانے سے حانث ہوگا بھنے ہوئے بینگن یا گاجر کے کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔

(۲۵۷۹/۵۴) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَاْكُلَ الطَّبِيْخَ فَهُوَ عَلٰى مَا يُطْبَخُ مِنَ اللَّحْمِ.

حل لغات: الطَّبِيْخُ: طبخ سے مشتق ہے پکا ہوا گوشت۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ کھائے گا پکا ہوا تو یہ قسم اس پر ہوگی جو پکایا جائے گوشت سے۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ پکا ہوا نہیں کھائے گا تو پکے ہوئے گوشت کے کھانے سے حانث ہوگا کسی دوسری چیز کے پکے ہوئے سالن سے حانث نہیں ہوگا۔

(۲۵۸۰/۵۵) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَاْكُلَ الرُّؤُسَ فَيَمِيْنُهٗ عَلٰى مَا يُكْبَسُ فِي التَّنَانِيْرِ وَيُبَاعُ فِي الْمِصْرِ.

حل لغات: رؤس. رأس کی جمع سری۔ یکبس: باب (ض) مصدر کَبْسًا داخل کرنا۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ کھائے گا سریاں تو یہ قسم ان پر ہوگی جو تنور میں پکتی ہوں اور بکتی ہوں شہر میں۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ میں سری نہ کھاؤں گا تو امام صاحب کے نزدیک یہ قسم ان سریوں پر محمول ہوگی

جو تنور میں پکتی اور شہر میں بکتی ہوں مثلاً گائے اور بکری کے سر مرغی اور بطخ کے سر مراد نہ ہوں گے۔

(۲۵۸۱/۵۶) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَاكُلَ الْخُبْزَ فَيَمِيْنُهٗ عَلٰى مَا يَعْتَادُ اَهْلُ الْبَلَدِ اَكْلَهٗ خُبْزاً فَاِنْ اَكَلَ خُبْزَ الْقَطَائِفِ اَوْ خُبْزَ الْاَرُزِّ بِالْعِرَاقِ لَمْ يَحْنَثْ.

حل لغات: یعتاد: فعل مضارع مصدر اِعتیاداً عادی ہونا۔ القطائف: بادام کا حلوا۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ کھائے گا روٹی تو قسم اس پر ہوگی جس کی روٹی کھانے کے عادی ہوں شہر والے پھر اگر کھالے بادام کی روٹی یا چاول کی روٹی عراق میں تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس علاقہ کے لوگ کس چیز کے آٹے کی روٹی کھاتے ہیں، گیہوں کی یا چاول کی جوار کی باجرہ کی یا مکئی کی، جس کی بھی کھاتے ہیں اسی کی روٹی کھانے سے حانث ہوگا چنانچہ اگر اس نے بادام کی روٹی کھائی تو چونکہ بادام کی روٹی کھانے کا رواج نہیں ہے، اس لئے اس کے کھانے سے حانث نہ ہوگا، اسی طرح عراق میں لوگ چاول کی روٹی نہیں کھاتے اس لئے وہ بھی مراد نہ ہوگی بلکہ گیہوں کی روٹی مراد ہوگی اور اسی کے کھانے سے حانث ہوگا۔

(۲۵۸۲/۵۷) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَبِيْعَ اَوْ لَايَشْتَرِىْ اَوْلَا يُوَاجِرَ فَوَكَّلَ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ لَمْ يَحْنَثْ.

لغت: يُوَاجِرُ: فعل مضارع معروف آجرَ مُواجرَةً. الرجل: مزدور بنانا۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ بیچے گا یا نہ خریدے گا یا نہ کرایہ پر دے گا پھر کسی کو وکیل بنایا جس نے یہ سب کیا تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: اس عبارت کو سمجھنے کے لئے آپ اولاً یہ قاعدہ سمجھیں کہ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرے اور اس کا منسوب کرنا صحیح ہو مثلاً وکیل کہتا ہے کہ میں بیع کرتا ہوں یا میں خریدتا ہوں یا میں اجارہ کرتا ہوں تو ان میں عقود کے تمام حقوق خود وکیل سے متعلق ہوتے ہیں مؤکل سے متعلق نہیں ہوتے اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں بیع نہ کروں گا اب اس کے وکیل نے بیع کی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ فعل کا وجود وکیل سے ہوا ہے حقیقۃً بھی اور حکماً بھی۔

(۲۵۸۳/۵۸) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَجْلِسَ عَلَى الْاَرْضِ فَجَلَسَ عَلٰى بِسَاطٍ اَوْ عَلٰى حَصِيْرٍ لَمْ يَحْنَثْ.

حل لغات: بساط: بچھونا، جمع بُسُط. حصیر: بوریا، چٹائی، جمع حُصُرٌ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ بیٹھے گا زمین پر پھر بیٹھا بستر یا چٹائی پر تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: قسم کھانے والے کا مطلب یہ ہے کہ خالی زمین پر نہیں بیٹھوں گا اب جب کہ وہ زمین پر بستر بچھا کر یا چٹائی بچھا کر بیٹھا تو خالی زمین پر بیٹھنے والا نہیں سمجھا جائے گا اس لئے حانث نہیں ہوگا۔

(۲۵۸۴/۵۹) وَمَنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَجْلِسَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَجَلَسَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَوْقَهٗ بِسَاطٌ حَنِثَ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ بیٹھے گا چارپائی پر پھر بیٹھا اس چارپائی پر جس پر بچھونا تھا تو حانث ہو جائیگا۔

تشریح: اگر قسم کھائی کہ چارپائی پر نہیں بیٹھے گا پھر چارپائی پر بستر بچھا کر اس پر بیٹھ گیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ بستر چارپائی کے تابع ہوتا ہے اس لئے بستر پر بیٹھنا چارپائی پر بیٹھنا سمجھا جائے گا۔

(۲۵۸۵/۶۰) وَاِنْ جَعَلَ فَوْقَهٗ سَرِيْرًا آخَرَ فَجَلَسَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ.

ترجمہ: اور اگر چارپائی پر دوسری چارپائی رکھی اور اس پر بیٹھا تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی تھی کہ اس چارپائی پر نہ بیٹھوں گا پھر اس پر دوسری چارپائی رکھی اور دوسری پر بیٹھ گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ جس پر نہ بیٹھنے کی قسم کھائی تھی اس پر نہیں بیٹھا بلکہ دوسری پر بیٹھا۔

(۲۵۸۶/۶۱) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَّايَنَامَ عَلٰى فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَيْهِ وَفَوْقَهٗ قِرَامٌ حَنِثَ وَاِنْ جَعَلَ فَوْقَهٗ فِرَاشًا آخَرَ فَنَامَ عَلَيْهِ لَمْ يَحْنَثْ.

لغت: قرام: سرخ پردہ یا باریک کپڑا۔

ترجمہ: اگر قسم کھائی کہ نہ سوئے گا بچھونے پر پھر سویا اس پر درانحالیکہ اس پر چادر تھی تو حانث ہو جائے گا اور اگر ڈالا اس پر دوسرا بچھونا پھر اس پر سویا تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ بچھونے پر نہیں سوئے گا اور اس پر کوئی پتلی چادر ڈال کر اس پر سو گیا تو حانث ہو جائے گا کیونکہ عرف عام میں بچھونے پر سونے والا ہی سمجھا جائے گا اور اگر اس بچھونے پر دوسرا بچھونا ڈال دیا اور پھر اس پر سویا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ دوسرا پہلے کے تابع نہ ہوگا۔

(۲۵۸۷/۶۲) وَمَنْ حَلَفَ بِيَمِيْنٍ وَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مُتَّصِلًا بِيَمِيْنِهٖ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی اور ان شاء اللہ کہہ دیا متصلاً اپنی قسم کے ساتھ تو حانث نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر قسم کے بعد متصلاً ان شاء اللہ کہہ دیا تو قسم باطل ہو جاتی ہے، اب اس کے کرنے سے حانث نہیں ہوگا اور اگر کچھ دیر کے بعد ان شاء اللہ کہا تو قسم منعقد ہو جائے گی۔

(۲۵۸۸/۶۳) وَاِنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنَّهٗ اِنِ اسْتَطَاعَ فَهٰذَا عَلٰى اِسْتِطَاعَةِ الصِّحَّةِ دُوْنَ الْقُدْرَةِ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی کہ میں ضرور آؤں گا اس کے پاس اگر ہوسکا تو یہ قسم تندرست رہنے پر ہوگی نہ کہ قدرت پر۔

وقت اور زمانہ پر قسم کھانے کا بیان

تشریح: قدرت دو طرح کی ہوتی ہے (۱) قدرت حقیقیہ (۲) اسباب وآلات کا سالم ہونا اور اعضاء کا صحیح ہونا قدرت حقیقیہ سے مراد اللہ کی توفیق ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو مکلف کرنے کا دارو مدار قدرت حقیقیہ پر نہیں ہوتا بلکہ قدرت بمعنی سلامت اسباب پر ہوتا ہے۔ (۳) متن کی عبارت میں استطاعت صحت سے مراد قدرت کی دوسری قسم ہے اور 'قدرت' سے مراد قدرت حقیقیہ ہے، جب یہ تمہید ذہن نشین ہوگئی تو اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے یوں قسم کھائی کہ اگر مجھ سے ہوسکا تو میں ضرور آؤں گا تو اس سے قدرت کی دوسری قسم یعنی صحت وتندرستی مراد ہوگی قدرت حقیقیہ مراد نہیں ہوگی چنانچہ تندرستی کے باوجود اگر نہ گیا تو حانث ہوجائے گا۔

(۲۵۸۹/۶۴) وَاِنْ حَلَفَ اَنْ لَّايُكَلِّمَهٗ حِيْنًا اَوْ زَمَانًا اَوِ الْحِيْنَ اَوِ الزَّمَانَ فَهُوَ عَلٰى سِتَّةِ اَشْهُرٍ.

ترجمہ: اگر قسم کھائی کہ اس سے بات نہ کرے گا ایک زمانہ تک تو یہ چھ ماہ پر محمول ہوگی۔

تشریح: "حین' اور 'زمان' نکرہ کے ساتھ یا 'الحین' اور 'الزمان' معرفہ کے ساتھ چاروں کا اطلاق چھ ماہ پر ہوگا چنانچہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے ایک حین تک بات نہ کرے گا تو چھ ماہ کے اندر اندر بات کرے گا تو حانث ہوجائے گا اور اس کے بعد بات کرے گا تو حانث نہ ہوگا۔

(۲۵۹۰/۶۵) وَكَذٰلِكَ الدَّهْرُ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور ایسے ہی لفظ الدہر ہے صاحبینؒ کے نزدیک۔

تشریح: صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ ایک دہر تک فلاں سے بات نہیں کروں گا تو اس کا اطلاق چھ ماہ پر ہوگا یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کہ دہر نکرہ استعمال کیا اور اگر معرفہ استعمال کیا تو پھر پوری عمر پر قسم محمول ہوگی۔

(۲۵۹۱/۶۶) وَلَوْ حَلَفَ اَنْ لَّايُكَلِّمَ اَيَّامًا فَهُوَ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی کہ اس سے بات نہ کرے گا کچھ دنوں تک تو یہ تین دن پر ہوگی۔

تشریح: ایام، یوم کی جمع ہے اور عربی میں جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے لہٰذا اگر ایام نکرہ استعمال کیا تو مطلب یہ ہے کہ تین دن تک بات نہیں کرے گا اگر تین دن کے اندر اندر بات کی تو حانث ہوگا ورنہ نہیں۔

(۲۵۹۲/۶۷) وَلَوْ حَلَفَ اَنْ لَّایُکَلِّمَہُ الْاَیَّامَ فَھُوَ عَلٰی عَشَرَۃِ اَیَّامٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی ھُوَ عَلٰی اَیَّامِ الْاُسْبُوْعِ.

ترجمہ: اور اگر قسم میں الایام، کہا تو یہ دس دن پر محمول ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ ہفتہ کے دنوں پر۔

تشریح: اگر قسم کھانے والے نے ایام معرفہ استعمال کیا تو امام صاحب کے نزدیک دس دن پر محمول ہوگا کیونکہ گنتی میں 'ایام' دس تک استعمال کرتے ہیں کہا جاتا ہے ثلثۃ ایام، عشرۃ ایام اور دس کے بعد ایام کے بجائے یوم آتا ہے کہتے ہیں احد عشر یوما اس لئے بغیر عدد، الایام، بولا تو دس تک مراد ہوگا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے سات دن مراد ہوں گے کیونکہ سات دن تک گنتی چلتی ہے اور آٹھویں دن دوبارہ جمعہ آجاتا ہے اور لوگوں کا ذہن اسی طرف جاتا ہے اس لئے ہفتہ کے سات دن مراد ہوں گے۔

(۲۵۹۳/۶۸) وَلَوْحَلَفَ اَنْ لَّایُکَلِّمَہُ الشُّھُوْرَ فَھُوَ عَلٰی عَشَرَۃِ اَشْھُرٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی ھُوَ عَلٰی اثْنَیْ عَشَرَ شَھْرًا.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی کہ اس سے بات نہیں کرے گا مہینوں تو یہ دس ماہ پر محمول ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبین نے کہ بارہ مہینوں پر محمول ہوگی۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ زید سے مہینوں بات نہیں کرے گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ دس مہینے تک بات نہیں کرے گا اگر اس سے پہلے بات کرلی تو حانث ہوجائے گا، اور دس ماہ کے بعد بات کی تو حانث نہیں ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک سال کے بارہ مہینے مراد ہوں گے۔

(۲۵۹۴/۶۹) وَلَوْ حَلَفَ لَایَفْعَلُ کَذَا تَرَکَہٗ اَبَدًا.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی کہ ایسا نہیں کرے گا تو چھوڑ دے اسے ہمیشہ کے لئے۔

تشریح: جب قسم کھائی کہ فلاں کام نہیں کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں کبھی بھی نہ کرے گا اس لئے ہمیشہ کے لئے چھوڑنا ہوگا اگر ایک بار بھی کرلیا تو حانث ہوجائے گا۔

(۲۵۹۵/۷۰) وَاِنْ حَلَفَ لَیَفْعَلَنَّ کَذَا فَفَعَلَہٗ مَرَّۃً وَاحِدَۃً بَرَّ فِیْ یَمِیْنِہٖ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی کہ ضرور بالضرور کرے گا ایسا پھر اس کو ایک بار کرلیا تو اس کی قسم پوری ہوجائے گی۔

تشریح: قسم کھائی کہ اس کام کو ضرور کرے گا تو زندگی میں ایک مرتبہ کرلیا تو قسم پوری ہوگئی کیونکہ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ وہ فلاں کام ضرور کریگا اور اس نے کرلیا تو کلام کا مقصود پایا گیا لہٰذا ایک بار کرلینے سے قسم پوری ہوجائیگی۔

(۲۵۹۶/۷۱) وَمَنْ حَلَفَ لَاتَخْرُجُ اِمْرَأَتُهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَاَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ وَرَجَعَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ مَرَّةً اُخْرٰى بِغَيْرِ اِذْنِهٖ حَنِثَ وَلَا بُدَّ مِنَ الْاِذْنِ فِيْ كُلِّ خُرُوْجٍ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہیں نکلے گی اس کی بیوی مگر اس کی اجازت سے پھر اجازت دی اس کو ایک مرتبہ پھر وہ نکلی، اور واپس آگئی پھر نکلی دوسری مرتبہ بغیر اس کی اجازت کے تو حانث ہوجائے گا اور ضروری ہے اجازت ہر مرتبہ نکلنے میں۔

تشریح: کسی نے بیوی سے کہا کہ تو نہیں نکلے گی مگر میری اجازت سے تو ہر بار نکلنے کے لئے اجازت ضروری ہوگی کیونکہ "باذنہ" میں حرف "با" الصاق کے لئے ہے، لہٰذا اس کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر مرتبہ کا نکلنا میری اجازت کے ساتھ ملصق ہو اور اس کے علاوہ ہر خروج حرام ہوگا، چنانچہ وہ عورت جب بھی شوہر کی اجازت کے بغیر نکلے گی تو شوہر کی قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم ہوگا۔

(۲۵۹۷/۷۲) وَاِنْ قَالَ اِلَّا اَنْ آذَنَ لَكِ فَاَذِنَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَهَا بِغَيْرِ اِذْنِهٖ لَمْ يَحْنَثْ.

ترجمہ: اور اگر کہا مگر یہ کہ میں تجھے اجازت دوں پھر اجازت دی اس کو ایک بار اور وہ نکل گئی اس کے بعد بغیر اس کی اجازت کے تو حانث نہ ہوگا۔

تشریح: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تو نہیں نکل سکتی مگر یہ کہ میں تجھ کو اجازت دوں تو اس صورت میں ہر خروج کے لئے تکرار اذن شرط نہیں ہے بلکہ حانث نہ ہونے کے لئے ایک مرتبہ اجازت کا پایا جانا کافی ہے، یعنی اگر عورت ایک بار اجازت لے کر نکلی اور پھر اس کے بعد بغیر اجازت کے نکلی تو شوہر حانث نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں "با" جس کی وجہ سے ہر خروج کا اذن کے ساتھ ملصق اور متصل ہونا لازم آتا تھا، موجود نہیں ہے۔

(۲۵۹۸/۷۳) وَاِذَا حَلَفَ اَنْ لَّايَتَغَدّٰى فَالْغَدَاءُ هُوَ الْاَكْلُ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلَى الظُّهْرِ وَالْعَشَاءُ مِنْ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ وَالسَّحُوْرُ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ اِلٰى طُلُوْعِ الْفَجْرِ.

حل لغات: یتغدی: صبح کا کھانا کھایا۔ الغداء: صبح کے وقت کا کھانا۔ العشاء: شام کا کھانا، جمع اغشِیَة. السَّحُور: سحری، وہ کھانا جو صبح صادق سے کچھ پہلے کھایا جائے۔

ترجمہ: اور جب قسم کھائی کہ ناشتہ نہیں کرے گا تو ناشتہ وہ کھانا ہے طلوع فجر سے ظہر تک اور عشاء نماز ظہر سے

آدھی رات تک اور سحری آدھی رات سے طلوع فجر تک۔

تشریح: کوئی آدمی قسم کھائے کہ ناشتہ نہیں کروں گا تو کس وقت سے کس وقت تک کھانے میں حانث ہوگا اس کی تفصیل صاحب کتاب کے بقول اس طرح ہے کہ 'غدا' یعنی ناشتہ طلوع فجر سے ظہر کے وقت تک کے کھانے کو کہتے ہیں، اور عشاء یعنی رات کا کھانا ظہر سے لے کر آدھی رات تک کے کھانے کو کہتے ہیں اور سحری آدھی رات سے لے کر طلوع فجر تک کے کھانے کو کہتے ہیں اس درمیان کھائے گا تو حانث ہوگا۔

(۲۵۹۹/۷۴) وَاِنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ دَيْنَهٗ اِلٰی قَرِيْبٍ فَهُوَ عَلٰی مَا دُوْنَ الشَّهْرِ وَاِنْ قَالَ اِلٰی بَعِيْدٍ فَهُوَ اَكْثَرُ مِنَ الشَّهْرِ.

ترجمہ: اور اگر قسم کھائی کہ ضرور بالضرور ادا کردے گا اس کا قرض عنقریب تو یہ ایک ماہ سے کم پر ہوگی اور اگر کہا کچھ دیر میں تو یہ ایک ماہ سے زائد پر ہوگی۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ قرض قریبی زمانہ میں ادا کروں گا تو ایک ماہ کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا اور اگر کہا کہ دیر میں ادا کروں گا تو ایک ماہ یا ایک ماہ کے بعد ادا کرے تب بھی حانث نہیں ہوگا۔

(۲۶۰۰/۷۵) وَمَنْ حَلَفَ لَايَسْكُنُ هٰذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ مِنْهَا بِنَفْسِهٖ وَتَرَكَ فِيْهَا اَهْلَهٗ وَمَتَاعَهٗ حَنِثَ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہیں رہیگا اس گھر میں پھر نکل گیا وہاں سے خود اور چھوڑ دیا اس میں اپنے بال بچوں اور سامان کو تو حانث ہو جائیگا۔

تشریح: ایک شخص نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہ رہوں گا چنانچہ وہ وہاں سے نکل گیا لیکن بال بچے اور گھریلو سامان سب وہیں چھوڑ دیا تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ عرف میں رہائش اسی جگہ کی سمجھی جاتی ہے جہاں بال بچے ہوں، اگر حالف حانث ہونا نہیں چاہتا تو پھر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پورا سامان منتقل کرنا ضروری ہے، اگر ایک کیل بھی وہاں رہ گئی تو حانث ہو جائے گا، امام ابو یوسف کے نزدیک اکثر سامان منتقل کر لینا کافی ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ گھریلو ضروری سامان منتقل کر لینا کافی ہے، اسی قول میں لوگوں کے لئے آسانی ہے اور اسی قول پر فتوی ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ ۲/۳۰۸)

(۲۶۰۱/۷۶) وَمَنْ حَلَفَ لَيَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ اَوْ لَيَقْلِبَنَّ هٰذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا اِنْعَقَدَتْ يَمِيْنُهٗ وَحَنِثَ عَقِيْبَهَا.

لغات: لیصعدن: لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ معروف، صَعِدَ صُعُوْدًا چڑھنا۔ لیقلبن: قَلَّبَ قلباً الشیئ پلٹ دینا اوپر کا نیچے کر دینا۔ عقیب: پیچھے آنے والا کہا جاتا ہے، هُوَ عقیبُه وہ اس کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ ضرور بالضرور چڑھے گا آسمان پر یا ضرور بالضرور بنادے گا اس پتھر کو سونا تو اس کی قسم منعقد ہو جائے گی اور وہ حانث ہو جائے گا قسم کے بعد۔

تشریح: آسمان پر چڑھنا ممکن تو ہے کیونکہ فرشتے روزآنہ آسمان پر چڑھتے ہیں اور شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی سیر کر کے واپس تشریف لائے اسی طرح پتھر کو سونا بنانا کیمکل کے ذریعہ ممکن ہے لہٰذا قسم منعقد ہوگئی لیکن فی الحال اسباب ووسائل نہ ہونے کی وجہ سے ہمت وقدرت نہ ہونے کی وجہ سے عاجز ہونا ظاہر ہوگیا اس لئے قسم کے بعد فوراً حانث ہو جائے گا اور کفارہ ادا کرنا ہوگا۔

(۲۶۰۲/۷۷) وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ فُلَانًا دَيْنَهُ الْيَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فُلَانٌ بَعْضَهَا زُيُوفًا اَوْ نَبْهَرَجَةً اَوْ مُسْتَحَقَّةً لَمْ يَحْنَثِ الْحَالِفُ وَاِنْ وَجَدَ هَا رَصَاصًا اَوْ سَتُّوْقَةً حَنِثَ.

حل لغات: زیوفاً: کھوٹا سکہ جس کو بیت المال نہ لے۔ بنھرجۃً: کھوٹا سکہ جس کو عام تجار نہ لیں بیت المال لے لے۔ رصاص: ایک قسم کی دھات جس سے بندوق کی گولیاں اور چھرے وغیرہ بنائے جاتے ہیں، واحد رَصَاصَۃٌ. ستوقۃ: یہ معرب ہے ستہ کا، وہ درہم جو اندر سے تانبے کا ہو اور دونوں طرف سے چاندی کا رنگ چڑھا دیا گیا ہو۔

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ ضرور ادا کردے گا فلاں کا قرض آج پس ادا کردیا اس کو پھر پایا فلاں نے بعض قرض کسی قدر کھوٹا، یا کسی اور کا حق والا تو حانث نہیں ہوگا قسم کھانے والا اور اگر پایا بالکل رانگ یا بالکل کھوٹا تو حانث ہو جائے گا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ آج فلاں کا قرض ضرور ادا کردوں گا، چنانچہ قسم کے مطابق آج ہی قرض ادا کردیا لیکن ان دراہم میں کھوٹ پن تھا جن کو بیت المال یا تاجر نہیں لیتے تھے یا جو دراہم قرض میں دیئے گئے تھے ان میں کسی اور کا حق نکل گیا تو قسم کھانے والا حانث نہیں ہوگا، کیونکہ مذکورہ صورت میں ادائیگی پائی گئی اگرچہ عیب دار ہی سہی، اور عیب دار ہونا ادائیگی کے منافی نہیں ہے۔ ہاں اگر قرض میں رانگ کا بنا ہوا درہم دے دیا یا ایسا درہم دے دیا جو اندر سے تانبے کا تھا مگر دونوں جانب چاندی چڑھی ہوئی تھی تو حانث ہو جائے گا، کیونکہ مذکورہ دونوں چیزوں سے بنے ہوئے کو درہم نہیں کہتے، اور قسم کھائی تھی کہ درہم دوں گا۔

(۲۶۰۳/۷۸) وَمَنْ حَلَفَ لَايَقْبِضُ دَيْنَهُ دِرْهَمًا دُوْنَ دِرْهَمٍ فَقَبَضَ بَعْضَهُ لَمْ يَحْنَثْ حَتّٰى يَقْبِضَ جَمِيْعَهُ مُتَفَرِّقًا وَاِنْ قَبَضَ دَيْنَهُ فِيْ وَزْنَتَيْنِ لَمْ يَتَشَاغَلْ بَيْنَهُمَا اِلَّا بِعَمَلِ الْوَزْنِ لَمْ يَحْنَثْ وَلَيْسَ ذٰلِكَ بِتَفْرِيْقٍ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ نہ لے گا اپنا قرض ایک ایک درہم کر کے پھر کچھ قرض لے لیا تو حانث نہ ہوگا یہاں تک کہ لے لے پورا قرض تھوڑا تھوڑا کر کے اور اگر وصول کیا اپنا قرض دو دفعہ وزن کر کے جن میں نہیں کیا کوئی کام

وزن کرنے کے علاوہ تو حانث نہ ہوگا اور یہ متفرق طور پر لینا نہیں ہے۔

تشریح: کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنا قرض تھوڑا تھوڑا کر کے وصول نہیں کروں گا پھر اس نے دس پانچ، درہم وصول کئے تو ابھی حانث ہونے کا حکم نہیں لگائیں گے جب تک کہ پورا قرض تھوڑا تھوڑا کر کے وصول نہ کرے ہاں اگر قرض کوئی وزنی چیز تھی اور وہ سب ایک بار وزن نہیں ہو سکتی تھی اسلئے چند بار وزن کر کے وصول کیا تو حانث نہ ہوگا مثلاً پانچ کوئنٹل چاول تھے ان کو ایک دفعہ وزن نہیں کر سکتا اسلئے کئی بار وزن کر کے چاول لیا اور وزن کرنے کے دوران کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ یہ تو مجبوری ہے اور محاورے میں اس کو متفرق طور پر وصول کرنا نہیں کہتے ہیں۔

(۲۶۰۴/۷۹) وَمَنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنَّ الْبَصْرَةَ فَلَمْ يَأْتِ حَتّٰى مَاتَ حَنِثَ فِيْ آخِرِ جُزْءٍ مِّنْ اَجْزَاءِ حَيٰوتِهٖ.

ترجمہ: کسی نے قسم کھائی کہ ضرور جائے گا بصرہ پھر وہ نہ گیا یہاں تک کہ مر گیا تو حانث ہو جائے گا اپنی زندگی کے آخری لمحات میں۔

تشریح: زندگی بھر امید کی جائے گی کہ وہ کبھی نہ کبھی بصرہ جائے گا مگر بعد الموت یہ ثابت ہوا کہ حالف نے اپنی قسم کو پورا نہیں کیا لیکن بعد الموت وہ مکلف نہیں ہوتا اس لئے مرنے سے تھوڑی دیر پہلے اس پر یہ حکم جاری ہوگا کیونکہ اس وقت وہ مخاطب تھا۔

کتاب الدعویٰ

یہ کتاب دعویٰ کے بیان میں ہے

ماقبل سے مناسبت: یمین کے ذریعہ خبریں مؤکد کی جاتی ہیں اور دعویٰ کے ذریعہ الزامات مؤکد کئے جاتے ہیں پس ہر دو سے تقویت مقصود ہوتی ہے نیز یمین کے ذریعہ ایجاب علیٰ نفسہٖ مؤکد ہوتا ہے اور دعویٰ کے ذریعہ ایجاب علیٰ غیرہ مؤکد ہوتا ہے اس لئے ایجاب علیٰ نفسہٖ فطرۃً مقدم ہے پس ذکراً بھی اس کو مقدم کر دیا اور کتاب الدعویٰ کو مؤخر کر دیا۔ (رقم الحاشیۃ (۷)

دعویٰ کی لغوی تعریف: دعویٰ لغت میں اس قول کا نام ہے جس سے انسان دوسرے آدمی پر حق واجب کرنے کا ارادہ کرے۔

اصطلاحی تعریف: جھگڑے کے وقت کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے۔

اصطلاحی الفاظ: دعویٰ کرنے والے کو 'مدعی' جس پر دعویٰ کیا جائے اس کو مدعیٰ علیہ اور جس چیز کا دعویٰ

کیا جائے اس کو مدعیٰ کہتے ہیں۔

(۱/۲۶۰۵) اَلْمُدَّعِی مَنْ لَّایُجْبَرُ عَلَی الْخُصُوْمَةِ اِذَا تَرَکَهَا وَالْمُدَّعٰی عَلَیْهِ مَنْ یُجْبَرُ عَلَی الْخُصُوْمَةِ.

لغت: الخصومة: مقدمہ میں جو دونوں طرف سے جھگڑا کرتے ہیں اس کو خصومت کہتے ہیں۔

ترجمہ: مدعی وہ شخص ہے جو مجبور نہ کیا جائے جھگڑے پر جب کہ وہ اس کو چھوڑ دے اور مدعیٰ علیہ وہ ہے جو مجبور کیا جائے جھگڑے پر۔

مدعی اور مدعیٰ علیہ کی تعریف

تشریح: جن امور پر مسائل دعویٰ کا دارومدار ہے ان میں سب سے زیادہ اہم بات مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان فرق کی شناخت ہے اسی وجہ سے صاحب قدوری نے اوّلاً دونوں کی تعریف ذکر کی ہے، چنانچہ فرمایا کہ مدعی وہ شخص ہے جس کو خصومت پر مجبور نہ کیا جائے یعنی دعویٰ کرنے کے بعد اگر وہ دعویٰ کو ترک کرنا چاہے تو اس کو ترک کردے اس پر کسی طرح کا جبر نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس کا اپنا حق ہے صاحب حق نے جب اپنا حق چھوڑ دیا تو اس کو کون مجبور کرسکتا ہے گویا کہ اس نے معاف کردیا، اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جس کو خصومت پر مجبور کیا جائے یعنی مدعی کے دعویٰ کرنے کے بعد اس پر جواب دینا لازم ہے خصومت سے پہلو تہی کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس وجہ سے کہ دوسرے کا حق ضائع ہونا لازم آتا ہے اس وجہ سے اس پر جبر ہوگا۔

(۲/۲۶۰۶) وَلَا یُقْبَلُ الدَّعْوٰی حَتّٰی یَذْکُرَ شَیْئًا مَعْلُوْمًا فِیْ جِنْسِهٖ وَقَدْرِهٖ.

ترجمہ: اور قبول نہیں کیا جائیگا دعویٰ یہاں تک کہ بیان کردے ایسی شی جس کی جنس اور مقدار معلوم ہو۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مدعی کا دعویٰ اس وقت قبول ہوگا جب وہ اس شی کی جنس اور مقدار ذکر کردے جس کا دعویٰ کیا گیا ہے مثلاً یوں کہے کہ میرے فلاں آدمی پر بیس کوئنل گیہوں ہیں، کیونکہ دعویٰ کا فائدہ یہ ہے کہ حجت قائم کرکے مدعی علیہ پر مدعی کا حق لازم کیا جائے اور مجہول چیز کا لازم کرنا چونکہ ممکن نہیں ہے اس لئے شی مدعیٰ کی جنس اور مقدار کا بیان کرنا ضروری ہے۔

(۳/۲۶۰۷) فَاِنْ کَانَ عَیْنًا فِیْ یَدِ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ کُلِّفَ اِحْضَارُهَا لِیُشِیْرَ اِلَیْهَا بِالدَّعْوٰی وَاِنْ لَّمْ تَکُنْ حَاضِرَةً ذَکَرَ قِیْمَتَهَا.

ترجمہ: اگر ہو وہ چیز بعینہٖ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں تو اس کو مجبور کیا جائے گا اس کے حاضر کرنے پر تا کہ اشارہ

کرے اس کی طرف دعویٰ میں اور اگر حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت بیان کرے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعیٰ بہ (جس کا دعویٰ کیا گیا ہے) بعینہٖ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہو تو مدعیٰ علیہ کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس مال کو عدالت قاضی میں حاضر کرے تا کہ مدعی دعویٰ کرتے وقت اس مال کی جانب اشارہ کر سکے اور اگر مدعیٰ بہ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں موجود نہ ہو بلکہ ضائع ہو گیا یا غائب ہو گیا جس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں مدعی اس مال کی قیمت ذکر کر دے تا کہ مدعیٰ بہ معلوم ہو کر دعویٰ درست ہو جائے۔

(۲۶۰۸/۴) وَاِنِ ادَّعٰی عَقَارًا حَدَّدَهٗ وَذَكَرَهٗ اَنَّهٗ فِیْ يَدِ الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ وَاَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ.

ترجمہ: اور اگر زمین کا دعویٰ کیا تو اس کی حدود بیان کرے اور یہ بھی ذکر کرے کہ وہ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہے اور یہ کہ اس نے اس سے اس کا مطالبہ کیا ہے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی نے کسی غیر منقول چیز مثلاً زمین یا مکان کا دعویٰ کیا تو اس دعویٰ کے صحیح ہونے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں:

(۱) مدعی، اس شی مدعیٰ بہ کے حدود بیان کرے یعنی یہ بیان کرے کہ اس زمین کے مشرق، مغرب، شمال، جنوب میں کون کون لوگ ہیں؟ اور حدود اربعہ ذکر کرتے وقت مالکان حدود کے نام اور نسب کا بیان کرنا بھی ضروری ہے اس زمانہ میں یہ بھی بیان کرے کہ زمین کا کھاتہ نمبر کیا ہے اور خسرہ نمبر کیا ہے تا کہ زمین متعین ہو جائے۔

(۲) مدعی یہ بھی بیان کرے کہ شی مدعیٰ بہ، مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ہے کیونکہ مدعیٰ علیہ اسی وقت خصم قرار پائے گا جب کہ شی مدعیٰ بہ اس کے قبضہ میں ہو۔

(۳) مدعی یہ بھی بیان کرے کہ میں نے مدعیٰ علیہ سے اس شی مدعیٰ بہ کا مطالبہ کیا ہے کیونکہ مطالبہ مدعی کا حق ہے جو اس کی طلب پر موقوف ہے۔

(۲۶۰۹/۵) وَاِنْ كَانَ حَقًّا فِی الذِّمَّةِ ذَكَرَ اَنَّهٗ يُطَالِبُهٗ بِهٖ.

ترجمہ: اور اگر کوئی حق ہو ذمہ میں تو ذکر کرے کہ وہ اس حق کا مطالبہ کرتا ہے۔

تشریح: اگر وہ چیز جس کا دعویٰ کیا گیا ہے ذمہ میں کوئی حق یعنی دین ہو تو مدعی کے لئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ مدعیٰ علیہ سے اس حق کا مطالبہ کرتا ہے مثلاً دعویٰ یہ تھا کہ خالد کے عمر کے ذمہ پچاس ہزار روپے قرض ہے تو قرض ہونا ذمہ میں یہ ایک حق ہوا تو اس صورت میں دعویٰ کے ساتھ یہ بھی ذکر کرے کہ میں اس قرض کا طلب گار ہوں کیونکہ صاحب حق حاضر ہو چکا ہے اب صرف مطالبہ باقی ہے۔

(۲۶۱۰/۶) فَاِذَا صَحَّتِ الدَّعْوٰی سَأَلَ الْقَاضِیْ الْمُدَّعٰی عَلَيْهِ عَنْهَا فَاِنِ اعْتَرَفَ قَضٰی عَلَيْهِ بِهَا

وَاِنْ اَنْكَرَ سَأَلَ الْمُدَّعِيَ الْبَيِّنَةَ فَاِنْ اَحْضَرَهَا قَضٰى بِهَا وَاِنْ عَجَزَ عَنْ ذَالِكَ وَطَلَبَ يَمِيْنَ خَصْمِهٖ اِسْتَحْلَفَهٗ عَلَيْهَا.

حلِّ لغت: خصم: مدمقابل، مقدمہ میں دوسرا فریق۔

ترجمہ: اور جب صحیح ہو جائے دعویٰ تو دریافت کرے قاضی مدعی علیہ سے اس دعویٰ کے بارے میں اگر وہ اقرار کرلے تو اس پر اس کا فیصلہ کردے اور اگر انکار کرے تو طلب کرے مدعی سے گواہ اگر وہ پیش کردے تو فیصلہ کردے گواہ کے مطابق اور اگر وہ اس سے عاجز آجائے اور طلب کرے اپنے مدمقابل کی قسم تو قسم لے اس سے دعویٰ پر۔

دعویٰ کے تفصیلی احکام

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب دعویٰ اپنی شرطوں کے ساتھ درست ہوگیا تو قاضی مدعی علیہ سے اس دعویٰ کے بارے میں دریافت کرے گا کہ کیا واقعی مدعی کا دعویٰ صحیح ہے؟ اگر مدعی علیہ نے دعویٰ کا اقرار کیا کہ واقعی مدعی کا میرے ذمہ حق ہے تو قاضی اس کا فیصلہ کردے گا اب گواہ یا قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور اگر مدعی علیہ نے اس دعویٰ کا انکار کیا تو اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے گا اگر مدعی نے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کردیئے تو قاضی ان گواہوں کے مطابق فیصلہ کرے گا آگے فرماتے ہیں کہ مدعی کو گواہ پیش کرنے کو کہا اس پر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز آگیا اور اس نے مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو قاضی اس دعویٰ پر مدعی علیہ سے قسم لے گا۔

(۲۶۱۱/۷) وَاِنْ قَالَ لِيْ بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وَطَلَبَ الْيَمِيْنَ لَمْ يُسْتَحْلَفْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میرے پاس گواہ موجود ہے اور طلب کرے قسم تو قسم نہیں کھلائی جائے گی امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ شہر میں ہیں میں ان کو پیش کرسکتا ہوں، لیکن پھر بھی گواہ پیش نہ کرکے مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ کروانا چاہتا ہے تو اس سلسلہ میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی، کیونکہ قسم میں مدعی کے حق کا ثابت ہونا گواہ قائم کرنے سے عاجز ہونے پر مرتب ہے، لہٰذا جب تک مدعی گواہ قائم کرنے سے عاجز نہ ہوگا اس وقت تک قسم مدعی کا حق نہ ہوگا۔

(۲۶۱۲/۸) وَلَا تُرَدُّ الْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعِيْ.

ترجمہ: اور نہیں لوٹائی جائے گی قسم مدعی پر۔

تشریح: اگر مدعیٰ علیہ قسم کھانے سے انکار کردے تو مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ قاضی مدعیٰ علیہ پر مدعی کا دعویٰ لازم کردے گا ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کردے تو قسم مدعی کی طرف عود کرے گی پس اگر مدعی نے قسم کھائی تو قاضی اس کی قسم پر اس کے حق میں فیصلہ صادر کردے گا اور اگر وہ بھی انکار کردے تو جھگڑا ہی ختم ہوجائے گا ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: کہ اگر لوگوں کو ان کے دعوؤں کی وجہ سے دے دیا جائے تو لوگ قوم کی جانوں اور مالوں پر دعویٰ کر بیٹھیں گے لیکن گواہ مدعی پر ہے اور قسم اس پر جو انکار کرے، ملاحظہ فرمائیں کہ اس حدیث میں تقسیم ہے اب اگر مدعی سے قسم لی جائے تو مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں قسم میں شریک ہوں گے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔

(۹/۲۶۱۳) وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ صَاحِبِ الْيَدِ فِي الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ.

ترجمہ: اور نہیں قبول کیا جائے گا قبضہ والے کا بینہ ملک مطلق میں۔

تشریح: مسئلہ کو سمجھنے سے قبل یہ اصطلاحات ذہن نشیں فرمالیں، (۱) صاحب الید جس کے قبضہ میں دعویٰ کی چیز ہو (۲) ملک مطلق کوئی شخص کسی چیز کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے لیکن مالک ہونے کے سبب کو بیان نہ کرے، مثلاً یہ کہے کہ یہ میرا گھر ہے مگر یہ بیان نہ کرے کہ آیا اس نے خریدا ہے، یا اس کو ترکہ میں ملا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مال معین پر قابض ہے، اور اس پر ایک غیر قابض نے دعویٰ کیا مثلاً یہ کہا کہ یہ چیز میری ملک ہے اور اس قابض کے قبضہ میں ناحق طور پر ہے اب اگر قابض نے اپنے مالک ہونے پر گواہ پیش کئے اور غیر قابض نے اپنے مالک ہونے پر تو ہمارے نزدیک غیر قابض کے گواہ مقبول ہوں گے اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

(۱۰/۲۶۱۴) وَإِذَا نَكَلَ الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ عَنِ الْيَمِيْنِ قَضٰى عَلَيْهِ بِالنُّكُوْلِ وَاَلْزَمَهٗ مَا ادَّعٰى عَلَيْهِ.

حلّ لغت: النکول: قسم کھانے سے انکار کرنا۔

ترجمہ: اور جب انکار کرے مدعیٰ علیہ قسم سے تو فیصلہ کردے اس پر انکار کی وجہ سے اور لازم کردے اس پر وہ جس کا اس پر دعویٰ کیا ہے۔

تشریح: مدعی کے پاس گواہ نہ تھے اس لئے اس نے مدعیٰ علیہ کو قسم کھانے کے لئے کہا لیکن مدعیٰ علیہ نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو اس کے انکار کرنے کے بعد قاضی فیصلہ کردے گا کہ یہ چیز مدعی کی ہے مدعیٰ علیہ کا انکار حقیقۃً ہو مثلاً وہ صاف طور سے کہہ دے کہ میں قسم نہیں کھاتا یا حکماً ہو مثلاً وہ قسم کھانے سے خاموشی اختیار کرلے۔

(۱۱/۲۶۱۵) وَيَنْبَغِيْ لِلْقَاضِيْ اَنْ يَقُوْلَ لَهٗ اِنِّيْ اَعْرِضُ عَلَيْكَ الْيَمِيْنَ ثَلٰثًا فَاِنْ حَلَفْتَ وَاِلَّا قَضَيْتُ عَلَيْكَ بِمَا ادَّعَاهُ.

ترجمہ: اور مناسب ہے قاضی کے لئے کہ اس سے کہے میں پیش کرتا ہوں تجھ پر قسم تین بار اگر تو قسم کھالے تو

بہتر ہے ورنہ فیصلہ کردوں گا تجھ پر اس چیز کا جس کا مدعی نے دعویٰ کیا ہے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو اور مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی مدعی علیہ سے یہ کہے کہ میں تجھ پر تین بار قسم پیش کروں گا اگر تو نے قسم کھالی تو تو مدعی کے دعویٰ سے چھٹکارا پالے گا اور اگر تو نے قسم نہ کھائی تو میں تیرے خلاف فیصلہ کروں گا۔

(۱۲/۲۶۱۶) وَاِذَا كَرَّرَ الْعَرْضَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَضٰى عَلَيْهِ بِالنُّكُوْلِ.

ترجمہ: جب وہ تین بار مکرر پیش کر چکے تو فیصلہ کردے اس پر انکار کی وجہ سے۔

تشریح: جب قاضی مدعی علیہ پر تین بار قسم پیش کر چکا اور مدعی علیہ ہر بار انکار کر چکا تو اب قاضی اس کے خلاف فیصلہ کردے گا۔

(۱۳/۲۶۱۷) وَاِنْ كَانَتِ الدَّعْوٰى نِكَاحًا لَمْ يُسْتَحْلَفِ الْمُنْكِرُ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر ہو دعویٰ نکاح کا تو قسم نہ لی جائے گی منکر سے امام صاحب کے نزدیک۔

ان معاملات کا بیان جن میں مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جاتی

تشریح: مرد نے کسی عورت پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے یا عورت نے نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد اس کا منکر ہے تو امام صاحب کے نزدیک منکر کو قسم نہیں کھلائیں گے۔

(۱۴/۲۶۱۸) وَلَا يُسْتَحْلَفُ فِى النِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالْفَيْءِ فِى الْاِيْلَاءِ وَالرِّقِّ وَالْاِسْتِيْلَادِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَالْحُدُوْدِ وَاللِّعَانِ وَقَالَا يُسْتَحْلَفُ فِىْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ اِلَّا فِى الْحُدُوْدِ وَاللِّعَانِ.

ترجمہ: اور قسم نہیں لی جاتی نکاح میں رجعت میں ایلاء سے رجوع کرنے میں غلامی میں ام ولد کرنے میں نسب میں ولاء میں حدود میں لعان میں، اور صاحبین نے فرمایا کہ قسم لی جائے گی ان تمام میں سوائے حدود اور لعان کے۔

تشریح: مصنفؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نو چیزیں ایسی ہیں جن میں منکر یعنی مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جاتی ہے، اور وہ نو چیزیں یہ ہیں:

(۱) نکاح اس کی صورت ماقبل کے مسئلہ میں آچکی ہے۔

(۲) رجعت کی صورت یہ ہوگی کہ شوہر نے بیوی کو طلاق رجعی دی عدت گذر جانے کے بعد شوہر دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے عدت کے اندر رجعت کرلی تھی اور عورت انکار کرتی ہے کہ رجعت نہیں کی تھی شوہر کے پاس گواہ نہیں ہے اب

امام صاحب کے نزدیک عورت کو قسم نہیں کھلائیں گے بلکہ بغیر قسم کے ہی فیصلہ کردیں گے کہ رجعت نہیں ہوئی تھی یا برعکس ہو۔

(۳) فیٔ: مدت ایلاء گذر جانے کے بعد شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں نے مدت ایلاء میں ایلاء سے رجوع کرلیا تھا بیوی انکار کرتی ہے شوہر کے پاس گواہ نہیں ہے تو بیوی کو اس بارے میں قسم نہیں کھلائیں گے یا برعکس ہو۔

(۴) رق: زید نے ایک مجہول النسب پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے اور وہ مجہول النسب اس کا انکار کرتا ہے دعویٰ کرنے والے کے پاس گواہ نہیں ہے تو امام صاحب کے نزدیک غلام کو قسم نہیں کھلائیں گے یا برعکس ہو۔

(۵) استیلاد: ایک باندی نے اپنے آقا پر دعویٰ کیا کہ میں نے ان کے نطفہ سے ایک بچہ جنا ہے اور آقا نے اس کا انکار کیا اور عورت کے پاس گواہ نہیں ہے تو آقا کو قسم نہیں کھلائیں گے اس صورت میں برعکس جاری نہیں ہوگا، صاحب شرح ثمیری نے عکس کی مثال لکھی ہے جو درست نہیں ہے، دیکھئے الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۳۱۲۔

(۶) نسب: ایک شخص نے ایک مجہول النسب پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا یہ میرا باپ ہے اور مجہول النسب نے اس کا انکار کیا یا مجہول النسب نے اس بات کا دعویٰ کیا اور اس شخص نے اس کا انکار کیا، تو منکر کو قسم نہیں دی جائے گی یا برعکس ہو۔

(۷) ولاء: ایک شخص نے ایک مجہول النسب آدمی کے بارے میں دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو آزاد کیا ہے اور میں اس کا آقا ہوں اس کا ولاء مجھ کو ملے گا اور وہ شخص انکار کرے کہ میں اس کا آزاد کردہ غلام نہیں ہوں اور نہ میری ولاء اس کو ملے گی دعویٰ کرنے والے کے پاس گواہ نہیں ہے تو اب منکر کو قسم نہ کھلائیں گے یا برعکس ہو۔

(۸) حدود: ایک شخص نے دوسرے پر ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو حد واجب کرتی ہو مثلاً زنا یا چوری کا دعویٰ کیا اور وہ شخص اس کا منکر ہے تو منکر کو قسم نہیں کھلائیں گے۔

(۹) لعان: عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے لہٰذا اس پر لعان ہے اور شوہر اس کا انکار کرتا ہے عورت کے پاس گواہ نہیں ہے تو شوہر سے قسم نہیں لی جائے گی، صاحبین کے نزدیک حد اور لعان کے علاوہ تمام چیزوں میں قسم لی جائے گی۔

(۲۶۱۹/۱۵) وَاِذَا ادَّعٰى اثْنَانِ عَيْنًا فِيْ يَدِ اٰخَرَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا يَزْعُمُ اَنَّهَا لَهٗ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ قُضِيَ بِهَا بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اگر دعویٰ کیا دو آدمیوں نے ایک خاص چیز کا جو تیسرے کے قبضہ میں ہے اور ان میں سے ہر ایک کا گمان ہے کہ چیز میری ہے اور دونوں نے گواہ قائم کردیئے تو فیصلہ کیا جائے گا چیز کا دونوں کے درمیان۔

ایک چیز پر دو شخصوں کے دعویٰ کرنے کا بیان

تشریح: دو آدمیوں نے ایک چیز کا دعویٰ کیا ہے جو کسی تیسرے کے پاس ہے اور دونوں نے گواہ قائم کردیئے تو ہمارے نزدیک وہ چیز دونوں کے لئے آدھی آدھی کردی جائے گی، امام شافعی کے نزدیک دونوں کے گواہ ساقط الاعتبار

ہوں گے امام احمد کے نزدیک قرعہ اندازی ہوگی، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں جھگڑا کیا اور دونوں نے گواہ قائم کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں آدھا آدھا تقسیم کردیا۔ (ابوداؤد ص ۱۵۳ باب الرجلین یدعیان)

(۲۶۲۰/۱۶) وَاِنِ ادَّعٰی کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا نِکَاحَ امْرَأَةٍ وَاَقَامَ الْبَیِّنَةَ لَمْ یُقْضَ بِوَاحِدَةٍ مِّنَ الْبَیِّنَتَیْنِ وَیُرْجَعُ اِلٰی تَصْدِیْقِ الْمَرْأَةِ لِاَحَدِهِمَا.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے ان میں سے ہر ایک عورت سے نکاح کا اور دونوں گواہ قائم کردے تو فیصلہ نہیں کیا جائے گا کسی کے بینہ سے اور رجوع کیا جائے گا عورت کی تصدیق کی جانب ان میں سے کسی ایک کی۔

تشریح: اگر دو آدمیوں نے ایک عورت کے ساتھ نکاح پر گواہ قائم کئے تو دونوں کے گواہ غیر معتبر ہوں گے کیونکہ یہاں شرکت ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک عورت دو مردوں کی بیوی ہو جائے اب چونکہ ترجیح کی کوئی علامت نہیں ہے اس لئے اب عورت کو پوچھا جائے گا کہ تم کس کی بیوی ہو؟ جس کی وہ تصدیق کرے اس کی بیوی قرار دی جائے گی۔

(۲۶۲۱/۱۷) وَاِنِ ادَّعٰی اثْنَانِ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا اَنَّهٗ اشْتَرٰی مِنْهُ هٰذَا الْعَبْدَ وَاَقَامَا الْبَیِّنَةَ فَکُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَ نِصْفَ الْعَبْدِ بِنِصْفِ الثَّمَنِ وَاِنْ شَاءَ تَرَکَ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے دونوں میں سے ہر ایک کہ میں نے خریدا ہے اس سے یہ غلام اور دونوں نے گواہ قائم کردیئے تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا اگر چاہے آدھا غلام لے لے آدھی قیمت میں اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح: دو آدمیوں نے ایک غلام کا دعویٰ کیا اور ہر ایک نے ثابت کیا کہ یہ میں نے فلاں سے خریدا ہے تو ہر ایک کو اختیار ہوگا چاہے نصف ثمن کے عوض آدھا غلام لے چاہے چھوڑ دے، مثلاً حامد اور ساجد دونوں کہتے ہیں کہ راشد غلام شاہد بائع سے خریدا ہے اور خریداری پر گواہ بھی پیش کردیئے تو چونکہ کسی ایک کے بینہ کو ترجیح نہیں ہے اس لئے یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ آدھا آدھا غلام دونوں نے خریدا ہے اور دونوں پر آدھی آدھی قیمت لازم ہوگی اب چاہے تو آدھی قیمت دے کر آدھا غلام لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

(۲۶۲۲/۱۸) فَاِنْ قَضَی الْقَاضِیْ بِهٖ بَیْنَهُمَا فَقَالَ اَحَدُهُمَا لَا اَخْتَارُ لَمْ یَکُنْ لِلْاٰخَرِ اَنْ یَّأْخُذَ جَمِیْعَهٗ.

ترجمہ: اگر فیصلہ کردے قاضی غلام کا دونوں کے درمیان پھر ایک کہے کہ میں نہیں لیتا تو دوسرے کے لئے جائز نہیں سارا غلام لینا۔

تشریح: قاضی نے دونوں کے لئے آدھے آدھے غلام کا فیصلہ کردیا اب ان میں سے ایک کہتا ہے کہ میں

آدھا غلام نہیں لوں گا تو دوسرا شخص پورا غلام نہیں لے سکتا کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے بعد بیع فسخ ہوگئی، ہاں نئے سرے سے باقی آدھے غلام کو بائع سے خرید سکتا ہے۔

(۱۹/۲٦۲۳) وَاِنْ ذَكَرَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا تَارِيْخًا فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے ہر ایک تاریخ ذکر کر دے تو غلام پہلی تاریخ والے کا ہوگا۔

تشریح: دونوں فریقوں نے غلام پر دعویٰ کیا کہ میں نے فلاں سے پورا پورا غلام خریدا ہے اور دونوں نے گواہ پیش کر دیئے اور تاریخ بھی بتائی تو جس کی تاریخ مقدم ہوگی غلام اسی کا ہوگا۔

(۲۰/۲٦۲۴) وَاِنْ لَّمْ يَذْكُرَا تَارِيْخًا وَمَعَ اَحَدِهِمَا قَبْضٌ فَهُوَ اَوْلٰى بِهٖ.

ترجمہ: اگر کسی نے بھی تاریخ ذکر نہیں کی اور ان میں سے ایک کا قبضہ ہے تو وہی اولیٰ ہوگا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں نے غلام پر دعویٰ کیا کہ میں نے فلاں سے خریدا ہے لیکن تاریخ کسی نے ذکر نہیں کی البتہ ایک شخص کا غلام پر قبضہ بھی ہے تو قبضہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے پہلے خریدا ہے اس لئے غلام اسی کے لئے ہوگا۔

(۲۱/۲٦۲۵) وَاِنِ ادَّعٰى اَحَدُهُمَا شِرَاءً وَالْاٰخَرُ هِبَةً وَّقَبْضًا وَاَقَامَ الْبَيِّنَةَ وَلَا تَارِيْخَ مَعَهُمَا فَالشِّرَاءُ اَوْلٰى مِنَ الْاٰخَرِ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے ان میں سے ایک خریدنے کا اور دوسرا ہبہ اور قبضہ کا اور دونوں گواہ قائم کر دیں اور تاریخ کسی کے پاس نہیں تو خرید اولیٰ ہوگی دوسرے سے۔

تشریح: دو آدمیوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ چیز زید سے خریدی ہے اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ مجھے زید نے ہبہ کی ہے اور قبضہ بھی دے دیا ہے، اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر گواہ بھی پیش کر دیئے لیکن کسی کے پاس خریدنے اور ہبہ کرنے کی تاریخ نہیں ہے کہ کس نے پہلے خریدا ہے اور کس کو بعد میں ہبہ کیا گیا ہے تو ایسی صورت میں خریدنے کو ترجیح ہوگی اور وہ چیز خریدنے والے کی ہوگی کیونکہ خریدنا ہبہ سے مضبوط ہے خریدنے میں دونوں طرف سے مال ہوتا ہے اور ہبہ میں ایک طرف سے مال ہے اور احسان ہے دوسری جانب سے مال نہیں ہے اس لئے چیز خریدنے والے کی ہوگی۔

(۲۲/۲٦۲٦) وَاِنِ ادَّعٰى اَحَدُهُمَا الشِّرَاءَ وَادَّعَتِ الْمَرْاَةُ اَنَّهٗ تَزَوَّجَهَا عَلَيْهِ فَهُمَا سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے ان میں سے کوئی ایک خریدنے کا اور دعویٰ کرے عورت کہ اس نے مجھ سے اس پر شادی کی ہے تو دونوں برابر ہوں گے۔

تشریح: ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں نے یہ غلام زید سے خریدا ہے اور زینب نے دعویٰ کیا کہ زید نے اس غلام کو میرا مہر مقرر کر کے مجھ سے نکاح کیا ہے تو دونوں کے دعوے اور گواہ برابر ہوں گے اور غلام آدھا آدھا ہو جائے گا کیونکہ خریدنا اور نکاح قوت کے اعتبار سے دونوں برابر درجہ کے ہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک عقد معاوضہ اور بنفسہ مثبت ملک ہیں۔

(۲۶۲۷/۲۳) وَاِنِ ادَّعٰی اَحَدُهُمَا رَهْنًا وَقَبْضًا وَالْاٰخَرُ هِبَةً وَقَبْضًا فَالرَّهْنُ اَوْلٰی.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے ایک دعویٰ کرے رہن اور قبضہ کا اور دوسرا ہبہ اور قبضہ کا تو رہن اولیٰ ہے۔

تشریح: ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ فلاں نے میرے پاس یہ غلام بطور گروی رکھا ہے اور قبضہ بھی دے دیا اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ کو ہدیہ میں دیا اور قبضہ دے دیا تو دعویٰ رہن اولیٰ ہوگا، کیونکہ شئی مرہون کا ضمان مرتہن پر لازم ہے لیکن اتنا ہی ضمان لازم ہوگا جتنا اس کا دین ہے اور اگر شئی موہوب ہلاک ہو جائے بعد میں اس چیز کا کوئی حقدار نکل آئے اور وہ حقدار موہوب لہ سے تاوان وصول کرے تو بعد میں موہوب لہ واہب سے ضمان وصول نہیں کر سکتا کیونکہ واہب ہبہ احسان اور سلوک کے طور پر عطا کرتا ہے اور عقد ضمان عقد تبرع سے قوی تر ہوتا ہے لہٰذا دعویٰ رہن اولیٰ ہوگا مگر یہ اس وقت ہے جب ہبہ بلا عوض کا دعویٰ ہو اور اگر ہبہ بشرط عوض کا دعویٰ ہو تو پھر دعویٰ ہبہ اولیٰ ہوگا۔

(۲۶۲۸/۲۴) وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجَانِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمِلْكِ وَالتَّارِيْخِ فَصَاحِبُ التَّارِيْخِ الْاَقْدَمِ اَوْلٰی.

حل لغت: الخارجان: واحد خارج جس کے قبضہ میں دعویٰ کی چیز نہ ہو اس کو خارج کہتے ہیں۔

ترجمہ: اور اگر قائم کر دیں دو غیر قابض گواہ ملک اور تاریخ پر تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا۔

تشریح: ایک غلام ہے جو ساجد کے قبضہ میں ہے اب زید اور عمر میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ غلام میرا ہے اور دونوں نے تاریخ بھی بیان کر دی تو زید اور عمر میں سے جس کی تاریخ مقدم ہے اسی کے لئے غلام کا فیصلہ ہوگا کیونکہ اس نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کا پہلا مالک میں ہوں۔

(۲۶۲۹/۲۵) وَاِنِ ادَّعَيَا الشِّرَاءَ مِنْ وَاحِدٍ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلٰى تَارِيْخَيْنِ فَالْاَوَّلُ اَوْلٰی.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے دو آدمی خریدنے کا کسی سے اور دونوں نے قائم کر دیئے گواہ دو تاریخوں پر تو پہلی تاریخ والا اولیٰ ہوگا۔

تشریح: دو آدمیوں نے دوسرے سے خریدنے پر گواہ قائم کر دیئے اور دونوں نے دو تاریخیں بتلائیں تو جس کی تاریخ مقدم ہوگی چیز اسی کی ہوگی عبارت میں ''من واحد'' سے مراد غیر قابض ہے تاکہ ماقبل کے مسئلہ کے ساتھ تکرار نہ

ہو جائے یعنی ماقبل کے مسئلہ میں مطلق ملکیت کا دعویٰ کیا تھا اور اس مسئلہ میں خریدنے کی وجہ سے ملکیت کا دعویٰ کیا۔

(۲۶/۲۶۳۰) وَاِنْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْآخَرِ وَذَكَرَا تَارِيْخًا فَهُمَا سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور اگر قائم کردے ان میں سے ہر ایک گواہ خریدنے پر دوسرے سے اور ذکر کردیں دونوں تاریخ تو دونوں برابر ہوں گے۔

تشریح: دو آدمیوں نے خریدنے پر گواہ قائم کردیئے مثلاً ایک نے زید سے خریدنے کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے عمرو سے اور ہر ایک نے تاریخ بھی ثابت کردی تو دونوں برابر ہوں گے اور خریدی ہوئی چیز دونوں کے درمیان آدھی آدھی ہوگی، آدھی آدھی قیمت کے بدلے میں اور اختیار ہوگا چاہے تو آدھی چیز آدھی قیمت میں لے لے اور چاہے چھوڑ دے۔

(۲۷/۲۶۳۱) وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ الْبَيِّنَةَ عَلٰى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَاَقَامَ صَاحِبُ الْيَدِ الْبَيِّنَةَ عَلٰى مِلْكٍ اَقْدَمَ تَارِيْخًا كَانَ اَوْلٰى.

ترجمہ: اور اگر قائم کردے خارج (غیر قابض) گواہ ملک مؤرخ پر اور قائم کردے قابض گواہ ایسی ملک پر جو اس کی تاریخ سے پہلے ہے تو قابض اولیٰ ہوگا۔

تشریح: جس آدمی کے قبضہ میں چیز نہیں تھی جس کو خارج کہتے ہیں اس نے اپنی ملکیت ہونے پر گواہ پیش کردیئے اور ایسی تاریخ بیان کی جس سے بعد میں ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے اور جس کے قبضہ میں چیز تھی جس کو ''صاحب الید'' کہتے ہیں اس نے اپنی ملکیت ہونے پر گواہ پیش کئے اور ایسی تاریخ بیان کی جو خارج کی تاریخ سے پہلے تھی تو ایسی صورت میں قبضہ والے کے گواہ معتبر ہوں گے۔

(۲۸/۲۶۳۲) وَاِنْ اَقَامَ الْخَارِجُ وَصَاحِبُ الْيَدِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً بِالنِّتَاجِ فَصَاحِبُ الْيَدِ اَوْلٰى.

ترجمہ: اور اگر قائم کردے غیر قابض وقابض میں سے ہر ایک گواہ پیدائش پر تو قبضہ والا اولیٰ ہوگا۔

تشریح: قابض وغیر قابض دونوں نے ملک کے ایسے سبب پر گواہ قائم کئے جو مکرر واقع نہیں ہوتا ایک ہی بار ہوتا ہے جیسے کسی جانور کے بچہ پیدا ہونا اب قابض وغیر قابض دونوں نے گواہوں سے یہ ثابت کیا کہ یہ بچہ میرے یہاں پیدا ہوا ہے تو قابض کے گواہ معتبر ہوں گے کیونکہ حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ دو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹنی کے بارے میں جھگڑا لے گئے پس ان میں سے ہر ایک نے کہا یہ اونٹنی میرے پاس پیدا ہوئی ہے اور بینہ قائم کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے فیصلہ فرمایا جس کے قبضہ میں تھی۔

(۲۶۳۳/۲۹) وَكَذٰلِكَ النَّسۡجُ فِي الثِّيَابِ الَّتِيۡ لَاتُنۡسَجُ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً وَكَذٰلِكَ كُلُّ سَبَبٍ فِي الۡمِلۡكِ لَايَتَكَرَّرُ.

حلِ لغت: النسج: کپڑا بننا۔

ترجمه: اسی طرح ان کپڑوں کی بناوٹ ہے جو نہیں بنے جاتے مگر ایک مرتبہ اور ایسے ہی ہر وہ سبب ملک جو مکرر نہیں ہوتا۔

تشريح: جیسے ماقبل کے مسئلہ میں آچکا ہے کہ کوئی جانور ایک ہی مرتبہ پیدا ہوتا ہے اب قابض وغیر قابض اس کا دعویٰ کرے تو قابض کے گواہ معتبر ہوتے ہیں اسی طرح ایسے سبب کا دعویٰ کرے کہ وہ ایک ہی مرتبہ ہوسکتا ہے جیسے روئی کے کپڑے کی بناوٹ روئی کا تنا دودھ دوہنا پنیر بنانا اب قبضہ والا دعویٰ کرے کہ مثلاً یہ کپڑا میرا ہے تو اسی کے گواہ مقبول ہوں گے۔

(۲۶۳۴/۳۰) وَاِنۡ اَقَامَ الۡخَارِجُ بَيِّنَةً عَلَى الۡمِلۡكِ الۡمُطۡلَقِ وَصَاحِبُ الۡيَدِ بَيِّنَةً عَلَى الشِّرَاءِ مِنۡهُ كَانَ صَاحِبُ الۡيَدِ اَوۡلٰى.

ترجمه: اور اگر قائم کردے غیر قابض گواہ ملک مطلق پر اور قابض اس سے خریدنے پر تو قبضہ والا اولیٰ ہوگا۔

تشريح: غیر قابض نے گواہ قائم کئے کہ یہ گھوڑا میرا ہے لیکن اپنی ملکیت ہونے کی کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ میں نے خریدا ہے یا مجھ کو کسی نے ہبہ کیا ہے، یعنی مطلقاً ملکیت کا دعویٰ کیا، اور قابض نے ملک ہونے کی وجہ بھی بیان کی کہ میں نے شخص خارج سے خریدا ہے تو قابض کے گواہ معتبر ہوں گے، کیونکہ غیر قابض اولیت ملک کو ثابت کررہا ہے یعنی پہلے ملک مطلق والے کی ملکیت تھی اور قابض اس سے ملک حاصل کرنے کو ثابت کررہا ہے یعنی قبضہ والے نے اس سے خریدا ہے اسی لئے اس کا قبضہ ہے تو گھوڑا کا فیصلہ اسی کے لئے ہوگا۔

(۲۶۳۵/۳۱) وَاِنۡ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا الۡبَيِّنَةَ عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الۡاٰخَرِ وَلَا تَارِيۡخَ مَعَهُمَا تَهَاتَرَ الۡبَيِّنَتَانِ.

ترجمه: اور اگر قائم کردے دونوں میں سے ہر ایک گواہ دوسرے سے خریدنے پر اور تاریخ دونوں کے پاس نہیں تو ساقط ہوں گے دونوں بینے۔

تشريح: غیر قابض نے گواہوں سے ثابت کیا کہ میں نے یہ مکان قابض سے خریدا ہے اور قابض نے ثابت کیا کہ میں نے غیر قابض سے خریدا ہے تو شیخین کے نزدیک دونوں بینے ساقط الاعتبار ہوں گے اور مکان قابض کو دیا جائے گا، کیونکہ خریدنے پر اقدام کرنا دوسرے کی ملک کا اقرار کرنا ہے اور تاریخ کا علم نہیں ہے تو دونوں کے گواہ ساقط

ہوں گے اور مکان جس کے قبضہ میں ہے اسی کا رہے گا۔

(۲۶۳۶/۳۲) وَاِنْ اَقَامَ اَحَدُ الْمُدَّعِيَيْنِ شَاهِدَيْنِ وَالْآخَرُ اَرْبَعَةً فَهُمَا سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور اگر قائم کردے دو مدعیوں میں سے ایک دو گواہ اور دوسرا چار تو دونوں کے درجے برابر ہیں۔

تشریح: اگر ایک کے دو گواہ ہوں اور دوسرے کے چار گواہ ہوں تو گواہوں کی کثرت کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی جب دو گواہ مکمل ہو گئے تو اس کے بعد جو گواہ زیادہ ہوں گے وہ صرف تائید کے لئے ہیں اصل ہونے کے اعتبار سے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے دونوں گواہوں کے درجے برابر ہیں۔

(۲۶۳۷/۳۳) وَمَنِ ادَّعٰى قِصَاصًا عَلٰى غَيْرِهٖ فَجَحَدَ اُسْتُحْلِفَ فَاِنْ نَكَلَ عَنِ الْيَمِيْنِ فِيْمَا دُوْنَ النَّفْسِ لَزِمَهُ الْقِصَاصُ وَاِنْ نَكَلَ فِي النَّفْسِ حُبِسَ حَتّٰى يُقِرَّ اَوْ يَحْلِفَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَلْزَمُهُ الْاَرْشُ فِيْهِمَا.

ترجمہ: کسی نے دعویٰ کیا قصاص کا دوسرے پر اس نے انکار کردیا تو قسم کھلائی جائے گی اگر وہ انکار کرے قسم کھانے سے جان کے علاوہ میں تو لازم ہوگا اس پر قصاص اور اگر انکار کرے قتل نفس میں تو قید خانہ میں ڈالا جائے گا یہاں تک کہ اقرار کرے یا قسم کھائے اور فرمایا صاحبینؒ نے لازم ہوگی اس پر دیت دونوں صورتوں میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اس کا انکار کردیا اور مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تو مدعی علیہ سے بالاتفاق قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھانے سے انکار کردے تو دیکھا جائے گا کہ دعویٰ جان کے قصاص کے بارے میں ہے یا اعضاء واطراف کے قصاص کے بارے میں، اگر اعضاء واطراف کے قصاص کے بارے میں دعویٰ ہے تو اس پر قصاص لازم ہوگا بشرطیکہ اس نے عمداً جرم کیا ہو کیونکہ اطراف واعضاء میں اموال جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے کہ جس طرح مال آدمی کی حفاظت کے لئے ہے اسی طرح ہاتھ اور پاؤں بھی حفاظت نفس کے لئے ہیں، اور مال میں بذل (قسم کھانے سے انکار کرے تو یوں سمجھا جائے گا کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے لیکن چلو دے دیتا ہوں) جاری ہے ایسے ہی اعضاء میں بھی جاری ہوگا کہ مجھ پر قصاص تو نہیں ہے لیکن چلو میرا عضو کاٹ لو، اور اگر قصاص کا دعویٰ جان کے بارے میں ہے اور مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ قصاص نفس کا اقرار کرے اگر اقرار کیا تو قصاص لازم ہوگا یا قسم کھا کر کہے کہ مجھ پر قصاص نہیں ہے اگر قسم کھا کر انکار کردیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا، مذکورہ حکم حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں دیت واجب ہوگی یعنی عمداً قتل کا دعویٰ ہو تو بھی انکار قسم سے مدعی علیہ پر دیت لازم ہوگی اور کسی عضو کے بارے میں دعویٰ ہو تو بھی مدعی علیہ پر دیت لازم ہوگی۔

(۲۶۳۸/۳۴) وَاِذَا قَالَ الْمُدَّعِیْ لِیْ بَیِّنَةٌ حَاضِرَةٌ قِیْلَ لِخَصْمِهٖ اَعْطِهٖ کَفِیْلًا بِنَفْسِكَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فَاِنْ فَعَلَ وَاِلَّا اُمِرَ بِمُلَازَمَتِهٖ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ غَرِیْبًا عَلَی الطَّرِیْقِ فَیُلَازِمُهٗ مِقْدَارَ مَجْلِسِ الْقَاضِیْ.

حل لغات: غریبا علی الطریق: اجنبی جوراستہ کا مسافر ہو۔ یلازمہ: فعل مضارع ملازمۃ سے مشتق ہے پیچھے لگے رہنا۔

ترجمہ: اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں تو اس کے مدعی علیہ سے کہا جائے گا کہ دے تو اس کو کفیل اپنی ذات کا تین دن کے واسطے اگر دے دے تو بہتر ہے ورنہ حکم دیا جائے گا اس کی نگرانی کرنے کا مگر یہ کہ مدعی علیہ راہ گیر مسافر ہو تو مدعی اس کے ساتھ لگا رہے گا مجلس قاضی کی مقدار۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مدعی نے کسی چیز کا دعویٰ کیا اور مجلس قاضی میں کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں، اور اس نے مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو امام صاحب کے نزدیک مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ مدعی علیہ کو حکم دیا جائے گا کہ تین دن کے واسطے اپنی ذات کا کفیل دے دے تا کہ گواہ لاتے لاتے مدعی علیہ کہیں بھاگ نہ جائے اگر ایسا ہو جائے تو کفیل اس کو تلاش کر کے مجلس قضا میں حاضر کرے، اگر مدعی علیہ نے اپنی جانب سے کفیل دے دیا تو بہتر ہے ورنہ مدعی کو حکم دیا جائے گا کہ ہر وقت مدعی علیہ کے ساتھ لگا رہے تا کہ اس کا حق ضائع نہ ہو ہاں اگر مدعی علیہ مسافر ہو تو اس صورت میں مجلس قضاء کے ختم ہونے تک مدعی کو مدعی علیہ کے ساتھ ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے گی پس جب قاضی کے عدالت سے اٹھنے کا وقت آ جائے اور مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو قاضی مدعی علیہ سے قسم لے کر فیصلہ صادر کرے گا اور گواہوں کے آنے کا انتظار نہ کرے گا صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح پردیسی مدعی علیہ سے اگر کفیل لیا گیا تو صرف قاضی کی مجلس کے اختتام تک لیا جائے گا پس استثناء، الا ان یکون الخ کفیل لینے اور مدعی علیہ کے ساتھ ساتھ رہنے دونوں کی طرف راجع ہے۔

(۲۶۳۹/۳۵) وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ هٰذَا الشَّیْئُ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ الْغَائِبُ اَوْ رَهَنَهٗ عِنْدِیْ اَوْ غَصَبْتُهٗ مِنْهُ وَاَقَامَ بَیِّنَةً عَلٰی ذٰلِكَ فَلَا خُصُوْمَةَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْمُدَّعِیْ.

ترجمہ: اور اگر کہے مدعی علیہ کہ یہ چیز امانت رکھی ہے میرے پاس فلاں غائب نے یا اس نے اس کو رہن رکھی ہے میرے پاس یا میں نے اس کو اس سے غصب کی ہے اور قائم کر دے گواہ اس پر تو جھگڑا نہیں رہے گا اس کے اور مدعی کے درمیان۔

دفع دعاوی کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً محمد حارث نے دعویٰ کیا کہ فلاں غلام جو عبدالصمد کے قبضہ میں

ہے میری ملک ہے یعنی میں اس کا مالک ہوں پس مدعی علیہ قابض (عبدالصمد) نے کہا کہ یہ غلام فلاں شخص (عبدالسلام خالد) جو غائب ہے اس نے ودیعت رکھا ہے یعنی میں امین ہوں اور جو اصل مالک ہے وہ فی الحال سفر میں گیا ہے یا کہا کہ فلاں شخص غائب (عبدالسلام) نے اس کو میرے پاس رہن رکھا ہے یا یہ کہا کہ یہ غلام میں نے اس سے غصب کیا ہے یا یہ کہا کہ فلاں غائب نے یہ غلام مجھ کو اجارہ پر دیا ہے یا مجھ کو عاریۃً دیا ہے یا اس کی حفاظت کا مجھ کو وکیل بنایا ہے اور مدعی علیہ قابض (عبدالصمد) نے اپنے مذکورہ اقوال پر گواہ پیش کر دیئے تو اس قابض مدعی علیہ (عبدالصمد) اور مدعی (محمد حارث) کے درمیان خصومت نہ ہوگی یعنی قاضی مدعی کے اس دعویٰ کی سماعت نہ کرے گا اور اس سے بینہ وغیرہ کا مطالبہ نہ کرے گا، کیونکہ مدعی علیہ نے گواہوں کے ذریعہ یہ بات ثابت کر دی ہے کہ میرا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں ہے اور جو شخص ایسا ہو یعنی یہ ثابت کر دیتا ہو کہ میرا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں ہے تو وہ خصم نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہ قابض بھی خصم نہ ہوگا۔

(۳۶/۲۶۴۰) وَاِنْ قَالَ اِبْتَعْتُهُ مِنْ فُلَانٍ الْغَائِبِ فَهُوَ خَصْمٌ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میں نے خریدا ہے اس کو فلاں غائب سے تو وہ مدمقابل رہے گا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس کے قبضہ میں جو غلام ہے وہ میری ملک ہے مدعی علیہ نے یہ سن کر کہا کہ میں نے اس غلام کو فلاں آدمی سے خریدا ہے جو اس وقت سفر میں ہے تو اس صورت میں یہ قابض اس مدعی کا خصم اور مدعی علیہ ہوگا یعنی قاضی اس دعویٰ کی سماعت کا مجاز ہوگا، کیونکہ قابض نے جب یہ کہا کہ میں نے اس کو فلاں سے خریدا ہے تو گویا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ میرا قبضہ مالکانہ قبضہ ہے تو اس نے اپنے خصم اور مدعی علیہ ہونے کا اقرار کر لیا ہے۔

(۳۷/۲۶۴۱) وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعِیْ سُرِقَ مِنِّیْ وَاَقَامَ الْبَیِّنَةَ وَقَالَ صَاحِبُ الْیَدِ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ وَاَقَامَ الْبَیِّنَةَ لَمْ تَنْدَفِعِ الْخُصُوْمَةُ.

ترجمہ: اور اگر کہے مدعی کہ میری چیز چرائی گئی ہے اور قائم کر دے گواہ اور کہے قابض کہ فلاں نے میرے پاس اس کو ودیعت رکھا ہے، اور قائم کر دے گواہ تو خصومت ختم نہیں ہوگی۔

تشریح: مدعی نے دعویٰ کیا کہ میری یہ چیز چرائی گئی ہے اور مدعی علیہ نے کہا کہ میرے پاس یہ چیز فلاں غائب نے بطور امانت رکھی ہے اور اس پر اس نے بینہ قائم کر دیا تو شیخین کے نزدیک مدعی علیہ سے خصومت دفع نہ ہوگی کیونکہ چوری کا فعل تقاضہ کرتا ہے کہ کوئی چوری کرنے والا ہو اور ظاہر یہی ہے کہ چور وہی ہے جس کے قبضہ میں یہ چیز موجود ہے لیکن مدعی نے اس کو معین نہیں کیا اس لئے کہ اس نے پردہ پوشی کا ثواب ملحوظ رکھا۔

(۳۸/۲۶۴۲) وَاِنْ قَالَ الْمُدَّعِیْ اِبْتَعْتُهُ مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ صَاحِبُ الْیَدِ اَوْدَعَنِیْهِ فُلَانٌ ذٰلِكَ

سَقَطَتِ الْخُصُوْمَةُ بغَيْرِ بيِّنَةٍ.

ترجمہ: اگر کہے مدعی کہ یہ چیز میں نے فلاں سے خریدی ہے اور قابض کہے کہ اس کو میرے پاس امانت رکھی ہے فلاں نے تو خصومت ختم ہو جائے گی بغیر گواہوں کے۔

تشریح: اگر مدعی نے کہا کہ میں نے یہ چیز جو مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے زید سے خریدی ہے اور مدعی علیہ کہے کہ یہ چیز زید نے میرے پاس بطور امانت رکھوائی ہے اس لئے وہ کہے گا تو میں دوں گا تو بغیر بینہ کے خصومت ختم ہو جائے گی یعنی مدعی علیہ کو ودیعت پر بینہ قائم کرنے کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ جب مدعی اور مدعی علیہ نے اتفاق کیا کہ اس چیز میں اصل ملک مدعی علیہ کے علاوہ دوسرے شخص کی ہے تو مدعی علیہ کے قبضہ میں پہنچنا اسی کی جانب سے ہوگا تو مدعی علیہ کا قبضہ قبضہ خصومت نہ ہوا۔

(۲۶۴۳/۳۹) وَالْيَمِيْنُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى دُوْنَ غَيْرِهٖ وَيُؤَكَّدُ بِذِكْرِ اَوْصَافِهٖ.

ترجمہ: اور قسم اللہ کی ہوتی ہے نہ کہ غیر کی اور تاکید کی جائے گی اللہ کے اوصاف ذکر کر کے۔

قسم اور اس کا طریقہ:

تشریح: افضل و بہتر یہ ہے کہ قسم بالکل نہ کھائی جائے لیکن اگر ضرورت پیش آ جائے تو اللہ کی یا اس کے کسی اسم وصفت کی اسماء وصفات میں سے قسم کھانا جائز ہے غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے جیسے بیٹے یا باپ وغیرہ کی قسم کھانا البتہ قرآن شریف کا قسم کھانا متعارف ہو گیا ہے لہٰذا وہ معتبر ہے اور قسم ہو جاتی ہے۔

آگے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ قسم کو اللہ کے اوصاف ذکر کر کے مؤکد بھی کیا جا سکتا ہے اور ذکر اوصاف کے ساتھ قسم کو زیادہ سخت کرنا ہوتا ہے، جیسے قاضی یہ الفاظ کہلائے۔ وَاللّٰهِ الَّذِیْ لا اِلٰهَ اِلا هو عالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الَّذِیْ يَعْلَمُ مِنَ السِّرِّ ما يَعْلَمُ مِنَ الْعَلَانِيَةِ. اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غائب وحاضر کا جاننے والا ہے جو پوشیدہ اور باطن کو علانیہ اور ظاہر کی طرح جانتا ہے۔

(۲۶۴۴/۴۰) وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِالطَّلَاقِ وَلَا بِالْعِتَاقِ.

ترجمہ: اور قسم نہ لی جائے گی طلاق کی اور آزاد کرنے کی۔

تشریح: مدعی علیہ سے طلاق یا عتاق کی قسم نہیں لی جائے گی یعنی مدعی علیہ یہ نہ کہے گا کہ اگر مدعی کا دعویٰ صحیح ہو تو میری بیوی پر طلاق یا میرا غلام آزاد کیونکہ طلاق وعتاق کی قسم دینا حرام ہے۔

(۲۶۴۵/۴۱) وَيُسْتَحْلَفُ الْيَهُوْدِیُّ بِاللّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ التَّوْرٰةَ عَلٰى مُوْسٰى وَالنَّصْرَانِیُّ بِاللّٰهِ

الَّذِیْ اَنْزَلَ الْاِنْجِیْلَ عَلٰی عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ وَالْمَجُوْسِیُّ بِاللّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ النَّارَ.

ترجمہ: اور قسم لی جائے گی یہودی سے اللہ کی جس نے اتاری تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اور نصرانی سے اللہ کی جس نے نازل کی انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اور مجوسی سے اللہ کی جس نے پیدا کیا آگ کو۔

تشریح: قاضی شریعت مجوسی وغیرہ سے قسم کھلواتے وقت کیا الفاظ کہلائے گا؟ اس سلسلہ میں صاحب ہدایہ نے تین قول ذکر کئے ہیں (۱) مجوسی یہ کہے گا کہ اس اللہ کی قسم جس نے آگ کو پیدا کیا یہ قول امام محمدؒ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے۔ (۲) مجوسی ہو یا یہودی یا نصرانی سب سے صرف اللہ کے نام کی قسم کھلوائی جائے گی اس کے آگے اور کچھ نہ جوڑا جائے گا یہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت ہے۔ (۳) یہودی و نصرانی سے تو توریت اور انجیل کے ذکر کے ساتھ قسم لی جائے گی لیکن مجوسی سے صرف اللہ کے نام کی قسم لی جائے گی یہ قول امام خصاف نے ذکر کیا ہے ان تینوں اقوال میں سے صاحب ہدایہ نے صرف آخری قول کی دلیل بیان کی ہے یعنی اللہ کے نام کے ساتھ آگ کا نام لینا مناسب نہیں، اس کے برخلاف یہودی وعیسائی سے قسم لیتے وقت دونوں کتابوں کے ذکر میں کوئی اعتراض نہیں اس لئے کہ اللہ کی سبھی کتابیں قابل تعظیم ہیں لہٰذا یہی قول معلل راجح ہوگا۔

(۲۶۴۶/۴۲) وَلَا يُسْتَحْلَفُوْنَ فِیْ بُيُوْتِ عِبَادَتِهِمْ.

ترجمہ: اور قسم نہ دی جائے گی ان کو ان کے عبادت خانوں میں۔

تشریح: یہود و نصاریٰ اور مجوسی کے عبادت خانوں میں جا کر قاضی ان کو قسم نہ کھلائے کیونکہ قاضی کے لئے ان کے عبادت خانوں میں جانا منع ہے نیز اس سے ان کے عبادت خانوں کی تعظیم و توقیر ہوگی۔

(۲۶۴۷/۴۳) وَلَا يَجِبُ تَغْلِيْظُ الْيَمِيْنِ عَلَى الْمُسْلِمِ بِزَمَانٍ وَلَا بِمَكَانٍ.

ترجمہ: اور ضروری نہیں ہے قسم کو پختہ کرنا مسلمان پر زمان اور مکان کے ساتھ۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مسلمان کی قسم کو زیادہ سخت کرنے کے لئے کسی زمان اور مکان کے ساتھ مقید کرنا ضروری نہیں ہے، تغلیظ زمان مثلاً رمضان یا شب قدر یا جمعہ کے دن یا عصر کے بعد قسم لینا تغلیظ مکان مثلاً حجر اسود، خانہ کعبہ یا مسجد میں قسم لینا کیوں کہ قسم سے اس معبود کی تعظیم مقصود ہے، جس کے نام کی قسم کھائی ہے، اور یہ تعظیم اس زمان اور مکان کو ذکر کئے بغیر بھی حاصل ہے۔

(۲۶۴۸/۴۴) وَمَنِ ادَّعٰی اَنَّهُ ابْتَاعَ مِنْ هٰذَا عَبْدَهُ بِاَلْفٍ فَجَحَدَهُ اُسْتُحْلِفَ بِاللّٰهِ مَا بَيْنَكُمَا بَيْعٌ قَائِمٌ فِيْهِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللّٰهِ مَا بِعْتُ

ترجمہ: کسی نے دعویٰ کیا کہ میں نے خریدا ہے اس سے اس کا غلام ایک ہزار میں اور وہ اس کا انکار کرے تو قسم لی جائیگی کہ خدا کی قسم ہمارے درمیان اب تک بیع قائم نہیں ہوئی یوں نہیں لی جائے گی کہ اللہ کی قسم میں نے نہیں بیچا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس سے اس کا غلام ایک ہزار کے عوض خریدا ہے اور مدعی علیہ نے اس کا انکار کر دیا تو اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ سے اس طرح قسم لی جائے گی بخدا میرے اور اس کے درمیان اس غلام میں بیع موجود نہیں ہے اور قسم یوں نہیں لی جائے گی کہ بخدا میں نے یہ غلام نہیں بیچا ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ پہلے بیچا ہو لیکن بیع توڑ دی ہو تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے ابھی تو نہیں بیچا میں نے تو بہت پہلے بیچا تھا اس لئے قسم کھا سکتا ہے کہ ابھی نہیں بیچا اگر مدعی علیہ سے سبب یعنی بیع پر قسم لی گئی تو اس سے مدعی علیہ کو نقصان پہنچے گا لہٰذا اس سے نقصان دور کرنے کے لئے حاصل مراد پر قسم لی جائے گی۔

(۲۶۴۹/۴۴) وَيُسْتَحْلَفُ فِي الْغَصْبِ بِاللّٰهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْكَ رَدُّ هٰذِهِ الْعَيْنِ وَلَا رَدُّ قِيمَتِهَا وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللّٰهِ مَا غَصَبْتُ.

ترجمہ: اور قسم لی جائے گی غصب میں کہ اللہ کی قسم مستحق نہیں ہے یہ اس چیز کے واپس لینے کا اور نہ اس کی قیمت کا یوں نہیں لی جائے گی کہ اللہ کی قسم میں نے غصب نہیں کی۔

تشریح: اگر ایک آدمی نے دوسرے پر غصب کا دعویٰ کیا اور مدعی کے پاس گواہ نہ ہو، تو مدعی علیہ سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی کہ بخدا یہ مدعی مجھ پر شئی مغصوب کی واپسی کا مستحق نہیں رکھتا ہے اور ان الفاظ میں قسم نہیں لی جائے گی کہ بخدا میں نے غصب نہیں کیا ہے کیونکہ کبھی آدمی غصب کرتا ہے لیکن مالک غاصب کو شئی مغصوب ہبہ کرتا ہے یا غاصب کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے یا کبھی غاصب تاوان دے کر شئی مغصوب کا مالک ہو جاتا ہے چنانچہ اگر مدعی علیہ سے یہ قسم لی گئی کہ میں نے غصب نہیں کیا تو اس صورت میں مدعی علیہ کا نقصان ہوگا لہٰذا اس سے نقصان دور کرنے کے لئے یوں قسم لی جائے کہ مدعی مجھ پر مال غصب کی واپسی کا حق نہیں رکھتا ہے۔

(۲۶۵۰/۴۵) وَفِي النِّكَاحِ بِاللّٰهِ مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ فِي الْحَالِ.

ترجمہ: اور نکاح میں اللہ کی قسم ہم دونوں کے درمیان فی الحال نکاح قائم نہیں ہے۔

تشریح: اگر کسی نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا اور عورت نے انکار کر دیا یا اس کا برعکس ہوا اور مدعی گواہ پیش نہ کر سکا تو مدعی علیہ سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی کہ بخدا ہم دونوں کے درمیان فی الحال نکاح قائم نہیں ہے اور یہ قسم نہ لے کہ بخدا میں نے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا ہے کیونکہ کبھی نکاح کے بعد خلع ہو جاتا ہے اور خلع کے بعد نکاح باقی نہیں رہتا چنانچہ یہ قسم لینے میں کہ بخدا میں نے نکاح نہیں کیا ہے مدعی علیہ کا نقصان ہے لہٰذا اس سے نقصان دور کرنے کے لئے ان الفاظ میں قسم نہ لی جائے۔

(۴۶/۲۶۵۱) وَفِيْ دَعْوَى الطَّلَاقِ بِاللّٰهِ مَاهِيَ بَائِنٌ مِنْكَ السَّاعَةَ بِمَا ذَكَرَتْ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللّٰهِ مَا طَلَّقَهَا.

ترجمہ: اور طلاق کے دعویٰ میں بخدا نہیں ہے یہ مجھ سے بائن اب تک جیسا کہ اس نے بیان کیا ہے اور یوں نہیں لی جائے گی بخدا میں نے اس کو طلاق نہیں دی۔

تشریح: اگر عورت نے مرد پر طلاق کا دعویٰ کیا اور مرد نے اسکا انکار کیا اور مدعی علیہ کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعی علیہ (شوہر) سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی کہ بخدا یہ عورت مجھ سے اس وقت اس وجہ سے بائنہ نہیں ہے جس کا وہ دعویٰ کرتی ہے اور یہ قسم نہ لی جائے کہ بخدا میں نے اس کو طلاق نہیں دی ہے کیوں کہ بائنہ کرنے کے بعد کبھی نکاح کی تجدید کر لی جاتی ہے اب اگر اس سے یوں قسم لی گئی کہ بخدا میں نے اس کو طلاق نہیں دی ہے تو اس صورت میں مدعی علیہ کو نقصان پہنچے گا۔

(۴۷/۲۶۵۲) وَاِنْ كَانَتْ دَارٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ اِدَّعَاهُ اثْنَانِ اَحَدُهُمَا جَمِيْعَهَا وَالْآخَرُ نِصْفَهَا وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَلِصَاحِبِ الْجَمِيْعِ ثَلٰثَةُ اَرْبَاعِهَا وَلِصَاحِبِ النِّصْفِ رُبُعُهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا هِيَ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا.

ترجمہ: اور اگر ہو مکان کسی آدمی کے قبضہ میں جس کا دعویٰ کریں دو ان میں سے ایک پورے گھر کا اور دوسرا اس کے آدھے کا اور دونوں گواہ قائم کر دیں تو پورے دعویٰ کرنے والے کے لئے تین چوتھائی اور آدھے والے کے لئے اس کی ایک چوتھائی ہوگی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مکان دونوں میں تین تہائی ہوگا۔

تشریح: ایک مکان کسی آدمی کے قبضہ میں ہے اس کا دو آدمیوں نے دعویٰ کیا ایک نے کہا کہ پورا گھر میرا ہے اور دوسرے نے کہا کہ آدھا گھر میرا ہے اور دونوں نے اپنے دعووں پر گواہ قائم کر دیئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پورے گھر کا دعویٰ کرنے والے کو تین چوتھائی ملے گا اور جس نے آدھے گھر کا دعویٰ کیا ہے اس کو ایک چوتھائی ملے گا کیونکہ جس نے آدھے کا دعویٰ کیا تو باقی آدھا پورا دعویٰ کرنے والے کے لئے چھوڑ دیا اب اختلاف بقیہ نصف میں ہے اور دعویٰ دونوں کا برابر ہے لہذا اس نصف میں دونوں کا حق ثابت ہوگا تو پہلے نصف میں سے دو اور دوسرے نصف میں سے ایک ۲+۱=۳ صاحب الجمیع کے لئے اور ایک چوتھائی نصف والے کے لئے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ پورے گھر پر دعویٰ کرنے والے کو دو تہائی ملے گی اور آدھا دعویٰ کرنے والے کو گھر کی ایک تہائی ملے گی اسی کو مصنفؒ نے 'اثلاث' سے تعبیر کیا ہے۔

(۴۸/۲۶۵۳) وَلَوْ كَانَتِ الدَّارُ فِيْ اَيْدِيْهِمَا سُلِّمَتْ لِصَاحِبِ الْجَمِيْعِ نِصْفُهَا عَلٰى وَجْهِ الْقَضَاءِ وَنِصْفُهَا لَا عَلٰى وَجْهِ الْقَضَاءِ.

ترجمہ: اور اگر مکان دونوں کے قبضہ میں ہو تو سپرد کیا جائے گا پورے پر دعویٰ کرنے والے کو اس کا آدھا فیصلہ کے طور پر اور اس کا آدھا بغیر فیصلہ کے۔

تشریح: ایک گھر پر دو آدمیوں کا قبضہ ہے ان میں سے ایک کہتا ہے کہ پورا گھر میرا ہے اور اس پر گواہ قائم کر دیئے اور دوسرا کہتا ہے کہ اس میں سے آدھا گھر میرا ہے اور اس پر گواہ قائم کر دیئے تو یہ پورا گھر کل کے دعویٰ کرنے والے کو مل جائے گا اس لئے کہ جب مکان دونوں کے قبضہ میں ہے تو ہر ایک کے قبضہ میں آدھا آدھا مکان ہوا تو جو آدھا مدعی کل کے قبضہ میں ہے اس کا تو کوئی مدعی ہی نہیں لہٰذا وہ تو قضاء قاضی کے بغیر ہی اس کا ہے اور جو آدھا مدعی نصف کے قبضہ میں ہے اس کا مدعی کل مدعی ہے اور وہ شخص خارج ہے اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شخص خارج کا بینہ معتبر ہوتا ہے نہ کہ قابض کا تو وہ نصف بھی قاضی اسی کو دلا دے گا۔

(۲۶۵۴/۴۹) وَاِذَا تَنَازَعَا فِیْ دَابَّةٍ وَاَقَامَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَیِّنَةً اَنَّهَا نَتَجَتْ وَذَکَرَا تَارِیْخًا وَسِنُّ الدَّابَّةِ تُوَافِقُ اِحْدَی التَّارِیْخَیْنِ فَهُوَ اَوْلٰی وَاِنْ اَشْکَلَ ذٰلِكَ کَانَتْ بَیْنَهُمَا.

حل لغات: نتجت: ماضی معروف باب (ض) مصدر نتجاً جننا۔ سِنّ: عمر جمع اسنان کہا جاتا ہے ھُوَ حدیث السن، وہ نئی عمر کا ہے۔

ترجمہ: اگر جھگڑا کریں دو آدمی ایک جانور کے بارے میں اور ہر ایک گواہ قائم کر دے اس بات پر کہ وہ پیدا ہوا ہے میرے یہاں اور دونوں تاریخ ذکر کریں اور جانور کی عمر موافق ہو کسی ایک تاریخ کے تو وہ اولیٰ ہے اور اگر یہ بھی مشکل ہو جائے تو جانور دونوں کے درمیان مشترک رہے گا۔

تشریح: دو آدمیوں نے ایک جانور کے بارے میں دعویٰ کیا کہ میرا ہے اور یہ بھی کہا کہ میرے یہاں پیدا ہوا ہے اور دونوں نے تاریخ پیدائش بھی ذکر کر دی اور گواہ بھی قائم کر دیئے تو جانور کی عمر جس کی تاریخ کی موافقت کرتی ہے اسی کے لئے جانور کا فیصلہ ہوگا مثلاً ایک نے کہا دو سال پہلے میرے یہاں پیدا ہوا ہے اور دوسرے نے کہا کہ ایک سال پہلے پیدا ہوا ہے اور جانور کی عمر ایک سال ہے تو ایک سال والے کو دے دیا جائیگا اور اگر جانور کی عمر کسی کی موافقت نہیں کرتی ہے مثلاً نہ ایک سال کا ہے نہ دو سال کا تو اب دونوں کے لئے آدھے آدھے جانور کا فیصلہ ہوگا۔

(۲۶۵۵/۵۰) وَاِذَا تَنَازَعَا فِیْ دَابَّةٍ اَحَدُهُمَا رَاکِبُهَا وَالْاٰخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِلِجَامِهَا فَالرَّاکِبُ اَوْلٰی.

ترجمہ: دو آدمی جھگڑا کریں ایک جانور کے بارے میں ان میں سے ایک اس پر سوار ہے اور دوسرا اس کی لگام پکڑے ہوئے ہے تو سوار اولیٰ ہے۔

تشریح: جو شخص جانور پر سوار ہے اس کا قبضہ لگام پکڑنے والے سے زیادہ ہے اسلئے اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

(۲۶۵۶/۵۱) وَکَذٰلِكَ اِذَا تَنَازَعَا بَعِیْرًا وَعَلَیْهِ حِمْلٌ لِاَحَدِهِمَا فَصَاحِبُ الْحِمْلِ اَوْلٰی.

حل لغت: حمل: بکسر الحاء وسکون المیم: بوجھ جمع احمال۔

ترجمہ: اسی طرح اگر جھگڑا کریں دو آدمی اونٹ میں اور اس پر ایک آدمی کا بوجھ لدا ہوا ہو تو بوجھ والا اولیٰ ہوگا۔

تشریح: جس شخص کا بوجھ اونٹ پر ہے ظاہر ہے کہ اس کا بوجھ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اونٹ اسی کا ہے اس لئے اونٹ بوجھ والے کا ہوگا۔

(۲۶۵۷/۵۲) وَكَذٰلِكَ اِذَا تَنَازَعَا قَمِيْصًا اَحَدُهُمَا لَابِسُهٗ وَالْاٰخَرُ مُتَعَلِّقٌ بِكُمِّهٖ فَاللَّابِسُ اَوْلٰى.

ترجمہ: اسی طرح اگر جھگڑا کریں قمیص میں ان میں سے ایک اس کو پہنے ہوئے ہو اور دوسرا آستین پکڑے ہوئے ہو تو پہننے والا اولیٰ ہے۔

تشریح: جو آدمی قمیص پہنے ہوئے ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ قمیص اسی کی ہے ورنہ وہ کیسے پہن لیتا۔

(۲۶۵۸/۵۳) وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فِي الْبَيْعِ فَادَّعَى الْمُشْتَرِيْ ثَمَنًا وَادَّعَى الْبَائِعُ اَكْثَرَ مِنْهُ اَوِ اعْتَرَفَ الْبَائِعُ بِقَدْرٍ مِنَ الْمَبِيْعِ وَادَّعَى الْمُشْتَرِيْ اَكْثَرَ مِنْهُ وَاَقَامَ اَحَدُهُمَا الْبَيِّنَةَ قُضِيَ لَهٗ بِهَا فَاِنْ اَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةً كَانَتِ الْبَيِّنَةُ الْمُثْبِتَةُ لِلزِّيَادَةِ اَوْلٰى فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةٌ قِيْلَ لِلْمُشْتَرِيْ اِمَّا اَنْ تَرْضٰى بِالثَّمَنِ الَّذِيْ ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَاِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ وَقِيْلَ لِلْبَائِعِ اِمَّا اَنْ تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِيْ مِنَ الْمَبِيْعِ وَاِلَّا فَسَخْنَا الْبَيْعَ.

ترجمہ: اور جب اختلاف کریں بائع اور مشتری بیع میں پس دعویٰ کرے مشتری کچھ قیمت کا اور دعویٰ کرے بائع اس سے زائد کا یا اقرار کرے بائع مبیع کی ایک مقدار کا اور دعویٰ کرے مشتری اس سے زائد کا اور قائم کردے بینہ ان میں سے ایک تو اسی کے لئے فیصلہ ہوگا اگر دونوں گواہ قائم کردیں تو زیادتی کو ثابت کرنے والا بینہ اولیٰ ہوگا اگر نہ ہو ان میں سے کسی کے پاس گواہ تو کہا جائے گا مشتری سے کہ یا تو راضی ہو اس قیمت پر جس کا دعویٰ کیا ہے بائع نے ورنہ تو ہم بیع فسخ کردیں گے اور کہا جائے گا بائع سے یا تو، تو اس مبیع کو سپرد کردے جس کا مشتری مدعی ہے ورنہ تو ہم بیع کو فسخ کردیں گے۔

آپس میں قسم کھانے کا بیان:

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے مقدار ثمن میں اختلاف کیا مثلاً مشتری نے دعویٰ کیا کہ یہ بھینس دس ہزار روپے میں خریدی ہے اور بائع نے دعویٰ کیا کہ ثمن پندرہ ہزار روپے ہے یا مبیع کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً بائع نے دعویٰ کیا کہ مبیع ایک کوئنٹل ہے اور مشتری نے دعویٰ کیا کہ مبیع دو کوئنٹل ہے، پس دونوں میں سے کسی ایک

نے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کردیئے اور دوسرا عاجز آگیا تو جس نے گواہ پیش کئے ہیں اسی کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا کیونکہ دوسری جانب میں صرف دعویٰ ہے اور اس جانب میں دعویٰ پر گواہ بھی ہے اور صرف دعویٰ سے گواہ اقویٰ ہے اور اگر دونوں نے گواہ قائم کردیئے تو جس کے گواہ زیادتی کو ثابت کریں گے اسی کے گواہوں پر فیصلہ کریں گے اور اگر دونوں میں سے کسی کے پاس گواہ نہ ہو تو حاکم مشتری سے کہے گا کہ یا تو، تو اس ثمن پر راضی ہو جا جس کا بائع مدعی ہے ورنہ ہم عقد بیع کو فسخ کردیں گے اور حاکم بائع سے کہے گا کہ یا تو تو اس مبیع کو سپرد کردے جس کا مشتری مدعی ہے ورنہ تو ہم عقد بیع کو فسخ کردیں گے کیونکہ مقصود جھگڑے کو ختم کرنا ہے اور یہ بھی جھگڑا ختم کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

(۲۶۵۹/۵۴) فَإِنْ لَمْ يَتَرَاضَيَا اِسْتَحْلَفَ الْحَاكِمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلٰى دَعْوَى الْآخَرِ.

ترجمہ: پھر اگر دونوں راضی نہ ہوئے تو قسم لے حاکم ان میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری دونوں نے اختلاف کیا اور دونوں کے پاس گواہ نہیں ہیں اور حاکم کی ہدایت کے باوجود دونوں آپس میں رضامند بھی نہیں ہوئے تو حاکم دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ کے خلاف قسم لے گا۔

(۲۶۶۰/۵۵) وَيَبْتَدِئُ بِيَمِيْنِ الْمُشْتَرِيْ فَإِذَا حَلَفَا فَسَخَ الْقَاضِيْ الْبَيْعَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اور شروع کرے مشتری کی قسم سے جب وہ قسم کھالیں تو فسخ کردے قاضی بیع دونوں کے درمیان۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جس صورت میں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جاتی ہے اس صورت میں قاضی مشتری کی قسم سے ابتداء کرے یعنی پہلے مشتری سے قسم لے اور پھر بائع سے قسم لے، یہ امام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف کا بھی آخری قول یہی ہے، یہی امام صاحب سے ایک روایت ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ ثمن کا مطالبہ پہلے مشتری سے ہوتا ہے تو وہی منکر ٹھہرا۔

آگے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ اگر بائع اور مشتری دونوں نے قسم کھالی تو قاضی دونوں کے درمیان عقد بیع کو فسخ کردے گا۔

(۲۶۶۱/۵۶) فَإِنْ نَكَلَ اَحَدُهُمَا عَنِ الْيَمِيْنِ لَزِمَهُ دَعْوَى الْآخَرِ.

ترجمہ: اگر ان میں سے کوئی انکار کرے قسم سے تو لازم ہو جائے گا اس پر دوسرے کا دعویٰ۔

تشریح: بائع اور مشتری کو قسم کھانے کے لئے کہا ان میں سے کسی ایک نے قسم سے انکار کردیا تو منکر پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائے گا۔

(۲۶۶۲/۵۷) وَاِنِ اخْتَلَفَا فِي الْاَجَلِ اَوْ فِيْ شَرْطِ الْخِيَارِ اَوْ فِيْ اِسْتِيْفَاءِ بَعْضِ الثَّمَنِ فَلَا

تَحالُفَ بَيْنَهُمَا وَالقَولُ قَولُ مَن يُنكِرُ الْخِيَارَ وَالْاَجَلَ مَعَ يَمِينِهِ.

حل لغات: الاجل: مدت جمع إجال. استيفاء: مصدر ہے، استوفى استيفاء حقّه، کامل و پورا حق لینا۔ تحالف: بروزن تفاعل ہے، دونوں طرف سے قسم لینا۔

ترجمہ: اور اگر اختلاف کریں مدت میں یا شرط خیار میں یا کچھ ثمن وصول کرنے میں تو ان کے درمیان باہمی قسم نہیں ہے اور اسی کا قول قبول ہوتا ہے جو خیار شرط اور مدت کا انکار کرتا ہو اس کی قسم کے ساتھ۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے اصل میعاد میں اختلاف کیا مثلاً ایک کہے کہ مدت مقرر تھی اور دوسرا انکار کرے یا خیار شرط میں اختلاف کریں مثلاً مشتری کہے کہ میں نے خیار شرط کے ساتھ خریدا ہے اور بائع اس کا انکار کرے یا ثمن میں سے کچھ وصول پانے میں اختلاف کیا مثلاً مشتری کہے کہ تو اتنی قیمت وصول کر چکا بائع اس کا انکار کرے تو ہمارے نزدیک ان تمام صورتوں میں دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ منکر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

(۲۶۶۳/۵۸) وَاِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَاَبِي يُوْسُفَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِيْ فِي الثَّمَنِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَتَحَالَفَانِ وَيَفْسَخُ الْبَيْعُ عَلٰى قِيْمَةِ الْهَالِكِ.

ترجمہ: اور اگر مبیع ہلاک ہو جائے پھر اختلاف کریں ثمن میں تو قسم نہ کھائیں گے شیخینؒ کے نزدیک اور قول معتبر ہوگا مشتری کا قیمت میں اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع فسخ ہو جائے گی ہلاک شدہ کی قیمت پر۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد مبیع ہلاک ہوگئی پھر بائع اور مشتری نے ثمن کی مقدار میں اختلاف کیا تو شیخین کے نزدیک دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ مقدار ثمن کے سلسلہ میں مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا، امام محمد امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں سے قسم لی جائے گی چنانچہ اگر دونوں قسم کھا گئے تو بیع فسخ کر دی جائے گی اور مشتری پر تلف شدہ مبیع کی قیمت دینا واجب کر دیا جائے گا یعنی وہ مبیع کی بازاری قیمت بائع کو واپس کرے۔

(۲۶۶۴/۵۹) وَاِنْ هَلَكَ اَحَدُ الْعَبْدَيْنِ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا اَنْ يَّرْضَى الْبَائِعُ اَنْ يَّتْرُكَ حِصَّةَ الْهَالِكِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَتَحَالَفَانِ وَيَنْفَسِخُ الْبَيْعُ فِي الْحَيِّ وَقِيْمَةِ الْهَالِكِ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور اگر ہلاک ہو جائے دو غلاموں میں سے ایک پھر اختلاف کریں دونوں ثمن میں تو قسم نہ کھائیں گے امام صاحبؒ کے نزدیک مگر یہ کہ راضی ہو جائے بائع ہلاک شدہ کے حصہ کو چھوڑنے پر اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع فسخ ہو جائے گی زندہ میں اور ہلاک شدہ کی قیمت میں اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنے دو غلام عقد واحد کے تحت فروخت کئے اور مشتری نے ان دونوں پر قبضہ کر لیا پھر ان دونوں غلاموں میں سے ایک ہلاک ہو گیا اس کے بعد بائع اور مشتری نے مقدار ثمن میں اختلاف کیا چنانچہ بائع کہتا ہے کہ دونوں غلام دو ہزار میں فروخت کئے تھے اور مشتری کہتا ہے کہ میں نے تجھ سے ان دونوں کو ایک ہزار کے عوض خریدا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی ہاں اگر بائع اس پر راضی ہو جائے کہ مرے ہوئے غلام کا حصہ چھوڑ دے جو کہ مشتری کہتا ہے اور زندہ غلام کو مشتری لے لے تو اس صورت میں دونوں سے قسم لی جائے گی۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ زندہ غلام کے بارے میں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی اور تحالف کے بعد زندہ غلام میں عقد بیع فسخ کر دیا جائے گا اور تلف شدہ غلام کے حصہ ثمن میں مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا یعنی زندہ غلام تو بائع کو پھیر دیا جائے گا اور ہلاک شدہ کی قیمت جو مشتری کہے وہ دلا دی جائے گی۔

(۲۶۶۵/۶۰) وَإِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي الْمَهْرِ فَادَّعَى الزَّوْجُ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا بِأَلْفٍ وَقَالَتْ تَزَوَّجْتَنِي بِأَلْفَيْنِ فَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ قُبِلَتْ بَيِّنَتُهُ وَإِنْ أَقَامَا مَعًا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمَرْأَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ تَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَلَمْ يُفْسَخِ النِّكَاحُ وَلٰكِنْ يُحَكَّمُ مَهْرُ الْمِثْلِ فَإِنْ كَانَ مِثْلَ مَا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ أَقَلَّ قُضِيَ بِمَا قَالَ الزَّوْجُ وَإِنْ كَانَ مِثْلَ مَا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ أَوْ أَكْثَرَ قُضِيَ بِمَا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ وَإِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ أَكْثَرَ مِمَّا اعْتَرَفَ الزَّوْجُ وَأَقَلَّ مِمَّا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ قُضِيَ لَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ.

ترجمہ: جب اختلاف کریں میاں بیوی مہر کے بارے میں چنانچہ دعویٰ کرے شوہر کہ میں نے اس سے شادی کی ہے ایک ہزار پر اور بیوی کہے کہ تو نے شادی کی ہے مجھ سے دو ہزار پر تو جو بھی گواہ قائم کرے اس کا بینہ قبول ہوگا اگر دونوں ایک ساتھ گواہ قائم کر دیں تو عورت کا بینہ معتبر ہوگا اور اگر بینہ دونوں کے پاس نہ ہو تو دونوں قسم کھائیں گے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا لیکن حکم ٹھہرایا جائے گا مہر مثل کو پس اگر مہر مثل اتنا ہو جتنے کا اقرار کیا ہے شوہر نے یا اس سے کم ہو تو فیصلہ کیا جائے گا اتنے کا جتنا شوہر کہے اور اگر اتنا ہو جتنے کا دعویٰ کیا ہے عورت نے یا اس سے زیادہ ہو تو فیصلہ کیا جائے گا اتنے کا جتنے کا عورت نے دعویٰ کیا اور اگر مہر مثل اس سے زیادہ ہو جتنے کا اقرار کیا ہے شوہر نے اور کم ہو اس سے جتنے کا عورت نے دعویٰ کیا تو فیصلہ کیا جائے گا عورت کے لئے مہر مثل کا۔

زوجین میں مہر کی بابت اختلاف کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے مہر کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً شوہر نے کہا کہ میں نے اس عورت کے ساتھ ایک ہزار کے عوض نکاح کیا ہے، اور عورت نے دعویٰ کیا کہ اس مرد نے میرے ساتھ دو ہزار کے

عوض نکاح کیا ہے تو جو اپنا مدعا گواہوں سے ثابت کرے اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنا دعویٰ بینہ سے ثابت کردیا ہے اور اگر میاں بیوی دونوں نے اپنا اپنا بینہ قائم کردیا تو عورت کا بینہ قبول ہوگا کیونکہ عورت کا بینہ زیادتی مہر کو ثابت کرتا ہے لیکن عورت کا بینہ اس وقت قبول ہوگا جب کہ مہر مثل اس سے کم ہو جس کا عورت دعویٰ کرتی ہے ورنہ اگر مہر مثل اس کے برابر ہو جس کا عورت دعویٰ کرتی ہے یا اس سے زیادہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں شوہر کا بینہ قبول ہوتا ہے اور اگر مرد وعورت دونوں بینہ قائم کرنے سے عاجز آگئے تو امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں سے قسم لی جائے گی مگر نکاح فسخ نہیں ہوگا کیونکہ ہر ایک کی قسم کا اثر یہ ہوگا کہ مہر کے سلسلہ میں دونوں کا دعویٰ معدوم ہو جائے اور ایسا ہو جائے گویا کہ مہر کا ذکر نہیں کیا ہے اور مہر کا ذکر نہ کرنا صحت نکاح کے لئے مخل نہیں ہوتا ہے کیونکہ مہر نکاح میں تابع ہوتا ہے چنانچہ اس قسم سے مہر کی تعیین تو ختم ہو جائے گی لیکن نکاح فسخ نہیں ہوگا اور جب نکاح فسخ نہیں ہوا اور مہر کا ذکر معدوم ہو گیا تو جھگڑا ختم کرنے کے لئے مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا چنانچہ اگر مہر مثل شوہر کے اقرار کردہ مہر کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو جس قدر مہر کا شوہر نے اقرار کیا ہے اسی قدر کا حکم دیا جائے گا اور اگر مہر مثل اس قدر ہو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زیادہ ہو تو جس قدر عورت نے دعویٰ کیا ہے اسی کا حکم دیا جائے گا اور اگر مہر مثل درمیانی ہو یعنی شوہر کے اقراری مہر سے زیادہ ہو اور عورت کے دعویٰ کردہ مہر سے کم ہو تو عورت کے واسطے مہر مثل کا حکم دیا جائے گا کیونکہ جب دونوں قسم کھا گئے تو نہ مہر مثل سے زائد ثابت ہوگا اور نہ اس سے کم ثابت ہوگا بلکہ مہر مثل کا حکم دیا جائے گا۔

(۲۶۶۶/۶۱) وَإِذَا اخْتَلَفَا فِي الْإِجَارَةِ قَبْلَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا.

حل لغات: استیفاء: وفی سے مشتق ہے، وصول کرنا۔ المعقود علیہ: جس پر عقد ہوا ہو، یہاں نفع مراد ہے جس پر معاملہ طے ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور اگر اختلاف کریں اجارہ میں معقود علیہ حاصل کرنے سے پہلے تو دونوں قسم کھائیں اور اجارہ کو پھیرلیں۔

اجارہ اور عقد کتابت میں اختلاف کا بیان

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ موجر (اجارہ پر دینے والے) اور مستاجر (اجرت پر لینے والے) نے اجرت کی مقدار میں اختلاف کیا یا معقود علیہ یعنی منفعت کی مقدار میں اختلاف کیا اور یہ اختلاف منافع حاصل کرنے سے پہلے واقع ہوا تو اس صورت میں دونوں سے قسمیں لے کر عقد اجارہ فسخ کردیا جائے گا۔

(۲۶۶۷/۶۲) وَإِنِ اخْتَلَفَا بَعْدَ الْإِسْتِيْفَاءِ لَمْ يَتَحَالَفَا وَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلُ الْمُسْتَاجِرِ.

ترجمہ: اور اگر اختلاف کریں منافع وصول کرنے کے بعد تو دونوں قسم نہ کھائیں گے اور قول معتبر ہوگا مستاجر کا۔

تشریح: اگر اجارہ میں منافع حاصل کرنے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا ہو تو بالاتفاق دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ مستاجر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا دونوں قسم اس لئے نہیں کھائیں گے کہ نفع وصول کرلیا اور وہ چونکہ عرض ہے اس لئے ہلاک بھی ہوگیا ہے تو جس طرح مبیع وصول کرے اور ہلاک ہو جائے تو مبیع کو واپس کرنا ناممکن ہے اور دونوں کو قسم کھلا کر بیع توڑنا مشکل ہے وہ تو ہوگئی اسی طرح نفع وصول کرنے کے بعد اور اس کے معدوم ہونے کے بعد اس کو توڑنا ناممکن ہے اس لئے دونوں کو قسم نہیں کھلائیں گے بلکہ یہاں موجر زیادتی ثمن کا دعویٰ کرتا ہے اور مستاجر اس کا انکار کرتا ہے اور موجر کے پاس گواہ نہیں ہے اس لئے مستاجر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

(۲۶۶۸/۶۳) وَاِنِ اخْتَلَفَا بَعْدَ اِسْتِيْفَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُوْدِ عَلَيْهِ تَحَالَفَا وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِيْمَا بَقِيَ وَكَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَاضِيْ قَوْلَ الْمُسْتَاجِرِ مَعَ يَمِيْنِهِ.

ترجمہ: اور اگر اختلاف کریں کچھ معقود علیہ حاصل کرنے کے بعد تو دونوں قسم کھائیں گے اور فسخ کیا جائے عقد مابقیہ میں اور معتبر ہوگا قول گذشتہ زمانے کے بارے میں مستاجر کا اس کی قسم کے ساتھ۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقد اجارہ میں کچھ منافع حاصل کرنے کے بعد موجر اور مستاجر نے اختلاف کیا تو دونوں سے قسم لے کر مابقیہ میں عقد اجارہ فسخ کردیا جائے گا اور گذشتہ زمانہ کے بارے میں مستاجر کا قول معتبر ہوگا مثلاً ایک ماہ طے تھا اس میں سے پندرہ دن گذر گئے اور پندرہ دن ابھی باقی تھے کہ دونوں میں اختلاف ہوگیا تو پندرہ دن جو باقی ہیں ان کے بارے میں دونوں قسمیں کھائیں گے اور قسمیں کھلا کر اس معاملہ کو فسخ کردیا جائے گا اور جتنا کام کرچکا ہے وہ چونکہ وصول ہوگیا اور معدوم بھی ہوگیا اس لئے ان کے بارے میں دونوں کو قسم نہیں دیں گے بلکہ مستاجر منکر اور مدعی علیہ ہے اور موجر کے پاس گواہ نہیں ہے تو مدعی علیہ پر قسم ہوگی وہ قسم کھا جائے تو اس کی بات پر فیصلہ ہوگا۔

(۲۶۶۹/۶۴) وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمَوْلٰى وَالْمُكَاتَبُ فِيْ مَالِ الْكِتَابَةِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا يَتَحَالَفَانِ وَتُفْسَخُ الْكِتَابَةُ.

ترجمہ: اور جب اختلاف کریں آقا اور مکاتب مال کتابت میں تو قسم نہ کھائیں گے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور کتابت فسخ ہو جائے گی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر آقا اور مکاتب نے بدل کتابت کی مقدار میں اختلاف کیا مثلاً آقا نے کہا کہ میں نے تم کو چار ہزار روپے پر مکاتب بنایا ہے اور مکاتب نے کہا کہ نہیں بلکہ ایک ہزار روپے پر مکاتب بنایا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں پر تحالف واجب نہ ہوگا بلکہ مکاتب کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں قسم کھائیں گے اور تحالف کے بعد عقد کتابت کو فسخ کردیا جائے گا کیونکہ کتابت ایسا عقد معاوضہ ہے جو فسخ کو قبول کرتا ہے پس یہ بیع کے مشابہ ہوگیا یعنی جس طرح اختلاف ثمن کی صورت میں

بائع اور مشتری پر تحالف واجب ہوتا ہے اسی طرح بدل کتابت میں اختلاف کی صورت میں بھی آقا اور مکاتب دونوں پر تحالف واجب ہوگا امام صاحب فرماتے ہیں کہ مکاتب پر بدل کتابت لازم ہی نہیں کیونکہ وہ خود کو عاجز قرار دے کر اس کو ختم کرسکتا ہے تو کتابت بیع کے معنی میں کہاں ہوئی؟ لہٰذا تحالف نہ ہوگا۔

(۲۶۷۰/۶۵) وَإِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِيْ مَتَاعِ الْبَيْتِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ وَمَا يَصْلُحُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ وَمَا يَصْلُحُ لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ.

ترجمہ: جب اختلاف کریں میاں بیوی گھریلو سامان میں تو جو چیزیں مردوں کے لائق ہیں وہ مرد کے لئے ہوں گی اور جو چیزیں عورتوں کے لائق ہیں وہ عورت کیلئے ہوں گی اور جو چیزیں دونوں کے لائق ہیں وہ مرد کیلئے ہیں۔

گھریلو سامان میں زوجین کے اختلاف کا بیان

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے گھریلو سامان میں اختلاف کیا کہ یہ سامان میری ملک ہے اور گواہ دونوں کے پاس موجود نہیں ہیں تو فیصلہ اس طرح کیا جائے گا کہ جو سامان مرد کے کارآمد ہو وہ سامان قسم لے کر مرد کو دے دیا جائے گا جیسے پگڑی، ٹوپی، تاج کتابیں گھوڑا آلات جہاد وغیرہ۔

اور جو سامان بیوی کے کارآمد ہو وہ سامان قسم لے کر عورت کو دے دیا جائے گا جیسے اوڑھنی کرتی، برقع، زیور، کنگن، انگوٹھی، پازیب ریشم کے کپڑے وغیرہ، اور جو سامان دونوں کے لائق ہے تو اس میں شوہر کا قول معتبر ہوگا جیسے چارپائی، چٹائی، برتن، فون، موبائل، وغیرہ۔

(۲۶۷۱/۶۶) فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَ وَرَثَتُهُ مَعَ الْآخَرِ فَمَا يَصْلُحُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْبَاقِيْ مِنْهُمَا وَقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يُدْفَعُ إِلَى الْمَرْأَةِ مَايُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا وَالْبَاقِيْ لِلزَّوْجِ.

ترجمہ: پھر اگر ان میں سے ایک مر جائے اور اختلاف کریں اس کے ورثاء دوسرے کے ساتھ تو جو چیزیں مردوں اور عورتوں کے قابل ہوں وہ ان میں سے زندہ کی ہوں گی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عورت کو دیا جائے گا وہ سامان جو جہیز میں دیا جاتا ہو اور باقی شوہر کے لئے ہوگا۔

تشریح: اگر زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا اور پھر میت کے ورثاء نے زندہ سے سامان کے بارے میں اختلاف کیا تو گھر کا کل سامان اس کے لئے ہوگا جو زندہ ہے خواہ وہ سامان مردوں کے لائق ہو خواہ عورتوں کے لائق ہو کیونکہ قبضہ زندہ آدمی کا معتبر ہوتا ہے نہ کہ مردہ کا، یہ تفصیل امام صاحب کے نزدیک ہے حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عورت جو سامان جہیز کے طور پر لایا کرتی ہے وہ سامان تو عورت کو دے دیا جائے یا اس کے مرنے کی صورت میں اس

کے وارث کو اور باقی سامان شوہر سے قسم لے کر اس کو دے دیا جائے یا اس کے وارث کا ہوگا۔

(۲۶۷۲/۶۷) وَاِذَا بَاعَ الرَّجُلُ جَارِيَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ فَاِنْ جَاءَتْ بِهِ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ بَاعَهَا فَهُوَ ابْنُ الْبَائِعِ وَاُمُّهُ اُمُّ وَلَدٍ لَهُ وَيُفْسَخُ الْبَيْعُ وَيُرَدُّ الثَّمَنُ.

ترجمہ: اور جب بیچی کسی نے باندی اس نے بچہ جنا اور بائع نے دعویٰ کیا اس کا پھر اگر جنا ہو اس نے چھ ماہ سے کم میں اس دن سے جس دن کہ بیچا تھا اس کو تو وہ بائع کا بیٹا ہوگا، اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہوگی اور بیع فسخ ہو جائے گی اور قیمت لوٹائی جائے گی۔

دعویٰ نسب کا بیان

تشریح: ایک شخص نے باندی فروخت کی اس باندی نے وقت بیع سے چھ ماہ کے اندر اندر بچہ دیا اور بائع نے بچہ کا دعویٰ کیا تو وہ بچہ بائع کا ہو جائے گا، اور اس کی ماں بائع کی ام ولد بن جائے گی اور جو بیع کی تھی وہ فسخ ہو جائے گی اور بائع کو مشتری کی طرف ثمن واپس کرنا ہوگا امام زفر اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بائع کا دعویٰ باطل ہوگا کیونکہ بائع کا باندی کو فروخت کرنا اس بات کا اقرار ہے کہ وہ اس کی ام ولد نہیں، باندی ہے، حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ قرار حمل ایک پوشیدہ امر ہے اور ملک بائع میں قرار حمل اس بات کی دلیل ہے کہ بچہ بائع کا ہے کیونکہ ولادت چھ ماہ سے کم میں ہے تو بائع کا دعویٰ اصل حمل کی طرف منسوب ہوگا معلوم ہوا کہ اس نے ام ولد کی بیع کی ہے لہٰذا بیع فسخ ہو جائے گی کیونکہ ام ولد کی بیع جائز نہیں اور ثمن واپس کرنا ضروری ہوگا۔

(۲۶۷۳/۶۸) وَاِنِ ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِيْ مَعَ دَعْوَةِ الْبَائِعِ اَوْ بَعْدَهَا فَدَعْوَةُ الْبَائِعِ اَوْلٰى.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے اس کا مشتری بائع کے دعویٰ کے ساتھ یا اس کے بعد تو بائع کا دعویٰ اولیٰ ہوگا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ بائع کے دعویٰ کے بعد یا بائع کے دعویٰ کے ساتھ مشتری نے بھی دعویٰ کیا کہ بچہ میرا ہے پھر بھی بائع کے دعویٰ کو ترجیح دی جائیگی اور مشتری کا دعویٰ معتبر نہ ہوگا کیونکہ بائع کا دعویٰ بہرحال سابق ہے۔

(۲۶۷۴/۶۹) وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ لِاَكْثَرَ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَلِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ دَعْوَةُ الْبَائِعِ فِيْهِ اِلَّا اَنْ يُّصَدِّقَهُ الْمُشْتَرِيْ.

ترجمہ: اور اگر وہ بچہ جنے چھ ماہ سے زائد میں اور دو سال سے کم میں تو قبول نہیں کیا جائے گا بائع کا دعویٰ مگر یہ کہ تصدیق کر دے اس کی مشتری۔

تشریح: اگر باندی چھ ماہ سے زائد اور دو سال سے کم میں بچہ جنے اور بائع بچہ کا دعویٰ کرے کہ میرا ہے تو بائع

کی بات نہیں مانی جائے گی ہاں اگر مشتری اس کی تصدیق کرے کہ بچہ بائع ہی کا ہے تو بائع کی بات مان لی جائے گی کیونکہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ خریدنے کے بعد مشتری نے باندی سے صحبت کی ہو اور اس سے بچہ پیدا ہوا ہو تو بائع کا بچہ ہونا کوئی یقینی بات نہیں ہے لہٰذا مشتری کی تصدیق ضروری ہے پس اس کی تصدیق پر نسب ثابت بیع باطل بچہ آزاد اور اس کی ماں بائع کی ام ولد ہو جائے گی۔

(۲۶۷۵/۷۰) وَاِنْ مَاتَ الْوَلَدُ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَائَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتِ النَّسَبُ فِي الْوَلَدِ وَلَا الْاِسْتِيْلَادُ فِي الْاُمِّ.

ترجمہ: اور اگر مر جائے بچہ پھر دعویٰ کرے اس کا بائع حالانکہ جنا تھا اس کو چھ ماہ سے کم میں تو ثابت نہ ہوگا نسب بچہ میں اور نہ ام ولد ہونا ماں میں۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ بچہ کی زندگی میں تو بائع نے دعویٰ نہیں کیا لیکن جب بچہ کا انتقال ہو گیا تو پھر بائع نے دعویٰ کیا تو نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ بچہ کا نسب ثابت کرنا ایک مجبوری تھی کہ اگر نسب ثابت نہ کیا جاتا تو بچہ حرامی سمجھا جاتا لیکن انتقال کے بعد ثبوت نسب سے مستغنی ہو گیا اور جب اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا تو اس کی ماں ام ولد بھی نہیں بنے گی کیوں کہ یہ تابع ولد ہے۔

(۲۶۷۶/۷۱) وَاِنْ مَاتَتِ الْاُمُّ فَادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَقَدْ جَائَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ فِي الْوَلَدِ وَاَخَذَهُ الْبَائِعُ وَيَرُدُّ الثَّمَنَ كُلَّهٗ فِي قَوْلِ اَبِي حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْوَلَدِ وَلَا يَرُدُّ حِصَّةَ الْاُمِّ.

ترجمہ: اور اگر مر جائے ماں پھر دعویٰ کرے اس کا بائع حالانکہ جنا تھا اس کو چھ ماہ سے کم میں تو ثابت ہو جائے گا نسب بچہ میں اور لے لے گا اس کو بائع اور لوٹائے گا اس کو پوری قیمت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ لوٹائے گا بچہ کا حصہ اور نہیں لوٹائے گا ماں کا حصہ۔

تشریح: بچہ زندہ تھا ماں مر گئی اس کے بعد بائع نے بچہ کا دعویٰ کیا اور بچہ چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا تھا تو نسب ثابت ہو جائے گا اور بچہ بائع کا ہوگا اس لئے اب بائع بچہ کو مشتری سے واپس لے گا اور ماں ام ولد ہوگی اور بائع نے جتنی قیمت مشتری سے وصول کی ہے وہ سب مشتری کو واپس کرے یہ تفصیل امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ بائع صرف بچہ کا حصہ مشتری کی جانب واپس کرے اور بچہ واپس لے لے ماں کا حصہ مشتری کی جانب واپس نہ کرے۔

(۲۶۷۷/۷۲) وَمَنِ ادَّعٰى نَسَبَ اَحَدِ التَّوْاَمَيْنِ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا مِنْهُ.

ترجمہ: کسی نے دعویٰ کیا جڑواں بچوں میں سے ایک کے نسب کا تو ثابت ہوجائیگا دونوں کا نسب اس سے۔

تشریح: ایک عورت کو جڑواں بچے پیدا ہوئے ان میں سے ایک کے بارے میں ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میرا بچہ ہے تو دونوں کا نسب اسی مدعی سے ثابت ہوگا کیونکہ ایک ہی پیٹ میں دو بچے ایک ہی پانی سے ہوں گے جڑواں بچوں میں دوسرے کا پانی نہیں ہوسکتا اس لئے دوسرے بچہ کا نسب بھی اسی باپ سے ثابت ہوگا۔

کتاب الشهادات

(یہ کتاب شہادت کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الدعویٰ اور کتاب الشہادات میں مناسبت یہ ہے کہ دعویٰ کے اندر اکثر مدعی اور مدعی علیہ کو گواہی کی ضرورت پڑتی ہے اور چونکہ دعویٰ مقدم ہوتا ہے گواہی مؤخر ہوتی ہے اس لئے کتاب الدعویٰ کے بعد کتاب الشہادات لا رہے ہیں۔

لغوی تعریف: شہادت کے لغوی معنی ہیں، مشاہدہ کے بعد کسی چیز کی صحت کی خبر دینا۔

اصطلاحی تعریف: کسی کا حق ثابت کرنے کے لئے قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی بات کی خبر دینے کے ہیں۔

شہادت کا ثبوت: ارشاد باری ہے، واستشھدوا شھدین من رجالکم (اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کرلیا کرو) آیت کے اس ٹکڑے سے شہادت ثابت ہوئی۔

(۱/۲۶۷۸) اَلشَّهَادَةُ فَرْضٌ تَلْزَمُ الشُّهُوْدَ وَلَا يَسَعُهُمْ كِتْمَانُهَا اِذَا طَالَبَهُمُ الْمُدَّعِيْ.

ترجمہ: گواہی ایسا فرض ہے جو لازم ہے گواہوں پر اور اس کو چھپانے کی گنجائش نہیں ہے ان کے لئے جب کہ طلب کرے ان سے مدعی۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ شہادت کی ادائیگی اور اس کا تحمل مدعی کے مطالبہ کے وقت گواہوں پر ایسا فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے اور اس کا چھپانا ناجائز ہے ہاں اتنی بات تو ضرور ہے کہ اگر گواہی دینے والے ایک دو آدمی متعین ہوں تو گواہی دینا فرض عین ہوگا اور اگر جہت سے لوگ ہیں تو فرض کفایہ ہوگا شہادت فرض ہونے پر یہ آیت دلیل ہے۔ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاءُ اِذَا مَا دُعُوا یعنی جب گواہ بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں آیت میں چونکہ مطالبہ کے وقت انکار کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس لئے مطالبہ کے وقت حاضر ہونے کا امر ہوگا اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے لہٰذا شہادت دینا واجب اور لازم ہوگا۔

(۲/۲۶۷۹) وَالشَّهَادَةُ بِالْحُدُوْدِ يُخَيَّرُ فِيْهَا الشَّاهِدُ بَيْنَ السَّتْرِ وَالْإِظْهَارِ وَالسَّتْرُ اَفْضَلُ اِلَّا اَنَّهٗ يَجِبُ اَنْ يَّشْهَدَ بِالْمَالِ فِي السَّرِقَةِ فَيَقُوْلُ اَخَذَ الْمَالَ وَلَا يَقُوْلُ سَرَقَ.

ترجمہ: اور حدود کی گواہی میں اختیار ہے گواہ کو چھپانے اور ظاہر کرنے کے درمیان لیکن چھپانا افضل ہے مگر یہ کہ واجب ہے گواہی دینا مال کی چوری میں چنانچہ کہے کہ اس نے لیا ہے اور نہ کہے کہ چرایا ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حدود میں گواہ ہو تو اس کو اختیار ہے دل چاہے گواہی دے کر مبتلیٰ بہ کے عیب کو ظاہر کر دے اور دل چاہے گواہی نہ دے کر اس کے عیب کی پردہ پوشی کرے کیوں کہ گواہ دونوں صورتوں میں اجر و ثواب کا مستحق ہے اس طرح کہ اگر اس نے گواہی دی تو حد الٰہی قائم کرانے کی وجہ سے مستحق ثواب ہوگا اور اگر گواہی نہ دی تو ایک مسلمان کی پردہ دری کرنے سے بچنے کی وجہ سے مستحق ثواب ہوگا، آگے فرماتے ہیں کہ حدود میں گواہوں کو اگر چہ ستر اور اظہار دونوں کا اختیار ہے مگر گواہی نہ دینا افضل ہے کیونکہ حدیث میں ہے اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے، بہر حال حدود میں گواہی چھپانا افضل ہے لیکن حد سرقہ میں سرقہ کی گواہی چھپانا اگر چہ افضل ہے لیکن مال کی گواہی دینا واجب ہے یعنی صرف یہ گواہی دے کہ اس نے مال لیا ہے اور یہ نہ کہے کہ اس نے چوری کی ہے اس صورت میں بندہ کا حق زندہ ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں چور پر ضمان تو واجب ہوگا لیکن اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(۳/۲۶۸۰) وَالشَّهَادَةُ عَلٰى مَرَاتِبَ مِنْهَا الشَّهَادَةُ فِي الزِّنَا يُعْتَبَرُ فِيْهَا اَرْبَعَةٌ مِنَ الرِّجَالِ وَلَاتُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ.

ترجمہ: اور گواہی کے چند مراتب ہیں ان میں سے ایک زنا کی گواہی ہے جس میں اعتبار کیا جاتا ہے چار مردوں (کی گواہی) کا اور نہیں قبول کی جاتی ہے اس میں عورتوں کی گواہی۔

گواہی کے چند مراتب کا بیان

تشریح: امام قدوری فرماتے ہیں کہ شہادت کے چند مراتب (چار مراتب) ہیں اس عبارت میں اول کا تذکرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی قسم زنا کی گواہی ہے یہ سب سے اعلیٰ ہے اس میں چار مردوں کی گواہی معتبر ہے کیونکہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے فاستشہدوا علیہن اربعۃ منکم (وہ عورتیں جو بدکاری کریں) ان پر اپنوں میں سے چار مرد گواہ لاؤ'' اس آیت میں چار کے عدد کی صراحت ہے اور گواہوں کا مرد ہونا اس طرح معلوم ہوا کہ لفظ 'اربعۃ' مؤنث ہے اور عربی قاعدہ کے اعتبار سے تین سے نو تک کا عدد اگر مذکر ہوتا ہے تو معدود مؤنث آتا ہے اور عدد اگر مؤنث ہو تو معدود مذکر ہوتا ہے اس جگہ آیت میں لفظ 'اربعۃ' مؤنث ہے اس لئے اس کا معدود مذکر ہوگا آگے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ زنا

میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد شیخین کے زمانہ سے یہ سنت جاری ہے کہ حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ **کذا فی الهدایة ومجمع الانهر.**

(۴/۲۶۸۱) وَمِنهَا الشَّهَادَةُ بِبَقِيَّةِ الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ وَلَاتُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ.

ترجمہ: اور انہیں میں سے گواہی ہے باقی حدود اور قصاص کی قبول کی جاتی ہے ان میں دو مردوں کی گواہی اور نہیں قبول کی جاتی ہے ان میں عورتوں کی گواہی۔

تشریح: گواہی کا دوسرا مرتبہ حد زنا کے علاوہ دوسری حدود جیسے حد سرقہ حد قذف حد شرب خمر اور قصاص میں گواہی دینا ہے چنانچہ فرمایا کہ حد زنا کے علاوہ دوسری حدود وقصاص میں دو مردوں کی گواہی قبول کی جائے گی اور عورتوں کی گواہی غیر معتبر ہے۔

(۵/۲۶۸۲) وَمَا سِوىٰ ذٰلِكَ مِنَ الْحُقُوْقِ تُقْبَلُ فِيْهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ سَوَاءٌ كَانَ الْحَقُّ مَالًا اَوْ غَيْرَ مَالٍ مِثْلُ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ.

ترجمہ: اور جو ان کے علاوہ ہوں حقوق میں سے تو قبول کی جائے گی ان میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی برابر ہے کہ وہ حق مال ہو یا غیر مال ہو جیسے نکاح طلاق، وکالت، وصیت۔

تشریح: اس عبارت میں گواہی کے تیسرے مرتبہ کا تذکرہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حدود وقصاص کے علاوہ جتنے حقوق ہیں چاہے وہ حقوق مالی ہوں یا حقوق غیر مالی ہوں ان سب میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے حقوق مالی کی مثال بیع وشراء ہے حقوق غیر مالی کی مثال نکاح طلاق وغیرہ ہے۔

(۶/۲۶۸۳) وَتُقْبَلُ فِي الْوِلَادَةِ وَالْبَكَارَةِ وَالْعُيُوْبِ بِالنِّسَاءِ فِيْ مَوْضَعٍ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ: اور قبول کی جائے گی ولادت، باکرہ ہونے اور عورتوں کے ان عیوب میں جن پر مطلع نہیں ہو سکتے مرد صرف ایک عورت کی گواہی۔

تشریح: گواہی کا چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ ولادت بکارت اور عورتوں کے بدن پر ایسے پوشیدہ عیوب جن پر عورتیں ہی مطلع ہو سکتی ہوں اور مرد مطلع نہ ہو سکتے ہوں ان میں ایک عورت کی گواہی کافی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ولادت نام ہے ماں سے بچہ کا جدا ہونا اور ماں سے بچہ کے جدا ہونے پر مردوں کا مطلع ہونا ناممکن ہے اس لئے نفس ولادت پر عورتوں کی گواہی مقبول ہے اور بکارت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی نامرد اور اس کی بیوی کے درمیان اختلاف ہوا

اور نامرد شوہر نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے اور بیوی نے اس کا انکار کیا اور ایک عورت یا چند عورتوں نے اس کے باکرہ ہونے کی گواہی دی تو اس کے شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی پھر ایک سال گذر جانے پر بھی شوہر نے صحبت کا دعویٰ کیا اور عورت نے انکار کر دیا تو قاضی عورتوں کو حکم دے گا کہ وہ اس عورت کو دیکھیں باکرہ ہے یا ثیبہ ہے چنانچہ اگر عورتوں نے اس کے باکرہ ہونے کی خبر دی تو اس کو اختیار ہوگا خواہ نکاح کو باقی رکھے یا تفریق کرالے اگر اس نے تفریق کو اختیار کیا تو قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا کیونکہ عورتوں کی گواہی کو ایک تائید حاصل ہوگئی یعنی باکرہ ہونا، اسی طرح جہاں مرد نہیں دیکھ سکتا وہاں صرف عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی، جیسے شرمگاہ وغیرہ کی بیماری اس کے بارے میں ایک عورت کی گواہی کافی مانی جائے گی اور اسی پر فیصلہ کیا جائے گا۔

(۲۶۸۴/۷) وَلَا بُدَّ فِي ذٰلِكَ كُلِّهٖ مِنَ الْعَدَالَةِ وَلَفْظَةِ الشَّهَادَةِ فَاِنْ لَّمْ يَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفْظَةَ الشَّهَادَةِ وَقَالَ اَعْلَمُ اَوْ اَتَيَقَّنُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهٗ.

ترجمہ: اور ضروری ہے ان تمام میں عادل ہونا اور لفظ شہادت کا ہونا، چنانچہ اگر نہ ذکر کرے گواہ لفظ شہادت اور کہے کہ میں جانتا ہوں یا میں یقین کرتا ہوں تو نہیں قبول کی جائے گی اس کی گواہی۔

گواہوں کے عادل ہونے کا بیان

تشریح: گواہی میں عدل یہ ہے کہ انسان کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور صغیرہ پر مصر نہ ہو اس کی صلاح تقویٰ و پرہیزگاری فساد سے زیادہ ہو۔ خیر صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ گواہی کے مراتب اربعہ مذکورہ میں گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے اور لفظ شہادت شرط ہے یعنی گواہ گواہی دیتے وقت یہ کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں یا میں گواہی دیتا ہوں حتی کہ اگر گواہی کے وقت گواہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں یا میں یقین کرتا ہوں تو اس مقدمہ میں اس وقت اس کی گواہی قبول نہ ہوگی، گوہوں کا عادل ہونا اس لئے ضروری ہے کیونکہ آیت میں تاکید ہے، پروردگار عالم کا فرمان ہے **واشهدوا ذوی عدل منکم** یعنی تم مسلمانوں میں سے دو عادل آدمیوں کو گواہ مقرر کرلو، اس آیت سے معلوم ہوا کہ گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے اور لفظ شہادت یعنی گواہ کا لفظ 'اشہد' کے ساتھ گواہی دینا اس لئے شرط ہے کہ قرآن وحدیث اسی لفظ شہادت کے ساتھ وارد ہوئی ہے چنانچہ اللہ کا فرمان ہے **واقیموا الشهادة لله** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **اذا علمت مثل الشمس فاشهدوا لافدع**. یعنی اگر تجھ کو کسی بات کا علم آفتاب کی طرح واضح طور پر ہو جائے تو، تو گواہی دے ورنہ اس کو چھوڑ دے۔

(۲۶۸۵/۸) وَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَقْتَصِرُ الْحَاكِمُ عَلٰى ظَاهِرِ عَدَالَةِ الْمُسْلِمِ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ فَاِنَّهٗ يَسْأَلُ عَنِ الشُّهُوْدِ وَاِنْ طَعَنَ الْخَصْمُ فِيْهِمْ يَسْأَلُ عَنْهُمْ وَقَالَ

اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی لَابُدَّ اَنْ یَسْأَلَ عَنْهُمْ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ.

ترجمہ: اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اکتفاء کرے حاکم مسلمان کی ظاہری عدالت پر مگر حدود اور قصاص میں کہ (ان میں) گواہوں کا حال دریافت کرے اور اگر طعن کرے مدعی علیہ گواہوں میں تو دریافت کرے ان کے حالات اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ضروری ہے ان کے متعلق تحقیق کرنا خفیہ اور علانیہ۔

تشریح: اس بات پر جملہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے، مگر اس اتفاق کے بعد امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جب مدعی قاضی کی عدالت میں گواہ پیش کرے اور مدعی علیہ گواہوں پر کوئی طعن نہ کرے یعنی یہ نہ کہے کہ مدعی کے گواہ جھوٹے ہیں یا غلام ہیں یا غیر مسلم ہیں یعنی گواہوں میں ایسی کوئی کمی بیان نہ کرے جس کی وجہ سے ان کی شہادت مردود ہو جاتی ہو تو قاضی مسلمان گواہوں میں ان کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کرے یعنی ان کو عادل قرار دے ان کی عدالت و دیانت کے بارے میں تحقیق نہ کرے، صاحب قدوری نے فرمایا کہ اگر حدود و قصاص میں مسلمان گواہ گواہی دیں تو قاضی ان کی ظاہری عدالت پر اکتفاء نہ کرے خواہ مدعی علیہ طعن کرے یا طعن نہ کرے بلکہ ان کی عدالت دریافت کرے یعنی دیانت و امانت کے سلسلہ میں پورے طور پر تفتیش اور کھود کرید کرے۔

صاحبینؒ نے فرمایا کہ تمام حقوق میں خفیہ اور علانیہ گواہوں کا حال دریافت کرنا ضروری ہے خواہ مدعی علیہ نے گواہوں پر طعن کیا ہو یا طعن نہ کیا ہو اسی کے قائل امام احمد و امام شافعی ہیں، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ اس زمانہ میں عوام تو عوام خواص بھی چونکہ دروغ گوئی اور جھوٹ سے محفوظ نہیں ہیں اس لئے گواہوں کے سچا یا جھوٹا ہونے کی تحقیق اور تفتیش کو ضروری قرار دیا گیا۔

(۲۶۸۶/۹) وَمَا یَتَحَمَّلُهُ الشَّاهِدُ عَلٰی ضَرْبَیْنِ اَحَدُهُمَا مَا یَثْبُتُ حُکْمُهُ بِنَفْسِهِ مِثْلُ الْبَیْعِ وَالْاِقْرَارِ وَالْغَصَبِ وَالْقَتْلِ وَحُکْمِ الْحَاکِمِ فَاِذَا سَمِعَ ذٰلِكَ الشَّاهِدُ اَوْ رَاٰهُ وَسِعَهُ اَنْ یَشْهَدَ بِهٖ وَاِنْ لَمْ یُشْهَدْ عَلَیْهِ وَیَقُوْلَ اَشْهَدُ اَنَّهٗ بَاعَ وَلَا یَقُوْلَ اَشْهَدَنِیْ.

ترجمہ: گواہ جس کی گواہی اٹھاتا ہے دو قسم پر ہے ایک وہ جس کا حکم ثابت ہوتا ہے بذات خود جیسے بیع، اقرار، غصب، قتل، اور حکم حاکم چنانچہ جب سنے ان کو گواہ یا دیکھے تو گنجائش ہے اس کے لئے ان کی گواہی دینا اگرچہ وہ اس معاملہ پر گواہ نہ بنایا گیا ہو، اور یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے بیچا ہے یوں نہ کہے کہ مجھ کو گواہ بنایا ہے۔

کن چیزوں کا گواہ بن سکتا ہے؟

تشریح: صاحب قدوری مراتب شہادت کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد اب ان چیزوں کے اقسام ذکر کریں گے جن کی گواہی کو گواہ اٹھاتا ہے یعنی جن چیزوں کا گواہ بنتا ہے چنانچہ گواہ جن چیزوں کا گواہ بن سکتا ہے ان کی دو

قسمیں ہیں ایک وہ جن کا حکم خود بخود ثابت ہو جاتا ہے ان میں گواہ بنانے کی ضرورت نہیں پڑتی جیسے بیع اقرار غصب قتل حاکم کا حکم سو اس قسم میں گواہ صرف سنکر بھی گواہی دے سکتا ہے اگر سننے سے ان چیزوں کا علم ہو جاتا ہو جیسے بیع اقرار حاکم کا حکم اور دیکھ کر بھی گواہی دے سکتا ہے اگر دیکھنے سے علم ہو جاتا ہو جیسے غصب اور قتل تو گواہ کے لئے محض سنکر یا محض دیکھ کر گواہی دینا جائز ہے اگر چہ اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو مثلاً کسی کو کوئی چیز فروخت کرتے ہوئے دیکھا تو گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں چیز فلاں شخص کو فروخت کی ہے میں اس کی گواہی دیتا ہوں البتہ یہ نہ کہے کہ مجھے گواہ بنایا ہے کیونکہ واقعتاً اس کو کسی نے گواہ نہیں بنایا ہے بلکہ خود بخود بنا ہے۔

(۱۰/۲۶۸۷) وَمِنْهُ مَالَايَثْبُتُ حُكْمُهُ بِنَفْسِهٖ مِثْلُ الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ فَإِذَا سَمِعَ شَاهِداً يَشْهَدُ بِشَيْءٍ لَمْ يَجُزْ لَهُ اَنْ يَّشْهَدَ عَلٰى شَهَادَتِهٖ إِلَّا اَنْ يُّشْهِدَهٗ وَكَذٰلِكَ لَوْ سَمِعَهٗ يُشْهِدُ الشَّاهِدُ عَلٰى شَهَادَتِهٖ لَمْ يَسَعْ لِلسَّامِعِ اَنْ يَّشْهَدَ عَلٰى ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کا حکم خود ثابت نہیں ہوتا جیسے گواہی پر گواہی دینا چنانچہ جب سنے کسی گواہ کو گواہی دیتے ہوئے کسی چیز کی تو جائز نہیں اس کے لئے کہ وہ اس کی گواہی پر گواہی دے مگر یہ کہ اس کو گواہ بنائے اور اسی طرح اگر سنا کہ وہ گواہ بنا رہا ہے کسی کی گواہی پر تو گنجائش نہیں سننے والے کے لئے کہ وہ گواہی دے اس پر۔

تشریح: صورت مسئلہ سے قبل یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ کوئی شخص کسی سے یوں کہے کہ میں تو مجلس قضا میں نہیں جا سکوں گا آپ جا کر میری گواہی پیش کریں اس کو شہادت علی الشہادۃ کہتے ہیں اب اصل مسئلہ سنئے صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مذکورہ دو قسموں میں سے دوسری قسم وہ ہے جس کا حکم بذات خود ثابت نہ ہو بلکہ اس میں گواہ بنانے کی ضرورت پڑتی ہو جیسے شہادت علی الشہادۃ کہ جب تک اصلی گواہ کسی کو اپنی گواہی پر گواہ نہ بنائیں اس وقت تک شہود فرع کے لئے گواہی دینے کا حکم ثابت نہیں ہوتا چنانچہ اگر کسی نے کسی کو مجلس قاضی کے علاوہ میں سنا کہ وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ زید کے عمر پر دس ہزار روپے قرض ہیں تو سننے والے کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ زید کے عمر پر دس ہزار روپے قرض ہونے کی گواہی دے ہاں اگر اصلی گواہ نے اس کو اپنی گواہی پر گواہ بنا دیا ہو تو اب اس کے لئے گواہی دینا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی نے حقیقی اور اصلی گواہ کو سنا کہ وہ اپنی گواہی پر کسی کو گواہ کرتا ہے تو سننے والے کو اصلی گواہ کی گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں ہے مثلاً زید نے سنا کہ خالد (اصلی گواہ) اپنی گواہی پر 'شاہد' کو گواہ کرتا ہے تو اب زید کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ خالد کی گواہی پر گواہی دے۔

(۱۱/۲۶۸۸) وَلَا يَحِلُّ لِلشَّاهِدِ إِذَا رَأٰى خَطَّهٗ اَنْ يَّشْهَدَ إِلَّا اَنْ يَّذْكُرَ الشَّهَادَةَ.

ترجمہ: اور جائز نہیں گواہ کے لئے جب وہ دیکھے اپنا خط یہ کہ گواہی دے دے مگر یہ کہ اس کو گواہی یاد آجائے۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر گواہ نے کسی دستاویز میں اپنی گواہی کی تحریر دیکھی لیکن جس واقعہ سے گواہی کا تعلق ہے نہ وہ واقعہ یاد آیا اور نہ گواہی دینا یاد آیا تو اس گواہ کے لئے محض تحریر دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے ممکن ہے کہ یہ تحریر کسی دوسرے کی ہو۔

(۱۲/۲۶۸۹) وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَعْمٰى.

ترجمہ: اور قبول نہیں کی جاتی ہے نابینا آدمی کی گواہی۔

گواہان مقبول وغیر مقبول کا بیان

تشریح: اندھے کی گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس نے حدود وقصاص میں گواہی دی ہے تو یہ بالاتفاق غیر مقبول ہے اور اگر حدود وقصاص کے علاوہ میں گواہ ہے تو طرفینؒ کے نزدیک مطلقاً قبول نہ ہوگی مشہود بہ (جس چیز کی گواہی دے رہا ہے) خواہ ان چیزوں میں سے ہو جن میں لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز ہے جیسے موت نسب، خواہ ان چیزوں میں سے ہو جن میں لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز نہیں ہے جیسے بیع وشراء امام مالک واحمدؒ کے نزدیک نابینا کی گواہی مطلقاً مقبول ہے حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ جن چیزوں میں لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز ہے ان چیزوں میں نابینا کی گواہی قبول کی جائے گی۔

(۱۳/۲۶۹۰) وَلَا الْمَمْلُوْكِ.

ترجمہ: اور غلام کی گواہی بھی جائز نہیں ہے۔

تشریح: صاحب قدوری نے فرمایا کہ نابینا کی طرح غلام وباندی کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ گواہ وہی شخص ہوسکتا ہے جس کو ولایت کا حق حاصل ہوگا اور غلام وباندی کو جب اپنی ذات پر ہی ولایت کا حق حاصل نہیں ہے تو دوسرے پر بدرجہ اولیٰ ولایت کا حق حاصل نہ ہوگا اور جب ولایت کا حق حاصل نہیں ہے تو ان کو گواہی دینے کا حق کس طرح حاصل ہوگا۔

(۱۴/۲۶۹۱) وَلَا الْمَحْدُوْدِ فِيْ قَذْفٍ وَإِنْ تَابَ.

ترجمہ: اور تہمت میں حد لگائے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے اگر چہ وہ توبہ کرلے۔

تشریح: محدود فی القذف وہ شخص ہے جس نے کسی مسلمان کو زنا کی تہمت لگائی مگر اس کو ثابت نہ کرسکا تو اس تہمت لگانے کی سزا میں اس کو اسی کوڑے مارے گئے ہوں، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ محدود فی القذف کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اگر چہ وہ توبہ کرلے اور ائمہ ثلاثہ نے فرمایا ہے کہ توبہ کے بعد محدود فی القذف کی گواہی قبول کی

جائے گی۔

(۲۶۹۲/۱۵) وَلَا شَهَادَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ وَوَلَدِ وَلَدِهٖ وَلَا شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِاَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ.

ترجمہ: اور نہ والد کی گواہی اپنے بیٹے اور اپنے پوتے کیلئے اور نہ بیٹے کی گواہی اپنے والدین اور اپنے دادا کے لئے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ والدین کی گواہی اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حق میں قبول نہیں ہوگی اور نہ اولاد کی گواہی اپنے والدین یا اپنے دادادادی کے حق میں قبول ہوگی کیونکہ اس میں رعایت کرنے کی تہمت ہے۔

(۲۶۹۳/۱۶) وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ اِحْدَى الزَّوْجَيْنِ لِلْآخَرِ.

ترجمہ: اور نہیں قبول کی جائے گی میاں بیوی میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لئے۔

تشریح: زوجین کے درمیان منافع متصل اور مشترک ہوتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کا دوسرے کے لئے گواہی دینا من وجہ اپنے لئے گواہی دینا ہوگا اور آدمی اپنے لئے گواہی دے تو اس کی گواہی رد کردی جاتی ہے اس لئے مقبول نہ ہوگی۔

(۲۶۹۴/۱۷) وَلَا شَهَادَةُ الْمَوْلٰى لِعَبْدِهٖ وَلَا لِمُكَاتَبِهٖ.

ترجمہ: اور نہ آقا کی گواہی اپنے غلام اور نہ اپنے مکاتب کے لئے۔

تشریح: آقا کی گواہی خود اس کے غلام کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ آقا کا اپنے غلام کے حق میں گواہی دینا اپنے لئے گواہی دینا ہے اور یہ ناجائز ہے اور اگر آقا نے گواہی دے بھی دی تو قاضی اس کو قبول نہیں کرے گا اسی طرح آقا کی گواہی اس کے مکاتب کے حق میں بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ مکاتب غلام کے درجہ میں ہے۔

(۲۶۹۵/۱۸) وَلَا شَهَادَةُ الشَّرِيْكِ لِشَرِيْكِهٖ فِيْمَا هُوَ مِنْ شِرْكَتِهِمَا.

ترجمہ: اور نہ ایک شریک کی گواہی دوسرے شریک کے لئے اس چیز میں جس میں دونوں کی شرکت ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مال شرکت میں ایک شریک نے کسی پر کوئی دعویٰ کیا اور دوسرے شریک نے اس کے واسطے گواہی دی تو یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ اپنے ہی مال کے لئے رعایت کرکے گواہی دے رہا ہے اور یہ باطل ہے۔

(۲۶۹۶/۱۹) وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الرَّجُلِ لِاَخِيْهِ وَعَمِّهٖ.

ترجمہ: اور قبول کی جائے گی آدمی کی گواہی اپنے بھائی اور اپنے چچا کے لئے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک بھائی کی گواہی دوسرے بھائی کے لئے اور بھتیجے کی گواہی اپنے چچا کے لئے قبول کی جائے گی کیونکہ دونوں کی ملکیت اور منافع الگ الگ ہیں اور بلا تکلف ایک کو دوسرے کے مال میں تصرف کا اختیار بھی نہیں ہوتا تو ان میں سے اگر ایک نے دوسرے کے حق میں گواہی دی تو گواہ اپنی گواہی میں متہم نہ ہوگا اس لئے اس کی گواہی قبول کرلی جائے گی۔

(۲۶۹۷/۲۰) وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مُخَنَّثٍ.

ترجمہ: اور نہیں قبول کی جائے گی مخنث کی گواہی۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ مخنث کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی مخنث سے مراد وہ ہے جو لوگوں کو اپنے ساتھ لواطت پر قدرت دیتا ہے اور زیب و زینت میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور مٹک مٹک کر چلتا ہے اور عورتوں جیسی نرم کلامی اختیار کرتا ہے تو ایسے مخنث کی گواہی مقبول نہیں ہے کیونکہ وہ فاسق ہے، ہاں اگر کسی شخص کی گفتگو میں فطری نرمی اور اعضاء میں پیدائشی اور قدرتی لوچ اور لچک ہو اور کسی برے فعل کے ساتھ مشہور نہ ہو تو اس کی گواہی قبول کرلی جائے گی۔

(۲۶۹۸/۲۱) وَلَا نَائِحَةٍ وَلَا مُغَنِّيَةٍ.

ترجمہ: اور نہ نوحہ کرنے والی ڈومنی دبچاری کی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ وہ عورتیں جو پیشہ کے طور پر روتی ہیں کہ غم وغیرہ کچھ نہیں ہے کرایہ پر نوحہ خوانی کرتی ہیں ایسی عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اسی طرح مغنیہ یعنی وہ عورتیں جنہوں نے گانے کا پیشہ بنالیا اور ناچ گانے کی دعوت دیتی ہو اس کی شہادت بھی مقبول نہیں کیونکہ یہ دونوں عورتیں فعل حرام کے مرتکب ہونے کی وجہ سے فاسق ہیں اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

(۲۶۹۹/۲۲) وَلَا مُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ.

حل لغات: مدمن: اسم فاعل، ادمن الشیئ ہمیشہ کرنا کہا جاتا ہے، رجل مدمن خمر، ہمیشہ شراب پینے والا مرد۔

ترجمہ: اور نہ ہمیشہ شراب پینے والے کی گواہی لہو ولعب کے طور پر۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ لہو کے طور پر برابر شراب پینے والے کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ شراب پینا حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

نوٹ: صاحب کتاب نے دائمی طور سے پینے کی شرط اس لئے لگائی تا کہ اس کا شرابی ہونا لوگوں کے سامنے

ظاہر ہو جائے کیوں کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں شراب پیئے اور لوگوں کے سامنے ظاہر نہ ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اگر چہ گھر میں شراب پینا بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن لوگوں پر اس کا فسق عیاں نہیں ہے۔

(۲۳/۲۷۰۰) وَلَا مَنْ يَلْعَبُ بِالطُّيُوْرِ.

ترجمہ: اور نہ اس کی جو پرندوں سے کھیل کرے۔

تشریح: پرندوں کے ذریعہ بازی لگاتا ہے یہ ایک قسم کا جوا ہے جو کہ حرام ہے نیز کبوتر بازی و تیتر بازی میں اپنے کوٹھے کی چھت پر چڑھے گا جس کی وجہ سے اس کی نظر غیر محرم عورتوں پر پڑے گی اور غیر محرم عورتوں کو دیکھنا حرام ہے لہٰذا مرتکب حرام ہونے کی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

(۲۴/۲۷۰۱) وَلَا مَنْ يُغَنِّيْ لِلنَّاسِ.

ترجمہ: اور نہ اس کی جو لوگوں کے لئے گائے۔

تشریح: جو شخص دوسرے لوگوں کو گانا سناتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ سننے والوں کی گواہی مقبول نہیں ہے کیونکہ یہ شخص لوگوں کو گناہ کبیرہ پر اکٹھا کرتا ہے اور گناہ کبیرہ پر لوگوں کو اکٹھا کرنا خود گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے۔

(۲۵/۲۷۰۲) وَلَا مَنْ يَأْتِيْ بَابًا مِّنَ الْكَبَائِرِ الَّتِيْ يَتَعَلَّقُ بِهَا الْحَدُّ.

ترجمہ: اور نہ اس کی جو ایسے کبیرہ گناہ کرے جن سے حد متعلق ہوتی ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص نے ایسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا جس کے ساتھ حد متعلق ہوتی ہے جیسے چوری ڈاکہ زنی، زنا وغیرہ تو اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ ایسے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے یہ شخص فاسق ہو گیا اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

(۲۶/۲۷۰۳) وَلَا مَنْ يَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ اِزَارٍ.

حل لغت: حمام سے وہ جگہ مراد ہے جو ہوٹل میں تیار کر دی جاتی ہے اور پھر مرد و عورت ہر طرح کا آدمی آکر اس میں غسل کرتا ہے۔

ترجمہ: اور نہ اس کی جو داخل ہو حمام میں بغیر لنگی کے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص برہنہ حمام میں داخل ہو یعنی ستر عورت کھول کر جائے اسکی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ شرمگاہ اور واجب الستر بدن کا کھولنا حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

نوٹ: اگر غسل خانہ بند ہو اور ایک آدمی ننگا غسل کرے تو اس سے عدالت ساقط نہیں ہوتی، لیکن ایسا غسل خانہ جس میں بہت سے لوگ ایک ساتھ غسل کرتے ہوں، اس میں بالکل ننگا داخل ہو تو چونکہ بغیر ستر کے سب کے سامنے داخل ہوا اور سب کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے اس لئے عدالت ساقط ہو جائے گی۔

(۲۷۰۴/۲۷) وَلَا مَنْ يَأْكُلُ الرِّبٰوا وَلَا الْمُقَامِرِ بِالنَّرْدِ وَالشَّطْرَنْجِ.

حل لغات: مقامر: اسم فاعل قامرہ قماراً باہم جوا کھیلنا۔ النرد: ایک قسم کا کھیل جس کو اردشیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا یہ کھیل حرام ہے جس کی وجہ سے آدمی ائمہ اربعہ کے نزدیک مردود الشہادۃ ہو جاتا ہے۔
الشطرنج: ایک مشہور کھیل ہے سنسکرت لفظ چترانگ کا معرب اس میں چھ قسم کے مہروں سے کھیلتے ہیں، جو شاہ، فرزین، فیل، اسپ، رخ اور پیدل کہلاتے ہیں۔
ترجمہ: اور نہ اس کی جو کھائے سود اور نہ اس کی جو کھیلے نرد اور شطرنج سے۔
تشریح: سود کھانے والے کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی مگر اسی سود خور کی گواہی مردود ہوگی جو سود خوری میں مشہور ہو اور نرد کے ساتھ کھیلنے والا بغیر شرط کے مردود الشہادت ہے اور شطرنج کے ساتھ کھیلنے والے کی گواہی اس وقت مردود ہوگی جب کہ تین باتوں میں سے ایک بات پائی جائے۔ (۱) یا تو شطرنج کے ساتھ جوا کھیلتا ہو۔ (۲) اس میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز اور دینی فرائض چھوٹتے ہو۔ (۳) شطرنج کھیلنے میں جھوٹی قسمیں زیادہ کھاتا ہو۔

(۲۷۰۵/۲۸) وَلَا مَنْ يَفْعَلُ الْاَفْعَالَ الْمُسْتَخِفَّةَ كَالْبَوْلِ عَلَي الطَّرِيْقِ وَالْاَكْلِ عَلَي الطَّرِيْقِ.

ترجمہ: اور نہ اس کی جو کرتا ہو حقیر و ذلیل کام جیسے راستہ میں پیشاب کرنا اور راستہ میں کھانا۔
تشریح: صاحب قدوری نے فرمایا کہ جو شخص حقیر و ذلیل حرکات کرتا ہو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی جیسے راستہ پر پیشاب کرنا راستہ پر کھانا اور بازار میں برسرعام کھانا جو شخص ان کاموں کا عادی ہو وہ جھوٹ بولنے سے بھی شرم محسوس نہیں کرے گا لہٰذا اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔
نوٹ: جس معاشرہ میں تھوڑا بہت راستہ پر کھانا معیوب نہیں ہے تو اس کے کھانے سے عدالت ساقط نہ ہوگی جیسے ہمارے معاشرہ میں راستہ پر پان کھانا بیڑی سگریٹ پینا۔

(۲۷۰۶/۲۹) وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ.

حل لغت: السلف: گذشتہ آباء و اجداد جمع اسلاف.
ترجمہ: اور قبول نہیں کی جائے گی اس کی گواہی جو برا بھلا کہتا ہو پہلے بزرگوں کو۔
تشریح: اگر کوئی شخص صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کو کھلم کھلا برا بھلا کہتا ہو تو اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی

کیونکہ ایسے شخص کا فاسق ہونا ظاہر ہے۔

(۲۷۰۷/۳۰) وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ اَهْلِ الْهَوَاءِ اِلَّا الْخَطَّابِيَّةَ.

حل لغات: اهل الهواء: وہ لوگ جو نفس کی متابعت اور سنت کی مخالفت کرتے ہیں، یہاں مراد ہے اہل سنت والجماعۃ کے علاوہ کے مذاہب وغیرہ جیسے شیعہ، رافضی، الخطابية: یہ رافضیوں کا ایک حد سے بڑھا ہوا فرقہ ہے جو ابوالخطاب محمد بن ابی وہب اجدع کی طرف منسوب ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر فرقہ خطابیہ میں سے کوئی شخص کسی پر کسی چیز کا دعویٰ کرے تو اس جماعت کے باقی لوگوں پر اس کے حق میں گواہی دینا واجب ہے۔

ترجمہ: اور قبول کی جائے گی اہل ہواء کی گواہی سوائے خطابیہ کے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک اہل ہواء کی گواہی قبول کی جائے گی لیکن اہل ہواء میں سے فرقہ خطابیہ کی گواہی قبول نہ ہوگی کیوں کہ اہل ہواء کا فسق صرف اعتقاد کے اعتبار سے ہے اور ان کا یہ اعتقاد اس کو حق سمجھ کر ہے لہٰذا ان کا عقیدہ دین داری کے خلاف نہیں ہے تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی رہا فرقہ خطابیہ سو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی، کیونکہ ان کی گواہی میں جھوٹ بولنے کا اندیشہ ہے اس طور پر کہ وہ اپنے گروہ کے لوگوں کے حق میں گواہی دینا واجب سمجھتے ہیں خواہ ان کا دعویٰ سچا ہو یا جھوٹا لہٰذا ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

(۲۷۰۸/۳۱) وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ اَهْلِ الذِّمَّةِ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ وَاِنِ اخْتَلَفَ مِلَلُهُمْ.

حل لغات: اهل الذمة: وہ کفار جو جزیہ دے کر دارالاسلام میں مستقل رہتے ہوں۔ مللهم: مِلَل، ملت کی جمع ہے دین و مذہب۔

ترجمہ: اور قبول کی جائے گی ذمیوں کی گواہی بعض کی بعض کے خلاف اگرچہ ان کے مذاہب مختلف ہوں۔

تشریح: صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ ذمیوں میں سے بعض کی شہادت بعض کے خلاف قبول کر لی جائے گی یعنی اگر ایک ذمی دوسرے ذمی کے خلاف گواہی دے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی اگرچہ ان کے مذاہب مختلف ہوں کیونکہ کفر ملت واحدہ ہے مثلاً یہودی کا نصرانی کے خلاف اور نصرانی کا یہودی کے خلاف گواہی دینا جائز ہے۔

(۲۷۰۹/۳۲) وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْحَرْبِيِّ عَلَى الذِّمِّيِّ.

حل لغت: حربی: اس کافر کو کہتے ہیں جو دارالحرب کا مستقل باشندہ ہو، مگر یہاں عبارت میں حربی مستامن مراد ہے، حربی مستامن اس کافر کو کہتے ہیں جو دارالاسلام میں ویزا لے کر عارضی اقامت حاصل کئے ہوئے ہو۔

ترجمہ: اور قبول نہیں کی جائے گی حربی کی گواہی ذمی پر۔

تشریح: حربی مستامن کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ حربی مستامن کو ذمی پر کوئی

ولایت نہیں ہوتی کیونکہ حربی مستامن دار الحرب کا باشندہ ہے اور ذمی دار الاسلام کا رہنے والا ہے اور حکماً دارین کا اختلاف ولایت کو منقطع کر دیتا ہے، متن میں حربی مستامن اس لئے مراد لیا ہے کہ حربی غیر مستامن کی گواہی ناممکن ہے کیونکہ گواہی کے لئے قاضی کی مجلس ضروری ہے اور قضاء کے لئے دار الاسلام میں شہر کا ہونا شرط ہے پس حربی غیر مستامن جو دار الحرب میں مقیم ہے وہ اس شرط کو کس طرح پورا کر سکتا ہے؟

(۳۳/۲۷۱۰) وَاِنْ كَانَتِ الْحَسَنَاتُ اَغْلَبَ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالرَّجُلُ مِمَّنْ يَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهٗ وَاِنْ اَلَمَّ بِمَعْصِيَةٍ.

حل لغت: اَلَمَّ: چھوٹے گناہوں کا مرتکب ہونا۔

ترجمہ: اگر ہوں (کسی شخص کی) نیکیاں غالب برائیوں پر اور وہ پرہیز کرتا ہو کبیرہ گناہوں سے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی اگرچہ وہ صغیرہ گناہ کرتا ہو۔

تشریح: کسی شخص کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی بشرطیکہ گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو، اگرچہ اس نے کسی صغیرہ گناہ کا ارتکاب کر لیا ہو کیوں کہ تمام گناہ صغیرہ سے پرہیز کرنا تو آدمی کے لئے مشکل ہے اگر یہ قید لگا دیں کہ بالکل گناہ صغیرہ نہ کرے تو پھر گواہی کے لئے آدمی ملنا بھاری ہو جائے گا اس لئے گواہی دینے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اچھائیاں غالب ہوں اور گناہ کبیرہ سے پرہیز کرتا ہو بلکہ اگر گناہ کبیرہ کر بھی لیا اور بعد میں اس سے توبہ کر لی تب بھی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

(۳۴/۲۷۱۱) وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الْاَقْلَفِ.

ترجمہ: اور قبول کی جائے گی غیر مختون کی گواہی۔

تشریح: غیر مختون کی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ ختنہ ہمارے نزدیک سنت ہے اور ترک سنت سے عدالت ساقط نہیں ہوتی ہاں اگر سنت سے اعراض کر کے دین کو حقیر سمجھ کر اس نے ختنہ نہ کرائی تو پھر اس کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ اس حرکت سے مسلمان بھی نہ رہا۔

(۳۵/۲۷۱۲) وَالْخَصِيِّ

حل لغت: الخَصِيُّ: وہ شخص جس کے فوطے نکال لئے گئے ہوں جمع خِصْيَةٌ وَخِصْيَانٌ۔

ترجمہ: اور خصی کی گواہی مقبول ہے۔

تشریح: خصی وہ شخص ہے جس کے خصیتین نکال دیئے گئے ہوں، صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ خصی کی گواہی قبول کی جائے گی کیونکہ خصی کا عضو ظلماً کاٹا گیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ اگر کسی کے تمام اعضاء ظلماً کاٹ دیئے گئے

ہوں تو اس سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوتی ہاں اگر اس نے اپنی خوشی سے خصیہ نکال دیا ہو تو پھر گواہی قبول نہ ہوگی۔

(۲۷۱۳/۳۶) وَوَلَدِ الزِّنَا.

ترجمہ: اور قبول کرلی جائے گی حرامی کی گواہی۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ ولد الزنا کی گواہی قبول ہوگی بشرطیکہ عادل ہو کیونکہ زنا کا ارتکاب کرنے سے والدین فاسق ہوئے اور والدین کے فاسق ہونے سے بیٹے کی عدالت میں کوئی خلل نہیں آئے گا اس لئے ولد الزنا کی گواہی قبول کرنے میں کیا حرج ہے۔

(۲۷۱۴/۳۷) وَشَهَادَةُ الْخُنْثٰی جَائِزَةٌ.

ترجمہ: اور خنثیٰ کی گواہی جائز ہے۔

تشریح: خنثیٰ وہ ہے جس کے اندر مرد وعورت دونوں کی علامت پیدائشی ہو چنانچہ اگر خنثیٰ عادل ہو تو اس کی گواہی قبول ہوگی، کیوں کہ یہ مرد ہوگا یا عورت ہوگی، اور قرآن سے ثابت ہے کہ دونوں کی گواہی مقبول ہے، تو دونوں کے درمیان کی گواہی بھی مقبول ہوگی۔ مگر چونکہ خنثیٰ میں عورت ہونے کا بھی احتمال ہے اس لئے حدود وقصاص میں گواہی قبول نہ کرنا اچھا ہے۔

(۲۷۱۵/۳۸) وَاِذَا وَافَقَتِ الشَّهَادَةُ الدَّعْوٰی قُبِلَتْ وَاِنْ خَالَفَتْهَا لَمْ تُقْبَلْ.

ترجمہ: اور جب موافق ہو گواہی دعویٰ کے تو قبول کی جائیگی اور اس کے مخالف ہو تو قبول نہیں کی جائے گی۔

اتفاق واختلاف شہادت کا بیان

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر گواہی دعویٰ کے موافق ہو تو قبول ہوگی اور اگر مخالف ہو تو قبول نہ ہوگی چنانچہ اگر ایک شخص نے دوسرے پر سرخ کپڑا چرانے کا دعویٰ کیا اور گواہ نے سفید کپڑے کی گواہی دی تو دعویٰ اور گواہی میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے گواہی رد کردی جائے گی۔

(۲۷۱۶/۳۹) وَيُعْتَبَرُ اِتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ فِي اللَّفْظِ وَالْمَعْنٰی عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فَاِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِاَلْفٍ وَالْاٰخَرُ بِاَلْفَيْنِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی تُقْبَلُ بِالْاَلْفِ.

ترجمہ: اور معتبر ہے دونوں گواہوں کا متفق ہونا لفظ اور معنی میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چنانچہ اگر گواہی دے ان میں سے ایک گواہ ایک ہزار کی اور دوسرا دو ہزار کی تو مقبول نہ ہوگی ان کی گواہی امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبین

... فرمایا کہ مقبول ہوگی ایک ہزار کی۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گواہوں کا لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے متفق ہونا ضروری ہے لیکن اگر ترادف کی وجہ سے لفظی اختلاف ہوگیا تو یہ گواہی کے لئے مانع نہ ہوگا مثلاً ایک گواہ ہبہ کی گواہی دے اور دوسرا عطیہ کی تو گواہی مقبول ہوگی کیونکہ ہبہ اور عطیہ دونوں مترادف ہیں، صاحبین کے نزدیک صرف معنی میں متفق ہونا ضروری ہے لفظوں میں ضروری نہیں ہے اب ایک مسئلہ متفرع کررہے ہیں کہ دو گواہوں میں سے ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی تو امام صاحبؒ کے نزدیک مقبول نہ ہوگی کیونکہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کمتر پر قبول کرلی جائے گی، کیونکہ دونوں گواہ ایک ہزار پر متفق ہیں اس لئے کہ دو ہزار ایک ہزار کو شامل ہیں اور ایک گواہ زیادتی میں اکیلا ہے، تو جس پر اتفاق ہے وہ ثابت ہوگا یعنی ایک ہزار۔

(۲۷۱۷/۴۰) وَاِنْ شَهِدَ اَحَدُهُمَا بِاَلْفٍ وَالْآخَرُ بِاَلْفٍ وَخَمْسِ مِائَةٍ وَالْمُدَّعِيْ يَدَّعِيْ اَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا بِاَلْفٍ.

ترجمہ: ... اگر ان میں سے ایک گواہی دے ایک ہزار کی اور دوسرا پندرہ سو کی اور مدعی دعویٰ کررہا ہے پندرہ سو کا تو قبول کی جائے گی ان کی گواہی ایک ہزار کی۔

تشریح: ماقبل کے مسئلہ میں گذر چکا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک گواہوں کا لفظ اور معنی میں متفق ہونا گواہی کی قبولیت کے لئے شرط ہے اسی پر متفرع کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر دو گواہوں میں سے ایک نے ایک ہزار درہم کی گواہی دی اور دوسرے نے پندرہ سو درہم کی گواہی دی اور مدعی بھی پندرہ سو ہی کا دعویدار ہے تو ایک ہزار درہم پر گواہی قبول ہوجائے گی کیونکہ دونوں گواہ ایک ہزار پر لفظاً بھی متفق ہیں اور معناً بھی تو قبولیت شہادت کی شرط پائے جانے کی وجہ سے ایک ہزار پر گواہی قبول کرلی جائے گی۔

(۲۷۱۸/۴۱) وَاِذَا شَهِدَا بِاَلْفٍ وَقَالَ اَحَدُهُمَا قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَ مِائَةٍ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا بِاَلْفٍ وَلَمْ يُسْمَعْ قَوْلُهُ اِنَّهُ قَضَاهُ مِنْهَا خَمْسَ مِائَةٍ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ مَعَهُ آخَرُ.

ترجمہ: اور جب دو نے گواہی دی ایک ہزار کی اور ان میں سے ایک نے کہا کہ ان میں سے پانچ سو دے چکا تو قبول کی جائے گی دونوں کی گواہی ہزار کی اور نہیں سنی جائے گی اس کی یہ بات کہ پانچ سو ادا کرچکا مگر یہ کہ گواہی دے اس کے ساتھ دوسرا بھی۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر ہزار روپے کا دعویٰ کیا اور دو گواہوں نے بھی ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ مدعیٰ علیہ ان میں سے پانچ سو روپیہ ادا کرچکا ہے تو ایک ہزار پر دونوں کی گواہی قبول ہوجائے گی کیونکہ اس پر ان دونوں کا اتفاق ہے اور ایک گواہ کا یہ کہنا قابل قبول نہ ہوگا کہ مدعیٰ علیہ نے پانچ سو

روپے ادا کر دیئے ہیں، کیونکہ یہ ایک مستقل گواہی ہے، اور گواہ صرف ایک ہے اور ایک کی گواہی سے کوئی حق ثابت نہیں کیا جا سکتا ہے، ہاں اگر دوسرا بھی اس کے موافق گواہی دے دے تو مقبول ہوگی۔

(۲۷۱۹/۴۲) وَيَنْبَغِيْ لِلشَّاهِدِ اِذَا عَلِمَ ذٰلِكَ اَنْ لَّايَشْهَدَ بِالْفٍ حَتّٰى يُقِرَّ الْمُدَّعِيْ اَنَّهٗ قَبَضَ خَمْسَ مِائَةٍ.

ترجمہ: اور مناسب ہے گواہ کے لئے جب وہ یہ جانتا ہو (کہ مدعیٰ علیہ نے پانچ سو روپے ادا کئے ہیں) تو گواہی نہ دے وہ ہزار کی یہاں تک کہ اقرار کرے مدعی کہ اس نے پانچ سو پر قبضہ کیا ہے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر ایک ہزار روپے قرض کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ پر مدعی کے پاس دو گواہ موجود ہیں، مگر ان میں سے ایک گواہ کو یہ معلوم ہے کہ مدعیٰ علیہ نے پانچ سو روپے مدعی کو ادا کر دیئے ہیں تو یہ گواہ ایک ہزار روپے کی گواہی اس وقت تک نہ دے جب تک کہ مدعی یہ اقرار نہ کرے کہ میں نے پانچ سو روپے مدعیٰ علیہ سے وصول کر لئے ہیں کیونکہ اگر مدعی کے اقرار سے پہلے گواہ نے یہ گواہی دے دی کہ مدعیٰ علیہ پر ایک ہزار بطور قرض کے ہیں تو قاضی دونوں گواہوں کے متفق ہونے کی وجہ سے مدعیٰ علیہ پر ایک ہزار کا فیصلہ کرے گا اور اس صورت میں مدعیٰ علیہ نے جو پانچ سو ادا کئے ہیں وہ ضائع ہو جائیں گے اور یہ کھلم کھلا مدعیٰ علیہ پر ظلم ہے اور اس ظلم میں وہ گواہ بھی مدعی کے ساتھ شریک ہو گیا کہ معلوم ہونے کے باوجود ایک ہزار کی گواہی دے بیٹھا۔

(۲۷۲۰/۴۳) وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ اَنَّ زَيْدًا قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَشَهِدَ اٰخَرَانِ اَنَّهٗ قُتِلَ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْكُوْفَةِ وَاجْتَمَعُوْا عِنْدَ الْحَاكِمِ لَمْ يَقْبَلِ الشَّهَادَتَيْنِ فَاِنْ سَبَقَتْ اِحْدٰهُمَا وَقَضٰى بِهَا ثُمَّ حَضَرَتِ الْاُخْرٰى لَمْ تُقْبَلْ.

ترجمہ: اور جب گواہی دی دو گواہوں نے کہ زید قتل کیا گیا ہے بقرعید کے دن مکہ میں اور دوسرے گواہوں نے گواہی دی کہ وہ مارا گیا بقرعید کے دن کوفہ میں اور یہ سب اکٹھے ہوئے حاکم کے پاس تو نہ قبول کرے دونوں گواہیاں اگر ایک گواہی پہلے ہو چکی اور اس پر حکم دے چکا پھر دوسری گواہی آئی تو قبول نہ ہوگی۔

تشریح: چار گواہوں نے قتل کی گواہی دی اور مکان قتل میں اختلاف کیا مثلاً دو نے کہا کہ زید بقرعید کے دن مکۃ المکرمہ میں قتل ہوا ہے ابھی اس پر قاضی کی جانب سے فیصلہ بھی نہیں کیا گیا تھا کہ دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ بقرعید کے دن کوفہ میں قتل ہوا ہے اور یہ سب گواہ حاکم کے سامنے حاضر ہوں تو حاکم دونوں گواہیوں کو رد کر دے کیونکہ ان میں سے ایک گواہی یقیناً جھوٹی ہے اس لئے کہ ایک آدمی دو مرتبہ اور دو جگہ قتل نہیں ہو سکتا اور ان میں سے کسی ایک کو ترجیح ہے نہیں، لہٰذا دونوں گواہیاں ساقط ہوں گی اور اگر ان میں سے دو نے گواہی دی کہ مکہ میں قتل ہوا ہے اور اس پر فیصلہ کر دیا گیا بعد میں دو گواہ آئے وہ کہنے لگے کہ بصرہ میں قتل ہوا ہے تو یہ دوسری گواہی مردود ہوگی، کیونکہ پہلی گواہی اتصال

قضاء کی وجہ سے راجح ہوگئی تو اب دوسری گواہی کی وجہ سے پہلے فیصلہ کو نہیں توڑا جائے گا۔

(۲۷۲۱/۴۴) وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِيْ الشَّهَادَةَ عَلٰى جَرْحٍ وَلَا نَفْيٍ وَلَا يَحْكُمُ بِذٰلِكَ اِلَّا مَا اسْتَحَقَّ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور نہ سنے قاضی گواہی جرح کے ہونے نہ ہونے پر اور نہ اس پر حکم لگائے مگر جس کا استحقاق ثابت ہو جائے۔

تشریح: صورت مسئلہ سمجھنے سے قبل مختصراً یہ خاص تمہید ذہن میں رکھیں۔ جرح طعن کرنا، عیب لگانا جرح کی دو قسمیں ہیں (۱) جرح مجرد (۲) جرح غیر مجرد۔ جرح مجرد وہ ہے جس کی وجہ سے نہ شریعت کا حق واجب ہوتا ہو اور نہ بندہ کا حق مثلاً مدعیٰ علیہ نے کہا کہ مدعی کے گواہ فاسق ہیں تو یہ مدعی کے گواہوں پر جرح مجرد ہے کیونکہ یہ کہنے سے حد واجب نہیں ہوتی اب اگر مدعیٰ علیہ اس پر گواہ پیش کردے تو یہ جرح مجرد پر گواہی ہے عبارت میں 'جرح' سے مراد جرح مجرد ہے۔ (۲) جرح غیر مجرد، وہ جرح ہے جس کی وجہ سے شریعت یا بندہ کا حق واجب ہوتا ہو مثلاً مدعی علیہ نے دعویٰ کیا کہ میں نے مدعی کے گواہوں سے ایک ہزار روپے کے عوض اس بات پر صلح کی تھی کہ وہ میرے خلاف گواہی نہ دیں اور میں ایک ہزار روپے ادا بھی کر چکا ہوں لیکن انہوں نے یہ شرط پوری نہیں کی اس لئے مجھے ایک ہزار روپے واپس دلوائے جائیں چونکہ رشوت ثابت ہوگئی اس لئے مدعی کے گواہ فاسق کے دائرہ میں داخل ہو جائیں گے اور ان کی گواہی رد ہو جائے گی اب اگر مدعی علیہ کے گواہوں نے اس پر گواہی دی تو یہ جرح غیر مجرد پر گواہی ہوگی، عبارت میں **الا ما استحق علیه** سے جرح غیر مجرد مراد ہے، اس تمہید کے بعد صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدعی نے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کئے مگر مدعیٰ علیہ نے ان گواہوں پر جرح مجرد کرتے ہوئے کہا کہ مدعی کے یہ گواہ فاسق ہیں یا زانی ہیں یا شرابی ہیں، اور مدعیٰ علیہ نے اپنی اس جرح مجرد پر گواہ بھی پیش کردیئے تو قاضی اس جرح مجرد پر مدعیٰ علیہ کے گواہوں کی گواہی قبول نہ کرے گا اور نہ اس جرح کے مطابق حکم دے گا کیونکہ مدعی علیہ کے گواہوں کا مدعی کے گواہوں کے فاسق ہونے پر گواہی دینا خود مدعیٰ علیہ کے گواہوں کو فاسق کردیتا ہے، اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی، ہاں اگر مدعی کے گواہوں پر اللہ کے حقوق توڑنے مثلاً زنا کرنے شراب پینے کو ثابت کردیا جائے یا بندوں کے حقوق دبانے کو ثابت کردے تو قاضی اس جرح کو سنے گا اور فسق کی نفی یا اثبات کا فیصلہ بھی کرے گا۔

(۲۷۲۲/۴۵) وَلَا يَجُوْزُ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَّشْهَدَ بِشَيْءٍ لَمْ يُعَايِنْهُ اِلَّا النَّسَبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَالدُّخُوْلَ وَوِلَايَةَ الْقَاضِيْ فَاِنَّهٗ يَسَعُهٗ اَنْ يَّشْهَدَ بِهٰذِهِ الْاَشْيَاءِ اِذَا اَخْبَرَهٗ بِهَا مَنْ يَّثِقُ بِهٖ.

ترجمہ: اور جائز نہیں گواہ کے لئے گواہی دینا ایسی چیز کی جس کو نہ دیکھا ہو گواہ نے علاوہ نسب، موت، نکاح، دخول، اور ولایت قاضی کے کہ گنجائش ہے اس کے لئے کہ گواہی دے ان چیزوں کی جب کہ خبر دی ہو ان کی اس کو قابل

اعتماد آدمی نے۔

تشریح: گواہ کے لئے ایسی چیزوں کے بارے میں گواہی دینا جس کا اس نے مشاہدہ نہ کیا ہو بالاتفاق جائز نہیں ہے مگر پانچ مسئلوں میں بلا معائنہ گواہی درست ہے جب کہ اس سے کوئی ایسا شخص بیان کرے جس پر اسے اعتماد ہو، مثلاً (۱) بچہ پیدا ہوتے وقت نہیں دیکھا پھر بھی سن کر گواہی دینا جائز ہے کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ (۲) موت کا بغیر معائنہ کئے ہوئے صرف سن کر گواہی دینا درست ہے۔ (۳) گواہ نے لوگوں سے سنا کہ فلاں مرد نے فلاں عورت سے نکاح کر لیا ہے تو صرف سن کر گواہی دینے کی گنجائش ہے۔ (۴) گواہ نے سنا کہ فلاں عورت فلاں مرد کی بیوی ہے اور وہ اس کے پاس بلا تکلف خلوت میں آتا جاتا ہے تو دخول کی گواہی دینا درست ہے۔ (۵) لوگوں سے سنا کہ فلاں آدمی اس شہر کا قاضی ہے تو گواہی دے سکتا ہے کہ فلاں شخص فلاں شہر کا قاضی ہے۔

وجہ: ان امور میں سوائے خواص کے اور کوئی موجود نہیں ہوتا پس گواہی مقبول نہ ہونے کی صورت میں بڑا حرج لازم آئے گا۔

(۲۷۲۳/۴۶) وَالشَّهَادَةُ عَلَى الشَّهَادَةِ جَائِزَةٌ فِيْ كُلِّ حَقٍّ لَايَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ وَلَا تُقْبَلُ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ.

ترجمہ: اور گواہی پر گواہی دینا جائز ہے ہر ایسے حق میں جو ساقط نہ ہو شبہ سے اور قبول نہ کی جائے گی حدود اور قصاص میں۔

گواہی پر گواہی دینے کا بیان

تشریح: صاحب قدوری نے فرمایا کہ شہادت علی الشہادت ہر ایسے حق میں جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہوتا ہو استحساناً جائز ہے، اگرچہ قیاساً ناجائز ہے کیونکہ شہادت عبادت بدنی ہے اور عبادات بدنیہ میں نیابت جاری نہیں ہوتی مگر استحساناً اس لئے جائز ہے کیونکہ بسا اوقات اصل گواہ بیمار ہوتے ہیں یا اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے مجلس قاضی میں نہ جا سکتے ہوں اگر شہادت علی الشہادت جائز نہ ہو تو لوگوں کے حقوق تلف ہو جائیں گے البتہ حدود و قصاص میں جائز نہیں کیونکہ حدود و قصاص ادنی شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور فروع کی گواہی میں شبہ ہوتا ہے۔

(۲۷۲۴/۴۷) وَيَجُوْزُ شَهَادَةُ شَاهِدَيْنِ عَلٰى شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلٰى شَهَادَةِ وَاحِدٍ.

ترجمہ: اور جائز ہے دو گواہوں کا گواہی دینا دو گواہوں کی گواہی پر اور نہیں قبول کی جائے گی ایک کی گواہی ایک کی گواہی پر۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک دو اصلی گواہوں کی گواہی پر دو فرعی گواہوں کی گواہی جائز ہے یعنی دونوں فرعی گواہ پہلے ایک اصلی گواہ کی گواہی کو نقل کریں گے پھر یہی دونوں دوسرے اصلی گواہ کی گواہی نقل کریں گے اسی طرح دو فرعی گواہ دونوں اصلی گواہوں کی گواہی نقل کر سکتے ہیں، آگے فرمایا کہ ایک فرعی گواہ کی گواہی ایک اصلی گواہ کی گواہی پر قبول نہ کی جائے گی کیونکہ کسی بھی حق کو ثابت کرنے کے لئے نصاب شہادت ضروری ہے۔

(۲۷۲۵/۴۸) وَصِفَةُ الْإِشْهَادِ اَنْ يَّقُوْلَ شَاهِدُ الْاَصْلِ لِشَاهِدِ الْفَرْعِ اِشْهَدْ عَلٰى شَهَادَتِيْ اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ اَقَرَّ عِنْدِيْ بِكَذَا وَاَشْهَدَنِيْ عَلٰى نَفْسِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَقُلْ اَشْهَدَنِيْ عَلٰى نَفْسِهٖ جَازَ.

ترجمہ: اور گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کہے اصل گواہ فرع گواہ سے کہ گواہ ہو جا تو میری گواہی پر میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے اقرار کیا ہے میرے سامنے اتنے کا اور گواہ بنایا ہے مجھے اپنی ذات پر اور اگر ”اشھدنی علی نفسہ“ نہ کہے تب بھی جائز ہے۔

تشریح: شاہد اصل کا شاہد فرع کو اپنی شہادت پر گواہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اصل گواہ فرع گواہ سے باضابطہ کہے کہ تم میری گواہی پر گواہ بنو اور اس کے بعد فرع گواہ کے سامنے یوں کہے کہ فلاں بن فلاں نے میرے سامنے فلاں بن فلاں کے لئے اتنے کا اقرار کیا ہے اور مُقِر نے اپنی ذات پر مجھے گواہ بنایا ہے، تب بھی فرع کو گواہ بنانا درست ہے۔

(۲۷۲۶/۴۹) وَيَقُوْلُ شَاهِدُ الْفَرْعِ عِنْدَ الْاَدَاءِ اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانًا اَقَرَّ عِنْدَهٗ بِكَذَا وَقَالَ لِيْ اِشْهَدْ عَلٰى شَهَادَتِيْ بِذٰلِكَ فَاَنَا اَشْهَدُ بِذٰلِكَ.

ترجمہ: اور کہے شاہد فرع ادائیگی کے وقت میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے اقرار کیا ہے اس کے پاس اتنے کا اور مجھ سے کہا ہے کہ تو میری اس گواہی پر گواہی دے پس میں گواہی دیتا ہوں اس کی۔

تشریح: صاحب قدوری اس عبارت میں فرعی گواہ کی گواہی کی کیفیت بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ فرعی گواہ قاضی کی مجلس میں گواہی دیتے وقت یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ کیا ہے کہ فلاں بن فلاں نے اس کے پاس فلاں بن فلاں کے لئے اتنی رقم کا اقرار کیا ہے اور مجھ سے کہا کہ تو میری اس گواہی پر گواہ ہو جا لہٰذا میں اب اس کی گواہی پر گواہی دیتا ہوں۔

(۲۷۲۷/۵۰) وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ اِلَّا اَنْ يَّمُوْتَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ اَوْ يَغِيْبُوْا مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فَصَاعِدًا اَوْ يَمْرَضُوْا مَرَضًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ مَعَهٗ حُضُوْرَ مَجْلِسِ الْحَاكِمِ.

ترجمہ: اور قبول نہیں کی جائے گی شہود فرع کی گواہی مگر یہ کہ مر جائیں شہود اصل یا غائب ہو جائیں تین دن یا

اس سے زیادہ کی مسافت پر یا ایسے بیمار ہو جائیں کہ اس کی وجہ سے حاکم کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں۔

تشریح: گواہی کے لئے اصل گواہ ضروری ہیں فرع گواہ مجبوری کے درجہ میں مہیا کئے جائیں گے اس لئے شہود فرع کی گواہی تین وجوہات میں سے ایک وجہ کے ساتھ قبول کی جاسکتی ہے۔ (۱) شہود اصل مر گئے ہوں (۲) شہود اصل مدت سفر شرعی یا اس سے زائد کی مسافت پر غائب ہوں (۳) شہود اصل ایسی بیماری میں مبتلا ہوں جس بیماری کے ساتھ قاضی کی مجلس میں حاضری دشوار ہو۔

(۲۷۲۸/۵۱) فَاِنْ عَدَّلَ شُهُوْدَ الْاَصْلِ شُهُوْدُ الْفَرْعِ جَازَ.

ترجمہ: اگر عادل بتائیں اصلی گواہوں کو فرعی گواہ تو جائز ہے۔

تشریح: فرعی گواہوں نے اصلی گواہوں کی گواہی پر گواہی دی اور قاضی فرعی گواہوں کی عدالت سے تو واقف ہے مگر اصل گواہوں کی عدالت سے واقف نہیں ہے تو اب قاضی نے اصول کی عدالت کے بارے میں تحقیق و تفتیش شروع کی فرعی گواہوں نے کہا کہ اصول عادل ہیں تو فروع کی تعدیل کرنے سے اصول کی عدالت ثابت ہو جائے گی۔

(۲۷۲۹/۵۲) وَاِنْ سَكَتُوْا عَنْ تَعْدِيْلِهِمْ جَازَ وَيَنْظُرُ الْقَاضِيْ فِيْ حَالِهِمْ.

ترجمہ: اور اگر چپ رہیں ان کو عادل کہنے سے تو یہ بھی جائز ہے اب قاضی ان کے حالات میں غور کرے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے فرعی گواہوں سے اصلی گواہوں کی عدالت کے سلسلہ میں دریافت کیا اور وہ خاموش رہیں، یعنی نہ یہ کہا کہ وہ عادل ہیں اور نہ یہ کہا کہ وہ غیر عادل ہیں یا یہ کہا کہ ہم کو اصول کا عادل ہونا معلوم نہیں ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فروع کی گواہی جائز ہے لیکن قاضی کی ذمہ داری ہے کہ فروع کے علاوہ دوسرے اہل تزکیہ حضرات سے دریافت کرے اگر دوسرے حضرات نے اصول کی تعدیل کر دی تو قاضی اس گواہی پر فیصلہ صادر کرے گا ورنہ نہیں۔

(۲۷۳۰/۵۳) وَاِنْ اَنْكَرَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ الشَّهَادَةَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَةُ شُهُوْدِ الْفَرْعِ.

ترجمہ: اور اگر انکار کر دیں شہود اصل گواہی کا تو قبول نہ ہوگی شہود فرع کی گواہی۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اصول نے گواہی کا انکار کر دیا یعنی یہ کہا کہ ہم نے فرع کو اپنا گواہ نہیں بنایا ہے تو چونکہ گواہ بنانا نہیں پایا گیا اس لئے فرعی گواہوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

(۲۷۳۱/۵۴) وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ شَاهِدِ الزُّوْرِ اُشَهِّرُهٗ فِي السُّوْقِ وَلَا اُعَزِّرُهٗ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْجِعُهٗ ضَرْبًا وَنَحْبِسُهٗ.

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی بازار میں تشہیر کروں گا اور اسکو سزا نہ دوں گا اور

صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہم اسے خوب تکلیف دیں گے اور قید کریں گے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ میں جھوٹے گواہ کی بازار میں تشہیر کروں گا کہ یہ جھوٹا ہے لہٰذا اس سے بچو، اس کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کو مارا بھی جائے گا اور قید خانہ میں بھی رکھا جائے گا کیونکہ حضرت عمرؓ نے جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگائے تھے امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی شریح جھوٹے گواہ کی تشہیر کیا کرتے تھے رہی حدیث سو وہ سیاست پر محمول ہے صاحب فتح القدیر نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے۔

بَابُ الرُّجُوْعِ عَنِ الشَّهَادَةِ

(یہ باب شہادتوں سے پھر جانے کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: باب الرجوع عن الشہادۃ، کتاب الشہادات کے مناسب ہے اس طرح کہ رجوع عن الشہادۃ، شہادت کے بعد ہی واقع ہوگا۔

(۱/۲۷۳۲) اِذَا رَجَعَ الشُّهُوْدُ عَنْ شَهَادَتِهِمْ قَبْلَ الْحُكْمِ بِهَا سَقَطَتْ شَهَادَتُهُمْ وَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: جب پھر جائیں گواہ اپنی گواہی سے فیصلہ کرنے سے پہلے گواہی کے ساتھ تو ساقط ہو جائے گی ان کی گواہی اور تاوان نہ ہوگا ان پر۔

گواہی سے رجوع کرنے کی تفصیلی مسائل کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ گواہوں کا اپنی گواہی سے رجوع کرنا اگر قاضی کے فیصلہ کرنے سے پہلے ہے تو بالاتفاق گواہی ساقط ہو جائے گی یعنی اس گواہی سے مدعیٰ علیہ پر کوئی حق ثابت نہیں کیا جائے گا اور گواہوں پر کوئی تاوان بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ تاوان کسی کی کوئی چیز تلف کرنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے حالانکہ یہاں کسی چیز کو تلف کرنا نہیں پایا گیا اس لئے کہ گواہوں نے نہ تو مدعی کی کوئی چیز تلف کی ہے اور نہ مدعیٰ علیہ کی کوئی چیز تلف کی ہے۔

(۲/۲۷۳۳) فَاِنْ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ رَجَعُوْا لَمْ يَفْسَخِ الْحُكْمُ وَوَجَبَ عَلَيْهِمْ ضَمَانُ مَا اَتْلَفُوْهُ بِشَهَادَتِهِمْ.

ترجمہ: پھر اگر فیصلہ کر دے ان کی گواہی پر اس کے بعد پھر گئے تو فسخ نہ ہوگا حکم اور واجب ہوگا ان پر تاوان اس چیز کا جس کو تلف کیا ہو انہوں نے اپنی گواہی سے۔

تشریح: قاضی گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر چکا ہے پھر اس کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا ہے تو قاضی کا فیصلہ کالعدم نہیں ہوگا بلکہ علیٰ حالہ برقرار رہے گا اور اس صورت میں گواہوں نے جو کچھ اپنی گواہی سے تلف کیا ہے یعنی ان کی گواہی سے مدعیٰ علیہ کا جو کچھ مال تلف ہوا ہے اس کا تاوان خود ان گواہوں پر واجب ہوگا۔

(۳/۲۷۳۴) وَلَايَصِحُّ الرُّجُوْعُ اِلَّا بِحَضْرَةِ الْحَاكِمِ.

ترجمہ: اور صحیح نہیں رجوع کرنا مگر حاکم کی موجودگی میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ گواہوں کا اپنی گواہی سے رجوع کرنا صرف قاضی کی مجلس میں معتبر ہوگا، قاضی خواہ وہی ہو جس کے سامنے گواہی دی گئی تھی یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا قاضی ہو بہر حال گواہی سے رجوع کرنے کے لئے بھی قاضی کی مجلس شرط ہے کیونکہ گواہی سے رجوع کرنا حقیقت میں گواہی کو فسخ کرنا ہے لہٰذا رجوع عن الشہادۃ اسی مجلس کے ساتھ مختص ہوگا جس کے ساتھ شہادت مختص ہے۔

(۴/۲۷۳۵) وَاِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِمَالٍ فَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِهٖ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الْمَالَ لِلْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب گواہی دی دو گواہوں نے مال کی اور حکم کر دیا حاکم نے اس گواہی کے موافق اس کے بعد وہ پھر گئے تو مال کے ضامن ہوں گے مشہود علیہ کے لئے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گواہوں نے کسی شخص کے خلاف مال کی گواہی دی پھر قاضی نے اس گواہی کے مطابق حکم دے کر مدعی کو مال دلا دیا پھر دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو دونوں گواہ مدعیٰ علیہ کے لئے مال کے ضامن ہوں گے کیونکہ مدعیٰ علیہ کے مال کو ناحق طریقہ پر ضائع کرنے کا سبب ان دونوں گواہوں نے مہیا کیا ہے اور گواہی سے رجوع کر کے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ ہم دونوں نے مدعیٰ علیہ کا مال ناحق تلف کیا ہے تو ضمان انہیں گواہوں پر واجب ہوگا۔

(۵/۲۷۳۶) وَاِنْ رَجَعَ اَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے ایک پھرا تو آدھے کا ضامن ہوگا۔

تشریح: اگر دو آدمی کسی مال کی گواہی دیں پھر ان میں سے ایک رجوع کرے تو رجوع کرنے والا آدھے مال کا ضامن ہوگا کیونکہ ایک گواہ جو اپنی گواہی پر باقی ہے اس کی گواہی سے آدھا مال باقی رہتا ہے لہٰذا ہر ایک کے مقابلہ میں آدھا مال ہوا۔

(۶/۲۷۳۷) وَاِنْ شَهِدَ بِالْمَالِ ثَلَاثَةٌ فَرَجَعَ اَحَدُهُمْ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ وَاِنْ رَجَعَ اٰخَرُ ضَمِنَ

الرَّاجِعَانِ نِصْفَ الْمَالِ.

ترجمہ: اور اگر گواہی دے مال کی تین آدمی پھر ایک پھر جائے تو اس پر ضمان نہیں ہے اور اگر ایک اور پھر جائے تو ضامن ہوں گے دونوں پھرنے والے آدھے مال کے۔

تشریح: اگر تین آدمیوں نے مال کی گواہی دی پھر ان میں سے ایک نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا تو اس رجوع کرنے والے پر تاوان واجب نہ ہوگا کیونکہ رجوع کرنے والے کے علاوہ گواہوں کی اتنی تعداد باقی ہے جن کی گواہی سے پورا حق ثابت ہو جاتا ہے اور اگر تین میں سے ایک کے بعد دوسرے گواہ نے بھی رجوع کرلیا تو یہ دونوں رجوع کرنے والے آدھے مال کے مدعی علیہ کے واسطے ضامن ہوں گے۔

کیونکہ تین گواہوں میں سے ایک گواہ باقی رہنے کی وجہ سے مدعی کا مدعی علیہ پر آدھا حق باقی رہتا ہے لہٰذا رجوع کرنے والے نصف کے ضامن ہوں گے۔

(۲۷۳۸/۷) وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ فَرَجَعَتْ اِمْرَأَةٌ ضَمِنَتْ رُبْعَ الْحَقِّ وَاِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا نِصْفَ الْحَقِّ.

ترجمہ: اور اگر گواہی دے ایک مرد اور دو عورتیں اور پھر جائے ایک عورت تو ضامن ہوگی چوتھائی حق کی اور اگر دو پھر جائیں تو ضامن ہوں گی آدھے حق کی۔

تشریح: اگر مال پر ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی پھر ایک عورت نے رجوع کرلیا تو یہ عورت چوتھائی حق کی ضامن ہوگی کیونکہ گواہی میں دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں، چنانچہ آدھا حق دونوں عورتوں کے مقابلہ میں ہوگا تو ایک عورت کے رجوع کرنے سے ایک چوتھائی حق تلف ہوا اور تین چوتھائی باقی رہا اس لئے رجوع کرنے والی عورت پر چوتھائی ضمان لازم ہوگا اور اگر دو عورتوں نے رجوع کرلیا تو دونوں نصف حق کی ضامن ہوں گی کیونکہ ایک مرد کی گواہی سے نصف حق باقی رہ گیا ہے۔

(۲۷۳۹/۸) وَاِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَعَشْرُ نِسْوَةٍ فَرَجَعَ ثَمَانُ نِسْوَةٍ مِنْهُنَّ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِنَّ فَاِنْ رَجَعَتْ اُخْرَىٰ كَانَ عَلَى النِّسْوَةِ رُبْعُ الْحَقِّ فَاِنْ رَجَعَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ فَعَلَى الرَّجُلِ سُدُسُ الْحَقِّ وَعَلَى النِّسَاءِ خَمْسَةُ اَسْدَاسِ الْحَقِّ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا عَلَى الرَّجُلِ النِّصْفُ وَعَلَى النِّسْوَةِ النِّصْفُ.

ترجمہ: اور اگر گواہی دیں ایک مرد اور دس عورتیں پھر رجوع کرلیں ان میں سے آٹھ عورتیں تو ان پر تاوان نہیں اگر ایک اور پھر جائے تو عورتوں پر چوتھائی حق لازم ہوگا اگر مرد اور عورتیں سب پھر جائیں تو مرد پر حق کا چھٹا حصہ واجب ہوگا اور عورتوں پر حق کے پانچ چھٹے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا مرد پر آدھا اور ساری عورتوں پر آدھا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے کسی مال کی گواہی دی پھر ان میں سے آٹھ نے رجوع کرلیا تو ان پر تاوان نہ ہوگا کیونکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی پوری گواہی باقی ہے اور اگر آٹھ کے علاوہ ایک اور عورت نے رجوع کرلیا تو ان نو عورتوں پر ایک چوتھائی تاوان واجب ہوگا کیوں کہ گواہوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت باقی رہ گئی ہے اور ایک مرد کی گواہی سے آدھا حق باقی رہ گیا اور ایک عورت کی گواہی سے ایک چوتھائی حق باقی رہ گیا ہے تو اس طرح تین چوتھائی حق باقی رہ گیا اور ایک چوتھائی حق چونکہ نو عورتوں کے رجوع کرنے سے تلف ہوگیا ہے اس لئے ان نو پر ایک چوتھائی حق کا تاوان واجب ہوگا۔

اور اگر مرد اور دس کی دس عورتوں نے رجوع کرلیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرد پر مال کے چھٹے حصہ کا تاوان آئے گا اور عورتوں پر پانچ سدس حق کا تاوان واجب ہوگا، اور صاحبین نے فرمایا کہ مرد پر نصف حق کا تاوان واجب ہوگا اور دسوں عورتوں پر نصف حق کا ضمان واجب ہوگا مثلاً جس مال کی گواہی ایک مرد اور دس عورتوں نے دی وہ چھ ہزار روپے تھا اب رجوع کرنے والے مرد پر ایک چھٹا حصہ (۱۰۰۰) لازم ہوں گے اور دس عورتوں پر پانچ چھٹے حصے (۵۰۰۰) لازم ہوں گے، اور ہر عورت کے ذمہ پانچ سو روپے آئیں گے، اور صاحبین کے نزدیک مثال مذکور میں مرد پر تین ہزار اور عورتوں پر تین ہزار لازم ہوں گے اور ہر عورت پر تین سو روپے لازم ہوں گے۔

(۲۷۴۰/۹) وَاِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ عَلَى امْرَأَةٍ بِالنِّكَاحِ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا اَوْ اَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا وَاِنْ شَهِدَا بِاَقَلَّ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا النُّقْصَانَ.

ترجمہ: اور اگر گواہی دے دو گواہ ایک عورت پر نکاح کی اس کے مہر مثل کی مقدار کے عوض یا اس سے زیادہ مقدار پر اس کے بعد وہ پھر گئے تو ان پر تاوان نہ ہوگا اور اگر گواہی دیں مہر مثل سے کم کے عوض اس کے بعد پھر گئے تو ضامن نہ ہوں گے کمی کے۔

تشریح: ایک مرد نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا خواہ مہر مثل کے عوض یا مہر مثل سے زیادہ یا کم اور اس پر گواہ بھی قائم کردیئے حالانکہ وہ منکر ہے اور قاضی نے ان کی گواہی کی وجہ سے نکاح کا فیصلہ کردیا پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کرلیا اور یہ کہا کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی ہے تو ان کے رجوع کرنے سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ یہ دونوں گواہ کسی چیز کے ضامن ہوں گے کیونکہ گواہوں نے اپنی گواہی سے عورت کے منافع بضع کو تلف کیا ہے یعنی منافع بضع جن کی مالک عورت تھی گواہوں نے نکاح کی گواہی دے کر ان کا مالک مرد کو بنادیا ہے اور یہ عورت کے حق میں سراسر اتلاف ہے اور منافع بضع عندالاتلاف متقوم نہیں یعنی ملک بضع کی کوئی قیمت مالی نہیں ہے کیونکہ اتلاف کی وجہ سے کسی چیز کا ضامن بنانا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ ہلاک شدہ چیز اور شئی مضمون کے درمیان مماثلت موجود ہو حالانکہ یہاں منافع بضع اور وہ مال جس کے ساتھ عورت کو ضمان دیا جاسکتا ہے کوئی مماثلت نہیں ہے۔

(۱۰/۲۷۴۱) وَكَذٰلِكَ إِذَا شَهِدَا عَلٰى رَجُلٍ بِتَزْوِيْجِ امْرَأَةٍ بِمِقْدَارِ مَهْرِ مِثْلِهَا أَوْ أَقَلَّ.

ترجمہ: اور ایسے ہی جب گواہی دیں کسی مرد پر کسی عورت سے نکاح کرنے کی اس کے مہر مثل یا اس سے کم مقدار پر۔

تشریح: ایک عورت نے ایک مرد کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ میرا اس کے ساتھ مہر مثل یا مہر مثل سے کم کے عوض نکاح ہوا ہے اور مرد اسکا منکر ہے پھر دونوں گواہوں نے عورت کے دعویٰ کے موافق گواہی دی اور قاضی نے گواہی کے مطابق حکم صادر کر دیا پھر انہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو نہ یہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ یہ دونوں گواہ شوہر کے لئے ضامن ہوں گے کیونکہ شوہر کو جو رقم دینی پڑی ہے اس کے بدلہ اس کو ملک بضع بھی حاصل ہو گیا ہے اس لئے شوہر کا کوئی نقصان نہیں ہوا اس وجہ سے گواہوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

(۱۱/۲۷۴۲) وَإِنْ شَهِدَا بِأَكْثَرَ مِنْ مَهْرِ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الزِّيَادَةَ.

ترجمہ: اور اگر گواہی دیں مہر مثل سے زیادہ کی اس کے بعد پھر جائیں تو ضامن ہوں گے زیادتی کے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نے کسی مرد پر مہر مثل سے زائد کے عوض نکاح کا دعویٰ کیا مثلاً مہر مثل پانچ ہزار روپے ہیں اور اس نے آٹھ ہزار روپے کے عوض کا دعویٰ کیا اور مرد اس واقعہ کا منکر ہے دو گواہوں نے عورت کے دعویٰ کے موافق گواہی دی اور قاضی نے فیصلہ کر دیا پھر دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو نہ نکاح ختم ہوگا اور نہ یہ دونوں گواہ مہر مثل کی مقدار کے ضامن ہوں گے۔ البتہ مہر مثل سے زائد یعنی تین ہزار کے ضامن ہوں گے۔
کیونکہ مہر مثل کا اتلاف تو بعوض ملک بضع ہے اور مہر مثل کی مقدار سے زائد کا اتلاف بلاعوض ہے تو جو اتلاف بلاعوض ہوا اسی کے ضامن ہوں گے۔

(۱۲/۲۷۴۳) وَإِنْ شَهِدَا بِبَيْعِ شَيْءٍ بِمِثْلِ الْقِيْمَةِ أَوْ أَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا وَإِنْ كَانَ بِأَقَلَّ مِنَ الْقِيْمَةِ ضَمِنَا النُّقْصَانَ.

ترجمہ: اور اگر گواہی دیں کسی چیز کے بیچنے کی مثل قیمت یا زیادہ کے عوض اس کے بعد پھر گئے تو ضامن نہ ہوں گے اور اگر قیمت سے کم کی گواہی دیں تو ضامن ہوں گے نقصان کے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری نے دعویٰ کیا کہ بائع نے اپنا غلام جو پانچ ہزار روپے قیمت کا ہے پانچ ہزار کے عوض یا چھ ہزار کے عوض مجھ کو فروخت کیا ہے اور بائع اس کا منکر ہے مشتری نے گواہ پیش کئے اور ان گواہوں نے بھی مشتری کے دعویٰ کے موافق گواہی دی پھر قاضی کے فیصلہ کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو یہ دونوں گواہ بائع کے لئے ضامن نہ ہوں گے کیونکہ گواہوں نے اگر چہ اپنی گواہی سے مبیع یعنی غلام کو تلف کیا ہے لیکن بائع کو اس کا

بھرپور معاوضہ بھی مل گیا ہے تو یہ اتلاف بالعوض ہوا جس کا ضمان واجب نہیں ہوتا، اور اگر مشتری نے قیمت سے کم کے عوض مثلاً چار ہزار روپے کے عوض مذکورہ غلام خریدنے کا دعویٰ کیا اور اسی کے مطابق گواہوں نے گواہی دی پھر قضاء قاضی کے بعد گواہوں نے رجوع کرلیا تو دونوں گواہ بائع کے واسطے مقدار نقصان یعنی ایک ہزار کے ضامن ہوں گے۔

(۱۳/۲۷۴۴) وَاِنْ شَهِدَا عَلٰى رَجُلٍ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا نِصْفَ الْمَهْرِ وَاِنْ كَانَ بَعْدَ الدُّخُوْلِ لَمْ يَضْمَنَا.

ترجمہ: اور اگر گواہی دیں کسی مرد پر کہ اس نے طلاق دی اپنی بیوی کو اس کے ساتھ صحبت کرنے سے پہلے اس کے بعد پھر گئے تو ضامن ہوں گے نصف مہر کے اور اگر صحبت کے بعد ہو تو ضامن نہ ہوں گے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ میرا شوہر مجھ کو دخول سے پہلے ہی طلاق دے چکا ہے اور شوہر اس کا منکر ہے پھر عورت کے موافق دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس عورت کے شوہر نے دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دی ہے پس اس گواہی کے مطابق قاضی نے زوجین کے درمیان تفریق کردی، اس فیصلہ کے بعد دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا تو وہ دونوں شوہر کے لئے نصف مہر تاوان دینے کے ذمہ دار ہوں گے کیونکہ دخول سے پہلے شوہر پر صرف طلاق کے وقت مہر واجب ہوتا ہے۔

اس لئے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ عورت نعوذ باللہ مرتد ہو جائے یا شوہر کے بیٹے سے (جو دوسری بیوی سے ہے) پھنس کر حرام کاری کر بیٹھے حالاں کہ ان دونوں صورتوں میں عورت کے ناشزہ ہونے کی وجہ سے مہر بالکلیہ باطل ہو جاتا ہے۔ بہر حال جس مہر کے ساقط ہونے کا احتمال تھا وہ نصف مہر گواہوں کی گواہی سے واجب ہوا ہے لہٰذا ایسا ہو گیا گویا ان گواہوں نے نصف مہر شوہر کے قبضہ سے غصب کر کے اس عورت کو دے دیا ہے اور غاصب شئ مغصوب کا چونکہ ضامن ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں گواہ بھی نصف مہر کا تاوان ادا کریں گے اور اگر صورتِ مذکورہ بعد الدخول ہے تو گواہوں کے رجوع کرنے کی وجہ سے ان پر کسی طرح کا تاوان واجب نہ ہوگا، کیوں کہ صحبت کرنے کی وجہ سے شوہر پر مہر تو واجب ہو ہی چکا تھا لہٰذا ان گواہوں نے شوہر کی کوئی چیز تلف نہیں کی ہے، البتہ ملک نکاح کو ختم کر دیا ہے اور اس کا کوئی مثل نہیں ہے اس لئے گواہوں پر کوئی تاوان نہ ہوگا۔

(۱۴/۲۷۴۵) وَاِنْ شَهِدَا اَنَّهٗ اَعْتَقَ عَبْدَهٗ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا قِيْمَتَهٗ.

ترجمہ: اور اگر گواہی دیں کہ اس نے آزاد کر دیا اپنے غلام کو پھر دونوں پھر گئے تو ضامن ہوں گے اس کی قیمت کے۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنا غلام آزاد کر دیا ہے جس کی وجہ سے قاضی نے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دیا پھر دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کرلیا تو اب غلام تو آزاد ہی رہے گا البتہ دونوں گواہ

آقا کے لئے غلام کی قیمت کے بقدر مال کے ضامن ہوں گے دونوں گواہ خواہ مالدار ہوں یا تنگدست ہوں کیونکہ گواہوں کی گواہی کی وجہ سے بغیر کسی عوض کے زید کا غلام آزاد ہوا اور زید کو اس کا نقصان ہوا اس لئے گواہوں پر غلام کی قیمت لازم ہوگی۔

(۲۷۴۶/۱۵) وَإِنْ شَهِدَا بِقِصَاصٍ ثُمَّ رَجَعَا بَعْدَ الْقَتْلِ ضَمِنَا الدِّيَةَ وَلَا يُقْتَصُّ مِنْهُمَا.

ترجمہ: اور اگر گواہی دیں قصاص کی پھر پھر گئے قتل کے بعد تو ضامن ہوں گے دیت کے اور قصاص نہ لیا جائے گا ان سے۔

تشریح: دو گواہوں نے گواہی دی کہ خالد نے محمود کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے قاضی نے ان کی گواہی کی وجہ سے خالد کے قتل کا حکم دے دیا اور وہ مارا گیا اس کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو یہ گواہ خالد کے ورثاء کے لئے دیت کے ضامن ہوں گے البتہ ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک گواہوں پر قصاص واجب ہوگا کیونکہ خالد کو قصاصاً قتل کرنے کا سبب انہیں گواہوں کی گواہی ہے۔

ہماری دلیل: قاتل کے قتل کا حقیقی مرتکب تو ولی ہے اور گواہ سبب قتل ہیں لہٰذا ایک اعتبار سے یعنی سبب قتل ہونے کے اعتبار سے گواہ قاتل ہیں اور ایک اعتبار سے ولی قاتل ہے اور جب ایک اعتبار سے ولی قاتل ہے اور ایک اعتبار سے گواہ قاتل ہیں تو گواہوں پر قصاص واجب ہونے میں شبہ پیدا ہو گیا اور شبہ قصاص کو دور کر دیتا ہے لہٰذا گواہوں پر سے قصاص دور کر دیا جائے گا مگر دیت مالی شبہات کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا دیت مالی شبہ کے باوجود گواہوں پر واجب ہوگی۔

(۲۷۴۷/۱۶) وَإِذَا رَجَعَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ ضَمِنُوْا.

ترجمہ: اور جب پھر جائیں شہود فرع تو ضامن ہوں گے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شہادت علی الشہادت کی صورت میں شہود فرع نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو وہ ضامن ہوں گے، کیونکہ قاضی کی عدالت میں شہود فرع ہی نے گواہی دی ہے، لہٰذا تلف کرنا بھی انہیں کی جانب منسوب ہوگا۔

(۲۷۴۸/۱۷) وَإِنْ رَجَعَ شُهُوْدُ الْأَصْلِ وَقَالُوْا لَمْ نُشْهِدْ شُهُوْدَ الْفَرْعِ عَلٰى شَهَادَتِنَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اگر پھر جائیں شہود اصل اور کہیں کہ ہم نے گواہ نہیں بنایا شہود فرع کو اپنی گواہی پر تو ان پر ضمان نہ ہوگا۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ اگر شہود اصل نے یہ کہا کہ ہم نے شہود فرع کو اپنی شہادت پر گواہ نہیں بنایا ہے اور شہود

فرع اپنی شہادت پر باقی ہیں تو شہود اصل پر بالاتفاق تاوان واجب نہ ہوگا کیونکہ ان کی جانب سے اتلاف نہیں ہے اور شہود فرع بھی ضامن نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے شہادت سے رجوع نہیں کیا۔

(۱۸/۲۷۴۹) وَاِنْ قَالُوْا شَهِدْنَا هُمْ وَغَلِطْنَا ضَمِنُوْا.

ترجمہ: اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے ان کو گواہ بنایا اور ہم نے غلطی کی تو ضامن ہوں گے۔

تشریح: اگر شہود اصل یہ کہیں کہ ہم نے ان کو گواہ تو بنایا ہے لیکن ہم سے غلطی ہوئی ہے تو امام محمدؒ کے نزدیک شہود اصل ضامن ہوں گے کیونکہ شہود فرع گواہی نقل کرنے میں اصول کے قائم مقام ہیں اور فروع نے ہی اصول کی شہادت قاضی کی عدالت میں نقل کی ہے تو یہ ایسا ہو گیا گویا شہود اصل نے مجلس قاضی میں خود حاضر ہو کر گواہی دی ہے اور پھر مجلس میں حاضر ہو کر رجوع کیا ہے اور ایسا کرنے سے اصول پر تاوان واجب ہوتا ہے۔

(۱۹/۲۷۵۰) وَاِنْ قَالَ شُهُوْدُ الْفَرْعِ كَذَبَ شُهُوْدُ الْاَصْلِ اَوْ غَلِطُوْا فِيْ شَهَادَتِهِمْ لَمْ يُلْتَفَتْ اِلٰى ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور اگر کہے شہود فرع کہ جھوٹ بولا ہے شہود اصل نے یا انہوں نے غلطی کی ہے اپنی گواہی میں تو توجہ نہیں دی جائے گی اس کی طرف۔

تشریح: شہود فرع نے سچ اور صحیح سمجھ کر اصل گواہوں کی گواہی مجلس قضاء میں نقل کی اور قاضی کے فیصلے کے بعد کہہ رہے ہیں کہ شہود اصل نے مدعی علیہ پر جھوٹی گواہی دی یا شہود اصل نے اس بارے میں غلطی کی تو شہود فرع کے اس قول کی جانب توجہ نہیں کی جائے گی اور قاضی جو فیصلہ دے چکا ہے وہ ان کے اس قول کی وجہ سے باطل نہ ہوگا کیونکہ ان کے اس قول میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے اور احتمال کی وجہ سے قاضی کا فیصلہ نہیں ٹوٹتا اور اس کہنے کی وجہ سے فروع پر ضمان بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ فروع نے اپنی گواہی سے رجوع نہیں کیا ہے اور اصول نے بھی چونکہ قاضی کی مجلس میں رجوع نہیں کیا ہے اس لئے وہ بھی ضامن نہ ہوں گے۔

(۲۰/۲۷۵۱) وَاِذَا شَهِدَ اَرْبَعَةٌ بِالزِّنَا وَشَاهِدَانِ بِالْاِحْصَانِ فَرَجَعَ شُهُوْدُ الْاِحْصَانِ لَمْ يَضْمَنُوْا.

ترجمہ: اور اگر گواہی دی چار آدمیوں نے زنا کی اور دو گواہوں نے محصن ہونے کی اس کے بعد پھر گئے احصان کے گواہ تو وہ ضامن نہیں ہوں گے۔

تشریح: چار گواہوں نے عارف کے زنا کی گواہی دی پھر دو نے عارف کے محصن یعنی شادی شدہ ہونے کی گواہی دی چنانچہ عارف کو رجم کر دیا گیا پھر احصان کے گواہوں نے احصان کی گواہی سے رجوع کیا تو یہ احصان کے گواہ

عارف کے ورثاء کے لئے دیت کے ضامن نہ ہوں گے کیونکہ حدزنا کی علت زنا ہے، اوراحصان کے گواہ زنا کو ثابت نہیں کرتے اس لئے کہ زنا تو احصان سے پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے اس لئے محصن ہونے کی گواہی دینے کے بعد رجوع کنندگاں پر دیت لازم نہ ہوگی۔

(۲۱/۲۷۵۲) وَإِذَا رَجَعَ الْمُزَكُّوْنَ عَنِ التَّزْكِيَةِ ضَمِنُوْا.

ترجمہ: اور جب پھر جائیں تزکیہ کرنے والے تزکیہ سے تو ضامن ہوں گے۔

تشریح: چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی پھر قاضی نے گواہوں کی عدالت کی تحقیق کے لئے آدمی بھیجے انہوں نے کہا گواہ عادل ہیں ان کے عادل کہنے کی وجہ سے قاضی نے رجم کا فیصلہ کیا پھر گواہوں کی عدالت ظاہر کرنے والے عدالت سے رجوع کر گئے۔ (جب کہ وہ جانتے تھے کہ گواہ مثلاً غلام ہیں) تو ان پر دیت ہوگی کیونکہ قاضی کے فیصلہ کی علت تو گواہی ہے اور گواہی کارآمد ہونے کی علت تعدیل ہے چنانچہ تعدیل کرنا علۃ العلۃ کے معنی میں ہوگیا اور حکم جس طرح علت کی جانب منسوب ہوتا ہے اسی طرح علۃ العلۃ کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے لہٰذا تزکیہ کرنے والے ضامن ہوں گے۔

(۲۲/۲۷۵۳) وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِالْيَمِيْنِ وَشَاهِدَانِ بِوُجُوْدِ الشَّرْطِ ثُمَّ رَجَعُوْا فَالضَّمَانُ عَلٰى شُهُوْدِ الْيَمِيْنِ خَاصَّةً.

ترجمہ: اگر گواہی دی دو گواہوں نے قسم کی اور دو گواہوں نے شرط کے پائے جانے کی اس کے بعد سب پھر گئے تو ضمان خاص کر قسم کے گواہوں پر ہوگا۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے یہ گواہی دی کہ خالد نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو ان دخلت هذه الدار فانت طالق کہا ہے پھر دوسرے دو گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ عورت مکان میں داخل ہوگئی ہے قاضی نے بیوی کے مطلقہ ہونے کا فیصلہ کر دیا پھر چاروں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا، تو نصف مہر کا تاوان خاص طور سے یمین کے گواہوں پر واجب ہوگا یعنی خالد کے لئے تاوان ان گواہوں پر واجب ہوگا جنہوں نے یہ گواہی دی تھی کہ خالد نے اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو ان دخلت هذه الدار فانت طالق کہا ہے اور جن گواہوں نے یہ گواہی دی تھی کہ دخول دار کی شرط پائی گئی ہے ان پر تاوان واجب نہ ہوگا۔ لِاَنَّ الْحُكْمَ يَتَعَلَّقُ بِالْيَمِيْنِ وَدُخُوْلِ الدَّارِ شَرْطٌ فِيْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَشُهُوْدِ الْاِحْصَانِ فِي الزِّنَا.

كِتَابُ آدَابِ الْقَاضِىْ

(یہ کتاب آداب القاضی کے بیان میں ہے)

ما قبل سے مناسبت: کتاب الشہادات کے شروع میں یہ بات گذر چکی ہے کہ مدعی کے مطالبہ کے وقت شہادت کی ادائیگی گواہوں پر لازم ہے اور مطالبہ قاضی کے پاس ہی ہوسکتا ہے اور قاضی کو ایسے امور اختیار کرنا ضروری ہے جو شرعاً پسندیدہ ہوں مثلاً جن کو آداب کہتے ہیں اس وجہ سے صاحب کتاب قضا کے مباحث کو بیان کر رہے ہیں۔

آداب: جمع ہے ادب کی آداب القاضی سے مراد ایسے امور ہیں جو شرعاً پسندیدہ ہوں مثلاً انصاف کو عام کرنا ظلم کو ختم کرنا حدود شرع اور سنت پر قائم رہنا۔

(۱/۲۷۵۴) لَا تَصِحُّ وَلَايَةُ الْقَاضِىْ حَتّٰى تُجْمَعَ فِىْ الْمُوَلّٰى شَرَائِطُ الشَّهَادَةِ وَيَكُوْنَ مِنْ اَهْلِ الْاِجْتِهَادِ.

لغت: المولی: لام کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول، جس کو قضا سپرد کیا جارہا ہو۔

ترجمہ: صحیح نہیں ہے قاضی بنانا یہاں تک کہ جمع ہوں اس میں جس کو قاضی بنایا گیا ہے گواہی کی شرطیں اور ہو وہ اہل اجتہاد میں سے۔

قاضی میں کن شرائط کا ہونا ضروری ہے

تشریح: کسی آدمی کو قاضی بنانا اسی وقت جائز ہوگا جب کہ اس میں گواہی کی تمام شرطیں موجود ہوں مثلاً مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو آزاد ہو، عادل ہو، نابینا اور محدود فی القذف نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس کو عہدۂ قضا سپرد کیا جارہا ہے وہ اہل اجتہاد میں سے ہو (مخلوق کے نفع کے لئے اپنی طاقت کے مطابق کتاب اور سنت سے احکام کا استنباط واستخراج کرنے کی صلاحیت کا ہونا) لیکن اہلیت اجتہاد کا ہونا بہتر ہے ضروری نہیں ظاہر الروایہ یہی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ حضرت علیؓ نوعمر تھے اور ابھی ان میں صفت اجتہاد نہیں آئی تھی پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قاضی بنا کر یمن بھیجا۔ (ابوداؤد ۱۴۸ باب کیف القضاء)

(۲/۲۷۵۵) وَلَابَأْسَ بِالدُّخُوْلِ فِى الْقَضَاءِ لِمَنْ يَّثِقُ بِنَفْسِهٖ اَنَّهٗ يُؤَدِّىْ فَرْضَهٗ.

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں عہدۂ قضاء قبول کرنے میں اس کے لئے جس کو بھروسہ ہو اپنی ذات پر فرائض قضاء کی انجام دہی کا۔

تشریح: متن میں 'فرض' سے مراد حق ہے کیونکہ حق کے مطابق فیصلہ کرنا فرض ہے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اپنی ذات پر یہ بھروسہ ہو کہ وہ حق کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے تو اس کے واسطے عہدۂ قضاء قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ صحابہؓ نے قضاء کا عہدہ قبول کیا ہے۔

(۳/۲۷۵۶) وَيُكْرَهُ الدُّخُولُ فِيهِ لِمَنْ يَخَافُ الْعِجْزَ عَنْهُ وَلَا يَأْمَنُ عَلَى نَفْسِهِ الْحَيْفَ فِيهِ.

ترجمہ: اور مکروہ ہے داخل ہونا قضاء میں اس کے لئے جس کو خوف ہو اس سے عاجز ہونے کا اور مطمئن نہ ہو اپنی ذات پر اس میں ظلم ہونے سے۔

عہدۂ قضا کا حکم

تشریح: ایمان باللہ کے بعد قضاء بالحق عظیم ترین عبادات میں سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: امام عادل کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص عہدۂ قضاء کے لئے متعین ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس پر قضا کا قبول کرنا فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ ہے، اور اگر اس کو ظلم کا اندیشہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور ظن غالب ہو تو حرام ہے اور اگر ظلم کا اندیشہ نہ ہو اور انصاف کی نیت ہو تو جائز ہے۔

(۴/۲۷۵۷) وَلَا يَنْبَغِي اَنْ يَّطْلُبَ الْوِلَايَةَ وَلَا يَسْئَلَهَا.

ترجمہ: اور مناسب نہیں یہ کہ درخواست کرے عہدۂ قضاء کی اور نہ ہو اس کا طلب گار۔

عہدۂ قضا کا مطالبہ نہ کرے

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قاضی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو تب بھی اس کو چاہئے کہ نہ تو وہ دل سے اس کی خواہش کرے اور نہ زبان سے اس کی درخواست کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو شخص عہدۂ قضا کا سوال کرے گا اس کو اس کی ذات کے سپرد کر دیا جائے گا (اس کو من جانب اللہ خیر کی توفیق نہ ہوگی) اور جس کو زبردستی قاضی بنایا جائے گا اس پر فرشتہ نازل ہوگا جو اس کو صراط مستقیم پر قائم رکھے گا۔

(۵/۲۷۵۸) وَمَنْ قُلِّدَ فِي الْقَضَاءِ سُلِّمَ اِلَيْهِ دِيْوَانُ الْقَاضِيْ الَّذِيْ كَانَ قَبْلَهُ.

حل لغات: قلد: ماضی مجہول بنایا جائے، قاضی ہونے کا قلادہ ڈالا جائے۔ سلم: ماضی مجہول، سپرد کر دیا جائے۔

دیوان: چمڑے کے وہ تھیلے جن میں بغرض حفاظت کوئی چیز رکھ کر ان کا منہ بند کر دیتے ہیں یہاں پر 'دیوان' سے

مراد وہ تھیلے ہیں جن میں سرکاری فائلیں اور ریکارڈ نیز دوسری دستاویزات مثلاً اوقاف کی فائلیں رکھی جاتی ہیں، اور شوہروں اور وارثوں پر جن لوگوں کے نفقات مقرر کئے جاتے ہیں ان کی تحریرات اور فائلیں رکھی جاتی ہیں۔

ترجمہ: اور جس شخص کو قاضی مقرر کیا گیا تو حوالے کیا جائے اس کے اس قاضی کا رجسٹر جو اس سے پہلے تھا۔

جدید قاضی کے مختلف احکام

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جس شخص کو عہدۂ قضاء سپرد کیا گیا ہے اس کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ معزول شدہ قاضی سے ان تھیلوں اور رجسٹروں کے بارے میں دریافت کرے جن میں احکام اور دستاویزیں ہوتی ہیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں لہٰذا ان کو موجودہ قاضی کے ہاتھ میں رکھا جائے گا کیونکہ اب تمام معاملات کا تعلق موجودہ قاضی سے ہے معزول قاضی سے کسی معاملہ کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

(۶/۲۷۵۹) وَيَنْظُرُ فِي حَالِ الْمَحْبُوْسِيْنَ فَمَنِ اعْتَرَفَ مِنْهُمْ الْحَقَّ اَلْزَمَهُ اِيَّاهُ وَمَنْ اَنْكَرَ لَمْ يَقْبَلْ قَوْلَ الْمَعْزُوْلِ عَلَيْهِ اِلَّا بِبَيِّنَةٍ فَاِنْ لَمْ تَقُمِ الْبَيِّنَةُ لَمْ يُعَجِّلْ بِتَخْلِيَتِهِ حَتّٰى يُنَادِيَ عَلَيْهِ وَيَسْتَظْهِرَ فِي اَمْرِهٖ.

حل لغات: محبوسین: حبس سے مشتق ہے قید کرنا یہاں پر مراد قیدی لوگ، تاکہ ان پر لگائے گئے الزامات کی تحقیق وتفتیش کی جائے۔ تخلیة چھوڑنا، رہا کرنا۔ يستظهر: ظهر سے مشتق ہے ظاہر ہونے کا انتظار کرنا۔

ترجمہ: اور غور کرے قیدیوں کے حالات میں سو جو اقرار کرے ان میں سے حق کا تو اس پر وہ لازم کرے اور جو انکار کرے تو نہ مانے معزول قاضی کی بات اس کے خلاف مگر گواہوں کے ساتھ پھر اگر بینہ قائم نہ ہو تو جلدی نہ کرے اس (قیدی) کو رہا کرنے میں یہاں تک کہ اس پر منادی کرائے اور نظر کرے اس کے معاملہ میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جدید قاضی چارج لینے کے بعد سب سے پہلے قیدیوں کے حال پر نظر کرے یعنی کسی آدمی کو قید خانہ بھیج کر ان کی تعداد اور نام معلوم کرائے اور ان سے یہ دریافت کیا جائے کہ ان کو کس وجہ سے قید خانہ میں ڈالا گیا ہے، اگر کسی قیدی نے اپنے مدعی کے حق کا اپنے اوپر اقرار کرلیا تو قاضی اس پر وہ حق لازم کردے گا اور اگر قیدی نے اپنے مدعی کے اس حق کا انکار کردیا جو قید کا سبب ہے اور معزول قاضی نے اس کے سبب حبس کی خبر دی تو معزول قاضی کا قول قبول نہ ہوگا کیونکہ وہ معزول ہوکر رعایا کا ایک فرد ہوگیا ہے اور ایک فرد کی گواہی حجت نہیں ہوتی، ہاں اگر معزول قاضی نے قیدی پر دو گواہوں کی گواہی سے حق ثابت کیا تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اگر قیدی کے خلاف بینہ پیش نہ کرسکا تو قاضی جدید قیدی کو رہا کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ چند روز منادی کرائے کہ قاضی کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اگر فلاں قیدی کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو تو وہ آکر درخواست کرے چند روز اعلان کرانے پر اگر مدعی

حاضر نہ ہوا تو جدید قاضی قیدی سے کفیل بنفسہ لے کر اس کو رہا کر دے۔

(۲۷۶۰/۷) وَيَنْظُرُ فِي الْوَدَائِعِ وَارْتِفَاعِ الْوُقُوْفِ فَيَعْمَلُ عَلٰى حَسْبِ مَا تَقُوْمُ بِهِ الْبَيِّنَةُ أَوْ يَعْتَرِفُ بِهِ مَنْ هُوَ فِي يَدِهِ.

حل لغات: ودائع: ودیعة کی جمع ہے وَدْع سے مشتق ہے ودیعت اس چیز کو کہتے ہیں جو مالک کے علاوہ کسی اور کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی جائے۔ ارتفاع: باب افتعال کا مصدر ہے، بلند ہونا یہاں آمدنی مراد ہے۔

ترجمہ: اور غور کرے امانتوں میں اور وقف کی آمدنیوں میں چنانچہ عمل کرے اس کے مطابق جس طور پر گواہ قائم ہوں یا اقرار کرے وہ شخص جس کے قبضہ میں ہیں یہ چیزیں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جدید قاضی قیدیوں کی دیکھ بھال کے بعد ان امانتوں کی دیکھ ریکھ کرے جو معزول قاضی نے اپنے امینوں کے پاس رکھی ہیں اور اوقاف کی آمد اور خرچ پر بھی نظر کرے کہ اوقاف کی کتنی آمدنی آرہی ہے اور کہاں خرچ ہو رہی ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ اوقاف کے متولی اوقاف کی جائدادوں کو ہڑپ کر رہے ہوں، چنانچہ امانتوں اور اوقاف کے اموال میں گواہوں کی گواہی کے موافق عمل کرے مثلاً اس بات پر گواہی دی گئی کہ منیر کے پاس جو امانت ہے وہ نجیب کی ہے تو قاضی وہ امانت نجیب کو دلوائے یا کوئی قابض اقرار کرے کہ میرے پاس یہ امانت فلاں کی ہے تو جدید قاضی اس اقرار کے مطابق عمل کرے گا۔

(۲۷۶۱/۸) وَلَا يَقْبَلُ قَوْلَ الْمَعْزُوْلِ إِلَّا أَنْ يَعْتَرِفَ الَّذِي هُوَ فِي يَدِهِ أَنَّ الْمَعْزُوْلَ سَلَّمَهَا إِلَيْهِ فَيَقْبَلُ قَوْلَهُ فِيْهَا.

ترجمہ: اور نہ مانے معزول قاضی کی بات مگر یہ کہ اقرار کرے وہ شخص جس کے قبضہ میں ہے کہ معزول قاضی نے اس کو سپرد کی ہے چنانچہ ان (امانتوں و اوقاف) کے بارے میں اس (معزول قاضی) کی بات مان لے۔

تشریح: معزول قاضی نے کہا کہ زید کے پاس عمر کے ایک ہزار روپے امانت ہیں زید نے اسکا انکار کر دیا اور کہا کہ یہ ایک ہزار روپے تو میرے ہیں تو جدید قاضی، معزول قاضی کے قول پر عمل نہ کرے کیونکہ وہ معزول ہونے کی وجہ سے رعایا کا ایک فرد ہو گیا ہے اور ایک آدمی کا قول حجت نہیں ہوتا، ہاں اگر قابض یہ اقرار کرے کہ معزول قاضی نے مجھ کو امانتیں اور اوقاف کی آمدنی سپرد کی تھی اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ کس کی ہے تو ان کی بابت معزول قاضی کا قول مقبول ہوگا کیونکہ قابض کے اقرار سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ معزول قاضی کا قبضہ تھا۔

(۲۷۶۲/۹) وَيَجْلِسُ لِلْحُكْمِ جُلُوْسًا ظَاهِرًا فِي الْمَسْجِدِ.

ترجمہ: اور بیٹھے فیصلہ کرنے کے لئے ظاہر طور پر مسجد میں۔

قاضی فیصلہ کے لئے کہاں بیٹھے؟

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ قاضی مقدمات کی ساعت کرنے کے لئے مسجد میں ایسی جگہ بیٹھے جہاں ہر آدمی آسانی سے فیصلہ کے لئے پہنچ سکے یا اپنے گھر میں بیٹھے اور لوگوں کو آنے کی عام اجازت دے۔

امام شافعیؒ کے یہاں مسجد میں فیصلہ کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ فیصلہ چاہنے کے لئے مشرک بھی آئیں گے، حائضہ اور نفساء بھی اور ان کے لئے دخول مسجد درست نہیں ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معتکف میں خلفاء راشدین، تابعین، تبع تابعین مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے مسجد میں بیٹھتے تھے اور حائضہ ونفساء کے لئے قاضی باہر جائے اور جس جگہ مشرک کو نجس کہا گیا ہے وہاں ظاہری نجاست مرادنہیں بلکہ اعتقادی نجاست مراد ہے۔

(۱۰/۲۷۶۳) وَلَا يَقْبَلُ هَدِيَّةً اِلَّا مِنْ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ اَوْ مِمَّنْ جَرَتْ عَادَتُهٗ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِمُهَادَاتِهٖ.

حل لغت: مهاداة: باب مفاعلة، هاداه، مُهاداةً وهِداءً ہر ایک کا دوسرے کو تحفہ دینا۔

ترجمہ: اور نہ قبول کرے ہدیہ سوائے اپنے ذی رحم محرم کے یا اس آدمی کے جس کی عادت جاری ہو قاضی ہونے سے پہلے باہمی ہدیہ لینے دینے کی۔

قاضی کے لئے احتیاطی احکام

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی دو آدمیوں کے علاوہ کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے۔(۱) قرابتدار (۲) قاضی بننے سے پہلے جن لوگوں کی عادت تھی کہ وہ ہدیہ دیا کرتے تھے تو ان لوگوں سے ہدیہ قبول کرے، بشرطیکہ ہدیہ بقدر عادت قدیم ہو۔

ذی رحم محرم کا ہدیہ قبول کرنا اسلئے جائز ہے کہ یہ ہدیہ صلہ رحمی کی وجہ سے ہے اسی طرح قاضی ہونے سے پہلے جس کے ساتھ ہدیہ کے لین دین کی عادت جاری تھی قاضی ہونے کے بعد اس کا ہدیہ قبول کرنا سابقہ عادت کے تحت ہوگا۔

(۱۱/۲۷۶۴) وَلَا يَحْضُرُ دَعْوَةً اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ عَامَّةً.

ترجمہ: اور نہ جائے کسی دعوت میں مگر یہ کہ عام دعوت ہو۔

تشریح: قاضی خصوصی دعوت قبول نہ کرے البتہ عمومی دعوت قبول کرسکتا ہے کیونکہ خصوصی دعوت قاضی ہونے کی وجہ سے ہوگی اور اس کو قبول کرنے میں متہم ہوگا، برخلاف عمومی دعوت کے، خصوصی دعوت وہ ہے کہ اگر داعی کو یہ معلوم ہو جائے کہ قاضی نہیں آسکے گا تو وہ اس کو ملتوی کردے تو یہ دعوت خاصہ ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو دعوت عامہ ہے۔

(۱۲/۲۷۶۵) وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَعُوْدُ الْمَرِيْضَ.

ترجمہ: اور حاضر ہو جنازہ میں اور بیمار کی عیادت کرے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ قاضی جنازہ میں شرکت کرے اور بیمار کی عیادت کرے کیونکہ یہ دونوں چیزیں مسلمانوں کے حقوق میں سے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں ان میں سے ایک جنازہ میں حاضر ہونا بھی ہے اور ایک مریض کی عیادت کرنا بھی ہے۔

(۱۳/۲۷۶۶) وَلَا يُضِيْفُ اَحَدَ الْخَصْمَيْنِ دُوْنَ خَصْمِهٖ.

ترجمہ: اور مہمان نوازی نہ کرے مدعی اور مدعی علیہ میں سے تنہا ایک کی۔

تشریح: قاضی کے پاس دو آدمیوں کا مقدمہ چل رہا ہو تو قاضی ایسا بھی نہ کرے کہ ان میں سے ایک کی دعوت کرے اور دوسرے کی دعوت نہ کرے کیونکہ ایسا کرنے میں لوگ یہ خیال کریں گے کہ قاضی کا اس شخص کی جانب میلان ہے لہٰذا فیصلہ میں اس کی رعایت کی جائے گی۔

(۱۴/۲۷۶۷) فَاِذَا حَضَرَا سَوّٰى بَيْنَهُمَا فِي الْجُلُوْسِ وَالْاِقْبَالِ وَلَا يُسَارُّ اَحَدُهُمَا وَلَا يُشِيْرُ اِلَيْهِ وَلَا يُلَقِّنُهٗ حُجَّةً.

حل لغات: سوی: برابری کرے۔ یسار: فعل مضارع، ماضی سارَّ، سارَّۃً پوشیدہ بات کرنا کان میں بات کرنا۔ یلقن: فعل مضارع معروف (م) تلقین، کسی چیز کو بتانا دلائل سمجھانا بالمشافہ سمجھانا۔

ترجمہ: اور جب دونوں آئیں تو برابری کرے دونوں کے درمیان بیٹھنے اور توجہ کرنے میں اور ان میں سے کسی ایک سے کان میں بات نہ کرے اور نہ اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس کو حجت کی تلقین کرے۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مدعی اور مدعی علیہ قاضی کے پاس حاضر ہوں تو قاضی کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے یہ محسوس ہو کہ یہ کسی ایک کی جانب مائل ہے، چنانچہ بیٹھنے اور توجہ کرنے میں دونوں کے درمیان برابری کرے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دے حتی کہ اگر ایک کو مسند پر بٹھلانا مناسب ہو تو دوسرے کو بھی اسی طرح بٹھلائے اور ایک کو دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب بھی نہ بٹھلائے کیونکہ دائیں کو بائیں پر فضیلت حاصل ہے اور دونوں کو ایک جانب میں بھی نہ بٹھلائے کیونکہ اس طرح ایک قاضی سے زیادہ قریب ہو جائے گا اس لئے مناسب یہ ہے کہ دونوں قاضی کے سامنے برابر برابر بیٹھیں اسی طرح قاضی دونوں کی طرف برابر متوجہ ہو اور دونوں کو یکسانیت کے ساتھ دیکھے پھر آگے فرماتے ہیں کہ قاضی کسی ایک کے ساتھ چپکے چپکے باتیں نہ کرے اور اپنے ہاتھ یا سر یا بھوؤں سے اشارہ نہ کرے اور نہ کسی ایک کو حجت کی تلقین کرے کیونکہ ایسا کرنے میں قاضی رشوت اور طرفداری کے ساتھ متہم ہو سکتا ہے۔

نوٹ: جب گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ قاضی گواہوں کو تلقین نہیں کرسکتا کہ تم اس طرح اپنی بات کہو جب کہ امام ابو یوسف اس کی نہ صرف اجازت دیتے ہیں بلکہ اسے مستحسن قرار دیتے ہیں بشرطیکہ اس سے مزید معلومات ہونے کی امید ہو فتویٰ اسی قول پر ہے۔

(۲۷۶۸/۱۵) فَإِذَا ثَبَتَ الْحَقُّ عِنْدَهٗ وَطَلَبَ صَاحِبُ الْحَقِّ حَبْسَ غَرِيْمِهٖ لَمْ يُعَجِّلْ بِحَبْسِهٖ وَاَمَرَهٗ بِدَفْعِ مَا عَلَيْهِ.

ترجمہ: جب ثابت ہو جائے حق اس کے نزدیک اور مطالبہ کرے حق والا مقروض کو قید کرنے کا تو جلدی نہ کرے اس کو قید کرنے میں بلکہ حکم کرے اس کے ادا کرنے کا جو کچھ اس پر ہے۔

قید خانہ میں محبوس کرنے کے احکام

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب صاحب حق کا حق قاضی کے نزدیک ثابت ہو جائے اور صاحب حق اپنے مقروض کی گرفتاری کا مطالبہ کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) مدعی کا حق یا تو اقرار کے ذریعہ ثابت ہوگا۔ (۲) یا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوگا اگر اول ہے تو قاضی مدعی علیہ کو قید کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس کو ادائیگی حق کا حکم کرے اگر وہ ادا نہ کرے اور بغیر کسی عذر کے ٹال مٹول کرے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اس کو قید کرے، اور اگر ثانی ہے تو قاضی حق ثابت ہوتے ہی قید کرسکتا ہے۔

(۲۷۶۹/۱۶) فَاِنِ امْتَنَعَ حَبَسَهٗ فِيْ كُلِّ دَيْنٍ لَزِمَهٗ بَدَلًا عَنْ مَالٍ حَصَلَ فِيْ يَدِهٖ كَثَمَنِ الْمَبِيْعِ وَبَدَلِ الْقَرْضِ اَوِ الْتَزَمَهٗ بِعَقْدٍ كَالْمَهْرِ وَالْكَفَالَةِ.

حل لغات: بدل القرض: دراہم وغیرہ نقد جو قرض کے طور پر لیا گیا ہو اب اس کی ادائیگی بصورت بدل لازم ہوگی۔ المهر: اس جگہ مہر معجل مراد ہے۔

کفالة: دوسرے کے قرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لینا۔

ترجمہ: پھر اگر وہ (ادا کرنے سے) باز رہے تو قید کرے اس کو ہر ایسے قرض میں جو لازم ہوا ہو اس کو ایسے مال کے بدلہ میں جو حاصل ہوا ہو اس کے قبضہ میں جیسے مبیع کا ثمن اور قرض کا بدل یا اس کا التزام کیا ہو عقد کے ذریعہ جیسے مہر اور کفالہ۔

تشریح: اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد قرضہ ادا کرنے سے مقروض رک گیا اور قرض خواہ نے اس کو قید کرنے کا مطالبہ کیا تو قاضی اس کو دو طرح کے قرضوں میں قید کرسکتا ہے۔ (۱) ایسا قرض جو کسی کے مال پر قبضہ کرنے کی وجہ سے لازم ہوا ہو جیسے کسی سے کوئی چیز خریدی اور اس کی قیمت ادا نہیں کی یا کسی سے قرض لیا اور اس کو خرچ کردیا تو اس کا بدل

یعنی بدل قرض، اگر قرض خواہ اس صورت میں اس کو قید کروانا چاہتا ہے تو حاکم قید کرے گا۔ (۲) ایسا قرض جو کسی عقد کی وجہ سے لازم ہوا ہو جیسے مہر کا قرض سر پر آیا تو اس کے بدلہ میں بضع ہاتھ میں آتا ہے جو من وجہ مال شمار کیا جاتا ہے اسی طرح کسی کا کفیل بنا کہ وہ رقم ادا نہیں کریگا تو میں ادا کروں گا اب اگر وہ کہے کہ میرے پاس مال نہیں ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا۔

(۱۷/۲۷۷۰) وَلَا يَحْبِسُهُ فِيمَا سِوىٰ ذٰلِكَ اِذَا قَالَ اِنِّىْ فَقِيْرٌ اِلَّا اَنْ يُثْبِتَ غَرِيْمُهُ اَنَّ لَهُ مَالاً.

ترجمہ: اور قید نہ کرے اس کو اس کے علاوہ میں جب کہ اس نے یہ کہا کہ میں فقیر ہوں مگر یہ کہ ثابت کردے اس کا قرض خواہ کہ اس کے پاس مال موجود ہے۔

تشریح: جن قرضوں کے بدلہ ہاتھ میں مال نہ آتا ہو جیسے غصب کی ہوئی چیز خرچ کردی تو اس کا عوض یا جیسے جنایت کا بدلہ کہ کسی کا نقصان کردیا اور اس کے بدلہ میں مال دینا پڑا تو اس قرض کے بدلہ میں ہاتھ میں کوئی مال نہیں آتا ہے، صرف جرم کی وجہ سے دینا پڑ رہا ہے تو ایسے قرضوں میں حاکم اس کو قید نہ کرے گا ہاں اگر قرض خواہ شہادت پیش کردے کہ اس کے پاس مال ہے تو حاکم اس کو قید کرے گا۔

(۱۸/۲۷۷۱) وَيَحْبِسُهُ شَهْرَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ يَسْأَلُهُ عَنْهُ فَاِنْ لَّمْ يَظْهَرْ لَهُ مَالٌ خَلّٰى سَبِيْلَهُ.

ترجمہ: اور قید رکھے اس کو دو ماہ یا تین ماہ تک اور تحقیق کرتا رہے مال کے بارے میں اگر مال ظاہر نہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دے (رہا کردے)

تشریح: مفلس مذکور کو حاکم دو ماہ یا تین ماہ تک قید کرے گا اور اس کی حالت کے متعلق تحقیق کرتا رہے اگر اس مدت کے درمیان اس کے پاس مال کا سراغ نہ لگے تو حاکم اس کو رہا کردے، قید کرنا مال کی تحقیق کیلئے تھا سزا دینے کیلئے نہیں تھا اب تحقیق ہوگئی کہ مال نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دے، مزید تفصیل انوار القدوری جلد دوم ۱۳۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۹/۲۷۷۲) وَلَا يَحُوْلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غُرَمَائِهِ.

ترجمہ: اور نہ حائل ہو اس کے اور قرضخواہوں کے درمیان۔

تشریح: مفلس کے پاس مال کا پتہ نہیں لگا اس وجہ سے قاضی نے اس کو قید سے رہا کردیا تو اب قاضی، مقروض اور قرضخواہوں کے معاملہ میں نہ پڑے بلکہ ان کو چھوڑ دے کہ وہ مفلس کے پیچھے لگے رہیں، اور جب اس کے ہاتھ میں کہیں سے رقم آجائے تو اس سے اپنا قرض وصول کرلے۔

(۲۰/۲۷۷۳) وَيُحْبَسُ الرَّجُلُ فِيْ نَفَقَةِ زَوْجَتِهِ.

ترجمہ: اور قید کیا جائے شوہر اپنی بیوی کے نفقہ میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے کسی شخص پر اس کی بیوی کا نفقہ مقرر کر دیا ہو یا میاں بیوی کے درمیان کسی مقدار پر صلح ہوگئی پھر شوہر نے بیوی کا نفقہ ادا نہ کیا اور بیوی نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا تو قاضی شوہر کو قید کرے گا کیونکہ نفقہ میں ٹال مٹول کی وجہ سے شوہر کا ظالم ہونا ظاہر ہو گیا ہے اور ظالم کی سزا قید ہے۔

(۲۱/۲۷۷۴) وَلَا يُحْبَسُ الْوَالِدُ فِيْ دَيْنِ وَلَدِهٖ اِلَّا اِذَا امْتَنَعَ مِنَ الْاِنْفَاقِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور نہ قید کیا جائے باپ کو بیٹے کے قرض میں مگر جب کہ رک جائے اس پر خرچ کرنے سے۔

تشریح: باپ کو اس کی اولاد کے دین کے سلسلہ میں قید نہیں کیا جائے گا کیونکہ قید ہونا ایک طرح کی سزا ہے اور بیٹے کو اپنے باپ پر ایسی سزا کا استحقاق نہیں ہے ہاں اگر باپ اپنی اولاد پر خرچ کرنے سے باز رہے اور اولاد صغیر وفقیر ہو تو باپ کو قید کر دیا جائے گا کیونکہ نفقہ نہ دینے کی صورت میں بچوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہے پس بچوں کو ہلاک کرنے کے ارادہ سے روکنے کے لئے اس کو قید کیا جا سکتا ہے۔

(۲۲/۲۷۷۵) وَيَجُوْزُ قَضَاءُ الْمَرْأَةِ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ.

ترجمہ: اور جائز ہے عورت کا قاضی ہونا ہر معاملہ میں سوائے حدود وقصاص کے۔

تشریح: حدود وقصاص کے علاوہ دیگر حقوق میں عورت قاضی ہو سکتی ہے کیونکہ عورت اگرچہ ناقص العقل ہے لیکن حدود وقصاص کے علاوہ میں گواہی دینے کی اہل ہے اور یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ جو اہل شہادت ہے وہ اہل قضاء بھی البتہ عورت کو قاضی بنانے والا گناہ گار ہوگا کیوں کہ بخاری کی روایت ہے کہ اس قوم کا بھلا نہ ہو جس نے اپنا کاروبار عورت کے سپرد کر دیا۔

(۲۳/۲۷۷۶) وَيُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِيْ اِلَى الْقَاضِيْ فِي الْحُقُوْقِ اِذَا شُهِدَ بِهٖ عِنْدَهٗ فَاِنْ شَهِدُوْا عَلٰى خَصْمٍ حَاضِرٍ حَكَمَ بِالشَّهَادَةِ وَكَتَبَ بِحُكْمِهٖ وَاِنْ شَهِدُوْا بِغَيْرِ حَضْرَةِ خَصْمِهٖ لَمْ يَحْكُمْ وَكَتَبَ بِالشَّهَادَةِ لِيَحْكُمَ بِهَا الْمَكْتُوْبُ اِلَيْهِ.

ترجمہ: اور قبول کیا جائے گا ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام تمام حقوق میں جب گواہی دی جائے اس (خط کی) کی اس (قاضی دوم) کے سامنے پھر اگر گواہی دیں مدعیٰ علیہ کے سامنے تو فیصلہ کرے گواہی پر اور لکھے اپنا فیصلہ، اور اگر گواہی دیں مدعیٰ علیہ کی غیر موجودگی میں تو فیصلہ نہ کرے بلکہ گواہی لکھ لے تاکہ فیصلہ کرے اس پر مکتوب الیہ قاضی۔

ایک قاضی کی جانب سے دوسرے قاضی کی طرف خط لکھنے کا بیان

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام ایسے حقوق میں مقبول ہے جو حقوق

شبہات کے باوجود ثابت ہوتے ہیں بشرطیکہ دوگواہ قاضی مکتوب الیہ کے پاس یہ گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کاتب کا ہے اور یہ اسی کی مہر ہے پھر قاضی کے خط کی دو قسمیں ہیں: (۱) سجل (۲) کتاب حکمی۔ اگر گواہوں نے مدعی علیہ کے سامنے گواہی دی ہے تو چونکہ حجت شرعی پائی گئی اس لئے قاضی کاتب گواہی کے موافق فیصلہ کردے گا اور اپنے اس فیصلہ کو تحریر کریگا کہ میں نے گواہی کے موافق فلاں مدعی علیہ کے خلاف فیصلہ کردیا ہے، اس کو سجل کہتے ہیں، اور اگر گواہوں نے مدعی علیہ کی عدم موجودگی میں گواہی دی ہو تو اب قاضی کاتب فیصلہ نہیں کرے گا بلکہ صرف گواہی تحریر کرے گا تاکہ مکتوب الیہ قاضی اس گواہی کے موافق فیصلہ کرے اس کو کتاب حکمی کہتے ہیں۔

سجل اور کتاب حکمی کے درمیان فرق یہ ہے کہ سجل جب قاضی مکتوب الیہ کے پاس پہنچے گا تو وہ اس کو نافذ کرے گا خواہ اس کی رائے کے موافق ہو یا مخالف کیونکہ اس میں قاضی کا دیا ہوا فیصلہ موجود ہے اور کتاب حکمی کی صورت میں اگر قاضی مکتوب الیہ کی رائے کے موافق ہو تو نافذ کرے گا ورنہ نہیں کیوں کہ اس میں قاضی کاتب کا فیصلہ موجود نہیں ہے۔

(۲۴/۲۷۷۷) وَلَا يَقْبَلُ الْكِتَابَ اِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ اَوْ رَجُلٍ وَّامْرَأَتَيْنِ.

ترجمہ: اور قبول نہیں کرے گا خط مگر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے۔

تشریح: قاضی مکتوب الیہ، قاضی کاتب کا خط اس وقت قبول کرے گا جب دو عادل مرد یا ایک مرد اور عورتیں گواہی دیں کہ یہ قاضی کاتب کا خط اور اس کی مہر ہے اور اس نے ہم کو گواہ مقرر کیا ہے۔

(۲۵/۲۷۷۸) وَيَجِبُ اَنْ يَّقْرَأَ الْكِتَابَ عَلَيْهِمْ لِيَعْرِفُوْا مَافِيْهِ ثُمَّ يَخْتِمُهُ وَيُسَلِّمُهُ اِلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور ضروری ہے یہ کہ پڑھ کر سنادے خط گواہوں کے روبرو تاکہ واقف ہو جائیں وہ اس کے مضمون سے پھر مہر لگا کر ان کے حوالہ کردے۔

تشریح: قاضی کاتب اس مکتوب کو ان گواہوں کے سامنے پڑھے جو اس کا خط دوسرے قاضی کے پاس لے جائیں گے تاکہ وہ جان لیں کہ خط میں کیا لکھا ہوا ہے اور مکتوب الیہ قاضی کے سامنے گواہی دینے میں آسانی ہو اور ان کی موجودگی میں مہر لگا کر سیل کر کے طرفین ؒ کے نزدیک اس خط کو گواہوں کے حوالہ کردے اور امام ابو یوسف ؒ اس قسم کی کوئی شرط نہیں لگاتے ان کے نزدیک بس اتنا کافی ہے کہ انہیں اس بات کا گواہ بنادیا جائے کہ یہ تحریر اور مہر قاضی مرسل کی ہے حتی کہ انہوں نے تحریر کو مہر بند کرنا بھی ضروری قرار نہیں دیا یہ مسئلہ چونکہ قضاء کا ہے اس لئے شمس الائمہ سرخسی نے امام ابو یوسف کی رائے کو ترجیح دی ہے نیز قاضی اول کا خط بھی مدعی کے حوالہ کیا جائے گا وهو قول ابی یوسف وهو اختیار الفتویٰ علیٰ قول شمس الائمة.

(۲۶/۲۷۷۹) وَاِذَا وَصَلَ اِلَى الْقَاضِيْ لَمْ يَقْبَلْهُ اِلَّا بِحَضْرَةِ الْخَصْمِ.

ترجمہ: اور جب پہنچے یہ خط قاضی کے پاس تو قبول نہ کرے مگر مدعی علیہ کی موجودگی میں۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب قاضی کاتب کا خط، قاضی مکتوب الیہ کو موصول ہوا تو قاضی مکتوب الیہ اس خط کو مدعی علیہ کی موجودگی میں قبول کرے یعنی مدعی علیہ کے حاضر ہونے پر اس خط کو مدعی یا گواہوں سے لے۔

(۲۷۸۰/۲۷) فَإِذَا سَلَّمَهُ الشُّهُوْدُ اِلَيْهِ نَظَرَ اِلٰى خَتْمِهٖ فَإِذَا شَهِدُوْا اَنَّهٗ كِتَابُ فُلَانِ الْقَاضِىْ سَلَّمَهٗ اِلَيْنَا فِىْ مَجْلِسِ حُكْمِهٖ وَقَضَائِهٖ وَقَرَأَهٗ عَلَيْنَا وَخَتَمَهٗ فَتَحَهُ الْقَاضِىْ وَقَرَأَهٗ عَلَى الْخَصْمِ وَاَلْزَمَهٗ مَافِيْهِ.

ترجمہ: پھر جب سپرد کردیں گواہ وہ خط قاضی کو تو دیکھے قاضی اس کی مہر پھر جب وہ گواہی دیں کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے سپرد کیا ہے اس کو ہمارے اپنی مجلس قضاء میں اور اس کو ہمارے سامنے پڑھا ہے اور مہر لگائی ہے تو کھولے اس کو قاضی اور پڑھ کر سنائے اس کو مدعی علیہ کے سامنے اور لازم کردے اس پر جو کچھ خط میں ہے۔

تشریح: صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ جب مدعی علیہ کی موجودگی میں گواہوں نے یا مدعی نے قاضی کا یہ خط قاضی مکتوب الیہ کو سپرد کردیا تو قاضی سب سے پہلے اس کی مہر کو ملاحظہ کرے کہ وہ صحیح ہے یا پھٹی ہوئی ہے اگر پھٹی ہوئی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خط کسی نے کھولا ہے اور مضمون میں کمی زیادتی ممکن ہے اس لئے پہلے مہر کو دیکھے کہ وہ سلامت ہے یا نہیں، پھر جب گواہوں نے گواہی دی کہ یہ فلاں شہر کے قاضی کا خط ہے اس نے ہم کو یہ خط اپنی مجلس قضاء میں سپرد کیا پھر قاضی مکتوب الیہ، گواہوں سے پوچھے کہ قاضی نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ تم کو پڑھ کر سنایا تھا؟ اگر انہوں نے اقرار کرلیا اور گواہی دی کہ یہ خط اسی کا ہے اور اسی کی مہر ہے، تو قاضی مکتوب الیہ ان کی عدالت و دیانت دریافت کرے پس جب ان کی عدالت و دیانت ثابت ہوجائے تو مدعی علیہ کی موجودگی میں مکتوب الیہ قاضی خط کو کھولے اور مدعی علیہ کے سامنے پڑھ کر سنائے اور جو کچھ خط میں تحریر کیا گیا ہے اس کو مدعی علیہ پر لازم کردے بشرطیکہ قاضی مکتوب الیہ کی رائے میں قاضی کاتب کا لکھا ہوا فیصلہ اور گواہی شریعت اسلام کے موافق ہو اور مدعی علیہ کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت نہ ہو۔

(۲۷۸۱/۲۸) وَلَا يُقْبَلُ كِتَابُ الْقَاضِىْ اِلَى الْقَاضِىْ فِى الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ.

ترجمہ: اور قبول نہ کیا جائے ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام حدود اور قصاص میں۔

تشریح: ایسے حقوق جو شبہات کی وجہ سے دور ہوجاتے ہیں جیسے حدود و قصاص ان میں ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کے نام قبول نہیں ہوتا ہے، کیونکہ حدود و قصاص میں امکانی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ان کو ساقط کردیا جائے حالانکہ خط قاضی قبول کرنے میں وہ اور مضبوط ہوں گے۔

(۲۷۸۲/۲۹) وَلَيْسَ لِلْقَاضِىْ اَنْ يَّسْتَخْلِفَ عَلَى الْقَضَاءِ اِلَّا اَنْ يُّفَوَّضَ اِلَيْهِ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور جائز نہیں قاضی کے لئے اپنا نائب بنانا عہدۂ قضاء پر مگر یہ کہ سپرد کر دیا گیا ہو اس کو یہ۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے کسی دوسرے کو قضاء کے سلسلہ میں اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کرے کیونکہ حاکم وقت نے اسی کو قاضی بنایا ہے ہاں اگر بادشاہ اور حاکم اعلیٰ نے اس کو یہ اختیار دے دیا ہو خواہ صراحۃً مثلاً وہ کہہ دے کہ تو جس کو چاہے اپنا نائب بنا لے یا دلالۃً مثلاً وہ یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے قاضی القضاۃ کر دیا تو اس صورت میں دوسرے کو قاضی بنا سکتا ہے۔

(۲۷۸۳/۳۰) وَاِذَا رُفِعَ اِلَى الْقَاضِىْ حُكْمُ حَاكِمٍ اَمْضَاهُ اِلَّا اَنْ يُّخَالِفَ الْكِتَابَ اَوِ السُّنَّةَ اَوِ الْاِجْمَاعَ اَوْ يَكُوْنَ قَوْلًا لَا دَلِيْلَ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور جب (فیصلہ کے لئے) لایا جائے قاضی کے پاس کسی حاکم کا حکم تو نافذ کر دے اس کو مگر یہ کہ مخالف ہو کتاب یا سنت یا اجماع کے یا ہو ایسا قول جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی قاضی کی عدالت میں کسی حاکم کا حکم اپیل کیا گیا تو قاضی اسی حکم کو نافذ کرے گا بشرطیکہ حاکم کا یہ حکم کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور اجماع کے خلاف نہ ہو ورنہ اس حکم کو نافذ نہ کرے گا مثلاً متروک التسمیۃ عامداً کے حلال ہونے کا حکم دیا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان، ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ کے خلاف ہے یا مثلاً یہ حکم دیا کہ مطلقہ ثلاثہ بغیر وطی کے محض زوج ثانی کے ساتھ نکاح کرنے سے زوج اول کے لئے حلال ہوگئی ہے حالانکہ یہ حکم حدیث عسیلہ کے خلاف ہے، یا مثلاً نکاح متعہ کے حلال ہونے کا حکم دیا حالانکہ یہ حکم اجماع صحابہ کے خلاف ہے یا حاکم کا حکم ایسا قول ہو جس پر کوئی دلیل نہ ہو مثلاً بارہ سال گذر جانے پر مطالبہ میں تاخیر کی وجہ سے مقروض کے ذمہ سے قرض ساقط ہونے کا حکم دیا یہ ایسا قول ہے جس پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے تو ان صورتوں میں حاکم کا حکم قاضی اعلیٰ نافذ نہ کرے گا۔

(۲۷۸۴/۳۱) وَلَا يَقْضِى الْقَاضِىْ عَلٰى غَائِبٍ اِلَّا اَنْ يَّحْضُرَ مَنْ يَّقُوْمُ مَقَامَهٗ.

ترجمہ: اور فیصلہ نہ کرے قاضی کسی غائب پر مگر یہ کہ حاضر ہو اس کا کوئی قائم مقام۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدعیٰ علیہ اگر غائب ہو خواہ شہر سے غائب ہو یا شہر میں چھپا ہوا ہو مگر قاضی کی مجلس سے غائب ہو تو ہمارے نزدیک قاضی گواہوں کی وجہ سے نہ اس کے خلاف فیصلہ کرے گا اور نہ موافق فیصلہ کرے گا ہاں اگر مدعیٰ علیہ غائب کا کوئی قائم مقام موجود ہو مثلاً اس کا وکیل ہو یا وصی ہو تو اس صورت میں غائب پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

دلیل: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تھا تو فرمایا تھا کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ میں سے کسی ایک کے حق میں کوئی فیصلہ نہ کرنا یہاں تک کہ تو دوسرے کی بات نہ سن لے۔ معلوم ہوا کہ فیصلہ کرنے کے لئے مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کی بات سننا ضروری ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب دونوں بذات خود موجود ہوں یا قائم

مقام موجود ہوں۔

(۳۲/۲۷۸۵) وَاِذَا حَكَّمَ رَجُلَانِ رَجُلًا بَيْنَهُمَا وَرَضِيَا بِحُكْمِهٖ جَازَ اِذَا كَانَ بِصِفَةِ الْحَاكِمِ.

ترجمہ: اور جب فیصل بنالیں دو آدمی کسی کو اپنے درمیان اور راضی ہوجائیں اس کے فیصلہ پر تو جائز ہے جب کہ ہو حکم حاکم کی صفت پر۔

فیصل مقرر کرنے کا بیان

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں نے اپنے درمیان فیصلہ کے لئے کسی تیسرے آدمی کو حکم مقرر کیا اور اس نے گواہی یا اقرار یا انکار کے ذریعہ ان میں فیصلہ کر دیا اور وہ اس کے فیصلہ پر راضی ہوگئے تو یہ جائز ہے آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ فیصل وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں قاضی اور حاکم بننے کی صلاحیت ہو یعنی جس طرح قاضی کے لئے شہادت کا اہل ہونا شرط ہے (قاضی ہونے کے وقت سے لے کر فیصلہ کے وقت تک) اسی طرح فیصل کے واسطے بھی شہادت کا اہل ہونا ضروری ہے (حکم بننے کے وقت سے لے کر فیصلہ صادر کرنے کے وقت تک) اگلی عبارت میں اسی مفہوم پر تفریع کا بیان ہے۔

(۳۳/۲۷۸۶) وَلَايَجُوْزُ تَحْكِيْمُ الْكَافِرِ وَالْعَبْدِ وَالذِّمِّيِّ وَالْمَحْدُوْدِ فِي الْقَذْفِ وَالْفَاسِقِ وَالصَّبِيِّ.

ترجمہ: اور نہیں جائز ہے فیصل بنانا کافر، غلام، ذمی اور تہمت میں حد لگے ہوئے، فاسق اور بچہ کو۔

تشریح: جس شخص میں شہادت کی اہلیت موجود نہ ہوں اس کو نہ قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے اور نہ حکم مقرر کیا جاسکتا ہے پس اسی وجہ سے کافر کو غلام کو ذمی کو محدود فی القذف کو، فاسق کو اور نابالغ کو حکم مقرر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مذکورہ اشخاص میں شہادت کی لیاقت موجود نہیں ہے، یہ بات ذہن نشین رہے کہ ذمی کو حکم مقرر کرنا اس وقت ناجائز ہے جب اس کو مسلمانوں نے حکم مقرر کیا ہو اور اگر ذمیوں نے کسی ذمی کو حکم مقرر کیا تو یہ جائز ہوگا۔

(۳۴/۲۷۸۷) وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُحَكِّمِيْنَ اَنْ يَرْجِعَ مَالَمْ يَحْكُمْ عَلَيْهِمَا.

ترجمہ: اور حکم بنانے والوں میں سے ہر ایک کے لئے جائز ہے یہ کہ وہ رجوع کرلیں جب تک کہ وہ (حَکَم) کوئی فیصلہ صادر نہ کرے ان پر۔

تشریح: جن لوگوں نے حکم بنایا تھا ان کو یہ اختیار ہے کہ جب تک پنچ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے اس سے پہلے پہلے دونوں میں سے ہر ایک یہ کہہ سکتا ہے کہ اب آپ میرے حکم نہیں ہیں۔

(۲۷۸۸/۳۵) وَاِذَا حَكَمَ عَلَيْهِمَا لَزِمَهُمَا.

ترجمہ: اور اگر دونوں پر فیصلہ کر دیا تو دونوں کو لازم ہو جائے گا۔

تشریح: صاحب قدوری کہتے ہیں کہ اگر حکم نے کوئی حکم صادر کر دیا تو حکم کا یہ حکم لازم ہو جائے گا، اور فریقین میں سے کسی کو انحراف کا حق نہ ہوگا۔

(۲۷۸۹/۳۶) وَاِذَا رُفِعَ حُكْمُهُ اِلَى الْقَاضِيْ فَوَافَقَ مَذْهَبَهُ اَمْضَاهُ وَاِنْ خَالَفَهُ اَبْطَلَهُ.

ترجمہ: اور جب لایا جائے اس کا حکم قاضی کے پاس اور وہ موافق ہو اس کے مذہب کے تو اس کو نافذ کر دے، اور اگر اس کے مخالف ہو تو اس کو باطل کر دے۔

تشریح: پنچ کا فیصلہ قاضی وقت کے پاس لے جایا گیا اور یہ فیصلہ قاضی کے مذہب کے موافق ہو تو قاضی اس کو نافذ کر دے اور اگر پنچ کا فیصلہ اس قاضی کے مذہب کے مخالف ہو جس کی عدالت میں وہ فیصلہ لے جایا گیا ہے تو قاضی حکم کے فیصلہ کو باطل کر دے اور اپنا فیصلہ نافذ کر دے۔

(۲۷۹۰/۳۷) وَلَا يَجُوْزُ التَّحْكِيْمُ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں حکم بنانا حدود اور قصاص میں۔

تشریح: قاعدہ یہ ہے کہ فیصل اور پنچ مقرر کرنا ہر اس معاملہ میں صحیح ہے جس کے کرنے کا جھگڑا کرنے والوں کو اختیار ہو اور وہ بذریعہ صلح درست ہو جاتا ہو اور جو صلح سے جائز نہ ہوتا ہو اس میں حکم بنانا صحیح نہیں ہے، چنانچہ بیوع، نکاح، طلاق شفعہ میں حکم بنانا درست ہے اور یہی صحیح ہے، لیکن اس کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ کہہ دیا جائے گا کہ ان میں قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے کیونکہ اگر حکم بنانے کے جواز کا فتویٰ دے دیا گیا تو عوام دلیر ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنی منشاء و مرضی کے مطابق حکم مقرر کر کے فیصلہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ حدود و قصاص میں حکم بنانا صحیح نہیں ہے ہمارے علماء احناف میں سے یہ مذہب امام خصافؒ کا ہے، اسی کو صاحب کتاب اور صاحب ہدایہ نے اختیار فرمایا ہے۔

(۲۷۹۱/۳۸) وَاِنْ حَكَّمَاهُ فِيْ دَمِ الْخَطَاِ فَقَضَى الْحَاكِمُ عَلَى الْعَاقِلَةِ بِالدِّيَةِ لَمْ يَنْفُذْ حُكْمُهُ.

ترجمہ: اور اگر حکم بنالیں کسی کو دم خطاء میں پھر فیصلہ کر دے حکم عاقلہ پر دیت کا تو نافذ نہ ہوگا اس کا فیصلہ۔

تشریح: اگر مدعی اور مدعی علیہ نے قتل خطاء میں کسی کو حکم بنایا اور اس نے عاقلہ (مددگار برادری) پر خون بہا ادا کرنے کا حکم کر دیا تو حکم کا یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ عاقلہ نے اپنی طرف سے اس کو فیصل مقرر نہیں کیا ہے اس لئے عاقلہ پر حکم کو کوئی ولایت بھی حاصل نہ ہوگی اور جب ولایت حاصل نہیں ہے تو حکم کا فیصلہ بھی نافذ اور لازم نہ ہوگا۔

28

(۲۷۹۱/۳۹) وَيَجُوْزُ اَنْ يَّسْمَعَ الْبَيِّنَةَ وَيَقْضِيَ بِالنُّكُوْلِ.

ترجمہ: اور جائز ہے (حکم کے لئے) یہ کہ سنے گواہوں کی بات اور فیصلہ کرے انکار کرنے پر۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے کسی کو اپنا پنچ مقرر کیا تو پنچ کے لئے یہ بات جائز ہے کہ اگر مدعی گواہ پیش کرے تو اس کے گواہوں کی گواہی سنے اور اس پر فیصلہ کرے دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے تو مدعی علیہ کو قسم کھلائے اگر وہ قسم سے انکار کردے تو حکم مدعی کے حق میں فیصلہ کردے ایک تیسری صورت بھی ہے وہ یہ ہے کہ مدعی علیہ نے مدعی کے حق کا اقرار کرلیا تو اس اقرار پر بھی حکم فیصلہ کردے۔

(۲۷۹۲/۴۰) وَحُكْمُ الْحَاكِمِ لِاَبَوَيْهِ وَوَلَدِهٖ وَزَوْجَتِهٖ بَاطِلٌ.

ترجمہ: اور حاکم کا فیصلہ اپنے والدین، اولاد، بیوی کے لئے باطل ہے۔

تشریح: حاکم خواہ قاضی ہو یا پنچ ہو اپنے والدین اپنی اولاد یا اپنی بیوی کے لئے فیصلہ کرے، تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ ان کے حق میں فیصلہ سے یہ شبہ ہے کہ ان کی رعایت کرکے فیصلہ کیا ہوگا۔

ہاں اگر کسی شخص نے بحیثیت قاضی یا بحیثیت حکم اپنے والدین یا اولاد یا بیوی کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ معتبر ہوگا کیونکہ اس صورت میں تہمت کا امکان نہ ہونے کی وجہ سے ان کے خلاف گواہی قبول کرلی جاتی ہے لہٰذا ان کے خلاف فیصلہ بھی قبول کرلیا جائے گا۔

كِتَابُ الْقِسْمَةِ

(یہ کتاب بٹوارہ کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: بٹوارہ بھی ایک قسم کی قضاء ہے کیونکہ لوگوں کا جھگڑا مکمل طریقہ سے جبھی ختم ہوگا کہ فیصلہ کے مطابق بٹوارہ بھی ہوجائے اس لئے کتاب القضاء کے بعد کتاب القسمۃ لارہے ہیں۔

لغوی تحقیق: قاموس میں ہے کہ قسمة، تقسیم کا اسم ہے لیکن چونکہ اسم فاعل کا صیغہ، قاسم، مستعمل ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس کو، قَسَمَ الشئ کا مصدر قرار دیا جائے۔

اصطلاحی تعریف: حقوق کو ممتاز کرنا اور ہر شریک کا حصہ علیحدہ علیحدہ متعین کرنا۔

مشروعیت: ارشاد باری ہے ونبئهم ان الماءَ قسمة بينهم. (اور ان لوگوں کو یہ بتلادینا کہ پانی ان میں بانٹ دیا گیا ہے) نیز حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر فرما رکھی تھی۔

(۱/۲۷۹۳) يَنْبَغِيْ لِلْاِمَامِ اَنْ يَنْصِبَ قَاسِمًا يَرْزُقُهُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِيُقَسِّمَ بَيْنَ النَّاسِ بِغَيْرِ اَجْرٍ.

ترجمه: امام کے لئے مناسب ہے کہ وہ مقرر کرے ایک تقسیم کرنے والا جس کو تنخواہ دے بیت المال سے تاکہ وہ تقسیم کرے لوگوں کے درمیان بغیر اجرت کے۔

قاسم کی اجرت کہاں سے دی جائے؟

تشریح: چونکہ قاضی، قضاء کے دیگر امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے لوگوں کی زمین جائداد وغیرہ تقسیم کرتا پھرے یہ بات مشکل ہوگی اس لئے حاکم کو چاہئے کہ وہ ایسا شخص مقرر کردے جو لوگوں کے درمیان بغیر اجرت کے بٹوارہ کیا کرے اور جس طرح قاضی کی تنخواہ بیت المال سے دیجاتی ہے اسی طرح قاسم کی تنخواہ بھی بیت المال سے ہوگی۔

(۲/۲۷۹۴) فَاِنْ لَّمْ يَفْعَلْ نَصَبَ قَاسِمًا يُقَسِّمُ بِالْاُجْرَةِ.

ترجمه: اگر یہ نہ کرسکے تو مقرر کردے کوئی قاسم جو بٹوارہ کرے اجرت کے ساتھ۔

تشریح: اگر حاکم وقت مذکورہ طریقہ پر قاسم مقرر نہ کرسکے تو پھر ایسا کرے کہ کوئی شخص عادل اس کام کے لئے مقرر کردے اور اجرت ان لوگوں سے لیا کرے جن کا بٹوارہ کرے اور حاکم اس کی اجرت مثلی بھی مقرر کردے ورنہ وہ حکومت کا آدمی ہونے کی وجہ سے لوگوں پر ظلم کرتے ہوئے زیادتی کا مطالبہ کرسکتا ہے اور لوگ دینے پر مجبور ہوں گے۔

(۳/۲۷۹۵) وَيَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ عَدْلًا مَامُوْنًا عَالِمًا بِالْقِسْمَةِ.

ترجمه: اور ضروری ہے یہ کہ قاسم، عادل ہو امین ہو تقسیم کو جاننے والا ہو۔

قاسم کیسا ہونا چاہئے؟

تشریح: قاسم کے اندر ان تین اوصاف کا ہونا ضروری ہے، عادل ہو امانت دار ہو، اور تقسیم کے مسائل سے واقف ہو کیونکہ تقسیم بھی ایک قسم کی قضاء ہے تو قاضی کے اوصاف اس کے اندر ہونے چاہئیں۔

(۴/۲۷۹۶) وَلَا يُجْبِرُ الْقَاضِيْ النَّاسَ عَلٰى قَاسِمٍ وَاحِدٍ.

ترجمه: اور مجبور نہ کرے قاضی لوگوں کو ایک ہی قاسم پر۔

تشریح: قاضی لوگوں کو مجبور نہ کرے کہ اسی قاسم سے بٹوارہ کرائیں کیونکہ اگر قاضی ایک ہی کو متعین کرے گا تو وہ لوگوں سے زیادہ اجرت لے گا یہ سمجھتے ہوئے کہ میرے علاوہ تو اور قاسم ہے نہیں اور یہ چیز عوام کے لئے نقصان دہ ہے۔

(۵/۲۷۹۷) وَلَا يَتْرُكُ الْقُسَّامَ يَشْتَرِكُوْنَ.

ترجمہ: اور نہ چھوڑے تقسیم کرنے والوں کو کہ وہ شرکت کریں۔

تشریح: سارے قاسمین اکٹھے ہوکر اپنی کمپنی بنالیں اور شرکت میں کام کریں، اس کے اوپر قاضی پابندی عائد کردے ورنہ سب اتفاق کرلیں گے کہ اتنی اجرت ہوگی تو اجرت مہنگی ہوجائے گی اور جب الگ الگ کام کریں گے تو ہر ایک دوڑ دے گا کہ کہیں دوسرے قاسم کے پاس نہ چلا جائے تو اس طرح اجرت سستی رہے گی۔

(۶/۲۷۹۸) وَأُجْرَةُ الْقُسَّامِ عَلٰى عَدَدِ رُؤُسِهِمْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى قَدْرِ الْاَنْصِبَاءِ.

ترجمہ: اور تقسیم کرنے والوں کی اجرت حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے ہوگی امام صاحبؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ حصوں کے حساب سے ہوگی۔

قاسم کو اجرت کس حساب سے دی جائے گی؟

تشریح: قاسم کو اجرت کس حساب سے دی جائے گی اس بارے میں امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جتنے لوگ حصہ دار ہیں قاسم کی اجرت ہر ایک پر برابر ہوگی حصوں کی کمی بیشی ملحوظ نہ ہوگی کیونکہ قاسم کو جتنا کام زائد حصہ والے کے لئے کرنا پڑے گا اتنا ہی کم حصہ والے کے لئے کرنا پڑے گا اور حساب کبھی کم حصہ کا دشوار ہوتا ہے کبھی زائد کا اس لئے ملک کا اعتبار متعذر ہے لہٰذا تمیز ہی کا اعتبار ہوگا۔

اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جس کو جتنا حصہ ملیگا اسی حساب سے اس پر اجرت ہوگی کیونکہ اجرت تقسیم ملک کے اخراجات میں سے ہے لہٰذا ملک ہی کے لحاظ سے معین کی جائے گی۔

(۷/۲۷۹۹) وَإِذَا حَضَرَ الشُّرَكَاءُ عِنْدَ الْقَاضِيْ وَفِيْ اَيْدِيْهِمْ دَارٌ اَوْ ضَيْعَةٌ وَادَّعَوْا اَنَّهُمْ وَرِثُوْهَا عَنْ فُلَانٍ لَمْ يُقَسِّمْهَا الْقَاضِيْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى حَتّٰى يُقِيْمُوْا الْبَيِّنَةَ عَلٰى مَوْتِهِ وَعَدَدِ وَرَثَتِهِ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُقَسِّمُهَا بِاعْتِرَافِهِمْ وَيَذْكُرُ فِيْ كِتَابِ الْقِسْمَةِ اَنَّهُ قَسَّمَهَا بِقَوْلِهِمْ.

ترجمہ: اور جب حاضر ہوں شریک لوگ قاضی کے پاس اور ہو ان کے قبضہ میں گھر یا زمین اور دعویٰ کریں کہ انہوں نے میراث میں پایا ہے اس کو فلاں سے تو نہ تقسیم کرائے اس کو قاضی امام صاحبؒ کے نزدیک یہاں تک کہ قائم کردیں گواہ ان کی موت اور ورثاء کی تعداد پر اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تقسیم کرادے اس کو ان کے اقرار پر اور لکھ دے تقسیم کے رجسٹر میں کہ تقسیم کرایا ہے ان کے کہنے پر۔

بٹوارہ کب کرے؟

تشریح: کچھ لوگ قاضی کے پاس آ کر یوں کہیں کہ یہ زمین یا یہ گھر ہے، یہ فلاں آدمی کا تھا، اب وہ مرگیا ہے، اور ہم لوگ اس کے وارث ہیں، تو امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قاضی کے لئے اس وقت تک تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے جب تک کہ یہ لوگ فلاں آدمی کے مرنے پر گواہ قائم نہ کریں اور اس بات پر بھی گواہ قائم کریں کہ ہم ہی لوگ وارث ہیں ہمارے علاوہ اور کوئی وارث نہیں ان دونوں باتوں پر گواہ قائم کریں تب ان کے درمیان گھر یا زمین تقسیم ہوگی، صاحبین کے نزدیک بغیر گواہ قائم کئے ان کے اقرار کے مطابق بٹوارہ کردیا جائے گا البتہ قاضی یادداشت کی غرض سے تقسیم کے رجسٹر میں درج کرلے گا کہ یہ بٹوارہ ان کے قول کے موافق کیا گیا ہے، تاکہ اگر کوئی شریک نکلے تو اس کا نقصان نہ ہو۔

دلیل: زمین شرکاء کے قبضہ میں ہے جو ملک کی دلیل ہے اور ان کا اقرار ان کے صدق کی علامت ہے اور کوئی ان کے اس دعویٰ میں مخالف نہیں تو جیسے مال منقول کی وراثت کا دعویٰ ہو یا زمین کی خریداری کا دعویٰ ہو (بیان اگلی عبارت میں آرہا ہے) ان صورتوں میں بغیر گواہ کے بٹوارہ ہوجاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی ہونا چاہئے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ تقسیم کرنا قضاء علی المیت ہے اور چونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے جو میت کے اوپر حجت نہیں ہوسکتا اسلئے بینہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ ان کا اقرار میت کے خلاف حجت ہوسکے نیز زمین بذات خود محفوظ ہے اسلئے اس کی تقسیم کی ضرورت نہیں بخلاف منقول کے کہ اس کو تقسیم کرنے میں اس کی حفاظت ہے اور حقدار کو اس کا حق پہنچانا ہے۔

(۸/۲۸۰۰) وَاِنْ كَانَ الْمَالُ الْمُشْتَرَكُ مِمَّا سِوَى الْعَقَارِ وَادَّعَوْا اَنَّهُ مِيْرَاثٌ قَسَّمَهُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا.

ترجمہ: اور اگر ہو مشترک مال زمین کے علاوہ اور وہ دعویٰ کریں کہ یہ میراث ہے تو اس کو تقسیم کرادے سب کے قول میں۔

تشریح: مشترک مال زمین اور گھر کے علاوہ ہے وارثین کہتے ہیں کہ یہ ہم کو فلاں مورث سے ملا ہے، ہم لوگ اس کے وارث ہیں تو چاہے مورث کے مرنے پر اور وارثین کی تعداد پر گواہ نہ بھی پیش کرے، پھر بھی ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کو تقسیم کرادے کیوں کہ یہ چیزیں زمین کی طرح بذاتِ خود محفوظ نہیں ہیں اس لئے ان کو تقسیم کرنے میں ہی ان کی حفاظت ہے۔

(۹/۲۸۰۱) وَاِنِ ادَّعَوْا فِي الْعَقَارِ اَنَّهُمْ اشْتَرَوْهُ قَسَّمَهُ بَيْنَهُمْ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کریں زمین کے بارے میں کہ انہوں (ہم نے) نے خریدی ہے تو تقسیم کرادے ان میں۔

تشریح: کچھ لوگ قاضی کے پاس جا کر دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ زمین ہے جس کو ہم لوگوں نے خریدا ہے تو بغیر

گواہ قائم کئے قاضی ان کے درمیان تقسیم کرادے، کیونکہ جب بائع نے کوئی چیز بیچ دی تو اب وہ اس کا مالک نہیں رہا اگرچہ خریدنے والوں نے آپس میں ابھی بٹوارہ بھی نہ کیا ہو تو یہاں قضاء علی الغیر لازم نہ آئے گی۔

(۲۸۰۲/۱۰) وَاِنِ ادَّعَوْا الْمِلْكَ وَلَمْ يَذْكُرُوْا كَيْفَ انْتَقَلَ اِلَيْهِمْ قَسَمَهُ بَيْنَهُمْ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کریں ملک کا اور یہ ذکر نہ کریں کہ کیسے منتقل ہوئی ان کے پاس تب بھی تقسیم کرادے۔

تشریح: شرکاء قاضی کے پاس جاکر تقسیم کا دعویٰ کریں اور یہ نہ بتائیں کہ یہ زمین ان کو کیسے ملی تو چونکہ انہوں نے کسی کے لئے ملکیت سابقہ کا اقرار ہی نہیں کیا کہ قضاء علی الغیر لازم آئے اس لئے قاضی ان کے درمیان اس زمین کو تقسیم کردے گا۔

(۲۸۰۳/۱۱) وَاِذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنَ الشُّرَكَاءِ يَنْتَفِعُ بِنَصِيْبِهٖ قُسِمَ بِطَلَبِ اَحَدِهِمْ.

ترجمہ: اور جب شریکوں میں سے ہر ایک نفع اٹھا سکتا ہو اپنے حصہ سے تو تقسیم کردی جائے گی ایک کی طلب پر (اگرچہ دوسرا انکار بھی کرے)

ان چیزوں کا بیان جن کو تقسیم کیا جائے گا اور جن کو تقسیم نہیں کیا جائے گا

تشریح: اگر مشترک چیز ایسی ہو کہ تقسیم کے بعد ہر شخص اپنے اپنے حصہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور شرکاء میں سے کوئی ایک تقسیم طلب کرے تو تقسیم کردی جائے گی جیسے شرکت میں دو بکرے ہوں تو تقسیم کے بعد ہر ایک اپنے اپنے بکرے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور اس میں قاضی کے لئے منکر پر جبر جائز ہوگا۔

(۲۸۰۴/۱۲) وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمْ يَنْتَفِعُ وَالْاٰخَرُ يَسْتَضِرُّ لِقِلَّةِ نَصِيْبِهٖ فَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْكَثِيْرِ قُسِمَ وَاِنْ طَلَبَ صَاحِبُ الْقَلِيْلِ لَمْ يُقْسَمْ.

ترجمہ: اور اگر ان میں سے ایک نفع اٹھائے اور دوسرا نقصان اپنا حصہ کم ہونے کی وجہ سے تو اگر طلب کرے زائد حصہ والا تو تقسیم کردی جائے گی اور اگر طلب کرے کم حصہ والا تو تقسیم نہیں کی جائے گی۔

تشریح: دو شریک ہیں ان میں سے ایک کا حصہ بہت کم ہے کہ تقسیم کے بعد جس سے انتفاع نہ ہو سکے اور دوسرے کا حصہ زیادہ ہے کہ تقسیم کے بعد بھی اس سے انتفاع ہوگا اور ان میں سے ایک تقسیم کا مطالبہ کرتا ہے تو اب قاضی کیا کرے، فرماتے ہیں کہ اگر طلب کرنے والا صاحب کثیر ہے تو بٹوارہ کردیا جائے گا اور صاحب قلیل کی طلب پر بٹوارہ نہ ہوگا کیونکہ اول کی طلب تو معتبر ہے کہ اس کا نفع برقرار ہے اور دوسرے کی طلب غیر معتبر ہے، کیونکہ وہ اپنی بربادی کے درپے ہے۔

(۲۸۰۵/۱۳) وَاِنْ کَانَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا یَسْتَضِرُّ لَمْ یُقَسِّمْهَا اِلَّا بِتَرَاضِیْهِمَا.

ترجمہ: اور اگر دونوں میں سے ہر ایک کو نقصان ہوتا ہو تو تقسیم نہ کرے مگر ان دونوں کی رضامندی کے ساتھ۔

تشریح: کوئی ایسی چیز ہے جس کو تقسیم کرنے کے بعد دونوں کو نقصان ہوگا تو قاضی اس وقت تقسیم کرسکتا ہے جب کہ دونوں راضی ہو جائیں ورنہ تقسیم نہیں کرے گا، جیسے ایک چکی دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے اس کو تقسیم کرنے کے بعد کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا دونوں کو نقصان ہوگا، کیونکہ تقسیم کا مقصد یہ ہے کہ ہر شریک اپنی ملک خاص سے منتفع ہو اور یہاں تقسیم کی صورت میں یہ مقصد فوت ہوتا ہے لہٰذا تقسیم نہیں کی جائے گی۔

(۲۸۰۶/۱۴) وَیُقَسِّمُ الْعُرُوْضَ اِذَا کَانَتْ مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: اور تقسیم کردے سامان جب کہ وہ ایک ہی قسم کا ہو۔

تشریح: شئ منقول میں شرکاء نے تقسیم کا مطالبہ کیا اور وہ جنس واحد ہے کپڑے ہیں تو جنس کے متحد ہونے کی وجہ سے یہاں برابری حاصل ہو سکے گی لہٰذا قاضی تقسیم کردے گا اور اس میں قاضی کے لئے منکر پر جبر جائز ہوگا۔

(۲۸۰۷/۱۵) وَلَا یُقَسِّمُ الْجِنْسَیْنِ بَعْضَهَا فِیْ بَعْضٍ.

ترجمہ: اور تقسیم نہ کرے دو قسم کا سامان بعض کو بعض میں۔

تشریح: اگر دو جنس کے سامان ہوں مثلاً دس اونٹ ہیں اور بیس گھوڑے ہیں اب بغیر دونوں کی رضامندی کے ایک حصہ دار کو اونٹ دے دے اور دوسرے کو گھوڑے دے دے، ایسا نہیں کرسکتا بلکہ اس طرح کرسکتا ہے کہ پانچ اونٹ اور دس گھوڑے ایک کو اور پانچ اونٹ دس گھوڑے دوسرے کو دے دے اگر دونوں راضی ہو جائیں تو پھر ایک کو دس اونٹ اور دوسرے کو بیس گھوڑے دے سکتا ہے۔

(۲۸۰۸/۱۶) وَقَالَ اَبُوْحَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَایُقَسِّمُ الرَّقِیْقَ وَلَا الْجَوَاهِرَ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰی یُقَسِّمُ الرَّقِیْقَ.

حل لغات: رقیق: غلام (واحد و جمع دونوں کے لئے) کہا جاتا ہے عَبْدٌ رَقِیْقٌ وَعَبِیْدٌ رَقِیْقٌ اور کبھی ارقاء جمع بولتے ہیں۔

الجواھر: جوھر کی جمع ہے، ہر وہ پتھر جس سے مفید چیز نکالی جائے قیمتی پتھر۔

ترجمہ: اور فرمایا امام ابوحنیفہؒ نے کہ تقسیم نہ کیا جائے غلاموں کو اور جواہر کو اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تقسیم کیا جائے گا غلاموں کو۔

تشریح: امام صاحب فرماتے ہیں کہ غلاموں کو جب کہ ان کے ساتھ کوئی اور اسباب نہ ہو تقسیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ غلام ظاہری اعتبار سے ایک جیسے ہوں لیکن باطنی خوبی کے اعتبار سے بہت فرق ہوتا ہے مثلاً ایک عقلمند ہے، دوسرا بیوقوف ہے ایک ذہین وہوشیار ہے دوسرا غبی وکند ذہن ہے ایک میں حیاء ہے دوسرا بے شرم ہے، ایک وفادار ہے، دوسرا بے وفا ہے، پس یہ اجناس مختلفہ کے مثل ہو گئے، اس لئے بغیر دونوں کی رضامندی کے ایک ایک غلام تقسیم نہ کرے، یہی حال جواہر کا ہے کیونکہ ہیروں کے اندر مطلق غلاموں سے زیادہ جہالت ہے اور جب غلاموں کے اندر جبراً تقسیم نہ ہوگی تو ہیروں کے اندر بدرجہ اولیٰ نہ ہوگی صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے یہاں غلاموں کو تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ جنس متحد ہے تو یہ اونٹ اور گھوڑوں کی طرح ہو گئے۔

(۲۸۰۹/۱۷) وَلَا يُقَسَّمُ حَمَّامٌ وَلَا بِئْرٌ وَلَا رَحًى اِلَّا اَنْ يَّتَرَاضَى الشُّرَكَاءُ.

ترجمہ: اور نہیں تقسیم کیا جائے گا، حمام، کنواں، اور پن چکی مگر یہ کہ راضی ہو جائیں سب شریک۔

تشریح: جہاں تقسیم کرنے میں شرکاء کو نقصان ہو وہاں ان کی رضامندی کے بغیر تقسیم نہیں کی جائے گی اسی وجہ سے حمام، کنواں اور پن چکیوں کو تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

(۲۸۱۰/۱۸) وَاِذَا حَضَرَ وَارِثَانِ عِنْدَ الْقَاضِيْ وَاَقَامَا الْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَفَاةِ وَعَدَدِ الْوَرَثَةِ وَالدَّارُ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَمَعَهُمْ وَارِثٌ غَائِبٌ قَسَّمَهَا الْقَاضِيْ بِطَلَبِ الْحَاضِرِيْنَ وَنَصَبَ لِلْغَائِبِ وَكِيْلًا يَقْبِضُ نَصِيْبَهُ.

ترجمہ: اور جب حاضر ہوں دو وارث قاضی کے پاس اور قائم کر دیں گواہ وفات اور ورثاء کی تعداد پر اور گھر ان کے قبضہ میں ہو اور ان کے ساتھ کوئی غائب وارث ہو تو تقسیم کر دے اس کو قاضی حاضرین کی طلب پر اور مقرر کر دے غائب کے لئے ایک وکیل جو قبضہ کرے، اس کے حصہ پر۔

تشریح: اگر دو وارث حاضر ہوئے اور مورث کی وفات پر اور ورثاء کی تعداد پر گواہ قائم کر دیئے اور ایک وارث اور ہے جو غائب ہے اور گھر انہیں کے قبضہ میں ہے جو موجود ہیں، حاضرین ورثاء نے تقسیم طلب کی تو قاضی ان کے درمیان تقسیم کر دے گا اور وارث غائب کے لئے ایک وکیل مقرر کر دیا جائے گا جو اس کے حصہ پر قبضہ کرے گا تاکہ اس کی حق تلفی نہ ہو۔

(۲۸۱۱/۱۹) وَاِنْ كَانُوْا مُشْتَرِيْنَ لَمْ يُقَسَّمْ مَعَ غَيْبَةِ اَحَدِهِمْ.

ترجمہ: اور اگر وہ خریدار ہوں تو تقسیم نہ کرے ایک کی غیر حاضری میں۔

تشریح: دو آدمی قاضی کے پاس حاضر ہوئے اور ان کے قبضہ میں کوئی گھر ہے انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے

اس گھر کوفلاں آدمی سے خریدا اور ہم تین شریک ہیں ہم میں ایک غائب ہے اور ہم تقسیم چاہتے ہیں تو کیا قاضی تقسیم کرے گا، صاحب کتاب نے فرمایا کہ اگر سب موجود ہوتے تو قاضی تقسیم کر دیتا مگر یہاں تقسیم نہیں کرے گا اگر چہ حاضرین شرکاء خریداری پر گواہ بھی قائم کر دیں۔

سوال: مسئلہ (۱۸) میں جب کہ کوئی وارث غائب ہو آپ نے بٹوارہ کرنے کو کہا تھا اور یہاں انکار کیوں؟

جواب: مسئلہ (۱۸) میں مورث دنیا سے جاچکا ہے اس لئے وارث اس کی جانب سے خصم ہوں گے تو قضاء علی الغائب نہ ہوگا اور خریدنے کی شکل میں غائب آدمی دنیا میں موجود ہے اس کی جگہ کوئی خصم نہ بن سکے گا تو اگر اس کی عدم موجودگی میں فیصلہ کریں تو قضاء علی الغائب ہوگا جو کہ جائز نہیں ہے۔

(۲۰/۲۸۱۲) وَاِنْ كَانَ الْعَقَارُ فِيْ يَدِ الْوَارِثِ الْغَائِبِ اَوْ شَيْءٌ مِّنْهُ لَمْ يُقْسَمْ.

ترجمه: اور اگر ہو زمین وارث غائب کے قبضہ میں یا اس کا کچھ حصہ ہو تو تقسیم نہ کرے۔

تشریح: یہ صورت مسئلہ (۱۸) کا تتمہ ہے، اس مسئلہ میں جب کہ زمین وغیرہ شرکاء حاضرین کے قبضہ میں تھی حکم یہ تھا کہ بٹوارہ کر دیا جائے گا اور یہاں تتمہ میں فرماتے ہیں کہ اگر زمین اسی وارث کے قبضہ میں ہے جو غائب ہے ساری اسی کے قبضہ میں ہو یا کچھ ہو بہر صورت قاضی تقسیم نہیں کرے گا کیونکہ غائب کا قبضہ ہے حالانکہ کوئی اس کا مقرر کردہ نائب موجود نہیں ہے تو یہاں اگر تقسیم کو جائز کر دیا جائے تو بغیر ایسے خصم کے جو اس کی جانب سے نائب ہو قضاء لازم آئے گی اور یہ قضاء علی الغائب ہوگی جو جائز نہیں ہے۔

(۲۱/۲۸۱۳) وَاِنْ حَضَرَ وَارِثٌ وَاحِدٌ لَمْ يُقْسَمْ.

ترجمه: اور اگر ایک ہی وارث حاضر ہو تو تقسیم نہ کرے۔

تشریح: یہ بھی تتمہ مذکورہ کا جز ہے کہ اگر صرف ایک ہی وارث حاضر ہو اور گواہ بھی قائم کر دے تب بھی قاضی بٹوارہ نہیں کرے گا زمین اس کے قبضہ میں ہو یا غیر کے، کیونکہ فیصلہ کے لئے کم از کم دو شریک حاضر ہونا ضروری ہے۔

(۲۲/۲۸۱۴) وَاِذَا كَانَتْ دُوْرٌ مُشْتَرَكَةٌ فِيْ مِصْرٍ وَاحِدٍ قُسِمَتْ كُلُّ دَارٍ عَلٰى حِدَتِهَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ كَانَ الْاَصْلَحُ لَهُمْ قِسْمَةَ بَعْضِهَا فِيْ بَعْضٍ قَسَّمَهَا.

ترجمه: اور جب ہوں چند مشترک گھر ایک شہر میں تو تقسیم کیا جائے ہر گھر کو علیحدہ علیحدہ امام صاحبؒ کے قول میں اور صاحبینؒ نے فرمایا اگر ہو بہتر ان کے لئے بعض کو بعض کے ساتھ ملا کر تقسیم کرنا تو تقسیم کر دے۔

تشریح: کچھ لوگوں کے درمیان چند مکان مشترک ہیں اور ایک ہی شہر میں ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک ان

میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ تقسیم کیا جائے گا باہم متصل ہوں یا ایک شہر کے دو محلوں میں ہوں، ہر مکان میں ہر ایک کا حصہ ہوگا پھر ہر مکان کی قیمت لگا کر برابری کرلیں گے مثلاً تین مکان ہیں، ایک کی قیمت پندرہ لاکھ ہے دوسرے کی دس لاکھ ہے تیسرے کی پانچ لاکھ ہے تو جسے پانچ لاکھ والا مکان ملے گا اسے پندرہ لاکھ والا پانچ لاکھ روپے دے گا اب برابری ہوگئی، تینوں کو ایک ایک گھر ظاہری برابری کی بنیاد پر نہیں دیا جائے گا کیونکہ محلوں اور پڑوسیوں کے اچھے برے ہونے کے لحاظ سے اور مسجد و پانی کے نزدیک اور دور ہونے کے اعتبار سے مکانوں کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں جن میں برابری ناممکن ہے اس لئے ایک مکان میں ایک شریک کا حصہ آپس کی رضامندی کے بغیر جمع نہیں کیا جاسکتا۔

صاحبین کے ہاں علیحدہ علیحدہ تقسیم ضروری نہیں بلکہ اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ ایک مکان ایک شریک اور دوسرا مکان دوسرا شریک لے لے کیونکہ شکل وصورت کے لحاظ سے جنس واحد ہیں اور اختلاف مقاصد کے اعتبار سے مختلف ہیں تو ان کا معاملہ قاضی کی رائے پر چھوڑا جائے گا کہ شریکوں کے حق میں جو صورت بہتر ہو اس پر عمل کرے۔

(۲۳/۲۸۱۵) وَاِنْ كَانَتْ دَاراً وَضَيْعَةً اَوْ دَاراً وَحَانُوْتاً قَسَّمَ كُلَّ وَاحِدٍ عَلٰى حِدَتِهٖ.

ترجمہ: اور اگر ہو مکان اور زمین یا مکان اور دوکان تو تقسیم کرے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ۔

تشریح: زمین اور گھر، دوکان اور گھر، مختلف الجنس ہیں لہٰذا ان کا بٹوارہ الگ الگ ہوگا، ہاں اگر ایک آدمی صرف مکان لینے پر اور دوسرا آدمی صرف زمین لینے پر راضی ہوجائے تو ٹھیک ہے۔

(۲۴/۲۸۱۶) وَيَنْبَغِىْ لِلْقَاسِمِ اَنْ يُّصَوِّرَ مَايُقَسِّمُهٗ وَيُعَدِّلُهٗ وَيَذْرَعُهٗ وَيُقَوِّمُ الْبِنَاءَ وَيُفْرِدُ كُلَّ نَصِيْبٍ عَنِ الْبَاقِىْ بِطَرِيْقِهٖ وَشِرْبِهٖ حَتّٰى لَا يَكُوْنَ لِنَصِيْبِ بَعْضِهِمْ بِنَصِيْبِ الْاٰخَرِ تَعَلُّقٌ وَيَكْتُبُ اَسَامِيَهُمْ وَيَجْعَلُهَا قُرْعَةً ثُمَّ يُلَقِّبُ نَصِيْبًا بِالْاَوَّلِ وَالَّذِىْ يَلِيْهِ بِالثَّانِىْ وَالَّذِىْ يَلِيْهِ بِالثَّالِثِ وَعَلٰى هٰذَا ثُمَّ يُخْرِجُ الْقُرْعَةَ فَمَنْ خَرَجَ اسْمُهٗ اَوَّلاً فَلَهُ السَّهْمُ الْاَوَّلُ وَمَنْ خَرَجَ ثَانِيًا فَلَهُ السَّهْمُ الثَّانِىْ.

ترجمہ: اور مناسب ہے تقسیم کرنے والے کے لئے کہ نقشہ بنالے اس کا جس کو تقسیم کرنا ہے اور برابر کرے ناپ لے اور عمارت کی قیمت لگالے اور جدا کردے ہر ایک کا حصہ باقی سے اس کے راستہ اور نالی کے ساتھ یہاں تک کہ نہ رہے ایک کے حصہ کا دوسرے کے حصہ سے کوئی تعلق اور لکھ لے ان کے نام اور بنالے ان کا قرعہ۔

پھر نامزد کردے ایک حصہ کو اول کے ساتھ اور جو اس سے متصل ہو اس کو ثانی کے ساتھ اور اس کے برابر والے کو ثالث کے ساتھ اور اسی طرز پر پھر نکالے قرعہ پس جس کا نام نکلے پہلے تو اس کے لئے پہلا حصہ ہے اور جس کا نام نکلے دوبارہ تو اس کے لئے دوسرا حصہ ہے۔

تقسیم کے طریقہ کا بیان

تشریح: جب مصنفؒ نے یہ بیان کر دیا کہ کن چیزوں کو تقسیم کیا جائے گا اور کن کو نہیں تو اب تقسیم کرنے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو تقسیم کرنا ہے ان کا پورا نقشہ کاغذ پر اتارے زمین وغیرہ ہو تو اس کے کتنے حصہ دار ہیں، اس کے اعتبار سے زمین کے حصے برابر کرے اور اس کی پیائش کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کتنی ہے، عمارت ہو تو اس کی قیمت لگائے اور مکان اور زمین کے ہر حصہ کو اس کے راستہ اور نالی کے ساتھ الگ الگ کرے تاکہ گھر سے نکلنے میں یا زمین کو سیراب کرنے میں دوسرے سے کوئی تعلق نہ رہے، اور جھگڑا بالکل ختم ہو جائے، پھر ہر ایک حصہ کا نام لکھ لے اور اس کا قرعہ بنالے اور زمین کے حصے لگا کر ان کو نامزد کرے کہ یہ پہلا حصہ ہے اور اس کے بعد والا دوسرا اور پھر تیسرا پھر قرعہ اندازی کرے تو جس کا نام پہلے نکلے اس کو پہلا حصہ دے اور جس کا دوسری مرتبہ میں نکلے اس کو دوسرا حصہ دے اور تیسرا کا بہر حال تیسرا ہے۔

نوٹ: سوال یہ ہے کہ کتنے حصوں پر زمین تقسیم کرے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مثلاً تین شریک ہیں اور سب کا حصہ برابر ہے تو تین سے تقسیم کیا جائے گا اور اگر تین شریک ہیں اور ایک کا حصہ نصف ہے اور دوسرے کا ثلث اور تیسرے کا سدس تو زمین کے چھ حصے کئے جائیں گے پھر اول کو تین اور ثانی کو دو اور ثالث کو ایک دیا جائے گا یعنی حصوں کی برابری کی صورت میں تقسیم عدد رؤس کے اعتبار سے ہوگی اور فرق کی صورت میں جو حصہ سب سے چھوٹا ہے اس کو لیا جائے گا۔

(۲۸۱۷/۲۵) وَلَا يَدْخُلُ فِي الْقِسْمَةِ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيْرُ اِلَّا بِتَرَاضِيْهِمْ.

ترجمہ: اور داخل نہ ہوں گے تقسیم میں دراہم اور دنانیر مگر ان کی رضامندی سے۔

تشریح: زمین کے بٹوارہ میں شرکاء کی رضامندی کے بغیر دراہم و دنانیر کو داخل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کی شرکت زمین میں ہے نہ کہ دراہم و دنانیر میں مثلاً ایک مکان دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے ان میں سے ایک چاہتا ہے کہ جدھر عمارت زیادہ ہے اس کو میں لے لوں اور دوسرے کو اس کا عوض دے دوں اب وہ دوسرا چاہتا ہے کہ میں اس کا عوض زمین لوں اور یہ چاہتا ہے کہ قیمت دے دوں تو قاضی جبر نہیں کر سکتا اور دوسرے کو زمین ہی دے گا لیکن جہاں روپے پیسوں کو داخل کئے بغیر چارہ کار نہ ہو، وہاں مجبوراً داخل کیا جائے گا مثلاً مکان کا بعض حصہ ایسا ہو کہ اس کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے تو ایسی مجبوری کے درجہ میں قاضی کو اختیار ہے کہ ایک کو مکان زیادہ دے دے اور اس کے بدلہ میں دوسرے کو درہم یا دینار دے دے۔

(۲۸۱۸/۲۶) فَاِنْ قُسِّمَ بَيْنَهُمْ وَلِاَحَدِهِمْ مَسِيْلٌ فِيْ مِلْكِ الْآخَرِ اَوْ طَرِيْقٌ لَمْ يُشْتَرَطْ فِيْ

الْقِسْمَةِ فَاِنْ اَمْكَنَ صَرْفُ الطَّرِيْقِ وَالْمَسِيْلِ عَنْهُ فَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّسْتَطْرِقَ وَيَسِيْلُ فِيْ نَصِيْبِ الْاٰخَرِ وَاِنْ لَّمْ يُمْكِنْ فَسَخَتِ الْقِسْمَةُ.

حل لغات: مسیل: نالی، سَیْلٌ سے مشتق ہے، اسی سے یسیل مضارع ہے مصدر سیلاً وسیلاناً بہنا۔ یستطرق: فعل مضارع استطرق الشیٔ راستہ بنانا۔

ترجمہ: اگر تقسیم کردیا گیا مکان ان کے درمیان اوران میں سے ایک کی نالی ہو دوسری کی ملک میں یا راستہ ہو حالانکہ تقسیم میں اس کی شرط نہیں تھی سو اگر ممکن ہو راستہ اور نالی کو ہٹانا اس کی طرف سے تو جائز نہیں اس کے لئے یہ کہ راستہ یا نالی نکالے دوسرے کے حصہ میں اور اگر ممکن نہ ہو تو ٹوٹ جائے گی تقسیم۔

تشریح: ایک مشترک مکان کی تقسیم ہوئی تو مکان کے ساتھ نکلنے کا راستہ بھی دوسرے حصہ داروں کے راستہ سے بالکل جدا ہونا چاہئے اسی طرح زمین کی تقسیم کا قاعدہ یہ ہے کہ پانی کی نالی دوسرے حصہ داروں سے جدا ہو اور اگر مجبوری ہو تو تقسیم کے وقت ہی شرط لگادے کہ یہ مکان والا فلاں راستہ سے گذرے گا یا یہ زمین والا فلاں نالی سے کھیت کی سنچائی کرے گا، لیکن اگر ایسی کوئی شرط نہیں لگائی تھی، اب صورت حال یہ ہے کہ ایک دوسرے کے حصہ میں کو گذرتا ہے اور اس کے حصہ میں اپنی نالی بہاتا ہے تو اب کیا ہوگا، تو فرمایا کہ اب دو صورتیں ہیں (۱) اگر اپنا راستہ اور نالی اپنے حصہ میں کرسکتا ہے تو پھر کرنا ضروری ہے۔ (۲) اور اگر نہیں کرسکتا تو یہ تقسیم ٹوٹ جائے گی اور قاسم دوبارہ اس طرح تقسیم کرے کہ اپنی زمین میں نالی اور راستہ بن سکے۔

(۲۸۱۹/۲۷) وَاِذَا كَانَ سِفْلٌ لَا عُلْوَ لَهُ اَوْ عُلْوٌ لَا سِفْلَ لَهُ اَوْ سِفْلٌ لَهُ عُلْوٌ قُوِّمَ كُلُّ وَاحِدٍ عَلٰى حِدَتِهٖ وَقُسِّمَ بِالْقِيْمَةِ وَلَا يُعْتَبَرُ بِغَيْرِ ذٰلِكَ.

حل لغات: سفل: نیچے کا مکان۔ علو: دوسری منزل کا مکان، بالاخانہ۔

ترجمہ: اور جب ہو نچلا مکان جس کا بالاخانہ نہ ہو یا ہو بالاخانہ جس کا نچلا مکان نہ ہو یا نچلا اور بالاخانہ دونوں ہوں تو ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ قیمت لگائی جائے گی اور قیمت کے ذریعہ بٹوارہ کیا جائے گا۔

دومنزلہ مکانوں کی تقسیم کا بیان

تشریح: ایک نیچے والا مکان دو میں مشترک ہے اوپر والا کسی اور کا ہے یا اوپر والا دو میں مشترک ہے نیچے والا کسی اور کا ہے، یا نیچے اوپر کا ایک مکان دو میں مشترک ہے، تو امام محمدؒ کے نزدیک ایسے مشترک مکانوں کی تقسیم علیحدہ علیحدہ قیمت لگا کر ہوگی، فتویٰ اسی قول پر ہے، مگر یہاں ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی، مگر شامی وغیرہ میں صراحت ہے کہ عمارت کی قیمت لگائی جائے گی اور خالص زمین اور صحن کی تقسیم گزوں سے ہوگی

صورت مسئلہ مندرجہ ذیل نقشہ سے بخوبی واضح ہوسکتی ہے۔

یہ علو کسی اور کا ہے	یہ بالاخانہ دو میں مشترک ہے	اس میں بھی اشتراک ہے
اس میں اشتراک ہے	سفل کسی اور کا ہے	اس میں اشتراک ہے

امام محمدؒ کے مذہب کی دلیل یہ ہے کہ نچلے مکان میں کنواں بنایا جاسکتا ہے، تہ خانہ اور اصطبل وغیرہ بنایا جاسکتا ہے، جو بالاخانہ میں نہیں بن سکتا، چناں چہ دونوں مکان بمنزلہ دو جنسوں کے ہوئے اس لئے شرکاء کے حصوں میں برابری قیمت کے اعتبار سے ہوسکتی ہے۔

(۲۸۲۰/۲۸) وَاِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَقَاسِمُوْنَ فَشَهِدَ الْقَاسِمَانِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا.

ترجمہ: اور جب اختلاف کریں تقسیم کرانے والے اور گواہی دیں تقسیم کرنے والے تو قبول کی جائے گی ان کی گواہی۔

تشریح: قاسمین نے شرکاء کے درمیان تقسیم کردی اب شرکاء میں اختلاف ہوا ان میں سے کسی نے کہا کہ میرا حصہ مجھ تک نہیں پہنچا، حالاں کہ میرے حصہ میں فلاں کمرہ بھی تھا اور دو قاسموں نے یہ گواہی دی کہ اس نے اپنا حصہ لے لیا ہے تو کیا ان کی گواہی قبول کرلی جائے گی، تو امام قدوریؒ نے مطلقاً فرمایا کہ قبول کی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے امام محمد کے نزدیک گواہی قبول نہ ہوگی اور شیخین کا مذہب یہ ہے کہ گواہی قبول کی جائے گی۔

(۲۸۲۱/۲۹) وَاِنِ ادَّعٰى اَحَدُهُمَا الْغَلَطَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ اَصَابَهٗ شَیْءٌ فِیْ یَدِ صَاحِبِهٖ وَقَدْ اَشْهَدَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْاِسْتِیْفَاءِ لَمْ یُصَدَّقْ عَلٰى ذٰلِكَ اِلَّا بِبَیِّنَةٍ.

ترجمہ: اور اگر دعویٰ کرے ان میں سے ایک غلطی کا اور کہے کہ میرا کچھ حصہ دوسرے کے قبضہ میں ہے حالانکہ وہ اقرار کرچکا تھا اپنے نفس پر وصولیابی کا تو اس پر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر گواہوں کے ساتھ۔

تقسیم میں غلطی کے دعویٰ اور تقسیم میں استحقاق کے دعویٰ کا بیان

تشریح: ایک گھر تین آدمیوں کے درمیان مشترک تھا انہوں نے بٹوارہ کیا اور اپنے اپنے حق پر قابض ہو گئے اب ان میں سے ایک کہتا ہے کہ تقسیم صحیح نہیں ہوئی اور میرا کچھ حصہ دوسرے حصہ دار کے قبضہ میں چلا گیا حالانکہ وہ پہلے اپنا حصہ وصول کر لینے کا اقرار کر چکا تھا تو اب اگر تقسیم غلط ہونے پر دو گواہ پیش کر دے تو اس کی بات مانی جائے گی اور تقسیم توڑ کر دوبارہ تقسیم کی جائے گی، ورنہ اس کی طلب پر قاضی دوسرے شرکاء سے حلف لے گا ان میں سے ایک نے قسم کھالی اور ایک نے انکار کر دیا تو مدعی اور منکر کے حصوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے حصوں کے بقدر پھر تقسیم کر دی جائے گی اور قسم کھانے والا درمیان سے خارج ہوگا۔

(۳۰/۲۸۲۲) وَاِنْ قَالَ اسْتَوْفَيْتُ حَقِّىْ ثُمَّ قَالَ اَخَذْتُ بَعْضَهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ خَصْمِهٖ مَعَ يَمِيْنِهٖ.

حل لغات: استوفیت: فعل ماضی واحد متکلم مصدر استیفاء وصول کرنا۔

فالقول قول خصمه مع یمینه: اس کا مطلب یہ ہے کہ مدعی کے پاس گواہ نہیں ہے، تب مدعی علیہ کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی۔

ترجمه: اور اگر کہے کہ میں اپنا حق لے چکا تھا پھر کہے کہ میں نے اس کا کچھ حصہ لیا ہے تو قول اس کے مد مقابل کا معتبر ہوگا اس کی قسم کے ساتھ۔

تشریح: اولاً مدعی نے کہا کہ اپنا حق لے لیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پورا حق لے لیا پھر بعد میں کہے کہ بعض حق لیا ہے تو اس کی باتوں میں تضاد ہے، اور گویا کہ مدعی اپنے خصم اور مد مقابل پر غصب کا دعویٰ کر رہا ہے اور وہ منکر ہے اور منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے لہٰذا خصم کا قول معتبر ہوگا۔

(۳۱/۲۸۲۳) وَاِنْ قَالَ اَصَابَنِىْ اِلٰى مَوْضِعِ كَذَا فَلَمْ يُسَلِّمْهُ اِلَىَّ وَلَمْ يُشْهِدْ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْاِسْتِيْفَاءِ وَكَذَّبَهٗ شَرِيْكُهٗ تَحَالَفَا وَفُسِخَتِ الْقِسْمَةُ.

ترجمه: اور اگر کہے کہ پہنچتا ہے مجھ کو فلاں جگہ تک اور نہیں دیا مجھ کو وہاں تک اور اس نے اقرار نہیں کیا اپنے نفس پر پورا حق لینے کا اور جھٹلایا اس کو اسکے شریک نے تو دونوں قسم کھائیں گے، اور تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

تشریح: اگر ایک حصہ دار اپنا پورا حصہ لینے کا اقرار کرنے سے پہلے یہ کہے کہ میری جگہ وہاں تک ہے جو مجھے

نہیں دی گئی اور دوسرا شریک منکر ہے، اور اس کو جھٹلاتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ فلاں جگہ تک اس کا حصہ پہنچادیا گیا ہے اور دونوں کے پاس گواہ نہیں ہیں تو یہ دونوں قسمیں کھائیں گے اور تقسیم توڑ کر دوبارہ تقسیم کی جائے گی۔

(۳۲/۲۸۲۴) وَاِنِ اسْتُحِقَّ بَعْضُ نَصِيْبِ اَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ لَمْ تُفْسَخِ الْقِسْمَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَرَجَعَ بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنْ نَصِيْبِ شَرِيْكِهٖ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ تُفْسَخُ الْقِسْمَةُ۔

ترجمہ: اور اگر کسی اور کا نکل آئے ان میں سے خاص ایک کا کچھ حصہ تو تقسیم نہ ٹوٹے گی امام صاحبؒ کے نزدیک بلکہ لے لے گا اتنا ہی اپنے شریک کے حصہ میں سے، اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ تقسیم ٹوٹ جائے گی۔

تشریح: زید اور خالد کے درمیان ایک گھر مشترک تھا جو تین ہزار گز تھا، دونوں نے بٹوارہ کیا تو زید کے حصہ میں راستہ کی جانب کا حصہ آیا، جو قیمتی ہوتا ہے، تو زید کے ایک ہزار گز خالد کے دو ہزار گز کے برابر ہے، قیمت اور مالیت کے اعتبار سے جس کی صورت مندرجہ ذیل ہے۔
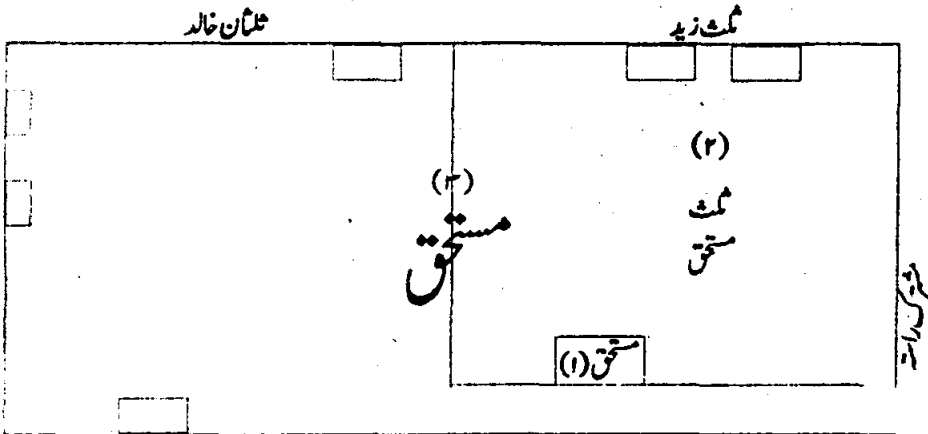
دونوں اپنے اپنے حصوں پر قابض ہو گئے، کہ راشد نے قاضی کی عدالت میں استحقاق کا دعویٰ کر دیا اور اس پر گواہ پیش کر دیئے لہٰذا جتنا اس کا استحقاق تھا وہ راشد کو مل گیا اب تقسیم کا کیا حکم ہوگا تو اس کی تین صورتیں ہیں (۱) راشد زید کے حصہ میں صرف ایک کمرہ کا دعویٰ کرے جس کا مطلب یہ ہے کہ راشد نے زید کے حصہ میں ایک معین جزء کا دعویٰ کیا ہے جس کو نقشہ میں مستحق (۱) سے تعبیر کیا گیا ہے (۲) راشد زید کے حصہ میں غیر معین جزء کا دعویٰ کرے یعنی کہے کہ اس میں میرا ثلث ہے اس کو نقشہ میں مستحق ثلث (۲) سے تعبیر کیا گیا ہے (۳) راشد دعویٰ کرے، کہ پورے گھر میں میرا آدھا ہے یعنی اس کا حصہ شائع ہے زید اور خالد دونوں کے حصوں میں۔

پہلی صورت میں بالاتفاق تقسیم نہیں ٹوٹے گی البتہ راشد نے جتنا حصہ زید سے لیا ہے اس کا حساب وہ خالد سے کر کے اپنے حساب کے بقدر خالد سے واپس لے گا۔

اور تیسری صورت میں بالاتفاق تقسیم ٹوٹ جائے گی اور دوبارہ ہوگی اور دوسری صورت اختلافی ہے، طرفین کے

نزدیک تقسیم نہیں ٹوٹے گی بلکہ پہلی صورت کی طرح زید خالد سے اپنے حساب کے بقدر واپس لے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک تقسیم فسخ کردی جائے گی یہ ہے اصل مسئلہ اور اس میں اختلاف کی تفصیل

مگر صاحب کتاب نے پہلی صورت ذکر کر کے اس میں وہ اختلاف نقل کردیا جو دوسری صورت میں ہے تو امام قدوریؒ کی یہ نقل خلاف حقیقت ہے۔

كِتَابُ الْإِكْرَاهِ

ماقبل سے مناسبت: کتاب الاکراہ کو کتاب القسمۃ سے مناسبت اس طرح ہے کہ قاضی کے لئے بٹوارہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والے کو مجبور کرنا درست ہے، اسی طرح مکرِہ (زبردستی کرنے والے) کو اکراہ سے روکنا اور مجبور کرنا درست ہے۔

اکراہ کی لغوی تعریف: کسی آدمی پر زبردستی کر کے کسی کام کے کروانے کو اکراہ کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: اکراہ وہ فعل ہے کہ آدمی دوسرے کی وجہ سے اس طرح کرے کہ اس کی رضامندی اور اختیار جاتا رہے۔

(۲۸۲۵/۱) اَلْإِكْرَاهُ يَثْبُتُ حُكْمُهٗ إِذَا حَصَلَ مِمَّنْ يَقْدِرُ عَلٰى إِيْقَاعِ مَا يُوْعَدُ بِهٖ سُلْطَانًا كَانَ أَوْ لِصًّا.

حل لغات: یوعد: فعل مضارع مجہول (م) ایعادًا دھمکی دینا اور بعض نسخوں میں تَوَعَّدَ بھی ہے اس کے معنی بھی دھمکی دینے کے ہیں۔ لص: چور جمع لُصُوْصٌ.

ترجمہ: اکراہ کا حکم ثابت ہو جاتا ہے جب حاصل ہو اس سے جو قدرت رکھتا ہو اس کے واقع کرنے پر جس کی دھمکی دی گئی ہے بادشاہ ہو یا چور۔

اکراہ کے ثبوت کی شرطوں کا بیان

تشریح: تحقق اکراہ کے لئے دو شرطیں ہیں: (۱) مُکرِہ اس امر پر قادر ہو جس کا وہ خوف دلا رہا ہے۔ (۲) مُکرَہ کو اس بات کا ظن غالب ہو کہ مُکرِہ جس امر کا خوف دلا رہا ہے وہ اس کے ساتھ کر گزرے گا، امام صاحبؒ کے نزدیک اکراہ کا ثبوت بادشاہ سے ہی متحقق ہو سکتا ہے، اس لئے کہ جس چیز کی دھمکی دی جارہی ہے اس پر قدرت بغیر لشکر کے نہیں ہو سکتی اور فوج بادشاہ کے پاس ہی ہوتی ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ بادشاہ کے علاوہ چور وغیرہ سے بھی اکراہ کا ثبوت ہو جائے گا تغیر زمانہ کی وجہ سے صاحبین کے قول پر ہی فتویٰ دیا جائے گا۔

(۲/۲۸۲۶)وَإِذَا أُكْرِهَ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ مَالِهِ أَوْ عَلَى شِرَاءِ سِلْعَةٍ أَوْ عَلَى أَنْ يُقِرَّ لِرَجُلٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ أَوْ يُؤَاجِرَ دَارَهُ وَأُكْرِهَ عَلَى ذٰلِكَ بِالْقَتْلِ أَوْ بِالضَّرْبِ الشَّدِيْدِ أَوْ بِالْحَبْسِ فَبَاعَ أَوِ اشْتَرَىٰ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَمْضَى الْبَيْعَ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَهُ وَرَجَعَ بِالْمَبِيْعِ.

حل لغات: سلعة: سامان جمع سِلَعٌ. یواجر: فعل مضارع مصدر ایجارا کرایہ پر دینا۔ الحبس: باب (ض) کا مصدر ہے قید کرنا۔

ترجمہ: اور جب مجبور کیا گیا کسی کو اپنے مال کے بیچنے یا کوئی سامان خریدنے یا کسی کے لئے ایک ہزار درہم کا اقرار کرنے یا اپنا گھر کرایہ پر دینے پر اور مجبور کیا گیا ان تمام چیزوں پر قتل کر دینے یا سخت مارنے یا قید کرنے کی دھمکی کے ساتھ پس اس نے بیچ دیا یا خرید لیا تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے بیع کو باقی رکھے اور اگر چاہے اس کو توڑ دے اور مبیع واپس لے لے۔

اکراہ کے احکام کی تفصیل

تشریح: کسی آدمی کو مجبور کیا کہ وہ اپنا مال بیچ دے یا کوئی سامان خریدے یا کسی آدمی کے لئے ہزار درہم کا اقرار کرے یا اپنے گھر کو کرایہ پر دے اور مجبور بھی کیا قتل کرنے کی دھمکی دے کر یا سخت مار کی دھمکی دے کر یا قید کرنے کی دھمکی دے کر اس نے ان مجبوریوں کی وجہ سے سامان بیچ دیا یا خرید لیا، یا ایک ہزار کا اقرار کر لیا یا گھر کرایہ پر دے دیا تو زوال اکراہ کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے ان عقود کو نافذ کرے اور چاہے فسخ کر ڈالے اور مبیع وغیرہ واپس لے لے کیونکہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں مکرَہ کے تمام تصرفات قول کے لحاظ سے منعقد ہوتے ہیں، اب جو عقود فسخ کا احتمال رکھتے ہیں جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ تو ان کو فسخ کر سکتا ہے، متن میں چاروں عقد ایسے ہی ہیں۔

(۳/۲۸۲۷) فَإِنْ كَانَ قَبَضَ الثَّمَنَ طَوْعًا فَقَدْ أَجَازَ الْبَيْعَ وَإِنْ كَانَ قَبَضَهُ مُكْرَهًا فَلَيْسَ بِإِجَازَةٍ وَعَلَيْهِ رَدُّهُ إِنْ كَانَ قَائِمًا فِي يَدِهِ.

حل لغات: طوعا: خوشی سے۔ مکرہ: اسم مفعول جس پر زبردستی کی جائے۔

ترجمہ: اب اگر قیمت پر بخوشی قبضہ کر لے تو گویا بیع کو جائز قرار دے دیا اور اگر قبضہ کرے مجبور ہو کر تو یہ اجازت نہ ہوگی اور اس پر اس کا لوٹانا ہوگا اگر ہو اس کے پاس موجود۔

تشریح: بائع نے بیع مجبور کرنے کی وجہ سے کی اب ثمن پر قبضہ کرنے کا مرحلہ آیا تو دیکھا جائے گا کہ خوشی سے ثمن پر قبضہ کرتا ہے یا مجبوری کے درجہ میں، اگر اس کی قیمت لی بخوشی تو بخوشی قیمت لینا بیع کو نافذ کرنا اور اس سے راضی ہونا ہے اور اگر قیمت مجبور ہو کر لی تو یہ بیع کی اجازت نہ ہوگی اس صورت میں اگر ثمن اسکے پاس موجود ہو تو واپس کر دے۔

(۲۸۲۸/۴) وَاِنْ هَلَكَ الْمَبِيْعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِيْ وَهُوَ غَيْرُ مُكْرَهٍ ضَمِنَ قِيْمَتَهُ وَلِلْمُكْرَهِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُكْرِهَ اِنْ شَاءَ.

ترجمه: اور اگر مبیع ہلاک ہو جائے مشتری کے پاس اور وہ مجبور کیا ہوا نہیں تھا تو ضامن ہوگا اس کی قیمت کا (بائع کے لئے) اور مجبور کئے ہوئے کو حق ہے کہ وہ ضامن بنائے مجبور کرنے والے کو اگر چاہے۔

تشریح: بائع کو کسی نے مجبور کر کے بیع کروائی اور مشتری نے اس کو بلا جبر خریدا تو مشتری کو چاہئے تھا کہ بیع توڑ کر مبیع بائع کو واپس کرے لیکن ابھی ایسا نہیں کیا تھا کہ مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو مشتری بائع کو اس کی قیمت کا تاوان دے گا کیونکہ مُکرَہ کی بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں بھی مبیع مشتری پر مضمون ہوتی ہے لیکن مُکرَہ کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس نے اس پر زبردستی کی تھی اس سے قیمت کا تاوان لے لے اس صورت میں مکرہ مشتری سے وصول کرے گا۔

(۲۸۲۹/۵) وَاِنْ اُكْرِهَ عَلٰى اَنْ يَّأْكُلَ الْمَيْتَةَ اَوْ يَشْرَبَ الْخَمْرَ فَاُكْرِهَ عَلٰى ذٰلِكَ بِحَبْسٍ اَوْ بِضَرْبٍ اَوْ قَيْدٍ لَمْ يَحِلَّ لَهٗ اِلَّا اَنْ يُكْرَهَ بِمَا يَخَافُ مِنْهُ عَلٰى نَفْسِهٖ اَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِّنْ اَعْضَائِهٖ فَاِذَا خَافَ ذٰلِكَ وَسِعَهٗ اَنْ يُّقْدِمَ عَلٰى مَا اُكْرِهَ عَلَيْهِ وَلَا يَسَعُهٗ اَنْ يَّصْبِرَ عَلٰى مَا تُوُعِّدَ بِهٖ فَاِنْ صَبَرَ حَتّٰى اَوْقَعُوْا بِهٖ وَلَمْ يَأْكُلْ فَهُوَ اٰثِمٌ.

حل لغات: المیتة مردار جمع میتات. الخمر: انگوری شراب، ہر نشیلی چیز۔ حبس: قید خانہ۔ قید، پیروں میں بیڑی ڈالنا۔ یقدم: فعل مضارع مصدر اقدام کسی کام کو کرنا۔ توعد: ماضی مجہول باب تفعیل سے دھمکی دینا۔ اوقعوا: وقع سے مشتق ہے واقع کرنا، اس کام کو کر دیا جس کی دھمکی دیا کرتا تھا۔ آثم: گناہ گار۔

ترجمه: اور اگر مجبور کیا جائے مردار کھانے یا شراب پینے پر حبس کرنے یا مارنے یا قید کرنے کی دھمکی کے ساتھ تو جائز نہ ہوگا اس کے لئے یہ مگر یہ کہ مجبور کیا جائے ایسی دھمکی سے جس سے ڈر ہو اپنی جان یا کسی عضو کا جب اس کا ڈر ہو تو جائز ہے یہ کہ اقدام کرے اس کا جس پر مجبور کیا گیا ہے، اور گنجائش نہیں ہے اس کے لئے کہ دھمکی پر صبر کرلے اگر وہ صبر کرے یہاں تک کہ وہ کر گزرے اس کے ساتھ پھر بھی نہ کھائے تو گناہ گار ہوگا۔

تشریح: کسی نے کسی کو حرام چیزوں کے کھانے پر مجبور کیا مثلاً مردار کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا تو اگر قید کرنے یا تھوڑا بہت مارنے کی دھمکی دی گئی تو اس سے ان چیزوں کے کھانے کی گنجائش نہیں ہوگی ہاں اگر قتل کرنے کی دھمکی ہو یا کسی عضو کو کاٹ لینے کی دھمکی ہو اور غالب گمان ہو کہ ایسا کر ہی ڈالے گا تب اس کے لئے گنجائش ہے کہ مردار کھالے یا شراب پی لے، پھر بھی اس نے نہ مردار کھایا نہ شراب پی، آخر مجبور کرنے والے نے قتل کر دیا یا عضو کاٹ دیا تو نہ کھانے والا گناہ گار ہو کر مرے گا۔

(۲۸۳۰/۶) وَاِذَا اُكْرِهَ عَلَى الْكُفْرِ بِاللّٰهِ تَعَالٰى اَوْ بِسَبِّ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقَيْدٍ اَوْ حَبْسٍ

اَوْ ضَرْبٍ لَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ اِكْرَاهًا حَتّٰى يُكْرَهَ بِاَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلٰى نَفْسِهٖ اَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِّنْ اَعْضَائِهٖ فَاِذَا خَافَ عَلٰى ذٰلِكَ وَسِعَهٗ اَنْ يُّظْهِرَ مَا اَمَرُوْهُ بِهٖ وَيُوَرِّىْ فَاِذَا اَظْهَرَ ذٰلِكَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَاِنْ صَبَرَ حَتّٰى قُتِلَ وَلَمْ يُظْهِرِ الْكُفْرَ كَانَ مَاجُوْرًا.

حل لغات: سب: باب نصر کا مصدر ہے، بہت گالی دینا۔ یوری: فعل مضارع، ورّی توریۃ اصل بات چھپا کر دوسری بات ظاہر کرنا ایسا جملہ کہنا جس سے مخاطب اپنے مطلب کی بات سمجھے حالانکہ قائل اس کا مطلب کچھ اور لے رہا ہے۔ ماجور: اسم مفعول ثواب دیا گیا نیک بدلہ دیا گیا۔

ترجمہ: اور اگر مجبور کیا گیا اللہ کا انکار کرنے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے پر قید کرنے یا مارنے کی دھمکی سے تو یہ اکراہ نہ ہوگا، یہاں تک کہ مجبور کیا جائے ایسی دھمکی سے کہ جس سے خوف ہو اپنی جان پر یا کسی عضو پر جب اس کا خوف ہو تو گنجائش ہے یہ کہ ظاہر کرے اس کو جس کا انہوں نے حکم کیا ہے اور توریہ کرے جب وہ یہ ظاہر کردے اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اگر وہ صبر کرے حتی کہ قتل کر دیا جائے اور نہ ظاہر کرے کفر کو تو اس کو ثواب دیا جائے گا۔

تشریح: اگر کسی کو مار پٹائی یا قید کرنے کی دھمکی سے کلمہ کفر یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنے پر مجبور کیا گیا تو یہ اکراہ نہ ہوگا ہاں اگر کسی شخص کو کلمۂ کفر یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہنے پر مجبور کیا گیا اور جان یا کوئی عضو تلف کر دینے کی دھمکی دی گئی اور غالب گمان ہے کہ مجبور کرنے والا ایسا کر ہی ڈالے گا تو اس کو زبان سے کلمۂ کفر کہنے کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کے دل میں ایمان موجود ہو حالانکہ یہاں محرم شرک یعنی حدوث عالم اور کفر کی حرمت پر دلالت کرنے والی نصوص اور حرمت دونوں موجود ہیں۔ پس اس کے باوجود اس کو اس کی رخصت دی گئی ہے یعنی اگر کلمہ کفر زبان سے کہہ لیا تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر یہ شخص کلمہ کفر کہنے سے رک گیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر دیا گیا تو اس کا حق صورۃً بھی فوت ہو جائے گا اور معنیً بھی صورۃً تو اس لئے کہ اس کی فطرت یعنی اصل ڈھانچہ ہی بگڑ جاتا ہے اور معنیً اس لئے کہ اس کی جان ختم ہو جاتی ہے البتہ کلمۂ کفر کہنے سے اللہ کا حق فوت نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ رکن اصلی یعنی تصدیق جس کا تعلق قلب سے ہے وہ باقی رہتا ہے پس کلمہ کفر کہنے سے رک جانا عزیمت ہے حتی کہ اگر اس نے صبر کیا اور قتل ہو گیا تو یہ شخص ماجور ہوگا اور اگر ہلاکت سے بچنے کے لئے کلمہ کفر زبان سے کہہ لیا تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔

(۱۳۱۲۸/۷) وَاِنْ اُكْرِهَ عَلٰى اِتْلَافِ مَالِ مُسْلِمٍ بِاَمْرٍ يَخَافُ مِنْهُ عَلٰى نَفْسِهٖ اَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِّنْ اَعْضَائِهٖ وَسِعَهٗ اَنْ يَّفْعَلَ ذٰلِكَ وَلِصَاحِبِ الْمَالِ اَنْ يُّضَمِّنَ الْمُكْرِهَ.

ترجمہ: اور اگر مجبور کیا گیا مسلمان کے مال کو ضائع کرنے پر ایسی دھمکی سے جس سے خوف ہو جان پر یا کسی عضو پر تو جائز ہے یہ کہ کر گزرے یہ اور مال والے کے لئے جائز ہے کہ تاوان لے لے مجبور کرنے والے سے۔

تشریح: اگر قتل نفس یا قطع عضو کی دھمکی سے کسی کو دوسرے کا مال تلف کرنے پر مجبور کیا گیا تو اس کے لئے مال تلف کرنے کی اجازت ہوگی حالانکہ یہاں محرم اور حرمت دونوں موجود ہیں دلیل یہ ہے کہ مال تلف نہ کرنے کی صورت میں مکرہ کا حق بالکلیہ فوت ہو جاتا ہے اور مال تلف کرنے کی صورت میں مالک کا حق بصورت ضمان باقی رہتا ہے لہٰذا عزیمت اگرچہ مال کا تلف نہ کرنا ہے لیکن تلف کرنے کی بھی اجازت ہوگی اور صاحب مال اپنے مال کا تاوان مُکرِہ سے لے گا نہ کہ مُکرَہ سے۔

(۸/۲۸۳۲) وَاِنْ اُكْرِهَ بِقَتْلٍ عَلٰى قَتْلِ غَيْرِهٖ لَمْ يَسَعْهُ اَنْ يُّقْدِمَ عَلَيْهِ وَيَصْبِرُ حَتّٰى يُقْتَلَ فَاِنْ قَتَلَهٗ كَانَ اٰثِمًا وَالْقِصَاصُ عَلَى الَّذِىْ اَكْرَهَهٗ اِنْ كَانَ الْقَتْلُ عَمْدًا.

ترجمہ: اور اگر مجبور کیا گیا قتل کی دھمکی سے دوسرے کو قتل کرنے پر تو اس کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ اس کا اقدام کرے اور صبر کرے یہاں تک کہ قتل ہو جائے پھر اگر اس نے قتل کیا تو گنہگار ہوگا اور قصاص اس پر ہوگا جس نے مجبور کیا اگر قتل عمداً ہو۔

تشریح: کسی ظالم نے کسی آدمی کو قتل کی دھمکی دے کر کہا کہ اگر تم فلاں کو قتل نہیں کروگے تو میں تم کو قتل کردوں گا اس قتل کی دھمکی کے باوجود اس کے لئے جائز نہیں کہ فلاں کو قتل کرے بلکہ صبر کرے اور خود قتل ہو جائے اور اگر مجبور نے فلاں کو قتل کر دیا تو یہ گناہ گار ہوگا کیونکہ کسی کو ناحق قتل کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں گناہ گار قتل کرنے والا بھی ہوگا اور مجبور کرنے والا بھی، آگے فرماتے ہیں کہ اگر مجبور نے جان بوجھ کر قتل کیا تو قصاص مجبور آدمی سے نہ لیا جائے گا بلکہ جس نے مجبور کیا ہے اس سے لیا جائے گا کیونکہ یہ آدمی حقیقت میں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا اسے تو مجبور کیا ہے گویا کہ یہ دھار دار آلہ کی طرح ہو گیا اور قاعدہ ہے کہ آلہ جو استعمال کرتا ہے اسی پر قصاص ہوتا ہے۔

(۹/۲۸۳۳) وَاِنْ اُكْرِهَ عَلٰى طَلَاقِ امْرَأَتِهٖ اَوْ عِتْقِ عَبْدِهٖ فَفَعَلَ وَقَعَ مَا اُكْرِهَ عَلَيْهِ وَيَرْجِعُ عَلَى الَّذِىْ اَكْرَهَهٗ بِقِيْمَةِ الْعَبْدِ وَيَرْجِعُ بِنِصْفِ مَهْرِ الْمَرْأَةِ اِنْ كَانَ قَبْلَ الدُّخُوْلِ.

ترجمہ: اور اگر مجبور کیا گیا اپنی بیوی کو طلاق دینے یا اپنے غلام کو آزاد کرنے پر اس نے کرلیا تو واقع ہوگا وہ جس پر اس کو مجبور کیا گیا ہے اور لے گا اس سے جس نے مجبور کیا غلام کی قیمت اور بیوی کا آدھا مہر اگر طلاق صحبت سے پہلے ہو۔

تشریح: اگر بیوی کو طلاق دینے یا غلام کو آزاد کرنے پر مجبور کیا اور اس نے طلاق دے دی یا آزاد کر دیا تو ہمارے نزدیک یہ امور واقع ہو جائیں گے اب آزاد کرنے کی صورت میں مُکرَہ مُکرِہ سے غلام کی قیمت لے گا مالدار ہو یا غریب اور طلاق کی صورت میں متعین مہر کا آدھا لے گا اگر اس نے خلوت صحیحہ نہ کی ہو کیونکہ شوہر پر جو مہر واجب تھا اس کے ساقط ہونے کا احتمال تھا بایں معنی کہ عورت اپنے شوہر کے بیٹے سے زنا کا ارتکاب کرلیتی تو فرقت عورت کی جانب

سے ہوتی، لیکن جب طلاق واقع ہوگئی تو مہر مؤکد ہوگیا تو اتلاف مال مکرِہ کی جانب منسوب ہوگا اور اگر خلوت صحیحہ ہوچکی ہوتو مکرِہ سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ اب مہر وطی کی وجہ سے مؤکد ہوا ہے۔

(۱۰/۲۸۳۴) وَاِنْ اُکْرِہَ عَلَی الزِّنَا وَجَبَ عَلَیْہِ الْحَدُّ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلاَّ اَنْ یُکْرِھَہُ السُّلْطَانُ وَقَالاَ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی لاَیَلْزَمُہُ الْحَدُّ.

ترجمہ: اور اگر مجبور کیا گیا زنا پر تو واجب ہوگی اس پر حد امام صاحبؒ کے نزدیک مگر یہ کہ مجبور کرے اس کو بادشاہ اور صاحبین نے فرمایا کہ حد لازم نہ ہوگی۔

تشریح: چونکہ صحبت بغیر انتشار آلہ کے نہیں ہوسکتی اور انتشار خوف کے ساتھ نہیں ہوسکتا انتشار تو اس وقت ہوتا ہے جب دل میں مزہ ہو اور نفس میں سکون ہو اب اگر کسی مرد کو زنا پر مجبور کیا گیا اور اس نے زنا کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دل میں مزہ بھی ہے اور نفس میں سکون بھی ہے، تو سب کچھ اپنے اختیار سے کیا اس لئے اس پر حد ہوگی، برخلاف عورت کے کہ اس پر حد نہ ہوگی، کیونکہ اس سے زبردستی کرسکتا ہے اور چوں کہ امام صاحب کے نزدیک اکراہ کا ثبوت بادشاہ ہی سے متحقق ہوسکتا ہے اس لئے اگر بادشاہ نے مجبور کر کے کسی مرد سے زنا کا ارتکاب کروایا تو اس پر حد نہ ہوگی مذکورہ مسئلہ میں صاحبین کی رائے یہ ہے کہ حد لازم نہ ہوگی خواہ بادشاہ مجبور کرے یا کوئی اور کیونکہ اکراہ کا ثبوت بادشاہ کے علاوہ سے بھی ہو جاتا ہے، اس لئے یہاں شبہ ہے کہ خود سے زنا نہیں کیا اس لئے حد واجب نہ ہوگی۔

(۱۱/۲۸۳۵) وَاِذَا اُکْرِہَ عَلَی الرِّدَّۃِ لَمْ تَبِنِ امْرَأَتُہٗ مِنْہُ.

ترجمہ: اور اگر مجبور کیا گیا مرتد ہونے پر تو اس کی بیوی بائنہ نہ ہوگی۔

تشریح: اس سے قبل بات گذر چکی ہے کہ اگر کسی شخص کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے صرف زبان سے کہا تو وہ اپنے اسلام پر ہی برقرار رہے گا اسی کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا تو اس کی بیوی جدا نہ ہوگی اور نہ نکاح ٹوٹے گا۔

کِتَابُ السِّیَر

(یہ کتاب جہاد کے احکام کے بیان میں ہے)

ماقبل سے مناسبت: جس طرح اکراہ میں مشقت برداشت کی جاتی ہے، اسی طرح جہاد میں بھی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اس اعتبار سے کتاب الاکراہ کے بعد کتاب السیر لا رہے ہیں۔

سیر کے معنی اور مطلب: سیر (سین کے کسرہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ) سیرۃ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں خصلت عادت طریقہ اور جب مطلق لفظ سیرۃ بولا جاتا ہے تو عموماً اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیرت طیبہ مراد ہوتی ہے، ابتداء میں جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنی شروع کی تو اس میں چونکہ اکثر حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور سرایا وغیرہ کا تھا اس لئے مغازی اور سرایا اور جہاد پر لفظ 'سیر' کا اطلاق ہونے لگا اسی مناسبت سے حضرات فقہاء اپنی کتابوں میں کتاب السیر جو لاتے ہیں اس سے مراد جہاد اور مغازی ہوتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی کتاب السیر سے یہی مراد ہے، اور اس میں جہاد کے احکام اور اس سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بیان کی گئی ہیں۔

جہاد کی تعریف: جہاد کے لفظی معنی تو اگر چہ کوشش اور محنت کے ہیں اور اللہ کے دین کے لئے جو کوئی محنت اور کوشش کی جائے وہ سب لغت کے اعتبار سے جہاد میں داخل ہے لیکن اصطلاح میں جہاد اس عمل کو کہا جاتا ہے جس میں کسی دشمن یا کافر کا مقابلہ کیا جائے، چاہے مقابلہ کی یہ صورت ہو کہ دشمن نے ہم پر حملہ کر دیا اور ہم اس کے حملہ کا دفاع کر رہے ہیں یا ہم خود کسی دشمن پر جا کر حملہ آور ہو رہے ہیں دونوں صورتیں جہاد میں داخل ہیں اور یہ دونوں صورتیں مشروع ہیں۔

(۱/۲۸۳۶) اَلْجِهَادُ فَرْضٌ عَلَى الْكِفَايَةِ إِذَا قَامَ بِهِ فَرِيْقٌ مِّنَ النَّاسِ سَقَطَ عَنِ الْبَاقِيْنَ وَإِنْ لَّمْ يَقُمْ بِهِ أَحَدٌ أَثِمَ جَمِيْعُ النَّاسِ بِتَرْكِهِ.

ترجمہ: جہاد فرض کفایہ ہے اگر کچھ لوگ کرلیں تو ساقط ہو جائے گا باقی کے ذمہ سے اور اگر کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے اس کو چھوڑنے سے۔

جہاد کا حکم

تشریح: اگر بعض لوگوں کے جہاد کرنے سے مقصد حاصل ہو جائے سب کی ضرورت نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے کہ بعض کے کر لینے سے فرضیت سب سے ساقط ہو جائے گی اور اگر سب کی ضرورت ہو مثلاً دشمن مسلمانوں پر چڑھ آیا ہو تو فرض عین ہے۔

(۲/۲۸۳۷) وَقِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ وَإِنْ لَّمْ يَبْدَؤُنَا.

لغت: یبدؤ: فعل مضارع باب (ف) بدأ: شروع کرنا۔

ترجمہ: اور کفار سے قتال کرنا واجب ہے اگر چہ وہ ابتداء نہ کریں۔

تشریح: کفار جنگ کی ابتداء نہ بھی کریں تب بھی ان سے قتال کرنا واجب ہے، حدیث ہے کہ مدینہ کے یہود نے ساز باز کی تھی لیکن ابھی قتال شروع نہیں کیا تھا پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب نکلے اور مدینہ سے نکل جانے کا اشارہ دیا، (ابوداؤد ج۲ ص ٦٦)

(۳/۲۸۳۸) وَلَا يَجِبُ الْجِهَادُ عَلٰى صَبِيٍّ وَلَا عَبْدٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا اَعْمٰى وَلَا مُقْعَدٍ وَلَا اَقْطَعَ.

حل لغات: مقعد: اپاہج، قعاد کی بیماری والا ہونا۔ (قُعَاد ایک بیماری ہے جس میں آدمی چلنے پھرنے سے معذور رہتا ہے۔ اقطع: کٹے ہوئے ہاتھ والا مؤنث قطعاء جمع قُطْعٌ.

ترجمہ: اور واجب نہیں ہے جہاد بچہ، غلام، عورت اندھے اپاہج اور لولے پر۔

کن لوگوں پر جہاد واجب نہیں؟

تشریح: بچہ مرفوع القلم ہے اور اس پر کوئی عبادت واجب نہیں ہے تو جہاد بھی نہیں ہے غلام پر جہاد اس وجہ سے نہیں ہے کیوں کہ وہ آقا کی خدمت میں مشغول ہے اور آقا کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے اسی طرح عورت اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے مکلف نہیں ہے، نابینا، اپاہج اور لولے پر بھی جہاد واجب نہیں ہے، کیوں کہ یہ لوگ جہاد کرنے سے عاجز ہیں۔

(۴/۲۸۳۹) فَاِنْ هَجَمَ الْعَدُوُّ عَلٰى بَلَدٍ وَجَبَ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ الدَّفْعُ تَخْرُجُ الْمَرْأَةُ بِغَيْرِ اِذْنِ زَوْجِهَا وَالْعَبْدُ بِغَيْرِ اِذْنِ الْمَوْلٰى.

حل لغات: هجم: فعل ماضی معروف باب (ن) هُجُوْمًا عَلَيْهِ: غفلت کی حالت میں اچانک آنا۔ العدو: دشمن جمع اعداء.

ترجمہ: اگر چڑھ آئے دشمن کسی شہر پر تو واجب ہے تمام مسلمانوں پر مدافعت نکلے بیوی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقا کی اجازت کے بغیر۔

جہاد کی قسموں کا بیان

تشریح: جہاد کی دو قسمیں ہیں (۱) جہاد اقدامی (۲) جہاد دفاعی۔

اگر کفار یا باغی مسلمانوں پر یکبارگی چڑھ آئیں تو ان کے مقابلہ کے لئے تمام اہل اسلام کو نکلنا ضروری اور فرض عین ہے اس کو جہاد دفاعی کہتے ہیں اس عبارت میں اسی کا بیان ہے چناں چہ مصنفؒ نے فرمایا کہ بیوی بلا اجازت شوہر اور غلام بلا اجازت آقا بھی جہاد میں شرکت کریں گے اور عام حالات میں جب کفار مسلمانوں پر دھاوانہ بولیں تو وہ جہاد اقدامی ہے، جس کا بیان مسئلہ (۱) میں گذر چکا ہے۔

(۵/۲۸۴۰) وَاِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُوْنَ دَارَ الْحَرْبِ فَحَاصَرُوْا مَدِيْنَةً اَوْ حِصْنًا دَعَوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاِنْ اَجَابُوْهُمْ كَفُّوْا عَنْ قِتَالِهِمْ وَاِنِ امْتَنَعُوْا دَعَوْهُمْ اِلٰى اَدَاءِ الْجِزْيَةِ فَاِنْ بَذَلُوْهَا فَلَهُمْ مَا

لِلْمُسْلِمِیْنَ وَعَلَیْهِمْ مَا عَلَیْهِمْ.

حل لغات: حاصروا: ماضی معروف، حاصروا حِصاراً ومحاصرةً گھیراڈال کرامداد کوروک دینا۔ حصن: محفوظ وبلند جگہ۔قلعہ،جمع حُصُوْن. اَجابوا: قبول کرلیں۔ کفوا: رک جائیں۔ جزیة: اسلامی حکومت میں غیر مسلم پر سالانہ ٹیکس مقدار ۳ روپیہ سالانہ سے ۱۹ روپے سالانہ تک تھی، بچے عورتیں بوڑھے اور مذہبی پیشوا مستثنیٰ تھے۔بذل:خرچ کرے۔

ترجمہ: اور جب داخل ہوں مسلمان دارالحرب میں اور محاصرہ کریں کسی شہر یا قلعہ کا تو دعوت دیں ان کو اسلام کی اگر وہ مان لیں تو رک جائیں ان کے قتال سے اور اگر باز رہیں تو بلائیں ان کو ادائیگی جزیہ کی طرف اگر وہ دیدیں تو ان کے لئے وہ ہے جو مسلمانوں کے لئے ہے اور ان پر وہ ہے جو مسلمانوں پر ہے۔

کفار سے اجمالاً جنگ کرنے کا طریقہ

تشریح: اگر مسلمان کافروں کا محاصرہ کرلیں تو اولاً ان کو اسلام کی دعوت دی جائے گی اگر قبول کرلیں تو بہتر ہے کیوں کہ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت کو توڑا جائے اور اسلام کی شوکت قائم کی جائے اور اللہ کا حکم بلند کیا جائے تو جب وہ لوگ قتال سے پہلے ہی مسلمان ہوگئے، تو پھر قتال کرنے کی کیا ضرورت ہے، اور اگر وہ اسلام سے انکار کریں تو جزیہ دینے کے لئے کہا جائے گا بشرطیکہ وہ اہل جزیہ ہوں یعنی اہل کتاب یا آتش پرست یا عجمی بت پرست ہوں عرب کے مشرک اور مرتد نہ ہوں کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے امراء کو اسی کا حکم فرمایا ہے، اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان کا جان ومال مسلمانوں کی طرح محفوظ ہوگا اور مظلوم ہونے کی صورت میں ان کے لئے انصاف ہوگا اور ظالم ہونے کی صورت میں ان سے انتقام لیا جائے گا جیسا کہ مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اگر وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو پھر اللہ کا نام لے کر ان سے قتال کیا جائے گا۔

نوٹ: دارالحرب اس حکومت کو کہتے ہیں جس کا اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے اور نظام حکومت چلانے میں پورا اختیار انہیں کو ہے اور اگر مسلمانوں کو کوئی عہدہ حاصل بھی ہو تو وہ اس کے ذریعہ نظام حکومت میں کوئی تبدیلی نہ کرسکتے ہوں جیسے امریکہ، برطانیہ، جرمنی، فرانس، چین، جاپان وغیرہ۔

(۶/۲۸۴۱) وَلَا یَجُوْزُ اَنْ یُّقَاتِلَ مَنْ لَّمْ تَبْلُغْهُ دَعْوَةُ الْاِسْلَامِ اِلَّا بَعْدَ اَنْ یَّدْعُوْهُمْ وَیَسْتَحِبُّ اَنْ یَّدْعُوْا مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ اِلَی الْاِسْلَامِ وَلَا یَجِبُ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ہے قتال اس سے جس کو نہ پہنچی ہو اسلام کی دعوت مگر دعوت دینے کے بعد اور مستحب ہے دعوت دینا اس کو جس کو پہنچ چکی ہو اسلام کی دعوت اور یہ واجب نہیں ہے۔

قتال سے قبل دعوتِ اسلام کیا حکم رکھتا ہے؟

تشریح: فقہاء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ قتال سے پہلے دعوت دینا ضروری ہے، لیکن جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ دعوت دینا ضروری نہیں البتہ دعوت دینا مستحب ہے اور بعض فقہاء نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ اگران لوگوں کو پہلے دعوت پہنچ چکی ہے تب تو ان کو دعوت دینا ضروری نہیں لیکن اگر ان کو پہلے دعوت نہیں پہنچی تو پھر قتال سے پہلے ان کو دعوت دینا ضروری اور واجب ہے، اس کے بغیر قتال جائز نہیں جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ اب دنیا کے تمام خطوں میں اسلام کی دعوت عام پہنچ چکی ہے کیوں کہ دنیا کا کوئی آدمی اب ایسا نہیں رہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے بحثیت اجمالی واقف نہ ہو، لہٰذا اب کسی بھی جگہ جہاد سے پہلے دعوت دینا شرط نہیں البتہ مستحب ہے لہٰذا دعوت دیئے بغیر بھی اگر جہاد کیا جائے گا تو وہ جائز ہوگا ناجائز نہیں ہوگا۔ ۱۴/۵/۲۸ھ بروز جمعہ سوا پانچ بجے شام۔

(۲۸۴۲/۷) فَاِنْ اَبَوْا اِسْتَعَانُوْا بِاللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ وَحَارَبُوْهُمْ وَنَصَبُوْا عَلَيْهِمُ الْمَجَانِيْقَ وَحَرَّقُوْهُمْ وَاَرْسَلُوْا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ وَقَطَعُوْا اَشْجَارَهُمْ وَاَفْسَدُوْا زُرُوْعَهُمْ.

حل لغات: اَبَوْا: ماضی باب (ف) اباءٌ انکار کرنا۔ المجانیق: واحد مِنجنیق ایک آلہ جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے، سنگباری کی قدیم دستی مشین۔ ارسلو: ماضی (م) ارسال چھوڑنا۔

ترجمہ: اگر وہ انکار کردیں تو اللہ سے مدد مانگ کر ان سے لڑائی کرے اور ان پر منجنیقیں لگادیں اور ان کو جلائیں اور ان پر پانی چھوڑ دیں ان کے درختوں کو کاٹ ڈالیں ان کی کھیتیاں اجاڑ دیں۔

کفار سے تفصیلاً جنگ کے احکام

تشریح: اگر کفار جزیہ دینے سے بھی انکار کردیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ان سے قتال کیا جائے گا اور جنگی حکمت عملی میں ضرورت کے وقت ان پر منجنیقیں نصب کرنا ان کے گھروں کو آگ لگانا ان پر گرم پانی چھوڑنا تاکہ وہ مرجائیں یا مجبور ہوکر ہتھیار ڈال دیں عمارتوں کو گرانا اور درختوں کو کاٹنا اور ان کی کھیتیوں کو اجاڑنا سب جائز ہے، بعض حضرات اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ پھلدار درختوں کو کیوں کاٹا جاتا ہے؟ ان کو نہیں کاٹنا چاہئے، بات دراصل یہ ہے کہ جنگ ایک ایسی حالت ہے کہ اس میں فیصلے ضرورت کے تابع ہوتے ہیں جس وقت جیسی جنگی ضرورت اور مصلحت ہے اس کے مطابق کرنا درست ہے، جب جنگ میں انسان کی جان لی جاسکتی ہے، تو پھل دار درخت کا کاٹنا تو اس سے اہون ہے، اس لئے یہ سب کام جنگ کے دوران جائز ہیں۔

(۲۸۴۳/۸) وَلَا بَأْسَ بِرَمْيِهِمْ وَاِنْ كَانَ فِيْهِمْ مُسْلِمٌ اَسِيْرٌ اَوْ تَاجِرٌ وَاِنْ تَتَرَّسُوْا بِصِبْيَانِ

الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ بِالْاُسَارىٰ لَمْ يَكُفُّوْا عَنْ رَمْيِهِمْ وَيَقْصِدُوْنَ بِالرَّمْيِ الْكُفَّارَ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

حل لغات: رَمْیٌ: تیر پھینکنا۔ اسیر: قیدی جمع اُساریٰ. تترّسوا: ماضی معروف، تترس ڈھال لگانا یا ڈھال سے اپنے آپ کو چھپانا۔ لم یکفوا: نفی جحد بلم کف سے مشتق ہے، نہ رکے۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں ان پر تیر برسانے میں اگرچہ ان میں کوئی مسلمان قیدی یا تاجر ہو اور اگر وہ ڈھال کی طرح کرلیں مسلمانوں کے بچوں یا قیدیوں کو تب بھی نہ رکیں، تیر برسانے سے، اور ارادہ کریں تیر برسانے میں کفار کا نہ کہ مسلمانوں کا۔

تشریح: مسلمان بچوں یا قیدیوں کو کفار نے پکڑ لیا اور ان کو آگے کردیا تاکہ مسلمانوں کے تیر مسلمان بچوں یا قیدیوں کو لگیں اور کفار بچ جائیں ایسی صورت میں بھی مسلمان کفار پر تیر برساتے رہیں اور اس میں کفار کو مارنے کا اردہ کریں تاہم اس سے مسلمان بچے یا قیدی مرجائیں تو گناہ نہیں ہے۔

(۲۸۴۴/۹) وَلَا بَأْسَ بِاِخْرَاجِ النِّسَاءِ وَالْمَصَاحِفِ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ اِذَا كَانُوْا عَسْكَرًا عَظِيْمًا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ وَيُكْرَهُ اِخْرَاجُ ذٰلِكَ فِيْ سَرِيَّةٍ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهَا.

حل لغات: مصاحف: مصحف کی جمع ہے، قرآن کریم۔ عسکر: جمع عساکر: لشکر۔ سریۃ: جمع سرایا دستہ، چھوٹا لشکر جس میں پانچ آدمی سے زیادہ، چار سو تک ہوں اور اہل حدیث کی اصطلاح میں وہ لشکر جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود موجود نہ ہوں بلکہ کسی صحابی کی ماتحتی میں روانہ کیا ہو۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں ہے، عورتوں اور قرآن کو لے جانے میں، مسلمانوں کے ساتھ جب کہ بڑا لشکر ہو، اور ان پر اطمینان ہو اور مکروہ ہے ان کو لے جانا چھوٹے لشکر میں جس میں اطمینان نہ ہو۔

سفر جہاد میں قرآن اور عورتوں کو ساتھ لے جانے کا حکم

تشریح: آدمی سفر میں جاتے وقت اپنی ضرورت کی چیزیں ساتھ لیتا ہے، مسواک، لوٹا، مصلیٰ وغیرہ، اب ظاہر ہے تلاوت قرآن کے لئے مصحف کی ضرورت ہے، تو کیا سفر جہاد میں اپنے ساتھ مصحف لینا چاہئے، اس بارے میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا بڑا لشکر ہو، تو کچھ حرج نہیں اور چھوٹے لشکر میں لے جانا خلاف احتیاط اور مکروہ ہے کہ مبادا دشمن اس کی بے حرمتی نہ کردے۔

اسی پر عورتوں کو ساتھ لے جانے کو بھی قیاس کرلیں یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں عورتوں کو ساتھ نہیں لے گئے کیونکہ وہاں توہین کا خطرہ تھا، اور جنگ احد میں عورتیں شریک ہوئیں کیونکہ وہ مدینہ سے قریب ہوئی وہاں کوئی خوف وخطرہ نہ تھا۔

(۲۸۴۵/۱۰) وَلَا تُقَاتِلُ الْمَرْأَةُ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا وَلَا الْعَبْدُ اِلَّا بِاِذْنِ سَيِّدِهِ اِلَّا اَنْ يَهْجُمَ الْعَدُوُّ.

ترجمہ: اور نہ قتال کرے عورت مگر شوہر کی اجازت سے اور نہ غلام مگر آقاء کی اجازت سے الا یہ کہ اچانک چڑھ آئیں دشمن۔

تشریح: کفار نے اچانک مسلمانوں پر حملہ کر دیا تو اپنی اور اپنی قوم کے دفاع کے لئے بغیر شوہر کی اجازت کے عورت قتال کرے گی، اور غلام بھی بغیر آقاء کی اجازت کے قتال کرے گا البتہ عام حالات میں عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اور غلام آقاء کی اجازت کے بغیر جہاد میں نہ جائے۔

(۱۱/۲۸۴۶) وَيَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِيْنَ اَنْ لَّايَغْدِرُوْا وَلَا يَغُلُّوْا وَلَا يُمَثِّلُوْا وَلَا يَقْتُلُوْا امْرَأَةً وَلَا صَبِيًّا وَلَا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا اَعْمٰى وَلَا مُقْعَدًا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ اَحَدُ هٰؤُلَاءِ مِمَّنْ يَكُوْنُ لَهٗ رَأْىٌ فِي الْحَرْبِ اَوْ تَكُوْنَ الْمَرْأَةُ مَلِكَةً وَلَا يَقْتُلُوْا مَجْنُوْنًا.

حل لغات: یغدر: فعل مضارع باب (ن، ض، س) غدراً و غدراناً عہد توڑنا۔ یغلوا: فعل مضارع باب (ن) غُلُوْلاً مال غنیمت سے چوری کرنا۔ یمثلوا باب (ن، ض) مثلاً و مثلۃً ناک کان وغیرہ کاٹنا۔ ملکۃ: باب ضرب کا مصدر ہے، مالک ہونا۔

ترجمہ: اور مسلمانوں کو چاہئے کہ عہد نہ توڑیں نہ خیانت کریں نہ مثلہ کریں اور نہ عورت کو قتل کریں نہ بچہ کو، نہ بالکل بوڑھے کو نہ اندھے نہ اپاہج کو مگر یہ کہ ہو ان میں سے کوئی صاحب رائے جنگی معاملات میں، یا ہو عورت رانی اور نہ قتل کریں دیوانے کو۔

میدان کارزار میں کن کو قتل کرنا جائز نہیں؟

تشریح: مسلمانوں کے لئے مناسب ہے، کہ وعدہ کرنے کے بعد کفار سے عہد و پیمان نہ توڑیں، امانت میں خیانت نہ کریں، قیدیوں کے ناک کان نہ کاٹیں اسی طرح عورتوں، بچوں اور شیخ فانی ان سب کو قتل کرنا جائز نہیں فقہاء احناف نے اس کی تصریح کی ہے، مگر بعض صورتوں میں ان کا قتل جائز ہے، وہ یہ کہ عورت یا بچہ قتال میں شریک ہو یا وہ عورت مشرکین کی ملکہ ہو ایسے ہی وہ شیخ فانی جو جنگ کے معاملہ میں تجربہ کار صاحب رائے ہو اس لئے کہ منقول ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا درید بن الصمۃ کے قتل کا غزوۂ حنین میں اس کے ذی رائے ہونے کی وجہ سے حالانکہ اس کی عمر ایک سو ساٹھ سال تھی اسی طرح اندھا، اپاہج، دیوانہ ان کو بھی قتل نہ کرے کیونکہ سب معذور ہیں۔

(۱۲/۲۸۴۷) وَاِنْ رَأَى الْاِمَامُ اَنْ يُّصَالِحَ اَهْلَ الْحَرْبِ اَوْ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ وَكَانَ فِيْ ذٰلِكَ مَصْلِحَةٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ فَلَا بَأْسَ بِهٖ.

ترجمہ: اور اگر مصلحت سمجھے امام اہل حرب یا ان کی کسی جماعت سے صلح کرنے میں اور ہو اس میں بہتری مسلمانوں کی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

کفار سے صلح کرنے کا بیان

تشریح: اگر مسلمانوں کے حق میں کفار سے مصالحت کرنا بہتر ہو تو صلح کر لینا جائز ہے، اگرچہ صلح مال پر ہو یعنی ان سے مال لے کر یا ان کو مال دے کر ہر صورت سے صلح کرنا جائز ہے، اور اگر مصلحت نہ ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔

(۲۸۴۸/۱۳) فَاِنْ صَالَحَهُمْ مُدَّةً ثُمَّ رَاىٰ اَنَّ نَقْضَ الصُّلْحِ اَنْفَعُ نَبَذَ اِلَيْهِمْ وَقَاتَلَهُمْ.

لغت: نبذ الیهم: اس کا لفظی ترجمہ ہے، ان کی طرف پھینکنا اور محاوری ترجمہ ہے عہد کو دشمن کی جانب پھینک دینا یعنی عہد توڑ دینا۔

ترجمہ: اگر صلح کرلے ان سے ایک مدت کیلئے پھر سمجھے صلح توڑنا زیادہ نفع بخش تو صلح توڑ کر ان سے لڑے۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ ایک متعینہ مدت کے لئے صلح کر لی تھی پھر اگر مسلمانوں کے حق میں صلح کو توڑنا بہتر ہو تو توڑ دینا بھی درست ہے، اب اگر صلح کی مدت ابھی باقی ہو تو نقض صلح کا اعلان کر دیا جائے گا، تاکہ عہد شکنی جو کہ حرام ہے، لازم نہ آئے، قال اللّٰہ تعالی واماتخافن من قوم خیانة فانبذ الیهم علی سواء (کسی قوم سے خیانت کا خوف ہو تو آمنے سامنے صلح توڑ دو) اور اگر صلح کی مدت گذر چکی ہو تو پھر اعلان کی ضرورت نہیں کیونکہ صلح خود ہی باطل ہو گئی۔

(۲۸۴۹/۱۴) فَاِنْ بَدَؤُا بِخِيَانَةٍ قَاتَلَهُمْ وَلَمْ يَنْبِذْ اِلَيْهِمْ اِذَا كَانَ ذٰلِكَ بِاتِّفَاقِهِمْ.

ترجمہ: اگر وہ پہلے خیانت کرے تو ان سے جنگ کرے اور نقض عہد کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے جب کہ ہو یہ ان سب کے اتفاق سے۔

تشریح: کفار کے ساتھ صلح کا معاملہ تھا لیکن ان سب نے مل کر عہد توڑ دیا تو نقض صلح کا اعلان کئے بغیر ان سے قتال کیا جائے گا کیونکہ وہ لوگ خود نقض عہد کو توڑنے والے ہو گئے۔

(۲۸۵۰/۱۵) وَاِذَا خَرَجَ عَبِيْدُهُمْ اِلَى عَسْكَرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَهُمْ اَحْرَارٌ.

ترجمہ: اور جب نکل آئیں ان کے غلام مسلمانوں کے لشکر میں تو وہ آزاد ہیں۔

تشریح: اگر کفار کے غلام مسلمان ہو کر مسلمانوں کے لشکر میں آجائیں تو وہ آزاد ہو جائیں گے کیونکہ مقام طائف کے کچھ غلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر آئے تو آپ نے ان کی آزادی کا فیصلہ کیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد شدہ ہیں۔

(۲۸۵۱/۱۶) وَلَا بَأْسَ اَنْ يَعْلِفَ الْعَسْكَرُ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ وَيَأْكُلُوْا مَا وَجَدُوْهُ مِنَ الطَّعَامِ

وَيَسْتَعْمِلُوْا الْحَطَبَ وَيَدَّهِنُوْا بِالدُّهْنِ وَيُقَاتِلُوْا بِمَا يَجِدُوْنَهُ مِنَ السِّلَاحِ كُلُّ ذٰلِكَ بِغَيْرِ قِسْمَةٍ.

حل لغات: یعلف: فعل مضارع باب (ض) علفا جانور کو چارہ کھلانا۔ یدهنوا: (م) ادّهان، تیل لگانا۔ الدهن: تیل اس سے وہ تیل مراد ہے جو کھایا جاتا ہے جیسے زیتون کا تیل۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں کہ چارہ کھلائے لشکر دار الحرب میں اور کھالیں وہ جو پائیں کھانے سے اور کام میں لائیں ایندھن اور استعمال کریں تیل اور قتال کریں اس سے جو پائیں ہتھیار یہ سب تقسیم کئے بغیر۔

تقسیم کرنے سے قبل مالِ غنیمت استعمال کرنے کا حکم

تشریح: مجاہدین دار الحرب میں چارہ، کھانا، لکڑی، تیل، ہتھیار وغیرہ تقسیم سے قبل عند الضرورت بقدر ضرورت استعمال کر سکتے ہیں، لیکن اگر کھانے پینے کی چیزوں میں کمی اور تنگی ہو تو پھر تقسیم سے قبل کسی کو بھی نہیں لینا چاہئے اور ہتھیار اگر حرب اور قتال کی ضرورت سے استعمال کئے جا رہے ہیں ہوں تو جائز ہے استعمال کر سکتے ہیں۔

(۲۸۵۲/۱۷) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّبِيْعُوْا مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا وَلَا يَتَمَوَّلُوْنَهُ.

لغت: لَا يَتَمَوَّلُوْنَهُ: تمول سے مشتق ہے اپنے لئے جمع کرنا۔

ترجمہ: اور جائز نہیں یہ کہ بیچیں ان میں سے کوئی چیز اور نہ اپنے لئے ذخیرہ کریں۔

تقسیم سے قبل مالِ غنیمت کی بیع

تشریح: مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے بقدر ضرورت استعمال تو کر سکتا ہے اس میں سے اگر چہ کچھ مقدار بچ جائے کھانے کی تو اس کو اسی جگہ یعنی دار الحرب میں فروخت کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے کسی شئ کی بیع تقسیم سے پہلے خواہ وہ طعام یا غیر طعام جائز نہیں اور اگر کسی نے بیع کی تو ثمن کی واپسی مال غنیمت کی جانب بالاتفاق واجب ہے۔

(۲۸۵۳/۱۸) وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْهُمْ اَحْرَزَ بِاِسْلَامِهٖ نَفْسَهٗ وَاَوْلَادَهُ الصِّغَارَ وَكُلَّ مَالٍ هُوَ فِيْ يَدِهٖ اَوْ وَدِيْعَةٌ فِيْ يَدِ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّيٍّ.

حل لغات: احرز: فعل ماضی (م) احرازا محفوظ کرنا۔ اولادہ الصغار: اس کا عطف نفسہ پر ہے، ودیعة: مرفوع ہے، ھو، ضمیر پر عطف کی وجہ سے یا پھر منصوب ہے کُلَّ پر عطف کی وجہ سے۔

ترجمہ: اور جو اسلام لائے ان میں سے تو محفوظ کرلے گا اسلام کی وجہ سے اپنی جان اپنی چھوٹی اولاد اور ہر اس مال کو جو اس کے قبضہ میں ہے یا کسی مسلمان یا ذمی کے پاس امانت ہے۔

تشریح: دار الحرب میں کفار مسلمان ہو جائیں تو وہ خود بھی آزاد ہو جائیں گے، اور ان کی چھوٹی اولاد بھی آزاد سمجھی جائے گی اور قتل وغیرہ سے محفوظ ہو جائیں گے اور وہ مال جو ان کے قبضہ میں ہے، یا کسی مسلمان یا ذمی کے پاس بطور امانت ہے وہ مال غنیمت نہ ہوگا بلکہ انہیں کو دے دیا جائے گا البتہ جو مال کسی حربی کے قبضہ میں ہو وہ مال غنیمت شمار کیا جائے گا۔

(۲۸۵۴/۱۹) فَاِنْ ظَهَرْنَا عَلَى الدَّارِ فَعَقَارُهُ فَيْءٌ وَزَوْجَتُهُ فَيْءٌ وَحَمْلُهَا فَيْءٌ وَاَوْلَادُهُ الْكِبَارُ فَيْءٌ.

ترجمہ: اگر غالب آجائیں ہم اس کے گھر پر تو اس کی زمین اس کی بیوی، اس کا حمل، اور اس کی بالغ اولاد سب مال غنیمت ہے۔

تشریح: حربی مسلمان ہو جائے تو اس کی جان اس کا منقول مال اور چھوٹی اولاد تو محفوظ ہو جائیں گے لیکن اس کی زمین جو دار الحرب میں ہے وہ محفوظ نہیں ہوگی، بلکہ اگر دار الحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا تو وہ زمین مال غنیمت میں شمار ہوگی، اس کی بیوی اگر ابھی تک کافرہ ہے تو وہ بھی مال غنیمت میں شمار ہوگی اس بیوی کے پیٹ میں جو حمل ہے وہ بھی ماں کے تابع ہو کر مال غنیمت میں شمار ہوگا اور اس کی بالغ اولاد بھی مال غنیمت میں شمار ہوگی۔

(۲۸۵۵/۲۰) وَلَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُبَاعَ السِّلَاحُ مِنْ اَهْلِ الْحَرْبِ وَلَا يُجَهَّزَ اِلَيْهِمْ.

لغت: لاینبغی: یہ یحرم کے معنی میں ہے۔ يُجَهَّزُ: فعل مضارع باب (تفعیل) (م) تجهیز سامان مہیا کرنا۔

ترجمہ: اور مناسب نہیں ہے (حرام ہے) یہ کہ بیچے جائیں ہتھیار اہل حرب کے ہاتھ اور نہ لیجایا جائے ان کے یہاں اسباب۔

کیا لڑائی کے دوران ہتھیار دار الحرب کی طرف بھیج سکتے ہیں؟

تشریح: جب جنگ چل رہی ہو تو ایسے حالات میں دار الحرب کی طرف کسی طرح اسلحہ کو بھیجنا، اما بطریق البیع کہ دار الحرب جانے والے کے ہاتھ کوئی مسلمان ہتھیار فروخت کرے او بطریق الهبة والمبادلة ایسا کرنا حنفیہ کے یہاں جائز نہیں، کیونکہ ان ہتھیاروں سے وہ مسلمانوں سے جنگ کریں گے تو ہتھیار بھیج کر ان کو مسلمانوں کے خلاف طاقت ور بنانا ہے، جو کہ جائز نہیں۔

(۲۱/۲۸۵۶) وَلَا يُفَادىٰ بِالْاُسَارىٰ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالىٰ يُفَادىٰ بِهِمْ اُسَارىٰ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا يَجُوْزُ الْمَنُّ عَلَيْهِمْ.

حل لغات: يفادىٰ: مضارع مجہول مفاداةً مصدر ہے، مال وغیرہ لے کر چھوڑ دینا۔ اساریٰ: اسیر کی جمع ہے قیدی۔ المن: احسان کرنا۔

ترجمه: اور نہ چھوڑا جائے قیدیوں کے بدلہ امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ رہا کر دیا جائے مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں اور جائز نہیں ان پر احسان کرنا۔

کیا کفار قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر سکتے ہیں؟

تشریح: فداء کی دو قسمیں ہیں: (۱) فداء الاسیر بالمال یعنی کافر قیدی کو مال لے کر چھوڑ دینا۔ (۲) فداء الاسیر بالاسیر یعنی مسلمان قیدی کے بدلہ میں جو کفار کے ہاں پھنسا ہوا ہے کافر قیدی کو چھوڑنا، حنفیہ کی ظاہر الروایت میں تو دونوں صورتیں ناجائز اور منسوخ ہیں اور صاحبین کے نزدیک دوسری قسم جائز ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو کافر قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کو از راہ احسان بغیر کسی معاوضہ کے رہا کر دینا جائز نہیں کیونکہ فتح کے بعد مجاہدین ان کے حقدار ہو گئے تو اب مفت چھوڑ دینے میں ان کی حق تلفی ہے۔

(۲۲/۲۸۵۷) وَاِذَا فَتَحَ الْاِمَامُ بَلْدَةً عَنْوَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ وَاِنْ شَاءَ اَقَرَّ اَهْلَهَا عَلَيْهَا وَوَضَعَ عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ وَعَلىٰ اَرَاضِيْهِمُ الْخَرَاجَ.

حل لغات: عنوة: عنا يعنو عنوةً زبردستی لے لینا۔ غانمین: غانم کی جمع ہے، غنیمت حاصل کرنے والے، مجاہدین۔ خراج: زمین کا ٹیکس، وہ روپیہ جو والی ریاست بادشاہ کو دے۔

ترجمه: اور جب فتح کرے امام کسی شہر کو طاقت سے تو اسے اختیار ہے اگر چاہے اسے تقسیم کر دے مجاہدین میں، اور اگر چاہے ان کے باشندوں کو برقرار رکھ کر ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دے۔

تشریح: جس شہر کو حاکم مسلم بطور غلبہ فتح کرے اس کے متعلق اس کو اختیار ہے چاہے خمس نکال کر باقی کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں کیا تھا اس صورت میں وہ زمین مجاہدوں کی مملوک ہو جائے گی اور اس میں عشر ہوگا اور چاہے وہاں کے کافروں کو بطور احسان برقرار رکھے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے عراق میں کیا تھا کہ ان کے گھروں اور زمینوں کو انہیں کے تصرف میں رکھا اس صورت میں ان پر جزیہ اور خراج مقرر کیا جائے گا۔

(۲۳/۲۸۵۸) وَهُوَ فِي الْاُسَارىٰ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَرَقَّهُمْ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهُمْ

اَحْرَاراً ذِمَّةً لِلْمُسْلِمِیْنَ وَلَا یَجُوْزُ اَنْ یَّرُدَّهُمْ اِلٰی دَارِ الْحَرْبِ.

ترجمہ: اور قیدیوں کے بارے میں اختیار ہے اگر چاہے انہیں قتل کردے اور اگر چاہے انہیں غلام بنالے اور اگر چاہے چھوڑ دے انہیں ذمی بنا کر آزاد مسلمانوں کے لئے اور یہ جائز نہیں کہ انہیں دار الحرب کی طرف جانے دے۔

تشریح: جن کافر قیدیوں کو قید کرلیا گیا ان کے متعلق امام کو تین اختیار ہیں (۱) اگر بہت شریر ہوں تو ان کو قتل کردے تا کہ ان کی شرارت سے بچ سکیں۔ (۲) چاہے ان کو غلام بنا کر رکھے کیونکہ اس صورت میں دفع شر کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کامل منفعت ہے۔ (۳) چاہے ان کو آزاد ذمی بنا کر چھوڑ دے جیسا کہ حضرت عمر نے کیا تھا بشرطیکہ وہ مشرکین عرب اور مرتدین نہ ہو کہ ان کا ذمی ہونا جائز نہیں، آگے فرماتے ہیں کہ ان کافر قیدیوں کو یوں ہی دار الحرب کی جانب واپس کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ پھر وہ اور مضبوط ہو جائیں گے اور دوبارہ جنگ کریں گے۔

(۲۸۵۹/۲۴) وَاِذَا اَرَادَ الْاِمَامُ الْعَوْدَ اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ وَمَعَهُ مَوَاشٍ فَلَمْ یَقْدِرْ عَلٰی نَقْلِهَا اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ ذَبَحَهَا وَحَرَّقَهَا وَلَا یَعْقِرُهَا وَلَا یَتْرُكُهَا.

حل لغات: مواش: ماشیة کی جمع ہے، مویشی (بیل، بکری، اونٹ)۔

یعقر: فعل مضارع، باب (ض) عقراً کونچیں کاٹنا۔ ایڑی کے اوپر سے پاؤں کے پٹھے کاٹنا قدم کاٹ ڈالنا، لولا بنادینا۔

ترجمہ: اور جب واپس آنا چاہے امام دار الاسلام کی طرف اور اس کے ساتھ مویشی ہوں جن کو نہ لا سکے دار الاسلام میں تو ان کو ذبح کر کے جلادے نہ کونچیں کاٹے نہ یوں ہی چھوڑے۔

کفار کے جانوروں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟

تشریح: اگر مال غنیمت میں کچھ مویشی ہوں اور ان کو دار الاسلام میں لانا مشکل ہو تو ان کو ذبح کر کے جلادیا جائے تا کہ حربی اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ذبح بھی نہ کرے بلکہ بغیر ذبح کئے دار الحرب میں ہی چھوڑ دیئے جائیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے علاوہ کسی اور غرض سے بکری کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ کسی غرض صحیح کے پیش نظر جانور کو ذبح کرنا جائز ہے اور دشمن کی شان وشوکت توڑنے سے زیادہ صحیح غرض اور کیا ہو سکتی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ جانور کی کونچیں بھی نہ کاٹے کہ یہ مثلہ ہے اور مثلہ حرام ہے اور ان کو ویسے ہی نہ چھوڑے کیونکہ کفار فائدہ اٹھائیں گے۔

(۲۸۶۰/۲۵) وَلَا یُقَسِّمُ غَنِیْمَةً فِیْ دَارِ الْحَرْبِ حَتّٰی یُخْرِجَهَا اِلٰی دَارِ الْاِسْلَامِ.

ترجمہ: اور تقسیم نہ کرے غنیمت دار الحرب میں یہاں تک کہ نکال لائے اس کو دار الاسلام میں۔

تشریح: دار الحرب میں مال غنیمت تقسیم کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ امام کے پاس بار برداری کا کوئی انتظام نہ ہو اور اس غرض سے وہ بطور امانت مجاہدین پر تقسیم کردے تا کہ اس بہانے سے وہ دار الاسلام میں پہنچ جائے اور وہاں پھر از سر نو تقسیم ہو تو جائز ہے۔

(۲۸۶۱/۲۶) وَالرِّدْءُ وَالْمُقَاتِلُ فِي الْعَسْكَرِ سَوَاءٌ.

حل لغت مع ترکیب: ردء: راء کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ مددگار اور راء کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے، ردء مبتدا ہے، اور 'المقاتل' اس پر عطف ہے، اور 'فی العسکر' دونوں کا ظرف واقع ہے، سواء، خبر ہے، قیاس کے اعتبار سے، سَوَاءَ ان، آنا چاہئے تھا لیکن مفرد کے ساتھ بھی مستعمل ہے۔

ترجمہ: مددگار اور قتال کرنے والا لشکر میں برابر ہے۔

تشریح: کچھ مجاہدین باقاعدہ جنگ کر رہے ہیں اور کچھ ان کی مدد کر رہے ہیں تو مال غنیمت میں دونوں کا حصہ برابر ہے، کیونکہ جنگ میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض لڑتے ہیں اور بعض ان کی مدد کرتے ہیں۔

(۲۸۶۲/۲۷) وَإِذَا لَحِقَهُمُ الْمَدَدُ فِي دَارِ الْحَرْبِ قَبْلَ أَنْ يُخْرِجُوا الْغَنِيمَةَ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ شَارَكُوهُمْ فِيهَا.

لغت: المدد: کمک، وہ فوج جو لڑائی میں مدد کے لئے بھیجی جائے۔

ترجمہ: اور جب پہنچے ان کو مدد دار الحرب میں قبل اس کے کہ لائیں وہ غنیمت دار الاسلام میں تو کمک والے شریک ہوں گے غنیمت میں۔

تشریح: ایک لشکر پہلے سے دار الحرب میں جنگ کر رہا تھا جنگ ختم ہونے کے بعد مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے مجاہدین کی دوسری جماعت ان کی مدد کے لئے پہنچ گئی تو ان کو بھی مال غنیمت میں برابر کا حصہ ملے گا۔

(۲۸۶۳/۲۸) وَلَا حَقَّ لِأَهْلِ سُوقِ الْعَسْكَرِ فِي الْغَنِيمَةِ إِلَّا أَنْ يُقَاتِلُوا.

لغت: اهل السوق: بازار والے دوکاندار۔

ترجمہ: اور کوئی حق نہیں لشکر کے بازار والوں کا غنیمت میں مگر یہ کہ وہ بھی قتال کریں۔

تشریح: لشکر میں جو لوگ بازاری ہوں ان کو مال غنیمت میں حصہ نہیں ملے گا کیونکہ ان کا وہاں جانا قتال کی نیت سے نہیں ہے بلکہ اپنی دوکان لگا کر تجارت کرنا ہے، ہاں اگر وہ کفار سے قتال کریں تو بے شک شریک ہوں گے۔

(۲۸۶۴/۲۹) وَإِذَا أَمَنَ رَجُلٌ حُرٌّ وَامْرَأَةٌ حُرَّةٌ كَافِرًا أَوْ جَمَاعَةً أَوْ أَهْلَ حِصْنٍ أَوْ مَدِينَةٍ صَحَّ

اَمَانُهُمْ وَلَمْ يَجُزْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَتْلُهُمْ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ ذٰلِكَ مَفْسَدَةٌ فَيَنْبِذُ اِلَيْهِمُ الْاِمَامُ.

ترجمہ: اور جب امن دے دے آزاد مرد یا آزاد عورت کسی کافر کو یا ایک جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو تو صحیح ہے ان کا امن دینا اور اب جائز نہ ہوگا کسی مسلمان کے لئے ان کو قتل کرنا مگر یہ کہ اس میں کوئی خرابی ہو تو امام ان کے امن کو توڑ دے۔

مشرکین کو امن دینے کا بیان

تشریح: اگر کوئی مسلمان آزاد مرد، یا آزاد عورت کسی کافر کو یا ان کی ایک جماعت کو یا اہل قلعہ کو یا اہل شہر کو امان دے دے تو سارے مسلمانوں کی جانب سے امن سمجھا جائے گا اب کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کو قتل کرے پھر امن دینے والے کا عادل ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ اگر امن دینے والا فاسق یا نابینا، یا شیخ فانی ہو یا وہ بچہ اور غلام ہو جن کو لڑنے کی اجازت ہو تو ان کا امن دینا بھی صحیح ہے، ہاں اگر امن دینے میں کوئی خرابی ہو تو امام باضابطہ ان کے امن کو توڑ سکتا ہے پھر اس کے ساتھ جو معاملہ ہو کیا جائے۔

(۲۸۶۵/۳۰) وَلَا يَجُوْزُ اَمَانُ ذِمِّيٍّ وَلَا اَسِيْرٍ وَلَا تَاجِرٍ يَدْخُلُ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور جائز نہیں ذمی، قیدی، اور ایسے تاجر کا امن دینا جو ان کے یہاں جاتا ہو۔

تشریح: دارالاسلام میں کوئی کافر جزیہ دے کر مستقل رہتا ہے وہ ذمی ہے اس نے کسی حربی کافر کو امن دے دیا تو امن دینا باطل ہے، کیونکہ مسلمانوں پر ذمی کو کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، اسی طرح کوئی مسلمان ان کے ہاتھوں میں قید ہو اور وہ کسی حربی کو امان دے دے تو اس کے امان کا بھی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ وہ خود ان کی امان میں ہے، یا مسلمان تجارت کرنے کے لئے دارالحرب جاتا ہو وہ تاجران سے متاثر ہو کر یا سامان چھیننے کے خوف سے امن دے دے تو اس کا امن دینا بھی درست نہیں ہے۔

(۲۸۶۶/۳۱) وَلَا يَجُوْزُ اَمَانُ الْعَبْدِ الْمَحْجُوْرِ عَلَيْهِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا اَنْ يَّأْذَنَ لَهُ مَوْلَاهُ فِي الْقِتَالِ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يَصِحُّ اَمَانُهُ.

ترجمہ: اور جائز نہیں مجور علیہ (جس کو قتال کی اجازت نہ ہو) غلام کا امن دینا امام صاحبؒ کے نزدیک مگر یہ کہ اجازت دے دے اس کا آقا اس کو لڑنے کی اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ اس کا امن دینا صحیح ہے۔

تشریح: جس غلام کو قتال کی اجازت نہیں اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں ہے، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صحیح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **ذمة المسلمين واحدة يسعى بها ادناهم.** سب مسلمانوں کا

ذمہ ایک ہے ادنی آدمی بھی اس کو پوری کرنے کی کوشش کریگا امام صاحب فرماتے ہیں کہ معنوی حیثیت سے امان دینا بھی جہاد ہے، اور غلام قتال سے روک دیا گیا ہے، تو وہ امان کے سلسلہ میں بھی مجور ہوگا۔

(۳۲/۲۸۶۷) وَاِذَا غَلَبَ التُّرْكُ عَلَى الرُّوْمِ فَسَبُوْهُم وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ مَلَكُوْهَا.

حل لغات: الترك: ترکی کی جمع ہے، ایک ملک ہے جو پہلے دار الحرب تھا اب دار الاسلام ہو گیا ہے۔
روم: رومی کی جمع ہے، ایک ملک کا نام ہے جو ابھی تک دار الحرب ہے، متن میں کفار ترک اور کفار رومی مراد ہیں۔
ترجمہ: اور جب غالب آجائیں ترکی رومیوں پر پھر ان کو قید کرلیں اور ان کا مال لے لیں تو وہ مالک ہو جائیں گے۔

غلبۂ کفار کا بیان

تشریح: چونکہ زمانہ سابق میں ترکستان دار الحرب تھا اس اعتبار سے صاحب کتاب کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک دار الحرب کے لوگ دوسرے دار الحرب کے لوگوں پر غالب آجائیں اور ان کو قید کرلیں اور ان کے مال پر قبضہ کرلیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے اسی طرح رومی ترکیوں پر غالب آجائیں تو بھی یہی حکم ہے۔

(۳۳/۲۸۶۸) وَاِنْ غَلَبْنَا عَلَى التُّرْكِ حَلَّ لَنَا مَانَجِدُهُ مِنْ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور اگر ہم غالب آجائیں ترکیوں پر تو حلال ہوگا ہمارے لئے جو کچھ ہم پائیں اس میں سے۔
تشریح: اہل اسلام نے حملہ کرکے ترکیوں پر غلبہ حاصل کرلیا تو ترک والوں کا مال جو ہمارے ہاتھ میں آئے ہم اس کے مالک بن جائیں گے کیونکہ وہ سب مال غنیمت ہے، اور مال غنیمت مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے اس لئے ترکیوں کا اپنا مال ہو یا وہ مال ہو جو انہوں نے رومیوں سے حاصل کیا ہے، دونوں پر مسلمانوں کی ملکیت ہو جائے گی۔

(۳۴/۲۸۶۹) وَاِذَا غَلَبُوْا عَلٰى اَمْوَالِنَا وَاَحْرَزُوْهَا بِدَارِهِمْ مَلَكُوْهَا.

لغت: احرز: جمع کرنا ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال لے جانا۔
ترجمہ: اور اگر وہ ہمارے مال پر غالب آجائیں اور دار الحرب میں لے جائیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے۔
تشریح: کافر اگر مسلمان کے مال پر تسلط اور غلبہ پا کر اس کو اپنے قبضہ میں کرلے تو امام شافعیؒ کے نزدیک کافر اس مال کا مالک نہ ہوگا کیونکہ کافر کا مسلمان کے مال پر غلبہ حاصل کرکے اس کو دار الحرب میں محفوظ کرلینا فعل حرام ہے، اور مال کا مالک ہونا امر مشروع اور نعمت ہے اور فعل حرام کسی امر مشروع کا سبب نہیں ہوتا ہے اس لئے مسلمان کے مال پر

غلبہ پانے کی وجہ سے کافر اس مال کا مالک نہ ہوگا، ہمارے نزدیک اسی قبضہ کی وجہ سے کافر مسلمان کے مال کا مالک ہوجائے گا، کیونکہ مہاجرین جو مکۃ المکرمہ میں مالدار تھے اپنا مال مکہ میں چھوڑ کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے اور مدینہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے ان کو فقراء کہا گیا ہے، اس لئے کہ ان کا جو مال مکہ میں رہ گیا تھا اس پر کفار مکہ نے قبضہ کرلیا تھا اور قبضہ پانے کی وجہ سے وہ اس کے مالک ہوگئے تھے، پس اگر کفار مکہ مسلمانوں کے مال پر تسلط پانے کے باجود اس کے مالک نہ ہوتے بلکہ مسلمان ہی اس کے مالک رہتے تو محض ہجرت کرنے سے ان کو فقراء نہ کہا جاتا مہاجرین کو فقراء کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ کفار مکہ مسلمانوں کے مال پر تسلط پاکر اس کے مالک ہوگئے ہیں۔ (نور الانوار)

(۲۸۷۰/۳۵) فَاِنْ ظَهَرَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُوْنَ فَوَجَدُوْهَا قَبْلَ الْقِسْمَةِ فَهِيَ لَهُمْ بِغَيْرِ شَيْءٍ وَاِنْ وَجَدُوْهَا بَعْدَ الْقِسْمَةِ اَخَذُوْهَا بِالْقِيْمَةِ اِنْ اَحَبُّوْا.

ترجمہ: پھر اگر اس پر مسلمان غالب آجائیں اور وہ مال پائیں تقسیم سے پہلے تو وہ انہیں کا ہے بغیر کسی عوض کے اور اگر پائیں اس کو تقسیم کے بعد تو لیں اسے قیمت کے بدلہ اگر چاہیں۔

تشریح: کافروں نے مسلمانوں کے مال پر قبضہ کرلیا تھا اب مسلمانوں نے دوبارہ حملہ کر کے مال واپس لے لیا تو اس بات پر تو سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر تقسیم غنیمت سے پہلے یہ معلوم ہوجائے کہ اس میں فلاں چیز فلاں مسلمان کی ہے، تو اس صورت میں اس مال کو اس مسلم کی جانب واپس کردیا جائے گا اور اس کے بدلہ اس سے کچھ نہیں لیا جائے گا اور اگر اس بات کا علم تقسیم غنیمت کے بعد ہو تو اس صورت میں حنفیہ ومالکیہ کہتے ہیں کہ تقسیم ہو کر جس کے قبضہ میں گیا اس کو قیمت دے کر اپنی چیز لے، اور اگر قیمت دے کر نہ لینا چاہے تو نہ لے، اور شوافع کے نزدیک بعد القسمۃ بھی اس مسلم کی جانب واپس کردیا جائے گا ان کے نزدیک اس مال کو مال غنیمت قرار دینا ہی صحیح نہیں۔

(۲۸۷۱/۳۶) وَاِنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِرٌ فَاشْتَرىٰ ذٰلِكَ فَاَخْرَجَهُ اِلىٰ دَارِ الْاِسْلَامِ فَمَالِكُهُ الْاَوَّلُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَخَذَهُ بِالثَّمَنِ الَّذِيْ اشْتَرَاهُ بِهِ التَّاجِرُ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَهُ.

ترجمہ: اور اگر داخل ہوا دار الحرب میں کوئی تاجر اور وہ مال خرید کر دار الاسلام میں لے آیا تو اس کے پہلے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے لے اس قیمت کے بدلہ جس سے خریدا ہے تاجر نے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

تشریح: حربی کافر مسلمانوں کا مال دار الحرب لے گئے اگر کوئی تاجر اس مال کو حربیوں سے خرید کر دار الاسلام لے آیا تو مالک اول کو دو اختیار ہیں (۱) جتنی قیمت دے کر تاجر لایا ہے اتنی قیمت تاجر کو دے کر اپنا مال لے لے۔ (۲) اگر قیمت دے کر لینا نہیں چاہتا ہے تو چھوڑ دے، کیونکہ تاجر سے مفت لینے میں اس کا نقصان ہے۔

(۲۸۷۲/۳۷) وَلَا يَمْلِكُ عَلَيْنَا اَهْلُ الْحَرْبِ بِالْغَلَبَةِ مُدَبَّرِيْنَا وَاُمَّهَاتِ اَوْلَادِنَا وَمُكَاتَبِيْنَا

وَاَحْرَارَنَا وَنَمْلِكُ عَلَيْهِمْ جَمِيعَ ذٰلِكَ.

ترجمه: اور مالک نہیں ہوں گے اہل حرب ہم پر غالب آکر ہمارے مدبروں اور ام ولدوں مکاتبوں اور آزادوں کے اور ہم ان سب کے مالک ہوجائیں گے۔

تشریح: دونوں مسئلوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ غلبہ سے ملکیت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب وہ مباح مال پر ہو اور آزاد آدمی مباح مال نہیں بلکہ وہ آزادی کی وجہ سے معصوم ہوتا ہے نیز مکاتب وغیرہ میں بھی ایک قسم کی آزادی ہوتی ہے لہٰذا یہ غلام نہیں ہوسکتے اور ان کے مکاتب وغیرہ ہمارے لئے مباح ہیں اور مباح پر غلبہ حاصل ہونا سبب ملک ہے تو ہم مالک ہوجائیں گے۔

(۳۸/۲۸۷۳) وَاِذَا اَبَقَ عَبْدُ الْمُسْلِمِ فَدَخَلَ اِلَيْهِمْ فَاَخَذُوْهُ لَمْ يَمْلِكُوْهُ عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا مَلَكُوْهُ.

ترجمه: اور جب بھاگ جائے مسلمان کا غلام پھر چلا جائے ان کے یہاں اور وہ اسے پکڑلیں تو وہ اس کے مالک نہ ہوں گے امام صاحبؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبینؒ نے کہ مالک ہوجائیں گے۔

تشریح: اگر کسی مسلمان کا غلام کفار کی طرف از خود بھاگ کر چلا جائے اور کفار اسے پکڑلیں تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ کفار اس کے مالک نہیں ہوتے بظاہر اس وجہ سے کہ یہاں استیلاء کہاں پایا گیا اس لئے کہ وہ غلام تو از خود بھاگ کر گیا تھا لہٰذا استیلاء کا ضابطہ اس پر نافذ نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک کفار اس قسم کے غلام کے مالک ہوجاتے ہیں جس طرح اور دوسری قسم کے مال کے مالک ہوجاتے ہیں۔

(۳۹/۲۸۷۴) وَاِنْ نَدَّ اِلَيْهِمْ بَعِيْرٌ فَاَخَذُوْهُ مَلَكُوْهُ.

لغت: نَدَّ: ماضی باب (ض) نَدًّا اونٹ کا بدک کر بھاگ جانا۔

ترجمه: اور اگر کوئی اونٹ بدک کر ان کے یہاں چلا جائے اور وہ اسے پکڑلیں تو وہ مالک ہوجائیں گے۔

تشریح: جنگ کے دوران مسلمانوں کا کوئی اونٹ بدک کر کفار کی جانب چلا گیا تو وہ اس کے مالک ہوجائیں گے۔

(۴۰/۲۸۷۵) وَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْاِمَامِ حَمُوْلَةٌ يَحْمِلُ عَلَيْهَا الْغَنَائِمَ قَسَّمَهَا بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ قِسْمَةَ اِيْدَاعٍ لِيَحْمِلُوْهَا اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ يَرْتَجِعُهَا مِنْهُمْ فَيُقَسِّمُهَا.

حل لغات: حمولة: حاء کے فتحہ کے ساتھ بار برداری کا جانور جمع حَمُوْلَات. ایداع: مصدر ہے، کہا جاتا ہے اودعه الشئ کسی کے پاس امانت رکھنا۔

ترجمہ: اور جب نہ ہو امام کے پاس سواری جس پر لادے مال غنیمت تو تقسیم کردے اس کو مجاہدوں میں بطور امانت تاکہ وہ لے آئیں اسے دارالاسلام میں پھر ان سے واپس لے کر تقسیم کرے۔

غنیمت کے باقی احکام

تشریح: امام کے پاس اتنے جانور نہیں ہیں کہ ان پر سارا مال غنیمت لاد کر دارالاسلام لا سکے ایسی صورت میں مال غنیمت امانت کے طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے مجاہدین کو دیدے تاکہ وہ اپنے جانوروں پر لاد کر دارالاسلام تک لے آئیں جب دارالاسلام لے آئیں تو امام تمام مال جمع کر کے ہر مجاہد کو اس کے حصہ کے مطابق تقسیم کر کے دے دے۔

(۴۱/۲۸۷۶) وَلَا يَجُوْزُ بَيْعُ الْغَنَائِمِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں مال غنیمت کو بیچنا تقسیم سے پہلے دارالحرب میں۔

تشریح: مسئلہ یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے کسی شی کی بیع قبل القسمۃ خواہ طعام ہو یا غیر طعام جائز نہیں اور اگر کسی نے بیع کی تو رد الثمن الی الغنیمۃ بالاتفاق واجب ہے۔

(۴۲/۲۸۷۷) وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِيْنَ فِيْ دَارِ الْحَرْبِ فَلَا حَقَّ لَهٗ فِي الْقِسْمَةِ.

ترجمہ: اور جو شخص مر جائے مجاہدوں میں سے دارالحرب میں تو اس کا کوئی حق نہیں تقسیم میں۔

تشریح: اگر لڑائی کے دوران کوئی آدمی شہید ہو گیا تو اس کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا، کیوں کہ دارالاسلام میں احراز کے بعد مجاہد مالِ غنیمت کا مالک ہوتا ہے اس لئے اس سے پہلے جو انتقال کر جائے اس کو مال غنیمت میں سے حصہ نہیں ملے گا۔

(۴۳/۲۸۷۸) وَمَنْ مَاتَ مِنَ الْغَانِمِيْنَ بَعْدَ اِخْرَاجِهَا اِلٰى دَارِ الْاِسْلَامِ فَنَصِيْبُهٗ لِوَرَثَتِهٖ.

ترجمہ: اور جو مجاہد مر جائے وہاں سے لے آنے کے بعد دارالاسلام تک تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کا ہوگا۔

تشریح: دارالاسلام میں مال غنیمت جمع کیا اس کے بعد کسی مجاہد کا انتقال ہوا تو اس کو غنیمت میں سے حصہ ملے گا اور یہ حصہ اس کے ورثاء کو دے دیا جائے گا۔

(۴۴/۲۸۷۹) وَلَابَأْسَ بِاَنْ يُّنَفِّلَ الْاِمَامُ فِيْ حَالِ الْقِتَالِ وَيُحَرِّضَ بِالنَّفْلِ عَلَى الْقِتَالِ فَيَقُوْلَ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ اَوْ يَقُوْلَ لِسَرِيَّةٍ قَدْ جَعَلْتُ لَكُمُ الرُّبْعَ بَعْدَ الْخُمْسِ.

حل لغات: يحرض: فعل مضارع (م) تحريضا ابھارنا۔ نفل: حصہ سے زائد دینا۔ سلب: چھینی ہوئی چیز جمع اسلاب، یہاں مراد ہے کافر مقتول کے ساتھ جو سامان ہوتا ہے لباس، ہتھیار سواری۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں کہ امام جنگ کی حالت میں انعام کا وعدہ کرے اور ابھارے انعام کے ذریعہ قتال پر اور کہے کہ جو جس کو قتل کرے گا تو مقتول کا ساز وسامان اسی کا ہے یا کہے کسی دستہ سے کہ میں نے کر دی ہے تمہارے لئے چوتھائی خمس کے بعد۔

تشریح: مال غنیمت میں حصہ کے علاوہ مزید انعام دے کر مجاہدین کو قتل پر ابھارنا جائز ہے اور لوگوں کو قتال پر اکسانے کے لئے امام یہ کہہ سکتا ہے کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اس کا سب ساز وسامان اسی کو دیا جائے گا یا کسی دستہ کے متعلق کہہ دے کہ جتنا مال غنیمت میں لاؤ گے اس میں سے خمس نکالنے کے بعد جو بچے گا اس میں سے چوتھائی تم لوگوں کو انعام دیں گے، اس کے بعد اس کو مالِ غنیمت کے طور پر لشکر میں تقسیم کریں گے یہاں ایک اختلافی مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ مقتول کا سلب جو قاتل کو دیا جاتا ہے یہ من حیث الاستحقاق ہے یا من حیث التنفیل؟ امام شافعیؒ واحمدؒ کے نزدیک من حیث الاستحقاق ہے یعنی امام کی رائے اور اس کی عطاء پر موقوف نہیں وہ اسی کا اپنا حق ہے اور وہ جو حدیث میں آتا ہے من قتل الخ ان دونوں اماموں کے نزدیک یہ کوئی وقتی فیصلہ اور انعام نہیں ہے بلکہ قاعدہ کلیہ کے طور پر ہے امام ابوحنیفہؒ ومالکؒ کے نزدیک سلب از قبیل تنفیل ہے یعنی امام کی طرف سے کسی مجاہد کو اس کے کارنامہ پر بطور حصہ بزائدہ اور انعام کے دیا جاتا ہے، لہٰذا اگر امام کی جانب سے اعلان ہوا ہے من قتل الخ تب اس کے لئے ہوگا ورنہ نہیں۔

(۲۸۸۰/۴۵) وَلَا يُنَفِّلُ بَعْدَ اِحْرَازِ الْغَنِيْمَةِ اِلَّا مِنَ الْخُمُسِ.

ترجمہ: اور انعام نہ دے غنیمت جمع کرنے کے بعد مگر خمس سے۔

تشریح: لڑائی ختم ہوگئی لوگوں نے مال غنیمت بھی جمع کرلیا اب اس میں سے کسی کو انعام دینا جائز نہیں ہے اور اگر دینا ہی ہے تو پورے مال غنیمت میں سے جو پانچواں حصہ خمس نکالا ہے اس میں سے انعام دے۔

(۲۸۸۱/۴۶) وَاِذَا لَمْ يَجْعَلِ السَّلَبَ لِلْقَاتِلِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْغَنِيْمَةِ وَالْقَاتِلُ وَغَيْرُهُ فِيْهِ سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور جب نہ کیا ہو مقتول کا سامان قاتل کے لئے تو وہ منجملہ غنیمت کے ہوگا جس میں قاتل وغیرِ قاتل برابر ہوں گے۔

تشریح: اگر امام نے مزید انعام دینے کا اعلان کیا تب تو مقتول کا ساز وسامان قاتل کے لئے ہوگا اور اگر یہ اعلان نہیں کیا تو مقتول کا ساز وسامان قاتل کے لئے نہیں ہوگا اس کو مال غنیمت میں شامل کر دیا جائے گا اور اس میں قاتل وغیرِ قاتل سب کا حصہ برابر ہوگا کیونکہ اس مال کو پورے لشکر کی طاقت سے لیا گیا ہے۔

(۲۸۸۲/۴۷) وَالسَّلَبُ مَا عَلَى الْمَقْتُوْلِ مِنْ ثِيَابِهٖ وَسِلَاحِهٖ وَمَرْكَبِهٖ.

ترجمہ: اور سلب وہ ہے جو مقتول پر اس کے کپڑوں ہتھیاروں اور سواری سے۔

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب یہ بتلا رہے ہیں کہ سلب کا مصداق مقتول کا کون کون سا سامان ہے چنانچہ فرمایا کافر مقتول کے ساتھ جو سامان ہوتا ہے لباس ہتھیار سواری وغیرہ ہتھیار کا سلب سے ہونا اجماعی ہے اور فرس ودابہ بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلب میں داخل ہے البتہ امام احمد سے اس میں دو روایتیں ہیں۔

(۲۸۸۳/۴۸) وَاِذَا خَرَجَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ لَمْ يَجُزْ اَنْ يَّعْلِفُوْا مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَلَا يَاْكُلُوْا مِنْهَا شَيْئًا وَمَنْ فَضَلَ مَعَهٗ عَلَفٌ اَوْ طَعَامٌ رَدَّهٗ اِلَى الْغَنِيْمَةِ.

ترجمہ: اور جب نکل چکیں مسلمان دار الحرب سے تو جائز نہیں یہ کہ چارہ کھلائیں غنیمت سے اور نہ یہ کہ خود کھائیں اس میں سے کچھ اور جس کے پاس بچ جائے کچھ چارہ یا کھانا تو واپس کر دے اس کو غنیمت میں۔

تشریح: جب تک مجاہدین دار الحرب میں ہیں تو کھانا وغیرہ عند الضرورت بقدر ضرورت استعمال کر سکتے ہیں لیکن جب دار الحرب سے باہر چلے گئے تو اب اس میں سے استعمال نہیں کر سکتے اب جو باقی بچا ہے اس کو بھی مال غنیمت میں شامل کرے کیونکہ دار الحرب سے نکلنے کے بعد یہ مال سب مجاہدین کا ہو گیا اس لئے مجاہدین میں تقسیم کر کے ہر آدمی اپنا اپنا حصہ استعمال کرے۔

(۲۸۸۴/۴۹) وَيُقَسِّمُ الْاِمَامُ الْغَنِيْمَةَ فَيُخْرِجُ خُمُسًا وَيُقَسِّمُ الْاَرْبَعَةَ الْاَخْمَاسَ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ.

ترجمہ: اور تقسیم کرے امام غنیمت کو چناں چہ نکال لے اس کا خمس اور تقسیم کرنے چار خمس مجاہدین میں۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا بیان

تشریح: اولاً کل مال غنیمت کو جمع کیا جاتا ہے اور اس میں سے ایک خمس جدا کر لیا جاتا ہے اور جو پانچواں حصہ نکالا ہے اس کے بارے میں قرآن میں یہ ہدایت ہے کہ اس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جائے (تفصیل آگے آ رہی ہے) اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوں گے مثلاً مال غنیمت میں بیس اونٹ آئے اس میں سے پانچواں حصہ یعنی چار اونٹ نکلیں گے اور باقی سولہ اونٹ تمام مجاہدین پر بطور مال غنیمت تقسیم ہوں گے۔

(۲۸۸۵/۵۰) لِلْفَارِسِ سَهْمَانِ وَلِلرَّاجِلِ سَهْمٌ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَا لِلْفَارِسِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ.

ترجمہ: سوار کے لئے دو حصے اور پیدل کے لئے ایک حصہ ہے امام صاحبؒ کے نزدیک اور فرمایا صاحبین نے کہ سوار کے لئے تین حصے ہیں۔

تشریح: مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد مجاہدین میں جو مال تقسیم ہو گا اس کی صورت یہ ہو گی

کہ جو گھوڑ سوار ہے اس کو دو حصے ملیں گے، ایک اس کا اور ایک اس کے گھوڑے کا اور جو پیدل جہاد کر رہا ہے، اس کو صرف ایک حصہ ملے گا یہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک گھوڑے کے لئے دو حصے ہیں، لہٰذا فرس اور فارس دونوں کو ملا کر تین حصے ہوئے۔

(۵۱/۲۸۸۶) وَلَا سَهْمَ اِلَّا لِفَرَسٍ وَاحِدٍ.

ترجمہ: اور نہیں حصہ دیا جائے گا مگر ایک ہی گھوڑے کا۔

تشریح: اگر کوئی مجاہد دو گھوڑے لے کر جائے تو طرفین کے نزدیک اس کو ایک ہی گھوڑے کا حصہ ملے گا، امام ابویوسفؒ کے نزدیک دو گھوڑوں کے دو حصے ملیں گے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کے دو گھوڑوں کے دو حصے مقرر فرمائے تھے، طرفین فرماتے ہیں کہ قتال ایک ہی گھوڑے پر ہوسکتا ہے، لہٰذا ایک ہی کا حصہ ملے گا نہ کہ دو کا جیسے تین اور چار گھوڑوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

(۵۲/۲۸۸۷) وَالْبَرَاذِيْنُ وَالْعِتَاقُ سَوَاءٌ

لغت: البراذین: واحد برذون چھوٹے قد کا گھوڑا ترکی گھوڑا۔ العتاق: واحد عتیق عربی گھوڑا۔

ترجمہ: دیسی اور عربی گھوڑے برابر ہیں۔

تشریح: ایسے گھوڑے جو جنگ کے کام آئیں لیکن قد میں تھوڑے چھوٹے ہوں جن کو دیسی گھوڑے کہتے ہیں اور عربی گھوڑے جو قد میں لمبے ہوتے ہیں، چونکہ دونوں قسم کے گھوڑوں سے کامل منفعت ہوتی ہے اس لئے دونوں کے حصے برابر ہیں۔

(۵۳/۲۸۸۸) وَلَا يُسْهَمُ لِرَاحِلَةٍ وَلَا بَغْلٍ.

حل لغات: راحلة: سفر و بار برداری کے لئے مضبوط اونٹ و اونٹنی (تا مبالغہ کے لئے ہے) جمع رواحل.
بغل: خچر (وہ دوغلا جانور جو گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے)

ترجمہ: اور حصہ نہ لگائے بوجھ اٹھانے والے اونٹ اور خچر کا۔

تشریح: اونٹ وغیرہ جن پر بوجھ لے جایا جاتا ہے ان کو خدمت کے عوض کچھ دے سکتے ہیں لیکن گھوڑے کی طرح غنیمت میں باقاعدہ حصہ نہیں ہے کیونکہ آیت میں دشمنوں کو ڈرانے کے لئے گھوڑے پالنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے خچر گدھے وغیرہ کے لئے غنیمت میں حصہ نہیں ہے۔

(۵۴/۲۸۸۹) وَمَنْ دَخَلَ دَارَ الْحَرْبِ فَارِسًا فَنَفَقَ فَرَسُهُ اِسْتَحَقَّ سَهْمَ فَارِسٍ وَمَنْ دَخَلَ رَاجِلًا فَاشْتَرٰى فَرَسًا اِسْتَحَقَّ سَهْمَ رَاجِلٍ.

ترجمہ: جو شخص داخل ہوا دار الحرب میں سوار ہو کر پھر اس کا گھوڑا مر گیا تو حقدار ہوگا سوار کے حصہ کا اور جو داخل ہوا پیدل پھر اس نے گھوڑا خرید لیا تو مستحق ہوگا پیدل کے حصہ کا۔

تشریح: سوار اور پیدل کے حصوں کا استحقاق اس لحاظ سے ہے کہ اگر دار الاسلام سے جدا ہوتے وقت سوار تھا تو سوار کا اور پیدل تھا تو پیدل کا حصہ پائے گا چناں چہ اگر کوئی سوار ہو کر دار الحرب میں داخل ہو پھر اس کا گھوڑا مر جائے تو وہ دو حصوں کا مستحق ہوتا ہے، اور اگر دار الحرب میں پیدل گیا اور وہاں جا کر گھوڑا خرید لیا تو ایک حصہ کا مستحق ہوگا۔

(۲۸۹۰/۵۵) وَلَا يُسْهَمُ لِمَمْلُوْكٍ وَلَا امْرَأَةٍ وَلَا ذِمِّيٍّ وَلَا صَبِيٍّ وَلٰكِنْ يُرْضَخُ لَهُمْ عَلٰى حَسْبِ مَا يَرَیٰ الْإِمَامُ.

ترجمہ: اور حصہ نہ لگایا جائے غلام عورت ذمی اور بچہ کا لیکن دے دے کچھ ان کو امام جو مناسب سمجھے۔

تشریح: عورت غلام اور بچہ اگر جہاد میں شرکت کرتے ہیں، تو ان کے لئے غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ نہ ہوگا لیکن بخشش اور عطیہ کے طور پر کوئی معمولی چیز ان کو دے دی جائے گی اس معمولی چیز کو رضخ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک غلام سے غیر ماذون غلام مراد ہے جس کے لے حصہ نہیں **بخلاف العبد الماذون فانه فی حکم الحر فی هذه المسئلة**۔

قوله ولا ذمی: یہاں پر دو مسئلے ہیں (۱) مسلمان کسی مشرک کو اپنے ساتھ جہاد میں لے جا سکتے ہیں تا کہ وہ وہاں کام آئے؟ اس کا تذکرہ مصنف نے نہیں کیا ہے۔ (۲) اگر اس کو ساتھ لے جایا گیا تو اس کے لئے غنیمت میں حصہ ہوگا یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے شخص کے لئے حصہ صرف امام احمد کے یہاں ہے فی الراجح عندہ اس لئے کہ ان کے نزدیک اسلام شرائط اسہام میں سے نہیں اور عند الجمہور اس کے لئے غنیمت میں سے حصہ نہیں ہے البتہ خدمت کے مطابق امام جو مناسب سمجھے وہ دے دے۔

(۲۸۹۱/۵۶) وَأَمَّا الْخُمُسُ فَيُقَسَّمُ عَلٰى ثَلٰثَةِ أَسْهُمٍ سَهْمٌ لِلْيَتَامٰى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ وَسَهْمٌ لِأَبْنَاءِ السَّبِيْلِ.

ترجمہ: اور بہر حال خمس تو تقسیم کیا جائے گا اس کو تین حصوں میں ایک حصہ یتیموں کے لئے ایک حصہ مسکینوں کے لئے اور ایک مسافروں کے لئے۔

خمس تقسیم کرنے کے احکام

تشریح: خمس کے بارے میں قرآن میں ہدایت ہے کہ اس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جائے **للرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل** جب خمس کو پانچ جگہ تقسیم کیا جائے گا تو ہر ایک کے حصہ میں ان پانچ

میں سے خمس الخمس آئے گا لیکن اب تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ (۱) یتیم۔ (۲) مسکین۔ (۳) مسافر۔ مزید تفصیل تیسرے مسئلہ میں آرہی ہے۔

(۲۸۹۲/۵۷) وَيَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبٰى فِيهِمْ وَيُقَدَّمُوْنَ وَلَايُدْفَعُ اِلٰى اَغْنِيَائِهِمْ شَيْءٌ.

ترجمہ: اور رشتہ دار فقراء انہیں میں داخل ہوں گے اور مقدم کئے جائیں گے اور نہ دیا جائے گا ان کے مالداروں کو کچھ۔

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ساقط ہوگئے اس لئے ان کو مال غنیمت میں الگ سے حصہ نہیں دیا جائے گا البتہ اگر وہ یتیم مسکین یا مسافر ہوتو ان کو مذکورہ تین طبقوں میں داخل کر کے دیا جائے گا اور بنو ہاشم کا یتیم اور یتیموں پر مقدم ہوگا اور ان کا مسکین دوسرے مسکینوں پر مقدم ہوگا وھکذا۔

(۲۸۹۳/۵۸) فَاَمَّا ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِنَفْسِهٖ فِيْ كِتَابِهٖ مِنَ الْخُمْسِ فَاِنَّمَا هُوَ لِاِفْتِتَاحِ الْكَلَامِ تَبَرُّكًا بِاسْمِهٖ وَسَهْمُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَام سَقَطَ بِمَوْتِهٖ كَمَا سَقَطَ الصَّفِيُّ وَسَهْمُ ذَوِي الْقُرْبٰى كَانُوْا يَسْتَحِقُّوْنَهٗ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالنُّصْرَةِ وَبَعْدَهٗ بِالْفَقْرِ.

ترجمہ: جو حصہ ذکر کیا ہے اللہ نے قرآن میں خمس سے سو وہ شروع کلام میں اللہ کے نام سے تبرک حاصل کرنے کے لئے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ساقط ہوگیا، آپ کی وفات سے جیسے ساقط ہوگیا صفی اور رشتہ داروں کا حصہ مستحق ہوتے تھے وہ اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدد کی وجہ سے اور آپ کے بعد فقر کی وجہ سے۔

تشریح: واعلموا انما غنمتم من شئ الخ اس آیت میں مال غنیمت کی تقسیم اس طرح ہے کہ کل مال کا پانچواں حصہ اللہ، اللہ کے رسول، رسول کے رشتہ داروں اور فقیروں، یتیموں اور مسافروں کے لئے ہے، اس میں لفظ اللہ جمہور کے نزدیک کلام کے شروع میں برکت کے طور پر ہے کیونکہ تمام چیزیں اللہ ہی کی ہیں، اس کو حصہ کی ضرورت نہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ آپ کے انتقال کے بعد ساقط ہوگیا، کیوں کہ اب آپ کو کوئی ضرورت ہی نہیں رہی جس طرح صفی ساقط ہوگیا، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا کہ جب مال غنیمت جمع ہو جائے تو اس میں سے جو آپ کو پسند ہو وہ لے لیں، لیکن آپ کے انتقال کے بعد یہ سب ساقط ہوگیا اور خلیفہ وغیرہ کے لئے بھی دروازہ بند ہوگیا، پھر رشتہ داروں کی دیکھ بھال انسان کی ذاتی ضروریات میں داخل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانی ذاتی ضرورتوں سے مبرا ہوگئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہوگئے اب خمس کے صرف تین مصارف باقی رہ گئے آگے مصنف فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے رشتہ داروں کو خمس میں سے ایک حصہ اس لئے دیا جاتا تھا کہ وہ آپ کی ہروقت مدد فرماتے تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد مدد کا سلسلہ ختم ہوگیا، لہٰذا اب رشتہ داری کی بنا پر نہیں دیا جائے گا البتہ ان میں سے کوئی یتیم یا مسکین یا مسافر ہوتو یتیم ہونے یا مسکین ہونے یا مسافر ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔

(۲۸۹۴/۵۹) وَاِذَا دَخَلَ الْوَاحِدُ اَوِ الْاِثْنَانِ اِلٰی دَارِ الْحَرْبِ مُغِیْرِیْنَ بِغَیْرِ اِذْنِ الْاِمَامِ فَاَخَذُوْا شَیْئًا لَمْ یُخَمَّسْ.

حل لغات: مغیرین: رات کو دھاوا بولنا، غارت گری کرنا۔

ترجمہ: اور جب داخل ہو ایک یا دو آدمی دار الحرب میں لوٹ مار کرتے ہوئے امام کی اجازت کے بغیر اور لے آئے کوئی چیز تو خمس نہ لیا جائے گا۔

تشریح: یہ مال غنیمت کا نہیں ہے، کیوں کہ غنیمت وہ ہے جو غلبہ کے ساتھ حاصل ہو پس ان کا لایا ہوا مال چھین جھپٹ کہلائے گا اس لئے اس میں خمس نہیں ہے۔

(۲۸۹۵/۶۰) وَاِنْ دَخَلَ جَمَاعَةٌ لَهُمْ مَنَعَةٌ فَاَخَذُوْا شَیْئًا خُمِسَ وَاِنْ لَمْ یَأْذَنْ لَهُمُ الْاِمَامُ.

حل لغت: منعة: روکنے کی طاقت۔

ترجمہ: اور اگر داخل ہوئی وہ جماعت جن کے لئے قوت ہے اور انہوں نے کوئی چیز لی تو خمس لیا جائے گا، اگرچہ امام نے ان کو اجازت نہ دی ہو۔

تشریح: اگر مسلمانوں کی کوئی باقوت جماعت دار الحرب سے مال لائے تو اس میں خمس لیا جائے گا، اگرچہ امام کی جانب سے ظاہری اجازت نہیں ہے، لیکن اندرونی طور پر اجازت ہے کیونکہ ایسے حالات میں امام تو چاہتے ہی ہیں کہ کافروں کو شکست ہو اور جانی و مالی نقصان ہو اور اس دستہ نے وہ سب کر دیا اس لئے اشارۃً اجازت موجود ہے اس لئے خمس لیا جائے گا۔

(۲۸۹۶/۶۱) وَاِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ تَاجِراً فَلَا یَحِلُّ لَهٗ اَنْ یَّتَعَرَّضَ بِشَیْءٍ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلَا مِنْ دِمَائِهِمْ فَاِنْ غَدَرَ بِهِمْ وَاَخَذَ شَیْئًا مَلَكَهٗ مِلْكاً مَحْظُوْرًا وَیُؤْمَرُ اَنْ یَّتَصَدَّقَ بِهٖ.

حل لغات: یتعرض: فعل مضارع معروف، مزاحمت کرنا، چھیڑنا، تاجراً: حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ غدر: ماضی (م) غدراً دھوکا دینا۔ محظوراً: روکا ہوا، حرام، ناجائز۔

ترجمہ: اور جب داخل ہو مسلمان دار الحرب میں تاجر ہو کر تو حلال نہیں ہے اس کے لئے چھیڑنا ان کے مالوں اور جانوں کو پھر اگر دھوکہ دے کر ان سے کوئی چیز لے لی تو اس کا مالک ہو جائے گا ممنوع طریقہ پر اور اس کو حکم کیا جائے گا صدقہ کر دینے کا۔

تشریح: کوئی مسلمان دار الحرب میں تاجر بن کر گیا تو گویا کہ امن لے کر گیا کہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اس لئے اس کو دھوکہ نہیں دینا چاہئے اور نہ کافروں کی جان و مال کو نقصان پہنچانا چاہئے اور اگر ان کو دھوکہ دے

کر مال دارالاسلام اٹھالیا تو مالک تو ہوجائے گا لیکن چونکہ دھوکہ کے ذریعہ مالک ہوا ہے اس لئے ممنوع طریقہ پر مالک سمجھا جائے گا اسی وجہ سے اس کو حکم دیا جائے گا کہ اس مال کو صدقہ کردے۔

(۲۸۹۷/۶۲) وَاِذَا دَخَلَ الْحَرْبِیُّ اِلَیْنَا مُسْتَأمِنًا لَمْ یُمَکَّنْ لَهٗ اَنْ یُقِیْمَ فِیْ دَارِنَا سَنَةً وَیَقُوْلُ لَهٗ الْاِمَامُ اِنْ اَقَمْتَ تَمَامَ السَّنَةِ وَضَعْتُ عَلَیْكَ الْجِزْیَةَ فَاِنْ اَقَامَ سَنَةً اُخِذَتْ مِنْهُ الْجِزْیَةُ وَصَارَ ذِمِّیًّا وَلَا یُتْرَكُ اَنْ یَرْجِعَ اِلٰی دَارِ الْحَرْبِ وَاِنْ عَادَ اِلٰی دَارِ الْحَرْبِ وَیَتْرُكُ وَدِیْعَةً عِنْدَ مُسْلِمٍ اَوْ ذِمِّیٍّ اَوْ دَیْنًا فِیْ ذِمَّتِهِمْ فَقَدْ صَارَ دَمُهٗ مُبَاحًا بِالْعَوْدِ وَمَا فِیْ دَارِ الْاِسْلَامِ مِنْ مَالِهٖ عَلٰی خَطَرٍ فَاِنْ اُسِرَ اَوْ ظُهِرَ عَلَی الدَّارِ فَقُتِلَ سَقَطَتْ دُیُوْنُهٗ وَصَارَتِ الْوَدِیْعَةُ فَیْئًا.

حل لغات: حربی: اس کافر کو کہتے ہیں جو دارالحرب کا مستقل باشندہ ہو۔ **مستأمن:** اس کافر کو کہتے ہیں جو دارالاسلام میں ویزا لے کر عارضی اقامت حاصل کئے ہوئے ہو۔ **لم یمکن:** مضارع مجہول تمکین (م) قدرت دینا۔ **خطرٌ:** قریب بہلاکت جمع اخطار کہا جاتا ہے۔ **رکبوا الاخطار:** وہ لوگ خطروں میں پڑ گئے، **قولہٗ فان اسر الخ:** اس عبارت میں علٰی خطر کی تفصیل کا بیان ہے۔

ترجمہ: اور جب آجائے حربی ہمارے یہاں امن لے کر تو قدرت نہ دی جائے اس کو ٹھہرنے کی دارالاسلام میں سال بھر بلکہ کہہ دے گا اس سے امام اگر تم سال بھر ٹھہرے تو تم پر جزیہ مقرر کردوں گا پھر اگر ٹھہرا رہے ایک سال تو اس سے جزیہ لیا جائے گا اور وہ ذمی ہوجائے گا، اب اس کو واپس دارالحرب جانے نہیں دیا جائے گا، اگر وہ دارالحرب چلا گیا اور چھوڑ گیا کچھ امانت کسی مسلمان یا ذمی کے پاس یا کچھ قرض چھوڑ گیا ان کے ذمہ تو ہوگیا اس کا خون مباح واپس جانے کی وجہ سے اور جو کچھ دارالاسلام میں ہو اس کا مال تو وہ خطرے میں ہوگیا، چنانچہ اگر قید کرلیا گیا یا غلبہ ہوگیا دارالحرب پر اور وہ قتل کردیا گیا تو اس کا قرض ساقط ہوجائے گا اور امانت غنیمت سمجھی جائے گی۔

مستأمن کے احکام

تشریح: حربی کافر کا ہمیشہ دارالاسلام میں رہنا جائز نہیں، مگر دو شرطوں کے ساتھ۔ (۱) یا تو وہ غلام ہو (۲) یا جزیہ دینا قبول کرے اگر حربی کافر امن لے کر دارالاسلام میں آجائے تو وہ پورے ایک سال تک نہیں ٹھہر سکتا اس سے صاف کہہ دیا جائے گا کہ اگر تو سال بھر ٹھہرے گا تو ہم تجھ پر جزیہ مقرر کردیں گے، کیوں کہ اگر حربی زیادہ مدت تک ٹھہرے گا تو وہ کافروں کا جاسوس بن جائے گا اس لئے اس کا دارالاسلام میں آنا نقصان سے خالی نہیں مگر بالکل روکا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ اس صورت میں تجارت بند ہوجائے گی اور تجارتی کاروبار ٹھپ ہوجائے گا اس لئے ایک سال کی مدت کو حد فاصل قرار دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں جزیہ واجب ہوتا ہے اگر حربی مستأمن امام کے صاف کہہ دینے کے بعد بھی سال بھر ٹھہرے تو وہ ذمی ہے اب اگر وہ واپس دارالحرب جانا چاہے تو نہیں جاسکتا کیونکہ عقد ذمہ منعقد ہونے

کے بعد توڑتا نہیں کرتا اگر وہ واپس چلا جائے اور کسی مسلمان یا ذمی کے پاس کچھ امانت یا ان کے ذمہ کچھ قرض چھوڑ جائے تو شرط توڑنے کی وجہ سے ذمی نہیں رہا بلکہ حربی ہوگیا اور اس کو قتل کرنا مباح ہوگیا اور اس کا جو مال دار الاسلام میں ہو وہ خطرہ میں ہو جائیگا یعنی اگر وہ گرفتار ہو جائے یا دار الحرب کو مسلمان فتح کرلیں اور یہ قتل ہو جائے تو اس کا قرض جاتا رہے گا اور اس کا امانت رکھا ہوا مال، مال غنیمت شمار ہوگا اور جو مال دار الاسلام کے وارثین کے پاس تھا وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

(۲۸۹۸/۶۳) وَمَا اَوْجَفَ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ اَمْوَالِ اَهْلِ الْحَرْبِ بِغَيْرِ قِتَالٍ يُصْرَفُ فِي مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ كَمَا يُصْرَفُ الْخَرَاجُ.

حل لغات: اوجف: گھوڑے کو تیز دوڑانا، یہاں مراد ہے دوڑ کر مال جمع کرلینا۔

ترجمہ: اور جو لے لیا مسلمانوں نے حملہ کر کے اہل حرب کا مال لڑائی کئے بغیر تو خرچ کیا جائے گا مسلمانوں کی بہتری میں جیسے خرچ کیا جاتا ہے خراج۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ کفار قتال کے بغیر صرف رعب سے جھک گئے اور صلح کرلی تو جو مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا ہے اس میں مال غنیمت کے احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ پورا مال بیت المال میں جمع کردیا جائے گا اور مسلمانوں کی مصلحت جیسے پل سرائے مسافر خانے وغیرہ میں خرچ کیا جائے گا جس طرح خراج کا مال مسلمانوں کی مصلحتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔

(۲۸۹۹/۶۴) وَاَرْضُ الْعَرَبِ كُلُّهَا اَرْضُ عُشْرٍ وَهِيَ مَابَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلَى اَقْصٰى حَجَرٍ بِالْيَمَنِ وَبِمَهْرَةَ اِلٰى حَدِّ مَشَارِقِ الشَّامِ.

ترجمہ: اور عرب کی کل زمین عشری ہے اور وہ مقام عذیب سے لے کر انتہائے حجر تک ہے اور مہرہ سے مشارق شام کی حد تک ہے۔

تشریح: پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین نیز ان کے بعد سلاطین اسلام وارباب اقتدار نے بھی اسی طرح برقرار رکھا ہے جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں، تہامہ، حجاز، نجد، عروض، یمن، حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے، اور حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہوکر حدود شام تک پہنچتا ہے اسی میں مدینہ منورہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عروض، یمامہ سے بحرین تک ہے یمن میں عدن بھی داخل ہے۔

(۲۹۰۰/۶۵) وَالسَّوَادُ كُلُّهَا اَرْضُ خَرَاجٍ وَهِيَ مَابَيْنَ الْعُذَيْبِ اِلٰى عُقْبَةِ حُلْوَانَ مِنَ الْعَلْثِ اِلٰى عَبَّادَانَ وَاَرْضُ السَّوَادِ مَمْلُوْكَةٌ لِاَهْلِهَا يَجُوْزُ بَيْعُهُمْ لَهَا وَتَصَرُّفُهُمْ فِيْهَا.

حل لغت: سواد: سواد سے مراد سواد العراق ہے، عراق کی زمین چونکہ بہت سرسبز اور کثیر الاشجار والمزارع ہے اس لئے اس کو سواد سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ سبزی دور سے مائل بہ سیاہی معلوم ہوتی ہے۔

ترجمہ: اور سواد عراق کی کل زمین خراجی ہے جو مقام عذیب سے مقام عقبہ حلوان تک اور علث سے عبادان تک ہے اور سواد عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملک ہے انہیں اس کا بیچنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے۔

تشریح: عراق کی کل زمین خراجی ہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا عراق کی حدود طولاً عذیب علاقہ کوفہ سے عقبہ حلوان قریب بغداد تک اور عرضاً علث شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے آگے فرماتے ہیں کہ سواد عراق کی زمین وہاں کے باشندوں کی ملک ہے جس میں انہیں تصرف کرنا اور اس کو فروخت کرنا جائز ہے۔

(۲۹۰۱/۶۶) وَكُلُّ اَرْضٍ اَسْلَمَ اَهْلُهَا عَلَيْهَا اَوْ فُتِحَتْ عَنْوَةً وَقُسِمَتْ بَيْنَ الْغَانِمِيْنَ فَهِيَ اَرْضُ عُشْرٍ.

ترجمہ: جس زمین کے باشندے اسلام لے آئے یا وہ بزور بازو فتح کرلی گئی اور مجاہدین کے درمیان تقسیم کردی گئی تو وہ عشری ہے۔

زمین کے عشری ہونے کی صورتیں

تشریح: کوئی ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہوگئے تو وہ بدستور اپنی زمین کے مالک ہوں گے اور ان کی زمین عشری کہلائے گی جیسا کہ مدینہ طیبہ کے باشندے اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زمین کو بدستور ان کی ملکیت میں رکھتے ہوئے ان کی زمین پر عشر واجب قرار دیا اسی طرح طائف ونجران کی زمین بھی عشری ہے۔ (۲) اگر کوئی ملک بزور شمشیر فتح ہوا اور وہاں کے باشندے مسلمان نہیں ہوئے امیر المؤمنین نے کل زمین کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے حسب ضابطہ ایک حصہ بیت المال کو دے دیا اور چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کردیئے تو مجاہدین کے حصہ کی زمین شرعاً عشری ہوگی اور اس پر عشر واجب ہوگا۔

(۲۹۰۲/۶۷) وَكُلُّ اَرْضٍ فُتِحَتْ عَنْوَةً فَاُقِرَّ اَهْلُهَا عَلَيْهَا فَهِيَ اَرْضُ خَرَاجٍ.

ترجمہ: اور جو زمین بزور بازو فتح کی گئی اور اسکے (کافر) باشندوں کو (مصلحۃً) وہیں رکھا گیا تو وہ خراجی ہے۔

زمین کے خراجی ہونے کی صورتیں

تشریح: جو ملک صلحاً فتح ہو یا جنگ وجہاد کے ساتھ فتح ہو اور وہاں کے باشندے اپنے سابق مذہب پر برقرار

رہیں تو ان کی زمین خراجی ہوگی جیسے شام عراق اور مصر کی زمین۔

تنبیہ: سطور بالا میں کسی زمین کے عشری وخراجی ہونے کو پہچاننے کے لئے جو ضابطہ تحریر کیا گیا اس باب میں اصل تو وہ ہی ہے البتہ بعض زمینیں مذکورہ بالا قاعدہ سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں مثلاً اراضی مکہ غلبۃً فتح ہوئی ہیں اور پھر مجاہدین کے درمیان ان زمینوں کو تقسیم کرنے کے بجائے باشندگان مکہ ہی کے قبضہ وتصرف میں ان کو چھوڑ دیا گیا تو مذکورہ ضابطہ کے مطابق مکہ کی زمینوں کو خراجی ہونا چاہئے، لیکن صاحب بدائع کے بقول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل کی وجہ سے احترام حرم کے پیش نظر اصل ضابطہ کو چھوڑ کر مکہ معظمہ کی زمینوں کو عشری ہی قرار دیا گیا۔

(۲۹۰۳/۶۸) وَمَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَوَاتًا فَهِيَ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ مُعْتَبَرَةٌ بِحَيِّزِهَا فَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْخَرَاجِ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ وَاِنْ كَانَتْ مِنْ حَيِّزِ اَرْضِ الْعُشْرِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَالْبَصْرَةُ عِنْدَنَا عُشْرِيَّةٌ بِاِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنْ اَحْيَاهَا بِبِئْرٍ حَفَرَهَا اَوْ بِعَيْنٍ اِسْتَخْرَجَهَا اَوْ بِمَاءِ دِجْلَةَ اَوِ الْفُرَاتِ اَوِ الْاَنْهَارِ الْعِظَامِ الَّتِيْ لَا يَمْلِكُهَا اَحَدٌ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ وَاِنْ اَحْيَاهَا بِمَاءِ الْاَنْهَارِ الَّتِيْ اِحْتَفَرَهَا الْاَعَاجِمُ مِثْلُ نَهْرِ الْمَلِكِ وَنَهْرِ يَزْدَجَرْدَ فَهِيَ خَرَاجِيَّةٌ.

ترجمہ: جس نے مردہ زمین کو زندہ کرلیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا اعتبار برابر والی زمین سے ہوگا اگر برابر والی خراجی ہو تو وہ خراجی ہوگی اور اگر برابر والی عشری ہو تو وہ عشری ہوگی اور بصرہ ہمارے نزدیک عشری ہے اجماع صحابہؓ کے وجہ سے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس کو زندہ کرے کنواں کھود کر یا چشمہ نکال کر یا دجلہ یا فرات یا ان بڑی نہروں کے پانی سے جن کا کوئی مالک نہیں تو وہ عشری ہے اور اگر زندہ کرے ان نہروں کے پانی سے جن کو کھودا ہے عجمیوں نے جیسے نہر ملک اور نہر یزدجرد، تو وہ خراجی ہے۔

تشریح: ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھیں نہ قابل زراعت بعد میں اسلامی امیر کی اجازت سے ان کو قابل کاشت بنایا گیا یا آبادیوں میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا قابل کاشت زمین بنالیا گیا تو اگر ایسے کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور اگر مسلمانوں نے اسے قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دارومدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا وہ عشری ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائے گا اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو ان کو بھی خراجی سمجھا جائے گا اور اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو یہ نو آباد زمینیں عشری ہوں گی اور مسلمان یا ذمی کافر نے اس زمین کو گاہے عشری پانی اور گاہے خراجی پانی سے سیراب کیا ہے، تو مسلمان کی زمین سے عشر اور کافر کی زمین سے خراج وصول کیا جائے گا۔

عشر وخراج کے مذکورہ ضابطہ سے استثناء

شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں آباد کیا گیا یہ ارض موات یعنی غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے

اس کا احیاء کیا اور قابل کاشت بنایا مگر بصرہ کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں سے متصل ہے اس لئے امام ابویوسفؒ کے قول پر ضابطۂ مذکورہ کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جاتیں مگر باجماع صحابہ اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہے۔

اس کے بعد امام محمدؒ کا قول بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ امام محمدؒ کے نزدیک ارض موات کے سلسلہ میں دارومدار اس پانی پر ہوگا کہ جس پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے وہ پانی عشری ہے تو وہ زمینیں عشری کہلائیں گی اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو وہ زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی علامہ شامی نے امام ابویوسفؒ کے قول کو معتمد قرار دیا ہے۔

خراجی وعشری پانی کی تشریح

مذکورہ سطور میں بعض زمینوں کے عشری وخراجی ہونے کا حکم پانی کے عشری وخراجی ہونے کی بنیاد پر لگایا گیا ہے، اس لئے یہاں پر یہ بھی جان لینا چاہئے کہ کون پانی عشری ہے اور کون پانی خراجی تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بارش کا پانی کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اسی طرح امام محمدؒ کے نزدیک بڑے دریاؤں کا پانی جو قدرتی طور پر جاری ہے نہ ان کو کسی نے کھودا ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہیں جیسے عراق میں دجلہ وفرات مصر میں دریائے نیل خراسان میں جیحون وسیحون اور ہندوستان میں گنگا وجمنا وغیرہ (زمین ہند عشری ہے یا خراجی مسئلہ مختلف فیہ ہے) بڑے دریاؤں کا پانی کہ یہ تمام عشری ہیں اور وہ نہریں جو کسی غیر مسلم حکومت یا جماعت نے اپنی محنت اور خرچ سے نکالی ہیں اور وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہیں جیسے بڑے دریاؤں سے نکالی ہوئی نہریں مثلاً نہر ملک نہر یزدجرد، چونکہ یہ نہریں فتح اسلامی سے قبل غیر مسلموں کی ملک تھیں اس لئے ان کا پانی خراجی ہے مگر بڑے دریاؤں کے پانی میں امام ابویوسف کا اختلاف ہے ان کے نزدیک وہ بھی خراجی ہے۔

(۲۹۰۴/۶۹) وَالْخَرَاجُ الَّذِیْ وَضَعَهُ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰی اَهْلِ السَّوَادِ مِنْ کُلِّ جَرِیْبٍ یَبْلُغُهُ الْمَاءُ وَیَصْلُحُ لِلزَّرْعِ قَفِیْزٌ هَاشِمِیٌّ وَهُوَ الصَّاعُ وَدِرْهَمٌ وَمِنْ جَرِیْبِ الرَّطْبَةِ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَمِنْ جَرِیْبِ الْکَرْمِ الْمُتَّصِلِ وَالنَّخْلِ الْمُتَّصِلِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ وَمَاسِوٰی ذٰلِكَ مِنَ الْاَصْنَافِ یُوْضَعُ عَلَیْهَا بِحَسْبِ الطَّاقَةِ فَاِنْ لَّمْ تُطِقْ مَا وُضِعَ عَلَیْهَا نَقَّصَهَا الْاِمَامُ.

حل لغات: خراج: اس کا لغوی اطلاق غلہ کی اس مقدار پر ہوتا ہے جسے لوگ اپنی پیداوار میں سے سالانہ نکالتے ہیں، اور اصطلاح میں خراج اس ٹیکس کو کہا جاتا ہے جو غیر مسلم رعایا سے خراجی اراضی پر وصول کیا جاتا ہے۔ قفیز هاشمی: ایک صاع ہوتا ہے۔ الرطبة: تر، یہاں ترکاری مراد ہے۔ الکرم المتصل: انگور کا گھنا باغ۔

ترجمہ: جو خراج مقرر کیا تھا حضرت عمرؓ نے اہل عراق پر وہ ہر اس جریب سے جسے پانی پہنچتا ہو اور کھیتی کے

قابل ہوا ایک قفیز ہاشمی ہے۔ یعنی ایک صاع اور درہم اور ترکاریوں کے ایک جریب میں پانچ درہم ہیں اور انگور اور کھجور جو گھنے ہوں ان کے ایک جریب میں دس درہم ہیں اس کے علاوہ اور قسم کی زمینوں میں مقرر کیا جائے ان کی برداشت کے مطابق اگر وہ برداشت نہ کرسکیں جو ان پر مقرر کیا گیا ہے، تو امام اس سے کم کردے۔

خراج کی قسموں کا بیان

تشریح: خراج کی دو قسمیں ہیں: (۱) خراج مقاسم (۲) خراج موظف خراج مقاسم کے معنی بٹائی کے ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ مثلاً نصف یا ثلث مقرر کردیا جائے اور خراج موظف کے معنی یہ ہیں کہ نقد رقم مقرر کردی جائے اس عبارت میں صاحب قدوریؒ نے خراج موظف کی مقدار بیان کی ہے اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن حنیف کو سرزمین عراق کی پیمائش (سروے) کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ کو اس کام کا نگراں مقرر فرمایا پوری مفتوحہ زمین کی پیمائش کی گئی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی حضرت عمرؓ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو یا پھر وہ چیز جو اس میں بوئی جائے اور ترکاری کی ایک جریب میں پانچ درہم انگور یا کھجور کا ایسا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو یعنی وہ ایسے گنجان ہوں کہ ان میں کھیتی نہ ہوسکے تو فی جریب دس درہم مقرر فرمائے حضرت عمرؓ نے اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر درج بالا اشیاء کا خراج متعین فرمایا ان کے سوا دوسرے پہلوؤں کے باغات خواہ گنجان ہوں کہ جن میں کھیتی نہ ہوسکے یا متفرق ہوں نیز انگور و کھجور کے وہ باغات جن میں کاشت ہوسکتی ہو اور دوسری قابل کاشت اشیاء جن کا خراج حضرت فاروق اعظمؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء فرماتے ہیں کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو پیداوار کے پانچویں حصہ سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار بہت کم ہوئی ہے اور محنت بہت زیادہ کرنی پڑی ہے تو خمس سے کم کرنا بھی جائز ہے البتہ نصف پیداوار سے زیادہ خراج مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

فائدہ: ایک جریب کا طول ۶۰ ذراع ہوتا ہے اور یہاں پر ذراع سے مراد سات قبضہ کا ذراع ہے جبکہ عام ذراع چھ قبضہ کا ہوتا ہے، اور ایک قبضہ چار انگشت کا ہوتا ہے، اس حساب سے ایک ذراع پونے دو فٹ (کسریٰ کا ذراع مراد ہے) = ۲۸ انگشت ہوا اور ساٹھ ذراع = ۱۰۵ فٹ = ۳۵ گز یا ۳۲ میٹر ایک فٹ ہوا اور اس طرح ایک مربع جریب گیارہ ہزار پچیس مربع فٹ ہوا۔

اور قدیم جریب موجودہ زمانہ کی جریب سے چھوٹی ہے، موجودہ زمانہ کی جریب کا حساب سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل حساب ذہن میں رکھنا چاہئے تاکہ موجودہ جریب کا حساب قدیم جریب سے منطبق کرنا آسان ہوجائے۔

ایک جریب	=	۲۰ رگٹھے
ایک گٹھا	=	۹۰ رانچ
۲۰ گٹھے	=	۱۸۰۰ رانچ
۱۲ رانچ	=	ایک فٹ
۱۸۰۰ رانچ	=	۱۵۰ رفٹ
۳۶ رانچ	یعنی ۳ فٹ =	ایک گز
۱۵۰ رفٹ	=	۵۰ گز
۳۹ رانچ	=	ایک میٹر
۱۸۰۰ رانچ	=	۴۶ میٹر ۶ رانچ

ایک ذراع تقریباً ڈیڑھ فٹ کے برابر ہوتا ہے، اس طرح ایک جریب سو ذراع کے برابر ہوتی ہے، مذکورہ بالا تفصیل سے جریب کی لمبائی کا سمجھنا نہایت سہل ہو گیا ہے، اب اسی حساب سے زمین کی مربع پیائش اس طرح نکلے گی۔
ایک جریب × ایک جریب یعنی ۵۰ گز × ۵۰ گز = ۲۵۰۰ گز = ایک بیگھہ پختہ = تین بیگھہ خام رقبہ ہوتا ہے۔

(۲۹۰۵/۷۰) وَاِنْ غَلَبَ عَلٰی اَرْضِ الْخَرَاجِ الْمَاءُ اَوِ انْقَطَعَ عَنْهَا اَوِ اصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَلَا خَرَاجَ عَلَيْهِمْ.

حل لغت: اصطلم: صلم سے مشتق ہے جڑ سے اکھیڑنا کھیتی برباد کرنا۔

ترجمہ: اور اگر غالب آجائے خراجی زمین پر پانی یا اس سے بند ہو جائے یا برباد کر دے کھیتی کو کوئی آفت تو ان کاشتکاروں پر خراج نہ ہوگا۔

وہ اسباب جن سے خراج ساقط ہو جاتا ہے

تشریح: اس عبارت میں وہ اسباب بیان فرماتے ہیں جن سے خراج ساقط ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ کسی خارجی سبب سے زمین کے اندر نمو کی صلاحیت نہ ہو مثلاً زمین پر پانی کا غلبہ ہو یا پانی ختم ہو جائے جس کی وجہ سے زمین پیداوار نہ اگا سکے تو ایسی صورت میں خراج ساقط ہو جائے گا، اسی طرح پیداوار کسی سماوی آفت سے ہلاک ہو جائے مثلاً کھیتی سیلاب سے غرق ہو جائے یا آگ لگنے سے جل جائے یا شدت ٹھنڈک سے ضائع ہو جائے اور سال کا اتنا حصہ باقی نہ ہو کہ اس میں دوبارہ کھیتی کی جا سکے تو ایسی صورت میں بھی خراج ساقط ہو جائے گا۔

(۲۹۰۶/۷۱) وَاِنْ عَطَّلَهَا صَاحِبُهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ.

ترجمہ: اور اگر بیکار چھوڑ دے زمین والا تو اس پر خراج ہوگا۔

تشریح: زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود اپنی غفلت وکوتاہی سے کاشت نہ کی تو خراج مؤظف وصول کیا جائے گا وہ معاف نہ ہوگا مگر خراج مقاسمہ اس صورت میں بھی معاف ہو جائے گا کیونکہ مقاسمہ تو پیدوار سے متعلق ہے اور جب پیدوار نہیں ہوئی تو خراج بھی نہ ہوگا۔

(۷۲/۲۹۰۷) وَمَنْ اَسْلَمَ مِنْ اَهْلِ الْخَرَاجِ اُخِذَ مِنْهُ الْخَرَاجُ عَلٰی حَالِهٖ.

ترجمہ: جو خراج دینے والا اسلام لے آئے تو اس سے خراج لیا جائے گا بدستور سابق۔

تشریح: زمین پر خراج مقرر ہو جانے کے بعد مالک زمین کے مسلمان ہو جانے کی صورت میں بھی وظیفہ زمین تبدیل نہ ہوگا خراج ہی واجب ہوگا۔

(۷۳/۲۹۰۸) وَيَجُوْزُ اَنْ يَّشْتَرِیَ الْمُسْلِمُ مِنَ الذِّمِّیِّ اَرْضَ الْخَرَاجِ وَيُؤْخَذُ مِنْهُ الْخَرَاجُ.

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ خریدے مسلمان ذمی سے خراجی زمین اور اس سے خراج ہی لیا جائے گا۔

تشریح: مسلمان کو کسی کافر سے خراجی زمین خریدنا جائز ہے مگر مسلمان ہونے کے باوجود بھی وظیفہ زمین بدستور خراج ہی رہے گا بہت سے صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ انہوں نے خراجی زمینیں خریدیں اور ان کا خراج ادا کرتے رہے جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو خراجی زمین خریدنا اور اس کا خراج ادا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

(۷۴/۲۹۰۹) وَلَا عُشْرَ فِی الْخَارِجِ مِنْ اَرْضِ الْخَرَاجِ.

ترجمہ: اور عشر نہیں ہے خراجی زمین کی پیداوار میں۔

تشریح: وجوب عشر کی شرائط میں سے ایک شرط زمین کا عشری ہونا ہے، خراجی زمین میں عشر واجب نہیں کیوں کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک زمین میں دو وظیفے عشر وخراج جمع نہیں ہو سکتے۔

(۷۵/۲۹۱۰) وَالْجِزْيَةُ عَلٰی ضَرْبَيْنِ جِزْيَةٌ تُوْضَعُ بِالتَّرَاضِیْ وَالصُّلْحِ فَتُقَدَّرُ بِحَسْبِ مَا يَقَعُ عَلَيْهِ الْاِتِّفَاقُ وَجِزْيَةٌ يَبْتَدِئُ الْاِمَامُ بِوَضْعِهَا اِذَا غَلَبَ الْاِمَامُ عَلَی الْكُفَّارِ وَاَقَرَّهُمْ عَلٰی اَمْلَاكِهِمْ فَيَضَعُ عَلَی الْغَنِیِّ الظَّاهِرِ الْغِنَاءِ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ ثَمَانِيَةً وَّاَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا يَأْخُذُ مِنْهُ فِیْ كُلِّ شَهْرٍ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ وَعَلَی الْمُتَوَسِّطِ الْحَالِ اَرْبَعَةً وَّعِشْرِيْنَ دِرْهَمًا فِیْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمَيْنِ وَعَلَی الْفَقِيْرِ الْمُعْتَمِلِ اثْنَیْ عَشَرَةَ دِرْهَمًا فِیْ كُلِّ شَهْرٍ دِرْهَمٌ.

ترجمہ: جزیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جزیہ جو مقرر کیا جائے رضامندی اور صلح سے پس مقرر کیا جائے گا جس پر اتفاق ہو جائے اور ایک وہ جزیہ جو ابتداءً مقرر کرے امام جب وہ غالب آئے کفار پر اور برقرار رکھے ان کے مالکوں کو

ان کی ملکیتوں پر چناں چہ مقرر کرے کھلی مالداری والے پر ہر سال ۴۸ درہم اور لے اس سے ہر ماہ چار درہم اور اوسط درجہ کے آدمی پر چوبیس درہم ہر ماہ دو درہم اور مزدوری کرنے والے فقیر پر بارہ درہم ہر ماہ ایک درہم۔

جزیہ کے احکام

تشریح: جزیہ وہ رقم جو غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں سکونت اختیار کرنے کے لئے سالانہ ادا کرنی پڑتی ہے اس کا مادہ جزیٰ یجزی ہے جس کے معنی ادا کرنے کے آتے ہیں، جزیہ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو کفار پر ان کی رضامندی سے مقرر کیا جاتا ہے، اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ امام کی رائے کے سپرد ہے جتنا مناسب سمجھے مقرر کردے اس جزیہ کو جزیہ صلح کہا جاتا ہے، دوسری قسم کا جزیہ وہ ہے جو قہراً اور غلبۃً مقرر کیا جاتا ہے جب کہ مسلمان کفار پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں اور ان کو ان کی ملکیتوں پر برقرار رکھا جاتا ہے اس جزیہ کی مقدار متعین ہے اور اسکے تین درجے ہیں (۱) اگر کافر مالدار ہو تو اڑتالیس درہم لئے جائیں گے چار درہم ماہانہ کے اعتبار سے۔ (۲) اگر اوسط درجہ کا آدمی ہو تو چوبیس درہم لئے جائیں گے ماہانہ دو درہم کے اعتبار سے۔ (۳) اگر فقیر ہو لیکن کھاتا کماتا ہو تو بارہ درہم لئے جائیں گے ایک درہم ماہانہ کے اعتبار سے اس جزیہ کو جزیہ جبر کہتے ہیں۔

(۲۹۱۱/۷۶) وَتُوضَعُ الْجِزْيَةُ عَلٰى اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمَجُوْسِ وَعَبَدَةِ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَجَمِ وَلَا تُوْضَعُ عَلٰى عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ مِنَ الْعَرَبِ وَلَا عَلَى الْمُرْتَدِّيْنَ وَلَا جِزْيَةَ عَلَى امْرَأَةٍ وَلَا صَبِيٍّ وَلَا زَمِنٍ وَلَا عَلٰى فَقِيْرٍ غَيْرِ مُعْتَمِلٍ وَلَا عَلَى الرُّهْبَانِ الَّذِيْنَ لَا يُخَالِطُوْنَ النَّاسَ.

حل لغات: عبدة الاوثان: اوثان وثن کی جمع بت۔ عبدة الاوثان بت کے بندے۔ المجوس وہ قوم جو آگ کی پوجا کرتی ہے، یہ لوگ عقیدہ کے اعتبار سے دو چیزوں کو اصل مانتے ہیں ایک نور اور ایک ظلمت اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جتنی بھی دنیا میں خیر ہے وہ فعل نور ہے اور جتنے شرور ہیں وہ ظلمت سے سرزد ہوئے ہیں۔
معتمل: عمل سے مشتق ہے کام کرنے والا۔ الرهبان: راہب کی جمع ہے گرجاؤں کا گوشہ نشیں۔

ترجمہ: اور مقرر کیا جائے گا جزیہ اہل کتاب پر مجوسیوں پر عجمیوں بت پرستوں پر اور مقرر نہ کیا جائے گا عرب کے بت پرستوں پر نہ مرتد لوگوں پر اور نہیں ہے جزیہ عورت پر نہ بچہ پر نہ اپاہج پر اور نہ ایسے فقیر پر جو بیکار ہو نہ ان راہبوں پر جو نہ ملتے جلتے ہوں لوگوں سے۔

تشریح: اولاً صاحب قدوری نے یہ بیان کیا ہے کہ جزیہ کن کفار سے لیا جاتا ہے، ثانیاً یہ بیان کیا ہے کہ کن کفار سے نہیں لیا جاتا اول کی تفصیل یہ ہے کہ جزیہ اہل کتاب سے تو سب سے لیا جائے گا لیکن مشرکین میں یہ تخصیص ہے کہ مشرکین عجم اور مجوس سے تو لیا جائے گا مگر مشرکین عرب سے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کا کفر بہت سخت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے درمیان مبعوث ہوئے اور آپ انہیں کی قوم کے ایک فرد تھے پھر آپ کے مخاطبین اولین بھی

یہی مشرکین تھے اور قرآن بھی انہیں کی زبان میں اترا ان تمام امور کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ ایمان قبول کرتے اگر وہ اب بھی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تو ان کی دو ہی صورتیں ہیں، جنگ یا اسلام۔

ثانی کی تفصیل یہ ہے کہ مرتد پر جزیہ اس لئے نہیں ہے کہ اگر وہ مرد ہے تو یا تو دوبارہ اسلام قبول کرے یا تین دن کے بعد اس کو قتل کر دیا جائے گا، اور جزیہ کا مطلب یہ ہے کہ کفر کی حالت میں جزیہ دے کر زندہ رہے اور زندہ رہنے کا حق نہیں ہے خواہ عرب کا مرتد ہو یا عجم کا۔

اور جزیہ چونکہ قتل کے بجائے لیا جاتا ہے گویا جان کا بدل ہے اور قتل کا حکم صرف کفار مردوں کے لئے ہے اس وجہ سے بچوں عورتوں اپاہج اور کام نہ کرنے کے لائق لوگ اور جو راہب لوگوں سے اختلاط نہ کرتا ہو چونکہ وہ بھی نہیں کما سکتا اس لئے ان سب سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

(۲۹۱۲/۷۷) وَمَنْ اَسْلَمَ وَعَلَيْهِ جِزْيَةٌ سَقَطَتْ عَنْهُ.

ترجمہ: جو شخص اسلام لے آیا اور اس کے ذمہ جزیہ ہو تو اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

تشریح: اس بات پر اتفاق ہے کہ اہل جزیہ میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا البتہ جس شخص پر جزیہ واجب ہو چکا ہو اور پھر وہ اسلام لے آئے تو امام شافعیؒ کے نزیک ایسے شخص سے وہ واجب شدہ جزیہ وصول کیا جائے گا جب کہ حنفیہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک جزیہ نہیں لیا جائے گا۔

(۲۹۱۳/۷۸) وَاِنِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ تَدَاخَلَتِ الْجِزْيَتَانِ.

ترجمہ: اور اگر اس پر دو سال کا جزیہ چڑھ جائے تو ان میں تداخل ہو جائے گا۔

تشریح: اگر کسی سے چند سالوں کا جزیہ نہ لیا گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک سالہائے گذشتہ کا جزیہ ساقط ہو جائے گا اور صرف سال رواں کا جزیہ لیا جائے گا، صاحبین کے نزدیک ساقط نہ ہوگا، ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں کیونکہ ہر سال کا جزیہ مستقل طور پر واجب ہے، لہٰذا تاخیر سے ساقط نہ ہوگا، امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جزیہ بطور سزا واجب ہوتا ہے اور جب سزائیں آپس میں اکٹھی ہو جائیں تو ان میں تداخل ہو جاتا ہے لہٰذا جزیہ ایک ہی سال کا واجب ہوگا۔

(۲۹۱۴/۷۹) وَلَا يَجُوْزُ اِحْدَاثُ بِيْعَةٍ وَلَا كَنِيْسَةٍ فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ.

حل لغات: بیعۃ: کلیسا، گرجا، یہودیوں کا عبادت خانہ، کنسیۃ: نصاریٰ کا عبادت خانہ۔

ترجمہ: اور جائز نہیں یہود و نصاریٰ کو نیا عبادت خانہ بنانا دار الاسلام میں۔

تشریح: مذکورہ چیزوں سے ان کی شان و شوکت بڑھے گی اور دوسرے دین کی اشاعت ہوگی اس لئے اجازت نہ ہوگی۔

(۲۹۱۵/۸۰) وَإِذَا انْهَدَمَتِ الْبِيَعُ وَالْكَنَائِسُ الْقَدِيْمَةُ أَعَادُوْهَا.

ترجمہ: اور اگر منہدم ہو جائیں پرانی گرجائیں تو دوبارہ بنا سکتے ہیں۔

تشریح: جب کفار ذمی بن کر دارالاسلام میں سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں تو ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری ہے اس لئے جو گرجائیں پہلے سے ہیں ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر ہے اس لئے منہدم ہو جانے کے بعد ان کو دوبارہ بنانے کی اجازت ہے۔

(۲۹۱۶/۸۱) وَيُؤْخَذُ أَهْلُ الذِّمَّةِ بِالتَّمَيُّزِ عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ زِيِّهِمْ وَمَرَاكِبِهِمْ وَسُرُوْجِهِمْ وَقَلَانِسِهِمْ وَلَا يَرْكَبُوْنَ الْخَيْلَ وَلَا يَحْمِلُوْنَ السِّلَاحَ.

حل لغات: زیّ: زاء کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ، ہیئت، لباس۔ مراکب: مرکب کی جمع ہے، سواری۔ سروج: واحد سرج زین۔ قلانس: واحد قلنسوۃ ٹوپی۔

ترجمہ: اور عہد لیا جائے گا ذمیوں سے ممتاز رہنے کا مسلمانوں سے پوشاک سواریوں زینوں اور ٹوپیوں میں اور وہ سوار نہ ہوں گے گھوڑوں پر اور نہ اٹھائیں گے ہتھیار۔

تشریح: ذمیوں کو دارالاسلام میں رکھا جائے گا لیکن وہ ہر اعتبار سے مسلمانوں سے ممتاز رہیں گے تا کہ ذلت کے ساتھ رہیں اور ان کو احساس ہو اور جلدی مسلمان ہو جائیں اس بنا پر ان سے عہد لیا جائے گا کہ لباس ٹوپی عمامہ، جوتا میں متمیز رہیں باتوں میں بھی متمیز رہیں اور یہ کہ مسلمانوں کی عزت کریں گے، اگر مسلمان بیٹھنا چاہیں تو ان کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور نہ کوئی ہتھیار بنائیں گے اور نہ اس کو اٹھائیں گے تا کہ کہیں دوبارہ جنگ کرنے کی صلاحیت نہ پیدا کرلیں، اور مسلمانوں کے لئے مشکلات نہ پیدا کردیں۔

(۲۹۱۷/۸۲) وَمَنِ امْتَنَعَ مِنَ الْجِزْيَةِ أَوْ قَتَلَ مُسْلِمًا أَوْ سَبَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوْ زَنٰى بِمُسْلِمَةٍ لَمْ يَنْتَقِضْ عَهْدُهٗ.

ترجمہ: جو شخص باز رہے جزیہ دینے سے یا قتل کر دے کسی مسلمان کو یا گالی دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا زنا کرے کسی مسلمان عورت سے تو نہ ٹوٹے گا اس کا عہد۔

تشریح: جو ذمی جزیہ نہیں دے رہا ہے تو جبراً اس سے جزیہ وصول کیا جائے گا اگر کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس کے بدلہ اسے قتل کیا جائے گا، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا قرآن یا دین اسلام کو برا بھلا کہے تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور مسلمہ سے زنا کرنے کی وجہ سے حد زنا کا مستحق ہوگا، لیکن ان تمام صورتوں میں ذمی نے جو عہد کیا تھا وہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ ابھی بھی ذمی بحال رہے گا۔

(۲۹۱۸/۸۳) وَلَا يَنْتَقِضُ الْعَهْدُ إِلَّا بِأَنْ يَلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ أَوْ يَغْلِبُوْا عَلٰى مَوْضِعٍ

فَیُحَارِبُوْنَنَا.

ترجمہ: اور نہیں ٹوٹتا عہد مگر یہ کہ چلا جائے دارالحرب میں یا کسی جگہ پر غلبہ پا کر ہم سے لڑنے کو تیار ہو جائیں۔

تشریح: ذمی بھاگ کر دارالحرب چلا جائے تو ذمیت کا عہد ٹوٹ جائے گا یا دارالاسلام میں ہی کسی جگہ پر ذمی لوگ غلبہ حاصل کر کے ہم سے جنگ کے لئے تیار ہو جائیں تو بھی عہد ٹوٹ جائے گا۔

(۲۹۱۹/۸۴) وَاِذَا ارْتَدَّ الْمُسْلِمُ عَنِ الْاِسْلَامِ عُرِضَ عَلَیْهِ الْاِسْلَامُ فَاِنْ کَانَتْ لَهٗ شُبْهَةٌ کُشِفَ لَهٗ وَیُحْبَسُ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فَاِنْ اَسْلَمَ وَاِلَّا قُتِلَ.

ترجمہ: اور جب پھر جائے مسلمان اسلام سے تو پیش کیا جائے اس پر اسلام، اگر اس کو کوئی شبہ ہو تو اس کو دور کیا جائے اور قید رکھا جائے تین دن اگر اسلام لے آئے تو بہتر ہے، ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔

مرتدین کے احکام

تشریح: اگر کوئی شخص اسلام سے پھر جائے تو دوبارہ اسلام پیش کیا جائے گا اور جو شکوک وشبہات اس کے دل میں ہیں ان کو دور کیا جائے گا اور تین دن قید میں رکھا جائے گا تا کہ اس کو سوچنے سمجھنے کا موقع مل سکے اگر بات سمجھ میں آ جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ جب ایک شخص ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا، اور اسلام کے محاسن سے وہ آگاہ ہو گیا اب اگر وہ اسلام کو چھوڑنا چاہتا ہے تو دارالاسلام میں رہتے ہوئے اس کا یہ عمل فساد کا موجب ہے اگر اسلام چھوڑنا ہے تو دارالاسلام سے نکل جائے اور دارالحرب چلا جائے اور وہاں جا کر جو چاہے کرے، کیونکہ اس پر وہاں ہماری ولایت نہیں ہے اور دارالاسلام میں رہتے ہوئے اگر وہ اسلام چھوڑے گا تو وہ ایسا ہے جیسے جسم کا ایک عضو فاسد ہو چکا ہو اب اگر اس عضو کو باقی رکھا جائے گا تو اس کا فساد دوسرے اعضاء کی طرف سرایت کر جائے گا اس وجہ سے مرتد کو قتل کرنا ہی ضروری ہے۔

(۲۹۲۰/۸۵) فَاِنْ قَتَلَهٗ قَاتِلٌ قَبْلَ عَرْضِ الْاِسْلَامِ عَلَیْهِ کُرِهَ لَهٗ ذٰلِكَ وَلَا شَیْءَ عَلَی الْقَاتِلِ.

ترجمہ: پھر اگر قتل کر دے اس کو کوئی اس پر اسلام پیش کرنے سے پہلے تو یہ مکروہ ہے اور کچھ واجب نہیں قاتل پر۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اگر مرتد پر اسلام پیش کرنے سے پہلے کسی نے قتل کر دیا تو ایسا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ اسلام پیش کرنا مستحب ہے، اور قاتل نے استحباب کے خلاف کیا ہے، اور چونکہ مرتد مباح الدم ہو چکا ہے اس لئے قاتل سے نہ قصاص لیا جائے گا اور نہ اس پر دیت لازم ہوگی۔

(۸۶/۲۹۲۱) وَاَمَّا الْمَرْأَةُ [illegible] لٰكِنْ تُحْبَسُ حَتّٰى تُسْلِمَ.

ترجمه: اور رہی پھر جانے والی عورت سو قتل نہ کی جائے بلکہ قید رکھی جائے یہاں تک کہ اسلام [illegible]۔

تشریح: اگر عورت اسلام سے پھر جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیوں کہ حضور صلی اللہ [illegible] عورتوں کے قتل سے منع کیا ہے لیکن اس کو قید خانہ میں رکھا جائے گا اس کے اسلام لانے تک کیونکہ وہ اللہ [illegible] کو پورا کرنے سے رک گئی ہے اسکے اقرار کے بعد چناں چہ قید میں ڈال کر اسے حق پورا کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

(۸۷/۲۹۲۲) وَيَزُوْلُ مِلْكُ الْمُرْتَدِّ عَنْ اَمْوَالِهٖ بِرِدَّتِهٖ زَوَالًا مُرَاعًى فَاِنْ اَسْلَمَ عَادَتْ اِلٰى حَالِهَا.

حل لغت: زوالا مراعًی: مراعی رعایت سے مشتق ہے رعایت کی جائے گی یعنی معاملہ موقوف رہے گا۔

ترجمه: اور زائل ہو جاتی ہے مرتد کی ملکیت اس کے مال سے مرتد ہونے کی وجہ سے بزوال موقوف پھر اگر اسلام لے آئے تو لوٹ آئے گی اپنی حالت پر۔

تشریح: مرتد کے مال سے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے مگر بزوال موقوف یعنی اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کا مال واپس دیا جائے گا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کی ملکیت زائل نہ ہوگی۔

(۸۸/۲۹۲۳) وَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهٖ اِنْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰى وَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَكَانَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ رِدَّتِهٖ فَيْئًا.

ترجمه: اور اگر مر جائے یا قتل کر دیا جائے ردت ہی پر تو منتقل ہو جائے گی اس کی کمائی حالت اسلام کی اس کے مسلم ورثاء کی جانب اور اس کی ردت کے زمانہ کی کمائی غنیمت ہوگی۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ اگر مرتد ہونے کی حالت میں مر گیا یا مرتد ہونے کی حالت میں قتل کیا گیا تو اسلام کے زمانہ میں کمایا ہوا مال مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا اور کفر کے زمانہ میں کمایا ہوا مال غنیمت شمار ہوگا کیونکہ مرتد ہونے کے بعد وہ حربی ہو گیا اور حربی کا کمایا ہوا مال ہاتھ آ جائے تو وہ غنیمت کا مال شمار ہوتا ہے اس لئے مرتد ہونے کے زمانہ کا مال غنیمت ہوگا اور مرتد ہونا گویا کہ مر جانا ہے اور مرنے کے بعد اسکا مال ورثاء میں تقسیم ہوتا ہے اس لئے مرتد کا مال مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

(۸۹/۲۹۲۴) فَاِنْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا وَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِلِحَاقِهٖ عَتَقَ مُدَبَّرُوْهُ وَاُمَّهَاتُ اَوْلَادِهٖ وَحَلَّتِ الدُّيُوْنُ الَّتِيْ عَلَيْهِ وَانْتَقَلَ مَا اكْتَسَبَهٗ فِيْ حَالِ الْاِسْلَامِ اِلٰى وَرَثَتِهٖ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ.

ترجمه: اگر بھاگ گیا مرتد ہو کر دارالحرب اور فیصلہ کر دیا حاکم نے اس کے چلے جانے کا تو آزاد

ہو جائیں گے اس کے مدبر اور ام ولد اور فوری واجب ہو جائیں گے وہ قرض جو اس کے ذمہ تھے (میعادی) اور منتقل ہو جائے گی اس کے دور اسلام کی کمائی اس کے مسلم ورثاء کی جانب۔

تشریح: مرتد دارالحرب بھاگ جائے اور حاکم دارالحرب کے ساتھ مل جانے کا فیصلہ کر دے تو وہ موت حکمی کے درجہ میں ہو جائے گا اور اس کے تمام معاملات میں مردے کے احکام نافذ کئے جائیں گے مثلاً آقا کے حقیقتاً مر جانے کے بعد مدبر اور ام ولد آزاد ہو جاتے ہیں تو یہاں بھی موت حکمی کی وجہ سے آزاد ہو جائیں گے اور جو قرض کسی متعینہ تاریخ میں ادا کرنا تھا اس کا ابھی ادا کرنا لازم ہو جائے گا کیوں کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کے مال میں فوری قرض ادا کرنا لازم ہوتا ہے اور حالت اسلام میں جو مال کمایا تھا وہ مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

(۲۹۲۵/۹۰) وَتُقْضَى الدُّيُوْنُ الَّتِيْ لَزِمَتْهُ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ مِمَّا اكْتَسَبَهُ فِيْ حَالِ الْإِسْلَامِ وَمَا لَزِمَهُ مِنَ الدُّيُوْنِ فِيْ رِدَّتِهِ يُقْضٰى مِمَّا فِيْ حَالِ رِدَّتِهِ.

ترجمہ: اور ادا کئے جائیں گے اس کے وہ قرض جو اس کو لازم ہوئے ہوں دور اسلام میں اس کی دور اسلام کی کمائی سے اور جو قرض لازم ہوئے ہوں اس کی ردت کی حالت میں تو وہ ادا کئے جائیں گے، ردت کے زمانہ کی کمائی سے۔

تشریح: جب کوئی شخص اسلام سے پھر جائے اور دوبارہ اسلام نہ لائے تو مرتد ہونے کے وقت سے ہی مردہ شمار کیا جائے گا، اس لئے مرنے سے پہلے یعنی اسلام کی حالت میں جو قرض لیا تھا وہ اسلام کی حالت میں جو مال کمایا تھا اس سے ادا کیا جائے گا، اور مرنے کے بعد یعنی مرتد ہونے کے بعد جو قرض لیا اس کو مرتد ہونے کے بعد جو مال کمایا ہے اس سے ادا کیا جائے گا۔

(۲۹۲۶/۹۱) وَمَا بَاعَهُ أَوِ اشْتَرَاهُ أَوْ تَصَرَّفَ فِيْهِ مِنْ أَمْوَالِهِ فِيْ حَالِ رِدَّتِهِ مَوْقُوْفٌ فَإِنْ أَسْلَمَ صَحَّتْ عُقُوْدُهُ وَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ.

ترجمہ: اور جو اس نے بیچا یا خریدا ہو یا تصرف کیا ہو اپنے مال میں مرتد ہونے کی حالت میں تو یہ سب موقوف ہوں گے اگر اسلام لے آئے تو یہ سب عقود صحیح ہو جائیں گے اور اگر مر جائے یا قتل کر دیا جائے یا چلا جائے دارالحرب تو باطل ہو جائیں گے۔

تشریح: ارتداد کی حالت میں خرید وفروخت کی یا اپنے مال میں تصرف کیا تو یہ سب موقوف رہیں گے اگر اسلام لے آئے تو ملکیت اور معاملات بحال ہو جائیں گے اور اسلام نہ لائے اور انتقال ہو جائے یا قتل کر دیا جائے یا دارالحرب بھاگ جائے تو مرتد ہونے کے دن سے ہی مردہ شمار کیا جائے گا جس کی وجہ سے ارتداد کے بعد کے معاملات باطل ہوں گے۔

(۲۹۲۷/۹۲) وَإِنْ عَادَ الْمُرْتَدُّ بَعْدَ الْحُكْمِ بِلِحَاقِهِ إِلَى دَارِ الْإِسْلَامِ مُسْلِمًا فَمَا وَجَدَهُ فِيْ يَدِ

وَرَثَتِهٖ مِنْ مَالِهٖ بِعَيْنِهٖ اَخَذَهٗ.

ترجمہ: اور اگر لوٹ آئے مرتد دارالحرب میں چلے جانے کے فیصلہ کے بعد دارالاسلام کی طرف مسلمان ہو کر تو جو پائے اپنے ورثاء کے قبضہ میں اپنا مال بعینہٖ لے لے اس کو۔

تشریح: مرتد بھاگ کر دارالحرب چلا گیا اس کے بعد قاضی نے دارالحرب بھاگ جانے کا فیصلہ کر دیا پھر وہ مسلمان ہو کر واپس دارالاسلام آیا تو اس کا جو مال ورثاء کے ہاتھ میں اپنی حالت پر موجود ہے، وہ واپس لے لے اور جو مال خرچ کر چکا ہے اس کو ورثاء سے وصول نہیں کر سکتا۔

(۲۹۲۸/۹۳) وَالْمُرْتَدَّةُ اِذَا تَصَرَّفَتْ فِيْ مَالِهَا فِيْ حَالِ رِدَّتِهَا جَازَ تَصَرُّفُهَا.

ترجمہ: اور مرتدہ عورت جب تصرف کرے اپنے مال میں اپنی ردت کے زمانہ میں تو جائز ہوگا اسکا تصرف۔

تشریح: جب مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ توبہ کرنے تک زندہ رکھا جائے گا تو ظاہر ہے کہ خرید و فروخت کی بھی اجازت ہونی چاہئے ورنہ زندگی کیسے گزارے گی اس وجہ سے اس کو اپنے مال میں تصرف کی اجازت ہوگی۔

(۲۹۲۹/۹۴) وَنَصَارٰى بَنِيْ تَغْلِبَ يُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِهِمْ ضِعْفُ مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الزَّكٰوةِ وَيُؤْخَذُ مِنْ نِّسَائِهِمْ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْ صِبْيَانِهِمْ.

ترجمہ: اور بنی تغلب کے نصاریٰ سے لیا جائے گا ان کے مال سے اس کا دوگناہ جو لی جاتی ہے مسلمانوں سے زکوۃ اور لیا جائے گا ان کی عورتوں سے بھی اور نہیں لیا جائے گا ان کے بچوں سے۔

تشریح: نصاریٰ بنی تغلب کی سرزمین پر اصولاً خراج عائد تھا لیکن جب ان لوگوں نے خراج کو اپنے اوپر ذلت سمجھ کر دینے سے انکار کر دیا مگر زکوۃ کے نام پر دوگنا دینے پر راضی تھے، چناں چہ گورنر نے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے استصواب کیا آپ نے فرمایا هذه جزية سموها ماشئتم یعنی یہ جزیہ ہے تم اس کا جو چاہو نام رکھو اب مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ ان سے جزیہ میں دوگنی زکوۃ لی جائے اور صدقہ کے ہی نام سے لی جائے چنانچہ اس پر معاہدہ ہو گیا اور چونکہ زکوۃ عورتوں سے بھی لی جاتی ہے اس لئے بنی تغلب کی عورتوں سے بھی دوگنی زکوۃ مقرر ہوئی اور زکوۃ بچوں پر نہیں ہے اس لئے یہ خراج بھی بچوں پر نہ ہوگا۔

نوٹ: فی الحال نصاریٰ بنی تغلب کا وجود نہیں ہے۔

(۲۹۳۰/۹۵) وَمَا جَبَاهُ الْاِمَامُ مِنَ الْخَرَاجِ وَمِنْ اَمْوَالِ بَنِيْ تَغْلِبَ وَمَا اَهْدَاهُ اَهْلُ الْحَرْبِ اِلَى الْاِمَامِ وَالْجِزْيَةُ يُصْرَفُ فِيْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ فَيُسَدُّ مِنْهُ الثُّغُوْرُ وَتُبْنَى الْقَنَاطِرُ وَالْجُسُوْرُ وَيُعْطٰى مِنْهُ قُضَاةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَعُمَّالُهُمْ وَعُلَمَاؤُهُمْ مَايَكْفِيْهِمْ وَيُدْفَعُ مِنْهُ اَرْزَاقُ الْمُقَاتِلَةِ

وَذَرَارِيهِمْ.

حل لغات: جباه: (ن) جباً وجبواً جمع کرنا۔ یسد: مضارع مجہول باب (ن) سداً بند کرنا۔ الثغور: واحد ثغرٌ سرحد۔ القناطر: واحد قنطرة وہ پل جو عمدہ اور مضبوط ہو اور مستقل کے لئے بنایا گیا ہو۔ الجسور: جَسِر کی جمع ہے، بکسر الجیم وفتحہا وہ پل جو دریا وغیرہ پر ہوتا ہے اور عارضی ہوتا ہے۔ عمال: عامل کی جمع ہے وہ شخص جو کسی کے امور مالی وغیرہ کا متولی ہو۔ ارزاق: واحد رزق وظیفہ۔ المقاتلة: لڑنے والی جماعت تا تانیث کے لئے جماعت کی تاویل کی وجہ سے ہے واحد مُقَاتِل. ذراری: ذرية کی جمع نسل آل واولاد۔

ترجمہ: اور جو کچھ جمع کیا ہو امام نے خراج سے اور بنی تغلب کے اموال سے اور جو کچھ ہدیۂ دیا ہو اہل حرب نے امام کو اور جزیہ کا مال خرچ کیا جائے گا مسلمانوں کی بہتری میں چناں چہ بند کی جائیں گی اس سے سرحدیں اور بنائے جائیں گے اس سے پل اور دیا جائے گا اس سے مسلمانوں کے قاضیوں عاملوں اور عالموں کو اتنا جو ان کے لئے کافی ہو اور دیا جائے گا اس سے مجاہدوں اور ان کی اولاد کا وظیفہ۔

تشریح: امیر المؤمنین جو رقم خراج اراضی سے یا بنی تغلب کے دوگنے عشر سے حاصل کرے یا اس کو اہل حرب کی طرف سے کوئی ہدیہ ملے اور جو کچھ رقم جزیہ سے حاصل ہو وہ سب مسلمانوں کی مصالح میں خرچ کی جائے گی جیسے سرحدوں کی اصلاح اور مستقل پلوں کی تعمیر عارضی پل اس سے مستثنیٰ ہیں کما فی فتح القدیر، اور اس سے قاضیوں عمال حکومت اور علماء کرام کو ان کی ضروریات کی کفایت کی حد تک عطایا دی جائیں گی اور اسی میں سے مجاہدین اور فوج اور ان کے عیال کا گذارہ دیا جائے گا فتح القدیر میں ہے کہ مدرسین وطلبہ علم دین کو بھی اس میں سے دیا جائے گا۔

(۲۹۳۱/۹۶) وَإِذَا تَغَلَّبَ قَوْمٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى بَلَدٍ وَخَرَجُوْا مِنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ دَعَاهُمْ إِلَى الْعَوْدِ إِلَى الْجَمَاعَةِ وَكَشَفَ عَنْ شُبْهَتِهِمْ وَلَا يَبْدَأُ هُمْ بِالْقِتَالِ حَتّٰى يَبْدَؤُهُ فَإِنْ بَدَوْا قَاتَلَهُمْ حَتّٰى يُفَارِقَ جَمَاعَتَهُمْ وَإِنْ كَانَتْ لَهُمْ فِئَةٌ أَجْهَزَ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَاتَّبَعَ مُوَلِّيَهُمْ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُمْ فِئَةٌ لَمْ يُجْهِزْ عَلٰى جَرِيْحِهِمْ وَلَمْ يَتَّبِعْ مُوَلِّيَهُمْ وَلَاتُسْبٰى لَهُمْ ذُرِّيَّةٌ وَلَا يُقْسَمُ لَهُمْ مَالٌ وَلَا بَأْسَ بِأَنْ يُقَاتِلُوْا بِسِلَاحِهِمْ إِنِ احْتَاجَ الْمُسْلِمُوْنَ إِلَيْهِ وَيَحْبِسُ الْإِمَامُ أَمْوَالَهُمْ وَلَايَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ وَلَايُقَسِّمُهَا حَتّٰى يَتُوْبُوْا فَيَرُدُّهَا عَلَيْهِمْ.

حل لغات: تغلب: زبردستی قبضہ جمالے۔ فئة: جماعت۔ اجهز على الجريح: مار ڈالنا جریح مجروح کے معنی میں ہے زخمی۔ مُوَلّي: پیٹھ دے کر بھاگنے والا۔

ترجمہ: اور جب مسلط ہو جائے مسلمانوں کی کوئی قوم کسی شہر پر اور نکل جائے امام کی اطاعت سے تو دعوت دے ان کو جماعت میں شامل ہونے کی اور دور کرے ان کے شبہ کو اور ابتداء نہ کرے ان سے لڑنے میں یہاں تک کہ وہی

ابتداء کریں اگر وہی ابتداء کریں تو ہم ان سے لڑیں گے یہاں تک کہ ان کی جماعت ٹوٹ جائے اگر ان کی اور جماعت بھی ہو تو گرفتار کرے ان کے زخمیوں کو اور پیچھا کرے بھاگنے والوں کا اور اگر کوئی اور جماعت نہ ہو تو نہ گرفتار کرے ان کے زخمیوں کو اور نہ پیچھا کرے بھاگنے والوں کا اور نہ قید کرے ان کی اولاد کو اور نہ تقسیم کرے ان کا مال اور کوئی حرج نہیں ہے قتال کرنے میں انہیں کے ہتھیاروں سے اگر ضرورت ہو اس کی مسلمانوں کو اور روکے امام ان کا مال اور نہ دے ان کو اور نہ تقسیم کرے یہاں تک کہ توبہ کریں پس دے دے ان کو ان کا مال۔

باغیوں کے احکام

تشریح: مسلمانوں کی ایک جماعت امام حق کی اطاعت سے باہر ہو کر کسی شہر پر قابض ہو جائے، امام ان کو اپنی اطاعت کی جانب بلائے اور اس سلسلہ میں ان کے جو شبہات ہوں ان کو دور کرے اور چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے جب تک وہ ہم سے جنگ شروع نہ کریں ہم ان سے جنگ نہ کریں گے اور اگر باغی جماعت ہم سے جنگ شروع کر دے تو اب ان سے قتال کیا جائے گا تا کہ ان کی جمعیت ٹوٹ جائے اور اگر ان کی کوئی ایسی جماعت ہو کہ یہ لوگ ان سے مل کر مضبوط ہو جائیں تو ان کے زخمیوں کو امام قتل کر ڈالے اور جو فرار ہو جائیں ان کا پیچھا کرے تا کہ وہ بدحواس ہو کر دوبارہ جمع ہونے کی کوشش نہ کریں، اور اگر ان کی کوئی اچھی خاصی جماعت نہ ہو تو ان کے زخمیوں کو قتل نہ کرے اور نہ بھاگنے والوں کا پیچھا کرے کیونکہ اصل میں ان کو منتشر کرنا ہے اور وہ منتشر ہو گئے آگے صاحب کتاب فرماتے ہیں چوں کہ یہ لوگ مسلمان ہیں اس لئے ان کی اولاد کو غلام باندی نہ بنائے اور نہ ان کا مال تقسیم کرے اور اگر ضرورت ہو تو انہیں کے ہتھیار استعمال کرے ان کے مالوں کو اپنے قبضہ میں لے لے اور جب تک وہ تائب نہ ہوں مال ان کو نہ دے۔

(۲۹۳۲/۹۷) وَمَا جَبَاهُ اَهْلُ الْبَغْيِ مِنَ الْبِلَادِ الَّتِي غَلَبُوْا عَلَيْهَا مِنَ الْخَرَاجِ وَالْعُشْرِ لَمْ يَأْخُذْهُ الْإِمَامُ ثَانِيًا فَإِنْ كَانُوْا صَرَفُوْهُ فِيْ حَقِّهِ اَجْزَأَ مَنْ اُخِذَ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يَكُوْنُوْا صَرَفُوْهُ فِيْ حَقِّهِ فَعَلٰى اَهْلِهِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى اَنْ يُعِيْدُوْا ذٰلِكَ.

ترجمہ: اور جو وصول کر لیا ہو باغیوں نے ان شہروں سے جن پر وہ غالب آ گئے تھے خراج یا عشر تو نہ لے امام ان سے دوبارہ پس اگر صرف کیا ہو انہوں نے صحیح موقعہ پر تو کافی ہوگا اس کی طرف سے جس سے لیا گیا ہے، اور اگر اس کے موقعہ پر صرف نہ کیا ہو تو ان لوگوں پر واجب ہے دیانۃً یہ کہ دوبارہ ادا کریں۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ باغی جن شہروں پر قابض ہو گئے وہاں کے لوگوں سے خراج اور عشر یا زکوٰۃ وصول کر لی تو مالکوں کی جانب سے ادا ہو گئی اگر امیر المؤمنین دوبارہ ان شہروں پر قابض ہو جائے تو ان لوگوں سے دوبارہ خراج عشر زکوٰۃ نہ لے اب اگر باغیوں نے مصارف میں خرچ کر دی تو مالک کی جانب سے زکوٰۃ ادا ہو گئی اور اگر باغیوں نے صحیح

مصارف میں خرچ نہ کی تو مالکین پر دیانۃً دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے قضاءً واجب نہیں ہے۔

نوٹ: عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں اور جس طرح ادائے زکوۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی مستحق زکوۃ کو بغیر کسی معاوضہ خدمت وغیرہ کے مالکانہ طور پر قبضہ کرادیا جائے اسی طرح عشر کی ادائیگی میں بھی تملیک ضروری ہے اور مصارف خراج مسئلہ (۱۰۵) میں گذر چکے ہیں۔ بروز اتوار ۲/۶/۲۸ھ رات بارہ بج کر ۲۰ منٹ۔ وسیم احمد غفرلہ

کِتَابُ الْحَظْرِ وَالْاِبَاحَۃِ

ماقبل سے مناسبت: اس سے قبل جہاد کے احکامات کو بیان فرمایا ہے اور جہاد میں مال غنیمت حاصل ہوتا ہے اور مال غنیمت میں بعض چیزوں کا استعمال جائز ہوتا ہے اور بعض کا ناجائز اسی طرح جواز وعدم جواز مال غنیمت کے علاوہ دوسری چیزوں میں بھی ہوتا ہے اس لئے کتاب السیر کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ لائے ہیں۔

حظر کے معنی روکنا اور اباحت کے معنی اطلاق وجواز ہے اس کتاب میں ان مسائل کو بیان کیا جائے گا جو ممنوع اور مباح ہیں۔

(۱/۲۹۳۳) لَایَحِلُّ لِلرِّجَالِ لُبْسُ الْحَرِیْرِ وَیَحِلُّ لِلنِّسَاءِ۔

ترجمہ: حلال نہیں مردوں کے لئے ریشم کا کپڑا پہننا اور حلال ہے عورتوں کے لئے۔

ریشم کے پہننے کا جواز وعدم جواز

تشریح: فرماتے ہیں کہ مردوں کے لئے ریشمی کپڑا پہننا جائز نہیں ہے اور عورتوں کے لئے حلال ہے کیوں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام باہر تشریف لائے اور آپ کے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا اور فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں ان کی عورتوں کے لئے حلال ہیں۔

نوٹ: ریشم پہننا حرام ہے مگر قلیل مقدار معاف ہے اور قلیل کی مقدار تین چار انگل ہے جیسے نقش ونگار یا ریشم کا جھالر۔

(۲/۲۹۳۴) وَلَا بَأْسَ بِتَوَسُّدِہٖ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَقَالَا رَحِمَہُمَا اللّٰہُ یُکْرَہُ تَوَسُّدُہٗ۔

حل لغت: توسد: الوِسادۃ سر کے نیچے تکیہ رکھنا۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں اس کا تکیہ لگانے میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ مکروہ ہے اس کا تکیہ لگانا۔

تشریح: امام صاحبؒ کے نزدیک ریشم کا تکیہ لگانے میں اور ایسے تکیہ پر سونے میں کوئی حرج نہیں ہے امام محمد نے اس کو مکروہ کہا ہے اور صاحب کتاب نے امام ابویوسف کو امام محمدؒ کے ساتھ بیان کیا ہے اور جامع صغیر میں امام صاحبؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف مذکور ہے، مذکورہ مسئلہ میں اکثر مشائخ نے صاحبین کے قول کو اختیار کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

(۳/۲۹۳۵) وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ فِي الْحَرْبِ عِنْدَهُمَا وَيُكْرَهُ عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

حل لغت: الدیباج: ریشم کا وہ کپڑا جس کا تانا اور بانا ریشم کا ہو۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں ریشم اور دیباج پہننے میں لڑائی میں صاحبین کے نزدیک اور مکروہ ہے امام صاحب کے نزدیک۔

تشریح: حریر اور دیباج کا استعمال صاحبین کے نزدیک جنگ کے موقع پر حلال ہے کیونکہ اس کی چمک سے دشمن مرعوب ہو جاتا ہے اور اس میں تلوار کاٹ نہیں کرتی امام صاحب خالص ریشم کے پہننے کو جنگ کے اندر بھی ناجائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی ممانعت میں جو احادیث ہیں ان میں جنگ اور غیر جنگ کی تفصیل نہیں ہے، البتہ حالت جنگ اور حالت مرض میں ایسا مخلوط کپڑا پہننا جائز ہے جس کا بانا ریشم کا ہو اور تانا غیر ریشم کا ہو۔

فائدہ: جب فوجی جنگ کی تیاری کرے تو ریشم پہننے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ ابھی دشمن نہ حاضر ہو لیکن اس میں نماز نہیں پڑھے گا البتہ اگر دشمن کا خوف ہو تو اس میں نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔

(۴/۲۹۳۶) وَلَا بَأْسَ بِلُبْسِ الْمُلْحَمِ إِذَا كَانَ سَدَاهُ إِبْرِيْسَمًا وَلُحْمَتُهُ قُطْنًا أَوْ خَزًّا.

حل لغات: مُلحم: جس کا تانا ریشمی اور بانا غیر ریشمی ہو۔ سدا: تانا، لحمته: بانا۔ الابریسمُ: ریشم۔ خز: اون مراد ہے جمع خُزُوْزٌ۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں مُلحم کے پہننے میں جب کہ ہو اس کا تانا ریشم کا اور بانا روئی یا اون وغیرہ کا۔

تشریح: وہ کپڑا جس کا تانا ریشمی ہو اور بانا روئی یا اون وغیرہ کا ہو تو اس کا پہننا جائز ہے کیوں کہ کپڑا تانے سے نہیں بنتا بلکہ بانے سے بنتا ہے پس اگر بانا سوت یا اون کا ہو تو وہ سوت یا اون ہی شمار ہوگا ریشم شمار نہیں ہوگا، اس لئے اس کا استعمال جائز ہے جنگ میں بھی اور ویسے بھی۔

(۵/۲۹۳۷) وَلَا يَجُوْزُ لِلرَّجُلِ التَّحَلِّيْ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں مرد کے لئے زیور پہننا سونے اور چاندی کا۔

سونے وچاندی کے استعمال کے احکام

تشریح: مردوں کے لئے سونے اور چاندی کا زیور جائز نہیں ہے اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت علیؓ سے منقول مسئلہ (۱) میں گذر چکی ہے، اور اس حدیث میں اگر چہ فقط سونے کا ذکر ہے لیکن چاندی بھی اسی کی جنس سے ہے اس لئے چاندی کا بھی وہی حکم ہوگا۔

(۶/۲۹۳۸) وَلَا بَأْسَ بِالْخَاتَمِ وَالْمِنْطَقَةِ وَحِلْيَةِ السَّيْفِ مِنَ الْفِضَّةِ.

حل لغات: الخاتم: انگوٹھی جمع خواتم. المنطقة: پٹکا جو کمر پر باندھا جائے۔ حلیة: زیور خوبصورتی کی کوئی چیز۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں انگوٹھی پٹکے اور تلوار کے زیور میں جو ہو چاندی کا۔

تشریح: چاندی کی انگوٹھی اور چاندی کا کمر بند (پٹکا) اور چاندی کا وہ زیور جو تلوار پر چڑھا دیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ بقصد تکبر نہ ہو۔

فائدہ: (۱) مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال ... (چار گرام کے بقدر) پہننا جائز ہے بعض حضرات نے بغیر ضرورت کے انگوٹھی پہننے کو مکروہ قرار دیا ہے لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ مکروہ تو نہیں البتہ بغیر ضرورت اس کا ترک افضل ہے۔

فائدہ: (۲) چاندی کے علاوہ باقی کسی اور دھات کی انگوٹھی مردوں کے لئے جائز نہیں ہے اور سونا اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

(۷/۲۹۳۹) وَيَجُوزُ لِلنِّسَاءِ التَّحَلِّي بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ.

ترجمہ: اور جائز ہے عورتوں کے لئے زیور پہننا سونے اور چاندی کا۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے سونے اور چاندی کا زیور پہننا جائز ہے، صاحب جوہرۃ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے اجازت صرف سونے وچاندی کے زیورات کی ہے ورنہ سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال اور ان میں کھانے اور ان میں لے کر تیل لگانے میں عورتیں عدم جواز کے اندر مردوں کے مانند ہیں۔

(۸/۲۹۴۰) وَيُكْرَهُ اَنْ يُلْبَسَ الصَّبِيُّ الذَّهَبَ وَالْحَرِيْرَ.

ترجمہ: اور مکروہ ہے یہ کہ پہنایا جائے بچہ کو سونا اور ریشم۔

تشریح: جس طرح سونا اور ریشم مردوں کو پہننا حرام ہے ایسے ہی چھوٹے لڑکوں کو پہنانا بھی حرام ہوگا جیسے

شراب پینا حرام ہے ایسے ہی پلانا بھی حرام ہے۔

(۹/۲۹۴۱) وَلَا يَجُوزُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ وَالْإِدْهَانُ وَالتَّطَيُّبُ فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں کھانا پینا تیل لگانا اور خوشبو استعمال کرنا سونے چاندی کے برتنوں میں مردوں اور عورتوں کے لئے۔

تشریح: سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا اور پینا اور دیگر چیزوں میں استعمال کرنا حرام ہے مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی اسی طرح سونے چاندی کا چمچہ اور سلائی، سرمہ دانی، شیشہ، قلم، دوات، دسترخوان، وضو کا طشت، انگیٹھی سب کا یہی حکم ہے۔

(۱۰/۲۹۴۲) وَلَا بَأْسَ بِاسْتِعْمَالِ آنِيَةِ الزُّجَاجِ وَالرَّصَاصِ وَالْبِلَّوْرِ وَالْعَقِيقِ.

حل لغات: الزجاج: شیشہ۔ الرصاص: رانگ (ایک نرم دھات) واحد رَصَاصَةٌ. البلور: ایک چمکدار معدنی جوہر کا نام، صاف شفاف چمکدار، العقیق: ایک سرخ رنگ کا قیمتی پتھر۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں کانچ رانگ بلور اور سرخ مہروں کے برتن استعمال کرنے میں۔

مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے برتن استعمال کر سکتے ہیں

تشریح: مذکورہ تمام برتن ہمارے نزدیک قابل استعمال ہیں اور امام شافعیؒ نے ان کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ تفاخر کے بارے میں سونے اور چاندی کے مثل ہیں ہم کہیں گے کہ ایسا نہیں ہے یعنی ان کے ذریعہ تفاخر نہیں ہوتا۔

(۱۱/۲۹۴۳) وَيَجُوزُ الشُّرْبُ فِي الْإِنَاءِ الْمُفَضَّضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالرُّكُوبُ عَلَى السَّرْجِ الْمُفَضَّضِ وَالْجُلُوسُ عَلَى السَّرِيرِ الْمُفَضَّضِ.

حل لغات: المفضض: جس پر چاندی چڑھی ہو، یعنی اسکے کناروں پر چاندی لگادی گئی ہو۔ سرج: زین۔

ترجمہ: اور جائز ہے پینا چاندی چڑھے برتن میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور سوار ہونا چاندی چڑھی زین پر اور بیٹھنا چاندی چڑھی چارپائی پر۔

تشریح: امام صاحب فرماتے ہیں کہ جب خالص چاندی کا برتن نہیں بلکہ برتن یا آلہ استعمال کسی اور چیز کا ہے اور اس کے کناروں پر چاندی چڑھادی گئی ہو تو اس کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ چاندی کی جگہ سے پرہیز کرے یعنی

اگر پینے کا برتن ہے تو چاندی کی جگہ منھ نہ لگائے بلکہ دوسری جگہ منہ لگائے اسی طرح اگر زین پر چاندی چڑھادی گئی ہوتو چاندی کی جگہ پر نہ بیٹھے دوسری جگہ پر بیٹھے تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر چارپائی پر چاندی چڑھادی گئی ہوتو چاندی کی جگہ پر نہ بیٹھے تو جائز ہے، اور اگر سونا چڑھادیا گیا ہوتو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(۱۲/۲۹۴۴) وَيُكْرَهُ التَّعْشِيرُ فِي الْمُصْحَفِ وَ النُّقَطِ.

ترجمہ: اور مکروہ ہے ہر دس آیت پر نشان لگانا قرآن میں اور نقطے لگانا۔

قرآن میں نقطے وغیرہ لگانا

تشریح: حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن کو غیر قرآن سے خالی کرو، اسی وجہ سے آمین بھی نہیں لکھا جاتا تو قرآن پر نقطے لگانا اسی طرح ہر دس آیت کے بعد نشان لگانا اور جیسے رکوع مقرر کرنا سب مکروہ ہے لیکن مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانہ میں عجمیوں کے لئے اعراب کا اور نقطہ کا ہونا ضروری ہے ورنہ وہ اس کے بغیر نہیں پڑھ سکیں گے اور قرآن کو بالکل چھوڑ بیٹھیں گے اسی وجہ سے اعراب وغیرہ کا لگانا مستحسن ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے۔

فائدہ: ممانعت نزول قرآن کے زمانہ تک مخصوص ہے نیز ان کے لئے بغیر اعراب کے پڑھنا آسان تھا تو ان کے حق میں یہ سب چیزیں حفظ کرنے میں مخل تھیں اور ہمارے زمانہ میں یہ بات نہیں ہے اور زمان ومکان کے اختلاف سے احکام میں اختلاف ہوجاتا ہے، اسی وجہ سے اب یہ سب امور مستحسن ہیں۔

(۱۳/۲۹۴۵) وَلَا بَأْسَ بِتَحْلِيَةِ الْمُصْحَفِ وَنَقْشِ الْمَسْجِدِ وَزَخْرَفَتِهِ بِمَاءِ الذَّهَبِ.

حل لغت: زخرفه: خوبصورت بنانا، آراستہ کرنا، مزین کرنا۔

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں قرآن کو آراستہ کرنے میں اور مسجد کو منقش کرنے میں اور اس کو مزین کرنے میں سونے کے پانی سے۔

تشریح: قرآن کریم کو سونے اور چاندی سے آراستہ کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں قرآن کی تعظیم ہے جیسے مسجد کو سونے کے پانی سے مزین کرنا جائز ہے لیکن یہ تزئین مسجد کے مال سے نہ ہونی چاہئے بلکہ متولی اپنے مال سے کرے اگر مسجد کے مال سے کرے گا تو متولی ضامن ہوگا۔

(۱۴/۲۹۴۶) وَيُكْرَهُ اِسْتِخْدَامُ الْخِصْيَانِ.

حل لغت: خصیان: وہ شخص جس کے فوطے نکال لئے گئے ہوں واحد خَصِي۔

ترجمہ: اور مکروہ ہے خصی سے خدمت لینا۔

خصی سے خدمت لینا مکروہ ہے

تشریح: جو لوگ خصیے نکلوا کر ہجڑے اور خصی ہو جاتے ہیں ان سے خدمت لینا مکروہ ہے، کیونکہ ان سے خدمت لی جائے گی تو دوسرے لوگوں کو رغبت ہوگی کہ یہ تو آمدنی کا ذریعہ ہے تو وہ بھی ہجڑے بنیں گے حالانکہ یہ حرام ہے کیوں کہ یہ مثلہ ہونا ہے، نیز ان سے خدمت لینے میں شہوت اُبھرنے کا اندیشہ ہے۔

(۲۹۴۷/۱۵) وَلَا بَأْسَ بِخِصَاءِ الْبَهَائِمِ وَاِنْزَاءِ الْحَمِيْرِ عَلَى الْخَيْلِ.

حل لغات: خصاء: باب (ض) کا مصدر ہے خصی کرنا۔ بهائم: بهيمة کی جمع ہے، چوپائے۔ انزاء: کودانا، جفتی کرانا۔ حمیر: حمار کی جمع گدھا۔

ترجمه: اور کوئی حرج نہیں چوپاؤں کو خصی کرنے میں اور گدھوں کو گھوڑی پر چڑھانے میں۔

تشریح: جانور کو خصی کرنے میں جانور کا بھی فائدہ ہے کہ وہ خوب موٹا تازہ ہوتا ہے، اور انسانوں کا بھی فائدہ ہے کہ اس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں نیز گدھے کو گھوڑی پر چڑھانا تاکہ خچر پیدا ہو جائے جائز ہے، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خچر پر سوار ہوئے ہیں اگر یہ کام حرام ہوتا تو آپ خچر پر سوار نہ ہوتے کہ کہیں فعل ممنوع کا دروازہ نہ کھل جائے اور وہ جو ابن عباس کی روایت کے اندر آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ گدھے کو گھوڑی پر نہ چڑھائیں اس کیوجہ یہ تھی کہ بنو ہاشم کے پاس گھوڑوں کی کمی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کثرت کو پسند فرمایا اس لئے حکم دیا ورنہ تو خچر ہی پیدا ہوتے رہیں گے۔

(۲۹۴۸/۱۶) وَيَجُوْزُ اَنْ يُقْبَلَ فِي الْهَدِيَّةِ وَالْاِذْنِ قَوْلُ الْعَبْدِ وَالصَّبِيِّ.

ترجمه: اور جائز ہے یہ کہ قبول کیا جائے ہدیہ اور اجازت میں غلام اور بچہ کا قول۔

تشریح: بچہ یا غلام یا باندی کوئی ہدیہ لاتے ہیں کہ میرے آقا نے یا میرے باپ نے بھیجا ہے یا وہ دوکان پر کوئی سامان خریدنے جاتے ہیں کہ ہم کو خرید و فروخت کی اجازت ہے تو ان کا قول قبول کر لیا جائیگا کیوں کہ عادت یہی ہے۔

فائده: کسی نے کسی کے مکان پر دستک دی اور اندر آنے کی اجازت چاہی بچہ نے آکر اجازت کی خبر دی تو اس کا قول قبول کر لیا جائے گا۔

(۲) چھوٹا بچہ دوکان پر اپنے کھانے پینے کی چیز لینے گیا تو اس کو بیچنا جائز ہے کیوں کہ آج کل عام طور سے عادت جاری ہے کہ والدین ان کو چند پیسے دے دیتے ہیں کہ وہ خرید کر کچھ کھالیں تو یہ اجازت ہے۔

(۲۹۴۹/۱۷) وَيُقْبَلُ فِي الْمُعَامَلَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ وَلَا يُقْبَلُ فِي اَخْبَارِ الدِّيَانَاتِ اِلَّا قَوْلُ الْعَدْلِ.

ترجمہ: اور قبول کیا جائے گا معاملات میں فاسق کا قول اور نہیں قبول کیا جائے گا، دیانات کی خبروں میں مگر عادل شخص کا قول۔

تشریح: دیانات میں صرف ایسے مسلمان کا قول معتبر ہوگا جو عادل ہو اور معاملات کا وقوع مختلف قسم کے لوگوں کے درمیان ہوتا ہے تو اگر اس میں عدالت کی شرط لگادی جائے تو حرج کثیر لازم آئے گا اس وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ فاسق کا قول بھی معاملات میں معتبر ہوگا یہ بات یاد رہے کہ معاملات سے مطلق معاملات مراد نہیں بلکہ وہ معاملات مراد ہیں جن میں الزام نہ ہو جیسے وکالت مضاربت تجارت میں اجازت وغیرہ ان میں عادل فاسق کافر ومسلم غلام وآزاد مرد وعورت سب برابر ہیں اور سب کا قول معتبر ہوگا، اور دیانات سے مراد وہ امور ہیں جو اللہ اور بندوں کے درمیان جاری ہوتے ہیں جیسے عبادات حلت وحرمت وغیرہ، ان میں فقط مسلم عادل کا قول معتبر ہوگا فاسق کا نہیں کیوں کہ فاسق تو خود ہی اپنے جھوٹ بولنے کی وجہ سے متہم ہے تو اس خبر میں بھی وہ جھوٹ بول سکتا ہے۔

(۲۹۵۰/۱۸) وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يَّنْظُرَ الرَّجُلُ مِنَ الْاَجْنَبِيَّةِ اِلَّا اِلٰى وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا فَاِنْ كَانَ لَايَاْمَنُ مِنَ الشَّهْوَةِ لَمْ يَنْظُرْ اِلٰى وَجْهِهَا اِلَّا لِحَاجَةٍ.

ترجمہ: اور جائز نہیں دیکھنا مرد کو اجنبی عورت کا بدن سوائے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے پس اگر مامون نہ ہو شہوت سے تو نہ دیکھے اس کا چہرہ مگر ضرورت سے۔

مرد وعورت کو دیکھنے اور چھونے کے احکام

تشریح: دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور چہرہ کے علاوہ عورت کا پورا بدن نماز کا حجاب ہے اور اجنبیوں سے پورے بدن کا حجاب ہے حتی کہ آواز بھی حجاب میں داخل ہے اور دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں مستثنیٰ ہیں اور تنہا امام شافعیؒ چہرہ کو بھی مستثنیٰ کرتے ہیں ان کے نزدیک نماز کا جو حجاب ہے وہی اجنبیوں کا حجاب ہے مگر امام شافعیؒ کا چہرہ کو مستثنیٰ کرنا درست نہیں، کیوں کہ سورۃ الاحزاب آیت ۵۹ میں ہے۔ ''اے نبی! آپ اپنی عورتوں سے اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادریں چہرہ پر نیچے تک لٹکا لیا کریں'' اس آیت میں صاف صراحت ہے کہ اجنبیوں کے حجاب میں چہرہ داخل ہے اگر چہرہ کھولنے کی شدید ضرورت پڑ گئی مثلاً گواہی دینے کے لئے آنا ہے یا نکاح کرنے کے لئے ہونے والے شوہر کو چہرہ دکھلانا ہے تو ایسی سخت ضرورت میں چہرہ کھول سکتی ہے۔

(۲۹۵۱/۱۹) وَيَجُوْزُ لِلْقَاضِيْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّحْكُمَ عَلَيْهَا وَلِلشَّاهِدِ اِذَا اَرَادَ الشَّهَادَةَ عَلَيْهَا النَّظْرُ اِلٰى وَجْهِهَا وَاِنْ خَافَ اَنْ يَّشْتَهِيَ.

ترجمہ: اور جائز ہے قاضی کیلئے جب وہ عورت پر حکم لگانا چاہے اور گواہ کیلئے جب وہ عورت پر گواہی دینا

چاہے دیکھنا اس کے چہرہ کو اگر چہ خوف ہو شہوت ہونیکا۔

تشریح: قاضی اور گواہ کو فیصلہ اور ادائے شہادت کیلئے عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے اگر چہ شہوت کا خوف ہو تب بھی کیوں کہ اگر وہ خوف شہوت کیوجہ سے دیکھنے سے رکیں گے تو فیصلہ کیسے کرے گا اور گواہی کیسے دے گا تو فیصلہ اور ادائے شہادت کا دروازہ بند ہو جائے گا جس سے لوگوں کے حقوق پامال ہوں گے۔

(۲۰/۲۹۵۲) وَيَجُوْزُ لِلطَّبِيْبِ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى مَوْضِعِ الْمَرَضِ مِنْهَا.

ترجمہ: اور جائز ہے طبیب کے لئے یہ کہ دیکھے عورت کے مرض کی جگہ کو۔

تشریح: اگر عورت بیمار ہو اور مرض نازک جگہ پر ہو تو طبیب کیلئے جائز ہے صرف بیماری کی جگہ کو دیکھے اور اس کا علاج کرے کیوں کہ یہ جواز بر بناء ضرورت ہے تو بقدر ضرورت ہی ثابت ہوگا اور بہتر تو یہ ہے کہ مرد خود علاج نہ کرے بلکہ کسی عورت کو بتادے وہ اس کام کو انجام دے دے کیوں کہ اگر چہ عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی شرمگاہ یا ستر دیکھے مگر بہر حال جنس کا جنس کی طرف دیکھنا پھر بھی ہلکا ہے لیکن اگر کوئی عورت ایسی نہ ملے تو پھر سارے بدن کو چھپایا جائے اور صرف اسی جگہ کو طبیب دیکھے جہاں مرض ہے۔

(۱۹/۲۹۵۳) وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنَ الرَّجُلِ اِلٰى جَمِيْعِ بَدَنِهٖ اِلَّا مَا بَيْنَ سُرَّتِهٖ اِلٰى رُكْبَتِهٖ.

ترجمہ: اور دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کا سارا بدن مگر جو کہ اس کی ناف کے درمیان ہے اس کے گھٹنے تک۔

تشریح: اس عبارت میں مرد کے ستر کا بیان ہے احناف کے نزدیک مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنوں تک ہے یعنی گھٹنا ستر میں داخل ہے اور ناف خارج ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناف ستر میں داخل ہے اور گھٹنا خارج۔

(۲۱/۲۹۵۴) وَيَجُوْزُ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَنْظُرَ مِنَ الرَّجُلِ اِلٰى مَايَنْظُرُ اِلَيْهِ الرَّجُلُ.

ترجمہ: اور جائز ہے عورت کے لئے یہ کہ دیکھے مرد کا اتنا بدن جتنا دیکھ سکتا ہے مرد۔

تشریح: مرد کے بدن کا جو حصہ دوسرا مرد دیکھ سکتا ہے اس کو عورت بھی دیکھ سکتی ہے، یعنی اس کا پیٹ اور پیٹھ بشرطیکہ شہوت نہ ہو۔

(۲۲/۲۹۵۵) وَتَنْظُرُ الْمَرْاَةُ مِنَ الْمَرْاَةِ اِلٰى مَايَجُوْزُ لِلرَّجُلِ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنَ الرَّجُلِ.

ترجمہ: اور دیکھ سکتی ہے عورت دوسری عورت کا اتنا بدن جتنا دیکھ سکتا ہے مرد دوسرے مرد کا۔

تشریح: مرد دوسرے مرد کے بدن کا جتنا حصہ دیکھ سکتا ہے اتنا ہی ایک عورت دوسری عورت کا دیکھ سکتی ہے، کیوں کہ یہ ہم جنس ہیں، اور عموماً شہوت نہیں ہوتی جیسے مرد کے دیکھنے میں دوسرے مرد کی جانب۔

(۲۳/۲۹۵۶) وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ اَمَتِهِ الَّتِيْ تَحِلُّ لَهٗ وَزَوْجَتِهٖ اِلٰى فَرْجِهَا.

ترجمہ: اور مرد دیکھ سکتا ہے اپنی اس باندی سے جو اس کیلئے حلال ہے، اور اپنی بیوی سے اسکی شرمگاہ کی طرف۔

تشریح: مرد اپنی بیوی اور وہ باندی جو اس کے لئے حلال ہے سارا بدن دیکھ سکتا ہے خواہ شہوت ہو یا نہ ہو کیوں کہ جب چھونا اور صحبت کرنا جائز ہے تو پھر دیکھنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا مگر بہر حال نہ دیکھنا اولیٰ ہے۔

فوائد: من امته التی تحل له: اس قید کا اضافہ اس وجہ سے کیا کہ وہ باندی جس کا نکاح دوسرے سے کر دیا اور وہ دوسرے کی بیوی بن گئی تو اب آقا اس باندی سے صحبت نہیں کر سکتا لہٰذا ناف سے لے کر گھٹنے تک اس کے بدن کا دیکھنا بھی درست نہ ہوگا اس وجہ سے فرمایا کہ ایسی باندی جس سے صحبت کرنا حلال ہو اس کی شرمگاہ دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔(الجوہرۃ النیرۃ ۲/۳۸۶)

(۲۴/۲۹۵۷) وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهِ اِلَى الْوَجْهِ وَالرَّأْسِ وَالصَّدْرِ وَالسَّاقَيْنِ وَالْعَضُدَيْنِ وَلَايَنْظُرُ اِلٰى ظَهْرِهَا وَبَطْنِهَا وَفَخِذِهَا.

ترجمہ: اور دیکھ سکتا ہے مرد اپنی ذی رحم محرم عورتوں کے چہرہ سر سینہ پنڈلیوں اور بازوؤں کو اور نہ دیکھے اس کی پیٹھ پیٹ اور ران کو۔

تشریح: جو عورتیں مرد کی ذی رحم محرم ہیں ان کا چہرہ سر سینہ پنڈلی، بازو، دیکھ سکتا ہے، اور پیٹ پیٹھ ران نہیں دیکھ سکتا اور ذی رحم محرم ہر وہ عورت ہے جس سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہے، خواہ نسب کی وجہ سے ہو یا رضاعت سے یا مصاہرت سے اور مصاہرت نکاح کے ذریعہ سے ہو یا زنا سے ہو۔

(۲۵/۲۹۵۸) وَلَابَأْسَ بِاَنْ يَمُسَّ مَاجَازَ لَهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنْهَا.

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں اس میں کہ چھوئے اس عضو کو جس کو دیکھنا جائز ہے۔

تشریح: ذی رحم محرم عورتوں کے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ضرورت پڑنے پر ان کو چھونا بھی جائز ہے، بشرطیکہ شہوت ابھرنے کا خطرہ نہ ہو کیوں کہ سفر وغیرہ میں عورتوں کو بس اور ٹرین میں چڑھانے اور اتارنے میں ان کے ہاتھ اور پاؤں پکڑنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان کے چھونے میں شہوت ابھرنے کا خطرہ کم ہے، کیوں کہ احترام مانع ہے، اس لئے جن اعضاء کو دیکھنا جائز ہے ان کو چھونا بھی جائز ہے۔

(۲۶/۲۹۵۹) وَيَنْظُرُ الرَّجُلُ مِنْ مَمْلُوْكَةِ غَيْرِهٖ اِلٰى مَا يَجُوْزُ لَهُ اَنْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ مِنْ ذَوَاتِ مَحَارِمِهٖ.

ترجمہ: اور دیکھ سکتا ہے آدمی دوسرے کی باندی کا اتنا بدن جتنا دیکھنا جائز ہے اپنی ذی رحم محرم عورتوں کا۔

تشریح: مرد اپنی ذی رحم محرم عورتوں کا جتنا بدن دیکھ سکتا ہے اتنا ہی بدن دوسروں کی باندی کا دیکھ سکتا ہے،

کیوں کہ وہ باندی اپنے آقا کے کام کاج کے لئے باہر نکلتی ہے اور اپنے آقا کے مہمانوں کی خدمت کرتی ہے، تو جیسے محارم کے حق میں آزاد عورت کا حال ہے گھر کے اندر رہتے ہوئے وہی حال باندی کا گھر سے باہر ہے۔

(۲۹۶۰/۲۷) وَلَا بَأسَ بِاَنْ يَمَسَّ ذٰلِكَ اِذَا اَرَادَ الشِّرىٰ وَاِنْ خَافَ اَنْ يَشْتَهِيَ.

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں اس کو چھونے میں جب اسے خریدنا چاہے اگرچہ شہوت کا اندیشہ ہو۔

تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ شہوت کے باوجود بھی چھونا جائز ہے، جب کہ خریدنے کا ارادہ ہوتا کہ پتہ چل جائے کہ باندی کتنی گداز و نرم ہے بعض حضرات نے کہا ہے کہ اگر شہوت ہو تو ہمارے زمانہ میں چھونے کو جائز نہیں کہا جائے گا۔

(۲۹۶۱/۲۸) وَالْخَصِيُّ فِي النَّظَرِ اِلَى اَجْنَبِيَّةٍ كَالْفَحْلِ.

ترجمہ: اور خصی آدمی اجنبی عورت کو دیکھنے میں مرد کی طرح ہے۔

تشریح: اجنبیہ کو دیکھنے میں جو حکم مکمل مرد کا ہے وہی خصی کا ہے، کیونکہ وہ بھی جماع پر قدرت رکھتا ہے اور یہی مقطوع الذکر کا حکم ہے، کیوں کہ وہ بھی رگڑ رگڑ کر منی کو خارج کر سکتا ہے، اور جو بناوٹی ہجڑا ہے وہ بھی نر کے حکم میں ہے۔

(۲۹۶۲/۲۹) وَلَا يَجُوْزُ لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَنْظُرَ مِنْ سَيِّدَتِهٖ اِلَّا اِلٰى مَايَجُوْزُ لِلْاَجْنَبِيِّ النَّظْرُ اِلَيْهِ مِنْهَا.

ترجمہ: اور جائز نہیں غلام کے لئے دیکھنا اپنی مالکہ کے جسم کو مگر اتنا حصہ کہ جس حصہ کو اجنبی دیکھ سکتا ہے۔

تشریح: غلام اپنی مالکہ کا اتنا بدن ہی دیکھ سکتا ہے جتنا کہ دوسرا اجنبی مرد دیکھ سکتا ہے کیونکہ فی الجملہ غلام اس سے نکاح کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ آزاد کردے تو نکاح جائز ہو جائے گا اور شہوت بھی پوری ہے اور غلام ایسا نر ہے جو نہ محرم ہے اور نہ شوہر اور یہاں ضرورت بھی نہیں کیوں کہ غلام تو گھر سے باہر کام کاج کرتا ہے۔

فائدہ: غلام صرف مالکہ کے ہاتھ اور پاؤں دیکھ سکتا ہے۔

(۲۹۶۳/۳۰) وَيَعْزِلُ عَنْ اَمَتِهٖ بِغَيْرِ اِذْنِهَا وَلَا يَعْزِلُ عَنْ زَوْجَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهَا.

ترجمہ: اور عزل کر سکتا ہے اپنی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر اور عزل نہیں کر سکتا اپنی بیوی سے مگر اس کی اجازت سے۔

کیا عزل کرنا جائز ہے؟

تشریح: عزل کے یہ معنی ہیں کہ مرد اپنی عورت کے ساتھ صحبت کرے اور جب انزال کا وقت آئے تو عضو

مخصوص کواس کی شرمگاہ سے باہر نکال کر خارج شرمگاہ انزال کرے۔

عزل کے بارے میں احادیث مختلف ہیں بعض روایات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے اس کا عدم جواز معلوم ہوتا ہے، ان روایات میں تطبیق اس طرح ہے کہ عزل اگر کسی غرض صحیح سے ہو تو جائز ہے آزاد عورت کے ساتھ اس کی اجازت سے اس لئے کہ وطی اس کا حق ہے، اور باندی کے ساتھ مطلقاً احادیث جواز اسی صورت پر محمول ہیں لیکن یہ اس وقت ہے جب کوئی شخص اس کام کو انفرادی طور پر انجام دے اور اگر کسی شخص کی عزل سے غرض فاسد ہو مثلاً مفلسی کا اندیشہ یا لڑکی ہونے سے بدنامی کا خیال ہو تو ایسی صورت میں عزل ناجائز ہے روایات ممانعت اسی پر محمول ہیں۔

(۲۹۶۴/۳۱) وَيُكْرَهُ الْإِحْتِكَارُ فِيْ أَقْوَاتِ الْآدَمِيِّيْنَ وَالْبَهَائِمِ إِذَا كَانَ ذٰلِكَ فِيْ بَلَدٍ يَضُرُّ الْإِحْتِكَارُ بِأَهْلِهٖ وَمَنِ احْتَكَرَ غَلَّةَ ضَيْعَتِهٖ أَوْ مَا جَلَبَهٗ مِنْ بَلَدٍ آخَرَ فَلَيْسَ بِمُحْتَكِرٍ.

حل لغات: الاحتکار: مہنگا، بیچنے کے لئے روکنا۔ اقوات: قوت کی جمع ہے، غذا۔ البھائم: بھیمۃ کی جمع ہے، چوپایہ، ضیعۃ: زمین۔ جلب: باہر سے لانا۔

ترجمہ: اور مکروہ ہے روک لینا آدمیوں اور چوپاؤں کی غذا کو ایسے شہر میں جہاں تکلیف دہ ہو روکنا اہل شہر کے لئے اور جس نے روک لیا اپنی زمین کے غلہ کو یا اس کو جو لایا ہے دوسرے شہر سے تو وہ روکنے والا نہیں ہے۔

احتکار کا بیان

تشریح: احتکار جس کی حدیث کے اندر ممانعت ہے، اس کی تعریف علامہ نووی نے یہ لکھی ہے کہ غلہ کو مہنگائی کے زمانہ میں تجارت کی نیت سے خرید کر رکھ لینا اور فی الحال اس کی بیع نہ کرنا مزید گرانی کے انتظار میں تاکہ پیسے زیادہ حاصل ہوں اور بدائع میں لکھا ہے کہ احتکار یہ ہے کہ اپنے شہر سے غلہ خرید کر رکھ لینا اور اس کو فروخت نہ کرنا جب کہ اہل شہر کو ایسا کرنے سے نقصان پہنچ رہا ہو، اور اگر بڑا شہر ہو جہاں ایسا کرنے سے لوگوں کو نقصان نہ پہنچتا ہو تو یہ احتکار ممنوع نہیں ہے، ایسے ہی اپنے کھیت میں کافی غلہ پیدا ہوا یا کسی دور دراز علاقہ سے غلہ خرید کر اپنے شہر میں لا کر اس کو روک لے تب بھی احتکار نہ ہوگا صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ احتکار اور ذخیرہ اندوزی انسان کی ضرورت کی چیزوں میں بھی ہوتی ہے اور جانوروں کے کھانے کی اشیاء میں بھی ہوتی ہے۔

احتکار کن چیزوں میں منع ہے:

کھانے پینے کی چیزوں میں تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں احتکار جائز نہیں لیکن ان کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتکار جائز ہے یا نہیں اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک غذائی اجناس کے علاوہ دوسری اشیاء میں احتکار جائز ہے امام ابویوسف کے نزدیک احتکار ہر ضرورت کی چیز میں ناجائز ہے۔

احتکار کی ممانعت کی علت ضرر ہے:

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ احتکار کی ممانعت اسی وقت ہے جب اس کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے عوام کو نقصان پہنچے عوام کو اس چیز کی ضرورت ہو اور یہ شخص اس کو فروخت کرنے کے لئے نہ نکالے لیکن اگر اس کی ذخیرہ اندوزی سے عوام کو نقصان نہیں پہنچ رہا ہے بلکہ بازار میں اس چیز کی فراوانی ہے تو اس صورت میں ذخیرہ اندوزی کرنے کی ممانعت نہیں اور اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(۳۲/۲۹۶۵) وَلَا يَنبَغِي لِلسُّلطَانِ اَنْ يُسَعِّرَ عَلَى النَّاسِ.

ترجمہ: اور مناسب نہیں بادشاہ کے لئے یہ کہ بھاؤ مقرر کردے لوگوں پر۔

تشریح: بادشاہ کنٹرول ریٹ مقرر نہ کرے کیوں کہ ثمن عاقد کا حق ہے تو بادشاہ کو مناسب نہیں کہ دوسرے کے حق میں دخل دے مگر تفصیل اس طرح ہے کہ جو لوگ غلہ فروش ہیں جیسے ہمارے یہاں بنیے جو لوگوں پر ظلم وستم کرنے پر کمر بستہ ہیں اور بغیر کنٹرول ریٹ کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت مشکل ہے تو اس وقت کنٹرول ریٹ مقرر کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن قاضی کو چاہئے کہ ہر زمانہ میں باشعور لوگوں سے مشورہ کرے کہ کیا ریٹ مقرر کیا جائے جن کو غلہ کے معاملہ میں تجربہ اور شعور ہوتا ہے کہ فریقین نقصان اور خسارہ سے محفوظ رہ سکیں۔

(۳۳/۲۹۶۶) وَيُكرَهُ بَيعُ السِّلَاحِ فِي اَيَّامِ الفِتنَةِ.

ترجمہ: اور مکروہ ہے ہتھیار بیچنا فتنہ کے زمانہ میں۔

تشریح: فتنہ کے ایام میں ایسے شخص کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنا مکروہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ اہل فتنہ میں سے ہے جیسے خوارج اور باغی وغیرہ کیوں کہ یہ معصیت پر تعاون ہے اور اگر یہ معلوم نہیں کہ یہ باغیوں میں سے ہے تو پھر اس کے ہاتھ ہتھیار فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳۴/۲۹۶۷) وَلَا بَأسَ بِبَيعِ العَصِيرِ مِمَّن يَعلَمُ اَنَّهُ يَتَّخِذُهُ خَمرًا.

ترجمہ: اور کوئی حرج نہیں ہے شیرۂ انگور بیچنے میں اس شخص کے ہاتھ جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس کی شراب بنائے گا۔

تشریح: کسی شخص کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ شیرۂ انگور کی شراب بنائے گا جیسے مجوسی یا ذمی وغیرہ، اس کے باوجود بھی اس کے ہاتھ شیرۂ انگور فروخت کرنا جائز ہے کیوں کہ معصیت شراب کے ساتھ وابستہ ہے اور شراب اس کو متغیر کرنے کے بعد بنے گی برخلاف ہتھیار کے کیوں کہ معصیت ہتھیار سے بغیر تبدیلی کے قائم ہوتی ہے اس لئے ایام فتنہ میں ہتھیار کی بیع مکروہ ہے اور شیرۂ انگور کی جائز ہے۔

کِتَابُ الْوَصَایَا

(یہ کتاب ہے وصیتوں کے احکام کے بیان میں)

ماقبل سے مناسبت: کتاب الوصایا کو صاحب قدوری اخیر میں اس وجہ سے لا رہے ہیں کہ انسان کی دنیا میں آخری حالت موت ہے اور وصیت مرنے کے وقت ہی کی جاتی ہے۔

وصایا جمع ہے وصیت کی وصیت کا استعمال معنی مصدری یعنی ایصاء اور ما یوصی بہ یعنی جس چیز کی وصیت کی جائے دونوں میں ہوتا ہے۔

وصیت کی تعریف شرعاً یہ کی گئی ہے: وہ معاملہ جس کا تعلق مابعد الموت سے ہو اور وصیت کا استعمال بمعنی نصیحت یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی ہوتا ہے، صاحب بحر الرائق نے لکھا ہے کہ وصیت اصطلاح شرع میں وہ نیک کام اور تبرعات ہیں جن کی تعلیق انسان اپنی موت پر کرتا ہے مثلاً کسی شخص کو کہنا کہ میرے مرنے کے بعد تم میری فلاں چیز کے مالک ہو۔

وصیت کے صحیح ہونے کی شرطیں:

(۱) موصی (وصیت کرنے والا) آزاد عاقل بالغ ہو۔ (۲) موصی نے مرنے سے پہلے وصیت سے رجوع نہ کیا ہو (۳) موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) بوقت وصیت موجود ہو (زندہ ہو) (۴) موصیٰ لہ موصی کا قاتل نہ ہو۔ (۵) موصی بہ (جس چیز کی وصیت کی گئی ہے) مباح اور جائز ہو حرام چیز کی وصیت کا اعتبار نہیں (۶) موصی بہ قابل تملیک چیز ہو۔

وصیت کا ثبوت:

چوں کہ وصیت کا تعلق مابعد الموت سے ہے اور موت کے بعد انسان میں کسی بھی فعل کی خواہ وہ تملیک ہو یا کچھ اور صلاحیت باقی نہیں رہتی لہٰذا وصیت کا جواز خلاف قیاس ہے مگر استحساناً اور ضرورۃً اسکو جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی پر مغرور ہوتا ہے اور کاموں کو ٹالتا رہتا ہے زندگی کے غرور میں بہت سی واجب الاداء چیزیں ذمہ میں رہ جاتی ہیں اچانک موت پیش آنے کی وجہ سے تو اس کی تلافی کے لئے شریعت نے یہ صورت نکالی ہے۔

(۱/۲۹۶۸) الوَصِیَّةُ غَیْرُ وَاجِبَةٍ وَهِیَ مُسْتَحَبَّةٌ.

ترجمہ: وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

وصیت کا حکم

تشریح: بعض لوگ فرماتے ہیں کہ وصیت کرنا واجب ہے اس لئے مصنفؒ نے فرمایا کہ وصیت کرنا مستحب ہے جب تک یہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی کہ کس وارث کو کتنا ملے گا اس وقت تک ورثاء کے لئے وصیت کرنا واجب تھا لیکن جب آیت میراث نازل ہوگئی تو وارثین کے علاوہ دوسروں کے لئے وصیت کرنا مستحب رہ گیا کیوں کہ وارثین کو تو حصہ مل ہی جائے گا اب دوسرے لوگوں کو وصیت کر کے مال دینا گویا کہ ہدیہ ہے اور ہدیہ دینا مستحب ہے۔

(۲/۲۹۶۹) وَلَا تَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْوَارِثِ اِلَّا اَنْ يُجِيْزَهَا الْوَرَثَةُ.

ترجمہ: اور جائز نہیں وصیت کرنا وارث کے واسطے مگر یہ کہ جائز رکھیں اس کو سب ورثاء۔

وارث کے لئے وصیت باطل ہے

تشریح: وارث کے لئے وصیت باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کا حق متعین کر دیا ہے، میت کو اس سلسلہ میں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اگر عاقل بالغ ورثاء چاہیں تو وارث کے لئے بھی وصیت نافذ کر سکتے ہیں کیوں کہ امتناع وصیت تو حق ورثاء ہی کی وجہ سے ہے اور جب وہ خود ہی راضی ہیں تو ممانعت ختم ہو جائے گی۔

فائدہ: وارث کی تعریف: ورثاء جمع ہے وارث کی، علماء فرائض کے عرف میں وارث وہ شخص کہلاتا ہے جو باقی رہے اس شخص کے فنا ہونے کے بعد جس سے اس کا نسب یا سبب ثابت ہو۔

(۳/۲۹۷۰) وَلَا يَجُوْزُ بِمَازَادَ عَلَى الثُّلُثِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں تہائی سے زیادہ کی۔

تہائی سے زائد کی وصیت باطل ہے

تشریح: تجہیز و تکفین اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ ترکہ کی تہائی سے زائد کی وصیت باطل ہے، البتہ اگر تمام ورثاء عاقل بالغ ہوں تو ان کی اجازت سے تہائی سے زائد میں بھی وصیت نافذ ہو سکتی ہے، اسی طرح جو ورثاء عاقل بالغ ہوں ان کے حصہ میں ان کی اجازت سے نافذ کی جا سکتی ہے، البتہ نابالغ ورثاء کی اجازت کا شرعاً اعتبار نہیں اور اگر تہائی سے کم مال کی وصیت کی ہے تو اسی کے مطابق نفاذ ہوگا، احادیث میں صراحۃً ثلث مال کی وصیت کا جواز اور ثلث سے زائد میں وصیت کی ممانعت وارد ہوئی ہے، مثلاً حدیث ابو ہریرہؓ: ان اللّٰہ تصدق علیکم عند وفاتکم بثلث اموالکم زیادۃً فی اعمالکم. (ابن ماجہ ص:۱۹۴)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ فرمایا ہے تمہاری وفات کے وقت تمہارے تہائی مال کے ذریعہ تا کہ تمہارے اعمالِ (حسنہ) میں اضافہ کرے یعنی مرنے کے بعد بھی تمہیں تمہارے مال کے ذریعہ اجر وثواب مل سکے۔

(۴/۲۹۷۱) وَلَا تَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ لِلْقَاتِلِ.

ترجمہ: اور جائز نہیں وصیت قاتل کے واسطے۔

تشریح: قاتل کے لئے وصیت باطل ہے، لیکن اگر عاقل بالغ ورثاء چاہیں تو قاتل کے لئے بھی وصیت نافذ کر سکتے ہیں۔

(۵/۲۹۷۲) وَيَجُوْزُ اَنْ يُوْصِيَ الْمُسْلِمُ لِلْكَافِرِ وَالْكَافِرُ لِلْمُسْلِمِ.

ترجمہ: اور جائز ہے یہ کہ وصیت کرے مسلمان کافر کے واسطے اور کافر مسلمان کے واسطے۔

مسلمان کا کافر کے لئے وصیت کرنا یا کافر کا مسلمان کے لئے وصیت کرنا

تشریح: کافر سے مراد ذمی ہے، کیوں کہ حربی کافر کے واسطے وصیت باطل ہے صورت مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان ذمی کے واسطے اور ذمی مسلمان کے واسطے وصیت کر سکتے ہیں، کیوں کہ عہد و پیمان کی وجہ سے ذمی معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہو گئے، اسی وجہ سے جانبین سے تبرع واحسان زندگی میں جائز ہے، تو اسی طرح موت کے وقت بھی جائز ہوگا۔

فائدہ: حربی مستأمن کا حکم بھی ذمی کے مثل ہے۔

(۶/۲۹۷۳) وَقَبُوْلُ الْوَصِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنْ قَبِلَهَا الْمُوْصٰى لَهٗ فِيْ حَالِ الْحَيَاةِ اَوْ رَدَّهَا فَذٰلِكَ بَاطِلٌ

ترجمہ: اور وصیت قبول کرنا مرنے کے بعد ہے، پس اگر قبول کرے اس کو موصیٰ لہ موصی کی زندگی میں یا اس کو رد کر دے تو یہ باطل ہے۔

تشریح: موصی کے مرنے کے بعد موصیٰ لہ کے رد کرنے یا قبول کرنے کا اعتبار ہے، موصی کی زندگی میں رد کیا یا قبول کیا تو اس کا اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ حکم وصیت کا ثبوت بعد موت ہوتا ہے لہٰذا قبول بھی اسی وقت معتبر ہوگا۔

(۷/۲۹۷۴) وَيَسْتَحِبُّ اَنْ يُوْصِيَ الْاِنْسَانُ بِدُوْنِ الثُّلُثِ.

ترجمہ: اور مستحب ہے یہ کہ وصیت کرے آدمی تہائی سے کم کی۔

تہائی سے کم کی وصیت مستحب ہے

تشریح: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ان کے کئی بار کے اصرار کے بعد فرمایا تھا:

''تہائی کی وصیت کر اور تہائی بھی بہت ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ تہائی مال سے کم کی وصیت کرے۔

(۸/۲۹۷۵) وَاِذَا اَوْصٰى اِلٰى رَجُلٍ فَقَبِلَ الْوَصِيَّةَ فِيْ وَجْهِ الْمُوْصِيْ وَرَدَّهَا فِيْ غَيْرِ وَجْهِهٖ فَلَيْسَ بِرَدٍّ وَاِنْ رَدَّهَا فِيْ وَجْهِهٖ فَهُوَ رَدٌّ.

ترجمہ: اور جب وصیت کی کسی نے کسی کو (وصی بنایا) اور قبول کی اس نے وصیت موصی کے سامنے اور رد کردی اس کے پس پشت تو یہ رد نہ ہوگی اور اگر رد کی اس کے سامنے تو رد ہو جائے گی۔

تشریح: ایک شخص نے کسی کو اپنی وصیت نافذ کرنے کا وصی بنایا یا اپنے قرض کی ادائیگی کا، وصی نے موصی کے سامنے قبول کرلیا تو وصیت پختہ ہوگئی اب اگر رد کرنا چاہے تو موصی کے سامنے رد کرے یا کم از کم اس کی زندگی میں رد کرنے کی خبر بھجوا دے کہ میں تمہاری وصیت نافذ کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوں تاکہ زندگی میں اس کو اطمینان ہو جائے کہ میرا مال میرے پاس واپس آگیا ہے، اب کسی اور کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اور اگر وصی نے موصی کے سامنے رد نہ کیا اور نہ اس کی زندگی میں رد کرنے کی خبر بھجوائی بلکہ اس کے مرنے کے بعد رد کی یا رد تو اس کی زندگی میں کردی مگر غائبانہ رد کی جس کی موصی کو کوئی خبر نہیں پہنچی تو وصیت رد نہ ہوگی بلکہ وہ مال موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا۔

(۹/۲۹۷۶) وَالْمُوْصٰى بِهٖ يُمْلَكُ بِالْقَبُوْلِ اِلَّا فِيْ مَسْئَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ اَنْ يَمُوْتَ الْمُوْصِيْ ثُمَّ يَمُوْتَ الْمُوْصٰى لَهٗ قَبْلَ الْقَبُوْلِ فَيَدْخُلُ الْمُوْصٰى بِهٖ فِيْ مِلْكِ وَرَثَتِهٖ.

ترجمہ: جس کی وصیت کی جائے وہ ملک میں آجاتی ہے قبول کرنے سے مگر ایک مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ مرجائے موصی پھر مرجائے موصی لہ قبول کرنے سے پہلے تو داخل ہو جائے گی موصی بہ موصی لہ کے ورثاء کی ملک میں۔

وصیت کے تفصیلی احکام کا بیان

تشریح: موصی بہ موصی لہ کی ملک میں اس کے قبول کرنے سے آتی ہے مگر ایک مسئلہ میں بلا قبول بھی آجاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ موصی وصیت کر کے مرجائے پھر موصی لہ بھی موصی بہ کے قبول کرنے سے پہلے مرجائے تو اس صورت میں موصیٰ بہ اس کے ورثاء کی ملک میں آجاتی ہے مگر استحساناً۔ قیاس کی رو سے وصیت باطل ہو جانی چاہئے کیوں کہ ملک کا ثبوت قبول کرنے پر موقوف ہوتا ہے تو یہ ایسا ہوگیا جیسے مشتری بائع کے ایجاب کے بعد مبیع قبول کرنے سے پہلے مرجائے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ موصی کی طرف سے اس کے مرجانے کے باعث وصیت پوری ہو چکی جو اس کی طرف سے کسی طرح فسخ نہیں ہو سکتی اور اس میں توقف صرف موصی لہ کے حق کی وجہ سے تھا، جب وہ مرگیا تو یہ اس کی ملک میں آگئی جیسے اس بیع میں ہوتا ہے جس میں مشتری کے لئے خیار شرط ہو اور وہ بیع کو نافذ کرنے سے پہلے مرجائے۔ (الجوہرة النیرة ۲/۳۹۲)

(۱۰/۲۹۷۷) وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی عَبْدٍ اَوْ کَافِرٍ اَوْفَاسِقٍ اَخْرَجَھُمُ الْقَاضِیْ مِنَ الْوَصِیَّۃِ وَنَصَبَ غَیْرَھُمْ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی غلام یا کافر یا فاسق کو تو خارج کردے ان کو قاضی وصیت سے اور مقرر کردے ان کے علاوہ کو۔

تشریح: اگر زید نے خالد کے غلام کو اپنا وصی بنایا یا کسی کافر اور فاسق کو وصی بنایا تو صاحب کتاب نے فرمایا ہے کہ قاضی ان تینوں کو وصیت سے خارج کردے گا اور ان کے علاوہ کو مقرر کردے گا، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام قدوری کا یہ کلام اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وصیت صحیح ہو جائے گی، اس لئے کہ اخراج اسی وقت ہوگا جبکہ وصیت صحیح ہوگئی ہو، صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان تینوں کے اندر اصل شفقت تو ہے لیکن اس میں نقصان ہے اور کمی ہے تو اصل کے پائے جانے کی وجہ سے صحت ہوگی اور نقصان کے پائے جانے کی وجہ سے اخراج صحیح ہوگیا، اور وہ نقصان یہ ہے کہ غلام کی ولایت تو آقا کی نظر کرم پر ہے اگر وہ اجازت دیدے تو باقی ہے ورنہ ختم اور کافر میں نقصان کا باعث یہ ہے کہ وہ کافر ہے جس کو دینی دشمنی اس بات پر ابھار سکتی ہے کہ وہ مسلمان کے لئے شفقت کو چھوڑ دے اور فاسق میں یہ کمی ہے کہ وہ خیانت کے ساتھ متہم ہے ان وجوہات کی بنا پر قاضی ان کی جگہ اور کو مقرر کرسکتا ہے تاکہ شفقت کا پورا پورا خیال رہ سکے۔

(۱۱/۲۹۷۸) وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی عَبْدِ نَفْسِہٖ وَفِی الْوَرَثَۃِ کِبَارٌ لَمْ تَصِحَّ الْوَصِیَّۃُ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے غلام کو حالانکہ ورثاء میں عاقل بالغ موجود ہیں تو صحیح نہ ہوگی وصیت۔

تشریح: مرنے والے نے اپنے غلام کو وصی بنایا حالانکہ ورثاء میں بالغ آدمی موجود ہے، تو غلام کو وصی بنانا درست نہیں ہے، کیوں کہ بالغ کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ غلام کو تصرف سے روک دے لہٰذا غلام حق وصیت کو پورا کرنے سے عاجز ہو جائے گا اور اگر ورثاء میں صرف چھوٹے بچے ہوں تو غلام کو نگراں اور وصی بنایا جاسکتا ہے، کیونکہ وارثین میں ایسا کوئی آدمی موجود نہیں ہے جو بذات خود تصرف وغیرہ پر قادر ہو اس لئے مجبوری کے درجہ میں غلام وصی رہ سکتا ہے۔

(۱۲/۲۹۷۹) وَمَنْ اَوْصٰی اِلٰی مَنْ یَعْجِزُ عَنِ الْقِیَامِ بِالْوَصِیَّۃِ ضَمَّ اِلَیْہِ الْقَاضِیْ غَیْرَہٗ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اس کو جو عاجز ہے وصیت انجام دینے سے تو شامل کردے اس کے ساتھ قاضی کسی اور کو۔

تشریح: موصی نے ایسے آدمی کو وصی بنایا جو وصیت کو کما حقہ انجام نہیں دے سکتا تو قاضی کسی ایسے آدمی کو اس کے ساتھ شامل کردے جو وصیت اچھی طرح انجام دے سکے کیوں کہ ایسا کرنے میں مکمل شفقت حاصل ہو جائے گی۔

(۱۳/۲۹۸۰) وَمَنْ اَوْصٰی اِلَی اثْنَیْنِ لَمْ یَجُزْ لِاَحَدِھِمَا اَنْ یَتَصَرَّفَ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ

رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى دُوْنَ صَاحِبِهٖ اِلَّا فِيْ شِرَاءِ كَفَنِ الْمَيِّتِ وَتَجْهِيْزِهٖ وَطَعَامِ اَوْلَادِهِ الصِّغَارِ وَكِسْوَتِهِمْ وَرَدِّ وَدِيْعَةٍ بِعَيْنِهَا وَتَنْفِيْذِ وَصِيَّةٍ بِعَيْنِهَا وَعِتْقِ عَبْدٍ بِعَيْنِهٖ وَقَضَاءِ الدَّيْنِ وَالْخُصُوْمَةِ فِيْ حُقُوْقِ الْمَيِّتِ.

حل لغات: کسوۃ: کپڑا، پوشاک۔ ودیعۃ: وہ چیز جو مالک کے علاوہ کسی اور کے پاس حفاظت کی غرض سے رکھی جائے۔ خصومۃ: مقدمہ دائر کرنا۔

ترجمہ: اور جس نے وصی بنایا دو کو تو جائز نہ ہوگا ان میں سے ایک کے لئے یہ کہ تصرف کرے طرفین کے نزدیک دوسرے کے بغیر مگر کفن میت کی خریداری اور اس کی تجہیز و تکفین اور اس کے چھوٹے بچوں کے کھانے پوشاک مخصوص امانت کی واپسی خاص وصیت نافذ کرنے متعین غلام آزاد کرنے قرض ادا کرنے اور میت کے حقوق میں مقدمہ دائر کرنے میں۔

تشریح: صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دو آدمیوں کو ایسے معاملات میں وصی بنایا جن میں رائے اور مشورے کی ضرورت پڑتی ہے جیسے خرید و فروخت مضاربت وغیرہ، تو ان دونوں وصیوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی رائے کے بغیر اس میں تصرف کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ موصی ان دونوں کی رائے سے راضی ہوا تھا نہ کہ ایک کی رائے سے، اس لئے دونوں کی رائے شامل ہونا ضروری ہے، لیکن صاحب کتاب نے چند صورتیں ایسی بیان کی ہیں کہ جہاں دو آدمیوں کو وصی کرنے کے باوجود ایک وصی کا تصرف کرنا جائز ہے، مثلاً کفن لانے اور تجہیز و تکفین کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ایک آدمی بھی کفن خرید کر لا سکتا ہے، او تجہیز و تکفین کر سکتا ہے، اسی طرح چھوٹے بچوں کے کھانے اور ان کے کپڑوں کا معاملہ ہے اسی طرح متعین امانت کو واپس کرنے کی وصیت دو آدمیوں کو کی تو صرف ایک وصی بھی اس امانت کو واپس کر سکتا ہے، یا متعین وصیت کو نافذ کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصیت کی یا مرنے والے کے ذمہ قرضہ ہے اس کو ادا کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا یا متعین غلام کو آزاد کرنے کا دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ان دونوں میں سے ایک بھی وہ قرض دے کر آ سکتا ہے یا قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے دو آدمیوں کو وصی بنایا لیکن ان میں سے ایک نے دوسرے کے بغیر مقدمہ پیش کر دیا تو یہ جائز ہے کیونکہ اگر دونوں ہی عدالت میں بولنے لگیں تو شور ہوگا اور یہ آداب مجلس کے خلاف ہے۔

(۱۴/۲۹۸۱) وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلِلْاٰخَرِ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ.

ترجمہ: کسی نے وصیت کی ایک کے لئے اپنے تہائی مال کی اور دوسرے کے لئے بھی تہائی کی اور ورثاء نے اس کو منظور نہیں کیا تو تہائی ان دونوں میں آدھی آدھی ہوگی۔

تشریح: کسی نے زید کے لئے بھی تہائی مال کی وصیت کی اور عمرو کے لئے بھی تہائی کی، اور ورثاء نے اس کو منظور نہیں کیا تو تہائی مال دونوں میں نصفا نصف ہوگا کیوں کہ محل نفاذ وصیت فقط ثلث ہے اور ورثاء نے ثلث سے زیادہ میں اجازت نہیں دی تو ایک ثلث زید اور عمرو کے درمیان آدھا آدھا ہوگا۔

(۲۹۸۲/۱۵) وَاِنْ اَوْصٰى لِاَحَدِهِمَا بِالثُّلُثِ وَلِلْآخَرِ بِالسُّدُسِ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا اَثْلَاثًا.

ترجمہ: اگر ایک کیلئے تہائی کی وصیت کی اور دوسرے کیلئے چھٹے کی تو تہائی ان دونوں میں تین تہائی ہوگا۔

تشریح: اگر موصی نے خالد کے لئے تہائی مال کی وصیت کی اور بکر کے لئے چھٹے حصہ کی تو صرف ثلث ہی ان دونوں کو دیا جائے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ خالد کو ثلث میں سے $\frac{2}{3}$ اور بکر کو $\frac{1}{3}$ ملیں گے۔

(۲۹۸۳/۱۶) وَاِنْ اَوْصٰى لِاَحَدِهِمَا بِجَمِيْعِ مَالِهٖ وَلِلْآخَرِ بِثُلُثِ مَالِهٖ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا عَلٰى اَرْبَعَةِ اَسْهُمٍ عِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى الثُّلُثُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ وَلَا يَضْرِبُ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْمُوْصٰى لَهٗ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ اِلَّا فِي الْمُحَابَاةِ وَالسِّعَايَةِ وَالدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کردے ایک کے لئے کل مال کی اور دوسرے کے لئے تہائی کی تو تہائی ان دونوں میں چار حصوں پر ہوگا صاحبینؒ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ تہائی ان میں آدھا آدھا ہوگا اور نہیں دلاتے امام صاحب موصی لہ کو تہائی سے زیادہ مگر محابات سعایت اور دراہم مرسلہ میں۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے اپنے پورے مال کی وصیت کردی اور بکر کے لئے ثلث مال کی اور ورثاء نے اجازت نہیں دی تو صاحبین کے نزدیک خالد کے لئے $\frac{3}{4}$ اور بکر کے لئے $\frac{1}{4}$ ہوگا، اور امام صاحب کے نزدیک صورت مذکورہ میں دونوں ثلث کے اندر برابر کے شریک ہوں گے کیوں کہ ثلث سے زیادہ کی وصیت جب کہ ورثاء اجازت نہ دیں باطل ہے اور باطل کا کچھ اعتبار نہیں تو ثلث تک باقی رہی پھر ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ خالد و بکر کے حقوق کا تناسب دیکھا تو جاتا ہے مگر تہائی مال تک دیکھا جاتا ہے، اور اگر وصیت تہائی سے بڑھ جائے تو پھر حقوق کا تناسب نہیں دیکھا جائے گا بلکہ دونوں کو برابر برابر ثلث میں شریک کردیا جائے گا اور صورت مذکورہ میں وصیت ثلث مال سے بڑھی ہوئی ہے جیسا کہ ظاہر ہے، مذکورہ قاعدہ سے تین مسائل مستثنیٰ ہیں۔ (۱) محابات فی البیع، زید کے دو غلام ہیں ان میں سے ایک کی قیمت گیارہ سو روپے ہے اور دوسرے کی چھ سو روپے ہے، پہلے غلام کی وصیت زید نے خالد کے لئے اور دوسرے کی بکر کے لئے کی اور یوں کہا کہ یہ غلام خالد کو فروخت کردینا سو روپے میں اور یہ دوسرا فروخت کردینا سو روپے میں چناں چہ ایسا ہی کردیا گیا اور زید نے ان دونوں غلاموں کے علاوہ اتنا مال چھوڑا ہے جو ان کا دو ثلث یا زیادہ ہے، تو یہ وصیت پوری پوری نافذ ہوگی اور اگر زید نے ان دونوں کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا ہے تو وہ وصیت صرف تہائی میں نافذ ہوگی

اور وہ تہائی دونوں موصی لہ کو ان کے حق کے تناسب سے ملے گی تو گویا زید نے خالد کے لئے ہزار روپے اور بکر کے لئے پانچ سو روپے وصیت کئے ہیں جن کا تہائی ۵۰۰ر ہے تو خالد کے لئے ۵۰۰ر کا ۲/۳ ۳۳۳ روپے، ۳۴ر پیسے اور بکر کو ۱/۳ ۱۶۶ روپے ۶۶ پیسے ملیں گے اور باقی قیمت موصی کے ورثاء کو دیں گے بہر حال اگر امام کے نزدیک یہ صورت مستثنیٰ نہ ہوتی تو خالد اور بکر دونوں کے لئے ۵۰۰ میں سے آدھا آدھا ہوتا اور باقی قیمت موصی کے ورثاء کو دیتے مگر یہاں امام صاحب نے اپنے اس اصول کو چھوڑ دیا ہے۔

(۲) سعایہ کی صورت یہ ہے کہ زید نے اپنے دو غلاموں کے عتق کی وصیت کی اور زید کا کوئی مال ان دونوں غلاموں کے علاوہ نہیں ہے اور ان میں سے ایک کی قیمت دو ہزار ہے اور دوسرے کی ایک ہزار تو یہ وصیت تہائی کے اندر نافذ ہوگی اور دو ثلث کے اندر ان پر قیمت واجب ہوگی جو یہ کما کر ورثاء کو دیں گے لیکن اس تہائی کے اندر دونوں کی قیمت کے تناسب سے بٹوارہ ہوگا اور ان دونوں کی قیمت کا مجموعہ ۳۰۰۰ ہے، جس کا تہائی ہزار ہے تو جس غلام کی قیمت دو ہزار ہے اس کی قیمت میں سے ۶۶۶ روپے ساقط ہو جائیں گے اور باقی وہ کما کر ورثاء کو دے گا اور جس غلام کی قیمت ہزار روپے ہے اس کی قیمت میں سے ۳۳۳ر روپے ساقط ہو جائیں گے، اور وہ اپنی بقیہ قیمت کما کر ورثاء کو دے گا۔

(۳) دراہم مرسلہ: کا مطلب یہ ہے کہ یہ متعین نہ کیا جائے کہ ثلث اس کا ہے اور نصف اس کا ہے بلکہ وہ مطلقاً یوں کہتا ہے کہ دو سو روپے کی وصیت خالد کے لئے ہے اور بکر کے لئے سو کی اور اس کے پاس صرف یہی مال ہے تو یہ وصیت صرف ثلث یعنی سو میں نافذ ہوگی جن میں سے اول کو ۶۶ روپے اور دوسرے کو ۳۳ر روپے ملیں گے۔

(۲۹۸۴/۱۷) وَمَنْ اَوْصٰى وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِمَالِهِ لَمْ يَجُزِ الْوَصِيَّةُ اِلَّا اَنْ يَبْرَأَ الْغُرَمَاءُ مِنَ الدَّيْنِ.

ترجمہ: کسی نے وصیت کی اور اس کے ذمہ اتنا قرض ہے جو اس کے مال کو محیط ہے تو جائز نہ ہوگی وصیت مگر یہ کہ بری کردیں قرضخواہ قرض سے۔

تشریح: اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہو جو اس کے مال کو محیط ہے تو اس کے لئے وصیت کرنا ناجائز ہے کیونکہ قرضہ وصیت پر مقدم ہے، البتہ اگر قرضخواہوں نے مقروض کو قرض سے بری کردیا تو اب اس کی وصیت مذکورہ جائز ہو جائے گی کیونکہ قرض ختم ہونے کی وجہ سے مانع زائل ہو چکا ہے لہٰذا جس صورت میں جتنی وصیت جائز ہے وہ اب سب جائز ہو جائے گی۔

فائدہ: جس کا نہ کوئی وارث ہو اور نہ اس پر قرض ہو تو اس کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے صدقہ کرنے کے بعد جو مال باقی بچے اس تمام کی وصیت کر جائے۔ (۲) اگر حربی مستامن اپنے سارے مال کی وصیت کردے تو جائز ہے کیونکہ ورثاء موجود نہیں ہیں۔

(۲۹۸۵/۱۸) وَمَنْ اَوْصٰى بِنَصِيبِ ابْنِهٖ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے بیٹے کے حصہ کی تو وصیت باطل ہے۔

تشریح: اگر موصی نے اس طرح وصیت کی کہ میرے بیٹے کو میری وراثت میں سے جتنا حصہ ملے گا وہی حصہ فلاں کے لئے وصیت کرتا ہوں تو یہ وصیت باطل ہے، کیونکہ بیٹے کا حصہ بیٹے کی ملکیت ہوگا تو موصی کو یہ حق کہاں ہے کہ وہ غیروں کے مال کی وصیت کردے لہٰذا یہ وصیت باطل ہوگی۔

(۱۹/۲۹۸۶) وَاِنْ اَوْصٰی بِمِثْلِ نَصِیْبِ ابْنِہٖ جَازَتْ فَاِنْ کَانَ لَہ ابْنَانِ فَلِلْمُوْصٰی لَہُ الثُّلُثُ.

ترجمہ: اور اگر وصیت کردے بیٹے کے حصہ کے مثل کی تو جائز ہوگی اب اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو موصی لہ کے لئے تہائی ہوگا۔

تشریح: اگر موصی نے اس طرح وصیت کی کہ میرے بیٹے کا جتنا حصہ ہے اتنے کی میں نے فلاں کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہے کیونکہ یہاں موصی نے دوسروں کے مال کی وصیت نہیں کی بلکہ موصی بہ کو غیر کے مال سے ناپا ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شیٔ کا مثل اسی شیٔ کا غیر ہوا کرتا ہے، معلوم ہوا کہ موصی نے دوسروں کے حق کی وصیت نہیں کی بلکہ بیٹے کے حق سے موصی بہ کو ناپا ہے اور موصیٰ بہ کا اندازہ لگایا ہے، آگے فرماتے ہیں کہ اگر موصی کے دو بیٹے تھے تو موصی لہ کو تیسرا بیٹا شمار کیا جائے گا اور تینوں کو ایک ایک تہائی مل جائے گی۔

(۲۰/۲۹۸۷) وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدَہٗ فِیْ مَرَضِہٖ اَوْ بَاعَ وَحَابٰی اَوْ وَھَبَ فَذٰلِکَ کُلُّہٗ جَائِزٌ وَھُوَ مُعْتَبَرٌ مِنَ الثُّلُثِ وَیُضْرَبُ بِہٖ مَعَ اَصْحَابِ الْوَصَایَا.

ترجمہ: اور جس نے آزاد کیا اپنا غلام اپنی بیماری میں یا بیچ دیا اور محابات کی یا ہبہ کردیا تو یہ سب جائز ہے جو تہائی سے معتبر ہے، اور شریک کیا جائے گا اس کو اصحاب وصایا کے ساتھ۔

تشریح: یہاں قدوری کے نسخے مختلف ہیں بعض نسخوں میں ہے "فذلك كله جائز" اور بعض میں اس کے بجائے یوں ہے "فهو وصية" اور دونوں باتوں کا مآل ایک ہے مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت کے درجہ میں ہے کیوں کہ معتق ایسے زمانہ میں احسان کررہا ہے جب کہ اس کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوگیا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرض الموت میں کسی نے اپنا غلام آزاد کیا تو تہائی مال سے آزاد ہوگا اس سے زائد آزاد نہ ہوگا مثلاً اس کے پاس کل مال چھ ہزار ہے اور غلام کی قیمت دو ہزار ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا لیکن اگر غلام کی قیمت چار ہزار ہے تو آدھا غلام آزاد ہوگا جو میت کے مال کا تہائی ہے، یعنی دو ہزار کے مطابق اور باقی آدھا سعی کرکے وارثین کو دے گا اور اگر کسی اور کے لئے دو ہزار دینے کی وصیت بھی کررکھی ہے تو اب غلام کا ایک ہزار یعنی آدھا آزاد ہوگا اور ایک ہزار کی سعی کرے گا اور وصیت والے کو ایک ہزار دیا جائے گا۔

قولہ او باع وحابی: مرض الموت میں کسی نے غلام بیچ دیا اور بیع میں محابات کی مثلاً غلام کی قیمت دو ہزار تھی

ایک سو میں بیچ دیا تو یہ بیچنا جائز تو ہے لیکن مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس کی حیثیت وصیت کی طرح ہوگئی یعنی یہ دو ہزار اگر کل مال کا تہائی ہے تب تو جائز ہے اور تہائی سے زیادہ ہے تو تہائی تک نفاذ ہوگا اور اگر اور بھی وصیت کر رکھی ہے تو تہائی مال پر تقسیم کی جائے گی مثلاً دو ہزار کی دوسری وصیت بھی کی ہے، تو یہ مل کر چار ہزار ہو گئے اور ملکیت کل چھ ہزار ہے تو محابات اور وصیت میں آدھا آدھا کم ہو جائے گا ایک ہزار وصیت والے کو دیا جائے گا اور ایک ہزار محابات والے کا معاف ہوگا باقی ایک ہزار میں مشتری کو خریدنا ہوگا۔

قولہ او وھب: مرض الموت میں غلام ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہے لیکن اس کی حیثیت بھی وصیت کی طرح ہو جائے گی جیسا کہ بالتفصیل ماقبل میں آچکا ہے، اور اگر اس کے علاوہ بھی وصیتیں ہیں تو سب کو حصوں پر تقسیم کریں گے۔

ویضرب بہ مع اصحاب الوصایا: یعنی اگر مریض نے اس کے علاوہ اوروں کے لئے بھی وصیت کی تو اسی تہائی میں وہ بھی شریک ہوں گے، کما مر مفصلاً۔

(۲۱/۲۹۸۸) فَإِنْ حَابٰى ثُمَّ أَعْتَقَ فَالْمُحَابَاةُ أَوْلٰى عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِنْ أَعْتَقَ ثُمَّ حَابٰى فَهُمَا سَوَاءٌ وَقَالَا الْعِتْقُ أَوْلٰى فِي الْمَسْئَلَتَيْنِ.

ترجمه: اگر پہلے محابات کرے پھر آزاد کرے تو محابات اولیٰ ہوگی امام صاحبؒ کے نزدیک اور اگر آزاد کرے پھر محابات کرے تو یہ دونوں برابر ہیں اور صاحبین نے فرمایا کہ آزادی اولیٰ ہے، دونوں مسئلوں میں۔

تشریح: اگر محابات اور عتق جمع ہو جائیں تو اب کون مقدم ہوگا تو اس میں صاحبین اور امام ابوحنیفہؒ کا اختلاف ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ عتق ہر حال میں محابات سے اولیٰ ہے، اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر پہلے مریض نے محابات کی ہو اور اس کے بعد آزاد کیا ہو تو اس صورت میں تو محابات عتق سے اولیٰ ہے، اور اگر اس نے پہلے آزاد کیا ہو اور پھر محابات کی ہو تو دونوں برابر ہیں، برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ثلث میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے اور محابات کے مقدم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ثلث کے اندر پہلے محابات کو جاری کیا جائے گا اگر کچھ بچ جائے تو مابقیہ میں آزادی نافذ ہوگی ورنہ نہیں اور عتق کے مقدم ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ثلث سے پہلے آزادی کو نافذ کریں گے اگر کچھ بچ جائے تو مابقیہ میں محابات کو جاری کریں گے ورنہ نہیں۔

محابات کے اولیٰ کی مثال: مرض الموت میں دو ہزار کے غلام کو ایک سو میں فروخت کر دیا اور دوسرے غلام کو آزاد کر دیا وہ بھی دو ہزار کا تھا اور کل مالیت چھ ہزار تھی تو اب محابات کو ترجیح دے کر غلام کی بیع ایک سو میں نافذ کر دی جائے گی اور جس غلام کو آزاد کیا ہے وہ اپنی پوری قیمت کما کر دے گا۔

برابر ہونے کی مثال: پہلے آزاد کیا پھر محابات کی مثلاً آزاد کردہ غلام دو ہزار کا اور محابات کردہ غلام بھی دو ہزار کا ہے اور کل ملکیت چھ ہزار ہے تو آزاد کردہ غلام کا آدھا آزاد ہوگا اور باقی آدھا یعنی ایک ہزار کما کر میت کے

ورثاء کودے گا اور محابات کردہ غلام کی قیمت ایک ہزار مشتری کو ادا کرنی ہوگی۔

آزادی کے مقدم ہونے کی مثال: محابات پہلے کی ہو یا آزاد پہلے کیا ہو ہر حال میں آزادی کو ترجیح دی جائے گی مثلاً کل ملکیت چھ ہزار ہے اور آزاد کردہ غلام دو ہزار کا ہے اور محابات کردہ بھی دو ہزار کا ہے تو اب غلام آزاد ہوگا اور محابات والے کو غلام کی پوری قیمت دے کر خریدنا ہوگا۔

(۲۲/۲۹۸۹) وَمَنْ اَوْصٰی بِسَهْمٍ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ اَخَسُّ سِهَامِ الْوَرَثَةِ اِلَّا اَنْ یَنْقُصَ عَنِ السُّدُسِ فَیُتَمَّ لَهُ السُّدُسُ وَاِنْ اَوْصٰی بِجُزْءٍ مِّنْ مَالِهٖ قِیْلَ لِلْوَرَثَةِ اَعْطُوْهُ مَاشِئْتُمْ.

ترجمہ: کسی نے وصیت کی اپنے مال کے ایک حصہ کی تو اس کے لئے ورثاء کے حصوں میں سے گھٹیا ہے مگر یہ کہ کم ہو گھٹیا چھٹے سے تو پورا کر دیا جائے گا اس کے لئے چھٹا، اور اگر وصیت کردے اپنے مال کے ایک جزء کی تو کہا جائے گا ورثاء سے کہ دے دو جو چاہو۔

تشریح: اگر موصی نے وصیت ان الفاظ میں کی کہ میرے مال کا ایک حصہ فلاں کے لئے ہے، یا میرے مال کا ایک جزء فلاں کے لئے ہے تو سہم (حصہ) اور جزء دونوں ہم معنی ہیں اور دونوں کے اندر جہالت ہے اور جہالت وصیت کے لئے نقصان دہ نہیں تو وصیت تو جائز و درست ہوگئی مگر یہ ابہام اس میں رہ گیا کہ کس کو کتنا ملے گا تو یہ فیصلہ موصی کی وضاحت پر موقوف ہے، اور اگر موصی وضاحت نہ کر سکا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا تو اب اس کے ورثاء موصی کے قائم مقام ہو گئے، لہٰذا ورثاء اس کی وضاحت کریں گے کہ سہم اور جزء سے کیا مراد ہے ورثاء جو بھی وضاحت کردیں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر اسی پر عمل کیا جائے گا یہ ہے اصل مسئلہ مگر اہل کوفہ کی اصطلاح میں سہم بمعنی سدس مستعمل ہوتا تھا اس لئے امام صاحبؒ و صاحبین کے نزدیک سہم بولنے کی صورت میں اختلاف ہو گیا، صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر سہم بولا تو موصی کے ورثاء کے سہام کو دیکھا جائے گا ان میں سے جو سہم سب سے کم ہو اتنا ہی حصہ موصی لہ کو دے دیا جائے گا لیکن اگر اتفاق سے کوئی جگہ ایسی آجائے کہ جس میں سہم ثلث سے بڑھ جائے تو وہاں ورثاء کی اجازت کے بغیر ثلث سے زیادہ نہیں دیا جائے گا اور امام صاحب کے نزدیک صورت مذکورہ میں موصی لہ کو سدس دیا جائے گا نہ اس سے کم کریں گے نہ زیادہ اور یہی سدس نسبی ذوی الفروض کے سہام میں اخس السہام ہے۔

(۲۳/۲۹۹۰) وَمَنْ اَوْصٰی بِوَصَایَا مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰی قُدِّمَتِ الْفَرَائِضُ مِنْهَا عَلٰی غَیْرِهَا قَدَّمَهَا الْمُوْصِیْ اَوْ اَخَّرَهَا مِثْلُ الْحَجِّ وَالزَّکٰوةِ وَالْکَفَّارَاتِ وَمَالَیْسَ بِوَاجِبٍ قُدِّمَ مِنْهُ مَا قَدَّمَهُ الْمُوْصِیْ.

ترجمہ: جس نے چند وصیتیں کیں حقوق اللہ کی تو مقدم کیا جائے گا فرائض کو ان میں سے اور وصیتوں پر مقدم کیا ہو ان کو موصی نے یا مؤخر جیسے حج، زکوۃ اور کفارات اور جو واجب نہیں تو ان میں مقدم کیا جائے گا اس کو جس کو مقدم کیا ہے موصی نے۔

کونسی وصیتیں مقدم ہوں گی اور کونسی مؤخر ہوں گی

تشریح: اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ کوئی اللہ تعالیٰ کا حق ہے مثلاً نماز یا روزہ یا حج یا کفارہ یا نذر یا صدقۂ فطر تو اب دو صورتیں ہیں مرنے والے نے ان کے بارے میں وصیت کی ہے یا نہیں اگر نہیں کی تو ورثاء پر ان کی ادائیگی واجب نہیں ہے بلکہ ورثاء کو نکالنے اور نہ نکالنے کا اختیار ہے، اگر وصیت کی ہو تو مرحوم کے تہائی مال سے ان کی ادائیگی واجب ہوگی پھر وصیتوں میں کونسی وصیت مقدم ہوگی تو اس میں تفصیل ہے، وہ وصایا اللہ کا حق ہوں گی یا بندوں کا اور جو اللہ کا حق ہیں وہ یا تو سب وصایا فرائض میں داخل ہونگی جیسے زکوٰۃ اور حج اور روزہ اور نماز یا سب واجبات میں داخل ہوں گی جیسے کفارات اور نذر اور صدقۂ فطر یا سب وصایا تطوع میں داخل ہوں گی جیسے حج نفلی کی وصیت اور فقراء پر صدقہ کی وصیت اگر موصی نے ان تمام وصایا کو جمع کر دیا ہو تو اگر موصی کا ثلث مال تمام وصایا کے نفاذ کے لئے کافی ہو سکے تو ان تمام وصایا کو نافذ کر دیا جائے گا اور اگر موصی کا ثلث مال ان تمام وصایا کے لئے کافی نہ ہو لیکن ورثاء نے اجازت دے دی ہو کہ ان تمام وصایا کو نافذ کر دیا جائے تو ان سب کو نافذ کر دیا جائے گا اور اگر ورثاء نے اجازت نہ دی ہو تو اب دیکھا جائے کہ یہ تمام وصایا فرائض میں داخل ہیں یا نہیں اگر سب فرائض میں داخل ہوں تو جس وصیت کو مقدم بیان کیا ہے اس سے ابتداء کی جائے گی اور اگر بعض فرائض اور بعض غیر فرائض ہوں تو اولاً فرائض سے ابتداء کی جائے گی اگرچہ موصی نے ذکر میں فرائض کو مؤخر کیا ہو اور واجبات و نوافل کو مقدم کیا ہو اور وصایا جب فرائض و واجبات میں سے نہ ہوں بلکہ نوافل میں سے ہوں تو جس کو موصی نے مقدم بیان کیا ہے اسی کو مقدم کیا جائے گا۔

(۲۹۹۱/۲۴) وَمَنْ اَوْصٰى بِحَجَّةِ الْاِسْلَامِ اَحَجُّوْا عَنْهُ رَجُلًا مِنْ بَلَدِهٖ يَحُجُّ رَاكِبًا.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی حج کرنے کی تو حج کے لئے روانہ کریں کسی شخص کو اس کے شہر سے جو حج کے لئے جائے سوار ہو کر۔

تشریح: زید کے اوپر حج فرض ہے اس نے مرض الموت میں وصیت کی کہ میری طرف سے حج کرا دینا تو ایسی صورت میں ورثاء پر واجب ہوگا کہ اس کے مال سے حج کرائیں اور کسی شخص کو منتخب کریں کہ وہ موصی کے شہر سے حج کرے اور یہ غیر جو حج کرے گا سوار ہو کر کرے گا کیونکہ زید کے اوپر پیدل چل کر حج کرنا لازم نہیں تھا بلکہ سوار ہو کر واجب تھا تو اسی طریقہ سے غیر ادا کریگا۔

(۲۹۹۲/۲۵) فَاِنْ لَّمْ تَبْلُغِ الْوَصِيَّةُ النَّفَقَةَ اَحَجُّوْا عَنْهُ مِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ.

ترجمہ: اگر نہ پہنچے وصیت نفقہ کو تو حج کرائیں جہاں سے ہو سکے۔

تشریح: اگر مریض نے وصیت کی کہ میرے مال سے حج کرایا جائے لیکن اس کے مال کا تہائی اتنا نہیں ہے

کہ گھر سے سوار ہو کر حج کروا سکے، تو ایسی صورت میں جس جگہ سے حج ہو سکے وہاں سے حج کرایا جائے مثلاً اتنا مال نہیں ہے کہ ریڑھی تا چورہ سے حج ہو سکے البتہ ممبئی سے حج ہو سکتا ہے تو ممبئی سے حج کرایا جائے۔

(۲۹۹۳/۲۶) وَمَنْ خَرَجَ مِنْ بَلَدِهٖ حَاجًّا فَمَاتَ فِي الطَّرِيْقِ وَاَوْصٰى اَنْ يُحَجَّ عَنْهُ حُجَّ عَنْهُ مِنْ بَلَدِهٖ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُحَجُّ عَنْهُ مِنْ حَيْثُ مَاتَ.

ترجمہ: اور جو شخص نکلا اپنے شہر سے حج کے لئے پھر مر گیا وہ راستہ میں اور وصیت کر گیا حج کرانے کی تو حج کرایا جائے اس کے شہر سے اس کی جانب سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ حج کرایا جائے وہاں سے جہاں وہ مرا ہے۔

حاجی راستہ میں مرجائے اور حج کی وصیت کر کے جائے تو اب کیا حکم ہے؟

تشریح: زید اپنے گھر سے نکلا اور صرف حج کے ارادہ سے نکلا تجارت وغیرہ مقصود نہیں اور وہ راستہ میں مر گیا اور یہ وصیت کر گیا کہ میری جانب سے حج کرایا جائے تو اس کی جانب سے حج کرایا جائے گا لیکن اختلاف اس میں ہے کہ یہ حج کہاں سے کرایا جائے گا مرنے والے کے شہر سے یا اس جگہ سے جہاں اس کا انتقال ہوا ہے؟ حضرات صاحبین فرماتے ہیں کہ جہاں زید کا انتقال ہوا ہے وہیں سے زید کی جانب سے حج کرایا جائے گا اور صاحبین نے یہ حکم استحساناً بیان کیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ و امام زفر کا قول یہ ہے کہ زید کے شہر سے حج کرایا جائے گا۔

(۲۹۹۴/۲۷) وَلَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ وَالْمُكَاتَبِ وَاِنْ تَرَكَ وَفَاءً.

ترجمہ: اور صحیح نہیں بچہ اور مکاتب کی وصیت اگرچہ وہ چھوڑ جائے اتنا مال جو کافی ہو۔

کن لوگوں کی وصیت صحیح نہیں؟

تشریح: بچہ اگر وصیت کرے تو صحیح ہے یا نہیں؟ اس میں ہمارا اور امام شافعیؒ کا اختلاف ہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگر بچہ وجوہ خیر میں وصیت کرے تو جائز ہے، اور اگر غلام یا مکاتب نے تعلیقاً وصیت کی کہ جب میں آزاد ہو جاؤں تو میرا اتنا مال فلاں کیلئے وصیت ہے تو یہ وصیت صحیح ہوگی کیونکہ عدم جواز حق آقا کی وجہ سے تھا اور جب وصیت کی تعلیق آزادی پر ہوئی تو اب آقا کا حق باقی نہ رہا، اور تنجیزاً مکاتب کی وصیت جائز نہیں ہے مثلاً وہ یوں کہے اَوْصَيْتُ بِثُلُثِ مَالِي لِفُلَانٍ، اگر وہ بدل کتابت کے برابر بھی مال چھوڑ کر مرے تب بھی اس کی وصیت صحیح نہ ہوگی۔

(۲۹۹۵/۲۸) وَيَجُوْزُ لِلْمُوْصِيْ الرُّجُوْعُ عَنِ الْوَصِيَّةِ.

ترجمہ: اور جائز ہے موصی کیلئے رجوع کرنا وصیت سے۔

وصیت سے رجوع کرنے کا بیان

تشریح: وصیت کرنے کے بعد وصیت کرنے والا موت سے پہلے اپنی وصیت میں کوئی تبدیلی کرنا چاہتا ہو یا وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہو تو اس کو حق ہے کیوں کہ وصیت مکمل ہوتی ہے موصی لہٗ کے قبول کرنے کے بعد اور موصی لہٗ موصی کے مرنے کے بعد ہی قبول کر سکے گا اس لئے وصیت کو قبول کرنے سے پہلے وصیت سے رجوع کر سکتا ہے۔

(۲۹/۲۹۹۶) وَاِذَا صَرَّحَ بِالرُّجُوْعِ كَانَ رُجُوْعًا.

ترجمہ: اور جب صراحۃً رجوع کرے تو یہ رجوع ہو جائے گا۔

تشریح: ماقبل میں آچکا ہے کہ موصی کیلئے وصیت سے رجوع جائز ہے اب فرما رہے ہیں کہ رجوع کے دو طریقے ہیں (۱) صراحۃً رجوع کر لیا جائے مثلاً صاف لفظوں میں کہے کہ میں اس وصیت کو واپس لیتا ہوں (۲) کوئی ایسا کام کر دیا جائے جو رجوع پر دلالت کرے مثلاً پہلے کہا تھا کہ اس غلام کو فلاں کیلئے وصیت کر دیا اور پھر اس کو بیچ دے یا آزاد کر دے بہر حال دونوں صورتوں میں رجوع کرنا درست ہے قدوری کے بعض نسخوں میں دونوں طریقے مذکور ہیں۔

(۳۰/۲۹۹۷) وَمَنْ جَحَدَ الْوَصِيَّةَ لَمْ يَكُنْ رُجُوْعًا.

ترجمہ: اور جو انکار کرے وصیت کا تو یہ رجوع نہ ہوگا۔

تشریح: یہاں سے یہ مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر موصی سرے سے وصیت ہی کا انکار کر دے یعنی یوں کہے کہ میں نے کبھی وصیت کی ہی نہیں ہے تو صاحب قدوریؒ نے یہاں پر امام محمدؒ کا قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ انکار رجوع نہ ہوگا کیوں کہ کسی چیز سے رجوع کرنا پہلے اس چیز کے ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا انکار نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس اگر انکار کو رجوع مانا جائے تو وصیت کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کو مقتضی ہوگا اور یہ محال ہے کہ ایک چیز ہو بھی اور نہ بھی ہو۔ مبسوط کی روایت کے مطابق امام ابو یوسفؒ کا اور عیون کی روایت کے مطابق ائمہ ثلاثہ کا قول یہ ہے کہ انکار میں بھی رجوع کا معنی پایا جاتا ہے لکن المتون کلها علی قول محمد وبه يفتى كمافي المجمع.

(۳۱/۲۹۹۸) وَمَنْ اَوْصٰى لِجِيْرَانِهٖ فَهُمُ الْمُلَاصِقُوْنَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

حل لغات: جیران: جار کی جمع ہے پڑوسی، الملاصقون واحد ملاصق، اسم فاعل مصدر ملاصقة چپکانا، مراد متصل، ملا ہوا۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے پڑوسیوں کیلئے تو ملے ہوئے پڑوسی مراد ہوں گے امام صاحبؒ کے نزدیک۔

اقارب وغیرا قارب کیلئے وصیت کرنے کا بیان

تشریح: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی میرے پڑوسیوں کیلئے ہے تو اس سے کون سا پڑوسی مراد ہوگا؟ کیوں کہ پڑوسی کئی قسم کے ہوتے ہیں (۱) جس سے قرابت کا پڑوس ہو (۲) زمین کا پڑوسی (۳) گھر کا پڑوسی، یہاں بالاتفاق گھر کا پڑوسی مراد ہے پھر اس کی تفسیر میں اختلاف ہے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جیران سے مراد وہ پڑوسی ہیں جن کا گھر موصی کے گھر سے متصل اور ملا ہوا ہو ان کے دروازے قریب ہوں یا دور ہوں اور صاحبین نے فرمایا کہ جیران سے مراد ملاصقین بھی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ لوگ بھی اس میں داخل ہیں جو موصی کے محلہ میں رہتے ہیں اور جو موصی کی مسجد کے نمازی ہیں۔

(۳۲/۲۹۹۹) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَصْهَارِهٖ فَالْوَصِيَّةُ لِكُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنِ امْرَأَتِهٖ.

حل لغت: اصهار جمع ہے صهر کی، سسر داماد عزیز قریب چاہے شوہر کا ہو چاہے زوجہ کا، بہن کا شوہر یعنی بہنوئی، ہمارے ملک میں، صہر، کا ترجمہ خسر سے کرتے ہیں۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی سسرال والوں کیلئے تو وصیت اس کی بیوی کے ہر ذی رحم محرم کیلئے ہوگی۔

تشریح: ایک شخص نے اپنے اصہار کیلئے وصیت کی تو اس وصیت میں کون لوگ داخل ہوں گے؟ فرمایا کہ بیوی کے تمام ذی رحم محرم اس میں داخل ہوں گے یعنی اس کی بیوی کے اہل قرابت میں سے ہر وہ مرد داخل ہوں گے جسکی قرابت اس کی بیوی کے ساتھ از راہ نسب اس طرح ہو کہ شرعاً وہ اس کا محرم ہو یعنی اس کی زوجہ کو اس کے ساتھ دائمی نکاح کرنا حرام ہو جیسے زوجہ کا باپ اور بھائی اور ماموں اور چچا وغیرہ پس عورت کے ایسے قرابتی اس کے شوہر کے اصہار ہیں اور یہ عرب کا عرف ہے اور ہمارے ملک میں صہر کا ترجمہ خسر سے کرتے ہیں۔

(۳۳/۳۰۰۰) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَخْتَانِهٖ فَالْخَتَنُ زَوْجُ كُلِّ ذَاتِ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے دامادوں کیلئے تو داماد ہر ذی رحم محرم عورت کا شوہر ہوگا۔

تشریح: اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میرے اختان کو اتنا مال دے دینا تو اختان میں ہر اس عورت کا شوہر داخل ہوگا جو موصی کی ذی رحم محرم ہے جیسے بہن پھوپھی خالہ وغیرہ، اور اگر عورت وصیت کرے تو اس کے شوہر کے ذی رحم محرم اس میں داخل ہوں گے اس لئے کہ ان سب کو ختن کہتے ہیں اس پر بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ اہل کوفہ کا عرف ہے ورنہ ہمارے عرف میں اختان سے صرف محارم عورتوں کے ازواج مراد ہوں گے۔

(۳۴/۳۰۰۱) وَمَنْ اَوْصٰی لِاَقَارِبِهٖ فَالْوَصِيَّةُ لِلْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ مِنْ كُلِّ ذِیْ رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ

وَلَا يَدْخُلُ فِيهِمُ الْوَالِدَانِ وَالْوَلَدُ وَيَكُوْنُ لِلاثْنَيْنِ فَصَاعِداً.

حل لغات: اقارب: رشتہ دار، فصاعداً: یعنی اس سے اوپر اور یہ باعتبار حالیت کے منصوب ہوا کرتا ہے۔

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی قرابتداروں کیلئے تو وصیت اقرب کیلئے ہوگی پھر اس کیلئے جو اس کے بعد اقرب ہو یعنی موصی کا ہر ذی رحم محرم اور داخل نہ ہوں گے ان میں والدین اور اولاد، اور ہوگی دو اور دو سے زیادہ کیلئے۔

تشریح: زید نے اپنے اقرباء کیلئے وصیت کی تو اس میں کون داخل ہوگا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چھ چیزوں کا لحاظ ہوگا (۱) مستحق وہ ہوگا جو موصی کا ذی رحم محرم ہوگا (۲) وہ ذی رحم محرم خواہ باپ کی طرف سے ہو یا ماں کی طرف سے (۳) اور اس وصیت کا حقدار صرف وہ ہوگا جو موصی کا وارث نہ ہو (۴) اس میں الاقرب فالاقرب کا لحاظ ہوگا لہٰذا اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو وصیت نہیں ملے گی جیسا کہ میراث میں ہوتا ہے مثلاً میت کا بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹا عصبہ ہوگا اور پوتا ساقط، باپ اور دادا میں، باپ عصبہ ہوگا اور دادا ساقط اور دادا کی موجودگی میں پردادا ساقط ہوگا، بھائی اور بھتیجے میں بھائی عصبہ ہوگا اور بھتیجا ساقط چچا اور چچا کے لڑکوں میں چچا عصبہ ہوگا اور چچا کے لڑکے ساقط، (۵) مستحق وصیت یہاں دو یا اس سے زیادہ ہوں گے کیوں کہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے اور میراث نے اندر جمع سے مراد دو ہوتے ہیں تو اسی طرح وصیت کے اندر بھی جمع سے مراد کم از کم دو ہوں گے (۶) اس وصیت میں والدین اور اولاد داخل نہ ہوں گی کیوں کہ عرف لسانی میں قریب اس کو کہتے ہیں جو بالواسطہ رشتہ دار ہوں اور والدین اور اولاد براہ راست رشتہ دار ہیں۔

(۳۰۰۲/۳۵) وَاِذَا اَوْصٰى بِذٰلِكَ وَلَهٗ عَمَّانِ وَخَالَانِ فَالْوَصِيَّةُ لِعَمَّيْهِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمہ: اور جب کسی نے وصیت کی یہی اور اس کے دو چچا دو ماموں ہیں تو وصیت اس کے چچاؤں کے لئے ہوگی، امام صاحبؒ کے نزدیک۔

تشریح: امام صاحبؒ کے نزدک وصیت میں میراث کے مثل الاقرب فالاقرب کا قاعدہ جاری ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ قاعدہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی اور اس کے اقرباء میں سے دو چچا اور دو ماموں موجود ہیں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چچا ماموں سے اقرب ہیں، لہٰذا پوری وصیت دونوں چچا لیں گے اور ماموں کو کچھ نہ ملے گا اور صاحبین کے نزدیک وصیت کے چار حصے کر دیئے جائیں اور ہر ایک برابر کا شریک ہوگا۔

(۳۰۰۳/۳۶) وَاِنْ كَانَ لَهٗ عَمٌّ وَخَالَانِ فَلِلْعَمِّ النِّصْفُ وَلِلْخَالَيْنِ النِّصْفُ.

ترجمہ: اور اگر اس کے ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لئے نصف ہوگی اور دو ماموں کے لئے نصف۔

تشریح: اگر موصی نے اقرباء کے لئے وصیت کی تھی اور اس نے صرف ایک چچا اور دو ماموں چھوڑے ہیں تو چونکہ اقرباء جمع کا صیغہ ہے، جس کے لئے کم از کم دو افراد درکار ہیں اور چچا صرف ایک ہے اس لئے وہ چچا صرف نصف

وصیت کا حقدار ہوگا اور نصف بچ گیا تو اس کو دونوں ماموں لیں گے۔

(۳۰۰۴/۳۷) وَقَالَا رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْوَصِيَّةُ لِكُلِّ مَنْ يُنْسَبُ اِلٰى اَقْصٰى اَبٍ لَهٗ فِى الْاِسْلَامِ.

ترجمہ: اور صاحبین نے فرمایا کہ وصیت ہر اس کے لئے ہوگی جو منسوب ہو اسلام میں اس کے آخری باپ کی طرف۔

تشریح: زید نے اپنے اقرباء کے لئے وصیت کی تو صاحبین فرماتے ہیں کہ اقرباء میں وہ تمام حضرات داخل ہوں گے جو اسلام کے اندر آخری باپ کی جانب منسوب ہوں گے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) یعنی وہ پہلا باپ جو اولاً اسلام لایا ہو جیسے حضرت علیؓ (۲) پہلا وہ باپ جس نے اسلام کا زمانہ پایا ہو اور وہ مسلمان نہ ہوا ہو جیسے ابو طالب۔ اس اختلاف کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا کہ جب کوئی علوی اپنے اقرباء کے لئے وصیت کرے تو پہلی تفسیر کے اعتبار سے اقرباء میں فقط اولاد علیؓ داخل ہوگی اور اولاد جعفر اور اولاد عقیل اس میں داخل نہ ہوگی اور دوسری تفسیر کے اعتبار سے اس میں اولاد علیؓ کے ساتھ ساتھ اولاد جعفر اور اولاد عقیل بھی داخل ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ موصی سے لے کر آخری باپ تک جو اسلام کے اندر ہیں، صاحبین کے نزدیک درمیان کی تمام اولاد خواہ مرد ہوں یا عورتیں اقرب ہوں یا ابعد سب اس وصیت میں داخل ہوں گے۔

(۳۰۰۵/۳۸) وَمَنْ اَوْصٰى لِرَجُلٍ بِثُلُثِ دَرَاهِمِهٖ اَوْ بِثُلُثِ غَنَمِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَا ذٰلِكَ وَبَقِىَ ثُلُثُهٗ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِىَ مِنْ مَالِهٖ فَلَهٗ جَمِيْعُ مَا بَقِىَ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی کسی کے لئے اپنے دراہم میں سے تہائی کی یا اپنی بکریوں میں سے تہائی کی پس اس کے دو تہائی ہلاک ہو گئے اور اس کا ایک تہائی باقی رہ گیا اور یہ (جو ثلث باقی رہ گیا ہے) اس باقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے، تو اس کے لئے باقی ماندہ پورا ہے۔

تشریح: زید کے پاس کچھ دراہم یا کچھ بکریاں ہیں اب وہ وصیت کرتا ہے کہ میرے دراہم کا ایک تہائی فلاں کے لئے وصیت ہے یا کہتا ہے کہ میری بکریوں کا ایک ثلث وصیت ہے تو وصیت صحیح ہے مگر اب یہ واقعہ پیش آیا کہ ان دراہم یا بکریوں میں سے دو ثلث ہلاک ہو گیا اور صرف ایک ثلث باقی رہ گیا ہے اور اس ثلث کے علاوہ موصی کے پاس اتنا مال موجود ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں ثلثان یا اس سے زیادہ ہے تو اب موصی لہ کو کتنا دیا جائے گا؟ تو اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ دراہم میں سے اور بکریوں میں سے جو ثلث باقی ہے وہ پورا ثلث موصیٰ لہ کو دیا جائے گا مثلاً کل ۹۰۰ر دراہم تھے، ان میں ثلث یعنی ۳۰۰ر باقی رہے، اور ۶۰۰ر ہلاک ہو گئے تو ہمارے نزدیک ۳۰۰ر باقی موصی لہ کو دیئے جائیں گے۔

(۳۰۰۶/۳۹) وَمَنْ اَوْصٰی بِثُلُثِ ثِیَابِهٖ فَهَلَكَ ثُلُثَاهَا وَبَقِیَ ثُلُثُهَا وَهُوَ یَخْرُجُ مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِیَ مِنْ مَالِهٖ لَمْ یَسْتَحِقَّ اِلَّا ثُلُثَ مَابَقِیَ مِنَ الثِّیَابِ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی ایک تہائی کپڑوں کی پس ان کپڑوں میں سے دو ثلث ختم ہو گئے اور ایک ثلث باقی رہ گیا اور یہ (ثلث باقی) اس کے ماقی مال کے ثلث سے نکل سکتا ہے، تو موصیٰ لہ مستحق نہ ہو گا مگر باقی ماندہ کپڑوں کے ثلث کا۔

تشریح: اگر موصی نے اپنے کپڑوں کے ثلث کی وصیت کی ہو اور اتفاق سے ان کپڑوں میں سے دو ثلث ختم ہو جائیں اور صرف ایک ثلث باقی رہ جائے تو موصی لہ کو ماقی کا ثلث ملے گا یا پورا ماقی ملے گا تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر کپڑے مختلف الجنس ہوں تو ماقی کپڑوں کا ثلث ملے گا اور اگر ایک جنس کے ہوں تو پورا ماقی ملے گا اس لئے کہ اتحاد جنس کی صورت میں کپڑے دراہم کے مثل ہو گئے۔

(۳۰۰۷/۴۰) وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ وَلَهٗ مَالٌ عَیْنٌ وَدَیْنٌ فَاِنْ خَرَجَ الْاَلْفُ مِنْ ثُلُثِ الْعَیْنِ دُفِعَتْ اِلَی الْمُوْصٰی لَهٗ وَاِنْ لَمْ یَخْرُجْ دُفِعَ اِلَیْهِ ثُلُثُ الْعَیْنِ وَكُلَّمَا خَرَجَ شَیْءٌ مِنَ الدَّیْنِ اَخَذَ ثُلُثَهٗ حَتّٰی یَسْتَوْفِیَ الْاَلْفَ.

حل لغات: عین: نقد۔ دین: قرض۔ یستوفی: استیفاءً پورا حق وصول کرنا۔

ترجمہ: اور جس شخص نے وصیت کی کسی کے لئے ایک ہزار درہم کی اور اس کے لئے کچھ مال نقد ہے اور کچھ قرض ہے پس اگر ہزار نکل جائیں نقد کی تہائی سے تو دے دیے جائیں گے موصی لہ کو اور اگر نہ نکلے تو دے دی جائے گی نقد کی تہائی اور جو مقدار قرض کی وصول ہوتی رہے گی اس میں سے ثلث لیتا رہے گا یہاں تک کہ وہ (موصی لہ) ہزار کو وصول کرے۔

تشریح: زید نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ہزار روپے بکر کو دے دیے جائیں تو وصیت درست ہے، لیکن زید نے کچھ مال تو نقد چھوڑا ہے اور کچھ مال وہ ہے جو لوگوں پر قرض ہے تو بکر کو جو ہزار روپے دیئے جائیں گے یہ نقد میں سے دیئے جائیں گے یا قرض میں سے تو اس کا جواب دیا کہ اگر نقد مال اتنا ہو کہ جس کا ثلث ہزار ہوتا ہو مثلاً تین ہزار یا اس سے زیادہ نقد مال موجود ہے، تو بکر کو ہزار روپے اس نقد مال سے دیئے جائیں گے اور اگر نقد مال اتنا نہیں ہے بلکہ کم ہے مثلاً کل ہزار روپے نقد ہیں اور باقی مال لوگوں پر قرض ہے تو بکر کو ہزار کا تہائی تو نقد میں سے دیا جائے گا اور باقی حصہ اس کو قرض میں سے ملے گا جس کی صورت یہ ہوگی کہ جتنا قرض وصول ہوتا جائے اس کی تہائی بکر کو دے دی جائے یہاں تک کہ اس کا حق پورا ہو جائے یعنی ہزار روپے پورے ہو جائیں۔

(۳۰۰۸/۴۱) وَتَجُوْزُ الْوَصِیَّةُ لِلْحَمْلِ وَبِالْحَمْلِ اِذَا وُضِعَ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ یَوْمِ

الْوَصِيَّةِ.

حل لغات: الوصية للحمل: حمل کے لئے کسی چیز کی وصیت کرے، الوصية بالحمل: حمل کو کسی اور کے لئے وصیت کرے۔

ترجمہ: اور جائز ہے وصیت حمل کیلئے اور حمل کی جب کہ وضع حمل ہو چھ ماہ سے کم میں وصیت کے دن سے۔

حمل کے لئے اور حمل کی وصیت کرنے کا بیان

تشریح: اگر کوئی بچہ پیٹ میں ہے اور اس کے کسی مورث کا انتقال ہو جائے تو حمل کو بھی میراث ملے گی اور میراث اور وصیت گویا کہ دونوں بہنیں ہیں لہٰذا حمل کے لئے وصیت کی جائے تو جائز ہے اور اسی طرح اگر حمل ہی کی وصیت کر دی جائے تو وہ بھی جائز ہے مثلاً کہے کہ میری باندی کے پیٹ میں جو بچہ ہے یہ فلاں شخص کو دے دینا تو یہ بھی صحیح ہے اور وصیت جائز ہے، لیکن یہ وصیت حمل کے لئے یا حمل کی اس وقت جائز ہے جب کہ حمل پیٹ میں موجود ہو جس کی علامت یہ ہے کہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے۔

(۳۰۰۹/۴۲) وَاِذَا اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ اِلَّا حَمْلَهَا صَحَّتِ الْوَصِيَّةُ وَالْاِسْتِثْنَاءُ.

ترجمہ: اور جب وصیت کی کسی کے لئے باندی کی اور اس کے حمل کا استثناء کر لیا تو صحیح ہے وصیت اور استثناء۔

تشریح: اگر موصی نے باندی کی وصیت کی اور اس کے حمل کا استثناء کر دیا تو باندی کی وصیت صحیح ہے اور استثناء بھی صحیح ہے پس باندی موصیٰ لہ کی ہوگی اور اس کا حمل موصی کے وارثوں کا ہوگا۔

(۳۰۱۰/۴۳) وَمَنْ اَوْصٰی لِرَجُلٍ بِجَارِيَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوْصِيْ قَبْلَ اَنْ يَقْبَلَ الْمُوْصٰی لَهٗ وَلَدًا ثُمَّ قَبِلَ الْمُوْصٰی لَهٗ وَهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوْصٰی لَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَخْرُجَا مِنَ الثُّلُثِ ضُرِبَ بِالثُّلُثِ وَاَخَذَ بِالْحِصَّةِ مِنْهُمَا جَمِيْعًا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی يَأْخُذُ ذٰلِكَ مِنَ الْاُمِّ فَاِنْ فَضَلَ شَيْءٌ اَخَذَ مِنَ الْوَلَدِ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی کسی کے لئے باندی کی پس اس نے بچہ جنا موصی کی موت کے بعد موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے پھر وصیت قبول کی موصی لہ نے اور وہ دونوں نکل جاتے ہیں تہائی سے تو وہ دونوں موصی لہ کیلئے ہوں گے اور اگر تہائی سے نہ نکلتے ہوں تو شامل کر لئے جائیں گے ثلث میں اور لے گا موصیٰ لہ حصہ ان سب سے صاحبین کے قول میں اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ لے گا موصیٰ لہ اپنا حصہ ماں سے پس اگر کچھ بچ جائے تو لے گا اس کو بچہ سے۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے اپنی باندی کی وصیت کی اور زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ اور موصیٰ لہ کے قبول کرنے سے پہلے باندی نے ایک بچہ جنا اس کے بعد موصی لہ نے وصیت کو قبول کیا اور باندی اور بچہ کی قیمت اتنی ہے

کہ یہ دونوں ترکہ کے تہائی سے نکل جاتے ہیں یعنی ترکہ ان کی قیمت کے علاوہ دوثلث یا اس سے زیادہ موجود ہے تو باندی اور بچہ دونوں خالد کو ملیں گے اور اگر ماں اور بچہ دونوں تہائی سے نہ نکلیں تو اس میں امام ابوحنیفہؒ وصاحبین کا اختلاف ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ وہ اپنی تہائی ماں سے لیگا اگر ماں سے اس کی تہائی پوری ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ اگر کچھ رہ جائے تو اس کی کو بچہ سے پورا کرلیا جائے گا اور صاحبین کے نزدیک ماں اور بچہ دونوں سے اکٹھے ثلث کو وصول کیا جائیگا۔

مثال: مثلاً زید کے پاس چھ سو درہم ہیں اور ایک باندی ہے جس کی قیمت تین سو درہم ہے اب زید نے اس باندی کی وصیت خالد کے لئے کردی تو وصیت صحیح ہے اور پوری باندی خالد کو ملے گی کیونکہ باندی پورے ترکہ کا تہائی ہے، لیکن زید کی موت کے بعد تقسیم ترکہ سے پہلے اس باندی نے ایک بچہ جنا جس کی قیمت بھی تین سو درہم ہے اب کل ترکہ ۱۲۰۰ دراہم ہو گیا جس کا تہائی چار سو ہوتا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک پوری باندی خالد کو دے دی جائے گی مگر ابھی اس کا ثلث پورا نہیں ہوا لہٰذا بچہ کی قیمت کا $\frac{1}{3}$ اور خالد کو دیا جائے گا اب چار سو کی مالیت خالد کو مل چکی ہے، جو بارہ سو کا تہائی ہے اور صاحبین کے نزدیک ماں اور بچہ دونوں کا $\frac{2}{3}$ خالد کو دیا جائے گا اور ماں کا $\frac{2}{3}$ دوسو دراہم ہیں اور بچہ کا $\frac{2}{3}$ بھی دوسو دراہم ہیں، لہٰذا بارہ سو کا ثلث پورا ہو گیا تو خالد کو ان دونوں کا دوثلث ملے گا۔

(۳۰۱۱/۴۴) وَتَجُوْزُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهٖ وَسُكْنٰى دَارِهٖ سِنِيْنَ مَعْلُوْمَةً وَتَجُوْزُ ذٰلِكَ اَبَدًا.

ترجمہ: اور جائز ہے وصیت اپنے غلام کی خدمت کی اور اپنے مکان کی رہائش کی چند معین سالوں کے لئے اور جائز ہے یہ ہمیشہ کے لئے بھی۔

منافع کی وصیت کرنے کا بیان

تشریح: انسان جس طرح اپنی زندگی میں اپنی چیز کے منافع کا مالک دوسروں کو بنا سکتا ہے، اسی طرح انسان کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ اپنی موت کے بعد کسی کو اپنی چیز کے منافع کا مالک بنائے اور جب منافع کی وصیت جائز ہے تو پھر چند ایام کی کرے وہ بھی جائز ہے اور ہمیشہ کے لئے کردے وہ بھی جائز ہے۔

(۳۰۱۲/۴۵) فَاِنْ خَرَجَتْ رَقَبَةُ الْعَبْدِ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَ اِلَيْهِ لِلْخِدْمَةِ وَاِنْ كَانَ لَا مَالَ لَهٗ غَيْرَهٗ خَدَمَ الْوَرَثَةَ يَوْمَيْنِ وَلِلْمُوْصٰى لَهٗ يَوْمًا.

ترجمہ: پس اگر نکل جائے غلام کا رقبہ تہائی سے تو موصی لہ کے سپرد کردیا جائے گا خدمت کے لئے اور اگر نہ ہو مال غلام کے علاوہ تو خدمت کرے گا ورثاء کی دو دن اور موصی لہ کی ایک دن۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے غلام کی خدمت کی وصیت کی تھی یا مکان کی رہائش کی وصیت کی تھی اور غلام ومکان کی قیمت سے دوثلث یا اس سے زیادہ مال اور بھی موجود ہے یعنی غلام ومکان تہائی سے نکل جاتا ہے تو غلام ومکان

خالد کے سپرد کر دیا جائے اور اگر موصی کے پاس اس غلام و مکان کے علاوہ اور کوئی مال نہ ہو تو پھر یہ طریقہ اختیار کیا جائے گا کہ مکان کو تین تہائی تقسیم کر کے ایک تہائی موصی لہ کو دیا جائے گا اور دو تہائی ورثاء کی ہوگی اور غلام والی صورت میں غلام ورثاء کی خدمت دو دن کرے گا اور خالد کی ایک دن اور غلام کی تقسیم چونکہ ناممکن ہے اس لئے اس میں باری مقرر کر دی جائے گی۔

(۳۰۱۳/۴۶) فَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ عَادَ اِلَى الْوَرَثَةِ.

ترجمه: پھر اگر مر جائے موصی لہ تو لوٹ آئے گا موصی بہ ورثاء کی جانب۔

تشریح: زید نے خالد کے لئے اپنے مکان میں رہنے کی وصیت کی تھی اور زید کے انتقال کے بعد وصیت کے مطابق خالد مکان میں رہتا ہے اور اب خالد کا انتقال ہو گیا تو موصی بہ موصی کے ورثاء کے حوالہ ہو جائے گا۔

(۳۰۱۴/۴۷) وَاِنْ مَاتَ الْمُوْصٰى لَهٗ فِيْ حَيٰوةِ الْمُوْصِيْ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ.

ترجمه: اور اگر مر جائے موصی لہ موصی کی زندگی میں تو باطل ہو جائے گی وصیت۔

تشریح: اور اگر زید کی زندگی میں خالد کا انتقال ہو جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی کیوں کہ موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ کا وصیت کو قبول کرنا وصیت کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے اور یہاں موصی لہ پہلے ہی مر گیا تو وصیت کون قبول کرے گا؟

(۳۰۱۵/۴۸) وَاِذَا اَوْصٰى لِوَلَدِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى سَوَاءٌ

ترجمه: اور اگر وصیت کی فلاں کی اولاد کے لئے تو وصیت ان کے درمیان لڑکے اور لڑکی کیلئے برابر ہوگی۔

تشریح: ابن، سے فقط بیٹا مراد ہوتا ہے، اور لفظ ولد سے بیٹا اور بیٹی دونوں مراد ہوتے ہیں، بالفاظ دیگر لفظ ولد حقیقۃً مطلق اولاد کو شامل ہے، لہٰذا جب زید نے ولد خالد کے لئے وصیت کی تو خالد کے لڑکے اور لڑکیاں اس وصیت میں برابر کے شریک ہوں گے۔

(۳۰۱۶/۴۹) وَاِنْ اَوْصٰى لِوَرَثَةِ فُلَانٍ فَالْوَصِيَّةُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ.

ترجمه: اور اگر وصیت کرے فلاں کے ورثاء کے لئے تو وصیت ان میں مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہوگی۔

تشریح: زید نے فلاں کے ورثاء کے لئے وصیت کی تو یہاں لڑکے اور لڑکی میں میراث کے مطابق بٹوارہ ہوگا یعنی جو لڑکی کو ملے گا اس سے دوگنا لڑکے کو ملے گا، کیوں کہ لفظ ورثاء کی صراحت اس کی جانب اشارہ ہے کہ زید کا ارادہ

یہی ہے کہ لڑکوں کا حق لڑکیوں سے زیادہ ہو جیسے میراث میں ہوتا ہے۔

(۵۰/۳۰۱۷) وَمَنْ اَوْصٰی لِزَیْدٍ وَعَمْرٍو بِثُلُثِ مَالِہٖ فَاِذَا عَمْرٌو مَیِّتٌ فَالثُّلُثُ کُلُّہٗ لِزَیْدٍ.

ترجمہ: کسی نے وصیت کی زید اور عمرو کے لئے اپنے تہائی مال کی اور عمرو اس وقت مر چکا تھا تو ساری تہائی زید کے لئے ہوگی۔

تشریح: بکر نے زید اور عمرو دونوں کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی لیکن عمرو زندہ نہیں ہے بلکہ وہ وصیت کرنے سے پہلے ہی مر چکا ہے تو پورا ثلث زید کو ملے گا کیوں کہ میت وصیت کا اہل نہیں ہے اور زید چوں کہ زندہ ہے اور وصیت کا اہل ہے تو عمرو عدم اہلیت کی وجہ سے زید کا مزاحم نہ ہوگا اور اس کو ثلث دیئے جانے سے مانع نہ ہوگا۔

(۵۱/۳۰۱۸) وَاِنْ قَالَ ثُلُثُ مَالِیْ بَیْنَ زَیْدٍ وَعَمْرٍو وَزَیْدٌ مَیِّتٌ کَانَ لِعَمْرٍو نِصْفُ الثُّلُثِ.

ترجمہ: اور اگر کہے کہ میرا تہائی مال زید اور عمرو کے درمیان ہے اور زید مر چکا ہے تو عمرو کے لئے تہائی کا نصف ہوگا۔

تشریح: اگر موصی وہ الفاظ استعمال کرے جو ماقبل میں گذرے کہ میرے مال کا تہائی زید اور عمرو کے لئے وصیت ہے تو اس کا حکم تو مذکور ہو چکا ہے اور اگر وہ اس کے بجائے لفظ 'بین' استعمال کرے اور یوں کہے کہ میرے مال کا تہائی زید اور عمرو کے درمیان ہے اور ان میں سے زید زندہ نہیں ہے فقط عمرو زندہ ہے تو عمرو کے لئے ثلث کا نصف ہوگا کیوں کہ موصی نے جو لفظ ''بین'' استعمال کیا ہے اس کا تقاضہ یہی ہے کہ موصی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث کا نصف دینا چاہتا ہے، اور ماقبل والے مسئلہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ موصی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ثلث کا نصف دینا چاہتا ہے۔

(۵۲/۳۰۱۹) وَمَنْ اَوْصٰی بِثُلُثِ مَالِہٖ وَلَامَالَ لَہٗ ثُمَّ اکْتَسَبَ مَالاً اِسْتَحَقَّ الْمُوْصٰی لَہٗ ثُلُثَ مَا یَمْلِکُہٗ عِنْدَ الْمَوْتِ.

ترجمہ: اور جس نے وصیت کی اپنے مال کے تہائی کی اور اس کے لئے مال نہیں ہے پھر کچھ مال کمایا تو مستحق ہوگا موصی لہ اس کی تہائی کا جس کا مالک ہو موصی موت کے وقت۔

تشریح: زید نے وصیت کی کہ میرے مال کا تہائی بکر کو دے دینا لیکن زید کے پاس مال نہیں ہے البتہ زید نے بعد وصیت مال کمایا ہے اور بوقت موت مال چھوڑ کر مرتا ہے تو زید بوقت موت جتنے مال کا مالک ہے اس مال کا تہائی موصی لہ کو دیدیا جائے گا۔

كِتَابُ الْفَرَائِضِ

(یہ کتاب ہے فرائض کے احکام کے بیان میں)

فرائض کے لغوی معنی ووجہِ تسمیہ: لفظ فرائض جمع ہے فریضۃ کی اور وہ مشتق ہے فرض سے متعین چیز چوں کہ میراث میں مستحقین کے حصے متعین ہوتے ہیں اس لئے ان حصوں کو فرائض کہا جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ علم میراث کو ''فرائض'' اور اس فن کے واقف کار کو فرضی اور فرّاض کہا جانے لگا۔

اصطلاحی تعریف: فقہ اور حساب کے ان قواعد کا جاننا ہے جن سے ہر ایک وارث کا حصہ ترکہ سے معلوم ہو جائے۔

موضوع: علم فرائض کا موضوع ترکہ اور ورثاء ہیں انہیں دونوں کے احوال سے اس فن میں بحث کی جاتی ہے۔

غرض وغایت: اس فن کی غرض وغایت مستحقین کو ان کے حقوق پہنچانا اور ترکہ کی تقسیم میں غلطی سے بچنا ہے۔

شرعی حکم: اس علم کا سیکھنا فرض کفایہ ہے یعنی بقدر سفر شرعی (موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ۷۸ کلومیٹر ۴۰ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے) مقامات کی مسافت میں کم از کم ایک عالم فرائض کا ہونا ضروری ہے ورنہ ان بستیوں میں رہنے والے تمام لوگ گناہ گار ہوں گے۔

شرائط: اس علم کی تین شرطیں ہیں (۱) مورث کی موت (۲) مورث کی موت کے وقت وارث کا وجود۔ (۳) یہ جاننا کہ کس جہت سے وارث بن رہا ہے قرابت کی وجہ سے یا نکاح کی وجہ سے یا ولاء کی وجہ سے۔

ارکان: اس علم کے تین رکن ہیں (۱) وارث (۲) مورث (میت) (۳) حق موروث یعنی ترکہ

اسباب: (۱) نسب (۲) نکاح (۳) ولاء۔

علم فرائض کی فضیلت: علم الفرائض نہایت اہم اور بڑی فضیلتوں والا علم ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر احکام نماز، روزہ، وغیرہ اجمالاً نازل فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دی ہے اور وراثت کی تمام تفصیلات خود نازل فرمائی ہیں۔

(۱/۳۰۲۰) اَلْمُجْمَعُ عَلٰی تَوْرِیْثِهِمْ مِنَ الذُّکُوْرِ عَشَرَةٌ اَلْاِبْنُ وَابْنُ الْاِبْنِ وَاِنْ سَفَلَ وَالْاَبُ وَالْجَدُّ اَبُو الْاَبِ وَاِنْ عَلَا وَالْاَخُ وَابْنُ الْاَخِ وَالْعَمُّ وَابْنُ الْعَمِّ وَالزَّوْجُ وَمَوْلَی النِّعْمَةِ. وَمِنَ الْاُنَاثِ سَبْعٌ اَلْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ وَالْاُخْتُ وَالزَّوْجَةُ وَمَوْلَاةُ النِّعْمَةِ.

حل لغات: ابن الابن: بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا۔ سفل: (نصر، سمع، کرم) تینوں بابوں سے آتا ہے البتہ نصر سے پڑھنا زیادہ بہتر اور مشہور ہے 'کرم' سے پڑھنے کو غلط کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کا مصدر سفالۃ بھی ہے جس کے معنی

دنائت وحقارت کے ہیں۔ (الجد: دادا، نانا، دونوں پر اطلاق ہوتا ہے مگر صاحب قدوری نے ابوالاب کہہ کر یہ بات واضح کردی کہ یہاں صرف دادا مراد ہے نانا مراد نہیں ہے کیوں کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے اس کو وراثت نہیں ملتی، کوئی وارث نہ ہو تو اخیر میں نانا یا ماموں کو مال دیا جاتا ہے۔

مولی النعمة: جن کا میت کے ساتھ عتاقت کا تعلق ہے یعنی آزاد کرنے والا آقا اور اس کی اولاد اس کو مولی العتاقہ و مولی النعامہ بھی کہا جاتا ہے۔

ترجمہ: جن کے وارث ہونے پر اتفاق ہے مردوں میں سے وہ دس ہیں بیٹا پوتا، اگرچہ نیچے کا ہو باپ، جد یعنی باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد بھائی، شوہر آزاد کرنے والا آقا، اور عورتوں میں سے سات ہیں بیٹی، پوتی، ماں، جدہ صحیحہ (دادی اور نانی اوپر تک) بہن، بیوی، آزاد کرنے والی۔

ترکہ درجِ ذیل ترتیب سے تقسیم ہوگا

تشریح: صاحب قدوری نے اس عبارت میں مطلقاً ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جو میراث کے مستحق ہوتے ہیں خواہ اصحاب فرائض کے اعتبار سے خواہ عصبہ کے اعتبار سے یعنی مع اس کے اقسام کے خواہ عصبہ سببی کے اعتبار سے نیز اس چیز کو بھی ملحوظ نہیں رکھا ہے، کہ ان اقسام میں سے کونسی قسم کے لوگ مقدم ہوں گے اور کون مؤخر بلکہ فی الجملہ بیان کردیا ہے۔ مگر ترکہ درج ذیل ترتیب سے تقسیم ہوگا۔

(۱) ترکہ سب سے پہلے اصحاب فرائض کو ملے گا، اصحاب فرائض وہ ورثاء ہیں جن کے حصے شریعت میں متعین ہیں یہ کل بارہ افراد ہیں چار مرد اور آٹھ عورتیں۔ (۱) باپ (۲) جد صحیح (دادا) اوپر تک (۳) اخیافی (ماں شریک) بھائی (۴) شوہر (۵) بیوی (۶) بیٹی (۷) پوتی نیچے تک (۸) حقیقی بہن (۹) علاتی (باپ شریک) بہن (۱۰) اخیافی بہن (۱۱) ماں (۱۲) جدۂ صحیحہ (دادی اور نانی) اوپر تک۔

(۲) ذوی الفروض کے بعد ترکہ عصبہ نسبی کو ملے گا عصبہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جو ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ لے لیتے ہیں اور ذوی الفروض نہ ہو تو سارا ترکہ لے لیتے ہیں عصبہ کی دو قسمیں ہیں (۱) عصبہ نسبی (۲) عصبہ سببی، عصبہ نسبی وہ ہیں جن کا میت کے ساتھ ولادت کا تعلق ہے اور عصبہ سببی وہ ہیں جن کا میت کے ساتھ آزادی کا تعلق ہو تفصیل باب العصبات میں آئے گی۔

(۳) ذوی الفروض اور عصبہ نسبی نہ ہوں تو ترکہ عصبہ سببی کو ملے گا۔

(۴) اگر میت کو آزاد کرنے والا فوت ہوگیا تو اس کے عصبہ بنفسہ کو یعنی اس کے بیٹے باپ بھائی بھتیجے اور چچا اور چچازاد بھائیوں کو ترکہ ملے گا اگر یہ بھی نہ ہوں تو اگر آزاد کرنے والا کسی کا غلام تھا تو اس کے آزاد کرنے والے آقا کو ترکہ ملے گا، وہکذا۔

(۵) اگر کسی طرح کے بھی عصبہ نہ ہوں تو باقی ماندہ ترکہ دوبارہ نسبی ذوی الفروض کو حصہ رسد دیا جائے گا (زوجین کو نہیں دیا جائے گا کیوں کہ وہ نسبی وارث نہیں ہیں سببی یعنی رشتہ زوجیت کی وجہ سے وارث ہیں)

(۶) اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا تفصیل ذوی الارحام کے باب میں آئے گی۔

(۷) ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولی الموالات کو ترکہ دیا جائے گا۔

(۸) مذکورہ بالا ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو وہ شخص وارث ہوگا جس کے لئے میت نے اپنے غیر سے نسب کا اقرار کیا ہے یعنی کسی مجہول النسب کے بارے میں یہ کہا ہو کہ یہ میرا بھائی یا چچا ہے۔ اور اس کے اس اقرار سے اس کا نسب اس غیر سے ثابت نہ ہوا ہو اور اقرار کرنے والے نے اپنے اقرار سے موت تک رجوع بھی نہ کیا ہو تو وہ مقرلہ بھائی یا چچا ہونے کی حیثیت سے وارث ہوگا۔

(۹) اگر مذکورہ بالا ورثاء میں سے کوئی نہ ہو اور میت نے کسی کے لئے تہائی سے زائد یا سارے ترکہ کی وصیت کی ہو تو تہائی سے زائد یا سارا ترکہ اس موصیٰ لہ کو دیا جائے گا۔

(۱۰) اگر مذکورہ بالا لوگوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو میت کا ترکہ بیت المال یعنی حکومت اسلامیہ کے خزانہ میں جمع کر دیا جائے گا جو عامۃ المسلمین کے فقراء و غرباء و مساکین اور حاجت مند لوگوں پر خرچ کیا جائے گا۔ اسلامی خزانہ میں بے راہ روی یا اس کی عدم موجودگی میں زوجین پر رد ہوگا لیکن یاد رہے کہ ذوی الارحام کی موجودگی میں زوجین پر رد نہیں ہوگا، لوگوں سے اس جگہ چوک ہو جاتی ہے۔

نوٹ: آج کل ہندوستان میں چوں کہ اسلامی خزانہ اور بیت المال نہیں ہے لہٰذا جب کوئی وارث کسی قسم کا موجود نہ ہو تو پھر میت کا ترکہ بجائے بیت المال کے فقراء پر صرف کر دیا جائے۔

(۲/۳۰۲۱) وَلَا يَرِثُ اَرْبَعَةٌ اَلْمَمْلُوْكُ وَالْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ وَالْمُرْتَدُّ وَاَهْلُ الْمِلَّتَيْنِ.

حل لغات: مرتد: اسم فاعل از افتعال لوٹنے والا یہ اصل میں مرتدِ دْ تھا، دو دال کے ایک جگہ جمع ہونے کی وجہ سے پہلی دال کی حرکت کو حذف کر کے ادغام کر دیا۔

ترجمہ: اور وارث نہیں ہوتے چار آدمی غلام، قاتل، مقتول کا وارث نہیں ہوتا مرتد اور مختلف دین والے۔

موانع ارث کا بیان

تشریح: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وارث سبب وراثت کے پائے جانے کے باوجود اپنی ذات میں کسی وصف کے پائے جانے کی وجہ سے وراثت سے محروم ہو جاتا ہے ان اوصاف کو موانع ارث کہتے ہیں، صاحب کتاب نے موانع ارث چار بیان کئے ہیں: (۱) رقیت: اگر وارث غلام ہے تو سبب غلامیت کی وجہ سے اپنے مورث کی وراثت سے محروم ہو جاتا

ہے غلامی خواہ کسی بھی طرح کی ہو، چنانچہ عبد خالص مکاتب مدبر ام ولد اور معتق البعض (راجح قول کے مطابق معتق البعض غلام کے حکم میں ہے) میں سے کسی کو وراثت نہیں ملے گی، غلام کے محروم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ غلام اپنے مال کا مالک نہیں ہوتا اس کا سارا مال آقا کا ہوتا ہے اس لئے اس کو وراثت دینا گویا اس کے آقاء کو وراثت دینا ہے، جو میت کا رشتہ دار نہیں ہے اور غیر رشتہ دار کو بغیر کسی سبب کے وراثت دینا بالا جماع باطل ہے، اس لئے غلام کو وراثت نہیں ملتی۔

(۲) قتل: قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوتا، قتل کی پانچ قسمیں ہیں: عمد، شبہ عمد، خطا، شبہ خطا اور قتل بالسبب پہلی چار قسموں میں قاتل مقتول کی وراثت سے محروم ہوتا ہے البتہ قتل بالسبب سے قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوتا مگر یاد رہے کہ قتل کی یہ چاروں صورتیں اس وقت مانع ارث ہوتی ہیں جب کہ قاتل نے اپنے مورث کو بلا وجہ شرعی قتل کیا ہو، لہٰذا اگر قتل شرعی وجہ سے ہو مثلاً مورث کو قصاصاً قتل کرے یا حد زنا میں رجم کرے یا اپنی جان بچانے کے لئے مجبور ہو کر قتل کرے تو ان صورتوں میں قاتل وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔

قاتل کیوں محروم ہوتا ہے؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ. (ترمذی ج۲ ص۳۱) یعنی قاتل وارث نہیں ہوتا۔ اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ من استعجل بالشیٔ قبل أوانه عوقب بحرمانه. جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے لینا چاہے تو وہ بطور سزا اس چیز سے محروم کر دیا جاتا ہے، اگر قاتل کو وراثت سے محروم نہیں کیا جائے گا تو لوگ میراث کی خاطر مورث کو قتل کریں گے اور نظام عالم تہ و بالا ہو جائے گا۔

(۳) مسلمان مرتد کا وارث ہوگا لیکن مرتد مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، کیوں کہ ارتداد بمنزلہ موت ہے تو جس طرح مسلمان اپنے رشتہ دار کا اس کے مرنے کے بعد وارث ہوتا ہے، اسی طرح وہ مرتد کے ارتداد کے بعد اس کا وارث ہوگا اور مرتد کے اموال مسلمان ورثاء میں تقسیم ہوں گے، اور جس طرح مردہ زندہ کا وارث نہیں ہوتا اسی طرح مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا۔

(۴) دو مختلف دین والے یعنی مسلمان غیر مسلم کا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم (بخاری ۲/۱۰۰۱) یعنی نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوگا اور نہ کافر مسلمان کا، کفر سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار ہے، خواہ اس کے ساتھ اللہ کی وحدانیت کا بھی انکار ہو یا نہ ہو، لہٰذا یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، ہندو دھرم وغیرہ سب کفر ہیں، نیز قادیانی بھی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور نہ مسلمان قادیانی کا وارث ہوگا، اس لئے کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں، اس طرح کہ ملعون مرزا کو نبی مانتے ہیں۔

جس طرح مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح کفار بھی آپس میں ایک دوسرے کے

وارث ہوتے ہیں اگرچہ وہ آپس میں اپنے مذہب کے اعتبار سے مختلف ہوں، لہٰذا یہودی اپنے نصرانی رشتہ دار اور نصرانی اپنے یہودی رشتہ دار کے وارث ہوں گے۔ وقس علی ہذا۔

(۳/۳۰۲۲) وَالْفُرُوْضُ الْمَحْدُوْدَةُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى سِتَّةٌ النِّصْفُ وَالرُّبُعُ وَالثُّمُنُ وَالثُّلُثَانِ وَالثُّلُثُ وَالسُّدُسُ.

ترجمہ: اور وہ حصے جو مقرر ہیں کتاب اللہ میں چھ ہیں آدھا چوتھائی، آٹھواں، دو تہائی، ایک تہائی، چھٹا۔

فروضِ مقدرہ اور ان کے مستحقین

تشریح: فروض، فرض کی جمع ہے جس کے معنی ہیں حصہ قرآن پاک میں جو حصے مذکور ہیں ان کی تعداد کل چھ ہے:

(۱)	نصف	(آدھا)	دو میں سے ایک	$\frac{1}{2}$
(۲)	ربع	(چوتھائی)	چار میں سے ایک	$\frac{1}{4}$
(۳)	ثمن	(آٹھواں)	آٹھ میں سے ایک	$\frac{1}{8}$
(۴)	ثلث	(تہائی)	تین میں سے ایک	$\frac{1}{3}$
(۵)	ثلثان	(دو تہائی)	تین میں سے دو	$\frac{2}{3}$
(۶)	سدس	(چھٹا)	چھ میں سے ایک	$\frac{1}{6}$

ان چھ حصوں کے مستحق مختلف حالات میں کل بارہ افراد ہیں چار مرد اور آٹھ عورتیں جن کا تفصیلی بیان مسئلہ (۱) میں ہو چکا ہے۔

(۴/۳۰۲۳) وَالنِّصْفُ فَرْضُ خَمْسَةٍ اَلْبِنْتُ وَبِنْتُ الْاِبْنِ اِذَا لَمْ تَكُنْ بِنْتُ الصُّلْبِ وَالْاُخْتِ لِاَبٍ وَاُمٍّ وَالْاُخْتُ لِاَبٍ اِذَا لَمْ تَكُنْ اُخْتٌ لِاَبٍ وَاُمٍّ وَالزَّوْجُ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ وَاِنْ سَفَلَ.

ترجمہ: اور نصف پانچ آدمیوں کا حصہ ہے بیٹی، پوتی جب حقیقی بیٹی نہ ہو حقیقی بہن باپ شریک بہن جب نہ ہو حقیقی بہن اور شوہر جب نہ ہو میت کا بیٹا اور نہ پوتا اگرچہ نیچے کا ہو۔

تشریح: نصف پانے والے پانچ قسم کے ورثاء ہیں:

(۱) لڑکوں کی عدم موجودگی میں اگر صرف ایک لڑکی موجود ہو تو اس کو کل مال کا نصف ملے گا۔

(۲) حقیقی اولاد کی عدم موجودگی میں پوتی اگر ایک ہے تو اس کو نصف ملے گا۔

(۳) لڑکیوں و پوتیوں کی عدم موجودگی میں حقیقی بہن اگر ایک ہے تو اس کو نصف ملے گا۔
(۴) حقیقی بہنوں کی عدم موجودگی میں اگر علاتی بہن ایک ہے تو اس کو نصف ملے گا۔
(۵) اگر مرنے والی کی اپنی اولاد بیٹا بیٹی خواہ اسی شوہر سے ہو یا دوسرے کے نطفہ سے نیز پوتا پوتی وغیرہ میں سے کوئی موجود نہ ہو تو شوہر نصف ($\frac{1}{2}$) ترکہ کا مستحق ہے۔

(۳۰۲۴/۵) وَالرُّبُعُ لِلزَّوْجِ مَعَ الْوَلَدِ وَوَلَدِ الْإِبْنِ وَإِنْ سَفَلَ وَلِلْمَرْأَةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ.

ترجمہ: اور چوتھائی شوہر کے لئے ہے بیٹے یا پوتے کے ساتھ گو نیچے کا ہو اور بیوی کے لئے ہے جب نہ ہو میت کا بیٹا اور نہ پوتا۔

ربع پانے والے دو وارث ہیں:

تشریح: اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد نیچے تک (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی نیچے تک) ہو تو شوہر کو ربع ملے گا یہ بات یاد رہے کہ اولاد عام ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور اسی شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے البتہ اولاد کا میت کی وفات کے وقت زندہ ہونا ضروری ہے جو اولاد پہلے وفات پا چکی اس کا اعتبار نہیں۔
(۲) اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد نیچے تک نہ ہو تو بیویوں کو ربع ملے گا بیوی ایک ہو یا ایک سے زیادہ ربع میں سب برابر کی شریک ہوں گی۔

(۳۰۲۵/۶) وَالثُّمُنُ لِلزَّوْجَاتِ مَعَ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الْإِبْنِ.

ترجمہ: اور ثمن بیویوں کے لئے ہے بیٹے یا پوتے کے ساتھ۔

ثمن پانے والا ایک وارث ہے

تشریح: ثمن پانے والا صرف ایک ہی وارث ہے، اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد (بیٹا، بیٹی، پوتا پوتی) نیچے تک ہو تو بیوی کو ثمن $\frac{1}{8}$ ملے گا یہاں پر بھی اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ثمن ان سب میں برابر تقسیم ہوگا۔

(۳۰۲۶/۷) وَالثُّلُثَانِ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِمَّنْ فَرْضُهُ النِّصْفُ إِلَّا الزَّوْجَ.

ترجمہ: اور ثلثان ہر دو یا اس سے زائد کیلئے ہے ان لوگوں میں سے جن کا حصہ نصف ہے سوائے شوہر کے۔

ثلثان پانے والے چار قسم کے ورثاء ہیں

تشریح: ثلثان پانے والے چار قسم کے ورثاء ہیں۔

(۱) لڑکوں کی عدم موجودگی میں اگر بیٹیاں دو یا زیادہ ہوں تو ان کو ثلثان (دوتہائی) ⅔ حصہ ملے گا جسے وہ آپس میں برابر برابر تقسیم کرلیں گے۔

(۲) صلبی اولاد کی عدم موجودگی میں پوتیاں اگر دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کو ثلثان ملے گا اور ثلثان ان کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا۔

(۳) لڑکیوں و پوتیوں کی عدم موجودگی میں حقیقی بہن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ثلثان ملے گا۔

(۴) حقیقی بہنوں کی عدم موجودگی میں علاتی بہن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ثلثان ملے گا۔

(۳۰۲۷/۸) وَالثُّلُثُ لِلْاُمِّ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ وَلَدٌ وَلَا وَلَدُ ابْنٍ وَلَا اثْنَانِ مِنَ الْاِخْوَةِ وَالْاَخَوَاتِ فَصَاعِدًا وَيُفْرَضُ لَهَا فِيْ مَسْئَلَتَيْنِ ثُلُثُ مَا بَقِيَ وَهُمَا زَوْجٌ وَاَبَوَانِ وَامْرَأَةٌ وَاَبَوَانِ فَلَهَا ثُلُثُ مَا بَقِيَ بَعْدَ فَرْضِ الزَّوْجِ اَوِ الزَّوْجَةِ وَهُوَ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِنْ وَلَدِ الْاُمِّ ذُكُوْرُهُمْ وَاُنَاثُهُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ.

ترجمہ: اور ثلث ماں کے لئے ہے جب نہ ہو میت کا بیٹا اور نہ پوتا اور نہ دو بھائی اور بہنیں یا اس سے زائد اور مقرر کیا جاتا ہے ماں کے لئے دو مسئلوں میں مابقیہ کا تہائی اور وہ یہ ہے کہ ہو شوہر اور والدین یا بیوی اور والدین پس ماں کے لئے ثلث ہے اس کا جو باقی رہے شوہر یا بیوی کے حصہ کے بعد اور ثلث ہر دو یا زیادہ کے لئے ہے اخیافی بھائی بہنوں سے جس میں مرد اور عورتیں برابر ہیں۔

ثلث پانے والے دو قسم کے ورثاء ہیں

تشریح: ثلث پانے والے صرف دو قسم کے ورثاء ہیں: (۱) اگر میت کی کوئی اولاد یا بھائی بہنوں میں سے دو یا زیادہ نہ ہوں تو ماں کو ثلثِ کل (پورے ترکہ کا تہائی) ملے گا۔

ویفرض لھا الی قولہ او الزوجۃ: اگر میت نے اپنی ماں کے ساتھ اپنے باپ اور میاں بیوی میں سے کسی ایک کو چھوڑا ہے تو ماں کو شوہر یا بیوی کا حصہ دینے کے بعد بچے ہوئے ترکہ کا تہائی ملے گا اسی کو ثلث مابقیہ یا ثلث ماقی کہا جاتا ہے کتاب میں اسی کو ثلث مابقیہ بعد فرض الزوج او الزوجۃ کہا گیا ہے یہ صرف دو مسئلوں میں ہوگا۔

(۱) ایک عورت کا انتقال ہو جائے اور پسماندگان میں شوہر اور ماں باپ کو چھوڑ جائے تو اولاً کل مال میں سے شوہر کو حصہ دے دیا جائے گا اس کے بعد مابقیہ میں سے ایک ثلث ماں کو دیا جائے گا اور مابقیہ باپ کو دے دیا جائے گا جیسا کہ درج ذیل نقشہ سے واضح ہوتا ہے۔

مسئلہ ٦

کریمہ میت

شوہر	ماں	باپ
نصف	ثلث باقی	عصبہ
۳	۱	۲

(۲) ایک مرد کا انتقال ہو جائے اور پسماندگاں میں ایک بیوی اور ماں باپ چھوڑ جائے تو ایسی صورت میں کل مال میں سے اولاً بیوی کا حصہ نکال لیا جائے گا اس کے بعد مابقیہ مال کا ثلث ماں کو دیا جائے گا اور دو ثلث باپ کو ملے گا جیسا کہ اس نقشہ سے واضح ہے۔

مسئلہ ۱۲

زید میت

بیوی	ماں	باپ
ربع	ثلث	عصبہ
۳	۳	٦

وھو لکل اثنین: اس عبارت میں ثلث کل پانے والے دوسرے وارث کا تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر اخیافی بھائی بہن دو یا دو سے زائد ہوں تو ان کو ثلث ملے گا اور اخیافی بہن حقدار ہونے اور حصہ پانے میں سب برابر ہوں گے بھائیوں کو بہنوں سے زیادہ نہ ملے گا۔

سوال: اگر مذکورہ بالا دونوں مسئلوں میں باپ کی جگہ دادا ہو تو ماں کو کیا ملے گا؟

جواب: اس صورت میں اختلاف ہے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باپ کی جگہ اگر دادا ہو تو بھی ماں کو ثلث باقی ہی ملے گا البتہ امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر باپ کی جگہ دادا ہو تو ماں کو ثلث کل ملے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۹/۳۰۲۸) وَالسُّدُسُ فَرْضُ سَبْعَةٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْاَبَوَيْنِ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَهُوَ لِلْاُمِّ مَعَ الْاِخْوَةِ وَهُوَ لِلْجَدَّاتِ وَالْجَدُّ مَعَ الْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ وَلِبَنَاتِ الْاِبْنِ مَعَ الْبِنْتِ وَلِلْاَخَوَاتِ لِلْاَبِ مَعَ الْاُخْتِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ وَلِلْوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الْاُمِّ.

حل لغت: ولد الام: ماں شریک بھائی بہن۔ (اخیافی)

ترجمہ: اور سدس سات لوگوں کا حصہ ہے (۱) والدین میں سے ہر ایک کے لئے بیٹے یا پوتے کے ساتھ (۲) اور ماں کے لئے بھائیوں کے ساتھ (۳) اور چھٹا ہے دادی کے لئے (۴) اور دادا کے لئے ہے، بیٹے یا پوتے کے ساتھ

(۵) اور پوتیوں کے لئے ہے بیٹی کے ساتھ (۶) اور علاتی بہنوں کے لئے ہے ایک حقیقی بہن کے ساتھ (۷) اور ایک اخیافی بہن کے لئے ہے۔

سدس پانے والے سات قسم کے ورثاء ہیں

تشریح: سدس پانے والے سات قسم کے ورثاء ہیں: (۱) اگر میت نے باپ کے ساتھ اپنی کوئی مذکر اولاد (بیٹا، پوتا، پرپوتا نیچے تک) چھوڑی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا مذکر اولاد کے ہوتے ہوئے مؤنث کا اعتبار نہیں۔ (۲) اگر ماں کے ساتھ میت کا لڑکا، لڑکی، پوتا پوتی (نیچے تک) میں سے کوئی ہو یا میت کے تینوں قسموں (حقیقی، علاتی، اخیافی) کے بھائی بہنوں میں سے دو یا زیادہ ہوں یا بعض حقیقی بعض علاتی اور بعض اخیافی ہوں نیز محض مذکر ہوں یا محض مؤنث ہوں تو اس صورت میں ماں سدس $\frac{1}{6}$ حصہ کی مستحق ہوگی۔ (۳) جدات جدہ کی جمع ہے اور جدہ سے مراد جدۂ صحیحہ ہے۔

جدۂ صحیحہ اس مؤنث اصل بعید کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں جد فاسد کا واسطہ نہ آئے جیسے باپ کی ماں دادا کی ماں ماں کی ماں وغیرہ۔

جدۂ صحیحہ کی دو حالتیں ہیں: (۱) وارث ہونے کی (۲) محروم ہونے کی یہاں متن میں حالت اولی کا بیان ہے اور حالت ثانیہ کا بیان اگلی عبارت میں ہے۔ خیر اگر کوئی حاجب نہ ہو تو جدۂ صحیحہ کو سدس ملے گا خواہ وہ پدری (دادی) ہو یا مادری (نانی) اور خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ چھٹا حصہ ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ جدات کے مستحق ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ فاسدہ نہ ہوں بلکہ صحیحہ ہوں اور مرتبہ میں برابر ہوں یعنی اگر ایک جدہ ایک واسطہ سے نانی ہو تو دوسری بھی ایک ہی واسطہ سے دادی ہو اگر ایک قریب کی ہو اور دوسری دور کی تو قریب والی وارث ہوگی اور دور والی ساقط ہو جائے گی۔

(۴) باپ کی عدم موجودگی میں اور میت کی مذکر اولاد (بیٹا پوتا پرپوتا نیچے تک) ہو تو دادا کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (۵) اگر ایک صلبی بیٹی ہو تو پوتیوں کو سدس ملے گا تاکہ دو تہائی جو لڑکیوں کا حصہ ہے وہ پورا ہو جائے۔ (۶) اگر حقیقی بہن ایک ہو تو علاتی بہنوں کو سدس ملے گا یعنی لڑکیوں اور پوتیوں کی طرح بہنوں کو بھی ثلثان سے زیادہ نہیں ملتا ہے تو جب ایک حقیقی بہن نے نصف لے لیا تو ثلثان مکمل ہونے کے لئے سدس بچا یہ علاتی بہنوں کو مل جائے گا تاکہ ثلثان مکمل ہو جائے۔ (۷) اگر میت کے فروع مطلق یعنی بیٹا بیٹی پوتا پوتی وغیرہ میں سے اور اصول مذکر یعنی باپ دادا پر دادا وغیرہ میں سے کوئی موجود نہ ہو تو ایک اخیافی بھائی یا ایک اخیافی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا۔

(۳۰۲۹/۱۰) وَتَسْقُطُ الْجَدَّاتُ بِالْأُمِّ.

ترجمہ: اور ساقط ہو جاتی ہیں جدات ماں سے۔

جدہ چار صورتوں میں محروم ہو جاتی ہے

تشریح: اس عبارت میں جدہ کی دوسری حالت محروم ہونے کا بیان ہے جدہ درج ذیل چار صورتوں میں ساقط ہو جاتی ہے، (۱) ماں کی وجہ سے تمام جدات ساقط ہو جاتی ہیں، خواہ پدری (دادی) ہوں یا مادری (نانی) (۲) باپ کی وجہ سے صرف پدری جدات (دادیاں) ساقط ہوتی ہیں مادری جدات (نانیاں) ساقط نہیں ہوتیں (۳) دادا کی وجہ سے وہ دادیاں ساقط ہو جاتی ہیں جو دادا کے واسطہ سے ہیں، مثلاً دادا کی ماں دادا کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی مگر دادی یعنی دادا کی بیوی دادا کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی (۴) قریب والی جدہ خواہ کسی رشتہ کی ہو دور والی کو ساقط کر دیتی ہے خواہ باپ کی جانب کی ہو یا ماں کی جانب کی اور قریب والی وارث ہو رہی ہو یا نہیں۔

(۱۱/۳۰۳۰) وَالْجَدُّ وَالْإِخْوَةُ وَالْاَخَوَاتُ بِالْاَبِ.

ترجمہ: اور دادا بھائی اور بہنیں باپ کی وجہ سے (ساقط ہو جاتے ہیں)

تشریح: اس عبارت میں دو مسئلے بیان کئے ہیں (۱) اگر میت کے دادا کے ساتھ اس کا باپ بھی موجود ہو تو دادا ساقط ہوگا اس لئے کہ باپ کا رشتہ میت سے قریب ہے اور وراثت کا قاعدہ یہ ہے کہ اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد ساقط ہوتا ہے اسی طرح دادا کی وجہ سے پردادا محروم ہوگا۔

(۲) حقیقی اور علاتی بھائی بہنیں باپ کی موجودگی میں بالاتفاق محروم ہو جائیں گی لیکن دادا کی موجودگی میں صاحبین کے نزدیک محروم نہیں ہوتے البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک دادا کی موجودگی میں بھی ساقط ہو جاتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(۱۲/۳۰۳۱) وَيَسْقُطُ وَلَدُ الْاُمِّ بِاَرْبَعَةٍ بِالْوَلَدِ وَوَلَدِ الْاِبْنِ وَالْاَبِ وَالْجَدِّ.

ترجمہ: اور ساقط ہو جاتے ہیں اخیافی بھائی بہن چار وارثوں سے یعنی بیٹے پوتے باپ اور دادا سے۔

تشریح: اگر میت کی اولاد یا مذکر اولاد کی اولاد نیچے تک ہو یا میت کا باپ دادا اوپر تک ہو تو اخیافی بھائی بہن بالاتفاق محروم ہو جائیں گے۔

(۱۳/۳۰۳۲) وَاِذَا اسْتَكْمَلَتِ الْبَنَاتُ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتْ بَنَاتُ الْاِبْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ بِاِزَائِهِنَّ اَوْ اَسْفَلَ مِنْهُنَّ اِبْنُ ابْنٍ فَيُعَصِّبُهُنَّ.

ترجمہ: اور جب لے لیں بیٹیاں پورا دو تہائی تو ساقط ہو جاتی ہیں پوتیاں مگر یہ کہ ہو ان کے بالمقابل یا ان سے نیچے کوئی پوتا کہ وہ ان کو عصبہ کر دیتا ہے۔

پوتیوں کے حالات میں سے ایک حالت کی تفصیل

تشریح: اگر دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو پوتیاں ساقط ہو جائیں گی کیوں کہ ثلثان لڑکیوں نے لے لیا لیکن اگر پوتیوں کے ساتھ کوئی برابر کا پوتا یا میت کا پر پوتا یا سکڑ پوتا ہو تو ساقط ہونے والی پوتیاں ان کے ساتھ عصبہ بالغیر ہو جائیں گی ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ ان کو مل جائے گا اور وہ باہم اس طرح تقسیم کریں گے کہ پوتے کو دوہرا اور پوتی کو اکہرا حصہ ملے گا۔

زید
میت

	فریق اول	فریق ثانی	فریق ثالث
بطن (۱)	ابن (عمرو)	ابن (بکر)	ابن (خالد)
بطن (۲)	ابن بنت (نصف)	ابن	ابن
بطن (۳)	ابن بنت سدس (تکملة للثلثین)	ابن بنت	ابن
بطن (۴)	ابن بنت	ابن بنت	ابن بنت
بطن (۵)	ابن	ابن بنت	ابن بنت
بطن (۶)	ابن	ابن	ابن بنت

اب مذکورہ نقشہ پر غور کرنے کی حاجت ہے کہ اس میں تین کالم اور چھ بطن ہیں اب فرض کیجئے کہ میت کی صرف پوتیاں ہی زندہ ہیں سارے بیٹے پوتے زید سے پہلے وفات پا چکے ہیں بطن اول میں کسی بھی کالم میں لڑکی نہیں ہے اور بطن ثانی کے کالم اول میں ایک لڑکی ہے کالم ثانی و کالم ثالث میں کوئی لڑکی نہیں ہے، لہٰذا اس لڑکی کو کل مال کا نصف ملے گا اور بطن ثالث میں کالم اول اور کالم ثانی میں ایک ایک لڑکی ہے، مگر کالم ثالث میں کوئی لڑکی نہیں ہے، لہٰذا بطن ثالث کی یہ دونوں لڑکیاں پوتیوں کے درجہ میں ہو کر چھٹے حصے کی حقدار ہوں گی، دو ثلث کو مکمل کرنے کے لئے اس کے بعد بطن رابع میں تینوں کالم میں ایک ایک لڑکی ہے، یہ لڑکیاں ایسی پوتیوں کے درجہ میں ہیں جن سے پہلے دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہونے کی وجہ سے محروم ہو گئی ہیں اس لئے کہ اوپر کی لڑکیوں نے دو ثلث کو مکمل کر لیا ہے، پوتیوں کے لئے کچھ نہیں بچا ہے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ بطن رابع کی پوتیوں کے ساتھ کوئی پوتا موجود ہو تو وہ بطن رابع کی تمام پوتیوں کو عصبہ بنا دے گا یا بطن خامس یا بطن سادس میں کوئی پوتا ہو اور اس سے اوپر کوئی پوتا نہ ہو تو یہ پوتا اپنے برابر والیوں کو اور اپنے سے اوپر والیوں کو عصبہ بنا دے گا، اور ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ ان کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ مذکر کو دوہرا حصہ اور مؤنث کو

اکہرا حصہ دیا جائے گا، نیز پوتے سے اوپر کے بطن کی پوتیوں کو پوتے کے درجہ کی پوتیوں سے کوئی فضیلت حاصل نہ ہوگی اس لئے اوپر اور نیچے دونوں درجہ کی پوتیوں کو برابر حصہ ملے گا۔

(۱۴/۳۰۳۳) وَاِذَا اسْتَكْمَلَتِ الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ وَاُمٍّ الثُّلُثَيْنِ سَقَطَتِ الْاَخَوَاتُ لِاَبٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَعَهُنَّ اَخٌ لَهُنَّ فَيُعَصِّبُهُنَّ.

ترجمہ: اور جب لے لیں حقیقی بہنیں پورا دو تہائی تو ساقط ہو جائیں گی علاتی بہنیں مگر یہ کہ ہو ان کے ساتھ ان کا بھائی کہ وہ ان کو عصبہ کر دیتا ہے۔

علاتی بہن کی ایک حالت کی تفصیل

تشریح: اگر علاتی بہن کے ساتھ دو یا زیادہ حقیقی بہنیں ہوں تو علاتی بہن ساقط ہو جائے گی اس لئے کہ بہنوں کا کل حصہ ثلثان ہے جس کو حقیقی بہنوں نے لے لیا ہے۔

مسئلہ ۳

مثال میت ———————— رحیمہ

علاتی بہن	۳؍حقیقی بہنیں	چچا
ساقط	ثلثان	عصبہ
	۲	۱

لیکن اگر علاتی بہنوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی ہو تو علاتی بہنیں بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر ہوں گی، اور ذوی الفروض کی موجودگی میں مابقیہ ترکہ اور عدم موجودگی میں سارا ترکہ ان کو ملے گا اور وہ آپس میں اس طرح تقسیم کریں گے کہ مذکر کو دوہرا حصہ اور مؤنث کو اکہرا حصہ ملے گا۔

مسئلہ ٦

مثال میت ———————— صبیحہ

علاتی بہن	۲؍علاتی بھائی	ماں
عصبہ بالغیر	عصبہ	سدس
۱	۴	۱

باب العصبات

(عصبات کا بیان)

ماقبل سے ربط: ذوی الفروض کا حصہ ادا کرنے کے بعد اگر ترکہ باقی ہوتو اس کے مستحق عصبات ہوتے ہیں اس لئے ذوی الفروض کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد عصبات کو بیان فرمایا۔

عصبات کی لغوی وصرفی تحقیق: عَصَبَة: عاصب کی جمع ہے، مذکر مؤنث واحد اور جمع سب کے لئے اسم جنس کی طرح مستعمل ہے اس کی جمع الجمع عصبات ہے عصبہ مرد کے پدری رشتے کو کہتے ہیں اس کا مصدر عَصُوْبَة ہے بمعنی گھیرنا احاطہ کرنا یہ معنی عَصَّبَ القوم بالرجل سے ماخوذ ہیں یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب چند آدمی کسی کو اپنی حمایت میں لے لیں اور اس کے چاروں طرف جمع ہو جائیں۔

وجہ تسمیہ: عصبہ بھی میت کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لئے رہتے ہیں اس طرح کہ اوپر باپ کا رشتہ ہوتا ہے نیچے لڑکے کا ایک طرف بھائی اور دوسری طرف چچا کا اس لئے ان کو عصبہ کہتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: عصبہ میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں متعین نہیں ہے بلکہ وہ تنہا ہونے کی صورت میں تمام ترکہ اور ذوی الفروض کے ساتھ باقی ماندہ ترکہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

عصبہ کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) عصبہ نسبی۔ (۲) عصبہ سببی۔

(۱) عصبہ نسبی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو میت کے ساتھ ولادت کا تعلق رکھتے ہیں۔

(۲) **سببی:** وہ عصبہ ہیں جن کا میت کے ساتھ عتاقت کا تعلق ہوتا ہے۔

عصبہ نسبی کی تین قسمیں ہیں: (۱) عصبہ بنفسہ (۲) عصبہ بغیرہ (۳) عصبہ مع غیرہ۔

عصبہ بنفسہ: ہر اس مذکر رشتہ دار کو کہتے ہیں جس کا میت سے رشتہ جوڑنے میں مؤنث کا واسطہ نہ آئے اس تعریف کے اعتبار سے وہ تمام رشتہ دار نکل گئے جو مؤنث کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں مثلاً نواسہ کہ لڑکی کے واسطے سے ہوتا ہے نانا کہ ماں کے واسطے سے ہوتا ہے۔

عصبہ بنفسہ کی چار قسمیں ہیں: (۱) میت کا جزء مذکر یعنی میت کی نسل مذکر یا فروع مذکر چاہے نیچے کی ہوں جیسے لڑکے، پوتے، پڑپوتے وغیرہ۔

(۲) میت کے اصول مذکر چاہے اوپر کے ہوں جیسے باپ پھر دادا پھر پردادا۔ (۳) میت کے اصول قریب کے فروع مذکر اور اصول قریب باپ ہے اور باپ کے فروع مذکر بھائی اور بھائی کی اولاد ہیں جیسے حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی

پھر حقیقی بھائی کے لڑکے پھر علاتی بھائی کے لڑکے اسی طرح نیچے تک۔

(۴) میت کے اصول بعید کے فروع مذکر اور اصول بعید میں دادا پر دادا وغیرہ اور فروع مذکر ان کی اولاد جیسے حقیقی چچا پھر علاتی چچا پھر حقیقی چچا کے لڑکے پھر علاتی چچا کے لڑکے۔ باقی تفصیل سراجی میں آئے گی۔

(۱/۳۰۳۴) وَاَقْرَبُ الْعَصَبَاتِ الْبَنُوْنَ ثُمَّ بَنُوْهُمْ ثُمَّ الْاَبُ ثُمَّ الْجَدُّ ثُمَّ بَنُوْ الْاَبِ وَهُمُ الْاِخْوَةُ ثُمَّ بَنُوْ الْجَدِّ وَهُمُ الْاَعْمَامُ ثُمَّ بَنُوْ اَبِ الْجَدِّ.

ترجمہ: عصبات میں سب سے قریب بیٹے ہیں پھر پوتے پھر باپ پھر دادا پھر باپ کے بیٹے اور وہ بھائی ہیں، پھر دادا کے بیٹے اور وہ چچا ہیں پھر دادا کے باپ کے بیٹے (میت کے باپ کے چچے تائے)

عصبہ بنفسہٖ کے درمیان ترجیح

تشریح: ماقبل میں ترتیب وار عصبہ بنفسہٖ کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں، وراثت میں یہی ترتیب ملحوظ رہتی ہے میت کا جزء مذکر میت کے اصول مذکر پر مقدم ہوتا ہے اور اصول مذکر میت کے اصول قریب کے فروع مذکر پر مقدم ہوتے ہیں، اور اصول قریب کے فروع مذکر، اصول بعید کے فروع مذکر پر مقدم ہوتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ پہلی قسم والے عصبہ کو دوسری قسم والے عصبہ پر اور دوسری قسم والے کو تیسری قسم والے پر اور تیسری قسم والے کو چوتھی قسم والے پر ترجیح دی جاتی ہے یعنی لڑکے اور پوتے کی موجودگی میں باپ دادا عصبہ نہیں ہوسکتے اور باپ دادا کی موجودگی میں بھائی عصبہ نہیں ہوسکتے، اور بھائی اور اس کے لڑکے کی موجودگی میں چچا اور اس کے لڑکے عصبہ نہیں ہوسکتے۔

فائدہ: اگر عصبہ بنفسہٖ کی ایک ہی قسم کے متعدد افراد جمع ہو جائیں تو ان میں جو میت سے زیادہ قریب ہوگا وہ عصبہ ہوگا اور دور والے ساقط ہو جائیں گے مثلاً (۱) میت کا بیٹا اور پوتا دونوں ہوں تو بیٹا عصبہ ہوگا اور پوتا ساقط۔ (۲) باپ اور دادا میں باپ عصبہ ہوگا اور دادا ساقط اور دادا کی موجودگی میں پردادا ساقط ہوگا۔ (۳) بھائی اور بھتیجے میں بھائی عصبہ ہوگا اور بھتیجا ساقط (۴) چچا اور چچا کے لڑکوں میں چچا عصبہ ہوگا اور چچا کے لڑکے ساقط۔

(۲/۳۰۳۵) وَاِذَا اسْتَوىٰ بَنُوْ اَبٍ فِيْ دَرَجَةٍ فَاَوْلٰهُمْ مَنْ كَانَ مِنْ اَبٍ وَاُمٍّ.

ترجمہ: اور جب باپ کے بیٹے برابر ہوں درجہ میں تو زیادہ مستحق وہ ہے جو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہو۔

قوت قرابت کا اصول

تشریح: ماقبل کے بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اگر ایک ہی جہت کے متعدد وارث موجود ہوں تو ان میں قرب قرابت کے اعتبار سے ترکہ تقسیم ہوگا مثلاً بیٹا مقدم ہوگا پوتے پر اب اس متن میں یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر برابر

درجہ کے کئی عصبہ بنفسہ جمع ہو جائیں اور ان میں قرابت کے اعتبار سے فرق ہو ایک دو قرابت والا ہے اور دوسرا ایک قرابت والا تو ان کے مابین تقسیم کی کیا صورت ہوگی؟ اس کو بیان کیا گیا کہ رشتہ کی قوت کو دیکھا جائے گا جس کا رشتہ زیادہ قوی ہوگا اس کو ترجیح ہوگی، میت کے حقیقی بھائی کو علاتی بھائی پر، حقیقی بہن کو جب بیٹی یا پوتی کی وجہ سے عصبہ ہو تو علاتی بھائی بہن پر حقیقی چچا کو علاتی چچا پر حقیقی بھتیجے کو علاتی بھتیجے پر ترجیح اسی لئے ہے کہ علاتی کا رشتہ صرف باپ سے ہوتا ہے اور حقیقی کا باپ اور ماں دونوں سے یعنی حقیقی کے لئے ماں کا رشتہ وجہ ترجیح بنتا ہے۔

مسئلہ: ۱

مثلاً میت

حقیقی بھائی	علاتی بھائی	علاتی بہن
عصبہ	عصبہ	عصبہ بغیرہ
۱	محروم	محروم

مسئلہ: ۲

مثلاً میت

لڑکی	حقیقی بہن	علاتی بھائی	علاتی بہن
نصف	عصبہ مع غیرہ	عصبہ بنفسہ	عصبہ بغیرہ
۱	۱	محروم	محروم

(۳۰۳۶/۳) وَالْاِبْنُ وَابْنُ الْاِبْنِ وَالْاِخْوَةُ يُقَاسِمُوْنَ اَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ.

ترجمہ: بیٹا اور پوتا اور بھائی تقسیم کر کے دیں گے اپنی بہنوں کو مذکر کے لئے مؤنث کے دو حصے کے برابر۔

عصبہ بغیرہ کی تعریف اور ان کا مصداق

تشریح: یہاں سے عصبہ بغیرہ کا بیان ہے، عصبہ بغیرہ وہ عورتیں ہیں جن کا حصہ شریعت نے ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے نصف یا ثلثان مقرر فرما دیا ہے وہ اپنے بھائیوں کی موجودگی میں عصبہ ہو جاتی ہیں، عصبہ بغیرہ کا مصداق صرف چار عورتیں ہیں (۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) حقیقی بہن (۴) علاتی بہن۔ بیٹی بیٹے کی وجہ سے، پوتی پوتے کی وجہ سے اور حقیقی بہن حقیقی بھائی کی وجہ سے اور علاتی بہن علاتی بھائی کی وجہ سے عصبہ ہو جاتی ہیں اور دیگر ذوی الفروض کی موجودگی میں ان سے بچا ہوا اور عدم موجودگی میں سارا ترکہ ان کو مل جائے گا اور وہ آپس میں اس طرح تقسیم کریں گے کہ ہر مذکر کو دو مؤنث کے حصے کے برابر ملے گا۔

(۴/۳۰۳۷) وَمَنْ عَدَاهُمْ مِنَ الْعَصَبَاتِ يَنفَرِدُ بِالْمِيرَاثِ ذُكُورُهُمْ دُونَ اُنَاثِهِمْ.

ترجمہ: اوران کے علاوہ دیگر عصبات تنہا ہوتے ہیں میراث پانے میں ان کے مرد نہ کہ ان کی عورتیں۔

تشریح: اوپر کے بیان سے معلوم ہوا کہ جو بھائی خود عصبہ ہوتا ہے وہ اپنی بہن کو بھی عصبہ بنا دیتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بہن اصحاب الفرائض میں داخل ہو کر نصف یا ثلثان کی مستحق ہو لہٰذا اگر کوئی بھائی خود عصبہ تو ہے مگر اس کی بہن ذوی الفروض میں سے نہیں ہے تو اس کو اس کا بھائی باوجود خود عصبہ ہونے کے عصبہ نہیں بنائے گا اور تمام کا تمام مال بھائی کو مل جائے گا بہن محروم ہوگی مثلاً چچا اور پھوپھی بھائی بہن ہیں مگر پھوپھی چونکہ اصحابِ فرائض میں سے نہیں ہے اس لئے پورا مال چچا کو ملے گا، پھوپھی کو کچھ نہیں ملے گا اسی طرح چچا کی لڑکی لڑکے کے ساتھ یعنی بھتیجی بھتیجے کے ساتھ عصبہ بالغیر نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ سب عورتیں اصحاب فرائض میں سے نہیں ہیں۔

(۵/۳۰۳۸) وَاِذَا لَمْ يَكُنْ عَصَبَةٌ مِنَ النَّسَبِ فَالْعَصَبَةُ هُوَ الْمَوْلٰى الْمُعْتِقُ ثُمَّ الْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَبُ مِنْ عَصَبَةِ الْمَوْلٰى.

ترجمہ: اور جب نہ ہو (میت کا) نسبی عصبہ تو آزاد کرنے والا مولیٰ عصبہ ہوتا ہے پھر مولیٰ کے عصبات میں جو سب سے زیادہ قریب ہو۔

عصبہ سببی کا بیان

تشریح: عصبہ کی دو قسموں نسبی اور سببی میں سے نسبی کا بیان ختم ہوا اب دوسری قسم سببی کا بیان شروع ہوتا ہے، عصبہ سببی ان لوگوں کو کہتے ہیں جن کا میت کے ساتھ عتاقت کا تعلق ہے یعنی آزاد کرنے والے آقا اور ان کی اولاد۔

غلام آزاد کرنیوالے کو آزاد کرنے کے عوض میں بطور نعمت آزاد شدہ غلام کی وراثت ملتی ہے جب کہ غلام کے شرعی ورثاء موجود نہ ہوں اسے ولاء عتق کہتے ہیں۔

عصبات سببیہ کی ترتیب: اگر میت کے ورثاء میں نہ تو اصحاب فرائض ہوں اور نہ ہی نسبی عصبات جن کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے تو میت کا ترکہ اس کے سببی عصبات کو ملے گا۔

عصبہ سببی (مولی العتاقہ) میں بھی عصبات کی ترتیب وہی ہے جو عصبہ بنفسہ کی ہے یعنی اگر معتق موجود نہ ہو تو میراث معتق کی فرع کو ملے گی پھر معتق کی اصل کو پھر معتق کی اصل قریب (باپ) کی فرع کو اور آخر میں معتق کی اصل بعید (دادا پردادا) کی فرع کو، تفصیل درج ذیل ہے۔

معتق کی فرع: اگر معتق موجود نہیں ہوگا تو اس کے لڑکے، پوتے (نیچے تک) کو آزاد شدہ غلام کا ترکہ ملے گا۔

معتِق کی اصل: اگر معتق کی فرع موجود نہ ہوگی تو اس کے باپ دادا (اوپر تک) کو آزاد شدہ غلام کا ترکہ ملے گا۔

معتِق کے باپ کی فرع: اگر معتق کی اصل موجود نہیں ہے تو معتق کے بھائی کو آزاد شدہ غلام کی وراثت ملے گی۔

معتِق کے دادا کی فرع: اگر معتق کے بھائی بھی موجود نہ ہوں تو آزاد شدہ غلام کی ولاء اس کے چچا کو ملے گی۔

حاصل یہ کہ معتق کے مذکر عصبات میں غلام کی ولاء دائر رہے گی اور بس۔

اگر ان سب میں سے کوئی نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ معتق بھی کسی کا غلام تھا یا نہیں اگر تھا تو اس کے آقا کو ولاء ملے گی اور وہ زندہ نہ ہو تو پھر اس کے مذکر عصبات میں مذکورہ بالا ترتیب کے ساتھ ولاء تقسیم ہوگی۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ آزاد شدہ غلام کے شرعی ورثاء کی عدم موجودگی میں غلام کی 'ولا' معتق اور اس کے لڑکے پوتے باپ دادا بھائی اور چچاؤں میں دائر رہتی ہے معتق کے مؤنث عصبات کو ولاء نہیں ملتی ایسا اس لئے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے حق میں ولاء کی نفی فرمائی ہے البتہ آٹھ صورتوں میں عورتوں کو ولاء ملتی ہے، یہ آٹھ صورتیں استثنائی ہیں جن کا تفصیلی بیان انوار القدوری جلد دوم کتاب الولاء میں گذر چکا ہے۔

باب الحجب

(ایک وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے محروم ہونے کا بیان)

ماقبل سے ربط: ماقبل میں ذوی الفروض اور ان کے تفصیلی احوال اور عصبات کا تفصیلی بیان مذکور ہوا اب اس باب میں حجب کے اصول وقواعد کو بیان کیا جا رہا ہے جو درحقیقت ماقبل کے ابواب ہی کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

حجب کے لغوی معنی: حجب کے لغوی معنی روکنا اسی سے حاجب دربان، حجاب، پردہ۔

اصطلاحی تعریف: اہل فرائض کی اصطلاح میں حجب کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے مخصوص شخص کا میراث کے لینے سے رک جانا دوسرے شخص کے موجود ہونے کی وجہ سے۔

حجب کی اقسام: حجب کی دو قسمیں ہیں (۱) حجب نقصان (۲) حجب حرمان۔

حجب نقصان: کسی وارث کا دوسرے وارث کی وجہ سے زیادہ حصے کے بجائے کم حصہ پانا جیسا کہ ماں کو اولاد کی عدم موجودگی میں اور دو یا دو سے زیادہ بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ثلث الکل ملتا ہے لیکن مذکورہ ورثاء کی موجودگی میں ماں کا حصہ ثلث الکل سے سدس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

حجب نقصان پانچ افراد پر طاری ہوتا ہے، شوہر، بیوی، ماں، پوتی اور علاتی بہن تفصیل ہر ایک کے احوال میں گذر چکی ہے۔

حجب حرمان: کسی وارث کا دوسرے وارث کی موجودگی میں وراثت سے بالکل محروم ہوجانا جیسے باپ کی موجودگی میں دادا وراثت پانے سے بالکل محروم ہوجاتا ہے اور صلبی لڑکے کی موجودگی میں پوتے وراثت پانے سے بالکل محروم ہوجاتے ہیں اس حجب کے تعلق سے ورثاء کی دو جماعتیں ہیں ایک وہ جو کبھی محروم نہیں ہوتی یہ چھ افراد ہیں زوجین والدین لڑکے اور لڑکیاں۔

دوسری جماعت ان ورثاء کی ہے جو کبھی محروم ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے، یہ درج ذیل افراد ہیں، دادا، دادی، حقیقی بھائی، حقیقی بہن، علاتی بھائی، علاتی بہن، اخیافی بھائی، اخیافی بہن، پوتا پوتی، حقیقی چچا اور علاتی چچا اور حقیقی اور علاتی بھائیوں اور چچاؤں کے لڑکوں کو بھی اسی میں شمار کیا جاتا ہے۔

(۱/۳۰۳۹) وَيَحْجُبُ الْأُمَّ مِنَ الثُّلُثِ اِلَى السُّدُسِ بِالْوَلَدِ اَوْ وَلَدِ الْاِبْنِ اَوْ اَخَوَيْنِ.

ترجمہ: اور محجوب ہوجاتی ہے ماں تہائی سے چھٹے کی طرف بیٹے یا پوتے یا دو بھائیوں کے ہونے سے۔

جن پر حجب نقصان طاری ہوتا ہے ان کی تفصیل کا بیان

تشریح: ماں کا حصہ ثلث الکل ہے مگر اولاد کی موجودگی میں دو یا دو سے زیادہ بھائی بہنوں کی موجودگی میں ثلث سے سدس کی طرف منتقل ہوجاتا ہے لہٰذا یہ لوگ حجب نقصان بن گئے۔

(۲/۳۰۴۰) وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الْبَنَاتِ لِبَنِي الْاِبْنِ وَاَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ.

ترجمہ: اور جو باقی بچ جائے بیٹیوں کے حصے سے وہ پوتوں اور ان کی بہنوں کا ہے مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر۔

تشریح: پوتی، اس کا اصل حصہ صلبی اولاد کی عدم موجودگی میں نصف ہے اگر پوتی ایک ہو اور اگر بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتیاں ایک سے زیادہ ہیں تو ان کو ثلثان ملے گا اور ثلثان ان کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگا، مگر ایک لڑکی کی موجودگی میں نصف یا ثلثان سے سدس کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ اور اگر دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو پوتیاں ساقط ہوجائیں گی کیوں کہ ثلثان لڑکیوں نے لے لیا لیکن اگر پوتیوں کے ساتھ کوئی برابر کا پوتا یا میت کا پرپوتا سکڑ پوتا ہو تو ساقط ہونے والی پوتیاں ان کے ساتھ عصبہ بالغیر ہوجائیں گی ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ ان کو مل جائے گا اور وہ ہم اس طرح تقسیم کریں گے کہ پوتے کو دوہرا اور پوتی کو اکہرا حصہ ملے گا اگر بیٹیاں نہ ہوتی تو سب مال پوتے اور پوتیوں کو ملتا لیکن بیٹیوں کی وجہ سے پوتے اور پوتیوں کو حجب نقصان ہوا۔

(۳/۳۰۴۱) وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الْاَخَوَاتِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ لِلْاِخْوَةِ وَالْاَخَوَاتِ مِنَ الْاَبِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ.

ترجمہ: اور جو باقی رہے حقیقی بہنوں کے حصہ سے وہ علاتی بھائی بہنوں کا ہے مرد کے لئے دوعورتوں کے حصہ کے برابر۔

تشریح: حقیقی بہنوں کی عدم موجودگی میں ایک علاتی بہن کا حصہ نصف ہوتا ہے دو یا دو سے زائد ہوں تو ثلثان ہوتا ہے مگر ایک حقیقی بہن کی موجودگی میں نصف یا ثلثان سے سدس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، لہٰذا ایک حقیقی بہن علاتی بہنوں کے لئے حجب نقصان ہے اور اگر علاتی بہنوں کے ساتھ علاتی بھائی ہوتو علاتی بہنیں بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر ہوں گی اور ذوی الفروض کی موجودگی میں مابقیہ ترکہ اور عدم موجودگی میں سارا ترکہ ان کو ملے گا اور وہ آپس میں اس طرح تقسیم کریں گے کہ مذکر کو دوہرا حصہ اور مؤنث کو اکہرا حصہ ملے گا۔

(۴/۳۰۴۲) وَاِذَا تَرَكَ بِنْتًا وَبَنَاتِ ابْنٍ وَبَنِى ابْنٍ فَلِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَالْبَاقِى لِبَنِى الْاِبْنِ وَاَخَوَاتِهِمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ.

ترجمہ: اور جب چھوڑی ایک بیٹی اور چند پوتیاں اور چند پوتے تو بیٹی کے لئے نصف ہے اور باقی پوتوں اور ان کی بہنوں کا ہے، مرد کے لئے دوعورتوں کے حصہ کے برابر۔

تشریح: کسی شخص کا انتقال ہو گیا اس نے صرف ایک بیٹی چھوڑی اور چند پوتے و پوتیاں تو بیٹی کو آدھا ملے گا اور باقی آدھا پوتے اور پوتیوں کیلئے بطور عصبہ ہوگا، اس میں پوتے کے لئے پوتی کا دوگنا ہوگا اور پوتی کو ایک گنا ملے گا۔

(۵/۳۰۴۳) وَكَذٰلِكَ الْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ الْاُخْتِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ لِبَنِى الْاَبِ وَبَنَاتِ الْاَبِ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ .

ترجمہ: اسی طرح جو باقی رہے حقیقی بہن کے حصہ سے وہ علاتی بھائی بہنوں کا ہے مرد کے لئے دوعورتوں کے حصے کے برابر۔

تشریح: اس کی تفصیل مسئلہ (۳) میں گذر چکی ہے۔

(۶/۳۰۴۴) وَمَنْ تَرَكَ اِبْنَى عَمٍّ اَحَدُهُمَا اَخٌ لِاُمٍّ فَلِلْاَخِ السُّدُسُ وَالْبَاقِى بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ.

ترجمہ: اور جس نے چھوڑے دو چچازاد بھائی جن میں سے ایک اخیافی بھائی ہے تو اخیافی بھائی کے لئے چھٹا حصہ ہے اور باقی ان میں نصفا نصف ہوگا۔

تشریح: ایک آدمی نے دو چچازاد بھائی چھوڑے ایک چچازاد بھائی اس کا اخیافی (ماں شریک) بھائی بھی ہوتا

تھا تو اولاً اس اخیافی بھائی کو کل مال کا $\frac{1}{6}$ حصہ ملے گا، پھر جو باقی بچے گا وہ دونوں بھائی بطور عصبہ کے آدھا آدھا تقسیم کریں گے۔

(۳۰۴۵/۷) وَالْمُشْتَرَكَةُ اَنْ تَتْرُكَ الْمَرْأَةُ زَوْجًا وَاُمًّا اَوْ جَدَّةً وَاِخْوَةً مِنْ اُمٍّ وَاَخًا مِنْ اَبٍ وَاُمٍّ فَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْاُمِّ السُّدُسُ وَلِاَوْلَادِ الْاُمِّ الثُّلُثُ وَلَاشَيْءَ لِلْاِخْوَةِ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ.

حل لغت: المشترکة: یہ مسئلہ مشترکہ ہے کیونکہ اس میں کئی قسم کے بھائی ہیں اور ماں و دادی کا مسئلہ بھی ہے ایک لغت میں المشرکۃ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعض حضرات نے حقیقی بھائی کو ماں شریک بھائی کے حصے میں شریک فرمایا اور بعض نے شریک نہیں فرمایا۔

ترجمہ: مشترکہ مسئلہ یہ ہے کہ چھوڑا عورت نے شوہر ماں یا جدہ (دادی یا نانی) چند اخیافی بھائی اور حقیقی بھائی کو تو شوہر کے لئے نصف ہے اور ماں کے لئے چھٹا حصہ اور اخیافی بھائیوں کے لئے تہائی اور کچھ نہیں ہے حقیقی بھائیوں کے لئے۔

تشریح: مسئلہ کی تشریح اس طرح ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہوا اس نے وارثین میں شوہر ماں یا جدہ کئی ماں شریک بھائی اور حقیقی بھائی چھوڑے تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ چنانچہ فرمایا کہ شوہر کے لئے کل مال کا آدھا ہے کیوں کہ اولاد کی عدم موجودگی میں شوہر کو کل مال کا نصف ملتا ہے، اور ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے کیونکہ میت کے تینوں قسموں حقیقی، علاتی، اخیافی بھائیوں بہنوں میں سے دو یا زیادہ ہوں تو ماں کو سدس ملا کرتا ہے یا ماں کے نہ ہونے کی صورت میں جدہ ہو تو اسے بھی چھٹا حصہ ملے گا اور اخیافی بھائیوں کو تہائی ملے گا کیوں کہ ایک سے زیادہ اخیافی بھائی ہوں تو ان کو ثلث ملتا ہے، اور حقیقی بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا کیوں کہ وہ عصبہ ہیں اس لئے اصحاب فرائض کے بچے ہوئے ترکہ سے ان کو ملتا ہے اور یہاں کچھ نہیں بچا اس لئے یہ محروم رہیں گے۔

باب الرد

(رد کا بیان)

رد کے لغوی و اصطلاحی معنی: رد کے لغوی معنی 'پھیرنا' واپس کرنا، لوٹانا یہ مصدر ہے اور باب نصر ینصر سے رَدَّ یَرُدُّ رَدًّا مستعمل ہے، اور فن فرائض کی اصطلاح میں رد کے معنی جب ذوی الفروض کو حصہ دینے کے بعد کچھ ترکہ بچ جائے اور اس کو لینے کے لئے کسی قسم کا عصبہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں انہیں ذوی الفروض پر بچا ہوا ترکہ ان کے سہام کے تناسب کے اعتبار سے لوٹا دیا جاتا ہے اسی کو رد کہا جاتا ہے۔

فائدہ: ردصرف نسبی اصحاب فرائض پر ہوتا ہے ان کو من یردعلیہ کہتے ہیں اور زوجین چوں کہ نسبی رشتہ دار نہیں ہیں اس لئے ان پر ردنہیں ہوتا ان کو من لا یردعلیہ کہتے ہیں ردعول کی ضد ہے عول میں اصل مسئلہ سے حصے بڑھ جاتے ہیں اور رد میں اصل مسئلہ سے حصے کم رہ جاتے ہیں یعنی ذوی الفروض کو دینے کے بعد کچھ بچ جاتا ہے۔

نوٹ: اس باب میں رد کے علاوہ بھی بہت سے مسائل کا تذکرہ ہے اس لئے باب الرد ایک جزوی نام ہے۔

(۱/۳۰۴۶) وَالْفَاضِلُ عَنْ فَرْضِ ذَوِی السِّهَامِ اِذَا لَمْ تَكُنْ عَصَبَةٌ مَرْدُوْدٌ عَلَيْهِمْ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ اِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ.

ترجمہ: جو مال بچا ہوا ذوی الفروض کے حصے سے جب کہ نہ ہو عصبہ تو دے دیا جائے گا ذوی الفروض کو ان کے حصوں کے موافق سوائے زوجین کے۔

اصحابِ فرائض پر رد جائز ہے یا نہیں؟

تشریح: اصحاب فرائض پر رد کر دینا جائز ہے یا نہیں، اس میں اختلاف کے دو دور گذرے ہیں دور اول کا اختلاف صحابہ کا اختلاف ہے چنانچہ اس بارے میں صحابہ کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ (۱) حضرات خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ اس بات کے قائل تھے کہ مابقیہ ترکہ زوجین کے علاوہ تمام ذوی الفروض پر رد کر دیا جائے گا۔

(۲) حضرت زید بن ثابت کے نزدیک ذوی الفروض پر ردنہیں کیا جائے گا بلکہ بچا ہوا ترکہ بیت المال میں جمع کرنا ضروری ہوگا اور دور ثانی کا اختلاف ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔

(۱) ائمہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ زوجین کے علاوہ تمام اصحاب فرائض پر رد ہوگا۔ (۲) حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ذوی الفروض کو دینے کے بعد باقی ماندہ مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا لیکن متاخرین شوافع نے بیت المال کے غیر منظم ہونے کی صورت میں حنفیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے، امام مالکؒ کی بھی ایک روایت احناف کے مسلک کے مطابق ہے۔ (ردالمحتار ۵/۵۵۶ مکتبہ رشیدیہ پاکستان)

زوجین پر رد کب جائز ہوتا ہے؟

فائدہ: اگر میاں بیوی کے علاوہ میت کا کوئی دوسرا وارث نہ ہو مثلاً ذوی الارحام مولی الموالات مقرلہ بالنسب علی الغیر اور موصیٰ لہ بجمیع المال نہ ہوں نیز بیت المال بھی نہ ہو یا بیت المال تو ہو لیکن شرعی نقطہ نظر سے غیر منظم ہو اس میں جمع شدہ مال صحیح مصرف میں خرچ نہ کیا جاتا ہو تو ان صورتوں میں متاخرین احناف نے زوجین پر رد کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔ (ردالمحتار ۵/۵۵۶)

(۲/۳۰۴۷) وَلَا يَرِثُ الْقَاتِلُ مِنَ الْمَقْتُوْلِ وَالْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَتَوَارَثُ بِهِ اَهْلُهُ وَلَا يَرِثُ

الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ وَمَالُ الْمُرْتَدِّ لِوَرَثَتِهِ الْمُسْلِمِينَ وَمَا اكْتَسَبَهُ فِي حَالِ رِدَّتِهِ فَيْءٌ.

ترجمہ: اور وارث نہیں ہوتا قاتل مقتول کا اور ہر قسم کا کفر ایک ہی مذہب ہے اس کے سبب سے کافر وارث ہوگا دوسرے کا اور وارث نہیں ہوتا مسلمان کافر کا نہ کافر مسلمان کا مرتد کا مال اس کے مسلم ورثاء کا ہے اور جو مال کمایا ہو اس نے ردت کی حالت میں وہ غنیمت ہے۔

تشریح: ان تمام مسائل کی تفصیل کتاب الفرائض کے شروع میں گذر چکی ہے۔

(۳/۳۰۴۸) وَإِذَا غَرِقَ جَمَاعَةٌ أَوْ سَقَطَتْ عَلَيْهِمْ حَائِطٌ فَلَمْ يُعْلَمْ مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ أَوَّلًا فَمَالُ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ لِلْأَحْيَاءِ مِنْ وَرَثَتِهِ.

ترجمہ: اور اگر ایک جماعت ڈوب جائے یا ان پر دیوار گر جائے اور معلوم نہ ہو کہ پہلے کون مرا ہے تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثاء کے لئے ہے۔

ڈوب کر جل کر اور دب کر مرنے والوں کے احکام:

تشریح: اگر چند رشتے دار ایک ساتھ کسی حادثے میں مر جائیں مثلاً کشتی ڈوب جائے یا آگ لگ جائے یا دیوار چھت وغیرہ گر جائے یا میدان جنگ میں لڑتے ہوئے سب شہید ہو جائیں یا چند رشتہ دار کہیں دور دراز ملک میں چلے جائیں اور ان کی سب کی وفات ہو جائے اور کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کس کی وفات پہلے اور کس کی وفات بعد میں ہوئی ہے (تقدیم وتاخیر ایک لمحہ کی بھی ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا) تو دوسرے زندہ ورثاء میں ان کی وراثت تقسیم کر دی جائے گی یہ لوگ (ایک حادثہ میں مرنیوالے) ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے یہی مختار مذہب ہے اسی پر فتویٰ ہے، مذکورہ حکم امام اعظمؒ کا آخری قول اور امام مالک وشافعی کا مختار مسلک ہے حضرت علی اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت بھی یہی ہے اور علامہ شامی نے اسی کو معتمد کہا ہے۔

مثال: باپ زید اور بیٹا عمر ایک ساتھ ڈوب کر مر گئے باپ نے اپنی بیوی رحیمہ، لڑکی کریمہ اور پوتا بکر (باپ کے ساتھ ڈوبنے والے بیٹے کا بیٹا) چھوڑا اور لڑکے نے بیوی رفیقہ ماں رحیمہ اور لڑکا بکر چھوڑا تو باپ اور بیٹے کا ترکہ دو جگہ الگ الگ تقسیم کیا جائے گا البتہ باپ کو بیٹے اور بیٹے کو باپ کی وراثت نہیں ملے گی تخریج یہ ہے۔

مسئلہ ۸

زید میت

زوجہ (رحیمہ)	بنت (کریمہ)	ابن الابن (بکر)
ثمن	نصف	عصبہ
۱	۴	۳

مسئلہ: ۲۴

عمر

میت

زوجہ (رفیقہ)	ام (رحیمہ)	ابن (بکر)
ثمن	سدس	عصبہ
۳	۴	۱۷

اور حضرت علی وابن مسعودؓ کی ایک روایت یہ ہے کہ جب ایک ساتھ کئی رشتہ دار بیک وقت وفات پا جائیں تو اگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کا وارث ہو تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور اگر ایک جانب سے کسی کو وراثت مل رہی ہو تو وہ وارث ہوگا۔

(۴/۳۰۴۹) وَاِذَا اجْتَمَعَ لِلْمَجُوْسِيِّ قَرَابَتَانِ لَوْ تَفَرَّقَتْ فِيْ شَخْصَيْنِ وَرِثَ اَحَدُهُمَا مَعَ الْآخَرِ وُرِّثَ بِهِمَا.

ترجمہ: اور جب جمع ہوں مجوسی کی ایسی دو قرابتیں کہ اگر وہ متفرق ہوں دو شخصوں میں تو ایک دوسرے کا وارث ہو تو وارث ہوگا مجوسی ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ سے۔

تشریح: جب۔

(۵/۳۰۵۰) وَلَا يَرِثُ الْمَجُوْسِيُّ بِالْاَنْكِحَةِ الْفَاسِدَةِ الَّتِيْ يَسْتَحِلُّوْنَهَا فِيْ دِيْنِهِمْ.

ترجمہ: اور وارث نہ ہوں گے مجوسی ان فاسد نکاحوں سے جن کو وہ حلال سمجھتے ہیں اپنے دین میں۔

تشریح: مجوسیوں کو ان فاسد نکاحوں کے سبب میراث نہیں ملے گی جن کو وہ اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں مثلاً اپنی ماں بیٹی بہن سے نکاح کرنا وہ حلال سمجھتے ہیں کیوں کہ فاسد نکاح مسلمانوں کے حق میں مثبت توارث نہیں تو مجوسیوں کے حق میں بھی نہ ہوگا۔

(۶/۳۰۵۱) وَعَصَبَةُ وَلَدِ الزِّنَا وَوَلَدِ الْمُلَاعَنَةِ مَوْلٰى اُمِّهِمَا.

ترجمہ: اور ولد زنا کا عصبہ اور ولد ملاعنہ کا عصبہ ان کی ماں کا آقا ہے۔

تشریح: زنا سے جو بچہ پیدا ہوا شرعی اعتبار سے اس کا باپ نہیں ہے یا جس عورت سے اس کے شوہر نے لعان کر لیا تو اس بچہ کا رشتہ باپ سے ختم ہو گیا اب وہ باپ ہی نہ رہا اس لئے نہ باپ وارث ہوگا اور نہ باپ کے رشتہ دار وارث ہوں گے، بلکہ اس کا تعلق ماں کے ساتھ ہو گیا اس لئے ماں وارث ہوگی اور ماں کے رشتہ دار وارث ہوں گے اور یہ لڑکا ماں کا وارث ہوگا اور ماں کی جانب سے جو رشتہ دار ہیں ان کا وارث ہوگا۔

تنبیه: ''مولیٰ'' آزاد کرنے والا اور عصبہ دونوں کو عام ہے یعنی جب ماں اصلاً آزاد ہو تو میراث اس کے موالی کے لئے ہے اور وہی عصبہ ہیں، اور اگر ماں آزاد شدہ ہے تو میراث اس کے معتق کے لئے ہے۔

(۳۰۵۲/۷) وَمَنْ مَاتَ وَتَرَكَ حَمْلاً وُقِفَ مَالُهُ حَتّٰى تَضَعَ امْرَأَتُهُ حَمْلَهَا فِيْ قَوْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى.

ترجمه: اور جو شخص مر گیا حمل چھوڑ کر تو موقوف رہے گا اس کا مال یہاں تک کہ جنے اس کی عورت اپنا حمل امام صاحب کے قول میں۔

حمل کی میراث کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب حمل کی میراث کو بیان کرتے ہیں اولاً یہ باتیں ذہن نشیں رکھیں کہ حمل کو بھی میراث ملتی ہے مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو مرا ہوا بچہ پیدا ہوگا تو اس کو میراث نہیں ملے گی نیز یہ بھی شرط ہے کہ وہ مورثِ کی موت کے وقت یقیناً پیٹ میں ہو اور یہ بات اس طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ وہ اکثر مدت حمل کے اندر پیدا ہو اور حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور احناف کے نزدیک اکثر مدت دو سال ہے چنانچہ اگر مورث کی موت کے بعد دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو وہ وارث ہوگا اس کے بعد پیدا ہوگا تو وارث نہیں ہوگا کیوں کہ اس صورت میں بوقت موت بچہ کا پیٹ میں ہونا یقینی نہیں، اب صورت مسئلہ سمجھیں اگر عورت قریب الولادت ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ میراث تقسیم کرنے میں عجلت نہ کی جائے بلکہ تقسیم ترکہ کو وضع حمل تک ملتوی رکھا جائے تاکہ تقسیم میں کوئی پریشانی نہ آئے اور قریب الولادت ہونے کا مدار عرف پر ہے اور بعض فقہاء نے ایک ماہ سے کم کو قریب اور اس سے زیادہ کو بعید کہا ہے، لیکن اگر ورثاء انتظار نہ کریں اور ولادت سے پہلے ہی ترکہ تقسیم کرنا چاہیں اور ولادت میں ابھی دیر ہو تو ترکہ تقسیم کر دینا چاہئے بلاوجہ تقسیم ترکہ میں دیر کرنا مناسب نہیں اس صورت میں ترکہ میں سے حمل کا حصہ روک لیا جائے گا اور ایک حمل سے عام طور پر ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے مگر کبھی زیادہ بھی پیدا ہوتے ہیں اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتنے بچوں کا حصہ روکا جائے اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چار لڑکوں یا چار لڑکیوں میں سے جن کا حصہ زیادہ ہو وہ حمل کے لئے روک لیا جائے باقی ترکہ ورثاء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے امام محمدؒ سے یہ روایت مروی ہے کہ دو لڑکوں یا دو لڑکیوں کا حصہ حمل کے لئے روکا جائے، تیسرا قول جو مفتی بہ ہے خصافؒ نے امام ابو یوسف سے یہ روایت کی ہے کہ ایک لڑکے یا ایک لڑکی کا حصہ حمل کے لئے روک لیا جائے کیوں کہ عموماً ایک حمل سے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے اور ورثاء سے ضامن لے لیا جائے کہ اگر بچے زیادہ پیدا ہوئے تو وہ ماخوذ ترکہ میں سے زائد بچوں کا حصہ واپس کر دیں گے، حمل کی توریث کا ضابطہ اور طریقہ کیا ہے، اس بارے میں مزید تفصیل سراجی فصل فی الحمل میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۸/۳۰۵۳) وَالْجَدُّ اَوْلٰى بِالْمِيْرَاثِ مِنَ الْاِخْوَةِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى يُقَاسِمُهُمْ اِلَّا اَنْ تَنْقُصَهُ الْمُقَاسَمَةُ مِنَ الثُّلُثِ.

ترجمہ: اور دادا زیادہ حقدار ہے میراث کا بھائیوں کے مقابلہ میں امام صاحب کے نزدیک اور فرمایا صاحبین نے کہ وہ بھائیوں کے برابر پائے گا مگر یہ کہ کم پہنچے اس کو برابر تقسیم کرنے میں تہائی سے۔

دادا اور بھائی بہنوں کے درمیان تقسیم ترکہ کا بیان

تشریح: اس عبارت میں صاحب کتاب دادا اور بھائی بہنوں کے درمیان تقسیم ترکہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں، متن میں لفظ 'مقاسمۃ' آیا ہے یہ باب مفاعلہ سے ہے جس کے لغوی معنی ہیں آپس میں تقسیم کرنا اور اصطلاح میں تقسیم ترکہ میں دادا کو ایک بھائی کی مانند سمجھنا، دادا کی موجودگی میں حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کے محروم ہونے نہ ہونے کے بارے میں صحابہ کرامؓ کی دو رائیں تھیں۔

پہلی رائے: حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک دادا کی موجودگی میں حقیقی اور علاتی بھائی بہن محروم ہوں گے، صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت اسی کی تائید کرتی ہے امام اعظمؒ ابوحنیفہؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور یہی مفتی بہ قول بھی ہے۔

دوسری رائے: حضرت زید بن ثابت کے نزدیک حقیقی بھائی بہن کو دادا کے ساتھ وراثت ملے گی ائمہ ثلاثہ اور احناف میں سے صاحبین اسی کے قائل ہیں۔

اب آپ کے سامنے مقاسمۃ الجد کی دو صورتیں بیان کی جاتی ہیں جو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی رائے کے مطابق ہیں مگر صاحبین کا قول مفتی بہ نہیں ہے۔

(۱) دادا کے ساتھ صرف حقیقی اور علاتی بھائی بہن ہوں تو دادا کو مقاسمہ اور پورے ترکہ کی تہائی میں سے جو مفید ہوگا وہ ملے گا یعنی دادا کو ایک بھائی فرض کرنے کی صورت میں زیادہ ترکہ ملتا ہے تو دادا کو مقاسمہ کے طریقے پر ترکہ دیا جائے گا اور اگر پورے ترکہ کی تہائی دینے میں دادا کو زیادہ ملتا ہے تو پورے ترکہ کی تہائی دی جائے گی۔

(۲) دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بھائی بہن ہوں اور ذوی الفروض میں سے بھی کوئی ہو، تو اس صورت میں دادا کو مقاسمہ اور ثلث باقی اور سدس کل میں سے جو زیادہ ہوگا وہ ملے گا یعنی اگر مقاسمہ کے طریقہ پر دینے میں دادا کو زیادہ ملتا ہے تو مقاسمہ کے طریقے پر دادا کو دیا جائے گا اور اگر اصحاب فرائض کو دینے کے بعد جو مال بچا ہے اس کی تہائی (ثلث باقی) زیادہ ہے، تو دادا کو مابقیہ کی تہائی دی جائے گی اور اگر پورے ترکہ کا سدس زیادہ ہے تو دادا کو پورے ترکہ کا سدس دیا جائے گا۔

(۹/۳۰۵۴) وَاِذَا اجْتَمَعَ الْجَدَّاتُ فَالسُّدُسُ لِاَقْرَبِهِنَّ.

ترجمہ: اور جب جمع ہوجائیں جدات تو چھٹا حصہ اس کو ملے گا جو سب سے زیادہ قریب ہو۔

دادی کے وارث ہونے کی صورت

تشریح: اگر کوئی حاجب نہ ہو تو جدۂ صحیحہ کو سدس ملے گا خواہ وہ پدری (دادی) ہو یا مادری (نانی) اور خواہ وہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ فاسدہ نہ ہوں بلکہ صحیحہ ہوں اور مرتبہ میں برابر ہوں یعنی اگر ایک جدہ ایک واسطہ سے نانی ہو تو دوسری بھی ایک ہی واسطہ سے دادی ہو اگر ایک قریب کی ہو خواہ کسی رشتہ کی ہو دور والی کو ساقط کردیتی ہے خواہ باپ کی جانب کی ہو یا ماں کی جانب کی اور قریب والی وارث ہو رہی ہو یا ساقط۔

(۱۰/۳۰۵۵) وَيَحْجُبُ الْجَدُّ أُمَّهُ.

ترجمہ: محجوب کردیتا ہے دادا اپنی ماں کو۔

تشریح: دادا کی وجہ سے وہ دادیاں ساقط ہوجاتی ہیں جو دادا کے واسطہ سے ہیں مثلاً دادا کی ماں دادا کی وجہ سے ساقط ہوجائے گی مگر دادی یعنی دادا کی بیوی دادا کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگی کیوں کہ دادی کا میت سے رشتہ جوڑنے میں دادا کا واسطہ نہیں آتا اسی طرح پردادا کی وجہ سے پردادا کی بیوی (دادا کی ماں) ساقط نہیں ہوگی اسی طرح اوپر کی دادیوں کا حال سمجھ لینا چاہئے۔

(۱۱/۳۰۵۶) وَلَا تَرِثُ أُمُّ أَبِ الْأُمِّ بِسَهْمٍ.

ترجمہ: اور وارث نہیں ہوتی ماں کے باپ کی ماں کچھ بھی۔

تشریح: ماں کے باپ کی ماں، ماں کی دادی ہوئی اور میت کی پرنانی ہوئی اور پرنانی جدۂ فاسدہ کے دائرہ میں آئے گی اور شریعت نے جدۂ صحیحہ کو ورثاء کی فہرست میں شمار کیا ہے اور جدۂ فاسدہ کو وارثین کی فہرست سے خارج کردیا ہے کیوں کہ وہ ذوی الارحام میں آتی ہے اس لئے فرمایا کہ نانا کی ماں وارث نہ ہوگی۔

(۱۲/۳۰۵۷) وَكُلُّ جَدَّةٍ تَحْجُبُ أُمَّهَا.

ترجمہ: ہر جدہ محجوب کردیتی ہے اپنی ماں کو۔

تشریح: دادی ماں کے درجہ میں ہے اور ماں ہو تو دادی اور نانی محروم ہوجاتی ہیں اسی طرح دادی اپنی ماں کو محجوب کردیتی ہے۔

باب ذوی الارحام

(ذوی الارحام کا بیان)

اصحاب فرائض اور عصبات وغیرہ کی تفصیلی بحث سے فارغ ہونے کے بعد ذوی الارحام کو بیان کرتے ہیں، رَحِمٌ، رِحْمٌ کی جمع ہے اَرْحَام بچہ دانی مطلقا رشتہ داری، ذوالرحم، رشتہ دار خواہ رشتہ باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے۔

اصطلاحی تعریف: میت کے وہ رشتہ دار جن کا حصہ قرآن وحدیث میں مقرر نہیں ہے نہ اجماع سے طے پایا ہے اور نہ وہ عصبات ہیں جیسے پھوپھی، خالہ، ماموں بھانجہ اور نواسہ۔

(۱/۳۰۵۸) وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَيِّتِ عَصَبَةٌ وَلَا ذُوْسَهْمٍ وَرِثَهُ ذُوُو الْاَرْحَامِ.

ترجمہ: جب نہ ہو میت کا عصبہ اور نہ ذوی الفروض تو وارث ہوں گے اس کے ذوی الارحام۔

ذوی الارحام کی توریث میں اختلاف:

تشریح: جب ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے یا نہیں تو اس سلسلہ میں دور صحابہ سے اختلاف چلا آرہا ہے چناں چہ اس بارے میں اکثر صحابہ وتابعین کی رائے یہ ہے کہ ذوی الفروض اور عصبات کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام کو ترکہ ملے گا، احناف اور حنابلہ کا یہی مسلک ہے لیکن صحابہ میں حضرت زید بن ثابتؓ کا مسلک یہ ہے کہ ایسی صورت میں ترکہ بیت المال (اسلامی سرکاری خزانہ) میں رکھ دیا جائے گا ذوی الارحام کو نہیں دیا جائے گا امام مالک وشافعی کا یہی مسلک ہے۔

فائدہ: جو فقہاء، نادار لاچار اور کمانے سے عاجز مسلمانوں کی امداد کی غرض سے بیت المال میں ترکہ رکھنے کی رائے رکھتے ہیں ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ بیت المال شرعی نظم وضبط کے مطابق چلتا ہو مال صحیح مصرف میں خرچ ہوتا ہو اب چوں کہ اس طرح کا کوئی بیت المال موجود نہیں اس لئے متاخرین مالکیہ نے تیسری صدی ہجری کے بعد ذوی الارحام کو ترکہ دینے کا فتویٰ دیا ہے اور فقہاء شافعیہ کی بھی یہی رائے ہے، لہٰذا اب کوئی اختلاف باقی نہیں۔ (المواریث ص۱۸۳)

(۲/۳۰۵۹) وَهُمْ عَشَرَةٌ وَلَدُ الْبِنْتِ وَوَلَدُ الْاُخْتِ وَبِنْتُ الْاَخِ وَبِنْتُ الْعَمِّ وَالْخَالُ وَالْخَالَةُ

وَاَبُو الْاُمِّ وَالْعَمُّ لِاُمٍّ وَالْعَمَّةُ وَوَلَدُ الْاَخِ مِنَ الْاُمِّ وَمَنْ اَوْلٰی بِهِمْ.

ترجمہ: اور وہ دس ہیں: بیٹی کی اولاد، بہن کی اولاد، بھائی کی بیٹی، چچا کی بیٹی، ماموں، خالہ، نانا، اخیافی چچا، پھوپھی، اخیافی بھائی کی اولاد اور جوان سے متعلق ہوں۔

ذوی الارحام کی اقسام کا بیان

تشریح: اس عبارت میں ذوی الارحام کی اقسام کا بیان ہے، استحقاق ارث کے اعتبار سے عصبات کی طرح ذوی الارحام کی بھی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: وہ ذوی الارحام ہیں جو میت کی طرف منسوب ہوتے ہیں یعنی (۱) بیٹی کی مذکر و مؤنث اولاد (نواسہ، نواسی، پرنواسہ، پرنواسی نیچے تک) (۲) پوتی کی مذکر و مؤنث اولاد نیچے تک۔

دوسری قسم: وہ ذوی الارحام ہیں جن کی طرف میت منسوب ہوتی ہے یعنی (۱) جد فاسد (نانا اور نانا کا باپ اوپر تک) (۲) جدۂ فاسدہ (نانا کی ماں، نانا کی ماں کی ماں)۔

تیسری قسم: وہ ذوی الارحام ہیں جو میت کے والدین کی طرف منسوب ہوتے ہیں یعنی (۱) حقیقی علاتی اور اخیافی بہن کی مذکر و مؤنث اولاد۔

(۲) حقیقی علاتی اور اخیافی بھائی کی لڑکیاں اور ان بھائیوں کے لڑکوں اور پوتوں کی لڑکیاں۔ (۳) اخیافی بھائیوں کے لڑکے اور ان لڑکوں کی مذکر و مؤنث اولاد۔

چوتھی قسم: وہ ذوی الارحام ہیں جو میت کے دادا اور دادی کی طرف منسوب ہوتے ہیں، خواہ جد صحیح اور جدۂ صحیحہ ہوں یا جد فاسد اور جدۂ فاسدہ جیسے (۱) باپ کی حقیقی علاتی اور اخیافی بہنیں (پھوپھیاں) اور ان سب پھوپھیوں کے لڑکے لڑکیاں نیچے تک۔ (۲) باپ کے اخیافی بھائی (اخیافی چچا) اور ان کے لڑکے لڑکیاں نیچے تک، حقیقی اور علاتی چچا عصبہ ہوتے ہیں اس لئے ذوی الارحام میں اخیافی کی قید لگائی گئی ہے۔

(۳) ماں کے حقیقی علاتی اور اخیافی بھائی (ماموں) اور ان کے لڑکے لڑکیاں نیچے تک۔ (۴) ماں کی حقیقی علاتی اور اخیافی بہنیں (خالہ) اور ان خالاؤں کی مذکر و مؤنث اولاد نیچے تک۔

فائدہ: علامہ شامی نے چوتھی قسم کے ذوی الارحام کو اور تفصیل سے لکھا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) حقیقی اور علاتی چچا کی لڑکیاں اور ان سب کی اولاد نیچے تک۔ (۲) میت کے باپ کے اخیافی چچا اور حقیقی علاتی اور اخیافی پھوپھیاں خالائیں اور ماموں (۳) میت کی ماں کے حقیقی علاتی اور اخیافی چچا، پھوپھیاں، خالائیں اور ماموں۔ (۴) پھر جتنی قسمیں گذری ہیں ان سب کی اولاد در اولاد اخیر تک۔

(۳۰۶۰/۳) فَاَوْلٰهُمْ مَنْ كَانَ مِنْ وَلَدِ الْمَيِّتِ ثُمَّ وَلَدِ الْاَبَوَيْنِ اَوْ اَحَدِهِمَا وَهُمْ بَنَاتُ الْاِخْوَةِ

وَاَوْلَادُ الْاَخَوَاتِ ثُمَّ وَلَدُ اَبَوَیْ اَبَوَیْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا وَهُمُ الْاَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ وَالْعَمَّاتُ.

ترجمہ: ان میں سب سے اولیٰ وہ ہے جو میت کی اولاد ہو پھر وہ جو ماں باپ کی یا ان میں سے ایک کی اولاد ہو اور وہ بھتیجیاں اور بہنوں کی اولاد ہیں، پھر والدین کے والدین کی یا ان میں سے ایک کی اولاد ہے اور وہ ماموں خالائیں اور پھوپھیاں ہیں۔

ذوی الارحام کی اقسام میں ترجیح:

تشریح: اس عبارت میں ذوی الارحام کی اقسام میں ترجیح بیان کرتے ہیں امام اعظمؒ سے دو روایتیں ہیں۔ (۱) وراثت کے لئے سب سے مقدم دوسری قسم ہے، پھر پہلی قسم (۲) وراثت کے لئے سب سے مقدم پہلی قسم ہے، پھر دوسری پھر تیسری پھر چوتھی، جیسا کہ عصبات میں ترجیح کی یہی ترتیب ہے اسی دوسری روایت پر فتویٰ ہے۔

صاحبین ذوی الارحام کی تیسری قسم (یعنی بھائی بہنوں کی اولاد) کو جد فاسد یعنی دوسری قسم پر ترجیح دیتے ہیں۔

اعتراض: صاحبین کا مذہب الجوہرۃ النیرۃ وغیرہ میں جو مذکور ہے متعارض ہے اس لئے کہ "باب الرد" مسئلہ (۸) میں صاحبین دادا کو بھائیوں کے ساتھ محروم نہیں کرتے اور یہاں محروم کردیتے ہیں (اس لئے فتویٰ امام اعظمؒ کے قول پر ہے)

(۴/۳۰۶۱) وَاِذَا اسْتَوٰی وَلَدُ اَبٍ فِیْ دَرَجَةٍ فَاَوْلٰهُمْ مَنْ اَدْلٰی بِوَارِثٍ وَاَقْرَبُهُمْ اَوْلٰی مِنْ اَبْعَدِهِمْ.

ترجمہ: اور جب برابر ہوں باپ کی اولاد درجہ میں تو ان میں اولیٰ وہ ہے جو میت کے زیادہ قریب ہو کسی وارث کے ذریعہ سے اور قریب والا اولیٰ ہوگا بعیدی رشتہ والے سے۔

قوت قرابت وجہ ترجیح ہوگی

تشریح: اگر سب اولاد برابر رشتہ کی ہو اور بعض وارث کی اولاد ہو اور بعض ذوی الارحام کی تو وارث کی اولاد، وارث ہوگی اور ذوی الارحام کی اولاد محروم ہوگی، یعنی قوت قرابت وجہ ترجیح ہوگی جیسے ایک بیٹی کی نواسی ہے اور دوسرے بیٹے کی نواسی ہے میت کے لئے دونوں کی رشتہ داری برابر درجہ کی ہے لیکن بیٹے کی بیٹی یعنی پوتی وارث ہے اس لئے اس کی بیٹی یعنی بیٹے کی نواسی کو دیا جائے گا اور بیٹی کی بیٹی وارث نہیں ہے اس لئے اس کی نواسی کو نہیں دیا جائے گا اس کے بعد ایک قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ بعض اولاد میت سے رشتہ میں قریب ہوں اور بعض دور تو قریب والی اولاد وارث ہوگی اور دور والی محروم ہوگی یعنی 'الاقرب فالاقرب' کا قاعدہ جاری ہوگا جیسے نواسی (بیٹی کی بیٹی) اور پوتی کی لڑکی ہو تو نواسی وارث ہوگی اور پوتی کی لڑکی محروم ہوگی کیوں کہ نواسی ایک درجہ اقرب ہے۔

(۳۰۶۲/۵) وَاَبُو الْاُمِّ اَوْلٰی مِنْ وَلَدِ الْاَخِ وَالْاُخْتِ.

ترجمہ: اور نانا اولیٰ ہے بھائی بہن کی اولاد سے۔
تشریح: میت کی بھتیجی ہو، یا بھانجا ہو اور بھانجی ہو اور نانا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نانا مقدم ہوگا بھتیجی، بھانجا اور بھانجی سے، جیسا کہ مفتی بہ روایت مسئلہ (۳) میں گذر چکی ہے کہ قسم ثانی مقدم ہوگی قسم ثالث پر۔

(۳۰۶۳/۶) وَالْمُعْتِقُ اَحَقُّ بِالْفَاضِلِ مِنْ سَهْمِ ذَوِی السِّهَامِ اِذَا لَمْ تَكُنْ عَصَبَةٌ سِوَاهُ.

حل لغت: سهم ذوی السهام: حصے والا کا حصہ۔
ترجمہ: اور آزاد کرنے والا زیادہ حقدار ہے، بچے ہوئے مال کا ذوی الفروض سے جب کہ نہ ہو کوئی عصبہ اس کے علاوہ۔
تشریح: آزاد شدہ غلام مرا اس نے اصحاب فرائض اور عصبہ کے طور پر آزاد کرنے والے آقا کو چھوڑا، آقا کے علاوہ کوئی قریبی عصبہ نہیں تھا تو ذوی الفروض کو حصے دینے کے بعد بقیہ مال آزاد کرنے والے آقا کو ملے گا، اور ذوی الارحام محروم ہوں گے۔

(۳۰۶۴/۷) وَمَوْلَی الْمُوَالَاتِ یَرِثُ.

ترجمہ: اور مولی الموالات وارث ہوتا ہے۔
تشریح: ذوی الفروض عصبات اور ذوی الارحام کی عدم موجودگی میں ترکہ مولی الموالات میں تقسیم ہوگا، موالات۔ کے معنی ہیں دوستی کرنا اور فقہ کی اصطلاح میں ایک خاص قسم کے معاہدہ کو موالات کہا جاتا ہے۔
احناف کے نزدیک میراث میں یہ عقد معتبر ہے شوافع کے نزدیک معتبر نہیں۔

(۳۰۶۵/۸) وَاِذَا تَرَكَ الْمُعْتَقُ اَبَ مَوْلَاهُ وَابْنَ مَوْلَاهُ فَمَالُهُ لِلْاِبْنِ عِنْدَهُمَا وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لِلْاَبِ السُّدُسُ وَالْبَاقِیْ لِلْاِبْنِ.

ترجمہ: اور جب چھوڑا آزاد شدہ نے اپنے آقا کے باپ اور اپنے آقا کے بیٹے کو، تو اس کا مال بیٹے کا ہے طرفین کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ باپ کے لئے چھٹا حصہ ہے اور باقی بیٹے کے لئے ہے۔
تشریح: اگر معتق کے متعدد عصبات ہوں مثلاً آزاد شدہ غلام نے اپنے آزاد کرنے والے کے باپ کو اور بیٹے کو چھوڑا دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے آزاد کرنے والے کے بیٹے اور دادا کو چھوڑا تو ان دونوں صورتوں میں طرفین کے نزدیک باپ اور دادا محروم ہوں گے اور تمام ترکہ معتق کے لڑکے کو ملے گا برخلاف امام ابو یوسفؒ کے کہ وہ دوسری صورت میں معتق کے دادا کے محروم ہونے کے تو قائل ہیں گویا دوسرا مسئلہ تو متفق علیہ ہے مگر پہلی صورت میں ان کا

مذہب یہ ہے کہ ولاء کا چھٹا حصہ ۱/۶ باپ کو ملے گا اور باقی ماندہ لڑکے کو ملے گا، مفتی بہ قول طرفین کا ہے۔

(۳۰۶۶/۹) فَإِنْ تَرَكَ جَدَّ مَوْلَاهُ وَأَخَا مَوْلَاهُ فَالْمَالُ لِلْجَدِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ أَبُويُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ بَيْنَهُمَا.

ترجمہ: اگر آزاد شدہ غلام نے آزاد کرنے والے کا دادا اور بھائی چھوڑا تو مال دادا کا ہوگا امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ مال دونوں کا ہوگا۔

تشریح: آزادشدہ غلام نے آقا کے دادا اور اس کے بھائی کو چھوڑا تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ سارا مال دادا کے لئے ہوگا اور آقا کا بھائی محروم ہوگا کیوں کہ دادا کی موجودگی میں حقیقی یا علاتی بھائی بہنیں وارث نہیں ہو سکتے بلکہ محروم ہو جائیں گے، فکذا فی الولاء اسی پر حنفیہ کا فتویٰ ہے، صاحبین کے نزدیک دادا کی موجودگی میں حقیقی یا علاتی بھائی بہنیں محروم نہ ہوں گے بلکہ دادا کو ایک بھائی کے درجہ میں رکھ کر وراثت تقسیم ہوگی لہٰذا دادا اور بھائی کو ولاء بھی نصفا نصف ملے گی۔

(۳۰۶۷/۱۰) وَلَا يُبَاعُ الْوَلَاءُ وَلَا يُوْهَبُ.

ترجمہ: اور نہ بیچا جائے ولاء کو اور نہ ہبہ کیا جائے۔

ولاء کی بیع اور ہبہ کے ناجائز ہونے کی وجہ:

تشریح: ولاء الموالاۃ اور ولاء العتاقہ (تعریفات انوار القدوری جلد دوم کتاب الولاء میں دیکھیں) کی بیع دو وجہ سے ناجائز ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسے حقوق شرعیہ ہیں جو قابل انتقال نہیں ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بیع میں دھوکہ پایا جا رہا ہے وہ اس طرح کہ مشتری کی طرف سے ثمن کا ملنا یقینی ہے لیکن دوسری جانب سے معلوم نہیں کہ مشتری کو کچھ ملے گا بھی یا نہیں کیوں کہ ممکن ہے کہ مشتری حصول ولاء سے پہلے ہی مر جائے اور اگر مشتری کو ولاء ملے بھی تو پتہ نہیں کہ کتنی ملے گی؟ تو مشتری کی طرف سے رقم کی ادائیگی بطور ثمن کے یقینی ہے جب کہ دوسری طرف سے عوض کا ملنا یقینی نہیں ہے بلکہ متوہم ہے اور یہی دھوکہ ہے اور موالاۃ کے ہبہ میں ناجائز ہونے کی صرف پہلی وجہ پائی جا رہی ہے، کہ یہ قابل انتقال نہیں ہے البتہ اس میں دھوکہ والی وجہ نہیں ہو سکتی کیوں کہ دھوکہ تو صرف عقود معاوضہ میں حرام ہوتا ہے عقود تبرع میں دھوکہ حرام اور ناجائز نہیں ہوتا۔

☆☆☆

باب حساب الفرائض

(مسئلہ بنانے کے قواعد کا بیان)

ضروری نوٹ: قرآن کریم کے اندر وارثین کے جن حصوں کی مقدار متعین کردی گئی ہے وہ کل چھ ہیں جن کو دو کالموں میں پیش کیا جاتا ہے۔

کالم اول	کالم ثانی
نصف	ثلثان
ربع	ثلث
ثمن	سدس

اب دونوں کالموں میں پانچ اصول قائم ہوں گے (۱) اگر صرف ایک حصہ پانے والے آجائیں تو اس حصہ کے ہمنام والے عدد سے مسئلہ بنائیں گے مثلاً اگر نصف پانے والے آجائیں تو مسئلہ ۲ر سے بنے گا، ربع پانے والے آجائیں تو مسئلہ ۴ر سے بنے گا، ثمن پانے والے آجائیں تو مسئلہ ۸ر سے بنے گا، ثلث یا ثلثان پانے والے آجائیں تو مسئلہ ۳ر سے بنے گا سدس پانے والے آجائیں تو مسئلہ ۶ر سے بنے گا۔

(۲) ایک کالم کے متعدد سہام پانے والے آجائیں تو چھوٹے والے سہام کے عدد سے مسئلہ بنائیں گے مثلاً نصف اور ربع پانے والے آجائیں تو مسئلہ ۴ر سے بنے گا۔

(۳) کالم اول کا نصف کالم ثانی کے کسی سہم سے بھی مل جائے تو مسئلہ ۶ر سے بنائیں گے مثلاً نصف پانے والے اور ثلث پانے والے یا نصف پانے والے اور سدس پانے والے آجائیں تو مسئلہ ۶ر سے بنے گا۔

(۴) کالم اول کا ربع کالم ثانی کے کسی سہم سے بھی مل جائے تو مسئلہ ۱۲ر سے بنے گا مثلاً ربع پانے والے اور ثلث پانے والے آجائیں تو مسئلہ ۱۲ر سے بنے گا۔

(۵) کالم اول کا ثمن کالم ثانی کے کسی سہم سے بھی مل جائے تو مسئلہ ۲۴ سے بنے گا۔

(۱/۳۰۶۸) اِذَا كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ نِصْفٌ وَنِصْفٌ اَوْ نِصْفٌ وَمَا بَقِيَ فَاَصْلُهَا مِنَ اثْنَيْنِ.

ترجمہ: جب مسئلہ میں دو نصف ہوں یا ایک نصف اور مابقیہ ہو تو اصل مسئلہ دو سے بنے گا۔

تشریح: جب مسئلہ میں دو نصف ہوں مثلاً میت ایک شوہر اور ایک حقیقی بہن چھوڑے یا ایک نصف ہو اور باقی ہو مثلاً شوہر اور چچا چھوڑے تو دونوں صورتوں میں مسئلہ دو سے بنے گا۔

(۲/۳۰۶۹) وَاِنْ كَانَ فِيْهَا ثُلُثٌ وَمَا بَقِيَ اَوْ ثُلُثَانِ وَمَا بَقِيَ فَاَصْلُهَا مِنْ ثَلٰثَةٍ.

ترجمہ: اور اگر ہو اس میں تہائی اور مابقیہ یا دو تہائی اور مابقیہ تو اصل مسئلہ تین سے بنے گا۔

تشریح: ثلث اور مابقیہ کی مثال مثلاً ماں اور چچا وارث ہوں، ثلثان اور مابقیہ جیسے دو لڑکیاں اور چچا وارث ہوں تو اصل مسئلہ تین سے بنے گا۔

مسئلہ: ۳

میت ________________ عاطف

۲ر لڑکیاں	چچا
ثلثان	عصبہ
۲	۱

(۳/۳۰۷۰) وَاِنْ كَانَ فِيْهَا رُبُعٌ وَمَا بَقِيَ اَوْ رُبُعٌ وَنِصْفٌ فَاَصْلُهَا مِنْ اَرْبَعَةٍ.

ترجمہ: اور اگر ہو اس میں ربع اور مابقیہ یا ربع اور نصف تو اصل مسئلہ ۴ر سے ہوگا۔

تشریح: ربع اور مابقیہ کی مثال جیسے ایک بیوی اور چچا چھوڑا تو مسئلہ ۴ر سے بنے گا۔

مسئلہ: ۴

مثال میت ________________ خویلد

زوجہ	عم
ربع	عصبہ بنفسہ
۱	۳

ربع اور نصف کی مثال:

مسئلہ: ۴

مثال میت ________________

شوہر	ایک بیٹی	چچا
۱	۲	۱

(۴/۳۰۷۱) وَاِنْ كَانَ فِيْهَا ثُمُنٌ وَمَا بَقِيَ اَوْ ثُمُنٌ وَنِصْفٌ فَاَصْلُهَا مِنْ ثَمَانِيَةٍ.

ترجمہ: اور اگر ہو اس میں ثمن اور مابقیہ یا ثمن اور نصف تو اصل مسئلہ ۸ر سے بنے گا۔

تشریح: ثمن اور مابقیہ کی مثال:

مسئلہ: ۸

مثال میت ـــــــــــــ زاہد

زوجہ	ابن
ثمن	عصبہ بنفسہ
۱	۷

مسئلہ: ۸

ثمن اور نصف کی مثال میت ـــــــــــــ ساجد

بیوی	ایک بیٹی	چچا
۱	۴	۳

(۵/۳۰۷۲) وَإِنْ كَانَ فِيهَا نِصْفٌ وَثُلُثٌ أَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ فَأَصْلُهَا مِنْ سِتَّةٍ وَتَعُوْلُ إِلَى سَبْعَةٍ وَثَمَانِيَةٍ وَتِسْعَةٍ وَعَشَرَةٍ.

ترجمہ: اور اگر ہو اس میں نصف اور ثلث یا نصف اور سدس تو اصل مسئلہ ۶/ سے بنے گا، جو عول کرے گا سات آٹھ نو دس کی طرف۔

عول کے لغوی واصطلاحی معنی

تشریح: عول کے لغوی معنی زیادتی اور غلبہ کے ہیں عربی محاورہ ہے عال المیز ان یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ترازو کا ایک پلڑا دوسرے پلڑے میں زیادتی کی وجہ سے اٹھ جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف: مخرج سے حصوں کے بڑھ جانے کی صورت میں مخرج کے اجزاء میں اضافہ کرنا جیسے ایک خربوزہ چار میں تقسیم کرنا ہو تو اس کے چار حصے کریں گے لیکن اگر لینے والے پانچ ہو جائیں تو اس کے چار کے بجائے پانچ حصے کریں گے یہی مطلب مخرج کے اجزاء میں اضافہ کا ہے اور اسی کا نام عول ہے۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ ۶/ کا عول ۱۰/ تک آتا ہے ہر ایک کی مثال ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ ۷/۶

میت ـــــــــــــ نزہت

شوہر	حقیقی بہن	اخیافی بہن
نصف	نصف	سدس
۳	۳	۱

مسئلہ $\frac{۸}{۶}$ع

میت ــــــــــــــ نکہت

شوہر	۲؍حقیقی بہنیں	ام
نصف	ثلثان	سدس
۳	۴	۱

مسئلہ $\frac{۹}{۶}$ع

میت ــــــــــــــ عشرت

شوہر	۲؍حقیقی بہنیں	۲،اخیافی بہنیں
نصف	ثلثان	ثلث
۳	۴	۲

مسئلہ $\frac{۱۰}{۶}$ع

میت ــــــــــــــ رفعت

شوہر	۲؍حقیقی بہنیں	۲؍اخیافی بہنیں	ام
۳	۴	۲	۱

(۳۰۷۳/۶) وَاِنْ كَانَ مَعَ الرُّبْعِ ثُلُثٌ اَوْ سُدُسٌ فَاَصْلُهَا مِنَ اثْنَىْ عَشَرَ وَتَعُوْلُ اِلٰى ثَلٰثَةَ عَشَرَ وَخَمْسَةَ عَشَرَ وَسَبْعَةَ عَشَرَ.

ترجمہ: اور اگر ہو ربع کے ساتھ ثلث یا سدس تو اصل مسئلہ بارہ سے بنے گا، جو عول کرے گا تیرہ پندرہ سترہ کی طرف۔

تشریح: اگر مسئلہ میں ربع کے ساتھ ثلث یا سدس ہو تو اصل مسئلہ بارہ سے بنے گا اور بارہ کا عول تیرہ، پندرہ اور سترہ آتا ہے یعنی طاق عدد میں عول آتا ہے، ہر ایک کی مثال ذیل میں درج ہے۔

مسئلہ $\frac{۱۳}{۱۲}$ع

میت ــــــــــــــ ظفر

بیوی	دو حقیقی بہنیں	ایک اخیافی بہن
ربع	ثلثان	سدس
۳	۸	۲

مسئلہ ع ۱۵/۱۲

میت ــــــــــــــــــــــــ ظفیر

بیوی	دو حقیقی بہنیں	دو اخیافی بہنیں
ربع	ثلثان	ثلث
۳	۸	۴

مسئلہ ع ۱۷/۱۲

میت ــــــــــــــــــــــــ مظفر

بیوی	دو حقیقی بہنیں	۲ر اخیافی بہنیں	ماں
ربع	ثلثان	ثلث	سدس
۳	۸	۴	۲

(۳۰۷۴/۷) وَاِذَا کَانَ مَعَ الثُّمُنِ سُدُسَانِ اَوْ ثُلُثَانِ فَاَصْلُھَا مِنْ اَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِیْنَ وَتَعُوْلُ اِلٰی سَبْعَةٍ وَّعِشْرِیْنَ.

ترجمہ: اور جب ہو ثمن کے ساتھ دو سدس یا دو ثلث تو اصل مسئلہ چوبیس سے بنے گا اور عول کرے گا ستائیس کی طرف۔

تشریح: اگر ثمن کے ساتھ سدسان یا ثلثان ہوں تو اصل مسئلہ ۲۴ر سے ہوگا اور جمہور امت کے نزدیک ۲۴ر کا عول صرف ۲۷ر آتا ہے، اس کے علاوہ نہیں آتا مگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک ۲۴ر کے دو عول آتے ہیں (۱) ۲۷ر (۲) ۳۱ر جمہور امت کا فتویٰ حضرات جمہور کے قول کے مطابق ہے۔

۲۴ر کا عول عند الجمہور

مسئلہ ع ۲۷/۲۴

میت ــــــــــــــــــــــــ کریمہ

بیوی	دو لڑکیاں	ماں	باپ
ثمن	ثلثان	سدس	سدس
۳	۱۶	۴	۴

۲۴ کا عول عند ابن مسعود

مسئلہ ۲۴ عـ ۳۱

میت ——— کریمہ

بیوی	ابن (کافریا قاتل)	ام	۲ر حقیقی بہنیں	۲ر اخیافی بہنیں
ثمن	محروم	سدس	ثلثان	ثلث
۳		۴	۱۶	۸

لیکن جمہور فقہاء اور احناف کے نزدیک بارہ سے مسئلہ بنے گا اور سترہ سے عائلہ ہو جائے گا جیسے

مسئلہ ۱۲ عـ ۱۷

میت ——— افروز

بیوی	ماں	۲ر حقیقی بہنیں	۲ر اخیافی بہنیں	ابن (کافر)
ربع	سدس	ثلثان	ثلث	محروم
۳	۲	۸	۴	

(۸/۳۰۷۵) وَاِذَا انْقَسَمَتِ الْمَسْئَلَةُ عَلَى الْوَرَثَةِ فَقَدْ صَحَّتْ وَاِنْ لَمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِيْقٍ مِنْهُمْ عَلَيْهِمْ فَاضْرِبْ عَدَدَهُمْ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ وَعَوْلِهَا اِنْ كَانَتْ عَائِلَةً فَمَا خَرَجَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ كَامْرَأَةٍ وَاَخَوَيْنِ لِلْمَرْأَةِ الرُّبُعُ سَهْمٌ وَلِلْاَخَوَيْنِ مَا بَقِيَ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ وَلَا تَنْقَسِمُ عَلَيْهِمَا فَاضْرِبْ اثْنَيْنِ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ فَتَكُوْنُ ثَمَانِيَةً وَمِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ.

ترجمہ: اور جب برابر تقسیم ہو جائے مسئلہ ورثاء پر تو وہ صحیح ہو گیا اور اگر تقسیم نہ ہوں ان میں سے کسی ایک فریق کے حصے ان پر تو ضرب دے اس فریق کے عدد کو اصل مسئلہ میں اور اس کے عول میں اگر عول والا ہو پس جو حاصل ضرب ہو اس سے مسئلہ صحیح ہوگا جیسے بیوی اور دو بھائی کہ بیوی کا ربع ہے ایک حصہ اور دو بھائیوں کے لئے بقیہ تین حصے ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے پس ضرب دے دو کو اصل مسئلہ میں تو یہ آٹھ ہو جائیں گے اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا۔

تصحیح کا بیان

تشریح: اگر ہر فریق کے حصے ان کے رؤس پر بلا کسر تقسیم ہو جائیں تو ضرب کی کوئی ضرورت نہیں۔

مسئلہ ۶

مثال میت ———

ماں	باپ	لڑکی	لڑکی
سدس	سدس وعصبہ	ثلثان	
۱	۱	۲	۲

اس مثال میں چھ سے مسئلہ بنا ماں اور باپ کو ایک ایک سہام ملے اور دونوں لڑکیوں کو دو دو سہام ملے ہر وارث پر سہام بلا کسر تقسیم ہو گئے اس لئے ضرب کی ضرورت نہیں پڑی، اور اگر ایک فریق پر کسر واقع ہو اور ان کے سہام ورؤس کے درمیان توافق کی نسبت ہو تو عدد رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ میں ضرب دینے سے اور اگر مسئلہ عائلہ ہو تو عول میں ضرب دینے سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی تصحیح سے ہر فریق کے سہام نکالنے کے لئے اصل مسئلہ سے ملے ہوئے سہام کو مضروب میں ضرب دیا جائے گا، مثلاً کسی نے ایک بیوی اور دو بھائی وارث چھوڑے، تو چوتھائی مال زوجہ کا ہے اور باقی دو بھائیوں کا لیکن باقی تین حصے ہیں جوان دونوں پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتے، لہٰذا دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دی جائیگی اور اصل مسئلہ چار سے ہے تو دو کو چار میں ضرب دینے سے آٹھ ہو گئے پس آٹھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی یعنی زوجہ کو دو سہام اور ہر بھائی کو تین تین سہام ملیں گے۔

مسئلہ $\frac{8}{4}$ع

مثال میت

بیوی		بھائی	③	بھائی
$\frac{1}{2}$		۳		۳

عول میں ضرب دینے کی مثال

ت ۴۵

مسئلہ $\frac{15}{12}$ع

میت ذکری

شوہر	باپ	ماں	۶ لڑکیاں
ربع	سدس وعصبہ	سدس	ثلثان
$\frac{3}{9}$	$\frac{2}{6}$	$\frac{2}{6}$	$\frac{8}{24}$

وضاحت: یہ مسئلہ عائلہ ہے شوہر کو تین سہام باپ کو دو سہام اور ماں کو دو سہام ملے ہیں ان میں سے کسی پر کسر واقع نہیں ہوتی مگر چھ لڑکیوں کو آٹھ سہام ملے ہیں جوان پر برابر تقسیم نہیں ہوتے اور عدد رؤس (چھ) اور سہام (آٹھ) میں توافق بالنصف ہے چھ کا وفق 'تین' اور آٹھ کا وفق 'چار' ہے۔

پس چھ کے وفق '۳' کو عول ۱۵ر میں ضرب دیا تو حاصل ضرب ۴۵ سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی پھر تصحیح سے مذکورہ بالا طریقہ پر ہر فریق کے سہام نکالے گئے۔

(۹/۳۰۷۶) فَاِنْ وَافَقَ سِهَامُهُمْ عَدَدَهُمْ فَاضْرِبْ وَفْقَ عَدَدِهِمْ فِي اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ كَامْرَأَةٍ وَسِتَّةِ اِخْوَةٍ لِلْمَرْأَةِ الرُّبُعُ وَلِلْاِخْوَةِ ثَلٰثَةُ اَسْهُمٍ لَاتَنْقَسِمُ عَلَيْهِمْ فَاضْرِبْ ثُلُثَ عَدَدِهِمْ فِي اَصْلِ

اَلْمَسْئَلَةِ وَمِنْهَا تَصِحُّ.

ترجمہ: اگر توافق ہو سہام اور عدد روٗس میں تو ضرب دے وفق عدد کو اصل مسئلہ میں جیسے ایک بیوی اور چھ بھائی بیوی کے لئے چوتھائی ہے اور بھائیوں کے لئے تین سہام ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے تو ان کے ثلث عدد یعنی دو کو اصل مسئلہ میں ضرب دے اسی سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

توافق اور وفق کی تعریف

تشریح: صورتِ مسئلہ سمجھنے سے قبل یہ باتیں ذہن میں رکھیں۔توافق۔دو عددوں میں سے چھوٹا عدد تو بڑے کو نہ کاٹے البتہ کوئی تیسرا عدد ایسا ہو جو دونوں کو کاٹ دے تو ان دونوں عددوں کی آپسی نسبت کو ''توافق'' کہیں گے۔

وفق: تیسرا عدد دونوں کو ''جتنی مرتبہ'' میں کاٹتا ہے اس کو اس عدد کا ''وفق'' کہتے ہیں جیسے آٹھ اور بیس ان میں سے ایک دوسرے کو نہیں کاٹتا البتہ چار ان دونوں کو کاٹتا ہے آٹھ کو دو بار میں اور بیس کو پانچ بار میں تو ان دونوں عددوں میں ''توافق بالربع'' کی نسبت ہوگی آٹھ کا وفق دو ہوگا اور بیس کا پانچ، اب دیکھو کہ اگر سہام ورثاء اور ان کے اعداد میں توافق ہو تو ان کے وفق عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے۔

نوٹ: لفظ توافق تداخل کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مسئلہ $\frac{8}{4}$

میت		مذکر
بیوی		۶/ بھائی
ربع		$\frac{3}{6}$
$\frac{1}{2}$		

وضاحت: بھائی کے عدد روٗس (چھ) اور سہام (تین) میں تداخل کی نسبت ہے عدد روٗس کے ''دخل'' (دو) کو اصل مسئلہ (چار) میں ضرب دیا تو حاصل ضرب آٹھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ پھر بیوی کو اصل مسئلہ (چار) سے ملے ہوئے سہام (ایک) کو مضروب (دو) میں ضرب دیا تو حاصل ضرب (دو) بیوی کا حصہ نکلا اور بھائی کو اصل مسئلہ (چار) سے ملے ہوئے سہام (تین) کو مضروب (دو) میں ضرب دیا تو حاصل ضرب (چھ) بھائیوں کا تصحیح سے حصہ نکلا۔

(۳۰۷۷/۱۰) فَاِنْ لَّمْ تَنْقَسِمْ سِهَامُ فَرِيْقَيْنِ اَوْ اَكْثَرَ فَاضْرِبْ اَحَدَ الْفَرِيْقَيْنِ فِي الْآخَرِ ثُمَّ اجْتَمَعَ فِي الْفَرِيْقِ الثَّالِثِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ.

ترجمہ: اگر تقسیم نہ ہوں دو فریق یا اس سے زیادہ کے سہام تو ضرب دے ایک فریق کے عدد کو دوسرے میں پھر حاصل ضرب کو ضرب دے تیسرے فریق کے عدد میں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں۔

نسبت تباین کا بیان

تشریح: جب بھی دوعددوں کا تحقق ہوگا تو ان کے مابین چار نسبتوں تماثل، تداخل توافق تباین میں سے کوئی ایک نسبت ضرور پائی جائے گی اس عبارت میں تباین کی صورت کو بیان فرمایا ہے لہٰذا اولاً تباین کی تعریف جان لینا ضروری ہے۔

تباین: ایسے دوعددوں کی نسبت کو کہتے ہیں جو نہ تو برابر ہوں نہ چھوٹا عدد بڑے عدد کو کاٹے اور نہ ہی کوئی تیسرا عدد دونوں کو کاٹے جیسے چار اور پانچ یہ نہ برابر ہیں نہ چھوٹا بڑے کو کاٹتا ہے اور نہ ہی کوئی تیسرا عدد دونوں کو کاٹتا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کئی جماعتوں پر کسر واقع ہو اور ہر ایک کے عدد رؤس میں 'تباین' کی نسبت ہو تو ایک عدد کو دوسرے میں ضرب دیا جائے پھر حاصل ضرب کو تیسرے عدد میں ضرب دیا جائے پھر جو حاصل ضرب ہو اس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیا جائے اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

مسئلہ $\frac{\text{ت ۳۶۰}}{۱۲}$

مثال میت ———— احمد

۲/بیویاں	۵/دادیاں	۳/اخیافی بہنیں	۱/چچا
۳	۲	۴	۳
۹۰	۶۰	۱۲۰	۹۰
۴۵	۱۲	۴۰	

وضاحت: دو اور پانچ میں تباین کی نسبت ہے اس لئے دو کو پانچ میں ضرب دیا، حاصل ضرب دس ہوا، پھر حاصل ضرب دس اور اگلے عدد میں بھی تباین کی نسبت ہے، اس لئے دس کو تین میں ضرب دیا تو حاصل ضرب تیس ہو گیا پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ بارہ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب تین سو ساٹھ ہو گیا اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی پھر ورثاء کے سہام کی تخریج کے لئے اصل مسئلہ بارہ سے ملے ہوئے سہام کو مضروب تیس میں ضرب دیا تو ہر فریق کا حصہ نکل آیا پھر حاصل ضرب کو عدد رؤس پر تقسیم کیا تو ہر فرد کا حصہ نکل آیا۔

(۳۰۷۸/۱۱) فَاِنْ تَسَاوَتِ الْاَعْدَادُ اَجْزَأَ اَحَدُهُمَا عَنِ الْآخَرِ كَامْرَأَتَيْنِ وَاَخَوَيْنِ فَاضْرِبِ اثْنَيْنِ فِي اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ.

ترجمہ: اگر برابر ہوں اعداد تو کافی ہوگا ان میں سے ایک دوسرے کے لئے جیسے دو بیویاں اور دو بھائی پس ضرب دے دو کو اصل مسئلہ میں۔

نسبت تماثل کا بیان

تشریح: اس عبارت میں نسبت تماثل مع مثال کے بیان کی ہے۔

تماثل کی تعریف: ایک عدد کا دوسرے عدد کے برابر اور ہم مثل ہونا جیسے ۴-۴ = دونوں برابر اور ہم مثل ہیں، اس طرح کے دوعددوں کے درمیان جونسبت ہوگی وہ تماثل کی نسبت کہلاتی ہے۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ فریق پر کسر واقع ہوجائے اور ان کے عدد رؤس اور عدد رؤس کے درمیان میں تماثل کی نسبت ہو تو ایسی صورت میں کسی بھی ایک فریق کے عدد رؤس کو لے کر اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے تو اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوجائے گی۔

مسئلہ $\frac{۸}{۴}$ تـ

میت ———————————— احمد

۲/ بیویاں	۲/ بھائی
۱	۳
۲	۶

وضاحت: وارث دو بیویاں اور دو بھائی ہیں تو اصل مسئلہ چار سے بنا اور ہر فریق پر کسر واقع ہے اس لئے دو کو چار میں ضرب دیا آٹھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی جن میں دو سہام دونوں بیویوں کے اور چھ سہام دونوں بھائیوں کو ملیں گے۔

(۱۲/۳۰۷۹) وَاِنْ كَانَ اَحَدُ الْعَدَدَيْنِ جَزْءً مِنَ الْآخَرِ اَغْنَى الْاَكْثَرُ عَنِ الْاَقَلِّ كَاَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَاَخَوَيْنِ اِذَا ضَرَبْتَ الْاَرْبَعَةَ اَجْزَاكَ عَنِ الْآخَرِ.

ترجمہ: اور اگر دو عددوں میں سے ایک فریق کا عدد جزء ہو دوسرے فریق کے عدد کا تو کفایت کرے گا اکثر اقل سے جیسے چار بیویاں اور دو بھائی کہ جب تو ضرب دے چار کو تو کفایت کرے گا دوسرے سے۔

نسبت تداخل کا بیان

تشریح: اس عبارت میں نسبت تداخل کو سمجھایا ہے، تداخل کے لغوی معنی تو ایک چیز کا دوسری چیز میں گھسنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ دو مختلف عددوں میں سے چھوٹا عدد اگر بڑے عدد کو کاٹ دے تو دونوں کے درمیان تداخل کی نسبت ہوگی مثلاً تین اور نو ان میں تین نو کو تین بار میں کاٹ دیتا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب متعدد فریق پر کسر واقع ہو رہی ہو تو اعداد رؤس میں جو عدد بڑا ہو اس کو اصل مسئلہ میں ضرب دیدو یہ ضرب دینا باقی اعداد کے لئے بھی کافی ہوجائے گا حاصل ضرب اس مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

مسئلہ تہ $\frac{۱۶}{۴}$

مثال میت ———————— احمد

۲ر بھائی	۴ر بیویاں
$\frac{۳}{۱۲}$	$\frac{۱}{۴}$

(۱۳/۳۰۸۰) فَإِنْ وَافَقَ اَحَدُ الْعَدَدَيْنِ الْآخَرَ ضَرَبْتَ وَفْقَ اَحَدِهِمَا فِيْ جَمِيْعِ الْآخَرِ ثُمَّ مَا اجْتَمَعَ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ كَاَرْبَعِ نِسْوَةٍ وَّاُخْتٍ وَسِتَّةِ اَعْمَامٍ فَالسِّتَّةُ تُوَافِقُ الْاَرْبَعَةَ بِالنِّصْفِ فَاضْرِبْ نِصْفَ اَحَدِهِمَا فِيْ جَمِيْعِ الْآخَرِ ثُمَّ فِيْ اَصْلِ الْمَسْئَلَةِ تَكُوْنُ ثَمَانِيَةً وَّاَرْبَعِيْنَ وَمِنْهَا تَصِحُّ الْمَسْئَلَةُ.

ترجمہ: اگر توافق ہو دونوں فریقوں کے عدد میں تو ضرب دے ۲ میں سے ایک کے وفق سے دوسرے کے کل میں پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں، جیسے چار بیویاں اور ایک بہن اور چھ چچا کہ چھ اور چار میں توافق بالنصف ہے، تو ان میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دے پھر اصل مسئلہ میں ضرب دے تو یہ اڑتالیس ہوں گے اور اسی سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

نسبت توافق کا بیان

تشریح: نسبت کی اقسام اربعہ میں سے توافق کا بیان ہے، توافق کی تعریف مسئلہ (۱۰) کے تحت گذر چکی ہے، قاعدہ یہ ہے کہ اگر وارثوں کی کئی جماعتوں پر کسر واقع ہو اور ان کے عدد روٴس کے درمیان 'توافق' کی نسبت ہو تو کسی بھی ایک جماعت کے عدد روٴس کے وفق کو دوسری جماعت کے پورے عدد روٴس میں ضرب دیں گے، پھر حاصل ضرب اور تیسری جماعت کے عدد روٴس کے درمیان نسبت دیکھیں گے اگر توافق کی نسبت ہو تو حاصل ضرب کو تیسری جماعت کے عدد روٴس کے وفق میں ضرب دیں گے پھر آخری حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دیں گے تو مسئلہ کی تصحیح ہو جائے گی۔

مسئلہ تہ $\frac{۴۸}{۴}$

توافق بالنصف

مثال میت ———————— حمدان

۶ر چچا	ایک بہن	۴ر زوجہ
$\frac{۱}{۱۲}$	$\frac{۲}{۲۴}$	$\frac{۱}{۱۲}$
۲	۲۴	۳

وضاحت: چھ اور چار میں توافق کی نسبت تھی دو کا عدد دونوں کو فنا کر رہا تھا اسلئے چھ کو چار کے وفق دو میں ضرب دیا تو بارہ ہوا پھر بارہ کو اصل مسئلہ ۴ر میں ضرب دیا تو اڑتالیس ہوا بارہ سے اصل مسئلہ چار میں ضرب دیا تھا اسلئے بارہ سے

بیویوں کا حصہ ایک میں ضرب دیا تو بارہ آئے گا جو چار بیویوں کا حصہ ہے اسی طرح بارہ سے بہن کے حصے دو میں ضرب دیں تو چوبیس آئے گا اسی طرح بارہ سے چھ چچا کا حصہ ایک میں ضرب دیں تو بارہ آئے گا جو چھ چچاؤں کا حصہ ہے۔

(۳۰۸۱/۱۴) فَإِذَا صَحَّتِ الْمَسْئَلَةُ فَاضْرِبْ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ فِي التَّرِكَةِ ثُمَّ اقْسِمْ مَا اجْتَمَعَ عَلَىٰ مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْفَرِيْضَةُ يَخْرُجُ حَقُّ الْوَارِثِ.

ترجمہ: جب صحیح ہو جائے مسئلہ تو ضرب دے ہر وارث کے سہام کو ترکہ میں پھر تقسیم کر حاصل ضرب کو اس پر جس سے مسئلہ صحیح ہوا ہے تو ہر وارث کا حق نکل آئے گا۔

ہر وارث کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ

تشریح: ترکہ میں سے ہر وارث کا حصہ معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تصحیح اور ترکہ کے درمیان نسبت دیکھی جائے اگر تباین کی نسبت ہو تو ہر وارث کو تصحیح سے جو سہام ملے ہیں ان کو پورے ترکہ میں ضرب دیا جائے پھر حاصل ضرب کو تصحیح پر تقسیم کیا جائے تو خارج قسمت ترکہ میں سے اس وارث کا حصہ ہوگا۔

ترکہ اور تصحیح کے درمیان تباین کی مثال

مسئلہ ٦

میت ______ احمد ترکہ ۷/دینار

بنت	بنت	ام	اب
ثلثان		سدس	سدس
۲	۲	۱	۱
۲ ۲/۶	۲ ۲/۶	۱ ۱/۶	۱ ۱/۶

....

وضاحت: ترکہ میں سے لڑکی کا حصہ معلوم کرنے کے لئے اس کے تصحیح سے ملے ہوئے سہام (دو) کو ترکہ (سات) میں ضرب دیا پھر حاصل ضرب (چودہ) کو تصحیح (چھ) پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۲ ۲/۶ ایک لڑکی کا ترکہ میں سے حصہ ہوا دوسری لڑکی کو بھی اتنا ہی ملے گا۔

ماں کو تصحیح سے ملے ہوئے سہام ایک کو کل ترکہ سات میں ضرب دیا پھر حاصل ضرب سات کو چھ پر تقسیم کیا تو خارج قسمت ۱ ۱/۶ ماں کا حصہ ہوا، باپ کا حصہ بھی بعینہٖ اسی طرح نکلے گا۔ اب تمام اعداد کو جوڑ کر دیکھ لیں کہ ترکہ (۷ دینار) پورا تقسیم ہوا یا نہیں؟ سالم عددوں کو جوڑنے کا طریقہ تو واضح ہے اور کسور کو جوڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ لکیر کے اوپر کے اعداد کو

جمع کریں اگر ان کا مجموعہ چھ ہو جائے تو وہ ایک کامل ہو گیا اس کو سالم اعداد میں جمع کر دیں۔

(۱۵/۳۰۸۲) وَاِذَا لَمْ تُقْسِمِ التَّرِكَةُ حَتّٰى مَاتَ اَحَدُ الْوَرَثَةِ فَاِنْ كَانَ مَا يُصِيْبُهُ مِنَ الْمَيِّتِ الْاَوَّلِ يَنْقَسِمُ عَلٰى عَدَدِ وَرَثَتِهٖ فَقَدْ صَحَّتِ الْمَسْئَلَتَانِ مِمَّا صَحَّتِ الْاُوْلٰى وَاِنْ لَمْ تَنْقَسِمْ صَحَّتْ فَرِيْضَةُ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ بِالطَّرِيْقَةِ الَّتِيْ ذَكَرْنَاهَا ثُمَّ ضَرَبْتَ اِحْدَى الْمَسْئَلَتَيْنِ فِي الْاُخْرٰى وَاِنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ سِهَامِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ وَمَا صَحَّتْ مِنْهُ فَرِيْضَةٌ مُوَافَقَةٌ فَاِنْ كَانَتْ سِهَامُهُمْ مُوَافَقَةً فَاضْرِبْ وَفْقَ الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ فِي الْاُوْلٰى فَمَا اجْتَمَعَ صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَتَانِ وَكُلُّ مَنْ لَهٗ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْئَلَةِ الْاُوْلٰى مَضْرُوْبٌ فِيْمَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ الثَّانِيَةُ وَمَنْ كَانَ لَهٗ شَيْءٌ مِنَ الْمَسْئَلَةِ الثَّانِيَةِ مَضْرُوْبٌ فِيْ وَفْقِ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِيْ وَاِذَا صَحَّتْ مَسْئَلَةُ الْمُنَاسَخَةِ وَاَرَدْتَّ مَعْرِفَةَ مَا يُصِيْبُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْ حِسَابِ الدَّرَاهِمِ قَسَمْتَ مَا صَحَّتْ مِنْهُ الْمَسْئَلَةُ عَلٰى ثَمَانِيَةٍ وَاَرْبَعِيْنَ فَمَا خَرَجَ اَخَذْتَ لَهٗ مِنْ سِهَامِ كُلِّ وَارِثٍ حَبَّةً وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ترجمہ: ابھی تقسیم نہ ہوا تھا ترکہ کہ کوئی وارث مر گیا پس اگر ہو وہ جو پہنچتا ہے اس کو پہلی میت سے تقسیم ہو جاتا ہے اس کے وارثوں کی تعداد پر تو صحیح ہو جائیں گے دونوں مسئلے اسی سے جس سے صحیح ہوا ہے پہلا مسئلہ اور اگر تقسیم نہ ہو تو صحیح ہوگا میت ثانی کا فریضہ اس طریقہ سے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے پھر ضرب دے گا تو ایک مسئلہ کو دوسرے میں اگر نہ ہو میت ثانی کے سہام میں اور اس میں جس سے صحیح ہوا ہے فریضہ موافقت اور اگر ان کے سہام میں موافقت ہو تو ضرب دے دوسرے مسئلہ کے وفق کو پہلے مسئلہ میں پس جو حاصل ضرب ہو اس سے صحیح ہوں گے دونوں مسئلے اور جس کو کچھ ملا ہے پہلے مسئلہ سے وہ ضرب دیا جائے گا اس سے جس سے صحیح ہوا ہے دوسرا مسئلہ اور جس کو کچھ ملا ہے دوسرے مسئلہ سے وہ ضرب دیا جائے گا میت ثانی کے ترکہ کے وفق میں جب صحیح ہو جائے مناسخہ کا مسئلہ اور چاہے تو اس حصہ کو معلوم کرنا جو پہنچتا ہے ہر ایک کو دراہم کے حساب سے تو تقسیم کر دے اس عدد کو جس سے صحیح ہوا ہے مسئلہ اڑتالیس پر پھر جو خارج قسمت ہو ہر وارث کے سہام سے اس کا حصہ لے لے اور اللہ ہی درستگی کو زیادہ جاننے والا ہے۔

تشریح: یہاں سے مناسخہ کے احکام کا بیان ہے۔

مناسخہ کے لغوی: مناسخہ مفاعلۃ کا مصدر ہے نسخ سے مشتق ہے زائل کرنا، باطل کرنا نقل کرنا۔

اصطلاحی تعریف: بعض یا تمام وارثوں کے حصوں کا ان کے بعد والوں کی طرف استحقاق وراثت کی وجہ سے منتقل ہو جانا۔

چند اصطلاحات: (۱) مورث اعلیٰ: مناسخہ میں سب سے پہلا مرنے والا۔ (۲) مافی الید: اس کا مختصر 'مف' ہے (یعنی میم اور بے نقطہ کی فا) میت کے حصہ کو کہتے ہیں جو اسے اوپر کے ایک یا چند مورثوں سے ملا ہوا سے میت

کی لمبی لکیر کی بائیں جانب لکھا جاتا ہے۔

(۳) **قبر کا نشان**: ہر میت کا مافی الید نقل کرنے کے بعد نقل کئے ہوئے حصے کو فوراً گھیر دیا جاتا ہے جس کی ہیأت لـــا یہ ہوتی ہے اساتذہ اس کو علامت قبر کہتے ہیں، یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ مر چکا ہے، اور اس کے حصے منتقل ہوگئے ہیں۔

(۴) **المبلغ**: مناسخہ کے آخری حاصل ضرب کو کہتے ہیں۔

الاحیاء: تمام زندہ ورثاء کو کہتے ہیں اخیر میں اسے خوب لمبائی میں لکھ کر اس کے نیچے تمام زندہ ورثاء کے نام اور ناموں کے نیچے ان کے حصے لکھے جاتے ہیں۔

چند ہدایات:

(۱) مناسخہ میں آئے ہوئے تمام افراد (وارث مورث) کے نام مع رشتہ لکھنا ضروری ہے (۲) ہر دوسری میت کے وارثوں کے نام اور رشتے لکھتے وقت اوپر کے ورثاء کو ایک نظر دیکھ لینا چاہئے اس لئے کہ ایک وارث کو کئی رشتوں کی وجہ سے متعدد جگہوں سے وراثت مل سکتی ہے۔ (۳) تصحیح ثانی اور مافی الید میں جو بھی نسبت ہو میت کی لمبی لکیر کے درمیان واضح کر دینی چاہئے۔ (۴) اگر میت کو متعدد جگہوں سے حصے ملے ہیں تو مافی الید لکھتے وقت متعدد حصوں کو اور 'الاحیاء' لکھتے وقت ہر وارث کے متعدد حصوں کو جوڑ لینا چاہئے۔

نوٹ: ان میں سے ہر بات کا لحاظ ضروری ہے ورنہ غلطی ہو سکتی ہے۔

اصولِ مناسخہ

پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح گذشتہ قواعد کی روشنی میں کر لی جائے اور میت اول کے ورثاء کو سہام دے دیئے جائیں پھر میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے اور میت ثانی کا حصہ جو میت اول سے ملا ہے اسے میت کی لمبی لکیر کی بائیں جانب مافی الید کا نشان بنا کر لکھ لیا جائے پھر میت ثانی کی تصحیح اور مافی الید میں نسبت دیکھی جائے۔

(۱) اگر تماثل کی نسبت ہو تو ایسی صورت میں مافی الید اس بطن کی تصحیح پر برابر تقسیم ہو جائے گا اور آگے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں بطن اول کی تصحیح ہی دونوں بطنوں کی تصحیح شمار ہوگی۔

تماثل کی مثال:

مسئلہ ۳

میتہ

ابن (جمال)	بنت (جمیلہ)
۲	۱

مسئلہ ۲

میت ——— جمال مف ۲

ابن (کمال) ۱ ابن (اکمل) ۱

المبلغ ۳

الاحیــــــاء

جمیلہ ۱ کمال ۱ اکمل ۱

وضاحت: تصحیح ثانی اور مافی الید میں تماثل کی نسبت ہے، اس لئے مزید کچھ نہیں کیا گیا جمیل کا ترکہ تین حصوں میں تقسیم ہوا اور ہر زندہ وارث کو ایک ایک ملا۔

(۲) اگر تصحیح اور مافی الید میں توافق کی نسبت ہو تو دونوں کا وفق نکال لو اور جس عدد سے وفق نکلے اس کو 'بینہما توافق' لکھ کر ظاہر کردو پھر تصحیح کے وفق کو بطن اول کی تصحیح میں ضرب دے دو حاصل ضرب دونوں بطن کی تصحیح ہو جائے گی پھر مافی الید کے وفق کو اس کے ورثاء کے سہام (جو ان کو اسی مسئلہ کی تصحیح سے ملے ہیں) میں ضرب دے دو حاصل ضرب ہر وارث کا حصہ ہوگا اور بطن اول میں ورثاء کو جو سہام اس بطن کی تصحیح سے ملے تھے ان کو تصحیح ثانی کے وفق میں (جس کو تصحیح اول میں ضرب دی گئی ہے اس کو عدد مضروب بھی کہا جاتا ہے) ضرب دے دو حاصل ضرب ان ورثاء کا حصہ ہوگا۔

توافق کی مثال:

توافق کی مثال

مسئلہ ۴ / ۱۲ / ۳۲ باقی ۳ مسئلہ رد ۴/۲

میت ——— فاطمہ

زوج (شکیل) ۱ / ۳ / ۸ بنت (عشرت) ۳ / ۹ ام (بتول) ۱ / ۳ / ۲

مسئلہ ۲/۲

توافق بالثلث عشرت مف ۳/۹

میت

اب (شکیل) سدس ۱ / ۳ ابن (سلمان) عصبہ ۴ / ۱۲ جدہ (بتول) سدس ۱ / ۳

المبلغ ۳۲

الاحیــــــــــــــــــــــــــــــــاء

شکیل	سلمان	بتول
۱۱	۱۲	۹

حسب بیان سائل مرحومہ فاطمہ کا کل ترکہ بعد ادائیگی حقوق متقدمہ علی المیراث وعدم موانع ارث ۳۲ سہام پر تقسیم ہوکر اس کے ورثاء مذکورہ بالا (جن کا شمار تین ہے) کو تفصیل مذکور مندرجہ بالا نقشہ کے مطابق اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العبد وسیم احمد خادم جامعہ ۲۱/۷/۲۸ھ

(۳) اگر بطن ثانی کی تصحیح اور اس کے مافی الید میں تباین کی نسبت ہو تو تصحیح کے کل عدد کو بطن اول کی تصحیح میں ضرب دے دو حاصل ضرب دونوں بطن کی تصحیح ہو جائے گی اس نسبت کو "بینهما تباین" لکھ کر ظاہر کر دو اور مافی الید کے کل کو اس کے ورثاء کے سہام میں ضرب دو تو حاصل ضرب ہر وارث کا حصہ ہوگا اور بطن اول کے ورثاء کے سہام کو اسی عدد مضروب (جو بطن ثانی کی تصحیح ہے) میں ضرب دے دو تو حاصل ضرب ہر وارث کے سہام ہوں گے پھر دونوں بطن کے ورثاء کے سہام جوڑ کر دیکھو اگر وہ مبلغ (جو دونوں تصحیح کا مجموعہ اور ٹوٹل ہے) کے برابر ہوں تو مسئلہ صحیح ہوگا ورنہ غلط ہوگا اس پر نظر ثانی کی جائے۔

تباین کی مثال

مسئلہ ع $\frac{12}{13}$ ت ۹۱

میت ـــــــــ مسیح الرحمٰن

زوجہ	اخت	علاتی بہن	اخیافی بہن
(مہ جبین)	(سیارہ)	(حمیدہ)	(محمدی)
ربع	نصف	سدس	سدس
$\frac{3}{21}$	۶	$\frac{2}{14}$	$\frac{2}{14}$

مسئلہ ع $\frac{7}{6}$

میت ـــــــــ تباین ـــــــــ سیارہ مف ۶

زوج (حنیف)	علاتی بہن (حمیدہ)	اخیافی (محمدی)
نصف	نصف	سدس
$\frac{3}{18}$	$\frac{3}{18}$	$\frac{1}{6}$

المبلغ ۹۱

الاحیـــــــــــــــــــــــــــاء

مہ جبیں	حمیدہ	محمدی	حنیف
۲۱	۳۲	۲۰	۱۸

حسب بیان سائل مرحوم مسیح الرحمٰن کا کل ترکہ بعد ادائگی حقوق متقدمہ علی المیر اث وعدم موانع ارث ۹۱ رسہام پر تقسیم ہوکر اس کے ورثاء مذکورہ بالا کو بتفصیل مذکور مندرجہ بالا نقشہ کے مطابق اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

العبد، وسیم احمد ۲۱/۷/۲۸ھ

فائدہ: مذکورہ اصول صرف دو بطنوں کے مناسخہ کے لئے ہیں اگر تین بطنوں کا مناسخہ ہو تو تیسرے بطن کو میت ثانی کے قائم مقام بنایا جائے گا اور پہلے دونوں بطنوں کو میت اول کے درجہ میں رکھ کر مذکورہ بالا قاعدہ جاری کیا جائے گا اور اگر چار بطنوں کا مناسخہ ہو تو پہلے تینوں بطنوں کو میت اول اور چوتھے بطن کو میت ثانی اور پانچ بطنوں کا مناسخہ ہو تو پہلے چاروں بطنوں کو میت اول اور پانچویں بطن کو میت ثانی مان کر قواعد جاری کریں گے، وھکذا، اگر کئی بطنوں کا مناسخہ ہو تو پہلے تمام بطنوں کی تصحیح کر لینی چاہئے اس سے مناسخہ بنانے میں سہولت ہوتی ہے۔

ذیل کی مثال بیک وقت تماثل، توافق اور تباین تینوں نسبتوں کی ہے۔

مسئلہ ۱۲۸ / ۳۲ / ۱۶ / ۴

بطن اول — میت: فاطمہ — مسئلہ رد ۴/۶ — باقی ۳

زوج (شکیل)	بنت (اسرانہ)	ام (رشیدن)
ربع	نصف	سدس
۱	۳	۱
۴	۹	۳
		۶

مسئلہ ۴

بطن ثانی — میت: شکیل مف ۴ — (تماثل)

زوجہ (شکیلہ)	اب (اللہ دیا)	ام (بتول)
ربع	عصبہ	ثلث باقی
۱	۲	۱
۲	۴	۲
۸	۱۲	۸

مسئلہ $\frac{۲}{۶}$

بطن ثالث

بینہما توفق بالثلث — اسرائہ مف $\frac{۳}{۹}$

میت

جدہ (نانی رشیدن)	ابن (عبدالوحید)	ابن عبدالکریم	بنت (عائشہ)
	عصبہ		
سدس $\frac{۱}{۳}$	$\frac{۲}{۶}$ ۲۴	$\frac{۲}{۶}$ ۲۴	$\frac{۱}{۳}$ ۱۲

مسئلہ تـ $\frac{۴}{۲}$

بطن رابع

(تباین) — رشیدن مف ۹

میت

زوج (عبدالواجد)	اخ (اصغر)	$\frac{۱}{۲}$	اخ (اکبر)
نصف	عصبہ		
$\frac{۱}{۲}$ ۱۸	$\frac{۱}{۹}$		$\frac{۱}{۹}$

المبلغ ۱۲۸

الاحیاء

شکیلہ	اللہ دیا	بتول	عبدالوحید	عبدالکریم	عائشہ	عبدالواجد	اصغر	اکبر
۸	۱۶	۸	۲۴	۲۴	۱۲	۱۸	۹	۹

حسب بیان سائل فاطمہ مرحومہ کا کل ترکہ بعد ادائیگی حقوق متقدمہ علی المیراث وعدم موانع ارث '۱۲۸' سہام پر تقسیم ہوکر اس کے ورثاء مذکورہ بالا (جن کا شمار نو ہے) کو بتفصیل مذکور مندرجہ بالا نقشہ کے مطابق ہر وارث کو اتنا ملے گا جو اس کے نیچے درج ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

العبد وسیم احمد خادم جامعہ ۲۲/۷/۲۸ھ

(۱۶/۳۰۸۳) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّاٰخِرًا وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ الْمَسْئُوْلُ اَنْ یَّنْفَع بہ عَلٰی قَدْرِ الْاِخْلَاصِ فِیْہِ اِنَّہٗ اَکرم مَسْئُوْل وصلَّی اللّٰہ عَلٰی خَاتم الْاَنْبِیَاءِ وصفوۃ المرسلین، سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ الطاھرات صلاۃً وسلاما دائمین ماتعاقبت الاوقات وتواصلت البرکات آمین یا رب العالمین.

آج مورخہ ۲۲؍رجب المرجب ۱۴۲۸ھ مطابق ۶؍اگست ۲۰۰۷ء بروز دوشنبہ شب سہ شنبہ ۹ بج کر پندرہ منٹ پر، رب ذوالجلال خالق السموات والارض کے بے پایاں احسان عظیم اور حضرات اساتذہ کرام ومخلص احباب کی دعاؤں کی بدولت سے یہ شرح اپنے اختتام کو پہنچی پروردگار عالم کی بارگاہ میں بصمیم قلب دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما کر ت دارین کا ذریعہ بنائے۔

۱۷/۳۰۸) رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ.

خاص تیرے ہی لئے ہے اے خدا　　حمد وشکر وفضل واحسان عطاء

العبد وسیم احمد غفرلہ ولوالدیہ
خادم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ
۲۲/۷/۲۸ھ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆☆
☆☆☆☆☆
☆☆☆
☆☆
☆